جہانِ مفتیِ اعظم

شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم علامہ

شاہ محمد مصطفیٰ رضا نوری

[illegible]

[illegible]

مرتبین

- علامہ محمد احمد مصباحی اعظمی
- علامہ عبد المبین نعمانی مصباحی
- مولانا مقبول احمد سالک مصباحی

تصحیح و تخریج

مولانا مقبول احمد سالک مصباحی

شبیر برادرز

اردو بازار لاہور

شہزادہ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی حیات طیبہ کے مہکتے گوشوں کا بیش بہا خزانہ

جہان مفتی اعظم

مرتبین

- علامہ محمد احمد مصباحی اعظمی
- علامہ عبد المبین نعمانی مصباحی
- مولانا مقبول احمد سالک مصباحی

حسب فرمائش

- حضرت الحاج محمد سعید نوری
- حضرت الحاج محمد عیسیٰ بابا نوری
- جناب الحاج سراج الدین خان
- جناب حاجی عبد الغفار رضوی بابو بھائی

تصحیح و تخریج

- مولانا مقبول احمد سالک مصباحی

شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر نزد مسلم ماڈل ہائی سکول ۴۰ اردو بازار لاہور
فون: 042-7246006

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

نام کتاب — جہان مفتی اعظم

مرتبین — علامہ محمد احمد مصباحی اعظمی۔ علامہ عبدالمبین نعمانی مصباحی
مولانا مقبول احمد سالک مصباحی

حسب فرمائش — حضرت الحاج محمد سعید نوری۔ حضرت الحاج محمد عیسیٰ بابا نوری
جناب الحاج سراج الدین خان۔ جناب حاجی عبدالغفار رضوی (بابو بھائی)

محرک — محمد منشا تابش قصوری:۔ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور (پاکستان)

ناشر — ملک شبیر حسین

تصحیح وتخریج — مولانا مقبول احمد سالک مصباحی

طابع — اشتیاق اے مشتاق پرنٹر لاہور

تعداد صفحات — ۱۱۷۶

تعداد اشاعت — ۵۰۰

سنہ اشاعت — ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء

قیمت — 600/-

شبیر برادرز

فون 042-7246006

برتر قیاس سے ہے مقامِ ابوالحسین سدرہ سے پوچھو رفعتِ بامِ ابوالحسین
ساقی سنا دے شیشۂ بغداد کی ٹپک مہکی ہے بوئے گل سے مدامِ ابوالحسین

(امام احمد رضا)

شرفِ انتساب

فکر و قلم کے یہ تابندہ نقوش

جگر گوشۂ اعلیٰ حضرت سیدی **حضور مفتی اعظم** کے مرشد اعظم

سرکارِ نور، سید المشائخ حضرت **سید شاہ ابوالحسین احمد نوری** مارہروی

(متوفی ۱۱؍رجب المرجب ۱۳۲۴ھ / ۳۱؍اگست ۱۹۰۶ء)

یعنی چشم و چراغ ظہور الاولیاء حضرت **سید شاہ ظہور حسن** مارہروی (متوفی ۱۲۲۶ھ)

اور خلیفہ و مجاز حضرت علامہ **سید شاہ آلِ رسول** مارہروی (متوفی ۱۲۹۶ھ) بن

حضرت **سید شاہ آل برکات** مارہروی (متوفی ۱۲۹۶ھ) قدست اسرارہم

کے نام

جن کی نگاہِ کیمیا اثر نے

سرکارِ نوری کو برکاتی انوار و تجلیات کا آئینہ خانہ بنا دیا۔

علامہ محمد احمد مصباحی اعظمی ☆ علامہ عبد المبین نعمانی مصباحی

مولانا مقبول احمد سالک مصباحی

تقریبی فہرست

اس فہرست کے ذریعہ قارئین یاارباب تحقیق فوری طور پر اپنے متعلقہ باب یا موضوع کی طرف بہ سہولت رجوع کر سکتے ہیں۔

شذرات ومشمولات

''جہانِ مفتی اعظم''

فہرست رفقائے قلم بہ اعتبار حروف تہجی

[الف]

[ب]

۷۷	مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی، کراچی، پاکستان	اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں	۲۹۶

[م]

۷۸	مولانا مبارک حسین مصباحی، رام پوری، مبارک پور	مفتی اعظم اور الجامعۃ الاشرفیہ	۸۲۶
۷۹	مولانا مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی، ادری، مئو	مفتی اعظم یادوں کے جھروکوں سے	۹۵۷
۸۰	مفتی محبوب رضا روشن القادری، پھول گلی ممبئی	حضور مفتی اعظم میری یادوں کی روشنی میں	۹۶۰
۸۱	مفتی محبوب رضا روشن القادری، پھول گلی ممبئی	بھلا کہنا کیا بوے گلستان طریقت کا (منظوم)	۱۱۴۵
۸۲	صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی اعظمی، مبارک پور	مفتی اعظم کے ایک فتوے کا تقابلی مطالعہ	۴۳۰
۸۳	مولانا محمد اختر رضا مصباحی، مہراج گنجوی، مبارک پور	حضور مفتی اعظم کا آخری سفر گورکھ پور	۹۲۳
۸۴	مولانا محمد اختر حسین قادری، جمد اشاہی بستی	مفتی اعظم اکابر علماو مشائخ کی نظر میں	۹۹۸
۸۵	مولانا مفتی محمد اختصاص الدین اجملی نوری، سنبھل	عالم باعمل سرکار مفتی اعظم	۲۹۲
۸۶	ڈاکٹر محمد اسد نوری (علیگ) پیلی بھیت	نوری نوری یادیں ان کی	۹۰۷
۸۷	ڈاکٹر محمد اسد نوری (علیگ) پیلی بھیت	حضور مفتی اعظم کا ذکر رسائل واخبارات میں	۹۲۹
۸۸	مولانا مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی، جودھ پور	مفتی اعظم مئے چشمۂ ولایت وہدایت	۳۹۵
۸۹	ڈاکٹر محمد اعجاز انجم لطیفی، منظر اسلام، بریلی شریف	حضور مفتی اعظم کا روحانی تصرف	۴۳
۹۰	مولانا محمد اعجاز رضوی، دارالعلوم فیضان رضا، بریلی	شہر بریلی کے ممتاز علماے کرام (خانوادۂ رضویہ)	۱۰۵۹
۹۱	مولانا مفتی محمد اعظم رضوی، مظہر اسلام، بریلی شریف	مفتی اعظم کا تبحر علمی	۱۰۵۱
۹۲	مفتی محمد اشرف رضا قادری، دارالعلوم حنفیہ، ممبئی	فن تعویذ نویسی مفتی اعظم کا روحانی عطیہ	۴۰۴
۹۳	مفتی محمد اشرف رضا قادری، دارالعلوم حنفیہ، ممبئی	مفتی اعظم کے علم شرعی سے منزہ اشعار	۷۹۲
۹۴	مولانا محمد الیاس عطار قادری، امیر دعوت اسلامی	مفتی اعظم سے ہم کو پیار ہے	۲۵۵
۹۵	مولانا محمد الیاس عطار قادری، امیر دعوت اسلامی	مفتی اعظم سے ہم کو پیار ہے (منظوم)	۱۱۴۸
۹۶	مولانا محمد افروز قادری، چریاکوٹ، مئو	مفتی اعظم اور فن تجوید	۳۸۷

فہرست مقالات بہ اعتبار ابواب

[پہلا باب]

سوانحی خاکہ

[دوسرا باب]

بیعت و ارشاد، اجازت و خلافت

[تیسرا باب]

سیرت و کردار، مثالی شخصیت

[چوتھا باب]

تبحر علمی، فضل وکمال

[پانچواں باب]

روحانیات، تصرفات، کرامات

[چھٹا باب]

فقہی بصیرت، فتویٰ نویسی

[ساتواں باب]

فن حدیث میں رسوخ وتبحر

[آٹھواں باب]

ذوق شعر وسخن، عشق رسول

[نواں باب]

الملفوظ کی ترتیب وتدوین

[دسواں باب]

تصنیفی وتالیفی خدمات

[گیارہواں باب]

دینی واصلاحی خدمات

[بارھواں باب]

تنظیمی و تحریکی خدمات

[تیرھواں باب]

اسفار و مشاہدات کی روشنی میں

[چودہواں باب]

مفتی اعظم رسائل واخبارات کی روشنی میں

[پندرہواں باب]

مفتی اعظم اور علماے حجاز

[سولہواں باب]

مفتی اعظم ارباب علم ودانش کی نظر میں

[سترہواں باب]

خلفا و تلامذہ، مریدین و مستفیدین

[اٹھارہواں باب]

اقران ومعاصرین کی نظر میں

[انیسواں باب]

شہر بریلی کے علما ودانش وران

[بیسواں باب]

حج وزیارت حرمین شریفین

[اکیسواں باب]

مکتوبات مفتی اعظم

[بائیسواں باب]

مفتی اعظم کا آخری سفر

[تیئیسواں باب]

مناقب مفتی اعظم

[چوبیسواں باب]

مفتی اعظم کی کہانی تصویروں کی زبانی

اپنی بات

اسیر مفتی اعظم حضرت الحاج محمد سعید نوری دام ظلہ
بانی وصدر رضا اکیڈمی، ممبئی

برادرانِ اہلِ سنّت! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

فقیر محمد سعید نوری اس سعادت عظیم پر جس قدر بھی فخر و مباہات کرے کم ہے کہ اس کو روز گار فقیر، مردِ حق آگاہ، عارف باللہ حضور مفتی اعظم سیدی شاہ محمد مصطفیٰ رضا نوری بریلوی ابن امام اہل سنت مجدد اسلام اعلیٰ حضرت سیدی امام احمد رضا قادری برکاتی حنفی کا دامنِ کرم ہاتھوں میں میسر آگیا اور انھیں کے صدقے و وسیلے سے شہبازِ لامکانی، غوثِ صمدانی، محبوبِ سبحانی، شہنشاہِ بغداد سیدی سرکار شیخ عبدالقادر جیلانی البغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تعلق وانتساب بھی مل گیا۔ آج جو کچھ بھی مجھ ناتواں کے پاس ہے یا جو کچھ کام دین وسنیت اور قوم وملت کا ہو رہا ہے سب انھیں کا فیضان و عرفان ہے۔ میرا وجود نا جود بھی انھیں کی دعاے مستجاب کا صدقہ اور اُتارا ہے۔ میرے والدین کریمین نے اپنی دعاے صبح گاہی میں مجھ کو ان کے درِ اقدس سے مانگ لیا تھا۔ میری سعادت واقبال مندی اُس وقت بامِ عروج پر پہنچ گئی تھی جب سرکار نوری نے خود اپنے لب ہاے کرم سے میرا نام محمد سعید تجویز فرمایا۔ میں ایک ذرہ تھا مجھ کو عروج وتوانائی عطا فرما دیا۔ میرے نزدیک یہ بات ہر شک وشبہہ سے بالاتر ہے کہ رضا اکیڈمی کے بینر تلے مسلکِ سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت ومشرب غوثِ اعظم اور تحریکِ فکرِ رضا کے تعلق سے جو کچھ بھی تنظیمی، تبلیغی اور قلمی وصحافتی کام ہو رہا ہے وہ سب ان کی نظرِ کرم کا رہینِ منّت ہے۔

سرکار مفتی اعظم کی ذات بابرکات اپنے زمانے میں ستاروں کے بالمقابل آفتاب و ماہتاب کی تھی۔ جس پر ان کی نظرِ عنایت پڑ گئی، ذرہ تھا تو وہ بھی آفتاب کی طرح جگمگانے لگا۔ لاکھوں افراد نے اُن سے فیض و عرفان حاصل کیا ہے۔ آپ کا وصال پُر ملال عالم سنیت کے لیے ایک صدمۂ جانکاہ سے کم نہ تھا۔ آپ کے زمانہ میں اور آپ کے بعد آپ کے چاہنے والوں نے زبان وقلم کے ذریعہ اپنی محبتوں کے بے شمار نقوش پیش کیے ہیں اگر اُن سب کو یکجا کیا جائے تو پوری لائبریری تیار ہو سکتی ہے۔ اگر حالات ساز گار رہے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس مرحلۂ شوق کو بھی ہم عن قریب طے کرنے کی کوشش کریں گے۔

سردست سیکڑوں اربابِ فکر و دانش اور اصحابِ عرفان وطریقت کی محبتوں اور چاہتوں کا ایک حسین گلدستہ ’’جہانِ مفتی اعظم‘‘ کی شکل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اس گلدستہ کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اہلِ سنت و جماعت کی علمی اور معتبر شخصیتوں نے اس کی ترتیب وتدوین میں حصہ لیا ہے۔ مرتبین کے علاوہ بھی متعدد احباب کے مشورے شامل رہے ہیں۔ ہم اپنے مشن

میں کہاں تک کامیاب ہیں؟ یہ فیصلہ قارئین کو کرنا ہے۔ میں اُن تمام اربابِ قلم کا شکرگزار ہوں جنھوں نے اپنے دماغ وفکر کی خوبصورت کاوشوں کو جہانِ مفتی اعظم کے حوالے کیا ہے۔ احبابِ اہلِ سنت اُن سب کے لیے بالخصوص مجھ فقیر اور رضا اکیڈمی کے جملہ معاونین و مخلصین کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ میں دعا گو ہوں کہ ربِ قدیر جل شانہٗ سیدی سرکار مفتی اعظم کے صدقہ اور وسیلہ سے اہلِ سنت و جماعت کو ہر مشن اور مرحلہ میں سرخرو اور شادکام فرمائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

امیر مفتی اعظم محمد سعید نوری
رضا اکیڈمی ممبئی

رائے گرامی

بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب مصباحی اعظمی

شیخ الحدیث، دارالعلوم شمس العلوم، گھوسی، ضلع مئو

اپنے اسلاف کی تاریخ کو زندہ رکھنا زندہ قوموں کا شعار ہے لیکن چودویں صدی ہجری کے مجدد اعلیٰ حضرت امام اہل سنت حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ کے وصال کے بعد مذہب حق اہل سنت و جماعت کے پیرو کار تقریباً نصف صدی تک خواب غفلت میں مست پڑے سوتے رہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اعلیٰ حضرت کے تجدیدی کارناموں کے نتیجے میں حق اور باطل کے درمیان جو امتیازی نشانات نمایاں ہو گئے تھے انہیں کی حمایت وحفاظت کے لیے اہل سنت و جماعت کی پوری قوم لسانی جہاد میں مصروف رہی۔

مگر پندرہویں صدی کے آتے آتے دنیا میں نشر و اشاعت اور ذریعہ ابلاغ و رسائل میں ایسا طوفانی انقلاب آیا جس کی فلک پیما موجوں نے پوری دنیا کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور ساری دھرتی کو ایک بڑے گھرانے میں تبدیل کر دیا کہ دنیا کے کسی گوشہ میں کوئی واقعہ درپیش آئے۔ دور دراز کے باشندے اسی وقت اس سے ایسا آگاہ ہو جاتے ہیں جیسے ایک گھر کے دو کمروں کا معاملہ ہو۔ بہ الفاظ دیگر میڈیا کا جال سارے عالم میں پھیل گیا، تحقیق واکتشافات کی نئی راہیں کھلیں، علوم وفنون کی نئے سرے سے تدوین وترغیب ہونے لگی۔ اسی اتھل پتھل میں طبقۂ اہل سنت بھی بیدار ہو گیا اور پوری تن دہی سے امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علمی خزانوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں ان پر تھیس لکھی گئیں۔ ڈاکٹریٹ کے مقالے لکھے گئے اور ان پر ڈگریاں حاصل کی گئیں، بے شمار اداروں میں ان پر سیمینار قائم ہوئے اور نجی طور پر بھی علمائے اہل سنت بلکہ دوسرے طبقہ کے علماء نے ان کے ذکر و فکر، اعتقادات ونظریات کے تعارف اور توضیح میں گراں قدر کتابیں لکھیں اور پوری دنیا میں سال بہ سال ان کے نام پر عرس وایصال ثواب کی تقریبات منائی جارہی ہیں اور اب تو یہ حال ہے کہ خشکی اور تری میں ہی نہیں فضاؤں میں بھی نذر رضا کی محفلیں قائم ہوتی ہیں۔

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں　　　کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وامنقار ہے

اس سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ حضرت پروفیسر مسعود احمد صاحب زید مجدہم کی سرپرستی میں چلنے والے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی اور رضا اکادمی بمبئی کے کارنامے غیر معمولی ہیں۔ اول الذکر نے عالمی پیمانہ پر امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارناموں کا تعارف کرایا اور رضا اکادمی بمبئی نے اپنے رہنما سعید احمد صاحب نوری کی قیادت میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیقات علیہ کے خزانۂ عامرہ کو کنج خمول سے نکال کر مقبول خواطر اور مقبول انام بنایا اور ہر دم اس کی نشر و اشاعت کے لئے نئی نئی ترکیبیں سوچتے رہتے ہیں۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء

حضرت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شہزادۂ اصغر حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ ہی کے تجدیدی کارناموں کی تکمیل اور تذئیل تھے۔ احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے ناقابل تسخیر جرأت و ہمت کے مالک، متقی و پرہیزگار، عابد شب زندہ دار اور عالم نامدار تھے۔ انکی ہر ادا سنت رسول ﷺ کی آئینہ دار اور وہ خود اللہ تعالیٰ کی آیت اور بندگان خدا پر رحمت پروردگار کا سایہ تھے۔ ان کا تذکرہ نزول رحمت الٰہی کا سبب اور ان کا عمل رشد و ہدایت کی مشعل۔

مجھے یہ سن کر بڑی مسرت ہوئی کہ رضا اکادمی کے مہتمم حضور مفتی اعظم کے ذکر جمیل کا ایک مجموعہ ''جہان مفتی اعظم'' شائع کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے مقبول انام بنائے اور اس سے اہل اسلام کو فائدہ پہنچائے۔ آمین یارب العالمین۔

(فقط عبدالمنان اعظمی شمس العلوم، گھوسی ضلع مئو　۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعترافِ عظمت

محمد منشا تابش قصوری

''جہانِ مفتی اعظم ہند'' کی زیارت سے بہرہ مند ہونے کی سعادت حاصل ہوئی، حضرت مولانا علامہ حافظ محمد انوار احمد امجدی زید مجدہ، شہزادۂ مفتی ملت علامہ الحجاج الحافظ المفتی جلال الدین احمد امجدی (علیہ الرحمۃ) نے یہ نہایت عمدہ، خوبصورت، روح پرور تحفہ ارسال فرمایا۔ جو میرے لئے تاریخی یادگار ہے۔ اس نورانی کتاب مستطاب کی زیارت کرتے ہی خیال آیا کہ اہل عمل وقلم مرتبین نیز لائق صد تحسین وتبریک ناشر عاشق صادق، الحاج محمد سعید نوری مدظلہٗ بانی وناظم رضا اکیڈمی ممبئی، حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی صاحب، علامہ محمد عبدالمبین نعمانی صاحب، علامہ مولانا مقبول احمد مصباحی، دامت برکاتہم کی عظمت ورفعت کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی خدمت میں ''جہان مفتی اعظم'' کو پاکستان میں شائع کر کے سلام عقیدت ومحبت پیش کیا جائے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں جب میں نے محترم جناب ملک شبیر حسین صاحب بانی ادارہ شبیر برادرز لاہور پاکستان سے بات ہوئی تو موصوف نے خندہ پیشانی سے اشاعت کی حامی بھری۔ اور اب عملی صورت میں اشاعت وطباعت سے آراستہ یہ قابلِ قدر، لائق مطالعہ تاریخی دستاویز، اور شاہکار نمبر آپ کے سامنے ہے۔ پڑھیے اور مرتبین وناشرین کے لیے خصوصی دعا فرمائیں تاکہ کتب کی اشاعت وطباعت کو مزید استحکام حاصل ہو۔

فقط

محمد منشا تابش قصوری
جامعہ نظامیہ رضویہ
لاہور پاکستان

۱۶ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
یکم اگست ۲۰۰۷ء
چہار شنبہ

اظہارِ حقیقت

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

رضا اکیڈمی ممبئی بڑے اہتمام سے تاجدارِ اہل سنت حضور مفتی اعظم بریلوی علیہ الرحمہ کی بلند پایہ شخصیت پر ایک ضخیم مجموعۂ مضامین شائع کر رہی ہے۔ اس مسرت انگیز خبر سے ہمیں بے پناہ خوشی ہوئی۔ مولیٰ تعالیٰ رضا اکیڈمی کے اس عظیم اور تاریخی کارنامے کو امت مسلمہ کے لیے مفید اور کارآمد بنائے اور حضور مفتی اعظم کی تقویٰ شعار شخصیت کو نئی نسل کے لیے رہنمائے حیات بنائے۔ آمین۔

حضور مفتی اعظم اور والد بزرگوار حضور حافظ ملت علیہما الرحمۃ والرضوان کے درمیان ایک مثالی ارتباط تھا، دونوں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت فرماتے تھے، جب حضور حافظ ملت نے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا منصوبہ بنایا تو سنگ بنیاد کی مبارک رسم کی ادائگی کے لیے حضور مفتی اعظم کو بہ طور خاص مدعو فرمایا۔ جامعہ اشرفیہ کی مرکزی عمارت کے جشن افتتاح کے موقع پر بھی حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے حضور مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ کو دعوت دی۔ ۱۶ر اکتوبر ۱۹۷۲ء کو بعد نماز مغرب نئی عمارت میں ایک تقریب منعقد ہوئی۔ یہ ۱۹ر-۲۰ر شوال المکرم کی درمیانی شب تھی، جس میں دورۂ حدیث کے طلبہ کو بخاری شریف کا پہلا سبق آپ نے پڑھایا۔ راقم سطور بھی اسی درجہ فضیلت کی جماعت میں شریک تھا، یہ مقدس لمحات میری زندگی کے بھی زریں لمحات ہیں جنھیں میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم نے حضور حافظ ملت کے عرس چہلم کے موقع پر مجھے اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ حضور مفتی اعظم کے ان فیوض و برکات نے میری زندگی میں حیرت انگیز انقلاب برپا کیا۔ حضور مفتی اعظم نے متعدد مواقع پر الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر و ترقی کے لیے جو دعائیں فرمائیں اور تحریری اپیلیں جاری کیں ان کے اثرات آج بھی ہم چمن اشرفیہ میں سر کی آنکھوں سے محسوس کر رہے ہیں۔

عزیز القدر مولانا مقبول احمد مصباحی جامعہ اشرفیہ کے ایک وفا پیشہ فرزند کی حیثیت سے "جہان مفتی اعظم" کی ترتیب و تہذیب میں لگے ہیں اور اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لیے قریب تین ماہ سے وہ مبارک پور میں مقیم ہیں، انھوں نے اس مرقع جمیل کو وقیع سے وقیع تر بنانے میں بڑی محنت و جاں فشانی کی، اپنے بزرگوں کی یادوں کو محفوظ رکھنا اور ان کے نقوش حیات کو نئی نسلوں کے لیے مشعل راہ بنانا بڑی نیک بختی ہے۔ جامعہ اشرفیہ اور اس کے اساتذہ نے ان کا ہر ممکن تعاون کیا۔ مولیٰ تعالیٰ ان کے اقبال میں بلندی عطا فرمائے، انھیں آلام روزگار سے محفوظ و مامون فرمائے اور اس صحیفۂ فکر و قلم کو مقبول انام فرمائے۔ انشاء اللہ رضا اکیڈمی کا یہ تاریخی کارنامہ جہانِ رضا میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

از- عبدالحفیظ عفی عنہ

۱۷ر جون ۲۰۰۶ء

ہدیۂ تبریک

فقیہ عصر، حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

زیب مسند افتا، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

تاجدار اہل سنت، آبروے فقاہت، آقاے نعمت، شاہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور سیدی شاہ مولانا مفتی محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات وخدمات اور ان کے فضل وکمال کے تعلق سے کچھ لکھنا اہل علم وفکر کے لیے کسی آزمائش سے کم نہیں کیوں کہ ان کی ہشت پہلو اور تہ دار شخصیت اس بحر ذخار کی طرح سے ہے جس کی غواصی آسان نہیں۔ اس لیے بار بار دعوت نامہ اور پھر تقاضے کے خطوط ملنے کے باوجود اس کار عظیم کے لیے اپنی ہمت جمع نہیں کر پا رہا تھا اس پر مستزاد دار الافتا مجلس شرعی اور درس وتدریس کی گوناگوں ذمہ داریاں اور ان سب سے الگ تسلسل کے ساتھ طبیعت کی ناسازی مگر یہ عزیز سعید مولوی مقبول احمد مصباحی سلمہ ربہ (سابق استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور) کا اصرار وتکرار ہی تھا جس نے مجھے بھی اس سعادت سے بہرہ ور ہونے کا موقع فراہم کر دیا۔ چنان چہ مقالات کی تصحیح ونظر ثانی کے سلسلے میں الجامعۃ الاشرفیہ میں اپنے قیام طویل کے دوران مجھے برابر اکساتے رہے تا آں کہ وقفہ وقفہ سے کئی نشستوں میں نمبر میں شامل میرا مضمون معرض وجود میں آ گیا۔

مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ چند سطور کے ذریعہ میں بھی خاک روبان بارگاہ مفتی اعظم میں شامل ہو گیا ہوں۔ "جہان مفتی اعظم" ان شاء اللہ تعالیٰ علم وادب اور بحث وتحقیق کی دنیا میں ایک گراں قدر تاریخی اضافہ ہوگا۔ فہرست مضامین دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تابندہ اور پاکیزہ زندگی کے بہت سے گم شدہ گوشے اہل علم کی نگاہوں کو سرمہ بنیں گے۔

میری دعا ہے کہ مولاے قدیر جل شانہ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس کو قبول عام عطا فرمائے۔ رضا اکیڈمی اور اس کے اراکین ومعاونین خصوصاً الحاج محترم محمد سعید نوری اور مولوی مقبول احمد مصباحی سلمہ کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال کرے۔ جن کی خصوصی مساعی سے یہ نعمت غیر مترقبہ ہم اہل سنن کو میسر آ رہی ہے۔ آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ الکریم علیہ وعلی آلہ واصحابہ افضل التحیۃ والتسلیم۔

محمد نظام الدین

۱۰ ربیع النور ۱۴۲۷ھ/ ۹ اپریل ۲۰۰۶ء

نذرِ عقیدت

مبلغ اہل سنت، حضرت علامہ محمد عبدالمبین نعمانی

مہتمم دارالعلوم قادریہ، چریا کوٹ ونگراں تربیت وتصنیف، المجمع الاسلامی، مبارک پور

فدائے مفتی اعظم عالی جناب الحاج محمد سعید نوری بانی رضا اکیڈمی ممبئی جو جماعت اہل سنت کی نمایاں اور نمائندہ شخصیت کے مالک ہیں، عرصہ پچیس سال سے مسلسل مسلک اہل سنت کی ملی خدمات میں مصروف ہیں۔ آپ امام عشق ومحبت، مجدد دین وملت، سرکار اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کے سچے عاشق ہیں اور شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری علیہ الرحمۃ والرضوان کے فداکار مرید صادق بھی، ان دونوں عظیم وجلیل شخصیات نے اپنے اپنے عہد میں دین پاک مصطفیٰ کی جیسی کچھ خدمات انجام دی ہیں، باطل افکار ونظریات کی پوری بے باکی سے جو سرکوبی کی ہے وہ اظہر من الشمس ہے، نوری صاحب آغازِ شعور ہی میں مفتی اعظم کے واقف مرید اور گرویدہ ہو گئے تھے۔ اس طرح سرکار مفتی اعظم قدس سرہ کی محبت نوری صاحب کی گھٹی میں پلا دی گئی ہے، جس کے اثرات وقتاً فوقتاً رونما ہوتے رہتے ہیں، جب ۱۴۱۲ھ/ جنوری ۱۹۹۲ء میں سعید نوری صاحب نے رضا اکیڈمی کی جانب سے جشن صد سالہ "یوم ولادت مفتی اعظم" منایا جس میں عالمی اجلاس کے ساتھ ہی ساتھ ایک سیمینار بھی منعقد ہوا، ہر دو میں ملک و بیرون ملک سے علما و دانشوران اور مشائخ ملت نے شرکت کی، اس کے بعد ہی "انوار مفتی اعظم" کے نام سے ایک مجموعہ مقالات بھی شائع ہوا جس کے مرتب علامہ محمد احمد مصباحی تھے جب کہ ایک اور مجموعۂ مقالات بہ نام تجلیات مفتی اعظم بھی اکیڈمی کی طرف سے شائع ہوا جس کے مرتب مولانا قمرالحسن قمر بستوی ایم اے (امریکہ) ہیں۔ اب اس کے بعد سرکار مفتی اعظم پر کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ چلا۔ متعدد مضامین کتابچوں کی شکل میں بھی شائع ہوئے، پھر خود حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصنیف کردہ کتابوں اور فتاوے کی اشاعت کا بھی اہتمام ہوا ہے جس کے نتیجے میں ۲۸ رسائل مفتی اعظم شائع ہو گئے اور مجموعہ فتاویٰ بہ نام فتاویٰ مصطفویہ، جن کی تین قسطیں علاحدہ علاحدہ شائع ہوئی تھیں سب یکجا مقدمہ اور سوانح حیات کے ساتھ ایک خوب صورت جلد میں نئی ترتیب کے ساتھ شائع ہو گیا ہے۔ اس مجموعے کی ترتیب کا کام فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا، پھر ابھی ایک سال قبل تاجدار اہل سنت کے نام سے متوسط سائز پر مفتی اعظم کے تعلق سے لکھے ہوئے مقالات کا مجموعہ شائع کیا ہے۔ امسال یادگار رضا سالانہ، بمبئی اور اب ایک ضخیم مفتی اعظم نمبر بنام "جہانِ مفتی اعظم" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس قدر عظیم وجلیل نمبر کی اشاعت پر جناب الحاج محمد سعید بھائی نوری اور دیگر ارکان رضا اکیڈمی کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اور ان کے عزائم کو داد دیتا ہوں کہ اتنا عظیم اور تحقیقی نمبر شائع کر کے انھوں نے سرکار مفتی اعظم کی بارگاہ میں عقیدتوں کا بہترین خراج پیش کیا ہے۔ میں اپیل کروں گا کہ رضا اکیڈمی کے ذمہ دار حضرات اس قابل قدر تاریخی دستاویز کو ملک و بیرون ملک کی معروف دانش گاہوں میں یونیورسٹیوں اور بڑی لائبریری میں بھیجنا نہ بھولیں گے تاکہ عام دانشور طبقہ بھی حضور مفتی اعظم کی ادبی، علمی، دینی اور فقہی خدمات سے روشناس ہو سکے۔ وما توفیقی الا باللہ۔ والسلام

عرق انفعال

نیّر فلکِ صحافت حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رام پوری

مدیر اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

مبارکبادیوں کے گلدستے میں تحیۃ وسلام قبول ہو۔

آفریں صد آفریں آپ نے "جہانِ مفتی اعظم" مرتب فرما کر جہانِ رضا میں ایک اور عشق وعرفان کا تاج محل کھڑا کر دیا۔ تاجدار اہل سنت کی شخصیت وفکر اور عشق وعرفان کی یہ کہانی محبت کی نشانی تاج محل سے زیادہ دل آویز بھی ہے اور مستحکم وديرپا بھی، یہ کاغذ کے پھول نہیں جو خوشبوؤں کے پیرہن سے عاری ہوتے ہیں اور نہ کچی مٹی پر اگنے والا لالہ زار ہے جس کے گلوں کے نازک چہرے خزاؤں کی تپش کا پہلا بوسہ ہی برداشت نہ کر سکیں بل کہ یہ ایک خدا رسیدہ بزرگ کے تذکار کا سدا بہار گلشن ہے جو خزاؤں کا رخ پھیر دے گا اور کبھی نہ بجھنے والا عشق وفقر کا ایسا چراغ ہے جو تہ بہ تہ تاریکیوں میں شگاف ڈال کر نور بھر دے گا۔ اور جہاں بھی جائے گا افق در افق اجالوں کا جہان ساتھ لے کر جائے گا۔

جہاں بھی جائے گا روشنی لٹائے گا کسی چراغ کا اپنا مکاں نہیں ہوتا

اقلیم رضا کے اس تاجدار پر پہلے بھی لکھا گیا۔ درجنوں مقالات ومضامین شائع ہوئے مگر آپ نے فکر وقلم کی ساحری سے نئے پرانے شذرات کا ایک مکمل دبستان بنا دیا، فنکاری سے پتھر بھی تراشے جائیں تو شاہوں کے تاج کی زینت اور گل بدنوں کے مرمریں گلوں کے ہار بن جاتے ہیں۔ آپ نے تو ایک عارف باللہ کی پاکباز زندگی کے نقوش تراشے ہیں۔ عشق وعرفان کے سوز وگداز کو قلم کی زبان عطا کی ہے۔ جدید جاہلیت کے عہد تاریک میں اجالوں کا شہر بسایا ہے۔ ہزاروں دماغوں کو کھنگال کر رنگ ہزاروں خوشبو ایک کا مثالی گلشن سجایا ہے۔ اس گلدستہ علم وعرفان سے محل نہیں دماغ مہکیں گے۔ اس مینارہ علم وعرفان سے بدن نہیں دل منور ہوں گے اور اگر تنقید وادب کا قبلہ درست ہو جائے تو اکیسویں صدی عیسوی کے جہانِ اردو میں "جہانِ مفتی اعظم" بحث ونظر اور فکر وقلم کا موضوع بن سکتا ہے۔ مگر افسوس میکدہ بردوش خامہ بر گوشوں نے اردو کو اپنی موروثی پونجی سمجھ کر اپنے گرد فلک پیما حصار کھینچ لیا ہے۔ وہ میکدوں سے نکل کر مسجدوں کی طرف آنا ہی نہیں چاہتے ان کی آنکھیں فکری آوارگی کی اتنی عادی ہو چکی ہیں کہ انھیں صحت مند ادب اور صالح تنقید کے ہر اجالے سے چکا چوند لگتی ہے۔ انھیں غالب ومیر کے میکدے تو یاد رہے لیکن خواجہ بندہ نواز گیسو دراز اور مخدوم پھو چھو کی خانقاہیں یاد نہ رہیں جن کے ذکر وفکر کے آغوش میں اردو نے جنم لیا، انھوں نے دینی مدارس کو کبھی قابل اعتنا نہیں سمجھا جن کے قدم قدم سے آج ہندوستان میں اردو زبان زندہ ہے۔ یہ ایک حساس لمحۂ فکر یہ ہے جس پر مذہبی قلم کاروں کو صف بندی کرنے کی ضرورت ہے۔ مذاکرات وسیمیناروں کی ضرورت ہے۔ اور صرف شکوے کرنے کی ضرورت نہیں بل کہ اس حوالے سے مسلسل کتابیں لکھنے کی ضرورت ہے۔ مذہبی رسائل کو نمبر اور خصوصی شمارے نکالنے کی ضرورت ہے۔

غیر ارادی طور پر قلم کا رخ سجادہ نشینان میکدہ کی طرف پھر گیا تھا اس کے لیے میں معذرت پیش کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھتا اجالے کو سمجھانے کے لیے اندھیرے کا ذکر بھی ضروری ہے۔ ادب کی تفہیم کے لیے انھوں نے حمد و نعت کے دبستانوں کو یکسر قلم زد کر دیا جنھوں نے کروڑوں انسانوں کو عشق حقیقی کا سوز و گداز عطا کیا۔ دراصل بے ادبی کی یلغار پر قلمی ضرب لگانا ضروری ہے۔ ہاں تو ذکر تھا تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم کی شخصیت و فکر کا۔ وہ صرف پیر و فقیہ ہی نہیں تھے زبان و ادب کے کینوس پر بھی ان کی نظر ہمیشہ تیز رہتی تھی وہ خود بھی عظیم شاعر اور نثر نگار تھے وہ روہیل کھنڈ کے ادبی دبستان کے بھی تاجدار تھے ان کی تصانیف علمی، استدلالی اور تحقیقی اسلوب کا شاہ کار ہیں۔ ان کی لسانی اصلاحات بجائے خود ایک مستقل موضوع ہے۔ آپ کی نعتیہ شاعری کا نمایاں وصف یہ ہے کہ جس میں ''دبستان رضا'' اور ''دبستان حسن'' کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ میرے اس زاویہ فکر پر ہزاروں صفحات روشن کیے جا سکتے ہیں۔

انسانی فضل و کمال کی مختلف جہتیں ہیں۔

۱- خاندانی افتخار و وجاہت ۲- حسن و جمال کی دل آویزی

۳- اپنے وسیع امکانات کے ساتھ علمی تبحر اور وسعت مطالعہ ۴- تصلب فی الدین اور تقویٰ شعاری

۵- احساس زیاں کی شدت اور منصوبہ بندی کے ساتھ بلندیوں کی طرف پیش قدمی

۶- کردار و اخلاق کی بلندی اور ملی غم گساری ۷- زمینی حقائق پر مبنی اہم کارنامے

مومنانہ فضل و کمال کے اس آئینے میں آپ ذرا عام مشاہیر کی زندگیوں پر نگاہ ڈالیے کوئی عالی نسب ہے تو ضروری نہیں کہ پیکر حسن و جمال بھی ہو، کوئی حسن و جمال کا پیکر ہے تو ضروری نہیں کہ اقلیم علم و حکمت کا تاجدار بھی ہے کوئی عامل اور تقویٰ شعار ہے تو ضروری نہیں کہ تنظیم و تحریک کی بساط پر بھی امت کی قیادت و رہ نمائی کر رہا ہو، کوئی کردار و اخلاق کا مہر درخشاں آفتاب اور عالم تاب ہے تو ضروری نہیں کہ اس نے روئے زمین پر یادگار تاریخی کارنامے بھی انجام دیے ہوں۔

مگر کبھی کبھی قدرت کی فیاضیاں فرد واحد کو انجمن جہاں آرا بنا دیتی ہیں، ذرا عالم تصور میں سر اٹھا کر مملکت سنیت کے تاجدار پر ایک نظر ڈالیے، رضا نگر بریلی شریف میں جس کا فردوسی ایوان دنیا کے ہر گوشے سے دیکھا جا سکتا ہے۔ مجدد اعظم امام احمد رضا نے جیسے فقاہت و روحانیت کا قلم دان عطا کیا ہے اسی علم و روحانیت کے فرماں روا کو تاجدار اہل سنت اور حضور مفتی اعظم کہا جاتا ہے۔ ان کی عظیم شخصیت مستقل ایک جہان ہے اور اس جہان میں ہفت جہان ہیں۔ ایک خاندانی افتخار و وجاہت کا جہان، دوسرا پیکر حسن و جمال کا جہان، تیسرا علم و حکمت کا جہان، چوتھا تصلب فی الدین اور تقویٰ شعاری کا جہان پانچواں منصوبہ بند تحریکوں کا جہان، چھٹا بلند کردار و اخلاق کا جہان، ساتواں حد نظر پھیلے ہوئے کارناموں کا جہان۔ آپ نے ان ساتوں جہانوں کو سمیٹ دیا تو اہل علم و دانش انگلی کا اشارہ کر کے پکار اٹھے یہ ہے ''جہان مفتی اعظم''

مولانا مقبول صاحب اگر یہ سچ ہے کہ انسان عظیم کارناموں سے عظیم ہوتا ہے تو یقیناً آپ عظیم ہیں آپ نے یہ عظیم کارنامہ انجام دے کر پوری ملت کے سر سے بوجھ اتار دیا۔ آپ کو مبارکباد دینا ہم پر فرض ہے جو کسی مناسب موقع پر پیش کریں گے سر دست رضا اکیڈمی کے جنرل سکریٹری محترم الحاج سعید نوری کے لیے مبارکبادیوں کا گلدستہ حاضر خدمت ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

مبارک حسین مصباحی، ۲۰؍ جون ۲۰۰۶ء

نذرِ خلوص

حضرت حافظ و قاری عبدالقادر رضوی بارہ بنکوی
مہتمم دار العلوم حنفیہ رضویہ، قلابہ، ممبئی

اپنے بزرگوں کی یادگاروں کو آنے والی نسلوں تک پہنچانا بیداری اور زندگی کی علامت ہے۔ ان یادگاروں کا تعلق خواہ ظاہری اسباب و وسائل سے ہو یا علم و ادب کے خزینے سے۔ وہ ہر حال میں قابلِ قدر ہوتی ہیں۔ حضور مفتی اعظم کی ذاتِ بابرکات بلاشبہ مجمع البحرین نہیں بل کہ مجمع البحار تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گوناگوں خوبیوں سے مالا مال فرمایا تھا۔ علم و فقاہت کے ساتھ ساتھ معرفت و تصوف میں درک و کمال آپ کا وصفِ خاص تھا۔ وقت کے بڑے بڑے علما و فقہا نے آپ کے علمی فیصلوں کو بلا چوں و چرا تسلیم کیا۔ آپ کی شخصیت پوری جماعت کے لیے سرپرست اور مربی کی تھی۔ آپ کا فیصلہ ہر ایک کے لیے قابلِ تسلیم اور واجب العمل تھا۔

رضا اکیڈمی کے بینر تلے روزِ اوّل سے ہی اہلِ سنت و جماعت کے عقائد و معمولات کو روشن کرنے والی کتابیں شائع ہوتی رہی ہیں بالخصوص سرکار اعلیٰ حضرت، مجدد اسلام، امام احمد رضا خان قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصنیفات و تحقیقات کی اشاعت اس کا فرضِ اوّلین رہا ہے۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اگر کوئی عام اور کم پڑھا لکھا شخص اعلیٰ حضرت کا تعارف دریافت کرے تو میں بلا جھجک کہہ سکتا ہوں کہ وہ سرکار مفتی اعظم کی ذات کو دیکھ لے۔

مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ اہلِ سنت و جماعت کے مایۂ ناز قلم کاروں اور شعراء نے بڑے پُر وقار اور مؤثر انداز میں اجتماعی طور پر حضور مفتی اعظم کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کر کے وقت کے ایک اہم تقاضے کو پورا کیا ہے۔ مولانا مقبول احمد مصباحی عصرِ جدید کے نوجوان اور معتبر قلم کار ہیں۔ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی اور حضرت علامہ عبدالمبین صاحب نعمانی جیسی عظیم علمی شخصیتوں کی سرپرستی و نگرانی میں انھوں نے ''جہانِ مفتی اعظم'' کو خوب سے خوب تر بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں ان کی مساعی جمیلہ قابلِ قدر ہیں۔ مولانا اس سلسلے میں تقریباً چار ماہ تک دار العلوم حنفیہ رضویہ کی تدریسی مصروفیات سے بے نیاز ہو کر ملک کی معروف دانش گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں مقیم رہے اور شب و روز کی جد و جہد سے یہ مجموعہ مرتب ہو کر اہلِ علم کی خدمت میں پہنچ رہا ہے۔

یہ مجموعہ ان شاء اللہ تعالیٰ دوسری شخصیات کے علمی کارناموں کو اجاگر کرنے کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔ مولیٰ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ دوسرے نوجوان علما اور اہلِ قلم اس مجموعہ کو اپنے لیے نمونۂ عمل قرار دیتے ہوئے اسی طرح سے دوسرے علمی کارنامے بھی انجام دیں۔ مولیٰ تعالیٰ رضا اکیڈمی کی خدماتِ جلیلہ کو قبول فرمائے اور اس کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ بالخصوص الحاج محمد سعید نوری صاحب کے علم و عمل میں برکتیں عطا فرمائے اور ان کو بیش از بیش خدمت دین و سنیت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

والسلام

عبدالقادر رضوی، ممبئی

تاثرات

مولانا اسید الحق محمد عاصم القادری

فاضلِ جامعہ ازہر، وولی عہد آستانہ عالیہ قادریہ، بدایوں شریف

از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس　　　　ما قصہ سکندر و دارا نہ خواندیم

محترم الحاج سعید نوری صاحب کے ذریعہ معلوم ہوا کہ رضا اکیڈمی ممبئی حضرت العلام مفتی اعظم ابوالبرکات آل رحمٰن محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات پر ایک ضخیم مجلہ بنام ''جہانِ مفتی اعظم'' شائع کرنے جارہی ہے۔ اکابر کی حیات، ان کے دینی وعلمی کارنامے اور ان کے پیغام کو نئی نسل تک پہنچانا نہ صرف یہ کہ ایک سعادت ہے بل کہ ہمارا دینی اور جماعتی فریضہ بھی ہے، اس سے ایک طرف تو ہم اکابر کے سلسلے میں اپنے واجب سے عہدہ برآ ہوں گے اور دوسری طرف اکابر کی تعلیمات سے نئی نسلوں کو روشناس کرا کے ان کے لیے ہدایت ورہنمائی کا سامان بھی مہیا کریں گے۔ میں اس عمدہ اقدام پر رضا اکیڈمی کے اربابِ بست وکشاد اور بالخصوص محترم الحاج سعید نوری صاحب کو صمیمِ قلب سے مبارک باد دیتا ہوں۔

اس مجلے میں لکھنے کے لیے مجھے جو عنوان دیا گیا تھا (مفتی اعظم اور اکابر خانقاہ قادریہ بدایوں۔ تعلقات وروابط) وہ ایسا نہیں ہے کہ اس پر چند سطور یا چند صفحات میں بات مکمل ہو جائے، اس موضوع کا حق ادا کرنے کے لیے ایک طویل مقالہ درکار ہے، میں اپنی عدیم الفرصتی کے باعث اس سلسلے میں فی الحال (خواہش کے باوجود) کوئی تفصیلی تحریر لکھنے سے قاصر ہوں۔

آج کے بدلے ہوئے حالات میں جب خانوادۂ قادریہ بدایوں اور خانوادۂ رضویہ بریلی کے تعلقات وروابط کا جائزہ لیا جاتا ہے تو عموماً ''غبارِ راہ'' کے پیچھے ''نشانِ منزل'' چھپ کر رہ جاتا ہے، حالاں کہ اگر تاریخ کی شاہراہ پر سفر کیا جائے تو ان دونوں خانوادوں کے تعلقات وروابط کے سلسلے میں آپ کو ایک نئے جہان کی سیر ہوگی، مگر اس کے لیے آپ کو ایک صدی سے زیادہ کا سفر طے کرنا ہوگا، مجھے اس تاریخی حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ تاریخ کی اس شاہراہ میں بعض جگہ ''نشیب'' بھی آئے ہیں لیکن اگر ہم اپنی توجہ تاریخ کے خوشگوار پہلوؤں پر مرکوز رکھیں تو ان ''نشیبی علاقوں'' کے باوجود تلخیِ ایام بہت حد تک کم کی جا سکتی ہے۔ عشقِ رسالت، خدمتِ دین وسنیت، ردِ ضلالت وبدعت اور نسبتِ قادریت یہ ہمارے ایسے ''مابہ الاشتراک'' ہیں جن کے قد وقامت کے آگے ہمارا نقطۂ ''مابہ الافتراق'' بہت چھوٹا نظر آتا ہے۔ اور پھر سب سے قریبی تو ''برکاتیت'' کی نسبت ہے۔ من و تو ہر دو خواجہ تاشانیم ۔۔ بندۂ بارگاہِ سلطانیم

یہی وہ نسبتیں ہیں جن کو آج پھر از سرِ نو مستحکم کرنے کی ضرورت ہے۔

تاریخ کے ان خوشگوار پہلوؤں کو دیکھ کر میں تو یہی کہوں گا کہ

زمانہ مانگ رہا ہے دعا ترقی کی
مگر تجھے ترا عہد کہن ہی راس آئے

تاثرات

مولانا اسید الحق محمد عاصم القادری

فاضلِ جامعہ ازہر، وولی عہد آستانہ عالیہ قادریہ، بدایوں شریف

از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس　　ماقصہ سکندر ودارا نہ خواندیم

محترم الحاج سعید نوری صاحب کے ذریعہ معلوم ہوا کہ رضا اکیڈمی ممبئی حضرت العلام مفتی اعظم ابوالبرکات آل رحمٰن محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات پر ایک ضخیم مجلہ بنام ''جہانِ مفتی اعظم'' شائع کرنے جارہی ہے۔ اکابر کی حیات، ان کے دینی وعلمی کارنامے اوران کے پیغام کو نئی نسل تک پہنچانا نہ صرف یہ کہ ایک سعادت ہے بل کہ ہمارا دینی اور جماعتی فریضہ بھی ہے، اس سے ایک طرف تو ہم اکابر کے سلسلے میں اپنے واجب سے عہدہ برآ ہوں گے اور دوسری طرف اکابر کی تعلیمات سے نئی نسلوں کو روشناس کراکے ان کے لیے ہدایت ورہنمائی کا سامان بھی مہیا کریں گے۔ میں اس عمدہ اقدام پر رضا اکیڈمی کے ارباب بست وکشاد اور بالخصوص محترم الحاج سعید نوری صاحب کو صمیمِ قلب سے مبارک باد دیتا ہوں۔

اس مجلے میں لکھنے کے لیے مجھے جو عنوان دیا گیا تھا (مفتی اعظم اور اکابر خانقاہ قادریہ بدایوں۔ تعلقات وروابط) وہ ایسا نہیں ہے کہ اس پر چند سطور یا چند صفحات میں بات مکمل ہو جائے، اس موضوع کا حق ادا کرنے کے لیے ایک طویل مقالہ درکار ہے، میں اپنی عدیم الفرصتی کے باعث اس سلسلے میں فی الحال (خواہش کے باوجود) کوئی تفصیلی تحریر لکھنے سے قاصر ہوں۔

آج کے بدلے ہوئے حالات میں جب خانوادۂ قادریہ بدایوں اور خانوادۂ رضویہ بریلی کے تعلقات وروابط کا جائزہ لیا جاتا ہے تو عموماً ''غبارِ راہ'' کے پیچھے ''نشانِ منزل'' چھپ کر رہ جاتا ہے، حالاں کہ اگر تاریخ کی شاہراہ پر سفر کیا جائے تو ان دونوں خانوادوں کے تعلقات وروابط کے سلسلے میں آپ کو ایک نئے جہان کی سیر ہوگی، مگر اس کے لیے آپ کو ایک صدی سے زیادہ کا سفر طے کرنا ہوگا، مجھے اس تاریخی حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ تاریخ کی اس شاہراہ میں بعض جگہ ''نشیب'' بھی آئے ہیں لیکن اگر ہم اپنی توجہ تاریخ کے خوشگوار پہلوؤں پر مرکوز رکھیں تو ان ''نشیبی علاقوں'' کے باوجود تلخی ایام بہت حد تک کم کی جاسکتی ہے۔ عشق رسالت، خدمتِ دین وسنیت، ردِ ضلالت وبدعت اور نسبتِ قادریت یہ ہمارے ایسے ''مابہ الاشتراک'' ہیں جن کے قد وقامت کے آگے ہمارا نقطۂ ''مابہ الافتراق'' بہت چھوٹا نظر آتا ہے۔ اور پھر سب سے قریبی تو ''برکاتیت'' کی نسبت ہے۔ من وتو ہر دو خواجہ تاشانیم۔۔ بندۂ بارگاہِ سلطانیم

یہی وہ نسبتیں ہیں جن کو آج پھر از سرِ نو مستحکم کرنے کی ضرورت ہے۔

تاریخ کے ان خوشگوار پہلوؤں کو دیکھ کر میں تو یہی کہوں گا کہ

زمانہ مانگ رہا ہے دعا ترقی کی
مگر تجھے ترا عہد کہن ہی راس آئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۵ رسالہ عرس نوری (حضور مفتی اعظم)

محمد عارف رضوی
رضا آفسیٹ، ممبئی

۲۵ رسالہ عرس نوری حضور مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری قدس سرہٗ کے موقع پر رضا اکیڈمی نے مختلف نہج سے صاحب عرس کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ جس کی چند جھلکیاں درج کی جاتی ہیں تاکہ ذوق وشوق طبع کو مہمیز لگے اور ہم اپنے اسلاف کو خوب خوب یاد کریں اور پڑھیں اور ان کی زندگی کو پڑھ کر ہم اپنی زندگی میں تابندگی بخشیں۔

کاروانِ نوری

حضور مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری قدس سرہٗ کے ۲۵ رسالہ عرس نوری کے موقع پر ''کاروان نوری'' ۲۰ نومبر ۲۰۰۶ء کو صبح ۱۱ بج کر ۱۱ منٹ پر حضور غوث اعظم، حضور خواجہ غریب نواز اور حضرت ابوالحسین احمد نوری پیرومرشد حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مزارات مقدسہ کی چادروں کے ساتھ مولانا معین الدین اشرف صاحب، مولانا منصور علی خان صاحب، مولانا مقبول احمد مصباحی، مولانا مقصود علی خاں صاحب نوری، مولانا محمود علی صاحب رشیدی، مولانا ولی اللہ صاحب شریفی، مولانا امان اللہ رضا صاحب رضوی، مولانا فخر عالم صاحب برکاتی، قاری نیاز احمد صاحب رضوی، عالی جناب الحاج محمد سعید نوری صاحب سکریٹری جنرل رضا اکیڈمی کی قیادت میں چالیس افراد پر مشتمل کاروان نوری ۲ رکوالیس اور ار ٹیمپو کے ساتھ رضا اکیڈمی کے دفتر سے روانہ ہوا اور سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن شاہ بابا علیہ الرحمہ کے مزار شریف پر حاضری دی۔ پھر محبوب ملت حضرت مولانا محبوب علی خاں صاحب قادری برکاتی رضوی، حضرت بہاء الدین شاہ بابا، حضرت حاجی علی شاہ بابا، حضرت مخدوم شاہ بابا، حضرت مولانا شاہ وبابا بابا ندرہ علیہم الرحمہ کے مزارات مقدسہ پر حاضری دیتا ہوا ممبئی سے بھیونڈی روانہ ہوا جہاں رات کو جشن نوری منایا گیا۔ پھر کارواں صبح بھیونڈی سے روانہ ہوا اور پھر کوناسک میں پروگرام کیا بعدہٗ رات کو مالیگاؤں میں قیام پذیر ہوا جہاں پر کاروان نوری کا پرجوش استقبال کیا گیا اور شاندار پروگرام ہوا پھر صبح کارواں مالیگاؤں سے روانہ ہوا اور دھولیہ، راویر، نصیر آباد، جلگاؤں، برہان پور، اندور، اجین، جھانسی، کان پور میں قیام و پروگرام کرتا ہوا کالپی شریف پہنچا۔ وہاں کی حاضری کے بعد کارواں حضور اعلیٰ حضرت اور حضور مفتی اعظم علیہما الرحمہ کے پیرومرشد خانہ مارہرہ مطہرہ پہنچا وہاں عرس قاسمی میں شرکت ہوئی اور رات کے قیام کے بعد منزل مقصود بریلی شریف مرشد گرامی کی بارگاہ میں پہنچا اور عقیدت ومحبت کا نذرانہ پیش کیا اور نیاز حاصل کر کے کارواں کی واپسی ہوئی جو دہلی، اجمیر شریف، جے پور، بھیلواڑہ ہوتے ہوئے ۲ دسمبر ۲۰۰۶ء کو نماز جمعہ سے پہلے ممبئی پہنچا۔ یہ

جشن عرس نوری کی پہلی کڑی تھی جو بخیر و عافیت تکمیل کو پہنچی۔

نوری انعامی مقابلہ

۲۵ رسالہ عرس نوری (حضور مفتی اعظم) کے موقع پر ''نوری انعامی مقابلہ'' کے نام سے حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے متعلق ممبئی کے روزنامہ انقلاب، اردو ٹائمز اور ہفت روزہ مسلم ٹائمز، دہلی، لکھنؤ اور گورکھپور کے راشٹریہ سہارا میں ۱۰ دن تک مسلسل سوالات شائع کروائے گئے جو آپ کی معلومات کے لیے درج ہیں۔

سوالات

سوال نمبر-۱　حضور مفتی اعظم کس امام کے مقلد تھے؟ (۱) امام احمد بن حنبل (۲) امام مالک (۳) امام شافعی (۴) امام اعظم ابوحنیفہ

سوال نمبر-۲　حضور مفتی اعظم کی ولایت کی بشارت سب سے پہلے کس نے دی؟ (۱) تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی (۲) حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری (۳) حضرت علی حسین اشرفی میاں (۴) حافظ بخاری حضرت سید عبدالصمد چشتی

سوال نمبر-۳　حضور مفتی اعظم ۱۸ رسال کی عمر میں سب سے پہلے کس مسئلہ پر فتویٰ دیا؟ (۱) رضاعت (۲) وراثت (۳) مصاہرت (۴) مضاربت

سوال نمبر-۴　فتاویٰ مصطفویہ میں حضور مفتی اعظم نے کس مسجد کی شہادت کے تعلق سے مفصل فتویٰ تحریر فرمایا؟ (۱) بابری مسجد، (۲) گیان واپی مسجد (۳) مسجد شہید گنج (۴) عیدگاہ متھرا

سوال نمبر-۵　حضور مفتی اعظم نے اپنے خلفا میں سے اعظم خلفا کس کو فرمایا؟ (۱) شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی (۲) مفتی سید افضل حسین مونگیری (۳) محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد (۴) حضرت علامہ فضل الرحمٰن مدنی

سوال نمبر-۶　جب مسلمانوں کو مرتد بنانے کی شدھی تحریک چلائی جارہی تھی تو حضور مفتی اعظم نے کس جماعت کے پلیٹ فارم سے لاکھوں مسلمانوں کو مرتد ہونے سے بچایا؟ (۱) رضا اکیڈمی (۲) آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء (۳) جماعت رضائے مصطفیٰ (۴) آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت

سوال نمبر-۷　حضور مفتی اعظم کے دیوان ''سامان بخشش'' میں منقبت کے اشعار سب سے زیادہ کس بزرگ کی شان میں ہیں؟ (۱) حضور غوث اعظم (۲) حضور خواجہ غریب نواز (۳) حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی (۴) حضرت صابر کلیری

سوال نمبر-۸　حکومت ہند و سعودیہ کی جانب سے فوٹو لازمی ہونے کے باوجود کس سن میں حضور مفتی اعظم نے بلا فوٹو حج فرمایا؟ (۱) ۱۹۴۰ء (۲) ۱۹۶۰ء (۳) ۱۹۷۱ء (۴) ۱۹۷۵ء

سوال نمبر-۹　۱۹۴۵ء میں سفر حج کے موقع پر حضور مفتی اعظم نے اپنے اختیارات کس کے سپرد کیے تھے؟ (۱) صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادابادی (۲) صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی (۳) ملک العلما مولانا ظفرالدین بہاری (۴) محدث اعظم

ابو محامد مولانا محمد کچھوچھوی

سوال نمبر-۱۰ "الدولۃ المکیۃ" جیسی ضخیم عربی کتاب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے مکہ معظمہ میں بغیر کسی کتاب کی مدد کے کتنے گھنٹے میں لکھی؟ (۱) ۸ر گھنٹے (۲) ۱۶ر گھنٹے (۳) ۲۴ر گھنٹے (۴) ۴۸ر گھنٹے

صحیح جوابات

(۱) حضرت امام اعظم ابو حنیفہ (۲) حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری (۳) رضاعت (۴) مسجد شہید گنج (۵) محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد (۶) جماعت رضائے مصطفیٰ (۷) حضور غوث اعظم (۸) ۱۹۷۱ء (۹) صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی (۱۰) ۸ر گھنٹے

نوری انعامی مقابلہ کے نتائج، انعامات اور انعام یافتگان کی تفصیلات

نوری انعامی مقابلہ میں بہت سارے حضرات نے نہایت ہی ذوق وشوق کے ساتھ حصہ لیا اور جوابات ارسال کیے۔ موصولہ جوابات انتہائی دیانت داری اور امانت داری کے ساتھ دیکھے گئے، صحیح جوابات اور غلط جوابات الگ الگ کیے گئے۔ اور آپ نے صحیح جوابات سوالات کے ذیل میں اس سے پہلے ملاحظہ فرمالیا۔ ۱۹ر محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۸ر فروری ۲۰۰۶ء بروز سنیچر بعد نماز عشا مینارہ مسجد میں عرس نوری منانے کا پروگرام رکھا گیا جس میں جناب سید فرقان قادری، جناب ریحان قادری، جناب ڈاکٹر نثار مارفانی، جناب غلام مصطفیٰ قادری، جناب شہزاد برکاتی پاکستان اور جناب صادق رضا رضوی انڈیا نے نعت ومناقب پیش کیے اور اسی موقع پر "نوری انعامی مقابلہ" کے جوابات کی قرعہ اندازی ہوئی۔ جوابات کے لفافے مختلف بچوں اور الگ الگ لوگوں سے اٹھوائے گئے لیکن پہلے اور سب سے بڑے انعام کے لیے لفافہ رفیق ملت حضرت سید نجیب میاں صاحب مارہرہ مطہرہ نے اپنے دست مبارک سے اٹھایا اور دوسرے انعام کے لیے لفافہ عالی جناب الحاج محمد سعید نوری سکریٹری جنرل رضا اکیڈمی نے اٹھایا۔

انعامات کی تعداد

۲ر بڑے انعامات کے علاوہ برائے تشفی ۲۰ر انعامات تھے جو کل ۲۲ر ہوئے اور مزید برآں پہلے آئے ہوئے صحیح جوابات والے ۱۰,۰۰۰ افراد کو بذریعہ ڈاک "الملفوظ شریف" روانہ کرنا تھا لیکن رفیق ملت حضرت سید نجیب میاں صاحب مارہرہ مطہرہ نے خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کی جانب سے مزید ۳ر انعامات کا اضافہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ۲۵ر سالہ عرس نوری کی مناسبت سے ۲۵ر انعامات ہونے چاہئیں اور انھوں نے کرم فرماتے ہوئے ۲۲ر انعامات میں ۳ر انعامات بڑھا کر ۲۵ر انعامات کردیے جو ہمارے اور انعام یافتگان کے لیے بہت ہی زیادہ مسرت وشادمانی کی بات ہے۔ ہم ارکان رضا اکیڈمی حضرت موصوف کی ذرہ نوازی پر فخر کرتے ہوئے ان کے ممنون ومشکور ہیں۔

انعامات اور انعام یافتگان کی تفصیل

پہلا انعام	: مفتی اعظم ایوارڈ'' حج کی سعادت یا ۱۱ رتولے سونا'' مولانا رئیس احمد خاں شاہ جہان پوری، دارالعلوم انوار مدینہ ملاڈ (ایسٹ)، ممبئی
دوسرا انعام	: احسن العلما ایوارڈ'' عمرہ کی سعادت یا ۶ رتولے سونا'' ام الخیر محمد ہاشم نوری، مہا کالی اندھیری (ایسٹ)، ممبئی
تیسرا انعام	: پنکھا-مولانا عبدالرشید قادری، دارالعلوم غوثیہ، کولی واڑہ، وسئی، تھانہ
چوتھا انعام	: استری-آفرین محمد شریف احمد صابری، رابوڑی، تھانہ
پانچواں انعام	: سینڈوچ ٹوسٹر-محمد رضوان القادری، بلالی مسجد، نہرو نگر، کرلا (ایسٹ)، ممبئی
چھٹا انعام	: بول (بڑا پیالہ سیٹ)-توقیر احمد مصباحی، محمدیہ مسجد، اندھیری (ویسٹ)، ممبئی
ساتواں انعام	: بریف کیس-آصف احمد شکیل احمد، پیٹ والا کمپاؤنڈ، مقابل اردو ٹائمز آفس، ممبئی-۸
آٹھواں انعام	: واٹر کولر-محمد عمران عرفان، ایس وی روڈ، اندھیری، (ویسٹ)، ممبئی
نواں انعام	: ہوٹ پوٹ (ٹفن سیٹ) محمد اختر رضا، دارالعلوم اہل سنت، چشتیہ میمن جماعت، تھانہ
دسواں انعام	: ڈیجیٹل گھڑی-شعبان علی نظامی، پی ایل لوکھنڈے مارگ، چھیڑا نگر، چیمبور، ممبئی
گیارہواں انعام	: ہینڈ مکسر-زوجہ نسیم علی قاضی، سورتی محلہ، ممبئی-۸
بارہواں انعام	: کالر آئی ڈی فون-شیخ صدف عبدل جے، جوگواڑہ، ناسک
تیرہواں انعام	: بریف کیس-عطاء اللہ شبیر احمد، گرانٹ روڈ، ممبئی-۷
چودھواں انعام	: ڈنر سیٹ-مولانا عزیز الرحمٰن، امام جامع مسجد غوث الوریٰ، اندھیری (ایسٹ)، ممبئی
پندرہواں انعام	: ٹی-سیٹ-انصاری نوشین مختار احمد، کوٹر گیٹ، بھیونڈی
سولہواں انعام	: سینڈ ویچ ٹوسٹر-محمد ذاکر حسین ابن تاج الاسلام، موٴذن درگاہ مسجد، ڈاکیارڈ روڈ، ممبئی-۱۰
سترہواں انعام	: ہینڈ مکسر-مشتاق احمد رضوی، مدرسہ وارثیہ غازی آباد، یوپی
اٹھارہواں انعام	: ہوٹ پوٹ (ٹفن سیٹ)-شہاب الدین شیخ قطب الدین، مالیگاؤں، ناسک
انیسواں انعام	: بول (بڑا پیالہ سیٹ) نعیم الرحمٰن عثمان غنی، مالیگاؤں، ضلع ناسک
بیسواں انعام	: کالر آئی ڈی فون-مشتاق احمد، نیا نگر میرا روڈ (ایسٹ) تھانہ
اکیسواں انعام	: ڈیجیٹل گھڑی-احمد جہانگیر نوری قادری، ہندوستانی مسجد، بائیکلہ، ممبئی-۲۷
بائیسواں انعام	: واٹر کولر-مصطفیٰ رضا مصباحی، جامعہ چشتیہ خانقاہ شیخ العالم ردولی شریف، بارہ بنکی، یوپی
تیئیسواں انعام	: ۲۱۰۰ ر روپے-تسنیم انیس اختر، بھیونڈی
چوبیسواں انعام	: ۱۱۰۰ ر روپے-محمد عمران رضا، سورج پیلس، ممبرا، تھانہ
پچیسواں انعام	: ۵۰۰ ر روپے-قاضی شہاب الدین علیم الدین، ناسک

محمد عارف رضوی

عرس نوری کا انعقاد کب کب اور کہاں کہاں

نبیرہ اعلیٰ حضرت مولانا سبحان رضا خاں قادری رضوی خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ نوریہ اور جانشین حضور مفتی اعظم تاج الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری دامت برکاتہم العالیہ کی جانب سے حسب روایات سابقہ عرس نوری بریلی شریف میں منایا گیا۔ ۱۳ رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۱ رفروری ۲۰۰۶ء کو نوری مشن کی جانب سے اسلامیہ انٹر کالج کے گراؤنڈ میں عرس مبارک کی ایک تقریب رکھی گئی جس کی صدارت رفیق ملت حضرت سید نجیب حیدر صاحب نائب سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ نے فرمائی۔ شہزادۂ صدر الشریعہ حضرت مولانا فداء المصطفیٰ صاحب قادری اور دیگر سیکڑوں علمائے کرام نے شرکت کی۔ پاکستان کے معروف نعت خواں جناب اویس قادری، جناب سید فرقان قادری، جناب ریحان قادری، جناب ڈاکٹر نثار مارفانی، جناب غلام مصطفیٰ قادری، جناب شہزاد برکاتی نے نعت ومناقب پیش کیے۔ اور ۱۴ رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۲ رفروری ۲۰۰۶ء کو ممبئی، کان پور، ناسک، مالیگاؤں وغیرہ میں بھی شان دار عرس نوری (حضور مفتی اعظم) کی تقریبات ہوئیں۔ ۱۶ رویں شب محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۵ رفروری ۲۰۰۶ء کو جوگیشوری ممبئی میں حضرت رفیق ملت کی صدارت میں مذکورہ بالا نعت خواں حضرات نے نعت ومناقب پیش کیے اور پھر ۱۷ رویں شب محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۶ رفروری ۲۰۰۶ء کو پاٹکر ہال میں عرس نوری (حضور مفتی اعظم) منایا گیا۔ اس پروگرام کی بھی صدارت حضرت رفیق ملت نے فرمائی اور نظامت مولانا منصور علی خاں صاحب رضوی خطیب وامام سنی بڑی مسجد مدنپورہ ممبئی - ۸ نے فرمائی اور ۱۸ رویں شب محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۷ رفروری ۲۰۰۶ء مینارہ مسجد محمد علی روڈ، ممبئی ۳ میں بہت ہی شان دار طریقے پر عرس نوری (حضور مفتی اعظم) کے پروگرام کا انعقاد ہوا اس پروگرام کی بھی صدارت ونظامت مذکورہ حضرات نے فرمائی اور اس عرس نوری کے شان دار ماحول میں نوری انعامی مقابلہ کے صحیح جوابات کی قرعہ اندازی ہوئی اور انعام یافتگان کے نام وپتہ کا اعلان ہوا۔ انعام یافتگان میں پہلا انعام (مفتی اعظم ایوارڈ ''حج کی سعادت یا ۱۱ رتولے سونا'') جس خوش نصیب کو ملا وہ ہیں جناب مولانا رئیس احمد خان شاہ جہان پوری دار العلوم انوار مدینہ، ملاڈ (ایسٹ)، ممبئی اور دوسرے انعام (احسن العلماء ایوارڈ ''عمرہ کی سعادت یا ۶ رتولے سونا'') سے جسے سرفرازی ملی وہ ہیں ام الخیر بنت مولانا محمد ہاشم صاحب نوری مہاکالی اندھیری (ایسٹ) ممبئی۔ باقی انعام یافتگان میں ممبرا، میرا روڈ، وسئی، رابوڑی، کرلا، اندھیری، چیمبور، بائیکلہ، سورتی محلہ، ناسک، مالیگاؤں، بھیونڈی، بارہ بنکی، غازی آباد وغیرہ کے افراد ہیں جیسا کہ آپ نے ازیں قبل تفصیل کے ساتھ ملاحظہ فرمایا۔

آئی کیمپ

۲۵ رسالہ عرس نوری (حضور مفتی اعظم) ہی کی ایک کڑی تھی ''آئی کیمپ'' جو ۲۵ ردسمبر ۲۰۰۵ء بروز اتوار صبح ۹ ربجے سے ''رضا ہیلتھ لائن'' کے زیر اہتمام'' رضا اکیڈمی کی جانب سے نور اسپتال میں انعقاد پذیر ہوا تھا جس میں کئی ڈاکٹروں کے ذریعہ ۱۷۰ رافراد کی آنکھوں کی جانچ ہوئی تھی اور انھیں چشمہ دیا گیا تھا۔

ہر کتاب صرف ۲۵ ؍روپے میں

سلف صالحین، بزرگانِ دین کی یادیں، ان کی باتیں اور ان کے تذکرے ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ اعراس بزرگان دین میں نظم و نثر میں صاحب عرس کا تذکرہ ہوتا ہے، ان کے اعمال و معمولات کا ذکر ہوتا ہے، ان کے تقویٰ و طہارت، زہد و ورع، علم و قلم اور تصنیف و تالیف کی باتیں ہوتی ہیں جو ہماری زندگی کی تابندگی کے لیے سبب ہوتی ہیں انھیں بزرگان دین میں ایک ذات گرامی تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری علیہ الرحمہ کی ہے جن کی زندگی کی صبح و شام، لیل و نہار، ہر گھڑی ہر لمحہ اور ہر ادا ہماری زندگی کے لیے ہادی و راہ نما ہے۔ اسی ذات والا مرتبت کا ۲۵ ؍واں سالہ عرس رضا اکیڈمی نے مختلف طریقے پر نہایت ہی عمدہ کارکردگی کے ساتھ منایا جیسا کہ آپ نے گذشتہ صفحات پر ملاحظہ فرمایا کہ کئی جگہوں پر نعت و مناقب کی محفل سجائی، نوری کارواں روانہ کیا، نوری انعامی مقابلہ کروایا، آئی کیمپ کا اہتمام کروایا، تقریباً ہزار صفحات پر مشتمل ''جہانِ حضور مفتی اعظم'' شائع کروائی اور ایک احسن و عمدہ طریقہ عرس نوری منانے کا یہ بھی اپنایا کہ مختلف موضوعات کی ۵۰ ؍کتابیں جو ضخامت اور قیمت کے اعتبار سے بھی مختلف تھیں یعنی کوئی تقریباً ۲۰۰ ؍صفحات کی تھی تو کوئی ۳۰۰، ۴۰۰ ؍، ۵۰۰ ؍صفحات کی اور کسی کی قیمت تخمیناً ۶۰ ؍روپے تھی تو کسی کی ۷۵ ؍، ۸۰ ؍، ۹۰ ؍، ۱۰۰ ؍، ۱۱۰ ؍، ۱۲۵ ؍روپے لیکن ہر کتاب ۲۵ ؍رسلہ عرس نوری کی یاد میں عرس رضوی ۲۳ ؍، ۲۴ ؍، ۲۵ ؍صفر المظفر ۱۴۲۷ھ کے موقع پر اسلامیہ انٹر کالج بریلی شریف میں صرف ۲۵ ؍روپے میں دی۔

محمد عارف رضوی
سکریٹری، رضا اکیڈمی

انتخاب کلام نوری

مولانا مقبول احمد سالک مصباحی
استاذ دارالعلوم حنفیہ رضویہ، قلابہ، ممبئی

تقدیس الوہیت ورسالت، عشق رسول، رقت جذبات اور حقیقت گوئی، حضور مفتی اعظم کی شاعری کے بنیادی عناصر ہیں، ان کے یہاں کذب آمیز مبالغہ آرائی، سطحی جذبات اور بے باکانہ اظہار بیان کی بجائے، جذبات کی سچائی وصفائی انداز بیان کی تاثیر اور شیرینی کو فروغ حاصل ہے۔ آٹھویں باب میں ان کے نعتیہ کلام پر ارباب فکرونظر کے تنقیدی مباحث ملاحظہ کریں۔

جہان مفتی اعظم کی تیاری جب بالکل آخری مرحلہ میں تھی، معاً خیال آیا کہ کیوں نہ حضور مفتی اعظم کے نعتیہ کلام کے کچھ نمونے بھی شامل اشاعت کر لیے جائیں، ارادہ نیک تھا، میں نے مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب سے اس کا اظہار کیا، انھوں نے پذیرائی کی اور میرے خیال کو بہت سراہا۔ واقعہ یہ ہے کہ بحث کے دوران جب کوئی بھی نقاد اپنے خیال کا اظہار کرتا ہے تو ایک طرح سے قاری کے اوپر اپنے خیالات کو بہ زور قلم نافذ کرنا چاہتا ہے، اس کے برخلاف جب قاری بہ راہ راست نمونہ کلام کو خود پڑھ لیتا ہے تو پورے انشراح صدر کے ساتھ کلام کی عظمت ومقام سے واقف ہو جاتا ہے، اس میں کسی جنبہ داری یا شک وارتیاب کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ یوں تو مفتی اعظم کا کلام بلاغت نظام ''سامان بخشش'' کے نام سے شائع ہو کر ہزاروں کی تعداد میں ملک وبیرون ملک مقبول عام ہو چکا ہے، لیکن اس کے باوجود جب انتخاب کی بات آئی تو مروجہ نسخہ کی بجائے میں نے قدیم نسخہ کی تلاش شروع کی، چناں چہ آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ بنارس کا مطبوعہ نسخہ سامنے رکھا، جو ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء میں شائع ہوا تھا۔ جب سرکار مفتی اعظم بہ قید حیات تھے اور یہ سامان بخشش کی پہلی مکمل اشاعت تھی، سامان بخشش تاریخی نام ہے، جس کا مادہ تاریخی ۱۳۵۴ھ ہے۔

اس نسخہ کے مرتب مولانا مرغوب حسن قادری اعظمی مدرس جامعہ فاروقیہ بنارس اور آل انڈیا اسلامک مشن کے جنرل سکریٹری ہیں، یہ بات ہر شک وشبہہ سے بالاتر ہے کہ مرتب نے اس کی تصحیح وترتیب میں کسی طرح کی کوتاہی کی ہو گی لیکن اس کے باوجود کہیں نہ کہیں غفلت ضرور راہ پا گئی جس کی وجہ سے بہت سی فروگزاشتیں در آئیں، ان میں سے صرف ان مقامات کی نشان دہی کی جا رہی ہے، جو زیر نظر مجموعہ میں شامل کلام سے متعلق ہیں۔ تاکہ جن کے پاس یہ نسخہ ہو وہ ان کو درست کر لیں۔

(۱) عربی الفاظ پر اعراب میں ضروری احتیاط نہیں برتی گئی جس کی وجہ سے قاری کو ذہنی انتشار کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(۲) عربی یا فارسی تراکیب مثلاً حالت اضافت میں کسرہ یا بعض الفاظ کے اصل لغوی اشکال اور صیغے ظاہر کرنے کے لیے جہاں اعراب کی ضرورت تھی اس کی پابندی نہیں کی گئی جس کی وجہ سے عام قاری شعر کی غلط خوانی پر مجبور ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی مصرع یا شعر کو بحر سے خارج سمجھنے لگتا ہے۔

(۳) جدید اردو قواعد املا کی بالکل اتباع نہیں کی گئی، لفظوں کے وصل وفصل وغیرہ میں احتیاط نہ برتنے کی وجہ سے ان کی مختلف شکلیں بن گئیں۔ جواب متروک ہیں۔

(۴) بڑی جرأت کے ساتھ متعدد مقامات پر تحریف لفظی نے بھی جگہ بنالی ہے، جس کی بنیادی وجہ غالبًا کاتب پر اعتماد بے جا رہی ہوگی۔ اس کے ہم ذیل میں چند شواہد پیش کرتے ہیں۔

(الف) ص: ۱۳۱ پر آخری مصرع۔ بے وسیلہ نجد یو ہرگز خدا ملتا نہیں۔ یہاں ''نجد یو'' کی جگہ اصل نسخہ میں ''دہر یو'' مرقوم ہے، جو سراسر وہابی کاتب کی تحریف ہے جس نے نجد یو کی جگہ دہر یو فٹ کردیا، دہر یو مقتضائے حال اور معنوی ضرورت دونوں لحاظ سے بے محل۔ دہریے خدا کے منکر ہیں وسیلہ کے نہیں، وسیلہ کے منکر وہابی لعین اور ان کے دیگر متبعین ہیں۔ اس لیے دہریوں کو انکار وسیلہ سے خطاب کرنا شاعر کی جہالت کو ظاہر کرتا ہے، جس سے حضور مفتی اعظم کا دامن پاک ہے، بلاشبہہ دہریوں کے خلاف بھی مفتی اعظم نے جہاد بالقلم فرمایا ہے، مگر یہ شعر اس کا محل نہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کاتب واقعۃً مبارک پور کا ایک وہابی تھا۔

(ب) ص: ۱۱۱، ۲۱۱، سے لی گئی مشہور نعت کا مطلع یوں درج ہے ''تو شمع نبوت ہے عالم تیرا پروانہ، تو ماہ رسالت ہے اے جلوۂ جانانہ''

یہاں بھی قلب ماہیت محسوس ہو رہا ہے، اصل میں شعر یوں ہے، تو شمع رسالت ہے، تو ماہ نبوت ہے۔ اسی ترتیب سے برصغیر ہند و پاک میں یہ شعر مشہور و معروف اور مرغوب و مقبول ہے، اور بعد میں تصحیح کرنے والوں کی ترتیب بھی مرتب کی ذکر کردہ ترتیب کے مطابق ہے، چنان چہ اس وقت میرے سامنے فیاض الحسن اینڈ سنس کان پور کا شائع کردہ نسخہ ہے، جس پر سن طباعت ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۲ء درج ہے، اس نسخہ کے اولین ناشر مولانا محمد فاروق رضا قادری رضوی رکن قادری اکیڈمی رام پور ہیں، مولانا محمد انور علی نان پاروی قادری رضوی اور قاری امانت رسول رضوی پیلی بھیتی نے اس کی تصحیح و ترتیب جدید کی ہے، مولانا محمد فاروق قادری رضوی نے اس نسخہ کو ۱۴۰۵ء میں شائع کیا تھا، ناشر کے بیان کے مطابق قاری امانت رسول رضوی نے اپنے پاس موجود مخطوطہ دیوان سے اس کی مطابقت کی تھی۔

(ج) محولہ بالا نظم میں ہی ایک مصرع یوں رقم ہے، سجدہ نہ سمجھ نوری سر دیتا ہوں نذرانہ۔

اس مصرع میں بھی کاتب نے ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے اس نے نجدی کی جگہ بڑی چالاکی سے نوری کردیا جو سراسر غلط ہے۔ اگرچہ ایک کلام میں دو جگہ تخلص کا ورود شعری اصطلاح میں ممنوع نہیں، اور نہ ہی درمیان کلام محظور، لیکن جب آخر شعر میں تخلص مذکور ہے، تو درمیان میں اس کی حاجت نہ رہی اور پھر شاعر کا یہاں پر اپنی ذات کو مخاطب کرنا کسی طور جائز نہیں کیوں کہ وہ سنگ در جاناں پر جبیں سائی (بہ معنی احترام و تقدیس) کا قائل ہے، منکر ہے تو وہابی ہے جسے در رسول پر ہر کام میں شرک و بدعت نظر آتی ہے، مفتی اعظم نے وہابی نجدی کو خطاب کرکے للکارا ہے، اس مصرع میں نجدی کی جگہ نوری آجانے سے پورا شعر ہی مہمل ہوگیا ہے۔

(د) ص: ۱۱۶، ۱۱۷ سے لی گئی نعت کا ایک مصرع یوں مرقوم ہے۔ ''اور وہ دشمنوں کی دعا کر چلے''

یہ بھی محرف ہے، اصل میں یوں ہونا چاہیے۔ ''اور وہ دشمنوں کو دعا کر چلے'' مرتب اردو قواعد زبان و بیان کے لحاظ سے ہی اس مقام کو درست کر چکا تھا، مگر جب فیاض الحسن کے نسخہ سے موازنہ اور مقابلہ کیا تو اس کی توثیق و تائید ہوگئی، اس میں ''کو'' ہی مرقوم ہے۔

(ہ) ص: ۵۲، ۶۲، ۷۲، ۸۲، سے لی گئی نعت کا ایک مصرع یوں درج ہے۔ ''ملی جہان کو روزی صدا مدینے سے''

یہ بھی محرف ہے مرتب نے مقام اور مقتضائے حال کے لحاظ سے ہی طے کرلیا تھا کہ لفظ اصل میں ''سدا'' ہے، جس کے معنی ہمیشہ

کے ہیں۔صدا بمعنی آواز جس کی یہاں نہ حاجت اور نہ محل۔جب فیاض الحسن کے نسخہ سے مقابلہ کیا تو اس میں ''سدا'' ہی محرر تھا۔

(و) جہاں تک املا اور الفاظ کے اشکال وصور اور وصل وفصل کی بات تو اس کی ایک لمبی فہرست ہے،مرتب نے زیر نظر مجموعہ میں شامل کلام میں ان تمام قواعد وضوابط کی رعایت کرتے ہوئے تدوین کی ہے،ان شاء اللہ قاری اس سے ایک نیا لطف وشوق محسوس کرے گا۔

یہ مشتِ نمونہ از خروارے چند نظائر پیش کیے گئے ہیں،ممکن ہے اور جگہ بھی اسی طرح کی تحریفات اور سقطات ہوں،مولانا مرغوب حسن قادری اردو کی ایک ذی استعداد اور جید عالم دین ہیں،زیر نظر مجموعہ میں آپ کی بھی ایک منقبت اور ایک مقالہ شامل ہے،جو بالکل آخر میں ہمیں دست یاب ہوا،مگر نوک پلک درست کرکے اسے شامل اشاعت کرلیا گیا ہے،مولانا نے مرتب کردہ مجموعہ پر ایک تفصیلی مقدمہ بھی لکھا ہے،مگر یہ بتانے کی زحمت نہیں کی ہے کہ انھوں نے کس نسخہ یا مخطوطہ کی مدد سے اس نسخہ کو شائع کیا،اور کس کی تصحیح کی ضمانت پر اسے طبع کیا،بہ ہر حال جو گزر گیا سو گزر گیا،لیکن تذکرہ اس لیے ضروری تھا تاکہ آئندہ کوئی اور اس سے دھوکا نہ کھائے،چنان چہ مولانا مفتی اشرف رضا قادری نے اپنے مقالے میں اسی نسخہ کا حوالہ دیا ہے،اس میں انھوں نے بھی ایسی کسی تنقیدی رائے کا اظہار نہیں کیا ہے،بس یہ کہہ کر بات آگے بڑھادی ہے کہ بنارس کے نسخہ کی فوٹو کاپی فقیر کے پاس بھی محفوظ ہے،مفتی صاحب کا مقالہ آٹھویں باب میں شامل ہے۔

۱۔تا ۴ نمبروں میں،میں نے جن خامیوں یا کم زوریوں کی نشان دہی کی ہے اس سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی گئی ہے،ناظرین اس کو ملاحظہ کرسکتے ہیں۔البتہ ان میں ایک اضافہ یہ کیا گیا ہے کہ ہر نعت ومنقبت کو کسی ایک لفظ یا ترکیب کی بجائے پورے ایک مصرع سے شروع کیا گیا ہے،اس سے قاری اول نظر میں ہی فہرست کی مدد سے کلام کی نوعیت اور اس کی زمین سے واقف ہوجاتا ہے۔یہی صورت حال حضور مفتی اعظم کے تعلق سے چھبیسویں باب میں شامل منقبتوں کی ترتیب میں ہے۔ادبی نقطۂ نظر سے یہ اضافہ جائز بھی ہے اور مفید بھی۔خصوصاً جب کہ وہ مصرع نعت یا منقبت کے مرکزی مضمون کا حامل ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

اَللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

اَللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ

تو کسی جا نہیں اور ہر جا ہے تو　　تو منزہ مکاں سے مبرا زسو
علم و قدرت سے ہر جا ہے تو کو بکو　　تیرے جلوے ہیں ہر ہر جگہ اے عفو

اَللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ

قلب کو اس کی رویت کی ہے آرزو　　جس کا جلوہ ہے عالم میں ہر چار سو
بل کہ خود نفس میں ہے وہ سُبحٰنہ　　عرش پر ہے مگر عرش کو جستجو

اَللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ

طائرانِ جناں میں تری گفتگو　　گیت تیرے ہی گاتے ہیں وہ خوش گلو
کوئی کہتا ہے حق کوئی کہتا ہے ھُو　　اور سب کہتے ہیں لا شریک لہ

اَللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ

بلبلِ خوش نوا طوطیِ خوش گلو　　زمزمہ خواں ہیں گاتے ہیں نغمات ھو
قمریِ خوش لقا بولی حق سرّہ　　فاختہ خوش ادا نے کہا دوست تو

اَللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ

صبح دم کر کے شبنم سے غسل و وضو　　شاہدانِ چمن بستہ صف رو بہ رو
ورد کرتے ہیں تسبیح سُبحانَہ　　ھوُ و لا غیرُہ ھوُ وَلا غیرُہ

اَللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ

عرش و فرش و زمان و جہت اے خدا　　جس طرف دیکھتا ہوں ہے جلوہ ترا
ذرے ذرے کی آنکھوں میں تو ہی ضیا　　قطرے قطرے کی تو ہی تو ہے آبرو

اَللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ

نغمہ سنجانِ گلشن میں چرچا ترا　　چہچہے ذکرِ حق کے ہیں صبح و مسا
اپنی اپنی چہک اپنی اپنی صدا　　سب کا مطلب ہے واحد کہ واحد ہے تو

اَللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ

از : مولانا مقبول احمد سالک مصباحی

ہے زبانِ جہاں حمد باری میں لال   دم کوئی حمد کا مارے کس کی مجال
تا بہ اِمکان ہم رکھتے ہیں قیل و قال   اس کو مقبول فرمائے رحمت سے تو
اَللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ

رحم فرما خدایا حرم پاک ہو   تو نے تقدیس بخشی ہی جس خاک کو
دفع فرما وہاں پر ہے بے باک جو   اور گرا بجلیاں قہر کی بر عدو
اَللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ

خوابِ نوریؔ میں آئیں جو نور خدا   بقعۂ نور ہو اپنا ظلمت کدا
جگمگا اٹھے دل چہرہ ہو پر ضیا   نوریوں کی طرح شغل ہو ذکر ھُوْ
اَللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ، اللّٰہُ ھُوْ

سامان بخشش، ص: ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸ آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

بنا عرش بریں مسند کفِ پائے منور کا

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

پڑھوں وہ مطلعِ نوری ثنائے مہرِ انور کا
ہو جس سے قلب روشن جیسے مطلع مہرِ محشر کا

بنا عرش بریں مسند کفِ پائے منور کا
خدا ہی جانتا ہے مرتبہ سرکار کے سر کا

ضیا بخشی تری سرکار کی عالم پہ روشن ہے
مہ و خورشید صدقہ پاتے ہیں پیارے ترے در کا

طبق پر آسماں کے لکھتا میں نعتِ شہِ والا
قلم اے کاش مل جاتا مجھے جبریل کے پر کا

محالِ عقل ہے تیرا مماثل اے مرے سرور
تو ہم کر نہیں سکتا ہے عاقل تیرے ہمسر کا

بجھے گی شربتِ دیدار ہی سے تشنگی اپنی
تمھاری دید کا پیاسا ہوں یوں پیاسا ہوں کوثر کا

جو آب و تابِ دندانِ منور دیکھ لوں نوری
مرا بحرِ سخن سرچشمہ ہو خوش آبِ گوہر کا

سرِ عرشِ علا پہنچا قدم جب میرے سرور کا
زبانِ قدسیاں پر شور تھا اللہ اکبر کا

دو عالم صدقہ پاتے ہیں مرے سرکار کے در کا
اسی سرکار سے ملتا ہے جو کچھ ہے مقدر کا

نگاہِ مہر سے اپنی بنایا مہر ذروں کو
الٰہی نور دن دونا ہو مہرِ ذرہ پرور کا

نہ سایا روح کا ہرگز نہ سایا نور کا ہرگز
تو سایا کیسا اس جانِ جہاں کے جسمِ انور کا

خدا شاہد رضا کا آپ کا طالب خدا ہوگا
تعالی اللہ رتبہ میرے حامی میرے یاور کا

کمی کچھ بھی خزانے میں تمھارے ہو نہیں سکتی
تمھیں حق نے عطا فرما دیا جب چشمہ کوثر کا

سامانِ بخشش، ص: ۵۴، ۶۴، ۴۷، مطبوعہ آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۹۹۳ھ/۱۹۷۱ء

از : مولانا مقبول احمد سالک مصباحی

مرقدِ نوری پہ روشن ہے یہ لعلِ شب چراغ

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری

چارہ گر ہے دل تو گھائل عشق کی تلوار کا
کیا کروں میں لے کے پھاہا مرہم زنگار کا

روکشِ خلدِ بریں ہے دیکھ کوچہ یار کا
حیف بلبل اب اگر لے نام تو گل زار کا

حسن کی بے پردگی پردہ ہے آنکھوں کے لیے
خود تجلی آپ ہی پردہ ہے روئے یار کا

تیرے باغِ حسن کی رونق کا کیا عالم کہوں
آفتاب اک زرد پتا ہے ترے گل زار کا

کب چمکتا یہ ہلال آسماں ہر ماہ یوں
جو نہ ہوتا اس پہ پرتو ابروئے سرکار کا

حسرت دیدار دل میں ہے اور آنکھیں بہہ چلیں
تو ہی والی ہے خدایا دیدۂ خوں بار کا

''از سرِ بالین من برخیز اے ناداں طبیب''
ہو چکا تجھ سے مداوا عشق کے بیمار کا

جب گرا میں بے خودی میں ان کے قدموں پر گرا
کام تو میں نے کیا اچھے بھلے ہشیار کا

آبلہ پا چل رہا ہے بے خودی میں سر کے بل
کام دیوانہ بھی کرتا ہے کبھی ہشیار کا

آبلوں کے سب کٹورے آہ خالی ہوگئے
منہ ابھی تر بھی نہ ہونے پایا تھا ہر خار کا

آبلے کم مایگی پر اپنی روئیں رات دن
سوکھ کر کانٹا ہوا دیکھیں بدن ہر خار کا

پاؤں میں چبھتے تھے پہلے اب تو دل میں چبھتے ہیں
یاد آتا ہے مجھے رہ رہ کے چبھنا خار کا

پاؤں کیا میں دل میں رکھ لوں پاؤں جو طیبہ کے خار
مجھ سے شوریدہ کو کیا کھٹکا ہو نوکِ خار کا

گل ہو صحرا میں تو بلبل کے لیے صحرا چمن
گل نہ ہو گلشن میں تو گلشن ہے اک بن خار کا

کوثر و تسنیم سے دل کی لگی بجھ جائے گی
میں تو پیاسا ہوں کسی کے شربت دیدار کا

جلوہ گاہِ خاص کا عالم بتائے کوئی کیا
مہر عالم تاب ہے ذرہ حریم یار کا

ہفت کشور ہی نہیں چودہ طبق روشن کیے
عرش و کرسی لامکاں پر بھی ہے جلوہ یار کا

مرقدِ نوری پہ روشن ہے یہ لعلِ شب چراغ
یا چمکتا ہے ستارہ آپ کی پیزار کا

سامانِ بخشش، ص:۰۵،۱۵،۲۵ آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

آتا ہی نہیں گویا سرکار کو لا کرنا

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

مقبول دعا کرنا منظور ثنا کرنا
مدحت کا صلہ دینا مقبول ثنا کرنا

سینہ پہ قدم رکھنا دل شاد مرا کرنا
دزدِ دلِ مضطر کی سرکار دوا کرنا

کب آپ کے کوچہ میں منگتا کو صدا کرنا
خود بھیک لیے تم کو منگتا کو ندا کرنا

دن رات خطاؤں پر ہم کو ہے خطا کرنا
اور تم کو عطاؤں پر ہردم ہے عطا کرنا

ہم اپنی خطاؤں پر نادم بھی نہیں ہوتے
اور ان کو عطاؤں پر ہر بار عطا کرنا

ہے عام کرم ان کا اپنے ہوں کہ ہوں اعدا
آتا ہی نہیں گویا سرکار کو لا کرنا

واللہ وہ سن لیں گے اور دل کی دوا دیں گے
بے کار نہ جائے گا فریاد بکا کرنا

طیبہ میں بلالینا اور اپنا بنالینا
قیدی غم فرقت کے سرکار رہا کرنا

ہم عرض کیے جائیں سرکار سنے جائیں
کیا دور کرم سے ہے دن ایسا شہا کرنا

سنگِ درِ سرور پر رکھا ہوا ہو یہ سر
اے کاش ہو قسمت میں اس طرح قضا کرنا

ہر داغ مٹادینا اور دل کو شفا دینا
آئینہ بنا دینا ایسی تو جلا کرنا

سرور ہے وہی سرور اے سرورِ ہر سرور
ہے آپ کے قدموں پر سر جس کو فدا کرنا

شہرہ لبِ عیسیٰ کا جس بات میں ہے مولا
تم جانِ مسیحا ہو ٹھوکر سے ادا کرنا

وہ تیرا برا چاہیں ممکن ہی نہیں ان سے
اعدا کی بھلائی کی جن کو ہے دعا کرنا

دنیا بنے یا بگڑے دنیا رہے یا جائے
تو دین بنا پیارے دنیا کا ہے کیا کرنا

قسمت میں غمِ دنیا جنت کا قبالہ ہو
تقدیر میں لکھا ہو جنت کا مزا کرنا

دنیا میں جو روتے ہیں عقبیٰ میں وہ ہنستے ہیں
دنیا میں جو ہنستے ہیں ہے ان کو کڑھا کرنا

موسیٰ ہوئے غش جس سے اور طور جلا جس سے
وہ جلوہ مرے دل پر اے نور خدا کرنا

برباد نہ ہو مٹی اس خاک کے پتلے کی
اللہ مجھے ان کی خاکِ کفِ پا کرنا

کیوں نقشِ کفِ پا کو دل سے نہ لگائے وہ
ہے آئینہ دل کی نورؔی کو جلا کرنا

سامانِ بخشش، ص: ۳۵، ۴۵، ۵۵، آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

از : مولانا مقبول احمد سالک مصباحی

میں تو جاتا مجھے سرکار نے جانے نہ دیا

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری

بختِ خفتہ نے مجھے روضے پہ جانے نہ دیا
چشم و دل سینے کلیجے سے لگانے نہ دیا

آہ قسمت! مجھے دنیا کے غموں نے روکا
ہائے تقدیر! کہ طیبہ مجھے جانے نہ دیا

پاؤں تھک جاتے اگر پاؤں بناتا سر کو
سر کے بل جاتا مگر ضعف نے جانے نہ دیا

سر تو سر جان سے جانے کی مجھے حسرت ہے
موت نے ہائے مجھے جان سے جانے نہ دیا

حالِ دل کھول کے دل آہ ادا کر نہ سکا
اتنا موقع ہی مجھے میری قضا نے نہ دیا

ہائے اس دل کی لگی کو میں بجھاؤں کیوں کر
فرطِ غم نے مجھے آنسو بھی گرانے نہ دیا

سجدہ کرتا جو مجھے اس کی اجازت ہوتی
کیا کروں اذن مجھے اس کا خدا نے نہ دیا

حسرتِ سجدہ یونہی کچھ تو نکلتی لیکن
سر بھی سرکار نے قدموں پہ جھکانے نہ دیا

کبھی بیمارِ محبت بھی ہوئے ہیں اچھے
روز افزوں ہے مرض کام دوا نے نہ دیا

اب کہاں جائے گا نقشہ ترا میرے دل سے
تہ میں رکھا ہے اسے دل نے گمانے نہ دیا

نفسِ بدکار نے دل پر یہ قیامت توڑی
عملِ نیک کیا بھی تو چھپانے نہ دیا

نفسِ بدکیش ہے کس بات کا دل یہ شاکی
کیا برا دل نے کیا ظلم کمانے نہ دیا

میرے اعمال کا بدلہ تو جہنم ہی تھا
میں تو جاتا مجھے سرکار نے جانے نہ دیا

میرے اعمال سیہ نے کیا جینا دوبھر
زہر کھاتا ترے ارشاد نے کھانے نہ دیا

اور چمکتی سی غزل کوئی پڑھو اے نوری
رنگ اپنا ابھی جمنے شعرا نے نہ دیا

، سامانِ بخشش، ص: ۷۵، ۸۵، آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۴ء

مرحبا صد مرحبا مہرِ عجم ماہِ عرب

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

ماہ تاباں تو ہوا مہرِ عجم ماہِ عرب
ہیں ستارے انبیا مہرِ عجم ماہِ عرب

ہیں صفاتِ حق کے نوری آئینے ساری نبی
ذات حق کا آئینہ مہرِ عجم ماہِ عرب

کب ستارا کوئی چمکا سامنے خورشید کے
ہو نبی کیسے نیا مہرِ عجم ماہِ عرب

آپ ہی کے نور سے تابندہ ہیں شمس و قمر
دل چمک جائے مرا مہرِ عجم ماہِ عرب

قبر کا ہر ذرہ اک خورشید تاباں ہو ابھی
رخ سے پردہ دو ہٹا مہرِ عجم ماہِ عرب

کوچۂ پر نور کا ہر ذرہ رشک مہر ہے
واہ کیا کہنا ترا مہرِ عجم ماہِ عرب

روسیہ ہوں منہ اجالا کر مرا جانِ قمر
صبح کریا چاندنا مہرِ عجم ماہِ عرب

نیرِ چرخِ رسالت جس گھڑی طالع ہوا
اوج پر تھا غلغلہ مہرِ عجم ماہِ عرب

آپ نے جب مشرقِ انور سے فرمایا طلوع
دامنِ شب پھٹ گیا مہرِ عجم ماہِ عرب

ظلمتِ شب مٹ گئی جب آپ جلوہ گر ہوئے
رات تھی پر دن ہوا مہرِ عجم ماہِ عرب

تم نے مغرب سے نکل کر اک قیامت کی بپا
کافروں پر سرورا مہرِ عجم ماہِ عرب

آفتابِ ہاشمی تو غرب سے طالع ہو پھر
کر سویرا کفر کا مہرِ عجم ماہِ عرب

حق کے پیارے نوری آنکھوں کے تارے ہو تمہیں
نورِ چشمِ انبیا مہرِ عجم ماہِ عرب

زلف والا کی صفت واللیل ہے قرآن میں
اور رُخ کی والضحیٰ مہرِ عجم ماہِ عرب

ظلمتیں سب مٹ گئیں ناری سے نوری ہوگیا
جس کے دل میں بس گیا مہرِ عجم ماہِ عرب

ظلمتوں پر ظلمتیں ہیں میرے مولیٰ قبر میں
اب تو اپنا منہ دکھا مہرِ عجم ماہِ عرب

مہر فرما مہر سے عصیاں کی ظلمت محو کر
جلوہ فرما ہو ذرا مہرِ عجم ماہِ عرب

نور سے معمور ہو جائے مرا سینہ اگر
دل پہ رکھ دے اپنا پا مہرِ عجم ماہِ عرب

اک اشارے سے قمر کے تم نے دو ٹکڑے کیے
مرحبا صد مرحبا مہرِ عجم ماہِ عرب

نور کی سرکار ہے تو بھیک بھی نوری ملے
قلبِ نوری جگمگا مہرِ عجم ماہِ عرب

سامانِ بخشش، ص: ۶۲،۲۶۳، آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۹ء

از : مولانا مقبول احمد سالک مصباحی

حاضر در آج ہیں سرکار کے رضوی غلام

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

الصلاۃ والسلام اے سرورِ عالی مقام الصلاۃ والسلام اے رہبرِ جملہ امام
الصلاۃ والسلام اے مظہرِ ذات السلام الصلاۃ والسلام اے پیکرِ حسنِ تمام
الصلاۃ والسلام الصلاۃ والسلام
اے نبیوں کے نبی اور اے رسولوں کے امام

یا حبیب اللہ انت مھبط الوحی المبین انی مذنب سیدی انت شفیع المذنبین
یا رسول اللہ انت صادق الوعد الامین یا نبی اللہ انت رحمۃ للعالمین
الصلاۃ والسلام الصلاۃ والسلام
اے نبیوں کے نبی اور اے رسولوں کے امام

اے شہِ عرش آستاں اے سرورِ کون و مکاں اے مرے ایمانِ جاں اے جانِ ایمانِ زماں
اے مرے امن و اماں اے سرورِ ہر دو جہاں میں ہوں عاصی سرورا اور تم شفیعِ عاصیاں
الصلاۃ والسلام الصلاۃ والسلام
اے نبیوں کے نبی اور اے رسولوں کے امام

اے وہ جس کا رب ہے شاہد اور وہ مشہود ہے اے وہ جس کا رب ہے حامد اور وہ محمود ہے
اے وہ جس کا رب ہے قاصد اور وہ مقصود ہے اے کہ جس کا جود ایسا ہے کہ لا مقصود ہے
الصلاۃ والسلام الصلاۃ والسلام
اے نبیوں کے نبی اور اے رسولوں کے امام

قبلۂ کونین ہیں سرکار امام القبلتین آپ ہیں فتحِ خدا سے فاتحِ بدر و حنین
دور در سے جو ہوا تو پھر کہاں یہ امن و چین حاضرِ در آج ہیں سرکار کے رضوی غلام
الصلاۃ والسلام الصلاۃ والسلام
اے نبیوں کے نبی اور اے رسولوں کے امام

سامانِ بخشش، ص: ۱۸، ۲۸، آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۹ء

کھلا میرے دل کی کلی غوث اعظم

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری

کھلا میرے دل کی کلی غوث اعظم　　مٹا قلب کی بے کلی غوث اعظم
مرے چاند میں صدقے آجا ادھر بھی　　چمک اٹھے دل کی گلی غوث اعظم
ترے رب نے مالک کیا تیرے جد کو　　تیرے گھر سے دنیا پلی غوث اعظم
کہا جس نے یاغوث اغثنی تو دم میں　　ہر آئی مصیبت ٹلی غوث اعظم
نہیں کوئی بھی ایسا فریادی آقا　　خبر جس کی تم نے نہ لی غوث اعظم
نہ مانگوں میں تم سے تو پھر کس سے مانگوں　　کہیں اور بھی ہے چلی غوث اعظم
صدا گر یہاں میں نہ دوں تو کہاں دوں　　کوئی اور بھی ہے گلی غوث اعظم
قدم گردنِ اولیا پر ہے تیرا　　ہے تو رب کا ایسا ولی غوث اعظم
جو ڈوبی تھی کشتی وہ دم میں نکالی　　تجھے ایسی قدرت ملی غوث اعظم
ہمارا بھی بیڑا لگا دو کنارے　　تمہیں نا خدائی ملی غوث اعظم
تجھے تیرے جد سے انہیں تیرے رب سے　　ہے علمِ خفی و جلی غوث اعظم
مرا حال تجھ پر ہے ظاہر کہ پتلی　　تری لوح سے جا ملی غوث اعظم
خدا ہی کے جلوے نظر آئے جب بھی　　تری چشمِ حق میں کھلی غوث اعظم

فدا تم پہ ہو جائے نوریؔ مضطر
یہ ہے اس کی خواہش ولی غوث اعظم

سامان بخشش، ص: ۵۸، ۶۸، آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء

از : مولانا مقبول احمد سالک مصباحی

بے وسیلہ نجدیو ہرگز خدا ملتا نہیں

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری

دو جہاں میں کوئی تم سا دوسرا ملتا نہیں
ڈھونڈتے پھرتے ہیں مہر و مہ پتا ملتا نہیں

ہے رگِ گردن سے اقرب نفس کے اندر ہے وہ
یوں گلے ملنے پر بھی اے خدا جدا ملتا نہیں

آبِ بحرِ عشقِ جاناں سینہ میں ہے موج زن
کون کہتا ہے ہمیں آبِ بقا ملتا نہیں

ذرہ ذرہ خاک کا چمکا ہے جس کے نور سے
بے بصیرت ہے جسے وہ مہ لقا ملتا نہیں

جو خدا دیتا ہے ملتا ہے اسی سرکار سے
کچھ کسی کو حق سے اس در کے سوا ملتا نہیں

کیا علاقہ دشمنِ محبوب کو اللہ سے
بے رضائے مصطفیٰ ہرگز خدا ملتا نہیں

کوئی مانگے یا نہ مانگے ملنے کا در ہے یہی
بے عطائے مصطفائی مدعا ملتا نہیں

وصلِ مولیٰ چاہتے ہو تو وسیلہ ڈھونڈ لو
بے وسیلہ نجدیو ہرگز خدا ملتا نہیں

ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ سے عیاں پھر بھی نہاں
ہو کے شہ رگ سے قریں تر ہے جدا ملتا نہیں

دہریہ الجھا ہوا ہے دہر کے پھندوں میں یوں
سارا الجھا سامنے ہے اور سرا ملتا نہیں

علمِ صانع ہوتا ہے مصنوع سے لیکن اسے
دیکھ کر مصنوع صانع کا پتا ملتا نہیں

نعمتِ کونین دیتے ہیں دو عالم کو یہی
مانگ دیکھو ان سے تم دیکھو تو کیا ملتا نہیں

جل رہے ہیں پھنک رہے ہیں عاشقانِ سوختہ
دھوپ ہے اور سایۂ زلفِ رسا ملتا نہیں

وہ ہیں خورشیدِ رسالت نور کا سایہ کہاں
ان کے فرضی ظل سے بھی ظلِ ہما ملتا نہیں

قاسمِ نعمت سے ہم مانگیں تو نجدی یوں بکیں
کیوں نبی سے مانگیے اللہ سے کیا ملتا نہیں

مصطفیٰ ما جئت الا رحمۃ للعالمین
چارہ ساز دوسرا تیرے سوا ملتا نہیں

ہم تو ہم وہ انبیا کے بھی لیے ہیں واسطہ
ان کو بھی جو ملتا ہے بے واسطہ ملتا نہیں

دل گیا اچھا ہوا اس کا نہیں غم، غم ہے تو یہ
لے گیا پہلو سے جو وہ دل ربا ملتا نہیں

محی سنت حامیِ ملت مجدد دین کا
پیکرِ رشد و ہدیٰ احمد رضا ملتا نہیں

کس طرح ہو حاضرِ در نوری بے پر شہا
ناکے روکے دشمنوں نے راستہ ملتا نہیں

سامانِ بخشش، ص: ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۱ء

کہ پھر رہا ہی کسی کا مزار آنکھوں میں

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوریؔ

کچھ ایسا کردے مرے کردگار آنکھوں میں
ہمیشہ نقش رہے روئے یار آنکھوں میں

بسا ہوا ہے کوئی گل عذار آنکھوں میں
کھلا ہے چار طرف لالہ زار آنکھوں میں

وہ نور دے مرے پروردگار آنکھوں میں
کہ جلوہ گر رہے رخ کی بہار آنکھوں میں

نہ اک نگاہ ہی صدقہ ہو دل بھی قرباں ہو
کرم کرے تو وہ ناقہ سوار آنکھوں میں

تمھارے قدموں پہ موتی نثار ہونے کو
ہیں بے شمار مری اشک بار آنکھوں میں

انھیں نہ دیکھا تو کس کام کی ہیں یہ آنکھیں
کہ دیکھنے کی ہے ساری بہار آنکھوں میں

نظر میں کیسے سمائیں گے پھول جنت کے
کہ بس چکے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں

عجب نہیں کہ لکھا لوح کا نظر آئے
جو نقش پا کا لگاؤں غبار آنکھوں میں

ملے جو خاک قدم ان کی مجھ کو قسمت سے
لگاؤں سرمہ نہ پھر زینہار آنکھوں میں

یہ دم ہمارا کوئی دم کا اور مہماں ہے
کرم سے لیجیے دم بھر قرار آنکھوں میں

وہ سبز سبز نظر آرہا ہے گنبد سبز
قرار آگیا یوں بے قرار آنکھوں میں

وہی مجھے نظر آئیں جدھر نگاہ کروں
انھیں کا جلوہ رہے آشکار آنکھوں میں

یہ دل تڑپ کے کہیں آنکھوں میں نہ آجائے
کہ پھر رہا ہی کسی کا مزار آنکھوں میں

کرم یہ مجھ پہ کیا ہے مرے تصور نے
کہ آج کھینچ دی تصویر یار آنکھوں میں

فرشتے پوچھتے ہو مجھ سے کس کی امت ہے
لو دیکھ لو یہ ہے تصویر یار آنکھوں میں

نہار چہرۂ والا تو گیسوہیں واللیل
بہم ہوئے ہیں یہ لیل و نہار آنکھوں میں

پیا ہے جامِ محبت جو آپ نے نوری
ہمیشہ اس کا رہے گا خمار آنکھوں میں

سامانِ بخشش، ص:۹۷،۹۸،۹۹، آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

سجدہ نہ سمجھ نجدی سر دیتا ہوں نذرانہ

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

تو شمع رسالت ہے عالم ترا پروانہ
تو ماہ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ

جو ساقیِ کوثر کے چہرے سے نقاب اٹھے
ہر دل بنے مے خانہ ہر آنکھ ہو پیمانہ

دل اپنا چمک اٹھے ایمان کی طلعت سے
کر آنکھیں بھی نورانی اے جلوۂ جانانہ

سرشار مجھے کردے اک جام لبالب سے
تا حشر رہے ساقی آباد یہ مے خانہ

مستِ مئے الفت ہے مدہوشِ محبت ہے
فرزانہ ہے دیوانہ دیوانہ ہے فرزانہ

کیوں زلفِ معنبر سے کوچے نہ مہک اٹھیں
ہے پنجۂ قدرت جب زلفوں کا ترے شانہ

اس در کی حضوری ہی عصیاں کی دوا ٹھہری
ہے زہر معاصی کا طیبہ ہی شفا خانہ

ہر پھول میں بو تیری ہر شمع میں ضو تیری
بلبل ہے ترا بلبل پروانہ ہے پروانہ

پیتے ہیں ترے در کا کھاتے ہیں ترے در کا
پانی ہے ترا پانی دانہ ہے ترا دانہ

سنگِ درِ جاناں پر کرتا ہوں جبیں سائی
سجدہ نہ سمجھ نجدی سر دیتا ہوں نذرانہ

گر پڑکے یہاں پہنچا مر مر کے اسے پایا
چھوٹے نہ الٰہی اب سنگِ درِ جانانہ

سنگِ درِ جاناں ہے ٹھوکر نہ لگے اس کو
لے ہوش پکڑ اب تو اے لغزشِ مستانہ

وہ کہتے نہ کہتے کچھ وہ کرتے نہ کرتے کچھ
اے کاش وہ سن لیتے مجھ سے مرا افسانہ

اے مفلسو نادارو جنت کے خریدارو
کچھ لائے ہو بیعانہ کیا دیتے ہو بیعانہ

کچھ نیک عمل بھی ہیں یا یونہی اَمَل ہی ہے
دنیا کی بھی ہر شی کا تم لیتے ہو بیعانہ

آباد اسے فرما ویراں ہے دلِ نوریؔ
جلوے ترے بس جائیں آباد ہو ویرانہ

سامان بخشش، ص:۲۱۱،۱۱۱ آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

داغ دل میں جو مزا پایا ہے نوری تم نے

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

مرضِ عشق کا بیمار بھی کیا ہوتا ہے
جتنی کرتا ہے دوا اور سوا ہوتا ہے

کیوں عبث خوف سے دل اپنا ہوا ہوتا ہے
جب کرم آپ کا عاصی پہ شہا ہوتا ہے

ان کا ارشاد ہے ارشادِ خداوندِ جہاں
یہ وہی کہتے ہیں جو رب کا کہا ہوتا ہے

پلہ نیکی کا اشارے سے بڑھا دیتے ہیں
جب کرم بندہ نوازی پہ تُلا ہوتا ہے

سارا عالم ہے رضا جوے خداوندِ جہاں
اور خدا آپ کا جو یاے رضا ہوتا ہے

ہم نے یوں شمع رسالت سے لگائی ہے لَو
سب کی جھولی میں تمھارا ہی دیا ہوتا ہے

دونوں ہاتھوں سے لٹاتے ہیں خزانہ لیکن
جتنا خالی کریں اتنا ہی بھرا ہوتا ہے

بے کس و بے بس و بے یار و مددگار جو ہو
آپ کے در سے شہا سب کا بھلا ہوتا ہے

جگمگا اٹھتا ہے دل کا مرے ذرہ ذرہ
جب مرا جانِ قمر جلوہ نما ہوتا ہے

آپ محبوب ہیں اللہ کے ایسے محبوب
ہر محبّ آپ کا محبوب خدا ہوتا ہے

کب گلِ طیبہ کی خوشبو سے بسیں گے دل و جاں
دیکھیے کب کرمِ بادِ صبا ہوتا ہے

دل تپا سوزِ محبت سے کہ سب میل چھٹے
تپنے کے بعد ہی تو سونا کھرا ہوتا ہے

کب مٹانے سے کسی کے خطِ تقدیر مٹے
ق ہو کے رہتا ہے جو قسمت کا لکھا ہوتا ہے

تیرا دیدار میسر ہو جسے نورِ خدا
اسے دنیا ہی میں دیدار خدا ہوتا ہے

ترا جلوہ نہیں اللہ کا جلوہ ہے وہ
تیری صورت سے خدا جلوہ نما ہوتا ہے

داغِ دل میں جو مزا پایا ہے نوری تم نے
ایسا دنیا کی کسی شی میں مزا ہوتا ہے

سامانِ بخشش، ص: ۱۱۰، ۱۱۱، آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۹ء

وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری نوری

کون کہتا ہے آنکھیں چرا کر چلے — کب کسی سے نگاہیں بچا کر چلے

کون ان سے نگاہیں لڑا کر چلے — کس کی طاقت جو آنکھیں ملا کر چلے

وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے — ہاں حسیں تم ہو فتنے مٹا کر چلے

رب کے بندوں کو رب سے ملا کر چلے — جلوۂ حق وہ ہم کو دکھا کر چلے

جز بشر اور کیا دیکھیں خیرہ نظر — اَیُّکُمْ مِثْلِی گو وہ سنا کر چلے

جگمگا ڈالیں گلیاں جدھر آئے وہ — جب چلے وہ تو کوچے بسا کر چلے

شب کو شبنم کی مانند رویا کیے — صورت گل وہ ہم کو ہنسا کر چلے

سب کو اسلام کا تم نے بخشا شرف — گرتے پڑتوں کو پیارے اٹھا کر چلے

جس کا ثانی ہوا اور نہ ہے اور نہ ہو — وہ عطا کر چلے وہ سخا کر چلے

عمر بھر اعدا ان کو ستایا کیے — اور وہ دشمنوں کو دعا کر چلے

جسم پر نور کا یوں تو سایا نہ تھا — اور پتھر میں نقشے جما کر چلے

جن کے دعوے تھے ہم ہی ہیں اہل زباں — سن کے قرآں زبانیں دبا کر چلے

داغ دل ہم نے نوریؔ دکھا ہی دیا
درد دل کا فسانہ چھڑا کر چلے

سامان بخشش، ص: ۱۱۶ تا ۱۱۷، آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس، ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۲ء

الٰہی نکلے یہ نجدی بلا مدینے سے

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری

پیام لے کے جو آئی صبا مدینے سے
مریضِ عشق کی لائی دوا مدینے سے

سنو تو غور سے آئی صدا مدینے سے
قریں ہے رحمت وفضلِ خدا مدینے سے

ملے ہمارے بھی دل کو جلا مدینے سے
کہ مہر و ماہ نے پائی ضیا مدینے سے

تمھاری ایک جھلک نے کیا اسے دل کش
فروغِ حسن نے پایا شہا مدینے سے

تمام شاہ و گدا پل رہے ہیں اس در سے
ملی جہان کو روزی سدا مدینے سے

جو آیا لے کے گیا کون لوٹا خالی ہاتھ
بتادے کوئی سنا ہو جو لا مدینے سے

بتادے کوئی کسی اور سے بھی کچھ پایا
جسے ملا جو ملا وہ ملا مدینے سے

نہ چین پائے گا یہ غم زدہ کسی صورت
مریضِ غم کو ملے گی شفا مدینے سے

لگاؤ دل کو نہ دنیا میں ہو کسی شے سے
تعلق اپنا ہو کعبے سے یا مدینے سے

گدا کی راہ جہاں دیکھیں پھر نوا کیوں ہو
نوا سے پہلے ملے بے نوا مدینے سے

چمن کے پھول کھلے مردہ دل بھی جی اٹھے
نسیم خلد سے آئی ہے یا مدینے سے

کرے گی مردوں کو زندہ یہ تشنوں کو سیراب
وہ دیکھو اٹھی کرم کی گھٹا مدینے سے

مدینہ چشمۂ آبِ حیات ہے یارو
چلو ہمیشہ کی لے لو بقا مدینے سے

چلے جو طیبہ سے مسلم تو خلد میں پہنچے
کہ سیدھا خلد کا ہے راستہ مدینے سے

تم ایک آن میں آئے گئے تمھارے لیے
دو گام بھی نہیں عرش علا مدینے سے

ترے حبیب کا پیارا چمن کیا برباد
الٰہی نکلے یہ نجدی بلا مدینے سے

ترے نصیب کا نوری ملے گا تجھ کو بھی
لے آئے حصہ یہ شاہ و گدا مدینے سے

سامانِ بخشش، ص: ۵۲، ۶۲، ۷۲، ۸۲ آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۹ء

رباعیات نوری

مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری

دنیا تو یہ کہتی ہے سخن ور ہوں میں　　سارے شعرا کا آج سرور ہوں میں
میں یہ کہتا ہوں یہ غلط ہے سو بار غلط　　سچ تو ہے یہی کہ سب سے احقر ہوں میں

دیگر

گل ہائے ثنا سے مہکتے ہوئے ہار　　سقمِ شرعی سے ہیں منزہ اشعار
دشمن کی نظر میں یہ نہ کھٹکیں کیوں کر　　ہیں پھول مگر ہیں چشمِ اعدا میں خار

دیگر

منظور نظر ہے بس ثنائے سرکار　　جانِ دو جہاں کی جو ہیں سر ہر کار
نوری کافی ہے دو جہاں میں مجھ کو　　مقبول اگر ہوں ان کو مرے افکار

دیگر

بدکار ہوں مجرم ہوں سیہ کار ہوں میں　　اقرار ہے اس کا کہ گنہ گار ہوں میں
بایں ہمہ ناری نہیں نوری ہوں حضور　　مومن ہوں تو فردوس کا حق دار ہوں میں

دیگر

حد بھر کا زیاں کار سیہ کار ہوں میں　　امت میں بڑا سب سے گنہ گار ہوں میں
پر دل کو ہے اپنے اسی سے ڈھارس　　فرماتا ہے اللہ کہ غفار ہوں میں

دیگر

ظالم ہوں جفا کار وستم گر ہوں میں　　عاصی و خطا کار بھی حد بھر ہوں میں
یہ سب ہے مگر پیارے تری رحمت سے　　سنی ہوں مسلمان مقرر ہوں میں

سامانِ بخشش، ص: ۱۰۴، ۱۴۱، آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس ۱۹۹۳ء/۱۴۱۳ھ

شجرۂ عالیہ حضرات

عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ نوریہ

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین الی یوم الدین

یا الٰہی! رحم فرما مصطفیٰ کے واسطے — یا رسول اللہ کرم کیجے خدا کے واسطے
مشکلیں حل کر شہِ مشکل کشا کے واسطے — کر بلائیں رد شہیدِ کربلا کے واسطے
سیدِ سجاد کے صدقے میں ساجد رکھ مجھے — علمِ حق دے باقرِ علمِ ہدیٰ کے واسطے
صدقِ صادق کا تصدق صادق الاسلام کر — بے غضب راضی ہو کاظم اور رضا کے واسطے
بہرِ معروف و سری معروف دے بے خود سری — جندِ حق میں گن جنیدِ با صفا کے واسطے
بہرِ شبلی شیرِ حق دنیا کے کتوں سے بچا — ایک کا رکھ عبدِ واحدِ بے ریا کے واسطے
بو الفرح کا صدقہ کر غم کو فرح دے حسن و سعد — بو الحسن اور بو سعید سعد زا کے واسطے
قادری کر قادری رکھ قادریوں میں اٹھا — قدرِ عبد القادرِ قدرت نما کے واسطے
اَحسَنَ اللہُ لَہٗ رزقاً سے دے رزقِ حسن — بندۂ رزاق تاج الاصفیا کے واسطے
نصر ابی صالح کا صدقہ صالح و منصور رکھ — دے حیاتِ دیں محیِ جاں فزا کے واسطے
طورِ عرفان و علو و حمد و حسنیٰ و بہا — دے علی موسیٰ حسن احمد بہا کے واسطے
بہرِ ابراہیم مجھ پر نارِ غم گلزار کر — بھیک دے داتا بھکاری بادشاہ کے واسطے
خانۂ دل کو ضیا دے روئے ایماں کو جمال — شہ ضیا مولیٰ جمال الاولیا کے واسطے
دے محمد کے لیے روزی کر احمد کے لیے — خوانِ فضل اللہ سے حصہ گدا کے واسطے
دین و دنیا کی مجھے برکات دے برکات سے — عشقِ حق دے عشقیِ عشق انتما کے واسطے
حبِ اہلِ بیت دے آلِ محمد کے لیے — کر شہیدِ عشق حمزہ پیشوا کے واسطے
دل کو اچھا تن کو ستھرا جان کو پر نور کر — اچھے پیارے شمسِ دیں بدر العلیٰ کے واسطے
دو جہاں میں خادمِ آلِ رسول اللہ کر — حضرتِ آلِ رسولِ مقتدا کے واسطے
نورِ جان و نورِ ایماں نورِ قبر و حشر دے — بو الحسینِ احمدِ نوری لقا کے واسطے
کر عطا احمد رضائے احمدِ مرسل مجھے — میرے مولیٰ حضرتِ احمد رضا کے واسطے
سایۂ جملہ مشائخ یا خدا ہم پر رہے — مفتیِ اعظم امام الاولیا کے واسطے
صدقہ ان اعیاں کا دے چھ عین عز علم و عمل — عفو و عرفاں عافیت اس بے نوا کے واسطے

مناجات رضویہ

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری برکاتی سنی حنفی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یا الٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل شہِ مشکل کشا کا ساتھ ہو

یا الٰہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو
شادیِ دیدار حُسنِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

یا الٰہی گورِ تیرہ کی جب آئے سخت رات
ان کے پیارے منہ کی صبحِ جانفزا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب پڑے محشر میں شورِ دار و گیر
اَمن دینے والے پیارے پیشوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے
صاحبِ کوثر شہِ جود و عطا کا ساتھ ہو

یا الٰہی سرد مہری پر ہو جب خورشید حشر
سیدِ بے سایہ کے ظلِّ لِوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی گرمیِ محشر سے جب بھڑکیں بدن
دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی نامۂ اعمال جب کھلنے لگیں
عیب پوشِ خلق ستارِ خطا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب بہیں آنکھیں حسابِ جُرم میں
اُن تبسم ریز ہونٹوں کی دعا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب حسابِ خندۂ بے جا رُلائے
چشمِ گریانِ شفیعِ مرتجیٰ کا ساتھ ہو

یا الٰہی رنگ لائیں جب مری بے باکیاں
ان کی نیچی نیچی نظروں کی حیا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب چلوں تاریک راہِ پُل صراط
آفتابِ ہاشمی نور الہدیٰ کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے
ربِّ سلِّم کہنے والے غم زُدا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جو دُعائیں نیک ہم تجھ سے کریں
قدسیوں کے لب سے آمیں ربنا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب رضا خوابِ گراں سے سر اٹھائے
دولتِ بیدار عشقِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

☆☆☆☆☆☆

عرض مرتب:

سرکار مفتی اعظم قدس سرہ اور "جہان مفتی اعظم"

جس وقت امام احمد رضا کا وصال ہوا، اس وقت آپ کے بڑے صاحب زادے حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں قادری کی عمر مبارک تقریباً ۴۸ رسال تھی اور چھوٹے صاحب زادے مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خاں قادری کی عمر تقریباً ۳۰ رسال تھی، گویا کہ دونوں ہی صاحب زادے عمر کی پختہ منزل میں قدم رکھ چکے تھے اور نہ صرف انھوں نے آپ کے مشن کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیا تھا، بل کہ اپنے والد محترم کی زندگی میں ہی باطل پرستوں کے چھکے چھڑانے شروع کر دیے تھے، جیسا کہ عن قریب ان کی زندگیوں کی اجمالی تصویر سے اندازہ ہو جائے گا۔ حضرت حجۃ الاسلام کی تاریخ ولادت ۱۲۹۲ھ ہے، جب کہ مفتی اعظم کی تاریخ ولادت ۱۳۱۰ھ ہے۔ اس طرح دونوں شہزادوں کی عمروں کے درمیان ۱۸ رسال کا فاصلہ ہے۔ لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ امام احمد رضا دوسری اولاد نرینہ کے حصول کے درمیان اس طویل فاصلے سے کچھ مضطرب سے تھے۔ انھیں یہ فکر دامن گیر تھی کہ میرے بعد دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و صیانت کا سامان کس طرح ہوگا اور تقدیس رسالت کی میری چھوڑی ہوئی تحریک کس طرح پائے دار ہوگی؟

چنان چہ (سوانح نگاروں کے مطابق) آپ نے رب قدیر کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعا کی کہ اے مالک یوم الدین، اے کارساز حقیقی تو غفور رحیم ہے، خداوندا! بادشاہا! بندہ نواز! تو جبار و قدیر ہے، تیرے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں، تو نے زندگی کا ایک خوب صورت پھل (شہزادیوں کے علاوہ حضرت حجۃ الاسلام کی شکل میں) ضرور عطا کیا ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے ایک اور ایسی اولاد عطا فرما جو پوری دنیا میں تیرے دین کو سرخرو کرے، جو تیرے ذکر سے زمین ہند کے ہر خطے کو آباد کر دے۔ آپ کی دعا قبول ہوئی اور پھر اسی سال حضور مفتی اعظم کی ولادت مبارکہ ہوئی، ان کے آنے سے صحن رضا میں خوشیوں کے فوارے ابلنے لگے۔ یہ وہی شہزادہ تھا جسے امام احمد رضا نے اپنے رب سے دعا کے بعد مانگا تھا، انھیں کی زندگی کی بکھری کڑیوں کو ہم اس "جہانِ مفتی اعظم" کے صفحات میں جمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

انسانی زندگی کے دو مرحلے بڑے ہی اہم ہوا کرتے ہیں، ایک اس کا آنا اور دوسرے اس کا جانا۔ آتا ہے تو خوشیوں کے شادیانے بجائے جاتے ہیں اور جب جاتا ہے تو پورا ماحول اور گرد و پیش ماتم کدہ بن جاتا ہے۔ مگر حضرات انبیائے کرام کا آنا اور جانا دونوں ہی مبارک ہوا کرتا ہے، وہ آتے ہیں تو بشارتوں کی سوغات لے کر آتے ہیں اور جاتے ہیں تو امت مرحومہ کے لیے نجات و مغفرت کا سامان بن کر جاتے ہیں۔ (شفا شریف از قاضی عیاض) قرآن کریم نوع انسانی کی ہدایت و رہ نمائی کے لیے آخری اور لازوال دستور ہے، اس نے انبیا و مرسلین کی زندگی کے دونوں ہی مراحل کو بڑی خوب صورتی اور شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ قرآن کریم کا یہ انداز نظر بتا رہا ہے کہ نوع انسانی

کے لیے انبیا کی زندگی کے ان دونوں مراحل کا ہمیشہ پیش نظر رہنا ضروری ہے۔ پہلا مرحلہ ہمیں اگر آدابِ زندگی بتاتا ہے تو دوسرا مرحلہ ہمیں انجام زندگی کی روشنی عطا کرتا ہے۔

مشہور حدیث پاک کا مضمون ہے کہ ابن آدم کی آنکھیں جب بند ہو جاتی ہیں تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے البتہ تین ذریعوں سے جاری رہتا ہے (۱) ولد صالح (۲) علم نافع اور (۳) صدقہ جاریہ امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بعد یہ تینوں سلسلے برقرار رکھے۔ ایک ہزار کے قریب تصنیفات کا ذخیرہ چھوڑا جس سے پوری جماعت سنیت اپنی بقا و تحفظ کا سامان کر رہی ہے، یہ علم نافع کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ ولدِ صالح کی شکل میں حضور حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان قادری اور خلفِ اصغر مفتی اعظم مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری (علیہما الرحمۃ والرضوان) کو چھوڑا جن کے ذریعہ آپ کا فیض و کرم چہار دانگ عالم میں بٹ رہا ہے اور جہاں تک صدقۂ جاریہ کا سوال ہے تو مسجد رضا، رضوی دار الافتا اور منظر اسلام اور ان کے شہزادوں اور ان کے مریدین و متوسلین کے ذریعہ قیام پذیر سیکڑوں ہزاروں سنی رضوی اور نوری برکاتی ادارے، اور مساجد و مراکز وغیرہ اس کی جیتی جاگتی مثالیں ہیں۔

مفتی اعظم کی ولادت ۲۲ رذی الحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۷ رجولائی ۱۸۹۳ء بروز جمعہ بوقت صبح صادق علامہ حسن رضا خاں قادری کے دولت سرائے اقدس پر رضا نگر محلہ سوداگران بریلی میں ہوئی، والد گرامی نے آپ کا نام محمد تجویز فرمایا اور اسی نام پر عقیقہ بھی ہوا، جب کہ شیخ طریقت حضرت نوری میاں مارہروی نے آپ کا نام ابوالبرکات محی الدین جیلانی، تجویز فرمایا۔ والد ماجد نے ہی عرفی نام مصطفیٰ رضا رکھا ،اور فن شاعری میں آپ نے اپنا تخلص ''نوری'' پسند فرمایا، اور عرفی نام ہی مشہور ہوا اور بعد میں عرفی نام کے علاوہ مفتی اعظم کا لقب آپ کا علم بن گیا۔ آپ کی تاریخ ولادت وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (۱۳۱۰ھ) سے نکلتی ہے، جس وقت آپ کی ولادت ہوئی والد گرامی کی عمر مبارک تقریباً اڑتیس سال تھی، آپ کی ولادت کے بعد والد گرامی کل تقریباً تیس سال (۱۳۴۰ھ) تک حیات ظاہری میں رہے، جس وقت آپ کی ولادت ہوئی، بڑے بھائی حضرت حجۃ الاسلام کی عمر تقریباً ۱۸ رسال تھی، جیسا کہ پچھلے صفحے میں گزرا۔ امام احمد رضا نے مفتی اعظم کو بڑے نازوں سے پالا پوسا، آپ کو اپنے برادر اکبر کی محبتیں بھی میسر رہیں۔ حضرت حجۃ الاسلام آپ سے بے پناہ محبت فرماتے تھے، جبھی تو حج بیت اللہ کی جب دعا کی، تو اپنے چھوٹے بھائی کو فراموش نہ کیا، ان کے لیے بھی دعا مانگی، بچپن کی زیادہ تفصیلات دست یاب نہیں، حضرت علامہ ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں، جب اعلیٰ حضرت دار الافتا میں تشریف فرما ہوتے تو کبھی کبھی شہزادہ اصغر حاضر ہوتے، بارگاہ رضا میں، شہزادۂ رضا کی حاضری کا اتنا پیارا انداز ہوتا کہ قربان ہونے کو جی چاہتا، جو بھی دیکھتا پکار اٹھتا کہ بلاشبہ یہ مادر زاد ولی کامل ہیں، عارف حق آگاہ اور مرشد ربانی ہیں۔ اس کے علاوہ کسی اور سے ایسا عرفانی عمل متوقع نہیں ہو سکتا تھا فرماتے ہیں کہ آہستہ سے آتے، اور دو زانو مؤدب سرکار رضا میں بیٹھ جاتے، یعنی شریر بچوں کی طرح نہ ہنگامہ کرتے، نہ کاغذوں پر دوڑتے نہ سامان کو اٹھاتے پھینکتے اور اس وقت آپ کی عمر ۴ رسال کے قریب تھی، سارے احباب و تلامذہ نے چھوٹے سرکار کی ولادت پر امام ممدوح کو مبارک بادیں پیش کیں، امام نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ آپ کی زبان مبارک کرے میں تو دین کا ادنیٰ خادم ہوں اور میری دلی تمنا ہے کہ میرا بیٹا بھی دین کی خدمت کو ہی اپنا شعار بنائے،،

چار سال ۴۔ ماہ اور چار دن کی عمر میں آپ کی رسم تسمیہ خوانی خود حضور امام اہل سنت نے ادا کی اور حضور حجۃ الاسلام کو آپ کی تعلیم و

نگہداشت کے لیے خاص طور پر متعین کیا، تین سال میں تکمیل ناظرہ قرآن کریم کرلیا۔ آپ کے اساتذہ مولانا رحم الٰہی منگلوری، تلمیذ مولانا عبدالعزیز انبیٹھوی مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی تلمیذ مولانا لطف اللہ علی گڑھی، حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں اور خود امام موصوف والد گرامی ہیں۔ مولانا ظہور الحسین رام پوری تلمیذ مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی۔

۱۸ سال کی عمر میں فارغ ہوئے، اور تقریباً چالیس علوم وفنون میں مہارت بہم پہنچائی جو درج ذیل ہیں۔

(۱) علم القرآن (۲) علم الحدیث (۳) اصول الحدیث (۴) فقہ حنفی (۵) جملہ کتب فقہ متداولہ مذاہب اربعہ (۶) اصول فقہ (۷) علم تفسیر (۸) علم العقائد والکلام (۹) علم النحو (۱۰) علم صرف (۱۱) علم معانی (۱۲) علم بیان (۱۳) علم بدیع (۱۴) علم منطق (۱۵) علم مناظرہ (۱۶) علم فلسفہ (۱۷) علم حساب (۱۸) علم ہندسہ (۱۹) علم سیر (۲۰) علم تاریخ (۲۱) علم لغت (۲۲) ادب (۲۳) اسماء الرجال (۲۴) نظم عربی (۲۵) نظم فارسی (۲۶) نظم ہندی (۲۷) نثر عربی (۲۸) نثر فارسی (۲۹) نثر ہندی (۳۰) خط نستعلیق (۳۱) تلاوت مع تجوید (۳۲) علم الفرائض (۳۳) علم عروض (۳۴) علم قوافی۔

(۳۵) علم تکسیر (۳۶) علم التوقیت (۳۷) زیجات (۳۸) ہیأت کی والد ماجد سے تحصیل کی۔ (۳۹) علم تصوف اور سلوک کی تعلیم حضرت نوری میاں اور والد گرامی سے لی۔ دیگر علوم وفنون کی تحصیل اساتذہ سے کی۔

۲۸ ۱۳ھ میں فراغت کے بعد پہلا قلم برداشتہ فتوی رضاعت کے مسئلے پر لکھا۔ جواب کی صحت پر امام نے مسرت کا اظہار فرمایا اور خود ہی مہر بنوا کر عطا کی، امام کی کامیابی پر علامہ نقی علی خان کو جو خوشی ہوئی تھی، امام کو خود چھوٹے شہزادے کی کامیابی پر بھی وہی خوشی ہوئی۔

۱۳۲۸ھ سے ۱۳۴۰ تک ۱۲ سال امام کی زیر نگرانی فتوی لکھا، اور تربیت بھی حاصل کی۔

۱۳۲۹ھ کو جب عم مکرم علامہ حسن رضا خان قادری کا وصال ہوا تو حجۃ الاسلام منظر اسلام کے مہتمم ہوئے اور علامہ مصطفیٰ رضا نوری کو فتوی نویسی اور امام کی اعانت تفویض ہوئی۔ (اور پھر امام کے وصال کے بعد ۱۳۴۰ھ سے باضابطہ فتوی نویسی کا آغاز کیا۔)

جس وقت تسمیہ خوانی ہوئی نماز اور وضو کے مسائل سیکھ چکے تھے، کھیل کود سے قطعاً شغف نہ تھا، آپ کی پوری تعلیم منظر اسلام میں ہوئی والد کی طرح آپ کے اساتذہ بھی محدود ہیں اور اوراد و وظائف اور تلاوت قرآن کے بچپن سے ہی پابند تھے، کبھی کسی کو نماز کے لیے کہنے کی ضرورت نہ پڑی۔

پہلا دور عزلت نشینی کا گزرا، دوسرا دور منزل تحریر کا گزرا، جس میں تدریسی کام کیا اور آزادی لکھے، سبق پختہ خود یاد کیا اور زیادہ یاد کیا، علمی مباحثوں میں حصہ لیتے، طلبہ کے اشکال رفع فرماتے، کبھی کسی نے قہقہہ لگا کر ہنستے نہیں دیکھا۔

مفتی اعظم کی شادی چھوٹے چچا حضرت محمد رضا خاں کی اکلوتی صاحب زادی دختر نیک اختر ''فاطمہ بیگم'' سے تقریباً ۱۸ سال کی عمر میں ۱۳۲۸ھ۔ ۱۹۱۱ء مئی کے اوائل میں ہوئی۔ آپ کی کل سات اولاد ہوئیں۔ صاحب زادہ مرحوم محمد انور رضا کے وصال کا سارے خانوادۂ رضویہ اور جملہ مریدین ومعتقدین اور حضرات احباب واقارب مفتی اعظم کو ملال ہوا، نگار فاطمہ، انوار فاطمہ، برکاتی بیگم، رابعہ بیگم، ہاجرہ بیگم، شاکرہ بیگم۔ آپ کے والد گرامی کو بھی کل سات ہی اولاد عطا فرمائیں۔ آپ کی شادی کی قطعی تاریخ دستیاب نہیں۔ ہاں دبدبۂ سکندری میں آپ کی شادی خانہ آبادی کے موقع پر حضرت مولانا قاری ہدایت رسول قادری رضوی پیلی بھیتی کا لکھا ہوا سہرا معروف اردو اخبار دبدبۂ سکندری رام پور میں شائع ہوا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ماہ مئی ۱۹۱۱ء کے پہلے ہفتہ کے کسی دن میں ہوئی۔ ذیل میں وہ یادگار سہرا بطور تبرک درج کیا جاتا ہے۔

سہرا

رخِ نوشہ نے کیا جلوہ فگن سہرے کو
چاند چہرے کو جو کہیے تو کرن سہرے کو

نوشہ کے سر پہ چڑھایا تو گرا قدموں پر
یاد ہے خوب خوشامد کا چلن سہرے کو

کوئی کلیوں پہ تصدق کوئی نوشہ پہ نثار
دیکھ کر ہوتے ہیں پروین پرن سہرے کو

ابھی ہو جائے مسلماں ابھی کلمہ پڑھ لے
دیکھ لے آکے اگر رام سرن سہرے کو

جس کے جلوے کے ہیں مشتاق حسینانِ جہاں
زہے مالن وہ بنا لائی دلہن سہرے کو

ابھی آنکھوں سے لگائے ابھی سر پر رکھ لے
اک نظر دیکھے اگر شاہِ ختن سہرے کو

پہلے تھیں سر میں تمنا کی ہوائیں اس کی
اب بنایا ہے مسرت نے وطن سہرے کو

وجد میں آئیں جسے دیکھ کے حورانِ جناں
ہاتھ آئی ہے وہ قدرت سے پھبن سہرے کو

رنج و غم فکر و الم صدمۂ اندوہ و ملال
دیکھ کر ہوتے ہیں یک لخت ہرن سہرے کو

ہیں گلِ سُرخ بھی بیلے کی لڑی میں شامل
مل گئے دُرِّ عدن لعلِ یمن سہرے کو

کچھ ہدایت کو بھی خیراتِ رضا کا صدقہ
سُن کے فرمائیں عطا شاہِ زمن سہرے کو

مفتی اعظم ۲۵ رجمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ کو بیعت سے سرفراز ہوئے اور ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں باضابطہ درس نظامیہ سے فراغت ہوگئی، آپ کا وصال پرملال ۱۴ رمحرم الحرام ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء میں ہوا، حضور اعلیٰ حضرت کے وصال پرملال کے وقت مفتی اعظم کی عمر مبارک ۴۰ رسال یعنی کڑیل جوانی کی تھی۔ والد گرامی کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک طویل عمر یعنی تقریباً ۶۲ رسال مرحمت فرمائی، اس دوران مفتی اعظم وصیت کے وقت اپنے والد گرامی سے کیے ہوئے وعدوں کو نبھاتے رہے، زندگی کا لمحہ لمحہ دین مصطفوی کے فروغ و ارتقاء اور گستاخانِ رسالت کی سرکوبی اور باطل طاقتوں کی بیخ کنی میں صرف فرمادیا، جس وقت آپ اس کائنات سے تشریف لے جارہے تھے تو آپ کے پیچھے لاکھوں مریدین کا سمندر موجیں مار رہا تھا، جس کا اظہار آپ کے وصال کے بعد نماز جنازہ میں ہوا، علامہ سید محمد مدنی میاں کی روایت کے مطابق تقریباً ۲۵ رلاکھ افراد نے جنازے میں شرکت کی۔

کسی بھی انسان کے اوپر دو طرح کے حقوق عائد ہوتے ہیں۔ (۱) حقوق اللہ (۲) حقوق العباد۔ حقوق اللہ کا تعلق براہِ راست رب کائنات سے ہوتا ہے، بندہ اور اس کے درمیان کوئی اور حائل نہیں ہوتا ہے، ادا نہ کیا تو رب تبارک وتعالیٰ میدان قیامت میں باز پرس فرمائے گا اور حسب حکمت ومشیت وعدہ وعید، جزا وسزا کا ترتب ہوگا۔ جب کہ حقوق العباد کا تعلق بندوں سے ہے، ان کی معافی ومغفرت کے لیے بندوں کی رضا درکار ہے۔ یہ اور بات ہے کہ باز پرس اور جزا وسزا رب ذوالجلال کی بارگاہ صمدیت ہی سے ہوگی۔

حضور مفتی اعظم کی زندگی دونوں پہلوؤں سے بالکل آئینہ کی طرح شفاف نظر آتی ہے، جہاں تک حقوق اللہ کی ادائیگی کا تعلق ہے تو زندگی میں لوگوں نے شاید باید تکبیر اولیٰ فوت ہوتے دیکھی ہو، نماز کے لیے اس طرح بے چین ہوتے کہ لگتا تھا کہ گھر لوٹا جارہا ہے یا جسم کا کوئی حصہ کاٹا جارہا ہے، ہوش کی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد نزع تک نماز کے لیے یہی بے چینی قائم رہی، آخری ایام میں ایک بار گرمیوں

کے دنوں میں روزے رکھنے کے لئے والد محترم کی طرح رمضان شریف میں نینی تال بھوالی قیام کر کے فریضۂ الٰہی ادا کیا۔ امام احمد رضا نے بھی روزہ کے تعلق سے اپنے حق میں یہی فتویٰ دیا تھا، کہ چوں کہ میرے اندر کسی سرد علاقے مثلاً نینی تال، جا کر روزہ رکھنے کی استطاعت ہے، اس لیے وہاں جا کر روزے رکھے۔ اپنی ہی ذات کے لیے ایسا غیر رعایتی اور سخت فتویٰ کم ہی زندگیوں میں نظر آئے گا؟ یہ تھی شان عزیمت خاندان رضا اور جہاں تک صدقات و عطیات اور جود و نوال یا زکوٰۃ و خیرات کی بات ہے تو دنیا جانتی ہے کہ امام احمد رضا کے اثاثوں کا بیش تر حصہ آہستہ آہستہ دین کے فروغ و استحکام میں ہی کام آیا۔ کتابوں کی اشاعت و طباعت اور مدرسین و عاملین کی تنخواہیں، طلبہ کی دعوتیں اور ضیافتیں اور منظر اسلام کے دیگر اخراجات، کتابوں کی خریداری یہ سب کچھ تو ذاتی مصرف سے ہوتا۔ مفتی اعظم تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ کہنے والوں نے کہا اور بتانے والوں نے بتایا کہ مفتی اعظم کے دور میں گھر کی بیگمات اور شہزادیوں کے زیورات تک اٹھ گئے، مگر دین میں فرق نہ آنے دیا، وہی شان کرم، وہی شان عزیمت و سخاوت۔ تاریخ شاہد ہے کہ امام احمد رضا نے وصایا شریف میں اپنی جائداد کا ایک ثلث حصہ حکم شریعت کے مطابق وقف علی الدین فرمایا۔ پروفیسر مسعود صاحب لکھتے ہیں کہ اگر شرعی عذر نہ ہوتا تو شاید امام موصوف پورا ہی مال وقف فرما دیتے۔ دوسروں کا حق دینے کے لیے ہمیشہ تیار رہے اپنا حق کبھی کسی سے نہ مانگا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے نفس مر چکا ہے اور یقیناً مر چکا ہے۔ جس کا نفس مر جاتا ہے، وہی ولایت کے اس مرتبۂ عظمیٰ پر فائز ہوتا ہے، جہاں مفتی اعظم کی ذات ستودہ صفات نظر آتی ہے۔

مفتی اعظم کی زندگی بھی ایک فرد بشر کی طرح دو حصوں میں منقسم تھی۔ ذاتی زندگی اور قومی و مذہبی زندگی، ذاتی زندگی میں مفتی اعظم ہند ایک فولاد صفت انسان معلوم ہوتے ہیں، جو ہر طرح کا سرد و گرم، محنت و مشقت اور تکلیف و اذیت برداشت کر سکتا ہے، اس کی اپنی کوئی خواہش نہیں، کوئی جذبہ نہیں، جو ملا کھا لیا، جو ملا پہن لیا اور شکر مولیٰ ادا کیا، لیکن جہاں تک مذہبی اور قومی زندگی کا سوال ہے، تو اس میں کوئی بپھرا ہوا دریا یا زخم خوردہ شیر نظر آتے تھے، جو ذرا سی آہٹ بھی برداشت نہ کر سکتا ہو، محسوس ہو گیا کہ دین کو نشانہ بنایا گیا ہے، فکر اسلامی کا مذاق اڑایا گیا ہے تو پھٹ پڑتے، حرکت میں آ جاتے اور پھر کوئی طاقت آپ کو احتساب و مکافات سے نہ روک سکتی تھی، مستحبات و مندوبات کے خلاف بھی کچھ سننا گوارا نہ کیا۔ الملفوظ شریف میں اعلیٰ حضرت نے تحریر فرمایا ہے، ایک مفید ہے دوسرا مستفید۔ جس میں افادہ کی صلاحیت نہ ہو، گوشہ گیری اختیار کرے اور جس میں افادہ کی صلاحیت ہو اس کے لیے گوشہ گیری حرام ہے۔

خانوادۂ رضویہ کا یہ پہلو بڑا عظیم ہے کہ اس نے مستفید بننے کے بجائے مفید بننا گوارہ کیا، مفتی اعظم خود زحمت اٹھا سکتے تھے، مگر کسی کا چہرہ میلا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ قومی زندگی میں بھی آپ کی غیرت و حمیت بڑی مثالی تھی ہمیشہ قوم کی بقا و تحفظ اور شیرازہ بندی میں لگے رہے۔ گاندھوی تحریک ہو یا انگریزی استعمار امام موصوف کا قلم دونوں کی یکساں پردہ دری کرتا نظر آیا، وہی لکھا جو صحیح تھا، وہی کہا جو سچ تھا، کبھی مداہنت نہ کی، صلح کلیت کو قریب نہ آنے دیا، ترک موالات کا ''رضوی فارمولہ'' آج بھی کارآمد اور قابل عمل ہے، بل کہ یہ فارمولہ پہلے کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہو گیا ہے، جدید مغربی و لادینی معاشی چیرہ دستیوں نے مسلمانوں کا سارا سرمایہ نگل لیا ہے، مسلمان دن بدن قلاشی کی طرف بڑھتا جا رہا ہے، یورپ نے مسلم ملکوں کو دیمک کی طرح کھا لیا ہے، اگر مسلمانوں نے امام موصوف کے اس نظریہ پر عمل کیا ہوتا تو صورت حال آج مختلف ہوتی، حضرت مفتی اعظم نے بھی قومی زندگی میں کہیں بھی قوم کے وقار و آبرو سے سمجھوتہ نہ کیا اور نہ اس بارے میں کسی خوف و ضرر کی پروا کی، نس بندی کا معاملہ آیا تو بلا خوف لامۃ لائم جو سچ تھا اسے بہ بانگ دہل اعلان کر دیا، قید و بند کی صعوبتیں سامنے کھڑی تھیں کچھ پروا نہ کیا، حکومت نے ہاتھ ڈالنا چاہا، نگاہ غضب اٹھائی، فتویٰ نہیں بدلا، حکومت بدل گئی۔

تاریخ میں بہت سے افراد نے دنیاوی عیش و عشرت کو لات مار کر دین کی طرف رجوع کیا ہے، حضرت ابراہیم بن ادہم کا واقعہ

ضرب المثل ہے، جنھوں نے ایک صدائے غیبی پر شاہانہ کروفر ترک کر کے جنگل کی راہ لی، حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کا مثالی کردار بھی نگاہوں کے سامنے ہے، جنھوں نے سمنان کے تخت شاہی کو خیر باد کہہ کر خدمت خلق خدا کو اپنا مسلک و مشرب بنالیا، لیکن افراد کے علاوہ بہت سی قومیں اور جماعتیں بھی اپنی اجتماعی تاریخ میں اس حوالے سے پہچانی گئی ہیں، پیغمبر انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم نے یمنی لوگوں کی تعریف و توصیف فرمائی ہے، ارشاد فرماتے ہیں۔ عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتا كم اهل اليمن هم الين قلوبا وارق افئدة الايمان يماني والحكمة يمانية راس الكفر قبل المشرق۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس اہل یمن آئے ہیں ان کے دل سب سے زیادہ رقیق ہیں ایمان اور دانائی یمنی ہے اور کفر کا مرکز (مدینہ کے) مشرق (نجد) میں ہے۔

غور کیجیے کہ زبان نبوت نے کسی ایک فرد کی نہیں بل کہ صرف ایک قوم یا قبیلے کی نہیں بل کہ پوری ایک کمیونٹی اور ایک مکمل معاشرہ کی تعریف بیان فرمائی ہے۔

اس کے بالکل برعکس بعض افراد کی بھی تقبیح وتر دید قرآن وسنت دونوں میں وارد ہوئی ہے، قرآن میں ایک طرف اگر قارون کو مورد مذمت بنایا گیا، تو دوسری طرف ابولہب کو بھی انتہائی درجہ تک ملعون و مطعون کیا گیا، حدیث پاک میں بھی ابوجہل اور دجال جیسے افراد کی بھرپور مذمت کی گئی ہے، مگر اسی کے ساتھ ساتھ پوری پوری جماعت اور کمیونٹی کی بھی مذمتوں کے واقعات ملتے ہیں۔ قرآن کریم میں بنی اسرائیل کی شقاوتوں اور ماضی کی بہت سی قوموں کی سرکشی اور بدکرداری کے واقعات کو بیان کیا گیا ہے، حدیث پاک میں نجد کی بڑے کھلے لفظوں میں مذمت کی گئی ہے، آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمارہے ہیں۔

دوسری حدیث: عن ابن عمر قال ذكر النبي صلى الله عليه وسلم اللهم بارك لنا في شامنا اللهم بارك لنا في يمننا قالوا و في نجدنا قال اللهم بارك لنا في شامنا اللهم بارك لنا في يمننا قالوا يا رسول الله وفي نجدنا فاظنه قال في الثالثة هناك الزلازل والفتن و بها يطلع قرن الشيطان۔ (صحیح البخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اے اللہ! ہمیں ملک شام میں برکت دے۔ اے اللہ! ہمیں ملک یمن میں برکت دے۔ لوگوں نے عرض کی اور ہمارے نجد میں بھی۔ آپ نے دعا فرمائی اے اللہ! ہمیں ہمارے شام میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ ہمیں ہمارے یمن میں برکت عطا فرما۔ لوگ عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ ہمارے نجد میں بھی۔ میرے خیال کے مطابق آپ نے تیسری مرتبہ فرمایا وہاں سے زلزلے اور فتنے ظاہر ہوں گے اور شیطان کا سینگ اسی جگہ سے نکلے گا۔

اتفاق سے امام احمد رضا اور آپ کے اخلاف و اسلاف دونوں کا سابقہ شروع سے ہی گروہ نجد اور ان کے اعوان و انصار سے پڑتا رہا، دوسری طرف روز اول سے آپ کے خاندان میں یمنی ایمان و عشق اور صداقت و اخلاص بھی موروثی طور پر منتقل ہوتا رہا، یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا بلکہ ہاتف غیبی نے حضرت حافظ کاظم علی خان کی زندگی میں اس بات کے اشارے دے دیے تھے کہ اب یہ خاندان دنیاوی جاہ و حشم اور مادی عیش و عشرت کو ترک کر کے عیش آخرت کی طلب میں سرگرداں ہو جائے گا۔ تاریخ اسلام نے بہت سے خاندانوں کے عروج و زوال دیکھے، اموی خاندان، عباسی خاندان، فاطمی خاندان، حمدانی خاندان، مغل خاندان، لودھی خاندان، تیموری خاندان، سلجوقی خاندان، تاتاری خاندان، برمکی خاندان، یہ سارے خاندان ایوان اقتدار کے گلیاروں میں بھٹکتے رہے، لیکن ایسے خاندان تاریخ میں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں جنھوں نے دنیاوی اقتدار کو ٹھوکر مار کر دین متین کی خدمت و اشاعت کو اپنا مقصد و مطمح نظر بنالیا۔ ملک ہندوستان

میں انفرادی سطح پر سیکڑوں افراد نے علم و فکر کی خدمت کو اپنا شیوہ بنایا، امام احمد رضا کا وہ خاندان ہے، جہاں پچھلے دو سو سالوں سے فتویٰ نویسی اور رشد و ہدایت و رہنمائی کا کام ہو رہا ہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔ امام احمد رضا نے اپنے خاندان کے اس تفرد اور اختصاص کا بہ طور تحدیث نعمت بارہا تذکرہ کیا ہے۔ حتیٰ کہ وقت آخر جب شہزادگان اور پسماندگان کو وصیت فرما رہے تھے اس وقت بھی اپنے خاندان کی اس روایت پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا تھا۔

مگر امام احمد رضا کی شان تقویٰ قابل دید ہے۔ سوالات اتنی کثرت سے آتے تھے کہ ایک موقع پر (کسی نے کچھ اس طرح لکھ دیا تھا کہ جواب کی جو کچھ فیس ہوگی ادا کی جائے گی) اصل مسئلہ کے جواب کے بعد رقم طراز ہیں۔

"یہاں بحمد اللہ تعالیٰ فتویٰ پر کوئی فیس نہیں لی جاتی، بفضلہٖ تعالیٰ تمام ہندوستان و دیگر ممالک مثل۔ چین و افریقہ و امریکہ۔ وخود عرب شریف وعراق سے استفتے آتے ہیں۔ اور ایک وقت میں چار چار سو فتوے جمع ہو جاتے ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ حضرت جد امجد قدس سرہ العزیز کے وقت سے اس ۱۳۳۷ھ تک اس دروازے سے فتوے جاری ہوئے اکانوے برس۔ اور خود اس فقیر غفرلہ کے قلم سے فتوے نکلتے ہوئے بعونہ تعالیٰ اکاون برس ہونے آئے۔ یعنی اس صفر کی ۱۴ ر تاریخ کو پچاس برس چھ مہینے گزرے۔ اس نو کم سو برس میں کتنے ہزار فتوے لکھے گئے۔ بارہ مجلد تو صرف اس فقیر کے فتاویٰ کے ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ یہاں کبھی ایک پیسہ نہ لیا گیا۔ نہ لیا جائے گا۔ بعونہ تعالیٰ ولہ الحمد۔

معلوم نہیں کون لوگ ایسے پست فطرت، دنی ہمت ہیں جنھوں نے یہ صیغہ کسب کا اختیار کر رکھا ہے۔ جس کے باعث دور دور کے ناواقف مسلمان کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہوگی؟ بھائیو! مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (قرآن کریم)۔ میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو سارے جہان کے پروردگار پر ہے۔ اگر وہ چاہے۔

اس خاندان کو خاندان مارہرہ اور گلشن بدایوں کی دعائیں حاصل رہیں، یہ ایک چراغ تھا جو مشکات مارہرہ سے روشن ہوا تھا، اب یہ اتنا نوری اور تابناک ہو گیا ہے کہ اس چراغ سے لاکھوں چراغ جل رہے ہیں، اس خاندان کا ہر فرد آفتاب و ماہتاب کی طرح جگ مگ کرتا نظر آتا ہے، آیئے اس خاندان کے بزرگوں کی فہرست پر ایک نظر ڈالیے اور اندازہ لگایئے کہ کس طرح سے رب تعالیٰ کی نوازشیں خاص خانوادہ مفتی اعظم کے جلو میں چمکتی رہیں۔

(۱) شجاعت جنگ محمد سعید اللہ خاں (۲) سعادت یار خاں فاتح روہیل کھنڈ (۳) حضرت مولانا محمد اعظم خاں (۴) حضرت مولانا حافظ کاظم علی خاں (۵) امام العلما حضرت مولانا مفتی محمد رضا علی خاں (۶) حضرت رئیس الاتقیا مولانا محمد نقی علی خان (۷) اعلیٰ حضرت مولانا امام احمد رضا خاں (۸) حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں (۹) مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں (۱۰) استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں (۱۱) مولانا مفتی محمد رضا خاں (۱۲) علامہ ابراہیم رضا خاں مفسر قرآن (۱۳) علامہ حماد رضا خاں نعمانی میاں (۱۴) مفکر اسلام علامہ حسنین رضا خاں (۱۵) محدث بریلوی علامہ تحسین رضا خاں (۱۶) مترجم اہل سنت علامہ مفتی تقدس علی خاں (۱۷) علامہ ریحان رضا خاں ریحانی میاں (۱۸) علامہ سبطین رضا خاں قادری (۱۹) علامہ مفتی اختر رضا خاں قادری۔

دو سو سالوں تک آسمان علم و فکر اور فقہ و فتاویٰ میں خاندان کے بزرگان دین روشن اور درخشاں رہے اور پوری ملت کو اپنی تابانیوں سے روشن و منور کرتے رہے، خدا جانے ابھی آئندہ کیسے کیسے ارباب فضل و کمال اور اصحاب فکر و نظر وجود میں آئیں گے اور ان چراغوں سے جو چراغ روشن ہوئے ان کا کوئی اعداد و شمار ہی نہیں ہے، حضور مفتی اعظم کے تقریباً ڈیڑھ سو سے زائد خلفا فیضان رضا تقسیم کرتے رہے مگر دریا کی روانی اور موجوں کی طغیانی میں کوئی فرق نہیں ہے، عرب و عجم، ہند و سند، شرق و غرب، شمال و جنوب اور افریقہ و

امریکہ ہر جگہ عشق وایمان کی روشنی تقسیم ہو رہی ہے، ہر مدرسے میں اسی کا نور ہے، ہر گلشن میں اسی کا جلوہ، ہر دانش کدہ میں اس کی رسائی اور اب تو ہر خانقاہ میں اس کی پذیرائی۔

رضا اکیڈمی

رضا اکیڈمی سے کون اہلِ قلم ناواقف ہوگا۔ آج ہندوستان میں متعدد اشاعتی وقلمی جماعتی ادارے سرگرمِ عمل ہیں، ان میں رضا اکیڈمی سرفہرست ہے، رضا اکیڈمی انتہائی اخلاص واستقلال کے ساتھ پچھلے پچیس سالوں سے مسلسل سنی لٹریچر کی اشاعت وترسیل میں مصروف کار ہے، ایک اندازے کے مطابق اب تک سیکڑوں کتابوں کی لاکھوں کاپیاں شائع کر کے ملک وبیرون ملک اہلِ علم وفکر کا اعتماد واعتبار حاصل کر چکی ہے، بل کہ ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کو فکر ونظر کی روشنی اور ایمان وعقیدہ کی دولت سے مالا مال کرنے میں بھی کامیاب ہوئی ہے۔ رضا اکیڈمی یوں تو تمام علماے اہلِ سنت کی مستند ومعتبر کتابوں کی نشر واشاعت کی کوشش کرتی ہے، لیکن خصوصیت کے ساتھ امام احمد رضا قادری بریلوی اور ان کے شہزادوں حضور حجۃ الاسلام، حضور مفتی اعظم کی تصنیفات وتالیفات اور حیات وخدمات پر لکھی گئی دیگر کتابوں کو اور دیگر کتب ورسائل کو منظرِ عام پر لانا اس کے اشاعتی منشور کی پہلی دفعہ ہے اور آج تک اسی محور پر پوری سرگرمی کے ساتھ رو بہ عمل ہے اور کامرانیاں اس کے قدم چوم رہی ہیں۔

رضا اکیڈمی کا طرۂ امتیاز ہے کہ یہ ایک معروف مذہبی، قومی ورفاہی ادارہ ہے۔ عموماً کتابیں مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ ترجمہ کنز الایمان وتفسیر خزائن العرفان، فتاویٰ رضویہ، حدائق بخشش اور ڈیڑھ سو سے زائد تصنیفات ورسائل اعلیٰ حضرت اس کی خاص مطبوعات ہیں۔ اردو ہندی اور انگریزی وعربی زبانوں میں بالخصوص لٹریچر شائع کرتی ہے اور ادھر پچھلے چند سالوں سے درس نظامیہ کی کتابیں بھی طبع کر کے مفت بلا معاوضہ مدارسِ اسلامیہ میں پہنچانے کا عمل جاری ہے۔ گزشتہ رمضان المبارک میں درس نظامیہ کی تقریباً ۳۱ر چھوٹی بڑی کتابیں پانچ پانچ سو اور ایک ایک ہزار حسب ضرورت طبع کر کے سیکڑوں مدرسوں کو مفت تقسیم کی گئیں۔ راقم السطور خود اس تقسیم کے عمل میں شریک رہا اور درجنوں مدرسوں کی طرف خود رہنمائی کی۔ اسی طرح امسال سالانہ عرس رضوی نوری کے موقع پر رضا اکیڈمی نے تقریباً پچاس کتابوں کے پچیس ہزار نسخے طبع کرائے جن کی قیمت سو روپے سے لے کر ایک سو پچھتر روپے تک تھی، مگر صرف ارسال وابلاغ کے نقطۂ نظر سے رضا اکیڈمی نے لاکھوں روپے کا خسارہ برداشت کرتے ہوئے عوام وعلماے اہلِ سنت وطلبۂ مدارس کو فی کتاب ۲۵ روپے کی شرح سے اور کنز الایمان کے دو ہزار نسخے صرف ۷۵ روپے میں تقسیم کیا۔ شائقین کا ازدحام واضطراب اس قدر تھا کہ لوگوں کو قطار میں کھڑا کرنا پڑا اور جب اس سے بھی جمِ غفیر قابو میں نہ آیا تو باقاعدہ پولیس کی خدمات حاصل کرنی پڑیں۔ اس پروگرام کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ تقریباً چار سو کارٹون کتابیں دو دنوں سے بھی کم وقفے میں تمام ہوگئیں جب کہ آج سے تیس پینتیس سال قبل اشاعتی مزاج یہ نہ تھا۔ سال گزشتہ بھی درسی کتابوں کے تعلق سے عرس رضوی کے موقع پر یہ پالیسی اپنائی گئی تھی۔

اب ان کا ارادہ ہے کہ جہاں جہاں اہلِ سنت وجماعت کے ملکی پیمانے پر لاکھوں پر مشتمل اجتماعات ہوتے ہیں اور اہلِ علم وہنر اکٹھا ہوتے ہیں وہاں وہاں پروگرام کے تحت کتابیں پہنچائی جائیں۔ جو لوگ بھی اس طرح کے پروگراموں میں رضا اکیڈمی کا ہاتھ بٹاتے ہیں، میں ان سب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور انھیں یقین دلاتا ہوں سنی لٹریچر کی یہ ارزانی اور فراوانی تحریک امام احمد رضا کا ایک حصہ اور حضور

مفتی اعظم کے خوابوں کی تعبیر ہے۔ حضور مفتی اعظم کی خاص خواہش تھی کہ علمائے اہل سنت کی کتابیں طبع ہوکر تقسیم ہوں۔ امام احمد رضا نے بھی اپنی زندگی میں اس مشن کو جاری رکھا، جماعت رضائے مصطفیٰ کی متعدد ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری کتابوں کی مفت تقسیم بھی تھی۔ اگر ہم الحاج محمد سعید نوری صاحب کا بار ہلکا نہیں کر سکتے تو کم از کم ان کے لیے دعائے خیر ضرور کر سکتے ہیں۔ رب قدیر! الحاج محمد سعید نوری صاحب کے اضطراب کو ہر سنی خوش عقیدہ مسلمان کے دل کی دھڑکن بنادے، اے مولائے کریم! تو انھیں ایسی تاب و توانائی عطا کر کہ وہ تیرے دین کی آواز کو دنیا کے آخری کناروں تک پہنچا سکیں۔ وہ تیرے مقبول و محبوب بندے امام احمد رضا کے مشن کی تکمیل اور مفتی اعظم کے خوابوں کی تعبیر کے لیے وقف ہیں، تو انھیں ثابت قدمی عطا فرما تاکہ تیرے حبیب لبیب سرکار ابد قرار حضرت احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی نصرت و حمایت کی راہ مین ہمیشہ سرگرم عمل رہیں۔

رضا اکیڈمی کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ جب بھی قومی یا عالمی سطح پر اسلام، پیغمبر اسلام، قرآن یا مسلمانوں کے خلاف کوئی فتنہ کھڑا ہوتا ہے تو رضا اکیڈمی سب سے پہلے اس کے خلاف آواز بلند کرتی ہے۔ یہ فتنہ چاہے اخبارات کے ذریعہ اٹھے یا ریڈیو ٹیلی ویژن کے ذریعہ، انٹرنیٹ یا ویب سائٹس کے ذریعہ اٹھے یا زبان و قلم کے ذریعہ۔ ہر موقع پر رضا اکیڈمی سدِ سکندری کا کام کرتی ہے اور فرقہ پرستوں اور اسلام دشمنوں نیز گستاخانِ رسالت کو دندان شکن جواب دیتی ہے۔ ماضی قریب میں ۲۸ رفروری ۲۰۰۶ء کو ڈنمارک میں شائع گستاخانہ کارٹون کے خلاف عظیم الشان احتجاجی ریلی کا انتظام کیا گیا تھا، جس میں ایک اندازے کے مطابق تقریباً ایک لاکھ رضا کاروں نے شرکت کی تھی، راقم السطور اس پروگرام میں شریک تھا۔ پورا مجمع سمندر کی طرح لہریں لے رہا تھا، ہر طرف سے نعرۂ تکبیر و رسالت کی فلک شگاف آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔

حضرت مولانا منصور علی خان قادری جنرل سکریٹری آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما مدن پورہ، مولانا سید سراج احمد قادری رضوی خطیب و امام رضا جامع مسجد پھول گلی، مولانا ولی اللہ شریفی خلیفہ حضرت شارح بخاری چمبور، مولانا محمود عالم رشیدی خطیب و امام جامع مسجد گوونڈی، مولانا امان اللہ رضا خاں قادری، مولانا فخر عالم رضوی استاذ جوہیر ہائی اسکول گوونڈی، مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری، شاعر اسلام تبسم عزیزی مبارک پوری، مفتی عبد الحکیم نوری رضوی، خطیب و امام جامع مسجد مالونی ملاڈ، قاری نیاز احمد قادری دار العلوم حنفیہ رضویہ قلابہ، مفتی محبوب رضا روشن القادری، سید عبداللہ قادری گورکھپوری دار العلوم خلیلیہ مانو یہ، گوونڈی، مولانا محمد فاروق رضوی ناظم اعلیٰ دار العلوم امام احمد رضا کوسہ، مولانا صابر القادری مدینہ مسجد، ۹۰ فٹ روڈ سائن، مفتی منظور احمد مصباحی جامعہ قادریہ سونا پور، مفتی عبد الستار مصباحی جامعہ قادریہ سونا پور، مولانا نوشاد عالم قادری مخدومیہ جوگیشوری، قاری غلام مجتبیٰ رضوی مصباحی نوری مسجد بائی کلہ، ان کے علاوہ اور سیکڑوں علما ومشائخ اور ارباب سیاست و حکومت موجود تھے، اس عظیم الشان تاریخی ریلی میں جہاں ملعون کارٹونسٹ کی کھل کر مذمت کی گئی وہیں مسلمانوں کی صفوں میں موجود گستاخوں کی بھی بھرپور طریقے سے سخت مذمت کی گئی اور اہل سنت کی شناخت کو باقی رکھتے ہوئے اپنے موقف کو پیش کیا گیا، یہ ایک مثال ہے ورنہ جب بھی کوئی اسلامی اور قومی مسئلہ کھڑا ہوتا ہے، رضا اکیڈمی ملت کے دفاع میں پیش پیش رہتی ہے۔

رضا اکیڈمی کا تیسرا رخ اس کی رفاہی اور ویلفیئر سرگرمیاں ہیں، گاہے گاہے حسب استطاعت امداد و تعاون کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتی ہے، فسادات کے موقعوں پر کپڑے، اشیائے خوردنی، برتن، اور دیگر اسباب معاش وغیرہ فراہم کرتی ہے، گجرات فسادات کے موقعہ پر رضا اکیڈمی کے جوانوں نے بے مثال جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا تھا۔ جولائی ۲۰۰۵ء میں جب ممبئی میں قیامت خیز سیلاب آیا اور پوری ممبئ

زہریلے پانی میں غرق ہوگئی، ریلوے لائن، ٹیلی فون، بجلی اور بس سروس سب کچھ معطل ہوگئی، اربوں کی جائیدادیں تباہ ہوگئیں، ہزاروں جانیں نذرِ سمندر ہوگئیں، محلوں میں اترانے والے سڑکوں پر اس طرح کھڑے تھے جیسے وہ غریب الدیار خانماں برباد مسافر ہوں۔ اس وقت اہل سنت ہی نہیں بل کہ کسی بھی طبقہ یا گروپ کی طرف سے تقسیم کیا جانے والا پہلا امدادی پیکج رضا اکیڈمی کی جانب سے تھا، اس موقع پر ایک اندازے کے مطابق رضا اکیڈمی نے تقریباً دس لاکھ روپے کے سامان تقسیم کیے، اس کاروائی میں دوسرے احباب واعوان خصوصاً حضور معین المشائخ حضرت علامہ سید شاہ معین الدین اشرفی الجیلانی ناظم اعلیٰ جامعہ قادریہ چھوٹا سونا پور اور علامہ منصور علی خان وغیرہ نے بھی سہارا دیا۔ رضا اکیڈمی کے جوانوں نے کرلا، جری مری، گھاٹ کوپر، کلیان، کلوا، دیوا جنکشن، کوسہ، ممبرا، تھانے اور بہت سی جگہوں پر جا جا کر گھر گھر امداد پہنچائی، نقصانات کا سروے کیا اور بعد میں آفس سے سروے رپورٹ کے مطابق متاثرہ خاندانوں کو راحت پہنچائی اور اس کاروائی میں بھی راقم السطور برابر شریک رہا اسی طرح امریکہ کے عراق پر دوسرے حملے کے بعد عراق کے مظلومین کی دادرسی کے طور پر ممبئی سے عراق تک ریلیف پہنچائی۔

۲۵ رسالہ عرس نوری

جہانِ مفتی اعظم کی اشاعت دراصل حضور مفتی اعظم کے جشن ۲۵ ر سالہ کی ایک کڑی ہے، سالانہ عرس کے موقع پر ۱۴ رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ کو اس کی اشاعت لازمی تھی، مگر تاخیر سے مقالوں کی وصولیابی اور پھر اس کی تصحیح و ترتیب میں تاخیر کے عمل نے اس کو کافی پیچھے کر دیا، الحاج محمد سعید نوری صاحب کا ارادہ تھا کہ ۲۵ ر سالہ جشنِ حضور مفتی اعظم تاریخی جاہ وجلال کے ساتھ منایا جائے اور اس کی پوری تیاریاں بھی کیں، لیکن جو چیز ان کے ہاتھ میں نہیں ہے، اس میں وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔

۲۵ ر سالہ جشن کے اشتہار اور پیغام حضور مفتی اعظم کی نشر واشاعت کے سلسلے میں ۲۰ ر نومبر ۲۰۰۶ء کو انھوں نے "کاروانِ نوری" کے نام سے ایک "روحانی سفر" کا اہتمام کیا، جس میں راقم الحروف اور مولانا منصور علی خاں قادری، مولانا مقصود علی خاں نوری، مولانا امان اللہ خاں قادری، مولانا فخر عالم رضوی، مولانا محمود عالم رشیدی، مولانا ولی اللہ شریفی اور مولانا محمد فاروق وغیرہ کے علاوہ کل تقریباً ۱۴ ر افراد پر مشتمل ایک نوری ونورانی قافلہ تھا جو ممبئی کی مختلف درگاہوں اور مزاروں کی زیارت کرتا اور ان کے فیوض و برکات حاصل کرتا بھیونڈی کے لیے روانہ ہوا، بھیونڈی سے ناسک، مالیگاؤں، جلگاؤں، سودا، بھساول، اجین، اندور، کان پور، مارہرہ، پیلی بھیت، بدایوں، نواب گنج، بریلی، مراد آباد، رام پور، سنبھل، دہلی، اجمیر شریف، بھیل واڑہ، اودے پور، احمد آباد، سورت، بڑودہ اور واپی ہوتے ہوئے تقریباً دو ہفتوں میں ہزاروں کلومیٹر سفر طے کر کے ممبئی واپس ہوا۔ اس کارواں میں دورانِ سفر لوگوں کا "حضور مفتی اعظم" سے جو لگاؤ اور تعلق خاطر راقم الحروف نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔

"جہانِ مفتی اعظم" کی تیاری اور اس کی اشاعت کا خاکہ سعید نوری صاحب کے دماغ میں کیوں کر آیا، اس کا جواب تو وہی دے سکتے ہیں یا ان کا بے زبان عشق دے سکتا ہے، لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ تقریباً سال بھر سے اس کی منصوبہ بندی جاری تھی، مقالہ نگاروں کے پتے جمع کیے جا رہے تھے، مطبوعہ مضامین سے انتخاب واختیار کا سلسلہ جاری تھا۔ خطوط کی روانگی، مقالوں کی فائلنگ، فوٹو کاپی کا حصول اور کمپوزر کے حوالے کرنا یہ سارا کام جاری رہا۔ اس دوران ناظم علی رضوی کی محنتوں کا انکار نہیں کیا جاسکتا، جن کا دماغ کمپیوٹر کی طرح سریع الحرکت یادداشت کا مالک ہے، ہر مقالہ نگار کا نام اور پتہ ہمیشہ ذہن میں محفوظ، کس کا مضمون آیا اور کس کا نہیں، اس کی تفصیل ہر وقت ذہن میں مستحضر۔ کئی کئی بار

مقالہ نگاروں کو یاد دہانی کے خطوط لکھے گئے، جن کے پاس مواد کی بالکل دست یابی نہ تھی انھیں مواد کی ترسیل ایک اہم مسئلہ تھا مگر حضرت الحاج محمد سعید نوری صاحب ان سارے مسائل پر بڑی چابک دستی سے قابو پاتے رہے۔ جب مضامین کمپوز ہو کر آجاتے، ان کو پہلی پروف ریڈنگ کے مرحلے سے گزارنا اور ضروری حد تک اصلاح و تنقیح کرنا راقم السطور کے ذمہ رہا، پہلے مرحلے میں علامہ یٰس اختر صاحب مصباحی بانی و مہتمم دار القلم دہلی اور مولانا محمد حنیف خاں رضوی مصباحی جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف نے عنوانات کی تعیین اور مقالہ نگاروں کی نشان دہی میں ہمارا بھرپور تعاون کیا اور اس سلسلے میں انھوں نے حضرت الحاج محمد سعید نوری صاحب کی خواہش پر ممبئی کا سفر بھی کیا۔ مضامین کی پہلی پروف ریڈنگ مکمل ہوتے ہوتے تقریباً فروری کا پورا مہینہ گزر گیا۔ اب مارچ آنے والا تھا، عرس اعلیٰ حضرت ۲۵ رصفر المظفر سے تقریباً ۱۵ ردن قبل ہی میں وطن مالوف ضلع مہراج گنج کا پروگرام بنا چکا تھا، کہ اسی اثنا میں حضرت نوری صاحب کا فرمان آگیا کہ کمپوز شدہ سارا میٹر لے کر میں فوراً الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور چلا جاؤں تا کہ علامہ محمد احمد مصباحی اور مولانا عبد المبین نعمانی صاحب اس مجموعہ پر آخری نظر ڈال لیں اور اس کے بعد اسے فوراً دہلی میں پریس کے حوالے کر دیا جائے تا کہ عرس اعلیٰ حضرت میں منظرِ عام پر آسکے، مجھے اس میں کوئی زحمت نظر نہیں آرہی تھی، کیوں کہ گھر آنا ہی تھا۔ گورکھ پور سے اعظم گڑھ کا فاصلہ ہی کتنا ہے، چند دن یوں ہی سہی۔ اس طرح اس عظیم امانت کو لے کر عازمِ اشرفیہ ہوا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ابتداءً نشانہ یہ مقرر کیا گیا تھا کہ ۱۴ رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ کو ۲۵ رسالہ عرس مفتی اعظم کے تاریخی موقع پر "جہانِ مفتی اعظم" کو منظر عام پر لایا جائے، مگر بروقت بعض اہم مقالات کی عدم فراہمی اور کمپوزنگ و اصلاح کی سست رفتاری اور بعض عالمی مسائل کے تناظر میں انقلابی حالات وواقعات نے ہمیں اس نشانے کے حصول سے باز رکھا، پھر تو کام روایتی ڈھرے پر چل پڑا۔ لیکن الحاج محمد سعید نوری صاحب کے یکا یک عرسِ اعلیٰ حضرت کے موقع پر "جہانِ مفتی اعظم" کی اشاعت کے اعلان نے پھر گرمی پیدا کر دی اور دوبارہ راقم الحروف اور رضا اکیڈمی کے دیگر اسٹاف نے تیاریاں زور و شور سے شروع کر دیں۔ خدا خدا کر کے ۴ رمارچ ۲۰۰۶ء کو شام چار بجے تک کمپوز شدہ کل مضامین و مقالات کی سی ڈی دست یاب ہو سکی، جو کل تقریباً آٹھ سو صفحات پر مشتمل تھی۔ راقم الحروف بادلِ نخواستہ اسی شام کشی نگر ایکسپریس سے گورکھ پور کے لیے روانہ ہو گیا۔ چھ مارچ کی شام کو صبح ۱۲ ربجے گورکھ پور اسٹیشن پر پہنچا، وہاں سے دار العلوم کا مایہ مفتاح العلوم کو لھوئی بازار ضلع مہراج گنج کے لیے بذریعہ بس دہلی سنولی بازار (سرحد نیپال) روڈ سے روانہ ہوا، جو ہمارے علاقے کا مرکزی اور سرگرم تعلیمی ادارہ ہے۔ بے سروسامانی کے باوجود پوری ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ خدمتِ دینِ متین میں معروف ہے۔ ۱۹۷۰ء میں مولوی صوفی مبین الدین صاحب کاملی کے ذریعہ اس کا قیام عمل میں آیا۔ آج وہاں عالی شان دو عمارتیں اور ایک مسجد موجود ہے۔

دار العلوم میں میرے برادر اکبر ماسٹر محمد رضا انصاری صاحب، فاؤنڈر لال پور جونیر ہائی اسکول اطلاع کے مطابق انتظار کر رہے تھے، ان کے ذریعہ میری بوڑھی اور ضعیف والدہ محترمہ و مخدومہ کریمہ ام رضا امت النساء عرف اماتی (رحمہا اللہ تعالیٰ) کو بھی میری آمد کی اطلاع ہو چکی تھی۔ وہ میری بلائیں لینے کے لیے دو پہر ہی سے دروازے پر آنکھ لگائے ہوئے تھیں۔ (افسوس کہ جن کی محبتوں کو قربان کر کے زیر نظر مجموعہ کی ترتیب و تدوین میں ایک سال تک مصروف کار رہا۔ (مشیت ایزدی سے ان کی زندگی میں یہ مجموعہ زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکا، اور ۲۵ راکتوبر ۲۰۰۶ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولیٰ تعالیٰ اس خدمت کے صدقے و طفیل ان کی

مغفرت فرمائے۔) مولانا محمد طاہر القادری مصباحی کی معیت میں بذریعہ اسکوٹر بعد نمازِ مغرب اپنے آبائی وطن لال پور گاؤں پہنچا، جو کلھوئی بازار سے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر جانب جنوب برجمن گنج اور مہراج گنج روڈ پر واقع ہے۔ والدہ محترمہ نے رقت انگیز انداز میں آب دیدہ ہو کر میرا استقبال کیا۔ کیوں کہ وہ سال میں کبھی کبھار ہی مجھ کم نصیب کی ملاقات سے مسرور و شادکام ہوتی ہیں، عموماً میرا سارا وقت پردیس میں اور وہ بھی حالت سفر میں گزرتا ہے، وہ میری زندگی کا ایک ایسا خلا ہے جسے میں کبھی پُر نہ کرسکا اور نہ آئندہ سردست ایسی کوئی صورت نظر آتی ہے اور میں اپنے آپ کو اس کے لیے کبھی معاف نہیں کرسکتا۔ ان کی خدمتِ مبارکہ میں صرف ایک گھنٹہ بہ مشکل حاضر رہ سکا اس کے بعد دار العلوم کا ملیہ شام کی تاریکی میں واپس آگیا۔ (بعد وفات گھر کی مستورات کے ذریعہ معلوم ہوا کہ والدہ محترمہ کو اس حادثہ کا آخری وقت تک قلق رہا اور برابر اس کا ذکر کرتی رہیں۔ کاش کہ یہ مجموعہ ان کی حیات میں چھپ جاتا تو شاید میرا وہ قصور معاف کر دیتیں مگر حالات نے یہ آخری عذر بھی پیش کرنے کی اجازت نہ دی اور میں ان کے سایہ رحمت سے محروم ہوگیا۔ ناظرین وقارئین حضرات ان کی مغفرت کے لئے ضرور دعا فرمائیں۔) بعد نمازِ فجر ضروریات سے فارغ ہوکر مبارک پور کے لیے روانہ ہوگیا۔ شام کو چار بجے کے قریب الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے مین گیٹ پر پہنچا، عظیم وضخیم سبز گنبد اور سنٹرل بلڈنگ کا سہانا منظر دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں۔ فرطِ مسرت سے میرا دل بلیوں اچھل رہا تھا، کیوں کہ تقریباً دس سال کے بعد مادر علمی میں چند روز باضابطہ قیام کے ارادے سے داخل ہو رہا تھا۔

شروع شروع میں اندازہ تھا کہ ہفتہ دس دن میں نظرِ ثانی واصلاح کا کام مکمل کر کے جلد ہی حضرت الحاج محمد سعید نوری، بانی و صدر، رضا اکیڈمی کے حوالے کر دوں گا۔ مگر جب کام شروع ہوا تو معلوم ہوا کہ جو کچھ بیاں ہوا وہ آغازِ باب تھا۔ بہ ہر حال جماعتی سطح پر دو نامور اور معتبر محقق اور اہلِ قلم حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور اور علامہ عبد المبین نعمانی مہتمم دار العلوم قادریہ چریا کوٹ، کو اس کی اصلاح ونظرِ ثانی کا کام سونپا گیا۔ فکر وقلم کی دنیا سے تعلق رکھنے والے حضرات ان بزرگوں کی مصروفیات سے بہ خوبی آگاہ ہیں۔ اس لیے ابتداءً مجھے امید نہیں تھی کہ یہ قیمتی حضرات اس ناگہانی ذمہ داری یا کام کی ضخامت واہمیت کے مدِ نظر اس بلائے ناگہانی سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ مگر کچھ تو الحاج محمد سعید نوری صاحب کا خلوص پھر سرکار مفتی اعظم سے نسبت ارادت اور کچھ اس طرح کے کاموں سے ان حضرات کی ذاتی دل چسپی اور کسی نہ کسی حد تک علامہ مصباحی صاحب سے براہِ راست راقم السطور کا شرفِ تلمذ اور تدریسی رفاقت اور پھر حضرت نعمانی صاحب سے دیرینہ سلام وکلام اور معرفت، ان سب عوامل نے مل جل کر ان حضرات کو اس کام کو ہاتھوں میں لینے پر مجبور کر دیا۔ بل کہ پورے جوش وخروش کے ساتھ اس کی ترتیب و تہذیب، اصلاح ونظرِ ثانی اور حذف واضافی میں لگ گئے۔ راقم الحروف کے ساتھ یہ دونوں بزرگ شخصیات پوری سرگرمی کے ساتھ ایک ہفتہ تک کام کرتی رہیں اور کوشش یہ رہی کہ ہر حال میں ''جہانِ مفتی اعظم'' کو ۲۵ رصفر المظفر ۱۴۲۷ھ عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر شائع کر دیا جائے۔ مگر مضامین کی خستہ حالی اور غیر مستند روایتوں اور حوالوں کی دراندازی، اس بات کی اجازت نہیں دے رہی تھی کہ اس عظیم وجلیل شخصیت کی بارگاہ میں جو خود تحقیق وتدقیق، بحث ونظر اور نقد وادراک کی تاج دار اور فکر وشعور کی وہ ہمالہ اور فقہ وفتاویٰ کا دور شاہ وار رہی ہو، ایسی کوئی نذر پیش کی جائے جو غیر ثقہ یا کم زور روایتوں کے ملغوبے سے تیار کی گئی ہو۔ اس کی روح کو خوش کرنے کا ایک ہی راستہ تھا کہ اس کی بارگاہ میں ایک ایسا مجموعہ ہدیہ کیا جائے جو حتی الوسع اغلاط کی آمیزش سے پاک وصاف ہو، اس لیے انتہائی دیدہ وری اور عرق ریزی سے کام کو جاری رکھا گیا۔ اسی دوران علامہ نعمانی صاحب کی رہ نمائی اور حکم سے کئی مفید اور معیاری مضامین بھی

حاصل کیے گئے۔ ان کی کمپوزنگ کا بھی مسئلہ تھا۔

بہ ہر حال وہ سارا کام ایک ساتھ چلتا رہا۔ اس طرح کل تقریباً گیارہ سو (۱۱۰۰) صفحات تیار ہو گئے، دونوں بزرگوں اور راقم الحروف نے الگ الگ نقطۂ نظر سے برق رفتاری سے تصحیح کا ایک راؤنڈ مکمل کر لیا۔ یہ کام کا پہلا مرحلہ تھا، اب اس کے بعد کمپیوٹر آپریٹر کے ساتھ بیٹھ کر صبح وشام اور شب وروز اس کی تصحیح اور مقابلہ کا جاں سوز کام تھا، جو مکمل طور پر اس فقیر کے حصے میں تھا۔ میں تو شاید پہلے سے ہی ایسے کاموں کا عادی رہا ہوں اس لیے دن جائے، رات آئے، سورج ڈوبے، چاند نکلے، کچھ فرق نہیں پڑنے والا تھا، گھنٹوں قلم میری انگلیوں میں گردش کرتا رہے، تکان کا احساس نہیں ہوتا، ہاں مگر کبھی آپریٹر اور کبھی کمپیوٹر ضرور جواب دے جاتا۔ دونوں موجود ہوتے تو بجلی دغا دے جاتی، مبارک پور کچھ ممبئی نہیں ہے، جہاں چوبیس گھنٹے بجلی سپلائی ہو، وہ تو بھلا ہو ارباب اشرفیہ کا کہ انھوں نے ایک ایسا طاقت ور جنریٹر نصب کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے، جس سے بیک وقت پورے گراؤنڈ میں روشنی فراہم ہو جاتی ہے، مگر یہ بھی صرف دس بجے شب تک، اسی طرح صبح آٹھ بجے سے بارہ بجے تک بجلی نہیں تو جنریٹر حرکت میں رہتا اور کام چلتا رہتا، اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں تھی کہ کام جاری رہتا۔ بہ ہر حال جیسے تیسے تصحیح کا پہلا مرحلہ مکمل ہوا، اب آخری راؤنڈ ایک بار پھر علامہ مصباحی صاحب کی تنقیدی نگاہ سے گزرنا تھا، اب جو مصباحی صاحب نے ذرا اطمینان کے ساتھ نظر ڈالی تو پھر جتنا کام ہو چکا تھا، اتنا ہی کام اور نکل آیا۔ ہوا یوں کہ ابتداءً عجلت میں تینوں افراد کام کو تقسیم کر کے نظر ثانی کر رہے تھے تاکہ جلد از جلد پریس کے حوالے کیا جا سکے، مگر جب عرس اعلیٰ حضرت بالکل قریب آ گیا اور بہ ظاہر کوئی صورت نہ رہ گئی جس سے اس کو عرس اعلیٰ حضرت تک پریس کے حوالے کیا جا سکے تو مصباحی صاحب نے ذرا گہری نظر سے مقالوں کو دیکھنا شروع کیا، اب فیصلہ یہ ہوا کہ جب تک سارے ہی مقالے ایک بار نگاہ سے نہ گزر جائیں، ان کی اشاعت کسی طور پر مناسب نہیں، چناں چہ مصباحی صاحب ایک نئے ارادے اور حوصلے کے ساتھ دوبارہ سرگرم ہو گئے اور فرداً فرداً ہر مقالے پر نظر ڈالنی شروع کی اور جس قدر اس میں اصلاح ہو سکتی تھی کی اور کامل ایک ماہ کی جدو جہد اور جاں فشانی کے بعد تصحیح کا دوسرا مرحلہ مکمل ہوا اور چوں کہ بغیر آپریٹر کے ساتھ رہے کام قابل اطمینان حد تک ہونا ممکن نہ تھا، اس لیے اب دوسرے راؤنڈ میں پھر قلعہ بند ہو کر کام میں مشغول ہو گیا، تقریباً دو ہفتوں کی جاں فشانی اور دیدہ گدازی کے بعد یہ مرحلہ بھی خدا خدا کر کے مکمل ہوا، اس دوران جو نئے مضامین مبارک پور میں کمپوز ہو رہے تھے، ان کی بھی از سر نو پروف ریڈنگ اور تصحیح کا معاملہ آتا رہا اور کچھ ہی دنوں بعد تقریباً ڈیڑھ سو صفحات بذریعہ ای میل ممبئی سے بھی موصول ہوئے ان سب کو نپٹاتا رہا، اس طرح تقریباً ایک ماہ کی مدت اور بھی تمام ہو گئی۔

آساں نہیں راہِ عمل شیشہ گری کا

ناظرین حیران ہوں گے کہ اتنا سارا وقت کیسے لگ گیا، مگر جن لوگوں کو اس طرح کے کاموں کا تجربہ ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس طرح کے کاموں کو قابل اطمینان طریقے سے انجام دینے کے لیے کافی وقت درکار ہوتا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ دقتِ نظر، وسعتِ مطالعہ، قوت تنقید، ذوق سلیم اور ان سب سے بڑھ کر جماعت کے تئیں سچی ہمدردی وذمہ داری اور جواب دہی کا احساس ضروری ہے، الحمد للہ ان بزرگوں کی صحبت میں الجامعۃ الاشرفیہ کے اندر یک جا یہ ساری چیزیں میسر آ گئیں اور وقت کی تنگی کے باوجود صحت وحسن کے اعلیٰ معیار کو برتنے کی بھرپور کوشش کی گئی، جس کی وجہ سے اس علمی وادبی کاوش کو کسی بھی ٹیبل پر پورے اعتماد کے ساتھ رکھا جا سکتا ہے۔

مقالہ نگار حضرات اور قارئین کے ذہن میں یہ بات ہوگی کہ جہاں تک پروف ریڈنگ کا کام تھا تو وہ کچھ مشکل نہیں۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہاں صرف پروف ریڈنگ کا کام نہیں تھا بل کہ سلامت ذوق اور تنقیدی نقطۂ نظر سے بارہ سو فل اسکیپ صفحات کی ریڈنگ، تنقیح واصلاح، نوک پلک کی درستی، قواعد واملا کی رعایت، آیتوں اور ان کے ترجموں کی مراجعت، عربی عبارتوں کی تصحیح اور اصل کتابوں سے مقابلہ وغیرہ کا جاں سوز مرحلہ تھا، جو ارباب نظر کی نظر میں کام کی اہمیت اور نوعیت میں اضافہ کر رہا تھا۔

مقالوں کی تصحیح اور نظر ثانی میں کئی باتوں کا خیال رکھا گیا ہے، ذیل میں اختصاراً ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

(۱) سب سے اہم مسئلہ لکھے ہوئے مقالوں کے املا اور جدید قواعد کتابت کا تھا۔ جتنے مقالے تھے، لفظوں کو اتنی ہی شکلوں میں لکھا گیا تھا، اکثر حضرات جدید قواعد اردو کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے لفظوں کو قدیم عادت کے مطابق ہی لکھنے پر مجبور تھے۔ کئی مرحلوں کی جدوجہد کے بعد الفاظ کی شکلوں اور ان کے وصل وفصل کو جدید اردو قواعد املا کے مطابق کیا گیا، جو محققین اور مدونین کے یہاں مسلم الثبوت اور قابلِ تقلید ہیں۔ اس کے لیے خاص طور پر مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب کا مشکور ہونے کے ساتھ ساتھ براہِ راست اس فن کی کتابوں، مثلاً اردو املا، ادبی تحقیق مسائل وتجزیہ، تحقیق کا فن، املا نامہ وغیرہ سے استفادہ کیا ہے۔ بعض مشورے جو بالکل ناقابلِ عمل تھے ان کو ترک کر دیا گیا ہے اور بعض فیصلے جو ضروری محسوس ہو رہے تھے ان کی اتباع بھی کی گئی ہے۔ ممکن ہے بعض اشکال قارئین کی نظروں پر گراں گزریں، لیکن اس کے لیے معذرت کی ضرورت نہیں محسوس کرتا۔ جب لوگ عادی ہو جائیں گے تو یہ گرانی اور مشکل پسندی کا احساس خود بہ خود ختم ہو جائے گا۔

(۲) بہت سے مقالہ نگاروں نے قلم برداشتہ مضامین ارسال کیے تھے، انھوں نے نظر ثانی یا اصلاح کی بالکل ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ان کا خیال رہا ہوگا کہ زبان وبیان اور قواعد نحو وصرف تو ایڈیٹر یا پروف ریڈر صاحب تو درست کر ہی لیں گے اور جہاں تک اصول املا کا تعلق ہے تو یہ کام کاتب یا آپریٹر کر لے گا۔ انھوں نے مسودہ بھیج کر اپنا دامن جھاڑ لیا، اور بس! اب آگے الحاج محمد سعید نوری صاحب ہیں یا حضرت مدیر محترم! ایسے مقالوں میں ہمیں کافی محنت کرنی پڑی ہے، کئی کئی بار انھیں تصحیح کے مراحل سے گزار کر قابلِ اشاعت بنایا گیا ہے۔

حضرت علامہ مصباحی اور علامہ نعمانی صاحب کا ارادہ تھا کہ کثیر الاغلاط مقالوں کو سرے سے شاملِ اشاعت ہی نہ کیا جائے، مگر چوں کہ یہ موضوع علمی تحقیق کے ساتھ حضور مفتی اعظم کے ساتھ قلبی لگاؤ اور ذہنی وجذباتی وابستگی کا بھی تھا اور شاید عموماً مقالہ نگار حضرات نے اس عظیم ہستی کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کی نیت سے لکھا ہے، اس لیے میں نے انھیں شریک اشاعت کرنے کی سفارش کی، یہ ایک غیر علمی وادبی رویہ تھا، لیکن ارباب قلم کے جذبات کے مدنظر اصول تحقیق وتنقید کے خلاف، روایت سے سمجھوتا کرتے ہوئے اکثر مقالے شاملِ اشاعت کر لیے گئے ہیں، مگر اس کے باوجود چند مضامین جو بالکل ہی بے وزن اور ناکارہ تھے ان سے معذرت کر لی گئی ہے۔ ارباب قلم کو حضرات مرتبین کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے اپنا قیمتی وقت دے کر ان کے مقالوں کی دیدہ ریزی کے ساتھ اصلاح کی اور اسے قابلِ اشاعت بنایا۔

(۳) عام اردو کتابوں میں عربی عبارت حتی کہ قرآنی آیات اور احادیث کریمہ میں بھی اعرابی اور کبھی کبھی تو لفظی غلطیاں در آتی ہیں جس کی وجہ سے سنجیدہ اور علم دوست قاری کو ایسے مقالات پڑھنے میں بڑا انقباض محسوس ہوتا ہے۔ تنگی وقت کے باوجود عربی عبارات کو درست کر دیا گیا ہے، مگر اعراب نہیں لگایا گیا ہے۔ تاکہ قرآنی آیات سے ممتاز رہیں۔ قرآنی آیات پر اعراب لازمی طور پر لگائے گئے ہیں اور اس میں ہمارا کافی وقت صرف ہوا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ممکن ہے کہ غلطیاں راہ پا گئی ہوں، ایسے مقامات کی نشان دہی ہو جائے تو ہم

شکر گزار ہوں گے۔ انشاء اللہ اگلا ایڈیشن آیا تو اس کی تصحیح کر دی جائے گی۔ قرآنی آیتوں سے ممتاز کرنے کے لیے احادیث پر بھی اعراب نہیں لگایا گیا ہے، اسی طرح عربی عبارات اور احادیث میں بھی نیچے یا اوپر علامتی ہمزہ کا اہتمام شروع سے ہی نہیں کیا گیا ہے۔ چوں کہ عبارتیں حوالوں کے ضمن میں مذکور ہیں، مستقل کسی کتاب کا حصہ نہیں بن رہی ہیں اس لیے عام اردو قارئین کے مزاج و نگاہ کی رعایت کرتے ہوئے ہمزہ کا التزام ترک کر دیا گیا ہے۔ عبارتوں کے اختتام پر فل اسٹاپ لازمی طور پر لگایا گیا ہے۔

(۴) من جملہ متعدد مسائل کے مقالوں میں واقعات کی تکرار بھی ہے اور کہیں کہیں پورا پیراگراف، یا ایک ہی عبارت کا بار بار حوالہ یا حوالوں کا توارد ہے، کوشش کی گئی ہے کہ مقالہ کی اصل روح کو بلا نقصان پہنچائے مکررات کو حذف کر دیں اور پھر ضروری تبصرہ یا حذف و اضافہ کے ذریعہ ماسبق کو مالحق سے مربوط کر دیں۔ اس طرح کی اصلاحات سے بعض مقالات انتہائی جامع اور مفید ہو گئے ہیں، اس کام میں علامہ مصباحی صاحب نے اپنا انتہائی قیمتی دماغ اور وقت دونوں صرف کیا ہے اور کھوٹے سکوں کو تپا تپا کر کھرا بنا دیا ہے۔

(۵) بہت سے مقالوں میں مفتی اعظم کی فقاہت و ثقاہت یا فضل و کمال پر بحث کرتے ہوئے طویل تمہیدیں لکھی گئی تھیں، جن کی یہاں ضرورت نہیں تھی۔ مثلاً مفتی اعظم کے دور کے حالات، تاریخ ولادت، نوری میاں کی بشارت، تعلیم و تربیت اور پہلا فتویٰ وغیرہ۔ یہ ایسی معلومات تھیں جو مستقل مضمون کے تحت آ چکی ہیں۔ اس لیے ہم نے ان طول طویل تمہیدات کو یکسر حذف کر دیا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہماری یہ جرأت ہمارے رفیقوں کو گراں نہ گزرے گی، کیوں کہ اگر ہم ان سب کو من و عن شائع کرتے تو حشو و زوائد کا اچھا خاصا ذخیرہ تیار ہو جاتا اور اہلِ نظر قارئین ہمیں حاطب اللیل کہنے میں حق بہ جانب ہوتے۔

(۶) متعدد مطبوعہ مضامین کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ مقالے عموماً جماعت اہلِ سنت کے عمائدین اور مقتدر شخصیات کے قلم سے لکھے گئے ہیں، جن کی زندگی کا ہر لمحہ ہمارے لیے بسا غنیمت ہے۔ ان میں بعض حضرات دنیا سے رحلت بھی کر چکے ہیں مثلاً حضرت علامہ مفتی برہان الحق جبل پوری، حضرت علامہ ارشد القادری، حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی، وغیرہ اور ان میں جو ابھی ہماری سرپرستی فرما رہے ہیں ان میں بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان اعظمی اور حضرت علامہ سید کمیل اشرف اشرفی الجیلانی وغیرہ ہیں، ان بزرگوں سے کچھ لکھوانا، اصرار کرنا اور اس ضعیفی میں انھیں تکلیف دینا بڑی ہمت کا کام تھا۔ اس لیے بس ان کی نئی دعاؤں اور پرانی تحریروں پر اکتفا کر لیا گیا۔ البتہ اشرف المشائخ، سلطان العارفین حضرت علامہ سید شاہ کمیل اشرف صاحب قبلہ اشرفی الجیلانی، سجادہ نشین مخدوم ثانی، روح آباد، رسول پور، کچھوچھہ شریف نے عنایت کرم فرماتے ہوئے از خود ایک معلومات افزا مقالہ تحریر فرما کر ان سعید لمحوں کو خراج پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے جو انھیں سرکار مفتی اعظم کی صحبت و رفاقت کے میسر آئے۔ ان کے علاوہ بھی متعدد مفید مضامین بعض ایسے کتب و رسائل میں شائع ہوئے جو محدود اشاعت ہونے کی وجہ سے قارئین تک نہ پہنچ سکے، انھیں دوبارہ شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ ابھی بھی ایسے مقالوں اور مضامین کی ایک طویل فہرست ہے جو دوبارہ اشاعت کے منتظر ہیں، اگر قارئین نے حوصلہ افزائی کی تو ہم انھیں بھی دوبارہ شائع کریں گے۔

(۷) تاج دار اہلِ سنت کے لیے لکھے جانے والے واقعات و مشاہدات اور روایات میں کڑی چھان پھٹک کی گئی ہے، جس واقعہ کی کوئی سند نہیں ملی، مقالہ نگار نے بے سند درج کر دیا اور اس کی تصدیق کسی اور ذریعہ سے بھی نہ مل سکی، یا سند تو ملی مگر وہ عقل و نقل کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی تھی یا اعداد و شمار اور تواریخ و سنین سے ان کی تصدیق نہ ہوتی تھی ایسے واقعات کو عموماً قلم زد کر دیا گیا ہے۔ مثلاً مقالہ نگار نے واقعہ کو کسی حوالے سے بیان کر دیا، مگر مقام بیان یا تاریخ و سنہ کی صراحت نہ کی، نہ جس سے بیان کی اس کے نام و حیثیت کی صراحت کی تو

ایسے واقعات وروایات کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھا گیا ہے۔ہاں اگر مقالہ نگار نے اپنی ذمہ داری پر بیان کیا اوراس کے احوال سے حضور مفتی اعظم کی صحبت ورفاقت ظاہر ہوتی ہے تو اسے باقی رکھا گیا ہے۔

(۸) جب تہذیب وتنقیح اور نظر ثانی وتصحیح کے سارے مراحل طے ہو گئے اور بالکل قریب تھا کہ رسالہ پریس کے حوالے کر دیا جاتا تو عین اسی وقت اشارۂ غیبی کے تحت ذہن میں خیال آیا کہ مختلف مقالات بہ شمول منتخبات فتاویٰ مصطفویہ میں، جو بھی قرآنی آیات، احادیث نبویہ اور فقہی عبارات وارد ہیں اور ارباب قلم نے ان کے حوالے درج نہیں کیے ہیں، کیوں نہ ان کی از سر نو تخریج کر لی جائے۔یہ خیال ذہن میں آنا تھا کہ کام شروع کر دیا گیا جن لوگوں کو بھی اس کام کا تجربہ ہے، وہ جانتے ہیں کہ کبھی کبھی ایک ہی عبارت یا حدیث کی تلاش میں ہفتے نکل جاتے ہیں۔اس عمل کا خاص پہلو یہ ہوتا ہے کہ بعض احادیث زبان زد خاص وعام ہوتی ہیں مگر جب ان کا حوالہ تلاش کیا جاتا ہے تو پسینے آجاتے ہیں اور حوالہ نہیں ملتا۔کہیں کہیں یہی صورتِ حال اس رسالہ کی تخریج کے وقت بھی پیش آئی۔اسی میں غنیتہ (حلبی کبیر) اور مدخل ابن الحاج کی بعض عبارات ہیں، درمختار اور ردالمحتار کی بعض عبارات جن کا تعلق مولانا شمس الہدیٰ صاحب اور مولانا مفتی مطیع الرحمٰن کے مقالات سے تھا، نہ مل سکیں۔اس طرح میزان الشریعۃ الکبریٰ اور الطبقات الکبریٰ امام عبدالوہاب الشعرانی کی بھی بعض عبارات جن کو تلاش کرنے کے لیے پوری کتاب کی قراءت ضروری تھی، ممکنہ مقامات پر تلاش کی گئیں، جب نہ مل سکیں تو علی حالہا باقی رکھی گئیں، جو حوالے پہلے سے درج تھے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا، البتہ کہیں کہیں مراجعت بھی کی گئی ہے اور کہیں کہیں پرانے حوالوں کی جگہ نیا حوالہ بھی درج کر دیا گیا ہے، اسی طرح مدارک کی بعض عبارات جو فتاویٰ میں مذکور ہیں متعلقہ آیتوں کے تحت تلاش کی گئیں مگر نہ مل سکیں، ممکن ہے وہ کسی اور آیت کے تحت درج ہوں، علی حالہا باقی رکھی گئی ہیں۔

(۹) تخریج کے عمل کا فائدہ یہ ہوا کہ متعلقہ عبارات میں جو غلطیاں نقل در نقل سے در آئی تھیں ان کی تصحیح ہو گئی، حتیٰ کہ آیات واحادیث میں بھی اچھی خاصی اصلاح کی گئی، جن عبارتوں میں ''اہ ملخصا'' کی علامت درج نہیں تھی اور عبارتوں میں کمی بیشی تھی، یا کسی طرح کا اور نقص تھا، انھیں درست کر دیا گیا اور جہاں ''اہ ملخصا'' درج تو تھا مگر عبارت میں بعض ایسے الفاظ ترک کر دیے گئے تھے، جن سے ادائے مطلب میں فرق پڑتا تھا، انھیں مندرج کر لیا گیا ہے۔

(۱۰) کہیں کہیں جو حدیثیں مذکورہ حوالوں میں نہ مل سکیں اور دوسرے حوالوں سے مل گئیں مگر کچھ فرق تھا لیکن اس سے ادائے مطلب میں کچھ فرق نہ پڑتا تھا تو جو حدیث حوالے سے مل سکی اسے درج کر لیا گیا ہے مگر یہ عمل انتہائی محدود ہے، اس میں مطلقاً وسعت سے کام نہیں لیا گیا ہے، ایسے مقامات چند سے زیادہ نہیں۔

تخریج کا یہ عمل تقریباً پندرہ دنوں میں مکمل ہو سکا اس سلسلے میں وقفہ وقفہ سے مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا صدر الورٰی مصباحی، مولانا غلام نبی مصباحی اور مفتی محمد معراج القادری صاحبان نے رہنمائی کی۔درجۂ تحقیق فی الفقہ اور تقابل ادیان کے متعدد طلبہ نے بھی بہت سی آسانیاں بہم پہنچائیں۔راقم الحروف ان سب کا شکر گزار ہے اور دعا گو ہے کہ علم وادب کی دنیا میں خوب پھلیں پھولیں اور حضور مفتی اعظم کا روحانی فیضان ان پر جھوم جھوم کر برسے۔

(۱۱) مضامین کے علاوہ منقبتیں بھی کم دردِ سر نہیں تھیں، جو منقبتیں کہنہ مشق شاعروں نے ارسال کی تھیں وہ بحر ووزن کے لحاظ سے سلامت تو تھیں لیکن کہیں کہیں شرعی لحاظ سے سقم زدہ تھیں اور جن لوگوں نے صرف اظہارِ عقیدت کے لیے لکھی تھیں اور وہ شعر گوئی کے عادی بھی نہیں تھے، وہ کافی تشویش ناک تھیں، ان میں معنوی سطحیت اور لفظی جھول کے علاوہ بحور اور اوزان کا بھی مسئلہ درپیش تھا۔علامہ محمد احمد

مصباحی صاحب نے تمام منقبتوں کو استاذ الشعراحضرت عثمان احمد اوج چریاکوٹی استاذ دارالعلوم اہلِ سنت ضیاء العلوم اشرفیہ خیرآباد کے پاس بھجوادیا اور تحریر فرمایا کہ جلد از جلد آپ ان پر نظر ثانی کریں۔ خصوصیت کے ساتھ اوزان اور بحور درست فرمادیں، انھوں نے باوجود خرابی صحت اور کثرت کار کے کام کی نوعیت واہمیت کے پیش نظر منظور کرلیا۔ اور بھرپور کدوکاوش کی، اس کے بعد پھر وہ منقبتیں مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب اور علامہ مصباحی کی نظروں سے بھی گزریں۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں حضرات شاعر نہیں، مگر اس کے باوجود بعض الفاظ کی تبدیلی سے شعر زمین سے آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگا، متعدد مقامات پر راقم کے مشورے بھی کام آئے۔

نمبروں کے جھرمٹ میں جہانِ مفتی اعظم

اداریہ کی تکمیل کا سلسلہ جاری تھا کہ اس دوران خیال آیا کہ اب تک جتنے بھی نمبرات جماعتی سطح پر مختلف عناوین اور شخصیات کے تعلق سے شائع ہو چکے ہیں، ان کا بھی ایک سرسری جائزہ لے لیا جائے، ابتداءً اندازہ تھا کہ ایک درجن کی تعداد پوری ہونی مشکل ہوگی، مگر جب فہرست سازی شروع ہوئی اور مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب نے اپنے دماغ کو کھنگالنا شروع کیا تو ایک طویل فہرست تیار ہوگئی۔ ذیل میں ان کی تفصیلات کچھ اس طرح ہیں:

(۱)	ماہنامہ اشرفیہ	مبارک پور	حافظ ملت نمبر
(۲)	〃 〃	〃	مجاہد ملت نمبر
(۳)	〃 〃	〃	صدر الشریعہ نمبر
(۴)	〃 〃	〃	انوار حافظ ملت نمبر
(۵)	〃 〃	〃	فقیہ اعظم نمبر
(۶)	〃 〃	〃	جشن شارح بخاری نمبر
(۷)	〃 〃	〃	فقیہ ملت خصوصی شمارہ
(۸)	〃 〃	〃	سیدین نمبر
(۱۰)	معارف شارح بخاری (خصوصی اشاعت)	〃	شارح بخاری کے موضوع پر
(۱۱)	صحیفہ فقہ اسلامی (خصوصی اشاعت)	〃	فقہ اسلامی کے موضوع پر
(۱۲)	حافظ ملت افکار اور کارنامے (خصوصی اشاعت)	〃	حافظ ملت کے موضوع پر
(۱۳)	ماہنامہ المیزان	ممبئی	امام احمد رضا نمبر
(۱۴)	〃 〃	دہلی	محدث اعظم نمبر
(۱۵)	〃 〃	ممبئی	اکابر ملت نمبر
(۱۶)	〃 〃	کچھوچھہ شریف	ختم نبوت نمبر
(۱۷)	ماہنامہ پاسبان	الہ آباد	امام احمد رضا نمبر

(۱۸)	" "	"	کربلا کا مسافر نمبر
(۱۹)	" "	"	محدث اعظم نمبر
(۲۰)	ماہنامہ کنزالایمان	دہلی	شارح بخاری نمبر
(۲۱)	" "	"	رئیس القلم نمبر
(۲۲)	ماہنامہ استقامت	کان پور	مفتی اعظم نمبر
(۲۳)	" "	"	محمد عربی نمبر (ﷺ)
(۲۴)	ماہنامہ استقامت	کان پور	تحفظ عقائد نمبر
(۲۵)	" "	"	اولیا نمبر اول
(۲۶)	" "	"	" دوم
(۲۷)	" "	"	کربلا نمبر
(۲۸)	" "	"	اسلامی جہاد نمبر
(۲۹)	" "	"	بابری مسجد نمبر
(۳۰)	ماہنامہ جام نور	کلکتہ	خورشید رسالت نمبر
(۳۱)	" "	"	کربلا نمبر
(۳۲)	" "	"	شاہ تیغ علی نمبر
(۳۳)	" "	"	سنی مدارس نمبر
(۳۴)	ماہنامہ جام نور	دہلی	رئیس القلم نمبر
(۳۵)	" "	"	جہاد نمبر
(۳۶)	" "	"	شبنم کمالی نمبر
(۳۷)	پندرہ روزہ الحبیب (اخبار سائز)	کلکتہ	مجاہد ملت نمبر مختصر
(۳۸)	پندرہ روزہ نوائے حبیب	"	" ضخیم
(۳۹)	پندرہ روزہ رفاقت	پٹنہ	مفتی اعظم نمبر
(۴۰)	" "	"	شبنم کمالی نمبر
(۴۱)	ماہنامہ نور مصطفیٰ	"	پاسبان ملت نمبر
(۴۲)	ماہنامہ نوری کرن	بریلی	محدث اعظم پاکستان نمبر
(۴۳)	" "	"	دیار حبیب نمبر
(۴۴)	ہفت روزہ تاجدار (ویکلی)	ممبئی	قرآن نمبر
(۴۵)	" "	"	غریب نواز نمبر

(۴۶)	ماہنامہ دامن مصطفیٰ	بریلی	مفتی اعظم نمبر
(۴۷)	ماہنامہ نوری نکات جدید	بستی	مفتی اعظم نمبر
(۴۸)	ماہنامہ حجاز جدید	دہلی	امام احمد رضا نمبر
(۴۹)	〃 〃	〃	مفتی اعظم نمبر
(۵۰)	ماہنامہ اعلیٰ حضرت	بریلی	مفتی اعظم نمبر
(۵۱)	〃 〃	〃	منظر اسلام نمبر
(۵۲)	ماہنامہ اعلیٰ حضرت	بریلی	قصیدۂ نور نمبر
(۵۳)	〃 〃	〃	نوری میاں نمبر
(۵۴)	ماہنامہ سنی دنیا	بریلی	حسن بریلوی نمبر
(۵۵)	ماہنامہ مظہر حق	بدایوں	تاج الفحول نمبر
(۵۶)	ماہنامہ فیض الرسول	براؤں شریف	شیخ العلما نمبر
(۵۷)	〃 〃	〃	حافظ ملت نمبر
(۵۸)	ماہنامہ قاری	دہلی	امام احمد رضا نمبر
(۵۹)	〃 〃	〃	غریب نواز
(۶۰)	ماہنامہ لیسٓ (ڈائجسٹ)	کان پور	مفتی اعظم نمبر
(۶۱)	ہفت روزہ ہجوم (اخبار)	دہلی	امام احمد رضا نمبر
(۶۲)	ہفت روزہ عالمی سہارا	دہلی	حافظ ملت نمبر
(۶۳)	روزنامہ راشٹریہ سہارا	لکھنؤ	شارح بخاری نمبر
(۶۴)	〃 〃	〃	حافظ ملت نمبر
(۶۵)	روزنامہ اردو ٹائمز	ممبئی	امام احمد رضا نمبر
(۶۶)	(خصوصی) تجلیات	ناگ پور	امام احمد رضا نمبر
(۶۷)	(خصوصی) تجلیات رضا	بریلی	امام احمد رضا نمبر
(۶۸)	(خصوصی) محمد منظر وسیم	ممبئی	تحفظ اسلام نمبر
(۶۹)	ہفت روزہ مسلم ٹائمز	ممبئی	امام احمد رضا نمبر
(۷۰)	〃 〃	〃	مفتی اعظم ہند
(۷۱)	(خصوصی) پیغام رضا	سیتامڑھی	امام احمد رضا نمبر اول، دوم
(۷۲)	〃 〃	〃	مفتی اعظم نمبر
(۷۳)	〃 〃	〃	قدسیات نمبر

(۷۴)	سالنامہ اہل سنت کی آواز	مارہرہ شریف	تصوف اسلام نمبر
(۷۵)	// //	//	قرآن پاک نمبر
(۷۶)	// //	//	نظام اخلاق نمبر
(۷۷)	// //	//	احسن العلما نمبر
(۷۸)	// //	//	توحید نمبر

نمبرات کی اس فہرست نے ان خطوط کو بڑی وضاحت کے ساتھ طے کر دیا ہے جن پر ہماری صحافت پچھلے پچاس سالوں میں گامزن رہی ہے اور ایک بات تو بالکل صاف ہوگئی ہے، کہ خصوصی اشاعتوں اور نمبرات کی ترتیب و پیش کش میں ہم شخصیات کے دائرے سے ابھی تک باہر نہیں نکل سکے ہیں، ہماری ہمدردیاں موضوعات سے کم شخصیات سے زیادہ وابستہ رہی ہیں، اس رجحان کو منفی نہ بھی کہا جائے تو یک طرفہ ضرور کہا جائے گا، معدودے چند نمبرات ہی کسی اسلامی موضوع پر شائع ہو سکے ہیں۔

دوسری بات یہ واضح ہو کر سامنے آئی کہ سب سے زیادہ امام احمد رضا قادری اور مفتی اعظم کی ذات گرامی کے تعلق سے ہی نمبرات شائع ہوئے ہیں۔ نمبرات کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہو سکتی ہے۔ یہاں اس کا استیعاب مقصود نہیں، لیکن سر دست موجودہ فہرست کے مطابق تقریباً دس نمبرات امام احمد رضا کی ذات اور نو نمبرات حضور مفتی اعظم کی ذات بابرکات کے تعلق سے نظر آتے ہیں، ان دونوں شخصیتوں کے تعلق سے کثرت نمبرات کی دو معقول وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ تو بالکل واضح ہے، یعنی ان دونوں شخصیتوں کی ملک و قوم اور فکر و عقیدہ کی صیانت و تحفظ کے تعلق سے لازوال تاریخی خدمات اور اس کے نتیجے میں پوری جماعت اہل سنت کا والہانہ اور عاشقانہ لگاؤ اور حرارت عشق - امام احمد رضا کے فیض قلم نے سنی صحافت پورے شباب پر تھی۔ تحفہ حنفیہ لاہور، الفقیہ امرتسر، دبدبۂ سکندری رام پور اور الرضا بریلی وغیرہ امام احمد رضا کے افکار عالیہ کے ترجمان و علم بردار تھے، دیگر سنی رسائل و جرائد بھی اپنی استطاعت کے مطابق اپنی خدمات پیش کرتے تھے۔ اس دور کے سارے اہل قلم خواہ کسی بھی مشرب و مسلک سے وابستہ رہے ہوں آپ کی ذات کی ہمہ جہتی اور تبحر کے معترف و ثنا خواں رہے، اس لیے ہر ایک دوسرے پر اپنی عقیدت و محبت کے اظہار میں سبقت لے جانا چاہتا تھا اور جب سرکار مفتی اعظم کا دور آیا تو یہ لگاؤ اور تعلق پورے شباب پر آگیا۔ ملک کا خطہ خطہ، ان کے ذکر جمیل سے گونج اٹھا، تاریخ میں کم ہی ایسے مشائخ طریقت نظر آتے ہیں، جن کے دامن کرم سے اتنی بڑی تعداد میں علمائے کرام اور اہل فکر و نظر اور دانشوران قوم وابستہ رہے ہوں، مفتی اعظم ایک بدر کامل کی طرح آسمان سنیت پر جگمگا رہے تھے اور علما و مشائخ آپ کے گرد چاند کے گرد ہالہ کی طرح احاطہ کیے ہوتے تھے۔

دوسری وجہ وہ صحافتی و قلمی بیداری تھی، جو خانوادۂ رضویہ کی قربانیوں اور دوسرے خانوادوں اور مشربوں کی جاں فشانیوں کے نتیجہ میں جماعت اہل سنت میں پیدا ہوئی تھی، خصوصاً بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی کے بعد یہ سلسلہ کسی پہاڑی آبشار کی طرح پوری قوت کے ساتھ بہہ رہا تھا۔

نمبرات کی فہرست پر طائرانہ نظر ڈالنے سے ایک اور حقیقت چھن کر سامنے آئی ہے اور اس کا اعتراف نہ کرنا یا اس کے اظہار میں بخل اور تنگ نظری سے کام لینا، قلمی دیانت کے قرین انصاف نہیں۔ وہ یہ کہ کان پور کا ماہنامہ استقامت اپنے نمبرات کی بوقلمونی، تنوع اور ہمہ گیری اور مختلف حساس اسلامی موضوعات کا احاطہ کرنے میں عدیم المثال ہے، حافظ ظہیر الدین صاحب جماعت اہل سنت کی وہ قابل قدر

شخصیت ہیں جنھوں نے انتہائی نا مساعد حالات میں جماعتی صحافت کو نئی روشنی عطا کی ہے، انھوں نے شخصیات اور اسلامی معلومات پر انتہائی کامیاب ضخیم نمبرات کی اشاعت میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے، مختلف قسم کے معاشی مسائل اور فکری و ذہنی آویزش اور مسلسل خرابی صحت سے دوچار رہنے کے باوجود ابھی تازہ تازہ ''اسلامی جہاد نمبر'' آپ کا خاص تحفہ ہے۔ حضور مفتی اعظم کی زندگی پر شائع کردہ آپ کا خوب صورت نمبر اپنے موضوع پر سب سے شان دار پیش کش ہے۔ انھوں نے ''مفتی اعظم ہند نمبر'' کو ایک ایسے وقت میں پیش کیا جب طباعت و اشاعت کی موجودہ سہولیات خصوصا کمپوزنگ اور عوام اہل سنت کا طباعت و اشاعت کے کاموں کی طرف میلان بہت حد تک مفقود تھا۔ متعدد مقالات اس نمبر سے بھی شکریہ کے ساتھ لیے گئے ہیں، آپ نے اس نمبر کو جس دیدہ ریزی، اور زہرہ گدازی کے ساتھ سجایا ہے، وہ قابل تعریف ہے اور آپ پوری جماعت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ بل کہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اگر ''المیزان'' ممبئی کے امام احمد رضا نمبر نے امام احمد رضا کی شخصیت کو علمی اور صحافتی حلقوں میں متعارف کرانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے، تو بلا شبہہ ''استقامت'' کے مفتی اعظم نمبر نے مفتی اعظم کی ذات گرامی کو ارباب فکر و دانش تک پہنچانے میں زبردست رول ادا کیا ہے۔ یہ نمبر آج بھی مفتی اعظم کی ذات گرامی کے تعلق سے مصدر و ماخذ کا کام کر رہا ہے۔ البتہ متعدد غیر ثقہ روایات اس میں بھی در آئی ہیں، مگر اس وقت شاید اس سے زیادہ کچھ اور نہیں کیا جا سکتا تھا، اس لیے ہم حضرت حافظ ظہیر الدین صاحب کو اس بارے میں زیادہ مورد الزام نہیں ٹھہراتے۔ قارئین معاف کریں میں جماعتی سطح پر سنی صحافت کے تعارف کے حوالے سے نہیں گفتگو کر رہا ہوں ورنہ اس باب میں بڑے بڑے قد آور نام باقی ہیں۔ صرف مفتی اعظم کی ذات گرامی کے تعلق سے کی گئی کوششوں کے حوالے سے رقم طراز ہوں۔

استقامت ڈائجسٹ کان پور کے مفتی اعظم نمبر کے بعد دوسرا ضخیم نمبر سیدین نمبر ماہنامہ اشرفیہ سے شائع ہوا جو دس ابواب پر مشتمل ہے، اس نمبر میں سرکاران مارہرہ حضرت سید العلما اور حضرت احسن العلما کی حیات و خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے، یہ تقریبا ۱۴ رسو صفحات پر مشتمل ہے، مگر شاید قیمت کی گرانی کی وجہ سے مارکیٹ میں اس نمبر کو وہ مقبولیت نہ حاصل ہو سکی، جو ہونی چاہیے تھی۔ اس نمبر کی تقریبا چار سالوں سے تیاریاں چل رہی تھیں۔ اس کے بعد اشرفیہ مبارک پور کے اساتذہ اور تلامذۂ شارح بخاری کے تعاون سے حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی کی شخصیت پر ایک اور دستاویزی نمبر شائع ہوا، جو دس ابواب پر مشتمل ہے، ان کامیاب اشاعتوں کے بعد کسی اور کامیاب اشاعت کا تصور کرنا ہی دل ہلانے کے لیے کافی تھا، مگر حضرت الحاج محمد سعید نوری صاحب کی شبانہ روز مساعی اور علما و اہل قلم سے ان کے دوستانہ مراسم اور حضور مفتی اعظم سے جماعت اہل سنت کی گہری دل بستگی اور لگاؤ نے اس مرحلہ کو آسان کر دیا اور صرف سال بھر کی مختصری جد و جہد سے مضامین کا ایک انبار تیار ہو گیا ہے، یہ نمبر جیسا کہ آپ ملاحظہ کر رہے ہیں چوبیس ابواب پر مشتمل ہے، فہرست میں تفصیلات ملاحظہ کرنے کے باوجود میری خواہش ہے کہ اداریہ کے حوالے سے ایک بار اور انھیں ملاحظہ کر لیں۔

پہلا باب: سوانحی خاکہ۔ دوسرا باب: سیرت و کردار، مثالی شخصیت۔ تیسرا باب: بیعت و ارشاد، اجازت و خلافت۔ چوتھا باب: تبحر علمی فضل و کمال۔ پانچواں باب: روحانیت، تصرفات، کرامات۔ چھٹا باب: فقہی بصیرت، فتوی نویسی۔ ساتواں باب: فن حدیث میں رسوخ و تبحر۔ آٹھواں باب: ذوق شعر و سخن، عشق رسول۔ نواں باب: الملفوظ کی ترتیب و تدوین۔ دسواں باب: تصنیف و تالیفی خدمات۔ گیارہواں باب: دینی و اصلاحی خدمات۔ بارہواں باب: تنظیمی و تحریکی خدمات۔ تیرہواں باب: اسفار و مشاہدات کی روشنی میں۔ چودھواں باب: رسائل و اخبارات کی روشنی میں۔ پندرہواں باب: علماے حجاز کی نظر میں۔ سولہواں باب: ارباب علم و دانش کی نظر میں۔ سترہواں باب: اقران و معاصرین کی نظر میں۔ اٹھارہواں باب: خلفا و تلامذہ، مریدین و مستفیدین۔ انیسواں باب: شہر بریلی کے علما

ودانش وران۔ بیسواں باب: حج وزیارت حرمین شریفین۔ اکیسواں باب: مکتوبات مفتی اعظم ہند۔ بائیسواں باب: سفر وصال پر ملال۔ تیئسواں باب: مناقب مفتی اعظم ہند۔ چوبیسواں باب: مفتی اعظم کی کہانی تصویروں کی زبانی۔

چوبیس ابواب پر پھیلا ہوا یہ تاریخی اور دستاویزی مجموعہ تقریباً بارہ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ ابواب کی یہ ہمہ گیری بتارہی ہے کہ یہ مجموعہ کس قدر جامع اور فاضلانہ وقار و تمکنت کا حامل ہے۔ قدیم وجدید میں اب تک کسی بھی شخصیت کے تعلق سے ایسا شاندار مجموعہ کہیں اور نظر نہیں آتا ہے۔ تعداد صفحات میں ممکن ہے بعض مجموعے اس سے سبقت لے جائیں مگر صحت و اصلاح، سلامت روی، مضامین کے انتخاب، تحقیق وتنقید اور شخصیت کے مختلف گوشوں کے احاطہ کے اعتبار سے یہ مجموعہ اپنی مثال آپ ہے، خود راقم السطور کو تصحیح و ترتیب کے دوران مضامین پڑھنے میں بھی کافی لطف وذوق حاصل ہوا۔ متعدد مقامات ایسے آئے جہاں آنکھوں میں بے اختیار آنسو تیرنے لگے اور دل بھر آیا، حضرت علامہ حسنین میاں نظمی مارہروی کا مضمون انتہائی حقیقت رقم ہے، جو سادگی و پرکاری، صراحت بیان اور صاف گوئی سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی روح پرور، ایمان افروز اور رقت انگیز ہے۔ مفتی اعظم کے پاس علم وفکر زہد وتقویٰ اور روحانیت وکرامت کی جو دولت بے بہا تھی، وہ سرکاران مارہرہ کا ہی فیضان واحسان تھا۔ اس مضمون کو میں نے کئی بار پڑھا اور ہر بار محظوظ وممنون ہوا خصوصاً وہ مقام جہاں ان کے والد محترم نے مفتی اعظم کے استقبال وتعظیم میں کھڑا نہ ہونے پر زوردار تھپڑ رسید کیا، پڑھ کر مجھ پر رقت اور بے خودی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی ٹپکنے لگے۔ سچ ہے کہ یہ خانقاہ مارہرہ کا امتیاز وتفرد ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو بھی ایسا فیاضانہ نوازتے ہیں اور ان کے ساتھ احترام واکرام کا ایسا معاملہ کرتے ہیں کہ آج کوئی مرید بھی اپنے پیر کے ساتھ کم ہی کرتا ہے! یہ آل رسول ہیں، آل رسول کی ریت رہی ہے کہ وہ خود ہی نوازتے ہیں اور خود ہی دعا بھی دیتے ہیں۔ ع: خود بھیک دیں اور خود کہیں منگتا کا بھلا ہو۔

یا الٰہی رنگ لائیں جب مری کوتاہیاں

میرے محدود مطالعہ کے مطابق کسی ایک مجموعے میں اتنے تحقیقی مضامین پہلی بار ہی جمع ہوئے ہیں، خصوصیت کے ساتھ چوتھا، چھٹا، اور ساتواں باب بہت ہی معرکہ آرا ہے۔ مطبوعہ رسائل وجرائد سے بھی کچھ مضامین ان کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر لیے گئے ہیں، خصوصیت کے ساتھ استقامت مفتی اعظم نمبر کان پور، اور انوار مفتی اعظم، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی سے استفادہ کیا گیا ہے، ان کے علاوہ مستند مقالات ومضامین کا ایک ذخیرہ ابھی بھی لائبریوں میں ضائع ہورہا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان سب کو نئی ترتیب اور جدید کمپوزنگ کے ساتھ مرتب کر کے دوبارہ شائع کیا جائے۔ جہان مفتی اعظم کی اشاعت کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ اس کی طرف بھی توجہ دی جائے گی۔ اس کے علاوہ خلفا وتلامذہ، مریدین ومعتقدین، متوسلین ومنتسبین کے پاس بھی مفتی اعظم کے بارے میں معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ محفوظ ہے۔ پریشانی یہ ہے کہ لوگ انشا پردازی کے چکر میں قلم نہیں اٹھاتے، ایسے لوگوں سے گزارش ہے کہ جو کچھ بھی ہو اور جیسے بھی ممکن ہو، اپنی معلومات کو صفحۂ قرطاس پر ثبت کریں یا کسی کیسٹ میں جمع کریں۔ جو کچھ بھی معلومات آپ کے سینے میں دفن ہیں وہ قوم کی امانت ہے۔ اگر وہ آپ کے سینے میں محصور قبر میں چلے گئے تو علمی کوتاہی کے مرتکب قرار پائیں گے اور آپ کی یہ مجرمانہ کوتاہی ناقابل معافی ہوگی۔ ایسے لوگوں سے اہل قلم اور علمائے کرام اگر رابطہ کریں اور معلومات جمع کریں، جو سنیں اسے تحریر کریں، کڑی سے کڑی ملائیں تو جو کچھ ضائع ہوگیا اس کی بہت حد تک تلافی ہوسکتی ہے۔

غفلت و بے توجہی کا یہ المیہ صرف حضور مفتی اعظم کی ذات گرامی تک محدود نہیں ہے بل کہ وہ بزرگان دین جن کو ہم صبح وشام اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، ان کے بہت سے اہم حالات وواقعات کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان کو حیطہ تحریر میں لاتے ہیں نہ ان کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ غفلت ہمیں مسلسل نقصان پہنچا رہی ہے۔ چنان چہ جب شخصیت نگاہوں سے روپوش ہو جاتی ہے اور ایک اچھا خاصا عرصہ گزر جاتا ہے حتی کہ ان کے احباب واقارب بھی ایک ایک کر کے رخصت ہونے لگتے ہیں، ان کے تلامذہ اور خلفا معدوم ہو جاتے ہیں اور ان کے بارے میں براہ راست جاننے والے اور بتانے والے نہیں رہ جاتے، تب اہل قلم سے اپیل کی جاتی ہے کہ ہم فلاں حضور والا کی ذات بابرکت پر ایک خصوصی نمبر شائع کر رہے ہیں، مقالہ نگار حضرات وارباب فکر ودانش علمی وتحقیقی خدمات پر مشتمل مضامین ارسال کریں، مقالہ نگار بے چارہ کیا کرے گا؟ جن موضوعات پر مواد کی بھرمار ہے ان پر آسانی سے لکھنے کے لیے طبیعت آمادہ نہیں ہوتی تو جن موضوعات پر بالکل مواد ہی نہیں ہے ان پر کیسے لکھا جاسکتا ہے اور اس پر مستزاد یہ سب فی سبیل اللہ بالکل مفت ہونا چاہیے۔

دوسروں سے کیا شکوہ؟ اہل خاندان، احباب واقارب، خلفا وتلامذہ، مریدین وجانشین اور رشتہ دار وخانہ زاد بھی اپنے مرکز عقیدت ومحبت کے نہ تو تبرکات محفوظ کرتے ہیں، نہ حالات وواقعات جمع کرتے ہیں، بس دست بوسی، قدم بوسی، اور حاضر باشی وغیرہ کو ہی اپنی معراج عقیدت تصور کرتے ہیں۔ استعمال کی اشیا تک محفوظ نہیں رہ جاتیں۔ ان میں بھی جو حضرات تعلیم یافتہ ہوتے ہیں، مضامین ومقالات لکھتے ہیں ان کے مقالات اور کتابوں کی کاپیاں تک محفوظ نہیں رہ جاتیں ایسی صورت میں قلم کار اپنے دماغ کی سطح سے کھرچ کھرچ کر کتنے مضامین پیدا کرے گا۔

میرے اپنے اندازہ کے مطابق بیسویں صدی کی آخری دہائی میں کثرت سے علماے اہل سنت کے سانحہ ارتحال پیش آئے ہیں، مگر ان میں سے اکثر حضرات کے تعلق سے بھی مضامین تک نہیں لکھے گئے۔ نہ ان کے حالات جمع کئے گئے۔ اساتذہ وتلامذہ اور مریدین ومعتقدین سب خاموش، سارا قصور آنے والے وقت میں قلم کاروں کے سر ڈال دیا جائے گا کہ انھوں نے اپنے بزرگوں کے لیے کچھ نہیں کیا۔

مولانا عبد المبین نعمانی صاحب سے اس موضوع پر تذکرہ ہوا تو انھوں نے بھی اپنی حسرت وافسوس کا اظہار کیا اور کہا اس کے تدارک کے لیے میں نے ذاتی طور پر کچھ دنوں سے اس موضوع پر کام شروع کر رکھا ہے۔ جب قابل اعتبار ذخیرہ جمع ہو جائے گا، تہذیب وتنقیح کے مراحل سے گزار کر المجمع الاسلامی سے شائع کر دیا جائے گا۔ کسی کے بارے میں کسی اور سے کیا شکوہ؟ علماے مدارس اب اتنے کاہل اور بے حس ہو چکے ہیں کہ اپنے اساتذہ بل کہ خود اپنے بارے میں بھی نہیں لکھ سکتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی بھی قوم کی جماعتی بے حسی اور زوال کی یہ آخری منزل ہے۔ خود اپنے حالات جمع کرنے کے سلسلے میں بات کی جائے تو بعض لوگ کہتے ہیں۔ یہ سب ریا کاری ہے، اس کی کیا ضرورت ہے؟ گورکھپور کے ایک تجربہ کار اور معروف قاری صاحب سے کہا کہ حضرت آپ جو کچھ بھی دینی وتبلیغی کام کریں تو اس کی رپورٹ اخبارات کے لیے ضرور جاری کیا کریں۔ بولے، یہ سب دنیا داری ہے، ہم کام کرنا جانتے ہیں، ہمیں کام سے مطلب ہے، ہم نام نہیں چاہتے۔ میں نے کہا بے شک کام کیجیے مگر یاد رکھیے۔ کام ہی کا ایک حصہ بل کہ اہم حصہ یہ ہے کہ اس کو تاریخ کے جزدان میں محفوظ کر دیا جائے۔ آج ہمیں اپنے بارے میں خود لکھنا ہوگا۔ اپنے لیے نہیں بل کہ آنے والی نسل کے لیے تا کہ آنے والی نسلوں میں یہ بدگمانی نہ پیدا ہو کہ ہمارے پچھلے بزرگوں نے کچھ نہیں کیا۔

حضور مفتی اعظم کی زندگی اکیانوے سال کچھ ماہ کے طویل ترین عرصے پر پھیلی ہوئی ہے۔ کیا ایک ایسا شخص جو پوری نو دہائیوں تک زندہ رہا ہو اور ہمیشہ متحرک وفعال اور رواں دواں رہا ہو، کبھی بیشانہ ہو، صحرائی بگولے کی طرح آبادیوں کو سر کرتا رہا ہو، اس کی زندگی کو محفوظ

کرنے کے لیے جہان مفتی اعظم کے یہ چند صفحات کافی ہوں گے؟ نہیں! ہرگز نہیں! اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مفتی اعظم کی زندگی کا ابھی بڑا حصہ جو اصلاح وتبلیغ اور دعوت واسفار میں گزرا وہ نگاہوں سے اوجھل ہے۔ قلم بند نہ ہوسکا۔ آپ کی اکیانوے سالہ زندگی کرامتوں اور تصرفات سے لبریز ہے، سیکڑوں روحانی اور ایمان افروز واقعات آپ کے دامن سے جڑے ہوئے ہیں، ان کو جمع کرنے کی ضرورت ہے۔ ان بکھری ہوئی لڑیوں کو ایک دھاگے میں پرونے کی ضرورت ہے۔ یہ ہماری تاریخ کی متاع گم شدہ ہے، جس کی بازیافت ہماری بقا کی ضمانت ہے۔ حضور مفتی اعظم کی زندگی اہل علم وقلم کی گردنوں میں امانت ہے، اس سے عہدہ برآ ہونا اور اسے آنے والی نسلوں تک پہنچانا نہ صرف ملی فریضہ ہے بل کہ ہماری قومی واجتماعی زندگی کے لیے اکسیر وتریاق ہے۔ ان کی حیات طیبہ کی وہ گم شدہ کڑیاں جو ہمارے پرانے بزرگوں کے سینوں میں قید ہیں اور ان کی طہارت وپاکیزگی کی وہ نوری تابشیں جو کہنہ چراغوں کی لوؤں میں مرتعش ہیں، انھیں نوک قلم سے قید کر کے قرطاس کی پلکوں پہ سجانا، دیدہ وران شوق کی اخلاقی ذمہ داری ہے، ایک پرنور ہلکی ہلکی سی آواز، مہکی سی صدا، فضاے محبت میں بلند ہو رہی ہے، وہ کہہ رہی ہے میں ایک صدا ہوں مجھے روحوں میں اتارلو، میں ایک روشنی کی لکیر ہوں مجھے آنکھوں میں بسالو، میں ایک احساس ہوں مجھے خوشبو کی طرح پلکوں پہ سجالو، میں تمھارے دلوں کا سرور اور تمھاری آنکھوں کا نور ہوں مجھے اپنالو، اگر تم نے مجھے اپنالیا تو تمھارے ارمانوں کا شبستان روشن چراغوں کی طرح منور منور رہے گا۔

خصوصاً جن علاقوں میں مفتی اعظم کے کثرت سے دورے ہوئے، نوری برکتوں کو لوٹنے کے لیے بار بار لوگ اپنے گھروں اور دکانوں، کمپنیوں اور فیکٹریوں میں بلاتے رہے، مریضوں کو دعاے شفا دلاتے رہے، بچوں کے سروں پر شفقت کے ہاتھ پھیراتے رہے، بیٹھے ہوئے کاروبار کو چلاتے رہے، ایسے علاقوں کو چھاننے کی ضرورت ہے جیسے ممبئی، اندور، اجمیر، کلکتہ، کان پور، نینی تال، رام پور، مرادآباد، سنبھل، دہلی، آگرہ، جودھ پور، جے پور، بنارس، الہ آباد، گورکھپور، گھوسی، مبارک پور، دھام نگر، ناسک، پوکھریرا، مالے گاؤں، جھانسی، سورت، احمد آباد نیز اترپردیش، راجستھان، بہار، بنگال، گجرات، مدھیہ پردیش وغیرہ میں آج بھی مفتی اعظم کی زندگی کی بہت سی کڑیاں بکھری ہوئی ہیں، ان کو جمع کرنے کی ضرورت ہے، حیرت مجھے ان لوگوں پر ہے، جو اپنے ناموں کے ساتھ خلیفۂ حضور مفتی اعظم کا لاحقہ لگاتے نہیں تھکتے، کسی اسٹیج پر اناؤنسر سے یا پوسٹر میں مرتب سے آں جناب کے نام کے ساتھ یہ اعزاز چھوٹ جائے تو گویا وہ قابل گردن زدنی ہوتا ہے، نام سے زیادہ جلی، خلافت نامہ تحریر کیا جاتا ہے، ایسے خدا رسیدہ بزرگوں سے جب حضور مفتی اعظم کی زندگی کے بارے میں استفسار کیا جاتا ہے، تو جواب صفر میں ہوتا ہے، اس کا واضح مطلب ہے کہ چور دروازے سے خلافت حاصل کر کے صرف کاروبار طریقت چمکانے میں زیادہ توجہ دی اور حضور مفتی اعظم کی زندگی اور معمولات کے بارے میں جاننے سے دل چسپی کم سے کم رہی، ایسے لوگوں کو اپنے گریبان میں سر ڈال کر سوچنا چاہیے کہ وہ کس حد تک خلیفۂ حضور مفتی اعظم کا لاحقہ اپنے نام کے ساتھ استعمال کرنے میں حق بہ جانب ہیں، میرا مقصد کسی کی توہین یا اہانت نہیں لیکن اس صورت حال کو تبدیل کرنے کے لیے ان کی توجہ کو ضرور مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

''جہان مفتی اعظم'' میں جن لوگوں نے بھی اپنا قلمی تعاون پیش کیا ہے، رضا اکیڈمی ان کی بے حد ممنون اور شکر گزار ہے، کہ انھوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر ہم تک اہم ترین معلومات پہنچانے کی سعی کی۔ مولیٰ تعالیٰ ان کو جزاے خیر عطا فرمائے اور مفتی اعظم کے فیضان سے شادکام فرمائے۔

حضور مفتی اعظم کے دل میں جماعت اور قوم کا بے کراں درد تھا، انھوں نے خود اپنے لیے کبھی چندے کی اپیل نہ کی، اور نہ اس کے

لیے بھی نکلے، درجنوں مدرسوں، اور انجمنوں کی سرپرستی فرماتے تھے، درجنوں سالانہ جلسوں میں بالالتزام شرکت فرماتے تھے، دعائیہ کلمات ارشاد فرماتے تھے، کبھی کبھی خطابات بھی فرماتے تھے، موجودہ دور کے فیشن ایبل پیروں کی طرح صرف وقت دعا تشریف نہیں لاتے تھے، بل کہ بسا اوقات جلسے کے بالکل آغاز میں تشریف لے جاتے اور آخر تک تشریف رکھتے تھے اور علما سے دوران تقریر لفظی یا شرعی غلطیاں ہوتیں تو ان کی اصلاح فرماتے، ایسے تو سیکڑوں واقعات ہوں گے مگر ان میں سے بہت کم محفوظ رہ ہے۔ جہان مفتی اعظم کی تیاری کے دوران متعدد جگہ یہ تجربہ ہوا کہ جب کسی سے گفتگو کی تو فوراً اس نے اپنی آپ بیتی بیان کی اور وہاں سے مفتی اعظم کی زندگی کا کوئی نہ کوئی روشن گوشہ ضرور نکل آیا۔ لیکن وقت کی قلت اور مصروفیت کی وجہ کی سر دست فقیر اس گوشہ کی تکمیل سے قاصر ہے۔

کاروان نوری کے دورے کے موقع پر درجنوں لوگوں نے حضور مفتی اعظم سے اپنے تعلق و نسبت اور تصرف و کرامت کے واقعات بیان کیے، جنھیں میں نے اپنی ڈائری میں محفوظ کر لیا ہے، فرصت کے اوقات میں ان کو مہذب و منقح کر کے قارئین تک پہنچانے کی سعی کی جائے گی۔ بعض واقعات مناسب جگہوں پر شامل بھی کر لیے گئے ہیں۔ سرکار نوری نے درجنوں کتابوں پر مقدمے لکھے، تقریظیں لکھیں، مدرسوں کے لیے کلمات معائنہ تحریر کیے چندوں کی اپیلیں لکھیں، لاکھوں لوگوں کے لیے تعویذات لکھے، مگر ان میں سے درجن بھر سے زیادہ واقعات نہیں ملتے، کسی بھی شخصیت پر اس سے بڑا ظلم کیا ہو سکتا ہے کہ اس سے فائدہ تو اٹھایا جائے مگر کیا فائدہ پہنچا اس کو بیان کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کے لیے بھی آپ کے پاس وقت نہیں ہے۔ یاد رکھیے مفتی اعظم آپ سے زیادہ مصروف تھے مگر انھوں نے اپنا انتہائی قیمتی وقت نکال کر آپ کی خبر گیری کی تھی، آپ کی ضرورت پوری کی تھی، آپ کے مسئلے کو حل کیا تھا، ایسی صورت میں آپ کی اخلاقی ذمہ داری آپ سے کس چیز کا مطالبہ کرتی ہے؟ حیرت تو مجھے اہل ممبئی پر ہے، جہاں مفتی اعظم کی زندگی کے قیمتی ایام گزرے ہیں، بل کہ میں یہ کہوں تو حق بہ جانب ہوں گا کہ اہل ممبئی نے مفتی اعظم کی روحانی برکتوں سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے، مفتی اعظم کی نوازشیں اہل ممبئی پر بے حد و حساب رہیں اور اہل ممبئی نے بھی مفتی اعظم کی برکتوں کو دونوں ہاتھوں سے خوب خوب لوٹا ہے۔ سنی جمعیۃ العلما نے ممبئی کو مذہبی قیادت کا اہم موقع فراہم کیا، حضور سید العلما ایک زمانے تک اس کے صدر نشیں رہے، ایک وقت آیا کہ سید العلما نے استعفا کا عزم مصمم کر لیا، حضور مفتی اعظم کو معلوم ہوا فوراً تشریف لائے اور استعفا واپس لینے کی درخواست کی، بالآخر استعفا واپس ہوا اور پھر حالات نارمل ہو گئے، الحاج محمد سعید نوری صاحب بھی خاص طور پر مفتی اعظم کے الطاف کریمانہ کے مورد و مہبط رہے، ان کے والد گرامی اور احباب و اقارب نے جب بھی یاد کیا حضرت تشریف لائے، اور اپنی دعاؤں سے نوازا، شہر ممبئی میں کئی خلفائے مفتی اعظم آپ کے فیوض و برکات لوگوں میں تقسیم کر رہے ہیں۔

لیکن اس کے باوجود مفتی اعظم کے حالات و واقعات کے باب میں ممبئی کی سرزمین سے کام بہت محدود ہے، ممبئی آپ کی اصلاحی و تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز رہی، اس کے باوجود اس زمین کے حوالے سے کم ہی واقعات محفوظ ہیں، میرے خیال میں الحاج محمد سعید نوری صاحب کا مضمون اس سلسلے میں پہلی باضابطہ کوشش ہے، الحاج محمد سعید نوری صاحب باضابطہ قلم کار نہیں، لیکن اس کے باوجود آپ کا مضمون مواد کے لیے کافی اہم ہے۔ دوسرے ارباب عقیدت و قلم کو ان کی تقلید کرنی چاہیے، اور جو کچھ بھی ہو سکے قلم بند کرنا چاہیے۔ علامہ محمد احمد مصباحی صاحب نے اس مضمون کی کافی پذیرائی کی بلکہ متعدد ایسے مضامین کی تحسین کی جو ان لوگوں نے لکھے ہیں جو بہ حیثیت قلم کار معروف نہیں ہیں۔ اس کی وجہ وہی ہے کہ ان حضرات نے بلا تکلف سادگی کے ساتھ اپنے مافی الضمیر کو ادا کر دیا ہے۔

یہاں میں بہ طور خاص امام احمد رضا سنٹرل لائبریری الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور کا تذکرہ کرنا نہ بھولوں گا جس سے میں نے تخریج و

مراجعت میں بھرپور استفادہ کیا۔ آج سے ایک دہائی قبل یہ صورت حال نہ تھی، مگر آج یہ لائبریری ایک شاندار، کشادہ اور پُرسکون عمارت میں قائم ہے۔ علوم اسلامیہ کے جملہ گوشوں پر محیط ایک عظیم ذخیرہ دست یاب ہے، جس سے اہلِ فکر و تحقیق دور دور سے آکر استفادہ کرتے ہیں، خصوصیت کے ساتھ عربی زبان و ادب، صرف و نحو، فصاحت و بلاغت، تفسیر اصول تفسیر، حدیث و اصول حدیث، فقہ و اصول فقہ، اور تاریخ کے گوشوں پر زبردست ذخیرہ موجود ہے، خاص بات یہ ہے کہ یہ سارا ذخیرہ ان طبع شدہ کتابوں کا ہے جو جدید طرز پر ایڈٹ ہو کر بیروت سے آرہی ہیں، ان کتابوں سے مراجعت اور استفادہ بہت آسان ہے۔ آخر میں ان کتابوں کی ایک مختصر فہرست شامل کردی گئی ہے جن سے میں نے استفادہ کیا۔ مولانا اختر حسین فیضی مصباحی کا انتہائی درجہ ممنون ہوں جنھوں نے میرے لیے ہمیشہ لائبریری کا دروازہ کھلا رکھا، اس کی وجہ سے میرا کافی وقت بچا، مولانا دورِ طالب علمی سے ہی ہمارے باوقار دوستوں میں ہیں، میرے ساتھ ان کی بہت سی نیکیاں شامل حال ہیں، میں ان کا بے حد ممنون ہوں۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ آج ''جہان مفتی اعظم'' کے خط و خال کو سنوار کر زیور طبع سے آراستہ ہونے کے لائق بنایا جارہا ہے اور ایک وقت وہ بھی تھا جب علماے مبارک پور کی جانب سے فتاویٰ رضویہ کی اشاعت کے سوال پر سرکار مفتی اعظم نے ڈبڈبائی آنکھوں سے کہا تھا کہ '' آپ لوگوں کے علاوہ اور کس سے امید کی جاسکتی ہے'' اہل مبارک پور کا رشتہ شہر بریلی سے بڑا پختہ رہا ہے، انھوں نے اپنے آقاے نعمت کو محروم نہ کیا بل کہ علامہ حافظ عبد الرؤف صاحب کی قیادت میں اس کی تبییض و تصحیح کا کام مکمل ہوا، بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب نے اس کی نگرانی کی اور ایک مبسوط مقدمہ لکھا اور سنّی دار الاشاعت الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور سے اس کی اشاعت عمل میں آئی۔ اساتذہ اشرفیہ میں آج بھی مولانا اعجاز احمد مصباحی، مولانا احمد رضا مصباحی، مولانا عبد الشکور مصباحی، مولانا محمد احمد مصباحی، مفتی نظام الدین رضوی مصباحی، مولانا عبد الحق رضوی، حضور مفتی اعظم کے دامن کرم سے وابستہ ہیں، حضور مفتی اعظم کو مبارک پور سے ایک خاص قسم کا والہانہ لگاؤ تھا، جب بھی اہل مبارک پور نے آواز دی، آپ نے انکار نہ کیا، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کبھی بھی آپ کے فیوض و برکات اور احسانات سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا، وہ بڑا تاریخی لمحہ تھا جب شہزادۂ اعلیٰ حضرت نے اپنے ہاتھوں سے اشرفیہ (مجوزہ عربی یونیورسٹی) کی بنیاد میں اپنے دست اقدس سے پہلی اینٹ رکھی تھی۔ یہ اشرفیہ ہی کی اینٹ نہیں تھی بل کہ قوم کی تقدیر تھی جسے آپ نے اپنے دست کرامت سے سلجھا دیا تھا، پھر تو اشرفیہ ایسا پھلا پھولا کہ ہر سو اسی کے جلوے مچل رہے ہیں۔

حضور مفتی اعظم کو الجامعۃ الاشرفیہ سے جو محبت اور والہانہ لگاؤ تھا اور جس طرح سے انھوں نے اس کے لیے اپنے بے تابانہ جذبات کا اظہار کیا ہے وہ ایک الگ باب ہے اور اس کی ایک سنہری تاریخ ہے، جو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، اندرونی صفحات کے متعدد مقامات پر اس کے بے حجابانہ جلوے نظر آئیں گے، الجامعۃ الاشرفیہ کے در و دیوار پر اس مرد قلندر کے اخلاص و للہیت کے آج بھی لافانی نقوش ثبت ہیں، اس کی محبتوں کی بھینی بھینی خوشبو آج بھی اعلان کررہی ہے کہ وہ اگرچہ آرام فرما ہے شہر بریلی میں مگر اس کی روح آج بھی، اس کی نگاہ عنایت اس دیار علم و ادب پر فیض بار ہے۔ الجامعۃ اشرفیہ مبارک پور کی برق رفتار ترقی اور قلمی سفر اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ روح مفتی اعظم نے اس شہر زرنگار کو اپنی حفاظتی حصار میں لے لیا ہے، اب کسی کو اس کی طرف ایک نگاہ غلط انداز ڈالنے کا یارا بھی نہیں ہوسکتا۔

مفتی اعظم کی آرزوؤں کی صداے بازگشت آج بھی اس کی فضاؤں میں سنائی دے رہی ہے، نکہت و نور میں ڈوبا ہوا وہ نورانی منظر اہل مبارک پور آج بھی نہیں بھلا پاتے، جب اپنے نوری نوری ہاتھوں سے ''رضوی دولھا'' نے اشرفیہ کی بنیاد میں اینٹ رکھی تھی، سیکڑوں علما

موجود تھے، ہزار ہا ہزار انسانوں کا سمندر تھا، پورا ماحول نعرۂ تکبیر و رسالت کی صداؤں سے گونج رہا تھا اور شہزادۂ اعلیٰ حضرت بے آب و گیاہ صحرا میں ایک گلشن علم و فکر کی بنیاد رکھ کر سنت براہیمی کی رسم ادا کر رہے تھے۔

مبارک پور میں میری یہ کوشش رہی کہ جس قدر بھی ممکن ہو جلد از جلد اس کام کو نپٹا کر ممبئی کے لیے روانہ ہو جاؤں کیوں کہ دار العلوم حنفیہ رضویہ قلابہ کی تدریسی ذمہ داریاں طویل سفر کی اجازت نہیں دیتیں۔ مگر ایسا نہ ہو سکا کیوں کہ کام کا وہ تسلسل جو اس طرح کے کاموں میں رہنا چاہیے، وہ قائم نہیں رہ سکا اور اس کی معقول وجوہات ہیں، مثلاً علامہ محمد احمد مصباحی صاحب الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے صدر المدرسین ہیں، اتنے عظیم ادارہ کے پرنسپل کو کس قدر مصروفیت یا دشواری ہو سکتی ہے اس کا اندازہ ناظرین آسانی سے کر سکتے ہیں، کام ابھی باضابطہ شروع ہی ہوا تھا کہ ششماہی امتحان سر پر آ گیا، امتحانات کے پرچوں کی تیاری، امتحان گاہوں کی تقسیم، امتحان گاہوں میں نگرانوں کی تقرری، پرچوں کی فوٹو کاپی کا حصول، رول نمبر کی تیاری اور طلبہ میں ان کی تقسیم، اسی طرح مجلس برکات کے مسائل، حواشی اور مسودات و مبیضات کی نگرانی و نظر ثانی، المجمع الاسلامی اور اس کی مصروفیات، علامہ اس پر مستزاد مصباحی صاحب ان سارے مسائل سے بذات خود نپٹتے ہیں، خدا خدا کر کے امتحان ختم ہوا تو مجلس شرعی کے تحت منعقد ہونے والے ۲۰۰۶ء کے دو روزہ فقہی سیمینار کا پروگرام شروع ہو گیا، جس میں دو سو سے زائد علما و فقہا نے ملک کے مختلف حصوں سے شرکت کی، علامہ مصباحی صاحب کا اس سیمینار کی کامیابی میں بھرپور کردار ہوتا ہے، مقالوں کی جانچ و نظر ثانی، سوالات کی ترتیب اور خلاصہ مباحث کی تیاری، یہ وہ زہرہ گداز کام ہے کہ پتھر پر بھی ڈال دیا جائے تو سیسہ بن کر پگھل جائے، مگر اساتذۂ اشرفیہ خصوصاً علامہ مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی جنرل سکریٹری مجلس شرعی، علامہ مصباحی صاحب کی نگرانی اور حضرت سربراہ اعلیٰ کی سرپرستی میں انجام دیتے ہیں، الجامعۃ الاشرفیہ میں مقیم ہونے کی وجہ سے اس طرح کے پروگراموں سے راقم کا بھی متاثر ہونا لازمی تھا اور جب اس سیمینار سے چھٹی ملی تو کچھ دنوں بعد دو روزہ بین الاقوامی میڈیا سیمینار کی تیاریاں شروع ہو گئیں، جو علامہ مبارک حسین مصباحی صاحب چیف اڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ کی قیادت میں منعقد ہونے والا تھا۔ یہ اپنی نوعیت کا پہلا سیمینار تھا جو کسی بھی سنی تنظیم کی جانب سے انعقاد پذیر ہوا یہ بڑا کھلا ہوا اور معلومات افزا پروگرام تھا۔ اس لیے راقم السطور نے بھی باضابطہ شرکت کی۔ ان سب مسائل سے فارغ ہوتا ہوا اب اداریہ کی نقشہ سازی میں مصروف ہوں یہاں کا ماحول یہ ہے کہ بجلی آتی ہے، چلی جاتی ہے، گرمی بڑھ رہی ہے، قلم حرکت میں آتا ہے تو پسینہ بھی حرکت میں آ جاتا ہے۔ جوں جوں کام سمٹتا جا رہا ہے، طبیعت میں انشراح و اطمینان حاصل ہوتا جا رہا ہے۔

حضرت ناظم اعلیٰ صاحب سے جب میں نے سرکار مفتی اعظم کے بارے میں جاننا چاہا تو انھوں نے کہا کہ آخری بار جب حضور مفتی اعظم مبارک پور تشریف لائے تھے اس وقت میں مدرسہ اشرفیہ (واقع گولہ بازار، قصبہ مبارک پور) میں درجہ پرائمری کا طالب علم تھا، وہیں پر دور سے حضرت کو دیکھا تھا قریب جانے کی ہمت نہ پڑی تھی اس کے لیے بڑے بوڑھے لوگ حضرت کو گھیرے ہوئے تھے۔ بس اتنا یاد ہے کہ اہل مبارک پور پروانوں کی طرح حضرت پر ٹوٹے پڑ رہے تھے، ایسا نورانی اور خوب صورت چہرہ میں نے آج تک کسی بھی عالم دین کا نہیں دیکھا۔ گویا حضور مفتی اعظم کے فیضان کرم سے آپ بھی محروم نہ رہے، اور اس طرح وہ بچہ جو کبھی اشرفیہ کے درجہ پرائمری کا طالب علم ہوا کرتا تھا آج الجامعۃ الاشرفیہ (مجوزہ عربی یونیورسٹی) کا ناظم اعلیٰ ہے، مولیٰ تعالیٰ ان کو فیضان مفتی اعظم سے خوب خوب نہال فرمائے۔ آمین

آخر میں مجاہد سنیت حضرت الحاج سرفراز احمد ناظم اعلیٰ دار العلوم اشرفیہ کا بھی مشکور و ممنون ہوں، جنھوں نے کمپیوٹر سنٹر میں مقالات

کی اصلاح کے لیے بعض انتظامی مسائل کے باوجود پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی سہولت فراہم کی۔ یقیناً یہ سہولت اگر فراہم نہ ہوتی تو مبارک پور سے ممبئی اور ممبئی سے دہلی کا سفر ناگزیر ہو جاتا۔ اور اس جاں سوز مشقت کے باوجود بہت سی لفظی و معنوی خامیوں کا در آنا اس پر مستزاد، جو اس ضخیم نمبر کی اشاعت کی معنویت و افادیت پر سوالیہ نشان لگا سکتی تھیں۔ مولائے کریم ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ حضرت ناظم اعلیٰ صاحب بڑے دیدہ ور اور صاحب نظر ترقی پسند اور روشن خیال فکر کے مالک ہیں۔ ان کے دورِ نظامت میں اشرفیہ نے بڑی ترقیاں کی ہیں۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں مولانا محمد قاسم مصباحی، مولانا حبیب اختر مصباحی، جناب مہتاب پیامی (شعبۂ کمپیوٹر) جدید مالات کی کمپوزنگ اور کمپوز شدہ مضامین کی اصلاح میں اپنی خدمات پیش کرنے میں کبھی بھی کوتاہی سے کام نہ لیا۔ شہزادۂ عزیز ملت حضرت مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی مصباحی عزیزی ہر گام پر سائبان کی طرح فروغ نظر بنے رہے۔ ہم سب کے مرکزِ عقیدت و محبت، سرمایۂ ملک و ملت، عزیز ملت حضرت مولانا شاہ عبدالحفیظ مصباحی، سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی نگہِ کرم کی تابانیاں اتنی تابدار رہیں کہ اُن سے نگاہیں ملانے کی قلم میں تاب نہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ان تمام حضرات کو اپنے خزانۂ عامرہ سے بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے۔

اراکانِ رضا اکیڈمی، محمد عارف رضوی، سہیل احمد رضوی روکاڑیا، حاجی عبدالغفار رضوی عرف بابو بھائی، محمد ناظم خان اور بطور خاص الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں ہمارے رفیقِ درس مولانا محمد اسلم رضا مصباحی کٹیہاری شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے شب و روز ایک کر کے ''جہانِ مفتی اعظم'' کی اشاعت کے مرحلے کو آسان بنایا۔ قارئین ان سب حضرات کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔ اگر اس نمبر میں کچھ حسن و خوبی ہے تو وہ مقالہ نگاروں اور ہمارے رفیق و شفیق اساتذہ کی عنایتیں ہیں اور اگر کچھ قصور ہے تو اس عاجز فقیر مقبول احمد مصباحی کا حصہ ہے۔

خوب کی سیر چمن پھول چنے شاد رہے
باغباں جاتا ہوں اب گلشن تیرا آباد رہے

یکے از گدایانِ مفتی اعظم

مقبول احمد سالک مصباحی

رکن رضا اکیڈمی و استاذ دارالعلوم حنفیہ رضویہ، قلابہ، ممبئی

سب ایڈیٹر اردو ہفت روزہ مسلم ٹائمز

۱۵-۰۲-۲۰۰۷

نوٹ: زیرنظر اداریہ کل تقریباً ۱۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ لیکن بہ سبب طوالت خاص حصے ہی پیش کیے جا سکے۔ اس کی وجہ سے ممکن ہے قاری مجموعی طور پر مضمون میں بے ربطی یا تشنگی محسوس کرے۔ انشاءاللہ عنقریب پورا مضمون کتابی شکل میں شائع ہو کر نذر قارئین ہوگا۔

مصادر و مآخذ تخریجات

کتاب	سن	مصنف	ناشر
۱) موسوعۃ اطراف الحدیث	( )	ابو ہاجر محمد سعید بن بسیونی زغلول	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۲) مرقاۃ المفاتیح	(۱۴۲۲ھ)	شیخ علی بن سلطان محمد القاری	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۳) جامع الاحادیث	(۱۴۲۴ھ)	امام حافظ جلال الدین سیوطی	دار الفکر، بیروت
۴) مجمع الزوائد منبع الفوائد	(۱۴۲۵ھ)	حافظ نور الدین علی بن ابوبکر ہیثمی	دار الفکر، بیروت
۵) شرح الزرقانی علی مؤطا امام مالک	( )	محمد بن عبدالباقی الزرقانی	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۶) جواہر البحار فی الاحادیث الصحیحہ	(۱۴۱۹ھ)	الشیخ عبداللہ التلیدی	دار البشائر الاسلامیہ، بیروت
۷) اوجز المسالک الی مؤطا امام مالک	(۱۴۲۰ھ)	شیخ محمد زکریا بن محمد الکاندھلوی	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۸) معارفۃ السنن والآثار	(۱۴۲۲ھ)	شیخ ابوبکر احمد ابن الحسین البیہقی	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۹) مسند الامام احمد	(۱۴۱۶ھ)	الامام احمد بن حنبل الشیبانی	موسسۃ الرسالہ، بیروت
۱۰) صحیح ابن حبان	(۷۱۴۱ھ)	امیر علاء الدین علی بن بلبان الفارسی	دار الفکر، بیروت
۱۲) شرح السنۃ	(۹۱۴۱ھ)	ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی	دار الفکر، بیروت
۱۳) النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر	(۱۲۴۱ھ)	امام مجد الدین ابی السعادات الجزری	دار الفکر، بیروت
۱۴) مشارق الانوار علی معانی الآثار	(۳۲۴۱ھ)	قاضی ابوالفضل عیاض المالکی	دار الکتب، بیروت
۱۵) نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ	(۸۱۴۱ھ)	حافظ جمال الدین ابی محمد الزیلعی الحنفی	موسسۃ الریان،
۱۶) شعب الایمان	(۱۲۴۱ھ)	امام ابی بکر احمد بن الحسین البیہقی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۱۷) مسند ابی یعلی الموصلی	(۸۱۴۱ھ)	ابو یعلی احمد بن علی الموصلی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۱۸) السنن الکبری	(۹۱۱۴۱ھ)	حافظ ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی	دار الفکر، بیروت
۱۹) سنن ابی داؤد	(۲۲۴۱ھ)	حافظ ابی داؤد سلیمان السجستانی	دار المعرفۃ، بہ۔ت
۲۰) صحیح مسلم	(۵۲۴۱ھ)	امام ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری	دار الکتاب العربی، بیروت
۲۱) صحیح البخاری	(۵۴۴۱ھ)	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری	دار الکتاب العربی، بیروت
۲۲) ذخائر المواریث	(۹۱۴۱ھ)	امام عبدالغنی بن اسماعیل النابلسی	مکتبۃ عباس احمد الباز، مکۃ المکرمہ
۲۳) سنن الترمذی	(۱۲۴۱ھ)	ابوعیسی محمد بن عیسی الترمذی	دار احیاء التراث العربی، بیروت
۲۴) المستدرک علی الصحیحین	(۶۰۴۱ھ)	امام ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیسابوری	دار المعرفہ، بیروت
۲۵) المطالب العالیہ	(۴۲۴۱ھ)	حافظ شہاب الدین ابن حجر العسقلانی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۲۶) مسند الفردوس بماثور الخطاب	(۶۰۴۱ھ)	ابی شجاع شیرویہ بن شہردار الدیلمی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت

۲۷)شرح الطیبی علی المشکاۃ	(۱۴۱۳ھ)	امام شرف الدین بن حسین الطیبی	ادارۃ القرآن، کراچی
۲۸)تفسیر الطبری (جامع البیان)	(۱۴۲۰ھ)	ابو جعفر محمد بن جریر الطبری	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۲۹)تفسیر خازن مسمی بلباب التاویل	(۱۴۱۵ھ)	علاء الدین علی بن محمد الخازن	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۳۰)التفسیر الکبیر مسمی بمفاتیح الغیب	(۱۴۲۱ھ)	امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۳۱)حاشیۃ القونوی (علی البیضاوی)	(۱۴۲۲ھ)	عصام الدین اسماعیل بن محمد الحنفی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۳۲)الجواہر فی تفسیر القرآن	(۱۴۲۵ھ)	شیخ طنطاوی مصری	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۳۳)احکام القرآن	(۰۰۰۰)	ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن العربی	دار المعرفہ، بیروت
۳۴)تاویلات اہل السنۃ	(۱۴۲۵ھ)	ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی	موسسۃ الرسالہ، بیروت
۳۵)زاد المسیر فی علم التفسیر	(۱۴۲۲ھ)	جمال الدین عبد الرحمٰن بن علی الجوزی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۳۶)الدر المنثور فی التفسیر الماثور	(۱۴۱۴ھ)	حافظ عبد الرحمٰن جلال الدین السیوطی	دار الفکر، بیروت
۳۷)تفسیر الجلالین	(۱۴۱۸ھ)	حافظ عبد الرحمٰن جلال الدین السیوطی	دار الفکر، بیروت
۳۸)تفسیر النسفی (مدارک التنزیل)	(۱۴۲۱ھ)	عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی	دار المعرفہ، بیروت
۳۹)تفسیر القرآن العظیم	(۱۴۱۲ھ)	حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقی	المکتبۃ التجاریۃ مکۃ المکرمۃ
۴۰)تنویر المقباس فی تفسیر ابن عباس	(۱۴۲۵ھ)	حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۴۱)حاشیۃ الصاوی علی الجلالین	(۱۴۲۱ھ)	علامہ احمد بن محمد الصاوی المصری	دار الفکر، بیروت
۴۲)الفتوحات الالٰہیۃ علی الجلالین	(۱۴۱۶ھ)	امام سلیمان بن عمر عجیلی الشافعی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۴۳)اعراب القرآن	(۱۴۲۱ھ)	امام ابی جعفر احمد بن النحاس	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۴۴)المعجم الموضوعی لآیات القرآن	(۱۴۲۰ھ)	حسان عبد المنان	بیت الافکار الدولیۃ، بیروت
۴۵)تفسیر القرآن العظیم	(۱۴۲۴ھ)	حافظ عبد الرحمٰن بن ابی حاتم الرازی	دار الفکر، بیروت
۴۶)تفسیر البیضاوی المسمی بانوار التنزیل	(۱۴۱۶ھ)	امام قاضی ناصر الدین بن محمد الشیرازی	دار الفکر، بیروت
۴۷)الکشف والبیان فی تفسیر القرآن	( )	امام ابو اسحاق احمد بن محمد الثعلبی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۴۸)اسباب النزول	(۰۰۰۰)	امام ابو الحسن علی بن احمد النیسابوری	دار المعرفہ، بیروت
۴۹)تفسیر القشیری	(۱۴۲۰ھ)	امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن النیسابوری	دار الکتب، بیروت
۵۰)المحیط البرہانی	(۱۴۲۴ھ)	امام برہان الدین ابن مازۃ البخاری الحنفی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۵۱)الاستذکار	(۱۴۲۳ھ)	حافظ ابی عمر یوسف بن عبد اللہ	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۵۲)رد المحتار علی الدر المختار	(۱۴۲۴ھ)	محمد امین ابن عابدین الشامی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۵۳)شرح فتح القدیر	(۱۴۲۴ھ)	امام کمال الدین ابن الہمام الحنفی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۵۴)الفتاوی التاتارخانیۃ	(۱۴۲۵ھ)	علامہ عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی	دار احیاء التراث الاسلامی، بیروت

۵۵) الفتاوی الولوالجیۃ		ابوالفتح ظہیر الدین ابن عبدالرزاق الولوالجی	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۵۶) العطایا الاحمدیہ	(۲۰۰۲ء)	صاحب زادہ مفتی اقتدار احمد خاں نعیمی	مکتبہ رضویہ، دہلی
۵۷) الفتاوی الہندیۃ	(۱۴۲۱ھ)	علامہ شیخ نظام الدین واعوانہ	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۵۸) البحر الرائق	(۱۴۱۸ھ)	شیخ زین الدین ابن نجیم المصری الحنفی	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۵۹) کنز الدقائق	(۱۴۱۸ھ)	امام ابی البرکات بن احمد النسفی	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۶۰) منحۃ الخالق	(۱۴۱۸ھ)	محمد امین ابن عابدین الشامی	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۶۱) الدر المختار	(۱۴۱۸ھ)	علامہ علاء الدین الحصکفی	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۶۲) شرح معانی الآثار	(۱۴۲۲ھ)	امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۶۳) جد الممتار	(۰۰۰۰)	امام احمد رضا خان قادری	المجمع الاسلامی، مبارک پور
۶۴) کتاب المبسوط	(۱۴۲۱ھ)	امام شمس الدین ابوبکر محمد السرخسی	دارالفکر، بیروت
۶۵) بدائع الصنائع	(۱۴۱۷ھ)	امام علاء الدین ابوبکر الکاسانی	دارالفکر، بیروت
۶۶) مجمع الانہر	(۱۴۲۲ھ)	شیخی زادہ عبدالرحمٰن داماد آفندی	داراحیاء التراث العربی، بیروت
۶۷) ملتقی الابحر	(۱۴۲۲ھ)	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	داراحیاء التراث العربی، بیروت
۶۸) ابریز شریف	(۱۴۱۸ھ)	سیدی احمد بن المبارک السجلماسی المالکی	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۶۹) میزان الشریعۃ الکبری	(۱۴۱۹ھ)	عبدالوہاب بن احمد الشافعی المصری الشعرانی	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۷۰) اتحاف السادۃ المتقین	(۱۴۲۳ھ)	علامہ سید محمد بن محمد الحسینی الزبیدی	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۷۱) احیاء علوم الدین	(۲۰۰۰ء)	ابوحامد محمد بن محمد الطوسی الشافعی الغزالی	دارصادر، بیروت
۷۲) الصحاح	(۱۴۱۹ھ)	ابونصر اسماعیل بن حماد الجوہری	دارالفکر، بیروت
۷۳) معجم البلدان	(۱۴۱۰ھ)	امام شہاب الدین یاقوت الحموی	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۷۴) معجم الادباء	(۱۳۵۵ھ)	امام شہاب الدین یاقوت الحموی	داراحیاء التراث، بیروت
۷۵) اساس البلاغۃ	(۱۴۲۳ھ)	امام جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری	المکتبۃ العصریۃ، بیروت
۷۶) لسان العرب	(۲۰۰۰ء)	علامہ ابوالفضل محمد بن مکرم	دارصادر، بیروت
۷۷) غریب الحدیث	(۱۳۹۶ھ)	ابوعبید القاسم بن سلام الہروی	دارالکتاب العربی، بیروت
۷۸) تفسیرات احمدیہ	( )	شیخ احمد ملا جیون جونپوری	المکتبۃ الاشرفیہ، دیوبند
۷۹) حلبی کبیر	( )	علامہ ابراہیم الحلبی الشافعی	مصطفی البابی مصری
۸۰) المدخل	( )	امام ابن الحاج المالکی الفاسی	مکتبہ دارالتراث، القاہرہ
۸۱) شفا شریف	( )	علامہ قاضی عیاض الحصکفی	مرکز اہل سنت پور بندر، گجرات
۸۲) المعتمد المستند	( )	علامہ فضل رسول بدایونی	المجمع الاسلامی، مبارک پور

۸۳) المعتقد المنتقد	( )	الامام احمد رضا القادری	المجمع الاسلامی، مبارک پور
۸۴) نسیم الریاض	( )	علامہ احمد شہاب الدین الخفاضی المصری	مرکز اہل سنت پور بندر، گجرات
۸۵) حدوث الفتن	( )	علامہ محمد احمد مصباحی	المجمع الاسلامی، مبارک پور

☆☆☆☆☆☆☆

پہلا باب

مفتی اعظم کی زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح روشن اور بے غبار ہے ، آپ کا ظاہر و باطن یکساں تھا، جیسا کہ ڈاکٹر محب الحق صاحب نے اپنے مقالہ مشمولہ زیر نظر مجموعہ میں اس کی جانب اشارہ کیا ہے ۔ علامہ سید شاہد علی رضوی نے انتہائی عرق ریزی کے ساتھ مفتی اعظم کا سوانحی خاکہ مرتب فرمایا ہے جو انتہائی جامع اور معلومات افزا ہے ۔ یہ مضمون اس سے قبل خلفائے مفتی اعظم ہند(مولفہ مولانا شہاب الدین رضوی) میں بہ طور مقدمہ چھپ کر قبول عام حاصل کرچکا ہے ۔ علامہ محمد احمد مصباحی صاحب نے اس مضمون کی مزید تہذیب و تنقیح کرکے اس کے پایہ ثبات و اعتبار کو اور بھی مستحکم کردیا ہے ۔مقالہ کے بعض حصوں کو اطناب و اعادہ کی وجہ سے قصداً حذف کردیا گیاہے ۔موصوف نے اس مضمون میں مفتی اعظم کا حلیہ ، عادات و اطوار ، سیرت و کردار ، تعلیم و تربیت ، نشو و نما ، تحصیل علوم و فنون ، فراغت ، تدریسی زندگی ، فتوی نویسی ، جرأت و بسالت ، بیعت و ارادت ، ارشاد و تبلیغ، اجازت و خلافت، اسناد حدیث، سلسلۂ تلمذ، دینی خدمات، اصلاحی کارنامہ ، علمی افادات ، تصنیفات و تالیفات اور اختصار کے ساتھ خلفا و تلامذہ کی اجمالی فہرست ، بڑی ہی پر کاری اور جامعیت کے ساتھ پیش کیا ہے ۔ زیر نظر مقالے کے ساتھ صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی کا مفید نوٹ بھی ہے ، جو تنقید برائے تنقیدنہیں ، بل کہ عالم اسلام کے اس رجل عظیم کے تعلق سے صحیح ترین معلومات و حقائق پہونچانے کی کامیاب سعی ہے ، مقالہ نگار یا ان کے احباب کو اس نوٹ کو معروضی انداز میں دیکھنا چاہیے ۔ اور علامہ مصباحی صاحب نے اس مقالہ کی تہذیب و تنقیح میں جو جگر کاوی کی ہے اس کے لیے مشکور ہونا چاہیے ۔ اگلی صفحات میں مقالہ حاضر ہے ۔

سوانحی خاکہ کا ہی ایک حصہ مفتی اعظم کے والد گرامی امام احمد رضا قادری کی ذات بابرکات بھی ہے ، جنھوں نے شہرت و عظمت کی آخری بلندیوں کو چھولیا ہے ، جن کے قد عظیم کے سامنے بڑے بڑے عقلاے روزگار بونے نظر آتے ہیں ، فاضل گرامی مولانا نفیس احمد مصباحی نے بڑے اختصار و جامعیت کے ساتھ امام موصوف کی زندگی کے بیشتر حصوں کا اس طور پر احاطہ کرلیا ہے اگر اسے مستقل رسالہ کی شکل میں بھی شائع کیا جائے ، تو بھی اس کی افادیت میں کچھ کمی نہ آئے گی ارادہ تھا کہ علامہ نقی علی خاں اور حضرت حجۃ الاسلام کے تذکرے کو اس باب میں جگہ دی جائے ، مگر وقت کی قلت نے اجازت نہ دی۔ در اصل ایک مستقل باب خاندانی حالات کے تحت ہونا چاہیے تھا جو قلت وقت کی وجہ سے نہ ہوسکا۔ مرتب نے اس طرف رجوع کیا تو یہ موضوع کافی تشنہ معلوم ہوا۔ اندازہ یہ ہے کہ ابھی تک کسی اہل قلم نے مستقلاً اس کو موضوع قلم نہیں بنایا ہے ، جب کہ اس موضوع پر سیر حاصل بحث کے بغیر امام موصوف اور آپ کے خانوادے کی خدمات اور اس کے تاریخی پس منظر کے تعلق سے انصاف نہیں کیا جاسکتا ہے حضور مفتی اعظم اور حجۃ الاسلام کے بعد بھی اس خانوادے میں کافی ترقی اور وسعت آئی ہے ، قدیم و جدید کو سمیٹنے کی ضرورت ہے۔ مرتب کو اگر کبھی موقع میسر آیا ہے تو اس موضوع سے ضرور عہدہ بر آہونے کی کوشش کرے گا۔

مقبول احمد سالک مصباحی

از: مولانا محمد احمد مصباحی

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

نوٹ:۔مولانا سید شاہد علی رضوی کا یہ شاہ کار مضمون مفتی اعظم اور ان کے خلفا جلد اول مرتبہ محمد شہاب الدین رضوی کے شروع میں شائع ہوا۔مولانا نے بڑی محنت وعرق ریزی سے لکھا اس میں ان کی محبت وعقیدت بھی کارفرما ہی۔مگر جہاں تک ہوسکا تحقیق سے کام لیا اور غیر مستند باتوں سے پرہیز کیا۔ساتھ ہی یہ خواہش ظاہر فرمائی کہ اگر کوئی غیر مستند یا غیر معیاری بات آگئی ہو تو مطلع کریں تاکہ آئندہ اشاعت میں تصحیح کردی جائے۔اس کی غرض سے کتاب کا ایک نسخہ انھوں نے برادر گرامی مولانا عبدالمبین نعمانی کو سپرد بھی کیا تھا۔مگر پوری طرح فرمائش کی تعمیل کر کے کتاب انھیں واپس نہ کرسکے۔اب جب کہ یہ مضمون اپنی گراں بہا معلومات اور افادیت کے باعث دوبارہ زیر نظر اس مجموعہ میں شامل اشاعت کیا جانے لگا۔تو ضروری تھا کہ اس پر نظر ثانی کرلی جائے۔اکثر وبیشتر مستند حوالے ملے بعض مآخذ مثلاً پندرہ روزہ "رفاقت" کا مفتی اعظم نمبر، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کی کتاب "مفتی اعظم" وغیرہ بروقت نہ مل سکے اور زیر نظر مضمون میں یہ صراحت نہیں کہ ان مآخذ میں حوالہ سے متعلق مضمون کہاں سے لیا گیا، اس لیے چند باتیں تحقیق طلب رہ گئیں۔کام مکمل کرنے کی عجلت بھی ہے۔ہاں چند مقامات پر غیر مستند یا روایت کے خلاف روایتیں آگئی تھیں انھیں حذف کردیا گیا۔مثلاً صرف کرامات مفتی اعظم از راز الٰہ آبادی اور مشہور افسانوی حکایت نگار وقار صدیقی کے مضمون مشمولہ مفتی اعظم نمبر استقامت کانپور کے حوالے سے جو بھی مضامین آئے یکسر ساقط کردیے گئے۔اول الذکر کتاب سے بے زاری اور اس کی بے اعتباری کا اظہار خود سرکار مفتی اعظم قدس سرہ نے فرمایا جو مجھ سے مفتی مجیب اشرف رضوی اور مفتی محمد اعظم رضوی نے بیان کیا۔اس کے علاوہ بعض حضرات نے یہ بھی بتایا کہ ہم نے واقعہ مختصر لکھ کر دیا مگر راز صاحب نے اس پر اس قدر مبالغہ آرائی فرمائی کہ کذب کی حد میں داخل کردیا۔وقار صدیقی کا مضمون اکثر یا کل اسی سے ماخوذ ہے نمبر تیار ہونے سے پہلے مدیر استقامت نے مجھ سے بتایا تھا کہ وقار صدیقی کا مضمون حاصل کرنے کے لیے سفر پاکستان میں بڑی کوشش کرنی پڑی ان سے مل کر مدعا بتایا تو انھوں نے مواد طلب کیا۔کرامت مفتی اعظم اور ایک مختصر کتابچہ میں نے دے دیا۔میں نے مدیر استقامت سے کہا کہ یہ ساقط الاعتبار کتاب آپ نے کیوں دی؟ بولے کیا کرتا وہاں کوئی دوسری کتاب یا مضامین دستیاب ہی نہ تھے۔"افسوس یہ ہے کہ بعض وہ لوگ جنھیں "کرامات راز" سے احتراز تھا وہ بھی استقامت اور وقار صدیقی کے توسط سے اس میں پھنس گئے چوں کہ اس مضمون میں کسی کتاب کا حوالہ نہیں اور انداز بہت دل پزیر ہے اس لیے قاری کو گمان ہوتا ہے کہ اس کا کوئی مستند ماخذ ضرور ہوگا، اس طرح وہ بعینہ نقل کرلیتا ہے اور سمجھتا ہے میں نے سچی بات نقل کی ہے۔

اسی طرح حضور مفتی اعظم قدس سرہ کے مجدد ہونے نہ ہونے کا تذکرہ آنے سے قصداً گریز کیا گیا ہے۔مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے گوناگوں کمالات ومحاسن، ان کی عظمت وسربلندی، اور ان کے امتیاز وانفرادیت کے اعلان کے لیے کافی ووافی ہیں۔رب کریم نے انھیں جس جلالت ومقبولیت سے نوازا وہ ہماری زبان وقلم سے دعوائے مجددیت کے پیوند کی محتاج نہیں۔جن کے ممدوحین کے پاس نہ ایسا عظیم تقویٰ ہو، نہ ایسا رفیع علم وعرفان، نہ ایسی وسیع وعریض مخلصانہ خدمات وہ اگر اپنے ممدوحین کا قد اپنے دعوائے مجددیت کے سہارے بلند کرنے کی

کوشش کریں تو وہ اپنے ہدف کے پیش نظر اس کے محتاج ہیں مگر ہم اس سے بے نیاز ہیں۔ جو لوگ اپنے ممدوحین کے لیے اس طرح کی کوشش اور کہیں سازش میں لگے ہوئے ہیں وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ مجدد کے لیے کس درجے کا علم و عرفان چاہیے۔ کیسا زہد و تقویٰ، کیسی ژرف نگاہی اور کیسی خدمات ہونا چاہیے۔

مفتی اعظم قدس سرہ کے تذکرے کے ساتھ انھیں بہت سے لوگوں نے پندرہویں صدی کا مجدد لکھ ڈالا۔ اس کے لیے مولانا رحم الٰہی منگلوری علیہ الرحمہ کی زبان پر ایک تاریخ ولادت بھی گڑھی گئی "طیب دین احمد ابن مجدد اعظم" مگر افسوس کہ اس کے عدد ۱۳۱۰ھ ہوتے ہیں اس کے علاوہ بقول شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق علیہ الرحمہ "۱۳۱۰ھ تک اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو بھی مجدد نہ کہا گیا تھا، مجدد اعظم کہنا تو بہت دور کی بات ہے۔" لیکن اب کسی صاحب نے اس سوال کا جواب نہ دیا کہ مفتی اعظم قدس سرہ پندرہویں صدی کے مجدد تھے تو چودہویں صدی میں انھوں نے صرف ایک سال تیرہ دن گزار کر سفر آخرت اختیار کیا۔ اور اخیر عمر کے ایک دو سال حالت استغراق میں گزرے۔ نماز ادا کر چکے ہوتے پھر پڑھنے کو کہتے، تو حاضرین یاد دلاتے۔ حضور یہ نماز آپ کچھ دیر پہلے پڑھ چکے ہیں اور بھی بہت سی ایسی باتیں استغراق کی وجہ سے ظاہر ہوئیں۔ اس لیے ایک سال کا عرصہ تجدیدی کارناموں کی وجہ سے خالی ہی گزرا۔ ان کی عظیم خدمات جو بھی منظر خاص و عام پر رونما ہوئیں وہ سب چودہویں صدی میں تھیں۔ جس صدی کا انھیں مجدد کہا جاتا ہے۔ اس صدی میں ان کی خدمات کیا ہیں؟

جب تک سوال کا شافی جواب نہ دے دیا جائے ہم سرکار مفتی اعظم قدس سرہ کی ذات کو "مجددیت" کا مبحث اور محل نزاع بنانا ہرگز پسند نہیں کریں گے۔ اعلم علمائے عصر، افقہ فقہائے دہر، اور اہل زمانہ جیسے سچے اور بے نزاع القاب و خطابات ان کی انفرادیت بتانے کے لیے یوں ہی کافی ہیں۔ مجدد کا خطاب ان پر راست ہو یا نہ ہو، عنداللہ اور عندالناس ان کی جو قرار واقعی مقبولیت ہے ہماری عقیدت کی تشفی کے لیے وہی کافی ہونا چاہیے۔

چودہ صدیوں کی تمام مجددین کے اسما یکجا کیے جائیں تو کل اسما پچاس سے زیادہ نہ ہوں گے۔ کیا ان حضرات کے علاوہ جو علما، عرفا، صلحا، اولیا، اقطاب، اغواث گزرے تھے ان میں ان مجددین کے مشائخ اور مشائخ کے مشائخ، اساتذہ اور اساتذہ کے اساتذہ بھی ہیں جو علم و عرفان میں عموماً ان سے ارفع و اعلیٰ ہی ملیں گے، ان کی دینی و علمی خدمات بھی ایک سے ایک عظمت کی حامل ملیں گی۔ کیا دنیا نے ان کی تعظیم و تکریم میں کوئی کمی کی؟ کیا انھیں ان کے شاگردوں اور ان کے مریدوں سے کم تر جانا؟ مجدد نہ جانتے، نہ مانتے ہوئے بھی جس اعزاز و اکرام کے وہ مستحق تھے حتی المقدور معتقدین نے اس میں کوئی فروگزاشت روا نہ رکھی یہی معاملہ سرکار مفتی اعظم قدس سرہ کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ ایک قابل اعتراض اور محل نزاع مسئلہ کھڑا کرنے اور بے موقع فکری، قلمی، لسانی توانائیاں صرف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ "واللہ الهادی الی سواء السبيل"

اسی طرح اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے زمانے میں یا اعلیٰ حضرت کی زبان سے مفتی اعظم کا خطاب ملنے کی بات صحیح روایت اور درایت کے بالکل خلاف ہے، اس لیے حذف کی گئی۔ سید اعجاز حسین بریلوی مدیر ماہنامہ اعلیٰ حضرت نے دعویٰ کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے یہ خطاب دیا مگر اس پر کوئی ثبوت فراہم نہ کیا۔ یہ خود اس وقت نہ تھے۔ اور کسی ثقہ راوی کا حوالہ بھی نہیں دیتے۔ ایسی روایت کسی اور کے کلام میں بھی نہیں ملتی، اس لیے اس کا اعتبار نہیں۔ خصوصاً ایک روایت اگر صدر الافاضل سے منقول ہے تو یہ کہ دوسرے حضرات نے اعلیٰ حضرت کے زمانے میں مفتی اعظم کہا اور اعلیٰ حضرت نے برقرار رکھا۔ پھر بعد کا آدمی بلاسند یہ دعویٰ کرے کہ خود اعلیٰ حضرت نے خطاب دیا تو کیوں کر مسموع

ہوسکتا ہے؟ صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے حوالے سے جو بات نقل ہے اس میں مجھے کسی راوی کے سہو کا غالب گمان ہے معترض حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمہ کے مرید رہے ہوں گے۔ انھوں نے کہا ہوگا کہ یہ کب سے مفتی اعظم ہو گئے؟ صدر الافاضل نے جواب دیا ہوگا کہ اپنے پیر ''بڑے حضرت'' سے پوچھو کہ ان کے زمانے میں مفتی اعظم لکھا اور کہا گیا انھوں نے کیسے برقرار رکھا؟ (اس زمانے میں حجۃ الاسلام کو بڑے حضرت اور مفتی اعظم کو چھوٹے حضرت کہا جاتا تھا) یہ بات روایت وشواہد کے مطابق قرینِ قیاس بھی ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے زمانے میں اہم فتاویٰ اعلیٰ حضرت ہی لکھتے۔ بل کہ اکثر فتاویٰ خود ہی تحریر فرماتے، کچھ سوالات تربیت پانے والے حضرات کو دیتے وہ جوابات لکھتے پھر نظر ثانی اور اصلاح وتصدیق ہوتی۔ اس وقت خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ارشاد موجود ہے کہ یہاں کے موجودین میں افقہ مولانا امجد علی ہیں۔ اور ذیلی کارافتا بھی زیادہ وہی انجام دیتے، اخیر عمر میں صدر قاضی اسلام انھیں کو بنایا، پھر ان کے ہوتے ہوئے ہمارے حضرت کو مفتی اعظم کا خطاب دینا، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی شان سے بہت بعید ہے۔ اور دیگر حضرات سے بھی بعید ہے کہ زیادہ فتاویٰ اعلیٰ حضرت لکھیں اور چند فتاویٰ کبھی کبھی ان کے تلامذہ لکھ دیا کریں تو ان میں سے سب کو چھوڑ کر ایک صاحب کو لوگ مفتی اعظم کہنا شروع کر دیں۔ ہاں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے وصال کے بعد جب حجۃ الاسلام کے سر انتظامی ذمہ داریاں سب کی سب آ گئیں اور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے ذمہ دن بھر تدریس اور اہتمام مطبع وغیرہ کی ذمہ داریاں تھیں۔ پھر بھی تین سال بعد اجمیر شریف چلے گئے تو سارے سوالات کا مرجع اور تمام جوابات کا مصدر خلف اصغر علیہ الرحمہ کی ذات ہی قرار پائی۔ اب تمام اطراف واکناف میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تحقیقی شان اور تحریری اسلوب لیے ہوئے جوابات پہونچنے پر خلف اصغر علیہ الرحمہ کو بہت جلد مفتی اعظم کا لقب ملنا اور اس خطاب سے شہرت حاصل ہونا بالکل قرینِ قیاس اور عین واقعہ ہے۔ خطابات سے متعلق مولانا محمود احمد رفاقتی کا سوال اور سرکار مفتی اعظم قدس سرہ کا جواب اسی مجموعہ میں ملاحظہ کریں تو بھی حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنے عہد میں مفتی اعظم کا خطاب کسی کو نہ دیا۔

اعلیٰ حضرت، امام، علامہ اور ''فاضل''

شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے آداب والقاب کے ساتھ، یا دیگر القاب کے بغیر ''فاضل بریلوی'' لکھنے، بولنے کا رواج چل پڑا ہے اور خاصے عقیدت منداور بالغ نظر حضرات اس میں گرفتار ہیں۔

غور فرمائیں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو ہم جس مہارت علوم وفنون اور جس عظیم علمی تبحر سے موصوف کرتے ہیں لفظ ''فاضل'' سے اس کا اظہار کس حد تک ہوتا ہے؟ یہ لقب تو ایسے شخص کے لیے بھی بجا ودرست ہے جو درس نظامی سے فراغت کے ساتھ مروجہ علوم وفنون میں یک گونہ درک رکھتا ہو، اور ایسے ہی حضرات کے لیے عام طور پر بولا بھی جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے لیے اس کا استعمال کر کے کیا یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ بھی ایسے ہی لوگوں کی صف میں تھے؟ ہرگز نہیں! پھر ان کے لیے اسے استعمال کرنے کی کیا ضرورت؟۔

بعض لوگ تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے دیگر عظیم القاب ذکر کرنے کے بعد بھی ''فاضل بریلوی'' کا پیوند لگا دیتے ہیں۔ اُس وقت تو یہ بالکل ''فاضل'' ہی نظر آتا ہے۔

میں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے رتبہ شناس معاصرین اور ان کے کثیر تلامذہ وخلفا کی تحریریں پڑھیں، ان میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے لیے ''فاضل بریلوی'' کا استعمال کہیں نہ دیکھا۔ پھر یہ استعمال ہم میں کہاں سے در آیا؟ اس کا سراغ لگانے کی ضرورت ہے۔

میں نے جہاں تک سمجھا اور معلوم کیا اس کا استعمال ان لوگوں سے شروع ہوا جو امام اہل سنت کو وہابیوں، دیوبندیوں کی طرح ''خاں صاحب'' یا ''خاں صاحب بریلوی'' کہنا نیہ کہنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اور اُس زمانے کے عرف کے لحاظ سے ''مولانا احمد رضا خاں'' کہنے میں

بھی خاصی تحریم وتعظیم کا اظہار ہوتا تھا، اس لیے یہ بھی گوارا نہ تھا۔لیکن "فاضل بریلوی" کہنے میں انہیں یک گونہ راحت نظر آئی۔اس لیے کہ فاضل کا مصدر فضل اور فضول دونوں ہے۔فضل پر نظر کرتے ہوئے معتقد کو کچھ بولنے کی گنجائش نہ ملتی اور فضول پر نظر کرتے ہوئے دل کے بغض اور آتش حسد کی تسکین ہو جاتی، اس لیے سب چہ ،ژ کر اسی کو لکھنا بولنا پسند کیا۔ جماعت کے لیے لفظ "بریلوی" کے بے جا استعمال کی طرح اب شخصیت کے لیے "فاضل بریلوی" بھی عقیدت مندوں نے اپنا لیا ہے، اور اتنی کثرت سے استعمال ہونے لگا ہے کہ جیسے اس کے ذریعہ کسی بڑے بھاری کمال کا اظہار ہوتا ہے، جس کی تعبیر سے دوسرے آداب والقاب قاصر ہیں۔ جب کہ عموماً یہ زائد یا بے محل ہی نظر آتا ہے۔اس لیے زیر نظر مجموعہ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے لیے اس کا استعمال باقی نہ رکھا گیا۔غفلت اور بھول چوک سے کہیں رہ گیا ہو تو ہو سکتا ہے۔"واللہ سبحانہ یحب الحق وھو یھدی السبیل"۔

محمد احمد مصباحی

۱۵ر صفر المظفر ۱۴۲۷ھ

مفتی اعظم کا سوانحی خاکہ

مولانا سید شاہد علی رضوی رام پوری
بانی و مہتمم الجامعۃ الاسلامیہ، گنج قدیم، رام پور (یوپی)

زر بکف گل پیرہن رنگین قبا آتش بجام ایک قطرہ سو طرح سے سرخرو ہو کر اٹھا

اسلام کا وہ بطل جلیل اور استقامت کا جبلِ عظیم کہ جس کے جہاد بالقلم نے دینِ مصطفیٰ کو بھاری تباہی سے بچالیا۔ جس کی نگاہ کیمیا اثر نے لاکھوں گم گشتگان راہ کو جادۂ حق سے ہم کنار کیا۔ جس کے در کی جبیں سائی وقت کے بڑے بڑے مسند نشینوں نے کی۔ جس کے ناخنِ ادراک میں لاینحل مسائل کا حل تھا۔ جو بیک وقت علم ظاہر و باطن کا ایسا سنگم تھا جہاں ہر تشنہ لب کو سیرابی و آسودگی کی دولتِ گراں مایہ ملتی تھی۔ جو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سچا نائب، تصدیق حق میں صدیقِ اکبر کا پرتو، باطل کو چھانٹنے میں فاروق اعظم کا مظہر، رحم و کرم میں ذوالنورین کی تصویر، باطل شکنی میں حیدری شمشیر، امام اعظم ابوحنیفہ کی فکر، امام رازی کی حکمت، امام غزالی کا تصوف اور مولانائے روم کا سوز و گداز تھا۔

جو علم و فضل میں شہرۂ آفاق، معقولات میں بحرِ ذخار، منقولات میں دریائے ناپیدا کنار، فقہ و روایت میں امیر المومنین اور سلطنتِ قرآن و حدیث کا مسلم الثبوت وزیر المجتہدین، اعلم العلما عند العلما، افقہ الفقہا عند الفقہا، قطب عالم علی لسان الاولیا، فانی فی اللہ، باقی باللہ، عاشقِ کاملِ رسول اللہ مولانا الشاہ الحاج محمد ابوالبرکات محی الدین جیلانی مصطفیٰ رضا قادری قدس سرہٗ جسے دنیا تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم کے نام نامی اسمِ گرامی سے یاد کرتی ہے۔ ان کے مدح سراؤں کی صف میں جگہ پاجانا فقیر نوری اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھتا ہے۔

نقش سراپا:

شہیر عرب و عجم، مرجع العلما و الفقہا، قطبِ عالم، مفتی اعظم رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا۔

گورا مکھڑا جلوے جس پر آ آ کر پھر جاتے ہیں آ دم کو بھی ہم صورت ایسی ایک دکھاتے ہیں

لباس نورانی — سیرت نورانی — صورت نورانی — رنگت سرخی سفید مائل۔

قد —— میانہ۔

بدن —— نحیف۔

سر —— بڑا — گول اس پر عمامہ کی بہار۔

چہرہ —— گول — روشن و تابناک — نور برساتا ہوا — جسے دیکھ کر خدا کی یاد آ جائے۔

پیشانی —— کشادہ — بلند — تقدس کے آثار لیے ہوئے۔

بھویں —— گنجان — ہالہ لیے ہوئے۔

پلکیں — گھنی — بالکل سفید — ہالہ نما۔
آنکھیں — بڑی بڑی — کالی چمکدار — گہرائی و گیرائی لیے ہوئے۔
رخسار — بھرے بھرے — گداز — روشن — جلال و جمال کا آئینہ۔
ناک — متوسط۔
مونچھ — نہ بہت پست — نہ اٹھی ہوئی۔
لب — پتلے — گلاب کی پتی کی طرح — تبسم کے آثار لیے ہوئے۔
دندان — چھوٹے چھوٹے — ہموار — موتیوں کی لڑی کی طرح — جب تبسم ریز ہوتے۔
کان — مناسب — قدرے درازی لیے ہوئے۔
گردن — معتدل۔
سینہ — فراخ — کچھ روے ں لیے ہوئے۔
کمر — خمیدہ مائل۔
ہاتھ — لمبے لمبے — جو سخاوت و فیاضی میں ضرب المثل۔
کلائیاں — چوڑی — روئیں دار۔
ہتھیلیاں — بھری ہوئی — گداز۔
انگلیاں — لمبی لمبی — موزوں و کشادہ۔
پاؤں — متوسط۔
ایڑیاں — گول — موزوں۔

لباس

ٹوپی — دوپلی — کڑھی ہوئی۔
عمامہ — بڑے عرض کا زیادہ تر سفید — بادامی۔
پوشاک — کرتا — کلی دار — اس پر صدری جبہ۔
پائجامہ — چھوٹی مہری کا — علی گڑھی۔
جوتا — ناگرہ — جے پوری۔
چھڑی — سینگ — یا لکڑی کی۔

یہ ہے اس مقدس عظیم المرتبت شخصیت کا سراپا۔

آں دل کہ رم نمودے از خوبرو جواناں دیرینہ سال پیرے بردوش بیک نگاہے

وہ دل جسے خوبرو جوان اپنی طرف مائل نہ کر سکے ایک دیرینہ سال پیر مرد نے اسے ایک نگاہ میں لوٹ لیا۔

ولادت :

قرنہا باید کہ تا یک مرد حق پیدا شود بوسعید اندر خراسان و اویس اندر قرن
مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ ۲۲ رذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/ ۷ رجولائی ۱۸۹۳ء بروز جمعہ بوقتِ صبح صادق دنیا میں تشریف لائے۔
مفتی اعظم کی ولادت کا سن ہجری اس آیتِ کریمہ سے نکلتا ہے۔

وَسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

۱۳۱۰ھ

جائے ولادت اور وطن :

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی ولادت، امام احمد رضا قدس سرہٗ کے برادرِ حقیقی علامہ حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی قدس سرہٗ کے دولت کدہ واقع محلہ رضا نگر سوداگران شہر بریلی شریف، یوپی انڈیا میں ہوئی۔ ۱

اسمِ گرامی :

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کا پیدائشی اور اصلی نام محمد ہے۔ اسی اسمِ پاک پر آپ کا عقیقہ ہوا۔ غیبی نام آل الرحمٰن ہے۔ پیرومرشد نے آپ کا نام ابوالبرکات محی الدین جیلانی تجویز فرمایا اور والد ماجد نے عرفی نام مصطفیٰ رضا رکھا۔ فنِ شاعری میں آپ اپنا تخلص "نوری" فرماتے تھے۔ عرفی نام اس قدر مشہور ہوا کہ خاص وعام میں آپ کو اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

خوابِ رضا و بشارتِ نوری :

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی ولادت سے پہلے امام احمد رضا قدس سرہٗ اپنے پیرومرشد، رہبر کامل، زبدۃ العارفین حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہٗ (م ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۷۹ء) کے مزارِ مقدس کی زیارت اور قدوۃ السالکین، حفید الکاملین، سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ سے ملاقات کے لیے مارہرہ مطہرہ تشریف لے گئے تھے۔ اس موقع کی ایک روایت فقیہ ذی شان مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی نے ایک ملاقات میں مجھے بتائی اور فرمایا کہ یہ میں نے خود سرکار مفتی اعظم قدس سرہ العزیز سے کی ہے اس لحاظ سے اسے دیگر ناقص روایات پر ترجیح حاصل ہے۔ وہ اس طرح ہے:

۲۲ رذی الحجہ ۱۳۱۰ھ کی شب میں تقریباً نصف رات تک امام احمد رضا قدس سرہٗ اور سید المشائخ حضرت نوری میاں قدس سرہٗ کے درمیان علمی مذاکرات رہے۔ پھر دونوں اپنی اپنی قیام گاہوں میں آرام فرما ہوئے۔ اسی شب عالمِ خواب میں دونوں بزرگوں کو حضرت مفتی اعظم کی ولادت کی نوید دی گئی اور نومولود کا نام "آل الرحمٰن" بتایا گیا۔ خواب سے بیداری پر دونوں بزرگوں میں سے ہر ایک نے یہ فیصلہ کیا کہ بوقتِ ملاقات مبارکباد پیش کریں گا۔

فجر کی نماز کے لیے جب دونوں بزرگ مسجد پہنچے تو مسجد کے دروازے پر ہی دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوگئی اور وہیں ہر ایک نے دوسرے کو مبارکباد پیش کی۔ فجر کی نماز کے بعد سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ

نے امام احمد رضا قدس سرہٗ سے ارشاد فرمایا:

مولانا صاحب! آپ اس بچے کے ولی ہیں۔ اگر اجازت دیں تو میں نومولود ؎ کو داخلِ سلسلہ کرلوں۔"

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے عرض کیا:

"حضور وہ غلام زادہ ہے۔ اسے داخلِ سلسلہ فرمالیا جائے۔"

سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ نے مصلّی ہی پر بیٹھے بیٹھے مفتی اعظم کو غائبانہ داخلِ سلسلہ فرمالیا۔ حضرت سید المشائخ نے امام احمد رضا کو اپنا عمامہ اور جبہ عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"میری یہ امانت آپ کے سپرد ہے۔ جب وہ بچہ اس امانت کا متحمل ہو جائے تو اسے دے دیں۔ مجھے خواب میں اس کا نام "آل الرحمٰن" بتایا گیا ہے لہٰذا نومولود کا نام "آل الرحمٰن" رکھیے۔ مجھے اس بچے کو دیکھنے کی تمنا ہے۔ وہ بڑا ہی فیروز بخت اور مبارک بچہ ہے۔ میں پہلی فرصت میں بریلی حاضر ہو کر آپ کے بیٹے کی روحانی امانتیں اس کے سپرد کردوں گا۔" ؎

دوسرے روز جب ولادت کی خبر مارہرہ پہنچی تو سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ نے نومولود کا نام "ابوالبرکات محی الدین جیلانی منتخب فرمایا۔" ؎

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ساتویں روز "محمد" نام پر بیٹے کا عقیقہ کیا۔ اسم محمد کی برکتوں اور سعادتوں کا کوئی شمار ہی نہیں کرسکتا۔ اس نام پاک کی برکتوں اور سعادتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دنیا میں جو مومن اس نام کے ساتھ موسوم ہیں وہ جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے۔ سیرت حلبی جلد اول صفحہ ۹۹ میں ہے :

وفی حدیث معضلٍ اذاکان یوم القیامۃ نادیٰ منادٍ محمد! قم فادخل الجنۃ بغیر حساب فیقوم کل من اسمہ محمد یتوہم ان النداء لہ فلکرامۃ محمد صلی اللہ علیہ و سلم لایمنعون"

اور حدیثِ معضل؎ میں ہے جب قیامت کا دن آئے گا تو ایک منادی ندا کرے گا اے محمد! کھڑے ہو کر جنت میں بغیر حساب داخل ہو جاؤ تو ہر وہ شخص کھڑا ہو جائے گا جس کا نام محمد ہے۔ یہ خیال کرکے کہ یہ بلاوا میرے لیے تھا۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی کے پیش نظر ان کو روکا نہ جائے گا۔

بیعت و خلافت :

اس انکشاف کے بعد ۲۵ رجمادی الثانی ۱۳۱۱ھ چھ ماہ تین یوم کی عمر شریف میں سید المشائخ حضرت شاہ ابوالحسین نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی انگشت شہادت آل الرحمٰن محمد ابوالبرکات محی الدین جیلانی کے دہن مبارک میں ڈالی۔ مفتی اعظم شیر مادر کی طرح چوسنے لگے۔ سید المشائخ نے داخلِ سلسلہ فرمایا اور تمام سلاسل کی اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ ؎

مرشد کامل کی بشارت :

سید المشائخ حضرت شاہ سید ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مفتی اعظم کو بیعت کرتے وقت ارشاد فرمایا:

"یہ بچہ دین و ملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوقِ خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا۔ یہ بچہ ولی

ہے۔ اس کی نگاہوں سے لاکھوں گم راہ انسان دینِ حق پر قائم ہوں گے۔ یہ فیض کا دریا بہائے گا۔" ۶

سید المشائخ حضرت نوری میاں قدس سرہٗ نے حلقۂ بیعت میں لینے کے بعد قادری نسبت کا دریائے فیض بنا کر ابوالبرکات کو امام احمد رضا بریلوی کی گود میں دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"مبارک ہو آپ کو یہ۔ قرآنی آیت" واجعل لی وزیرا من اھلی " کی تفسیر مقبول ہو کر آپ کی گود میں آ گئی ہے۔ آل الرحمٰن۔ محمد۔ ابوالبرکات محی الدین جیلانی مصطفیٰ رضا" ۷

اس مبارک نام پر اگر غور کیا جائے تو سب سے پہلے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب کسی شخص میں محاسن کی کثرت ہوتی ہے تو اس کا ہر کام تشنۂ توصیف محسوس ہوتا ہے۔ اور ذوق ستائش کسی جامع الصفات شخصیت کو مختلف ناموں سے پکارنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس نام میں پہلی نسبت رحمٰن سے ہے۔ دوسری نسبت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے۔ تیسری نسبت سیدنا حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر محی الدین جیلانی قدس سرہٗ سے ہے۔

تیسری نسبت کے بعد عزیمت میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے نسبت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ یہ اہتمام تو اکابر کی بالغ نظری نے کیا تھا۔ مگر لاکھوں افراد نے جب اس منبعِ خیر و فلاح اور سرچشمۂ ہدایت سے قریب ہو کر فیوض و برکات حاصل کیے تو وہ بھی اپنے جذبۂ ستائش پر قابو نہ پا سکے۔ آج حضرت مفتیِ اعظم مختلف ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے اسمائے صفات کا پرتو انھیں پر ڈالتا ہے جو اس کی بارگاہ میں مقبول و محبوب ہو جاتے ہیں۔

اجازت وخلافتِ رضا :

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنے نورِ نظر لختِ جگر خلفِ اصغر مفتیِ اعظم کو جمیع اوراد و اشغال، اوفاق و اعمال اور جمیع سلاسلِ طریقت میں ماذون و مجاز بنایا۔ ۸

تعلیم وتربیت

مولانا محمود احمد قادری مظفر پوری اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں:

حضرت والا سیدی الکریم مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے عرض کیا: کچھ اپنی تعلیم کے بارے میں بھی فرمائیں۔

فرمایا: قرآن شریف اعلیٰ حضرت سے بھی پڑھا۔ منجھلے اور چھوٹے چچا کے علاوہ مولانا (حامد رضا خاں) سے بھی پڑھا۔ اس کے بعد فارسی و عربی بھی انھیں حضرات سے پڑھی۔ جب مدرسہ اہل سنت قائم ہوا تو اس کے اساتذہ بھی۔ مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی سے بھی پڑھا۔ مولانا ظہور الحسین فاروقی رام پوری سے بھی پڑھا۔ جب مولانا رحم الٰہی مظفر نگری مدرس دوم ہو کر آئے تو ان سے خاص طور پر پڑھا۔ یہ میرے خاص استاد تھے۔ جب متوسطات پڑھ چکا تو زیادہ تر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حضوری حاصل رہتی جس سے فوائد کثیرہ حاصل ہوئے۔

فراغت :

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں بہ عمر اٹھارہ سال خداداد ذہانت، ذوقِ مطالعہ، لگن اور محنت، اساتذۂ کرام کی شفقت و رافت، اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہٗ کی توجہ کامل اور شیخ مکرم سید المشائخ قدس سرہٗ کی عنایات کے نتیجے میں جملہ علوم و فنون منقولات و معقولات پر عبور حاصل کر کے مرکزِ اہل سنت دار العلوم منظرِ اسلام بریلی شریف سے تکمیل و فراغت پائی۔ ۹

اساتذۂ کرام :

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے اصل تربیت تو اپنے والدِ ماجد امام احمد رضا قدس سرہٗ سے پائی۔ علوم دینیہ کی تکمیل بھی اپنے والد ماجد اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے کی۔ [۱۰] جن دیگر نامور، مشہورِ زمانہ اور قابل اساتذۂ کرام سے خصوصی درس لیا ان میں مندرجہ ذیل حضرات کے اسماء قابلِ ذکر ہیں۔

۱- حجۃ الاسلام علامہ مفتی شاہ محمد حامد رضا بریلوی م ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء تلمیذ و فرزندِ اکبر امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۲- استاذ الاساتذہ علامہ شاہ رحم الٰہی منگلوری م ۱۳۶۱ھ (تلمیذ مولانا سید عبدالعزیز انبیٹھوی، م ۱۳۴۴ھ تلمیذ علامہ عبدالحق خیر آبادی (م ۱۳۱۶ھ)

۳- شیخ العلماء علامہ شاہ سید بشیر احمد علی گڑھی [۱۱] تلمیذ مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی م ۱۳۳۴ھ

۴- شمس العلماء علامہ ظہور الحسین فاروقی رام پوری [۱۲] م ۱۳۴۲ھ تلمیذ مولانا محمد فضل رحمٰن گنج مراد آبادی، تلمیذ خاتم المحدثین علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی و تلمیذِ رشید علامہ عبدالحق خیر آبادی م ۱۳۱۶ھ

علوم و فنون :

برصغیر میں معقول و منقول علوم و فنون کی جتنی مشہور اسناد ہیں ان میں سے سلسلۂ تلمذ بریلوی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ہر فن اور ہر علم کی سندِ عالی ہے۔ اور پھر اسی ایک سلسلے سے تمام معقول و منقول علوم و فنون کی سند حاصل ہو جاتی ہے۔ گویا سلسلۂ تلمذ بریلوی جمیع علوم و فنون کا جامع ہے۔ ذیل میں ان علوم و فنون کا ذکر کیا جاتا ہے جو حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے بریلوی سلسلۂ تلمذ کے واسطے سے نہ صرف حاصل کیے بلکہ ان میں درجۂ اختصاص حاصل کیا۔

۱-علم تفسیر	۲-علم حدیث	۳-اصولِ حدیث	۴-فقہ (جملہ مذاہب)	۵-اصولِ فقہ
۶-علم الفرائض	۷-جدل	۸-تفسیر	۹-عقائد	۱۰-کلام
۱۱-نحو	۱۲-صرف	۱۳-معانی	۱۴-بیان	۱۵-بدیع
۱۶-منطق	۱۷-مناظرہ	۱۸-فلسفہ	۱۹-تکسیر	۲۰-ہیئت
۲۱-حساب	۲۲-ہندسہ	۲۳-قراءت	۲۴-تجوید	۲۵-تصوف
۲۶-سلوک	۲۷-اخلاق	۲۸-اسماء الرجال	۲۹-سیر	۳۰-تاریخ
۳۱-لغت	۳۲-ادب	۳۳-عروض و قوافی	۳۴-توقیت	۳۵-اوفاق
۳۶-فنِ تاریخ و اعداد	۳۷-جفر	۳۸-ریاضی وغیرہ [۱۳]		

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے بریلوی سلسلۂ تلمذ کے علاوہ خیر آبادی سلسلۂ تلمذ اور دہلوی سلسلۂ تلمذ سے بھی معقول و منقول علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل کی۔ مگر بریلوی سلسلۂ تلمذ نے علم و عرفان اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وہ لازوال دولت عطا کی جو بریلوی سلسلۂ تلمذ کا خاص امتیاز ہے۔ اس طرح حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ، دہلوی اور بریلوی سلاسلِ تلمذ کی بدولت علوم و عرفان کے وارث اور امین بنے۔

مزید برآں عالم اسلام کی عبقری شخصیت، نابغہ روزگار، وحیدِ عصر، مجدد مأۃ رابعہ عشر امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ان کو پچیس سلاسل اولیاء و سلاسلِ قرآن و سلاسلِ حدیث کی اجازت عطا فرمائی جو النور والبہا میں درج ہیں۔ نیز ان تمام ''سلاسل رضویہ'' کی اجازت عطا فرمائی جو الاجازات المتینہ اور فتاویٰ رضویہ میں درج ہیں۔ [۱۴]

ذیل میں چند مشہور سلاسل علوم وفنون کا ذکر کیا جارہا ہے، ملاحظہ ہوں

سلاسل علوم :(الف) خیرآبادی سلسلۂ تلمذ :

علامہ مولانا فضل حق خیرآبادی

مولانا عبدالعلی خاں رام پوری (الریاضی)

مولانا عبدالحق خیرآبادی

امام احمد رضا بریلوی

مولانا ظہور الحسین رام پوری

مولانا سید عبدالعزیز انبیٹھی

مولانا رحم الٰہی مظفرنگری

حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا قدست اسرارہم

سندِ احادیث مبارکہ وعلوم متفرقہ

(ب) سلسلۂ تلمذ دہلوی وبریلوی ۱۵

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی — ابوالعیاش محمد عبدالعلی لکھنوی — شیخ عثمان دمیاطی — جمال ابن عبداللہ مفتی مکہ — عابد السندی المدنی — شاہ علی حسین مرادآبادی

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی — الشیخ محمد السندی — سید احمد بن زین دحلان مکی — عبدالرحمٰن بن عبداللہ السراج مکی — حسین بن صالح جمل اللیل — سید ابوالحسین احمد نوری

سید آل رسول احمدی مارہروی — شیخ خلیل الرحمٰن محمد آبادی

مولانا رضا علی بریلوی

مولانا نقی علی بریلوی

امام احمد رضا بریلوی

حضرت مفتی اعظم
مولانا مصطفیٰ رضا

اس کے بعد حدیث مسلسل بالاولیہ اور فقہ حنفی کی سندوں کے نقشے مولانا نصر اللہ رضوی کے مضمون میں یہیں سے منقول ہیں۔ یہاں بھی ان کو شامل سمجھیں اور وہاں مطالعہ کریں)

تدریس :

حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ نے درسِ نظامی کی تکمیل وفراغت کے بعد ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں جامعہ رضویہ منظرِ اسلام میں مسندِ تدریس کو زینت بخشی اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ مگر کس طرح اور کب تک یہ سلسلہ رہا؟، اس کی صراحت سے تمام تذکرے خاموش ہیں۔

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ ان کے تلامذہ اور خلفاء کے تذکروں کے مطالعہ اور منظرِ اسلام اور مظہرِ اسلام کے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ منظر اسلام اور مظہر اسلام کے طلبہ نے حضرت سے شرف تلمذ پایا ہے مگر حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ رضوی دار الافتا کے اہتمام اور کار فتویٰ کی زیادتی کے سبب صرف مخصوص طلبہ کو پڑھاتے تھے۔ چنانچہ ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء کو شیر بیشۂ اہل سنت، مناظر اعظم ہند حضرت علامہ مفتی شاہ محمد حشمت علی خاں پیلی بھیتی قدس سرہٗ نے حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ سے بخاری شریف پڑھی۔ ۱۷

۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء میں حجۃ الاسلام مفتی انام حضرت علامہ شاہ محمد حامد رضا بریلوی قدس سرہٗ انجمن حزب الاحناف لاہور کے پہلے اجلاس میں شریک ہوئے۔ دو روز لاہور میں قیام کے بعد بریلی واپس آئے۔ واپسی پر حصولِ تعلیم کی غرض سے محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ ابو الفضل سردار احمد رضوی لائل پوری قدس سرہٗ، حضرت حجۃ الاسلام کے ساتھ بریلی آئے۔ حضرت حجۃ الاسلام نے اپنی سرپرستی میں خصوصی عنایات کے ساتھ تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا۔ اور اپنے دولت خانے پر قیام وطعام کا انتظام کیا۔ جامعہ رضویہ منظرِ اسلام بریلی میں کم و بیش تین سال تک تعلیم حاصل کی۔ اس عرصے میں محدث اعظم پاکستان نے حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا، مفتی اعظم مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا اور مولانا شاہ محمد حسین قدس سرہم سے درسِ نظامی کی کتابیں پڑھیں۔ صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں مولانا محمد حسین مدرس منظرِ اسلام سے پڑھیں۔ منیہ، قدوری، کنز الدقائق اور شرح جامی تک کی کتابیں حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ سے پڑھیں۔ ۱۸

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ خود ارشاد فرماتے ہیں:

"جب میں ان (مولانا سردار احمد) کو دیکھتا۔ پڑھتے دیکھتا۔ مدرسہ میں، قیام گاہ پر، حتیٰ کہ مسجد میں آتے تو بھی کتاب ہاتھ میں ہوتی۔ اگر جماعت میں تاخیر ہوتی تو بجائے دیگر اذکار واوراد کے مطالعہ میں مصروف ہو جاتے۔ ان کے اس والہانہ تحصیلِ علم سے میں بہت متاثر ہوا۔ میرے پاس دوسرے پنجابی طالب علم مولوی نذیر احمد سلمہٗ پڑھتے تھے۔ ان سے دریافت کرنے پر انھوں نے آپ کی ساری سرگزشت سنائی۔ پھر ان کے ذریعہ وہ (مولانا محمد سردار احمد) میرے پاس آنے جانے لگے۔ ان کی بہ اصرار درخواست اور مولوی نذیر احمد کی سفارش پر میں نے منیہ، قدوری، کنز الدقائق اور شرح جامی تک پڑھایا۔ ۱۹

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے ہی ایک دوسری روایت ہے کہ:

"میں نے مولانا محمد سردار احمد سلمہٗ کو قطبی، رضی، شرح کافیہ اور مطول بھی سبقاً سبقاً پڑھائی۔ وہ بڑی محنت سے پڑھتے تھے۔" ۲۰

فقیہ عصر مولانا مفتی محمد اعجاز ولی خاں رضوی بریلوی قدس سرہٗ متولد ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء متوفی ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء نے حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے شرح جامی پڑھی اور ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۲۹ء میں حضرت مفتی اعظم مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا نوری بریلوی قدس سرہ سے سند حدیث حاصل کی۔ ۲۱

فقیہ ذی شان مولانا معین الدین شافعی قادری متولد ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۹ء ناظم اعلیٰ جامعہ قادریہ رضویہ لائل پور نے حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے میزان، نحو میر تک کی کتابیں مستقل سبقاً سبقاً پڑھیں۔ اور ۱۹۵۰ء میں جامعہ رضویہ مظہر اسلام لائل پور سے سند فراغت حاصل کی ۲۲ بعد میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے اجمیر مقدس میں آستانہ عالیہ پر حضرت مولانا معین الدین شافعی کو دستار خلافت کے ساتھ "تاج العلم والفضل کی سند بھی عطا کی۔ ۲۳

مندرجہ بالا تصریحات سے یہ بات بخوبی معلوم اور واضح ہوگئی کہ حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء سے ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء تک درس و تدریس کا سلسلہ کسی نہ کسی طور پر جاری رکھا۔ بعد میں رضوی دار الافتا کے اہتمام، فتاویٰ کی کثرت، جامعہ رضویہ مظہر اسلام کی ادارت و سرپرستی اور تبلیغی سفروں کے سبب تدریس کا سلسلہ موقوف کر دینا پڑا۔ مگر موقوف کر دینے کے باوجود مدارس اسلامیہ کے ماہرین علوم و فنون، اساتذہ کرام خصوصاً جامعہ رضویہ مظہر اسلام اور جامعہ رضویہ مظہر اسلام کے اساتذہ اور فارغ ہونے والے طلبہ حضرت مفتی اعظم سے صحاح ستہ اور درس نظامی کی منتہی کتابوں کا درس لیتے اور شرف تلمذ حاصل کرتے۔

محدث کبیر، شہزادۂ صدر الشریعہ، بدر الطریقہ مولانا مفتی ضیاء المصطفیٰ قادری شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور فرماتے ہیں:

> علوم اسلامیہ کی عربی درس گاہوں میں عموماً رمضان المبارک میں تعطیل کلاں ہوتی ہے۔ ان تعطیلات میں بریلی حاضر ہو کر فقیر ضیاء المصطفیٰ حضرت مفتی اعظم رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ سے علمی استفادہ کرتا۔ ایک سال تعطیل کلاں میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے صحاح ستہ میں ابوداؤد شریف و ابن ماجہ شریف پڑھی۔ حضرت مفتی اعظم نے ان دونوں کتابوں کی اجازت بھی عطا فرمائی۔ ۲۴

فقیہ ملت قاضی عبد الرحیم رضوی بستوی مفتی مرکزی دار الافتا بریلی فرماتے ہیں:

> حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ ایک سال دار العلوم فیض الرسول براؤں کے سالانہ جلسۂ دستار فضیلت کے موقع پر براؤں تشریف لے گئے۔ ساتھ میں میں اور مفتی شریف الحق صاحب امجدی مدظلہ بھی تھے۔ دار العلوم فیض الرسول کے اساتذہ و منتظمین نے حضرت کا شاندار استقبال کیا۔ حضرت فیض الرسول پہنچے، کئی روز قیام رہا۔ اسی موقع پر فیض الرسول کے اساتذہ نے حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے درس حدیث لے کر اجازت حدیث لینے کا فیصلہ کیا۔ حضرت مفتی اعظم کی اجازت سے درس حدیث کی ایک نورانی مجلس بڑے تزک و احتشام سے منعقد ہوئی۔ درس حدیث کی اس مجلس میں شرکا پر لازم قرار دیا گیا کہ وہ عمامہ باندھ کر ہی شریک ہوں۔ چنانچہ سارے اساتذۂ فیض الرسول درس حدیث کی اس مجلس میں عمامہ باندھ کر شریک ہوئے۔ حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے بخاری شریف کی ایک حدیث کا درس دیا۔ درس بخاری سے فراغت کے بعد جمیع شرکائے درس کو حدیث مسلسل بالاولیہ، حدیث مصافحہ اور حدیث تمر کی عملاً اجازت عطا فرمائی۔ نیز النور والبہاء میں درج شدہ جملہ اجازتیں عطا فرمائیں۔ بخاری شریف کے اس درس میں، میں، مفتی شریف الحق امجدی صاحب، مولانا غلام جیلانی صاحب، مولانا بدر الدین صاحب، مولانا جلال الدین صاحب، مولانا محمد یونس

صاحب، مولانا محمد حنیف صاحب بستوی اور مولانا قدرت اللہ وغیرہ شریک تھے۔ ۲۵

فقیہ جلیل مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی شیخ الحدیث جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی فرماتے ہیں:

جب میں منظرِ اسلام میں صدر مدرس و شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوا تو میرا یہ معمول تھا کہ میں حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کو درس کے افتتاح کے موقع پر منظرِ اسلام لاتا تھا۔ حضرت مفتیِ اعظم عموماً بخاری شریف اور تفسیر بیضاوی طلبہ کو شروع کراتے تھے۔ پھر تعلیمی سال کے اختتام پر ختمِ بخاری شریف کے لیے میں حضرت مفتیِ اعظم کو منظرِ اسلام لاتا تھا۔ حضرت مفتیِ اعظم طلبہ کو بخاری شریف ختم کراتے تھے۔ ان مواقع پر مجھے بھی شرف تلمذ حاصل ہوا۔ یہ سلسلہ آٹھ سال تک جاری رہا۔ ۲۶

عمدۃ المدرسین مولانا محمد نعیم اللہ خاں رضوی بستوی صدر المدرسین جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی فرماتے ہیں:

"حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ صحت کے زمانے میں عموماً بعدِ عشا رضوی دار الافتا میں تشریف رکھتے تھے۔ اس وقت علمائے کرام و مفتیانِ عظام حضرت سے استفادہ کرتے تھے۔ چنانچہ اس وقت میں نے بھی حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ سے ہدایہ اور مسلم الثبوت کے چند اسباق پڑھے اور مشکل مقامات کو حل کیا۔ نیز حضرت سے حفظِ قرآنِ کریم شروع کیا اور صرف ایک ماہ میں حضرت سے تین پارے حفظ کیے مگر افسوس کہ تکمیل کا موقع نہ مل سکا۔ ۲۷

شیخ العلما مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی شیخ الحدیث جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی فرماتے ہیں:

ایک بار جب کہ میں رضوی دار الافتا میں بیٹھا مشکوٰۃ شریف کا مطالعہ کر رہا تھا کیونکہ مجھے یہ کتاب پڑھانے کے لیے دی گئی تھی۔ حدیثِ جبریل میں جہاں قیامت کے علم کو پانچ ان علوم میں بتایا گیا ہے جنھیں بے بتائے کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ میں اس حدیث کو کئی بار پڑھا چکا تھا۔ علومِ خمسہ طلبہ کو سمجھا چکا تھا بمالہ و ماعلیہ۔ لیکن مجھے خود سمجھانے کے باوجود حضرت مفتیِ اعظم علیہ الرحمۃ سے اس حدیث کو سمجھنے کا شوق ہوا۔ میں نے حضرت مفتیِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ حضور! اس حدیث میں پانچ علوم کے مخلوق کو علم ذاتی نہ ہونے کی تخصیص ہے۔ تو پانچ ہی کی تخصیص کیوں کی گئی ہے حالاں کہ کسی چیز کا علم ذاتی مخلوق کو نہیں۔ حضرت مفتیِ اعظم نے ارشاد فرمایا: آپ نے کہا ہے کہ علومِ خمسہ کی تخصیص کی گئی۔ یہاں تخصیص کہاں ہے؟ میں متنبہ ہوا اور سمجھ گیا کہ حضرت نے مجھے اس بات پر تنبیہ کی کہ آپ کو تخصیص نہیں کہنا چاہیے تھا کہ تخصیص علمِ معانی و بیان میں خاص صورت میں ہوتی ہے، خاص کلمات کے ذریعہ مثلاً نفی اور استثنا کے ذریعہ اور کلمہ انما کے ذریعہ اور تقدیم وغیرہ کے ذریعہ۔ اور یہاں ایسی کوئی صورت نہیں۔ مجھے یہاں تخصیص نہیں بولنا چاہیے تھا۔ اس کے بعد فوراً حضرت مفتیِ اعظم نے فرمایا: " یہ کہئے علومِ خمسہ کی تخصیص بالذکر کی گئی۔ اس تنبیہ سے میں نے حضرت مفتیِ اعظم کے مبلغ علم کی بلندی اور تعمقِ نظر و فکر کو خوب سمجھ لیا اور میں نے اندازہ لگالیا کہ حضور مفتیِ اعظم کا درسِ نظامی پر گہرا مطالعہ ہے۔ اگر چہ مفتیِ اعظم کہلاتے ہیں، مگر مدرسِ اعظم بھی ہیں۔ پھر حضرت نے وہ بتایا جو میں جاننا چاہتا تھا۔

حضرت مفتیِ اعظم نے فرمایا:

بے شک عالم کے کسی ذرّے کا بھی علم مخلوق کو بے عطائے الٰہی حاصل نہیں کہ علمِ ذاتی خاص ہے اللہ تعالیٰ کی

ذات کے ساتھ۔ حدیث شریف کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پانچ چیزوں کا علم ذاتی مخلوق کو نہیں اور ان پانچ کے سوا کا معاذ اللہ علم ذاتی مخلوق کو ہے۔ اصل میں پانچ کی تخصیص ذکر کے ساتھ اس لیے کی گئی کہ اس زمانے میں کاہن، قائف اور ساحر وغیرہ ان پانچ چیزوں کے علم کا دعویٰ کیا کرتے تھے اور وہ گمراہ تھے۔ اس قائل نہیں تھے کہ اللہ عزوجل انھیں ان چیزوں کا علم عطا فرمائے۔ جب انھیں اللہ تعالیٰ نے بتایا نہیں اور وہ ان علوم کے جاننے کے مدعی تھے۔ تو ان کے دعویٰ سے نکلتا تھا کہ انھیں ان چیزوں کا علم ذاتی ہے۔ تو قرآن و حدیث میں ان کا رد کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے بے بتائے جو یہ دعویٰ کرر ہے ہیں وہ غلط اور باطل ہے۔ ان علوم کو بھی وہی جانتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ بتائے۔ اور یہ کاہن وغیرہ نہیں جانتے۔ یہ ہے وجہ تخصیص بالذکر کی۔

یہ ایک حدیث خاص حضرت نے مجھے سمجھائی اور پتہ نہیں کتنی بار فتاویٰ سناتے اور دکھاتے وقت تفسیر و حدیث اور فقہ وغیرہ کی کتابوں کے مطالب سمجھائے اور بتائے۔ ۲۸

محققِ عصر مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی مدیرِ عام ''الادارۃ الحنفیہ'' کشن گنج بہار فرماتے ہیں:

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے فتویٰ نویسی سیکھنے کے زمانے میں فتاویٰ دکھاتے اور سناتے وقت تفسیر و حدیث اور فقہ و اصول کی سیکڑوں کتابوں کے مطالب سمجھے۔ اور جو کچھ آج فقیر کے پاس ہے وہ حضرت ہی کا عطیہ ہے۔ مگر درسیات میں کوئی کتاب حضرت سے نہیں پڑھی تھی۔ ایک روز حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے خوش ہو کر رضوی دارالافتا میں بخاری شریف کی پہلی اور آخری حدیث کمال شفقت و محبت اور پوری شرح و بسط کے ساتھ پڑھائی۔ اور الاجازات المتینہ کی اجازت عطا کی۔ ۲۹

فاضل جلیل مولانا عبد الخالق رضوی مدرس جامعہ رضویہ منظرِ اسلام بریلی فرماتے ہیں:

''۱۹۷۳ء میں ایک روز بعدِ نمازِ عشاء میں، مولانا بلال احمد رضوی اور مولانا محمد ہاشم یوسُفی' رضوی دارالافتا' میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی خدمت میں تبرکاً بخاری شریف پڑھنے کے لیے حاضر ہوئے۔ حضرت مفتی اعظم نے بخاری شریف کی حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (بخاری شریف، حدیث۔ ا کتاب بدأ الوحی، دار الکتاب العربی، بیروت) کمال شفقت کے ساتھ پڑھائی۔ عبارت پڑھتے وقت حضرت کا رعب علمی کچھ اس طرح غالب آیا کہ زبان سے اِنَّمَا کے بجائے اَنَّمَا نکل گیا۔ حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا:

اَنَّمَا نہیں اِنَّمَا ہے۔ اِنَّ متعدد مقامات پر آتا ہے:

۱۔ القول مصدر سے جتنے افعال مشتق ہوں ان کے بعد جیسے: قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ (سورۂ بقرہ ۲، ۶۸)

۲۔ اسمِ موصول کے بعد جیسے: جَآءَ الرَّجُلُ الَّذِیْ اِنَّهٗ قَآئِمٌ۔

۳۔ ابتدائے کلام میں جیسے: اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (سورۂ بقرہ ۲، ۷۳)

۴۔ جس کی خبر میں لام تاکید آئے جیسے: اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ (سورۂ بقرہ ۲، ۲۵۲)

۵۔ جوابات قسم میں جیسے: وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۳۰ (سورۂ بقرہ ۱۰۳، ۱)

عمدۃ المدرسین مولانا محمد نعیم اللہ خاں رضوی بستوی صدر المدرسین جامعہ رضویہ مظہر اسلام بریلی فرماتے ہیں:

مولوی عبد الحمید رضوی افریقی اور مولوی احمد مقدم رضوی افریقی سلمہما نے حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے نحو میر اور شرح مأۃ عامل پڑھی۔ اسے

رہا معاصر علما و فقہا، مفسرین و محدثین اور متکلمین و مناظرین کا حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے علمی استفادہ۔ مسائل شرعیہ میں رجوع۔ اصلاح فتاوی اور پیچیدہ و لاینحل مسائل کا حل۔ تو یہ سلسلہ تا حیات ظاہری جاری رہا۔ ہزار ہا کتب دینیہ کی عبارات کے مطالب سمجھنا۔ پیچیدہ و لاینحل مسئلۂ شرعیہ کے حل کے لیے کلیات و جزئیات اور حوالوں کی تلاش میں مدتوں سرگرداں رہ کر رجوع کرنا اور اپنے لکھے ہوئے فتاوی حضرت مفتی اعظم کو دکھایا سنا کر اصلاح لینا۔ معاصر علما و فقہا کا روزانہ کا معمول تھا۔

فقیہ العصر مفتی محمد شریف الحق امجدی شارح بخاری صدر مفتی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور رقم طراز ہیں:

تفصیل بالا سے میرے اساتذۂ کرام کے اسمائے گرامی معلوم ہو چکے۔ لیکن میرے دو اہم استاذ جو سارے اساتذہ سے اہم و معظم ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی نہیں آئے۔ وہ حضرت صدر الشریعہ اور حضرت مفتی اعظم ہیں۔ چونکہ آج کے رواج کے مطابق استاذ اس کو مانا جاتا ہے جس سے درسِ نظامی کی کتابیں پڑھی گئی ہوں، حالاں کہ ایسا نہیں۔ جس سے بھی کوئی علمی استفادہ کیا جائے وہ استاذ ہے۔ اور میں نے ان دونوں بزرگوں سے بے پناہ استفادے کیے ہیں اور ہزاروں اپنے علمی اشکال دور کیے ہیں۔ اور ہزاروں کتبِ دینیہ کی عبارتوں کے مطالب سمجھے ہیں۔ اس لیے مجھے ان دونوں بزرگوں سے بلاشبہہ شرفِ تلمذ حاصل ہے۔

فقیہ العصر مفتی محمد شریف الحق امجدی شارح بخاری چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

میں بریلی شریف مدرسہ مظہرِ اسلام مسجد بی بی جی حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بلانے پر ۲۴ر شوال ۱۳۷۵ھ مطابق ۴ر جون ۱۹۵۶ء بروز دوشنبہ حاضر ہوا۔ سال بھر کے بعد غایت کرم سے حضرت نے مجھے اپنے دولت خانے پر رکھ لیا۔ تدریس کے ساتھ افتا کی بھی خدمت سونپ دی۔ مدرسہ مظہرِ اسلام ہر موسم میں بارہ بجے دوپہر تک رہتا۔ میں بعدِ ظہر فتویٰ لکھتا اور روزانہ رات میں جب حضرت مفتی اعظم نماز عشا وغیرہ سے فارغ ہو جاتے۔ تو حضرت کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کرتا۔ یہ سلسلہ کبھی کبھی دو بجے رات تک رہتا۔ اصلاح کا یہ طریقہ نہیں تھا کہ میرے لکھے ہوئے کاٹ دیا اور اپنا جملہ لکھ دیا۔ بل کہ فرماتے کہ آپ نے جو لکھا ہے اس میں یہ خرابی ہے۔ اس لیے اس کو یوں ہونا چاہیے۔ کبھی کبھی دیر تک سوال و جواب کا بھی سلسلہ رہتا۔

خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ فتویٰ نویسی کے میرے استاذ حضرت صدر الشریعہ اور مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں فتویٰ سیکھنے کے لیے ۱۴ مہینے زانوے تلمذ تہ کیا ہے۔ اور حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں گیارہ سال ۲ ماہ تین دن فیض یاب ہوتا رہا۔ ۳۲

فقیہ اسلام، تاج الشریعہ، نبیرۂ اعلیٰ حضرت مفتی شاہ محمد اختر رضا خاں قادری ازہری جانشینِ مفتی اعظم بریلی اپنی فتویٰ نویسی کی ابتدا بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"جامعہ ازہر سے واپسی کے بعد میں نے اپنی دلچسپی کی بنا پر فتوے کا کام شروع کیا۔ شروع شروع میں مفتی

افضل حسین صاحب علیہ الرحمہ اور دوسرے مفتیانِ کرام کی نگرانی میں یہ کام کرتا رہا۔ اور کبھی کبھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر فتویٰ دکھایا کرتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد اس کام میں میری دلچسپی زیادہ بڑھ گئی اور پھر میں مستقل حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے لگا۔ حضرت کی توجہ سے مختصر مدت میں اس کام میں مجھے وہ فیض حاصل ہوا کہ جو کسی کے پاس مدتوں بیٹھنے سے بھی نہ ہوتا۔ ۳۳

عمدۃ المدرسین مولانا محمد نعیم اللہ خاں رضوی بستوی صدر المدرسین منظرِ اسلام بریلی فرماتے ہیں:

میرے اشرفیہ کے زمانۂ تعلیم میں حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور تشریف لے گئے تھے۔ اسی موقع پر بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی نے تفسیر مدارک سورۂ کہف میں ایک مشکل مقام حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے حل کیا۔ اور تفسیر مدارک کا وہ حصہ باقاعدہ حضرت سے سمجھا۔ ۳۴

طریقۂ تعلیم

فقیہ ذی شان مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی مدیر عام ''الادارۃ الحنفیہ'' کشن گنج بہار حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے طریقۂ تعلیم اور درس افتاء میں امتیازی شان بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

حضور مفتی اعظم درسِ افتا میں اس کا التزام فرماتے تھے کہ محض نفسِ حکم سے واقفیت نہ ہو بلکہ اس کے ماعلیہ و مالہ کے تمام نشیب و فراز ذہن نشین ہو جائیں۔ پہلے آیات و احادیث سے استدلال کرتے، پھر اصولِ فقہ و حدیث سے اس کی تائید دکھاتے اور قواعدِ کلیہ کی روشنی میں اس کا جائزہ لے کر کتب فقہ سے جزئیات پیش فرماتے، پھر مزید اطمینان کے لیے فتاویٰ رضویہ یا امام احمد رضا کا ارشاد نقل فرماتے۔ اگر مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو قولِ راجح کی تعیین دلائل سے کرتے اور اصولِ افتا کی روشنی میں ماعلیہ الفتویٰ کی نشاندہی کرتے۔ پھر فتاویٰ رضویہ یا امام احمد رضا کے ارشاد سے اس کی تائید پیش فرماتے۔ مگر عموماً یہ سب زبانی ہوتا۔ عام طور سے جواب بہت مختصر اور سادہ لکھنے کی تاکید فرماتے۔ ہاں کسی عالم کا بھیجا ہوا استفتا ہوتا اور وہ ان تفصیلات کا خواستگار ہوتا تو پھر جواب میں وہی رنگ اختیار کرنے کی بات ارشاد فرماتے۔ ۳۵

فقیہ العصر شارح بخاری مولانا محمد شریف الحق امجدی صدر مفتی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور حضرت امام الفقہا مفتی اعظم قدس سرہٗ کے درسِ افتا اور اصلاح فتاویٰ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

میں گیارہ سال تین ماہ خدمت میں حاضر رہا۔ اس مدت میں چوبیس ہزار مسائل لکھے ہیں، جن میں کم از کم دس ہزار وہ ہیں جن پر حضرت مفتیِ اعظم کی تصحیح و تصدیق ہے۔ عالم یہ ہوتا کہ دن بھر بلکہ بعد مغرب بھی دو گھنٹے تک حاجت مندوں کی بھیڑ رہتی۔ یہ حاجت مند خوشخبری لے کر نہیں آتے، سب اپنا اپنا دکھڑا سناتے، غم آگیں واقعات سننے کے بعد دل و دماغ کا کیا حال ہوتا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ اتنے طویل عرصے تک اس غم آفریں ماحول سے فارغ ہونے کے بعد، عشا بعد پھر تشریف رکھتے اور میں اپنے لکھے ہوئے مسائل سناتا۔ میں گھسا پٹا نہیں، بہت سوچ سمجھ کر، جانچ تول کر مسئلہ لکھتا، مگر واہ رے مفتی اعظم۔ اگر کہیں ذرا بھی غلطی ہے، یا لوچ ہے یا بے ربطی ہے۔ یا تعبیر غیر مناسب ہے۔ یا سوال

کے ماحول کے مطابق جواب میں کمی بیشی ہے۔ یا کہیں سے کوئی غلط فہمی کا ذرا بھی اندیشہ ہے فوراً اس پر تنبیہ فرما دیتے اور مناسب اصلاح۔...... تنقید آسان ہے مگر اصلاح دشوار۔ جو لکھا گیا ہے وہ نہیں ہونا چاہیے، اس کو کوئی بھی ذہین نقاد کہہ سکتا ہے، مگر اس کو بدل کر کیا لکھا جائے، یہ جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ مگر ستر سالہ مفتیِ اعظم کا دماغ اور علم ایسا جوان تھا کہ تنقید کے بعد فوراً اصلاح فرما دیتے اور ایسی اصلاح کہ پھر قلم ٹوٹ کر رہ جاتا۔

کبھی ایسے جاں فزا تبسم کے ساتھ کہ قربان ہونے کا جذبہ حدِ اضطرار کو پہنچ جائے۔ کبھی ایسے جلال کے ساتھ کہ اعصاب جواب دے جائیں۔ مگر اس جلال کو کون سا نام دیں جس کے بعد مخاطب کی جرأت رندانہ اور بڑھ جاتی۔ کیا کیجیے گا اگر جلال سے مرعوب ہو کر چپ رہتے تو اور جلال بڑھتا، بڑھتا رہتا، یہاں تک کہ مخاطب کو عرض و معروض کرنا ہی پڑتا۔ یہ جلال وہ جلال تھا کہ جو اس کا مورد بنا کندن ہو گیا۔

یہ مجلس آدمی رات سے پہلے کبھی ختم نہ ہوتی۔ بارہا رات کے دو بج جاتے اور رمضان شریف میں تو سحری کا وقت روز ہو جاتا۔

بارہا ایسا ہوتا کہ حکم کی تائید میں کوئی عبارت نہ ملتی تو میں اپنی صواب دید سے حکم لکھ دیتا۔ کبھی دور دراز کی عبارت سے تائید لاتا۔ مگر مفتیِ اعظم ان کتابوں کی عبارتیں جو دار الافتا میں نہ تھیں زبانی لکھوا دیتے۔ میں حیران رہ جاتا۔ یا اللہ کبھی کتاب کا مطالعہ کرتے نہیں، یہ عبارتیں زبانی کیسے یاد ہیں؟ پیچیدہ سے پیچیدہ دقیق سے دقیق مسائل پر بدابۃً ایسی تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا تھا اس پر بڑی محنت سے تیاری کی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ کلام بہت کم فرماتے مگر جب ضرورت ہوتی تو ایسی بحث فرماتے کہ اجلہ علما انگشت بدنداں رہ جاتے۔ کسی مسئلہ میں فقہا کے متعدد اقوال ہیں تو سب دماغ میں ہر وقت حاضر رہتے۔ سب کے دلائل، وجوہ ترجیح اور قولِ مختار و مفتی بہ پر تیقن اور ان سب اقوال پر اس کی وجہ ترجیح سب از بر۔ باب نکاح میں ایک مسئلہ ایسا ہے جس کی بہتر (۷۲) صورتیں ہیں اور کثیر الوقوع بھی ہیں۔ پہلی بار جب میں نے اس کو لکھا، سوال مبہم تھا۔ میں نے بیس (۲۰) پچیس (۲۵) شق قائم کر کے چار ورق فل اسکیپ کاغذ پر لکھا جب سنانے بیٹھا تو فرمایا:

"یہ طول طویل شق در شق۔ اور شق در شق جواب کون سمجھ پائے گا؟ پھر اگر لوگ ناخدا ترس ہوئے تو جو شق اپنے مطلب کی ہوگی اس کے مطابق واقعہ بنا لیں گے۔ آج ہندوستان میں یہ صورت رائج ہے اسی کے مطابق حکم لکھ کر بھیج دیں یہ قید لگا کر کہ آپ کے یہاں یہی صورت تھی تو حکم یہ ہے۔"

یہ جواب فل اسکیپ کے آدھے ورق سے بھی کم پر مع تائیدات آ گیا۔

اس واقعہ نے بتایا کہ کتب بینی سے علم حاصل کر لینا اور بات ہے اور فتویٰ لکھنا اور بات۔ ۳۶

مفتیِ اعظم کی طلبہ سے شفقت و محبت :

حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ طلبہ پر نہایت مہربان تھے، انھیں شفقت و محبت سے نوازتے اور ہر طرح ان کی خدمت کرتے حتیٰ کہ غریب و نادار طلبہ کو خفیہ طور پر خرچ کے لیے رقوم بھی عنایت فرماتے۔ یوں ہی درس و تدریس کے ذریعہ ان کی خدمت کرتے۔ اکثر طلبہ تفسیر،

نہایت شفقت و محبت سے ان کو پڑھاتے۔ کوئی طالب علم مسئلہ دریافت کرتا تو حضرت حدیث یا فقہ کی کتاب کے آغاز کے وقت تبرکاً پڑھنے کے لیے حضرت مفتی اعظم کی خدمت میں حاضر ہوتے، حضرت نہایت شفقت سے جواب دے کر مطمئن فرماتے۔ جلسہ دستار فضیلت کے موقع پر علما و طلبہ کے لیے خصوصی دعوت کا اہتمام فرماتے۔ خوشی کے موقع پر کھانے پکوا کر طلبہ کو کھلاتے تھے۔ بہت سے طلبہ ایسے تھے جو دونوں وقت حضرت کے یہاں کھانا کھاتے تھے۔ بعض طلبہ کو ان کے ذوقِ علمی کی بنا پر حضرت خود اپنے مکان پر ٹھہراتے اور نہایت لطف و کرم سے قیام و طعام کا بندوبست فرماتے نیز ان کو اپنے علمی و روحانی فیضان سے مالا مال فرماتے۔ چنانچہ علامہ سید مظہر ربانی دار العلوم ربانیہ باندہ رقم طراز ہیں:

''علما کی توقیر، طلبہ سے شفقت و محبت جو آج کل بڑی بڑی ہستیوں میں مفقود ہوتی جا رہی ہے۔ حضرت (مفتی اعظم) کا طرۂ امتیاز تھا۔'' ۳۷

ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد پی. ایچ ڈی پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج سکھر پاکستان رقم طراز ہیں:

آپ طلبہ پر بہت مہربان تھے۔ فارغ التحصیل طلبہ کی دعوت کرتے اچھے اچھے کھانے کھلاتے، امام احمد رضا بھی طلبہ پر بہت مہربان تھے، خوشی اور تہوار کے موقعوں پر طلبہ کو لذیذ کھانے پکوا کر کھلایا کرتے تھے۔ ہمارے علمی اداروں میں یہ شفقت و محبت عنقا ہو گئی اور انگریزی اداروں کی تو بات ہی نہ پوچھیے۔ یہاں طلبہ استاد کے لیے مالِ تجارت بن کر رہ گئے ہیں۔ پھر طلبہ میں جذبۂ اطاعت و محبت پیدا ہو تو کیوں کر ہو؟ شفقت ختم ہو گئی۔ شفقت عنقا ہو جائے تو محبت بھی عنقا ہو جاتی ہے۔ ہم طلبہ سے محبت مانگتے ہیں۔ مگر محبت تو خود بخود دل سے پھوٹتی ہے۔ مانگنے سے نہیں ملتی۔ ۳۸

ادیب شہیر عبد النعیم عزیزی مدیر ماہنامہ سنّی دنیا بریلی شریف لکھتے ہیں:

حضرت طلبہ سے بہت محبت کرتے تھے۔ انھیں علم نافع حاصل ہونے کی دعائیں دیتے تھے۔ ان کے کھانے و دیگر ضروریات کا بھی خیال رکھتے تھے۔ آج بھی مدارس کے کئی طلبہ حضرت کے یہاں کھاتے پیتے ہیں۔ اگر کوئی طالب علم حضرت سے کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو بڑی خوشی سے بتاتے تھے۔ اکثر طلبہ حدیث یا کوئی (دوسری) کتاب شروع کرتے وقت حضرت کے پاس پڑھنے کے لیے آتے تھے۔ تو حضرت اسے بڑی محبت سے پڑھاتے تھے۔ گھر میں کوئی تقریب ہو تو طلبہ کی دعوت ضرور کرتے تھے۔ ۳۹

حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کی جلالتِ علمی و رفعتِ روحانی ہر کہ و مہ پر واضح ہے۔ عالمِ اسلام میں مسلمانوں کی توجہ کا مرکز تھے۔ بایں جلالت و رفعت اپنے شاگردِ رشید حضرت محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رضوی لائل پوری قدس سرہٗ کو کن الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ حضرت کے ایک مکتوب کا اقتباس پڑھیے اور اپنے شاگردوں سے والہانہ شفقت و محبت کا اندازہ کیجیے!

آپ کے مدرسہ اور خدماتِ دینی کا حال ہر آنے والے سے معلوم ہوتا رہتا۔ ماشاء اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ مولا تعالیٰ آپ کے فیض کو اور زیادہ سے زیادہ کرے اور دارین کی نعمتوں، برکتوں سے آپ کو مالا مال کرے اور بہت بہت ترقیاں ہر قسم کی دینی و دنیوی نصیب فرمائے آپ کی خدماتِ دینی کو شرفِ قبول بخشے اور بیش از بیش توفیقِ خیر دے اور آپ کو اس فقیر حقیر گناہ گار عصیاں کار کے لیے سرمایۂ نجات بنائے۔ آپ کی دینی خدمات سن سن کر دل باغ باغ ہے۔ ۴۰

تلامذہ و مستفیدین :

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے تلامذہ و مستفیدین کی ایک بڑی جماعت ہے۔ جو ہندو پاک کے ہر حصے میں حق کی آواز بلند کر رہی ہے۔ مفتیِ اعظم کے تلامذہ و مستفیدین عالم، عامل، مدرس، مقرر، مفسر و محدث، مناظر و متکلم، منطقی و فلسفی، محقق و مصنف، فقیہ و قاضی اور مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ ملک و ملت کے بہی خواہ، ہم درد اور بے لوث خادم ہیں۔

استاذ کی سیرت و کردار، علم و عمل کی پختگی اور قول و فعل کی یکسانیت اور ہم آہنگی کا اثر تلامذہ پر ضرور پڑتا ہے۔ خصوصاً جب کہ استاذ کی علمی و روحانی قوت اپنے معاصر علما و مشائخ سے بھی خراجِ عقیدت وصول کر چکی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کے تلامذہ و مستفیدین رسوخ فی العلم، استقامت فی الدین، مسلک سے والہانہ محبت، عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر مقاصدِ علم میں ایسے ممتاز و منفرد ہیں کہ اپنی مثال آپ ہیں۔

حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ خیر آبادی اور دہلوی سلسلۂ تدریس کے ساتھ ساتھ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مظہر بریلی سلسلۂ تدریس کے امین وارث تھے۔ اس لیے آپ کے تلامذہ میں عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حسین تڑپ پیدا ہوگئی۔ جس نے ان کی فکری و اعتقادی زندگی میں اجتماعیت، روحانیت، عزمِ مصمم، یقینِ محکم اور عمل پیہم کی بے بہا اور بے کراں دولت جمع کر دی۔ آپ کے مکتب اور فیضانِ نظر نے انھیں باطل فتنوں کے مقابلے کی ہمت و جرأت بخشی۔ آپ کے فیض یافتہ علما، فقہا، مفسرین، محدثین، متکلمین و مناظرین، محققین و مفتین، مصنفین و مؤلفین، مقررین و مدرسین، مناطقہ و فلاسفہ، ادبا و شعرا، قاضیانِ عدالت اور مفتیانِ شریعت۔ زمانے کے ہر چیلنج کا جواب دینے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور اپنے اندر ایسی توانائی اور قوت پاتے ہیں کہ جہاں ہوں، وہاں ایک جہان آباد کرتے ہیں۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ سے منظر اسلام و مظہر اسلام کے جن طلبہ نے درس لیا یا استفادہ کیا ان کا کوئی ریکارڈ نہ رکھا گیا اس لیے آپ کے تلامذہ و مستفیدین کا شمار ممکن نہیں رہا۔ ہاں یہ حقیقت تو واضح ہے کہ آپ کے ان گنت تلامذہ و مستفیدین آسمانِ علم و فضل کے مہر و ماہ بن کر چمکے اور ان کا علمی فیض ہند و پاک اور اس کی سرحدوں کے پار بھی فضاؤں کو منور کر رہا ہے۔

بجتا ہے آج علم کا جو ساز دوستو　　　یہ بھی اُسی جرس کی ہے آواز دوستو

درسی تلامذہ :

حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کے بے شمار تلامذہ میں چند ایک کے اسما ملاحظہ ہوں:

۱- محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رضوی گورداس پوری قدس سرہٗ بانی جامعہ رضویہ مظہر اسلام، فیصل آباد، پاکستان۔ [۴۱]

۲- فقیہ عصر مولانا اعجاز ولی خاں رضوی بریلوی قدس سرہٗ شیخ الحدیث والفقہ جامعہ نعیمیہ لاہور پاکستان۔ [۴۲]

۳- مناظرِ اعظم ہند مولانا حشمت علی خاں رضوی پیلی بھیتی قدس سرہٗ بانی دار العلوم حشمت الرضا پیلی بھیت۔ [۴۳]

۴- استاذ العلما مولانا الحاج مبین الدین رضوی امروہوی قدس سرہٗ شیخ التفسیر جامعہ نعیمیہ مراد آباد۔ [۴۴]

۵- شیخ المحدثین مولانا محمد تحسین رضا خاں رضوی بریلوی شیخ الحدیث جامعہ نوریہ رضویہ بریلی۔ [۴۵]

۶- فقیہ الہند مولانا محمد شریف الحق امجدی صدر مفتی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور۔ [۴۶]

۷- ریحانِ ملت مولانا محمد ریحان خاں رضوی بریلوی قدس سرہٗ متولی و مہتمم جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی۔ ۴۷
۸- فقیہ اسلام مولانا مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری رضوی بریلوی صدر مفتی مرکزی دار الافتا بریلی۔ ۴۸
۹- ناصر ملت مولانا محمد خالد علی خاں رضوی مہتمم جامعہ رضویہ منظہر اسلام، بریلی۔ ۴۹
۱۰- محدثِ کبیر مولانا محمد ضیاء المصطفیٰ رضوی امجدی شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامعہ رضویہ مظہر اسلام، بریلی۔ ۵۰
۱۱- شیخ العلما مولانا محمد اعظم رضوی ٹانڈوی شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامعہ رضویہ مظہر اسلام، بریلی۔ ۵۱
۱۲- استاذ العلما مولانا سید محمد عارف رضوی نانپاروی شیخ الحدیث جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی۔ ۵۲
۱۳- عمدۃ المدرسین مولانا محمد نعیم اللہ خاں رضوی بستوی صدر المدرسین جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی۔ ۵۳
۱۴- مبلغِ اسلام مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی رضوی بانی سنی رضوی سوسائٹی ماریشس افریقہ۔ ۵۴
۱۵- فاضلِ جلیل مولانا محمد منظور احمد فیضی رضوی بانی مدرسہ ''مدینۃ العلوم'' بھاول پور پاکستان۔ ۵۵
۱۶- فقیہِ جلیل مولانا معین الدین شافعی قادری ناظمِ اعلیٰ'' جامعہ قادریہ رضویہ''، فیصل آباد، پاکستان۔ ۵۶
۱۷- شیخ العلما مولانا غلام جیلانی گھوسوی شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی۔ ۵۷
۱۸- فقیہ ملت مولانا قاضی عبد الرحیم بستوی مفتی مرکزی دار الافتا بریلی۔ ۵۸
۱۹- فقیہِ جلیل مولانا جلال الدین امجدی مفتی دار العلوم فیض الرسول براؤں ضلع بستی۔ ۵۹
۲۰- بدر العلما مولانا بدر الدین رضوی گورکھپوری، صدر مدرس مدرسہ غوثیہ بڑھیا، ضلع بستی۔ ۶۰
۲۱- شیخ الحدیث مولانا محمد یونس نعیمی صدر المدرسین دار العلوم فیض الرسول براؤں ضلع بستی۔ ۶۱
۲۲- فاضلِ جلیل مولانا محمد حنیف قادری مدرس دار العلوم فیض الرسول براؤں ضلع بستی۔ ۶۲
۲۳- فاضلِ شہیر مولانا قدرت اللہ رضوی مفتی دار العلوم فیض الرسول براؤں ضلع بستی۔ ۶۳
۲۴- فقیہِ شہیر مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی مدیر عام،'' الادارۃ الحنفیہ''کشن گنج بہار۔ ۶۴
۲۵- مولانا لطف اللہ قریشی رضوی علی گڑھی خطیب شاہی جامع مسجد و مفتی شہر متھرا۔ ۶۵
۲۶- مولانا نذیر احمد رضوی پنجابی۔ ۶۶
۲۷- مولانا محمد اسمٰعیل رضوی پورنوی۔ ۶۷
۲۸- مولانا بلال احمد رضوی بہاری مدرس جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی۔ ۶۸
۲۹- مولانا عبد الخالق نوری بہاری مدرس جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی۔ ۶۹
۳۰- مولانا محمد ہاشم یوسفی بہاری مفتی دار الافتا منظرِ اسلام بریلی۔ ۷۰
۳۱- مولانا عبد الحمید رضوی افریقی۔ ۷۱
۳۲- مولانا احمد مقدم رضوی افریقی۔ ۷۲
۳۳- مولوی محمد میاں رضوی بریلوی۔ ۷۳
۳۴- قاری محمد امانت رسول رضوی پیلی بھیتی۔ ۷۴

۳۵- فقیر نوری سید شاہد علی رضوی رام پوری شیخ الحدیث و ناظم الجامعۃ الاسلامیہ، رام پور۔ ۷۵

افتا کے تلامذہ:

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے تلامذہ میں آپ سے افتا میں استفادہ کرنے والے حضرات کی تعداد زیادہ ہے بل کہ اگر برصغیر کے اہم مفتیانِ کرام کے اسامی جمع کیے جائیں تو ان اکثر حضرات حضرت مفتی اعظم کے بالواسطہ یا بالواسطہ تلامذہ ہوں گے۔ حضرت مفتی اعظم کے درس افتا کے بے شمار تلامذہ میں چند ایک کے اسما ملاحظہ ہوں:

۱- محدث اعظم پاکستان مفتی سردار احمد رضوی گورداس پوری قدس سرہٗ بانی مظہر اسلام فیصل آباد، پاکستان۔ ۷۶
۲- مفتی اعظم پاکستان مولانا ابو البرکات سید احمد رضوی شیخ الحدیث دار العلوم حزب الاحناف لاہور۔ ۷۷
۳- افقہ الفقہا مفتی سید افضل حسین رضوی مونگیری قدس سرہٗ شیخ الحدیث و مفتی جامعہ قادریہ رضویہ فیصل آباد، پاکستان۔ ۷۸
۴- اعلم العلما مفتی الحاج مبین الدین رضوی امروہوی شیخ التفسیر جامعہ نعیمیہ مراد آباد۔ ۷۹
۵- فقیہ عصر مفتی محمد احمد جہانگیر خاں رضوی اعظمی شیخ الحدیث و مفتی منظر اسلام بریلی۔ ۸۰
۶- شیخ المحدثین مولانا محمد تحسین رضا خاں رضوی بریلوی شیخ الحدیث جامعہ نوریہ رضویہ بریلی۔ ۸۱
۷- فقیہ الہند مفتی محمد شریف الحق امجدی شارح بخاری و صدر مفتی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور۔ ۸۲
۸- فقیہ اسلام مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری بریلوی جانشین حضرت مفتی اعظم و صدر مفتی مرکزی دار الافتا، بریلی۔ ۸۳
۹- محدث کبیر مفتی محمد ضیاء المصطفیٰ رضوی اعظمی شیخ الحدیث و صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور۔ ۸۴
۱۰- فقیہ ملت مولانا قاضی عبد الرحیم رضوی بستوی مفتی مرکزی دار الافتا بریلی۔ ۸۵
۱۱- فقیہ جلیل مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی شیخ الحدیث و صدر المدرسین جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی۔ ۸۶
۱۲- بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی شیخ الحدیث و مفتی شمس العلوم گھوسی ضلع اعظم گڑھ۔ ۸۷
۱۳- بلبلِ ہند مفتی محمد رجب علی رضوی نانپاروی بانی و مہتمم "مدرسہ عزیز العلوم" نان پارہ ضلع بہرائچ۔ ۸۸
۱۴- یادگارِ سلف مولانا محمد حبیب رضا خاں رضوی بریلوی ناظم ادارہ سنی دنیا بریلی۔ ۸۹
۱۵- فاضل جلیل مفتی ابرار حسین صدیقی تلہری مفتی جماعت رضائے مصطفیٰ و مدیر اعلیٰ ماہنامہ یادگار رضا بریلی۔ ۹۰
۱۶- شیخ العلما مفتی غلام جیلانی گھوسوی شیخ الحدیث جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی۔ ۹۱
۱۷- استاذ العلما مفتی خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی شیخ المعقولات دار العلوم فیض الرسول براؤں۔ ۹۲
۱۸- شیخ الحدیث مولانا غلام یزدانی گھوسوی صدر المدرسین جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی۔ ۹۳
۱۹- مولانا غلام محمد یٰسین رشیدی پورنوی قدس سرہٗ۔ ۹۴
۲۰- مولانا معین الدین خاں اعظمی مدرس جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی۔ ۹۵
۲۱- مفتی محمد طاہر حسین اشرفی مفتی رضوی دار الافتا بریلی۔ ۹۶
۲۲- مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی بہاری مدیر عام "الادارۃ الحنفیہ" کشن گنج بہار۔ ۹۷

۲۳- مولانا حسن منظر قدیری۔ فاضل جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی۔ ۹۸

۲۴- مولانا عبدالحمید رضوی دیناج پوری۔ ۹۹

۲۵- مفتی محمد صالح رضوی مدرس جامعہ رضویہ منظہر اسلام، بریلی۔ ۱۰۰

۲۶- مولانا مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی مدرس جامعہ رضویہ منظہر اسلام، بریلی۔ ۱۰۱

۲۷- مولانا مظفر حسین غازی پوری کراچی پاکستان۔ ۱۰۲

۲۸- مفتی ریاض احمد سیوانی۔ نائب مفتی جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی۔ ۱۰۳

۲۹- مفتی جلال الدین قادری۔ ٹانڈہ ضلع فیض آباد۔ ۱۰۴

۳۰- مفتی عبدالغفور بہاری مدرس جامعہ رضویہ منظہر اسلام، بریلی۔ ۱۰۵

۳۱- مولانا محمد انور رضوی ٹانڈوی مفتی رضوی دارالافتا بریلی۔ ۱۰۶

۳۲- مولانا رئیس الدین رضوی پورنوی مدرس منظہر اسلام بریلی۔ ۱۰۷

مستفیدین :

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے مستفیدین کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ عرس رضوی ۔ عرس حجۃ الاسلام ۔ جلسۂ دستار فضیلت۔ حج بیت اللہ ۔ اور دینی و تبلیغی سفروں میں ہزارہا علما و فقہا اور مفتیانِ کرام نے حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے علمی استفادہ کیا۔ آپ کی ذات اکابر علما و فقہاے معاصرین کا مرجع و ماوی تھی۔ علماے کرام اپنی علمی مشکلات آپ سے حل کرواتے۔ مشکل مسائل میں آپ سے رجوع فرماتے اور جلیل القدر مفتیانِ کرام اپنے فتاویٰ کی تصدیق و تصویب آپ سے کرواتے۔

ادیبِ شہیر عبدالنعیم عزیزی ایم۔ اے، بی۔ ایس۔ سی، مدیر سنی دنیا بریلی اور حضرت مفتی محمد اعظم رضوی مدظلہ نے اس وقت کا واقعہ بیان کیا ہے جب امریکیوں کے چاند پر جانے میں صدر العلما علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی اور شمس العلما قاضی شمس الدین احمد جعفری رحمہما اللہ نے حضرت مفتی اعظم قدس سرہ سے دیگر علما کی موجودگی میں سوال کیا اور حضرت نے دلیل کے ساتھ بتایا کہ ستارے اور سیارے سب زیرِ آسمان فضا میں ہیں اس لیے چاند پر انسان کا پہنچنا ممکن ہے۔" والشمس تجری لمستقرلها" کے پیش نظر سورج کی حرکت اور استقرار دونوں وصف ثابت ہونے پر پیش ہوا حضرت نے اس کا بھی تشفی بخش جواب دیا۔ (تفصیل مفتی محمد اعظم صاحب مدظلہ کے مضمون میں دیکھی جائے۔)

فقیہ الہند مفتی محمد شریف الحق امجدی شارح بخاری حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی ایک اور مجلس استفادہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

حاشیہ شرح مأۃ عامل عبدالرسول میں عربی کا ایک مقولہ ہے: "اَلنَّارُ فِی الشِّتَاءِ خَیْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ"۱۰۸ جس کا ظاہری ترجمہ یہ ہے کہ جاڑے میں آگ اللہ اور رسول سے بہتر ہے۔ اور ظاہر ہے یہ معنی کفری ہے۔ حاشیہ شرح مأۃ عامل کے مطابق من یہاں پر قسمیہ ہے۔ تو اب معنی یہ ہوں گے کہ اللہ و رسول کی قسم آگ جاڑے میں بہتر ہے۔ مگر اس توجیہ پر بھی یہ اشکال ہے کہ اللہ کی قسم کھانا تو جائز ہے۔ مگر رسول کی قسم کھانا جائز نہیں۔ علما کے درمیان اس مسئلہ میں مذاکرہ ہوا۔ سب نے اپنے اپنے طور پر جوابات دیے۔ پھر آخر میں حضرت مفتی اعظم رضی اللہ عنہ سے

استفسار کیا گیا۔حضرت نے ایسا جواب دیا جس سے اس جملہ کی صحیح توجیہ بھی ہوگئی اور اشکال بھی اٹھ گیا۔حضرت نے فرمایا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔آپ لوگ روزمرہ کے محاورے میں بولتے ہیں۔یہ بات من جانب اللہ ہے۔اسی طور پر اس جملہ کو ادا کیجیے ۔حضرت کے ارشاد سے صاف ہوگیا کہ من یہاں قسمیہ نہیں ہے کہ وہ اشکال ہو۔جو گزرا۔نہ تفصیل بتانے کے لیے جیسا کہ اس جملے سے ذہن کو دھوکا ہوتا ہے۔بل کہ من یہاں ابتداء غایت کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے:

''اللہ ورسول کی جانب سے آگ جاڑے میں بہتر ہے۔'' ۱۰۹

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی شہرت ومقبولیت صرف برصغیر ہی تک محدود نہ تھی بل کہ عالمِ اسلام کے علما ومشائخ آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔غائبانہ طور پر آپ کی دینی وملی خدمات اور رفعت وعظمت کے معترف تھے اور آپ کے وجودِ مسعود کو عالمِ اسلام کے لیے ایک نعمتِ عظمیٰ تصور فرماتے تھے۔چنانچہ ۱۳۹۱ھ میں جب حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ تیسری مرتبہ حج وزیارت کے لیے حاضر ہوئے تو اس موقع پر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے سیکڑوں افراد حضرت کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے۔بڑے بڑے جید علماے اعلام،فضلاے کرام اور مفتیانِ عظام نے آپ کے سامنے زانوے ادب تہہ فرما کر شرفِ تلمذ حاصل کیا۔آپ سے اجازتِ حدیث لی۔اور خلافتیں حاصل کیں۔جن میں سے چند ایک کے اسما ملاحظہ ہوں:

(۱) مفتی حرم حضرت علامہ مولانا سید محمد مغربی مالکی مکی (۲) شیخ العلما حضرت علامہ مولانا سید امین قطبی مکی (۳) حضرت علامہ مولانا مفتی سید محمد نور (۴) استاذ العلما حضرت علامہ مولانا جعفر بن کثیر (۵) حضرت علامہ مولانا عمر ہمدان مکی (۶) حضرت علامہ مولانا سید عباس مالکی مکی (۷) حضرت علامہ مولانا عبدالمالک (۸) حضرت علامہ مولانا موزاعرقی (۹) حضرت علامہ مولانا ابراہیم مدنی (۱۰) حضرت علامہ مولانا محمد فضل الرحمٰن مدنی (۱۱) حضرت علامہ مولانا سید علوی مالکی وغیرہ۔ ۱۱۰

مولانا مفتی محمد اشرف رضا قادری مصباحی فاضل الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے تیسرے سفر حج و زیارت کے احوال میں رقم طراز ہیں:

''مدینہ منورہ میں آپ کی قیام گاہ پر ہر وقت اہلِ مدینہ اور دوسرے ممالک کے حجاجِ کرام کا ہجوم رہا کرتا تھا۔ایک روز حلب کے علماِ کرام آپ کی زیارت کو آئے۔آپ نے انھیں چائے پیش کی۔توانھوں نے اس شرط پر چائے پی کہ آپ جھوٹا کر کے تبرک کردیں۔بعد میں ان حضرات میں سے بعض آپ کے مرید ہوئے اور بعض نے اجازت وخلافت حاصل کی۔ ۱۱۱

مولانا مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی مدیر عام''الادارۃ الحنفیہ''کشن گنج بہار حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے مستفیدین کے متعلق رقم طراز ہیں:

''پاکستان اور عرب مقدس کے بہت سے حضرات کے علاوہ ہزارہا وہ ملا بھی (مستفیدین) میں شامل ہیں،جو بریلی شریف یا اسفار وغیرہ میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ ۱۱۲

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے تلامذہ اور خلفاء کی طرح مستفیدین کا بھی کوئی ایسا ریکارڈ محفوظ نہیں کہ جس سے مستفیدین کی صحیح تعداد معلوم ہوسکے۔تاہم حضرت مفتی اعظم کے بے شمار مستفیدین میں چند ایک کے اسما ملاحظہ ہوں۔

۱- برہانِ ملت حضرت علامہ مفتی برہان الحق رضوی جبل پوری

۲- صدر العلما حضرت علامہ مفتی سید غلام جیلانی قادری میرٹھی

۳- شمس العلما حضرت مفتی قاضی شمس الدین رضوی جون پوری

۴- مجاہد ملت حضرت علامہ مفتی محمد حبیب الرحمٰن رضوی اڑیسوی

۵- حافظ ملت حضرت علامہ مفتی عبدالعزیز رضوی محدث مرادآبادی

۶- امیر شریعت حضرت مفتی رفاقت حسین قادری بہاری

۷- حبیب ملت حضرت علامہ مفتی محمد حبیب اللہ قادری بہاری

۸- سید العلما حضرت علامہ مفتی سید آلِ مصطفیٰ برکاتی مارہروی

۹- استاذ العلما حضرت علامہ مفتی عبدالرؤف قادری بلیاوی

۱۰- شیخ العلما حضرت علامہ مفتی محمد یونس قادری سنبھلی

۱۱- مناظرِ اہل سنت حضرت علامہ مفتی محمد حسین قادری سنبھلی ۱۱۳ (رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین)

افتا :

افتا کے معنی ہیں فتویٰ دینا۔ فتویٰ شرعی مسائل میں ماہر شریعت کے فیصلے کو کہتے ہیں۔

علم فتویٰ وہ علم ہے کہ جس میں جزئی واقعات کی بابت ماہر شریعت فقہاسے صادر شدہ احکام مروی ہوں تاکہ آنے والے پست ہمت لوگوں کے لیے عمل آسان ہو۔

قال فی مدینة العلوم : هو علم مروی فیه الاحکام الصادرة عن الفقهاء فی الواقعات الجزئیة لیسهل العمل علی القاصرین من بعدهم.

افتا ایک نہایت عالی اور کامل فن ہے جو آغاز اسلام میں وجود میں آیا۔ جس کی مثال اسلام کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی۔ افتا چونکہ نہایت اہم اور ذمہ داری کا کام ہے اس لیے اسلام میں ابتدا ہی سے اس کا ایک مخصوص محکمہ قائم تھا جس کا نام "محکمہ افتا" تھا اس محکمۂ افتا میں کام کرنے والے لائق وفائق ماہرین قانون فقہائے کرام ہر جگہ موجود رہتے تھے۔

تشنگانِ علوم دینیہ میں سے جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا، ان سے دریافت کر سکتا تھا ان پر فرض تھا کہ نہایت تحقیق کے ساتھ ان مسائل کو بتائیں، اس صورت میں گویا ہر شخص جب چاہے قانون کے مسائل سے واقف ہو سکتا تھا۔

مفتیانِ شرع متین :

امت مسلمہ میں علمائے دین کے دو طبقوں نے خاص طور پر دینِ اسلام کی خدمت میں نمایاں کردار ادا کر کے ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔

ایک محدثین کرام کا طبقہ جس نے احادیث نبوی کی روایات اور ان کے بیان وضبط کا اہتمام فرمایا اور اسناد والفاظ پر گہری نظر رکھی۔

دوسرا فقہائے کرام کا طبقہ، جس نے قرآنی آیات اور احادیث نبوی سے مسائل واحکام کا استنباط واستخراج کیا۔ اور الفاظ حدیث کے ساتھ معانی حدیث اور اس سلسلہ کے اصول وقواعد پر ان کی نظر مرکوز رہی، مفتیان شرع متین کا تعلق اسی دوسرے طبقے سے ہے۔

امت مسلمہ کے سب سے پہلے مفتی :

امت مسلمہ کے سب سے پہلے مفتی سید عالم، نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ نعمت عظمیٰ اللہ رب العزت نے آپ کو اپنے فضل عمیم سے عطا کی، قرآن کریم میں افتا کا لفظ خود اللہ رب العزت کے لیے بھی وارد ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ (نسا: ۱۲۷) اور تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمھیں ان کا فتویٰ دیتا ہے اور وہ جو تم پر قرآن میں پڑھا جاتا ہے۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلَالَةِ (نسا: ۴/۱۷۶) اے محبوب تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمھیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔

ان آیات میں افتا کی نسبت اللہ رب العزت جل جلالہ کی طرف کی گئی ہے، جس سے اس کام کی جلالتِ شان نمایاں ہوتی ہے۔

مفتیانِ صحابہ :

سید عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم الشان منصب پر آپ کے جلیل القدر صاحبِ بصیرت صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فائز تھے جن کی تعداد علما کے ایک قول کے مطابق کچھ اوپر ایک سو تیس ہے۔ ان میں سے سات حضرات اس خدمت کو خاص طور پر بکثرت انجام دیتے تھے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کے فتاویٰ یک جا کیے جائیں تو ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ کی تعداد اتنی ہو کہ اس کی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں۔ ان سات حضرات کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں۔

(۱) امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب (۲) امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب (۳) حضرت عبداللہ بن مسعود (۴) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (۵) حضرت زید بن ثابت (۶) حضرت عبداللہ بن عباس (۷) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ان حضرات کے علاوہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابودرداء وغیرہ، ہم بھی صحابۂ کرام میں جلیل القدر مفتی تھے (رضی اللہ عنہم اجمعین)

صحابۂ کرام کے بعد فتاویٰ :

صحابہ کرام کے ذریعہ دینی علوم وفنون نے نشوونما پائی اور اسی طرح چراغ سے چراغ جلتا گیا، چنانچہ صحابۂ کرام کے بعد تابعین عظام، تابعین کے بعد تبع تابعین پھر بعد کے علماوفقہا نے ہر صدی میں اس سلسلہ کو قائم رکھا۔ جن کی تفصیلات سے آگاہی کے لیے فقہ اسلامی کی تاریخ کا مطالعہ ضروری ہے۔

خاندان رضا میں افتا کی بنیاد :

تیرہویں صدی ہجری میں امام احمد رضا قدس سرہٗ کے جد امجد امام العلما مفتی رضا علی خاں بریلوی قدس سرہٗ متوفی ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء نے ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء میں بریلی کی سرزمین پر مسند افتا کی بنیاد رکھی اور ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء تک فتوی نویسی کا کارگراں قدر انجام دیا ۱۱۴ امام العلما نے نہ صرف خود مسند افتا کو زینت بخشی بلکہ اپنے فرزند سعید امام المتکلمین مولانا مفتی نقی علی خاں بریلوی قدس سرہٗ م ۱۲۹۷ھ کو خصوصی تعلیم وتربیت دے کر مسند افتا پر فائز کیا۔ مفتی نقی علی خاں وقت نظر اور اصابت فکر میں یگانۂ روزگار تھے۔ بے پناہ فہم وفراست اور زیرکی و

دانائی کے مالک تھے، بلندیِ اقبال، علو ہمت، کرم و مروت، سخاوت و شجاعت، حکام سے عزلت رزق موروثی پر قناعت، دبدبہ و جلال، عزت و سرفرازی، علم و عقل نیز دیگر فضائل و خصائل کے جامع تھے۔

آپ نے مسند افتا پر فائز ہونے کے بعد ۱۲۹۷ھ تک نہ صرف فتویٰ نویسی کا گرانقدر فریضہ انجام دیا بل کہ معاصر علما و فقہا سے اپنی علمی صلاحیت اور فقہی بصیرت کا لوہا منوا کر مرجع فتاویٰ ہوگئے۔

امام المتکلمین نے یوں تو اپنے جمیع فرزندگان کو زیور علم سے آراستہ کیا مگر فتویٰ نویسی کے لئے خاص طور پر امام احمد رضا قدس سرہٗ کو منتخب فرمایا۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ نہایت قلیل مدت میں درسی علوم و فنون کے دریاؤں کو عبور کر کے علوم و فنون کے سمندروں میں ایک ماہر شناور کی طرح تیرنے لگے۔ والد ماجد کی امیدوں کا صحیح مرکز بن گئے یہاں تک کہ ۱۴ رشعبان المعظم ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء کو تیرہ سال دس ماہ اور پانچ دن کی عمر میں فارغ التحصیل ہوگئے۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی روز افزوں ترقی دیکھ کر والد ماجد کی مسرتوں کی انتہا نہ رہی۔ تکمیل کے بعد ہی والد ماجد امام المتکلمین نے فتویٰ نویسی کا کام امام احمد رضا قدس سرہٗ کے سپرد فرمادیا۔ آپ نے بڑی ذمہ داری سے اسے نبھایا ہی نہیں بل کہ اس میدان میں اپنی انفرادیت اور نمایاں حیثیت بھی اہل علم و فضل سے منوالی۔

۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۶ء کو والد ماجد امام المتکلمین نے فتویٰ نویسی کی مطلقاً اجازت عطا فرمادی۔ پھر والد گرامی امام المتکلمین مولانا نقی علی خاں بریلوی قدس سرہٗ کے وصال کے بعد ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء میں امام احمد رضا قدس سرہٗ مستقل طور پر مسندِ افتا پر فائز ہوگئے۔ [115]

امام احمد رضا قدس سرہٗ ملک العلما مولانا ظفرالدین بہاری قدس سرہٗ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''بحمدہٖ تعالیٰ فقیر نے ۱۴ رشعبان ۱۲۸۶ھ کو ۱۳ برس کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا۔ اگر ۷ دن اور زندگی بالخیر ہے تو اسی شعبان ۱۳۳۶ھ کو اس فقیر کو فتاویٰ لکھتے ہوئے بفضلہٖ تعالیٰ پورے پچاس سال ہوں گے۔ اس نعمت کا شکر فقیر کیا ادا کر سکتا ہے۔ [116]

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے فقہ میں شیخ عبدالرحمٰن حنفی مکی قدس سرہٗ سے سند حاصل کی، جن کا سلسلہ صحابی رسول سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ حدیث و فقہ پر امام احمد رضا کو کمال و عبور حاصل تھا، اس کی نظیر ان کے عہد میں کہیں نہیں ملتی ان کی فاضلانہ اور محققانہ تصنیف لطیف ''العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ'' کی بارہ جلدیں اور کثیر کتب و رسائل اس حقیقت پر گواہ ہیں۔ ان کی فقہی مہارت و بصیرت کا اعتراف کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد اقبال نے کہا تھا۔

ہندوستان کے دور آخر میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ [117]

اور فتاویٰ رضویہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے ہندوستان کے مشہور قانون داں اور بمبئی ہائی کورٹ کے جج پروفیسر ڈی ایف ملا نے کہا تھا:

''ہندوستان کا بھی بڑا کارنامہ ہے، فقہ حنفی میں بہت کچھ لکھا گیا بالخصوص دو کتابیں تو بہت بڑی لکھی گئیں۔ ایک فتاویٰ عالمگیری اور دوسری فتاویٰ رضویہ۔'' [118]

پروفیسر مجید اللہ قادری کراچی یونیورسٹی فتاویٰ رضویہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''فتاویٰ رضویہ تیرہویں صدی ہجری کے عشرۂ آخر اور چودھویں صدی ہجری کی چار دہائیوں میں لکھے جانے

والے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو امام اہل سنت، مجدد دین وملت، شاہ احمد رضا بریلوی قادری نوری نور اللہ مرقدہ کی فطانت ذہانت وذکاوت، تبحر علمی اور تفقہ فی الدین کا ایک عظیم ترین شاہکار ہے اور ۷۰ سال گزر جانے کے بعد بھی ایسا جامع مبسوط، مدلل اور مبرہن کوئی دوسرا مجموعۂ فتاویٰ نہ تو احناف کے ہاں مرتب ہوسکا اور نہ ہی کسی دوسرے مذہب اہل سنت وجماعت میں مرتب ہوا۔ ۱۱۹

مکہ معظمہ کے ایک مشہور فاضل سید اسمٰعیل خلیل حافظ کتب حرم نے امام احمد رضا کے فتاویٰ کو دیکھ کر لکھا تھا۔

واللّٰہ أقول والحق اقول انه لو رآها (فتاواه) ابوحنيفة النعمان لأقرت عينه و لجعل مؤلفها من جملة الاصحاب۔ ۱۲۰

اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں ان فتوؤں کو اگر ابوحنیفہ نعمان (رضی اللہ عنہ) دیکھتے تو یقیناً ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی اور اس کے مؤلف کو اپنے (اجلہ) تلامذہ میں شامل فرماتے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی فقہی اور علمی تحقیقات نے علماء عرب وعجم کو حیرت میں ڈال دیا تھا، انھوں نے دل کھول کر امام احمد رضا کو خراج عقیدت پیش کیا اور چودھویں صدی کا مجدد قرار دیا۔

امام احمد رضا بریلوی کے دار الافتا میں براعظم ایشیا، براعظم یورپ، براعظم امریکہ اور براعظم افریقہ سے استفتا آتے تھے اور کبھی ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہوجایا کرتے تھے۔ یہ امتیاز یہ مقبولیت، یہ مرجعیت صرف اور صرف امام احمد رضا ہی کو حاصل تھی۔ علماے دین، مفتیانِ شرع اور قاضیانِ عدالت سب ان سے مستفید ہوتے تھے۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی سرعت تحریر کا یہ عالم تھا کہ آپ کے مسودات کو نقل کرنے والے بیک وقت چار چار افراد نقل کرتے جاتے تھے۔ یہ ابھی فارغ بھی نہ ہوتے تو پانچواں صفحہ تیار ہوجاتا، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کتنا کچھ لکھا ہوگا۔ ۱۲۱

دار الافتا کا نظم جدید :

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے دار الافتا کی روز افزوں ترقی، عالمی شہرت ومقبولیت اور کثرت کار کو دیکھتے ہوئے ایسا لاجواب نظام قائم فرمایا تھا کہ اس کی نظیر سوائے بریلی کے کہیں نہیں ملتی۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے نظم جدید کی رو سے دار الافتا کا نام ''رضوی دار الافتا'' تجویز کیا اور اس کا مہتمم اپنے فرزند صغیر بدر الشریعہ والطریقہ مرجع العلماء والفقہا تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کو مقرر فرمایا۔ ۱۲۲

امام احمد رضا قدس سرہٗ فتویٰ نویسی کا کام عموماً دو مقام پر کرتے تھے ایک باہر دار الافتا میں، دوسرے زنانہ مکان میں۔ باہر دار الافتا میں کام کرنے والے حضرات کو نظم جدید کی رو سے دو منصب عطا کیے تھے۔ ایک پیش کار، دوسرے امین الفتویٰ

پیش کار :

اس نظم جدید کی رو سے ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری م ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء امام احمد رضا قدس سرہٗ کے پیش کار ہوئے۔ ان کا کام نماز عصر کے بعد باہر کی آئی ہوئی ڈاک پیش کرنا تھا۔ جن کا جواب امام احمد رضا قدس سرہٗ بولتے جاتے تھے اور ملک العلما لکھتے جاتے تھے۔

ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری خطیب جامع مسجد ہو کر شملہ چلے گئے تو ان کی جگہ صدر الشریعہ، بدر الطریقہ مولانا مفتی امجد علی

اعظمی قدس سرہٗ پیش کاری کے منصب پر فائز ہوئے۔ حضرت صدر الشریعہ بیک وقت پیش کار بھی تھے، منظر اسلام کے مدرس بھی تھے، مطبع اہل سنت کے مہتمم بھی۔ یہ سب فرائض بحسن وخوبی انجام دیتے تھے، اسی حالت میں تصنیف بہار شریعت کا کام بھی جاری تھا اور بوقت ضرورت مناظرہ کے لئے بھی بہی بھیجے جاتے تھے، حضرت صدر الشریعہ کی پیش کاری تا حیات امام احمد رضا قدس سرہٗ جاری رہی اور دیگر کارہائے متعلقہ جو پہلے سے کر رہے تھے بدستور کرتے رہے۔

امین الفتویٰ :

امین الفتویٰ کا کام چھوٹے چھوٹے فتوں کا جواب لکھنا اور جو فتوے اندر زنانہ مکان سے امام احمد رضا قدس سرہٗ کے لکھے ہوئے آئیں ان کا فتاویٰ رضویہ کی مختلف جلدوں میں نقل کرنا تھا۔ امین الفتویٰ کا نقل کا کام بہت بڑا تھا۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ بعض معمولی مسائل پر اندر سے رسائل لکھ کر بھیج دیتے تھے۔ پھر ان کی روزانہ کی تصنیف کوئی ایک شخص نقل نہیں کر سکتا تھا۔

نظم جدید کی رو سے امین الفتویٰ کے منصب پر سید غلام محمد اور مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی علیہما الرحمۃ والرضوان فائز ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد مولانا عبد الرحمٰن بہاری اور مولانا نواب مرزا بریلوی علیہما الرحمۃ والرضوان امین الفتویٰ ہوئے۔ مولانا نواب مرزا کے ہٹنے پر مولوی شفیع احمد خاں بیسل پوری قدس سرہٗ امین الفتویٰ ہوئے۔

ان کے بعد امین الفتویٰ کے منصب پر یکے بعد دیگر دو نوجوان فاضل آئے۔ پہلے برہان ملت مولانا برہان الحق جبل پوری قدس سرہٗ ان کی واپسی وطن کے کچھ دن بعد محدث اعظم ہند مولانا سید محمد ابو المحامد کچھوچھوی قدس سرہٗ نے مسند امین الفتویٰ کو رونق بخشی۔

محدث اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

> (امام احمد رضا قدس سرہٗ کی) عادت کریمہ یہ تھی کہ استفتا ایک ایک مفتی کو تقسیم فرما دیتے۔ اور پھر ہم لوگ دن بھر محنت کر کے جوابات مرتب کرتے۔ پھر عصر و مغرب کے درمیان مختصر ساعت میں ہر ایک سے پہلے استفتا پھر فتویٰ سماعت فرماتے۔ اسی وقت مصنفین اپنی تصنیف دکھاتے، زبانی سوال کرنے والوں کو بھی اجازت تھی جو کہنا ہو کہیں اور جو سنانا ہو سنائیں، اتنی آوازیں، اس قدر جداگانہ باتیں اور صرف ایک ذات کو سب کی طرف توجہ فرمانا۔ جوابات کی تصحیح وتصدیق و اصلاح۔ مصنفین کی تائید وتصحیح اغلاط۔ زبانی سوالات کا تشفی بخش جواب عطا ہو رہا ہے۔ اور فلسفیوں کے خبط "لا یصدر عن واحد الا واحد" کی دھجیاں اڑ رہی ہیں۔ جس ہنگامۂ سوالات وجوابات میں بڑے بڑے اکابر علم وفن سر تھام کر چپ ہو جاتے ہیں کہ کس کی سنیں اور کس کی نہ سنیں وہاں سب کی سنوائی ہوتی تھی اور سب کی اصلاح فرما دی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ادبی خطا پر بھی نظر پڑ جاتی اور اس کو درست فرما دیا کرتے تھے۔" [۱۲۳]

مسائل ترکہ کا انتظام :

امام احمد رضا قدس سرہٗ کے دار الافتا میں مسائل ترکہ کا انتظام ابتدا ہی سے بہت معقول رہا۔ ابتداءً یہ کام امام احمد رضا قدس سرہٗ کے شاگرد مولانا نواب سلطان احمد خاں قدس سرہٗ کرتے تھے۔ جب کام بڑھنے لگا تو امام احمد رضا قدس سرہٗ کے برادر خورد مولانا محمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کرنے لگے۔ مولانا سلطان احمد خاں بریلوی محلہ بہاری پور میں رہتے تھے اور مولانا محمد رضا خاں بریلوی محلہ سوداگران میں رہتے تھے۔ اس لئے ان کی طرف رجوع بڑھ گیا اور وہ مسائل ترکہ کا مرکز بن گئے۔ پہلے تو بریلی ہی سے مسائل ترکہ آتے تھے، باہر کے

لوگوں کو جب معلوم ہوا تو بیرون قصبہ جات کے مناسخے آنے لگے۔ اب کام کی کثرت اور بڑھ گئی تو دار العلوم منظر اسلام کے طلبہ کو بھی تیار کر لیا گیا۔ اس طرح کام بھی سنتار ہا اور طلبہ بھی اس کام کو سیکھ گئے۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ مسائل ترکہ لکھنے سے اس لیے گریز فرماتے تھے کہ ترکہ کا مقدمہ لڑنے کی صورت میں مناسخہ لکھنے والے کو تصدیق کے لیے کچہری جانا پڑتا تھا، امام احمد رضا قدس سرہٗ کو انگریز اور اس کی کچہری سے ہمیشہ نفرت رہی۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ نے یہ عہد کر لیا تھا کہ کچہری نہ جاؤں گا وہ عمر کے کسی حصہ میں کچہری کے کمرے میں نہ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا عہد قائم رکھا۔

شہزادگان کو فتویٰ نویسی کی تربیت :

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنے والد مفتی نقی علی خاں قدس سرہٗ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے دونوں شہزادوں حجۃ الاسلام اور مفتی اعظم کو زیور علم سے آراستہ کر کے با قاعدہ فتویٰ نویسی کی خصوصی تعلیم و تربیت دی۔ چنانچہ امام احمد رضا جب اندر مکان میں فتاویٰ اور تصنیف و تالیف کا کام کرتے تو کتب خانہ سے کتابیں نکال کر حوالہ کی نشان دہی کی خدمت شہزادۂ کبیر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے سپرد تھی۔

۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے وصال کے بعد جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی کا اہتمام جب شہزادۂ کبیر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلی قدس سرہٗ کے سپرد ہوا۔ تو حجۃ الاسلام کی جگہ شہزادۂ صغیر مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی قدس سرہٗ کو یہ خدمت تفویض کی گئی کہ ملک و بیرون ملک سے آنے والے سوالات کے جوابات کی تیاری میں امام احمد رضا کے حوالہ کے لیے کسی عبارت کی ضرورت ہو تو وہ کتاب نکال کر حوالہ کی نشان دہی کریں اور امام احمد رضا کی خدمت میں پیش کر دیں۔ حضرت مفتی اعظم نے کمالِ حسن و خوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی۔

مفتی اعظم کی فتویٰ نویسی کا آغاز :

۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں جب حضرت مفتی اعظم کی عمر مبارک ۱۸ سال تھی، آپ کسی کام سے رضوی دار الافتا میں پہنچے تو وہاں ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری فتاویٰ رضویہ کی مراجعت کرتے ہوئے فتویٰ نویسی میں مشغول تھے حضرت مفتی اعظم نے فرمایا:

> نوعمری کا زمانہ تھا۔ میں نے کہا! کیا فتاویٰ رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہو؟ مولانا نے فرمایا: اچھا تم بغیر دیکھے لکھ دو تو جانوں۔ میں نے فوراً لکھ دیا۔ وہ رضاعت کا مسئلہ تھا۔ ۱۲۴

جب فتویٰ اصلاح کی غرض سے امام احمد رضا قدس سرہٗ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا۔ امام احمد رضا نے خط پہچان لیا۔ دریافت فرمایا کس نے دیا ہے، لے جانے والے نے بتایا کہ "چھوٹے میاں" نے (گھر میں لوگ پیار میں حضرت مفتی اعظم کو چھوٹے میاں کہتے تھے) امام احمد رضا نے طلب فرمایا۔ مفتی اعظم خدمت میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ اعلیٰ حضرت باغ باغ ہیں، پیشانی اقدس پر بشاشت سے کرنیں پھوٹ رہی ہیں فرمایا! اس پر دستخط کرو، دستخط کروانے کے بعد امام احمد رضا قدس سرہٗ نے صح الجواب بعون اللہ العزیز الوہاب لکھ کر اپنے دستخط فرمائے۔ اس طرح اگر ایک طرف حضرت مفتی اعظم دار الافتا کے مفتیانِ کرام پر سبقت لے گئے۔ تو دوسری طرف امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی طرف سے فتویٰ نویسی کی با قاعدہ اجازت بھی مل گئی۔

فتویٰ نویسی کے اس حسن آغاز پر امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنے شہزادۂ صغیر مفتی اعظم کو پانچ روپے بطور انعام عطا فرما کر ارشاد فرمایا۔

''تمھاری مہر بنوا دیتا ہوں۔ اب فتویٰ لکھا کرو۔ اپنا ایک رجسٹر بنالو۔ اس میں نقل بھی کیا کرو۔ ۱۲۵

امام احمد رضا نے اپنے دست مبارک سے مہر کا خاکہ تیار فرمایا، مندرجہ ذیل عبارت لکھی،

''ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمٰن عرف محمد مصطفیٰ رضا''

مولانا حافظ یقین الدین بریلوی علیہ الرحمہ کے بھائی کے حوالہ کیا، جب مہر بن کر آ گئی تو شہزادہ صغیر مفتی اعظم کو بلا کر عطا فرمائی۔ یہ مہر دینی شعور کی سند تھی اور اصابت فکر کا اعلان تھا۔ ۱۲۶

فقیہ عصر مفتی محمد شریف الحق امجدی شارح بخاری شریف حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے اس پہلے فتویٰ کے متعلق رقم طراز ہیں:

یہ عجیب اتفاق ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے بھی پہلا فتویٰ رضاعت ہی کا لکھا تھا۔ اور ان کے آئینۂ جمال و کمال مفتی اعظم نے بھی پہلا فتویٰ مسئلہ'' رضاعت'' ہی کا لکھا۔

خاص بات یہ ہے کہ اس پہلے فتویٰ پر اعلیٰ حضرت نے نہ ایک لفظ گھٹایا نہ ایک لفظ بڑھایا۔ کوئی اصلاح نہ کی۔ پہلا فتویٰ ہی حضرت مفتی اعظم نے ایسا صحیح اور مکمل لکھا کہ کہیں اس میں کوئی انگلی رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ ع

آغاز کا جب یہ عالم ہے انجام کا عالم کیا ہوگا۔ ۱۲۷

امام احمد رضا قدس سرہٗ کو اپنے فرزند اصغر مفتی اعظم کی فقاہت وثقاہت پر اس نوعیت کا اعتماد تھا کہ اپنے بعض فتاویٰ پر ان کے تائیدی دستخط کرواتے تھے۔ ۱۲۸

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنی حیات طیبہ میں سیکڑوں مسائل اپنے خلف اصغر مفتی اعظم سے لکھوائے اور ان کی تصدیق وتصویب فرما کر اپنے دستخط کیے۔ ۱۲۹

رجب ۱۳۳۹ھ میں اعلیٰحضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے متحدہ ہندوستان کے لیے دار القضا شرعی قائم فرمایا اور بعض علمائے کرام کی موجودگی میں حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی رضوی اعظمی کو پورے متحدہ ہندوستان کے لیے قاضی شرع بنایا اور حضرت مفتی اعظم مولانا محمد مصطفیٰ رضا نوری بریلوی وحضرت مفتی محمد برہان الحق جبل پوری علیہم الرحمہ والرضوان کو دار القضا کے مفتی اور معین القاضی کی حیثیت سے مامور فرمایا۔ اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ'' اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اختیار مجھے عطا فرمایا ہے اس کی بنا پر یہ تقرر عمل میں آیا ہے''۔ ۱۳۰

پوری تفصیل سرکار برہان ملت کے مضمون میں ملاحظہ ہو۔

مولانا مصطفیٰ رضا کو مفتی اعظم کا خطاب :

۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۷ھ اگست ۱۹۲۸ء کو خانقاہ عالیہ رضویہ بریلی کے عظیم الشان اجتماع میں جس میں ہزاروں کی تعداد میں اہل اسلام شریک تھے مقامی علمائے کرام، اولیائے عظام، مشاہیر قوم کے علاوہ لنکا، بنگال، پنجاب، بمبئی، گجرات، کاٹھیاواڑ، گونڈل، مدراس، یوپی، راج پوتانہ سرحد کے جلیل القدر فضلا وعمائدین قوم بھی حاضر جلسہ تھے۔ اس تاریخی اجلاس میں حضرت مولانا محمد مصطفیٰ رضا نوری قدس سرہٗ کو مفتی اعظم اور صدر العلما نہ صرف کہا گیا بلکہ شہزادۂ اکبر حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے حکم سے اس اجلاس میں جو تجاویز پاس ہوئیں۔ ان میں تجویز نمبر ۳ میں آپ کو صدر العلما اور مفتی اعظم لکھا گیا۔'' ۱۳۱

صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہٗ نے ۱۹۴۶ء میں محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رضوی قدس سرہٗ کو سنی کانفرنس بنارس میں شرکت کا جو دعوت نامہ ارسال کیا تھا۔ اس میں بھی حضرت کو ''مفتی اعظم''۔ ۱۳۲؎

۱۹۴۶ء میں برصغیر کے ہزاروں علما و مشائخ نے آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس کے موقع پر برصغیر کے لیے جس دار القضاۃ کے چند مفتیان کرام کے اسما پر اتفاق کیا ان میں حضرت مفتی اعظم کا نام نامی سر فہرست ہے۔ ۱۳۳؎

آل انڈیا سنی کانفرنس، بنارس کا ایک تاریخ ساز اجلاس ۲۴ رتا ۲۷ ر جمادی الاولی ۱۳۶۵ھ/ ۲۷ رتا ۳۰ راپریل ۱۹۴۶ء کو منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں پانچ سو مشائخ عظام، سات ہزار علمائے کرام اور دو لاکھ سے زائد عوام اہل سنت شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں حضرت مفتی اعظم نے مرکزی کردار ادا کیا اور کانفرنس کی طرف سے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے جو مختلف کمیٹیاں مقرر ہوئیں، ان میں سے بعض کی سربراہی حضرت مفتی اعظم نے قبول فرمائی۔ جن مجالس میں آپ کا انتخاب ہوا وہ یہ ہیں:

تعلیم، پاکستان، دار القضاۃ، عائلی قوانین، جمعیت آئین ساز۔ ۱۳۴؎

امام احمد رضا قدس سرہٗ کے وصال کے بعد رضوی دار الافتا میں آنے والے ہزار ہا مسائل کے جوابات لکھنے والے صرف دو تھے۔ ایک حضرت مفتی اعظم دوسرے حضرت صدر الشریعہ، حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ اگر چہ حضرت مفتی اعظم کے استاذ تھے۔ خود زبردست مفتی تھے مگر مسائل ان دونوں حضرات کے یہاں ارسال فرما دیتے۔ بہت کم ایسا اتفاق ہوتا کہ خود کوئی فتویٰ تحریر فرماتے۔ اور جب حضرت صدر الشریعہ اجمیر شریف چلے گئے تو تنہا مفتی اعظم رضوی دار الافتا میں آنے والے تمام مسائل کو لکھا کرتے۔ اس زمانہ میں لوگ دین دار آج کی بہ نسبت زیادہ تھے، ہر معاملہ میں حکم شرعی دریافت کرتے تھے اور دینی مدارس وہ بھی اہل سنت کے بہت ہی کم تھے۔ آج بحمدہٖ تعالیٰ مدارس بکثرت ہیں اور تقریباً ہر مدرسے میں دار الافتا ہے۔ اب اندازہ لگائیں کہ حضرت مفتی اعظم کتنے مسائل لکھتے رہے ہوں گے۔ پھر فتویٰ کی شان وہ تھی کہ سب میں اعلیٰ حضرت کا طرز موجود ہے۔ وہی اسلوب بیان، وہی زور استدلال، وہی جزئیات فقہ کے شواہد کا ذخیرہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ مفتی اعظم کا قلم ہے اور مضمون اعلیٰ حضرت کا اس وقت ملک کے طول و عرض میں بہت سے علما و فقہا تھے۔ کسی کے یہاں وہ جامعیت جو مفتی اعظم کے فتویٰ میں تھی نہیں ملتی۔ اور نہ ملے گی۔ ۱۳۵؎

یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے وصال کے بعد علما و فقہا کو آپ کی عظمت فتاوی سے بہت جلد روشناسی ہوگئی اور چند سال کے اندر ہی اجلۂ علما آپ کو مفتی اعظم کے لقب سے یاد کرنے لگے جس کے چند شواہد بقید سنہ و تاریخ مذکور ہوئے۔

آفتاب شریعت ماہتاب طریقت حضرت مفتی اعظم کی تابانی صرف ہندوستان تک ہی محدود نہ رہی بل کہ تمام عالم اسلام آپ کی علمیت و فقاہت اور طریقت کے نور سے مستفیض ہوا۔

> حضرت مفتی اعظم جب حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تو علما حجاز، مصر، شام، عراق اور ترکی وغیرہ کے علما نے آپ سے مسائل دریافت کیے۔ علاوہ ازیں آپ کے پاس عرب، افریقہ، ماریشس، انگلینڈ، امریکہ، سری لنکا، ملیشیا، بنگلہ دیش اور پاکستان سے استفتا آئے اور آپ نے ان کے جوابات تحریر فرمائے۔

۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء میں سکھوں نے انگریز حکام کی پشت پناہی میں مسجد شہید گنج لاہور کو مسمار کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ عمارت اور جگہ گرودوارہ کی ہے۔ مسلمانوں نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ مسجد کے انہدام پر برصغیر کے مسلمان تڑپ اٹھے۔ مسجد کی واگزاری کے لیے جلسے جلوسوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بدقسمتی سے مجلس احرار نے مسلمانوں کی اجتماعی مسائل میں نہ صرف عدم شرکت کی، بل کہ اس خالص اسلامی

تحریک کی مخالفت کی اور یہ پروپیگنڈا کیا کہ اس تحریک میں حصہ لینا جائز نہیں۔ جو مسلمان اس تحریک میں جان کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں ان کی موت، حرام موت ہے، وہ شہید نہیں۔

۲۷ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء کو مسجد شہید گنج کی بازیابی کے ضمن میں ہلاک ہونے اور تحریک میں حصہ لینے والوں کی شرعی حیثیت سے متعلق ایک استفتا حضرت مفتی اعظم کی خدمت میں ایا، آپ نے نہایت تفصیل سے دلائل شرعیہ سے ثابت کیا کہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس تحریک میں حصہ لے کر مسجد کو سکھوں سے آزاد کرائیں اور جو لوگ اس تحریک میں جان کا نذرانہ پیش کر چکے ہیں وہ شہید ہیں۔ ۱۳۶

۱۳۹۶-۹۷ھ / ۷۷-۱۹۷۶ء کا دور اسلامیانِ ہند کے لیے ایک بھیانک طوفان کا دور تھا۔ حکومت نے نس بندی کے جواز کے لیے مفتیان کو ترغیب و ترہیب سے مائل کرنے کی مہم شروع کی، کانگریسی مفتیان نے اس کے جواز کا فتویٰ جاری کر دیا۔ ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ ان فتاویٰ کی خوب تشہیر کی۔ ہندوستان کا مسلمان اب ایسے نازک موڑ پر آ چکا تھا، جہاں ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ پوری قوم ایسے امیر کارواں کی تلاش میں تھی جو اسے سہارا دے، ایمان و اعتقاد کی اجڑتی ہوئی کھیتی کو لالہ زار بنا دے۔ اس حال میں پاسبان ناموس رسالت، ملت اسلامیہ کے عظیم مجاہد، اہل سنت کے تاجدار حضرت مفتی اعظم اپنے علمی و روحانی وقار سے جابر حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنے کھڑے ہوئے۔ آپ نے بے باکی اور حق گوئی سے کام لیتے ہوئے فتویٰ جاری کیا:

''نس بندی حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے۔''

چوں کہ ذرائع ابلاغ پر حکومت کے آہنی پنجوں کا مضبوط قبضہ تھا۔ ان کو اشاعت کا ذریعہ بنانا ممکن نہ تھا۔ آپ نے حکومت کے خلاف فتویٰ عدم جواز نسبندی کو سائیکلو اسٹائل کرا کے ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا۔ اندیشۂ سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر حضرت مفتی اعظم کا جرأت مندانہ اقدام دینِ مصطفیٰ کی حفاظت کا ذریعہ بن گیا اور ظالم و جابر حاکم ایمرجنسی کے دور میں آپ کے فتویٰ کے مقابل بے بس ہو کر رہ گیا۔ نس بندی کے خلاف فتویٰ جاری کرنے اور اسے شائع کرنے کی بنا پر ضلع کلکٹر نے مسلح فورس کے ساتھ حضرت مفتی اعظم کی مجبوی کے لیے سخت ہدایات جاری کر دیں، لیکن ایک صوبائی وزیر اور سابق اسپیکر یو پی نے مرکزی حکومت سے رابطہ قائم کر کے صورت حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ اگر حضرت مفتی اعظم کو گرفتار کیا گیا تو پورے ملک میں بے چینی اور تشدد کے واقعات رونما ہوں گے۔ دیگر ذرائع نے بھی مرکزی حکومت کو یہی خبر دی کہ حضرت مفتی اعظم کی گرفتاری سے حالات مزید ابتر ہو جائیں گے، اس لیے کہ وہ کسی حال میں بھی اپنا فتویٰ واپس نہیں لیں گے۔ اس پر مرکزی حکومت نے مداخلت کی اور بریلی کی انتظامیہ کو ہدایت کی کہ گرفتاری کے احکام ختم کر دیے جائیں۔ کچھ دنوں کے بعد وہ حکومت، خود بخود ختم ہو گئی۔ ۱۳۷

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے اپنے والد ماجد امام احمد رضا قدس سرہٗ کی حیات ظاہری میں ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء سے ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء تک فتاویٰ لکھے۔ والد ماجد کے وصال کے بعد ۱۳۹۵ھ تک مسلسل فتویٰ نویسی فرمائی۔ اس کے بعد ضعف و علالت کی وجہ سے فتویٰ نویسی کا کام نہ ہو سکا۔ تاہم آخری لمحات تک مفتیانِ دین کی علمی مشکلات کو زبانی حل فرماتے رہے۔ اس طرح ۷۰ سال کے طویل عرصہ تک بلا معاوضہ فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دی۔

حضرت مفتی اعظم کے فتاویٰ لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ ۱۳۸

مولانا ڈاکٹر فیضان علی رضوی اور حاجی قربان علی انجینیر (صاحبزادگان مولانا عرفان علی بیسل پوری) نے صرف ۱۳۴۹ھ سے ۱۳۵۹ھ تک دس گیارہ سال کے فتاویٰ کی نقل اصل رجسٹر سے کر کے اس کی تبویب کی۔ جس کی ۳ جلدیں فتاویٰ مصطفویہ کے نام سے منظر

عام پر آ چکی ہیں۔
پہلی جلد میں کتاب الایمان اور دوسری جلد میں کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوۃ، احکامِ مسجد درج ہیں۔ اور تیسری میں دیگر مسائل

تصنیفات اور حواشی :

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے تمام قلمی جواہر پارے آپ کی علمیت وصلاحیت اور فقہی بصیرت وژرف نگاہی کے منہ بولتے شاہ کار ہیں۔ آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیات ومشاغل کے باوجود مختلف موضوعات پر تصنیفات وتالیفات کا ایک گراں قدر ذخیرہ چھوڑا ہے۔ قلم میں خالقِ کائنات نے بے پناہ کشش اور قوت ودیعت کردی تھی۔ زبان پُر اثر اور طاقت ور استعمال فرماتے۔ الفاظ کا برمحل استعمال کرتے۔ آپ کی تصنیفات وتالیفات کے سلسلہ میں مولانا افتخار احمد مصباحی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور رقم طراز ہیں:

"وہ (حضرت مفتی اعظم) ایک عظیم محقق ومصنف بھی ہیں، ان کی تحریر میں ان کے والد جلیل امام احمد رضا قدس سرہٗ کے اسلوب کی جھلک اور ژرف نگاہی نظر آتی ہے۔ تحقیق کا کمال بھی نظر آتا ہے اور تدقیق کا جمال بھی۔ فتاویٰ کے جزئیات پر عبور کا جلوہ بھی نظر آتا ہے اور علامہ شامی کے تفقہ کا انداز بھی۔ تصانیف میں امام غزالی کی تحقیق اور امام رازی کی تدقیق اور امام سیوطی کی تلاش وجستجو کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔" [۱۳۹]

اللہ رب العزت نے حضرت مفتی اعظم کے ہاتھ میں ایسی روانی دی تھی کہ مضامین کے سیلاب کو جوان کے دماغ میں امنڈتا تھا، اسے ضبطِ تحریر میں لے آتے تھے۔ کتاب وسنت کے خلاف اگر کسی طرف سے آواز اٹھتی تو بے تابانہ تعاقب فرماتے اور بلاخوف ظالم ولومۃ لائم احقاقِ حق اور ابطالِ باطل فرماتے۔ حضرت مفتی اعظم کی تصنیفات وتالیفات اور قلمی خدمات جواب تک تحقیق میں آئیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- اشد الباس علی عابد الخناس ۱۳۲۸ھ
۲- الکاوی فی العاوی والغاوی ۱۳۳۰ھ
۳- القسم القاصم للداسم القاسم ۱۳۳۰ھ
۴- نور الفرقان بین جند الالٰہ واحزاب الشیطان ۱۳۳۰ھ
۵- وقعات السنان فی حلق المسماۃ بسط البنان ۱۳۳۰ھ [۱۴۰]
۶- الرمح الدیانی علی راس الوسواس الشیطانی ۱۳۳۱ھ [۱۴۱]
۷- وقایۃ اہل السنۃ عن مکر دیوبند والفتنہ ۱۳۳۲ھ [۱۴۲]
۸- الہی ضرب باہل الحرب ۱۳۳۲ھ [۱۴۳]
۹- ادخال السنان الی الحنک الحلقی بسط البنان ۱۳۳۲ھ [۱۴۴]
۱۰- نہایۃ السنان ۱۳۳۲ھ [۱۴۵]
۱۱- صلیم الدیان لتقطیع حبالۃ الشیطان ۱۳۳۲ھ
۱۲- سیف القہار علی العبید الکفار ۱۳۳۲ھ
۱۳- نفی العار من معائب المولوی عبد الغفار ۱۳۳۲ھ
۱۴- النکتۃ علی مراء کلکتہ ۱۳۳۲ھ
۱۵- مقتل کذب وکید ۱۳۳۲ھ
۱۶- مقتل اکذب واجہل ۱۳۳۲ھ [۱۴۶]
۱۷- الموت الاحمر علی کل انحس اکفر ۱۳۳۷ھ [۱۴۷]
۱۸- (الملفوظ اعلیٰ حضرت چار حصص) ۱۳۳۸ھ [۱۴۸]
۱۹- الطاری الداری لہفوات عبد الباری (۳ حصص) ۱۳۳۹ھ [۱۴۹]
۲۰- القول العجیب فی جواز التثویب ۱۳۳۹ھ [۱۵۰]
۲۱- طرق الہدیٰ والارشاد الی احکام الامارۃ والجہاد ۱۳۴۱ھ [۱۵۱]
۲۲- حجۃ واہرہ بوجوب الحجۃ الحاضرہ ۱۳۴۲ھ [۱۵۲]
۲۳- القسورہ علی ادوار الحمر الکفرۃ ۱۳۴۳ھ [۱۵۳]

تاریخ وصال، جنازہ اور عمر شریف :

لفظ طہ میں ہے مضمر ان کی تاریخ وصال چودھویں کی رات کو وہ بے گماں جاتا رہا

محبوب ذوالجلال کا عاشق صادق، اسلام وسنت کا مہکتا گلشن شریعت وطریقت کا نیر تاباں، علم وفضل کا کوہ گراں، امام ابوحنیفہ کی فکر، امام رازی کی حکمت، امام غزالی کا تصوف، مولانا روم کا سوز وگداز، خواجہ ہند کی شان سطوت واقتدار کا وارث، صدر بزم اولیا، سرتاج کملا، نوری میاں کا راج دلارا، امام احمد رضا کی آنکھ کا تارا اور ہم سینوں کا سہارا، اکانوے سال ایکس دن کی عمر میں مختصر علالت کے بعد ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ، ۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء رات ایک بج کر چالیس منٹ پر کلمہ طیبہ کا ورد کرتا ہوا خالق حقیقی سے جاملا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی اعظم کے وصال پر ملال کی خبر دنیا کے مشہور ریڈیو اسٹیشنوں نے نشر کی۔ اگلے روز نماز جمعہ کے بعد اسلامیہ کالج کے وسیع میدان میں تین بج کر پندرہ منٹ پر نماز جنازہ ہوئی اور تقریباً چھ بجے امام احمد رضا قدس سرہ کے بائیں میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ نماز جنازہ میں لاکھوں افراد کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ جو حضرت مفتی اعظم کی مقبولیت وشہرت اور جلالت شان کا کھلا ثبوت تھا۔

بقیۃ السلف حضرت سید شاہ محمد قائم رضوی چشتی قتیل داناپوری کا مادہ تاریخ وصال ملاحظہ ہو

ہجری سن سال "درسو بہشت بزرگ وقصر"

۱۴۰۲ھ

"پرواز کرد مفتی اعظم" بہ عیسوی سن

۱۹۸۱ء

مراجع وحواشی

۱- پندرہ روزہ ''رفاقت'' پٹنہ، جلد ۱، شمارہ ۵، ص ۶، یکم فروری ۱۹۸۲ء

۲- قبل ولادت اور بعد ولادت عہد طفلی وشیر خوارگی میں کسی کو داخل سلسلہ کرنے اور خلیفہ ومجاز بنانے کا مسئلہ میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہٗ (۹۱۵ھ / ۱۰۱۷ھ) سبع سنابل شریف وغیرہ میں منقح فرما چکے ہیں۔ ۱۲ رضوی

۳- روایت علامہ مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی مدیر عام الادارۃ الحنفیہ، کشن گنج بہار، ۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ ۱۴؍ دسمبر ۱۹۸۹ء بروز پنج شنبہ بوقت ۱۱ بجے دن بمقام خانقاہ قادریہ رضویہ نوریہ، لال مسجد، رام پور۔

۳- ''محدث اعظم پاکستان'' مولانا جلال الدین قادری، جلد ۱، ص ۶۶ مطبوعہ لاہور

۴- یاد رہے کہ نام پاک ''محمد'' کے ساتھ تسمیہ فضائل اعمال سے ہے۔ جن میں حدیث ضعیف بھی بالاجماع معتبر ہے چہ جائے کہ حدیث معضل ۱۲ رضوی

۵- (الف) حیات مفتی اعظم کی ایک جھلک، مرزا عبدالوحید بیگ،

(ب) پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ، ص ۱۳-۱۵، دسمبر ۱۹۸۱ء

۶- پندرہ روزہ رفاقت پٹنہ، ص ۱۳-۱۵، دسمبر ۱۹۸۱ء

۷-۸- محدث اعظم پاکستان، مولانا محمد جلال الدین قادری، جلد ۱، ص ۶۷، مطبوعہ لاہور

۹- حیات مفتی اعظم کی ایک جھلک، مرزا عبدالوحید بیگ، ص ۶، مطبوعہ بریلی

۱۰- (الف) فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں۔ پروفیسر محمد مسعود احمد ایم اے پی ایچ ڈی، ص ۸۷، مطبوعہ لاہور

(ب) پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ، ص ۱۳-۱۵، مجریہ ۱۵ دسمبر ۱۹۸۱ء

۱۱- (الف) محدث اعظم پاکستان، مولانا محمد جلال الدین قادری جلد ۱ ص ۶۶ مطبوعہ لاہور

(ب) پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ، جلد ۱، شمارہ ۵ ص ۷، یکم فروری ۱۹۸۲ء

۱۲- حیات مفتی اعظم کی ایک جھلک، مرزا عبدالوحید بیگ، ص ۵، مطبوعہ بریلی

۱۳- (الف) پندرہ روزہ رفاقت پٹنہ، ص ۱۵، مجریہ ۱۵ ردسمبر ۱۹۸۱ء، (ب) مفتی اعظم، عبدالنعیم عزیزی، ص ۱۱۱، مطبوعہ بریلی (ضمیمہ) (ج) محدث اعظم پاکستان۔ مولانا جلال الدین قادری، جلد ۱ ص ۷

۱۴- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں:

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے ارشد تلامذہ وخلفا مثلاً:

(الف) محدث اعظم پاکستان علامہ مفتی سردار احمد رضوی لائل پوری قدس سرہٗ

(الف) فقیہ العصر علامہ مفتی اعجاز ولی خاں رضوی بریلوی قدس سرہٗ

(الف) شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی اعظمی (رحمہ اللہ تعالیٰ)

(الف) شیخ العلما علامہ مفتی محمد احمد جہانگیر خان رضوی اعظمی وغیرہم کی وہ اسناد علوم وفنون اور اجازتیں جو حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے بطور خاص عطا کیں۔ فقیر نوری غفرلہٗ

۱۵- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الاجازات المتینہ لعلماء بکۃ والمدینۃ

۱۶- اس سند کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں امام رضا بریلوی سے امام بخاری تک فقط گیارہ واسطے ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین (حیات اعلیٰ حضرت)

۱۷، ۱۸- (الف) روایت مفتی محمد یعقوب رضوی حشمتی دھانے پوری

(ب) قلمی یادداشت مولانا محمد انور علی رضوی بہرائچی مدرس منظر اسلام، بریلی

(ج) مکتوب محقق عصر مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی بہاری بنام فقیر نوری غفرلہ، ۱۹؍ ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ

۱۹- (الف) ماہنامہ نوری کرن، بریلی ص ۳۵-۳۶، مجریہ مارچ واپریل ۱۹۶۳
(ب) محدث اعظم پاکستان، مولانا محمد جلال الدین قادری، جلد ۲، ص ۳۲
۲۰- روایت محقق عصر مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی بہاری مدیر عام "الادارۃ الحنفیہ" کشن گنج بہار، ۱۴ رجمادی الاولی ۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء
۲۱- (الف) تذکرہ اکابر اہل سنت، مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری، ص ۶۳ مطبوعہ لاہور
(ب) تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت لاہور، پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ایم اے، ص ۳۶۸
۲۲- حاشیہ تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت لاہور، پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ایم اے، ص ۳۴۳ مطبوعہ لاہور
۲۳- حاشیہ تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت لاہور، پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ایم اے، ص ۳۴۳ مطبوعہ لاہور
۲۴- مدرسہ سراج العلوم نگلیا عاقل ضلع رام پور میں سالانہ اجلاس کے موقع پر محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری دامت برکاتہم نے خود یہ روایت فقیر نوری غفرلہ سے علمائے کرام کی موجودگی میں بیان فرمائی۔
۲۵- ۷ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز دوشنبہ مرکزی دارالافتا بریلی میں تاج الشریعہ فقیہ اسلام جانشین مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری دامت برکاتہم القدسیہ کی موجودگی میں فقیہ ملت قاضی عبدالرحیم رضوی بستوی دامت برکاتہم نے فقیر نوری غفرلہ سے یہ روایت بیان فرمائی۔
۲۶- ۷ رمحرم الحرام ھ بروز دوشنبہ شریف بعد نماز عصر نوری مسجد بریلی میں فقیہ جلیل مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی دامت برکاتہم نے فقیر نوری غفرلہ سے یہ روایت بیان فرمائی۔
۲۷- ۶ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز یک شنبہ اپنی درس گاہ میں منظر اسلام کے اساتذۂ کرام کی موجودگی میں عمدۃ المدرسین علامہ محمد نعیم اللہ خاں رضوی بستوی دام علیہ نے یہ روایت فقیر نوری غفرلہ سے بیان فرمائی۔
۲۸- ۷ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز دوشنبہ بعد عصر نوری مسجد بریلی میں فقیہ جلیل مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی دامت برکاتہم نے فقیر نوری غفرلہ سے یہ روایت بیان فرمائی۔
۲۹- ۱۵ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ بعد نماز فجر جامعہ رضویہ منظر اسلام میں محقق عصر مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی زاداللہ تعالیٰ کرمہٗ و شرفاً نے یہ روایت فقیر نوری غفرلہ سے بیان فرمائی۔
۳۰- ۱۵ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ کو جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی میں فاضل جلیل مولانا محمد عبدالخالق نوری نے فقیر نوری سے یہ روایت بیان فرمائی اور شیخ العلما مولانا سید محمد عارف رضوی نان پاروی دام عنایتہ نے اس روایت کی تصدیق فرمائی۔
۳۱- ۶ رمحرم الحرام بروز یک شنبہ اپنی درس گاہ میں منظر اسلام کے اساتذہ کی موجودگی میں عمدۃ المدرسین علامہ محمد نعیم اللہ خاں دام عنایتہ نے یہ روایت بیان فرمائی۔
۳۲- مکتوب فقیہ العصر مفتی محمد شریف الحق امجدی دامت برکاتہم العالیہ بنام مولوی شہاب الدین ازہری ملخصاً
۳۳- ماہنامہ استقامت، کان پور (مفتی اعظم ہند نمبر) ملخصاً ص ۱۹۱، مجریہ مئی ۱۹۸۳ء
۳۴- ۶ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز یک شنبہ عمدۃ المدرسین علامہ نعیم اللہ خاں رضوی دام عنایتہٗ نے منظر اسلام کے اساتذۂ کرام کی موجودگی میں اپنی درس گاہ میں یہ روایت بیان کی۔
۳۵- مکتوب بنام فقیر نوری سید شاہ علی رضوی غفرلہ محررہ ۱۹ رذوالحجہ ۱۴۱۰ھ/ ۱۳ جولائی ۱۹۹۰ء بروز جمعہ
۳۶- پندرہ روزہ "رفاقت" پٹنہ جلد ۱ شمارہ ۵ ص ۹ مجریہ یکم فروری ۱۹۲۸ء
۳۷- ماہنامہ استقامت کان پور، (مفتی اعظم نمبر) مئی ۱۹۸۳ ص ۲۵۲
۳۸- ایضاً ص: ۱۵۲
۳۹- مفتی اعظم ہند مرتبہ عبدالنعیم عزیزی ص ۹۸-۹۹ مطبوعہ بریلی (چھٹا ایڈیشن)
۴۰- مکتوب حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ بنام حضرت محدث اعظم پاکستان قدس سرہٗ محررہ ۱۶ رشوال ۱۳۷۴ھ

۴۱- (الف) ماہنامہ نوری کرن، بریلی ص ۳۵-۳۶، مارچ واپریل ۱۹۶۳ء
(ب) محدث اعظم پاکستان، مولانا محمد جلال الدین قادری جلد دوم، ص ۴۲، مطبوعہ لاہور
۴۲- (الف) تذکرہ اکابر اہل سنت پاکستان۔ علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری ص ۶۳، مطبوعہ لاہور
(ب) تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت لاہور۔ پیرزادہ علامہ اقبال احمد ایم اے ص ۳۶۸ مطبوعہ لاہور پاکستان۔
۴۳- روایت مفتی محمد یعقوب حشمتی وھانے پوری۔ قلمی یادداشت مولانا محمد انور علی رضوی بہرائچی۔ مکتوب محب محترم مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی بنام فقیر نوری غفرلہٗ ۱۹ ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ
۴۴- فقیر نوری غفرلہٗ سے حضرت علامہ حاجی مبین الدین رضوی قدس سرہٗ کا جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں ایک علمی مجلس میں بیان۔
۴۵- فقیر نوری غفرلہٗ سے حضرت علامہ تحسین رضا خاں بریلوی دامت برکاتہم کا اپنے دولت خانے پر ایک علمی مجلس میں اعتراف وصراحت، ۷ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز دوشنبہ
۴۶- مکتوب فقیہ الہند مفتی محمد شریف الحق امجدی دامت برکاتہم بنام مولوی محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی
۴۷- ماہنامہ "قاری" دہلی (امام احمد رضا نمبر) ص ۵۲۱، اپریل ۱۹۸۹ء
۴۸- (الف) مفتی اعظم ہند، عبدالنعیم عزیزی، ص ۱۱۶، مطبوعہ بریلی
(ب) ماہنامہ "استقامت" کان پور (مفتی اعظم نمبر) ص ۱۸۹، مجریہ مئی ۱۹۸۳ء
۴۹- مکتوب مولانا خالد علی خاں بریلوی دامت برکاتہم بنام مولوی محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی
۵۰- محدث کبیر مولانا محمد ضیاء المصطفیٰ رضوی دامت برکاتہم نے مدرسہ سراج العلوم نکلیا عاقل ضلع رام پور کے سالانہ اجلاس کے موقع پر علمائے کرام کی موجودگی میں ارشاد فرمایا کہ ۱۹۶۲ء میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے میں نے صحاح ستہ میں ابوداؤد شریف اور ابن ماجہ شریف پڑھی اور حضرت نے دونوں کتابوں کی مجھے اجازت بھی عطا کی۔
۵۱- ۷ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز دوشنبہ بعد نماز عصر نوری مسجد بریلی میں شیخ العلما مفتی محمد اعظم رضوی دامت برکاتہم نے فقیر نوری غفرلہٗ سے فرمایا کہ شوال المکرم میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کو میں منظر اسلام میں تفسیر بیضاوی اور بخاری شریف کے درس کے افتتاح کے لیے لاتا تھا۔ حضرت بخاری اور بیضاوی پڑھاتے تھے۔ میں بھی حضرت کے درس میں شریک ہوتا تھا۔ یہ سلسلہ تقریباً آٹھ سال جاری رہا۔ ختم بخاری شریف بھی حضرت مفتی اعظم ہی کراتے تھے۔ میں اس میں بھی شریک رہ کر استفادہ کرتا تھا۔ نیز رضوی دارالافتا میں ایک مرتبہ حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے مشکوٰۃ المصابیح میں حدیث جبریل کو باقاعدہ سبق کے طور پر پڑھا اور سمجھا۔
۵۲- ۱۵ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز سہ شنبہ استاذ العلما مولانا سید محمد عارف رضوی دامت برکاتہم نے فقیر نوری غفرلہٗ سے منظر اسلام میں ایک ملاقات کے دوران فرمایا کہ دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد گجرات میں تدریس کے زمانے میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ دارالعلوم شاہ عالم تشریف لائے تھے اسی موقع پر حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے مجھے حدیث کی اجازت مطلقہ عطا فرمائی۔ نیز منظر اسلام کی تدریسی زندگی میں بارہا علمی مشکلات حضرت سے حل کیں۔
۵۳- ۶ محرم الحرام ۱۴۱۱ کو عمدۃ المدرسین مولانا محمد نعیم اللہ خاں رضوی دامت برکاتہم نے منظر اسلام کے اساتذۂ کرام کی موجودگی میں فرمایا کہ میں نے حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے ہدایہ اور مسلم الثبوت کے چند اسباق پڑھے ہیں۔ نیز حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے قرآن کریم کا حفظ شروع کیا اور ایک ماہ میں تین پارے حفظ بھی کیے۔
۵۴- مکتوب مبلغ اسلام مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی بنام مولوی محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی
۵۵- تعارف علمائے اہل سنت پاکستان، مولانا محمد صدیق ہزاروی، ص ۴۱۵، مطبوعہ لاہور
۵۶- حاشیہ تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت لاہور۔ پیرزادہ علامہ اقبال احمد ایم اے، ص ۴۱۳، مطبوعہ لاہور
۵۷ تا ۶۳- ۷ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز دوشنبہ فقیہ ملت قاضی عبدالرحیم بستوی دامت برکاتہم نے تاج الشریعہ فقیہ اسلام مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری دامت برکاتہم القدسیہ و متع اللہ المسلمین بطول بقائہ کی موجودگی میں مرکزی دارالافتا میں فرمایا کہ ایک سال حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ دارالعلوم فیض

الرسول براؤں تشریف لے گئے، ساتھ میں، میں اور مفتی شریف الحق صاحب امجدی مدظلہ بھی تھے۔ فیض الرسول کے اساتذہ کی خواہش واصرار پر حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے بخاری شریف کا درس دیا۔ اور شرکائے درسِ بخاری شریف کو حدیثِ مسلسل بالاولیہ، حدیث مصافحہ اور حدیث تمر کی عملاً اجازت عطا فرمائی۔ بخاری شریف کے اس درس میں، میں، مفتی شریف الحق صاحب، مولانا غلام جیلانی صاحب، مولانا بدرالدین صاحب، مولانا جلال الدین صاحب، مولانا محمد یونس صاحب، مولانا محمد حنیف صاحب اور مولوی قدرت اللہ صاحب وغیرہ شریک تھے۔

۶۴- مکتوب رفیقِ محترم مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی بہاری بنام فقیر نوری غفرلہٗ ۱۹ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ

۶۵- روایت شیخ العلما مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی

۶۶- ماہنامہ "نوری کرن" بریلی، ص ۳۶، مجریہ مارچ واپریل ۱۹۶۳ء

۶۷- مفتی اعظم، عبدالنعیم عزیزی ص ۱۱۶، مطبوعہ بریلی

۶۸- وحاشیہ شمار ۱-و ۲-صفحہ دیگر بروایت مولانا عبدالخالق نوری تفصیل چند صفحے پہلے گزر چکی۔

۶۹-۷۰- حاشیہ برائے ۱-اور ۲ صفحہ سابق میں شمار ۱۴ نیز ۱۱ اور ۲ کے تحت درج ہے۔)

۷۱-۷۲ - ۶ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز یک شنبہ منظر اسلام بریلی میں ایک علمی مجلس میں عمدۃ المدرسین مولانا محمد نعیم اللہ خاں رضوی دام عنایاتہ نے فرمایا کہ مولوی عبدالحمید رضوی افریقی اور مولوی احمد مقدم رضوی افریقی سلمہما نے حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے میزان، نحو میر اور شرح مأۃ عامل پڑھی۔

۷۳- ۶ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز یک شنبہ منظر اسلام میں محب محترم مفتی محمد فاروق رضوی بریلوی مفتی دارالافتا منظر اسلام بریلی نے ایک ملاقات میں فرمایا کہ مولوی محمد میاں سلمہٗ نے حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے نحو میر، میزان اور پنج گنج کے کچھ اسباق پڑھے مگر افسوس کہ وہ حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے تکمیل نہ کر سکے۔

۷۴- محب محترم قاری محمد امانت رسول رضوی نے حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے شعر وسخن میں استفادہ کیا ہے۔

۷۵- فقیر نوری غفرلہٗ اور عمدۃ المدرسین علامہ محمد نعیم اللہ خاں رضوی دام عنایاتہ کو دوشنبہ کے روز ایک ہی مجلس میں اپنے دولت خانے پر حدیثِ مسلسل بالاولیہ کی اجازت عطا فرمائی۔ ۱۲

۷۶- (الف) ماہنامہ "نوری کرن" بریلی ص ۱۷، مجریہ مارچ واپریل ۱۹۶۳ء
(ب) "محدث اعظم پاکستان" مولانا محمد جلال الدین قادری ص ۳۳۵، مطبوعہ لاہور

۷۷- مکتوب محب محترم مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی بنام فقیر نوری غفرلہٗ ۱۹ ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ

۷۸- (الف) مفتی اعظم، عبدالنعیم عزیزی، ص ۱۱۵، مطبوعہ بریلی
(ب) مکتوب مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی بنام فقیر نوری غفرلہٗ

۷۹- مکتوب مذکور مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی

۸۰- (الف) مفتی اعظم ہند۔ عبدالنعیم عزیزی ص ۱۱۶
(ب) مکتوب فقیہ عصر مفتی محمد احمد جہانگیر خاں رضوی دامت برکاتہم بنام فقیر نوری غفرلہٗ

۸۱- ۷ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز دوشنبہ اپنے دولت خانے پر شیخ المحدثین دامت برکاتہم کا بیان۔

۸۲- (الف) مکتوب فقیہ الہند مفتی محمد شریف الحق امجدی دامت برکاتہم بنام مولوی محمد شہاب الدین رضوی۔ سیرا پچّی
(ب) مفتی اعظم۔ عبدالنعیم عزیزی ص ۱۱۶، مطبوعہ بریلی

۸۳- (الف) ماہنامہ استقامت، کان پور (مفتی اعظم نمبر) ص ۱۹۱، مجریہ مئی ۱۹۸۳ء
(ب) مفتی اعظم، عبدالنعیم عزیزی ص ۱۱۶، مطبوعہ بریلی (چھٹا ایڈیشن)

۸۴- (الف) مکتوب محب محترم مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی بنام فقیر نوری غفرلہٗ ۱۹ ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ
(ب) مفتی اعظم، عبدالنعیم عزیزی ص ۱۱۶، مطبوعہ بریلی (چھٹا ایڈیشن)

۸۶-۸۵- مفتی اعظم، عبدالنعیم عزیزی ص ۱۱۶، مطبوعہ بریلی (چھٹا ایڈیشن)

۸۷- روایت محب محترم مولانا محمد حنیف خاں رضوی بھوگپوری، صدر المدرسین الجامعۃ القادریہ رچھا، بریلی۔

۸۸- روایت مخلص محترم مولانا سید اختر نعیمی فاضل جامعہ نعیمیہ مراد آباد

۸۹- ۷ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز دوشنبہ فقیر نوری غفرلہٗ سے یادگار سلف مولانا محمد حبیب رضا خاں رضوی بریلوی مدظلہٗ کا بیان۔

۹۰- مفتی اعظم۔ عبدالنعیم عزیزی ص ۱۱۶، مطبوعہ بریلی (چھٹا ایڈیشن)

۱۰۰-۹۱- مکتوب مخلصی الاعز مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی بہاری بنام فقیر نوری غفرلہٗ ۱۹ رذوالحجہ ۱۴۱۰ھ

۱۰۱- ۷ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز دوشنبہ منظر اسلام بریلی کی ایک علمی مجلس میں فقیر نوری غفرلہٗ سے بیان۔

۴-۳-۱۰۲- مفتی اعظم، عبدالنعیم عزیزی ص ۱۱۶، مطبوعہ، بریلی (چھٹا ایڈیشن)

۱۰۵- روایت محب محترم مولانا حضور احمد منظری ٹانڈوی خطیب وامام جامع مسجد شاہ جہاں پور۔

۷-۱۰۶- (الف) مفتی اعظم۔ عبدالنعیم عزیزی ص ۱۱۶، مطبوعہ بریلی (چھٹا ایڈیشن)

(ب) روایت فقیہ جلیل مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی مفتی رضوی دارالافتا بریلی۔

۱۰۸- روایت فقیہ جلیل مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی مفتی رضوان، دارالافتا، بریلی۔

۱۰۹- شرح حمائۃ عالل عبدالرسول، ص: ۱۷۔ مطبوعہ دہلی

۱۱۰- ضمیمہ مفتی اعظم۔ عبدالنعیم عزیزی ص: ۷۷ مطبوعہ بریلی (چھٹا ایڈیشن)

۱۱۱- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(الف) ماہنامہ "سنی دنیا" بریلی ص ۳۳، مجریہ جون ۱۹۸۷ء، مضمون محب محترم قاری محمد امانت رسول رضوی پیلی بھیتی

(ب) ماہنامہ "استقامت" کان پور (مفتی اعظم نمبر) ص ۱۱۵-۵۶۶، مجریہ مئی ۱۹۸۳ء

(ج) پندرہ روزہ "رفاقت" پٹنہ (مفتی اعظم نمبر) ص ۱۵، مجریہ ۱۵ ردسمبر ۱۹۸۱ء، مضمون محب محترم مفتی اشرف رضا قادری مصباحی

۱۱۲- پندرہ روزہ "رفاقت" پٹنہ مفتی اعظم نمبر۔

۱۱۳- مکتوب محب محترم مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی بنام فقیر نوری غفرلہٗ ۱۹ رذوالحجہ ۱۴۱۰ھ

۱۱۴- مکتوب محب محترم مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی بنام فقیر نوری غفرلہٗ ۱۹ رذوالحجہ ۱۴۱۰ھ

۱۱۵- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو،

(الف) ماہنامہ "حجاز جدید" دہلی (امام اہل سنت نمبر) ص ۲۴، مجریہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۸۹ء

(ب) ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف ضلع بستی ۲۸ مجریہ دسمبر ۱۹۸۹ء

۱۱۶- ماہنامہ "حجاز جدید" دہلی (امام اہل سنت نمبر)، ص ۲۴، مجریہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۸۹ء

۱۱۷- حیات اعلیٰ حضرت، مولانا ظفر الدین بہاری، مطبوعہ بریلی، مکتوب بنام مؤلف ۷ رشعبان ۱۳۳۶ھ

۱۱۸- دائرہ معارف امام احمد رضا۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ص: ۱۶ مطبوعہ کراچی

۱۱۹- ایضاً ص: ۱۶

۱۲۰- ماہنامہ حجاز جدید دہلی 'امام اہل سنت نمبر' ص: ۶۴ مجریہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۸۹ء

۱۲۱- الاجازات المتینہ۔ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی۔ ص: ۹

۱۲۲- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(الف) سیرت اعلیٰ حضرت، مولانا حسنین رضا خاں بریلوی ص ۱۱۵، مطبوعہ بریلی

(ب) ماہنامہ حجاز جدید (امام اہل سنت نمبر) ص ۲۴ مجریہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۸۹ء

۱۲۳- (الف) ۷ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز دوشنبہ فقیہ ملت قاضی عبدالرحیم بستوی مفتی مرکزی دارالافتاء بریلی نے تاج الشریعہ فقیہ اسلام حضرت جانشین مفتی اعظم دامت برکاتہم القدسیہ کی موجودگی میں ارشاد فرمایا کہ یہ روایت خود حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے مجھ سے رضوی دارالافتاء میں بیان فرمائی۔
(ب) ۱۵ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ بروز سہ شنبہ فقیہ شہیر مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی دام عنایاتہ نے فقیر نوری سے فرمایا کہ حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے خود مجھ سے بھی یہ روایت بیان فرمائی۔

۱۲۴- ماہنامہ قاری' دہلی (امام احمد رضا نمبر) ص ۲۴۳، مجریہ اپریل ۱۹۸۹ء

۱۲۵- تذکرۂ علمائے اہل سنت، مولانا محمود احمد قادری، ص ۲۲۳، مطبوعہ بہار

۱۲۶- پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ، ص ۸، مجریہ یکم فروری ۱۹۸۲ء (مضمون فقیہ عصر شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی دامت برکاتہم)

۱۲۷- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:
(الف) سیرت اعلیٰ حضرت، مولانا حسنین رضا خاں بریلوی ص ۱۱۹ مطبوعہ بریلی
(ب) تذکرہ علمائے اہل سنت، مولانا محمد احمد قادری، ص ۲۲۳، ۲۲۴، مطبوعہ بہار
(ج) پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ ص ۸، مجریہ یکم فروری ۱۹۸۲ء
(د) ماہنامہ ''استقامت'' کان پور (مفتی اعظم نمبر) ص ۵۰-۱۵۲ مجریہ ۱۹۸۳ء
(ر) ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی ص ۱۰، مجریہ جولائی ۱۹۶۵

۱۲۸- پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ ص ۸، مجریہ یکم فروری ۱۹۸۲ء

۱۲۹- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:
(الف) الحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ ص ۴، ۵، مطبوعہ بریلی (بار اوّل)
(ب) اخبار ''دبدبۂ سکندری'' رام پور شمارہ ۱۶، جلد ۵۹، ص ۳، مجریہ ۱۳ رمارچ ۱۹۱۳ء
(ج) اخبار ''دبدبۂ سکندری'' رام پور شمارہ ۴۴، جلد ۵۰، ص ۳، مجریہ ۲۸ رستمبر ۱۹۱۴ء
(د) اخبار ''دبدبۂ سکندری'' رام پور شمارہ ۲۱، جلد ۵۶، ص ۱۰، مجریہ ۱۶ رفروری ۱۹۲۰ء
(ر) روزنامہ پیسہ اخبار لاہور، ص ۴، مجریہ ۳ ردسمبر ۱۹۲۰ء

۱۳۰- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:
(الف) الرمح الدیانی علی راس الوسواس الشیطانی ص ۲۵، مطبوعہ امرتسر
(ب) فتاویٰ رضویہ کتاب النکاح (دوسرا حصہ)، باب المحرمات ص ۱۱۲، مطبوعہ حسنی پریس، بریلی
(ج) (پندرہ روزہ ''رفاقت'' پٹنہ، ص ۸، مجریہ یکم فروری ۱۹۸۲ء

۱۳۱- (الف) محدث اعظم پاکستان، مولانا جلال الدین قادری، جلد ۱، ص ۱۳۱، مطبوعہ لاہور
(ب) ماہنامہ استقامت کان پور (مفتی اعظم نمبر) ص ۲۴، مضمون سرکار برہان الملۃ علیہ الرحمہ مجریہ ۱۹۸۳ء
(ج) حیات صدر الشریعہ، مرتبہ: بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی، شائع کردہ: رضا اکیڈمی لاہور، ربیع الاول ۱۴۲۲ھ رجون ۲۰۰۱ء

۱۳۲- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:
اخبار دبدبہ سکندری، رام پور شمارہ ۹، جلد ۶۶، ص ۶، مجریہ ۲۰ راگست ۱۹۲۸ء

۱۳۳- محدث اعظم پاکستان، مولانا محمد جلال الدین قادری، جلد دوم، ص ۵۰۷، مطبوعہ لاہور

۱۳۴- (الف) اخبار دبدبہ سکندری، رام پور مجریہ ۷ ۲ رمئی ۱۹۳۶ء
(ب) خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، مولانا محمد جلال الدین قادری، مطبوعہ گجرات، ۱۹۷۸ء

۱۳۵- (الف) اخبار دبدبہ سکندری، رام پور، مجریہ ۲۰ مئی، ۳ رجولائی، ۱۷ رجولائی، یکم اگست ۱۹۳۶ء

(ب) محدث اعظم پاکستان، مولانا محمد جلال الدین قادری، جلد اوّل، ص ۷۹، مطبوعہ لاہور

۱۳۶- پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ ص ۸، ۹، مجریہ یکم فروری ۱۹۸۲ء

۱۳۷- محدث اعظم پاکستان، مولانا محمد جلال الدین قادری، جلد اول ۷۶ مطبوعہ لاہور۔

نوٹ: مسجد شہید گنج سے متعلق فتوی ''فتاوی مصطفویہ'' جلد دوم ص: ۹۵ تا ۱۰۱ مطبوعہ الہ آباد (ص: ۲۴۴ تا ۲۵۱۔ اشاعت رضا اکیڈمی ممبئی) میں ملاحظہ کریں۔

۱۳۸- (الف) ماہنامہ استقامت، کان پور، ص ۱۰۶، ۱۲۷، ۲۹۰، مجریہ مئی ۱۹۸۳ء

(ب) پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ ص ۱۶، مجریہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۱ء

(ج) روشن ستارے، مفتی محمد اعظم نوری، مطبوعہ بریلی، ۱۹۷۷ء

(د) مفتی اعظم ہند، عبد النعیم عزیزی، مطبوعہ بریلی، بار ششم

(ر) محدث اعظم پاکستان، مولانا جلال الدین قادری، جلد اول، ص ۷۷-۸، مطبوعہ لاہور

۱۳۹- پیش لفظ فتاوی مصطفویہ، مفتی محمد اعظم نوری، جلد دوم، ص ۲ مطبوعہ پہلی بھیت

۱۴۰- پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ (مفتی اعظم نمبر) ص ۱۳، مجریہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۱ء

۱۴۱- وقعات السنان: صولت پبلک لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ جس کا مناظرہ فرق اردو میں اندراج نمبر ۳۹۸ ہے۔ وقعات السنان کے مقدمہ میں خود حضرت مفتی اعظم نے مذکورہ چار کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: ''تا این ہمہ آپ کے اوتاب چاہتے ہیں کہ آپ کے مستعار حیات جس میں تاء تانیث کے سو باقی حصہ بالکل معدوم ہو گیا ہے، چین سے نہ زرے۔ کتاب مستطاب الکاوی فی العاوی والغاوی و کتاب لا جواب القسم القاصم للداسم القاسم و کتاب سراپا انتخاب اشد الباس علی عابد الخناس یعنی رد تحذیر الناس و کتاب کامل الانصاب نور الفرقان بین جند الالٰہ و احزاب الشیطان وغیرہا سے چند سوال التقاط کر کے حاضر کر رہا ہوں۔ ص ۳، مطبوعہ بریلی''

۱۴۲- الرمح الدیانی رام پور رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ جس کا مناظرہ فرق اردو میں اندراج نمبر ۹۸ ہے۔ یہ رسالہ حسام الحرمین کا گویا خلاصہ و نچوڑ ہے۔ اس میں تفسیر نعمانی کے مؤلف پر حکم کفر و ارتداد ہے۔ کلاں سائز میں ۱۴ صفحات پر مشتمل ہے مطبع روز بازار امرتسر سے طبع ہوئی ہے۔ اعلیٰ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہما وغیرہ کی کتاب میں تصدیقات ہیں۔ ۱۲

۱۴۳- وقایہ اہل السنہ صولت پبلک لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ اس کا مناظرہ فرق اردو میں اندراج نمبر ۹۰ ہے۔ ۲۸ر ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ کو بریلی سے یہ رسالہ شائع ہوا۔

۱۴۴- یہ رسالہ وقایہ اہل سنہ کے ساتھ شامل اشاعت ہے۔ ص ۶۷ سے شروع ہے۔

۱۴۵- ادخال السنان صولت پبلک لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ جس کا مناظرہ فرق اردو میں اندراج نمبر ۱۵۶ ہے۔ ۱۳۳۲ھ میں بریلی سے یہ رسالہ شائع ہوا۔

۱۴۶- ادخال السنان کے آخر میں ٹائٹل پر اس رسالہ کا اعلان ہے۔

۱۴۷- مذکورہ کتب میں مقتل کذب و کید رام پور رضا لائبریری میں موجود ہے۔ جس کا مناظرہ فرق اردو میں اندراج نمبر ۲۵۳ ہے۔ مقتل کذب و کید میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے مذکورہ بالا پانچ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو مقتل کذب و کید کا ص ۲، ۵، ۷ اور ۷۶ مطبوعہ بریلی (بار اول ۱۳۳۲ھ)

۱۴۸- یہ رسالہ پاک و ہند سے متعدد بار چھپ چکا ہے۔ فقیر نوری کے پاس مکتبہ رضویہ ڈسکہ کالج روڈ ضلع سیالکوٹ صوبہ لاہور کا شائع کیا ہوا نسخہ ہے۔ صفحات ۸۴، تاریخ اشاعت جمادی الاولی ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء۔ ۱۲

۱۴۹- پاک و ہند سے متعدد بار شائع ہو چکے ہیں، فقیر نوری غفرلہ کے پاس مکتبہ نبویہ لاہور کا شائع کیا ہوا نسخہ ہے۔ ۱۲

۱۵۰- ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۱ء میں امام احمد رضا اور مولانا عبد الباری کے درمیان جو مراسلت ہوئی۔ مولانا عبد الباری نے ۱۶ خطوط لکھے اور امام احمد رضا نے ۱۲، اس جملہ مراسلت کو حضرت مفتی اعظم نے حسنی پریس بریلی سے ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں بعنوان الطاری الداری لہفوات عبد الباری تین حصوں میں شائع

کیا، خود امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ایک رباعی میں اس تالیف کا ذکر کیا ہے۔

زہ علم و فن جناب عبد الباری خوش سکہ زن جناب عبد الباری
یک کودک من طاری داری نوشت دنداں شکن جناب عبد الباری

(الطاری الداری لہفوات عبدالباری حصہ سوم ص ۸۱ مطبوعہ بریلی)

۱۵۱- اذان کے بعد صلوٰۃ پکارنے کے جواز میں مدلل رسالہ ہے۔ متعدد مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔ بار اول اور دوم کے چھپے ہوئے دو نسخے فقیر نوری غفرلہٗ کے پاس محفوظ ہیں۔ ۱۲

۱۵۲- یہ رسالہ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ رام پور رضا لائبریری میں موجود ہے۔ جس کا مناظرہ فرق اردو میں اندراج نمبر ۳۸۵ ہے۔ حسنی پریس بریلی کا چھپا ہوا ہے۔ اس رسالہ پر آخر میں حضرت صدر الافاضل، حضرت مناظر اعظم ہند، حضرت مفتی عبدالسلام، حضرت مفتی برہان الحق، حضرت مفتی سید محمد میاں اولادِ رسول مارہروی، حضرت مولانا حسنین رضا، مولانا عبدالحق، مولانا محمد طاہر رضوی، مولانا محمد اسماعیل تلہری وغیرہم علیہم الرحمۃ والرضوان کی تصدیقات ہیں۔ ۱۲

۱۵۳- ۱۳۴۲ھ میں بعض لیڈروں نے حج بیت اللہ سے روکنے کی کوشش کی تھی۔ اس رسالہ میں ان لیڈروں کا بالغ رد ہے اور فرضیت حج کے بعد فی الفور حج کی ادائیگی واجب ہے، اس کا روشن ثبوت۔ فقیر نوری غفرلہٗ کے پاس نظامی کتابستان نخاس کہنہ الٰہ آباد کا شائع کیا ہوا نسخہ ہے۔

۱۵۴- یہ رسالہ ۳۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ ایک پاکستانی شاعر کے تین کفری شعری کا بالغ رد ہے۔ فقیر نوری غفرلہٗ کے پاس انجمن حزب الاحناف لاہور کا شائع کیا ہوا نسخہ ہے۔ اس رسالہ پر ۱۲۰ اکابر علمائے اہل سنت کی تصدیقات ہیں۔ جن میں حضرت صدر الشریعہ، حضرت صدر الافاضل، حضرت مناظر اعظم ہند، حضرت مفتی تقدس علی صاحب، حضرت محدث اعظم پاکستان علیہم الرحمۃ والرضوان کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس رسالہ کا تاریخی نام "ظفر علی رمة من کفر" ہے اور عرفی نام "سیف الجبار علی کفر زمیں دار" ہے۔ ۱۲

۱۵۵- یہ حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کا نعتیہ دیوان ہے۔ جس میں حمد باری تعالیٰ، مناقب، غزل اور رباعیات وغیرہ بھی ہیں۔ اس کا دوسرا نام گلستان نعت نوری ہے۔ یہ دیوان ۱۳۴۷ھ سے ۱۳۵۴ھ کے درمیان مکمل ہوا۔ اس لیے دونوں سنوں کے حساب سے حضرت مفتی اعظم نے دو نام رکھے اور پورا نام اس طرح رکھا سامان بخشش عرف گلستان نعت نوری۔ متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔

۱۵۶- یہ ۱۳۴۹ھ سے ۱۳۵۹ تک کے حضرت مفتی اعظم کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو تین جلدوں میں مولانا ڈاکٹر فیضان علی رضوی بیسل پوری والحاج قربان علی نے مکتبہ الرضا بیسل پور ضلع پیلی بھیت اور بریلی سے شائع کیا۔ فقیر نوری کے پاس تینوں جلدیں محفوظ ہیں۔

۱۵۷- فتاویٰ مصطفویہ۔ مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا نوری۔ جلد اوّل از ص ۵۰ تا ۷۴ مطبوعہ پیلی بھیت

۱۵۸- تاج الشریعہ جانشین مفتی اعظم دامت برکاتہم القدسیہ کے ہاں مرکزی دار الافتاء بریلی میں فقیر نوری نے اس رسالہ کی زیارت کی ہے۔ مطبوعہ ہے۔

۱۵۹- متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔ فقیر نوری کے پاس بھی موجود ہے۔

۱۶۰- مکتبہ ایشق استنبول ترکی سے یہ رسالہ شائع ہو چکا ہے۔ فقیر نوری کے پاس موجود ہے۔

۱۶۱- (الف) ماہنامہ استقامت، کان پور ص ۱۵، ۳، مجریہ مئی ۱۹۸۳ء مضمون مولانا لیٰسین اختر مصباحی ایڈیٹر ماہنامہ حجاز جدید، دہلی
(ب) حیات مفتی اعظم کی ایک جھلک، مرزا عبدالوحید بیگ، ص ۹، مطبوعہ بریلی

۱۶۲- پندرہ روزہ رفاقت پٹنہ (مفتی اعظم ہند نمبر) ص ۶ مجریہ ۱۵ دسمبر ۱۹۸۱ء مضمون مولانا ڈاکٹر حسن رضا خاں پی ایچ ڈی پٹنہ
(ب) ماہنامہ استقامت، کان پور (مفتی اعظم ہند نمبر) ص ۱۵، ۳، مجریہ مئی ۱۹۸۳ء (مضمون ادیب شہیر مولانا لیٰسین اختر مصباحی ایڈیٹر ماہنامہ حجاز جدید، نئی دہلی

۱۶۳- پندرہ روزہ رفاقت پٹنہ، (مفتی اعظم ہند نمبر) ص ۱۵ مجریہ ۱۵ دسمبر ۱۹۸۱ء مضمون مفتی محمد اشرف رضا قادری، مصباحی دار العلوم امام احمد رضا۔ بمبئی

۱۶۴- ماہنامہ استقامت، کان پور (مفتی اعظم نمبر)، ص ۱۵، ۳، مجریہ مئی ۱۹۸۳ء
(ب) مفتی اعظم، عبدالنعیم عزیزی، ص ۶۵، مطبوعہ بریلی بار ششم

نوٹ: ادیب شہیر عبدالنعیم عزیزی حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے رسالہ ''طرد الشیطان'' کے سلسلے میں فرماتے ہیں: ''نجدی حکومت نے جوٹیکس لگایا تھا اس کے رد میں (حضرت مفتی اعظم نے یہ رسالہ) لکھا، (مفتی اعظم ص ۶۴)

غالباً یہ وہی کتاب ہے، جس کے بارے میں جناب امید رضوی ایڈیٹر ماہنامہ نوری کرن بریلی رقم طراز ہیں:

''آپ (حضرت مفتی اعظم) کی فضیلت وجلالت علمی کا یہ عالم ہے کہ جب پہلی بار حاضری حرمین ہوئی، تو وہاں کے اجلہ علمائے کرام نے آپ کے سامنے نہ صرف زانوئے عقیدت تہہ کیے۔ بل کہ علم حدیث کے اجازت نامے بھی باصرار لکھوائے۔ اور جس کا سلسلہ بعد واپسی مدت تک جاری رہا۔ اسی قیام حرمین کے زمانہ میں آپ سے علمائے حرمین نے دریافت کیا کہ'' موجودہ حکومت عربیہ حجاج سے جوٹیکس لیتی ہے۔ یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں آپ (حضرت مفتی اعظم) نے چند گھنٹوں کی قلیل مدت میں سیر حاصل رسالہ تحریر فرمادیا۔ جس میں پرزور دلائل سے ثابت کیا کہ یہ ٹیکس لینا شرعاً ناجائز وحرام ہے۔'' (افسوس ہے کہ سفر حج کی واپسی پر یہ رسالہ ضائع ہوگیا۔) (ماہنامہ نوری کرن، بریلی خاص نمبر، ص ۹، مجریہ شوال وذیقعدہ ۱۳۷۹ھ اپریل ومئی ۱۹۶۰ء)

۱۶۵- صولت پبلک لائبریری رام پور کی فہرست مطبوعات اردو (مناظرہ فرق) کے صفحہ ۱۲۴ سطر ۱۱ میں اس کتاب کو حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی تصنیف تحریر کیا ہے۔ اندراج نمبر ۳۹۷ ہے۔ کیفیت کے خانہ میں یہ تحریر ہے کہ'' مسلک مرادآباد پر معترضانہ ریمارک'' اخبار نظام الملک کے ساتھ شامل ہے۔ مگر کتاب طلب کرنے پر نہ مل سکی۔

۱۶۶- ۷ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ کو حضرت مفتی محمد اعظم رضوی شیخ الحدیث مظہر اسلام بریلی نے فقیر نوری کو ملاقات کے وقت بتایا کہ: ''حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی ایک مطبوعہ تصنیف میرے پاس ہے جو کانگریسیوں کے رد میں ہے۔ دوسو صفحات پر مشتمل ہے۔ سرورق اس کتاب کا غائب ہونے کی وجہ سے نام معلوم نہیں۔ میں اس کتاب کی فوٹو کاپی آپ کو دے دوں گا۔ ۱۲

۱۶۷- حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی یہ کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بل کہ الاستمداد تصنیف اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے حواشی وتکمیلات کا تاریخی کام ہے۔ چنانچہ پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ایم۔اے۔ رقم طراز ہیں: ''زیر نظر کتاب الاستمداد کے حواشی وتکمیلات ملقب بلقب تاریخی کشف ضلال دیوبند آپ ہی کے رشحات قلم کا نتیجہ ہیں۔'' (الاستمداد ص ۹۸، مطبوعہ بریلی، ۱۴۰۸ھ)

۱۶۸- ترتیب سابق کے اعتبار سے جلد چہارم اور موجودہ ترتیب کے اعتبار سے فتاویٰ رضویہ جلد پنجم پر حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے فوائد وحواشی ہیں۔ جو مولانا حسنین رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ نے اپنے اہتمام سے حسنی بریلی سے چار حصوں میں چھاپ کر شائع کیے۔ ان چاروں حصوں کے ٹائٹل پر مندرجہ ذیل عبارت تحریر ہے۔ ''تصحیح واضافۂ فوائد از فقیر مصطفیٰ رضا قادری برکاتی رضوی غفرلہٗ'' الحمدللہ فقیر نوری کے پاس چاروں حصے موجود ہیں۔ ۱۲

۱۶۹- ۷ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ کو حضرت مفتی محمد اعظم رضوی مفتی ''رضوی دار الافتا'' بریلی نے فقیر نوری کو ایک ملاقات میں بتایا کہ: ''حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بہت سی کتابوں پر قلمی حواشی وفوائد رضوی دار الافتا میں تھے۔ مگر جب سے رضوی دار الافتا کی کتابیں خورد برد ہوئیں وہ سب ادھر اُدھر ہوگئے۔ اس وقت رضوی دار الافتا میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے صرف دو حاشیے (۱) حاشیہ تفسیر احمدی (۲) حاشیہ فتاویٰ عزیزیہ قلمی موجود ہیں۔ آپ کسی وقت فرصت سے آئیں تو میں ان کی فوٹو کاپی دے سکتا ہوں۔ ۱۲

مفتی اعظم کے والد ماجد

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمۃ

حیات و خدمات - اوصاف اور کارنامے

مولانا نفیس احمد مصباحی بارہ بنکوی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

ہندو پاک کی سرزمین پر تقریباً ایک ہزار سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی، ان کے عہد سلطنت میں غیر مسلموں کو مکمل شہری اور انسانی حقوق حاصل رہے، ہر شخص کو اپنے دین و مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی تھی، بل کہ بعض مواقع تو ایسے بھی آئے کہ غیر مسلموں کو ترجیحی مراعات حاصل رہیں۔ انگریز تاجر بن کر آئے اور سازشوں کے بل بوتے پر حکمراں بن بیٹھے، ان کی حکومت کو سب سے زیادہ خطرہ مسلمانوں سے تھا۔ ایک تو اس لیے کہ مسلمان عرصہ دراز تک یہاں حکومت کر چکے تھے۔ دوسرے اس لیے کہ ان کی ایمانی حرارت انھیں کسی بھی وقت انگریزوں کے ظالمانہ رویے اور غیر انسانی طرز حکومت کے خلاف آمادۂ جہاد کر سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے مسلمانوں کی قوت کو پامال کرنے اور ان کی ملی وحدت کا شیرازہ منتشر کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

وہ اس حقیقت سے پوری طرح باخبر تھے کہ مسلمانوں کی بقا اور ترقی کا راز ایمان اور اتحاد میں مضمر ہے۔ اسی لیے انھوں نے اپنی تمام تر توانائیاں اسی بنیاد کو کمزور اور ختم کرنے پر صرف کر دیں، دینی مدارس کو بے اثر بنانے کے لیے اسکول اور کالج کھولے، تعلیم کی تجدید کے نام پر نہایت چابک دستی اور عیاری سے وہاں تعلیم پانے والے بچوں کے ذہن و دماغ کو الحاد اور بے دینی کے زہر سے مسموم کیا۔ اتحاد ملت کو ختم کرنے کے لیے نئے نئے پیدا ہونے والے فرقوں کی حوصلہ افزائی کی۔ اور اسی دور بلاخیز میں اس قسم کے مباحث چھیڑے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی آ جائے تو آپ کے خاتم النبیین ہونے میں فرق آئے گا یا نہیں؟ بل کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے تو نبی ہونے کا دعویٰ ہی کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر محبوبان خدا کی شان میں توہین و تنقیص کی زبان درازی کی گئی، کسی نے کہا کہ وہ تو بس ہمارے جیسے بشر ہیں، کسی نے کہا انھیں دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہیں، کوئی ان کے علم کو شیطان اور ملک الموت کے علم سے کم بتانے لگا، اور یہاں تک دعویٰ کر بیٹھا کہ شیطان اور ملک الموت کے علم کی وسعت اور پوری روئے زمین کے احوال و کوائف سے ان کا باخبر ہونا تو قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وسعت کسی نص سے ثابت نہیں۔ اور کسی نے تو یہاں تک لکھ مارا کہ ان کے جیسا علم غیب تو عام انسانوں، بل کہ بچوں اور پاگلوں، بل کہ تمام جانوروں اور چوپایوں کو حاصل ہے۔ کسی نے لکھا کہ ہر سال میلاد مصطفیٰ کی خوشی منانا تو ہر سال کنھیا کا جنم دن منانے کی طرح ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امت مسلمہ کے اتحاد و اتفاق کا محل زمیں بوس ہو گیا، اس کی وحدت و سالمیت جاتی رہی، اور قوم مسلم مختلف فرقوں

اور ٹولیوں میں بٹ گئی، اور متحدہ ہندو پاک میں اتنے فرقے پیدا ہو گئے کہ دوسرے کسی بھی اسلامی ملک میں اس کی نظیر ملنی دشوار ہے۔

ایسے نازک اور پُر فتن دور میں امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ پیدا ہوئے اور عقل و شعور کی آنکھیں کھولتے ہی ان اسلام دشمن ٹولیوں اور غیر اسلامی افکار و نظریات کا رد بلیغ فرمایا، فرقہ بندی کی بھرپور حوصلہ شکنی کی، اور وحدتِ ملی پر زور دیا۔ ان کی علمی اور تحقیقی مسائل کا محور ہی ملی اتحاد تھا۔

ذیل میں ہم ان ہی کی حیات و خدمات اور احوال و کوائف پر کچھ روشنی ڈالیں گے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے احوالِ زندگی پر ایک اجمالی نظر :

اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ، ۱۰ر شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء کو اتر پردیش کے شہر بریلی کے ایک دینی و علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔

☆ بسم اللہ خوانی ہی کے دن الف، با، تا، ثا پڑھتے ہوئے ''لا'' پر حیرت انگیز عالمانہ اعتراضات کیے۔

☆ چار سال کی عمر میں ناظرۂ قرآن مجید ختم کر لیا۔

☆ چھ سال کی عمر میں ایک نو وارد عرب سے دیر تک فصیح عربی میں گفتگو کی۔

☆ آٹھ سال کی عمر میں فنِ نحو کی ہدایۃ النحو نامی درسی کتاب کی دورانِ تعلیم ہی عربی زبان میں شرح لکھی۔

☆ دس سال کی عمر میں اصول فقہ کی نہایت دقیق، مشکل اور اہم کتاب ''مسلم الثبوت'' پر عربی زبان میں شان دار اور گراں قدر عالمانہ حاشیہ لکھا۔

☆ تیرہ سال، دس ماہ، پانچ دن کی عمر میں تمام مروّجہ درسی علوم و فنون سے فراغت حاصل کر کے باقاعدہ تدریس کا آغاز کیا، اور منصب افتا کی ذمہ داری سنبھال لی۔ پھر خداداد ذہانت، فطری لیاقت و قابلیت اور زورِ مطالعہ سے تدریجاً مختلف مشرقی و مغربی علوم کو خود ہی حل فرما کر داد تحقیق دی، اور ان میں سے بیشتر میں اپنے پیچھے علمی نقوش و آثار یادگار چھوڑے۔[1]

☆ بائیس سال کی عمر میں تاج الفحول علامہ عبد القادر بدایونی علیہ الرحمۃ کے ایما پر ۱۲۹۴ھ میں اپنے والدِ گرامی عمدۃ المحققین علامہ نقی علی خاں قادری قدس سرہٗ کی معیت میں مارہرہ شریف حاضر ہو کر حضرت خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول مارہروی علیہ الرحمۃ والرضوان کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور اسی وقت والد گرامی کے ساتھ اجازت و خلافت سے بھی سرفراز کیے گئے۔[1]

☆ ۱۲۹۵ھ میں اپنے والد ماجد کے ساتھ پہلا سفرِ حج فرمایا اور زیارتِ حرمین طیبین سے شرف یاب ہوئے، اور حضرت سید احمد زینی دحلان مفتی شافعیہ اور حضرت شیخ عبد الرحمٰن سراج مفتی حنفیہ جیسے جلیل القدر اور متبحر علمائے حرمین شریفین سے حدیث، فقہ، اصول فقہ، تفسیر اور دیگر علوم کی سندیں حاصل کیں۔ امام شافعیہ حضرت شیخ حسین بن صالح جمل اللیل نے کسی تعارف کے بغیر آپ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے دولت کدہ پر تشریف لائے، اور آپ کی پیشانی کو پکڑ کر فرمایا۔ اِنِّیْ لَاَجِدُ نُوْرَ اللّٰہِ فِیْ ھٰذَا الْجَبِیْنِ (بے شک میں اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں۔) اور صحاح ستہ اور سلسلہ قادریہ کی اجازت اپنے دست مبارک سے لکھ کر عنایت فرمائی۔[3]

☆ پھر تدریس، افتا اور تصنیف و تالیف کے ساتھ اصلاحِ معاشرہ کی طرف خصوصی توجہ دی۔ مسلمانوں میں پھیلے ہوئے غلط رسم و رواج

کو مٹانے کے درپے ہوئے، بدعات وخرافات کے خلاف محاذ قائم کیا۔ اور دوسرے باطل مذاہب کی تردید کے ساتھ خود اسلام کے نام پر غیر اسلامی نظریات پھیلانے والے مختلف فرقوں کے ردوابطال میں پوری تن دہی کے ساتھ مصروف ہو گئے۔

☆ ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء کو مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے جانشین جناب حضور شاہ امین احمد فردوسی، زیب سجادہ ''خانقاہ معظم بہار شریف'' کی صدارت میں منعقدہ پٹنہ کے تاریخ ساز اجلاس میں غیر منقسم ہندستان (موجودہ ہندو پاک و بنگلہ دیش) کے سیکڑوں علما، مشائخ اور خانقاہوں کے سجادہ نشین حضرات کی موجودگی میں ''مجدد مائۃ حاضرۃ'' (موجودہ صدی کے مجدد) کے گراں قدر خطاب سے سرفراز ہوئے۔ اور آپ کی تمام تصنیفات (جو اس وقت دو سو کے قریب تھیں) کا نصف حصہ تقریباً ایک سو کتابوں کا پہلا ایڈیشن مطبع تحفۂ حنفیہ پٹنہ سے شائع ہوا۔

☆ ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۶ء میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور دیگر ممالک کے علما و مشائخ نے بھی آپ کی مجددیت کا برملا اعتراف کیا اور آپ کو ''امام الائمہ'' کے لقب سے یاد کیا۔

☆ ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۱ء کو آپ نے اردو زبان میں قرآن کریم کا صحیح ترین ترجمہ ''کنز الایمان'' پھر فقہ اسلامی کا عظیم دائرۃ المعارف ''فتاویٰ رضویہ'' عالم اسلام کو عطا فرمایا۔

☆ پھر احیائے علوم اور تجدید دین کے ان داخلی امور کی انجام دہی کے ساتھ، خارجی امور کی طرف بھی توجہ فرمائی، فلسفیوں کے ہذیانات اور باطل افکار و خیالات کے تار و پود بکھیر دیے۔

☆ سائنس کی جانی مانی قد آور شخصیتوں نیوٹن، کاپرنیکس، کیپلر اور آئن اسٹائن کا تعاقب کرتے ہوئے ان کے بعض غلط نظریات کا انھیں کے اصولوں کی روشنی میں عالمانہ رد فرمایا۔

☆ امریکہ کے مشہور نجومی پروفیسر ایف پورٹا کی غلط پیشین گوئی کی دھجیاں اڑائیں۔ ۴

☆ ماہر ریاضیات ڈاکٹر سر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے پیچیدہ اور لاینحل سوالوں کو چشم زدن میں حل فرمایا، جس کے اعتراف میں ان کو یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑا کہ ''میں سنا کرتا تھا کہ علم لدنی بھی کوئی شی ہے، آج آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ۵

☆ شہر بریلی کے گوشۂ گم نامی میں بیٹھ کر انگریزوں اور ان کی غاصبانہ حکومت کی مخالفت کی۔ غیر شرعی تحریک خلافت کا رد کیا۔ اور ہندوستان سے مسلمانوں کی عام ہجرت پر بند باندھا۔

☆ اس طرح قمری مہینے کے اعتبار سے ۶۷ سال کچھ ماہ کی عمر پاکر ۲۵ رصفر ۱۳۴۰ھ/ ۲۸ راکتوبر ۱۹۲۱ء کو اس دار فانی سے دار آخرت کی طرف رحلت فرمائی۔ ۶

خاندانی حالات:

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے آباو اجداد قندھار (افغانستان) کے موقر قبیلہ ''بڑہیچ'' کے پٹھان تھے۔ مغل بادشاہوں کے عہد سلطنت میں وہ لاہور آئے اور معزز عہدوں پر فائز رہے، لاہور کا شیش محل انھیں کی جاگیر تھا، پھر وہاں سے دہلی آئے اور اعلیٰ عہدوں پر رہے، حضرت محمد سعید اللہ خاں شش ہزاری عہدہ پر فائز تھے، اور انھیں ''شجاعت جنگ'' خطاب ملا تھا۔

ان کے صاحبزادے سعادت یار خاں، سلطنت کی جانب سے ایک مہم سر کرنے کے لیے بریلی، روہیل کھنڈ بھیجے گئے، فتح یابی پر ان کو

بریلی کا صوبہ دار بنانے کے لیے شاہی فرمان آیا، لیکن وہ ایسے وقت آیا جب کہ وہ بسترِ مرگ پر تھے۔ان کے تین صاحبزادے تھے۔(۱) اعظم خاں (۲) معظم خاں (۳) مکرم خاں، یہ بھی بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے، ان کا ماہانہ وظیفہ ایک ہزار سے کم نہ تھا۔

اعظم خاں بریلی تشریف فرما ہوئے، اور دنیا چھوڑ کر مولیٰ تعالیٰ سے لو لگائی، زہد و تقویٰ اور قناعت و استغنا اختیار کیا۔ ''شاہ زادے کا تکیہ'' جو محلہ معماران بریلی میں ہے، آج بھی انھیں کی نسبت سے مشہور ہے۔ان کا وہیں قیام تھا اور وہیں سپردِ خاک ہوئے۔ ے

ان کے صاحبزادے جناب حافظ محمد کاظم علی خاں علیہ الرحمۃ شہر بدایوں کے تحصیل دار تھے۔ اور یہ عہدہ آج کل کی کلکٹری کے ہم پلہ تھا۔ دوسو سواروں کی بٹالین خدمت میں رہتی تھی، آٹھ گاؤں مغل شاہی دربار سے جاگیر میں ملے تھے۔

حضرت حافظ صاحب کے صاحب زادہ، قدوۃ الواصلین، زبدۃ الکاملین، قطبِ وقت حضرت مولانا رضا علی خاں علیہ الرحمۃ والرضوان تھے، بلند پایہ عالم اور اپنے معاصرین میں علم و تقویٰ دونوں میں ممتاز تھے، فقہ و تصوف میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ زہد و قناعت، علم و تواضع، تجرید و تفرید، سلام میں سبقت کرنے میں نمایاں تھے۔ ۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۲ھ میں اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔ ۸

بڑے باکرامت اور صاحبِ روحانیت بزرگ تھے۔ علامہ محمد حسن علمی بریلوی جن کا خطبہ ''مجموعۂ خُطبِ علمی'' کے نام سے ہر جگہ پھیلا ہوا ہے، شہر تو شہر، دیہات کی مساجد میں بھی وہ پڑھا جاتا ہے، وہ حضرت ہی کے شاگرد و مرید تھے، اس کے اخیر میں علمی صاحب خود تحریر فرماتے ہیں:

> ''اس مؤلف عاصی محمد حسن علمی کو امیدواری جناب باری عز اسمہ سے یہ ہے کہ اپنے فضلِ عمیم اور طفیل رسولِ کریم، ملقب بہ ''اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ'' کے ہم سب مومنین کو بعفوِ جرائم و عصیان اور فیضانِ توفیق و احسان کے عزت بخشے۔ اور ہمارے مرشد و مولیٰ، عالم علم ربانی، مقبولِ بارگاہِ سبحانی، مخزنِ اسرار معقول و منقول، کاشفِ استار فروع و اصول، مطلع العلوم، مجمع الفہوم، عالم باعمل، فاضلِ بے بدل، منبع الاخلاق، منہل الاشفاق، مصدرِ احسان، مظہر امتنان، مولانا و مخدومنا، لوذعی زماں، مولوی رضا علی خاں کو بیچ دونوں جہان کے رحمتِ خاصہ میں اپنی رکھ کر اقصیٰ مراتبِ قبولیت کو پہنچائے۔ آمین یا رب العالمین۔'' ۹

حضرت مولانا رضا علی خاں قدس سرہٗ کے صاحب زادہ رئیس المتکلمین محتاج الفقہا حضرت مولانا نقی علی خاں قادری برکاتی علیہ الرحمۃ تھے، یکم رجب ۱۲۴۶ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ اپنے والد ماجد سے تعلیم و تربیت پائی، اور علوم درسیہ سے فراغت پائی۔ فطری شجاعت کے علاوہ سخاوت، تواضع اور استغنا سے موصوف تھے۔ ذہانت، اصابت رائے، ژرف نگاہی میں معاصرین سے ممتاز تھے۔ ۱۰ عقائد و کلام و افتا میں تو ان کا کوئی جواب ہی نہ تھا، اس کا اندازہ امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی درجِ ذیل شہادت سے ہوتا ہے۔

> ''ردِّ وہابیہ اور افتا یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے۔ ان میں بھی طبیب حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ میں بھی اک حاذق طبیب کے مطب میں سات برس بیٹھا۔ مجھے وہ وقت، وہ دن، وہ جگہ، وہ مسائل اور جہاں سے وہ آئے تھے اچھی طرح یاد ہیں۔ میں نے ایک بار ایک پیچیدہ حکم بڑی کوشش و جاں فشانی سے نکالا، اور اس کی تائیدات مع تنقیح آٹھ ورق جمع کیں مگر جب حضرت والد ماجد قدس سرہٗ کے حضور میں پیش کیا تو انھوں نے ایک جملہ ایسا فرمایا کہ اس سے یہ سب ورق رد ہو گئے، وہی جملے اب تک دل میں پڑے ہوئے ہیں اور قلب میں اب تک ان کا اثر باقی ہے۔'' ۱۱

مولانا شاہ محرم علی چشتی، صدر انجمن نعمانیہ، لاہور کے ایک سوال (۱۵ر جُمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ) کے جواب میں اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

''آہ، آہ، آہ! ہندوستان میں میرے زمانۂ ہوش میں دو بندۂ خدا تھے جن پر اصول و فروع، و عقائد و فقہ سب میں اعتمادِ کلّی کی اجازت تھی۔ اوّل: اقدسِ حضرت خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد، حاش للہ! نہ اس لیے کہ وہ میرے والد و والی، ولیِ نعمت تھے، بل کہ اس لیے کہ الحق، والحق اقول، الصدق، واللہ یحب الصدق، میں نے اس طبیبِ صادق کا برسوں مطب پایا، اور وہ دیکھا کہ عرب و عجم میں جس کا نظیر نظر نہ آیا، اس جناب رفیع قدس اللہ سرہ البدیع کو اصولِ حنفی سے استنباطِ فروع کا ملکہ حاصل تھا، اگرچہ کبھی اس پر حکم نہ فرماتے، مگر یوں ظاہر ہوتا تھا کہ کوئی نادر و دقیق و معضل مسئلہ پیش نہ ہوا کہ کتبِ متداولہ میں جس کا پتہ نہیں (اس) خادم کمینہ کو مراجعتِ کتب و استخراجِ جزیہ کا حکم ہوتا اور ارشاد فرماتے ظاہراً حکم یوں ہونا چاہیے، جو وہ فرماتے وہی نکلتا، یا بعض کتب میں اس کا خلاف نکلتا تو زیادتِ مطالعہ نے واضح کر دیا کہ دیگر کتب میں ترجیح اسی کو دی جو حضرت نے ارشاد فرمایا تھا۔ عجم کی حالت تو آپ ملاحظہ ہی فرماتے ہیں۔ عرب کا حال یہ ہے کہ اس جنابِ قدس کا یہ ادنیٰ خوشہ چیں و زلہ ربا جو مکہ معظمہ میں اس بار حاضر ہوا، وہاں کے اعلم العلماو افقہ الفقہا سے چھ چھ گھنٹہ مذاکرۂ علمیہ کی مجلس گرم رہتی، جب انھوں نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ فقہ حنفی کے دو حرف جانتا ہے۔ اپنے زمانہ کے عہدِ افتا کے مسائلِ کثیرہ جن میں وہاں کے علما سے اختلاف پڑا یا اشتباہ رہا اس ہیچ میرز پر پیش فرمانا شروع کیے جس مسئلہ و حکم میں اس احقر نے ان کی موافقت عرض کی آثار بشاشت ان کے چہرۂ نورانی پر ظاہر ہوئے۔ آخر میں عرض کر دیا کہ فقیر کی رائے میں حکم اس کے خلاف ہے، سماعِ دلیل سے پہلے آثار حزن نمایاں ہوتے، اور خیال فرمالیتے کہ ہم سے اس حکم میں لغزش واقع ہوئی۔ یہ اس طبیب حاذق کی کفش برداری کا صدقہ ہے۔ دوم: والا حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا مولوی عبدالقادر صاحب قادری بدایونی قدس سرہ الشریف۔..................الخ'' [۱۲]

آخر ذی قعدہ ۱۲۹۷ھ کو پنج شنبہ کے دن، ظہر کے وقت اکیاون برس پانچ مہینہ کی عمر میں داعیِ اجل کو لبیک کہا اور اپنے والدِ ماجد (حضرت مولانا رضا علی خاں بریلوی) علیہ الرحمۃ کے پہلو میں آسودۂ خواب ہوئے۔ [۱۳]

رئیس الاتقیا حضرت مولانا نقی علی خاں قادری علیہ الرحمۃ کی شادی اسفند یار بیگ کی بڑی صاحبزادی (حسینی خانم) سے ہوئی جن سے درج ذیل اولادیں ہوئیں۔ (۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں (۲) استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں (۳) مولانا محمد رضا خاں (۴) حجاب بیگم زوجہ وارث علی خاں (۵) احمدی بیگم زوجہ شاہ ایران خان (۶) محمدی بیگم زوجہ کفایت اللہ خاں [۱۴]

ولادت:

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی ولادتِ باسعادت ۱۰ر شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء کو شنبہ کے دن، ظہر کے وقت بریلی شہر کے محلہ جسولی میں ہوئی، پہلے وہی آپ کا آبائی مکان اور آپ کے جد امجد حضرت مولانا رضا علی خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی قیام گاہ تھی۔

جب آپ شکمِ مادر میں تھے آپ کے والد ماجد نے ایک رات بہت عجیب و غریب خواب دیکھا، جس سے کچھ پریشان ہوئے صبح کو اٹھے تو بھی اس کی تشویش ذہن و دماغ کے پردہ پر باقی تھی۔ صبح کو اپنے والد ماجد عارف باللہ حضرت مولانا رضا علی خاں علیہ الرحمۃ سے خواب

بیان فرمایا۔حضرت نے فرمایا: ''یہ خواب مبارک ہے۔ بشارت ہو کہ پروردگار عالم تمھارے نطفہ سے ایک ایسا فرزند عطا فرمائے گا جو علم کے دریا بہائے گا، جس کا شہرہ مشرق و مغرب میں پھیلے گا۔'' [۱۵]

جب اعلیٰ حضرت کی ولادت ہوئی انھیں دادا جان (حضرت مولانا رضا علی خاں قدس سرہٗ) کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ دیکھ کر گود میں لیا اور فرمایا: ''یہ میرا بیٹا بہت بڑا عالم ہوگا۔''

آپ کا تاریخی نام المختار ہے۔ آپ نے اپنا سالِ ولادت درج ذیل آیت کریمہ سے نکالا: اُولٰٓـئِكَ كَتَـبَ فِـیْ قُـلُـوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ (یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا ہے اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعہ ان کی مدد فرمائی ہے۔) اس آیت کا ابتدائی حصہ یہ ہے: لَاتَـجِـدُ قَـوْمـاً یُـؤْمِـنُوْنَ بِـاللّٰـهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ یُـوَادُّوْنَ مَـنْ حَـادَّ اللّٰـهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَاءَ هُمْ اَوْ اَبْنَاءَ هُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ (مجادلہ، ۵۸/۲۲) (تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی، اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔)

خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''بحمد اللہ تعالیٰ! بچپن سے مجھے نفرت ہے، اعداء اللہ (دشمنانِ خدا) سے اور میرے بچوں اور بچوں کے بچوں کو بھی بفضل اللہ تعالیٰ عداوتِ اعداء اللہ (دشمنانِ خدا سے دشمنی) گھٹی میں پلادی گئی ہے۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ وعدہ بھی پورا ہوا۔ اُولٰٓـئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ بحمد اللہ! اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا۔ لا الٰہ الا اللہ اور دوسرے پر لکھا ہوگا محمد رسول اللہ ۔ اور بحمد اللہ تعالیٰ ہر بدمذہب پر ہمیشہ فتح و ظفر حاصل ہوئی۔ رب العزت جل جلالہ نے روح القدس سے تائید فرمائی۔ اللہ تعالیٰ پورا فرمائے: وَ یُدْخِـلُـهُـمْ جَـنّٰـتٍ تَـجْرِیْ مِنْ تَـحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ، اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (اور انھیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں، ان میں ہمیشہ رہیں، اللہ ان سے راضی، اور وہ اللہ سے راضی، یہ اللہ کی جماعت ہے، سنتا ہے! اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔) (سورہ مجادلہ، آیت ۲۲)

یہ سب برکات ہیں حضرت جد امجد رضی اللہ عنہ کی۔ قرآن عظیم میں (حضرت) خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں ہے کہ دو یتیم ایک مکان میں رہتے تھے، اس کی دیوار گرنے والی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا۔ خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا۔ اس واقعہ میں فرمایا جاتا ہے: وَكَـانَ اَبُـوْهُـمَـا صَـالِحـاً '' اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔'' (کہف: ۸۲) اس کی برکت سے یہ رحمت کی گئی۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: وہ باپ ان کی چودھویں پشت میں تھا۔ صالح باپ کی یہ برکات ہوتی ہیں، تو یہاں تو ابھی تیسری ہی پشت ہے۔ دیکھیے کب تک برکات اس سلسلے میں رہیں۔'' [۱۶]

بسم اللہ خوانی و سلسلۂ تعلیم :

صحیح طور پر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی بسم اللہ خوانی کس عمر میں ہوئی۔ لیکن بسم اللہ خوانی کے وقت ایک

عجیب وغریب واقعہ پیش آیا جو آپ کی ذہانت وفطانت کی روشن دلیل ہے۔ استاد نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد الف، با، تا، ثا، پڑھانا شروع کیا۔ آپ استاذ کے پڑھانے کے مطابق پڑھتے رہے۔ جب لام الف (لا) کی نوبت آئی، استاذ نے فرمایا: کہو لام الف۔ آپ خاموش رہے اور نہیں کہا، استاذ نے دوبارہ کہا: کہو میاں، لام الف۔ آپ نے فرمایا: یہ دونوں تو پڑھ چکے ہیں، لام بھی پڑھ چکے ہیں اور الف بھی پڑھ چکے ہیں، یہ دوبارہ کیسا؟ اس وقت آپ کے دادا جان عالم ربانی حضرت مولانا رضا علی خاں بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنی فراستِ ایمانی سے بھانپ لیا، اور فرمایا: بیٹا! استاذ کا کہنا مانو، جو کہتے ہیں پڑھو، آپ نے اپنے دادا جان کے حکم کی تعمیل کی، اور ان کے چہرے کی طرف دیکھنے لگے، دادا جان نے تاڑ لیا کہ اس بچے کو شبہہ یہ ہو رہا ہے کہ حروفِ مفردہ کا بیان ہے، اب اس میں ایک مرکب لفظ کیسے آ گیا؟ یہ دونوں حرف تو الگ الگ پڑھ ہی چکے ہیں۔ اگرچہ بچے کی عمر کے لحاظ سے اس فلسفے کو بیان کرنا مناسب نہ تھا، اور سمجھ سے بالاتر خیال کیا جاتا، مگر مشہور کہاوت ہے: ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' حضرت جدِّ امجد نے نورِ باطنی سے سمجھا کہ یہ لڑکا کچھ ہونے والا ہے، اسی لیے اس چھوٹی سی عمر ہی میں ان کے سامنے اسرار ونکات کا بیان کرنا مناسب سمجھا، اور فرمایا: بیٹا! تمھارا خیال درست اور بجا ہے، دراصل بات یہ ہے کہ شروع میں تم نے جس کو الف پڑھا حقیقت میں وہ ہمزہ ہے، اور یہ درحقیقت الف ہے۔ لیکن الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور کسی ساکن حرف سے ابتدا کرنا ناممکن ہے، اس لیے اک حرف ''لام'' شروع میں لاکر اس کا تلفظ بتانا مقصود ہے۔ اعلیٰ حضرت نے کہا: تو کوئی ایک بھی حرف ملا دینا کافی تھا، اتنی دور کے بعد لام کی خصوصیت کیا ہے؟ با، تا، دال، سین بھی شروع میں لا سکتے تھے۔ دادا جان نے فرطِ مسرت سے آپ کو گلے لگا لیا اور دل سے بہت دعائیں دیں۔ اور فرمایا: لام اور الف میں صورت اور سیرت دونوں اعتبار سے ایک خاص مناسبت ہے۔ ظاہراً لکھنے میں دونوں کی صورت ایک سی ہوتی ہے۔ لا-یا-لا۔ اور سیرت کے اعتبار سے یوں کہ لام کا قلب الف ہے، اور الف کا قلب لام ہے، یعنی یہ اس کے بیچ میں ہے اور وہ اس کے بیچ میں۔ گویا:

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں، من دیگرم تو دیگری

کہنے کو تو آپ کے دادا جان نے لام، الف کو مرکب لانے کی وجہ بیان فرمائی مگر باتوں باتوں میں سب کچھ بتا دیا اور اسرار وحقائق کے رموز واشارات کے دریافت وادراک کی صلاحیت اور قابلیت اسی وقت سے پیدا کر دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کی نگاہوں نے دیکھ لیا کہ شریعت میں اگر وہ امام ابوحنیفہ کے قدم بقدم ہیں تو طریقت میں سیدنا غوث اعظم کے نائب اکرم ہیں۔

سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ کاشانۂ اقدس پر ایک مولوی صاحب چند بچوں کو پڑھایا کرتے تھے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ بھی ان سے قرآن کریم پڑھتے تھے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ مولوی صاحب کسی آیتِ کریمہ میں بار بار ایک لفظ آپ کو بتاتے، مگر آپ کی زبان سے نہیں نکلتا تھا۔ وہ زیر بتاتے تھے اور آپ زبر پڑھتے تھے۔ یہ کیفیت آپ کے دادا جان قطبِ ربانی حضرت مولانا رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھ کر آپ کو اپنے پاس بلا لیا، اور کلام پاک منگا کر دیکھا تو اس میں کاتب سے اعراب کی غلطی ہو گئی تھی، زیر کی جگہ زبر لکھ گیا تھا، اور یوں ہی بے تصحیح چھپ گیا تھا۔ دادا جان نے آپ سے دریافت کیا: کہ مولوی صاحب جس طرح تم کو بتاتے تھے اسی طرح کیوں نہیں پڑھتے تھے؟ عرض کیا: میں ارادہ کرتا تھا کہ اسی طرح پڑھوں، مگر زبان پر قابو نہ پاتا تھا۔ دادا جان نے فرمایا: خوب۔ اور مسکرا کر سر پر دستِ شفقت پھیرا اور دل سے دعا دی۔ پھر ان مولوی صاحب سے فرمایا: یہ بچہ صحیح پڑھ رہا تھا، کاتب نے غلط لکھ دیا تھا، پھر اپنے قلم سے اس کی تصحیح فرما دی۔

اعلیٰ حضرت خود فرماتے تھے کہ میرے استاد جن سے میں ابتدائی کتاب پڑھتا تھا جب مجھے سبق پڑھا دیا کرتے۔ میں ایک دو بار اسے دیکھ کر کتاب بند کر دیتا، جب سبق سنتے تو حرف بحرف، لفظ بلفظ سنا دیتا۔ روزانہ یہ حالت دیکھ کر وہ سخت تعجب کرتے، ایک دن مجھ سے فرمانے لگے: کہ احمد میاں! یہ تو بتاؤ تم آدمی ہو یا جن؟ کہ مجھ کو پڑھاتے دیر لگتی ہے، مگر تم کو یاد کرتے دیر نہیں لگتی۔ ١٧

جب آپ عربی کی ابتدائی کتابوں کو پڑھ چکے تو تمام مروّجہ درسیات کی تعلیم اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ سے حاصل کی، اور ١٢٨٦ھ میں تیرہ سال، دس مہینہ کی عمر میں تمام درسیات سے فراغت پائی۔ زُبُر وبینات کے لحاظ سے ''تعویذ'' تاریخ فراغت ہے، اور اس میں صاف بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کو دشمنوں سے پناہ میں رکھے گا۔ اور دوسرا مادۂ تاریخ ''غفور'' ہے، اور اس میں یہ خوش خبری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپ اور آپ کے وابستگانِ دامن کے لیے مغفرت فرمانے والا ہے۔

دنیا، مزار، حشر، جہاں ہیں غفور ہیں
ہر منزل اپنے ماہ کی، منزل غفر کی ہے ١٨

اساتذۂ کرام :

آپ نے ابتدائی کتابیں ایک مولوی صاحب سے پڑھیں (جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا) پھر میزان و منشعب وغیرہ جناب مرزا غلام قادر بیگ سے پڑھنا شروع کیا۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ میں جمادی الاولیٰ ١٢٩٤ھ میں شرف بیعت سے مشرف ہوا، تعلیم طریقت اپنے پیر و مرشد سے حاصل کی، ١٢٩٦ھ میں حضرت کا وصال ہوا تو قبلِ وصال مجھے اپنے پوتے سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری سجادہ نشین (خانقاہ مارہرہ مطہرہ) کے سپرد فرمایا۔ حضرت نوری میاں صاحب سے میں نے کچھ تعلیم طریقت، علم جفر، علم تکسیر وغیرہ علوم حاصل کیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے شیوخ اور اساتذہ کی تعداد بہت مختصر ہے۔

(١) اعلیٰ حضرت کے وہ استاد جنھوں نے ابتدائی کتابیں پڑھائیں۔
(٢) مرزا غلام قادر بیگ بریلوی
(٣) مولانا عبدالعلی رام پوری
(٤) سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی
(٥) علامہ نقی علی خاں قادری بریلوی (والد ماجد)
(٦) خاتم الاکابر سیدنا آل رسول مارہروی (پیر و مرشد امام ممدوح) علیہم الرحمۃ والرضوان

ان چھ حضرات کے علاوہ آپ نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا، مگر اللہ نے اپنے فضل و کرم، آپ کی کوشش و محنت اور خداداد فطانت کی وجہ سے آپ کو اتنے علوم و فنون میں کمال اور مہارت عطا فرمائی کہ پچاس فنون میں آپ نے کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اور علوم و معارف کے وہ دریا بہائے کہ اپنے تو اپنے، پرائے بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کشور علم کے تاجدار اور قلم کے بادشاہ ہیں جس مسئلہ پر قلم اٹھایا اسے ایسا پانی پانی کر دیا کہ نہ موافق کے لیے اس میں کسی اضافہ کی گنجائش باقی رہی، نہ مخالف کے لیے مجال دم زدن۔ ١٩

شادی اور اولاد :

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ کا نکاح ۱۲۹۱ھ میں شیخ افضل حسین عثمانی کی بڑی صاحب زادی ''ارشاد بیگم'' سے ہوا۔ آپ کی سات اولادیں ہوئیں۔ دو شاہزادے (۱) حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں قادری (۲) مفتی اعظم حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوری۔ پانچ صاحبزادیاں، (۱) مصطفائی بیگم (۲) کنیز حسن (۳) کنیز حسین (۴) کنیز حسنین (۵) مرتضائی بیگم۔

حضرت حجۃ الاسلام کی شادی پھوپھی زاد بہن کنیز عائشہ سے ہوئی، ان سے دو صاحب زادے اور چار صاحب زادیاں ہوئیں۔ (۱) ابراہیم رضا خاں (۲) حماد رضا خاں (۳) ام کلثوم (۴) کنیز صغریٰ (۵) رابعہ (۶) سلمٰی

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی شادی چھوٹے چچا حضرت مولانا محمد رضا خاں کی اکلوتی صاحب زادی سے ہوئی۔ ان سے سات اولادیں ہوئیں۔ (۱) صاحبزادہ مرحوم (۲) نگار فاطمہ (۳) انوار فاطمہ (۴) برکاتی بیگم (۵) رابعہ بیگم (۶) ہاجرہ بیگم (۷) شاکرہ بیگم۔ صاحب زادے تو کم سنی ہی میں داغِ مفارقت دے گئے، جس کا نہ صرف والدین بلکہ پورے خاندان، اعزہ واقربا اور مریدین ومتعلقین متوسلین کو صدمہ ہوا۔[۲۰]

بیعت وخلافت :

امام احمد رضا قدس سرہٗ ۱۲۹۴ھ میں تاج الفحول علامہ عبد القادر بدایونی علیہ الرحمہ کے ایما پر اپنے والد گرامی عمدۃ المحققین حضرت علامہ نقی علی خاں قادری قدس سرہٗ کے ہمراہ مارہرہ شریف خاتم الاکابر حضرت سیدنا شاہ آل رسول مارہروی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں حاضر ہوکر بیعت سے شرف یاب ہوئے، اسی وقت والد گرامی کے ساتھ اجازت وخلافت سے سرفراز کیے گئے۔ اس سفر میں حضرت تاج الفحول اور مرزا عبد القادر بیگ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ مرزا صاحب موصوف بھی اسی موقع پر حضرت خاتم الاکابر علیہ الرحمۃ والرضوان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔[۲۱]

حضرت سیدنا شاہ آلِ رسول مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان اربابِ سلوک اور اہل ایصال مرشدین کرام میں سے تھے جو اپنے مریدین ومسترشدین کو ریاضت ومجاہدہ کی سخت منزلوں سے گزارتے، ان کے قلوب کا بھرپور تزکیہ وتصفیہ کرتے، پھر جب انھیں سجادۂ مشیخت اور مسندِ ارشاد پر جلوہ آرائی کے قابل دیکھتے تو خلافت واجازت سے سرفراز کرتے۔ مگر امام احمد رضا قدس سرہٗ اور ان کے والد گرامی کو بلا ریاضت ومجاہدہ، بیعت کے ساتھ ہی خلافت بھی دے دی گئی، یہ اس بارگاہ کا ایک عجیب وغریب واقعہ تھا۔

حضرت خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول مارہروی کے ولی عہد، پوتے اور باکمال خلیفہ حضرت سیدنا ابو الحسین احمد نوری علیہ الرحمہ نے عرض کیا: حضور! آپ کے یہاں تو بڑی ریاضت ومجاہدہ کے بعد خلافت دی جاتی ہے۔ ان کو ابھی کیسے دے دی گئی؟ فرمایا:

''اور لوگ میلا کچیلا زنگ آلود دل لے کر آتے ہیں اس کے تزکیہ کے لیے ریاضت ومجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مصفّٰی ومزکّٰی قلب لے کر آئے، انھیں ریاضت ومجاہدہ کی کیا ضرورت تھی؟ صرف اتصال نسبت کی حاجت تھی جو بیعت کے ساتھ ہی حاصل ہوگیا''۔ مزید فرمایا: '' مجھے بڑی فکر تھی کہ بروز حشر اگر احکم الحاکمین نے سوال فرمایا کہ آلِ رسول! تو میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو میں کیا پیش کروں گا؟ مگر خدا کا شکر ہے کہ آج وہ فکر دور ہوگئی۔ اس وقت میں احمد رضا کو پیش کردوں گا۔''

حضرت نوری میاں علیہ الرحمہ سے یہ بھی فرمایا: '' دیکھو اب ہماری اور ہمارے خاندان کے اکابر کی جو کتابیں شائع ہوں، ان دونوں

عالموں (مولانا عبدالقادر بدایونی اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہما الرحمۃ) کو دکھالی جائیں، اور یہ جیسے اصلاح کریں قبول کی جائے، پھر اشاعت ہو۔"

۱۲۹۴ھ میں امام احمد رضا قدس سرہٗ کی عمر صرف بائیس سال تھی، لیکن ان کا قلب مبارک ایسا روشن اور مزکی ہو چکا تھا کہ اس بارگاہِ عالی میں ایسی قدر دانی وعزت افزائی ہوئی کہ ایک تو فوراً خلافت دے دی گئی دوسرے یہ عظیم امتیاز ملا کہ روز قیامت احکم الحاکمین کی بارگاہ میں اپنی کمائی پیش کرنے کا موقع آیا تو احمد رضا کو پیش کردوں گا۔ تیسرے یہ کہ توجہ تشبیہی سے نوازے گئے۔ امام احمد رضا اپنے مرشد کے ساتھ خانقاہ کے دروازۂ سنگینی سے برآمد ہوئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت سیدنا آل رسول مارہروی عنفوانِ شباب میں رونق افروز ہیں۔ داڑھی کی سفیدی اور سیاہی سے سیدنا آل رسول اور مولانا احمد رضا میں امتیاز کیا جاسکا۔ جب ابتدا کا یہ حال وکمال ہے تو انتہا کا عروج و ارتقا کیا ہوگا؟ ۲۲

تدریس :

درسی کتابوں سے فراغت کے بعد آپ نے تدریس و افتا و تصنیف کی طرف توجہ فرمائی، ابتدائی ایام میں بریلی شریف میں کوئی مدرسہ نہ تھا، اس لیے صرف اعلیٰ حضرت کی ذات ہی طلبہ اور علما کا مرجع تھی، جنھیں اپنی علمی تشنگی بجھانی ہوتی وہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے، اور آپ سے فیض یاب ہو کر اپنی علمی پیاس بجھاتے۔ گویا حضرت شیخ سعدی کی زبان میں آپ کی ذات ان تشنگانِ علوم کے لیے "چشمۂ شیریں" تھی۔

آں نہ بینی کہ تشنگانِ حجاز　　بر لبِ آبِ شور گرد آیند
ہر کجا چشمۂ بود شیریں　　مردم و مرغ و مور گرد آیند

ایک زمانہ وہ بھی گزرا جب اعلیٰ حضرت کی تدریس و تعلیم میں شہرت کی خوشبو پورے برصغیر میں پھیلی ہوئی تھی، آپ کے علمی تبحر اور گہرائی و گیرائی کا چرچا سن کر دور دراز سے طلبہ پروانہ وار آپ کے ارد گرد اکٹھا ہوتے اور اس خورشید علم کی کرنوں سے اپنے قلب و دماغ کو روشنی اور تابندگی عطا کرتے تھے۔

ایک دن تین طالب علم آئے اور اعلیٰ حضرت سے پڑھنے کا ارادہ ظاہر کیا، ان سے پوچھا گیا کہ آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟ اس سے پہلے کہاں پڑھتے تھے؟ ان طلبہ نے بتایا: ہم لوگ دارالعلوم دیوبند میں پڑھتے تھے، وہاں سے گنگوہ گئے، اس کے بعد یہاں آئے ہیں۔ پوچھنے والے نے کہا: طلبہ میں یہ بیماری عام ہے کہ وہ ایک جگہ جم کر بہت کم پڑھتے ہیں، بل کہ دو چار جگہ جا کر ضرور دیکھتے ہیں کہ تعلیم کیسی ہو رہی ہے۔ لیکن عام طور سے یہ ایسی جگہ جاتے ہیں جہاں کی تعریف وہ پہلے سن چکے ہوتے ہیں۔ مگر میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ آپ لوگوں نے دیوبند یا گنگوہ میں بریلی کی تعریف و توصیف سنی ہو، اور اس کی وجہ سے یہاں کے مشتاقِ دید ہو کر آئے ہوں۔ ان طلبہ نے کہا: ٹھیک کہتے ہیں، مسلک و مذہب اور فکر و خیال میں ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے وہاں زیادہ تر بریلی کی برائی ہی ہوا کرتی تھی، مگر آخر میں ٹیپ کا بند یہ ضرور ہوتا کہ "قلم کا بادشاہ ہے، جس مسئلہ پر قلم اٹھادیا، پھر کسی کی مجال نہیں کہ اس کے خلاف کچھ لکھ سکے" یہی دیوبند میں سنا، اور یہی گنگوہ میں بھی۔ تو ہم لوگوں کو شوق ہوا کہ اب وہیں چل کر تعلیم حاصل کرنی چاہیے جن کے مخالفین بھی ان کے فضل و کمال کی گواہی دیتے ہیں۔

والفضل ما شهدت به الأعداء۔ [۲۳]

تلامذہ اور مستفیدین :

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی ذات بابرکات سے بے شمار لوگوں نے فیض پایا، نہ جانے کتنے طلبہ نے اپنی علمی پیاس بجھائی، چوں کہ آپ نے باضابطہ کسی مدرسہ میں مدرس بن کر تعلیم نہیں دی کہ رجسٹر داخلہ سے طلبہ کا نام اور تعداد معلوم کی جائے، یا فارغین طلبہ کے نام فارغ التحصیل طلبہ کے رجسٹر سے حاصل کیے جائیں۔ اس لیے سب کی صحیح تعداد بتانا نہایت مشکل کام ہے، ان میں سے چند مشہور و معروف تلامذہ کے نام ہی درج کیے جاسکتے ہیں۔ ہاں! آپ کے شاگردوں میں خصوصیت کے ساتھ علم فقہ سے شغف، تصنیف وتالیف کی طرف رغبت اور وعظ وتقریر کا رنگ ضرور ہوتا ہے۔ ان میں سے کچھ حضرات کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

☆ مولانا نواب سلطان احمد خاں صاحب، محلہ بہاری پور، بریلی
☆ مولانا سید امیر احمد صاحب، محلہ ذخیرہ، بریلی
☆ استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں صاحب (برادر اوسط اعلیٰ حضرت)
☆ مولانا محمد رضا خاں صاحب (برادر خرد اعلیٰ حضرت)
☆ مولانا حامد رضا خاں صاحب بریلوی حجۃ الاسلام (اعلیٰ حضرت کے بڑے صاحبزادے)
☆ مولانا حافظ یقین الدین، محلہ ملوک پور، بریلی
☆ مولانا حافظ سید عبد الکریم، محلہ ذخیرہ، بریلی
☆ مولوی منور حسین بریلوی
☆ مولانا الحاج سید نور احمد چاٹگامی
☆ مولانا واعظ الدین (مصنف 'دفع زیغ زاغ')
☆ مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی
☆ مولانا نواب مرزا بریلوی
☆ مولانا عبد الاحد پیلی بھیتی، سلطان الواعظین (صاحبزادہ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ)
☆ مولانا سید احمد اشرف اشرفی کچھوچھوی
☆ مولانا سید محمد کچھوچھوی محدث اعظم ہند۔ [۲۴]

فتویٰ نویسی :

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ پچاس سے زائد علوم وفنون میں کامل مہارت رکھنے والے بے نظیر فاضل تھے، مگر آپ کی علمی شخصیت پر فقہ کا رنگ سب سے زیادہ نمایاں تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ رحمت سے آپ کو یہ خصوصی فیض ملا تھا کہ بچپن ہی سے آپ کو فقہ دانی سے فطری مناسبت اور لگاؤ ہو گیا تھا۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ امام اہل سنت (اعلیٰ حضرت امام احمد رضا) قدس سرہٗ نے آٹھ سال کی عمر میں علم فرائض کا

ایک مسئلہ تحریر فرمایا تھا۔ اتفاقاً (اعلیٰ حضرت کے والد ماجد) حضرت رئیس الاتقیا مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جب گاؤں سے بذریعہ بیل گاڑی تشریف لائے تو آپ کے لکھے ہوئے اس فتویٰ پر ان کی نظر پڑ گئی، فرمایا: معلوم ہوتا ہے یہ مسئلہ امّن میاں [۲۵] نے لکھا ہے، ان کو ابھی نہ لکھنا چاہیے، مگر ہمیں اس جیسا مسئلہ کوئی بڑا لکھ کر دکھادے تو جانیں۔ [۲۶]

مگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے باضابطہ فتویٰ نویسی کا آغاز کب کیا اور والد ماجد علیہ الرحمہ کی جانب سے آپ کو اس کی باقاعدہ اجازت کب ملی؟ ان سوالوں کا جواب الملفوظ کی درج ذیل عبارت میں ملتا ہے:

''عرض! اگر بچے کی ناک میں کسی طرح دودھ چڑھ کر حلق میں پہنچ گیا تو کیا حکم ہے؟

ارشاد: ''منہ یا ناک سے عورت کا دودھ جو بچے کے جوف میں پہنچے گا حرمتِ رضاعت لائے گا' یہ وہی فتویٰ ہے جو چودہ شعبان ۱۲۸۶ھ کو سب سے پہلے اس فقیر نے لکھا، اور اسی چودہ شعبان ۱۲۸۶ھ کو منصب افتا عطا ہوا، اور اسی تاریخ سے بحمد اللہ تعالیٰ نماز فرض ہوئی، اور ولادت دس شوال المکرم ۱۲۷۲ھ روز شنبہ وقت ظہر مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء، ۱۱ر جیٹھ سدی ۱۹۱۳ سمبت کو ہوئی، تو منصب افتا ملنے کے وقت فقیر کی عمر ۱۳ر برس، دس مہینہ، چار دن کی تھی۔ جب سے اب تک برابر یہی خدمت دین لی جارہی ہے۔ والحمد للہ [۲۷]

ابتدا ہی سے فقہ و افتا کے باب میں آپ کی مہارت، ژرف نگاہی اور دور بینی اپنے کمال پر تھی، جسے دیکھنے کے بعد بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ فتویٰ نویسی میں آپ کی مہارت اور لیاقت بارگاہ رسالت کا خاص فیضان اور اپنے عاشق صادق کے لیے محبوب رب العالمین کا خاص عطیہ تھا، اس کا احساس خود امام احمد رضا قدس سرہٗ کو بھی تھا۔ اسی لیے انھوں نے اپنے مجموعہ فتاویٰ کا نام ''العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ'' رکھا۔ آغاز کار ہی میں آپ کی وقت نظر کس نقطۂ کمال پر تھی اس کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے:

مولانا اعجاز ولی خاں صاحب کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کی عمر کا چودھواں سال تھا۔ افتا کا کام حضرت نے اپنے ذمہ لے لیا تھا، ایک شخص رام پور سے حضرت اقدس امام المحققین مولانا نقی علی خاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہرت سن کر بریلی تشریف لائے، اور جناب مولانا ارشاد حسین مجددی کا فتویٰ جس پر اکثر علما کی مہریں اور دستخط ثبت تھے۔ پیش خدمت کیا۔ حضرت نے فرمایا: کمرہ میں مولوی صاحب ہیں، ان کو دے دیجیے، جواب لکھ دیں گے۔ انھوں نے کہا: حضور! میں تو جناب کا شہرہ سن کر آیا تھا۔ حضرت نے فرمایا: آج کل وہی فتویٰ لکھا کرتے ہیں، انھیں کو دے دیجیے۔ اعلیٰ حضرت نے جو اس فتویٰ کو دیکھا تو ٹھیک نہ تھا۔ اعلیٰ حضرت نے اس جواب کے خلاف جواب تحریر فرمایا اور اپنے والد ماجد کی خدمت میں پیش فرمایا۔ حضرت نے اس کی تصدیق و تصویب فرمائی۔ پھر وہ صاحب اس فتویٰ کو دوسرے علما کے پاس لے گئے۔ ان لوگوں نے حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب کی شہرت دیکھ کر انھیں کے فتویٰ کی تصدیق کی۔ جب وہ فتویٰ والی رام پور نواب کلب علی خاں صاحب کی خدمت میں پہنچا، انھوں نے شروع سے آخر تک اس فتویٰ کو پڑھا، اور تمام لوگوں کی تصدیقات دیکھیں۔ دیکھا کہ سب علما کی ایک رائے ہے۔ صرف بریلی کے دو عالموں نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ نواب صاحب نے حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب کو یاد فرمایا۔ حضرت تشریف لائے۔ نواب صاحب نے وہ فتویٰ ان کی خدمت میں پیش فرمایا۔ حضرت مولانا کی دیانت اور انصاف پسندی دیکھیے کہ صاف فرمایا: حقیقت میں وہی حکم صحیح ہے جو ان دونوں صاحبان نے لکھا ہے۔ نواب صاحب نے پوچھا: پھر اتنے علما نے

آپ کے فتویٰ کی تصدیق کس طرح کی؟ فرمایا: ان لوگوں نے میری شہرت کی وجہ سے مجھ پر اعتماد کیا، اور میرے فتوے کی تصدیق کی۔ ورنہ حق وہی ہے جو انھوں نے لکھا ہے۔ ۲۸

اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

''یہ بیان مولوی اعجاز ولی خاں صاحب کا ہے لیکن مجھے ایسا یاد آتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے اس واقعہ کو مجھ سے خود ارشاد فرمایا تھا، سن شریف اس وقت چودہ سال نہ تھا (یہ سن فتویٰ نویسی کی ابتدا کا ہے) بل کہ اس وقت غالباً بیس سال کے تھے۔ یہ واقعہ اعلیٰ حضرت کی شادی کے بعد کا ہے۔ آپ کی ولادت ۱۲۷۲ھ میں ہوئی، اور شادی ۱۲۹۱ھ میں۔ تو کم از کم یہ واقعہ ۱۲۹۲ھ کا ہے۔ ۲۹

استاذ محترم صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور اعلیٰ حضرت کے اس فتوے کے متعلق فرماتے ہیں:

''غالباً یہ وہی فتویٰ ہے جو فتاویٰ رضویہ جلد سوم کے ص ۱۶۸ و ۱۶۹ پر ہے، چوں کہ اعلیٰ حضرت اکابر علماے اہل سنت کا بڑا احترام کرتے تھے اس لیے مولانا رام پوری کا مکمل فتویٰ نقل نہ کیا بل کہ نہایت اختصار کے ساتھ سوال اور فتویٰ میں ذکر شدہ دلیل قلم بند فرمائی اور اپنا جواب علی حالہ رکھا ہے۔ یہ استفتا مولانا ارشاد حسین علیہ الرحمہ کے بھائی مولانا امداد حسین کا مرسلہ ۱۲۹۴ھ کا لکھا ہے، جب اعلیٰ حضرت کی عمر صرف بائیس سال تھی۔ حیات اعلیٰ حضرت میں ملک العلما نے اتنا تو یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ واقعہ (فتویٰ لکھنا، پھر رام پور تشریف لے جانا) شادی کے بعد کا ہے۔ مگر عمر کی تعیین حتمی طور پر نہیں فرمائی ہے۔ اس لیے کوئی بعید نہیں کہ یہ واقعہ مذکورہ فتویٰ ۱۲۹۴ھ سے ہی متعلق ہو۔ واللہ اعلم۔ ۳۰

امام احمد رضا قدس سرہ ابتدا میں جو بھی فتویٰ لکھتے اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ کو دکھاتے اور ان کی اصلاح و تصدیق کے بعد ہی اسے جاری فرماتے۔ ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور برابر سات برس تک جاری رہا، جب اس مدت میں آپ کے والد ماجد کو آپ کی فقہی لیاقت و قابلیت، دقیقہ بینی و نکتہ رسی پر پورا بھروسہ اور اعتماد ہو گیا تو آپ کو اجازت دے دی کہ اب مجھے دکھائے بغیر ہی فتوے سائلین کو جاری کر سکتے ہو، مگر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا کمالِ احتیاط دیکھیے کہ جب تک والد ماجد علیہ الرحمۃ والرضوان باحیات رہے انھیں دکھائے بغیر کوئی فتویٰ جاری نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ جب ذی قعدہ ۱۲۹۷ھ میں والد ماجد نے اس دار فانی سے کوچ فرمایا تو اس کے بعد خود فتویٰ جاری کرنا شروع فرمایا۔ ۳۱

اس طرح امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنے علمی تبحر، وسعت مطالعہ، دقت نظر، فقہی بصیرت اور علمی و فنی جامعیت کے باوجود گیارہ سال، دو ماہ، سولہ دن تک اپنے والد ماجد خاتم المحققین، امام المدققین علامہ مفتی محمد نقی علی خاں علیہ الرحمۃ والرضوان سے فتویٰ نویسی کے باب میں مسلسل استفادہ کیا، اصلاح لی، اور پھر خاکِ ہند سے ایک ایسے مفتی اکبر کی حیثیت سے آپ ابھرے کہ برصغیر ہند و پاک کیا، پورے عالم اسلام میں کوئی آپ کا ہم پلہ نہ رہا۔

فتویٰ نویسی اور خلق خدا کی ہدایت و رہ نمائی کا یہ سلسلہ پوری عالمانہ شان کے ساتھ زندگی بھر جاری رہا، اس عرصہ میں آپ کی نوک قلم سے ہزارہا ہزار فتوے جاری ہوئے، سائلوں کی الجھنیں دور فرمائیں، پیچیدہ علمی مسائل کی گتھیاں سلجھائیں، فنی مشکلات کو آسان فرمایا، جس مسئلہ پر قلم اٹھایا اس کے ہر گوشہ پر سیر حاصل بحث فرمائی، اور اس کے تعلق سے کچھ ایسے اچھوتے گوشے پیش فرمائے جن تک بڑے

بڑے نکتہ رس رجالِ فقہ وافتا اور صاحبانِ بصیرت کا طائرِ تخیل بھی پرواز نہیں کر سکا۔

☆ ایک فتوے میں پانی کی قسموں پر گفتگو کا آغاز کیا تو فرمایا: کہ پانی کی ایک سو ساٹھ قسمیں ایسی ہیں جن سے وضو جائز ہے، لیکن ایک سو پچیس قسمیں ایسی بھی ہیں جن سے وضو جائز نہیں اور بیس قسمیں ایسی ہیں جن میں فقہا کا اختلاف ہے، اور پینتالیس قسمیں ایسی ہیں کہ ان میں بھی جواز وعدم جواز وضو کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، اور یہ مؤخر الذکر قسمیں از اضافات رضویہ ہیں۔ ۳۲

☆ جو چیز بدن سے کسی بیماری کے سبب خارج ہو فقہا کے نزدیک اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ علامہ سید احمد طحطاوی نے اس قاعدہ سے یہ مسئلہ نکالا کہ زکام بھی نواقض وضو میں سے ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس تسامح پر تنبیہ فرمائی۔ کیوں کہ کتبِ احناف میں بالتفصیل یہ قید موجود ہے کہ بیماری سے خارج ہونے والی کوئی شی جس میں خون یا پیپ ملے رہنے کا شائبہ ہو وہ ناقض وضو ہے۔ اس کی پوری تفصیل فتاویٰ رضویہ جلد اول میں موجود ہے۔

ہندو پاک یا عالم اسلام میں امام احمد رضا بریلوی کے ہم عصر فقہا کی تحقیقات کا جائزہ لیا جائے اور کسی ایک موضوع پر دوسروں کی کاوش اور آپ کی محققانہ تحریر کا موازنہ کیا جائے تو روزِ روشن کی طرح ہر صاحبِ علم پر عیاں ہو جائے گا کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ اپنے وقت کے سب سے بڑے فقیہ اور فقہا کے سرتاج ہیں اور یہ وہ حقیقت ہے کہ اپنے تو اپنے غیر بھی اس کا برملا اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

سراج الفقہا مولانا سراج احمد قدس سرہٗ مفتی سراج العلوم خان پور، پاکستان لکھتے ہیں:

مولوی نظام الدین فقیہ احمد پوری وہابی جو تفقہ میں اپنے ہم عصر علمائے دیو بند وغیرہ سے اپنے آپ جیسا فائق کسی کو نہ جانتا تھا۔ فتاویٰ رشیدیہ کے اس فتویٰ پر کہ حدیثِ صحیح کے مقابل قولِ فقہا پر عمل نہ کرنا چاہیے میں نے رسالہ "الفضل الموهبی فی معنی اذا صح الحدیث فهو مذهبی" مصنفہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے ابتدائی اوراق، منازلِ حدیث کے سنائے تو کہا '' یہ سب منازل فہم حدیث مولانا کو حاصل تھے، افسوس! کہ میں ان کے زمانہ میں رہ کر بے خبر و بے فیض رہا۔''

پھر چند مسائل فقہ کے جوابات رسائل رضویہ سے سنائے تو کہنے لگا کہ '' علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں، یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتا ہے۔'' ۳۲،۱

آپ نے صرف اللہ و رسول کی رضا اور خوشنودی کے لیے اسلام کی خدمت کی، سوالوں کے جواب میں فتاویٰ اور کتابیں لکھیں، انھیں کبھی دنیا طلبی کا ذریعہ نہ بنایا، نہ اس کے ذریعہ مالی منفعت حاصل کرنے کا خیال کبھی ذہن میں آیا۔ ایک سائل نے اپنے استفتا کے آخر میں لکھا: '' قیمتِ کاغذ دی جائے گی۔''

اس کا جواب دینے کے بعد آپ لکھتے ہیں:

'' قیمتِ کاغذ کی نسبت پہلے آپ کو لکھ دیا گیا کہ یہاں فتویٰ اللہ کے لیے دیا جاتا ہے۔ بیچا نہیں جاتا، آئندہ کبھی یہ لفظ نہ لکھیے۔'' ۳۳

ایک دوسرے سائل نے اپنے سوال کے بعد لکھا:

'' خوب کوشش کر کے، بل کہ جو فرماویں خرچ وغیرہ کے لیے تو غلام، خدمت کے لیے حاضر ہے۔''

اس کے سوال کے جواب سے پہلے لکھتے ہیں:

'' یہاں فتویٰ پر کوئی خرچ نہیں لیا جاتا۔ نہ اس کو اپنے حق میں روا رکھا جاتا ہے۔'' ۳۴

اخلاص وللہیت کی یہی وہ دولت ہے جس نے آپ کو اپنے زمانہ کا سب سے شہرۂ آفاق فقیہ ومفتی بنا دیا اور عوام وخواص بھی اپنی

دینی وعلمی الجھنوں کو دور کرنے کے لیے آپ کی بارگاہ فیض کی طرف رجوع کرنے لگے اور آپ کے دار الافتا میں سوالات اس کثرت سے آنے لگے جس کا اندازہ خود آپ کی درج ذیل تحریر سے ہوتا ہے:

''فقیر کے یہاں علاوہ ردِ وہابیہ۔ خذلہم اللہ تعالیٰ۔ ودیگر مشاغل کثیرہ دینیہ کے، کار فتویٰ اس درجہ وافر ہے کہ دس مفتیوں کے کام سے زائد ہے۔ شہر و دیگر بلاد و امصار، جملہ اقطار، ہندوستان و بنگال و پنجاب و ملیبار و برما و ارکاٹ و چین و غزنی و امریکہ و افریقہ حتی کہ سرکار حرمین محترمین سے استفتا آتے ہیں۔ اور ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہو جاتے ہیں۔'' ۳۵

حج و زیارت :

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے دو حج ادا فرمائے، پہلا حج ۱۲۹۵ھ میں اپنے والدین کریمین علیہما الرحمۃ کے ساتھ کیا، اور دوسرا حج ۱۳۲۳ھ میں کیا۔ دوسرے سفر حج میں آپ کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا محمد رضا خاں اور بڑے صاحب زادے حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں اور آپ کی اہلیہ محترمہ بھی تھیں۔

پہلے سفر حج میں مکہ مکرمہ کے اکابر علما مثلاً مفتی شافعیہ حضرت علامہ سید احمد زینی دحلان اور مفتی حنفیہ حضرت علامہ شیخ عبد الرحمٰن سراج سے حدیث، فقہ، اصول، تفسیر اور دیگر علوم کی سندیں حاصل فرمائیں۔ اس وقت آپ کی عمر تیئیس سال تھی، نوجوانی کا عالم تھا، مگر آپ کی پیشانی پر روحانیت کے انوار جگمگا رہے تھے۔ ایک دن نماز مغرب مقام ابراہیم میں ادا کی، نماز سے فراغت کے بعد امام شافعیہ حضرت شیخ حسین بن صالح جمل اللیل نے کسی سابقہ تعارف کے بغیر آپ کا ہاتھ پکڑا اور آپ کو اپنے ہم راہ اپنے دولت کدہ پر لے گئے اور دیر تک آپ کی پیشانی کو پکڑ کر فرمایا: انی لاجد نور اللہ فی ہذا الجبین ''(بے شک میں اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں) اور صحاح ستہ اور سلسلۂ قادریہ کی اجازت اپنے دست مبارک سے لکھ کر عنایت فرمائی۔ اور فرمایا کہ تمھارا نام ''ضیاء الدین احمد'' ہے۔ اس سند کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں امام بخاری تک صرف گیارہ واسطے ہیں۔

اور اسی موقع پر آپ نے حضرت شیخ حسین بن صالح کے اشارے پر ان کی عربی تصنیف ''جوہرہ'' کا اردو میں ترجمہ فرمایا، یہ کتاب حج کے مسائل کے بیان میں ہے۔ اور اس کی شرح دو دن میں تحریر فرمائی، اور اس کا نام "النيرة الوضية في شرح الجوهرة المضية" رکھا، جب اس ترجمہ اور شرح کو حضرت شیخ کی خدمت میں پیش فرمایا، وہ بہت خوش ہوئے اور بڑی تعریف و تحسین فرمائی۔

اور مدینہ طیبہ میں مفتی شافعیہ مولانا محمد بن محمد بن عرب نے اعلیٰ حضرت کی دعوت کی۔ کھانے کے دوران یہ بحث چھڑ گئی کہ جنت البقیع شریف میں جو حضرات مدفون ہیں ان میں سب سے افضل کون ہیں؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اہل بقیع میں سب سے افضل امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور مولانا محمد صاحب فرماتے تھے کہ ان میں سب سے افضل حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دونوں حضرات نے اپنے اپنے موقف پر دلائل پیش کیے۔ آخر مولانا نے فرمایا: دونوں قول صحیح اور موجہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا عین اسی وقت حرم شریف میں عصر کی اذان ہوئی ختم اذان پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ مجلس برخاست ہوئی اور سبھی حضرات نماز کے لیے حرم شریف پہنچے۔ رات کے وقت اعلیٰ حضرت نے تنہا مسجد خیف میں قیام کیا اور بخشش و مغفرت کی خوش خبری سے بہرہ مند ہوئے۔ ۳۶

دوسرے سفر حج کے موقع پر مکہ مکرمہ کے علما و مشائخ نے آپ کا بڑا اعزاز و اکرام کیا، اپنے گھروں پر دعوتیں کیں، مکہ شریف میں قیام کے

دوران وہاں کے علمائے کرام و مشائخ عظام کے یہاں پر تکلف دعوتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ ہر دعوت میں علمائے کرام کا مجمع ہوتا، علمی مذاکرات کا سلسلہ جاری رہتا۔ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران جن علمائے کرام سے ملاقاتیں ہوئیں ان میں سے بعض اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

☆ محافظ کتب حرم مولانا سید اسمٰعیل خلیل مکی ☆ مولانا سید خلیل مکی، شیخ عبدالقادر کردی ☆ مفتی حنفیہ و اعلم علمائے مکہ مولانا شیخ صالح کمال ☆ شیخ الخطبا کبیر العلما مولانا شیخ احمد ابوالخیر مرداد ☆ مولانا سید عبدالحئی بن مولانا سید عبدالکبیر محدث مغرب مصنف کتب کثیرہ ☆ شیخ العلما مولانا محمد سعید بابصیل ☆ مولانا عبدالحق مہاجر الہ آبادی وغیرہ۔

اس کے تعلق سے خود اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"فقیر دعوتوں کے علاوہ صرف چار جگہ ملنے کو جاتا۔ (۱) مولانا شیخ صالح کمال (۲) شیخ العلما مولانا محمد سعید بابصیل (۳) مولانا عبدالحق مہاجر الہ آبادی (۴) اور کتب خانہ میں مولانا سید اسماعیل کے پاس۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ یہ حضرات اور باقی تمام حضرات فرودگاہ فقیر پر تشریف لایا کرتے۔ صبح سے نصف شب کے قریب تک ملاقاتوں ہی میں وقت صرف ہوتا۔ مولانا شیخ صالح کمال کی تشریف آوری کی تو گنتی نہیں اور مولانا سید اسماعیل التزاماً روزانہ تشریف لاتے، خصوصاً ایام علالت میں کہ یکم محرم ۱۳۲۴ھ سے سلخ محرم تک مسلسل رہی، دن میں دو بار تشریف لاتے، ایک بار کا آنا تو ناغہ ہی نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا عبدالحق الٰہ آبادی کو چالیس سال سے زیادہ مکہ معظمہ میں گزرے تھے، کبھی شریف کے یہاں بھی تشریف نہ لے گئے، قیام گاہ فقیر پر دوبار تشریف لائے۔ مولانا سید اسماعیل وغیرہ ان کے تلامذہ فرماتے تھے کہ یہ محض خرق عادت ہے۔ مولانا کا دم بسا غنیمت تھا، ہندی تھے، مگر ان کے انوار مکہ میں چمک رہے تھے۔ مکہ معظمہ میں بنام علم کوئی صاحب ایسے نہ تھے جو فقیر سے ملنے نہ آئے ہوں، سوا شیخ عبداللہ بن صدیق بن عباس کے کہ اس وقت مفتی حنفیہ تھے، اور وہاں مفتی حنفیہ کا منصب، شریف سے دوسرے درجے میں سمجھا جاتا ہے، اپنے منصب کی جلالت قدر نے انھیں فقیر غریب الوطن کے پاس آنے سے روکا۔ اپنے ایک شاگرد خاص کو فقیر کے پاس بھیجا کہ حضرت مفتی حنفیہ نے بعد سلام فرمایا ہے کہ میں آپ کی زیارت کا بہت مشتاق ہوں۔ مولانا سید اسماعیل اس وقت میرے پاس بیٹھے تھے۔ میں نے چاہا کہ حاضری کا وعدہ کروں، مگر اللہ اعلم، حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم نے ان اکابر کے دل میں اس ذرۂ بے مقدار کی کیسی وقعت ڈالی تھی، فوراً روکا، اور فرمایا: واللہ یہ نہ ہوگا، تمام علما ملنے آتے ہیں، وہ کیوں نہیں آتے؟ ان کی قسم کے سبب مجبور رہا۔" ۳۷

اسی سفر میں علم غیب نبوی سے متعلق ایک نہایت اہم، گراں قدر اور معرکۃ الآرا کتاب علمائے مکہ کے سوال پر چند گھنٹوں میں برجستہ عربی میں تحریر فرمائی، جس کا نام "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیۃ" رکھا جسے خود شریف مکہ نے اپنے دربار میں پڑھوا کر سنا، اور اس کے دلائل قاہرہ سن کر بلند آواز میں کہا: اللہ یعطی وھؤ لاء یمنعون (یعنی اللہ تو اپنے حبیب کو علم غیب عطا فرماتا ہے اور یہ وہابیہ منع کرتے ہیں۔) علمائے مکہ کے یہاں یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ انھوں نے بڑے شوق اور رغبت سے اس کی نقلیں لیں۔ ۳۸

اسی مبارک سفر میں قیام مکہ ہی کے دوران مولانا عبداللہ مرداد اور مولانا حامد احمد جداوی کے کرنسی نوٹ سے متعلق بارہ سوالوں پر مشتمل ایک استفتا کے جواب میں ایک نہایت عظیم الشان، بیش قیمت رسالہ عربی زبان میں تحریر فرمایا جس کا نام "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" رکھا۔ سابق مفتی حنفیہ مکہ علامہ جمال بن عبداللہ بن عمر مکی علیہ الرحمۃ سے نوٹ کے بارے میں اسی وقت سوال ہو چکا

تھا جب کہ وہ مفتی حنفیہ کے منصب پر فائز تھے تو انھوں نے اس کے جواب میں فرمایا تھا: "علم علما کی گردنوں میں امانت ہے، مجھے اس کے جزئیہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کوئی حکم دوں" اس رسالہ میں اعلیٰ حضرت نے فتح القدیر شرح ہدایہ سے یہ عبارت نقل فرمائی کہ "اگر کوئی شخص اپنے ایک کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو جائز ہے، مکروہ نہیں ہے۔" جب اس وقت کے موجودہ مفتی حنفیہ شیخ عبداللہ بن صدیق اس رسالہ کا مطالعہ کرتے ہوئے اس جزئیہ تک پہنچے تو پھڑک اٹھے، اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولے: این جمال بن عبدالله من هذا النص الصریح "(حضرت جمال بن عبداللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہے؟)

جب آپ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو یہاں کے علما و مشائخ اور دیگر حضرات، اہل مکہ سے زیادہ محبت سے پیش آئے۔ اکتیس روز تک مدینہ طیبہ میں قیام رہا، آپ کی قیام گاہ پر برابر علما و عظما و مشائخ کا ہجوم رہتا۔ مولانا عبدالحق مہاجر الہ آبادی کے شاگرد مولانا کریم اللہ کے خلوص کی تو کوئی حد ہی نہ تھی۔ وہاں کے علما نے بھی "حسام الحرمین" اور "الدولۃ المکیہ" پر گراں قدر تقریظیں لکھیں۔ خود اعلیٰ حضرت کا بیان ہے:

"واللہ اعلم کیا بات تھی کہ جس نے حضرات کرام مدینہ طیبہ کو اس ذرۂ بے مقدار کا مشتاق کر رکھا تھا یہاں تک کہ مولانا کریم اللہ صاحب فرماتے تھے کہ علما تو علما، اہل بازار تک کو تیرا اشتیاق تھا اور یہ جملہ فرمایا: کہ ہم سالہا سال سے سرکار میں مقیم ہیں، اطراف و آفاق سے علما آتے ہیں، واللہ! یہ لفظ تھا کہ جوتیاں چٹخاتے چلے جاتے ہیں کوئی بات نہیں پوچھتا، اور تمھارے پاس علما کا یہ ہجوم ہے۔ میں نے عرض کی: میرے سرکار اکرم، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کریماں کہ در فضل بالا ترند　　سگاں پرورند وچناں پرورند

اپنے کرم کا جب وہ صدقہ نکالتے ہیں　　ہم سوں کو پالتے ہیں اور ایسا پالتے ہیں ۲۰

حجاج کرام اور زائرینِ طیبہ کی تعظیم و تکریم :

سچے عاشق کی پہچان یہی ہے کہ جس چیز کو بھی محبوب سے نسبت اور تعلق ہو اس سے محبت رکھے اور اس کی تعظیم و تکریم میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے۔ جب کوئی حج بیت اللہ کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا پہلا سوال یہی کرتے کہ روضۂ رسول پر حاضری ہوئی؟ اگر وہ کہتا کہ ہاں! تو اس کا قدم چوم لیتے اگر چہ وہ آپ سے کتنا ہی فروتر کیوں نہ ہوتا۔ اور اگر جواب یہ ملتا کہ در حبیب پر حاضری نہیں ہوئی، حرم مکہ ہی سے واپس چلا آیا تو اس سے منہ پھیر لیتے اور اس کی طرف توجہ نہ فرماتے۔ خود سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مَنْ حَجَّ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي (جس نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا اس نے مجھ پر زیادتی کی، میرے ساتھ بد خلقی و بد سلوکی کی۔) اور غور کیجیے جس نے محبوب آقا کے ساتھ بد سلوکی کی ہو، اس کے ساتھ ایک سچا عاشق و محبّ خندہ پیشانی سے کیسے پیش آ سکتا ہے؟

ایک نعت کے مقطع میں آپ فرماتے ہیں

رضا کسی سگِ طیبہ کے پاؤں بھی چومے　　تم اور آہ! کہ اتنا دماغ لے کے چلے

مگر حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ دیار مدینہ سے آنے والے ہر مومن کا پاؤں چوم لیتے اور اس راہ میں ان کے مرتبہ کی عظمت اور منصب کی جلالت حائل نہ ہوتی۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک بار ایک حاجی صاحب زیارت حرمین طیبین کے بعد ملنے کے لیے آئے۔ جب

عادت اعلیٰ حضرت نے پوچھا: سرکار میں حاضری ہوئی؟ انھوں نے آبدیدہ ہوکر عرض کیا: ہاں حضور! مگر صرف دو دن قیام رہا۔ اعلیٰ حضرت نے ان کی قدم بوسی فرمائی اور ارشاد فرمایا: وہاں کی تو چند سانسیں بھی بہت ہیں، آپ نے تو بحمد اللہ دو دن قیام فرمایا۔

اسی طرح صدر الشریعہ حضرت علامہ محمد امجد علی اعظمی (مصنف بہار شریعت و حاشیۂ طحاوی وغیرہ) جب زیارت حرمین طیبین سے واپس ہوئے تو اعلیٰ حضرت خود ریلوے اسٹیشن پر تشریف لے گئے، پھر ایک جلوس کی شکل میں نعت خوانی کرتے ہوئے پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ انھیں دولت کدہ پر لایا گیا اور وہاں مداح الحبیب مولانا جمیل الرحمٰن خاں بریلوی نے اعلیٰ حضرت کی یہ نعت پڑھی:

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے
کلیاں کھلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے

پورے مجمع پر عجب کیف و مستی کا عالم تھا اھ

مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی حرمین شریفین سے واپسی پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مندرجہ ذیل منقبت نہایت خوش آوازی سے پڑھ کر سنائی:

تمھاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو
قسیم جامِ عرفاں اے شہِ احمد رضا تم ہو

غریقِ بحرِ الفت، مستِ جامِ بادۂ وحدت
محب خاص، منظورِ حبیبِ کبریا تم ہو

جو مرکز ہے شریعت کا، مدار اہل طریقت کا
جو محور ہے حقیقت کا، وہ قطب الاولیا تم ہو

یہاں آکر ملیں نہریں شریعت اور طریقت کی
ہے سینہ مجمع البحرین ایسے رہ نما تم ہو

حرم والوں نے مانا تم کو اپنا قبلہ و کعبہ
جو قبلہ اہل قبلہ کا ہے وہ قبلہ نما تم ہو

مزین جس سے ہے تاج فضیلت تاج والوں کا
وہ لعلِ پرضیا تم ہو، وہ دُرِّ بے بہا تم ہو

عرب میں جا کے ان آنکھوں نے دیکھا جس کی صولت کو
عجم کے واسطے لاریب وہ قبلہ نما تم ہو

ہیں سیارہ صفت گردش کناں اہل طریقت یاں
وہ قطب وقت اے سرخیلِ جمع اولیا تم ہو

عیاں ہے شانِ صدیقی تمھاری شانِ تقویٰ سے
کہوں اتقی نہ کیوں کر جب کہ خیر الاتقیا تم ہو

جلال و ہیبت فاروقِ اعظم آپ سے ظاہر
عدو اللہ پر اک حربۂ تیغ خدا تم ہو

اشداء علی الکفار کے ہو سر بسر مظہر
مخالف جس سے تھرائیں وہی شیرِ وغا تم ہو

تمھیں نے جمع فرمائے نکات و رمز قرآنی
یہ ورثہ پانے والے حضرت عثمان کا تم ہو

خلوصِ مرتضیٰ، خلقِ حسن، عزم حسینی میں
عدیم المثل، یکتائے زمن اے با خدا تم ہو

تمھیں پھیلا رہے ہو علم حق اکناف عالم میں
امام اہل سنت نائب غوث الوریٰ تم ہو

بھکاری تیرے در کا بھیک کی جھولی ہے پھیلائے
بھکاری کی بھرو جھولی، گدا کا آسرا تم ہو

وفی اموالہم حق ہر اک سائل کا حق ٹھہرا
نہیں پھرتا کوئی محروم ایسے با سخا تم ہو

علیم خستہ اک ادنیٰ گدا ہے آستانہ کا
کرم فرمانے والے حال پر اس کے شہا تم ہو

جب حضرت مبلغ اسلام منقبت کے یہ اشعار پڑھ چکے تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا: مولانا! میں آپ کی خدمت میں کیا پیش کروں؟

(اپنے عمامہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے جو بہت بیش قیمت تھا فرمایا) اگر اس عمامہ کو پیش کروں تو آپ اس دیار پاک سے تشریف لا رہے ہیں، یہ عمامہ آپ کے قدموں کے لائق بھی نہیں۔ البتہ میرے کپڑوں میں سے سب سے بیش قیمت ایک جبہ ہے وہ حاضر کیے دیتا ہوں۔اور کاشانہ اقدس سے سرخ کاشانی مخمل کا جبہ لا کر عطا فرمایا جو بڑا بیش قیمت تھا۔حضرت مبلغ اسلام نے سروقد کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ پھیلا کر اس جبہ کو لیا، آنکھوں سے لگایا، لبوں سے چوما، سر پر رکھا، سینے سے دیر تک لگائے رہے۔ ۲؎

عشق رسول :

''امام احمد رضا قدس سرہٗ کی اس کیفیتِ دل و جان سے عالم آگاہ ہے، ان کے عشقِ رسالت کا چرچا غیروں کی محفل میں بھی ہے، انھوں نے عشقِ رسول کا وہ درس دیا کہ دنیا سیکھا کرے، اور عملاً عشقِ رسول کو اس طرح پیش فرمایا کہ دنیا دیکھا کرے۔اس باب میں ان کی کون کون سی ادا یاد کی جائے، اور اس کی کتنی صورتیں بیان کی جائیں، اس عشق کے جلوے ان کی خلوت میں بھی ملتے ہیں اور جلوت میں بھی، ان کی نثر میں بھی ملتے ہیں اور نظم میں بھی۔ یہاں نظم سے چند اشعار پیش کیے جا رہے ہیں۔''

اس مقام پر یہ بھی بتاتا چلوں کہ امام احمد رضا کی شاعری سراسر حال ہے، ان کا کلام وارداتِ قلب کا اظہار ہے، وہ بارگاہِ رسول میں جھوٹے احوال دکھانے سے ہر طرح متنفر و بے زار ہیں، وہ اپنے آقا سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ہر کیفیت وحقیقت سے آگاہ اور باخبر جانتے ہیں۔

غالب نے عشقِ مجازی میں کہا تھا ع

جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

مگر عشق کا جمال و کمال عشقِ مجازی میں کہاں؟ اس لیے اس عشقِ حقیقی والے نے یوں کہا:

پھر کے گلی گلی تباہ، ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں — دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
رخصتِ قافلہ کا شور غش سے ہمیں اٹھائے کیوں — سوتے ہیں ان کے سائے میں کوئی ہمیں جگائے کیوں
جان ہے عشقِ مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا — جس کو ہو درد کا مزہ، نازِ دوا اٹھائے کیوں
سنگِ درِ حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے — جانا ہے سر کو جا چکے، دل کو قرار آئے کیوں

وہ ایک دوسری نعت میں داغِ عشق کو قبر کی تاریکیوں کا اجالا سمجھتے ہیں ۔

لحد میں عشقِ رخِ شہ کا داغ لے کے چلے — اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

وہ آتشِ عشق کو آتشِ جہنم سے نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے — جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

سوز دروں سے ان کا دل سلگتا تھا، اور عرفائے حق و اولیاء اللہ کی طرح ان کا دل سوزشِ عشق سے کباب ہو چکا تھا۔

اے دل! یہ سلگنا کیا، جلنا ہے تو جل ہی اٹھ — دم گھٹنے لگا ظالم، کیا دھونی رمائی ہے
تونے تو کر دیا طبیب، آتشِ سینہ کا علاج — آج کے درد آہ میں بوئے کباب آئی کیوں

''۔علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کے متعلق امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمہ نے میزان الشریعۃ الکبریٰ میں ذکر فرمایا ہے کہ

بچیتر بار بیداری میں انھیں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ تحقیقات حدیث کی دولت پائی۔ بیداری میں شرف زیارت کے اثبات میں علامہ سیوطی کا ایک رسالہ بھی ہے جس کا نام ہے: تنویر الحلك في إمكان رؤية النبي والملك۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ خواب میں تو بار بار زیارت جمال اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف یاب ہوئے، مگر دوسری بار حج و زیارت کے موقع پر روضۂ اطہر کے اندر خاص مواجہہ عالیہ میں شوقِ دیدار کے ساتھ درود شریف پڑھتے رہے اس امید پر کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عزت افزائی فرمائیں گے اور زیارت جمال سے سرفراز فرمائیں گے لیکن پہلی رات تکمیلِ آرزو نہ ہوسکی۔ یاس و حسرت کے عالم میں ایک نعت کہی، جس کا مطلع ہے

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں		تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

مقطع میں عاشق مصطفیٰ کا ناز اور ایک جلیل القدر ولی کا عرفان، پھر بے کسی و محرومی کا اظہار کچھ عجب انداز لیے ہوئے نظر آتا ہے۔ عرض کرتے ہیں۔

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضاؔ		تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

مواجہہ شریف میں یہ نعت عرض کی اور باادب انتظار میں بیٹھ گئے۔ قسمت جاگی، حجاب اٹھا، اور عالم بیداری میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور جمال جہاں آرا کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ یہ واقعہ ان کے کمالِ عشق و عرفان کی کھلی ہوئی دلیل اور بارگاہِ رسالت میں ان کی مقبولیت کا بیّن ثبوت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک شامی بزرگ نے امام احمد رضا قدس سرہٗ کے خاص یوم وفات پر خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جنازے کا انتظار کر رہے ہیں۔ ۴۳"

وہ عشق رسول کی اس منزل پر تھے کہ ناموسِ رسول کی حفاظت کے لیے اپنی عزت و آبرو اور اپنے آباو اجداد کی عزت و ناموس کو قربان کرنا خوش نصیبی خیال کرتے تھے، دشمنوں کی گالیاں سنتے اور قرار پاتے کہ جب تک وہ مجھے گالی دیتے، اور میری بدگوئی کرتے ہیں میرے آقا کی بدگوئی سے باز رہتے ہیں۔ خود فرماتے ہیں:

> "واللہ العظیم! یہ بندۂ خدا بخوشی راضی ہے اگر یہ دشامی حضرات بھی اس بدلے پر راضی ہوں کہ وہ اللہ و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی جناب میں گستاخی سے باز آئیں اور یہ شرط لگالیں کہ روزانہ اس بندۂ خدا کو پچاس ہزار مغلظہ گالیاں سنائیں اور لکھ لکھ کر شائع فرمائیں۔ اگر اس قدر پر پیٹ نہ بھرے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی سے باز رہنا اس شرط پر مشروط رہے کہ اس بندۂ خدا کے ساتھ اس کے باپ دادا کا بر علا قدست اسرارہم کو بھی گالیاں دیں تو اِیں ہم برعلم۔

اے خوشا نصیب اس کا کہ اس کی آبرو، اس کے آبا و اجداد کی آبرو بدگویوں کی بدزبانی سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آبرو کے لیے سپر ہو جائے۔

یہی وجہ ہے کہ بدگو حضرات اس بندہ خدا پر کیا کیا طوفان، بہتان اس کے ذاتی معاملات میں اٹھاتے ہیں، اخباروں، اشتہاروں میں طرح طرح کی گزھتوں سے کیا کیا خاک اڑاتے ہیں، مگر وہ اصلاً قطعاً نہ اس طرف التفات کرتا، نہ جواب دیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جو وقت مجھے اس لیے عطا ہوا کہ بعونہٖ تعالیٰ عزت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کروں، حاشا کہ اسے اپنی ذاتی حمایت میں ضائع

ہونے دوں۔ اچھا ہے کہ جتنی دیر مجھے برا کہتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی سے غافل رہتے ہیں۔

فَــاِنَّ اَبِــیْ وَ وَالِــدَهٗ وَ عِرْضِیْ   لِعِـرْضِ مُـحَـمَّـدٍ مِّنْكُمْ وِقَـاءٗ [۴۴]

امام احمد رضا قدس سرہٗ عشقِ رسول کی اس بلند منزل پر فائز تھے کہ وہ عشقِ رسول کی کسوٹی پر پرکھ کر شخصیتوں کے مقام ومنصب متعین فرماتے تھے، جس شخص میں عشقِ رسول جتنا زیادہ پاتے اس کے مقام ومنصب کو اتنا ہی بلند سمجھتے۔ اور آپ کے دل میں اس کے لیے تعظیم و تکریم کے جذبات کی اتنی ہی فراوانی ہوتی۔ اس کا اندازہ خود انھیں کی درج ذیل گفتگو سے ہوتا ہے، ایک مجلس میں فرمایا:

''سب انبیا علیہم الصلاۃ والسلام طاہر محض ہیں اور جو شی ان سے علاقہ (تعلق) رکھنے والی ہے سب طاہر۔ ہاں! ان کے فضلات خود ان کے حق میں ایسے ہی نجس ہیں جیسے ہمارے حق میں ہمارے فضلات نجس ہیں۔ اور اگر ان سے کوئی فضلہ خارج ہو جو ہمارے لیے ناقضِ وضو ہے تو بے شک ان کا وضو بھی ٹوٹ جائے گا۔

میری نظر میں امام ابن حجر عسقلانی شارحِ صحیح بخاری کی وقعت ابتداءً امام بدرالدین محمود عینی شارحِ صحیح بخاری سے زیادہ تھی۔ فضلاتِ شریفہ کی طہارت کی بحث ان دونوں صاحبوں نے کی ہے۔ امام ابن حجر نے ابحاث محدثانہ لکھی ہیں کہ یوں کہا جاتا ہے اور اس پر یہ اعتراض ہے، یوں کہا جاتا ہے اور اس پر یہ اعتراض ہے۔ اخیر میں لکھا ہے کہ فضلاتِ شریفہ کی طہارت ان کے نزدیک ثابت نہیں۔ امام عینی نے بھی شرحِ بخاری میں اس بحث کو بہت بسط سے لکھا ہے۔

آخر میں لکھتے ہیں: کہ'' یہ سب کچھ ابحاث ہیں، جو شخص طہارت کا قائل ہو اس کو میں مانتا ہوں، اور جو اس کے خلاف کہے اس کے لیے میرے کان بہرے ہیں، میں سنتا نہیں'' یہ لفظ ان کی کمالِ محبت کو ثابت کرتا ہے، اور میرے دل میں ایسا اثر کر گیا کہ ان کی وقعت بہت بڑھ گئی۔ [۴۵]

ارشاداتِ رسول پر اعتماد ویقین :

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان سچے عاشقِ رسول اور عارفِ حق تھے، انھیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث اور ارشادات پر مکمل یقین واعتماد تھا، انھیں ان حدیثوں پر یقین کامل ہوتا جو اخبارِ آحاد ہوتیں، اور جن سے ثبوت کو علماو محدثین ظنی قرار دیتے ہیں، یقینی نہیں مانتے۔ جب ان احادیث کا حکم لکھنے کی باری آتی تو خود اعلیٰ حضرت بھی انھیں ظنی الثبوت لکھتے ہیں۔ لیکن یہ معاملہ احکامِ شریعت تک ہے اور اس کے خاص اسباب ونتائج ہیں جن میں علمی وفقہی باریکیاں ہیں۔ تفصیل سے صرفِ نظر کرتے ہوئے مجھے یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ احادیث جو غیر احکام میں ہوں اور کسی منصوص شرعی کے معارض ومخالف نہ ہوں، اگر ان پر کسی مومن کو آج بھی یقینِ کامل ہو اور وہ اس پر عمل کرے تو جائز ہے اور شرعاً اسے اس کا حق ہے۔ رب کریم فرماتا ہے، حدیث قدسی میں ہے: اَنَـا عِـنْـدَ ظَنِّ عَبْـدِیْ بِـیْ (میرا بندہ میرے ساتھ جیسی امید رکھتا ہے اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرماتا ہوں) امام احمد رضا کو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر پورا اعتماد اور اپنے مالک جل وعلا کی رحمت پر پختہ یقین تھا اور یہ صرف زبانی جمع خرچ کی حد تک نہ تھا، بل کہ ایک عارف کامل، عاشق صادق اور ولی وقت کو جیسا یقین واذعان ہوتا ہے ویسا ہی تھا۔ آپ کی زندگی میں اس کے بہت سے دلائل وشواہد موجود ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر'' اَلْحمدُلِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَـلَـقَ تَفْضِیْلاً '' پڑھ لے اس مرض وبلا سے مامون ومحفوظ رہے گا۔ امام احمد رضا نے طاعون زدہ کو دیکھ کر بارہا یہ دعا پڑھی تھی، حدیث پر

انھیں اطمینانِ کامل تھا۔

ایک بار کسی غریب کے یہاں دعوت میں گائے کا گوشت کھانا پڑا۔ گائے کا گوشت آپ کو سخت نقصان کرتا تھا، مگر ایک غریب مومن کی دل جوئی کے لیے آپ نے تناول فرمالیا جس کے اثر سے گلٹی نکل آئی، بولنا پڑھنا سب موقوف ہو گیا، نمازِ سنّت بھی کسی کی اقتدا میں ادا کرتے۔ ان دنوں بریلی میں طاعون کا زور تھا۔ نہ معلوم کتنے افراد اس مہلک بیماری سے لقمۂ اجل بن چکے تھے، طبیب نے دیکھ کر کہا: وہی ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: میں بول نہ سکتا تھا اس لیے جواب نہ دے سکا۔ دل میں بارگاہِ رب العزت کی طرف رجوع کیا اور عرض کیا: اَللّٰھُمَّ صَدِّقِ الْحَبِیْبَ وَ کَذِّبِ الطَّبِیْبَ (خداوندا! اپنے حبیب کا قول سچا کر دکھا اور طبیب کا قول جھوٹا) فوراً جیسے کسی نے کان میں ایک تدبیر بتائی۔ مسواک اور گول مرچ۔ لوگ رات میں باری باری میرے لیے جاگتے تھے۔ اس وقت جو شخص جاگ رہا تھا میں نے اسے اشارہ سے بلایا، اور اسے مسواک اور گول مرچ کا اشارہ کیا۔ وہ مسواک تو سمجھ گئے، گول مرچ کس طرح سمجھیں۔ بڑی مشکل سے سمجھے۔ میں نے بڑی دقت سے مسواک کے سہارے تھوڑا منہ کھولا اور دانتوں پر مسواک رکھ کر گول مرچ کا سفوف چھوڑ دیا، اور اسی طرح پسی ہوئی مرچیں داڑھوں تک پہنچائیں۔ تھوڑی دیر میں ایک کلّی خالص خون کی آئی، مگر کوئی تکلیف واذیت محسوس نہ ہوئی، اس کے بعد ایک کلّی خون کی اور آئی، اور بحمد اللہ وہ گلٹیاں جاتی رہیں، منہ کھل گیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور طبیب صاحب کو کہلا بھیجا کہ آپ کا وہ ''طاعون'' بفضلہٖ تعالیٰ جاتا رہا۔ دو تین روز میں بخار بھی جاتا رہا۔

اسی واقعہ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ مجھے نوعمری میں آشوبِ چشم اکثر ہوتا اور بوجہِ حدّتِ مزاج تکلیف دیتا، انیس سال کی عمر ہوگی، رام پور جاتے ہوئے ایک شخص کو آشوبِ چشم میں مبتلا دیکھ کر یہ دعا پڑھ لی۔ اس وقت سے اب تک آشوبِ چشم کبھی نہیں ہوا۔ مجھے اس موقع پر اس دعا کے پڑھنے کا افسوس ہے کیوں کہ سرکار کا ارشاد ہے کہ تین بیماریوں کو ناپسندیدہ نہ جانو (۱) زکام، کیوں کہ اس کی وجہ سے بہت سی بیماریوں کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ (۲) کھجلی، کیوں کہ اس سے جذام وغیرہ جلدی بیماریوں کا سدِّ باب ہو جاتا ہے۔ (۳) آشوبِ چشم: کیوں کہ یہ نابینائی کو ختم کرتا ہے۔

خیر اس دعا کی برکت سے آشوبِ چشم تو جاتا رہا، جمادی الاولیٰ ۱۳۰۰ھ میں ایک اور مرض پیش آیا۔ کچھ اہم تصانیف کے سبب ایک مہینہ کامل باریک تحریر کی کتابیں شب و روز مسلسل دیکھنا ہوا۔ یہ عمر کا اٹھائیسواں سال تھا۔ اندر کے دالان میں مطالعہ اور تصنیف کا کام ہوتا۔ گرمی کا موسم تھا، میں نے اندھیرے کا خیال نہ کیا۔ ایک دن لکھتے لکھتے گرمی کی شدت کی وجہ سے دوپہر کو غسل کیا۔ سر پر پانی پڑتے ہی معلوم ہوا کہ کوئی چیز دماغ سے دہنی آنکھ میں اتر آئی۔ ایک سربرآوردہ ڈاکٹر نے آلات سے بہت دیر تک بغور دیکھا، اور کہا، کتب بینی کی کثرت کی بنا پر کچھ خشکی آگئی ہے۔ پندرہ دن کتاب نہ دیکھو۔ مجھ سے پندرہ گھڑی بھی صبر نہ ہوا۔

حکیم سید مولوی اشفاق حسین صاحب مرحوم سہسوانی ڈپٹی کلکٹر نے فرمایا: مقدمۂ نزولِ آب ہے، بیس برس بعد پانی اتر آئے گا۔ میں نے کوئی توجہ نہ کی، اور نزولِ آب والے مریض کو دیکھ کر وہی دعا پڑھ لی، اور اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادِ پاک پر مطمئن ہو گیا۔

۱۳۱۶ھ میں ایک اور ماہر حکیم کے سامنے ذکر ہوا، بغور دیکھ کر کہا۔ چار برس بعد پانی اتر آئے گا۔ ان کا حساب ڈپٹی صاحب کے حساب کے بالکل موافق آیا۔ انھوں نے بیس برس کہے تھے۔ انھوں نے سولہ سال بعد چار کہے۔ مجھے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر ایسا (کمزور) اعتماد نہ تھا کہ معاذ اللہ حکیموں کے کہنے سے متزلزل ہو جاتا۔ بیس درکنار، تیس برس سے زائد گزر چکے ہیں، اور وہ حلقہ ذرّہ

برابر نہ بڑھا، نہ بعونہٖ تعالیٰ بڑھے گا۔ نہ میں نے کتاب بینی میں کبھی کمی کی، نہ ان شاء اللہ کمی کروں گا۔ یہ میں نے اس لیے بیان کر دیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دائم و باقی معجزات ہیں جو آج تک آنکھوں دیکھے جا رہے ہیں، اور قیامت تک اہل ایمان مشاہدہ کرتے رہیں گے۔[۶]

امام احمد رضا قدس سرہٗ کے دوسرے سفرِ حج کا واقعہ ہے۔ مکہ مکرمہ میں حضرت کو بخار تھا۔ فرماتے ہیں۔ اواخرِ محرم میں بفضلہٖ تعالیٰ صحت ہوئی، وہاں ایک سلطانی حمام ہے، میں اس میں نہا کر باہر نکلا ہی تھا کہ ابر دیکھا، جو حرم شریف پہنچتے پہنچتے برسنا شروع ہو گیا۔ مجھے حدیث یاد آئی کہ جو بارش کے دوران طواف کرے وہ رحمتِ الٰہی میں تیرتا ہے۔ فوراً سنگ اسود کا بوسہ لے کر بارش ہی میں سات پھیرے طواف کیا۔ بخار دوبارہ آ گیا۔ مولانا سید اسماعیل نے فرمایا: ایک ضعیف حدیث کے لیے تم نے اپنے بدن کی یہ بے احتیاطی کی۔ میں نے کہا: حدیث ضعیف ہے، مگر بحمد اللہ تعالیٰ امید قوی ہے۔ یہ طواف بحمدہٖ تعالیٰ بہت مزے کا تھا۔ بارش کے سبب طواف کرنے والوں کی وہ کثرت نہ تھی۔[۷]

حدیث شریف میں ایک دعا ہے کہ کسی کشتی پر سوار ہوتے وقت پڑھ لی جائے، تو کشتی ڈوبنے سے محفوظ رہے، امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے پہلے سفرِ حج میں جہاز پر سوار ہوتے وقت وہ دعا پڑھ لی تھی، ساتھ میں آپ کے والدین کریمین بھی تھے۔ سمندر میں سخت طوفان آیا۔ لوگوں نے کفن پہن لیے۔ والدہ ماجدہ بہت پریشان ہوئیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ان کا اضطراب دیکھ کر بے ساختہ میری زبان سے نکلا: ''آپ اطمینان رکھیں، خدا کی قسم! یہ جہاز نہ ڈوبے گا۔'' یہ قسم میں نے حدیث ہی کے اطمینان پر کھائی تھی۔ حدیث کے سچے وعدے پر میں مطمئن تھا۔ پھر قسم نکل جانے سے مجھے اندیشہ ہوا اور معاً حدیث یاد آئی مَنْ یَتَأَلَّ عَلَی اللّٰہِ یُکَذِّبْہُ۔ اللہ عزوجل کی طرف رجوع کیا اور سرکار رسالت سے مدد مانگی۔ وہ مخالف ہوا جو تین دن سے پورے زور شور کے ساتھ چل رہی تھی، بحمد اللہ تعالیٰ گھڑی بھر میں موقوف ہو گئی اور جہاز نے نجات پائی۔[۸]

بہت سی حدیثیں اپنی سندوں کے باعث محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، اہل عرفان اور اولیاے کرام کے نزدیک کشف و مشاہدہ کے باعث قوی ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنی کتاب ''منیر العین فی تقبیل الابہامین'' میں اس کا تفصیلی ذکر فرمایا ہے۔ یہ گراں قدر رسالہ فتاویٰ رضویہ جلد دوم میں شامل ہے۔

بہر حال امام احمد رضا کو ان ضعیف حدیثوں پر بھرپور اعتماد و اذعان ہوتا جو کسی نصِ شرعی کے مخالف نہ ہوتیں اور فضائل رجال و فضائلِ اعمال میں بلا تکلف ان پر عمل کرتے۔ البتہ موضوع حدیث کو کسی طرح قابل عمل نہ گردانتے، کہ وہ حدیث ہی نہیں، کسی خدا ناترس بد بخت کی گڑھت ہے۔ ان واقعات و شواہد میں احادیثِ نبویہ پر امام احمد رضا قدس سرہٗ کا قلبی یقین اور کمالِ ایمان و اذعان پوری طرح نمایاں نظر آتا ہے، اور ان کی ولایت و روحانیت اور تصوف و عرفان کا سورج پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ آرا نظر آتا ہے۔

قدرتِ الٰہی پر یقین و اذعان :

رب قدیر کی قدرت کاملہ پر انھیں ہر وقت کامل یقین و اذعان رہتا۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ بہت سے علوم و فنون کی طرح علم نجوم کے بھی ماہر تھے۔ عموماً اہلِ نجوم اپنے ظنی علم پر اتنا اعتماد اور بھروسا رکھتے ہیں کہ اپنے علم و فن کے نشے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بھول جاتے ہیں اور اپنے علم ہی کو سب کچھ سمجھنے لگتے ہیں۔ مگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی کیفیت کچھ اور ہی تھی۔ ان کے یہاں علم و

فن کے نتائج اپنی جگہ، لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر یقین واعتماد کو سب پر بالا دستی حاصل تھی۔

مولانا محمد حسین بریلوی (موجد طلسمی پریس) کے والد مولانا غلام حسین علم نجوم میں بڑے ماہر تھے، ستاروں کی شناخت اور ان کی چال سے نتائج نکالنے پر بڑی دست رس رکھتے تھے۔ عمر میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے بڑے اور ان کے والد ماجد مولانا نقی علی بریلوی علیہ الرحمہ کے ملنے والوں میں تھے۔

یہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں تشریف لائے۔ اعلیٰ حضرت نے دریافت کیا: فرمایئے بارش کا کیا انداز ہے؟ کب تک ہوگی؟ انھوں نے ستاروں کی وضع کا زائچہ بنایا اور فرمایا: اس مہینے میں پانی نہیں ہے۔ آئندہ ماہ میں ہوگا۔ یہ کہہ کر زائچہ اعلیٰ حضرت کی طرف بڑھایا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا: ''اللہ کو سب قدرت ہے، چاہے تو آج ہی بارش ہو۔'' انھوں نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا آپ ستاروں کی وضع نہیں دیکھتے؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ''محترم! میں سب دیکھ رہا ہوں، اور اس کے ساتھ واضع اور اس کی قدرت کو بھی دیکھ رہا ہوں۔''

پھر اس مشکل مسئلہ کو بڑے آسان طریقے پر سمجھایا۔ سامنے دیوار گھڑی لگی ہوئی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے ان سے پوچھا: وقت کیا ہے؟ بولے سوا گیارہ بجے ہیں۔ فرمایا: بارہ بجنے میں کتنی دیر ہے؟ بولے: پون گھنٹہ۔ فرمایا: اس سے پہلے؟ کہا: ہرگز نہیں، ٹھیک پون گھنٹہ۔ اعلیٰ حضرت اٹھے اور بڑی سوئی گھمادی۔ فوراً ٹن ٹن بارہ بجنے لگے۔ حضرت نے فرمایا: آپ نے کہا تھا: ٹھیک پون گھنٹہ بارہ بجنے میں باقی ہے۔ وہ بولے: اس کی سوئی کھسکا دی، ورنہ اپنی رفتار سے پون گھنٹہ بعد ہی بارہ بجتے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ''اسی طرح اللہ رب العزت قادر مطلق ہے کہ جس ستارے کو جس وقت جہاں چاہے پہنچادے۔ وہ چاہے تو ایک مہینہ، ایک ہفتہ، ایک دن کیا، ابھی بارش ہونے لگے۔'' اعلیٰ حضرت کی زبانِ مبارک سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ چاروں طرف سے گھنگھور گھٹا چھائی، اور فوراً پانی برسنے لگا۔ ۹؎

کیا قدرتِ خداوندی پر ایسے اعلیٰ درجہ کا ایمان ویقین کسی ماہرِ نجوم کے یہاں مل سکتا ہے؟ اور کیا زبان کی ایسی تاثیر کسی عالمِ ظاہر کے یہاں دست یاب ہو سکتی ہے؟ یہ واقعہ اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ اعلیٰ حضرت ایک عالم ربانی، عارف صمدانی، ولی کامل، صوفی زندہ دل اور مستجاب الدعوات مردِ خدا تھے۔

یہ تو قدرتِ الٰہیہ پر ایمان ویقین کی بات ہے جو ہر مومن کے قلب میں ہونا چاہیے۔ اگر یہ بالکل ہی نہ ہو تو مومن ہی کہاں؟ اور اگر اس حد تک نہ ہو تو مومن ضرور ہے مگر عارف اور کامل الایمان ہرگز نہیں۔ ۹؎

تقویٰ اور پرہیز گاری:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان پر نظر ڈالیے تو ان کی پوری زندگی تقویٰ و پرہیز گاری، شریعتِ مصطفیٰ اور سنتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی پابندی سے آراستہ وپیراستہ ملتی ہے۔ ان کے تقویٰ و پرہیز گاری کی شان بڑی بلند و بالا ہے۔ اس طرح کے بہت سے واقعات ان کی زندگی کی تاریخ سے وابستہ ہیں جن میں ان کا عرفان، خوف خداوندی، خشیتِ ربانی اور تقویٰ و پرہیز گاری کا حسن و جمال صاف جھلکتا ہے۔ ذیل کے واقعات میرے دعویٰ کے لیے کھلی ہوئی دلیل ہیں۔

- امام احمد رضا قدس سرہٗ کی زندگی کا آخری رمضان ۱۳۳۹ھ میں تھا۔ اس وقت ایک تو بریلی میں سخت گرمی تھی، دوسرے عمرِ مبارک کا آخری حصہ اور ضعف ومرض کی شدت۔ شریعت اجازت دیتی ہے کہ شیخ فانی روزہ نہ رکھ سکے تو فدیہ دے اور ناتواں مریض کو اجازت دی

ہے کہ روزہ کی قضا بعد میں قوت و توانائی اور صحت و تندرستی کے وقت کرے۔ لیکن امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز کا فتویٰ اپنے لیے کچھ اور ہی تھا جو در حقیقت فتویٰ نہیں، تقویٰ تھا۔ انھوں نے فرمایا: بریلی میں گرمی کی شدت کے باعث میرے لیے روزہ رکھنا ممکن نہیں لیکن پہاڑ پر ٹھنڈک ہوتی ہے، یہاں سے نینی تال قریب ہے، بھوالی پہاڑ پر روزہ رکھا جاسکتا ہے، میں وہاں جانے پر قادر ہوں، لہٰذا میرے اوپر وہاں جاکر روزہ رکھنا فرض ہے۔ چنانچہ رمضان نینی تال جاکر بھوالی پہاڑ پر گزارا اور پورے روزے رکھے۔

۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ کو آپ کا وصال ہوا، مرض مہینوں سے تھا، اور ایسا کہ چلنے پھرنے کی طاقت نہیں، شریعت نے اجازت دی ہے کہ ایسا مریض گھر میں تنہا نماز پڑھ لے مگر امام احمد رضا جماعت کی پابندی کرتے اور چار آدمی کرسی پر بٹھا کر مسجد تک لے جاتے، جب تک اسی طرح حاضری کی قدرت تھی، جماعت میں شریک ہوتے رہے۔

حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور (۱۳۱۲ھ-۱۳۹۶ھ) کا بیان ہے۔ ایک بار مسجد لے جانے والا کوئی نہ تھا، جماعت کا وقت ہوگیا طبیعت پریشان، ناچار خود ہی کسی طرح گھسٹتے ہوئے حاضر مسجد ہوئے اور باجماعت نماز ادا کی۔ آج صحت و طاقت اور تمام تر سہولت کے باوجود ترک نماز اور ترک جماعت کے ماحول میں یہ واقعہ ایک عظیم درس عبرت ہے۔ ۵۰

ایک بار امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے علاقۂ زمین داری میں سکونت پذیر تھے۔ درد قولنج کے سخت دورے ہوا کرتے تھے۔ ایک دن تنہا تھے، فرماتے ہیں: ظہر کے وقت درد شروع ہوا۔ اسی حالت میں جس طرح بنا وضو کیا۔ اب نماز کو کھڑا نہیں ہوا جاتا۔ رب عزوجل سے دعا کی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد مانگی، مولا عزوجل مضطر کی پکار سنتا ہے۔ میں نے سنتوں کی نیت باندھی درد جاتا رہا۔ جب سلام پھیرا، اسی شدت سے تھا۔ فوراً اٹھ کر فرضوں کی نیت باندھی، درد جاتا رہا۔ جب سلام پھیرا وہی حالت تھی، بعد کی سنتیں پڑھیں درد موقوف۔ اور سلام کے بعد پھر بدستور۔ میں نے کہا اب عصر تک ہوتا رہ۔ پلنگ پر لیٹا کروٹیں لے رہا تھا کہ درد سے کسی پہلو قرار نہ تھا۔ ۵۱

مسجد میں وضو کا مستعمل پانی گرانا جائز نہیں، خواہ وہی پانی ہو جو اعضا پر لگا رہ جاتا ہے۔ ایک بار سخت سردی میں شدید بارش ہو رہی تھی۔ اعلیٰ حضرت معتکف تھے۔ باہر وضو کی صورت نظر نہ آئی۔ لحاف کو چار تہہ کرکے اس پر وضو کیا ایک قطرہ بھی فرش پر گرنے نہ دیا۔ اور پوری رات سردی میں ٹھٹھر کر بسر کردی۔

آپ جب مسجد میں داخل ہوتے تو دایاں پاؤں آگے بڑھاتے۔ ہر صف کو دایاں قدم بڑھاتے ہوئے پار کرتے۔ اسی طرح محراب تک مصلیٰ پر پہنچ جاتے۔ فرض نماز صرف کرتے اور ٹوپی پر بغیر عمامہ کبھی ادا نہ کی۔

دکھتی آنکھ سے جو پانی گرے ناقض وضو ہے۔ ایک بار آشوب چشم تھا تو ہر نماز کے بعد کسی سے آنکھ دکھا لیتے کہ پانی حلقۂ چشم سے باہر تو نہیں آیا ورنہ دوبارہ وضو کرکے لوٹانی ہوگی۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحاً (زمین پر اتراتے ہوئے نہ چل) اس حکم پر ایسا عمل تھا کہ سبک خرامی دیدنی ہوتی، قدموں کی آہٹ پانا بھی مشکل تھا۔ بارہا ایسا ہوا کہ قریب پہنچ کر خود پہلے سلام کیا تو خدام کو آنے کی خبر ہوئی۔

سونے میں اسم رسالت "محمد" علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کا نقشہ ہوتا۔

خط بنواتے وقت اپنی کنگھی اور اپنا شیشہ استعمال کرتے۔ قبلہ کی طرف نہ کبھی پاؤں دراز کیا نہ منہ کرکے تھوکا۔ آپ کی ان عادات و اطوار کو دیکھ کر سراج الامۃ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی تقویٰ شعار زندگی کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ ۵۲

تجدید واصلاح :

دعوتِ دین، اصلاحِ اہلِ زمانہ، فتنہ شکنی، احیاے شریعت اور تجدیدِ سنت نبویہ وہ عظیم مجاہدہ ہے جو اہلِ ظاہر تو اہلِ ظاہر، تمام اربابِ سلوک کو بھی نصیب نہیں ہوتا، بہت سے اولیاے کرام وہ گزرے ہیں جنھوں نے خلوت کی زندگی گزاری، اور جلوت سے انھیں کوئی سروکار نہیں رہا۔ اس کی حقیقت تک رسائی کے لیے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا درج ذیل بیان پڑھیے۔

"آدمی تین قسم کے ہیں (۱) مفید (۲) مستفید (۳) منفرد۔.......... مفید: وہ جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ مستفید: وہ کہ خود دوسرے سے فائدہ حاصل کرے۔ منفرد: وہ کہ دوسرے سے فائدہ لینے کی اسے حاجت نہ ہو، اور نہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتا ہو۔ مفید اور مستفید کو عزلت گزینی حرام ہے، اور منفرد کو جائز، بل کہ واجب۔" ۵۳

اسی بنیاد پر سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تکمیلِ علوم شریعت و راہِ طریقت کے بعد کوئی گوشۂ تنہائی نہیں بل کہ بغداد کی گھنی آبادی کا انتخاب کیا جو بے شمار فتنوں کی آماج گاہ بل کہ تربیت گاہ بن چکا تھا۔ انھوں نے اپنی تقریروں سے خلفا، امرا، علما اور عوام کے دل ہلا دیے، ان کے فیضِ اصلاح سے ہزاروں بے دین صراطِ مستقیم پر آئے اور لاکھوں بے راہ صالح اور نیک بن گئے۔

امام غزالی نے تکمیلِ تعلیم کے بعد اپنی اصلاح کا رخ خاص طور پر امرا اور علما کی طرف پھیرا، ان کے ہاتھ پر توبہ کرنے والوں کی فہرست سوانح نگاروں نے مرتب نہ کی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کے رشحاتِ قلم آج بھی باعثِ رشد و ہدایت ہیں۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے دین کے نام پر اٹھنے والے فتنوں اور باطل تحریکوں کا نہایت پامردی سے مقابلہ کیا۔ ان کے بھتیجے مولانا حسنین رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

"اس ہندستان میں کوئی باطل فرقہ ایسا نہیں ہے جس کے رد میں ان کی بکثرت تحریریں موجود نہ ہوں۔ جب دین میں کوئی نیا فتنہ اٹھتا تو سب سے پہلے حضور کے زبان و قلم کو حرکت ہوتی، اور کامل استیصال فرما کر چھوڑتے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ہر فتنہ انگیز کو فتنہ پھیلانے سے قبل یہ خیال مدتہامدت تک باز رکھتا کہ اعلیٰ حضرت کی سیفِ زبان و نیزۂ قلم کا کیا جواب ہوگا۔" ۵۴

انھوں نے نہایت جواں مردی اور بے باکی کے ساتھ اس وصف کا خود ہی اعلان فرمایا ہے:

کلکِ رضا ہے خنجرِ خوں خوار، برق بار　　اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

ان کی زبانِ فیض ترجمان سے بہت سے معصیت کاروں، گنہ گاروں اور دنیاداروں کو صلاح و فلاح کی زندگی نصیب ہوئی۔ ایک بار آپ کا قیام جبل پور میں تقریباً چونتیس دن رہا، بے شمار فاسقوں، عصیاں شعاروں نے آپ کے دستِ حق پرست پر اپنے علانیہ و خفیہ گناہوں سے توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان میں حیرت انگیز تاثیر رکھی تھی، زبان مبارک سے نکلے ہوئے سیدھے سادھے الفاظ لوگوں میں وہ اثر کرتے کہ ان کے دل امنڈ آتے، آنکھیں اشک بار ہو جاتیں، اور مدتوں کے جھگڑے اور باہمی آویزشیں ایک لمحہ میں دور ہو جاتیں۔

جبل پور کا واقعہ ہے دو بھائیوں میں باہمی نزاع تھی، چند کلمات کے بعد فرمایا: خوب سمجھ لیجیے، آپ دونوں صاحبوں میں جو ملنے میں سبقت کرے گا جنت کی طرف سبقت کرے گا۔ یہ فرمانا تھا کہ دونوں کے دلوں پر ایک بجلی کا سا اثر ہوا، اور بے تابانہ ایک دوسرے کے قدموں پر گر پڑے اور نہایت صاف دلی کے ساتھ ایک دوسرے سے لپٹ گئے، اور جوشِ محبت کی یہ حالت ہوئی کہ اگر حاضرین میں سے کچھ

لوگ انھیں سنبھال نہ لیتے تو دونوں حضرات اس گلے ملنے میں گر پڑتے۔۵۵

خود بریلی میں آئے دن اعلیٰ حضرت کے ہاتھوں پر توبہ کرنے والوں کا کوئی شمار نہیں۔ جبل پور کے ایک جلسہ میں توبہ کرنے والوں کی فہرست شائع ہوئی۔ اعلیٰ حضرت نے بتایا کہ اللہ و رسول کے گستاخوں سے صحابہ کرام اور اولیاے کبار بیزاری اور نفرت کا سلوک کرتے ہیں، تو بدمذہبوں، گستاخوں سے محبت و قربت رکھنے والے بہت سے لوگوں نے توبہ کی اور صدق دل سے تائب ہوئے۔ اس پر ارشاد فرمایا: بھائیو! یہ وقت نزولِ رحمتِ الٰہی کا ہے۔ سب حضرات اپنے اپنے گناہوں سے توبہ کریں۔ جن کے خفیہ ہوں وہ خفیہ اور جن کے علانیہ ہوں وہ علانیہ۔ فقیر دعا کرتا ہے کہ مولا تعالیٰ آپ حضرات کو استقامت مرحمت فرمائے۔ جو داڑھی منڈاتے یا کترواتے ہوں، یا چڑھاتے، یا سیاہ خضاب لگاتے ہوں وہ اور ایسے ہی جو علانیہ گناہ کرتے ہوں انھیں علانیہ توبہ کرنا چاہیے، اور جو گناہ خفیہ طور پر کیے ان سے پوشیدہ کہ گناہ کا اعلان بھی گناہ ہے۔ ان چند فقروں میں اللہ ہی جانے کیا اثر تھا کہ لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے گویا وہ اپنے گناہوں کے دفتر آنسوؤں سے دھو رہے تھے۔ اور بے تابانہ اس شمعِ انجمنِ محمدی پر نثار ہو رہے تھے۔ (اور اس شیخِ ارشاد کے) قدموں پر گڑگڑا کر اپنے خفیہ و علانیہ گناہوں سے توبہ کر رہے تھے۔ عجب سماں تھا.......... جو لوگ حاضرِ جلسہ نہ تھے انھیں بعد میں اطلاع ہوئی، وہ سب حاضر ہو کر تائب ہوتے گئے۔ دوسرے دن وقتِ ظہر جبل پور سے روانگی تھی، لوگ اسٹیشن تک آئے اور تائب ہوئے۔۵۶

امام احمد رضا قدس سرہ نے بہت سی سنتوں کو حیاتِ نو عطا کی جن پر عوام و خواص سبھی کا عمل درآمد ختم ہو چکا تھا اور جو مردہ ہو چکی تھیں۔ آپ نے ان کا سنت ہونا لوگوں کے سامنے عیاں کیا، اور اپنی زبان و قلم سے ان کی نصرت و حمایت کا فریضہ سرانجام دیا۔ غیروں کے ساتھ "اپنوں" نے بھی کچھ کم مخالفتیں نہیں کیں، آپ نے سب کی "کرم فرمائیوں" کو نہایت صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کیا، اور احیاے سنت اور تجدیدِ دین و ملت پوری ثابت قدمی کے ساتھ کرتے رہے۔

ان سنتوں میں سے جمعہ کی اذانِ ثانی کا مسئلہ ہے۔ اس کی تاریخ یہ رہی ہے کہ عہدِ رسالت و عہدِ صدیق و فاروق بلکہ عہدِ جملہ خلفاے راشدین اور اس کے بہت بعد تک بھی یہ اذان مسجد کے دروازے پر امام کے بالمقابل اور سامنے ہوتی رہی۔ سننِ ابوداؤد کی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے، اور فقہ و فتاویٰ کی بہت سی کتابوں میں تصریح ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے، ان عبارتوں میں نہ تو کسی اذان کا استثنا ہے، نہ کسی کی تخصیص۔ لیکن بعد کے زمانوں میں جس طرح بہت سی سنتوں کے خلاف رواج پڑ گیا اسی طرح اس سنت کے خلاف بھی عمل درآمد ہو گیا اور خطبہ کی اذان خاص مسجد میں منبر کے متصل ہونے لگی، اور پنج وقتہ اذانوں کا رواج بھی عام طور سے مسجد کے اندر ہی ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان سے اس کا استفتا ہوا آپ نے جواب دیا: یہ اذان بھی مسجد کے اندر دینا مکروہ اور خلافِ سنت ہے۔ دیوبندیوں نے اس مسئلہ میں آپ کی مخالفت کی، اور علماے اہل سنت میں بھی کئی لوگوں نے آپ کی مخالفت کی اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کو ہر طرح سے پریشان کرنے کی کوشش کی اور ذاتی ایذائیں پہنچائیں کہ آپ نے سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کی ایک منقبت میں اس کا اظہار اور بارگاہِ غوثیت میں کچھ اس طرح استغاثہ فرمایا ہے:

عدو بد دین، مذہب والے حاسد   تو ہی تنہا کا زورِ دل ہے یا غوث
حسد سے ان کے سینے پاک کر دے   کہ بدتر دق سے بھی یہ سل ہے یا غوث
غذاے دق یہی خوں، استخواں، گوشت   یہ آتش دین کی آکل ہے یا غوث

دیا مجھ کو انھیں محروم چھوڑا　　مرا کیا جرم حق فاصل ہے یا غوث

خدا سے لیں لڑائی وہ ہے معطی　　نبی قاسم ہے، وہ موصل ہے یا غوث

عطائیں مقتدر، غفار کی ہیں　　عبث بندوں کے دل میں غل ہے یا غوث

بہر حال آپ نے مخالفتوں کی ان زوردار آندھیوں کی پرواہ کیے بغیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کریمہ کو زندہ فرمایا۔ آپ نے فتاوی کے علاوہ اس موضوع پر دو مستقل رسالے بھی لکھے۔ایک "اوفی اللمعة فی اذان الجمعة" جو فتاوی رضویہ جلد سوم میں شامل ہو کر شائع ہو چکا ہے۔جب کہ دوسرا رسالہ "شمائم العنبر فی أدب النداء أمام المنبر" ہے جو ۱۶۱ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور عربی زبان میں ہے، یہ رسالہ بحر العلوم علامہ مفتی عبد المنان اعظمی مصباحی سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے اردو ترجمہ اور تقدیم کے ساتھ رضا اکیڈمی ممبئی کے زیر اہتمام علاحدہ شائع ہوا ہے۔ یہ رسالہ اتنا مدلل اور گراں قدر ہے کہ اس کے مطالعہ سے اہل علم کی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں۔آپ کی یہ مومنانہ جرأت اور مخلصانہ کوششیں رنگ لائیں، اور آج الحمد للہ اہل سنت و جماعت کی مسجدوں میں اسی سنت کے مطابق عمل ہو رہا ہے۔

اسی طرح حنفیوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جب امام مصلے پر موجود ہے اور مکبّر تکبیر کہنا شروع کرے تو امام اور مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب تکبیر کہنے والا "حی علی الصلوٰة، حی علی الفلاح" پر پہنچے۔اس سے پہلے کھڑے ہونا، یا ابتدا ہی سے کھڑے رہنا خلاف سنت اور مکروہ ہے۔خود محرر مذہب حنفی حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے مؤطا امام محمد" باب تسویۃ الصفوف" میں اس مسئلہ کو صاف بیان فرمایا ہے۔بل کہ فتاوی عالمگیری میں تو یہاں تک صراحت موجود ہے کہ اگر تکبیر ہو رہی ہو اور کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو جہاں تکبیر سنے وہیں بیٹھ جائے، اور جب مکبّر "حی علی الصلوٰة" تک پہنچے تو امام اور دیگر مقتدیوں کے ساتھ کھڑا ہو، کھڑے کھڑے انتظار کرنا مکروہ ہے۔فقہ کی درجنوں کتابوں میں اس مسئلے کی صراحت موجود ہے۔

مگر نہ جانے کب سے اس مسئلہ کے خلاف عمل ہونے لگا، اور عوام و خواص سبھی اس خلاف سنت رواج کے شکار ہو گئے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنے فتاوی میں اس مسئلے کو فقہا و ائمہ کے اقوال اور شرعی دلائل سے خوب خوب مستحکم فرمایا، اور زبان و قلم اور کردار و عمل سے اس مردہ سنت کو زندہ فرمایا، یہاں تک کہ مسجدوں میں اس پر ایسا عمل ہونے لگا کہ یہ سنیت کی واضح نشانی بن گئی۔اس طرح آپ نے اپنے زبان و قلم کے ذریعہ دین کی تجدید و احیا کا کام سر انجام دیا۔

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے والہانہ تعلق :

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کو غوث اعظم، قطب ربانی حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کی ذات سے والہانہ تعلق تھا، آپ صحیح معنوں میں عاشق غوث اعظم تھے، آپ کی محفلیں ان کے ذکر سے معمور رہتیں۔آپ کا نہاں خانۂ دل سرکار غوثیت مآب کی بابرکت یادوں سے آباد رہتا۔آپ کے یہاں بچپن ہی سے بارگاہ قادریت کا ادب ملحوظ رہا۔ چھ برس کی عمر میں معلوم ہو گیا کہ بغداد شریف کس سمت ہے اس وقت سے اس طرف کبھی پاؤں نہ پھیلایا۔سمتِ قبلہ کا احترام تو آداب شرع میں داخل ہے مگر سمتِ مرشد کا ادب بارگاہ عشق کا حصہ ہے۔اسی لیے اعلیٰ حضرت نے فتوی کی زبان میں تو یہی لکھا کہ جانب شمال پاؤں پھیلا کر سونے میں کوئی ممانعت نہیں، ہاں اگر اس خیال سے بچتا ہے کہ اس سمت بغداد شریف ہے اور مسجد اقصیٰ قبلۂ انبیا ہے تو یہ ایک معقول وجہ ہے۔ ۵۷

اعلیٰ حضرت خود اپنا ایک خواب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ایک بار میں نے دیکھا کہ حضرت والد ماجد کے ساتھ ایک سواری ہے، بہت نفیس اور اونچی بھی تھی۔ والد ماجد نے کمر پکڑ کر سوار کیا اور فرمایا: گیارہ درجے تک تو ہم نے پہنچا دیا، آگے اللہ مالک ہے۔ میرے خیال میں اس سے مراد غلامی ہے سرکار غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔''۵۸

امام احمد رضا کو سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیسی گہری عقیدت تھی اس کا اندازہ حضرت محدث اعظم مولانا سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے اس بیان سے ہوتا ہے جو انھوں نے جشنِ ولادت اعلیٰ حضرت منعقدہ ناگپور ۱۳۷۹ھ کے خطبۂ صدارت میں دیا ہے:

''اعلیٰ حضرت نے مجھے کارِ افتا پر لگانے سے پہلے خود گیارہ روپے کی شیرینی منگائی۔ اپنے پلنگ پر مجھ کو بٹھا کر اور شیرینی رکھ کر فاتحہ غوثیہ کر کے دستِ کرم سے شیرینی مجھ کو بھی عطا فرمائی، اور حاضرین میں تقسیم کا حکم دیا کہ اچانک اعلیٰ حضرت پلنگ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب حاضرین کے ساتھ میں بھی اٹھ کھڑا ہوا کہ شاید کسی حاجت سے اندر تشریف لے جائیں گے، لیکن حیرت بالائے حیرت یہ ہوئی کہ اعلیٰ حضرت زمین پر اکڑوں بیٹھ گئے، سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ دیکھا تو یہ دیکھا کہ تقسیم کرنے والے کی غفلت سے شیرینی کا ایک ذرّہ زمین پر گر گیا تھا، اور اعلیٰ حضرت اس ذرّے کو نوکِ زبان سے اٹھا رہے ہیں۔ اور پھر اپنی نشست گاہ پر بدستور تشریف فرما ہوئے۔ اس واقعہ کو دیکھ کر سارے حاضرین سرکار غوثیت کی عظمت ومحبت میں ڈوب گئے۔ اب میں سمجھا کہ بار ہا مجھ سے جو فرمایا گیا کہ کچھ نہیں، یہ آپ کے جدِّ امجد (سرکار غوث پاک) کا صدقہ ہے وہ مجھے خاموش کر دینے ہی کے لیے نہ تھا اور نہ صرف مجھ کو شرم دلانا مقصود تھا، بل کہ درحقیقت اعلیٰ حضرت، غوث پاک کے ہاتھ میں ''چوں قلم در دستِ کاتب'' تھے۔''

وہ بارگاہِ قادریت کی غلامی میں ایسے غیرت مند تھے کہ کبھی بزرگانِ دین اور مشائخ طریقت سے محبت واحترام کے باوجود کسی اور سے اپنی حاجت روائی کی درخواست کرنا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔

الملفوظ میں ہے کہ ایک صاحب نے عرض کیا:

''عرض: حضرت سیدی احمد زروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ جب کسی کو تکلیف پہنچے ''یا زروق'' کہہ کر ندا کرے میں فوراً اس کی مدد کروں گا۔

ارشاد: مگر میں نے کبھی اس قسم کی مدد نہ طلب کی۔ جب کبھی میں نے استعانت کی ''یا غوث'' ہی کہا۔ یک در گیر، محکم گیر۔ میری عمر کا تیسواں سال تھا کہ حضرت محبوب الٰہی (شیخ نظام الدین اولیا علیہ الرحمہ) کی درگاہ میں حاضر ہوا۔ احاطہ میں مزامیر وغیرہ کا شور مچا تھا، طبیعت منتشر ہوتی تھی۔ میں نے عرض کیا: حضور! میں آپ کے دربار میں حاضر ہوا ہوں، اس شور وشغب سے مجھے نجات ملے، جیسے ہی پہلا قدم روضۂ مبارک میں رکھا ہے کہ معلوم ہوا سب ایک دم چپ ہو گئے ہیں، سمجھا کہ واقعی سب لوگ خاموش ہو گئے۔ قدم درگاہ شریف سے باہر نکالا پھر وہی شور وغل تھا، پھر اندر قدم رکھا پھر وہی خاموشی۔ معلوم ہوا کہ یہ سب حضرت کا تصرف ہے۔ یہ بیّن (اور کھلی ہوئی) کرامت دیکھ کر مدد مانگنی چاہی، بجائے حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ کے نامِ مبارک کے ''یا غوثاہ'' زبان سے نکلا، وہیں میں نے ''اکسیر اعظم'' (۱۳۰۲ھ) قصیدہ بھی تصنیف کیا۔ (پھر ارشاد فرمایا) ارادت شرطِ اہم ہے بیعت میں، بس مرشد کی ذرا سی توجہ درکار ہے۔ اور دوسری

طرف اگر ارادت نہیں تو کچھ نہیں ہو سکتا۔“ ۵۹

اس قصیدے میں عرض کرتے ہیں:

سر توئی، سرور توئی، سر را سروساماں توئی　　　جاں توئی، جاناں توئی، جاں را قرارِ جاں توئی

بہر پایت خواجۂ ہنداں شبِہ کیواں جناب　　　بل علی عینی ورا سی گوید کہ آں خاقاں توئی

بندہ ات غیرت برد، گر بردرِ غیرت رود　　　در رود چوں بنگرد ہم شاہِ آں ایواں توئی

مولانا شاہ محمد ابراہیم قادری برکاتی مدراسی حیدر آبادی نے اطلاع دی کہ مولانا وکیل احمد سکندر پوری قصیدۂ غوثیہ کی شرح لکھ رہے ہیں، اور کچھ لوگوں کو اس قصیدہ کی عربیت پر کلام ہے، ان کا رد بھی اچھی طرح کر رہے ہیں۔ آپ اس قصیدے کی نسبت اور عربیت سے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

اعلیٰ حضرت نے جواب میں اولاً اس کی نسبت کی صحت ثابت کی، پھر اس کی عربیت سے متعلق دس نکات تحریر فرمائے۔ جن میں یہ مان کر کہ ممکن ہے اس کی عربیت میں کمی ہے بطور تنزل کلام کیا، اور نکتۂ ثانیہ میں اکابر علما و ادبا کی تیس عبارتیں پیش کیں جن میں قواعدِ عربی کی رعایت نہ تھی وہ بھی نثر میں۔ جواب کے آخر میں فرماتے ہیں:

”الحمدللہ، کلام اپنے منتہا کو پہنچا اور ارتیابِ مرتاب اپنی سزا کو۔ مگر ابھی تو ہمیں حضرتِ معترض کی مزاج پرسی کرنی ہے۔ ذرا مہربانی فرما کر اپنے اعتراضاتِ تفصیلی سے اطلاع دیں اور اس وقت جوابِ تفصیلی کے مرتبے میں ہم پر ہمارے آقا کا فیضان دیکھیں۔ ہاں ہاں، اصلاً نہ شرمائیں۔ جہاں تک اعتراض خاطر میں آئیں، سب ایک ایک کر کے بیان فرمائیں۔ کچھ اظہار کہنے کی تکلیف ہرگز نہ اٹھائیں۔ ہم بھی تو جانیں کہ قصیدہ مبارکہ میں ایسے کیا کچھ اغلاط دیکھ پائے ہیں، جن کی بنا پر یہ شور اٹھائے ہیں۔“ ۶۰

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے سرکارِ غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک منقبت میں لکھا:

بندہ مجبور ہے خاطر پہ ہے قبضہ تیرا

یہ سرکار غوث اعظم کے ایک ارشاد کا ترجمہ ہے، بعض حضرات کو اس پر اعتراض ہوا۔ اسی طرح مشہور نعت پاک ”حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو“ میں لفظ ”شہنشاہ“ پر ایک صاحب کو ممانعت اور ناجائز ہونے کا خدشہ ہوا، ان دونوں اعتراضات کے جواب میں آپ نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام رکھا ”فقه شهنشاه و ان القلوب بيد المحبوب بعطاء الله “(۱۳۲۶ھ)

بہجۃ الاسرار شریف اور دیگر اکابر کی کتابوں میں خود سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک نماز مروی ہے جس کا نام ”صلاۃ الاسرار“ ہے۔ اس میں بعد نماز بغداد شریف کی طرف گیارہ قدم چلتے ہوئے سرکار غوثیت سے استمداد بھی ہے۔ غوث اعظم فرماتے ہیں جو حاجت ہو پوری کی جائے گی یہ نماز اولیائے کرام کے معمولات و مجربات سے ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

حسنِ نیت ہو خطا پھر کبھی کرتا ہی نہیں　　　آزمایا ہے یگانہ ہے دوگانہ تیرا

کچھ منکرینِ استعانت و توسل کو اس پر اعتراض ہوا، اس کے جواب میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام ”انہار الانوار من یم صلاۃ الاسرار“ رکھا جس میں اکابرِ امت اور اکابرِ منکرین سے اس کا جواز ثابت کیا، اور بہت سے اہم صوفیانہ نکات بھی اس میں تحریر فرمائے۔

ان ساری تفصیلات کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق اعلیٰ حضرت نے جو عرض کیا ہے

کی۔

میری قسمت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد　　ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا

یہ صرف شاعرانہ دعویٰ نہیں، بل کہ حقیقت بھی یہی ہے کہ انھوں نے ناموسِ غوثیت کی حفاظت اور فضائل قادریت کے اظہار واعلان میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ان کی اسی عقیدت ومحبت کا ثمرہ ہے کہ مشکل مسائل میں حضرت سیدنا غوث اعظم کی جانب سے ان پر فیوض وبرکات اور علمی دقائق ونکات کی وہ بارش ہوئی کہ آپ کی کتابیں پڑھ کر اہل علم انگشت بدنداں ہیں۔

امام احمد رضا نثر کی طرح نظم میں بھی سیدنا غوث اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہِ اقدس میں عشق وعقیدت کے موتی لٹاتے ہوئے نظر آتے ہیں، انھوں نے سرکار غوث پاک کی شان میں کئی طویل منقبتیں بھی کہی ہیں جو ان کے دیوان "حدائق بخشش" میں چھپ چکی ہیں، جن کے مطالعہ کے بعد یہ تاثر ہر قاری کے ذہن پر مرتسم ہو جاتا ہے کہ انھیں بارگاہِ قادریت سے بے پناہ عشق تھا۔ ان کی یہ منقبت اہل عشق وعرفان کی محفلوں میں بڑے والہانہ انداز میں پڑھی اور سنی جاتی ہے۔

تو ہے وہ غوث کہ ہر غوث ہے شیدا تیرا　　تو ہے وہ غیث کہ ہر غیث ہے پیاسا تیرا
سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے　　افقِ نور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا
سارے اقطاب جہاں کرتے ہیں کعبہ کا طواف　　کعبہ کرتا ہے طواف درِ والا تیرا
تو ہے نوشاہ، براتی ہے یہ سارا گلزار　　لائی فصلِ سمن گوندھ کے سہرا تیرا
گیت کلیوں کی چٹک، غزلیں ہزاروں کی چہک　　باغ کے سازوں میں بجتا ہے ترانہ تیرا
صف ہر شجرہ میں ہوتی ہے سلامی تیری　　شاخیں جھک جھک کے بجالاتی ہیں مجرا تیرا
کس گلستاں کو نہیں فصلِ بہاری سے نیاز　　کون سے سلسلہ میں فیض نہ آیا تیرا
نہیں کس چاند کی منزل میں ترا جلوۂ ناز　　نہیں کس آئینہ کے گھر میں اجالا تیرا
راج کس شہر میں کرتے نہیں تیرے خدام　　باج کس نہر سے لیتا نہیں دریا تیرا
مزرعِ چشت و بخارا و عراق و اجمیر　　کون سے کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا
جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے　　سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا

سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کی گہری عقیدت اور والہانہ تعلقِ خاطر کا اعتراف غیر جانب دار لوگوں کو بھی ہے۔ مشہور آزاد خیال ادیب وتنقید نگار نیاز فتح پوری نے آپ کے نعتیہ کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مولانا حسرت موہانی اور مولانا بریلوی میں ایک شی قدر مشترک تھی، اور وہ ہے غوث الاعظم کی ذات والا صفات، جن سے دونوں کی گہری وابستگی تھی۔ مولانا حسرت موہانی کی زبان سے اکثر میں نے مولانا بریلوی کا یہ شعر سنا ہے۔

تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع　　جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا [1]

تصنیف وتالیف :

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے علمی ماحول میں پرورش پائی جہاں درس وتدریس، وعظ وتقریر، ہدایت وارشاد اور سب سے بڑھ کر

تصنیف وتالیف کا دور دورہ تھا، والد گرامی علامہ نقی علی خاں بریلوی ایک بلند پایہ مصنف اور قلم کار تھے، اور آپ کا طبعی میلان بھی دوسرے علمی میدانوں سے زیادہ تصنیف وتالیف کی طرف تھا۔ گھر کے علمی ماحول نے اس میں سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ اس کے علاوہ یہ تاریخی حقیقت بھی آپ کے پیش نظر تھی کہ تصنیف وتالیف کے مقابلے میں وعظ وتقریر اور درس وتدریس کے اثرات وقتی، عارضی اور ناپائدار ہوتے ہیں جب کہ تصنیف وتالیف کے اثرات مستحکم، پائدار اور رہتی دنیا تک باقی رہنے والے ہوتے ہیں۔ دنیا میں بے شمار رجال فکروفن پیدا ہوئے، جو مختلف علوم وفنون میں ید طولیٰ رکھتے تھے، وہ علم کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اور فکروفن کا کوہ ہمالہ تھے، انھوں نے اپنی تدریس وتقریر کے ذریعہ ایک عالم کو مستفیض فرمایا، اور علم وآگہی کا اجالا پھیلا کر جہالت وگمرہی کی تاریکی دور کی۔ مگر آج دنیا ان کے نام سے بھی واقف نہیں، نہ یہ معلوم کہ وہ کہاں کہاں کے رہنے والے تھے؟ کن کن علوم وفنون میں انھیں کمال حاصل تھا؟ انھوں نے کس کس طریقے سے دین وعلم کی خدمات انجام دیں؟ ان خدمات کی تفصیلات کیا ہیں؟ اور اگر کچھ علم بھی ہوا تو دوسرے اہل علم کی تحریر وتصنیف کے ذریعہ۔ لیکن ہر باشعور انسان سمجھتا ہے کہ ''سنے ہوئے'' اور ''دیکھے ہوئے'' میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ لیس الخبر کالمعاینۃ ؎ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ اس کے برخلاف امام غزالی، امام رازی، امام ابن حجر عسقلانی، امام بدرالدین عینی، حافظ جلال الدین سیوطی، امام محمد بن حسن شیبانی، اصحاب صحاح ستہ اور بے شمار اصحاب تصانیف علما وفضلا نے اپنے پیچھے علمی نقوش وآثار چھوڑے، دنیا آج تک ان کی کتابوں سے براہ راست فیض اٹھارہی ہے۔ اور قیامت تک وہ کتابیں علم وفن کا چشمۂ شیریں بن کر تشنگانِ علوم کی پیاس بجھاتی رہیں گی۔

یہی سب بنیادیں تھیں جن کی بنا پر امام اہل سنت، سیدی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تدریس وتقریر سے زیادہ تصنیف و تالیف کی طرف توجہ فرمائی اور ہوش سنبھالتے ہی اس کام کا آغاز فرمادیا۔ آٹھ برس کی عمر میں ہدایۃ النحو کی عربی زبان میں شرح لکھی۔ تیرہ برس کی عمر میں حمد وہدایت کی تعریف میں عربی زبان میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام ''ضوء النھایۃ فی اعلام الحمد والھدایۃ'' رکھا۔ ۶۲ اور پھر تو زندگی بھر تصنیف وتالیف کا یہ سلسلہ برابر چلتا رہا، آپ نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا، اس کے تمام ضروری گوشوں پر گفتگو فرمائی اور اس میں کوئی نہ کوئی علمی نکتہ ضرور یادگار چھوڑا، تحقیق اور جامعیت آپ کی ساری تصانیف کا طرۂ امتیاز ہے۔

ملک العلما علامہ ظفرالدین رضوی بہاری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''المجمل المعدد لتالیفات المجدد'' میں تین سو پچاس تصانیف کے نام شمار کرائے ہیں اور یہ بھی صراحت کی ہے کہ وہ کس زبان اور کس موضوع پر ہیں۔ یہ وہ تصانیفِ رضویہ ہیں جو ۱۳۲۷ھ کے ابتدائی مہینوں میں معرضِ تحریر میں آچکی تھیں۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان تیرہ سال باحیات رہے، اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اس تیرہ سال کی مدت میں امام احمد رضا قدس سرہٗ نے کتنی کتابیں تحریر فرمائیں، اس کی باضابطہ کوئی فہرست مرتب نہ ہوسکی۔ جب کہ اس زمانہ میں حضرتِ امام بریلوی کا اشہب قلم پہلے کی بہ نسبت زیادہ برق رفتار اور فکر زیادہ پختہ اور مضامین کی آمد کا اوسط کچھ زیادہ ہی رہا ہوگا۔ اس لیے اس مدت کی تصانیف کچھ زیادہ ہی ہوں گی۔

پھر حضرت ملک العلما علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۱۳۲۷ھ کے اوائل تک تصانیف کی جو تعداد اپنے رسالہ ''المجمل المعدد'' میں لکھی ہے وہ بھی حتمی اور یقینی نہیں، بل کہ ان کی اس وقت کی تلاش وجستجو کے پیش نظر تھی۔ اگر اس سے زیادہ تلاش وجستجو ہوتی تو بہت سی اور تصانیف بھی ملتیں۔ خود حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ نے ''المجمل المعدد'' میں اس کا اعتراف کچھ اس طرح کیا ہے:

''یہ مجموعہ مع ذیل بعض تالیفات اصحاب واحباب محرم ۱۳۲۷ھ تک ساڑھے تین سو تصنیفیں ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ سب اسی قدر ہیں، بل کہ یہ صرف وہ ہیں جو اس وقت کے استقرا میں میرے پیش نظر ہیں، فضلِ خدا سے امید

واثق کہ تمام قدیم وجدید بستوں پر نظر کی جائے تو کم وبیش پچاس رسالے اور نکلیں، کہ پہلی بار اوائل صفر میں یہ فقیر اپنے زعم میں تمام تصنیفات کی فہرست مکمل کر چکا تھا، پھر دوبارہ قدیم بستے اور فتاویٰ کی جلدیں دیکھنے سے چھیانوے رسالے اور نکلے جس میں بعض مطبوعات سے تھے کہ باوصفِ طبع مجھے یاد نہ آئے اور باقی سب مبیضہ پائے۔ وللہ الحمد۔"٦٣

یہی حضرت ملک العلما، حیات اعلیٰ حضرت حصہ اول میں (جو کہ ١٣٦٩ھ/ ١٩٣٨ میں تالیف ہوئی) لکھتے ہیں:

"درحقیقت اعلیٰ حضرت کی تصانیف چھ سو سے زیادہ ہیں جس کا مفصل بیان حیات اعلیٰ حضرت حصہ دوم میں آتا ہے انشاءاللہ تعالیٰ۔"٦٤

لیکن حیاتِ اعلیٰ حضرت حصہ دوم میں انھیں ساڑھے تین سو تصنیفات کا بیان سنِ تصنیف کے اعتبار سے درج ہے۔ جب کہ خود اسی میں آپ کا یہ بیان بھی ہے:

"اس (المجمل المعدد کی تالیف) کے بعد جب ذی قعدہ ١٣٦٢ھ میں چار مہینے کی فرصت لے کر اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کی اشاعت کے سلسلے میں بریلی شریف میں قیام کا موقع ملا تو ١٣٢٧ھ کے بعد سے وصال تک جس قدر تصنیفات فرمائی تھیں ان کو بطور ضمیمہ اس رسالہ کے اضافہ کیا اب جملہ تصنیفات چھ سو سے فاضل ہیں۔"٦٥

اس کے باوجود اس میں جو تصانیف درج ہیں وہ وہی ساڑھے تین سو ہیں جو المجمل المعدد میں چھپ چکی ہیں، بقیہ تصنیفات کی کوئی فہرست حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم کیا، کسی جلد میں موجود نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ حضرت ملک العلما علیہ الرحمۃ نے علاحدہ سے کوئی فہرست بنائی ہوگی جو حیاتِ اعلیٰ حضرت میں شامل کرنی تھی لیکن اس کا مسودہ غائب ہوگیا ہو، یا کسی "امانت دار" کے ہاتھ لگ گیا ہو اور کسی "تہ خانے" میں محفوظ ہو۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

ویسے اکتوبر دسمبر ١٩٦٢ء کے ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی شریف میں تصانیفِ رضویہ کی ایک فہرست شائع ہوئی ہے۔ جس میں "المجمل المعدد" سے کہیں زیادہ کتب وحواشی کے نام درج ہیں، شاید یہ وہی فہرست ہو جو حضرت ملک العلما نے بعد میں بنائی تھی، لیکن اس میں مرتب کی حیثیت سے حضرت ملک العلما کا کہیں ذکر نہیں۔

حضرت علامہ عبدالمبین نعمانی مصباحی رکن المجمع الاسلامی مبارک پور نے بڑی محنت اور کاوش سے ایک فہرستِ تصنیفات مرتب فرمائی ہے جس میں چھ سو چوراسی کتب ورسائل وحواشی کے نام درج ہیں۔ یہ فہرست المجمع الاسلامی، مبارک پور کے زیر اہتمام رضا اکیڈمی، ممبئی سے صفر ١٤٢٥ھ/ اپریل ٢٠٠٤ء کو "تصانیفِ امام احمد رضا" کے نام سے چھپ چکی ہے۔ اور حضرت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں لکھنوی علیہ الرحمۃ نے ترجمان اہل سنت (شمارہ پنجم، ص ٨٧) پر تحریر فرمایا کہ اعلیٰ حضرت کی تصنیفات مبارکہ ایک ہزار سے بھی زائد ہیں۔ (سوانح اعلیٰ حضرت، از مولانا بدرالدین احمد رضوی، ص ٣٩٥، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی ١٤٢٢ھ)

تصانیف کی اس کثرتِ تعداد کو دیکھتے ہوئے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی ذات گرامی اسلامی تاریخ کی ان چند عبقری، باکمال اور نامور ہستیوں میں نمایاں ہے جنھوں نے اپنے پیچھے امتِ مسلمہ کی ہدایت ورہنمائی کے لیے تصنیفات کا ایک لمبا سلسلہ چھوڑا۔ اس باب میں امام محمد بن حسن شیبانی، امام ابن حجر عسقلانی، امام جلال الدین سیوطی کے بعد مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان کا نام سپہر علم وفضل پر بدر کامل کی طرح چمکتا دمکتا نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت امام کی تربتِ انور پر ہمیشہ اپنے رحمت وغفران کی بارش فرمائے اور انھیں اپنی بارگاہ کریم سے اس کی وہ جزا عطا فرمائے جو اس کے شانِ جود وعطا کے لائق ہے۔ آمین

امام احمد رضا کی تصنیفات تین زبانوں میں ہیں۔(۱) عربی (۲) اردو (۳) فارسی۔ ''تصانیف امام احمد رضا'' مرتبہ مولانا عبد المبین نعمانی قادری مصباحی کے مطابق عربی میں دو سو چھپن (۲۵۶)، فارسی میں چھپن (۵۶) اور اردو میں تین سو بہتر (۳۷۲) تصنیفات ہیں۔ حضرت ملک العلما علیہ الرحمۃ کے بیان کے مطابق یہ کتابیں پچاس فنون و موضوعات پر ہیں جن کی تفصیل حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم ص ۵۰ پر دیکھی جاسکتی ہے۔ جب کہ حضرت مولانا نعمانی صاحب دام ظلہ نے ''تصانیف امام احمد رضا'' میں اکیاون فنون میں کتابیں شمار کرائی ہیں۔ سب سے زیادہ کتابیں فقہ میں ہیں جن کی تعداد دو سو تریپن ہے۔ان میں فتاویٰ رضویہ جیسا عظیم مجموعہ فتاویٰ بھی ہے جو بارہ جلدوں میں پھیلا ہوا ہے۔ حدیث و اصول حدیث و اسماء الرجال میں ستاون کتابیں ہیں جب کہ تفسیر و اصول تفسیر میں کتابوں کی تعداد سولہ اور عقائد و کلام میں ایک سو چوبیس تصنیفات ہیں۔

آپ کی تصانیف میں '' فتاویٰ رضویہ، الدولۃ المکیہ، کفل الفقیہ الفاہم، کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، الفضل الموہبی فی معنیٰ إذا صح الحدیث فہو مذہبی، منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین، جد الممتار علی رد المحتار، الکشف شافیا حکم فونو جرافیا، شائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر، اجلی الاعلام بأن الفتوی مطلقا علی قول الامام، المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد، حدائق بخشش، فوز مبین در رد حرکت زمین نسبتاً زیادہ اہم اور گراں قدر ہیں۔

میں اخیر میں امام احمد رضا قدس سرہ کی تصانیف کی اہمیت وافادیت کے تعلق سے پاکستان کے مشہور دانش ور اور بلند پایہ مفکر مولانا کوثر نیازی کا ایک بیان نذر قارئین کرتا ہوں جس سے تصنیفات رضویہ کے علمی، تحقیقی اور افادی پہلو کو سمجھنے میں کافی مدد ملے گی۔ وہ فرماتے ہیں:

> '' قرطاس وقلم سے میرا تعلق دو چار سال ہی کی بات نہیں، نصف صدی کی بات ہے۔اس دوران وقت کے بڑے بڑے اہل علم وقلم، مشائخ وعلما کی صحبت میں بیٹھ کر استفادہ کرنے کا موقع ملا اوران کے درس میں شریک رہا۔اور اپنی بساط کے مطابق فیض حاصل کرتا رہا۔زندگی میں، میں نے اتنی روٹیاں نہیں کھائی ہیں جتنی کثیر تعداد میں کتابیں پڑھی ہیں۔میری اپنی ذاتی لائبریری میں دس ہزار سے زیادہ کتابیں ہیں وہ سب مطالعہ سے گزری ہیں۔ان سب کے مطالعہ کے دوران امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتب نظر سے نہیں گزری تھیں۔اور مجھے محسوس ہوتا تھا کہ علم کا خزانہ پالیا ہے اور علم کا سمندر پار کرلیا ہے۔علم کی ہر جہت تک رسائی حاصل کرلی ہے۔مگر جب امام اہل سنت کی کتابیں مطالعہ کیں اوران کے دروازے پر دستک دی اور فیضیاب ہوا تو اپنے جہل کا احساس اور اعتراف ہوا۔یوں لگا کہ ابھی تو میں علم کے سمندر کے کنارے کھڑا صرف سیپیاں چن رہا تھا۔علم کا سمندر تو امام کی ذات ہے۔امام کی تصانیف کا جتنا مطالعہ کرتا ہوں عقل اتنی ہی حیران ہوتی چلی جاتی ہے اور یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ امام احمد رضا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہے جسے اللہ نے اتنا وسیع علم دے کر دنیا میں بھیجا ہے کہ علم کی کوئی جہت ایسی نہیں کہ جس پر امام کو مکمل دسترس حاصل نہ ہو۔اور اس پر کوئی تصنیف نہ لکھی ہو۔یقیناً آپ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم کے صحیح جانشین تھے جس سے ایک عالم فیض یاب ہوا۔

فقہ حنفی میں ہندوستان میں دو کتابیں مستند ترین ہیں۔ان میں سے ایک '' فتاویٰ عالمگیریہ'' ہے جو دراصل چالیس علما کی مشترکہ خدمت ہے۔دوسرا '' فتاویٰ رضویہ'' ہے جس کی انفرادیت یہ ہے کہ جو کام چالیس علما نے مل کر انجام دیا وہ اس مرد مجاہد نے تنہا کر کے دکھادیا۔اور یہ مجموعہ '' فتاویٰ رضویہ'' '' فتاویٰ عالمگیریہ'' سے زیادہ جامع ہے اور میں نے

جو آپ کو امام ابوحنیفہ ثانی کہا ہے وہ صرف محبت یا عقیدت میں نہیں کہا بل کہ "فتاویٰ رضویہ" کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپ اس دور کے ابوحنیفہ ہیں۔ آپ کے فتاویٰ میں مختلف علوم وفنون پر جو بحثیں کی گئی ہیں ان کو پڑھ کر بڑے بڑے علما کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کاش کہ اعلیٰ حضرت کی حیات اس دور کو میسر آ جاتی تا کہ آج کل کے پیچیدہ مسائل حل ہو سکتے۔ کیونکہ آپ کی تحقیق حتمی ہوتی، مزید کی گنجائش نہ ہوتی۔"٦٦

وفات :

امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز پوری زندگی قرآن وسنت کا پیغام عام کرتے رہے، خلقِ خدا کی ہدایت ورہ نمائی کا سامان کرتے رہے، بدعات وخرافات اور کفر وضلالت کے علم برداروں کو اپنے تیشۂ قلم سے زخمی و بے جان کرتے رہے، بالآخر ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸/ اکتوبر ۱۹۲۱ء دوپہر ۲ بج کر ۳۸ منٹ پر جمعہ کے دن آپ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کا سنِ وصال آیتِ کریمہ "وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ" سے برآمد ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ کے اعداد بقاعدۂ ابجد ۱۳۴۰ نکلتے ہیں، اور اگر شروع سے "و" حذف کر کے یہ آیت پڑھی جائے تو اس سے ۱۳۳۴ کے اعداد نکلتے ہیں۔ ۱۳۳۴ھ میں محدثِ سورتی حضرت علامہ وصی احمد علیہ الرحمۃ والرضوان کا وصال ہوا تھا۔

ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ استاذی الکریم حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد تعزیت کے لیے میں پیلی بھیت حاضر ہوا، اس کے بعد بریلی شریف، اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کے لیے بھی حاضری دی۔ ایک دن اعلیٰ حضرت نے گفتگو کے دوران فرمایا کہ میں نے حضرت محدث صاحب کی تاریخ وفات آیت کریمہ سے پائی، جس سے ان کا مرتبہ بھی معلوم ہوتا ہے اور پھر آپ نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی: "يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ" اسی وقت میں نے آیت کریمہ کے اعداد جوڑے تو "۱۳۳۴" نکلے۔ لیکن میرے دل میں ایک کھٹک تھی جس کو زبان پر لانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی روشن ضمیری اور فراستِ ایمانی سے اسے بھانپ لیا اور فرمایا: کیا کچھ کہنا چاہتے ہیں؟ اتنا اشارہ پا کر میں نے عرض کیا: آیتِ کریمہ "وَيُطَافُ... ہے۔ اس پر تبسم فرمایا اور کہا کہ پوری آیت اُس بندۂ خدا کی تاریخ ہوگی جس کا انتقال چھ سال بعد ۱۳۴۰ھ میں ہوگا۔ اس وقت میرا ذہن حضور کی طرف نہ گیا لیکن جب ۱۳۴۰ھ آپ کا وصال ہوا تو سمجھ میں آیا کہ اس دن اعلیٰ حضرت نے اپنی ہی طرف اشارہ فرمایا تھا مگر میں سمجھ نہ سکا تھا۔

نبیرۂ محدث سورتی مولانا قاری احمد صاحب کا بیان ہے کہ وصال کے بعد جب اعلیٰ حضرت کو غسل دینے کے لیے بستر سے اٹھایا گیا تو سرہانے سے ایک کاغذ برآمد ہوا جس پر سورۂ دہر کی یہ آیت کریمہ لکھی ہوئی تھی "وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ" نیچے لکھا ہوا تھا اگر اس آیت کو واو سمیت پڑھا جائے تو میرے انتقال کی تاریخ نکلتی ہے، اور اگر بغیر واو کے پڑھیں تو حضرت مولانا شاہ وصی احمد سورتی کے انتقال کی تاریخ نکلتی ہے۔ ٦٧

وصال سے دو روز قبل چہار شنبہ کو بڑی شدت سے لرزہ ہوا، جناب حکیم حسین رضا خاں کو نبض دکھائی۔ انھیں نبض نہ ملی دریافت فرمایا: نبض کی کیا حالت ہے؟ انھوں نے گھبراہٹ اور پریشانی میں عرض کر دیا: ضعف کے سبب نہیں ملتی۔ اس پر دریافت فرمایا: آج کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: چہار شنبہ ہے ارشاد فرمایا: جمعہ پرسوں، یہ فرما کر دیر تک "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" پڑھتے رہے۔ حضرت ملک العلما

فرماتے ہیں: میں اس وقت حاضر تھا۔ کہنے والے نے میرے دل میں فوراً کہہ دیا کہ امام اہل سنت جمعہ کو ہم میں رہنے والے نہیں۔

پنج شنبہ کی رات اہل بیت نے چاہا کہ جاگیں، شاید کوئی ضرورت ہو، منع فرمایا۔ جب انھوں نے زیادہ اصرار کیا تو ارشاد فرمایا: انشاء اللہ یہ رات وہ نہیں ہے جو تمھارا خیال ہے، تم سب سو رہو، وصال کے روز ارشاد فرمایا: پہلے جمعہ میں کرسی پر جانا ہوا، آج چارپائی پر جانا ہوگا پھر فرمایا میری وجہ سے نماز جمعہ میں تاخیر نہ کرنا۔

چودھری عبدالحمید خاں، رئیس سہاور (مصنف کنز الآخرہ) جو اعلیٰ حضرت کے نہایت مخلص عقیدت کیش تھے۔ وصال سے کچھ پہلے ملنے کے لیے تشریف لائے۔ اور اعلیٰ حضرت سے عرض کیا کہ حکیم عابد علی خاں کوثر، سیتا پور کے ایک پرانے طبیب ہیں، صحیح العقیدہ سنی اور فقیر دوست ہیں۔ میرے خیال میں انھیں بلا لیا جائے۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا: انسان آخر وقت تک تدبیر نہیں چھوڑتا، اور یہ نہیں سمجھتا کہ اب تدبیر کا وقت نہیں رہا۔

جمعہ کے روز صبح ہی سے سفر آخرت کی تیاریاں ہوتی رہیں۔ جائداد کے متعلق وقف نامہ کی تکمیل فرمائی۔ جائداد کی چوتھائی آمدنی مصرف خیر میں رکھی۔ باقی اپنے ورثہ پر شرعی حصوں کے مطابق وقف علی الاولاد فرمادی۔ پھر وصال سے دو گھنٹہ ۱۵ منٹ پہلے وصیتیں لکھوائیں جو "وصایا شریف" کے نام سے ایک مستقل رسالہ کی شکل میں چھپ چکی ہیں۔ ۶۸

اور دوپہر ۲ بج کر ۳۸ منٹ پر آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ۶۹ نماز جنازہ میں خلائق کا زبردست ہجوم تھا۔ اس لیے عیدگاہ کے وسیع میدان میں دوسرے دن ۲۶ صفر کو نماز جمعہ ادا کی گئی۔ اور ۴ بجے مسجد رضوی کے پہلو میں آپ کو آسودۂ خاک کیا گیا۔ ۷۰

اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے اپنے شہزادے مفتی اعظم علامہ محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری بریلوی کو وہ تربیت فرمائی کہ ان کے ظاہر کو بھی سنوارا اور باطن کو بھی خوب خوب نکھارا۔ دنیا نے دیکھا کہ مفتی اعظم اپنے زمانے کے ایسے رئیس الاتقیا بن کر افق کائنات پر طلوع ہوئے کہ ارباب مشاہدہ کو آپ کے تقویٰ و پرہیزگاری، ولایت و روحانیت کا برملا اعتراف کرنا پڑا۔

متقی بن کر دکھائے اس زمانے میں کوئی
ایک میرے مفتی اعظم کا تقویٰ چھوڑ کر

آپ نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ سے تقویٰ و طہارت، ولایت و معرفت کے ساتھ ہی ساتھ علوم عقلیہ و نقلیہ میں وہ فیض پایا کہ "الولد سر لابیہ" (بیٹا اپنے باپ کا مظہر ہوتا ہے۔) کے جلوے آپ کی ذات بابرکات میں صاف دکھائی دینے لگے۔

مفتی اعظم کی نوجوانی کا زمانہ تھا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے وقت کے تقاضے کے پیش نظر پورے ملک کے لیے ایک "دارالقضا شرعی" کا قیام فرمایا، چوں کہ قاضی کے لیے کافی تربیت، تفقہ اور تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے اعتبار سے حاضرین بارگاہ رضا میں سب سے فائق صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی رضوی اعظمی علیہ الرحمہ تھے اس لیے انھیں قاضی مقرر فرمایا اور حضرت مفتی اعظم اور حضرت برہان ملت مولانا مفتی برہان الحق جبل پوری علیہما الرحمۃ کو ان کی اعانت کے لیے "مفتی دارالقضا" کے منصب پر فائز فرمایا۔ اس درالقضا میں اگرچہ حضرت مفتی اعظم ہند، حضرت صدر الشریعہ کے ماتحت تھے، مگر اہل علم خوب جانتے ہیں کہ یہ دارالقضا کوئی معمولی دارالقضا نہ تھا، پورے ہندوستان کا سب سے بڑا مرکزی درالقضا تھا جسے سپریم کورٹ کہہ لیجیے، اور اس دارالقضا میں مفتی کی وہی حیثیت تھی جو کسی بنچ کے جج

کی ہوتی ہے۔ایک نوعمر نوجوان کو سپریم کورٹ کے بنچ کے ججوں میں شامل کرنا اتنا بڑا اعزاز ہے جو ہر کہنہ مشق، تجربہ کار کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔اس نوعمری میں سب سے بڑے اور مرکزی دارالقضا کا رکن بنانا ہی اس بات کی جانب اشارہ تھا کہ ایک دن آئے گا کہ یہ نوعمر پوری دنیا کے علمائے کرام میں وہ حیثیت حاصل کرلے گا کہ اس کی حیثیت عالمی سپریم کورٹ کے اعلیٰ جج کی ہو جائے گی اور دنیا نے اپنی چشم سر سے دیکھ لیا کہ حضرتِ مفتی اعظم اپنے زمانہ میں پوری دنیائے سنیت کے صرف قاضی القضاۃ ہی نہ تھے بل کہ روحانی شہنشاہ تھے۔

اس سے پہلے آپ کی زندگی کے اس ابتدائی دور پر نظر ڈالیے، آپ کی عمر صرف اٹھارہ برس کی تھی۔ ۱۹۱۰ء کا زمانہ تھا۔آپ نے رضاعت کے متعلق پہلا فتویٰ لکھا۔یہ فتویٰ مجدد اسلام اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش ہوا۔اعلیٰ حضرت نے اس میں کوئی ترمیم و اصلاح کیے بغیر ان الفاظ میں اس کی تصدیق فرمائی "صَحَّ الجواب بعون الملك الوهاب" اور خوش ہوکر انعام عطا فرمایا اور مہر بنوا کر عنایت فرمائی۔

غور کریں ایک اٹھارہ سال کا نوجوان پہلا فتویٰ لکھتا ہے اور تصحیح کے لیے اس دقیقہ بیں، نکتہ رس عبقری شخصیت کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے جس کی تیز نگاہی کا یہ عالم ہے کہ کسی کلمہ میں ہزار معانی ہوتے تو وہ سب اوّل نظر میں احاطے میں آ جاتے۔اور جس کے بارے میں علمائے حرمین شریفین نے فرمایا: کہ "اگر انھیں امام ابوحنیفہ دیکھ لیتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اور انھیں اپنے تلامذہ و اصحاب میں داخل فرمالیتے۔" مگر اس نوعمر مفتی کے پہلے فتویٰ پر اسے بھی کہیں اصلاح و ترمیم کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے اس نوعمری کے زمانے میں ہی اپنے اندر خاصی علمی و فکری پختگی پیدا کرلی تھی۔

آپ کی نوجوانی ہی کا زمانہ تھا کہ اعلیٰ حضرت اور علمائے رام پور کے درمیان جمعہ کی اذانِ ثانی پر بحث چھڑ گئی۔علمائے رام پور معمولی علما نہیں تھے۔یہ وہ اکابرِ ملت تھے جن کے علم و فضل کا رعب و دبدبہ پورے ہندوستان پر چھایا ہوا تھا۔یہ شمس العلما مولانا عبدالحق بن علامہ فضلِ حق خیرآبادی جیسے اس بطلِ جلیل کے وارث تھے کہ جب بانی دیوبندیت قاسم نانوتوی، رام پور آئے تو ان کی ہیبت سے اپنے آپ کو ظاہر نہ کیا، سرائے میں قیام کیا اور اپنا نام تبدیل کر کے لکھوایا۔

بہر حال علمائے رام پور نے پوری توانائیوں کے ساتھ اس مسئلہ پر بحث شروع کردی۔مجدد اعظم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے ان کے افہام و تفہیم کے لیے اپنے اس نوجوان فرزند کو حکم دیا، حضرت مفتی اعظم نے ان کی علمی بحثوں اور فنی اشکالوں کے ایسے مدلل اور مسکت جوابات دیے کہ وہ دم بخود رہ گئے، ان پر وہ علمی گرفتیں فرمائیں کہ وہ انگشت بدنداں ہوگئے۔جس کا جی چاہے اس وقت کے رسائل وقایۃ اہل السنۃ، نفی العار وغیرہ مطالعہ کرلے، اسے معلوم ہو جائے گا کہ مجدد اعظم کے وارث نے دنیا کو دکھادیا کہ ؏

"بزرگی بعقل ست، نہ بسال"

حضرت مفتی اعظم کے یہ ایرادات آج بھی ان کے ذمہ قرض ہیں۔اے

یہ سب آپ کے والدِ گرامی مجدد اعظم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی تربیت اور نگاہِ کیمیا اثر کا فیضان تھا جس نے آپ کے اندر ژرف نگاہی، دقیقہ بینی، نکتہ سنجی اور حقائق کی دریافت کا ملکہ پیدا فرمادیا تھا۔

بعض مواقع پر آپ نے اپنے والدِ گرامی کو کچھ مناسب علمی مشورے بھی دیے جنھیں مجدد اعظم علیہ الرحمہ نے قبول فرمایا اور اپنی تحریر میں ان کا ذکر بھی فرمایا۔آپ " الكلمة الملهمة " کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"بعونہ تعالیٰ فقیر نے ردِ فلسفہ جدیدہ میں ایک مبسوط کتاب مسمّی بنام تاریخی "فوزِ مبین در ردِ حرکت زمین"، لکھی،

جس میں ایک سو پانچ دلائل سے حرکتِ زمین باطل کی، اور جاذبیت و نافریت وغیرہا مزعومات فلسفۂ جدیدہ پر دو روشن رد کیے جن کے مطالعہ سے ہر ذی نصاف پر بحمدہ تعالیٰ آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے کہ فلسفۂ جدیدہ کو اصلاً عقل سے مس نہیں۔ اس کی فصلِ سوم میں ایک تذئیل لکھی جس میں وہ دس دلائل ذکر کیے کہ فلسفۂ قدیمہ نے ردِ حرکت زمین پر دیے۔ ہم نے ان کا ابطال کیا کہ یہ دلائل باطل و زائل ہیں، ان میں سے تعلیل پنجم یہ تھی کہ فلک میں میل متدیر ہے تو زمین میں نہ ہوگا کہ طبیعت متضاد ہے۔ ہفتم یہ کہ زمین مبدأ میل مستقیم ہے تو مبدأ میل متدیر محال۔ ہشتم یہ تھی کہ زمین کا دورہ طبعاً و ارادۃً نہ ہونا ظاہر، اور قسر کو دوام نہیں۔ نہم یہ کہ حرکت زمین ماننے والوں کے نزدیک یہ حرکت نامتناہی ہے تو قوت جسمانی سے اس کا صدور محال۔ دہم یہ کہ طبیعیات میں ثابت ہے کہ حرکت وضعیہ نہ ہوگی مگر ارادیہ۔ اور زمین ذاتِ ارادہ (ارادہ والی) نہیں۔ ان کے رد نے اصول فلسفۂ قدیمہ کے ازہاق و ابطال کا دروازہ کھولا۔ ہم نے تیس مقام ان کے رد میں لکھے۔ جن سے بعونہ تعالیٰ تمام فلسفۂ قدیمہ کی نسبت روشن ہو گیا کہ فلسفۂ جدیدہ کی طرح بازیچۂ اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ یہ تذئیل ان مقاماتِ جلیل کے سبب بہت طویل ہو گئی اور اس کی فصل چہارم دور جا پڑی۔ ولد اعز ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمٰن معروف بہ مولوی مصطفیٰ رضا خان، سلمہ الملک المنان و أبقاہ، والی معالی کمالات الدین والدنیا وقاہ کی رائے ہوئی کہ ان مقامات کو رد فلسفہ قدیمہ میں مستقل کتاب کیا جائے اگرچہ دم الاخوین یک جانہ ہو، یہ کتاب رد فلسفۂ جدیدہ میں رہے، دوسری ردِ فلسفۂ قدیمہ میں، اور مقاصدِ فوز مبین میں اجنبی سے فصل طویل نہ ہو۔ یہ رائے فقیر کو پسند آئی۔ اور وہ کتاب کامل النصاب بعون الملک الوہاب یہ ہے مسمّٰی بنام تاریخی "الکلمة الملهمة فی الحکمة المحکمة لوهاء الفلسفة المشئمة" [۲]

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے ہوش سنبھالتے ہی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہِ قدس میں رہ کر فیوض و برکات حاصل کرنے شروع کر دیے، اور شریعت و طریقت کے باریک مسائل کی گتھیاں ان کے فیضِ صحبت سے سلجھانے لگے۔ وہ خود الملفوظ کے مقدمہ میں اس حقیقت کا یوں برملا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں:

"فقیر جب تک سنِ شعور کو نہ پہنچا تھا اور اچھے برے کی تمیز نہ تھی، بھلائی برائی کا ہوش نہ تھا اس وقت میں ایسے خیال ہونا کیا معنی؟ پھر جب سنِ شعور کو پہنچا تو اور زیادہ بے شعور ہوا۔ جوانی دیوانی، مشہور ہے، مگر "الصحبة مؤثرة" صحبت بغیر رنگ لائے نہیں رہتی، اور پھر اچھوں کی صحبت اور وہ بھی کون، جنھیں سید العلما کہیں تو حق یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا، جنھیں تاج العرفا کہیں تو بجا، جنھیں مجدد وقت اور امام اولیا سے تعبیر کریں تو صحیح۔ جنھیں حرمین طیبین کے علمائے کرام نے مدائح جلیلہ سے سراہا اور "السید الفرد الإمام" کہا، ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، انھیں اپنا شیخ طریقت مانا، ان سے سندیں لیں، اجازتیں لیں، انھیں اپنا استاد مانا، پھر ایسے کی صحبت کیسی بابرکت صحبت ہوگی؟ سچ تو یہ ہے کہ اس صحبت کی برکت نے انسان کر دیا، اس زمانے میں کہ آزادی کی تند ہوا چل رہی ہے کیا عجب تھا کہ میں غریب بھی اس بادِ صرصر کے تیز جھونکوں سے جہاں صدہا "بئس المصیر" پہنچے وہیں جا رہتا، مگر اپنے مولا کے قربان جس کی نظر عنایت نے پکا مسلمان بنا دیا۔ والحمد للہ علی ذلک۔

اب نہ وہ ہے جو بے خود بنائے تھی، نہ وہ مدہوشی جو بے ہوش کیے تھی، نہ وہ جوانی کی امنگ، نہ کسی قسم کی کوئی ترنگ مولانا (جلال

الدین رومی) معنوی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے ع صحبتِ صالح ترا صالح کند
مولانا کے اس فرمان کی مجھے آنکھوں دیکھی تصدیق ہوئی۔ اسی معنی میں حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اور کتنا اچھا فرمایا، میں بار بار ان کے اشعار پڑھتا ہوں اور حظ اٹھاتا ہوں، جب پڑھتا ہوں ایک نیا لطف پاتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں:

قطعہ

گلے خوشبوے در حمام روزے — رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم — ولیکن مدتے باگل نشستم
جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد — وگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم (گلستانِ سعدی، ص ۶)

غرض میری جان ان پاک قدموں پر قربان، جب سے یہ قدم پکڑے، آنکھیں کھلیں، اچھے برے کی تمیز ہوئی، اپنا نفع وزیاں سوجھا، منہیات سے تا بہ مقدور احتراز کیا، اور اوامر کی بجا آوری میں مشغول ہوا اور اب اعلیٰ حضرت مدظلہ الاقدس کی بافیض صحبت میں زیادہ رہنا اختیار کیا، یہاں جو یہ دیکھا کہ شریعت وطریقت کے وہ باریک مسائل جن میں مدتوں غور وخوضِ کامل کے بعد بھی ہماری کیا بساط بڑے بڑے سرٹیک کر رہ جائیں، فکر کرتے کرتے تھکیں اور ہرگز نہ سمجھیں اور صاف ''انا لا ادری'' کا دم بھریں، وہ یہاں ایک فقرے میں ایسے صاف فرمادیے جائیں کہ ہر شخص سمجھ لے گویا اشکال ہی نہ تھا اور وہ دقائق ونکات مذہب وملت جو ایک چیستاں اور معما ہوں، جن کا حل دشوار سے زیادہ دشوار ہو یہاں منٹوں میں حل فرمادیے جائیں۔''[۳]

جب حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے اپنے والد ومربی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے کچھ ملفوظات جمع فرمائے تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کا تاریخی نام ''الملفوظ'' رکھا اور ایک تاریخی قطعہ کہا جو درج ذیل ہے:

میرے ملفوظ کچھ کیے محفوظ — مصطفیٰ، مصطفیٰ کا ہو ملحوظ
نام تاریخی اس کا رکھتا ہوں — زُبُر و بَیِّنہ میں الملفوظ

۱۳۳۸ھ [۴]

ان اشعار میں ملفوظات کی تاریخ جمع وترتیب بھی ہے، اظہارِ مسرت بھی ہے اور حضرت مفتی اعظم کے لیے دعا بھی۔
اعلیٰ حضرت، اپنے اس فرزندِ ارجمند سے کتنا خوش تھے کہ کبھی انھیں ''ولدِ اعز'' کہتے ہیں، کہیں ان کے لیے دعا کرتے ہیں، کہیں اپنے قلبی مسرتوں کا اظہار فرماتے ہیں اور کہیں ان کی قرار واقعی حیثیت اجاگر فرماتے ہیں۔ الاستمداد میں جب آپ نے اپنے احباب و اصحاب اور تلامذہ وا کابر اہلِ سنت کا ذکرِ جمیل فرمایا تو مفتی اعظم کا تذکرہ، برہانِ ملت علیہ الرحمۃ کے ساتھ کچھ اس طرح فرماتے ہیں:

آلِ الرحماں، برہانِ الحق — شرق پہ برق گراتے یہ ہیں

☆☆☆

حواشی :

۱- تقدیم حیات اعلیٰ حضرت، ج۱، ص۸، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء

۲-امام احمد رضا اور تصوف، ص۹، مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء
۳-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۱۳۳، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی
۴-تقدیم حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۱۰، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی
۵-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۷۲، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی
۶-تقدیم حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۱۰، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی
۷-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۸۲، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی
۸-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۸۳-۸۵
۹-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۸۷-۸۸
۱۰-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۹۷
۱۱-الملفوظ، جلد ۱، ص ۷۳، کتب خانہ سمنانی، میرٹھ
۱۲-فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۲، ص ۱۳۰-۱۳۱
۱۳-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۹۴
۱۴-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۹۳
۱۵-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۱۰۲
۱۶-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۱۰۲-۱۰۵
۱۷-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۱۱۰-۱۱۳
۱۸-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۱۱۳
۱۹-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۱۱۴-۱۱۶
۲۰-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۱۱۷-۱۱۹، تلخیصاً
۲۱-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۱۲۱-۱۲۲
۲۲-امام احمد رضا اور تصوف، علامہ محمد احمد مصباحی، ص ۹-۱۰، مطبوعہ المجمع الاسلامی، بار اول ۱۴۰۸/۱۹۸۸ء
۲۳-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۱۲۴-۱۲۵، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی
۲۴-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۱۲۵-۱۲۶
۲۵-اعلیٰ حضرت کے والدین پیار میں آپ کو امّن میاں کہتے تھے۔ (حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۵۰۸، حاشیہ)
۲۶-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۳۲۳
۲۷-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۳۲۳-۳۲۴
۲۸-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۳۲۴-۳۲۵
۲۹-حیات اعلیٰ حضرت (قدیم نسخہ)، جلد ۱، ص ۳۴
۳۰-امام احمد رضا اور تصوف، ص ۱۱، مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور، ۱۴۰۸/۱۹۸۸ء
۳۱-تفصیل کے لیے دیکھیے فتاویٰ رضویہ، جلد ۱، ص .... صفۃ الکتاب، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی
۳۲-فتاویٰ رضویہ، جلد ۱، ص ....
۱، ۲-۳-امام احمد رضا اور ردِ بدعات و منکرات، ص ۲۱۱، ۲۱۲، مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارک پور
۳۳-فتاویٰ رضویہ، جلد ۵، ص ۷۰، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی

۳۴-فتاویٰ رضویہ،ص ۲۶۵
۳۵-فتاویٰ رضویہ، جلد ۴-ص ۱۴۹
۳۶-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱،ص ۳۳-۳۴
۳۷-الملفوظ، جلد ۲،ص ۱۸-۲۰، ملخصاً، مطبوعہ قادری مشن، نزد نومحلہ مسجد، بریلی (یوپی)
۳۸-الملفوظ، جلد ،ص ۱۲-۱۳
۳۹-الملفوظ، جلد ۲،ص ۲۰-۲۱
۴۰-الملفوظ،ص ۳۸-۴۰
۴۱-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱،ص ۲۳۷-۲۳۸
۴۲-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱،ص ۱۷۶-۱۷۸
۴۳-امام احمد رضا اور تصوف، از علامہ محمد احمد مصباحی، مبارک پور،ص ۴۱، مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور
۴۴-امام احمد رضا اور تصوف،ص ۴۲-۴۳، (ملخصاً)، بحوالہ خلاصہ فوائد فتاویٰ، طبع چہارم، ۱۳۲۴ھ،ص ۴۹-۵۰
۴۵-الملفوظ، حصہ چہارم،ص ۲۳-۲۴، قادری مشن نزد نومحلہ مسجد، بریلی
۴۶-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱،ص ۱۷۰-۱۷۳
۴۷-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱،ص ۴۴۵
۴۸-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱،ص ۴۱۴
۴۹-امام احمد رضا اور تصوف، از علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی،ص ۵۱
۵۰-امام احمد رضا اور تصوف،ص ۵۶
۵۱-الملفوظ، جلد ۲،ص ۸۷، قادری مشن، نزد نومحلہ مسجد، بریلی
۵۲-امام احمد رضا اور تصوف،ص ۵۶، المجمع الاسلامی، مبارک پور
۵۳-الملفوظ، جلد ۳،ص ۳۸، قادری مشن، نزد نومحلہ مسجد، بریلی
۵۴-ایمان افروز وصایا،ص ۷، المجمع الاسلامی، مبارک پور
۵۵-الملفوظ، جلد ۲،ص ۷۹، (ملخصاً)
۵۶-امام احمد رضا اور تصوف، ۷۹۱
۵۷-فتاویٰ رضویہ، بحوالہ امام احمد رضا اور تصوف،ص ۸۹
۵۸-الملفوظ، جلد ۳،ص ۷۰
۵۹-الملفوظ، جلد ۳،ص ۵۹-۶۰
۶۰-دیکھیے رسالہ "الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریۃ"
۶۱-ترجمان اہلسنت کراچی، نومبر ۱۹۷۵ء،ص ۲۸
۶۲-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۲،ص ۷، مطبوعہ رضا اکیڈمی
۶۳-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۲،ص ۷-۸
۶۴-حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول (قدیم)،ص ۳، مطبوعہ قادری بک ڈپو، بریلی
۶۵-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۲،ص ۸، (مرتبہ مفتی مطیع الرحمٰن)، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی
۶۶-امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت،ص ۳۰-۳۱، مطبوعہ رضا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس، یوپی

۶۷-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۳، ص ۲۷۷-۲۷۸

۶۸-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۳، ص ۲۸۷-۲۸۹

۶۹-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۳، ص ۲۸۱

۷۰-حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۳، ص ۲۹۵

۷۱-مفتی اعظم اپنے فضل و کمال کے آئینے میں، از شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ، مشمولہ تاجدار اہل سنت، ص ۲۸-۲۹-۳۰، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی

۷۲-المکرمۃ الملہمہ، ص ۵، ۶، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی ۱۹۷۳ء

۷۳-الملفوظ، جلد ۱، ص ۳-۴-۵، مطبوعہ قادری مشن، نزد نومحلہ مسجد، بریلی شریف

۷۴-الملفوظ، جلد ۱، ص ۱۲۴

مآخذ و مراجع :

۱- حیات اعلیٰ حضرت، از ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ، ترتیب جدید: مفتی مطیع الرحمٰن مضطر مدظلہ، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔

۲- حیات اعلیٰ حضرت، از ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ، ترتیب قدیم، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔

۳- سوانح اعلیٰ حضرت، از مولانا بدر الدین احمد رضوی

۴- امام احمد رضا اور تصوف، از علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ، صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارک پور

۵- فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی

۶- المکرمۃ الملہمہ، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی

۷- ایمان افروز وصایا، مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارک پور، اعظم گڑھ

۸- الحرمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریۃ، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی

۹- الملفوظ، ترتیب مفتی اعظم علیہ الرحمۃ، مطبوعہ قادری مشن، نزد نومحلہ مسجد، بریلی شریف

۱۰- امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات، مولانا یٰسین اختر مصباحی مدظلہ، بانی دار القلم دہلی، مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارک پور

۱۱- ترجمان اہل سنت کراچی، نومبر ۱۹۷۵ء، ص ۲۸

۱۲- امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت، مطبوعہ رضا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس

۱۳- تاجدار اہل سنت، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی

۱۴- مفتی اعظم اپنے فضل و کمال کے آئینے میں، از شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی

دوسرا باب

مفتی اعظم جس عظیم روحانی مرکز سے وابستہ ہیں وہ شہرۂ آفاق ہے ، اسی در سے آپ کے والد گرامی امام اہل
سنت مولانا شاہ احمد رضا قادری بھی وابستہ ہیں ، یعنی آپ کے والد گرامی آپ کے دادا پیر حضرت سید آل رسول
مارھروی کے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دے کر عشق و عرفان کے قلزم ناپیدا کنار کے غواص بن گئے .مفتی اعظم کے شیخ
طریقت حضرت سید ابو الحسین احمد نوری مارھروی ، امام احمد رضا کے شیخ طریقت کے نبیرہ اور حضرت سید
شاہ ظہور حسن صاحب کے لخت جگر ہیں ، مفتی اعظم کے والد گرامی نے اپنے شیخ طریقت کے ساتھ ساتھ اپنے شہزادے
کے شیخ طریقت کی شان اقدس میں شہرۂ آفاق قصیدہ لکھ کر لافانی سعادتوں کی سند حاصل کرلی ، جس کا مطلع
ہے۔ع۔ برتر قیاس سے ہے مقام ابو الحسین ، اس طرح دیکھا جائے تو مفتی اعظم اپنے والد گرامی سے بلا واسطہ مستفید
ہیں اور اپنے والد گرامی کے شیخ طریقت سے بیک واسطہ مستفید و مستفیض ہیں ۔ گویا مفتی اعظم پر اپنے والد
گرامی کی طرف سے جو فیضان ہے ، وہ بھی چشمۂ برکاتیت کا ایک چھینٹا اور قطرہ ہے ۔ مفتی اعظم کو اگر سرکار ابو
الحسین احمد نوری کی زندہ کرامت سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا ، مفتی اعظم کی بیعت و اجازت کا واقعہ تاریخ
کا ایک نا قابل فراموش واقعہ ہے ۔ تفصیلات اندرونی صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

اس باب کے مقالوں میں سرکار ابوب الحسین احمد نوری ، اور ان کے جد اعلیٰ حضرت سید شاہ آل رسول
مارھروی کی سیرت و شخصیت کو جگہ دی گئی ہے ، مقالہ نگاروں نے دونوں شخصیتوں کی جلوہ گاہوں سے
تجلیات کو چن چن کر ہدیہ قارئین کیا ہے ، البتہ خاص بیعت و اجازت کے واقعات چوں کہ متعدد مقالوں میں جابجا
مذکور ہیں ، اس لیے ان مقالوں میں اس کی تفصیل موجود نہیں ، البتہ مرتب اپنے نقطہ نظر سے اس گوشہ کو متوز
تشنہ محسوس کرتا ہے ، ممکن ہے اس عظیم سوانحی اشاعت کے بعد کوئی صاحب ہمت " مفتی اعظم بارگاہ ابو
الحسین احمد نوری میں "کے عنوان سے کوئی مستقل اور مفصل مقالہ قلم بند کرے تو شاید اس کا حق ادا ہو، مجھے
امید ہے کہ اس تعارفی تمہید کے بعد آنے مقالے قارئین کی توجہ و دل چسپی میں اضافہ کا باعث ہوں گے ۔

مقبول احمد سالک مصباحی

برتر قیاس سے ہے مقام ابوالحسین

حضرت نوری بریلوی کے شیخ طریقت سرکار نوری مارہروی

مولانا محمد ارشاد حسین مصباحی ساحل، شھسرامی
علی گڑھ، یوپی

مفتی اعظم، آل الرحمٰن، ابوالبرکات، محی الدین شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری قدس سرہٗ [۱۳۱۰ھ - ۱۴۰۲ء] کی ذات بابرکات سرچشمۂ خیر وسعادت تھی۔ آپ کی ذات گرامی ابتدا سے ہی کرامت آثار تھی۔ یہ واقعہ تاریخ کی زینت ہے کہ جب حضرت مفتی اعظم نے ۲۲رذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/ ۷رجولائی ۱۸۹۳ء بروز جمعہ صبح صادق کے وقت بریلی شریف کی مقدس سرزمین میں اپنی نورانی آنکھیں کھولیں تو آپ کے والد ماجد امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ اس وقت اپنے پیر خانے مارہرہ مطہرہ حاضر تھے۔ ۲۲رذی الحجہ کی شب دیر تک سرکار نور، سراج العارفین سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں باریاب رہے اور مختلف شرعی مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔ شب میں دونوں حضرات کو سرکار مفتی اعظم کی ولادت کی نوید سنائی گئی۔ پھر دونوں حضرات فجر کی نماز کے وقت روبرو ہوئے۔ سرکار نور مسجد برکاتی کے زینے پر تھے اور اعلیٰ حضرت مسجد برکاتی کا رخ کررہے تھے کہ سرکار نور نے اپنی مبارک زبان فیض ترجمان سے اعلیٰ حضرت کو بشارت دی۔ مولانا! مبارک ہو آپ کے گھر بچے کی ولادت ہوئی ہے۔ چھ مہینے کے بعد سرکار نور بریلی تشریف لائے۔ حضرت مفتی اعظم کو گود میں لے کر مرید کیا، پھر اپنا لعاب دہن انگشت شہادت سے نومولود کے دہن میں ڈال کر دیر تک دعاؤں سے نوازتے رہے اور خاندان برکات کے سارے تیرہ سلاسل کی اجازت و خلافت مرحمت فرمائی۔ آپ نے فرمایا: یہ بچہ مادرزاد ولی ہے۔ فیض کے دریا بہائے گا۔

سرکار نور کے چہیتے اس مادرزاد ولی اور فیروز بخت بچے نے واقعی فیض کے دریا بہادیے۔ خالق حقیقی نے ۹۱ سال کی عمر دراز عطا فرمائی۔ آپ کے دست حق پرست پر لاکھوں جویان بیعت مرید ہوئے، ہزاروں لوگ گناہوں سے تائب ہوئے، بہتیرے صرف روئے زیبا کی ایمانی طلعت دیکھ کر مشرف بہ اسلام ہوئے، ہزاروں تلامذہ نے درس لیا، سینکڑوں نے فتویٰ نویسی کے اسرار سیکھے، بے شمار اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کے قلم فیض رقم نے ہزاروں فتاویٰ قلم بند کیے، لاکھوں تعویذ لکھے، بہت سی کتابیں تصنیف کیں، سینکڑوں اشعار رقم کیے۔ ہر قدم طاعت خدا اور اتباع سنت مصطفیٰ سے عبارت، ہر سانس ذکر الٰہی سے سرشار، ہر جلوہ حسن ازل کی تجلیوں سے معمور، ہر دھڑکن یاد مصطفیٰ کا آبشار۔ اسی لیے آپ کا ہر قدم درس ہدایت اور منارۂ نور تھا۔ شاعر کا استعارہ یہاں واقعیت کے لبادے میں ملبوس نظر آتا ہے۔

ان کا سایہ اک تجلی، ان کا نقش پا چراغ
وہ جدھر گزرے، ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

خداداد شوکت ایسی تھی کہ بڑے بڑے سرکش اور مغرور آپ کی بارگاہ میں خمیدہ سر نظر آتے ہیں۔ یہ خداداد حکمرانی صرف انسانوں تک محدود نہیں تھی بل کہ بہت ہی سرکش ناری مخلوق جنات بھی سوائے طاعت کے کوئی چارہ کار نہ پاتے۔ مرشد ایسے کہ جس نے آپ کا دامن تھام لیا، وہ نجات پا گیا۔ وقت کا بڑے سے بڑا عفریت اور بدمذہبی کا سخت سیلاب بلا بھی وابستۂ سرکار کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ آپ کے وابستگان پوری استقامت کے ساتھ دین متین مذہب مہذب اہل سنت و جماعت پر ڈٹے رہتے ہیں۔ حضرت مفتی اعظم کی یہ وہ کرامت ہے جس کا مشاہدہ اس ناچیز نے چشم سر سے کیا ہے، اس کی دسیوں مثالیں پیش کر سکتا ہے حالانکہ میں نے سرکار مفتی اعظم کی زیارت نہیں کی۔ محتاط اندازے کے مطابق اسی لاکھ سے زاید آپ کے مریدین تھے اور آپ کے جنازۂ مبارکہ میں شرکت کرنے والے فرزندان توحید اور عاشقان ماہ نبوت کی تعداد ۲۵ لاکھ سے زیادہ تھی۔ یہ ہیں ہمارے مفتی اعظم۔

ایسے حقانی مسترشد کے نورانی مرشد سیدنا سراج العارفین، سید السالکین سید شاہ ابوالحسن احمد نوری مارہروی ملقب بہ میاں صاحب قدس سرہ جن کے ذکر سے سرکار مفتی اعظم کی نورانی صبحیں اور جگمگاتی شامیں آباد رہا کرتی تھیں۔

سرکار مفتی اعظم تقریباً چودہ سال کے تھے کہ آپ کے مرشد گرامی سرکار نور [۱۳۲۴ھ] میں وصال فرما گئے، اس لیے سرکار مفتی اعظم کو مجالس مرشد کے بظاہر مختصر لمحات میسر آئے۔ سرکار نور کے وصال سے پہلے تو تصور نوری سے آپ کی صبح و شام آباد رہا کرتی تھیں لیکن وصال کے بعد وہ تصور مجسم سوز بن گیا۔ آہ و نالے اور اشکوں کی رم جھم میں لمحات حیات گزرتے۔ اضطراب تو قلب رضا کو بھی کم نہ تھا لیکن انھوں نے اس پر صبر مسنون کا حجاب ڈال رکھا تھا۔ اعلیٰ حضرت سے لخت جگر کی یہ بے قراری اور فراق مرشد میں دل گرفتگی دیکھی نہ جاتی۔ بالآخر آپ نے اپنی ایمانی توانائیوں سے روحانی فیوض و برکات کا سمندر قلب نوری بریلوی میں انڈیل دیا، تب جا کر دل مضطرب کو قرار کی دولت ہاتھ آئی۔ پھر تو سرکار مفتی اعظم رنگ نور میں نہا گئے اور دل سے دعا نکلی۔

فقط نسبت کا چھپے ہوں، حقیقی نوری ہو جاؤں
مجھے جو دیکھے، کہہ اٹھے میاں! نوری میاں تم ہو

وصال مرشد کے بعد اٹھہتر سال سرکار مفتی اعظم حیات رہے۔ اخیر کے چند سالوں کو چھوڑ کر آپ اکثر و بیشتر مارہرہ مطہرہ حاضر ہوتے۔ حضرت امین ملت مدظلہ کے مطابق پہلے آپ سرکار نور کے مزار اقدس پر حاضر ہوتے اور گھنٹوں مراقب رہتے پھر حضور صاحب البرکات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضری دیتے۔ مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی مدظلہ کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں اپنے مرشد سرکار مفتی اعظم کی زیارت کی۔ حضرت نے چند جملوں کے بعد فرمایا:

''لوگوں نے حضرت نوری میاں کو نہیں پہچانا۔ آپ کا مقام و مرتبہ حضور اچھے میاں کی طرح ہے۔''

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''میں نے مارہرہ سے کوہ طور پر ایک آگ اٹھتے ہوئے دیکھی ہے۔ میں اس کے پاس جانا چاہتا ہوں، میں اس کی راہبری چاہتا ہوں۔ ہاں! مبارک ہیں وہ رہروان منزل جو اس کے پیچھے پیچھے چلیں اور راہ پائیں۔ کیسی بلند و بالا ہے وہ آگ جس کی چمک دمک تاریکیوں کو روشن کرتی ہے۔ ہاں! یہ چمک جو احمد نوری سے پھوٹ رہی ہے۔ کون احمد نوری؟ ہدایت کا نور، تقویٰ کا دریا، پاکیزگی کا ماہتاب۔ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت، ان کی مدد فرمائے۔'' [اہل سنت کی آواز، مارہرہ مطہرہ، ۲۰۰۳ء پشت ورق]

معرفت الٰہ کے ایسے آفتاب درخشاں اور بدر کامل ہیں سرکار مفتی اعظم کے مرشد گرامی سرکار نور جن کے ذکر نور سے ہم اپنی بینائیوں کو روشن کریں گے۔

سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ :

[ولادت ۱۲۵۵ھ وفات ۱۳۲۴ھ]

کمالات اسلاف کے عطر مجموعہ سراج العارفین سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ حضرت سیدنا خاتم الاکابر شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ کے نبیرہ اور حضرت سید شاہ ظہور حسن صاحب علیہ الرحمہ کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی ولادت مبارکہ ۱۹ ر شوال المکرم ۱۲۵۵ھ مطابق ۲۶ ر دسمبر ۱۸۳۹ء بروز پنجشنبہ ہوئی۔ تاریخی نام مظہر علی اور لقب میاں صاحب تھا۔

والدہ ماجدہ سیدہ اکرام فاطمہ، حضرت سید شاہ دلدار حیدر کی صاحبزادی اور حضرت سید شاہ آل برکات ستھرے صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نواسی تھیں۔

آپ کی ذات کریم دفتر کمالات میں شروع ہی سے انتخاب تھی اسی لیے اکابرین کے مرکز توجہ رہے۔ گیارہ سال کی عمر شریف میں ریاضت ومجاہدہ کی سنگلاخ زمین آپ کی قوت عمل کا مرکز بنی اور بہت جلد آپ کی ہدف تک رسائی ہوگئی۔ حضرت خاتم الاکابر فرماتے ان کو عیش وآرام سے کیا کام؟ یہ کچھ اور ہیں اور انھیں کچھ اور ہونا ہے۔ جوہر قابل نے وہ اثر قبول کیا کہ بالکل پیر ومرشد جد امجد حضرت خاتم الاکابر قدس سرہٗ کے رنگ میں رنگ گئے۔ ذات والا کی جامعیت باطن وظاہر کا نقشہ حضرت نظمی مدظلہ کے قلم نے خوب کھینچا ہے۔ آپ لکھتے ہے:

"حضرت جلیل البرکات نور العارفین، سلالۃ الواصلین جدنا الامجد حضور پرنور مولانا مولوی سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دارضاہ عنا خاندان برکاتیہ مارہرویہ کے لیے رب تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت تھے۔ استغنا میں حضور صاحب البرکات سیدنا شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ کا رنگ، تربیت وسلوک میں استاد المتقین سیدنا شاہ آل محمد قدس سرہٗ کی شان، معلومات ووسعت نظر میں حضرت اسد العارفین سیدنا شاہ حمزہ قدس سرہٗ کا انداز، تصرف وحکومت میں حضور شمس العارفین سیدنا شاہ ابوالفضل آل احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہٗ کی یادگار، مہمان نوازی اور سخاوت میں حضور سیدنا شاہ آل برکات ستھرے میاں صاحب قدس سرہٗ کا نمونہ، ستر حال واخفائے کمال واتباع سنت واجتناب بدعت میں حضور خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول قدس سرہٗ کے خلف الصدق، غرض ذات والا عجب مجموعۂ کمالات تھی۔ [مقدمۂ سراج العوارف، ص ۷]

سرکار نور والد ماجد کی جانب سے سید محمد عمر ابن سید محمد دعوۃ الصغریٰ کی شاخ میں آتے ہیں اور والدہ ماجدہ کی جانب سید محمد سالار ابن سید محمد دعوۃ الصغریٰ قدست اسرارہم کی نسل میں۔ حضرت احسن العلما قدس سرہٗ بھی سالاری شاخ میں شامل ہیں۔ سرکار نور کے دونوں شجرے حسب ذیل ہیں:

پدری شجرہ نسب :

خاتم اکابر ہند سید ابوالحسین احمد نوری ابن سید ظہور حسن بڑکے ابن سید شاہ آل رسول ابن سید شاہ آل برکات ستھرے میاں صاحب ابن سید شاہ حمزہ ابن سید شاہ آل محمد ابن سید شاہ برکت اللہ ابن سید شاہ اویس بن سید

شاہ عبدالجلیل ابن سید میر عبدالواحد بلگرامی ابن سید شاہ ابراہیم بن سید شاہ قطب الدین ابن سید شاہ ماہرو ابن سید شاہ بڈھ ابن سید شاہ کمال ابن سید شاہ قاسم ابن سید شاہ حسن ابن سید شاہ نصیر ابن سید شاہ حسین بن سید عمر ابن سید محمد صغریٰ جد اعلیٰ قبائل سادات بل گرام ابن سید علی ابن سید حسین ابن سید ابوالفرح ثانی ابن سید شاہ ابوفراس ابن حضرت سید ابوالفرح واسطی جد اعلیٰ جماعت سادات زیدیہ بلگرام و بارہا وغیرہما ابن حضرت سید داؤد ابن حضرت سید حسین ابن حضرت سید یحییٰ ابن حضرت سید زید سوم ابن حضرت سید عمر ابن حضرت سید زید دوم ابن حضرت سید علی عراقی، ابن حضرت سید حسین ابن حضرت سید علی ابن حضرت سید محمد ابن حضرت سید عیسیٰ معروف بہ موتم الاشبال ابن حضرت سید زید شہید رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ابن امام ہمام سید الساداتٍ زین العابدین الملقب بسجاد ابن سید الشہدا امام حسین ابن حضرت امیر المومنین مولیٰ مرتضیٰ علی زوج سیدۃ النساء فاطمہ زہراء بنت حضرت سید الانبیا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

مادری شجرہ :

خاتم اکابر ہند سید شاہ ابوالحسین احمد نوری ابن سیدی اکرام فاطمہ دختر سید شاہ ولدار حیدر ابن سید منتخب حسین ابن سید ناظم علی ابن سید حیات النبی تاتو میاں ابن سید حسین ابن سید ابوالقاسم ابن سید جان محمد ابن سید حاتم ابن سید بدارلدین عرف بدلے ابن سید ابراہیم ابن سید پیارے ابن سید حسن ابن سید محمود عرف مدھن ابن سید بڑے ابن سید جمال الدین ابن سید ابراہیم ابن سید ناصر ابن سید مسعود ابن سید سالار ابن سید محمد صغریٰ جد اعلیٰ جماعت سادات واسطی بلگرام الی آخر سلسلہ۔

تعلیم وتربیت :

ابھی سرکار نور صرف ڈھائی برس کے تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے رحلت فرمائی۔ سرکار نور کی والدہ ماجدہ کی رحلت کے بعد آپ کی پرورش وتعلیم وتربیت کی تمام تر ذمہ داری آپ کی جدہ ماجدہ یعنی بڑی بی بی صاحب اہلیہ حضور خاتم اکابر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی اور اس طرح سرکار نور قدس سرہٗ نے اپنے جد کریم قدس سرہٗ کی آغوش عاطفت میں پرورش پائی اور کامل اکتالیس برس بارگاہِ آل رسول کی صحبت و خدمت سے استفادہ فرمایا۔ سرکار نور قدس سرہٗ کی تعلیم وتربیت اور ان کے دادا اور مرشد، شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ کی اپنے لاڈلے پوتے کے اوپر توجہ خاص کو لے کر سرکار نور کے محبوب خلیفہ قاضی غلام شبیر بدایونی رقم طراز ہیں:

''ہمارے حضور میاں صاحب قدس سرہٗ الشریف تہجادو تورمین ہیں جن کی تربیت اور پرورش میں آپ کے دادا اور دادی میں باوجود کمال محبت اختلاف ہو جاتا۔ چھوٹی سی عمر میں آپ کی تربیت، ریاضت ومجاہدہ کی کثرت دیکھ کر آپ کی دادی صاحبہ فرماتیں '' کیا اس بچہ کو بھی اپنی طرح فقیر کردو گے؟'' حضور خاتم اکابر جواباً فرماتے، ہاں! فقیر کردوں گا! اور ایسا فقیر ہوگا کہ بڑے بڑے بادشاہ اور امراء اس کے آگے سر جھکا دیں گے۔ حضرت بی بی صاحبہ تربیت شاہانہ کی کوشش فرماتیں اور حضور حضرت صاحب قدس سرہٗ تربیت عالمانہ ودرویشانہ چاہتے تھے۔'' اور یہی وجہ ہے کہ حضرت میاں صاحب قدس سرہٗ کو اپنے دادا و مرشد شاہ آل رسول سے وہ قرب خاص حاصل رہا جو خاندان

برکاتیہ کے شاید ہی کسی فرزند کو رہا ہو، کہ اس ذات نوری کی شخصیت کی تکمیل اور تربیت کا تمام بار خود حضرت صاحب قدس سرہٗ نے اپنے سر لیا۔ کوئی لمحہ ایسا نہ گزرتا تھا جس میں وہ اپنے لختِ جگر کو اپنے پیش نظر نہ رکھتے ہوں۔ وقتِ عبادت ہو تو پیش نظر، درگاہِ معلیٰ میں حاضر ہو رہی ہے تو دادا کے ساتھ، آرام کر رہے ہیں تو دادا کے حضور، غرض کہ حضرت صاحب قدس سرہٗ نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی اپنے لاڈلے پوتے کو تمام علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم دے کر جملہ رموز و اسرار خاندانی سے سرفراز فرما کر اپنا اور اپنے اسلاف کرام قدست اسرارہم کا سچا جانشین اور خانوادہ برکاتیہ کی تمام دنیوی اور روحانی نعمتوں کا وارث بنا دیا۔"

[اہل سنت کی آواز، مارہرہ مطہرہ، ۲۰۰۳ء، ص ۲۲-۲۳]

آپ نے کثیر شخصیات سے اکتساب فیض کیا۔ یہ بذات خود آپ کے تواضع کی دلیل ہے۔ مزید برآں یہ کہ آپ نے کسی سے کچھ بھی علمی باتیں دریافت کیں تو انھیں اپنے اساتذہ کی صف میں شمار کرتے اور ایک استاذ کی طرح ان کے ساتھ اکرامات کا سلوک فرماتے۔

ظاہری علوم میں ان حضرات سے استفادہ رہا :

(۱) حضرت میاں جی رحمت اللہ صاحب (۲) حضرت جمال روشن صاحب (۳) حضرت عبداللہ صاحب (۴) حضرت شیر باز خان مارہروی (۵) حضرت اشرف علی مارہروی (۶) حضرت امانت علی مارہروی (۷) حضرت امام بخش مارہروی (۸) حضرت سید اولاد علی مارہروی (۹) حضرت احمد علی خاں جلیسری (۱۰) حضرت مولانا محمد سعید عثمانی بدایونی متوفی ۱۲۷۷ھ (۱۱) حضرت الٰہی خیر مارہروی (۱۲) حضرت حافظ عبدالکریم پنجابی (۱۳) حضرت حافظ قاری محمد فیاض رامپوری (۱۴) حضرت مولانا فضل اللہ جالیسری متوفی ۱۲۸۳ھ) (۱۵) حضرت مولانا نوراحمد عثمانی بدایونی متوفی ۱۳۰۱ھ (۱۶) حضرت مولانا مفتی حسن خاں عثمانی بریلوی (۱۷) حضرت حکیم محمد سعید بن حکیم امداد حسین مارہروی (۱۸) حضرت مولانا ہدایت علی بریلوی (۱۹) حضرت مولانا محمد تراب علی امروہوی (۲۰) حضرت مولانا محمد حسین شاہ ولایتی (۲۱) حضرت مولانا محمد حسین بخاری (۲۲) حضرت مولانا محمد عبدالقادر عثمانی بدایونی متوفی ۱۳۱۹ھ قدست اسرارہم [تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص ۳۷۹]

باطنی علوم کی راہ میں آپ کے مربی اعظم حضور خاتم الاکابر سیدنا سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ تھے۔ آپ کی ذات والا کے علاوہ اور جن گرامی حضرات سے اذکار و اوراد و سلوک کی نسبتیں حاصل رہیں وہ یہ ہیں:

(۱) حضرت سید غلام محی الدین (۲) حضرت مفتی سید عین الحسن بلگرامی (۳) حضرت شاہ شمس الحق عرف تنکا شاہ (۴) حضرت مولانا محمد حسن مرادآبادی (۵) حضرت حافظ شاہ علی حسین مرادآبادی قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم [ایضاً ص ۳۸۰]

آپ کو روحانی فیوض اور اویسی اکتسابات بہت عظیم عظیم بارگاہوں سے حاصل تھے۔ آپ کو حضور پرنور نبی اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت مقدسہ حاصل رہی۔ مصافحہ و معانقہ، بیعت اور اخذ فیض کی گرانمایہ دولتیں اس درجۂ قرب کے ساتھ حاصل فرمائیں کہ آغوش رحمت عالم میں جا بیٹھنے کا بھی شرف حاصل رہا۔ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس کے علاوہ ان اعاظم کرام سے بھی انوار باطنی حاصل ہوئے۔

حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام، حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام، حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، سیدنا حضرت امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم، سیدنا حضرت سید الشہدا امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا غوث الثقلین، محبوب سبحانی، حضرت غوث

اعظم الشیخ ابو محمد سید محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا سلطان الہند خواجۂ خواجگاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اپنے خاندان کے تمام اکابرین حضرت سیدنا میر عبد الواحد بلگرامی قدس سرہٗ سے لے کر حضرت سیدنا خاتم الاکابر قدس سرہٗ کی زیارتوں سے بہرہ ور ہوئے اور اکتساب فیض کیا۔

جس ذات کریم نے ایسی ایسی عظیم بارگاہوں سے فیض حاصل کیا ہو اس کی عظمت جامعیت اور عبقریت کا کیا پوچھنا۔ یہ توجہات عالیہ خود ہی کہتی ہیں کہ ذات والا اوروں میں انتخاب تھی۔ کوئی یونہی نہیں مرکز فیض بنتا ہے۔ عبقریت اور مرجعیت دونوں ساتھ ساتھ رہا کرتی ہیں۔ سو یہ دونوں آپ کے اوصاف سے بھی بغل گیر تھیں۔ اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود سرکار نور کی ذات کریمہ اپنے اوقات میں عجیب برکات رکھتی تھی۔ آپ کی علمی مصروفیات کی روداد حضرت نظمی دامت برکاتہم القدسیہ کے قلم سے اچھی لگتی ہے کہ آپ ہی حضرت نوری کی گدی کے وارث و جانشین ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

> دربار نوری کی وہ شان کہ فوائد جلیلہ دینیہ بیان ہو رہے ہیں اور ہر مسئلۂ شرعی کو اس اسلوب اور وضاحت سے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ ہر عامی کے ذہن نشین ہو رہا ہے۔ بعض مسائل کی تحقیق میں سوالات روانہ فرما رہے ہیں کبھی خود بھی سفر فرما رہے ہیں، کتب تصوف و سلوک و عقائد کے مطالعے میں ہیں اور کبھی ان میں سے مختلف فوائد انتخاب فرما رہے ہیں۔

یہ تو آپ کی علمی مصروفیات تھیں دوسری طرف اوراد و اذکار بھی اس قدر تھے کہ حیرت ہوتی ہے۔ بقول حضرت نظمی مدظلہ:

> ''ورد روزانہ اس قدر تھا کہ اچھا تیز پڑھنے والا اس کو پورے دن اور پوری رات میں پورا کر سکتا تھا۔ یہ سب سرکار نور بہت تھوڑے وقت میں پڑھ لیتے۔ اللہ اکبر! حضور کے وقت میں کیسی وسعت و برکت تھی کہ نماز وظائف، اوراد و اشغال کے سوا خدام و سائلین کی پرسش حالات، خطوط کے جواب، مریضوں کی عیادت، نقوش و تعویذات کی تحریر، قیلولہ و آرام، تصنیف و ملاحظۂ کتب، اہل حقوق کی پاسداری، حضور خاتم الاکابر کے دربار کی حاضری۔ معاملات کا پیش کرنا اور ہدایات لینا وغیرہ اوقات روزانہ طے ہوتے تھے۔

سراپائے نور:

اس پیکر کرامت کے سراپا کا نقشہ کھینچتے ہوئے آپ کے خلیفہ و خادم خاص مولانا قاضی غلام شبر قادری برکاتی بدایونی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

> ''حضور کا قد میانہ تھا لیکن باوجود میانہ قد قامت ہونے کے مجمع میں حضرت ہی سب سے بلند نظر آتے، رنگ مبارک گندمی، سر شریف بڑا اور محلوق، پیشانی چوڑی، بھنویں باریک، آنکھیں بڑی اور روشن سپیدی اور سیاہی میں تیز سرخی کے ڈورے پڑے ہوئے۔ دندان مبارک نہایت ہی صاف، چمکدار، مضبوط غالباً وفات شریف تک کوئی دانت گرا نہ تھا۔ ریش مبارک نہ انبوہ نہ کم، پوری بھری ہوئی، سینہ مبارک کو ڈھکتی ہوئی، مونچھیں اس قدر قصر فرماتے کہ گویا منڈی ہوئی۔

ہیں، سینہ مبارک چوڑا، آخر عمر میں کمر مبارک خم ہو گئی تھی جو چلنے میں محسوس ہوتی تھی، پاؤں کی ایڑیاں چھوٹی نہایت خوبصورت رفتار۔ ہنسی صرف تبسم تک محدود تھی۔ بیشتر عمامہ رنگین، کرتا سفید نقش بندی، پاجامہ، ڈھیلا کلاہ مبارک دوپلی گوشہ کھلے ہوئے، کبھی قادری قیص اور عبا بھی زیب تن فرماتے۔ جاڑوں میں پوری آستینوں کی ناف سے نیچی مرزئی لباس تھا ایک چھوٹا سا سفید دوپٹہ جو بشکل لا گلے میں ہوتا۔ [تذکرہ نوری]

عقد مسنون :

سرکار نور قدس سرہٗ کا پہلا عقد مسنون دختر حضرت سید شاہ ظہور حسین عرف چھوٹو میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا۔ ان بی بی صاحبہ کا وصال ۱۷ رجمادی الاخری ۱۲۸۶ء میں بمقام مارہرہ شریف ہوا۔

حضرت اقدس کا دوسرا عقد میرے جد امجد حضرت سید شاہ حسین حیدر حسینی میاں رحمۃ اللہ علیہ (حقیقی نواسہ حضور خاتم الاکابر قدس سرہٗ) کی حقیقی بہن یعنی دختر سید محمد حیدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۲۸۷ھ میں ہوا۔ ان کے بطن سے ایک صاحبزادے سید محی الدین جیلانی ۱۲۸۸ء میں تولد ہوئے لیکن ان صاحبزادے کا وصال ۱ سال ۷ ماہ کی عمر میں بمقام مارہرہ شریف ہوا۔

حضور میاں صاحب کے جب کوئی اولاد صلبی باقی نہ رہی تو آپ نے اپنا جانشین اپنے عم زاد بھائی کے صاحب زادے سید علی حسن عرف اقبال کو مقرر کیا لیکن ان صاحبزادے کا وصال بھی حضور میاں صاحب کے سامنے ہو گیا۔ تب حضرت نوری دادا نے بہت رقت کے ساتھ فرمایا۔

مٹے وہ نگیں کھدے جس پر نام ہمارا

[اہل سنت کی آواز، ۲۰۰۳ء، ص ۵۷-۵۸]

بیعت و خلافت :

سرکار نور، سراج العارفین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ کو صرف بارہ سال کی عمر میں حضرت خاتم الاکابر قدس سرہٗ نے خلافت تفویض کی۔ حضرت سراج العوارف میں خود تحریر فرماتے ہیں:

"ربیع الاول شریف ۱۲۶۷ھ کی سترہویں رات کو مرشد اعلیٰ سیدنا آل احمد عرف اچھے میاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ سے فارغ ہو کر میرے دادا اور مرشد سیدنا شاہ آل رسول احمدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے ساتھ لے کر سجادہ کے مقام پر آئے، میری عمر اس وقت بارہ برس کی تھی۔ سجادہ شریف پر لا کر مجھے مسند طریقت پر چار زانو بیٹھنے کا حکم دیا، چنانچہ میں بیٹھ گیا۔ حضرت نے خود دو زانو بیٹھ کر ایک روپیہ بطور نذر پیش کیا اور فرمایا: مبارک ہو۔"

یہ انداز نوازش صرف اسی کے ساتھ ہوتا ہے جو مرید مراد اور گوہر تابدار ہوتا ہے۔ حضرت خاتم الاکابر نے اس غیر معمولی طرز عمل سے یہ اعلان فرمادیا کہ سرکار نور آپ کے جانشین اور سجادہ غوثیہ برکاتیہ کے مسند نشیں ہے۔ باضابطہ سجادگی کی رسم حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ کے عرس مبارک ذی الحجہ ۱۲۹۷ھ عمل میں آئی۔ اس محفل میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے رحمۃ اللہ و برکاتہ علیکم اهل البیت انہ حمید مجید [۱۲۹۷ھ] سے سجادہ نشینی کی تاریخ نکالی اور مشہور عالم قصیدہ ع

برتر قیاس سے ہے مقام ابوالحسین

عرض کیا۔اس محفل نور میں حضرت تاج الفحول محب رسول مولانا شاہ عبدالقادر قادری برکاتی بدایونی قدس سرہٗ بھی حاضر تھے۔

خلفاے کرام :

سرکار نور پہلے بزرگ ہیں جنھیں حضرت خاتم الاکابر نے تقاضاے حالات کے پیش نظر مارہرہ مطہرہ سے باہر قیام کی اجازت مرحمت فرمائی، اس لیے سرکار نور کا خورشید فیضان پورے متحدہ ہندوستان پر جلوہ گر ہوا اور کثیر خلق خدا نے آپ کی ذات بابرکات سے فیوض روحانی حاصل کیے۔آپ تربیت کے بعد خلافت سے نوازتے تھے، اس کے باوجود آپ کے خلفاء کی تعداد خاصی ہے۔صاحب عرس قاسمی مجدد برکاتیت ابوالقاسم سید شاہ محمد اسماعیل حسن شاہ جی میاں، سید شاہ مہدی حسن برکاتی، تاج العلما سید شاہ اولاد رسول محمد میاں، سید شاہ حامد حسن، سید شاہ ظہور حیدر، سید شاہ ابن حسن، سید شاہ اسحاق حسن، سید شاہ ارتضا حسین پیر میاں، نواب سید احتشام الدین حسین، سید محمد ایوب حسن قدست اسرارہم سرکار نور کے وہ خلفا ہیں جو خاندان برکات سے تعلق رکھتے ہیں۔

دیگر خلفاے کرام میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی، تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا عطاء اللہ خاں رامپوری، مولانا قاضی مبشر الاسلام عباسی بدایونی، مولانا حکیم عبدالقادر شہید نوری بدایونی، مولانا غلام حسنین صدیقی بدایونی، مفتی اعظم آل رحمٰن ابوالبرکات محی الدین شاہ مصطفیٰ رضا نوری، مولانا قاضی غلام قمبر بدایونی، مولانا قاضی غلام شبر بدایونی، مولانا محمد جعفر بدایونی، حاجی محمد علی نقوی بدایونی، مولوی عطا محمد صدیقی بدایونی، مولوی سکندر خان شاہ جہاں پوری، حافظ محمد سراج الدین بدایونی، مولوی مشتاق احمد سہارن پوری، مولوی محمد طاہر الدین صدیقی بدایونی میاں محمد رمضان پنجابی، حکیم سید مشتاق حسین حیدر آبادی، ملا محمد طفیل احمد اینوی، شاہ تلقین، شاہ امام علی، سید محمد ابراہیم شاہ جہان پوری، سید فخر عالم شاہ جہان پوری، مولانا محمد عمر دہلوی، مولانا حکیم سید محمد غوث بدایونی، ملا ولایتی، مولوی محمد عزیز بخش بدایونی، مولانا سید احمد حسین، مولوی محمد جمیل الدین عباسی بدایونی، شیخ کرامت حسین پالن پوری، سید عبدالعزیز، مولانا محمد عادل ناروی، نواب سید یحییٰ حسن، قاضی حسن شاہ پنجابی کے اسماے گرامی صاحبان تذکرہ نے نقل کیے ہیں۔

ان خلفاے کرام میں جو خصوصیت اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم کو آپ کی بارگاہ والا جاہ میں حاصل تھی وہ اپنی نظیر آپ تھی۔سرکار مفتی اعظم مرید مراد تھے جس کی جھلک آپ ملاحظہ کر چکے۔سرکار اعلیٰ حضرت کو چشم و چراغ خاندان برکات کا لقب آپ نے مرحمت فرمایا۔یہ وہ اعزاز ہے جس کی نظیر خلفاے خاندان برکات میں نہیں پیش کی جاسکتی۔سرکار نور والا نامے میں تحریر فرماتے ہیں:

"چشم و چراغ خاندان برکاتیہ مارہرہ مولانا احمد رضا خاں صاحب دام عمرہم و علمہم ۔ از ابوالحسین بعد دعاے فقیر و متبولیت محررہ القاب سطر بالا۔

واضح ہو کہ یہ خطاب حضرت صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ کو دیا تھا باوجودیکہ میں لائق اس کے نہ تھا تحریر فرمایا کرتے تھے۔چوں کہ اب میں بظاہر اسباب انواع انواع امراض میں ایسا مبتلا ہوں کہ مصداق اس مصرع کا ہو گیا ہوں ع اگر ماند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

اور مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اٹھ گئے اور جگہ خالی کر گئے تو اب سواے آپ کے حامی کار اس خاندان عالی شان کا خلفا میں کوئی نہ رہا۔لہٰذا میں نے یہ خطاب آپ کو بایماے غیبی پہنچا دیا۔بطوع و رغبت آپ کو قبول کرنا ہوگا اور میں نے بطیب خاطر بلا جبر و اکراہ بہ رغبت قلب یہ خطاب آپ کو ہبہ کیا اور بخش دیا۔یہی خط اس کی

سند میں باضابطہ رہے۔

فقط

ابوالحسین۔ از مارہرہ

[اہل سنت کی آواز، ۲۰۰۳ء، ص ۱۷]

نورانی اخلاق :

سرکار نور کے اخلاق کریمانہ، شمائل نبوی کا پرتو تھے۔ عقیدے میں حد درجہ تصلب تھا۔ شریعت کی پوری پابندی تھی، قرآن وحدیث کے پورے عامل تھے۔ علوم نبوت کے ماہر تھے۔ ریاضت ومجاہدہ، سخاوت وکرم، مخلوق خدا کی حاجت روائی، خندہ روئی، اعتدال پسندی، نرم نرم انداز گفتگو، ہر ایک سنی مسلمان بالخصوص اہل سلسلہ کی خیر خواہی، ان کے حق میں دست بدعا رہنا، غریبوں، مسکینوں سے انس، محرمات ہی نہیں مکروہات ولغویات سے بچنا، دوسروں کی عیب پوشی، بدمذہبوں سے دوری، فاسقوں سے وحشت، سرکار نور کے اخلاق نورانی کے چند گوشے ہیں۔

فنافی الشیخ تھے، سرکار غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ سے عشق تھا۔ ریاضت کا حال کیا تھا، اس کی سمت اشارہ ہو چکا ہے۔ یہاں سراج العوارف کا وہ اقتباس درج کرتا ہوں جس میں سرکار نور نے اخلاف اور وابستگان سلسلہ کی تربیت اور رہنمائی کے لیے اپنے کچھ معمولات درج کیے ہیں ورنہ اس بارگاہ میں تو کمالات کا اخفا حد درجہ مطلوب تھا۔ سرکار نور رقم طراز ہیں:

"اس فقیر کو صفائی قلب اور تزکیہ اور اسمائی اور صفاتی تجلیوں کے حاصل کرنے کے لیے بعض اسموں اور دعاؤں کی دعوت کا کافی اتفاق ہوا۔ میں نے بیس سال کی عمر میں تنہائی اختیار کی اور تیس سال تک اکثر خلوت ہی میں روزہ دار رہا۔ میں نے کبھی لمبی مدت کے لیے روزے نہیں چھوڑے اور اس دوران میں نے دو تین بار بلکہ اس سے زیادہ دعوت اسماء اور حسب ذیل دعائیں ورد رکھیں۔

۱-حزب البحر، ۲-سورۂ واقعہ، ۳-سورۂ مزمل، ۴-اسماے اصحاب کہف، ۵-آیت اللہ لطیف بعبادہ، ۶-دعوت چہل اسما بطور خمسہ خاندان کی مختصر ترکیب کے مطابق، ۷-اسم بدوح سادہ، ۸-اسم بدوح باموکل، ۹-اسم انہ ولی الاجابۃ، ۱۰-اسم یابدیع العجائب، ۱۱-اسم یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ، ۱۲-عمل شجرۂ زر، ۱۳-عمل دعاے حیدری

ان اسما اور دعاؤں کو میں سالہا سال بار بار عامل کی شرطوں کی ادائیگی اور زکات کے لیے معمول بنایا اور ان کی روحانیت اور تجلیات سے فیض پایا اور جلالی وجمالی غذاؤں اور مکروہات کو ترک کیا۔"

ان کثیر اوراد اور بے شمار الٰہی تجلیات کی برکتوں کی کچھ جھلکیاں روحانی مصروفات کے عنوان سے آگے ملاحظہ کریں۔

تصانیف :

سرکار نور کی علمی، دعوتی اور عملیاتی مصروفیات کی جھلکیاں آپ نے ملاحظہ کیں لیکن ان کثیر در کثیر ہمہ جہت مصرفیات کے باوجود اچھی خاصی تصانیف آپ سے یادگار ہیں جب کہ آپ کو تصنیف وتالیف سے شغف نہ تھا۔ آپ نے چند رسائل تکسیر وعقائد، آداب مریدین، اوراد واذکار، اشغال واعمال اور فقہ میں تصنیف فرمائے۔ شعر بھی کہتے تھے اور خوب کہتے تھے تخلص اول سعید فرماتے تھے، بعد میں نوری کر لیا تھا۔ ایک مختصر دیوان بھی چھوڑا۔

محترمی مخدومی حضرت سید آل رسول حسنین میاں نظمی برکاتی دامت برکاتہم القدسیہ حضرت نوری قدس سرہٗ کی تصانیف کا ایک اجمالی موضوعاتی خاکہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

تصنیف اور اس کی شہرت سے سرکار نوری میاں قدس سرہٗ کو خاص دلچسپی نہ تھی۔ بعض تحریرات بطور رسالہ بھی خدام کے التماس پر مرتب ہوئے۔

۱- العسل المصفی فی عقائد ارباب سنة المصطفی (علیه التحیة والثنا): آسان اردو زبان میں عقائد اہل سنت کے بیان میں نہایت مختصر اور مفید، بچوں کی تعلیم کے لیے مناسب بلکہ ضروری رسالہ ہے۔ (یہ متعدد بار شائع ہوا۔ ۱۲ رضوی)

۲- سوال و جواب: یہ بھی اردو زبان میں مختصر مسئلہ تفضیل کا فیصلہ ہے۔ آج تک حضرات تفضیلیہ سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔

۳- اشتہار نوری: یہ ایک مفید تحریر ہے۔ جس وقت بعض علمائے اہل سنت مکائد اہل ندوہ سے دھوکا کھا گئے ان کی ہدایت و تنبیہ کے لیے یہ اشتہار جاری ہوا۔

۴- تحقیق التراویح: یہ دفع فتنہ بعض غیر مقلدین میں بیس رکعت تراویح کے اثبات میں تحریر فرمایا۔

۵- دلیل الیقین من کلمات العارفین: تفضیل کلی حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اثبات حضرات تفضیلیہ کے شبہات کا ازالہ نہایت ضروری وضاحت سے فرمایا۔ لاجواب تھا لہٰذا لاجواب ہے۔

۶- عقیدهٔ اهل سنت نسبت محاربین جمل و صفین و نهروان: یہ رسالہ بزبان اردو ہے اور حسب الحکم حضور خاتم الاکابر تحریر فرمایا۔

۷- لطائف طریقت کشف القلوب: یہ رسالہ بیان کسب ابتدائی سلوک میں بزبان اردو ہے۔

۸- النور والبهاء فی اسانید الحدیث وسلاسل الاولیاء: اس رسالے میں سلاسل و اسناد احادیث صحاح و مسلسل بالاولیہ و حصن حصین و دلائل الخیرات، اسماء حسنہ، مصافحات اربعہ، مشابکہ، مسلسل بالاضافۃ و اسناد حزب یمانی و قرآن کریم و تسبیح و سلسلۂ عالیہ قادریہ قدیمہ و آبائیہ، و کالپویہ جدیدہ و رزاقیہ و منوریہ و چشتیہ و سہروردیہ و نقشبندیہ و مداریہ و علویہ چند طریقوں سے پہنچے ہیں درج ہیں۔ بزبان عربی نہایت مفید رسالہ ہے۔

۹- سراج العوارف فی الوصایا والمعارف: یہ وہ پرنور تصنیف ہے کہ جو فوائد اس میں مندرج ہیں ان کا مجموعہ کسی ایک جگہ نہیں ملے گا۔ خانوادۂ برکاتیہ کے جملہ مریدین و متوسلین کو اس کا دیکھنا، پڑھنا، پاس رکھنا نہایت فائدہ مند ہے۔

۱۰- الجفر: ایک مختصر رسالہ بزبان اردو ہے جس میں جفر کا ایک خاص قاعدہ مفصلاً مذکور ہے۔

۱۱- النجوم: ایک نہایت مختصر رسالۂ نجوم ہے۔ وہ چیزیں جن کا جاننا ایک عامل اور جفار کو ضروری ہے اس میں درج ہیں۔

۱۲- تخییل نوری: مجموعہ اشعار فارسی و عربی و اردو جو گاہ گاہ اتفاقیہ نظم فرمائے گئے۔ تخلص سرکار نور پہلے سعید

تھا پھر نوری فرماتے تھے۔

ان کے علاوہ سرکار نور نے صلوٰۃ غوثیہ، صلوٰۃ معینیہ، مجموعہ صلوٰۃ نقشبندیہ، صلوٰۃ صابریہ، صلوٰۃ ابی العلائیہ، صلوٰۃ مداریہ، صلوٰۃ الاقربا، صلوٰۃ المرضیہ لفقراء المارہرویہ وغیرہ شجرے مرتب فرمائے۔ آخری تصنیف حضور کی اسرار اکابر برکاتیہ ہے جو صدہا نکات واسرار پر مشتمل ہے۔ مجموعہ ہائے اعمال واشغال کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ [سراج العوارف، ص ۱۴ تا ۱۵]

تذکرۂ نوری کے حوالے سے حضرت کی تصنیف صلوٰۃ غوثیہ سے لے کر اخیر تک کی باقی کتابوں کے بارے میں تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ میں یہ تفصیل درج ہے۔

۱۳ – صلوٰۃ غوثیہ : اس میں شجرۂ عالیہ قادریہ مع اسمائے حسنیٰ درج ہے۔

۱۴ – صلوٰۃ معینیہ : شجرۂ چشتیہ اس میں بطور اوراد درج ہے۔

۱۵– مجموعہ : اس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، سیدنا حضرت علی وحضرات حسنین کریمین اور سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ننانوے اسمائے عالیہ کا ذکر ہے۔

۱۶ – صلوٰۃ نقشبندیہ : اس میں بھی حضرت خواجۂ نقشبند کے ننانوے صیغے اور اسما مذکور ہیں۔

۱۷ – صلوٰۃ صابریہ :

۱۸ –صلوٰۃ ابی العلائیہ :

۱۹ – صلوٰۃ مداریہ : اس میں اکثر اسماء ننانوے صیغے کے ساتھ درج ہیں۔

۲۰ – صلوٰۃ المرضیہ لفقراء المارھرویہ : اس میں اکثر خاندانی خلفا کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

۲۱ – صلوٰۃ الاقرباء : اس میں بیشتر خاندانی بزرگوں کے اسمائے گرامی مذکور ہیں۔

۲۲ – اسرار اکابر برکاتیہ : یہ آخری تصنیف ہے جس میں خاندانی اسرار ونکات مذکور ہیں۔

۲۳ – مجموعہ ھائے اعمال و اشغال : اس کا شمار نہیں۔ قریب چند مجموعہ ہر سال خود تحریر فرماتے جو چند حضرات کے پاس ہیں۔ [تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ، ص ۳۸۶-۳۸۷]

ناچیز نے آپ کی تصانیف سے صرف دو تصنیف دیکھی اور وہ ہیں ''سراج العوارف فی الوصایا والمعارف'' اور ''العسل المصفی فی عقائد ارباب سنۃ المصطفیٰ'' ان کے بالاستیعاب مطالعہ کے بعد اس کی اہمیت کا احساس ہوا۔ سراج العواف میں جس قدر جامع فوائد ونکات موجود ہیں اختصار کے ساتھ اس قدر کثیر فوائد ونکات میرے محدود مطالعہ میں تصوف کی کسی کتاب کے اندر نہ ملے۔ انسان کی اسلامی زندگی کے لیے جو باتیں ضروری ہیں سرکار نور نے عجب حسن اختصار اور سلاست کے ساتھ جمع کر دیے ہیں۔ سبع سنابل شریف کے انداز میں اس میں سات لمعے (روشنیاں) ہیں اور ہر لمعہ کے اندر ''نور'' کے عنوان سے کثیر فوائد درج ہیں جس کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

۱- پہلا لمعہ　:　وصیتوں کے باب میں ہے جس میں گیارہ [۱۱] وصیتیں ذکر ہیں۔

۲- دوسرا لمعہ　:　اہل سنت کے عقیدوں کے بیان میں ہے۔ جس میں اٹھائیس [۲۸] نور ہیں۔

۳- تیسرا لمعہ : تصوف کے سلسلے میں ہے جس میں سرسٹھ [۶۷] نور ہیں۔
۴- چوتھا لمعہ : سلوک کے بیان میں ہے جس میں باون [۵۲] نور ہیں۔
۵- پانچواں لمعہ : مسائل فقہیہ کے ذکر میں ہے جس میں انچاس [۴۹] نور ہیں۔
۶- چھٹا لمعہ : اخلاق اور نصائح کے بیان میں ہے جس میں تیئیس [۲۳] نور ہیں۔
۷- ساتواں لمعہ : بعض متفرق فوائد کے بیان میں جس میں سات [۷] نور ہیں۔

اصل کتاب فارسی زبان میں ہے جس پر سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں منظوم تقریظ ہے۔

عربی تقریظ کے چند اشعار یہ ہیں:

انا سیدی یا ابن عزغطارف ویا احمد النورنورا لاعارف
کلامك نور بهاء السلاسل وشهدمصفی عن الزیغ صارف
و تحقیق ترویح کشف القلوب دلیل الیقین سراج العوارف
ولاغر و ان جاء منك سراج فانك نور نادی المعارف
ارانا سراجك باللیل شمسا و شمس بلیل عجیب و طارف
فهل مثله فی تلید و طارف
و این فاین تراه الطوارف

[بساتین الغفران، ص ۱۹۵]

استاذ حازم محمد احمد عبدالرحیم المحفوظ مرتب بساتین الغفران جو جامعہ ازہر کے فاضل استاذ ہیں انھوں نے ڈاکٹر حامد علی خاں کے مقالہ کے حوالے سے فقط یہی چھ اشعار ذکر کیے ہیں۔ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ گیارہ عربی اشعار تقریظ میں کہے تھے جو سراج العوارف کے اس نسخہ میں مطبوع ہیں جو بدایوں پریس سے شائع ہوا تھا۔ لیکن انھیں تلاش و جستجو کے باوجود یہ نسخہ دست یاب نہ ہو سکا۔

سراج العوارف کے دو اردو ترجمے ہوئے۔ پہلا ترجمہ حضرت مولانا مفتی خلیل احمد خاں صاحب برکاتی مارہروی علیہ الرحمۃ نے کیا اور دوسرا حضرت مخدوم گرامی جانشین حضرت احسن العلما قدس سرہٗ ڈاکٹر امین میاں صاحب مدظلہ العالی نے۔ جس کی زبان پہلے ترجمے سے زیادہ سلیس اور رواں ہے۔ ہندوستان میں آج کل عام طور سے پہلا ہی ترجمہ دست یاب ہے جسے مکتبۂ جام نور دہلی نے "شریعت و طریقت" کے نام سے شائع کیا ہے۔ حضرت امین ملت کا ترجمہ عرصہ ہوا مکتبۂ استقامت کان پور سے شائع ہوا تھا۔ پاکستان میں اس کے متعدد ایڈیشن نکلے۔ فقیر کے پاس برکاتی پبلشرز کھارادر کراچی کا شائع کردہ ایڈیشن موجود ہے۔ المجمع المصباحی مبارک پور نے حال میں ایک خوب صورت جدید ایڈیشن شائع کیا ہے۔

سراج العوارف شریف میں سرکار نور قدس سرہٗ نے بہت مفید فوائد و نکات کی نشان دہی فرمائی ہے جو ایک مومنانہ زندگی کے لیے راہنما اصول کہے جا سکتے ہیں اور بہت سے کارآمد نصائح کریمہ بھی اس میں مذکور ہیں۔ تفصیلی معلومات کے لیے تو اصل کتاب کا مطالعہ ہی

کفایت کرے گا۔ یہاں صرف چند نصائح طیبہ افادیت کے واسطے تحریر کیے جاتے ہیں۔

سرکار نور فرماتے ہیں:

"(۱) اپنا راز کسی سے نہ کہو (۲) عالم کے فعل کو نہ دیکھو بلکہ اس کے قول پر نظر کرو اس لیے کہ فعل صرف اپنے لیے ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ خلاف سنت بھی ہو اور قول دوسروں کے لیے ہوتا ہے۔ علمائے کرام کی دیانت داری سے اس کی توقع نہیں کہ ان کا قول خلاف سنت ہو۔ (۳) بروں اور نافرمانوں کو نصیحت کرو کہ شاید وہ توبہ کرلیں اور کسی سے ان کا عیب بیان نہ کرو کہ کہیں وہ ڈھیٹ نہ ہو جائے۔ (۴) اپنے سے کمزوروں پر رحم کرو تاکہ اپنے سے طاقت وروں کی طرف سے تم پر رحم ہو۔ (۵) کسی کو گالی نہ دو کہ وہ بھی تمھیں گالی دے۔ گالی گلوج سے دنیا میں بربادی اور آخرت میں گناہ ہے۔ (۶) جس نے پائجامہ کھڑے ہو کر پہنا اور عمامہ بیٹھ کر باندھنا اس کو اللہ تعالیٰ ایسی مصیبت میں مبتلا فرمائے گا جو پھر ٹل نہیں سکتی۔ (۷) ادب سے رہو بے ادبی سے بچو۔ اولیا، اصفیا، اتقیا، علما، فضلا اور فقرا کے ادب و تعظیم میں کوشاں رہو۔ (۸) کسی سے منافقانہ میل جول نہ رکھو۔ منافقانہ دوستی سے کھلی دشمنی بہتر ہے۔ (۹) بزرگوں کی نصیحت سے غمگین نہ ہو اور چھوٹوں کو ادب سکھانے میں غفلت نہ برتو۔ (۱۰) کسی کی برائی کا چھپانا ثواب کا کام ہے اور خدا کے خاص بندوں کی عادت ہے۔

[سراج العوارف، ص ۱۸۲ تا ۱۸۶ ملخصاً]

العسل المصفی فی عقائد ارباب سنة المصطفیٰ (۱۲۹۸ھ)

اٹھائیس صفحات کا یہ رسالۂ مبارکہ اہل سنت کے جملہ عقائد کو اختصار اور جامعیت کے ساتھ سمیٹے ہوئے ہے۔ سرکار نور قدس سرہٗ نے بڑی ہی سلیس اور آسان زبان میں اللہ تعالیٰ کی توحید و تنزیہ، اللہ تعالیٰ کی صفتیں، تقدیر الٰہی کا مسئلہ، اللہ تعالیٰ کی کتابیں، اللہ تعالیٰ کے فرشتے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر علیہم السلام، ہمارے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضور کے آل و اصحاب، صحابہ کی شکر رنجیاں، تفضیل کی تفصیل، ایمان و کفر و شرک و بدعت کی بحث، قیامت و آخرت کا ذکر، متفرق مسئلے جیسے ذیلی عناوین پر اتنے مختصر اوراق میں گفتگو فرمائی ہے جو اس کی جامعیت کی جامع شہادت ہے۔ زبان ایسی رواں ہے کہ سو سال سے زائد کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ اس کے مفاہیم کو لسانی قدامت متاثر کر رہی ہے۔

یہ رسالہ حضرت تاج العلما کے زیر اہتمام دار الاشاعت برکاتی مارہرہ مطہرہ سے شائع ہوا۔ پھر اس کے کثیر تعداد میں ایڈیشن مختلف جگہوں سے شائع ہوئے۔ میرے سامنے ماسٹر عتیق احمد برکاتی کے زیر اہتمام کان پور سے شائع شدہ ایڈیشن ہے۔

حضرت سرکار نور قدس سرہٗ آغاز رسالہ میں سبب تالیف بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

امابعد! خدا کی طرف شکوئی کہ زمانہ وہ آیا کہ علم مدبر ہے اور جہل ظاہر سنن ضائع اور فتن شائع، سداد مخذول و فساد مقبول، اہل بدعت نے عوام میں طرح طرح جال پھیلایا ہے اور اس فرقۂ ناجیہ اہل سنت و جماعت نے حفظ عقائد سے یک دست ہاتھ اٹھایا ہے۔ بدمذہب اپنے اطفال کو زبان کھلتے ہی مشرب باطل کی تعلیم شروع کرتے ہیں اور اہل حق این و آں میں وقت گنوا کر تعلیم عقائد حصول علم پر موقوف رکھتے ہیں۔

پھر وہ کتنے ہیں جنھیں علم حاصل ہوتا ہے اور ہوا بھی تو بہت ذی علم حکمت فلسفہ کی آفت میں تحقیقات ردیہ کو جھگڑا

تصور کرتے اور اس سے دامن بر چیدہ رہتے ہیں اور جو علم سے محروم رہے ان کا تو کہنا ہی کیا۔لوح سادہ ہیں جو چاہے نقش جمائے۔جیسی صحبت پائی ویسے ہی ہو گئے۔تحقیق کا شوق نہیں کہ اپنے علما سے دریافت کریں۔

فقیر ملتجی الی المولی الغنی سید ابوالحسین احمد النوری ملقب بہ میاں صاحب قادری برکاتی مارہروی اصلح اللہ له الشاهد والغائب و زهده فی الدنیا و رغبه فی الرغائب آمین۔بہ نظر خیر خواہی برادران دین چند سطر عقائد اہل سنت و جماعت میں بسلاست زبان و وضاحت بیان و شرح مسائل و طرح دلائل منصہ تحریر پر جلوہ نما اور رسالہ کو بنام تاریخی العسل المصفی فی عقائد ارباب سنۃ المصطفی مسمی کرتا ہے۔[العسل المصفی ،ص ۳-۴]

۱۲۹۸ھ میں میرٹھ سے اس کا جو ایڈیشن شائع ہوا تھا اس میں سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی منظوم عربی تقریظ بھی شامل تھی جسے بساتین الغفران میں نقل کیا گیا ہے۔فقیر افادیت کے لیے اسے یہاں نقل کرتا ہے۔اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

یاصاحبی قفا لما یعنینا	واد شممنا منه نفحة سینا
آنست من مارهرة ناراعلیٰ	طور اشنا طورا به یهدینا
فعزمت ممشای هذا اننی	مالم انلها لن اذوق هدوّنا
امضی علی سنتی ولا اصغی الی	قول من الاغوال والمردینا
سیرا معی او لا فلست براجع	انی لفی شان اراه یقینا
طوبیٰ لابناء السبیل اذا اهتدوا	و مشوا لهذا النور من نادینا
اکرم بنا رضوء ها یجلو الدجیٰ	من احمد النوری جاء مبینا
نور الهدی بحر التقیٰ بدر النقیٰ	اضحیٰ له حفظ الاله معینا
من ال من رضی البلافی کربلا	من اهل خلق الحسین حسینا
یا قوم هذا الحق هذا المنتقیٰ	هذا النجاة ان اتخذتم دینا
عسل مصفیٰ بالیقین فلم یذر	بذواقه ظنا و لا تخمینا
تعسا لمن اهویٰ الیٰ مهویٰ الهویٰ	و رایٔ بدین السنة المفتونا
لم یات مشیٰ للصواب بدیلا	ماکان حق بالجدال قمینا
فعلیك یا هذا بجمع او قدوا	مصباح دین الله فی نادینا
لك اسوة فیهم فلذبجناحهم	لا تتبع من غیرهم مجنونا
قال الرضا ارخ رسالة سیدی	هذاهو الحق الصریح مبینا

[بساتین الغفران ،ص ۱۶۰-۱۶۱]

ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ نے بھی ان اشعار کو اپنی تصنیف ''حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی'' میں ذکر کیا ہے۔دیکھیے ص ۷۳ تا ۷۵،مطبوعہ سیالکوٹ اسلامی کتب خانہ۔

حضرت نوری میاں قدس سرہٗ کا شعری دیوان ''تجلیٔ نوری'' شائع ہو چکا ہے لیکن فقیر کی نگاہ سے نہیں گزرا۔البتہ اس کے کچھ اشعار

مولانا شبنم کمالی صاحب کے مضمون ''حضرت نوری میاں کی نعتیہ شاعری'' میں دیکھنے کو ملے۔ چند منتخب اشعار نذر قارئین ہیں تاکہ وہ اس سے حضرت کی فکری ندرت، تخیل کی بلندی، جذبے کی حدت، ذوق کی لطافت یعنی شاعرانہ عظمت کا بھی اندازہ کر سکیں۔

پھول مہکے، رنگ چمکے داغہائے عشق کے　　بڑھ گئی جنت سے بھی کچھ اپنے مدفن کی بہار
جلوۂ حسن بتاں کیسا؟ کہاں کا رنگ گل　　چڑھ گئی اب تو نظر پر ان کے جوشن کی بہار
کس ادا کس بات میں کم ہیں مرے داغ جگر　　بلبلیں دیکھا کریں اے نوری گلشن کی بہار

دل عشاق میں اے جان مکیں کیوں نہ ہوئے　　یہ بھی تو عرش ہے تم عرش نشیں کیوں نہ ہوئے

نام جب دیکھتے ہیں تیرا خطوں میں عاشق　　رشک کرتے ہیں کہ قرطاس ہمیں کیوں نہ ہوئے
غم فرقت کی بلاؤں میں پھنسا ہے نوری　　حیف صد حیف کہ تم اس کے معین کیوں نہ ہوئے

پھر کہا دل نے چلو کوہ و بیاباں کی طرف　　ہاتھ پھر بڑھنے لگے جیب و گریباں کی طرف

تو ہی کر انصاف دونوں کو ملا کر عندلیب　　جاؤں میں اس گلی میں یا گلستاں کی طرف
جس نگاہ لطف سے تم دیکھتے ہو سوئے غیر　　دیکھ لو میرے بھی احوال پریشاں کی طرف
مل گئے جب خاک میں تو پوچھنے والا ہے کون　　نور آتا ہے کوئی گور غریباں کی طرف

یہ حضرت کے وہ اشعار ہیں جس میں تغزل کی شان اپنے پورے جمالیاتی رنگ کے ساتھ موجود ہے۔ ورنہ سرکار نور نے بڑے سادہ کلام بھی کہے ہیں جس میں سادگی کے ساتھ بانکپن بھی ہے۔ ذرا یہ اشعار دیکھیے:

مرا محبوب، محبوب خدا ہے　　مرا پیارا محمد مصطفیٰ ہے
وہی روح روان انبیا ہے　　وہی تاب و توان اولیا ہے
ثنا اس کی بشر سے کب ادا ہو　　کہ وہ محمود و محبوب خدا ہے
انھیں نعت لکھ نوری ہمیشہ　　انھیں سے ابتدا و انتہا ہے [تخییل نوری]

تصرفات نور: سرکار نور کے روحانی تصرفات اور کشف و کرامات حیطۂ تحریر میں لائے جائیں تو دفتر کے دفتر لب ریز ہو جائیں اور یہ کوئی مبالغہ جاتی استعارہ نہیں بل کہ اظہار واقعہ ہے۔ آپ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ ہیں اور چلتی پھرتی کرامت۔ خوب فرمایا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے۔

میلا لگا ہے، شان مسیحا کی دید ہے　　مردے جلا رہا ہے خرام ابوالحسین
ذرہ کو مہر، قطرہ کو دریا کرے ابھی　　گر جوش زن ہو بخشش عام ابوالحسین

حضرت کے خادم خاص اور مرید و خلیفہ قاضی غلام شبر بنوری بدایونی علیہ الرحمہ نے تذکرۂ نوری میں چند تصرفات ذکر کیے ہیں۔ میں انھیں کے لفظوں میں چند منتخب تصرفات ذیل میں درج کرتا ہوں۔

☆ ''حضور پر نور قدس سرہٗ رونق افروز موضع بھنڈولی ضلع بلند شہر ہیں خدام کے مجموع میں یہ خادم بھی حاضر

ہے، وقت بعد مغرب ہے، حضور سیف الرحمٰن قراءت فرما رہے ہیں، اس خادم کو خیال ہوا کہ کاش خدام دعا کو میں دیکھتا، فوراً حضرتِ اقدس نے ایک بار دستک دی دیوار جنوبی مکاں کی اس ناچیز کی نظر سے غائب ہوگئی اور وہ سامان جو پشت مکان پر ایک رعایا کا تھا صاف نظر آنے لگا تھوڑی دیر میں اس صحن میں اور وسعت ہوئی اور ایک بڑا میدان سرسبز و شاداب پیش نظر ہوگیا۔ اس میں ایک انبوہ کثیر نہایت شاندار لوگوں کا نظر آیا۔ اکثر ان میں ہاتھیوں اور گھوڑوں پر مسلح سوار تھے۔ نہایت عمدہ شاہانہ لباس اور بہت صیقل اسلحہ تھے لیکن یہ ساری جماعت برقعہ پوش تھی۔ خادم کو چہرہ کسی کا نظر نہیں آیا۔ تخمیناً دس منٹ تک خادم اس مجمع کو بغور دیکھتا رہا اور سخت متعجب تھا۔ اس اثنا میں حضور اقدس نے دوسری دستک دی وہ سامان نظر سے مخفی ہوگیا۔ وہی مکان اور وہی جلسہ قائم تھا۔ حاضرین میں سے کوئی خبردار نہ تھا۔ حضور اقدس قدس سرہٗ نے اس عاجز پر ایک نگاہ متبسمانہ ڈالی اور خاموش ہوگئے۔''

☆'' حضور اقدس غریب خانہ پر رونق افروز ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ عمل شجرہ زر کی زکات دینی و دنیاوی دونوں کو مفید ہے۔ خادم نے عرض کیا۔ سنا ہے خدام عمل عامل کو ڈراتے ہیں اور اگر عامل ڈر گیا تو سخت پریشانیاں رو بہ کار ہوتی ہیں اور اپنے ایک عزیز بھائی کا قصہ عرض کیا۔ ارشاد فرمایا۔ اکثر یہ خطرات دو صورتوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اولاً صاحب اجازت کا حاکم عمل نہ ہونا یا عامل کا اس کی غیبت میں عمل شروع کرنا اور ترکیب عمل میں نقص و غلطی واقع ہو جانا۔ ثانیاً عمل کو محض بہ طلب مفاد دنیا پڑھنا جس سے خدام کو خیال تکلیف پیدا ہو جاتی ہے اور وہ موقع دیکھ کر عمل کو خراب کر دیتے ہیں جو لوگ صرف دینی غرض سے پڑھتے ہیں ان کو بجائے خراب کرنے عمل کے مدد اصلاح دیتے ہیں اور انس کرتے ہیں۔ ہمارے خاندان میں کبھی یہ عمل بہ غرض حصول دنیا نہیں پڑھا جاتا۔ آج وقت قراءت عمل حاضر رہنا جس وقت حضور اقدس نے عمل شروع فرمایا یہ خادم دروازہ کمرہ پر حاضر رہا۔ عمل ختم فرما کر حضور نے دستک دی اور ایک جماعت نہایت شان و شوکت والی نہایت عمدہ لباس سے حضور کے روبرو حاضر ہوگئی۔ یہ فقیر بہ چشم خود دیکھ رہا ہے حضور اقدس قدس سرہٗ نے بہ خطاب جماعت فرمایا کہ آج آپ صاحبوں کو ایک خاص وجہ سے تکلیف دی گئی ہے۔ وہ یہ کہ ہم چالیس برس سے آپ صاحبوں سے ملاقات کر رہے ہیں۔ کیا کبھی کوئی خدمت ذاتی ہم نے آپ صاحبوں سے چاہی ہے؟ سب نے دست بستہ نفی میں جواب دیا اور عرض کیا۔ ہم محکوم ہیں، جو حکم ہو فوراً تعمیل کی جائے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ آج میں اپنے خادم کو جو دروازہ پر حاضر ہے اجازت خاص اس عمل کی دوں گا اور آپ صاحبوں سے درخواست ہے کہ یہ شخص جب عمل شروع کرے آپ اس کی معاونت کریں اور فوراً آ تا رعمل کھل جائیں اگر احیاناً کوئی بے قاعدگی بھی ہو جائے ہماری خاطر سے درگزر کی جائے۔ سب نے نہایت خوشی سے تسلیم کیا۔ حضور نے اجازت رخصت دی اور وہ مجمع غائب ہوگیا۔ اب اس خادم کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اب کیا عذر ہے اور وہ چراغ زریں اپنا پڑھا ہوا مرحمت فرمایا۔ الحمد للہ علی ذلک۔''

☆'' مفتی مولوی محمد حسن خان صاحب عثمانی بریلوی جو موروثی خادم خانوادہ برکاتیہ اور حضور خاتم الاکابر قدس سرہٗ کے مرید با اخلاص تھے۔ مارہرہ شریف حاضر ہوئے اور حضور اقدس سے عرض کیا کہ مفتی مولوی ابوالحسن صاحب مرحوم میرے والد ماجد کو حضور اقدس اچھے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چہل اسما کے کسی اسم کے موکل سے ایک مہرہ

طلب فرما کر مرحمت فرمادیا تھا جس سے بہت سے مشکل کام بہ آسانی طے ہو گئے۔ وہ کسی بے احتیاطی کی وجہ سے گم ہو گیا، میں مفتی ابوالحسن صاحب مرحوم کا اور حضور حضرت اچھے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین ہیں وہ مہرہ مجھے منگا دیجیے اور اس پر سخت اصرار کیا۔ حضور اقدس قدس سرہٗ نے اولاً عذر فرمایا کہ قیاس آپ کا ٹھیک نہیں۔ بھلا ہم کو حضرت جدی سید شاہ آل احمد صاحب قدس سرہٗ کی حکومت سے کیا نسبت ہے؟ لیکن مفتی صاحب نہ مانے اور حضور اقدس نے وقت قراءت چہل اسمائے خدام عمل سے دریافت فرمایا کہ مہرہ کون لایا تھا اور کیوں واپس لے لیا؟ حالات معلوم فرما کر مہرہ طلب فرمایا اور مفتی صاحب کو دے دیا۔ اس مہرہ کے عجب خواص تھے چہل اسما جو مخصوص خدام کو عنایت ہوتے تھے، ان میں یہ اسرار بھی درج ہوتے۔"

☆"ایک بار حضور اقدس قدس سرہٗ رونق افروز بقصبہ سوروں ضلع ایٹہ ہیں اور ایک معتقد کے مکان پر قیام ہے، صاحب خانہ کا بچہ جو صغیر سن اور ذہین وشوخ تھا اس موقع پر حاضر ہے۔ کچھ ذکر حکومت حضرات اکابر مارہرہ قدست اسرارہم آ گیا۔ اس بچہ نے گستاخانہ عرض کیا۔ حضور والا آدمی پر حکومت ممکن ہے کہ ذی عقل ہے لیکن حیوانات پر حکومت ممکن نہیں یہ مکان کی کھونٹیوں پر چڑیاں بیٹھی ہیں، اگر حضور کے بلانے پر آ جائیں تو ہم کو یقین ہو۔ حضرت نے مسکرا کر ارشاد فرمایا تمھارا دل ان چڑیوں کو پکڑنے کا ہوتا ہوگا۔ میاں یہ تو ہماری پروردہ ہیں۔ دیکھو ہم بلائیں گے فوراً آ جائیں گی۔ تم سے ڈرتی ہیں۔ پکڑ لوگے، مار ڈالوگے۔ یہ فرما کر دست شریف اس جانب کو جدھر چڑیاں بیٹھی تھیں دراز فرمادیا۔ چڑیا فوراً اڑ کر حضور کے دست شریف پر نہایت سکون واطمینان سے آ بیٹھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اڑ جا، وہ لڑکا آتا ہے، پکڑ لے گا۔ اڑ گئی۔ دوبارہ بلایا پھر فوراً اور حکم پاتے ہی اڑ گئی۔"

☆"سرکار نور قدس سرہٗ کی حقیقی بھانجی حضرت شاہ جی میاں قدس سرہٗ کے عقد میں تھیں۔ ان کے یہاں ولادت ہونے والی تھی۔ وہ تکلیف سے پریشان تھیں۔ حضرت نوری دادا قدس سرہٗ تشریف لائے اور "تحفۂ قلندری" یعنی تسبیح غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک منکا نکال کر دادی صاحبہ کے گلے میں ڈال دیا اور فرمایا کہ پریشان کیوں ہوتی ہو۔ تمھاری جو اولاد پیدا ہوگی اس کے سبب دین کا بہت کام ہوگا اور وہ بیٹا مجھ جیسا ہوگا۔ یہ خوش خبری تھی سراج العرفا تاج العلما حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں صاحب قدس سرہٗ کی پیدائش کی۔ بزرگ اہل خاندان بتاتے ہیں کہ حضرت محمد میاں صاحب قدس سرہٗ کی شکل وصورت حضرت نوری میاں صاحب قدس سرہٗ سے بے حد مشابہ تھی۔ علم دین اور استقامت فی الدین کے لیے بھی حضرت محمد میاں صاحب قدس سرہٗ نے جو کام کیے وہ دنیائے سنیت سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ خاندان برکات میں شاید ہی کسی بزرگ نے ان سے زیادہ تصانیف یادگار چھوڑی ہوں۔ [اہل سنت کی آواز، ۲۰۰۳ء، ص ۹۶ تا ۹۸]

وصال پر ملال : سرکار نور نے نصف صدی سے زائد عرصے تک ایمان کا نور، عرفان کی رونق اور اخلاق کی جگمگاہٹ پھیلانے کے بعد وادی آخرت کا رخ فرمایا اور ۱۱ر رجب ۱۳۲۴ھ کو حیات ظاہری پر حیات دائمی کا نقاب ڈال لیا۔ رحمہ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔ صاحب تذکرۂ نوری اخیر مرحلۂ حیات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سال رحلت میں نہایت ضعف واشتداد مرض میں بدایوں رونق افروز ہوئے اور بہ کمال خادم نوازی حاضر مریدوں کو طلب فرما کر ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو داخل سلسلہ فرمایا اور صاف الفاظ میں خبر رحلت کا اظہار فرمایا۔

خدام کو ہر قسم کے نقوش وادعیہ مرحمت فرما کر بدایوں سے ۔ رہرہ کا قصد فرمایا۔ مارہرہ شریف میں کچھ روز قیام فرما کر سکندر را راؤ کا قصد فرمایا۔ چند روز قیام ہوا تھا کہ مرض کا سخت دورہ ہوا۔ درحضور اقدس پر غشی طاری ہوگئی، صرف ہونٹوں کی حرکت معلوم ہوتی تھی جس سے پتہ چلتا کہ روح مبارک جسم میں ہے اور ذکر فرمارہے ہیں۔ پالکی سے مارہرہ مطہرہ پہنچے اور حویلی میں پہنچ کر بعد چند ساعت انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ ۱۱ر رجب ۱۳۲۴ھ تھا کہ آفتاب کمالات غروب ہوگیا۔ درگاہ معلیٰ کے برآمدے جنوبی میں دفن ہوئے۔

سرکار نور کے وصال شریف کے وقت آپ کے پاس صرف چند پیسے تھے۔ لاکھوں مخلوق کی حاجت روائی کرنے والے اس شہنشاہ کے ورثہ میں چند وظائف کی کتب، ایک قلم دان، ایک لوٹا، ایک مصلیٰ، ایک بستر تھا۔ یہی ہے درویشی کی اعلیٰ ترین مثال۔''

کثیر مشائخ، علما اور دانشوران نے سرکار نور کی رحلت پر مرثیے لکھے اور تاریخیں کہیں۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے برادر اوسط استاذ زمن علامہ حسن رضا بریلوی قدس سرہٗ نے بڑے بلیغ فارسی کلام کہے اور تاریخیں نکالیں جو حسب ذیل ہیں۔

مرشد ما، شیخ اقطاب زمانہ بوالحسین — نور آگیں نور افزا، نور رب نوری لقب
کاشف استار پنہاں، واقف اسرار غیب — منزل انوار سبحاں، مہبط افضال رب
آں کہ ہر دم لطفِ فیضش، بر غلاماں بے غرض — آں کہ پیہم فیض لطفش برگدایاں بے سبب
آں کہ مہرش کشت دین سنیاں را ابر جود — آں کہ قہرش زشت اہل زیغ را برق غضب
آں کہ کرد از لمحۂ مو عرصۂ جانہا تتار — آں کہ کرد از لمعۂ رو کشور دلہا حلب
جود او حاجت روائے مستمنداں بے سوال — لطف او مشکل کشائے دردمنداں بے طلب
ملت بیضا منور کرد و جان تازہ داد — سطوت موسیٰ بدستش رحمتِ عیسیٰ بلب
نور چشم مصطفیٰ چشم و چراغ مرتضیٰ — شمع ایوان ہدیٰ، مہر عجم، ماہ عرب
رفت زین دار فنا، و احسرتا واحسرتا — آں شہ والا حسب، عالی گہر، بالانسب
شد جہاں بے نور، بے نور و چناں بے نور شد — شب چوں بخت تیرہ بختاں روز روشن ہم چوشب
اے حسن گفتم، صوری، معنوی تارخ نقل — بست و چار سیزدہ صد، دورۂ ماہ رجب

۱۳۲۴ھ

دیگر چوں بگلگشت خلد رفت زدہر
سیدی بوالحسین احمد نور
سن نقلش حسن بگوش رسید
نور اللہ سرہٗ المستور

۱۳۲۴ھ

[اہل سنت کی آواز، ۲۰۰۳ء] ☆☆☆

مفتیِ اعظم کے دادا پیر

سید شاہ آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمہ

از: مولانا اختر حسین فیضی مصباحی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ

مفتیِ اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کے والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء میں اپنے والد ماجد مولانا شاہ محمد نقی علی خاں اور تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی کے ہم راہ مارہرہ مطہرہ حاضر ہوئے اور حضرت سید شاہ آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمہ کے دستِ مبارک پر سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور اسی وقت خلافت واجازت سے نوازے گئے، اسی نسبت پر فخر کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں۔

مرا از نسبت ملک است امید آں کہ بہ حشر   محمرا کنند بپائے رضائے آلِ رسول

۲۲ رذوالحجہ ۱۳۱۰ھ کی فیروز بخت شب تھی، اعلیٰ حضرت اپنے پیر خانہ مارہرہ مطہرہ میں موجود تھے، رات میں خواب دیکھا کہ فرزند ارجمند کی ولادت ہوئی ہے، خواب ہی میں آپ نے آل الرحمٰن نام رکھا، اس وقت مارہرہ کی مسندِ سجادگی پر حضرت مخدوم شاہ ابوالحسین احمد نوری خلیفہ وجانشین سید آلِ رسول احمدی علیہ الرحمہ جلوہ بار تھے۔ آپ نے ابوالبرکات محی الدین جیلانی نام رکھا اور بعد میں مصطفیٰ رضا عرف قرار پایا۔ اہلِ علم اور عوام الناس کے درمیان ''مفتیِ اعظم ہند'' کے خطاب سے مشہور ہوئے۔ حضرت شاہ ابوالحسین نوری علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے فرمایا: مولانا! جب میں بریلی آؤں گا تو اس بچے کو ضرور دیکھوں گا، وہ بہت ہی مبارک بچہ ہے۔ چنان چہ آپ ۲۵ رجمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ میں چھ ماہ کے بعد بریلی تشریف لائے۔ خواہش کے مطابق بچہ کو دیکھا، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو مبارک باد دی اور فرمایا:

''یہ بچہ دین کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوقِ خدا کو اس کی ذات سے بڑا فیض پہنچے گا۔ یہ بچہ ولی ہے، اس کی نگاہوں سے لاکھوں گمراہ انسان دینِ حق پر قائم ہوں گے، یہ فیض کا دریا بہائے گا۔''

یہ فرماتے ہوئے حضرت نوری میاں قدس سرہ نے اپنی مبارک انگلیاں بلند اقبال بچہ کے دہنِ مبارک میں ڈال کر مرید کیا اور اسی وقت تمام سلاسل کی اجازت وخلافت بھی عطا فرمائی۔ (تذکرہ علماے اہلِ سنت ص: ۲۲۳)

آپ کو اپنے والد ماجد امام احمد رضا قدس سرہ سے بھی اجازت وخلافت حاصل تھی، گویا دونوں طرف سے آپ کا سلسلہ سلوک و معرفت حضرت سید شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی علیہ الرحمہ سے ملتا ہے، اس طرح حضرت سید شاہ آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمہ حضرت مفتیِ اعظم ہند کے دادا پیر ہوئے۔

اب ذیل میں حضرت مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دادا پیر حضرت سید شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی علیہ الرحمہ کا ذکرِ جمیل پیش ہے۔

تعارف :۔

حضرت سید شاہ آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمہ زیدی سادات کے فردِ فرید تھے، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت زید بن امام زین العابدین بن امام حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے واسطے سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

حضرت زید بن امام زین العابدین (رضی اللہ عنہما) کے صاحب زادے عیسیٰ ان کے پوتے حضرت علی اور ان کے پوتے حضرت سید علی عراقی ترکِ وطن کر کے واسط تشریف لائے (جو کوفہ اور بصرہ کے درمیان واقع ہے) آپ کے پوتوں میں سے سید ابو الفرح واسطی اپنے چار صاحب زادوں سید ابوفراس جد سادات بلگرام وسید ابو الفضائل وسید داؤد وسید معز الدین کے ساتھ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں واسط سے غزنی تشریف لائے اور چند روز قیام کے بعد فرزند اکبر سید معز الدین کے ساتھ پھر واسط کو مراجعت فرمائی۔ اور باقی تینوں صاحب زادوں نے ہندوستان کا قصد فرمایا۔ سید ابو الفراس نے جاجنیر، سید ابو الفضائل نے چھاتر ود اور سید داؤد نے تھن پور میں اقامت اختیار فرمائی۔ سید ابوفراس کے احفاد سے حضرت سید محمد صغریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حسب ایمائے سلطان شمس الدین التمش بلگرام کے کافر اور سرکش راجہ ''سری'' کے ساتھ جہاد فرمایا۔ اور اس کے قتل کے بعد ۶۱۴ھ میں فتح پائی۔ سلطان نے اس فتح کی خوشی میں بلگرام اور اس کے توابع ولواحق آپ کی جاگیر میں دے دیے۔ حضرت نے اس کا نام سری نگر سے بدل کر بلگرام رکھا اور وہاں شعائر ومراسم اسلام کو رواج دیا اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اس زمانے سے حضرت میر سید عبد الواحد بلگرامی قدس سرہ تک بلگرام ہی میں بود وباش رہی۔ حضرت میر عبد الواحد قدس سرہ کے بڑے صاحب زادے حضرت سید شاہ عبد الجلیل قدس سرہ بہ عہد جہانگیری ۱۰۱۷ھ میں مارہرہ تشریف لائے۔ اس وقت سے اس وقت تک حضرت کی اولاد مارہرہ میں ہے۔

(تاریخ خاندان برکات، ص:۵-۶، از: حضرت مولانا سید اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی)

مارہرہ مطہرہ کی عالم گیر شہرت اور عرب وعجم میں دینی ودنیاوی عزت ووقعت کا سبب حضرت سلطان العاشقین سید شاہ برکت اللہ عشقی، تاج العارفین سید شاہ آلِ محمد چشتی، حضرت سلطان المحبوبین سید شاہ حمزہ چشتی، غوث وقت سید شاہ آلِ احمد اچھے میاں، حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی اور نور العارفین حضرت سید شاہ ابو الحسین احمد نوری علیہ الرحمۃ والرضوان کا قیام اور یہاں کی خاک پاک میں آسودگی ہے۔

ولادت : حضرت سید شاہ آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت (ماہ رجب) ۱۲۰۹ھ میں مارہرہ شریف میں ہوئی۔ لقب خاتم الاکابر ہے۔

والد ماجد : والد ماجد کا اسمِ گرامی سید شاہ آلِ برکات ستھرے میاں ہے۔ (رحمۃ اللہ علیہ)

تعلیم وتربیت :

آپ کی تعلیم وتربیت والدِ ماجد کی آغوشِ شفقت میں ہوئی اور انھیں کی نگرانی میں آپ نے نشو ونما پائی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم حضرت عین الحق شاہ عبد المجید بدایونی، حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی قدس سرہما سے خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف میں ہوئی، اس کے بعد فرنگی محل کے علما مولانا انوار صاحب فرنگی محلی، مولانا عبد الواسع سیدن پوری اور مولانا نور الحق رزاقی لکھنوی عرف ملا نور سے کتب معقولات،

علمِ کلام، فقہ و اصولِ فقہ کی تحصیل و تکمیل فرمائی۔ ۱۲۲۶ھ میں حضرت مخدوم شیخ العالم عبد الحق ردولوی متوفی ۸۷۰ھ کے عرس مبارک کے موقع پر مشاہیر علما و مشائخ کی موجودگی میں دستار فضیلت سے سرفراز کیا گیا اور اسی سال حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں قدس سرہ کے ارشاد کے بموجب حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے درسِ حدیث میں شریک ہوئے۔ صحاح ستہ کا دورہ کرنے کے بعد سلاسل حدیث و طریقت کی سندیں مرحمت ہوئیں۔ فنِ طب اپنے والدِ ماجد اور حکیم فرزند علی خاں موہانی سے علماً و عملاً حاصل کیا۔ (تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ، ص: ۳۶۹، از مولانا عبد المجتبیٰ رضوی۔ تاریخ خاندان برکات، ص: ۳۸، از مولانا محمد میاں قادری برکاتی)

بیعت و خلافت :

بیعت آپ کو اپنے عم مکرم حضرت سید شاہ آل احمد قدس سرہ سے اور خلافت و اجازت اپنے عم مکرم اور والدِ معظم دونوں سے تھی اور سلسلۂ رزاقیہ کی اجازت اپنے استاذ مولانا نور صاحب فرنگی محلی سے اور سلسلۂ علویہ منامیہ کی اپنے استاذ مولانا شاہ عبد العزیز (محدث) دہلوی سے حاصل فرمائی، اور حضرت شاہ صاحب دہلوی سے اور بہت احادیث و مصافحات وغیرہ کی اجازتیں لائے۔ (تاریخ خاندان برکات، ص: ۳۸)

راہِ سلوک :-

قربِ الٰہی اور وصلِ حق کے لیے ریاضت و مجاہدہ حضرت سید شاہ آلِ رسول احمدی علیہ الرحمہ کے آبا کا خاص ورثہ ہے۔ حضرت کے بھی اساتذہ علوم و فنون کے مہر و ماہ اور لعل و گہر تھے۔ ان کے علوم نے ان کو شستگی اور عاجزی کی راہ پر لگایا۔ ان کا علم راہِ حق میں کاشفِ حقائق بن گیا، ایک عرصہ تک فرنگی محلی اکابر کی خدمت اور ہم نشینی کا شرف حاصل رہا۔ یہ حضرات خدا طلبی میں غرق تھے اور یہاں کا جو فرد تھا جوہر فرد فرید تھا، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کا علم و عرفان شہرہ آفاق تھا، فرنگی محل اور دہلی کے اکابر کی خدمتوں نے راہِ حق کی طلب میں اور استحکام بخشا، عام حالات میں دیکھا گیا ہے کہ دولت علم و عرفان کے حصول کے لیے اکابر روزگار کو شیخ کامل کی طلب و جستجو میں صعوبات سفر برداشت کرنی پڑیں۔ لیکن حضرت خاتم الاکابر سید آلِ رسول مارہروی کی فیروز بختی تھی کہ یہ دولتِ گراں مایہ اور گنج مراد گھر میں تھا۔ اور آپ کا قلبِ مبارک مرشدِ کامل کا مطلوب و مراد تھا۔ حضرت وطن واپس تشریف لائے تو حضرت مرشد پاک نے ارشاد فرمایا: اب جلائے قلب اور تزکیہ و تصفیۂ باطن کے لیے طریقۂ آبائی پر مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہو جاؤ۔ حضرت مرشد پاک اچھے میاں کی کریمانہ نظر اور حضرت والد ماجد کی شفقت و عنایت کے سایے میں سلوک کی مشق شروع ہوگئی۔ برق رفتاری کے ساتھ منازلِ سلوک تکمیل کو پہنچے۔ حضرت مرشد نے سلاسل خاندانی کی خلافت و اجازت تامہ، عامہ مطلقہ عطا فرما کر ہدایتِ خلق کا دربار لگانے کا حکم فرمایا۔ "برکات مارہرہ مطہرہ" کے مولف لکھتے ہیں کہ:

> "آپ کے خلیفہ اجل آپ کے برادر زاد حضرت سیدنا سید شاہ آل رسول صاحب مارہروی قدس سرہ العزیز ہیں، جن کو حضرت نے اپنی حیات میں اپنا جانشین بنا دیا تھا۔ سراج السالکین حضرت مولانا سید شاہ آل برکات ستھرے میاں قدس سرہ العزیز نے بھی اسرار خاندانی اور فیوض روحانی سے نوازا اور اپنا خلیفۂ مطلق و مجازِ برحق قرار دیا تھا، حضرت خاتم الاکابر (سید شاہ آل رسول مارہروی) قدس سرہ کا ظرف چوں کہ بہت عالی واقع ہوا تھا، حضرت مرشد پاک کی حیات طیبہ میں شاذ و نادر بیعت لیتے تھے۔"
>
> (حیات حضرت شاہ آل رسول احمدی مارہروی، ص: ۸۸-۸۹، از مولانا محمود احمد رفاقتی)

مسند نشینی اور خانقاہ کا انتظام:-

۱۷ ربیع الاول ۱۲۳۵ھ میں مرشد برحق حضرت اچھے میاں قبلہ نے اس دار فانی سے دار بقا کی راہ لی۔ تقریباً ۲۶ سال تک حضرت خاتم الاکابر آل رسول احمدی علیہ الرحمہ پیر و مرشد کے فیوض و برکات سے فیض یاب ہوئے۔ پندرہ برسوں تک حضرت ستھرے میاں قبلہ والد حضرت شاہ آل احمدی نے سجادہ برکاتیہ کو رونق بخشی اور ۲۶ رمضان المبارک ۱۲۵۱ھ کو جوار رحمتِ الٰہی میں جابسے۔ حضرت ستھرے میاں علیہ الرحمہ نے اپنے تینوں صاحب زادوں (سید شاہ آلِ رسول، سید شاہ اولاد رسول، سید شاہ غلام محی الدین، امیر عالم) کو ایک ہی وقت سجادہ برکاتیہ کا جانشین مقرر فرمایا اور تمام خانقاہی و درگاہی امور و جائداد اور آثار و تبرکات کا مساوی مالک بنادیا۔ آپ نے یہ وصیت نامہ بڑے صاحب زادے جامیاں کی رحلت (۸ رمضان المبارک ۱۲۴۶ھ) کے بعد لکھا۔ برکات مارہرہ کے مولف لکھتے ہیں:

- ''حضرت ستھرے میاں صاحب کے بروز چہلم حضرت شاہ آلِ رسول صاحب مسندِ خلافت برکاتیہ پر رونق افروز ہوئے اور حضرت اچھے میاں صاحب (عم مکرم) کے سلسلے کو جاری فرمایا اور ہزار ہا افراد آپ کے دستِ حق پر داخلِ سلسلہ ہوئے۔''

اس موقع پر سب سے پہلی نذر حضرت افضل العبید شاہ عین الحق عبد المجید بدایونی قدس سرہ نے پیش کی اور وہ بہت سے افراد جن کو حضرت خاتم الاکابر ہی سے بیعت کی تمنا تھی، اس موقع پر ان کی برسوں کی تمنا پوری ہوئی۔

(تاریخ خاندان برکات، حیات حضرت شاہ آل رسول احمدی، ص:۹۰)

حضرت خاتم لاکابر قدس سرہ نے سجادہ برکاتی پر رونق افروز ہوکر خانقاہ داری کا جدید انتظام فرمایا۔ بزرگوں کے اعراس طیبہ کے لیے کمیٹی مقرر فرمائی، طالبین و سالکین کے قیام و راحت رسانی کی غرض سے حجرے تعمیر کیے، درگاہ شریف کی مسجدِ مبارک میں امام و خطیب و موذن کا تقرر فرمایا حسابات کو باقاعدہ رکھنے کے لیے محاسب کا انتظام فرمایا، خانقاہ و درگاہ شریف کی دیکھ ریکھ کے لیے خادم رکھے، سب کے باقاعدہ مشاہرے مقرر فرمائے۔ مصلحتِ وقت کے لحاظ سے خانقاہ داری کے جدید انتظام کے وقت بہت کچھ تخفیف فرمائی۔ عرسوں میں اور اس کے علاوہ دیگر دنوں میں سماع کی محافل ہوا کرتی تھیں، آپ نے ان محفلوں کو قطعی بند کرادیا۔ آپ کے مبارک دور میں عرسوں کی رونق علماے کرام کے مواعظ، نعت و منقبت، تلاوت کلام پاک، ختم دلائل الخیرات، قصیدۂ بردہ شریف اور حلقہ ہاے ذکر سے تھی۔ مجلس وعظ و میلاد شریف میں ہر عامی کو بیان و وعظ کی اجازت نہ تھی۔ مستند اور متدین علماے کرام ہی مسندِ وعظ پر بیٹھائے جاتے۔ وعظ کا شرف ایک زمانہ میں حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی محدث اور حضرت سیف اللہ المسلول شاہ معین الحق فضلِ رسول قدس سرہما کو حاصل تھا۔ حضرت مولانا شاہ محمد عادل محدث کان پوری، حضرت تاج الفحول مولانا شاہ محب رسول عبد القادر بدایونی اور ان کے ممتاز تلامذہ علماے کرام کا خاص بیان ہوتا تھا۔ حضرت خاتم الاکابر خود بھی مجلسِ مبارک میں تشریف لاکر وعظ سماعت فرماتے۔ آخر زمانہ میں ان مبارک محفلوں کی نگرانی حضرت اقدس تاج الفحول کے سپرد فرمادی تھی۔ وہی اس کے نگران و منتظم تھے اور اس نعمت دولت و شرف سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ کو بھی حصہ حاصل ہوتا تھا۔

حضرت اقدس قدس سرہ کے عہد مبارک عہد سجادگی سے پہلے طالب و سالک و عالم، خانقاہ ارشاد پناہ میں طلب سلوک کے لیے حاضر ہوتے، خانوادۂ برکاتی کے صاحب زادگان گرامی ان سے تعلیم حاصل کرلیتے۔ خانقاہ برکاتی میں ایسا کوئی دور نہیں گزرا جب کہ متبحر عالم طلبِ سلوک کے لیے مقیم نہ رہے ہوں۔ بزرگان برکاتی بھی تدریس سے شغف رکھتے تھے۔ جب حضرت خاتم الاکابر کا عہد پاک آیا تو آپ

نے خانقاہ معلی میں باقاعدہ مدرسہ قائم فرمایا اور منتخب وممتدین علماے کرام کی تقرریاں کیں، اور خاندان ومتوسلین اور باشندگا مارہرہ کو باضابطہ علمِ دین کی تحصیل کی رغبت دلائی۔ جن نام وراور بلند پایہ مدرسین نے وہاں درس دیا، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: مولانا محمد سعید بدایونی شاگرد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، استاذ العلما مولانا نور احمد بدایونی شاگرد حضرت علامہ فضلِ حق خیر آبادی، مولانا فضل اللہ جالیسری شاگرد تاج الفحول حضرت مولانا شاہ عبد القادر بدایونی، مولانا تراب علی امروہوی، مولانا محمد شاہ ولایتی، مولانا محمد حسین بخاری کشمیری، میاں جی رحمت اللہ مارہروی، مولانا محب احمد بدایونی شاگرد تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی۔

(حیات حضرت شاہ آلِ رسول احمدی، ص: ۹۳ تا ۹۷)

علمِ دین کی اہمیت:-

حضرت سید شاہ ابوالحسین نوری علیہ الرحمۃ علم دین کی اہمیت اور برتری کے تعلق سے وصیت فرماتے ہیں:

"کتاب وسنت سے اپنی ضرورت بھر علمِ دین حاصل کرنے کی کوشش کریں، اور اس کام کو سارے کاموں پر مقدم رکھیں، اس کے بعد ہی طریقۂ باطنی میں قدم رکھیں، کیوں کہ جاہل صوفی اور بے علم عابد شیطان کا مسخرہ اور بالکل نکما اور ناقابلِ قبول ہے۔ اس کے علاوہ درجوں میں ترقی، عروج کی بلندی اور باریکیوں کی سمجھ جو عالم کو اس راہ میں حاصل ہوتی ہے، جاہل کے لیے اس میں کوئی حصہ نہیں، وہ تجلیاں اور گہری باتوں کی سمجھ جو علم رکھنے والے سالک کو آسانی سے حاصل ہوتی ہے، بے علم کا ان میں کیا حصہ، ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہے، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے نوازے اور اونچے مرتبے پر پہنچائے اور علم والے سے بھی مرتبہ بڑھادے، یہ ناممکن تو نہیں، لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔"

حضرت نوری میاں علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک حکایت یاد آئی جس کا لکھنا فائدہ مند معلوم ہوتا ہے اپنے دادا اور مرشد حضرت سید شاہ آلِ رسول احمدی قدس سرہ العزیز کی زبان فیض ترجمان سے میں نے سنا:

"ایک دن حضرت مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے شہر میں ایک درویش آئے، جن کی نسبت قوی تھی اور حال اچھا تھا، شہر والوں کا ایک بڑا گروہ ان کے کمالات کا معتقد ہو کر ان کی طرف رجوع ہو گیا۔ آخر شہر کے کچھ لوگوں نے حضرت مودود چشتی کے صاحب زادے کو ابھارا کہ یہ درویش ہمارے شہر میں کیوں آیا اور ہمارے شہر کے لوگوں کو اپنے کمال پر کس لیے رجوع کرتا ہے، اب اسے اپنے شہر سے نکال دینا مناسب ہے۔ یہ مشورہ کر کے صاحب زادے کو آمادہ کیا اور اپنے ساتھ لے گئے۔ لیکن ان درویش کے کمال کی وجہ سے ان کو تکلیف دینے پر قادر نہ ہو سکے۔ صاحب زادے اس وقت کم سن تھے اور محض شہر والوں کے ابھارنے سے ان درویش کی مخالفت پر آمادہ ہوئے تھے۔ اس لیے ان درویش نے صاحب زادے کو اپنے پاس بلا کر ان پر مہربانیاں اور عنایتیں کیں اور نصیحت کی، بابا! پہلے علم حاصل کرو اس کے بعد فقیری کا دعویٰ کرنا۔ اس لیے کہ جاہل عبادت گزار شیطان کا چیلا ہوتا ہے۔

چوں کہ ایک زمانے کی رہنمائی صاحب زادے کی تقدیر میں لکھی تھی، اس لیے انھوں نے اس بزرگ کی نصیحت پر عمل کیا اور اونچے درجوں پر پہنچے۔"

(سراج العوارف، ص:۲۹-۳۰، از: نوری میاں۔ ترجمہ: سید محمد امین میاں سجادہ نشین خانقاہ مارہرہ)

مطالعۂ حدیث کا ذوق :

حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آلِ رسول احمدی قدس سرہ کے آباے کرام علم و معرفت اور عشق و اخلاص کے شمس و قمر تھے، کتب اسلامیہ کا مطالعہ اور تصنیف و تالیف ان کا خاص ذوق تھا۔ حضرت خاتم الاکابر بھی مطالعہ کا ذوق رکھتے تھے لیکن انداز کچھ جداگانہ تھا۔ آپ کے آباے کرام عقائد و سلوک اور ملفوظات و مکتوبات کے مطالعہ کا ذوق رکھتے تھے اور آپ کتب حدیث کے مطالعہ کا شوق فرماتے، مطالعۂ کتب کے درمیان سادہ اوراق پر یا حاشیہ پر کچھ فوائد بھی قلم بند فرماتے لیکن تصنیف کی طرف توجہ نہیں تھی۔ اگر چہ آپ کے اکابر اور بزرگان خاندان برکاتی اصحاب تصنیف و تالیف تھے۔ مخصوص خدام جب عرض کرتے کہ حضور کچھ کتابیں بھی تصنیف فرمادیں تو جواب ہوتا:

"بزرگوں کا سرمایۂ علمی ہر فن میں موجود ہوتے ہوئے مزید لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اسی پر عمل کیا جائے، بس وہی کافی ہے۔"

آپ کی صرف ایک تصنیف "مصطلحات نقش بندیہ" ہے، جسے آپ نے حضرت اچھے میاں قدس سرہ کے حکم پر لکھا تھا۔ ایک بیاض کا اور پتہ چلتا ہے جس میں آپ نے فوائد حدیث، اسرار اور تصوف و سلوک کے حقائق بیان فرمائے ہیں۔

فنِ حدیث میں آپ کا پایۂ علمی بہت بلند تھا، اخیر عمر تک درسِ حدیث کا سلسلہ جاری رہا، بخاری شریف مکمل حفظ تھی۔ حضرت نوری میاں قدس سرہ فرماتے ہیں کہ بعد نمازِ ظہر حدیث و تفسیر کی کتابوں کی تدریس ہمارے خاندان کے اکابر کا معمول رہا ہے۔

حضرت خاتم الاکابر کے اساتذہ، اکابر اور اہلِ خاندان سب اہلِ درس و تدریس تھے اور وعظ و نصیحت کے پیرایہ میں امت مسلمہ کی اصلاح فرماتے۔ ان بزرگوں کا آپ کی ذات پر مکمل اثر پڑا۔ (حیات حضرت شاہ آلِ رسول احمدی، ص: ۱۱۷ تا ۱۱۹۔ خلاصۃً)

اصلاحِ معاشرہ:-

حضرت سید شاہ ابو الحسین نوری علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں کہ میرے دادا اور مرشد سید شاہ آلِ رسول احمدی علیہ الرحمہ ماہ محرم الحرام میں شیعہ فرقے کی بدعتوں، تعزیہ داری اور مرثیہ خوانی کے ارتکاب سے منع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ایک روز میں نے اپنے مرشد حضرت اچھے میاں رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے دلی میں اپنے استاذ محترم مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کو دیکھا ہے کہ محرم الحرام میں دس دن حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت کا بیان فرماتے اور دسویں دن صبح سے زوال کے وقت تک شہادت کے فضائل بیان کرتے، کھانا تقسیم کیا کرتے تھے۔ حضور والا (حضور اچھے میاں رضی اللہ عنہ) نے سن کر ارشاد فرمایا کہ بہت اچھا اور بہتر کرتے تھے، لیکن اگر ان کی مجھ سے ملاقات ہوتی تو میں ان سے کہتا کہ خاص اس مہینے میں ایسا اہتمام مناسب نہیں ہے، بس مختصر سے کھانے پر فاتحہ کر کے کسی دوسرے مہینے میں ایسا اہتمام وعظ وغیرہ کیا کریں، اس لیے کہ اب اس طرح کی محفلیں منعقد کرنا رافضیوں کا طریقہ ہے اور اس ماہ میں زیادہ اہتمام کرنا رفض کا دروازہ کھولنا ہے۔ آنے والی نسل اپنے بزرگوں کے حالات سن کر گمان کرسکتی ہے کہ وہ شیعہ تھے جو تقیہ کیے ہوئے تھے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے دوفرقے ہیں۔ایک سنی، دوسرا شیعہ اوران میں کوئی بھی حضرات حسنین کریمیں کی شہادت اور فضائل کا انکار نہیں کرتا ،لہذا ان اطراف میں ان مواعظ کے اہتمام کی کوئی ضرورت نہیں ہے البتہ جہاں خارجیوں کا غلبہ ہو وہاں یہ اہتمام ضروری ہے اور خارجی یہاں نہیں ہیں۔ (یہاں تک حضور اچھے میاں کی تقریر ختم ہوگئی) تو میرے دادا حضرت (شاہ آلِ رسول) نے فرمایا کہ جس تاریخ سے یہ مسئلہ میں نے اپنے مرشد سے خود سنا، خود بھی اس قسم کے کاموں میں احتیاط برتی۔ (سراج العوارف، ص:۱۷۶-۱۷۷)

☆ قبر کی بدعات کے سلسلے میں حضرت نوری میاں علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں کہ قبر کچی رکھنا اور اونٹ کے کوہان کی شکل پر بنانا سنت ہے۔قبر کی لمبائی میت کے قد کے برابر، چوڑائی نصف قد کے برابر اور گہرائی قدِ آدم کی مقدار رکھیں اور میت کو پیٹھ کے بل نہ لٹائیں بل کہ سیدھے پہلو پر لٹائیں اور اس کی پیٹھ پر مٹی کا پشتہ لگا دیں تاکہ ہر پہلو قبلہ رو رہے۔ یہ طریقہ مسنون ہے، جسے ہندوستانیوں نے بالکل ترک کردیا ہے، مگر جسے اللہ چاہے۔ پھر وہ لوگ یہ کرتے ہیں کہ میت کا منہ تو قبلہ کی طرف کرتے ہیں اور سارا جسم پیٹھ کے بل لٹا دیتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔افضل اور مسنون قبر تو وہ ہے جس کی چھت بھی زمیں ہو صندوقی نہیں کہ جس کی چھت لکڑی یا پتھر کی ہوتی ہے اور پختہ اینٹ کی تو مکروہ ہے۔ ہمارے مرشد (شاہ آلِ رسول) کی بھی یہی وصیت تھی۔ لیکن لوگ رواج اور وقت کی مصلحت کی وجہ سے عمل نہیں کرتے۔لاش کے بغیر قبر بنانا ممنوع اور اس کی زیارت کرنا حرام ہے۔ (سراج العوارف، ص:۱۷۶)

حاجت روائی:

آپ فرماتے ہیں کہ لکھنؤ میں (دورانِ تعلیم) اپنی قیام گاہ فرنگی محل جانے میں آغا میر کی ڈیوڑھی راستہ میں پڑتی تھی، اس محلے میں ایک غریب بوڑھی عورت نہایت نیک بخت تھی، اس کے دروازے پر بیٹھ کر اکثر دم لیتا تھا، وہ بے چاری مجھ کو سید جان کر میری خاطر کرتی تھی اور مجھے اس سے کے ساتھ محبت ہوگئی تھی، ایک دن اس بوڑھی نے مجھ سے کہا، بیٹا! اب تم یہاں کہاں آرام کروگے، میں تو دو چار دن میں یہاں سے اٹھادی جاؤں گی اور خدا جانے کہاں ٹھکانا ملے گا۔آغا میر کا محل سرا تیار ہوتا چلا آتا ہے، یہ میرا جھونپڑا بھی اس کے اندر داخل ہونا تجویز ہوا ہے۔حضرت فرماتے تھے کہ اس نے ایسے پُر درد لہجے میں تقریر کی کہ میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔میں نے اس سے پوچھا کہ تو خوشی سے اپنا مکان دینا چاہتی ہے یا نہیں؟ اس نے کہا، بچہ! میں خوشی سے تو اگر مجھے اونٹوں روپیہ دیا جائے تب بھی نہ دوں گی۔میرے مورثوں کی نشانی ہے۔اس زمانے میں دہلی کا سیتا بیگ لکھنؤ کا کوتوال تھا۔وہ حضرت اچھے میاں قدس سرہ سے عقیدت وارادت رکھتا تھا، میں نے اس کو ایک پرچہ لکھ دیا اور بڑھیا سے کہا کہ میں فقیر اور فقیر زادہ ہوں۔ بڑے لوگوں سے ملنا ملانا پسند نہیں۔آج تیری خاطر یہ رقعہ لکھ دیا ہے اس کو کوتوال کے پاس پہنچادے۔وہ میرے تادا کا معتقد ہے، امید ہے کہ وہ تیری حمایت ضرور کرے گا۔اور میں طالب علم کس قابل ہوں سوائے اس کے کہ تیرے مکان کے بچاؤ کے لیے خدا کی جناب میں دعا کروں گا۔

سچ ہے گرتے کو تنکے کا سہارا بھی بہت ہوتا ہے، وہ بڑھیا اسی وقت دوڑی ہوئی کوتوال لکھنؤ کے پاس گئی اور حضرت کا رقعہ دیا۔کوتوال اسی وقت حضرت کی خدمت میں دوڑا ہوا آیا اور حضرت کے قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا، حضور! اگر میرے دم میں دم ہے تو بڑھیا کا مکان ہرگز ہرگز گرنے نہ دوں گا۔یہ قصہ طویل ہے۔مختصر یہ کہ حضرت کی دعا اور کوشش سے اس بے چاری بڑھیا کا مکان بچ گیا اور آغا میر کے محل سرا میں نہیں گئی۔چنانچہ اب تک لکھنؤ میں آغا میر کی ڈیوڑھی پر وہ جگہ'' آلِ رسول کا کونا'' مشہور ہے۔(برکاتِ مارہرہ، از: جناب مولوی طفیل احمد صاحب علیہ الرحمہ۔منقول از حیات شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی، ص:۱۰۹-۱۱۰ تالیف: مولانا محمود احمد رفاقتی)

اخفائے حال :

سید شاہ آل رسول احمدی علیہ الرحمہ بڑے عالی ظرف اور فضل وکمال کے مالک تھے، کرامتوں کا صدور بھی ہوتا تھا۔ حتی الامکان چھپانے کی کوشش کرتے کہ اگر کسی نے آپ سے دیکھے ہوئے واقعے کی تصدیق چاہی تو آپ نے فرمایا: میاں تم کو شبہہ ہوا ہوگا، تم غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہو۔ اگر کوئی خوش اعتقاد بضد ہو جاتا تو تصدیق کرنے سے پہلے وعدہ لے لیتے کہ اس کو میری حیات میں کسی پر ظاہر نہ کرے گا۔

اس طرح آپ اپنے فضل وکمال اور مقامِ رفیع کے اخفا کا سامان کر لیتے۔ حضرت نوری میاں علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''ولی پر اپنا راز چھپانا ایسا ہی فرض ہے جیسا کہ نبی پر اپنی نبوت کا ظاہر کرنا۔ ولی کی ولایت مجبوراً ظاہر ہو جائے تو کوئی بات نہیں، مگر ارادتاً اسے ظاہر نہ کرے، وہ اپنے پیر ومرشد حضرت سید شاہ آل رسول کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جس سے اس مسئلے پر روشنی پڑے گی۔ آپ کے ایک مرید مظفر علی بریلوی کہتے ہیں کہ میں ایک شب استنجا کے لیے اٹھا اور طہارت کے لیے پانی لینے اپنے حجرہ سے باہر آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ درگاہِ معلیٰ (درگاہِ برکاتیہ مارہرہ ضلع ایٹا) میں بزرگوں کا بڑا کثیر مجمع ہے، جیسے عرس کا دن ہو، اور حضرت صاحب البرکات کے پائیں دالان میں جواہرات کا جڑاؤ تخت بچھا ہے اور اس پر چاروں طرف اکابر اولیا بیٹھے ہیں، کچھ دیر بعد کیا دیکھتا ہوں کہ ہمارے حضرت پیر ومرشد (شاہ آلِ رسول) کو شاہانہ لباس فاخرہ پہنائے اور سر پر تاج رکھے دو بزرگ بغل میں ہاتھ ڈالے ہوئے لائے اور تخت پر بیٹھایا۔ تمام لوگ تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور حضرت کی پیشانی پر بوسہ دیا، میں (مظفر علی) یہ سب دیکھ کر حیرت زدہ ہو کر ایک اندرونی زینہ کے نیچے کھڑا ہو گیا، اس کے بعد تمام حضرات اندر چلے گئے اور غائب ہو گئے، پھر میں اپنے حجرہ میں آ گیا۔ یہ ماجرا دیکھ کر مجھے ساری رات نیند نہیں آئی۔ صبح میں مسجد میں حاضر ہوا اور حضرت پیر ومرشد کے پیچھے نماز باجماعت ادا کی اور پھر یہ حال عرض کر کے اس مقام کی کیفیت دریافت کرنے لگا، پہلے تو فرمایا کہ تم نے خواب دیکھا ہوگا، اور خواب کی باتوں کا کیا اعتبار۔ جب میں نے اصرار کیا تو بادلِ ناخواستہ فرمایا، خاموش رہو اور اس بارے میں کوئی بات نہ کہو، میں اسی وقت خاموش ہو گیا۔''

اللہ اللہ کیا پردہ داری تھی کہ کبھی اشاروں اور کنایوں میں بھی اندر کا تذکرہ نہیں کیا، حالاں کہ یہ مقام مقامِ قطبیت ہے اور حضور والا کو مارہرہ کی خدمت کی سپردگی تھی۔ اس روز سے وفات شریف تک آپ مارہرہ سے باہر نہیں گئے اور سیکڑوں کرامتیں آپ سے ظاہر ہوئیں۔ وصال کے بعد مظفر علی سے مجھے (نوری میاں) اس واقعے کی تصدیق ہوئی۔ (سراج العوارف، ص: ۱۰۰-۱۰۱)

نور مدائح حضور جلد اول میں حاجی محمد رضا خان کی روایت نقل ہے، وہ فرماتے ہیں:

''میں سفرِ حج وزیارت کے شرف سے مشرف ہونے سے پہلے کسی بزرگ کا مرید نہ ہوا تھا۔ حرمِ کعبہ پہنچ کر حج کے مناسک کی ادائیگی کے بعد خیال پیدا ہوا کہ خدا نے اپنے کرمِ بے حد سے اپنے گھر کا دیدار کرا دیا۔ سنگِ اسود سے حاصل کی ہوئی برکت کو باقی رکھنے کے لیے اسی ارضِ پاک کے کسی شیخ کا دامن

پکڑ لینا چاہیے۔ اسی ارادہ و خیال سے وہاں کے بزرگ عالم و عارف مولانا شاہ محمد اسماعیل کی کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور بیعت میں لینے کی درخواست کی۔ مولانا شاہ اسماعیل صاحب نے فرمایا:

''تم سید شاہ آلِ رسول مارہروی سے مرید کیوں نہ ہوئے، وہ اب تک حج کی ادائگی میں میرے ساتھ تھے۔''

حاجی صاحب کہتے ہیں، میں واپس آیا اور بیعت کے ارادے سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور مولانا کی بات دوہرائی ،فرمایا ،مولوی صاحب کو شبہہ ہوا ہوگا۔ دریافت کرلو،فقیر مارہرہ سے باہر نہیں گیا۔ حاجی صاحب نے اصرار سے عرض کیا، مولانا محمد اسماعیل کی صاحب بڑے بزرگ اور حضور کو چاہنے والے ہیں اور صادق القول ہیں۔ حسب دستور جو اس قسم کی واردات پیش آنے پر فرمایا کرتے تھے، فرمایا:''خیر تا حیات ہمارے راز کو کسی پر ظاہر نہ کرو تو مرید ہو جاؤ۔'' (حیات حضرت آلِ رسول احمدی، ص: ۱۰۴)

اس طرح بیشتر واقعات ہیں جنھیں آپ نے پوشیدہ رکھنے کی تلقین کی۔ اگر کوئی ظاہر کر دیتا تو ناراضگی کا اظہار فرماتے۔ متوسلین کو بھی کمالات و کرامات کے اخفا کی سخت تاکید کی تھی۔ اگر کبھی کسی سالک و کاسب سے اس کے خلاف ہوتا تو عتاب فرماتے۔

حضرت مولانا مفتی سید عین الحسن بلگرامی مسجد میں تشریف لائے اور جماعت میں حاضر ہو کر نیت توڑ دی اور سلام کے بعد فرمایا:

''مردِ خدا نماز میں بازار جانے اور سودا خریدنے کی ضرورت نہیں حضورِ قلب کے ساتھ نماز پڑھایا کریے، ہم نماز کی حالت میں بھی تمھارے ساتھ کہاں کہاں جائیں۔''

آپ نے حضرت مفتی صاحب کی بات سن کر سخت عتاب فرمایا اور ارشاد فرمایا:

''بہتر ہے کہ آپ نماز خود پڑھائیں ورنہ حافظ صاحب کے ساتھ ساتھ پھریں اور شریعت کا استہزا نہ کریں، آپ کو نماز میں خود حضور نہیں ورنہ دوسروں پر نظر ہرگز نہ جاتی۔

(حیات شاہ آلِ رسول مارہروی، ص: ۱۰۰-۱۰۱)

چند ملفوظات :

بزرگوں کے ارشادات و ملفوظات چوں کہ تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت کا بڑا اہم حصہ ہوتے ہیں، اس لیے ان کے متوسلین نے ان کے لکھنے اور جمع کرنے کا اہتمام کیا۔ چند ملفوظات نقل کیے جاتے ہیں، جو بڑی اہمیت کے حامل ہیں:

ولی کی پہچان:-

حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے اپنے شیخ (شاہ آلِ رسول) رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اولیا کی پہچان کیا ہے، تو آپ نے فرمایا:

''بندہ اپنی ذات اور صفات کو فراموش کردے اور ذات و صفاتِ الٰہی میں کھو جائے اور صرف ذات و

صفاتِ باری تعالیٰ ہی کو موجود سمجھنے لگے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی محبت اور ذوق وشوق اتنا بڑھ جائے کہ وہ اور سب سے بے تعلق ہو جائے تو وہ ولی ہوتا ہے، جب بندہ میں یہ تمام صفات پیدا ہو جائیں تبھی وہ ولی ہوگا ورنہ نہیں۔

بعض فقرا اپنے آپ کو شریعت کے خلاف رکھتے ہیں، مثلاً: داڑھی منڈوانا یا کتروانا، بھنگ یا شراب پینا، ریشمی کپڑے پہننا، فحش اور بے ہودہ باتیں زبان سے ادا کرنا اور بہت سی خلاف شرع باتیں کرنا۔ اگر ایسے لوگوں کو نصیحت کی جائے تو کہتے ہیں، ہم تو فرقۂ ملامتیہ میں سے ہیں۔ تم خوب سمجھ لو کہ یہ بڑے گمراہ ہیں۔ یہ ملامتیوں کا طریقہ نہیں ہے۔ ملامتی تو وہ ہوتے ہیں جو شریعت کے مستحبات میں سے کسی مستحب کو بھی نہیں چھوڑتے ہیں لیکن بارگاہِ الٰہی میں جو قرب انھیں حاصل ہے اسے مخلوق سے چھپاتے ہیں۔ وہ شریعت کے خلاف نہیں جاتے اور ملامتیہ کا دعویٰ کر کے سرکش نہیں بن جاتے۔ ایسے ملامتیہ تو باطل پرست ہوتے ہیں، حق پرستی سے ان کا کوئی واسطہ نہیں، ایسے لوگوں کی وضع اور طریقے سے دور رہنا چاہیے۔

یہاں مجھے ایک حکایت یاد آئی جس سے بات خوب واضح ہو جائے گی۔ پہلے زمانے میں شوہر اور بیوی تھے، شوہر ملامتی فرقے سے تعلق رکھتا تھا، یعنی اس راہ کی ریاضتیں اور مجاہدے ظاہر میں نہ کرتا بل کہ مخلوق سے پوشیدہ رکھتا۔ اس کی بیوی ہمیشہ غصہ کرتی کہ میں تجھے کبھی حق کی طرف متوجہ نہیں دیکھتی۔ وہ کہتا کہ کیا کروں؟ مخلوق میں ایک میں ہی برا ہوں، اللہ مجھے بخشے۔ ایک رات اس کی بیوی سوتے سے اٹھی تو کیا دیکھتی ہے کہ شوہر حق کی طرف متوجہ ہے اور ذکر میں ڈوبا ہوا ہے۔ وہ بہت خوش ہوئی اور صبح اپنے شوہر سے بولی کہ خدا کا شکر آج رات گتھی سلجھ گئی کہ تم اپنی ریاضت کو چھپاتے ہو۔ اس نے کہا، تجھے کیسے معلوم ہوا؟ بیوی نے جواب دیا کہ، پچھلی رات میں نے دیکھا کہ تم یادِ الٰہی میں مصروف تھے اور تمھیں کسی بات کی خبر نہ تھی۔ شوہر نے تین بار پوچھا، کیا تو سچ کہتی ہے، واقعی تو نے دیکھا؟ خدا کی قسم میں نے تجھے دیکھا۔ شوہر نے یہ سنا اور انتہائی شرمندگی سے اپنی جان خدا کو سونپ دی۔ ایسے لوگوں کو ملامتی کہنا درست ہے، بدمذہبوں اور خلاف شرع چلنے والوں کو ملامتی کہنا بالکل غلط ہے۔"

(سراج العوارف، ص:۹۸-۹۹)

حقیقت کی تبدیلی :

عرض نوری: بعض درویشوں کو بارہا حرام اور مردار کھاتے دیکھا گیا ہے۔ کئی بار دیکھا گیا کہ انھوں نے مرے ہوئے جانور کے گوشت اور چربی کا استعمال کیا اور بظاہر وہ مجذوب و مجنون کی صورت بھی نہیں رکھتے، بل کہ کبھی کبھی تو دوسروں کو بھی اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں، جب ہم نے دیکھا تو وہ حلوا نکلا، یہ راز کیا ہے؟

ارشادِ آلِ رسول: فرمایا، کــن فیـکـون یہ باری تعالیٰ کی صفت ہے، جب بندہ فانی محض ہو کر اس صفت کا مظہر بن جاتا ہے تو اسے یہ

قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ چیزوں کی حقیقت بدل دے۔ اگر وہ مردے کو زندہ کہہ دے تو وہ زندہ ہو جائے اور زندہ کو مردہ کہہ دے تو وہ مردہ ہو جائے۔ اگر وہ مردار کے گوشت کو حلوا کہہ دے تو وہ حلوا ہو جائے اور حلوا کو اگر فضلہ کہہ دے تو فضلہ ہو جائے۔ وہ زہر ہلاہل کو تریاق اور تریاق کو زہرِ ہلاہل کر دے۔ چنان چہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے زہر کھا لینے کا واقعہ مشہور ہے، تو جب اسے اس صفت سے حصہ مل گیا اور فضلہ کو حلوا سمجھ کر کھائے تو تعجب کی کیا بات ہے کہ وہ اس کی قوتِ کرامت سے حلوا ہو چکا ہے اور ظاہر ہے کہ جب ماہیت بدل جاتی ہے تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔ مثلاً انگوری شراب نجس العین اور حرام ہے، اگر وہ سرکہ ہو جائے تو اس کا کھانا حلال و درست ہے۔ یہی حال تمام چیزوں کا ہے اور اب اس میں کوئی خطرہ نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور اب میری دلی تسکین ہوگئی۔ (سراج العوارف، ص:۸۵-۸۶)

حقیقتِ روح :

عرض نوری: حضرت روح کیا ہے؟

ارشادِ آلِ رسول: فرمایا: روح صفتِ حیاتِ باری تعالیٰ کا عکس ہے۔ جب باری تعالیٰ کی ذات اور صفات کا سمجھنا محال ہے تو روح کی حقیقت کیسے جان سکتے ہو کہ یہ تو اسی کا ظل اور عکس ہے۔ (سراج العوارف، ص:۸۶)

فقرا اور ترکِ نماز:-

عرض نوری: اس کی کیا وجہ ہے جو بعض نمازی فقیر یکا یک نماز چھوڑ دیتے ہیں، اور ان سے دریافت کیا جائے تو جواب میں آیتِ کریمہ پڑھ دیتے ہیں: واعبد ربك حتى ياتيك اليقين.؟

ارشادِ آلِ رسول: فرمایا: یہ بات وہ اپنے کو چھپانے کے لیے کہتے ہیں، نماز ترک کرنے کے گناہ سے وہ بہت دور ہیں۔ ظنوا المؤمنین خیراً۔ کبھی ان پر ایسی محویت طاری ہوتی ہے کہ انھیں اپنی بھی خبر نہیں رہتی۔ کبھی جمالِ خداوندی کے دیدار سے ان کی حالت مدہوشوں جیسی ہو جاتی ہے۔ کبھی ایسے انوکھے واقعات ان سے ظاہر ہوتے ہیں کہ وہ دریائے حیرت میں ڈوب جاتے ہیں، اور کبھی تجلیِ جلال کی زیادتی کی وجہ سے وہ نماز پڑھنے پر قادر نہیں ہوتے۔ ایک روز سیدی ابو بکر شبلی قدس سرہ بے تابانہ اپنے مرشد حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو گئے اور آپ کے سرہانے جا کر کھڑے ہو گئے اور نعرہ مارتے ہوئے شعر پڑھنے شروع کر دیے۔ آپ کی اہلیہ رضی اللہ عنہا نے پردہ کرنا چاہا تو حضرت جنید نے فرمایا کہ کوئی ضرورت نہیں، شبلی اس وقت اس عالم میں نہیں ہے۔ حضرت شبلی کچھ دیر بعد بے خود ہو کر گر پڑے اور دیر تک اسی حالت میں رہے، یہاں تک کہ حضرت جنید بغدادی نے آپ کی طرف توجہ فرمائی اور آپ کو اس مقام سے لوٹا کر صحو و ہوشیاری کے مقام پر لائے۔ حضرت شبلی نے رونا شروع کر دیا۔ اس وقت حضرت جنید نے اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ اب پردہ میں ہو جاؤ کہ یہ اس عالم میں لوٹ آئے ہیں۔ مختصر یہ کہ صوفیۂ کرام پر بہت سے واقعات، تجلیات اور حالات تغیرات گزرتے ہیں اور ایسی حالتوں میں احکام کا پورا کرنا ان پر معاف کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھی حکایت سے معلوم ہوا کہ حضرت جنید نے اس وقت کسی پردے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ پھر ہو سکتا ہے کہ وہ خفیہ طور پر نماز ادا کرتے ہوں۔ لیکن اس صورت میں ترکِ جماعت لازم آتا ہے کہ تنہا نماز پڑھنے سے جماعت کی نماز ادا نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی بہت برا ہے کہ سنتِ موکدہ کا بل کہ بعض فقہا کے نزدیک واجب کا چھوڑنا ہے لہذا پہلا سبب ہی زیادہ درست ہے، میں نے عرض کیا: یہ محویت اور حیرانی صرف نماز کے لیے ہے، باقی چیزوں میں نہیں۔ جیسے کھانا پینا وغیرہ؟ فرمایا کہ پاگلوں کو نہیں دیکھا ہے کہ وہ کیسے کھاتے اور پیتے ہیں، نماز کی عقل کھانے اور پینے کی عقل سے مختلف ہے۔ پاگل پر ان کے کھانے اور پینے کے

باوجود شریعت کے احکام جاری نہیں ہوتے ۔ ایسا ہی یہاں سمجھنا چاہیے اور خدا ہی بہتر جانتا ہے اور اس کی جانب واپس جانا ہے۔ بہر حال گمان نیک رکھنا چاہیے اعتراض کی ضرورت نہیں اور ہاں ہوسکتا ہے کہ وہ نماز مکہ معظمہ میں ادا کرتے ہوں، اس لیے کہ انھیں ثواب کی خاطر زمین طے کرنے کی قوت حاصل ہوتی ہے اور وہ مسجدِ حرام میں جہاں نماز کی فضیلت کہ وہاں کی ایک رکعت دوسری جگہ کی ایک لاکھ رکعت کے برابر ہے، انھیں مل جاتی ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ نماز کے اوقات میں شروع سے آخر تک وہ یہیں موجود رہے، ایک لمحہ کے لیے بھی غیر حاضر نہیں رہے تو مکہ معظمہ کا پہنچنا کیسے سمجھ میں آئے۔ تو میرا جواب یہ ہے کہ تمھیں کیا معلوم کہ وہ اپنے اصلی جسم وصورت کے ساتھ وہاں پہنچے اور جسمِ عکس ومثالی جو جسمِ اصلی کے مانند ہے یہاں رہے۔ جیسا کہ بہت بار اس میدان کے مردوں سے واقع ہوا۔ بہر حال حسنِ ظن میں بڑی گنجائش ہے۔ دیکھیے! کسے اس کی توفیق نصیب ہو اور بدگمانی کی بلا سے بچے، اللہ ہمیں نصیب فرمائے۔ آمین۔ (سراج العوارف، ص:۸۶-۸۷)

عقدِ مسنون اور اولادِ کرام:-

آپ کا عقد نثار فاطمہ دختر سید منتخب حسین بدلے زئی سید واڑہ بلگرام سے ہوا۔ اس عقد سے آپ کے دو صاحب زادے سید شاہ ظہور حسن و سید شاہ ظہور حسین اور تین صاحب زادیاں انصار فاطمہ، ظہور فاطمہ اور رحمت فاطمہ تھیں، انصار فاطمہ اور ظہور فاطمہ یکے بعد دیگرے سید حافظ صاحب آپ کے بھانجے کے عقد میں آئیں جو لاولد فوت ہوئیں۔ تیسری صاحب زادی رحمت فاطمہ سید محمد حیدر صاحب ابن سید دل دار حسین صاحب ابن سید منتخب حسین کو بیاہی گئیں۔ ان کا انتقال مکہ معظمہ میں بہ مقامِ منیٰ آٹھویں ذی الحجہ بروز پنجشنبہ ۱۳۱۰ھ میں ہوا، یہ صاحبِ اولاد تھیں۔ ان کی اولاد مارہرہ میں ہے۔

سید شاہ ظہور حسن صاحب کی ولادت ۱۲۲۹ھ میں ہوئی ان کا عقدِ اول اکرام فاطمہ دختر سید ولدار حیدر بنت سید منتخب حسین صاحب سے ہوا۔ ایک صاحب زادہ سید شاہ ابوالحسین نوری اور ایک صاحب زادی کلثوم فاطمہ آپ کی یادگار ہیں۔ آپ کا وصال ۱۲۶۹ھ میں کاٹھیاواڑ میں ہوا اور وہیں مدفون ہیں۔

سید شاہ ابوالحسین نوری میاں ۱۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا عقدِ اول آپ کے چچا سید شاہ ظہور حسین کی صاحب زادی رقیہ بیگم سے ہوا اور دوسرا عقد چھوٹی پھوپھی کی لڑکی الطاف فاطمہ سے ہوا۔ مگر دونوں سے کوئی اولاد نہیں ہے۔

سید شاہ ظہور حسین چھٹو میاں آپ کی ولادت ۱۲۴۱ھ میں ہوئی، آپ کے دو عقد یکے بعد دیگرے حضرت سید شاہ اولاد رسول قدس سرہ کی دو صاحب زادیوں اولاد فاطمہ اور خاتون فاطمہ سے ہوئے۔ زوجۂ اولیٰ سے ایک صاحب زادہ سید شاہ ابوالحسن علی خرقانی الملقب بہ مہر صاحب اور ایک صاحب زادی رقیہ بیگم پیدا ہوئیں جن کا عقد سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں سے ہوا۔

سید شاہ ظہور حسین کا وصال یک شنبہ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ میں مارہرہ میں ہوا۔

وصال:-

حضرت سید شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی علیہ الرحمہ کا وصال ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ بروز چہار شنبہ مارہرہ میں ہوا۔ اور دالانِ شرقی گنبد درگاہ حضرت شاہ برکت اللہ قدس سرہ میں بالیں مرزا سید شاہ حمزہ قدس سرہ دفن ہوئے۔ سید شاہ محمد صادق صاحب قدس سرہ نے آیتِ کریمہ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا سے سالِ وصال نکالا۔ (تاریخ خاندان برکات، تذکرہ سید شاہ آلِ رسول قدس سرہ)

تیسرا باب

اس باب کے لیے جو سرخی تلاش کی گئی ہے۔ وہ در اصل کسی بھی شخصیت کی سیرت کا مرکزی اور جوہری گوشہ ہوا کرتا ہے، اس کسوٹی پر کسی بھی شخصیت کو پرکھا اور تولا جاسکتا ہے، مفتی اعظم کی زندگی کا اس جہت سے مطالعہ کافی روح پرور اور انقلاب آفریں ہوگا، ان کی تہ دار، اور ہشت پہلو شخصیت اتنی باوزن اور ثقہ ہے کہ ظن و ارتیاب کا وہاں گزر ہی نہیں ہوتا، ان کی زندگی کا کوئی گوشہ تاریکی میں نہیں ہے، یہاں سب کچھ اجالوں میں نظر آئے گا، کھوٹے کو کھرا اور ناقص کو کامل بنانے کی بالکل سعی نہیں کی گئی ہے۔بل کہ حق یہ ہے کہ اتنی ضخیم اشاعت کے باوجود بھی محسوس ہوتا ہے کہ ابھی اس بحر زخار کے ساحل سے ہم آگے نہیں بڑھے، ان کی زندگی آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہے، مشک و عنبر کی طرح بھینی بھینی اور مہکی مہکی ہے، سیرت رسول پاک کا عملی زندگی میں نظارہ کرنا ہو تو ان کی بارگاہ میں آئیے، جو کتابوں میں پڑھا، اسے آنکھوں سے دیکھ کر دل کے قرار کا سامان کیجیے۔ ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے لاکھوں مریدین کے سینوں اور آنکھوں میں ان کے مقام رفیع کے نہ جانے کتنے تابناک گوشے اور جلوے محفوظ ہوں گے اکاش وہ سب صفحہ قرطاس پر آجاتے تو ہماری دعوت و عزیمت کی تاریخ میں ایک قابل قدر اضافہ ہوجاتا مگر شاید ہم پڑھنا تو سب کچھ چاہتے ہیں، لکھنا کچھ بھی نہیں چاہتے، جو لکھنا چاہتے ہیں ان کی وہاں تک رسائی نہیں۔

اس باب کے مقالہ نگاروں میں جن عظیم ترین شخصیتوں کا نام شامل ہے وہ ان کی شان بلند کے اظہار کی ضمانت ہے۔ وہ جس کی ذات کی عظمت مقام کے شاہد حضرت برہان الحق جبل پوری، علامہ سید محمد مدنی میاں کچھوچھوی، بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی، سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی، حضرت سید شاہ کمیل اشرف اشرفی الجیلانی، اور مفتی محمد شریف الحق امجدی ہوں، اس کی ثقاہت و جاہت کے قصر عظیم کی بلندی کا کون اندازہ کرسکتا ہے، ان کے علاوہ دیگر مقالے بھی لائق توجہ ہیں ہر ایک نے اس گلشن سے ایک پھول چن لیے ہیں، ہر نیرہ پکار رہا ہے۔ ع یہاں سے پہلے یہاں سے پہلے۔ آپ آزاد ہیں کسی بھی مقالہ کو ہاتھ لگا سکتے، ہاں اگر لف و نشر مرتب کا خیال رہے تو شاید مطالعہ کا مزہ دو آتشہ ہو جائے، تو چلیے بسم اللہ۔

مقبول احمد سالک مصباحی

مفتی اعظم سے میری دیرینہ رفاقت
اور آپ کی بصیرت افروز شخصیت

برهان الملت حضرت علامه مفتی محمد برهان الحق رضوی جبل پوری علیه الرحمه

حضور مفتی اعظم شاہزادۂ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کے وصال پر ملال اور دائمی داغ مفارقت نے دل بے قرار اور دماغ وطبیعت کے انتشار کو فقیر کے سارے حالات پر ایسا مسلط کر دیا ہے کہ جس وقت حضرتِ اقدس کا خیال آتا ہے آہ کے ساتھ آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللّٰھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیراً منه انا الی ربنا راغبون.

مشیت پروردگار اور رضائے الٰہی پر صبر ورضا کے ساتھ حضرت اقدس علیہ الرحمہ کے خادمِ آستان برہان پر جو کرامات اور احسانات کا فیض جاری رہا ہے اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس غلام آستان کو حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے برابر ہمیشہ فیوض وبرکات سے نوازا۔ اس کے چند مختصر حالات تسکین قلب کے لیے قلم بند کر رہا ہوں۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے مجھ فقیر کو ہمیشہ اپنا بھائی فرمایا۔ اس بنا پر کہ اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خادم کو اپنا روحانی بیٹا فرمایا۔ میں نے جو زمانہ بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور تعلیم علوم دین اور اکتساب فیوض وبرکات ظاہری وباطنی وروحانی حاصل کرنے کے لیے گزارا اس زمانے میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے تعلق سگے بھائیوں جیسا رہا اور وہی نعمت وصال کے وقت تک قائم رہی۔ جس طرح اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جبل پور کے متعلق اور حضرت والد ماجد عید الاسلام شاہ محمد عبد السلام علیہ الرحمہ کے بارے میں اور اس خادم کے لیے ایک والا نامہ میں تحریر فرمایا۔

سپس بہر عبد السلام ایں سپاس	کہ از شکرِ خالق بود شکر ناس
وطن گرچہ آرام را در خور ست	جبل پور مارا از و خوشتر ست
نہ از خود شد او فرحت افزا مقام	کہ از عید الاسلام عبد السلام
تو لائے اصحاب آں محترم	برانگیخت از وطن خاطرم
سلامت بود شاہ عبد السلام	بحقِ محمد علیہ السلام
الٰہی نگہدار برہانِ حق	بود دائما از وے اعلانِ حق
برائے تو و نسلِ تو دائما	بود از احد لطف از احمد رضا

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ اکثر فرماتے میرا ایک گھر بریلی شریف میں اور دوسرا گھر جبل پور میں ہے۔ فقیر حالاں کہ اس آستانہ عالیہ رضویہ کا ادنیٰ ترین خادم ہے لیکن حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے ہمیشہ مجھے اپنے برابر رکھا اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے ایک طویل قصیدہ میں جہاں اپنے شاگردوں اور خلفا کا ذکر فرمایا ہے اس خادم کا حضرت مفتی اعظم کے ساتھ ذکر فرمایا ہے حضور مفتی اعظم کا اسم گرامی مشہور مصطفیٰ رضا خاں اور کنیت آل الرحمٰن ہے۔ اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قصیدے کے ایک شعر میں ہم دونوں کا ذکر فرمایا اور پھر شعر میں ہی نہیں بل کہ ایک ہی مصرعے میں ہمارے دونوں کے ناموں کو جمع فرمادیا جب کہ ہر شاگرد اور خلیفہ کا ذکر علاحدہ علاحدہ شعر میں جمع فرمایا ہے۔ ہمارے متعلق جو شعر ارشاد فرمایا وہ یہ ہے۔

آل الرحمٰن ، برہان الحق　　　شرق پہ برق گراتے یہ ہیں

تحریک خلافت اور قومی حکومت: جن دنوں ہندوستان میں تحریک خلافت اور ہندو مسلم اتحاد اور انگریزوں کی حکومت کے خاتمہ کی تحریک زوروں پر تھی۔ رجب ۱۳۳۹ھ کا واقعہ ہے کہ خادم آستان بریلی شریف حاضر ہوا۔ اس وقت یہ عام تحریک چل رہی تھی کہ ہندوستان میں قومی حکومت قائم ہوگی اور اس سلسلے میں ایک بہت بڑا اجلاس بریلی میں زیر صدارت ابوالکلام آزاد منعقد ہوا، اسی اجلاس میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی مگر اعلیٰ حضرت نے اس جلسے میں شرکت نہیں فرمائی اور اس زمانے کی چلنے والی تحریکات میں جو خلاف شرع باتیں تھیں ان کے پیش نظر اس اجلاس میں ایک وفد کو ستر سوالات کے ساتھ افہام وتفہیم کے لیے روانہ فرمایا۔ جو بصورت اشتہار "اتمام حجت تامہ" شائع ہو کر اراکین خلافت کمیٹی تک پہنچایا جاچکا تھا جو وفد اعلیٰ حضرت کی جانب سے مناظرہ کے لیے روانہ کیا گیا تھا۔ اسی وفد کے ساتھ فقیر بھی جلسہ گاہ میں پہنچا۔ ابوالکلام سے فقیر نے مناظرہ کے آخر میں جو سوالات کیے اس کے پاس سوائے لعنۃ اللہ علیٰ قائلہ، لعنۃ اللہ علیٰ قائلہ کہنے کے اور کچھ کہنے کو نہ تھا اس واقعہ کی پوری تفصیل "روداد مناظرہ" اور "اکرام امام احمد رضا" میں تحریر ہے۔

دارالقضائے شرعی کا قیام: اسی موقع پر اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعض عقیدت مند اور ذی اثر صاحب رائے حضرات کے عرض کرنے پر بریلی شریف میں شرعی دارالقضا قائم کیا۔ دارالقضا شرعی کے لیے قاضی شرع اور قاضی شرع کو شرعی احکام واعانت کے لیے مفتی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک دن صبح قریب نو بجے اعلیٰ حضرت مکان سے باہر تشریف لائے۔ تخت پر ایک قالین بچھانے کا حکم فرمایا۔ ہم سب حیرت زدہ تھے کہ حضور یہ اہتمام کس لیے فرما رہے ہیں۔ پھر حضور امام اہل سنت ایک کرسی پر تشریف فرما ہوئے اور حضرت صدرالشریعہ مولانا امجد علی صاحب علیہ الرحمہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں آج بریلی میں دارالقضا شرعی کے قیام کی بنیاد رکھتا ہوں اور انھیں اپنی طرف بلا کر ان کا داہنا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر قالین پر انھیں بٹھا کر فرمایا "میں آپ کو ہندوستان کے لیے قاضی شرع مقرر کرتا ہوں۔ مسلمانوں کے درمیان اگر ایسے مسائل پیدا ہوں جن کا شرعی فیصلہ قاضی شرع ہی کرسکتا ہے وہ قاضی شرع کا اختیار آپ کے ذمہ ہے۔ پھر دعا پڑھ کر کچھ کلمات فرمائے جن کا اقرار حضرت صدرالشریعہ نے کیا۔ اس کے بعد حضرت نے اس خادم برہان کو بلایا اور اپنے دست مبارک میں میرا داہنا ہاتھ لے کر اسی مسند پر حضرت صدرالشریعہ کے متصل بٹھا کر مجھ سے فرمایا میں نے تمہارے فتاویٰ دیکھے افتا کے لیے تمہارے دماغ کو بہت مستعد پایا ہے۔ میں تمھیں مسند افتا پر بٹھا کر دارالقضا شرعی کے لیے مفتی مقرر کرتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے ہاتھ کو اپنے دست مبارک میں لے کر میرے پہلو میں بٹھایا اور یہی کلمات جو مجھ سے فرمائے تھے ان سے فرما کر پھر ہم دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دارالقضا شرعی کے لیے قاضی شرع مولانا امجد علی کو اور آپ دونوں کو ان کی اعانت اور فتویٰ دینے کی اجازت دیتا ہوں۔ آج سے تم دونوں ہندوستان کے دارالقضا شرعی مرکز بریلی میں مفتی شرع کی حیثیت سے مقرر کیے جاتے ہو۔ ہم دونوں سے کچھ کلمات ارشاد فرمائے اور ہم دونوں نے اس سعادت عظیم پر سر نیاز خم کردیا اور اٹھ کر ہم نے اعلیٰ حضرت کی

قدم بوسی کی اعلیٰ حضرت نے دست مبارک اٹھا کر بہت دیر تک دعا فرمائی۔

حضرت صدرالشریعہ نے دوسرے ہی دن قاضی شرع کی حیثیت سے پہلی نشست کی اور وراثت کے ایک معاملہ کا فیصلہ فرمایا اس کے بعد میں اعلیٰ حضرت سے اجازت لے کر رمضان شریف کے لیے جبل پور آ گیا۔ یہاں جبل پور پہنچنے پر کچھ ایسے حالات و موانع پیدا ہوئے کہ میں رمضان المبارک کے بعد پھر بریلی شریف حاضر نہ ہو سکا۔ ذیقعدہ کے درمیانی ایام میں میری دو بچیوں کی وفات ہو گئی اور میری اہلیہ سخت بیمار ہو گئیں جس کی اطلاع اعلیٰ حضرت کو تار کے ذریعہ کی گئی۔ اس وقت موسم گرما کی شدت کے باعث اعلیٰ حضرت بھوانی نینی تال میں تشریف فرما تھے وہاں سے حضرت والد ماجد کے نام والا نامہ جو تعزیت اور دعاؤں کا حامل تھا تشریف لایا۔ ساتھ ہی اعلیٰ حضرت نے اپنی سخت علالت کے سبب اس والا نامہ کو کئی نشستوں میں تحریر کرانے کا ذکر فرمایا ہے جس کی نقل ''اکرام امام احمد رضا'' میں شامل ہے۔

محرم شریف ۱۳۴۰ھ میں کچھ اطمینان ہوا ہی تھا کہ والد ماجد عید الاسلام شاہ محمد عبد السلام علیہ الرحمۃ کی طبیعت سخت علیل ہو گئی جس کے باعث پھر بریلی شریف حاضری کا موقع نہ مل سکا اور یکا یک بریلی شریف سے ۲۵ صفر المظفر کو حضور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال ذوالجلال کا تار ملا۔ تار اس وقت پہنچا جب کہ میں بھی سخت بیمار اور غفلت کی حالت میں تھا، اس طرح دار القضا شرعی کی بس ایک ہی نشست کرنے کے بعد ہم کوئی اجلاس نہ کر سکے۔ نہ ہم تینوں ایک ساتھ کسی جلسے میں شریک ہو سکے۔

بریلی شریف میں میری پہلی حاضری : حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ کے ساتھ میں نے پورے چار سال بریلی شریف میں گزارے۔ جب میری پہلی بار بریلی شریف حاضری ہوئی، اس وقت میری عمر بیس سال تھی ویسے پہلی بار بمبئی میں مجھے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ اس وقت میری عمر تیرہ چودہ سال تھی۔ دوسری بار جب بریلی شریف میں نے حاضری دی اس وقت والد ماجد علیہ الرحمہ کے ہمراہ تھا اور میں اپنی تعلیم جبل پور ہی میں والد ماجد سے مکمل کر کے اعلیٰ حضرت سے اکتساب فیوض و برکات روحانی اور فیضان علم سے مستفیض ہونے کے لیے حاضر ہوا تھا۔ اس وقت میں نے فارسی میں ایک سلام لکھا تھا جسے میں نے اپنے ہمراہ اس سفر میں جو مداح رسول منشی عبد الغفار صاحب تھے انھیں اعلیٰ حضرت کے حضور سنانے کے لیے دے دیا تھا کہ کسی موقع پر حضور میں اسے سنا دیں۔ بریلی شریف میں حاضری کے بعد جو پہلا جمعہ ملا اس میں نماز جمعہ سے فارغ ہو کر اعلیٰ حضرت دولت خانہ پر تشریف فرما ہوئے۔ منشی عبد الغفار صاحب نے اعلیٰ حضرت سے نعت شریف پیش کرنے کی اجازت چاہی اور اجازت ملنے پر انھوں نے میرا فارسی کا سلام خوش الحانی اور والہانہ انداز میں جس وقت پڑھا اس وقت حاضرین مجلس میں پچاس ساٹھ حضرات اور بھی موجود تھے اس سلام کے چند اشعار یہ ہیں۔

حضور سید خیر الوریٰ سلام علیک ... بہ بارگاہ شفیع الوریٰ سلام علیک

روم بسوے تو بر ہر قدم کنم سجدہ ... نوائے قلب شود سیدا سلام علیک

بجز درت نکشایم بہ ہیچ در دستم ... تو ہست قبلۂ حاجات ما سلام علیک

عطاك عم علی کل ذرۃ فامطر ... علیّ غیث عطا من عطا سلام علیك

ان اشعار کو سنتے وقت اعلیٰ حضرت پر اک کیف طاری تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ادھر سامعین ہر شعر کو بار بار پڑھوا رہے تھے۔ منشی صاحب نے جب یہ شعر پڑھا۔

بہ احمد ے کہ رضائش ہمہ رضائے خداست ... بگو ز من بصلاۃ اے صبا سلام علیک

اس شعر پر اعلیٰ حضرت نے چشم مبارک کھول کر والد ماجد کی طرف دیکھا اور خاموش رہے اس شعر کو محفل میں بار بار پڑھنے کی

خواہش کا اظہار ہوتا رہا۔ جب منشی صاحب نے مقطع کا یہ شعر پڑھا۔

رسی چو بر در احمد رضا بگو برہاں　　بصد ادب بشما مرشدا سلام علیک

مقطع کے اس شعر کو سن کر اعلیٰ حضرت نے والد ماجد سے فرمایا کیا یہ برہان میاں نے لکھا ہے۔ ماشاء اللہ یہ آپ کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہے۔ میں غور کر رہا تھا کہ مولانا جامی کی زمین میں یہ کس نے طبع آزمائی کی ہے۔ برہان میاں کہاں ہیں۔ میں دارالافتا سے باہر آ کر اعلیٰ حضرت کے حضور مؤدب دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ صحابی رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نعت پڑھنے کی اجازت چاہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا منبر کی سیڑھی پر کھڑے ہو کر پڑھو حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے والہانہ انداز میں نعت شریف پیش کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند آئی۔ حضور کے جسم مبارک پر اس وقت بردیمانی (یمنی چادر) تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قریب بلا کر وہ چادر انھیں اڑھادی۔ فقیر آپ کو کیا پیش کرے۔ اتنا فرما کر جس عمامہ کو زیب سر مبارک فرما کر اعلیٰ حضرت نے نماز جمعہ پڑھائی تھی اسے سر مبارک سے اتار کر خادم کے سر پر رکھ دیا گیا۔ یہ بارگاہ رضویت سے میرے لیے پہلا انعام تھا جس سے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضری پر فقیر کو سرفراز فرمایا گیا۔ آج تک وہ عمامہ میرے پاس تبرکات میں محفوظ ہے۔ جسے میں عید میلاد مبارک اور عید غوثیہ کے موقع پر زیب سر کرتا ہوں۔

میں بریلی شریف میں پانچ ساڑھے پانچ ماہ رہتا پھر جبل پور آ جاتا۔ اس طرح میں نے چار سال حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے ساتھ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں گزارے اور علوم دینی ظاہری و باطنی اور فیوض روحانی کے ساتھ ساتھ برکات و سعادات مبارکہ سے مزین ہوا اور آج وہی فیوض و برکات و سعادات فقیر کے لیے عزت افزا اور خدمت دین متین سے شرف یابی کا سبب ہیں۔

میرا بریلی شریف میں یہ چار سال کا زمانہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ساتھ اس طرح گزرا کہ اجنبی لوگ جو باہر سے آتے ہم دونوں کو حقیقی بھائی سمجھتے۔ ہم دونوں ہر وقت ساتھ کھانا کھاتے، ساتھ رہتے اور اٹھتے بیٹھتے، لکھتے پڑھتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ہم کسی نماز میں ساتھ شامل ہوتے تو ہمیشہ حضور مفتی اعظم اس خادم کو امامت کے لیے بڑھاتے حالاں کہ فقیر ہمیشہ عذر کرتا۔

۱۳۳۶ھ میں اعلیٰ حضرت کو جبل پور تشریف لانے کی تکلیف دی گئی۔ حضرت مفتی اعظم بھی پہلی بار اعلیٰ حضرت کے ساتھ تشریف لائے اور اس کے بعد پھر متعدد بار اعلیٰ حضرت کی حیات طیبہ میں حضور مفتی اعظم جبل پور تشریف لائے۔ ایک بار شعبان میں حضور مفتی اعظم کی تشریف آوری ہوئی اور ۲۲ رمضان المبارک کے بعد جبل پور سے بریلی شریف مراجعت فرمائی۔ یہ آستانہ عالیہ رضویہ کے غلام خادم آستان پر حضور مفتی اعظم کا کرم تھا جو روز افزوں بڑھتا ہی رہا اور اس طرح حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی تشریف آوری اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد مبارک کی تصدیق تھی کہ جبل پور میرے وطن سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔ وطن میں گرچہ آرام ملتا ہے مگر جبل پور مجھے اس سے زیادہ خوشتر ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ جبل پور کو اپنا دوسرا وطن فرماتے اور دوسرے لوگوں سے فرماتے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال شریف کے بعد شوال ۱۳۴۰ھ میں جب والد ماجد علیہ الرحمہ نے حج و زیارت کا ارادہ فرمایا۔ اس وقت یہ فقیر دو دن کے لیے بریلی شریف حاضر ہوا۔ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ اور مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ سے اس سفر خیر کے لیے دعاؤں کا طالب ہوا اور بحمدہٖ تبارک وتعالیٰ فریضۂ حج اور دربار اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کا شرف حاصل کر کے جب ہم ربیع الاول شریف ۱۳۴۱ھ میں واپس آئے تو یہ فقیر ربیع الآخر میں بریلی شریف حاضر ہوا اور تبرکات کا تحفہ پیش کیا۔

اس کے بعد حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کافی عرصہ کے بعد حضرت والد ماجد عید الاسلام شاہ محمد عبد السلام علیہ الرحمہ کے چہلم میں جمادی الآخرہ ۱۳۷۲ھ میں جبل پور تشریف لائے۔ پھر تو ہر سال والد ماجد علیہ الرحمۃ کے عرس میں ۱۴ر جمادی الاولیٰ سے ایک دو یوم قبل جبل پور تشریف فرما ہوتے اور کبھی کبھی مسلسل دو دو ماہ سے زائد قیام فرماتے۔ ایک بار جبل پور سے اجمیر شریف حضرت کے ہمرکاب میری بھی حاضری ہوئی۔ اجمیر شریف سے واپسی پر جے پور حاجی شیخ احمد حسین صاحب جوہری کی دعوت پر جانا ہوا۔

مسئلہ اذان ثانی: جے پور میں ہماری قیام گاہ کے بالکل سامنے مسجد تھی۔ جمعہ کے دن حضور مفتی اعظم سے نماز جمعہ پڑھانے کی درخواست کی گئی، حضور نے یہ خدمت خادم کو تفویض فرمائی۔ جب جمعہ کا وقت آیا۔ اذان ہوئی، ہم نے مسجد جانے کی تیاری کی مگر حضرت میرے ساتھ جانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ میں نے حضور سے مسجد چلنے کے لیے عرض کی تو فرمایا "یہاں کی مسجد کے لوگ بہت ضدی ہیں، اذان ثانی مسجد کے اندر ہی دیتے ہیں۔ مسئلہ بتانے اور سمجھانے کے بعد بھی باز نہیں آتے اور میں خلاف سنت فعل اپنے سامنے ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ جب خطبہ شروع ہو جائے گا میں آ جاؤں گا۔ میں نے عرض کی حضور تشریف تو لے چلیں آج اذان مسجد کے اندر نہ ہوگی، پھر فرمایا کہ میں بہت سمجھا چکا اور دیکھ چکا یہ لوگ ماننے والے نہیں۔ میری دعا ہے کہ خدا کرے کہ آج آپ کے سمجھانے اور مسئلہ کی وضاحت سے مان جائیں۔ خدا انھیں اس کی توفیق و ہدایت عطا فرمائے۔ میں تنہا مسجد میں حاضر ہوا۔ ادائے سنت کے بعد مجھ سے خطبے کے لیے کہا گیا۔ میں منبر پر بیٹھ گیا مؤذن نے بالکل منبر کے قریب کھڑے ہو کر اذان دینے کا ارادہ کیا۔ میں نے مؤذن کو روک کر حاضرین مسجد کو مطلع کر کے اذان سے متعلق شرعی حکم سنایا کہ اذان مسجد کے اندر دینا مکروہ تحریمی ہے۔ اذان کا مقصد اعلان عام ہے۔ خطیب کے سامنے منبر کے قریب کے اندر اذان دینے سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جو شریعت نے مقرر فرمایا ہے۔ اسی مقصد کے لیے اذان خطبہ بھی خارج مسجد دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ میں خلاف سنت کوئی کام نہ کروں گا کہ میں منبر پر رہوں اور اذان خطبہ میرے سامنے منبر کے قریب مسجد کے اندر دی جائے۔ میں خطبہ اور نماز جمعہ اسی وقت پڑھاؤں گا جب اذان خارج مسجد خطیب کے سامنے ہو۔ اور نماز کے بعد آپ تمام حضرات مسجد ہی میں موجود رہیں میں اس مسئلہ کو پوری وضاحت کے ساتھ آپ کو سمجھا دوں گا۔ مؤذن نے مسجد کے باہر منبر کے سامنے اذان خطبہ دی۔ جب مسجد کے باہر اذان خطبہ بھی ہوئی تو قیام گاہ میں حضرت کو معلوم ہوا کہ آج تو اذان مسجد کے باہر ہو رہی ہے اس پر حضرت نے بڑے جذبہ مسرت کے اظہار کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ الحمد للہ آج تو اذان خارج مسجد ہو رہی ہے۔ برہان میاں نے صحیح کہا تھا کہ آج اذان مسجد کے اندر نہ ہوگی اور حضور فوراً مسجد تشریف لے آئے۔ نماز جمعہ کے بعد فقیر نے مسئلہ اذان ثانی کو بہت واضح طور پر سمجھایا۔ ختم تقریر پر متولی صاحب نے اقرار کرلیا اور اعلان کیا۔ اب اذان خطبہ بھی ہمیشہ اس مسجد میں خارج مسجد ہی ہوا کرے گی اور اس امر کا ندامت کے ساتھ اعتراف کیا کہ حضور مفتی اعظم کی بات ہم لوگوں نے نہیں مانی جس کا ہمیں افسوس ہے اور اس کے لیے توبہ کی اور معافی چاہی۔ بحمدہ تبارک و تعالیٰ حضور کی دعاؤں کی برکت سے آج بھی وہاں اذان خارج مسجد ہی ہو رہی ہے۔ نماز جمعہ سے واپسی پر قیام گاہ میں خادم کو اس کامیابی پر حضور نے بہت بہت دعاؤں سے سرفراز فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ سب حضور کی دعاؤں کی برکت کا ہی فیض ہے۔

مسلم پرسنل لا: شریمتی اندرا گاندھی کے سابقہ دورِ حکومت میں مسلم پرسنل لا میں ترمیم و تحریف اور تبدیلی کا بل پیش ہوا۔ فقیر نے اس کے خلاف فوری طور پر احتجاجاً ایک مراسلہ حکومتِ ہند کو بھیجا جس میں مسلم پرسنل لا میں کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی ترمیم یا تحریف کو مسلمانوں کی جانب سے ناقابل قبول قرار دیا اور اس کے لیے قانونی شرعی پہلوؤں کو اس مراسلے میں تحریر کیا گیا۔ اس کے بعد ہندوستان کے اربابِ فکر و دانش نے علمائے کرام کی زیر قیادت بمبئی میں ایک احتجاجی جلسہ کا اعلان کیا۔ جس میں ملک کے ہر عقیدہ اور مکتب فکر کے علما کو دعوتِ شرکت دی گئی۔ فقیر کے نام بھی دعوت نامہ آیا مگر فقیر نے اس مخلوط جلسے میں شرکت سے معذرت نامہ بھیج دیا۔

حضور مفتی اعظم انھی دنوں بالا گھاٹ تشریف لائے ہوئے تھے اور فقیر زادہ محمد محمود احمد حضور کی خدمت اقدس میں شرف زیارت و فیوض و برکات کے حصول کے لیے حاضر ہوا۔ حضرت والا نے محمود میاں سے پرسنل لا اور اس کے اجتماع میں میری شرکت کے بارے میں دریافت کیا فقیر زادہ نے میری شرکت سے معذرت اور اس کے اسباب حضور کے سامنے عرض کیے اور اپنے طور پر جو کچھ بھی کارروائی کی جارہی تھی اس کا بھی تذکرہ کر دیا۔ حضور نے سارے معروضات سننے کے بعد ارشاد فرمایا کہ" برہان میاں سے جا کر کہو کہ ہرگز ہرگز اس جلسے میں شرکت سے انکار نہ کریں۔ اور چونکہ اس سلسلے میں سب سے پہلے انھیں کا احتجاج اور اقدام ہے اور احتجاج بھی ایک باقوت احتجاج ہے اس لیے انھیں اپنا کام جاری رکھنا اور اسے بڑھانا ہے۔ مخلوط اجتماع اور غیروں کے زیر اہتمام وصدارت یہ جلسہ ہونے کے باعث انھوں نے جو معذرت کی اور شرکت سے احتراز فرمایا ہے اسے ترک فرمادیں اور ضرور ضرور شرکت فرمائیں۔" ادھر بمبئی سے مدعوئین جلسہ برابر مراسلات وفون سے مجھ سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھے کہ میں ضرور ضرور ہر حالت میں جلسے میں شرکت کروں۔ جب فقیر زادہ محمود میاں صاحب نے بالا گھاٹ سے آ کر مجھے حضرت کا پیغام وحکم سنایا تو میں نے حضرت اقدس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ان کے اشارات و ہدایات پر شرکت کا ارادہ کر لیا۔

جلسے میں شرکت کے لیے میں بمبئی پہنچا مگر منتظمین جلسہ کا مہمان نہ ہوا اور اپنے ایک برادر طریقت خلیل احمد صاحب کے یہاں میں نے قیام کیا، جلسے میں بہت زبردست اجتماع تھا۔ تقریباً دو لاکھ افراد کا مجمع تھا۔ میرے پہنچنے سے پہلے جن مولویوں کی تقریریں ہوئیں، ان کے فوٹو بھی لیے گئے اور دوران تقریر تالیوں کی گڑگڑاہٹ اور گونج بھی اٹھتی رہی۔ جب تقریر کے لیے فقیر کے نام کا اعلان ہوا اور فقیر مائک کے سامنے پہنچا فوٹوگرافر سامنے آئے۔ میں نے نہایت بلند آواز سے زور اور سختی کے ساتھ منع کیا کہ یہ جلسہ ایک اسلامی جلسہ ہے۔ مسلمانوں کا ہے۔ فوٹو کھینچنا حرام ہے۔ ہرگز ہرگز کوئی فوٹو نہ لیا جائے۔ جب میں نے تقریر شروع کی اور اسلام کے قانون کی عظمت و اہمیت کا ذکر کیا تو حسب معمول مجمع نے تالیاں بجائیں۔ میں نے سختی کے ساتھ مسلمانوں کو اس سے باز رہنے کو کہا کہ یہ ایک اسلامی اجتماع ہے کوئی سیاسی جلسہ نہیں کہ آپ لوگ تالیاں بجا رہے ہیں۔ آپ لوگوں کو شرم آنی چاہیے اگر آپ کو کوئی بات پسند آتی ہے اور آپ کے جذبات کی صحیح ترجمانی ہوتی ہے تو آپ اس کی تائید میں نعرۂ تکبیر بلند کیجیے اور اس کا استقبال نعرہائے اسلامی سے کیجیے اس کے ساتھ ہی جلسے میں نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اسی تقریر میں، میں نے واضح کیا کہ مسلم پرسنل لا مسلمانوں کا قرآنی، شرعی، اسلامی قانون ہے جس میں ایک حرف کی نہ ترمیم ہوسکتی ہے، نہ ہی کسی قسم کی تحریف و تبدیلی ہی کی جاسکتی ہے۔ قرآن عظیم کے حکم کے مطابق اس میں کسی قسم کی ترمیم تحریف یا تبدیلی کرنا تو در کنار اس قسم کا کوئی ارادہ کرنا اور اس کا اظہار کرنا ہی کفر ہے۔ قرآن عظیم کا ارشاد ہے وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۔ (سورۂ مائدہ ۵ / ۴۴) جو بھی اللہ کے حکم کو نہ مانے وہ کھلے کافروں میں سے ہے اور بھی قرآن کریم کا ارشاد ہے ان الحكم الا لله (سورۂ /) اسلام کے لیے حکم دینا صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اللہ ہی اسلام میں احکام کا مالک ہے۔ میں نے اس سلسلے میں جن نکات کو جلسے میں پیش کیا ان سے بھی حاضرین جلسہ بہت متاثر ہوئے۔ اور پھر میں نے ساتھ ہی ساتھ حکومت کو بھی متنبہ کیا کہ مسلمان سر پر کفن باندھ کر حکومت کے ہر اس اقدام کا مقابلہ کرنے کو تیار ہیں اور ہر اس حکم کی دھجیاں اڑانے کو مستعد ہیں اور یہ طے کر چکے ہیں کہ وہ حکومت کے اس ارادہ کو کبھی بھی کامیاب نہ ہونے دیں گے کہ وہ مسلم پرسنل لا میں کسی قسم کی ترمیم و تحریف یا تبدیلی کی کوشش کرے اور حکومت چوں کہ سیکولر ہے اسے اپنی سیکولرٹی کے پیش نظر مسلمانوں کے مذہبی معاشرتی اور اخلاقی احکام میں دخل دینے سے احتراز کرنا چاہیے اور ملکی قانون کے تحت شخصی و مذہبی آزادی میں حکومت کو کسی قسم کی دخل اندازی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

حکومت کے پاس جو کچھ فضلہ خوار نام کے مسلمان ہیں اور جو اپنی مطلب برآری کے لیے پال رکھے گئے ہیں وہ صرف نام کے

مسلمان ہیں، وہ احکام الٰہی میں کسی قسم کی ترمیم یا تنسیخ یا تحریف کا ارادہ کریں اور حکومت سے درخواست کریں تو وہ جب سرے سے مسلمان ہی نہیں بل کہ خارج از اسلام ہیں تو ان کی بات مسلمانوں کی بات نہ ہوگی اور انھیں مسلم پرسنل لا کے متعلق کچھ کہنے کا قانونی حق بھی نہیں ہے اور پھر مسلمانوں سے کہا کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان سے مقاطعہ کریں ان سے سلام وکلام ترک کریں۔ بیمار پڑیں عیادت نہ کریں۔ مرجائیں تو ان کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں۔

میں حکومت کو بھی اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وزیر اعظم اندرا گاندھی نے اعلان کیا ہے کہ اگر مسلمان چاہیں گے تو مسلم پرسنل لا میں ان کے منشا کے مطابق تبدیلی کرنے کا قانون بنایا جاسکتا ہے۔ حکومت اور وزیر اعظم کو معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمان کبھی بھی مسلم پرسنل لا میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کو برداشت نہ کریں گے اور جو مسلمان نہیں انھیں مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کا کوئی قانونی حق نہیں۔ حکومت ان کی باتوں میں ہرگز ہرگز توجہ نہ دے۔ تقریر کے فقرہ فقرہ پر نعرۂ تکبیر اور نعرہ رسالت جلسے میں بلند ہوتے رہے۔

جب میں اپنی تقریر ختم کر کے جلسہ گاہ سے قیام گاہ کی طرف جانے لگا تو مولوی قاری طیب صاحب اور مولوی عتیق صاحب نے مجھے جلسے میں بیٹھنے کو کہا میں نے کہا کہ مجھے آپ نے جس لیے بلایا تھا میں نے اپنا اظہار خیال کر دیا اور اپنا کام کر دیا۔ اب آپ اپنا جلسہ کرتے رہیے۔ قاری مولوی طیب صاحب نے بڑے پرخلوص جذبات میں کہا کہ جلسے میں آپ نے جن نکات کا ذکر کیا۔ ان نکات کی طرف ہمیں شان وگمان بھی نہ تھا۔ ہمارے فہم اس کے حصول سے قاصر رہے۔ ہم اس طرف توجہ بھی نہ کر سکے، آپ کی تشریف آوری اور شرکت سے ہمارا جلسہ نہایت کامیاب رہا۔ پھر مولوی فاخر صاحب الہ آبادی، مولوی عتیق صاحب اور قاری طیب صاحب نے مجھے جلسے میں بیٹھنے کے لیے کہا۔ میں نے پھر کہا کہ میں جو کہنے آیا تھا وہ کہہ چکا۔ کچھ سننے نہیں آیا تھا۔ اس لیے اب قیام گاہ پر جارہا ہوں۔ داؤدی بوہرہ فرقے کے پیشوا ملا نجم الدین صاحب ومولوی عتیق صاحب کچھ دور تک میرے ساتھ آئے اور کہا کہ اگر آپ جلسے میں تشریف نہ لاتے اور شرکت نہ فرماتے تو جس طرح آپ کی شرکت سے اور تقریر سے ہمارا جلسہ کامیابی سے ہمکنار ہوا ہے ہرگز ہرگز نہ ہوتا۔

اس جلسے میں علمائے اہل سنت میں سے کسی نے بھی میرا ساتھ نہ دیا۔ جب کہ میں حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے ارشاد اور حکم کے مطابق ہی شریک جلسہ ہوا تھا۔ صبح جب جلسے کی کارروائی میری تقریر کے ساتھ اخبارات میں جلی حرفوں میں شائع ہوئی تو علمائے اہل سنت نے میرے لیے دعائیں کیں اور کامیابی پر مبارکباد دی۔ دوسرے دن کے جلسے میں چوں کہ حضرت ارشد القادری صاحب حج وزیارت کے لیے تشریف لے جارہے تھے اور بمبئی میں ہی تھے۔ میں نے ان سے جلسے میں شرکت کرنے اور تقریر کرنے کے لیے کہا وہ فقیر کے ساتھ دوسرے دن جلسے میں تشریف لے گئے اور اپنی تقریر میں میرے بیان کی تائید وحمایت فرمائی۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو جب جلسے کی مکمل رپورٹ ملی تو انھوں نے میری کامیابی پر دعائیہ کلمات کے ساتھ مبارکباد تحریر فرما کر والا نامہ سے نوازا۔ جب میں بریلی شریف حاضر ہوا تو حضور نے مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تم شریک جلسہ نہ ہوتے اور اظہار حق واعلان حق نہ کیا ہوتا تو بڑی کمی رہ جاتی۔ تم نے اس سلسلے میں جو احتجاجی کارروائی میں پہل کی تھی اس کی تائید میں یہ جلسہ بڑا کامیاب رہا۔ اور یہ جلسہ تمھاری شرکت سے تمھارا جلسہ ہوگیا۔ الحمد للہ علی احسانہ ونوالہ وافضالہ۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والد ماجد علیہ الرحمہ کے جہلم میں جمادی الآخرہ ۱۳۷۲ھ میں کافی عرصہ کے بعد جبل پور تشریف لائے پھر تو برابر ہر سال ''عرس رضوی عید الاسلامی'' کے موقعے پر عرس مبارک سے ایک دو یوم قبل تشریف لاتے اور کبھی کبھی عرس مبارک کے بعد دو دو ماہ قیام فرماتے۔ حضور مفتی اعظم کی آخری تشریف آوری دسمبر ۱۹۷۸ء میں ہوئی۔ حاجی محمد رمضان جبل پور سے حضور کو لینے کے لیے گئے۔ سخت علالت اور کمزوری کی حالت میں حاجی صاحب اوائل دسمبر میں حضور کو بہت آرام کے

ساتھ جبل پور لے آئے۔ ساتھ میں حاجی محمد فاروق صاحب بنارسی خلیفہ حضور مفتی اعظم بھی تشریف لائے۔ جبل پور میں فقیر نے حضور کے مزاج مبارک دیکھ کر علاج شروع کیا۔ یہاں بفضلہ تبارک وتعالیٰ حضور بالکل تندرست ہو گئے۔ ۲۲ر جنوری ۱۹۷۹ء کو قریب دو ماہ قیام کے بعد حضور نے بذریعہ کار براہ بنارس بریلی شریف مراجعت فرمائی۔

اسی دورانِ قیام کے اختتام پر مسلمانانِ جبل پور نے حضور مفتی اعظم ہند کے جشن صحت کا ایک عظیم الشان جلسہ کیا اور فقیر کے لیے بھی اس جشنِ صحت میں صحت وتندرستی کے لیے رب قدیر کا شکر ادا کیا اور ہماری صحت وتندرستی کے لیے دعائیں کی گئیں۔ یہ جشن صحت جس میدان میں منایا گیا تمام لوگوں کی خواہش پر اس میدان کو یادگار کے طور پر رضا چوک کا نام دیا گیا۔ اس جلسے کے موقع پر جو ایک یادگار اور تاریخی جلسہ تھا میلوں دورویہ کھڑے عقیدت مند مسلمانوں نے حضور کا نعرۂ تکبیر نعرۂ رسالت اور نعرۂ غوثیت اور حضور مفتی اعظم زندہ باد کے فلک شگاف نعرے سے استقبال کیا اور شہر کو دلھن کی طرح سجایا گیا اور اس موقع پر سارے شہر کو برقی قمقموں سے رات کو دن بنا دیا گیا تھا۔ جب جلسہ گاہ میں حضور مفتی اعظم تشریف فرما ہوئے۔ فقیر بھی ہمراہ تھا جلسہ گاہ میں حضور کے تشریف فرمانے کے بعد بمبئی کے ایک شاعر جناب مرتضیٰ حسن صاحب نے جو رضوی تخلص فرماتے ہیں۔ ایک "قصیدہ تہنیت" جو دعائیہ کلمات پر مشتمل تھا پیش کیا جس کا مطلع تھا۔

یا الٰہی تیرے فضل کے سایے میں مفتی اعظم دین وملت رہے
میں رہوں نہ رہوں اس جہاں میں مگر میرا پیر طریقت سلامت رہے

شاعر نے اپنے جذبات بھرے والہانہ انداز میں مطلع کے شعر کو ابھی دو ہی بار پڑھا تھا اور جب تیسری بار اس شعر کی تکرار کی اور ابھی پہلا ہی مصرعہ پڑھا تھا اور مصرعہ ثانی جیسے ہی پڑھنے کا ارادہ کیا حضور مفتی اعظم جو تکیہ کا سہارا لیے بیٹھے تھے، اٹھ کر سیدھے بیٹھ گئے اور مطلع کے مصرعہ ثانی میں اس طرح اصلاح دی یا یوں کہیے کہ مصرعے کو تبدیل فرما کر مفہوم ہی کو بالکل بدل دیا۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے مجھ فقیر کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا۔

میں رہوں نہ رہوں اس جہاں میں مگر میرا برہان ملت سلامت رہے

حضور نے یہ مصرعہ جس انداز سے تبدیل فرما کر جوش محبت اور خلوصِ قلب سے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا دیکھنے اور سننے والے ہی اس کی لذت اور حقیقی تاثرات سے آشنا ہیں۔ جشنِ صحت کے تیسرے دن حضور اقدس یہاں سے بریلی شریف کے لیے تشریف لے گئے۔ بریلی شریف میں پہنچتے پر حضور کی طبیعت پھر ناساز ہوئی ضعف بڑھتا گیا اور پھر جبل پور تشریف نہ لا سکے اور بمشیت الٰہی ۱۴ر محرم الحرام ۱۴۰۲ھ کو داعی اجل کو لبیک فرماتے ہوئے۔

"مصطفیٰ رضا محب معبود" ہو گئے

۱۴۰۲ھ

انا لله وانا اليه راجعون .اللهم اغفر له وارحمه واسكِنه في جنت النعيم

رب العزت تبارک وتعالیٰ حضرت اقدس علیہ الرحمہ کے وسیلے سے ہم تمام خادمان مفتی اعظم کو ثبات واستقامت کے ساتھ مجدد دین وملت امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک مقدس پر قائم رکھے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائے۔

والله المستعان على ما تصفون وصلى الله تعالى على نور عرشه و مظهر لطفه سيدنا و مولينا محمد وآله و اصحابه اجمعين۔آمين

ولی صورت ولی سیرت ہمارے مفتی اعظم

حضرت سید آل رسول حسنین میاں برکاتی نظمی
سجادہ نشین، خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ، یوپی

مارہرہ شریف کی خانقاہ برکاتیہ کی جامع مسجد جس کی پیشانی پر لکھا ہے "خانۂ عبادات آل احمد" مسجد کی پختہ سیڑھیوں سے اتر رہے ہیں قطب مارہرہ سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قدس سرہ العزیز۔ ہمراہ ہیں اپنے وقت کے مدار علم وفضیلت امام اہل سنت مجدد دین وملت شاہ احمد رضا خان قادری برکاتی قدس سرہٗ۔ مرشد اعلیٰ خاتم الاکابر شاہ آل رسول احمدی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین کا ساتھ ہے۔ اس لیے امام عشق ومحبت سراپا ادب بنے ہوئے ہیں۔ تبھی سرکار نوری میاں صاحب فرماتے ہیں۔ مولانا صاحب! مبارک ہو آپ کے یہاں فرزند تولد ہوا ہے۔ ہم نے اس کا نام آل الرحمٰن مصطفیٰ رضا رکھا ہے ہم اسے سلسلۂ قادریہ برکاتیہ میں اپنی بیعت میں لیتے ہیں اور ساری اجازتیں خلافتیں عطا کرتے ہیں۔ انشاء اللہ المولیٰ تعالیٰ بریلی آ کر بیعت کی خاندانی رسم بھی ادا کریں گے۔ یہ وہی دن وہی ساعت تھی جب بریلی کے مشہور ومعروف پٹھان گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا تھا اور جس کی پیدائش کی نوید میلوں دور مارہرہ میں موجود پیر روشن ضمیر نے اس بچے کے باپ کو دے دی تھی۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی کے یہاں بچہ کی آمد آمد ہوتی ہے تو آدمی اپنے سارے کام چھوڑ کر گھر پر رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔ ملازمت پیشہ آدمی کام سے چھٹی لے لیتا ہے۔ کاروباری آدمی تجارتی دورے ملتوی کر دیتا ہے۔ کوشش یہی ہوتی ہے کہ زیادہ وقت گھر پر ہی رہے۔ نہ جانے کب زچگی وغیرہ کے سلسلے میں بھاگ دوڑ کرنی پڑے۔ مگر یہ کیا معاملہ ہے۔ احمد رضا خان کے گھر نیا مہمان آنے کو ہے اور وہ مارہرہ میں اپنے مرشد زادے کے مہمان بنے ہوئے ہیں۔ بات یہ ہے کہ امام احمد رضا کے سارے معاملات مرشد کے آستانے سے وابستہ تھے۔ آج بھی وہ اپنے مرشد کی خدمت میں اسی لیے حاضر تھے کہ اس در سے ایک ایسے فرزند کی خوشخبری لے کر جائیں جو بڑا ہو کر تاجدار اہل سنت، محافظ شریعت اور صاحب عشق ومحبت بنے

چھ ماہ بعد حضرت نوری میاں صاحب بریلی تشریف لے جاتے ہیں۔ نومولود کو نہالچہ پر سرکار کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ نوری میاں صاحب بڑی شفقت سے گود میں لیتے ہیں۔ یہ کون ہے؟ یہ چشم وچراغ خاندان برکات کا لخت جگر ہے۔ جن مبارک ہاتھوں نے اس کے پیدا ہونے کی دعا مانگی تھی، آج وہی ہاتھ اس پر شفقت برسا رہے ہیں۔ نوری میاں صاحب کلمہ کی انگلی بچہ کے منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ شاید بچہ کو معلوم ہے کہ میرے والد کے قلم سے یہ شعر نکلا ہے۔

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا　　تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

یہ نوری گھرانے کے نوری فرد نوری میاں کی انگلی ہے۔ بچہ بڑے چاؤ سے انگلی چوس رہا ہے۔ نوری میاں بڑی شفقت سے مسکراتے ہوئے اپنے خاندان عالی کا نور بچے کے سینے میں انڈیل رہے ہیں۔ قطب مارہرہ کی دوررس نگاہوں نے دیکھ لیا ہے کہ یہ بچہ آگے چل کر

ولایت کی منزلیں طے کرے گا۔ سچ ہے۔

ولی را ولی می شناسد

نوری میاں کی ساری دعائیں اس بچے کے حق میں صحیح ثابت ہوئیں اور وہ بچہ آگے چل کر مفتی اعظم کے نام سے مشہور ہوا۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کو میں نے پہلی بار اس وقت دیکھا تھا جب میں سات سال کا تھا۔ اور بمبئی کے ہاشمیہ اسکول میں ابتدائی جماعت میں تھا۔ کھڑک مسجد میں ابا حضرت حضور سید العلما علیہ الرحمۃ کے ساتھ رہتا تھا۔ حضور مفتی اعظم کی پہلی ملاقات مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔ ہوا یوں کہ ایک دن میں ابا حضرت کے حجرے میں بیٹھا ہوا اسکول کا ہوم ورک کر رہا تھا۔ اتنے میں شور اٹھا کہ مفتی اعظم تشریف لا رہے ہیں۔ ابا حضرت اٹھ کر حجرے کی سیڑھیوں تک گئے اور حضور مفتی اعظم کا شایانِ شان استقبال کرتے ہوئے حجرے میں لے آئے۔ میں اپنے کام میں اتنا منہمک تھا کہ کسی طرف دھیان نہیں دیا۔ ابا کو جلال آ گیا۔ مفتی اعظم کو اپنی مسند پر بٹھا کر ابا میرے قریب آئے اور ایک زوردار طمانچہ میرے رخسار پر مار کر بولے ناہنجار، بے ادب، معلوم نہیں کون آیا ہے؟ نہ سلام نہ کلام اٹھ قدم بوسی کر۔ طمانچہ اتنا زبردست تھا کہ میرا دماغ جھنجھنا گیا۔ میں فوراً اٹھا اور حضور مفتی اعظم کی قدم بوسی کو آگے بڑھا۔ مگر اس سے پہلے کہ میں ان کے قدموں پر گرتا وہ میرے پیروں پر گر پڑے۔ اللہ اکبر۔ میرا بدن سن ہو گیا کہیں ابا یہ نہ سمجھیں کہ میں نے جان بوجھ کر سرکار مفتی اعظم ہند کی قدمبوسی میں تاخیر کی ہے۔ ایک طمانچہ تو پہلے ہی پڑ چکا ہے دوسرا شاید اب پڑے تب پڑے۔ مگر اتنے میں اس مجسم شفیق ہستی نے مجھے اپنی گود میں سمیٹ لیا اور بڑی اپنائیت سے اپنے سینے سے لگا لیا۔ سبحان اللہ۔ وہ خوشبو جو اس مبارک بدن سے نکل رہی تھی آج بھی مجھے مہکا رہی ہے۔ ابا نے حکم دیا اپنی کتابیں کاپیاں لے کر اندر جا کر کام کرو۔ مگر مفتی اعظم نے مجھے اپنی گود میں اور اندر سمیٹ لیا فرمایا تھوڑی دیر میرے پاس رہنے دیجیے۔ پھر مجھ سے فرمایا آپ کا نام کیا ہے؟ میں نے ابا کی طرف ڈرتے ڈرتے دیکھا ابا بولے بتاؤ حضرت کیا پوچھ رہے ہیں؟ تب میں نے اپنی عادت کے مطابق اپنا تعارف کرایا۔ میرا نام سید آل رسول حسنین میاں قادری برکاتی نوری قاسمی مارہروی ہے۔ حضور مفتی اعظم میرے اس لمبے چوڑے تعارف پر مسکرا پڑے۔ ابا بھی مسند کے ایک کنارے بیٹھ چکے تھے۔ حجرہ کھچا کھچ بھر گیا تھا۔ میں چپ چاپ مفتی اعظم کی گود سے اترا اپنی کتابیں سمیٹ کر حجرے کے اندر جو راہداری تھی وہاں جا کر کام کرنے لگا۔

پھر تو حضور مفتی اعظم سے میری پہچان ہو گئی سرکار اکثر و بیشتر ابا حضرت کے پاس آیا کرتے۔ اب ان کے استقبال و خیر مقدم کی ذمہ داری میں نے اپنے سر لے لی۔ سیڑھیوں سے حجرے تک حضور مفتی اعظم کا ہاتھ پکڑے رہنا میں اپنی عین سعادت سمجھتا تھا۔ کبھی کبھی حضور مفتی اعظم تنہا تشریف لاتے تھے۔ خدام مسجد کے دروازے تک چھوڑ جاتے تھے۔ اور وہاں سے میری ڈیوٹی شروع ہو جاتی تھی۔ حضور مفتی اعظم کو میں نے ابا کے سامنے ہمیشہ دو زانو بیٹھے ہوئے دیکھا میں اکثر سوچا کرتا کہ جس شخص کا میرے ابا اتنا ادب و احترام کرتے ہیں وہ شخص ابا کے سامنے اتنے ادب سے کیوں بیٹھا رہتا ہے۔ کھڑک مسجد کے ایک مؤذن تھے قاسم جان مرحوم میرے استاذ بھی تھے۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھ ہی لیا باگی صاحب! مفتی اعظم صاحب ابا کے پاس آتے ہیں تو ابا بڑی عزت سے بٹھاتے ہیں ان کے ہاتھ بھی چومتے ہیں مگر مفتی اعظم جب تک حجرے میں رہتے ہیں دو زانو بڑے ادب کے ساتھ بیٹھے رہتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ قاسم جان مرحوم نے بتایا بات یہ ہے کہ سید میاں ان کا احترام اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اپنی جماعت کے ایک بڑے عالم ایک بڑے مفتی ہیں اور اعلیٰ حضرت کے شہزادے ہیں اور مفتی اعظم جو اتنا ادب دکھاتے ہیں وہ اس لیے کہ جس گدی سے مفتی اعظم کو بیعت و خلافت حاصل ہے اس گدی کے وارث اور سجادہ نشین آپ کے ابا ہیں۔

اسی دوران سنّی جمعیۃ العلما کا قیام عمل میں آیا۔ اس جماعت کی بنیاد رکھنے میں جن لوگوں نے مرکزی کردار ادا کیا ان میں نمایاں نام محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ، حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور میرے والد ماجد حضور سید العلما رحمۃ اللہ علیہ کے تھے۔ جماعت کے رجسٹریشن کا مسئلہ آیا تو اس کے تحریری دستور کی ترتیب کی بات چلی۔ اس وقت حضور محدث اعظم ہند اور مفتی اعظم دونوں ہی نے بالاتفاق یہ کام ابا حضرت کے سپرد کیا۔ ان ہی دونوں حضرات نے جماعت کی صدارت کی ذمہ داری ابا کے کاندھوں پر ڈالی۔ آل انڈیا سنّی جمعیۃ العلما کے صدر الصدور کی حیثیت سے ابا کی ذمہ داریاں بڑھ گئیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جماعت کے قیام کے کچھ برسوں کے بعد ایک مرحلہ ایسا آیا جب ابا جماعت کے کچھ عہدیداروں کی بدچلنی سے ناراض ہوگئے اور صدارت سے استعفا لکھ کر بریلی شریف بھیج دیا۔ حضور مفتی اعظم ہند کو جیسے ہی استعفا ملا ویسے ہی بمبئی روانہ ہوگئے۔ ان دنوں مسجد کھڑک میں واقع ابا کے حجرے کی مرمت چل رہی تھی اور ابا مسجد کی دوسری منزل کے ایک کونے میں معتکف تھے۔ ایک شام حضور مفتی اعظم بہت تیز تیز سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دوسری منزل پر پہنچے اور اس سے پہلے کہ ابا تعظیم کے لیے اٹھیں مفتی اعظم نے اپنا عمامہ اتار کر ابا کے قدموں پر رکھ دیا۔ میرے چھوٹے سے ذہن میں اس وقت کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ ابا نے عمامہ اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ حضور مفتی اعظم نے فرمایا سید میاں! سنّیت کی لاج آپ کے ہاتھ ہے۔ جماعت سے آپ علاحدہ ہوگئے تو شیرازہ بکھر جائے گا۔ دشمن پہلے ہی سے ہمارے اتحاد پر نظر جمائے ہوئے ہیں۔ انھیں ہم پر ہنسنے اور بغلیں بجانے کا موقع مل جائے گا۔ آپ کو اپنے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا واسطہ اپنا استعفا واپس لے لیجیے۔ یہ کہہ کر مفتی اعظم نے ابا کا استعفا نکال کر پیش کیا۔ میں نے ابا کو دیکھا مفتی اعظم کا عمامہ اپنے سر پر رکھے روتے جارہے تھے۔ ادھر مفتی اعظم کی بھی آنکھوں میں آنسو رواں تھے۔ میں نے ابا کو روتے دیکھا تو خوب زور زور سے رونے لگا۔ ابا کے خادم صوفی نظام الدین صاحب مجھے گود میں اٹھا کر نیچے صحن مسجد میں لے آئے۔ اس دن حضور مفتی اعظم تب ہی واپس گئے جب ابا نے استعفا واپس لے لیا۔

مفتی اعظم ہند کس سن میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کہاں حاصل کی۔ وصال کب ہوا۔ یہ ساری تحقیق سوانح نگاروں سے تعلق رکھتی ہے۔ ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ نے انھیں اس عالم اجسام میں جینے کے جو لمحے عطا کیے تھے انھیں کس کام میں لائے۔ مفتی اعظم پر بہت کچھ بولا اور لکھا گیا ہے۔ مریدوں نے عقیدتوں میں ڈوب کر اپنے پیر کی ڈھیروں کرامتیں بیان کی ہیں جن میں مبالغہ اور غلو بھرا ہوا ہے۔ مفتی اعظم کی سب سے بڑی کرامت تھی ان کی استقامت۔ انھوں نے ایسے باپ کی گود میں پرورش پائی تھی جس نے باطل قوتوں کے آگے جھکنا نہیں سیکھا تھا۔ امام احمد رضا نے ایسے وقت میں جب دنیائے سنّیت کے بڑے بڑے لوگ فتنوں کی آندھی میں تنکوں کی طرح اڑنے لگے تھے اپنے برکاتی مرشد کے کھونٹے کو اتنی مضبوطی سے پکڑ کر آندھیوں، طوفانوں کا مقابلہ کیا کہ وہ خود نہ جانے کتنے ڈوبنے والوں کا سہارا بن گئے۔ مفتی اعظم کو عقیدے کا یہ استحکام اپنے باپ سے ورثے میں ملا تھا۔ انھوں نے مارہرہ شریف کے نجیب الطرفین سیدزادوں سے اپنا روحانی رشتہ جوڑا تھا۔ وہ ایسے پیر کے مرید تھے جس کے حسب اور نسب کو چیلنج کرنے کی نہ کل کسی کی جرأت تھی۔ نہ آج کسی میں ہمت۔ وہ ایک ایسے عالی خاندان سے شرف بیعت رکھتے تھے جس کے پاس مانگے کا اجالا نہ تھا بل کہ وہی شمع فروزاں اس خانوادے میں روشن چلی آرہی تھی جو سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مل کر سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روپ میں روشن کی تھی اور جو باپوں سے بیٹیوں کو اور ماؤں سے بیٹوں کو پاک خون کی صورت میں منتقل ہو کر خانوادۂ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ تک پہنچی تھی۔ مفتی اعظم کو اس خاندانیت کی بھی برکت حاصل تھی۔

ہوئے نوری کے تو نوری بنے ہیں مفتی اعظم   بریلی تجھ کو مارہرہ سے کیسی نوری نسبت ہے

نوری میاں صاحب علیہ الرحمہ سے اکتساب فیض کر کے مفتی اعظم اپنے پیر کا عکس بن گئے ۔ پہلے فنافی اللہ ہوئے پھر فنافی الرسول پھر فنافی الغوث اور آخر میں فنافی الشیخ ہو گئے ۔

ولی صورت ولی سیرت ہمارے مفتی اعظم　　　　کہ جن کو دیکھنے کے ساتھ ہی یاد خدا آئے

ابا حضرت علیہ الرحمہ کا وصال ۱۹۷۴ء میں ہوا ۔ دنیائے سنیت کے لیے عموماً اور اقلیم برکاتیت کے لیے خصوصاً یہ ایک بڑا حادثہ تھا ۔ مفتی اعظم قبلہ کو جب ابا کے وصال کی خبر دی گئی تو جلال کے مارے غش آ گیا ۔ خبر سنانے والے کو بہت ڈانٹا پھٹکارا ۔ یہی فرماتے رہے کہ سید میاں کی رحلت ہو گئی ایسا ہو ہی نہیں سکتا ۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حیات ہیں ۔ مفتی اعظم کے ان جملوں میں کیسا رمز چھپا ہے ۔

ابا حضرت علیہ الرحمہ کے چہلم پر مارہرہ مطہرہ میں عالم سنیت کے تمام مشاہیر جمع ہوئے ۔ حافظ ملت ، مجاہد ملت ، برہان ملت اور مفتی اعظم ہند کے نام ان میں سر فہرست ہیں ۔ ابا حضرت نے اپنے وصیت نامے اور خلافت نامہ میں تحریر فرمایا تھا کہ رسم سجادگی درگاہ شاہ برکت اللہ مارہرہ مطہرہ میں ادا کی جائے ۔ اور میرے سر پر سجادگی کا عمامہ میرے عم محترم حضور احسن العلما سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں علیہ الرحمہ باندھیں ۔ دنیا کو معلوم ہے کہ رسم سجادگی ایک خالص خاندانی تقریب ہوتی ہے جس میں خاندان کے بزرگ ہی شریک ہو سکتے ہیں مگر یہ میری خوش نصیبی ہی تھی کہ میری رسم سجادگی میں حضور مفتی اعظم کو خاندان کے بزرگوں کے ساتھ شریک کیا گیا ۔ قبۂ شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ میں حضور اچھے میاں رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کے پاس رسم سجادگی ہوتی آئی ہے ۔ اس دن مارہرہ شریف میں کافی بارش ہوئی تھی ، سڑکیں نم ہو گئی تھیں مگر رسم سجادگی کے وقت بارش تھم گئی ۔ مفتی اعظم قبلہ لوگوں کے گھیرے میں خانقاہ شریف کے برآمدے میں بیٹھے حسب معمول تعویذات لکھ رہے تھے ۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ میں سجادگی کی رسم کی ادائیگی کے لیے درگاہ معلی میں حاضر ہو گیا ہوں تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ پنجوں کے بل تیز تیز چلتے ہوئے درگاہ پہنچے ۔ جس وقت مفتی اعظم درگاہ شریف میں داخل ہوئے ان کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی ۔ چچا میاں کو معلوم ہوا کہ مفتی اعظم تشریف لے آئے ہیں ، فوراً قبہ کے اندر بلوالیا ۔ ہمارے ایک رشتے کے نانا نے اعتراض بھی کیا کہ اس رسم میں رشتہ داروں کے علاوہ کوئی شریک نہیں ہو سکتا ۔ اس پر حضور احسن العلما نے فرمایا ہمارے لیے امام احمد رضا کا شہزادہ رشتے دار سے کم نہیں ہے ۔ ابا حضرت کی وصیت تھی کہ عمامہ چچا میاں حضور احسن العلما باندھیں ۔ انھوں نے وصیت کی تعمیل کرتے ہوئے میرے سر پر ایک پیچ دیا اور پھر مفتی اعظم کو آگے بلا کر عمامہ ان کے سپرد کر دیا کہ باقی عمامہ آپ باندھیں ۔ مفتی اعظم قد میں چونکہ مجھ سے چھوٹے تھے اس لیے میں نے ان کی آسانی کے لیے تھوڑا سا نیچے جھکنا چاہا مگر انھوں نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ "مخدوم نہیں جھکا کرتے خادم کو سر بلند کیا کرتے ہیں" ۔ پھر مفتی اعظم قبلہ نے پنجوں کے بل کھڑے ہو کر پورا عمامہ میرے سر پر باندھا ۔ اور جب میں بزرگوں کے ملبوسات پہن کر مسند سجادگی پر بٹھا دیا گیا تو سب سے پہلی نذر چاندی کا ایک کھرا روپیہ سب سے پہلے مفتی اعظم نے ہی مجھے پیش کیا ۔ ولی کے ہاتھ کے اس روپے نے مجھے لکھ پتی بنا دیا ۔ اس ایک روپے کی برکت آج بھی میرے ساتھ ہے ۔ فللہ الحمد ۔

رسم سجادگی کے بعد عم محترم حضور احسن العلما نے مجھے حکم دیا للا ! مفتی اعظم کو گدی کے کمرے میں لے جاؤ اور کھانا کھلا دو ۔ میں نے مفتی اعظم سے درخواست کی اور انھیں اس کمرے میں لے آیا جس کمرے میں ان کے والد ماجد امام احمد رضا میرے جد امجد حضور شاہ آل رسول (قدس سرہما) سے بیعت ہوئے تھے ۔ وہ تخت جس پر بیٹھ کر خاتم الاکابر نے اعلیٰ حضرت کو بیعت کیا تھا میری ہی تحویل میں ہے اور وہ گدی بھی اب اسی فقیر برکاتی کے پاس ہے ۔

حضور مفتی اعظم جیسے ہی حجرۂ سجادگی میں داخل ہوئے اسم ذات کا نعرہ لگایا اور تخت کے پائے سے لپٹ گئے ۔ زار و قطار رونا شروع

کردیا۔ بڑی منت سماجت سے میں نے حضور مفتی اعظم کو وہاں سے الگ کیا اب وہ اس طور سے بیٹھے کہ قبلہ کو پشت اور تخت سجادگی کی طرف رخ تھا۔ گویا وہ اپنے مرشد گرامی کو تخت پر بیٹھے ہوئے ملاحظہ فرمارہے تھے۔ والدہ ماجدہ نے اپنے ہاتھوں سے مفتی اعظم کے لیے پرہیزی کھانا بنایا تھا۔ بہت تھوڑا کھایا۔ جب میں نے مزید اصرار کیا تو فرمایا اس حجرۂ مبارکہ میں آکر میری ایسی شکم سیری ہوئی ہے کہ روح تک سیراب ہوگئی ہے۔

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی نہایت صاف ستھری اور پاکیزہ تھی۔ انھوں نے عقائد کے معاملے میں کبھی کسی سے سمجھوتہ نہیں کیا۔ دولت کی چمک نے اچھے اچھوں کی آنکھیں خیرہ کردیں مگر مفتی اعظم کے ایمان کی دولت ساری دنیوی تابانیوں پر بھاری رہی۔ انھوں نے جو کچھ کہا اور کیا وہ سب کچھ اعلاے کلمۃ الحق کے سلسلے میں تھا۔ پھر انھوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ان کا کوئی فتویٰ حکومت وقت کی پیشانی پر شکن ڈال دے گا اور بیسویں صدی کے نمرودان کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ وہ اپنے سارے معاملات میں اللہ کے ہوگئے اور اللہ ان کا ہوگیا۔ خاندانی منصوبہ بندی کی جو آندھی اٹھی تھی، اس میں ہندوستان کی بہت سی خانقاہیں اپنی روایات کی نسبندی کرا بیٹھیں مگر مارہرہ مطہرہ کی خانقاہ سے فیض یافتہ مفتی اعظم کا قلم ذوالفقار حیدری کا جانشین بن کر صفحۂ قرطاس پر حرام حرام حرام لکھ گیا۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ اللہ و رسول کی حدوں کو توڑنے والے صفحۂ ہستی سے مٹ گئے مگر مفتی اعظم آج بھی زندہ ہیں۔ اور ان کا فیض آج بھی جاری و ساری ہے۔

مفتی اعظم قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی آخری عمر میں عالم محویت میں چلے گئے تھے۔ دورہ کرنا بند کردیا تھا۔ اور بریلی شریف میں مقیم رہ کر مریدوں کی روحانیت کو تروتازہ کررہے تھے۔ انھیں دنوں عرس اعلیٰ حضرت میں لوگوں کے ازدحام کی وجہ سے منبر ٹوٹ گیا اور یہ مشہور ہوگیا کہ حضور مفتی اعظم زخمی ہوگئے ہیں اور حضرت کی دو پسلیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ خانوادۂ برکاتیہ کے لیے یہ خبر تشویشناک تھی۔ عم محترم حضور احسن العلما نے مجھے حکم دیا کہ میں بریلی شریف حاضری دوں اور حضور مفتی اعظم ہند کی عیادت کروں۔ میں جس وقت بریلی شریف پہنچا تو دیکھا کہ آستانۂ اعلیٰ حضرت پر لوگوں کی بھیڑ ہے۔ لوگ کئی کئی روز سے وہاں ٹھہرے ہوئے ہیں مگر شرف باریابی حاصل نہیں ہے۔ میں چاہتا تھا کہ لوگوں کو میری آمد کی اطلاع نہ ہو اور میں مفتی اعظم ہند کی خدمت میں خاموشی سے پہنچ جاؤں۔ مگر ان کے خادم خاص اور اس وقت میرے بہت چہیتے خلیفہ مولوی عبد الہادی برکاتی نوری افریقی نے مجھے دیکھ لیا۔ بس پھر کیا تھا وہ مجسم میری آمد کا اعلان بن گئے۔ سب یہاں جو لوگ موجود تھے وہ مارہرہ مطہرہ کے تعلق سے مجھ پر ٹوٹ پڑے یہ بات میرے لیے پریشانی کا باعث بن گئی۔ حضور مفتی اعظم نے گھر کے اندر لیٹے ہوئے باہر کی حالت کو بھانپ لیا اور اندر سے خادموں کو بھیج کر مجھے اندر بلوالیا۔ جس وقت میں اندر گیا حضور مفتی اعظم عمامہ سر پر باندھے پوری طرح لباس ولایت میں ملبوس چارپائی پر دراز تھے۔ میرے پہنچتے پر اٹھنا چاہا مگر میں نے سبقت کی اور انھیں اٹھنے سے روک لیا۔ میں نے دست بوسی کی تو الٹے حضور مفتی اعظم نے میرے ہاتھ چومے اتنے میں اندر سے خادمہ آگئیں بولیں میاں! آج صبح سے حضرت نے کچھ نہیں کھایا ہے اگر آپ کہیں گے تو شاید کھالیں میں نے بڑی بی سے کہا آپ کھانا لے آیئے کھلانا میرا کام ہے وہ جھٹ پٹ چھلکے اور پیالے میں شوربا لے آئیں۔ میں نے مفتی اعظم سے کہا حضرت اٹھیے اور میرے ہاتھ سے تھوڑا سا کھانا کھا لیجیے فرمایا اشتہا نہیں ہے۔ میں نے کہا صرف دو لقمے کھا لیجیے۔ فرمایا میں خود سے اٹھ نہیں پاؤں گا، میں نے کہا میں سہارا دے کر اٹھالوں گا ما تاین کررو دیے فرمایا سہارا دینا تو آپ سرکاروں کا ہی خاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حشر کے دن مجھے آپ ہی کے سہارے اٹھائے۔ میں نے سیدھا ہاتھ پیٹھ کے نیچے ڈال کر ڈھیرے سے اٹھانا چاہا تو دونوں ہاتھ میری گردن کے گرد ڈال دیے۔ میں نے بھی موقع غنیمت جانا اپنا سینہ ان کے سینے سے لگادیا اور اس طرح سینہ بسینہ انھیں اٹھا کر بٹھایا۔ پھر بھی انھوں نے اپنا ہاتھ میری گردن سے نہ ہٹایا۔ میں نے کہا اب آپ اطمینان سے بیٹھ جایئے تو میں

کھانا کھلادوں۔ فرمایا پہلے وعدہ فرمایئے کہ میدان محشر میں بھی مجھے اسی طرح سنبھالیں گے۔ اللہ اکبر۔ مجھے پسینہ آ گیا میں بندہ کمین بھلا اس قابل کہاں مفتی اعظم نے اس وقت تک اپنے ہاتھ الگ نہ کیے جب تک کہ میں نے کانپتے لہجے میں ہاں نہیں کر دی۔ پہلا لقمہ کھلایا تو فرمایا سید میاں کیسے ہیں؟ یہ وہ وقت تھا کہ ابا حضرت کو وصال فرمائے ہوئے کئی برس گزر چکے تھے۔ میں نے عرض کیا ابا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اچھے ہیں مارہرہ شریف میں آرام فرما رہے ہیں۔ فرمایا ہمارا اسلام عرض کر دیجیے گا۔ پھر اطمینان و سکون کے ساتھ وہ دونوں چھلکے تناول فرمائے۔ چلتے وقت ایک لفافہ میری نذر کیا جس میں گیارہ روپے تھے میں نے لفافہ لینے سے انکار کیا تو فرمایا غلام کی نذر قبول نہ کرنا آقا کی شان کے خلاف ہے۔ میں نے دوبارہ لٹاتے وقت ٹٹول کر دیکھا پورا بدن صحیح و سالم تھا۔ لٹانے کے بعد چادر اوڑھانے کے بہانے میں نے قدم بوسی بھی کی۔

کہاں تک لکھئے برادر عزیز مولوی رحمت اللہ صدیقی کی فرمائش پر اتنا کچھ لکھنے کے بعد بھی سوچتا ہوں۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

☆☆☆

مفتی اعظم کا استقلال واستقامت

شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی الجیلانی
جانشین محدث اعظم ہند، کچھوچھہ شریف

قرآن کریم نے قیامت تک کے لیے دینوی اور اخروی صلاح وفلاح کے لیے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ سلم اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ضروری ولازمی قرار دیا ہے۔ اس اطاعت واتباع کے بغیر خوش بختی وفیروزمندی اور نجات وکامرانی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ظاہر ہے کہ اطاعت تعمیلِ احکام اور اتباع پیروی افعال کا نام ہے۔ بلفظ دیگر اطاعت کا تعلق اقوال سے ہوتا ہے اور اتباع کا افعال سے مثلاً میں نے کوئی حکم دیا، آپ نے اس کی تعمیل کی۔ یہ ہے اطاعت اور میں نے کوئی عمل کیا، آپ نے اس کی پیروی کی یہ ہے اتباع۔ اور جب کہ تا قیامت خدائی قانون میں نجات ومغفرت کے لیے رسول کریم کی اطاعت واتباع لازم ہے تو ضروری ہوا کہ تا قیامت رسول کریم کے اقوال وافعال کی حفاظت کی جائے بحمدہ تعالیٰ رب کریم نے رسول کریم کے اقوال وافعال کی حفاظت کو اپنے ذمہ کرم میں رکھا ہے۔ لہٰذا اب قیامت تک نہ تو رسول کریم کے اقوال کو مٹایا جاسکتا ہے اور نہ آپ کے افعال کو فنا کیا جاسکتا ہے۔ اقوال کی حفاظت کے لیے ابتداءً بے شمار قوی الحافظہ اذہان کا انتخاب فرمایا گیا اور پھر اذہان کے ساتھ ساتھ لاتعداد دیانتداروں اور تقویٰ شعاروں کی تحریر کردہ کتابوں کے اوراق کو یہ امانت سپرد کردی گئی۔ بل کہ قدرتِ کاملہ نے چاہا تو اغیار کے اذہان اور ان کی کتابوں کے اوراق کو بھی اقوال رسول کی حفاظت کا ذریعہ بنادیا ہے۔ رہ گئے افعال تو اذہان نہ ان کا محل بن سکتے ہیں اور نہ انھیں اوراق کتاب میں پابند کیا جاسکتا ہے۔ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے افعال کی طرف رہنمائی کرنے کے لیے اوراق کتاب میں جو کچھ ملتا ہے وہ صرف راویوں کے اقوال ہیں نہ کہ رسول کریم کے افعال۔ افعال کا محل اوراق نہیں بل کہ کردار ہے۔

رب کریم نے نبی کریم کے افعال اور اعمال کی حفاظت ہر دور میں بے شمار نفوس قدسیہ والوں کے کرداروں میں فرمائی ہے۔ خود نبی کریم کا صحابہ کرام کو نجوم ہدایت بتانا اور ان کی اقتدا پر ابھارنا، اپنی اہل بیت سے تمسک کو ضروری قرار دینا اور اپنی امت کے علما کو نجوم و ہدایت کے لیے کافی نہیں۔ وہاں صرف اقوال ملیں گے، اقوال کی عملی تشریح نہیں ملے گی۔ لیکن وہ نفوس قدسیہ والے جن کی محفل میں بیٹھنے سے رسول کریم کی محفل میں بیٹھنے کا اجر ملے گا، جن سے مصافحہ کرنے سے نبی کریم سے مصافحہ کرنے کا ثواب حاصل ہو، جن کے پیچھے نماز پڑھنے والے کی یہ شان ہو گویا اس نے نبی کریم کی اقتدا کی، جن کا چہرہ دیکھیں تو نبی کریم کا چہرہ یاد آجائے، المختصر! جن کا ہر فعل اور ہر عمل نبی کریم کے فعل وعمل کے سچی تصویر ہو۔ یہ وہ ہیں جو ہدایت کا کامل ومکمل ذریعہ ہیں۔ ان کی زبان سے رسول کریم کے اقوال سنو اور ان کے کردار میں رسول کریم کے افعال دیکھو۔

ہر دور میں ان نورانی تصویروں کا وجود ضروری ہے تاکہ واضح ہوتا رہے کہ ہر دور میں خواہ وہ کتنا ہی پرآشوب کیوں نہ ہو، اسلام پر

اس کے جملہ تعینات وتشخصات کے ساتھ عمل کیا جاسکتا ہے۔اب اگر کچھ لوگ عمل نہ کریں تو یہ خود ان کی غفلت وسرکشی ہے۔اس کی وجہ ہرگز یہ نہیں کہ اسلام اب نا قابل عمل ہو چکا ہے۔

اسی نورانی سلسلے کی ایک نورانی تصویر ہے وہ عظیم المرتبت ہستی جو دانشوران وقت اور فقیہان عہد کی محفلوں میں بھی حضور مفتی اعظم کے نام سے معروف ومتعارف ہے۔جن کی زبان اقوال رسول کے موتی لٹاتی رہی اور جس کا کردار افعال رسول کی تجلیاں دکھاتا رہا۔

بخاری ومسلم کا سننے والا جس یقین واذعان کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ہم نے رسول کریم کے اقوال سے اسی یقین واذعان کے ساتھ حضور مفتی اعظم کو دیکھنے والے کو یہ حق ہے کہ کہے ہم نے رسول کریم کی چلتی پھرتی سچی تصویر دیکھی۔

فرائض وواجبات وموکدات کو رہنے دیجیے جو ہستی مباحات وفطری خواہشات میں بھی رسول کریم کی اطاعت واتباع سے سرمو متجاوز نہ ہو،وہ رسول کریم کی سچی تصویر اور افعال رسول کی حفاظت کا پیکر نور نہیں تو اور کیا ہے؟

۲-وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۔(سورۂ　/　) اے محبوب اللہ تمھیں لوگوں سے بچائے گا۔

آیت کریمہ کا عموم لفظ چاہتا ہے کہ ہر طرح کی حفاظت اس کے دائرۂ مفہوم میں آجائے۔اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہر نبی کی دو زندگی ہے ایک ظاہری جسمانی زندگی۔دوسری اس کی پیغمبرانہ زندگی۔ہر نبی اپنی جسمانی زندگی کے لحاظ سے آج بھی زندہ ہے مگر آج کسی نبی کا پیغام اپنی اصلی شکل وصورت میں باقی نہیں رہ گیا۔اب اگر کسی نبی کے پیغام کا کوئی حصہ باقی بھی ہے تو وہ بھی ہمارے نبی کے پیغام کا جز بن کر۔مگر یہ ہمارے نبی کی خصوصیت ہے کہ رب کریم نے اگر ایک طرف آپ کو دشمنوں کے لیے جان لیوا حملوں سے محفوظ رکھا اور اس بات سے بے نیاز کر دیا کہ آپ اپنے ساتھ کوئی حفاظتی دستہ لے کر چلا کریں اور پھر عالم برزخ میں آپ کی حیات ظاہری کی حقیقت کو بھی باقی رکھا۔تو دوسری طرف قیامت تک کے لیے پیغام کی بھی حفاظت کو ذمۂ کرم میں لے لیا۔

المختصر نہ لوگ رسول کریم کی ذات کو نقصان پہنچا سکے نہ پیغام کو۔اور نہ قیامت تک پہنچا سکیں گے۔خدائے عزوجل دونوں کی حفاظت فرمانے والا ہے۔ہاں ہر دور کے لحاظ سے حفاظت کے ذرائع مختلف رہے ہیں۔جب منکرین زکوٰۃ نے دین میں ارتداد کا راستہ نکالنا چاہا تو خدا نے صدیق اکبر کے ذریعہ پیغام رسول کی حفاظت فرمائی۔قیصر وکسریٰ کی مغرور طاقتوں نے اسلام کو چیلنج کیا تو خدا نے اس کی حفاظت فرمائی،فاروق اعظم کے ذریعہ۔یوں ہی جب خوارج نے قرآنی آیات کے مفاہیم کو بدلنے کی شرمناک کوشش کی تو خدا نے پیغام مصطفوی کی حفاظت فرمائی،مولائے کائنات کے ذریعہ۔اسی طرح جب یزید نے سرکشی کا سر اٹھایا تو خدا نے اپنا دین بچایا،حسین ابن علی کے ذریعہ۔ایسے ہی جب اعتزال کے فتنوں کا پانی سر سے اونچا ہونے پر آیا تو خدا نے اپنے نبی کے پیغام کی صحیح شکل وصورت کو بچایا،امام احمد بن حنبل کے ذریعہ۔یونہی جب شہنشاہ اکبر نے دین الٰہی کے نام پر حقیقی دین الٰہی کی صورت بگاڑنی چاہی تو خدا نے اپنا دین بچایا،مجدد الف ثانی کے ذریعہ۔اسی طرح جب وہابیت وقادیانیت نے اپنی فتنہ سامانیوں کا مظاہرہ کیا تو خدا نے اپنا دین بچایا،امام احمد رضا کے ذریعہ۔

یہ چند باتیں بطور مثال تحریر کی گئی ہیں۔رب کریم نے ہر عہد میں دین کی حفاظت کے بے شمار ذرائع بنائے اور تا قیامت بناتا رہے گا۔ابھی چند روز کی بات ہے ایمرجنسی کے دور میں ظالم وجابر حاکموں نے ظلم وجور کی حد کر دی اور خاندانی منصوبہ بندی کے غیر اسلامی نظریے کو منوانے کے لیے وہ ستم ڈھائے گئے کہ الامان والحفیظ۔اس جور وستم کا نتیجہ یہ ہوا کہ علما کی زبانیں گونگی ہو گئیں بل کہ ابن الوقت حکومت وقت کی حمایت پر اتر آئے۔کرائے کے مفتی مسند افتا کی مٹی پلید کرنے لگے۔ایسے خوف وہراس کے عالم میں خدا نے اپنا دین بچایا مفتی اعظم کے ذریعہ جنھوں نے اندیشۂ سود وزیاں سے بے نیاز ہو کر حکومت وقت کے خلاف فتویٰ دیا۔اور ''سائیکلو اسٹائل'' کرا کے ملک

کے گوشے گوشے میں روانہ کیا۔ چونکہ دیگر جملہ ذرائع ابلاغ وترسیل پر گورنمنٹ کے آہنی پنجوں کا دباؤ تھا اس لیے ان کو اشاعت کا ذریعہ نہیں بنایا جاسکا۔

حضور مفتی اعظم کے جرأت مندانہ اقدام نے دین مصطفی کو بچالیا۔ جس سے دنیا پر ظاہر ہوگیا کہ مصطفی رضا خاں نام ہے دین محمدی کی حفاظت کے لیے خدائی انتخاب کا۔

۳- عرصہ ہوا کسی کتاب میں دیکھا تھا کہ کہیں امساک باراں کے سبب بہت زبردست قحط پڑا۔ لوگ نماز استسقا پڑھتے رہے اور اپنی محرومیوں پر آنسو بہاتے رہے۔ ایک روز سب نماز استسقا کے لیے جمع ہوئے تھے کہ ایک درویش کو آتے دیکھا لوگ اس سے دعا کے ملتجی ہوئے، اس نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا کہ "اے اللہ میں تجھے اس امانت کا واسطہ دیتا ہوں جو میری نگاہوں میں ہے تو بارش فرمادے۔" اتنا کہنا تھا کہ ابر چھاگئے اور جھوم جھوم کے برسے قحط دور ہوگیا۔ ہر طرف شادابی وسرسبزی چھاگئی۔ حاضرین میں سے ایک شخص اس درویش کے پیچھے لگ گیا یہاں تک کہ اس کی جھونپڑی تک پہونچ گیا اور اس سے سوال کیا کہ آخر وہ امانت کون سی ہے جو آپ کی آنکھوں میں ہے اور جس کے واسطے سے آپ نے دعا کی تو رب کریم نے قبول فرمائی۔ درویش نے کہا کہ میں نے ان آنکھوں سے بایزید بسطامی کو دیکھا ہے ان کی صورت خدا کی امانت ہے جسے میں نے نگاہوں میں محفوظ کر رکھا ہے۔ اس حکایت کو سن کر مجھے بھی اپنی فیروز بختی پر ناز کرنے دیجیے کہ میرے حاسہ بصر میں بھی کچھ نورانی صورتیں ہیں۔ ان تصویروں میں حضور مفتی اعظم ہند کی تصویر کی تابنا کی آپ اپنی مثال ہے۔ حضور مفتی اعظم کو میں نے بہت قریب سے دیکھا۔ کئی کئی دن تک ہمرکابی کا شرف بھی حاصل رہا۔ غریبوں کی جھونپڑیوں میں دیکھا۔ رئیسوں کے ایوانوں میں دیکھا، مارہرہ شریف کی خانقاہ میں دیکھا۔ بریلی شریف کی دانش گاہ میں دیکھا۔ بریلی شریف میں ان کا مہمان رہا تو کچھوچھہ شریف میں میزبانی کا شرف بھی حاصل کیا۔

المختصر بار بار زیارت کی سعادت حاصل ہوتی رہی اور ذہن میں آپ کی نورانی صورت کا رنگ گہرا ہوتا رہا۔

حضور مفتی اعظم کو دیکھنے والو! خدائی امانت کے امین ہونے پر مجھ سے دلی مبارکباد لو۔ مگر خبردار، ہوشیار اس تصویر کی عظمت کو داغ نہ لگنے پائے۔ تم خوب جانتے ہو کہ حضور مفتی اعظم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے جس میں کسی جاندار کی تصویر ہو۔ لہٰذا تم پر لازم ہے کہ اپنے دل ودماغ کو غیر شرعی تصوارت سے پاک وصاف رکھو تا کہ یہ تصویر ہمیشہ بہشت فکر ونظر بنی رہے۔ یہ امانت خداوندی غیر شرعی خیالات کے ساتھ کب تک رہ سکے گی۔ رفتہ رفتہ تمہیں اس سے محروم کردیا جائے گا اور پھر کف افسوس ملنے کے سوا تمہارے پاس کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ غور تو کرو جس کمرے میں کعبہ وگنبد خضرا کی تصویریں آویزاں ہوں کیا یہ مناسب ہے کہ اس میں بتوں یا صنم کدوں کے نقشے لٹکائے جائیں؟

۴- اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔

اس آیت کریمہ میں صراط مستقیم پر چلنے کی دعا تعلیم فرمائی گئی ہے۔ نیز یہ واضح کیا گیا ہے کہ صراط مستقیم وہی راستہ ہے جس پر انعام والے چلتے ہیں۔ یہاں انعام سے وہ مخصوص انعام مراد ہے جس سے انبیائے کرام صدیقین، شہدا اور صالحین سرفراز فرمائے گئے۔ مجھ سے مت پوچھیے کہ حضور مفتی اعظم پر رب کریم کی مخصوص نوازشات کا عالم کیا تھا؟ جس کا باپ امام احمد رضا ہو وہ امام احمد رضا جسے عارفین، غوث اعظم کی روشن کرامت، رسول اعظم کا عظیم معجزہ اور قادر مطلق کی قدرت کاملہ کی بہترین نشانی قرار دیتے ہوں۔ جس کا بھائی حسن صورت و جمال سیرت اور کمال علم وفضل کا وہ پیکر نور ہو کہ دنیا اسے "حجۃ الاسلام" کہہ کر بھی شرمندہ رہی کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ جس کا بھتیجہ آج

تک مفسر اعظم ہند کے نام سے جانا جاتا ہو۔

جس کا پیر شیخ الشیوخ، نورالانوار، سید السادات آیت ربانی، سرّ الٰہی، آسمانِ طریقت کا نیّرِ اعظم اور شاہ برکات کے انوار و برکات کا امین ہو۔ یہ پیکرِ نور خود بھی نوری کہلایا اور حضور مفتی اعظم کو بھی نوری بنا گیا۔

ایک طرف رکھو ان انتسابات کی عظمتوں کو اور خود اس عظیم ممدوح کے کمال و جمال پر غور کرو علم و دانش کی وہ کون سی محفل ہے جس کا وہ تاجدار نہیں تھا؟ تقویٰ و طہارت، زہد و قناعت، شرافت و کرامت، مجاہدہ و ریاضت، اصابت و استقامت ذکاوت و فراست کی وہ کون سی شاہراہ ہے جہاں اس کے نقوش قدم نہیں ملتے؟

ہمارا ممدوح خلقاً خُلقاً اپنے باپ کی سچی تصویر تھا۔ الولد سر لأبیه کی ایسی بے داغ تفسیر آسانی سے دیکھنے کو نہیں ملتی۔ آج خوارق عادات کو معیار بنا کر لوگوں کے مقامات کے تعین کی وبا عام ہو چکی ہے۔ حالاں کہ چاہیے یہ تھا کہ ان لوگوں کے مقامات کے عرفان کے ذریعہ ان سے ظاہر ہونے والے خوارق عادات کے مقام کو متعین کیا جاتا۔ خرق عادت تو کسی کے ایمان کی بھی دلیل نہیں پھر اسے کسی کے متقی ہونے کی دلیل کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ ہمارے ممدوح کی سب سے بڑی کرامت ہر حال میں شریعت پر اس کی استقامت ہے۔

وہ اسلام کا بطل جلیل اور استقامت کا ایسا جبل عظیم تھا کہ نازک سے نازک وقت میں بھی اس کے پیروں میں لغزش نہ آسکی۔

حضور مفتی اعظم کے ایک فتویٰ کی تصدیق فرماتے ہوئے ایک مرتبہ مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند نے صرف ایک جملہ تحریر فرمایا تھا اور وہ یہ ہے:

"هذا حكم العالم المطاع وما علينا الا الإتباع" "یہ ایک عالم مطاع کا حکم ہے اور ہمارے لیے اتباع کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔" کلام کی عظمت متکلم کی عظمت سے پہچانی جاتی ہے اگر یہ کسی ایسے ویسے کا کلام ہوتا تو اس لائق نہ ہوتا کہ اس پر کسی کلام کی بنیاد رکھی جائے مگر یہ اس کا کلام ہے جو صرف یہی نہیں کہ سید المتکلمین۔ سند المحققین، سرآمد علما و صوفیا، سراج خانوادۂ اشرفیہ تھا بلکہ خود حضور مفتی اعظم ہند کی بے پناہ عقیدت و محبت اور لازوال نیازمندیوں کا قبلہ و کعبہ تھا۔ میرا خیال ہے کہ آج تک حضور مفتی اعظم کا تعارف کراتے ہوئے جو کچھ لکھا گیا ہے اور آئندہ جو کچھ لکھا جائے گا ان سب کو اگر ایک پلڑے پر اور حضور محدث اعظم ہند کے قلم سے نکلے ہوئے اس فقرے کو دوسرے پلڑے پر رکھ دیا جائے تو اس کا وزن زیادہ ہوگا۔

ہم اس عظیم فرد کے فضل و کمال کا کیا تعارف کرا سکیں گے۔ جسے حضور محدث اعظم ہند جیسی شخصیت کی زبان بھی "عالم مطاع واجب الاتباع" قرار دے۔

یہ دلیل ہے کہ حضور مفتی اعظم کی اتباع عین اتباع رسول تھی ورنہ اسے محدث اعظم ہند جیسا فقیہ و محدث واجب قرار نہ دیتا۔ عشق رسول کے سمندر میں ڈوب کر زندگی بسر کرنے والے حضور مفتی اعظم کے لیے آل رسول فرزند بتول کی یہ عظیم شہادت کیا کچھ کم اہمیت رکھتی ہے۔ بریلی شریف کے افق سے اٹھنے والا یہ سحاب رحمت اٹھا اور اٹھتا ہی چلا گیا۔ بڑھا اور بڑھتا ہی چلا گیا۔ پھیلا اور پھیلتا ہی چلا گیا۔ برسا اور برستا ہی چلا گیا۔ دین و دیانت اور علم و دانش کی کھیتیاں سرسبز و شاداب ہو گئیں۔ امام احمد رضا کی آواز مفتی اعظم کی شکل میں ہند و بیرون ہند کے لاتعداد شہروں اور بے شمار قریوں میں پہنچی۔

وہ کنواں نہ تھے کہ لوگ وہاں جا کر پیاس بجھاتے وہ بادل تھے ہر جگہ خود ہی جا کر برس آتے۔ اپنوں پر برسے غیروں پر برسے، پہاڑوں پر برسے، وادیوں پر برسے، صحراؤں پر برسے، شہروں پر برسے، ایوانوں پر برسے، جھونپڑیوں پر برسے، یہی وجہ ہے کہ

جب وہ نگاہوں سے روپوش ہوئے تو دنیا چیخ پڑی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ۲۰ لاکھ انسانوں کا جم غفیر ہر طرف سے اکٹھا ہو گیا۔

حضور مفتی اعظم کی آخری خواہش تھی کہ میری نماز جنازہ آل رسول فرزند غوث اعظم پڑھائے۔ رب کریم نے اپنے فضل و کرم سے پوری فرمادی۔ اور فرزند غوث الثقلین، سجادہ نشین آستانہ عالیہ، اشرفیہ سرکار کلاں مولانا سید مختار اشرف اشرفی الجیلانی دامت برکاتہم العالیہ کو کچھوچھ شریف سے بریلی شریف پہنچا دیا۔ جس خدا کی رضا میں حضور مفتی اعظم ہند نے اپنی ساری زندگی گزار دی وہ خدا حضور مفتی اعظم کی رضا کی تکمیل کو اپنے ذمہ کرم میں کیوں نہ رکھتا؟ المختصر جس پہلو اور جس گوشے سے دیکھا جائے اس اعتراف کے بغیر چارہ کار نہیں کہ حضور مفتی اعظم کی ذات قدسی صفات پر رب کریم کی بے حد نوازشیں تھیں۔ اس کا فضل خاص ہمیشہ ان پر سایہ فگن رہا۔ اور خدائے تعالیٰ نے انھیں مخصوص انعام والوں میں رکھا جن کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔

سیدھے راستے کی تلاش میں سرگرداں رہنے والو! آؤ صراط مستقیم کو حضور مفتی اعظم کی شکل و صورت میں دیکھ لو۔

قرآن کریم کے اَلَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں حضور مفتی اعظم کو داخل فرما کر رب کریم نے انھیں جو عظمت و رفعت بخشی ہے اس کا اظہار ناممکن ہے۔

حالت سفر میں قلم برداشتہ یہ چند سطریں تحریر کر دی ہیں کہ حضور قبلہ گاہی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ ناز میں عجز و نیاز لٹاتے والوں کی فہرست میں میرا بھی نام آجائے۔ اب آخر میں اس مصرع پر اپنی تضمین پیش کر کے بات ختم کر رہا ہوں جو مصرع حضور مفتی اعظم کے عرس چہلم کے موقع پر ہونے والے مشاعرہ کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔

نور احمد کا رخ پاک پہ ہالہ ہوگا
روز و شب مرقد نوری میں اجالا ہوگا

☆☆☆

حضور مفتی اعظم اور عظمتِ سادات کرام

علامہ سید کمیل اشرف اشرفی الجیلانی (مدظلہ العالی)
سجادہ نشین خانقاہ حضور مخدوم ثانی (رحمۃ اللہ علیہ)، درگاہ کچھوچھہ شریف

حضور مفتی اعظم کی خاک ساری وفروتنی :

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت شان کے بیان کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ان کے امتیازات وخصوصیات ذہن انسانی کو بہت بلندی تک پہنچادیتے ہیں۔وہ بلند پایہ عالم دین، فاضل جلیل، دنیا بھر کے مانے ہوئے مفتی اعظم اور امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے فرزند بلند اقبال ہونے کے باوجود نہایت منکسر المزاج، متواضع واقع ہوئے تھے۔وہ اپنی تواضع اور فروتنی میں اتنی دور نکل جاتے تھے کہ اس کا تصور بھی عام انسانوں کے لیے بہت حیرت افزا ہوتا تھا۔مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے طالب علمی کا آخری دور تھا۔میں رمضان المبارک کی تعطیل کلاں میں کچھوچھہ شریف آیا۔پھر کچھ ایام گزار کر بمبئی آیا تو مجھے معلوم ہوا کہ مرحوم احمد میاں احمد مرچنٹ حضور مفتی اعظم کو اپنے مکان "چٹائی بلڈنگ" میں خصوصی دعوت دے کر لے گئے ہیں۔وہاں میرے برادر خورد سید حسین اشرف موجود تھے۔مغرب کا وقت ہوا تو نماز کے لیے صفیں قائم ہوگئیں۔ظاہر ہے کہ سب لوگوں کو یہی اشتیاق تھا کہ آج ہم سب حضور مفتی اعظم کی اقتدا میں نماز ادا کریں گے۔لوگ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے کہ حضور مفتی اعظم کب مصلیٰ امامت پر تشریف لاتے ہیں اور سب کی تمناؤں کو پوری کرتے ہیں۔لیکن حیرت انگیز کلمات طیبات آپ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوئے۔آپ نے ارشاد فرمایا کہ آج ہم سب سید حسین اشرف کی اقتدا میں نماز ادا کریں گے، ہمارا اشرفی شہزادہ موجود ہے، وہ نماز پڑھائے گا۔نمازیوں کے ازدحام میں کتنے عالم وفاضل رہے ہوں گے اور کتنے سن رسیدہ بزرگ اور کتنے دین دار اور پرہیزگار لوگ امامت کے لائق پائے جارہے تھے، لیکن نظر انتخاب حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی جواں سال اشرفی شہزادہ پر پڑی، اس نے اگرچہ پیہم انکار کیا، تاہم وہ اصرار کے باعث حضور مفتی اعظم کے حکم پر نماز پڑھانے کے لیے راضی ہوگئے۔یعنی سید اشرف میاں نے فریضۂ امامت ادا کیا۔حضور مفتی اعظم کے اس عمل وکردار نے نہ صرف یہ واضح کیا کہ آپ سادات کرام کا کتنا احترام کررہے تھے، بل کہ اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوئی کہ آپ خاک ساری اور فروتنی کے ایک پیکرِ مجسم تھے۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے ارادت مند اور سلسلۂ اشرفیہ سے وابستہ حضرات اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ خاندان رسالت کے ساتھ ان کی وارفتگی ونیاز مندی کتنی گہری تھی، وہ ان کی عقیدت ومحبت کا جلوہ دیکھ کر محظوظ ہورہے تھے۔سید حسین اشرف

میاں کی امامت کی تفصیل مجھ کو سلسلۂ رضویہ کے ایک ارادت مند شخصیت حاجی اسمٰعیل جانی (ناظم اعلیٰ دار العلوم امام احمد رضا رتنا گیری) سے معلوم ہوئی، کیوں کہ اس وقت وہ اس مجمع میں موجود تھے، اور انھوں نے بھی سید حسین اشرف کی اقتدا میں نماز ادا کی تھی۔

علمی شخصیت سے بہت متاثر ہوا:

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے کتنی مرتبہ میری ملاقات ہوئی ہے اور ان کی زیارت سے میں کتنی بار مشرف ہوا ہوں، اس کے بیان کے لیے مجھے اپنے عہد طالب علمی سے تاہنوز تقریباً پچاس سالہ زندگی پر غور وخوض کرنا پڑے گا۔ میری پہلی ملاقات زمانۂ طالب علمی میں ہوئی تھی، جب دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اس وقت مجھے ایک جلسہ میں صید پور جانا ہوا، وہ جلسہ اپنی نوعیت کا ایک عظیم الشان اجلاس تھا۔ حضور محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سارے اکابر علماے کرام جلوہ افروز تھے۔ دوسرے دن جلسہ کے اختتام کے بعد میں صید پور کے ریلوے اسٹیشن پر آیا تقریباً دس بجے دن کا وقت تھا۔ ٹرین بنارس سے گورکھ پور جانے والی تھی، مجھے اس ٹرین سے اتر کر مبارک پور اپنے مدرسے میں پہنچنا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ٹرین میں تھرڈ کلاس کے ڈبے لگتے تھے۔ میں نے سکنڈ کلاس کا ٹکٹ لیا۔ تھوڑی دیر انتظار کے بعد ٹرین آئی تو اس میں جا کر بیٹھ گیا۔ ڈبے میں داخل ہو کر مسافروں پر ایک نگاہ ڈالی، میرے نگاہ کپارٹ منٹ کی آخری سیٹ پر پڑی، دیکھا کہ ایک بزرگ عمامہ باندھے تشریف فرما ہیں، چہرہ روشن وتابناک تھا، اس سے ولایت کے آثار نظر آ رہے تھے پیشانی سے نورانی شعائیں جھلک رہی تھیں۔ میں انتہائی محویت کے عالم میں اپنی سیٹ پر بیٹھا ہوا ٹکٹکی باندھ کر اس پاکیزہ ہستی کو دیکھ رہا تھا، تھوڑی دیر بعد میں گردن جھکا کر سوچنے لگا کہ یہ کون سی بزرگ شخصیت ہے؟ میں ابھی اس کشمکش وپیچ میں مبتلا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ خود ہی میری طرف بڑی تمکنت ووقار کے ساتھ خراماں خراماں تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے ادبا کھڑے ہو کر سلام کیا، انھوں نے جواب دیا، میرے اندر یہ ہمت وجرأت نہیں تھی کہ میں دریافت کرتا کہ آپ کہاں سے آ رہے ہیں اور کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ حضرت نے خود ہی مجھ سے دریافت کیا کہ صاحب زادے! آپ کہاں سے آ رہے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ یہاں سے قریب صید پور جلسہ میں گیا تھا، اب میں اپنے مدرسہ اشرفیہ مبارک پور جا رہا ہوں۔ حضرت نے پھر مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کا کیا نام ہے؟ میں نے کہا لوگ مجھے سید کمیل اشرف کہتے ہیں، نام سننا تھا کہ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوم لیا، از راہ محبت وعقیدت میں نے بھی حضرت کے دست مبارک کا بوسہ لیا اور بے اختیار میری زبان سے نکلا کہ آپ کا اسم گرامی کیا ہے؟ حضرت مفتی اعظم نے مشفقانہ انداز میں فرمایا کہ میرا نام مصطفیٰ رضا خان ہے۔ میری زبان سے برجستہ نکلا کہ حضور آپ مفتی اعظم ہیں۔ پھر میرے اوپر کرم فرمائی کے لیے میرے پاس ہی تشریف فرما ہوئے اور کچھوچھہ مقدسہ کے بارے میں اور خاندان اشرفیہ کے بزرگوں کے سلسلے میں بہت کچھ انھوں نے دریافت کیا۔ ان کی [illegible] حالات مجھ سے پوچھتے رہے، میں اس عظیم شخصیت کی گفتگو سے بہت متاثر ہو رہا تھا، ان کا انداز بیان نہایت شگفتہ وشیریں تھا، ان کی بات بات سے شفقت ومحبت ٹپک رہی تھی، میں نے ہمت وجرأت کر کے عرض کیا کہ حضرت والا آپ مبارک پور تشریف لے چلیں، اس وقت آپ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں گھوسی جا رہا ہوں، دو دن کے بعد دار العلوم اشرفیہ مبارک پور آؤں گا، وہاں حافظ ملت اور اساتذۂ کرام کو ہمارا سلام کہنا، گفتگو ہوتی رہی، یہاں تک کہ مئو اسٹیشن آ گیا، میں نے حضرت کی دست بوسی کی اور آپ نے کمال شفقت کے ساتھ سینہ سے چمٹا لیا اور دعائیں دیں، پھر جب میں مبارک پور پہنچا تو حضرت استاذ مکرم حضور حافظ ملت کو اپنی روداد سفر سنائی اور یہ بھی بتایا کہ حضور مفتی اعظم دو دن کے بعد اشرفیہ مبارک پور تشریف لانے والے ہیں۔ ہم سب بے چینی سے ان کی تشریف آوری کے منتظر رہے اور

حضور حافظِ ملت بھی منتظر تھے۔ وہ وقتِ سعید آیا کہ مبارک پور کی سرزمین پر حضور مفتی اعظم ہند کا قدم میمنت لزوم ہوا، طلبہ و اساتذہ نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا، مدرسہ میں داخل ہونے کے بعد حضور حافظِ ملت کی درس گاہ میں تشریف فرما ہوئے۔ چہرہ اتنا تاب ناک و روشن تھا کہ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اندھیرے میں اجالا ہو گیا، حافظِ ملت رحمۃ اللہ علیہ سے آپ انتہائی محبت و اپنائیت کی گفتگو فرماتے رہے اور انھیں اپنی دعاؤں سے بھی سرفراز فرمایا۔ اثنائے گفتگو حضور مفتی اعظم نے حضور حافظِ ملت سے فرمایا کہ آپ سید کمیل اشرف میاں کو بلوائیے، ٹرین میں ان سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ حضور حافظِ ملت عالمِ مسرت میں کھڑے ہوئے اور ایک طالب علم سے کہا، جلدی جاؤ اور سید کمیل اشرف میاں کو بلا کر لاؤ۔ میں اس وقت حضرت مولانا سلیمان صاحب بھاگل پوری رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ میں تھا، جب طالب علم نے مجھے اطلاع دی تو میں نہایت نیازمندی کے ساتھ حضرت حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی درس گاہ میں حضور مفتی اعظم کی ملاقات کے لیے حاضر ہوا، میں بڑھ کر حضرت کا ہاتھ چومنا چاہتا تھا، لیکن علمائے کرام کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ میں حضور مفتی اعظم کا ہاتھ چوم رہا ہوں اور حضور مفتی اعظم میرا ہاتھ چوم رہے ہیں، اس موقع پر حضرت حاضرین کو یہ درس دے رہے تھے کہ میں سید کمیل میاں کا احترام نہیں کر رہا ہوں بل کہ دراصل خاندانِ رسالت کا احترام کر رہا ہوں اور گویا وہ فرما رہے تھے کہ یہ میرے والد محترم حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی عقیدت و محبت کی بھرپور عکاسی ہے۔

ناناجان کی مدح وستائش :

میں دوسرے دن ناشتہ کے بعد حضور مفتی اعظم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور مجھے اجازت مرحمت فرمائیں، میں یہاں سے دہلی جا رہا ہوں، وہاں سے اجمیر شریف جاؤں گا، عرس میں شرکت کا ارادہ ہے۔ حضرت نے مجھے اپنے قریب بیٹھا لیا۔ کچھ دیر تک اکابرین کچھوچھہ شریف کی بابت مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ چوں کہ میرے پرنانا شبیہ غوث الاعظم سید المشائخ حضرت سید شاہ علی حسین صاحب الاشرفی الجیلانی علیہ الرحمہ (معروف بہ اشرفی میاں) سے حضرت کو والہانہ عقیدت و محبت تھی اس لیے حضرت نے خصوصیت سے میرے نانا جان شہنشاہِ خطابت، حضرت مولانا سید احمد اشرف رحمۃ اللہ علیہ کا دورانِ گفتگو تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ آپ کے نانا جان علیہ الرحمہ کی تقریر علمی نکات سے بھرپور ہوتی تھی اور اس میں روحانی فیض ہوتا تھا، سامعین عالمِ وجد میں آجاتے تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ نانا کے اندازِ خطابت کا یہ اثر ہوتا تھا کہ ارباب دانش حیرت زدہ ہو کر دل کی گہرائیوں سے باادب ہو کر یہ کہہ دیتے تھے کہ حضور آپ نہیں بول رہے ہیں، بل کہ آپ کی زبانِ مبارک میں کوئی اور بول رہا ہے۔ وہ انتہائی خوب صورت و خوش پوش تھے اور جس وقت اپنے خاندانی لباس جبہ و عمامہ میں رونقِ اسٹیج ہوتے تھے تو سارا مجمع ان کو نگاہِ عقیدت سے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا تھا اور لوگ مضطرب رہتے تھے کہ جلد سے جلد آپ کی خطابت کا آغاز ہو، آپ کا تبحرِ علمی اور چہرے کی چمک دمک سے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی روحانی شہنشاہ اور اولادِ رسول جلوہ فگن ہے۔ آپ اپنے والد حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ کی روحانیت اور وجاہت کے آئینہ تھے۔ اسی وجہ سے آپ کے والدِ محترم کے رخِ تاباں کو دیکھ کر امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے کمال محبت و عقیدت سے فرمایا کہ ۔

اشرفی اے رخت آئینۂ حسنِ خوباں
اے نظر کردۂ و پروردۂ سہ محبوباں

ان جملہ ہائے معترضہ سے حضرت مولانا سید احمد اشرف جیلانی یعنی میرے نانا جان علیہ الرحمۃ والرضوان کی عظیم شخصیت پر بھرپور

روشنی پڑ رہی ہے، اس لیے یہ کچھ طویل ہو گئے ہیں۔ میں یہ بیان کر رہا تھا کہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان اتنے متاثر تھے کہ نانا جان علیہ الرحمہ کے کمالِ علمی کو بیان فرماتے ہوئے مجھ کو یہ بتایا کہ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ہر کس و ناکس کی تقریر میں نہیں شریک ہوتے تھے، لیکن جب کبھی جب مولانا سید احمد اشرف علیہ الرحمہ کی تقریر ہوتی تھی تو عین تقریر کے وقت بڑے شوق و ذوق کے ساتھ زینت اسٹیج ہوتے تھے۔ اور اسی دوران گفتگو حضرت نے ہم سے فرمایا کہ حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کا دماغ ایک شہنشاہ کا شاہانہ دماغ ہے۔ بڑے سے بڑے پیچیدہ مسئلہ کو نہایت ہی خوب صورتی کے ساتھ حل فرماتے ہیں۔ اس موقع پر یہ بات بھی لائق توجہ ہے یا یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت مولانا سید احمد اشرف صاحب علیہ الرحمہ کی تقریر کا رنگ یہ ہوتا تھا کہ اکثر امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ کے اشعار کو پڑھتے تھے اور ان کی علمی باریکیوں کی طرف قرآن و حدیث کے دلائل سے روشنی ڈالتے تھے، جس کی وجہ سے آپ کی تقریر اتنی موثر ہوتی تھی کہ علمائے اسلام بالخصوص حضرت محدث بریلوی رضی اللہ عنہ سماعت فرما کر اس سے بے حد محظوظ ہوتے تھے اور صدائے آفرین و تحسین بلند فرماتے تھے۔

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانہ نور کا

میں نے حضور مفتی اعظم سے پہلی ملاقات کا واقعہ قدرے تفصیل سے بیان کیا کیوں کہ اس ملاقات میں حضرت نے اپنی کرم فرمائی سے مجھ کو اپنا ایسا گرویدہ بنا لیا تھا کہ ان کی ایک ایک ادا میرے نہاں خانۂ ذہن میں امتدادِ زمانہ کے باوجود اب تک موجود ہے۔ میں نہیں سوچ سکتا تھا کہ میرے اوپر اتنی کرم نوازی اور شفقت و عنایت ہوگی، لیکن مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ ٹرین کے سفر سے لے کر اشرفیہ میں تشریف آوری تک اپنی دعاؤں اور اپنے کلمات طیبات سے نوازتے رہے۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ میں تو دار العلوم اشرفیہ کا ایک طالب علم تھا اور اس ادارے میں بڑے ذہین و فطین طلبہ زیر تعلیم تھے، مگر میرے اوپر جو کرم فرمائی ہوئی اس کا سبب محض یہ نہیں تھا کہ میں ایک نو عمر طالب علم ہوتے ہوئے زمانۂ طالب علمی سے اپنے زورِ خطابت کے ذریعہ لوگوں کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا، بل کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ ایک جلیل القدر عالم دین ہوتے ہوئے خانوادۂ اشرفیہ سے اس کی سیادت کی بنا پر نہ صرف یہ کہ گہرا تعلق و ربط رکھتے تھے بل کہ غایت درجہ عقیدت و نیاز مندی ان کے قلب مبارک میں رچی بسی تھی۔ جب انھوں نے یہ دیکھا کہ میں اس خانوادۂ اشرفیہ کا ایک فرد ہوں اور میری عقیدت مندی کا اثر ان کے قلب مبارک پر ہوا تو فطری طور پر میرے اوپر حد سے زیادہ شفیق و مہربان ہوئے۔ یہ ان کی عظمت و بڑائی کی روشن دلیل ہے، ورنہ میں کہاں اور کہاں حضور مفتی اعظم، وہ دنیائے اسلام کے آفتاب تاباں تھے اور میں دار العلوم اشرفیہ کا ایک ادنیٰ طالب علم تھا۔ لیکن اس کے ساتھ مجھے یہ کہنے میں کوئی دریغ نہیں ہے کہ میں خانوادۂ اشرفیہ کا ایک فرزند ہوں۔

اس تفصیلی واقعہ سے یہ بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و بڑائی کا راز اس میں مضمر تھا کہ وہ اپنے لوگوں کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک رکھنے کے روادار تھے، اس میں چھوٹے بڑے، بوڑھے، جوان کا کوئی امتیاز نہیں پایا جاتا تھا اور وہ مادرِ علمی دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں بغیر کسی دعوت کے اپنا محبوب ادارہ سمجھ کر اور اس ادارہ کی علمی کارکردگی، اس کے طلبہ و اساتذہ کی محنت و جاں فشانی کو سن کر اس دار العلوم میں تشریف لائے اور اپنی مخصوص دعاؤں سے نوازا اور اپنے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے اس کو شرف عطا کیا، کیوں کہ ان کو اس بات کا اذعان کامل تھا کہ یہ ہندوستان کا ایک ایسا عظیم ادارہ ہے جو دین و سنیت کی نمایاں خدمت انجام دے رہا ہے، جس ادارہ کے طالب علم اپنے وعظ و تقریر اور اپنے زورِ بیاں سے عوام و خواص کے قلوب کو مسخر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس سے

حضور مفتی اعظم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔

الٹے بانس بریلی کو :

سطور بالا میں جس واقعہ کا بیان ہوا اور اس کے نکات کی طرف ناظرین کے ذہن کو متوجہ کیا گیا، وہ تاثیر سے بھرپور ہے، لیکن اس سے بڑھ کر میں ایک اور واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں جو صرف واقعہ ہی نہیں آئینۂ حقیقت ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے، جب میں دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں زیرِ تعلیم تھا، اس وقت میری خطابت کا ابتدائی دور تھا۔ ماہِ محرم الحرام میں ممبئی آیا، کئی سال سے آستانہ ماہم شریف پر عشرۂ محرم میں میری تقریر ہورہی تھی، حضور والد محترم کا قیام قاضی محلہ ممبئی میں تھا۔ آپ کی طبیعت سخت ناساز تھی اور ایک رات السر کا درد پیٹ میں ایسا اٹھا کہ رات بھر سو نہ سکے اور اسی حالت میں آپ نے نمازِ تہجد ادا کی، پھر نمازِ فجر کے بعد اپنے وظائف میں مشغول ہو گئے، وظیفہ کے بعد ان کی طبیعت ہم کو کچھ پُر سکون معلوم ہوئی، جب دل کو کسی حد تک اطمینان حاصل ہوا تو میں مدن پورہ غازی ملت حضرت مولانا محبوب علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لیے آیا اور یہیں یہ بات بھی ذہن نشیں کرلیں کہ اس سے ایک سال پہلے سفرِ حجاز میں خانوادۂ اشرفیہ کا ایک نورانی قافلہ حجِ بیت اللہ کی غرض سے کچھوچھہ مقدسہ سے روانہ ہوا اور اس قافلہ میں مریدین و معتقدین بھی شامل تھے اور خصوصیت سے لائقِ ذکر جو مبارک ہستیاں تھیں، اس میں حضور محدث اعظم مع اپنی اہلیہ، یعنی میری خالہ مرحومہ کے ساتھ اور میرے ماموں حضور سرکارِ کلاں اپنی اہلیہ یعنی میری ممانی کے ساتھ اور خود میرے والد محترم والدہ محترمہ کے ساتھ اور سید امجد حسین مرحوم میرے عزیز خاص اور بچوں میں صبیح حسین، میرے چھوٹے بھائی سید حسین اشرف اور ہاشمی میاں بھی شامل تھے۔ اس نورانی قافلہ کو ممبئی پہنچانے کے لیے مجاہد دوراں مولانا سید مظفر حسین رحمۃ اللہ ممبئی تشریف لائے۔ لیکن یہاں ان کے ٹکٹ کا انتظام ہو گیا اور وہ بھی حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ممبئی بندرگاہ سے اسلامی و محمدی جہاز روانہ ہوتے تھے۔ یہ قافلہ بحری جہاز محمدی سے ساحلِ جدہ کی طرف روانہ ہوا اور اس سفر میں حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ اثنائے سفرِ حجاز میں حضور والدِ محترم مخدوم ثانی سے حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی قربت رہی اور اس قربت کا نتیجہ یہ رہا کہ جب میں مدن پورہ غازی ملت حضرت مولانا محبوب علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لیے آیا اور ان سے گفتگو کا سلسلہ کافی دراز رہا، پھر جب سلام کر کے مسجد سے باہر نکلا تو کچھ لوگوں نے یہ بتایا کہ حضور مفتی اعظم اپنے کسی مرید کے یہاں تشریف فرما ہیں۔ ایک شخص کی رہنمائی میں حضرت کی قیام گاہ تک پہنچا۔ اس وقت آپ اپنے ارادت مندوں کے مجمع سے گھرے ہوئے تعویذ لکھنے میں مشغول تھے۔ میں نے نیازمندانہ اور عقیدت مندانہ سلام عرض کیا، حضرت نے نگاہ اوپر اٹھائی، مجھے دیکھا تو فوراً اپنے بازو میں بٹھالیا۔ تعویذ کے مکمل کرنے کے بعد سامنے بیٹھے ہوئے اپنے کسی ایک مرید کو لیا، پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آپ کے والدِ محترم کا مزاج شریف کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ رات بھر پیٹ میں السر کا شدید درد تھا، بڑی بے چینی رہی، اسی اضطرابی کیفیت کے ساتھ رات گزری، نمازِ فجر کے بعد تھوڑا سا سکون حاصل ہوا، حضرت والد صاحب کو پُر سکون دیکھ کر میں مدن پورہ چلا آیا اور آپ کی تشریف آوری کی خبر مجھے یہاں ملی، آپ سے شرفِ ملاقات کے لیے حاضر ہو گیا، اتنا سننے کے بعد حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ پھر تعویذ لکھنے میں مشغول ہو گئے۔ میرا ذہن اس بات کی طرف گیا کہ کسی مرید کے لیے تعویذ لکھ رہے ہیں۔ قلم آہستہ آہستہ چل رہا تھا، کافی دیر کے بعد ایک تعویذ لکھ کر بڑی خوب صورتی کے ساتھ موڑا، پھر کھلا ہوا تین تعویذ اپنے ہاتھ میں لیا اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد مجھ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ بریلی شریف میں ایک مثل مشہور ہے کہ ''الٹے بانس بریلی کو''۔

میں حیرت سے حضرت کا چہرہ دیکھ رہا تھا کہ اس جملے کا آخر کیا مطلب ہوسکتا ہے؟ حضرت کے چہرۂ مبارک پر مسکراہٹ تھی اور اس مسکراہٹ کے عالم میں فرمایا کہ سید کمیل میاں! مثل کا کیا مطلب سمجھے؟ میں نے عرض کیا کہ حضور ہی اس کی وضاحت فرمائیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ جب باہر سے بریلی میں بانس آتا ہے تو لوگ کہتے ہیں "الٹے بانس بریلی کو" یہ تو خود ہی بانس بریلی ہے، یہاں بانس کی کثرت ہے، یہ کیسے باہر سے آگیا؟ یہ فرما کر اشارتاً ارشاد فرمایا کہ کچھوچھہ مقدسہ خود ہی روحانیت کا مرکز ہے، وہاں کے بزرگوں کے روحانی فیض کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے، وہاں کی دعا و تعویذ سے لوگ مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ ان حضرات میں سے آپ کے والدِ محترم بھی ہیں، آج ان کی علالت طبع کی بنا پر میں ان کو تعویذ دے رہا ہوں۔ حالاں کہ خود ان کی روحانیت کا فیض ہمہ وقت جاری رہتا ہے، اس لیے میری طرف سے ان کو تعویذ دینے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ تاہم جس طرح سے ضرورت کے تقاضے کے مطابق بریلی میں بانس کی کثرت ہوتے ہوئے بھی بانس باہر سے آجاتا ہے، اسی طرح میں آپ کے والد صاحب کے لیے تعویذ بھیج رہا ہوں۔ پھر فرمایا، یہ تعویذ آپ کے والدِ محترم کے لیے لکھا ہے۔ اس میں تین تعویذ پینے کا ہے اور ایک تعویذ گلے میں باندھنے کے لیے ہے، میرا اسلام عرض کرنا اور یہ تعویذ دے دینا۔ اب سمجھے "الٹے بانس بریلی کو"!

جو کچھ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے بڑے ادب کے ساتھ حضور مخدوم ثانی کی بارگاہ میں عرض کیا اور ساتھ ہی تعویذ بھی پیش کیا اور جب حضور مفتی اعظم کے جملے کو دہرایا تو اس وقت حضرت مخدوم ثانی علیہ الرحمہ کے چہرے پر مسکراہٹ کے آثار تھے حضور مفتی اعظم کو دعائیں دیں اور بڑی دیر تک ان کا تذکرۂ جمیل کرتے رہے، پھر ارشاد فرمایا کہ اس تعویذ سے بوئے محبت آتی ہے، اس تعویذ کو حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے خلوص و محبت نے اور ہی زیادہ پُر اثر بنا دیا ہے، میں حضرت مفتی صاحب کے ارشاد و حکم پر ضرور ضرور عمل کروں گا۔

لیکن کسی شخص کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ جب حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو اس مثل کے ذریعہ یہ ثابت کرنا تھا کہ جس طرح بانس بریلی میں نہیں جانا چاہیے، اسی طرح کچھوچھہ مقدسہ کے کسی بزرگ کے لیے تعویذ کی کیا ضرورت؟ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ایک طبیب جسمانی بھی دوسرے طبیب جسمانی کی مدد کرتا ہے، ٹھیک اسی طرح ایک بزرگ ہستی دوسرے بزرگ کی اپنی دعا و تعویذ جسمانی علاج میں مدد کرنے کے علاوہ اپنے خلوص و محبت کا اظہار فرماتا ہے، جس سے باہمی خوش گوار روابط کا ثبوت ملتا ہے، اس لیے اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو کسی بزرگ ہستی کے خلاف شان ہو۔ البتہ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اس عمل سے یہ احساس ضرور پیدا ہوا کہ حضرت مخدوم ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ان کے فرزند یعنی میرے توسط سے تعویذ کا ارسال کرنا (جب کہ وہ دعا و تعویذ میں خود ایک مقام رکھتے تھے) ان کی کشادہ دلی اور خلوص و محبت کا بین ثبوت ہے، بل کہ روشن دلیل ہے۔

مفتی اعظم کا زہد وتقویٰ

بحرالعلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی مصباحی
سابق شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

انسانوں میں پائی جانے والی خوبیوں کی دو بنیادی قسمیں ہیں۔(۱) ذاتی (۲) اضافی۔

آدمی کی اضافی خوبیوں سے ہماری مراد وہ بڑائیاں ہیں جو کسی فرد کو کسی دوسری بڑی چیز سے رشتہ اور علاقہ کی بنیاد پر حاصل ہوں۔ مثلاً زید بہت بڑا آدمی ہے اس لیے کہ ایک بہت بڑے آدمی کا لڑکا ہے۔ عمر ایک بہت اونچا انسان ہے اس لیے کہ وہ ایک عالی خاندان کا فرد ہے۔ بکر ایک گریٹ جنٹلمین ہے اس لیے کہ وہ ایک فیس جگہ کا رہنے والا ہے۔

الغرض وہ ساری خوبیاں جو خود انسان میں نہ ہوں بل کہ کسی بڑی سوسائٹی کا فرد، یا بڑے مقام کا باشندہ ہونے یا بڑے آدمی کے رشتہ ناتہ کے ذریعہ آدمی کو بڑا بناتی ہوں، وہ ہمارے نزدیک اضافی خوبی ہے۔

ہر چند کہ یہ خوبی انسان کی اصلی خوبی نہیں شمار کی جاتی۔ چناں چہ شعرا نے اس کی مذمت کی، حضرت سعدی فرماتے ہیں

ہنر بنما گر داری نہ جوہر　　　　گل از خارست وابراہیم از آزر

"تم میں کوئی خوبی اور کمال ہو تو دکھاؤ، تم اپنے حسب ونسب کی بڑائی نہ شمار کراؤ۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ پھول کانٹوں کے ہجوم میں مسکراتا ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام آذر بت پرست کے گھر میں ہوئے۔"

اور حدیث پاک میں اسی پر تنقید کی گئی۔

من ابطأبه عمله لم يسرع به نسبه۔ (مشکوۃ شریف ص ۳۳ کتاب العلم) "جس آدمی کو اس کا عمل ست کر دے اس کو اس کا خاندان آگے نہیں بڑھا سکتا، بل کہ خود قرآن عظیم میں بھی بڑائی اور بزرگی کا معیار نسب کو نہیں قرار دیا گیا۔ بل کہ اصلی اور ذاتی خوبیوں کو ہی کرامت کا معیار قرار دیا گیا۔"

ارشاد ربانی ہے: اِنَّا جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْباً وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ (سورہ حجرات ۴۹/۱۳)
ہم نے تم کو مختلف خاندانوں میں باہمی امتیاز کے لیے اور تعارف کی خاطر بانٹا۔ اللہ کے نزدیک سب سے بزرگ وہی جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرے۔

مگر اضافی خوبی کی یہ ساری تنقید اسی صورت میں ہے کہ آدمی صرف اضافی خوبیوں پر ہی اترائے ذاتی خوبیاں اس کے پاس کچھ نہ ہوں۔ ورنہ ذاتی خوبیوں کے ساتھ مل کر یہ اضافی خوبی بھی حسن وزیبائش کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ایک دفعہ صحابہ نے آپ سے عرض کیا۔

من اکرم الناس یارسول الله صلى الله عليه وسلم...... یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بزرگ کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاکرم الناس یوسف نبی الله بن نبی الله ابن نبی الله ابن خلیل الله۔
(بخاری شریف، حدیث۔ ۳۳۷۴، احادیث کتاب الانبیاء، دار الکتاب العربی، بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام سب سے بزرگ ہیں کہ خود نبی ان کے باپ نبی ان کے دادا نبی اور پر دادا تو ابراہیم خلیل اللہ۔"

ایک دفعہ خود اپنا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ان اللہ اصطفی کنانة من ولد اسماعیل واصطفی قریشا من کنانة و من قریش بنی هاشم واصطفانی من بنی هاشم۔
(مشکوٰۃ المصابیح ص۔۵۱۱ باب فضائل سید المرسلین، الفصل الاول، مجلس البرکات مبارک پور۔م)

اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل میں سے قبیلہ بنو کنانہ کو منتخب فرمایا اور بنو کنانہ میں سے قریش کے خاندان کا انتخاب کیا اور قریش میں بنو ہاشم کو اعزاز بخشا اور ان میں مجھ کو نبی مصطفیٰ اور حبیب رب السما بنایا۔"

یہ دونوں حدیثیں ببانگ دہل اعلان کر رہی ہیں کہ نسبی فضیلت اور خاندانی وجاہت بھی، باعث مدح وستائش اور سبب فضل وشرف ہے۔

ایک اور حدیث میں تو آپ نے خود اپنی ذات سے نسبی اور سببی علاقہ رکھنے والوں کی ایک غیر معمولی خوبی کا ذکر کیا۔ چناں چہ ارشاد ہے۔ کل نسب و سبب ینقطع یوم القیامة الا نسبی و صهری (کنز العمال، حدیث۔ ۳۱۹۱۵، بیت الافکار الدولیہ، الریاض) "تمام رشتے اور ناتے قیامت کے دن منقطع ہو جائیں گے میرے رشتے اور ناتے کے علاوہ۔

اور اسی علاقے پر مباہات کرتے ہوئے حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا۔

و بنت محمد خدنی و عرسی مسوط لحمها بدمی و لحمی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی میری ہم راز اور میری دلھن ہے میرا اور ان کا خون اور گوشت ایک دوسرے سے مخلوط ہو گیا ہے۔

الغرض انسان کی اضافی خوبی بھی قابل لحاظ خوبیوں میں سے ہے، جب کہ وہ ذاتی محاسن سے عاری نہ ہو۔ پھر ذاتی محاسن کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وہبی (۲) کسبی

وہبی خوبیوں کے دائرے میں وہ محاسن آتے ہیں جن کے حصول میں خود انسان کی اپنی کدوکاوش اور جدوجہد کو اتنا دخل نہیں ہو۔ جیسے رنگ وروغن کی خوشنمائی قد وقامت کی دلربائی، اعضا کی موزونیت اور شخصیت کی دل کشی اور کسبی خوبیوں کی تو ایک لمبی فہرست ہے جنھیں ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، ہر شخص انھیں جانتا پہچانتا ہے۔

اور یہ دونوں خوبیاں فی الحقیقت ایسی ہیں جو انسان کے فضل وشرف کا معیار ہیں اور جن کی بدولت ایک کم حیثیت آدمی بھی اوج ثریا تک بلند پروازی کر سکتا ہے۔ بل کہ شہرت کے اعلیٰ مدارج تک پہنچتا ہے۔ اس میں بھی آخر الذکر کو اول الذکر پر غیر معمولی فضیلت حاصل ہے۔

بریلی کے غیر مسلموں کی زبان میں بڑے مولانا صاحب اور پورے ہندوستان کے سنیوں کی زبان پر مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی انھیں غیر معمولی انسانوں میں سے ہیں جنھیں قدرت نے اصلی اور اضافی وہبی اور کسبی، سبھی قسم کی غیر معمولی خوبیوں سے بڑی فیاضی کے ساتھ نوازا تھا۔

اضافی خوبیاں: سب سے پہلے میں آپ کی اضافی خوبیوں کا ایک شمہ بیان کرتا ہوں۔ آپ کے والد ماجد مجدد مائۃ رابعہ عشر حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان صاحب قدس سرہ العزیز انسانی شکل وصورت میں آیۃ من آیات اللہ (اللہ کی نشانیوں میں سے ایک

نشانی) تھے۔ انھوں نے اپنی زبان کی لافانی تسخیری قوت، اپنی تحریر کا بے مثال زور اور اس کی غیر معمولی تاثیر روح اور اپنے بیکراں علم کا خزانہ عامرہ استعمال کر کے، بل کہ اپنی ذات کی تمام توانائیاں نچوڑ کر اسلام کے رخ زیبا پر جمی ہوئی صدیوں کی گرد صاف کی، جس کے نتیجے میں اسلام کا حسن فطرت نئی آب و تاب کے ساتھ دنیا کے سامنے جلوہ گر ہوا اور اسی وجہ سے اہل حق نے آپ کو مجدد گردانا اور اہل زیغ نے بدعتی کہا، یہ ان کی نگاہوں کا قصور اور طرز ادا کی خرابی تھی ورنہ انھوں نے بھی وہی دیکھا جو ساری دنیا کے حق پرستوں کو نظر آیا اور جسے حدیث مبارک میں بیان کیا گیا۔

ان الله عزوجل يبعث لهذه الامة على راس كل مائة سنة من يجدد لها دينها (ابوداؤد، مشكوة مع مرآة ص ٤١٢) ان الله تعالىٰ يبعث على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها

بے شک اللہ تعالیٰ ہر صدی میں ایک مجدد مبعوث فرماتا ہے، جو دین کو نئی آب و تاب دیتا ہے۔

آپ کے دادا حضرت مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وقت کے امام اور اہل دل صوفیوں کے سرخیل تھے۔ صاحب تصانیف کثیرہ اور حق پرست خوش عقیدہ مسلمانوں کے سالار کارواں تھے۔ مولوی رحمان علی صاحب اپنی کتاب تذکرہ علماے ہند میں فرماتے ہیں۔

"ذہن ثاقب ورائے صائب داشت، خداے تعالیٰ وے را بعقل معاد و معاش ممتاز اقران آفریدہ بود۔ علاوہ شجاعت جبلی بصفت سخاوت و تواضع و استغنا موصوف بود۔ و عمر گران مایۂ خود باشاعت سنت و ازالۂ بدعت بسر برد۔"

"آپ تیز ذہن اور درست رائے رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں معاد و معاش کی دانش وری میں اپنے زمانہ والوں سے ممتاز بنایا تھا۔ ان میں فطری شجاعت کے ساتھ سخاوت، تواضع اور بے نیازی بھی تھی۔ اپنی پوری عمر سنت کی حمایت اور بدعت کی نکایت میں بسر کی۔"

آپ کے دادا رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ عارف کامل اور خدا رسیدہ بزرگ تھے، سالکان راہ جذب اور رہ روان راہ سلوک دونوں ہی آپ کی عظمت و سیادت کے معترف تھے۔ چہرہ دیکھ کر نوشتہ تقدیر پڑھ لیتے اور حال کے آئینے میں مستقبل کی تصویر دیکھ لیتے۔ مجدد مأۃ رابع عشر حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کو ولادت کے بعد آپ کی گود میں رکھا گیا۔ دیکھ کر خوش ہوئے اور فرمایا، میرا یہ بیٹا بہت بڑا عالم دین ہوگا۔

الغرض جہاں تک آپ کے نسب کا سلسلہ تاریخ کی روشنی میں ہے۔ سلسلہ کا ہر فرد گل سرسبد اور ہار کی ہر لڑی واسطۃ القلادہ ہے لیکن اوپر پانچویں پشت میں حضرت محمد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے کیوں کہ انھوں نے بھی دولت و ثروت کو لات مار کر زہد و تقویٰ اختیار فرمایا۔ اور ایک حکمران خاندان آپ ہی کی ہمت اور اولوالعزمی سے علم و عرفان کی راہوں پر چل پڑا۔ خود یہ بھی سلطان شاہ محمد خان کے وزیر اور ان کے والد سعادت یار خان وزیر مالیات، اور دادا حضرت سعید اللہ خاں صاحب ملقب بہ شجاعت جنگ بہادر منصب ششش ہزاری پر فائز تھے۔ اور یہی وہ بزرگ ہیں جو قندھار سے ہندوستان تشریف لائے۔ جن کی وجہ سے چودھویں صدی میں تجدید و احیاے دین کی دولت ہندوستان کے حصے میں آئی۔

پس آبا و اجداد کی شرافت و کرامت اگر کسی انسان کی عظمت میں چار چاند لگاتی ہو تو حضور مفتی اعظم کو یہ حق پہنچتا ہے کہ کہیں

اولئك آبائي فجئني بمثلهم　　　اذا جمعتنا يا جرير المجامع

یہ ہمارے آباے کرام ہیں۔ اے جریر اگر قوموں کی بھیڑ میں تمھیں کوئی ان کا مثل مل سکے تو لاؤ۔

وہبی خوبیاں : اس عنوان کے تحت میں سخت الجھن میں ہوں کہ قارئین پر اپنا مافی الضمیر کس طرح ظاہر کروں۔ کیوں کہ

قامت کی دلکشی، ناک نقشہ اور چہرہ مہرہ کی دلربائی، رنگ و روغن کے حسن، اعضا کی موزونیت، عادات و اطوار کی لطافت اور شخصیت کی دل آویزی کے بارے میں، اگر کسی جوان العمر انسان کا ذکر کیا جائے تو بات قرین قیاس ہے۔ لیکن یہاں ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جو عمر کی اسی منزلیں طے کر چکا تھا۔ سارے بال سفید ہو گئے تھے۔ قامت کا وہ تناؤ جو جوانی کے ساتھ مخصوص ہے ختم ہو چکا تھا اور جسم کی کھال کہیں کہیں سکڑی معلوم ہوتی تھی ان سب کے باوجود حال یہ تھا کہ جس راستے سے گزر جائیں، دیکھنے والوں کی بھیڑ لگ جائے۔ جس محفل میں بیٹھ جائیں، لوگ ٹکٹکی باندھکر دیکھتے رہ جائیں۔ جس سے مصافحہ کر لیں وہ اسے اپنی سعادت تصور کرے۔

یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب آپ بیمار چل رہے تھے۔ ضعف و نقاہت کی وجہ سے آپ نے باہر کا سفر اور گھر کا دربار عام دونوں ہی موقوف کر دیا تھا اور تھوڑی دیر کا بیٹھنا بھی آپ پر بار تھا۔ عرس رضوی کے موقع پر لوگ بڑی جدوجہد کے ساتھ حضرت کو سہارا دے کر تھوڑی دیر کے لیے مجلس قل میں لائے۔ اختتام قل کے بعد مصافحہ کے لیے جو انسانوں کا ریلا چلا ہے تو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ بڑی مشکل سے لائن بنائی گئی۔ مگر جو آتا مصافحہ کے بعد دست بوسی اور دست بوسی کے بعد قدم بوسی، پھر قدم بوسی کے لیے جھکنے والے پر آپ کی ناگواری، اس کو ہاتھ سے روکنا اور استغفر اللہ استغفر اللہ پڑھنا۔ الغرض جو آتا ٹلنا نہیں چاہتا تھا۔ اور آپ کے قرب کی دولت کو نعمت ابدی تصور کرتا۔ لوگ اس درجہ خود غرض ہو گئے تھے کہ انھیں حضرت کی کمزوری اور تکلیف کا بھی مطلق خیال نہ رہ گیا تھا۔

میں نے حضرت کی غیر معمولی تکلیف کا خیال کر کے لوگوں کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر زبردستی حضرت کے سامنے سے ہٹانا شروع کیا۔ آپ نے دو ایک دفعہ ہاتھ میری طرف اٹھایا۔ مگر میں نے مطلب نہیں سمجھا تو مولانا رحمانی میاں صاحب نے فرمایا۔ سختی سے لوگوں کو نہ ہٹائیے وہ بھی اپنے جذبہ شوق سے مجبور ہیں۔ میں نے دل میں سوچا سبحان اللہ یہ لوگ حصول برکت کی دھن میں اندھے ہو گئے ہیں اور اپنے اظہار شوق سے حضرت کو غیر معمولی تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ یہ لوگ تو مارنے کے لائق ہیں۔ اور خود حضرت کا یہ حال ہے کہ ان کی دل شکنی نہ ہو اور ؎

انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

پھر دل ان کے اتباع سنت کے وقار سے معمور ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کا بھی یہی بیان ہے کہ خود تکلیف اٹھا لیتے ہیں لیکن دوسروں کی دل شکنی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ایک صاحب آپ بھی بیان فرماتے ہیں۔

ما رایت معلما قبله ولابعده احسن معلما منه فوالله ماكهرني ولاضربني ولاشتمني قال ان هذه الصلاة لايصلح فيها شئي من كلام الناس انما هو التسبيح والتكبير وقراءة القرآن۔

(مسلم شریف، حدیث۔ ۱۱۹۹ کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، دار الکتاب العربی، بیروت)

"ایک انجان اعرابی نے مسجد نبوی میں پیشاب کر ڈالا آپ نے نہ انھیں مارا نہ جھڑکا، نہ مسجد صاف کرنے کا انھیں حکم دیا بلکہ نرمی سے انھیں سمجھایا فرمایا۔ مسجدیں اس کام کے لیے نہیں اور صفائی کا دوسرے کو حکم دیا۔"

یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا گزارش یہ کرنی تھی، لوگوں کے اس جذبہ شوق اور وارفتگی کے سبب آپ کی شخصیت کی دل کشی کے علاوہ اور کیا تھا؟ ہو سکتا ہے یہاں کسی کو خیال ہو۔ مذکورہ بالا واقعہ میں جس رجوع عام اور اظہار شوق کا ذکر کیا گیا ہے اس کا سبب آپ کی شخصیت کی دلکشی نہیں، بلکہ روحانیت اور بزرگی ہے۔ تو میں گزارش کروں گا کہ میں یہاں جس دل کشی کا ذکر کر رہا ہوں اس میں بزرگی میں کوئی مناسبت نہیں۔ میں یہاں کسی جوان العمر شخصیت کی دل کشی کا ذکر بھی نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو ایک ایسی شخصیت کا ذکر کر رہا ہوں، جس میں یہ دل آویزی، یہ جمال اور یہ دل کشی اس کی روحانیت اور بزرگی ہی نے پیدا کی ہے۔

ان الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ (سورۂ مریم ۹۶/۱۹)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے اللہ پاک مخلوق کے دل میں ان کی محبت پیدا فرماتا ہے۔

پھر بھی میں ایک ایسا واقعہ ذکر کر رہا ہوں جس میں مذکورہ بالا شبہہ کی بھی گنجائش نہیں۔

ایک دفعہ کلکتہ سے واپسی پر ہوڑہ اسٹیشن پر حضرت کا ساتھ ہو گیا۔ کچھ لوگ پہنچانے کے لیے بھی آئے تھے۔ گاڑی میں ابھی دیر تھی اور بنچیں ساری بھر گئی تھیں۔ اس لیے زمین پر ہی حضرت کے لیے فرش بچھا دیا گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ سینکڑوں مسلموں اور غیر مسلموں نے آپ کو گھیر لیا۔ نہ کبھی کی دید نہ شنید، نہ تعارف مگر ہر انجان جاننے کی کوشش کر رہا ہے کہ کون بزرگ ہیں؟ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ کہاں آئے تھے اور کہاں جائیں گے؟

میں کہوں گا عرس کی تقریب میں تو اس قبول عام کی وجہ عقیدتمندوں اور مریدوں کی معرفت تھی۔ ہوڑہ اسٹیشن پر انجانوں میں اس قبول عام کا سبب آپ کی پرکشش شخصیت کے علاوہ اور کونسی چیز تھی۔ سراپا پر نظر پڑ گئی اور جم کر رہ گئی، قدم رک گئے اور دل بے اختیار کھنچنے لگے۔

کسی نے خوب کہا ہے۔

صداقت ہو تو دل سینے سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ　　　حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

خود میری وارفتگی اور گرویدگی کا سبب حضرت کا کوئی غیر معمولی علمی کارنامہ یا ان کی عظیم بزرگی اور خدا رسیدگی نہیں ہے۔ مجھے پہلے سے اتنا معلوم تھا کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ مگر جب دیکھا تو یہ ان کی شخصیت کی دل کشی ہی تھی جس نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ زندگی میں انھیں سینکڑوں بار دیکھا اور مختلف حالتوں میں دیکھا، مگر جب دیکھا جلال و وقار، حسن و دل کشی کا مرقع دیکھا اور جس حال میں دیکھا ان کی ہر ادا دل کو بھاتی رہی۔

"میں نے ان کو بیٹھ کر تعویذ لکھتے ہوئے دیکھا ہے اور بیشتر اوقات وہ تعویذ ہی لکھتے رہتے تھے۔ سر پر قیمتی بھاگل پوری عمامہ، جسم پر قیمتی چکن کا نہایت صاف کرتا، اس پر سنگھائی، پولسٹر یا قیمتی کپڑے کی رنگین صدری، گلے میں گلاب کے پھولوں کا خوش نما ہار، پیر میں علی گڑھی پجامہ، جو چھالٹی کا بھی ہوتا اور ٹیری کاٹ کا بھی، جتنا جسم کپڑے سے باہر ہوتا نہ چونے کی طرح سفید نہ گیہوں کی طرح سرخ بلکہ سفید گیہوں کی طرح دودھیا۔ اور چہرے پر ایک خاص قسم کی چمک (حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ کا بیان ہے کہ یہ چمک شب زندہ داروں اور تہجد گزاروں کی علامت ہے) بایاں زانو زمین پر رکھا ہوا اور دایاں کھڑا ہوا، اسی پر رکھ کر تعویذ لکھتے رہتے تھے۔ کاغذ پر تعویذ کے خانوں کی لکیر لوگ مسطر سے کھینچتے ہیں۔ آپ داہنے سے ہی بلا تکلف نہایت صاف سیدھی لکیریں بناتے تھے۔ کاغذ پھاڑنے کے لیے اس کو موڑنے اور نشان ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ تعویذ مکمل ہو گیا تو دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت کے اشارے سے اور بائیں ہاتھ سے کاغذ دبا کر، جہاں سے ضرورت ہو بقیہ کاغذ آہستہ آہستہ الگ کر لیا اور کاغذ کبھی بے قاعدہ یا غلط نہیں پھٹتا تھا۔

اب میں کیا عرض کروں؟ عمامہ شاندار نظر آتے یا بدوضع، عام طور پر لوگ عمامہ اہتمام سے ہی باندھتے ہیں مگر حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے کبھی بھی عمامہ اہتمام سے باندھتے نہیں دیکھا، باندھنے کی بجائے اس کو لپیٹنا کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ مگر زندگی میں کم لوگوں کو دیکھا جن کے سر پر عمامہ اتنا خوبصورت معلوم ہوتا ہو۔ معلوم ہوتا تھا کہ عمامہ کی وضع انھیں کے فرق اقدس کے لیے ہوئی ہے۔

یوں ہی علمائے کرام میں ایک سے ایک مرصع لباس پہننے والے ملے۔ ان کی بڑائی کی وجہ سے میں ان کے لباس پر خاموش رہا ہوں یہ اور بات ہے کہ لیکن دل میں ہمیشہ ناگواری ہی رہی اور سادہ پسندی کی وجہ سے اکثر و بیشتر علمائے کرام کا میں شاکی ہی رہا مگر اقرار کرتا ہوں کہ

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے لباس فاخرہ کو میں نے ہمیشہ مستثنیٰ قرار دیا اور دل نے ہر بار یہی فیصلہ دیا کہ جس کے جسم پر لباس ایسا پھبتا ہو اس کو بلاشبہ ہر عمر میں ایسا ہی لباس پہننے کا حق حاصل ہے۔ واللہ العظیم میں نے اتنا جامہ زیب انسان وہ بھی اتنا بوڑھا دیکھا ہی نہیں۔

مالا گلاب کی ہو یا گیندے کی مجھے کبھی نہیں بھائی، اگر چہ خود بھی پہنا اور لوگوں کو بھی پہنے ہوئے دیکھا مگر حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ ان کے گلے میں سرخ گلاب کی مالا ایسا زیب دیتی تھی کہ بار بار جی چاہا کہ ایک مالا خرید کر میں بھی گلے میں ڈالدوں۔ پھولوں کے ہجوم میں آپ کا چہرہ خود ایک پھول نظر آتا تھا۔

میں نے ان کو چلتے ہوئے بھی دیکھا ہے: مذکورہ لباس پر دبیز پولسٹر چکن کی ایک نیچے دامن، پوری آستین، بنگلے گلے کی عبا کا اضافہ ہو جاتا۔ دائیں ہاتھ میں عصا اور بائیں کو موڑ کر اس میں ایک رومال دابے ہوئے رہتے۔ دور سے معلوم ہوتا ایک خوبصورت گلدستہ ہولے ہولے حرکت کر رہا ہے اس آہستگی اور نرمی سے زمین پر قدم رکھتے تھے کہ معلوم ہوتا پھول برس رہے ہیں۔ میں نے بار بار سوچا سبحان اللہ! زمین پر نرم قدم رکھ کر اور سر جھکا کر چلنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ جب اس سنت رسول کی نقل اتنی دل کش ہے تو صاحب سنت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل رفتار کس درجہ حسین و دل ربا رہی ہوگی؟

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

میں نے آپ کو دستر خوان پر کھاتے بھی دیکھا ہے: جبل پور میں حضرت مولانا برہان الحق زید مجدہم کے یہاں آپ مہمان تھے۔ دستر خوان نہایت مکلف اور وسیع تھا۔ اس علاقہ میں کڑھی بڑے اہتمام سے پکتی ہے جو اتفاق سے حضور مفتی اعظم کو بھی مرغوب تھی۔ دستر خوان پر وہ بھی سامنے رکھی ہے، آپ ہاتھ سے اس کی پلیٹ ذرا اور کھسکا رہے ہیں، اور فرماتے ہیں مجھے زکام ہوا ہے، یہ نقصان کرے گی، اور لوگ منت وسماجت کر رہے ہیں، نہیں حضور یہ تو زکام کو مفید ہے۔ اس سے زکام بہہ کر صاف ہو جاتا ہے۔ الغرض کافی عرض ومعروض کے بعد آپ نے اس سے تھوڑا شوق فرمایا۔ سرخ مرچوں اور لہسن کی چٹنی بھی آپ کو پسند تھی۔ روٹی کا چھلکا شوربے میں ڈبو کر اس طرح منہ میں رکھتے کہ ہاتھ کم سے کم حصہ آلودہ ہوتا۔ تین انگلیوں سے کھانے کا انداز مسنون ہے۔ یہ حدیثوں میں پڑھا تھا۔ لیکن حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر اس کی عملی مشق بھی فراہم ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ یہ ڈھنگ حسن ونفاست سے بھرپور اور آنکھوں کو بھی بھلا لگنے والا ہے۔

مختصر لقمہ منہ میں رکھ کر منہ بند کر کے دیر تک چباتے رہتے۔ ساتھ ہی سر کو بھی تھوڑی جنبش ہوتی رہتی۔ مجھے ان کے اس طرح سے چبانے کا انداز بھی بے حد بھلا لگتا اور ان کے ساتھ دستر خوان پر میں کام ودہن کی لذت کے ساتھ حسن نظارہ کا کیف بھی حاصل کرتا تھا۔

ایک دفعہ مئو اسٹیشن پر اپنے ساتھ کھانے پر بٹھالیا۔ میں اپنی عادت کے موافق لمبے لمبے ہاتھ مارنے لگا۔ اور حضرت اپنی عادت کے موافق تناول فرمانے لگے۔ تھوڑی دیر میں مجھے احساس ہوا کہ میں حضرت کے ساتھ کھانے کے لائق نہیں اور حسن وادب کے ساتھ کھانے کا سلیقہ بھی ایک فن ہے۔

ایک دفعہ آپ ٹرین میں سفر فرما رہے تھے۔ ڈبہ میں کسی غیر مسلم نے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا میاں کھانا دائیں ہاتھ سے کھاتے ہیں۔ اس نے جواب میں کہا بابا میں مسلمان نہیں۔ مطلب یہ کہ مسلمان ہوتا تو دائیں ہاتھ سے کھاتا کہ دائیں ہاتھ سے کھانا سنت ہے۔ آپ نے فرمایا، ارے میاں مسلمان نہیں ہو تو انسان تو ہو۔ سبحان اللہ کیا عمدہ ہدایت ہے کہ بائیں ہاتھ سے کھانا انسانیت کے بھی خلاف ہے۔

ایک دفعہ دعوت میں کھانے کے بعد کسی نے لائف بوائے صابن سے ہاتھ دھلانا شروع کیا۔ فرمانے لگے سبحان اللہ! کھانا کتنا عمدہ

کھلایا اور ہاتھ اتنے بدبودار صابن سے دھلایا۔ کھانے کے بعد کوئی خوشبودار صابن ہونا چاہیے۔

آپ کے کھانے کی نشست بھی عموماً ایک زانو موڑ کر اور دوسرا کھڑا کر کے ہوتی میں نے آپ کو چارزانو بیٹھے کبھی نہیں دیکھا۔ سفر میں چاہے کتنے روز گزر جائیں مشتبہ اور دوکان کے کھانے سے پرہیز کرتے۔ حقہ مسلسل نوش کرتے مگر ہر کش نہایت خوش گوار اور باسلیقہ ہوتا۔

الغرض آپ کا کھانا بھی حسن ونفاست اور خوشنمائی کا ایک خوشگوار عمل ہوتا اور جب آپ دسترخوان سے اٹھتے تو معلوم ہوتا کہ آپ نے کھانا نہیں کھایا ہے دسترخوان کو نوازا ہے۔

میں نے آپ کو بستر پر آرام کرتے بھی دیکھا ہے : پہلی بعیت میں عرس حشمتی کے موقع پر بعد قل مولانا مرحوم کے آنگن میں ہی حضرت کے لیے بستر لگا۔ میں نے دیکھا فی الوقت کوئی خادم نہیں ہے۔ تو تھوڑی دیر میں نے ہی پاؤں دبایا۔ آپ کے افعال متانت وآہستگی دیکھ کر یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ کا جسم بے حد ملائم اور نرم ہوگا۔ مصافحہ کے وقت ہاتھ کی نرمی سے بھی یہی اندازہ ہوتا تھا۔ لیکن مجھے حیرت ہوئی کہ آپ کی پنڈلیاں اور رانیں کافی سخت محسوس ہوئیں۔ داہنی کروٹ رخسار کے نیچے ہاتھ رکھ کر، اور پاؤں ذرا سمیٹ کر آرام کررہے تھے۔ سونے کے اس انداز کے بعد مجھے دوسرے تمام طریقوں پر تنقیدی نظر ڈالنی پڑی، اور اس کے مقابلے میں سب کو ہی رد کرنا پڑا۔ پٹ سونے کی تو حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے۔ چت ہاتھ پاؤں پھیلا کر سونے میں مردے کا گمان ہوتا ہے۔ حق یہ ہے کہ زندگی اور زندہ دلوں کا سونا وہی ہے جو سنت رسول ہے اور حضور مفتی اعظم جس پر کاربند تھے۔

آپ کی نماز کا منظر بھی دیکھنے کا ہوتا تھا : گھر سے آپ کے برآمد ہوتے ہی کئی آدمی آپ کے آگے پیچھے سے گھیر لیتے، اور مسجد کے دروازہ تک پہنچتے پہنچتے جو مشکل سے پچاس قدم کی دوری پر ہوگا، کسی کو دست بوسی کا شرف بخشتے۔ کسی کو مصافحہ سے نوازتے اور کسی کے سلام کا جواب دیتے۔ اتنے میں مسجد کے دروازے میں داخل ہو جاتے۔ نہایت متانت وآہستگی سے اللهم افتح لی ابواب رحمتك پڑھتے اور عمامہ اتار کر وضو کے لیے بیٹھ جاتے۔ جو شخص عام انسانوں کے سامنے کبھی بھی سر کھول کر نہ آیا ہو جس کو لوگوں نے علی العموم، تاج کرامت اور کلاہ عزت کے ساتھ دیکھا ہو اور جو مسجد میں ابھی ابھی اس شکوہ کے ساتھ داخل ہو۔ وہ اپنے رب کے حضور یوں ننگے سر ہو کر خادمانہ حاضر ہو، یہ دیکھ کر دوسروں میں بھی جذبۂ عبودیت مچلنے لگتا تھا۔ خادم ایک بڑے لوٹے میں نصف کے قریب پانی پاس لا کر رکھ دیتا اور آپ اسی متوضاء پر تشریف فرما ہوتے جہاں وضو کے لیے پائپ لگے ہوتے ہیں۔ پہلی بار جب میں نے یہ حالت دیکھی تو مجھے یہ طول عمل معلوم ہوا۔ لیکن دریافت سے معلوم ہوا کہ نل سے وضو کرنے میں پانی زیادہ ضائع ہوتا ہے اس لیے حضرت نل سے وضو پسند نہیں کرتے کہ وضو میں پانی کا ضائع کرنا اسراف ہے۔ میں نے پوچھا پانی کیوں آدھا لوٹا رکھا گیا تو معلوم ہوا کہ لوٹا بھر دیا جائے تو حضرت کے ہاتھ سے اٹھ نہ سکے گا۔ خیال ہوا کوئی دوسرا وضو کرا دیتا، دوسرے لمحہ خیال آیا وضو خود ہی کرنا مستحب ہے۔

سارے اعضا سنت کے موافق مکمل طور پر دھلتے۔ چہرہ دھلتے وقت البتہ دسیوں بار آنکھوں پر پانی کے چھینٹے دیتے چوں کہ کسی کے دل میں یہ خیال آ سکتا تھا کہ کہاں تو پانی کے استعمال میں وہ احتیاط اور کہاں یہ کشادہ دستی، دفع شبہ کے لیے خود ہی فرما دیتے۔ بار بار آنکھیں چپک جاتی ہیں یعنی آنکھ سے بطور مرض جو پانی نکلے ناقض وضو ہے۔ پورے وضو میں ادعیہ ماثورہ کی تلاوت پست آواز میں جاری رہتی۔

ارکان نماز کی ادائیگی میں تو معہود طریقہ ہی برتتے۔ لیکن خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ پوری نماز میں آپ کے وجود پر عبودیت کی شان اور بندگی کا جمال طاری رہتا تھا۔ دیکھنے والا دور سے ہی فیصلہ کر لیتا تھا کہ ایک مومن قانت نے اپنے مولا کی رضا جوئی کے لیے اپنے وجود کو عجز و درماندگی اور عرض والتماس کے سانچے میں ڈھال لیا ہے۔ وقوموا لله قانتين

آخری اوقات میں جب ضعف و نقاہت میں بے حد اضافہ ہو گیا تھا اور بیٹھے رہنے میں بھی تکلیف ہوتی تھی۔ یہ دیکھا گیا کہ مسجد میں جب تک بیٹھے ہیں مسلسل کراہ رہے ہیں۔ اٹھتے ہیں تو سہارا دیا جاتا ہے۔ بیٹھتے ہیں تو سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ چلتے ہیں تو لوگ دونوں طرف سے سنبھالے رہتے ہیں۔ لیکن جیسے ہی تکبیر شروع ہوئی ایسی چستی کے ساتھ کھڑے ہو جاتے جیسے کوئی تکلیف ہی نہ ہو۔ پوری نماز قیام و رکوع کے ساتھ نہایت تندہی اور مستعدی کے ساتھ ادا کرتے اور اُف تک کی صدا لب تک نہ آتی۔ جیسے قیام و قعود اور رکوع و سجود کی مشقتیں خشیت الٰہی اور خوف ربانی میں تحلیل ہو گئی ہوں کہ ارشاد الٰہی ہے۔

وانها لكبيرة الا على الخاشعين ۔ (سورۂ بقرہ ۲/۴۵) بے شک نماز سخت بوجھل اور گراں ہے مگر اللہ کے خوف سے ڈرنے والوں کے لیے۔

یا یوں کہیے کہ ساری کلفتیں راحت و آرام میں بدل گئیں کہ ارشاد نبوی ہے۔

قرة عيني في الصلوٰة ۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا چین نماز ہے۔

ہماری مذکورہ بالا تحریر کا مقصد یہ تھا کہ علم و فضل و تقویٰ و طہارت اور دیگر اخلاق فاضلہ سے قطع نظر خود آپ کی ذات بابرکات بھی اتنی پرکشش تھی کہ بے اختیار دل مائل ہونے لگتے، آنکھیں فرط عقیدت سے جھکنے لگتیں اور روح کی دنیا مسخر ہونے لگتی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات مبارک پر تسخیر قلوب و اطاعت اذہان اور محبوبیت عیون و ابصار کی خلعت فاخرہ ڈال رکھی تھی۔ اس سلسلے کی ایک اور خاص بات جس کو میں نے نوٹ کیا اور جو آپ میں اور شموگہ کے ایک بزرگ حضرت درویش بابا میں، میں نے مشترک دیکھی یہ تھی کہ اخیر عمر میں جب جسم گھل کر بالکل ہاڑ رہ گیا تھا۔ اس وقت بھی چہرہ پر گوشت اور نہایت بارونق تھا۔ چہرہ دیکھ کر کوئی یہ اندازہ ہی نہیں لگا سکتا تھا کہ اندر سے یہ اس درجہ دبلے ہوں گے۔ حضرت درویش کو تو میں بار بار دیکھ چکا تھا۔ لیکن حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو اس طرح دیکھنے کا زندگی میں صرف ایک بار موقع ملا۔ جب ایک دفعہ بغل بنوانے کے لیے لوگوں نے جسم سے کپڑا اٹھایا تو مجھے شدید احساس ہوا کہ چہرے اور جسم کے اس تفاوت کی خصوصیت حضرت میں بھی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ تسخیر خلائق اور شخصیت کی دلکشی کا جوہر بھی روحانیت کی برکت اور قربت خدا اور رسول کا ہی ثمرہ ہے۔

کسبی محاسن : حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے کسبی کمالات کے لیے تو ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ وہ ایک بہت بڑے عالم تھے۔ سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ متعدد دینی کتابوں کے بالغ نظر مصنف تھے، اہل دل صوفی اور باکمال بزرگ تھے، بل کہ میرے نزدیک معمولات ذکر و فکر میں ان کی ایک مجتہدانہ شان تھی، وعظ و تقریر نہیں فرماتے تھے، لیکن لوگوں کی رشد و ہدایت کے لیے ان کے چند جملے لمبی لمبی تقریروں پر بھاری تھے۔ داد و دہش اور بذل و عطا میں شاہانہ انداز تھا۔ مدتوں مدرسہ مظہر اسلام ان کے ذاتی صرفہ سے چلتا رہا۔ انھوں نے ہزاروں مقدمات کا منصفانہ فیصلہ فرمایا۔ مختصر یہ کہ آپ کی کسبی خصوصیات سے متعلق اسی طرح کے بیسیوں عنوان ہیں اور ہر عنوان قلم سے اپنے حق کا مطالبہ کر رہا ہے۔ مگر اس مختصر مضمون میں ان سب کی گنجائش کہاں۔ میں اس وقت صرف اتباع شرع و متابعت سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں چند مثالیں پیش کر رہا ہوں۔

(۱) جمعہ کے دن مصلیوں کی گردن پھلانگ کر آگے جانے والوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک وعید ہے۔

من تخطى رقاب الناس يوم الجمعة اتخذ جسرا الى جهنم (مشکوٰۃ شریف، حدیث۔ ۱۳۹۲ دار الفکر، بیروت) "جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگیں، اس نے جہنم کی طرف پل بنایا۔

اس فرمان والاشان کے بموجب شریعت اسلامیہ کا یہ حکم ہے کہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں مصلیوں کی گردن پھلانگ کر آگے جانا شرعاً ممنوع اور معصیت ہے۔ہاں اگلی صف والوں نے جگہ چھوڑ رکھی ہو تو اسے پُر کرنے کے لیے آگے جایا جاسکتا ہے کہ صف پُر کیے بغیر پیچھے بیٹھ کر ان لوگوں نے اپنی حرمت خود ضائع کی۔

اس شرعی مسئلہ کو مدنظر رکھ کر مندرجہ ذیل واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

۳۰، ۳۵ سال پہلے کی بات ہے کہ اشرفیہ کے سابق ناظم الحاج محمد عمر صاحب مرحوم کے خلف الصدق حضرت مولانا نثار احمد صاحب غالباً پہلی بار مبارک پور میں حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو لائے اور آپ کی یہ تشریف آوری بالکل نجی اور بغیر کسی سابقہ اطلاع کے صرف شخصی دعوت پر ہوئی، اس لیے عوام اہل سنت تو کیا، اشرفیہ کے لوگوں کو بھی اس کی پیشگی خبر نہ ہو سکی۔ دن جمعہ کا تھا، جمعہ کے وقت مولانا نثار احمد صاحب حضرت کو لے کر اس وقت پہنچے کہ مسجد بھر چکی تھی، موسم گرمی کے تھے اس لیے مصلیوں کی آخری صفیں دھوپ سے بچنے کے لیے بالکل مسجد سے ملی جلی مسجد کی پوربی دیوار کے سایہ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

حضرت کرتا پائجامہ اور غالباً زرد رنگ کی صدری اور دو پلی ٹوپی اوڑھے ہوئے تشریف لائے، گرمی سے بچنے کے لیے تولیہ سر پر ڈال رکھا تھا۔

آج سے لگ بھگ تیس پینتیس سال قبل اہل مبارک پور کے دل میں، علما و مشائخ کی جو قدر و منزلت تھی، ادھر حضرت کا پرنور چہرہ اور دلکش شخصیت پھر ساتھ میں مولانا نثار احمد لوگوں نے دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا کہ کوئی بڑے عالم دین ہیں، اچھے بزرگ ہیں، اور ادھر ادھر کھسک کر آگے جانے کے لیے آپ کو راستہ دینے لگے کیوں کہ مسجد میں علما کے ساتھ ان کے احترام عقیدت کا یہی معمول تھا۔ لیکن حضور مفتی اعظم دھوپ میں ہی تولیہ بچھا کر سب سے پیچھے بیٹھ گئے اصرار کے باوجود آگے نہیں بڑھے۔ یہ سارا واقعہ ادھر بھی ہو رہا تھا جدھر میں تھا۔ نماز کے بعد میں نے معلوم کرنا چاہا یہ کون بزرگ تھے تو معلوم ہوا کہ مفتی اعظم ہند!

غالباً یہ میری پہلی زیارت تھی، دل نے فیصلہ کیا سبحان اللہ! مسئلہ ہم لوگ بھی پڑھتے ہیں لیکن صرف پڑھنے کے لیے اور یہ اللہ والے پڑھتے ہیں تو عمل کرنے کے لیے۔

آپ کے اس عمل میں اتباع شریعت کے ساتھ احیاے سنت بھی پائی جا رہی ہے۔ کہ لوگ آج کل اس سے غافل ہیں، اور مسجد میں لوگوں کی گردنیں پھلانگنے میں کوئی خوف نہیں محسوس کرتے۔

(۲) گزشتہ صفحات میں ہم نے ایک حدیث نقل کی کہ مسجد امور دنیا کے لیے نہیں ہے۔ اسی حدیث کی روشنی میں حضرات علماے شرع نے مسجد میں کھانے پینے اور سونے، تجارت وغیرہ امور دنیا سے منع فرمایا صرف معتکف کو اجازت ہے، وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ مسجد آلودہ نہ ہو۔ اسی لیے یہ مستحب ہے کہ آدمی مسجد میں جب بھی داخل ہو اعتکاف کی نیت کرے اور کچھ ذکر الٰہی میں مصروف رہے۔ اگر بہ ضرورت کچھ کھانا پڑے تو معتکف ہونے کی وجہ سے اس کی اباحت ہوگی۔

مسئلہ شرعی ذہن نشین کر لینے کے بعد حضرت کی احتیاط شرعی ملاحظہ ہو۔

ایک دفعہ بریلی حاضری ہوئی۔ اور رات میں قیام کا اتفاق پڑا۔ شہر کے کسی حصہ میں میلاد شریف کی تقریر تھی۔ حضرت کے ساتھ میں بھی شریک جلسہ ہوا جلسہ میلاد ایک مسجد میں تھا اور نہایت مختصر سامعین تھے۔

مجمع کم ہو یا زیادہ میرا بارہا کا یہ تجربہ ہے کہ جس جلسے میں حضور مفتی اعظم یا حضور حافظ ملت ہوں وہ جلسہ بے حد پر کیف ہو جاتا تھا۔ تقریر خوب جمتی تھی اور مقرر اور سامع دونوں ہی کافی محظوظ ہوتے تھے۔

چنان چہ اس جلسہ میں بھی روایت خوانی کے بعد میں نے تقریر شروع کی۔ مختصر تعداد کے باوجود جلسہ بے حد پر کیف اور کامیاب رہا اور آپ حسب معمول جلسہ میں آنکھیں بند کیے تشریف فرما رہے۔ کوئی خاص مقام آتا تو آنکھیں کھول کر مقرر کو دیکھ لیتے اور جب بہت تاثر ہوتا تو آنکھیں بھیگ جاتیں اور ڈبڈبائی نظروں سے دیر تک مقرر کو تکتے رہتے۔

ختم وعظ کے بعد صاحب مجلس نے حاضرین کی چائے سے تواضع کی حضرت نے چائے کی پیالی ہاتھ میں لے کر ارشاد فرمایا ہم نے مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کر لی تھی جس نے نہ کی ہو اب کر لے کہ مسجد میں غیر معتکف کو کھانا پینا منع ہے۔

بادی النظر میں یہ معمولی ادب ہے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو جو شخص شریعت کے کسی ادنیٰ درجہ کے ادب پر بھی اس شدت کے ساتھ مواظبت فرمائے۔ دیگر احکام شرعیہ کی بجا آوری میں اس کا کیا حال ہوگا۔ ساتھ ہی اس واقعہ سے رفع شبہ اور ہدایت خلق کے اہتمام کا بھی پتہ چلتا ہے۔

(۳) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے، جس سے مسلمانوں کی حقیقی شان اور ان کے داعی حق ہونے کے منصب کا اظہار ہوتا ہے۔

من رای منکم منکراً فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه وان لم یستطع فبقلبه وذلك اضعف الایمان.

(کنزالعمال، حدیث۔ ۵۵۲۴، بیت الافکار الدولیہ، الریاض)

تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے، اگر ہاتھ سے بدلنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کی برائی بیان کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

اور اسی امر کو قرآن عظیم نے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (سورۂ آل عمران ۹/ ۱۱۰)

"تم لوگ بہترین امت ہو جو انسانوں کے لیے بنائے گئے ہو تاکہ لوگوں کو نیکی کا حکم دو اور برائیوں سے روکو۔"

مگر اسلام میں جتنی اس کی تاکید ہے۔ عام لوگ اسی نسبت سے مداہنت اور زمانہ سازی میں بکثرت مبتلا ہیں۔ خاص خاص مردانِ حق اور خاصان خدا البتہ ہر زمانہ میں اس فرض منصبی پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ حدیث مبارک میں ایسے ہی لوگوں کی مدح فرمائی گئی ہے۔

لا یزال طائفة من امتی علی الحق ظاهرین لایضرهم من خالفهم حتیٰ یاتی امر الله.

(مسند امام احمد بن حنبل، حدیث۔ ۲۲۳۹۵، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

"میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا اور اس باب میں اسے کسی کے لعنت و ملامت کی پرواہ نہ ہوگی۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی | اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس وصف میں اپنے اہل زمانہ میں ممتاز مشار الیہ تھے چنانچہ ناممکن تھا کہ کوئی غلط بات حضرت کے سامنے ہو جائے اور حضرت اس کی اصلاح نہ فرمائیں۔

آپ کی مجلس میں تعویذ کے لیے مردوں اور عورتوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ لیکن کیا مجال کہ کسی عورت کا ہاتھ بھی بے پردہ ہو جائے جہاں کسی سے بداحتیاطی ہوئی، اور آپ کی ڈانٹ پڑی، لا الہ الا اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ، اری اپنا ہاتھ ڈھانک، بے غیرت۔ مجھ بڈھے کو اپنا ننگا ہاتھ دکھانے آئی ہے۔ اور پوری مجلس پر سناٹا چھا گیا اور سب نے اپنے کپڑے درست کر لیے۔

ایک دفعہ دو اپٹوڈیٹ اور بے پردہ مسلمان عورتیں ساری میں ملبوس کہیں دور سے تعویذ لینے کے لیے آئیں۔ آپ نے تعویذ لکھتے لکھتے نظر جو اٹھائی تو نگاہ ان پر پڑگئی، فوراً رخ پھیر لیا، اور سرنیچا کیے ہوئے لگ بھگ پندرہ منٹ تک ان کی سرزنش کرتے رہے۔ انداز کچھ نرم اور بے حد تحسر آمیز تھا۔ گویا انھیں دلی تکلیف پہونچی ہو، جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ کچھ اس طرح تھا۔ نہ اللہ و رسول کے حکم کا خوف، نہ اپنے طرز معاشرت کی پرواہ، نہ انجام کا خیال۔ اتنی دور سے تنہا عورتیں چلی آئیں، ساتھ میں کوئی محرم نہیں۔ اس پر ظلم یہ کہ بے پردہ، مزید ستم یہ کہ لباس بھی مسلمانوں کا نہیں۔ ٹرینوں میں حادثات ہوتے رہتے ہیں۔ ان پر کوئی زیادتی ہو تو مسلمان کیسے ان کی حمایت کریں، کسی حادثہ میں مرجائیں تو یہ کیسے پتہ چلے کہ مسلمان ہیں۔ خیال فرمائیے کہ نہ مٹی نہ جنازہ یونہی پھونک دی جائیں گی۔ یہ سب وبال اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کا۔ وہ عورتیں بے حد شرمسار اور جزبز ہوئیں، لیکن ان کے پاس پردے کا تو کوئی اہتمام تھا ہی نہیں کرتیں کیا؟

حضرات مقررین نے کبھی جوش بیان میں کبھی نقطۂ زبان سے اور کبھی لاعلمی اور جہالت سے (کہ آج کل تقریر کے لیے رسوخ علم ضروری نہیں رہ گیا ہے) دوران تقریر ایسے جملے صادر ہو جاتے ہیں جو شرعاً، عقلاً، یا زبان و بیان کے لحاظ سے قابل اعتراض ہوتے ہیں۔ اگر مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ اسٹیج پر ہیں تو کیا مجال ہے کہ کوئی مقرر ایسی بد احتیاطی کر کے گزر جائے، اور آپ امر بالمعروف نہ فرمائیں۔ کئی بڑے خطباء تو برسر منبر انھوں نے توبہ تک کرائی خود اپنی زندگی میں مجھے دو مرتبہ ایسی سرزنش سے پالا پڑا ہے۔ توبہ تک کی نوبت البتہ نہیں آئی۔

ضلع گیا کے جلسہ میں ایک بار آپ کے ساتھ شرکت کا اتفاق ہوا۔ رات میں تقریر کے دوران میں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں لفظ نور استعمال فرمایا۔" تقریر ختم ہوئی اور جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے ان کے فیض صحبت سے محفل بڑی پر کیف پر نور رہی۔ دوسرے دن ساتھ ہی گھوسی کے لیے واپسی ہوئی، راستہ میں بڑے خوش گوار ماحول میں باتیں ہوتی رہیں۔ اسی دوران آپ نے فرمایا" رات آپ نے تقریر میں اللہ کے لیے عمل کا لفظ استعمال فرمایا۔ اگر کہیں قرآن و حدیث میں یہ لفظ ذات باری کے لیے آیا ہو، تب تو اس کا بولنا صحیح ہوگا ورنہ نہیں۔ اس کی تحقیق کر لیجیے گا۔" آج پندرہ بیس سال ہو گئے اور میں اس سلسلہ میں غور کرتا رہتا ہوں مجھے تو کوئی ایسا محل استعمال نہ ملا۔

دوسری بار مغربی یوپی کے ہی کسی علاقہ میں تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا" بد نصیب مسلمان آج کل رات میں بارہ بجے تک سنیما دیکھتے ہیں اور دن میں بارہ بجے تک سوتے ہیں۔" اک بیک بازو سے میری طرف پوری طرح مخاطب ہو کر کہا نہایت بلند آواز میں، بے حد بیزاری کے ساتھ گویا مجھ پر پھٹ پڑے۔" مولانا! میں اس کو مان نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بد نصیب ہو۔ آپ اس کو بدنصیب نہ کہئے کچھ اور کہہ لیجیے، حق یہ ہے کہ جس امت کے نگہبان رسول عربی ہوں وہ بدقسمت کیسے ہو سکتی ہے۔

چہ غم دیوار امت را کہ دارد چوں تو پشتیبان　　　چہ باک از موج بحر آن را کہ دارد چوں تو کشتیبان

امت کی دیوار کو کیا غم جو تیرے جیسا سہارا رکھتی ہے اور طوفان نوح سے اس کو کیا خوف جو تیرے جیسا کھیون ہار رکھتی ہے۔

اور لسان و بیان کی اصلاح کا انداز بے حد دلچسپ اور پرلطف ہوتا تھا۔ ایک دفعہ لوگوں نے آپ کے سامنے کہنا شروع کیا۔ طوفان (ایکسپریس) ایک بجے آ رہا ہے۔ ایک بجے طوفان آ رہا ہے۔ کئی بار اس جملے کو سن چکے تو فرمایا" سبحان اللہ بولنے کا کیا انداز ہے۔ طوفان آ رہا ہے، طوفان آ رہا ہے میاں۔ کہنا ہی ہے تو یوں کہو۔ ایک بجے بریلی اسٹیشن سے طوفان گزر جائے گا۔" سبحان اللہ! بات وہی ہے لیکن پہلے جملے کا ظاہر بے حد بھیانک ہے اور دوسرے کا ظاہر و باطن یکساں خوش گوار تھوڑے سے تصرف نے قبح کو حسن بنا ڈالا۔

فتاویٰ رضویہ جلد سوم شائع ہوئی تو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے ایک نسخہ لے کر حاضر خدمت ہوا۔ خیال ہوا کہ اس کا پیش لفظ سنا دیا جائے پیش لفظ میں ایک جگہ حضور اعلیٰ حضرت کے غیر معمولی قوت حافظہ کے بارے میں تحریر تھا۔" حافظہ اس بلا کا تھا" پوری

زندگی ہم نے اس جملے کو بار بار مقام مدح ہی تھا۔ سن کر حضرت نے فرمایا "واہ واہ! آپ نے حضرت کے حافظے کی تعریف فرمائی ہے، یا آپ کی تنقیص کی ہے۔ آپ کا حافظہ بلا کا تھا، یہ بلا کون سی چیز ہے۔" تب مجھے احساس ہوا حضرت والا زبان و بیان کا بھی کس درجہ لطیف ذوق رکھتے تھے اور اس کی باریکیوں پر کیسی مہارت تامہ حاصل تھی!

الغرض آپ کی بارگاہ میں شرعی لغزش ہو یا اخلاقی ولسانی سب پر پوری دارو گیر ہوتی اور اعلان حق اور امر بالمعروف کا پورا پورا حق ادا کیا جاتا۔ اس ضمن میں یہاں جس خاص واقعہ کا ذکر کر رہا ہوں، وہ بھی ایک غیر معمولی وقوعہ ہے۔

حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک سچے مسلمان کے حوصلہ ایمانی کے ساتھ یکا و تنہا میدان عمل میں اتر پڑے تھے اور نئی تعمیرات کے سنگ بنیاد کے موقع پر ایک آل انڈیا تعلیمی کانفرنس کا اعلان فرما چکے تھے۔

کانفرنس ہوئی اور بے مثال ہوئی۔ اس میں از رو دین پروری حضور مفتی اعظم اور حضرت مولانا سید آل مصطفیٰ علیہ الرحمۃ بھی شریک ہوئے کچھ عقیدت مندوں نے اہل کچھوچھہ کے بائیکاٹ سے متاثر ہو کر اس خاندان کی دوسری شاخ (اہل بسکھاری) کے سجادہ نشیں معروف بہ بابو میاں کو شرکت کی دعوت دی تو وہ بھی شریک ہوئے۔

علمائے دیو بند کے خلاف علمائے عرب وعجم کے فتویٰ کفر سے ساری دنیا واقف ہے۔ اور اعلیٰ حضرت اور ان کے خاندان کو اس سلسلہ میں حق کی حمایت اور سچ کی جنبہ داری میں جو تقدم حاصل ہے وہ کسی کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ بابو میاں جن کے اجداد پر دیو بندیوں کی حمایت کا الزام تھا۔ اس جلسہ سنگ بنیاد میں شرکت کے موقع پر حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لیے دارالعلوم اشرفیہ کی نچلی منزل کے مغربی کمرہ میں آئے۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کو سلام کیا، مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا اور خود ہی تعارف کرایا ہوگا یا کسی نے بتایا ہوگا۔ یا پہلے سے ہی حضرت کو معلوم تھا۔ بہر حال حضرت نے نہ سلام کا جواب دیا نہ مصافحہ کیا۔ بلکہ فرمایا۔ صاحب آپ کے خاندان کے لوگ علمائے دیو بند کے حامی رہے ہیں اور ان پر علمائے عرب وعجم کے کفر کے فتوے ہیں۔ اگر آپ بھی اس روش میں ان کے ہی ہمراہ ہیں تو میں آپ سے کیسے سلام وکلام کر سکتا ہوں جب کہ حدیث شریف میں ایسے لوگوں سے قطع تعلق کا حکم آیا ہے؟

بابو میاں نے کہا حضور میں کبرائے دیو بند کی تکفیر میں ساری دنیا کے اہل اسلام کا ساتھی ہوں، چنان چنان چہ اسی وقت انھوں نے اس مضمون کی اپنی دستخطی تحریر مفتی اعظم کے حضور میں پیش کی۔

اس وقت لوگوں نے ایک عجیب وغریب منظر دیکھا حضور مفتی اعظم نے بابو میاں سے فرمایا۔ صاحبزادے آپ ذرا کھڑے ہو جائیں۔ نہ تو بابو میاں یہ سمجھے کہ کیوں یہ حکم ہو رہا ہے، نہ مجلس میں بیٹھنے والے ہی۔ مگر جب حکم پا کر بابو میاں کھڑے ہوئے تو حضور مفتی اعظم نے بآں شان وجلال، بآں عظمت وتقدس و بآں ریش سفید ورفعت پیری، ایک سبزہ آغاز نوجوان (بابو میاں) کا پیر دونوں ہاتھ سے پکڑ لیا۔ ڈبڈبائی آنکھیں ان کے چہرہ کی طرف اٹھا کر فرمایا۔ صاحبزادے ہم تو آپ کے غلام وخانہ زادے ہیں۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے آپ کے ہی جد کریم کا دیا ہوا ہے۔ ہم نے شروع میں جو کیا آپ کے ہی جد کریم کے حکم کی بجا آوری اور انھیں کے دین کا پرچم بلند کرنے کے لیے کیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ایک چاکر اپنے مالک کے پاؤں پکڑ کر اس سے معافی مانگ رہا ہے۔ اس وقت پورے مجمع پر رقت طاری تھی اور کھلی آنکھوں سے دنیا دیکھ رہی تھی کہ بلا شبہ حق وہدایت، اطاعت شرع واتباع سنت انھیں بزرگوں کے دم قدم سے ہے۔

درود ہو میرے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جنھوں نے فرمایا من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ جو برائی دیکھے اپنے ہاتھ سے اسے درست کرے اور سلام ہو حضور مفتی اعظم پر کہ آپ نے سرکار کے اس حکم پر پوری زندگی عمل کر کے شاہراہ حق قائم فرما دی۔

کیا کیا کہوں تجھے!

شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی (علیہ الرحمۃ)
سابق صدر مفتی دارالافتا، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے ٹاٹا نگر سے آدمی بھیجا کہ میں ''رفاقت'' کا مفتی اعظم نمبر نکالنا چاہتا ہوں۔ اس لیے سب کام چھوڑ چھاڑ کرتم ضرور بالضرور کچھ لکھ دو۔ مگر قاصد اس وقت آیا کہ میں ایک دینی کام کے لیے بکن پور ضلع اٹاوہ کے لیے گھر سے نکل چکا تھا۔ دو دن کے بعد واپس ہوا تو بھی قاصد سر پر سوار تھا۔ مگر اس کا میرے اوپر کوئی اثر نہ ہوا اور میں نے مصلحت انگیز خفگی کے ساتھ قاصد کو واپس کر دیا۔ بعد میں ہوش آیا کہ قاصد کو تو واپس کر دیا مگر علامہ سے بچ کر کہاں رہوں گا؟ سوچا کہ کچھ لکھوں؟ مگر جب بھی لکھنے کے لیے دماغ کو متوجہ کرتا اور حضرت مفتی اعظم کا تصور جمیل ذہن میں آتا تو نہ پھر دماغ میں سوچنے کی تاب رہتی نہ ہاتھ میں قلم پکڑنے کی۔ یا اللہ! یہ کیا ہو گیا، جس سے میری ہی نہیں، سارے اہل سنت کی زندگی تھی وہ ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا۔

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت میں ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

مگر کاش کہ قیامت قائم ہو جاتی تو پھر کا ہے کو رونا تھا، جس ناکارے غلام کو اپنی آغوش میں پالا تھا، اسے قیامت میں اپنے سے دور رکھیں گے؟ یہ ان کی شان کریمی سے بعید ہے، مگر قیامت یہ ہے کہ ابھی قیامت ہی نہیں قائم ہوئی۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ بار بار اس کیفیت کے طاری ہونے کے بعد جب اعصاب عادی ہو گئے تو دماغ میں یہ ہلچل برپا ہوئی کہ کیا لکھوں کیا نہ لکھوں؟ جس جامع کمال ہستی کے فضائل کے ابواب کی فہرست بھی تیار کرنی مشکل ہے اس کے حالات سپرد قلم کرنے کے لیے کہاں سے الفاظ لاؤں جو سمندر کو کوزے میں بند کر سکیں۔

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار　　　گل چیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

اپنے احباب سے مشورہ کیا۔ سب نے اپنے ذوق کے مطابق رہنمائی کی۔ اور بات اس کش مکش میں رہ گئی۔ کل جی میں آیا کہ علامہ کو لکھ دوں بس میری طرف سے یہ شعر شائع فرما دیں۔

کہہ لے گی سب کچھ ان کے ثناخواں کی خامشی　　　چپ ہو رہا ہے کہہ کے کہ کیا کیا کہوں تجھے

پھر احباب نے فہمائش کی۔ نہیں، کچھ نہ کچھ لکھنا ضرور پڑے گا۔ آخر کار یہ طے پایا کہ اس پہلو پر روشنی ڈالی جائے کہ حضرت مفتی اعظم، مفتی اعظم کیوں تھے؟ اس کا جواب بہت آسان دو جملوں میں ہی کافی تھا، جب وصال کی خبر پر تجہیز و تکفین میں شرکت کے لیے لاکھوں لاکھ افراد کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بریلی شریف میں امنڈ آیا تو بریلی کے ہندوؤں نے اپنے الفاظ میں کہا:

''ہم لوگ جانتے تھے کہ بڑے مولوی صاحب صرف بریلی کے مولویوں میں سب سے بڑے تھے، اب معلوم ہوا کہ پورے ہندوستان کے مولویوں سے بڑے تھے۔

الفضل ما شهدت به الاعداء

مگر یہ اجمالی جواب ہے۔ تھوڑی تفصیل ضروری ہے۔ کہا جاتا ہے اس زمانہ میں مفتی وہی ہے جو کتب فقہ سے مسائل کے احکام نکال سکے، کتب فقہ میں جزئیات بکثرت مذکور ہیں۔ کسی جزئیہ کو کتابوں سے نقل کر دینا کوئی اہم کام نہیں، ایسے بزرگوں سے گزارش ہے کہ دارالافتا کا قلم دان سنبھالیں تو معلوم ہوگا کہ جسے آپ شیر مادر سمجھ رہے ہیں، یہ شیر مادر نہیں جوئے شیر لانے سے ہزاروں درجے سخت تر کام ہے۔ پھر ہمیشہ وہی سوالات نہیں کیے جاتے، جن کے جوابات کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ مفتی کے سامنے جدید وقائع و حوادث کے بارے میں سوالات آتے رہتے ہیں، جن کے بارے میں صراحۃً کتب فقہ میں کوئی حکم نہیں ملتا۔ مفتی وہ ہے جو ان جدید وقائع وحواث کے بارے میں ان کے نظائر کو سامنے رکھ کر عبارات فقہ کی عبارۃ النص، دلالۃ النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص و دیگر مدلولات سے حکم شرعی بیان کرے۔ مفتی ناقل ہوتے ہوئے مستنبط بھی ہوتا ہے۔ اور استنباط کتنا مشکل کام ہے، اسے وہی جانتا ہے جو یہ کام کرتا ہے۔

حضرت مفتی اعظم مفتی تھے اور مفتی اعظم تھے، یہ ہر شبہہ سے بالاتر ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ان کو خود منصب افتا تفویض فرمایا تھا۔ ہوا یہ کہ فتاویٰ رضویہ کی قلمی جلد بیٹھک میں رکھی رہتی تھی۔ اعلیٰ حضرت کچھ مسائل وہاں حاضر رہنے والے علما کو لکھنے کے لیے دے دیتے، وہ لوگ فتاویٰ رضویہ سے دیکھ کر حکم نقل کر دیتے۔ ایک دن حضور مفتی اعظم جب بیٹھک میں تشریف لے گئے تو دیکھا، ایک صاحب فتاویٰ رضویہ دیکھ رہے ہیں، اور ایک کاغذ نیچے رکھا ہے، دریافت کرنے پر بتایا کہ ایک مسئلہ لکھنا ہے۔ حضرت مفتی اعظم نے (ان کے ساتھ جو بے تکلفی تھی اس کے پیش نظر) ان سے فرمایا: یہ کیا کمال ہے کہ فتاویٰ رضویہ سے دیکھ کر نقل کر دیا۔ خود فقہ کی کتابوں سے اس کا حکم دیکھ کر لکھیے۔ انھوں نے بھی اسی انداز میں جواب دیا، تو لیجیے آپ ہی لکھیے۔ مفتی اعظم نے سوال لیا۔ یہ رضاعت کا کوئی پیچیدہ مسئلہ تھا۔ (خود حضرت نے یہ مسئلہ مجھے بتایا تھا مگر اس وقت یاد نہیں آتا) حضرت مفتی اعظم نے وہاں جو کتابیں تھیں، ان کو دیکھ کر اس کا حکم لکھا، تائید میں عبارتیں لکھیں اور لکھ کر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھجوا دیا۔ اعلیٰ حضرت نے خط پہچان لیا۔ دریافت فرمایا کس نے دیا ہے؟ لے جانے والے نے بتایا کہ چھوٹے میاں نے۔ (گھر میں لوگ آپ کو چھوٹے میاں ہی کہتے تھے) اعلیٰ حضرت نے طلب فرمایا۔ مفتی اعظم حاضر ہوئے دیکھا کہ اعلیٰ حضرت باغ باغ ہیں، پیشانی اقدس پر بشاشت سے کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ فرمایا: اس پر دستخط کرو۔ دستخط کروانے کے بعد اعلیٰ حضرت نے الجواب صحیح جیسا اور کوئی جملہ لکھ کر اپنا دستخط ثبت فرمایا، اور پانچ روپے انعام عطا فرمائے۔ فرمایا: تمھاری مہر بنوا دیتا ہوں۔ اب فتویٰ لکھا کرو۔ اپنا رجسٹر بنالو۔ اس میں نقل بھی کیا کرو۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے دست مبارک سے مہر کا خاکہ تیار فرمایا اور کنیت اور لقب لکھا اور مہر کن کے حوالے کیا۔ جب مہر بن کے آگئی تو بلا کر عطا فرمائی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے بھی پہلا فتویٰ رضاعت ہی کا لکھا تھا اور ان کے آئینہ جمال وکمال حضرت مفتی اعظم نے بھی پہلا مسئلہ رضاعت ہی کا لکھا۔ خاص بات یہ ہے کہ اس پہلے فتویٰ پر اعلیٰ حضرت نے ایک لفظ گھٹایا نہ ایک لفظ بڑھایا، نہ کوئی اصلاح کی۔ پہلا فتویٰ ہی حضرت مفتی اعظم نے ایسا صحیح اور مکمل لکھا کہ کہیں اس میں انگلی رکھنے کی جگہ نہ تھی۔

آغاز کا جب یہ عالم ہے انجام کا عالم کیا ہوگا

اعلیٰ حضرت نے اپنی حیات طیبہ میں سیکڑوں مسائل لکھوائے۔ اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد آپ کے آستانہ پر آنے والے ہزار ہا ہزار مسائل لکھنے والے صرف دو تھے۔ ایک حضرت مفتی اعظم، دوسرے حضرت صدر الشریعہ۔ حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ اگرچہ حضرت مفتی اعظم کے استاد تھے اور خود زبردست مفتی تھے، مگر مسائل ان دونوں حضرات کے یہاں ارسال فرما دیتے۔ بہت کم ایسا اتفاق ہوتا کہ

خود کوئی فتویٰ تحریر فرماتے، اور جب حضرت صدر الشریعہ اجمیر شریف چلے گئے تو تنہا مفتی اعظم آستانے پر آنے والے تمام مسائل کو لکھا کرتے۔ اس زمانے میں لوگ دین دار، آج کی بہ نسبت بہت زیادہ تھے۔ ہر معاملے میں حکم شرعی دریافت کرتے تھے اور دینی مدارس وہ بھی اہل سنت کے، بہت ہی کم تھے۔ آج بحمدہ تعالیٰ بہ کثرت ہیں اور تقریباً ہر مدرسے میں دار الافتا ہے۔ اب اندازہ لگائیں کہ حضرت مفتی اعظم کتنے مسائل لکھتے رہے ہوں گے؟ پھر فتویٰ کی شان وہ تھی، مفتی اعظم کا قلم ہے اور مضمون اعلیٰ حضرت کا۔ اس وقت ملک کے طول وعرض میں بہت سے مفتی تھے۔ کسی کے یہاں وہ جامعیت جو مفتی اعظم کے فتویٰ میں تھی نہیں ملتی، اور نہ ملے گی۔ گیارہ سال تین ماہ خدمت میں حاضر رہا۔ اس مدت میں چوبیس ہزار مسائل لکھے ہیں، جن میں کم از کم دس ہزار وہ ہیں جن پر حضرت مفتی اعظم کی تصحیح وتصدیق ہے۔ عالم یہ ہوتا کہ دن بھر تو کہاں بعد مغرب بھی دو دو گھنٹے تک حاجت مندوں کی بھیڑ رہتی۔ یہ حاجت مند خوش خبری لے کر نہیں آتے۔ سب اپنا اپنا دکھڑا سناتے، غم آگیں واقعات سننے کے بعد دل ودماغ کا کیا حال ہوتا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ اتنے طویل عرصے تک اس غم آفریں ماحول سے فارغ ہو کر بعد عشا پھر تشریف رکھتے اور میں اپنے لکھے ہوئے مسائل سناتا۔ میں گھساپٹا نہیں، بہت سوچ سمجھ کر جانچ تول کر مسئلہ لکھتا مگر واہ رے مفتی اعظم! اگر کہیں ذرا بھی غلطی ہے، یا لوچ ہے، یا بے ربطی ہے، یا تعبیر غیر مناسب ہے، یا سوال کے مطابق جواب میں کمی بیشی ہے، یا کہیں سے کوئی غلط فہمی کا ذرا بھی اندیشہ ہے، فوراً اس پر تنبیہ فرمادیتے اور مناسب اصلاح۔ تنقید آسان ہے مگر اصلاح دشوار۔ جو لکھا گیا ہے وہ نہیں ہونا چاہیے، اس کو کوئی بھی ذہین نقاد کہہ سکتا ہے مگر اس کو بدل کر کیا لکھا جائے؟ یہ جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ مگر ستر سالہ مفتی اعظم کا دماغ اور علم ایسا جوان تھا کہ تنقید کے بعد فوراً اصلاح فرمادیتے اور ایسی اصلاح کہ پھر قلم ٹوٹ کر رہ جاتا۔

کبھی ایسے جاں فزا تبسم کے ساتھ کہ قربان ہونے کا جذبہ حد اضطرار کو پہنچ جائے، کبھی ایسے جلال کے ساتھ کہ اعصاب جواب دے جائیں، مگر اس جلال کو کون سا نام دیں جس کے بعد مخاطب کی جرأت رندانہ اور بڑھ جاتی۔ کیا کیجیے گا اگر جلال سے مرعوب ہو کر چپ رہتے تو اور جلال بڑھتا رہتا، یہاں تک کہ مخاطب کو عرض ومعروض کرنا ہی پڑتا۔ یہ جلال وہ جلال تھا کہ جو اس کا مورد بنا کندن ہو گیا۔

یہ مجلس آدھی رات سے پہلے کبھی ختم نہ ہوتی۔ بارہارات کے دو بج جاتے اور رمضان شریف میں سحری کا وقت تو روز ہو جاتا۔

بارہا ایسا ہوتا کہ حکم کی تائید میں کوئی عبارت نہ ملتی تو میں اپنی صواب دید سے حکم لکھ دیتا، کبھی دور دراز کی عبارت سے تائید لاتا، مگر مفتی اعظم ان کتابوں کی عبارتیں جو دار الافتا میں نہ تھیں، زبانی لکھوادیتے۔ میں حیران رہ جاتا۔ یا اللہ کبھی کتاب کا مطالعہ کرتے نہیں، یہ عبارتیں زبانی کیسے یاد ہیں، پیچیدہ سے پیچیدہ، دقیق سے دقیق مسائل پر ایسی تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ اس پر بڑی محنت سے تیاری کی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ کلام بہت کم فرماتے تھے، مگر جب ضرورت ہوتی تو ایسی بحث فرماتے کہ اجلۂ علما، انگشت بدنداں رہ جاتے۔ کسی مسئلہ میں فقہا کے متضاد اقوال ہیں تو سب دماغ میں ہر وقت حاضر رہتے۔ سب کے دلائل، وجوہ ترجیح اور قول مختار مفتیٰ بہ پر تیقن اور ان سب اقوال پر اس کی وجہ ترجیح سب ازبر۔

باب نکاح میں ایک مسئلہ ایسا ہے، جس کی بہتر صورتیں ہیں اور کثیر الوقوع بھی ہیں۔ پہلی بار جب میں نے اس کو لکھا، سوال مبہم تھا، میں نے بیس شق قائم کر کے چار ورق فل اسکیپ کاغذ پر لکھا۔ جب سنانے بیٹھا تو فرمایا: یہ طول طویل شق در شق جواب کون سمجھ پائے گا؟ پھر اگر لوگ ناخدا ترس ہوئے تو جو شق اپنے مطلب کی ہوگی اس کے مطابق واقعہ بنالیں گے۔ آج یہاں ہندوستان میں یہ صورت رائج ہے، اسی کے مطابق حکم لکھ کر بھیج دیں۔ یہ قید لگا کر کہ آپ کے یہاں یہی صورت تھی تو یہ حکم ہے۔ یہ جواب فل اسکیپ کے آدھے سے بھی کم پر مع تائیدات آگیا۔ اس واقعہ نے بتایا کہ کتب بینی سے علم حاصل کر لینا اور بات ہے اور فتویٰ لکھنا اور بات ہے۔

نو پید جدید مسائل پر ایسی مضبوط رائے قائم فرماتے کہ بڑے سے بڑا، ذہین سے ذہین عالم اس کی تغلیط کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

لاؤڈ اسپیکر پر نماز صحیح ہے یا نہیں :

جمہور علماے اہل سنت کا فتویٰ یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر پر نماز صحیح نہیں۔ اور یہی حضرت کی بھی تحقیق ہے، کچھ لوگوں نے اس سے اختلاف کیا۔ عرس مقدس پر علما نے ایک مشترکہ مجلس رکھی، وہ لوگ حاضر ہوئے، گفتگو ہوئی، بقیہ علما خاموش تماشائی تھے، تین حضرات ایک طرف، حضرت نے تن تنہا ان لوگوں کے استدلال و شبہات کے ایسے جواب ارشاد فرمائے کہ حاضرین علما کو اطمینان ہو گیا اور وہ لوگ بالکل خاموش ہو گئے۔ اس گفتگو کے کچھ اقتباسات میں نے اپنے بعض فتاویٰ میں لکھے ہیں جو "المیزان" ممبئی، پھر پاسبان، الہ آباد کے کئی شماروں میں چھپ چکے ہیں۔

انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں؟ کچھ علما اس کے قائل ہیں کہ مطلقاً ہر انجکشن سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ کچھ علما اس کے قائل ہیں، روزہ فاسد نہیں ہوتا اور کوئی کراہت بھی نہیں۔ حضرت مفتی اعظم کی تحقیق یہ ہے کہ روزہ فاسد نہیں ہوتا مگر مکروہ ہے۔ یہ ایک متن ہے، اس کی شرح میرے متعدد فتاویٰ میں موجود ہے جن میں سے بعض "المیزان" وغیرہ میں چھپ چکے ہیں۔ انھیں دیکھیے تو معلوم ہو گا کہ حضرت مفتی اعظم کا تفقہ کتنا بلند تھا، نظر کتنی نکتہ رس تھی، اور فیصلہ کتنا محکم؟

اب دار الافتا میں صرف فقہی و اعتقادی سوالات ہی نہیں آتے۔ اب تو حدیث، تفسیر، تاریخ، جغرافیہ، اسماے رجال، اصول فقہ، حتی کہ علم معانی و بیان و بدائع بل کہ صرف ونحو حتی کہ فلسفے کے بھی مسائل آتے ہیں لیکن کوئی سوال، کسی باب کا ہو، حضرت مفتی اعظم کے یہاں کبھی سائل کو تشنگی نہ رہتی۔

کہنے کو صرف مفتی اعظم تھے، مگر حقیقت میں محدث اعظم بھی تھے۔ مفسر اعظم بھی تھے، مورخ اعظم بھی تھے، مختصر یہ کہ اعظم الا عاظم تھے، حق یہ ہے کہ علم و فضل کے آفتاب عالم تاب تھے، جیسے آسمان میں صرف ایک آفتاب ہے، آسمان علم و عرفان، فضل و کمال، زہد و ورع پر صرف ایک آفتاب تھا، جسے دنیا مفتی اعظم کہتی تھی۔ وہ ہدایت کے نیر اعظم تھے، اور ایسے نیر اعظم تھے کہ پوری دنیا پر بیک وقت ضو فشانی کرتے تھے۔ افسوس صد افسوس! یہ نیر اعظم غروب ہو گیا، صرف بریلی ہی نہیں، صرف ہندوستان ہی نہیں، ساری دنیا تاریک ہو گئی۔

گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر اپنے سانجھ بھئی چودیس

☆☆☆

مفتی اعظم سے ہم کو پیار ہے

ابو بلال مولانا الحاج محمد الیاس عطار قادری
امیر عالمی تحریک دعوت اسلامی (پاکستان)

عارف باللہ، مردِ حق آگاہ، کشورِ علم وعرفان کے شہنشاہ، محبوب حبیب الہٰ، شہزادۂ امام احمد رضا، تاجدارِ اہل سنت، حضور مفتی اعظم حضرت علامہ مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے مجھے پیار ہے، اور وہ بھی آج سے نہیں، اس پر ایک زمانہ گزر گیا۔ حضور مفتی اعظم علیہ رحمۃ الرحمٰن کی تعریف وتوصیف کے کلمات سنتے سنتے ذہن آپ کی شانِ ولایت نشان کا معترف ہوگیا۔ اَنْتُمْ شُهَدَاءُ عَلَى النَّاسِ (یعنی تم اللہ عزوجل کے گواہ ہو لوگوں پر) کے مصداق کسی شخص کی اچھائی کے لیے اتنا بھی کافی ہے کہ لوگ اس کو اچھا کہیں اور پھر بہت سارے اچھے لوگ جس کا ذکر اچھائی کے ساتھ کریں، اس کی اچھائی کا تو پوچھنا ہی کیا! یوں الحمد للہ۔

مفتی اعظم سے ہم کو پیار ہے　　انشاء اللہ اپنا بیڑا پار ہے

سرکار مفتی اعظم علیہ رحمۃ الرحمٰن سے مجھے اس سبب سے بھی پیار ہے کہ میرے پیر ومرشد میزبانِ مہمانِ سرورِ عالم، عاشقِ رسولِ اکرم، نائبِ غوثِ اعظم، سراپا لطف وکرم، شیخ العرب والعجم یعنی سیدی قطبِ مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی علیہ رحمۃ الغنی بھی آپ سے بےحد پیار کرتے تھے یوں الحمد للہ۔

مفتی اعظم سے ہم کو پیار ہے　　انشاء اللہ اپنا بیڑا پار ہے

سرکار مفتی اعظم علیہ رحمۃ الرحمٰن سے مجھے کیوں نہ پیار ہو کہ آپ میرے دادا پیر میرے آقا اعلیٰ حضرت امام اہل سنت، ولی نعمت، عظیم البرکت، عظیم المرتبت، پروانۂ شمع رسالت، مجدد دین وملت، حامی سنت، ماحی بدعت، عالم شریعت، پیر طریقت، باعث خیر وبرکت، حضرت علامہ مولانا الحاج الحافظ القاری الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے دل دار ودل بر، سرور قلب وجگر، راحتِ بصر اور نور نظر ہیں۔ طریقت کا محور عقیدت ہے اور جس کو جس سے عقیدت ہوتی ہے اس سے نسبت رکھنے والی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی اس کے لیے باعظمت ہو جاتی ہے جیسا کہ حضرت میر عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں، ایک مرتبہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء علیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے احباب کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ناگاہ کھڑے ہوگئے پھر بیٹھ گئے۔ حاضرین مجلس نے آپ سے دریافت کیا، حضور! کس بنا پر کھڑے ہوئے؟ فرمایا کہ ہمارے پیر ومرشد کی خانقاہ میں ایک کتا رہتا تھا۔ آج اسی صورت کا ایک کتا مجھے نظر آیا کہ اس گلی میں گزر رہا ہے میں اس کتے کی تعظیم کی خاطر اٹھا تھا۔ (سبع سنابل شریف مترجم ص ۱۴۴)

جب مرشد سے عقیدت ہے تو اس کی گلی کے کتے سے بھی والہانہ محبت اور گلی کا کتا گیا اس کتے سے مشابہت رکھنے والا کتا بھی پیارا تو جب عقیدت مرشد طریقت کے گلی کے کتے کے ہم شکل کتے سے بھی محبت کی متقاضی ہے تو پھر مجھے اپنے دادا پیر اعلیٰ حضرت امام اہل سنت،

مجدد دین وملت کے لختِ جگر سرکارِ مفتی اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے کیوں پیار نہ ہو۔

مفتی اعظم سے ہم کو پیار ہے انشاء اللہ اپنا بیڑا پار ہے

سرکار مفتی اعظم علیہ رحمۃ الرحمان سے یوں بھی پیار ہے کہ جب آپ کا ذکرِ خیر ہوتا ہے کہ تو ایک عالمِ باعمل کی تصویر پردۂ ذہن پر ابھر آتی ہے نیز آپ باکرامت بزرگ بھی تھے۔ سگِ مدینہ عفی عنہ نے آپ کے خلیفۂ مجاز حضرت مولانا قاری محمد مصلح الدین صدیقی القادری الرضوی علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سنا کہ سرکار مفتی اعظم دورانِ سفر کسی مکان میں تشریف فرما ہوکر تعویذات تحریر فرما رہے تھے۔ دریں اثنا کفارِ اشرار کا ایک مسلح ٹولہ درپئے آزار ہوا، چند لمحات آپ اپنے کام میں منہمک ہی رہے۔ ازاں بعد جب سرِ انور اٹھا کر نظرِ جلال اثر فرمائی تو کفارِ نابکار پر لرزہ طاری ہوگیا اور معافیاں مانگتے ہوئے دفع ہوگئے۔ آپ ایسے باکرامت ولی تھے جبھی تو۔

مفتی اعظم سے ہم کو پیار ہے انشاء اللہ اپنا بیڑا پار ہے

اللہ عزوجل میرے اس پیار کو دوام بخشے۔ مجھے اور میری پیاری مدنی تحریک، دعوتِ اسلامی سے وابستہ ہر اسلامی بھائی اور اسلامی بہن کا سرکار مفتی اعظم علیہ رحمۃ الرحمٰن کے صدقے، مسلکِ اعلیٰ حضرت پر اور اس مسلکِ حق، سوادِ اعظم، اہل سنت و جماعت کی خدمت پر استقامت بخشے، میری، میرے اہلِ خانہ کی اور امت مصطفیٰ کی مغفرت فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

مفتی اعظم سے ہم کو پیار ہے انشاء اللہ اپنا بیڑا پار ہے

ذیل میں حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کے تقویٰ کی مثال میں ایک حکایت فیضان سنت سے نقل کی جاتی ہے۔ جس نے سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے تقویٰ اور جذبۂ تبلیغ ودعوت پر روشنی پڑتی ہے، ساتھ ہی حضرت مولانا محمد الیاس عطار قادری امیر تحریک دعوت اسلامی کی شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے گہری عقیدت ومحبت کا پتہ چلتا ہے، مولانا رقم طراز ہیں (از: عبد المبین نعمانی قادری مصباحی رکن المجمع الاسلامی مبارک پور)

حضور مفتی اعظم شہزادۂ اعلیٰ حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک جگہ مدعو تھے وہاں گھر میں آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کے قریب ہی ایک ٹونٹی لگی ہوئی تھی جس سے پانی ٹپک رہا تھا آپ نے میزبان کو بلایا اور اس کو اسراف کے نقصانات سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ اس ٹونٹی کو فوراً درست کراؤ کیوں کہ جب تک یہ بہتی رہے گی تم کو گناہ ہوتا رہے گا، اس نے عرض کیا حضور! ابھی درست کر لیتے ہیں۔ مگر کافی دیر تک اس نے درست نہ کیا، اس پر آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس کو بلا کر فرمایا ہم جاتے ہیں کیوں کہ آپ یہ ٹونٹی درست نہیں کرواتے، اور ہمیں اپنی آنکھوں کے سامنے اللہ عزوجل کی یہ نعمت ضائع ہوتے ہوئے دیکھنا گوارہ نہیں،،۔

میزبان بے حد نادم ہوا اور بڑی منتیں کر کے آپ کو راضی کیا، اور ٹونٹی بھی فوراً درست کرالی۔

میٹھے اسلامی بھائیو! دیکھا آپ نے ہمارے اکابر رحمہم اللہ کس قدر متقی اور پرہیزگار ہوتے ہیں اور ان کی سوچ بھی کس قدر اعلیٰ ہوتی ہے، ہم تو بدقسمتی سے فرنگی تہذیب کے ہاتھوں سے پامال ہوچکے ہیں، ہماری تو ایسی سوچ ہی کہاں؟ یقیناً مدنی سوچ ہونا یہ مقدر والوں کا ہی حصہ ہے۔

(بہ حوالہ فیضان سنت ص: ۸۴-۸۸۳، مکتبۃ المدینہ ممبئی)

مفتی اعظم کی کچھ یادیں کچھ باتیں

حضرت مولانا مفتی عبدالحلیم صاحب
سرپرست دعوت اسلامی ہند، ناگ پور، مہاراشٹر

۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۰ء تک تقریباً آٹھ سالہ زندگی بریلی شریف میں گزری۔ چھ سالہ طالب علمی کی زندگی اور دو سالہ تدریسی زندگی۔ زمانہ طالب علمی میں چالیس منٹ کا ایک گھنٹہ جو خالی رہتا تھا اگر سیدی سرکار مفتی اعظم بریلی شریف میں جلوہ فرما ہوتے تو اس گھنٹہ کو کتابوں کی تکرار میں نہیں بل کہ سرکار مفتی اعظم کی بارگاہ میں گزارا کرتا۔ اس طرح طالب علمی کے زمانہ ہی سے مجھے سرکار مفتی اعظم کا قرب حاصل ہوگیا تھا۔ بعد فراغت کبھی کبھی خدمت کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ میں نے حضور مفتی اعظم کی صبح دیکھی شام دیکھی، رات دیکھی، دن دیکھا سفر دیکھا، حضر دیکھا، خلوت دیکھی، جلوت دیکھی۔ انھیں مختلف زاویے سے دیکھا اور بڑی گہرائی سے ان کی زندگی کا مطالعہ کرتا رہا مگر خدا گواہ ہے کبھی ان کا کوئی قدم خلاف سنت اٹھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ انسانی فطرت ہے جب کسی بڑی شخصیت سے آدمی متاثر ہوتا ہے، اس کا عقیدت مند ہو جاتا ہے تو جب تک دور رہتا ہے، عقیدت سلامت رہتی ہے اور جب قریب ہوتا ہے تو اس کی بشری کمزوریاں ظاہر ہونے لگتی ہیں، نتیجۃً عقیدت میں کمی آ جاتی ہے۔ مگر قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، ہندوستان میں دو شخصیتیں مجھے ایسی ملیں میں ان سے جتنا قریب ہوا میری عقیدت بڑھتی چلی گئی۔ ان میں ایک ذات سرکار مفتی اعظم کی ہے دوسری حضور مجاہد ملت کی ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ اس خاکدان گیتی پر نہ جانے کیسی کیسی شخصیتیں نمودار ہوئیں اور عدم کے پردے میں گم ہوگئیں۔ ان میں بعض تو وہ ہیں جن کا نام ونشان تک باقی نہ رہا اور بعض وہ ہیں جن کو دنیا سے گئے ہوئے صدیاں بیت گئیں مگر ان کا نام کل بھی روشن تھا اور آج بھی روشن ہے۔

انھیں نفوسِ قدسیہ میں تاجدار اہل سنت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور سیدی سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی ہے۔ جن خوش نصیبوں نے سرکار مفتی اعظم ہند کو ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا ہے، انھیں برملا اعتراف واقرار ہے کہ حضور مفتی اعظم اپنی عبادت وریاضت، زہد وتقویٰ، علم وفضل، اور اخلاق وکردار میں اپنے معاصرین میں منفرد وبے مثال ہیں ان کی تقویٰ شعاری کو دیکھ کر عبدالرحیم رائے پوری جیسے متشدد تبلیغی کو بھی کہنا پڑا کہ مفتی اعظم جیسا متقی وپرہیزگار میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ آج مفتی اعظم ہم میں نہیں مگر ان کی یادیں ان کی باتیں آج بھی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

سرکار مفتی اعظم کی حیات مبارکہ پر متعدد کتابیں ضخیم جلدوں میں چھپ چکی ہیں جن کے مطالعہ سے آپ اپنے قلب وروح میں بالیدگی پیدا کرسکتے ہیں۔ میں تاجدار اہل سنت کی مبارک ومسعود زندگی کے چند گوشے معرض تحریر میں لا رہا ہوں جو ان کی محتاط زندگی اور

تقویٰ و پرہیزگاری پر روشن دلیل ہیں۔

طالب علمی کے ابتدائی دور میں جب منظر اسلام بریلی میں طلبہ کی رہائش کے لیے مستقل کوئی انتظام نہیں تھا۔ طلبہ مزار شریف کے بالائی حصہ میں رہتے تھے تو ایک دن میرے ہم سبق مولانا سراج احمد پوکھریروی شہید (مرحوم) نعت پاک پڑھ رہے تھے۔ تاجدار اہل سنت رضا مسجد میں نماز کے لیے تشریف لائے۔ کسی نے حضرت سے کہہ دیا کہ لڑکے مزار شریف پر گانا گاتے ہیں۔ حضور والا نے کسی سے اپنی قیام گاہ پر فرمایا۔ بچوں سے کہیے وہ مزار شریف پر گانا نہ گایا کریں۔ جب اس شخص نے طلبہ کے سامنے حضرت کا پیغام پہنچایا تو مولانا سراج نے کہا ہم لوگ گانا نہیں اعلیٰ حضرت کی نعت پاک پڑھ رہے تھے۔ مولانا سراج کی خبر تاجدار اہل سنت تک پہنچائی گئی۔ حضرت نے سنتے ہی قلم روک دیا اور فرمایا ان (مولانا سراج) کو بلا لائیے میں خود حاضر ہو جاتا مگر میں مصروف ہوں۔ حکم پا کر مولانا سراج حاضر بارگاہ ہوئے۔ سلام و دست بوسی کی۔ حضرت نے ان کا ہاتھ پکڑے رکھا اور فرمایا مجھ سے غلطی ہوئی، میں نے نعت پاک کو گانا کہہ دیا۔ میں توبہ کرتا ہوں اور آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔ یہ سننا تھا کہ مولانا سراج کانپ گئے اور حضرت کے قدموں میں سر ڈال دیا مگر واہ رے تقویٰ حضرت نے جب تک ان کی زبان سے معافی کے الفاظ سن نہیں لیے، ان کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔

قارئین خیال فرمائیں اس میں حضرت کا کیا قصور؟ خبر دینے والے نے حضرت کو غلط خبر دی۔ آپ اسے سرکار مفتی اعظم کے تقویٰ کے سوا اور کیا کہیں گے۔

رضا مسجد بنگالی پنجہ ناگ پور میں دو صاحب داخل سلسلہ ہوئے۔ جن میں ایک کا نام بابو بھائی نیک تھا، دوسرے کا نام نہیں معلوم۔ وہ لوگ تبرک میں پیڑا لائے تھے۔ بیعت کے بعد حضرت نے ایک ایک پیڑا دم کر کے دونوں کو دیا اور فرمایا اسے کھا لیجیے گا۔ ان دونوں نے وہیں کھانا شروع کر دیا، پھر کیا تھا فرماتے ہیں۔ میں توبہ کرتا ہوں۔ میں نے کیوں کھانے کے لیے کہا؟ ناظرین غور فرمائیں سرکار نے یہ تو نہیں کہا تھا۔ ابھی کھا لیجیے۔ بلکہ فرمایا تھا کہ کھا لیجیے گا یہ تھا سرکار مفتی اعظم کا تقویٰ۔

غالباً ۱۹۷۱ء یا ۱۹۷۲ء میں جب سیدی سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان حرمین شریفین سے واپس لوٹے تو جبل پور اور نواح جبل پور میں حضرت کے اعزاز میں استقبالیہ پروگرام ہوتے رہے۔ ان جلسوں میں حضرت کی سرپرستی میں حضور برہان ملت کی صدارت میں فقیر کی تقریریں ہوتیں۔

ایک شب جبل پور میں استقبالیہ پروگرام تھا۔ دونوں بزرگ اسٹیج پر رونق افروز تھے۔ میں صراط مستقیم مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کا رد کر رہا تھا۔ دوران تقریر میں نے کہا تم کہتے ہو نماز میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور بیل اور گدھے کی یاد سے نماز ہو جاتی ہے۔ بتاؤ کیا یہ محبت کی بولی ہے؟ کس منہ سے تم اپنے آپ کو سرکار کے امتی ہونے کا دعویٰ کرتے ہو؟ اختتام تقریر کے بعد سرکار نے مجھے اشارے سے اپنے پاس بلایا اور فرمایا۔ اس نے یہ کہاں لکھا ہے کہ حضور کی یاد سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟ اس نے لکھا ہے کہ نماز میں حضور کا خیال لانا بیل اور گدھے کی یاد سے زیادہ برا ہے۔ میں نے باادب عرض کیا۔ حضور کیا حکم ہے؟ فرمایا، آئندہ خیال رکھیے۔ دشمن کی طرف بھی وہ بات منسوب نہیں کرنی چاہیے جو اس نے نہیں کہی ہے۔

قارئین کرام! انصاف کریں جو ذات گرامی اتنی بات بھی برداشت نہ کر سکے، وہ ذات بلا دلیل شرعی کسی کو کافر کیسے کہہ سکتی ہے؟

محلہ ذخیرہ بریلی شریف میں جلسہ ہو رہا تھا۔ سیدی سرکار مفتی اعظم رونق افروز تھے۔ ایک شیخ الحدیث صاحب دوران تقریر کھیعص والی روایت بیان کر رہے تھے جناب جبریل نے کہا ''ک''، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَهِمْتُ (میں نے سمجھ لیا)'' ''ہ''

فرمایا فَهِمتُ (میں نے سمجھ لیا) "ی" فرمایا فَهِمتُ (میں نے سمجھ لیا) "ع" فَهِمتُ (میں نے سمجھ لیا) "ص" فرمایا فَهِمتُ (میں نے سمجھ لیا) جناب جبریل (علیہ السلام) نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ محبوب ومحب کی بات ہے محب نے بھیجا محبوب نے سمجھ لیا۔ میں نے تو خاک نہیں سمجھا۔ انداز بیان کچھ ایسا تھا جو لوگوں کی دل چسپی کا سامان مہیا کر رہا تھا۔ اس جملہ پر سب نے نعرہ لگایا سیدی سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے تقریر روکتے ہوئے فرمایا۔ مولانا! یہ روایت تو ہے کہ جناب جبرئیل امین علیہ السلام نے عرض کیا۔ حضور میں نے نہیں سمجھا۔ مگر خاک نہیں سمجھا۔ اس سے جناب جبریل علیہ السلام کی توہین ہوتی ہے۔ پھر فرمایا میں توبہ کرتا ہوں عوام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ آپ سب توبہ کریں۔ پھر فرمایا۔ مولانا آپ بھی توبہ کریں۔ چنان چہ حضرت کا حکم پا کر سب نے توبہ کی۔

اس واقعہ سے ذہن ملا سرکار مفتی اعظم ہند نے غلطی ہونے پر بڑی سے بڑی شخصیتوں کو بھی معاف نہیں کیا بلکہ علانیہ توبہ کروائی۔ یہ تھی حضرت کی شرعی ذمہ داری جس کے لیے وہ مامور تھے۔

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ نے ایک مرتبہ مجھ سے بیان کیا کہ:

ایک صبح فجر کی نماز کے لیے حضور سیدی سرکار مفتی اعظم رضا مسجد بریلی شریف تشریف لائے، نماز کے بعد دیکھا بڑی تیزی سے گلیوں کی صفائی ہو رہی ہے اور کئی پولس والے کھڑے ہیں۔ سیدی سرکار مفتی اعظم نے بڑی سادگی سے فرمایا یہ کیا ہے؟ کسی نے کہا حضور! صدر جمہوریہ ہند فخر الدین علی احمد صاحب آپ کی ملاقات کے لیے آرہے ہیں، اسی لیے یہ سب صفائی ہو رہی ہے۔ حضرت بالکل خاموش رہے۔ گھر تشریف لائے۔ ایک پیالی چائے پی۔ رکشا بلوایا اور گھر چھوڑ کر پرانے شہر چلے گئے۔ صدر جمہوریہ کو جب معلوم ہو گیا کہ حضرت گھر چھوڑ کر باہر چلے گئے، وہ ملنا نہیں چاہتے چوں کہ صدر جمہوریہ پڑھے لکھے تھے، انھیں تاریخ معلوم تھی بزرگوں کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ بادشاہوں سے ملنا پسند نہیں کرتے۔ چنان چہ صدر نے اس دن کا اپنا پروگرام ملتوی کر دیا اور دوسرے دن بڑی خاموشی سے حاضر ہو گئے۔ جب حضرت لکھنے میں مصروف تھے اور کافی تعداد میں لوگ بیٹھے تھے۔ جن لوگوں نے صدر کو پہچان لیا، وہ اٹھنا چاہتے تھے کہ صدر نے انھیں اشارے سے منع کر دیا اور خود کھڑے رہے۔ جب سرکار مفتی اعظم لکھ کر فارغ ہوئے اور سر اٹھایا تو صدر نے بڑے ادب سے سلام کیا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ حضرت نے دریافت فرمایا، آپ کہاں سے تشریف لائے؟ جواب میں کہا میں فخر الدین علی احمد ہوں۔ حضور سے ملنے آ گیا ہوں۔ سرکار خاموش رہے۔ پھر کچھ لمحے کے بعد بیٹھنے کے لیے اشارہ کیا۔ وہ عام لوگوں کی صف میں خالی کرسی پر بیٹھ گئے اور حضرت کو دیکھتے رہے۔ حضرت اپنے کام میں مصروف رہے۔ کچھ دیر کے بعد کھڑے ہو کر اجازت چاہی اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ مصافحہ کرتے کرتے صدر نے کہا حضور کچھ نصیحت فرمائیں پھر کیا تھا۔ حضرت نے ہاتھ پکڑے پکڑے پر جلال الفاظ میں فرمایا۔ یہ جو نسبندی کے نام پر ہزاروں کا خون ہو رہا ہے قیامت میں اللہ تعالیٰ آپ سے پوچھے گا، آپ اس کے لیے تیار رہیے۔ اسی سلسلہ میں اور بھی کچھ فرماتے رہے اور فخر الدین علی احمد کی آنکھوں سے آنسو جاری رہے۔ چلتے چلتے وہ اپنی آنکھوں کے بہتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھتے پونچھتے باہر نکلے۔

یہ تھی سیدی سرکار مفتی اعظم کی حق گوئی و بے باکی جن کو وقت کے فرماں روا کی سطوت و ہیبت نے بھی مرعوب نہیں کیا اور سرکار مفتی اعظم نے اپنے بزرگوں کی روایت جاری رکھتے ہوئے وقت کے حکمراں کو ان کی غلطیوں پر تنبیہ فرمائی۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ایک مرتبہ ہوڑہ بمبئی ایکسپریس (وایا ناگ پور) سے کلکتہ سے بمبئی تشریف لے جا رہے تھے۔ سلیپر کلاس میں ریزرویشن تھا۔ گرمی کا موسم اور کوچ بالکل کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ناگ پور والوں نے فرسٹ کلاس میں ریزرویشن کروایا لیکن اگر حضرت سے کہا جاتا کہ فرسٹ

کلاس میں تشریف لے چلیں تو اس کے لیے وہ راضی نہیں ہوتے۔ اس لیے میں نے عرض کیا حضور اس ڈبے میں بھیڑ بہت ہے، دوسرے ڈبے میں تشریف لے چلیں۔ فرمایا میں کیسے جاؤں؟ یہ سامان والا (پنجابی سکھ) اپنا سامان میرے سپرد کر کے نیچے اترا ہے۔ میں نے عرض کیا حضور کو اگر اپنے غلام پر اعتماد ہے تو آپ تشریف لے جائیں۔ جب تک سامان والا نہیں آجائے گا۔ میں اس کے سامان کی حفاظت کروں گا، تب راضی ہوئے۔

واقعہ مذکورہ میں ہمارے لیے کس قدر درس عبرت ہے! آپ کو شریعت اسلامیہ کی پاسداری کا اتنا پاس ولحاظ کہ ایک غیر مسلم کے سپرد کیے ہوئے سامان کو بھی چھوڑ کر جانا پسند نہیں فرماتے کیونکہ حدیث میں ہے المؤمن اذا عھد وفیٰ مومن جب کسی سے وعدہ کرے تو اسے پورا کرے۔ وعدہ خلافی غیر مسلم سے بھی جائز نہیں۔ کاش مسلمان اپنے اس بھولے ہوئے سبق کو یاد کر لے تو نہ جانے کتنے دلوں کو مسخر کر کے اسلام کی آغوش میں بٹھا سکتا ہے۔

حضور سیدی سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کبھی ناراض ہوتے تو اپنے نفس کے لیے نہیں بل کہ اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اصلاح معاشرہ کے لیے اور یہی مومن کامل کی شان ہے۔ الحب للہ والبغض للہ

ایک روز حسب معمول اپنی نشست گاہ میں تخت پر بیٹھے ہوئے کسی کے لیے تعویذ لکھ رہے تھے۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو دوسرے حاجت مندوں سے ان کی حاجت دریافت فرمائی، انھیں میں ایک ساٹھ پینسٹھ سالہ بوڑھا بھی تھا۔ اس سے دریافت فرمایا۔ آپ کیسے تشریف لائے؟ بوڑھے نے کہا میاں میں پہلی بعیت سے آیا ہوں میرا دامادا اپنے ماں باپ کے کہے میں ہے۔ میری لونڈیا کی بات نہیں مانتا۔ آپ ایسا تعویذ دیدو کہ میری لونڈیا کی بات مانے۔ بس سننا تھا کہ چہرۂ پاک کا تیور بدل گیا۔ اور بُر جلال الفاظ میں فرماتے ہیں۔ اچھا بیٹھو ابھی لکھ دیتا ہوں۔ پھر ذرا تیز آواز سے ابھی لکھ دیتا ہوں کہ اپنے ماں باپ کو جوتے مار کر نکال دے اور تمھاری لونڈیا کی جوتیاں اٹھائے۔ پھر فرمایا، معاذ اللہ! کیا زمانہ آ گیا ہے؟ استغفر اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ، انا للہ و انا الیہ راجعون نہ جانے کتنی بار لاحول واستغفار واسترجاع فرمایا۔ کچھ لمحوں کے بعد جلال کم ہوا تو فرمایا، کیا نام ہے تمھاری لونڈیا کا؟ اس بڈھے کی شامت آئی تھی، کہنے لگا ادریس بیگم، اتنا سننا تھا کہ پھر ایک بار چہرہ کا تیور بدل گیا۔ فرمایا، ہوں! نام جوچھن کے رکھا ہے۔

حضرت کے اس لفظ 'ہوں' پر مجھے ہنسی اتنی زور سے آ گئی کہ آواز حضرت کے گوش مبارک تک پہنچ گئی۔ حضرت کا جلال معاً دفع ہو گیا اور ہلکی مسکراہٹ لیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ جانتے ہیں یہ نام کیوں پڑا؟ کسی کا نام رہا ہو گا بلقیس بیگم، دوسری بچی پیدا ہوئی اس کا نام رکھا ہو گا جرجیس بیگم۔ اب تیسری بچی پیدا ہوئی قافیہ بندی کا بھوت سوار ہے اور کچھ نہ ملا تو رکھ دیا ادریس بیگم۔ پھر فرماتے ہیں اگر یہی حال رہا تو کچھ دنوں کے بعد مردوں کو نام تلاش کرنا مشکل پڑ جائے گا۔

۱۹۷۴ء میں پہلی بار حرمین طیبین کی حاضری نصیب ہوئی، مدینہ منورہ میں مسجد نبوی شریف کا جب دروازہ بند ہوتا تب قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین مہاجر مدنی کا دروازہ کھلتا اور روز محفل میلاد منعقد ہوتی۔ ایک شب کا پروگرام ٹیپ کر لیا گیا۔ پہلی بار یہ نعت پاک سنی گئی

حقیقت میں وہ لطفِ زندگی پایا نہیں کرتے
جو یادِ مصطفیٰ سے دل کو بہلایا نہیں کرتے

اسی سال سرکار مفتی اعظم ناگ پور تشریف لائے اور حاجی عبدالستار صاحب جنتا گلاس والے کے یہاں قیام رہا۔ حاجی علی محمد صاحب نے حضرت کے سامنے ٹیپ چالو کر دیا حضرت نے نہ صرف نعت پاک سنی بل کہ چشمانِ مبارک سے آنسوؤں کی قطار لگ گئی۔

اسی دن عرس سلامی میں جبل پور جانا تھا۔ حضرت نے حاجی علی محمد سے کہا آپ بھی چلیں اور ٹیپ ریکارڈر ساتھ میں رکھ لیں راستے

میں کئی بار حضرت نے یہ نعت شریف سنی۔ جبل پور پہنچ کر حضرت محمود میاں صاحب سے فرمایا کہ تھوڑا سا وقت اس نعت شریف کے لیے نکال لیں۔ چنان چہ حضرت محمود میاں نے اس وقت ٹائم نکالا جب علما و مشائخ اسٹیج پر بیٹھے تھے۔ سیدی سرکار مفتی اعظم بھی تشریف فرما تھے۔ علما کی نشست کچھ اوپر اور مقرر کی جگہ کچھ نیچے تھی اور وہیں مائیک فٹ تھا حاجی علی محمد صاحب نے ٹیپ ریکارڈر رکھ کر بٹن دبا دیا۔ نعت شریف شروع ہو گئی۔ سبھوں نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا، حضرت فوراً نیچے اتر آئے۔ میں نے حضرت کا مزاج پڑھ لیا۔ فوراً ٹیپ ریکارڈ ہاتھ میں اٹھالیا، تب حضرت اوپر تشریف لائے۔

غور فرمائیں۔ جب سیدی سرکار مفتی اعظم کے دل میں نعتِ مصطفیٰ کا اتنا احترام ہے تو ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کتنا احترام ہوگا؟ اس لیے میں کبھی کبھی کہتا ہوں جو رضائے مصطفیٰ ہوتا ہے، وہی مصطفیٰ رضا ہوتا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر رضائے مصطفیٰ کا دوسرا نام مصطفیٰ رضا ہے۔

سیدی سرکار مفتی اعظم ہند نے ایک مرتبہ پوکھریرا جاتے ہوئے ایک شب پنڈول بزرگ میں قیام فرمایا۔ میرا لڑکا شعیب رضا ایامِ طفولیت میں سخت علیل تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اس نے دم توڑ دیا۔ نور الحسن صاحب اس بچے کو اٹھا کر لائے اور سرکار کی آغوشِ کرم میں یہ کہتے ہوئے ڈال دیا کہ یہ مفتی عبدالحلیم کا بچہ ہے۔ حضرت نے اپنی آغوش میں لے کر کچھ پڑھ کر دم کر دیا۔ بچے نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ تمام گاؤں والوں نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا اور بیک زبان کہنے لگے یہ سرکار مفتی اعظم کی کرامت ہے۔ تب سے میں بھی یہی کہتا ہوں کہ میرا لڑکا شعیب رضا سرکار مفتی اعظم ہند کی زندہ کرامت ہے۔

ایک دفعہ ناگ پور تشریف لائے۔ حاجی عبدالستار صاحب جنتا گلاس والے کے یہاں حضرت کی دعوت تھی۔ دسترخوان بچھا دسترخوان پر کچھ اور علمائے کرام اور مخصوص مہمان تھے۔ حاجی غلام یٰسین (جو اس وقت کم عمر تھے) نے چھوٹوں سے ہاتھ دھلانا شروع کیا۔ کچھ علما نے اسے خلافِ ادب سمجھ کر "شو شو" شروع کر دیا۔ ان کا منشا یہ تھا کہ حضرت کا ہاتھ دھلائے مگر حاجی غلام یٰسین علیٰ حالہٖ ہاتھ دھلاتے رہے۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا بچہ تربیت یافتہ ہے۔

کچھ لوگ عدمِ واقفیت کی بنا پر بزرگوں کے ہاتھ پہلے دھلانا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسا نہیں چاہیے بل کہ کھانے سے پہلے چھوٹوں کا ہاتھ دھلایا جائے اور بزرگوں کا بعد میں اور کھانے کے بعد بزرگوں سے شروع کرنا چاہیے۔ چھوٹوں کا بعد میں تاکہ انھیں انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

محترم الحاج سعید نوری صاحب رضا اکیڈمی ممبئی کے ایما پر چند واقعات سپردِ قرطاس کر دیے گئے ورنہ　ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

جن کی ہر بات قانونِ شریعت کی پابند، جن کی ہر ادا سنت و شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے، اس ذاتِ کریم کو مجھ جیسا بے مایہ حیطۂ تحریر میں لائے یہ کب ممکن ہے؟

مولائے کریم بطفیل رؤف و رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم حضور سیدی سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے روحانی فیوض و برکات سے ہم سب کو مالا مال فرمائے۔ آمین

☆☆☆

عالم باعمل سرکار مفتی اعظم

مفتی محمد اختصاص الدین اجملی نوری رضوی
ناظم اعلیٰ مرکزی مدرسہ اہل سنت اجمل العلوم، سنبھل، مرادآباد

زبدۃ العارفین، مرجع العلماء الکاملین، مرشد برحق، شہزادۂ اعلیٰ حضرت، سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات بابرکات محتاج تعارف نہیں۔ آپ برصغیر کے اپنے زمانہ میں سب سے بڑے عالم باعمل اور متبع شریعت بزرگ تھے۔ میں نے اپنی زندگی میں آپ کو صاحب تقویٰ پایا۔ آپ کا عمل تنہا فتویٰ پر نہیں تھا بل کہ تقویٰ پر بھی تھا۔ آپ کی پوری زندگی شریعت مطہرہ کے دائرہ میں گزری ہے۔ آپ ولی کامل اور عالم باعمل تھے۔ اور اپنے والد ماجد اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے سچے جانشین تھے۔ ناچیز نے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی ۲۲ سال زیارت کی ہے۔ آپ کی زندگی کو شریعت طاہرہ کے مطابق پایا۔ آپ کے قول و فعل، حرکات و سکنات کو سنت رسول کے مطابق دیکھا۔ آپ سے بیعت و ارادت و خلافت حاصل کرنے والے اپنے دور کے بڑے بڑے علما و فضلا و مفتیان کرام تھے۔ آپ علمائے اہل سنت و جماعت میں سب سے افضل و اعلیٰ اور برتر و بالا تھے۔

خاکسار کو بھی حضرت والا سے بیعت و خلافت کا شرف حاصل ہے۔ آپ نماز باجماعت کے سخت پابند تھے۔ بریلی شریف کے زمانہ قیام میں ہر فرض نماز مسجد رضا میں جماعت سے ادا فرماتے تھے اور اکثر وضو بھی مسجد شریف کے وضو خانے میں کرتے تھے۔ عوام و خواص حضرت قبلہ کے وضو کے طریقہ کو دیکھ کر اپنی اصلاح کرتے تھے۔ حضرت والا سنن و مستحبات کے بھی پابند تھے۔

سرکار مفتی اعظم صاحب کرامت بزرگ گزرے ہیں۔ ایک مرتبہ عرس اعلیٰ حضرت بریلی شریف میں کثیر مجمع تھا۔ حضرت والا معتقدین و متوسلین کو پند و نصائح فرما رہے تھے۔ آپ کی نشست گاہ میں برقی پنکھا چھت میں لگا ہوا تھا۔ اچانک پنکھا چھت سے نیچے آنے لگا۔ کمرہ میں بڑا اژدحام تھا۔ حضرت قبلہ کی جب نظر پنکھے پر گئی تو زبان مبارک سے یہ کلمات صادر ہوئے۔ "اللہ خیر کرے۔ اللہ خیر کرے" چھت سے جب پنکھا نیچے چلا تو چل رہا تھا۔ لیکن جب زمین کے قریب آیا تو بالکل رکا ہوا تھا۔ اور کسی کو بھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ یہ حضرت والا کی زندہ کرامت تھی کہ سب حاضرین کو بچالیا۔

حضرت قبلہ کی نماز میں بڑا خشوع و خضوع ہوتا تھا، دنیا و مافیہا سے بالکل بے نیاز ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ سرکار مفتی اعظم علمائے کرام کے ہم راہ ممبئی تشریف لے جا رہے تھے۔ جب رتلام اسٹیشن پر ٹرین رکی تو حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ اسٹیشن پر جماعت سے نماز پڑھی جائے گی۔ سب حضرات نے وضو کیا اور اسٹیشن پر جماعت سے نماز ادا کی گئی۔ حضرت قبلہ اوراد و وظائف میں مشغول ہو گئے۔ نہ معلوم کیوں وقت سے پہلے ٹرین چلنے لگی۔ علمائے کرام جلدی جلدی نماز سے فارغ ہو کر ٹرین میں بیٹھ گئے، حضرت قبلہ سے عرض کیا گیا کہ ٹرین چلنے لگی ہے۔ حضور نے توجہ نہ فرمائی۔ ٹرین پلیٹ فارم چھوڑ کر سگنل تک پہنچ کر رک گئی، اب ٹرین کی حالت یہ ہوگئی کہ ڈرائیور آگے

بڑھاتا تو نہ چلتی اور پیچھے ہٹاتا تو چلنے لگتی۔ کسی نے ڈرائیور سے کہا کہ ایک بزرگ نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور اللہ کی یاد میں مشغول ہیں، تم نے ان کو چھوڑ کر ٹرین چلادی ہے۔ لہٰذا اب ٹرین کو واپس پلیٹ فارم پر لے جاؤ۔ ٹرین واپس پلیٹ فارم پر آ گئی۔ حضرت قبلہ عبادت وریاضت میں معروف تھے۔ ڈرائیور اور ہجوم حضرت کے پاس جمع ہو گیا۔ حضرت جب اوراد و وظائف سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا، کیا معاملہ ہے کہ تم سب میرے پاس کھڑے ہو؟ ڈرائیور نے حضرت قبلہ سے معذرت کی کہ حضور مجھ سے غلطی ہو گئی۔ سرکار درگزر فرمادیں۔ میں نے وقت سے پہلے ٹرین چلادی تھی۔ حضرت قبلہ نے معذرت قبول کی اور ٹرین میں تشریف فرما ہوئے، اس کے بعد ٹرین چل پڑی، حضرت قبلہ کا یہ واقعہ ماہ رمضان المبارک میں بعد نماز فجر جامع مسجد کھڑک بمبئی میں حضرت احسن العلما سجادہ نشین مارہرہ مطہرہ نے اس خاکسار کو سنایا تھا اور حضرت قبلہ احسن العلما بھی حضرت کے ہمراہ اس ٹرین میں سفر فرما رہے تھے یہ بھی حضرت کی واضح کرامت ہے۔

سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان مال و دولت سے قطعاً رغبت نہیں رکھتے تھے۔ ۱۹۷۳ء میں مدرسہ اجمل العلوم کے جلسہ دستار فضیلت میں حضرت قبلہ بحیثیت سرپرست سنبھل تشریف لائے۔ جلسہ کا انتظام وانصرام میرے ہی ہاتھ میں تھا۔ جلسہ سے فراغت کے بعد علمائے کرام کی خدمت میں نذرانے پیش کیے گئے۔ حضرت قبلہ کو بھی میں نے لفافہ پیش کیا۔ حضرت نے فرمایا "مولانا یہ کیا ہے؟" میں نے عرض کیا۔ حضور یہ زادِ راہ ہے۔ ارشاد فرمایا کہ میں نے آپ کے والد ماجد حضرت اجمل العلما سے بھی کبھی جلسہ کا نذرانہ نہیں لیا اور نہ ہی مولانا یونس صاحب سے لیا۔ اور میں کسی بھی دینی مدرسہ سے نذرانہ و کرایہ نہیں لیتا ہوں۔ یہ مدارس خود امداد و اعانت کے مستحق ہیں، یہ حضرت قبلہ کی انتہائی تقویٰ و احتیاط کی بات تھی۔

اس کے بعد حاجی غلام محمد خاں صاحب سابق ممبر پارلیمنٹ اپنے مکان واقع موضع محمد گنج حضرت قبلہ و دیگر علمائے کرام کو لے کر گئے۔ رخصت کے وقت سب علمائے کرام کو حاجی صاحب نے نذرانے و کرایے پیش کیے۔ سب نے قبول کر لیے۔ حضرت قبلہ کو بھی بطور نذرانہ حاجی صاحب نے ایک سو روپے کا نوٹ پیش کیا۔ ارشاد فرمایا کہ حاجی صاحب مجھے نذرانہ و کرایہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کا دیا بہت کچھ ہے۔ حاجی صاحب نے جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا کہ پانچ روپے کا نوٹ دے دو، باقی رقم غربا و مساکین کو دے دو، ان کا فائدہ ہو جائے گا۔

اسی طرح ایک مرتبہ شہر امروہہ میں مدرسہ محمدیہ حنفیہ شاہی چبوترہ کے جلسہ دستار بندی میں حضرت قبلہ تشریف لے گئے، بعد اختتام جلسہ حضرت قبلہ کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا گیا، ارشاد فرمایا۔ مجھ کو نذرانہ و کرایہ کی ضرورت نہیں ہے۔ بعد اصرار شدید صرف پانچ روپے لیے اور پچانوے روپے مدرسہ کو واپس کر دیے۔ ایسا متقی حضرت قبلہ کے سوا اس دور میں کون ہو سکتا ہے۔؟

حضرت قبلہ علم و عمل، تقویٰ و طہارت، امانت و دیانت میں اپنی مثال آپ تھے۔ ایک مرتبہ میں بریلی شریف حضور والا کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک صاحب نے حضرت قبلہ کو مسجد رضا کی تعمیر کے لیے روپے دیے۔ حضرت قبلہ نے اپنی جیب میں رکھ لیے تھے۔ جب ساجد علی خاں مرحوم جو حضرت قبلہ کے داماد تھے آئے تو حضرت نے فرمایا کہ ایک صاحب مسجد رضا کے لیے روپے دے گئے ہیں۔ جب حضرت نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا تو روپے نہ نکلے۔ سو روپے اس جیب میں رکھ لیے تھے جس میں اپنے اخراجات کی رقم رکھی جاتی تھی۔ حاضرین سے معلوم کیا کہ دینے والے نے کتنے کا نوٹ دیا ہے؟ عرض کیا گیا حضور ہمیں معلوم نہیں۔ فرمایا۔ زیادہ سے زیادہ سو روپے کا نوٹ ہوگا؟ جب جیب میں ہاتھ ڈالا تو کافی رقم جیب میں تھی، ارشاد فرمایا کہ ان ہی میں وہ نوٹ ہوگا۔ حضرت قبلہ نے تمام رقم جو جیب میں تھی مسجد رضا کے لیے دے دی کہ ان ہی میں وہ نوٹ ہوگا جو دینے والے نے دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت تقویٰ کی اعلیٰ منزل پر فائز تھے۔

حضرت قبلہ نے کبھی بھی کسی نابالغ بچے سے نذرانہ نہیں لیا ہے۔ ارشاد فرماتے تھے کہ نابالغ جب مالک نہیں بن سکتا تو کسی کو مالک بھی نہیں بنا سکتا ہے۔ اور نہ ہی حضرت قبلہ تعویذ کے بعد نذرانہ لیتے تھے۔ بل کہ اگر تعویذ کے بعد کسی نے نذرانہ دیا تو اظہار ناراضی فرماتے تھے اور تعویذ واپس لے لیتے تھے کہ میں تعویذ کی اجرت نہیں لیتا ہوں۔ یہ سب اس وجہ سے تھا کہ حضرت قبلہ علم وعمل کے پیکر تھے۔ حضرت قبلہ دوران سفر بھی غیر مسلم سے چائے دودھ کھانا نہیں خریدتے تھے۔ اگر ضرورت ہوتی تو صرف پھل خرید لیتے، یہ حضرت قبلہ کا تقویٰ پر عمل تھا۔

حضرت قبلہ نے زندگی بھر کسی ڈاکٹر سے علاج نہ کرایا اور نہ ہی رقیق دوا استعمال فرمائی کہ اس میں الکحل کا اثر ہوتا ہے۔ جو شراب کی ایک قسم ہے۔

حضرت قبلہ نے کبھی بھی تعویذات وتحریرات میں پین کی روشنائی استعمال نہ فرمائی کہ اس میں اسپرٹ ہوتا ہے۔ اس میں شراب کا اثر ہے۔

حضرت قبلہ کے مبارک ہاتھوں سے اس خاکسار کے سر پر دستار بندی ہوئی ہے۔ اس خاکسار کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ اس کے پیچھے حضرت قبلہ نے دو نمازیں ایک مغرب کی دوسری نماز جمعہ ادا فرمائی ہیں۔

حضرت قبلہ کو میں نے کبھی امامت کرتے نہیں دیکھا ہے، فرمایا کرتے تھے۔ اللہ میری نماز قبول فرمائے۔ دوسروں کی نماز کو کیوں اپنے ذمہ لوں؟ یہ بڑی احتیاط کی بات تھی۔

حضرت سرکار مفتی اعظم کی خداداد مقبولیت :

حضور قبلہ کو اپنی حیات میں بے پناہ مقبولیت حاصل تھی۔ عوام وخواص اپنے بےگانے سب آپ کی ذات بابرکات سے اچھی طرح واقف تھے آپ کی عبادت وریاضت، تقویٰ وطہارت، امانت ودیانت، عالم اسلام میں مشہور تھی۔ آپ کے مریدین، متوسلین، معتقدین کی تعداد لاکھوں ہے۔ حضور قبلہ کو حیات سے زیادہ بعد وفات مقبولیت وشہرت حاصل ہوئی۔ حضرت قبلہ کے وصال کی خبر آل انڈیا ریڈیو، پاکستان ریڈیو، بنگلہ دیش ریڈیو، بی۔ بی۔ سی لندن ریڈیو نے اپنی اپنی خبروں میں برابر نشر کی، حضرت کی نماز جنازہ میں تقریباً دس لاکھ کا مجمع تھا۔ الجمعیۃ مخالف اخبار نے بھی نماز جنازہ میں پانچ لاکھ کا مجمع لکھا ہے۔ حضرت قبلہ کے جنازہ میں ہزاروں علما، حفاظ، قرا، مفتیان کرام موجود تھے۔ علماومشائخ کا بے پناہ ہجوم تھا۔ تیس اسلامی ممالک کے سفرا اپنے اپنے ملکوں کے نمائندہ بن کر جنازہ میں نئی دہلی سے آئے تھے۔ ممبران پارلیمنٹ، ممبران اسمبلی ووزرا حکام کی تعداد بے شمار تھی۔ غرضے کہ خلق خدا امڈ آئی تھی۔ انسانوں کا سیلاب تھا جو جنازہ میں شرکت کے لیے آیا تھا۔

سرکار مفتی اعظم کی نماز جنازہ اشرف المشائخ، شہزادہ رسول، حضرت مولانا مفتی الحاج الشاہ سید محمد مختار اشرف صاحب قبلہ اشرفی جیلانی سجادہ نشین سرکار کلاں کچھوچھہ مقدسہ نے پڑھائی ہے۔ یہ خاکسار بھی اپنے مرشد کی نماز جنازہ میں تیسری صف میں موجود تھا۔
مولیٰ تبارک وتعالیٰ سرکار مفتی اعظم کے فیوض وبرکات کو تا قیامت جاری وساری رکھے آمین۔ یارب العالمین۔

☆☆☆

حضور مفتی اعظم ایک عظیم فقیہ ایک عظیم مجاہد

مولانا قمر الزماں خاں اعظمی مصباحی
جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن، لندن، برطانیہ

ہندوستان کی سرزمین جو اپنے رقبہ اور آبادی کے اعتبار سے دنیا کے درجنوں ممالک سے زیادہ وسیع و عریض ہے اور برصغیر کے نام سے متعارف ہونے کے باوجود نو دریافت براعظموں سے زیادہ آبادی کی حامل ہے۔ ہندوستان ان قدیم ترین ملکوں میں شامل ہے جن کی تاریخ ہزاروں سال پر مشتمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کثیر آبادی والے ملک میں داعیانِ اسلام اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں جلوہ گر ہوئے۔ ان داعیانِ اسلام کی کوششوں سے پہلی اور دوسری صدی ہجری میں اسلام اس سرزمین پر ایک عظیم مذہب اور نظامِ حیات کی حیثیت سے متعارف ہو چکا تھا۔ اس دور میں داعیانِ اسلام اور مسلم تاجروں کے ہاتھوں پر لاکھوں افراد اسلام قبول کر چکے تھے۔ بت کدۂ ہند میں اسلام کے فروغ کے ساتھ ساتھ توحید اور اصنام پرستی کی کشمکش کا آغاز ہوا اور اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ردِ عمل کے طور پر باطل قوتیں اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ اس عظیم دین سے برسرِ پیکار ہو گئیں۔ ہزاروں باطل خداؤں، سیکڑوں تہذیبوں اور لاتعداد رسوم و رواج کی حامل ہندو قوم کی ایک معتد بہ تعداد نے اسلام قبول کیا تو اکثریت نے اسلام دشمنی کی انتہا کر دی اور اہلِ حق کو ہر دور میں ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا مگر جامِ توحید پینے والے دیوانگانِ عشق نے ہر ستم گوارا کر لیا مگر دینِ حق سے انحراف گوارا نہ کیا۔

اس کی یہ خوبی عہدِ رسالت سے لے کر آج تک نمایاں ہے کہ جس نے ایک بار سچے دل سے اسلام قبول کر لیا وہ اس دینِ حق سے واپس باطل کی طرف لوٹنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

چنانچہ داعیانِ دین اور اولیاے کرام کے ایک طبقے نے اسلام کی دعوت دی اور غیر مسلموں کو اسلام میں داخل فرمایا تو دوسری طرف علماے ملت اسلامیہ اور مجددین امت نے دین پناہی کا فریضہ انجام دیا اور ہر دور میں اٹھنے والے فتنوں کا پوری قوت اور استقامت کے ساتھ مقابلہ کیا۔

کبھی اس ملک کے راجاؤں نے اپنے اپنے دورِ اقتدار میں مسلمانوں کو بت پرستی کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی اور کبھی ان کی متحدہ قوت نے موحدین کے خلاف ہر طرح کے ظلم و ستم کو روا رکھا۔ ابتداءً مال و دولت کی لالچ دی گئی، اقتدار پیش کیا گیا، مختلف علاقوں کی صوبہ داری کی تحریص و ترغیب دی گئی لیکن مسلمانوں نے جب مال و دولت اور دنیاوی اقتدار کو پاے حقارت سے ٹھکرا دیا تو پھر ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، ان کا معاشرتی بائیکاٹ کیا گیا۔ مگر وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس لیے کہ اللہ رب العزت نے اپنے دین کی اشاعت اور حفاظت کے لیے داعیانِ اسلام علما اور اولیا کو اس سرزمین پر بھیجا۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنی روحانی قوت سے باطل کو شکست دی بلکہ ان کے مذہبی "فلسفہ ویدانت" کا جواب بھی اسلام کے "عملی تصوف" سے دیا۔ صوفیاے کرام کا تصوف "خالص اسلامی

تصوف" تھا اور "احسان" کی اعلیٰ ترین شکل تھی۔

پنجاب کی سرزمین پر کفر کے شدید غلبے اور ظلم وستم کے دور میں حضور داتا گنج بخش سیدنا مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نفس گرم اور روحانی تاثیر سے لاکھوں غیر مسلموں کو اسلام کے دائرے میں داخل فرمایا اور تصوف کی پہلی کتاب "کشف المحجوب" کی تالیف کے ذریعہ اس ملک میں تصوف کی راہ پر چلنے والوں کے لیے ایک نصاب عمل بھی ترتیب دیا۔ کشف المحجوب اس محبوب حقیقی کے جلووں سے آشنائی اور اسی مستور ازل کی صفات کے مشاہدے کے لیے ایک اہم کتاب ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کی روحانی عظمت کا یہ حال تھا کہ وصال کے بعد بھی ان کا مزار مقدس، طالبان حقیقت کو اپنی طرف متوجہ کرتا رہا، چنانچہ سلطان الہند خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان مدینۃ الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور بغداد مقدس کے سفر سے واپسی کے بعد ہندوستان کے خطہ اجمیر میں قیام سے پہلے لاہور میں مزار داتا گنج بخش پر معتکف اور چلہ کش رہے اور چالیس روز تک کسب فیض کے بعد یہ اعتراف کرتے ہوئے عازم اجمیر ہوئے کہ

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہ نما

شہاب الدین غوری کی شکست کے بعد عطائے رسول خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ ہندوستان میں وارد ہوئے۔ ان کا ورود مسعود ایک ایسے دور میں ہوا جب مسلمان شکست خوردہ ہو چکے تھے اور پورے ملک بالخصوص راجپوتانہ کی سرزمین ان کے لیے مقتل بن چکی تھی۔ نفرتوں کا یہ عالم تھا کہ وہ کنوؤں سے پانی بھی نہ بھر سکتے تھے اور نہ ہی ان تالابوں میں غسل کر سکتے تھے جہاں غیر مسلم آباد تھے، ایسے نازک وقت میں حضور غریب نواز علیہ الرحمہ نے اپنی روحانی قوت سے باطل قوتوں کا مقابلہ کیا اور ان کی مساعی جمیلہ نیز ان کے روحانی تصرف سے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو راجاؤں کے ظلم وستم سے نجات ملی بل کہ لاکھوں ہندو مسلمان ہوئے اور شہاب الدین غوری کو فتح ونصرت ملی۔

ہندوستان کی سرزمین چوں کہ پنڈتوں، جوگیوں، پروہتوں اور پجاریوں کی آماجگاہ تھی ان کا اپنا ایک فلسفۂ مذہب تھا جس کو ویدانت کے نام سے جانا جاتا ہے جس میں روحانی ارتقا کے مختلف اسالیب کی وضاحت کی گئی ہے، اس لیے خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ نے اس سرزمین پر اسلام کی اشاعت کے لیے کثرت عبادت، ریاضت، چلہ کشی، دنیا سے بے رغبتی وغیرہ کو شامل نصاب دعوت فرمایا تا کہ داعیان اسلام روحانی اعتبار سے اس مقام بلند پر فائز ہوں جہاں دوسرے مذاہب کے لوگ نہ پہنچ سکیں۔ چناں چہ ان کا مقابلہ ہندو جوگیوں سے ہوا مگر خواجہ اپنے روحانی تصرفات کی بنا پر غالب رہے۔ اس طرح انھوں نے غیر مسلموں پر واضح فرما دیا کہ روحانیت کی اعلیٰ ترین منزلیں صرف اسلام اور عقیدۂ توحید کے ذریعہ طے کی جا سکتی ہیں۔

روحانی اعتبار سے اصنام پرستوں کو شکست فاش دینے کے بعد آپ نے خواب کے ذریعہ سلطان شہاب الدین سہروردی کو ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ اس نے راجاؤں کی متحدہ فوج کو شکست فاش دی۔ بعد میں سیکڑوں سال تک مسلمانوں کا سیاسی غلبہ اور اقتدار انھیں کے فتوحات کا تسلسل تھا۔

خواجۂ خواجگان نے نہ صرف اپنے دور میں اسلام کی اشاعت کے لیے جدوجہد فرمائی بل کہ آپ کی خانقاہ تصوف کی ایک ایسی تربیت گاہ تھی جس سے بے شمار لوگ تربیت یافتہ ہو کر کشور ہند کے تمام علاقوں میں پھیل گئے اور انھیں کی روایات پر عمل کرتے ہوئے اشاعت اسلام کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔

غریب نواز علیہ الرحمۃ کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ مستقبل میں ایک طویل زمانے تک دہلی مسلم فرماں رواؤں کا دارالسلطنت رہے گا

اور ایک مدت تک مسلم فرماں روا وہاں تخت نشین رہ کر پورے ملک میں حکمرانی کا فریضہ انجام دیں گے اس لیے سلاطین کی روحانی اور اخلاقی تربیت اور مسلمانوں کو دینِ حق پر استقامت بخشنے کے لیے آپ نے اپنے روحانی فرزند اور جانشین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو دہلی کا قطب الارشاد بنا کر متعین فرمادیا۔ انھوں نے اپنے دور کے حکمراں شمس الدین التمش کی دینی تربیت فرمائی۔

جب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے یہ ملاحظہ فرمایا کہ پنجاب کی سرزمین باب الہند ہے اور افغانستان نیز وسط ایشیا بالخصوص سمرقند و بخارا، ازبکستان، تاجکستان وغیرہ کے مسلم فاتحین اور صوفیہ اسی راستے سے ہندوستان میں وارد ہوتے ہیں تو انھوں نے خواجہ فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ والرضوان کو پورے پنجاب کا منصب خواجگی عطا فرما کر پاک پٹن شریف روانہ فرمایا اور خواجہ فرید الدین گنج شکر نے پورے پنجاب کو سیراب فرمایا۔ آج بھی خطہ پنجاب میں مشائخ چشت کی درجنوں خانقاہیں انھیں کی مرہونِ منت ہیں۔

اور جب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد دہلی کا روحانی تخت خالی ہو گیا تو خواجہ فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمہ نے حضرت نظام الدین اولیا علیہ الرحمہ کو وہاں متمکن فرمایا اور اس طرح دہلی کی امانت دہلی کو واپس فرمادی۔ خواجہ نظام الدین اولیا کے دور میں متعدد مسلم حکمراں دہلی کے تاج و تخت پر قابض ہوئے۔ ان میں کچھ آپ کے معتقد تھے اور کچھ آپ کی شہرت سے حسد کرتے تھے جو معتقد تھے وہ بارگاہ نظام سے نوازے گئے اور جو حسد کرتے تھے اور ان کے قتل کے درپے تھے انھیں

هنوز دلی دور است

کا مشہور جملہ ارشاد فرما کر زندگی اور اقتدار دونوں سے محروم فرمادیا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا نے اپنی خانقاہ میں روحانی تربیت دے کر درجنوں اولیاے کرام کو منصب دعوت و تبلیغ پر فائز فرمایا اور پھر ان اولیاے کرام نے دلی کو بائیس خواجگان کی سرزمین بنادیا۔

حضرت نظام الدین اولیا علیہ الرحمہ کی بارگاہ کے تربیت یافتہ اولیاے کرام نے صرف دہلی ہی نہیں بل کہ پورے ہندوستان کو نوازا۔ ہندوستان میں جہاں جہاں کفر و اسلام کی کشمکش تھی اور جو خطے اس دور میں سیاست میں نمایاں مقام رکھتے تھے، وہاں سلسلہ چشتیہ کے فیض یافتہ بزرگوں نے پہنچ کر اسلام کا پرچم بلند فرمایا اور لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل فرمایا۔ چنان چہ حضرت بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمۃ کو دکن کی روحانی سلطنت سپرد کی گئی۔ حضرت علاء الحق پنڈوی علیہ الرحمہ کو بنگال کا روحانی اقتدار بخشا گیا اور اس طرح اس طویل و عریض ملک کے طول و عرض میں تبلیغ و دعوت کا ایک منظم نظام نافذ کیا گیا۔

جب تک مسلمانوں کا اقتدار رہا اور مسلم بادشاہوں میں جو لوگ دین دار اور خدا ترس تھے انھوں نے مسلمان علما اور صوفیہ کی اعانت کی اور ان کی تعلیم و تربیت سے فیض یاب رہے۔ وہ کامیاب و کامران رہے مگر چند مسلم سلاطین ایسے بھی تھے جنھوں نے اپنے اقتدار کو طول دینے کی غرض سے دین کو پس پشت ڈال دیا اور اس بات کی کوشش کی کہ ایک ایسا مذہب رائج کیا جائے جو ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے لیے قابل قبول ہو یہ ان کی ایک سیاسی ضرورت تھی۔ چناں چہ مغل بادشاہ اکبر اعظم نے اپنے دور میں چند دین فروش دانشوروں کو جمع کر کے ایک نئے مذہب "دینِ الٰہی" کی بنیاد رکھی۔ اسلام اور ہندومت اور دیگر مذاہب کا ایک معجون مرکب تیار کیا اور خود کو اس نئے دین کا بانی قرار دیا اور بادشاہت کے زور سے اس نے باشندگانِ ہند کو اس نئے دھرم کی طرف مائل کرنا چاہا مگر اس دور کے علماے حق نے اکبر کے اس باطل دھرم کی شدت سے مخالفت کی۔ اس دور میں علما کی گرفت مسلم عوام پر بہت مضبوط تھی اس لیے اکبر اپنے اس منصوبے میں کامیاب نہ ہو سکا البتہ اس کے کچھ اثرات جہاں گیر کے دور اقتدار تک باقی رہے۔ اس دور میں بہت سی دوسری بدعات کو رواج دیا گیا۔ بہت سی ہندوانہ رسموں اور تیوہاروں کو حکومت کی سرپرستی میں عام کیا گیا۔ بادشاہ کے لیے "سجدۂ تعظیمی" ضروری قرار دیا گیا۔ ایسے دور میں حضرت مجدد

الف ثانی، شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ نے دین الٰہی اور دیگر بدعات وخرافات کے استیصال کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے ذریعے سلسلہ نقشبندیہ کو بہت فروغ حاصل ہوا اور ہندوستان کے علاوہ افغانستان، ترکی نیز وسط ایشیا کی تمام مسلم ریاستوں میں یہ سلسلہ بیعت وارشاد پھیلا اور تاہنوز اس کے اثرات پائے جاتے ہیں۔

سلسلہ چشتیہ اور نقشبندیہ کے علاوہ سلسلۂ قادریہ کے علما اور مشائخ اور اولیا نے صرف ہندوستان ہی نہیں بل کہ پوری دنیا میں اشاعت اسلام کا فریضہ انجام دیا۔ سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اوران کے دامن سے وابستہ اولیاے کرام نے براعظم ایشیا، یوپ اور افریقہ کے تمام ملکوں میں اشاعت اور تجدید دین کا اہم ترین فریضہ انجام دیا۔

چنان چہ آج بھی پوری دنیا میں حضور غوث الاعظم کے دامن کرم سے وابستہ مشائخ کے سلسلے قادری، تیجانی، بداوی اور شاذلی کے نام سے متعارف ہیں اور آج پوری دنیا میں انھیں کی اکثریت ہے۔ ہندوستان میں مسلم حکومتوں کے زوال کے ساتھ ساتھ باطل قوتوں نے زور پکڑا اور اسلام کو بیخ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے ہر چہار جانب سے حملے ہونے لگے تو علما اور مشائخ نے نکل کر خانقاہوں سے ادا کر ''رسم شبیری'' کا فریضہ انجام دیا اور برصغیر کے طول وعرض میں علماے اہل سنت نے مدارس اسلامیہ کا جال پھیلا دیا۔ افغانستان کی سرزمین سے لے کر بنگال کی سرزمین تک ہزاروں درس گاہیں قائم کی گئیں اوران درس گاہوں کی علمی اور فکری سرپرستی اس دور کے اکابر علما نے فرمائی۔ چنان چہ ہندوستان میں علم حدیث کو متعارف کرانے والی شخصیتوں میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہا الرحمہ کی سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ ان کے خانوادے نے علم کی اشاعت میں نمایاں کارنامے انجام دیے اوران علما نے ایسے وقت میں ملت اسلامیہ کی متزلزل دیواروں کو سنبھالا جب ہندوستان میں مسلم اقتدار اپنی آخری سانس لے رہا تھا۔

حکومت مغلیہ کے زوال کے بعد مسلم ہندوستان کے طول وعرض پر انگریز قابض ہو گئے اور صرف ہندوستان ہی نہیں بل کہ پوری دنیا کے بیشتر مسلم ممالک یورپین اقوام کے زیرنگیں آ گئے اور کالونیوں میں تبدیل ہو گئے اور پھر ۱۸۵۷ء کا وہ المیہ پیش آیا جس میں بیشتر علماے اہل سنت کو جہاد حق کی پاداشت میں سولیوں پر لٹکایا گیا یا انڈمان اور دوسرے جزائر میں قید تنہائی کی حالت میں جام شہادت نوش فرمایا۔ ان مجاہدین آزادی میں حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ کی ذات سب سے نمایاں ہے۔ علماے اہل سنت کی شہادت یا ان کے ملک بدر ہونے کے بعد میدان، دشمنانِ اسلام کے ہاتھ آ گیا اور مسلمانوں کا دفاعی مورچہ کمزور پڑ گیا اور اسلام پر ہر طرف سے یلغار ہونے لگی۔

انگریزوں نے غیر مسلموں کو یہ تاثر دیا کہ ہم نے اس ملک کی اکثریت کو مسلم اقلیت کے اقتدار اور مسلم سلاطین کے مظالم سے نجات دلائی ہے اور اس جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے انھوں نے مسلم حکمرانوں پر متندرشتی اور غیر مسلموں کو بزور شمشیر اسلام میں داخل کرنے کے الزامات عائد کیے۔ اس طرح یہاں کی ہندو اکثریت کو مسلم دشمنی پر ابھارا جس کے اثرات آج بھی بہت نمایاں ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کے عقیدے اور تعلق باللہ والرسول کو کمزور کرنے کے لیے ایسی درس گاہیں قائم کی گئیں جن میں انگریزوں کے وفادار پیدا ہوں اوران سے ایسی تحریریں لکھوائی گئیں جو ایک طرف نام نہاد مسلمانوں میں اہانتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے رجحانات کی حوصلہ افزائی کریں تو دوسری طرف مسلمانوں کی متحدہ قوت کو اختلاف وانفاق کا شکار بنادیں تاکہ دوبارہ علماے حق جہادِ آزادی کا نعرہ لگا کر انگریزوں کو اس ملک سے نکلنے پر مجبور نہ کر سکیں۔ ایسے پُرفتن دور میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کو پیدا فرمایا جن کے تجدیدی کارناموں نے دشمنان اسلام کے ناپاک عزائم کو شکست دی، انھوں نے اسلام اور عظمت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کے لیے چومکھی جنگ لڑی اور جہاد بالقلم کے ذریعہ باطل فتنوں کی سرکوبی کی اور کم وبیش ایک ہزار کتابیں تالیف فرما کر ملت اسلامیہ کے اہل علم اوران کی لائبریریوں کے

حوالے فرمادیا ان کتابوں میں دلائل کے وہ انبار لگادیے جو صبح قیامت تک اٹھنے والے تمام فتنوں کا جواب بن سکیں۔ انھوں نے صرف کتابیں ہی نہیں لکھیں بل کہ حضور غوث الاعظم و خواجۂ خواجگان علیہما الرحمۃ والرضوان کی سنت طیبہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے تلامذہ کی ایک عظیم جماعت تیار کی جس کا ہر فرد اس دور کے علوم وفنون متداولہ کے ہر علم وفن کا امام تھا۔ ان شخصیات میں امام العارفین رئیس الاتقیا مفتی اعظم حضرت مولانا مصطفیٰ رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات سب سے نمایاں اور ممتاز ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے فرزند تھے بل کہ حقیقی طور پر ان کے علم، تقویٰ، ان کی غیرت دینی، جلالت شان اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر کامل تھے۔ وہ ایک عظیم فقیہ، عظیم محدث، عظیم متکلم، عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ولی کامل اور عظیم مرشد طریقت تھے۔ امام اہل سنت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ نے اپنے منصب ولایت کو اپنے تفقہ کی چادر میں پوشیدہ رکھا تھا ورنہ حقیقۃً وہ ایک مجدد وقت کے ساتھ ایک فنافی الرسول، صاحب جذب وشوق، ولی کامل تھے انھوں نے اپنے واردات قلبی اور اپنے مشاہدات باطنی کو اپنے اشعار میں نمایاں فرمایا ہے۔ مثلاً

پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار　　　روکیے سر کو روکیے ہاں یہی امتحان ہے

یا

اے شوق دل یہ سجدہ گران کو روا نہیں　　　اچھا وہ سجدہ کیجیے کہ سر کو خبر نہ ہو

لیکن امام اہل سنت کی شخصیت کا یہ پہلو حضور مفتی اعظم کی ذات میں بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ حضور مفتی اعظم کے نزدیک توحید محض ایک لفظ نہیں جس کو صرف زبان سے ادا کیا جائے بل کہ ایک کیفیت ہے جو انسان کو جملہ موجودات اور ممکنات کے تعین سے بے گانہ کر دیتی چناں چہ جب وہ نماز پڑھنے کے لیے خدا کی بارگاہ میں کھڑے ہوتے تھے تو ایک خاص کیفیت ان پر طاری ہوتی تھی جس کا مشاہدہ ان سیکڑوں حاضر باش افراد نے کیا ہے، جنھوں نے انھیں نماز ادا فرماتے ہوئے دیکھا ہے۔ وضو اس طرح فرماتے کہ گویا وہ اپنے محبوب حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے طہارت کاملہ کے ذریعہ خود کو نکھار رہے ہوں۔ سنن ومستحبات اور تمام جزئیات کا کامل اہتمام فرماتے تھے۔ عمامہ شریف سر پر رکھتے اور عبا زیب تن فرماتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ اس مسجود حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے خود کو آراستہ کر رہے ہیں۔ کہ کہیں کوئی بٹن کھلا نہ رہ جائے، کہیں کوئی آستین مڑی نہ رہ جائے اور کہیں گریباں چاک حاضری کا الزام نہ عائد ہو جائے، کہیں لا ابالی پن اور کسل نہ نمایاں ہو اس لیے یہ سب ایمان اور محبت کے تقاضے کے خلاف ہے۔ نماز کی کیفیت کا یہ عالم تھا کہ محسوس ہوتا تھا کہ کانك تراہ کے کیف سرمدی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

دو عالم سے کرتی ہے بے گانہ دل کو　　　عجب چیز ہے لذت آشنائی

خادم نے شدید گرمی کے موسم میں جب وہ حالت نماز میں تھے پنکھا جھلنا شروع کر دیا تو سلام پھیرنے کے بعد سخت ناراض ہوئے کہ ایک بندۂ عاجز اپنے خدا کی بارگاہ میں حاضر تھا اور تم میری خدمت کر رہے تھے۔ کیا ایک غلام اپنے آقا کے حضور میں کسی خدمت گار کو لے کر حاضر ہو سکتا ہے؟

لوگ خدا کو شہید وبصیر مانتے ہیں مگر مفتی اعظم کی ذات پر خدا کے شہید وبصیر ہونے کا احساس اس قدر غالب تھا کہ وہ ایک لمحے کے لیے بھی اس کے حضور میں حاضری کے احساس سے غافل نہیں تھے۔ کسی نے سوال کیا کہ حضرت آج کے ماڈرن دور میں بعض مقامات پر سنت کے مطابق کھانا کھانے سے ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے جواب عطا ہوتا ہے کہ تم کو لوگوں کا احساس ہے مگر یہ احساس نہیں کہ تم رزاق مطلق کا رزق کھا رہے ہو اور تم اس کے بندے ہو۔ کیا ایک بندہ اپنے آقا کے حضور میں کبر ونخوت کے انداز سے کھانا کھا سکتا ہے؟

کسی نے ضعف کی وجہ سے آپ کے ہاتھ میں لرزش محسوس کی اور وضو کے لیے لوٹے سے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالنا چاہا تو منع فرما دیا اور فرمایا کہ وضو نماز کے اہتمام کا ایک حصہ ہے، یہ بھی عبادت ہے اور عبادت غیر مقصودہ میں بھی حتی الامکان کسی غیر سے مدد نہیں لینا چاہیے۔

سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ سفر وحضر میں اوقاتِ مستحبہ میں نماز کی ادائیگی کا اہتمام خود بھی فرماتے اور رفقاے سفر نیز خدام حاضر باش کو بھی حکم دیتے تھے۔ حاضر باشوں میں اگر کسی کی نماز گھر پر بھی قضا ہوتی تو سرکار مفتی اعظم محسوس فرما لیتے اور بوقت ملاقات چہرہ اقدس پر ناگواری کے آثار نمایاں ہوتے اور خادم محسوس کر لیتے کہ نماز قضا ہوگئی ہے اس لیے حضرت ناراض ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جو شخص نماز کی پابندی کرتا ہے اسے خداے پاک کی بارگاہ سے یہ توفیق ملتی ہے کہ اس کی نماز کبھی قضا نہ ہو۔ چنان چہ یہ دیکھا گیا ہے کہ سرکار مفتی اعظم اگر پلیٹ فارم پر نماز ادا فرما رہے ہیں اور ٹرین روانہ ہوگئی مگر آپ نماز میں اسی محویت کے عالم میں مصروف رہے لیکن ٹرین اسٹیشن کے حدود سے باہر نہیں نکل سکی بل کہ بعض تکنیکی خرابی کی وجہ سے روک دی گئی۔ آپ نے نماز کمالِ اطمینان و خشوع وخضوع کے ساتھ ادا فرمائی اور ٹرین پر بیٹھ گئے تو ٹرین روانہ ہوئی۔ وصال سے قبل کم وبیش دو سال تک صاحب فراش رہے اور کیفیت خاص سے دو چار رہے جو بہت سے اولیاے کرام کو وصال محبوب حقیقی سے پہلے حاصل ہوتی ہے، یہ مشاہدہ انوار الٰہی کی کیفیت ہے۔ اس حالت میں سالکانِ راہِ طریقت کو دنیا سے بے نیاز کر دیتی ہے، حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا یہ حال تھا کہ لوگ آپ سے ملنے کے لیے آتے مگر آپ انھیں پہچانتے نہیں۔ مجھے کبھی کبھی ایک ہی فرد سے کئی کئی بار پوچھتے کہ آپ کب آئے ہیں؟ مگر قربان جائیے۔ جب نماز کا وقت داخل ہوتا تو مکمل شعور کے ساتھ بیدار ہو جاتے، پورے اہتمام سے وضو فرماتے اور انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا فرماتے۔ کچھ لوگ منتظر رہتے، آپ انھیں مرید فرماتے اور بستر پر دراز ہوتے تو پھر اسی عالم میں چلے جاتے۔

تقسیم ہند کے بعد حالات انتہائی ابتر ہو گئے تھے۔ پورے ملک میں قتل وغارت گری کا بازار گرم ہوگیا تھا، لوگ پاکستان کے وجود کا انتقام ہندوستان کے مسلمانوں سے لے رہے تھے، کچھ لوگوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ بھی پاکستان منتقل ہو جائیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کو بے یار ومددگار چھوڑ کر میں اپنی ذات کے لیے پاکستان کیسے جا سکتا ہوں؟ اور پھر یہاں مزار اقدس حضرت علیہ الرحمۃ بھی تو ہے۔

بعض خیر خواہوں نے مشورہ دیا کہ محلہ سوداگران میں صرف آپ کا خاندان مسلم ہے ورنہ پورا محلہ غیر مسلموں کا ہے۔ آپ [illegible] نماز گھر میں ہی ادا فرمالیں۔ مبادا کہیں نقصان نہ پہونچ جائے؟ تو آپ نے ناراضی کا اظہار فرمایا کہ دنیا کا کوئی خوف مجھے اللہ کے گھر کی حاضری سے نہیں روک سکتا۔

ہندوستان میں ہوائی جہاز کے سفر کو اس لیے بہتر فرمایا کہ کم وقت میں منزل مقصود پر پہونچا دیتا ہے اور نماز قضا ہونے کا خوف نہیں [illegible]

صرف نماز ہی نہیں بل کہ زندگی کے تمام شعبوں میں آپ عزیمتوں پر ہی عامل رہے، آپ نے رخصتوں سے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ دراصل آپ کا سفر حیات عزیمتوں کا سفر تھا، آپ اولو العزم فقہا اور اولیا میں سے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے کبھی تقاضاے شریعت سے انحراف گوارہ نہ کیا۔

آج کا دور اباحیت پسندی اور تن آسانی کا دور ہے، لوگ حرام اشیا کو مباح قرار دینے کے لیے طرح طرح کے حیلے تراشتے ہیں لیکن حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کا موقف یہ تھا کہ تم اگر عزیمت کا راستہ اختیار کروگے تو لوگ رخصت پر رک جائیں گے لیکن اگر تم نے رخصت کو

اپنایا تو لوگ حرمت سے اجتناب نہ کر سکیں گے۔

حالات کا دباؤ کتنا شدید کیوں نہ ہو، آپ نے ہمیشہ اولیٰ پر عمل فرمایا اور فتویٰ بھی دیا، آپ کے معمولات اور فتاویٰ میں خلاف اولیٰ پر عمل اور حکم نہیں ملتا اور ایسا کیوں نہ ہو؟ اولیاے کرام خلاف اولیٰ کو بھی گناہ شمار کرتے تھے اور اس سے توبہ کرتے تھے۔ مسلم پرسنل لا کا مسئلہ ہو یا گاؤکشی کا، برتھ کنٹرول کا مسئلہ یا شاردا ایکٹ کا طوفان، آپ نے حالات کے دباؤ یا کسی نقصان کے خوف سے کوئی حکم صادر نہیں فرمایا بل کہ پرسکون حالات میں جن رعایتوں کو ملحوظ خاطر رکھا جاسکتا تھا، آپ نے اس کا بھی خیال نہیں فرمایا بل کہ پوری قوت اور ایمانی استقامت کے ساتھ حق کی حمایت میں فتویٰ صادر فرمایا جب کہ بہت سے لوگوں نے حالات کی خوفناکی کو سامنے رکھ کر جواز کا حکم دیا یا نظر ثانی کی دعوت دی۔ سرکار مفتی اعظم نے نہ صرف یہ کہ فتویٰ صادر فرمایا بل کہ ان فتاویٰ کی بھرپور اشاعت فرمائی اور مسلمانانِ ہند کو استقامت کی تلقین فرمائی۔

بہت مشہور قول ہے الاستقامة فوق الکرامة مگر مفتی اعظم صاحب استقامت اور صاحب کرامت دونوں تھے بل کہ ان کی کرامتیں بھی ان کی استقامت کے ذریعے ظہور پذیر ہوئیں۔

رجال الغیب اور جنات کے بارے میں اکثر علما فرماتے ہیں کہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے۔ خود میرا اپنا مشاہدہ ہے غالبًا ۱۹۵۸ء کی بات ہے کہ حضور مفتی اعظم میرے گاؤں خالص پور اعظم گڑھ میں جلوہ گر ہوئے۔ سعید خان صاحب کے چبوترے پر قدم رکھتے ہی السلام علیکم فرمایا اور فرمایا آپ کے مکان میں دو مہمان تو پہلے ہی سے موجود ہیں۔ اب اہل خانہ کو خیال آیا کہ بالائی منزل کے دروازے خود بخود کس طرح کھل جاتے تھے اور کبھی کبھی اوپر کے کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس کیوں ہوتا تھا۔ صاحب خانہ نے پوچھا کہ حضور ان سے کوئی نقصان تو نہیں ہوگا؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ بہت اچھے لوگ ہیں۔ بس آپ بالائی منزل صاف ستھری رکھیں تاکہ انھیں ایذا نہ پہونچے۔ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے اس بات کے شاہد ہیں کہ آپ انتہائی مہربان اور بہت کریم تھے۔ آپ کے دروازے پر ضرورت مند حاضر ہوتے تو آپ خود ان کی ضرورت پوری فرمادیتے اور کبھی کبھی خدام بارگاہ کو حکم دیتے کہ ان کی ضرورت پوری کر دیں۔

خورد نوازی کا یہ عالم تھا کہ ہم جیسے کم مایہ لوگ بھی ان کے الطاف کریمانہ سے محروم نہ رہے۔ سفر و حضر میں اپنے خدام کا خاص خیال رکھتے اور وہ دسترخوان پر موجود نہ ہوتے تو میزبان کو حکم دیا جاتا کہ انھیں بھی بلایا جائے۔ راے پور کے ایک اجلاس میں میری تقریر ہو چکی تھی کہ لوگ آقاے نعمت حضور مفتی اعظم کو اسٹیج پر لائے، آپ منتظمین اجلاس پر ناراض ہوئے کہ آپ لوگ مجھے پہلے کیوں نہ لائے؟ میں ان کی تقریر سننا چاہتا تھا۔

جبل پور میں حضور برہان الملۃ علیہ الرحمۃ والرضوان کی دعوت پر سرکار مفتی اعظم کی معیت میں حاضر ہوا۔ مجھے خطاب کا حکم دیا گیا، میں نے اس خیال سے اختصار سے کام لیا کہ اسٹیج پر دوسرے علما بھی جلوہ گر ہیں، کہیں میں ان کا وقت نہ لے لوں مگر حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے مجھے حکم دیا کہ میں دوبارہ تقریر کروں۔ ظاہر ہے یہ ساری نوازشات صرف میری حوصلہ افزائی کے لیے تھیں ورنہ من آنم کہ من دانم۔ بس ایک بات سرمایۂ افتخار ہے کہ

نسبت ذرہ بہ خورشید جہاں تابے است

خلاف شریعت بات پر سخت ناراض ہوتے لیکن اظہار ناراضی کے بعد لطف و کرم کی بارش بھی فرماتے اور سائل کو اس کی طلب سے سوا دیتے۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی مسیحا نفسی بے پناہ مشہور تھی۔ لوگ ان کی بارگاہ میں تعویذات کی غرض سے حاضر ہوتے اور شفایاب

وکامران لوٹتے۔ ملک و بیرون ملک کے لاکھوں افراد اس بات کے گواہ ہیں۔ انھیں حضور مفتی اعظم کے تعویذات اور دعاؤں سے بے پناہ فائدہ پہنچا ہے۔ لاکھوں افراد حضور مفتی اعظم کے تعویذات کی برکتوں سے دین دار اور پابند صوم وصلوٰۃ ہو گئے۔ اس لیے کہ ہر طالب کو نماز کی پابندی اور شریعت مطہرہ پر عمل کی تلقین فرمایا کرتے تھے ان کے بیشتر تعویذات آیاتِ قرآنیہ پر مشتمل ہوتی تھیں اور تعویذ لکھتے وقت ان آیات کی تلاوت بھی جاری رہتی تھی۔ اس طرح وہ مسلسل ذکر کی حالت میں رہتے" دست در عمل و زبان در ذکر" کی کیفیت ہمیشہ دیکھی جاسکتی تھی۔ لوگ ان کی بارگاہ میں تعویذ لینے کے لیے آتے اور عقیدہ وعمل کی زندگی سنوار کے جاتے تھے۔ ہزاروں افراد نے تعویذ کی برکتوں سے بدعقیدگی سے توبہ کی اور ہمیشہ کے لیے ان کے دامنِ عقیدت سے وابستہ ہو گئے۔

۱۹۷۶ء میں انگلینڈ سے پہلی بار وطن واپس ہوا اور آقائے نعمت مرشدِ گرامی کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس وقت آپ مسجد میں تھے میں نے قدم بوس ہونا چاہا مگر انھوں نے گلے سے لگالیا اور فرمایا بہت دنوں کے بعد آئے ہو۔ مسجد میں نماز کی ادائیگی کے بعد دولت کدے پر تشریف لائے۔ خلافت عطا فرمانے کے لیے آپ نے مطبوعہ اجازت نامہ طلب فرمایا۔ مجھ سے میرے والد محترم کا نام پوچھا۔ میں اس خیال سے گھبرایا ہوا تھا کہ خلافت کی عظیم ذمہ داری کس طرح نباہ سکوں گا؟ میں اس کا اہل نہیں ہوں، اس گھبراہٹ اور خوف کے عالم میں زبان سے نام کے بجائے والد مرحوم کی عرفیت" ناتواں خاں" نکل گئی۔ چہرۂ اقدس پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے اور فرمایا" بھلا یہ کیا نام ہوا" میں نے عرض کیا حضور ان کا اصل نام عبدالحمید ہے۔ پھر آپ نے نہ صرف یہ کہ اجازت مرحمت فرمائی بل کہ آپ نے دست کرم سے سلاسل اربعہ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ بھی تحریر فرمادیا۔ اس وقت دراقدس پر حضرت مولانا مفتی غلام محمد صاحب ناگ پوری اور ریحانِ ملت حضرت علامہ ریحان رضا صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہما موجود تھے۔

۱۹۷۲ء میں مولانا قاری حسین الدین صاحب جو غالباً گجرات کے رہنے والے تھے، عازمِ لندن ہوئے اور سرکار مفتی اعظم ہند کی بارگاہ میں بغرض سلام حاضر ہوئے۔ انھوں نے اپنے لندن جانے کا تذکرہ سرکار مفتی اعظم سے کیا۔ حضرت نے انھیں ایک تعویذ عطا فرمایا اور کہا کہ یہ فلاں صاحب کو بریڈفورڈ میں دے دیجیے گا، انھوں نے بذریعہ خط درخواست کی ہے۔ مولانا حسین الدین صاحب تعویذ لے کر بے پایاں مسرور ہوئے اور لوگوں سے کہنے لگے، اب مجھے لندن جانے سے کوئی قانون نہیں روک سکتا۔ اب میں سرکار مفتی اعظم کی امانت پہونچانے جا رہا ہوں۔ (خیال رہے کہ اس زمانے میں ویزا ان لندن ایرپورٹ پر ملتا تھا اور بعض وقت مسترد بھی ہو جاتا تھا۔) اور ہوا بھی یہی وہ ایرپورٹ پر اترے، ویزا آفیسر نے پوچھا کہ آپ کس لیے آئے ہیں؟ انھوں نے کہا تدریس کے لیے۔ کیا پڑھائیں گے؟ مولانا نے کہا قرآن شریف۔ اس نے کہا مجھے قرآن سنائیے۔ آپ نے ایرپورٹ پر سورۂ فاتحہ کی تلاوت کر دی اور اس نے ویزا دے دیا۔ شاید برطانیہ کی تاریخ میں یہ سب سے انوکھا اور مختصر انٹرویو تھا۔ قاری صاحب اس کا تذکرہ زندگی بھر لوگوں سے فخریہ کرتے رہے۔

اولیاے کرام کی کرامتیں حق ہیں۔ حضور مفتی اعظم بلاشبہ نہ صرف ایک ولی کامل تھے بل کہ ولی گر تھے۔ ان کی بارگاہ سے فیض یافتہ منصب ولایت پر فائز ہوتے تھے۔ اسی لیے ان کی ذات گرامی سے کرامتوں کا صدور بھی حق ہے مگر گذشتہ صدی میں ان سے زیادہ صاحب کرامت بزرگ کوئی اور نظر نہیں آتا۔ ان کی کرامتوں کے تذکرے کے لیے ہزاروں صفحات درکار ہیں۔ ان سے ملنے والا شاید ہی کوئی عقیدت کیش ہو جس کے سینے میں ان کی کوئی نہ کوئی کرامت محفوظ نہ ہو۔ مگر میرے نزدیک ان کی کرامتوں سے زیادہ اہم ان کے وہ عظیم اور تاریخ ساز کارنامے ہیں جنھوں نے اسلامیانِ ہند کے ایمان وعمل کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور صبح قیامت تک امت مسلمہ اسی انقلاب کی برکتوں سے فیض یاب ہوتی رہے گی۔ مصائب اور مشکلات کے زمانے میں اٹھنے والے فتنوں کا مقابلہ آپ نے جس ہمت و

استقلال اور جرأت و بشاشت کے ساتھ کیا، یہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ آپ کے کردار و عمل اور جہاد فی سبیل اللہ سے ہزاروں مسلمانوں کو نئی زندگی ملی اور استقامت علی الدین کا حوصلہ ملا۔ بسا اوقات اولیاے کرام کے عقیدت کیش، کرامتوں کے ہجوم میں ان کی زندگی کے ان گوشوں کو فراموش کر دیتے ہیں جن کا تعلق جہد مسلسل، سعی پیہم اور جہاد فی سبیل اللہ سے ہوتا ہے۔ سرکار مفتی اعظم اس اعتبار سے ایک تاریخ ساز شخصیت کے حامل تھے کہ آپ نے اپنے دور میں جو کچھ کم ایک صدی پر مشتمل تھا، اٹھنے والے تمام فتنوں کا مقابلہ کیا اور پورے عزم و حوصلہ کے ساتھ ان گمراہیوں کا سد باب کیا جو مسلم معاشرے میں دراندازہو رہی تھیں۔ آپ نے اپنی تحریر و تقریر نیز حرکت و عمل سے الحاد و بے دینی کی کتنی ہی تحریکوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ہماری نسل نے ان کا بڑھاپا دیکھا ہے، مگر جن لوگوں نے ان کا عہد شباب دیکھا ہے وہ اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ صرف ایک عالم ایک فقیہ، ایک ولی ایک زاہد شب زندہ دار ہی نہیں بل کہ ایک عظیم مجاہد بھی تھے۔

مسلمانوں کے دور اقتدار میں داعیانِ دین نے دین کو پھیلایا مگر حضور مفتی اعظم نے دین کو پھیلایا بھی اور دین پناہی کا فریضہ بھی انجام دیا۔ آپ نے اسلام کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت فرمائی۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ''فقہا کے قلم کی سیاہی شہدا کے خون سے تولی جائے گی۔'' شہید مملکت اسلامیہ کی جغرافیائی سرحدوں کے لیے جان دیتا ہے اور فقیہ اسلام کی نظریاتی سرحدوں کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔

ایک ایسے دور میں جب لوگ فرائض و واجبات کی پروا نہیں کرتے تھے۔ سرکار مفتی اعظم نے ان سنتوں کا احیا فرمایا جو نہ صرف یہ کہ لوگوں کی زندگی سے نکل چکی تھیں بل کہ ذہنوں سے بھی محو ہو گئی تھیں۔ آپ نے سیکڑوں سنتوں کو اپنے قول و عمل سے رواج عام دیا اور خود بھی تمسک بالسنۃ کا اہتمام فرماتے رہے۔ اور اپنے لاکھوں مریدوں کو بھی حکم دیتے رہے بلاشبہ آپ کو سیکڑوں شہدا کے ثواب سے نوازا جائے گا۔ اس لیے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ **من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهید.**

(مشکوٰۃ شریف، ج۔ ا حدیث۔ ۱۷۶، دار الفکر، بیروت)

جس نے فساد امت کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھا اس کو سو (۱۰۰) شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ سرکار مفتی اعظم کا دور مسلمانوں کی سیاسی اور مذہبی انحطاط اور زوال کا دور تھا، حکومتیں مٹ چکی تھیں انگریزوں نے پورے ملک پر قبضہ کر لیا تھا اور مسلمانوں کے عقیدہ و ایمان پر ہر چہار جانب سے حملے ہو رہے تھے، کہیں وہابیت کے باطل عقائد کے ذریعہ مسلمانوں کے دلوں سے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت چھیننے کی کوشش کی جا رہی تھی تا کہ قوم مسلم بے جان لاشے میں تبدیل ہو جائے ؏

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا　　　روح محمد اس کے بدن سے نکال دو

اور کہیں قادیانیت، رفض و خروج اور نیچریت اپنے عقائد باطلہ کی اشاعت میں معروف تھیں۔ ایسے دور میں امام اہل سنت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ نے ان فتنوں کی سرکوبی کے لیے دلائل کی جو سرحدیں تعمیر فرمائی تھیں، سرکار مفتی اعظم نے زندگی کی آخری سانس تک ان کی حفاظت فرمائی۔

پیرانِ طریقت اور مشائخ کے ہجوم میں سرکار مفتی اعظم کی ذات اس اعتبار سے بہت ممتاز ہے کہ ان کے مریدین میں بیشتر علماے ملت اسلامیہ ہیں کہ عالم میزان علم و عمل پر پورا اترنے کے بعد ہی شیخ کسی کے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دیتا ہے۔ یہ مرشد برحق حضور مفتی اعظم کا روحانی تصرف تھا کہ جس نے بھی ان کے ہاتھوں میں ہاتھ دیا وہ حق کے راستے میں جہاد فی سبیل اللہ کا آئینہ دار بن گیا۔

بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں فتنۂ ارتداد (شدھی سنگھٹن) اپنی پوری قوت کے ساتھ تمام مادی وسائل سے مسلح ہو کر اسلام پر حملہ آور ہوا۔ ہندوؤں نے یہ پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ ہندوستانی مسلمان اصلاً ہندو ہیں، مغلوں نے انھیں بزور شمشیر مسلمان کیا تھا اب مغل ختم ہو چکے ہیں، اس لیے ان کو اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آنا چاہیے۔ آگرہ وغیرہ کے ہزاروں مسلمان ہندو بن گئے۔ انھوں نے معاذ اللہ داڑھیاں منڈا دیں اور سر پر چوٹیاں رکھنے لگے۔ اس فتنۂ ارتداد کو ہندوؤں کے پنڈت، سرمایہ دار اور راجاؤں کا ہر طرح سے تعاون حاصل تھا۔ ان کا ارادہ تھا کہ چند سالوں میں مسلمانانِ ہند ہندو بن جائیں گے اور اس طرح ان کے اکھنڈ بھارت اور رام راج کا دیرینہ خواب پورا ہو سکے گا۔ ہندو ساہوکاروں نے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیے اور غریب مسلمانوں کو دولت کی لالچ دے کر ہندو بنانے لگے اور جن علاقوں میں مسلمان ہندو بننے کے لیے تیار نہیں ہوئے، ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے جانے لگے۔ در پردہ اس میں حکومت وقت بھی ملوث تھی جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اس طرح سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر تحریکِ آزادی کا راستہ بھی روکا جا سکے گا اور مسلمانوں کی متحدہ قوت کو کمزور بھی کیا جا سکے گا۔

اسی زمانے میں متعدد پنڈتوں نے اسلام کے خلاف انتہائی دل آزار کتابیں لکھیں جس میں اسلام کے عقائد، قرآن عظیم اور پیغمبر اسلام کی سیرت طیبہ کا مذاق اڑایا گیا۔ سوامی شردھانند کی "ستیارتھ پرکاش" اور ایک اور گستاخ کی کتاب "رنگیلا رسول" اس دور کی پیداوار تھیں سب سے تکلیف دہ بات یہ ہے کہ علماے دیوبند اور ان کے ہم خیال مسلم سیاستدانوں نے اسی دور میں انگریزوں کے مقابلے میں ہندو مسلم اتحاد کی تحریک چلائی اور سوامی شردھانند جیسے گستاخ کو دلی کی جامع مسجد کے منبر پر بٹھا کر تقریریں کروائیں اور فتنۂ ارتداد سے یکسر آنکھیں بند کر لیں۔

ہندو مصنفین نے اس دور میں دست یاب قرآن عظیم کے تراجم کو سامنے رکھ کر اس طرح کے عنوانات اپنی کتابوں میں قائم کیے۔
معاذ اللہ۔ مسلمانوں کا خدا مکار ہے۔
اور نیچے "وَمَكَرُوا وَ مَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ٥ (آل عمران: ۵۴)
لکھ کر دیابنہ کے ترجمے پیش کر دیے جنھوں نے عربی مکر کا ترجمہ اردو میں بھی "مکر" ہی سے کیا تھا۔
"مسلمانوں کا خدا ٹھٹھا کرتا ہے۔" اس سرخی کے نیچے اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ (البقرة: ۱۵) والی آیت لکھ کر استہزا کا وہ ترجمہ کیا جو اس دور میں بعض تراجم میں موجود تھا۔ ایسے نازک ترین دور میں فتنۂ ارتداد کے خلاف حضور مفتی اعظم نے سنت صدیقی پر عمل کرتے ہوئے ایک عظیم تحریک چلائی۔ جماعت رضاے مصطفیٰ کے پلیٹ فارم پر اکابر علماے اہل سنت کو جمع فرمایا، متاثرہ علاقوں کا دورہ فرمایا۔ چند توں مناظرے کیے اور بعض بعض علاقوں میں کئی کئی ماہ خیمہ زن رہ کر ارتداد کے سیلِ رواں کو روکا، مرتد ہو جانے والے مسلمانوں کو دوبارہ اسلام میں داخل فرمایا۔ آپ کی جماعت کے ساتھ کچھ حجام بھی ہوتے تھے جو دوبارہ اسلام قبول کرنے والوں کے آثارِ ہندومت کو سروں سے غائب کر دیتے تھے۔

یوں تو جملہ علماے اہل سنت حضور مفتی اعظم کے زیر قیادت اس جہادِ عظیم میں شامل تھے مگر اعلیٰ حضرت کے چند عظیم خلفا حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا قطب الدین برہمچاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مناظرانہ طرزِ استدلال سے حالات کا رخ بدل دیا۔ اس تحریک میں پنجاب کے ایک عظیم شیخ طریقت عاشق رسول حضرت علامہ پیر جماعت علی محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا سرکار مفتی اعظم کی دعوت پر اپنے رضا کاروں کے ساتھ جو

ہیشہ مسلح ہوتے تھے ان علاقوں کا دورہ فرمایا اور اپنی نظر کیمیا اثر سے ارتداد کے فتنے کو ختم فرمایا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مفتی اعظم کا عہد شباب تھا اور ان کی دعوت پر اور ان کی قیادت میں معمر علما نے اس جہاد عظیم میں شرکت فرمائی۔

اس دور میں دوسرے تراجم قرآن کے مقابلے میں اعلی حضرت علیہ الرحمۃ کے ترجمہ قرآن عظیم نے ایک اہم رول ادا کیا۔ فتنہ ارتداد کا استیصال حضور مفتی اعظم کی حیات مبارکہ کا ایک عظیم باب ہے۔

علمائے اہل سنت اور مشائخ عام طور پر یا تو خانقاہوں سے وابستہ رہے یا درسگاہوں سے۔ انھوں نے سیاست کو شجر ممنوعہ قرار دے کر ہمیشہ خود کو میدانِ سیاست سے دور رکھا جس کی وجہ سے انھیں مختلف ادوار میں شدید نقصانات برداشت کرنے پڑے لیکن سرکار مفتی اعظم نے بوقتِ ضرورت بعض سیاسی امور پر امت مسلمہ کو جمع فرمایا اور مرادآباد نیز بنارس کانفرنس میں سرحد سے لے کر بنگال تک تمام علما نے جمع ہو کر اپنے متفقہ فیصلوں سے حکومت وقت کو آگاہ کیا جس کے مثبت نتائج بھی برآمد ہوئے۔

انھوں نے برتھ کنٹرول اور مسلم پرسنل لا کے معاملے میں شریعت مطہرہ کا جو فیصلہ صادر فرمایا اس پر ملک کے ہزاروں علما نے تائید فرمائی اور ایک آواز ہو کر حکومت کے غیر اسلامی فیصلوں کا مقابلہ کیا۔

سرکار مفتی اعظم کی شخصیت جملہ علمائے اہل سنت اور جملہ سلاسل طریقت کے مشائخ کے لیے مرجع فتاویٰ اور عظیم قائد کی حیثیت رکھتی تھی ان کے ہر فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرنا علما و مشائخ ملت اسلامیہ کا معمول تھا وہ ایک عظیم ولی، عظیم قائد، عظیم مجاہد اور مرجع فتاویٰ تھے ان کی زندگی ہر دور کے مسلمانوں کے لیے منارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم: متقی اعظم

مولانا الحاج قاری محمد امانت رسول صاحب رضوی
الجامعۃ الرضویہ مدینۃ الاسلام، ہدایت نگر، پیلی بھیت شریف

الله رب محمد صلی علیه و سلما و علیٰ ذویه و اله ابدا الدهور وکرما

قطب مدینہ اور حضور مفتی اعظم قبلہ :

آیئے قطب مدینہ، عارف باللہ، مکین طیبہ، اعلیٰ حضرت سرکار کے خلیفہ علامہ شیخ ضیاء الدین احمد مدنی قدس سرہٗ النورانی کی بارگاہ میں حاضری دیں۔ جب حضرتِ مدنی کی قدم بوسی کا شرف پہلی بار ۱۳۹۶ھ میں راقم الحروف کو حاصل ہوا والد محترم شمس الفیوض الحاج محمد ہدایت رسول صاحب کے ہم راہ حاضرِ خدمت ہوا۔ حضرت مدنی مدینۂ پاک میں مسجد نبوی کے سامنے اصطفا منزل کے قریب اپنے مکان جنت نشان میں جلوہ فرماتے تھے۔ شہزادۂ اعلیٰ حضرت، مرشد برحق حضور، مفتی اعظم قبلہ علیہ الرحمۃ نے بنام قطب مدینہ اپنے غلام محمد امانت رسول رضوی کے متعلق جو والا نامہ تحریر فرمایا تھا، خادم نے وہ پیش کیا۔ حضرت مدنی اس گرامی نامہ کو لے کر کھڑے ہو گئے اور عجب وجدانی کیفیت ہو گئی۔ اس خط کو کبھی سر پر رکھتے تھے، کبھی آنکھوں سے لگاتے تھے اور بار بار فرماتے تھے۔ سبحان اللہ و بحمدہ مرحبا مرحبا۔ یہ خط تو میرے مفتی اعظم قبلہ کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے۔

بچپن میں بھی یکتائے زمانہ :

ایک مجلس میں حضرت مدنی نے فرمایا قاری صاحب آپ کے مرشد حضرت مفتی اعظم قبلہ کی ولادت ۱۳۱۰ھ میں ہوئی اور فقیر کی ولادت ۱۲۹۴ھ میں۔ فقیر کی عمر اس وقت سولہ برس کی تھی۔ ۱۳۱۳ھ میں پیلی بھیت حضور محدث سورتی قدس سرہ کے مدرسۃ الحدیث میں زیر تعلیم تھا۔ ہر جمعرات کو بریلی شریف حضور محدث سورتی کے ہم راہ اعلیٰ حضرت سرکار قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ حضرت مفتی اعظم اس وقت تین برس کے تھے۔ فقیر نے حضرت کو اپنی گود میں لیا ہے۔ فقیر مفتی اعظم کو جتنا جانتا ہے، دوسرا نہیں جانتا کہ فقیر نے بچپن دیکھا، جوانی دیکھی اور اب بڑھاپا بھی دیکھ رہا ہے۔ لوگ بڑھاپے میں عمل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، بڑھاپے میں عمل کی طرف ہونا کوئی کمال کی بات نہیں۔ جوانی دیوانی مشہور ہے۔ جوانی میں منہیات شرعیہ سے محفوظ رہنا اور شریعت مصطفویہ پر عمل پیرا ہونا سب سے بڑا کمال ہے۔ ضیاء الدین احمد مدنی بڑے ناز کے ساتھ گنبد خضرا کے سامنے مدینۂ پاک میں یہ کہہ رہا ہے کہ فقیر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا مفتی اعظم قبلہ بچپن ہی سے پیکر زہد و تقویٰ ہیں۔ اس وقت تو ان کی بزرگی کا کیا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے۔ اعلیٰ حضرت سرکار خود ان پر فخر فرمایا کرتے تھے وہ ظاہر و باطن میں سراپا اعلیٰ حضرت ہیں۔ فقیر مدنی تو ان کو ثانی اعلیٰ حضرت کہتا ہے مفتی اعظم دنیائے اسلام کی بزرگ ترین ہستی ہیں۔

چراغ لے کر زمانے میں ڈھونڈو :

برادرزادہ اعلیٰ حضرت، استاد العلما علامہ حسنین رضا خاں صاحب نے راقم الحروف سے فرمایا قاری صاحب میں سچ کہتا ہوں حضور مفتی اعظم قطب الارشاد ہیں۔ میں ان کا چچیرا بھائی ہوں، ان کا ہم عمر گھر کا ایک فرد ہوں۔ قاری صاحب ان کا اور میرا بچپن ایک ساتھ گزرا، وہ بچپن میں بھی لہو ولعب اور کھیل کود سے دور ہی رہے۔ میں نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ گھر میں دیکھا، باہر دیکھا، قاری صاحب میرا یہ قول نوٹ کرلو" چراغ لے کر اگر دنیا میں ڈھونڈو گے تو واللہ مفتی اعظم جیسا شیخ نہیں پاؤگے"۔

ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس دہر میں تھک جاؤگے　　　مفتی اعظم جیسا نہیں پاؤگے

یہ اس بزرگ ترین استاد المتکلمین ہستی کے ارشادات ہیں جو اعلیٰ حضرت سرکار کے حقیقی بھتیجے ہیں۔ اعلیٰ حضرت سرکار کے شاگرد وخلیفہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت سرکار کے داماد ہیں۔ اعلیٰ حضرت سرکار کے منجھلے بھائی، استاد زمن علامہ حسن رضا صاحب کے صاحبزادے ہیں اور محدث بریلی علامہ تحسین رضا کے والد ماجد ہیں۔

حضور محدث اعظم ہند اور حضور مفتی اعظم :

فخر خاندان اشرفیہ حضور محدث اعظم ہند قدس سرہٗ شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں" آج کی دنیا میں جس کا فتویٰ سے بڑھ کر تقویٰ ہے۔ ایک شخصیت مجدد مائۂ حاضرہ کے فرزند دل بند کا پیارا نام مصطفیٰ رضا بے ساختہ زبان پر آتا ہے اور زبان بے شمار برکتیں لیتی ہے۔

نور چشم اعلیٰ حضرت راحت دل خستہ جاں　　　مفتی اعظم بنام مصطفیٰ شاہ زماں

دو بزرگوں کے تین حج : قدم قدم پر اعلیٰ حضرت کی یادیں تازہ ہوگئیں

قطب مدینہ، خلیفۂ اعلیٰ حضرت علامہ شیخ ضیاء الدین احمد مدنی نے راقم الحروف فقیر محمد امانت رسول رضوی سے مدینۂ پاک کی ایک مجلس میں فرمایا۔ قاری صاحب فقیر مدنی نے حج فرض کے بعد حج نفل اعلیٰ حضرت سرکار کے حکم پر ایک بار کیا۔ اس کے بعد مدینہ طیبہ سے باہر نہیں گیا۔ لیکن اعلیٰ حضرت سرکار مرشد برحق کے فرزند افقہ الفقہا مفتی اعظم علامہ شیخ مصطفیٰ رضا صاحب حج وزیارت کو تشریف لائے۔ اب کیا کیا جائے تو فقیر مدنی نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے ساتھ حج کیا جائے لہٰذا فقیر نے حضرت کے ساتھ حج کیا ان کی اہلیہ محترمہ مخدومہ بھی ساتھ تھیں۔ حضرت نے اس بڑھاپے کے عالم میں بھی اور ان کی اہلیہ محترمہ نے بھی سنت کے مطابق پیدل ہی حج کیا۔ قاری صاحب حضرت کے ساتھ اس مبارک سفر میں قدم قدم پر اعلیٰ حضرت مرشد کی یادیں تازہ ہوگئیں۔ معلوم ہوتا تھا اعلیٰ حضرت ساتھ ہیں۔ مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ کے مفتیان عظام علمائے کرام، مشائخ وسادات کرام نے حضرت سے خلافتیں اجازتیں لیں، اور داخل سلسلہ ہوئے۔

علما و مفتیان حرمین نے حضرت سے خلافتیں لیں :

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ حج وزیارت کے لیے کئی مرتبہ حاضر ہوئے۔ اس وقت مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے بڑے بڑے علما مفتیان کرام نے آپ کے سامنے زانوئے ادب تہہ فرمائے اور شرف تلمذ پایا اور خلافتیں اجازتیں حاصل کیں۔ ان میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی جو مرشد برحق حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے فقیر محمد امانت رسول رضوی کو بتائے وہ پیش کیے جاتے ہیں (۱) مفتی حرم حضرت

علامہ سید محمد مغربی مالکی مکی (۲) شیخ العلماء حضرت علامہ سید امین قطبی مکی (۳) جلالۃ العلم حضرت علامہ مفتی سید محمد نور مکی (۴) استاد العلماء حضرت مولانا مفتی جعفر بن کثیر مکی (۵) حضرت علامہ مولانا شیخ عمر حمدان مکی (۶) حضرت علامہ شیخ ابراہیم مدنی (۷) حضرت علامہ پیر عبدالمالک (۸) حضرت علامہ مرزوقی اور شیخ الفضیلت علامہ شاہ فضل الرحمٰن صاحب شہزادہ حضور ضیاء الملت مدنی۔

داڑھی کے دھوون سے بخار غائب :

تلمیذ صدر الشریعہ حضرت علامہ قاری محبوب رضا صاحب پاکستانی نے فرمایا قاری صاحب قطب عالم حضور مفتی اعظم ہندو سندھ کی ۲۸ سال کی عمر ہوگی۔ حضرت کی داڑھی بالکل کالی تھی۔ ایک بڑی بی صاحبہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئیں کہ حضور میرا پوتا بہت بیمار ہے۔ بخار بہت تیز ہے، حکیموں نے جواب دے دیا ہے، بے ہوشی طاری ہے، حضور آپ کا مرید ہے، اسے دیکھ لیجیے۔ بار بار غشی طاری ہو رہی ہے، حضور اکلوتا ہی لڑکا ہے۔ اعلیٰ حضرت ایک فتویٰ تحریر فرما رہے تھے۔ دعا فرمادی اور فرمایا ایک جواب لکھ رہا ہوں۔ فرصت ملنے پر دیکھ لیا جائے گا۔ بڑی بی صاحبہ کو اعلیٰ حضرت کی یہ بات کچھ پسند نہ آئی اور ناراض سی ہو کر یہ کہتی ہوئی چل دیں کہ جب اپنا پیر ہی نہیں سنے گا تو خدا بھی کرم نہیں فرمائے گا۔ اعلیٰ حضرت نے خادم سے کہا کہ ان بڑی بی صاحبہ نقاب پوش کو جلد بلاؤ۔ خیر خادم نے جا کر کہا۔ اعلیٰ حضرت بلا رہے ہیں۔ واپس آئیں تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا مولانا مصطفیٰ رضا کہاں ہیں؟ بلایا جائے۔ مصطفیٰ میاں کی داڑھی میں یہ تاثیر ہے کہ ان کی داڑھی کا دھوون جس بخار زدہ کو پلا دیا جائے کیسا ہی بخار ہو بفضلہ تعالیٰ شفا مل جاتی ہے۔ بخار اتر جاتا ہے۔ حضرت مفتی اعظم تشریف لائے، جوانی کا عالم تھا، حضرت کی داڑھی اس وقت بالکل کالی تھی، کوئی بال سفید نہیں ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا مصطفیٰ میاں جایئے وضو کیجیے اور داڑھی کا دھوون کسی برتن میں کر کے انھیں دے دیجیے۔ حضرت نے ایسا ہی کیا۔ بس بڑی بی صاحبہ خوش خوش وہ پانی لے کر گھر آئیں اور بچے کو پانی پلایا۔ بس پانی پیتے ہی بچے نے آنکھیں کھول دیں اور بخار اتر گیا۔ شام میں بڑی بی صاحبہ۔ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا حضرت یہ وہی بچہ ہے۔ جس کو حکیموں نے جواب دے دیا تھا پانی پلاتے ہی غشی اور بخار ختم ہوا۔ فوراً اس بچے نے آنکھ کھول دی اور بالکل ٹھیک ہو گیا۔

سراپا ہیں کرامت ہی کرامت مفتی اعظم	شہ نوری میاں کی ہیں بشارت مفتی اعظم
امانت ہیں سراپا اعلیٰ حضرت مفتی اعظم	ضیاء الدین احمد قطب مدینہ نے کہا مجھ سے

حضور برہان ملت کی عقیدت :

حضور مفتی اعظم قدس سرہ کے وصال پر ملال کے بعد جب حضور برہان ملت، خلیفۂ اعلیٰ حضرت جبل پوری علیہ الرحمہ بریلی شریف تشریف لائے تو راقم الحروف بھی بریلی شریف حاضر تھا۔ حضور مفتی اعظم کے دولت خانہ پر دار الافتاء والی سہ دری بیٹھک میں جہاں حضرت تشریف فرما ہوتے تھے، وہاں حضرت برہان ملت جلوہ فرما ہیں۔ رقت طاری ہے، فرمانے لگے۔ قاری امانت رسول یوں تو میری پیدائش حضور مفتی اعظم قبلہ کی ولادت سے ۹ ماہ قبل ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۱۰ھ پنج شنبہ کو ہوئی لیکن حضرت مجھ خادم سے مراتب میں بہت بڑے ہیں۔ حضرت کے وصال پُر ملال کی خبر سنتے ہی فقیر پر غشی طاری ہو گئی، طبیعت بگڑ گئی، جب کچھ فرق ہوا تو برجستہ یہ رباعی فقیر کی زبان پر جاری ہو گئی۔ نوٹ کر لیجیے۔

آہ ہم خدام پر سے اٹھ گیا	مفتی اعظم کا ظلِ عاطفت

اعلیٰ حضرت کی شبیہ پاک کا　　　　دل کے آئینے میں نقشہ رہ گیا

اس رباعی میں بھی اللہ اکبر حضرت برہان ملت نے اپنے کو حضرت مفتی اعظم کا خادم فرمایا۔ پھر فرمایا قاری صاحب حضرت کی کوئی منقبت سنائیے۔ راقم الحروف نے حسب الحکم حضرت برہان الملت کو اپنی لکھی ہوئی منقبت سنائی جس کا مطلع ہے

رضائے مصطفیٰ آقائے نعمت مفتی اعظم　　　　مسلم پیشوائے اہل سنت مفتی اعظم

فقیہ العصر :

حضور پرنور، ماحی فسق وفجور، مرشد برحق عاشق موجود مطلق، تاجدار اہل سنن، فرزند اعلیٰ حضرت، آقائے نعمت، محمد آل الرحمٰن محی الدین جیلانی علامہ شیخ مصطفیٰ رضا نوری مفتی اعظم کی ذات بابرکات بہ فیضان سید السادات، صاحب البرکات علیہما الرحمۃ مجمع الکمالات جامع الصفات تھی کہ عوام الناس تو عوام الناس بڑے بڑے علما، عرفا، اولیا، اصفیا، اتقیا، فقہا آپ سے تعلق رکھتے اور آپ کی نسبت پر فخر فرماتے۔ عالم اسلام کے مشہور ومعروف مقتدر، جلیل القدر، نامور علمائے عصر، فقہائے دہر نے آپ کے علم وفضل زہد وتقویٰ عبادت وریاضت فقر وعرفان کشف وکرامت واستقامت کمالات ظاہری وباطنی کا اعتراف کیا۔

ترا فتویٰ ترا تقویٰ انوکھا ہے نرالا ہے　　　　ترے آگے جھکے دنیا کے قابل مفتی اعظم
ترے مرشد نے کی تعریف تیری یہ امانت پھر　　　　بیاں کیا کر سکے تیرے فضائل مفتی اعظم

☆☆☆

سرکار مفتی اعظم کے چند واقعات

مولانا چراغ عالم حامدی
شیخ الحدیث، مدرسہ اہل سنت اجمل العلوم، سنبھل، مراد آباد

فقیر غفرلہ القدیر کو حضرت فقیہ اعظم، سیدی وسندی، مولائی وملجائی، حامی سنت، ماحی بدعت، قامع کفر وضلالت مولانا الحاج مفتی حجۃ الاسلام محمد حامد رضا خاں نوری صاحب قدس سرہٗ العزیز سے بیعت کا شرف حاصل ہے اور آقائے نعمت سیدی وسندی، عمدۃ المحققین کاسر کفر وضلالت، راس المفتیین مولانا الحاج مصطفیٰ رضا خاں نوری مفتی اعظم صاحب قدس سرہٗ العزیز سے خلافت کا شرف حاصل ہے۔

حضرت مفتی اعظم رضی اللہ عنہ سے میں نے عرض کیا۔ حضرت میرے لیے حج بیت اللہ کی دعا فرمادیں۔ حضرت نے دعا فرمادی۔ حضرت کی دعا قبول ہوئی۔ ۱۴۰۲ھ میں حضرت کا وصال ہوگیا۔ میں نے ۱۴۰۳ھ میں حج بیت اللہ کی درخواست گزاری، پہلے ہی سال منظور ہوگئی۔ اس وقت لوگوں کو چار چار پانچ پانچ سال لگ جاتے تھے اور درخواست منظور نہ ہوتی تھی۔ بحری جہاز سے جانے کی درخواست گزاری تھی۔ میں ہاتھ میں بڑا رومال رکھنے کا عادی ہوں جیسا کہ بزرگوں کا معمول ہے۔ اپنے اساتذہ کو بھی دیکھا ہے۔ حضرت مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنبھل مدرسہ اہل سنت اجمل العلوم کے سالانہ جلسہ میں تشریف لائے۔ مریدین کا سلسلہ جاری تھا تعداد زیادہ تھی میں نے اپنا رومال حضرت کے دست مبارک میں دے دیا اور دوسری جانب مرید ہونے والوں کے ہاتھوں میں پکڑا دیا۔ تبرکاً میں نے اس رومال کو رکھ لیا اور استعمال ترک کر دیا تھا۔ جس وقت میں حج کو روانہ ہوا میں نے ۵ کلو چاول اس رومال میں باندھ دیے۔ سنبھل سے ۲۲ اگست ۱۹۸۳ء کو روانہ ہوا تھا۔ ۱۷ نومبر ۱۹۸۳ء کو سنبھل واپس آیا وہ رومال مع چاول بکس میں رکھ دیا تھا، چار مٹھی چاول نکالا، پکایا، پتیلی سے باہر نکل جاتا تھا، تین مٹھی پکائے وہ بھی برتن سے باہر، پھر دو مٹھی چاول پکائے۔ یہ برکت تھی حضرت کے دست اقدس کی اور بکس سے باہر نکال کر رومال نہیں دیکھا کہ اب کتنے چاول باقی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ یاد تھا، ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس کے جَو کسی برتن میں تھے، وہ اس میں سے نکال کر کھاتی رہیں۔ ایک مرتبہ باہر نکال کر دیکھنے لگیں، کتنے باقی رہے ہیں؟ اس کے بعد وہ جَو ختم ہوگئے۔ میرے چاول ایک وقت کی خوراک کے باقی تھے۔ جدہ میں ایک صاحب نے جو سنبھل کے رہنے والے تھے دعوت کر دی تھی، ان کا کھانا کھایا۔ وہ چاول اور دال و مصالحہ وغیرہ مسافر خانہ جدہ پر ہی چھوڑ دیے۔ ایک بار حضرت مفتی اعظم ہند رضی اللہ عنہ اور حضرت مولانا برہان الحق جبل پوری علیہ الرحمہ صدر الافاضل علامہ نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ الباری کے مزار اقدس پر حاضری کے لیے مراد آباد تشریف لائے۔ حضرت اجمل العلما، مولانا الحاج مفتی محمد اجمل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ کو دیکھنے کے لیے سنبھل آنے کا پروگرام ہوا۔ حضرت نے دعوت طعام کر دی تھی، بس اسٹینڈ سے لانے کا پروگرام حضرت اجمل العلما علیہ الرحمہ نے میرے سپرد کیا تھا۔ ان ایام میں جبل پور کے ایک بیڑی والے جو حضرت برہان میاں قبلہ کے مرید تھے، اپنی بیڑی کا اعلان کر رہے تھے، گاڑی ان کی ذاتی تھی،

انھوں نے کہا کہ ہم حضرت کو اپنی گاڑی میں لائیں گے۔ جب حضرت بس سے سنبھل پہنچے اور بس سے جب باہر جب رونق افروز ہوئے تو پہلا مصافحہ حضرت سے میرا ہوا۔ مجھ سے فرمایا عرس میں نہیں آئے۔ عجلت میں میری زبان سے نکل گیا۔ اس سال نہیں آیا۔ فرمایا اس سے پہلے سال بھی نہیں آئے تھے۔ یہ تھی حضرت کی نگاہ بصیرت۔ دیکھ رہے ہیں کہ کون عرس میں آیا کون نہیں آیا؟ اور دو سال پہلے کی بھی خبر ہے۔ اس واقعہ کو میں نے اپنے استاذ گرامی قدر حضرت مولانا الحاج محمد مبین الدین صاحب امروہوی علیہ الرحمۃ والرضوان سے ذکر کیا، انھوں نے فرمایا۔ ۱۲ ربیع الاول شریف کو حضرت اپنے دولت کدہ پر محفل میلاد منعقد فرماتے ہیں۔ اس میں شہر کے حضرات کو بھی دعوت دیتے ہیں اگر اس میں کچھ حضرات کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں حاضر ہوتے ہیں۔ تو حضرت ہر ایک آنے والے کی طرف نظر رکھتے ہیں۔ کون نہیں آیا؟ دعوت شدہ لوگوں میں سے درمیان سال میں اگر کوئی شخص آیا ہے، اس سے شکایت فرماتے ہیں کہ اس سال محفل میلاد شریف میں نہیں آئے۔ مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ کتنی بار میں نے دیکھا کہ مکان میں کوئی خادم اندر جانے والا بچہ نہیں ہے؟ خود کھانا لا رہے ہیں۔ کسی مہمان کو بغیر کھانا کھائے نہیں جانے دیتے تھے۔ مجھ کو معلوم ہوا تھا کہ حضرت علیل ہیں، عیادت کے لیے بریلی شریف حاضر ہوا، معلوم ہوا پرانے شہر میں ہے، وہیں پہنچا، بعد نماز عصر ملاقات ہوئی، مکان پر جماعت ہوتی تھی۔ باہر سے آنے والے مسافروں کا ازدحام رہتا تھا حضرت علیل تھے اس کے باوجود جماعت میں شامل تھے۔ حضرت نے فرمایا کھانا کھا کر جانا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ بغیر کھانا کھائے چلا آؤں مگر اجازت نہیں دی۔ وہی وقت گاڑی کا تھا، کھانا کھا کر اسٹیشن پہنچا، گاڑی لیٹ تھی۔

حضرت مفتی اعظم رضی اللہ عنہ کا جنازہ جب مکان سے باہر آیا، وہاں سے اسلامیہ کالج جہاں پر نماز ہوئی تھی کسی بھی مکان کی چھت پر کوئی عورت کھڑی نہیں دیکھی گئی کیوں کہ حضرت کی زندگی میں کوئی عورت بے پردہ حضرت کے سامنے نہیں آتی تھی۔ عورتوں نے اس بات کا بہت لحاظ کیا کہ اپنی چھتوں پر نہیں آئیں۔ عورتیں تعویذ کے لیے آیا کرتی تھیں۔ حضرت کے سامنے پردہ پڑا رہتا تھا اور عورت برقعہ میں ہوتی تھی۔ جنازہ کے ساتھ چلنے والے لوگوں کو میں نے بہت غور سے دیکھا کہ کوئی آدمی ننگے سر نہیں ہے۔ سٹی اسٹیشن روڈ پر جب جنازہ پہنچا اور پورب کو جاتا ہے تو میں وہاں ایک چھت پر کھڑا ہو گیا اور مسلسل گذرنے والوں کو دیکھتا رہا۔ کثیر تعداد لوگوں کی گزر گئی مگر کوئی آدمی ننگے سر نظر نہیں آیا۔ حضرت کی حیات میں لوگ ننگے سر حضرت کی خدمت میں حاضر نہیں ہوتے تھے۔ لوگوں نے بعد حیات بھی اسی پر عمل کر کے دکھا دیا۔

حضرت قبلہ ایسے روشن دل، روشن ضمیر، زندہ دل اور کشف والے اللہ تعالیٰ کے ولی تھے جو پس از مرگ بھی تصرف فرماتے رہتے ہیں۔ مدرسہ اہل سنت اجمل العلوم سنبھل کے سالانہ اجلاس میں تشریف لائے۔ بیعت کا سلسلہ شروع ہوا، لوگ بیعت ہوئے۔ دو شخص پہلے کے مرید تھے۔ پانچ پانچ روپیہ ہر ایک نے نذر پیش کی نہیں لیا۔ ان دونوں نے بہت اصرار کیا، حاضرین نے بھی کہا، قبول فرمایا کر ان دونوں حضرات کو واپس کر دیا۔ وہ دونوں حضرات بہت غریب تھے، ان کی مالی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ پانچ روپے کا نذرانہ پیش کرتے۔ ایک صاحب کو تو کل دس روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی اور دوسرے صاحب سیفی تھے ان کو کبھی کبھی کام بھی نہیں ملتا تھا۔ حضرت نے پہچان لیا کہ یہ محبت میں نذرانہ دے رہے ہیں، قبول کیا، واپس ان کو اپنی جانب سے مدد کے طور پر دے دیا۔ اس واقعہ کو میں نے حضرت الحاج قاضی مفتی عبدالرحیم صاحب سے ذکر کیا۔ قاضی صاحب نے فرمایا میں ایک بار حضرت قبلہ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہم راہ گجرات گیا تھا۔ حضرت نے تقریباً چار پانچ ہزار روپیہ لوگوں کو واپس فرمایا ہوگا۔ مریدین تو اپنی عقیدت محبت میں پیش کرتے ہیں حضرت اپنے کشف سے جان لیتے ہیں کہ یہ مرید اس حیثیت کا نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو واپس کر دیا کرتے تھے۔ پہلے قبول کیا پھر اپنی جانب سے عطا فرمایا تا کہ اس کی دل جوئی بھی ہو جائے۔ نابالغ بچہ کے ہاتھ کبھی قبول نہیں فرمایا۔ بعض لوگ اپنے بچوں کو حضرت کی خدمت میں لاتے، ان سے نذر

کراواتے، قبول نہ فرماتے۔ تعویذ پر تعویذ دینے کے بعد نذرانہ نہیں قبول کیا۔ حضرت مولانا آل حسن صاحب مرحوم نے ناگ پور کا واقعہ بتایا کہ حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ ناگ پور تشریف لائے۔ وہی ایام کچھ میمن حضرات کے بہی کھاتہ تبدیل ہونے کے تھے۔ ان لوگوں نے حضرت قبلہ کو اپنے اپنے یہاں آنے کی دعوت دی اور اپنے بہی کھاتوں پر تبرکاً کچھ تحریر کرایا۔ اس کے بعد نذرانہ پیش کیا۔ کسی کا نذرانہ قبول نہیں کیا۔ کئی ہزار روپے اس طرح سے حضرت نے قبول نہیں کیا۔ مدارس عربیہ کے جلسوں میں تشریف لے جاتے تھے۔ مہتمم حضرات نے نذرانہ پیش کیا۔ نہیں لیا۔ سنبھل میں سنبھل کے مدارس کا حال مجھے معلوم ہے۔ حضرت مولانا الحاج مفتی محمد اشفاق حسین صاحب قبلہ مفتی اعظم راجستھان کے دارالعلوم اسحاقیہ تک کا حال مجھے معلوم ہے۔ نیز زبانی بھی میں نے تحقیق کی، معلوم ہوا نذرانہ قبول نہیں کیا۔ اس واقعہ کو میں نے حضرت استاذی مولانا الحاج محمد مبین الدین صاحب امروہوی علیہ الرحمۃ والرضوان سے ذکر کیا۔ حاجی صاحب قبلہ نے فرمایا کہ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار فرمایا تھا کہ مدارس کے مہتمم صاحبان زکوٰۃ، فطرہ، امداد کی رقم جو مدارس میں آتی ہے، احتیاط نہیں کرتے ہیں، سب رقم ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں لہٰذا زکوٰۃ امداد کی رقم میں کوئی امتیاز نہیں رہتا۔

اختر حسین عرف چھوٹے مرحوم ساکن محلہ دیپا سرائے سنبھل کی کمر میں ایک بہت بڑی گانٹھ تھی، کافی بڑی تھی۔ ڈاکٹروں کی تشخیص تھی یہ کینسر ہے، اس کا آپریشن کے ماسوا کوئی علاج نہیں ہے۔ اختر حسین اس قدر کمزور ہو گئے تھے کہ آپریشن کرانے کی قوت باقی نہ رہی تھی۔ انھوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے پاس مجھے لے چلو۔ حضرت سے دعا کرادو اور دم کرادو۔ میں حضرت کی خدمت میں لے گیا اور حضرت سے عرض کیا حضور ان کی کمر میں یہ گانٹھ ہے اور ڈاکٹروں کی رائے میں کینسر ہے اور اس کا علاج آپریشن ہے۔ حضرت نے اس گانٹھ پر اپنا دست اقدس رکھ کر دعا فرمائی۔ حضرت کی دعا سے وہ گانٹھ بالکل صاف ہو گئی۔ اس گانٹھ کا کمر پہ نشان نہ رہا۔ اس کے بعد اختر حسین مرحوم برسوں زندہ رہے۔ دوبارہ اس گانٹھ کا اثر نمودار نہ ہوا۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان پانچوں وقت کی نماز رضا مسجد میں باجماعت ادا فرماتے تھے۔ اس کمزوری میں بھی فرض کھڑے ہو کر ہی ادا فرماتے تھے۔ یہ حالات فقیر کے اپنے سامنے گزرے اور اپنے ساتھ گزرے ہوئے بیان کیے۔ ہمیں مولیٰ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ہمارے ان ٹوٹے پھوٹے کلمات کو قبول فرمائے۔ آمین

☆☆☆

مفتی اعظم اور آپ کا تصلب فی الدین

مولانا سید محمد انور میاں چشتی
خانقاہ عالیہ چشتیہ صمدیہ، پھپھوند شریف، ضلع ایٹہ

اس خاکدان گیتی پر نہ جانے کتنے پاک باز بندوں نے جنم لیا اور اپنی زندگی کی مقررہ مدت گزار کر داعی اجل کو لبیک کہا اور یاأیتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ (سورۂ فجر ۸۹/۲۸) کے جام سے شادکام ہوگئے۔

یہ پاک باز بندگان خدا جب تک دنیا میں بقید حیات رہے زمانہ ان کے علم وفضل، زہد وورع، تقویٰ وتقدس اور خشیت ربانی کا قائل رہا۔ مخلوق خدا ان کے فیوض وبرکات کے ساحل ناپیدا کنار سے اپنی تشنہ لبی کو سیراب کرتی رہی۔ اور جب یہ حضرات اہل اللہ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو ان کے مزارات پُر انوار اور ان کی آرام گاہیں اہلِ محبت اور اصحاب مودت کا مرکز توجہ اور راہ سے بھٹکے ہوئے لوگوں کے لیے مینارۂ نور وہدایت ثابت ہوئیں۔

یہی وہ حضرات ہیں جنھوں نے اپنی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ خدمتِ خلق، اشاعتِ مسلکِ حق، تبلیغ دین مبین، ترویج سنت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو میں نے صرف ایک بار دیکھا ہے۔ جب میں غالباً ۱۹۷۴ء میں اپنے نانا جان علیہ الرحمہ (یعنی امام النحو حضرت علامہ مولانا غلام جیلانی صاحب قبلہ المعروف بہ صدر صاحب میرٹھی) کے ہمراہ بریلی میں عرس رضوی میں گیا تھا یہ میری طالب علمی کا زمانہ تھا۔ اور میں مدرسہ اسلامی عربی میرٹھ میں نانا ہی کے پاس زیر تعلیم تھا۔

حضرت مفتی اعظم کے تعلق سے میں نے اپنے اساتذہ کرام، علمائے اعلام، اور مشائخ ذوی الاحترام کی زبان سے نیز کتب ورسائل کے مطالعہ سے جو واقعات وحالات سنے اور پڑھے انھیں کو مدنظر رکھتے ہوئے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ انھیں حق گو، حق پسند اور پاکباز نفوس قدسیہ میں تاجدار اہل سنت حضرت علامہ مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں صاحب نوری المعروف بہ مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی ذات والا صفات بھی تھی۔ آپ اپنے وقت کے متبحر عالم دین، متبع شریعت وسنت، ولی صفت، درویش خصلت صاحب علم وفضل، ماہر فقہ وافتا نیز بلند پایہ متقی و پرہیز گار تھے۔ دینی وشرعی مسائل اور تحقیق وتدقیق کے پیچیدہ مراحل میں علما وفضلا آپ ہی کی جانب رجوع فرماتے آپ کے فیصلے اور آپ کی زبان سے نکلی ہوئی بات کو حرف آخر مانتے۔ بلا شبہہ یہ مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کا بہت بڑا فضل وشرف تھا۔ آپ کے دور میں ایک سے بڑھ کر ایک صاحب علم وفضل اور حاملِ شریعت وطریقت رہے۔ مگر کسی نے بھی آپ سے اختلاف نہ کیا۔ مسائل دینیہ اور احکام شرعیہ میں بھی اصحاب فضل وکمال آپ کی طرف رجوع کرتے اور آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں جو فیصلہ صادر فرماتے اسے تسلیم کر لیتے۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے اوصاف میں سے ایک خاص وصف یہ بھی تھا کہ آپ قدم قدم پر شریعت مصطفیٰ اور سنت احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا اہتمام والتزام فرماتے۔ سفر ہو یا حضر، جلوت ہو یا خلوت غرض کہ زندگی کے ہر موڑ پر شریعت وسنت کا اہتمام والتزام فرماتے

۔ ایسا کئی بار ہوا کہ نماز کی ادائیگی کے لیے آپ نے ٹرین چھوڑ دی۔ ضعف و نقاہت کے باوجود آپ نے نماز باجماعت ترک نہیں کی۔ کمزوری و ناتوانی کے عالم میں بھی جماعت کا التزام آپ کے اوصاف مشہورہ میں سے ایک خاص وصف ہے۔

شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی نائب مفتی اعظم نے نماز کی پابندی سے متعلق اپنے ایک مضمون میں ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں:

''حضرت دارالعلوم اسحاقیہ جودھپور کے سالانہ جلسے سے گھر واپس آرہے تھے۔ جودھ پور کے احباب نے اوپر کی سیٹ پر حضرت کا بستر لگا دیا تھا۔ عشا پڑھ کر اس پر آرام سے سو گئے۔ سردی شباب پر تھی۔ جب گاڑی دہلی کے قریب گڑ گاؤں پہونچی تو میں نے اٹھایا۔ اٹھنے کے بعد استنجا خانہ تشریف لے گئے۔ مگر وہاں بہت لمبی قطار تھی وہ بھی عورتوں کی۔ حضرت بے چینی کے ساتھ استنجا خانہ خالی ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ میں بستر باندھنے میں مشغول تھا۔ جب گاڑی دہلی کے پلیٹ فارم پر پہنچ گئی تب کہیں جا کر استنجا خانہ خالی ہوا اور حضرت تشریف لے گئے۔ جب حضرت استنجا سے فارغ ہو گئے تو مرادآباد جانے والی گاڑی جس پلیٹ فارم پر لگی تھی وہاں تشریف لے گئے۔ جب سامان گاڑی پر رکھا جا چکا تو فرمایا کپڑے نکال دیں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ کپڑے نکال کر حضرت کو دیے اور میں بکس بند کرنے میں مصروف رہا۔ بکس بند کر کے دیکھا تو حضرت کپڑے لے کر تیزی سے پلیٹ فارم کے پل کی طرف جا رہے تھے۔ میں متحیر ہو گیا یا اللہ حضرت کہاں جا رہے ہیں مگر میں کرتا بھی کیا، گاڑی میں سامان چھوڑ کر حضرت کے پیچھے جا نہیں سکتا تھا۔''

چند سطروں بعد ..... ''تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد حضرت واپس ہوئے جاڑے سے کانپ رہے تھے قدم برابر نہیں پڑ رہے تھے میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ ڈبے سے باہر نکل کر اندر لایا۔ ڈبے میں چڑھانے کے لیے ہاتھ پکڑا تو برف کی مانند سرد۔ اب میرا حال زار اور بدتر ہو گیا۔ فرمایا بستر کھول لیے میں نے بستر کھولا فوراً لیٹ گئے اور بڑی تیزی سے لحاف اوڑھ لیا۔ اب میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ حضرت کہاں تشریف لے گئے تھے؟ کانپتی ہوئی آواز میں فرمایا وہ خبیثات پائخانہ کے دروازے پر کھڑی تھیں۔ مجھے استنجا کی شدید حاجت تھی۔ کپڑے ناپاک ہو گئے۔ سوچا کسی مسجد میں جا کر غسل کر کے کپڑے بدل لوں۔ رکشہ کر کے مسجد میں گیا، وہاں نہانے کا بندوبست نہ تھا۔ پھر دوسری مسجد میں گیا۔ وہاں گرم پانی بھی تھا اور نہانے کا بندوبست بھی۔ غسل کر کے کپڑے بدلے۔ نماز پڑھی اور واپس آ گیا۔''

(تاجدار اہل سنت ص ۳۸-۳۹، ناشر رضا اکیڈمی)

یہ ہے نماز کی پابندی کا جذبہ اور یہ ہے اعتبار شرع مبین کا اہتمام و التزام کہ بڑھاپے کا عالم، شدت کی سردی، سفر کی صعوبت، غسل کی پریشانی، مگر کوئی بھی چیز نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے اور حکم باری تعالیٰ کی بجا آوری میں مانع نہ بن سکی۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے جملہ اوصاف حمیدہ میں سے ایک اہم وصف ''تصلب فی الدین'' تھا جب کہ اس سلسلہ میں بعض مواقع پر اچھے اچھوں کی پگڑیاں اچھل جاتی ہیں۔ قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ بلند پایہ تقویٰ شعار اور بڑے بڑے صاحبان فضل و کمال بھی دینی تصلب کے منصب پر ثابت قدم نہ رہ سکے مگر اللہ رب العزت نے اپنے فضل و کرم سے جنھیں اس کی توفیق بخشی ان اکابر اہل اللہ نے بلا خوف لومۃ لائم حق گوئی اور حق پسندی کو اپنا طرۂ امتیاز اور سرمایۂ افتخار بنایا۔ اور جب بھی دینی تصلب کے اظہار کا موقع آیا تو بلا کسی خوف و خطر کے اپنے اور بیگانے کی تمیز کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے برملا کلمۂ حق کا اظہار فرمایا۔ جو حق تھا ڈنکے کی چوٹ پر کہہ دیا۔ انھی حق گو اور حق پسند

اصحاب فضل وکمال میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی ذات والا صفات بھی تھی۔آپ اس وصف میں بھی اپنے اکابر کی روایتوں کے امین اور اپنے اسلاف کے سچے پرتو ومظہر تھے۔اظہار حق میں اپنے اور بے گانے کی تمیز کو کبھی قریب نہ آنے دیا۔رشتے ٹوٹیں،اپنے چھوٹیں، سب کچھ گوارا مگر اظہار حق سے انحراف وروگردانی ہرگز گوارا نہیں۔حکومت وقت اور اس کے کارندوں نے اگر شریعت اسلامیہ میں مداخلت کرنے کی کوشش کی تو حکومت وقت اور اس کے حکام اور افسران کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ان کے سامنے بھی برملا حق کا اظہار فرمادیا۔مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ کا جو اٹل قانون تھا اسے بانگ دہل سنادیا۔ظاہری شان وشوکت،جاہ وحشمت ،اور سطوت وجبروت سے کبھی مرعوب نہ ہوئے۔بارہا ایسا ہوا کہ وقت کے بڑے بڑے اور نامور خطباء سے آپ نے برسر منبر توبہ کرائی۔شرعی حدود سے متجاوز ہونے پر آپ کے پاس معافی کا یا رعایت کا کوئی خانہ نہیں تھا۔چنانچہ بحر العلوم حضرت مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی اپنے ایک مضمون میں ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

''الجامعۃ الاشرفیہ' مبارک پور اعظم گڑھ کی زندگی کے بے حد ہنگامی ایام تھے خاندان اشرفیہ کی ایک شاخ (اہل کچھوچھہ) جواب تک اس ادارے کے سرپرست اور حاکمانِ مطلق تھے خفا ہو کر علاحدہ ہو چکے تھے۔اور اپنی براءت کا اعلان بھی شائع کر چکے تھے اور پورے ہندوستان میں ادارے کے خلاف جگہ جگہ بدگمانیوں کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ادھر حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ ایک سچے مسلمان کے حوصلہ ایمانی کے ساتھ یکہ وتنہا میدان عمل میں اتر پڑے تھے اور نئی تعمیرات کے سنگ بنیاد کے موقع پر ایک آل انڈیا تعلیمی کانفرنس کا اعلان فرما چکے تھے۔

کانفرنس ہوئی اور بے مثال ہوئی۔اس میں از راہِ دین پروری حضور مفتی اعظم اور حضرت مولانا آل مصطفیٰ علیہ الرحمہ بھی شریک ہوئے۔کچھ عقیدت مندوں نے اہل کچھوچھہ کے بائیکاٹ سے متاثر ہو کر اس خاندان کی دوسری شاخ (اہل بسکھاری) کے سجادہ نشین معروف بہ بابو میاں کو شرکت کی دعوت دی تو وہ بھی شریک ہوئے۔''

چند سطروں کے بعد..... ''اب صورت حال یہ ہے کہ بابو میاں جن کے آبا واجداد دیوبندیوں کے حامی تھے اس جلسہ سنگ بنیاد کے موقع پر حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لیے دار العلوم اشرفیہ کی نچلی منزل کے مغربی کمرے میں آئے اور حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کو سلام کیا مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔خود ہی تعارف کرایا ہوگا یا کسی نے بتایا ہوگا۔یا پہلے سے ہی حضرت کو معلوم تھا۔بہرحال حضرت نے نہ سلام کا جواب دیا نہ مصافحہ کیا بلکہ فرمایا'' صاحب آپ کے خاندان کے لوگ علمائے دیوبند کے حامی رہے ہیں اور ان پر علمائے عرب وعجم کے کفر کے فتوے ہیں اگر آپ بھی اس روش میں ان ہی کے ہم راہ ہیں تو میں آپ سے سلام وکلام کیسے کر سکتا ہوں جب کہ حدیث شریف میں ایسے لوگوں سے قطع تعلق کا حکم آیا ہے۔''

بابو میاں نے کہا حضور میں کبرائے دیوبند کی تکفیر میں ساری دنیا کے اہل اسلام کا ساتھی ہوں۔چنان چہ اسی وقت انھوں نے اس مضمون کی اپنی دستخطی تحریر مفتی اعظم کے حضور میں پیش کی۔اس وقت لوگوں نے ایک عجیب وغریب منظر دیکھا۔حضور مفتی اعظم نے بابو میاں سے فرمایا صاحبزادے آپ ذرا کھڑے ہو جائیں نہ تو بابو میاں یہ سمجھے کہ کیوں یہ حکم ہو رہا ہے؟ نہ مجلس میں بیٹھنے والے ہی۔مگر جب حکم پا کر بابو میاں کھڑے ہوئے تو حضور مفتی اعظم ہند نے بآں شان وجلال وبہ آں عظمت وتقدس وبہ آں ریش سفید درنعت پیری ایک سبزہ آغاز نوجوان (بابو میاں) کا پیر دونوں

ہاتھوں سے پکڑ لیا ڈبڈبائی آنکھیں ان کے چہرہ کی طرف اٹھا کر فرمایا" صاحبزادے ہم تو آپ کے غلام و خانہ زاد ہیں ہمارے پاس جو کچھ ہے آپ کے ہی جد کریم کا دیا ہوا ہے ہم نے شروع میں جو کیا آپ کے ہی جد کریم کے حکم کی بجا آوری اور انھیں کے دین کا پرچم بلند کرنے کے لیے تھا۔" ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ایک چاکر اپنے مالک کے پاؤں پکڑ کر اس سے معافی مانگ رہا ہے۔" (تاجدار اہل سنت، ص ۷۸-۷۹، ناشر رضا اکیڈمی ممبئی)

سبحان اللہ دینی حمیت و پاسداری اور تصلب فی الدین کی ایسی مثال قائم کی جس میں مسلمانوں کے لیے درس عبرت بھی ہے اور سامانِ بصیرت بھی۔ کاش اس دور کے حضرات بھی مفتی اعظم کی اس روش کو اپناتے۔

یاد کیجیے ایمرجنسی کا وہ بھیانک دور جب کہ ہندوستان کی پوری فضا مسموم اور پرسوز حالات سے دوچار تھی شہریوں کے بنیادی حقوق چھین لیے گئے تھے، حکومتِ وقت کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نکالنا غداری اور بغاوت سمجھا جاتا تھا۔ حکومت کی جانب سے مسلمانوں کو نسبندی اور سلسلہ توالد و تناسل کو منقطع کرانے پر مجبور کیا جا رہا تھا بے چارے سیدھے سادے، بھولے بھالے مسلمان حکومت کے دام تزویر میں پھنس کر یا اس کے ظلم و ستم سے مجبور ہو کر چار و ناچار، شاد و ناشاد فعل ممنوع پر راضی ہو جاتے۔

اس وقت کے علما و فضلا اور مفتیانِ ملت حکومت وقت کے جبر و استبداد کے سبب حق بولنے اور حق کا اظہار کرنے سے قاصر تھے۔ نہ جانے کتنے صاحبان جبہ و دستار حکومت وقت کے مزاج کی تختی و درشتی کو دیکھ کر اپنی قیام گاہوں اور دار الافتا کو چھوڑ کر روپوش ہو گئے تھے۔ ایمانی جرأت اور اسلامی غیرت کا سودا ہو رہا تھا حکومت کی کاسہ لیسی کرنے والے علمائے دیوبند تو حکومت کے ہاتھوں اپنے ضمیر کا بھی سودا کر بیٹھے تھے ایسے بھیانک اور پرخطر دور میں بھی حضرت مفتی اعظم نے حالات کی ناسازگاری، حکومت وقت کے جبر و استبداد اور پورے ملک کے عام رجحان سے مرعوب نہ ہو کر قانون شریعت کے مطابق ڈنکے کی چوٹ پر حق کا اعلان فرمایا۔ اور انجام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے نسبندی کی حرمت کا فتویٰ صادر فرمایا اور یہ ان کا ہی حق تھا کیوں کہ وہ مفتی اعظم تھے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

داد دیجیے مفتی اعظم کی جرأت ایمانی اور غیرت اسلامی کو، کیسی جرأت ایمانی تھی اور کیسا تصلب فی الدین تھا آپ کا؟ حکومت کی سختیاں آپ کے قدموں کو شریعت اسلامیہ کے خلاف متزلزل نہ کر سکیں۔ ظلم و ستم، جبر و استبداد کی تیز و تند آندھیاں قوانین مصطفیٰ کے خلاف آپ کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ کر سکیں۔

آپ کے قلم حق رقم سے نسبندی کا فتویٰ صادر ہونا تھا کہ حکومت وقت کے خلاف لوگوں میں نفرت و بیزاری اور غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ حکومت کے عزائم اور اس کے منصوبے خاک میں مل گئے۔

مفتی اعظم کے اس اعلان حق و صداقت اور اس جرأت و ہمت پر شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں صاحب اشرفی کچھوچھوی کے تاثرات یقیناً کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

"ایمرجنسی کے دور میں ظالم و جابر حاکموں نے ظلم و جور کی حد کر دی اور خاندانی منصوبہ بندی کے غیر اسلامی نظریہ کو منوانے کے لیے وہ ستم ڈھائے گئے کہ الامان والحفیظ۔ اس جور و ستم کا نتیجہ یہ ہوا کہ علما کی زبانیں گونگی ہو گئیں۔ بل کہ ابن الوقت حکومت کی حمایت میں اتر آئے۔ کرایے کے مفتی مسند افتا کی مٹی پلید کرنے لگے۔ ایسے خوف و ہراس کے عالم میں خدا نے اپنا دین بچایا مفتی اعظم کے ذریعہ۔ جنھوں نے اندیشۂ سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر حکومت وقت کے

خلاف فتویٰ دیا۔ اور سائیکلو اسٹائل کرا کے ملک کے گوشہ گوشہ میں روانہ کیا۔ چوں کہ دیگر جملہ ذرائع ابلاغ و ترسیل پر گورنمنٹ کے آہنی پنجوں کا دباؤ تھا اس لیے ان کو اشاعت کا ذریعہ نہیں بنایا جا سکا۔" (تاجدار اہل سنت ص ۱۶۱،۱۴۲، ناشر رضا اکیڈمی، ممبئی)

بلاشبہ ایسے پر خطر حالات اور نازک وقت میں حکومت وقت کے خلاف شریعت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کے عین مطابق اس طرح دلیرانہ اور جرأت مندانہ اقدام اور حق و صداقت پر مبنی اعلان حضرت مفتی اعظم کا حق تھا۔ جسے آپ نے کر دکھایا اور بہ مصداق حدیث پاک افضل الجهاد كلمة حق عند السلطان الجائر۔ (کنز العمال حدیث۔ ۵۵۱۱، بیت الافکار الدولیہ، الریاض) یعنی ظالم و جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا جہاد افضل ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صدقہ میں ہم سب کو حق کہنے، حق سننے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسلامی غیرت و حمیت نیز دینی تصلب کے جذبۂ بیکراں سے ہم اہل سنت کو مالا مال فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

سرکار مفتی اعظم - مقبولیت اور اسباب

مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی
رضوی دارالافتاء محلہ چودھری سرائے، بدایوں

سرکار مفتی اعظم کی ذات و شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ ایک ''ماہِ تاباں'' اور ''مہرِ درخشاں'' تھے جو کل بھی روشن تھے اور آج بھی ضوفشاں ہیں۔ جن لوگوں نے انھیں دیکھا، پرکھا انھوں نے اپنے لیے اجالوں کی سعادت سمیٹ لی اور جن کی آنکھیں ان کی دید سے محروم رہیں، وہ اب ان کے مزار پاک سے اکتساب نور کر رہے ہیں۔ کشمیر کی وادی سے بنگال کی کھاڑی تک میرے سرکار مفتی اعظم کی شہرت و مقبولیت ہے۔ علم و فن والے، فکر و نظر والے، عشق و وفا والے، دانش و بینش والے، زہد و ورع والے، شریعت اور طریقت والے بھی آپ کے مدح خواں ہیں۔ گویا میرے مفتی اعظم کو ''قبولیت عامہ'' حاصل ہے۔ ؎ زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

اس ''قبولیت عامہ'' کے کچھ اسباب و عوامل بھی ہیں، ہم اپنے مضمون میں انھیں اسباب و عوامل سے بحث کریں گے تا کہ قارئین مفتی اعظم ہند کی ''عظیم شخصیت'' کو بخوبی سمجھ لیں۔

شخصیت کا تحلیلی مطالعہ :

سرکار مفتی اعظم کی شخصیت کا تجزیاتی مطالعہ کوئی آسان کام نہیں، اس کے لیے ماہر فن ہونے کے ساتھ ساتھ تجربہ کار ہونا بھی ضروری ہے۔ مجھ جیسے کم علموں سے یہ کب ممکن ہے؟ ہاں کچھ آثار و قرائن ایسے ضرور ہیں جو آپ کی شخصیت کی تفہیم میں معاون و مددگار ہو سکتے ہیں، انھیں آثار و قرائن سے آپ کی مقبولیت کا اندازہ بھی ہو جائے گا۔ چوں کہ ہم مادی ہیں اور مادی دنیا میں رہتے ہیں اور مادی آثار سے ہی کسی کی مقبولیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اسی لیے جب ہم سرکار مفتی اعظم کی ذات و شخصیت کی طرف التفات کرتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ کی شخصیت میں علم و فن، عشق و وفا، خلوص للّٰہیت، زہد و ورع، فقہی بصیرت، دینی قیادت، ایمانی جرأت اور حق گوئی و بے باکی کا جذبہ بے لوث کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، خطرات کے طوفان نے جب کبھی اعلان حق، سچ بولنے اور سچ کر دکھانے کی بات آتی تو آپ از خود آگے بڑھ کر اس فریضہ کو انجام دیتے۔ اس میں کبھی بھی آپ ''مصلحت بینی'' اور چشم پوشی سے کام نہیں لیتے۔ بعض مواقع ایسے بھی آئے جہاں سورماؤں کے قدم پھسل گئے اور چاروں خانے چت ہو گئے۔ مگر وہ مفتی اعظم کا عزم و حوصلہ تھا کہ آپ نے پرخار وادیوں کی آبلہ پائی کا کبھی شکوہ تک نہ کیا۔ یقینی طور پر اقبال کا یہ شعر آپ کی ذات اقدس پر راست آتا ہے......

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی ‌ ‌ ‌ اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی ‌ ‌ ‌ جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

نسبندی حرام، حرام اشد حرام ہے، انہی پرعزم حوصلوں اور فولادی قوتوں کا آئینہ دار ہے۔ نسبندی کے پس منظر اور پیش منظر کو

سامنے رکھ کر فیصلہ کیجیے، تو آپ یہ محسوس کریں گے کہ یہ آواز کسی مرد مجاہد، عالم حق آگاہ اور عارف باللہ ہی کی ہو سکتی ہے؟ یہ جرأت رندانہ بھی، قبولیت عامہ کے اسباب میں سے ایک اہم اور عظیم سبب ہے۔

قبولیت عامہ کے اسباب :

سرکار مفتی اعظم کی" قبولیت عامہ" کے مختلف اسباب وعوامل ہیں۔ان میں اخلاق ومحبت ،عشق ووفا ،خلوص وایثار نیز چھوٹوں پر شفقت ومہربانی اور بڑوں کا ادب واحترام بھی ہے آپ اعلیٰ درجہ کے صاحب خلق اور ملنسار تھے۔ ہر کسی سے ملتے تھے اور دلچسپی کے ساتھ ان کی باتیں سماعت فرماتے ،لوگ اپنی دکھ بھری داستان بیان فرماتے اور محبت سے اس داستان کو سماعت فرماتے۔ ہندوستان میں بہت سے ایسے لوگ اب بھی موجود ہوں گے جو سرکار مفتی اعظم کے اخلاق ومحبت اور حسن سلوک کے گرویدہ ہوں گے۔ ذیل میں چند واقعات پیش کیے جارہے ہیں جن سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سرکار تاجدار اہل سنت میں اخلاق اور حسن سلوک کا کس قدر جذبہ بلیغ تھا!

(۱) مہگاوان جو ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اور ضلع بھاگل پور صوبہ بہار کے جنوب میں واقع ہے۔اسی گاؤں کے ایک عظیم فرزند حضرت علامہ مولانا محمد شرف الدین صاحب قبلہ عرف چھوٹے حضرت تھے جو علم وفن کے ساتھ ساتھ شعر وسخن میں بھی مہارت اور ملکہ رکھتے تھے۔آپ بے باک اور جرأت مند تھے۔مدرسہ خیر المدارس امر پور ضلع بھاگل پور میں مدرس تھے اور تازندگی اسی مدرسہ سے منسلک رہے۔آپ بریلی کے ہی تربیت یافتہ اور اسیر مفتی اعظم تھے۔آپ بارہا دوران درس وتدریس سرکار مفتی اعظم کا تذکرہ جمیل کرتے اور اس ذکر حسن سے دہن وکام کو شاد کام فرماتے۔میں اس وقت تعلیم کے ابتدائی دور سے گزر رہا تھا۔گلستاں، بوستاں اور دیگر کتابیں پڑھ رہا تھا۔اس وقت مجھے زیادہ فکر وشعور نہ تھا۔البتہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔علامہ موصوف جب سرکار مفتی اعظم کا تذکرہ فرماتے۔تو جبین نیاز پر تابانی آجاتی ،اور چہرے پر رعنائیاں بکھر جاتیں۔تاثر کی یہ شدید کیفیت بلا وجہ نہیں تھی بل کہ اس کے پس منظر حضور تاجدار اہل سنت کا وہ کردار وعمل اور اخلاق ومحبت ،لطف وکرم تھا جو ان کے معاملات میں آیا اور جن سے علامہ موصوف نہال ہو گئے تھے۔

(۲) ایک مرتبہ صبح سویرے مجھے معلوم ہوا کہ تاجدار اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدنپورہ بنارس میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔یہ اس وقت کی بات ہے جب میں جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس میں زیر تعلیم تھا چوں کہ میرے دل میں تاجدار اہل سنت کی زیارت کا شوق برسوں سے انگڑائی لے رہا تھا اور میری آنکھیں دید کو ترس رہی تھیں۔میں حضور شمس العلما کی خدمت عالیہ میں پہنچا اور عرض کیا......

حضور ! سرکار مفتی اعظم تشریف لائے ہوئے ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔کہاں؟

میں نے عرض کیا۔ایاز محمود صاحب کے مکان پر آپ کا قیام ہے۔

حضرت نے چائے نوش فرمائی اور فوراً تیار ہو گئے۔حضرت کے ساتھ میں بھی بغرض زیارت چلا۔جیسے ہی رخ زیبا پر نظر پڑی اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔پھولوں کا بدن اور نور کا چہرہ تھا،جبین سعادت پر فیروز بختی کی رعنائیاں تھیں اور مقدس آنکھوں میں فکر کی گہرائیاں۔یقیناً یہ وہ مبارک اور پاکیزہ رخ انور ہے جسے دیکھ کر خدا یاد آجاتا ہے۔ایسا کھلتا ہوا گلاب میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔حضرت علامہ شمس الدین صاحب بغیر کچھ عرض کیے پائتانے بیٹھ گئے اور رفتہ رفتہ پاؤں دبانے لگے۔ایسی محبوبانہ اظہار نیاز مندی کی ادا پر میں دنگ رہ گیا۔

حضور تاجدار اہل سنت نے فرمایا۔کون؟

حضرت قاضی صاحب قبلہ نے عرض کیا۔حضور میں شمس الدین ہوں۔

حضور تاجدار اہل سنت نے دوبارہ ارشاد فرمایا۔اچھا قاضی صاحب ہیں! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ یہ کہتے ہوئے آپ نے پاؤں سمیٹ لیے اور فرمایا۔استغفر اللہ استغفر اللہ

قارئین سے گزارش ہے اس منظر کو نگاہوں میں رکھیے اور بتایئے، آفتاب علم وفن اور ماہتاب فکر وشعور کا کسی پاکیزہ صفت شخصیت کے روبرو سرخمیدہ ہونا، کس قدر نادر ونایاب شخصیت کا پتہ دے رہا ہے؟ حضور تاجدار اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ناشتہ کیا تو ناشتہ کے بعد آپ نے پیالی آگے بڑھا دی۔حضرت قاضی صاحب نے نہایت سرعت کے ساتھ وہ پیالی اپنے ہاتھوں میں تھام لی، خود بھی اپنی مبارک انگلیوں سے پیالی چاٹی اور مجھے بھی چٹادی۔میں نے از خود محسوس کرلیا کہ حضرت قاضی صاحب قبلہ نے مجھے حضرت کی غلامی میں پیش کردیا۔ ٹھیک اس کے بعد میں حضرت تاجدار اہل سنت کے ہاتھوں میں ہاتھ رکھ کر داخل سلسلہ ہوگیا۔یہ کس قدر پرلطف اور پرمسرت ساعت تھی کہ اس کے تصور ہی سے ذہن کے گوشے نوری کرن میں نہا جاتے ہیں۔

(۳) جناب رئیس بھائی فریدی جو بدایوں کے سرگرم سماجی کارکن ہیں اور نگر پالیکا کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔حضرت مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرید ہیں۔انھوں نے بیان کیا کہ مرید ہونے سے پہلے میں بہت زیادہ پریشان تھا۔جنات اور آسیبی خلل سے میرا جینا دوبھر ہوگیا تھا۔میں جہاں بیٹھتا وہ زمین گرم ہوجاتی اور جس چارپائی پر لیٹتا وہ ہلنے لگتی۔میں پریشان تھا میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں؟ مختلف جگہوں سے علاج ومعالجہ ہوا مگر کچھ بھی افاقہ نہ ہوا۔اسی دوران پاکستان سے میرے کچھ رشتہ دار آئے ہوئے تھے وہ حضور تاجدار اہل سنت سے ملنے کے لیے بریلی شریف حاضر ہوئے۔میں بھی ان کے ساتھ حاضر ہوا۔رضا مسجد میں حضرت سے ملاقات ہوئی۔میں نے اپنی پریشانی بیان فرمائی اور کچھ لوگ مرید ہونے کے لیے بھی تیار کھڑے تھے۔خادم خاص بابو میاں نے چادر پھیلا دی، مرید ہونے والوں نے چادر تھام لی۔میں پس وپیش میں تھا، چادر پکڑوں یا نہیں؟ اتنے میں بابو میاں نے کہا۔میاں اگر آپ کو مرید ہونا ہے تو چادر تھام لیجیے ورنہ دوسروں کو موقع دیجیے۔میں نے اسی پس وپیش میں چادر تھام لی اور مرید ہوگیا۔مگر اس بات سے میں مطمئن نہیں تھا کہ میں مرید ہوگیا۔خیر میں بدایوں آگیا۔حضرت کی کیا نگاہِ کرم تھی کہ اس دن کے بعد سے اب تک پھر وہ پریشانی نہیں ہوئی اور رفتہ رفتہ میں روبصحت ہوتا چلا گیا۔حالاں کہ یہ اضطراب اب بھی میرے دل میں تھا کہ مرید ہوا یا نہیں۔ایک شب میں سورہا تھا فیروز بختی نے دل کی دہلیز پر دستک دی، ایک سنہرا خواب میں نے دیکھا......ایک خوبصورت، دل کش وسیع وعریض میدان ہے۔تاحد نگاہ باغات ہیں۔پھولوں کی کیاریاں ہیں اور بزرگ شخصیتیں دورویہ کھڑی ہیں۔ان میں کون کون سے بزرگ ہیں، مجھے معلوم نہیں۔البتہ صف کے ایک سرے پر میری نگاہ اٹھی، میں قریب گیا، میں نے دیکھا۔سرکار مفتی اعظم کسی کے انتظار میں کھڑے ہیں۔میں نے عرض کیا۔حضور! کس کا انتظار ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔وہ دیکھو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔جیسے ہی میں نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، زیارت سے مشرف ہوا اور پھر میری آنکھ کھل گئی۔اس وقت فجر کی اذان ہورہی تھی۔اس کے بعد رئیس بھائی نے کہا۔اس خواب کے بعد میرے دل کا اضطراب دور ہوگیا۔اور ذہن کے تمام شکوک وشبہات دور ہوگئے اور میں پورے طور سے مطمئن ہوگیا کہ میں حضرت کی غلامی میں پورے طور پر آگیا۔

حضرات میں سمجھتا ہوں، یہ صرف خواب ہی نہیں تھا بل کہ اس میں اس بات کا اشارہ بھی تھا کہ رئیس میاں کو کوئی اہم کام بھی انجام دینا ہے اور ایسا ہی ہوا۔بدایوں میں مولوی خلیل احمد صاحب سے مناظرہ ہونا تھا مگر حالات کچھ ایسے بن گئے تھے کہ مناظرہ ہوتا ہوا نظر نہیں

آ رہا تھا۔رئیس میاں تیار ہوئے اور اپنی ذمہ داری پر مناظرہ طے کرادیا۔اس کے بعد جشن فتح منایا گیا اور بغیر کسی پروگرام کے حضور تاجدار اہل سنت بدایوں تشریف لائے اور رئیس میاں کے مکان پر قیام فرمایا۔اس طرح مناظرہ کی تشکیل میں رئیس میاں نے ایک اہم رول ادا کیا۔اس پورے واقعہ کا تجزیہ کریں۔حضور تاجدار اہل سنت کی مقبولیت کے اسباب وعوامل واضح ہوتے نظر آرہے ہیں۔خلوص ومحبت، عشق ووفا اور ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی وابستگی قبولیت کے اسباب ہیں۔آخر میں آپ کی شہرت وقبولیت کے کچھ اسباب ایسے بھی ہیں جو غیر مادی اور روحانی ہیں۔ایک واقعہ خود میرے ساتھ ہوا جس سے میں ورطۂ حیرت میں پڑ گیا۔وہ واقعہ یہ ہے۔

۱۹۸۱ء میں میں مدرسہ انوار العلوم معروف گنج گیا میں پڑھا رہا تھا۔ایک دن صبح سویرے احاطۂ مدرسہ میں واقع ایک چھوٹی سی مسجد میں گیا۔ابھی فجر کی اذان بھی نہیں ہوئی تھی۔جیسے ہی میں مسجد کے اندر داخل ہوا میں نے از خود اپنے ماتھے کی آنکھوں سے مسجد کے صحن میں ایک بزرگ کو دیکھا جو سفید لباس میں ملبوس تھے۔بالکل سفید ریش تھے۔نورانی چہرہ تھا۔انھوں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنی ہی داڑھی کی طرف اشارہ کیا اور پھر ایک ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور پھر وہ بزرگ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔اس سے میں خوفزدہ بھی ہوا اور پس وپیش کا شکار بھی۔میں اس معما کی تہہ تک نہیں پہنچ پا رہا تھا۔خیر فجر کی اذان ہوئی اور باجماعت نماز پڑھ کر قیام گاہ پر آ گیا۔مگر میرے قلب ودماغ اسی واقعہ کی عقدہ کشائی میں الجھے رہے مجھے یہ معلوم نہیں کہ وہ بزرگ کون تھے؟ اور کیوں آئے تھے؟ اور ان اشاروں میں کیا اسرار ورموز تھے؟ بالآخر تقریباً ۸ یا ۹ بجے اطلاع ملی کہ حضور تاجدار اہلِ سنت کا وصال ہو گیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔بس اس خبر کے سنتے ہی یہ معما حل ہوا کہ وہ بزرگ حضور تاجدار اہلِ سنت کے وصال کی خبر دینے آئے تھے۔مگر وہ بزرگ کون تھے؟ تا دم تحریر معلوم نہیں۔خبر سنتے ہی میں اور حضرت مولانا قاری محمد ابرار احمد صاحب امروہی جو اس وقت انوار العلوم میں مدرس تھے۔بریلی شریف حاضر ہوئے اور جنازہ مبارکہ میں شرکت کی، یہ میری پہلی حاضری تھی۔اب سرکار مفتی اعظم کا کچھ ایسا کرم ہے کہ میں بریلی سے قریب اور بہت قریب ہوں۔وہ بزرگ جو حضور تاجدار اہل سنت کے وصال کی خبر دینے صحن مسجد میں تشریف لائے تھے، کون ہو سکتے ہیں؟ تا ہنوز معما ہے؟ جو نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا! بہر حال اس سے مفتی اعظم کی عظیم شخصیت اور قبولیت عامہ ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی بعید از قیاس نہیں کہ وہ بزرگ خود تاجدار اہل سنت ہوں۔

☆☆☆

نمونۂ اسلاف سرکار مفتیِ اعظم ہند

مولانا مفتی محمد عنایت احمد نعیمی
پرنسپل الجامعۃ الغوثیہ عربی کالج، اترولہ، بلرام پور

شہزادۂ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی شخصیت گوناگوں صفات کا مجموعہ تھی، علم وفضل، تقویٰ وطہارت، دینی وملی خدمات دین وسنت کی نشر واشاعت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آپ کی ایسی تابناک وروشن خوبیاں ہیں جو آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں۔ مشاہیر اہلِ قلم نے اپنا اپنا حق ادا کرتے ہوئے آپ پر بہت کچھ لکھا ہے، اور آئندہ بھی صاحبانِ علم اپنے اس عظیم محسن کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کرتے رہیں گے، مجھ جیسا کوتاہ قلم اتنی بڑی شخصیت کے فضائل وکمالات اور خیرات ومحاسن پر کتنا کچھ لکھ سکتا ہے؟ مگر چوں کہ محترم سعید نوری صاحب بانی رضا اکیڈمی کا اصرار ہے اور یہ کام بجائے خود حصولِ سعادت کا ذریعہ ہے لہٰذا انھیں ذمہ داران اہل قلم سے اقتباسات کرکے چند سطور حاضرِ خدمت ہیں۔

شہزادۂ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں ادیبؔ بریلوی کا یہ شعر اگر نذر کردیا جائے تو شاید ایک بحرِ بے کراں کو کوزہ میں بند کرنے کا کام ہوسکتا ہے۔

تیرے جلووں کو دیکھنے والے اپنی اپنی نگاہ تک پہنچے

فقیر نے ابتدائی فارسی کورس سے عالم تک مدرسہ انوار العلوم تلسی پور جو ضلع گونڈہ میں سب سے مشہور ومعیاری مدرسہ تھا حاصل کیا بعدہٗ استاذ محترم مناظر اعظم حضرت علامہ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن خاں علیہ الرحمہ کی اجازت وایما پر حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حاضری کی سعادت حاصل کی۔ مدرسہ مظہر اسلام واقع مسجد بی بی جی صاحبہ میں حضرت کے زیر سایہ رہ کر (۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۴ء) مسلسل چار سال آستانہ عالیہ رضویہ کی خاک بوسی میرے لیے سرمایۂ افتخار ہے۔ ان چار سالہ مشاہدات نے مجھے باور کرادیا کہ سرکار مفتی اعظم اللہ تعالیٰ کی ایک عجیب نشانی تھے، ان کی نظر ایسی کیمیا اثر تھی کہ جس پر پڑی اسے چمکا دیا۔ باد بہاری کی طرح جہاں سے گزرے، جلتے جھلستے دلوں کو راحت وسکون کا مرہم دے دیا، آپ کے علم وفضل، تقویٰ وطہارت اور پاکیزگی نفس کا اعتراف اپنوں کے علاوہ غیروں کو بھی رہا ہے۔ مالک مولیٰ نے آپ کو ایسی تسخیری قوت عطا فرمائی تھی کہ جس نے دیکھا آپ کا بندۂ بے دام بن گیا اور آپ کی غلامی پر ناز کرتا رہا۔

سرکار مفتی اعظم نور اللہ مرقدہٗ ایک تاریخ ساز شخصیت کا لقبی نام ہے، جس کے شرعی فیصلے، دینی فتاوے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مجھے آپ کی صحبت زیادہ تو میسر نہ ہوئی مگر جتنی بھی ہوئی اس کی روشنی میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت مجدد اعظم نے اپنے اس نور نظر کو اس طرح بنایا اور سنوارا تھا کہ آپ کی پوری زندگی شریعت کا آئینہ دار بن گئی۔ آپ کا ایک ایک قدم شریعت حقہ کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ سفر ہو یا حضر، جلوت ہو یا خلوت، تنہائی کا عالم یا عوامی ازدحام، خواص کی محفل ہو یا اہلِ دل کی کوئی انجمن، ہر جگہ، ہر منزل پر مفتی اعظم رضی

المولیٰ عنہ شمع محفل ہوتے اور سب کی نگاہوں کا مرکز بنے رہتے اور آخر ایسا کیوں نہ ہوتا کہ آپ خود اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی المولیٰ علیہ وسلم کے سچے محب اور عاشق زار تھے۔ اللہ اور اس کے رسول کا ذکر جمیل ہی آپ کی زندگی کا نصب العین رہا۔ حضرت نوری کی آرزو یہی رہی کہ جس شراب معرفت ومحبت سے میں سرشار و مست ہوں یہی مئے محبت ومعرفت دنیا میں عام ہوجائے۔ فرماتے ہیں:

مرض عشق کا بیمار بھی کیا ہوتا ہے — جتنی کرتا ہے دوا درد سوا ہوتا ہے

میں نے بھی شمع رسالت سے لگائی ہے لو — سب کی جھولی میں انھیں کا تو دیا ہوتا ہے

قرآن کریم نے اپنے جن نیک بندوں کی نشاندہی فرما کر تعریف فرمائی ہے حضرت نوری ان بندگانِ خاص میں نمایاں مقام پر نظر آتے ہیں۔ قرآن جنھیں مومن کامل، عبد صالح، متقی و پرہیزگار کے پیارے القاب سے نوازتا ہے۔ ان میں آپ ایک وصف، قدر مشترک کے طور پر محسوس کریں گے جسے "خشیت ربانی" کہا جاتا ہے۔ یہی وہ وصف ہے جو بندہ کو معروفات پر عمل، ممنوعات ومنکرات سے اجتناب پر آمادہ کرتا ہے، یہی وہ جوہر عالی ہے کہ جس بندہ میں یہ جتنا زیادہ ہوگا اسی قدر وہ بندہ قرب خداوندی کا سزاوار وحق دار ہوگا۔ قرآنی فرمودات کی روشنی میں ایمان کے بعد یہی وہ خشیت محکم ہے جس پر سارے اعمال صالحہ کی بنیاد استوار ہوتی ہے۔

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی حیات مبارکہ کو جن خوش نصیبوں نے قریب سے دیکھا ہے ان کی بڑی مضبوط اور ٹھوس شہادت ہے کہ مفتی اعظم کا کوئی قول وفعل کتاب وسنت کے خلاف نہ تھا۔ آپ کی پوری حیات مبارکہ شریعت مطہرہ کی پاکیزہ آئینہ تھی گویا اِنْ اَوْلِیَـآؤُہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔ (سورۂ انفال ۸/ ۳۴) کے آپ سچے اور صحیح مصداق تھے۔

راقم السطور کو اچھی طرح یاد ہے کہ آپ کا ایک تبلیغی دورہ ۱۹۷۰ء کے دہے میں ضلع بستی کے چند مشہور مقامات امرڈوبھا، بسڈیلہ اور ان سے ملحق جگہوں کے لیے ہوا تھا۔ یہ خادم اس وقت مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا میں بہ حیثیت نائب صدر مدرس تدریس پر مامور تھا۔ دارالعلوم کے اساتذہ میں چونکہ اکثر حضرات شہزادۂ اعلیٰ حضرت کے ہی دامن کرم سے وابستہ تھے۔ اس لیے سبھوں کی خواہش پر حضرت نے ایک شب کا قیمتی وقت اہل مدرسہ کو عطا فرمایا تھا اور رئیس قوم جناب سیٹھ محمد حسن مرحوم کے مکان پر مہمان ہوئے تھے۔ صبح کسی اور جگہ کے لیے روانگی کا پروگرام تھا۔ ناظم اعلیٰ محمد حسن مرحوم اپنے دیار کے رسم ورواج کے مطابق دھوتی اور کرتا استعمال کرتے تھے تہبند یا پاجامہ کا رواج تو تھا مگر خاص کر تجارت پیشہ مشرکین وہنود کے ساتھ کاروباری نشست وبرخاست کی وجہ سے ایسا کرتے رہے ہوں گے، پھر بوقت روانگی حضرت کی خدمت میں اپنی جیب خاص سے کچھ رقم نذر کرنا چاہا۔ حضرت نے خادم سے دریافت فرمایا یہ کون ہیں؟ میں نے عرض کیا۔ حضور یہ مدرسہ کے ناظم محمد حسن صاحب ہیں، حضرت نے فرمایا، میں مدرسوں سے نذرانہ نہیں لیتا۔ جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا محمد حسن صاحب دھوتی باندھے ہوئے تھے اور چہرہ پر داڑھی بھی نہیں تھی، میں نے محسوس کیا کہ نذرانہ لینے سے انکار کرنے پر وہ سخت مایوس کا شکار ہے ہیں۔ دوبارہ میں نے عرض کیا کہ ناظم اعلیٰ جو نذر پیش کررہے ہیں وہ رقم مدرسہ کی نہیں ہے بل کہ ان کی اپنی ذاتی رقم ہے۔ تو بہ مشکل حضور نے قبول فرمایا اور ساتھ ہی مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ "ان سے کہیے کہ اپنا چہرہ اور لباس اسلامی بنائیں، یہی میرے لیے بہترین نذرانہ ہے۔ سبحان اللہ۔ اس واقعہ میں ان حضرات کے لیے درس عبرت ہے جو اپنے کسی بھی معتقد کی نذر کو یہ سمجھ کر لے لیتے ہیں کہ "مرید ہے چاہے جیسا ہو" اور اپنے مریدین ومعتقدین کی شرعی خامیوں پر نظر نہیں ڈالتے یا پھر دیدہ ودانستہ اغماض وچشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔ اس اندیشہ سے کہ کہیں ہمارا یہ معتقد ناراض نہ ہوجائے، مگر حضرت مفتی اعظم نے ہمیشہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض منصبی پیش نظر رکھا اور اس فرض کی ادائگی کی راہ میں کسی کی دولت یا اس کی شہرت یا کوئی دنیوی مفاد آڑے نہ بن سکا، اور آپ نے وہی کیا جو آپ کے خدا

ورسول نے حکم دیا تھا، واضح رہے کہ آپ کا یہ برتاؤ صرف عامۃ المسلمین کے ساتھ ہی نہ تھا بل کہ خواص پر بھی گرفت کا یہی معاملہ تھا۔ علماو خطبا، جلسوں اور دینی مجمعوں میں حضرت کے روبرو وعظ وخطاب کرنے سے گھبراتے تھے اور کانپ کانپ جاتے تھے کیوں کہ یہ بات تقریباً ہر کس وناکس کو معلوم تھی کہ حضرت کسی بھی خلاف شرع امر پر سکوت وخاموشی اختیار نہیں فرماتے اور علی الفور اصلاح ضروری سمجھتے ہیں۔

چنان چہ بحر العلوم حضرت مفتی عبدالسنان صاحب قبلہ شیخ الحدیث مدرسہ شمس العلوم گھوسی تحریر فرماتے ہیں:

''حضرات مقررین سے کبھی جوش بیان میں، کبھی لکنت زبان سے، اور کبھی لاعلمی وجہالت سے (کہ آج کل تقریر کے لیے رسوخ علم ضروری نہیں رہ گیا ہے) دوران تقریر ایسے جملے صادر ہو جاتے ہیں جو شرعاً، عقلاً، اخلاقاً یا زبان و بیان کے لحاظ سے قابل اعتراض ہوتے ہیں۔ اگر مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ اسٹیج پر ہیں تو کیا مجال ہے کہ کوئی مقرر ایسی بد احتیاطی کر کے گذر جائے اور آپ امر بالمعروف نہ فرمائیں۔ کئی بڑے خطبا سے تو برسر منبر انھوں نے توبہ تک کرائی۔ خود اپنی زندگی میں دو مرتبہ ایسی سرزنش سے پالا پڑا ہے توبہ تک کی نوبت البتہ نہیں آئی۔

جیسا کہ بحر العلوم نے بیان فرمایا ایک ایسے ہی واقعہ کا چشم دید اور عینی گواہ میں خود ہوں۔

۱۹۶۴ء میں راقم السطور کی دستار بندی وفراغت مظہر اسلام بریلی شریف سے ہوئی ہے جلسہ اور مدرسہ کے سرپرست کی حیثیت سے اس جلسۂ دستار میں حضرت کی بھی شرکت تھی۔ ناظم جلسہ نے افتتاحی تقریر کے لیے مظہر اسلام ہی کے ایک نئے مقرر کردہ مدرس کی تقریر کا اعلان کیا دوران تقریر مقرر نے حضرت سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے وہ واقعات وحالات جو قبل از قبول ایمان ان سے صادر ہوئے تھے بیان کرنا شروع کیا مگر بیان میں ادب والے الفاظ کی رعایت نہ تھی مثلاً ''تھے'' کی جگہ تھا، کرتے کی جگہ کرتا ایسے الفاظ جو عموماً چھوٹوں کے لیے بولے جاتے ہیں۔ ایسے الفاظ سن کر توبہ واستغفار کرتے رہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھتے رہے۔ جوں ہی ان کی تقریر ختم ہوئی حضرت نے گرجدار آواز میں فرمایا ''مولانا توبہ کیجیے'' ساتھ ہی وجہ توبہ بھی واضح فرمائی الاسلام یھدم ما کان قبلہ جس کا مطلب یہ کہ قبل از قبول اسلام جو بھی خلاف اسلام معاملات آپ سے صادر ہوئے ان کو بنیاد بنا کر حضرت کی شان میں کوئی بھی ایسا لفظ شرعاً استعمال کرنا جائز نہیں جس سے تحقیر شان ہو کیوں کہ بعد ایمان وہ صحابی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بلند مرتبہ ومقام سے مشرف ومکرم ہو گئے لہٰذا اس کے بھی اگر حالات وواقعات بہ ضرورت بیان کیے جائیں تو ادب ملحوظ خاطر رہنا چاہیے۔

افسوس کہ آج یہ چیز ہمارے درمیان باقی نہ رہی۔ حضرت کے نگاہوں سے اوجھل ہونے کے بعد ہی ہمارے مقرروں اور [illegible] عجب حال ہو گیا۔ کتنے واعظین ومقررین دوران خطابت ایسے جملے یا باتیں پیش کرتے ہیں جن کی ضرب براہ راست اسلام کی [illegible] پر پڑتی ہے۔ اولاً تو کوئی ٹوکتا نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ اور اگر کسی بندۂ خدا نے احساس ذمہ داری کے تحت کسی ایسی خطا پر توجہ بھی دلائی تو ممنون ومشکور ہونے کے جنگ وجدال اور بحث ومباحثہ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

بہت سے ذمہ دار اور مستند علمائے کرام کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ حضرت کی کرامتوں کا مشاہدہ اپنوں نے تو بار بار کیا ہے غیر مسلموں کے دلوں میں بھی آپ کی عظمت وبزرگی کے ذریعہ اسلام کی حقانیت کے جلوے آشکار ہوئے ہیں یہ الگ بات ہے کہ ہدایت ان کی قسمت میں نہ آئی۔

واقعہ: یہ ان دنوں کی بات ہے جب کہ آج کل کی طرح دیہاتوں میں پہنچنا اور وہاں سے شہروں میں پہنچنا آسان نہیں تھا لوگ ریل اسٹیشنوں بس اسٹینڈوں تک بیل گاڑی یا پھر معززین پالکی کے ذریعہ پہنچائے جاتے تھے۔ مزدور اپنے کندھوں پر اٹھا کر ایک جگہ

سے دوسری جگہ پہنچاتے تھے۔ حضرت کو خلیل آباد اسٹیشن پہنچ کر کوئی ٹرین پکڑنی تھی، ملنے جلنے والوں اور دست بوسی کے آرزومندوں کے ہجوم وازدحام کے سبب ٹرین کی آمد میں بہت کم وقت بچ سکا۔ پالکی اٹھانے والے کہار بھی غیر مسلم ڈبر یلے کھیتوں کی پگڈنڈیوں پر خود رو کانٹوں اور جھاڑیوں سے اپنے ننگے پیروں کو بچانے کے لیے آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ حضرت نے گھڑی پر نظر ڈالی ٹرین کے معینہ وقت میں لمحہ بہ لمحہ کمی ہوتی جارہی تھی کہ حضرت نے کہاروں سے کہا تم لوگ سیدھے کیوں نہیں چلتے۔ کہار اپنی زبان میں بولے۔ مہاراج کھیتوں میں کانٹے بھرے ہیں ہم لوگ ننگے پیر ہیں' ان کانٹوں میں سیدھے چلیں گے تو ہمارے پاؤں لہولہان ہو جائیں گے۔ حضرت نے فرمایا سیدھے چلو ہمیں تو کانٹے نظر نہیں آتے، حضرت کے حکم پر پالکی لے کر وہ کھیتوں میں سیدھے دوڑنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں خلیل آباد اسٹیشن آگیا کسی کہار کے پاؤں میں کوئی کانٹا نہ چبھا یہ غیر مسلم پالکی بردار عالم حیرت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ٹرین نہیں آئی تھی اب حضرت کی ٹرین اپنے وقت معین پر آئی۔ حضرت کو جہاں جانا تھا روانہ ہوئے مگر یہ کہار جس سے بھی ملتے اس سے یہی کہتے کہ" یہ بہت بڑے گرو، بہت بڑے مہاتما ہیں۔" واپسی میں ان کہاروں نے کہا لاؤ اب دیکھا جائے کہ ہمارے پیروں میں کانٹے چبھتے ہیں یا نہیں، مگر اب وہ بات کہاں پیر رکھتے ہی کانٹے اپنا کام دکھانے لگے۔ سچ کہا ہے کسی نے

کانٹے بھی میرے حکم پر چلتے ہیں دوستو — کرتا نہ دیکھیے میرا حلیہ نہ دیکھیے

بات آپ کی کرامتوں کی آگئی تو ایک واقعہ یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو "سیف زبان" بنا دیا تھا جس کے حق میں جو کہہ دیا وہ پورا ہو گیا، اور آپ کی دعاؤں کے لیے اجابت بہر استقبال آیا کرتی تھی جو کھلی دلیل اور واضح نشانی تھی کہ آپ مقبول عند اللہ اور مستجاب الدعوات تھے۔ ہمارے شہر اترولہ اور اس کے مضافات کی سرزمین کو بھی حضرت کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا ہے۔ خوش نصیبی سے یہاں کے کافی لوگ حضرت کے نیازمندوں، حلقہ بگوشوں میں داخل وشامل ہیں، یہیں اترولہ کے مضافات کے ایک صاحب جن کا نام محمد اسلام تھا بڑے کھرے سنی تھے۔ انھوں نے الہ آباد سے ڈاکٹری پاس کیا تھا۔ جب انھوں نے پریکٹس کا آغاز کرنا چاہا تو اجازت اور دعا لینے کے لیے بریلی شریف اپنے پیرومرشد کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور مطب قائم کرنے کی اجازت طلب کی کہ حضور اجازت اور دعا سے نوازیں حضرت نے دریافت فرمایا آپ کا نام کیا ہے؟ انھوں نے بتایا "محمد اسلام" حضرت نے برجستہ فرمایا آپ کے مطب کا نام "شفائے انام" ہے۔ اللہ اکبر یہ نام اتنا بابرکت وبافیض ہوا کہ اترولہ کے سارے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس ڈاکٹروں کا چراغ ان کے سامنے گل نظر آنے لگا۔ اس امر کا مشاہدہ خود راقم السطور نے کیا ہے کہ بڑے بڑے ڈاکٹر بیکار بیٹھے ہیں، کوئی مریض ان کی جانب رخ نہیں کرتا اور ڈاکٹر محمد اسلام کے یہاں مریضوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے جلوۂ شفائے انام ڈاکٹر محمد اسلام کا جو درحقیقت فیض ہے اس کامل درویش کا جو لوگوں کا مرکز نظر بنا رہا مفتی اعظم کی حیثیت سے مگر اتنی کا وہ مرتبہ جسے قرب خداوندی اور عشق رسالت پناہی کا نام دیا جائے بہتوں کی نظر سے اوجھل رہا، سچ کہا اقبال نے

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو عقیدت ہو تو دیکھ ان کو — ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

☆☆☆☆

اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی
چیئرمین اوکاڑوی اکادمی، پاکستان

نسبتوں کو شمار کیا اور مانا جاتا ہے مگر ہر شخص اور ہر شی کے لیے انھیں معیار نہیں سمجھا جاتا۔ کہتے ہیں لوگوں میں نسبت کا احترام جب ہی سوا ہوتا ہے کہ منتسب شخص میں بھی کوئی بات ہو اور سوا ہو۔ حقیقت کی نگاہ محض عقیدت کی عینک سے نہیں دیکھتی۔

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ فضیلتِ علم فضیلتِ نسب سے کہیں زیادہ رتبہ رکھتی ہے اور یہ بھی طے ہے کہ فضیلت و مرتبت، علم و تقویٰ ہی سے وابستہ ہے۔ امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بلاشبہہ بہت محترم ہستی ہیں لیکن ان کے فرزندان میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی کا نام نمایاں ہے اس کی وجہ ان میں علم و تقویٰ کی زیادہ پاس داری ہے۔ اور کتنے نام اس حوالے سے معروف ہیں۔ بیٹا بلاشبہہ اپنے باپ کا کچھ نقش و عکس لیے ہوتا ہے، اس کا بعید ہوتا ہے لیکن صرف نسبتِ فرزندی ہی سے ہر کسی کو مکرم و محترم نہیں مانا جاتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ وہی نام محبوب و محترم ہوئے جو علم و عمل میں عمدگی کا وصف رکھتے تھے۔ امام غزالی و امام رازی کو ان کے خاندانی نسب نے عزیزِ جہاں نہیں بنایا۔

موجودہ عہد میں کسی نام کے ساتھ القاب کی فہرست سننے والا پڑھنے والا کسی قدر متاثر بھی ہوتا ہے تو وقتی طور پر ہی ہوتا ہے، اس کے برعکس کسی ہستی کو جان کر اسے دیا جانے والا کوئی ایک سچا لقب ایسا ثابت ہوتا ہے کہ ہر ذہن پر نقش ہو جاتا ہے اور ہر کسی کو متاثر کرتا ہے۔ اس ہستی کے لیے پھر القاب کی کسی فہرست کی چنداں ضرورت نہیں رہتی کہ وہ ایک لقب ہی اس ہستی کا بھرپور تعارف ہو جاتا ہے۔

''مفتیِ اعظم'' کوئی نیا لقب نہیں اور ایسا بھی نہیں کہ کسی ایک ہی کے لیے مخصوص ہو، لیکن یہ لقب پکارا جائے اور کسی ایک ہی ہستی کا واضح تاثر ابھرے، یہ خوبی اس لقب کے حوالے سے ہمارے ممدوح حضرت مفتیِ اعظم الحاج مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی قدس سرہٗ القوی کی ہے۔ ان سے نسبت کو افتخار اور ان سے عقیدت کو اعزاز سمجھا جاتا ہے۔ وہ بہت بڑے باپ کے بیٹے تھے اور خود بھی بڑے تھے۔ وہ کتنی بڑائی اور کیسی خوبیاں رکھتے تھے اسکا بیان کرنے والے بھی آج بڑے بڑے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ کچھ اَمر ہو جاتے ہیں۔ ذرا توجہ کیجیے، وہ کیسے ہوتے ہیں جن سے لمحے اَمر ہوتے ہیں اور زمان و مکان وسعت پاتے ہیں۔ کسی کی باتیں اور یادیں زندگی ہو جائیں، ایسی شخصیت اپنا خاص وقار اور اعتبار رکھتی ہے۔ سحر انگیزی، عہد سازی، فکر طرازی انھیں سے عبارت ہوتی ہے۔ حضرت مفتیِ اعظم کیا تھے اور کیا نہیں تھے! نحیف سا وجود تھا لیکن چٹانوں سے بڑھ کر ان میں استقامت تھی۔ روئے تاباں ان کا ایسا کہ چند ثانیے دیکھیے اور برسوں انھیں سوچتے رہیے۔ ان کے انفاس کی مہک نے دہر کو معطر کیا۔ ان کے افکار کی دمک نے اذہان کو منور کیا۔ ان کے کردار کی تابندگی ملت کی زندگی ثابت ہوئی۔

برقی دور کی اس تیز رفتار زندگی میں پس منظر یعنی پیچھے مڑ کر دیکھنے کی گنجائش کہاں! اگر پیش منظر میں جو پہلوں کا کوئی نقش و عکس نہ ہوتا

تو تابانیوں اور جولانیوں کے دیکھنے والے کو سامنے کی دکھائی دیتی چکاچوند بھی متاثر نہیں کرتی اور وہ پس منظر کی روشنی ہی میں محو و مگن رہنا پسند کرتا ہے۔ حضرت مفتی اعظم نور و نکہت سے عبارت تھے۔ ان کی یادوں کو وقت کی گرد نے دھندلایا نہیں کچھ اور اجاگر کیا ہے۔

محترم الحاج محمد سعیدی نوری قابل مبارک باد ہیں کہ انھوں نے "نوری" سلسلے سے اپنی وابستگی کا اظہار بھی کیا خوب کیا ہے۔

وہ ہستی کہ جس کی آمد کی نوید بھی حضرت نوری میاں ہی سے ملی، وہ ہستی جس کی زیست کا سفر بھی نوری رہا، وہ ہستی جس کا تذکرہ بھی نوری ہے جو خود حضور سیدنا "مصطفیٰ" (ﷺ) کی "رضا" کے لیے تھا، اس کے وابستگان کا عنوان بھی "جماعت رضائے مصطفیٰ" تھا، ان کے ۲۵ سالہ عرس مبارک پر ان کی یادوں اور یادگاروں کے تذکار کا مجموعہ تیار کرنا یقیناً مبارک اور نوریوں کے لیے نوری کاوش ہے۔

حضرت مفتی اعظم ایک فرد نہیں ایک عہد تھے۔ وہ ایک شخص نہیں کروڑوں کے لیے مرکز تھے، عقیدت و محبت کا ایک مرکز۔ انھیں جتنا سوچا اور ان کے بارے میں جتنا سنا کاش کہ انھیں اتنا دیکھا بھی ہوتا.....

☆☆☆

حضور مفتی اعظم کی حق گوئی و بے باکی

مولانا محمد عارف اللہ مصباحی

استاذ مدرسہ عربیہ فیض العلوم، محمد آباد، گوہنہ، ضلع مئو

جب کسی انسان کے دل میں ایمان گھر کر جاتا ہے تو اس کے مظاہرے بھی انتہائی حیرت انگیز ہوتے ہیں۔ فرعون کے جادوگر جب ہموار اور وسیع و عریض میدان میں انسانوں کے جم غفیر کی موجودگی میں اپنے جادو کا کمال دکھانے اترے تھے تو انھیں پورا یقین تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ کر رہیں گے اور شاہی انعام و اکرام کے سزاوار قرار دیے جائیں گے مگر جب ان کے جادو کے سانپوں اور اژدہوں کو عصائے کلیم نے دم زدن میں نگل لیا اور انھیں معجزہ اور جادو کا باہمی فرق معلوم ہو گیا تو وہی جادوگر توحید خداوندی پر ایمان کامل کی دولتِ بے بہا سے سرفراز ہو کر بے ساختہ مالکِ حقیقی کے حضور سجدہ ریز ہو گئے، فرعون نے جب یہ ناقابلِ یقین منظر دیکھا تو انھیں نہایت بھیانک اور وحشیانہ انداز میں قتل کر ڈالنے کی دھمکی دی مگر کیا وہ اس کی دھمکی سے ذرہ برابر بھی خائف ہوئے؟

حضرت ابن طاؤس، خلیفہ ابو جعفر منصور کی طلبی پر اس کے دربار میں آئے تو دیکھا کہ وہ اپنے پورے حاکمانہ کر و فر کے ساتھ فرش پر بیٹھا ہوا ہے جب کہ سزائے قتل کے مستحق لوگوں کے لیے چمڑے کے فرش بچھے ہوئے ہیں اور جلاد ان کی گردنیں اڑانے کے لیے ہاتھوں میں برہنہ تلواریں لیے پوری طرح مستعد کھڑے ہیں مگر کیا یہ لرزہ خیز منظر دیکھ کر ابن طاؤس کی ایمانی جرأت و استقامت میں کوئی تزلزل ہوا؟ اور کیا اس سے گفتگو کے دوران، ان کے کسی بھی جملے سے مرعوبیت کا کوئی اثر ظاہر ہوا؟ حالاں کہ حضرت مالک بن انس نے کئی بار اس خوف سے اپنے کپڑے سمیٹ لیے کہ کہیں ابن طاؤس کے خونِ ناحق کے دھبے میرے کپڑوں سے نہ لگ جائیں۔

حضور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی میرے نزدیک اسی سلسلۃ الذہب کی ایک خوبصورت کڑی ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کے طویل سفر میں بہت سے نشیب و فراز دیکھے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمنان اسلام کی فتنہ سامانیاں اور ریشہ دوانیاں بھی دیکھیں، اسلامیانِ عالم کو عقیدۂ سلف سے بیزار کرنے اور انبیا و اولیا کی بارگاہوں میں دریدہ دہنی و گستاخی کرنے والے نام نہاد علما کی ایمان سوز تحریروں اور تحریکوں کا بھی مشاہدہ کیا، مسلمانوں کو اپنے دینی ذہن و فکر، وضع قطع اور اسلامی تہذیب و تشخص کو پسِ پشت ڈال کر پوری طرح مغربی رنگ و آہنگ اختیار کر لینے کی دعوت و ترغیب دینے والے مغرب زدہ مسلم قائدین کی الحاد آمیز تحریریں اور پیہم مساعی بھی دیکھیں۔ وقت کے ظالم و جابر حکمرانوں کے قرآن و سنت سے متصادم احکامات اور اقدامات بھی دیکھے مگر کیا ایسے ہوش ربا اور حوصلہ شکن حالات میں قوتِ ایمانی، عزمِ محکم، عشقِ مصطفوی، مسلمانوں کے دین و ایمان کے تحفظ اور ان کی فلاح و کامرانی کے بیکراں جذبات سے لب ریز حضور مفتی اعظم خاموش تماشائی بنے رہ سکتے تھے؟ نہیں! ہرگز نہیں! وہ اٹھے اور اسلام اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے تمام طاغوتی قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور زندگی کی آخری سانس تک ان سے نبرد آزما رہے۔

یہاں تک کہ فتح و نصرت نے ہر گام پر ان کے قدم چومے۔

وہ ۲۲ر ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ مطابق ۷ر جولائی ۱۸۹۳ء میں ایک معزز علمی خانوادے میں سریر آرائے بزم عالم ہوئے۔ ۱۳۲۸ھ میں انھوں نے تمام مروج علوم و فنون میں مہارت حاصل کر کے سندِ فراغ لی اور پوری زندگی دعوت و ارشاد اور حق گوئی اور بے باکی کے میدان میں سرگرم عمل رہے۔

وہ خیر کے داعی تھے اور اس پر کاربند بھی۔ انھیں منکرات سے سخت نفرت تھی اور دوسروں کو بھی ان سے نفرت پر برانگیختہ کرتے۔ اس کے لیے انھوں نے حسب موقع اپنی زبان و قلم کی بھر پور توانائیاں صرف کر دیں۔ اگر وہ کسی منکر کا ازالہ اپنے ہاتھ سے کر سکتے تو ایسا کرنے سے بھی باز نہ آئے۔ انھوں نے کسی صاحب اقتدار کے کروفر یا کسی توانا کے زور بازو سے خوف زدہ ہو کر حق بات کے اظہار میں کسی لیت و لعل سے کام نہیں لیا۔ وہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی عملی تصویر تھے "من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان۔

(مشکوۃ المصابیح۔ باب الامر بالمعروف، ص ۴۳۶ مجلس البرکات، مبارک پور)

تم میں کوئی شخص اگر کوئی ایسی بات دیکھے جو شرعاً ناپسندیدہ ہو تو اسے اپنے ہاتھ سے تبدیل کرے اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اپنی زبان سے اس کا ازالہ کرے اور اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو اپنے دل سے ہی اسے بدل دے یعنی اپنے دل میں اسے ناپسند کرے اور معیوب جانے مگر ایسا شخص سب سے کمزور مومن ہے کیوں کہ اگر وہ اپنے ایمان میں مضبوط اور پختہ ہوتا تو صرف دل سے برا جاننے پر اکتفا نہ کرتا۔ (مشکوۃ المصابیح۔ باب الامر بالمعروف، ص ۴۳۶)

یوں تو حضرت والا مرتبت کی زبان و قلم سے نکلنے والی ہر صدا اور ہر تحریر حق گوئی اور بے باکی کی زندہ اور پائندہ مثال ہے مگر کچھ ایسی تحریریں اور واقعات بھی آپ کی حیات مبارکہ سے وابستہ ہیں جو اپنی امتیازی خصوصیات کی وجہ سے علاحدہ ذکر کرنے کے قابل ہیں اور جن میں حق گوئی اور بے باکی کا پہلو پوری طرح نمایاں ہے اس لیے میں یہاں چند ایسے اہم واقعات ذکر کرتا ہوں جن سے آپ کے حسن تدبر و دور اندیشی اور حق گوئی و بے باکی کا صحیح صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

شدھی تحریک :

۳۰ر ۳۱ر دسمبر ۱۹۲۲ء کو مہاسبھا (آریہ سماج کی مجلس شوریٰ) کا ایک غیر معمولی اجلاس راجہ دھن راج ناہر سنگھ کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں شدھی یعنی غیر ہندو قوموں کو آریہ مذہب میں داخل کرنے کی قرارداد منظور کی گئی۔ اس قرارداد کے تحت ہندو اپدیشکوں (مبلغوں) کے ذریعہ اس تحریک کا آغاز کیا گیا۔ مسلم راجپوت سب سے زیادہ اس کے نشانے پر تھے۔

اس کے دائرۂ کار میں اتر پردیش، راجستھان، گجرات، پنجاب اور بہار کے وسیع و عریض علاقے شامل تھے اور اسے کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے تمام ہندو راجاؤں اور سرمایہ داروں نے بھر پور مالی اور عملی تعاون پیش کیا۔

ہندو مبلغین نے شدھی تحریک کے لیے مندرجہ ذیل ہتھکنڈے استعمال کیے۔

۱) لوگوں کو نفسیاتی خوف میں مبتلا کرنا مثلاً یہ مشہور کرنا کہ گورنمنٹ اور راجا کا حکم ہے کہ سب لوگ آریہ دھرم اختیار کر لیں ورنہ ان پر جرمانے عاید کیے جائیں گے۔

۲) ہندو دھرم اپنانے کی طرف راغب کرنے کے لیے مال و زر کی پیش کش۔
۳) بصورت دیگر دباؤ اور تشدد کا استعمال۔
۴) ہندوؤں میں چھوا چھات عام ہونے کی وجہ سے کوئی ہندو نو وارد ہم مذہبوں کے ساتھ کھانے پینے کو تیار نہیں ہوتا اس کے نتیجے میں اس بات کا امکان زیادہ تھا کہ یہ نو وارد ہندو کبیدہ خاطر ہو کر دوبارہ اپنے سابقہ دین کی جانب پلٹ جائے، اس لیے تحریک کے ذمہ داروں نے فی مرتد ایک روپیہ دینے کی پیش کش کر کے اس رویہ کو ختم کرنے کی کوشش کی۔
۵) نسلی تعصب کو ہوا دینا۔
۶) اسلام کے بارے میں جھوٹے اور من گھڑت قصوں کی اشاعت۔
۷) حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے خلاف غلط پروپیگنڈا کر کے ملکانہ راجپوتوں کو مشتعل کرنا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس تحریک کے برے عزائم سے اول روز سے ہی باخبر ہو چکے تھے اور اس کی کامیابی کی صورت میں مرتب ہونے والے نتائج و مضمرات کا انھوں نے پوری طرح اندازہ کر لیا تھا یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس سے مقابلہ کے لیے کمر ہمت کس لی اور کوئی تاخیر کیے بغیر ملک کے مختلف علاقوں کا دورہ کر کے ان اسباب و علل کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا جن سے ہمت پا کر آریہ سماج نے مسلم راجپوتوں کو فتنۂ ارتداد کا نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ حضرت والا کے سروے کے مطابق وہ اہم عوامل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) راجپوت سیکڑوں برس پہلے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے مگر دینی شعور و آگہی سے محروم ہونے کے باعث ان کے نام، طرز معاشرت اور تمدنی حالات مسلمانوں جیسے نہیں تھے۔
۲) ان میں نسلی تعصب کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اس لیے وہ عام مسلمانوں کے مقابلے اپنے ہم قوم ہندوؤں کو ترجیح دیتے۔
۳) اپنی نسل کو خالص رکھنے کے لیے شادی بیاہ کا رشتہ اپنی ہی نسل کے راجپوتوں میں کرتے۔
۴) راجپوتوں میں مفلسی اور بے روزگاری کی وبا عام تھی۔

آریہ سماج نے ان اسباب و عوامل میں سب سے زیادہ توجہ نسلی تعصب اور غربت و افلاس پر مرکوز کی کیوں کہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر شخص کو اپنے آبا و اجداد سے یک گونہ لگاؤ ہوتا ہے اس لیے مسلم راجپوتوں کے دلوں میں تسلسل کے ساتھ یہ احساس زیادہ سے زیادہ راسخ کرنے کی کوشش کی گئی کہ ان کے اسلاف ہندو اور ہندو مذہب کے پیروکار تھے لہٰذا انھیں پھر اسی دھرم کو اختیار کر لینا چاہیے جس سے ان کے آبا و اجداد وابستہ رہے۔ دوسری جانب اسلامی عقائد اور اسلامی نظامِ حیات سے راجپوتوں کی ناواقفیت نے آریہ سماج کے مبلغین کے لیے شراب دو آتشہ کا کام کیا اور ان کے مشن کو آسان بنانے میں اہم رول ادا کیا۔

غربت کی ضرب بھی انسان کو کبھی کبھی ایسے فیصلے کرنے پر مجبور کر دیتی ہے جن کے لیے اس کا دل بالکل تیار نہیں ہوتا اس لیے اس نفسیاتی صورت حال کو مد نظر رکھتے ہوئے غریب و نادار راجپوتوں کو اپنے دامِ کفر و شرک میں پھنسانے کے لیے مال و زر کا لالچ بھی دیا گیا۔

حضرت مفتی اعظم ہند نے آریوں کے تمام طریقہ ہائے کار کے مقابلے اور مذکورہ بالا عوامل کے سدباب کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے۔

۱) مسلم راجپوتوں کے علاقوں میں دینی مدارس قائم کیے جن میں مفت دینی تعلیم کا انتظام کیا۔ مدرسین کی تنخواہوں اور طالبانِ علمِ نبوی کے لیے بے معاوضہ کتابوں کی فراہمی کا ذمہ جماعت رضائے مصطفیٰ پر ڈالا۔

۲) تحریک صلاۃ چلائی جس کے بے حد خوشگوار اثرات مرتب ہوئے کیوں کہ معبودِ حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے اور جب جبینِ انسانیت ایک بار بھی صحیح معنوں میں لذت آشنائے سجدہ ہو جائے تو کیا مجال کہ شرک و کفر کی تیز و تند آندھی بھی اس کے ثبات و استقلال میں کوئی تزلزل پیدا کر سکے۔

۳) اجتماعات منعقد کر کے اسلام کے خلاف زہر افشانی اور دشنام طرازی کا معقول اور دندان شکن جواب دیا گیا۔

۴) اسلام کی صداقت و حقانیت کے اظہار و اثبات کے لیے آریائی مبلغین کو مناظروں کے چیلنج دیے گئے مگر وہ اہلِ حق سے مناظرہ کی جرأت نہ کر پاتے جس سے مسلم راجپوتوں پر خوشگوار اثرات مرتب ہوتے۔

۵) نسلی عصبیت کے عفریت کا سر کچلنے اور اسلامی وحدت و اخوت کی حسین و دل آویز لڑی میں مسلم راجپوتوں کو پرونے کے لیے ضرورت کے مطابق وفود روانہ کیے جنھوں نے اسلامی اخوت و محبت کے پیغامِ جاں نواز سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ انھوں نے بتایا کہ اسلام ایسا عظیم مذہب ہے جو رنگ نسل یا ملک و قوم کی بنیاد پر کسی تفریق کو برداشت نہیں کرتا۔ انھیں باور کرایا گیا کہ اسلام ہی وہ سب سے پہلا مذہب ہے جو نہ صرف مساواتِ انسانی کا حامی و مؤید ہے بل کہ اس کے پیروکاروں نے عملی طور پر قندیلِ مساوات روشن کر کے دوسری اقوام کو بھی نعرۂ مساوات بلند کرنے والی زبان عطا کی ہے۔

انھوں نے مسلم راجپوتوں کو آمادہ کیا کہ وہ حق و باطل کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنے کے لیے دونوں مذاہب کا تقابلی مطالعہ کریں۔

۵) نادار اور مسلم راجپوتوں کو اسلامی وضع قطع کا پابند بنانے کے لیے مفت لباس فراہم کیا گیا۔

حضرت مفتی اعظم کے زیرِ قیادت تحفظ ایمان و اسلام کی اس تحریک نے لاکھوں مسلمانوں کو مذہبِ حق پر مضبوطی سے قائم رہنے کا حوصلہ بخشا اور ہندو مذہب میں داخل ہو جانے والے بے شمار لوگوں کو دوبارہ حظیرۂ اسلام میں لانے کا بے مثال کارنامہ انجام دیا۔ انھوں نے اور ان کے سراپا عمل معاون علمائے کرام نے اس راہ میں بے شمار سختیاں جھیلیں، طرح طرح کی دھمکیوں کا سامنا کیا، میلوں پیدل چلے، قدموں میں چھالے پڑے، مسلمانوں کو ارتداد کی لعنت سے بچانے کے لیے وہ آریوں کے جلسوں میں جا پہنچے اور ایسی مؤثر تدابیر اختیار کیں جن سے آریہ سماج کی ساری کوششوں پر پانی پھر گیا۔ انھوں نے کبھی بھی مخالفینِ اسلام کی تحریک کی وسعت و ہمہ گیری اور وسائل کی فراوانی سے مرعوب ہو کر اپنے حوصلے پست نہ کیے بل کہ پوری قوتِ ایمانی اور عزمِ محکم کے ساتھ اپنے دینی فریضہ کی انجام دہی میں پوری طرح سرگرم رہے۔ تا آں کہ فروری ۱۹۲۳ء سے جولائی ۱۹۲۳ء تک کی شبانہ روز انتھک مساعی کے نتیجہ میں انھوں نے اس فتنہ پر قابو پالیا۔

حضرت مفتی اعظم کی جدو جہد کا یہ صرف ایک رخ ہے۔ ان کی جدو جہد کا دوسرا رخ یہ ہے کہ انھوں نے فتنۂ ارتداد کا مکمل استیصال کرنے کے بعد ۳۰ رجولائی ۱۹۲۳ء میں اپنی تنظیموں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ کو جاہل اور ناواقف مسلمانوں کے دین و ایمان کے تحفظ کی ذمہ داری سونپی گئی جب کہ دوسرے حصہ کو یہ ذمہ داری تفویض کی گئی کہ وہ ہندوؤں کے درمیان مذہبِ اسلام کی تبلیغ کرے انھیں اسلام کے ابدی اصول و قوانین سے آگاہ کرے اور انھیں اس کے حیات افزا اور دنیا و آخرت میں کامیابی و سرخروئی کے ضامن عقائد و اعمال سے باخبر کرے۔ چناں چہ اس کے مخلص اور غازی صفت مبلغین کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں بہار اور اڑیسہ میں ہندوؤں کی کثیر تعداد نے اسلام قبول کیا اور دوسرے خطوں میں بھی اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعداد اچھی خاصی رہی۔

حج ٹیکس :

حضور مفتی اعظم جب دوسری بار حج و زیارت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حرمین شریفین تشریف لے گئے تو اس وقت ظالم و

جابر نجدی آمروں کا اقتدار قائم ہو چکا تھا، ارضِ قرآن پر بنامِ اسلام گم راہ کن عقائد و نظریات سرایت کرتے جا رہے تھے جن کے باطل و مردود ہونے پر اجماعِ امت قائم ہو چکا ہے۔ انھیں فاسد اعتقادات کو بنیاد بنا کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا ان کے کسی صحابی یا اللہ کے کسی اور محبوب بندے کی طرف منسوب مساجد کو انتہائی بے دردی اور شقاوت کے ساتھ مسمار کر دیا گیا، صحابہ کرام اور اولیاے عظام کے مقابر و مشاہد کو منہدم کر کے انھیں سطحِ زمین کے برابر کر دیا گیا، ابن تیمیہ، ابن قیم جوزی اور محمد بن عبد الوہاب نجدی کی قرآن و حدیث کی من مانی تشریحات کو "اصل اسلام" کی صورت میں پیش کیا گیا اور صریح آیات و احادیث سے ثابت شدہ یا ان سے مستنبط اجماعی عقائد کو غلط اور بے بنیاد قرار دے دیا گیا۔

یہاں یہ بات بھی سب کو معلوم ہے کہ نجدی حکومت خود سر اور خود رائے نجدی حکمرانوں کے ذریعہ کنٹرول کی جاتی ہے اس لیے اس کے مظاہر بھی وقتاً فوقتاً محسوس کیے جاتے ہیں۔ چنان چہ "حج ٹیکس" بھی انھیں مظاہر کے طویل سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ وہ تمام غیر آئینی اور غیر جمہوری حکومتیں جن کی باگ ڈور بے لگام حکمرانوں کے پنجۂ استبداد میں ہوتی ہے وہاں ان کے کسی بھی فرمان یا اقدام کی مخالفت کی سزا انتہائی بھیانک ہوا کرتی ہے۔ مگر چوں کہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کسی بھی غیر شرعی اقدام کے خلاف آوازۂ حق بلند کرنا اپنی دینی ذمہ داری تصور فرماتے تھے اور نتائج کی پرواہ کیے بغیر پرچم حق و صداقت بلند رکھنے کے لیے رخصت کے بجائے عزیمت پر کار بند تھے اس لیے انھوں نے مکہ مکرمہ میں ہی ایک استفسار کے جواب میں اس ٹیکس کے خلاف ایک انتہائی جرأت مند فتویٰ جاری فرمایا جو کتابی شکل میں "طرد الشیطان" کے نام سے شائع ہوا۔ اس وقت تک خام تیل کی دریافت نہیں ہوئی تھی اور حکومت کی اقتصادیات اور دوسرے سرکاری اخراجات کا زیادہ تر انحصار حجاج کرام سے حاصل ہونے والے زرِ مبادلہ پر تھا اس لیے انھیں نے مستقبل کے ان خطرات کو بھانپتے ہوئے حج ٹیکس کی منسوخی کا اعلان کر دیا۔

نس بندی :

جن لوگوں نے سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی کا دورِ حکومت دیکھا ہے وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ ان کا دور "آمرانہ دور" تھا جس میں کانگریس پارٹی کی ساری قوت کا "نقطۂ ارتکاز" صرف اور صرف ان کی ذات تھی اور انھوں نے یہ شرکتِ غیر سے اقتدار پر اپنی گرفت قائم رکھنے کے لیے ہی کیا تھا۔ وہ سیاسی مخالفتوں کو بے دردی سے کچل دینے کے لیے سخت سے اقدام کرنے میں بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتی تھی۔

چنانچہ ۱۹۷۵ء میں اس نے پورے ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا، تمام شہریوں کے بنیادی حقوق سلب کر لیے گئے رقیبوں کو قید و سلاسل میں جکڑ کر نذرِ زنداں کر دیا گیا اور میسا کے جابرانہ قانون کے تحت مقامی کورٹوں کو گرفتار شدہ افراد کے مقدمات کی سماعت کے اختیار سے محروم کر دیا گیا اور صرف ہائی کورٹوں کو اس کا مجاز کیا گیا کہ وہ ایک معینہ مدت گزر جانے کے بعد ان مقدمات کی شنوائی کر سکتی ہیں۔

مسز گاندھی نے اپنے آمرانہ طرزِ عمل کا اظہار اس طرح بھی کیا کہ دو سے زیادہ بچے پیدا کرنے پر سختی سے پابندی عائد کر دی اور لوگوں پر نس بندی کرانا ضروری قرار دے دیا جن کے دو یا زیادہ بچے ہوں۔ حکام اور سرکاری ملازمین پر اپنی نس بندیاں کرانے کے ساتھ نس بندی کے کیس دینا لازم کر دیا جس کے نتیجے میں مظالم اور ناانصافیوں کا وہ تاریک اور بھیانک دور شروع ہوا کہ جبینِ انسانیت عرق عرق ہو گئی، پولس لوگوں کو کسی جھوٹے الزام میں پکڑ کر ان کی جبری نس بندی کرا دیتی جس کا لازمی اثر یہ ہوا کہ سرِ شام بازاروں کی چہل پہل اور ان

کی رونقیں ماند پڑ جاتیں، سڑکیں اور گلی کوچے سنسان ہو جاتے اور لوگ پولس کی بے جواز دست اندازی سے اس قدر خوفزدہ تھے کہ وہ اس کے سایے سے بھی سہم جاتے۔

ذرا چشمِ بصیرت و بصارت وا کر کے دیکھیں تو ایک طرف ایک مطلق العنان حکمراں اور ہر طرح کے وسائل سے لیس اور اس کے اشارۂ ابرو پر سخت ترین کارروائی کرنے کے منتظر اس کے حکام ہیں اور دوسری جانب اقتدار و اختیار سے یکسر محروم ایک ضعیف اور نحیف و نزار انسان ہے جس کی مبارک پیشانی نورِ ایمان سے منور اور جس کا دل عظمتِ اسلام کے جذبات سے معمور ہے اور جو ہر قیمت پر اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لیے ہمہ دم مضطرب رہتا ہے خواہ اس کے لیے حکومتی عتاب کا شکار ہو کر اسے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہی کیوں نہ ڈھکیل دیا جائے، وہ تمام خطرات اور نتائج کو نظر انداز کرتے ہوئے نس بندی جیسے غیر شرعی عمل کے خلاف سراپا احتجاج بن جاتا ہے اور ایسا صاف اور دوٹوک فتویٰ صادر کرتا ہے کہ اس کی جرأت و بے باکی پر حکومتِ وقت انگشت بدنداں رہ جاتی ہے۔ اعلیٰ حکام کے ذریعہ دباؤ ڈلوایا جاتا ہے کہ وہ اپنے حکومت مخالف رویہ سے باز آ جائے ورنہ اس کے خلاف سخت کارروائی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔ مگر حق گوئی و بے باکی کا کوہِ ہمالہ اپنے جائز موقف پر پوری مضبوطی سے قائم رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے بے شمار عقیدت مندوں کی بے پناہ جذباتی عقیدتوں کی خبریں پا کر حکومتِ وقت بھی اس کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتی ہے اور اسے کسی قسم کا گزند پہنچانے کے ارادہ سے باز آ جاتی ہے۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ جہاں خود حق گو اور بے باک تھے وہیں دوسروں کو بھی حق گوئی اور بے باکی کی تلقین و ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ فتاویٰ مصطفویہ میں چند ایسے فتاویٰ موجود ہیں جو میرے اس دعوے کی تصدیق کے لیے کافی ہیں۔

ریاستِ رام پور کے شیعہ حکمراں کے شریعت مخالف اقدامات کے خلاف احتجاج کے لزوم یا عدمِ لزوم کے متعلق استفسار ہوا تو آپ نے اس غاصب و ظالم حکمراں کے خلاف زبان و قلم سے جہاد کرنے کو لازم قرار دیا اور حسبِ قدرت و استطاعت اس کے خلاف مذہب اہلِ سنت، اقدامات و احکامات کے خاتمہ کے لیے ہر ممکن تدابیر اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی اور دلائل و براہین سے ثابت فرمایا کہ اسلحے سے جہاد ممکن نہ ہونے کی صورت میں زبان و قلم سے صدائے احتجاج بلند کرنا ضروری ہے۔

(فتاویٰ مصطفویہ ص ۴۹۲ / ۴۹۸ شائع کردہ رضا اکیڈمی ممبئی میں تفصیلات دیکھی جا سکتی ہیں۔)

(اس مضمون کی تیاری میں "حیاتِ مفتی اعظم از مرزا عبدالوحید بیگ مرحوم" سے مدد لی گئی ہے۔)

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم ایک ہمہ جہت شخصیت

مولانا بہاء المصطفیٰ قادری مصباحی
مدرس دار العلوم منظر اسلام، بریلی شریف

صبح کا وقت ہے شہنشاہ علم شریعت وطریقت اپنے آراستہ دربار میں مسند رشد و ہدایت پر جلوہ افروز ہے۔ معتقدین ومتوسلین قرینہ سے دست بستہ ایک نگاہ التفات کے منتظر ہیں اتنے میں ایک آنے والا خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوتا ہے۔ مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ دست بوسی ہورہی ہے۔ ارشاد ہوا کہاں سے آنا ہوا؟ عرض کیا کربلا سے حاضر ہوا ہوں۔ اتنا سننا تھا کہ زائر کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور فرمایا کب گئے تھے؟ کب آنا ہوا؟ عرض کی ابھی ابھی حاضر ہوا ہوں۔ میرا مکان محلہ باقر گنج میں کربلا (مصنوعی) کے پاس ہے۔ یہ سنتے ہی آپ نے لاحول پڑھا اور فرمایا کربلا شریف تو صرف عراق میں ہے۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بعض مقامات کے اسما ایسے ہیں ان مقامات کے نام پر دوسری جگہ کا نام رکھنا درست نہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ متبرک و مقدس جگہ سے آنے والا بھی محترم و مقدس ہو جاتا ہے۔ اس شہنساہ کو دنیا تاجدار اہل سنت آبروے سنیت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت، سرکار مفتی اعظم کے نام سے جانتی پہچانتی ہے۔ جن کے علم و فضل کا ابر کرم آج بھی دنیا پر ٹوٹ ٹوٹ کر برس رہا ہے۔

ایک روز کا واقعہ ہے۔ ایک صاحب دل آئے اور نماز حضرت کے ساتھ رضا مسجد میں متعین امام کی اقتدا میں ادا کی بعد نماز جب حضرت اپنی مسند پر جلوہ افروز ہوئے تو وہ صاحب دل کہنے لگے حضور آپ کی مسجد کے امام بھی خوب ہیں نماز پڑھا رہے تھے کہ نماز کی حالت میں بازار میں گھوم رہے تھے۔ اس پر حضرت نے مسکرا کر فرمایا آپ کیوں امام کے پیچھے پیچھے بھی اس جوتے کی دکان کبھی اس جوتے کی دوکان کا چکر لگا رہے تھے۔ امام صاحب سے دریافت کرنے پر انکشاف ہوا کہ مجھے جوتے لینے تھے نماز میں خیال آ گیا کہ کہاں سے اور کس کمپنی کا جوتا لینا چاہیے۔ ماشاء اللہ حضرت کا کیسا کشف تھا کہ امام تو امام مقتدی کے احوال سے بھی آگاہ ہو جاتے تھے۔

کشف کا تو یہ حال تھا کہ ۱۹۶۶ء میں گھوسی قادری منزل میں تشریف لائے۔ مخدومہ والدہ ماجدہ اس وقت حرمین طیبین کی زیارت کے لیے برادر مکرم حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب کی ہم راہی میں گئی ہوئی تھیں۔ گھر پر میں تھا اور بڑی ہمشیرہ، دوپہر کا کھانا ہمشیرہ نے تیار کیا اور دستر خوان پر چن دیا گیا۔ حضرت نے خوب شوق سے مزے لے کر تناول فرمایا۔ کھانے سے فراغت پر کھانے کی خوب تعریف کی اور فرمایا عائشہ بیٹی نے اپنی والدہ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ کھانا خوب مزیدار بنایا ہے۔ یہ سن کر میرے دل میں خیال آیا کہ جب اتنی تعریف ہورہی ہے تو کچھ انعام بھی ملنا چاہیے میرے دل میں ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ مسکرا کر میری طرف دیکھا اور صدری کی جیب سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر مجھے دیا کہ یہ عائشہ کو میری طرف سے مزیدار کھانا تیار کرنے کا انعام دے دو۔ یہ دیکھ کر میں انگشت بدنداں رہ گیا کہ ہمارے حضرت کا کتنا قوی کشف ہے کہ دل کے خطرات پر بھی فوراً مطلع ہو جاتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ ہے جس سے مسلمانوں کی حقیقی شان اور ان کے داعی حق ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔ تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے۔ اگر ہاتھ سے بدلنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اس کی برائی بیان کرے۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں اس کو برا سمجھے۔ یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

آپ امر بالمعروف اور حق گوئی میں کسی کی رو رعایت نہیں کرتے تھے۔ آپ اس وصف میں اپنے اہل زمانہ میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ یہ ناممکن تھا کہ کوئی غلط کام آپ کے سامنے ہو جائے اور حضرت اس کی اصلاح نہ فرمائیں۔ ایک بار ضلع گونڈہ کی کسی بستی میں جانا ہوا قیلولہ کے بعد نماز ظہر کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے۔ میں نے وضو کرایا اور جلدی سے اندرون مسجد جا کر چٹائی وغیرہ جھاڑنے لگا ایک تو گاؤں کی مسجد، اس پر مستزاد خزاں کا موسم۔ حضرت نے اندر تشریف لاتے ہی لاحول، لا الہ الا اللہ، استغفر اللہ۔ ہزار بار استغفر اللہ پڑھنا شروع کر دیا۔ میں نے گھبرا کر حضرت کی طرف نظر کی حضرت نے فرمایا دیکھو مسجد کی دیوار پر کیا لکھا ہے۔ دیکھا کلمہ شریف یوں لکھا ہوا تھا۔ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔ اوّل نظر میں تو میں نہ سمجھ سکا مگر جو غور سے پڑھا تو عقدہ کھلا۔ یہ تو صریح کفری معنی کو مستلزم ہے۔ ہم راہ حافظ افتخار صاحب گونڈوی اور ایک دوسرے صاحب بھی تھے۔ جب تک اس کے رسم الخط کی تصحیح نہ کرا لی اس وقت تک نماز ادا نہ کی۔

ایک بار باسی ضلع ناگور (راجستھان) کسی معتقد رئیس کے لڑکے کی شادی میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ جب مجلس نکاح میں تشریف لائے دولہا ٹائی باندھے بیٹھا ہوا تھا۔ دیکھتے ہی جلال میں آ گئے اور اسی حالت میں ٹائی پکڑ کر جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔ اور فرماتے جاتے لاحول ولا قوۃ۔ لا الہ الا اللہ یہ حرام ہے حرام جب تک ٹائی اتروا نہ لی اس وقت تک نکاح پڑھانے نہ دیا۔ اس کا دولھا پر یہ اثر ہوا کہ اس نے اس کے بعد کبھی ٹائی نہ باندھی اور نیک و پرہیز گار بن گیا۔ آپ اپنے دور میں اس حدیث کے مظہر اتم تھے۔ تم میں سے جو کوئی بھی برائی دیکھے، اس کو اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے۔ الخ سچ ہے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

مبارک پور میں ۱۹۷۲ء میں اشرفیہ کی جانب سے ایک تعلیمی کانفرنس ہوئی تھی۔ بریلی شریف سے ہمراہ خدمت کے لیے میں گیا تھا۔ جس میں پسکھاری والے سید بابو میاں کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اس کا چشم دید میں بھی گواہ ہوں۔ مبارک پور سے بلیا جانا ہوا جلسہ میں استاذی و استاذ العلما حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ بھی تشریف فرما تھے۔ درمیان تقریر حضور حافظ ملت نے فرمایا سیدی سرکار اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے۔ میرا یہ بچہ ولی ہے۔ ولی۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے قسم کھا کے فرمایا۔ اگر حضور مفتی اعظم مادرزاد ولی نہیں تھے تو مجدد اعظم اعلیٰ حضرت رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہ کے فرمانے سے یقیناً ولایت کے مقام پر فائز ہو گئے۔ ع

تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی۔

مسائل میں علما و فقہا آپ ہی کی جنبش لب کے منتظر ہوتے۔ فقہ کا کون سا باب ہے جس میں آپ کو پورا درک اور علم حضوری نہ تھا۔ امام احمد رضا نے اپنے شہزادے کو پورے علم سے آراستہ کر کے باقاعدہ فتویٰ نویسی کی خصوصی تعلیم و تربیت دی اور امام احمد رضا قدس سرہٗ کو حوالہ کے لیے کسی عبارت کی ضرورت ہوتی تو وہ کتاب نکال کر حوالہ کی نشاندہی کرتے اور امام احمد رضا کی خدمت میں حاضر رہتے۔ یہی وہ خدمات تھیں جس نے آپ کو امام احمد رضا قدس سرہٗ کا معتمد و جانشین بنایا۔ حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے ابتدائی عمر سے فتویٰ نویسی میں مشغول ہو کر پوری عمر اسی کام میں صرف کر دی۔ اللہ جل مجدہ نے آپ کو فقہ میں ایسا درک اور ملکہ عطا فرمایا تھا کہ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل اول نظر ہی میں حل فرما دیتے جس پر آپ کے فتاویٰ شاہد عدل ہیں۔ مروجہ درس نظامی جو زمانہ طویل سے تمام مدارس میں رائج ہے جس کے

پڑھنے کے بعد فضیلت کی دستار ملتی ہے، اس کے بارے میں سرکار اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔ یہ درس کہ ان بلاد میں رائج ہے، احمق اسے منتہائے علم سمجھتے ہیں۔ حاشا کہ وہ ابتدائی علم بھی نہیں اس سے استعداد آنا منظور ہے۔ رہا علم! ہیہات! ہیہات! ہنوز دلی دور ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۲ ص ۳۰۸ رضا اکیڈمی) اس سے یہ سمجھ میں آیا کہ مفتی کے لیے درس نظامی کے جملہ علوم وفنون پر دسترس حاصل ہونا ضروری ہے۔ اس ضمن میں ہم حضور مفتی اعظم کو یکتائے روزگار پاتے ہیں آپ کے شاگردوں کی جماعت اس پر شاہد عدل ہے۔ درسیات میں ایسی موشگافیاں فرماتے کہ عقل دنگ رہ جاتی۔ شرح مأۃ عامل عبدالرسول جو فن نحو کی ابتدائی کتاب ہے جو مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے اس کے حاشیے میں عربی کا مقولہ ہے ''النار فی الشتاء خیر من اللہ ورسولہ'' جس کا ظاہری معنی یہ ہے۔ آگ جاڑے میں اللہ اور اس کے رسول سے بہتر ہے۔ ظاہر ہے یہ معنی کفر ہے۔ شرح مأۃ عامل کے مطابق ''مِــن'' یہاں قسمیہ ہے۔ تو اب معنی یہ ہوئے اللہ اور اس کے رسول کی قسم آگ جاڑے میں بہتر ہے۔ مگر اس توجیہہ پر یہ اعتراض ہے کہ اللہ کی قسم کھانا تو جائز ہے مگر رسول کی قسم کھانا جائز نہیں۔ علما نے اپنے اپنے طور پر جوابات دیے مگر حضرت مفتی اعظم نے استفسار پر ایسا جواب دیا کہ جملہ کی صحیح توجیہ بھی ہوگئی اور تمام اعتراضات بھی اٹھ گئے۔ حضرت نے فرمایا اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ روزمرہ کے محاورے میں بولتے ہیں یہ بات منجانب اللہ ہے۔ اسی پر اس جملہ کو سمجھیے۔ حضرت کے ارشاد سے صاف ہوگیا کہ نہ قسمیہ ہے کہ وہ اشکال ہو نہ تفضیل کے لیے جیسا کہ ذہن کو دھوکا ہوتا ہے۔ بل کہ یہاں من ابتدائے غایت کے لیے ہے۔ اس عبارت کا مطلب اب یہ ہوا۔ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے آگ جاڑے میں بہتر ہے۔ جب جدھر نظر ہوئی اس فن کے جواہرات ونوادرات ظاہر ہوتے چلے گئے۔

محبوبیت : حدیث شریف میں ہے جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت فرماتا ہے تو جبریل علیہ السلام سے فرماتا ہے اے جبریل میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر جبریل امین علیہ السلام آسمانی فرشتوں سے فرماتے ہیں اے فرشتو تم سب بھی اس بندے سے محبت کرو۔ پھر تمام آسمان والوں کے دل میں اس بندے کی محبت ڈال دیتا ہے۔ پھر اس کی محبت زمین میں اتاری جاتی ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ پھر زمین والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس کی زمین وآسمان میں مقبولیت عام ہو جاتی ہے۔ میں نے ایسی مقبولیت جیسی حضور مفتی اعظم رضی اللہ عنہ کو تھی نہیں دیکھی۔ جہاں چلے گئے انسانوں کا ہجوم اکٹھا ہوگیا جب کہ پہلے سے نہ تو اعلان نہ تو اطلاع۔ بارہا کا تجربہ ہے کہ آپ رات کے کسی حصے میں باہر تشریف لے گئے۔ صبح آستانے پر سناٹا ادرات میں تشریف لائے تو انسانوں کی بھیڑ، پروانوں کا ازدحام۔ یہ کون صور پھونک دیتا ہے کہ حضرت باہر چلے گئے یا حضرت باہر سے تشریف لے آئے۔

حاجت روائی : بندوں کی حاجت روائی آپ کا خاص وصف تھی۔ کئی کئی گھنٹے بیٹھ کر لوگوں کی حاجتوں کو سننا پھر اس کا مداوا کرنا۔ تعویذ کے پردے میں اپنی کرامت ومحبوبیت کو چھپانا۔ جن مریضوں کو ڈاکٹروں نے جواب دے دیا، لا علاج مرض بتایا آپ نے تعویذ دے دیا۔ دم فرمادیا چند روز میں بھلا چنگا ہوگیا۔ اختر حسین نام کے ایک صاحب سنبھل سے آئے جن کی کمر میں ایک گانٹھ ہوگئی تھی۔ ڈاکٹروں نے کینسر تجویز کر کے آپریشن کرنا بتایا۔ اس غم میں چلنا پھرنا بند۔ بہت لاغر ہوگئے۔ کسی طرح بریلی شریف حاضر ہوئے۔ کیفیت بیان کی حضرت نے ہاتھ رکھ کر دم فرمایا۔ تعویذ دیا چند روز میں کینسر غائب۔ ایسے ایسے کام کے لیے تعویذ لینے آتے کہ سن کر ہنسی بھی آتی تھی مگر کیا مجال کہ حضرت کی پیشانی پر بل آئے۔ عصر کا وقت تنگ ہوگیا تھا، نماز کے لیے اٹھنے والے تھے بل کہ ایک پیر میں جوتا بھی پہن لیا تھا، اتنے میں ایک خاتون لسو پسو کرتی آئیں اور بلا تمہید فریاد کرنے لگیں۔ میاں میری لڑکی روتے روتے ہلکان ہوگئی اس کی مرغی غائب ہوگئی ہے، تعویذ دے دو۔ یہ سنتے ہی سب ہنسنے لگے۔ حضرت نے جلال میں فرمایا نماز کی دیر ہورہی ہے۔ میں نماز پڑھوں گا خاتون ڈر کر واپس دروازہ تک پہنچ گئیں۔ آواز

دے کر بلایا۔تعویذ دیا اور فرمایا لوگوں نے اب یہ نکال لیا ہے کہ میاں جس پر ناراض ہو جاتے ہیں اس کا کام یقیناً ہو جاتا ہے۔

سنبھل کے ایک صاحب نے دریافت کیا تعویذ لکھنے میں کیا چال ضروری ہے۔اگر نقش ہے۔بغیر چال کے پر کریں تو فائدہ نہیں ہوگا؟ مسکرا کر فرمایا، فائدہ ونقصان پہنچانا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔شیخ الرئیس بو علی سینا کے مطب کے قریب ایک عطار کی بھی دوکان تھی۔وہ بھی مریضوں کو دوا دیا کرتا تھا۔کسی نے شیخ سے دریافت کیا وہ عطار بھی مریضوں کو دوا دیتا ہے اور آپ بھی۔اس کی دوا سے مریض اچھے ہوتے ہیں اور مرتے ہیں اور آپ کی دوا سے بھی اچھے ہوتے اور مرتے ہیں پھر اس میں اور آپ میں کیا فرق ہے؟ آپ ہی سے علاج کرانا کیا ضروری ہے؟ اس پر شیخ نے کہا عطار کی دوا سے مریض بے قاعدہ اچھا ہوتا ہے یا مرتا ہے اور میری دوا اور علاج سے با قاعدہ اچھا ہوتا ہے یا مرتا ہے۔

صدر الشریعہ : ابی الکریم حضور صدر الشریعہ رضی اللہ عنہ سے بہت الفت ومحبت رکھتے تھے یہاں تک کہ اگر کوئی دریافت کرتا کہ حضور آپ کے بھائی ہیں؟ فرماتے ہم چار بھائی ہیں۔مزید پوچھنے پر فرماتے۔چوتھے بھائی صدر الشریعہ ہیں۔یہ مجھ سے کئی بار حضرت مولانا حسنین رضا علیہ الرحمہ نے فرمایا جو سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی حضرت حسن میاں علیہ الرحمہ کے صاحبزادے ہیں۔حضرت جب پہلی بار ۱۹۴۵ء میں زیارت حرمین طیبین کے لیے جانے لگے تو صدر الشریعہ کو اس مضمون کا خط تحریر فرمایا۔میں حرمین طیبین کی زیارت کو جارہا ہوں۔آپ یہاں تشریف لاکر اپنے گھر کی دیکھ بھال کیجیے ۔اہل خانہ سے فرمادیا۔صدر الشریعہ سیاہ وسفید کے مالک ہیں جو چاہیں وہ ہوگا۔ان سے دریافت کر کے کام کیا جائے۔جب تک حضرت واپس تشریف نہ لے آئے ،صدر الشریعہ بریلی شریف مقیم رہے اور تمام امور آپ ہی کی نگرانی میں انجام پاتے۔حضور صدر الشریعہ جب باہر سے بریلی شریف تشریف لاتے تو خود حضور مفتی اعظم رضی اللہ عنہ بہ نفس نفیس اسٹیشن تشریف لے جاتے اور جلوس کی شکل میں دولت کدہ پر لے آتے۔پورے شہر میں دھوم مچ جاتی کہ صدر الشریعہ آرہے ہیں۔اگر بریلی شریف میں حجۃ الاسلام رضی اللہ عنہ بھی موجود ہوتے تو آپ بھی اسٹیشن جلوہ افروز ہوتے۔ٹم ٹم میں سوار کراتے اور دونوں شہزادگان اپنے درمیان صدر الشریعہ کو بٹھاتے۔حضرت مولانا مبین الدین صاحب محدث امروہوی رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر مجھ سے فرمایا کہ بریلی کے عوام کہا کرتے کہ اگر دونوں شہزادگان کو اکٹھا دیکھنا ہو تو اس وقت موقع ملتا جب صدر الشریعہ بریلی شریف تشریف لے آتے ،ورنہ بہت کم ایک ساتھ اکٹھا ہونے کا موقعہ ملتا۔حضور صدر الشریعہ بھی سیدنا اعلیٰ حضرت کے دونوں شہزادگان کا بہت ادب واحترام اور محبت والفت فرماتے۔مگر افسوس واحسرتا کہ علم شریعت وطریقت کا یہ نیر اعظم ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۸۱ کو ہمیشہ کے لیے ہم سے روپوش ہو گیا۔

درود سلام ہو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو مدینۃ العلم ہیں اور سلام ورحمت ہو حضور مفتی اعظم رضی اللہ عنہ پر جنھوں نے اس منبع علم سے خوشہ چینی فرمائی اور اس علم کی خوب نشر واشاعت فرما کر خود شریعت وطریقت کے گل سر سبد ہو گئے۔خدا رحمت کند۔

☆☆☆☆☆

جامع شرع وطریقت مفتی اعظم کی ذات

مولانا محمد عالمگیر رضوی مصباحی
خادم تدریس وافتادار العلوم اسحاقیہ جودھ پور، راجستھان

حضور مفتی اعظم ایک ایسی عبقری الشرق والغرب شخصیت کا نام ہے جنھوں نے اپنے عہد میں باطل پرست تحریکوں، تنظیموں اور جماعتوں کا انسداد فرما کر احقاق حق وابطال باطل کا عظیم فریضہ انجام دیا ہے۔ جن کا نفس نفس اخلاق وللہیت کے ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی انجام دہی میں گزرا اور آپ کا ہر ہر عمل خدمت دین اور ہدایت مسلمین کے بے کراں جذبے کا مظہر رہا۔ مفتی اعظم علم وعمل کا پیکر اور طہارت وتقویٰ کا سراپا تھے اور آپ سب کے لیے یہی پسند ومحبوب سمجھتے تھے کہ ہر عالم وعامی مسلمان دین مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاکیزہ تعلیمات کو سمجھے اور سمجھ کر سچا اور باعمل مومن بن کر زندگی گزارے وہ ایمان وعقیدہ، اعمال واخلاق، اور حقوق ومعاملات، ہر ایک شعبے میں انحراف وکجروی اور بے اعتدالی کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور اس پر فوراً ٹوکتے اور مخلصانہ اصلاح بھی فرماتے تھے۔ خواہ سامنے کوئی بھی ہو، اپنا ہو یا غیر، مسلم ہو غیر مسلم، ہم عقیدہ ہو یا بدعقیدہ، عالم ہو یا عامی، امیر ہو یا غریب، مرد ہو یا عورت۔

حضور مفتی اعظم کے لیل ونہار، شام وسحر، خدمتِ دینِ متین وخدمت خلق خدا میں صرف ہوتے تھے۔ مفتی اعظم ہر لمحہ امت مسلمہ کی صلاح وفلاح اور عروج وارتقا کے لیے کوشاں رہتے تھے جس مجلس اور جس بزم میں جلوہ افروز ہو جاتے تھے، میر کارواں نظر آتے تھے۔ میں تو صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ مفتی اعظم مفتی اعظم ہی تھے۔ جیسا کہ ایک شاعر نے بجا فرمایا ہے۔

ہر ایک بزم کی زینت تھے مفتی اعظم ۔۔۔ نقیب دین وشریعت تھے مفتی اعظم
سراپا جانِ ولایت تھے مفتی اعظم ۔۔۔ نثار حق وصداقت تھے مفتی اعظم

اپنے ہم عصر اور ہم مرتبہ لوگوں کے درمیان حضور مفتی اعظم کی منکسر المزاجی، تواضع اور اعلیٰ ترین اخلاق کے ساتھ ساتھ فقیہانہ دقیق نظری سے، شریعت مطہرہ کے انتہائی باریک مسائل پر بے لاگ گرفت دیکھنے کے قابل ہوتی تھی جن حضرات نے مفتی اعظم کی صحبت پائی، آپ کے شب وروز کو ملاحظہ کیا وہ حضور مفتی اعظم کی جلالت علمی، فقہی بصیرت، خوف الٰہی، عشق رسول، تقویٰ وپرہیزگاری کے اعلیٰ ترین مقام کو خوب سمجھ سکتے ہیں۔

تفقہ فی الدین :

احکام شرعیہ کے علم کو حاصل کرنے کو تفقہ فی الدین کہتے ہیں جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہوتا ہے۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ (سورہ توبہ/ ۱۲۲) تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں

سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈرسنائیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ "من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین (بخاری شریف، جلد اول ص ۱۶) اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے تفقہ فی الدین عطا فرماتا ہے۔ خداوند قدوس نے مفتی اعظم قبلہ قدس سرہٗ کو اس نعمتِ عظمیٰ سے بھرپور سرفراز فرمایا تھا جس کی زندہ و جاوید مثال" فتاویٰ مصطفویہ" اور آپ کی دیگر تصنیفات فقہیہ ہیں، جن سے مفتی اعظم کی علمی جلالت، تبحر علمی اور فقیہانہ بالغ نظری کا پورے طور پر اظہار ہوتا ہے جن کے مطالعہ کے بعد ہر شخص کا یہی فیصلہ ہوتا ہے کہ مفتی اعظم، اعلیٰ حضرت، الشاہ امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی قدس سرہٗ العالی کے صحیح جانشین اور ان کے مظہر اتم واکمل تھے۔ مفتی اعظم اگرچہ دنیائے اسلام میں مفتی اعظم کے نام سے مشہور ہیں لیکن وہ صرف مفتی اعظم نہیں تھے بلکہ اپنے زمانہ کے مفتی اعظم اسلام تھے۔ اس لیے آپ کے افتا اور تفقہ فی الدین کی عظمت وجلالت صرف ہندوستان تک ہی محدود نہ تھی بلکہ عرب، عجم، افریقہ، اور انگلینڈ و امریکہ وغیرہ بہت سے باہری ملکوں میں بھی تسلیم کی جاتی تھی۔ فن افتا اور تفقہ فی الدین میں مفتی اعظم کا کیا مقام ومرتبہ تھا اسے نائب مفتی اعظم، شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی قدس سرہ السامی سے سنیے۔ تحریر فرماتے ہیں:

> "میں گیارہ برس تین ماہ خدمت میں رہا اسی مدت میں ۲۴ ہزار مسائل لکھے جن میں کم از کم دس ہزار فتاویٰ وہ ہیں جن پر حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی تصدیق وتصحیح ہے۔ میں گھسا پٹا نہیں۔ بہت سوچ سمجھ کر جانچ تول کر مسئلہ لکھتا۔ مگر واہ رے مفتی اعظم! اگر ذرا بھی غلطی ہے یا لوچ ہے یا بے ربطی ہے۔ یا تعبیر غیر مناسب ہے۔ یا سوال کے ماحول کے مطابق جواب میں کمی بیشی ہے۔ یا کہیں سے کوئی غلط فہمی کا ذرا بھی اندیشہ ہے تو فوراً اس پر تنبیہ فرماتے اور مناسب اصلاح۔ تنقید آسان ہے مگر اصلاح دشوار۔ مگر ستر سالہ حضور مفتی اعظم کا دماغ اور علم ایسا جوان تھا کہ تنقید کے بعد فوراً اصلاح فرماتے اور ایسی اصلاح کہ پھر قلم ٹوٹ کر رہ جاتا۔ بارہا ایسا ہوتا کہ حکم کی تائید میں کوئی عبارت نہ ملتی تو میں اپنی صواب دید سے حکم لکھ دیتا کبھی دور دراز کی عبارت سے تائید لاتا مگر مفتی اعظم ان کتابوں کی عبارتیں جو دار الافتا میں نہ تھیں زبانی لکھوا دیتے میں حیران رہ جاتا۔ یا اللہ کبھی کتاب کا مطالعہ کرتے نہیں۔ یہ عبارتیں زبانی کیسے یاد ہیں۔"

مفتی اعظم کا تفقہ فی الدین صرف حاصل کردہ نہیں ہے بلکہ وہ ان کا ضمیر، ان کا خمیر، ان کی سرشت وفطرت اسی سانچے میں ڈھلی ڈھلائی ہے۔ حضور مفتی اعظم نے صرف پڑھا ہی نہیں تھا بلکہ ایسی فطرت عارفانہ پر پیدا کیے گئے تھے کہ ان کا ہر قول وفعل شرعی وفقہی قانون کا آئینہ دار ہوتا تھا۔ خدائے ذوالمنن نے مفتی اعظم کو کیسے کیسے اوصاف وکمالات، فضائل ومحاسن کا جامع بنایا تھا ان کا شمار کون کر سکتا ہے مگر ایک شاعر اسلام نے بہت خوب فرمایا ہے۔

اک محدث، اک معلم، اک مبصر اک فقیہ　　بحر علم باطنی تھے مفتی اعظم مرے
پاک باطن، پاک سیرت، پاک طینت پاک دل　　ہمہ تن پاکیزگی تھے مفتی اعظم مرے

اتباع شریعت اور مجاہدانہ زندگی :

حضور مفتی اعظم نے جس گھر میں آنکھ کھولی تھی وہ گھرانہ اپنے علمی، دینی، تبلیغی، تصنیفی کارناموں اور شریعت مطہرہ پر ثابت قدمی میں پہلے ہی سے مشہور ومعروف تھا۔ آپ پر بھی اس ماحول کا کافی اثر پڑا۔ آپ کی حیات مبارکہ میں مختلف موڑ آئے۔ کبھی "شدھی تحریک" کا قلع قمع کرنے کے لیے "جماعت رضائے مصطفیٰ" کی صدارت فرمائی اور باطل پرستوں سے پنجہ آزمائی کے لیے سر سے کفن باندھ کر میدان خار

زار میں کود پڑے، لاکھوں انسانوں کو کلمہ پڑھایا اور بے شمار مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت و صیانت فرمائی۔ نس بندی کا طوفان بلاخیز بھی آپ کے آخری دور میں ظاہر ہوا اور بڑے بڑے ثابت قدم متزلزل ہو گئے۔ لیکن آپ شریعت وطریقت کا پیکر اور استقامت فی الدین کا جبل عظیم بن کر حوادث زمانہ کا مقابلہ خندہ پیشانی کے ساتھ کرتا ہے اور کبھی کہیں بھی شریعت مطہرہ سے آپ کے قدم نہیں ڈگمگائے۔ ہر وقت دین مصطفوی اور شریعت مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ثابت قدم رہ کر یہ ثابت کردیا کہ مجاہد کی زندگی اور ہوتی ہے اور دنیاوی لالچ میں پھنس کر زندگی گزارنے والوں کی زندگی اور ہوتی ہے۔ دونوں کی زندگیوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اتباع شریعت کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہوگا کہ آپ نے کبھی غیر محرم عورت کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا۔ میرے نزدیک مفتی اعظم جہاں اپنے دور کے مفتی اعظم تھے وہیں پر متقی اعظم بھی تھے۔ آپ سے بڑھ کر متقی و پرہیز گار میری آنکھ نے آج تک نہیں دیکھا۔ یقیناً حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی قدس سرہ السامی کے عکس اور پرتو کا نام مفتی اعظم ہے۔ حضور مفتی اعظم نے "الولد سر لابیہ" کے عربی مقولہ کو عملی طور پر ثابت کر دکھایا چنانچہ مسجد فتح پوری دہلی میں شہزادہ مخدوم سمناں حضور محدث اعظم ہند علامہ سید محمد اشرفی الجیلانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لائے، مسجد کے ایک حجرے میں قیام فرمایا۔ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کچھ دیر بعد چائے پیش کی گئی۔ (یہ چائے کسی غیر مسلم کے ہاتھ کی بنی ہوئی تھی) حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا حضور! بریلی شریف کے مفتی اعظم تو غیر مسلم کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے نوش نہیں فرماتے۔ چائے کی پیالی آپ کے سامنے رکھی ہوئی تھی۔ آپ نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ مفتی اعظم غیر مسلم کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے نہیں پیتے۔ یہ ان کا تقویٰ ہے اور پھر چائے کی پیالی ہونٹ تک لے جاتے ہوئے ارشاد فرمایا اور یہ ان کا فتویٰ ہے۔ بعدہٗ اطمینان وسکون کے ساتھ چائے نوش فرمائی۔ اسی طرح کا ایک واقعہ مولانا مرغوب حسن قادری اعظمی بیان کرتے ہیں۔ ایک سفر میں حضور محدث اعظم اور حضور مفتی اعظم بعد نماز عصر مسجد میں ہی بیٹھ گئے۔ کسی نے وہیں پر آپ حضرات کی خدمت میں چائے پیش کی۔ حضور محدث اعظم نے مسجد ہی میں بیٹھ کر چائے نوش فرمائی مگر حضور مفتی اعظم چائے کی پیالی لے کر مسجد کے باہر تشریف لے گئے اور چبوترہ پر بیٹھ کر چائے نوش فرمائی۔ دیکھنے والوں نے دونوں عظیم ترین علمائے کرام کا عمل دیکھا اور کسی کے پوچھنے پر یا خود اپنی مومنانہ فراست سے حاضرین کے ذہنی تاثر کو بھانپ کر حضور محدث اعظم نے ارشاد فرمایا: میں جب بھی مسجد کے اندر داخل ہوتا ہوں تو اعتکاف کی نیت کر لیتا ہوں اور معتکف کے لیے مسجد کے اندر کھانے پینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ مفتی اعظم کی بھی یہی نیت اعتکاف تھی مگر انھوں نے تقویٰ پر عمل کیا۔

ان دونوں واقعات کے اندر جہاں حضور مفتی اعظم کے تقویٰ کا اعلیٰ نمونہ ہمیں ملتا ہے وہیں سید الخطبا حضور محدث اعظم کی زبان مبارک سے آپ کے تقویٰ کی بلند پایہ شہادت بھی ملتی ہے۔ بارہا ایسا ہوا کہ نماز کے لیے ٹرین چھوڑ دی حتیٰ کہ آخر وقت میں وصال سے چند گھنٹے قبل بھی نماز کا خیال رکھا اور سردی کے موسم میں باقاعدہ وضو کر کے کھڑے ہو کر نماز مغرب ادا کی۔

مفتی اعظم دراصل علم وفضل پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ زہد وورع، حزم واتقاء کے بھی عظیم منصب پر فائز تھے۔ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے تصویر کشی مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ کسی جرم کا ارتکاب کر کے کسی نفع کے حصول کے آپ ہرگز روادار نہیں تھے۔ تصویر نہیں کھنچوائی۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عریضہ پیش کیا۔ حکومت ہند کو بھی آپ کے ارادہ ومنشا کا احترام کرنا پڑا۔ بغیر تصویر کھنچوائے پاسپورٹ بنا۔ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ پوری زندگی اتباع احکام الٰہی کرتے رہے۔ اتباع سنت میں زندگی کا ہر لمحہ بسر ہوا۔ وہ اسلام کا بطل جلیل اور استقامت کا ایسا جبل عظیم تھا کہ نازک سے نازک وقت میں بھی اس کے پیروں میں لغزش نہ آسکی۔ ہم اس عظیم فرد کے فضل و

کمال، زہد وورع کا کیا تعارف کرائیں گے جبکہ حضور محدث اعظم ہند جیسی شخصیت کی زبان بھی ''عالم مطاع واجب الاتباع'' قرار دے۔

مفتی عالم تھی بے شک ذات والا آپ کی　　صدر بزم علم وحکمت مفتی اعظم کی ذات
زہد وتقویٰ کو بھی جس کی زندگی پر ناز تھا　　حامل دین وشریعت مفتی اعظم کی ذات
در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق　　جامع شرع وطریقت مفتی اعظم کی ذات

دارالعلوم اسحاقیہ سے مفتی اعظم کو محبت :

دارالعلوم اسحاقیہ جودھ پور (راجستھان) کو آج جو عروج وارتقا حاصل ہے اس میں محدث اعظم، اور مفتی اعظم رحمہما اللہ تعالیٰ کی نیک دعائیں شامل حال ہیں۔ مخدومی ومطاعی، سیدی وسندی حضور مفتی اعظم راجستھان علامہ مفتی اشفاق حسین صاحب قبلہ نعیمی ارشاد فرماتے ہیں ''ایک مرتبہ یہ دونوں بزرگ جودھ پور میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ میں نے عریضہ پیش کیا میں گھر جا رہا ہوں۔ میں یہاں (جودھپور) نہیں رہوں گا تو اس وقت بیک زبان ان دونوں بزرگوں نے فرمایا'' مولانا محمد اشفاق تم یہیں رہو اسحاقیہ کا مستقبل بہت ہی روشن وتابناک ہے'' جیسے ہی ان حضرات نے اسحاقیہ اور میرے حق میں دعا کی میرے قدم وہیں پر جم گئے اور میں نہایت ہی چین وسکون، صبر وشکر کے ساتھ کام کرتا رہا دیکھتے ہی دیکھتے ان دونوں حضرات کی نیک دعاؤں کا ثمرہ اور نتیجہ سامنے آ گیا اور راجستھان بھر سے طالبان علوم نبویہ جوق در جوق یہاں آنے لگے اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت مصطفوی سے انھیں آراستہ وپیراستہ کیا جانے لگا۔ جشن دستار فضیلت کا روح پرور موقع بھی دیکھنے کو ملا۔

ایک مرتبہ حضور مفتی اعظم کو'' دعوت نامہ'' بریلی شریف بھیج نہ سکا۔ اس لیے کہ اس وقت ڈاک کا نظام بھی کچھ صحیح نہ تھا، مجبوری تھی۔ دل کو تکلیف بھی ہو رہی تھی کہ حضور مفتی اعظم کیا سوچیں گے۔ اتنے میں'' دستار فضیلت'' کے ایام بھی قریب آ گئے اور سننے میں آیا کہ بریلی شریف سے کوئی مفتی صاحب آئے ہیں۔ میں ننگے پاؤں خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ دیکھتے ہی دست بوسی وقدم بوسی کی اور عرض کیا حضور آپ؟ فرمایا تمھاری اور تمھارے دارالعلوم کی محبت یہاں تک کھینچ لے آئی اور بس۔ پٹنہ گیا تھا وہاں دارالعلوم کا پوسٹر دیکھا خوشی ہوئی اور خوشی اور محبت مجھے یہاں لے آئی۔

بعدہٗ مجھے بہت احساس ہوا میں نے عرض کی حضور معاف فرمائیے۔ ڈاک کا نظام صحیح نہ ہونے کی وجہ سے'' خصوصی دعوت نامہ'' حاضر نہ کر پایا۔ فرمایا مجھے آپ سے اور آپ کے ادارہ سے بے پناہ محبت ہے اور ان شاء اللہ الرحمٰن یہ محبت اسی طرح قائم رہے گی۔

مجھے مفتی اعظم کے اس عمل نے بہت متاثر کیا۔ پھر میں نے بھول سے بھی کبھی ایسا نہیں کیا۔ سب سے پہلے مفتی اعظم کے پاس' خصوصی دعوت نامہ' حاضر کرتا۔ پھر دوسروں کے پاس۔ اس وقت دارالعلوم اسحاقیہ جودھ پور کو عروج وارتقا کی جو منازل حاصل ہیں وہ سب انھی بزرگ ہستیوں کی نیک اور پاکیزہ دعاؤں کا ثمرہ اور صدقہ ہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ مخدومی ومطاعی سیدی وسندی حضور مفتی اعظم راجستھان علامہ مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی صاحب قبلہ مدظلہ النورانی نے راقم السطور سے فرمایا دارالعلوم اسحاقیہ کے عروج وارتقا میں مجاہد دوراں مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا بھی پورا تعاون رہا ہے۔ حضور مفتی اعظم نے اپنی ۹۱ سالہ حیات مبارکہ میں جو خدمات دینیہ انجام دی ہیں میں تو اسے فضل خداوندی ہی کہتا ہوں کہ آپ نے اپنی عمر شریف میں کم وبیش پچاس ہزار فتاوے صادر فرما کر خلق خدا کی بے پناہ خدمت کی ہے اور اسے راہ راست ہے۔ کتنے اذہان وقلوب کی کدورت کو صاف کر کے انھیں مصفیٰ کیا ہے، وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ علم وعمل، فضل وکمال، زہد وتقویٰ، خشیت ربانی، دیانت وثقاہت، ولایت وکرامت غرضے کہ جملہ محاسن دینیہ اور فضائل علمیہ کے مجموعہ کا نام'' محمد مصطفیٰ رضا

خاں" تھا جس نے ساری دنیائے سنیت کو اپنے علم وفضل کے انوار وتجلیات سے روشن ومنور کیا۔ اللہ عزوجل ہمیں بھی حضور مفتی اعظم کے نقش قدم پر چلنے اور آپ کے اسوہ پر زندگی گزارنے کی توفیق رفیق بخشے اور خدمات دینیہ مزید سے مزید کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ وعلی آلہ افضل الصلوات واکمل التحیات۔

☆☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم

ایک جامع الصفات شخصیت

مولانا مرغوب حسن قادری ادروی
استاذ مدرسہ بحر العلوم۔شہر مئو

دل کو تھاما ان کا دامن تھام کے
ہاتھ اپنے دونوں نکلے کام کے

مرشد برحق، تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کو پردہ فرمائے ہوئے پچیس سال کا زمانہ گزر گیا مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہماری انجمن میں آج بھی رونق آرا ہیں۔ ہم انھیں محسوس تو کر رہے ہیں مگر نظر نہیں آتے۔ عالم تصور میں بریلی شریف.......... ان کی چوکھٹ.......... ان کی قیام گاہ.......... دار الافتا اور دفتر پر نظر پڑتی ہے مگر اس احساس کے باوجود بھی وہ بہ ظاہر کہیں نظر نہ آنے والے ہیں مگر ان کو وجود کی خوشبو برابر محسوس ہو رہی ہے اور وہ ہمیں عالمِ تصور میں اپنی موجودگی کا احساس دلا رہے ہیں اور بھلا ہمارے ذہن و دماغ پر ان کا قبضہ و تصرف کیوں نہ ہو جوان کی نوری نوری صورت اب تک ہمارے ذہنوں میں بسی ہوئی ہے۔

سفید گندمی عمامہ، کشادہ پیشانی، علم سے مزین گہری نگاہ جو اکثر نور فراست سے معمور معلوم ہوتی مگر کھلتی تو لوگوں کی سانس رک جاتی۔ ہمہ تن گوش بر آواز کہ کسی کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ کس سے کیا فرما رہے ہیں: ع

میں سراپا منتظر ہوں آپ کی گفتار کا

پر رونق، پر وقار و پر جلال چہرہ: ع

لائیں کہاں سے ایسا کہ تجھ سا کہیں جسے

چلیں تو نسیم سحری کی یاد تازہ ہو جائے، بیٹھیں تو حاضرین پر سکوت طاری رہے، لب کھلیں تو علمی جواہرات کا اضافہ، متبسم ہوں تو صد بہار مسکرا اٹھیں، انداز گفتگو پھولوں کی لڑی کی طرح۔ شفقت پہ آجائیں تو محروم بھی عش عش کرتا رہ جائے، جلال ظاہر ہو تو سب پر ایک ہیبت و جلال کا عالم۔ کچھ ایسی ادائیں اور ایسی کیفیتیں ہیں جو تنہا انھیں کے ساتھ خاص ہیں، ان میں کوئی دوسرا ان کا مماثل نہیں نظر آتا۔ وہ کیا گئے کہ دل کی دنیا اجڑ گئی، نہ کوئی مونس، نہ کوئی ہمدم، نہ کوئی ایسا باوقار و بردبار، نہ کسی کا ایسا ادب واحترام!

کچھ بھولی بسری یادیں جو ذہن کے دریچوں سے نکل کر اس وقت صفحۂ قرطاس پر ابھر رہی ہیں حاضر خدمت ہیں۔

(۱) آپ کی ولایت و کرامت پر ہر ایک کا اتفاق ہے اور کیوں نہ ہو کہ ولادت سے پیشتر ہی آپ کے پیر و مرشد حضرت نوری میاں مارہروی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی پیش گوئی فرمادی تھی۔

ایک ولی کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ وہ ایسا پابند شرع ہو جسے دیکھ کر خدا یاد آئے، آپ اس کے مظہر اتم تھے۔ عزیمت و استقامت آپ کا طرۂ امتیاز رہا پیدائش سے لے کر وصال تک کوئی واقعہ ایسا نہیں نظر آتا جس پر انگلی اٹھائی جاسکے۔ حالاں کہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے گزرے ہیں جن کا بچپن جن کی جوانی یا زندگی کے کچھ لمحات ایسے گزرے ہیں جب زندگی کا نقشہ کچھ اور تھا مگر عمر کے آخری ایام میں وہ ایسے بدل گئے کہ ان کی خوبیاں ان کے ان حالات پر غالب آگئیں اور اولیاے کرام میں ان کا شمار ہوا۔ مگر حضور مفتی اعظم کی ذات گرامی اپنے سرکاران نعمت کے فیضان اور حضور والد گرامی کی تاثیر صحبت سے آئینہ کی طرح صاف وشفاف نظر آتی ہے۔ زندگی کے وہ ایام جو عام طور پر کھیل کود، لہو ولعب اور آزادی کا دور کہلاتا ہے اس میں بھی آپ بالکل محتاط نظر آتے ہیں چنانچہ آپ کے بچپن کا وہ واقعہ مشہور ہے کہ تعلیم کے دوران ہم سبق دوستوں میں یہ پروگرام طے ہوا کہ آئندہ جمعرات کو ہم لوگ شکار کرنے چلیں گے۔ جب جمعرات کا دن ہوا تو کسی نے کہہ دیا آج دوپہر میں کھانا کھا کر شکار کھیلنے کے لیے جانا ہے تو دولت سرائے رضوی پر آکر گوشہ نشین ہو گئے۔ کافی تاخیر ہوئی تو احباب نے آپ کے گھر کی کنڈی کھٹکھٹائی کہ وعدے کے مطابق چلیے تو آپ نے اندر ہی سے جواب دیا کہ کل تک شکار کرنے کی بات تھی۔ اب شکار کھیلنے کی بات ہے۔ شکار کرنا تو جائز ہے شکار کھیلنا جائز نہیں ہے لہٰذا میں نہیں جاؤں گا۔ اندازہ لگایئے! ایام طالب علمی اور اس کم عمری میں جب یہ حال ہے تو آگے چل کر آپ کی رفعت شان کا کیا انداز رہا ہوگا ع

گود میں عالم شباب حال شباب کا نہ پوچھ۔

(۲) حزم واحتیاط:

حضرت کا دستور تھا کہ ہر سال صدر الشریعہ فقیہ اعظم ہند مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کے عرس میں گھوسی تشریف لاتے تھے۔ واپسی کے وقت اکثر ادری بھی تشریف فرما ہوتے۔ قادری منزل کے بیرونی کمرے میں جس میں اکثر باہر کے آئے ہوئے علاوہ مشائخ تشریف رکھتے، وقت کے مطابق آپس میں کچھ تبادلہ خیال کرتے پھر اپنی مخصوص جگہوں پر آرام فرما ہوتے۔ ایک سال صبح تقریباً آٹھ بجے حضور مفتی اعظم تشریف فرما تھے، حاضرین نے نعت کا سلسلہ شروع کر دیا، کئی نعت کے بعد ایک صاحب نے جب اپنی نعت سنائی تو اس میں جملہ تھا "جب اللہ نے چاہا" تو آپ نے فوراً گرفت فرمائی اور فرمایا: "جب اللہ نے چاہا" نہیں بلکہ یہ کہا جائے کہ جب اللہ کو منظور ہوا۔ چاہا اور ہے منظور ہونا اور ہے، اس کے بعد وہ صاحب خاموش ہو گئے۔ پھر مفتی مجیب الاسلام صاحب قبلہ نسیم اعظمی انھیں لے کر دوسری جگہ ناشتے کے لیے لے گئے۔

دستر خوان کا ادب یہ ہے کہ مہمان دستر خوان پر میزبان کی خواہش کے مطابق ماحضر تناول کرے اگر اس بیچ مہمان کا کوئی شناسا آجائے تو خود اس سے دستر خوان پر بیٹھنے کے لیے نہ کہے۔ مبادا میزبان کوئی کمی محسوس کرے۔ مسجد معاران بہار پور جس میں ہر سال پچیس صفر المظفر کو بعد نماز فجر قرآن خوانی ہوتی ہے، پھر دس گیارہ بجے تک عرس اعلیٰ حضرت کی تقریب ہوتی ہے۔ یہ پروگرام تیس چالیس سال سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ راقم الحروف اس مسجد میں تقریباً ڈیڑھ سال امامت بھی کر چکا ہے۔ حضرت مفتی اعظم ہر سال اس قل میں تشریف لاتے تھے۔ قل کے وقت محلے کے حضرات اپنے اپنے گھروں میں مختلف انواع واقسام کے کھانے۔ پھل اور کچھ چیزیں لاکر اکٹھا کرتے ہیں جس پر قل ہوتا ہے۔ اس کے بعد لوگوں میں وہ چیزیں تقسیم کر دی جاتی ہیں، کچھ تبرک کے طور پر اپنے اپنے گھروں کو لے جاتے ہیں۔ لوگوں کی خواہش کے مطابق حضرت بھی مسجد کے حجرے میں جاکر بعض چیزوں کو زبان پر رکھ لیا کرتے تھے۔ ایک سال لوگوں نے ساری

چیزیں میری طرف بڑھادیں تا کہ میں حضرت کی جانب بڑھاتے جاؤں اور حضرت اس میں سے کچھ لے کر تبرک بنادیں۔ چچہ حضرت کو دے کر ہر چیز کو دینا شروع کر دیا تو حضرت بگڑ گئے۔ فرمایا آپ سب میری طرف بڑھاتے جارہے ہیں۔ ان لوگوں نے آپ کو اجازت دی ہے؟ تو ناچیز نے عرض کیا کہ ہاں! حضرت یہ سب لوگ کھڑے ہیں۔ انھیں کے اشارے پر ناچیز اس طرح کر رہا ہے تو آپ نے دو تین پلیٹوں سے کھالیا، پھر چچہ بالکل صاف کر کے کہ ایک دانہ بھی لگا نہ رہے پلیٹ میں واپس کر دیا۔ آپ کی عادتِ کریمہ تھی کہ کھانے کے برتن کو سنت کے مطابق صاف کر دیا کرتے تھے۔ اس کے بعد پانی پی کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا، پھر عازم بریلی شریف ہوئے۔

سلام ومصافحہ کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ جب کسی سے مصافحہ کیا جائے تو اس وقت تک ہاتھ نہ کھینچے جب تک کہ دوسرا شخص خود ہی ہاتھ نہ سمیٹ لے۔ ایک مرتبہ بعد نماز ظہر عید کے روز حضرت کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا تو آپ نے معانقہ فرمایا پھر دیر تک اپنے دست پاک میں میرا ہاتھ لیے رہے، نہ انھوں نے کھینچا نہ راقم الحروف نے ہی ایسی ہمت کی، اسی حال میں دیر تک آپ ادری کے لوگوں کی خیریت پوچھتے رہے۔ مفتی مجیب الاسلام صاحب نسیم اعظمی کی خیریت دریافت فرمائی۔ ادری کے کچھ خاص خاص لوگوں کے بارے میں دریافت فرمایا۔ چہرہ پر تبسم کھیل رہا تھا، انتہائی مشفقانہ انداز میں فرمایا: اچھا تشریف رکھیں! سوئیں کھا کر جائیں گے! حکم دیا، گھر کے اندر سے خادم سوئیں لے کر آیا، اس کے بعد آپ اندر گھر میں تشریف لے گئے۔

ایک بار جامعہ فاروقیہ بنارس کے دوران تدریس بریلی شریف کچھ کام سے جانا ہوا، رات میں ملاقات ہوئی، کھانے کو پوچھا؟ پھر فرمایا، صبح ناشتہ کر کے جائیں گے۔ ایسا موقع ملتا کہاں ہے؟ صبح کچھ تاخیر سے تقریباً ۸ ربجے حاضر خدمت ہوا، خادم کو حکم دیا، اندر سے انڈے اور بریڈ کا اہتمام تھا، اس ناشتے میں کیا مزہ آیا؟ کیسا ذائقہ پایا؟ اس کی لذت آج بھی نہیں بھول پا رہا ہوں بلکہ جب اس شفقت و محبت کو یاد کرتا ہوں تو رقت طاری ہو جاتی ہے، آنکھوں میں آنسو تیرنے لگتے ہیں۔ اب کوئی ہے جو چھوٹوں کو بھی اپنے الطاف خسروانہ سے اس طرح نوازے؟ یہ آپ کے رزق حلال کی برکت تھی۔

(۳) غرباپروری:

غرباپروری آپ کی خاندانی وراثت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی دروازے پر غریبوں کی دستک سنائی دیتی رہتی ہے۔ حضرت کے زمانے میں یہ منظر عام تھا۔ کسی گاؤں کسی بستی میں جاتے تو لوگوں کے حالات پوچھتے، کسی کو پریشان سنتے تو اپنے جیب خاص سے ان کو کچھ بھیجے۔ حسب معمول ایک بار ادری تشریف لائے، ہمارے محلے میں ایک صاحب کئی سال سے بیمار چل رہے تھے اور تنگ دست بھی تھے۔ لوگوں نے بتایا کہ فلاں صاحب حاجی محمد یٰسین مرحوم کے لڑکے ہیں اور کئی سالوں سے ان کا یہ حال ہے تو آپ نے فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ پھر پچاس روپے جیب سے نکال کر مفتی مجیب الاسلام صاحب کو دیا کہ یہ ان کے علاج میں شامل کر لیا جائے جب کہ پچاس روپے آج سے چالیس سال پہلے بہت اہمیت رکھتے تھے۔

دو سال پیشتر بریلی شریف سے بذریعہ بس پیلی بھیت عرس حشمتی میں شرکت کے لیے ناچیز جا رہا تھا کہ بس میں ہی دیرینہ کرم فرما مخلص مکرم جناب ڈاکٹر اسد امکمیزوی مل گئے، ایک ہی سیٹ پر ہم دونوں بیٹھ گئے۔ نواب گنج سے گزرنے کے بعد جب کہ حضرت کا تذکرہ چل رہا تھا، ایک گاؤں کا نام لے کر ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے قریب بیس کلومیٹر دور حضرت کا ایک مرید تھا۔ اس کی بچی کی شادی تھی، عقیدت میں اس نے حضرت کو بھی دعوت دے دی تھی، مقررہ تاریخ میں حضرت اس کے غربت کدہ پر پہنچ گئے مگر راستے کا

حال یہ ہے کہ اتر کر تانگے سے جانا تھا، حضرت نے اس دھوپ کے موسم میں تانگے کا سفر کیا، پھر تانگے سے اتر کر دو کلو میٹر تک پیدل راستہ تھا مگر حضرت نے یہ سب کچھ برداشت کیا، آج تو حال یہ ہے کہ ماروتی کار لے کر لوگ حاضر ہوتے ہیں جب بھی بعض لوگوں کو موقع نہیں رہتا کہ اپنے وعدے ہی کا کچھ پاس ولحاظ کریں۔ حضرت پہنچ گئے پھر تقریب ختم ہونے کے بعد اسی طرح واپسی کی بھی صورت تھی۔ حضرت جب تانگے پر بیٹھنے لگے تو مرید نے اپنے وسعت کے مطابق کچھ پیش کرنا چاہا مگر حضرت نے قبول نہیں فرمایا بل کہ اپنی صدری سے کچھ رقم نکال کر اس مرید کو دیا کہ بچی کی شادی میں میری طرف سے خرچ کریں۔ اللہ اللہ یہ حال تھا ان بزرگوں کا ع:

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

اسی لیے تو حضرت حسن بریلوی نے فرمایا کہ۔

کیوں اپنی گلی میں وہ روادار صدا ہو
جو نذر لیے راہ گدا ڈھونڈ رہا ہو

پھر ویسے ہی آپ بریلی شریف واپس ہو گئے۔ غور کیجیے اس خلوص پر کون ہے جو قربان نہ جائے؟ اب یہ بات کہاں لوگوں میں پائی جاتی ہے؟ اور کیوں نہ ہو کہ حضور مفتی اعظم منظور نظر غوث اعظم تھے۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا بھی اس طرح کا ایک واقعہ کتابوں میں ملتا ہے کہ آپ کو آپ کے ایک مرید نے دعوت دی تھی مگر دعوت کے بعد بھول گیا کہ نہ جانے حضرت بڑوں کی دعوت کے آگے میرے غریب خانہ پر آئیں گے یا نہیں مگر حضرت غوث اعظم وقت پر اس مرید کے گھر پہنچ گئے۔ مرید پریشان کہ کہاں سے کیا کیا انتظام کریں مگر غوث اعظم کا تصرف دیکھیے کہ ایک ہفتے تک اس کے یہاں رہ گئے مگر مرید کو کسی چیز کا انتظام نہیں کرنا پڑا۔ ایک ہفتہ گزار کر جب مرید سے اجازت مانگی تو وہی مرید جو ایک ہفتہ پہلے گھبرا گیا تھا عرض کرتا ہے حضور کچھ روز اور قدم رنجہ فرمایا جائے۔ مرید خوب سمجھ رہا تھا کہ حضرت اسی طرح رہتے ہفتہ کیا مہینوں گزر سکتا ہے کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہوگی۔

کہا تو نے کہ جو مانگو ملے گا
رضا تجھ سے ترا سائل ہے یا غوث

(۴) چندے کی اپیل:

حضرت مفتی اعظم کے پاس روحانی طور پر اتنا تھا کہ کبھی کسی سے کچھ مانگا نہیں بل کہ دوسروں کا دامن مراد خود بھر دیا کرتے تھے۔ ہاں ملک کے مختلف علاقوں میں جب کسی کانفرنس یا دینی اداروں کے اجلاس میں بہ حیثیت سرپرست تشریف لے جاتے تو ان لوگوں کی خواہش کے مطابق اپیل کے کچھ دعائیہ جملے لکھ دیا کرتے تھے تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ ۱۹۷۶ء میں مدرسہ معراج العلوم گرزی ہوڑہ شمع کے سنگ بنیاد کے موقع پر تشریف لے گئے دیگر کثیر علما کے ساتھ ساتھ استاذ گرامی حضور حافظ ملت اور بحر العلوم علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ مبارک پوری بھی تشریف فرما تھے، اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے استاذ گرامی مفتی عبد المنان صاحب نے فرمایا کہ یہ ایک مرد باصفا کی اپیل ہے اس لیے مجھے امید ہے کہ حضرت کے یہ چند جملے کافی ہوں گے۔

اسی طرح ۱۹۷۳ء میں جب کہ بریلی شریف سٹی اسٹیشن کے قریب ایک وسیع زمین خریدی گئی تھی تاکہ وسیع پیمانے پر مظہر اسلام بی بی

جی کی عمارت اور دارالاقامہ وغیرہ کی تعمیر ہو تو اس وقت بھی بنیاد ڈالتے وقت راقم الحروف نے حضرت کے ہاتھ میں اینٹ دی، بنیاد کے بعد آپ نے کھڑے ہو کر بہت دیر تک دعائیں کیں پھر مائک آپ کے سامنے کیا تو پہلی دفعہ دیکھا گیا کہ حضرت نے مائک کے ذریعہ قوم کو مخاطب فرمایا اور اپنی خواہش کا اظہار فرمایا کہ بریلی شریف میں مرکز کے شایان شان عمارت ہونے چاہیے۔ اسی طرح کے کچھ مواقع ایسے ہیں جہاں آپ نے قوم کو مخاطب فرمایا ورنہ خود اپنے ادارہ مدرسہ مظہر اسلام بریلی شریف کے لیے اپنی جانب سے کوئی اپیل نہیں شائع فرمائی۔

(۵) امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

بریلی سیا ہر پروگرام پر تشریف لے جاتے تو قطعاً اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ میں کس کے یہاں ٹھہرا ہوں؟ صاحب خانہ دولت مند ہے یا غریب؟ اسے شریعت مطہرہ کا پابند دیکھتے تو خوش ہوتے ورنہ زجر وتوبیخ فرماتے۔ اسے عمدہ پیرائے میں شریعت کا پابند بنانے کی کوشش کرتے۔ ایک دفعہ مدن پورہ بنارس میں حاجی امین الدین صاحب (معروف بہ حاجی امریکہ) کے یہاں قیام فرماتے تھے۔ ہم لوگ دارالعلوم فاروقیہ بجرڈیہہ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ حاجی صاحب کے صاحب زادے حاجی محمد نور کو نصیحت کررہے ہیں، بول رہے ہیں اور بار بار استغفر اللہ کا لفظ زبان پر جاری ہے۔ پتہ چلا کہ وہ داڑھی خشخشی رکھے ہوئے ہیں، اسی پر تنبیہ فرما رہے ہیں۔ عام پیر ہوتا تو ان کی دولت وثروت کی بنیاد پر شاید اس طرح کی غیر شرعی حرکت جو اس وقت مسلم معاشرہ میں جڑ پکڑ چکی ہے اور عام و خاص امیر وفقیر ہر کوئی اس میں مبتلا ہے، ٹوکنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا مگر حضرت کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں انھیں کے گھر پر ہوں اور انھیں کو پکڑ رہا ہوں۔

اسی طرح ایک بار پیلی بھیت شریف میں ایک جگہ حضرت کا قیام تھا۔ محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب عالم باعمل حضرت مولانا عبدالمبین صاحب نعمانی اور راقم الحروف ملاقات کے لیے پہنچے تو حضرت وہاں بھی ایک "فیشن ایبل" شخص کو نصیحت کررہے ہیں اور بار بار ان کے گلے میں لٹکی ہوئی ٹائی کو جھنجھوڑ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ یہ کتے کا کان ہے، کتے کا کان! ملاقات کے بعد واپس ہوئے تو علامہ صاحب نے فرمایا کہ یہ بات حضرت ہی کے یہاں ملتی ہے اگر ایسے ہی دوسرے مرشدین توجہ دیں تو کتنی خامیوں کا تدارک ہوسکتا ہے۔

کلکتہ میں جس وقت ضیاء اکرم تکیہ پاڑہ میں تھا کچھ لوگوں نے بیان کیا کہ حضرت کو ایک دفعہ حاجی محمد علی تمبا کو فروش نے دعوت دی، چلتے وقت انھوں نے دعا کی درخواست کی۔ حاجی صاحب کا تکیہ کلام تھا ہر بات میں "سالا"، ان کی زبان سے نکل گیا، حضرت سب کام ٹھیک ہے صرف یہی "سالا" قاعدے سے کام نہیں کرتا (اپنے نوکر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے) اتنا سننا تھا کہ استغفر اللہ آپ نے کیا کہا؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ سرکار نے غلاموں کے ساتھ کس حسن سلوک کا حکم دیا ہے؟ حضرت انس صحابی رسول دس سال تک سرکار کی خدمت میں رہے مگر فرماتے ہیں کہ اس مدت میں مجھ سے کوئی کام بگڑ جاتا جب بھی سرکار ہمیں نہ فرماتے کہ یہ کام کیوں ایسے کیا اور کیوں نہیں اس طرح کیا؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو کچھ تم کھاؤ ان کو کھلاؤ۔ جو خود پہنو ان کو پہناؤ۔ یہاں تک کہ غلاموں کو آزاد کرنے کا طریقہ بتایا جب کوئی گناہ سرزد ہو تو غلاموں کو آزاد کردو۔ آپ بولتے جارہے ہیں اور حاجی صاحب سر جھکا کے سن رہے ہیں۔

ایک بار مبارک پور تشریف لائے، اتفاق سے اشرفیہ میں تعطیل تھی، حضرت نے فرمایا آج اسباق نہیں ہو رہے ہیں تو ناظم اعلیٰ قاری محمد یحییٰ صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حضرت آج تعطیل ہے، دریافت فرمایا کہ کیسی؟ تو زبان سے نکل گیا "جنم اشٹمی" کی تو آپ کا رنگ بدل گیا فرمایا استغفر اللہ یہ دینی ادارہ اور اس قسم کی تعطیل!

۱۹۷۴ء قصبہ بیسل پور ضلع پیلی بھیت میں عید گاہ کے اندر نماز جنازہ پڑھانے سے متعلق ایک اہم ہنگامہ پیش آیا۔ رمضان المبارک کا مہینہ، تھا مفتی وجیہ الدین صاحب علیہ الرحمہ کے خلاف کچھ سرپسندوں نے ہنگامہ برپا کر دیا تھا کہ اب ان کے پیچھے عید کی نماز نہیں پڑھی جائے گی، اس سلسلے میں مفتی صاحب کے متعلقین نے حضرت مفتی اعظم کو زحمت دی۔ آپ ۲۷؍ رمضان المبارک کو بیل پور تشریف لائے۔ ہر ایک سے گفت شنید کے بعد غازی کمال شاہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے آستانے پر سب کو اکٹھا کیا پھر آپ نے عام توبہ کا سلسلہ شروع کروایا پھر آپس میں لوگوں کو مصافحہ و معانقہ کے بعد تصفیہ فرمایا حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے آپ نے مفتی وجیہ الدین صاحب سے فرمایا کہ اب آپ پیلی بھیت شہر میں رہیں۔ چنان چہ آپ نے بیلسل پور چھوڑ دیا جب تک طاقت تھی صرف جمعہ کے لیے آتے رہے پھر آپ نے اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب ضیائی رحمۃ اللہ علیہ جن کے آپ سجادہ نشین تھے، وہیں سکونت اختیار فرمائی اور بعد وصال انھیں کے آستانے میں مدفون ہوئے، ان سب میں حضور مفتی اعظم کی رہ نمائی شامل حال رہی۔

(۶) اذان ثانی و جمعہ:

بنارس ریوڑی تالاب میں مسجد اقصیٰ ہے جس میں اذان ثانی جمعہ اندرون مسجد خطیب کے سامنے ہوتی تھی، حسن اتفاق کہ حضرت جمعہ کے روز بنارس میں تشریف فرما تھے۔ چنان چہ فاروقیہ کے ذمہ داران نے فرمایا کہ حضرت مسجد اقصیٰ میں جمعہ کے لیے زحمت فرمائیں آپ نے فرمایا کہ میں اس مسجد میں جمعہ پڑھنے نہیں جاؤں گا اس لیے کہ مؤذن خطبہ کے وقت اندر اذان دیتا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اب [illegible] ہوگی، اصرار کر کے لوگ لے گئے۔ حضرت مسجد کے پاس ہی تھے جب مؤذن نے سابق معمول کے مطابق اذان شروع کی تو ضعف کے باوجود بھی آپ تیزی بڑھے اور مؤذن کو پکڑ کر اسی حال میں پیچھے کی طرف لاتے لاتے منبر پر کھڑا کر دیا اور بلند آواز میں فرمایا یہاں [illegible] دیجیے۔ کسی کو کیا مجال کہ دم مارے، ہر شخص مبہوت تھا۔ اس طرح حضرت نے ایک مردہ سنت کو زندہ فرما دیا جس کا ثواب حدیث کی رو سے سو شہیدوں کے برابر ہے۔

تعویذ لکھتے وقت کوئی بھی آتا تو جیسے آتا دیر سویر اسی کے مطابق اسے تعویذ دیتے ایک شخص بہت جلد باز تھا مگر حضرت بھانپ لیا کہ قائل بہ تبلیغیت ہے چنان چہ تبلیغی جماعت سے متعلق اس کے عقیدوں کی مذمت بیان کرنی شروع کی اور حوالہ دیا کہ ہے کہ اس کے بانی الیاس نے کہا ہے کہ مولوی مجبور لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمارا مقصد نماز روزے کی تحریک ہے۔ میں نہیں کہتا ہوں کہ ہے، مجھے ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے، میری خواہش ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب نے جو کام کیا ہے اس کی تبلیغ و اشاعت ہو [illegible] کی ہوگی، طریقۂ کار میرا ہوگا۔ یہ سب سننے کے بعد وہ سمجھ گیا کہ یہ صاحب کشف معلوم ہوتے ہیں فوراً اٹھا اور رفو چکر ہو گیا۔

کشف کا یہ حال رہا کہ اکثر ہونے والی باتوں کی جانب اشارہ مل جاتا مگر لوگ سمجھتے نہیں بلکہ بعد میں تصدیق ہو جاتی۔ [illegible] صاحب اردوی کا بیان ہے کہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ کے وصال کے روز میں حسب دستور حضرت ہی کے خدمت میں تھا [illegible] رہے: دیکھیے آج مولوی حشمت علی کی کیا خبر آتی ہے؟ چنان چہ ایک بجے دن میں حضرت کے وصال کی خبر بریلی شریف میں حضرت کے پاس [illegible]۔ کشف و کرامات کا سلسلہ بڑھتا رہا یہاں تک کہ اخیر وقت میں بہت سی باتیں ایسی صادر ہوئیں جن کا اظہار لوگوں نے اپنی تصنیف یا مضامین [illegible] کیا ہے۔

ایک مرتبہ ادری سے شاہ گنج والی ٹرین پکڑنی تھی، ادری میں ہی ٹرین کا وقت ہوگیا تھا۔سوئے اتفاق کہ کسی سواری کا انتظام نہ ہوسکا مگر آپ نے پیدل ہی چلنا شروع کردیا۔حاضرین نے بار بار کہا حضرت شام والی ٹرین سے تشریف لے جائیں، آج آرام فرمالیں۔ٹرین نہیں ملے گی مگر آپ خاموشی سے چلتے رہے یہاں تک کہ ٹرین آگئی اور کھل بھی گئی مگر پلیٹ فارم سے ابھی باہر نہیں ہوئی تھی کہ رک گئی۔ ڈرائیور پریشان ہے، ادھر ادھر دیکھا تو اچانک حضور مفتی اعظم پر نگاہ پڑگئی سمجھ گیا کہ اسی بابا کی وجہ سے ایسا ہوا ہے، فوراً اتر کر آیا، قدم بوسی کی، اس کے بعد ٹرین چلایا تو چلنے لگی۔لوگوں نے کھلی آنکھوں سے حضرت کی اس کرامت کا مشاہدہ کیا۔

(۷) مبالغہ آرائی سے گریز:

آپ کا جو بھی جملہ زبان سے نکلتا وہ ،جچا تلا ہوتا ، جب بھی کسی کے بارے میں سنتے کہ اس کا انتقال ہوگیا ہے تو فوراً دعاے مغفرت کے لیے ہاتھ اٹھ جاتا۔اس طرح کے بہت سے خطوط بھی حضرت کی خدمت میں آتے۔ایک مرتبہ کسی کے تعزیتی خط کا جواب لکھنا تھا، مفتی مجیب الاسلام صاحب سے فرمایا کہ یہ جواب لکھ دیں، میں دستخط کردیتا ہوں۔چنانچہ مفتی صاحب نے جواب لکھا کہ ''آپ کا خط ملا صاحب زادے کے انتقال کی خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔'' حضرت نے جواب سننے کے بعد فوراً ٹوکا، بہت افسوس تو نہیں ہوا، ہاں افسوس ہوا۔

ایک مرتبہ پوچھا کیا ٹائم ہورہا ہے، مفتی مجیب الاسلام صاحب نے فرمایا کہ بارہ بج رہے ہیں، ایک دومنٹ کے بعد حضرت کی گھڑی مل گئی دیکھا تو ابھی تین منٹ باقی تھے۔فرمایا ابھی تو تین منٹ باقی ہیں، آپ نے پانچ منٹ پہلے ہی بتادیا کہ ۱۲ ربج رہے ہیں۔

تصویر سے نفرت :

کسی کے گھر میں داخل ہوتے دیوار پر اگر نگاہ پڑجاتی اور کوئی تصویر دیکھ لیتے تو فوراً زبان سے نکلتا استغفر اللہ! پھر اس کو اتروا لیتے۔ جب آپ کو اطمینان ہوجاتا تب بیٹھتے۔تصویر سے آپ بے حد نفرت فرماتے یہی وجہ ہے کہ حج بیت اللہ شریف کے لیے بھی آپ نے اپنے سفر کو ملتوی کیا یہاں تک کہ جب بغیر فوٹو کے منظوری آئی تو آپ نے یہ سعادت حاصل فرمائی۔یہ دوسرے تیسرے حج نفل کی بات ہے ورنہ پہلے حج فرض کے موقع پر یہ بات نہیں تھی، اس موقع پر آپ نے باتصویر ہی حج فرمایا تھا۔۱۹۷۶ء میں منظر اسلام کے مہتم حضرت مولانا ریحان رضا خاں رحمانی میاں نے ماریشش اور افریقہ کا دوسرا دورہ فرمایا۔جاتے وقت حضرت کی خدمت میں سلام ودعا کے لیے حاضر ہوئے حضرت عصر کی نماز پڑھ کر رضا مسجد سے نیچے اتر رہے تھے، ہم لوگ موجود تھے، اجازت لینے کے بعد دعا کی درخواست کی۔حضرت نے فرمایا جائیے اللہ سلامتی کے ساتھ لے جائے پھر سلامتی کے ساتھ لائے مگر میں ایسے سفر کو اچھا نہیں سمجھتا جس میں فوٹو والا پاسپورٹ بنے پھر رحمانی میاں خاموشی کے ساتھ رخصت ہوگئے۔ایسا حضرت کیوں نہ فرماتے کہ حدیث میں تصویر کھینچنے والوں پر اللہ کی لعنت کی وعید ہے۔اس سلسلے میں آپ کے والد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا موقف بھی یہی تھا کہ تصویر کی جگہوں سے پرہیز کرتے یہاں تک کہ وصال کے وقت آپ نے ان کاغذی نوٹوں اور سکوں کو اپنے بستر سے بھی ہٹوادیا جس پر جان دار کی تصاویر رہتی ہیں کہ وصال کا وقت فرشتوں کے نزول اور رحمت کا وقت ہوتا ہے نہ کہ زحمت وحشت کا۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی یہی وہ خصوصیات تھیں جس سے آپ اپنے ہم عصروں میں ممتاز اور منفرد نظر آتے ہیں۔

(۸) ان کی محفل میں بیٹھنے والا:

وقت کے اجلۂ علمائے کرام ومشائخ عظام جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو عجز و نیاز کے ساتھ ساتھ خاموش اور ساکت نظر آتے جیسا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے استاذی حضور حافظ ملت، حافظ عبدالرؤف بلیاوی، حضور مجاہد ملت حضرت شمس العلما اور حضرت صدر العلما وغیرہ کو دیکھا۔

شمس العلما مولانا قاضی شمس الدین صاحب جعفری جون پوری رحمۃ اللہ علیہ کا حال تو یہ تھا کہ وہ اپنے علم کے آگے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے مگر بارہا آپ کو فرماتے سنا کہ مجھے کسی سے ڈر معلوم ہوتا ہے تو وہ حضور مفتی اعظم کی ذات گرامی ہے۔ یہی وہ در ہے جس کے علم وتفقہ اور علوے شان میں کسی کو مجال دم زدن نہیں ع

جس سمت آگئے ہیں سکے بٹھا دیئے ہیں۔

چنان چہ اس کا اندازہ میں نے اس وقت لگایا جب کہ حضور صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں حضرت مفتی اعظم ظہر کے لیے وضو فرما رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ بایں جاہ وجلال حضور شمس العلما اپنے ہاتھ میں لوٹا لیے ہوئے پانی گرا رہے ہیں اور حضور مفتی اعظم وضو فرما رہے ہیں۔ ہر چند کہ بعض لوگوں نے چاہا کہ حضرت شمس العلما اس جگہ سے ہٹ جائیں اور ہم لوگ وضو میں مدد کرکے برکت حاصل کریں مگر شمس العلما انگلی کے اشاروں سے سب کو روک دیتے۔ شمس العلما کا اس طرح مؤدب رہنا کائی معمولی بات نہیں ہے۔ اور پھر حضور مفتی اعظم ہند فقہی مسائل کی باریکیوں اور ایک ایک جزئیات سے جس طرح آگاہ تھے اس کی روشنی میں آپ کو وضو کرانا حضور شمس العلما جیسے فقیہ کا ہی کام ہوسکتا تھا۔ عین ممکن ہے کہ کوئی عام تو کیا خاص مولانا بھی ہوتے اور پانی گرانے میں بداحتیاطی ہو جاتی تو فوراً ہی مفتی اعظم کی ڈانٹ پڑتی۔ شاید اس مصلحت کے تحت حضور شمس العلما خود دوسروں کو روکتے رہے۔ اور اس طرح کے نظائر بھی ملتے ہیں۔

حضور مفتی اعظم کے نعتیہ دیوان ''سامانِ بخشش'' میں لکھا ہے کہ اور پیروں کا حال یہ ہے کہ اگر ان کی خدمت میں جایئے تو نشہ دو ایک روز میں عقیدت کا نشہ سرد پڑنے لگتا ہے مگر حضور مفتی اعظم کا حال یہ ہے کہ اگر ان کی محفل میں بیٹھنے والا چند نشست نہیں بلکہ مہینوں اور سالوں تک ساتھ رہے جب بھی سرد کے بجائے عقیدت میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا۔ ع

کرشمہ دامن دل شد کہ جا ایں جاست

بلاشبہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان جامع الصفات والکمالات تھے۔ سیرت نبوی کے پیکر اور اخلاق محمدی کے جامع تھے۔ ان کی محفل میں بیٹھنے والا آدمی خوش نصیب ہوتا ہے، انھوں نے ہمیں ایمان وعمل کی پختگی کا درس دیا ہے اور خود اپنی ذات والا صفات نمونہ ہمارے سامنے پیش کیا کہ ان کا مداح ان کا کفش بردار اور ان کی دہلیز کا حاضر باش بار بار اپنی زبان سے یوں گنگناتا ہے۔

جس نے دامن مفتی اعظم کا پایا کہہ اٹھا
واہ رے میں واہ رے میں کیا مری تقدیر ہے

خدائے قدیر وجبار حضرت کے فیوض وبرکات کا ابر کرم صبح قیامت تک عالم سنیت ورضویت پر برساتا رہے۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆☆☆

چوتھا باب

جنھیں امام احمد رضا قادری برکاتی حنفی کے علمی جاہ و جلال اور فقاہت و ثقاہت کی عظمت و تمکنت سے واقفیت ہے ، انھیں شاید یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ جس شخصیت کی ایک نگاہ کیمیا اثر نے پتھروں کو تراش کر ہیرا بنادیا ، مٹی کے ریزوں کو اٹھایا اور اسے صرف سونا نہیں کندن بنادیا ، وہ جس کے دریوزہ گروں میں حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی ، محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد لائل پوری،محقق اللغۃ العربیہ علامہ سید سلمان اشرف بہاری ، ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری، صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی جیسے نابغۂ روزگار ہوں ، ہاں جس کے خوشہ چینوں اور ہم نشینوں میں بل کہ مستفیدین و مسترشدین میں حرمین شریفین اور شام و عراق اور مصر و یمن کے جلیل القدر بل کہ مشاہیر علماے عرب و حجاز ہوں یقینا ایسا رجل عظیم جب خود اپنے ہی جگر کے خون، اپنی ہی آنکھوں کے نور اور دل کے سرور کو پالا پوسا ہوگا ، اس کی تعلیم و تربیت کی ہوگی، اس کو بنایا سنوارا ہوگا اور اس کو علم و فکر اور شعور و ادراک کے جب گُر سکھائے ہوں گے تو بھلا کیا کمی اٹھا رکھی ہوگی۔ اور بھلا کیا کچھ نہ سکھایا اور بتایا ہوگا ۔

امام احمد رضا کا خانہ "ایں خانہ ہمہ آفتاب است "کا بلا مبالغہ مستحق و تمثال ہے ، جس فرد پر نظر ڈالی جائے وہ فرد و یگانہ نظر آتا ہے ۔ تاہنوز یہ سلسلہ جاری ہے ۔ خدا کرے قیامت تک اسی طرح یہ خانوادہ جماعت اہل سنت کی علمی سرپرستی کرتا رہے ، دقت نظر ، ژرف نگاہی ، وسعت مطالعہ ، استحضار و تدبر ، قوت فیصلہ ، اور حزم و احتیاط میں مفتی اعظم کی شخصیت ضرب المثل ہے ، بلا شبہہ مفتی اعظم کا تبحر علمی ایک سمندر ہے جسے ماپنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ، وہ فضل و کمال کے در شاہوار اور خطاب "تاجدار اہل سنت " کے سزاوار ہیں ،آنے والے مقالوں میں علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی ،مفتی شبیر حسن رضوی ، مفتی محمد اعظم بریلوی ، مفتی عبد الحق رضوی مصباحی ، کے نام قابل ذکر ہیں جنھوں نے مفتی اعظم کے علمی مقام کو روشنی میں لانے کی ہر ممکن سعی کی ہے ، میرا خیال ہے کہ آپ بے قرار ہورہے ہوں گے اور سوچ رہے ہوں گے کہ کب یہ تعارفی دیوار سامنے سے منہدم ہو اور ہم اس خوان علم و فضل کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنا شروع کردیں ۔ تو لیجیے پردہ اٹھتا ہے ۔

مقبول احمد سالک مصباحی

مفتی اعظم اپنے فضل وکمال کے آئینے میں

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی (علیه الرحمه)
نائب مفتی اعظم وسابق صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

مفتی اعظم حضرت مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور ابھی بہت کچھ لکھا جائے گا۔ بل کہ بہ تسلسل لکھا جاتا رہے گا لیکن میں یقین محکم کے ساتھ کہتا ہوں کہ جو کچھ لکھا گیا یا لکھا جائے گا وہ سب حضرت مفتی اعظم کے حقیقی تعارف کے لیے ناکافی ہے اور ناکافی رہے گا۔

مجھے بحمدہٖ تبارک وتعالیٰ یہ شرف حاصل ہے کہ میں مسلسل گیارہ سال بل کہ کچھ ماہ زاید حضرت مفتی اعظم کے دولت کدے پر قیام پذیر رہا۔ وہ بھی ان دنوں میں جو ایک انسان کی زندگی کے سب سے کامل ایام مانے جاتے ہیں یعنی اپنی عمر کے پینتیسویں سال سے لے کر چھیالیسویں سال تک اور اس طرح رہا کہ حضرت میں بھی ساتھ رہا اور ہندوستان کے طول وعرض کے سفر میں بھی ساتھ رہا۔ پور بندر سے لے کر بنگلہ دیش کی مغربی سرحد دیناج پور تک، کٹک اڑیسہ سے لے کر نجیب آباد تک تقریباً ہر بڑے شہر میں ہم راہ رہا۔

حضرت مفتی اعظم کی حیات طیبہ کے پانچ دور ہیں: ایک عہد طفلی، جو ن شعور تک پہنچنے تک ہے۔ دوسرا تحصیلِ علم اور فراغت، تیسرا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی حیات طیبہ تک، چوتھا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے وصال کے بعد سے لے کر سجادہ نشین ہونے تک، پانچواں عہد سجادہ نشینی سے اخیر عمر تک۔

یہ پانچوں دور اپنے اندر ایسی خصوصیات رکھتے ہیں جو حضرت مفتی اعظم کی اپنے اقران میں ایک امتیازی شان پر دلیل ہیں۔ ان سب پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے لیے دفتر درکار ہے۔ میں انتہائی عدیم الفرصت انسان جامعہ اشرفیہ کے عظیم دار الافتا کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ اپنی بچی کچھی توانائی نزہۃ القاری شرح بخاری میں صرف کر رہا ہوں مجھے اتنا موقع کہاں کہ اس بحر ناپیدا کنار کو سر کرنے کی کوشش کروں۔

لیکن رضا اکیڈمی بمبئی کے باحوصلہ ارکان نے اس صد سالہ جشن مفتی اعظم میں مجھے شرکت کی دعوت دی تو مجھے شرم آئی کہ میں اپنے مربی اعظم کے جشن صد سالہ میں خالی ہاتھ حاضر ہوں۔ اس لیے یہ چند سطریں بطور سوغات حاضر ہیں۔ ع

زچشم آستیں بردار و گوہر را تماشا کن

یہ ایک رسم ہوگئی ہے کہ جب بھی کوئی مشہور آدمی دنیا سے جاتا ہے تو اس کے نیاز مند، عقیدت کیش یہی لکھتے ہیں کہ وہ تمام کمالات انسانی کا جامع تھا۔ اس لیے اگر میں بھی حضرت مفتی اعظم کے بارے میں یہی لکھوں تو یہ رسمی بات بھی کہی جاسکتی ہے۔ اس لیے اس ادعا کے بغیر میں حضرت مفتی اعظم کی شخصیت سے متعلق چند حقائق قلم بند کر دیتا ہوں جس سے ہر ذی فہم و دیانت دار منصف فیصلہ کرلے گا کہ

حضرت مفتی اعظم کی ذات گرامی اپنے عہد مبارک میں بے مثال تھی۔

لیس علی اللہ بمستنکر　　ان یجمع العالم فی واحد

جلالتِ علم: مفتی ہونا آج کل بہت آسان سمجھا جانے لگا ہے۔ مشہور ہے کہ بہار شریعت اور فتاویٰ رضویہ دیکھ کر ہر اردو داں فتویٰ لکھ سکتا ہے۔ لیکن مفتی اور فقیہ ہونا کتنا مشکل ہے یہ وہی جانتے ہیں جو کسی ذمہ دار دارالافتا کی خدمت پر مامور ہیں۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ محدث ہونا علم کا پہلا زینہ ہے اور فقیہ ہونا آخیر منزل ہے اور یہ مضمون حدیث صحیح سے ماخوذ ہے ارشاد ہے۔

فرب حامل فقه غیر فقیه و رب حامل فقه الی من هو افقه منه (مشکوٰۃ شریف ص ۳۵، کتاب العلم، الفصل الثانی مجلس البرکات) ''بہت سے فقہ کے حامل فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے حاملِ فقہ اسے پہنچاتے ہیں اس سے جو اس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔''

حضرت امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ بہت مشہور ومعروف ہے کہ ایک بار یہ مشہور مسلم الثبوت محدث حضرت سلیمان اعمش کے ہاں تشریف فرما تھے۔ حضرت سلیمان اعمش سے کچھ مسائل دریافت کیے گئے۔ انھوں نے حضرت امام اعظم سے فرمایا: آپ ان مسائل میں کیا کہتے ہیں؟ حضرت امام اعظم نے سب کے جوابات دیے۔ انھوں نے پوچھا یہ کہاں سے کہتے ہو؟ فرمایا: انھیں احادیث سے جنھیں میں نے آپ ہی سے سنا ہے، اور ان سب احادیث کو مع سندوں کے پڑھ کر سنا دیا۔ اس پر حضرت اعمش نے فرمایا: تمھیں یہ کافی ہے۔ جو حدیثیں میں نے تم سے سو دن میں بیان کیں ان سب کو تم ایک ساعت میں بیان کر دیتے ہو۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تم ان احادیث پر عمل کرتے ہو۔ اے فقہا! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار اور تم نے تو دونوں کو حاصل کر لیا ہے۔

غور فرمایئے حضرت سلیمان اعمش کو وہ حدیثیں یاد تھیں مگر ان سے جو مسائل حضرت امام اعظم نے اخذ فرمائے ان تک ان کی رسائی نہ ہوئی۔ یہ جلوہ ہے فرب حامل فقه غیر فقیه ورب حامل فقه الی من هو افقه منه کا۔

یہی وجہ ہے کہ امام اجل حضرت سفیان ثوری نے حضرت امام اعظم سے فرمایا: ہر چیز کے بارے میں آپ پر وہ علوم منکشف ہوئے جن سے ہم غافل ہیں۔ ان کی نظیر وہ حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان عبدا خیره الله بین ان یؤتیه من زهرة الدنیا ماشاء و بین ما عنده فاختار ما عنده (مشکوٰۃ شریف، ص ۵۴۶، باب وفات النبی، الفصل الاول مجلس البرکات)

اللہ کے ایک بندے کو اختیار دے دیا ہے وہ چاہے تو دنیا کی تر وتازگی پسند کرے چاہے تو جو اللہ کے حضور ہے اسے اختیار لے۔ اس بندے نے اللہ کے حضور کو اختیار کر لیا ہے۔

یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔ حاضرینِ صحابہ کو حیرت ہوئی کہ یہ کیوں رو رہے ہیں؟ مگر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو صحابۂ کرام کو معلوم ہو گیا کہ یہ بندہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور فاختار ما عنده سے مراد وصال تھا۔ اب صحابۂ کرام کو اعتراف کرنا پڑا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ علم والے تھے۔

آج کے مفتیانِ کرام اگرچہ مجتہد نہیں مگر آج بھی افتا نویسی کے لیے کتنے حیقظ، بیدار مغزی، ذہانت، فطانت، معاملہ فہمی اور تبحر علمی کی ضرورت ہے۔ ان سب کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، اس کو صرف ایک واقعہ سے سمجھ لیجیے۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا میں نے تیرا نکاح فسخ کیا۔ ایک بہت بڑے شیخ الحدیث صاحب کے یہاں استفسار پیش کیا گیا، انھوں نے قلم برداشتہ لکھ دیا کہ اس سے ایک طلاق رجعی پڑ گئی۔ وہیں سے یہ استفتا میرے پاس آیا۔ میں نے جواب میں لکھا یہ طلاق کنائی کے کلمات میں سے ہے۔ اگر شوہر نے بہ نیت طلاق کہا

ہے تو ایک طلاق بائن پڑگئی ورنہ طلاق واقع نہ ہوئی۔ میں نے اپنی تائید میں عالمگیری کا جزیہ بھی نقل کر دیا تھا۔

میرا یہ فتویٰ ان شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں پیش ہوا تو بہت گھبرائے۔ اتفاق سے وہ بریلی تشریف لائے تو مجھ سے مواخذہ فرمایا کہ تم نے کیسے لکھ دیا کہ یہ طلاق کنائی کا جملہ ہے۔ میں نے عرض کیا: بہار شریعت، رحیق الاحقاق فی کلمات الطلاق، عالمگیری میں لکھا ہے۔ انھوں نے فرمایا یہ تو صحیح ہے مگر یہ طلاق کنائی کا جملہ کیسے ہے جب کہ فسخ نکاح اور طلاق لازم و ملزوم ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ طلاق اور فسخ لازم و ملزوم نہیں۔ ایسی بہت سی صورتیں ہیں کہ بغیر طلاق کے بھی نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ جیسے ردّت اور مصاہرت سے۔

مجھے بتانا یہ ہے کہ فتویٰ دینا دینی خدمات میں سب سے اہم سب سے مشکل اور سب سے پیچیدہ کام ہے اور ایسا کام ہے جس کی کوئی نہایت نہیں۔ فقہائے کرام نے اگرچہ ہم پر احسان فرماتے ہوئے لاکھوں جزئیات کی تصریح فرمادی ہے مگر پھر بھی حوادث محدود نہیں۔ آئے دن سینکڑوں واقعات ایسے ہوتے رہتے ہیں کہ جن کے بارے میں کوئی جزیہ کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ ایک فقیہ اپنی بالغ نظری، نکتہ سنجی، دقیق بینی کی بدولت تائید ایزدی سے صحیح حکم اخذ کر لیتا ہے۔ مگر یہ کام کتنا مشکل ہے اسے بتایا نہیں جاسکتا ہے جس کے سر پڑتا ہے وہی جانتا ہے۔

جب آپ تفقہ کی حیثیت پر ایک نظر ڈال چکے تو آیئے میں آپ کو حضرت مفتی اعظم کی اس فن میں عبقریت کے جلوے دکھاؤں۔

حضرت مفتی اعظم نے پہلا فتویٰ ۱۹۱۰ء میں لکھا جب کہ عمر مبارک صرف اٹھارہ سال کی تھی۔ یہ فتویٰ مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش ہوا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اس میں بغیر کسی ترمیم و تبدیل کے ان الفاظ میں اس کی تصحیح فرمائی۔ صح الجواب بعون الملک الوہاب۔ خوش ہو کر انعام عطا فرمایا اور مہر بنوا کر عنایت فرمائی۔

بظاہر اس میں کوئی اہمیت نظر نہیں آئی مگر مفتیوں سے پوچھیے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کتنی حیرت ناک بات ہے۔ فتویٰ نویسی میں سب سے پہلے یہ غور کرنا ہوتا ہے کہ سائل کیا پوچھنا چاہتا ہے؟ وہ کہاں الجھا ہوا ہے؟ اس نے مافی الضمیر کو کما حقہٗ ادا بھی کیا ہے یا نہیں؟ پھر ہمارے جواب پر اسے کیا شبہہ ہو سکتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ

ان سب پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد مفتی جواب لکھتا ہے تو ان سب باتوں کو ذہن میں رکھ کر اپنے جچے تلے الفاظ، سلجھے ہوئے انداز بیان، جامع مانع کلمات میں جواب لکھتا ہے۔ زندگی میں پہلا فتویٰ لکھنے والا ان باتوں کی رعایت کر سکے گا یا کر سکتا ہے، بہت مشکل ہے۔ ذہین سے ذہین علما برسہا برس تک مشاقی کرنے اور ماہر فن مفتی سے اصلاح لینے کے بعد اس پر قادر ہوتے ہیں کہ وہ ایک مکمل فتویٰ لکھیں۔ مگر جو بات دیگر ذہین فطین ذکی علما کو برسہا برس میں تحقید اصلاح اور ہدایت کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ حضرت مفتی اعظم کو پہلے ہی دن حاصل تھی۔ یہ دلیل ہے کہ حضرت مفتی اعظم جیسے والدہ ماجدہ کے شکم پاک سے ولی بن کر آئے تھے، اسی طرح مفتی اعظم بھی بن کر آئے تھے۔ السعید من سعد فی بطن امه. تفقہ فی الدین آپ کی فطرت، جبلت، سرشت تھی۔

غور کریں ایک اٹھارہ سال کا نوعمر پہلا فتویٰ لکھتا ہے اور تصحیح کے لیے پیش کرتا ہے اس دقیق بین نکتہ رس کی بارگاہ میں جس کی تیز نگاہی کا عالم یہ تھا کہ اگر کسی کلمے میں ہزار معانی ہوتے تو وہ سب اول نظر میں احاطے میں آجائے اور جس کے بارے میں علمائے حرمین نے یہ فرمایا ہو کہ اگر انھیں ابو حنیفہ دیکھ لیتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اور انھیں اپنے تلامذہ میں داخل فرمالیتے۔ مگر اس نوعمر مفتی کے پہلے فتویٰ پر اسے بھی کہیں اصلاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بات یہ ہے کہ شیر کے بچوں کو کس نے شکار کرنا سکھایا۔ حضرت مفتی اعظم کی عمر مبارک کے یہی ایام تھے کہ علمائے رام پور سے مسئلۂ اذان ثانی پر بحث چھڑ گئی، علمائے رام پور معمولی علما نہیں تھے۔ یہ وہ اکابر ملت تھے کہ جن

کے علم وفضل کا رعب پورے ہندوستان پر چھایا ہوا تھا۔

یہ شمس العلما مولانا عبدالحق ابن علامہ فضل حق خیرآبادی جیسے اس بطل جلیل کے وارث تھے کہ بانی دیوبندیت قاسم نانوتوی صاحب رام پور آئے تو ان کی ہیبت سے اپنے کو ظاہر نہ کر سکے، سرائے میں قیام کیا اور اپنا نام تبدیل کر کے لکھوایا۔

علمائے رام پور نے اس مسئلہ پر اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ بحث شروع کر دی۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ان کے افہام وتفہیم کے لیے اپنے اس نوجوان فرزند کو حکم دیا اور حضرت مفتی اعظم نے ان حضرات کے ابحاث علیہ کے ایسے مدلل، مسکت، فصیح جواب دیے کہ وہ دم بخود رہ گئے۔ ان پر وہ وہ گرفتیں کیں کہ وہ حضرات انگشت بدنداں رہ گئے۔ جس کا جی چاہے، اس وقت کے رسائل وقـایة اهل سنة نفي العار وغیرہ کا مطالعہ کر لے۔ اسے معلوم ہو جائے گا کہ مجدد اعظم کے وارث نے دنیا کو دکھا دیا، دنیا سے منوالیا کہ بزرگی بعقل ست نہ بہ سال۔

حضرت مفتی اعظم کے سینکڑوں ایرادات آج بھی قرض ہیں۔ انھیں ایام میں دیوبندیوں کے بقیۃ السلف، حکیم الامت، جناب تھانوی صاحب نے حفظ الایمان کی کفری عبارت کی رفوگری کے لیے بسط البنان لکھی جسے مطالعہ کے بعد حضرت مفتی اعظم نے اس کی رد میں وقعات السنان اور ادخال السنان تالیف فرمائی۔ جسے رجسٹری کر کے تھانہ بھون بھیجا مگر ان دونوں کے جواب سے نہ صرف تھانوی صاحب بل کہ ان کی پوری برادری عاجز ہے اور عاجز رہے گی۔

وقعات السنان، ادخال السنان کے زخموں کی تاب نہ لا کر بہ لباس باطنی تھانوی صاحب نے اپنے ایک نیاز مند سے کچھ سوالات کرائے۔ ان کے جوابات کے لیے بھی حضرت مفتی اعظم میدان میں آئے۔ اور الـمـوت الـاحمر لکھ کر اکابر دیوبند کی تکفیر کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی اور حجتِ الٰہیہ ان پر تمام فرمادی اور من هلک هلک عن بينة ومن حي حي عن بينة کا جلوہ دنیا کو دکھا دیا۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی حیات مبارکہ میں حضرت مفتی اعظم کے وہ کارنامے ہیں جنھیں دیکھ کر عالم تصور میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک شیر ہے جو تن تنہا پوری دنیا سے چوکھا لڑ رہا ہے۔ اور اپنے حملۂ جاں ستاں سے مخالفین کو نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کا مزہ چکھا رہا ہے۔

پھر ایک وقت وہ آیا کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کی ضرورت محسوس فرمائی کہ پورے ملک کے لیے دار القضا قائم کیا جائے۔ تو چوں کہ قاضی کے لیے کافی تربیت، تفقہ اور تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس اعتبار سے حاضرین دربار رضوی میں سب سے زیادہ فائق حضرت صدر الشریعہ تھے اس لیے انھیں قاضی بنایا اور حضرت مفتی اعظم اور حضرت برہان ملت جبل پوری کو مفتی دار القضا کے منصب پر فائز فرمایا۔

اس دار القضا میں اگر چہ حضرت مفتی اعظم حضرت صدر الشریعہ کے ماتحت تھے۔ مگر غور کر لیجیے کہ دار القضا کوئی معمولی دار القضا نہ تھا پورے ہندوستان کا سب سے بڑا مرکزی دار القضا تھا جسے سپریم کورٹ کہہ لیجیے اور اس دار القضا میں مفتی کی حیثیت وہی تھی جو کسی بنچ کے چند ججوں کی ہوتی ہے۔ ایک نوعمر نوجوان کو سپریم کورٹ کی بنچ کے ججوں میں شامل کرنا اتنا بڑا اعزاز ہے کہ کہنہ مشقوں کو بھی شاید باید نصیب ہوتا ہے۔ اس نوعمری میں سب سے بڑے دار القضا کا رکن بنانا ہی اس کی دلیل ہے کہ ایک دن آئے گا کہ یہ نوعمر پوری دنیا کے علما میں وہ حیثیت حاصل کرے گا کہ اس کی حیثیت عالمی سپریم کے اعلیٰ جج کی ہو جائے گی اور دنیا نے اپنے چشم سر سے دیکھا کہ حضرت مفتی اعظم اپنے عہد میں پوری دنیائے سنیت کے صرف قاضی القضاۃ ہی نہ تھے بل کہ روحانی شہنشاہ تھے ان کا جلوہ دنیا نے اس وقت دیکھا جب کہ حضرت

مفتی اعظم ۱۹۴۵ء مطابق ۱۳۶۴ھ میں حج وزیارت کے لیے حرمین طیبین حاضر ہوئے۔

نجدی فرعون ابن سعود نے حجاج پر حج وزیارت کا ٹیکس لگا دیا تھا۔ اس قارون صفت حریص کو نہ حلال کی پرواہ تھی نہ حرام کی، اس کو اپنی عیاشی کے لیے قارون کا خزانہ درکار تھا۔ مگر اس بے برگ وگیاہ ریگستان میں اسے کیا ملتا۔ تو اس حریص ننگِ اسلام ومسلمین نے مجبور و بے کس حجاج پر یہ ظلم کیا کیا کہ ان حاجیوں پر ڈاکے ڈالنے کے لیے ٹیکس لگا دیا اور حیرت یہ تھی کہ کتاب وسنت پر عمل کے مدعی اور داعی بننے والے نجدی علما نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا۔

ابن سعود اور دوسرے نجدی حکمرانوں کے جبر وتشدد کا عالم یہ تھا۔ ایک مزاح پسند ناقد نے کہا ہے کہ نجدی مملکت میں اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جناب میں گستاخی کرنے والوں کے لیے جگہ ہے۔ مگر نجدی حکمرانوں پر صحیح تنقید کرنے والوں کو سزائے موت ہے۔ علمائے حرمین طیبین رخصت پر عمل کرتے ہوئے خاموش تھے۔

لیکن جب حضرت مفتی اعظم حرمین طیبین حاضر ہوئے تو اس ناخدا ترس خونخوار درندے کی قلم رو میں بیٹھ کر مکہ معظمہ میں نجدی ٹیکس کے حرام وگناہ ہونے پر انتہائی مدلل مفصل عربی زبان میں فتویٰ لکھا جس کا نام: القنابل الذریہ علی اوثان النجدیہ" جسے مطالعہ کرکے علمائے حرمین طیبین نے متفقہ طور پر فرمایا "ان ھذا الا الھام" اور متفقہ طور پر حضرت مفتی اعظم کو امام وقت، شیخ الہند والحرم تسلیم فرمایا۔ بطور تبرک قرآن واحادیث وفقہ کے سلاسل کی اجازتیں لیں۔ اور اپنے آپ کو مفتی اعظم کے زمرہ تلامذہ میں داخل ہونے پر فخر فرمایا۔ اسی وجہ سے کہتا رہتا ہوں۔ اور شیخ الہند ہیں اور ہمارے شیخ شیخ العرب والعجم ہیں۔

یہ جلوہ تھا اس اشارے کا جو والد مکرم مجدد اعظم نے نوعمری میں دار القضا کا رکن بنایا اور وقت آنے پر دنیا نے چشم سر سے دیکھا کہ اپنے عہد میں پوری دنیائے سنیت کا امام بنا، سلطان بنا، سرتاج بنا۔

یہ باتیں تو وہ ہیں جو ثقہ رواۃ کے ذریعہ میں نے سنی ہیں۔ اب آئیے خود میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ہے اسے آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں۔

میں بریلی شریف حاضر ہوا اور حضرت مفتی اعظم نے اپنے دار الافتا کی خدمت سپرد فرمائی۔ ہوتا یہ کہ میں مسائل دن میں لکھ لیا کرتا بعد عشا حضرت کو سناتا۔ یہ معمول مسلسل گیارہ سال تک رہا۔ میں اس میدان میں نووارد نہیں تھا۔ فتویٰ نویسی کا اچھا خاصا تجربہ رکھتا تھا۔ میں نے زمانہ طالب علمی سے فتویٰ نویسی شروع کر دی تھی۔ محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے یہاں آئے ہوئے مسائل دیتے اور میں لکھا کرتا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سب سے پہلا فتویٰ میں نے بھی رضاعت ہی کا لکھا تھا۔ فراغت کے بعد جب میں اپنے گھر گھوسی مقیم تھا تو میری فیروز بختی تھی کہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ ان دنوں ۶۶-۶۷ھ/۴۷-۴۸ء اپنے دولت کدے ہی پر تشریف رکھتے تھے۔ میں روزانہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اور حضرت کے یہاں آئے ہوئے مسائل لکھا کرتا۔ اگرچہ اس کی صورت یہ ہوتی کہ حضرت املا فرماتے۔ چوں کہ ان دنوں حضرت کی بینائی کمزور تھی اس لیے تائیدی عبارتیں میں ہی نکالا کرتا تھا، اس طرح فتویٰ لکھنے کی اچھی خاصی مشق ہو گئی تھی۔

میں بغور سوال پڑھ کر مسائل کی منشا سمجھ کر پوری دماغی توانائی صرف کرکے حاضر دماغی سے جوابات لکھتا تھا۔ میں اپنے اوپر جو وثوق اس وقت بھی رکھتا تھا، اس کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت کے میرے لکھے ہوئے مسائل پر کوئی انگلی نہیں رکھ سکتا تھا۔

دوسری طرف مفتی اعظم کا حال یہ تھا کہ دن میں تعویذیں لکھنے میں مصروف رہتے تعویذ لینے کے لیے آنے والے کوئی خوش کن

فرحت بخش خبر نہیں سناتے بلکہ ہر تعویذ کا طلب گار اپنے دکھ، درد، تکلیف، مصیبت کی دردناک داستان سناتا تھا۔ مسلسل اذیت ناک خبریں سنتے سنتے مضبوط سے مضبوط انسان کا دل بیٹھ جاتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ دن بھر صبر آزما اعصاب کو مفلوج کرنے والے ماحول کی بدولت حضرت مفتی اعظم ایسے تھک جاتے کہ سوائے آرام وسکون کے کسی اور کام کی طرف توجہ نہ فرماتے۔

مگر ہوتا یہ کہ بلاناغہ بالتزام روزانہ بعد نماز عشا کھانا تناول فرمانے کے بعد اپنی بیٹھک پر تشریف لاتے اور اس طرح تشریف رکھتے گویا دن بھر آرام کیا ہے۔ بالکل تر وتازہ چاق وچوبند حاضر دماغ۔ اب میں اپنے لکھے ہوئے مسائل سناتا حضرت مفتی اعظم کی حاضر دماغی، حیقظ قلبی کا عالم اس وقت بھی وہ ہوتا کہ جگہ جگہ اصلاح فرماتے، عمدہ سے عمدہ تر کی طرف رہنمائی فرماتے اگر تائیدی عبارت میں کمی ہوتی تو دوسری زیادہ مناسب اور موزوں عبارت کی طرف رہنمائی فرماتے عبارت میں کوئی بھول چوک ہوتی تو فوراً تنبیہ فرماتے اور اسے صحیح کرتے۔ چند نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

ایک دفعہ میں نے لکھا تھا۔ تو نبھا۔ فرمایا: نبھا کے ساتھ تو کا کیا جوڑ؟

ایک دفعہ میں نے حدیث رفاعہ لکھی تھی صحیح مگر میں نے پڑھ دیا۔ لا حتی تذوقی عسيلتك فرمایا: کیا پڑھا؟

ہمارے اعظم گڑھ کے عرف میں مُہر کو مؤنث استعمال کرتے ہیں اس وجہ سے میں نے مہر کے لیے تانیث کا صیغہ استعمال کر دیا فوراً تنبیہ فرمائی۔

ایک دفعہ یہ سوال آیا۔ ہندہ کی زید کے ساتھ نابالغی میں شادی ہوئی، بالغ ہونے کے بعد ہندہ زید کے ساتھ رہنے پر راضی نہیں۔ اس مسئلہ کی دس بارہ صورتیں ہیں۔ مثلاً نکاح کے وقت ہندہ کے باپ یا دادا زندہ تھے یا مر گئے تھے؟ موجود تھے تو یہ نکاح ان کی اجازت سے ہوا یا خود انھوں نے پڑھایا تھا یا نہیں؟ اگر زندہ تھے مگر کہیں دور تھے تو یہ غیبت منقطعہ تھی یا نہیں۔ کفو میں ہوا یا غیر کفو میں؟ مہر میں غبن فاحش تھا یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ میں نے بڑی محنت سے دن بھر صرف کر کے اس کی تمام شقوں کی تفصیل لکھی تھی اور بہت خوش تھا کہ آج حضرت مجھے داد ضرور دیں گے دعائے خیر سے نوازیں گے مگر جب سنانا شروع کیا تو فرمایا:

یہ جواب سائل کو کیا مفید ہوگا؟ یہ شق در شق، شق در شق طوفانی جواب کس کے پلّے پڑے گا؟ جواب میں اپنا مبلغ علم ظاہر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ عام طور پر نکاح کفو میں مہر مثل کے ساتھ ہوتا ہے اور نابالغ بچوں کا نکاح باپ دادا ہی کرتے ہیں اور اگر باپ دادا نہیں تو سائل اس کو سوال میں لکھا کرتے ہیں۔ اس لیے جواب میں صرف اتنا لکھیں کہ اگر یہ نکاح باپ دادا نے پڑھایا تھا یا ان کے اذن سے ہوا تھا۔

اور کفو میں مہر میں غبن فاحش کے بغیر ہوا تو صحیح نافذ ہے۔ الخ..... اور اگر واقعہ کی صورت کوئی دوسری ہو تو دوبارہ اس صورت کو تفصیل کے ساتھ لکھ کر بھیجیں۔ اس اصلاح کا حاصل ہے کہ سائل حکم شرعی اس لیے معلوم کرتا ہے کہ اس پر عمل کرے۔ پیچ در پیچ شق در شق جوابات سے وہ الجھ جائے گا اور صحیح حکم کو متعین نہ کر سکے گا۔ نیز خدا ناترس لوگ ان سب شقوں میں سے اپنے پسند کی شق اختیار کر لیں گے اگر چہ واقعہ کے مطابق نہ ہو۔ اس طرح وہ حرام میں مبتلا ہوں گے اور سہارا آپ کے فتوی کا لیں گے۔ اس لیے جواب اس پہلو پر دیا جائے جو ظاہر ہو اور قیود بڑھا کر دوسری شقوں کی نفی کر دی جائے اور پھر آخر میں ہدایت کر دی جائے۔ اس ہدایت سے حضرت نے رسم مفتی کے اس اہم قاعدے کی طرف رہنمائی فرمائی کہ مفتی کو اپنی طرف سے شقیں قائم کر کے جواب نہیں دینا چاہیے۔

میں نے بریلی شریف کے ایام قیام میں پچیس ہزار مسائل لکھے جن میں دس ہزار کے لگ بھگ وہ مسائل ہیں جن پر حضرت کی اصلاح ہے۔ کاش وہ سب محفوظ ہوتے تو ایک اہم خزانہ محفوظ ہوتا۔ پھر دنیا دیکھ لیتی کہ حضرت مفتی اعظم کا تبحر علمی، دقت نظر، نکتہ رسی کس حد

تک پہنچی ہوئی تھی۔

یہ مجلس عموماً دو تین گھنٹے کی ہوتی۔ کبھی چار گھنٹے کی بھی ہو جاتی تھی۔ میں تھک جاتا، اکتا جاتا مگر حضرت مفتی اعظم پر تکان یا اکتاہٹ کا کوئی اثر نہیں نظر آتا۔ دن بھر کا تھکا ہوا انسان، رات میں بھی اتنا حاضر دماغ ہو یہ انسانی قویٰ کے بس کی بات نہیں۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ حضرت مفتی اعظم ان منتخب روزگار نفوس قدسیہ میں سے تھے جن کا علم بھی لدنی ہوتا ہے اور قویٰ بشری بھی لدنی اور دل ودماغ بھی لدنی ان کا سب کچھ لدنی ہوتا ہے۔ اسی مبارک محفل کا ایک حیرت ناک واقعہ یہ ہے کہ سخت سردیوں کے دن تھے۔ حضرت کے لیے انگیٹھی تھی جو کچھ دیر کے بعد ٹھنڈی ہونے لگی، حقے کی آگ بھی ختم ہونے پر آئی، اچانک فرمایا اگر کوئلہ اور ہوتا تو انگیٹھی ہی گرم ہو جاتی اور تمبا کو ابھی پورا جلا نہیں ہے، وہ بھی کام میں آجاتا۔ میں نے عرض کیا اندر خادمہ کو آواز دے کر کوئلہ مانگ لوں۔ فرمایا دن بھر کی تھکی ہاری بے چاری سو گئی ہوگی، جانے دیجیے۔

مظفر پور کے ایک شاہ صاحب کبھی کبھی آکر آستانہ عالیہ پر قیام کرتے، دو دو مہینے تک رہتے، بظاہر ان کا کوئی مقصد معلوم نہیں ہوتا میں نے ایک دوبار پوچھا بھی تو یہ کہا کہ صرف حضرت کی زیارت کے لیے آجاتا ہوں، جب تک حضرت باہر تشریف رکھتے وہ حضرت کی خدمت میں حاضر رہتے۔ مذکورہ بالا گفتگو کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ شاہ صاحب بیرونی دروازے سے اندر آئے اور اپنے رومال میں کچھ لائے اس کا بھی دھیان نہ آیا کہ دروازہ اندر سے بند ہے یہ کیسے آگئے۔ انھوں نے حاضر ہو کر عرض کیا، حضرت یہ کوئلہ ہے اور انگیٹھی میں انڈیل دیا۔ اور کوئلے چلم میں ڈال دیے۔ انگیٹھی میں کچھ چنگاریاں رہ گئی تھیں۔ شاہ صاحب کوئلہ ڈال کر بیٹھ گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ پنکھا یا دفتی ہوتی تو اسے ہوا کر دی جاتی۔ میں اپنے کمرے میں پنکھا یا دفتی تلاش کرنے چلا گیا مگر نہ پنکھا ملا نہ دفتی ملی۔ مجھے آنے جانے میں بمشکل دو ڈھائی منٹ لگے ہوں گے واپس آکر دیکھا تو انگیٹھی اور چلم دونوں کے کوئلے دہک رہے ہیں۔ مجھے کچھ حیرت ہوئی مگر میں اپنے کام میں لگ گیا۔ بارہ بجے کے بعد حضرت اندر تشریف لے گئے اور ہم لوگ اپنے اپنے کمروں میں جا کر سو گئے۔ شاہ صاحب نماز وجماعت کے پابند تھے، ہمیشہ باجماعت نماز پڑھتے تھے مگر اس دن فجر کی نماز میں نہیں تھے۔ مجھے ایک خیال تو ہوا مگر پھر ذہن سے نکل گیا۔ ناشتے کے وقت ان کی تلاش ہوئی تو غائب اور کھانے میں بھی غائب۔ تحقیق کی تو سب نے بتایا کہ وہ آئے ہی نہیں ہیں۔ اب میرے دماغ میں کھلبلی مچی کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ رات کو جب پھر مسائل سنانے بیٹھا تو پہلے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ شاہ صاحب رات میں کوئلے کر آئے پھر پتہ نہیں کہاں چلے گئے۔ فرمایا چلے گئے ہوں گے آپ اپنا کام کریں۔ میرا ظن غالب ہے کہ یہ حضرت شاہ صاحب کی صورت میں کوئی جن تھے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ حضرت کے بکثرت مریدین جن بھی ہیں۔

اب آئیے چند واقعات سفر کے سنیے۔ حضرت مفتی اعظم کی عادت کریمہ تھی کہ ہر نماز مسجد میں حاضر ہو کر تازہ وضو سے باجماعت ادا فرماتے تھے۔ سفر کتنا ہی لمبا، کتنا ہی دشوار ہو، گاڑی میں کتنی ہی بھیڑ ہو، کبھی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ اور کوئی فرض یا سنت بیٹھ کر ادا نہ فرمائی۔ سلسلے میں کبھی بڑی دشواریاں پیش آئیں مگر کوئی پرواہ نہ کی۔

ایک بار حضرت اوجین سے جے پور جاتے ہوئے ناگدہ اسٹیشن پر بمبئی دہرہ دون ایکسپریس پر سوار ہوئے، سکنڈ کلاس کا ٹکٹ تھا، ڈبے میں پہنچے تو پورا ڈبہ فوجیوں سے بھرا پڑا تھا۔ فوجی کتنے بدتمیز اور عوام کے لیے ظالم ہوتے ہیں وہ سب جانتے ہیں، وہ وحشی سیٹوں پر ٹانگیں پھیلائے لیٹے تھے، بڑی مشکل سے بیٹھنے کی جگہ ملی۔ تھوڑی دیر بعد عصر کا وقت ہو گیا۔ پورا ڈبہ بھرا ہوا تھا۔ کہیں جگہ نہ تھی اور گاڑی اسٹیشنوں پر برائے نام رکتی۔ فرمایا: نماز پڑھوں گا۔ میں پریشان ہو گیا، چاروں طرف نظر دوڑائی ایک فوجی سکھ کا بہت بڑا ٹرنک پڑا تھا جس پر

بستر رکھا ہوا تھا میں نے اس سے کہا کہ ہمارے حضرت نماز پڑھیں گے اگر آپ مان جائیں تو اس ٹرنک پر سے بستر اتار دوں اور اس پر نماز پڑھ لیں۔ وہ مان گیا اور خود اسی نے بستر اٹھایا اور کھڑا رہا۔ گاڑی جب ایک اسٹیشن پر پہونچی تو حضرت کو اسی پر کھڑا کردیا۔ حضرت نے اس طرح نماز ادا فرمائی۔ جب مغرب کا وقت ہوا تو ایک اسٹیشن پر مجھے بغیر بتائے ہوئے اتر پڑے۔ میں پیچھے پیچھے جانماز لے کر دوڑا۔ فرض کا سلام پھیرتے ہی گاڑی نے سیٹی دے دی، میں جلدی سے گاڑی کی طرف بڑھا اور حضرت نے سنت کی نیت باندھ لی اور گاڑی سیٹی پر سیٹی دیتی رہی، اس وقت میری پریشانیوں کا عالم کیا تھا وہ میں ہی جانتا ہوں۔ سامان گاڑی پر اور حضرت پلیٹ فارم پر۔ اگر گاڑی چلی جائے تو کیا کروں گا۔ اسی کشمکش میں نظر انجن کی طرف گئی تو دیکھا کہ ڈرائیور حضرت کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اب کچھ اطمینان ہوا۔ بالآخر جب حضرت نماز سے فارغ ہو کر ڈبے میں تشریف لائے تو گاڑی چلی۔

اس قسم کے موقع پر قوی سے قوی تر اعصاب انسانی کے ہوش وحواس بے قابو ہو جاتے ہیں مگر مفتی اعظم پر کوئی اثر نہ پڑا اور باطمینانِ خاطر نماز میں مصروف رہے۔ یہ دلیل ہے کہ حضور مفتی اعظم کا معاملہ خدائے عزوجل سے اتنا قوی تھا کہ کوئی چیز بھی اس میں مخل نہ ہو سکتی تھی۔ الا کہ ایک تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔

ایک بار کلکتہ جاتے ہوئے مغل سرائے میں بنارس کے کچھ عقل کل افراد کی حرکتوں کی بدولت عصر کی نماز پڑھتے پڑھتے گاڑی چھوٹ چلی اور بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مگر اس کے باوجود نماز کو اپنے اوقات میں پڑھنے سے کوئی چیز حارج نہیں ہو سکتی تھی۔

اسی سفر میں یہ قصہ درپیش ہوا کہ فوجی آپس میں مذہبی گفتگو کرنے لگے۔ ایک کم عمر فوجی نے باتوں باتوں میں حضرت سیدہ مریم عذرا رضی اللہ عنہا کی شان اقدس میں وہ بکواس کردی جو یہودی اور قادیانی بکتے ہیں۔ سخت جلال بھرے انداز میں اس فوجی کو ڈانٹا کہ کیا بکتا ہے۔ یہ جھوٹ ہے، افترا ہے، وہ بھونچکارہ گیا۔ کہنے لگا: میں نے محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ان کی والدہ کے بارے میں تو کچھ کہا نہیں پھر آپ کیوں خفا ہو رہے ہیں؟ فرمایا ہم لوگ ہر پیغمبر کا ادب واحترام اسی طرح کرتے ہیں جیسے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ میں تو ڈرا تھا کہ یہ وحشی درندے ہیں کہیں بدتمیزی کا برتاؤ نہ کریں مگر ایک مردِ حق آگاہ کی ڈانٹ نے انھیں سہادیا اور مرعوب ہو کر خاموش ہو گئے۔ یہی نہیں اٹھ کر بیٹھ گئے اور اس کے بعد حضرت کے ساتھ مؤدب رہنے لگے۔

نماز کی پابندی کے سلسلے میں ایک واقعہ دہلی میں پیش آیا تھا۔

حضرت دارالعلوم اسحاقیہ جودھ پور کے سالانہ جلسے سے گھر واپس آرہے تھے۔ جودھ پور کے احباب نے اوپر کی سیٹ پر حضرت کا بستر لگا دیا تھا۔ عشا پڑھ کر حضرت اس پر آرام سے سو گئے۔ سردی شباب پر تھی جب گاڑی دہلی کے قریب گوڑگاؤں پہونچی تو میں نے اٹھایا۔ استنجے کے بعد استنجا خانہ تشریف لے گئے مگر وہاں بہت لمبی قطار تھی وہ بھی عورتوں کی۔ حضرت بے چینی کے ساتھ استنجا خانہ کے خالی ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ میں بستر باندھنے میں مشغول تھا۔ جب گاڑی دہلی کے پلیٹ فارم پر پہونچ گئی تب کہیں جا کر استنجا خانہ خالی ہوا اور حضرت تشریف لے گئے۔ جب حضرت استنجا سے فارغ ہو گئے تو مراد آباد جانے والی گاڑی جس پلیٹ فارم پر لگی تھی وہاں تشریف لے گئے۔ جب سامان گاڑی میں رکھا جا چکا تو فرمایا کپڑے نکال دیں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ کپڑے نکال کر حضرت کو دیے اور میں بکس بند کرنے میں مصروف رہا۔ بکس بند کر کے دیکھا تو حضرت کپڑے لے کر بڑی تیزی سے پلیٹ فارم کے پل کی طرف جا رہے ہیں، میں متحیر ہو گیا کہ یا اللہ حضرت کہاں جا رہے ہیں مگر کرتا کیا۔ گاڑی میں سامان چھوڑ کر حضرت کے پیچھے بھی نہیں جا سکتا تھا۔ بے چینی واضطراب کے عالم میں کسی طرح وضو کیا نماز پڑھی اور ریل کے ڈبے سے سر نکالے ہوئے، باہر جھانکتا رہا نہ وقت کٹتا، نہ حضرت تشریف لاتے۔ تقریباً

ڈیڑھ گھنٹے کے بعد حضرت واپس ہوئے۔ جاڑے سے کانپ رہے تھے۔قدم برابر نہیں پڑ رہے تھے۔ میرا دل دھک کرنے لگا۔ ڈبے سے باہر نکل کر اندر لایا۔ ڈبے میں چڑھانے کے لیے ہاتھ پکڑا تو برف کے مانند سرد، اب میرا حال زار اور بدتر ہو گیا۔ فرمایا بستر کھولیے، میں نے بستر کھولا تو فوراً لیٹ گئے اور بڑی تیزی سے لحاف اوڑھ لیا۔ اب میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ حضرت کہاں تشریف لے گئے تھے؟ کانپتی ہوئی آواز میں فرمایا: وہ خبیثات پاخانے کے دروازے پر کھڑی تھیں، مجھے استنجا کی شدید حاجت تھی، کپڑے ناپاک ہو گئے، سوچا کہ کسی مسجد میں جا کر غسل کر کے کپڑے بدل لوں۔ رکشہ کر کے ایک مسجد میں گیا وہاں نہانے کا بندوبست نہ تھا۔ تو پھر دوسری مسجد میں گیا، وہاں گرم پانی بھی تھا اور نہانے کا بندوبست بھی۔ غسل کر کے کپڑے بدلے، نماز پڑھی اور واپس آیا۔ رکشے پر ہوا لگنے سے جاڑا معلوم ہونے لگا۔ دہلی میں سردی بہت پڑتی ہے۔ یہ سنتے ہی قدموں پر گر گیا کہ انھیں اللہ والوں کے وجود باجود کے صدقے میں زمین و آسمان قائم ہیں۔ اب میں باہر نکلا کہ حضرت کو گرم گرم چائے پلاؤں۔ دشواری یہ تھی کہ حضرت کسی غیر مسلم کی چائے تک نہ پیتے تھے۔ میں خود اس کا خیال رکھتا تھا لیکن اس دن سوچا کہ اس وقت حضرت کو چائے کی اشد ضرورت ہے بغیر تحقیق کے قریبی اسٹال سے دونے پیسے دے کر خوب گرم اور عمدہ چائے بنوا کر لایا۔ چائے نوش فرمائی تو ارشاد فرمایا: کہیں سے آگ مل جاتی تو چلم بھر لی جاتی۔ میں ناشتہ دان کے ڈبے میں چند کوئلے لے کر اسی چائے والے کی دوکان پر گیا، اسی کے چولھے سے کوئلہ دہکایا اور چلم بھر کر تیار کر دی۔ اب حکم ہوا کہ پانی گندہ ہو گیا ہے، بدل دیں۔ میں نے یہ بھی کیا اس کے بعد حضرت حقہ پینے میں مشغول ہو گئے۔ اب میں نے عرض کیا حضور پہلے ہی بتا دیا ہوتا کہ غسل کرنا ہے۔ ویٹنگ روم میں نہانے کا انتظام ہے، گرم پانی بھی رہتا ہے، اگر حضور نے پہلے ہی بتایا ہوتا تو اتنی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی۔ کیا اس دور میں عزیمت پر اس حد تک عمل کرنے کی اور کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے؟

تعویذ نویسی: اخیر دور میں جن لوگوں نے حضرت مفتی اعظم کی زیارت کی انھوں نے تعویذ لکھتے ہی دیکھا ہے۔ ابتدا میں ہم لوگوں کو بھی اس پر تعجب ہوا اور حیرت بھی۔ اس شغل میں حضرت کو محنت بھی بہت کرنی پڑتی اور سارا وقت اسی میں صرف ہو جاتا۔ پھر خود بھی فرماتے، تعویذ والوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے، کسی کام کا نہیں رکھا۔ آنے والے، جانے والوں سے بات چیت بھی نہیں کر سکتا۔ مہمانوں کے پاس بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ کبھی تعویذ والے دیر میں بارہ بجے ایک بجے دن میں آتے تو فرماتے یہ کوئی وقت تعویذ لینے کا ہے۔ حاجت مند عرض کرتے کہ فلاں کام میں پھنسا تھا۔ عورتیں عرض کرتیں: چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، کھانا پکا کر انھیں کھلا کر آئی ہوں۔ اس پر ارشاد فرماتے: اور جس کے پاس آئی ہو وہ بھوت ہے یا فرشتہ کہ نہ کماتا ہے، نہ پیتا ہے، نہ اسے آرام کی ضرورت ہے۔ کبھی بھیڑ زیادہ ہو جاتی سب کچھ شور مچاتے تو جلال میں فرماتے کہ پیر بھوڑا کا میلہ بنا رکھا ہے جب۔ دیکھو چلے آ رہے ہیں۔ چلے آ رہے ہیں۔ گرمیوں میں آٹھ بجے بیٹھک میں تشریف لاتے اور کبھی کبھی دو بج جاتے مگر جب تک تمام حاضرین کو اپنی عادت کے مطابق پورا تعویذ عنایت نہ فرما لیتے دوپہر کا کھانا تناول نہ فرماتے۔ خادمہ آ کر بار بار عرض کرتی، کھانا کھا لیں مگر جب تک تمام حاجت مندوں کو تعویذ نہ دے لیتے، کھانا تناول نہ فرماتے۔

پھر حال یہ تھا کہ تین تعویذ سے کم کسی کو عنایت نہیں فرماتے۔ ایک عمر بھر پہنے رہنے کا ایک بھوت پلید آسیب وغیرہ اتارنے کا ایک خاص اس مرض کا۔ مقدمے والا آتا تو ایک ٹوپی کا، ایک گلے کا، ایک حاکم کے سامنے جائے تو چٹکی میں دبانے کا۔

کس میں ہمت تھی کہ اس میں دخل دیتا۔ لیکن ہوتا یہ کہ حضرت ہیں تو تعویذ والوں کا مجمع ہے ورنہ میدان صاف۔ رات میں حضرت کہیں باہر تشریف لے گئے تو صبح کو سناٹا۔ اور پھر رات میں واپس آ گئے تو پھر وہ مجمع۔ اس کو ہم حضار نے بار بار دیکھا۔ حیرت میں رہتے کہ کس نے حاجت مندوں سے کہہ دیا کہ حضرت باہر ہیں۔ اور رات میں آئے تو کس نے بتا دیا کہ آ گئے؟ اب ہم لوگوں کو یقین ہو گیا کہ یہ من

جانب اللہ ہے۔اس نکتے پر آ کر ہم لوگ بالکل خاموش ہو گئے۔خود ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ کچھ اللہ والے اپنی کرامتوں کو دوا اور تعویذ میں چھپاتے ہیں۔اس سلسلے میں سرکار سید حمزہ مارہروی قدس سرہٗ کا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مریض دعا کے لیے حاضر ہوا۔حضرت نے اسے ایک دوا کا نسخہ عنایت فرمایا۔مدت کا مریض ایک خوراک میں ٹھیک ہو گیا۔حضرت نے اپنی کرامت دوا میں چھپالی۔یہی حال حضرت مفتی اعظم کا تھا کہ وہ اپنی کراماتوں کو تعویذ کے پردے میں چھپائے ہوئے تھے جس کی دلیل یہی ہے کہ یہی تعویذات بہت سے لوگ لکھتے ہیں مگر فائدہ نہیں ہوتا۔

ایک دفعہ ہم سب نے ہمت کر کے عرض کیا کہ حضور والا پریس کے پیلے کاغذ پر اپنے دست مبارک سے تعویذ لکھ دیں اسے چھپوالیا جائے تو کچھ زحمت کم ہو جائے گی۔فرمایا کون میرے لیے روشنائی لائے گا، کاغذ لائے گا پھر مجھے فرصت کہاں کہ سب تعویذیں اس کاغذ پر لکھوں؟

کچھ دنوں کے بعد پیلی بھیت جناب حافظ عمران اپنی گیارہویں شریف کی مجلس کی دعوت کے لیے حاضر ہوئے۔میں نے ان سے عرض کیا کہ میرا یہ پروگرام ہے کہ پیلے کاغذ پر تعویذات حضرت سے لکھوا کر چھپوائے جائیں۔یہاں بریلی شریف میں موقع ملنا مشکل ہے۔آپ پیلی بھیت میں ایسا انتظام کریں کہ بھیڑ جمع نہ ہو۔حضرت کو تنہائی نصیب ہو جائے انھوں نے بڑی خوشی سے اس کو منظور کیا۔

پیلی بھیت جانے سے پہلے جناب اشہر کاتب صاحب سے کاغذ بنوایا اور روشنائی اور قلم لیا اور ساتھ میں سب کچھ لے کر پیلی بھیت گئے۔دوسرے دن ایک صاحب کے مکان میں حضرت کو ٹھہرایا گیا۔میں نے کاغذ روشنائی اور قلم پیش کیا اور عرض کیا کہ حضور آج یہاں تنہائی رہے گی۔کوئی نہیں آئے گا۔سب تعویذ اس پر تحریر فرمادیں تاکہ چھپوالیے جائیں۔فرمایا رکھ دیجیے۔صبح سے عصر کے وقت تک قیام رہا مگر کوئی تعویذ اس پر نہیں لکھا۔صاحب خانہ سے گزارش کردی گئی تھی کہ آپ کسی تعویذ کا سوال نہ کریں۔انھوں نے اس کی ہامی بھرلی۔

مگر حضرت ان سے باتیں کرنے لگے اور ایسی دلچسپ اور طویل کہ دوپہر کے کھانے کا وقت آ گیا۔حضرت استنجا کے لیے تشریف لے گئے تو صاحب خانہ نے مجھ سے کہا: مجھے چند تعویذوں کی شدید ضرورت تھی مگر آپ کے منع کرنے پر میں نے کچھ نہیں کہا۔حضرت نے اس کاغذ پر بھی تعویذ نہیں لکھے۔اب آپ کیا کہتے ہیں؟ میں نے ان سے کہہ دیا کہ اب آپ جو ضرورت ہو عرض کریں۔میں اپنے مقصد میں ناکام رہا۔

پھر تعویذوں کی طلب صرف جاننے والے پہچاننے والے ہی نہ کرتے۔بسا اوقات اجنبی انسان بلا کسی تحریک کے تعویذ مانگ بیٹھتا۔ایک دفعہ پورنیہ سے واپسی پر حاجی پور اسٹیشن پر ایک ہندو اسی ڈبے میں سوار ہوا اس نے حضرت کو دیکھا تو دیکھتا رہ گیا۔بہت دیر تک دیکھتا رہا، پھر قدم چوما اور عرض کیا۔میرا بیٹا بیمار ہے، ایک تعویذ لکھ دیجیے۔فرمایا چلتی ٹرین میں کیسے لکھوں؟ چلو سون پور میں لکھ دوں گا۔پھر سون پور اسٹیشن پر گاڑی رکی تو اسے تعویذ لکھ کر دیا۔

تعویذات کے اثرات عجیب عجیب طرح سے مرتب ہوتے جو سمجھ سے باہر تھے۔ایک دن ایک بس کنڈیکٹر آیا۔حضرت باہر تشریف لے گئے تھے۔اس نے مجھ سے کہا میں معطل ہو گیا ہوں۔دوبارہ بحالی کے لیے حضرت سے تعویذ لے گیا تھا اور آج فیصلے کی تاریخ ہے اور رات میں ایک خواب دیکھا ہے۔اس کی تعبیر حضرت سے پوچھنے آیا تھا۔اب حضرت نہیں تو آپ ہی تعبیر بتادیجیے۔بغیر کسی وقفے کے اس نے کہنا شروع کیا۔کہ میں نے خواب دیکھا کہ ایک اجلاس ہے جس کے حاکم حضرت مفتی اعظم ہیں۔پیش کار مقدمات کی مسلیں پیش کرتا جاتا ہے۔حضرت سب پر حکم لکھتے جاتے ہیں۔پیش کار نے جب میری مسل پیش کی تو حضرت نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور حکم لکھے بغیر مسل رکھدی۔اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہے۔حضرت

نہیں آپ ہی بتائیے۔ میرا اپنا یہ حال ہے کہ تعبیر بتانا تو دور کی بات ہے خواب سننے ہی سے وحشت ہوتی ہے۔ میں نے معذرت کردی کہ میں تعبیر نہیں جانتا۔ اس نے کہا: میرے ذہن میں ایک تعبیر یہ آئی ہے کہ آج اس کورٹ سے میری سزا ہوگی۔ مگر اپیل میں بے داغ باعزت بری ہو جاؤں گا۔

اس نے بعد مغرب آکر بتایا کہ ہوا یہی کہ حاکم نے سزا کردی ہے۔ میں ضمانت پر ہوں۔ مگر مجھے یقین ہے کہ اپیل میں باعزت بے داغ بری ہوں گا۔ یہ کنڈکٹر برابر آتا جاتا تھا۔ دو سال کے بعد اپیل کا فیصلہ ہوا اور وہ باعزت بے داغ بری بھی ہوا۔ ملازمت بھی بحال رہی اور تعطل کے ایام کے مشاہرہ کا بھی اس کا حق ملا۔

اسی طرح اندور میں گونڈل کے حضرات کی ایک دوکان تھی جو تقسیم ہند سے پہلے خوب چلتی تھی۔ تقسیم ہند کے بعد جب تعصب کا دور دورہ ہوا تو دوکان بالکل بند ہوگئی حتی کہ مال خراب ہونے لگا۔ سامان پر پھپھوند جم گئی۔ گھبرا کر مالکِ دوکان نے بیچنے کا تہیہ کرلیا اور گاہکوں سے بات چیت بھی شروع کردی تھی۔ اسی اثنا میں حضرت مفتی اعظم اندور تشریف لے گئے۔ وہ ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔ حضرت نے خیریت دریافت کی تو انھوں نے سارا ماجرا عرض کردیا۔ ان کی سرگزشت سن کر کچھ خاموش رہے پھر فرمایا: دوکان آپ ہرگز نہ بیچیں میں کل آپ کی دوکان میں چلوں گا۔ حسب ارشاد ان کی دوکان پر تشریف لے گئے۔ وہاں نماز پڑھی، کچھ وظیفہ پڑھا، پانی پر دم کرکے پوری دوکان میں چھڑکوایا اور ایک بہت خوبصورت کئی تعویذوں کا مجموعہ تعویذ دوکان میں لگانے کے لیے دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد ان کی دوکان پہلے کی طرح چلنے لگی۔ یہ سب تفصیلات مالکِ دوکان نے خود مجھ سے بلاواسطہ بیان کی ہیں۔ تعویذوں کے فوائد کے واقعات جمع کیے جائیں تو صرف ان سے دفتر تیار ہو جائے گا۔

میں نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا ہے۔ ان سب پر غور کرتا رہا۔ بالآخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضور مفتی اعظم من جانب اللہ اس کے مامور ہیں۔ اس میں متعدد فوائد ہیں۔ اولاً اب عوام میں خود غرضی بڑھ گئی ہے۔ علم وفضل زہد وورع کی طرف رغبت معدوم ہے۔ ہاں جس سے کام نکلتا ہے اس کے لوگ گرویدہ ہو جاتے ہیں اور عوام کے دین وایمان کی صیانت اسی میں ہے کہ وہ کسی دینی پیشوا سے متعلق رہیں۔ اس لیے تعویذوں کا سلسلہ ضروری تھا۔ ثانیاً خدمت خلق بہت اہم عبادت ہے۔ حدیث میں فرمایا خیر الناس من ینفع الناس۔ (کنز العمال حدیث۔ ۴۴۰۶۵، بیت الافکار الدولیہ، الریاض) سب سے اچھا وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔ ایک اور حدیث یاد پڑتی ہے کہ فرمایا: اللہ عزوجل کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو لوگوں کی حوائج کا اسے مرجع بنا دیتا ہے۔ جن جن کی مرادیں پوری ہوں گی وہ سب زندگی بھر دعاے خیر کرتے رہیں گے اور مسلمانوں کی دعاے خیر بہت عظیم نعمت ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انتم شهداء الله فی الارض تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ مشہور ہے زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔ ثالثاً حضرت مفتی اعظم کے تمام تعویذات اسماے الٰہیہ قرآنیہ کلمات دعائیہ پر مشتمل ہوتے، اس طرح تعویذ لکھنے میں ذکرِ الٰہی بھی ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ القلم احدی اللسانین تعویذ نویسی حقیقت میں ذکرِ الٰہی ہوا کرتا تھا۔

ایک مغالطے کا ازالہ: حضرت مفتی اعظم تہجد، اشراق، چاشت، اوابین وغیرہ نفل نمازوں کے عادی نہ تھے۔ نہ گھر اوڑھ فرماتے نہ مریدوں کے گھر۔ کبھی تسبیح نہیں رکھتے اور تسبیح پر وظائف نہ پڑھتے۔ صرف فرائض واجبات، سنن پر اکتفا فرماتے اور ہر نماز کے بعد مختصر وظیفہ انگلیوں پر پڑھتے جب کہ آج کل بزرگی کا معیار نوافل کی زیادہ سے زیادہ ادائیگی اور ہر وقت ہاتھ میں تسبیح لے کر ہلاتے رہنا ہے بل کہ گلے میں بھی دو ایک پہنے رہنا ہے۔

اسی سلسلے کا ایک واقعہ یہ ہے کہ مغربی دیناج پور اسلام پور کے علاقے میں ایک شخص نے حضرت کو مدعو کیا اور بہت اہتمام کیا۔ جب حضرت آرام کے لیے لیٹے تو وہ شخص رات بھر جاگتا رہا۔ حضرت نے وہاں بھی تہجد نہیں پڑھا۔ اذانِ فجر کے بعد جب میں نے حسب دستور حاضر ہو کر جگایا تو اٹھے اور اپنی عادت کے مطابق اسفار کے بعد باجماعت نماز فجر پڑھی۔ ناشتے کے بعد ہم لوگ وہاں سے رخصت ہو گئے۔ سننے میں آیا کہ اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ بہت مشہور تھا کہ بہت بڑے بزرگ ہیں۔ میں نے تو ان میں بزرگی کی کوئی بات نہ دیکھی انھوں نے تہجد تک نہیں پڑھا۔ وہ عتاب کا شکار ہوا۔ اس کے گھر میں آگ لگ گئی، سارا گھر اور سامان، مال و متاع جل گیا۔ ہزاروں کے نوٹ گھر میں تھے جل کر راکھ ہو گئے۔ صرف بدن کے کپڑے بچے۔ اس تباہی سے وہ نیم پاگل ہو گیا۔ اطراف کے علما نے اسے تنبیہ کی کہ تو نے ایک عارف کامل کی شان میں گستاخی کی ہے، اسی کی سزا ہے۔ اب اسے ہوش آیا مگر کیا کرتا؟ دل ہی دل میں توبہ کی، عاجزی و زاری کی۔ اتفاق کہ سال بھر کے بعد پھر حضرت مفتی اعظم اس اطراف میں تشریف لے گئے تو اس نے حاضر ہو کر معافی مانگی اور حضرت کو پھر اپنے گھر لے گیا۔ اور مرید ہوا۔ اب وہ ایک خوشحال فرد ہے، اس قسم کے اور بھی واقعات ہوئے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک اہم نکتہ قارئین ذہن نشین کر لیں۔ نوافل، تہجد، اشراق وغیرہ پڑھنے والے اور ہر وقت تسبیح ہاتھ میں لے کر وظیفہ کرنے والے کو اکثر خود بھی یہ خبط سوار ہو جاتا ہے کہ ہم اللہ کے ولی ہیں اور دیکھنے والے بھی بہت جلد یقین کر لیتے ہیں کہ یہ تہجد گزار اشراق کا پابند، ہر وقت اللہ اللہ کرنے والا، پہنچا ہوا ولی ہے۔

لیکن جو لوگ حضرت مفتی اعظم کی طرح فرائض واجبات، سنن، مستحبات کے ہر معاملے میں پابند اور نواہی سے بالکلیہ محترز رہتے ہیں اور غیر محسوس طریقے پر یاد الٰہی میں مصروف رہتے ہیں، وہ خود بھی عجب کے شکار ہو کر اس فریب میں گرفتار نہیں ہوتے کہ ہم اللہ کے ولی ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکا نہیں ہوتا۔

اور وصول الی اللہ میں سب سے بڑا حجاب عجب، ریا، تکبر نفس ہے۔ عوام کا فریب سم قاتل ہے۔ اسی لیے ہمارے مشائخ قادریہ نے اس دوسرے طریقے کو اپنایا کیوں کہ اسی میں سلامتی اور منزل تک رسائی یقینی ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تہجد و اشراق ذکر و اذکار کو اہمیت نہیں دیتا یا ان کے فضائل کا منکر ہوں۔ میں وصول الی اللہ کے دو طریقوں میں سے افضل احسن اسلم طریقے کی بات کر رہا ہوں۔

اس کو یوں حل کیجیے میں تمام یاران نکتہ داں سے سوال کرتا ہوں کہ حضرت مفتی اعظم نے جو طریقہ اپنایا کہ فرائض و واجبات سنن مستحبات پر ہر معاملے میں پابندی، محرمات بل کہ مکروہات سے بالکلیہ اجتناب اور اپنا پورا وقت مخلوق کی حاجت روائی اور ذکرِ الٰہی اور فتویٰ نویسی اور متعلقین کی اصلاح و تربیت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں زندگی بسر فرمائی۔ یہ افضل ہے یا فرائض و واجبات و سنن میں تساہل، محرمات و مکروہات کے ارتکاب میں لاابالی پن مگر تہجد اشراق ذکر اذکار میں مصروفیت اور خود کو ولی سمجھنا اور دوسرے کو ولی سمجھانا افضل ہے؟ اس کا فیصلہ قارئین پر ہے۔

روحانیت: اس سلسلے میں عوام و خواص میں بہت سے واقعات مشہور و معروف ہیں جن کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ میں صرف دو واقعے تحریر کر رہا ہوں جو اب تک سپرد قلم نہیں ہوئے ہیں۔

ایک سال بریلی شریف کے ایک حاجی صاحب حج سے واپس آئے تو لوگوں سے دریافت کیا کہ حضرت مفتی اعظم کب حج کے لیے گئے تھے اور واپس ہوئے یا نہیں؟ لوگوں نے انھیں بتایا کہ حضرت مفتی اعظم امسال حج کے لیے نہیں گئے تھے۔ انھوں نے عیدگاہ میں

عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھائی ہے، میں نے خود پڑھی۔ سب حاضرین نے متفق اللفظ ہو کر یہی بتایا۔ انھوں نے حیرت سے کہا: آپ لوگ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے ان کو طواف کرتے دیکھا ہے۔ مسجد حرام میں، منیٰ میں، عرفات میں ان سے ملاقات کی ہے۔ مدینہ منورہ، مسجد نبوی میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ مواجہہ اقدس میں سلام عرض کرتے ہوئے دیکھا ہے، یہ سن کر سارے حاضرین دم بخود رہ گئے۔ لیکن سب نے پھر یہی کہا کہ تمھیں دھوکا ہوا ہوگا۔ حضرت تو امسال دولت کدہ ہی پر رہے حج کے لیے نہیں گئے تھے مگر انھوں نے پھر تاکید کہا دھوکا کیسا؟ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ان سے وہاں ملاقات کی ہے۔ ان کی دست بوسی کی۔ بات چیت کی اور بلا کسی شبہ کے مسجد نبوی اور مواجہہ اقدس میں دیکھا ہے۔ اس کا عام چرچا ہوا۔ سب نے ان حاجی صاحب کو یہی بتایا کہ تم جو کہتے ہو سچ ہے مگر حضرت امسال حج کے لیے نہیں گئے تھے۔ حاجی صاحب نے خود یہ واقعہ مجھ سے بیان کیا اور بھی بہت سے لوگوں سے بیان کیا۔

یہ حاجی صاحب جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے انھیں بہت پیار سے دیکھا، جاں نواز انداز میں مسکرائے اور حسب عادت ان کے قدم اور آنکھوں کو بوسے دیے۔ حاجی صاحب دم بخود بیٹھے، ٹکٹکی باندھے، حضرت کو دیکھتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت ان سے مخاطب ہوئے اور حرمین طیبین کے حالات پوچھتے رہے اور ایک بار بڑے محبت آمیز لہجے میں فرمایا: حاجی صاحب ہر بات بیان کرنے کی نہیں ہوتی اس کا خیال رکھیے گا۔ اسی سے متاثر ہو کر یہ حاجی صاحب مرید ہو گئے۔

پہلے عرس رضوی کی ساری تقریبات درگاہ رضوی کی چھت پر ادا ہوتی تھیں جس سے اترنے کے لیے صرف ایک زینہ تھا۔ قل کے وقت بے پناہ اژدحام ہوتا تھا۔ قل ختم ہونے کے کم از کم ایک گھنٹے بعد حضرت مفتی اعظم اوپر سے اتر پاتے تھے مگر ایک سال کے قل کے چند منٹ بعد ہم بہت سے لوگوں نے دیکھا کہ حضرت نیچے تشریف لے آئے اور کاشانہ مبارک میں تشریف لے گئے۔ میں مسجد رضوی کے دروازے پر کھڑا تھا کہ ایک صاحب نے پوچھا کہ حضرت اوپر سے تشریف لے آئے، میں نے انھیں بتایا کہ جی ہاں دولت خانے میں تشریف لے گئے ہیں۔ وہ حضرت کی بیٹھک میں تشریف لے گئے۔ مگر بیٹھک میں حضرت تشریف فرما نہ تھے۔ انھوں نے کچھ دیر انتظار کیا مگر حضرت اندر سے تشریف نہیں لائے، پھر میرے پاس آئے کہ حضرت کہاں ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ اندر کسی ضرورت سے تشریف رکھتے ہوں گے۔ ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ یہ دیکھا گیا کہ حضرت درگاہ شریف کی چھت سے نیچے تشریف لائے۔ انھوں نے مجھے گھور کر دیکھا۔ انھوں نے مجھے جھوٹا سمجھا ہوگا تو حضرت کے ساتھ بیٹھک میں چلے گئے۔ اور میں سوچتا رہ گیا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ بہت دیر تک میں سکتے میں کھڑا رہا۔ پھر وہ لوگ جنھوں نے پہلی بار اترتے دیکھا تھا میرے پاس آئے اور کہنے لگے: ہم لوگوں کا دماغ پھٹ جائے گا یہ معاملہ کیا ہے؟ میں نے ان کو سمجھانے کے لیے کہا کہ یہ سرکار غوث اعظم کا کرم ہے کہ اپنی کرامت اپنے نائب کو عطا فرمائی۔

جونا گڑھ کاٹھیاواڑ کے حاجی محمد ابراہیم مارفانی مرحوم نے بتایا کہ مجھے کسی سے مرید ہونے کا شوق زمانے سے تھا۔ پیر کی تلاش میں رہتا۔ جس پیر کی کاٹھیاواڑ میں آمد کی خبر سنتا ان کی خدمت میں حاضر ہوتا مگر کسی سے دل نہ بھرتا۔ ایک دفعہ سوتے وقت یہ شوق والہانہ انداز میں بیدار ہوا۔ اور مجھ پر رقت طاری ہوگئی۔ روتے روتے میں نے عرض کیا کہ الٰہی مجھے کوئی پیر کامل عطا فرما۔ اسی حالت میں سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ صورت انسان دوسرے بزرگ کو دکھا کر فرماتے ہیں کہ تیرے پیر یہ ہیں۔ اچھی طرح دیکھ لے۔ حاجی ابراہیم نے بتایا کہ اس تنبیہ پر میں نے بہت غور سے ان بزرگ کو دیکھا اور ان کے حلیۂ جمال کا ہر نقش دل پر کالجر کرلیا۔ پھر آنکھ کھل گئی۔ وہ کہتے ہیں کہ اب میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ کہاں کے باشندے ہیں؟ کیا نام ہے؟ کچھ پتہ نہیں۔ ڈھونڈوں تو کیسے ڈھونڈوں؟ کہاں ڈھونڈوں؟ اب میرا شوق دیوانگی کی حد تک پہونچ گیا اور پورے کاٹھیاواڑ سے مضبوط رابطہ قائم کرلیا کہ جو بھی پیر آئے مجھے خبر کرنا۔

پیرآتے رہے جاتے رہے مگر میرا پیر کوئی نہ نظر آیا۔اجمیر مقدس حاضر ہوا وہاں بھی پوچھ پوچھ کر ہر حاضر ہونے والے پیر کو دیکھا مگر میرا قبلۂ مقصود کوئی نہ تھا۔

بالآخر یہ خبر ملی کہ حضرت مفتی اعظم دھوراجی فلاں تاریخ کو آرہے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ شائبہ بھی نہ تھا کہ یہی وہ بزرگ ہوں گے۔مفتی اور پیر یہ اس وقت میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔لیکن چوں کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا معتقد تھا اس لیے اس ناطے کہ چلو ان کے وارث ان کے فرزند کی زیارت کرلوں۔میں دھوراجی گیا۔جب حضرت کے روئے زیبا پر نظر پڑی تو سکتہ طاری ہوگیا۔خواب میں جسے میرا پیر بتایا گیا تھا وہ مفتی اعظم کی شکل میں میرے سامنے جلوہ گر تھا۔کچھ حیرت واستعجاب،فرحت وانبساط کی ملی جلی کیفیت میں دم بخود کھڑا مرآۃ جمال غوث اعظم کو تکتا رہا۔جب قویٰ قابو میں آئے تو قریب پہنچ کر قدموں میں گر پڑا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔اپنے دست مبارک سے میرے سر کو پکڑ کر قدموں سے ہٹاتے رہے،فرماتے رہے،یہ کیا کر رہے ہو؟ یہ کیا کر رہے ہو؟

جب آنسو کے ساتھ طوفانِ شوق تھما تو پہلی درخواست یہی پیش کی کہ مجھے مرید فرمالیں جو بلا تاخیر قبول ہوئی۔اس سفر میں علاقہ کاٹھیاواڑ میں حضرت مفتی اعظم کے پہلے مرید حاجی ابراہیم مارفانی مرحوم تھے۔

قابل تنقید روایات: غلو وافراط میں بہہ کر حضرت مفتی اعظم کے حالات میں بعض غلط بل کہ قابل اعتراض روایات بھی لوگوں نے لکھ دی ہیں جو کسی وقت مخالفین کی نظر میں آسکتی ہیں اور ہمیں رسوائی ہوسکتی ہے۔اس لیے ان کی نشاندہی کرنی ضروری ہے۔

اول: تاریخ ولادت بعض سوانح نگاروں نے ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۰ھ لکھا ہے یہ صحیح نہیں ہے خود حضرت مفتی اعظم نے اپنی تاریخ ولادت ۲۲ رذوالحجہ ۱۳۱۰ھ بتائی ہے۔خود حضرت مفتی اعظم سے یہ سننے والے آج بھی اتنے موجود ہیں کہ ان سب کو غلط بیان نہیں کہا جاسکتا۔ایک شہرت یہ ہے کہ مفتی اعظم کا تاریخی نام محمد ہے اس طرح کہ سالِ ولادت ۱۸۹۲ء ہے اور بہ حذف صدی ۹۲ کا عدد آتا ہے۔مگر قواعد اس کی تائید نہیں کرتے۔سنہ ہجری وعیسوی میں تطابق کے جتنے قاعدے ہیں کسی قاعدے سے تطابق نہیں ہوتا۔ہر قاعدے سے سال عیسوی ۱۸۹۳ء آتا ہے۔نہ معلوم کیسے اسے شہرت ہوگئی۔بہر حال ۱۸۹۲ء درست نہیں اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ:

الملفوظ میں اعلیٰ حضرت کا یہ ارشاد تو مذکور ہے کہ میرے بڑے بیٹے حامد رضا کا تاریخی نام محمد ہے ان کا سال ولادت ۱۲۹۲ھ ہے۔مقام اس کا متقضی تھا کہ اگر واقعۃً حضرت مفتی اعظم کا نام نامی محمد بھی تاریخی ہوتا تو اس کا تذکرہ بھی ضرور فرماتے خصوصاً جب کہ وہی جامع ملفوظات ہیں۔

ثانی: اس طرح کسی نے یہ اڑا دیا کہ حضرت کی ولادت کے موقع پر حضرت مولانا رحم الٰہی صاحب منگلوری مرحوم نے یہ شعر تاریخ ولادت پر مشتمل اعلیٰ حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔

"طبیب دینِ احمد مجدد ابن مجدد اعظم"

اس روایت کو ہمارے ذمہ دار وغیر ذمہ دار سبھی افراد نے بلا تحقیق بیان کرنا شروع کردیا،کسی نے یہ بھی تکلیف نہیں کی کہ اس کے اعداد ہی جوڑ لیتے۔قارئین کو حیرت ہوگی کہ اس کے اعداد ۱۳۰۶ ہیں۔یہ روایت کسی مخالف نے گڑھی ہے۔اس میں ایک طرف حضرت مفتی اعظم کے استاد جناب مولانا رحم الٰہی صاحب پر زد پڑتی ہے تو دوسری طرف خود اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی شخصیت مجروح ہوتی ہے۔اسے کسی نے نہیں سوچا۔بس اندھا دھند نقل کرنا شروع کردیا۔۱۳۱۰ھ تک کسی نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو مجدد نہیں کہا تھا۔(چہ جائے کہ مجدد اعظم)

ثالث: اس طرح عام طور پر یہ مشہور کردیا کہ حضرت مفتی اعظم نے پہلا حج اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے ساتھ ۱۳۲۴ھ میں کیا ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے ہم راہ اس حج میں خلف اکبر حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ حضرت مفتی اعظم نے پہلا حج ۱۹۴۵ء میں دوسرا ۱۹۴۸ء میں اور تیسرا ۱۹۷۱ء میں فوٹو کی قید کے بعد بلا فوٹو کیا ہے۔

رابع: صحیح یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے مرکزی دار القضا کا قاضی صرف حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ کو بنایا۔ حضرت مفتی اعظم اور برہان ملت کو ان کا معین اور مفتی بنایا تھا جیسا استقامت کے مفتی اعظم نمبر میں خود حضرت برہان ملت کا تفصیلی بیان مذکور ہے مگر کچھ لوگوں نے حضرت مفتی اعظم کو قاضی لکھ دیا اور تقریروں میں بیان کرنا شروع کردیا۔

خامس: حضرت مفتی اعظم کی بعض تصانیف کے دو دو نام ہیں۔ مثلاً الموت الاحمر کا دوسرا نام "ہشتاد بید و بند بر مکاری دیو بند" بھی ہے۔ کثرتِ تصانیف دکھانے کے شوق میں اسے دو کتابیں شمار کردیا۔ اب ہم کس کا منہ پکڑیں جو یہ کہہ دے کہ حضرت مفتی اعظم کے سوانح نگار اتنے جاہل ہیں کہ انھیں یہ بھی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں یا دو کتابیں۔

سادس: کسی نے فتاویٰ رضویہ جلد دوم کی ترتیب بھی حضرت مفتی اعظم کی طرف منسوب کردی جب کہ یہ کام حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ کا ہے۔ حضرت صدر الشریعہ نے خود مجھ سے بیان فرمایا:

> "جب میں اجمیر شریف جانے لگا تو کچھ کاغذ مطبع اہل سنت میں موجود تھا میں نے جلدی جلدی فتاویٰ رضویہ جلد دوم کو مرتب کیا اور چھپوادیا۔ عجلت میں نہ فہرست بنا سکا اور نہ فوائد لکھ سکا۔ ٹائٹل رہ گیا جسے حضرت جیلانی میاں نے چھپوا کر اس کے ساتھ لگادیا۔"

ان لوگوں پر حیرت ہے فتاویٰ رضویہ جلد دوم کی ترتیب سے کہیں اہم واعظم فتاویٰ رضویہ کتاب النکاح کی ترتیب اور اس کی فہرست اور اس کے فوائد ہیں۔ پھر کتابت وطباعت اتنی شاندار، دیدہ زیب، خوشنما اور عمدہ کہ آج کی فوٹو آفسیٹ کی طباعت بھی ہیچ ہے۔ کاغذ اعلیٰ چکنا ولایتی۔ میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی کوئی تصنیف اتنی عمدہ اس وقت تک نہیں چھپی تھی۔ تصحیح ایسی کہ اب تک میں کوئی غلطی نہیں ملی۔ اسے کوئی ذکر بھی نہیں کرتا یہ کتنی قابلِ افسوس بات ہے۔

فتنہ ارتداد: ۱۹۲۰ء بل کہ ایک دو سال پہلے سے ہندوستان سخت سیاسی کشمکش میں مبتلا تھا۔ کانگریس ہندو اور مسلمانوں کی قوت سے انگریزوں پر ضربیں لگا رہی تھی۔ خلافت کمیٹی کے کانگریس میں انضمام کے بعد کانگریس ناقابل تسخیر قوت بن چکی تھی۔ مسلمان انجام سے بے خبر کانگریس کے دیوانہ وار شریک تھے اور مسلم لیڈران تو لیڈران علما نے آنکھ بند کرکے کانگریسی رہنماؤں کی تقلید جامد کر لی حتیٰ کہ ایک عالم نے کانگریسی رہنما کے بارے میں یہ تک فرمادیا:

> عمرے کہ بآیات واحادیث گذشت   رفتی و نثار بت پرستی کردی

کسی مسلمان کو اپنے انجام کی خبر نہ تھی۔ کسی نے یہ سوچنے سمجھنے کی زحمت تک نہ کی کہ کانگریس کا مقصد کیا ہے؟ حتیٰ کہ دیو بند کے مدرس مولوی محمود حسن نے بھی کانگریس کے استھان پر اپنے تقدس کی بھینٹ چڑھا دی۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے رہا نہ گیا اور سچے نائب رسول اور وقت کے مجدد ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کو کانگریس سے بچانے کی انتھک کوششیں کیں جن کی دلیل اس وقت کے رسائل اور اشتہارات اور اجلاس شاہد ہیں۔ واشگاف الفاظ میں مسلمانوں کو بتایا کہ کانگریس کا مقصد تمھیں ہندوؤں کا غلام بنانا ہے۔ اس وقت کے رسائل اور اشتہارات پڑھیے، آپ کو واضح غیر مبہم الفاظ میں ان سب

خطروں کی نشاندہی ملے گی جو آج مسلمانوں کے مقدر بن چکے ہیں، جو مسلسل چالیس سال سے پولس ایکشن کے ذریعے مسلمانوں کے قتل عام، اموال کی لوٹ کھسوٹ اور شہری حقوق سے مسلسل محرومی کی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

میرٹھ، ملیانہ، بھاگل پور، کرنیل گنج، نجیب آباد، بنارس وغیرہ میں جو پولس ایکشن ہوا ان سب کی آگاہی پہلے ہی دے چکے تھے۔ مسلم لیگ نے تو مطالبۂ پاکستان بہت بعد میں کیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے برسوں پہلے اس کا اشارہ کردیا اور اس کے مضر اثرات بیان فرمادیے، اس سلسلے میں حضرت مفتی اعظم والد ماجد کے دوش بدوش رہے۔ اس سلسلے کی مفتی اعظم کی تصنیفات طرق الہدیٰ والارشاد وغیرہ کا مطالعہ کریں تو آپ لوگوں کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

نام نہاد مسلمان اتنے اندھے بہرے ہو چکے تھے کہ ایک انتہائی بد باطن کانگریسی لیڈر کو جامع مسجد کے منبر پر بٹھایا اور اس سے بھاشن دلوایا۔ انگریز کانگریس کے اس زور وشور سے گھبرا اٹھا تھا۔ ایک بہانے سے اسی لیڈر کو گرفتار کیا اور جیل میں لے جا کر شیشے میں اتارا اور پھر رہا کردیا۔ اس نے جیل سے نکل کر مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک شدھی سنگھٹن کی تحریک چلائی۔ ہندو پونجی پتیوں نے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیے۔ وہ بڑے ساز وسامان کے ساتھ مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لیے نکلا۔ عمدہ سے عمدہ باجے، اچھے سے اچھے گانے والی خوبصورت پری پیکر لڑکیوں کے جھنڈ کے ساتھ گھومنے پھرنے لگا۔

اس وقت کی مسلمانوں کی ساری تنظیمیں خاموش تھیں۔ تمام خانقاہوں پر جمود طاری تھا۔ سارے مسلمانوں کے مقتدا بننے والے چپ سادھے تھے۔ مگر مجدد اعظم کے وارث علم وفضل حضرت مفتی اعظم سے رہا نہ گیا۔ تن بہ تقدیر یکا وتنہا چند اپنے رفقا کو لے کر اس طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے نکل پڑے۔ چوں کہ اس فتنے کا زور نواحِ آگرہ میں بہت تھا اس لیے آگرہ کو مرکز بنا کر دیہاتوں کا پیادہ دورہ شروع کردیا۔ جب اطلاع ملتی کہ وہ لیڈر فلاں جگہ گیا ہے، وہیں پہنچ جاتے۔ جگہ جگہ اس کا پیچھا کرتے اور ساتھ ہی ساتھ بطور حفظ ماتقدم ان دیہاتوں میں بھی تشریف لے جاتے جہاں ابھی اس کا گزر نہیں ہوا تھا۔ ایک دو دن نہیں برسہابرس اس میں مصروف رہے۔ گرمی ہو یا جاڑا ہو برسات ہو کسی کی پرواہ نہیں کی۔ ناز ونعمت میں پلا ہوا ایک رئیس شہزادہ جو کبھی چند قدم پیدل نہ چلا ہو، میلوں پیدل چل رہا ہے۔ جاڑوں کی برفیلی ہوائیں، گرمیوں کے لُو کے جھکڑ سب کچھ سہتا ہے۔ بے پڑھے لکھے، سیدھے سادے مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کے لیے جہد مسلسل میں مصروف ہے۔ پھولوں کی سیج پر سونے والا شہزادہ زمین کے فرش پر سو رہا ہے۔ نہ کھانے کی پرواہ، نہ آرام کا خیال، دھن ہے تو یہ ہے کہ جس طرح ہو مسلمانوں کے ایمان کو بچایا جائے۔ کیا راہ خدا میں اس قسم کے جہاد مسلسل کی اس دور میں اور کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی اعظم کا اس ہولناک فتنہ ارتداد کے مقابلے کا کارنامہ تاریخ اسلام کا وہ زریں باب ہے جو ہمیشہ درخشاں رہے گا۔ افسوس یہ ہے کہ اس کی تفاصیل آج مل نہیں سکتیں ورنہ دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی۔

صرف ایک واقعہ سن لیں، اطلاع ملی کہ آگرہ سے بیس میل کے فاصلہ پر فلاں گاؤں میں اس فتنہ پرور کا پاؤں جم گیا ہے اور وہاں کے مسلمان کچھ لالچ اور کچھ خوف کی وجہ سے مرتد ہونے کے لیے آمادہ ہو رہے ہیں۔ اطلاع ملتے ہی حضرت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں رحمۃ اللہ علیہ اور ایک اور رفیق کو لے کر آگرہ سے چلے۔ جہاں تک ریل تھی، ریل سے گئے اسٹیشن سے پانچ میل دور وہ گاؤں تھا اور کوئی سواری نہیں تھی۔ یہ لوگ تیزی سے پیدل وہاں پہنچے۔ جا کر دیکھا کہ ایک مجمع اکٹھا ہے، آگ جل رہی ہے، گانا دھوم سے ہو رہا ہے، متعدد حلوائی کڑھائیوں میں پوریاں چھان رہے ہیں اور کئی نائی استرہ قینچی لیے بیٹھے ہیں۔ ایک تخت پر وہ فتنہ پرداز بیٹھا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مجمع ان سب مسلمانوں کا ہے جو مرتد ہونے پر راضی ہیں اور انھیں ہندو بنانے کے لیے یہ جشن ہو رہا ہے۔

یہ لوگ کسی خطرے کی پرواہ کیے بغیر مجمع کو چیرتے پھاڑتے اس فتنہ پرور کے پاس پہنچے۔اس سے کہا کہ آؤ مناظرہ کرلو۔اس نے صاف انکار کردیا اور کہا کہ یہ لوگ ہندو ہونے پر راضی ہیں،اب مناظرے کی ضرورت نہیں۔اس پر حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے مجمع کے سامنے اسلام کی حقانیت اور بت پرستی کی تردید میں تقریر کی مگر مجمع پر کوئی اثر نہ ہوا۔

حضرت مفتی اعظم کی غیرت ملی جوش پر آگئی۔شیر بیشۂ اہل سنت سے فرمایا: کہ مجمع والوں سے کہیے کہ یہ پنڈت مناظرے پر آمادہ نہیں۔تم لوگ ہماری بات نہیں مانتے تو تم سب لوگ اس پنڈت سے کہو کہ میرے ساتھ اپنی اس جلائی ہوئی آگ میں کودے۔جو آگ سے زندہ بچ کر نکل آئے تم لوگ اس کا دین قبول کرلو۔حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے پوری گھن گرج کے ساتھ حضرت مفتی اعظم کے اس ارشاد کو ان دیہاتیوں تک پہنچا دیا۔اس کے بعد ایک جوش وسرمستی کے ساتھ حضرت مفتی اعظم ہند بڑھ کر اس لیڈر کے تخت پر چڑھ گئے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: چل ہم دونوں اس آگ میں کودیں۔ہیبت حق سے وہ تھر تھر کانپنے لگا اور مبہوت دم بخود رہ گیا۔

حضرت مفتی اعظم نے جوش میں آکر اسے گھسیٹنا شروع کیا مگر وہ بہت موٹا تھا۔ٹس سے مس نہ ہوا۔کچھ دیر تک یہی ہوتا رہا۔گانے والے گانا بھول گئے۔حلوائیوں نے پوریاں چھاننی چھوڑ دیں۔سارا مجمع ساکت وجامد دیکھتا رہا۔تھوڑی دیر کے بعد اس مجمع میں جو کھیا وغیرہ قسم کے تھے،تخت کے قریب آئے اور کہا: مولوی جی اسے چھوڑ دو۔اب ہماری سمجھ میں آگیا کہ تمہارا مذہب حق ہے اور اس کا دھرم باطل۔ورنہ یہ آگ میں جانے سے نہ ڈرتا۔اس کے بعد حضرت مفتی اعظم کے ہاتھوں پر سب نے توبہ کی،کلمہ پڑھا اور سچے پکے مسلمان ہوگئے۔حضرت شیر بیشۂ سنت نے وہیں اپنے انداز میں خطبہ پڑھا،نعت پڑھی اور تقریر فرمائی۔اب مجھے کہنے دیجیے۔

اولئك آبائی فجئنی بمثلهم	اذا جمعتنا یا جریر المجامع
بس رہے تھے یہیں سلجوقی بھی تورانی بھی	اہل چین چین میں ایران میں ایرانی بھی
پر ترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے	بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے

قبول فی الخلق

قبول فی الخلق اللہ عزوجل کا ایک عظیم عطیہ ہے جو وہ اپنے محبوبان بارگاہ کو عطا فرماتا ہے۔ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (سورۂ مریم،آیت ۹۶) جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے رحمٰن ان کے لیے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا فرمادے گا۔

اس کے علاوہ ارشاد ہے۔

لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ۔(سورۂ یونس ۱۰/ ۶۴) "ان کے لیے دنیا کی زندگی اور آخرت میں بشریٰ ہے۔"

حضرت امام رازی نے فرمایا کہ بشریٰ سے مراد قبول فی الخلق ہے۔لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قبول فی الخلق اولیاے کرام ہی کے ساتھ خاص نہیں۔بہت سے عوام بل کہ فساق بل کہ کفار ومشرکین تک کو حاصل ہوتا ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ محبوبان بارگاہ کو جو قبول عام عطا ہوتا ہے اس میں اور فساق وفجار کے قبول عام میں کوئی مابہ الامتیاز خط فاصل ہو۔

اہل معرفت نے فرمایا کہ قبول فی الخلق کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ عوام سے شروع ہو اور عوام ہی تک محدود رہے۔یا عوام کے بعد کچھ خواص میں بھی پیدا ہو جائے۔یہ مقبولیت عند اللہ مقبول ہونے کی قطعی دلیل نہیں۔یہی وہ مقبولیت ہے جو عوام کالانعام فساق فجار کفار کو بھی

حاصل ہوتی ہے۔

دوسری وہ خواص سے شروع ہو اور پھران کے ذریعہ عوام تک پہنچے۔ یہ یقیناً حتماً اللہ عزوجل کی بارگاہ قدس میں مقبول ہونے کی دلیل ہے۔ اس کی تائید حدیث صحیح سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد ہے: اللہ عزوجل جب کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اس سے حضرت جبریل کو آگاہ فرماتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ تم بھی اس بندے سے محبت کرو۔ پھر تمام آسمان والوں کے دل میں اس بندے کی محبت ڈال دیتا ہے۔ پھر حکم دیتا ہے زمین والوں میں ندا کردو۔ یہ میرا محبوب بندہ ہے، سب اس سے محبت کریں۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ پھر زمین والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

ظاہر ہے باشندگان ملأ اعلیٰ اور حضرت جبریل خواص ہی ہیں، علاوہ ازیں حضرت جبریل ملک مقرب ہیں۔ اس لیے ان کی ندا جس سے مراد القائی القلب ہے اور جبریل امین کا یہ القا خواص ہی کے قلوب میں ہوگا۔ مفتی اعظم کے قبول فی الخلق کے دو منظر میں نے دیکھے ایک ۱۳۸۱ھ سے پہلے کا دوسرا اس کے بعد کا۔ یہ خادم شوال ۱۳۵۹ھ میں خدمت اقدس میں خود حضرت کے ارشاد پر آستانہ عالیہ پر دارالعلوم مظہر اسلام کی تدریسی خدمت کے لیے حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت کی مقبولیت صرف خواص تک محدود تھی۔ عوام میں وہ ہر دلعزیزی نہ تھی جو اس کے چند سالوں کے بعد پیدا ہوئی اور دن بدن بڑھتی چلی گئی۔ رہ گئے خواص تو بلا استثنا تمام خواص حضرت مفتی اعظم کے مقتدائے انام ہونے کے دل سے معترف تھے۔ خواص کا ایک ایک فرد حضرت مفتی اعظم کو وقت کا سب سے بڑا عالم، سب سے بڑا مفتی، سب سے بڑا فقیہ، سب سے بڑا وارث نبی، سب سے بڑا عارف، سب سے بڑا حق آگاہ، سب سے بڑا ولی مانتا تھا۔

مگر اس کے باوجود عوام کا رابطہ بہت کم تھا اسی لیے سفر برائے نام تھے اور سفر میں بھی عوام کا رجوع برائے نام تھا۔ آپ لوگوں کو حیرت ہوگی کہ اس سال صرف ایک سفر فرمایا۔

بھروچ گجرات میں جماعت رضائے مصطفیٰ کی ایک بہت اہم تاریخی کانفرنس تھی جس میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے جبل پور عرس سلامی میں شرکت کے لیے گئے اس وقت تک مریدین کی گنتی کی جائے تو افسوسناک حد تک کم ہوگی۔

لیکن ۱۳۸۱ھ کے بعد خواص کے ساتھ ساتھ عوام کا رجوع عام ایسا بڑھا کہ عقل دنگ رہ گئی۔ معلوم یہ ہوتا کہ حضرت مفتی اعظم ایک شمع ہیں جس پر نثار ہونے کے لیے پوری دنیائے سنیت پروانہ وار ٹوٹی پڑتی ہے۔ جس کا نظارہ پوری دنیا نے بارہا کیا ہے کہ حضرت مفتی اعظم "محبوبیت عظمیٰ" کے اس عظیم منصب پر مسند نشین ہیں جن کی محبت وعقیدت ہر سنی کے دل کی دھڑکن بن چکی ہے۔

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم اور علوم عقلیہ

مولانا مفتی شبیر حسن رضوی مصباحی
استاذ الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، فیض آباد

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کا فقہ وفتاویٰ میں کتنا بلند مقام ہے، ارباب علم ودانش پر مخفی نہیں۔ دنیا انھیں مفتی اعظم کے نام وتشخص سے جانتی پہچانتی ہے اور جس طرح سے وہ فقہ وفتاویٰ میں مہارت کاملہ رکھتے تھے کہ وہ اپنے زمانے میں بے مثل فقیہ ومفتی اعظم تھے۔ فقہی جزئیات ادلہ کے ساتھ نوک زبان رہتی تھیں۔ اسی طرح علم حدیث میں بھی آپ کا پایہ بہت بلند تھا کیوں کہ یہ بات مسلم ہے کہ علم حدیث میں مہارت تامہ فقہ وفتاویٰ پر کامل عبور رکھنے کے بعد حاصل ہوتی ہے اور فقہ وفتاویٰ میں مہارت تامہ جملہ علوم عقلیہ میں دسترس ومہارت سے حاصل ہوتی ہے۔ تو گویا حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان جملہ مروجہ شرعی وعقلی علوم وفنون میں دسترس تام ومہارت کاملہ رکھتے تھے۔

کسی علم وفن میں دسترس کا ہونا اور بات ہے اور اس سے شغل واشتغال رکھنا دوسری بات ہے۔ امام اکمل فی الکل امام احمد رضا قدس سرہٗ جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے امام تھے لیکن جو انھیں علوم نقلیہ، فقہ وفتاویٰ سے شغل واشتغال تھا وہ دیگر علوم سے نہیں تھا۔ پھر بھی بہت سے علوم عقلیہ میں کتابیں ارقام فرمائی ہیں۔ ان کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے رؤسائے فن امام موصوف کے سامنے ہیچ نظر آتے ہیں۔

الولد سر لابیہ۔ مفتی اعظم جملہ علوم وفنون میں دسترس ومہارت تامہ وکاملہ رکھتے تھے۔ یہ محض عقیدت ہی نہیں ہے بلکہ حقیقت کا اظہار وبیان ہے۔ فقیر کی نگاہ سے کوئی مستقل کتاب معقولات میں حضرت موصوف کی نہیں گزری لیکن ان کی بعض تصانیف کے مطالعہ سے اذعان ویقین ہو جاتا ہے کہ حضرت موصوف گرامی کو علوم عقلیہ میں دسترس تام وقدرت عام حاصل تھی۔ حضرت کی تصانیف مثلاً وقعات السنان، ادخال السنان، الموت الاحمر وغیرہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت علوم عقلیہ کے امام ان کے ماہر کامل تھے۔ ایسے ایسے ایرادات اور ایسی گرفتیں فرمائی ہیں کہ تھانوی صاحب کو بے زبان کر دیا ہے۔ ان پر اور ان کے حواریوں پر ایسا جمود وتعطل طاری ہوا کہ آج تک لاجواب رہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ تا قیامت لاجواب رہیں گے۔ ارباب تحقیق مذکورہ کتب کا مطالعہ کریں تو میرے بیان کی تصدیق ضرور کریں گے۔ الموت الاحمر حضرت موصوف گرامی کی کتاب مستطاب کفر لزومی والتزامی کے بیان میں ہے۔ اور کفر لزومی والتزامی وکفر فقہی وکلامی میں فرق وتفاوت ہے۔ صاحب تقویۃ الایمان کے کفریات سب کفر لزومی وفقہی ہیں اور صاحب براہین قاطعہ وصاحب تحذیر الناس وصاحب حفظ الایمان وغیرہ کے کفریات التزامی وکلامی ہیں۔ اور لزومی وفقہی پر حضرات فقہائے کرام تکفیر کرتے ہیں اور حضرات متکلمین عظام تکفیر نہیں کرتے اور امام احمد رضا قدس سرہٗ نے صاحب تقویۃ الایمان کے

کفریات بوجوہ کثیرہ ثابت کرنے کے بعد بھی تکفیر قطعی نہیں فرمائی ہے اور فقہا کے نزدیک کافر بتایا ہے اور صاحب براہین قاطعہ وتحذیر الناس وغیرہما کی تکفیر قطعی فرمائی ہے۔

اور امام احمد رضا قدس سرہٗ نے کتاب لاجواب ومستطاب ''المعتمد المستند'' شریف میں ارشاد فرمایا کہ نبوت کا محض امکان ذاتی ماننے پر کافر نہ کہیں گے۔ ہاں خاتم النبیین دو ہونا محال بالذات ہے یعنی جس کے سبب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل محال بالذات ہے۔ اس پر اغیار کو شبہ واعتراض تھا کہ اس مسئلہ پر دیوبندیوں کی کیوں تکفیر کی گئی؟ انھیں دو مسئلوں سے متعلق شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۱۳۳۷ھ میں ''الموت الاحمر'' تصنیف فرمائی جس کا پورا تاریخی نام ''الموت الاحمر علی کل انحس اکفر'' ہے اور تاریخی لقب ''ہشتاد بیدو بند بر مکاری دیوبند'' ہے اسی کتاب مستطاب میں علوم عقلیہ میں جولانیت دکھاتے ہوئے اغیار کے شکوک وشبہات واہیہ کا ازہاق وابطال فرمایا ہے۔ اور ایسا دقیق کلام فرمایا ہے کہ علوم عقلیہ میں بڑے بڑے شغل واشغال رکھنے والے ماہرین دنگ رہ جاتے ہیں۔ صاحب تحذیر وتھانوی معنوی کارد کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ تو بدیہی ہے کہ اس تقدیر پر کہ بعد زمانہ نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام بھی کوئی نبی پیدا ہو، ختم زمانی باطل ہو جائے گا۔ کہ وہ تو یہی تھا کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں (تحذیر الناس صفحہ ۲) اور جب حضور کے بعد اور نبی پیدا ہو تو سب میں آخری نبی کب رہیں گے۔ کہ ان سے آخر اور ہوا۔ غرض اس سے ختم زمانی کا انتفا بدیہی اور اس کے انتفا سے نانوتوی صاحب کا ساختہ ختم ذاتی بھی ختم کہ اسے ختم زمانی لازم تھا۔ تحذیر الناس صفحہ ۹ ختم نبوت بمعنی معروض کو تاخر زمانی لازم ہے اور لازم کے انتفا سے ملزوم کا انتفا لازم تو نہ ختم زمانی رہا نہ ذاتی بچا۔ سب فنا اور خاتمیت بجا اس میں کچھ خلل نہ آیا یہ کیسا شدید کفر ہے اور کتنی ڈھٹائی کے ساتھ دیوبندی تعصب وعناد کے مارے ہوئے ہیں؟

تھانوی صاحب آپ تو اب طالب تحقیق ہیں۔ ضرور اس پر غور کریں گے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل ان کے بدگویوں کی حمایت نہ لیں گے۔ سادساً یہاں آپ اپنی سمجھ قاصر رہنے پر اللہ کو گواہ کر رہے ہیں۔ اس شدید قسم کی حاجت نہ تھی۔ اکابر دیوبند تو اسے سمجھے نہیں۔ آپ کیا سمجھتے؟ اب سمجھیے اور بہ لباس باطن نہ سمجھ سکیں تو تھانوی صاحب ظاہری بن کر سمجھیے۔ تعدد امکان، امکان تعدد نہیں۔ جیسے اجتماع امکانات، امکان اجتماع نہیں۔ حصول فردیت ہر تشخص سے ممکن اور تعدد محال بالذات ممکن کے وجود وعدم دونوں ہر وقت ممکن اور اجتماع محال بالذات ہر تضاد میں دونوں ضدیں ہمیشہ ممکن کہ ممکن کبھی محال نہیں ہوسکتا ورنہ انقلاب مواد لازم آئے گا اور اجتماع محال، جو وقت لیجیے اس میں رات و دن دونوں ممکن اور دونوں ہوں یہ محال ہے۔ اس کی نظیر شرعیات میں حل للازواج ہے۔ عورت ہر نامحرم کے لیے حلال اور اجتماع شرعاً محال تو اس امکان ذاتی سے امکان تعدد خاتم سمجھنا کیسا باطل خیال۔ اتنی نافہمی کے بعد اس کی کیا غایت کہ سب اس عالم سے ایک ہی وقت میں تشریف لے جائیں تو سب خاتم ہوں گے ___ ایک بھی نہ ہوگا کہ خاتم کا معنی باقرار تحذیر الناس صفحہ ۲ یہ ہے کہ سب میں آخری نبی، جب دس بیس ایک ساتھ ہوئے تو سب میں آخر ایک بھی نہ ہوا۔ اور حضرت موصوف گرامی علیہ الرحمۃ والرضوان تعدد وامکان، امکان تعدد پر تحشیہ فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں جس چیز میں تعدد محال ہے اور علی سبیل البدلیت دو یا سو کا احتمال ہے وہاں تعدد وامکان ہوا یعنی متعدد احتمالات ممکن ہیں مگر امکان تعدد نہ ممکن، کہ مفروض یہ ہے کہ اس شی میں تعدد محال ہے۔

یہ ہیں چند سطور جو کتاب مستطاب الموت الاحمر سے ہدیۂ ناظرین کردی گئی ہیں اور اسی قسم کے مباحث جلیلہ پر پوری کتاب مشتمل ہے۔ اس عبارت رشیقہ بدیعہ کے دیکھنے کے بعد ہر ذی علم پر روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کو کس قدر علوم عقلیہ میں دسترس وقدرت حاصل تھی۔

یہ ایسے مباحث دقیقہ ہیں کہ عصر حاضر میں ان کی شرح وتفسیر کی ضرورت ہے۔اس فقیر نے اپنے استاذ گرامی حضرت بحر العلوم جامع علوم عقلیہ ونقلیہ مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کی خدمت بابرکت میں ضلع بستی کے ایک جلسہ میں عرض کی کہ کتاب مستطاب الموت الاحمر کی مذکورہ عبارت تعدد امکان، امکان تعدد کو سمجھا دیا جائے اور اس کی تشریح فرمادی جائے تو حضرت استاذ محترم دام ظلہ العالی نے افہام وتفہیم فرمایا اور فرمایا کہ ارے بھائی حضرت تو لکھ کر چلے گئے اور اس زمانے میں مذکورہ کتاب کی شرح کی ضرورت ہے۔خدا کرے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کا مخصوص بندہ تیار ہو جائے اور حضرت کی عبارات غامضہ کی شرح وتشریح وتفسیر کردے۔آمین۔

اور کیوں نہ ایسا ہوتا کہ ہمارے شیخ طریقت، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان جملہ علوم وفنون وجملہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع ہوں۔حضرت بابرکت کی شخصیت ان نفوس قدسیہ سے تھی کہ جن نفوس قدسیہ کے بارے میں ارشاد نبوی ہے'' اذا احب الله عبدا علمه من غير تعلم" یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا محبوب بنالیتا ہے تو اسے بے پڑھے اور بغیر تعلم کے علم عطا فرمادیتا ہے اور اس کا قلب ایسا متجلی وروشن ہو جاتا ہے کہ اس پر بہ کرم علام الغیوب علوم وفنون عیاں ہوتے چلے جاتے ہیں۔حدیث پاک میں کسی علم کی کوئی تخصیص نہیں فرمائی گئی ہے خواہ وہ علوم عقلیہ ہوں یا نقلیہ ہوں۔مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کو جملہ علوم خواہ علوم عقلیہ ہوں یا نقلیہ، حاصل تھے اور جملہ علوم وفنون میں دسترس تام وقدرت عام رکھتے تھے اور ظاہری اعتبار سے انھوں نے ۱۸ رسال کی عمر مبارک میں تقریباً چالیس علوم وفنون حاصل کر کے سند فراغت حاصل فرمائی اور فراغت کے بعد جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف ہی میں مسند درس وتدریس کو زینت بخشی اور تقریباً تیس سال تک علوم ومعارف کے موتی لٹائے اور آپ نے جملہ علوم وفنون اپنے والد ماجد امام الکل فی الکل سیدنا احمد رضا قدس سرہٗ العزیز اور اپنے برادر کبیر حجۃ الاسلام سیدنا شاہ حضرت علامہ محمد حامد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان اور استاذ الاساتذہ حضرت علامہ شاہ رحم الٰہی منگلوری اور شیخ العلما حضرت علامہ شاہ سید بشیر احمد علی گڑھی اور شمس العلما علامہ ظہور الحسین فاروقی رام پوری سے حاصل فرمائے۔حضرت موصوف گرامی کے اساتذۂ کرام کی مذکورہ فہرست سے بھی روشن وعیاں ہے کہ وہ جملہ علوم وفنون کے عالم وماہر وکامل تھے۔اور ان کی تصانیف منیفہ ان کی مہارت کاملہ پر شاہد عدل ہیں۔

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم اور اذانِ خطبہ

مولانا مفتی عبدالحق رضوی مصباحی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

مفتی اعظم، شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاجدار اہل سنت، مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں، قادری نوری قدس سرہٗ العزیز کی ذات گرامی ان نفوس قدسیہ میں سے ہے جن کی علمی شوکت وجلالت، عظمت وبزرگی، تقویٰ وطہارت کا اعتراف اپنے تو اپنے بیگانے بھی کرتے ہیں اور آپ کے فضائل وکمالات، علم وتقویٰ کا ڈنکا سارے عالم میں بج رہا ہے۔

الحمد للہ میری زندگی کے انتہائی مبارک ومسعود وہ ایام تھے کہ اس حقیر کو اپنے مرشد گرامی شہزادۂ اعلیٰ حضرت کی معیت میں کامل دس شب وروز رہنے کا اتفاق ہوا۔ اور بہت قریب سے آپ کے معمولات دیکھنے اور ارشادات سننے کا موقع ملا۔ بلاشبہ آپ کی پوری زندگی شریعت وسنت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔

میں نے اپنی زندگی میں جن چند بزرگوں کی زیارت کی اور ان کے ساتھ زندگی کے کچھ قیمتی لمحات گزارے ہیں اور جن کی ولایت و بزرگی کی قسم کھائی جاسکتی ہے اس مبارک جماعت اولیا کے سرخیل وسردار، سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان تھے۔

اپنے دور کے علما ومشائخ میں بلاشبہ آپ کی ذات ملجائے خواص وعوام اور مرجع اصاغر واکابر تھی۔

بخاری ومسلم میں صاحبِ اسرار حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ ہم لوگ امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے پاس تھے۔ حضرت عمر نے مجھ سے اور مجلس میں موجود دیگر صحابۂ کرام سے پوچھا کہ ''فتنے'' کے تعلق سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کس کو یاد ہے؟ تو حضرت حذیفہ نے عرض کیا مجھے زیادہ یاد ہے؟ اس کے بعد کچھ فتنوں کا آپ نے تذکرہ کیا۔ حضرت عمر نے فرمایا: فتنوں سے ہماری مراد وہ فتنے نہیں جو آپ بیان فرمار ہے ہیں بل کہ میری مراد وہ فتنے ہیں'' التی تموج کموج البحر ''یعنی جو سمندر کی طرح موجیں ماریں گے تو حضرت حذیفہ نے عرض کیا کہ آپ کو کیا ضرورت ہے کہ ان فتنوں کے بارے میں سوال کی زحمت فرمائیں؟ آپ کے اور ان فتنوں کے درمیان دروازہ بند ہے۔ فاروق اعظم نے پوچھا دروازہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا؟ تو حضرت حذیفہ نے کہا نہیں بل کہ توڑا جائے گا۔ تو اس پر فاروق اعظم نے کہا کہ تب تو فتنوں کا دروازہ کبھی بند نہ ہو سکے گا۔

حضرت مسروق نے حذیفہ بن یمان سے دروازے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ دروازہ عمر بن خطاب ہیں۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والوں پر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ امیر المومنین فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی ذات والا صفات اسلام اور مسلمانوں کی نصرت وحمایت اور حفاظت وصیانت کے لیے ایک عظیم سپر اور چٹان تھی اور دور فاروقی اسلام اور مسلمانوں کی شوکت وعروج کا انتہائی روشن وزریں دور تھا جس کی اقوام وملل کی تاریخ میں شاید ہی کوئی مثال مل سکے۔ لیکن فاروق اعظم کی شہادت کے بعد سے بتدریج فتنوں کا جو دروازہ کھلا ہے وہ آج تک بند نہ ہو سکا۔

جن حضرات کے سامنے سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے ماضی قریب کے تقریباً نصف صدی کے حالات ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ سرکار مفتی اعظم، تاجدار اہل سنت کی ذات گرامی بلاشبہ جماعت اہل سنت کے لیے ایسی بافیض اور بابرکت ذات تھی کہ آپ کی حیات تک جماعتی تمام فتنوں کا دروازہ بند تھا۔ آپ کے دور کے اصاغر ہوں یا اکابر، عوام ہوں یا خواص کسی کے اندر یہ جرأت نہیں تھی کہ علم بغاوت بلند کر سکے، جس سے جماعت میں افتراق و انتشار ہو اور اپنے لوگ مختلف گروپوں میں بٹ جائیں۔

اہم سے اہم فقہی، دینی، ملی مسائل میں آپ کا ارشاد سند کا درجہ رکھتا تھا اور آپ کا حکم حرف آخر ہوتا تھا۔

یقیناً حضور مفتی اعظم نور اللہ مرقدہٗ کی ذات، جماعت اہل سنت کی شیرازہ بندی اور فتنوں سے تحفظ فراہم کرنے میں فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پرتو اور عکس جمیل تھی اور ماضی قریب کے علما اور مشائخ میں تاجدار اہل سنت کا مبارک لقب آپ ہی کے فرق اقدس پر زیب دیتا ہے اور آپ کی ذات بابرکت کے سوا دوسرے لوگوں کے لیے اس مبارک لقب کا استعمال، لفظ کا بے جا استعمال اور زیادتی محسوس ہوتی ہے۔

ناشر سنیت، محب رضویت الحاج محمد سعید نوری صاحب زید مجدہم کے ممنون ہیں کہ انھوں نے مرشد برحق، تاجدار اہل سنت پر مضمون لکھنے کی دعوت دے کر احسان فرمایا حالاں کہ ہم غلاموں پر تو ویسے ہی لازم و ضروری تھا کہ سرکار مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ایک حلیہ جمال اور آپ کے فضل و کمال کو جہاں تک ہو سکے، امت مسلمہ کے سامنے پیش کریں تا کہ مسلمانوں کی ہدایت و رہنمائی کا کام انجام پا سکے اور قوم مسلم بارگاہ سرکار مفتی اعظم سے مسلسل اکتساب فیض کرتی رہے۔

احیاے سنت اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت:

اذان خطبہ کا صحیح محل و مقام کیا ہے: اعلیٰ حضرت، مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ سے اس کا استفتا ہوا۔ آپ نے اپنی تحقیق کے موافق جواب دیا۔ یہ اذان مسجد میں مکروہ اور سنت کے خلاف ہے۔ بہت سے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلے میں بھی علماے دیوبند نے اعلیٰ حضرت کے خلاف کیا، علماے اہل سنت میں بھی متعدد لوگوں نے آپ کی مخالفت کی۔ خاص طور سے علما بدایوں اور علماے رام پور سے اذان خطبہ کے معاملے میں شدید ٹکراؤ رہا۔ علماے بدایوں نے اذان خطبہ کے مسئلے کو اپنی عزت و وقار کا مسئلہ بنالیا۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کا موقف اس قدر مدلل اور مستحکم تھا کہ آپ کے دلائل کے سامنے مخالفین کے شبہات کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس سے زچ ہو کر مخالفین خاص طور سے علماے بدایوں نے آپ کو تکلیف پہونچانے میں حتی المقدور کوئی کمی نہیں اٹھا رکھی۔ جہاں تک میری معلومات ہے، اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی میں جتنی تکلیف علماے بدایوں نے پہونچانے کی کوشش کی ہے اتنی تکلیف شاید کسی نے بھی نہ پہونچائی ہو۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کا جب پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا تو آپ نے دشمنوں اور حاسدوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کیا۔ آپ عرض کرتے ہیں:

عدو بد دین مذہب والے حاسد	تو ہی تنہا کا زور دل ہے یا غوث
حسد سے ان کے سینے پاک کر دے	کہ بدتر دق سے بھی یہ سل ہے یا غوث
غذاے دق یہی خون استخواں گوشت	یہ آتش دین کی آکل ہے یا غوث
دیا مجھ کو انھیں محروم چھوڑا	مرا کیا جرم حق فاصل ہے یا غوث

عطائیں مقتدر غفار کی ہیں　　عبث بندوں کے دل میں غل ہے یا غوث

دونوں طرف سے متعدد رسائل اور کتابوں کا تبادلہ ہوا، انھیں رسائل میں اذان اللہ، وقایۃ اہل السنۃ، حق نما فیصلہ، سلامت اللہ لاہل السنۃ، ازاحۃ العار، تعبیر خواب، سد الفرار وغیرہا رسائل شائع ہوئے جن میں تھانوی صاحب بشمول علمائے رام پور پر ڈیڑھ ہزار اور علمائے بدایوں پر ساڑھے تین سو کے قریب ایرادات واعتراضات ہیں۔ اس علمی وقلمی جہاد میں اعلیٰ حضرت کے دونوں شہزادے حضرت حجۃ الاسلام اور سرکار مفتی اعظم رحمہما اللہ تعالیٰ آپ کے شریک کار رہے اور اس مسئلے کو ان حضرات نے اس قدر مدلل اور مبرہن فرمادیا ہے کہ جس میں نہ تو موافق کے لیے زیادتی کی گنجائش ہے اور نہ مخالف کے لیے مجال دم زدن۔ جس کا جی چاہے اس موضوع پر ان مطبوعہ رسائل وکتب کا مطالعہ کرکے اس بات کی تصدیق حاصل کرسکتا ہے۔

فیصلہ کن نکات :

اذان خطبہ کہاں ہونی چاہیے اور اس کا صحیح محل کیا ہے؟ اس کے تصفیے کے لیے مندرجہ ذیل نکات بنیادی حیثیت رکھتے ہیں جو شخص بھی اس مسئلہ کو کماحقہٗ سمجھنا چاہے، اسے ٹھنڈے دل سے ان پر غور کرنا چاہیے اور ہمیں امید ہے کہ جو بھی عصبیت اور عناد سے خالی ہوکر غور کرے گا حق اس پر واضح ہوجائے گا اور وہ یقیناً ہمارے موقف کی تائید وتوثیق کرے گا۔ درج ذیل نکات اعلیٰ حضرت اور سرکار مفتی اعظم اور دیگر علمائے اہل سنت کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

اوّل : حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں یہ اذان مسجد کے باہر دروازہ پر ہوتی تھی جب حضرت عثمان غنی کے زمانے میں لوگوں کی کثرت ہوئی تو انھوں نے ایک اذان کا اضافہ مقام زوراء پر فرمایا۔ پہلی اذان کے اضافے کے بعد بھی اذان خطبہ دروازۂ مسجد پر باہر ہوتی رہی۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اسے گھسیٹ کر منبر کے سامنے نہیں لائے۔ وہیں رہنے دیا۔

حدیث شریف میں ہے۔ کان یوذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد و ابی بکر و عمر. رواہ ابوداوٗد عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ وامام الائمۃ ابن خزیمۃ فی صحیحہ۔　　(ابوداؤد شریف، ج۔۱/۱۵۵، باب نداء یوم الجمعہ)

جمعہ کے دن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی تھی، یوں ہی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں ہوتی رہی۔

ثانی : فقہانے فرمایا ہے :

لا یوذن فی المسجد. مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے۔ (خلاصہ، خزانہ، خانیہ، البحر الرائق، فتح القدیر، ہندیہ، شرح نقایہ)

الاذان انما یکون علی المئذنۃ أو خارج المسجد و الاقامۃ فی داخلہ. اذان صرف مئذنہ پر یا مسجد کے باہر ہو اور اقامت مسجد کے اندر (غنیۃ المستملی ص ۳۷۷)

لکراھۃ الاذان فی داخلہ ۔ کیوں کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔ (فتح القدیر ثانی ص ۲۹)

یکرہ أن یوذن فی المسجد ۔ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔ (نظم امام زندویستی، قہستانی، طحطاوی علی المراقی ص ۱۹۷)

ان ارشادات میں نہ اذان پنج گانہ کی تخصیص ہے اور نہ اذان خطبہ کا استثنا اس لیے یہ اپنے اطلاق اور عموم کی وجہ سے اذان خطبہ کو

بھی شامل ہے۔ لہٰذا پنج گانہ اذانوں کی طرح اذان خطبہ بھی مسجد کے اندر دینا ممنوع اور مکروہ ہے۔

ہر طالب حق مخالفین کی پوری کتاب پڑھ جائے۔ مخالفین کہیں ان نصوص میں تخصیص یا اذان خطبہ کے استثنا پر ایک بھی کسی فقیہ کا قول پیش نہیں کر سکے۔ اور نہ قیامت تک پیش کر سکتے ہیں۔

ثالث : یہ تو مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد مبارک میں اور خود حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوائل عہد میں یہ اذان مسجد کے باہر دروازے پر ہوتی تھی اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے کوفے میں یہ اذان مسجد کے باہر مسجد کے دروازے پر دلوائی۔

اور کہیں کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی ایک دو بار بھی یہ اذان مسجد کے اندر دلوائی ہو۔ اگر اس اذان کا مسجد کے اندر دلوانا جائز ہوتا تو کبھی ایک دو بار ہی سہی بیان جواز کے لیے یہ اذان مسجد کے اندر دلواتے۔

اہل علم پر روز روشن کی طرح یہ بات عیاں ہے کہ اذان خطبہ بیرون مسجد دینے کی سنت مردہ ہو چکی تھی۔ اللہ عزوجل نے اپنے حبیب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس سنت کو زندہ کرنے کی توفیق مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اور آپ کے دونوں شہزادوں کو مرحمت فرمائی اور حسب فرمان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ـ من تمسك بسنتي عند فساد امتي فله اجر مائة شهيد.

(مشکوٰۃ شریف، ص۔ ۳۰، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، مجلس البرکات، مبارک پور)

جو شخص میری امت کے فساد کے وقت ہماری سنت اختیار کرے گا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ لہٰذا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ اور آپ کے دونوں صاحبزادگان اس بشارت کے مستحق ہوئے۔ اور احیائے سنت کرنے والوں کو کیوں سو شہیدوں کا اجر و ثواب نہ ملے۔ شہید تو ایک مرتبہ تکلیف اٹھا کر دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اور احیائے سنت و نکایت بدعت کرنے والا تو مسلسل طعن و تشنیع کے نیزوں سے زخمی ہوتا رہتا ہے۔ نہ صرف زندگی میں بل کہ بعد موت بھی۔ اس لیے احیائے سنت کرنے والوں کے لیے سو شہیدوں کا ثواب عین تقاضائے عدل و حکمت ہے۔ ذالك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم

رابع : سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی اذان کا اضافہ کیا اور اسے زوراء پر دلوایا یہ تو ثابت ہے مگر اذان خطبہ ہاں سے ہٹائی جہاں عہد رسالت اور حضرات شیخین کریمین کے زمانہ سے ہوتی آئی تھی؟ اس بارے میں کوئی ضعیف سے ضعیف روایت نہیں اور نہ کوئی صاحب قیامت تک پیش کر سکتے ہیں اور اصل "ابقاء ما کان علی ما کان" ہے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ انھوں نے اذان خطبہ اسی جگہ رہنے دی جہاں عہد رسالت اور حضرات شیخین کریمین کے زمانے سے ہوتی آئی تھی اور اس پر نص زرقانی علی المواہب کی درج ذیل عبارت ہے۔

لما كان عثمان امر بالاذان قبله على الزوراء ثم نقله هشام الى المسجد اى امر بفعله فيه و جعل الآخر الذى بعد جلوس الخطيب على المنبر بين يديه بمعنى انه ابقاه بالمكان الذى يفعل فيه فلم يغيره بخلاف ما كان بالزوراء فحوله الى المسجد على المنار . (امام محمد بن عبدالباقی الزرقانی، ج۔ ۷، ص ۴۲۵ مصر)

جب حضرت عثمان غنی خلیفہ ہوئے اذان خطبہ سے پہلے ایک اذان بازار میں زوراء پر دلوائی۔ پھر اس پہلی اذان کو ہشام نے مسجد کی طرف منتقل کر دیا۔ یعنی اس کے مسجد میں ہونے کا حکم دیا۔ اور دوسری جو خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی تھی، وہ خطیب کے مواجہ میں رکھی یعنی جہاں ہوا کرتی تھی وہیں باقی رکھی۔ اس اذان ثانی میں ہشام نے کوئی تبدیلی نہیں کی بخلاف بازار والی اذان اول کے کہ اسے مسجد کی طرف منارے پر لے آیا۔

اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین۔“
(الترغیب والترہیب للمنذری، حدیث، ۵۸، دار ابن حزم، بیروت)

میری اور میرے خلفاے راشدین کی پیروی اور اتباع تم پر لازم ہے۔ اسی سے مخالفین کا یہ خیال اور نکتہ آفرینی باطل ہوگئی ”کہ اذان اعلام غائبین کے لیے ہے جو پہلی اذان سے حاصل ہو چکا۔ دوسری اذان حاضرین کے چپ کرنے کے لیے ہے۔ ان حضرات کو اس کا بھی خیال نہ رہا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل اور خلفاے راشدین اور صحابہ کرام کے اجتماعی عمل کے مقابلے میں نکتہ آفرینی کر کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و جملہ صحابہ کے عمل اور فقہا کے ارشاد کو رد کر رہے ہیں اور یہ بھی ہوش نہ رہا کہ یہ اذان ہے اور ہر اذان غائبین کے اعلام کے لیے ہے آج تک کسی فقیہ نے یہ نہ لکھا کہ یہ حاضرین کے انصات کے لیے ہے اس لیے کہ پھر یہ اذان ہی نہ رہے گی۔

خامس: پہلے یہ بات ذہن میں اچھی طرح بیٹھا لیجیے کہ اذان خطبہ اعلام صلاۃ کے لیے ہے جیسا کہ علامہ علاء الدین حصکفی نے درمختار میں اور علامہ محمد ابن عابدین شامی نے ردالمحتار میں فرمایا۔ ولم یقل بدخول الوقت لیعم الفائتة و بین یدی الخطیب (جلد اول ص ۲۵۶ علی ہامش ردالمحتار)

(اذان اعلام مخصوص ہے) دخول وقت کی قید نہیں لگائی تا کہ فائتہ اور اذان خطبہ کو عام ہو جائے اس کے تحت ردالمحتار میں ہے ای اعلام بالصلوة ای لیعم الاذان اذان الفائتة وا لاذان بین یدی الخطیب (ایضاً) اذان نماز کا اعلام ہے۔ (دخول وقت کی قید نہیں لگائی) تا کہ فائتہ اور خطبے کی اذان کو بھی عام ہو جائے۔ جب فقہاے کرام نے اذان کی تعریف اعلام کے ساتھ کی ہے اور تعریف کا ہر جز معرف کا رکن ہوتا ہے تو ثابت ہوا کہ اعلام اذان کا رکن ہے۔

اور اگر اذان میں اعلام نہ ہو تو وہ اذان ہی نہیں۔ اس کی تائید ردالمحتار کی اس عبارت سے ہوتی ہے۔ ای لا یسمی اذاناً شرعاً لعدم الاعلام اصلاً۔ (جلد اول ص ۲۵۶)

اس کا اذان نام نہیں رکھا جائے گا کیوں کہ اس میں بالکل اعلام نہیں۔ لہٰذا اذان خطبہ کو اعلام غائبین کے لیے نہ ماننا صرف اعلام حاضرین کے لیے جاننا ہٹ دھرمی اور تغییر سنت ہے۔ اوپر معلوم چکا ہے کہ عہد رسالت سے اول عہد عثمانی غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک یہی ایک اذان تھی تو یقیناً اعلام غائبین ہی کے لیے تھی۔ ایک اذان مزید اعلام کے لیے اضافہ ہوئی۔ اس نے اذان خطبہ کا مقصود نہ بدل دیا اور مسجد میں اذان دینے سے اعلام غائبین نہ ہوگا اور جوشی اپنے مقصود سے خالی ہو جائے باطل ہو جاتی ہے۔ مسجد کے اندر کی اذان اذان ہی نہیں۔ امام محمد بن الحاج نے مدخل میں فی النہی عن الاذان فی المسجد کی خاص ایک فصل قائم کی ہے۔ فرماتے ہیں:

فصل: فی النهی عن الاذان فی المسجد و قد تقدم ان للاذان ثلثة مواضع المنار و علی سطح المسجد و علی بابه و اذا کان ذلك کذلك فیمنع من ا لاذان فی جوف المسجد بوجوه. احدها انه لم یکن من فعل من مضی الثانی ان الاذان انما هو نداء للناس لیاتوا الی المسجد و من کان فیه فلافائدة لندائه لان ذلك تحصیل حاصل و من کان فی بیته فانه لا یسمع من المسجد غالباً و اذا کان ا لاذان فی المسجد علی هذه الصفة فلا فائدة له وما لیس فیه فائدة یمنع . الثالث ان الاذان فی المسجد فیه تشویش علی من هو فیه یتنقل او یفعل غیر ذلك من العبادات التی بنی المسجد لاجلها وماکان بهذه المثابة فیمنع لقوله علیه الصلاة والسلام لاضرر ولا ضرار .اه مختصراً. (ج۔ ۲ ص ۲۴۶، مکتبہ دار التراث، القاہرہ)

''اندرون مسجد اذان سے ممانعت کے بیان میں یہ فصل ہے۔اور ماقبل میں گزر چکا کہ اذان کے لیے تین جگہیں ہیں۔(۱) مینار (۲) سطح مسجد (۳) دروازۂ مسجد۔اور جب معاملہ ایسا ہے تو اندرون مسجد اذان دینا چند وجوہ سے ممنوع ہوگا۔پہلی وجہ یہ ہے کہ اندرون مسجد اذان دینی اسلاف میں سے کسی کا فعل نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اذان لوگوں کو نماز کے واسطے مسجد کی طرف پکارنے اور بلانے کے لیے ہے اور جو لوگ مسجد کے اندر پہلے سے موجود ہیں تو ان کو پکارنے میں کوئی فائدہ نہیں بل کہ وہ تحصیل حاصل ہے اور جو لوگ اپنے گھر میں ہیں وہ عموماً اندرون مسجد ہونے والی اذان کو سن ہی نہ پائیں گے اور جب اذان اندرون مسجد اس طور پر ہے تو اس اذان سے کوئی فائدہ نہیں اور جس چیز میں کوئی فائدہ نہ ہو وہ ممنوع ہوتا۔تیسری وجہ یہ ہے کہ اندرون مسجد اذان دینے سے ان لوگوں کو تشویش میں مبتلا کرنا ہے جو مسجد میں نفل وغیرہ پڑھ رہے ہیں یا ایسے کاموں میں مشغول ہیں جن مقاصد کے لیے مسجد کی تعمیر کی گئی ہے اور جس چیز کی یہ شان ہو اس کو روک دیا جائے گا اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ ضرر دوسرے کو دو اور نہ دوسرا تمھیں ضرر پہنچائے۔

سادس: مخالفین کے سارے استدلال کی بنیاد اس مغالطہ عامۃ الورود پر ہے کہ اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہیں۔صرف اعلام حاضرین کے لیے ہے،اس لیے کہ پہلی اذان سے اعلام غائبین کا مقصد پورا ہو گیا تو اب اذان خطبہ صرف اعلام حاضرین کے لیے ہی رہی۔اگر چہ بنظر دقیق یہ بھی ہمیں مضر نہیں اس لیے کہ دنیا کی دو چار مساجد کے علاوہ کسی بھی مسجد کے اس خارجی حصے میں اذان دی جائے جو مسجد کے متصل ہو تو آواز پوری مسجد میں پہونچ جائے گی اور سب حاضرین کو اعلام ہو جائے گا۔اور جب خطبہ کی اذان جو خارج مسجد اعلام غائبین کے لیے ہوتی ہے،اعلام حاضرین کے منافی نہیں ہے تو اس اذان کو **لا یوذن فی المسجد . یکرہ ان یوذن فی المسجد** کے اطلاق وعموم سے خارج ہونے کی دلیل بتانا۔سفاہت اور مکابرہ نہیں تو اور کیا ہے؟

اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے،اس پر ہمارے علمائے کرام نے متعدد وجوہ سے استدلال کیا ہے۔

(۱) مقصد اذان فقہا کی تصریحات کے مطابق اعلام غائبین ہے اور جب مطلق اذان کا مقصد اعلام غائبین ہے اور اذان خطبہ بھی اذان ہے تو اس کا مقصد بھی اعلام غائبین ہوگا کیوں کہ جو حکم مطلق کے لیے ہے وہی اس کے ہر ہر فرد کے لیے ثابت ہونا ضروری ہے مگر یہ کہ کچھ افراد کا استثنا اسی درجے کی دلیل سے ہو جس درجے کی دلیل سے مطلق کا حکم ثابت ہے،مطلق اذان اعلام غائبین کے لیے ہے۔اس پر فقہاء کا اجماع ہے اور اذان خطبہ کا استثنا کسی فقیہ نے کہیں نہیں کیا ہے۔مخالفین اپنی تمام تر کوشش کے باوجود کسی فقیہ کا کوئی قول نہیں پیش کر سکتے۔لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے۔

۲-اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے۔اس پر روشن دلیل البحر الرائق کی درج ذیل عبارت ہے۔

تکرارہ مشروع کما فی اذان الجمعۃ لانہ لاعلام الغائبین فتکرارہ مشروع لاحتمال سماع بعض دون بعض. (البحر الرائق جلد اول،ص ۲۷۸) اذان کی تکرار مشروع ہے جیسا کہ اذان جمعہ میں ہے اس لیے کہ یہ اعلام غائبین کے لیے ہے تو اس کی تکرار مشروع ہے کیوں کہ یہ احتمال ہے کہ پہلی اذان کچھ لوگوں نے نہ سنی ہو۔

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لیے ہے اس لیے کہ اعلام غائبین تکرار کے مشروع ہونے کی علت ہے۔اور انتفائے علت انتفائے معلول کو مستلزم ہے تو اگر اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہ ہو تو لازم کہ سرے سے مشروع ہی نہ ہونا چاہئے ممنوع ہو۔

۳-اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے اس پر دلیل تنویر الابصار اور درمختار کی یہ عبارت ہے۔

هو شرعا اعلام مخصوص للصلوٰة ولم يقل بدخول الوقت ليعم الفائتة وبين يدى الخطيب۔

(درمختار، ج۔۱ ص ۲۵۲) اذان شریعت میں اعلام مخصوص ہے یعنی نماز کے لیے، یہ نہیں کہا دخول وقت کے لیے تا کہ فائتہ اور خطیب کے سامنے والی اذان کو بھی عام ہو جائے۔

اعلام کا متعلق محذوف ہے یعنی یہ مذکور نہیں کہ کس کے اعلام کے لیے ہے۔ مگر دین سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا جانتا ہے کہ غائبین کے اعلام کے لیے ہے اور یہ تعریف مطلق اذان کی ہے۔ علامہ حصکفی نے اس میں اذان خطبہ کو بھی داخل مانا تو ثابت کہ اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لیے ہے۔

۴-اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لیے ہے اس کی دلیل ہدایہ۔ بدائع صنائع کی یہ عبارت ہے۔

واذن المؤذنون بين يدى المنبر (ہدایہ اولین ص ۱۵۱، بدائع صنائع ج-۱ ص ۲۷۰) اور چند موذن منبر کے سامنے اذان دیں۔

ردالمحتار میں علامہ شامی نے اسے بدعت حسنہ کہا۔ عنایہ کفایہ میں اس کا فائدہ یہ بتایا۔

لتبليغ اصواتهم الى اطراف المصر الجامع . (برحاشیہ فتح القدیر، ج۔ ۲ ص ۳۹) چند موذن اس لیے اذان دیں تا کہ ان کی آوازیں شہر کے تمام اطراف میں پہونچ جائیں۔

اگر اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہ ہو تو شہر کے اطراف میں آواز پہونچانے کی کیا حاجت؟

۵-اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کے دن اذان جمعہ ہوتے ہی جمعہ کے لیے سعی واجب ہے یعنی خرید و فروخت سب دنیوی کام چھوڑ کر نماز جمعہ کے لیے چل دینا۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ (سورۂ جمعہ ۶۲/۹) جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف تیزی سے چلو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

علما کا اس میں اختلاف ہے۔ اس خصوص میں اذان اوّل کا اعتبار کیا جائے یا اذان ثانی کا؟ دونوں قول ہیں۔ امام الفقہا والمحدثین حضرت طحاوی، امام شیخ الاسلام، امام ملک العلما ابو مسعود کاشانی کا مختار یہ ہے کہ اذان خطبہ کا اعتبار ہے۔ امام سرخسی اور جمہور فقہا کا مختار یہ ہے کہ اذان اول کا اعتبار ہے۔ فریق اول کی دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شیخین حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے عہد مبارک میں صرف اذان خطبہ تھی اس لیے۔ ارشاد باری "اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ" سے یہی مراد متعین ہے۔

فریق ثانی کی دلیل یہ ہے کہ اگر اذان اول ہوتے ہی لوگ جمعہ کے لیے نہ چلیں تو ان کی سنتیں فوت ہو جائیں گی اور خطبہ بھی کچھ حصہ نکل جانے کا خطرہ ہے کہ کل خطبہ بلکہ نماز بھی نہ ملے۔ اس دلیل کی بنیاد لوگوں کے ساتھ رفق و سہولت پر ہے۔

فریق اول کی بات دلیل کی رو سے بہت باقوت ہے اس لیے کہ جب عہد رسالت میں صرف اذان خطبہ ہی تھی تو ارشاد ربانی "اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ" سے اس کا مراد ہونا متعین ہو گیا اور جب عہد نبوی میں قرآن مجید کے کسی کلمہ کی مراد متعین ہو جائے تو اسی کو مراد لینا ضروری ہوتا ہے۔

رہ گیا ہمارے جمہور ائمہ احناف کا قول ثانی کو اختیار کرنا عوام کی آسانی اور ان کے ساتھ رفق کی وجہ سے ہے۔

اس استدلال کا ماحصل یہ ہے کہ جو لوگ وجوب سعی میں اذان خطبہ کو معتبر مانتے ہیں ان کے نزدیک بلا کسی تردد کے اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے ورنہ وجوب سعی میں اس کا اعتبار لغو ہوگا۔ رہ گئے جمہور فقہا جو اذان اول کو معتبر مانتے ہیں ان کے نزدیک بھی یہ اذان اعلام غائبین کے لیے ہے۔ اس لیے کہ اگر ان کے نزدیک یہ اذان اعلام غائبین کے لیے نہ ہوتی تو قول مخالف کی تزییف میں یہ فرماتے کہ وجوب سعی میں اذان خطبہ کا کیسے اعتبار ہوگا؟ وہ تو مسجد کے منبر کے متصل خطیب کے سر پر ہوتی ہے۔ یہ اعلام حاضرین کے لیے ہے، یہ اعلام غائبین کے لیے ہے ہی نہیں کہ مسجد سے غائب لوگ اسے سن کر مسجد میں آئیں۔ اپنے مذہب مختار کی ترجیح میں فرمایا تو یہ فرمایا۔

اگر اذان خطبہ کا اعتبار ہوگا تو سنتیں چھوٹ جائیں گی اور بسا اوقات خطبہ بل کہ جمعہ بھی فوت ہو جائے گا۔ اس طرح دونوں قول پر اذان خطبہ کا اعلام غائبین کے لیے ہونا ثابت۔ اور جب یہ دلائل شرعیہ ثابت ہو گیا کہ اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لیے ہے اور کسی بھی اذان کا مسجد کے اندر دینا مکروہ و ممنوع۔ تو یہیں سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ ہمارے فقہائے کرام کے ارشاد " لایوذن فی المسجد" "مسجد میں اذان نہ دی جائے" یکرہ ان یوذن فی المسجد "مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔" لکراھۃ الاذان فی المسجد " اندرون مسجد اذان کے مکروہ ہونے کے باعث۔ یہ ارشادات اذان خطبہ کو بھی ضرور عام اور پنج گانہ اذانوں کی طرح اذان خطبہ بھی اندرون مسجد دینا بلاشبہہ مکروہ و ممنوع۔

سابع: مخالفین اس پر بہت زور دیتے ہیں کہ اذان خطبہ کا مسجد کے اندر ہونا وہ بھی منبر کے متصل خطیب کے سر پر متوارث ہے۔ اس پر گزارش یہ ہے کہ توارث وہی حجت ہے جو عہد صحابہ اور مجتہدین سے الی یومنا ہذا ہو۔

ردالمحتار خاص باب الجمعہ میں فرمایا:

لا عبرۃ بالعرف الحادث اذاخالف النص التعارف انما یصلح دلیلا علی الحل اذاکان عاما من عھد الصحابۃ والمجتھدین کما صرحوا بہ۔ (ج۔۳ص ۲۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

عرف حادث کا اعتبار نہیں جب نص کے مخالف ہو۔ رواج اسی وقت جواز کی دلیل ہے جب زمانہ صحابہ و مجتہدین سے عام طور پر چلا آیا ہو جیسا کہ علمانے تصریح فرمائی ہے۔

مسجد کے اندر اذان خطبہ دینے کا رواج نہ عہد رسالت میں تھا نہ عہد صحابہ میں نہ عہد تابعین میں اور آج بھی پوری دنیا کے مسلمانوں میں اس کا رواج نہیں۔

ابوداؤد شریف کی حدیث جو حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے جس کو شروع مقالہ میں نقل کر چکا ہوں، اس سے ثابت کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے زمانے میں یہ اذان مسجد کے باہر مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی اس کے بعد میں بھی یہ اذان وہیں ہوتی رہی۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پہلی اذان زوراء پر دلوائی مگر یہ اذان وہیں رہنے دی جہاں پہلے سے ہوتی تھی۔

ابوداؤد شریف کی حدیث کے آخری کلمات یہ ہیں۔ فثبت الامر علی ذلك ۔ (باب النداء یوم الجمعہ، حدیث۔ ۱۰۸۳ ص ۱۹۳ دار احیاء التراث الاسلامی، بیروت) لہٰذا اس سے ثابت کہ زوراء پر اذان اول کے اضافے کے باوجود یہ اذان خطبہ دروازہ مسجد پر ہوتی رہی اور جب یہ ثابت ہوا کہ اذان خطبہ مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی تو جب تک اسی درجہ کی دلیل سے یہ ثابت نہ ہو کہ دروازے سے ہٹا کر منبر کے متصل اس کو کر دیا گیا، یہی ثابت رہے گا کہ یہ اذان اپنی جگہ رہی۔ اصل کے خلاف دلیل ضروری ہے۔

اور بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اذان خطبہ کی جو جگہ اور مقصد (یعنی اعلام غائبین) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین کریمین سے ثابت اور مستمر ہو اس کو تبدیل کرنے کی جرأت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کریں؟ ایک خلیفۂ راشد کے سر اتنا بڑا الزام و اتہام سخت جرأت و بے باکی ہے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ زوراء پر اذان کے اضافے کے بعد بھی یہ اذان وہیں رہی جہاں عہد رسالت سے ہوتی آئی تھی۔ مسجد حرام شریف میں یہ اذان آج بھی کنارۂ مطاف پر ہوتی ہے اور مسجد حرام پہلے مطاف ہی تک تھی۔

اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس اذان کا محاذاۃ امام میں بھی ہونا ضروری نہیں بل کہ یہ بھی دوسری اذانوں کی طرح وہیں دی جائے جہاں سے پڑوسیوں کو زیادہ سنائی دے مثلاً منارے پر اسی کے مطابق بلاد مغرب میں یہ اذان مناروں پر ہوتی ہے۔ (تفصیل کتب مالکیہ میں مذکور ہے)

اس سے ثابت کہ پوری دنیا کے مسلمانوں کا یہ عمل نہیں کہ یہ اذان منبر کے متصل دی جائے اس لیے توارث کو اس کی دلیل بنانا باطل۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین کا اجماع رہا کہ یہ اذان مسجد کے باہر ہونی چاہیے۔ اب اگر بفرض محال آپ یہ ثابت بھی کردیں کہ اس کے بعد اس پر اجماع ہوگیا کہ یہ اذان منبر کے متصل ہو تو پھر اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

اعلیٰ حضرت اور احیاے سنت :

اس بحث کے اختتام پر ختام المسک کے طور پر مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز کی ایک عبارت ہدیۂ قارئین ہے۔

"اب ہم ایک حدیث صحیح ذکر کریں جس سے اس بین یدیہ کے معنی بھی آفتاب کی طرح روشن ہو جائیں اور اس ادعاے توارث کا حال بھی کھل جائے۔ سنن ابی داؤد شریف میں بسند حسن مروی ہے حدثنا النفیلی ثنا محمد بن سلمة عن محمد بن اسحاق عن الزهری عن السائب بن یزید رضی الله تعالیٰ عنه قال کان یؤذن بین یدی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد و ابی بکر و عمر. (ج۔۱ ص ۱۵۵، باب النداء یوم الجمعہ) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب روز جمعہ منبر پر تشریف فرما ہوتے تو حضور کے روبرو اذان مسجد کے دروازہ پر دی جاتی اور یونہی ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں۔ اس حدیث جلیل نے واضح کردیا کہ اس ''روبروے امام پیش منبر'' کے کیا معنی ہیں؟ اور یہ کہ زمانۂ رسالت و خلفاے راشدین سے کیا متوارث ہے؟ ہاں یہ کہیے کہ اب ہندوستان میں یہ اذان متصل منبر کیسی شائع ہو رہی ہے مگر نص حدیث سے جدا، تصریحات فقہ کے خلاف، کسی بات کا ہندیوں میں رواج ہو جانا کوئی حجت نہیں۔ ہندیوں میں ایک یہی کیا اور وقت کی اذانیں بھی بہت لوگ مسجد میں دے لیتے ہیں، حالاں کہ وہاں تو ان تصریحات ائمہ کے مقابل ''بین یدی'' وغیرہ کا بھی دعوا نہیں۔ پھر ایسوں کا فعل کیا حجت ہوسکتا ہے؟

الحمدللہ یہاں اس سنت کریمہ کا احیا رب عزوجل نے اس فقیر کے ہاتھ پر کیا، میرے یہاں مؤذنوں کو مسجد میں اذان دینے سے ممانعت ہے۔ جمعہ کی اذان ثانی بحمد اللہ تعالیٰ منبر کے سامنے دروازۂ مسجد پر ہوتی ہے جس طرح زمانۂ اقدس حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم میں ہوا کرتی تھی۔ ذلك فضل الله یؤتیه من یشاء والله ذوالفضل العظیم والحمدلله رب العالمین۔ (اوفی اللمعہ فی اذان یوم الجمعہ ص ۷)

حدیث ابوداؤد اور مفتی اعظم کی نکتہ آفرینی :

ماقبل میں گزر چکا کہ اذان خطبہ کے تعلق سے جو شدید قلمی جنگ رہی۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی حیثیت اگر سالار جنگ کی رہی تو آپ کے دونوں شہزادے میمنہ اور میسرہ کے سنبھالنے والے سردار کی تھی۔ اذان خطبہ کے موضوع پر سرکار مفتی اعظم کے متعدد رسائل اور فتاوے ہیں۔ اختصار کی وجہ سے آپ کی کتاب ''نفی العار من معایب المولوی عبدالغفار'' (ص ۶۱) سے ایک اقتباس ہدیہ قارئین کر رہا ہوں۔

''ثالثاً۔ اصل بات ہے کہ ائمہ نے بین یدیہ اور علی باب المسجد دونوں حدیث ابن اسحاق ہی سے لیے کہ اوروں کی احادیث میں نہ یہ ہے نہ وہ، لیکن علی باب المسجد کا مقصود صرف اس قدر تھا کہ کنارہ پر بیرون مسجد ہو اور یہ حکم سب اذانوں کے لیے عام تھا۔ کچھ تخصیص اذانِ جمعہ کی نہ تھی لہٰذا اسے ائمہ نے باب الاذان میں ذکر فرمایا کہ لایوذن فی المسجد تا کہ تمام اذانوں کو شامل رہے۔ خاص باب جمعہ میں اس کے ذکر کی وجہ نہ تھی کہ یہ حکم اذان جمعہ سے خاص نہ تھا۔ رہا بین یدیہ وہ اس اذان جمعہ کا خاص حکم تھا اور کسی اذان کے لیے نہ تھا۔ لہٰذا ائمہ نے صرف اسے خاص باب الجمعہ میں ذکر فرمایا۔ ناواقف نادان لوگ کہ باب الجمعہ میں صرف ایک دیکھتے، دوسرا نہیں پاتے، اپنی جہالت یا کم فہمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ علما نے ان دونوں قیود سے بین یدیہ اختیار فرمائی اور علی باب المسجد ترک کی حالاں کہ دونوں اپنی اپنی جگہ مذکور ہیں۔ جاہل کہتے ہیں خاص اذان جمعہ کے لیے لایؤذن فی المسجد دکھاؤ اور نہیں جانتے کہ یہ حکم خاص اس کا نہیں، عام اذانوں کا ہے تو عام ہی کے باب میں عموماً مذکور ہوگا نہ کہ ایک ایک خاص کا نام لے کر کہ ظہر کی اذان مسجد میں نہ ہو عصر کی نہ ہو جمعہ کی نہ ہو۔ اسے وہی طلب کرے گا جو محض نافہم ہے یا نراہٹ دھرم۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ مسلمان اس تقریر کو یاد رکھیں کہ بہت سی جہالتوں کی بیخ کن ہے وللہ الحمد۔

مفتی اعظم کا ایک اہم فتویٰ :

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں ناسک مہاراشٹر سے ایک استفتا آیا۔ جس میں اذان خطبہ کا صحیح محل اور مقام پوچھا گیا تھا۔ نیز سائل نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ ''اذانِ خطبہ خارج از محل صلوٰۃ دینا احناف کے نزدیک سنت ہے، ترک سنت سے اذان مکروہ تحریمی ہو جاتی ہے۔ ترک سنت پر اصرار اور خلاف سنت فعل کو عین سنت سمجھنے والوں کے حق میں کیا وعید آئی ہے؟'' اس کے جواب میں ایک مفصل فتویٰ سرکار مفتی اعظم نے تحریر فرمایا۔ جس کے سطر سطر سے الولد سر لابیہ کی جھلک دکھائی دے رہی ہے۔ اس فتوے کی تلخیص ہدیہ قارئین ہے:

''الجواب: (۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ا۔ اللھم انی اعوذبک من ترک السنن وانتھاکھا ۔ اذان خطبہ ہی وہ اذان ہے جو عہد کریم نبی رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں پیش خطیب خارج مسجد دی جاتی تھی۔ اور زمانہ خلافت شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں بھی ایک ہی اذان اسی طرح دی جاتی رہی جب زمانہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مدینہ طیبہ کی آبادی زائد ہو گئی تو حضرت نے ایک اذان، اذانِ خطبہ سے قبل مقام زوراء میں اور اضافہ فرمائی اور اذان خطبہ بدستور خارج مسجد رکھا۔ ہشام کے زمانہ میں وہ زوراوالی اذان بھی مسجد کی طرف منتقل ہو آئی اسی لیے ہمارے تمام علمائے کرام ائمہ فخام قاطبۃً اپنی تصنیفات عالیات میں برابر کھلی تصریحات فرماتے آئے کہ خارج مسجد

اذان مسنون ہے۔ مسجد بمعنی موضع صلاۃ میں اذان مکروہ ہے، داخل مسجد اذان نہ دی جائے۔ علامہ ابراہیم غنیۃ میں فرماتے ہیں الاذان انما یکون فی المئذنة او خارج المسجد وا لاقامة فی داخله۔ (ص ۳۷۷ فصل فی السنن، سہیل اکیڈمی، لاہور) علامہ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں قہستانی اور روالنظم سے ناقل یکره ان یؤذن فی المسجد۔ (ص ۱۱۷، باب الاذان، مصطفی البابی، مصر) اسی میں فتح القدیر سے ہے فان لم یکن ثمة مکان مرتفع للاذان یؤذن فی فناء المسجد قہستانی میں ہے۔ لا یؤذن فی المسجد فانه مکروه اھ عامۂ کتب میں ہے لا یؤذن فی المسجد نیز یکره الاذان فی المسجد فتح القدیر میں امام ابن الہمام فرماتے ہیں۔ قوله والمکان فی مسئلتنا مختلف یقید کون المعهود اختلاف مکانهما و کذلك شرعاً وا لاقامة فی المسجد ولابدا ما الاذان فعلی المئذنة فان لم یکن ففی فناء المسجد و قالوا لا یؤذن فی المسجد امام اتقانی غایة البیان (ص ۲۵۰، کتاب الصلاۃ، دار الکتب العلمیہ، بیروت) اور امام محقق علی الاطلاق ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا فتح القدیر میں خاص باب الجمعہ میں فرماتے ہیں۔ ھو (ای الاذان) ذکر اللّٰه فی المسجد ای فی حدوده لکراهة الاذان فی داخله اھ۔ (ج۔۲ ص ۵۶ مرکز اہل سنت برکات رضا، پوربندر)

فقہائے کرام کے باب الاذان میں یہ ارشادات کہ یکره الاذان فی المسجد اور لا یؤذن فی المسجد ہر سمجھ والے کے نزدیک عام ہیں کہ ہر ایک اذان کو شامل ہیں مگر بعض ہٹ دھرم زبردستی یہاں یہ کہتے ہیں کہ یہ اذان پنج گانہ کے لیے ہے۔ اذان خطبہ اس سے مستثنیٰ ہے مگر ان دونوں جلیل اماموں نے خاص باب الجمعہ میں یہ فرما کر ان معاندوں کی دہن دوزی فرمادی اور اس ہٹ دھرمی کی پوری خبر گیری رسائل اہل حق میں کافی طور پر کی گئی جس کے اعادہ کی یہاں حاجت نہیں ہے۔ مسجد میں اذان یقیناً مکروہ خلاف سنت ہے، مدخل امام محمد بن الحاج میں نهی عن الاذان فی المسجد کی خاص ایک فصل قائم فرماتے ہیں فصل فی النهی عن الاذان فی المسجد و قد تقدم ان للاذان ثلثة مواضع المنار وعلی سطح المسجد وعلی بابه واذا کان ذلك كذلك فیمنع من الاذان فی جوف المسجد بوجوه احدها انه لم یکن من فعل من مضی الثانی ان الاذان انما هو نداء للناس لیاتوا الی المسجد و من کان فیه فلافائدة لندائه لان ذلك تحصیل حاصل ومن کان فی بیته فانه لا یسمع من المسجد غالباً و اذا کان الاذان فی المسجد علی هذه الصفة فلا فائدة له و ما لیس فیه فائدة یمنع الثالث ان الاذان فی المسجد فیه تشویش علی من هو فیه یتنفل او یفعل غیر ذلك من العبادات التی بنی المسجد لاجلها وما کان بهذه المثابة فیمنع لقوله علیه الصلاة والسلام لا ضرر ولا ضرار اه مختصرا۔ (ج۔۲ ص ۲۴۶، مکتبہ دار التراث، القاہرہ)

اذان اعلام غائبین کے لیے ہے۔ اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہ ماننا اعلام حاضرین کے لیے جاننا نری ہٹ دھرمی اور تغییر سنت ہے۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عہد رسالت سے اول عہد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک یہی ایک اذان تھی تو یقیناً اعلام غائبین کے لیے ہی تھی۔ ایک اذان مزید اعلام کے لیے اضافہ ہوئی۔ اس نے اس اذان خطبہ کا مقصود نہ بدل دیا۔ مسجد میں اذان سے اعلام غائبین نہ ہوگا۔ اور شی اپنے مقصود سے خالی باطل ہو جاتی ہے۔ مسجد کے

اندر کی اذان اذان ہی نہیں ابھی مدخل امام ابن الحاج سے گذرا اذا كان الاذان في المسجد على هذه الصفة فلا فائدة له وما ليس فيه فائدة يمنع۔ نیز علما فرماتے ہیں اذا خلی الشئی عن المقصود بطل جو لوگ مسجد کے اندر اذان دلواتے ہیں۔ وہ یہی نہیں کہ خلاف سنت اور مکروہ کام کرتے ہیں بل کہ اذان ہی کو باطل کر دیتے ہیں جو لوگ ترک سنت کرتے ہیں یقیناً معاتب ہیں۔ اس وعید سے ڈریں من ترك سنتي لم ينل شفاعتي (جو میری سنت کو ترک کرے گا وہ میری شفاعت سے محروم ہوگا) ان کا یہ عذر مسموع نہ ہوگا کہ ہم خارج مسجد اذان کو سنت نہیں جانتے۔ داخل مسجد اذان کو سنت مانتے ہیں خصوصاً اس صورت میں کہ حدیث فقہ کے ارشادات سے انھیں بتا بھی دیا گیا، جہل عذر نہیں بل کہ وہ خود دوسرا وبال ہے اور جہالت کرنا اور شدید الزام جس نے حمایت سنت کی ہو اسے سو شہید کے اجر کا حدیث مژدہ دیتی ہے۔من تمسك بسنتي عند فساد امتي فله اجر مائة شهيد رواه البيهقي في الزهد عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

(جو میری امت کے بگاڑ کے وقت میری سنت پر قائم رہا اس کے لیے سو شہیدوں کا اجر ہے، اس حدیث کو امام بیہقی نے کتاب الزہد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے)

خارج مسجد اذان ہونا حدیث سے ثابت داخل مسجد اذان کی کراہت وممانعت فقہائے کرام کے ارشادات سے واضح برخلاف حدیث وفقہ یہ کہنا کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر منبر کے قریب ہاتھ دو ہاتھ کے فاصلہ سے دی جانا ہی سنت ہے۔ کیسا کھلا عناد اور سخت ہٹ دھرمی اور شدید جہالت ہے؟ اللہ عزوجل محفوظ رکھے۔ کیا اس کے قائل میں دم ہے کہ وہ کسی ایک ہی معتبر معتمد عالم سے اپنے کسی ایک دعویٰ کی تائید پیش کر سکے؟ الی آخرہ۔

(۱) مسجد کے اندر اذان مسجد کی بے ادبی اور بدعت ہے۔ بدعت کو سنت سمجھنا اور سنت کو بدعت سخت وبال عظیم ہے اور سنت کو مٹانا اور اس کے معارض فعل کرنا سنت سیئہ ہے۔ اور حدیث میں فرمایا...... من سن سنة سيئة عمل بها من بعده كان عليه وزرها و وزر من عمل بها لا ينقص ذلك من اوزارهم شيئا۔

(مسند امام احمد بن حنبل ج ۱۳۱، حدیث ۱۹۲۰۰، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

اور ایسے شخص کو جو سنت مٹانے کے درپے ہوا سے حدیث میں من ترك سنتي لم ينل شفاعتي سے ڈرنا چاہیے۔ اوپر معلوم ہو چکا کہ جہل عذر نہیں۔ حدیث میں ہے من جادل في خصومة بغير علم لم يزل في سخط الله حتى ينزع (اتحاف السادۃ المتقین، ج ۷ ص ۴۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

تیسیر میں اس حدیث کے نیچے فرمایا من جادل في خصومة اي استعمل التعصب والمراء حتى ينزع اي ترك ذلك و يتوب منه توبة صحيحة۔ حدیث میں ہے فمن كانت فطرته الى سنتي فقد اهتدى ومن كانت فطرته الى غير ذلك فقد هلك رواه الطبراني في معجم الكبير و ابن حبان والحاكم باسناد هم كما في الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية۔ (مسند امام احمد بن حنبل ج ۱۱، حدیث ۶۷۷۴، موسسۃ الرسالہ، بیروت) اور حدیث میں ہے ما من امة ابتدعت بعد نبيها في دينها الا اضاعت مثلها من السنة روى الطبراني باسناده عن عفيف بن الحارث رضي الله

تعالیٰ عنہ اور حدیث میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان اللہ حجب التوبہ عن کل صاحب بدعۃ حتی یدع بدعتہ رواہ الطبرانی باسنادہ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حدیث میں ہے ابی اللہ تعالیٰ ان یقبل عمل صاحب بدعۃ حتی یدع بدعتہ رواہ ابن ماجۃ باسنادہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ (ص ۱۹، حدیث ۔ ۵۰، باب اجتناب البدع والجدل ، دار احیاء التراث الاسلامی، بیروت) واللہ تعالیٰ اعلم ۔

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم ایک ہمہ جہت شخصیت

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری
ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، پاکستان

ولادت:

مفتی اعظم، مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں نوری علیہ الرحمۃ برعظیم جنوبی ایشیا کی نامور عبقری شخصیت، امام احمد رضا خاں حنفی قادری محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ آپ ۲۲ رذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/ ۷ رجولائی ۱۸۹۳ء کو بریلی (یوپی، انڈیا) میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے اپنے والد ماجد کے دار العلوم منظرِ اسلام (قائم کردہ ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء بریلی) میں تعلیم وتربیت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں والدِ ماجد امام احمد رضا خاں محدث بریلوی، برادرِ بزرگ مولانا حامد رضا خاں، مولانا رحم الٰہی منگلوری، مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی اور علامہ ظہور الحسین فاروقی نقشبندی رحمہم اللہ معروف ہیں۔ آپ نے تمام علوم عقلیہ ونقلیہ سے ۱۸ رسال کی عمر میں فراغت حاصل کی۔ علوم نقلیہ وعقلیہ میں مہارت رکھنے کے اعتبار سے آپ اپنے والدِ ماجد شیخ الاسلام امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے مظہر تھے۔ آپ کے سوانح نگاروں نے ۲۵ سے زیادہ علوم پر آپ کی دسترس ثابت کی ہے۔

فتویٰ نویسی میں مہارت:

یوں تو آپ کا خانوادہ گذشتہ ایک صدی سے ہر طرح کے علوم وفنون کا گہوارہ رہا ہے۔ لیکن تفقہ فی الدین اس خانوادہ کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ اس کا کمال امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے مجموعہ فتاویٰ، فتاویٰ رضویہ کی جدید ۳۰ ر ضخیم جلدوں میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے جس کو بجا طور پر فقہ حنفی کا انسائیکلوپیڈیا قرار دیا گیا ہے۔ آج اس خانوادہ کی چھٹی پشت میں مولانا مفتی اختر رضا خاں الازہری مسندِ افتاء بریلی پر رونق افروز ہیں۔ اور عوام وخواص کے مرجع ہیں۔ اس طرح یہ علمی خانوادہ اس حدیث کا آئینہ دار ہے۔ من یرد اللہ بہ خیرا یفقهه فی الدین۔ (بخاری شریف ج۔۱ ص۱۶)

مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوری علیہ الرحمہ کی ذہانت وفطانت اور استحضار علمی کا یہ حال تھا کہ اصل کتب مطالعہ کیے بغیر بھی فتویٰ لکھ فرماتے تھے اور اس میں تحریر کردہ تمام جوابات اور حوالے مرجع کے عین مطابق ہوتے۔ فتویٰ وتقویٰ کا ایسا امتزاج آپ کے دور میں کسی شخصیت میں کم دیکھا گیا۔ ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء تا ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء تقریباً ستر سال کی طویل مدت تک آپ نے مسندِ افتا کو رونق بخشی اور آپ کی ذات مرجع عوام وخواص رہی۔ آپ کی اصابتِ رائے اور فکری گہرائی کی مثال آپ کے دور میں ملنی مشکل ہے۔ مختلف مسائل پر

آپ کے فتاویٰ ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ ابھی تک صرف ۳ رجلدیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو سکی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے آپ کی عبقریت، تبحرِ علمی کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ آج کل اکناف عالم میں دہشت گردی اور شدت پسندی کا دور دورہ ہے، بعض دہشت گرد اور شدت پسند دیوبندیوں اور نجدیوں کی حرکات کی وجہ سے اسلام دشمن قوتیں عالمِ اسلام کو بدنام کرنے اور اسلام کو دہشت گرد مذہب قرار دینے کی کوشش میں قرآن مجید فرقانِ حمید پر اعتراضات کر رہی ہیں اور اس کے وحی الٰہی ہونے سے منکر ہیں، بل کہ صیہونی اور عیسائی سازش کے تحت ایک جھوٹا قرآن "فرقان الحق" کے نام سے گڑھا گیا ہے۔ حضور مفتی اعظم سے آج سے کئی سال قبل قرآن شریف کی حقانیت اور اس کے آسمانی ہونے پر دلائل کے لیے ایک سوال ہوا تھا، آپ نے اس کا جو جواب مرحمت فرمایا تھا۔ اس مختصر مگر جامع جواب سے آپ کی شانِ فقاہت آشکارا ہوتی ہے۔ آپ نے ثابت کیا کہ قرآن خدائے تعالیٰ کا کلام ہونے میں کسی کے کہنے کا محتاج نہیں کہ دنیا کے معتبر لوگ کہیں کہ کلامِ خدا ہے تو اس کا کلامِ خدا ہونا ثابت ہو، وہ آپ اپنی دلیل ہے، ملاحظہ ہو فتاویٰ مصطفویہ۔

آپ کے تفقہ فی الدین اور علم وفضل میں بلند مقام کا ایک دوسرا ثبوت بہت سے علمائے حرمین شریفین مثلاً علامہ سید علوی مالکی، علامہ سید محمد امین مکی رحمہما اللہ کا آپ سے سند واجازتِ حدیث وفقہ حاصل کرنا ہے۔

درس وتدریس :

تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ دنوں تک دار العلوم منظر اسلام بریلی میں درس وتدریس میں مشغول رہے۔ پھر دار الافتا کی ذمہ داریوں کے باعث مخصوص طلبہ تک سلسلۂ درس وتدریس محدود ہو گیا۔ بعدہٗ آپ نے "مظہرِ اسلام" کے نام سے بریلی میں ایک اور دار العلوم کی بنیاد رکھی، کارِ افتا اور دیگر دینی، تصنیفی اور ملی خدمات ومصروفیات کی بنا پر آپ نے درس وتدریس کی خدمات اپنے نائبین کے سپرد کیں۔ آپ علما واساتذہ کی بہت عزت وتوقیر کرتے اور طلبہ سے بہت شفقت ومحبت فرماتے اور نادار طلبہ کو خفیہ طور پر خرچ کی رقم دیتے۔ سادات کرام سے خصوصی اعزاز واکرام سے پیش آتے۔ آپ کے پاس ہند کے علاوہ افریقہ، ماریشش، سری لنکا، ملیشیا، بنگلہ دیش اور پاکستان سے سیکڑوں کی تعداد میں استفتا آتے تھے اور آپ ان کے جواب لکھاتے تھے۔

تصنیفات وحواشی :

مفتی اعظم نے اپنی گوناگوں دینی، علمی اور ملی مصروفیات کے باوجود تصنیفات وتالیفات کا ایک گرانقدر ذخیرہ چھوڑا ہے جو آپ کے [illegible] مزاج، علمی گہرائی وگیرائی، استحضارِ علمی، وسعتِ مطالعہ اور فقہی بصیرت وژرف نگاہی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ کے اسلوبِ تحقیق وتحریر میں آپ کے والدِ ماجد امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی جھلک نمایاں ہے۔ آپ کے سوانح نگاروں نے ۳۵ سے زائد تصانیف، تالیفات وحواشی کی فہرست مرتب کی ہے۔

بیعت وارشاد :

حضرت مفتی اعظم نے درس وتدریس، تالیف وتصنیف کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی اصلاح وفلاح اور ردِّ بدعات ومنکرات کے لیے وعظ ونصیحت اور بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور ہزاروں طالبانِ علم معرفت کی سیرابی اور لاکھوں گم گشتگانِ راہ کی ہدایت کا موجب بنے۔ آپ کو سید المشائخ حضرت شاہ سید ابو الحسین نوری مارہروی علیہ الرحمۃ نے سلسلۂ قادریہ برکاتیہ میں داخلِ سلسلہ کیا اور تمام سلاسلِ اربعہ کی اجازت وخلافت عطا فرمائی۔ اس کے علاوہ آپ کو امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی ان ۲۵ سلاسلِ اولیاء و

اسنادِ قرآن وحدیث کی اجازت فرمائیں جو"النور والبہاء" میں درج ہیں، نیز ان تمام سلاسل واسنادِ رضویہ کی اجازات عطا فرمائیں۔ جو"الاجازات المتینہ" اور فتاویٰ رضویہ میں درج ہیں۔

آپ کے مریدوں میں عرب وعجم کے بڑے بڑے علماو صلحاو مشائخ، شعراو ادبا، مفکرین، قائدین، اسکالرز ودانشور حضرات شامل ہیں۔ آپ کی ذات سے برصغیر پاک وہند، بنگلہ دیش میں سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ کو سب سے زیادہ فروغ حاصل ہوا۔

ذوقِ شعروادب :

مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوری علیہ الرحمۃ بلند ذوقِ شعروادب کے حامل تھے اور یہ ملکہ آپ کو اپنے والدِ ماجد سے وراثت میں ملا تھا۔ آپ کا شمار اپنے وقت کے استاذ شعرا میں ہوتا ہے۔ آپ نوری تخلص فرماتے تھے۔ آپ نے شاعری کو عشقِ مجازی کے بجائے عشقِ حقیقی کا ذریعۂ اظہار بنایا اور اس کے تمام موضوعات واصناف مثلاً حمد، نعت، منقبت، غزل، قطعات، رباعیات پر قلم اٹھایا۔ اس اعتبار سے آپ کی شاعری آفاقی، اصلاحی اور پیغاماتی ہے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے بے پناہ عشق کا مظہر ہے۔ آپ کے اشعار میں آپ کے والد ماجد رضا بریلوی کی طرح دل نشینی، دلآویزی، نغمگی، برجستگی اور تغزل کا رنگ ہے۔ آپ نے اپنی نعتوں میں مضامین والفاظ، استعارات وتلمیحات کے استعمال میں خاص احتیاط برتی ہے اور متقدمین علماو صوفیہ شعرا کی روایت پر نظر رکھی ہے۔ آج کل نعت کی محفلوں میں اکثر نعت خواں آپ کا کلام خوش الحانی سے پڑھتے ہیں۔ برصغیر ہندوپاک کے نعتیہ مشاعروں میں آپ کے بعض نعتیہ مصرعوں کو بطور مصرعہ طرح بھی استعمال کیا گیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے ... ہاں حسیں تم ہو فتنے مٹا کر چلے
شب کو شبنم کی مانند رویا کیے ... صورتِ گل وہ ہم کو ہنسا کر چلے

جو ساقی کوثر کے چہرے سے نقاب اٹھے ... ہر دل بنے مے خانہ، ہر آنکھ ہو پیمانہ
مستِ مئے الفت ہے، مدہوشِ محبت ہے ... فرزانہ ہے دیوانہ، دیوانہ ہے فرزانہ

مرضِ عشق کا بیمار بھی کیا ہوتا ہے ... جتنی کرتا ہے دوا اور سوا ہوتا ہے
داغِ دل میں جو مزا پایا ہے نوری تم نے ... ایسا دنیا کی کسی شی میں مزا ہوتا ہے

پیام لے کے جو آئی صبا مدینے سے ... مریضِ عشق کی لائی دوا مدینے سے
سنو تو غور سے آئی صدا مدینے سے ... قریں ہے رحمت وفضلِ خدا مدینے سے
ترے نصیب کا نوری ملے گا تجھ کو بھی ... لے آئے حصہ یہ شاہ وگدا مدینے سے

آپ نے اپنے مرشدِ طریقت حضرت ابوالحسین نوری قدس سرہ العزیز کے نامِ نامی کی نسبت سے اپنا تخلص نوری رکھا۔ آپ کی شاعری کے زیروبم میں جہاں رضا بریلوی کی طرح قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر اور تصوف کی چاشنی پنہاں ہے وہیں حسن بریلوی کی طرح آپ کے کلام میں معنی آفرینی کے ساتھ شکوہِ الفاظ، بیساختگی، برجستگی، بندشوں کی چستی اور زبان کی سادگی بھی نظر آتی ہے۔ آپ کی شاعری کی چند خوبیاں درج ذیل ہیں:

۱۔ سادہ پن اور بے ساختگی : دہلی کا ایک مصرعہ ہے: ع کون کہتا ہے آنکھیں چرا کر چلے

آپ نے اس مصرع پر جو نعت کہی ہے وہ زبان وبیان، سادگی، بندشوں کی چستی اور محاکات (پیکر تراشی) کا بہترین نمونہ ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کون کہتا ہے آنکھیں چرا کر چلے　　کب کسی سے نگاہیں بچا کر چلے
وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے　　ہاں حسیں تم ہو فتنے مٹا کر چلے
بد سے بد کو لیا جس نے آغوش میں　　کب کسی سے وہ دامن بچا کر چلے
مرتے دم سر در پاک پر رکھ دیا　　اس ادا سے قضا ہم ادا کر چلے

۴۳ اشعار پر مشتمل اس نعت کے ہر شعر کی خوبیوں کو اگر بیان کیا جائے تو ایک دفتر چاہیے۔

۲- زبانوں پر عبور : آپ کو عربی، فارسی اور ہندی بھاشا پر بھی عبور حاصل تھا۔ چنانچہ آپ کے کلام میں ہندی الفاظ اور محاوروں کا جا بجا استعمال ملتا ہے۔ مثال ملاحظہ ہو:

آہ دہائی رحمت والے　　تم پر لاکھوں سلام، تم پر لاکھوں سلام
کھیون ہارے کھیون ہارے　　بتیاں پکڑے مورے پیارے
قوت والے ہمت والے　　تم پر لاکھوں سلام، تم پر لاکھوں سلام
موت کا اب نہیں کھٹکا　　زندگی شبھ گھڑی سے پائی ہے

۳- ایک ہی لفظ کو مختلف معنوں میں استعمال کرنا آپ کی شاعری کی ایک اور اہم خصوصیت ہے ملاحظہ ہو:

کوئی دم کہ مہماں ہیں آ جاؤ اس دم　　کہ سینے میں اٹکا ہے دم غوث اعظم
دم نزع آؤ کہ دم آئے دم میں　　کرو ہم پہ یٰسین دم غوث اعظم

۴- آپ کی نعتیہ شاعری میں بے حد آسان اور پرشکوہ الفاظ کے ساتھ نادر لہجہ کی مثالیں بھی ملتی ہیں، مثلاً اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد میں یہ نادر لب ولہجہ ملاحظہ ہو:

اللہ واحد و یکتا ہے　　ایک خدا بس تنہا ہے
کوئی نہ اس کا ہمتا ہے　　ایک ہی سب کی سنتا ہے

لا الہ الا اللہ　　امنّا برسول اللہ

ایک نہ ہوتا گر اللہ　　کیسے ہوتے ارض و سما
ہوتا نہ اک محتاج اِک کا　　کس لیے یہ اس سے ملتا
سوتا چیتا کھاتا نہیں　　اس کا رشتہ ناتا نہیں
اس کے پِتا ماتا نہیں　　اس کے جورو جاتا نہیں

لا الہ الا اللہ　　امنّا برسول اللہ

۵- آپ کے نعتیہ کلام میں رنگ تغزل بھی جگہ جگہ نمایاں ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ گلستاں ہے جہاں آپ ہوں اے جانِ جہاں

آپ صحرا میں اگر آئیں تو گلستاں ہوگا

دل گیا اچھا ہوا، اس کا نہیں غم، غم یہ ہے
لے گیا پہلو سے جو، وہ دلربا ملتا نہیں

۶-نوری بریلوی علیہ الرحمۃ کے کلام میں اگر پیکر تراشی (محاکات) کا جائزہ لیا جائے تو اس کے حسین امتزاج کی منہ بولتی تصاویر جگہ جگہ نظر آئیں گی:

بصری پیکر:	ان کو دیکھا تو گیا بھول میں غم کی صورت	یاد بھی اب تو نہیں رنج و الم کی صورت
لمسی پیکر:	فق ہو چہرہ مہر و مہ کا ایسے منہ کے سامنے	جس کو قسمت سے ملے بوسہ تری پیزار کا
ذوقی پیکر:	آبلوں کے سب کٹورے آہ خالی ہوگئے	منہ ابھی تر بھی نہ ہونے پایا تھا ہر خار کا
مشامی پیکر:	عنبرستان ہے محشر کا وہ میداں سارا	کھول دے ساقی اگر حوض کنارے گیسو
سمائی پیکر:	پڑھوں وہ مطلع نوری ثنائے مہر انور کا	ہو جس سے قلب روشن جیسے مطلع مہر محشر کا
بے مثل پیکر:	محال عقل ہے تیرا مماثل اے مرے سرور	تو ہم کر نہیں سکتا ہے عاقل تیرے ہمسر کا
نوری پیکر:	مٹے ظلمت جہاں کی نور کا تڑکا ہو عالم میں	نقاب روئے انور اے مرے خورشید اب سرکا
جمالیاتی پیکر:	بسا ہوا ہے کوئی گل عذار آنکھوں میں	کھلا ہے چار طرف لالہ زار آنکھوں میں
آتشیں پیکر:	مرقد نوری پہ روشن ہے یہ لعل شب چراغ	یا چمکتا ہے ستارا آپ کی پیزار کا
لونی پیکر:	تیرے باغ حسن کی رونق کا کیا عالم کہوں	آفتاب اک زرد پتا ہے ترے گلزار کا

اس تمام گفتگو میں حضرت مفتی اعظم نوری بریلوی علیہ الرحمۃ کے کلام کا صرف ایک سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ آپ کے مجموعۂ کلام "سامانِ بخشش" (۵۴ ۱۳ھ) کا اگر تجزیاتی جائزہ لیا جائے تو اس میں شعر کی وہ جملہ تاثیرات محسوس کی جاسکتی ہیں جو ایک قادر الکلام استاذ الشعرا کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ بلاشبہ آپ نے اپنی شاعری میں صرف عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے والہانہ جذبہ کو حرز جاں رکھا اور تمام زندگی مدحِ مصطفوی کے نغمے سناتے رہے۔ ان کی نعتیہ شاعری کے محرکات، داخلی اور خارجی دونوں ہیں مگر داخلیت آپ کی شاعری میں اس قدر غالب ہے کہ آئینۂ روح کو صیقل کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ایک محقق، ادیب اور ناقدِ شعر و ادب نے آپ کی شاعری پر بڑا جامع تبصرہ کیا ہے: "واضح ہو کہ حضرت نوری بریلوی نے صنفِ سخن کا یہ دلکش تحفہ ہمیں ان لمحات میں عطا فرمایا ہے جو ان کی دینی، علمی، تبلیغی، اصلاحی اور روحانی و تجدیدی مشاغل سے بچ جایا کرتے تھے۔ اگر وہ اپنی زندگی کے جملہ اوقات محض اس فن کی غواصی میں بسر کرتے تو خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ سخن سنجی و سخن دانی کے کس ذروۂ کمال پر ہوتے۔"

سیاسی و ملّی خدمات:

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی سیاسی بصیرت و تدبر اپنے والد ماجد کی تعلیم کا نتیجہ تھی۔ وہ ایک صاحب فکر، صائب الرائے اور صاحب بصیرت مدبر تھے۔ ان کی سیاسی بصیرت کی گہرائی و گیرائی کا اندازہ لگانے کے لیے ان کی دو کتابوں کا مطالعہ کافی ہوگا۔ (۱) طرق الہدیٰ والارشاد (۲) مقدمہ دوام العیش۔ آپ سنت کی نصرت و اشاعت، بدعت کی بیخ کنی اور احقاقِ حق و ابطالِ باطل میں حکومتِ وقت

کے جبر و استبداد اور اعلانِ سزا و عقوبت سے بے نیاز، بلا طمع اور بلا خوف لومۃ لائم، محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت کی خاطر ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ آپ نے ملت اسلامیہ کے اتحاد و بقا و تحفظ کی خاطر دامے، درمے، قدمے، سخنے ہر لحاظ سے خدمات انجام دیں۔

تحریکِ ہجرت، تحریکِ خلافت، تحریکِ شدھی (فتنۂ ارتداد ۱۹۲۳ء)، فتنۂ بدمذہبیت، روسی تحریکِ اشتراکیت، حرم شریف پر اس وقت کے قابض حکمرانوں کی حج ٹیکس کی جبری وصولی کا معاملہ، وجوبِ حج اور التوائے حج کا مسئلہ، فتنۂ شہادتِ مسجدِ شہید گنج، لاہور، فتنۂ نسبندی وغیرہ کے خلاف عملی طور سے آپ نے جدوجہد کی اور مسلمانانِ ہند کو ان کے برے اثرات سے بچانے کی بھرپور کوشش فرمائی۔ فتنۂ ارتداد (۱۹۲۳ء) کے زمانے میں آپ نے ۵ لاکھ غیر مسلموں مرتد مسلمانوں کو اپنی انتھک تبلیغ، حکمتِ عملی، محنت اور محبت و شفقت سے حلقہ بگوشِ اسلام کیا۔ آپ کے اس عظیم کارنامے کی بناء پر فتنۂ ارتداد کا انسداد کرنے والے علما میں آپ کا اسمِ گرامی سرِ فہرست ہے۔ آپ کا شمار تحریکِ پاکستان کے ہراول دستے میں ہوتا ہے۔ آپ نے تحریکِ آزادیٔ ہند اور فلاح و صلاح مسلمین کے سلسلے میں قائم انجمن، جماعتیں، مثلاً: انجمنِ اظہار الاسلام، جماعت انصار الاسلام، جماعت رضائے مصطفیٰ، آل انڈیا سنی کانفرنس وغیرہ میں فعال، تعمیری اور تحریکی کردار ادا کیا اور تحریک پاکستان کو مؤثر و کامیاب اور متحرک و فعال بنانے میں نہ صرف سرگرداں رہے بل کہ اس کے لیے عظیم قربانیاں پیش کیں۔ قیامِ پاکستان سے قبل آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ بنارس (۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء) میں پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں جو متعدد کمیٹیاں بنی تھیں، ان میں سے درج ذیل کمیٹیوں کی سربراہی آپ کے سپرد کی گئی:

تعلیم۔ دارالقضاۃ　عائلی قوانین　جمعیتِ آئین ساز

اسفار : حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ تعالیٰ، رسولِ اکرم و مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر سفر فرماتے، اس لیے آپ کا ہر سفر، سفرِ [illegible] و ارشاد ہوتا۔ آپ نے برصغیر پاک و ہند کے اکثر صوبوں کا تبلیغی دورہ کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد آپ نے تصویر کی پابندی کی وجہ سے یہاں کا سفر نہیں کیا۔ ہندوستان میں آپ نے مدھیہ پردیش، بہار، بنگال، آسام، پنجاب، آندھرا پردیش، مہاراشٹر، گجرات، کرناٹک، [illegible] نال پردیش، مدراس وغیرہ کے اکثر شہروں اور قصبوں کا تبلیغی دورہ کیا۔ آپ کے دستِ حق پرست پر لاکھوں غیر مسلم مشرف بہ اسلام [illegible] ہزاروں بدعقیدہ دولتِ ایمان سے مالا مال ہوئے، نیز ایک کروڑ سے زیادہ مسلمان آپ کے دستِ کرامت پر بیعت اور سلسلہ [illegible] قادریہ برکاتیہ میں داخل ہو کر پیرِ پیراں، میر میراں، سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روحانی فیض سے [illegible]۔

[illegible] شریفین :

آپ نے تین بار حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حرمین شریفین کی حاضری دی، بار اول ۱۳۶۵ھ/ [illegible] بار دوم ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء اور بار سوم ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء میں۔ آپ تصویر کشی سے سخت پرہیز فرماتے تھے۔ لہٰذا حج کے پاسپورٹ کے لیے بھی آپ نے تصویر نہ کھنچوائی۔ حرمین شریفین کے سفر میں وہاں کے معروف علما و مشائخ نے آپ سے استفادہ کیا اور مختلف علوم میں [illegible] اسناد حاصل کیں۔

کرامات : آپ کی کرامات بے شمار ہیں، لیکن آپ کی سب سے بڑی کرامت آپ کا تقویٰ اور سفر و حضر ہر حال میں باندازِ

عزیمت سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پابندی سے عمل پیرا ہوتا تھا۔ آپ اسوۂ حسنہ کا پیکر اور قرآنی فرمان "وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (سورۂ /) کا مظہر تھے۔

بقول علامہ اقبال آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
انسانوں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

وصال : آپ ۱۴رمحرم الحرام ۱۴۰۲ / ۱۲رنومبر ۱۹۸۱ء رات ایک بج کر چالیس منٹ پر کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ انا اللہ و انا الیہ راجعون ۔وصال کے وقت آپ کی عمر ۹۱ سال تھی۔ آپ کے وصال کی خبر دنیا کے تمام مشہور ریڈیو اسٹیشنز سے نشر کی گئی۔ آپ کا جنازہ اسلامیہ کالج بریلی کے میدان میں پڑھایا گیا۔ نمازِ جنازہ حضرت مولانا سید مختار اشرف علیہ الرحمۃ سجادہ نشین کچھوچھہ شریف نے پڑھائی۔ آپ کے جنازے میں ہندوستان کی مرکزی و صوبائی حکومتوں کے نمائندوں کے علاوہ اعلیٰ سول افسران، اور تمام اسلامی ملکوں کے سفیروں اور میڈیا و اخبارات کے نمائندوں نے شرکت کی۔ لاکھوں افراد نے آپ کے جنازے میں شرکت کی۔ اخباری رپورٹ کے مطابق دنیا کے کسی مذہبی رہنما کے جلوسِ جنازہ میں اتنی بڑی تعداد میں کسی مذہب و ملت کے افراد نے آج تک شرکت نہیں کی۔ آپ کو اپنے والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی قدس سرہٗ کے بائیں پہلو میں ابدی آرام کے لیے لٹایا گیا جہاں ہر سال لاکھوں عقیدتمند، مشائخ کرام، علمائے عظام اور دانشورانِ ملت زیارت کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے ہیں۔

آپ کے قائم مقام اور جانشین حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں الازہری حفظہ اللہ الباری نے ایک طویل عربی منقبت لکھی جس کے آخری شعر میں تاریخِ وصال درج ہے۔

سئلون اختر رحلة سيدی
فقلت عظيم الشان ليتنا الدار
۱۴۰۲ھ

علامہ مولانا سید محمد قائم رضوی قتیل داناپوری علیہ الرحمۃ نے فارسی میں ایک منقبتی نظم لکھی جس کے آخری شعر سے تاریخ ہجری و عیسوی استنباط ہوتی ہے۔

من ہم قتیل آہ! ازیں حادثہ کشم
ہاتف بگفت سال چو پر سید مش کہ چیست
ہجریست سال "سوئے بہشتِ بزرگ قصر" (۱۴۰۲ھ)
"پرواز کرد مفتی اعظم" بہ عیسوی ست (۱۹۸۱ء)

کتابیات

۱- مفتی اعظم اور ان کے خلفاء (جلد اول) مصنف: محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی، ناشر: رضا اکیڈمی، ممبئی
۲- تذکرہ مشائخ قادریہ، مؤلف: مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی، ناشر: اکیڈمی مشائخ قادریہ رضویہ بخشی مسجد، آندھرا پل، بنارس۔
۳- یادگار رضا، سالنامہ، ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء
۴- مفتی اعظم مصنف: سید محمد ریاست علی قادری، ناشر: ادارہ اہل سنت، اخوند مسجد، کھارادر، کراچی
۵- حیات مفتی اعظم کی ایک جھلک۔ مرتب: الحاج صوفی اقبال احمد نوری، ناشر: ادارہ ماہنامہ اعلیٰ حضرت، رضا نگر، بریلی
۶- رہبر اعظم، مرتب: ڈاکٹر شرافت اللہ، ناشر: مشتاق حسین فرینڈس بک کارنر، اسلامیہ مارکیٹ، بریلی
۷- تجلیات مفتی اعظم۔ مصنف: محمد قمر الحسن قمر بستوی، رضا اکیڈمی، ممبئی
۸- سہ ماہی، دامن مصطفیٰ، مئی ۱۹۹۰ء تا اکتوبر ۱۹۹۰ء بریلی۔
۹- ماہنامہ یٰسین مفتی اعظم نمبر، جنوری، فروری ۱۹۹۲ء، کنگھی محال، کانپور، انڈیا

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم کے افاداتِ علمیہ

مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی
استاذ دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی، ضلع بستی، یوپی

مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی قدس سرہ العزیز ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۳ء-۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء ابن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہ العزیز ایک ایسی عبقری شخصیت کا نام ہے جنھوں نے اپنے دور میں رشد وہدایت تبلیغ ودعوت اور اصلاح امت کا فریضہ کچھ اس طرح انجام دیا، کہ اس سے قرونِ اولیٰ کے ان مردانِ حق، خاصانِ خدا، اولیاے کرام اور مصلحین ومبلغین اسلام کی یادتازہ ہو جاتی ہے، جن کا نفس نفس اخلاص وللٰہیت کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی انجام دہی میں گزرا اور ان کا ہر ہر عمل خدمتِ دین اور ہدایت مسلمین کے جذبے کا مظہر رہا، مفتی اعظم علم وعمل کا پیکر اور طہارت وتقویٰ کا سراپا تھے اور وہ سب کے لیے یہی پسند بھی کرتے تھے کہ ہر عالم وعامی مسلمان دین کی تعلیمات سمجھے اور سمجھ کر سچا اور باعمل مومن بن کر زندگی گزارے، وہ ایمان وعقیدہ اعمال واخلاق اور حقوق ومعاملات ہر ایک شعبے میں انحراف وکج روی اور بے اعتدالی کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور اس پر فوراً ٹوکتے، اور مخلصانہ اصلاح فرماتے، خواہ سامنے کوئی بھی ہو اپنا ہو یا غیر، مسلم ہو یا غیر مسلم، ہم عقیدہ ہو یا بدعقیدہ، عالم ہو یا عامی، صاحب ثروت ہو یا غریب، مرد ہو یا عورت۔

مفتی اعظم تقریر وخطابت کے عادی نہ تھے مگر اپنے رسوخ علم اور مرتبہ فضل وکمال کی وجہ سے مرجع عوام ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے علما فضلاے عصر بھی آپ کی طرف رجوع فرماتے تھے اور اپنے دور میں سند اور اتھارٹی سمجھے جانے والے یہ معاصر علما وفقہا، حدیث، فقہ، اصول، منطق، فلسفہ، نحو، صرف اور معانی وبیان وغیرہ علوم وفنون ہر طرح کے علمی وفنی اشکالات اور فقہی مشکلات ان کے سامنے پیش کرتے تھے اور مفتی اعظم انھیں چٹکی میں حل فرمادیتے اور اپنے افادات واصلاحات سے نواز کر مطمئن فرماتے۔ کسی کو کوئی خلاف شرع کام کرتے یا کہتے پاتے تو از خود تنبیہ فرماتے۔ دورانِ تقریر وشعر خوانی شرعی چوک، غلطی اور بے احتیاطی پر بروقت گرفت فرماتے وہ طرزِ بیان کا بھی خاص خیال فرماتے اور حسبِ ضرورت اصلاح فرماتے۔

ان کا سایہ اک تجلی ان کا نقش پا چراغ		وہ جدھر گزرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

مفتی اعظم کے علمی افادات سے استفادہ کرنے والوں میں درالافتا کے ممتاز مسند نشین، درسگاہ کے باکمال ومشہور ترین اساتذہ مدرسین، خانقاہ کے مرشدین، اسٹیج کے خطبا ومقررین اور اعلیٰ درجے کے دانشوران ومفکرین شامل ہیں۔

آپ کے افادات جہاں آپ کے فتاویٰ اور دیگر درجنوں تصنیفات میں بکھرے ہوئے ہیں، وہیں آپ کے افادات دارالافتا، درسگاہ، نجی محفلوں اور سیرت کے جلسوں میں سامنے آئے جن کا بڑا حصہ اب تک قید تحریر میں نہیں آسکا ہے، مفتی اعظم کے فیض یافتگان میں سے بیشتر حضرات ابھی باحیات ہیں، انھیں چاہیے کہ بلا تاخیر توجہ دے کر ان افادات کو ضبط تحریر میں لائیں ورنہ یہ عظیم علمی سرمایہ ضائع ہو جائے گا۔

مفتی اعظم کے دو نامور خلفاء اور میدان افتا و تدریس کی مایہ ناز بالغ نظر شخصیات، استاذی خال معظم، نائب مفتی اعظم ہشارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی دامت برکاتہم القدسیہ اور استاذی بحر العلوم علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ اعظمی مدظلہ العالی اور بعض دیگر حضرات نے کچھ افادات کا ذکر کیا ہے، ہم ان بزرگوں کے حوالے سے ان افادات کا ذکر کر رہے ہیں۔

علوم خمسہ :

مفتی محمد اعظم صاحب ٹانڈوی شیخ الحدیث دار العلوم مظہر اسلام، بریلی شریف و مفتی رضوی دار الافتا فرماتے ہیں:

ایک بار جب کہ میں رضوی دار الافتا میں بیٹھا مشکوۃ شریف کا مطالعہ کر رہا تھا کیوں کہ مجھے یہ کتاب پڑھانے کے لیے دی گئی تھی، حدیث جبریل میں جہاں قیامت کے علم کو پانچ ان علوم میں سے بتایا گیا ہے جنھیں بے بتائے سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا، میں اس حدیث کو کئی بار پڑھا چکا تھا اور طلبہ کو سمجھا چکا تھا لیکن مجھے خود سمجھانے کے باوجود حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ سے اس حدیث کو سمجھنے کا شوق ہوا۔ میں نے حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دریافت کیا کہ حضور اس حدیث میں مخلوق کے لیے پانچ علوم کے ذاتی نہ ہونے کی تخصیص ہے تو پانچ ہی کی تخصیص کیوں کی گئی ہے حالاں کہ مخلوق کو کسی چیز کا علم ذاتی نہیں؟

حضرت مفتی اعظم نے ارشاد فرمایا آپ نے کہا ہے کہ علوم خمسہ کی تخصیص کی گئی، یہاں تخصیص کہاں ہے؟ میں متنبہ ہوا اور سمجھ گیا کہ حضرت نے مجھے اس بات پر تنبیہ کی کہ آپ کو تخصیص نہیں کہنا چاہیے تھا کہ تخصیص علم معانی و بیان میں خاص صورت میں ہوتی ہے، خاص کلمات کے ذریعہ مثلاً نفی اور استثنا کے ذریعہ، کلمہ انما کے ذریعہ اور تقدیم وغیرہ کے ذریعہ۔ اور یہاں ایسی کوئی صورت نہیں۔ مجھے یہاں تخصیص نہیں بولنا چاہیے تھا۔ اس کے بعد فوراً حضرت مفتی اعظم نے فرمایا یہ کہیے علوم خمسہ کی تخصیص بالذکر کی گئی۔ اس تنبیہ سے میں نے حضرت مفتی اعظم کے مبلغ علم کی بلندی اور تعمق نظر و فکر کو خوب سمجھ لیا اور میں نے اندازہ لگالیا کہ حضور مفتی اعظم کا درس نظامی پر گہرا مطالعہ ہے اگرچہ مفتی اعظم کہلاتے ہیں مگر مدرس اعظم بھی ہیں۔ پھر حضرت نے وہ بتایا جو میں جاننا چاہتا تھا حضرت مفتی اعظم نے فرمایا۔

بیشک عالم کے کسی ذرے کا بھی علم مخلوق کو بے عطائے الٰہی حاصل نہیں کہ علم ذاتی خاص ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ، حدیث شریف کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پانچ چیزوں کا علم ذاتی مخلوق کو نہیں اور ان پانچ کے سوا معاذ اللہ علم ذاتی مخلوق کو ہے، اصل میں پانچ کی تخصیص ذکر کے ساتھ اس لیے کی گئی کہ اس زمانے میں کاہن، قائف (قیافہ شناس) اور ساحر وغیرہ ان پانچ چیزوں کے علم کا دعویٰ کیا کرتے تھے اور وہ گمراہ تھے۔ اس بات کے منکر تھے کہ اللہ عزوجل انھیں ان چیزوں کا علم عطا فرمائے، جب انھیں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہی نہیں اور وہ ان علوم کے جاننے کے مدعی تھے تو ان کا مطلب یہ تھا کہ انھیں ان چیزوں کا علم ذاتی ہے تو قرآن و حدیث میں ان کا رد کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے بے بتائے جو یہ دعویٰ کر رہے ہیں اور اصل میں یہاں علوم کو کوئی نہیں جانتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ بتائے اور یہ کاہن وغیرہ نہیں جانتے۔ یہ ہے وجہ تخصیص بالذکر کی۔

یہ ایک حدیث خاص حضرت نے مجھے سمجھائی اور پتہ نہیں کتنی بار فتاوے سناتے اور دکھاتے وقت تفسیر و حدیث اور فقہ وغیرہ کی کتابوں کے مطالب سمجھائے اور بتائے۔ (مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفا، ص ۴۶-۴۷)

مقامات ان مکسورہ : جامعہ رضویہ مظہر اسلام بریلی کے استاذ مولانا عبد الخالق رضوی کا بیان ہے:

۱۹۷۴ء میں ایک روز بعد نماز عشا میں، مولانا بلال احمد رضوی اور مولانا محمد ہاشم یوسفی رضوی دار الافتا میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی خدمت میں تبرکاً بخاری شریف پڑھنے کے لیے حاضر ہوئے، حضرت مفتی اعظم نے بخاری شریف کی حدیث "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ

بِـالنِّیَـاتِ مال شفقت کے ساتھ پڑھائی۔ عبارت پڑھتے وقت حضرت کا رعب علمی کچھ اس طرح غالب آیا کہ زبان سے اِنَّمَا کی بجائے اَنَّمَا نکل گیا۔ حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا اَنَّمَا نہیں اِنَّمَا ہے۔

اِنَّ متعدد مقامات پر آتا ہے۔

۱- القول مصدر سے جتنے افعال مشتق ہوں ان کے بعد، جیسے قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ۔ (سورۂ بقرہ ۲/ ۶۸)

۲- اسم موصول کے بعد جیسے جَاءَ الرَّجُلُ الَّذِیْ اِنَّهٗ قَائِمٌ۔

۳- ابتدا کلام میں جیسے اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (سورۂ بقرہ ۵/ ۱۷۳)

۴- جس کی خبر میں لام تاکید ہو جیسے اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ (سورۂ بقرہ ۲/ ۲۵۲)

۵- جوابات قسم میں جیسے وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ (سورۂ عصر ۱/ ۱۰۳)

(مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفا، ص ۴۸-۴۹)

مقولہ عرب میں مِن کا مطلب :

شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی، مفتی اعظم کی ایک علمی مجلس کا حال یوں بیان فرماتے ہیں:

شرح ماۃ عامل عبد الرسول کے حاشیے میں عربی کا ایک مقولہ ہے: "اَلـنَّـارُ فِی الشِّتَـاءِ خَیْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" جس کا ظاہری ترجمہ یہ ہے کہ جاڑے میں آگ اللہ اور رسول سے بہتر ہے۔ اور ظاہر ہے یہ معنی کفری ہے۔

حاشیہ شرح ماۃ عامل کے مطابق مِنْ یہاں پر قسمیہ ہے۔ تو اب معنی یہ ہوں گے کہ اللہ وسول کی قسم آگ جاڑے میں بہتر ہے۔ مگر اس توجیہ پر بھی یہ اشکال ہے کہ اللہ کی قسم کھانا تو جائز ہے۔ مگر رسول کی قسم کھانا جائز نہیں۔ علما کے درمیان اس مسئلہ میں مذاکرہ ہوا۔ سب نے اپنے اپنے طرپر جوابات دیئے۔ پھر آخر میں حضرت مفتی اعظم رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا گیا۔ حضرت نے ایسا جواب دیا جس سے اس جملہ کی صحیح توجیہ بھی ہوگئی اور اشکال بھی اٹھ گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ آپ لوگ روزمرہ کے محاورے میں بولتے ہیں۔ یہ بات منجانب اللہ ہے۔ اسی طور پر اس جملہ کو سمجھیے۔

حضرت کے ارشاد سے صاف ہو گیا کہ "مِنْ" یہاں قسمیہ نہیں ہے کہ وہ اشکال ہو۔ جو گزرا۔ نہ تفضیل کے لیے جیسا کہ اس جملے سے ذہن کو دھوکا ہوتا ہے۔ بل کہ مِن یہاں ابتداے غایت کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے:

"اللہ ورسول کی جانب سے آگ جاڑے میں بہتر ہے۔" (مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفا، جلد ا، ص ۶۸-۶۹)

شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی دامت برکاتہم العالیہ صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے ممتاز خلیفہ اور کثیر الاستفادہ تلمیذ ہیں، جنھیں گیارہ سال سے زائد رضوی دار الافتا میں مفتی اعظم کے زیر نگرانی فتویٰ نویسی اور علمی استفادہ کرنے کا شرف حاصل ہے، وہ مفتی اعظم کے افادات کے چند نمونے بیان فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

تو فیہا : ایک دفعہ میں نے لکھا تھا "تو فیہا" فرمایا "فیہا" کے ساتھ "تو" کا کیا جوڑ؟ (انوار مفتی اعظم ص ۲۵۸، عربی) "ف" خود ہی "تو" کا معنی رکھتا ہے۔

ظاہر ہے کہ لفظ "تو" لفظ "فیہا" کے حرف "فاء" ہی کا ترجمہ ہے۔ اگر فاء کے ساتھ "تو" بھی جوڑا جائے، تو یہ ایسے ہی ہوا جیسے آبِ زمزم کا پانی۔

مہر کی تانیث : حضرت مفتی صاحب قبلہ آگے بیان فرماتے ہیں: ہمارے اعظم گڑھ کے عرف میں "مَہر" کو (منکوحہ کا مہر) مونث استعمال کرتے ہیں، اس وجہ سے میں نے مہر کے لیے تانیث کا صیغہ استعمال کر دیا، فوراً تنبیہ فرمائی۔ (انوار مفتی اعظم، ص ۲۵۸)

بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ اعظمی دامت برکاتہم العالیہ خلیفہ مفتی اعظم ایک اچھے مدرس و مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کے مقبول اور کامیاب خطیب بھی ہیں، تقریری جلسوں میں بارہا اسٹیج پر حضرت مفتی اعظم کی موجودگی میں حضرت مفتی صاحب کو تقریر کرنے کا اتفاق ہوا ہے، اور ساتھ میں سفر بھی کیا ہے، نیز بریلی شریف اور مبارک پور میں فیض صحبت بھی اٹھایا ہے، بحر العلوم نے اپنی یادداشت سے مفتی اعظم کے کچھ افادات کا ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ عمل کا استعمال :

لفظ "عمل" کا استعمال اللہ تعالیٰ کے لیے شرع میں کہیں بھی وارد نہیں۔ قرآن میں لفظ "فعل" یا اس کے مشتقات آئے ہیں جیسے سورۂ بروج میں "فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ" اور سورۂ حج میں "اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ" وغیرہ۔

"گیا" کے ایک جلسے میں حضرت بحر العلوم کی زبان سے اللہ تعالیٰ کے لیے "عمل" کا لفظ استعمال ہو گیا تو مفتی اعظم نے بحر العلوم سے فرمایا: "رات آپ نے تقریر میں اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ "عمل" کا استعمال فرمایا، اگر کہیں قرآن و حدیث میں یہ لفظ ذات باری کے لیے آیا ہو، تب تو اس کا بولنا صحیح ہوگا، ورنہ نہیں، اس امر کی تحقیق کر لیجیے گا"

بحر العلوم لکھتے ہیں: آج پندرہ بیس سال ہو گئے اور میں اس سلسلے میں غور کرتا رہتا ہوں مجھے تو کوئی ایسا عمل استعمال نہ ملا۔

(مفتی اعظم نمبر ماہنامہ حجاز جدید، دہلی ستمبر اکتوبر ۹۰ء، ص ۳۲)

مسلمان بدنصیب نہیں ہوتا : بحر العلوم لکھتے ہیں: مغربی یوپی کے کسی علاقے میں تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا: بدنصیب مسلمان آج کل رات میں بارہ بجے تک سنیما دیکھتے ہیں اور دن میں دس بجے تک سوتے ہیں، یک بیک (مفتی اعظم نے) بازو سے میری طرف پوری طرح مخاطب ہو کر کہا، نہایت بلند آواز میں بے حد بیزاری کے ساتھ، گویا مجھ پر پھٹ پڑے:

"مولانا! میں اس کو مان نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بدنصیب ہو، آپ اس کو بدنصیب نہ کہیے، کچھ اور کہہ لیجیے"۔ حق یہ ہے کہ جس امت کے نگہبان رسول عربی ہوں وہ بدقسمت کیسے ہو سکتی ہے۔" (مفتی اعظم نمبر ماہنامہ حجاز جدید، دہلی ستمبر اکتوبر ۹۰ء، ص ۳۲)

طوفان گزر جائے گا : بحر العلوم ہی کا بیان ہے:

اور (مفتی اعظم کا) زبان و بیان کی اصلاح کا انداز تو بے حد دلچسپ اور پرلطف ہوتا تھا، ایک دفعہ لوگوں نے آپ کے سامنے کہنا شروع کیا: طوفان (ایکسپریس) ایک بجے آ رہا ہے، "ایک بجے طوفان آ رہا ہے" کئی بار اس جملے کو سن چکے تو فرمایا: "سبحان اللہ بولنے کا کیا انداز ہے "طوفان آ رہا ہے، طوفان آ رہا ہے" میاں! کہنا ہی ہے تو یوں کہو "ایک بجے بریلی اسٹیشن سے طوفان گزر جائے گا۔"

بحر العلوم دونوں جملوں "طوفان آ رہا ہے" اور "طوفان گزر جائے گا" کے فرق پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "سبحان اللہ بات وہی ہے لیکن پہلے جملے کا ظاہر بے حد بھیانک ہے اور دوسرے کا ظاہر و باطن یکساں خوشگوار، تھوڑے سے تصرف نے قبح کو حسن بنا ڈالا۔"

(مفتی اعظم نمبر ماہنامہ حجاز جدید، دہلی ستمبر اکتوبر ۹۰ء، ص ۳۲)

بلا کا حافظہ : مفتی اعظم زبان و بیان کی لطافت کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ بزرگوں کی شان میں حد درجہ محتاط بھی تھے، وہ

یہ بھی نہیں پسند فرماتے تھے کہ کوئی ایسا جملہ بھی استعمال کیا جائے، جس میں ظاہر ہی کے اعتبار سے کسی کوئی نقص یا بے ادبی کا ادنی سا شائبہ تک موہوم ہوتا ہو، اگر چہ اس جملے کا استعمال مقامِ مدح وستائش میں عام اور رائج ہو، مثلاً "بلا کا حافظہ"

حضرت بحر العلوم اس سلسلے کا ایک واقعہ اس طرح ذکر کرتے ہیں: فتاویٰ رضویہ جلد سوم شائع ہوئی تو آپ (مفتی اعظم) کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے ایک نسخہ حاضر خدمت ہوا، خیال ہوا کہ اس کا پیش لفظ سنا دیا جائے، پیش لفظ میں ایک جگہ حضور اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی غیر معمولی قوتِ حافظہ کے بارے میں تحریر تھا "حافظہ اس بلا کا تھا"

بحر العلوم آگے فرماتے ہیں: پوری زندگی ہم نے اس جملے کو بار بار مقام مدح میں سنا اور پڑھا اور یہاں بھی موقع استعمال موقع مدح ہی تھا، سن کر حضرت نے فرمایا:

"واہ واہ! آپ نے حضرت کے حافظے کی تعریف فرمائی ہے یا تنقیص کی ہے، آپ کا حافظہ بلا کا تھا، یہ بلا کون سی چیز ہے"

حضرت بحر العلوم اس اصلاح وتنبیہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، وہ اپنا تاثر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

تب مجھے احساس ہوا، حضرت (مفتی اعظم) زبان وبیان کا بھی کس درجہ لطیف ذوق رکھتے تھے اور اس کی باریکیوں پر کیسی مہارت تامہ حاصل تھی، الغرض آپ کی بارگاہ میں شرعی لغزش ہو یا اخلاقی ولسانی سب پر پوری دار وگیر ہوتی اور اعلانِ حق اور امر بالمعروف کا پورا پورا حق ادا کیا جاتا۔ (مفتی اعظم ماہنامہ حجاز جدید، دہلی، ص ۴۲، ستمبر اکتوبر ۱۹۸۹ء)

فاسق کے پیچھے نماز صحیح مگر مکروہ تحریمی ہے:

ایک بنارسی مولوی صاحب نے سوال کیا کہ حدیث پاک میں ہے کہ ہر فاسق وفاجر کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے۔ صَلُّوْا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَّ فَاجِرٍ (حدیث) تو جب حدیث پاک سے ثابت ہے، تو نماز واجب الاعادہ کیوں؟ اور دوسرے یہ کہ جس مکروہ تحریمی سے اعادہ واجب ہوتا ہے، وہ کون مکروہ تحریمی ہے، خارج نماز یا داخل نماز؟

حضرت مفتی اعظم، اس الجھن کے ازالے کے لیے حدیث کے مفہوم اور اس فقہی مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے افادۃً یوں رقم طراز ہیں:

"جواز بمعنی صحت بھی ہوتا ہے اور بمعنی حل بھی، فاسق ومبتدع جس کی بدعت حد کفر تک نہ پہونچی ہو، اس کے پیچھے نماز جائز ہوتی ہے، یعنی صحیح ہو جاتی ہے، مگر مکروہ تحریمی ہوتی ہے، فرض گردن سے اتر جاتا ہے اور نا جائز ہے، یعنی ان کے پیچھے پڑھنا انھیں امام [illegible] المختار میں فرمایا جاز ای مع کراهة التحریم، وہ حدیث جس کا مولوی صاحب نے ذکر کیا ہے صلوا خلف کل بر و فاجر [illegible] سید عبد الرؤف مناوی قدس سرہ تیسیر شرح جامع صغیر میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: صلوا جوازا خلف کل بر و [illegible] ای فاسق فان الصلوٰہ خلفه صحیحة لکنها مکروهة (مفتی اعظم آگے فرماتے ہیں) نماز جب کسی مکروہ تحریمی کے ساتھ [illegible] تو واجب الاعادہ ہوتی ہے، کل صلوٰۃ ادیت مع کراهة التحریم تجب اعادتها۔ جب بحالتِ نماز ایک گناہ کا ارتکاب کیا [illegible] اس کی ایک نا جائز امر پر مشتمل ہوئی، کراہت کے لیے اشتمال کافی ہے، وہ مکروہ خارج ہو یا داخل

(فتاویٰ مصطفویہ، جلد ۲، ص ۴۵ ۔ اشاعت جدید، رضا اکیڈمی، ممبئی)

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم ہند اور مسئلۂ تثویب

مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی
رضوی دارالافتا محلہ چودھری سرائے، بدایوں

عارف باللہ، عالم حق آگاہ، حضور تاجدار اہل سنت حضرت سیدنا شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے پناہ خوبیوں اوران گنت کمالات کے حامل تھے۔آپ کی ذات ستودہ صفات میں وہ تمام امتیازات اور خصوصیات جمع تھیں جو ہم عصر علمائے کرام میں کسی کو ممتاز کرتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آپ مفتی اعظم، کے منصب بلند پر فائز تھے۔آپ کے زمانۂ اقدس میں جس قدر علمائے کرام اور فضلائے عظام تھے،سب نے آپ کی ذات پر اعتماد اور مکمل طور پر بھروسہ کیا۔حضرت علامہ قاضی شمس الدین صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مصنف'' قانون شریعت'' سے کون واقف نہیں؟آپ کی شخصیت علمی بصیرت اور وسعت معلومات کے حوالے سے محتاج تعارف نہیں۔آپ ایک دانشور اور مفکر و محقق تھے ہر کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔مگر جب کبھی آپ سرکار مفتی اعظم کا تذکرۂ جمیل فرماتے تو جبین سعادت پر نیازمندی کے آثار نمودار ہو جاتے تھے اور رخ زیبا پر ایسی تابانی کھل اٹھتی تھی کہ دیکھنے والی نگاہیں تاڑ لیتی تھیں کہ یہ تاب و توانائی کسی سچی عقیدت اور اعتراف حقیقت کا ثمرہ و نتیجہ ہے،میرے سامنے حضرت نے بارہا یہ فرمایا......

> ''میں سرکار مفتی اعظم کی ذات بابرکت پر اس قدر اعتماد رکھتا ہوں کہ ان کے فتاویٰ اوران کی مؤید تحریرات پر آنکھیں بند کر کے تصدیق کر دیتا ہوں اور دستخط بھی۔

یہ سچ ہے کہ''سرکار مفتی اعظم'' کو وراثت میں جہاں اور کمالات ملے تھے ان میں تفقہ فی الدین اور حکمت بالغہ بھی تھی۔فتویٰ نویسی تو آپ کے خاندان کی روایت اور طرۂ امتیاز رہی ہے۔آپ کے فتاویٰ میں دلائل و براہین کے ایسے آفتاب و ماہتاب تیرتے نظر آتے ہیں کہ دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔یہ حقیقت ہے کہ آپ کے فتاویٰ شب دیجور میں تابندہ ستاروں کی مانند چمک رہے ہیں اور فکری شبستانوں میں چاندنی بکھیر رہے ہیں۔

القول العجیب ایک عظیم تصنیف :

القول العجیب فی جواز التثویب سرکار مفتی اعظم کے کل ۵ فتووں کا مجموعہ ہے جو صرف ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔یہ کتاب پہلے مکتبہ المصطفیٰ رام پور سے چھپی۔پھر رضا اکیڈمی،بمبئی سے شائع ہوئی۔یہ کتاب مختصر سہی مگر معنویت اور جامعیت کے اعتبار سے بہت زیادہ عظیم ہے۔یہ ایک خاموش سمندر ہے جو گہرائی کا پتہ دے رہا ہے۔کتابت،طباعت اور سر ورق کی خوبصورتی و رعنائی مضامین کی عظمت کی نشاندہی کر رہی ہے۔ہندوستان کی بہت سی مسجدوں میں صلاۃ کہی جاتی ہے۔یعنی اذن کے کچھ دیر بعد،جماعت سے کچھ دیر پہلے لوگوں کو مزید ہوشیار کرنے اور شرکت جماعت کے لیے غفلت سے بیدار کرنے کی خاطر بآواز بلند کہا جاتا ہے:الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول

اللہ، الصلاۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ اور اسی طرح کے کلمات ۔اسی کو تثویب کہتے ہیں ۔اس میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو خلاف شریعت ہو، مگر افسوس اس بات پر ہے کہ یاران نکتہ چیں نے صاف ستھرے اور پاکیزہ الفاظ پر بھی اپنے اعتراضات جوڑ دیے کہ یہ بریلویت ہے، بدعت سیئہ ہے، ناجائز ہے اور اس سے اذان کی اہمیت کم ہورہی ہے۔اس کرب واضطراب کا اندازہ ان استفتوں سے ہوتا ہے جو مختلف مقامات سے حضور مفتی اعظم کی بارگاہ میں بھیجے گئے۔انھیں استفتوں اور فتووں کا ایک تجزیاتی مطالعہ پیش کرنا ہے تاکہ ہمارے قارئین کو اندازہ ہوسکے کہ سرکار مفتی اعظم علم وشعور اور فکر ونظر کی کس بلندی پر فائز تھے؟ یہ استفتے مختلف مقامات سے مختلف تاریخوں میں بھیجے گئے تھے......

(۱) پہلا استفتا ۲۸ رذی الحجہ ۱۳۴۲ھ محلہ اعظم نگر شہر بریلی سے آیا تھا۔

(۲) دوسرا استفتا ۱۶ رشوال المکرم ۱۳۴۳ھ میں آیا تھا۔

(۳) ۱۷ رشوال المکرم ۱۳۴۳ھ محلہ جسولی سے آیا تھا اور سائل جناب عبدالحمید صاحب تھے۔

(۴) ۱۸ رذی القعدہ ۱۳۴۳ھ محلہ کنکوئیاں پرانا شہر بریلی سے آیا تھا اور اس کے سائل جناب منشی عبدالعزیز تھے۔

(۵) ۱۵ رربیع الاول ۱۳۴۴ھ محلہ شاہ دانا بریلی سے آیا تھا اور اس کے سائل عبدالواحد صاحب تھے۔

ان استفتاؤں سے مندرجہ ذیل سوالات اخذ کیے گئے ہیں۔

(۱) صلاۃ کہنا کیسا ہے؟

(۲) کیا صلاۃ بدعت سیئہ ہے؟

(۳) احادیث سے صلاۃ کا ثبوت دیا جائے۔

(۴) اس حدیث کا کیا جواب ہے جس میں صلاۃ کو بدعت سیئہ کہا گیا ہے؟

(۵) اگر فتنہ کا قوی اندیشہ ہو تو صلاۃ کا ترک اولی ہے یا نہیں؟

قارئین انھیں سوالوں کو ذہن میں محفوظ کرلیں پھر ان کے تناظر میں فتاوی پر غور کریں مگر ان فتاوی کے مطالعہ سے قبل صلاۃ کے تعارف، طریقہ کار اور پس منظر کا مطالعہ کرتے چلیں تاکہ فتووں کے مطالعہ اور تجزیہ میں آسانی پیدا ہو۔

صلاۃ کا تعارف، طریقہ کار اور پس منظر :

اذان کے بعد اور اقامت سے پہلے دوبارہ اعلان کو فقہ کی اصطلاح میں تثویب کا نام دیا گیا ہے اور اسی کو ہندوستانی عرف میں "صلاۃ" کہا جاتا ہے۔کن الفاظ کے ساتھ صلاۃ کہی جائے اس کے لیے کچھ مخصوص الفاظ موضوع نہیں بل کہ یہ عرف ورواج پر مبنی ہے البتہ اب تک مندرجہ ذیل الفاظ طیبہ کے ساتھ صلاۃ کہی جاتی رہی ہے......

(۱) الصلوۃ خیر من النوم (۲) قد قامت الصلوۃ (۳) حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح
(۴) قوموا للصلوۃ (۵) الصلوۃ الصلوۃ یا مصلین (۶) الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

تثویب بذات خود انسانی فطرت کے عین مطابق ہے، کیوں کہ معلن کو جب عام طور پر یہ احساس ہوجاتا ہے کہ مدعو حضرات کسی اور کام میں مصروف ہیں یا وہ لاپرواہ ہوگئے ہیں یا کسی اور وجہ سے سستی یا غفلت ان میں در آئی ہے تو انھیں بطور تنبیہ دوبارہ بلایا جاتا ہے

آواز لگائی جاتی ہے۔ اور اس قسم کے مکرر بلاوے سماجی و معاشرتی تقاضوں کے پیش نظر کوئی عجیب اور قابل اعتراض نہیں۔ مشاہدات و تجربات اس بات پر شاہد ہیں کہ عام طور پر اذان کے سنتے ہی مسجدوں میں آنا اور نماز کے لیے تیار ہونا نادر ہے۔ خواہ اس کے اسباب کچھ بھی ہوں۔ ایسی صورت میں اگر نمازیوں کو بلانے کے لیے دوبارہ اعلان کیا جائے یا لوگوں کو تنبیہ کی جائے تو اس پر اعتراض کرنے یا ناک بھوں چڑھانے کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ مسئلہ تھویب کو انسانی فطرت، سماجی اور معاشرتی تقاضوں کے تناظر میں دیکھا جائے کہ آیا تھویب کی ضرورت وافادیت ہے یا نہیں؟ سرکار مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو اس طرح ارشاد فرمایا: پڑھیے اور کمال علم وفن کا اندازہ لگائیے.....

"جب لوگوں میں ایسی غفلت طاری ہوگئی کہ انھیں اعلان بعد اعلان اور دوبارہ تنبیہ کی حاجت ہوئی، اذان سن کر نماز کے لیے تیار ہوجانا اور مسجد میں اذان کے ساتھ آجانا بہت نادر ہوگیا تو متاخرین علمائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تھویب کو جائز ومستحسن قرار دیا۔ القول العجیب فی جواز التثویب: ۱۵)

نادر کی یہ صورت متاخرین علمائے کرام کے زمانہ اقدس میں تھی لیکن آج کے دور میں یہ نادر کتنا زیادہ ہوگیا ہے، اس کا احساس شاید ہر ذی شعور کو ہے۔ اس کے باوجود مسئلہ تھویب پر اعتراض یقیناً حیرت انگیز ہے اور معنی خیز بھی؟ مذکورہ بالا محولہ عبارت سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سرکار مفتی اعظم کے فتاویٰ میں صرف علمی نکات اور فکری دقائق ہی نہیں پائے جاتے ہیں بل کہ سماجی، معاشرتی اور انسانی فطرت کی صحیح تصویر کشی بھی پائی جاتی ہے۔ یہ وہ خوبی وکمال ہے جو کسی تحریر کو سائنٹیفک قرار دیتا ہے اور روح عصر کی جھلک کو پیش کرتا ہے۔ اب ذرا ان سوالوں کی طرف توجہ مرکوز کرتے ہیں جو استفتا کی تحریروں سے اخذ کیے گئے ہیں مثلاً.....

(۱) صلاۃ کہنا کیسا ہے؟

یہ وہ سوال ہے جس کا جواب اب تک کی تحریروں سے ضمناً واضح ہو چکا ہے۔ اب مزید اس کی توضیح کی ضرورت نہیں، مگر چوں کہ یہ فتویٰ کی زبان ہے جس میں جواب صراحۃً دیا جاتا ہے۔ سرکار مفتی اعظم نے بھی اس سوال کا جواب دیا ہے۔ مگر ایسا جواب دیا جس میں فقہ کی ۲۹ر معتبر کتابوں کے حوالے موجود ہیں۔ جس سے جواب نہ صرف تشفی بخش ہے بل کہ دندان شکن اور فیصلہ کن بھی۔ آپ فرماتے ہیں...

تھویب ضرور جائز ومندوب ومستحسن ہے ص: ۱۴

اسی طرح کفایہ و بنایہ شرح ہدایہ و مختصر وقایہ ونہایہ و نقایہ و شرح النقابہ و فتاویٰ سراجیہ و فتح باب العنایہ و غنیہ شرح منیہ و فتاوی عالمگیری و فتاوی حجۃ و مدارج النبوت و شرح سفرالسعادۃو مرقاۃ شرح مشکوۃ و اشعۃ اللمعات و طحطاوی و نورالایضاح و مراقی الفلاح و فتاوی امام فقیہ النفس فتاوی قاضی خان و جامع الرموز و کنز الدقائق و تبیین الحقائق و بحر الرائق و ملتقی الابحر و مجمع الانہر وغیرہا میں

ہے۔ ہمارے شہر میں تھویب ان الفاظ طیبہ سے جاری ہے۔ **الصلوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ** ص: ۱۶

ذرا غور فرمائیں۔ تھویب کے تعلق سے محولہ کتابوں کی یہ کثرت اور مسائل وجزئیات پر یہ استحضار اس بات کی نشاندہی کررہا ہے کہ وسعت علم اور تعمق فکر کا ایک ایسا سیل رواں ہے جو رکنے کا نام نہیں لیتا بل کہ بہتا ہی چلا جارہا ہے۔ امام احمد رضا بریلوی کا یہ فیضان ہے

جو آپ کی شخصیت اور ذات اقدس سے جاری ہے اور متلاشیان حق و صداقت کے لیے سنگ میل ثابت ہو رہا ہے۔

(۲) کیا صلاۃ بدعت سیۂ ہے؟

یہ سوال ایسا معنی خیز ہے جو معترضین کی ذہنیت اور تعصب و تنگ نظری کا پتہ دے رہا ہے۔ ذرا سوچئے ہر نئی چیز کو بدعت سیۂ کہہ دینا کیا انصاف و دیانت اور راست فکری سے میل کھاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ معترض اس بات کو کیوں نہیں سمجھتا کہ کسی شی کا بدعت ہونا اور چیز ہے اور بدعت سیۂ ہونا دوسری چیز ہے اور مستحب و مستحسن ہونا ایک الگ معاملہ ہے۔ تثویب ایک امر مستحسن ہے جس پر دلائل پیش کیے جا چکے ہیں۔ اب ذرا انداز جواب اور طرز تردید ملاحظہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں......

> کسی امر کے جواز و استحسان کے لیے یہ کیا ضرور ہے کہ وہ زمانۂ اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا کم از کم تابعین کے زمانہ میں پایا جاتا ہو؟ کیا مدارس جس ہیئت سے آج کل رائج ہیں بایں ہیئت قرون ثلاثہ میں سے کسی قرن میں رائج تھے؟ یا تینوں پاک عہدوں میں سے کسی عہد میں کوئی ایک مدرسہ بھی اس ہیئت میں تھا؟
> (القول العجیب فی جواز التثویب، ص ۱۵)

سرکار مفتی اعظم کی یہ عبارت ایسی ہے جو مخالفین کے دل و دماغ پر چوٹ کرتی ہے اور ان کی دکھتی ہوئی رگ پر انگلی رکھتی ہے جتن لاکھ جتن کریں مگر اس کاری ضرب سے جان بر نہیں ہو سکتے۔ سچ ہے۔

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے ۔۔۔ کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے ۔۔۔ کہ یہ وار وار سے پار ہے

(۳) صلاۃ احادیث کے تناظر میں:

اگر تحقیقی تناظر میں آپ دیکھیں تو تثویب یعنی صلاۃ ہر دور میں کسی نہ کسی نوعیت میں ضرور کہی جاتی رہی ہے مطلقاً تثویب کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت علامہ مفتی سید شاہد علی صاحب رضوی نے "القول العجیب فی جواز التثویب" کے ابتدائیہ میں اس تعلق سے اچھی بحث کی ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

(۱) مثلاً زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے:

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقت فجر اذان کے بعد حجرہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوتے اور عرض کرتے الصلوۃ خیر من النوم، یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا...... ما احسن هذا يا بلال اجعله في اذانك. (کنز العمال حدیث ۲۱۰۷۹، بحوالہ الاذکار الدولیہ، الریاض) کیا ہی اچھا ہے یہ۔ اے بلال! تم اس کو اپنی اذان میں شامل کر لو۔ (القول العجیب فی جواز التثویب، ص ۴-۵)

تثویب کے یہ الفاظ اذان میں شامل کر لیے گئے اور اب تک شامل ہیں۔ اگرچہ یہ تثویب داخلی ہے یعنی اذان میں شامل ہے۔ اب رہی بات تثویب کے ان الفاظ کی جو اذان میں شامل نہیں تو اس کا ثبوت یہ ہے کہ الصلوۃ خیر من النوم کو اذان میں شامل کر لینے کے بعد بھی حضرت بلال دروازہ اقدس پر حاضر ہوتے اور ان الفاظ میں تثویب فرماتے، الصلوۃ الصلوۃ۔

ان بلالا كان يحضر باب الحجرة النبوية بعد الاذان و يقول الصلوة، الصلوة، بے شک حضرت بلال رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کاشانۂ نبوت کے دروازہ پر حاضر ہوتے اور کہتے ۔الصلوۃ۔الصلوۃ۔

(۲) صحابہ کرام کے زمانہ کے حوالہ سے:

یہ تثویب صرف زمانہ اقدس سے مخصوص نہ تھی بل کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں بھی کی جاتی تھی اوراس کے لیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقرر تھے۔جیسا کہ علامہ سید شاہد علی رضوی،حاشیہ کنزالدقائق کے حوالہ سے لکھتے ہیں......

ان عمر رضی الله تعالیٰ عنه نصب زیدبن ثابت لاعلامه باوقات الصلوٰة و حضور الجماعة ، بے شک سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا زید بن ثابت کونمازوں کے اوقات اور جماعت میں حاضر ہونے کی اطلاع دینے کے لیے مقرر کیا تھا۔

زمانہ اقدس وصحابہ وتابعین کے بعد بھی تثویب جاری رہی اور ۱۴ سو سال گزر جانے کے باوجود مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں تثویب جاری رہی جیسا کہ حضرت علامہ سید اسماعیل بن خلیل حنفی محافظ کتب حرم محترم کے ایک فتویٰ سے واضح ہوتا ہے......

ان تاریخی شواہد کے باوجود اگر کوئی تثویب کو بدعت سیئہ کا نام دے تو اس کے عقل وشعور پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے۔سرکار مفتی اعظم نے انھیں تاریخی شواہد اور بلاد اسلامیہ کے معمولات اور علمائے متاخرین کے اظہار پسندیدگی کو یوں مختصر مگر جامع انداز میں بطور دلیل پیش فرمادیا کہ

ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن ۔(موطأ امام محمد ص ۱۴۴،رضا اکیڈمی ممبئی) کہ جس امر کو مسلمان حسن جانیں وہ عنداللہ بھی حسن ہے۔

یہ ایک ایسی دلیل ہے جو بہت سے شکوک وشبہات کاازالہ کرتی ہے اور تثویب کو بھی حسن قرار دیتی ہے۔یہی جامعیت اور دلیل کی معنویت حضور مفتی اعظم کے فتاویٰ کا کمال ہے اور امتیازی شناخت بھی۔جو ہر فتویٰ میں بطور علامت پائی جاتی ہے۔

(۴) اس حدیث کا کیا جواب ہے،جس میں تثویب کو بدعت کہا گیا:

سائل نے اپنے استفتا میں سنن ابوداؤد کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی......

عن مجاهد قال كنت مع ابن عمر ثوب رجل في الظهر والعصر قال اخرج بنافان هذه بدعة۔ (ابوداؤد شریف ج۔۱،ص ۷۹ دارالاشاعت،کلکتہ) حضرت مجاہد سے روایت ہے میں ابن عمر کے ساتھ تھا کہ ایک شخص نے ظہر اور عصر میں تثویب کہی۔انھوں نے کہا میرے پاس سے نکل جاؤ بے شک یہ بدعت ہے۔

اولاً اس میں لفظ "بدعت" ہے بدعت سیئہ نہیں۔

ثانیاً سرکار مفتی اعظم ارشاد فرماتے ہیں......

بالفرض اگر تسلیم کرلیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس تثویب کو"بدعت سیئہ" فرمایا تو اس وقت چوں کہ حاجت نہ تھی اس لیے وہ بے ضرورت کام تھا اور لوگوں کو خواہ مخواہ اس کا عادی بنادینا اور ایسے لوگوں کو جو غافل نہیں ہیں۔اذان کے بعد سے اس وقت تک ان کا غافل کردینا اس کا انجام تھا۔(القول العجیب فی جواز التثویب ص ۱۸)

سرکار مفتی اعظم کی عبارت محولہ میں لفظ "بالفرض اگر" اس بات کو واضح کررہا ہے کہ حضرت ابن عمر نے اسے بدعت سیئہ نہیں فرمایا۔تثویب کی ضرورت نہ ہونے کے سبب تثویب سے منع فرمایا۔اس سے مخالفین کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے اور نہ ہمیں کوئی نقصان۔

(۵) اگر خوف فتنہ ہو تو صلاۃ کا ترک اولیٰ ہے یا نہیں؟

سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے اس سوال کا جواب بھی بہت ہی مختصر انداز میں دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں......

جو لوگ صلاۃ کہنے سے روکتے ہیں، مسجد میں جھگڑتے اور اس لیے جماعت چھوڑتے ہیں، تفریق جماعت کرتے ہیں، اس سب کا وبال ان کی گردنوں پر ہے۔ صلاۃ کہنے والوں پر الزام نہیں۔ ان سب پر توبہ لازم ہے۔ (القول العجیب فی جواز التثویب، ص ۲۲)

اس عبارت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ صلاۃ کا ترک اولیٰ نہیں ہے۔ اب اگر کوئی لڑتا یا جھگڑتا ہے۔ اس کا وبال ان پر ہے، وہ سزا پائیں گے، نہ کہ صلاۃ کہنے والے۔

یہ تھا مسئلۂ تثویب کا ایک تجزیاتی مطالعہ جو سرکار مفتی اعظم کے فتاویٰ کے حوالہ سے پیش کیا گیا۔ حضرت والا کے مبارک فتاویٰ میں یہ خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں:

(۱) جواب سوال کے عین مطابق ہونا۔

(۲) ادلۂ کثیرہ کا پایا جانا۔

(۳) حوالہ جات کی بہتات۔

(۴) جواب کا مختصر مگر جامع ہونا۔

(۵) متوازن اور موزوں الفاظ کا پایا جانا۔

(۶) اسلوب میں متانت وشائستگی اور تناسب کا ہونا۔

یہ وہ خصوصیات وامتیازات ہیں جو سرکار مفتی اعظم کی شخصیت اور علمیت کو آفاقی بناتی ہیں۔ انھیں خوبیوں کے سبب آپ کو صرف مفتی نہیں بل کہ ''مفتی اعظم'' علی الاطلاق کیا گیا، یہاں تک کہ یہ لقب آپ کے لیے عَلَم (شخصی نام) کے درجے میں آ گیا۔

☆☆☆

مفتی اعظم کی تنقیحی بصیرت

ڈاکٹر سراج احمد قادری
ایم۔اے۔، پی۔ایچ۔ڈی۔(اردو ترجمان، ڈی آئی جی آفس بستی)

"۱۹۹۲ء میں میں نے ایک مضمون قلم بند کیا تھا جس کا عنوان تھا "اصلاح معاشرہ میں امام احمد رضا کی سعی" جو ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، پاکستان کے سالنامہ مجلہ "معارف رضا" میں اشاعت پذیر ہوا تھا جو کافی مقبول بھی ہوا تھا۔ اس کی مقبولیت ہی کی بنا پر جناب حضرت قاری محمد احمد صاحب بقائی مہتمم مدرسہ ضیاء القرآن شاہی مسجد بڑا چاند گنج لکھنؤ نے اس کو کتابی صورت میں شائع کر کے ملک و بیرون ملک تقسیم کیا تھا۔"

میں نے اپنے اس مضمون میں حضرت سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں اور ان کے اقوال سے ایسی غیر مشروع روایتوں اور واقعات کو یکجا کیا تھا جو اپنی ساخت کے اعتبار سے اسلامی اور شرعی معلوم ہوتے ہیں مگر نفس الامر میں وہ ہفوات کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور پھر ان واقعات اور کہانیوں کی حقیقت حضرت علامہ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تنقیحی بصیرت کی روشنی میں واضح کیا تھا کہ عند الشرع ان کی حقیقت کیا ہے؟

چوں کہ اسلامی ادب یا شرعی امور میں من گھڑت واقعات، کہانیوں اور روایتوں کا اختلاط آج کوئی نئی بات نہیں ہے بل کہ یہ فتنہ ایک زمانہ دراز سے چلا آرہا ہے اور اس سلسلے میں اپنے زمانہ کے ہر ہر جید عالم دین نے اپنی سی کوشش کر کے تنقیحاتی تحریک کو ارتقائی فروغ عطا کیا ہے چنانچہ حضرت شیخ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شہرۂ آفاق تصنیف "تحفہ اثنا عشریہ" کو ایسی گڑھی ہوئی حدیثوں، روایتوں اور کہانیوں کی تنقیحات کا بیش قیمت مرجع قرار دیا جا سکتا ہے۔ تنقیح و تدقیق کے موضوع پر کام کرنے کے طریقے اس کی صورت حال [illegible] نے اپنے سابقہ مضمون کے تناظر میں پیر و مرشد حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی یکتائے روزگار تصنیف "فتاویٰ [illegible]" سے ایسی غیر مشروع روایتوں کو چھانٹ نکالا ہے جو عند الشرع لغو و مہمل کا درجہ رکھتی ہیں۔ چنانچہ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے جب حسب ذیل روایت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے کتنا وقیع اور بصیرت افروز جواب مرحمت فرمایا ملاحظہ ہو:

از ترسائی علاقہ کاٹھیاواڑ، مرسلہ مسلمانان اہل سنت بہ توسط حضرت مولانا مولوی محمود جان صاحب جام جودھپوری۔ ۲۶؍ ذوالقعدہ ۱۳۴۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں:

زید اکثر اوقات نماز میں اپنے وعظ میں یہ قصہ بیان کرتا ہے کہ ایک بار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک ورم کر گئے

تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک پتھر کو آگ پر گرم کر کے ورم کو اس پتھر سے سینکتے تھے۔ پتھر نے بارگاہ رب العزت جل وعلا میں عرض کی کہ الٰہی تیرا رسول مجھے اپنے فائدہ کے لیے آگ پر بار بار گرم کرتا ہے جس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی میں تیرا بدلہ لوں گا۔ چنانچہ فرشتوں نے اللہ عزوجل کے حکم سے اس پتھر کو جبل احد کی طرف پھینک دیا۔ جنگ احد کے دن اسی پتھر کو حبشی نے لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف پھینکا جس سے حضور کا دندان مبارک شہید ہو گیا اس سے حضور علیہ السلام کی توہین ہوتی ہے یا نہیں؟ ایسے بے علم شخص کو ہمیشہ کے لیے امام رکھنا باوجود اس کے کہ قوم آسودہ حال ہے۔ وہ بہتر سے بہتر دوسرا امام رکھ سکتی ہے مگر پھر بھی زید کو امامت سے علاحدہ نہیں کیا جاتا۔ آیا ان لوگوں پر مواخذہ شرعی ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص سے وعظ کہلانا کہ جس سے گمراہی پھیل رہی ہے جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: یہ قصہ بھی نرا من گھڑت ہے کہیں یہ روایت نہیں۔ نہ ہرگز کسی طرح معقول۔ اللہ اکبر ہر کافر پتھر سے یہ اور ہزار ہا طرح اور نفع لے سکے مگر اللہ کا حبیب ومحبوب اگر اسے اپنی عنایت سے نوازے تو وہ ناشاکی ہو اور اللہ عزوجل اپنے محبوب کے لیے پتھر سے کام لینے کو نا روا ٹھہرائے۔ بدلہ کسی ظلم کا لیا جاتا ہے تو معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پتھر پر ظلم کرنے والے ٹھہرے۔ والعیاذ باللہ۔ کیسا دریدہ دہن ہے۔ جلد بتائے کہ اس نے یہ قصہ کہاں سے اور کس معتمد ومعتبر کتاب سے اخذ کیا ہے؟ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ وہ ہرگز ثبوت نہ پیش کر سکے گا۔ وہ مفتری علی الرسول ہے، سخت جھوٹا کذاب جری وبے باک ہے۔ اس حدیث کا مصداق ہے مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ (بخاری شریف، حدیث۔ ۱۱۰ دار الکتاب العربی، بیروت)

(فتاویٰ مصطفویہ جلد دوم، مکتبہ رضا، ۳۱۹، گھیر شیخ مٹھو بریلی، ص ۹-۱۰-ص ۱۳۶ جدید اشاعت، رضا اکیڈمی ممبئی)

یونہی جب درج ذیل کتابوں کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا کہ علمائے دین مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کیا فرماتے ہیں؟ "شہادت نامہ، جنگ نامہ، نور نامہ، داستان امیر حمزہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: شہادت نامہ جس میں تمام ترصحیح روایات ہوں اس کا پڑھنا اچھا ہے، جیسے آئینہ قیامت اور جو غلط و باطل روایات پر مشتمل ہو اس کا پڑھنا سخت برا اور ناجائز ہے۔ جنگ نامہ، نور نامہ دیکھا نہیں وہ اگر غلط روایات افتراءات پر مشتمل ہو تو ان کا حکم بھی ہے کہ ان کا پڑھنا جائز نہیں۔ داستان امیر حمزہ از سرتا پا کذب وبہتان افترا وطوفان محض دروغ بے فروغ ہے اور اتنا ہی نہیں چوں کہ اس کا مصنف رافضی تھا اس میں جابجا صحابۂ کرام پر تبرا کیا ہے اس کا پڑھنا حرام حرام حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ مصطفویہ، جلد سوم، مکتبہ رضا گھیر شیخ مٹھو، بریلی ص ۲۴۰ ص ۵۲۶ جدید اشاعت، رضا اکیڈمی ممبئی)

اور جب آپ [illegible] بنت اشعث کے بارے میں پوچھا گیا کہ [illegible]س نے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ [illegible] نہیں؟ نیز "سوانح کربلا" مصنفہ حضرت علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل عبارت کی توضیح کس طرح ہو سکتی ہے حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جعدہ کی زہر خورانی اور سوانح کربلا کے مصنف کی عبارت کی توضیح جو اپنی خداداد تفقہی بصیرت کی روشنی میں مرحمت فرمائی وہ لائق صد تحسین ہے جسے پڑھ کر دل ودماغ روشن ہو جاتے ہیں اور عش عش کے کلمات زبان سے بے ساختہ نکل پڑتے ہیں۔ ملاحظہ ہو سوانح کربلا کی عبارت:

"مورخین نے زہر خورانی کی نسبت جعدہ بنت اشعث ابن قیس کی طرف کی ہے اور اس کو حضرت امام کی زوجہ بتایا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ زہر خورانی باغوائے یزید ہوئی اور یزید نے اس سے نکاح کا وعدہ کیا تھا اس طمع میں آ کر اس

نے حضرت امام کو زہر دیا لیکن اس روایت کی کوئی سند صحیح دست یاب نہیں ہوئی اور بغیر کسی سند صحیح کے کسی مسلمان پر قتل کا الزام اور ایسے عظیم الشان شخص کے قتل کا الزام کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ روایت کے لیے کوئی سند نہیں ہے اور مورخین نے بغیر کسی معتبر ذریعہ یا معتبر حوالے کے لکھ دیا ہے۔

(سوانح کربلا، علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی رضوی کتاب گھر بھیونڈی، ص ۶۴)

اب ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ مصطفویہ سے وہ پورا اقتباس:

مسئلہ: از بمبئی کھوکھا بازار مکان نمبر ۲۴، دوسرا مالا، پوٹ نمبر ۳، جناب حافظ سید نورالحق صاحب قاسمی برکاتی قادری، ۲۹ رمحرم الحرام ۵۳ ۱۹ء

حضور والا دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ایک استفتا حاضر کرتا ہوں اس کی وجہ سے یہاں سخت بے چینی ہے۔

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قاتلہ آپ کی زوجہ جعدہ ہے کیا اس کا ثبوت ہے؟ یہاں علما کی جماعت میں دو گروہ ہو گئے ہیں۔

ایک وہ جس کے چند افراد کہتے ہیں کہ جعدہ کا زہر دینا ثابت نہیں اس لیے خواہ مخواہ الزام نہیں لگا سکتے اور ثبوت میں سوانح کربلا پیش کرتے ہیں جس میں لکھا ہے کہ یہ روایت غیر معتبر ہے اور اس کی بنا پر امام کے قتل کا الزام جعدہ کے سر نہیں لگا سکتے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ خارجی گروہ کا اس سے بڑھ کر کیا ہتھکنڈہ ہوگا امام کی (قرین) کے ذمہ الزام لگا کر خود گالی دیں اور سنیوں سے دلوائیں۔ ملخصا

دوسرا گروہ جس میں بمبئی کے تمام مولوی خواہ شہادت نامہ پڑھنے والے ہوں یا فاضل سب کہتے ہیں کہ بلاشک جعدہ۔ اور ثبوت میں وہی مورخین کی روایات۔ جب کہا گیا کہ قتل مومن بالعمد کا الزام بغیر ثبوت کسی پر لگانا کب درست ہے تو جواب دیا کہ پھر تو معلوم ہوا کہ امام کو زہر دیا ہی نہیں گیا ہے۔ آپ کی شہادت ہی نہیں ہوئی ورنہ قاتل کا نام بتاؤ غرضیکہ ایسی ہی باتیں ہو رہی ہیں۔ ارشاد فرمائیں کہ جعدہ نے زہر دیا ہے یا نہیں۔ شرعاً جعدہ کو قاتلۂ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہہ سکتے ہیں یا نہیں۔ (بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب)

الجواب: عزیز محترم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں مکان پر موجود نہ تھا واپسی کے بعد اب جواب حاضر کرتا ہوں۔ تکلیف انتظار ہوئی۔ جعدہ کی طرف قتل امام عالی مقام کی نسبت کو علماے اعلام ائمہ کرام نے مقرر رکھا ہے تو وہ محض بے سروپا حکایت نہیں کہ کسی مورخ نے یونہی اپنے ظن وتخمین سے اختراع کی ہو اور قیاسی ڈھکوسلوں سے گڑھ لی ہو اور پھر عوام میں مشہور ہوئی ہو کہ اگر ایسا ہوتا تو علما وائمہ ہرگز اسے مقبول نہ ٹھہراتے، مقرر نہ رکھتے۔ اپنی تصانیف میں خود جعدہ کی جانب نسبت نہ کرتے بلکہ وہ یقیناً اسی زمانہ سے مشہور و مستفیض تاریخی حیثیت سے منقول ہوئی اس لیے علما وائمہ نے اس کا اعتبار فرمایا۔

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ سے استفسار کہ کس نے آپ کو زہر دیا اس کے کچھ منافی نہیں شہرت و استفاضہ کے لیے کچھ وقت درکار ہوتا ہے اسی وقت شہرت ہو جانا ضرور نہیں خصوصاً ایسا معاملہ جس کے اخفا کی شدید کوشش کی جائے، ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک حضرت امام حسین کو اس کی اطلاع نہ ہو پھر ہوئی ہو یا یہ کہ حضرت کو اطلاع ہو گئی ہو مگر مزید اطمینان کے لیے دریافت فرماتے ہوں یا یہ کہ یہ استفسار محض دریافت منشا کے لیے ہو کہ حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس میں کیا منشا ہے۔ معاملہ سخت نازک تھا ادھر برادر محترم کی جان ادھر جعدہ زوجۂ امام تھی، اگر قصاصاً قتل کی جائے تو اپنے برادر محترم اور خود اپنی اور گھر بھر کی عزت۔ ممکن کہ قاتل معلوم ہوتے ہوئے بھی حضرت کا منشا اس نازک مسئلہ میں دریافت کرنا ہو۔ اس لیے یہ ذکر یوں چھیڑا کہ استفسار فرمایا کہ آپ کو کس

نے زہر دیا۔ حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب پر اگر نظر کی جائے تو اس سے ظاہر ہے کہ حضرت کے خیال مبارک میں زہر دینے والا ہے اور حضرت کسی مصلحت سے اس سے بدلہ لیے جانے پر رضامند نہیں ہیں ایک روایت میں ہے کہ حضرت نے جواب میں فرمایا: اللہ اشد نقمة ان کان الذی اظن والا فلا یقتل بی و اللہ بریٔ۔ دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا یا اخی قد حضرت وفاتی و دنا فراقی لك وانی لاحق بربی واجد کبدی تقطع وانی لعارف من این دهیت فانا اخاصمه الی اللہ تعالیٰ فبحقی علیك لا تكلمت فی ذلك بشیٔ و اقسم علیك باللہ ان لا تریقفي امری محجة دم۔ نیز ایک روایت میں ہے: یا اخی سقیت السم ثلاث مرات لم اسقه مثل هذه المرة فقال من سقاك قال ما سوالك عن هذا ترید ان تقاتلهم اكل امرهم الی اللہ (صواعق محرقہ، ص ۱۴۱، مطبوعہ استنبول)

پہلی روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت کو کسی کی طرف گمان ہے لہٰذا محض گمان پر نہیں فرمانا چاہتے کہ فلاں نے زہر دیا۔ فرماتے ہیں اگر وہ ہے جسے میں گمان کرتا ہوں تو اللہ عزوجل اس سے بڑا انتقام لینے والا ہے اور اگر وہ نہیں تو میرے خوں بہا میں بری کیوں قتل ہو مگر دوسری اور تیسری روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت کو معلوم ہے کہ قاتل کون ہے؟ زہر کس نے دیا ہے؟ زہر بھی ایک بار نہیں تین بار دیا گیا ہے۔ کہاں تک زہر دینے والا ایسی صورت میں پوشیدہ رہ سکتا؟ فرماتے ہیں برادرم میں اس آفت کے پرکالے کو بے شک خوب پہچانتا ہوں۔ میں اس سے اللہ کے حضور مخاصمہ کروں گا۔ تمہیں میرے حق کی قسم۔ اس بارے میں کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالنا اور میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ میرے معاملہ میں کوئی قطرۂ خون نہ بہانا۔ ان دونوں روایتوں میں توفیق کی صورت ایک ہی ہے وہ یہ ہے کہ ہر روایت کو ایک ایک وقت پر محمول کیا جائے کہ جس وقت تک یقین نہ تھا محض گمان تھا وہ فرمایا اور جب یقین ہو گیا تو یہ فرمایا کہ میں خوب پہچانتا ہوں۔ حضرت کا قسمیں دے دے کر انتقام سے روکنا بل کہ اس بارے میں کوئی کلمہ زبان سے نکالنے کو قسم دے کر منع فرمانا جو کچھ کہہ رہا ہے، ظاہر ہے۔ حضرت جانتے ہیں کہ برادر خورد کے علم میں بھی قاتل ہے یہ سوال محض دریافت منشا کے لیے ہے یا یہ کہ یہ بات چھپی رہنے والی نہیں۔ اگر برادر خورد کو اس وقت اس کا علم نہیں تو اب ہوا اور اب ہوا لہٰذا قسمیں دے کر ارادۂ انتقام سے روکا۔ اگر جعدہ قاتلہ نہ ہوتی تو قسمیں دینے کی حاجت نہ ہوتی۔ اتنا بلیغ اہتمام منع نہ فرمایا جاتا اگر کوئی اور قاتل ہوتا جو اہلبیت سے نہ ہوتا اور حضرت اس سے دنیا میں انتقام نہ چاہتے تو بس اتنا فرماتے کہ اللہ اشد نقمة اكل امره الی اللہ۔ یہ قسمیں نہ دی جاتیں۔ یہ قسم دے کر اس معاملہ میں کوئی کلمہ زبان سے نکالنے ہی کو منع فرماتے جو علما جعدہ کی جانب قتل امام کی نسبت سے راضی نہ ہوں نہ ہوں، نہ نسبت کنندہ علما کو ان پر کسی طعن کا موقع ہے نہ انھیں ان پر جو جعدہ کی جانب نسبت نہیں کرتے اور وہ اپنے زعم میں اسے احتیاط جانتے ہیں کہ قتل وہ بھی قتل امام حسن جرم اشد و اعظم ہے اور بے قطع کسی مسلم کی جانب ایسے جرم کی نسبت جائز نہیں اور جو نسبت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں یہ صحیح ہے مگر شہرت اور علما و ائمہ کا قبول ایسی چیز نہیں جو نظر انداز کی جاسکے۔ وہ ائمہ بھی جانتے تھے کہ بے قطع کسی جرم کی نسبت کسی مسلم کی جانب نہیں کی جاسکتی تھی۔ انہوں نے اس نسبت کو قبول کیا، برقرار رکھا، خود اپنی تصانیف میں۔ یہ جرم جعدہ سے منسوب کیا ہمارے لیے وہ قدوہ ہیں۔ آج تیرہ سو برس بعد ہم اس کی تحقیقات نہیں کر رہے ہیں کہ کوئی قطعی بات معلوم ہو جب تو نسبت کرنا جائز جانیں ورنہ حرام۔ یوں تو یزید ہی کی طرف امام کے قتل کرانے اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر مظالم و قتل و غارت کی نسبت نہ کریں۔ ابن زیاد بدنہاد اور شمر مردود اور نحس ابن سعد اور ان کے ہم راہیان کوئی الزام نہ رکھا جاسکے۔ سب کو یہی کہہ دیا جائے کہ خارجیوں کا یہ پروپیگنڈا ہے انھوں نے خود قتل کیا اور بادشاہ اور اس کے حکام و عمال سے منسوب کر دیا۔ یا کوروافض نے دھوکے دے کر بلایا اور قتل و غارت کیا اور ان لوگوں سے منسوب کر دیا۔ سوانح کربلا میں جو یہ لکھا کہ یہ روایت غیر معتبر ہے اپنا عندیہ لکھا

اور یہ لکھا کہ اس کی بناپر امام کے قتل کا الزام جعدہ کے سر نہیں لگا سکتے یہ بھی اپنا عندیہ ہے اور وہ اسی میں احتیاط سمجھے۔ رہا یہ کلمہ کہ خارجی گروہ کا اس سے بڑھ کر کیا تبرا ہوگا الخ۔ بہت گراں ہے۔ ہمارے ائمہ وعلما یہی فرماتے آئے اپنی تصانیف میں اسی کو ذکر فرمایا۔ یہ خارجیوں کا تبرا ہو تو ان علما پر (ان کے) عدم اعتنا وقلت تدبر کا الزام ہوگا ہی۔ ہمارے سامنے خارجیوں کی کوئی تصنیف نہیں۔ ہمارے پیش نظر تو ائمہ وعلماے اہل سنت کی تصانیف ہیں جن میں جعدہ ہی کی طرف اسے منسوب کیا گیا اور اس طرح کہ اسی روایت پر اقتصار کیا ہے۔ کوئی دوسرا قول لکھا ہی نہیں (صواعق محرقہ ص ۱۴۰ مطبوعہ استنبول) علامہ ابن حجر ہیتمی دیکھیے، وہ لکھتے ہیں: كان سبب موته ان زوجته جعدة بنت الاشعث بن قيس الكندى دس اليها يزيد ان تسمه و يتزوجها و بذل لها مائة الف درهم ففعلت فمرض اربعين يوما فلما مات بعثت الى يزيد تسأ له الوفاء بما وعدها فقال لها انا لم نرضك للحسن افنرضاك لانفسنا۔ تاریخ الخلفا، امام جلال الدین سیوطی میں ہے توفى الحسن رضى الله تعالىٰ عنه بالمدينه سموماسمته زوجته جعدة بنت الاشعث بن قيس دس اليها يزيد بن معاوية ان تسمه فيتزوجها ففعلت فلما مات الحسن بعثت الى يزيد تسأ له الوفاء بما وعدها فقال انا لم نرضك للحسن افنرضاك لانفسنا۔

سر الشہادتین جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی میں ہے سبب موته ان زوجته جعدة بنت ا لاشعث بن قيس سمته باغواء يزيد بن معاوية و كان يزيد ضمن لها ان يتزوجها ففعلت فمرض الحسن رضى الله تعالىٰ عنه اربعين يوما ثم مات. فبعثت جعدة الى يزيد تسأله الوفاء بما وعدها فقال انا لم نكن نرضاك للحسن افنرضاك لانفسنا۔

انھوں نے تو اس کے بعد یہاں تک لکھا فصارت ممن خسر الدنيا والآخرة ذلك هو الخسران المبين. آئینہ قیامت تصنیف حضرت عمی جناب استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں صاحب حسن رحمۃ اللہ علیہ میں بھی یہی لکھا ہے۔ یہ کتاب اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی دیکھی اور مجالس میں کتنی ہی بار سنی ہوئی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ مصطفویہ، جلد سوم، ص ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، مکتبہ رضا، بریلی۔ ص ۲۶۰ ۔ جدید اشاعت رضا اکیڈمی ممبئی)

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم کی شانِ عبقریت

مولانا محمد حسن علی رضوی
میلسی، پاکستان

حضور پرنور سرکار اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت قدس سرہٗ اور پھر سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی زیارت کا شرف حاصل کرنے والے جانتے ہیں کہ آپ ہم شکل وشبیہ اعلیٰ حضرت ہیں اور نور العارفین، عین الذاکرین سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں قبلہ قدس سرہٗ کی روحانی برکات کے مصدر ومنبع ہیں اسی لیے کہا گیا ہے ؎

رضا کی ہیں یہ جیتی جاگتی تصویر پہچانو
یہ سونے پر سہاگا فضل نوری سے ہیں نورانی

اور یہ کہ

نوری سرکار کی نوری تنویر ہیں، شاہ احمد رضا کی وہ تصویر ہیں
سینوں کی وہ بیدار تقدیر ہیں، ہر گھڑی ہم کو ان کی ضرورت رہے

سرکار مفتی اعظم کی زیارت سے سیدنا اعلیٰ حضرت کے دیدار کی حسرت پوری ہوتی تھی۔ دونوں سرکاروں کی زیارت کرنے والوں اور دونوں تاجداروں کا سراپا لکھنے والوں نے یوں بھی عرض کیا ہے ؎

سراپا لکھ دیا ہم نے جہاں تک ہوسکا یارو
زیادہ چاہو دیکھو مصطفیٰ کی شکل نورانی

نہ دیکھے چین پڑتا ہے نہ بے دیکھے قرار آئے
نظر آئیں تو روتا ہوں جو چھپ جائیں پریشانی

بلا شک وشبہ سرکار سیدنا مفتی اعظم قبلہ قدس سرہٗ حضور پُر نور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی کے عکس اور آئینہ تھے ان کی ذات میں سرکار اعلیٰ حضرت کے فیوض وبرکات اور انوار وتجلیات علوم ومعارف کی جلوہ گری تھی کیوں کہ ؎

عکس ذات اعلیٰ حضرت مفتی اعظم تو ہیں
ان کو دیکھو حجۃ الاسلام گر پردے میں ہے
ان میں بھی صورت رضا کی صاف آتی ہے نظر
یہ تو پردے میں نہیں ہیں وہ اگر پردے میں ہے

حضرت علیہ الرحمۃ کی روحانیت اور فقہی بصیرت کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج رہا ہے، ان کی شان عبقریت و برتری و بے مثالی کا جلوہ شرق و غرب میں نظر آتا ہے جسے صف اول کے اکابر و مشاہیر اہل علم و فضل و کمال نے گردنیں جھکا کر تسلیم کیا۔ زیر نظر تحریر میں اس کا ایک اجمالی خاکہ آگے پیش کیا جا رہا ہے۔ استاذ الشعر اعلامہ ضیاء القادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

امام اہل سنت صدر ملت مفتی اعظم
عرب سے تا عجم شہرہ ہے جن کی افضلیت کا
وہ ابن حضرت احمد رضا خاں مصطفیٰ ذی شاں
امام و صدر ہے اس دور میں جو اہل سنت کا

آج کے دور میں عموماً یہ دیکھا جا رہا ہے کہ مریدین اپنے پیران عظام و مشائخ طریقت کو اور تلامذہ اپنے اساتذہ کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں اور مختلف النوع القابات و خطابات دے رہے ہیں لیکن ہمارے حضور آقائے اکرم سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ کی شخصیت مقدسہ ایسی نہیں جن کو مریدوں شاگردوں نے بڑھایا چڑھایا ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے اکابرین و معاصرین آپ کی شخصیت کی عظمت اور جلالت شان کا اقرار و اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

نور العارفین سیدنا شاہ ابو الحسین احمد نوری میاں :

حضور سیدنا مفتی اعظم قبلہ قدس سرہٗ کی ولادت باسعادت پر سیدنا مجدد اعظم سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے کہا "مولانا بریلی میں آپ کے گھر ایک صاحبزادے کی ولادت ہوئی ہے۔ مجھے خواب میں بتایا گیا کہ اس کا نام آل الرحمٰن رکھا جائے۔ پھر فرمایا جب میں بریلی آؤں گا تو اس صاحبزادے کو ضرور دیکھوں گا..... وہ بڑا ہی فیروز بخت اور مبارک بچہ ہے.... مولانا صاحب آپ اس بچے کے ولی ہیں اگر اجازت دیں تو میں نومولود کو داخل سلسلہ کرلوں؟ سیدنا امام احمد رضا نے عرض کیا وہ غلام زادہ ہے ضرور داخل سلسلہ فرما لیا جائے.... سیدنا شاہ ابو الحسین احمد نوری قدس سرہٗ جب چھ ماہ بعد بریلی شریف تشریف لائے تو حضور سیدنا مفتی اعظم قدس سرہٗ کو اپنی مبارک گود میں لے کر پیشانی چوم کر فرمایا مولانا! یہ صاحبزادہ تو مادرزاد ولی ہے برکتوں کے اعتبار سے ابو البرکات اور مرتبہ فنائیت میں محی الدین جیلانی۔ حضور سیدنا شاہ ابو الحسین احمد نوری قبلہ قدس سرہٗ نے بیعت کرتے وقت ارشاد فرمایا یہ بچہ دین و ملت کی بڑی خدمت کرے گا، مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بڑا فائدہ ہوگا، بہت فیض پہنچے گا، یہ بچہ ولی ہے.... یہ فیض کا دریا بہائے گا۔ تاجدار مسند مارہرہ مطہرہ مقدسہ سیدنا ابو الحسین احمد نوری رضی اللہ عنہ صاحبزادے مصطفیٰ رضا کو اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی گود میں دیتے ہوئے ارشاد فرمایا مبارک ہو آپ کو یہ..... قرآنی آیت "وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ" (سورہ طٰہٰ، ۲۰/۲۹) کی تفسیر مقبول ہو کر آپ کی گود میں آ گئی ہے۔

امام مجدد دین و ملت :

امام اہل سنت مجدد دین و ملت کے تو آپ نامور فرزند دل، ہم شکل و جانشین تھے۔ جب حضور سیدنا مفتی اعظم علیہ الرحمۃ الرضوان کی ولادت باسعادت کے بعد جب بریلی شریف مراجعت فرمائی تو اپنے فرزند دل بند لخت جگر نور بصر کو گود میں لے کر سینہ سے لگایا آپ کی پیشانی کو چوما اور فرمایا "خوش آمدید اے ولی کامل" (سبحان اللہ)

سیدنا مجدد اعظم، سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دار الافتاء بریلی شریف کی روز افزوں عالمی شہرت و مقبولیت کے پیش نظر

دارالافتا کا ایک بے مثال نظم جدید فرمایا اور اس کا نام رضوی دارالافتار کھ کر فقیہ افہم، قطب عالم حضور سیدنا مفتی اعظم قدس سرہ العزیز کو اس کا مہتمم و منصرم اعلیٰ متعین فرمایا۔ اس سے سرکار سیدنا مفتی اعظم رضی اللہ عنہ کی شان و استعداد فقاہت پر حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اعتماد کا پتہ چلتا ہے۔

حضور سیدنا مفتی اعظم قبلہ قدس سرہٗ کی پرورش یوں تو علمی و روحانی خانوادہ اور مجدد اعظم اعلیٰ حضرت جیسے شیخ الفقہا و سلطان الفقہا کے آغوشِ رحمت و تربیت میں ہوئی مگر آپ نے باقاعدہ فتوئی نویسی کا آغاز غالباً ۱۸ سال کی عمر شریف میں ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں فرمایا اور حضور سیدنا سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے بھی اپنے عظیم المرتبت والد گرامی کی طرح پہلا فتوئی مسئلہ رضاعت پر ارقام فرمایا جو صحیح اور شان فقاہت کا آئینہ دار تھا۔ سرکار اعلیٰ حضرت نے ملاحظہ فرمایا۔ فرحت و مسرت کے ساتھ فرمایا۔ اس پر اپنے دستخط کر دو اور پھر خود بدولت سرکار اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہٗ نے صح الجواب بعون اللہ العزیز الوہاب لکھ کر اپنی گراں قدر تصدیق سے مزین فرمایا اور پانچ روپیہ نقد انعام عطا فرمایا جو آج کل پانچ سو کے برابر بنتے ہیں اور ارشاد ہوا۔ مصطفیٰ میاں تمھاری مہر بنوا کر دیتا ہوں۔ اب فتوئی لکھا کرو۔ اپنا ایک رجسٹر بنالو اس میں نقل کیا کرو۔ سرکار اعلیٰ حضرت نے خود مہر کی عبارت اور نقشہ تحریر فرمایا جو یہ ہے" ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمٰن محمد عرف مصطفیٰ'' مولانا حافظ یقین الدین علیہ الرحمۃ کے بھائی صاحب سے مہر بنوا کر عطا کی۔ اس میں سیدنا مجدد اعظم علیہ الرحمۃ کے سیدنا مفتی اعظم علیہ الرحمۃ پر اعتماد کا پتہ چلتا ہے

حضور سیدنا مفتی اعظم علیہ الرحمۃ الرضوان کی عظمت اور جلالت شان کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بحر علم و تحقیق، تاجدار مسند تدریس حضور محدث اعظم پاکستان علامہ ابوالفضل محمد سردار احمد قدس سرہٗ العزیز بایں علم و فضل حضور سیدنا مفتی اعظم قبلہ قدس سرہٗ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حضرت ممدوح مکرم اصول و فروعات میں مجدد اعظم سرکار اعلیٰ حضرت کے جانشین اور سچے نائب تھے۔ ایک بار غالباً ۱۹۵۸ء میں فقیر کے استفتا سیدنا مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کا ایک فتوئی" علیہ السلام کے اطلاق'' کے متعلق فقیر کے نام آیا تھا۔ جواب بھی موجود و محفوظ ہے۔ فقیر نے صبح نماز فجر کے بعد حضور سیدنا محدث اعظم پاکستان مولانا علامہ محمد سردار احمد صاحب قبلہ کو دکھایا، آپ نے سیدنا مفتی اعظم کی تحریر شریف پہچان کر فورا'' فقیر مصطفیٰ رضا قادری غفرلہ'' دستخط مبارک کو چوم لیا، آنکھوں سے لگایا۔ ایک بار فقیر نے عرض کیا حضور آپ سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کو پاکستان بلائیں۔ حضرت سیدی محدث اعظم کے چہرہ پاک کی جو حالت اس وقت تھی، نا قابل بیان ہے۔ ایک خاص کیفیت کے ساتھ فرمایا۔ وہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت ہیں، وہ مفتی اعظم ہیں، وہ فوٹو کھنچوا کر تصویر بنوا کر کب تشریف لاتے ہیں؟

پاکستان میں ایک بار غالباً ۶۱-۱۹۶۰ء میں اہل سنت کے مشہور و ممتاز محبوب رسالہ رضائے مصطفیٰ چوک دارالسلام گوجرانوالہ میں پاسبانِ مسلک اعلیٰ حضرت، فاضل محقق حضرت علامہ ابوداؤد مولانا مفتی محمد صادق صاحب قادری رضوی مدظلہ کا ایک فتوئی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیدنا جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی افضلیت پر چھپا تھا جس میں منکر افضلیت کی تکفیر کی گئی تھی۔ یہاں کے چند علما نے اس سے اختلاف کیا۔ نائب محدث اعظم پاکستان علامہ ابوداؤد مولانا مفتی محمد صادق صاحب قادری رضوی نے مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رضوی خلیفہ اعلیٰ حضرت و نائب اعلیٰ حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب، مفسر قرآن شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری امجدی علامہ غلام علی اوکاڑوی، علامہ سید محمود احمد رضوی، فقیہہ العصر مفتی محمد اعجاز ولی الرضوی وغیرہ علما اور مسلم مفتیان کرام سے تائید حاصل کرلی۔ مگر دوسری طرف کے چند حضرات نے پھر بھی اختلاف کیا۔ یہاں حضرت علامہ مولانا پیرزادہ حافظ سید مراتب علی شاہ صاحب فاضل جامعہ رضویہ لائل پور تلمیذ خاص محدث اعظم پاکستان بریلی شریف

حاضر ہوئے اور اس پر فیصلہ کن شرعی فتویٰ حاصل کیا۔ سیدنا حضور مفتی اعظم قبلہ کا قافلہ دارالخیر اجمیر شریف جارہا تھا حضور مفتی اعظم قبلہ علیہ الرحمۃ مولانا سید مراتب علی شاہ صاحب کو بھی اپنے ہمراہ اجمیر شریف لے گئے۔ پر رضوی منزل میں موجود اکابر علمائے اہل سنت مفتیان شریعت حضور سیدنا برہان ملت جبل پوری، فاضل جلیل علامہ حسنین رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ، مجاہد ملت مولانا شاہ محمد حبیب الرحمٰن الہ آبادی دھام نگری علیہ الرحمۃ اور بہت سے علمائے کرام نے حضرت علامہ ابوداؤد مولانا مفتی محمد صادق صاحب کے فتویٰ کی تائید وتصدیق فرمائی۔ جب علامہ حافظ سید مراتب علی شاہ صاحب یہ فتویٰ لے کر جامعہ رضویہ مظہر اسلام لائل پور (فیصل آباد) واپس آئے۔ حضور سیدی محدث اعظم کو پیش کیا تو حضرت محدث اعظم پاکستان نے سرکار سیدنا مفتی اعظم قبلہ کے فتویٰ اور دستخط مبارک کو چوم لیا آنکھوں سے لگایا اور فرمایا مولانا محمد صادق صاحب کی عید ہوگئی۔

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ حضور سیدنا محدث اعظم پاکستان قدس سرہٗ کی مبارک نظر میں سیدنا مفتی اعظم کی شخصیت اور آپ کے فتویٰ مبارکہ کی کیا قدر تھی۔ اس سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ ہے۔ ایک بار بریلی شریف سے سیدنا محدث اعظم پاکستان کے نام سرکار سیدنا مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کا ایک بڑا ہی روح پرور مکتوب آیا تھا جس میں محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمۃ کو بہت بہت دعائیں دی تھیں تو دیکھا گیا کہ حضور مفتی اعظم قبلہ کا یہ مکتوب گرامی اپنے دارالمطالعہ میں تنہا بیٹھ کر بڑے کیف وسرور اور ایک خاص روحانی کیفیت سے پڑھ رہے ہیں۔ کبھی اس مکتوب کو اپنا عمامہ اٹھا کر سر پر رکھتے ہیں، کبھی کرتا کا دامن اٹھا کر سینہ سے لگاتے ہیں، کبھی چوم کر آنکھوں سے لگاتے ہیں اور زار وقطار رو رہے ہیں، چشمان مبارک سے آنسوؤں کا آبشار پھوٹ پڑا ہے۔

ڈرتے ڈرتے عرض کیا، حضور یہ کیا ہے؟ بڑے ہی والہانہ انداز میں فرمایا۔ یہ میرے حضور مفتی اعظم قبلہ کا مکتوب گرامی ہے۔ یہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت کا ملفوف سامی ہے۔ سیدی سندی حضور محدث اعظم پاکستان علامہ ابوالفضل محمد سردار احمد صاحب قدس سرہٗ کے نام شفقت ومحبت سے بھرپور آتے رہتے تھے۔ حضور سیدنا مفتی اعظم کس قدر غنیمت جانتے تھے، اس کا اندازہ درج ذیل چند اہم خطوط سے ہوتا ہے۔ کیا حسین اور دلربا انداز تخاطب ہے۔

۷۸۶

ولدی الاعز مولانا الاوحد الاسد الاسعد الارشد سعادت مآب مولوی محمد سردار احمد صاحب.....

السلام علیکم

مولانا برہان الحق عبدالباقی جبل پوری سے آپ کی خیریت دریافت کی تھی۔ انھوں نے کہا تھا، کمزور ہو گئے ہیں اور بال سفید ہو گئے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کو قوت بخشے اور آپ کے فیض سے اہل سنت کو بہت بہت دیر تک، عرصہ دراز در از تک مستفید رکھے۔ لائل پور جو کبھی وہابیوں کا گڑھ سنا گیا تھا، بڑی مسرت ہوئی وہ لائل پور بفضلہٖ تعالیٰ آپ کے دم قدم کی برکت سے سنیوں کا گویا مرکز بن چکا ہے۔ میں پہلے بھی سنتا رہا تھا مگر جناب حوالدار (محمد حسین صاحب) کے بیان سے اس کی تفصیلی تصدیق ہوئی خدا آپ کو بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے۔ آمین۔

فقیر مصطفیٰ رضا قادری غفرلہ ۹ ررجب ۷۶ ۱۳ھ

ایک اور مکتوب میں سیدنا مفتی اعظم حضور محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمۃ کو تحریر فرماتے ہیں:

.............السلام علیکم۔ آپ کے خط سے علالت کا حال پھر مولانا عبدالقادر صاحب (احمد آبادی) سے

معلوم ہوا کہ آپ ضعیف ہو گئے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کو صحت وقوت عطا فرمائے اور عرصہ دراز تک مدت مدید تک آپ کو بصحت وقوت ہزاراں ہزار خدمات دین کی انجام دہی کے لیے زندہ وسلامت با کرامت رکھے۔ آپ کے فیوض سے مسلمانوں کو مالا مال فرمائے۔ آپ کے زیر اہتمام وسرپرستی مدرسہ (جامعہ رضویہ) مظہر اسلام (لائل پور) کو بیش از بیش ترقیاں بخشے۔ آپ کے اس سرچشمۂ فیوض وعلوم وعمل صالح سے مسلمانوں کو مستفیض فرماتا رہے۔ آمین اپنی خیر وعافیت اور اپنے متعلقین اور احباب کی خیر وعافیت سے مطلع فرماتے رہا کیجیے۔

والسلام والدعا فقیر مصطفیٰ رضا قادری غفرلہٗ۔ ۲۴ ذی قعدہ ۷۲ ۱۳ھ/ ۱۹۵۲ء

ایک اور تیسرے مکتوب گرامی میں سرکار سیدنا مفتی اعظم قبلہ رقم طراز ہیں:

السلام علیکم

آپ کے مدرسہ اور خدمات دینی کا حال ہر آنے والے سے معلوم ہوتا رہا، ماشاء اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ مولی تعالیٰ آپ کے فیض کو اور زیادہ سے زیادہ کرے اور دارین کی نعمتوں برکتوں سے آپ کو مالا مال کرے اور بہت بہت ترقیاں ہر قسم کی دینی دنیوی نصیب فرمائے۔ آپ کی خدمات دینی کو شرف قبول بخشے اور بیش از بیش توفیق خیر دے اور آپ کو اس فقیر گناہ گار عصیاں کار کے لیے سرمایہ نجات بنائے۔ آپ کی دینی خدمات سن سن کر دل باغ باغ ہے۔

والسلام۔ فقیر مصطفیٰ رضا قادری غفرلہٗ۔ ۱۶ رشوال ۷۴ ۱۳ھ

سیدنا سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے یہ دہ روح پرور سراپا شفقت وعنایات مکتوبات عالیہ ہیں جنھیں پڑھ کر حضور محدث اعظم روتے آنکھوں اور سینہ مبارکہ سے لگا کر چومتے تھے اور ہر دم بریلی شریف کی یاد میں گم رہتے تھے۔

مفتی اعظم قطب مدینہ کی نظر میں:

فقیر راقم الحروف (محمد حسن علی الرضوی میلسی) کو حاضری سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے مبارک ایام میں قطب مدینہ شیخ العرب والعجم مولانا ضیاء الدین قادری رضوی مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری حیات طیبہ کی تصحیح کرنے اور تقدیم لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت قطب مدینہ ایک نامور مستند عالم دین زبردست محدث وفقیہ تھے۔ بایں جلالت شان جب کبھی فتویٰ کی ضرورت ہوتی تو اپنے خدام واحباب کو فرماتے۔ شاہزادے میاں حضرت مفتی اعظم کو بریلی شریف لکھیے۔ حضرت مفتی اعظم دامت برکاتہم سے فتویٰ منگوایئے۔ ایک بار ایک محفل میلاد میں سیدی حضور مفتی اعظم اور حضور قطب مدینہ دونوں رونق افروز تھے۔ کسی نے حضور قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین علیہ الرحمۃ سے بیعت ہونے کی درخواست کی تو سخت کبیدہ خاطر ہوئے فرمایا "شہنشاہ (مفتی اعظم) کے ہوتے ہوئے مجھ سے طالب ہوتے ہو۔ اس شخص کو سرکار سیدنا مفتی اعظم علیہ الرحمۃ سے بیعت کرایا۔

حضور قطب مدینہ، مدینہ طیبہ، بارگاہِ اقدس سے باہر تشریف نہ لے جاتے تھے کہ کب کہاں مدینہ طیبہ سے باہر انتقال ہو جائے۔ حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کی حاضری حرمین طیبین کے موقع پر آپ کے استقبال کے لیے جدہ شریف تشریف لائے یہ ہمارے حضور مفتی اعظم قبلہ کا خصوص ہے، اس سے اندازہ فرمایئے، قطب مدینہ کی نظر میں سرکار مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا مقام اور کیا عظمت ہے؟

جب حضور سیدی سندی محدث اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف میں صدر المدرسین و شیخ الحدیث تھے، ان کے ایثار و خلوص سے متاثر ہو کر حضور مفتی اعظم نے طلبہ و مدرسین کے سارے اخراجات اپنے ذمہ لے لیے تھے، اس سلسلہ میں ہزاروں کے مقروض بھی ہو گئے تھے۔ آپ کی دو کانیں بھی رہن ہو گئی تھیں۔ حضور صدر الشریعہ قدس سرہٗ اپنے صاحب ثروت کاٹھیاواڑی میمن سیٹھ صاحبان کے ہم راہ عرس رضوی کے موقع پر آستانہ عالیہ رضویہ بریلی شریف حاضر ہوئے اور حضرت سیدنا مفتی اعظم کی قیادت میں سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پُر انوار پر حاضری دی۔ میمن سیٹھ صاحبان ہم راہ تھے۔ حضور صدر الشریعہ نے اپنے مرید سیٹھ صاحبان سے فرمایا۔ "حضرت مفتی اعظم صاحب" کو نذر پیش کریں۔ سب لوگوں نے نذرانے پیش کیے اور حضرت مفتی اعظم بار قرض سے سبکدوش ہوئے۔

برصغیر کے اکابر علما و سیدنا حجۃ الاسلام :

۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۷ھ / اگست ۱۹۲۸ء آستانہ عالیہ رضویہ بریلی شریف کا عظیم اجتماع جس میں لنکا، بہار، بنگال، پنجاب، بمبئی، گجرات، کاٹھیاواڑ، گونڈل، مدراس، یوپی، سی پی راجپوتانہ، سندھ سرحد کے جلیل القدر علما کابر عمائدین شامل تھے۔ اس اجلاس میں حضرت علامہ مولانا مفتی الشاہ مصطفیٰ رضا خاں قدس سرہٗ کو مفتی اعظم صدر العلما کہا اور لکھا گیا بلکہ شہزادۂ اکبر سرکار اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام جمال الاولیا مولانا شاہ محمد حامد رضا خان صاحب قبلہ قدس سرہٗ العزیز کے حکم سے اجلاس میں جو تجاویز پاس ہوئیں تجویز نمبر ۳ میں حضور مصطفیٰ میاں نوری قدس سرہٗ کو صدر العلما اور مفتی اعظم لکھا گیا۔ [اخبار دبدبہ سکندری، رام پور، شمارہ ۹، جلد ۶۶، صفحہ ۶، بجریہ ۲۰ راگست ۱۹۲۸ء]

حضور سیدنا حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا خان صاحب قبلہ قدس سرہٗ خود زبردست فقیہ و محدث بلند پایہ مفتی تھے اور حضور سیدنا مفتی اعظم قبلہ کے استاد محترم بھی تھے مگر اپنی دیگر دینی مذہبی و روحانی مصروفیات کے سبب آنے والے سوالات واستفتا اپنے برادر اصغر حضور مفتی اعظم قبلہ قدس سرہٗ کے پاس جواب کے لیے بھیجتے تھے۔ متعدد کتابوں میں اس کے شواہد موجود ہیں۔

سرکار اعلیٰ حضرت و صدر الافاضل :

یہاں یہ بات یاد رکھنا بھی اہم ضروری ہے کہ مرادآباد، بدایوں، اجمیر شریف کی سنّی کانفرنسوں کے پوسٹروں اشتہاروں میں بھی آپ کو مفتی اعظم لکھا جاتا تھا اور جامعہ نعیمیہ مرادآباد کے سالانہ جلسوں کے پوسٹروں میں اور آل انڈیا سنّی کانفرنس بنارس کے پوسٹروں میں بھی آپ کو مفتی اعظم لکھا جاتا رہا ہے۔ حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادابادی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنّی کانفرنس بنارس میں شرکت کا جو دعوت نامہ امام اہل سنت حضرت قبلہ محدث اعظم پاکستان علامہ ابوالفضل محمد سردار احمد قدس سرہٗ کو ارسال فرمایا تھا اس میں خاص صدر الافاضل کے اپنے دست مبارک سے حضرت مولانا شاہ علامہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب قدس سرہٗ کو مفتی اعظم لکھا ہے۔ (کتاب محدث اعظم پاکستان و کتاب مفتی اعظم اور ان کے خلفاء)

خلیفہ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر اہتمام دار العلوم حزب الاحناف لاہور کے پوسٹروں میں اور علامہ ابوالبرکات سید احمد علیہ الرحمۃ کی زیر سرپرستی چھپنے والے پندرہ روزہ رضوان لاہور میں آپ کو مفتی اعظم لکھا جاتا رہا ہے۔ بلکہ ایک بار حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رضوی شیخ الحدیث دار العلوم حزب الاحناف لاہور علیہ الرحمۃ نے حضرت قبلہ مفتی اعظم علیہ الرحمۃ سے ضلع جہلم میں دیوبندیوں وہابیوں سے مناظرہ کے لیے محدث اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کو طلب کیا اور حضور

محدث اعظم کو جو دعوت نامہ ارسال کیا اس میں مفتی اعظم مفتی ہندوستان تحریر کیا تھا۔

حضرت علامہ ابوالبرکات علیہ الرحمۃ مسلک اعلیٰ حضرت پر سختی سے کاربند تھے۔ جب لائل پور (فیصل آباد) میں جامعہ قادریہ رضویہ قائم کیا گیا تو مدرسہ کے افتتاحی جلسہ میں علامہ ابوالبرکات سید احمد قبلہ قدس سرہٗ بھی تشریف لائے تھے۔ اس موقع پر مولانا سید زاہد علی شاہ رضوی پیلی بھیتی نے دعوت کی تھی۔ واپسی پر تانگہ میں فقیر راقم الحروف اور سید ابوالبرکات صاحب سوار تھے۔ بار بار بڑے عقیدت بھرے والہانہ انداز میں سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ کا تذکرہ فرما رہے تھے۔ فرماتے اب حضرت مصطفیٰ میاں کی زیارت کیسے کریں۔ پاسپورٹ پر فوٹو کی پابندی لازمی ہے۔ اب مفتی اعظم کی زیارت کیسے کریں۔ فقیر نے کہا گورنر امیر محمد خاں آپ کے عقیدت مند ہیں۔ بغیر فوٹو پاسپورٹ بنوائیں، فرمایا یہ دو حکومتوں کا معاملہ ہے۔

حضرت علامہ مولانا قاری سید محمد خلیل الکاظمی محدث امروہوی رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت کے ممتاز عالم دین تھے ان کے مختلف مسائل پر کافی خطوط اور فتاویٰ راقم الحروف کے پاس محفوظ ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ اکثر خطوط اور فتاویٰ میں لکھا ہے کہ بریلی شریف حضرت مفتی اعظم دامت برکاتہم کی خدمت میں استفسار کر کے تصحیح فرمالیں یعنی حضرت محدث امروہوی علیہ الرحمۃ بھی سرکار مفتی اعظم کو مفتی اعظم مانتے تھے اور ان کے فتویٰ کو حرف آخر سمجھتے تھے۔ خانقاہ عالیہ رضویہ آستانہ عالیہ اعلیٰ حضرت کا اتنا ادب و احترام کہ امروہہ سے ٹرین پر سوار ہو کر بریلی شریف اسٹیشن پر اترتے اور اپنی چپلیا ہاتھ میں لے کر آستانہ اعلیٰ حضرت تک پیدل چل کر حاضر ہوتے۔ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

امام المتکلمین محدث اعظم مولانا علامہ ابوالحامد سید محمد اشرفی جیلانی محدث اعظم کچھوچھوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت اور جلالت شان سے کون واقف نہیں۔ حضرت ممدوح بھی مسلک اعلیٰ حضرت کے گہرے رضوی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ سیدنا سرکار مفتی اعظم کی شخصیت مقدسہ کی عظمت اور مفتی اعظم کی فقہی بصیرت اور شان افتا کا اظہار اس سے ہوتا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے مفسد و ناجائز ہونے پر حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے فتویٰ مبارکہ پر بدیں الفاظ تائید و تصدیق فرماتے ہیں ھذا حکم العالم المطاع وما علینا الا الاتباع یہ ایک ایسے عالم کا فتویٰ ہے جن کے حکم کی اطاعت کی جاتی ہے۔ ہماری ذمہ داری یہی ہے کہ ہم اس کی پیروی کریں۔ ماہنامہ "سنی" لکھنؤ میں کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کے زیر اہتمام کانفرنس کی روداد شائع ہوئی تھی محدث اعظم کچھوچھوی قدس سرہٗ العزیز نے اپنے خطبہ صدارت میں ارشاد فرمایا "یہ مجھ سے ناانصافی اور مجھ پر زیادتی ہے کہ صدارت کے لیے میرا نام تجویز کیا گیا ممکن تھا کہ میں منتظمین کانفرنس کے اس اقدام پر واک آؤٹ کر جاتا مگر کیا کروں اس عظیم و جلیل شخصیت نے مجھے کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کا صدر بنایا ہے جن کا علم سے بڑھ کر عمل، فتویٰ سے بڑھ کر تقویٰ ہے .... بے ساختہ زبان سے نکل جاتا ہے مصطفیٰ رضا سے بیاں ہزاروں برکتیں لینے لگتی۔" ملخصاً

فقیر ۱۴۰۱ھ ربیع الآخر میں آخری زیارت و ملاقات سے مشرف ہوا۔ ۱۴ محرم ۱۴۰۲ھ / ۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء کو یہ آفتاب عالمتاب غروب ہوا۔

زمین ہند میں تھی آخری صورت یہ نورانی

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم اور فن تجوید

مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی
پچھم محلہ، چریاکوٹ، ضلع مئو

مفتی اعظم کون ہیں کیا ہیں؟ اس تجسس کی تیرگی دور کرنے کے لیے اس ''نمبر'' میں ایمان ویقین کے سینکڑوں سورج بیک وقت جگمگا رہے ہیں۔ جن کی انوار پاشیوں میں مفتی اعظم کی ذات وشخصیت کو بآسانی جانا پہچانا جاسکتا ہے اور آپ کی عظمتوں کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔

تجوید کیا ہے؟ اس کا جواب مفتی اعظم کے پدر بزرگوار سے طلب کرتے ہیں۔ امام احمد رضا محدث بریلوی ارشاد فرماتے ہیں:

''اس قدر تجوید جس کے باعث حرف کو حرف سے امتیاز اور تلبیس سے احتراز حاصل ہو واجبات عینیہ واہم مہمات دینیہ سے ہے۔ آدمی پر تصحیح مخارج میں سعی تام اور حرف میں اس کے مخرج سے ٹھیک ادا کرنے کا قصد واہتمام لازم کہ قرآن مطابق ما انزل اللہ تعالیٰ پڑھے نہ کہ معاذ اللہ مداہنت و بے پروائی کہ آج کے عوام بل کہ یہاں کثیر بل کہ اکثر خواص نے اپنا شعار کرلیا۔'' (فتاویٰ رضویہ جدید۔ ج۶ ص ۲۶۲)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''الثغ کی نماز جبھی توصحیح ہے کہ وہ تصحیح حروف میں کوشش کیے جائے یہ بھی بے تعلیم صحیح ناممکن، یہی تعلیم تجوید ہے تو اس کی فرضیت قطعاً ثابت۔ اگر صحیح کو نہ سیکھے یا سیکھے اور اس کے ادا کرنے کی کوشش نہ کرے تو نماز ضرور باطل ہوگی۔ تو علم و عمل دونوں فرض ہوئے۔'' (فتاویٰ رضویہ جلد ۶، ص ۳۴۰، گجرات)

تیسری جگہ تجوید کی شرعی حیثیت اجاگر کرتے ہوئے اور اس کے علم کی غیر معمولی اہمیت بتاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''تجوید بنص قطعی قرآن واخبار متواترہ سید الانس والجان علیہ وعلی آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام واجماع تام صحابہ وتابعین وسائر ائمہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان المستدام حق وواجب وعلم دین شرع الٰہی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ: جلد ۶، ص ۳۲۲)

علامہ طاش کبریٰ زادہ کی تحقیق کے مطابق علم تجوید وقراءت جملہ علوم وفنون میں مرکزی حیثیت اور امتیازی اولیت کا حامل ہے۔ کیوں کہ یہ قرآن کریم سے بلاواسطہ متعلق ہے چنانچہ تلاش وتتبع نے یہ واضح کردیا ہے کہ اس علم سے مسلمانوں کی وابستگی ہر دور میں بڑی گہری رہتی ہے اور اس علم پر تدوین کتب کا سلسلہ کچھ دوسری صدی کے اوائل ہی سے شروع ہوچکا تھا۔ ایک جہاں دیدہ قلم اس سلسلہ میں گہر فشانی کرتا ہے:

قرآن کریم کے معانی ومطالب کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ اس امت نے کتاب الٰہی کے الفاظ وحروف اور اس کی حرکات وسکنات کو ٹھیک

ٹھیک زبان سے ادا کرنے کی غرض سے ایسے ایسے علوم وفنون کی بنیاد ڈالی ہے جس کی نظیر دنیا کے کسی مذہب اور زبان میں نہیں ملتی۔ ایک علم تجوید وقراءت کو ہی لے لیجیے تو اس فن کی تفصیلات اور اس کی باریکیوں کی تشریح کے لیے اتنی کتابیں لکھی گئی ہیں کہ ان سے ایک مستقل کتب خانہ تیار ہو سکتا ہے۔ (علوم القرآن، ص ۱۸)

یقیناً اسلام کی ابتدائی صدیوں میں اس علم پر کام کی جو پیش رفت تھی اگر وہ بعد کی صدیوں میں بھی باقی رہتی اور متاخرین، متقدمین کی صرف گرد راہ ہی سمیٹتے رہتے تو کچھ بعید نہ تھا کہ لائبریریوں کی بھوک مٹ جاتی، ان کی تشنگی بجھ جاتی اور اس علم پر کتابوں کی کثرت لائبریریوں کا شکوہ رفع کر دیتی۔ پھر بھی تفسیر وحدیث وفقہ کو چھوڑ کر اور علوم کی نسبت اس علم پر زیادہ کام ہوا ہے۔ چودھویں صدی سے کچھ قبل جس قدر یہ علم ناقدریوں کا شکار رہا چودھویں اور پندرہویں صدی میں اس پر اتنا ہی جنگی پیمانہ پر کام ہوا۔ جس سے گزشتہ صدیوں کی بے اعتنائیوں کا ایک خاص حد تک تدارک ہوا ہے۔

چودھویں صدی میں امام احمد رضا محدث بریلوی نے علم کے جملہ میدانوں میں طبع آزمائی کرنے کے ساتھ اس علم پر بھی بطور خاص فقیہانہ انداز میں جو گفتگو کی ہے ویسا رنگ وآہنگ کہیں اور دیکھنے میں نہ آیا۔ باپ کے چھوڑے ہوئے مشن کے فروغ وتکمیل کے لیے حضور مفتی اعظم اپنے خداداد علم وحکمت، حکیمانہ فکر وبصیرت، فقیہانہ صلاحیت ولیاقت اور اپنی بہت کچھ نجی خصوصیات کے ساتھ آگے بڑھے اور اپنے متنوع، گوناگوں اور معرکۃ الآرا کارناموں کے پس منظر میں مقولہ مشہور "الولد سر لأبیہ" کو سچ کر دکھایا۔

حضور مفتی اعظم علم وعمل میں والد گرامی وقار امام احمد رضا کی وراثتوں کے امین تھے۔ شفقت پدری اور فیضان مرشد سے آپ کو حصہ وافر عطا ہوا تھا۔ الجامعۃ الاشرفیہ کے بارہویں فقہی سمینار کے موقع پر مجھے مفتی نظام الدین صاحب قبلہ کا وہ جملہ بار بار یاد آ رہا ہے کہ حضور مفتی اعظم کا علم وعمل دونوں ہمارے لیے حجت ہے کیوں کہ تقویٰ وطہارت اور اتباع شریعت کے سلسلہ میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔

قرآن اور صاحب قرآن سے گہرا لگاؤ ہونے کے باعث علم تجوید وقراءت سے آپ کا تعلق بھی بہت گہرا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کا خلاف تجوید قرآن پڑھنا آپ کو برہم کر دیتا اور آپ اس کی اصلاح میں کوئی کسر روا نہ رکھتے تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس باب میں آپ سے جو استفتا ہوئے ان کے جوابات بھی آپ نے نہایت بسط وتفصیل اور بھرپور توضیح وتنقیح کے ساتھ رقم فرمائے ہیں۔ آپ کے مجموعہ فتاویٰ "فتاویٰ مصطفویہ" کے اندر تجوید وقراءت کی جلوہ طرازیاں جگہ جگہ موجود ہیں۔ اس فن پر آپ کے مبلغ علم کا اندازہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے صرف حرف صاد کی تحقیق وتنقیح میں علم وحکمت کے اتنے آفتاب اجال دیے ہیں کہ ان سے اکتساب رنگ ونور کر لینے کے بعد ممکن ہے کہ قبول حق کی صلاحیتوں سے مالا مال دل اطمینان تمام حاصل نہ کر لیں۔ ورنہ پھر توفیق الٰہی سے محروم دلوں کو دلائل کی ہزار جلوہ سامانیاں بھی رام نہیں کر سکتیں۔

حضور مفتی اعظم کی نظر میں اس علم کے مقام ومرتبہ کا تعین ذیل کے اس قیمتی فتویٰ سے کیا جا سکتا ہے۔

آپ کی بارگاہ میں سوال ہوا کہ زید بکر کے پاس قراءت سیکھنے جایا کرتا تھا۔ اچانک راستہ میں ایک روز خالد ملا اور پوچھ بیٹھا۔ یہ بتاؤ تم روزانہ کہاں جایا کرتے ہو؟ زید نے کہا: قراءت سیکھنے۔ خالد نے کہا: قراءت سیکھنا جھگڑا ہے اس کو چھوڑ دو اور سادہ طور سے قرآن پڑھتے رہو۔ پس خالد کے اس کہنے پر شریعت کیا کہتی ہے؟

جواباً آپ نے تحریر فرمایا:

اتنی قراءت سیکھنا جس سے آدمی قرآن عظیم صحیح پڑھے فرض ہے۔ جس نے اس سے منع کیا، اس نے فرض سے روکا اور ایک فرض کو

جھگڑا بتایا اس پر توبہ فرض ہے۔ اسے تجدید ایمان و تجدید نکاح وغیرہ بھی چاہیے۔ بہت بد کلمہ اس کی زبان سے نکلا۔ والعیاذ باللہ (فتاوی مصطفویہ، ص ۴۸، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی) کوزہ میں دریا سمونے اور ذرہ میں صحرا پرونے کی کہاوت اب تک آپ صرف سنتے رہے ہوں گے، عملی شکل میں اگر اسے دیکھنے کی خواہش ہو تو حضرت کا مذکور فتوی ملاحظہ کرلیں۔ سچ پوچھیے تو "خیر الکلام ما قل و دل" کے مصداق ایسے ہی نپے تلے جملے ہوتے ہیں جن میں صرف مغز ہی مغز ہو پوست نام کو بھی نہیں۔

ایک مقام پر ترتیل کے رکن دوم "مسلم وقف" کے بعض رموز کے احکام پر فقہی انداز میں بڑی خوبصورت بحث کی ہے۔
سائل عرض کرتا ہے:

زید نے رکعت ثانی میں اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْماً حَکِیْماً (سورۂ نساء ۴/۱۱) پر وقف کیا اور رکوع کر لیا اور اس آیت کے بعد ایک آیت پوری چھوڑ دی جو یہ ہے: یُدْخِلُ مَنْ یَّشَاءُ فِیْ رَحْمَتِہٖ وَالظّٰلِمِیْنَ اَعَدَّ لَھُمْ عَذَاباً اَلِیْماً۔ (سورۂ انسان ۷۶/۳۱) ایک شخص یہ کہتا ہے کہ یدخل کی یا میں تشدید ہے لہٰذا ملانا ضروری تھا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ حکیماً پر وقف کیسا ہے؟ اور اس شخص کا کہنا کہ ملانا ضروری تھا، صحیح ہے یا غلط؟

جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

"حکیما پر وقف کر سکتا ہے۔ آیت آگے کی یاد نہ تھی تب تو کوئی بات نہیں ہاں یاد تھی اور چھوڑ دی یہ برا کیا۔ وصل ضروری نہیں۔ وہ غلط کہتا ہے۔ [illegible] بہتر ہے وقف سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ کی مزید تنقیح کرتے ہوئے آگے فرماتے ہیں:

"یہاں حکیما کے بعد یہ تین علامتیں قرآن عظیم میں مکتوب ہیں: ق، صلی، لا۔ ق خود علامت قیل علیہ الوقف اور صلی مخفف الوصل اولی (کا) اور لا اشارۂ عدم وقف تو نہ ٹھہرنا اور ملانا بہتر ہے نہ یہ کہ لازم و ضروری واللہ تعالیٰ اعلم۔
(فتاوی مصطفویہ، ص ۲۱۰-۲۱۱، ممبئی)

عزیز قرأ الیقین جانیے جب تک تجوید و قراءت کی باریکیاں ذہن نشین نہ ہوں اور پورے طور پر اس کے جزئیات پر درک نہ ہو، اس قسم کے گراں مایہ فتوی معرض وجود میں نہیں آسکتے۔ یہ فتوی جہاں مفتی اعظم کے علم تجوید و قراءت سے گہرے لگاؤ کا ترجمان ہے وہیں اس دور کے مفتیان کرام کے حلقوں میں صدائے مخلصانہ بھی لگا رہا ہے کہ اس پر خار وادی کے ہر مسافر کو چاہیے کہ اس فن سے متعلق وہ کم از کم اتنی معلومات ضرور رکھے کہ اس علم پر کیے گئے استفتوں سے متعلق از خود احکام شرح واضح کر سکے۔

حرف ضاد کے تلفظ کی تحلیل: ضاد تمام حرفوں میں سب سے مشکل حرف مانا گیا ہے اس کی ادا شوار بطور خاص اہل عجم پر بہت دشوار ہے کیوں کہ یہ ان کی زبان کا حرف نہیں پایں ہمہ اس حرف کی ادائیگی کے سلسلہ میں بھانت بھانت کی بولیاں بولی گئی ہیں اور گوناگوں تحقیق کے باب وا ہوئے ہیں۔ اس حرف کی عظمت کے حوالے سے مجدد اسلام امام احمد رضا محدث بریلوی فرماتے ہیں:

"ضاد" کو اللہ تعالیٰ نے تنہا پیدا کیا ہے، کسی حرف کو اس کا ساتھی نہ بنایا۔ اسی سے سیبویہ نے کہا اور خوب کہا: اگر ضاد میں اطباق نہ ہو تو وہ سین ہو جائے، اگر ظا میں نہ ہو تو ذال بن جائے، اگر طا میں نہ ہو تو وہ بن جائے اور ضاد کلام ہی سے خارج ہو جائے۔ کیوں کہ اس کے متبادل کوئی حرف ہی نہیں۔ (فتاوی رضویہ، جلد ۶، ص ۲۹۸، گجرات)

حرف ضاد کی تحقیق اور تلفظ ضاد کی تنقیح کے سلسلہ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے دو بہت ہی گراں قدر رسالے تالیف فرمائے ہیں:

نعم الزاد لروم الضاد، اور الجام الصاد عن سنن الضاد۔

مفتی اعظم کے زمانہ میں اس حرف کے تلفظ کی بابت استفتا ہوا تو آپ نے اس سلسلہ میں بہت ہی تحقیقی اور معلوماتی فتویٰ صادر فرمایا۔ سوال و جواب ذیل میں نقل ہے:

''ایک شخص نماز میں ولا الضالین کے بجائے ولا الظالین ظ کی آواز سے پڑھتا ہے لہٰذا ایسے پڑھنے سے نماز ہوگی یا نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ میں ولا الظالین کو ظ کی آواز سے پڑھوں گا بہت اصرار کرتے پر اس نے ایک جمعہ کو ولا الضالین کو صحیح پڑھا تو اس نے کہا کہ نہ میری نماز ہوئی اور نہ مقتدیوں کی۔''

الجواب: جب تک وہ توبہ نہ کرے اور ض کو ض نہ پڑھے اس وقت تک اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ جو شخص ض کو ض پڑھ سکتا ہے اور عمداً ظ پڑھتا ہے، اس کی نماز نماز نہیں۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنا نماز کھونا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعض جگہ اگر ض کی جگہ ظ نکل گئی یا کوئی شخص ہزار ض کو ض کے مخرج سے نکالنے کی کوشش کرتا ہو مگر وہ ناکام رہتا ہے تو یہاں دال نہ پڑھے اگر ظ پڑھے گا نماز ہو جائے گی کوشش ض کو صحیح نکالنے کی کرتا رہے مگر اس صورت میں اوروں کی نماز اس کے پیچھے نہ ہوگی۔ ہاں اگر بے قصد ض کی جگہ ضالین میں ظ نکل جائے گی تو اس کی اور وہ امام ہو تو اوروں کی بھی ہو جائے گی۔ جو شخص ض کو ض پڑھ ہی نہ سکے یا جو پڑھ سکے مگر عمداً ض نہ پڑھے بجائے ض کے ظ و غیرہ پڑھے تو اس کے پیچھے نماز نہ ہوگی اور عمداً ایسا پڑھنے والا اشد گنہ گار مستحق نار، مستوجب غضب جبار [illegible] نے اسے کفر فرمایا۔ یہ شخص اس سے بھی بدتر ہے کہ ض پڑھنے کو کہا کہ نہ میری نماز ہوئی نہ مقتدیوں کی۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ شخص جب تک توبہ نہ کرے، تجدید اسلام اور بی بی رکھتا ہو تو اس سے بھی تجدید نکاح جب تک نہ کرے، اس کے پیچھے نماز ہرگز نہ پڑھی جائے یوں ہی جب تک کہ ض کو ض نہ پڑھے جب تک تائب نہ ہو، اس سے میل جول سلام کلام اور ربط ضبط بھی موقوف کر دیا جائے۔ جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی ہیں۔ سب کا اعادہ لازم۔ وہ شخص جو ض کو ظ کی آواز ہی سے پڑھنے پر مصر ہے اور صحیح ضالین پڑھنے کو مفسد نماز جانتا ہے ہرگز لائق امام نہیں۔ جب تک توبہ نہ کرے، اس کے ساتھ نشست و برخاست یک لخت ترک کر دی جائے۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۲۰۶، رضا اکیڈمی، ممبئی)

ایک دوسرے فتویٰ میں فرماتے ہیں:

''جو شخص ض کو بہ مشقت بھی اپنے مخرج سے نہ نکال سکے وہ اس کو اس کے مخرج سے نکالنے کی کوشش کرتا رہے یہ اس پر فرض ہے وہ معذور نہ ٹھہرایا جائے گا۔ اگر اس نے کوشش چھوڑی تو ملزم ہوگا اور اگر ض کی بجائے جان کر کوئی دوسرا حرف پڑھے گا نماز نہ ہوگی ہاں وہ کوشش کرکے بھی صحیح صحیح ض نہ پڑھے اور اس کی زبان سے بجائے ض کے اگر ظ ادا ہو تو اس صورت میں نماز ہو جائے گی مگر اس کے پیچھے نماز نہ ہوگی، جب تک وہ صحیح نہیں پڑھے گا۔ یوں ہی وہ شخص کو ض اور ظ میں فرق سے واقف نہیں اسے تمیز نہیں، وہ اگر بجائے ض، ضالین میں ظ پڑھ دے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ یوں ہی اگر کسی کی زبان سے بجائے ضالین ظالین نکل گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر ایسے لوگ بجائے ض و ضالین میں پڑھ جائیں تو نماز نہ ہوگی۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر جگہ ایسے لوگ اگر ض کو ظ پڑھ جائیں تو نماز ہو جائے گی اور کچھ اور پڑھ جائیں گے تو نہ ہوگی بل کہ مغضوب کو اگر مغلوب یا مغذوب پڑھا جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ یوں ہی اضطر رتم کو اگر

اظلم رحم یا اذ ظلم رحم پڑھ دیا جائے گا نماز فاسد ہو جائے گی۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ یہ جو جاہل وہابیوں نے جاہلوں کو بہکایا ہے کہ ض کو ظا پڑھے یہ محض ان کی تضلیل ہے۔ خاد تو کوئی حرف ہی نہیں وہی ض کو ظا پڑھنا بتایا اور ظا پڑھنے سے بعض صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی اور عمداً ض کو ظا یا کسی حرف سے بدل کر پڑھنا، اس سے نماز تو نماز ایمان ہی جاتا رہے گا کہ یہ تحریف اور قصداً تحریف ہے۔ (ایضاً، ص ۲۰۸)

مذکورہ بالا دونوں فتاویٰ ایک طرف فقہ کی باریکیاں اٹھائے ہوئے ہیں تو دوسری طرف تجوید کی عظمت سنبھالے ہوئے ہیں۔ بلاشبہ مفتی اعظم اپنے دور کے مجود اعظم تھے۔ اس حوالے سے آپ کی خدمات بہت ہیں مگر عجلت کے باعث اسے کسی اور مناسب موقع پر اٹھا رکھتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ حضور مفتی اعظم کے افکار گوناگوں کی ترویج و توسیع کے ساتھ ساتھ تجوید کے فروغ و عروج میں بھی بھرپور دلچسپی لی جائے۔ جس کی صورت یہ کہ ابتدا ہی سے بچوں کو قاعدہ، پارۂ عم اور دوسرے بھی پارے صحیح بخاری تک تجوید کے ساتھ پڑھائے جائیں، اس مقصد کی تکمیل کے لیے قرا کو تیار ہونا چاہیے اور ناظرہ پڑھانے میں کسر شان محسوس نہ کرنی چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو سو فی صد مسلم آبادی غلط خواں ہی رہ جائے گی، اس لیے کہ سو بچوں میں پچاس کے قریب وہ ہوتے ہیں جو پرائمری کے بعد کسی صنعت یا کاروبار سے متعلق ہو جاتے ہیں اور چالیس یا زیادہ اسکول، کالج کا رخ کر تے ہیں، دس اگر عربی درس گاہوں میں آگئے اور تجوید درست کر لی بل کہ ماہر فن قاری بھی بن گئے تو سو فی صد تو نادرست ہی رہ گئے۔ اس پر مدارس کے ارکان و منتظمین اور بچوں کے والدین کو بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ عموماً کسی کم تنخواہ والے غلط خواں کو ناظرہ کا مدرس بناتے ہیں کس کے نتیجے میں بچوں کا قرآن صحیح نہیں ہو پاتا۔ اچھے قاری کو مدرس بنائیں اور قاری بھی اپنی ذمہ داری پوری نبھائے تو حالات میں انقلاب برپا ہو سکتا ہے اور فرمان الٰہی پر عمل کا خوش گوار منظر نگاہوں کے سامنے آسکتا ہے۔ واللہ الهادی الی سواء السبیل، وھو الموفق لکل خیر۔

☆☆☆☆☆

پانچواں باب

مفتی اعظم رضوی برکتوں اور برکاتی نوازشوں کے مجمع البحرین تھے۔ جو ان کے دامن کے کرم سے وابستہ ہوئے وہ مرج البحرین یلتقیان کی تفسیر بن گئے، جو بھاگے یا بدکے وہ "ملح اجاج" کی تمثیل بن گئے، باب روحانیت میں مفتی اعظم کا مقام انتہائی بلند ہے، وہ اس دور اخیر میں سلف صالحین اور قدمائے صوفیہ کے سچے جانشین تھے، ولایت مومن کے لیے بارگاہ رب العزت جل شانہ کا پہلا انعام ہے۔ بندہ رب سے راضی ہو جائے اور وہ اس سے راضی ہو جائے تو معراج بندگی ہے، آقائے کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم اپنی شان عبدیت پر فخر فرمایا کرتے تھے۔ مفتی اعظم کو بارگاہ رب العزت جل جلالہ میں مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا سے قبول تام حاصل تھا کیوں نہ ہو جو ان کے والد گرامی دربار غوثیت مآب زادہ اللہ تعالی عظمۃً و کرامۃً کے محبوبوں اور مقبولوں میں سے ایک تھے۔ وہ دربار غوثیت کا ایک بے باک سپاہی تھے جس کی قسمت کی سگان بغداد بھی قسم کھایا کرتے تھے۔ وہ رہتے تو بظاہر ہند میں تھے مگر پہرہ" دربار بغداد شاد و آباد" کا دیا کرتے تھے۔

شہنشاہ بغداد نے اس مرشد حقانی کو اپنی توجہات و تصرفات کا مورد بنادیا تھا، آج کے دور میں کسی فرصت کہ وہ چپ و راست نظر بھی ڈالے مگر وہ جس ویرانے میں بھی گزر جاتا تھا، ویرانہ لہلہاتا ہوا گلشن بن جاتا تھا۔ آج ہسپتالوں میں درد کے ماروں کا ازدحام بد انجام ہے، سنا ہے کہ وہ جس آبادی سے گزر جاتا، حکیموں کی حکومت سرد پڑجاتی، طبیبوں کے مطب پر تالے لگ جاتے، شہروں کے شفا خانے ویران ہو جاتے ہیں، شب دیجور ہوکہ مہر نیم روز ہر گاہ اس کے در پر دکھیاروں اور لاچاروں کی بھیڑ نظر آتی، وہ خود اندر کسکتا تڑپتا، تھکان سے چور ہوتا، مگر ہونٹوں پر ایک جاں فزا تبسم کیا آتی، غریبوں کا بھلا ہوگیا، زخم بھر گئے، دل تازہ ہوگیا، مفتی اعظم ایک باکرامت ولی تھے، سیکڑوں نہیں ہزاروں ان کی ولایت و تصرف کے گواہ ہیں، ان کا رنگ رنگ قادریت تھا، علمی جاہ و جلال روحانی فضل و کمال پر غالب تھا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ صرف تعویذ لکھتے رہے، مگر ایک بوریا نشیں لاکھوں غم کے ماروں کا بھلا کر گیا، کچھ تو ہے جو آج خلق خدا اس کے نام پر مرتی اور فدا ہوتی ہے، اس باب میں سید محمد اکبر چشتی پھپھوند شریف اور علامہ مفتی محمد اشفاق اور مفتی اشرف رضا قادری جیسے اہم بزرگوں کے تاثرات و خیالات شامل ہیں۔ مرتب کی نظر میں یہ گوشہ ابھی تشنہ ہی نہیں بلکہ ناقص ہے۔ ع نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول، کے مصداق اگر قارئین میں تعاون کیا اور اہل قلم نے ہمت بندھائی تو اس خلش کا بھی علاج جلد یا بدیر کر دیا جائے گا۔ سر دست تو بس اسی قدر اکتفا کرنا ہوگا۔

مقبول احمد سالک مصباحی

مفتی اعظم کے خانقاہی روابط

مولانا سید محمد اکبر چشتی
خادم آستانہ عالیہ چشتیہ صمدیہ مصباحیہ، پھپھوند شریف، ضلع ایٹہ

۱۳۷۶ھ میں حضور قبلہ، عالم صدر مجلس علمائے اہل سنت حافظ بخاری، خواجہ بے کس نواز سید شاہ عبدالصمد مودودی چشتی قدس سرہٗ النورانی کے عرس کے موقع پر میری دستار بندی تھی جس میں اس زمانہ کے بڑے بڑے علمائے کرام تشریف لائے تھے۔ حضرت مفتی اعظم بھی پہلی بار جلسہ دستار بندی میں پھپھوند شریف تشریف لائے ہوئے تھے جب مجھے پہلی مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

عرس شریف اور اس سے متعلق میرے ذمہ کافی خدمات تھیں اس لیے ان کی مجلس میں زیادہ نشست نہ ہو سکی لیکن آپ کی پاکیزہ روش سے یہ ضرور محسوس ہوا کہ آپ نہایت بااخلاق اور تقویٰ شعار ہیں نیز آپ کے فتاویٰ کا مطالعہ کرنے سے یہ احساس ہوا کہ آپ یقیناً علوم وفنون اور تحقیق وتدقیق میں اپنے والد گرامی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے صحیح جانشین اور وارث وامین ہیں۔ جلسہ دستار بندی کے بعد دوسرے روز جب حضرت مفتی اعظم روانگی کے لیے تیار ہوئے میں نے آپ کو نذر پیش کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ نذر تو، میں نے لے لی۔ اب آپ میری طرف سے قبول فرمالیں۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن آپ نے نذر نہیں لی۔

حضرت مفتی اعظم سے میری دوسری ملاقات اس وقت ہوئی جب میں اپنے برادر طریقت اشفاق حسین صاحب قیصری کی دعوت پر بریلی گیا۔ بریلی کے سفر پر روانہ ہونے سے قبل میں اپنے مرشد برحق قدس سرہٗ کی بارگاہ میں قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ بریلی جارہے ہو تو مفتی اعظم سے بھی ملاقات کر لینا۔ جب حضرت مفتی اعظم کی ملاقات کی غرض سے ان کے دولت خانہ پر حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ کے پاس مریدین، معتقدین اور حاجت مندوں کا مجمع لگا ہوا ہے اور آپ حاجت مندوں کو تعویذات وغیرہ مرحمت فرما رہے ہیں۔ میں بھی بعد سلام ومصافحہ کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ میں نے بتایا کہ پھپھوند شریف سے۔ فرمایا کہ پھپھوند شریف تو میں حاضر ہو چکا ہوں۔ میرے برادر طریقت قیصری صاحب جو میرے ہم راہ تھے انھوں نے عرض کیا کہ آپ ان ہی کی دستار بندی میں حضرت تشریف لے گئے تھے۔ اس وقت آپ نے میرے مرشد کامل حضور خواجہ بندہ نواز محبوب رب ذوالمنن سید شاہ مصباح الحسن چشتی علیہ الرحمۃ والرضوان کی خیریت معلوم کی کہ حضرت کا مزاج کیسا ہے؟ میں نے بتایا کہ گھٹنوں میں تکلیف ہے جس کی وجہ سے حضرت اس وقت چلنے پھرنے سے معذور ہیں۔ پھر دریافت فرمایا کہ علاج کس کا ہو رہا ہے؟ میں نے بتایا کہ ایک ڈاکٹر صاحب جو میرے برادر طریقت بھی ہیں ان کے زیر علاج ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ کچھ لوگ چار سو بیس ہوتے ہیں اور ڈاکٹر آٹھ سو چالیس ہوتے ہیں۔ پھر ایک کتاب آپ نے اٹھائی اور اس کو ملاحظہ کرنے کے بعد مجھے دی اور کہا کہ اس کتاب سے یہ نسخہ نقل کر لیجیے اور حضرت کو بھی نسخہ استعمال کرائیے۔ میں نے نسخہ نقل کرنے کے بعد کتاب واپس کی (جو قلمی تھی) تو آپ نے فرمایا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے

عرس میں تشریف لایئے۔ اعلیٰ حضرت کے عرس میں مولانا حکیم برہان الحق صاحب تشریف لائیں گے۔ ان کو ساتھ لے کر کچھوچھہ شریف چلیں گے اور ان سے حضرت کا علاج کرائیں گے۔

جب میں نے واپسی کی اجازت چاہی تو فرمایا کھانا تیار ہے۔ کھانا کھا کر تشریف لے جائیں۔ میں نے عرض کیا کہ اس وقت میری دعوت ہے فرمایا رات میں۔ میں نے کہا رات میں بھی دعوت ہے۔ فرمایا کل؟ میں نے کہا کل میری واپسی ہے۔ دریافت فرمایا۔ آپ کا قیام کہاں ہے؟ میں نے بتایا کہ پرانے شہر قیصری صاحب کے مکان پر۔ جب واپسی کے لیے چلا تو فرمایا کہ حضرت مولانا مصباح الحسن صاحب کی خدمت میں میرا سلام پیش کیجیے گا۔

میں اپنے مرشد گرامی کی علالت کی وجہ سے عرس رضوی میں نہ جا سکا لیکن حضرت مفتی اعظم کا اخلاص و محبت کہ عرس رضوی کے بعد حضرت مولانا حکیم برہان الحق صاحب رضوی کو ساتھ لے کر بہ نفس نفیس تشریف لائے۔ حضرت کی عیادت فرمائی اور علاج کے لیے حضرت مولانا حکیم برہان الحق صاحب سے نسخہ بھی تجویز کروایا۔ میرے حضرت نے اس نسخہ کو استعمال بھی فرمایا۔

کچھ دیر بعد میرے حضرت اور مفتی اعظم گفتگو فرماتے رہے۔ میرے برادر طریقت ڈاکٹر معین النعیم خاں صاحب چشتی مصباحی بھی حضرت کی خدمت میں حاضر تھے جو نہایت متقی، پرہیزگار اور متبع شریعت تھے اور حضرت مولانا سید شاہ آل مصطفیٰ مارہروی کے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ساتھیوں میں تھے۔ میرے حضرت نے مفتی اعظم قدس سرہٗ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہی میرے ڈاکٹر ہیں تو آپ نے کئی بار ڈاکٹر صاحب کو بہ غور ملاحظہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ انھیں کون ڈاکٹر کہے گا۔ حضرت نے نہایت خوش طبعی کے ساتھ فرمایا کہ میں ایسے ہی ڈاکٹر کا علاج کراتا ہوں۔

حضرت مفتی اعظم کے اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ کردار سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے تمام سنی آستانوں اور سنی خانقاہوں کے سجادگان کا حسب مراتب لحاظ و پاس رکھا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اہل سنت میں اتحاد بھی تھا اور سنیت میں استحکام بھی۔ آپ کی بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ ہر اس فتنہ کا سدِ باب کر دیا کرتے تھے جس سے اہل سنت میں دراڑ پڑنے کا ذرا سا بھی خدشہ ہوتا۔

افسوس صد ہزار افسوس کہ اب خلوص و محبت سے پُر روابط، علما و مشائخ کے مابین محبت و مودت، مدارس اور خانقاہوں کے درمیان ہم آہنگی، اہل سنت کے مابین اتحاد و اتفاق یہ سب کالعدم ہو چکا ہے۔ جس کے مضر اثرات، خوفناک نتائج اور تباہ کن ثمرات آج ہمارے سامنے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ میں اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اپنے نیک بندوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اہل سنت کو اتفاق و اتحاد کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم سرچشمۂ ولایت وہدایت

مولانا مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی دام ظلہ
ناظم اعلیٰ دارالعلوم اسحاقیہ، جودھ پور، مفتی اعظم راجستھان

تاجدار اہل سنت فرزند نامدار سیدنا اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان، جماعت اہل سنت کے وہ آفتاب علم وفن ہیں جن کی علمی اور ملی خدمات زریں حروف میں لکھی جائیں گی۔ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ جو اپنے وقت میں دائرۃ المعارف تھے آپ کے تجدیدی کارنامے، ملت اسلامیہ انشاء اللہ تا قیامت یاد رکھے گی۔ آپ کی مخصوص تربیت اور حضرت حجۃ الاسلام علامہ شاہ حامد رضا علیہ الرحمہ کی خصوصی نظر التفات اور حضرت علامہ شاہ سید ابوالحسین احمد نوری میاں علیہ الرحمہ کی خصوصی توجہ نے مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو نہ فقط "مفتی اعظم" بل کہ اپنے دور کا مفتی اعظم عالم اسلام بنادیا۔ دنیائے اسلام کے نازک اور الجھے ہوئے شرعی ودینی مسائل بریلی شریف کے دارالافتا میں مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی زبانی حل ہوتے تھے۔

فقہی جزئیات وکلیات پر رب العزت نے آپ کو وہ عقابی نظر اور عمیق فکر عنایت فرمائی تھا کہ باریک سے باریک تر اور دقیق سے دقیق تر فقہی مسئلہ کو فوراً حل فرمانا آپ کا طرہ امتیاز تھا۔ مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی حیات تابندہ رب کی بے پناہ عنایاتِ مخصوصہ اور نوازشاتِ کریمانہ کا ایک حسین مرقع تھی۔ امام غزالی کا تفکر، امام رازی کا تبحر اور امام ربانی کی عزیمت کے آپ حسین پیکر تھے۔ تمام علوم متداولہ اور فنون مروجہ پر کامل مہارت۔ مستزاد براں سرکار اعلیٰ حضرت سیدی امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کی عبقری شخصیت کی خصوصی تربیت وتوجہ نے آپ کو ممتاز مقام پر فائز فرمادیا تھا۔

۱۸ رسال کی نوعمری میں ایک انتہائی پر پیچ رضاعت کے مسئلہ کو دلائل وبراہین سے مزین فرماکر حل فرمانا آپ کی فقہی عبقری شخصیت کا نشانِ امتیاز ہے۔ پھر اسی روز امام اہل سنت علوم وفنون کے بحر ذخار سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا مسرور ہوکر آپ کو مسندِ افتا پر متمکن فرمانا اور اپنے آخری دورِ حیات میں دار القضا کا رکن رکین نامزد فرمانا آپ کی فقہی بصیرت کو خراجِ تائید وتوثیق پیش کرنے کے مترادف ہے۔

آپ کا علوم ومعارف پر محیط "فتاویٰ مصطفویہ" آپ کے تبحر علمی اور فقہی اعلیٰ بصیرت کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ یہ کتاب مستطاب نہ فقط آپ کے علمی وفقہی شہ پاروں کا مجموعہ ہے بل کہ فقہی دنیا میں ایک نسخۂ حل مشکلات کا درجہ رکھتی ہے۔ آپ کی ذات ستودہ صفات علم وفکر شعور وآگاہی، تبلیغ وارشاد، طہارت وتقویٰ، زہد واتقا، ہر پہلو سے اپنے عظیم المرتبت والد گرامی سیدی اعلیٰ حضرت کا پرتو نظر آتی ہے نیز الولد سر لابیہ کا تابندہ عکس بھی۔

آپ کی تصنیف وتالیف کے تعلق سے خدماتِ دینیہ ہوں یا رشد وہدایت، تبلیغ وارشاد کے تعلق سے مبلغانہ کارگزاریاں ہوں آپ ہر جہت سے امام اہل سنت مجدد دین وملت سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے سچے جانشین ثابت ہوئے ہیں۔ آپ کا ضرب المثل

تقویٰ، شریعت طاہرہ کی مکمل پاسداری، فقیہانہ حلاوت آمیز گفتگو، فصاحت و بلاغت آمیز گوہر افشانی، عبادت و ریاضت کا مؤمنانہ جذبہ بے مثالی فرزندانِ توحید بالخصوص نائبین رسول کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

۱۹۲۴ء کے لگ بھگ شدھی تحریک کا طوفان بداماں شورآ ندھی بن کر فضائے ہند پر مسلط ہوا۔ اس شعلہ بداماں اور شرر آمیز تحریک نے ہندوستان کی وسیع فضا کو چند دنوں میں مکدّ رو متعفن کر دیا۔ ہرسو اس سیاہ آندھی کے کارکن ارتداد کی شمشیر و سنان سے لیس ہو کر پھیل گئے۔ یو پی۔ راجستھان۔ گجرات۔ اڑیسہ۔ بنگال تک اس کے شرارے ایمان کے متوالوں کے آشیانے جلانے لگے۔ خاص کر آگرہ اور اس کے اطراف کا منطقہ زیادہ متاثر ہوا۔ اطراف اجمیر۔ میواڑ۔ بڑودہ بھی اس آندھی کی زد میں آ گئے۔ حضور سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کے تربیت یافتہ علمائے ربانیین کا نورانی قافلہ اس تحریک شدھی کے دفاع میں کمر بستہ ہو کر میدان عمل میں اتر پڑا۔ مرکز کی کمان حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اور حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان علیہ الرحمہ اور سرکار صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ نے سنبھالی۔ بڑی مدبّرانہ حکمت عملی کے ساتھ دفاعی مورچہ قائم کیا گیا۔ حضرت علامہ عبد العلیم میرٹھی اور علامہ قطب الدین برہمچاری اور سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ میدانِ عمل میں سرگرم عمل ہو گئے۔ اس قافلہ غازیاں کے سرخیل حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ تھے، اور آگرہ اور اس کے اطراف میں اس سیاہ آندھی کا اثر زیادہ تھا۔ اسی منطقہ کو ان نفوس قدسیہ نے اپنی جدو جہد عمل اور تبلیغ و ارشاد کا محور بنا دیا۔ مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی مدبرانہ قیادت اور عالمانہ حکمتِ عملی نے سیکڑوں افراد کے ایمان وایقان کی دولت کا تحفظ فرمایا اور صدہا گم کردہ راہ افراد کو راہ مستقیم پر متمکن فرمایا۔ بڑی مدبرانہ حکمتِ عملی کو روبہ عمل لا کر اس ارتدادی طوفان کا قلع قمع فرمایا۔ میلوں تک پیدل سفر فرما کر چھوٹے چھوٹے قصبات میں تشریف لے جا کر بے پناہ سفر کی صعوبتیں برداشت فرما کر فرزندانِ توحید میں ایمان و یقین کی روح پھونکی اور ہزار ہا گم کردہ راہ افراد کو راہ مستقیم پر گامزن فرمایا۔ اس قافلۂ کفن بردوشِ غازیان محبت کے میر کارواں حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ تھے۔

اس کے علاوہ دینی مکاتب و مدارس اور علمی معاہد کا قیام بھی آپ کی پُرخلوص مساعی کا تابندہ پہلو ہے۔ سیکڑوں علم و فن کے مراکز آپ کی نگاہِ ولایت مآب کا تصدق ہیں جو ملک کے طول و عرض میں علوم و معارف کے چشمہ ہائے شیریں بن کر تشنگانِ علوم دینیہ کو سیراب بخش رہے ہیں۔

دار العلوم اسحاقیہ جودھ پور بھی آپ کی ولایت مآب نظر کرم کا ثمرہ ہے۔ ۱۹۵۶ء یا ۱۹۵۷ء کے شروع میں حضور مفتی اعظم اور حضور محدث اعظم علیہما الرحمہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک موقع پر جودھپور جلوہ بار ہوئے۔ تقسیم ملک کے المیہ نے نہ معلوم کتنے خانوادوں کو منتشر فرما دیا تھا۔ اس بلائے ناگہانی سے متاثر ہو کر کئی ایک ذی ثروت اور ذی علم افراد انتقال مکانی کے شکار ہوئے۔ صاحب ثروت اور باہوش طبقہ ترک وطن کر کے سرحد کے اس پار خیمہ زن ہو گیا۔ غیر مرئی مصائب و آلام نے ہر قبیلہ اور قبیلہ کے ہر باشعور فرد کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ جودھپور بھی اس امتحان غیر متوقع کا شکار ہوا۔ مدرسہ اسحاقیہ کے ارباب حل و عقد بھی مایوس ہو گئے۔ ان حالات میں میں بھی ناامید ہو گیا اور ان دونوں ولایت مآب شخصیات کی بابرکت بارگاہ میں عرض کیا کہ حضرت اب مجھے اجازت دیجیے تا کہ رختِ سفر باندھ کر وطن چلا جاؤں کیوں کہ اس ادارے کے حالات انتقال مکانی کے باعث انتہائی ناگفتہ بہ ہو چکے ہیں۔ اس عریضہ پر سرکار محدث اعظم اور حضور مفتی اعظم علیہما الرحمہ نے بہ یک زبانِ ولایت مآب حکم صادر فرمایا'' مولانا! آپ ہرگز نہ جائیے۔ انشاء اللہ المولیٰ اس ادارے کا مستقبل بہت روشن ہے۔'' ہر دو حضرات کی ولایت مآب نظریں مستقبل کے جھروکوں سے اس ادارے کا

روشن مستقبل ملاحظہ فرمارہی تھیں۔ دونوں نیر [illegible] نے نورانی ہاتھ اٹھا کر ادارہ کی ترقی اور استحکام کی دعا فرمائی۔ آج دارالعلوم اسحاقیہ جس فیروزمندی کی اعلیٰ منزل پر گامزن ہے۔ یہ سب کچھ انھیں نفوس قدسیہ کی خصوصی توجہات اور دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ فالحمد للہ المنان الحنان۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کئی بار جودھ پور جلوہ بار ہوئے ہیں اور اپنی مخصوص دعاؤں سے ادارہ کو اور اس فقیر کو نوازتے رہے۔ حضرت کو مجھ سے اور اس ادارہ سے خصوصی تعلقِ خاطر تھا۔ جب بھی عریضۂ دعوت پیش کیا، شرف قبولیت سے نوازا گیا۔ آپ کی ذات سراپا کرامت نہ فقط میرے لیے یا میرے ادارے کے لیے بل کہ پوری ملت بیضا کے لیے سرچشمۂ ہدایت و ولایت تھی۔ رب العزت اپنے حبیب پاک کے صدقے میں آپ کا روحانی فیض تاقیامت جاری و ساری رکھے۔ آمین۔

مضت الدھور وما اتین بمثلہ
ولقد اتیٰ فعجزن عن نظرائہ

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم کے ظاہر و باطن کی یکسانیت

ڈاکٹر محمد محب الحق قادری
گوشۂ برکات، برکات نگر، گھوسی، مئو

الحمد لولیه والصلوٰة والسلام علیٰ نبیه و آله واصحابه واولیاء امته اجمعین۔

اے رضا یہ احمد نوری کا فیض نور ہے

چشم و چراغ خاندان برکات ''امام احمد رضا رضی اللہ عنہ'' مارہرہ مطہرہ کے تاجدار ولایت حضور شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ العزیز سے تاج وری حاصل کرنے کے بعد، اب اپنے آنے والے نور نظر کی ولادت و ولایت باسعادت کی بشارت اور اس کے لیے تاج وری و کشور کشائی کی خوش خبری سننے کے لیے شہنشاہِ ولایت قطب مارہرہ مطہرہ حضور سید شاہ ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ عنہ کے پیچھے پیچھے جامع برکات کی سیڑھیوں سے اتر رہے ہیں۔ صبح کا سہانا وقت ہے، صبح مارہرہ میں نور کا باڑا بٹ رہا ہے۔ صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارہ نور کا۔ اسی وقت بریلی شریف میں آفتاب ولایت کا ظہور ہو رہا ہے۔ ملکوتی آواز۔ مولانا صاحب۔ مبارک ہو۔ آپ کے یہاں فرزند تولد ہوا ہے۔ ہم نے اس کا نام آل الرحمٰن مصطفیٰ رضا رکھا ہے۔ انشاء اللہ بریلی آ کر میں اسے دیکھوں گا، لیجیے، سب کچھ عطا ہو گیا۔ اب کیا چاہیے؟ چاہنے والے کی منشا کو بھانپ لیا گیا تھا، کہ کیوں پیچھے پیچھے چل رہا ہے۔ بادشاہ کے پیچھے گدا۔ میں گدا تو بادشاہ بھر دے پیالہ نور کا۔ بھر دیا گیا پیالہ۔ اب جاؤ سنبھالو۔ پیالہ چھلکنے نہ پائے۔ ہم آئیں گے مے آداب مے نوشی سکھانے کے لیے۔ دنیا کی ریت ہے، پیاسا کنویں کے پاس جاتا ہے۔ یہاں بات ہی کچھ اور ہے، سمندر پیاسے کے پاس جا رہا ہے۔ چھ ماہ پورے ہو گئے۔ شہنشاہ ولایت حضور نوری میاں بریلی شریف باغ رضا کے پھول کو معطر کرنے تشریف لائے۔ نورانی کلی کو نوری گود میں ڈال دیا گیا

گود میں عالم شباب، حال دل کچھ نہ پوچھ
گلبن باغ نور کی اور ہی کچھ اٹھان ہے

پھر کیا تھا۔ بچے نے چھک کر دیکھا، آنکھیں دو چار ہوئیں۔

آباد اسے فرما ویراں ہے دل نوری　　جلوے ترے بس جائیں آباد ہو ویرانہ

نور ولایت نے دیکھ لیا۔ منشا سمجھ لیا۔ حضور نوری میاں نے انگلی لاڈلے کے منہ میں ڈال دی۔

ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

سبحان اللہ، سبحان اللہ، وہ رحمت کی ندیاں جو مدینے سے جاری ہوئی تھیں وہ اب بھی جاری ہیں۔ اگر سوکھ جائیں گی تو اسلامی کیاریوں کی آبیاری کیسے ہوگی، ملاحظہ کیجیے۔ نورانی منظر یہاں سیراب کیا جا رہا ہے۔ جام نور سے، نور کی دھار کیسے بہتی ہے؟ ہم سیاہ کار کج بینوں کو بس اتنا نظر آیا کہ آل الرحمٰن مصطفیٰ رضا حضرت شاہ ابوالحسین نوری کی انگلیاں چوس رہے ہیں۔ بظاہر تو رسم بیعت و ارادت سے سرفراز کیا جا رہا ہے۔ یہ تو ہم دنیا والوں کو دکھانے کے لیے۔ مگر اس وقت حضور قطب ولایت نے کیا کیا پلا دیا؟ پینے والا اور پلانے والا ہی جانے:

ع: پینے والوں کو ہی پینے کا مزہ آتا ہے

ایسے پاکیزہ صفات نورٌ علی نور کی حیات مبارکہ کیسی پاکیزہ ہوگی؟ اس کا ظاہر و باطن کتنا ارفع و اعلیٰ ہوگا؟ اس کو اس چھوٹے سے مضمون میں قلم بند نہیں کیا جا سکتا۔ مظہر اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم کی حیات مبارکہ کا ہر باب انتہائی درخشندہ و تابندہ اور آپ کا ظاہر و باطن "من یطع الله و رسوله" کا مظہر اتم و پیکر مجسم تھا۔ اس کے گواہ تو لاکھوں اپنے اور غیر بھی مل جائیں گے کہ حضور کے ظاہر و باطن میں یکسانیت تھی، اس کے منکر تو شاید و باید ہی مل پائیں۔

حضور مفتی اعظم کی زیارت اور ان سے بیعت :

ابا حضور قدس سرہٗ نے آبائی قدیم سفالہ پوش خستہ مکان کی اپنی کمائی سے اتنی مرمت کرا دی تھی کہ وہ کسی قدر رہائش کے لائق ہو گیا تھا۔ ایک غریب جب جھونپڑی بنالیتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس میں کسی برگزیدہ ہستی کا قدم مبارک پڑ جائے تو یہ جھونپڑی نور کا محل بن جائے۔ اسی درمیان مقتدائے اہل سنت حضور مفتی اعظم قدس سرہ عرس امجدی میں گھوسی تشریف لائے تھے۔ قادری منزل میں قیام تھا۔ ابا حضور نے موقع غنیمت جانا، حضرت کو دعوت دی کہ حضور غریب خانہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمائیں۔ ابا حضور نے اپنی حیثیت اور حضور کی پسند کے مطابق اذوقہ تیار کر رکھا تھا۔ صرف اتنا یاد ہے کہ فیرنی بھی بنی تھی، اسی موقع پر ذرہ ناچیز اور امی مرحومہ کو حضور نے بیعت سے سرفراز فرمایا۔ ۱۱ر ذی قعدہ ۱۳۷۷ھ میں شرف بیعت سے مشرف ہوا۔

اس عمر میں بیعت و ارادت کی کیا اہمیت مگر میں اس وقت اتنا خوش تھا کہ جیسے میری زندگی کی معراج ہو گئی۔ اپنے ساتھیوں کو دوڑ دوڑ کر خوشخبری سناتا "میں حضور مفتی اعظم سے مرید ہو گیا"۔ مارے خوشی کے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ اس وقت زبان مبارک سے جو کلمات طیبات سنے تھے وہ یہ تھے۔ یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم۔ دل ہمارا کن مستقیم بحق ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ الٰہی میں تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں میری توبہ قبول فرما...... گناہر برائی سے بچتا رہوں گا، بدمذہبوں کی صحبت خاص طور سے وہابیوں، دیوبندیوں، رافضیوں سے بچتا رہوں گا۔ الٰہی مجھے ان کے شر سے محفوظ فرما۔ میں نے اپنا ہاتھ پیران پیر دستگیر غوث الاعظم سیدنا شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا، الٰہی مجھے ان کے غلاموں میں قبول فرما۔

وہی کلمات طیبات کی شیرینی و حلاوت، روحانیت و جاذبیت، جو دل و دماغ کو مجلا و مصفا کر دے، اخیر تک باقی رہی۔ تاحیات آپ نے جو مریدین سے عہد لیا تھا اس پر خود بھی قائم رہے اور اپنے متوسلین، معتقدین، مریدین کو قائم رہنے کی تاکید فرماتے رہے۔ میں نے اپنے بچپن میں رخ زیبا میں جو تازگی، تابانی و درخشندگی و تابندگی دیکھی تھی وہ اخیر تک قائم رہی۔ بس اخیر عمر میں ضعف و نقاہت ہو گئی تھی۔ بڑھاپے میں عام لوگوں کے چہرہ کا رنگ و روغن بدل جاتا ہے مگر پیر و مرشد کے چہرہ انور کی جلوہ گری اپنے پورے آب و تاب کے ساتھ باقی رہی۔

تصویر کے خلاف اظہار برہمی :

میں ۱۹۶۷ء میں مدرسہ اشرفیہ مالیگاؤں میں زیر تعلیم تھا۔ استاذ محترم مولانا عزیز الحسن صاحب کے ہمراہ ناگ پور میں چند ایام قیام کر کے وطن واپس ہوا۔ وہیں معلوم ہوا کہ حضور مفتی اعظم ناگ پور میں تشریف لائے ہیں۔ حضرت مولانا مجیب اشرف صاحب کے ہمراہ شرف زیارت کے لیے حضرت کی قیام گاہ پہنچا۔ زیارت و قدم بوسی ہوئی۔ حضرت بہت خوش ہوئے، پوچھا کب اور کیسے آئے؟ اسی وقت ایک سیٹھ صاحب کے یہاں حضرت کو جانا تھا۔ گاڑی میں بیٹھے تو اپنے بغل میں بٹھایا پوچھتے رہے کیا پڑھتے ہو؟ میں ان دنوں فارسی گلستاں، بوستاں پڑھتا تھا، اسی کا امتحان لیا کچھ بتایا کچھ بھول گیا۔ اس کے بعد نصیحت کی اور ابا حضور کی مسلسل تعریف کرتے رہے۔ اسی

درمیان سیٹھ صاحب کا مکان آ گیا۔ تھوڑی دیر میں پر تکلف دستر خوان پر بیٹھا دیا گیا۔ حضرت نے پہلے دونوں ہاتھ گٹوں تک اچھی طرح دھوئے۔ خیال ہوا کہ حضرت کا دست مبارک اتنا صاف و شفاف اسے دھونے کی کیا ضرورت؟ اب سمجھ میں آ رہا ہے کہ یہی سنت ہے اور بزرگوں کا کام سنت و شریعت کے مطابق ہوتا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ اس وقت دستر خوان پر کون کون حضرات تھے؟ بس اتنا یاد ہے کہ مولانا مفتی غلام محمد خاں صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا مجیب اشرف صاحب و دیگر علما و خواص تھے۔ کوئی صاحب حضرت کے پلیٹ میں کھانا ڈال رہے تھے۔ حضرت نے فرمایا تھوڑا شوربا دیجیے۔ ایک چھوٹی سی بوٹی۔ دال اور چٹنی اور ایک سادی روٹی لی۔ دستر خوان پر انواع و اقسام کے کھانے رکھے گئے تھے۔ دوسرے حضرات نے حسب خواہش کھانا لیا۔ کھانا شروع ہوا۔ کھانے سے پہلے حضرت نے آہستہ آہستہ کوئی دعا پڑھی اور بسم اللہ پڑھ کر شروع فرمایا چھوٹا چھوٹا لقمہ، تین انگلیوں سے تھوڑا منہ کھول کر اندر لیتے اور منہ بند کر کے آہستہ آہستہ خوب چبا کر کھاتے اور ساتھ ہی یہ بھی فرماتے فلاں صاحب یہ کھائیے، وہ کھائیے، یہ لیجیے وہ لیجیے گویا خود کھانے نہیں بل کہ دوسروں کو کھلانے بیٹھے ہوں۔ میں نے اس وقت بہت غور سے دیکھا حضرت نے ایک یا دو چپاتی اور تھوڑا چاول بہت دیر تک کھایا۔ دوسرے ہم نشین حق دستر خوان اور حق شکم ادا کرتے رہے۔ دیر تک کھانے کا دو فائدہ ہے ایک تو خوب اچھی طرح غذا باریک ہو کر جلد ہضم ہو جاتی ہے اور دوسرے لوگ بھی شکم سیر ہو کر کھا لیتے ہیں۔ اور یہی سنت بھی ہے۔

تھوڑی دیر آرام کے بعد سیٹھ صاحب کی فیکٹری میں دعائے خیر و برکت کے لیے تشریف لے گئے۔ ہم لوگ ساتھ ساتھ تھے۔ سیٹھ صاحب اپنی مرصع و مزین آفس میں حضرت کو لے گئے۔ حضرت کی نظر دیوار پر آویزاں سیٹھ صاحب کی تصویر پر پہونچ گئی۔ توبہ توبہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ استغفر اللہ کہتے ہوئے آفس سے باہر نکل آئے۔ جلال میں فرمایا۔ لوگ دعا کرانے لاتے ہیں اور حرام چیز آفس میں لگاتے ہیں۔ کیسے برکت ہوگی؟ توبہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ استغفر اللہ کیسے برکت ہوگی؟ کیسے برکت آئے گی؟ یہ کہتے ہوئے فیکٹری سے باہر ہونے لگے۔ سب پر سکتہ طاری ہو گیا۔ ماحول میں زلزلہ آ گیا۔ مولانا مجیب اشرف صاحب پسینہ پسینہ اب کیا ہوگا؟ بہت منت سماجت ہوئی۔ معافی تلافی ہوئی۔ گزارش کی گئی! حضور باہر ہی سے دعا فرما دیں۔ حضرت نے باہر ہی سے کھڑے کھڑے دعا فرمائی۔ دوسرے آفس میں لے جایا گیا۔ وہاں کی تصویر کپڑے سے ڈھک دی گئی تھی۔ حضرت نے آفس میں بیٹھ کر دعا فرمائی۔ نصیحت کی اور مسئلہ بھی بتایا۔ شریعت و طریقت پر ایسی استقامت و عزیمت میں نے کسی اور شخصیت میں نہیں دیکھی۔ بڑے سے بڑا سیٹھ ہو، اس کی پرواہ نہیں کی۔ مصلحت تو یہ تھی کہ اتنے بڑے سیٹھ جی کے یہاں پر تکلف دعوت کھائی۔ تصویر دیکھا تھا، آنکھ بند کر کے دعا کر دیتے سیٹھ صاحب بھی خوش اور ہم بھی خوش رہتے۔ مگر اس کو گوارا نہیں فرمایا۔

مریدین و معتقدین، علما و صلحا کو شریعت و طریقت پر عمل پیرا ہونے کی تاکید فرماتے۔ اکثر دیکھا گیا جو لوگ حضرت سے مصافحہ، دست بوسی و قدم بوسی کرتے اگر ہاتھ میں چاندی کی ایک انگوٹھی ہے تو ٹھیک ورنہ اس سے زائد یا دیگر دھات کی ہے تو فوراً ہاتھ پکڑ لیتے کہ یہ تو یہ حرام ہے، حرام ہے۔ اس کو فوراً مسئلہ بتاتے اور اس کو اس پر عمل کرنے کی تاکید فرماتے۔ ایک بار مسجد میں بعد نماز عصر ایک صاحب مصافحہ کے لیے آگے بڑھے۔ ان کے گلے کا بٹن کھلا ہوا دیکھا تو فرمایا کپڑا اتنا قیمتی اور گلا کھلا ہوا۔ نماز مکروہ ہوگی۔ گلا بند کر کے نماز پڑھیے۔

کسی جلسہ کے اسٹیج پر رونق افروز ہوتے تو اس وقت اچھے اچھے علما بھی تقریر کرنے سے کانپتے تھے۔ کہ کوئی بات خلاف شرع نکل گئی تو اسی وقت ڈانٹ سننی پڑے گی۔ مجمع عام میں بے عزتی ہوگی۔ حضور مفتی اعظم اکابر علما میں اس حیثیت سے ممتاز تھے کہ خلاف شرع کوئی بات برداشت نہیں فرماتے۔ خلوت ہو یا جلوت فوراً اعلانِ حق فرماتے۔

احترام نبوت و رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) :

جامعہ انوار القرآن میں زیر تعلیم تھا ۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۳ء میں ۔ ان ایام میں بار ہا حضور مفتی اعظم بلرام پور میں تشریف لائے ۔ ابا حضور کی گزارش پر جامعہ میں بھی تشریف لائے ۔ گرمی کا مہینہ تھا، جامعہ کی عمارت سے متصل ابراہیم مسجد کی دوکانوں کی چھت پر حضرت کے بیٹھنے کے لیے فرش و مسند بچھا دیا گیا ۔ حضرت طلبہ کو مرید کرنے کے بعد نصیحت و موعظت سے نواز رہے تھے ۔ اسی بیچ ایک نیپالی طالب علم نے خواہش ظاہر کی کہ حضور اجازت دیں تو نیپالی زبان میں نعت شریف پیش کروں ۔ حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا ۔ سنایئے ۔ وہ طالب علم کنارے بیٹھا تھا، وہیں نعت شریف سنانے کے لیے کھڑا ہو گیا ۔ حضرت نے اپنی مسند چھوڑ دی اور فرمایا ۔ وہاں سے نعت سنائیں گے؟ آپ یہاں آیئے ۔ ان کو اپنی جگہ کھڑا کیا اور خود کنارے باادب دوزانو بیٹھ گئے اور فرمایا سنایئے ۔ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ادب کی ایسی مثال کبھی نہیں دیکھی ۔ سبھی اساتذہ و طلبہ محو حیرت ۔ طالب علم نے نعت پڑھنا شروع کیا ۔ وہاں اس طالب علم کے علاوہ نیپالی زبان کوئی نہیں جانتا تھا مگر اس نے بڑے والہانہ انداز میں نعت شریف پیش کی کہ حضرت جھوم جھوم کر سبحان اللہ، ماشاء اللہ، کی داد و تحسین دیتے رہے ۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ ہم لوگوں کو نہ سمجھ میں آتے ہوئے بھی کیف و سرور تھا ۔ مجھے خیال آ رہا ہے کہ حضرت نے اس طالب علم کو کچھ انعام بھی دیا تھا ۔ کچھ دیر تک محفل نعت پاک چلتی رہی اور حضرت یونہی باادب دوزانو بیٹھے رہے ۔

دوران تعلیم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۷۴ء تا ۱۹۸۰ء بریلی شریف قریب ہونے کی وجہ سے عرس رضوی میں قافلہ کے ساتھ تقریباً ہر سال حاضری کا شرف ملتا ۔ ڈاکٹر بیت اللہ صاحب اور ڈاکٹر احسان اللہ صاحب، استاذ محترم حکیم خلیل صاحب اور مولانا سید ظہیر الدین صاحب زیدی رحمۃ اللہ علیہا بھی ساتھ میں رہتے ۔ قل کی تقریبات خانقاہ شریف کے اوپر چھت پر ہوتیں ۔ ایک سال منتظمین نے صحنِ خانقاہ کے ریلنگ پر بلیاں باندھ کر پٹرے بچھا کر اسٹیج بنا دیا تھا ۔ اسٹیج پر مجمع کثیر تھا ۔ حضرت بیچ میں تشریف فرما تھے، اسٹیج ٹوٹ کر تقریباً ۱۵ رفٹ نیچے گر گیا ۔ پوزیشن یہ تھی کہ سارے علما اور ملبہ حضرت کے اوپر پٹرے بلیاں بھی حضرت کے اوپر ۔ ہم لوگوں نے یہی سمجھا کہ حضرت سلامت نہیں ہوں گے سب لوگوں کی سانس رک گئی، ہم لوگ چھت پر تھے، اوپر سے دوڑ کر نیچے پہونچے ۔ سب سے پہلے ابا حضور سے ملاقات ہوئی، ان کی خیریت پوچھی گئی ۔ پھر آگے بڑھے کہ حضور مفتی اعظم کس حال میں ہیں؟ جلدی جلدی ملبے کو ہٹایا گیا تو ایک صاحب نے بتایا کہ حضرت اس میں نہیں خانقاہ شریف کے حجرے میں نماز پڑھ رہے ہیں ۔ ہم لوگوں کی خوشی اور تعجب کی انتہا نہ رہی، کہ اتنی جلدی حضرت اس ملبے سے کیسے نکلے؟ اور کیسے وہاں پہنچ کر نماز پڑھنے لگے؟ اس لیے کہ ان دنوں حضرت علیل چل رہے تھے ۔ اور حضرت کو بہ مشکل قیام گاہ سے سہارا دے کر اسٹیج پر لایا گیا تھا ۔ ایسی صورت میں ملبے سے نکلنا اور خود سے اس مجمع سے نکل کر نماز پڑھنا یہ حضرت کی روحانی قوت کی کارفرمائی اور کھلی کرامت تھی ۔ بہت سے لوگ آہ و فغاں کر رہے تھے لیکن حضرت نماز پڑھنے میں مشغول رہے ۔ جب کہ ایسے سنہرے موقع پر کوئی ڈھونگی پیر ہوتا تو چھوٹی چوٹ کا بہانہ بنا کر آہ و فغاں کر کے مریدین و متوسلین سے علاج و معالجہ کے بہانے نذرانے پر نذرانے وصول کرتا لیکن حضرت نے ایسا نہیں کیا ۔ یہ تعلق مع اللہ اور صبر و استقامت کی اعلیٰ مثال ہے اور ہم مریدین و متوسلین کے لیے عبرت و نصیحت ہے کہ بڑی سے بڑی مصیبت کی گھڑی میں آہ و فغاں کے بجائے ایسا ہی کریں ۔ حضرت کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا ۔ حضرت کی زبان مبارک سے بار ہا کلمات طیبات سنے گئے ۔ یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم ۔ دل مارا کن مستقیم ۔ بحق ایاک نعبد و ایاک نستعین ۔ یہ کلمات طیبات مرید کرتے وقت اور اس کے علاوہ اوقات میں بھی پڑھتے ۔ یہ اس کی برکت تھی کہ اتنے بڑے حادثہ کے بعد بھی حضرت ثابت قدم رہے ۔

جب حضرت نماز پڑھ چکے تو پوچھا گیا کہ حضور مزاج کیسے ہیں؟ فرمایا ٹھیک ہوں جیسے کوئی غیر معمولی بات ہوئی نہ ہو۔ حضرت کو سہارا دے کر کھڑا کیا گیا اور قیام گاہ پر لے آئے۔ بستر پر لٹا دیا گیا، پوچھا گیا، حضور کہیں کوئی تکلیف چوٹ؟ فرمایا کچھ نہیں۔ جب خدمت گار ہاتھ پیر دبانے لگے تو بتایا کہ پسلیوں میں کچھ تکلیف ہے۔ ڈاکٹر نے چیک کر کے بتایا کہ دو پسلیاں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ ایسی حالت میں کوئی دوسرا ہوتا تو درد کے مارے چیختا اور کراہتا لیکن حضرت آرام سے اس طرح لیٹے تھے جیسے کوئی تکلیف ہی نہ ہو۔

عمر کے آخری ایام میں اکثر حضرت کے اوپر بے خودی کا عالم طاری رہتا لیکن جب نماز کا وقت ہوتا تو حضرت بیدار ہوتے اور تازہ وضو کے بعد کھڑے ہو کر نماز پڑھتے۔ وضو بنانے میں جو احتیاط اور جو طریقہ خشوع وخضوع میں نے حضرت کا دیکھا وہ کسی بزرگ میں نہیں پایا۔ حضرت خود سے وضو فرماتے۔ اور کبھی بھی اس کی اجازت نہیں دی کہ کوئی دوسرا پانی گرائے تو حضرت وضو کریں۔ بعد نماز عشا حضرت کا معمول تھا کہ اندر آرام فرماتے اور نعت خواں حضرات آجاتے نعت شریف کی محفل شروع ہو جاتی۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی نعتیں پڑھی جاتیں۔ حضرت سماعت فرماتے اور داد دیتے۔ سبحان اللہ، ماشاء اللہ زبان مبارک سے جاری رہتا۔ اس وقت چہرہ مبارک سے بشاشت کی کیفیت ظاہر ہوتی اور چہرہ کی درخشندگی وتابندگی دیکھنے کے لائق رہتی۔ یہ محفل گیارہ بارہ بجے تک چلتی۔ اس محفل کا کیف وسرور میں ابھی تک بھول نہیں سکا۔ اس محفل میں نور وعرفان کی بارش ہوتی اور ہم سب لوگ کیف ومستی میں ڈوب جاتے، خاص بات یہ تھی کہ اس کیف ومستی میں بھی حضرت بے خود ہو جاتے۔ اس حالت میں اگر نعت خواں حضرات سے کسی قسم کی غلطی ہو جاتی تو حضرت فوراً ٹوک دیتے اور اصلاح فرماتے جب کہ اس وقت بے خودی کا یہ عالم تھا کہ روز ملنے والا بھی ملتا تو حضرت پوچھتے۔ کون صاحب ہیں؟ بتانے پر پہچانتے اور خیریت پوچھتے۔ احباب ومتعلقین کی خیریت پوچھتے۔ افسوس کہ طالب علمی کا دور تھا، ہم اس نورانی محفل میں زیادہ دنوں تک شریک نہیں ہو سکے۔ بڑی حسرت کے ساتھ واپس ہوتے۔ بڑے خوش نصیب وہ لوگ ہیں جن کو وہ مبارک صحبتیں اور ساعتیں بار بار نصیب ہوئیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں جب بھی ان دنوں حضرت کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا تو تین شخصیتیں ضرور موجود ملیں۔ ایک حضرت کے خادم خاص بابو میاں جو اسی نام سے پکارے جاتے تھے۔ ایک بہت ہی پھرتیلے تیز وطرار پتلے دبلے منکسر المزاج نوجوان "سعید نوری" جو اس وقت سعید بھائی یا سعید کہہ کر پکارے جاتے تھے۔ تیسرے غالباً مولوی عبد الہادی افریقی صاحب تھے۔ پہلے دولت خانہ پر حاضری کے بعد بابو میاں کا مزاج دیکھتے کہ کیسا ہے؟ بات یہ تھی کہ معتقدین ومتوسلین کا وقت بے وقت آنا جانا لگا رہتا۔ اس پر یہ اصرار رہتا کہ حضرت سے ملاقات کروا دیں اور بابو میاں کو حضرت کے آرام اور نماز وغیرہ کے معمولات میں خلل نہ پڑے اس کا بھی لحاظ رہتا۔ اس لیے وہ ہر شخص کو جواب دیتے دیتے چڑچڑے سے ہو گئے تھے۔ مگر تھے بہت مخلص۔ پہلے ہم لوگ پہنچ کر ان کی خیریت پوچھتے۔ بڑے پرجلال انداز میں کہتے۔ یہاں خیریت ہے؟ ہم لوگوں کو ان کے غصہ پر ہنسی آجاتی تو کہتے کیا کروں۔ لوگوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ چین سے نہیں رہنے دیتے۔ مگر ہم لوگوں کی غرض رہتی اس لیے پہلے ان کی چاپلوسی کرتے کچھ فرضی ہمدردی دکھاتے۔ ان کی تعریف کرتے۔ اسی میں بابو بھائی خوش ہو جاتے۔ پھر وہ ہم لوگوں کی خیریت پوچھتے۔ اب ہم لوگ سمجھ جاتے کہ اب ہم لوگوں کا کام بحسن وخوبی ہو جائے گا۔ بہر حال وہ موقع نکال کر حضرت کی زیارت کرواتے۔ اور خود ہی لے جاکر ہم لوگوں کا تعارف کرواتے۔ حضرت بہت خوش ہوتے۔ دعاؤں سے نوازتے۔ اس درمیان خدمت میں سبقت کرنے والا اور ہمہ وقت حاضر رہنے والا جن کو پایا وہ سعید نوری صاحب تھے۔ بابو بھائی ان کی موجودگی میں آرام کر لیتے۔ مگر ہمہ وقت خدمت کے لیے چاق وچوبند۔ اشارۂ ابرو پر خدمت کے لیے حاضر ہو جاتے۔ انھوں نے اس وقت خدمت کی جب حضور مفتی اعظم کی ولایت کا آفتاب بام عروج پر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سعید نوری صاحب کو یہ مرتبہ اعلیٰ میسر ہوا۔

بڑا سے بڑا کام۔ مسلک اہل سنت کے لیے کرڈالتے ہیں۔ لوگ انگشت بدنداں ہیں۔ آج بر اعظم ایشیا میں اگر مسلک اہل سنت اور خاص طور سے رضویات پر جو کام ہوا وہ مرکزی مجلس رضا لاہور کے بعد سعید نوری بانی رضا اکیڈمی نے کیا۔ پورے ممبئی نہیں بل کہ پورے ہندو پاک میں اعلیٰحضرت، مفتی اعظم، مسلک اعلیٰ حضرت کے لیے جن علما و مفکرین نے خدمات انجام دیں تو ان کو اعزاز و اکرام کے جتنے بہتر طریقے ہو سکتے ہیں، ان سے نوازتے ہیں۔ جس کی اعلیٰ مثال۔ حضرت شارح بخاری قدس سرہٗ کو چاندی سے تولنا بھی ہے۔ جو کام پہلے بادشاہان وقت نے کیا اس کام کو درویش و قلندر مفتی اعظم نے کر دکھایا۔ ان کا مسلک و مشرب ہے۔

کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے　　ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

شب و روز اسی کام کی فکر میں سرگرداں رہتے، اسی خلوص اور نیک نیتی کا نتیجہ ہے ان کے احباب دارکان رضا اکیڈمی کو ایسے ہی کام میں دل کا قرار ہے۔ سعید نوری صاحب کو حضرت کی خدمت میں جتنا چاق و چوبند پایا اور جو تیزی اور سرعت اس وقت دیکھی تھی وہ خصوصیات و صفات آج بھی ان کے اندر بدرجہ اتم موجود ہیں۔ یہ ان کے اوپر ان کے پیرو مرشد کا خصوصی فیضان ہے۔

جب تک بکے نہ تھے تو کوئی پوچھتا نہ تھا　　تم نے خرید کر مجھے انمول کر دیا

یہی وجہ ہے کہ اپنی جماعت میں بین الاقوامی شخصیت کے مالک ہیں۔ خلیفۂ مفتی اعظم تو بہت ہیں۔ خلافت کا لیبل اپنے مفاد اور اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کے لیے لگاتے ہیں۔ مگر اسیرِ مفتی اعظم صرف الحاج سعید نوری صاحب ہیں۔

وہ اپنی جماعت میں رضویات پر منفرد کام اور کارناموں کی وجہ سے ممتاز ہیں۔ ہمہ وقت اور ہر آن اس فکر میں سرگرداں کہ میرے سرکاروں کا بول بالا کیسے ہو؟ ہر سال، ہر آن، نئی طرز، نئی فکر و آہنگ کے ساتھ۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے دست و بازو کا

بات چل رہی تھی حضور مفتی اعظم کے اخلاق و کردار کے ظاہر و باطن میں یکسانیت کی۔ اور چل پڑی ان کے عشاق اور دیوانوں کے کردار کی۔ یہ اس لیے کہ آقا کے ساتھ غلاموں کا، مخدوم کے ساتھ خادموں کا ذکر آ ہی جاتا ہے حضور مفتی اعظم کی زندگی ان کا ظاہر و باطن ایسا تھا کہ جس نے ان کو جتنا قریب سے دیکھا وہ انھیں کا گرویدہ ہو کر رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہم سب فقیروں، اسیروں کو مرشد برحق مقتدائے اہل سنت حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ العزیز کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے اور مسلک اعلیٰ حضرت کا بول بالا فرمائے۔ رضا اکیڈمی اور اس کے معاونین دارکان کو ترقی عطا فرمائے اور ان کی خدمات کو قبول فرمائے بالخصوص اسیر مفتی اعظم الحاج سعید نوری صاحب کو عمر خضری اور اوج سکندری عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

☆☆☆☆☆

فنِ تعویذ نویسی حضور مفتی اعظم کا روحانی عطیہ

مفتی محمد اشرف رضا صدیقی قادری نوری
قاضی شریعت ادارۂ شرعیہ مہاراشٹر ممبئی و استاذ دار العلوم حنفیہ رضویہ ممبئی

تعویذ نویسی ایک لطیف فن اور روحانی مشغلہ ہے۔ یہ دعوت الی اللہ، اشاعت سنیت، ماموارت کی ترغیب، منہیات سے ترہیب، خدمت خلق اور اصلاح معاشرہ کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسی لیے بزرگان دین نے اس طرف اپنی خصوصی توجہات مبذول فرمائیں۔ اور ہر ضرورت کے لیے قرآن حکیم وارشادات مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا اور اسماے طیبات سے نسخۂ شفا، نقوش و عملیات کی شکل مرتب فرمایا اور اس فن میں ملکہ و مہارت کے لیے علوم دینیہ واحکام شرعیہ کی واقفیت کے ساتھ اس فن کے کامل استاذ کی نگرانی میں ریاضت شاقہ کی کلفتیں اٹھائیں، کنج خمولی میں رہ کر ذکر و عملیات کے ذریعہ تقرب الٰہی کے منازل طے کیے جس کی برکت سے خلق خدا میں من جانب اللہ ان کی نیک نامی کی شہرت ہو گئی، لوگوں کے دل ان کے طرف مائل ہونے لگے۔ اور ان کے گرد حاجت مندوں اور لاچاروں کی بھیڑ اور بیماردلوں کا میلہ لگ گیا۔

اس پر آشوب دور میں ہر طرف لادینیت و بدمذہبیت اور فسق وفجور کا بازار گرم ہے، اس سے مسلم معاشرہ بھی متاثر ہے۔ کچھ مسلمان کہلانے والے اسلامی شعائر سے بے زار اور کفار فجار کی بد عادات واطوار کے خوگر، جسمانی و روحانی امراض سے دوچار، باہمی حقوق وفرایض کی معلومات سے نابلد اور ایک دوسرے کے درپے آزار ہیں۔ باپ بیٹے میں عداوت، بھائی بھائی میں جنگ، میاں بیوی میں نفرت ایک پڑوسی دوسرے کا دشمن، باہمی صلہ رحمی کا فقدان کسی کو کسی کے حقوق کا کچھ خیال نہیں، برائیوں اور نفرت میں ملوث ہونے کے سبب مہلک و جان لیوا بیماریوں کا دور دورہ ہے۔ یوں تو بیماریاں و برائیاں ہر دور میں رہی ہیں اور ان کا علاج بھی ہوتا رہا ہے مگر فی الحال زیادہ ہو گیا ہے اور اس کے ازالہ کی ہر ممکن کوشش جاری ہے۔ نت نئی سائنسی تحقیقات امراض کا قلع قمع کرنے میں لگی ہوئی ہیں مگر پھر بھی سکون عام نہیں ہے اور سکون ملے کیسے؟ یہاں تو لوگوں کے دل بگڑ گئے ہیں اور یہ امر مسلم ہے کہ دل کے بگڑ جانے سے جسم کا پورا نظام بگڑ جاتا ہے۔

معالج تو ظاہر کو دیکھ کر دوا تجویز کرتا ہے، دل کے حال کی اسے کیا خبر؟ اس لیے مریض دوا کے استعمال کے بعد بھی بدحال ہی نظر آتا ہے۔ ہاں اگر کوئی مریض اہل دل کے پاس پہنچ جاتا ہے تو وہ اپنے نور باطن سے دل کی اصلاح وعلاج کر کے مریض کے ظاہر و باطن کو صالح وصحت مند بنا دیتا ہے۔ سیدی مرشدی عارف باللہ سیدنا حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ہدایت سے عبارت تھی۔ آپ ہادی کی فطرت پر پیدا کیے گئے تھے۔ اپنے والد مکرم امام اہل سنت، مجدد اعظم سیدنا امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کی دعا (اے مالک بے نیاز! یا رب کریم! مجھے ایسی اولاد عطا فرما جو عرصہ دراز تک تیرے دین اور تیرے بندوں کی خدمت کرے) اور اپنے مرشد کریم کے کشف باطن" یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کریگا اور مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا۔ یہ بچہ ولی ہے اس کی نگاہوں سے لاکھوں گم راہ انسان دین حق پر قائم ہوں گے، یہ فیض کا دریا بہائے گا" کی تفسیر و تصویر تھے۔ آپ کی تعلیم وتربیت بھی مخصوص طریقہ پر ہوئی تھی۔ علوم شریعت وطریقت میں مہارت وملکہ کے ساتھ اس کے اسرار و جزئیات سے بخوبی واقف و آشنا تھے۔ اوائل عمر میں ہی عبادت و ریاضت کے اعلیٰ مدارج طے فرما لیے تھے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ والرضوان کی خدمت فیض صحبت میں رہ کر قوم وملت کی ہر ضرورت کو

محسوس کرتے رہے اور امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس طرح دینی، شرعی، سماجی، سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی ضرورتوں کا حل ارشاد اور راہ متعین فرماتے تھے، آپ اس کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھتے تھے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد فتویٰ نویسی کی ذمہ داریاں بہت حد تک آپ پر بھی آ گئیں باوجودے کہ آپ کے برادر اکبر حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان قادری ہی مرجع فتاویٰ رہے مگر منظر اسلام کا اہتمام اور دیگر قومی و ملی ضروریات اور مسائل میں آپ اس قدر الجھتے گئے کہ کار فتویٰ کے لیے وقت نکالنا دشوار ہو گیا چنانچہ حضرت حجۃ الاسلام نے فتویٰ نویسی کی بیشتر ذمہ داریاں مفتی اعظم کو ہی تفویض فرما دیں۔ اس کے بعد آپ انتہائی حزم و احتیاط اور دقت نظر کے ساتھ فتاویٰ و فرامین صادر اور قرآن و سنت و اجماع امت کی روشنی میں اپنی صالح قیادت کے ذریعہ قوم مسلم کی رہنمائی فرمانے لگے۔ لیکن آنے جانے والوں اور استفتا کے ذریعہ جب آپ کو محسوس ہوا کہ قوم مسلم کی اصلاح و ہدایت صرف فتاویٰ ہی کے ذریعہ نہیں کی جا سکتی ہے بل کہ اس کی روح پیاسی اور دل بیمار ہے، اسے کسی شیخ کامل اور طبیب روحانی کی بھی ضرورت ہے چنانچہ آپ نے اس طرف بھی توجہ فرمائی۔

آپ کے مسترشدین و مریدین کی تعداد لاکھوں میں ہے، ہزاروں علما و فقہا نے آپ کے دست حق پر بیعت کی۔ آپ نے انھیں خلافت و اجازت سے مشرف فرمایا۔ آپ جدھر تشریف لے گئے عوام کی بھیڑ لگ گئی، بلا اطلاع ہزاروں کا مجمع اکٹھا ہو گیا۔ قصبہ و قریہ کے لوگ جوق در جوق آپ کے گرد جمع ہو گئے اور آپ کے ہاتھ پر توبہ و بیعت کیا، آپ انھیں معاصی سے احتراز و اجتناب اور اوامر کو ان کے وقتوں پر ادا کرنے کی تاکید و ہدایت فرماتے تھے۔ اور دارین میں ان کے فلاح کے لیے دعائیں فرماتے تھے۔ آپ کی بارگاہ میں ہر طرح کا فریادی آتا تھا، بتوفیق اللہ تعالیٰ سب کو بامراد واپس فرماتے تھے، کوئی خالی ہاتھ نہیں گیا۔ آپ کی زندگی خدمت خلق اور سامان ہدایت کی فراہمی کے لیے وقف تھی۔ دیکھنے والے شاہد ہیں کہ آپ نے اپنا آرام و سکون، کھانا پینا اور راحت و آسائش کو خدمت خلق پر قربان کر کے ان کی ضرورتوں کو پورا فرماتے تھے، خود تکلیفیں برداشت کر لیتے مگر کسی کو رنجیدہ و کبیدہ خاطر نہیں ہونے دیتے تھے۔ آپ کی اہم خصوصیت یہ رہی کہ کبھی کسی سے کسی خدمت یا تعویذ و دعا کا کوئی معاوضہ نہیں مانگا۔ اگر کوئی نذر پیش بھی کرتا تو اگر اسے ضرورت مند محسوس فرماتے تو اسے ہی لوٹا دیا کرتے تھے۔ آپ کی دعا و تعویذ میں شافی مطلق عزوجل نے ایک خاص اثر ودیعت فرمایا تھا۔ جس کے لیے جو فرمایا وہی ظاہر ہوا، جس مقصد کے لیے لکھ کر دیا اس کا اثر دیکھنے میں ضرور آیا۔

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ حاجت مند جب کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی پریشانی کا تذکرہ کرتا ہے تو اس کے مطابق اس کو ایک تعویذ دے دی جاتی ہے مگر حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کی ذات اس باب میں منفرد تھی۔ تعویذ دینے میں بھی آپ کی جلوہ کرامت کا اظہار ہوتا تھا۔ آپ کی نگاہ ولایت سے حاجت مند کی کوئی خامی و پریشانی مخفی نہیں رہتی تھی۔ حسب حال ہر پریشانی کی الگ الگ تعویذ عطا فرماتے تھے اور اگر اس میں کوئی شرعی نقص و کمی پاتے تو ایسی مؤثر تنبیہ اور دل میں لگنے والی نصیحت و ہدایت فرماتے کہ وہ شخص فوراً تائب ہو جاتا تھا اور وہاں سے اس کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو جاتا تھا۔

تعویذ نویسی کے لیے علم الاعداد، آیات و اسما کے برکات و خصوصیات اور نقوش کی چال اور بروج اور سیاروں کی رفتار و تاثیر کا علم ضروری ہے۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کو ان سب میں کمال تھا بل کہ اس فن میں امام کی حیثیت حاصل تھی۔ سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۵ ہزار طریقوں سے نقش پر کر لیتے تھے۔ آپ اس فن میں اپنے والد مکرم سرکار اعلیٰ حضرت و مرشد کریم، عارف حق، قطب دوراں، سید شاہ ابو الحسین احمد نوری قدست اسرارہما العزیزہ کے شاگرد رشید اور مظہر اتم تھے۔ بعض نقوش و عملیات خود آپ کے وضع کردہ ہیں جس کے فوائد و برکات بیشمار ہیں جس کا نقش بنانے اور پر کرنے میں بڑے بڑے ماہر و عامل کا زہرہ پانی پانی ہو جاتا ہے۔ ان ہی نقوش

میں سے ایک "تحفۂ نوری" بھی ہے۔ جس کے فوائد و برکات بے شمار ہیں۔ تقسیم ہند کے وقت برصغیر میں افراتفری مچی ہوئی تھی، بڑے بڑوں کے قدم اکھڑ گئے تھے، ہر کوئی خوف زدہ تھا، مملکت خداداد ہی میں اپنے لئے عافیت و سکون سمجھتا تھا، مسلمان کروڑوں کی جائیداد و املاک کوڑی کے بھاؤ بنیوں کے حوالے کر رہے تھے، مسجد و خانقاہ کی حفاظت و بقا کی عام لوگوں کو پرواہ نہ تھی، ہر کسی کو اپنی جان، اولاد، مال و متاع کی فکر تھی۔ حضور سرکار مفتی اعظم نے سب کو ڈھارس و تسلی دی، ثبات قدمی و جوان مردی کی تلقین کی، بھیڑوں کی طرح بھاگنے کی بجائے شیروں کی طرح اپنی جگہ قائم رہنے کا حوصلہ بخشا۔ "حرز نوری" جو کہ "عمل بے نظیر" کے نام سے مشہور ہے، بزرگوں اور مشائخ کے معمولات کا اہم جز ہے، اسے ترتیب دے کر ہزاروں کی تعداد میں شائع کروا کر عام کیا، اس کی برکتوں سے عاملین کی جان و مال اور عزت و آبرو بفضلہ تعالیٰ محفوظ رہیں۔ اس وقت سے لے کر آج تک لاکھوں کی تعداد میں وہ چھپ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بندے فائدہ پا رہے ہیں۔

جن لوگوں نے سیدی مرشدی حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو تعویذ لکھتے ہوئے دیکھا یا ان کے تعویذ سے فیض پایا، ان میں سے چند کے تاثرات پیش کر رہا ہوں جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ آپ کے فیض کا دریا کس قدر تلاطم خیز تھا؟

شہزادۂ خاندان برکات، مخدومنا الکریم، حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں قادری مارہروی فرماتے ہیں: ۱۹۷۳ء میں مجھے ایک ایسا مرض لاحق ہوا جس کا علاج بڑے بڑے ڈاکٹر نہیں کر سکے۔ والد ماجد نے فرمایا کہ حضرت مفتی اعظم سے نقش منگاؤ۔ چنانچہ یہی کیا اور اللہ کے فضل سے شفا کلی حاصل ہوگئی"۔ (ماہنامہ استقامت ص ۱۳۸ بابت ماہ مئی ۱۹۸۳ء)

جانشین حضور مفتی اعظم علامہ الشاہ مفتی اختر رضا خان صاحب قبلہ ازہری مدظلہ النورانی تحریر فرماتے ہیں: حضرت کے نقوش و تعویذات کی برکتیں بے شمار ہیں ایک بار میرے بچے کو سخت بخار آیا گھر والے گھبرا اٹھے، میں نے حضرت سے تعویذ لیا، بخار بہت جلد اتر گیا۔

(ماہنامہ استقامت ص ۱۹۳ مئی ۱۹۸۳ء)

نبیرۂ اعلیٰ حضرت حضرت مولانا مفتی ریحان رضا خان رحمانی میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: حضرت بعد نماز فجر کچھ دیر آرام فرماتے اور ناشتے سے فارغ ہو کر اپنی نشست گاہ میں تشریف لاتے، آپ کی تشریف آوری سے پہلے ہی حاجت مندوں کا میلہ لگ جاتا تھا جس میں ہر قوم اور ہر طبقے کے لوگ آتے تھے۔ آپ ہر ایک سے اس کا مدعا پوچھتے اور اس کی حاجت براری کرتے۔ کتنے لوگ تھے جن کی حاجتیں پوری ہوتیں تو وہ نذرانہ لے کر حاضر ہوتے لیکن آپ یہ کہ کر ان کا نذرانہ واپس فرما دیتے کہ یہاں دعا فروخت نہیں کی جاتی۔ تعویذ کا سودا نہیں کیا جاتا ہے۔ مفتی اعظم کی تعویذ نویسی بھی ذکر الٰہی کا ایک طریقہ تھا۔ وہ خدا کا خاص بندہ اپنے خدا کا ذکر بھی کرتا جاتا اور ذکر الٰہی کی برکت سے خدا کے بندوں کی حاجت روائی بھی فرماتا۔ اور یہی تعویذ ذکر الٰہی کے ساتھ ساتھ تبلیغ حق اور اصلاح احوال کا بھی ایک موثر ذریعہ تھا۔ چنانچہ آپ حاجت مندوں میں کوئی شرعی خامی دیکھتے تو فوراً اسے شرعی مسئلہ بتاتے۔ مسلک و دین حق پر استقامت، رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت۔ بدعقیدگی سے اجتناب، نماز کی پابندی، شریعت کی پاس داری، وضع قطع اور عادات و اطوار میں بندۂ مومن کا امتیاز آپ کے خاص موضوع تھے۔ کسی کے سر پہ ٹوپی نہیں ہوتی تو اسے پہننے کی تلقین فرماتے۔ کسی کے ہاتھ میں سونے یا پیتل کی انگوٹھی ہوتی تو اسے اتروا دیتے اور مسئلہ بتاتے کہ سونا پہننا مردوں کو جائز نہیں ہے۔ عورتوں کو پردہ کا سخت حکم فرماتے، کبھی نرمی سے سمجھاتے کبھی ناراض ہوتے تو ڈانٹتے۔ مفتی اعظم کی ذات میں جلال و جمال کا ایک حسین امتزاج تھا، جس پر جلال فرماتے اسے محبت سے نوازتے۔ یہی وجہ ہے کہ جسے ڈانٹتے وہ کبیدہ خاطر ہونے کی بجائے خوش ہوتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اب میرا کام ہو گیا اور دیکھنے میں بھی آیا کہ جس پر ناراض ہوتے اس کا کام ضرور ہوا۔

(استقامت ص ۱۱۹۔ ۱۹۸۳ء)

صحبتے با اولیا

مفتی محمد ایوب نعیمی
صدر مدرس، جامعہ نعیمیہ، مراد آباد

یک زمانہ صحبتے با اولیا　　　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

چمنستان ملت کے مہکتے پھولوں سے ایک پھول جس سے عالم کی روحیں معطر ہوتی رہیں اور جس کے حسن صورت اور جمال سیرت سے آنکھیں ٹھنڈی رہیں، اہل ذوق کے کردار سنور تے رہے اور جس کے فتوی وتقوی سے لاکھوں کی زندگی مرجع خلائق بنی، وہ ہیں شہزادۂ اعلیٰ حضرت، عارف باللہ، واصل الی اللہ مولانا الحاج الشاہ محمد مصطفیٰ رضا خان صاحب مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما جن کو آج سے تقریباً پچپن سال پہلے دیکھنے کے بعد قلب نے ولایت کی شہادت دی اور شرف ارادت سے مستفیض ہوا۔ بارہا صحبت وخدمت کی سعادت حاصل رہی انھیں کبھی بھی تقوی کے دامن سے علاحدہ نہیں پایا۔ باطنی تصرف کا اس سے اندازہ لگایا جائے کہ ایک بار خواب میں دیکھا کہ جامعہ کے صحن میں تشریف فرما ہیں۔ طلبہ پروانہ وار چاروں طرف سے گھیرے ہوئے خدمات میں مصروف ہیں اور میں موجود نہیں۔ یہ میری تدریسی خدمات کا ابتدائی زمانہ تھا۔ میں جب حاضر ہوا تو استعجاب کی انتہا نہ رہی کہ بغیر پروگرام کی خبر کیے حضرت تشریف فرما ہیں۔ حاضر ہو کر دست بوسی کی۔ فرمایا کہاں تھے۔ میں بہت دیر سے انتظار کر رہا ہوں۔ میں نے پروگرام کی لاعلمی ظاہر کی اور قریب میں دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ حضرت نے مجھ پر دم فرمایا۔ اس کے بعد کی کیفیت میں بیان نہیں کر سکتا کہ وہ لفظوں کی بندش سے باہر ہے۔ بعض طلبہ نے عرض کیا کہ میں ان سے انسلاک کا ارادہ رکھتا ہوں مگر ان کے پاس خلافت نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا، خلافت یہ ہے۔ آنکھ کھل گئی غالباً صبح یا دوسرے دن بارگاہ قدس میں حاضری دی تو خلافت نامہ تیار تھا۔ فرمایا لو میں نے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اور خلافت نامہ کو سینہ سے لگایا۔ یہ ہے فراست ایمانی اور ذوق صوفیانہ جو اللہ عزوجل اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشاق کو عطا فرماتا ہے۔ نسئال اللہ حظه و ذوقه اللہ تعالیٰ ہمیں انھیں کے نقش قدم کو مشعل راہ بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ تقوی کے ہزاروں واقعات دنیا کی نگاہوں نے دیکھا۔ میں ایک واقعہ نقل کرتا ہوں۔ جامعہ نعیمیہ کا جشن سالانہ منایا جا رہا تھا۔ حضرت مدعو تھے۔ میرے خیال میں تقریباً ہر سال جشن دستار بندی میں شرکت فرما کر احباب کو مستفیض فرماتے رہے۔ اس سال کار سے تشریف لائے۔ راستے میں دیر ہوئی۔ نیاز مندوں کی بھیڑ لگ گئی، ان کے دل شاداں ہوئے۔ کچھ دیر بعد میں نے عرض کیا کیا کھانا حاضر کروں؟ فرمایا گھر میں جو تیار ہو لے آؤ، تکلف ہرگز نہ کرنا۔ میں نے حسب ارشاد گھر میں جو چیز بنی ہوئی تھی، حاضر کی۔ حضرت نے شوق سے تناول فرمایا۔ یہ انتہائی احتیاط تھی کہ مدرسہ کی چیز استعمال نہ فرمائی۔ اسی طرح ایک واقعہ اور دیکھا یہ میرا طالب علمی کا زمانہ تھا۔ طلبہ جامعہ اپنی انجمن اصلاح البیان کا ہر سال سالانہ جلسہ کرتے اور اکابر اہل سنت کو دعوت دیتے۔ حضرت دعوت پر تشریف لائے اور شرکت فرما کر انھیں دعائیں دیں۔ واپسی میں ٹرین سے سفر کرنا تھا، کافی لوگ آئے اور میں حضرت کی خدمت میں ساتھ

رکشا پر رہا، حضرت نے ٹکٹ کے پیسے دیے اور مزید انجمن کے لیے عنایت فرمائے۔ میں پیش کرتا رہا مگر حضرت نے قبول نہ فرمایا۔ یہ ہیں تقویٰ کے انمول موتی جو صفحۂ عالم پر بکھرے ہوئے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ہمیں اور تمام اہل سنت کو ان نفوس قدسیہ کی محبت پر قائم رکھے آمین۔
سادات کرام کا احترام قلب مبارک میں بطور توارث ایسا ملا تھا جو نگاہوں سے پڑھا جاتا کہ دیکھتے ہی نم ہو جاتیں۔ بارہا یہ منظر دیکھنے کو ملا کہ مخدوم المشائخ حضرت مولانا الشاہ السید محمد مختار اشرف صاحب سرکارکلاں زیب سجادہ آستانہ عالیہ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ جنھوں نے فقیر کو سلسلۂ چشتیہ اشرفیہ کی خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اور زبدۃ التحقیق حضرت مولانا الشاہ السید محمد صاحب محدث اعظم رضی اللہ عنہ جب کسی بزم میں تشریف لاتے اور حضور مفتی اعظم رضی اللہ عنہ ان کو دیکھتے تو والہانہ احترام میں کھڑے ہونے کی کوشش فرماتے اور یہ دونوں نفوس قدسیہ ان کو مثل رکوع کے ہاتھوں سے واپس فرمادیتے اور جب حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ تشریف لاتے اور یہ دونوں حضرات پہلے سے تشریف فرماتے ہوتے تو جونہی کھڑے ہونے کی تیاری فرماتے بل کہ کچھ اٹھ جاتے تو حضرت اسی وقت تیزی سے بیٹھ جاتے۔ تاکہ ان بزرگوں کو قیام کی زحمت نہ گوارا کرنی پڑے اتحاد کی یہ پاکیزہ مثال بارہا دیکھنے کو ملتی۔ اسی طرح دوسرے سلسلوں کے بزرگوں کا احترام فرماتے۔ غیبت سے انتہائی نفرت تھی۔ ایک بار میں نے سفر کے دوران کچھ کلمہ کسی دوسرے کے بارے میں کہنا چاہا۔ برجستہ فرمایا چھوڑیے ان باتوں کو ہم وہ کریں جس سے اللہ عزوجل اور اس کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام راضی ہوں۔ مولیٰ تعالیٰ ہمیں انھی نفوس قدسیہ کے نقوش کو اپنانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ ہم اہل سنت ایک ہیں ان کے درمیان جتنے بھی سلسلے ہیں سب بحر رسالت علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ سے ملنے والی نہریں ہیں۔ وہاں پہنچ کر سب فنا ہو جاتی ہیں۔ ہم سب مل کر مسلک کا کام کریں جیسا کہ ہمارے بزرگوں نے کیا۔ مولیٰ عزوجل ہمیں اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

☆☆☆☆☆

کرامتِ حضور مفتی اعظم کی منہ بولتی تصویر

مفتی عبدالغفار ثاقب
مفتی مدرسہ حمیدیہ، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ (بہار)

توبہ۔ توبہ! میں بھی کیسا ضدی، شکی، برگشتہ ذہن تھا۔!! آج میں خود سے سوال کرتا ہوں کہ آخر یہ میری سہ رنگی پالیسی اور نیرنگیٔ خیال مجھ کو کہاں لے جانا چاہتی تھی؟ جواب تو باوزن اور نہایت ہی حسین و پروقار ہے کہ جب کوئی متلاشی منزل، ذہنی خلجان وفکری ہیجان لیے تراہے پر تنہا تذبذب کا شکار نشانِ منزل ڈھونڈ رہا ہو۔ تو اس کا تجزیہ آرائی سے کام لینا کوئی جرم نہیں!!

۱۹۶۹ء کا موسم گرما ہے۔ حصول تعلیم کا خوشگوار ماحول ہے۔ وطن سے دور۔ بہت دور تربیت گاہِ ذہن وفکر، دانش کدۂ علم وفن، مادر علمی دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور کی پرہجوم چھت ہے۔ فضا نارمل، خوشگوار ہے۔ چاندنی چٹک رہی ہے۔ ستارے دمک رہے ہیں۔ بادِ بہاری کے خواب آور جھونکے اپنی آغوشِ راحت بخش میں بھینچنے لگے ہیں۔ نیم خوابی کا خمار، مدہوش نگاہوں کو کبھی پلکوں کے چلمن میں بند کر رہا ہے تو کبھی پلکوں کا دوپٹہ کھینچ کر آسمان کے تارے گننے پر اکسا رہا ہے۔ جس کو آنکھ مچولی سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے!!!

اسی کشاکش میں تھا کہ پرانی خلش جو عرصہ دراز سے ٹیس بن کر بساطِ ذہن وفکر پر چبھ رہی تھی کہ یک بیک چاند کی حسین وادی میں پھر وہی تین متبرک و باوقار شخصیتیں مساویانہ طریقے پر دعوتِ فکر دینے لگی ہیں جن میں کسی ایک بافیض ہستی کے دامنِ کرم میں اپنی قسمت کو باندھ کر ان کی غلامی کا پٹہ گردن میں ڈال کر بختِ خوابیدہ کو معراج کرانا تھا۔ ابھی نظرِ انتخاب کسی ایک مرکز پر ٹھہرنے بھی نہیں پائی تھی کہ وادیٔ خیابان میں پہونچ کر تراہے پر کسی رہنما کا انتظار کرنے لگا۔ جن کے نقشِ قدم سے پھوٹتے آبشار میں قسمت کو غسالہ کراتا اور منزلِ مقصود تک پہونچ جاتا!!

خواب اگرچہ خواب ہے مگر خواب میں خواب۔ خواب تو نہیں ہے۔ جب ہی تو ان سارے موہوم خیالات سے دوچار کسی ایک راہ کا تعین کر لینا چاہتا تھا کہ اچانک ایک چھریرہ بدن، سادہ لباس، پاکیزہ صورت، چمکتا دمکتا چہرہ، تقویٰ وطہارت کا پیکر جن کی پیشانی سے علم وحکمت کی نوری کرن پھوٹ رہی ہے۔ متانت وسنجیدگی پائے استقامت کے بوسے لے رہی ہے۔ علمی جاہ وجلال نے چہرے کو رعب دار بنا دیا ہے۔ تزکیۂ قلب نے رخِ شفق زار پر نوری غازہ کر کے پیکر اخلاق ومحبت کا شاہکار بنا دیا ہے۔۔ زہد وورع نے نہاں خانۂ دل کو بقعۂ نور بنا کر کشف وکرامات کا آئینہ دار بنا دیا ہے۔ جبھی تو خواب کے نشیب وفراز پر اطلاع رکھنے والا۔ تشنہ لبی کا مداوا بن کر بہ مصداق ''کنواں پیاسے کے پاس'' دستگیری فرمانے کے لیے نہایت ہی پروقار انداز میں قریب آیا ہے۔

کیا یہی شاہزادۂ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت ہیں؟ کیا یہی طبیب مریضِ عشق ومحبت ہیں۔ کیا یہی لاکھوں علما وصلحا کے مرجعِ عقیدت مفتی اعظم ہیں؟؟؟ جی ہاں! یہی وہ مفتی عالم، منبع جود وسخا، وارث خیر الوری، نائب بدر الدجی، ناصرِ دین وملت، ماحی کفر

وضلالت، شاہکار ولایت حضور مصطفیٰ رضا خاں (علیہ الرحمۃ والرضوان) ہیں۔ مگر اب تک میں نے اس حلیہ کا پیکرِ جمال دیکھا نہیں ہے۔
اب چاند کی چاندنی پھیکی پڑتی جارہی ہے۔ نسیم سحری نے ایسا گدگدانا شروع کردیا ہے کہ شب دیجور کی سیاہ چادروں میں پورا قصبہ سمٹتا چلا جارہا ہے۔ کسی کو کیا خبر کہ خواب کی حسین وادی میں اس سرا ہے پر نووارد محسنِ نادیدہ نے میری کلائی تھامے ہوئے عقل کو چھوتا۔ ذہن کو چبھتا سوال کردیا ہے۔ ''کیا تم کو میرے حسب ونسب پر شک ہے''؟ میں تو شرم سے زمین میں گڑا جارہا تھا۔ کاٹو تو جسم میں خون نہیں، جواب دینا تو دور کی بات ہے چہرہ پر یک نظر دیکھنا بھی غیرتِ جرأت کے خلاف تصور کررہا تھا۔ یک بیک اذان کی صدائے بازگشت سے خواب کے سارے تانے بانے ٹوٹ کر بکھر گئے۔

صبحِ نو بہار نے گیسو کھولے۔ انسانی دنیا کی نقل وحرکت تیز ہونے لگی۔ میں خواب کے پیچ وخم پر غور وفکر کرنے لگا کہ کسی معبّر سے اس کی عقدہ کشائی کرانا چاہیے۔ مگر کیوں؟ جب میں خود ہی بڑا ابقراط ونقاد ہوں۔ خواب کوئی حقیقت تو نہیں۔ ذہنی خلل بھی تو ہوسکتا ہے۔ اس لیے خواب کا کوئی اعتبار نہیں۔ بات آئی گئی سر سے گزر گئی۔

بڑی تیزی میں وقت آمدن، رفتن کی گردان دہراتا آگے بڑھ رہا تھا۔ سالانہ چھٹی کا الارم بج چکا ہے۔ کل اشرفیہ کا مین گیٹ مقفل ہونے والا ہے۔ آج مہمانانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اسپیشل مہمان نوازی ہورہی ہے۔ ہر مصباحی گھر کی خوشی اور غم جدائی کے ملے جلے ماحول میں ایک دوسرے کو۔ بسلامت روی وباز آئی۔ کی دعاؤں کے ساتھ رخصت کررہے ہیں۔ میں نہ جانے کیوں اشک بار اشرفیہ کے درودیوار کو آخری سلام کہتا ہوا گھر لوٹ آیا۔

میرا آخری سال ہے۔ اپنی آبادی میں پہلی فصلِ بہار ہوں۔ خویش واقربا، دوست واحباب نے ضد کردیا ہے۔ مرکز اہل سنت بریلی شریف سے دستار بندی لوں۔ اس لیے کہ دارالعلوم اشرفیہ خواص کے درمیان اعلیٰ تعلیمی معیار کی وجہ سے اپنی مثال آپ ہونے کے باوجود ابھی عوام میں غیر متعارف ہے۔

آپ مانیں یا نہ مانیں میں تو مان گیا کہ یہ مخزنِ علم وحکمت، کانِ کرامت، شہزادہ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم (علیہ الرحمۃ) کا تصرف خاص تھا۔ ورنہ مجھ جیسے ضدی طبیعت کے انسان کو مبارک پور جانے سے کون روک سکتا تھا۔ آخر دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف سے ۱۹۷۱ء میں دستار فضیلت کے ساتھ وطن مالوف لوٹ آیا۔ مگر اے میری نخوتِ فکر! برا ہو تیری ضد کو، چشتی کا کہ سمندر کے کنارے رہ کر بھی تیری تشنہ لبی کا مداوا نہ ہوسکا۔ جبھی تو دانش مند حضرات ایسے حرماں نصیب لوگوں کو پرلے درجہ کا بے وقوف مانتے ہیں۔

بھلا ہو! محبّ مخلص حضرت مولانا مبین الحق صاحب شاہد نوری منگلوری کا جنھوں نے بہکا کر تو نہیں۔ پھسلا کر بریلی شریف جانے چلنے پر ضرور مجبور کردیا۔ بل کہ لے کر پہونچ گئے۔ بارگاہ اعلیٰ حضرت کی حاضری گاہے گاہے ہونے لگی۔ پہلی ہی فرصت میں حسب برآری کا استغاثہ بتوسل امام اہل سنت بارگاہ رب العزت میں پیش کرچکا ہوں۔ حسب معمول سابق آج فرحت وانبساط میں ڈوبا ہوا مکہ اعلیٰ حضرت میں سلاموں کے نذرانے لٹا کر واپس دفتر کراس کررہا ہوں کہ اچانک حضرت مولانا سکیل احمد صاحب نوری کی خوشنما خوش آئند صدائے پرکشش فضاؤں میں ترنگ بھرتی ہوئی سمع خراش ہوئی۔ میں پلٹ کر دفتر میں آگیا۔
جی فرمایئے! میں نے کہا!! جناب! کل جمعرات ہے!! آپ قصبہ دھوزہ ٹانڈہ (ضلع بریلی) تشریف لے جائیں تاکہ پرسوں جمعہ میں آپ کا خطاب ہوسکے۔ مولانا موصوف نے فرمایا۔ ریحان ملت حضور رحمانی میاں قبلہ (علیہ الرحمۃ) مہتمم اعلیٰ دارالعلوم منظر اسلام کا آپ کے نام فرمانِ عالیشان ہے۔ مجھ کو کیا معلوم کہ دھوزہ ٹانڈہ پر نجدی نظریہ فکر کے حامل غیر مقلدین وہابیوں نجدیوں کا غلبہ ہے۔ جانشین

حضور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کے حکم کی تعمیل میری ترقی کا زینہ بھی تو تھی۔ فوراً وہاں پہنچ کر۔ کوئی خوف و احساسِ کمتری نہیں۔
کیوں کہ وہاں میں تنہا تھوڑے ہی نہ گیا تھا۔ میرے ساتھ "منشی رحمت کا قلم دان، بہ شکلِ فیضانِ اعلیٰ حضرت پہنچ کر میری دستگیری کر رہا تھا۔
ہما ہمی کا ماحول ہے۔ مٹھی بھر خوش عقیدہ مسلمانوں میں عیدوں کا سماں ہے۔ وہابیت کا رنگ پھیکا پڑتا رہا۔ رضویت کا رنگ نکھرتا گیا۔
لوگ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا۔ مدرسہ رحیمیہ کی مردہ رگوں میں سنیت کی روح پھونک کر عصائے رضویت کے سہارے چلنے کے لائق بنادیا ہے۔ اب تو بڑی تیزی میں ترقی کے منازل طے کرنے لگا ہے جس کی صدارت کا بارِ گراں میرے ناتواں کاندھے پر ہے۔ مگر میں کوئی ایسی یادگار بھی چھوڑنا چاہتا تھا جس میں خود حوصلہ مند زندگی ہو۔ جس کے لیے عزیز القدر حضرت مولانا تطہیر احمد صاحب دھوزدی کا انتخاب زیادہ خوش آئند رہا۔

ادھر اہلِ محبت کا اب زور و شور سے اصرار بڑھ رہا ہے کہ عرسِ اعلیٰ حضرت کا موسم پرفیض نہایت ہی آن و بان، شان و شوکت کے ساتھ قریب آرہا ہے۔ چل کر ہم سب کو نورِ دیدۂ مجدد اعظم (حضرت) بڑے مولوی صاحب (حضور مفتی اعظم) کے دستِ حق پرست پر بیعت کرادو۔

میں سوچ رہا ہوں۔ اپنی ضد و ہٹ دھرمی پر خون کے آنسو بہا رہا ہوں کہ میں بھی کیسا ضدی ہوں کہ ابھی تک مثلث کے تین تکون سے نکل نہیں پایا ہوں جب کہ دارالعلوم اشرفیہ کی چھت پر دیکھے ہوئے موہوم خواب کی مکمل تعبیر و تصویر نظروں کے سامنے ہے۔ آزاد غلام کی حیثیت سے بار بار دیکھنے، پرکھنے، فیض اٹھانے کا سنہرا موقع دستیاب ہے۔ بل کہ خود آقائے نعمت، دریائے رحمت نے اپنے حسنِ اخلاق و مشفقانہ کردار کے ذریعہ زلفِ گرہ گیر کا ایسا اسیر بنالیا ہے کہ اکثر دست بوسی کے بہانے ڈھونڈ کر قدموں میں نذرانۂ عقیدت پیش کر لیتا ہوں۔ مگر عاشقانِ مفتی اعظم کو کیسے بتایا جائے کہ تم کو بیعت کی حکمت و برکت بتانے والا۔ دستِ مفتی اعظم پر بیعت کی ترغیب دلانے والا خود ہی اس سعادت سے محروم ہے۔ اگر لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ میں اب تک بیعت نہیں ہوا ہوں تو ان لوگوں پر کیسا غلط اثر مرتب ہوگا انھی گتھیوں کو سلجھاتا ہوا خواب کی آغوش میں کھینچ لیا گیا ہوں۔

حجرہ کے باہر صحن میں کھلے آسمان کے نیچے چارپائی پر لیٹا ہوا ٹھنڈی ہواؤں کا لطف لے رہا ہوں۔ ساری آبادی محوِ خواب ہے۔ کسی کو کیا خبر کہ اس کے امام کی روح سیلانی مرکزِ اہلِ سنن، مسکنِ امامِ زمن، محلہ سوداگران بریلی شریف کی رضا مسجد میں اپنے پیکرِ مجسم کو وضو کرا کر عام نمازوں کی طرح ایک کنارے میں کھڑی حضرت امام صاحب کی آمد کا انتظار کر رہی ہے۔ آخر امام صاحب اپنی خانقاہ شریف سے نکل کر نہایت ہی پروقار انداز میں جلوہ گر ہو گئے۔ عصر کی نماز ادا فرمانے کے بعد دعا سے پہلے میری قسمت کا ستارا چمکا ہے۔ آفتاب ولایت ماہتابِ رشد و ہدایت نے اپنے قربِ خاص میں بلایا ہے۔ تاجدارِ علم و فضل حضور مفتی اعظم (علیہ الرحمۃ) نے اپنا دستِ فیض تھوڑی دیر کے لیے سر پر رکھ دیا ہے۔ پھر ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت کرایا اور دعاؤں کے بعد مصلیان دست بوسی کر کے بازار میں پھیلنے لگے اور میں آنکھیں ملتا ہوا چارپائی پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اپنے بخت آور مقدر کے بالا خانے میں بیٹھ کر خوشیوں کے آنسو بہانے لگا اور اس دوبارہ خواب دیکھنے کو وارننگ کے طور پر قبول کر لینے کا فیصلہ کر لیا۔ کیوں کہ مزید ضد کرنا ہلاکت و تباہی کا سبب بھی بن سکتا تھا۔ اس لیے کہ یقین دہانی کے باب میں اس زندہ کرامت سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی تھی؟

اب میں باضابطہ ایک خوبصورت ترکیب کے ساتھ بیعت ہونے کا مصمم ارادہ کر چکا ہوں۔ لوگوں کو عرسِ اعلیٰ حضرت کے حسین موقع پر بیعت کرا کر دو دن بعد آنے کے وعدے کے ساتھ واپس کر چکا ہوں۔ اپنی کمزوری چھپانے اور لوگوں کی نظرِ تنقید سے بچنے کے لیے بھی

ایک بہترین صورت تھی جس میں کامیابی بھی مل گئی ہے۔

آج محلہ ملک پور میں ایک عاشقِ صادق کی جانب سے نہایت ہی تزک واحتشام کے ساتھ مرشدی حضور مفتی اعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کا یوم ولادت منایا جارہا ہے۔ علما، صلحا، طلبہ، عاشقین و مریدین اور پروانوں کا دیوانہ وار سیلاب امنڈ آیا ہے۔ محفل برقی قمقموں سے جگمگا رہی ہے۔ پورا مجمع گوش برآواز باادب وباقرینہ "واہ"، "سبحان اللہ" "ماشاء اللہ" کے شائستہ نعروں کے ساتھ داد وتحسین پیش کررہا ہے۔ ادھر پوری محفل شیخ کے تصور میں مگن مستی میں جھوم رہی ہے۔ ادھر بالکل ہی سامنے اسٹیج کی بائیں جانب پانچ چھ میٹر کی دوری پر میر مجلس پروانوں کے درمیان فیض کا دریا بہار ہے ہیں۔ میں اور شاہد صاحب ایک ساتھ بیٹھے اسٹیج کی زینت اور ذاکرین کے طمطراق کا بغور مشاہدہ کررہے ہیں کہ یک بیک اناؤنسر نے بڑے ہی طنطنے کے ساتھ میرے نام تقریر کا اعلان کردیا۔ میں یک دم سٹپٹا کر رہ گیا۔ اس وقت ایسا محسوس ہورہا تھا کہ رگوں کا خون برف کی طرح جم رہا ہے۔ آج کا ماحول ہوتا تو بلاخوف وخطر پیشہ ورانہ ٹیپ کھول دیتا۔ کبھی ادب معنی، مسجع کا ایسا جام چھلکاتا کہ بے ادب سامع بھی نعرہ لگانے پر مجبور ہوجاتا۔ "لاحول" پڑھنے کی جگہ جو دل میں...... آتا کہلوالیتا۔ کبھی منطق کی ٹانگ توڑتا تو کبھی فلسفہ کی چمڑی ادھیڑتا۔ کس کے منہ میں زبان کہ مجھ جیسے شہرہ آفاق ادیب وشہنشاہ خطابت کو کہدیتا کہ تمہاری منطق نے تمہارا ستیاناس کردیا ہے اور تمہارے نام کے ساتھ سیدھی سادی قوم بیچاری بغیر توبہ کیے ہوئے گھر لوٹ آئی ہے۔ وہ تو ۳۵ سال پہلے کا ویسے ہی [illegible] بے لوث زمانہ تھا۔ اس پر طرہ حضور سیدی وسندی، ماوائی ومولائی مرشدی حضور مفتی اعظم کی موجودگی میں تقریر کرنا لوہے کا چنا چبانے کے مصداق تھا۔ جب بڑے بڑے منجھے منجھائے مقرر وفقیہ کے قدم کانپتے تھے تو مجھ جیسے بے بضاعت ومعمولی قسم کے مولوی کی کیا پوزیشن رہی ہوگی؟ اور وہ ضابطہ یاد نہیں ہوتا کہ "ہار سے پہلے ہار تسلیم کرنا ڈبل ہار ہے" تو مجھ کو انکار کرنے سے کون روک سکتا تھا؟

بہرحال! بادل نخواستہ ہی سہی!!! اس فیصلے کے ساتھ کہ باریکی میں نہ جا کر سیاسی وسماجی گفتگو کیوں نہ کردوں کہ کسی طرح کی گرفت سے بالاتر ہوکر عزت بچالی جائے۔ اب اسٹیج پر مائک کے سامنے کھڑا خطبہ کے بعد دل جمعی کی خاطر حضرت جامی علیہ الرحمہ کے چند اشعار نسیما جانب بطحا گزر کن، کا سہارا لے رہا ہوں۔ حالات حاضرہ کے پیش نظر اپنے حزبِ مخالف کی ریشہ دوانیوں کے پس منظر میں طلبا ہی کو ٹارگیٹ بنا کر گفتگو کا آغاز کرچکا ہوں۔ بارگاہِ شیخ میں حاضر باش کسی مردِ حق شناس کا حوصلہ افزا جملہ پردہ سماعت سے ٹکرایا "بہت اچھی گفتگو ہورہی ہے"۔ "پھر کیا تھا" "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" ہمت جوان ہوئی، حوصلہ بلند ہوا۔ کمال جرأت وبے باکی کے ساتھ پوری [illegible] تقریر پر صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ عقیدت بارگاہِ خیر الانام میں پیش کیا گیا۔ پھر بعد میں بعد فاتحہ خوانی بارگاہ مرشد میں تمناؤں کی سوغات لے کر حاضر ہوگیا۔ اپنی زندہ کرامت دیکھ کر آقائے نعمت نے بے ساختہ مسکرادیا۔ دستِ فیض رساں کو سر پر رکھ کر نہال کردیا۔ مرشد حق کا [illegible] کرم دیکھ کر غلام نے عرض کردیا۔ حضور! خادم اب تک مرید نہیں ہوا ہے۔؟ کہ فوراً معمولی فرق کے ساتھ خواب کا منظر سامنے آگیا [illegible] کے زلف پر پیچ کی گرہیں کھلنے لگیں۔ دوسری جانب میرا جذبۂ صادق مستی میں یوں گنگنانے لگا۔ تو نے خرید کر مجھے انمول کردیا بولیے! شہنشاہِ کشورِ ولایت کا یہ تصرف خاص اور زندہ کرامت ہے یا نہیں؟

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم کا روحانی تصرف

مولانا ڈاکٹر محمد اعجاز انجم لطیفی
مدرس جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی شریف

تاجدار اہل سنت، فقیہ مسلک وملت، حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی غیر متنازعہ شخصیت کوئی محتاج تعارف نہیں۔ بل کہ اگر یہ کہا جائے تو میرے خیال سے بے جا نہ ہوگا کہ ان کے تعارف کے لیے قلم کو جنبش دینا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ کیوں کہ آج ہندو بیرون ہند تمام بلاد وامصار میں آئے دن ان کے نام کی محفل منعقد ہوتی ہے۔ اخبار و جرائد اور رسائل اس بات کے شاہد ہیں۔ اسی پر بس نہیں بل کہ حضور مفتی اعظم کے نام سے کافی تعداد میں مکاتیب و مدارس بھی قائم ہو چکے ہیں۔ جو ان کے نام کو چاردانگ عالم میں روشن کر رہے ہیں۔ اب تو ان کا نام ارادت مند و عقیدت مند حضرات کے دلوں پر ایسا نقش ہو چکا ہے کہ جسے دنیا کی کوئی طاقت مٹا نہیں سکتی۔ میں نے ان کو غیر متنازعہ شخصیت سے تعبیر کیا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی کے ذہن ودماغ میں سوال پیدا ہو کہ حضور مفتی اعظم کی شخصیت کس طرح سے غیر متنازعہ ہے؟ اس کا چیلنجی جواب یہ ہے کہ جب تک حضور مفتی اعظم باحیات رہے اس وقت تک کسی قسم کا کوئی شرعی، ملی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ اور نہ ہی کوئی مشربی چشمک وچپقلش پیدا ہوئی۔ مختلف حلقہ ہائے فکر کے لوگوں نے آپس میں شیر شکر کی مثال قائم رکھی۔ بل سنت و جماعت کے تمام طبقوں نے انھیں اپنا پیشوا اور مقتدا ہی جانا اور مانا۔ حضور مفتی اعظم نے بھی ہمیشہ اپنی بزرگی و برتری کو قائم رکھا۔ آپ نے کبھی بھی کوئی ایسا مختلف فیہ مسئلہ عوام کے سامنے پیش نہیں کیا کہ جس سے ملت اہل سنت میں انتشار پیدا ہوا۔ آپ نے ہمیشہ احتیاط سے کام لیا۔ یہ کمال احتیاط ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ کی شخصیت غیر متنازعہ بنی رہی۔ کمال احتیاط کی جھلک دیکھنی ہے تو مندرجہ ذیل تحریر ملاحظہ فرمائیں،

"سوال- کیا حضرات انبیاے کرام وملائکہ عظام علیہم السلام کے سوا کسی اور کے لیے علیہ السلام کا اطلاق درست ہے۔ جیسے بعض لوگ حضور سید الشہدا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے علیہ السلام استعمال کرتے ہیں۔ نیز اس مسئلہ میں سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیقات کیا ہیں؟

سائل: محمد علی حسن قادری رضوی میلسی ملتان

الجواب: علیہ السلام تحیت رسول وانبیا، ملائکہ کرام علیہما الصلوٰۃ والسلام کے لیے خاص ہے۔ غیر ملائکہ وانبیا کے لیے بولنا، لکھنا نہ چاہیے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اس سے منع فرماتے رہے۔ نیز یہ روافض میں زیادہ مستعمل ہے۔ کہ وہ مولا علی کرم اللہ وجہہ اور ائمہ اطہار کو (سوائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور انبیا سے افضل جانتے ہیں۔ لہٰذا بے دغدغہ علیہم السلام بولتے لکھتے چلے آتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ بعض عوام سنیوں میں بھی یہ لفظ امام حسن وامام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاک ناموں کے ساتھ بولنا لکھنا انھیں کی دیکھا دیکھی ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر بعض علما کی کتب میں بھی اب ملتا ہے۔ مثلاً حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی۔ تو ہوسکتا ہے کہ وہ کاتب کی کارروائی

ہو۔ مگر مجھے یاد ہوتا ہے کہ حضرت شیخ محقق دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کے کلام میں غیر انبیا کے لیے ایسی تحریر ہے اگر ایسا ہے تو حضرت شیخ محقق کے خیال مبارک سے یہ اتر گیا ہوگا کہ یہ تحیت ملائکہ وانبیا علیہم السلام سے خاص ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فقیر مصطفیٰ رضا خاں غفرلہ (ماہنامہ نوری کرن، بریلی، مارچ ۱۹۶۰ء)

مذکورہ بالا استفتا اور فتویٰ پڑھنے کے بعد حضور مفتی اعظم کی کمال احتیاط کا اندازہ قارئین لگا سکتے ہیں کہ آپ نے کس معتدل ومتوازن انداز میں ایک مقتدر عالم دین کے تسامح کی نشان دہی فرمائی۔ اور خود ہی اس کی صفائی بیان کرتے ہوئے ایسی تاویل کر دی جس سے دوسروں کے لیے چوں وچرا کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ اس کے برخلاف اگر آج کا مفتی ہوتا تو نہ جانے کیا کیا لکھتا اور کیسے کیسے گولے داغتا؟ الامان والحفیظ۔

حضور مفتی اعظم کی ذات بابرکات میں یہ خاص بات تھی کہ وہ بڑوں کی عزت کیا کرتے تھے اور چھوٹوں پر شفقت فرمایا کرتے تھے۔ علما کی بے حد قدر کیا کرتے تھے۔ مہمان نوازی ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ انھیں باتوں سے وہ سب کی نظر میں محبوب ومقبول تھے۔

مسائل شرعیہ کے احکام بتانے میں مفتی اعظم کا مرتبہ اور ان کی عرفی حیثیت سمجھنے کے لیے حضرت شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں جانشین محدث اعظم ہند کچھوچھہ شریف کی یہ عبارت بھی قابلِ تعریف اور لائق صد ستائش ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

"وہ اسلام کا بطلِ جلیل اور استقامت کا جبل عظیم تھا کہ نازک سے نازک وقت میں بھی اس کے پیروں میں لغزش نہ آسکی۔ حضور مفتی اعظم کے ایک فتوے کی تصدیق فرماتے ہوئے ایک مرتبہ مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند نے صرف ایک جملہ تحریر فرمایا تھا اور وہ ھذا حکم العالم المطاع وما علینا الا الاتباع 'یہ ایک عالم مطاع کا حکم ہے اور ہمارے لیے اتباع کے سوا کوئی چارہ کار نہیں' کلام کی عظمت متکلم کی عظمت سے پہچانی جاتی ہے۔ اگر یہ کسی ایسے ویسے کا کلام ہوتا تو اس لائق نہ ہوتا کہ اس پر کسی کلام کی بنیاد رکھی جائے مگر یہ اس کا کلام ہے جو صرف یہی نہیں کہ سید المتکلمین، سند المحققین، سرآمد علما وصوفیا، سراج خانوادۂ اشرفیہ تھا بلکہ خود حضور مفتی اعظم کی بے پناہ عقیدت ومحبت اور لازوال نیاز مندیوں کا قبلہ وکعبہ تھا۔" (استقامت، مفتی اعظم نمبر، ص ۱۳۱)

اس جملے کی مزید وضاحت اور تشریح کرتے ہوئے حضرت مدنی میاں قبلہ اسی مضمون میں رقم طراز ہیں۔

"میرا خیال ہے کہ آج تک حضور مفتی اعظم کا تعارف کراتے ہوئے جو کچھ لکھا گیا ہے اور آئندہ جو کچھ لکھا جائے گا ان ایک پلڑے میں اور حضور محدث اعظم ہند کے قلم سے نکلے ہوئے اس فقرے کو دوسرے پلڑے پر رکھ دیا جائے تو اس کا وزن [illegible] اس عظیم فرد کے فضل وکمال کا کیا تعارف کرا سکیں گے جسے حضور محدث اعظم ہند جیسی شخصیت کی زبان بھی "عالم مطاع" [illegible] قرار دے۔ (استقامت، مفتی اعظم نمبر، ص ۱۳۲-۱۳۱)

حضور مفتی اعظم کے کمال وجمال پر غور کرنے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ علم ودانش کی وہ کون سی [illegible] کے وہ تاجدار نہیں رہے؟ تقویٰ وطہارت، زہد وقناعت، شرافت وکرامت، مجاہدہ وریاضت، اصابت واستقامت، [illegible] کونسی شاہراہ ہے کہ جہاں ان کے نقوشِ قدم نہیں ملتے۔ حضور مفتی اعظم ہر انجمن کی شمع اور ہر محفل کی شان تھے۔

اسی ذات باکمال سے مجھے بیعت وارادت کا شرف حاصل ہے۔ ویسے تو میں بیعت ہونے کے واقعہ کو اپنی غیر مطبوعہ [illegible] سوانحی خاکہ میں اجمالاً تحریر کر چکا ہوں۔ لیکن یہاں قدرے تفصیل سے پیش کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ قارئین کے لیے یہ واقعہ باعث مسرت وعقیدت افزا ثابت ہوگا۔

۱۹۸۱ء کی بات ہے جب میں مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ میں زیر تعلیم تھا۔ رمضان شریف کی تعطیل ہونے والی تھی

میرے ہم سبق ساتھی اور احباب گھر جانے کی تیاری میں مصروف تھے۔ میں نے دل میں ٹھان لیا تھا کہ امسال مجھے گھر نہیں جانا ہے۔ مدرسے میں رہنے کے لیے وہاں کے ایک مقامی مدرس جو پرائمری کلاس کو پڑھایا کرتے تھے، ان سے بات چیت کر لی تھی۔ تعطیل کلاں ہوگئی۔ احباب مددرجہ اصرار کر کے گھر چلے گئے لیکن میں اپنے ارادے پر قائم رہا۔ میرے علاوہ دو تین لڑکے اور بھی رک گئے تھے۔ شعبان المعظم کی غالباً ۲۶ رتاریخ تھی۔ صبح سویرے اسی مدرس نے کسی بات پر مجھے کوئی ایسی بات کہہ دی کہ جس سے طبیعت مضمحل ہوگئی۔ وہاں پر ایک پل بھی ٹھہرنا بار خاطر ہونے لگا۔ ذہن بہت پریشان تھا کیوں کہ ہاتھ خالی تھا، جاتا تو کہاں جاتا۔ مگر اسے حسن اتفاق کہیے کہ کچھ دیر بعد استاذ گرامی حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب سابق صدر المدرسین مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ اور مولانا نصر اللہ صاحب رضوی دونوں صاحبان مدرسے میں اچانک تشریف لائے۔ سلام و مصافحہ کے بعد پرنسپل صاحب کے کمرے میں بیٹھ گیا۔ میرا چہرہ اترا ہوا دیکھ کر حضرت مولانا نصر اللہ صاحب نے پوچھا کہ کیوں اداس نظر آرہے ہو۔ میں نے کوئی شکوہ و شکایت نہیں کی۔ بل کہ خود بہ خود میری زبان سے نکلا کہ میں بریلی شریف جانا چاہتا ہوں اور میرے پاس سر دست روپیہ نہیں ہے۔ یہ سنتے ہی انھوں نے ڈیڑھ سو روپے اپنی جیب سے نکال کر مجھے دیے۔

آناً فاناً تیاری ہوگئی، اسی شام کو میں بریلی شریف روانہ ہوگیا۔ اس سے قبل میں کبھی بریلی شریف نہیں پہنچا تھا اور نہ ہی اکیلا اتنا لمبا سفر کیا تھا۔ سفر کی صعوبت اور تن تنہا ہونے کی وجہ سے خوف و ہراس تھا اس لیے ذہن متردد تھا۔ لیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا نام لے کر ٹرین پر سوار ہوگیا۔ محمد آباد سے شاہ گنج پہنچا۔ شاہ گنج میں بریلی کی طرف جانے والی ٹرین کا انتظار کرنے لگا۔ اسی اثنا میں زوردار بارش ہونے لگی۔ بارش کے دوران ٹرین پلیٹ فارم پر آ کر رکی۔ بارش میں کپڑے وغیرہ بھیگ گئے۔ جیسے تیسے کر کے ٹرین پر سوار ہوا۔ ٹرین کا ڈبہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ کھڑے ہونے کی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ اچانک ایک عمر دراز شخص نے اوپر کی سیٹ سے آواز دی کہ مولوی صاحب میرے پاس آجائیے۔ کیوں کہ مجھے آگے والے اسٹیشن پر اترنا ہے۔ جلدی سے میں اس کے پاس پہنچا اور آرام سے بیٹھ گیا۔ پھر راستے میں کہیں کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ دوسرے دن تقریباً ڈھائی بجے بریلی جنکشن پہنچا۔ اتفاق سے یہاں بھی بارش ہو رہی تھی لیکن ہلکی ہلکی۔ اس وقت بریلی شریف میں میرا کوئی شناسا نہیں تھا۔ البتہ میرے خاندانی رشتے کے ماموں مولانا امام اختر نوری صاحب رہا کرتے تھے جو اس وقت الجامعۃ الاسلامیہ فیض العلوم ملک پور ہاٹ کٹیہار بہار میں صدر المدرسین کے عہدے پر فائز ہیں۔ ان سے خط و کتابت تھی۔ محلہ کے پتے پر میں بذریعہ رکشا جنکشن سے روانہ ہوا۔ حسن اتفاق کہیے کہ وہ راستے ہی میں مل گئے، ان کے ساتھ ان کی مسجد محلہ بہاری پور پہنچا۔ اضطرابی کیفیت دور ہوگئی اور سکون و اطمینان حاصل ہوا۔

دوسرے دن ان کے ساتھ مزار اعلیٰ حضرت پر فاتحہ خوانی کے لیے حاضر ہوا۔ اس دن کے بعد سے روزانہ صبح و شام مزار پر حاضری ہوا کرتا تھا۔ کبھی کبھی رضا مسجد میں حضور مفتی اعظم سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ سلام و دست بوسی کر لیا کرتا تھا۔ اس وقت ان سے کوئی خاص عقیدت و محبت نہیں تھی۔ عام بزرگوں کی طرح انھیں بھی تصور کرتا تھا۔ ایک دن میرے ماموں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم مرید ہوتے ہو؟ میں نے کہا کہ اب تک میں کسی سے مرید نہیں ہوا ہوں البتہ میرے والد اور گھر والے کچھوچھہ شریف کے پیر سے مرید ہوگئے ہیں۔ میرا ارادہ بھی کسی سید زادے سے مرید ہونے کا ہے۔ یہ جملہ میں نے ان سے اس لیے کہا تھا کہ سادات کی فضیلت، عظمت، کمالات بچپن سے میں سن رہا تھا۔ کتابوں میں پڑھ بھی چکا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ میرا ارادہ حضور مفتی اعظم سے مرید ہونے کا قطعاً نہیں تھا۔ انھوں نے رغبت دلانے کی کوشش کی۔ اور حضور مفتی اعظم کی ولایت، بزرگی اور کمالات کا تذکرہ کر کے مجھے رضامند کرنا چاہا

۔انھوں نے یہ بھی کہا کہ اس وقت ایسا تقویٰ شعار، شریعت کا پابند پیر تمھیں کہیں نہیں ملے گا۔لیکن اس کے باوجود میرا ارادہ نہیں بدلا۔ البتہ عقیدت و محبت میں اضافہ ہوگیا۔اس کے بعد انھوں نے مرید ہونے کے لیے اصرار کرنا چھوڑ دیا۔دو تین ہفتے گزر گئے ذہن میں بیعت و ارادت کا کوئی خیال ہی نہیں تھا۔موسم گرمی کا تھا اور دن رمضان کا تھا۔ایک دن دو پہر کو نیند سے بیدار ہوا غسل کیا ظہر کی نماز جماعت سے ادا کی اس کے بعد تلاوت کرنے لگا سورج ڈھلنے کی وجہ سے تپش کچھ کم ہوگئی تھی، باد سموم کے جھونکے سرد ہو چکے تھے۔ آنکھوں میں پھر نیند کا خمار آنے لگا۔تلاوت کرتے کرتے وہیں لیٹ گیا۔پھر میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔جب میری آنکھ کھلی تو طبیعت میں ایک عجیب وغریب کیفیت طاری ہوگئی اس وقت میں محلہ احمد علی تالاب کی مسجد میں کسی کے عوض امامت کا فریضہ انجام دے رہا تھا۔اچانک دل از خود وارفتہ ہوا اور حضور مفتی اعظم کی بارگاہ کی طرف کھنچنے لگا۔دل میں بے قراری اور بے چینی پیدا ہوگئی اور یہ بات گھر کر گئی کہ چلو جلدی چلو حضور مفتی اعظم سے مرید ہو جاؤ، اس عجیب وغریب کیفیت سے میں بذات خود پریشان تھا کہ یہ تبدیلی میرے اندر کیوں پیدا ہوئی؟ بے قراری اور بے چینی کی وجہ سے میں اسی وقت اپنے ماموں کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کہا کہ بلا تاخیر میرے ساتھ سوداگران چلیے اور مجھے حضور مفتی اعظم سے مرید کرا دیجیے۔میرے اس جملے پر حیرت واستعجاب سے وہ میرا منہ تکنے لگے اور کہنے لگے کہ میں نے تمھیں کئی بار مرید ہونے کا شوق دلایا اور اصرار کیا لیکن تم راضی نہیں ہوئے۔آج اچانک تمھارا ارادہ کیسے بدل گیا؟ میں نے ان سے کہا کہ مجھے خود اس کا پتہ نہیں کہ اچانک دل میں بے خودی کیسے پیدا ہوگئی۔اب تو حال یہ ہے کہ میرا دل ان کی طرف کھنچا جا رہا ہے۔بہرکیف وہ مجھے لے کر اپنی مسجد سے روانہ ہوئے۔رضا مسجد میں عصر کی جماعت ہونے والی تھی۔جماعت میں ہم دونوں شریک ہوگئے۔بعد نماز عصر میرے ماموں نے حضور مفتی اعظم سے عرض کی کہ حضور ان کو (محمد اعجاز انجم لطیفی) اپنے دامن کرم سے وابستہ کر لیجیے۔حضور مفتی اعظم نے اسی وقت مسجد ہی میں مجھے اپنا مرید اور گرویدہ بنا لیا۔اور سلسلہ بیعت وارادت میں داخل کر لیا۔ ورنہ میرا ارادہ تو کچھ اور ہی تھا۔حضور مفتی اعظم کی نگاہ ولایت کا انتخاب میں اس ''انتخاب'' کے صدقے قربان جاؤں کہ انھوں نے باطنی تصرف سے مجھے صرف مرید ہی نہیں کیا بل کہ میرے مستقبل کو تابناک کرنے کے لیے ترقی درجات کی دعا دے کر اپنے در کے جاروب کشوں میں اسی دن میرا نام بھی درج کر لیا۔اسی دعا کی بدولت مرکز اہل سنت جامعہ رضویہ منظر اسلام کا مدرس میں اپنے آپ کو تصور کرتا ہوں۔اور آج جو کچھ بھی ہوں اور جس حیثیت سے بھی میں مذہب وملت کی خدمت کا فریضہ انجام دے رہا ہوں۔یہ اسی فیضان نظر اور دعا کا اثر ہے۔

بیعت ہونے کے بعد جب تک بریلی شریف میں رہا۔برابر پیر ومرشد سے ملاقات و دست بوسی کا شرف حاصل رہا۔عید الفطر کے بعد میں واپس مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ پہنچ گیا۔تعلیم کا سلسلہ جاری ہوگیا۔کچھ دنوں بعد والد صاحب کا گھر سے خط آیا کہ تمھارا بہار بورڈ والا درجہ مولوی کا امتحان ہونے والا ہے۔تاریخ متعین ہوگئی ہے لہٰذا تم فوراً گھر چلے آؤ۔میں گھر جانے کی تیاری کرنے لگا عین اسی رات جس میں حضور مفتی اعظم نے عقیدت مندوں، ارادت مندوں کو داغ مفارقت دے کر داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔میں نے مطالعہ درس کے بعد سونے سے قبل پیر ومرشد سے بذریعہ خط نصف الملاقات کا شرف حاصل کرنا چاہا۔اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں پیر ومرشد کو یاد کیا۔اور ہونے والے امتحان میں کامیابی کے لیے دعا کی درخواست کی۔اپنا مدعا تحریر کرنے کے بعد سوچا کہ کل خط روانہ کر دوں گا۔یہ سوچ کر میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا، صبح خط لیٹر بکس میں ڈالنے سے قبل ہی یہ اندوہناک خبر ملی کہ آج رات حضور مفتی اعظم کا وصال ہوگیا ہے۔یہ خبر میرے لیے سوہان روح ثابت ہوئی۔ایک تو ان کے پردہ فرمانے کا غم، دوسرا یہ کہ میں نے

پہلی بار نصف الملاقات کا شرف حاصل کرنا چاہا تھا تو اس میں بھی ناکام رہا۔ ان دونوں باتوں سے مجھے بے حد ملال ہوا۔ طبیعت میں آیا کہ خط پھاڑ دوں لیکن پھر سوچا کہ اس وقت میں ان کی چوکھٹ پر حاضر نہیں ہو سکتا کم سے کم میری تحریر تو حاضری کی سعادت حاصل کر لے۔ اس ارادے سے خط لیٹر بکس میں ڈال دیا۔ اور پھر میں گھر کے لیے روانہ ہو گیا۔ اتفاق کی بات اس سال امتحان کا سینٹر اسلامیہ ہائی اسکول کٹیہار منتخب ہوا۔ وہاں دیہات کی بہ نسبت زیادہ سختی تھی۔ آئے دن کوئی نہ کوئی بورڈ کا آدمی ٹپک پڑتا تھا۔ طرفہ تماشا یہ ہوا کہ میری سیٹ کے آگے ایک لڑکا نقل کرنے میں پکڑا گیا، اس کا امتحان رد کر دیا گیا اور اسے امتحان گاہ سے باہر کر دیا گیا۔ ۔ حالات و واقعات کو دیکھ کر اور اپنے جوابات کو سوچ کر مجھے یقین نہیں تھا کہ میں اس امتحان میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ لیکن واہ رے مفتی اعظم کا تصرف کہ جب نتیجہ برآمد ہوا تو میں سکنڈ ڈویژن سے پاس تھا۔ یہ تمام باتیں میری نظروں میں ہمیشہ اس طرح سے گردش کرتی رہتی ہیں کہ جیسے یہ آج ہی کا واقعہ ہو۔ میں اپنی بیعت و ارادت اور امتحان میں کامیابی کو حضور مفتی اعظم کے تصرف و کرامت سے تعبیر کر رہا ہوں ۔ کیوں کہ یہ بات سو فیصد درست اور سچ ہے کہ۔

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم کے گستاخوں کا لرزہ خیز انجام

مولانا امان الرب رضوی
استاذ جامعہ امیر العلوم مینائیہ، گونڈہ

حدیث شریف ہے "مَنْ عَادَی لِیْ وَلِیًّا فَقَد اٰذَنْتُہ بِالْحَرْبِ (مشکوٰۃ شریف ص۱۹۷، باب التقرب الیہ، الفصل الاول، مجلس البرکات، مبارک پور) جو کوئی میرے ولی سے دشمنی رکھے میں اس کو اعلانِ جنگ دیتا ہوں۔

ولی کا معنی۔ مددگار، دوست، محبوب، مالک ومتولی کے ہیں (مختار الصحاح وغیرہ) اصطلاح شرع میں فرائض واجبات سنن حتی کہ مستحبات کے عامل اور محرمات شرعیہ حتی کہ مکروہات سے بچنے والے کو کہتے ہیں (نبراس) ہر قسم کے اولیا کے دشمنوں سے خدائے تعالیٰ کا اعلان جنگ ہے۔ جس کا نتیجہ جان وایمان کی تباہی اور دنیا وآخرت میں بھیانک ذلت ورسوائی ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

اولیاء اللہ۔ انعامات الٰہیہ سے بہرہ ور ہوتے ہیں، ان کی خدمت ورضا جوئی میں خاص تاثیر ہوتی ہے۔ اپنوں پر ان کے کرم کا اندازہ کون لگائے، کفار ومشرکین یہود ونصاریٰ بھی اس دنیا میں ان کے فیض سے محروم نہیں ہوتے، ان کے قلب ونظر کے نشیب وفراز سے تقدیر کی کایا پلٹ ہو جاتی ہے، وہ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں۔

الحاصل حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گستاخوں کا حکم یہ ہے کہ وہ کافر ومرتد ہیں، ان کے اگلے اعمال اور اگر توبہ نہ کی تو پچھلے اعمال بھی اکارت وغارت ہو جاتے ہیں، وہ ابدی جہنم کے مصداق ہو جاتے ہیں اور اگر اس کی گستاخی کی پاداش میں زبان نبوت سے کوئی کلمہ اس کے خلاف صادر ہوا تو وہ تیر قضا ثابت ہوا۔ چنانچہ عتبہ بن ابولہب کے تعلق سے فرمایا "اللھم سلط علیہ کلبا من کلابک (بخاری شریف) اے خدا اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کردے، بالآخر اس لعین کو کوئی حیلہ کام نہ آیا جنگل کے ایک خوفناک درندے نے اس کو چیر پھاڑ کر صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گستاخوں کے عبرتناک انجام کتب سیر وتواریخ میں پڑھیے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ بالیقین اللہ تعالیٰ کے اولیا ہیں بل کہ جو ولی صحابی نہیں ہیں وہ ان کے گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ آپ کے گستاخوں کا حکم یہ ہے کہ وہ بالاتفاق اہل سنت وجماعت سے خارج ہیں۔ گمراہ گمراہ گر ہیں۔ فقہائے کرام کے نزدیک کافر ہیں۔ ان کے دشمنوں کا حال بے حد عبرت انگیز، لرزہ خیز ہے۔ ایک شخص حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گالیاں دیتا تھا اور برا کرتا تھا۔ جب مرنے کا وقت آیا تو لوگوں نے کلمہ طیبہ کی تلقین کی تو کہا کہ یہ دو شخص کھڑے ہیں۔ مجھے کلمہ نہیں پڑھنے دیتے۔ کہتے ہیں کہ تو شیخین کو گالیاں دیتا تھا اب چاہتا ہے کہ ایمان پر اٹھے، ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ (ملخصا ملفوظ شریف، اعلیٰ حضرت) اسی طرح شواہد النبوۃ و دیگر کتب سیر میں امام حسین سبط رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ، و دیگر اہل بیت کے گستاخوں کا انجام پڑھیے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ خدائے قدیر ہر مومن کو اس بلائے عظیم سے محفوظ ومصون فرمائے۔

ائمہ کرام اور جوان کے بعد کے اولیا ہیں ان کے ذاتی گستاخ کا حکم یہ ہے کہ وہ فی الحال کافر نہیں ہوتا مگر اس کے ایمان جانے کا

خدشہ بڑھ جاتا ہے۔ کم از کم اس پر آفات سماوی وارضی ضرور نازل ہوتی ہیں۔ اور وہ کس مپرسی کے عالم میں مبتلا ہو کر مرتا جاتا ہے۔ اہل ایمان اس کا نام لیتے گھبراتے ہیں۔ اس طرح نسلیں یہ نہیں جان پاتیں کہ اس نام کا بھی کوئی شخص اس دنیا میں پیدا ہوا تھا۔ دور کیوں جایئے؟ پورے چودہ صدی پر آفتاب نصف النہار کی طرح اپنے فیوض و برکات برسانے والے عظیم وجلیل، نابغۂ روزگار ہستی، آفتاب شریعت، ماہتاب طریقت، تاجدار اہل سنت، مرجع علمائے عرب وعجم، مرکز دائرۂ تحقیق، جنید وقت، سرکار زماں، روشن ضمیر، آل الرحمٰن مصطفیٰ رضا خاں مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیقات عالیہ علیہ کے اختلاف میں حد سے گزرنے والوں پر ایسی خدا کی مار پڑی کہ ان کے ہوش باختہ ہو گئے۔ گمنامی کی ایسی کھائی میں گرے کہ کوئی نکال نہ سکا۔ لگتا ہے کہ میر میراں، پیر پیراں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیکڑوں سال پہلے اسی نائب صادق کو مخاطب کر کے فرمایا ہو؟

مریدی لا تخف واش فانی عزوم قاتل عند القتال

اے مرید تو کسی چغل خور کا خوف مت کر بے شک میں جنگ کے وقت سختی سے قتال کرنے والا ہوں۔

اب آیئے مفتی اعظم کے گستاخوں کا انجام دیکھتے ہیں۔ بنارس کے ایک بہت بڑے مولوی صاحب تھے، خطابت میں خاص ملکہ رکھتے تھے، معراج کے موضوع پر تین تین گھنٹے بے تکان بولا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی ایک فاش غلطی پر مفتی اعظم نے تنبیہ فرمائی تو بجائے سر تسلیم خم کرنے اور ممنون ومشکور ہونے کے الٹے مفتی اعظم کے عناد میں جل بھن اٹھے۔ تھوڑے دنوں کے بعد چند ورقی کتابچہ نکالا جس کا نام ''مفتی اعظم کی نماز جنازہ'' رکھا، ان کا آخری حال بڑا دردناک اور عبرت ناک ہوا۔ مولوی صاحب پر فالج کا زبردست حملہ ہوا جس سے سارے اعضا معطل ہو چکے تھے، صرف آنکھیں اپنے محور میں بے بسی و بے کسی کا رونا رو رہی تھیں۔ سچ ہے۔

جلال مومن سے خدا بچائے نگاہیں بدلیں کہ انقلاب آیا

نوٹ: حضرت مولانا مفتی سید افضل حسین مونگیری علیہ الرحمۃ نے مسئلہ لاؤڈ اسپیکر پر ابتداءً اختلاف کیا مگر حد سے نہیں بڑھے۔ پھر بھی پیر کی عدم اتباع کا الزام ان پر عائد ہوتا ہے۔ مگر خیر کہیے کہ انھوں نے اپنے مرشد گرامی حضور مفتی اعظم سے معافی مانگ لی تھی۔ حضرت مرشدی نے یہ فرما کر معاف کر دیا کہ جو کچھ آپ نے کیا وہ معاف۔ جو کر رہے ہیں وہ معاف جو کریں گے وہ معاف (بہ روایت مفتی محمد اسلم صاحب قبلہ رضوی مظفر پوری) راوی معظم اس موقع پر بہ نفس نفیس موجود تھے۔ خدا کے فضل سے وہ اب بھی حیات سے ہیں۔ جو چاہے دریافت کر سکتا ہے۔ ان کا پتہ یہ ہے۔ مقصود پور، پوسٹ اورائی، ضلع مظفر پور، بہار۔

بہرکیف حضور مفتی اعظم اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے محبوب ومقرب تھے۔ پیدائشی ولی تھے۔ مظہر علوم امام احمد رضا تھے۔ آپ کی سطوت علم کے آگے بڑے بڑوں کے پتے پانی ہوتے تھے۔ ہندوستان میں تنہا نشان تقویٰ تھے۔ درجۂ ولایت میں وہ جد سالکین پر فائز تھے بل کہ ان سبھوں کے امام ومرشد تھے۔ آپ کی تعلیمات وفتاوے پر چلنا جینا مرنا وسیلہ نجات و باعث ترقی درجات ہیں۔ آپ کی ذات سے بے نمکی واحسان فراموشی نیز آپ کی علمی تحقیقات وشخصی صولت سے بے نیازی باعث گمنامی وخسران دنیا و آخرت ہے۔ حضور مفتی اعظم کے تعلق سے یہ حقیقتیں محض قلمی نگارش نہیں ہیں بل کہ مشاہداتی و تجرباتی ہیں۔ حضور مفتی اعظم آج بھی اپنی قبر انور میں حیات برزخی کے ساتھ متصرف ہیں۔

فنا کے بعد بھی باقی ہے شان رہبری تیری
خدا کی رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تجھ پر

☆☆☆☆☆

مفتیِ اعظم کی کرامت وروحانیت

مولانا ساجد علی مصباحی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

ہوئی بچپن میں ہی ظاہر ولایت مفتیِ اعظم	تھے تم چھ ماہ کے پائی خلافت مفتیِ اعظم
شہِ نوری میاں کی ہو بشارت مفتیِ اعظم	سراپا ہو کرامت ہی کرامت مفتیِ اعظم

واقفِ اسرارِ شریعت، آشنائے رموزِ طریقت، تاجدارِ کشورِ ولایت، صاحبِ کشف وکرامت، علم وعمل کے حسین سنگم، خلوص وللٰہیت کے پرنور پیکر، زہد وتقویٰ کے بدرِ منیر اور سرکارِ دو جہاں علیہ التحیۃ والثنا کے سچے عاشق ووفادار، ابوالبرکات، محی الدین جیلانی، آلِ الرحمٰن، محمد مصطفیٰ رضا (۱۳۱۰ھ-۱۴۰۲ھ) قدس سرہٗ کو مفتیِ اعظم اور ایک ولیِ کامل کی حیثیت سے آج دنیا جانتی اور پہچانتی ہے، نیز ہر ذی شعور، علم دوست اور حق شناس انسان ان کی دینی، ملی، سیاسی، سماجی، اور روحانی خدمات کا اعتراف کرتا ہے۔

متاعِ زندگی جس نے لٹا دی جانِ رحمت پر
خدا کی رحمتوں کے پھول برسیں ان کی تربت پر

حضور مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کی پرنور صورت، حقانیت وصداقت کی ایک ایسی روشن کتاب تھی جسے پڑھ لینے کے بعد دلوں کے دروازے خود بخود کھل جاتے تھے۔ وہ علم وعرفان کا ایک ناپیدا کنار سمندر تھے جس کی خاموشی سے اس کی گہرائی کا پتہ چلتا تھا۔ وہ اسلام وسنت کا ایک مہکتا ہوا گلشن تھے، جدھر سے گزر گئے، فضا معطر ہو گئی۔ وہ کفر ونفاق کی سیاہ راتوں کے لیے ارشاد وہدایت کا سپیدۂ سحر تھے۔ دلوں کے آفاق پر جب وہ طلوع ہوئے تو فکر واعتقاد کی تاریک وادیوں میں صبحِ قیامت کا اجالا پھیل گیا۔ جسے چھو دیا شفا مل گئی۔ دعا دی تو مقدر سنور گیا۔ جہاں قدم رکھا، بہار آ گئی۔ جس جگہ بیٹھ گئے میلہ لگ گیا۔ ادھر نگاہِ التفات اٹھی، ادھر مشکلات کی گرہ کھلی۔ ادھر مسکرا کر دیکھا ادھر کامرانیوں کا ڈنکا بجا۔ ایک شاعر نے بڑے پتے کی بات کہی ہے۔

واقفِ اسرار تھے، رمز آشنائے یار تھے	عشقِ محبوبِ خدا میں مست تھے، سرشار تھے
کون جانے وقت کے اخیار تھے، ابرار تھے	علم وفضل وآگہی کے واقعی سردار تھے

آپ کی ذاتِ ستودہ ہمہ گیر جاہ وجلال کی حامل اور نوع بنوع اوصاف فضل وکمال کی مالک تھی، لیکن سردست ہم آپ کی کرامت و

روحانیت ہی سے متعلق چند سطریں نذرِ قارئین کرنا چاہتے ہیں، تاکہ اربابِ علم و دانش کے ساتھ ساتھ وہ ظاہر بیں حضرات بھی آپ کے عمل و استقامت اور تصلب فی الدین کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنائیں، جو خوارق عاداتِ امور کی دید و شنید سے ہی کسی مردِ خدا کی ولایت و بزرگی کے معترف اور اس سے اکتسابِ فیض کے قائل ہوتے ہیں اگر چہ حقیقت میں خوارق عاداتِ امور کا صدور ولایت کی دلیل نہیں ہے، کیوں کہ خرقِ عادت فعل کبھی بد دین و گمراہ شخص سے بھی ظہور پذیر ہو جاتا ہے۔ چناں چہ علماے کرام فرماتے ہیں: خلافِ عادت ظاہر ہونے والی چیزوں کی آٹھ صورتیں ہیں۔

(۱) ارہاص : وہ خلافِ عادت چیز جو کسی نبی سے قبلِ بعثت ظاہر ہو، جیسے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ کے وقت رونما ہونے والے خلافِ عادت امور، مثلاً نوشیرواں کے محل میں زبردست زلزلہ آنا، اور چودہ کنگروں کا گر جانا، ہزار برس سے مسلسل جلنے والے آتش کدۂ فارس کا دفعتاً سرد پڑ جانا، بحیرۂ ساوہ کا خشک ہو جانا وغیرہ۔

(۲) معجزہ : وہ خلافِ عادت چیز جو کسی نبی کے ہاتھوں بعدِ بعثت ظہور میں آئے جیسے درختوں کا سجدہ کرتے ہوئے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو جانا، مقامِ صہبا میں ایک انگلی کے اشارے سے ڈوبے ہوئے سورج کا پلٹ آنا۔

(۳) کرامت : وہ خلافِ عادت چیز جو کسی ولی سے رونما ہو۔

(۴) معونت : وہ خلافِ عادت چیز جو کسی عام مومن صالح سے ظہور میں آئے۔

(۵) استدراج : وہ خلافِ عادت چیز جو کسی کافر یا مومن فاسق سے ظاہر ہو۔

(۶) سحر : وہ خلافِ عادت چیز جو کسی کافر یا فاسق سے رونما ہو اور اس میں تعلیم و تعلم اور سیکھنے سکھانے کا عمل دخل ہو۔

(۷) ابتلا : وہ خلافِ عادت کام جو کسی کافر کے ہاتھوں رونما ہو اور اس میں سیکھنے سکھانے کا دخل نہ ہو اور وہ اس کے مقصد کے مطابق ہو، جیسے دجالِ اکبر سے عالمِ وجود میں آنے والے امور و افعال۔

(۸) اہانت : وہ خلافِ عادت کام جو کسی کافر کے ہاتھوں بلا تعلیم و تعلم ظاہر ہو اور اس کے مقصد کے خلاف ہو، جیسے مسیلمہ کذاب سے رونما ہونے والا خلافِ عادت واقعہ، کہ اس نے ایک بھینگے کی آنکھ صحیح ہونے کی دعا کی تو اس کی دوسری آنکھ بھی بھینگی ہو گئی۔

(کشفِ بردہ شرحِ قصیدۂ بردہ، ص: ۱۰۳، از: مولانا نفیس احمد مصباحی، مبارک پور)

اس تفصیل سے بخوبی عیاں ہو گیا کہ کرامت اسی خلافِ عادت امر کو کہا جائے گا جو رب تبارک و تعالیٰ کے کسی ولی سے رونما ہو۔ اور اللہ کا ولی وہ برگزیدہ شخص ہوتا ہے جو اللہ جل شانہٗ کی ذات و صفات کا عارف اور اس کی اطاعت و بندگی کا پابند ہوتا ہے، گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور صغیرہ پر اصرار سے بچتا ہے بلکہ مباح لذت و شہوت کی چیزوں میں مستغرق ہونے سے بھی کنارہ کش رہتا ہے۔ چنانچہ علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: الولی هو العارف بالله تعالیٰ وصفاته حسب مایمکن، المواظب علی الطاعات، المتجنب عن المعاصی، المعرض عن الانهماک فی اللذات و الشهوات. (شرح عقائد ص: ۱۴۴، مجلسِ برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

ولی کی مذکورہ تعریف کی روشنی میں حضور مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کی شخصیت کا جائزہ لیجیے تو بے ساختہ ان کی ولایت کی شہادت دیتے نظر آئیں گے۔ استاذ العلما، ابو الفیض حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان (بانی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور) فرماتے ہیں:

"اپنے شہر میں کسی کو عزت اور مقبولیت نہیں ملتی، لیکن حضور مفتیِ اعظم کو اپنے شہر میں جو عزت و مقبولیت

حاصل ہے، اس کی مثال کہیں نہیں ملتی اور ان کی کرامت، ولایت کی یہ کھلی دلیل ہے۔ جس کو زندہ ولی دیکھنا ہو وہ حضور مفتیِ اعظم کو دیکھ لے۔"

(مفتیِ اعظم کی استقامت وکرامت: ۴۷، جامِ نور دہلی، از مفتی عابد حسین مصباحی، جمشید پور)

سید المشائخ حضور سید شاہ ابو الحسین نوری علیہ الرحمہ نے آپ کے عہدِ شیر خواری میں آپ کے والدِ ماجد اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے ارشاد فرمایا تھا:

"مولانا! یہ تو مادر زاد ولی ہے۔ برکتوں کے اعتبار سے ابو البرکات اور مرتبۂ فنائیت میں محی الدین جیلانی ہے۔ یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوقِ خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا۔ یہ بچہ ولی ہے، اس کی نگاہوں سے لاکھوں گم راہ انسان دینِ حق پر قائم ہوں گے، یہ فیض کا دریا بہائے گا۔" (ایضاً، ص: ۴۱)

قطبِ مدینہ حضرت ضیاء الدین احمد مدنی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

"ضیاء الدین احمد نے اپنی آنکھوں سے دیکھا واللہ العظیم مفتیِ اعظم بچپن ہی سے پیکرِ علم وعمل ہیں، جامعِ زہد وتقویٰ ہیں، اس وقت ان کے علم وفضل، زہد وتقویٰ، بزرگی و پرہیز گاری، فکر وعرفان کا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔ فقیر ضیاء الدین مدنی عمر میں تو مفتیِ اعظم سے بڑا ضرور ہے لیکن مراتب میں مفتیِ اعظم فقیر سے بہت بڑے ہیں۔" (ایضاً، ص: ۴۵-۴۶)

خاصانِ خدا کے ان ارشادات سے یہ حقیقت آفتابِ نیم روز کی طرح روشن ہو گئی کہ حضور مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کی ذات بابرکات سے جو خوارق عادات امور رونما ہوئے ہیں انھیں لاریب کرامتوں کا نام دیا جائے گا۔

آیئے اب انھیں ایمان افروز، عبرت آموز کرامتوں سے اپنے اعمال وافکار کو تازگی بخشیں جن کی دل کش خوشبوؤں سے خدا معلوم کتنے پریشان حال قلوب واذہان کو چین وسکون اور گم کشتگانِ راہ کو نشانِ منزلِ مقصود مل گیا۔

(۱) جاؤ پھانسی نہیں ہوگی:-

تاجدارِ اہلِ سنت حضور مفتیِ اعظم قدس سرہ کی بارگاہِ عالیہ میں سرزمین احمد آباد پر ایک مظلومہ اپنے ننھے ننھے بچوں کی انگلی پکڑے حاضر ہوئی اور اشکوں کی برسات برسانے لگی۔ قدرے سکون کے بعد اس نے کہا: حضور! بے قصور شوہر کو پھانسی کی سزا ہو گئی ہے۔ آقائے نعمت کی آنکھیں بھی اشک بار ہو گئیں اور اپنے معمول کے مطابق تعویذ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: جاؤ پھانسی نہیں ہوگی۔

نطق کو سو ناز ہے تیرے لبِ اعجاز پر　　محوِ حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر

وہ دل دکھی عورت فوراً جیل کی جانب دوڑی اور اپنے شوہر کے گلے میں تعویذ ڈال دیا اور اپنے سرتاج کو ان الفاظ سے تسلی دیتی رہی کہ بریلی کے بہت بڑے بزرگ نے فرمایا ہے کہ جاؤ پھانسی نہیں ہوگی۔ وقتِ مقررہ پر جلاد آیا اور پھانسی کے روم میں لے گیا۔ ساتھ میں دیگر حکام کے علاوہ جج بھی تھا۔ گلے میں پھندا ڈال دیا گیا اور جب بٹن دبایا تو بجلی فیل ہو چکی تھی۔ جج نے کہا کہ وقت ختم ہو گیا، میں مقدمہ کی سماعت پھر کروں گا، ملزم موت کے تختے سے اتر کر کٹہرے میں آیا اور اپنی بے قصوری کا اظہار کرتا رہا۔ جج کی چشمِ تصور نے اسی پیکرِ کرم آقا کو

دیکھا جس نے فرمایا تھا کہ "جاؤ پھانسی نہیں ہوگی" اور رہائی کا پروانہ دے دیا۔

(مفتی اعظم کی استقامت وکرامت، ص:۱۹۹-۲۰۰، جام نور دہلی)

(۲) جاں بلب بچہ مسکرا پڑا:۔

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کی یہ کرامت محدث امروہہ حضرت علامہ معین الدین علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے ایک مبسوط مقالے میں یوں تحریر فرماتے ہیں: شاید آپ کو یاد ہوگا جبل پور کا وہ تاریخی واقعہ کہ جب آپ اپنے مرید کے بے حد اصرار پر جبل پور کے علاقوں میں اپنے چند خادموں کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ بڑا پرخطر اور پر پیچ ہے، جگہ جگہ سواری رکتی اور چل پڑتی، گھوڑا انتہائی پریشان، تانگے میں بیٹھنے والے حضرات اور بھی پریشان، لیکن آپ ایسے ضعف ونقاہت میں بھی تانگے میں اور لوگوں کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔ لوگوں کو اپنی تکلیف کے ساتھ ساتھ آپ کا زیادہ خیال آرہا ہے، جگہ جگہ تانگے میں جھٹکے محسوس ہو رہے ہیں، لوگ اچھل اچھل جاتے ہیں، تانگہ اپنی رفتار پر آگے بڑھتا جا رہا ہے، چلتے چلتے ایک گاؤں سے گزرتا ہے کہ سڑک پر ایک بچہ کھیلتا کودتا اچانک تانگے کے نیچے آجاتا ہے، تانگے کا پہیہ اس بچے کے سینے اور پیٹ کے درمیان سے اتر جاتا ہے، لوگوں میں غم وغصہ کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے، چاروں طرف ہو کا عالم ہے، پوری سڑک پر سناٹا چھا گیا، ہر انسان اپنی اپنی جگہ پریشان، ہر طرف بے چینی ہی بے چینی نظر آرہی ہے، ہر دل اداس ہی اداس دکھائی دے رہا ہے۔ سڑک کی پوری دنیا ماتم کدہ بنی ہوئی ہے، باپ دھاڑیں مار مار کر رو رہا ہے، ماں بچے کی حالت دیکھ کر پچھاڑیں کھا رہی ہے۔ کسی کو سکون وچین نہیں، مگر ہو ہی کیا سکتا تھا۔ اسی مجمع میں اللہ کا ایک ولی کامل، رسول عربی کا سچا عاشق، غوث الوریٰ کا صحیح جانشین، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا لختِ جگر اور نور بصر ہے، جن کے چہرۂ انور پر عزم واستقلال کی ایک چٹان ہے، تحمل وبردباری کا ایک دریا ہے، جو انتہائی سکون واطمینان کی موجیں مار رہا ہے، وہ اس وقت دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ آپ کے لب گل فشاں ہوئے اور آپ نے خادم سے فرمایا: اس بچے کو اٹھا کر لاؤ۔ کسی کی ہمت نہ ہوئی، چوں کہ بظاہر اس کے جسم میں جان نہیں تھی، دنیا ظاہر پر نظر رکھتی ہے مگر اللہ کے خاص بندے ظاہر وباطن پر یکساں نظر رکھتے ہیں، وہ حقیقت سے آشنا ہوتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ قضائے حقیقی نہیں بل کہ قضائے معلق ہے، بقول عارف رومی: ع: لوحِ محفوظ است پیش اولیا۔ حضور مفتی اعظم کے مکرر ارشاد فرمانے پر ایک خادم آگے بڑھا اور اس نے بچے کو حضرت کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے خدمت میں حاضر کر دیا۔ وہ بچہ جو بظاہر دم توڑتا ہوا نظر آرہا تھا، زندگی کی آخری سسکیاں لے رہا تھا، جو اپنی عمر کی سانس پوری کر کے دنیا کو خیر باد کہنا چاہتا تھا حضرت کے ہاتھوں میں ہے۔ لوگوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں، ایسے پُر پیچ ماحول میں، ایسے غم زدہ وقت میں ایک مقدس ذات مفتی اعظم کی تھی، جن کے چہرے پر ملکوتی حسن تھا، جن کے لبوں پر خاموش مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ آپ نے اس بچے کے سینے اور پیٹ کے درمیان اپنا دستِ شفا پھیرا، پھر کیا تھا کہ اچانک وہ مسکرا پڑا، چہرے پر طمانیت اور آنکھوں میں زندگی کی مسکراہٹ رقص کرنے لگی، جیسے اس کے زخموں کو مرہم دے دیا گیا ہو، جیسے نکلی ہوئی روح دوبارہ واپس آگئی ہو، جیسے مرجھائے ہوئے درخت پر ہریالی دوڑ گئی ہو۔ چند ہی لمحوں میں اضطراب کی ساری تلخی سکون کی مٹھاس میں بدل گئی۔ وہ بچہ جو ابھی زندگی کی آخری سانس لے رہا تھا، دنیا نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے یہ منظر ملاحظہ کیا کہ حضور مفتی اعظم کے دستِ شفقت ومحبت سے مس ہوتے ہی وہ بچہ اچھل پڑا اور فوراً اپنے گھر کی طرف دوڑا۔ لوگ اسے بلاتے رہ گئے اور بچہ یہ پیغام دیتا ہوا گھر چلا گیا کہ

مدینے کے گدا ہوتے ہیں دنیا کے امام اکثر
بدل دیتے ہیں تقدیریں محمد کے غلام اکثر

جب لوگوں نے حضرت کی یہ زبردست کرامت اپنی نظروں سے دیکھی تو یکے بعد دیگرے سبھی لوگ حضرت کے حلقہ بگوش ہوتے گئے۔

(ایضاً ص: ۲۵۳، بحوالہ مقالاتِ نعیمی)

(۳) ایک ہی وقت میں مختلف جگہ جلوہ فرما :

تاجدارِ اہلِ سنت، حضور مفتیِ اعظم چوں کہ نائب غوثِ اعظم ہیں اس لیے قدرت نے اس قدرت نما غوث کے صدقے آپ کو اس صفت کا مظہر بنادیا کہ آپ بیک وقت کئی جگہ موجود ہوں۔ چناں چہ شارحِ بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

"ایک سال بریلی شریف کے ایک حاجی صاحب حج سے واپس آئے تو لوگوں سے دریافت کیا کہ حضرت مفتیِ اعظم کب حج کے لیے گئے تھے اور واپس ہوئے یا نہیں؟ لوگوں نے انھیں بتایا کہ حضرت مفتیِ اعظم کہاں امسال حج کے لیے نہیں گئے تھے، انھوں نے عیدگاہ میں عید الاضحیٰ کی نماز پڑھائی ہے، ہم نے خود پڑھی۔ سب حاضرین نے متفق اللفظ ہو کر یہی بتایا۔ انھوں نے حیرت سے کہا: آپ لوگ کیسی باتیں کر رہے ہیں، میں نے ان کو طواف کرتے دیکھا ہے۔ مسجدِ حرام میں، منیٰ میں، عرفات میں ان سے ملاقات کی ہے۔ مدینہ منورہ مسجدِ نبوی میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، مواجہہ اقدس میں سلام عرض کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ سن کر سارے حاضرین دم بخود رہ گئے۔ لیکن سب نے پھر یہی کہا کہ تمھیں دھوکا ہوا ہوگا، حضرت تو امسال دولت کدہ ہی پر رہے ہیں، حج کے لیے نہیں گئے تھے، مگر پھر انھوں نے بتاکید کہا کہ دھوکا کیسا؟ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ان سے وہاں ملاقات کی ہے، ان کی دست بوسی کی، بات چیت کی اور بلاکسی شبہہ کے مسجدِ نبوی اور مواجہۂ اقدس میں دیکھا ہے۔ اس کا عام چرچا ہوا، سب نے ان حاجی صاحب کو یہی بتایا کہ تم جو کہتے ہو سچ ہے مگر حضرت امسال حج کے لیے نہیں گئے تھے۔ حاجی صاحب نے خود یہ واقعہ مجھ سے بیان کیا، اور بھی بہت سے لوگوں سے بیان کیا۔ یہ حاجی صاحب جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے انھیں بہت پیار سے دیکھا، جاں نواز انداز میں مسکرائے اور حسبِ عادت ان کے قدم اور آنکھوں کو بوسے دیے۔ حاجی صاحب دم بخود بیٹھے ٹکٹکی باندھے حضرت کو دیکھتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت ان سے مخاطب ہوئے اور حرمین طیبین کے حالات پوچھتے رہے، اور ایک بار بڑے محبت آمیز لہجے میں فرمایا: حاجی صاحب! ہر بات بیان کرنے کی نہیں ہوتی، اس کا خیال رکھیے گا۔ اسی سے متاثر ہو کر یہ حاجی صاحب مرید ہوئے۔" (انوارِ مفتیِ اعظم، ص: ۲۷۱-۲۷۲، رضا اکیڈمی)

(۴) دل کے خطرات سے آشنائی :

حضرت مولانا قاری غلام محی الدین خاں صاحب خطیب ہلدوانی حضور مفتیِ اعظم قدس سرہ کے کشف و کرامت کا اظہار کرتے ہوئے اپنا ایک واقعہ اس طرح بیان فرماتے ہیں: ایک مرتبہ (میں) ہلدوانی سے بریلی شریف حاضر ہوا اور دل میں سوچا کہ خاندان شیریہ کا ایک فرد ہوں، جدِ امجد حضور شاہ جی محمد شیر خاں صاحب قطب پیلی بھیت علیہ الرحمہ کے سلسلۂ شیریہ مجددیہ نقش بندیہ کی خلافتیں مجھے

حاصل ہیں امام احمد رضا قادری کی بارگاہ سے میں نے علمِ دینِ متین حاصل کیا، کاش یہاں کی خلافت بھی مجھے حاصل ہوتی۔ جب حضور مفتیِ اعظم کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوا تو حضرت نے برجستہ فرمایا: قاری صاحب! آپ کیا سوچ رہے ہیں، آپ کو سب کچھ حاصل ہے، فقیر بھی آپ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ نوریہ کی اجازت وخلافت پیش کرتا ہے۔ حضرت کے اس کشف سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر تحریری خلافت نامہ بھی حضرت مفتیِ اعظم نے مجھے عطا فرمایا　　　　(سالنامہ تجلیات رضا، اپریل ۲۰۰۵ء، ص:۱۰۸)

(۵)　مفتیِ اعظم کا کشف :

مفتی عابد حسین مصباحی، نوری اپنی کتاب ''مفتیِ اعظم کی استقامت وکرامت'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ محبِ محترم مولانا قاری فضلِ حق صاحب مصباحی نے آج سے چند ماہ قبل راقم سے بتایا کہ میری شروع سے عادت ہے کہ کسی بزرگ کو تسلیم کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔ حضور مفتیِ اعظم کے بارے میں بھی میرا یہ وہم تھا کہ شاید وہ بڑے باپ کے بیٹے ہیں اس لیے لوگ ان کی اتنی قدر وعزت کرتے ہیں۔ لیکن اس وقت ان کی ولایت وبزرگی کا سکہ میرے دل میں بیٹھ گیا جب ان کی خدمت کرنے کا موقع نصیب ہوا۔

اشرفیہ مبارک پور میں میرا طالب علمی کا زمانہ تھا، حضور مفتیِ اعظم کچھوچھہ مقدسہ تشریف لے گئے، میں بھی پہنچا۔ اژدحام کثیر تھا، تل رکھنے کی جگہ نہیں تھی۔ بھیڑ چھٹنے کے بعد اس کمرے میں داخل ہوا جس میں آپ آرام فرماتے تھے۔ چند طالب علم اور بھی تھے جو آپ کی خدمت میں مشغول تھے۔ میں بھی خدمت کرنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد میرے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ ان لوگوں کے سبب میں بھی شرما حضوری میں خوب پھنسا، نیند ستا رہی ہے، اجازت ملتی تو جا کر سو جاتا۔ (کہتے ہیں) یہ خیال آنا تھا کہ حضور مفتیِ اعظم نے فرمایا: مولوی صاحب! بس کیجیے، جا کر سو جایئے، آپ کو نیند آرہی ہے۔ اتنا سننا تھا کہ میں سہم گیا کہ بیکار دل میں یہ وہم لایا، کاش میں ایسا نہ سوچتا اور حال یہ ہوا کہ کاٹو تو خون نہیں۔ ناچار پھر خدمت کرنے لگا۔ حضرت نے دوبارہ وہی جملہ فرمایا۔

اس کے بعد تو میرے دل میں حضرت کی محبت وعقیدت اور راسخ ہو گئی حتی کہ ایک مرتبہ ایک جلسے کی دعوت دے کر یہاں جمشید پور بذریعہ کار لایا اور دستِ حق پرست پر بیعت ہو گیا۔ دل نے فیصلہ کیا کہ اصحابِ عقل وخرد کا یہ ہنگامۂ شوق اور عقیدت ومحبت کا طوفان یوں ہی نہیں ہے بلکہ جس کی طرف قلوبِ انسانی جھکتے چلے جا رہے ہیں وہ اپنے اندر بہت کمال رکھتا ہے اور کشف کا تاجدار ہے۔

دل کو تھاما ان کا دامن تھام کے　　　　　　میرے دونوں ہاتھ نکلے کام کے

(مفتیِ اعظم کی استقامت وکرامت، ص: ۱۷۴)

(۶)　کشف کی دوسری مثال :

حضرت علامہ قاضی عبد الرحیم صاحب مفتی مرکزی دار الافتا بریلی شریف آپ کی ولایت وروشن ضمیری کے سلسلے میں آپ بیتی واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

> ''ناگ پور کے ایک سفر میں خدمت کفش برداری کا شرف حاصل ہوا۔ پروگرام کی کثرت اور خدمتِ دین میں انہماک کے سبب بہت کم وقت ملتا تھا۔ اس سبب میں اپنے معمولات کو روزانہ پورا نہ کر پاتا تھا اور معمولات میں ناغہ ہو جاتا تھا جس کے سبب طبیعت کو تکدر رہتا تھا۔ غالباً تلی گاؤں سے آروی کے لیے بذریعہ کار روانگی ہوئی، جمعہ کی نماز آروی میں پڑھنے کا پروگرام ہوا۔ حضرت قبلہ (مفتیِ

اعظم) کے پاس ہی بیٹھا ہوا اپنے دل میں خیال کر رہا تھا کہ حضرت قبلہ کے ہم راہ یہ اچھا سفر ہوا کہ تمام معمولات چھوٹ گئے اور ناغہ ہو گیا۔ فوراً حضرت قبلہ میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: پان دیجیے۔ میں نے پان ڈبیہ سے نکال کر پیش کیا۔ فرمایا: اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے مجھے تو ایک ہی وظیفہ بتایا تھا اور فرمایا تھا: جب کچھ نہ پڑھ سکو تو اس کو پڑھ لیا کرو۔ میں بھی کرتا ہوں۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ حضرت قبلہ کو میرے قلب پر اطلاع ہو گئی اور اسی خیال کا جواب ارشاد فرما رہے ہیں۔ اس دن سے میں اور زیادہ باادب و محتاط رہنے لگا۔ اس واقعہ کے بعد مجھے کلی طور پر اطمینانِ خاطر ہو گیا کیوں کہ میں دعا کو روزانہ پڑھ لیا کرتا تھا۔ (غالباً وہ وظیفہ یہ ہے: فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ يُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ۔" (ایضاً ص:۱۷۵)

(۷) کشف کی تیسری مثال:۔

بقیۃ السلف، تاجدارِ اہلِ سنت علامہ اختر رضا (ازہری میاں) قبلہ دامت برکاتہم العالیہ ارشاد فرماتے ہیں: آخری عمر میں حضرت کا کشف بہت بڑھ گیا تھا اور میں نے سفر میں بھی اکثر حضرت کے کشف کا مشاہدہ کیا ہے۔ اپنے ہی ساتھ گزرا ہوا ایک کشف کا واقعہ بیان کر رہا ہوں:

دار العلوم امجدیہ ناگپور کے سنگ بنیاد کے موقع پر چندہ ہو رہا تھا، میں نے اپنا روپیہ اپنے بکس میں رکھ دیا تھا، اب سوچا، اس وقت روپے ہوتے تو میں بھی اس میں کچھ حصہ لیتا۔ ابھی یہ خیال دل میں آیا ہی تھا کہ حضرت نے اپنی جیب سے دو سو روپے نکال کر دیے اور فرمایا: یہ اختر میاں کی طرف سے ہے۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ حضرت کو بذریعۂ کشف میرا خیال معلوم ہو گیا۔ (ایضاً ص:۱۷۶)

(۸) گردن جھکائی اور غائب کا حال بتا دیا:

غالباً ۷۶-۱۳۷۵ھ کے عرسِ رضوی کا موقع تھا۔ ایک صاحب بمبئی سے مفتیِ اعظم قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ فلاں صاحب نہیں آئے۔ ان صاحب نے جواب دیا کہ حضور اس سال وہ کسی الجھن میں مبتلا ہیں، حاضر نہیں ہو سکیں گے معذرت عرض کی ہے۔ حضور مفتیِ اعظم نے سکوت اختیار کر لیا، چند منٹ بعد حضرت نے فرمایا: وہ حضرت بریلی کے بس اڈے پر آ گئے ہیں۔ اور تھوڑی دیر بعد لوگوں نے دیکھا کہ واقعی وہ حاضر ہوئے اور دست بوسی کی۔ (ایضاً ص:۱۷۶)

(۹) پس مرگ ہاتھوں کی حرکت:

ابو فراز صاحب اپنے "کتابچہ سفرِ آخرت" (یعنی حضور مفتیِ اعظم علیہ الرحمۃ الرضوان کے وصال سے تدفین تک کا آنکھوں دیکھا حال) میں بیان فرماتے ہیں کہ: "مجھے افروز صاحب نے بتایا ہے، جب حضرت کو غسل دیا جا رہا تھا، سہواً پردے کی چادر جسمِ مبارک سے ذرا سی ہٹ رہی تھی۔ حضرت کے ہاتھوں کو جنبش ہوئی اور انگلیوں سے چادر کا کونا پکڑ لیا تاکہ جسمِ اطہر کی ستر نمائی نہ ہو۔ اس کے مشاہدین کافی تعداد میں ابھی موجود ہیں۔ (سفرِ آخرت، ص:۲۴)

تاجدارِ اہلِ سنت کی روحانیت :

تاجدارِ اہلِ سنت حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کو نورِ علم و حسنِ عمل کے ساتھ ساتھ چہرے کی وجاہت و دلکشی اور رعنائی قدرت کی طرف سے ایسی ملی تھی جس کی زیارت کے بعد خدا یاد آ جاتا تھا۔ قلوب کھنچے جاتے تھے، اصحابِ دل دیکھنے کو ٹوٹ پڑتے تھے، زبان پکار اٹھتی تھی: یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جو بجائے خود کرامت اور خاصانِ خدا کا خاصہ ہیں اور جو روحانیت و بزرگی کے حصول کے بعد ہی جلوہ ریز ہوتی ہیں۔ آپ کی روحانیت و دلکشی کا ذکرِ جمیل کرتے ہوئے بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب قبلہ اعظمی اپنے مقالہ ''مفتی اعظم کا تقویٰ اور متشرع زندگی'' میں رقم طراز ہیں:

> ''میں یہاں کسی جوان العمر شخصیت کی دل کشی کا ذکر نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو ایک ایسی شخصیت کا ذکر کر رہا ہوں، جس میں یہ دل آویزی، یہ جمال اور یہ دلکشی اس کی روحانیت و بزرگی نے پیدا کی تھی...... یہ ان کی شخصیت کی دلکشی ہی تھی جس نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ زندگی میں انھیں سیکڑوں بار دیکھا اور مختلف حالتوں میں دیکھا۔ مگر جب دیکھا، جمال، وقار، حسن اور دلکشی کا مرقع دیکھا۔ اور جس حال میں دیکھا ان کی ہر ادا دل کو بھاتی رہی..... قامت کی دل کشی، ناک و نقشہ اور چہرہ مہرہ کی دلربائی، رنگ و روغن کے حسن، اعضا کی موزونیت، عادات و اطوار کی لطافت اور شخصیت کی دل آویزی کے بارے میں اگر کسی جوان العمر انسان کا ذکر کیا جائے تو بات قرینِ قیاس ہے۔ لیکن یہاں ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جو عمر کی اسّی منزلیں طے کر چکا تھا، سارے بال سفید ہو گئے تھے، قامت کا وہ تناؤ جو جوانی کے ساتھ مخصوص ہے، ختم ہو چکا تھا اور جسم کی کھال کہیں کہیں سے سکڑی معلوم ہوتی تھی۔ ان سب کے باوجود حال یہ تھا کہ جس راستے سے گزر جائیں دیکھنے والوں کی بھیڑ لگ جائے، جس محفل میں بیٹھ جائیں لوگ ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہ جائیں، جس سے مصافحہ کرلیں وہ اپنی سعادت تصور کرے۔''

ایک دفعہ کلکتہ سے واپسی میں ہوڑہ اسٹیشن پر حضرت کا ساتھ ہو گیا۔ کچھ لوگ پہنچانے کے لیے بھی آئے تھے۔ گاڑی میں ابھی دیر تھی اور بوگیاں ساری بھر گئی تھیں، اس لیے زمین پر ہی حضرت کے لیے فرش بچھا دیا گیا، پھر کیا تھا، سیکڑوں مسلموں اور غیر مسلموں نے حضرت کو گھیر لیا تھا۔ کبھی کی دید نہ شنید، نہ تعارف، مگر ہر انجان، جاننے کی کوشش کر رہا ہے کہ کون بزرگ ہیں؟ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ کہاں آئے ہیں اور کہاں جائیں گے؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

صداقت ہو تو دل سینوں سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ　　　　حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی۔

(تجلیاتِ رضا، تاجدارِ اہلِ سنت، ملخصاً)

صورت دیکھ کر غیر مسلم کا اسلام قبول کرنا :

ایک مرتبہ آپ ناگ پور جلسہ میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ کا شہرہ سن کر دور دور سے لوگ آپ کی زیارت کو آئے، بعض غیر مسلم بھی پہنچے۔ جلسہ اپنے وقت پر شروع ہوا اور حضور مفتی اعظم جلسہ گاہ میں آ کر بیٹھ گئے۔ معلوم نہیں ایک غیر مسلم کو مفتیِ اعظم کے اندر کون سی چیز نظر آئی، آپ کے جمالِ جہاں آرا، چہرۂ پُر انوار پر نظر پڑی اور پڑی کی پڑی رہ گئی، دل کی دنیا بدل گئی۔ اب تو ایک خدا رسیدہ

کی صورت دیکھ کر اسلام کی طرف اس کا دل کھنچا جارہا تھا۔ ولیِ کامل کے چہرہ کی دل کشی اور روحانیت کے پرتوِ جمیل میں ایسا کھویا کہ محو ہو کر رہ گیا۔ دل نے بے ساختگی میں کہا: یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا، اور زبان نے قابو پایا تو صرف اتنا نکل سکا: "بھائی یہ چہرہ بڑا خوبصورت لگتا ہے۔" اور جیسے ہی جلسہ ختم ہوا، آپ کے قدموں میں گرا اور کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ حضرت نے خود اس خوش بخت کا نام غلام محی الدین رکھ دیا۔

تیری صورت دیکھ کر مجھ کو خدا یاد آ گیا
اس سے ظاہر ہے تری شانِ ولایت السلام

(مفتیِ اعظم کی استقامت وکرامت، ص:۱۶۷)

جدارِ اہلِ سنت حضور مفتیِ اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی جانب لوگوں کا میلان، دلوں کی کشش، اور دنیائے سنیت کا ان پر پروانہ وار نثار ہونا عنداللہ وعندالرسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے محبوب ومقرب ہونے کی روشن دلیل ہے۔ رب تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا۔ (سورہ مریم، آیت:۹۶)

اس آیتِ کریمہ کے تحت صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ تفسیر "خزائن العرفان" میں تحریر فرماتے ہیں:

"بخاری ومسلم کی حدیث ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو محبوب کرتا ہے تو جبرئیل سے فرماتا ہے کہ فلاں میرا محبوب ہے، جبرئیل (علیہ السلام) اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر حضرت جبریل آسمانوں میں ندا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں کو محبوب رکھتا ہے، سب اس کو محبوب رکھیں تو آسمان والے اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ پھر زمین میں اس کی مقبولیت عام کر دی جاتی ہے۔"

بلاشبہ یہ رفعت وعظمت اور مقبولیت وروحانیت فضلِ ربانی اور انعامِ خداوندی ہے جو بعض ہی حضرات کو میسر ہوتا ہے۔

یہ رتبۂ بلند ملا، جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

☆☆☆☆☆

چھٹا باب

یہ باب در اصل مفتی اعظم کی زندگی کا سب سے نمایاں اور تابناک گوشہ ہے، اور یہ عین فطرت کے مطابق ہے کیوں کہ آپ کے والد گرامی امام اہل سنت بھی اس وصف خاص کے لیے مشہور زمانہ رہے۔ اسی طرح ان کے والد گرامی علامہ نقی علی خاں بھی علمائے دہر میں فن فتوی نویسی میں طاق رہے اور پھر ان کے والدگرامی حضرت رضا علی خاں بھی فقہ و فتاوی میں ضرب المثل رہے، گویا کسی خاندانی طبیب حاذق کی طرح فقہ و فتاوی بھی آپ کے یہاں خاندانی اور موروثی چلا آرہا ہے، فقہ، یا فقاہت کے تفصیلی مباحث اس باب کے اندرونی مقالات میں ملاحظہ کیجیے۔ اس ابتدائیہ میں تو صرف یہ ذہن میں رہے کہ تفقہ فی الدین رب قدیر کا عظیم ترین اور شاہ کار عطیہ ہے، رب قدیر جن بندوں کو اپنے بندوں کی راہ نمائی کے لیے منتخب فرماتا ہے، ان کو یہ جوہر و دیعت فرماتا ہے، اب نبوت و رسالت کا دروازہ بند ہوچکا ہے۔ساری شرائع منسوخ ہوچکی ہیں۔ اب صرف "سکۂ محمدی"کا چلن ہے، یہ سکہ عرصہ قیامت تک چلتا رہے گا۔مگر خدشہ یہ تھا کہ کہیں بہروپئے کھوٹے سکے بھی ان کھرے سکوں میں نہ ملا دیں اس لیے سکہ تو وہی رہا مگر اسے پرکھنے کے لیے کسوٹی کی ضرورت تھی، قدرت نے فقہ کو اس کی کسوٹی قرار دیا، اور فقہا کو اس کا جوہری، جب جب چور دروازوں سے دین محمد میں نقب لگانے کی سعی مذموم کرتے ہیں وقت کا فقیہ قلم لے کر اٹھتا ہے اور قزاقوں کے چہروں سے عیاریوں کا نقاب نوچ کر، حق کو واشگاف کردیتا ہے۔ مفتی اعظم کو اللہ تعالیٰ نے جوہر فقاہت سے مالا مال فرمایا تھا، ایک فقیہ کے لیےجن علوم کی ضرورت ہے آپ پوری طرح اس سے مسلح تھے، انتہائی نازک ترین وقت میں آپ نے جو جرأت مندانہ اور دانش مندانہ فیصلے لیے ہیں، آنے والے وقت نے اس کی صحت پر مہر تصدیق ضرورت ثبت کی۔ ایک زندہ نظر فقیہ صرف آج ہی کو دیکھ کر فیصلے نہیں سناتا بل کہ اس کی نظر نوشتہ دیوار پر بھی ہوتی ہے، جو فتنے لفظوں کے جھروکوں سے سوسال بعد بھی ابل کر تباہی پھیلاسکتے ہیں، فقیہ اسلام اس پر روز اول ہی قدغن لگادیتا ہے، اگلے مقالات میں مفتی اعظم کی فقاہت کے جو تذکرے اور تبصرے آپ کے حوالے کیے جارہے ہیں، اس میں جابہ جا یہ باتیں نظر آئیں گی، مفتی اعظم کی فقاہت اپنے دور میں مسلم الثبوت تھی، شرعی اور فقہی اصول کی روشنی میں کسی بھی فقیہ یا مفتی کی رائے سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، الغرض مفتی اعظم کا پایہ فقاہت اتنا بلند تھا کہ اس میں نقص یا خطا کا امکان دور دور تک نظر نہ آتا تھا اسی لیے آپ کے تمام معاصر فقہا نے آپ کے فقہی فیصلوں اور فتاوی کو احترام کی نظر سے دیکھا۔ فقیہ اسلام ماضی کی جزئیات سے آنے نسلوں کی زندگی کا سامان تلاش کرتا ہے، وہ اندھیروں میں روشنی کا مینار ہوتا ہے، مایوسیوں میں امید کی کرن ہوتا ہے، مفتی اعظم کی ذات اپنے دور میں اجالوں کا ایک شہر تھی، جس سے زمانہ نے اقتباس کیا، اس باب میں صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی، مفتی مطیع الرحمن مضطر پورنوی، علامہ شمس الہدیٰ مصباحی، اور مفتی صدر الوریٰ قادری جیسے اہل نظر کے مقالے کافی اہمیت کے حامل ہیں ان کے مطالعے سے قارئین کو ایک نئی روشنی حاصل ہوگی۔

مقبول احمد سالک مصباحی

مفتی اعظم کے ایک فتوے کا تقابلی مطالعہ

صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی اعظمی
صدر مجلس شرعی و صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

کسی شخصیت کے علمی فضل و کمال سے آشنائی کے لیے دو ہی طریقے زیادہ کارگر اور معتبر ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ خود اس کی علمی گفتگو سنی جائے اور مختلف موضوعات پر اس سے کلام کر کے اس کی وسعت نظر، استحضار اور علمی گہرائی کا اندازہ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اگر اس کے رشحاتِ قلم ہوں اور متعدد موضوعات پر اس کے مضامین و کتب دست یاب ہوں تو انھیں پڑھ کر اس کے علمی منصب و مقام کا تعین کیا جائے۔ ماضی کی شخصیات کے بارے میں یہی دوسرا طریقہ زیادہ استعمال ہوتا ہے، اور باوثوق سمجھا جاتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ زبانی فضل و کمال کا جو اجمالی تعارف و تذکرہ ہوتا ہے اس سے کسی محقق کی پوری تسکین نہیں ہوتی۔ خصوصاً اگر بیان کرنے والے افراد کا علم و کمال اور ثقاہت و تقویٰ اس کے نزدیک زیادہ قوی نہ ہو تو اس کے لیے اعتماد اور مشکل ہو جاتا ہے۔

ہم نے مفتی اعظم کی علمی مجلسیں تو بالکل نہ پائیں یا بہت ہی کم پائیں۔ اس لیے ہمارے لیے ان کی تصانیف اور ان کے رشحاتِ قلم ہی مشعل راہ کا کام کر سکتے ہیں، اور بحمدہٖ تعالیٰ جب ہم ان کا مطالعہ کرتے ہیں تو نہ صرف فقہ و فتویٰ بل کہ تفسیر و حدیث، عقائد و کلام، عربیت و بلاغت، حسنِ انشا و کمالِ تفہیم، حالاتِ زمانہ سے آشنائی اور حکمت و تدبیر جیسے بہت سے محاسن مفتی اعظم کی ذات میں یک جا نظر آتے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یا اس دعوے کی تصدیق کے لیے میں کچھ شواہد پیش کر رہا ہوں، تا کہ عام قارئین بھی مفتی اعظم کی جلالتِ شان سے کسی قدر روشناس ہو سکیں۔

فتوے کا کام کوئی نئی چیز نہیں، مفتی اعظم کے زمانے میں اور اس عصر سے پہلے اور بعد میں بھی یہ کام برابر ہوتا رہا ہے اور آج بھی جاری ہے مگر جب فتاویٰ کا تقابلی مطالعہ کیا جائے اور ہر مفتی کے خاص کمال کو گہری نظر سے دیکھنے کی کوشش کریں تو ہر ایک کا جو ہر نمایاں ہوتا ہے اور جو ان میں ممتاز ہے اس کی امتیازی حیثیت عیاں ہوتی ہے۔

حسنِ اتفاق سے مجھے ایک سوال ایسا ملا جس کا جواب مفتی اعظم کے ساتھ ان کے معاصر متعدد اربابِ فتویٰ نے رقم کیا ہے۔ ان جوابات میں جو فرق میں نے محسوس کیا وہ بیان کرنے میں اگر کامیاب ہو گیا تو کسی حد تک مفتی اعظم کے افتا کا کمال واضح ہو سکے گا۔

قصہ یہ ہے کہ تحریک خلافت کے دوران مسٹر ظفر بی اے کی ایک نظم بعنوان "نالۂ خلافت" کئی بار شائع ہوئی۔ پھر ۷ رجون ۱۹۲۵ء کے اخبار "زمیں دار" میں وہی نظم "فیصلۂ کفر و اسلام" کے عنوان سے دوبارہ چھپی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے خلیفہ و شاگرد مولانا سید احمد ابوالبرکات قادری رضوی قدس سرہٗ (۱۳۱۲ھ - ۱۳۹۸ھ) نے اس نظم کے تین اشعار سے متعلق مفتیانِ کرام سے استفتا کیا۔ اور ان کے جوابات شائع کیے۔ (بعض حضرات سے سوالات میں اس سے قبل کے بھی دو شعر ارسال کیے گئے تھے) اشعار یہ ہیں:

یہ سچ ہے کہ اس پہ خدا کا چلا نہیں قابو　　　مگر ہم اس بت کافر کو رام کرلیں گے
بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں　　　وہیں پہونچ کے ہم اس سے کلام کرلیں گے
جو مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی　　　خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے

ذوق ایمانی رکھنے والا ہر شخص ان اشعار کو سن کر ہی متنفر و بیزار ہو جائے گا۔ اور پکار اٹھے گا کہ یہ کسی ایمانی فکر و ذہن کی پیداوار نہیں ہے۔ اور شاعر حریم اسلام سے قدم باہر نکال چکا ہے۔ مگر جب ایک مفتی سے اس کے متعلق سوال ہوگا تو وہ محض اپنے ذوق کے حوالہ سے جواب نہیں دے سکتا، بل کہ عقل و استدلال کی کسوٹی پر پرکھ کر اور شرعی اصول پر ہر شعر کو جانچ کر واشگاف انداز میں دلائل و وجوہ کے ساتھ واضح کر کے اسے جواب دینا پڑے گا۔ اب آیئے دیکھیں کہ مفتیان کرام نے کیا جوابات تحریر فرمائے۔

(۱) مفتی مدرسہ ارشاد العلوم رام پور، مولانا ارشاد حسین مجددی نے ان تین اشعار اور ان سے قبل کے دو اشعار دیکھ کر جو حکم تحریر فرمایا ہے وہ ان کے الفاظ میں یہ ہے:

"صورت مسئولہ میں تیسرے شعر کا پہلا مصرعہ، اور چوتھا شعر، اور پانچویں شعر کا آخری مصرع لزوم کفر میں صریح ہے۔ اس وجہ سے کہ تیسرے شعر کے پہلے مصرعہ میں قائل خدائے تعالیٰ کے عاجز ہونے کی تصریح کرتا ہے۔ و ھل ھذا الا کفر صریح

اور چوتھے شعر کو بالفرض اگر تعریض پر محمول کیا جائے تب بھی ایسی تعریضیں کہ جن سے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی شان کی تنقیص مترشح ہو، اور اس کی تنزیہ و تقدیس کے خلاف ہوں قطعاً کفر ہیں۔ خدا خدا نہ ہوا اہل کہان یاوہ گو۔ اَلشُّعَرَاءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ (سورۂ شعراء ۲۶/ ۲۲۴) کے تعریضات اور تمسخر کا آلہ ہوگیا کہ کبھی کسی اکفر سے خدا کو تعبیر کر دیا، اور کبھی مشرک سے۔ کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۔ (سورۂ کہف ۱۸/ ۵) کجا حق سبحانہٗ وتعالیٰ، وحدہٗ لاشریک لہٗ معبود برحق اور کجا رام و لچھمن کہ جو دو شخص اہل ہنود کے معبود باطل، جن کو وہ نعوذ باللہ خدا مانتے اور جانتے ہیں۔

مؤخر الذکر تین شعروں کے بعض الفاظ صریح کفر ہیں۔ اور شرعاً حکم کفر اس پہ ہوتا ہے، جس پر صراحۃً قائل کا لفظ دلالت کرے، اگرچہ قائل نے قصد کفر نہ کیا ہو۔"

مذکورہ اشعار کے حکم میں کل اتنی ہی بات ہے جو اس فتوئی میں لکھی گئی ہے۔ اور قائل پر حکم کی صراحت قید تحریر میں نہ آئی۔ ہاں ابتدائی تمہید اور بعد کی عبارتیں ایک ساتھ ملانے کے بعد یہی متعین ہوتا ہے کہ صاحب فتوئی کے نزدیک ان اشعار کے قائل کی تکفیر ہی ہوگی۔ وجہ کفر میں صرف ایک بات واضح طور پر بیان کی گئی کہ پہلے مصرعہ میں قائل نے خدا کے عاجز ہونے کی تصریح کی ہے۔ اس کے باوجود یہ فرمایا ہے کہ "لزوم کفر" میں صریح ہے۔ اور بطور ابہام یہ لکھا ہے کہ تین شعروں کے بعض الفاظ صریح کفر ہیں۔ جب کہ ان الفاظ کی صراحت اور وجہ کفر کی وضاحت کے لیے قاری کی جستجو اور دریافت کو سخت تشنگی محسوس ہوتی ہے۔

(۲) دوسرا فتوئی پاکستان کے مشہور عالم مولانا عبدالکریم درس مفتی کراچی کا ملاحظہ ہو۔ ان کے پاس مذکورہ تین اشعار اور اس سے قبل کے دو اشعار ارسال ہوئے تھے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

"نیچے کے تینوں شعر متوازی بکفر و محتوی ارتداد ہیں۔ ان تینوں شعروں میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا حقیقی معنی

مہجور یا محذر یعنی ایسا متروک الاستعمال ہو جس میں تاویل کی گنجائش ہو۔ تیسرے شعر کے جملہ "یہ سچ ہے" سے شائبہ تک بھی دور ہو گیا۔ اور نعوذ باللہ من سوء ذاک الاعتقاد، خالق کا اپنی مخلوق پر قابو نہ چلنے کی تحقیق اور تاکید ہو گئی اور آیہ کریمہ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (سورۂ ہود ۱۱/ ۴) سے صاف صاف انکار ہو چکا۔ وھذا کفر صریح۔

اور دوسرے مصرعہ میں ذاتِ خداوندی پر اپنی ندیت ثابت کی ہے۔ خاک بدہنِ قائلش۔

چوتھے شعر کے پہلے مصرع سے اس موجود حقیقی کا کعبہ سے خلو، اور لندن کو اس لامکان ذات کا مکان اور مقام قرار دینا کفر نہیں تو اور کیا ہے؟

اور دوسرا مصرعہ پہلے مصرع کا مؤید یعنی "وہیں پہنچ کر ہم اس سے کلام کریں گے۔" اور "کلام کریں گے" سے کلیم اللہ بنا سب سفسطہ اور الحاد ہے۔

پانچویں شعر میں آیہ کریمہ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ (سورۂ فاطر ۳۵/ ۱۹) کا انکار ہے۔ مولوی اور مالوی یعنی مومن اور کافر عارف اور اجنبی یعنی غیر عارف، دونوں مسٹر ظفر کے سامنے برابر ہیں۔ مالوی ۔ مولوی تو مولوی ایک فاسق مسلم کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ ان شعروں کا قائل کافر اور مرتد ہے۔ اِلَّا اَنْ یَرْجِعَ وَ یَتُوْبَ"

اس فتویٰ میں وجوہ کفر کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہ کہنا کہ مخلوق پر خالق کا قابو نہ چلا (۲) اپنے کو ذاتِ الٰہی کا مساوی و مقابل ٹھہرانا (۳) ذات لامکان کے لیے مکان قرار دینا (۴) کلیم اللہ بننے کا دعویٰ اور خیال (۵) مومن اور غیر مومن کو یکساں قرار دینا اور دونوں میں فرق نہ جاننا

ساتھ ہی قائل کا حکم آخر میں واضح کر دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ فتویٰ پہلے فتوے سے زیادہ وقیع اور تشفی بخش ہے۔ بیان مع اجمال اور عربی الفاظ کے، کثرت سے استعمال کی شکایت کی جا سکتی ہے۔ وہ غالباً اس وجہ سے ہے کہ مفتی خود ہی زبردست عالم ہیں۔ بہر حال بحیثیت مجموعی پہلے فتوے سے یہ بدرجہا واضح و جامع ہے۔

(۳) تیسرا فتویٰ مولانا محمد ابراہیم قادری مدرس اول دار العلوم شمس العلوم بدایوں کا ملاحظہ ہو وہ لکھتے ہیں:

"فقہائے کرام علیہم الرحمہ نے فرمایا کہ جو شخص خدائے تعالیٰ کو معاذ اللہ ایسے وصفوں سے متصف کرے کہ اس کے لائق نہ ہوں، یا خدائے تعالیٰ کو جاہل، عاجز ٹھہرائے، یا اس کے نام کے ساتھ تمسخر کرے اور اختیاراً ایسا قول کہے (و تعریضاً نقلاً نہ ہوں) اگر چہ کہنے والا اسے کفر نہ جانے، اور اس کا اعتقاد نہ رکھے۔ وہ شرعاً ایسے قول کی بنا پر کافر ہو جاتا ہے۔"

اس بیان کی مؤید عبارتیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"جو شخص نثراً نظماً یہ کہے کہ خدا کا اس بت کافر پر قابو نہ چلا مگر میں اس کو مطیع کر لوں گا یا خدا، خدا کی جگہ رام رام باتباع فلاں کافر کر لوں گا تو یہ کلمات صریحاً کفر کے ہیں۔ جس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ اگر چہ کہنے والا اعتقاد نہ رکھے۔

اس فتویٰ کی تمہید میں چند وجوہ کفر ذکر کرنے کے بعد ان کے قائل کا حکم بیان کیا اور اس کی تائید میں کتب فقہ کی عبارتیں پیش کر دیں۔ آخر میں شعر سے متعلق کفر کی دو وجہیں تحریر کیں۔ ایک خدا کو عاجز اور اپنے کو قادر بتانا۔ دوسری خدا کی جگہ بہ اتباع کافر رام رام کرنا۔ ان سب کو کفریہ کلمات بتایا۔ اور قائلِ خاص کا حال غالباً تمہید فتویٰ کی روشنی میں فہم ناظرین پر چھوڑا۔

بہر حال اس میں دو وجہیں بہت صراحت کے ساتھ بیان کیں۔ اور قائل کا حکم بھی کسی قدر ظاہر کر دیا۔ اگر چہ بہ الفاظ خویش صراحت

نہ کی۔ اس لحاظ سے یہ فتویٰ پہلے فتوے سے بہتر اور دوسرے فتوے سے کم تر ہے۔

(۴) چوتھا فتویٰ امام احمد رضا قدس سرہٗ کے سچے اور جاں نثار حامی، ہمارے مخدوم گرامی حضرت مولانا سید اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی سجادہ نشین سرکار مارہرہ شریف رحمہ اللہ تعالیٰ ورحمنا بہ کا ہے۔ ان کی ابتدا اشگاف اور واضح وغیر مبہم ہے۔ اور جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس میں کسی شہرت گیر اخبار کے ایڈیٹر کے ادنیٰ سے ادنیٰ پاس و لحاظ سے بہت دور ہو کر دین و ایمان اور حقیقت و حقانیت کی پاسداری کا جذبہ بہت عیاں ہے۔ جو اس خاندان والا شان کی ہر دور میں نمایاں روایت رہی ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ آج بھی جاری ہے۔ رقم طراز ہیں:

"شعر ۲ یقیناً قطعاً کفر خالص ہے۔ اس میں نہایت صاف واضح الفاظ میں خدا کو عاجز کہا۔ اور عاجز بھی کیسا کہ جس "بت کافر" پر بقول اس شاعر کافر کے خود یہ قادر ہے۔ خدا کا اس پر کچھ بس نہیں چلا۔ اور یہ خدا کی طرف عجز کی نسبت، اور وہ بھی ایسی، یقیناً قطعاً اجماعاً کفر خالص ہے۔

اس کے بعد تائیدی عبارتیں نقل کی ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:

"یہ شعر اپنے اس معنی کفری میں نہایت واضح و صاف، متعین، ناقابل [illegible] توجیہ ہے۔ جس میں کسی ایسی تاویل کی جو اسے کفر سے نکال سکے اصلاً گنجائش نہیں۔ نہ ایسے کفر صریح میں ادعائے تاویل مقبول و صحیح۔"

پھر شفاء و نسیم الریاض کی عبارتیں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اس شاعر کے خسار و بوار کے لیے اس کا بھی ایک ملعون شعر کیا کم تھا کہ اس نے آگے اور کفر بکا۔ اور شعر ۳ کے پہلے مصرعہ میں مشرک کو اپنا رہبر و رہنما، ہادی و پیشوا بنانے کی اپنی مشرک پرستی کو ایک تعلیق موہوم کی بے معنی آڑ کے ساتھ ظاہر کرنے کے بعد دوسرے مصرعہ میں صاف صاف کہہ دیا کہ ؏ خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے۔

اس مشرک پرستی پر تو ردِ کامل علمائے اہل سنت کے رسائل میں ہے۔ یہاں کہنا یہ ہے کہ اس دوسرے مصرع میں کلمۂ اسلام خدا خدا کو ایک کلمۂ کفر رام رام سے مساوی ماننا اور اس کلمۂ اسلام کو چھوڑ کر اس کلمۂ ملعونہ، یعنی رام رام کو اختیار کرنا ہے۔ اور یہ دونوں یقیناً کفر ہیں۔

کفر و اسلام کے مساوی [illegible] نے کا کفر ہونا تو بدیہی ہے۔ اور رام کے معنی ہیں "رما ہوا، سمایا ہوا" اور خدا کو کسی چیز میں رما ہوا جاننا یقیناً کفر ہے۔ (پھر عبارت اعلام ابن حجر و حوالۂ شفا)

اور کفر اس وقت کرے یا آئندہ اس کے کرنے کا ارادہ کرے بہر حال اسی وقت کافر ہو جائے گا۔" (بعدہ عبارت ہندیہ عن الخلاصہ)

اس فتوے میں شاعر کا حکم بھی واضح ہے اور وجوہ کفر بھی تحقیقی طور پر صاف صاف بیان کی گئی ہیں۔ الفاظ بھی سلیس، اکثر عام فہم دو ٹوک اور واضح و غیر مبہم استعمال کیے گئے ہیں۔

غور فرمائیں درج ذیل وجوہ کفر کو کس عمدہ طریقہ پر ثابت فرمایا ہے۔

۱) خدا کی طرف عجز کی نسبت، بلکہ صراحۃً عاجز کہنا، وہ بھی اس حد تک کہ جس پر خود یہ شاعر قادر ہے وہ اس سے عاجز ہے۔

۲) مشرک کو اپنا ہادی و پیشوا بنانا۔ جس کی تفصیل رسائل علمائے اہل سنت کے حوالہ کی۔

۳) کلمۂ اسلام کو کلمۂ کفر کے مساوی ماننا۔
۴) کلمۂ اسلام چھوڑ کر کلمۂ کفر اختیار کرنا۔
۵) خدا کو کسی چیز میں رما ہوا سمجھنا۔

یہ پانچ وجہیں اس فتوے سے عیاں ہیں۔ اور جیسا کہ راقم نے اخذ کیا۔ مولانا عبد الکریم درس علیہ الرحمہ کے فتوے سے بھی پانچ وجہیں دریافت ہوتی ہیں پہلی وجہ تو وہی ہے جو ہر فتوے میں بیان کی گئی ہے۔ باقی چار وجہیں الگ ہیں۔

۲) اپنے کو ذات الٰہی کا مساوی و مقابل ٹھہرانا۔ ۳) ذات لامکاں کے لیے مکان قرار دینا۔
۴) کلیم اللہ بننے کا دعویٰ ۵) مومن و غیر مومن کو یکساں قرار دینا۔

اگر چہ یہ وجہیں مولانا سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی علیہ الرحمہ کے طرز تحقیق اور انداز بیان کے ساتھ بہت واضح طور پر نہیں لکھی گئیں۔ مگر ان کے کلام سے یہ وجہیں آسانی سے اخذ کی جا سکتی ہیں۔ تاہم تعداد وجوہ برابر ہے۔ اور فتوائے مارہرہ کی زبان و بیان کا کمال، اظہار حق میں صراحت و جسارت کا جلال، شعر کے فہم و تفہیم کے ساتھ بعض الفاظ کی تحقیق اور وجوہ کفر پر کتب علما کی تائید کا حسن و جمال اپنی جگہ عیاں ہے۔

(۵) اب آیئے امام احمد رضا قدس سرہٗ کے فرزند جلیل مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا قدس سرہٗ کے فتوے پر نظر ڈالیں جنھوں نے فتوے کے گھر میں آنکھیں کھولیں۔ فقہ و کلام کی باریکیوں کے حل میں طالب علمی کا زمانہ بسر کیا اور یہ عہد ابھی سر بھی نہ ہوا تھا کہ افتا کا آغاز کر دیا۔ اور والد گرامی کی اجازت افتا اور عطا کردہ مہر سے سرفراز ہوئے۔ در اصل اسی فتوے کے لیے ساتھ چار فتوے بھی مکمل پاس ادب کے ساتھ نقل کیے گئے۔ تقابلی مطالعہ کا کام ہی کچھ ایسا پیچیدہ ہے کہ بہت سے قابل قدر اور اپنی اپنی جگہ عظیم و جلیل رشحات قلم پر [illegible] گزارتے ہوئے ہر ایک کے درجہ و مقام کو متعین کرنا فرائض میں داخل ہو جاتا ہے۔ مگر ان شاء اللہ المولی الرؤف الکریم ہم کسی حال میں اکابر کے ادب و احترام کا دامن ایک لمحہ کے لیے بھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے دیں گے۔ وھو الموفق و خیر معین۔

اس فتوے پر بیس جلیل القدر علما کی تصدیقات بھی ہیں، جن میں درج ذیل ہستیاں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

(۱) صدر الشریعہ ابو العلا مولانا محمد امجد علی اعظمی (۲) صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی (۳) شیر بیشۂ اہل سنت حشمت علی خاں قادری لکھنوی (۴) مولانا سید غلام قطب الدین سہسوانی سہیلی ہند (۵) مولانا مفتی محمد غلام جان قادری [illegible] (۶) مولانا معوان حسین احمدی مجددی (۷) مولانا محمد اسماعیل محمود آبادی (۸) مولانا حسنین رضا قادری بریلوی (۹) مولانا [illegible] میرٹھی (۱۰) مولانا تقدس علی رضوی بریلوی، علیہم الرحمہ

مستفتی کی حیثیت سے نائب ناظم حزب الاحناف لاہور، جناب محمد الدین کاٹھ مرچنٹ کا نام ہے اور صرف تین اشعار [illegible] سے متعلق سوال کیا گیا ہے کہ کفریات کا تعلق انھیں تین سے ہے۔ صورت سوال یہ ہے:

”آیا یہ اشعار شرعاً درست ہیں یا خلاف شرع ہیں۔ در صورت ثانی شاعر کا کیا حکم ہے؟ ہمارے دیار کے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ان اشعار کا مفہوم کفر و الحاد ہے۔ اور قائل پر تجدید اسلام اور تجدید نکاح لازم اور جس طرح ان اشعار کی اشاعت عام ہوئی اسی طرح توبہ نامہ کی اشاعت بھی واجب ہے۔
بعض شعرا کا خیال ہے کہ ان اشعار کا مفہوم کفر نہیں، پس جناب کی خدمت میں گزارش ہے کہ اشعار ذیل کے

مفاہیم پر غور فرما کر جو حکم شرع شریف ہو اسے دلائل فقہیہ سے مزین بہ مواہیر فرما کر پتہ ذیل پر حتی الوسع جلد واپس فرمائیں۔"

خاص ان اشعار سے متعلق جواب سات صفحات پر مشتمل ہے اور درمیان میں علمائے دین کے خلاف عوامی غوغا آرائیوں اور نئی روشنی، نئی تہذیب کے بے جا تجدد پسند اور فرقہ نیچریہ کے اضلال واغوا اور کید وافترا کا رد ہے۔

چوں کہ فتویٰ بہت تفصیلی ہے اس لیے یہاں اس کی تلخیص اور تقابلی مطالعہ کے طور پر ضروری تحلیل سے کام لیا جارہا ہے۔

ابتداءً چند مثالوں کے ساتھ واضح کرتے ہوئے یہ رقم فرمایا ہے کہ:

"اے عزیز! یہ کیا پوچھتا ہے کہ یہ اشعار درست ہیں یا خلاف شرع؟..... ارے برادر دینی یہ پوچھ کہ کیسے اخبث واشنع کفریات ہیں، جن میں شائبہ بھی ایمان کا نہیں، اور جو ان کے کفر ہونے اور ان کے قائل وقابل کے کافر ہونے میں شک کرے اس کا کیا حکم ہے؟ بل کہ درحقیقت تو بات پوچھنے کی یہ بھی نہیں کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ قطعاً کفر ہیں، یقیناً کفر ہیں۔ فالعیاذ باللہ تعالیٰ

بے شک ان اشعار کا قائل وقابل کافر، اور جو اس کے کفر و مستحق عذاب ہونے میں ادنیٰ شک کرے وہ بھی اسی کا ساتھی۔"

ان الفاظ سے قول اور قائل اور ان کے حامی وموافق سبھی کا حکم پہلی نظر میں ہی واضح ہو جاتا ہے۔ تفصیل اور دلائل کا نمبر اس کے بعد آتا ہے۔ یہ وہ طرز افتا ہے جو امام احمد رضا کے فتاویٰ میں عام طور سے ملتا ہے۔ والولد سر لابیہ

ساتھ ہی ان سطور کے تیور سے عیاں ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ کی بارگاہ منزہ ومقدس میں جسارت و بے لگامی اور گستاخی و بدکلامی کس قدر شنیع وقبیح ہے۔ جس کے بعد انسان کی ذاتی شان وشوکت اور وجاہت وشہرت شریعت مقدسہ کی عدالت عالیہ اور علمائے ربانیین کی بارگاہ حق پسند میں ذرا بھی پاس ولحاظ کے قابل نہیں رہ جاتی جیسے دنیاوی کچہریوں میں قتل ناحق کا یقینی مجرم، یا کسی شاہی حکومت میں پاک وصاف بادشاہ پر غلط بہتان وافترا کرنے والا باغی یا خلاف تہذیب گالیاں دینے والا بے باک، یا ایسے کسی سلطان کا قاتل پوری حکومت میں کسی کے نزدیک قابل رحم ولائق حمایت نہیں قرار پاتا اور ہر شخص اس کے خون سے زمین کا چہرہ رنگین کر دینا سراسر عدل وانصاف تصور کرتا ہے۔ یہی حال ان افراد کا ہوتا ہے جو خدا کی تنزیہ وتقدیس اور اس کی اطاعت ووفاداری کا قلادہ گردن میں ڈال لینے کے بعد اس پاک وبے عیب ذات واحد کی شان اقدس میں یاوہ گوئی یا اس کے باجبروت قانون عام کی کھلی ہوئی خلاف ورزی و بغاوت اور اس کی حکومت میں رہ کر اس سے بے وفائی پر اتر آتے ہیں۔ یقیناً یہ کوئی زیادتی یا ناانصافی نہیں۔

نئی روشنی کے بے جا تجدد پسندوں کو شاتمان خدا ورسول کی یہ حیثیت شاید آفتاب کی روشنی میں بھی نظر نہیں آتی، یا دماغوں کی صائب روشنی سے عاری ہو چکے ہیں۔ اس لیے مذکورہ بالا قسم کے دنیاوی فیصلوں کو تو حق وانصاف سمجھتے ہیں مگر اس سے زیادہ بڑے جرم پر شرعی فیصلوں کو طعن وتشنیع سے یاد کرنا اپنے ذہن ودماغ کا کمال اور اپنی زبان وقلم کا ہنر سمجھتے ہیں۔ جب کہ یہ سراسر ناانصافی، بددماغی اور بدزبانی ہے خدا عقل سلیم سے نوازے اور حق کو حق، ناحق کو ناحق دکھائے۔

اب آئیے یہ دیکھا جائے کہ فتوے کی ابتدائی سطور کی تفصیل اور ان کی دلیل میں کیا لکھا گیا ہے؟

ابتدائی سطور چند باتوں پر مشتمل ہیں۔ (۱) قول کا حکم (۲) قائل کا حکم (۳) اس قول کو ماننے والے اور قبول کرنے والے کا حکم

(۴) قائل و قابل کے کفر میں شک لانے والے کا حکم۔ اس لیے تفصیل اور دلیل میں بھی ان سب سے بحث ناگزیر ہے۔ دیگر فتاویٰ سے اس فتویٰ کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ یہ صرف قول و قائل ہی نہیں بل کہ ذکر شدہ چاروں امور کا احاطہ کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو تحریر فرماتے ہیں:

''شعر اول کے دونوں مصرعے کفر خالص ہیں۔ (۱) پہلے میں صاف تصریح کی کہ اس بت پر خدا کا قابو نہ چلا۔

(الف) یہ اللہ عزوجل کی کھلی توہین اور اس کی قدرت عظیمہ، کاملہ، کریمہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ کا ردو انکار ہے کہ ایک شی ایسی بھی ہے جس پر خدا کو قدرت نہیں اور اس پر اس کا قابو نہیں اور وہ اس سے عاجز رہا۔

(ب) یہ سرے سے الوہیت کا انکار ہوا کہ جو عاجز ہو خدا ہی نہیں ہو سکتا۔ تو مصرعۂ خبیثہ لعینہ کے قائل نے الوہیت ہی کا حقیقۃً انکار و ابطال کیا۔ تو بے شک وہ، اور جو اسے قبول کرے وہ، ہر مسلمان کے نزدیک کافر ہوا۔ اور جو ایسے کو کافر نہ جانے یا اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر کہ پہلے نے کفر کو کفر نہ جانا۔ الوہیت ہی کا انکار اگر کفر نہ ہوا تو اور کیا کفر ہوگا۔ ایمان کو ایمان جیسا جاننا ضرور ہے۔ یوں ہی کفر کو کفر جاننا، جو کفر کو کفر نہ جانے گا وہ ایمان کو کیا جانے گا کہ تعرف الاشیاء باضدادھا (چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں) اندھا روشنی کی قدر کیا جانے گا۔ اور دوسرے نے شک کیا۔ اور کفر کے کفر ہونے کی تصدیق ضروری ہے تو شک اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے کہ تصدیق ہی کا نام ایمان ہے اور وہ بہ حالت شک ناممکن۔

(۲) اور دوسرے مصرعہ میں برملا اپنے آپ کو خدا سے زائد قدرت والا بتایا تو اس کا مرتبہ گھٹایا اور اپنا رتبہ اس سے بڑھایا۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ کتنا خبیث تر کفر ملعون ہوا۔

اس دوسرے مصرع میں اپنی الوہیت کا اثبات کیا، پہلے مصرعہ میں خدا کی الوہیت سے اسی لیے انکار کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ مطلب یہ ہوا کہ لوگ جسے خدا کہتے ہیں اور اس کی قدرت بہت عظیم مانتے ہیں اور اسے ہر شی پر قادر جانتے ہیں۔ ہم سچ کہتے ہیں کہ ایک چیز ایسی ہے کہ اس سے وہ عاجز رہا۔ وہ اسے اپنی قدرت سے دبا تا رہا۔ مگر اس کا اس پر قابو نہ چلا تو وہ خدا نہ ہوا کہ خدا عاجز نہیں ہوتا۔

اور ہم اس چیز کو بھی رام کرلیں گے، جس پر لوگوں کے خدا کا قابو نہ چل سکا، اور جس سے وہ عاجز رہا، کسی طرح اسے رام نہ کرسکا۔ تو ہم ہر شی پر قادر ہوئے تو ہم خدا ہوئے نہ کہ وہ عاجز جسے لوگوں نے خدا بنالیا۔ والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالیٰ۔

کیا کوئی مسلمان اس کے کفر ملعون ہونے میں ادنیٰ شک لائے گا۔ بے شک ہر مسلمان کہے گا کہ یہ کفر ہے اور اس کا قائل و قابل کافر۔

(۳) یوں ہی اس کا وہ دوسرا شعر

بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں وہیں پہنچ کے ہم اس سے کلام کرلیں گے

کفر خالص ہے۔ (۱) مسلمانوں کا دین مقدس اسلام، اللہ کو جسم و جسمانیات سے پاک بتاتا ہے۔

(الف) مکان جسم ہی کے لیے مخصوص ہے تو اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے وہ جسم نہیں۔ (ب) مکان مخلوق ہے وہ خالق ہے۔ (ج) مکان حادث ہے وہ قدیم ہے۔ (د) مکان جسم کو محیط ہوتا ہے اور اللہ اس سے پاک ہے کہ کوئی شی اس کا احاطہ کرے وہ اپنے علم و قدرت سے ہر شی کو محیط ہے۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ مُّحِيْطٌ۔

اور شاعر لندن کو خدا کا مکان بتاتا ہے۔ تو خدا کو مجسم جانتا ہے اور لندن کو اسے محیط مانتا ہے جب تو کہتا ہے کہ خدا آج کل کعبے میں نہیں، لندن میں ہے۔ بے شک وہ اہلِ اسلام کے نزدیک کافر ہے۔ اللہ و رسول کے نزدیک کافر ہے۔ باوجودیکہ مسلمان کعبۂ معظمہ کو، بلکہ ہر مسجد کو، اس لیے کہ وہ خالصاً اللہ ہی کی ملک ہیں۔ بیت اللہ کہتے ہیں، مگر جو کعبۂ معظمہ کو اللہ کا مکان اور اللہ تبارک و تعالیٰ کو اس کا مکین مانے ان کے نزدیک کافر ہے۔ یوں ہی اللہ عز و جل زمان سے بھی پاک ہے کہ زمانہ بھی حادث و مخلوق ہے۔

(۲) اور یوں بھی کہ اس نے کعبۂ معظمہ سے لندن کو بڑھایا۔ کعبۂ مقدس کی توہین کی۔ مگر جو ربِ کعبہ کی ایسی شدید توہین و تنقیص کر چکا ہو ایسے سے اس کی کیا شکایت۔ مَا عَلیٰ مِثْلِهٖ يُعَدُّ الْخَطَا ۔ (ایسے کی خطا کی کیا گنتی؟ کیا شمار؟)

(۳) یوں ہی اس کا تیسرا شعر کھلا الحاد و زندقہ ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ (الف) مولوی و مالوی اس کے نزدیک برابر ہیں۔ (ب) خدا اور رام ایک ہیں (ج) کفر و اسلام میں کچھ فرق نہیں (د) اس کے نزدیک خدا خدا نہ کیا رام رام کرلیا بات ایک ہی ہے۔ حاصل وہی ہے۔ حالاں کہ ہرگز خدا رام نہیں اور ہرگز رام خدا نہیں۔ (ہ) مشرکین کا مذہب نامہذب ہے کہ خدا ہر چیز میں رما ہوا، سرایت و حلول کیے ہوئے ہے۔ خدا کو اپنے اسی عقیدۂ خبیثہ کی بنا پر رام کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ "رمنے" اور حلول کرنے سے پاک ہے تو خدا کو رام کہنا کفر ہوا۔ اور خدا خدا کرنا عبادت اور کفر کو عبادت جاننا کفر۔ اور نہ سہی فرض کیجیے کہ وہ رام کے یہ معنی بھی نہ سمجھتا ہو جب بھی ہمارا خدا وہ نہیں، جو ہنود بے بہبود کا مذموم خدا ہے۔ جسے مشرکین نے خدا سمجھ لیا ہے۔ (و) اور مشرکین میں اتنا جذب ہو جانے کو تو دیکھو کہ خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے کہ مسلمان اور ان کے پیشواؤں کو چھوڑنے کے ساتھ ساتھ ان کے معبود برحق کا ترک اور مشرکین میں گھلنے کے لیے ان کے معبود باطل کا اختیار ہے اور یہ ترک اور اختیار دونوں کفر ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ کیسا اخبث کلمہ ہے۔

جو مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی　　　　خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے

کہ مولوی نہ ملے گا تو وہ بدنصیب مولوی کے خدا کو ہی چھوڑ دے گا اور مشرکین کے طاغوت مالوی کو اختیار کرے گا اور مالوی کے خدا کو پوجنے لگے گا۔

اس قائل اور ان اشعار پر جنھوں نے کہا ہے کہ ان اشعار کے مفاہیم کفر نہیں، تو بہ و تجدید ایمان فرض، اور ہر فرض سے بڑھ کر فرض ہے۔ نئے سرے سے مسلمان ہوں اور اپنی اپنی بیویوں سے جب کہ وہ راضی ہوں، از سر نو نکاح کریں۔ اور اگر کہیں بیعت ہوں تو تجدید بیعت بھی لازم۔ یوں ہی اگر حج کر چکے ہوں تو پھر حج کرنا بھی ضروری ہے کہ کفر سے اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔ تو پہلا حج مثل اور اعمال کے حبط ہو گیا اب دوسرا حج یوں فرض کہ حج کی فرضیت کا وقت عمر ہے۔ لہٰذا اب پھر حج ضروری و واجب۔ توبہ کریں اور بہانے نہ بنائیں کہ وہ کافر ہو چکے اپنے ایمان کے بعد۔ واللہ الموفق۔ (ملخصاً)

اس فتویٰ میں وجوہ کفر کا جس ژرف نگاہی اور دقت نظر سے جائزہ لیا گیا ہے، وہ ناظرین پر عیاں ہے۔ ساتھ ہی ہر وجہ کی دلیل بھی بیان کردی گئی ہے۔ اور قائل کا حال بھی منکشف کر دیا گیا ہے۔ وجوہ کفر پر نظر ڈالیں تو درج ذیل امور سامنے آئیں گے۔

(۱) خدا کی قدرت کاملہ کا انکار اور اس کی عاجزی کا اقرار (۲) اس سے دراصل خدا کی الوہیت اور اس کے خدا ہونے ہی کا انکار ہوا (۳) اپنی قدرت کو خدا کی قدرت سے زائد بتانا (۴) یہ دراصل اپنی الوہیت کا اثبات ہوا، اسی لیے پہلے خدا کی الوہیت سے انکار کیا (۵) خدا کے لیے مکان ماننا (۶) مکان جسم کے لیے ہوتا ہے تو خدا کو جسمانی جاننا (۷) یہ ماننا کہ لندن اسے محیط ہے۔ (۸) لندن کو کعبۂ معظمہ سے بڑھانا اور کعبہ کی توہین کرنا (۹) مولوی و مالوی، مومن و غیر مومن میں فرق نہ ماننا (۱۰) خدا اور رام کو ایک سمجھنا (۱۱) کفر و اسلام میں فرق نہ جاننا (۱۲) کلمۂ اسلام خدا خدا اور کلمۂ کفر رام رام کو یکساں قرار دینا (۱۳) خدا کے لیے کسی چیز میں سرایت و حلول کے اعتقاد پر مشتمل لفظ اختیار کرنا (۱۴) اہلِ اسلام اور ان کے معبود برحق کا ترک (۱۵) اہل باطل اور ان کے معبود باطل کو اختیار کرنا۔

ان اشعار میں جو قوی، صاف، صریح اور نا قابل تاویل وجہیں التزاماً اور لزوماً موجود تھیں انھیں کو فتوے میں واضح طور پر پیش کر کے ان کے احکام بیان کر دیے گئے ہیں، اور جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی صداقت و قوت سے انکار کی گنجائش نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ خود فتوے کے الفاظ پیش کر دینے اور ان کی خصوصیات کی جانب اجمالی اشارہ، اور مختصر وضاحت کر دینے کے بعد دیگر فتاوٰی سے اس فتوے کا امتیاز اور مفتی اعظم کی دقتِ نظر، جودتِ قلم، حسن تفہیم، کمال تنقیح، زور بیان، شوکت کلام اور سطوتِ فتویٰ عیاں کرنے کے لیے مزید تبصرے اور بسط و تفصیل کی حاجت باقی نہ رہی۔

اس فتوے کے آخر میں حسبِ طلب سائل نصوص فقہیہ بھی پیش کر دیے گئے ہیں اور ایک حدیث کے ساتھ یہ حکم بھی مرقوم ہے کہ اعلان جرم کی طرح اعلان توبہ بھی ضرور ہے۔ یہ گمان نہ کریں اور اب اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ کلمۂ کفر ایک بار زبان یا قلم سے نکل گیا اس کے بعد ہزار بار کلمہ پڑھا ہے اب تک کیا وہ کفر باقی رہ گیا؟ اس پر مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کی یہ عبارت بھی پیش کی ہے۔

" ان اتی بکلمة الشهادة علی وجه العادة لم ینفعه مالم یرجع عما قاله لانه با لاتیان بکلمة الشهادة لا یرتفع الکفر "(ج۔ ۲ ص ۵ ۳۲ کتاب السیر والجهاد، باب المرتد، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

اگر بطور عادت اس نے کلمۂ طیبہ پڑھ لیا تو یہ اس کے لیے فائدہ مند نہیں ہوگا، جب تک کہ توبہ نہ کرے، کیوں کہ بغیر توبہ صرف کلمہ پڑھ لینے سے کفر ختم نہیں ہوتا۔

یہ مبارک فتویٰ انجمن حزب الاحناف لاہور سے پہلی بار ۱۳۴۴ھ میں شائع ہوا۔ دوسری بار رضا دار الاشاعت، ر چھا، ضلع بریلی شریف سے ۱۴۱۰ھ میں شائع ہوا۔ سرورق پر ایک عرفی نام ہے" سیف الجبار علی کفر زمیندار " دوسرا ہجری تاریخ پر مشتمل " القسورة علی ادوار الحمر الکفرة " (۱۳۴۳ھ) تیسرا عیسوی تاریخ پر مشتمل " ظفر علی رمة من کفر " (۱۹۲۵ء)

درمیان رسالہ ان لوگوں کی خبر گیری بھی ہے جو ایسے شخص کو دائرہ اسلام میں شمار کرتے ہیں، جو کلمۂ اسلام کا مدعی ہے خواہ اس کے ساتھ وہ نبوت کا دعویٰ کرے، مدعی نبوت کی حمایت کرے، اسے نبی یا امام و پیشوا مانے، خدا کے لیے کذب ممکن بل کہ واقع مانے۔ علم رسول کو حیوانات و بہائم کے علم سے ناپاک تشبیہ دے۔ کلمہ میں نام رسول کی جگہ اپنے پیر اشرف علی کا نام لے۔ جنت و نار جن و ملائکہ کے وجود اور نماز و روزہ وغیرہ فرائض کا منکر ہو۔ ختم نبوت کے قطعی اجماعی معنی کو نہ مانے۔ دوسرا نبی آنا جائز یا واقع مانے اور ایسے ہی بڑے سے بڑے ایک یا چند کفر کا مرتکب ہو مگر ان کے نزدیک کلمہ پڑھ لینے کے بعد جس قدر کفریات کرتا اور بکتا رہے ایمان و اسلام رخصت نہیں ہوتا۔ آدمی سچا پکا مسلمان برقرار رہتا ہے۔

ہاں جو ایسے سخت شنیع کفریات کے مرتکب کو کافر کہے وہ ان کے نزدیک مجرم ہے اس کی ہر طرح تذلیل و تحقیر ان کے یہاں داخل

تہذیب وشرافت ہے۔اس کے خلاف صفحات رنگین کرنا عظیم خدمت ہے۔ان کے خیال میں کفر کرنا، کفر بکنا کفر لکھنا کچھ عیب نہیں کافر کہنا عیب ہے۔

ان خیالات فاسدہ کے رد میں رقم طراز ہیں:

"قرآن وحدیث ہمیں بتاتے ہیں کہ زمانۂ اقدس میں ایسے لوگ تھے جو کلمۂ اسلام پڑھتے تھے اور نہ صرف کلمۂ اسلام ہی پڑھتے تھے بل کہ دربار رسالت میں حاضر ہو کر شہادتیں ادا کرتے تھے کہ ضرور ضرور بے شک وشبہہ یقیناً حضور اللہ کے رسول ہیں۔حضور کی خدمت میں حاضر رہتے۔حضور کے پیچھے نمازیں پڑھتے۔حضور کے ساتھ جہاد کرتے تھے، مگر اس کے باوجود انھیں اللہ ورسول نے جھوٹا فریبی، کذاب، منافق فرمایا۔اور ان کے اس کلمۂ طیبہ پڑھنے اور بڑی بڑی تاکیدات کے ساتھ شہادت رسالت دینے اور نمازیں ادا کرنے اور جہاد میں شریک ہو کر اپنی جانیں دینے اور کفار کی جانیں لینے پر نظر نہ فرمائی۔سب کو ہباءً منثوراً فرما دیا۔" (انتہی بتلخیص یسیر)

اس کے بعد آیات واحادیث پیش کر کے اسے واضح فرمایا۔حاشیہ کے چند صفحات پر قتل مرتد کا حکم، اور اس کے خلاف غوغا آرائیوں کا دلکش ودلنشین اور مستحکم وقوی جواب بھی رقم فرمایا ہے۔اور یہ ثابت فرمایا ہے کہ علما جو کچھ بیان کرتے ہیں اپنی طرف سے نہیں، قرآن وحدیث سے بیان کرتے ہیں بل کہ قرآن نے ان باغیان بارگاہ صمدیت اور گستاخان دربار رسالت کو جس تذلیل وتحقیر کے ساتھ اور جیسے القاب حقارت کے ساتھ یاد کیا ہے علما ان کے لیے وہ سب استعمال بھی نہ کر سکے۔اگر اسی طرح وہ بھی انھیں یاد کرتے تو نہ معلوم کیسا کچھ جامہ سے نکلتے۔آپے سے باہر آتے، اس پر قرآنی آیات لکھ کر وہ القاب مذمت عیاں کر دیے ہیں جو ان منکرین کے لیے وارد ہوئے۔اس کے بعد فرمایا:

"بحمد اللہ تعالیٰ کلام اپنے منتہی کو پہونچا اور ظاہر وباہر ہوا کہ یہ علما کو بے تہذیب وبے ادب بتانے والے خود سخت بے تہذیب اور نہایت بے ادب ہیں۔"

آخر میں چند آیات وحدیث پیش کر کے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ ان باغیوں اور گستاخوں کے ساتھ اہل ایمان کو کیسا سلوک کرنے کی ہدایت وتعلیم دی گئی ہے؟ اور بہ نظر اختصار چند ہی پر اکتفا کیا ہے۔

الغرض عہد وماحول کو سامنے رکھتے ہوئے اس مسئلہ کے تمام متعلقات بھی بیان کر دیے ہیں۔اور متعدد فتنوں اور غوغا آرائیوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے۔اہل عقل وخرد اگر عدل وانصاف کے ساتھ اس رسالہ کا مطالعہ کریں تو ان کے دلوں میں ایمان واسلام کی اہمیت بارگاہ خدا ورسول کی عظمت، کفر وارتداد کی شناعت وقباحت اللہ ورسول کے قطعی احکام کی خلاف ورزی وبغاوت کرنے والوں کی خرابی وحقارت اور شان خدا ورسول میں بے ادبی وجسارت کی رذالت اچھی طرح جاگزیں ہو سکتی ہے اور جاہلانہ وظالمانہ مکر وفریب اور فتنہ وفساد سے نجات بہت آسان ہو سکتی ہے۔

اس رسالہ کے مطالعہ سے مفتی اعظم علم وافتا کے کچھ اور گوشے بھی ملے، جو ان کے کچھ اور فتاویٰ میں بھی دیکھے۔ان شاء اللہ المولیٰ تعالیٰ ان سب پر تفصیلی گفتگو ایک مستقل مضمون میں ہو گی۔فی الحال میں سمجھتا ہوں کہ جو موضوع میں نے اختیار کیا اور جو عنوان منتخب کیا، اس سے مکمل طور پر نہیں تو بڑی حد تک سبک دوش ہو چکا ہوں۔وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ أنیب۔

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم

بحرِ فقاہت کے درِ شاہوار

محقق عصر حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی
صدر شعبۂ افتاو ناظم مجلس شرعی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

فقیہ فقید المثال اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے آئینۂ جمال و کمال، مسند الوقت، حضور سیدی و مرشدی مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خدا رسیدہ بزرگ، بلند پایہ فقیہ اور بہت ہی عظیم مفتی تھے۔ آپ نے خلق خدا کی رشد و ہدایت اور تبلیغ دین کے لیے اپنے لیل و نہار وقف کر دیے تھے، پھر بھی کچھ وقت فارغ کر کے گاہے بہ گاہے فتاویٰ بھی تحریر فرماتے، یہ بھی وقت کا ایک عظیم المیہ ہے کہ آپ کے بہت سے فتاویٰ محفوظ بھی نہ رہے، تاہم جو کچھ محفوظ ہے، اس سے بھی آپ کی فقہی عظمت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

اس بے مایہ نے بڑی عجلت میں آپ کے مجموعۂ فتاویٰ کی فہرست اور چند فتاویٰ کا سرسری اور بعض کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا تو محسوس ہوا کہ آپ کی ذات بابرکات میں خدائے سبوح و قدوس نے وہ تمام خوبیاں جمع فرما دی ہیں جو ایک کامل فقیہ اور ماہر مفتی میں ہوا کرتی ہیں۔ یعنی وسعت مطالعہ، جزئیات کا استحضار، دلائل کی قوت و ضعف میں امتیاز، شواہد کا احاطہ، متعارض جزئیات میں تطبیق، ترجیح کی قدرت، استخراج کا ملکہ، حالات زمانہ کی رعایت، اہل زمانہ کے حالات سے آگاہی، سائل کی عقل و فہم کے لحاظ سے گفتگو، جامع اور بہتر تعبیر، سائل کے مطلب کا ادراک اور اس کا شافی حل۔ مختصر یہ کہ علمائے اعلام نے فقہا کے جو سات طبقات بیان فرمائے ہیں ان میں سے آپ دوسرے اور تیسرے طبقے کے فقہائے ممیزین و مرجحین کے زمرے نظر آتے ہیں۔

وقت ہوتا تو ہم ان سب پر ان شاء اللہ تعالیٰ سیر حاصل بحث کرتے، تاہم صرف حصول سعادت کے لیے آپ کے چند [illegible] کا انتخاب اپنے تاثرات کے ساتھ پیش کرتے ہیں جن سے آپ کے بحر فقاہت کی دل کش موجوں کا ایک سرسری نظارہ کیا جا سکتا ہے۔

جزئیات کا استحضار، دلائل کی قوت و ضعف میں امتیاز اور تطبیق و ترجیح کی قدرت:

آپ کے مجموعۂ فتاویٰ کا پہلا فتویٰ بحر الرائق کی ایک عبارت سے پیدا کی جانے والی غلط فہمی کو دور کرنے کے تعلق سے ہے جو [illegible] صفحات پر مشتمل ہے۔ ہم اپنی بات کو واضح کرنے کے لیے اس فتوے کے چند ضروری گوشوں کو نمایاں کرتے ہیں۔

آپ سے سوال ہوا۔

"زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے تھے اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ بحر الرائق جلد: ۳، ص: ۹۴ میں ہے:

و فی الخانیة و الخلاصة: لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقدلاعتقاده ان النبی صلی الله تعالیٰ

علیه وسلم یعلم الغیب۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص:۱، کتاب الایمان)

(ترجمہ: فتاویٰ خانیہ اور خلاصہ میں ہے کہ اگر کسی نے اللہ اور اس کے رسول کو شاہد بنا کر نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا کیوں کہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔

اور ایسا ہی بزازیہ میں ہے، جواب شافی بادلیل مرحمت فرمائیں۔

اس کے جواب میں آپ نے جو کچھ فرمایا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

☆ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب سے مطلقاً انکار کفر مبین ہے۔

☆ یہ حق ہے کہ صورت مذکورہ میں نکاح نہ ہوگا، مگر اس کی توجیہ صحیح نہیں، ضعیف ہے، مرجوح ہے،، مؤول ہے، ظاہر پر ہرگز محمول نہیں۔

(۱) مسئلہ صحیح ہے:

یہ مسئلہ اپنی جگہ صحیح ہے کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنانے کی صورت میں نکاح نہ ہوگا، اس کو حضرت مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے تشفی بخش انداز میں سمجھایا ہے، فرماتے ہیں:

"مسئلہ تو صرف اتنا تھا کہ اگر کوئی شخص شہادت خدا اور رسول سے نکاح کرے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا کہ "شرطِ انعقادِ نکاح" گواہوں کا حاضر رہنا ہے۔ حدیث میں ہے: "لا نکاح الا بشھود" مسلمان کے نکاح میں دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کا حضور شرط ہے، جو عاقل و بالغ ہوں اور یہ سمجھیں کہ نکاح ہو رہا ہے۔

وہ کون سا نکاح ہے جو خدا سے غائب ہے، اگر محض خدا کی شہادت سے نکاح کرتا، یا فرشتوں۔ مثلاً کراماً کاتبین ۔ کی شہادت سے کرتا جب بھی باطل ہوتا کہ شرطِ صحت نکاح نہ پائی گئی۔" (فتاویٰ مصطفویہ ص:۶-۷)

ان چند جملوں میں حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ انکشاف فرمایا ہے کہ صورت مذکورہ میں نکاح نہ ہونے کی وجہ اگر یہ ہو کہ رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب کا علم نہیں ہے تو اللہ عزوجل کی شہادت سے نکاح ہونا چاہیے تھا، کیوں کہ وہ یقیناً عالم الغیب و الشھادۃ ہے، حالاں کہ اس کو شاہد بنانے سے نکاح نہیں ہوتا۔ یوں ہی کراماً کاتبین وغیرہ فرشتوں کی شہادت سے بھی نکاح ہو جانا چاہیے تھا، کیوں کہ وہ انسان کے ساتھ رہتے ہیں اور اس کے اقوال و افعال، و حرکات و سکنات کا بخوبی علم بھی رکھتے ہیں، حالاں کہ ان کو شاہد بنانے سے بھی نکاح نہیں ہوتا۔ اس لیے ثابت ہوا کہ نکاح نہ ہونے کی بنیاد عدمِ علم پر نہیں، بل کہ کسی اور چیز پر ہے، اور وہ ہے "محسوس شکل میں گواہوں کا مجلس نکاح میں حاضر ہونا"۔ اس شرط کی حکمت وہابی سمجھیں یا نہ سمجھیں لیکن الحمد للہ ہم اہل حق خوب سمجھتے ہیں کہ شریعت طاہرہ نے یہ شرط لگا کر ایک بہت بڑے فتنے و فساد کا دروازہ بند فرما دیا ہے، ورنہ لڑکے لڑکی، مرد عورت بالکل آزاد ہوتے، جب چاہتے یہ کہہ کر ناجائز طور پر ساتھ ہو جاتے کہ ہم نے خدائے پاک، یا کراماً کاتبین کی شہادت سے باہم نکاح کر لیا ہے، پھر جب چاہتے طلاق کا دعویٰ کر کے الگ ہو جاتے۔ پھر کیا ہوتا؟ دنیا سے امان اٹھ جاتا اور نسب کا تقدس محفوظ نہ رہ جاتا۔ اس حکمت بالغہ اور مصلحت مہمہ کی بنیاد پر شریعت نے "حضور شہود" کی شرط لگائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت سے نکاح کو غیر منعقد قرار دیا۔ وہابیوں نے موقع غنیمت جانا اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اسے تنقیصِ علمِ رسالت کی دلیل بنا دیا، مگر ہزار ہزار رحمتیں نازل ہوں حضور سیدی مفتی اعظم پر کہ صرف چند جملوں

میں آپ نے اس مسئلے کی ایسی نقاب کشائی فرمائی کہ وہابیہ کی پھیلائی ہوئی غلط فہمی کی بنیاد ہی مسمار ہو گئی۔

ماہر مفتی کی ایک امتیازی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے جواب میں خاص اس اشتباہ کو حل کرنے پر خصوصی توجہ دیتا ہے جو سائل اور عوام الناس کے لیے خلجان کا باعث ہوتا ہے، اس لیے اُسے سوال کے مضمرات میں سائل کی دکھتی رگ کو تلاش بھی کرنا ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس کی عقل وفہم کے اندازے سے آسان یا دقیق، مختصر یا مطول ایسا جواب بھی دینا ہوتا ہے جو صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے لیے تشفی بخش بھی ہو، یا سائل معاند ہے تو مسکت ہو اور فتوے کو اپنے یا پرائے کے لیے بے جا استعمال نہ کر سکے۔اس لیے ہم لوگ اپنے فتاویٰ میں اس کا التزام کرتے ہیں مثلاً اگر اس طرح کا سوال آتا ہے کہ:

''شیعہ مذہب کے امام کے پیچھے سنی کی نماز ہوگی یا نہیں؟''

تو جواب اس طرح لکھا جاتا ہے کہ:

''دیوبندی، وہابی، قادیانی، رافضی وغیرہ بد مذہبوں میں سے کسی بھی بد مذہب کے پیچھے سنی کی نماز نہ ہوگی۔''

تاکہ کوئی ''دیوبندی'' فتوے کا سہارا لے کر سنی شیعہ کو یا ''وہابی سنی'' اور دیوبندی کو لڑا نہ سکے اور خود کنارے کھڑا ہو کر تماشا دیکھے۔

فتاویٰ مصطفویہ میں ایسے فتاویٰ کے بہت سے شواہد ہیں، انھیں میں سے زیر بحث یہ فتویٰ بھی ہے کہ حضرت نے چند جملوں میں جو بات ارشاد فرمائی ہے وہ سائل کی دکھتی رگ کا شافی علاج بھی ہے اور اگر وہ معاند وہابی ہو تو خاموش کن جواب بھی۔اور بہر حال مسئلے کے اصل خد وخال کو واضح کر کے عوام اہل سنت کو کسی غلط فہمی کا شکار ہونے سے بچالیا ہے۔

مسئلے کی توجیہ صحیح نہیں :

رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہادت پر نکاح نہ ہونے کی یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد بنانے والا، آپ کو غیب داں ماننے کی وجہ سے کافر ہو گیا اور کافر کا نکاح مسلم کے ساتھ نہیں ہوتا۔

(الف) پہلی وجہ تو وہی ہے جو گزر چکی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیب دانی کا اعتقاد اگر قائل کے نزدیک کفر ہے تو اللہ عزوجل کی غیب دانی کا اعتقاد تو کفر نہیں، وہ تو یقیناً قائل کے نزدیک بھی عالم الغیب و الشہادۃ ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی شہادت میں نکاح منعقد ہو جائے، حالاں کہ کوئی اس کا قائل نہیں۔یوں ہی کراماً کاتبین کی شہادت میں بھی نکاح کا انعقاد تسلیم کر لینا چاہیے کیوں کہ وہ حضرات ضرور طرفین کے ایجاب وقبول کو سنتے جانتے ہیں بل کہ نوٹ بھی فرماتے ہیں اور یہ اعتقاد بھی قائل کے نزدیک کفر نہیں تاہم ان کی شہادت پر کوئی بھی نکاح کے منعقد ہونے کا قائل نہیں۔

(ب) دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کی عطا سے غیب داں نبی ہیں۔یہ قرآن حکیم کی کثیر آیات اور بے شمار احادیث نبویہ سے ثابت ہے، یہی فقہائے کرام، ائمۂ اعلام اور جملہ اہل حق، اہل اسلام کا عقیدہ ہے۔قدیم زمانے میں ایک گمراہ فرقہ معتزلہ اس کا مخالف رہا ہے مگر ان کی مخالفت اہل حق کے اجماع اور کتاب وسنت کے واضح نصوص کے مقابل قطعی بے اثر ہے حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مطلب نفیس کی وضاحت کے لیے بڑے اختصار کے ساتھ صرف دس آیات قرآنیہ اور دس احادیث نبویہ سے استناد کیا ہے، جن سے روز روشن کی طرح حضور سید الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غیب داں ہونا ثابت ہوتا ہے۔اس کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

"صحابہ واہل بیت حضرات اور عرفا و علماے دین کی تصریحات سے آفتاب سے زیادہ روشن کہ انبیا و اولیا علوم غیب پر مطلع ہیں۔"

(فتاویٰ مصطفویہ، ص:۹)

پھر جمع النہایہ، فتوحات وہبیہ، صاوی حاشیہ جلالین، تفسیر نیشاپوری، مدارج النبوۃ، درۃ الغواص، الجواہر و الدرر، فتوحات مکیہ، الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، مثنوی مولوی معنوی، تفسیر روح البیان اور نسیم الریاض سے سرکار علیہ التحیۃ والثنا کی غیب دانی کے ثبوت کے تعلق سے صریح عبارات نقل فرمائی ہیں، جن سے یہ امر بہ خوبی عیاں ہو کر سامنے آجاتا ہے کہ حضور دانائے غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیب دانی کا اعتقاد ایمان کی سلامتی کے لیے ضروری ہے اور مطلقاً آپ کے علم غیب کا انکار کفر ہے کیوں کہ یہ قرآن حکیم کے نصوص قطعیہ کا انکار و تکذیب ہوگا، پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ معاذ اللہ آپ کی غیب دانی کا اعتقاد کفر ہو جائے اور اس کی وجہ سے نکاح باطل قرار پائے۔

یہی وجہ ہے کہ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتوے کے آغاز میں ہی یہ واضح فرمادیا کہ:

"زید بے قید کا حضور عالم ماکان وما یکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب سے مطلق انکار کفر مبین ہے کہ یہ قرآن عظیم کی آیات باہرہ کثیرہ سے انکار ہے"

(فتاویٰ مصطفویہ، ص:۱)

پھر آیات و احادیث اور ارشادات علما سے دلائل و شواہد کا ایک تسلسل قائم فرمادیا۔

(ج) صاحب بحر الرائق نے وہ مسئلہ فتاویٰ قاضی خاں کے حوالہ سے نقل کیا ہے حالاں کہ امام قاضی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے خود کفر کا حکم نہیں دیا ہے اس لیے صاحب بحر سے یہاں خانیہ کی ترجمانی میں بہ تقاضاے بشریت لغزش ہوئی۔ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نقاب کشائی ان الفاظ میں فرمائی:

امام فقیہ النفس قاضی خاں رضی اللہ عنہ نے اپنے فتاویٰ (جلد اول، ص: ۳۲۴) میں فرمایا:

"رَجُلٌ تَزَوَّجَ امْرَأَةً بِشَهَادَةِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ كَانَ بَاطِلًا لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا نِكَاحَ اِلَّا بِشُهُوْدٍ" .... وَبَعْضُهُمْ جَعَلُوْا ذٰلِكَ كُفْراً، لِاَنَّهٗ يَعْتَقِدُ اَنَّ الرَّسُوْلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ":

(ترجمہ: کسی شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی شہادت سے نکاح کیا تو وہ نکاح باطل ہوگا، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "گواہ حاضر نہ ہوں تو نکاح نہ ہوگا" .... اور بعض نے اسے کفر قرار دیا کہ نکاح کرنے والا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کا اعتقاد رکھتا ہے۔)

امام فقیہ النفس نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کفر ہے، بل کہ یہ فرما کر کہ بعض نے اسے کفر ٹھہرا دیا، اس کے ضعف کا اِشعار فرمادیا۔"　　(فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۷)

اس عبارت سے صاف عیاں ہے کہ امام قاضی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نکاح نہ ہونے کی وجہ "عدمِ حضورِ شہود" بتائی ہے جو بلا

شبہ ایک بے غبار استدلال ہے۔

ہاں بعض نے علم غیب رسول کے اعتقاد کو کفر قرار دے کر نکاح کو باطل مانا مگر وہ بعض مجہول ہیں ممکن ہے وہ بعض معتزلی ہوں جن کا عقیدہ ظاہر کتاب وسنت کے خلاف ہے، اس لیے یہ توجیہ صحیح نہیں قرار دی جاسکتی۔ نہ اس کا انتساب امام قاضی خاں کی طرف کیا جاسکتا ہے۔

ممکن ہے کسی کے دل میں یہ خلجان واقع ہو کر پھر امام قاضی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید کیوں نہیں فرمائی تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض الناس کے اس کلام کی یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بغیر اللہ عزوجل کی عطا کے علم غیب کا اعتقاد کفر ہے جسے علم غیب ذاتی کہا جاتا ہے، اس لیے اس کی تردید سے گریز کیا مگر چوں کہ یہ توجیہ واقع میں دوسرے مسائل سے منقوض ہے اس لیے "بعضھم جعلوا" فرما کر اس کے ضعیف ہونے کا اشارہ فرما دیا۔ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''اس میں بعض مجاہیل نے یہ اضافہ کیا کہ۔ وہ مسلمان شخص کافر ہو جائے گا''۔ کیوں کہ وہ معتقد علم غیب رسول ہوا، ظاہر تو یہ ہے کہ یہ بعض مجاہیل معتزلی ہوگا، اس نے اپنے مذہب کا پیوند اس میں جوڑ دیا۔

''پھر یہ تاویل ''علم ذاتی'' بعض حنفیہ نے بھی اپنی تصانیف میں نقل کر لیا مگر اس کی مرجوحیت کو ظاہر کرتے ہوئے، کہ علم ذاتی ہی نہیں ہوتا، دوسری قسم علم عطائی بھی ہے۔ لہٰذا جب یہ احتمال ہے تو (رسول کے لیے علم غیب کا عقیدہ رکھنے والوں کو) کافر نہیں کہہ سکتے۔ اس احتمال کے ہوتے ہوئے تکفیر صحیح نہیں ہوسکتی''۔ (فتاویٰ مصطفویہ ص: ۷)

اس بحث کا حاصل یہ ہوا کہ:

☆ بحر میں امام قاضی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف تکفیر کی جو نسبت کی گئی ہے وہ صحیح نہیں، یہاں صاحب بحر سے لغزش ہوئی ہے۔ اور امام قاضی خاں نے قول بعض کی تردید سے سکوت اس لیے اختیار فرمایا کہ اس میں تاویل کی گنجائش تھی۔

☆ نکاح نہ ہونے کے تعلق سے بعض کی یہ توجیہ ضعیف ہے اس کا اشارہ امام قاضی خاں کے کلام میں موجود ہے۔

☆ علم غیب رسول کا عقیدہ رکھنے والوں کو کافر قرار دینا درست نہیں ہے کیوں کہ مسلمان اپنے رسول کے لیے علم غیب عطائی کا عقیدہ رکھتا ہے، نہ کہ علم غیب ذاتی کا، اس لیے یہاں اس کا عین امکان ہے کہ نکاح کرنے والے کی نیت علم غیب عطائی ہو۔

(د) زید نے بحر کی عبارت پیش کر کے یہ بھی کہا ہے کہ:

''اور ایسا ہی بزازیہ میں ہے'' (فتاویٰ مصطفویہ ص: ۱۱)

جس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ فتاویٰ بزازیہ میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کے عقیدے کو کفر قرار دیا گیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں اس لیے حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس فریب کو بے نقاب کرنے کے لیے فتاویٰ بزازیہ کی اصل عبارت ہی نقل فرما دی تا کہ ہر انصاف پسند خود فیصلہ کر لے کہ یہ بات بے بنیاد ہے۔

آپ رقم طراز ہیں:

''فتاویٰ امام حافظ الدین محمد بن شہاب المعروف بہ ابن بزاز کردری میں فرمایا''۔ تزوجھا بشھادۃ اللہ تعالیٰ ورسولہ علیہ الصلاۃ والسلام لا ینعقد۔ ویخاف علیہ الکفر لانہ

یوھم انه علیه الصلاۃ والسلام یعلم الغیب ،وعندہ مفاتیح الغیب "الایة ۔

وما اعلم اللہ تعالیٰ لخیار عبادہ بالوحی والالھام لم یبق بعد الاعلام غیباً

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شاہد بنا کر نکاح کیا تو نکاح منعقد نہ ہوگا ۔اور اس پر کفر کا اندیشہ ہے اس لیے کہ وہ اس بات کا ایہام پیدا کر رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب کا علم (ذاتی) رکھتے ہیں حالاں کہ قرآن حکیم میں ہے "غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں"

ہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو غیب کا علم "وحی" اور "الہام" کے ذریعہ عطا فرمایا ہے مگر اس کے عطا فرمانے کے بعد وہ ("مفاتیح الغیب) کا غیب مخصوص نہیں رہ جاتا" یخاف علیه الکفر "(یعنی اندیشۂ کفر کے لفظ) نے صاف کر دیا کہ مراد امام بزازی "علم ذاتی" ہے کہ اگر "عطائی" ماننا بھی کفر ہوتا تو "یخاف" (یا اندیشہ) نہ فرماتے۔

اور "ما اعلم اللہ تعالیٰ بالوحی والالھام لخیار عبادہ" (یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو وحی اور الہام کے ذریعہ علم غیب عطا فرمایا ہے) کہ کر خیار عباد کے لیے من جانب اللہ وحی اور الہام سے علم ہونے کو تسلیم نہ کرتے۔

لم یبق غیباً میں غیب سے امام کی مراد غیب ذاتی ہے۔ان کا مطلب یہ ہے کہ بعد اعلام وہ غیب باقی نہ رہا جو خدا کے ساتھ خاص ہے۔"

(فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۷-۸)

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس اقتباس سے درج ذیل امور کا افادہ فرمایا ہے:

☆ صاحب فتاویٰ بزازیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کے اعتقاد کو کفر نہیں قرار دیا ہے، بل کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے آپ کے لیے اور دوسرے خیار عباد کے لیے علم غیب کا اعتراف کیا ہے۔

☆ ہاں یہ فرمایا ہے کہ نکاح کرنے والے کے کلام سے حضور کے لیے "علم غیب ذاتی" کا ایہام ہوتا ہے،اس لیے اندیشۂ کفر ہے۔

کہاں ایہام اور کہاں اعتقاد، دونوں میں کھلا ہوا فرق ہے۔یوں ہی کفر اور اندیشۂ کفر میں بھی واضح فرق ہے، جسے ہر صاحب عقل سمجھتا اور مانتا ہے، پھر ایہام کو اعتقاد اور اندیشۂ کفر کو کفر قرار دینا کھلی ہوئی خیانت اور بد دیانتی ہے، جو کسی وہابی سے ہی متصور ہو سکتی ہے۔

یہاں یہ امر واضح رہے کہ نکاح کا گواہ اللہ اور رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کوئی جاہل ہی بنا سکتا ہے اور جاہل کو علم ذاتی و عطائی کا فرق معلوم نہیں ہوتا،اس لیے اس کے کلام سے علم ذاتی کا ایہام ہو سکتا ہے لہذا اسے ایسے قول سے اجتناب کا حکم دیا جائے گا،مگر اس کی جہالت کی بنیاد پر اس کو کافر قرار دینا زیادتی ہے۔

☆ صاحب فتاویٰ بزازیہ نے اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شاہد بنا کر نکاح کرنے پر دو احکام صادر فرمائے ہیں:

(۱) لا ینعقد ۔نکاح نہ ہوگا۔

(۲) ویخاف علیه الکفر ۔اور نکاح کرنے والے پر اندیشۂ کفر ہے۔

اس عبارت میں غور فرمالیجیے، وہ یہ نہیں فرما رہے ہیں کہ نکاح نہ ہونے کی وجہ اندیشۂ کفر ہے، بل کہ "یخاف علیه الکفر" فرما کر الگ سے ایک حکم جاری کر رہے ہیں، پھر کفر کا اندیشہ یا ایہام نکاح نہ ہونے کی وجہ بھی نہیں بن سکتا۔ اس لیے امام ابن بزاز کردری کی طرف تکفیر کی وہ نسبت غلط ہے اور عقیدۂ علمِ غیبِ رسول کو نکاح نہ ہونے کی وجہ بنانا قطعاً مرجوح ہے۔

(ہ) درمختار میں ہے:

تزوج بشهادة الله ورسوله لم يجز ، بل قيل:يكفّر۔

(اللہ اور رسول کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا، بل کہ کہا گیا کہ تکفیر کی جائے گی۔ اس "قیــــل" نے ضعف و مرجوحیت تکفیر کا اشعار فرمایا۔

(فتاویٰ مصطفویہ، ص:۸)

اس عبارت کو نقل فرما کر حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ ذہن دیا ہے کہ صاحب درمختار نے بعض الناس کے اس قول کو "قیــــل" سے نقل کیا ہے، جو اس کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے، پھر انھوں نے بھی اسے نکاح نہ ہونے کی دلیل کے طور پر نہیں ذکر کیا، جس سے صاف عیاں ہے کہ اسے دلیل بنانا صحیح نہیں۔

اس کے بعد حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ملتقط، فتاویٰ حجہ، فتاویٰ تتار خانیہ، ردالمحتار حاشیہ درمختار اور سل الحسام الہندی سے اس مضمون کی عبارتیں نقل فرمائی ہیں کہ اللہ عزوجل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم عطا فرمایا ہے، اس لیے نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ بنانے کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ (ملاحظہ ہو، فتاویٰ مصطفویہ: ص:۸)

پھر یہ افادہ فرمایا کہ ہدایہ، تجنیس، اور ہندیہ میں تو اس قول کو بالکل ہی ترک فرما دیا، یعنی اسے قابلِ ذکر نہ سمجھا، جس سے نہ صرف اس کے ضعف، بل کہ بطلان کا بھی اشارہ ملتا ہے۔ (ملاحظہ ہو فتاویٰ مصطفویہ، ص:۸)

(و) اخیر میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے اس بات پر نص صریح فرما کر حجت تمام فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر نکاح کرنے والا کافر نہ ہوگا، یہی صحیح ہے جو شک و شبہہ سے بالاتر ہے، چناں چہ فرماتے ہیں:

مضمرات، خزانۃ الروایات اور معدن الحقائق میں ہے:

"والصحيح انه لا يكفر ، لأن الأنبياء عليهم الصلاة والسلام يعلمون الغيب وتعرض عليهم الأشياء، فلا يكون كفراً. اور صحیح یہ ہے کہ (بے شک) یہ تحقیق وہ شخص کافر نہ ہوگا اس لیے کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام غیب جانتے ہیں اور ان پر اشیا پیش کی جاتی ہیں تو ان کے لیے علمِ غیب کا اعتقاد کفر نہ ہوگا۔" (فتاویٰ مصطفویہ، ص:۹)

جب یہ امر شک و شبہہ سے بالاتر ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غیب داں ماننے والا کافر نہیں، یہی صحیح ہے تو اس کے خلاف حکم جاری کرنا غیر صحیح ہوا۔

خلاصۂ مباحث :

ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ:

(۱) کسی شخص نے اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نکاح کا گواہ بنا کر نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا کیوں کہ نکاح کے لیے یہ شرط ہے کہ گواہ مجلسِ نکاح میں محسوس شکل میں حاضر ہو اور یہاں یہ شرط مفقود ہے۔

(۲) بعض مجہول اہل علم نے نکاح نہ ہونے کی وجہ یہ بتائی کہ رسول کو گواہ بنانے والا ان کو غیب داں ماننے کی وجہ سے کافر ہو گیا اور کافر کا نکاح کسی بھی مسلمان کے ساتھ باطل ہے۔

(۳) مگر کثیر آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ وارشادات فقہا وتصریحات علما وعرفا سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غیب داں ہونا ثابت ہے، اس لیے "عقیدۂ علم غیب رسول" کو مطلقاً کفر قرار دینا باطل ہے۔

(۴) لیکن چوں کہ ہمارے کچھ فقہا نے اسے نقل فرما کر اس کی تردید نہ فرمائی اس لیے اس قول کی یہ تاویل کی جائے گی کہ یہ حکم علم غیب ذاتی پر محمول ہے تا کہ ایک صاحب عقل کے کلام کو ممکن حد تک لغو ہونے سے بچایا جا سکے۔

(۵) لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ کوئی بھی مسلمان اپنے رسول کے لیے علم غیب ذاتی کا عقیدہ نہیں رکھتا، بل کہ خدائے قدیر کی عطا سے ہی آپ کو غیب داں مانتا ہے، اس لیے صحیح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نکاح کا گواہ بنانے والا کافر نہیں اور اس کا عقیدۂ علم غیب کتاب وسنت کے مطابق ہے۔

(۶) صاحب فتاویٰ بزازیہ کے مطابق زیادہ سے زیادہ نکاح کرنے والے کے قول مذکور سے علم غیب ذاتی کا ایہام ہوتا ہے، اس لیے اس پر ایہام کا حکم جاری ہوگا نہ کہ اعتقاد کا، مگر یہ ایہام بھی کسی بڑے جاہل سے ہی متصور ہو سکتا ہے۔

(۷) اور بہر حال "عقیدۂ علم غیب رسول" کو نکاح نہ ہونے کی وجہ بتانا ضعیف ومرجوح ہے ورنہ لازم آئے گا کہ اللہ عزوجل اور فرشتوں کی شہادت میں نکاح منعقد ہو جائے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔

(۸) صاحب بحر سے بہ تقاضائے بشری امام فقیہ النفس قاضی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام کی ترجمانی میں لغزش واقع ہوئی ہے اس لیے اسے حجت نہیں قرار دیا جا سکتا۔

یہ ہے حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زیر بحث فتوے کے چند ضروری گوشوں کی وضاحت، جس سے آپ کے وسعت مطالعہ مسئلے کے دلائل وشواہد اور فقہی جزئیات پر کثرت اطلاع، کامل استحضار، دلائل اور جزئیات کی قوت وضعف پر گہری نظر اور ان کے مابین حسن امتیاز، متعارض جزئیات میں تطبیق اور ترجیح کی قدرت کا اذعان حاصل ہوتا ہے، آج کے دور میں کسی مسئلے کی دلیل کا علم، فقہ کا ادنیٰ درجہ ہے اور مختلف جزئیات میں قوی وضعیف اور راجح ومرجوح میں امتیاز کی قدرت اس سے اونچا درجہ ہے۔ اور اگر کسی مسئلے کے مثبت، منفی، موافق مخالف تمام دلائل کی معرفت بھی حاصل ہو، ساتھ ہی اس امر کا ادراک بھی کہ ان دلائل کے انبوہ میں فلاں دلیل کو ترجیح حاصل ہے، کیوں کہ وہ نقص واشکال سے پاک ہے، تو فقہ کا وہ اونچا سے اونچا درجہ ہے جس کا آج کے زمانہ میں تصور کیا جا سکتا ہے، ایسے فقیہ کو صاحب ترجیح کہا جاتا ہے۔ اس تفصیل کو ذہن میں رکھ کر حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس فتوے کا مطالعہ فرمائیے تو بجا طور پر یہ احساس اجاگر ہوگا کہ آپ فقہائے ممیزین کے طبقے سے بھی ہیں اور اس سے ایک درجہ اوپر منصب ترجیح پر بھی فائز ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد ایسا کوئی فقیہ نظر نہیں آتا جو تنہا ان تمام خوبیوں کا جامع ہو، اس لیے آپ ان کے بعد "مفتی اعظم علی الاطلاق" ہوئے اور حضرت صدر الشریعہ کے زمانے میں بہت سے اکابر فقہا اور علما کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ "مفتی اعظم" تھے، جیسا کہ حضرت شارح بخاری نائب مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے درج ذیل اقتباس سے ظاہر ہے:

"یہ عجیب اتفاق ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے پہلا فتویٰ رضاعت ہی کا لکھا تھا اور ان کے آئینۂ جمال و کمال مفتی اعظم نے بھی پہلا مسئلہ رضاعت ہی کا لکھا۔ اور خاص بات یہ ہے کہ اس پہلے فتویٰ پر اعلیٰ حضرت نے نہ ایک لفظ گھٹایا اور نہ ایک لفظ بڑھایا، کوئی اصلاح نہ کی۔ پہلا فتویٰ ہی حضرت مفتی اعظم نے ایسا صحیح اور مکمل لکھا کہ اس میں کہیں انگلی رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ اور حضرت مفتی اعظم قدس سرہ رضوی دار الافتا میں اس موقع پر پہنچے تھے جب کہ اس سے پہلے ملک العلما حضرت علامہ مفتی ظفر الدین بہاری اور حضرت علامہ مفتی سید عبد الرشید عظیم آبادی رضاعت کے اس مسئلہ پر تبادلۂ خیالات کر چکے تھے اور بات کچھ الجھنے پر ملک العلما فتاویٰ رضویہ سے روشنی حاصل کر رہے تھے۔ اس وقت حضرت مفتی اعظم کسی کتاب کی مدد کے بغیر فتویٰ لکھ کر رضوی دار الافتا کے مفتیان کرام پر سبقت لے گئے۔" (مفتی اعظم اور ان کے خلفاء، ص:۸۲)

حالاتِ زمانہ کی رعایت:

فقہی مسائل میں بارہا ایسا ہوتا ہے کہ حالاتِ زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے احکام بھی بدل جاتے ہیں، اس لیے ایک بالغ نظر فقیہ و ماہر مفتی اس بات پر بھی گہری نظر رکھتا ہے کہ اس کے سامنے جو مسئلہ پیش کیا گیا ہے وہ انھیں مسائل سے ہے یا نہیں، اور اگر انھیں مسائل سے ہے تو کیا ایسے حالات پیدا ہو چکے ہیں جن کی بنا پر احکام میں تبدیلی ضروری ہوتی ہے؟ ان دونوں امور کا فیصلہ نہایت اہم ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر مفتی اس پر قدرت نہیں رکھتا، اور یہی وجہ ہے کہ ایک مفتی کے لیے حالاتِ زمانہ سے باخبر رہنا بہت ہی ضروری قرار دیا جاتا ہے، حتیٰ کہ فقہا فرماتے ہیں: "من لم یعرف أهل زمانه فهو جاهل" جو اپنے اہلِ زمانہ سے نا آشنا ہو وہ جاہل ہے۔ اس کو ایک مثال کی روشنی میں آپ یوں سمجھ سکتے ہیں: ایک عالمِ دین نے گورکھپور اور مبارک پور کے ایک مخصوص اجتماع میں فتاویٰ رضویہ جلد سوم کے حوالے سے یہ مسئلہ بیان کر دیا کہ پینٹ شرٹ پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور ایسی نماز دوہرانی واجب ہے، اس کے باعث لوگوں میں بے پناہ بے چینی بڑھ گئی، کیوں کہ روزانہ ہزار ہا لوگ پینٹ شرٹ میں ملبوس ہو کر نمازیں ادا کرتے ہیں اور ان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ہر وقت اپنا یہ لباس اتار کر علما و صوفیہ کا لباس زیب تن کر کے نماز ادا کرنے کا التزام کریں۔

مولانا نے حوالہ صحیح دیا تھا، مگر موجودہ حالات کے لحاظ سے مسئلہ صحیح نہ بتایا، کیوں کہ جس زمانہ میں وہ فتویٰ لکھا گیا تھا اس وقت کے حالات یہ تھے کہ یہاں کی ہر قوم عام طور سے پینٹ، شرٹ سے نفرت کرتی تھی، اور یہ لباس انگریزوں کا شعار خاص تھا، مگر آج حالات اتنے زیادہ بدل چکے ہیں کہ ہر قوم اس لباس کو اختیار کر چکی ہے۔ مسلمان بھی عام طور پر پہنتے ہیں، بل کہ بہت سے مقامات پر یہ علما و صلحا کا بھی لباس ہو چکا ہے۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ جب شعار بدل گیا تو اب حکم بھی بدل جائے گا۔ خود مجدد اعظم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے فتاویٰ

رضویہ جلد دہم نصف اول میں شعار کے بدلنے سے حکم کے بدلنے کا فتویٰ دیا ہے اور اسلاف سے اس کی شہادت بھی پیش فرمائی ہے۔علاوہ ازیں فتاویٰ رضویہ میں بہت سے احکام میں حالات زمانہ کے بدلنے سے احکام کے بدل جانے کا فتویٰ دیا گیا ہے۔فتاویٰ مصطفویہ میں بھی اس کے متعدد نظائر پائے جاتے ہیں۔ہم یہاں بہ طور نمونہ صرف دو نظیریں پیش کرتے ہیں:

(الف) جوان ساس اور بہو کے احکام میں تبدیلی :

ساس اور بہو محرمات سے ہیں یعنی ان خواتین سے ہیں جن سے داماد اور خسر کا نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔ساس کی حیثیت داماد کے حق میں ماں کی ہوتی ہے اور بہو کی حیثیت خسر کے حق میں بیٹی کی ہوتی ہے لیکن لوگوں میں خدا ناترسی عام ہونے کی وجہ سے اب ان کے کچھ احکام بدل گئے ہیں۔حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے سوال ہوا کہ ساس یعنی بیوی کی ماں کا ہاتھ تعظیماً چومنا جائز ہے نہیں؟

تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ ہرگز نہ چاہیے جب کہ یہ اور وہ دونوں جوان ہوں یا دونوں میں سے ایک جوان ہو اور خوف فتنہ ہو، چومنا تو چومنا اس صورت میں تو ہاتھ میں ہاتھ بھی نہ لینا چاہیے۔شہوت ہی سے ہاتھ میں ہاتھ لینا ناجائز نہیں، بے شہوت بھی ناجائز ہے جب کہ شہوت سے امن نہ ہو۔

شہوت اس وقت نہیں اس وقت خالص تعظیم وتحیت ہی کے لیے بوسہ لیا، یا پاک محبت ہی سے ہاتھ میں لیا مگر ہاتھ میں ہاتھ آنے سے شہوت سے مامون نہیں تو چومنا کیسا؟ محض مصافحہ ہی جائز نہ ہوگا۔

محرمات نسبیہ سے خلوت جائز ہے اور رضاعیہ صہریہ سے ناجائز جب کہ وہ جوان ہو :

اس زمانۂ فساد میں جب کہ جوان وحسین خصوصاً بیوہ ساس اور رضاعی ماں، بہنوں کو میرے نزدیک مس کرنا نظر سے غلیظ تر ہے، مکروہ تر ہونا اور ہمارے قاعدۂ مذہب یعنی سد باب فتنہ کا اس سے غیر آبی ہونا ظاہر۔"وکم من احکام تختلف باختلاف الزمان" جیسے دوسرے کی باندی کے نامحرم کے ساتھ سفر وخلوت کو اس زمانہ میں بوجہ غلبۂ اہل فساد علامہ حصکفی نے علامہ ابن الکمال سے نقل فرمایا کہ یہ ناجائز ہے اور یہی مفتی بہ ہے شامی میں ہے:

"لم یذکر محمد الخلوۃ والمسافرۃ بأماء الغیر ،وقد اختلف المشائخ فی الحل وعدمه وهما قولان مصححان القول : لکن هذا فی زمانهم لما سیذکره الشارح عن ابن کمال انه لاتسافر الأمة بلا محرم فی زماننا لغلبة أهل الفساد وبه یفتی فتأمل اه".　　　(تلخیص فتاویٰ مصطفویہ ،ص:۵۲۵ تا ۵۳۰)

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے اپنے اس فتویٰ کو در مختار، رد المحتار، عنایہ، مجتبیٰ کشف الحقائق، حدیقہ ندیہ، قنیہ، استحسان القاضی الصدر الشہید، اشباہ، شرح اشباہ کی فقہی عبارتوں سے مزین بھی کیا ہے جنھیں ہم نے اختصار کے پیش نظر نقل نہیں کیا ہے۔

(ب) جرمانہ کا حکم :

ابتدائے اسلام میں مجرم سے جرمانہ لینا جائز تھا بعد میں یہ اجازت منسوخ ہوگئی اور منسوخ پر عمل کرنا ناجائز وگناہ ہے۔لیکن حضرت سیدی مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے لوگوں میں بے پناہ جرأت وبے باکی بڑھ جانے کی وجہ سے بعض صورتوں میں مجرم سے جرمانہ

لینے کی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ آپ کے جاری کردہ درج ذیل فتوے سے بخوبی عیاں ہے۔

تعزیر بالمال ناجائز ہے۔ جرمانہ کرنا نہ چاہیے۔ مگر فتاویٰ خلاصہ میں فرمایا:

"سمعت من ثقة ان التعزيز باخذ المال ان راى القاضى اوالوالى جاز و من جملة ذلك رجل لايحضر الجماعة يجوز تعزيره باخذ المال".

فتاویٰ خلاصہ کے اس ارشاد سے ایسے شخص پر جرمانہ کی اجازت والی وقاضی کے لیے معلوم ہوئی اگر وہ اس میں مصلحت پائیں جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتا۔ تو جو نماز ہی نہیں پڑھتے ان پر بدرجہ اولیٰ۔ مگر یہ اخذ از جا رتک ہوگا کہ اس طرح سے اس کی اصلاح ہو جائے تو بعد اصلاح واپس کردیں اور اگر واپس کرنے سے پھر اس شخص کی وہی حالت ہو جانے کا صحیح اندازہ ہو تو کسی نیک کام میں اس کی طرف سے لگا دیں، یہاں قاضی کہاں۔ یہاں اعلم علمائے بلد سنی صحیح العقیدہ غیر فاسق قائم مقام والی ہے۔ اس کی اجازت سے یہ تعزیر کی جا سکتی ہے۔ جس کی اصلاح ہو جائے اور واپس کرنے پر پھر اس کے بگڑ جانے کا اندیشہ نہ ہو تو بعد اصلاح اسے اس کی رقم واپس دے دی جائے اور جس کے بگڑنے اور تعزیر کی ہیبت ہی جانے کا اندیشہ ہو اس کی رقم کسی نیک کام میں صرف کردی جائے۔ اگر اس سے اجازت لے لی جائے تو اچھا ہے اور اگر وہ اجازت نہ دے تو بھی اس کی طرف سے کسی نیک کام میں لگا دی جائے کہ اسے ثواب پہنچے۔

(۳) غیر منصوص مسائل کے احکام کا استخراج :

جب کوئی مسئلہ نو پیدا ہو اور اس کا حکم شرعاً منصوص نہ ہو تو اس کے بارے میں امت کی صحیح شرعی رہنمائی ایک ماہر فقیہ کرسکتا ہے۔ اس خصوص میں جب ہم حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے فتاویٰ کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کا مقام صف علما میں بلند نظر آتا ہے، آپ سے یہ سوال دریافت کیا گیا کہ نماز جنازہ کی امامت پر اجرت لینا جائز ہے کہ نہیں؟ تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ امامت نماز جنازہ پر اجرت لینا دینا ناجائز ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

طاعت پر اجرت ٹھہرانا حرام ہے۔ یہی اصل مذہب ہے متاخرین نے بہ خوف ضیاع بعض طاعات کا استثنا فرمایا وہ وہی ہیں جن میں ضرورت ظاہرہ ہے۔ پھر خاص طاعت پر ہی عقد کرنا تو برا ہی ہے۔ کسی کے نزدیک بھی نہ چاہئے امامت صلاۃ جنازہ ان طاعات میں نہیں ہوگی۔ جن کا متاخرین کرام نے استثنا کیا کہ اس میں جماعت شرط و واجب نہیں۔ ایک کے ادا کرلینے سے نماز ادا ہو جائے گی اور کوئی واجب ترک نہ ہوگا۔

خلاصہ میں فرمایا:

ان كان الامام على طهارة والقوم على غير طهارة صحت صلوة الامام ولاتعاد الصلوة عليه فى التجريد هذا دليل على ان الجماعة ليست بشرط لصلاة الجنازة

بزازیہ میں فرمایا۔ حلیہ میں ہے: الجماعة فيها ليست بشرط حتى لو صلى الامام بجماعة فيها و كان على طهارة دونهم لا تعاد لان حق الميت تأدى بصلوة الامام وبالعكس تعادلان صلوته غير جائزة فكذ اصلوتهم لانها بناء على صلاته.

ہندیہ میں ہے:

الصلاة على الجنازة تأدى باداء الامام وحده لان الجماعة ليست بشرط الصلوٰة على الجنازة كذا في النهاية.

(ان فقہی عبارات کا حاصل یہ ہے کہ نماز جنازہ کے لیے جماعت شرط نہیں ہے، کوئی شخص تنہا ادا کرلے تو بھی فرض کفایہ ادا ہو جائے گا) نیز فرماتے ہیں:

"یہاں تک کہ عورت اگرچہ جاریہ ہو، امامت کرے، جب بھی نماز کا اعادہ نہ ہوگا، مردوں کی نماز اس کے پیچھے نہ ہوگی مگر اس کی اپنی ہو جائے گی اور وہ ادائے فرض کو کفایت کرے گی۔"

اس کے بعد حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے برہان، اشباہ، شرح اشباہ، درمختار، ردالمحتار، بحر، بدائع اور فتاویٰ عزیزیہ، ہدایہ، فتاویٰ بزازیہ، وغیرہ کی عبارتوں سے اپنے موقف کو اچھی طرح ثابت فرمادیا، پھر اخیر میں فرمایا:

"یہاں امامت صلاۃ جنازہ پہ روہی اجرت ٹھہرا رہا ہے اور اجرت بھی کیا، نکاح خوانی کے حقوق، تو یہ نا جائز در نا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
(فتاویٰ مصطفویہ، ص:۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹)

فقہائے متاخرین نے بوجہ ضرورت شرعیہ امامت پر اجارے کی اجازت دی ہے، اس سے بہ ظاہر یہ متبادر ہوتا ہے کہ نماز جنازہ پڑھانا بھی امامت ہے، اس لیے یہاں بھی اجارہ جائز ہونا چاہیے۔ لیکن حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے اس فتوے میں جب یہ صراحت ہو گئی کہ امامت نماز جنازہ پر اجارہ نا جائز ہے تو وجہ فرق واضح ہو کر یہ سامنے آ گیا کہ نماز جمعہ وعیدین کے لیے امام ماذون ضروری ہے، اس کے بغیر یہ نمازیں ادا ہی نہیں کی جاسکتیں اور نماز پنج گانہ کی ادائیگی اگرچہ بغیر امام و جماعت کے تنہا تنہا بھی ممکن ہے مگر جماعت ان نمازوں کی بھی واجب ہے اور جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی بغیر امام کے نہیں ہو سکتی اس لیے ان تمام نمازوں میں شرعاً امام کی ضرورت ہے۔ لہذا اس امامت کے لیے اجارہ جائز ہوا۔ لیکن اس کے برخلاف نماز جنازہ کے لیے امامت شرط نہیں جیسا کہ فتاویٰ مصطفویہ میں نقل کیے گئے جزئیات سے بہ خوبی ثابت ہوتا ہے اس لیے یہاں امام کی ضرورت نہیں پائی جاتی اور جب ضرورت نہیں تو اس پر اجارہ کی اجازت بھی نہ ہوگی۔

یہ مسئلہ بجائے خود بہت اہم ہے اور صراحت کے ساتھ اس کا حکم کتب فقہ میں مذکور نہیں ہے مگر یہ دقت نظر ہے حضور سیدی مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی کہ آپ نے الجماعة ليست بشرط لصلوة الجنازة سے اس کا استخراج فرمایا۔ ایسے جزیے سے اس مسئلہ کا استخراج وہی فقیہ اعظم کر سکتا ہے جس کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھلائی کا ارادہ فرمایا ہو۔ من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين.

بارگاہِ رسالت کا ادب و احترام :

آپ کے فتاویٰ میں بارگاہِ رسالت کا ادب و احترام بے پناہ پایا جاتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ آپ کی حیات مبارکہ اس شعر کی مصداق تھی۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

سراج العارفین حضرت علامہ مولانا غلام آسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے اپنے نام کے شروع میں برکت کے لیے لفظ محمد شامل کر لیا تھا۔ اس پر سیدی حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تنبیہ فرمائی کہ یہاں اسم رسالت نہیں ہونا چاہیے۔ علامہ فرماتے

ہیں کہ میں نے فوراً عرض کیا کہ حضور پھر ''محمد عبدالحیٰ'' کا کیا حکم ہوگا۔ اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا، کجا عبدالحی و کجا غلام آسی؟ علامہ فرماتے ہیں، یہ جواب سن کر میں حیرت زدہ رہ گیا اور حضرت کے تفقہ فی الدین کی عظمت دل میں خوب خوب رچ بس گئی۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے اپنے ارشاد سے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ جس نام کے شروع میں لفظ محمد لایا جائے، اگر اس نام کا اطلاق لفظ ''محمد'' پر درست ہو تو وہاں لفظ ''محمد'' لانا درست ہوگا، اور اگر نام کا اطلاق لفظ ''محمد'' پر درست نہ ہو تو وہاں لفظ ''محمد'' شروع میں لانا درست نہ ہوگا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم عبدالحی ہیں لہذا محمد عبدالحی کہنا درست ہے، لیکن غلام آسی نہیں ہیں، اس لیے محمد غلام آسی کہنا نامناسب ہے۔

جس شخصیت نے اپنے فتاویٰ میں بارگاہ رسالت کے ادب کے تعلق سے ایسی باریک بینی اور روقت نظر کا التزام کیا ہو وہ یقیناً رضائے مصطفیٰ ہوگی اور بجا طور پر بارگاہ رسالت سے اس انعام کی مستحق ہوگی کہ خلق خدا اسے مفتی اعظم کے نام سے یاد کرے۔

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم۔ مفتی اعظم کیوں؟

مولانا مفتی مطیع الرحمن رضوی مضطــرؔ پورنوی
شعبۂ افتا جامعہ حضرت بلال، بنگلور، کرناٹک

لفظ افتا مصدر ہے جس کے لغوی معنی "رائے اور جواب دینا" ہیں اس معنی کے اعتبار سے قرآن کریم میں ملکۂ بلقیس کا یہ قول نقل ہوا ہے۔

یٰاَیُّهَا الْمَلَؤُ اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ (سورہ نمل، آیت ۳۲) اے سردارو! میرے اس معاملہ میں مجھے رائے دو۔

"مفتی" اس کا اسم فاعل ہے تو لغت کے اعتبار سے اس کا معنی ہوا۔ "رائے اور جواب دینے والا" اصطلاح میں افتا کے معنی "شرعی فیصلہ اور حکم بتانا۔" علامہ ابن عابدین شامی (ردالمحتار ج۔ ۴ ص ۳۲۶، داراحیاء التراث العربی، بیروت پر) لکھتے ہیں:

الافتاء افادة الحکم الشرعی فتویٰ دینے کا مطلب حکم شرعی سے آگاہ کرنا ہے۔

امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

انما الافتاء ان تعتمد علی شئ و تبین لسائلك ان هذا حکم الشرع فیما سئلت (فتاویٰ رضویہ، جلد ۱، صفحہ ۳۸۲) فتویٰ دینے کے معنی پورے اعتماد کے ساتھ سائل کو اس کے سوال کا حکم شرعی بتانا ہے۔

افتا کی اہمیت وعظمت کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ خداوند قدوس نے قرآن میں اس کی اسناد خود اپنی طرف فرمائی ہے۔

وَ یَسْتَفْتُوْنَكَ فِی النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِیْهِنَّ (سورہ نساء، آیت ۱۲۷) اور تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمھیں ان کا فتویٰ دیتا ہے۔

اس اعتبار سے یہ کہنا بجا ہوگا کہ قرآن کریم خدائے تعالیٰ کے فتاویٰ کا ایک کامل مجموعہ بھی ہے۔ پھر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چونکہ خدا کے خلیفۂ مطلق اور مظہر اتم ہیں اس لیے اس نے اپنی اس صفت سے بھی آپ کو نوازا اور منصب افتا پر سرفراز فرمایا۔ قرب کی مقامات کے صحابۂ کرام اپنے تمام درپیش مسائل لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور آپ انھیں شرعی احکام سے مطلع فرماتے جس کا سلسلہ وصال کے وقت تک جاری رہا۔ اس لیے یہ بات پورے یقین واعتماد کے ساتھ کہی جائے گی کہ احادیث پاک کے خزانے جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور تقریر واثبات کے مظہر ہیں، وہیں آپ کے فتاویٰ کے حسین ترین مجموعے بھی ہیں۔ وہ مقامات جہاں کے لوگ اپنی ہر ضرورت پر آپ کی بارگاہ میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے ان مقامات کے لیے آپ نے اپنی نیابت میں بعض اجلۂ صحابہ کو بھی یہ ذمہ داری دے رکھی تھی۔ اور وہ حضرات قرآن وحدیث کے مطابق عامۃ الناس کو فتاویٰ دیتے اور جب کسی نئی پیش آمدہ صورت کا حکم

انھیں قرآن وحدیث کے ذخائر میں نہ ملتا تو اجتہاد سے کام لیتے اور امثال ونظائر کو سامنے رکھ کر انھیں احکام شرعیہ سے آگاہ کرتے۔ ان خوش نصیبوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔
(اصول الشاشی مع احسن الحواشی، ص ۸۳)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یہ منصب عظیم پورے طور پر صحابہ کرام کو تفویض ہوگیا۔ کم وبیش ایک لاکھ صحابہ میں سے متعدد حضرات ایسے تھے جو بجا طور پر اس منصب پر فائز ہوئے اور باحسن وجوہ اس فریضہ کو انجام دیا۔ صحابۂ کرام میں وہ نفوس قدسیہ جنھوں نے یہ فریضہ انجام دیا ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم عنا۔ (نور الانوار، ص ۱۸۳)

پھر صحابہ کرام کے بعد تابعین کا دور آیا تو اس منصب رفیع پر وہ فائز ہوئے اور اپنے فتاویٰ سے امت مسلمہ کی رہنمائی فرمائی۔ اس دور کے فتاویٰ دینے والے بزرگوں میں سرفہرست حضرت علقمہ بن قیس، حضرت ابراہیم بن زید، حضرت حماد بن مسلم، حضرت نعمان بن ثابت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ (ردالمحتار، جلد ۱، ص ۴۹)

افتایا فتاویٰ نویسی کا آغاز فن کی صورت میں امام اعظم ابوحنیفہ نے ہی کیا اور انھوں نے ہی اس کے قواعد وقوانین مقرر فرمائے۔ علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

امام الائمة سراج الامة ابو حنيفه النعمان فانه اول من دون الفقه و رتبه ابوابا وكتبا على نحو ما عليه اليوم و تبعه مالك فى مؤطا و من كان قبله انما كانوا يعتمدون على حفظها
(شامی جلد ۱، ص ۵۰)

امام الائمہ سراج الامہ امام ابوحنیفہ نے سب سے پہلے تدوین فقہ کا کام کیا اور الگ الگ نوع کے مسائل کے لیے الگ الگ کتاب اور باب متعین کیے آج تک یہی طریقہ دنیا میں مروج ہے۔ امام مالک نے مؤطا میں امام اعظم ہی کا اتباع کیا ہے آپ سے پہلے کے لوگ یادداشت ہی پر اعتماد کرتے تھے۔

تابعین کے بعد تبع تابعین کا زمانہ آیا تو یہ ذمہ داری ان کے سر آئی اور انھوں نے یہ فریضہ انجام دیا۔ اس زمانہ کے فتاویٰ دینے والوں میں یہ حضرات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد علیہم الرحمۃ والرضوان۔

فن افتا کے اصول وضوابط امام یوسف ہی نے مرتب فرمائے ہیں اور امام محمد نے اسے بام عروج تک پہنچایا ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

دقق النظر فى قواعد الامام واصوله واجتهد فى زيادة استنباط الفروع منها والاحكام تلميذ الامام الاعظم ابويوسف يعقوب بن ابراهيم قاضى القضاة فانه كما رواه الخطيب فى تاريخه اول من وضع الكتب فى اصول الفقه على مذهب ابى حنيفة و زاد فى استنباط الفروع وتنقيحها و تهذيبها و تحريرها بحيث لم يحتج الى شئ آخر الامام محمد بن الحسن

الشیبانی تلمیذ ابی حنیفة و ابی یوسف (شامی جلد ا،ص۵۰)

امام اعظم کے اصول وقواعد میں تدقیق اوران قواعد واصول سے مسائل واحکام کے استنباط کوفروغ آپ کے شاگرد قاضی القضاۃ ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم نے دیا ہے۔خطیب نے اپنی تاریخ میں روایت کی ہے کہ امام اعظم کے اصول فقہ پر سب سے پہلے آپ ہی نے کتابیں لکھیں پھر آپ حضرات کے شاگرد محرر مذہب امام محمد بن حسن شیبانی نے اسے تنقیح وتہذیب کر کے اس طرح بام عروج پر پہنچایا کہ اس کے بعد کسی اضافہ کی حاجت نہ رہی۔

صحابہ کرام کے زمانہ سے لے کر تبع تابعین کے عہد تک افتا کے عظیم منصب پر فائز رہنے والی ان خوش نصیب ہستیوں کا جائزہ لیجیے تو اپنی اپنی جگہ ہر ذات اجتہاد کی روشنی سے معمور اور علم وفضل کا آفتاب و ماہتاب نظر آئے گی۔

اس لیے تمام علما کا اتفاق ہے کہ جس شخص کے اندر اللہ تعالیٰ نے اجتہاد کی قوت ودیعت نہیں فرمائی ہے وہ حقیقی معنوں میں مفتی نہیں ہے۔علامہ شامی فرماتے ہیں: **ان المفتی حقیقة هو المجتهدفاماغیرالمجتهدممن یحفظ اقوال المجتهدفلیس بمفتٍ۔** (ردالمحتار ج۔ا ص۱۵۵داراحیاءالتراث العربی، بیروت)

مجتہد ہی حقیقی معنی میں مفتی ہے غیر مجتہد کا فریضہ قول مجتہد کونقل کرنا ہے۔

اوراجتہاد کی صفت گو کہ نبوت کی طرح محض وہبی نہیں ہے جس میں بندے کی جدو جہد اورکسب وریاض کوکوئی دخل نہیں ہوتا ہے۔ پھر بھی دوسری بہت سی صفتوں کی طرح محض کسبی نہیں کہ خدائے تعالیٰ کی خصوصی عطا کے بغیر جدو جہد اورکسب وریاض سے حاصل ہو جائے۔ بل کہ کسبی اور وہبی کے درمیان ایک برزخ ہے جو جدو جہد اور کسب وریاض کے ساتھ ساتھ خدائے وہاب کی عنایت اور خصوصی عطا سے حاصل ہوتی ہے۔رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من یرد اللہ به خیرا یفقهه فی الدین۔ (مشکوۃ شریف،حدیث۔۔۔۲،دارالکتب العلمیہ، بیروت)

اللہ تعالیٰ جسے خیر سے نوازنا چاہتا ہے اسے اجتہاد کی صفت سے سرفراز فرمادیتا ہے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں: **حکی بعض الاصحاب منا انه لم یوجد بعد عصر الشافعی مجتهد مستقل۔** (شرح المہذب،ص۷)

ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا ہے کہ دور شافعی کے بعد مفتی مستقل پیدا نہیں ہوئے۔

گویا امام شافعی ہی (ان اصحاب کے بقول) مفتیان مطلق کے خاتم اوران کی آخری کڑی ہیں آپ کے بعد مفتی مطلق کے منصب پر کوئی فائز ہوا ہے اور نہ امام مہدی کی تشریف آوری تک بہ ظاہر کوئی فائز ہو سکے گا۔

مگر چوں کہ اسلام خدا کا آخری دین اور قیامت تک باقی رہنے والا مذہب ہے پھر ایجادات واختراعات کا سلسلہ بھی روز افزوں ہے جس کے نتیجہ میں نئے نئے مسائل کا پیدا ہوتے رہنا لازمی ہے تو ضروری ہے کہ ان نئے پیش آنے والے مسائل کے سلسلہ میں مسلمانوں کو احکام شرعی سے مطلع کرنے کے لیے مفتیان کرام کا "سلسلۃ النور" بھی ہر زمانے میں قائم رہے۔اس لیے خداوند قدوس نے مفتیان متعینین کو ان کے مراتب کے لحاظ سے ایک گونہ اجتہاد کی صلاحیتوں سے نوازا اور افتا کے گراں کا باران کے سروں پر رکھا۔رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق حتی تأتی الساعة (ردالمحتار جلد ا،ص۷۸)

قیامت آنے تک میری امت کی ایک جماعت حق پر قابو یافتہ رہے گی۔اس کا ایک معنی یہ بھی لیا گیا ہے کہ ایک جماعت ہمیشہ قوت اجتہاد سے متصف رہے گی۔

ان مفتیان منتسبین کا فریضہ یہ ہے کہ مفتیان مطلق کی راہ سے الگ نہ ہوں انھیں کے اصول وضوابط کی روشنی میں اجتہاد سے کام لیں اور نئے مسائل میں امت مسلمہ کی رہنمائی فرمائیں۔علامہ شامی لکھتے ہیں:التحقیق ان المفتی فی الوقائع لا بدله من ضرب اجتهادو معرفة باحوال الناس ۔ (شامی جلد ۳،ص ۳۹۸)

نئے مسائل کے جواب کے لیے ضروری ہے کہ مفتی ایک گونہ اجتہاد سے متصف اور احوال الناس سے باخبر ہو۔

امام نووی نے قوت اجتہاد میں فرق کے لحاظ سے مفتیان منتسبین کو چار گروہ میں تقسیم فرمایا ہے۔

۱-اصحاب التخریج ،(۲) مجتہدین فی المسائل (۳) اصحاب الترجیح (۴)اصحاب تمییز (شرح المہذب ص ۶ تا ۸)

علامہ شمس الدین بن کمال پاشا نے ایک پانچواں طبقہ ناقلین عن المجتہدین کا بھی اضافہ فرمایا ہے۔(شامی جلد ۱،ص ۷۷)

اب ان مفتیان منتسبین کے اپنے اپنے طبقوں میں جن کے اندر اجتہاد کی قوت سب سے زیادہ ہوگی وہ اس طبقہ میں مفتی اعظم قرار پائیں گے مثلاً مجتہدین فی المسائل میں سے جن کے اندر اجتہاد فی المسائل کی قوت سب سے زیادہ ہوگی وہ مجتہدین فی المسائل میں مفتی اعظم ہوں گے۔اصحاب تخریج میں سے جن کے اندر اجتہاد فی التخریج کی قوت سب سے زیادہ ہوگی وہ اصحاب تخریج میں مفتی اعظم ہوں گے۔علی ہذا القیاس۔ناقلین میں سے جن کے اندر اجتہاد فی النقل کی قوت سب سے زیادہ ہوگی وہ ناقلین میں مفتی اعظم ہوں گے اور قوت اجتہاد کی کمی وزیادتی کا اندازہ خارجی اور داخلی دونوں طرح کی شہادتوں سے لگایا جائے گا۔

خارجی شہادت سے میری مراد اس طبقہ یا عہد کے مفتیان کرام کے پیہم اعترافات سے ہے۔اسی طرح داخلی شہادت سے مراد نئے پیش آمدہ مسائل کے حل اور اس باب میں مفتیان کرام کے فتاویٰ کا تقابلی جائزہ سے ہے۔

قوت اجتہاد کی شدت وضعف کے جس پیمانہ کی نشاندہی میں نے کی ہے اسے معیار قرار دے کر امام احمد رضا کے جانشین حضور مفتی اعظم کی ذات کو دیکھیے تو آپ کو یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہ ہوگا کہ افتائے عظیم کی حسین قبا صرف آپ کے ہی جسم انور پر جچتی ہے۔اس لیے اس عہد میں اس منصب کا مستحق آپ کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

محب گرامی مولانا سید شاہد علی صاحب نے جانشین مفتی اعظم علامہ ازہری سے،انھوں نے نمونہ سلف علامہ مبین الدین امروہوی سے،انھوں نے صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی کے حوالہ سے فرمایا ہے:ہمارے ممدوح کو مفتی اعظم کا یہ لقب امام احمد رضا کے دور میں ہی مل گیا۔سید اعجاز حسین بریلوی مرحوم نے بلا سند ماہنامہ اعلیٰ حضرت ربیع الاول ۸۵ ۱۳ھ جولائی ۱۹۶۵ء میں تحریر فرمایا کہ یہ لقب خود امام احمد رضا نے ہی عطا فرمایا۔

کاش یہ حضرات اس دور کی کوئی تحریری شہادت بھی پیش کر دیتے تو بات تشنۂ ثبوت نہیں رہ جاتی۔آپ اس سے صرف نظر کرکے بھی امام احمد رضا کے بعد دنیائے اسلام کے اصحاب فتاویٰ کی فہرست کا مختصر جائزہ لیجیے تو دیکھیں گے کہ

۱ - مکہ مکرمہ میں	مفتی سید امین قطبی،مفتی سید عباس علوی
۲ - مدینہ منورہ میں	مفتی ضیاء الدین مہاجر مدنی
۳ - بغداد شریف میں	مفتی سید عبد المعبود جیلانی

۴ - مارہرہ مطہرہ میں	مفتی سید اولادرسول محمد میاں برکاتی
۵ - بریلی شریف میں	حجۃ الاسلام مفتی حامد رضا خان، مفتی حسنین رضا خان
۶ - جبل پور میں	عید الاسلام مفتی عبد السلام، برہان الملت مفتی برہان الحق
۷ - علی پور میں	مفتی جماعت علی شاہ محدث علی پوری
۸ - الور میں	مفتی سید دیدار علی، مفتی سید ابو البرکات
۹ - علی گڑھ میں	مفتی سید سلیمان اشرف بہاری
۱۰ - گورکھپور میں	مفتی سید شاہد علی سبز پوش
۱۱ - اعظم گڑھ میں	صدر الشریعہ مفتی امجد علی
۱۲ - مرادآباد میں	صدر الافاضل مفتی سید نعیم الدین
۱۳ - کچھوچھہ مقدسہ میں	مفتی سید محمد محدث اعظم ہند
۱۴ - پورنیہ میں	مفتی سکندر علی رشیدی
۱۵ - پھپھوند شریف میں	مفتی سید مصباح الحسن چشتی
۱۶ - پٹنہ میں	ملک العلما مفتی ظفر الدین بہاری
۱۷ - سیالکوٹ میں	مفتی فتح علی
۱۸ - ہزارہ میں	مفتی عالم جان، مفتی عمر الدین
۱۹ - حیدرآباد میں	مفتی عبد القدیر بدایونی
۲۰ - میرٹھ میں	مفتی مختار احمد، مفتی عبد العلیم صدیقی
۲۱ - لکھنؤ میں	مفتی عبد الاحد
۲۲ - اجمیر معلی میں	مفتی امتیاز احمد
۲۳ - دہلی میں	مفتی مظہر اللہ
۲۴ - بھاول پور میں	مفتی سراج احمد خان
۲۵ - پیلی بھیت میں	مفتی ضیاء الدین، شیر بیشۂ اہل سنت مفتی حشمت علی
۲۶ - آگرہ میں	مفتی عبد الحفیظ
۲۷ - فرنگی محل میں	مفتی صبغۃ اللہ
۲۸ - ملتان میں	مفتی نظام الدین
۲۹ - کراچی میں	مفتی عبد الکریم
۳۰ - سندھ میں	مفتی محمد حسین بلوچستانی
۳۱ - بدایوں میں	مفتی عبد الحامد بدایونی

۳۲ - سہسوان میں مفتی سید غلام قطب الدین برہمچاری
۳۳ - سیتاپور میں مفتی محمد اسماعیل محمود آبادی وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم

کیسے کیسے صاحبان فضل وکمال اور اہل علم وافتا موجود تھے مگر سب نے بالاتفاق کسی کی قوت اجتہاد اور فقاہت نفس کا اعتراف کیا ہے اور کسی کو مفتی اعظم کہا، لکھا، چھاپا ہے تو وہ صرف ہمارے ممدوح مولانا مصطفیٰ رضا کی ذات ہے۔

امام احمد رضا کے ساتویں عرس منعقدہ ۲۵ رصفر ۱۳۴۷ھ کے عظیم الشان اجلاس میں حجۃ الاسلام سمیت غیر منقسم ہندوستان کے بڑے بڑے مفتیان کرام اور علمائے عظام موجود تھے۔ اس اجلاس میں آپ کو مفتی اعظم کہا گیا اور حضرت حجۃ الاسلام کے حکم سے منظور شدہ تجویزوں میں سے ایک تجویز میں آپ کے لیے مفتی اعظم کا لفظ آیا ہے۔ (دبدبۂ سکندری، رام پور، شمارہ ۹، جلد ۶۶، ص ۲۰۶، اگست ۱۹۲۸ء)

آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ ۲۷ رتا ۳۰ راپریل ۱۹۴۶ء مقام بنارس کے تاریخ ساز اجلاس جس میں پانچ سو مشائخ عظام سات ہزار مفتیان کرام اور علمائے فخام شریک تھے اس میں آپ کو بار بار مفتی اعظم کے لقب سے یاد کیا گیا اور اس کی مختلف تجویزوں میں مفتی اعظم لکھا گیا ہے۔ (المیزان اپریل ۱۹۸۷ء، ص ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۴)

تاجدار اشرفیت حضرت مفتی سید محمد محدث اعظم ہند نے اپنے خطبۂ صدارت "ارشادات دین پرور" میں فرمایا ہے۔ "میرا خیال ہے سنی جمعیۃ العلما کیا چیز ہے؟ سطور بالا میں اس سوال کا جواب مفصل آچکا ہے۔ کاش اس سوال کا جواب حضرت مفتی اعظم سنیوں کا آقا، سنیوں کا مرکزی آسرا کا قلم دیتا۔" (المیزان اپریل ۱۹۸۷ء، ص ۱۴۱)

یہ حضور مفتی اعظم کے مفتی اعظم ہونے سے متعلق خارجی شہادتیں تھیں اب آیئے اور داخلی شہادتیں ملاحظہ فرمایئے۔

۱۸ رسال کی عمر ہے عنفوان شباب کا زمانہ کسی کام سے دار الافتا پہنچے تو دیکھا ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری رضاحت کے ایک استفتا کے جواب کے لیے فتاویٰ رضویہ کی طرف مراجعت کر رہے ہیں۔ بے ساختہ زبان پر آ گیا۔ فتاویٰ رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہیں؟ ملک العلما نے فرمایا "آپ بغیر فتاویٰ رضویہ دیکھے لکھ دیں تو جانیں؟ یہ سن کر فقاہت نفس موجزن ہو جاتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ دیکھنا تو دور کی بات ہے کسی بھی فتاویٰ کو دیکھے بغیر جواب لکھ دیا۔ اصلاح کے لیے امام احمد رضا کی بارگاہ میں پیش ہوا۔ وہ امام احمد رضا جن کے متعلق علمائے عرب کا فیصلہ ہے۔

واللہ اقول والحق اقول لو رآھا ابو حنیفۃ النعمان لاقرت عینہ ولجعل مؤلفھا من جملۃ الاصحاب۔ (الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ ص ۲۲ رضا اکیڈمی، ممبئی) (ترجمہ) آپ امام اعظم کے زمانہ میں ہوتے تو امام اعظم بالیقین آپ کو اپنے اصحاب میں داخل فرما لیتے۔

امام احمد رضا اس میں اصلاح کی گنجائش نہیں پاتے۔ صح الجواب بعون الله العزيز الوهاب لکھ کر تصدیق فرماتے ہیں اور خوش ہو کر پانچ روپے انعام دیتے ہیں پھر ابو البرکات محی الدین جیلانی محمد عرف مصطفیٰ رضا کی مہر بنوا کر عطا فرماتے ہیں۔
(تذکرہ علمائے اہل سنت ص ۲۲۳)

امام احمد رضا کے بعد اجتہاد کے متقاضی جن نئے مسائل سے امت مسلمہ دوچار ہوئی اس میں انجکشن سے روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے، راکٹ کے ذریعہ چاند پر پہنچ سکنے نہ پہنچ سکنے۔ حج فرض کے لیے فوٹو کھنچوانے کا جواز عدم جواز اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتدا کی صحت وعدم صحت کے مسئلے خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

اس لیے ہم اس مقالہ میں وقت کی قلت کا لحاظ رکھتے ہوئے بہت ہی اختصار کے ساتھ ترتیب وار انھیں چند مسائل میں حضور مفتی اعظم کی قوت اجتہاد اور فقاہت نفس کا جائزہ لینے اور دوسرے مفتیان کرام کے فتاویٰ سے آپ کے فتاویٰ کے تقابل پر اقتصار کریں گے۔

انجکشن سے روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا مسئلہ جب پہلی بار مفتیان کرام کے سامنے آیا تو بیشتر حضرات متردد رہے۔ کچھ حضرات نے یہ فتویٰ دیا کہ "روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا کیوں کہ انجکشن کی سیال دوائیں معدہ میں بھی پہنچتی ہیں اور خارج سے کسی چیز کا معدہ میں پہنچنا مفسد روزہ ہے۔" اور کچھ حضرات نے یہ فتویٰ صادر فرمایا کہ "گوشت میں انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ ہاں رگ میں لگوایا جائے تو فاسد ہو جائے گا کیوں کہ دوائیں گوشت سے معدہ میں نہیں پہنچتی ہیں اور رگ سے پہنچ جاتی ہیں۔" لیکن مفتی اعظم نے ارشاد فرمایا "انجکشن گوشت میں لگوایا جائے خواہ رگ میں کسی بھی صورت میں اس کی دوائیں معدہ تک منفذ کے ذریعہ نہیں پہنچتی ہیں بل کہ مسامات کے ذریعہ پہنچتی ہیں، اس لیے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ جیسے ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے میں اس کی تری مسامات کے ذریعہ بسااوقات معدہ تک پہنچ جاتی ہے اور روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔ آنکھوں میں دوا ڈالنے سرمہ لگانے سے اس کا ذائقہ حلق میں محسوس اور رنگت تھوک میں دکھائی دے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔"

حضور مفتی اعظم نے اس فتویٰ میں جہاں فقہ کے اس ضابطۂ کلیہ "خارج سے کوئی چیز غیر منفذ کے ذریعہ معدہ تک پہنچے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔" سے استدلال فرمایا ہے۔ اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے، آنکھوں میں دوا ڈالنے، سرمہ لگانے جیسے امثال و نظائر سے کام لیا ہے وہیں اس بات کی طرف بھی واضح اشارہ فرما دیا ہے کہ شریعت مطہرہ کا کوئی حکم کسی طبی تحقیق پر مبنی ہو تو اس سے صرف نظر کر کے فتویٰ صادر کر دینا غلطی کا باعث بن جاتا ہے۔ فساد روزہ کا حکم دینے والے مفتیان کرام نے اگر یہ تحقیق کر لی ہوتی کہ گوشت یا رگ سے معدہ تک منفذ ہے یا نہیں؟ پھر فتویٰ دینے میں ان سے یہ غلطی نہیں ہوتی۔ بہر حال اس فتویٰ سے آپ کی مجتہدانہ صلاحیتوں کا کافی سراغ ملتا ہے۔

جب چاند کی دھرتی پر پہلا قدم رکھنے کے لیے روس و امریکہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی جد و جہد کر رہے تھے تو چاند کو دیوتا اور دیوی ماننے والوں اور اس کی عبادت و بندگی کرنے والوں کے ساتھ ساتھ بعض مفتیان کرام بھی اسے روس و امریکہ کا جنون اور بکواس کہہ رہے تھے۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ "چاند آسمان کے اندر ہے اور آسمان تک کسی غیر مسلم کا پہنچنا محال شرعی ہے، اس لیے روس یا امریکہ کے چاند تک کامیاب ہو جانے کا خیال اسلامی اصول کے خلاف ہے۔"

بہت سے علمائے کرام کو کوئی کیفیت سے دوچار خاموش تھے لیکن مفتی اعظم نے فرمایا "جب چاند کی طرف نگاہ اٹھائی جاتی ہے تو وہ آسمان کے نیچے نظر آتا ہے۔ صحابی رسول رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر کے مطابق بھی سورج، چاند اور ستارے آسمان میں نہیں گردش کر رہے ہیں۔ جیسا کہ تفسیر مدارک میں "كُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ" (سورۂ انبیا ۲۱/ ۳۳) کی تفسیر میں ہے۔ عن ابن عباس المراد بالفلك السماء والجمهور على أن الفلك موج مكفوف تحت السماء تجري فيه الشمس والقمر والنجوم (ص ۴۵، پارہ-۱۷، دار المعرفہ، بیروت) یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف یہ ہے کہ فلک سے مراد آسمان ہے جب کہ جمہور کے مسلک کے مطابق سورج، چاند اور ستارے سب زمین و آسمان کے درمیان ایک موج مکفوف میں تیر رہے ہیں۔ جمہور کا مسلک جمہور کی روشنی میں مشاہدہ اور روایات دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ چاند آسمان کے نیچے ہے اور جب آسمان کے نیچے ہے تو چاند پر پہنچنے سے آسمان پر پہنچنا کہاں لازم آتا ہے کہ چاند پر پہنچنا محال شرعی ہو جائے۔ ہمارے نزدیک انسان کا چاند تک پہنچنا ممکن ہے۔ اگر کسی مشینی ذریعہ سے انسان چاند تک پہنچ جائے تو اس سے اسلام کا کوئی اصول مجروح نہیں ہوگا۔"

حضور مفتی اعظم کے اس فتویٰ سے جہاں آپ کی مجتہدانہ صلاحیت کا نشان ملتا ہے، وہیں تفاسیر پر گہری نظر اور اسلامی اصولوں سے پوری واقفیت کا بھی اندازہ لگتا ہے جو اجتہاد کے لوازم ہیں۔

حضور مفتی اعظم کے اس فتویٰ سے نئے مسائل کو حل کرنے کے سلسلہ میں عالم اسلام کے بڑے بڑے مفتیان کرام پر آپ کا علمی تفوق اور قوت اجتہاد میں برتری روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

ہندوستانی حکومت نے شروع شروع میں حج کے لیے بھی پاسپورٹ پر فوٹو لازمی قرار دیا تو تمام مفتیان کرام اس خصوص میں فوٹو کھنچوانے کے جواز وعدم جواز سے متعلق شش وپنج میں مبتلا ہو گئے۔ بعض حضرات نے جواز کا فتویٰ دیا اور لکھا ''حج فرض کی ادائگی ضروری ہے جو فوٹو کھنچوائے بغیر نہیں ہوسکتی اور فوٹو کھنچوانا شرعا ممنوع ومحظور ہے۔ تو الضرورات تبیح المحظورات کے تحت ناجائز وگناہ نہیں رہنا چاہیے مباح ہوجانا چاہیے۔ نیز حج فرض ہوجانے کے بعد ادائگی میں تاخیر کرنا از روے شرع بلیۃ (آزمائش) ہے اور فوٹو کھنچوانا بھی بلیہ مگر حج کی ادائگی میں تاخیر کے بلیہ سے فوٹو کھنچوانے کا بلیہ اَہْوَن (زیادہ ہلکی) ہے۔ کیوں کہ حج کی ادائگی میں تاخیر گناہ وفسق ہے اس لیے مَن ابتلی ببلیتین وهما متساویتان یاخذبایتهماشاء وان اختلفتایختاراهونهمالان مباشرة الحرام لاتجوزالا للضرورة ولاضرورة فی حق الزیادة (الاشباہ والنظائر ج۔۱ ص۲۶۱ القاعدۃ الخامسہ: الضرر یزال، کراچی) کے تحت فوٹو کھنچوا کر ادائگی حج کی اجازت ہونی چاہیے۔ جیسے کسی کا کسی پر کوئی حق ہو اور وہ جھوٹ بولے بغیر حاصل نہ ہوسکتا ہو تو شریعت نے اسے احیائے حق کے لیے جھوٹ بولنے کی رخصت دی ہے۔ باوجودیکہ عام حالات میں جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ اسی طرح فوٹو کھنچوانا بھی اگرچہ گناہ ہے مگر چوں کہ حج فرض اس کے بغیر ادا نہیں ہوسکتا ہے تو اسقاط فرض کے لیے فوٹو کھنچوانے کی بھی رخصت ہونی چاہیے۔ ہاں حج نفل کے لیے فوٹو کھنچوانا جائز نہیں ہوگا۔'' لیکن حضور مفتی اعظم نے فرمایا: حج کے لیے امن طریق بالاتفاق شرط ہے۔ ایک روایت کے مطابق نفس وجوب کی شرط اور دوسری اصح اور راجح روایات کے مطابق وجوب ادا کی شرط۔ ردالمحتار میں ہے۔ وقدمنا عن اللباب انه من شروط وجوب الاداء فی شرحه انه الاصح ورجحه فی الفتح و روی عن الامام انه شرط وجوب (ردالمحتار ج۔۳ ص ٤٦٢، کتاب الحج، دار الکتب العلمیہ، بیروت) اور امن مطلق ہے جو حسی وشرعی دونوں کو شامل ہے تو جس طرح امن حسی نہ ہو یعنی راہ میں لوٹ مار سے جان ضائع ہونے کا ظن غالب ہو تو پہلی روایت کے مطابق حج ہی فرض نہیں اور دوسری اصح اور راجح روایت کے مطابق حج فرض ہے مگر ادا کرنا فرض نہیں۔ اس میں تاخیر جائز ہے۔ اسی طرح امن شرعی نہ ہو یعنی ارتکاب حرمت کرنا پڑے۔ جیسے عورت کو شوہر یا محرم کی ہمراہی نصیب نہ ہو یا عورت عدت کی حالت میں ہو تو ایک روایت کے مطابق حج ہی فرض نہیں اور دوسری اصح اور راجح روایت کے مطابق حج فرض ہے مگر ادا کرنا فرض نہیں۔ اس میں تاخیر جائز بلکہ واجب ہے۔ فوٹو کھنچوانے میں بھی ارتکاب حرمت ہے لہٰذا اس صورت میں بھی امن شرعی مفقود ہوا۔ لہٰذا پہلی روایت کے مطابق سرے سے حج ہی فرض نہیں ہوگا اور دوسری اصح اور راجح روایت کے مطابق حج فرض ہوگا مگر ابھی ادا کرنا فرض نہ ہوگا۔ اس میں تاخیر جائز بلکہ واجب ہوگی۔ پہلی روایت کے مطابق حج فرض ہی نہیں تو فوٹو کھنچا کر حرام کا مرتکب ہونا غیر فرض کے لیے ہے جس کے معصیت ہونے میں شبہ نہیں۔ دوسری اصح اور راجح روایت کے مطابق حج اگرچہ فرض ہے مگر ابھی ادا کرنا فرض نہیں۔ تو اب بھی در حقیقت غیر فرض ہی کے لیے فوٹو کھنچوانا ہوگا۔ اس لیے اس صورت میں بھی گناہ سے مفر نہیں۔''

پھر یہ مسئلہ اور اس طرح کے تمام مسائل کو حل کرنے کے لیے یہ قاعدہ کلیہ بیان فرمایا'' جب امتثال مامور بہ ارتکاب حرام کو مستلزم ہو تو مامور بہ کو مؤخر کرنا واجب ہوجاتا ہے اور حرام سے پرہیز کرنا لازم رہتا ہے کہ پرہیز ہی راجح ہے۔ یہاں تک کہ امتثال مامور بہ کے لیے اگر

ارتکاب حرام کرے گا تو فاسق ہو جائے گا۔" اوراس کی تائید میں غنیۃ شرح منیہ اوراس کے علاوہ دوسری کئی کتابوں سے یہ نظیر پیش کی" موضع ستر میں قدر درہم سے زیادہ نجاست لگی ہو تو اس کا دھونا فرض ہے۔اور دوسرے کے سامنے ستر کھولنا حرام ہے۔اب اگر دوسرے کے سامنے ستر کھولے بغیر دھونے کی کوئی صورت نہ ہو تو ستر کھولنا جائز نہیں۔"

غنیۃ شرح منیہ (کتاب الطہارت: کیفیۃ الاستنجاء بالماء) میں ہے:

لا یجوز الکشف عند احد اصلاً لانه حرام یعذر به فی غسل طهارة النجاسة اذا لم یمکنه ازالتها من غیر کشف۔ و قال البزازی ومن لم یحدث منه ترکه ولو علی شط نهر لان النهی راجع عل الامر حتی یستوعب النهی الا زمان ولم یقتض الامر التکرار۔و قال قاضی خان قالوا من کشف العورة للاستنجاء یصیر فاسقا الخ۔

(ص١٦، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء والغسل، نول کشور لکھنؤ ١٨٧٨ء)

اس مقام تک حضور مفتی اعظم نے اپنے مدعا کو مدلل طور پر ثابت کیا ہے اور ضمناً اس فتویٰ میں پیش کی گئی دلیلوں کے جواب کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔مگر اب اس کے بعد بالقصد اس فتویٰ کی دلیلوں کو رد کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔فرماتے ہیں:

١-ہم ثابت کر آئے ہیں کہ فوٹو کھنچوانے کی شرط پر ایک روایت کے مطابق سرے سے حج ہی فرض نہیں ہوگا اور دوسری اصح اور راجح روایت کے مطابق حج اگرچہ فرض ہے مگر ابھی ادا کرنا فرض نہیں۔تو ضرورت ہی متحقق نہیں ہوئی۔ اسلیے "**الضرورات تبیح المحظورات**" سے استدلال صحیح نہیں۔

٢-جب یہ ثابت ہو چکا کہ ابھی ادا کرنا بہر حال فرض نہیں تو تاخیر میں سرے سے گناہ ہی نہیں اور جب گناہ ہی نہیں تو بلیتین (دونوں آزمائش) کا تحقق کہاں ہوا ہے؟ بلیہ تو صرف فوٹو کھنچوانا ہوا۔اور بالفرض ادائیگی بھی فرض ہو تو بھی تاخیر گناہ کبیرہ نہیں بل کہ اس کے صغیرہ ہونے میں بھی اختلاف ہے۔درمختار میں ہے **علی الفور فی العام ا لاول عند الثانی فیفسق وترد شهادته بتاخیره ای سنین لان تاخیرهٗ صغیرة وبارتکابه مرة لا یفسق الا بالاصرار۔** شامی میں ہے۔**فیکون التاخیر مکروهاً تحریماً لا حراماً لان الحرمة لا تثبت الا بقطعی**۔(ج۔٣ص٤٥٤ کتاب الحج، دار الکتب العلمیہ، بیروت) اور فوٹو کھنچوانا حرام ہے تو تاخیر ہی **اهون بلیتین** (دو آزمائشوں میں زیادہ ہلکی) ہوگی نہ کہ فوٹو کھنچوانا۔

٣-حق العبد اور حق اللہ دونوں کی روایت متعذر ہونے کی صورت میں حق العبد کی رعایت کو ترجیح حاصل ہے۔لہٰذا جب احیائے حق جھوٹ پر موقوف ہو تو جھوٹ نہ بولنے میں حق العبد فوت ہوگا۔اور جھوٹ بولنے میں حق اللہ فوت ہوگا اور ایسی کوئی صورت نہیں کہ دونوں حقوق کی رعایت ہو سکے لہٰذا حق العبد کی رعایت کو مقدم رکھ کر جھوٹ بولنے کی رخصت دی جائے گی۔صورت متنازعہ میں حج نہ کرنے سے حق اللہ فوت ہوگا اور فوٹو کھنچوانے سے بھی حق اللہ فوت ہوگا۔اور حق اللہ میں نہی کی رعایت امر پر ترجیح رکھتی ہے۔لہٰذا یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے۔بل کہ صورت متنازعہ میں جب واجب الادا نہیں تو حج کو مؤخر کرنے سے حق اللہ فوت ہی نہیں ہوگا۔البتہ قریب مرگ اپنی طرف سے حج کے لیے وصیت نہ کرے تو حق اللہ فوت ہوگا۔الخ

نہ معلوم کن مصلحتوں کی بنا پر جناب کلیم اشرف صاحب سنبھلی نے اپنے مضمون "مفتی اعظم کی انفرادی حیثیت" میں تحریر فرمایا ہے"
جب وقت کی ایک اہم ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مفتی اجمل شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صرف حج فرض کے لیے فوٹو کے جواز کا یہ فتویٰ دیا تو قربان جایئے حضور مفتی اعظم کی شان انفرادیت پر کہ آپ نے نہ ہی اس کی تائید فرمائی نہ ہی مخالفت فرمائی۔ رد نہ کرنا اس لیے تھا کہ فتویٰ درست تھا اور تائید نہ کرنا اس لیے تھا کہ یہ آپ کا تقویٰ تھا۔" (ماہنامہ اعلیٰ حضرت، ستمبر اکتوبر، نومبر، ۱۹۹۰ء، ص ۲۵۱)
اگر کلیم صاحب کو حضور مفتی اعظم کے اس فتویٰ کی اطلاع نہیں تھی تو علم و تحقیق کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اس موضوع سے کنارہ کش رہ کر اپنا دامن بچا جاتے یا پھر کسی وجہ سے لکھنا ہی ضروری تھا تو اس باب سے متعلق حضور مفتی اعظم کے موقف سے اپنی ناواقفیت کا صاف صاف اظہار فرما دیتے۔

بہر کیف حضور مفتی اعظم نے اپنے اس فتویٰ میں اجتہادی بصیرت اور سیاسی صداقت کی ایسی رنگ آمیزی فرمائی ہے کہ ایک طرف تو دلائل و شواہد کی روشنی میں حج فرض کے لیے بھی فوٹو کھنچوانے کی حرمت واضح کر کے یہ ثابت فرمایا ہے کہ "فی الحال حج کی ادائیگی واجب نہیں۔" اور دوسری طرف "حج میں تاخیر کی جائے گی۔" "قریب مرگ اپنی طرف سے حج کی وصیت نہ کرے تو حق اللہ فوت ہوگا۔" فرما کر یہ اشارہ بھی دے دیا کہ اس سے چھٹکارے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے اس لیے "چلو چھٹی ہوگئی" سمجھ کر اطمینان سے بیٹھ جانا نہیں چاہیے بل کہ حتی الوسع اس شرط کو ختم کرانے کی جدوجہد کرنی چاہیے۔
کاش! اس وقت مسلمان بالخصوص علما و مشائخ حضور مفتی اعظم کے فتویٰ کی نزاکتوں کو سمجھتے اور فوٹو کے جواز کے لیے ان کمزور شبہات کا سہارا ڈھونڈنے کی بجائے کچھ دنوں کے لیے اجتماعی طور پر حج سے رک جاتے اور علمی و عقلی انداز میں حکومت کو سمجھاتے تو کوئی وجہ نہیں کہ حکومت سنجیدہ نہیں ہوتی۔ اور کم سے کم حج فرض کے لیے اس شرط کو ختم ہی نہیں کر دیتی۔ کیا حضور مفتی اعظم اور آپ کے اہل خانہ و خدام کو حکومت نے نفل کے لیے بھی اس شرط سے مستثنیٰ نہیں کر دیا؟ بل کہ حافظ ملت مولانا عبدالعزیز محدث مبارک پوری کے لیے بھی حکومت نے یہ شرط ختم کر دی۔ (حافظ ملت کے افکار اور کارنامے، ص ۹۸، ۱۳۶)
اس طرح کے موقع پر حج سے اجتماعی طور پر رک جانا عوام کے لیے بھلے ہی اچنبھے کی بات ہوتی مگر علما تو واقف تھے کہ تاریخ میں ایسے بہت سے مواقع آئے ہیں جب مفتیان کرام نے حالات کی نزاکتوں کا احساس کر کے اجتماعی طور پر حج سے رکے رہنے کا فتویٰ دیا ہے۔ شامی نے ۶۳۲ھ سے متعلق علامہ اسکاف کا یہ قول نقل کیا ہے۔

لا اقول انه فرض في زماننا (شامی جلد ۲، ص ۴۶۳) ہم اس زمانہ میں حج کی فرضیت کا فتویٰ نہیں دیتے۔ انھوں نے ہی علامہ ثلجی کا بھی قول نقل کیا ہے۔ ليس على اهل خراسان منذ كذا كذا سنة حج۔ (شامی جلد ۲، ص ۴۶۳) اتنے برسوں سے اہل خراسان پر حج فرض نہیں ہے۔

جب پہلے پہل لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتدا کا مسئلہ درپیش ہوا تو علمائے کرام مختلف الخیال ہو گئے۔ بعض علما نے اسے حقیقۃً متکلم کی طرح عین آواز سمجھ کر اقتدا کو درست قرار دیا۔ بیشتر حضرات نے اسے صدائے بازگشت سمجھا لیکن اقتدا کے مسئلہ میں وہ بھی مختلف ہو گئے۔ معدودے چند نے اقتدا کو درست بتایا اور زیادہ حضرات نے باطل قرار دیا۔
مگر قربان جایئے حضور مفتی اعظم کی شان اجتہاد پر کہ آپ نے حکم کے اعتبار سے موخر الذکر علما کی تصدیق فرماتے ہوئے بھی استدلال میں ان کا ساتھ نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب بعض عظیم المرتبت مفتیان کرام نے اس سلسلے میں کئی صفحات پر مشتمل مبسوط فتویٰ لکھا

جس میں انھوں نے اپنے طور پر یہ ثابت کیا کہ لاؤڈ اسپیکر سے مسموع آواز صداے بازگشت ہے اس لیے اس پر اقتدا فاسد ہوگی۔ اور اس فتویٰ پر آپ سے تصدیق چاہی تو آپ نے ان لفظوں میں تصدیق فرمائی۔ ''الحکم کذلک ہاں یہی حکم ہے فی الواقع نماز نہیں ہوگی۔''

اور جب ایک نوآموز مفتی مولانا محمد طاہر پورنوی نے بہت ہی مختصر فتویٰ لکھ کر تصدیق چاہی جس میں انھوں نے دلائل سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف حکم یعنی فساد اقتدا کو بتایا تھا تو آپ نے ان لفظوں میں تصدیق فرمائی۔ ''الجواب صحیح۔ یہ جواب صحیح ہے۔''

دونوں تصدیقوں کی تہوں میں معانی ونکات کے کتنے لعل وگہر پنہاں ہیں اہل علم خصوصاً مفتیان کرام سمجھ سکتے ہیں۔ بات یہ تھی کہ مفتی اعظم لاؤڈ اسپیکر سے سنی جانے والی آواز کو حکماً وحقیقۃً ہر اعتبار سے متکلم کی آواز کا غیر قرار دیتے تھے۔ ان کا ارشاد ہے ''لاؤڈ اسپیکر کی آواز امام کی آواز نہیں۔ مماثل آواز امام ہے اور مقتدی نماز میں غیر کی اقتدا کرے یہ مفسد ہے۔'' (التفصیل الانور صفحہ ۲۴)

آپ کے اس ارشاد کی تصدیق تاجدار اشرفیت مولانا سید محمد محدث اعظم نے ان لفظوں سے کی ہے۔

هذا حكم العالم المطاع وما علينا الا الاتباع یہ عالم مطاع کا حکم ہے جس کا اتباع ہم پر لازم ہے۔ (ایضاً صفحہ ۲۶)

اور ان لفظوں سے اس مفتی کے فتویٰ کی تصدیق کی جاتی ہے جس مفتی کو تصدیق کرنے والا صاحب درمختار علامہ علاء الدین حصکفی اور صاحب ردالمحتار علامہ ابن عابدین شامی کے بقول مفتیان متبحرین کے مذکورہ بالا طبقوں میں سے تیسرے طبقے یعنی اصحاب تمیز اور محشی ردالمحتار علامہ رافعی کے بقول دوسرے طبقے یعنی اصحاب ترجیح میں شمار کرتا ہو۔ شرح العقود صفحہ ۷۶ میں مذکور ہے۔

"فقد تحرر مما ذكرنا ان قول الامام و اصحابه لا يحل لاحد ان يفتي بقولنا حتى يعلم من اين قلنا محمول على فتوى المجتهدين بطريق الاستنباط والتخريج كما علمت من كلام التحرير وشرح البديع والظاهر اشتراك الطبقة الثالثة والرابعة والخامسة في ذلك و ان من عداهم يكتفي بالنقل و ان علينا اتباع ما نقلوه لنا عنهم من استنباطهم الغير المنصوصة من المتقدمين و من ترجيحاتهم"

میرے مذکورہ بالا امور کی وضاحت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ امام اعظم اور آپ کے اصحاب کے ارشاد کے مطابق جب تک یہ معلوم نہ کرلیا جائے کہ اس مسئلہ کی دلیل کیا ہے؟ اس وقت تک اس مسئلہ میں فتویٰ دینا درست نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ مسئلہ کی دلیل سے واقفیت حاصل کیے بغیر اصحاب تمیز سے اوپر طبقہ والوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس سے استنباط وتخریج کریں۔ ہاں اصحاب تمیز کے لیے یہ حکم ہے کیونکہ ان کا کام محض نقل کرنا ہے اور ہم پر واجب ہے کہ یہ حضرات مجتہدین فی المسائل یا اصحاب التخریج یا اصحاب الترجیح کے مطابق استنباط کریں یا ترجیح دادہ مسئلوں کو نقل کریں۔ ہم ان کا اتباع کریں۔ درمختار (ج۔ا ص ۱۸۰ مقدمۃ الشامی، بیروت) میں ہے

واما نحن فعلينا اتباع ما رجحوه وما صححوه (ان کے ترجیح دادہ اور تصحیح کردہ مسائل میں ہم پر ان کا اتباع واجب ہے۔ ردالمحتار (ج۔ا ص ۱۸۰ مقدمۃ الشامی، دارالکتب العلمیہ، بیروت) میں ہے

قوله واما نحن يعني اهل الطبقة السابعة (ہم پر یعنی ناقلین عن المجتہد پر ان کا اتباع واجب ہے۔)

تقریرات رافعی (ج۔ ۱۳ ص ۱۵ مشمولہ ردالمحتار دارالکتب العلمیہ، بیروت) میں ہے

قوله يعني اهل الطبقة السابعة يظهر ان المراد اهل الطبقة السادسة ايضاً فانه ليس شانهم الترجيح بل التمييز بين القوى والاقوى۔

الغرض تاجدار اشرفیت حضرت محدث اعظم ہند نے حضور مفتی اعظم کا مقام رفیع اصحاب ترجیح یا کم از اصحاب تمیز کا مقام بتایا۔اور لطف یہ کہ واحد کا صیغہ وَمَا عَلَیَّ کی بجائے جمع کا صیغہ وَمَا عَلَیْنَا کہہ کر اس بات کی بھی نشاندہی فرمادی کہ حضور مفتی اعظم کی اجتہادی شان صرف محدث اعظم ہند کے بالمقابل نہیں بل کہ تمام مفتیانِ عصر کے بالمقابل ہے۔صحیح کہا ہے ان کے جانشین علامہ مدنی میاں صاحب مدظلہ نے ''میرا خیال ہے کہ آج تک حضور مفتی اعظم کا تعارف کراتے ہوئے جو کچھ لکھا گیا ہے اور آئندہ جو کچھ لکھا جائے گا ان سب کو اگر ایک پلڑے پر اور حضور محدث اعظم ہند کے قلم سے نکلے ہوئے اس فقرے کو دوسرے پلڑے پر رکھ دیا جائے تو اس کا وزن زیادہ ہوگا۔ہم اس عظیم فرد کے فضل وکمال کا کیا تعارف کراسکیں جسے حضور محدث اعظم ہند جیسی شخصیت کی زبان بھی عالم مطاع اور واجب الاتباع قرار دے۔'' (مفتی اعظم نمبر استقامت کان پور، ۱۹۸۳ء، صفحہ ۱۳۱)

میں سمجھتا ہوں کہ ان داخلی اور خارجی شہادتوں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکی کہ حضور مفتی اعظم صحیح معنوں میں مفتی اعظم امام احمد رضا کے سچے جانشین اور الولد سر لابیہ کے کامل مصداق تھے۔

اس مقام پر یہ وضاحت بھی لطف سے خالی نہیں ہوگی کہ لاؤڈ اسپیکر سے سنی جانے والی آواز متکلم کی آواز کا عین ہے یا صدائے بازگشت یا غیر ومماثل۔اس کا براہ راست تعلق علم فقہ سے نہیں بل کہ خالصۃً جدید سائنس کی تبدیلی توانائی کا نظریہ اور لاؤڈ اسپیکر کے اصول کی ایجاد سے ہے۔

آئن اسٹائن کے نظریہ کے مطابق ایک انرجی کو دوسری انرجی میں بدلا جاتا ہے۔ساؤنڈ ایک الگ انرجی ہے اور الیکٹری سٹی ایک الگ انرجی اسی طرح میگنٹ بھی ایک الگ انرجی ہے۔بولنے والا جب اپنی زبان وگلو کو حرکت دیتا ہے تو اس سے ساؤنڈ انرجی پیدا ہوتی ہے اور وہ ساؤنڈ انرجی مائک کے پردہ سے ٹکراتی ہے تو مشینی آلات اسے برقی توانائی میں تبدیل کر دیتے ہیں اور پھر جب وہ برقی توانائی ہارن کے پردہ تک پہنچتی ہے تو میگنٹ انرجی میں بدل جاتی ہے اور میگنٹ انرجی پھر ساؤنڈ انرجی میں تبدیل ہو کر ہواؤں میں پھیلتی ہے اور ہمیں سنائی دیتی ہے۔دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ لاؤڈ اسپیکر کے اندر تین بنیادی چیزیں ہوتی ہیں۔(۱) ایمپلی فائر (۲) مائیکروفون (۳) اسپیکر۔

ایمپلی فائر مائیکروفون سے اسپیکر تک برقی کرنٹ کی ترسیل کا کام کرتا ہے۔مائیکروفون میں ایک خفیف سی جھلی لگی ہوتی ہے جس کی دوسری جانب کاربن لگا ہوتا ہے۔اسپیکر کے اندر بھی ایک خفیف سی جھلی لگی ہوتی ہے۔جب انسان بات کرتا ہے تو اس کی زبان وگلو کی تحریک سے منہ میں بھری ہوئی ہوا کے اندر ایک خاص شکل پیدا ہو جاتی ہے جس کو آواز کہتے ہیں۔آواز ہوا کے دوش پر مائیکروفون کے اندر کی جھلی تک پہنچ کر اس سے ٹکراتی ہے۔مائیکروفون کی خفیف سی جھلی کو جب آواز کی حامل ہوا کا دھکا لگتا ہے تو وہ حسب تحریک جنبش کرتی ہے اور اس کے کاربن والی سطح برقی تار سے ملتی ہے اور جدا ہوتی رہتی ہے جس سے برقی کرنٹ کی روانی میں اسی تحریک کی مناسبت سے فرق آجاتا ہے اور اسی فرق کے ساتھ اسپیکر کی جھلی کے قریب میگنٹ بنتا ہے جس سے جھلی سکڑنے اور پھیلنے لگتی ہے اور جھلی کے اس سکڑنے اور پھیلنے سے اس کی متصل ہوا کو منہ کے اندر کی ہوا کی طرح دھکا لگتا ہے جس سے اس ہوا میں بھی ایسی شکل وہیئت بن جاتی ہے جیسی شکل وہیئت منہ کے اندر کی ہوا میں بنی تھی۔اور پھر ہواؤں کے دوش پر منتقل ہوتی ہوئی وہ شکل وہیئت ہمارے کانوں تک پہنچتی ہے اور ہمیں بالکل اسی طرح کی آواز سنائی دیتی ہے۔جس کی پوری تفصیل اس ناچیز نے اس موضوع پر اپنی کتاب ''قول فیصل'' میں سائنس کی مختلف کتابوں اور لاؤڈ اسپیکر کے اصول ایجاد کے ماہرین کے حوالوں کے ساتھ بیان کر دی ہے۔اہل ذوق وہاں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

یہاں سوال یہ ہے کہ حضور مفتی اعظم نے آئن اسٹائن کا نظریہ کب پڑھا تھا؟ اور لاؤڈ اسپیکر کے اصول ایجاد سے متعلق یہ معلومات

کن سے فراہم کی تھیں؟ نیز ان پر اعتماد کے ظاہری اسباب کیا تھے؟ ظاہر یہ ہے کہ انھوں نے ماہرین سے دریافت کرتے پھر اپنے مشاہدہ و تجربہ سے اس راز کو سمجھنے کے بعد حکم شرعی بیان کیا۔

اور اگر حضور مفتی اعظم نے آئن اسٹائن کا نظریہ نہیں پڑھا تھا۔لاؤڈ اسپیکر کے اصول ایجاد سے متعلق معلومات کسی سے فراہم نہیں کی تھی اور ان پر اعتماد کا کوئی ظاہری سبب بھی نہیں تھا تو پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات کہی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور مفتی اعظم کے نفس کے اندر فقاہت ودیعت کر دی تھی۔قدرت نے ان کو مقصد شرع کے ادراک کی ایک ایسی قوت عطا فرمائی تھی جس کی وجہ سے وہ الفاظ کے ذریعہ معانی تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے تھے بل کہ ان کے دل پر معانی کا القا ہوتا تھا جس کی تفسیر کے لیے وہ الفاظ کو استعمال میں لاتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ۱۹۴۵ء مطابق ۱۳۶۴ھ کو حج وزیارت کے لیے دوبارہ حرمین طیبین گئے اور نجدی حکومت کے عائد کردہ حج ٹیکس کے خلاف عربی زبان میں انتہائی مدلل ومبسوط فتویٰ "القنابل الذریہ علی الاوثان النجدیہ" وہاں صادر فرمایا تو علمائے حرمین طیبین نے مطالعہ کے بعد بیک زبان ہو کر کہا:ان هذا الا الهام (یہ فتویٰ کسبی نہیں الہامی ہے۔)(مفتی اعظم اپنے فضل وکمال کے آئینے میں،ص۸)

الغرض حضور مفتی اعظم کو خدائے وہاب نے اس عظیم منصب پر فائز کیا تھا جس کے متعلق علامہ عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

> فلا يصير بعد التلقين يجهل شيئا من احكام الشريعة المطهرة فيستغني عن سوال الناس و عن النظر في كتابهم ۔اس منصب پر فائز رہنے والے فتویٰ دینے میں رسمی علوم اور ظاہری کتابوں کے مرہون منت نہیں ہوتے ہیں وہ غیر رسمی علوم اور غیر مرئی کتابوں کی روشنی میں فتویٰ دیتے ہیں ہاں رسمی علوم اور ظاہری کتابوں سے بھی اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

اس کی تائید نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے بھی ہوتی ہے جسے امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابی ثعلبہ خشنی سے روایت کیا ہے۔

البر ما سكنت اليه النفس و اطمئن اليه القلب و الاثم مالم تسكن اليه النفس ولم يطمئن اليه القلب ۔

(حدیث ۱۷۸۹۴،مسند امام احمد بن حنبل،بیت الافکار الدولیہ الریاض،)جس پر نفس مسلم کو قرار ملے اور دل کو اطمینان ملے وہ نیکی ہے اور جس پر نفس مسلم کو قرار نہ ملے اور دل کو اطمینان نصیب نہ ہو وہ گناہ ہے۔

اخیر میں یہ کہتے ہوئے رخصت ہو رہا ہوں کہ یہ میں نے اپنی بساط کے مطابق بیعت وارشاد،دعا وتعویذ،عبادت وبندگی اور تقویٰ و پاکیزگی کے مقدس حجابوں میں مستور امام احمد رضا کے سچے جانشین حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے رنگ اجتہاد کی صرف ایک جھلک آپ کو دکھانے کی کوشش کی ہے۔اور اس میں بھی ۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اہل علم اس طرف توجہ فرمائیں تو دنیا اس آفتاب عالم تاب کی ضیا باریوں سے بقدر ظرف روشناس ہو سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم اور ان کی فقاہت

مفتی محمد مطیع الرحمن مظفر پوری
بانی و مہتمم جامعۃ الخضر امرون، مظفر پور، بہار

سیدی و مرشدی حضور مفتی اعظم، حضرت علامہ الحاج الشاہ ابوالبرکات، محی الدین جیلانی آل الرحمن محمد عرف مصطفیٰ رضا خان قادری قدس سرہ خلف اصغر مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ، چودہویں صدی ہجری کے مفتی اعظم اور جلیل القدر فقیہ ہیں۔

آپ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد اور فقہ حنفی کے متبحر عالم دین تھے۔ آپ کی سند فقہ کا سلسلہ امام اعظم تک تیس واسطوں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک تینتیس (۳۳) اور کان فقاہت حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پینتیس (۳۵) واسطوں سے پہنچتا ہے۔

آغاز افتا:

آپ کی عمر عزیز کو ابھی صرف اٹھارہ سال ہوئے تھے کہ ۱۳۲۸ھ میں درسیات سے فارغ التحصیل ہو گئے۔ فراغت کے بعد ایک دن کسی ضرورت سے دار الافتا میں تشریف لائے، مسند افتا پر اعلیٰ حضرت کے ارشد تلامذہ اور آپ کی طرف سے خدمت افتا پر مامور، ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین بہاری جواب لکھنے کے لیے فتاویٰ رضویہ کی طرف مراجعت فرما رہے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ نے برجستہ فرمایا: کیا فتاویٰ رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہیں؟" اس پر فاضل بہاری نے کہا "اچھا تم بغیر دیکھے لکھ دو تو جانوں۔" اس کے بعد حضرت نے قلم برداشتہ جواب ارقام فرما دیا اور بالکل صحیح کہ ایک لفظ بھی کم و بیش کرنے کی ضرورت نہ پڑی، یہ رضاعت کا مسئلہ تھا قربان جائیے آپ کی خداداد فقاہت پر کہ اس سے پہلے نہ ہی آپ نے کوئی فتویٰ لکھا تھا نہ ہی اس ارادہ سے تشریف لائے اس کے باوجود بغیر تیاری کے برجستہ جواب تحریر فرمایا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست   تانہ بخشد خدائے بخشندہ

تصدیق کے لیے جواب اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جناب میں پیش ہوا۔ اعلیٰ حضرت نے جواب کی صحت اور حضرت کی فقاہت دیکھ کر مسرت کا اظہار فرمایا۔ دل کی گہرائیوں سے دعائیں دیں۔ اور بلا تامل "صح الجواب بعون اللہ العزیز الوہاب" لکھ کر دستخط شریف ارقام فرمائے۔ اس طرح قدرت نے تفقہ فی الدین کی جو امانت حضرت کے سینے میں ودیعت فرمائی تھی اس کا اظہار فرما کر مجدد اعظم نے سند اجازت مرحمت کرادی۔ چنانچہ خود اعلیٰ حضرت نے "ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمن محمد عرف مصطفیٰ رضا" کنیت، لقب، نام سب کے مجموعے کی مہر بنوا کر بطور انعام و سند اجازت عطا فرمائی۔ حسن اتفاق دیکھیے کہ اعلیٰ حضرت نے بھی پہلا فتویٰ رضاعت ہی کا لکھا اور

مفتی اعظم نے بھی پہلا فتویٰ رضاعت ہی کا لکھا۔ سچ ہے "الولد سر لابیہ" اور ایسا لکھا کہ کسی ترمیم کی گنجائش نہ چھوڑی۔ ۱۳۲۸ھ تا ۱۳۴۰ھ بارہ سال امام احمد رضا قدس سرہٗ کی تربیت میں ہزاروں فتوے لکھے اور اعلیٰ حضرت کے لیے ان کی مطلوبہ کتب میں عبارات کی نشان دہی کی۔ چوں کہ حافظہ زبردست اور طبیعت اخاذ تھی۔ پھر رب کا ارادۂ خیر شامل حال تھا اس لیے کم سے کم وقت میں فقہ و فتویٰ نویسی اور اس کے متعلقہ علوم و امور میں کامل عبور حاصل ہو گیا۔

فقہی مصروفیات :

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے بعد وصال ۱۳۴۰ھ سے ۱۴۰۲ھ تک تقریباً باسٹھ (۶۲) سال مسند افتا کی زینت رہے اس مدت میں ملک و بیرون ملک سے آئے ہوئے ان گنت مسائل کو جس فقیہانہ صلاحیت کے ساتھ حل فرمایا ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ آپ نے اپنی بانوے سالہ ظاہری زندگی کے چوہتر سال میں ہزاروں فتاویٰ تحریر کیے۔ فتاویٰ کی اس کثرت کے باوجود آپ کو اپنے کسی جواب سے رجوع کی نوبت نہ آئی۔ آپ کی زیر نگرانی کئی مفتیان کرام جو خدمت افتا پر مامور تھے ان کے جوابات کی بھی تصویب و تصحیح فرماتے۔ فقیہ العصر حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر مفتی دار الافتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور لکھتے ہیں:

> "میں گیارہ سال تین ماہ خدمت میں حاضر رہا۔ اس مدت میں چوبیس ہزار مسائل لکھے ہیں جن میں کم از کم دس ہزار وہ ہیں جن پر حضرت مفتی اعظم کی تصحیح و تصدیق ہے۔"

آپ نے افتا کو ذریعہ معاش نہیں بنایا بلکہ یہ خدمت لوجہ اللہ انجام دی۔ خود کوئی معاوضہ نہیں لیا کرتے مگر دار الافتا میں کام کرنے والے مفتیان کرام کا وظیفہ جاری کرادیا۔

۱۳۲۸ھ تا ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء تقریباً سترہ سال کے فتاوے جمع ہی نہ ہوئے ۱۳۴۹ھ تا ۱۳۵۹ھ اس کے بعد اندراج کا سلسلہ رہا مگر تقسیم بین الورثہ اور کتب خانہ کی منتقلی کے نتیجے میں کل رجسٹر دست یاب نہیں ہیں فروری ۱۹۹۲ء تک آپ کے فتاویٰ کی صرف دو جلدیں طبع ہوئیں۔ اسی سال تیسری جلد کے لیے راقم الحروف کو ۱۳۵۰ھ و ۱۳۵۱ھ کے فتاویٰ کا ایک رجسٹر ملا جو نہایت خستہ و بوسیدہ حالت میں تھا جس میں نقل شدہ اکثر و بیشتر فتاوے خود حضرت اقدس کے ہی صادر کردہ ہیں۔

پہلی دونوں اور اس تیسری جلد کی بھی اشاعت محترمی الحاج انجینیر قربان علی صاحب حامدی رضوی بیسل پوری کی مخلصانہ محنت و لگن اور حضور مفتی اعظم قدس سرہ اور آپ کے خانوادے سے والہانہ وابستگی کا ثمرہ ہیں۔ البتہ جلد سوم کی ترتیب و تبویب اور تحشیہ و حوالہ جات کی تخریج نیز فہرست سازی اور اصل سے مقابلہ و تصحیح کتابت وغیرہ کی خدمات خالصۃً لوجہ اللہ فقیر نے انجام دیں جس کا اظہار انجینیر صاحب نے عرض حال میں فرمایا ہے۔ عرض حال کی حیثیت ایک تاریخ و سند کی ہوتی ہے مگر افسوس کہ بعد کے ناشروں نے اپنی اشاعتوں میں اسے شامل نہیں رکھا۔

فقہی تبحر :

آپ کو علم فقہ پر کمال کا تبحر حاصل تھا۔ اہل زمانہ کی شناخت رکھتے تھے اور سائل کی لیاقت کو مد نظر رکھ کر فتوے دیتے تھے، اسی وجہ سے بعض فتاوے نہایت مدلل و مفصل اور بعض مختصر اور بعض درمیانی قسم کے ہیں۔ سائل عالم ہے تو اولاً نفس حکم تحریر فرماتے پھر استدلال میں قرآنی آیات پھر احادیث اور بعد میں اقوال فقہا و ائمہ دین سے مزین فرماتے۔ جواب واضح و صاف و صریح اور شرعی اصطلاح کی تصریح کے ساتھ ہوتا۔ اور اگر سائل سادہ لوح یا عامی ہوتا تو مختصر الفاظ میں عام فہم زبان استعمال فرماتے مگر اختصار کے باوجود حکم نہایت نفیس اور

مسئلہ کی نزاکت پر مبنی نیز ضروری قیود شرعیہ لیے ہوئے ہوتا۔ مختلف فیہ مسائل میں فقہا کے اقوال اور ان کے مابین اختلافات کا تفصیلی جائزہ اور جانبین کے دلائل کا موازنہ فرماتے پھر راجح وارجح اور مرجوح کی تعیین کرتے اور قول ارجح پر فتویٰ دے کر اس کی تائید میں قرآن وسنت، اجماع امت وقیاس شرعی سے دلیل لاتے اور ظاہر کرتے کہ مختار للفتویٰ ہونے کی وجہ یہ ہے۔ ذیل میں فتاویٰ مصطفویہ جلد اول کے پہلے فتویٰ کی تلخیص اور اس کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں جس سے آپ کو مذکورہ امور کا بخوبی اندازہ لگ سکتا ہے۔

فقہی جائزہ :

مسئلہ یہ ہے: زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے تھے اور اپنے قول کی تائید میں۔ بحرالرائق کی یہ عبارت پیش کرتا ہے وفی الخانیة والخلاصة لو تزوج بشهادة الله و رسوله لا ينعقد و يكفرلاعتقاده ان النبى صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب الخ (ج۔۳ص۱۵۵، کتاب النکاح، دارالکتب العلمیہ، بیروت) اور ایساہی بزازیہ میں ہے۔

اس کے جواب میں حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زید بے قید پر حکم کفر لگایا پھر نو آیات قرآنیہ، گیارہ احادیث کریمہ اور بائیس اقوال فقہائے دین، ائمہ مجتہدین اور ارشادات مشائخ سے علم غیب عطائی کا اثبات فرمایا۔ ضمناً یہ بھی ثابت کیا کہ علم غیب عطائی کا انکار وہابیہ مرتدین اور ان کے پیرو منافقین کا شعار ہے۔ اس بارے میں ان کے اکابر کی عبارتیں بھی نقل فرمائیں اور وہ جو ان پر ان کا حکم بھی ظاہر فرمادیا، پھر صاحب بحر وغیرہ کی عبارت مذکورہ کا تنقیدی جائزہ لے کر اسے مرجوح ومتروک اور ناقابل استدلال بتاتے ہوئے دلائل کے انبار لگادیا اور بوجوہ کثیرہ لائق تاویل وقابل تفسیر بتایا، پھر قول راجح اور مختار للفتویٰ کی تعیین فرمائی اور اس کی توثیق میں فقہائے دین کی کثیر عبارتیں نقل فرمائیں اور دونوں قول کے درمیان فرق کو واضح کردیا۔ نیز نص صریح کے مقابل ساقط ومتروک اور مرجوح قول سے استدلال جس کا بطلان سب کے نزدیک مسلم ہے اور بطلان پر مخالفین کا مسلم ضابطہ حوالہ میں پیش کردیا کہ شرائط تعارض سے تساوی فی القوۃ ہوتا ہے جو قول دوسرے قول سے تعارض رکھتا ہے اس کے لیے قوت میں برابر ہونا ضروری ہے اور جب تساوی نہیں تو متعارض بھی نہیں بل کہ مرجوح ہے جس میں مناسب تاویل کی جائے گی، چنان چہ اس مسئلہ کے تحت آپ نے بحر وغیرہ کے اس قول کی مناسب تاویل فرما کر قائل وناقل دونوں کو شرعی گرفت سے یکسر بچا رکھا، چنان چہ خود فرماتے ہیں۔

> ''لازم تھا کہ بحر وغیرہ علما کی ایسی عبارت میں یہ سمجھتا کہ ان کا مراد علم ذاتی ہے، نہ کہ اس عبارت کو قرآن اور حدیث کے رد کے لیے دوڑا۔''

چوں کہ زید کی متعین کردہ مراد سے قرآن وحدیث کا رد لازم آتا ہے لہٰذا اس پر متنبہ فرمانے کے بعد اس کی اس مراد سے اظہار نفرت اور استعاذہ یوں فرمایا۔ ''والعیاذ باللہ تعالیٰ''

پھر اس عبارت کی تاویل اور اس سے پہلے ایک مفید تمہید یوں تحریر فرمائی۔

> ''اصل یہ ہے کہ غیر خدا کے لیے مطلقاً انکار غیب، یہ عقیدہ باطلہ بعض معتزلہ ہے اور یہ وہابیوں ہی کا اب سے پہلا نام ہے، اس سے پہلا نام اس طائفہ باطلہ کا خارجی تھا جیسے اب ''دیوبندی وہابی'' اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں اور ''نجدی وہابی'' اپنے آپ کو حنبلی بتاتے ہیں۔ دیوبندی فقہ حنفی میں کتابیں لکھتے اور اس میں اپنے مذہب کی رعایت کرتے ہوئے مسائل ٹھونستے ہیں۔ یونہی معتزلی اپنے آپ کو حنفی کہا کرتے اور فقہ حنفی میں تصنیف کیا کرتے تھے اور اس میں اپنے مذاہب اعتزال کی رعایت کرتے ہوئے بعض مسائل ٹھونس دیا کرتے تھے۔''

غور کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مفتی اعظم کو فہم وفراست، شعور وآگہی اور تفقہ فی الدین کا کتنا وافر حصہ دیا تھا کہ ایک مسئلہ کے ضمن میں کتنے مخفی سوالات کا حل فرمادیا اور اسلام کی دیوار میں چولا بدل کر شب خون مارنے والوں کی کیسی نشان دہی فرمائی۔ ساتھ ہی اہل سنت کی کتابوں میں مخالفین کے الحاقات پر کس طرح متنبہ فرمایا۔

موقع کی مناسبت سے یہ بتانا خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ نام نہاد بہشتی زیور کتاب کا یہ مسئلہ جو دراصل مسلا ہے کہ انگلی میں اگر نجاست لگ جائے تو انگلی چاٹ لینے سے پاک ہو جائے گی۔ ملاحظہ ہو کتاب مذکور سے صفحہ ۱۱ کی یہ عبارت:

"ہاتھ میں کوئی نجس چیز لگی تھی اس کو کسی نے زبان سے تین دفعہ چاٹ لیا تو بھی پاک ہو جائے گا۔ مگر چاٹنا منع ہے۔"

یہ ہوئی فقہ حنفی میں دیوبندی تصنیف کی مثال، اس کی خبر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے یوں لی ہے۔

"انگلی کی نجاست چاٹ کر پاک کرنا کسی سخت گندی ناپاک روح کا کام ہے اور اسے جائز جاننا شریعت پر افتراء واتہام اور تحلیل حرام اور قاطع اسلام ہے اور یہ کہنا محض جھوٹ ہے کہ منہ بھی پاک رہے گا۔ نجاست چاٹنے سے قطعاً ناپاک ہو جائے گا۔ اگر چہ بار بار وہ نجس ناپاک تھوک یہاں تک نگلنے سے کہ اثر نجاست کا منہ سے دھل کر سب پیٹ میں چلا جائے گا پاک ہو جائے گا مگر اس چاٹنے، نگلنے کو وہی جائز رکھے گا جو نجس کھانے والا ہے، الخبیث للخبیثین الخ

فقہ حنفی کے نام پر فتاوٰی رشیدیہ اور دیوبندیوں کی دوسری کتابوں میں بھی ایسے مسائل کی کمی نہیں جو انھوں نے اپنے مذہب کی اشاعت ورعایت کرتے ہوئے ٹھونسے ہیں۔ بہر حال تمہید مذکور کے بعد اب عبارت مذکورہ فی السوال کی مناسب تاویل یوں فرماتے ہیں:

"انھیں مسائل (الحاقیہ) سے یہ مسئلہ بھی ہے۔ بعض نے اسے اخذ کیا، اور ان کے ساتھ حسن ظن یہی ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اس سے علم ذاتی مراد لیا۔ پھر ان حضرات صاحب بحر، وغیرہ نے بھی یہی سمجھتے ہوئے اپنی تصانیف میں نقل کیا۔"

یہ ہے فقاہت! دیکھا آپ نے؟ بحر وغیرہ میں منقولہ عبارت کی کتنی عمدہ ومناسب تاویل فرمائی۔ اس تاویل اور احتیاط فی الحکم کا فائدہ یہ ہوا کہ قائلین وناقلین حکم مذکور سے مستثنیٰ ہو گئے۔ اور یہ اس لیے کہ قول محتمل ہے اور قول محتمل اور لائق تاویل ہے البتہ قائل ہی اپنی مراد متعین کر دے تو تاویل نہ ہوگی۔ اب نقل کے اندر ممکنہ صورت کا ذکر یوں فرماتے ہیں۔

"اور یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض جامع اقوال، ہر گونہ اقوال نقل کرتا ہے۔ مثلاً مجمع الانہر، میں لکھا ہے کہ لــو شتــم حیوانا ماکول اللحم بکلمۃ الجماع یکفر۔ مجمع الانہر میرے پاس اس وقت کتاب نہیں اور میسر بھی نہیں آسکتی یا دداشت سے عبارت لکھی ہے ممکن ہے عبارت میں کچھ فرق ہو) پھر اس سے اوروں نے نقل کیا اور ایسا ہوتا ہے تو بعض کا نقل کردہ قول جب کہ اس میں مطلقاً انکار علم غیب مراد ہو جو معتزلہ کے عقیدۂ باطلہ کے موافق ہے یا اس کا اپنا کسی جب کہ وہ حنفی ہو معتزلی نہ ہو، اس نے ذاتی مراد لیا ہو، اسے دیکھنا اور اسے عطائی پر ڈھالنا اور اکابر علماء جہابذ ائمہ نے اس قول کے ضعف ومرجوحیت کا جو اشعار فرمایا، اسے دیکھ کر، ان دیکھا کر لینا کس درجہ حیاداری ہے؟"

قوسین کی عبارت سے مجمع الانہر کی عبارت منقولہ میں بھی اپنی عادت کے مطابق محتاط رویہ اختیار فرمایا اور "بعض کی نقل کردہ" سے اس کی مرجوحیت کی طرف اشارہ کیا، ساتھ ہی یہ تصریح کر دی کہ اس میں مطلق علم غیب کا انکار مراد ہو تو معتزلہ کے موافق ہے جس سے اہل سنت کو کوئی سروکار نہیں اور اگر اس کا اپنا قول ہے اور وہ حنفی ہے معتزلی نہیں ہو تو اس سے ذاتی کی نفی مراد ہے۔ اسے عطائی پر ڈھالنا صحیح

نہیں، پھر بحر کی عبارت کا محل وقوع بتاتے ہوئے وضاحت فرماتے ہیں۔

''مسئلہ تو صرف اتنا تھا کہ اگر کوئی شخص شہادت خدا رسول سے نکاح کرے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا کہ شرط انعقاد نکاح گواہوں کا رہنا ہے۔حدیث میں ہے" لا نکاح الا بشهود ''مسلمان کے نکاح میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کا حضور شرط ہے جو عاقل بالغ ہوں اور یہ سمجھیں کہ نکاح ہو رہا ہے، وہ کون سا نکاح ہے جو خدا سے غائب ہو؟ اگر محض خدا کی شہادت سے نکاح کرتا، یا فرشتوں مثلاً کراماً کاتبین کی شہادت سے کرتا، جب بھی باطل ہوتا کہ شرط صحت نکاح نہ پائی گئی۔اس میں بعض مجاہیل نے اتنا اور اضافہ کیا کہ وہ مسلمان شخص کافر ہو جائے گا کیوں کہ وہ معتقدِ علم غیب برائے رسول ہوا۔ظاہر تو یہ ہے کہ یہ بعض مجاہیل معتزلی ہوگا، اس نے اپنے مذہب کا پیوند اس میں جوڑ دیا، پھر یہ بتاویل علم ذاتی بعض حنفیہ نے بھی اپنی تصانیف میں نقل کرلیا۔مگر اس کی مرجوحیت کو ظاہر کرتے ہوئے کہ علم، ذاتی ہی نہیں ہوتا۔ دوسری قسم عطائی بھی ہے تو جب یہ احتمال ہے تو کافر نہیں کہہ سکتے۔اس احتمال کے ہوتے ہوئے تکفیر صحیح نہیں۔''

یہاں تک اس مسئلہ کی نوعیت کو بیان فرمایا جس میں بحر کی وہ عبارت آئی تھی اور اس مسئلہ کا صحیح حکم بتایا، پھر باوجود احتمال علم غیب عطائی حکم تکفیر کو غلط قرار دیا اور یہ بتایا کہ اس عبارت کا اصل مسئلہ سے کوئی جوڑ نہیں ہے محض بے محل ٹھونس دی گئی جیسا کہ تحریر بالا سے ظاہر ہے۔

بخوف طوالت اس فتوے کے بعض گوشے چھوڑے جاتے ہیں۔صاحب ذوق " فتاویٰ مصطفویہ" کا غائرانہ مطالعہ کریں تو انھیں بخوبی اندازہ لگ جائے گا کہ حضور مفتی اعظم کے فتاوے، سوالات کی نوعیت کے اعتبار سے ضروری مشمولات، کلیات و جزئیات، انوکھے تمسکات اور فقہی نکتہ آفرینیوں میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔تفقہ فی الدین کی ایک اور جھلک ملاحظہ فرمائیں جو فتاویٰ مصطفویہ کی دوسری جلد کے پہلے ہی فتوے میں نظر آئے گی۔پہلے سوال ملاحظہ ہو۔

بہار شریعت کے ایک مسئلہ پر اعتراض :

کیا فرماتے علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صاحب بہار شریعت نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر حوض دہ در دہ سے چھوٹا ہے اور کسی شخص نے اس حوض میں بلا دھوئے ہوئے ہاتھ وغیرہ ڈال دیا تو اس پانی سے وضو، درست نہیں ہوگا۔مگر زید کہتا ہے کہ مسئلہ مذکورہ بالا صاحب بہار شریعت نے غلط تحریر فرمایا ہے اور فتاویٰ قاضی خاں جلد اول وغیرہ سے عبارت مندرجہ ذیل صاحب موصوف کے خلاف اور اپنے دعویٰ کے اثبات میں پیش کرتا ہے۔(۱) فتاویٰ قاضی خاں بھامش عالمگیریہ ص ۱۵ المحدث والجنب اذا ادخل يده فى الاناء للاغتراف وليس عليها نجاسة لايفسد الماء و كذا اذا وقع الكوز فى الجب فادخل يده فى الجب الى المرفق لاخراج الكوز لا يصير الماء مستعملاً الخ "

صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی فقاہت :

بہار شریعت کسی معمولی عالم کی نہیں بل کہ صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی، شاہ امجد علی صاحب علیہ الرحمہ کی ہے، جن کی فقاہت پر خود اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی شہادت موجود ہے۔فرماتے ہیں

"آپ (حضرت مولانا شاہ سید احمد اشرف صاحب کچھوچھوی علیہ الرحمہ) یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا، اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب دیتا ہوں، لکھتے ہیں، طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے۔" (الملفوظ)

چوں کہ زیر نظر مضمون کا موضوع حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ کی فقاہت نہیں لہٰذا مزید کچھ کہے بغیر نفس مسئلہ کی طرف عود کریں۔

یہ مسئلہ بہار شریعت جلد دوم ص ۴۸ پر دہ (۱۰) در دہ (۱۰) کے پانی سے متعلق ہے۔ دہ (۱۰) در دہ (۱۰)، اس حوض کو کہتے ہیں جو دس ہاتھ لمبا دس ہاتھ چوڑا اور دل اتنا ہو کہ اتنی مساحت میں زمین کہیں سے کھلی نہ ہو، اور تحقیق یہ ہے کہ لپ میں پانی لیں تو زمین نہ کھلے، کما حققہ سیدنا المفتی الاعظم قدس سرہٗ فی فتاواہ المبارکہ، اس سے کم ہو تو اس کا پانی، آب قلیل تھوڑا یعنی شریعت کی مقرر کردہ مقدار سے کم پانی کہلاتا ہے۔ اتنے پانی میں اعضائے وضو میں سے کوئی عضو بلا دھلا پڑ جانے سے پانی مستعمل ہو جاتا ہے، اس سے وضو و غسل نہیں ہو سکتا۔ مگر بقول سائل، زید نے بہار شریعت کے اس مسئلہ کو غلط بتاتے ہوئے فتاویٰ قاضی خاں، کی مذکورہ فی السوال عبارت اپنی تائید میں پیش کی۔ سوال مذکور کا جواب باصواب حضور "مفتی اعظم" نے یہ دیا۔

مسئلہ بہار شریعت کی تشریح و تصدیق :

"زید غلط کہتا ہے، بہار شریعت میں مسئلہ صحیح لکھا ہے، فتاویٰ قاضی خاں کی عبارت، بہار شریعت کے مخالف نہیں، بہار شریعت کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت، دہ در دہ" سے کم گھرے ہوئے پانی میں ہاتھ ڈال دے گا تو مستعمل ہو جائے گا، اور فتاویٰ قاضی خاں، کا مطلب یہ ہے کہ اگر ضرورت سے ڈالے گا تو مستعمل نہ ہوگا، یہ دونوں صحیح ہیں۔

بظاہر یہ ایک سوال کا ایک جواب ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس میں سائل کا جواب اور معترض (زید) کا جواب اور اس کے دعویٰ کا بطلان اور بہار شریعت کے مسئلہ کی تصدیق اور خانیہ سے نقل کردہ عبارت کی توضیح اور بہار شریعت اور خانیہ کی عبارت میں توفیق و تطبیق اور معترض کی ہی پیش کردہ عبارت سے اپنے حکم کی تائید و توثیق، زبان و ادب اور موقع استعمال سے واقفیت ساری ہی چیزیں موجود ہیں۔ دونوں کتابوں کے مسئلہ کی مطابقت پر دلیل دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

"اخراج کوز (برتن جو کنویں میں گر گیا اسے نکالنا) تو ضرورت ہی ہے۔ اغتراف، (چلو سے پانی لینا) بھی عاقل ضرورت ہی سے کرتا ہے کہ پانی نکالنے کا کوئی ظرف موجود نہیں، للاغتراف، خود ضرورت بتا رہا ہے اغترف نہیں فرمایا۔ تو خانیہ کے ان دونوں مسئلوں میں ضرورت ہے اور بے شک ضرورت کے وقت محض ہاتھ ڈالنے سے حکم استعمال نہ ہوگا۔"

اور ضرورت کی تقدیر بلا دلیل نہیں بل کہ مسئلہ اغتراف میں خاص لفظ ضرورۃ کا استعمال عالمگیریہ، بل کہ خود خانیہ سے دکھایا۔ اسی طرف اشارہ فرماتے ہوئے، خانیہ کی عبارت نقل کرنے سے پہلے لکھتے ہیں۔

"اگر زید اس عبارت کے آگے یہ لفظ بھی دیکھ لیتا تو مسئلہ سمجھ جاتا اور بہار شریعت کے مسئلہ کو غلط بتانے کی جرأت نہ کرتا۔"

اقول: اگر زید نے بہار شریعت میں بھی کچھ آگے یہ مسئلہ دیکھ لیا ہوتا تو بہار شریعت کا مسئلہ صاف ہو جاتا، مسئلہ

مذکورہ کے آگے اسی سے متصل ص ۴۹، جلد ۲ پر ہے۔

"اگر بہ ضرورت ہاتھ پانی میں ڈالا جیسے پانی بڑے برتن میں ہے کہ اسے جھکا نہیں سکتا، نہ کوئی چھوٹا برتن ہے کہ اس سے نکالے تو ایسی صورت میں بقدر ضرورت ہاتھ پانی میں ڈال کر اس سے پانی نکالے۔"

مسحِ سر کا اولیٰ طریقہ :

مسحِ سر کے مشہور و معروف طریقہ سے بالکل جداگانہ ایک اور فقہی انکشاف ملاحظہ ہو۔ اس سے جہاں حضرت مفتی اعظم کی فقاہت کا اندازہ ہوتا ہے وہیں غالباً آپ کے لیے بھی ایک نئی تحقیق اور دینی معلومات کے ذخیرہ میں اضافہ ہوگا۔ مسح سے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"اگر مسح، اس طرح کرے گا کہ تین تین انگلیاں اور ہتھیلیاں مقدم راس (سر) سے اس طرح گردن کی جانب لے جائے گا کہ سر کی دونوں جانب بھی پوری پوری ہتھیلیوں کے نیچے آتی جائیں گی تو اس صورت میں یونہی پورے سر کا مسح ہو گیا، پیچھے سے آگے لانا بے کار ہے اور اولیٰ یہی ہے۔" فتاویٰ مصطفویہ، جلد ۲، ص ۶)

یہ مسئلہ ایسا ہے کہ عوام تو عوام بہت سے علما بھی اس سے واقف نہیں، مگر مفتی اعظم، نہ صرف یہ کہ اس کے عالم بلکہ اس پر عامل بھی تھے۔ چنانچہ مذکورہ طریقہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھ کر حضرت مفتی محمد اعظم صاحب صدر المدرسین منظر اسلام، رقم طراز ہیں:

"میں نے اس طرح پورے سر کا مسح فقہ کی کسی کتاب میں ابھی تک نہیں دیکھا تھا اور نہ کسی کو کرتے دیکھا تھا۔" (مفتی اعظم نمبر، دامنِ مصطفیٰ)

یہ مسئلہ فتاویٰ رضویہ، جلد ۱، ص ۲۵۸ میں موجود ہے اور اس کا ترجمہ ردالمحتار جلد ۱، ص ۸۲ میں مسطور ہے۔ والاظهر ان يضع كفيه واصابعه على مقدم راسه و يمدهما الى القفا على وجه يستوعب جميع الرأس ثم يمسح اذنيه باصبعيه اه۔

اصلاحِ فتاوے :

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ اپنی بے پناہ دینی مصروفیات اور تبلیغی اسفار کی کثرت کے باوجود اپنے زیر تربیت متعدد مفتیانِ کرام کے لکھے ہوئے دقیق سے دقیق مسائل کی مطلوبہ کتب ضروریہ کی مراجعت کے بغیر قلم برداشتہ ایسی اصلاح فرماتے کہ مفتیانِ کرام حیران و ششدر رہ جاتے۔ حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی لکھتے ہیں:

"تنقید آسان ہے مگر اصلاح دشوار، جو لکھا گیا ہے وہ نہیں ہونا چاہیے، اس کو کوئی بھی ذہین طالب علم کہہ سکتا ہے۔ مگر اس کو بدل کر کیا لکھا جائے؟ یہ جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ مگر ستر سالہ مفتی اعظم کا دماغ اور علم ایسا جوان تھا کہ تنقید کے بعد فوراً اصلاح فرما دیتے اور ایسی اصلاح کہ پھر قلم ٹوٹ کر رہ جاتا۔" (مفتی اعظم اور ان کے خلفاء)

مرزا عبدالوحید بیگ بریلوی لکھتے ہیں:

"بعض جوابات میں اتنی ترمیم فرما دیتے کہ پورا جواب ہی آپ کے زور قلم کا نتیجہ ہوتا۔ مفتی صاحبان آپ کے قلم برداشتہ جوابات کو صاف کرتے اور سائل کو ارسال کر دیتے، گو کہ یہ جوابات حضور مفتی اعظم کے تحریر کردہ ہوتے مگر ان میں مفتی صاحبان کے ہی نام لکھے جاتے۔" (حیاتِ مفتی اعظم)

بات سو فیصد صحیح ہے، بحمد راقم الحروف کے پاس بھی جلد سوم کی ترتیب کے وقت ایک رجسٹر ۱۳۹۱ھ سے پہلے کا مقابلہ کے لیے آیا تھا اس پر رجسٹر نمبر ۵۴ مرقوم ہے اس کے مسئلہ ۲۴۸ / ۵۴ پر ماتحت مفتی صاحب کا قلم زد جواب موجود ہے اور حضرت کا ارقام فرمایا جواب مع دستخط بھی، البتہ جواب حضرت کا ہی تحریر کردہ ارسال کیا گیا ہے کیوں کہ مفتی صاحب کا پورے کا پورا جواب رد کر دیا گیا ہے، بہ خوف طوالت اسے یہاں ترک کیا جاتا ہے۔

تعلیم فتاویٰ :

یہیں پہ تعلیم فتاوے کی بھی ایک جھلک دیکھتے چلیں جسے حضرت مولانا مفتی محمد اعظم صاحب زید مجدہ اپنی کہانی اپنی زبانی یوں بیان فرماتے ہیں:

"ایک بار حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک سوال کا جواب اصلاح کے لیے لے گیا۔ جماعت اسلامی کو چندہ دینے کے بارے میں سوال کیا گیا تھا کہ جماعت اسلامی کو چندہ دینا یا اس کا ممبر بننا جائز ہے یا نہیں؟ جواب میں، میں نے لکھا "جماعت اسلامی" کو چندہ دینا اور اس کا ممبر بننا، ناجائز و گناہ ہے۔ دیکھنے میں جواب صحیح تھا، میں نے سمجھا حضرت جواب سن کر فوراً تصدیق فرمائیں گے۔ حضرت نے فرمایا "اول تو آپ نے مودودی کی جماعت کو 'جماعت اسلامی' لکھ دیا، یہ غلط ہوا۔ دوسرے پھر آپ لکھ رہے ہیں کہ 'جماعت اسلامی' کو چندہ دینا، ناجائز ہے۔ جب جماعت اسلامی کو چندہ دینا ناجائز ہے تو کیا غیر اسلامی جماعت کو چندہ دیا جائے گا؟ آپ اس طرح لکھیے کہ مودودی جماعت یا بد مذہبوں کی کسی جماعت کو چندہ دینا یا اس کا ممبر بننا ناجائز ہے۔"

عام بول چال میں اصلاح :

یہ تو تعلیم فتاویٰ کی ایک جھلک تھی، عام بول چال میں، سفر و حضر، صحت و علالت، خلوت و جلوت، ہر جگہ ہر وقت بلا رو رعایت اور بلا تاخیر برجستہ اصلاح فرمانے کی ہزاروں مثالوں میں سے نمونہ کے طور پر ع مشتے نمونہ از خروارے، ملاحظہ فرمائیں۔ اسم با مسمیٰ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد صالح صاحب مدرس دار العلوم منظر اسلام، بیان کرتے ہیں:

"میں ایک بار بعد مغرب، مسئلہ کا جواب لکھ کر تصحیح کے لیے خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا، حضور! مسلہ (لام سے پہلے بغیر ہمزہ کے) کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔ غلط تلفظ کی حضرت نے برجستہ یوں اصلاح فرمائی، ارشاد فرمایا! کس نے مسلا؟ میں سمجھ گیا اور فوراً عرض کیا! حضور۔ مسئلہ (ہمزہ کے ساتھ) جواب سن کر تبسم فرمایا۔ یہ تھا حضرت کی اصلاح کا پیارا انداز۔"

مولیٰ تعالیٰ حضرت کے فیوض روحانی سے ہمیں اور قارئین سب کو مالا مال فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم کا علمی وفقہی استحضار

مولانا محمد مجیب اشرف رضوی
بانی ومہتمم الجامعۃ الرضویہ دارالعلوم امجدیہ، ناگ پور

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے دور میں شیخ العلما اور سند الفقہا کے منصب اعلیٰ پر فائز تھے، آپ کی علمی اور فقہی تحقیق کو اس دور کے تمام اکابر واصاغر علما بلا تردد تسلیم کرتے۔ جب کسی مسئلہ پر علما کے درمیان اختلاف رائے ہوتا تو رفع اختلاف کے لیے حضور سیدی مفتی اعظم قدس سرہٗ کی رائے صائب ہی فریقین کو قابل قبول ہوتی، آپ کی علمی تحقیقی جلالت وصلابت کے سبھی معترف بھی تھے، اور اس کو تسلیم بھی کرتے تھے۔

ایک بار حضور سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کا تحریر کیا ہوا فتویٰ تصدیق کے لیے علما کی خدمت میں پہنچا جس کی سب نے تصدیق کی، کسی نے ''الجواب صحیح'' لکھ کر اپنے دستخط کیے، تو کسی نے ''من اجاب فقد اصاب'' لکھ کر تصدیق کی، تو کسی نے ''صح الجواب بلا ارتیاب'' تحریر کیا۔ غرض تمام علمائے کرام نے اپنے اپنے طور پر اس اہم فتوے کی تصدیق کی، مگر جب حضور محدث کچھوچھوی حضرت العلام سید محمد اشرفی جیلانی قدس سرہٗ کی خدمت میں، حضور سیدی سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کا یہ فتویٰ بغرض تصدیق پیش کیا گیا تو آپ نے اس کو پڑھ کر خوشی کا اظہار فرمایا اور بڑے ہی جان دار، شان دار، پر معنی جملے لکھ کر تصدیق فرمائی، آپ کے تصدیقی الفاظ یہ ہیں: ''ھذا حکم العلم المطاع وما علینا الا الاتباع'' یعنی اس فتوے میں جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ ایسے عالم کا ہے جس کی اطاعت کی جاتی ہے، اور ہم پر اس کی اتباع لازم ہے۔

ایسا کیوں؟ میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور سیدی، مرشدی سرکار مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا اپنے والد گرامی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ ورضوی المولیٰ تعالیٰ عنہ کی طرح جب کسی مسئلہ کا تحریری یا زبانی جواب دیتے تو صرف نفس مسئلہ پر ہی اکتفا نہ فرماتے، بل کہ دلیل مسئلہ بھی ارشاد فرماتے، تاکہ سائل کو پورے طور پر اطمینان حاصل ہو جائے۔

۱۹۵۳ء سے لے کر ۱۹۵۷ء تک فقیر قادری محمد مجیب اشرف رضوی دارالعلوم مظہر اسلام بی بی جی بریلی شریف زیر تعلیم رہا، اس وقت مرکزی رضوی دارالافتا محلہ سوداگران میں استاذ گرامی، شارح بخاری، فقیہ العصر حضرت العلام مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صدارت افتا کے منصب پر فائز تھے، جب تک میں بریلی شریف میں زیر تعلیم رہا، میرا روزانہ کا معمول یہ تھا کہ عصر کی نماز پڑھ کر سرکار مفتی اعظم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو جاتا، اور حضرت استاذ گرامی مفتی صاحب قبلہ کے دن بھر کے لکھے ہوئے فتووں کو عصر ومغرب کے درمیان حضور سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کو سناتا، پھر حضرت قبلہ گاہی کی تصدیق وتصویب کے بعد ان فتووں کو رجسٹر میں نقل کر کے ڈاک کے حوالہ کر دیتا تھا۔

اس روزانہ کی حاضری میں اکثر یہ دیکھنے میں آیا کہ جب بھی کسی صاحب نے زبانی مسئلہ دریافت کرنے کے لیے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا سوال پیش کیا تو آپ نے اس کا تسلی بخش جواب مرحمت فرمایا اور ساتھ ہی فقہ کی کتابوں کی بعینہ وہ عبارتیں بھی ارشاد فرمائیں جن کا تعلق اس مسئلہ سے ہوتا، اس تعلق سے واقعات جو میں نے محفوظ کر لیے تھے پیش کر رہا ہوں، جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سیدی سرکار حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا علمی اور فقہی مقام کیا تھا، اور آپ کا علمی اور فقہی استحضار بھی معلوم ہو جائے گا۔

حالت حیض میں درود شریف وغیرہ پڑھنا کیسا ہے؟: ایک دن میں حسب معمول نماز عصر کے بعد فتاوے سنانے کے لیے حضرت والا کی خدمت میں تھا، پرانے شہر بریلی شریف کے رہنے والے ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے، انھوں نے حضرت والا سے ایک مسئلہ دریافت کرتے ہوئے اپنا سوال عرض کیا۔

سوال: حضور! ہمارے یہاں ایک صاحب نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ عورت حیض کی حالت میں درود شریف، ذکر واذکار اور دعائیں وغیرہ پڑھ سکتی ہے۔ اور ایسی کتابوں کو چھو بھی سکتی ہے جن میں درود شریف اور وظیفے وغیرہ لکھے ہوئے ہیں۔ تو کیا یہ مسئلہ جو انھوں نے بیان کیا ہے درست ہے؟

جواب: حضرت قبلہ نے فرمایا، پڑھ سکتی ہے۔ اور ان کتابوں کو چھو بھی سکتی ہے جن میں قرآنی آیات کے سوا صرف درود شریف اور وظیفے وغیرہ لکھے ہوتے ہیں، درمختار کے باب الحیض (ص ۴۸۸، دار الکتب العلمیہ بیروت) میں ہے: لا بأس للحائض و الجنب بقراءة الادعية و مسها و حملها (یعنی حیض والی عورت اور جنب جس پر غسل واجب ہے، ان دونوں کے لیے دعاؤں کے پڑھنے، چھونے اور اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے) پھر فرمایا کہ ایسی کتابوں کو نہ چھونا بہتر ہے جن میں درود شریف وغیرہ تحریر ہوں۔

زخم کی نہ بہنے والی رطوبت کا حکم: میں ایک روز خدمت بابرکت میں حاضر تھا، ایک صاحب حضرت والا کی زیارت کے لیے کہیں باہر سے بریلی شریف در دولت پر حاضر ہوئے تھے، ان کے داہنے گھٹنے میں بہت پرانا زخم تھا، زخم میں ہمیشہ رطوبت کی نمی رہا کرتی تھی، جو کپڑے کو لگ جایا کرتی تھی، آدمی وضع قطع اور شکل وصورت سے دین دار لگتے تھے ان کو اس زخم کی وجہ سے بڑی پریشانی تھی، اس لیے انھوں نے حضرت والا سے مسئلہ دریافت کیا۔

سوال: حضور! میرے گھٹنے میں بہت پرانا زخم ہے جو علاج کے بعد بھی اچھا نہیں ہو رہا ہے، دعا فرمائیں کہ اچھا ہو جائے، حضور مجھے سب سے بڑی پریشانی یہ ہے کہ زخم کے اندر ہمیشہ نمی رہتی ہے، جب کپڑا اس سے چھو جاتا ہے تو کپڑے میں زخم کی رطوبت لگ جاتی ہے، بار بار ایسا ہونے سے کپڑا داغ دار ہو جاتا ہے تو کیا اس سے کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے، اور وضو اس رطوبت سے ٹوٹ جاتا ہے یا باقی رہتا ہے۔

جواب: حضرت والا نے سائل کا سوال سن کر پہلے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفائے کلی عطا فرمائے، پر مسئلہ کا جواب ارشاد فرمایا "رطوبت اگر صرف نمی کی حد تک ہے، بہہ کر باہر آنے کی اس میں قوت نہیں تو نہ اس سے وضو ٹوٹے گا نہ کپڑے، پر لگنے سے کپڑا ناپاک ہوگا، چاہے کم مقدار میں ہو یا زیادہ شامی (ج۔ ا ص ۲۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت) میں ہے" لان القميص لو تردد على الجرح فابتل، فلاينجس مالم يكن كذلك، لانه ليس بحدث اى وان فحش (یعنی اس لیے کہ اگر قمیص زخم پر بار بار لگے اور زخم کی تری سے کپڑا تر ہو جائے تو کپڑا ناپاک نہ ہوگا جب کہ وہ رطوبت بہنے والی رطوبت کی طرح نہ ہو، اس لیے کہ ایسی نمی حدث (وضو توڑنے والی) نہیں اگر چہ کپڑے پر بہت زیادہ لگ جائے۔

مذکورہ بالا دونوں مسئلے اگر کسی عالم سے پوچھے جاتے تو نفس مسئلہ بتا کر بات ختم کر دی جاتی، جس سے عالم دین کی شرعی ذمہ داری

پوری ہو جاتی، مگر حضور سیدی سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے صرف سائل کو مسئلہ کا جواب ہی نہیں دیا بلکہ اس کتاب کا نام بھی ارشاد فرمایا جس میں یہ جزئیہ موجود تھا، اور کتاب کی اصل عبارت بھی پڑھ سنادی تاکہ سائل پوری طرح مطمئن ہو جائے، دل میں کسی قسم کی خلش باقی نہ رہے۔
یہ ہے کہ آپ کا علمی استحضار، جس کا اظہار اکثر و بیشتر آپ کی گفتگو میں ہوتا رہتا تھا، میں نے بارہا دیکھا کہ فتویٰ لکھتے ہوئے بلاتکلف کتاب دیکھے بغیر جزئیات مع عبارات نقل فرماتے جاتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ پوری کتاب ازبر ہے۔ "ذلك فضل الله يوتيه من يشاء" سچ ہے "الولد سر لابيه"۔

اہل قبلہ کی تکفیر کا مسئلہ: ایک روز ایک صاحب حضور سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جو دیکھنے میں بظاہر مولوی لگتے تھے، اور ان کی بات چیت سے ایسا محسوس ہوا کہ متصلب سنی نہیں ہیں، عقیدے کے اعتبار سے مذبذب ہیں، حضرت والا سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد باہر کی بیٹھک میں تشریف فرما تھے، آنے والے صاحب ایک طرف کرسی پر خاموش بیٹھے تھے، کچھ دیر کے بعد حضرت قبلہ نے حسب عادت دریافت فرمایا "آپ نے کیسے تکلیف کی؟" انھوں نے عرض کی ایک بات پوچھنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں، اگر آپ اجازت دیں تو عرض کروں۔ حضرت والا نے فرمایا: کیا پوچھنا ہے؟ پوچھیے، اجازت پاکر ان صاحب نے اپنا سوال پیش کیا۔

سوال: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل قبلہ کی تکفیر سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے اور ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی کہنا ہے کہ "ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے۔" اگر یہ صحیح ہے تو علما اہل سنت مولانا اشرف علی صاحب اور مولانا قاسم صاحب نانوتوی وغیرہ علما دیوبند کی تکفیر کیوں کرتے ہیں، یہ لوگ بھی تو اہل قبلہ ہیں؟

جواب: سوال سن کر حضرت والا کی ایمانی غیرت کو جوش آ گیا، آپ نے پرجلال انداز میں ارشاد فرمایا، جو شخص مطلقاً یہ کہتا ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر خواہ کیسا ہی کفر صریح و قبیح بک جائے جائز نہیں، وہ جھوٹا، جاہل، بے باک اور شریعت پر افترا کرنے والا ہے۔ شامی جلد چہارم کا صفحہ دو سو ستہتر (۲۷۷) کھول کر دیکھو صاف صاف یہ لکھا ہوا ہے لا خلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الاسلام وان کان اهل القبلة المواظب طول العمر علی الطاعات ، کچھ سمجھے علامہ شامی علیہ الرحمۃ کیا فرما رہے ہیں؟ سنو! وہ یہ فرما رہے ہیں کہ ضروریات اسلام کے منکر کے کفر میں علماے اسلام میں سے کسی عالم کا اختلاف نہیں ہے اگرچہ منکر اہل قبلہ ہو، جس کی پوری زندگی شریعت کی پابندی کرتے گزری ہو۔

اسی میں ہے لاخلاف فيه كفر المخالف فی ضرويات الاسلام من حدوث العالم وحشر الاجساد ونفی العلم بالجزئيات وان كان من اهل القبلة المواظب طول عمره على الطاعات كما فی شرح العزيز.
(ج۔۱ ص ۳۰۰ باب الامامۃ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

کیا علامہ شامی علیہ الرحمۃ اور دنیا کے تمام علماے اسلام کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک اور سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کا قول مقبول معلوم نہیں تھا؟ کہ ان حضرات نے بے سوچے سمجھے اہل قبلہ منکر ضروریات دین کی تکفیر کر دینے کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب قرار دیا اور فرما گئے "من شك فی كفره و عذابه فقد كفر" (منکر ضروریات دین کے کفر اور اس کے عذاب میں جو شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (خواہ اہل قبلہ سے ہو یا غیر سے)

کیا مدینہ منورہ کے رہنے والے منافقین جنھوں نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست پاک پر اپنا ہاتھ رکھ کر توحید

ورسالت کا اقرار کیا تھا، اور بیانگ دہل کہتے پھرتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں وہ اہل قبلہ میں سے نہیں تھے، کلمہ، نماز اور روزے وغیرہ جملہ اسلامی کام کرتے تھے، باجود اس کے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ان پر حکم کفر لگایا، دیکھو قرآن ارشاد فرماتا ہے قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ (سورۂ توبہ ۹/۶۶) ترجمہ: اے منافقو! بلاشبہ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے۔ اور خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان پر کفر کا حکم عائد فرمایا، ان کو مسجد نبوی شریف سے جمعہ کے دن مسجد سے نکال باہر کیا۔ حضور نے کیا مسلمانوں کو مسجد سے نکالا؟ ہرگز نہیں، بتاؤ! کیا اللہ ورسول جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کا اہل قبلہ ہونا معلوم نہ تھا، معاذ اللہ، معاذ اللہ، استغفر اللہ، یادرکھو جو کفر بکے گا اس پر کفر سوار ہو جائے گا، اہل قبلہ ہونا اس کو کفر کی بلا سے ہرگز نہ بچا سکے گا۔ اگر ایسا نہ ہو تو شریعت سے امان اٹھ جائے، قبیح سے قبیح کفر بکتا جائے اور سچا پکا مسلمان بن کر گھومتا رہے، کیا اسی کا نام اسلام ہے؟ اناللہ وانا الیہ راجعون

اللہ ورسول نے کفر واسلام کو خوب سے خوب تر واضح فرمادیا ہے، تاکہ تلبیس ابلیس کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ اسی لیے فرمادیا ہے: قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (سورۂ بقرہ، ۲/۲۵۶) ترجمہ: خوب اچھی طرح جدا ہو چکی ہے ہدایت کی راہ گمراہی سے۔ ارشاد ربانی نے واضح کردیا کہ اسلام وکفر دونوں شخص واحد میں بیک وقت جمع نہیں ہو سکتے، اسلام آئے گا تو کفر رفو چکر ہو جائے گا اور کفر گھسے گا تو اسلام رخصت ہو جائے گا، دونوں میں تباین کی نسبت ہے۔ (یعنی دونوں بیک وقت ایک محل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں جیسے دن اور رات دونوں ایک ساتھ نہیں پائے جا سکتے، جہاں دن ہے وہاں رات نہیں، جہاں رات ہے وہاں دن نہیں) اور علمائے ربانیین کو ان میں فرق وامتیاز کی پوری پوری صلاحیت عطا فرمائی گئی ہے۔ وہ ہرگز کفر کو اسلام اور اسلام کو کفر نہیں کہہ سکتے۔

علمائے کرام کی کتابیں اٹھا کر دیکھو معلوم ہو جائے گا کہ ضروریات دین کے منکر کی تکفیر بھی ضروریات دین سے ہے اور اس پر اہل اسلام کا اجماع ہے، کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے، علما کی تصریحات اور ان کے واضح ارشادات سنو! کہیں ارشاد ہوا "اجماع الامة على تكفير من خالف الدين المعلوم بالضرورة" "یعنی جس بات کا ضروریات دین سے ہونا معلوم ہے، اس کے منکر کی تکفیر پر پوری امت کا اجماع اور اتفاق ہے) کہیں فرمایا لا نزاع فی اکفار منکر شئی من ضروريات الدين، و ان كان من اهل القبلة (یعنی جس بات کا ماننا ضروریات دین سے ہے، اس کے منکر کے کافر کہنے میں کسی کا اختلاف نہیں وہ منکر اگرچہ اہل قبلہ سے ہو) کہیں علمانے یوں تصریح فرمائی، "خرق الاجماع القطعی الذی صار من الضروريات كفر (ایسا قطعی اجماع جو ضروریات دین سے ہے اس کا نہ ماننا کفر ہے)

شامی میں ہے و قد شرح فی التحرير فی باب الاجماع بان منكر حكم الاجماع القطعی يكفر عند الحنفية [illegible]. (ج۔۲ ص ۲۴۰ باب الوتر والنوافل دار الکتب العلمیہ، بیروت)

کیا قرآن وحدیث اور علما اسلام کی ظاہر و باہر تصریحات سے اندھے ہو کر سب سے الگ اپنی ڈفلی بجا بجا کر اپنا راگ الگ الاپے گا؟ استغفر اللہ

میں نے جو کچھ کہا ہے اس سے ظاہر ہو گیا کہ ضروریات دین کے منکر کی تکفیر کرنی اطلاع شرعی یقینی کے بعد واجب ہے، اگر نہ کرے گا خود کافر ہو جائے گا، اسی لیے تو فرمایا گیا ہے من شك فی عذابه وكفره فقد كفر (ج۔۔ ص۔ ۳۷۰ ردالمحتار باب المرتد، دار الکتب العلمیہ، بیروت) یعنی ضروریات دین کے منکر کی تکفیر اور اس کے عذاب میں شک کرنے والا بھی کافر ہے۔ مولوی قاسم اور مولوی اشرف علی وغیرہما کی تکفیر ضروریات دین کے انکار کی وجہ سے کی گئی ہے۔

مولوی قاسم نے اپنی کتاب تحذیر الناس میں حضور خاتم الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا انکار کیا ہے، بل کہ اس عقیدے کو محض عوام کا خیال بتایا ہے، جب کہ حضور خاتم النبیین کا آخری نبی ہونا ایسا عقیدہ ہے جو بالاتفاق ضروریات دین سے ہے، چناں چہ فتاویٰ یتیمۃ الدہر، فتاویٰ عالم گیری اور الاشباہ والنظائر میں ہے اذا لم یعرف ان محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخر الانبیاء فلیس بمسلم لانہ من الضروریات (الاشباہ والنظائر ج۔۲ ص ۹۱ کتاب السیر، باب الردۃ، کراچی) یعنی جب کوئی شخص حضرت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخری نبی نہ جانے وہ مسلمان ہی نہیں ہے، کیوں کہ آپ کو آخری نبی ماننا ضروریاتِ دین سے ہے۔ اسی طرح مولوی اشرف علی نے اپنی کتاب حفظ الایمان میں اور مولوی خلیل احمد و مولوی رشید احمد وغیرہم نے براہین قاطعہ میں ایسی ایسی باتیں لکھی ہیں جو ضروریات دین کے صریحاً خلاف ہیں۔ اس لیے ان پر حکم کفر قطعی اور جزمی ہے۔ اہل قبلہ ہونا اور پوری زندگی عبادت و ریاضت میں گزار دینا ان کو حکم کفر سے نہیں بچا سکے گا۔ عزازیل (شیطان) وہ بیت المعمور (فرشتوں کے قبلہ) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا تھا وہ بھی اہلِ قبلہ میں سے تھا۔ عالم و فاضل، عابد و زاہد تھا جب ضروریات دین کے انکار کرنے کی وجہ سے کفر سے نہ بچ سکا تو ایرے غیرے کی کیا حقیقت ہے؟ مزید تحقیق اور تسلی کے لیے میری کتاب الموت الاحمر کا مطالعہ نافع ہوگا، اور ان شاء اللہ تبارک وتعالیٰ سارے شکوک وشبہات دور ہو جائیں گے۔

سبحان اللہ، ماشاء اللہ، حضرت کا کیا علمی استحضار تھا، جواب اتنا مدلل دیا کہ سائل بالکل مطمئن ہو گیا، مزید کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہ رہی۔ حضرت والا جب وہابیہ کی تکفیر کے مسئلہ پر گفتگو فرما رہے تھے، اس وقت روانی گفتار کے ساتھ چہرۂ انور پر علمی جلالت کے آثار گستاخانِ رسول سے نفرت کا اظہار اور آپ کا پورا وجود محبت رسول سے سرشار نظر آ رہا تھا۔

اس وقت حضرت والا جب کتابوں کے حوالے مع اصل عبارت ارشاد فرما رہے تھے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کتاب سامنے ہے اور دیکھ کر پڑھتے جا رہے ہیں، آج کی گفتگو میں بڑی شگفتگی اور روانی تھی، کہیں رکاوٹ اور تکلف کا احساس نہیں ہوتا تھا، جب کہ آپ گفتگو رک رک کر فرمانے کے عادی تھے، اس کو کرامت سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

جب یہ گفتگو ہو رہی تھی تو وہاں چند حضرات اور بھی موجود تھے، حضرت والا کی گفتگو سن کر سبھی لوگ محظوظ ہوئے۔ دوران گفتگو ان حوالوں کے علاوہ حضرت والا نے اور کئی کتابوں کے نام لیے اور ان کتابوں کی طویل عبارتیں بھی پڑھیں، مگر مجھے یاد نہ رہ سکیں، کاش کہ تمام گفتگو ضبطِ تحریر میں آ جاتی تو ایک قیمتی علمی سرمایہ ہوتا، اپنی کوتاہی کا مجھے افسوس ہے۔

☆☆☆☆☆

مسئلۂ دوام مسجدیت اور سرکار مفتی اعظم

مولانا شمس الہدیٰ خان رضوی مصباحی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

میں دار العلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ بستی میں زیر تعلیم تھا غالباً ۱۹۷۸ء کا سال تھا جب فرد یگانہ، قطب زمانہ، آقائے نعمت، سراپا رحمت و برکت، ابو البرکات حضور مفتی اعظم رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ شہر گورکھ پور میں الحاج کتاب اللہ صاحب مرحوم و مغفور کے یہاں جلوہ بار ہوئے۔ گورکھ پور میں عید کا سا سماں تھا، محسوس ہو رہا تھا، کہ چشمۂ فیضان کرم پھوٹ پڑا ہے اور پیاسے جوق در جوق کھنچے چلے آرہے ہیں۔ پورا شہر عشاقان دید کی بھیڑ سے ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ انھیں میں ایک میں بھی تھا۔ چہرہ زیبا پر نظر پڑتے ہی دم بخود ہو گیا، علما و طلبہ کیساتھ میں بھی شرف بیعت سے ہم کنار ہوا اور دامن مصطفیٰ رضا کو والہانہ عقیدت و محبت سے تھام لیا۔ میری خوش بختی کہ علما کے ازدحام کے باوجود حجرہ اقدس میں حاضری نصیب ہوئی اور ریشم جیسے نرم گداز پائے مبارک دبانے کا موقع بھی میسر آیا۔ دعا کی درخواست کی۔ مجمع علما میں فرمایا" خدا تعالیٰ آپ کو عالم کامل بافیض بنائے" علما اور مشائخ نگاہ حیرت سے دیکھنے لگے۔ آج جو کچھ خدمات دینیہ مجھ سے ہو رہی ہیں، میرے پیرو مرشد کی زبان فیض ترجمان سے نکلی ہوئی دعا ئے کیمیا اثر کا صدقہ ہے۔ سیدی و مرشدی آقائی و مولائی حضور مفتی اعظم درحقیقت مفتی اعظم تھے۔ مسائل قدیمہ ہوں یا جدیدہ، جس پر قلم اٹھایا تو تحقیقات جلیلہ و جمیلہ کا عطر مجموعہ خیر الکلام ماقل و دل کے سانچے میں اتار دیا۔ صرف اٹھارہ برس کی عمر شریف میں پہلا فتویٰ مسئلۂ رضاعت کا بغیر کسی کتاب کی مدد کے تحریر فرمایا۔ جس پر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے بلا کسی لفظ کے گھٹائے بڑھائے مہر تصدیق ثبت فرمائی، اظہار مسرت فرمایا، انعام سے نوازا۔ فتویٰ لکھنے کی عام اجازت دی اور آپ کے نام کی مہر بنوا کر عطا فرمائی۔ انجکشن سے روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا مسئلہ ہو یا لاؤڈاسپیکر پر اقتدا کا مسئلہ ہو، دار الحرب میں سود کا مسئلہ ہو خواہ نسبندی کا مسئلہ، جہاں بڑے بڑے مقدم ڈگمگا گئے تھے، وہاں سرکار مفتی اعظم کی شان تھی۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی　　　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

آپ کی تصانیف و حواشی تقریباً چالیس ہیں جو تحقیقات انیقہ اور تدقیقات رشیقہ کی شاہ کار ہیں۔ دوام مسجدیت کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے جس سے بابری مسجد وغیرہ میں تبدیلی زمین، نقل مسجد وغیرہ کے گوشے کا بالکلیہ قلع قمع ہو جاتا ہے۔ اور بڑے بڑے سیاسی سوداگر حیران و ششدر نظر آتے ہیں۔

جو زمین مسجد کے لیے وقف ہو گئی تو بعد تمام مسجدیت اس کے بالمقابل تحت الثریٰ سے عرش اعظم تک مسجد ہی ہے۔ درمختار میں ہے۔: "انہ مسجد الی عنان السماء" ردالمحتار میں ہے" وکذا الی تحت الثری البیری عن ا لاستیعابی وہ جگہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہے۔ صرف عبادت الٰہی اور ذکر خدا ہی کے لیے ہے اس کی مسجدیت کبھی کسی وقت قیامت تک باطل نہیں ہو سکتی۔ وہ خاص

ملک الٰہی ہے جسے نہ کوئی بیچ سکتا ہے اور نہ بدل سکتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی اس میں پودا لگائے تو بھی اس میں اس کی ملک نہیں ہوسکتی۔ اسعاف فی احکام الاوقاف میں ہے۔"لو غرس فی المسجد تکون للمسجد لانہ لا یغرس فیہ لیکون ملکا "بل کہ اگر وہ ویران ہو جائے تب بھی کسی کی ملک نہیں ہوسکتی اور نہ کسی حال میں اس کی بیع درست ہے۔اذا تعطل المسجد بتفرق الناس عن البلد اوخرابها بخراب المسجد فلا یعود مملوکا و لایجوز بیعه بحال اذاخرب المسجد لا یجوز بیعه و لا بیع شی منه ولا نقله الی موضع آخر ولا نقل شئی منه ، هذا هو المنقول عن الاصحاب۔

(اعلام الساجد باحکام المساجد ص۳۲۵)

فتاویٰ عالمگیریہ جلد ۲،ص۴۵۸ "اذا خرب المسجد واستغنی اهله و صار بحیث لایصلی فیه هومسجد ابدا وهو الاصح کذا فی خزانة المفتین "ہدایہ اور جوہرہ ج ۲ میں ہے"المسجد مما یتابد "امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتح القدیر میں کچھ تفصیل سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے کہ مسجد خاص خدا کی ملک ہے۔کسی اور کا اس میں کوئی حق نہیں۔خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے وان المسجد لله فرمانِ خداوندی سے صاف عیاں ہے کہ ہر چیز اسی کی ہے لہٰذا اس اضافت کا فائدہ اختصاص ہے کہ غیر خدا کا کوئی حق مسجد سے متعلق نہیں۔خالص لله سبحانه لیس لاحد فیه حق قال الله تعالیٰ و ان المساجدلله مع العلم بان کل شئی له فکان منه هذه الاضافة اختصاصه به وهو بانقطاع حق کل من سواه عنه۔ (فتح القدیر جلد ۵،ص ۴۴۴)

سرکار مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مسئلہ پر متعدد رخ سے سیر حاصل کلام فرمایا ہے جو تقریباً پینتیس ۳۵ صفحات پر مشتمل ہے اور مسئلہ کے متعدد گوشوں کو منقح فرمایا ہے۔صاحب بصیرت فقیہ جسے پڑھ کر جھوم اٹھتا ہے اور داد تحسین دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں "مسجد کی مسجدیت کسی وقت کے لیے باطل نہیں ہوسکتی جو زمین مسجد ہوگئی۔بجمیع اجزاء ہ ابداً مسجد رہے گی۔ردالمحتار میں فرمایا"المسجد لا یخرج عن المسجدیة ابداً۔ (فتاویٰ مصطفویہ ص۴۳۶)

ہبلی سے سوال آیا کہ ایک مسجد بہت پرانی ہے، نئے سرے سے بنوانے کی تجویز پر شہید کی گئی،اب چند لوگوں کی رائے ہے کہ ایک درجہ مسجد کا پیچھے یعنی پچھم کی طرف چھوڑ دیا جائے حجرہ،حوض یا غسل خانہ وغیرہ بنانے کے خیال سے اور پورب کی طرف ہٹ کر مسجد بنائی جائے آیا اصل مسجد کی جگہ جماعت خانہ کی چھوڑ کر مسجد بنا سکتے ہیں الی آخرہ آپ نے ارشاد فرمایا جو جگہ مسجد بہ معنی موضع صلوٰۃ وقف ہو چکی اسے کسی دوسرے کام میں لانا حرام اشد حرام ہے وہ ابداً نماز و ذکر خدا ہی کے لیے ہے۔وہاں حجرہ یا حوض یا غسل خانہ بنانا، خانہ خدا کی توہین اور اس کی ویرانی ہے۔جو لوگ اس پہ اڑے ہیں، وہ بیت اللہ کی توہین کرنے کرانے پر اڑے ہیں۔انھیں ہر ممکن مگر جائز طور پر اس شنیع کام سے روکا جائے۔ہر مسلمان پر انھیں اس خبیث حرکت سے باز رکھنے کی سعی فرض ہے۔مسجد تو مسجد کسی وقف کو بھی اس کی ہیئت سے بدلنا جائز نہیں۔شرط واقف کا اتباع مثل اتباع نص شارع واجب ہے۔کتب معتمدہ معتبرہ میں تصریح ہے "شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب الاتباع والعمل ، نیز تصریح ہے لا یجوز تغییر الوقف عن هیئته فلایجعل الدکان خانا .... مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا جائز نہیں۔یہاں تک کہ اگر کوئی اپنی گمی چیز وہاں دریافت کرے تو اس سے بجائے بتانے کے یہ کہا جائے۔لا ردها الله علیك خدا تیری گمی چیز تجھے نہ ملائے۔مسجدیں اس لیے نہیں بنیں۔اگر خود واقف بعد تمام مسجدیت ایسا کرنا چاہتا، ہرگز نہ کر سکتا۔متولی ہوتا تو اس کی تولیت توڑ دی جاتی .... (فتاویٰ مصطفویہ ص ۴۴۰)

لاہور کی مسجد شہید گنج کو سکھوں نے پنجاب گورنمنٹ کی حفاظت میں گرا دیا ہے تو کیا اس زمین کو مسجد کا حکم حاصل ہے یا نہیں؟ حضور

مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع پر دوام مسجدیت کے مسئلہ کو ایسا واضح فرمایا کہ بہت سے شکوک وشبہات تار عنکبوت کی طرح ہوا میں اڑ جاتے ہیں۔رقم طراز ہیں:

لاہور کی مسجد شہید گنج ہو یا کہیں کی کوئی مسجد جو مسجد ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہے،اس کی مسجدیت کبھی کسی وقت نہیں جا سکتی، مسجد کے شہید کردینے سے اس کی مسجدیت باطل نہیں ہو سکتی،سکھوں نے شہید کی ہو یا کسی نے،وہ مسجد جسے شہید ہونے سے پہلے مسجد تھی، یوں ہی اب بھی مسجد ہے اور قیامت تک مسجد رہے گی۔عیاذ باللہ کافروں کے قبضے میں مسجد آ جانے سے کسی کے نزدیک اس کی مسجدیت نہیں جاتی،کعبہ برسہابرس قبضۂ کفار میں رہا جس کے گرداگرد مشرکوں نے تین سو ساٹھ بت رکھے۔ہر دن ایک نئے بت کی پوجا کرتے۔اس قبضہ سے کعبہ غیر کعبہ نہیں ہو گیا۔وہاں بتوں کے نصب کرنے اور پوجا ہونے سے قبلہ بت خانہ نہیں بن گیا۔وہ جیسا خالص اللہ تعالیٰ برائے قربت وطاعت الٰہی پہلے تھا یوں ہی جب رہا۔یوں اب ہے۔یوں ہی ابدالآباد تک رہے گا۔اس طرح مسجد کا وہ بقعۂ طاہرہ جو خالصاً اللہ تعالیٰ برائے طاعت وقربت وقف کیا گیا وہ جب مسلمان کے قبضہ میں تھا جیسا جب تھا۔ویسا ہی سکھوں کے قبضہ میں چلے جانے کے بعد رہا۔ویسا ہی مسجد کی عمارت شہید ہو جانے کے بعد اب ہے۔اصل مسجد تو وہ موضع صلوٰۃ ہے،عمارت ہو یا نہ ہو جو جگہ مسجد ہو گئی،مسجد ہی رہے گی۔

(فتاویٰ مصطفویہ،ص ۴۴۴)

مسجد میں نہ میراث جاری ہوتی ہے نہ ہی ایک مسجد کی ملکیت دوسری مسجد میں منتقل کی جا سکتی ہے۔سرکار مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ شامی کے حوالے سے فرماتے ہیں:"ان الفتوىٰ على ان المسجد لا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله و نقل ماه إلى مسجد آخر "اسی میں ہے" علمت ان المفتى به قول أبي يوسف أنه لا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر كما مر عن الحاوى بحوالہ فتاویٰ ہندیہ فرماتے ہیں:والفتوىٰ على قول ابي يوسف أنه لا يعود الى ملك مالك ابدا۔"

جامع مسجد جے پور کے بدلے میں راجہ ایک لاکھ کی خطیر رقم دے کر دوسری مسجد بنوانا چاہتا ہے۔اس سلسلے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جو مسجد ہو چکی تا قیام قیامت وہ مسجد رہے گی۔مسجد بیچ ڈالنے،بدل لینے کی چیز نہیں ممکن نہیں کہ دنیا کے مسلمانوں کے بیچنے بدل لینے سے وہ مسجد مسجد ہونے سے نکل سکے۔ایک لاکھ نہیں اگر راجہ اپنی ساری ریاست دے اور مسجد نہیں مسجد میں سے ایک گز بھر زمین لے ہر گز مسلمانوں کو اس کا اختیار نہیں۔ (فتاویٰ مصطفویہ ص ۲۶۸)

حدود مسجد میں دکان،مکان کچھ بنانا جائز نہیں اسعاف میں فرمایا: لو اراد قيم المسجد ان يبنى حوانيت فى حدود المسجد و فنائه قال الفقيه ابوالليث لا يجوز له ان يجعل شيئا من المسجد سكنا و مستغلاً "مبسوط امام سرخسی پھر عالمگیری میں ہے"قيم يريد ان يبنى حوانيت فى فناء المسجد لا يجوز له ذلك لانه يسقط حرمة المسجد لان فناء المسجد له حكم المسجد. (ایضاً ص ۲۳۴۔۲۳۷)

مسجد کے دروازے کا ایک حصہ سڑک کے لیے دینے کی بابت سوال ہوا تو ارشاد فرمایا۔ہرگز نہیں۔ہرگز نہیں۔ہرگز نہیں۔کسی وقف کی ہیئت کا بدلنے کا کسی کو اختیار نہیں" لايجوز تغيير الوقف عن هيأته "عامہ کتب معتبرہ میں موجود ہے بعض متون کی اس عبارت سے کوئی دھوکا نہ کھائے مثلاً تنویرالابصار (ج۔۶ ص ۵۷۴-۵۷۵،کتاب الوقف،بیروت) میں فرمایا" جعل شئ من الطريق مسجد اجاز كعكسه "اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسجدیت باطل کر کے گزرگاہ بنادی جائے بل کہ یہ مطلب ہے کہ مسجد کے کسی جز کو بحالہ رکھ کر وقت حاجت فقط مرانسان غیر محدث بہ حدث اکبر ٹھہرادیا جائے۔درمختار (ج۔۶ ص ۵۷۵ کتاب الوقف،بیروت) میں فرمایا" كعكسه اى

کجواز عکسه وهو ما اذا جعل فی المسجد ممر لتعارف اهل الامصار فی الجوامع و جاز لکل احدان یمر فیه حتی الکافر الا الجنب والحائض پھر یہ جواز بھی مختلف فیہ ہے اور وہ بھی بہر حال نہیں بل کہ وقت ضرورت وعند الحاجۃ رد المحتار (ج-۶ ص ۵۷۵، بیروت) میں فرمایا، خلاف کما یاتی تحریره و هذا عند الاحتیاج کما قیده فی الفتح " ردالمحتار میں تتار خانیہ اس میں فتاویٰ کا عدم جواز نقل کیا ہے اور اسی کو تتار خانیہ میں صحیح فرمایا۔ (ایضاً ب ص ۲۳۵)

حتی کہ مسجد کی دیوار کو اپنے استعمال میں لانا حرام ہے۔(ایضاً ص ۲۳۲) مزید فرماتے ہیں بعد تمام مسجدیت دیوار مسجد کو کسی کام میں نہیں لا سکتے اگر چہ مسجد کے مصالح کے لیے جو اوقاف ہوں، ان میں نہ ان کے آثار پر کوئی دیوار اٹھا سکیں اور نہ اس پر کڑیاں رکھ سکیں۔ (ایضاً ص ۲۳۴) دیوار مسجد ہے اس میں سوراخ کر کے حجرہ کی کڑیاں رکھنا جائز نہیں (ایضاً ص ۲۳۴) اس طرح کے سیکڑوں مسائل شرعیہ کو محقق و مبرہن فرمایا ہے کہ نہ موافق کے لیے تشنہ تحقیق اور نہ مخالف کو مجال دم زدن۔ ہر ایک نقد ونظر کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہے کہ واقعی مفتی اعظم کا لفظ آپ ہی کو زیب دیتا ہے اور بھلا ایسا کیوں نہ ہو کہ اباً عن جد جہاں کار افتا ایسے وسیع پیمانے پر انجام پا تا رہا ہو کہ باپ دادا پر دادا سب مراجع علما وفقہا رہے ہوں تو کیا الولد سر لابیه کے تحت سرکار مفتی اعظم اپنے والد گرامی کے جمال وکمال میں مظہر اتم نہ ہوں گے؟ حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالت علمی اور رفعت فقہی کا لوہا اپنے تو اپنے غیروں نے بھی مانا ہے۔ سچ ہے "الفضل ماشهدت به الاعداء" خدا تعالیٰ سیدی الکریم ومرشدی العظیم کے فیوض وبرکات سے ہمیں صبح قیامت تک سرشار فرمائے۔

آمین بجاه سیدنا النبی الکریم علیه افضل الصلوٰة واکمل التسلیم

☆★☆★☆

مفتی اعظم اور تصویر کشی

مولانا مفتی محمد معراج القادری مصباحی
نائب مفتی، الجامعۃ الاشرفیہ

شریعتِ طاہرہ کی نظر میں تصویر کشی کی حرمت کا حکم نہایت واضح اور صریح ہے۔ مختلف احادیث کریمہ میں عدم جواز کی شہادتیں موجود ہیں۔ بخاری و مسلم کے حوالے سے یہ حدیث پاک اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اھل الصور یعذبون یوم القیمة یقال لھم احیوا ما خلقتم. ان تصویر والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا کہ جو تم نے بنایا اس میں جان ڈالو۔ یہ اور اسی قسم کی دیگر احادیث کریمہ سے استدلال و استنباط اور استخراج کر کے اربابِ شرع و اصحابِ فقہ و افتا نے تصویر کی حرمت کا فیصلہ صادر فرمایا۔ حضرت ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں: قال اصحابنا وغیرھم من العلماء تصویر صورة الحیوان حرام شدید التحریم وھو من الکبائر لانه یتوعد علیه بھذا الوعید الشدید المذکور فی الاحادیث.

ہمارے مذہب احناف و دیگر علما نے ارشاد فرمایا ہے کہ جاندار کی تصویر بنانا سخت حرام اور گناہِ کبیرہ سے ہے، کیوں کہ اس پر شدید وعیدیں وارد ہیں جو احادیث میں مذکور ہیں۔ جان دار کی تصویر کھینچنا اور کھنچوانا سخت حرام و گناہ اور قابلِ مواخذہ جرم ہے۔ شریعت مطہرہ کی نظر میں تصویر کشی کی شدید حرمت و قباحت اور لعنت و مذمت وارد ہے۔ اور بین الاقوامی قانون کے پیشِ نظر بیرون ممالک سفر کے لیے باتصویر پاس پورٹ لازم و ضروری ہے، خواہ وہ سفر تجارت و ملازمت اور سیر و سیاحت کے لیے ہو یا حج فرض و نفل اور عمرہ وغیرہا کی سعادتوں سے سرفرازی اور ادائیگی فرض و واجب کے لیے اس آئین و قانون کے لازم ہونے سے اسلامی احکام و اصول متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ فریضۂ حج کے تعلق سے: من استطاع الیه سبیلا کی آئینی شرط کی راہ میں مذکورہ قانون رکاوٹ۔ عصرِ حاضر میں اگرچہ جمہور علمائے اہلِ سنت کے معمولات سے بالاتفاق حج فرض کی ادائیگی کے لیے تصویر کشی کی بلا کراہت اجازت ملتی ہے۔ لیکن حضور مفتیِ اعظم کے عہد میں یہ مسئلہ نہایت حساس و پیچیدہ صورت حال سے دو چار ہو گیا تھا۔ بعض علمائے اہل سنت نے اگرچہ حج کی ادائیگی کے لیے فوٹو کھنچوانے کی اجازت دے دی تھی تاہم جمہور علمائے کرام اور فقہائے ذوی الاحترام اپنے اسی موقف پر قائم رہے کہ حج فرض کے لیے بھی تصویر کشی کی اجازت نہیں کہ حدیث پاک میں تصویر کشی کی حرمت کا حکم واضح الفاظ میں موجود ہے۔ حج مذہب اسلام کا ایک عظیم رکن ہے، بوقت قدرت و استطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ادائیگی حج کی تمام شرطیں متحقق الوجود ہوں اور جملہ موانع مرتفع تو حج فرض ہو جائے گا مگر اس فرض کی ادائیگی کے لیے پاس پورٹ لازم اور لابدی امر ہے کہ بین الاقوامی قانون کے پیشِ نظر بیرون ممالک سفر کے لیے باتصویر پاس پورٹ کا ہونا آئینی اور ضروری قرار دے دیا گیا ہے۔ لہٰذا اب یہاں ایک اشکال ضرور اضطراب پیدا کرے گا کہ جب حج کی تمام شرطیں متحقق ہوں اور

دوسرے تمام موانع مرتفع ہو جائیں تو کیا شریعت طاہرہ کی نظر میں تصویر کشی کو عذر اور مانع قرار دیا جا سکتا ہے، اور کیا ادائگی حج میں تاخیر کرنے والا قابلِ مواخذہ و مستحقِ عقاب قرار پائے گا یا نہیں؟ ظاہر ہے اگر تصویر کشی عذر شرعی ہے اور ادائگی حج کے لیے مانع تو تاخیر کرنے والا کیوں مجرم نہ گردانا جائے گا بل کہ یہ کہا جائے گا کہ ابھی تمام موانع کا ارتفاع نہ ہوا اور اگر تصویر کشی عذر مانع نہیں تو بلاشبہ تاخیر بعد فرضیت جائز نہیں۔ حضور مفتی اعظم کا کوئی ایسا فتویٰ جس میں ادائگی حج کے لیے تصویر کشی کو عذر اور مانع قرار دیا گیا ہو، میری نظر سے نہ گزرا نہ ہی اس کی صراحت ملی کہ آپ نے تصویر کشی کو مانع قرار نہ دیا ہو۔ البتہ فتاویٰ اجملیہ میں مفتی اجمل صاحب علیہ الرحمہ نے اتنا ضرور تحریر فرمایا "پھر جب حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ کو ابھی تک اس میں کلام ہے تو اجماع ہوا ابھی نہیں"۔ زیادہ تر لوگوں سے یہی سنا گیا کہ حضور مفتی اعظم حج فرض کے لیے بھی تصویر کشی کو ناجائز ہی سمجھتے رہے، حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کا بھی یہی موقف رہا اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ "میں سفرِ حج اور حاضری بارگاہِ رسالت کے لیے بے قرار ہوں، تصویر کھنچوانے کو ناجائز سمجھتا ہوں۔ اگر بغیر تصویر کے مجھے اجازت مل گئی تو میں ضرور جاؤں گا۔ اور میری یہ دیرینہ آرزو ہے اور مجھے پوری امید ہے کہ میری آرزو ضرور پوری ہوگی۔ اگر چہ بادی النظر میں میرا اس طرح جانا امرِ محال معلوم ہوتا ہے، ہمیں محال ہے لیکن انھیں محال نہیں۔ اگر میری آرزو اور لگن سچی ہے تو ایک نہ ایک دن مدینے والے سرکار میرے لیے کوئی سبیل پیدا کر کے مجھے ضرور بلوالیں گے۔" اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اس عاشق صادق کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا، آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کرم فرمایا اور بغیر فوٹو کے حج وزیارت کی سعادتوں سے سرفراز کیے گئے۔ تڑپ جب سچی ہو تو وہ ضرور رنگ لاتی ہے۔

دکھا دے یا الٰہی وہ مدینہ کیسی بستی ہے | جہاں پر رات دن مولیٰ تری رحمت برستی ہے
وہ دن خدا کرے کہ مدینہ کو جائیں ہم | خاکِ درِ رسول کا سرمہ لگائیں ہم

ایک مقام پر یوں ارشاد فرماتے ہیں: "کہ جب آزادی تھی تو میں اس قابل نہ تھا اور جب استطاعت ہوئی تو فوٹو لازم کر دیا گیا۔ اگر چہ علمائے کرام اور مفتیان عظام نے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے فوٹو کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا لیکن میری سمجھ میں فتویٰ نہیں آیا تھا اس لیے میں بلا فوٹو کے حاضری کا طالب تھا۔" اس دور میں جن بعض علما نے تصویر کشی کی اجازت دی تھی وہ صرف حج فرض کے لیے تھی۔ مجوزین میں خصوصیت کے ساتھ حضرت مفتی اجمل صاحب سنبھلی اور آپ کے بعض اتباع قابلِ ذکر ہیں۔ فتاویٰ اجملیہ میں مذکورہ چند دلائل کا خلاصہ یہ ہے۔ دورانِ سفرِ حج اگر ظلم ظالم، یا دفعِ شر حصولِ امن کے لیے رشوت دینی پڑے یا چنگی، ٹیکس بہ جبر لیا جاتا ہو اور محض استطاعِ فرض یا دفعِ مضرت کے لیے رشوت دینے پر مضطر ہو تو اس عازمِ حج پر رشوت دینے سے کوئی محظور شرعی لازم نہ آئے گا۔ گناہ لینے والے پر ہوگا۔ امور مذکورہ بالا کو ادائیگی فرض حج کے لیے نہ عذر قرار دیا جائے گا اور نہ ہی منافی امن تسلیم کیا جائے گا۔

درمختار میں ہے:

وهل مايو خذ فى الطريق من المكس والخفارة عذر قولان و المعتمد لا كما فى القنيه والمجتبى.

ردالمحتار میں ہے:

واعترضه ابن كمال باشا فى شرحه على الهدايه بان ما ذكر فى القضا ليس على اطلاقه بل فيما اذا كان بالالتزام منه فبالاعطاء ايضا يأثم وما نحن فيه

من هذا القبيل اه و اقره فی النهر و اجاب السيد ابو سعود بانه هنا مضطر لاسقاط الفرض عن نفسه. قلت ويؤيده ماياتی عن القنيه والمجتبی فان المكس والخفارة رشوة ونقل عن البحران الرشوة فی مثل هذا جائزة الخ.

ایسا شخص جس پر حسب قدرت واستطاعت حج فرض ہوا، اس نے ادائیگی حج فرض کی جتنی لازمی شرطیں اور ارکان تھے، ان سب پر بہ حسن وخوبی عمل کیا لیکن اس نے ادائیگی حج کے مصارف مالِ حرام سے ادا کیے تو حکم شرعی یہی ہے کہ اس کا حج صحیح ودرست اور فرض ذمہ سے ساقط ہوگیا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ حج کے ثواب کا حق دار نہ ہوا کہ یہ تو قبولیت حج پر موقوف ہے اور قبولیتِ حج مالِ حلال اور اخلاص پر موقوف ہے۔ مثلاً کسی نے بہ طور ریا نماز پڑھی، حالتِ روزہ میں غیبت کی تو اگر چہ اس کے لیے استحقاق ثواب نہ ہوا تاہم اس کی نماز اور روزہ شرعاً صحیح ودرست ہے کہ صحت فرائض کے لیے شرائط وارکان کا تحقق لابدی امر ہے جو بندے کی طرف سے پالیا گیا۔ ردالمحتار میں ہے:

"ويجتهد فی تحصيل نفقه حلال فانه لا يقبل بالنفقة الحرام كما ورد فی الحديث مع انه يسقط الفريضة معها ولا تنافی بين سقوطه وعدم قبوله فلا يثاب لعدم القبول ولا يعاقب عقاب تارك الحج ای لان عدم الترك يبتنی علی الصحة و هی الاتيان بالشرائط والاركان والقبول المترتب عليه الثواب يبتنی علی اشياء كحل المال والاخلاص كمالو صلی مرائيا اوصام واغتاب فان الفعل صحيح لكنه بلا ثواب۔"

عورت پر فریضۂ حج کی جو قدرت واستطاعت اور شرائط وارکان لازم ہیں ان کا تحقق اور موانع کا ارتفاع ہو جائے اور محرم ساتھ ہو، شوہر اسے ادائیگی حج کی اجازت نہ دے تو عورت بغیر اذن شوہر کے محرم کے ساتھ سفر حج کے لیے جا سکتی ہے۔ ادائیگی فرض کے لیے اذن شوہر عذر اور مانع قرار نہیں دیا جا سکتا۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

وعند وجود المحرم كان عليها ان تخرج فی حجة الاسلام وان لم ياذن زوجها وفی النافلة لا تخرج بغير اذن الزوج۔

درمختار میں ہے:

وليس لزوجها منعها عن حجة الاسلام۔

ردالمحتار میں ہے:

ای اذا كان معها محرم والا فله منعها كما يمنعها عن غير حجة الاسلام۔

عبارت منقولہ کا حاصل یہ نکلا کہ شریعت طاہرہ کی نظر میں فرضیت حج کی وہ عظمت واہمیت ہے کہ فریضۂ حج کی تمام شرطوں کا تحقق ہو جائے اور جملہ موانع کا ارتفاع تو اذن شوہر بھی ضروری نہیں ادائیگی فریضۂ حج کے لیے عدم اذن زوج مانع نہیں حتیٰ کہ مال حرام سے ادائیگی پر حج ادا، اور ذمہ سے فرض ساقط۔ اسی طرح دوران سفر ظلم ظالم، دفع شر، اور حصول امن کے لیے رشوت دینا، چنگی اور ٹیکس ادا کرنا بھی عذر و مانع اور منافی امن نہیں تھا کہ ان امور مذکورہ کی بنیاد پر فریضۂ حج کا التوا بھی جائز نہیں تو حج فرض کی ادائیگی کے لیے فوٹو کھنچوانا اگر چہ قابلِ

مواخذہ جرم اور گناہ ہے، تاہم بغیر دلیل شرعی کے اسے حج فرض کی ادائیگی کے لیے عذر اور مانع قرار نہیں دیا جاسکتا تو اسے ترک حج کے سبب مستحق عذاب وعقاب کیوں نہیں گردانا جاسکتا۔ نیز بعد فرضیت حج، تاخیر حج کے سبب گناہ وفسق کیوں نہ لازم ہوگا کہ جب موانع حج مرتفع اور شرائط حج مجتمع اور اس کے لیے تصویر کشی عذر مانع نہیں تو جس وقت قدرت واستطاعت متحقق ہوئی، اسی سال حج فرض ہو گیا، جس میں سال آئندہ تک کی بھی تاخیر مستلزم گناہ اور قابلِ مواخذہ ہے۔ یہی امام اعظم اور امام ابو یوسف کا اصح ومختار قول ہے جیسا کہ درمختار ردالمحتار اور درالمنتقی شرح الملتقی میں صراحت موجود ہے۔ لباب المناسک اور اس کی شرح المنسک المتقسط فی المسلک المتوسط میں ہے:

(واذا وجدت الشروط) ای شروط وجوب الحج ادائه وجب (فالو جوب علی الفور) ای محمول علیه فی القول الاصح عندنا و هو اختیار ابی یوسف واصح الروایتین عن ابی حنیفة کما نص علیه قاضی خان وصاحب الکافی وبه قال مالک فی المشهور واحمد فی الاظهر والمازنی فی الشافعیة۔ (المنسک، ص:۴۴)

جواز تصویر کشی کے تعلق سے اس اصل کلی کا بھی سہارا لیا گیا کہ جب انسان دو بلاؤں میں مبتلا ہو تو اس میں جو آسان وسہل ہو اسے اختیار کرے۔ اذا ابتلی ببلیتین فلیختر اھو نھما۔ مسئلہ دائرہ میں تصویر کشی حرام اور بعد فرضیت ترک حج بھی حرام۔ لیکن دونوں میں ترک فرض حج کی حرمت اشد بلا اور اہم تر۔ لہذا ترک فرض کے عذاب سے بچنے کے لیے تصویر کشی کی حرمت جو کم تر وایسر ہے، اسے اختیار کرے تا کہ ترک فرض حج کی حرمت جو عظیم تر ہے، اس سے اجتناب ہو جائے۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان تقسیم ہند و پاک سے قبل حج وزیارت حرمین شریفین کی سعادتوں سے دو مرتبہ سرفراز ہو چکے تھے اور اس وقت تک بیرون ممالک کے سفر کے لیے پاس پورٹ لازم نہ تھا۔ لیکن جب تیسری مرتبہ ۱۹۷۱ء میں عازم حرمین شریفین ہوئے تو بین الاقوامی قوانین کے مطابق باتصویر پاس پورٹ لازم کر دیا گیا۔ اب ظاہر ہے حضور مفتی اعظم اپنے حج فرض کی ادائیگی سے پہلے ہی سبک دوش ہو چکے تھے جب پاس پورٹ لازم نہ تھا اور جب تیسری مرتبہ ارادہ فرمایا تو یہ حج، حج نفل تھا اور یہ دو زمانہ تھا کہ پاس پورٹ لازم ہو چکا تھا۔ آپ کے عہد کے جن بعض علما نے تصویر کشی کی اجازت دی تھی وہ حج فرض کی ادائیگی کے لیے تھی اور حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا اس مسئلے میں کیا موقف تھا، مجھے اس کی صراحت نہ ملی اور سینہ بہ سینہ جس روایت کا علم ہوا، وہ یہ کہ آپ حج فرض کے لیے بھی عدم جواز ہی کے قائل تھے۔ بعد میں توقف کی بھی روایتیں بیان کی گئی ہیں لیکن یہ تیسرا حج تو حج نفل ہی تھا اور پاس پورٹ لازم ہو چکا تھا۔ حضور مفتی اعظم جیسی مسلم الثبوت شخصیت سے یہ نہایت مستبعد تھا کہ آپ حج نفل کے لیے تصویر کھنچواتے مگر مولا عزوجل کے جو مقبول ومحبوب بندے ہوتے ہیں ان کے لیے پروردگار عالم غیب سے ایسا انتظام فرما دیتا ہے کہ لوگوں کی نگاہیں متحیر ہو جاتی ہیں اور پھر جسے آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے درمقدس کی حاضری کا پروانہ مل جائے، بلاوا آجائے تو دنیا کی کون سی طاقت ہے جو رکاوٹ پیدا کر سکے۔ لہذا آپ کو اس شان سے زیارت حرمین طیبین کی سرفرازی نصیب ہوئی کہ اسپیشل طور پر آپ کو بین الاقوامی قانون کے خلاف بغیر پاس پورٹ اس دیار قدس کی حاضری حاصل ہوئی۔ ذلک فضل الله یوتیه من یشاء۔

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم کی فقہی بصیرت

صرف ایک فتویٰ کی روشنی میں

مولانا مفتی صدر الوریٰ قادری مصباحی بستوی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

فتویٰ نویسی نہایت ہی اہم اور مشکل ترین فن ہے۔ یہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں بلکہ اس کے لیے ذکاوت و فطانت، وسعت مطالعہ، جزئیات کا استحضار، قوت اخذ، دقیقہ سنجی، نکتہ فہمی، حالات زمانہ سے آگاہی، مشق و ممارست ضروری ہے۔ آئے دن نت نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کی صراحت کتب مذہب میں نہیں ملتی، اور عام فرزندان توحید کے دلوں میں حلت و حرمت کے تعلق سے بے چینی رہتی ہے اور کتابوں میں باضابطہ وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے مفتیان دین کے سامنے بھی کوئی کم دشواری نہیں رہتی۔ ایسے ماحول میں اصل مسئلے کی تنقیح اور حکم شرع کی دریافت کرکے امت مسلمہ کی رہنمائی کرنا کتنا سنگین امر ہے؟ اس کی پیچیدگی کا احساس اسی کو ہوگا جس نے بجا طور پر اس خارزار وادی میں قدم رکھ کر اس کی مشکلات کا سامنا کیا ہو۔

عام طور پر لوگوں کے دلوں میں یہ تصور بسا ہوا ہے کہ جس نے درس نظامی کی تکمیل کرلی وہ اب اس قابل ہوگیا کہ مسند افتا کو سنبھالے۔ قوم کے مسائل حل کرے اور حسب تقاضائے شریعت فتویٰ صادر کرے۔ اور بہت سارے فارغ التحصیل حضرات اس تصور کو عملی جامہ پہنا کر جرأت کے ساتھ برجستہ فتویٰ دینا شروع بھی کردیتے ہیں۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ محض درس نظامی کی تکمیل سے فقہ و افتا کا علم حاصل نہیں ہوتا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

"آج کل درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازہ میں داخل نہیں ہوتا۔"

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۴ ص ۵۶۵)

ایک اور مقام میں ارشاد فرماتے ہیں:

"علم الفتویٰ پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا جب تک مدتہا کسی طبیب حاذق کا مطب نہ کیا ہو۔"

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۱۳۳، نصف الاول، کتاب الحظر والاباحۃ، رضا اکیڈمی)

ہاں اگر کسی پر اللہ تعالیٰ کا فضل خاص ہو جائے خداداد اس کے پاس ایسی بصیرت ہو کہ جزئیات فقہ کی روشنی میں مسائل شرعیہ کا استخراج کر سکے تو وہ طبیب حاذق کے مطب میں طبابت سے مستغنی ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ افتا کے لیے بنیادی طور پر یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی کے دل میں تقویٰ طہارت، استقامت فی الدین کا ایسا جذبہ کارفرما ہو کہ فسق و فجور، معاصی کے ارتکاب سے دور رہا کرتا ہو۔ کیوں کہ علم دین، رحمت الٰہیہ کا وہ فیض اور اللہ رب العزت کا وہ نور ہے جس کا

نزول اسی بندے کے دل پر ہوتا ہے جس نے اپنے کو شریعت کے سانچے میں ڈھال لیا ہو، اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو، اصول شریعت کا ایسا پابند ہو کہ خلاف شرع کوئی بات سننا گوارا نہ کرتا ہو، اس کے نزدیک شرعی امور میں مصلحت نام کی کوئی چیز نہ ہو، دینی حمیت و غیرت ایسی ہو کہ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کا مظہر ہو۔

ورنہ آدمی اگر معصیتوں میں ڈوبا ہو تو وہ جتنا بھی ذہین و فطین ہو، کتنی ہی کتابوں کی ورق گردانی کر ڈالے۔ لاکھ اپنے اندر صلاحیت پیدا کرلے پھر بھی وہ نور علم سے محروم رہتا ہے۔ مشہور حنفی فقیہ صاحب بحر الرائق علامہ زین الدین بن نجیم حنفی مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان أولى ما يستنزل به فيض الرحمة ا لالهية فى تحقيق الواقعات الشرعيه طاعة الله عزوجل و التمسك بحبل التقوى قال الله تعالىٰ واتقوا الله ويعلمكم الله و من اعتمد على رأيه و ذهنه فى استخراج دقائق الفقه و كنوزه وهوى فى المعاصى حقيق بانزال الخذ لان عليه فقد اعتمد على مالا يعتمد عليه ومن لم يجعل الله له نورا فما له من نور (البحر الرائق ج۔۶ ص ۴۴۲ ابتداء کتاب القضاء، دار الکتب العلمیہ، بیروت) واقعات شرعیہ کی تحقیق میں رحمت الٰہیہ کا فیض نازل ہونے کا سب سے بڑا ذریعہ اللہ عزوجل کی طاعت و فرماں برداری اور تقویٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اللہ تمھیں علم سے نوازے گا اور جو فقہ اور اس کے خزانوں کی باریکیاں نکالنے میں اپنی رائے اور اپنے ذہن پر اعتماد کرے اور حال یہ ہو کہ وہ معاصی میں ڈوبا ہو تو وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس پر محرومی نازل ہو اور جسے اللہ نور نہ دے اس کے لیے کہیں نور نہیں۔

شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفیٰ رضا قدس سرہ العزیز بھی اللہ تعالیٰ کے انھیں صالح بندوں میں سے تھے جن کی فطرت میں استقامت فی الشرع، تصلب فی الدین، تقویٰ، طہارت، دینی حمیت و غیرت جیسے اعلیٰ اوصاف شامل تھے۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان صغر سنی ہی سے اللہ رب العزت نے وہ صلاحیت اور وہ بصیرت عطا فرمائی تھی کہ فراغت کے سال ہی صرف اٹھارہ برس کی عمر میں بغیر کسی کتاب کی مدد کے رضاعت سے متعلق پہلا فتویٰ تحریر فرمایا۔ پھر اس فتویٰ کو مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں ازراہ اصلاح پیش کیا۔ تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بغیر کسی ترمیم و تبدیل کے ان الفاظ میں اس کی تصدیق فرمائی۔

"صح الجواب بعون الملك الوهاب"

اور اس فتویٰ کو دیکھ کر اتنا خوش ہوئے کہ انعام عطا فرمایا اور فتویٰ نویسی کی عام اجازت مرحمت فرمائی اور مہر بنوا کر عنایت فرمائی جس پر یہ عبارت مرقوم تھی۔ "ابو البرکات محی الدین جیلانی آل الرحمٰن محمد عرف مصطفیٰ رضا"

ایک عام آدمی کو بظاہر اس واقعہ کی اہمیت کا احساس نہ ہوگا مگر درحقیقت یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ مسئلہ رضاعت جو بالعموم اپنے اندر بڑی پیچیدگی لیے ہوتا ہے، پھر سائل کیا دریافت کرنا چاہتا ہے؟ سوال کا منشا کیا ہے؟ مافی الضمیر کو اس نے ادا کیا ہے یا طریقہ تعبیر میں کچھ خلل ہے؟ اس کا جواب کس طرح دیا جائے کہ اس پر کوئی شبہہ وارد نہ ہو اور سائل کو تشفی بھی ہو جائے، جواب میں کوئی غیر ضروری بات نہ ہو جس سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھا سکے، سوال میں جس امر کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے علاوہ بھی کسی توضیح مبہم کی ضرورت ہے یا نہیں، وغیرہ وغیرہ۔ ایک مفتی کو ان تمام پہلوؤں پر بہر حال نگاہ رکھنی ہوتی ہے۔ جس کے لیے وسعت مطالعہ، علمی استحضار، وقت نظر، اصابت فکر کے ساتھ ایک طویل عرصے تک مشق و ممارست درکار ہے۔ مگر حضور مفتی اعظم قدس سرہ کی شان ہی نرالی ہے نہایت مشکل مسئلے پر فراغت کے معاً بعد پہلا

فتویٰ تحریر فرمایا، اور بغیر کسی حذف و اضافے اور تغییر و تبدیل کے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے تصدیق فرمائی جن کی دقیقہ بینی اور نقد و جرح کے سامنے بڑے بڑے عقلاے روزگار حیرت سے انگشت بدنداں رہ جاتے۔ جن کے فتاویٰ کو دیکھ کر علماے حرمین شریفین آپ کے تبحر علمی، دقت نظر، وسعت فکر کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے اور قسم کھا کر ان الفاظ میں برملا آپ کی رفعت شان کا اعلان کیا۔

واللہ أقول والحق أقول انہ لو رأھا ابو حنیفۃ النعمان لأقرت عینہ ولجعل مؤلفھا من جملۃ الأصحاب. (اجازات المتینہ لعلماء بکۃ والمدینہ ص ۲۲، رضا اکیڈمی ممبئی) بخدا میں کہتا ہوں اور حق ہی بولتا ہوں کہ اگر ان فتاویٰ کو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور ان کے مؤلف کو اپنے اصحاب میں شامل کر لیتے۔

ایسی نقاد و ہمہ جہت شخصیت نے بھی اس میں کسی ترمیم کی ضرورت محسوس نہ کی، یقیناً یہ بچپن ہی میں حضور مفتی اعظم کی فقہی بصیرت کی روشن دلیل ہے۔

اب ذرا کسی فتویٰ کو سامنے رکھ کر حضور مفتی اعظم کی فقہی بصیرت کا اندازہ لگایا جائے تاکہ ہر شخص کے سامنے آپ کا مقام تفقہ بالکل عیاں ہو جائے۔ اس کے لیے ایک فتویٰ کے کچھ اقتباسات نذر قارئین کیے جاتے ہیں۔ جواب سے پہلے سوال پر نظر ڈال لی جائے۔ سوال یہ ہے۔

مسئلہ : زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب کو نہیں جانتے تھے اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ بحر الرائق جلد ۳، ص ۹۴ مطبوعہ مصر میں ہے وفی الخانیۃ والخلاصۃ لو تزوج بشھادۃ اللہ و رسولہ لا ینعقد و یکفر لاعتقادہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب اور ایسا ہی بزازیہ میں ہے۔ جواب شافی بالدلیل مرحمت فرمائے جاویں۔ فقط بینوا توجروا۔

یہ سوال بظاہر مختصر سا ہے مگر اپنے اختصار کے دامن میں کئی ایک توجہ طلب امور سمیٹے ہوئے ہے جو کچھ اس طرح ہیں:

۱- زید جو دانائے غیوب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیب دانی کا مطلقاً انکار کرتا ہے شرعاً اس پر کیا حکم عائد ہوتا ہے۔

۲- نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہ عطاے الٰہی علوم غیبیہ حاصل تھے اس پر کیا دلیل ہے؟ قرآن و حدیث یا اقوال سلف سے اس کا ثبوت کیا ہے؟

۳- فقہی اعتبار سے بحر الرائق کی عبارت کی کیا حیثیت ہے فقہاے احناف کے نزدیک وہ قول صحیح اور معتمد ہے یا وہ قول مرجوح و غیر مقبول ہے اور قول صحیح اس کے برخلاف ہے؟

۴- بہر صورت عبارت بحر کی کوئی توجیہ و تاویل ہو سکتی ہے یا نہیں؟

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس سوال کا ایسا شافی اور مدلل جواب رقم فرمایا جو ان تمام گوشوں کو نہ صرف محیط بلکہ ہر ایک پر ایسی سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ اس موقع سے پورا جواب نقل کرنے سے بات بڑی لمبی ہو جائے گی۔ البتہ ہر گوشہ سے متعلق جواب کا ایک ایک اقتباس ضرور نقل کیا جائے گا۔

پہلا گوشہ : سوال کے پہلے گوشے پر حکم شرع واضح کرتے ہوئے ان الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں۔

"زید بے قید پر از مکر و کید بدترین وہابی لعین ہے اس کا حضور پر نور شافع یوم النشور ایمان جان، جان ایمان، عالم ماکان و ما یکون سرور عالم و عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب سے مطلقاً انکار کفر مبین ہے قرآن عظیم کی آیات باہرہ کثیرہ سے انکار ہے۔" (فتاویٰ مصطفویہ ص ۱)

پھر وافر مقدار میں آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ کو ذکر فرمایا جن سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب علم ماکان و ما

یکون کا اثبات ہوتا ہے۔ پھر زید مذکور کے بارے میں بلا خوف لومۃ لائم یہ اعلان کرتے ہیں۔

''اے لعین تو ان ملعون منافقوں کی طرح قرآنی فتوے سے کافر ہے جنھوں نے بکا تھا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فلاں کا ناقہ فلاں وادی میں ہے اور انھیں غیب کی کیا خبر وہ غیب کیا جانیں اور پھر منکر ہو گئے اور جھوٹے بہانے بنانے لگے جس پر قرآن عظیم کا وہ قہری فتویٰ نازل ہوا اور جتا دیا گیا وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللّٰهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۔ (سورۂ توبہ ۹/ ۶۶۔۶۵)

منافقوں نے بھی یہی بکا تھا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے، وہ غیب کیا جانیں انھیں غیب کی کیا خبر اسی پر تو قرآن عظیم نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ اور قرآن اور رسول کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہو۔ اسی پر تو واحد قہار نے ان کے جھوٹے حیلے بہانوں کو کہ ہم تو یوں ہی ہنس بول رہے تھے، فرمایا کہ جھوٹے بہانے نہ بناؤ بے شک تم کافر ہو چکے بعد (اظہار) ایمان کے۔ آمنا باللہ الرحمٰن والرسول والقرآن۔ ہم مسلمان آیات قرآن و احادیث نبی ذیشان پر ایمان رکھنے والے باتباع قرآن اس وہابی بے ایمان کے کفر پر حکم کرتے ہیں جس نے کہا رسول غیب کو نہیں جانتے تھے اور جس نے لکھا یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو علم غیب تھا صریح شرک ہے (فتاویٰ رشیدیہ حصہ ۲، ص ۱۰) اور بکا کہ دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں (براہین قاطعہ ص ۵۱) اور بک دیا کوئی شخص کسی سے کہے کہ فلاں درخت میں کتنے پتے ہیں تو اس کے جواب میں یہ نہ کہے کہ اللہ ورسول ہی جانے کیوں کہ غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے رسول کو کیا خبر (تقویۃ الایمان ص ۶۶) اور لکھا کسی انبیا اولیا یا امام یا شہیدوں کی جناب میں ہرگز یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ غیب کی بات جانتے ہیں بل کہ حضرت پیغمبر صاحب کی جناب میں بھی یہ عقیدہ نہ رکھے (تقویۃ الایمان ص ۳۰) اور لکھا جو کہتے ہیں کہ علم غیب بہ جمیع اشیا کو ذاتی نہیں بل کہ اللہ کا عطا کیا ہوا ہے سو محض باطل اور خرافات سے ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم ص ۳۶) اور لکھ دیا جو کچھ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں خواہ قبر میں اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں نہ نبی کو نہ ولی کو نہ اپنا حال نہ دوسرے کا (تقویۃ الایمان ص ۳۱) اور لکھا اللہ کا سا علم اور کے لیے ثابت کرنا سو اس عقیدہ سے آدمی البتہ مشرک ہو جاتا ہے خواہ یہ عقیدہ انبیا اولیا سے رکھے خواہ پیر و شہید سے خواہ امام و امام زادے سے خواہ بھوت و پری سے پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے خواہ اللہ کے دینے سے۔ غرض اس عقیدہ سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔ (تقویۃ الایمان ص ۱۰) اس میں ہر چہار ائمہ مذاہب پر افترا کرتے ہوئے بکا۔ اس میں ہر چہار ائمہ مذاہب و جملہ علما متفق ہیں کہ انبیا علیہم السلام غیب پر مطلع نہیں۔ (مسئلہ علم غیب، ص ۲)

اللہ اللہ! اللہ عزوجل اپنے حبیب ومحبوب طالب ومطلوب دانائے غیوب کو علم غیب عطا فرمائے اور اپنی کتاب مجید میں اس عطا کا اعلان فرمادے اور جو ملعون یہ بکے '' محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) غیب کیا جانیں'' اس کے کفر کا وہ قہری فتویٰ دے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بار بار سر مجالس خطبات میں اپنے رب کی اس عظیم نعمت کا اظہار فرمائیں اور طاعنین کا رد علیٰ رؤس الاشہاد ارشاد فرمائیں۔ حدیث میں ہے قام علی المنبر فحمد الله واثنی علیه ثم قال ما بال أقوام طعنوا فی علمی لا تسئلونی عن شئی فیما بینکم و بین الساعة الا نبأتکم به (تفسیر خازن سورۂ آل عمران، زیر آیت ۱۷۹، ص ۳۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام من ربہ الودود والغفور نے منبر اقدس پر قیام فرمایا اللہ عزوجل کی حمد وثنا بیان فرمائی۔ پھر فرمایا کیا حال ہے ان اقوام کا جو میرے علم شریف میں طعن کرتی ہیں۔ تم مجھ سے نہ پوچھو گے کسی شی کو جو تمھارے اور قیامت کے درمیان ہے مگر یہ کہ میں تمھیں اس سے خبردار فرمادوں گا۔ مگر وہابی مردود، منافق مطرود کی طرح یہی بکے جائے کہ انھیں غیب کی کیا خبر وہ علم غیب کیا جانیں۔ رسول غیب نہیں جانتے تھے قاتلهم الله انی یؤفکون''۔ (فتاویٰ مصطفویہ ص ۴)

اس اقتباس سے جہاں زید مذکور کا شرعاً حکم واضح ہوتا ہے وہیں دربارہ علم غیب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق سے وہابیوں کا کیا عقیدہ ہے اس کی بھی قلعی کھل جاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ جواب کی سطر سطر سے اشداء علی الکفار کی تصویر بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

دوسرا گوشہ :

سوال کا دوسرا گوشہ یہ تھا کہ وہ کون سی آیات واحادیث ہیں جن سے بعطائے الٰہی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کا ثبوت ہوتا ہے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان رقم طراز ہیں:

"قرآن عظیم کا ارشاد کریم ہے تِلْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا اِلَيْكَ۔ (سورۂ ہود آیت ۔۴۹) یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم تمہاری طرف وحی فرماتے ہیں۔ اور وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ۔ (سورۂ تکویر آیت ۔ ۲۴) یہ نبی غیب بتانے پر بخیل نہیں۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (سورۂ آل عمران آیت ۔۱۷۹) اللہ اس لیے نہیں کہ اے عامۃ الناس خود تمہیں غیب پر مطلع فرمادے اور لیکن اللہ (اس کے لیے) چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے اور لَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (سورۂ جن آیت ۔ ۲۷ ۔۲۶) خدا کسی کو غیب پر مسلط نہیں فرماتا مگر رسول مرتضیٰ کو۔ اور وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔ (سورۂ نساء آیت ۔ ۱۱۳) خدا نے سکھادیا تمہیں جو کچھ تم نہیں جانتے تھے۔ (غیب وشہادت سے) اور اللہ کا تم پر فضل عظیم ہے۔ اور نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَىْءٍ۔ (سورۂ نحل آیت ۔۸۹) ہم نے یہ کتاب تم پر اتاری ہر شئی کے روشن تر بیان کو اور وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ۔ (سورۂ حدید آیت ۔ ۳) وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر شئی کے علیم ہیں۔ اور يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (سورۂ بقرہ آیت ۔۲۵۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ کو۔ اور عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ (سورۂ علق آیت ۔ ۵) اللہ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سکھادیا جو وہ نہ جانتے تھے۔

حدیث میں ہے ان الله قد رفع لی الدنيا فانا انظر اليها والی ما هو كائن فيها الی يوم القيامة كانما انظر الی كفی هذه۔ (کنز العمال، حدیث ۔ ۳۱۸۱۰، بیت الافکار الدولیہ، الریاض) بے شک اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا اٹھائی (میرے پیش نظر فرمادی) تو میں اسے اور جو کچھ اس میں روز قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس کف دست مقدس کو۔ اور حدیث میں ہے أخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل أهل الجنة منازلهم و أهل النار منازلهم۔ (بخاری شریف حدیث ۔ ۳۱۹۲ ص ۶۵۰، کتاب بدء الخلق، دار الکتاب العربی، بیروت) ہمیں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابتداء آفرینش سے جنتیوں کے اور جہنمیوں کے اپنے اپنے منازل میں داخل ہونے تک کی خبر دی۔ اور حدیث میں ہے ان الله زوی لی الارض فرايت مشارقها و مغاربها۔ (مسلم شریف حدیث ۔ ۷۲۵۸ کتاب الفتن، باب ہلاک ہذہ الامۃ، دار الکتاب العربی، بیروت) تحقیق اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو ملاحظہ فرمالیا۔ اور حدیث میں ہے تجلی لی كل شئی و عرفت (مشکوۃ شریف ص ۲۳۶ باب المساجد، دار الفکر، بیروت) ہر چیز مجھ پر روشن ہوئی اور میں نے پہچان لی۔ اور حدیث میں ہے علمت ما فی السموات و الارض۔ (مشکوۃ

شریف ص ۲۳۰ باب المساجد، دار الفکر، بیروت) میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے
۔اور حدیث میں ہے قطرت فی حلقی قطرة فعلمت ما کان وما یکون ۔میرے حلق میں ایک قطرہ ٹپکایا گیا تو
میں نے جان لیا ما کان وما یکون کو (جو کچھ ہو گیا اور جو کچھ ہونے والا ہے سب کو) اور حدیث میں ہے ما من شئی لم
اره الا وقد رایته فی مقامی هذا حتی الجنة والنار۔ (فتح الباری ج۔ ۱۳ ص ۲۵۱ کتاب الاعتصام
بالکتاب والسنة باب الاقتداء، بیروت) اور حدیث میں ہے تجلی لی ما بین السماء والارض۔ اور حدیث
میں ہے علمت ما بین المشرق والمغرب اور حدیث میں ہے۔اخبرنا بما کان وبما هو کائن فاعلمنا
احفظنا ۔ (مسلم شریف ج۔ ۲ ص ۳۹۰) فتاویٰ مصطفویہ ص ۲۔
ان آیات کریمہ واحادیث نبویہ سے روز روشن کی طرح یہ امر عیاں ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ جل وعلا نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کو یقیناً وافر و کثیر علوم غیبیہ عطا فرمائے اور انھیں علوم کثیرہ کا ایک مختصر سا حصہ علم ما کان وما یکون ہے ۔لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے
لیے مطلقاً علم غیب کا انکار بلاشبہہ کفر ہوگا کہ یہ ایک امر ضروری دینی کا انکار ہے۔

تیسرا گوشہ :

اب رہا سوال کا تیسرا گوشہ یعنی سوال میں ذکر کردہ بحر الرائق کی عبارت جو دانائے غیوب عالم ما کان وما یکون نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے لیے منکرین علم غیب کی بڑی مضبوط دلیل ہے، جس پر وہ بزازیہ کا بھی حوالہ پیش کرتے ہیں، فقہا کے نزدیک اس عبارت کی کیا
حیثیت ہے اس پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
"اصل یہ ہے کہ غیر خدا کے لیے مطلقاً انکار غیب یہ عقیدہ باطلہ بعض معتزلہ ہے، معتزلی اپنے آپ کو حنفی کہا کرتے اور رشتہ حنفی میں
تصنیف کیا کرتے اور اس میں اپنے مذہب اعتزال کی رعایت کرتے ہوئے بعض مسائل ٹھونس دیا کرتے تھے انھیں مسائل سے یہ مسئلہ بھی
ہے بعض نے اسے اخذ کیا اور ان کے ساتھ حسن ظن یہی ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اس سے علم ذاتی مراد لیا۔ پھر ان حضرات صاحب بحر وغیرہ
نے بھی یہی سمجھتے ہوئے اپنی تصانیف میں نقل کیا۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض جامع اقوال ہر گونہ اقوال نقل کرتا ہے مثلاً مجمع الانہر میں لکھا کہ
لوشتم حیوانا ماکول اللحم بکلمة الجماع یکفر. پھر اس سے اوروں نے نقل کیا۔ اور ایسا ہوتا ہے۔ تو بعض کا نقل کردہ قول جب
کہ اس میں مطلقاً انکار علم غیب مراد ہو جو معتزلہ کے عقیدہ باطلہ کے موافق ہے یا اس کا اپنا کسی جب کہ وہ حنفی ہو معتزلی نہ ہو اس سے ذاتی مراد
لیا ہو اسے دیکھنا اور اسے عطائی پر ڈھالنا اور اکابر علما جہابذ ۂ ائمہ نے اس قول کے ضعف ومرجوحیت کا جو اشعار فرمایا اسے دیکھ کر ان دیکھا
کر لینا کس درجہ حیاداری ہے؟ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔ نیز اس سے بھی وہابی کا نظر چرانا مل کر بعض نفی ذاتی سے وہابیہ کا اس نفی
ذاتی کو بھی مطلقاً انکار کی سند ٹھہرانا کس قدر ڈھٹائی ہے! والعیاذ باللہ تعالیٰ۔
نوٹ: تلاش بسیار کے بعد بھی مجمع الانہر کی مذکورہ عبارت نہ مل سکی البتہ اسی میں دوسری جگہ ہے ولوسب طعاماً بکلمة الجماع
یکفر ولوشتم حیوانا من الماکولات او الماء فعند الامام یکفر و عندهما لا اه (ج۔ ۲ ص ۳۳۶ کتاب السیر و
الجهاد باب المرتد فصل الفاظ الکفر، دار احیاء التراث العربی، بیروت) از: راقم
مسئلہ تو صرف اتنا تھا کہ اگر کوئی شخص شہادت خدا و رسول سے نکاح کرے تو یہ منعقد نہ ہوگا کہ شرط انعقاد نکاح گواہوں کا رہنا ہے
حدیث میں ہے لا نکاح الا بشهود ۔مسلمان کے نکاح میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کا حضور شرط ہے جو عاقل بالغ ہوں اور یہ

سمجھیں کہ نکاح ہو رہا ہے۔ وہ کون سا نکاح ہے جو خدا سے غائب ہو اگر محض خدا کی شہادت سے نکاح کرتا یا فرشتوں مثلاً کراماً کاتبین کی شہادت سے کرتا جب بھی باطل ہوتا کہ شرط صحت نکاح نہ پائی گئی۔ اس میں بعض مجاہیل نے اتنا اور اضافہ کیا کہ وہ مسلمان شخص کافر ہو جائے گا کیوں کہ وہ معتقد علم غیب برائے رسول ہوا۔ ظاہر تو یہ ہے کہ یہ بعض مجاہیل معتزلی ہوگا۔ اس نے اپنے مذہب کا پیوند اس میں جوڑ دیا۔ پھر یہ بتاویل علم ذاتی بعض حنفیہ نے بھی اپنی تصانیف میں نقل کر لیا مگر اس کی مرجوحیت کو ظاہر کرتے ہوئے کہ علم ذاتی ہی نہیں ہوتا، دوسری قسم عطائی بھی ہے تو جب یہ احتمال ہے تو کافر نہیں کہہ سکتے۔ اس احتمال کے ہوتے ہوئے تکفیر صحیح نہیں۔ امام فقیہ النفس قاضی خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ وادخلہ فی الجنان نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا:

رجل تزوج امراة بشهادة الله و رسوله كان باطلا لقوله صلى الله عليه وسلم لا نكاح الا بشهود و كل نكاح يكون بشهادة الله و بعضهم جعلوا ذلك كفرا لانه يعتقد ان الرسول صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب۔
(ص ۱۵۵ کتاب النکاح، فصل فی شرائط النکاح، نول کشور لکھنؤ) امام فقیہ النفس نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کفر ہے بل کہ یہ فرما کر کہ بعض نے اسے کفر ٹھہرا دیا، اس کے ضعف کا اشعار فرما دیا۔ فتاویٰ خلاصہ میں یہ مسئلہ دو جگہ لکھا جلد اول کتاب النکاح میں تو تجرید سے اتنا لکھا ’’و تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد وهل يكفر عرف في الفاظ الكفر: اور جلد ۲ کتاب الفاظ الکفر میں تحریر فرمایا رجل تزوج ولم يحضر شاهد فقال خدا را و رسول خدا را گواہ کردم يكفر في الفتاوى لانه يعتقد ان الرسول والملك عالم بالغيب بخلاف قول فرشتہ دست راست را و فرشتہ دست چپ را گواہ کردم حيث لا يكفر لانهما يعلمان۔‘‘ (ج۔ ۴ ص ۳۸۵ کتاب الفاظ الکفر، الفصل الثانی، مکتبہ حبیبیہ، کوئٹہ)

نوٹ: جلد اول کی عبارت تلاش بسیار کے بعد بھی نہ مل سکی البتہ کتاب النکاح، الفصل السادس فی الشہود میں یہ ہے۔ تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله لاينعقد وهل يكفر؟ عرف في الفاظ الكفر ج۔ ۲ ص ۱۵ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ۔ از: راقم

فتاویٰ امام حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب المعروف بابن بزاز کردری میں فرمایا تزوجها بشهادة الله تعالىٰ جل جلاله و رسوله عليه الصلاة والسلام لا ينعقد و يخاف عليه الكفر لانه يوهم انه عليه الصلاة والسلام يعلم الغيب و عنده مفاتيح الغيب الآية وما اعلم الله تعالىٰ لخيار عباده بالوحي او الالهام الحق لم يبق بعد الاعلام غيباً فخرج عن المحصورين المستفادين من تقديم المسند و الحصر بالا۔۔۔ (ج۔ ۴ ص ۱۱۹ کتاب النکاح، الفصل السادس فی الشہود، فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ) نے صاف کر دیا کہ مراد امام بزازی علم ذاتی ہے کہ اگر عطائی ماننا بھی کفر ہوتا تو ’’یخاف‘‘ نہ فرماتے اور ’’ما اعلم الله تعالىٰ بالوحي والالهام لخيار عباده‘‘ کہہ کر خیار عباد کے لیے من جانب اللہ وحی و الہام سے علم ہونے کو تسلیم نہ کرتے۔

’’لم يبق غيباً‘‘ پر وہابیہ بہت بغلیں بجاتے ہیں اور قول بزازی دکھا دکھا کر مسلمانوں کو اکثر فریب میں ڈالا کرتے ہیں مگر ہماری تقریر بالا سے روشن ہو گیا کہ ’’لم يبق غيباً‘‘ خود اسی طرف مشیر ہے کہ یہاں مراد اعلام غیب سے غیب ذاتی ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ غیب بعد اعلام باقی نہ رہا جو خدا کے ساتھ خاص ہے علمائے اہل فہم کی فہم پر اعتماد کرتے ہوئے ایسی قیود ضرور یہ اکثر ترک فرما دیا کرتے ہیں جنھیں شراح محققین ذکر کرتے ہیں لم يبق غيباً اى مختصاً بالله تعالىٰ۔ درمختار میں ہے تزوج بشهادة الله و رسوله لم يجز بل قيل يكفر۔ (ج۔ ۴ ص ۹۹ کتاب النکاح، قبیل فصل المحرمات دار الکتب العلمیہ، بیروت) اس قیل نے ضعف و مرجوحیت تکفیر کا اشعار فرما دیا۔

علامہ شامی قدس سرہ السامی نے اس قول پر ردالمحتار جلد ۲ میں تحریر فرمایا "قال فی التتارخانیہ و فی الحجة ذکر فی الملتقط انه لا یکفر لان الاشیاء تعرض علی روح النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و ان الرسل یعرفون بعض الغیب قال تعالیٰ فلا یظهر علی غیبه احدا الامن ارتضی من رسول۔ (ج۔ ۴ ص۹۹ کتاب النکاح قبیل فصل المحرمات دارالکتب العلمیہ، بیروت) یعنی تاتارخانیہ اور حجۃ میں فرمایا کہ ملتقط میں ذکر کیا کہ وہ کافر نہ ہوگا اس لیے کہ اشیاء روح نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پیش کی جاتی ہیں اور بیشک رسل علیہم السلام بعض غیب کی معرفت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (سورۂ جن آیت۔ ۲۷۔۲۶) پھر "قلت" لکھ کر مقطع کا بند یہ فرمایا جس نے وہابیہ کو بالکل ہی ذبح کر دیا۔ ان کی رگ گردن یکسر قطع فرمادی" بل ذکروا فی کتب العقائد ان من جملة کرامات الاولیاء الاطلاع علی بعض المغیبات وردوا علی المعتزلة المستدلین بهذه الآیة علی نفیها بان المراد الاظهار بلاواسطة والمراد من الرسول الملك، لا یظهر علی غیبه بلا واسطة الا الملك اما النبی و الاولیا فیظهر هم علیه بواسطة الملك او غیره و قد بسطنا الکلام علی هذه المسئلة فی رسالتنا المسماة سل الحسام الهندی لنصرة سیدنا خالد النقشبندی فراجعها فان فیها فوائد نفیسة۔ (ج۔ ٤ ص۹۹ کتاب النکاح قبیل فصل المحرمات دارالکتب العلمیہ، بیروت) یعنی میں کہتا ہوں بل کہ بعض علما نے کتب عقائد میں ذکر فرمایا کہ اولیا کو کرامات سے بعض مغیبات پر اطلاع ہے اور ان ائمہ نے معتزلیوں کا رد فرمایا جو اس آیت سے نفی غیب پر دلیل لاتے تھے کہ مراد آیت اظہار بلاواسطہ ہے اور مراد رسول سے ملک ہے یعنی نہیں مسلط فرماتا اپنے غیب پر کسی کو بلاواسطہ مگر ملک کو لیکن نبی اور اولیاء تو غیب پر انھیں بواسطہ ملک یا کسی اور واسطہ سے مسلط فرماتا ہے اور بے شک ہم نے اس مسئلہ پر کلام مبسوط کیا ہے اپنے رسالہ "سل الحسام الہندی لنصرۃ سیدنا خالد النقشبندی" میں تو اس کی طرف مراجعت کرو اسے دیکھو کہ اس میں فوائد نفیسہ ہیں۔

امام برہان الدین مرغینانی نے تجنیس والمزید اور علماے کرام اصحاب فتاویٰ عالمگیری نے فتاویٰ ہندیہ (ج۔ا ص ۲۶۸ کتاب النکاح، الباب الاول) میں اس قول کے ضعف یا بطلان کی طرف اس کے ترک سے اشارہ فرمایا کہ مسئلہ صرف اتنا لکھا من تزوج امراة بشهادة الله ورسوله لا یجوز النکاح۔ وہ کفرا لاعتقاده ان النبی علیه الصلوة والسلام یعلم الغیب چھوڑ ہی دیا" قیل " لگا کر بھی نہ لکھا مضمرات وخزانۃ الروایات اور معدن الحقائق میں ہے و الصحیح انه لا یکفر لان الانبیاء علیهم الصلاة والسلام یعلمون الغیب و تعرض علیهم الاشیاء فلا یکون کفرا۔ صحیح یہ ہے کہ بتحقیق وہ شخص کافر نہ ہوگا اس لیے کہ انبیا علیہم السلام غیب جانتے ہیں اور ان پر اشیا پیش کی جاتی ہیں تو (ان کے علم غیب کا اعتقاد) کفر نہ ہوگا۔" (فتاویٰ مصطفویہ ص۶، ۷، ۸، ۹ مختصرا)

یہ سوال کے تیسرے گوشے پر گفتگو کا ایک مختصر سا حصہ تھا جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ بحرالرائق میں درج شدہ قول فقہاے احناف کے نزدیک مرجوح اور ضعیف ہے، صحیح و معتمد یہ ہے کہ بہ عطاے الٰہی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کا عقیدہ رکھنا کفر نہیں بل کہ عین مطابق قرآن وحدیث ہے۔ کثیر آیات واحادیث اس بات پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا ماکان وما یکون سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلاشبہ واقف ہیں، اور اصل یہ ہے کہ غیر خدا کے لیے علم غیب کا عقیدہ رکھنے پر حکم کفر لگانا یہ معتزلہ کا مذہب ہے جسے انھوں نے فقہ حنفی میں کتابیں تصنیف کر کے گھسا دیا اور فقہاے احناف نے اس میں علم

ذاتی کی تاویل کر کے اسے نقل کر دیا اور حقیقت یہ ہے کہ عقیدۂ علم غیب سے اس مسئلہ کا کوئی تعلق ہی نہیں کیوں کہ صورت مسئلہ صرف اتنی تھی کہ اس صورت میں نکاح منعقد نہ ہوگا کہ شرط انعقاد نکاح مجلس نکاح میں گواہوں کا موجود رہنا ہے یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا حاضر ہونا شرط ہے جو عاقل ہوں بالغ ہوں اور یہ سمجھیں کہ نکاح ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سارے فقہا نے صرف لا یجوز النکاح (نکاح صحیح نہ ہوگا) پر اکتفا کیا اور لاعتقاده أن النبی علیه الصلوٰة والسلام یعلم الغیب کا ذکر ہی نہیں کیا، بل کہ بعض فقہا نے واضح الفاظ میں اس کا رد کر کے یہ بھی صراحت فرمادی کہ صحیح یہ ہے کہ اس کی تکفیر نہ ہوگی اس لیے کہ انبیاے کرام غیب جانتے ہیں۔

چوتھا گوشہ :

اور یہیں سے سوال کے چوتھے گوشے پر بھی روشنی پڑ گئی کہ بحر الرائق کی عبارت میں غیر خدا کے لیے علم غیب کا عقیدہ رکھنے پر حکم کفر اس صورت میں ہوگا جب کوئی علم ذاتی مانے ورنہ علم عطائی ماننے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے بل کہ یہ تو عقیدۂ اسلامیہ ہے۔ اس کو مزید واضح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"اوپر کی عبارت نے روز روشن سے زیادہ واضح و آشکار کر دیا کہ علم عطائی کا اثبات کفر نہیں وہ تو عقیدۂ اسلامیہ ہے۔ ذکر الحنفیه تصریحا بالتکفیر الخ میں علم ذاتی ہی کے اثبات پر تکفیر ہے۔ علم عطائی تو اعلمهم الله تعالیٰ کہہ کر مصنف نے خود مانا۔ تو کیا آگے خود اپنی تکفیر کا ذکر کیا۔ وہابی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے پیشواؤں کے کلام میں بھی علم ذاتی کے اثبات پر حکم کفر و شرک ہے کہ وہابیہ کے پیشواؤں کی عبارتیں جو اوپر گزریں ان میں صاف تصریح ہے کہ علم ذاتی مانے یا عطائی ہر طرح شرک ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

کیا معاذ اللہ یہ اکابر علما اور دین کے ائمہ قدیم و حدیث خود اپنے اوپر اپنی عبارتوں میں حکم کفر کر رہے ہیں؟ صحابہ و اہل بیت اطہار اور عرفا و علماے دین کی تصریحات سے آفتاب سے زیادہ روشن کہ انبیا و اولیا علوم غیب پر مطلع ہیں۔ جمع النہایہ میں علامہ شنوانی فرماتے ہیں۔

"وقد ورد ان الله تعالیٰ لم یخرج النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حتی اطلعه علی کل شئی."

فوحات وہبیہ شرح اربعین نوویہ میں ہے "الحق کما قال جمع أن الله سبحنه و تعالی لم یقبض نبینا صلی الله تعالیٰ علیه و سلم حتی اطلعه علی کل ما ابهمه عنه الا امر بکتم بعض والاعلام ببعض."

علامہ صاوی حاشیہ جلالین زیر آیت کریمہ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً یَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ قُلْ لَّا اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔ (سورۂ اعراف آیت ۱۸۸-۱۸۷) تحریر فرماتے ہیں قولہ: کانك حفی عنها عن بمعنی الباء والمعنی کانك عالم بها و متیقن لها قوله تاکید أی لما قبله لبیان انها من السر المکتوم الذی استاثر الله بعلمه فلم یطلع علیه احدا الا من ارتضاه من الرسل، والذی یجب الایمان به ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لم ینتقل من الدنیا حتی اعلمه الله بجمیع المغیبات التی تحصل فی الدنیا والآخرة فهو یعلمها کما هی عین یقین لما ورد "رفعت لی الدنیا فانا انظر فیها کما انظر الی کفی هذه" و ورد انه اطلع علی الجنة وما فیها والنار وما فیها و غیر ذلك مما تواترت به الاخبار ولكن امر بکتمان

البعض. قوله :"ولو كنت اعلم الغيب" ان قلت ان هذا يشكل على ما تقدم لنا انه اطلع على جميع مغيبات الدنيا والآخرة. والجواب انه قال ذلك تواضعا أو ان علمه بالمغيب كلا علم من حيث انه لا قدرة له على تغيير ماقدر الله وقوعه فيكون المعنى حينئذ لو كان لى علم حقيقي بان اقدر على ما اريد وقوعه لاستكثرت الخ. (حاشیہ صاوی، ج۔۲ ص ۷۳۳، دار الفکر، بیروت)

حضرت سیدی شیخ محقق عبدالحق قدس سرہٗ مدارج شریف میں فرماتے ہیں:

ہر چہ در دنیاست از زمان آدم تا اوان نفخۂ اولی بروے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منکشف ساختند تا ہمہ احوال اور ا از ازل تا آخر معلوم گردید یاران خود را نیز از بعضے ازاں احوال خبر داد۔" (ص ۱۳۹ باب پنجم، مطبع مظہر العجائب۔ ۱۲۷۱ھ)

نیز (ایضاً ص ۳ پر) فرماتے ہیں رحمہ اللہ تعالیٰ : وهو بكل شئى عليم وی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم داناست بہمہ چیز از شیونات واحکام الٰہی واحکام صفات حق واسما وافعال وآثار وبجمیع علوم ظاہر و باطن واول وآخر احاطہ نمودند و مصداق فوق کل ذی علم علیم شدہ علیہ من الصلوات افضلها ومن التحیات اتمها واکملها. (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۹، ۱۰، ۱۱)

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کا یہ ایک بڑا تفصیلی فتویٰ تھا جس کے متعدد اقتباسات یہاں پیش کیے گئے، اس فتویٰ سے جہاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کا اثبات اور وہابیہ دیابنہ کے عقیدے کا ابطال ہوتا ہے وہیں حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی فقہی بصیرت، وسعتِ نظر، دقت فکر، تصلب فی الدین بھی سطر سطر سے نمایاں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

حضرت مفتی اعظم کا طرزِ افتا

مولانا محمد یامین رضوی مرادآبادی
استاذ جامعہ حمیدیہ رضویہ، مدن پورہ، بنارس

مفتی اعظم کی ہستی وہ کامل ہستی ہے کہ جس کا سرسری جائزہ لیتے وقت مندرجہ ذیل خوبیاں بین طور پر نظر آتی ہیں۔
امامت وفقاہت، دینی بصیرت اور فتویٰ نویسی کی بے مثل مہارت، حق گوئی کی ایمانی جرأت، ملی خدمات کے لیے اسلامی جوش وحرارت، دینی حمیت واسلامی غیرت، اللہ ورسول کی وفاداری واطاعت شعاری، تقویٰ و پرہیزگاری، شب بیداری وعبادت گزاری، امانت ودینداری، ہر ہر قدم پر شریعت کی پاس داری وغیرہ اوصاف جمیلہ آپ کی ذات ستودہ صفات میں نظر آتے ہیں۔
ایسی صورت میں آپ سے متعلق کچھ لکھنے سے پہلے فکر وخیال سراپا حیرت بن کر یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

رہِ محبت میں، ہم نے سوچا جھکائیں سر کو کہاں سے پہلے
ہر ایک ذرہ پکارا اٹھا یہاں سے پہلے یہاں سے پہلے

بایں ہمہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت کی خوبیوں میں سب سے نمایاں اور مشہور خوبی آپ کی دینی فہم وبصیرت اور افتاوفقاہت ہے، اس خوبی میں رب کریم نے آپ کو وہ امتیاز وتخصص بخشا کہ عالم اسلام کے اہل علم وتحقیق اور ارباب فکر ونظر نے آپ کو مفتی اعظم مانا۔ حضور کو مفتی اعظم ماننا محض بر بنائے عقیدت نہیں بل کہ مبنی بر حقیقت ہے۔
فتویٰ دینے والے علما دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو کسی خاص صورت میں مستند علما وفقہا کے وہ اقوال نقل کر دیتے ہیں جو ان کے سامنے پیش آنے والی صورتِ مسئولہ کے جواز وعدم جواز کی شرعی حیثیت کو واضح کر دیتے ہیں، اس طرح کے مفتی کو یہ محنت کرنی ہوتی ہے کہ معتمد مفتیانِ دین کے فتووں کو تلاش کر کے اپنے سامنے پیش ہونے والی صورت کا جواب کسی متدین عالم کے فتوے سے نقل کر دے۔ اس طرح کی فتویٰ نویسی میں مفتی کو اپنے پیش رو فقہائے اسلام، مفتیانِ کرام کی لکھی ہوئی کتابوں، فقہی دستاویزوں کو تلاش کرنے کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ اگر کسی مسئلے میں علما کے مختلف قول بھی ہوں تو مفتی کو زیادہ سے زیادہ یہ تحقیق کرنی ہوتی ہے کہ کون سا قول راجح اور مفتیٰ بہ ہے۔
دوسری قسم میں وہ مفتی حضرات آتے ہیں جن کے سامنے وہ حوادث وجزئیات دریافت طلب ہوتے ہیں جو متقدمین فقہا کے عہد میں پیش نہیں آئے تھے، جن کا کتب فقہ میں دور دور تک پتہ نہیں ہوتا، اسلاف کے علمی ذخائر، فقہی دفاتر ان کے تذکرے سے یکسر خالی ہوتے ہیں۔ افتا کے لیے بھی وہ دشوار منزل ہوتی ہے جس پر پہنچ کر وہ مفتی حضرات جن کے افتا کی بنیاد نقلِ اقوال پر ہوتی ہے۔ بے پر انداز ہو جاتے ہیں۔ ایسے جدید مسائل کا حل وہی علما کر پاتے ہیں جن کو پیش گاہِ الٰہی سے تفقہ فی الدین کی نعمت عطا ہوتی ہے، جن میں یہ استعداد وصلاحیت ہوتی ہے کہ اصول وضوابط کی روشنی میں فقہی مآخذ سے مسائل کا اخذ واستنباط کر سکیں، حوادث وجزئیات کو مسلمہ

کلیات کے ضمن میں لا سکیں۔ ایسی خداداد قوت قدسیہ رکھنے والے حضرات ہی دراصل مفتی کہے جانے کے مستحق ہیں۔ تاج افتا انھیں کے سر کو زیب دیتا ہے۔ یہی وہ خوش بخت علماے دین ہیں جن کے لیے ولی نعمت خداوند کریم کا ارشاد ہے "وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا" (سورۂ بقرہ ۲/۲۶۹) جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔ یعنی جس کو احکام شرعیہ کا علم ملا اس کو بہت کچھ ملا۔ یہی لوگ حضور ہادی دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ مایۂ ناز نائب ہیں جن کے بارے میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین (بخاری شریف جلد ا، ص ۱۶) اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کا فقیہ "عالم" بنا دیتا ہے۔

اس ارشاد الٰہی اور حدیث نبوی کی روشنی میں حضور امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں: جو فقہ میں زیادہ ہے وہی بڑا عالم دین ہے اگرچہ دوسرا حدیث و تفسیر میں زیادہ اشتغال رکھتا ہو۔

فقہ کا معنی :

عام فقہا نے فقہ کا مفہوم بتایا ہے۔ العلم با لاحکام الشرعیة العملیة عن ادلتها التفصیلیة (البحر الرائق ص ۱۹۔۱۵ لابن نجیم المصری الحنفی، دار الکتب العلمیہ، بیروت) شریعت کے احکام کو ان کی تفصیلی دلیلوں کے ساتھ جاننا۔ مسلم الثبوت میں فقہ کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ الفقه حکمة شرعیة فرعیة (ص ۶ مقدمہ مسلم، بیان حد اصول الفقہ مکتبہ تھانوی، دیوبند) فقہ اس حکمت شرعی کا نام ہے جس کا تعلق صرف احکام سے ہے۔ اسی لیے فقیہ وہ عالم دین ہوتا ہے جو شریعت کے احکام عملیہ کو مع دلائل تفصیلیہ کے معلوم کرتا ہے ان کی تحقیق و تفتیش کرتا ہے۔

آفتاب رشد و ہدایت، مخدوم الفقہا، قطب عالم، حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو فقہی بصیرت، بالغ نظری، دور بینی، معاملہ فہمی کی جو نعمت رب قدیر نے عطا فرمائی تھی اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے اہل علم و تحقیق بخوبی جانتے ہیں کہ مفتی اعظم پر فقیہ کی تعریف مذکور صدفی صد صادق آتی ہے۔

فقیہ کا ایک معنی اور بھی ہے جو ایک متدین اور جید عالم دین کی علما اور عملاً پوری پوری ترجمانی کرتا ہے۔ فقیہ کا یہ مفہوم حجۃ الاسلام سیدنا امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "احیاء العلوم" میں بتایا ہے۔ اور جس کا ذکر قائد ملت رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے مقدمہ عجائب الفقہ میں فرمایا ہے ایک فقیہ کے اوصاف کے سلسلے میں امام غزالی کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے۔

فقیہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی طرف ہمیشہ راغب رہے۔ دین میں کامل بصیرت رکھتا ہو۔ طاعات پر مداومت اپنی عادت بنالے، کسی حال میں مسلمانوں کی حق تلفی برداشت نہ کرے، مسلمانوں کا اجتماعی مفاد ہر وقت اس کے پیش نظر ہو۔ مال کی طمع نہ رکھے، آفات نفسانی کی باریکیوں کو پہچانتا ہو، عمل کو فاسد کرنے والی چیزوں سے بھی باخبر ہو، راہ آخرت کی گھاٹیوں سے واقف ہو، دنیا کو حقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت بھی اپنے اندر رکھتا ہو، سفر و حضر اور جلوت و خلوت میں ہر وقت دل پر خوف الٰہی کا غلبہ ہو۔ (احیاء العلوم جلد ا)

فقیہ کا یہ وہ جامع معنی ہے جس کے آئینے میں تاجدار اہل سنت کی ذات والا صفات کی نورانی تصویر صاف نظر آتی ہے۔ حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ نے ایک فقیہ کے جو اوصاف گنائے ہیں وہ قطب عالم حضور مفتی اعظم میں موجود تھے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ آپ اپنے دور میں ان خوبیوں کے لحاظ سے ایک انفرادی شان رکھتے تھے۔

افتا :

عربی لغت میں افتا کا معنی "جواب دینا" ہے" اس معنی کے لحاظ سے قرآن کریم میں شاہ مصر کا یہ قول منقول ہے " یٰاَیُّھَا الْمَلَأُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُؤْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤْیَا تَعْبُرُوْنَ "(سورۂ یوسف ۱۲/ ۴۳)اے دربار یو امیرے خواب کا جواب دو اگر تم خواب کی تعبیر جانتے ہو۔اور اصطلاح میں" افتا" کا معنی ہے کسی مسئلے کا حکم شرعی بتانا، چنانچہ حضرت علامہ ابن عابد بن شامی رحمۃ اللہ علیہ ردالمختار جلد چہارم میں فرماتے ہیں: الافتاء فانه افادة الحکم الشرعي۔ (ص ۳۳۶)صاحب کتاب التعریفات علامہ جرجانی لکھتے ہیں: الافتاء بیان حکم المسئلة۔(ص ۳۴ مکتبہ فقیہ الامۃ،دیوبند) یعنی کسی مسئلے کا حکم بیان کرنا۔

افتا کے لیے تفقہ فی الدین لازم ہے جس شخص میں یہ وصف نہ ہو وہ کبھی کار افتا انجام نہیں دے سکتا،اگر ایسا آدمی فتویٰ دے گا تو قدم قدم پر ٹھوکریں کھائے گا،خود گم راہی کے سمندر میں ڈوبے گا اور دوسروں کو بھی لے ڈوبے گا۔اور جس میں جوہر فقاہت جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی اس کا فتویٰ صحیح و معتبر ہوگا۔ بفضلہ تعالیٰ مفتی اعظم قبلہ میں فقاہت اپنی پوری جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود تھی جس کا اندازہ فتاویٰ مصطفویہ اور آپ کی دوسری تحریری کاوشوں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ ہر فتویٰ،اصول فتویٰ اور اصول فقہ کی پوری رعایت کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

جس طرح معتمد فقہائے اسلام فتویٰ دیتے وقت۔ پہلے کتاب اللہ پھر سنۃ رسول اللہ،کو اس کے بعد اجماع امت اور قیاس مجتہد کو ملحوظ رکھتے تھے،تاجدار اہل سنت کا طرز افتا بھی اسی نہج مستقیم پر تھا۔جب آپ کسی مسئلے کا جواب ارشاد فرماتے تو پہلے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے استدلال فرماتے،بعدہٗ اقوال فقہا اپنے دعوے کی تائید و توثیق میں لاتے،نیز اصول فقہیہ اور قوانین کلیہ سے اپنے جواب کو مزین فرماتے۔آپ صرف اجمالاً حکم مسئلہ بیان کردینے پر اکتفا نہ کرتے بل کہ مسئلے کو کامل شرح و بسط کے ساتھ واضح کرتے اور صورت مسئولہ کی شرعی پوزیشن پورے مالہ وماعلیہ کے ساتھ روشن کردیتے تھے۔اگر مستفتی اپنے استفتا میں کسی معاند سیاہ دل کا اعتراض بھی لکھ دیتا تو جواب دیتے وقت آپ کے دریائے علم و تحقیق میں ایسی موجیں اٹھتیں جو معترض کے اعتراض و شبہہ کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جاتیں۔جس کو اس کا مشاہدہ کرنا ہو وہ آپ کے مجموعۂ فتاویٰ" فتاویٰ مصطفویہ" کا مطالعہ کرے۔اس مجموعۂ فتاویٰ کا ہر جواب لاجواب ہے۔ہر فتویٰ شاہ کار علم و تحقیق ہے۔ہر مسئلے میں ایسی تحقیق پیش کی گئی ہے جو حضور مفتی اعظم کی بیدار مغزی، بالغ نظری اور معاملہ فہمی کی منہ بولتی تصویر ہے۔اگر فرصت نہ ہو تو مجموعۂ مبارکہ کا سب سے پہلا جواب ہی پڑھ کر دیکھ لیں۔ یہ پہلا جواب شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاجدار اہل سنت کی ذہانت و فطانت،حکمت و اصابت،علمی و تحقیقی وجاہت کا بانگ دہل اعلان کررہا ہے۔اس فتوے میں پیش کی گئی عربی عبارتوں اور حوالوں کا ایک سیل رواں ہے جو جلدی تھمنے اور رکنے کا نام ہی نہیں لیتا۔حدیث و قرآن کی نصوص اور فقہ و اصول کے حوالوں کی روانی و فراوانی دیکھ کر ذہن محو حیرت ہو کر یہ سوچتا ہے۔کیا حضور مفتی اعظم قرآن وحدیث کے دینی مآخذ و ذخائر کے حافظ ہیں؟ جواب کی عبارت اور اس کے جملوں میں جابجا ترکیبوں کی جدت ہے،معانی کی ندرت ہے فصاحت و بلاغت ہے،فقرے اور جملے مقفیٰ اور ہم وزن ہیں۔پڑھتے ہوئے قلب و دماغ کو روحانی کیف و سرور ملتا ہے۔

قارئین کرام کے شوق مطالعہ کو بیدار کرنے کی غرض سے جواب کی کچھ ابتدائی سطور نقل کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

سائل نے اپنے سوال میں یہ لکھا تھا کہ زید کہتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے"حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا:

" زید بے قید پرازمکر و کید بدترین وہابی لعین ہے۔اس کا حضور پرنور شافع یوم النشور ایمان جان،جان ایمان، عالم ما یکون وما کان،سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کے غیب سے مطلقاً انکار کفر مبین ہے۔قرآن عظیم کی آیات

باہرہ کثیرہ سے انکار ہے۔"

مذکورہ جملوں کے بعد مفتی اعظم قدس سرہٗ نے آیتوں، حدیثوں اور اقوال علما و صوفیہ سے علم غیب مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھرپور ثبوت دیا ہے اور زید کے قول کا زبردست رد و ابطال کیا ہے۔

محترم قارئین۔ آپ کو ہر فتوے میں یہی زور بیان اور طرز استدلال نظر آئے گا۔ تاجدار اہل سنت فتوے کی عبارت میں جو جملے استعمال کرتے نہایت جانچے اور تولے ہوئے ہوتے۔ فقروں میں نظم و ضبط کی رعایت کرتے، جملوں میں ہم آہنگی و ربط کا خیال فرماتے، جس لفظ سے غیر مناسب معنی کا وہم و شبہہ پیدا ہونے کا امکان ہوتا اس سے پرہیز فرماتے، بھلے ہی وہ لفظ اپنے محل استعمال میں فٹ ہوتا ہو،

جو حزم و احتیاط افتا میں ملحوظ خاطر ہوتی وہی تعلیم افتا و اصلاحِ فتوی میں برتی جاتی۔

رضوی دارالافتا کے قدیم اور ماہر فن مفتی، شیخ الحدیث دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف، حضرت العلام مفتی محمد اعظم صاحب قبلہ کا مندرجہ ذیل بیان سرکار مفتی اعظم کے طرز تعلیم افتا پر پوری پوری روشنی ڈال رہا ہے۔ مفتی موصوف کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ فتوی کی تحریر میں ایسا لفظ لانے سے پرہیز فرماتے تھے کہ جس سے کسی معنی مذموم کا ایہام ہو یا اس سے کسی گرفت کا شائبہ پیدا ہوتا ہو۔

رضوی دارالافتا کے صدر مفتی فرماتے ہیں:

"ایک بار حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک سوال کا جواب اصلاح کے لیے لے گیا۔ جماعت اسلامی کے چندہ دینے کے بارے میں سوال کیا گیا تھا کہ جماعتِ اسلامی کو چندہ دینا یا اس کا ممبر بننا جائز ہے یا نہیں؟ جواب میں۔ میں نے لکھا تھا جماعتِ اسلامی کو چندہ دینا اور اس کا ممبر بننا ناجائز و گناہ ہے۔ دیکھنے میں جواب صحیح تھا میں نے سمجھا حضرت سن کر فوراً تصدیق فرمادیں گے، حضرت نے فرمایا اول تو آپ نے مودودی کی جماعت کو جماعتِ اسلامی لکھ دیا یہ غلط ہوا دوسرے پھر آپ لکھ رہے ہیں کہ جماعتِ اسلامی کو چندہ دینا ناجائز ہے جب جماعت اسلامی کو چندہ دینا ناجائز ہے تو کیا غیر جماعت اسلامی کو چندہ دیا جائے گا؟ آپ اس طرح لکھیے کہ مودودی جماعت یا بدمذہبوں کی کسی جماعت کو چندہ دینا یا اس کا ممبر بننا ناجائز ہے۔ محمد اعظم۔ (ماہنامہ سنی دنیا مفتی اعظم نمبر ص ۸۰)

حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ کے بیان سے ظاہر ہو گیا کہ حضور تاجدار اہل سنت افتا میں ایسے لفظ سے پرہیز فرماتے جو کسی مذموم معنی کا محتمل ہو اور اپنے ظاہر کے لحاظ سے گرفت میں آنے والا ہو۔

شہزادۂ اعلیٰ حضرت کے طرز افتا میں ایک چیز جو منفرد ہے وہ یہ ہے کہ آپ اپنے فتوے میں زبان و بیان کی خوبی کا بطور خاص اہتمام فرماتے چنانچہ آپ کا ہر فتوی، ہر جواب فصاحت و بلاغت، حسن بیان، نظم و ترتیب میں لاجواب ہے۔ فتاوی مصطفویہ شریف کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عام مفتیوں کے برعکس مفتی اعظم قدس سرہٗ افتا میں عالمانہ فقیہانہ قید و بند کے ساتھ ساتھ حسنِ بیان، خوبی زبان کا خاصا لحاظ کرتے۔ ذیل کا جواب پڑھ کر حضرت کی ادبی و لسانی فن کاری کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

سائل نے سوال کیا ہے کہ بکر کہتا ہے قرآن آسمانی کتاب نہیں، خدا کا فرمان نہیں۔ کیا دلیلیں پیش کرنی چاہیے کہ جس سے اس کو تسکین ہو۔

الجواب: آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔ قرآن خود اپنی دلیل آپ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی کتاب ہے۔ اس زمانے میں جب فصاحت و بلاغت کا بازار گرم تھا، زبانِ عربی کی ترقی کا عہدِ شباب تھا، فصحا و بلغا کا دور دورہ تھا، بچہ بچہ فصیح و بلیغ ماں باپ کی گود میں پلتا، زبان کھلتے ہی فصیح و بلیغ ہوتا، لڑکیاں قصائد برجستہ کہا کرتی تھیں۔ شعرا اپنے قصیدے لکھ لکھ کر کعبہ معظمہ کے دروازے پر لٹکایا کرتے اور پھر ان کے جواب ہوا کرتے۔ قرآن عظیم سیدتنا آمنہ صلی اللہ تعالیٰ علی ابنہا ثم علیہا وسلم کے یتیم فرزند ارجمند پر جس کے سرِ مبارک پر برائے تربیت و تعلیم باپ دادا نہ تھے، جن کی عمر شریف اوائل ایام حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں بادیہ میں بسر ہوئی، جنھوں نے کسی انسان سے کسی کتاب کا کوئی حرف نہ پڑھا، نازل ہوا جس نے تحدی فرمائی "وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ. الی قوله اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ" (سورۂ بقرہ ۲/ ۲۳) اور اللہ عزوجل کے سوا جنھیں تم نے معبود بنالیا ہے انھیں بھی مدد کے لیے پکار لو اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تم ایسا نہ کرسکو اور ہرگز ایسا نہ کرسکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آگ اور پتھر ہیں جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

کہیں فرمایا۔ اَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ (سورۂ یونس ۱۰/ ۷۱) سب کے سب جمع ہو جاؤ اپنے شرکا کو بھی جمع کرلو۔

اتنا فرمانے کے بعد قرآن شریف کے بے مثل و بے مثال ہونے پر ایک دوسرا اچھوتا اور نرالا انداز استدلال اختیار کرتے ہوئے فرمایا:

قرآن تو کلام اللہ، صفۃ من صفات اللہ ہے کوئی اس کا مثل کیوں کر لاسکے جو شی بھی اللہ عزوجل کے یہاں سے ہو محال ہے کہ تمام عوالم مل کر بھی اس کا مثل بناسکیں۔ پانی کا قطرہ قطرہ، مٹی کا ذرہ ذرہ، ہوا کا ہر ہر حصہ آگ کی ہر ہر چنگاری نور کا ہر ہر لمعہ غرض کہ عوالم کی ہر ہر شی اس پر گواہ ہے نہ اصل کی مثل کوئی لاسکتا ہے نہ فرع کی مثل کوئی بناسکتا ہے۔

اصل و فرع، روح و جسم کا مثل کیا معنی کوئی محض صورت کا مثل بھی نہیں بناسکتا۔ وہ رنگ و روپ نہیں لاسکتا، ایسی جو چیز عالم میں نظر آتی ہے یا محسوس ہوتی ہے، جس کا مثل عوالم میں کسی سے ممکن نہ ہو عقل و شعور رکھنے والا بل کہ پاگل بھی اسے اللہ عزوجل کی محض قدرت سے جانتا اور سچے دل سے اسے اللہ عزوجل کا مخلوق مانتا ہے تو قرآنِ عظیم جو اس خالق جل مجدہٗ کی صفت ہے، جس کی کسی مخلوق کا مثل تمام عالموں میں کسی سے ممکن نہ ہو تو اس کی صفت کا مثل کوئی کیوں کر کس طرح لاسکے۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۱۹-۲۰)

قارئین کرام۔ آپ نے دیکھا؟ کہ قرآن کریم کے کتابِ الٰہی اور حق ہونے پر کیسا مضبوط اور مبسوط بیان ہے۔ اردو کیسی شستہ شائستہ اور رواں دواں ہے، جواب کی آخری سطریں جو ندرتِ استدلال پر مشتمل ہیں بار بار پڑھنے کے لائق ہیں۔

عطائے رب قدیر سے حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کے پاس وہ فقہی شعور تھا، آپ کے پاس وہ فکر صائب تھی اور ایسا ذہن ثاقب تھا کہ جس مسئلے کو حل کرنے میں آپ کے دور کے بڑے بڑے مفتیانِ کرام قاصر رہتے آپ اس مسئلے کو دلائل کی روشنی میں بآسانی حل فرمادیا کرتے تھے۔ آپ کی ذات حل مسائل کے اعتبار سے اس شعر کا پورا پورا مصداق تھی

قدم فتوے کی دنیا میں جہاں بھی ڈگمگائے
ہمارے مفتی اعظم وہاں پر کام آئے

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم اور فتاویٰ مصطفویہ

مولانا ولی محمد رضوی
مبلغ سنی تبلیغی جماعت، باسنی، ناگور، راجستھان

رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین وانماانا قاسم ویعطی الله
عزوجل۔ (مسند امام احمد بن حنبل حدیث۔ ۱۹۴۷، موسستہ الرسالہ، بیروت) اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین
کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ گرامی جوامع الکلم کی ایک جھلک ہے، اس کی تشریحات کے لیے کتب علما
بھری ہوئی ہیں۔

فرمان گرامی ہے۔فقیه اشد علی الشیطن من الف عابد (ترمذی شریف حدیث۔۲۶۸۱ داراحیاء التراث العربی، بیروت)
یہ ہادی دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذی شان بھی اپنی مثال آپ اور علما و فقہا کی فضیلت پر دال ہے کہ ایک فقیہ ہزار عابدوں
سے زیادہ شیطان پر مصیبت بن جاتا ہے۔

کسی آیت و حدیث کے ترجمہ کو پڑھ لینا الگ چیز ہے اور اس کی گہرائی میں جاکر سمندر سے موتی نکالنا دوسری چیز ہے۔اس قیمتی
گوہر تک رسائی فقہ کی جلوہ نمائی اور جلوہ آرائی ہے۔

رسم فتویٰ کا دور بڑا قدیم ہے اور یہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مبارک زمانہ سے ہے۔اکابر صحابہ تو فتویٰ دیا ہی کرتے
تھے۔سیدہ طیبہ طاہرہ بی بی عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بھی فتویٰ دیتی اور صحابہ کرام کے مسائل عمیق حل فرمایا کرتی تھیں۔(کما علمت
صحابہ) کیوں کہ فتویٰ دینا علمی گتھیوں کو سلجھانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں بل کہ اللہ عزوجل اپنے کرم خاص اور رسول برحق سیدالخلق صلی اللہ
علیہ وسلم کے وسیلے سے ایک خاص نورانی چمک عطا فرماتا ہے جس کی روشنی سے مالا مال ہی اس نعمت و دولت سے سرفراز ہوتا ہے۔

فقہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر آج بہت سے قدیم و جدید فتاویٰ ہیں جو علم و عرفان کا خزانہ ہیں۔امام اعظم کے لائق شاگرد
حضرت امام محمد کی کتابیں علمی دنیا میں اونچا مقام رکھتی ہیں۔آپ کی چند کتب دیکھنے کے بعد ایک غیر مسلم نے اسلام قبول کرلیا اور دل و زبان
سے کلمہ شہادت اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد ا عبده و رسوله پکار اٹھا۔اصل واقعہ "حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح
شرح نور الایضاح" میں مبسوط امام محمد رحمۃ اللہ کے ذکر میں کچھ اس طرح ہے: اسلم حکیم من کفار اهل الکتاب بسبب مطالعته
و قال هذا کتاب محمد کم الاصغر فکیف کتاب محمد کم الاکبر (ص ۱۰ حاشیہ علی مراقی الفلاح، مصطفی البابی، مصر) اہل
کتاب سے ایک دانش ور نے امام محمد علیہ الرحمۃ والرضوان کی مشہور زمانہ کتاب مبسوط کے مطالعہ سے اتنا متاثر ہوا کہ مسلمان ہوگیا اور بول
اٹھا کہ اے مسلمانو! تمہارے چھوٹے محمد یعنی امام محمد کی یہ شان ہے تو تمہارے بڑے محمد یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا شان ہوگی؟

یہ علم فقہ اور فتاویٰ کی زریں تاریخ ہے جس سے تاریخ اسلام جگمگا رہی ہے۔ اس سے امت کو بڑا فیض ملا ہے اور انشاء اللہ اسی طرح ملتا رہے گا۔

ہر دور اور ہر قرن میں فتاویٰ قوم مسلم کی ضرورت رہے ہیں۔ علم فقہ فقہائے کرام علیہم الرحمۃ نے مرتب کیا اور اس کی ضرورت واہمیت کے پیش نظر دین دار، دین پرور سلاطین اسلام نے بھی اس طرف توجہ دی اور ماہر فقہائے اسلام سے عظیم فتاویٰ مرتب کرا کے قوم مسلم کی اس دینی وعلمی ضرورت کی تکمیل کر کے تاریخ میں نام زندہ کر گئے اور علم کی دنیا میں زندہ و تابندہ ہو گئے۔ ان نامور حضرات میں سے اہم کام حضرت سلطان اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمۃ والرضوان نے کیا کہ انھوں نے فتاویٰ عالمگیری تیار کرائی جو آٹھ سال کی مدت میں پایۂ تکمیل کو پہونچی اور جس پر اس زمانے میں دو لاکھ روپے صرف ہوئے۔ دہلی کے نامور علما و فقہا کے علاوہ اطراف سے کثیر علما کو بلایا گیا۔ (فقیہ اسلام، ص ۶۲)

تاریخ ہند میں کئی اہم فتاویٰ شائع ہوئے بڑے بڑے ماہر علما و فقہا نے قوم مسلم کو علم و عرفان کے خزانے دیے۔ اہل علم حضرات پر یہ روشن ہے کہ تاریخ ہند کا وہ دور جو ۱۳ ویں صدی کا آخری اور چودھویں صدی کا ابتدائی دور ہے، اس دور میں اس اہم کام کو انجام دینے والی ذات کا نام مجدد اعظم امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ ہے۔ آپ کے پاس ایک ایک اوقت میں چار چار سو اور کبھی پانچ پانچ سو استفتے آ جاتے اور آپ ان سب کے علمی اور تسلی بخش جوابات دیتے۔ ان سائلوں میں بڑے بڑے علما و فقہا، دانشور اور وکلا وغیرہ بھی شریک تھے جو اپنی علمی پیاس بجھاتے اور وہ جواب اس بارگاہ سے پاتے کہ جس سے آنکھوں میں نور اور دلوں میں سرور پیدا ہو جاتا۔ خود امام موصوف فرماتے ہیں۔

> "یہاں فتویٰ پر بحمدہ تعالیٰ کوئی فیس نہیں لی جاتی بفضلہ تعالیٰ تمام ہندوستان و دیگر ممالک مثلاً چین، افریقہ، امریکہ اور خود عرب شریف و عراق سے استفتے آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں چار چار سو۔ بحمدہ تعالیٰ حضرت جد امجد قدس سرہ العزیز کے وقت سے اس ۱۳۳۷ھ تک اس دروازے سے فتوے جاری ہوئے۔ اکانوے برس اور خود اس فقیر غفرلہ کے قلم سے فتوے نکلے ہوئے بعونہ تعالیٰ ۵۱ برس ہونے آئے ہیں یعنی اس صفر کی ۱۴ تاریخ کو پچاس برس چھ مہینے۔ اس نو کم سو برس میں کتنے ہزار فتوے لکھے گئے۔ بارہ مجلد تو صرف اس فقیر کے فتاویٰ کے ہیں بحمدہ تعالیٰ بھی یہاں ایک پیسہ نہ لیا گیا اور نہ لیا جائے گا۔ بعونہ تعالیٰ وللہ الحمد معلوم نہیں کون لوگ ایسے پست فطرت و پست ہمت ہیں جنھوں نے یہ صیغہ کسب کا اختیار کر رکھا ہے۔ جس کے باعث دور دور کے ناواقف مسلمان کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہوگی؟ بھائیو! وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (سورۂ شعراء ۲۶/۱۰۹) میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو سارے جہاں کے پروردگار پر ہے اگر وہ چاہے۔ (فتاویٰ رضویہ شریف جلد ۳، ص ۲۳۰)

جب اہل سنت کے فتاویٰ کی شان شوکت، رفعت و عظمت بیان ہوئی تو ایک نظر امام احمد رضا کے فتاویٰ کی عظمت پر بھی ڈال لیں۔ کہ ان کے فتاویٰ کو علمائے عرب و عجم نے سراہا اور اپنے دعائیہ کلمات اور تاثرات سے نوازا۔

اسی طرح اگر ہم اپنے زمانہ کے سب سے بڑے مفتی حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے فتاویٰ پر غور و فکر کریں تو آسانی معلوم ہو جائے گا کہ آپ کے فتاویٰ پر زمانے کے لائق و فائق مفتیان حضرات نے الجواب صحیح پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ کی فقہی بصیرت پر مدحیہ کلمات بھی تحریر فرمائے جس سے آپ کے فتاویٰ کی انفرادی و امتیازی شان معلوم ہوتی ہے۔ مقتدر شخصیات میں سے چند کے اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں جن کے تصدیقی دستخط آپ کے فتاویٰ پر موجود ہیں۔

(۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری (۲) صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی (۳) حضور صدر الشریعہ علامہ امجد علی

اعظمی (۴) حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں (۵) علامہ حشمت علی خاں عرف شیر بیشۂ اہل سنت (۶) مفتی محمد عمر نعیمی (۷) علامہ سید اولاد رسول صاحب (۸) حضور برہان ملت جبل پوری (۹) علامہ سردار احمد لائل پوری (۱۰) مفتی تقدس علی خان بریلوی (۱۱) مفتی مختار احمد میرٹھی (۱۲) مفتی عبدالغنی لاہوری (۱۳) مفتی محمد حسین بلوچستان (۱۴) مولانا مفتی محمد شریف صاحب کوٹلوی (۱۵) مولانا احسان علی (۱۶) علامہ حسنین رضا (۱۷) مفتی محمد شریف الحق امجدی

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے بعض عقیدت مند اور ذی اثر حضرات کی عرض پر بریلی شریف میں دارالقضا قائم کیا۔ دارالقضا شرعی کے لیے قاضی شرع اور قاضی شرع کو شرعی احکام و اعانت کے لیے مفتی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک دن صبح تقریباً نو بجے اعلیٰ حضرت مکان سے باہر تشریف لائے اور تخت پر ایک قالین بچھانے کا حکم فرمایا۔ ہم سب حیرت زدہ تھے کہ حضور یہ اہتمام کس لیے فرما رہے ہیں۔ پھر حضور امام اہل سنت ایک کرسی پر تشریف فرما ہوئے اور حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب علیہ الرحمہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آج بریلی شریف میں دارالقضا شرعی کے قیام کی بنیاد رکھتا ہوں اور انھیں اپنی طرف بلا کر ان کا داہنا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر قالین پر انھیں بٹھا کر فرمایا ''میں آپ کو ہندوستان کے لیے قاضی شرع مقرر کرتا ہوں۔ مسلمانوں کے درمیان اگر ایسے کوئی مسائل پیدا ہوں جن کا شرعی فیصلہ قاضی شرع ہی کر سکتا ہے، وہ قاضی شرع کا اختیار آپ کے ذمہ ہے۔ پھر دعا پڑھ کر کچھ کلمات فرمائے جن کا اقرار حضرت صدر الشریعہ قبلہ علیہ الرحمہ نے کیا اس کے بعد حضور نے اس خادم برہان کو بلایا اور اپنے دستِ مبارک میں میرا داہنا ہاتھ لے کر اسی مسند پر صدر الشریعہ کے متصل بٹھا کر مجھ سے فرمایا۔ میں نے تمہارے فتوے دیکھے۔ افتا کے لیے تمہارے دماغ کو بہت مستعد پایا ہے۔ میں تمھیں مسند افتا پر بٹھا کر دارالقضا شرعی کے لیے مفتی مقرر کرتا ہوں۔ اس کے بعد حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو اپنے دست مبارک میں لے کر میرے پہلو میں بٹھایا اور یہی کلمات جو مجھ سے فرمائے تھے، ان سے فرما کر ہم دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دارالقضا شرعی کے لیے قاضی شرع مولانا امجد علی کو اور آپ دونوں کو ان کی اعانت اور فتویٰ دینے کی اجازت دیتا ہوں۔ آج سے تم دونوں ہندوستان کے دارالقضا شرعی مرکز بریلی شریف میں مفتی شرع کی حیثیت سے مقرر کیے جاتے ہو۔ ہم دونوں سے کچھ کلمات ارشاد فرمائے اور ہم دونوں نے اس سعادت عظیم پر سر نیاز خم کر دیا اور اٹھ کر ہم نے حضرت کی قدم بوسی کی۔ اعلیٰ حضرت نے دست مبارک اٹھا کر بہت دیر تک دعا فرمائی۔

(از حضور برہان الحق برہان ملت خلیفۂ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم مدھیہ پردیش، استقامت کا مفتی اعظم نمبر، ص ۲۴)

اس روایت سے اچھی طرح ظاہر ہو گیا کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت کو حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی فتویٰ نویسی پر مکمل اعتماد تھا اس لیے ان کو ہندوستان کے دارالقضا شرعی کا مفتی اپنی موجودگی میں بنا کر سب کو بتا دیا کہ آپ ہندوستانی دارالقضا شرعی کے مفتی ہیں۔ الحمد للہ، ماشاء اللہ، سبحان اللہ۔

جوں جوں آپ کے فتاوے عوام و خواص تک پہنچتے رہے، ہر ایک پر آپ کی فتویٰ نویسی کی شان نمایاں ہوتی رہی آپ کی فقہی بصیرت اور قابلیت کا لوہا ایک عالم تسلیم کرتا ہے، اس کے شواہد و دلائل عن قریب آرہے ہیں۔

حضور پاسبان ملت خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

''میرے خیال میں انسانی عادت و کردار اور اس کے اوصاف و محاسن کی دو قسمیں ہیں۔ بعض اوصاف و محاسن تو وہ ہوتے ہیں کہ انسان اپنی فطرت پر دباؤ ڈال کر اسے اختیار کرتا ہے گویا وہ اس کا فطری رجحان و کردار نہیں ہوتا بل کہ وہ غیر داخلی و خارجی اثر و قبول کا نتیجہ ہوتا ہے۔ بعض وہ لوگ ہوتے ہیں کہ عبادت کے محاسن انھیں سمجھائے جاتے ہیں تب

کہیں وہ سر بہ سجود ہوتے ہیں لیکن اسی انسانی آبادی میں کتنے ایسے بھی خدا ترس بندے ہیں ان سے کہا نہیں جاتا۔ خود ان کی فطرت انھیں گدگداتی اور ابھارتی ہے اور دن کے اجالے میں سجدہ ریز ہوتے ہیں اور رات کی تاریکیوں میں جذبۂ خشیت الٰہی سے اللہ اللہ کرتے ہیں۔ آہ و بکا کرتے ہیں۔ رات کی رات یادِ الٰہی میں گزار دیتے ہیں۔ وہ اپنے کو اس طرح بھول جاتے ہیں نہ جسم پر تکان محسوس کرتے ہیں نہ بدن پر اضمحلال، ساری رات آنکھوں میں کاٹ دینے کے باوجود کیف ولذت ہی محسوس کرتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ بسا اوقات خارجی دباؤ واثرات کو زیادہ قبول کرنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اب یہی اس کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے جیسے ہم اور آپ علی العموم استعمال کرتے ہیں اپنی روزمرہ کی زبان میں بولتے ہیں کہ ارے صاحب۔ یہ تو ان کی فطرت ثانیہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک تو وہ فطرت ہے کہ جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے اور ایک وہ جسے اس نے اپنا لیا ہے۔ مثلاً ایک شخص منطق و فلسفہ پڑھتا ہے، اس کے اصول وضوابط کو یاد کرتا ہے، متعینہ نصاب کے ورق ورق اور سطر سطر پر اس کی نگاہ ہوتی ہے۔ کہیں اسے معقولی وفلسفی کہا جاتا ہے مگر ایک وہ بھی تو ہے جس نے منطق و فلسفہ کے اصول متعین کیے، اس کی اصطلاحات وضع کیں، قانون بنائے اور قوانین کو مثال کے سہارے سمجھایا۔ معلوم ہوا کہ اول الذکر پڑھ کر سیکھ کر معقولی ہوا مگر ثانی الذکر سیکھ کر معقولی نہیں ہوا بلکہ قدرت نے اسے اسی فطرت پر پیدا کیا ہے کہ وہ اپنی زیرکی ودانائی سے فلسفہ کے اصول مرتب کرے۔

بس کچھ ایسی ہی مثال سیدی الکریم سرکار مفتی اعظم رضی المولی عنہ کی ہے کہ ان کے معاصر علما نے فقہ کو پڑھا، اسے حاصل کیا، کلیات وجزئیات کو یاد کیا، قیاس کے طریقے سیکھے، جرح وتعدیل، راجح ومرجوح، سالم واسلم وغیرہ کے احکام دریافت کیے، تب کہیں انھیں مفتی وفقیہ کہا گیا لیکن سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا تفقہ فی الدین صرف حاصل کردہ نہیں ہے بلکہ ان کا ضمیر ان کا خمیر، ان کی سرشت وفطرت اسی سانچے میں ڈھلی ڈھلائی ہے، وہ اسی فطرت پر پیدا کیے گئے۔

بلاشبہہ سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا علم فقہ، عطیہ الٰہی وفیضان ربانی ہے جس کو سید عالم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین۔ (مشکوٰۃ شریف حدیث۔ ۲۰۰ دار الفکر، بیروت) یہی وجہ ہے کہ علما و معاصر کسی ایک مسئلہ کے ثبوت میں دلائل کے انبار لگا دیتے مگر مفتی اعظم کا ایک انکار ان کے سیکڑوں دلائل پر بھاری بھرکم ہوتا اس لیے کہ علما مسائل کو صرف دلائل کی عینک سے دیکھ رہے ہیں لیکن انکار کرنے والا مفتی فنی دلائل کے علاوہ خود ضمیر کی آواز بھی رکھتا ہے اور اس کا ادراک ووجدان بھی۔ جو ان دلائل پر پہاڑ سے زیادہ وزنی ہوتا ہے کیوں کہ وہ اسی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے۔

(استقامت، کان پور، ۱۹۸۳ء ص ۴۶)

فتاویٰ مصطفویہ علم کے اس کوہ گراں کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جس کی بارگاہ سے خوشہ چینی کرنے والے اپنے زمانے کے بڑے مفتی تھے۔ ان کی تربیت میں رہنے والے نامور مفتی وفقیہ کہلائے، ان سب کے کارنامے بحمدہ تعالیٰ فی سبیل اللہ تھے۔ نہ جانے کتنے ہیرے جماعت اہل سنت کو عطا فرمائے آپ کا ملت اسلامیہ پر احسان عظیم رہتی دنیا تک آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہے۔

آج جو بھی مشہور زمانہ مفتیانِ اسلام کہے جاتے ہیں مثلاً تاج الشریعہ سیدی علامہ مفتی الشاہ محمد اختر رضا خاں صاحب قادری، علامہ

قاضی مفتی محمد عبدالرحیم صاحب نوری صدر مفتی مرکزی دارالافتاء بریلی شریف، مفتی مجیب اشرف صاحب، مفتی نظام الدین صاحب، وغیرہ اور جو ماضی قریب میں ہم سے رخصت ہوئے ان میں شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب، مفتی غلام محمد صاحب ناگ پوری یہ سب آپ کے فیض یافتہ ہیں۔

شارح بخاری نائب مفتی اعظم رقم طراز ہیں کہ:

''میں گیارہ برس تین ماہ خدمت میں رہا اس درمیان ۲۴ ہزار مسائل لکھے جن میں کم از کم دس ہزار فتاویٰ وہ ہیں جن پر حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی تصدیق وتصحیح ہے۔ میں گھسا پٹا نہیں بہت سوچ سمجھ کر جانچ تول کر مسئلہ لکھتا۔ مگر واہ رے مفتی اعظم! اگر ذرا بھی غلطی ہے یا لوچ ہے یا بے ربطی ہے یا تعبیر غیر مناسب ہے یا سوال کے ماحول کے مطابق جواب میں کمی بیشی ہے یا کہیں سے کوئی غلط فہمی کا ذرا بھی اندیشہ ہے تو فوراً اس پر تنبیہ فرماتے اور مناسب اصلاح۔ تنقید آسان ہے مگر اصلاح دشوار۔ مگر ستر سالہ حضور مفتی اعظم کا دماغ اور علم ایسا جوان تھا کہ تنقید کے بعد فوراً اصلاح فرماتے اور ایسی اصلاح کہ پھر قلم ٹوٹ کر رہ جاتا۔ بارہا ایسا ہوتا کہ حکم کی تائید میں کوئی عبارت نہ ملتی تو میں اپنی صواب دید سے حکم لکھ دیتا کبھی دور دراز کی عبارت سے تائید لاتا مگر مفتی اعظم ان کتابوں کی عبارتیں جو دارالافتاء میں نہ تھیں زبانی لکھوا دیتے میں حیران رہ جاتا۔ یا اللہ کبھی کتاب کا مطالعہ کرتے نہیں یہ عبارتیں زبانی کیسے یاد ہیں۔''

(مقدمہ فتاویٰ مصطفویہ، ص ۲۹)

ان ساری شہادتوں سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ آپ مفتی اعظم عالم اور امام الفقہا وغیرہ القاب کے قابل ولائق تھے یہ خطابات آپ کو زیبا بھی ہیں۔ آج ہندو پاک میں بڑے بڑے مفتی صاحبان یا تو آپ کے شاگرد ہیں یا شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ جب تک دار الافتاء موجود ہیں آپ کا فیضان جاری وساری رہے گا۔

ہمارے واسطے وجہ سعادت امور تاجدار اہل سنت

خدارا براں بندہ بخشائش ست کہ خلق از وجود در آسائش ست

بعض لوگ شہر اور خاندان سے پہچانے جاتے ہیں مگر مفتی اعظم کے وجود سے شہر اور ملک پہچانا جاتا ہے آپ کی ذات نے ملک اور خاندان کی عزت میں چاند لگا دیے ہیں۔ ایسی ہستیاں صدیوں بعد جلوہ گر ہوتی ہیں۔

یوں تو سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے ہر فتوے میں علم واستدلال کے چشمے ابل رہے ہیں، گل کھل رہے ہیں۔ آپ کا کوئی فتویٰ خواہ وہ مختصر ہو یا مفصل اس میں جامعیت ہے اور قول فیصل کا رنگ اس میں بطور اتم نظر آتا ہے۔ مگر بعض فتاویٰ سے اس قدر علمیت ہویدا ہے کہ دلائل وبراہین کی موجیں پورے جوش میں ہیں اور وہ رسالہ کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ اس قسم کے فتاویٰ نے اہل علم کو بھی آپ کی شخصیت سے بہت متاثر کیا ہے۔ ان میں سے ایک رسالہ مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جو فتاویٰ مصطفویہ کے ضمیمہ میں شامل ہے اور رضا اکیڈمی، ممبئی نے بڑے خوبصورت انداز میں اسے شائع کیا ہے۔

کفری اشعار پر اہم فتویٰ: جواب کا انداز ملاحظہ کیجیے: ''اے عزیز یہ کیا پوچھتا ہے کہ یہ اشعار کفر ہیں یا خلاف شرع۔ ارے برادر دینی یہ پوچھ کہ کیسے اخبث واشنع کفریات ہیں جن میں شائبہ بھی ایمان کا نہیں۔ اور جو............ان کے کفر ہونے اور ان کے قائل وقابل کے کافر ہونے میں شک کرے اس کا کیا حکم ہے؟ بل کہ در حقیقت بات تو پوچھنے کی

یہ بھی نہیں کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ قطعاً کفر ہیں۔ یقیناً کفر ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ ......ان کا قائل کافر اور جو اس کے کفر اور مستحق عذاب ہونے میں ادنیٰ شک کرے وہ بھی اس کا ساتھی۔ شفا و درمختار وغیر ہامعتمدات میں ہے من شك في كفره و عذابه فقد كفر۔ (درمختار مع ردالمحتار، جلد ۳، ص ۳۱۴ مطبوعہ کوئٹہ)

بعض جدت پسند دین وایمان سے بے گانہ لوگ کفری کلمات وافعال پر علما اہل سنت جو حکم شرعی قرآن وسنت کے .... سے جاری کرتے ہیں جو ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ امت کی رہنمائی نہ کریں تو کل قیامت میں ان کی گرفت .... الزام تراشی کرتے ہیں ان کے خلاف نفرت پھیلاتے ہیں۔ ان کی ذات پر بے جا اعتراضات کرتے ہیں تا کہ اس ......قرآن اور رسول پاک علیہ السلام کے خلاف بکواس رکھنے والوں کو کھلی چھوٹ مل جائے اور وہ معاذ اللہ دین .... ورسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کو بازیچۂ اطفال بنادیں۔

مگر کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ کیے بغیر حق گو، حق نگر حق پرست علمانے حق کا ڈنکا ہر دور میں بجایا اور حق کا اجالا ہر طرف پھیلایا ہے اور ان گنت گستاخوں، بے ادبوں، سرکشوں ...... کے منہ میں پتھر دے کر ان کی پوری پوری دہن دوزی سرکوبی کی ہے اور کبھی کسی کی پرواہ نہیں کی وہ رب کی رضا کے طالب اور رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے طلب گار ہیں۔

انھیں کی افترا بازی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان فرماتے ہیں

"ہاں تکفیر کرنے والے ان کے نزدیک خطا کار ہیں، قصوروار ہیں، مجرم ہیں، گنہ گار ہیں۔ ان کے خیال میں کفر کرنا، کفر بکنا، کچھ عیب نہیں ہے۔ کافر کہنا عیب ہے، جب تو کفر لکھنے والوں کے طرف دار ہیں اور تکفیر کرنے والوں سے برسرپیکار ہیں، کوئی کہتا ہے کہ صاحب ان کے یہاں تو کفر کی مشین ہے جس میں رات دن کفر کے فتوے ڈھلتے ہیں۔

اس کے بعد دلائل قاہرہ سے آپ نے کفری اشعاری کا حکم واضح فرمایا ہے۔ حق کو بالکل عیاں فرمادیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی کسی بدبخت شقی نے شان الوہیت یا شان رسالت میں گستاخی کی تو حقانی کوڑے سے اہل حق نے سرکشوں کی کمر توڑی ہے اور کیوں نہ ہو کہ ملت میں ایسے سرکشوں کے وجود سے فساد پیدا ہوتا ہے اور یہ افرا دضرر کا سبب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے فاسد نظریات وافکار سے ہمیں محفوظ فرمائے اور خیر خواہ و بدخواہ میں امتیاز پیدا کرنے کی فکر ونظر عطا فرمائے۔ آمین

آگے سرکار مفتی اعظم فرماتے ہیں : "تکفیر کی مشین کا غم پیکار، وہ تو جبھی تک جاری رہے گا جب تک کفر کی مشین جاری ہے۔ آج تم سب توبہ کرلو۔ اپنی اپنی کفری مشین توڑ ڈالو۔ علمائے کرام پھر تکفیر کی مشین نہ چلائیں گے۔ تمھارا دل نہ ہلائیں گے۔ یہ مکار عیار بھولے بھالے سیدھے سادے مسلمانوں کو یوں چھلتے اور فریب دیتے ہیں کہ اب یہ آج کل کے علما ایسے ہی ہوتے ہیں جو بات بات پر لوگوں کو کافر کہتے ہیں کفر کا باڑا بانٹتے ہیں۔ (ص ۶۰۵)

اس پر جو آیات لکھی ہیں ان میں سے یہ حصہ آیت بھی ہے: لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ. (سورۂ توبہ ۹/ ۶۶) بہانے نہ بناؤ بے شک تم کافر ہو چکے اپنے ایمان کے بعد۔

یہ اور دیگر آیات صبح قیامت تک کے لیے دستور کا درجہ رکھتی ہیں کہ اس دور کے نام کا کلمہ پڑھنے والوں نے عذر کیا تو ان کا بہانہ نہ

سنا گیا۔ خدائی حکم آسمانی فرمان سے وہ کافر قرار دیے گئے۔ اب قیامت تک ایسے لوگوں کو جو کفر کر کے دل سے تائب نہ ہوں کافر کہنا انھیں کافر سے یاد کرنا خدائی سنت ہے۔ اور جو واقعی دل سے ایمان لایا انہوں نے حکم شرع کے حضور گردن خم کی ہے اور جو ایمان کی حقیقت سے واقف نہ ہوئے نہ ہونے کی کوشش کی وہ اپنا انجام دیکھ لیں۔

الغرض یہ فتویٰ مبارکہ واقعی بہت اہم ہے جس سے آپ نے اہل ایمان کے ایمان وعقیدے کی حفاظت کی نیز گستاخ دین ورسول کی صورت دن کے اجالے میں دکھادی ہے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اور بقول اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

حضور مفتی اعظم کی مبارک زندگی میں ایسے ایسے مثالی کارنامے کثرت سے ملتے ہیں جن کی وجہ سے آج عالم اسلام کے کروڑوں انسانوں یعنی اہل سنت کے وفاداروں کے دل میں آپ کی عقیدت واحترام کی شمع فروزاں ہے۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کا فیض تمام اہل سنت وجماعت پر تادیر قائم ودائم رکھے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم اور فتاویٰ مصطفویہ

مولانامفتی شفیق احمد شریفی
پرنسپل دارالعلوم غریب نواز، الہ آباد

فقیہ اعظم عالم، مسند الوقت ولی ابن ولی، شیخ الاسلام والمسلمین، مرشدنا الکریم حضور مفتی اعظم مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری قدس سرہٗ العزیز کسی تعارف کے محتاج نہیں، آپ ایک طرف متبحر عالم معتبر و مستند فقیہ، ممتاز متکلم، مختلف علوم وفنون کے ماہر اور شعروادب کے مزاج آشنا تھے تو دوسری طرف ریاضت وعبادت، مکاشفہ ومجاہدہ، تقویٰ وپرہیز گاری، زہد وورع اور اسرار باطنی کے بھی محرم تھے۔ ہر میدان میں ان کے خلوص وللہیت کی جلوہ گری نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے وہ اک ایسی شمع تھے جس کے گرد لاکھوں پروانے اکتساب نور کی خاطر اپنی زندگی کو داؤں پر چڑھادیا کرتے ہیں۔

چھ ماہ کی عمر مبارک میں ہی مرشد کامل حضور سید المشائخ علامہ شاہ ابوالحسین نوری برکاتی مارہروی علیہ الرحمۃ بریلی شریف تشریف لائے تو اپنی آغوش مبارک میں لے کر دعاؤں سے نوازا اور منہ میں انگلی ڈال کر اپنا مرید فرماکر جمیع سلاسل کی خلافت سے سرفراز فرمایا۔

(ماہنامہ استقامت مفتی اعظم نمبر مئی ۱۹۸۳ء، ص ۱۱۱)

بیعت کرتے وقت مرشد کامل نے فرمایا! یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض ملے گا۔ یہ بچہ ولی ہے اس کی نگاہوں سے لاکھوں گمراہ انسان دین حق پر قائم ہوں گے۔ یہ فیض کا دریا بہائے گا

(رفاقت پٹنہ، ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۱ء، ص ۱۳)

مجدد اعظم محدث بریلوی سیدنا امام احمد رضا نے بھی اپنے خلف اصغر کو جمیع اوراد واشغال، اوفاق واعمال اور جمیع سلاسل طریقت و شریعت میں اجازت عطا فرمایا۔

فتویٰ نویسی : حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے جس ماحول میں پرورش پائی وہ علم وفضل میں یکتائے روزگار تھا۔ عالم اسلام کی مایہ ناز عبقری شخصیت امام احمد رضا محدث بریلوی کا آپ کی تعلیم وتربیت فرمانا ہی عظمت مقام کی روشن دلیل ہے۔ تاہم مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے خمیر وفطرت و سرشت میں تفقہ فی الدین کا ملکہ ودیعت کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اٹھارہ برس کی عمر میں ۱۳۲۸ھ اور ۱۹۱۰ء میں آپ نے قلم برداشتہ پہلا فتویٰ تحریر فرمایا۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ دارالافتاء بریلی میں امام احمد رضا قدس سرہٗ کی زیر نگرانی ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری اور مولانا سید عبدالرشید کام کرتے تھے۔ ایک روز اتفاقاً حضرت مفتی اعظم وہاں تشریف لائے دیکھا کہ مولانا ظفر الدین کسی مسئلہ کی وضاحت کے لیے فتاویٰ رضویہ قلمی الماری سے نکال رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا مولانا کیا آپ فتاویٰ رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہیں۔ اس پر ملک العلما نے فرمایا اچھا آپ بغیر دیکھے جواب لکھ دیں تو جانیں! مفتی اعظم نے قلم برداشتہ استفتا کا جواب تحریر فرمایا۔ یہ

رضاعت کا مسئلہ تھا۔فتویٰ اصلاح کے لیے امام احمد رضا کی خدمت میں پیش ہوا۔آپ نے صحت جواب پر مسرت واطمینان کا اظہار فرمایا اور ''صح الجواب بعون الملك الوهاب '' لکھ کر دستخط ثبت فرمایا ہی نہیں بل کہ بطور انعام'' ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمٰن محمد عرف مصطفیٰ رضا'' کی مہر بنوا کر عطا کی۔آپ نے اپنے والد ماجد امام احمد رضا قدس سرہٗ کی حیات ظاہری میں ۱۳۲۸ھ سے ۱۳۴۰ھ تک فتاویٰ لکھے۔والد ماجد کے وصال کے بعد ۱۳۹۵ھ تک مسلسل فتویٰ نویسی فرمائی۔بعد ازاں بوجہ ضعف وعلالت فتویٰ نویسی کا کام نہ ہوسکا۔تاہم مفتیان دین کی علمی مشکلات کو زبانی حل فرماتے رہے۔اس طرح ستر برس کے طویل عرصے تک بلا معاوضہ فتویٰ نویسی فرمائی۔آپ کے پاس برصغیر ہندو پاک اور بنگلہ دیش کے علاوہ ممالک افریقہ،امریکا،لنکا،ملیشیا،شرق اوسط اور یورپ تک کے علما فتویٰ کے لیے رجوع فرماتے تھے۔ (محدث اعظم پاکستان،جلد ا،ص ۶۹)

مفتی اعظم کے تعلق سے شارح بخاری کے تاثرات :

شارح بخاری استاذنا الکریم علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بذات خود علم کے بحر زخار تھے اور اپنے عہد میں تمام علما سے اعلم، افقہ و اورع تھے۔میں نے گیارہ سال تک حضرت کی خدمت کی ہے۔سفر وحضر،جلوت وخلوت میں حاضر رہا ہوں۔ہزاروں مسائل حضرت کو سنائے ہیں اور حضرت مفتی اعظم کا فیض وکرم ہے کہ میں آج اس جگہ بیٹھا ہوں۔اس لیے جو کچھ کہہ رہا ہوں انتہائی وثوق اور اپنے تجربہ کی روشنی میں کہہ رہا ہوں جو شخص یہ کہے اور وہ بھی آج کہ میں مفتی اعظم سے افضل ہوں وہ جھوٹا کذاب ہے۔(رجسٹر فتاویٰ شریفہ ص ۱۳۵ نمبر ۱۷۵۳، بحوالہ معارف شارح بخاری)

مفتی اعظم اور فتاویٰ مصطفویہ :

آپ علوم وفنون کے بحر زخار تھے۔تفسیر،حدیث،فقہ،اصول حدیث،اصول فقہ،منطق،فلسفہ،معانی،بیان،بدیع،نحو صرف وغیرہ علوم مروجہ کے علاوہ بہت سے غیر مروجہ علوم مثلاً علم توقیت،تکسیر،جفر وغیرہ پر بھی آپ کو دسترس تھی۔اس کے شواہد آپ کی تصنیفات و تالیفات ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ قلمی قوت سے نوازا تھا۔آپ کی تحریروں اور فتاویٰ میں آپ کے والد ماجد مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ کے اسلوب کی جھلک اور ژرف نگاہی نظر آتی ہے۔تحقیق کا کمال بھی نظر آتا ہے اور تدقیق کا جمال بھی۔فقہی جزئیات پر عبور کا جلوہ بھی نظر آتا ہے اور علامہ شامی کے تفقہ کا انداز بھی۔امام غزالی کی نکتہ سنجی،امام رازی کی دقت نظر،امام سیوطی کے وسعت مطالعہ کی جلوہ گری بھی ہوتی ہے آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیات اور ہمہ جہت مشاغل کے باوجود مختلف موضوعات پر تصنیفات وتالیفات کا ایک گرانقدر ذخیرہ چھوڑا۔بعض کے اسمایہ ہیں:

(۱) فتاویٰ مصطفویہ کامل ۳ جلدیں (۲) وقعات السنان (۳) ادخال السنان (۴) الموت الاحمر، ہشتاد بید و بند بر مکاری دیو بند (۵) الملفوظ کامل (۶) الطاری الداری لهفوات عبد الباری (۷) القول العجیب فی جواز التثویب (۸) سامان بخشش (۹) تنویر الحجۃ بالتواء الحجۃ (۱۰) طرق الهدیٰ والارشاد (۱۱) وقایۃ اہل السنۃ وغیرہ

فتاویٰ مصطفویہ : ارشاد وتبلیغ کے اگر آپ روحانی قائد تھے تو شریعت کے احکام واضح فرمانے میں بے بدل فقیہ،بے نظیر مفتی اور یہ وصف اتنا غالب کہ مشائخ عصر وعلمائے زمانہ نے ''مفتی اعظم'' کے لقب سے ملقب فرمایا اور اس کو شہرت دوام حاصل ہے۔آپ علم و

حکمت اور فقاہت وبصیرت کے مظہر اتم تھے۔ ہاں جلالت شان آپ کے فتاویٰ آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ واقوال صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین سے مبرہن ومدلل ہوتے تھے۔ جابجا فقہ کی کتب معتبرہ ومستندہ کی تصریحات سے مسائل شرعیہ محقق ومنقح ہوتے تھے۔ سائل ومستفتی کے معیار اور اس کے انداز بیان وتحریر کے مطابق ہر فتویٰ اور ہر جواب میں بالغ نظری کے جلوے نظر آتے ہیں۔ فتاویٰ دیتے وقت مصالح شریعت کو مدنظر رکھتے ہیں کہیں محاکمہ فرماتے ہیں۔ کہیں احادیث واقوال میں توفیق وتطبیق دیتے ہیں۔ کہیں کسی سوال مقدر کا جواب دیتے ہیں۔ کہیں ہدایت وتنبیہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ محاسن وکمالات ہر ہر سطر اور ہر ہر تحریر میں رسم الافتاء والمفتی کے طرق وآداب کی مکمل رعایت ہوتی ہے۔ آپ کی ذات عوام وخواص سب کے لیے مرجع تھی ایسا عظیم مفتی فقیہ ہونا جو سب کو مسلم ہو آسان نہیں۔

فقاہت کا معنی بیان کرتے ہوئے امام اہل سنت فرماتے ہیں۔ فقہ یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے۔ یوں تو ہر اعرابی ہر بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے۔ بل کہ فقہ بعد ملاحظۂ اصول مقررہ وضوابط محررہ ووجوہ تکلم وطرق تفاہم وتنقیح مناط ولحاظ انضباط ومواضع یسر واحتیاط وتجنب تفریط وافراط وفرق روایات ظاہرہ ونادرہ وتمیز درایات غامضہ وظاہرہ ومنطوق ومفہوم وصریح ومحتمل وقول بعض وجمہور ومرسل ومعلل ووزن الفاظ مفتین وسبر مراتب ناقلین وعرف عام وخاص وعادات بلاد واشخاص وحال زمان ومکان واحوال رعایا وسلطان وحفظ مصالح دین ودفع مفاسد مفسدین وعلوم وجوہ تجریح واسباب ترجیح ومناہج توفیق ومدارک تطبیق ومسالک تخصیص ومناسک تقلید ومشارع قیود وشوارع مقصود وجمع کلام ونقد مرام وفہم مراد کا نام ہے۔

(ماہنامہ اشرفیہ صدر الشریعہ نمبر بحوالہ ص ۱۴، ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبد الباری)

ہم جب اس کی روشنی میں فتاویٰ مصطفویہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو مفتی اعظم قدس سرہٗ کا قلم ان امور میں اکمل واتم نظر آتا ہے۔

روش اعتدال : جوگیان ڈاکخانہ ایجنٹ نگر مسلمانان قصبہ مذکورہ نے ۱۱ر جمادی الثانی ۵۲ ۱۳ھ میں ایک سوال بھیجا کہ خاندان مداریہ کے سلسلے جاری ہیں یا سوخت ہیں۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا:

> بے کار سوال کیے جاتے ہیں۔ نماز روزہ ضروری مسائل تو پوچھے نہیں جاتے۔ یہ بیکار باتیں دریافت کی جاتی ہیں اور پھر ایک بار نہیں۔ واللہ اعلم کتنی بار یہ سوال آیا ہے۔ لوگ برابر اس سلسلہ میں بیعت کرتے ہیں مرید ہوتے ہیں۔ انھیں یہ ثابت نہیں کہ یہ سلسلہ سوخت ہو چکا ہے جن بزرگوں کو اس کی اطلاع ہے انھوں نے ایسا تحریر فرمایا ہے۔ اس میں اس درجہ جاہلوں کو چنا کہ ایک دوسرے کا دشمن ہو جائے۔ تکفیر وتفسیق تک نوبت پہونچ جائے۔ ہر گز جائز نہیں۔ جو مداری سلسلہ میں ہوتے ہیں ان سے تعرض نہ کریں۔ کہ اس بے کار بحث کا نتیجہ سوا فساد اور کچھ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم" (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۴۵۲)

آپ اس جواب کو بغور پڑھیں کہ کس طرح آپ سنیوں کو افتراق وانتشار سے بچنے کی تلقین فرما رہے ہیں اور اسباب افتراق سے کس طرح بیزاری کا اظہار فرماتے نظر آتے ہیں۔ اور اہل سنت کو اتحاد واتفاق کا درس دیتے نظر آتے ہیں۔

مسئلۂ قوالی : قوالی مع مزامیر سننا جائز ہے یا نا جائز یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے۔ بعض خانقاہوں میں اس پر سختی سے عمل ہوتا ہے اور نہ صرف جواز بل کہ اس کے استحسان کا بھی حکم دیتے ہیں۔ عام طور پر عدم جواز کے قائلین ان کو فاسق کہتے ہیں مگر سیدی سرکار مفتی اعظم نے پہلے تو اس مسئلہ دائرہ کے شرعی حکم پر روشنی ڈالی۔ پھر فرماتے ہیں" قوالی مع مزامیر ہمارے نزدیک ضرور حرام وناجائز وگناہ ہے اور سجدۂ تعظیمی بھی ایسا ہی ان دونوں مسئلوں میں بعض صاحبوں نے اختلاف کیا ہے، اگر چہ وہ لائق التفات نہیں مگر اس نے ان مبتلاؤں کو حکم فسق

سے بچادیا ہے جوان مخالفین کے قول پر اعتماد کرتے اور جائز سمجھ کر مرتکب ہوتے ہیں۔ اگرچہ شرعاً ان پر اب بھی دہرا الزام ہے ایک ارتکاب جرم کا دوسرا اسے جائز سمجھنے خلاف قول صحیح جمہور چلنے کا واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۴۵۶)

آپ ملاحظہ کریں۔ اگر آج علما و مشائخ عوام وخواص کا طرز عمل اس فتوے کی روشنی میں ہوتو اہل سنت میں کس قدر روداد و محبت اور اتفاق واتحاد پیدا ہوگا۔

فتاویٰ رضویہ کی تشریح وتوضیح کا کام بھی فتاویٰ مصطفویہ نے کیا :

امام اہل سنت نے فتاویٰ رضویہ جلد سوم میں دیہات میں نماز جمعہ قائم کرنے کو ناجائز فرمایا ہے اور دلائل وبراہین سے ثابت فرمایا کہ ظاہر الروایت اور مفتی بہ قول ہے مگر یہ بھی لکھا ہے کہ اگر لوگ پڑھتے آتے ہوں تو انھیں منع نہ کیا جائے یہی فقیر کا طرز عمل ہے۔ کہ وہ لوگ جس طرح بھی خدا کا نام لے لیں، غنیمت ہے حضور مفتی اعظم سے مسئلہ دائرہ کے تعلق سے سوال ہوا جس کا آپ نے تفصیلی جواب عنایت فرمایا آپ فرماتے ہیں:

الجواب: اشتہار میں جو احکام اعلیٰ حضرت کے فتاوے سے چھاپے ہیں وہ بر بنائے مذہب حنفی ہیں۔ دوسرے فتوے میں جو تحریر ہے، وہ بھی اس اشتہار میں ہے۔ وہ بھی اعلیٰ حضرت کا ارشاد ہے۔ جہاں عوام پڑھتے آتے ہیں وہاں انھیں اس سے روکنے میں فتنے کا اندیشہ ہوتو نہ روکا جائے۔ صرف ظہر کے فرض پڑھنے کی تاکید کی جائے اور اگر ایسے لوگ سمجھ دار ہوں کہ وہ مذہب کا حکم سمجھ کر گردن رکھ دیں اور کسی قسم کا فتنہ نہ ہوتو انھیں وہاں اقامت جمعہ سے روکا جائے کہ جہاں فرض نہیں وہاں پڑھنا خلاف مذہب ہے جو فرض نہیں اسے فرض سمجھنا خلاف مذہب ہے۔ جو فرض ہے ظہر اس کا ترک اور جہاں ظہر فرض ہے، وہاں جمعہ سے اس کا ذمہ سے اتر جانا سمجھنا، خلاف مذہب ہے۔ ذکر تو ہے مگر مذہب حنفی کے خلاف اس کی اقامت ہے۔ اس کی اقامت سے وہاں فرض ظہر کی اضاعت ہے۔ تو ذکر ہونا اور بعض ائمہ کے طور پر صحیح ہونا اور بات ہے اور اس کا اس جگہ جہاں ظہر فرض ہے، بے جا نہ ہونا اور بات ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے وہ فتاوے سب بحمدہٖ بجا و درست ہیں، اس لیے تصدیق کی گئی۔ دوسرا فتویٰ اعلیٰ حضرت کے ان فتاویٰ سے ہرگز معارض نہیں۔ دوسرے فتویٰ میں جو یہ تحریر ہے کہ جہاں ہمارے مذہب میں جمعہ نہیں اور عوام پڑھتے ہوں تو ان لوگوں کو منع نہ کیا جائے الخ وہ بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ارشاد ہے۔ وہ اوپر کے احکام کے معارض نہیں۔ جہاں فتنہ عوام کا اندیشہ صحیح ہو، وہاں منع نہ کیا جائے۔ فرض ظہر بھی پڑھنے کی تاکید کی جائے۔ دیہات میں جمعہ پڑھنا مذہب حنفی میں ہرگز جائز نہیں۔ مگر عوام پڑھتے ہیں اور منع کرنے سے باز نہ آئیں گے۔ فتنہ برپا کریں گے تو ان کو اتنا ہی کہنا ہوگا کہ بھائی ظہر کے چار رکعت بھی پڑھو کہ تم پر ظہر ہی فرض ہے۔ جمعہ پڑھنے سے تمہارے ذمہ وہ ظہر ساقط نہ ہوگی۔ وہ فرض ظہر بھی جماعت ہی سے پڑھنے کو کہا جائے کہ بے عذر ترک جماعت گناہ ہے۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۲۳۱)

آپ نے امام اہل سنت کے دونوں ارشادات وفتاوے میں کتنی عمدہ تطبیق پیش فرمائی کہ تمام شبہات بھی زائل ہو گئے۔ فللہ الحمد۔

تداوی بالحرام : حدیث شریف میں ہے حرام میں شفا نہیں۔ اس کے اصل مذہب بھی ہے کہ حرام اشیا مثلاً خنزیر کی ہڈی یا چربی یا شراب یا مادہ خر کا دودھ یا کتے کے لعاب کے مرہم کا استعمال بطور دوا بھی ناجائز ہے مگر حضور مفتی اعظم نے اس اصل مذہب کو بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ "ہاں اگر طبیب حاذق مسلم غیر فاسق کہے کہ اس کے مرض کی اب یہی دوا ہے۔ یہی پچھلا علاج ہے تو اس وقت اس کے حق میں وہ حرام نہ ہوگا یعنی بقدر ضرورت اور اس وقت اس سے شفا کی امید بھی ہوگی۔ پھر آپ نے مزید دلائل سے اس حکم کو مبرہن فرمایا۔ دیکھیے فتاویٰ مصطفویہ ص ۵۱۱۔

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم اور فتاویٰ مصطفویہ

مولانا مفتی آل مصطفیٰ مصباحی
خادم تدریس وافتا، جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی

تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان کو آج بھی خواص وعوام مفتی اعظم کے لقب سے ہی یاد کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا عظیم لقب ہے جس کے مصداق کی تلاش آسان ہے اور نہ ہی اس پر اتفاق سہل ہے۔ پھر یہ اس دور و عصر کی بات ہے جب کہ بزم شریعت وطریقت کی رونق بننے والے اجلہ علمائے کرام ومفتیانِ عظام موجود تھے۔ مگر متفقہ طور پر علامہ محمد مصطفیٰ رضا قادری علیہ الرحمہ کو "مفتی اعظم" کے لقب سے ملقب کیا جانا غیر معمولی بات ہے۔ اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ "مفتی اعظم" مسلم الثبوت مفتی تھے۔ جن کی علمی جلالت اور فقہی مہارت کا اعتراف ان کے معاصر جید علما نے کیا ہے۔ اور ان کے "عالم مطاع" ہونے کی صراحت فرمائی ہے۔ جس سے یہ بات بھی بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ علما وفقہا کی نظر میں آپ کو جو وقار وعظمت حاصل تھی، اس میں آپ کی نسبی خوبیوں سے زیادہ کسبی خوبیوں کا دخل ہے۔ کیوں کہ آپ بلا شبہہ آپ ایک عظیم علمی وفکری گھرانے کے فرد تھے۔ مجدد اعظم امام احمد رضا کے ولد اعز تھے۔ لیکن نظر علما میں فقہ وافتا کے حوالے سے غیر معمولی عظمت آپ کی علمی جلالت اور فقہی مہارت کا حسن وخوبی پتہ دیتی ہے۔ آپ ایسے خاندان کے روشن چراغ تھے، جس خاندان نے ڈیڑھ سو سال سے زائد فقہ وفتاویٰ کی خدمت انجام دی ہیں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے جد امجد علامہ مفتی رضا علی خاں بریلوی (متوفی ۱۲۸۲ھ) اور والد گرامی علامہ نقی علی خاں علیہما الرحمۃ (متوفی ۱۲۹۷ھ) اپنے دور کے عظیم مفتیوں میں شمار ہوتے تھے۔ اور جب اعلیٰ حضرت کا دور آیا۔ تو انھوں نے فقہ وافتا میں ایسی عظمت شان پیدا کی کہ علمائے عرب وعجم کی گردنیں ان کی فقہی بلندیوں کے سامنے جھک گئیں۔ ایک عربی عالم وفقیہ نے تو یہاں تک کہا ہے واللہ اقول والحق اقول لو راٰھا ابو حنیفۃ النعمان لاقرت عینہ ولجعل مؤلفھامن جملۃ الاصحاب. (الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ ص ۲۲ رضا اکیڈمی، ممبئی) (ترجمہ) آپ امام اعظم کے زمانہ میں ہوتے تو امام اعظم بالیقین آپ کو اپنے اصحاب میں داخل فرما لیتے۔

اسی بارگاہ علم وتفقہ کے پروردہ مرجع علما وسند فقہا مفتی اعظم شاہ مصطفیٰ رضا قادری علیہ الرحمۃ تھے۔ آپ نے عالم شباب ہی میں افتا نویسی میں وہ مہارت ورسوخ وتبحر حاصل کر لیا تھا، جو عمر طویل کی کارگزاریوں کی آخری منزل کہی جاتی ہیں۔ جب کہ علوم وفنون میں "علم الفتویٰ" سب سے مشکل فن ہے۔ یہ بتانا کہ یہ حکم شرع ہے آسان نہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں "الافتاء افادۃ الحکم الشرعی (ردالمحتار ج۔ ۴ ص ۳۳۶)

علامہ جرجانی اپنی کتاب التعریفات میں رقم طراز ہیں الافتاء بیان حکم المسئلۃ. (ص ۳۴ مکتبہ فقیہ الامۃ دیوبند) "افتا" حکم شرعی بتانے کا نام ہے۔ اور جو بے علم فتویٰ دے اس پر حدیث شریف میں فرشتوں کی لعنت کا ذکر ہے۔ فرمایا گیا۔ من أفتی بغیر علم

لعنته ملائکة السموات والارض (کنز العمال، حدیث ۱۸، ۲۹ بیت الافکار الدولیہ، الریاض) "جو بے علم فتویٰ دے، اس پر آسمانو
ں اور زمین کے فرشتوں کی لعنت ہوتی ہے۔
بعض لوگ درسی کتابیں پڑھ پڑھا کر اپنے کو "مفتی" کے منصب کا حامل سمجھتے ہیں۔ یہ خیال غلط ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں: "
آج کل درسی کتابیں پڑھنے سے، پڑھانے سے، آدمی فقہ کے دروازے میں بھی داخل نہیں ہوتا۔" (فتاویٰ رضویہ چہارم، ص ۵۶۵) کچھ
لوگ فقہی کتابوں کا مطالعہ کر کے اپنے کو "مفتی" کہلانے لگتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔ اور اگر گہرائی سے جائزہ لیں تو آج غلط فتاوے صادر
کرنے کی بنیادی وجہ یہی ہے۔ فقہ و افتا کے لیے مفتی ماہر کی بارگاہ میں مدتوں مشق و تمرین کی ضرورت ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں: "علم
الفتویٰ پڑھنے سے نہیں آتا، جب تک مدتہا طبیب حاذق کا مطب نہ کیا ہو۔" (فتاویٰ رضویہ، نہم، ص ۲۴۱)
مفتی اعظم نے اپنے زمانے کے سب سے بڑے طبیب حاذق امام الفقہا والمفتین اپنے والد گرامی قدس سرہٗ سے افتا کا فن
سیکھا۔ اور کمال و درک حاصل کیا، یہی وجہ ہے کہ جب سب سے پہلا فتویٰ "مسئلہ رضاعت" پر آپ نے تحریر فرمایا تو آپ کے والد گرامی
اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے نہ ایک لفظ کا نہ حذف و اضافہ کیا۔ بل کہ جوں کا توں باقی رکھا۔ شارح بخاری علامہ مفتی شریف الحق امجدی علیہ
الرحمۃ، حضور مفتی اعظم سے بہت قریب رہنے والوں میں تھے۔ ان کا بیان ہے: "حضرت مفتی اعظم نے پہلا فتویٰ ۱۹۱۰ء میں لکھا، جب
کہ عمر مبارک صرف اٹھارہ سال کی تھی۔ یہ فتویٰ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش ہوا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اس میں
بغیر کسی ترمیم و تبدیل کے ان الفاظ میں اس کی تصحیح فرمائی "صح الجواب بعون الملک الوہاب" خوش ہو کر انعام عطا فرمایا، اور مہر بنوا کر عنایت
فرمائی" (تاجدار اہل سنت ص ۲۸، رضا اکیڈمی، ممبئی)
اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے جب صدر الشریعہ مفتی امجد علی قادری علیہ الرحمہ کو پورے ملک کا قاضی بنایا، تو دار القضا کے مفتی کی
حیثیت سے مفتی اعظم و برہان ملت مفتی برہان الحق جبل پوری علیہما الرحمۃ کو منتخب فرمایا۔ (تاجدار اہل سنت، ص ۲۰ بروایت برہان ملت)
اب آیئے ذیل میں فقہ و افتا میں حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے رسوخ و تبحر کے چند شواہد عنوان کے مطابق ان کے مجموعہ فتاویٰ
"فتاویٰ مصطفویہ" سے ہم نقل کرتے ہیں، تا کہ میرے مذکورہ دعوے پر دلائل و شواہد کی مہریں ثبت ہو جائیں۔

منکر علم غیب کا حکم:

استفتا کا اصل مقصد "حکم شرعی" معلوم کرنا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فتویٰ میں پہلے حکم شرعی بیان کیا جاتا ہے۔ پھر دلائل اور رد و
ابطال کا مرحلہ آتا ہے۔ حضور مفتی اعظم نے اصول افتا کو مد نظر رکھتے ہوئے حضور اقدس عالم ماکان وما یکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم
غیب کا مطلقاً انکار کرنے والے پر حکم شرعی کا بیان ان الفاظ میں فرمایا:
"زید بے قید پر از مکر و کید بدترین وہابی لعین ہے، اس کا حضور پر نور شافع یوم النشور ایمان جان، جان ایمان،
عالم ماکان وما یکون سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب سے مطلق انکار کفر مبین ہے۔ قرآن عظیم کی آیات
باہرہ کثیرہ سے انکار ہے۔" (فتاویٰ مصطفویہ، جلد اول ص ۱)
آپ نے قرآن عظیم کی آٹھ آیتیں ذکر فرمائیں، جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم عطا فرمانے کا ذکر ہے، اور زید
منکر کے عقیدے سے جن آیتوں کا انکار لازم آتا ہے، پھر فتویٰ میں بخاری شریف، مسلم شریف، مشکوٰۃ شریف، اور زرقانی علی المواہب
وغیرہ سے دس حدیثیں نقل کی گئی ہیں، جن سے واضح طور پر رسول علیہ السلام کے لیے علم غیب کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ بیان حکم میں محکوم علیہ معین ومشخص کو قرار نہیں دیا گیا ہے۔حالانکہ " زید بے قید" کو اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ حکم میں "لعین" کا لفظ بھی ہے اور "لعن شخص" جائز نہیں۔جب تک کہ متعلقہ شخص کا کفر پر مرنا قطعیت سے معلوم نہ ہو۔

فتویٰ میں مذکور قرآنی آیات واحادیث کا خلاصہ بڑے دل نشیں انداز میں بیان فرمایا گیا ہے۔فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل بار بار ارشاد فرمائے ہم نے رسول کوغیب کی خبریں دیں۔ہم نے رسول مجتبیٰ کوغیب پر مطلع فرمایا۔ رسول مرتضیٰ کوغیب پر مسلط کر دیا اور رسول کو سکھادیا جو کچھ وہ نہ جانتے تھے۔اور ان پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔ہم نے رسول پر وہ کتاب اتاری جو ہر شی کا روشن بیان ہے۔ہمارا رسول ہر شی کا علیم ہے۔ہمارا رسول ما بین ایدیھم (ابتدائے آفرینش) اور ما خلفھم (روز آخر تک) جانتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارہا اعلان فرمائیں۔میں اپنی کف دست مبارک کی طرح دنیا و مافیہا تا روز قیامت سب کو دیکھ رہا ہوں۔میں جو کچھ آسمانوں زمینوں میں ہے سب کو جانتا ہوں۔میں ہر شی کو پہچانتا ہوں۔ہر شی مجھ پر روشن ہوگئی ہے۔کوئی چیز جو میری دیکھی نہ تھی وہ ایسی باقی نہ رہی جو میں نے اس مقام میں دیکھ نہ لی۔جو کچھ مشرق ومغرب میں ہے سب کو میں نے جان لیا۔مگر بے ایمان وہابی نہ رسول کے فرمانے پر یقین لاتا ہے نہ خدا کے ارشاد پر ایمان۔وہ کافر دونوں سے کفر کرتا ہے اور بکے جاتا ہے کہ رسول غیب کو نہیں جانتے تھے اور بے ایمانی اور دھوکے اور فریب سے ان نصوص کو اپنی برہان بناتا ہے جن میں علم ذاتی مراد ہے۔" (فتاویٰ مصطفویہ، جلد اول ص ۲ تا ۳)

منکر علم غیب پر جس عالمانہ وفقیہانہ انداز میں حضور مفتی اعظم گرجے اور برسے ہیں۔اور مذکورہ حکم شرعی کو منافقین پر دیے گئے قرآنی فتویٰ کفر سے جس طریقے پر انھوں نے ملایا ہے۔وہ بڑا چشم کشا ہے۔فرماتے ہیں:

" اس سے کہو کہ بے ایمان عبارت میں "الغیب" سے مراد علم ذاتی ہے۔اور یہ تیری سمجھ میں نہیں آتا۔تو اسے بھی مطلقاً علم غیب کا انکار سمجھتا ہے۔تو،تو بکر پر ایمان رکھتا ہے مگر رسول کے فرمان اور اللہ عزوجل کے قرآن کا منکر ہے۔ اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد وفرمان کے آگے بکر کی عبارت پیش کرنا اس کے بھروسہ رسول کے علم سے مطلقاً انکار کرنا یہ تیرے ہی جیسے بے حیا بے ایمان کا ملعون کام ہے۔اے لعین تو ان ملعون منافقوں کی طرح قرآنی فتوے سے کافر ہے جنھوں نے بکا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فلاں کا ناقہ فلاں وادی میں ہے اور انھیں غیب کی کیا خبر؟ وہ غیب کیا جانیں اور پھر منکر ہوگئے اور جھوٹے بہانے بنانے لگے جس پر قرآن عظیم کا وہ قہری فتویٰ نازل ہوا اور چتا دیا گیا۔وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ. (سورۂ توبہ ۹/ ۶۵)

منافقوں نے بھی تو یہی بکا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے۔وہ غیب کیا جانیں انھیں غیب کی کیا خبر؟ اسی پر تو قرآن عظیم نے فرمایا کہ تم اللہ اور رسول کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہو۔اسی پر تو واحد قہار نے ان کے جھوٹے حیلے بہانوں کو کہ ہم تو یونہیں ہنس بول رہے تھے۔فرمایا کہ جھوٹے بہانے نہ بناؤ بے شک تم کافر ہو چکے بعد (اظہار) ایمان کے۔"

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کے تعلق سے دیوبندیوں، وہابیوں کا عقیدہ تقویۃ الایمان، فتاویٰ رشیدیہ، براہین قاطعہ اور مسئلہ علم غیب وغیرہ سے مکمل حوالوں کی روشنی میں واشگاف فرما کر منکرین کا رد وابطال اس انداز میں فرماتے ہیں کہ اگر منکر متعصب نہ

ہو تو امید ہے کہ پڑھ کر توبہ کی راہ اپنائے۔ مفتی اعظم رقم طراز ہیں:

"اللہ اللہ، اللہ عزوجل اپنے حبیب و محبوب، طالب و مطلوب، دانائے غیوب کو علم غیب عطا فرمائے، اور اپنی کتاب مجید میں اس عطا کا اعلان فرمادے اور جو ملعون یہ بکے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) غیب کیا جانیں اس کے کفر کا وہ قہری فتویٰ دے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بار بار برملا مجالس خطبات میں اپنے رب کی اس عظیم نعمت کا اظہار فرمائیں اور طاعنین کا رد علی رؤس الاشہاد ارشاد فرمائیں۔ حدیث میں ہے قام على المنبر فحمد الله و اثنى عليه ثم قال ما بال اقوام طعنوا في علمي لا تسئلوني من شيئ فيما بينكم و بين الساعة الا نبأتكم به. (تفسیر خازن، سورۂ آل عمران، ص ۳۲۲ زیر آیت ۱۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رب العزیز الودود الغفور نے منبر مقدس پر قیام فرمایا۔ اللہ عزوجل کی حمد و ثنا بیان فرمائی، فرمایا: کیا حال ہے ان اقوام کا جو میرے علم شریف میں طعن کرتی ہیں؟ تم مجھ سے نہ پوچھوگے کسی شی کو جو تمہارے اور قیامت کے درمیان ہے مگر یہ کہ میں تمہیں اس سے خبردار فرمادوں گا۔ مگر وہابی مردود، منافق مطرود کی طرح یہی بکے جائے کہ انہیں غیب کی کیا خبر؟ وہ علم غیب کیا جانیں؟ رسول غیب نہیں جانتے تھے۔ قاتلهم الله انى يوفكون"

(فتاویٰ مصطفویہ، جلد اول، ص ۲)

استفتا میں بحر الرائق کی جو عبارت انکار علم غیب کے لیے پیش کی گئی ہے۔ اس کا جواب تو خود دیوبندیوں کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی کی کتاب بسط البنان میں مذکور ضابطے کی روشنی میں دیا گیا ہے کہ تعارض کے لیے متعارضین کا قوت میں مساوی و برابر ہونا لازمی ہے اور راجح کے بالمقابل مرجوح ساقط و متروک ہوتا ہے۔ اور مرجوح میں تاویل کرنا مناسب اور تقاضائے ادب کے مطابق ہے۔ یہی اصول عبارت بحر الرائق۔ لو تزوج بشهادة الله و رسوله الخ میں دیابنہ کیوں نہیں اپناتے۔ حضور مفتی اعظم کا رد بلیغ ان ہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

"جب طائفہ کے استاد جی کو بھی یہ مسلم ہے کہ ایسی جگہ تاویل مناسب کرنی چاہیے تو لازم تھا کہ بحر وغیرہا کی ایسی عبارت میں یہ سمجھتا کہ ان کی مراد علم ذاتی ہے نہ کہ اس عبارت کو قرآن و حدیث کے رد کے لیے لے دوڑا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ کیا یہ علمائے دین کے ائمہ جن کی وسعت نظر ہم جیسوں کے حسابوں سے بے انتہا۔ جس کی حد تک وہاں مرغ وہم پرواز نہ کرسکے، تو یہ کیا کوئی سلیم الحواس ادنیٰ عالم بھی ان آیات و احادیث پر جس کی نظر ہو وہ مطلقاً انکار علم غیب برائے انبیا کرسکے گا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ کیا کسی ادنیٰ سے ادنیٰ عقل والے کو یہ وہم ہوسکتا ہے کہ یہ ائمہ ان آیات و احادیث پر نظر رکھتے تھے اور یہ اعتقاد بھی رکھتے تھے کہ انبیائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبریں دیں انہیں غیوب پر مطلع تو فرمایا وہ ایسے امور سے واقف تو تھے جن کا بداہت عقل انکشاف کرے جو کسی طرح حواس سے معلوم نہ ہوسکیں جن تک مرغ عقل کتنا ہی اڑے ہرگز نہ پہونچ سکے، جو بے اعلام الٰہی معلوم نہ ہوسکیں مگر اسے علم غیب کہنا جائز نہ رکھتے تھے۔ اسے علم غیب اعتقاد کرنے کو کفر ٹھہراتے تھے باوجودیکہ اللہ عزوجل نے اسے غیب ہی فرمایا۔"

حضور مفتی اعظم نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ دیوبندی، وہابی کے عقیدہ کو معتزلیوں کے عقیدۂ انکار علم غیب سے ملا کر بتایا کہ جس طرح معتزلہ حنفی ہونے کے مدعی تھے۔ اسی طرح دیوبندی وہابی۔ بحر الرائق والی عبارت کسی معتزلی نے ٹھونس دی ہوگی اور بعد میں بھی یہ

نقل در نقل چلتا رہا اور بطور حسن ظن اس عبارت کی نقل میں علم غیب ذاتی کی نفی والی تاویل بنیاد قرار دی جائے گی۔ پھر اقوال ائمہ و علماء مفسرین سے مسئلہ علم غیب کو ایسا مبرہن فرمایا ہے کہ اہل سنت کی آنکھیں روشن ہو جائیں، دل خوشی سے جھوم اٹھیں۔ اور اہل علم یہ کہنے میں تامل نہ کریں کہ

لیس علی اللہ بمستنکر　　ان یجمع العالم فی واحد

نماز کے بعد انحراف کا مسئلہ: صحیح و درست فتویٰ دینے کے لیے غیر معمولی بصیرت اور نصوص و اقوال ائمہ و فقہا کا گہری نظر سے مطالعہ و جائزہ ضروری ہے۔ نماز پوری ہونے کے بعد امام کے قبلہ رو سے انحراف کے تعلق سے ایک غلط فتویٰ کا رد بلیغ فرماتے ہوئے حضور مفتی اعظم رقم طراز ہیں:

"نماز کے بعد انحراف چاہیے، خواہ جنوبا کرے خواہ شمالاً، اور اگر شمالاً یا جنوبا انحراف کا موقع نہ ہو تو قبلہ کو پشت کرے، اور نمازیوں کی طرف منہ کرے، حالت صلاۃ میں تو بوجہ استقبال قبلہ نمازیوں کی طرف پشت بہ مجبوری تھی۔ اب جب کہ نماز سے فارغ ہو چکے تو نمازیوں کی طرف پشت نہ ہونی چاہیے۔ لہٰذا انحراف کرے، اور ہر بات میں تیامن مستحب ہے۔ تو شمالاً انحراف احب ہے۔ اور جائز جنوبا و شرقاً بھی ہے۔ خود حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بعد انصراف انحراف احادیث میں موجود، اور عن یمینہ و عن یسارہ بھی۔ اور حضور کی تیامن کے ساتھ محبت اور اس کا اعتاد کسے معلوم نہیں۔ اور اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ لوگ انحراف عن یمین ہی کو حق اور اس کے سوا کو نا جائز نہ جاننے لگیں قولاً و فعلاً تنبیہ بھی فرمائی......

تو وہ جس نے دکھن کی جانب اور پورب کی طرف ہی وقت دعا منہ کرنے کو حق جانا اور کو نا جائز بل کہ گمراہی کہا، وہ اپنا حکم خود کہے، اس نے غلط و باطل فتویٰ دیا یا نہیں؟ اللہ اکبر، بوجہ محبت تیامن و اعتیاد تیامن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تنبیہ کے لیے انحراف عن یسارہ بھی فرمائیں اور انحراف عن یمینہ ہی کو حق جاننے اور انحراف عن یسارہ کو نا جائز ماننے سے نہی ارشاد بھی فرمائیں اور یہ حضور کے محبوب انصراف عن یمینہ ہی کو نہ صرف نا جائز بل کہ گمراہی بتائے تمام بزرگوں کو گمراہ ٹھہرائے اب بتائیے کہ وہ بہ حکم حدیث من افتی بغیر علم لعنتہ ملائکۃ السموات والارض۔ (کنز العمال حدیث ۲۹۰۱۸ بیت الافکار الدولیہ، الریاض) ملعون ملائکہ آسمان و زمین ہوا یا نہیں؟ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک سارے بزرگوں کو گمراہ ٹھہرایا یا نہیں؟

لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اس پر تو بہ لازم اگر توبہ نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز سے سخت احتراز لازم و توبہ کے ساتھ تجدید ایمان و تجدید نکاح بھی کرے۔ واللہ الموفق و ہو تعالیٰ اعلم و علمہ اتم۔ (فتاویٰ مصطفویہ، جلد اول ص ۱۷۳)

وقف مشاع کا مسئلہ:

زمین مشاع قابل تقسیم کا وقف صحیح ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں متقدمین فقہا اور متاخرین فقہا کے مابین اختلاف ہے۔ فقہائے متقدمین وقف مشاع محتمل تقسیم کو جائز و صحیح نہیں مانتے۔ متقدمین کے مسلک کے سہارے کچھ لوگوں نے ایک معاملے میں وقف مشاع کو باطل ٹھہرانے کی سعی کی۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ سے استفتا ہوا آپ نے ایسے لوگوں کا رد کرتے ہوئے دلائل اور حوالوں کی روشنی میں

واضح فرمایا کہ متاخرین کے نزدیک "وقف مشاع" درست ہے اور یہی قول مفتی بہ و مختار ہے۔ لہٰذا وقف مشاع کو باطل ٹھہرانے کی راہ نکالنا غلط ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"صحت وقف مشاع محتمل القسمہ مختلف فیہ ہے۔ ہر دو جانب فتویٰ ہے۔ امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی صحت کے قائل ہیں۔ امام محمد عدم صحت کے۔ مشائخ بخارا کا ماخوذ قول امام محمد ہے اور سراجیہ میں اس پر فتویٰ بتایا ہے۔ مگر متاخرین قول امام ابو یوسف اختیار کرتے ہیں۔ اور جواز کا فتویٰ دیتے ہیں...... اب کہ مختار قول امام ابو یوسف ہے مشاع محتمل قسمت کا وقف جائز ہے۔ یہی ماننا ہوگا الخ۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۴۰۲)

محض تحفظ اسلام و مطالبۂ حقوق مسلمین والی مشترکہ انجمن میں شرکت کا مسئلہ :

جہاں کفار و مشرکین حکمراں ہوں اور غیر مسلموں کی جانب سے جان و مال عزت و آبرو وغیرہ کا خطرہ ہو۔ غیر مسلم مسلمانوں کے حقوق کو مختلف طریقوں سے پامال کر رہے ہوں، اگر ایسی جگہ مذہبی امور سے قطع نظر محض تحفظِ اسلام و صیانت حقوق مسلمین کے لیے ایک ایسی انجمن ہو جس میں ہر فرقے کے لوگ ہوں تو اس میں کسی سنی صحیح العقیدہ و راسخ الاعتقاد کی شرکت شرعاً کیسی ہے؟ اس طرح کا سوال آج کل عموماً کیا جاتا ہے۔ کچھ اسی قسم کا ایک استفتا گجرات سے کسی صاحب نے حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے پاس بھیجا تھا۔ آپ نے مختصر مگر جامع جواب رقم فرمایا استفتا و جواب دونوں ذیل میں نقل کیے جا رہے ہیں:

مسئلہ: ریاست بڑودہ کے اندر مسلمانان بڑودہ راج کانفرنس نامی ایک انجمن واسطے حقوق طلبی و تحفظ اسلام قائم کی ہوئی ہے۔ یہ انجمن بیچ کوئی مذہبی امور کے دخل کرنے کے واسطے نہیں ہے، صرف یہاں کے ہنود راجہ و ہنود رعایا کے سامنے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا کام کرنے والی ہے، اس لیے اس میں بلا قید ہر فرقے کے کلمہ گو شامل ہو سکتے ہیں۔ کیا اس انجمن میں سنی حنفی مسلمانوں کو شریک ہونا جائز ہے؟ بینوا و توجروا۔

الجواب: اس کانفرنس میں شرکت برائے تحفظ حقوق اہل سنت بمقابلۂ فرق باطلہ و تحفظ حقوق اسلام بمقابلۂ اعداء اسلام ضروری ہے۔ فرق باطلہ کے ساتھ وہ مجالست ناجائز و حرام ہے جو بر بنائے محبت و موالات ہو۔ نیز وہ جو بے ضرورت و حاجت و مصلحت شرعیہ ہو، نہ وہ جو برائے تبلیغ درد ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۴۵۸)

قول امام ابو یوسف پر عمل سے آدمی حنفیت سے خارج ہو جاتا ہے یا نہیں؟ :

ایک اصولی استفتا حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ سے کیا گیا کہ وقائع و حوادث تو بہت ہیں۔ اگر کسی مسئلے میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نہ ملے یا اختلافی مسائل میں امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے قول پر عمل کرے تو کیا اس کی وجہ سے وہ حنفیت سے خارج ہو جائے گا؟ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے ٹھوس دلیلوں کے ذریعہ بیان فرمایا کہ وہ حنفیت سے خارج نہ ہوگا۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا مقلد رہے گا۔ آپ رقم فرماتے ہیں:

"قول امام ابو یوسف یا قول امام محمد یا ان کے سوا امام زفر وغیرہ تلامذہ حضور امام الائمہ کاشف الغمہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عمل سے حنفی، یوسفی یا زفری وغیرہ نہ ہو جائے گا کہ مذہب نہیں مگر امام اعظم کا ان کے اقوال امام اعظم ہی کے اقوال ہیں۔ جو جس سے مروی ہوا اس کی طرف منسوب ہوا، جس مسئلہ میں امام کا کوئی قول نہیں ملتا امام ابو یوسف

مضطرب ہوتے اور حیران رہتے خود ان سے یہ منقول ہوا:

ہر وہ امر جس میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی قول مروی نہ ہوا قیامت تک مضطرب ہی رہے گا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت ہوا کہ وہ بعض مسائل میں مضطرب وحیران و پریشان ہوتے اور فرمایا کرتے ہر وہ مسئلہ جس میں ہمارے شیخ کا کوئی قول نہیں ہمارا اس میں یہی حال ہے۔ ایسی جگہ بھی یہ امام ابو یوسف یا امام کے اصحاب سے کوئی صاحب جو فرمائیں وہ بھی امام ہی کا ارشاد ہے کہ یہ جو کچھ فرماتے ہیں آخر انھیں اصول وقواعد سے جن پر امام اعظم کے مذہب کی بنا ہے۔ یہ حادثہ اگر امام اعظم کے عہد میں حدوث پاتا امام کے حضور پیش ہوتا انھیں اصول سے امام کا بھی ہر ارشاد ہوتا قول دو طرح کا ہوتا ہے۔ صوری وضروری، صوری وہ جو مقول منقول ہو، ضروری وہ جس کا قائل نصاً قائل نہیں لیکن ضمناً ضرور قائل ہے۔'' (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۴۷۰)

ایمرجنسی دور میں نسبندی کی حرمت کا بے لاگ فتویٰ :

ایمرجنسی دور کے یادگار فتویٰ کو مقررین نے بے تکے انداز میں بیان کر کے اس کی معنوی خوبیوں پر پردے ڈال دیے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حق گوئی و بے باکی کے علاوہ اس فتویٰ کی معنوی حیثیت بہت اہم ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ۷۷-۱۹۷۶ء میں ایمرجنسی نافذ ہوئی اس دور میں حکومت نے نسبندی کا جبری قانون نافذ کیا۔ لوگ سخت اضطراب، بے چینی، بے یقینی، خوف اور گھٹن محسوس کر رہے تھے۔ کانگریسی مفتیوں کے فتویٰ جواز کی وجہ سے حکومت نے نسبندی کے عمل میں مزید شدت پیدا کر دی تھی۔ ایسے حوصلہ شکن ماحول میں ایک درویش صفت مفتی نے بے لاگ فتویٰ دے کر حکم شرعی سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ اور یہ چند وجوہ اسے حرام قرار دے کر حکومت کے عزم و استقلال میں زلزلہ پیدا کر دیا۔ فتویٰ میں حضور مفتی اعظم نے نسبندی کے حرام ہونے کی جو وجہیں تحریر کی ہیں۔ وہ بہت اہم ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علیہ الرحمۃ کی نظر کتنی دقیق تھی۔ آپ نے نس بندی کے حرام ہونے پر جو وجہیں ذکر فرمائی ہیں۔ میں یہاں صرف انھیں پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۱) نسبندی میں اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو بدلنا ہے۔ جو قرآن وحدیث کی نص سے ناجائز وحرام ہے۔

(۲) اس میں بے وجہ شرعی ایک نس اور عضو کاٹا جاتا ہے۔

(۳) نسبندی میں بے ضرورت شرعی دوسرے کے سامنے ستر وہ بھی غلیظہ ستر کھولا جاتا ہے۔

(۴) ستر غلیظہ ستر کو اس میں چھوا جاتا ہے۔

(۵) قاطع توالد ہونے کی وجہ سے معنی خصا (خصی ہونا) میں ہے۔ اور یہ نص قرآن وحدیث سے حرام ہے

(۶) کثرت اولاد کو مفلسی کا باعث سمجھنا بھی وجہ منع ہے۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۵۳۱)

درجہ بالا وجوہ سے نس بندی کے حرام ہونے کا فتویٰ صادر ہوا۔ وہ بھی ایسے وقت میں جب فتویٰ دینا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ سچ کہا ہے کسی نے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

مفتی اعظم کی طرف بعض فتوے کا غلط انتساب :

کچھ لوگوں نے جوش عقیدت میں بعض بے بنیاد فتوے کا انتساب حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی طرف کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں اسٹیج کے مقررین نے زیادہ چرب زبانی دکھائی ہے اور اس پر غور وفکر نہیں کیا ہے کہ منسوب فتوے کی تہہ سے کیسی کیسی بوالعجبیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ ۲۷/۲۸ رتاریخ کو چاند کی رویت کا مسئلہ بھی انھیں منسوب فتاویٰ میں سے ایک ہے۔ چند سال قبل راقم الحروف نے "تذکرہ مشائخ قادریہ" کے مصنف اور بعض دیگر علما کو اس فتویٰ سے متعلق خط تحریر کیا تھا کہ اس فتویٰ کا اصل ماخذ کیا ہے؟ میرا یہ مطالبہ آج بھی باقی ہے۔ مجھے کہیں سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ بہر حال اس تعلق سے خواجہ علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب مدظلہ العالی اور فقیر راقم الحروف نے بہت تفصیل سے مقالے تحریر کیے ہیں۔ جو "ماہنامہ اشرفیہ" اور "ماہنامہ کنز الایمان" میں طبع ہوئے ہیں اور ہیئت وشریعت کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ۲۷/۲۸ رتاریخوں میں چاند اور سورج کے درمیان اتنی دوری نہیں ہوتی کہ چاند قابل رویت ہو سکے۔ بلفظ دیگر ان تاریخوں میں چاند کا دیکھنا نا ممکن ہے۔

اسی طرح بعض مقالے میں ایسا فتویٰ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی طرف صراحۃً منسوب دیکھا گیا جو فتویٰ یعنی فتوے کے الفاظ مفتی اعظم کے نہیں، بل کہ مفتی افضل حسین علیہ الرحمۃ یا کسی دوسرے عالم ومفتی کے ہیں۔ ہاں مفتی اعظم کی ان فتاویٰ پر تصدیق موجود ہے۔

ظاہر ہے کہ فتویٰ کی تصدیق کا مطلب حکم پر مہر تصدیق ثبت کرنا ہے۔ نہ کہ الفاظ فتویٰ واسلوب فتویٰ کو بعینہ الفاظ واسلوب مصدق بتانا۔ ہر مفتی کا اپنا اپنا اسلوب بیان ہوتا ہے۔ حضور مفتی اعظم کا اسلوب بیان نرالا تھا، ان کے فتاویٰ میں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے اسلوب نگارش کی بھرپور جھلک موجود ہے۔ اس لیے ایسے انتساب سے بھی گریز کیا جانا چاہیے۔

اس بات کا اعتراف ہے کہ زیر نظر عنوان کے لیے جو وقت درکار تھا وہ مجھے مل نہ سکا۔ مصروفیات کی بنیاد پر اطمینان سے لکھنا نصیب نہ ہوا۔ ورنہ اس بطل جلیل کے افتا میں مہارت کے ایسے مزید شواہد پیش کرتا کہ آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اور آنے والی نسل کے لیے فن افتا میں مشق وتمرین کے لیے نسخہ کیمیا اثر ثابت ہوتا۔ پھر بھی جو کچھ نقل کیا گیا ہے، اس سے بہت کچھ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے فیضان کرم وسحاب فقہ سے ہم پر بھی بارش برسائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

انتخاب از فتاویٰ مصطفویہ

فتویٰ کسے کہتے ہیں؟ فتاویٰ نویسی کی تعریف کیا ہے؟ اس کے اصول و آداب کیا ہے؟ اسے تفصیل کے ساتھ آپ چھٹویں باب میں پڑھ چکے ہیں۔ مگر یہ گوشہ آپ کی نظر سے اوجھل نہیں رہنا چاہیے کہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر فقیہ مفتی بھی ہو۔ ہاں ہر مفتی کے لیے فقیہ کا ہونا ضرور ضروری ہے، آسان لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ فقہ وفقاہت فہم شعور کی طاقت کا نام ہے، جبکہ فتویٰ نویسی قوت فیصلہ کے استحکام کا نام ہے، ایک شخص بے مثال علم وادراک کا حامل ہے مگر وقت پر اپنے علم سے فائدہ اٹھا کر صحیح فیصلے نہیں سنا سکتا، فتویٰ ثمر ہے، فقاہت شجر ہیں، شجر کس قدر تناور اور بار آور ہوگا، پھل اسی قدر شریں اور پختہ ہوتا۔ مفتی اعظم اپنے والد گرامی امام اہل سنت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جو فتاوے لکھے ہیں، آپ کے قوت فیصلہ اور ادراک واستحضار کا بین ثبوت ہیں۔ پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ پیش کیا گیا۔ علما سر دھن رہے ہیں اور مفتی اعظم کی بارگاہ میں آیا چٹکیوں میں حل کر دیا، آپ کے پہلے فتویٰ لکھنے کا واقع مشہور خلائق ہے، تاجدار اہل سنت، کرامت غوث اعظم، شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور سیدی سرکار مفتی اعظم شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری، نوری، برکاتی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلم حقیقت رقم نے پچاس سال تک مسلسل علم وعرفان اور فقہ وفتاویٰ کے وہ گوہر آبدار لٹائے جوان کی شان فقہاہت، تبحر علمی اور شان عظیم کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ الحاج محمد سعید نوری صاحب نے اپنے وسعت مطالعہ اور ذوق نظر کا ثبوت پیش کرتے ہوئے، فتاویٰ مصطفویہ سے منتخب فتاویٰ کا ایک خوبصورت گلدستہ پیش کیا ہے، یہ مشتے نمونہ از خروارے ہے، مفتی اعظم کے قلم ہزاروں فتاویٰ نکلے ہیں، افسوس کی ہماری موروثی کم سوادی کی وجہ سے ایک بڑا قیمتی ذخیرہ ضائع ہوگیا، لیکن جو کچھ بھی باقی رہ گیا ہے وہ ہماری نگاہ بصیرت کا سرمہ بننے کے لائق ہے، اس مجموعہ فتاویٰ کو معروف وجلیل القدر مفتی حضرت علامہ جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مرتب فرمایا ہے، تاہم ابھی اس کی ترتیب جدید کی ضرورت ہے، جس کا احساس تخریج عبارات کے دوران بار بار ہوا۔

معلوم ہوا ہے کہ علامہ مفتی مطیع الرحمان مضطر پورنوی اس کام کو پایہ تکمیل تک پہونچا چکے ہیں، خدا کرے کہ وہ جلد منظر عام پر آسکے تاکہ فتاویٰ مصطفویہ زیادہ زیادہ مفید ثابت ہوسکے۔ البتہ اس باب میں بعض مقالہ نگاروں نے فتاویٰ مصطفویہ کا موازنہ وامامت فتاویٰ رضویہ سے کرنے کی کوشش ہے، بلکہ بعض مقامات اس کے ہم پلہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔ جو کس اعتبار سے خود فتاویٰ رضویہ کی شہرت ومقبولیت کے لیے ضرر رسا ہے۔ اگر صاحب نظر دونوں کا تقابلی مطالعہ کرے تو دونوں کے درمیان واضح فرق محسوس کرے گا فتاویٰ مصطفویہ فتاویٰ رضویہ کا کا چربہ یا اس کی نقل در نقل نہیں جیسا کہ بعض تحریروں سے مترشح ہوتا ہے، فتاویٰ مصطفویہ کا اپنا اسلوب وانداز ہے اس کے اندر بعض خصوصیات وہ جو فتاویٰ رضویہ میں نہیں اور وہ ہے اس کا اختصار اور سہل انداز بیان۔ فتاویٰ رضویہ سے استفادہ علوام کے انتہائی مشکل ہے جبکہ فتاویٰ مصطفویہ اکثر مقامات میں ایسا نہیں ہم داد دیتے ہیں اور شکریہ ادا کرتے ہیں کرامت مفتی اعظم الحاج محمد سعید نوری کا جنھوں نے حسن و ذوق اور جذب دروں کا مکمل اظہار اس انتخاب میں کیا لیجیے۔ ذیل میں شامل فتاویٰ کی ایک فہرست ملاحظہ کرتے چلیں۔

فتاوائے حضور مفتی اعظم

انتخاب از فتاویٰ مصطفویہ

اسیر مفتی اعظم الحاج محمد سعید نوری
بانی وصدر رضا اکیڈمی، ممبئی

ماخوذ از فتاویٰ مصطفویہ، مرتبہ: فقیہ ملت علامہ مفتی محمد جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ۔
بانی دارالعلوم اہل سنت امجدیہ ارشد العلوم۔ ومرکز تربیت افتاء اوجھا گنج بستی
مطبوعہ: رضا اکیڈمی ۲۶ کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی۔ ۳

عقیدۂ علم غیب :

مسئلہ : زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب کو نہیں جانتے تھے اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ بحرالرائق جلد سوم ص ۳ مطبوعہ مصر میں ہے: وفی الخانیة والخلاصة لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد ويكفر لاعتقاده ان النبی صلی الله علیه وسلم یعلم الغیب اه اور ایسا ہی بزازیہ میں ہے۔ جواب شافی بالدلیل مرحمت فرمائے جاویں۔ بینوا توجروا۔

الجواب : زید بے قید، ازکر وکید بدترین وہابی لعین ہے، اس کا حضور پرنور شافع یوم النشور، ایمان جان، جان ایمان، عالم ما یکون وما کان سرور عالم و عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب سے مطلقاً انکار کفر مبین ہے۔ قرآن عظیم کی آیات باہرہ کثیرہ سے اظہار ہے۔ قرآن عظیم کا ارشاد کریم ہے تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ۔ (سورۂ ہود آیت۔ ۴۹) یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم تمہاری طرف وحی فرماتے ہیں اور وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ۔ (سورۂ تکویر آیت۔ ۲۴) یہ نبی غیب کی باتیں بتانے پر بخیل نہیں۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ (سورۂ آل عمران آیت۔۱۷۹) اللہ اس لیے نہیں کہ اے عامۃ الناس خود تمہیں غیب پر مطلع فرمادے اور لیکن اللہ (اس کے لیے) چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے اور لا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَداً اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (سورۂ جن آیت۔۲۶) خدا کسی کو غیب پر مسلط نہیں فرماتا مگر رسول مرتضٰی کو ۔اور عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً۔ (سورۂ نساء آیت۔۱۱۳) خدا نے سکھادیا تمہیں جو کچھ تم نہیں جانتے تھے (غیب وشہادت سے) اور اللہ کا تم پر فضل عظیم ہے اور وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَاناً لِّكُلِّ شَيْئٍ (سورۂ نحل آیت۔۸۹) ہم نے یہ کتاب تم پر اتاری ہر شئی کے روشن تر بیان کو اور وَهُوَ بِكُلِّ شَيْئٍ عَلِيْم۔ (سورۂ حدید آیت۔۳) وہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہر شئی کے علیم ہیں اور يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ۔ (سورۂ بقرہ آیت۔۲۵۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں مابین ایدیہم وما خلفہم کو۔اور عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ اللہ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سکھادیا جو وہ نہ جانتے تھے۔وغیرہا آیات شریفہ اس لعین کا یہ ملعون انکار احادیث شریفہ کثیرہ بشیرہ شہیرہ کا انکار ہے۔

حدیث میں ہے ان الله قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیها والی ما هو كائن فیها الی یوم القیامة كانما انظر الی كفی هذه۔ بے شک اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا اٹھائی (میرے پیش نظر فرمادی) تو میں اسے اور جو کچھ اس میں روز قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس کف دست مقدس کو اور حدیث میں ہے اخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اهل الجنة منازلهم و اهل النار منازلهم (بخاری، مشکوٰۃ، ص۵۰۶) ہمیں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابتدائے آفرینش سے جنتیوں کے اور جہنمیوں کے اپنے اپنے منازل میں داخل ہونے تک کی خبر دی۔اور حدیث میں ہے۔ان الله زوی لی الارض فرأیت مشارقها و مغاربها (مشکوٰۃ، ص۵۱۲) تحقیق اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو ملاحظہ فرمالیا۔اور حدیث میں ہے تجلی لی كل شئی و عرفت (مشکوٰۃ ص۷۲) ہر چیز مجھ پر روشن ہوئی اور میں نے پہچان لی ۔اور حدیث میں ہے علمت ما فی السموات والارض (مشکوٰۃ ص۷۰) میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔اور حدیث میں ہے قطرت فی حلقی قطرة فعلمت ما كان وما یكون ۔میرے حلق میں ایک قطرہ ٹپکایا گیا تو میں نے جان لیا ما کان وما یکون کو (جو کچھ ہوگیا اور جو کچھ ہونے والا ہے سب کو) اور حدیث میں ہے۔ما من شئی كنت لم اره الا وقد رایته فی مقامی هذا حتی الجنة والنار۔ اور حدیث میں ہے۔تجلی لی ما بین السماء والارض اور حدیث میں ہے۔علمت مابین المشرق والمغرب اور حدیث میں ہے۔اخبرنا بما كان وبما هو كائن فاعلمنا احفظنا۔(مسلم جلد ۲، ص۳۹۰)

اللہ عزوجل بار بار ارشاد فرمائے ہم نے رسول کو غیب کی خبریں دیں۔ہم نے رسول مجتبیٰ کو غیب پر مطلع فرمایا۔رسول مرتضٰی کو غیب پر مسلط کردیا اور رسول کو سکھادیا جو کچھ وہ نہ جانتے تھے۔اور ان پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔ہم نے رسول پر وہ کتاب اتاری جو ہر شئی کا روشن بیان ہے۔ہمارا رسول ہر شئی کا علیم ہے۔ہمارا رسول مابین ایدیہم (ابتدائے آفرینش سے) اور ما خلفہم (روز آخر تک) جانتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہم وسلم بارہا اعلان سے فرمائیں۔میں اپنی کف دست مبارک کی طرح دنیا و مافیہا تا روز قیامت سب کو دیکھ رہا ہوں۔میں جو کچھ آسمانوں زمینوں میں ہے سب کو جانتا ہوں۔میں ہر شئی کو پہچانتا ہوں ہر شئی مجھ پر روشن ہوگئی ہے۔کوئی چیز جو میری دیکھی نہ تھی وہ ایسی باقی نہ رہی جو میں نے اس مقام میں دیکھ نہ لی۔جو کچھ مشرق ومغرب میں ہے سب کو میں نے جان لیا۔مگر بے ایمان وہابی نہ رسول کے فرمانے پر یقین لاتا ہے نہ خدا کے ارشاد پر ایمان۔وہ کافر دونوں سے کفر کرتا ہے اور بکے جاتا ہے کہ رسول غیب کو نہیں جانتے تھے۔اور بے ایمانی اور

دھوکے اور فریب سے ان نصوص کو اپنی برہان بناتا ہے جن میں علم ذاتی مراد ہے۔اس سے کہو کہ بے ایمان عبارت میں "الغیب" سے مراد علم ذاتی ہے۔اور یہ تیری سمجھ میں نہیں آتا تو اسے بھی مطلقاً علم غیب کا انکار سمجھتا ہے۔تو تو بکر پر ایمان رکھتا ہے مگر رسول کے فرمان اور اللہ عزوجل کے قرآن کا منکر ہے۔اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد و فرمان کے آگے بکر کی عبارت پیش کرنا اس کے بھروسہ رسول کے علم سے مطلقاً انکار کرنا یہ تیرے ہی جیسے بے حیا بے ایمان کا ملعون کام ہے۔اے لعین تو ان ملعون منافقوں کی طرح قرآنی فتوے سے کافر ہے جنھوں نے بکا تھا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں فلاں کا ناقہ فلاں وادی میں ہے اور انھیں غیب کی کیا خبر؟ وہ غیب کیا جانے؟ اور پھر منکر ہو گئے اور جھوٹے بہانے بتانے لگے جس پر قرآن عظیم کا وہ قہری فتویٰ نازل ہوا اور جتادیا گیا۔وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ۔(سورہ توبہ آیت ۶۵)

منافقوں نے بھی تو یہی بکا تھا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے۔وہ غیب کیا جانیں؟ انھیں غیب کی کیا خبر؟ اسی پر تو قرآن عظیم نے فرمایا کہ تم اللہ اور قرآن اور رسول کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہو۔اسی پر تو واحد قہار نے ان کے جھوٹے حیلے بہانوں کو کہ ہم تو یونہی ہنس بول رہے تھے۔فرمایا کہ جھوٹے بہانے نہ بناؤ۔بے شک تم کافر ہو چکے بعد (اظہار) ایمان کے۔ امنا باللہ الرحمن و رسولہ والقرآن ۔ہم مسلمان آیات قرآن واحادیث نبی ذی شان پر ایمان رکھنے والے باجماع قرآن اس وہابی بے ایمان کے کفر پر حکم کرتے ہیں۔جس نے کہا رسول غیب کو نہیں جانتے تھے۔اور جس نے لکھا یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو علم غیب تھا صریح شرک ہے۔(فتاویٰ رشیدیہ حصہ ۲،ص ۱۰) اور بکا کہ دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں (براہین قاطعہ ص ۵۱) اور بک دیا کوئی شخص کسی سے کہے کہ فلاں درخت میں کتنے پتے ہیں تو اس کے جواب میں یہ نہ کہے کہ اللہ ورسول ہی جانے کیوں کہ غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے رسول کو کیا خبر (تقویۃ الایمان ص ۶۶) اور لکھا کسی انبیا اولیا یا امام یا شہیدوں کی جناب میں ہرگز یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ غیب کی بات جانتے ہیں بل کہ حضرت پیغمبر صاحب کی جناب میں بھی یہ عقیدہ نہ رکھے (تقویۃ الایمان ص ۳۰) اور لکھا جو کہتے ہیں کہ علم غیب بجمیع اشیاء آنحضرت کو ذاتی نہیں بل کہ اللہ کا عطا کیا ہوا ہے۔سو محض باطل اور خرافات سے ہے۔(فتاویٰ رشیدیہ جلد ۳،ص ۳۶) اور لکھ دیا جو کچھ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں خواہ قبر میں اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں نہ نبی کو نہ ولی کو نہ اپنا حال نہ دوسرے کا (تقویۃ الایمان ص ۳۱) اور لکھا اللہ کا سا علم اور ثابت کرنا سو اس عقیدہ سے آدمی البتہ مشرک ہو جاتا ہے۔خواہ یہ عقیدہ انبیا اولیا سے رکھے،خواہ پیر و شہید سے،خواہ امام امام زادے،سے خواہ بھوت و پری سے۔پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے خواہ اللہ کے دینے سے غرض اس عقیدہ سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔(تقویۃ الایمان ص ۱۰) اور ہر چہار ائمہ مذاہب اور جملہ علما پر افترا کرتے ہوئے بکا اس میں ہر چہار ائمہ مذاہب و جملہ علما متفق ہیں کہ انبیاء علیہم السلام غیب پر مطلع نہیں۔(مسئلہ علم غیب ص ۲) غیب کی بات اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا نہ فرشتہ نہ آدمی نہ جن (تقویۃ الایمان)

اللہ،اللہ۔اللہ عزوجل اپنے حبیب ومحبوب،طالب ومطلوب،دانائے غیوب کو علم غیب عطا فرمائے،اور اپنی کتاب مجید میں اس عطا کا اعلان فرما دے اور جو ملعون یہ بکے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) غیب کیا جانیں؟ اس کے کفر کا وہ قہری فتویٰ دے،حضور علیہ الصلاۃ والسلام بار بار برسر مجالس خطبات میں اپنے رب کے اس عظیم نعمت کا اظہار فرمائیں اور طاعنین کا رد علی رؤس الاشہاد ارشاد فرمائیں۔حدیث میں ہے قام علی المنبر فحمد اللہ و اثنی علیہ ثم قال ما بال اقوام طعنوا فی علمی لا تسئلونی عن شیئ فیما

بینکم و بین الساعة الا نبأتکم به ۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام من ربہ العزیز الودود الغفور نے منبر مقدس پر قیام فرمایا۔ اللہ عزوجل کی حمد وثنا بیان فرمائی پھر فرمایا کیا حال ہے ان اقوام کا جو میرے علم شریف میں طعن کرتی ہیں؟ تم مجھ سے نہ پوچھو گے کسی شی کو جو تمھارے اور قیامت کے درمیان ہے مگر یہ کہ میں تمھیں اس سے خبردار فرمادوں گا۔ مگر وہابی مردود، منافق مطرود کی طرح یہی بکے جائے کہ انھیں غیب کی کیا خبر؟ وہ علم غیب کیا جانیں؟ رسول غیب نہیں جانتے تھے...قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ (سورہ توبہ آیت ۳۰)

آیات واحادیث جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے علم غیب کا ثبوت ہے اور بھی ہیں مگر وہابیہ کے دس انکار کے مقابل دس دس آیات واحادیث پر بس کریں۔ مشہور ہے الغریق یتشبث بالحشیش ڈوبتا سوار پکڑتا ہے۔ بے ایمان وہابی جب بحر کفر میں غوطے کھانے لگا اور قعر کفر میں ڈوبا تو بچاؤ کے لیے بحر الرائق کی اس عبارت کو پکڑا۔ اس مرجوح قول سے سہارا لیا جس کا غیر صحیح ہونا بالکل واضح اور آشکار اور وہابیہ دیوبندیہ کا گرو مان چکا کہ" شرائط تعارض سے تساوی فی القوۃ ہے پس جواب میں اتنا کافی ہے کہ راجح کے سامنے ساقط و متروک ہے اور ادب یہ ہے کہ مرجوح میں تاویل مناسب کی جائے۔ (بسط البنان) اس مرجوح قول میں مناسب تاویل نہ کرنے والا اسے اپنی سند بنانے والا بے ادب گستاخ ہے۔ ساقط ومتروک و مرجوح کو قرآن وحدیث کے نصوص کے رد کے لیے پکڑنے والا ہے اور اپنے ساتھ کفر کے گڑھے میں صاحب بحر کو بھی ڈبا دینے والا ہے اور طائفہ کے گرو گھنٹال کی معقول بات کو بھی رد کر دینے والا ہے۔

جب طائفہ کے استاد جی کو بھی یہ مسلم ہے کہ ایسی جگہ تاویل مناسب کرنی چاہیے تو لازم تھا کہ بحر وغیرہ علما کی ایسی عبارت میں یہ سمجھتا کہ ان کی مراد علم ذاتی ہے نہ کہ اس عبارت کو قرآن وحدیث کے رد کے لیے لے دوڑا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ ۔ کیا یہ علمائے دین کے ائمہ جن کی وسعت نظر ہم جیسوں کے حسابوں سے بے انتہا۔ جس کی حد تک ہمارا مرغ وہم بھی پرواز نہ کر سکے تو یہ کیا کوئی سلیم الحواس ادنیٰ عالم بھی ان آیات واحادیث پر جس کی نظر ہو وہ مطلقاً انکار علم غیب برائے انبیا کر سکے گا۔ لاالہ الا اللہ امنا برسول اللہ ۔ کیا کسی ادنیٰ سے ادنیٰ عقل والے کو یہ وہم ہو سکتا ہے کہ یہ اکابر ان آیات واحادیث پر نظر نہ رکھتے تھے اور یہ اعتقاد بھی رکھتے تھے کہ انبیائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبریں تو دیں، انھیں غیوب پر مطلع تو فرمایا، وہ ایسے امور سے واقف تو تھے، جن کا بداہت عقل اقتضانہ کرے، جو کسی طرح حواس سے معلوم نہ ہو سکیں، جس تک مرغ عقل کتنا ہی اڑے ہرگز نہ پہنچ سکے، جو بے اعلام الٰہی معلوم نہ ہو سکیں مگر اسے علم غیب کہنا جائز نہ رکھتے تھے۔ اسے علم غیب اعتقاد کرنے کو کفر ٹھہراتے تھے باوجودیکہ اللہ عزوجل نے اسے غیب ہی فرمایا۔

اور عقلاً بھی یہ ظاہر ہے کہ وہ امور غیب جن کا علم خدا نے بخشا غائب سے حاضر نہ ہو گئے ۔ علم بخشا نہ کہ غائب کو حاضر اور جو ہو چکا اور جو ابھی تک نہ ہوا اسے زمانہ حال میں موجود کر دیا۔ ماکان ومایکون کو معلوم ومشہود فرمادیا نہ کہ خارج میں حاضر وموجود۔ اور ہر کس وناکس کے لیے مشہود۔ تو علم غیب عطا فرمانے سے غیب غیب ہی رہا شہادت نہ ہو گیا۔ اور اپنے حبیب عالم کے لیے معلوم فرمادینے اور اپنے محبوب شاہد کے لیے مشہود کر دینے سے غیب شہادت ہو گیا، غیب باقی نہ رہا۔ یہ کہا جائے تو کیا معاذ اللہ یہ جہلا یہ بھی کہیں گے کہ خدا کو بھی غیب نہیں کہ وہاں تو سب شہادت ہی ہے، اس سے کوئی شی غائب نہیں۔ شہادت وہ ہے جو حواس سے معلوم ہو سکے۔ وہ موجود کہ ہر ایک کے لیے مشہود ہو سکے۔ یہ بھی بہ عطائے الٰہی ہے اوروں کے لیے۔ ایک ذرہ شہادت کا علم بے عطا بھی دوسرے کو ناممکن۔ جس طرح علم غیب کے ساتھ اللہ تعالیٰ منفرد ہے یونہی علم شہادت کے ساتھ جس طرح علم غیب اس کی صفت ہے یونہی علم شہادت۔ قال تعالیٰ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ (سورہ رعد آیت ۹) اور غیب وہ ہے جو بے اعلام الٰہی معلوم نہ ہو سکے جس تک حواس وعقل کی رسائی کسی طرح بے تعلیم الٰہی نہ ہو سکے جو ذاتی طور پر خدا ہی کو ہے اور اس کی عطا سے اس کے محبوبوں کو ہوتا ہے ہر اک کو نہیں ہوتا۔

مختصر یہ کہ شہادت وہ جو ہر اک کے لیے عقل وحواس سے ظاہر فرمادیا ہے اور غیب جو اس کے ساتھ خاص ہے۔ اپنے محبوبوں کو اس سے جتنا جتنا چاہا بخشا ہے اور ان کو نہیں دیا ہے حواس سے معلوم کر لینے پر قادر نہیں کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ غیر خدا کے لیے مطلقاً انکار غیب یہ عقیدہ باطلہ بعض معتزلہ ہے اور یہ وہابیوں ہی کا اب سے پہلا نام ہے۔ اس سے پہلا نام اس طائفہ باطلہ کا خارجی تھا۔ جیسے اب دیوبندی وہابی اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں اور نجدی وہابی اپنے آپ کو حنبلی بتاتے ہیں۔ دیوبندی فقہ حنفی میں کتابیں لکھتے اور اس میں اپنے مذہب کی رعایت کرتے ہوئے مسائل ٹھونسے ہیں۔ یونہی معتزلی اپنے آپ کو حنفی کہا کرتے اور فقہ حنفی میں تصنیف کیا کرتے اور اس میں اپنے مذہب اعتزال کی رعایت کرتے ہوئے بعض مسائل ٹھونس دیا کرتے تھے۔ انھیں مسائل سے یہ مسئلہ بھی ہے بعض نے اسے اخذ کیا اور ان کے ساتھ حسن ظن یہی ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اس سے علم ذاتی مراد لیا۔ پھر ان حضرات صاحب بحر وغیرہ نے بھی یہی سمجھتے ہوئے اپنی تصانیف میں نقل کیا۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض جامع اقوال ہر گونہ اقوال نقل کرتا ہے مثلاً مجمع الانہر میں لکھا کہ لو شتم حیوانا ماکول اللحم بکلمة الجماع یکفر (مجمع الانہر میرے پاس اس وقت نہیں اور میسر بھی نہیں آ سکتی یاد پر یہ عبارت لکھی ہے ممکن ہے کہ عبارت میں کچھ فرق ہو) پھر اس سے اوروں نے نقل کیا اور ایسا ہوتا ہے تو بعض کا نقل کردہ قول جب کہ اس میں مطلقاً انکار علم غیب مراد ہو جو معتزلہ کے عقیدہ باطلہ کے موافق ہے یا اس کا اپنا سہی جب کہ وہ حنفی ہو معتزلی نہ ہو، اس نے ذاتی مراد لیا ہو۔ اسے دیکھنا اور اسے عطائی پر ڈھالنا اور اکابر علا جہابذۂ ائمہ کا اس قول کے ضعف و مرجوحیت کا جو اشعار فرمایا اسے دیکھ کر ان دیکھا کر لینا کس درجہ حیاداری ہے؟ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔ نیز اس سے بھی وہابی کا نظر چرانا بل کہ بعض خبثائے وہابیہ کا اس اشعار ذاتی کو بھی مطلقاً انکار کی سند ٹھہرانا کس قدر ڈھٹائی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

مسئلہ تو صرف اتنا تھا کہ اگر کوئی شخص شہادت خدا اور سول سے نکاح کرے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا کہ شرط انعقاد نکاح گواہوں کا ہونا ہے حدیث میں ہے۔ لا نکاح الا بشهود۔ (جامع ترمذی اول، ص ۲۶۰) مسلمان کے نکاح میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کا حضور شرط ہے جو عاقل بالغ ہوں اور یہ سمجھیں کہ نکاح ہو رہا ہے، وہ کون سا نکاح ہے جو خدا سے غائب ہو؟ اگر محض خدا سے شہادت سے نکاح کرتا فرشتوں مثلاً کراماً کاتبین کی شہادت سے کرتا جب بھی باطل ہوتا کہ شرط صحت نکاح نہ پائی گئی۔ اس میں بعض مجاہیل نے اتنا اور اضافہ کیا کہ مسلمان شخص کافر ہو جائے گا کیوں کہ وہ معتقد علم غیب برائے رسول ہوا۔ ظاہر تو یہ ہے کہ یہ بعض مجاہیل معتزلی ہوگا۔ اس نے اپنے مذہب کا پیوند اس میں جوڑ دیا۔ پھر یہ بہ تاویل علم ذاتی بعض حنفیہ نے بھی اپنی تصانیف میں نقل کر لیا مگر اس کی مرجوحیت کو ظاہر کرتے ہوئے کہ کفر ہی نہیں ہوتا۔ دوسری قسم علم عطائی بھی ہے تو جب یہ احتمال ہے تو کافر نہیں کہہ سکتے اس احتمال کے ہوتے ہوئے تکفیر صحیح نہیں۔ امام قاضی خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ واوخلہ فی الجنان نے اپنے فتاویٰ (فتاویٰ قاضی خان) میں فرمایا رجل تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله کان باطلا لقوله صلى الله عليه وسلم لا نكاح الا بشهود و كل نكاح يكون بشهادة الله بعضهم جعل ذلك كفرا لانه يعتقد ان الرسول صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب۔ (ص ۱۵۵ کتاب النکاح فصل فی شرائط النکاح نول کشور لکھنؤ) امام فقیہ النفس نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کفر ہے بل کہ یہ فرما کر کہ بعض نے اسے کفر ٹھہرا دیا اس کے ضعف کا اشعار فرمایا۔ فتاویٰ خلاصہ میں یہ مسئلہ دو جگہ لکھا جلد اول کتاب النکاح (ج۔ ۲ ص ۱۵ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ) میں تو تجرید سے اتنا لکھا لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ینعقد و هل يكفر عرف فی الفاظ الكفر۔ اور جلد ۲ (ج۔ ۴ ص ۳۸۵ مکتبہ حبیبیہ، کوئٹہ) کتاب الفاظ الکفر میں تحریر فرمایا رجل تزوجل ولم يحضر شاهد فقال۔ خدا اور رسول خدا را گواہ کردم۔ یکفر فی الفتاوی لانه يعتقد ان الرسول

والملك عالم بالغيب بخلاف قول۔ فرشتہ دست راست را وفرشتہ دست چپ را گواہ کردم حیث لا یکفر لانهما یعلمان۔

[اس عبارت میں اگر چہ اشارۂ ضعف و مرجوحیت نہیں مگر جب اور علما کے کلام سے یہ ثابت ہے نیز اس طائفہ وہابیہ کے گرونے ملک الموت مل کہ ابلیس کے لیے بھی علم غیب مانا ہے اور نصوص سے ثابت لکھا ہے تو قطعا ظاہر کہ اس عبارت میں بھی علم ذاتی ہی مراد ہے۔ یہ تکفیر بربنائے علم ذاتی ہے نہ کہ علم عطائی ماننے پر۔ ہم نے یہ عبارت مطبوعہ نسخہ سے نقل کی ہے ممکن ہے کہ قدیم نسخوں کی عبارت میں ضعف و مرجوحیت کی طرف اشارہ کے الفاظ بھی ہوں جو اس طبع کرنے والے نے نکال دیے ہوں۔ اس طبع کرنے والے نے چند جگہ الحاق کیا ہے جو نسخۂ قدیمہ قلمیہ میں نہیں اور جو عقلاً نقلاً محض باطل ہے۔ ۱۲ منہ]

فتاوی امام حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب المعروف ابن بزاز کردری میں فرمایا۔ تزوجها بشهادة الله تعالىٰ جل جلاله و رسوله عليه الصلاة والسلام لا ينعقد و يخاف عليه الكفر لانه يوهم انه عليه الصلوٰة والسلام يعلم الغيب وعنده مفاتيح الغيب الآية وما اعلم الله تعالىٰ لخيار عباده بالوحي اوا لالهام الحق لم يبق بعد الاعلام غيبا فخرج عن الحصرين المستفادين من تقديم المسند والحصر بالا۔ (الفتاوی البزازیہ علی الھندیہ، ج۔ ۴ ص ۱۱۹، کوئٹہ) نے صاف کردیا کہ مراد امام بزازی علم ذاتی ہے کہ اگر عطائی ماننا بھی کفر ہوتا تو یخاف نہ فرماتے اور ما اعلم الله تعالىٰ بالوحي وا لالهام لخيار عباده کہہ کر خیار عباد کے لیے من جانب اللہ وحی والہام سے علم ہونے کو تسلیم نہ کرتے۔ لم يبق غيباً پر وہابیہ بہت بغلیں بجاتے ہیں اور قول بزازیہ دکھا دکھا کر مسلمانوں کو اکثر فریب میں ڈالا کرتے ہیں۔ مگر ہماری تقریر بالا سے روشن ہوگیا کہ لم يبق غيباً خود اسی طرف مشیر ہے کہ یہاں مراد امام غیب سے غیب ذاتی ہے۔ ان کا مطلع یہ ہے کہ وہ غیب بعد اعلام باقی نہ رہا جو خدا کے ساتھ خاص ہے۔ علمائے عالی فہم کی فہم پر اعتماد کرتے ہوئے ایسی قیود ضرور یہ اکثر ترک فرمادیا کرتے ہیں جنھیں شراح ومحشین ذکر کرتے ہیں۔ لم يبق غيباً اى مختصا بالله تعالىٰ درمختار مع ردالمحتار جلد دوم ص ۳۰۰ (ج۔ ۴ ص ۹۹ دار الکتب العلمیہ، بیروت) میں ہے۔ تزوج بشهادة الله ورسوله لم يجز. بل قيل يكفر۔ اس قیل نے ضعف و مرجوحیت تکفیر کا اشعار فرمایا علامہ شامی قدس سرہ السامی نے اس قول پر ردالمحتار در مختار مع ردالمحتار جلد دوم ص ۳۰۰ (ج۔ ۴ ص ۹۹ دار الکتب العلمیہ، بیروت) میں تحریر فرمایا۔ قال فى التتار خانية وفى الحجة ذكر فى الملتقط انه لا يكفر لان الاشياء تعرض على روح النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و ان الرسل يعرفون بعض الغيب قال تعالىٰ فلا يظهر على غيبه احداً الا من ارتضىٰ من رسول ۔ یعنی تاتارخانیہ اور حجہ میں فرمایا کہ ملتقط میں ذکر کیا کہ وہ کافر نہ ہوگا اس لیے کہ اشیا روح نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پیش کی جاتی ہیں اور بے شک رسل علیہم السلام بعض غیب کی معرفت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ. (سورۂ جن آیت ۔ ۲۷۔ ۲۶) پھر فلت لکھ کر قطع کا نشتر فرمایا جس نے وہابیہ کو بالکل ہی ذبح کردیا، ان کی گردن یکسر قطع فرمادی۔ بل ذكروا فى كتب العقائدان من جملة كرامات الاولياء الاطلاع على بعض المغيبات و ردوا على المعتزلة المستدلين بهذه الآية على نفيها بان المراد الاظهار بلا واسطة والمراد من الرسول الملك لا يظهر على غيبه بلا واسطة الا الملك اما النبى وا لاولياء فيظهرهم بواسطة الملك او غيره و قد بسطنا الكلام على هذه المسألة فى رسالتنا المسماة سل الحسام الهندى لنصرة سيدنا خالد النقشبندى فراجعها فان فيها فوائد نفيسة. (ردالمحتار ج۔ ۴ ص ۹۹ فصل فی الحرمات، دار الکتب العلمیہ، بیروت) یعنی میں کہتا ہوں بل کہ بعض علما نے کتب عقائد میں ذکر فرمایا کہ اولیا کو کرامات سے بعض مغیبات پر

اطلاع ہے اور ان ائمہ نے معتزلیوں کا رد فرمایا جو اس آیت سے نفی غیب پر دلیل لاتے تھے کہ مراد آیت اظہار بلا واسطہ ہے اور مراد رسول سے ملک ہے یعنی نہیں مسلط فرماتا اپنے غیب پر کسی کو بلا واسطہ مگر ملک کو لیکن نبی اور اولیا تو غیب پر انھیں بواسطہ ملک یا کسی اور واسطہ سے مسلط فرماتا ہے اور بے شک ہم نے اس مسئلہ پر کلام مبسوط کیا ہے اپنے رسالہ "سل الحسام الہندی لنصرۃ سیدنا خالد النقشبندی" میں تو اس کی طرف مراجعت کرو اسے دیکھو کہ اس میں فوائد نفیسہ ہیں۔

امام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ نے تجنیس والمزید اور علما اصحاب فتاویٰ عالمگیری نے فتاویٰ ہندیہ میں اس قول کے ضعف یا بطلان کی طرف اس کے ترک سے اشارہ فرمایا کہ مسئلہ صرف اتنا ہی لکھا من تزوج امرأة بشهاد الله ورسوله لا يجوز النكاح (فتاویٰ عالمگیری مع خانیہ جلد ۱، ص ۲۶۸) وہ ٹکڑا لاعتقاده ان النبى عليه الصلوة والسلام يعلم الغيب چھوڑ ہی دیا۔ قیل لگا کر بھی نہ لکھا مضمرات وخزانۃ الروایات اور معدن الحقائق میں ہے والصحيح انه لا يكفر لان الانبياء عليهم الصلوه والسلام يعلمون الغيب و تعرض عليهم الاشياء فلا يكون كفرا. اور صحیح یہ ہے کہ بہ تحقیق وہ شخص کافر نہ ہوگا اس لیے کہ انبیا علیہم السلام غیب جانتے ہیں اور ان پر اشیا پیش کی جاتی ہیں۔ تو (ان کو علم غیب کا اعتقاد) کفر نہ ہوگا۔ وہابیہ بحر الرائق کی عبارت ہی دھوکہ کو نہیں دکھاتے اکثر شرح عقائد کی عبارت یہ ہے۔ العلم بالغيب تفرد به الله تعالىٰ لا سبيل اليه للعباد (شرح عقائد ص ۱۷۰) مگر عبارت اتنی ہی نہیں اس کے ساتھ اسی میں یہ بھی ہے۔ الا باعلام منه او الهام تو یہ عبارت علم عطائی ثابت کر رہی ہے نہ کہ علم عطائی ماننے والے کو کافر مشرک ٹھہرا رہی ہے۔ یونہی شرح فقہ اکبر کی یہ عبارت ذکر الحنفية تصريحا بالتكفير باعتقاد ان النبى صلى الله عليه و سلم يعلم الغيب (شرح فقہ اکبر ص ۱۸۵) اتنی پیش کرتے ہیں اور اس کے متصل اس سے اوپر کا اتنا ٹکڑا ہضم کر جاتے ہیں ثم اعلم ان الانبياء عليهم السلام لم يعلموا الغيب الا ما اعلمهم الله تعالىٰ احياناً اس کے بعد ہی عبارت ہے و ذكر الحنفية الخ اوپر کی عبارت نے روز روشن سے زیادہ واضح وآشکار کر دیا کہ علم عطائی کا اثبات کفر نہیں۔ وہ تو عقیدہ اسلامیہ ہے ذکر الحنفیہ تصریحا بالتکفیر الخ میں علم ذاتی ہی کے اثبات پر تکفیر ہے۔ علم عطائی تو اعلمہم اللہ تعالیٰ کہہ کر مصنف نے خود مانا۔ تو کیا آگے خود اپنی تکفیر کا ذکر کیا؟ وذکر الحنفیۃ الخ۔ وہابی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے پیشواؤں کے کلام میں بھی علم ذاتی کے اثبات پر حکم کفر و شرک ہے کہ وہابیہ کے پیشواؤں کی عبارتیں جو اوپر گذریں ان میں صاف تصریح ہے کہ علم ذاتی مانے یا عطائی ہر طرح شرک ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

کیا معاذ اللہ یہ اکابر علما اور دین کے ائمہ قدیم وحدیث ذات احدیت اور خود اپنے اوپر اپنی عبارتوں میں حکم کفر کر دیتے ہیں [illegible] اہل بیت اطہار اور عرفا و علما دین کی تصریحات سے آفتاب سے زیادہ روشن کہ انبیا و اولیا علوم غیب پر مطلع ہیں۔ حضور تو حضور ہیں صلی اللہ علیہم وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔ جمع النہایہ میں علامہ شنوانی فرماتے ہیں۔ و قد ورد ان الله تعالىٰ لم يخرج النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حتى اطلعه على كل شئى۔ فتوحات وہبیہ شرح اربعین نوویہ میں ہے۔ الحق كما قال جمع ان الله سبحانه و تعالىٰ لم يقبض نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حتى اطلعه على كل ما ابهمه عنه الا انه امر بكتم بعض اوا لاعلام ببعض علامہ صاوی حاشیہ جلالین زیر کریمہ۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّىْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِىٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ قُلْ لَّا اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَامَسَّنِىَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ. (سورۂ اعراف ۷/ ۱۸۷) تحریر

فرماتے ہیں قوله كانك حفى عنها عن بمعنى الباء والمعنى كانك عالم بها و متيقين لهاقوله "تاكيد" اى لما قبله لبيان انها من الامر المكتوم الذى استأثر الله بعلمه فلم يطلع عليه احد الا من ارتضاه من الرسل والذى يجب الايمان به ان رسول الله لم ينتقل من الدنيا حتى اعلمه الله بجميع المغيبات التى تحصل فى الدنيا والآخرة فهو يعلمها كما هى عين يقين لما و رد رفعت لى الدنيا فانا انظر فيها كما انظر الى كفى هذه و ورد انه اطلع على الجنة وما فيها والنار وما فيها وغير ذلك مما تواترت به ا لاخبار ولكن امر بكتمان البعض قوله وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ان قلت ان هذا يشكل على ماتقدم لنا انه اطلع على جميع مغيبات الدنيا والآخرة . والجواب انه قال ذلك تواضعاً واو ان علمه بالمغيب كلا علم من حيث انه لا قدرة له على تغيير ما قدر الله و قوعه فيكون المعنى حينئذلو كان لى علم حقيقى بان اقدر على ما اريد و قوعه لاستكثرت الخ . (تفسیر صاوی جلد دوم، ص ۱۰۴)

ہاں! ہاں! او دل بیار وہابی! جل کر خاک ہو جا! واحد قہار اور زیادہ تجھے دنیا و آخرت میں جلنا نصیب کرے۔ پھر جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ تجھے جلائے۔ دم بدم تری جلن زیادہ کرے۔ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضاً (سورہ بقرہ آیت ۱۰) ہاں! ہاں! او دیوبندی! اپنے آتش غیظ میں بھن کر کباب ہو جا۔ اللہ تجھے بغتار کے۔ یستحکم بعذاب ذلك جزاء اعداء الله النار ۔ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ ، بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (سورہ آل عمران، آیت ۱۱۹) او کذاب مفتری! او بہتان پر جری! تو تو علمائے اسلام پر اتہام رکھتا ہے کہ وہ انبیا کے لیے علم غیب ماننے والے کو کافر کہتے ہیں۔ مگر اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِیْ كَيْدَ الْخَائِنِيْنَ (سورہ یوسف آیت ۵۲) او کیاد مکار، خائن! تیرا کوئی کید کوئی مکر چھل فریب نہ چلا، تیرے مکر و کید چھل فریب کی دھجیاں تو ان ہی عبارات علما سے اڑ گئیں۔ آگے اور اپنی بے نور آنکھیں پھاڑ کر دیکھ تفسیر نیشاپوری مصری جلد ۳، ص ۴۴ میں ہے۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ. هذا ا لاستثناء راجع الى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كأنه قيل مَنْ ذَا الَّذِیْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ يوم القيمة ا لا عبده محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ما بين ايدهم من اوليات الامر قبل خلق الخلائق وما خلفهم من احوال القيامة۔

حضرت سیدی شیخ محقق عبدالحق قدس سرہ مدارج شریف میں فرماتے ہیں "ہر چہ در دنیاست از زمان آدم تا اوان نفخۂ اولیٰ بروے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منکشف ساختند تا ہمہ احوال او را از اول تا آخر معلوم گردید یاران خود را نیز از بعضے ازاں احوال خبر داد (ص ۱۳۹ باب پنجم، مطبع مظہر العجائب۔ ۱۲۷۱ھ) نیز (ایضاً ص ۳ پر) فرماتے ہیں رحمہ اللہ تعالیٰ وہو بکل شی علیم۔ ووی صلی اللہ تعالیٰ علیہم وسلم داناست ہمہ چیز از شیونات و احکام الٰہی و احکام صفات حق و اسما و افعال و آثار و بہ جمیع علوم ظاہر و باطن و اول و آخر احاطہ نمودہ و مصداق فوق کل ذی علم علیم شدہ علیہ من الصلوٰت افضلہا و من التحیات اتمہا و اکملہا۔ درۃ الغواص اور الجواہر والدرر کلاہما للعارف سیدی الامام عبدالوہاب الشعرانی قدس سرہ الربانی میں ہے۔ محمد صلى الله تعالىٰ عليه و سلم هو الاول والآخر والظاهر والباطن قد ولج حين اسرى به عالم الاسماء اولها مركز الارض و آخرها السماء الدنيا بجميع احكامها و تعلقاتها ثم ولج البرزخ الى انتهائه وهو السماء السابعة ثم ولج عالم العرش الى ما لا نهاية له وانفتح فى برزخيته صور العالم الالٰهية والكونية۔ "محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہی اول ہیں وہی آخر، وہی ظاہر وہی باطن (یعنی خلق میں) وہ شب معراج عالم اسما میں داخل ہوئے جس کی ابتدا مرکز ارض اور انتہا سماے دنیا ہے۔ اس عالم کے جملہ احکام و تعلقات جان لیے۔ پھر عالم برزخ میں داخل ہوئے اس کے منتہا ساتویں آسمان تک۔ پھر عالم عرش میں وہاں تک جس کی انتہا ہی نہیں اور حضور کے باطن میں عالم الٰہی اور حادث عالموں کی صورتیں

منکشف ہو گئیں۔

حضرت سیدی عارف باللہ شیخ اکبر محی الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحات مکیہ کے باب دہم میں فرماتے ہیں وصل زمان نشأة الجسم الظاهری المحمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فظهر مثل الشمس الباهرة الی قوله و ظهرت سیادته التی کانت باطنة فهو الاول والآخر والظاهر والباطن وهو بکل شئی علیم فانه قال اوتیت جوامع الکلم و قال عن ربه ضرب بیده بین کتفی فوجدت بردانا مله بین ثدی فعلمت علم الاولین والآخرین الخ۔ (ج۔ا ص ۱۳۶ دار الکتب العربیہ، مصر) جسم ظاہری محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آفرینش کا وقت پہنچا تو روشن سورج کی طرح حضور نے ظہور فرمایا (تا) اور حضور کی سیادت باطنہ ظاہر ہوگئی تو (مخلوق میں) محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی اول وآخر وظاہر وباطن ہیں اور ان کا علم ہر شئی کو محیط ہے۔ امام اجل قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ شفا شریف میں فرماتے ہیں لکنه صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم اوتی علم کل شئی۔ حضرت عارف مولانا رومی قدس سرہٗ نے مثنوی میں فرمایا۔

گر چہ بر غیبے خدامارا نمود　　　دل دراں لحظہ بخود مشغول بود

تفسیر روح البیان (جلد ۱۰، ص ۱۰۴) میں زیر کریمہ مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ فرمایا بل انت عالم بماکان خبیر بما سیکون نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض جلد ۳ میں فرمایا الانبیاء صلاة اللہ وسلامه علیهم اجمعین من جهة الاجسام والظواهر مع البشر و بواطنهم و قواهم الروحانیة ملکیة ولذا تری مشارق الارض و مغاربها و تسمع اطیط السماء و تشم رائحة جبرئیل علیه الصلاة والسلام اذا اراد النزول الیهم۔ (ج۔۵ ص ۲۳۳۔۱۴۱ دار الکتب العلمیہ، بیروت) سب انبیا بہ نظر ظاہری اجسام بشر کے ساتھ ہیں اور ان کے باطن اور روحانی قوتیں ملائکہ کی سی ہیں۔ اسی لیے مشارق ارض و مغارب زمین ان کی نظر میں ہوتے ہیں اور آسمان کی چرچراہٹ سنتے اور جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام کی خوشبو جب وہ انبیا کی طرف نزول کا ارادہ کرتے ہیں اسی وقت سے سونگھ لیتے ہیں۔

عارف کبیر سیدی حضرت سید احمد رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر امام شعرانی قدس سرہٗ النورانی الطبقات الکبریٰ بندہ کامل کے بارے میں فرماتے ہیں اطلعه علی غیبه لا تنبت شجرة ولا تخضر ورقة الا بنظره مولیٰ تعالیٰ اپنے غیب پر اسے مطلع فرماتا ہے یہاں تک کہ کوئی پیڑ نہیں اگتا کوئی پتہ نہیں ہریاتا ہے مگر اس کی نظر کے سامنے۔ حضرت عارف سامی مولانا جامی قدس سرہ [illegible] شریف میں فرماتے ہیں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے امام جلیل الشان حضرت سیدی عزیزان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے۔ زمین [illegible] طائفہ چو سفرہ ایست۔ نیز نفحات میں ہے کہ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عزیزان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام شریف نقل فرماتے۔ پھر فرماتے وما لی گوئیم چوں روی ناخنے است ہیچ چیز از نظر ایشاں غائب نیست۔ حضور پر نور سید السادات غوث الاغواث، قطب الاقطاب، غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قصیدۂ خمریہ مبارکہ میں اپنی نسبت ارشاد فرماتے ہیں۔

نظرت الی بلاد اللہ جمعا　　　کخردلة علی حکم اتصال

حضرت سیدی شریف عبد العزیز پھر حافظ الحدیث سجلماسی اپنی کتاب مستطاب ابریز میں فرماتے ہیں۔ ما السموت السبع والارضون السبع الا کحلقة ملقاة فی فلاة من الارض۔ اولیا کی نظر میں زمین مثل دسترخوان ہے عارف کی نگاہ میں روئے ناخن کی طرح کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں۔ سید العرفا کی نظر اقدس کے حضور رائی کے دانے کے مانند۔ مومن کامل کی نظر میں ساتوں

آسمان ساتوں زمینیں ایسی جیسے کسی لق ودق میدان میں چھلا پڑا ہوا۔

وہابی بے دین تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے عطائی علم غیب کے اعتقاد کو کفر لکھتا اور حنفیہ معتقد علم غیب عطائی کی تکفیر کا افترا و بہتان کرتا ہے۔ کیا حنفیہ کے نزدیک معاذ اللہ یہ علما اولیا عرفا جنھوں نے انبیا اولیا کے لیے یہ کچھ فرمایا کافر ہیں؟ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ایسی نجس ناپاک گندی گھنونی خبیث تکفیر و انکار پر حضرت مولانا روم قدس سرہٗ نے خوب فرمایا ہے۔ روی سخن کفر نہ گفتہ است و نہ گوید منکر مشوید ش کافر شدہ آں کس کہ بانکار برآمد مردود جہاں شد۔ وہابیہ دیوبندیہ کے گرو گنگوہی کا اندھا پن ملاحظہ ہو۔ قرآنی ارشادات نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ (سورۂ /) ہم نے تم پر یہ کتاب اتاری ہر چیز کے روشن بیان کو۔ ما فرطنا فی الکتاب من شئی۔ ہم نے اس کتاب میں کوئی شی اٹھا نہ رکھی۔ لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔ (سورۂ /) ہر تر و خشک کتاب مبین میں ہے۔ اور ان کے سوا اور آیات باہرات جو اوپر گذریں اور ان کے علاوہ اور احادیث شریفہ زاہرہ جو اوپر بیان ہوئیں اور ان کے علاوہ۔ ان سب کو پیٹھ دے کر براہین قاطعہ ص ۵۱۸ لما امر اللہ بہ ان یوصل میں اپنے ایک انیٹھی خلیل احمق عدو احمد کے نام سے ۔اللہ کے حبیب محبوب کو یہ صریح دشنام اور ابلیس کی تام چھاپ دی۔ شیطان کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا حصہ ایمان کا ہے۔ شیطان کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے"۔ معاذ اللہ! معاذ اللہ! معاذ اللہ! (وھو تعالیٰ اعلم)

مسئلہ: وتر با جماعت کے احکام

الجواب: جس نے فرض با جماعت نہ پڑھے ہوں، وہ وتر کی جماعت میں شامل نہ ہو کہ اس میں جماعت نہیں مگر جبعا کہ وہ من جہۃ نفل ہے۔ وتر میں جماعت رمضان ہی میں یا بہ تبعیت فرض ہے یا کہ بہ تبعیت رمضان یا بہ تبعیت تراویح اور مشہور یہی ہے کہ بہ تبعیت جماعت فرض یا بہ تبعیت جماعت تراویح ہے۔ علما کا اس میں اختلاف ہے کہ جس نے فرض جماعت سے نہ پڑھے وہ تراویح بھی بہ جماعت پڑھے یا نہ پڑھے؟ اگر چہ صحیح یہی ہے کہ وہ تراویح بہ جماعت پڑھ سکتا ہے۔ جماعت فرض کے تابع ہے جب تو ظاہر ہے کہ اگر فرض بہ جماعت نہ پڑھے ہوں تو وتر بہ جماعت نہیں پڑھ سکتا اور بہ تبعیت رمضان ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ رمضان میں اور جماعت ہی سے پڑھے بل کہ رمضان میں جماعت سے پڑھ سکتے ہیں۔ بہر صورت جماعت ہی سے پڑھنا اس سے کہاں نکلتا ہے؟ یوہیں اگر بہ تبعیت جماعت تراویح ٹھہرائیں جب بھی۔ اور میں کہتا ہوں کہ تبعیت فرض سے جماعت وتر کچھ کہو نہیں نکلتی۔ رمضان کے تابع کہو تو اس کے یہی معنیٰ ہیں کہ رمضان ہی میں وتر کی جماعت بہ تبعیت عشا یا بہ تبعیت تراویح ہوگی۔ یہ نہیں کہ رمضان میں اس میں جماعت علی الاستقلال ہے۔ فانہ لم یقل بہ احد۔

وتر کا نماز مستقل غیر تابع عشا ہونا اور بات ہے اور اس میں جماعت کا استقلال اور بات۔ اس خلاف کا ثمرہ یہ نہیں کہ جن کے نزدیک جماعت وتر تابع جماعت فرض ہے، وہی بہ حالت فوت جماعت عشا جماعت وتر سے ممانعت کریں اور جن کے نزدیک اس کی جماعت تابع جماعت تراویح ہے۔ وہ اس نے جب کہ جماعت تراویح فوت نہ کی ہو یا اور جن کے نزدیک تابع رمضان ہے اسے مطلقاً جماعت وتر کی اجازت دیں بل کہ اس خلاف کا ثمرہ یہ ہے کہ جس نے فرض ایک امام کے پیچھے پڑھے اور تراویح دوسرے امام کے پیچھے یا فرض وتر تراویح دونوں ایک امام کے پیچھے اور وتر دوسرے کی اقتدا سے یا فرض جماعت سے اور تراویح بے جماعت پوری یا کچھ جماعت سے یا بالکل نہ پڑھیں تو جو اس کی جماعت تابع جماعت فرض ٹھہراتے ہیں وہ امام فرض کے پیچھے ان سب صورتوں میں اس کی جماعت جائز بتاتے ہیں دوسرے کے پیچھے اجازت نہیں دیتے اور جو جماعت تراویح کے تابع بتاتے ہیں وہ امام تراویح کے پیچھے بہ شرطے کہ اس نے تراویح سب

یا کچھ جماعت سے ادا کی ہوں اور جو اسے رمضان کے تابع ٹھہراتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے پڑھے یا امام تراویح کے یا کسی اور امام کے خواہ تراویح سب یا کچھ جماعت سے پڑھی ہوں یا علاحدہ یا بالکل نہ پڑھی ہوں۔

غنیۃ میں فرمایا اذالم یصل الفرض مع الامام فعن عین ا لائمة الکربیسی انه لا یتبعه فی التراویح ولا فی الوتر و کذا اذا لم یتابعه فی التراویح لا یتابعه فی الوتر (غنیۃ ص۳۹۱) اسی میں فرمایا لو صلی العشا وحده فله ان یصلی التراویح مع الامام وهو الصحیح حتی لو دخل بعد ما صلی الامام الفرض و شرع فی التراویح فانه یصلی الفرض اولا وحده ثم یتابعه فی التراویح و فی القنیة لو ترکوا الجماعة فی الفرض لیس لهم ان یصلوا التراویح جماعة لانها تبع للجماعة۔

ردالمحتار میں تاتارخانیہ اس میں تتمہ سے ہے۔ سئل علی بن احمد عمن صلی الفرض والتراویح وحده او التراویح فقط هل یصلی الوتر مع الامام قال لا اھ اس کے بعد شامی میں فرمایا ثم رأیت القهستانی ذکر تصحیح ما ذکره المصنف (من جواز الوتر جماعة لمن صلی التراویح منفرداً ای والفرض جماعة ۱۲ جدالممتار) ثم قال لکنه اذ لم یصل الفرض معه لا یتبعه فی الوتر (ردالمحتار جلد اول ص ۵۲۴ مطبوعہ کوئٹہ) اعلیٰ حضرت سیدنا الوالد الماجد قدس سرہ نے حاشیہ شامی جدالممتار میں فرمایا۔ فالمتحصل مما ذکر ان من صلی الفرض بجماعة یجوز له الدخول فی جماعة الوتر سواء صلی الفرض خلف هذا الامام او خلف غیره سواء صلی التراویح وحده او خلف هذا الامام او خلف غیره بل و من لم یصلها راسا کما یشمله اطلاق قوله ولم یصلها بالامام یصلی الوتر فانه یصدق بانتفاء القید والمقید کلیهما فلیحرر والله تعالیٰ اعلم۔ والمنفرد فی الفرض ینفرد فی الوتر. (جلد اول ص۳۲۸)

مجمع الانہر میں ہے: لو ترکوا الجماعة فی الفرض لم یصلوا التراویح بجماعة ولو لم یصلها مع الامام صلی الوتر به لانه تابع لرمضان و عند البعض لا لانه تابع للتراویح عنده وفی القهستانی یجوز ان یصلی الوتر بالجماعة وان لم یصل شیئا من التراویح مع الامام او صلاها مع غیره وهو الصحیح. (ج۔۱ص۱۷۴۔۷۵، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

صغیری اوراس کی اصل کبیری میں یہ مسئلہ ہماری نظر میں دو جگہ ہے کہ اگر کسی کا ایک ترویحہ یا دو ترویحہ کا کچھ فوت ہو گیا وہ وتر کو کھڑا ہو گیا تو یہ امام کے ساتھ وتر پڑھے یا اپنی باقی تراویح ادا کرے دونوں جگہ اس کا کہیں پتہ نہیں کہ اگرچہ فرضوں میں شامل نہ ہوئے۔ کیوں کہ جماعت وتر تابع جماعت تراویح کے ہے۔ صغیری و کبیری کی عبارت یہ ہے۔ان فاتته مع الامام ترویحة او ترویحتان او اکثر هل یقضیها قبل الوتر اویوتر ثم یقضیها ذکره فی الذخیرة اختلف المشایخ فی زماننا قال بعضهم یوتر مع الامام ثم یقضی ما فاته من التراویح احرازاً لفضیلة الوتر بالجماعة مع ان التراویح یجوز بعده و قال بعضهم یصلی التراویح المتروکة ثم یوتر (غنیۃ ص۳۸۶) انہیں میں دوسری جگہ یہ فروع ہے۔ ففاتته ترویحة او ترویحتان و قام ا لامام الی الوتر یوتر مع ا لامام ثم یقضی ما فاته (غنیۃ ص۳۹۱) ان میں یہ کہاں ہے کہ اگرچہ فرضوں میں شامل نہیں ہوئے اور نہ یہاں یہ ہے کہ جماعت وتر تابع جماعت تراویح ہے۔ اس صورت مسئلہ کو فوت جماعت فرض سے کیا تعلق وہ صورت ان دونوں کتابوں میں زیر فروع اسی مسئلہ مذکورہ سے متصل ذکر فرمائی ہے کہ اور جب کہ فرض امام کے ساتھ نہ پڑھے

ہوں تو امام عین الائمہ کرابیسی سے منقول ہے کہ نہ امام کے ساتھ تراویح پڑھے نہ وتر۔

پھر اس صورت میں بھی کبیری میں بعد بیان اختلاف حکم دو جہ ہر حکم تحریر فرمایا کہ لا شک ان تاخیر الوتر اولی و ان فاتت الجماعة فیه فان الانفراد به اولی علی قول الجمهور کما سیأتی انشاء الله تعالیٰ. (غنیۃ ص ۳۸۶) یعنی بے شک تاخیر وتر اولی ہے اگر چہ وتر کی جماعت جاتی رہے کہ وتر میں انفرادی بر قول جمہور اولی ہے جیسا کہ عن قریب مذکور ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ نیز صغیری میں بعد بیان اختلاف فرمایا۔ولا شك ان تاخیر الوتر اولی کذلك ا لا انفراده به کہاں یہ اور کہاں وہ کہ اگر چہ فرضوں میں شامل نہیں ہوئے کیوں کہ جماعت وتر جماعت تراویح کے تابع ہے اس سے لزوم جماعت وتر یا بہر حال بے کراہت اس کا جواز کیوں کر نکلا کہ اگر چہ فرضوں کی جماعت کھوئی ہو مگر وتر جماعت ہی سے پڑھے تابع ہونے کا حاصل تو اتنا ہی ہے کہ تراویح جماعت سے پڑھی جاتی ہیں تو رمضان میں ان کی معیت سے وتر بھی بہ جماعت پڑھ سکتے ہیں نہ یہ کہ وتر بہر حال جماعت ہی سے پڑھیں۔

ہاں صغیری کی یہ عبارت واذا لم یصل الفرض مع ا لامام قیل لا یتبعه فی التراویح وا لا فی الوتر و کذا اذا لم یصل معه التراویح لا یتبعه فی الوتر والصحیح انه یجوز ان یتبعه فی ذلك كله الخ میں اس کا ایہام ضرور ہے کہ اگر چہ فرض بے جماعت پڑھے ہیں وتر میں شامل ہو سکتے ہیں مگر یہ نرا وہم ہے،اس کا کوئی قائل نہ ہوا۔کتب فقہ دیکھ جائیے دور کیوں جائیے کبیری ہی دیکھ لیجیے۔اختصار کے سبب یہ وہم پیدا ہو گیا۔تصحیح دو قولوں سے ایک کی ہوتی ہے یہاں کوئی دوسرا قول ہی نہیں۔ ومن ادعی فعلیه البیان پھر اگر ہوتا بھی تو اصحاب تصحیح سے اس کی تصحیح اگر ہوتی تو علامہ ابراہیم حلبی صاحب صغیری یہ فرما سکتے کہ والصحیح الخ کہ خود یا اصحاب تصحیح سے نہیں کہ خود کسی قول کی تصحیح کریں۔بات یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔خود کبیری ملاحظہ کیجیے۔اس میں پہلے امام عین الائمہ کرابیسی سے یہ نقل فرمایا کہ جس نے فرض جماعت سے نہ پڑھے وہ نہ تراویح جماعت سے پڑھے نہ وتر۔یو ہیں جس نے امام کے ساتھ تراویح نہ پڑھیں وہ وتر بھی امام کے ساتھ نہ پڑھے۔پھر اس کا خلاف نقل فرمایا کہ فرمایا۔و قال ابو یوسف البانی اذا صلی مع الامام شیئاً من التراویح یصلی معه الوتر و کذا اذا لم یدرك معه شیئاً منها (غنیۃ ص ۳۹۱) یعنی امام ابو یوسف البانی نے فرمایا کہ اگر کچھ تراویح بھی امام کے ساتھ پڑھی ہوں تو اس کے ساتھ وتر پڑھ سکتا ہے۔یونہی اگر کچھ بھی امام کے ساتھ نہ پڑھی ہوں وتر اس کے ساتھ پڑھے۔

پھر فرمایا کذا اذا صلی التراویح معه غیره له ان یصلی الوتر معه یعنی یوں ہی جب کہ امام کے سوا کسی اور امام کے ساتھ تراویح پڑھیں تو اسے اس امام وتر کے ساتھ وتر پڑھنا چاہیے۔وهو الصحیح ذکره ابو اللیث یہ صحیح ہے امام ابو اللیث نے اسی کو ذکر فرمایا۔ پھر فرمایا و کذا قال ظهیر الدین المرغینانی لو صلی العشاء وحده فله ان یصلی التراویح مع الامام وهو الصحیح۔یونہی امام ظہیر الدین مرغینانی نے فرمایا کہ اگر عشا تنہا پڑھی تو اسے جائز ہے کہ تراویح امام کے ساتھ پڑھے۔وهو الصحیح۔اور یہی صحیح ہے حتی لو دخل بعد ما صلی ا لامام الفرض و شرع فی التراویح فانه یصلی الفرض او لا وحده ثم یتابعه فی التراویح ۔یہاں تک کہ اگر امام کے فرض پڑھ لینے اور تراویح شروع کر دینے کے بعد آیا تو پہلے فرض علاحدہ پڑھ لے پھر تراویح میں امام کی اتباع کرے۔کبیری میں اس کا کہیں نشان ہے کہ فرض بے جماعت پڑھے ہوں تو بھی وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے؟ حاشا کہیں نہیں۔اس کا کہیں پتہ ہی نہیں تصحیح کیسی؟ انھوں نے پہلے امام عین الائمہ سے تین حکم نقل فرمائے۔(۱) جس نے فرض بے جماعت پڑھے ہوں وہ تراویح میں امام کی اتباع نہ کرے۔(۲) یوں ہی وتر میں (۳) جس نے تراویح میں اتباع امام نہ کیا ہو وہ وتر میں بھی

اتباع نہ کرے۔ یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا اس میں اختلاف ذکر کیا۔ پھر امام ابوللیث سے امام ابو یوسف الہانی کے اس قول کی تصحیح نقل فرمائی کہ تراویح ایک کے پیچھے پڑھیں تو دوسرے کے پیچھے وتر پڑھ سکتا ہے۔ یوں ہی پہلے میں بھی اختلاف تھا اور قول آخر یعنی جواز جماعت تراویح بہ حال فوت جماعت فرض صحیح تھا۔ اسے لکھا اور اس کی امام ظہیر الدین مرغینانی سے تصحیح نقل فرمائی۔

دیکھیے امام عین الائمہ کرابیسی کے جواب میں انھوں نے ان دونوں مسئلوں میں امام ابواللیث و امام ظہیر الدین مرغینانی سے تصحیحیں نقل فرمائیں اور جہاں سادہ خلاف قول تھا وہاں سادہ نقل فرمایا۔ ان کا وہ دوسرا مسئلہ کہ جس نے فرضوں کی جماعت کھوئی ہے وہ وتر جماعت سے نہ پڑھے، خلاف سے ہی پاک تھا۔ اسی لیے اس کے خلاف کوئی سادہ قول بھی نقل نہ فرمایا۔ اگر اس کے خلاف کوئی قول ہوتا تو ضرور نقل فرماتے۔ اب بحمدہ تعالیٰ روشن تر ہو گیا کہ صغیری کی عبارت سے جو وہم ہوتا ہے وہ مراد وہم ہے۔ ہرگز ان کی مراد یہ نہیں کہ فرض بے جماعت پڑھے ہوں جب بھی وتر جماعت سے پڑھے یہی صحیح ہے کہ اس کا صحیح ہونا درکنار یہ کسی کا قول ہی نہیں۔ فالحمد لله والنعمة على كشف الغمة وهو ولى النعمة وكتبت على تلك العبارة الموهمة على هامش الصغيرى قوله فى ذلك كله يعنى اتباعه فى التراويح صحيح فيما اذا لم يصل الفرض جماعة و كذا اتباعه فى الوتر فيما اذا لم يصل التراويح بالجماعة لا ان اتباعه فى الوتر يصح فيما اذا لم يصل الفرض مع الامام فافهم و تدبر و تثبت و تشهد. لما قلنا اقتصارة فى التصريح على لفظه التراويح هذا كله كتبته بتوفيق الله تعالىٰ تفقها ثم بعد تحريره بشهر او ازيد ظفرت بصغيرى مكتبة سيدنا الوالد الماجد رحمه الله تعالىٰ عنها فراجعتها فوجدت بحمدالله تعالىٰ ما حاشية على تلك العبارة الموهمة. اجاب عنها بعينه ما اجبت و بحث ما بحثت ولله الحمد و هذا ما نصه قوله والصحيح انه يجوز ان يتبعه فى ذلك كله ليس هو رحمه الله تعالىٰ من اصحاب التصحيح و انما هو ناقل و يرشدك مطالعة . شرحه الكبير الملخص منه هذا الصغيران التصحيح للامام الفقيه ابى الليث وللامام ظهير الدين المرغينانى وانهما انما يرجحان الى تصحيح جواز ا لاتباع فى الوتر وان لم يتبع فى التراويح و جوازا ا لاتباع فى التراويح و ان لم يتبع فى الفرض و لا اثر فيهما التصحيح جواز الاتباع فى الوتر و ان لم يتبع فى الفرض فراجعه ص (۴۱۰) فالواقع ههنا نشأ من اقتصار فحل فليتنبه. ليس الفرق بينهما الافرق اللسان كانه هوفانظر الى هذا التوارد و من انا و ايش انا ما هذا الا بفضل الله فيض خدمته رضى الله تعالىٰ عنه و ارضاه عنا ثم بعد ما مضى على هذا برهة من الزمان ظفرت بكرم الله تعالىٰ بباب الوتر والنوافل من فتاواه المنيفة المباركة قدس الله تعالىٰ سره و افاض علينا بره فراجعته فوجدت فيها هذا الفتوى بالعربية ما قولكم رحمكم الله تعالىٰ فى الرجل الذى اقتدىٰ بالامام فى التراويح و قد صلى الفرض فى بيته او مع غير الامام هل يصلى الوتر بالجماعة ام لا والوتر بالجماعة تابع لرمضان ام لجماعة الفرض۔

مسئلہ : مدرسہ کے نام وقف روپے کے احکام۔

الجواب : کچھ روپیہ مدرسہ اسلامیہ کے لیے وقف ہے، اس کا مطلب ظاہر تو یہی ہے کہ کسی نے خود روپیہ وقف کیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مدرسہ پر کوئی جائداد وقف ہے اس کا روپیہ۔ یا یہ کہ مدرسہ کے چندوں کا روپیہ۔ اگر مطلب وہی ہے جو اس عبارت کا ظاہر تو یہاں روپے کا وقف بوجہ عدم عرف وتعامل صحیح نہیں کہ منقول کا قصداً وقف اگرچہ مختلف فیہ ہے اور صحیح و مفتی بہ مذہب، جواز ہی ہے مگر جن کے

نزدیک جائز ہے ان کے نزدیک بھی جب ہی جب کہ اس شی منقول کا وقف عرفا رائج و معمول بہ ہو۔ قیاس کا مقتضی تو یہی ہے کہ شی منقول کا وقف صحیح ہی نہ ہو۔ لان من شرط الوقف التابید و المنقول لا یدوم ، مگر جو حضرات تعامل کے سبب اس کے جواز کا قول کرتے ہیں وہ بوجہ حدیث ما رآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن (مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۷۹) فرماتے ہیں کہ تعامل سے قیاس متروک ہو جاتا ہے۔ اور ہندوستان میں خود دراہم و دنانیر کے وقف پر تعامل نہیں۔ تو یہاں اس کے جواز کا قول کسی طرح نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں اگر بعض اقطار ہند میں اس کا وقف آج کل رائج و معروف ہو تو ان اقطار میں جب تک ایسا رائج و معروف رہے اس کے جواز کا فتویٰ دیا جائے گا۔ تنویر الابصار و درمختار میں اختیار سے ہے۔ صح وقف کل منقول قصدا فیہ تعامل کفأس و قدوم بل ودراھم و دنانیر و مکیل و موزون و قدر و جنازۃ و ثیابھا و مصحف و کتب لان التعامل یترک بہ القیاس لحدیث ما رآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن بخلاف ما لا تعامل فیہ و ھذا قول محمد و علیہ الفتوی ، اختیار اھ مختصرا (درمختار جلد ۴، ص ۳۳۶ سے ۳۶۵، مطبوعہ مصر)

ردالمحتار میں ہدایہ امام برہان الدین سے اسی کو مختار اکثر فقہا اور اسعاف فی احکام الاوقاف سے اسی کو صحیح اور فتاویٰ ظہیر الدین مرغینانی سے اسی کو قول اکثر مشائخ نقل فرمایا۔ ردالمحتار میں زیر قول شارح کل منقول قصدا فرمایا عند محمد یجوز مافیہ تعامل من المنقولات و اختارہ اکثر فقھاء الامصار کما فی الھدایۃ وھو الصحیح کما فی الاسعاف وھو قول اکثر المشایخ کما فی الظھیریۃ لان القیاس قد یترک بالتعامل۔ (ردالمحتار جلد ۴، ص ۳۶۳، مطبوعہ مصر) اس صورت میں وہ روپیہ جس نے وقف کیا اس کی ملک ہے۔ مدرسہ میں چندے کے روپے کی طرح ہے۔ اس سے دریافت کریں جو جائز بات وہ بتائے اس طرح خرچ کریں اور اگر ان دیار میں درہم و دینار کا وقف رائج و معمول ہو تو البتہ وقف مانا جائے گا۔ اگر وقف ہے تو اس صورت میں اسے مضاربت پر دینا جائز۔ اسے مضارب پر دیں اور نفع کو مدرسہ پر صرف کریں۔ یونہی لوٹ پھیر کرتے رہیں اور نفع مدرسہ پر خرچ کریں۔ مجمع الانہر وعامۂ کتب میں ہے واللفظ للمجمع "رجل" وقف الدراھم او الطعام او ما یکال او یوزن...... یجوز...... و یدفع الدراھم مضاربۃ ثم یتصدق بفضلھا فی الوجہ الذی وقف علیہ اھ (ج۔ ۲ ص ۳۸۰، داراحیاء التراث العربی، بیروت) مختصرا اگر قوم نے جب اسے قرض دیا لیا ہے تو یہ حرام و ناجائز لیا ہے۔ یہ معاملہ نرا سود کا ہے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اور اگر مدرسہ کی کسی وقفی جائداد کا روپیہ ہے تو بھی اگر تجارت قوم کی ہے، روپیہ قرض لیا ہے۔ یہی حکم ہے کہ محض ناجائز و ناروا ہے۔ مدرسہ کی پاک آمدنی کو سود کی نجاست سے ناپاک کیا ہے اور اگر وہ تجارت مدرسہ کی مدرسہ کے روپے سے کرتے تو بھی جائز نہ ہوتا کہ تجارت میں نفع و نقصان سود و زیاں دونوں کا احتمال یکساں۔ انھیں مدرسہ کے روپے سے تجارت کا کوئی حق نہیں۔ خصوصا اس صورت میں جب کہ واقف کی شرط کے خلاف یہ تجارتی کارروائی ہو۔ ایک اس کی شرط کا خلاف یہ ناروا کام ناجائز و حرام۔ لان شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب الاتباع والعمل بہ کما نصوا علیہ قاطبۃ۔ (ردالمحتار، جلد سوم، ص ۴۱۷، مطبوعہ کوئٹہ) دوسرے مدرسہ کی آمدنی کو معرض ہلاک میں ڈالنا۔ اس صورت میں جب کہ نقصان ہو تو جتنا نقصان ہوگا اس کا تاوان ان کے ذمہ لازم ہوگا۔ دو روپیہ سیکڑا گھٹے یا چار یا دس یا بیس جو گھٹے۔ جو گھٹی ہوگی اس کی ادا ان کے ذمہ لازم ہوگی اور اگر چندوں کا روپیہ ہے تو اس صورت کا حکم بھی تقریر بالا سے ظاہر۔

و قال شیخنا و ملاذنا و استاذنا المجدد سیدنا الوالد الماجد رحمہ اللہ تعالیٰ و قدس سرہ و قدسنا باسرارہ الشریفۃ فی فتاواہ المنیفۃ، العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ ۔ "چندہ کے روپے چندہ دینے والوں کی

ملک پر رہتے ہیں، ان سے اجازت لی جائے جو جائز بات وہ بتائیں اس پر عمل کیا جائے۔و بیان المسئلة و تحقیقها فی کتاب الوقف من فتاوانا ایسی کمپنی میں جو سود کا لین دین کرتی ہو شامل کر کے بڑھانا حرام ہے اگرچہ چندہ دہندہ اجازت دیں۔فلیس لاحد ان یحل ما حرم الله و قال فی جواب السوال الآخر" "اوقاف میں شرط واقف مثل نص شارع واجب الاتباع ہوتی ہے، اس میں بلا شرط واقف یا اجازت خاصہ شرعیہ کوئی تغیر تبدل جائز نہیں۔مدرسہ کے مال سے مسجد کا قرض نہیں ادا کیا جاسکتا جو ادا کرے گا تاوان اس پر ہے" و قال فی موضع آخر فی جواب هذا السوال (فتاویٰ رضویہ، جلد ۶، ص ۴۳۸) مسجد کا جو پیسہ جمع ہے اسے کسی منفعت پر خرید و فروخت، تجارت کر سکتے ہیں؟ مسجد کے جمع مال افزود کے لیے؟ الجواب، تجارت میں نفع و نقصان دونوں کا احتمال ہے اور کارکنوں میں امین و خائن دونوں طرح کے ہوتے ہیں اور مال وقف میں شرط واقف سے زیادت کی اجازت نہیں الخ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) اس صورت میں جب کہ وہ زیادت سود ہو اگر خاص اس سودی روپیہ سے تنخواہیں دی جائیں تو کسی کو اس خاص زر حرام کا اخذ جائز نہیں۔نہ مدرس نہ کسی اجیر کو نہ کسی مسلمان کو، وہ مال حرام لینا حلال نہیں اور اگر اور آمدنی سے مخلوط کر دیا جاتا ہے تو وہ سودی روپیہ علاحدہ نہیں رکھا جاتا تو امام اعظم کے نزدیک اخذ جائز ہے مگر مکروہ اور صاحبین کے نزدیک اب بھی ناجائز، ایسی صورت میں اگر تنخواہیں پاک روپے قرض لے کر ادا کی جائیں تو مدرسین ارتکاب حرام یا مکروہ سے محفوظ رہیں گے۔فتاویٰ خانیہ میں ہے۔ان کان السلطان خلط الدراهم بعضها ببعض فانه لا بأس به و ان دفع عین الغصبة من غیر خلط لم یجز اخذه قال الفقیه ابو اللیث هذا الجواب یستقیم علی قول ابی حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه لان عنده اذا غصب الدراهم من قوم و خلط بعضها ببعض یملکها الغاصب اما علی قول ابی یوسف ومحمد فانه لا یملکها و تکون علی ملك صاحبها والله تعالیٰ اعلم۔

(۳) اگر صورت سود کی ہے اور اس رجسٹر میں سود کا حساب بھی لکھا جاتا ہے تو حدیث میں سود کے کاتب و محاسب و شاہد سب پر لعنت فرمائی۔والعیاذ باللہ تعالیٰ جسے حساب فہمی زر مقصود ہو اور اس میں سود کا حساب بھی درج ہے تو زر مدرسہ کی حساب فہمی میں حرج نہیں۔لان الاعمال بالنیات و انما لکل امرئٍ ما نوی (بخاری جلد ۱) سود کا حساب اس کا مقصود نہیں۔جیسے کوئی مدرسہ یا مسجد جائے اور راہ میں کوئی منکر پائے جب تک اس منکر کی طرف بالقصد ملتفت نہ ہوگا اس پر کوئی الزام نہ ہوگا۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) مدرسہ یا کسی دینی کام میں زر حرام کا صرف حرام اور اس پر امید ثواب حرام بر حرام۔ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) اس کا جواب بھی اوپر کے جواب سے واضح دو آنے چار آنے اور دو روپے چار روپے اور ماہوار اور سالانہ اور روزانہ سے حکم نہیں بدلتا۔اپنا جائز مطالبہ باقساط لینے سے سود نہیں ہو جاتا۔جیسی صورت ہوگی ویسا حکم ہوگا۔اگر سود کی صورت ہے اور جو قوم مدرسہ سے قرض لے کر نفع دیتی ہے تو یہی صورت ہے تو چاہے پیسہ دے یا آنہ یا روپیہ روزانہ دے یا ماہانہ یا سالانہ حرام حرام حرام ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۶) جب تک اصل ادا نہ ہو برابر ۴ر یا ایک پیسہ نفع لیے جانا نرا سود ہے۔دس کا نوٹ ساڑھے بارہ یا سو کو بیچنا حلال کما نص علی جواز بیع قطعة الکاغذ بالف فی فتح القدیر (فتح القدیر جلد ۵، ص ۴۱۵ باب الکفالة) قرضوں بیچے یا نقد۔جتنے میں بیچا اس سے ایک پیسہ زائد نفع لیا و سود ہوگا۔باقساط لے یا یکمشت جس قدر کو بیچا ہے اتنے ہی لے خواہ یکمشت یا باقساط۔اب یا جب۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۷) سود حرام قطعی ہے، نہ مسلمان سے لینا حلال، نہ کافر سے، نہ ذمی سے، نہ حربی سے۔سود ہونے کے لیے مال معصوم درکار ہے جس کا مال معصوم ہو اس سے زائد لینا سود ہوگا۔کہیں لے۔اور جس کا مال معصوم نہیں اس سے جو کچھ ملے وہ حرام و سود نہیں۔ہاں غدر، بدعہدی نہ کرے کہ حرام ہے۔یہ حکومت جو نفع دیتی ہے وہ در حقیقت سود ہی نہیں۔یوں ہی یہاں کے اور کفار کہ سب حربی ہی ہیں و ما لهم لیس

بمعصوم۔سود سمجھ کر لینا گناہ ہے مگر جوشی ہے سمجھتے ہوئے کہ سود ہے، لی وہ سود نہیں بکری کو سؤر سمجھ کر کھانا گناہ مگر جو کھایا وہ سؤر نہیں، بکری ہی تھی۔قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا ربا بین المسلم والحربی فی دار الحرب۔ (نصب الرایہ، ج۔۴ص ۴۴ حدیث۔۶۳۹۵ موسسۃ الریان، بیروت) دار الحرب کی قید اتفاقی ہے۔احترازی نہیں کہ "دار دون دار" کی کوئی تخصیص نہیں "فی دار الحرب" بحسب واقع ارشاد ہوا کہ اس زمان برکت نشان میں کوئی ایسی صورت ہی نہ تھی کہ دار، دار الاسلام ہو اور کفار حربی اصل علت وہی عدم عصمت ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ہم مذہب اہل سنت و جماعت ان تمام عقائد سے جو ہمارے مذہب اور عقائد کے خلاف ہیں بیزار ہیں، بیزار رہیں گے۔اس حالت میں اگر ہم ایک جماعت خاکساران تیار کریں اور اس میں شریک ہوں اور خاکساران میں جو ناظم اعلیٰ ہو اس کے اصول میں باستثنا اس کے عقائد کے اس کا اتباع کریں ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔ذخیرہ کے سوال میں جس عبارت پر خط کردیا گیا ہے اس کے بجائے یہ عبارت ہے خاکساران میں جو ناظم اعلیٰ ہو اور وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو۔

الجواب : جو کوئی ادعاے اسلام کرتا ہے اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو ضروری نہیں کہ وہ فی الحقیقت مسلمان ہو۔خصوصاً اس زمانۂ قرب قیامت میں۔قرب قیامت تو حالت یہ ہوگی کہ حدیث میں فرمایا صبح کرے گا اس حال میں کہ مسلمان ہوگا شام اس حال میں کرے گا کہ کافر ہوگا۔شام کو مسلمان ہوگا صبح کافر ہوجائے گا۔والعیاذ باللہ تعالیٰ۔قرآن عظیم کا ارشاد ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ؐ (سورہ بقرہ، آیت ۸)

عہد شریف حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی تک منافق نہ رہے کہ پھر منافقوں کا بیج مارا گیا ہو۔ہر زمانہ میں رہے اور آج تو وہ اس کثرت سے ہیں جن کا شمار خدا ہی جانے۔مشرقی کے طور پر تو اسلام کفر ہے اور مسلمان سب کافر اور خود وہ بھی اس گڑھے ہوئے اسلام پر بھی مسلمان نہیں ٹھہر سکتا۔اس کے اقوال چھپے ہوئے نہیں، چھپے ہوئے ہیں۔ان پر مطلع ہوتے ہوئے سوال میں یہ لکھنا کہ "ناظم اعلیٰ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو" بہت ہی عجیب ہے خصوصاً اس عبارت کے ساتھ کہ "ان تمام عقائد سے جو ہمارے مذہب اور عقائد کے خلاف ہیں۔" اپنے آپ کو مسلمان کہہ دینے سے کوئی شخص باوجود اپنے کفریات پر اصرار کے مسلمان ٹھہر جاتا ہے اور اس کے کفریات مٹ جاتے ہیں؟ مگر یہ قرآن کے خلاف ہے۔ابھی اوپر آیت ذکر ہوئی کہ "بعض لوگ ان میں وہ ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ اور قیامت پر حالاں کہ وہ مسلمان نہیں۔وہ اللہ اور مسلمانوں کو فریب دینا چاہتے ہیں۔اور وہ فریب نہیں دے رہے ہیں مگر اپنی جانوں کو اور انھیں اس کا شعور نہیں۔"

اللہ سچا اور اس کا کلام سچا۔تو محض ادعاے اسلام اس کے کام نہیں آسکتا۔جو سنی مسلمان اپنے دین ومذہب پر قائم رہتے ہوئے کسی کافر سے اگرچہ وہ کیسا ہی اظہار مودت وصداقت کرتا ہو جو موالات کرے گا اگرچہ فقط اتنا ہی کہ اس کا حلیف بنے، بہ حکم قرآن وحدیث شدید گنہ گار ہوگا خصوصاً مرتد سے اگرچہ وہ اسلام کا مدعی ہو کہ مرتد سے تو نری معاملت بھی حرام ہے۔تو کسی کافر خصوصاً مرتد کو والی بنانا، اس کے ہاتھوں پڑنا، اسے سربراہ کار کرنا کیا اشد حرام ہوگا؟ یہ تو موالات صوریہ کا حکم ہے اور اگر معاذ اللہ حقیقیہ ہو جب تو آفت بہت سخت ہے۔ ایسے کے لیے قرآن عظیم کا ارشاد ہے۔مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ (سورہ مائدہ آیت ۵۱) اور فرماتا ہے لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (سورہ مجادلہ، آیت ۲۲) اور فرماتا ہے۔وَلَوْ كَانُوْٓا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

وَالنَّبِیِّ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِیَآءَ (سورہ مائدہ آیت ۸۱)

حرمت موالات کفار کی آیات بہت کثیر ہیں یہاں دو تین آیتیں ذکر کی جاتی ہیں۔ فرماتا ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ (سورہ مائدہ آیت ۵۷) اے ایمان والو انھیں جنھوں نے تمھارے دین کو ہنسی کھیل ٹھہرالیا، جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور سب کفار ان میں کسی کو حبیب نہ بناؤ۔ ولی و مددگار نہ ٹھہراؤ۔ اور اللہ سے ڈرو اگر تم مسلمان ہو۔ اور فرماتا ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَکْبَرُ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ (سورہ آل عمران، آیت ۱۱۸)

اے مسلمانو اپنے غیروں سے کسی کو راز دار نہ بناؤ۔ وہ تمھاری نقصان رسانی میں کمی نہ کریں گے۔ تمھارا مشقت میں پڑنا ان کے دل کی تمنا ہے۔ دشمنی ان کے منھوں سے ظاہر ہو چکی اور وہ جو ان کے سینوں میں دبی ہے اور بڑی ہے۔ بے شک ہم نے تمھارے لیے نشانیاں صاف بیان فرمادیں، اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ○ (سورہ نساء آیت ۱۳۸) منافقوں کو عذاب الیم کی بشارت دیجیے جو مسلمانوں کے سوا کافروں کو مددگار بناتے ہیں۔ کیا کافروں کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں تو عزت تو ساری اللہ کے لیے ہے۔ اسی کے قبضہ میں ہے۔

تفاسیر دیکھیے۔ تفسیر ابن جریر میں پہلی آیت کے نیچے ہے لا تتخذوهم ایها المؤمنون انصارا و اخولنا و حلفاء فانهم لا یألونکم خبالا و ان اظهروا لکم مودة و صداقة۔ (ج۔ ۴ ص ۶۲۹ دار الکتب العلمیہ، بیروت) اے مسلمانو! کافروں کو مددگار یا بھائی اور حلیف نہ بناؤ وہ تمھاری ضرر رسانی میں کمی نہ کریں گے اگرچہ دوستی اور یارانہ ظاہر کریں۔ تفسیر کبیر میں امام فخر الملۃ والدین رازی زیر آیۂ ثانیہ تحریر فرماتے ہیں۔ ان المسلمین کانوا یشاورونهم فی امورهم ویوانسونهم لماکان بینهم الرضاع والحلف ظنا منهم انهم و ان خالفوهم فی الدین فهم ینصحون لهم فی اسباب المعاش فنهاهم الله تعالیٰ بهذه الآیة عنه فمنع المؤمنین ان یتخذوا بطانة من غیر المؤمنین فیکون ذلك نهیا عن جمیع الکفار۔ (تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۳۲۹)

وقال تعالیٰ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ (سورہ ممتحنہ آیت۔ ۱) یعنی کچھ مسلمان کافروں سے اپنے معاملوں میں مشورہ لیا کرتے اور باہم مؤانست رکھتے، دل بہلایا کرتے کہ کوئی کسی کا دودھ شریک تھا، کوئی کسی کا حلیف تھا، اس گمان پر یہ مشاورت وغیرہ تھی کہ وہ اگرچہ دین میں ہمارے مخالف ہیں، دنیوی امور میں تو ہماری خیر خواہی کریں گے۔ تو اللہ عزوجل نے اس آیت سے انھیں اس مشورت وغیرہ سے روکا اور حکم فرمایا کہ کسی کافر کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ تو یہ ممانعت صرف یہود سے نہیں، جمیع کفار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے اور اپنے دشمن کو یار نہ بناؤ۔ اھ۔

علامۃ الوجود حضرت سیدی ابو السعود علیہ رحمۃ ربہ الودود زیر آیت سوم فرماتے ہیں۔ انکار لرأیهم وابطال له، وبیان لخیبة رجائهم وقطع لاطماعهم الفارغ ای یطلبون بموالاة الکفرة القوة والغلبة (فان العزة لله) جمیعا تعلیل لبطلان رایهم فان انحصار جمیع افراد العزة فی جنابه عزو علا بحیث لاینالها الا اولیائه الذین کتب لهم العزة والغلبة۔ قال تعالی (ولله العزة و لرسوله وللمؤمنین) یقتضی بطلان التعزز بغیره سبحانه و

مستحالة الانتفاع به. (فتوحات الٰہیہ ج۔۲ ص۱۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

تفسیر لباب التاویل میں ہے المعنی لا یجعل المؤمن و لایته لمن هو غیر المؤمن نهی الله المؤمنین ان یوالوا الکفار و یلاطفوهم لقرابة بینهم او محبة او معاشرة۔ مدارک میں ہے۔ای لا تتخذوهم اولیاء تبصرونهم و تستنصرونهم و تواخونهم و تعاشرونهم معاشرة المؤمنین (تفسیر مدارک ج۔۱ ص۲۸۷ دارالباز، مکۃ المکرمہ)۔ کبیر میں ہے المراد ان الله تعالیٰ امر المسلم ان لا یتخذ الحبیب و الناصر الا من المسلمین۔ نیز اسی میں ہے لا تتخذوهم اولیاء ای لا تعتمدوا علی الاستنصار بهم ولا تودوا الیهم۔ (تفسیر کبیر جلد ۴، ص۳۷۵) تفسیر ابوالسعود و فتوحات الٰہیہ میں ہے نهوا عن موالاتهم لقرابة او صدقة جاهلية و نحوهما من اسباب المصادقة والمعاشرة و عن الاستعانة بهم فی العزة و سائر الامور الدینیة۔

ان آیات اور تفاسیر کی عبارات سے روشن کہ کسی کافر سے دوستی بھائی چارہ محبت ان کو انصار و مددگار بنانا، ان کے حلیف بنانا، ان سے مل کر غلبہ وعزت چاہنا حتی کہ ان سے مشاورت وموانست دینی امور نہیں دنیوی باتوں ہی میں سہی ان سے ملاطفت ان سے مسلمانوں کی سی معاشرت سب حرام ہے۔ تو مرتد تو مرتد ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ، کافر سے میل کیسا؟ اس کی طرف ادنیٰ میل حرام ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ. (سورہ ہود، آیت ۱۱۳) ان کی طرف ادنیٰ میل نہ کرو جنھوں نے ظلم کیا کہ تمھیں آگ چھوئے گی۔ کافروں بلکہ فاسقوں سے مجالست کی ممانعت ہے۔ مولیٰ عزوجل فرماتا ہے۔ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ (سورۂ انعام ۶/۶۶) اور اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھ۔ تفسیرات احمدیہ میں ہے الظّٰلمین یعم المبتدع والفاسق والکافر والقعود مع کلهم ممتنع۔ (پارہ۔۷ ص۲۵۵ مطبع علیمی، دہلی)

حدیث میں فرمایا لا تجالسوهم حدیث میں مبتدع کے بارے میں فرمایا من اعرض عن صاحب بدعة بغضاله ملأ الله قلبه امنا وایمانا و من انتهر صاحب بدعة آمنه الله یوم الفزع الاکبر ومن اهان صاحب بدعة رفعه الله فی الجنة مائة درجة۔ من سلم (کنز العمال ج۔۱ حدیث۔۵۵۹۹، بیت الافکار الدولیہ، الریاض) علی صاحب بدعة او لقیه بالبشر او استقبله بما یسره فقد استخف بما انزل علی محمد صلی الله علیه و سلم۔ اور حدیث میں ہے اذا لقیتم صاحب بدعة فاکفهروا فی وجهه۔ منافق کے لیے حدیث میں ارشاد ہوا۔ لا تقولوا للمنافق سیداً فان یکن سیدکم فقد اسخطتم ربکم۔ (مشکوٰۃ شریف، حدیث۔۴۷۸۰، دارالفکر، بیروت) تو منافق فاسق کی تعظیم حرام ہے۔ حدیث میں ہے اذا مدح الفاسق غضب الرب واهتز لذلك العرش (مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۴)

تو کسی مرتد کے ساتھ دوستی محبت، اس کی اطاعت، اس کی نصرت، اس کی استعانت، اس سے مشاورت، اس سے موانست و ملاطفت، اس سے خواہش غلبہ وعزت، اس کے ساتھ عوام نہیں خواص مسلمین سے بھی اخص الخواص کی سی معاشرت اسے رازدار سربراہ کار بنانا عمل نہیں اس کے ہاتھوں پڑنا اس کے ہاتھ میں اپنی گردنیں دے دینا اسے والی وامام ماننا کیسا اشد ظلم اور اشد حرام اخبث واشنع کام ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

آیات کریمہ واحادیث وتفسیر کے یہ ارشادات دیکھنے کے بعد سچے دل سے خدا کی طرف رجوع کر کے دل پر ہاتھ دھر کے کہو کیا وہ جس نے کہا کہ "لوگ انبیا کی وساطت سے قانون خدا کی تعمیل کرنے اور ان کو ذریعہ علم سمجھنے کی بجائے ان کے پیچھے لگ گئے۔ فرقہ بند بن

گئے، خدا کو تسلیم کرنے مسلم بننے بجائے (الی قولہ) محمدی بن گئے۔ان کو سراہنا ان کو اپنے افعال و اعمال میں بت بنالینا جزو دین جاننا۔" اسلام کو شرک ٹھہرا کر انبیا کی اطاعت و محبت ان کے سراہنے کو بت بنالینا، اسے شرک سمجھا کر خدا کی تسلیم سے اسے انکار اور سارے مسلمانوں کو نامسلم مشرک کافر صراحۃً بتا کر، خود کافر مرتد ہوا یا نہیں؟ مبتدع نہیں فاسق کے متعلق اور پر حکم معلوم ہو چکا۔تو خود بتاؤ کہ ایسے شخص کو والی و امام بنانے والا کیسا ہوگا؟

کیا وہ جس نے نماز اور ارکان اسلام کے متعلق یہ کہا کہ "صوم و صلاۃ حج و زکاۃ کو رسماً یا عادتاً یا تعظیماً ادا کر لینا یا کلمۂ شہادت کو بہ صحت تمام پڑھ لینا میرے نزدیک قطعاً کوئی عبادت نہیں۔" اور کہے" قرآن کی الصلاۃ نوکر کا پنج وقتہ سلام ہے (الی قولہ) مگر عبادت قطعاً نہیں۔" اور جس نے کہا کہ ص ۹۰ کام چور اور حرام خور نوکر کے لیے یہ ہر وقت سلام کرتے رہنا یہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جانا یا مؤدب سروقد ہو جانا پرلے درجہ کی بدمعاشی ہے" اور جس نے کہا ص ۱۱۲" جس طرح کسی آقا کی ملازمت میں وقت کی تخصیص نہیں ہوتی اسی طرح عبادت بھی وقت سے حتماً بے نیاز ہے۔الصلاۃ صرف ایک پنج وقتہ حاضری اور سلام ہے، بجائے خود عبادت نہیں۔" نیز جس نے کہا ص ۹۹ پتھر کو رسمی پرستش یا خدا کے آگے رسمی سجدے کر لینے سے کسی قوم یا فرد کے عابد خدا یا عابد ماسوا ہونے کا فیصلہ نہیں ہوسکتا۔" اس کے مشرک موحد ہونے کا معاملہ طے نہیں ہوسکتا۔" نیز کہا" اگر کوئی فرد یا قوم اپنے اعمال میں خدا کے احکام پر چل رہی ہے لیکن رسماً یا عادتاً یارواجاً کسی بت، کسی پتھر، کسی شمس و قمر کے آگے ماتھا ٹیک رہی ہے تو وہ در حقیقت خدا کی عابد ہے۔" نیز جس نے کہا ص ۱۵۰" مسلم کا خدا کو منہ سے ایک ایک چپتے رہنا کلمے اور لاحول پڑھ کر جنت کا حق دار بننا۔قرآن کا ایک ایک حرف پڑھ کر دس دس نیکیوں کا منتظر رہنا، پیروں کی پرستش، قبروں کی زیارت، پھونکا پھانکی اور استنجا دوں کو دین سمجھنا وغیرہ فی الحقیقت نا کار براز اور بے دلیل باتیں ہیں کہ ہر سلیم الذہن شخص کو ان سے اعراض کرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔"

خود بتاؤ کہ یہ شخص بیخ کن اسلام اشد مرتد بے لگام ہوا یا نہیں؟ اور جو ایسا ہو اخود سمجھو کہ اسے مطاع ٹھہرانا اپنے سیاہ سپید کا اختیار دینا کیسا ہے؟ کیا اسلام دشمنی، مسلم بیخ کنی اس کے منہ سے ظاہر نہ ہو چکی؟ کیا اس نے جو کچھ اسلام اور ارکان اور شعائر دین اور سنن سید المرسلین کے متعلق کہا اس سے آشکارا نہ ہوا کہ اس نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنالیا؟ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود عرض بیہ کہ بے اس کے کام نہ چلے گا ایک کافر کو محرری کا عہدہ دینے پر راضی نہ ہوئے۔حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی کہ میرا ایک محرر نصرانی ہے فرمایا تمہیں اس سے کیا تعلق؟ خدا تم سے سمجھے۔کیوں نہ کسی کھرے مسلمان کو محرر رکھا۔کیا تم نے یہ ارشاد الٰہی نہ سنا اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو یار نہ بناؤ۔میں نے عرض کیا اس کا دین اس کے لیے ہے مجھے تو اس کی محرری سے کام ہے۔اس پر صاف فرمادیا کہ میں کافروں کو گرامی نہ کروں گا جب کہ اللہ نے انہیں خوار کیا نہ انہیں عزت دوں گا جب کہ اللہ نے انہیں ذلیل کیا۔نہ انہیں قرب دوں گا جب کہ اللہ نے انہیں دور کیا۔"

جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر عرض کیا کہ" بصرہ کا کام بے اس کے نہ چلے گا۔" اس پر فرمایا: مات النصرانی والسلام یعنی فرض کرو کہ وہ نصرانی مرگیا۔اب اس کے بعد کیا کرو گے؟ جو اس وقت کرو گے وہ اب کرو۔کسی مسلمان کو مقرر کرکے اس سے بے پرواہ ہو جاؤ۔حضرت ابوموسیٰ اشعری کو ایک فرمان بھی تحریر فرمایا تھا جس میں ہے لیس لنا ان نأتمنهم و قد خونهم الله و لا ان نرفعهم و قد وضعهم الله و لا ان نعزهم و قد امرنا بان يعطوا الجزية عن يدوهم صاغرون ہمیں جائز نہیں کہ کافروں کو امین بنائیں حالاں کہ اللہ تعالیٰ انہیں خائن بتاتا ہے یا ہم انہیں رفعت دیں حالاں کہ اللہ نے انہیں پستی دی یا

انھیں عزت دیں حالاں کہ ہم حکم فرمائے گئے کہ کافر ذلت وخواری کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جزیہ پیش کریں۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافر نصرانی کو باوجود اصرار، محرری نہیں دیتے، اسے حرام فرماتے ہیں کہاں یہ۔ اور کہاں یہ کہ آج ایسے شخص کو جو اسلام و مسلمین کا بیخ کن ہے، ان کا ایسا دشمن پر فن ہے جس کے منہ سے دشمنی بار بار ظاہر و آشکار ہو چکی، جو اسلام کو کفر، کفر کو اسلام ٹھہراتا ہے، اسے اپنا والی اپنی جانوں کا مختار بنانا چاہا جاتا ہے کہ ''اس کے عقائد سے بیزار ہیں۔ بیزار رہیں گے مگر اپنی جانیں اس کے سپرد کیوں نہ کر دیں۔'' انا للہ وانا الیہ راجعون'' ؏ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا کجا۔

اس کا جواب بھی حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد سے سمجھ لو۔ کہ اس کے عقائد سے ہم بیزار ہیں، بیزار رہیں گے یعنی اس کے عقیدے اس کے لیے ہیں ہمیں تو اس کی تحریک کا کام ہے۔ پھر لطف یہ کہ اس کی تحریک مذہبی تحریک ہے۔ جسے زبردستی یہ کہا جاتا ہے کہ وہ مذہبی نہیں۔ اس کا انکار آفتاب کے انکار سے زیادہ بدتر ہے۔ اس کی کتابیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ یہ تحریک مذہبی ہے۔ اس نے ایک اسلام اور گڑھا ہے۔ جسے رواج دینا چاہتا ہے۔ اور اس اسلام کو کفر ٹھہراتا ہے۔

بہت کثیر عبارات اس کی ایسی پیش کی جا سکتی ہیں اس وقت صرف ایک ہی عبارت پیش کی جاتی ہے ۔'' جو بات بالکل واضح کرنا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ خاکسار تحریک خالص مذہبی تحریک ہے۔'' اور اس نے اپنا دین اپنا عقیدہ اپنا مذہب بھی کھول کھول کر بتایا ہے اور چوبیس (۲۴) اصول میں بھی اسے رکھا ہے اگرچہ وہاں لفظ دین و مذہب و عقیدہ نہیں لکھا ہے۔ تحریک چودہ (۱۴) نکات سے بھی ایک عبارت پڑھ لیجیے۔''

(۲) قرن اول یا قرون اولیٰ کا عمل اسلام ہی صحیح اسلام ہے۔ خاکسار سپاہی رسول (خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے طریق عمل کے سوا کسی شی کو دین اسلام نہیں سمجھتا۔

(۳) مولوی کا آج کل کا بنایا ہوا راستہ غلط ہے۔ خاکسار سپاہی اس غلط مذہب کو صفحۂ زمین سے مٹانے اور اس کی جگہ نبوی اسلام پھر رائج کرنے کے لیے اٹھا ہے۔'' کہیے جب وہ تحریک مذہبی ہے اور سپاہی اس کو رواج دینے کا پابند اور حلف نامہ یا عہد نامہ جو ہو وہ جب یہ سب کچھ دیکھ کر لکھے گا تو کیوں کر اس کے دین و مذہب سے علاحدہ رہ سکے گا اور اگر کوئی بالفرض بے دیکھے بھالے بے سوچے سمجھے دستخط کرے گا تو بعد علم اگر رہے گا تو کیسے اس کے دین سے علاحدہ رہے گا؟ اس کا دین تو اسی عمل کا نام ہے و بس۔ اس کی تصریحات بے شمار سے [illegible]۔ جو مشرقی کے گروپ میں شریک ہو گا شرع ہی کو پیٹھ نہ دے گا بل کہ عقل سے بھی کوئی واسطہ نہ رکھے گا جب کہ اس کے اقوال پر مطلع ہو کر حرکت کرے گا۔ کہ بیخ کن اسلام و مسلمین سے خدمت ایمان و مومنین کی امید باندھنے اور اسے بل کہ اسی کو اس کا اہل جاننے والے ایسے ہی ہیں جیسے پہلے گاندھی کی آندھی میں پتے کی طرح اڑتے پھرنے اور اسے مربی بے کس مسلمانوں کا حامی و یار و یاور، مسیحا مردہ قوم کو [illegible] آب چشمۂ حیوان پلانے والا۔ فخر قوم، ایک خدا سے ڈرنے والا۔ رحمت خدا ابن کر مبعوث من اللہ نبی بالقوۃ مسجود ملائکہ کہنے [illegible] سمجھنے والے ۔ ہمیں امید ہے ہم کامیاب ہوں گے ضرور۔ کہ ہیں ہماری مدد پر مہاتما گاندھی بجائے خطبہ جمعہ گاندھی کی مدح کے گیت گانے والے اسے مقدس ذات ستودہ صفات کہنے والے اس کی مدح میں ایسے ہوش گمانے والے حمد الٰہی کا مصرع اس کی مدح میں پڑھنے والے یہ شعر گانے والے ۔

تعریف کوئی کرے ان کی یہ نا درست　　خاموشی از ثنائے تو حد ثنا تست

جب گاندھی کی آندھی کا گرد و غبار بکرم کردگار دفع ہوا اور آنکھیں کھلیں اور اپنی زبوں تر حالت اور سراسر نقصان نظر آیا اور سمجھے کہ ہم بڑے عظیم جال میں پھانسے گئے تھے۔ اور ہمارے حلیف دراصل ہمارے حریف تھے۔ وہ برادران وطن نہ تھے بل کہ ہمارے خون کے

پیاسے تھے۔ جنھوں نے ہمیں سبز باغ دکھلا کر اور طرح طرح بہلا کر ہمارا بھیجا ہی نہ کھایا بلکہ سراپا ہمیں چوس کر نچوڑی ہڈی کی طرح کر چھوڑا۔ جب بھیانک سیاہ رات کی تاریکی دور ہوئی اور خدا نے نور کا تڑکا کیا اور آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اس رات ہماری عشق بازی کسی کالی بلا کے ساتھ رہی جیسا جب بے نتیجہ افسوس۔ یوں ہی اب آنکھیں بند کر کے اندھا دھند اتباع اطاعت محبت کا نتیجہ ہوگا۔ تاریکی دور ہونے دو ،نور کا تڑکا ہونے دو۔ کچھ دیر جاتی ہے کہ صبح ہوتی ہے اور معلوم ہو جائے گا ؎

بوقت صبح شود ہم چو روز معلومت که با که باختہ عشق در شب دیجور

اللہ مسلمانوں کی آنکھیں کھولے اور اس فتنہ اور تمام فتنوں سے محفوظ رکھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ : صاحب بہار شریعت نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر حوض دہ در دہ سے چھوٹا ہے اور کسی شخص نے اس حوض میں بلا دھوئے ہوئے ہاتھ وغیرہ ڈال دیا تو اس پانی سے وضو درست نہیں ہوگا مگر زید کہتا ہے کہ مسئلہ مذکورہ بالا صاحب بہار شریعت نے غلط تحریر فرمایا ہے اور فتاویٰ قاضی خان جلد اول وغیرہ سے عبارت مندرجہ ذیل صاحب موصوف کے خلاف اور اپنے دعویٰ کے اثبات میں پیش کرتا ہے۔ (۱) جلد اول فتاویٰ قاضی خان بہامش عالم گیریہ ص ۱۵ المحدث والجنب اذا ادخل یدہ فی الانـاء للاغتراف و لیس علیھا نجاسۃ لا یفسد المـاء و کذا اذا وقـع الـکوز فـی الحب فادخل یدہ فی الجب الی المرفق للخراج الکوز لا یصیر الماء مستعملا اھ پس التماس ہے کہ صاحب بہار شریعت حق پر ہیں یا زید کا دعویٰ حق ہے؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب : زید غلط کہتا ہے۔ بہار شریعت میں مسئلہ صحیح لکھا ہے۔ فتاویٰ امام قاضی خان کی عبارت بہار شریعت کے مخالف نہیں۔ بہار شریعت کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت دہ در دہ سے کم گہرے ہوئے پانی میں ہاتھ ڈال دے گا تو مستعمل ہو جائے گا اور فتاویٰ قاضی خاں کا مطلب یہ ہے کہ اگر ضرورت سے ڈالے گا تو مستعمل نہ ہوگا۔ یہ دونوں صحیح ہیں۔ ایک دوسرے سے معارض نہیں۔ اگر زید اس عبارت کے آگے یہ لفظ بھی دیکھ لیتا تو مسئلہ سمجھ جاتا اور بہار شریعت کے مسئلہ کو غلط بتانے کی جرأت نہ کرتا عبارت مذکورہ سوال کے آگے بالکل اس کے متصل ہی ہے۔ و کذا الجنب اذا ادخل یدہ فی البئر لطلب الدلو لا یصیر الماء مستعملا لمکان الضرورۃ (خانیہ مع عالمگیری جلد اول ص ۱۵) پھر کچھ آگے ہے ولـو ادخـل یدہ او رجلہ فی الانـاء لـلتبرد یصیر الماء مستعملا لانعدام الـضـرورۃ۔ (خانیہ مع عالمگیری جلد اول ص ۱۵) اخراج کوز تو ضرورت ہی ہے۔ اغتراف بھی عاقل ضرورت ہی سے کرتا ہے کہ پانی نکالنے کا کوئی ظرف موجود نہیں "للاغتراف" خود ضرورت بتا رہا ہے اغتـرف نہیں فرمایا بلکہ یوں فرمایا المحـدث یـدخـل یـدہ فی الانـاء لـلاغتـراف تو خانیہ کے ان دونوں مسئلوں میں ضرورت ہے اور بے شک ضرورت کے وقت محض ہاتھ ڈالنے سے کم مستعمل نہیں ہوتا۔ مسئلہ اغتراف کو اگر عالمگیری میں دیکھا ہوتا تو وہاں للضرورۃ ـ ل جاتا عالمگیری میں یہ مسئلہ یوں لکھا اذا ادخل المحدث او الجنب اوالحائض التی طھرت یدہ فی الماء للاغتراف لا یـصیر مستعملا للضرورۃ کذا فی التبیین۔ (عالمگیری مع خانیہ، جلد اول، ص ۲۲) خود امام قاضی خان نے دونوں مسئلوں کے بعد تحریر فرمایا ہے لـمـکـان الضـرورۃ جس کا تعلق دونوں سے ہے صرف صورت اخیر سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ : از مرزا امتیاز بیگ رضوی چتر پور (ایم پی)

سیدی مرشدی و مولائی حضور مفتی اعظم دامت برکاتہ العالیہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین خاندانی منصوبہ بندی (فیملی پلاننگ) کے متعلق نسبندی کے آپریشن کرانے کے بارے میں (موجودہ

مردوں کے بارے میں) کیوں کہ آج کل گورنمنٹ کی طرف سے ایسے احکام آئے ہیں کہ نسبندی کا آپریشن نہ کرانے والے گورنمنٹی ملازم کو ملازمانہ ترقی نہ دی جائے گی (وغیرہ وغیرہ) عین نوازش ہوگی۔ حضور بذات خود تکلیف فرما کر اس مسئلہ کو حل کر کے روانہ کریں کیوں کہ میں گورنمنٹی ملازم ہوں اور گورنمنٹ کو اس کا جواب دینا ہے۔ فتویٰ قرآن وحدیث سے مدلل ہونا چاہیے۔؟

الجواب: بعون الملک الوھاب ۔ ضبط تولید کے لیے مرد کی نسبندی یا عورت کا آپریشن متعدد وجوہ سے شرعاً ناجائز وحرام ہے۔ اس میں اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو بدلنا ہے اور قرآن وحدیث کی نص سے ناجائز وحرام ہے۔ قرآن عظیم میں ہے۔ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ (سورہ نسا آیت ۱۱۹) یعنی شیطان بولا میں ان کو بہکاؤں گا تو وہ اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کو بدلیں گے۔ تفسیر صاوی میں ہے من ذلك تغيير الجسم (تفسیر صاوی جلد اول ص ۲۳۱) اور اس میں سے ہے جسم کی تغیر اور تفسیر کبیر میں ہے ان معنى تغيير خلق الله ههنا الاخصاء الخ (تفسیر کبیر جلد ۴، ص ۲۲۳) یعنی اس آیت میں تغییر خلق کا معنی خصی کرنا وغیرہ ہے۔ بخاری ومسلم کی حدیث ہے لعن الله المغيرات خلق الله (ملخصا) یعنی اللہ کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز (جسم کی قدرتی بناوٹ) کو بدلنے والی ہیں۔

نیز اس میں بے وجہ شرعی ایک نس اور عضو کاٹا جاتا ہے وہ بھی ایسی نس ایسا عضو جو توالد وتناسل کا ذریعہ ہے اور بے ضرورت شرعی دوسرے کے سامنے ستر وہ بھی ستر غلیظ کھولا جاتا ہے اور اس کو چھوتا بھی ہے اور یہ تینوں امور بھی حرام ہیں کما فی کتب الفقه اور قاطع توالد ہونے کے سبب معنی خصا میں داخل ہے اور انسان کا خصی ہونا یا کرنا بھی بہ نص قرآن وحدیث حرام ہے جیسا کہ آیت وحدیث سے اوپر گزرا۔

نیز حدیث میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا لیس منامن خصي و اختصي (مشکوٰۃ) جس نے دوسرے انسان کو خصی کیا یا خود خصی ہوا وہ ہم میں سے نہیں (مشکوٰۃ شریف) پھر یہ گمان کہ کثرت اولاد مفلسی کا باعث ہے، غلط ہے۔ بل کہ اللہ ورسول کی نافرمانی و بے حیائی کے کام مفلسی کے اسباب سے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ فرماتا ہے "لَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ" (سورۂ انعام آیت ۱۵۱)

یعنی اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی کے باعث ہم ہی تمہیں اور انھیں سب کو رزق دیتے ہیں اور بے حیائیوں کے پاس نہ جاؤ جو ان میں کھلی ہیں اور جو چھپی۔ الحاصل نسبندی یا آپریشن شریعت اسلامیہ میں ہرگز جائز نہیں لہٰذا اس سے نفرت واحتراز لازم ہے۔ والمولیٰ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ : زید کہتا کہ تجہیز وتکفین کے بعد میت کی قبر پر بہ آواز بلند اذان کہنا بدعت ہے اور اس کے ثبوت میں شامی اور توشیح کی حسب ذیل عبارت پیش کرتا ہے جواب طلب امر یہ ہے کہ شامی اور توشیح اہل سنت کی مستند قابل العمل کتابیں ہیں یا نہیں؟ اور آیا اس خاص مسئلہ میں شامی اور توشیح کی مختصر فیصلہ کی بنا پر اذان علی القبر درست رہے گی یا نہیں؟ بہر دو صورت ادلہ اربعہ شرعیہ سے دلیل قائم کی جاوے اور صاحب مذہب کا قول نقل کیا جائے۔ بینوا توجروا۔ وہ دونوں عبارتیں یہ ہیں: لا يسن الاذان عند ادخال الميت في قبره كما هو مختار الائمة و قد صرح ابن حجر في فتاواه بدعة شامی جلد ۱، ص ۶۰۰ اور توشیح سے عبارت نقل کرتا ہے۔ الاذان على القبر ليس بشئى۔

الجواب : کتاب کا مستند اور معتمد ہونا اور بات ہے اور کتاب میں جو کچھ ہے وہ سب معتمد علیہ ہونا اور بات، اذان قبر کو سنت کس نے بتایا ہے؟ جس پر شامی کی عبارت دکھائی جاتی ہے کہ اس میں اسے بدعت لکھا۔ بے شک بدعت ہے مگر بدعت حسنہ اس کے ثبوت کو ایذان الاجر فی اذان القبر دیکھیں۔ شامی اور توشیح کا مختصر فیصلہ بھی تو ہے کہ اذان قبر جو مسلمانوں میں آج کل رائج ومعتاد ہے مسنون نہیں یا ان کی عبارت میں یہ ہے کہ یہ فعل حرام ہے، ناجائز ہے، گناہ ہے۔ بدعت تو مسجد کے گنبد ومینار بھی ہیں۔ بدعت تو یہ مروجہ مدارس بھی

ہیں۔ بدعت تو قرآن عظیم میں زیروزبر پیش وغیرہ کی کتابت بھی ہے۔ بدعت تو تعلیم علوم دینیہ پر اجرت بھی ہے۔ کیا یہ عبارت پیش کرنے والے مساجد کے گنبدو مینار ڈھانے اوران کے ناجائز و ناروا ہونے کے فتوے دیں گے؟ اور کیا یہ لوگ ان مدارس کو ازبیخ برکندہ کریں گے؟ اوراس کے اجرا کو حرام بتائیں گے؟ کیا ایسے مصحف جن میں ضبط حرکات کی بدعت ہے، معاذ اللہ دفن کرادیں گے؟ اوراس بدعت واجبہ کو ممنوع وحرام ٹھہرائیں گے جس کے بغیر قرآنِ عظیم کا پڑھنا تقریباً ناممکن ہے اس قدر دشوار ہے؟۔

جوامر غیر مسنون مسلمانوں میں شرقاً غرباً رائج و معتاد ہے۔ علما ازراہ احتیاط تنبیہ کے لیے اسے فرمائیں۔ یہ مسنون نہیں کہ کہیں مسلمان اسے سنت سمجھ کر غلطی میں مبتلا نہ ہوں اسے علما کے لا یسن فرمانے سے بدعت محرمہ اعتقاد کرنے والے جیسے خوش فہم میں ظاہر ہے، رہا صاحب توشیح کا اسے لیس بشئی کہنا تو وہ خود لیس بشی ہے کہ اذان ذکرِ الٰہی ہے اور ذکر سے نزول نور و رحمت و سرور و اطمینان قلب یقینی (قال تعالیٰ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ (سورہ رعد، آیت ۲۸) اذان سے فائدہ دفع وحشت و رد بلا و فرار شیطان بھی ہے اور تلقین بھی اور وقت (تو) اور، وہ وقت سوال کیسا شدید وقت ہے۔ اللہ اللہ اللہ حسبنا ربنا ونعم الوکیل۔ اس وقت نزول سکینہ و رحمت اور دفع وحشت وغفلت وسکون واطمینان لب کی کیسی شدید حاجت ہے تو اس کے لیے اذان لیس بشی ہوگی یا شی عظیم النفع۔ جس سے زندہ اور مردہ دونوں کا بھلا۔ یہاں ذکر اللہ مستحب ہوگا یا لیس بشی۔ وہ وقت نہایت نازک وقت ہوتا ہے اور عدو ایمان، دشمن مسلمان یعنی ابلیس لعین اس وقت ایمان کی گھات میں اندرون قبر پیش میت فریب دہی کو کھڑا ہوتا ہے۔ سوال منکر نکیر من ربک پر اپنی جانب اشارہ کرتا ہے کہ معاذ اللہ میت اس شیطان کو اپنا رب بتادے۔ ایسے وقت اذان جس سے وہ ملعون گوز زنان بھاگے اور میت مسلمان اسے سنے اور غفلت سے جاگے۔ لیس بشی ہوگی؟ یا اعلیٰ درجہ کی مستحسن۔

حدیث میں خاص اذان کے لیے بھی ارشاد ہوا کہ میت ہمیشہ اذان سنتی ہے جب تک قبر کی تطیین نہ ہو۔ فی المغنی و عنه فی الغنیة عن الحسن عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه و آله و سلم لا یزال المیت یسمع الاذان مالم یطین قبرہ ۔ (غنیہ ص ۵۵۵، مطبوعہ رحیمیہ) مگر وہابیہ بدخواہ مسلمان خیر خواہ شیاطین کو کیونکر گوارہ ہو کہ اس وقت کسی مسلمان کو اس ذکر اللہ سے نفع پہونچے اور شیطان وہاں سے گوز زناں بھاگے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اللہ اللہ۔ اگر یہ عبارت پیش کرنے والے کچھ بھی سمجھ سے کام لیتے یا سمجھ کر الٹی نہ کہتے انصاف کے گلے پر چھری نہ چلاتے تو یہ عبارتیں ہرگز پیش نہ کرتے اور عوام کو نہ بہکاتے۔ ان سے عبارتوں کے کون سے لفظ نے یہ بتایا کہ اذان علی القبر نادرست و ناروا و ناجائز و ممنوع و حرام و گناہ ہے۔ حرام و گناہ ہوتی تو لا یسن ہی کیوں کہا جاتا؟ ممنوع و ناروا ہوتی تو لیس بشئی ہی کیوں بتایا جاتا؟ اگر یہاں کراہت پر کوئی قرینہ ہوتا تو اس سے کسی طرح قول کیا جاسکتا کہ کراہت مراد ہے اور جس کراہت کا قرینہ ہوتا اسی کراہت کا کوئی قول کرسکتا۔ پھر بھی یہ مسئلہ ایسا نہ ہوتا کہ وہابیہ اس کی بنا پر اس کے مجیز پر بدعتی ہونے کا حسب عادت مستمرہ زبردستی منہ آتے کہ اس کا مکروہ و مندوب یا جائز و مکروہ تحریمی ہونا بدعت و سنت ہونے کی طرح مختلف فیہ ہوتا۔

ابن حجر کا بدعت بتانا تو نظر آیا اور اسی ردالمحتار میں علامہ خیر الدین رملی کے حاشیہ بحر سے جو انھوں نے نقل کیا ہے کہ میں نے بعض کتب میں دیکھا ہے کہ مردہ کو قبر میں اتارتے وقت اذان کو مسنون کہا گیا ہے، نہ دیکھا۔ یہ تو باب الاذان میں تھا وہیں کتاب الجنائز میں اس عبارت میں جو سوال میں پیش کی گئی ہے، بدعت کے بعد ہے۔ ومن ظن انه سنة الخ یہ نظر نہ آیا۔ یہی ابن حجر جو اس کے سنت ہونے کے منکر ہیں اسے بدعت فرماتے ہیں۔ انھوں نے سنت بتانے والے کو بدعتی نہ بتایا اتنا فرمایا کہ لم یصب جس نے اسے سنت کہا اس نے ٹھیک

نہ کہا۔ یہ عبارت پیش کرنے والے صاحب درمختار کا قول لا یسن لغیرھا کہ اذان غیر نماز فرض کے لیے مسنون نہیں ہے۔ دیکھ کر مولود کے کان میں اذان دیں گے۔ یونہی مہموم، یونہی مصروع، یونہی سخت غضب ناک یونہی شریر جانور یونہی بدعادت انسان کے کان میں اذان کہتے ،یونہی وقت جنگ یونہی آگ لگ جانے کے وقت یونہی جن کی سرکشی اور شرارت وایذا دہی کے وقت، یونہی وہ شخص جو جنگل بیابان میں راہ بھٹکے اس کی اذان کو بدعت سیئہ حرام وناجائز وگناہ بتائیں گے؟

اگر چہ علامہ شامی اس کے حاشیہ (ردالمحتار جلد اول ص ۳۸۵، مطبوعہ مصر) میں علامہ خیر الدین رملی کے حاشیہ بحر سے یہ نقل کیا کریں کہ فی حاشیة البحر للخیر الرملی رایت فی کتب الشافعیة انه قد یسن الاذان لغیر الصلاة، کما فی اذان المولود، والمهموم، والمصروع، والغضبان، و من ساء خلقه من انسان او بهیمة ، و عند مزدحم الجیش و عند الحریق ، قیل وعند انزال المیت القبر قیاسا علی اول خروجه للدنیا لکن رده ابن حجر فی شرح العباب و عند تغول الغیلان ای عند تمرد الجن لخبر صحیح فیه، اقول و لا بعد فیه عندنا اھ ۔اگر چہ وہ شرعۃ الاسلام سے نقل کیا کریں کہ ولمن ضل الطریق فی ارض قفر. یوں ہی اگر چہ وہ کہا کریں کہ امام ابن حجر نے اذان واقامت خلف مسافر کو مسنون بتایا ہے۔ اللہ اللہ یہ عبارتیں جو سوال میں ہیں خود افادہ جواز فرما رہی ہیں۔

مگر الٹی گنگا بہانے والے ان سے ناجواز ہی سمجھ رہے ہیں۔ اے سبحان اللہ۔ ارے خوش فہمو۔ جو ناجائز و ناروا ہوگا، اسے حرام کہا جائے گا، ممنوع بتایا جائے گا، گناہ فرمایا جائے گا۔ ایسی بدعت کو بدعت سیئہ لکھا جائے گا یا لیس بشئی ۔ لیس بشئی کہنے ہی نے اسے جائز بتایا ع وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور فہم اپنا تھا۔ اللہ اللہ۔ جواز اذانِ قبر پر دلیل طلب کرنا تو الٹی بات ہے کہ اصل جواز ہے تو جو ممنوع وحرام کہے اس سے پوچھا جائے کہ کس دلیل سے حرام بتایا ہے اور وہ بھی ذکر اللہ کو۔ کون سی وجہ حرمت وکراہت عارض ہے۔ مکروہ تنزیہی (خلاف اولیٰ) تک کے لیے تو بہ تصریح علما دلیل خاص درکار کما فی البحر ورد المحتار وغیرهما من الاسفار ۔ مگر معاندین کی ہر ہٹ ختم کرنے اور ہر ضد پوری کرنے کو ہم تیار ہیں سنیے اللہ عزوجل اپنی کتاب مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ۔ (سورہ احزاب آیت ۴۱) نیز فرماتا ہے اذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (سورہ بقرہ آیت ۲۰۰) اور فرماتا ہے فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ (سورہ بقرہ، آیت ۱۵۲) حدیث میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کا ارشاد عظیم ہے اذکروا اللہ عند کل شجر و حجر۔ نیز فرماتے ہیں علیه الصلاة والسلام الی یوم القیام: اذکرو الله حتی یقولوا مجنون۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال، لابن عدی، ج۔ ۲ ص ۹۸۰ دار الفکر، بیروت) اور فرماتے ہیں صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم لم یفرض الله علی عباده فریضة ا لا جعل لها حدا معلوما ثم عذر اهلها فی حال العذر غیر الذکر فانه لم یجعل له حدا انتهی الیه ولم یعذر احدا فی ترکه الا مغلوبا علی عقله وامرهم به فی الاحوال کلها.

دیکھیے اللہ ورسول عز جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذکر کا حکم مطلقاً فرمایا ذکر الٰہی ہر جگہ مطلوب ومندوب ہوا تو کسی خاص جگہ ممنوع ہونے کے لیے دلیل خاص درکار ہے اور جہاں نہی نہیں آئی ہے، وہاں زبردستی ذکر الٰہی ممنوع بتانا اور تو کیا کہا جائے، نری ڈھٹائی سخت بے حیائی نہیں تو اور کیا ہے؟ اذان بھی ہر اس مسلمان کے نزدیک بلکہ اس کے نزدیک بھی جو شخص نام اسلام رکھتا ہو، ذکرِ خدا ہے۔ تو ہر جگہ خوب ومرغوب ہے۔ ہر جگہ میں نزد قبر مسلم بھی ہے اور یہاں کوئی نہی موجود نہیں تو جواز کیا مستحسن ومندوب ہے۔ کیا کوئی نہی دکھائی جاسکتی ہے کہ قرآن پاک یا حدیث اور جانے دو کسی معتبر ومعتمد امام بلکہ کسی عالم نے اسے ممنوع بتایا ہو۔ مگر لا یسن نہ ہو کہ لا یسن کا ترجمہ لا

یجوز نہیں۔ یا یہ ٹھہرائی ہے کہ جو مسنون نہیں ناجائز ہے۔ پھر دیکھیے ہمارے علما کا اجماعی قاعدہ مسلمہ ہے کہ اصل اشیا میں اباحت ہے تو اذان علی القبر بھی اصل میں اجماعا مباح ہے۔ اور عروض کراہت وحرمت کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ ھذا اجمال الکلام والتفصیل فی رسالۃ سیدنا الوالد العلام المجدد الامام شیخ المسلمین والاسلام ایذان الاجر فی اذان القبر، واللہ تعالیٰ اعلم۔ رہا صاحب مذہب کے قول کا مطالبہ تو اگر یہی لیل ونہار ہیں تو فقہ حنفی کے وہ معدود مسائل ہیں جن میں امام اعظم کا نص موجود ہو لائق تسلیم ہوں گے، باقی سب رد۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم الصمد واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ : زید جو حنفی المذہب ہے، اختلافی مسائل میں اگر قول امام ابوحنیفہ کے سوا امام ابو یوسف کا قول مانے تو حنفی المذہب رہے گا یا نہیں۔ اگر نہیں رہے گا تو مسائل اختلافی میں صدہا جگہ قول امام ابوحنیفہ کو چھوڑ کر قول امام ابو یوسف کو علما نے کیوں اختیار کیا ہے؟

الجواب : قول امام ابو یوسف یا قول امام محمد یا ان کے سوا امام زفر وغیرہ تلامذہ حضور امام الائمہ، کاشف الغمہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عمل سے حنفی، یوسفی یا زفری وغیرہ نہ ہو جائے گا کہ مذہب نہیں مگر امام اعظم کا ان کے اقوال امام اعظم ہی کے اقوال ہیں۔ جو جس سے مروی ہوا اس کی طرف منسوب ہوا۔ جس مسئلہ میں امام کا کوئی قول نہیں ملتا امام ابو یوسف مضطرب ہوتے اور حیران رہتے، خود ان سے یہ منقول ہوا۔ علامہ محقق ابن نجیم مصری بحرالرائق شرح کنزالدقائق میں فتاویٰ ظہیریہ سے ناقل۔ کل مالم یرو عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فیہ قول بقی کذلک مضطربا الی یوم القیامۃ و حکی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انہ کان یضطرب فی بعض المسائل و کان یقول کل مسئلۃ لیس لشیخنا فیھا قول فنحن فیھا ھکذا۔ ہر وہ امر جس میں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کوئی قول مروی نہ ہوا قیامت تک مضطرب ہی رہے گا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کوئی قول مروی نہ ہوا قیامت تک مضطرب ہی رہے گا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حکایت ہوا کہ وہ بعض مسائل میں مضطرب حیران و پریشان ہوتے اور فرمایا کرتے ہر وہ مسئلہ جس میں ہمارے شیخ کا کوئی قول نہیں، ہمارا اس میں یہی حال ہے۔ ایسی جگہ بھی یہ امام ابو یوسف یا امام کے اصحاب سے کوئی صاحب جو فرمائیں وہ بھی امام ہی کا ارشاد ہے کہ یہ جو کچھ فرماتے ہیں آخر انہیں اصول وقواعد سے جن پر امام اعظم کے مذہب کی بنا ہے۔ یہ حادثہ اگر امام اعظم کے عہد میں حدوث پاتا امام کے حضور پیش ہوتا، انہیں اصول سے امام کا بھی یہ ارشاد ہوتا۔

قول دو طرح کا ہوتا ہے صوری وضروری، صوری وہ جو مقول منقول ہو، ضروری وہ جس کا قائل نصا قائل نہیں لیکن ضمنا ضرور قائل ہے جیسے کوئی اپنے خدام کو کسی شیخ صالح کے اکرام کا حکم دے اور بار بار بہ تکرار اس سے کہے کہ ان کی تعظیم کیا کرو اور تعظیم فاسق سے روکے کہ کسی فاسق کی تعظیم کبھی ہرگز نہ کرنا۔ پھر وہی شخص جو صالح تھا معاذ اللہ فاسق ہو کر آئے تو خدام پر اس کی تعظیم ان کے آقا کے اس ممانعت عام سے ممنوع ہے اگرچہ ان کے آقا نے اس شخص کے اکرام پر نص کی تھی اور یہاں اس کے ترک تعظیم پر نص نہیں۔ خدام پر اس عام ممانعت کی وجہ اس خاص کی ترک تعظیم لازم اگر وہ باوجود اس ممانعت کے اس کی تعظیم کریں گے اپنے آقا کی اطاعت نہیں، نافرمانی کریں گے۔ خدام یہی اس کا اکرام وتعظیم نہ کریں تو کون عاقل ہے جو یہ کہے گا کہ اس کے خدام نے اس کی نافرمانی کی۔ ظاہر ہوا کہ قول وہ ہی نہیں جو منقول ہو نصا بلکہ قول وہ بھی ہے جو ضمنی ہو۔

العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: القول قولان صوری و ضروری فالصوری ھو المقول المنقول والضروری مالم یقلہ القائل نصا بالخصوص لکنہ قائل بہ فی ضمن العموم الحاکم ضرورۃ بان لو تکلم فی ھذا الخصوص لتکلم کذا و ربما یخالف الحکم الضروری الحکم الصوری و

حینئذ یقضی علیه الضروری حتی ان ا لاخذ بالصوری یعد مخالفة للقائل و العدول عنه الی الضروری موافقة او اتباعاً له کأن کان زید صالحاً فامر عمرو خدامه باکرامه نصاً جهارا و کرر ذلک علیهم مرارا و قد کان قال لهم ایام ان تکرموا فاسقا ابداً فبعد زمان فسق زید علانیة فان اکرمه بعد خدامه عملاً بنصّه المکرر المقرر لکانوا عاصین و ان ترکوا اکرامه کانوا مطیعین۔ (فتاوی رضویہ جلد اول، ص ۳۸۵، مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی)

اس تقریر سے ظاہر ہوگیا کہ ایسے حوادث جن میں امام کا کوئی قول مقول منقول نہیں ۔ حضرت امام ابو یوسف یا کسی اور امام اصحاب امام الائمہ کا قول ہے تو وہ مقول ان کا ہے صوری اور قول امام ہے ضمنی ضروری۔ درالحکام میں ہے اذا حکم الحنفی بما ذهب الیه ابو یوسف او محمد و نحوهما من اصحاب ا لامام فلیس حکما بخلاف رأیه۔ علامہ شامی درر سے عبارت مذکورہ ردالمحتار میں نقل کر کے فرماتے ہیں۔" افاد ان اقوال اصحاب ا لامام غیر خارجة عن مذهبه فقد نقلوا عنهم انهم ما قالوا قو لا الا هوروی عن الامام کما اوضحت ذلک فی شرح منظومتی فی رسم المفتی۔"

(ردالمحتار جلد سوم، ص ۴۰۹، مطبوعہ کوئٹہ)

نیز جلد چہارم ردالمحتار میں بھی ایسا ہی فرمایا کہ حنفی مذہب ابو یوسف یا مذہب محمد جو حکم کرے وہ اس کے مذہب حنفی ہی کا حکم ہے۔

اگر یہ صوری و ضروری اقوال مختلف ہوں تو یہ مطلب نہ ہوگا کہ امام کا مذہب کچھ ہے اور ان کے اصحاب سے اس قائل کا مذہب کچھ ہے۔ بل کہ وہ ایسا ہی ہے جیسے خود اقوال مقولات امام میں اختلاف۔ اختلاف عصر و زمان اختلاف ہی نہیں ایسے وقت جو یہ فرما رہے ہیں، امام بھی یہی فرماتے۔ تو ان کا یہ قول امام ہی کا ارشاد ہے جیسے احادیث میں عورتوں کو مساجد سے روکنے کی حضور نے ممانعت فرمائی۔ لا تمنعوا اماء الله مساجد الله ۔ عورتوں کو حاضری کا حکم تھا یہاں تک کہ حائضات کو بھی کہ وہ عیدگاہ میں علاحدہ حاضر رہیں اور دعا میں شریک ہوں۔ یہاں تک کہ بعض نے عرض کیا کہ ہمارے پاس جلباب چادر نہیں۔ ارشاد ہوا چادر والی اپنی ساتھی کو بھی اپنی چادر میں لے لے۔ او کما قال علیه الصلوٰۃ والسلام۔ مگر باوجود ایسے حکم اور اس نہی کے حضرت سیدنا عمر امیر المؤمنین فاروق اعظم نے عورتوں کو مسجد سے نکالا اور انھیں روک دیا۔ وہ شکایت لے کر حاضر خدمت حضرت ام المؤمنین صدیقہ ہوئیں انھوں نے فرمایا کہ حضور علیه الصلاۃ والسلام ہم میں اگر وہ ملاحظہ فرماتے جو ہم دیکھتے ہیں تو وہ بھی عورتوں کو مسجدوں سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو روک دیا تھا۔ کیا معاذ اللہ حضرت صدیقہ اور حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور کے ارشاد کا خلاف کیا۔ لا واللہ بل کہ وہی کیا جو حضور فرماتے۔ تو ان کا یہ قول و فعل حضور ہی کا قول و فعل ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم۔

العطایا النبویہ میں عبارت منقولہ بالا سے آگے فرمایا۔ ومثل ذلک یقع فی اقوال ا لائمة اما الحدوث ضرورة اوحرج او عرف او تعامل او مصلحة مهمة تجلب او مفسدة ملة تسلب و ذلک لان استثناء الضرورات و دفع الحرج و مراعاة المصالح الدینیة الخالیة عن مفسدة تربو علیها و درء المفاسد والاخذ بالعرف والعمل بالتعامل کل ذلک قواعد کلیة معلومة من الشرع لیس احد من ا لائمة الا مائلا الیها و قائلا بها و معو لا علیها فاذا کان فی مسألة نص للامام ثم حدث احد تلک المغیرات علمنا قطعا ان لو حدث علی عهده لکان قوله علی مقتضاه لاعلی خلافه و رده فالعمل حینئذ بقوله الضروری الغیر المنقول عنه هو العمل بقوله لا الجمود علی المأثور من لفظه و قد عد فی العقود مسائل کثیرة من هذا الجنس ثم احال بیان کثیر اخر علی ا لاشباه ثم قال فهذه

کلھا قد تغیرت احکامھا لتغیر الزمان اما للضرورۃ واما للعرف واما القرائن و ا لاحوال قال و کل ذلک غیر خارج عن المذھب لان صاحب المذھب لو کان فی ھذا الزمان لقال بھا ولو حدث ھذا التغیر فی زمانھم ینص علی خلافھا قال و ھذا الذی جرأ المجتھدین فی المذھب واھل النظر الصحیح من المتاخرین علی مخالفۃ المنصوص علیہ من صاحب المذھب فی کتب ظاھر الروایۃ بناء علی ما کان فی زمنہ کما مر تصریحھم بہ الخ

اقول بل ربما یقع نظیر ذلک فی نص الشارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقد قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا استأذنت احدکم امرأتہ الی المسجد فلا یمنعنھا و فی لفظ لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ ۔ و قد امر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باخراج الحیض و ذوات الخدور یوم العیدین فیشھدن جماعۃ المسلمین و دعوتھم و تعتزل الحیض المصلی قالت امرأۃ یا رسول اللہ احدنا لیس لھا جلباب قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لتلبسھا صاحبتھا من جلبابھا و مع ذلک نھی ا لائمۃ الشواب مطلقاً والعجائز نھارا ثم عمموا النھی عملا بقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الضروری المستفاد من قول ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا لو ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم رای من النساء ما راینا لمنعھن من المسجد کما منعت بنو اسرائیل نسائھا۔

پھر خود یہی مسئلہ خروج نساء الی المساجد لیجیے۔اب مذہب یہی ہے کہ مطلقاً عورتوں کا خروج ممنوع ہے۔شواب ہوں یا عجائز۔ جماعت سے نماز کے لیے حاضر ہونا چاہیں اگر چہ جمعہ کی یا عید کی یا وعظ کے مجمع میں حالانکہ صاحبین عجائز کے لیے حضور مطلقاً مباح فرماتے تھے اور امام غیر ظہر و عصر و جمعہ میں ان کا حضور جائز رکھتے تھے۔کون عاقل کہہ سکتا ہے کہ یہ امام و صاحبین کے خلاف ہے۔ان کا مذہب اب بھی اباحت حضور نسا ہے اور ان علما کا مذہب وہ ہے جو امام کا مذہب نہیں بل کہ علما نے جو کہا وہ امام ہی کا قول ہے انھیں کے قول سے ماخوذ ہے۔العطایا النبویہ میں فرمایا۔قال فی التنویر و الدر (یکرہ حضورھن الجماعۃ) ولو لجمعۃ و عید و وعظ (مطلقاً) ولو عجوزا لیلا (علی المذھب) المفتی بہ لفساد الزمان واستثنی الکمال بحثہ العجائز المتفانیۃ اھ والمراد بالمذھب مذھب المتأخرین ولما رد علیہ البحر بان ھذہ الفتوی مخالفۃ لمذھب الامام و صاحبیہ جمیعا فانھما اباحا للعجائز الحضور مطلقاً والامام فی غیر الظھر والعصر والجمعۃ فالافتاء بمنع فی الکل مخالف للکل فالمعتمد مذھب الامام اھ بمعناہ اجاب عنہ فی النھر قائلا فیہ نظر بل ھو ماخوذ من قول الامام و ذلک انہ انما منعھا لقیام الحامل وھو فرط الشھوۃ بناء علی ان الفسقۃ لا ینتشرون فی المغرب لانھم بالطعام مشغولون وفی الفجر والعشاء نائمون فاذا فرض انتشارھم فی ھذہ الاوقات لغلبۃ فسقھم کما فی زماننا بل تحریھم ایاھا کان المنع فیھا اظھر من الظھر اھ ۔(فتاویٰ رضویہ جلد ۱، ص ۸۶ ، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی)

علمائے کرام نے جہاں کہیں قول ظاہر امام سے عدول کیا اور قول صاحبین اختیار کیا اس کے وجوہ فتاویٰ رضویہ کی عبارت منقولہ بالا میں گزرے ضرورت، دفع حرج، عرف، تعامل، کسی دینی ضرورت مصلحت کے حاصل یا کسی فساد موجود یا مظنون بظن غالب کے زائل کرنے کے لیے نیز ضعف دلیل نظر آتا جائز ہے اگر اختلاف صورتیں واقعی ہو اور وجوہ مذکورہ سے کوئی وجہ نہ پائی جائے تو بے وجہ امام کے قول ظاہر سے عدول نا جائز ہے۔کما نصوا علیہ قاطبۃ ۔بحر الرائق میں ہے قد صححوا ان الافتاء بقول الامام (بحر الرائق جلد ۶، ص ۲۵۳ فصل یجوز تقلید من شاء من المجتہدین، مطبوعہ بیروت) فینتج من ھذا انہ یجب علینا الافتاء بقول

الامام و ان افتی المشایخ بخلافه ۔(مذکورہ بالا عبارت کا یہ آخری ٹکڑا بحر الرائق میں ابتدائی ٹکڑے کے ساتھ موجود نہیں)

خیریہ میں ہے المقرر ایضاً عندنا انه لا یفتی و لا یعمل الا بقول الامام الاعظم و لا یعدل عنه الا قولهما او قول احدهما اور قول غیرهما الا الضرورة من ضعف دلیل او تعامل بخلافه ۔ (مقدمہ رد المحتار ج۔۱ ص ۱۷۳ بحث رسم المفتی دار الکتب العربیہ ،بیروت) امام العلما ،مقدام الفقہا ،شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ تجنیس میں فرماتے ہیں۔

والواجب عندی ان یفتی بقول ابی حنیفة علی کل حال ۔(علامہ طحطاوی علامہ نوح آفندی سے ناقل لا یرجع قولهما علی قوله الا بموجب من ضعف دلیل او ضرورة او تعامل او اختلاف زمان (طحطاوی علی الدر، ج۔۱ ص ۱۷۵، اختلاف فی وقت المغرب ،بیروت) ولم یوجد شئی من ذلك فالعمل علی قوله ۔ والله تعالیٰ اعلم ۔

☆☆☆☆☆

ساتواں باب

علم حدیث اور علم فقہ میں خیر سے دوسوکنوں کا سا معاملہ رہا ہے ، علم فقہ حدیث کے فروغ و ارتقا کے ابتدائی ادوار محدثین اور فقہا کے درمیان نوک جھونک کے لیے مشہور رہے ہیں ۔محدثین کا یہ دعوی تھا کہ فقہا اہل رائے اور قیاس ہیں ، جب کہ فقہا کا عندیہ یہ تھا کہ ارباب حدیث ایسے صیادلہ ہیں جن کے یہاں دوا تو ہے ، مگر انہیں تشخیص نہیں ۔ لیکن یہ ایک وقت میں پلنے والے دو صالح علمی رجحان تھے ۔ اس رجحان سے دونوں کو فائدہ پہنچا۔ علم و فن کی دونوں شاخوں کو عروج نصیب ہوا ، کبھی کسی نے کسی حریف کی بے حرمتی نہ کی ، اور سچی بات یہی ہے کہ علم حدیث کا " حفظ و حذق، بجائے خود مقصد نہیں ، اصل مقصد تو ان اقوال و افعال کی توضیح و تشریح ہے ، فکر و اجتہاد کے ذریعہ ان سے معانی نفیسہ اور مطالبہ عالیہ کو کرید کر کے اہل علم و عوام کے سامنے جلوہ آرا کرنا ہے تاکہ وہ اس سے بہرہ ور ہوسکیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر اصل الفاظ ہی محفوظ نہ ہوں تو اجتہاد کا قصر عظیم جن بنیادوں پر استوار ہوگا اس کی حیثیت ریت کے گھروندو ں سے زیادہ نہ ہوگی۔ غرضیکہ دونوں کے نمہ ایک ہی کام کے دو مرحلے لگادیے گئے ہیں ۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ پہلا مرحلہ حفظ و اثبات کا ہے ۔ جب کہ دوسرا مرحلہ فقہ و اجتہاد کا ہے اور یہی وہ مرحلہ ہے جو ہر محدث کو حاصل نہیں ہوتا ، یعنی محدث کے لیے فقیہ ہونا ضروری نہیں جب کہ فقیہ کے لیے محدث ہونا بنیاد ی شرط ہے ۔ سلف صالحین اسی اصول پر کار بند رہے اور تلامذ ہیں ، امام احمد رضا کے حوالے سے بعض عاقبت نااندیشوں نے یہ اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ وہ فن حدیث میں بہت کم معلومات رکھتے تھے اس الزام کی وجہ یہ نہیں کہ واقعی امام احمد فن حدیث میں بے مایہ تھے ، اصل وجہ یہ تھی کہ اس باب میں ان کی علمی کارناموں کو روشنی میں لایا نہیں گیا ، یا پھر الزام لگانے والے توفیق الٰہی سے مکمل طور پر عاری تھے۔ خدا بھلا کرے علامہ محمد حنیف رضوی بریلوی کا جنھوں نے " جامع الاحادیث"جیسی عظیم الشان انسائیکلوپیڈیا مرتب کر کے امام موصوف کے فن حدیث میں مقام رفیع کو بام ثریا تک پہنچا دیا ہے ۔ اب دیکھنے والوں کی اس آفتاب نصف النہار پر نگاہیں نہیں ٹھہرتیں ۔ مصطفیٰ رضا کی "مفتی اعظم "کے لقب سے اس قدر شہرت ہوئی کہ آپ کے دیگر کمالات عالیہ پس پردہ چلے گئے ، حالانکہ وہ ہر پہلو سے بڑے ہی عظیم اور مستحکم نظر آتے ہیں ۔ زیر نظر باب میں چار مقالے ہیں اور چاروں ہی معرکۃ الآرا ہیں رئیس القلم علامہ ارشد القادری کا مقالہ اس باب میں حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے ، البتہ مولانا ناظم علی مصباحی نے جدید حوالوں اور اصل عربی عبارتوں سے اس موضوع کو اتنا سجا دیا ہے کہ کسی ناقد کے لیے مجال دم زدن نہیں "مفتی اعظم ، صرف مفتی اعظم نہیں بل کہ وہ فنِ تفسیر و حدیث ، منطق و فلسفہ اور عربی زبان و ادب میں بھی یدطولیٰ کے مالک تھے ، مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے مشہور راوی و محدث بن اسحاق کو مجروح و مطعون کرنے کی کوشش کی تھی ، شہزادہ اعلیٰ حضرت نے سیکڑوں دلائل سے ان کو ثقہ اور قوی ثابت کرکے فن حدیث میں اپنی مہارت کا ناقابل تردید ثبوت فراہم کردیا ۔ جو لوگ امام احمد رضا کو فن حدیث میں بے مائیگی کا طعنہ دیتے ہیں انہیں پہلے شہزادۂ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں زانوے تلمذ تہہ کرکے اپنی معلومات کی سطح معلوم کرنی چاہیے۔صفحات کو الٹیے اور علم و عرفان کے جلووں کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کیجیے ۔

مقبول احمد سالک مصباحی

مفتی اعظم کا محدثانہ منصب

رئیس القلم علامہ ارشد القادری مصباحی علیہ الرحمہ
نائب صدر ورلڈ اسلامک مشن، بریڈفورڈ، لندن

یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ حدیث کے ساتھ فقہ کا تعلق لازم وملزوم کی طرح ہے۔ لہٰذا مفتی کے لیے اگر فقیہ ہونا ضروری ہے تو فقیہ کے لیے محدث ہونا بھی لازمی ہے۔ لیکن محدث کے لیے فقیہ ہونا قطعاً ضروری نہیں ہے۔ یہ بات ذہن نشین ہوگئی ہو تو فن حدیث میں مفتی اعظم کے رسوخ وتبحر کی نہ بھی صراحت کی جائے جب بھی یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ فن حدیث میں بھی ان کا مقام وہی ہے جو فقہ میں انھیں حاصل تھا۔ میرا موضوع سخن مفتی اعظم کے فقہی مقام کی وضاحت نہیں ہے ورنہ ان کے فتاوے کے مجلدات سے میں ان مباحث کی نشان دہی کرتا جن سے مہر نیم روز کی طرح واضح ہو جاتا کہ فقہ میں ان کے رسوخ وتبحر، ان کی مجتہدانہ بصیرت اور ان کی ذکاوت واستحضار کی شان کتنی بلند ہے۔ لیکن مجھے اپنے عنوان کے مطابق حضور مفتی اعظم کے محدثانہ منصب پر ایک حیرت انگیز بحث کا آغاز کرنا ہے۔ اس لیے میں اصل موضوع کی طرف اپنے قلم کا رخ پھیرتا ہوں۔

علمی بحث کی ایک عظیم تاریخ : ۱۳۳۲ھ کی بات ہے کہ اذان خطبہ کے مسئلے پر اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کے ایک فتویٰ سے علماے بدایوں ورام پور نے اختلاف کیا۔ اس مسئلے میں اعلیٰ حضرت کا موقف یہ تھا کہ اذان خطبہ خارج مسجد منبر کے سامنے دی جائے اور مخالفین کا کہنا تھا کہ یہ اذان مسجد کے اندر منبر کے سامنے دی جائے۔

اعلیٰ حضرت نے اپنے موقف کی تائید میں اقوال ائمۂ احناف کے علاوہ جن احادیث کریمہ سے استدلال فرمایا تھا ان میں سنن ابوداؤد کی وہ حدیث بھی تھی جو حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے اور جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ اذان خطبہ عہد رسالت سے لے کر صحابہ تک مسجد کے باہر دروازے پر دی جاتی تھی جس سے ثابت ہوتا تھا کہ اذان خطبہ کا خارج مسجد ہونا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی سنت ہے اور خلفاے راشدین کی بھی۔

کہ وہ کتاب میں موجود ہے۔ البتہ جب ان کے لیے کوئی چارہ نہیں رہ گیا تو اس حدیث کو بے اثر کرنے کے لیے مولانا اشرفعلی تھانوی نے ایک نیا شوشہ چھوڑا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اپنے ضعف کی وجہ سے وہ قابل استدلال نہیں ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب تھانوی صاحب کانپور میں رہتے تھے۔ ضعف کی وجہ سے انھوں نے یہ بیان کی کہ اس حدیث میں محمد بن اسحاق نام کے ایک راوی ہیں جو ائمۂ جرح وتعدیل کے نزدیک یا تو کذاب ہیں یا متہم بالکذب ہیں۔

ایک جلیل القدر تابعی کی ذات پر تھانوی صاحب کا یہ جارحانہ حملہ حضور مفتی اعظم کی غیرت دینی برداشت نہیں کرسکی۔ انھوں نے اسی عالم کرب میں قلم اٹھایا اور تھانوی صاحب کے استدلال کی دھجی اڑادی۔ "وقایۃ اھل السنۃ" کے نام سے حضور مفتی اعظم کی یہ گراں قدر تصنیف آج بھی اہل علم کے کتب خانوں میں موجود ہے۔ کتاب کھولتے ہی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور مفتی اعظم کے نوک قلم کا ہر

قطرہ علم و تحقیق کا بحرِ زخار بن کر کتاب کے صفحات پر پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ جو ورق الٹیے فن حدیث کے نت نئے جلووں سے آنکھیں خیرہ ہونے لگتی ہیں۔ عقل حیران ہے کہ صرف جرح و تعدیل کے ایک مسئلہ میں جس کی وسعت معلومات اور دقت نظر کا یہ عالم ہے، فن حدیث میں اس کے احاطۂ علم و فکر کے وسعتوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

اب آئیے! دیدۂ شوق وا کیجیے اور علم و فن کے ایک مہکتے ہوئے گلشن کی سیر کیجیے۔ تاکہ حضور مفتی اعظم کے متعلق میرا یہ دعویٰ کہ جس شان کے وہ مفتی تھے اسی شان کے وہ محدث بھی تھے۔ ''شنیدہ'' سے ''دیدہ'' کی منزل میں آ جائے۔

حضور مفتی اعظم اس بحث کا آغاز کرتے ہوئے تھانوی صاحب کے خلاف ان لفظوں میں الزام عائد کرتے ہیں۔

''جان توڑ کر یہ کوشش کی کہ کسی طرح مدینہ طیبہ کے ایک جلیل القدر تابعی امام المغازی محمد بن اسحاق کو کذاب یا متہم بالکذب ثابت کرے۔''

الزام کی وضاحت کے بعد اب جواب کے مراحل کا آغاز یوں کرتے ہیں۔

بحث کا پہلا مرحلہ: ''سنی بھائیو! آپ کو معلوم ہے کہ حنفیوں کے امام مذہب تین ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے دو مصاحب امام ابویوسف اور امام محمد رضی اللہ عنہم۔''

اس تمہید کے بعد اب ضرب ملاحظہ ہو۔

یہ محمد بن اسحاق جن پر تھانوی صاحب نے کذاب ہونے کی تہمت باندھی ہے یہ امام اعظم کے استاد بھائی اور امام ابویوسف کے استاد اور امام محمد کے استاذ الاستاذ ہیں۔ یوں ہی امام اعظم کے تلمیذ رشید اور محدثین و فقہا کے متفق علیہ امام حضرت عبداللہ بن مبارک نے بھی ان کی شاگردی کی ہے۔

(۲)

امام ابویوسف نے اپنی مشہور تصنیف کتاب الخراج میں بہت سی حدیثیں محمد بن اسحاق سے روایت کی ہیں۔ کتاب کے صرف پہلے حصے میں یہ سات حدیثیں مروی ہیں۔

۱ ۔ حدثنی محمد بن اسحق حدثنی عبدالله بن المغیره	مجھ سے محمد بن اسحاق نے بیان کیا وہ عبداللہ بن مغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔
۲ ۔ حدثنی محمدبن اسحق عن عبدالله عن الزهری	مجھ سے محمد بن نے بیان کیا، وہ عبداللہ سے اور ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں
۳ ۔ حدثنی محمد بن اسحق عن یزید بن یزید بن جابر	مجھ سے محمد بن اسحاق نے بیان کیا، وہ یزید بن یزید بن جابر سے روایت کرتے ہیں۔
٤ ۔ اخبرنی محمد بن اسحق عن ابی جعفر	مجھے محمد بن اسحاق نے خبر دی وہ ابوجعفر سے روایت کرتے ہیں۔
٥ ۔ حدثنی محمد بن اسحق عن الزهری	مجھ سے محمد بن اسحاق نے بیان کیا وہ زہری سے روایت کرتے ہیں۔
٦ ۔ حدثنی محمد بن اسحق عن الزهری	مجھ سے محمد بن اسحاق نے بیان کیا وہ ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں۔

۷ ۔ حدثنی محمد بن اسحق عن الزهری — مجھ سے محمد بن اسحاق نے بیان کیا وہ ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ کتاب الخراج کے صرف پہلے حصہ سے یہ سات حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ جنھیں حنفی مذہب کے رکن رکین امام ابو یوسف نے محمد بن اسحاق سے روایت کی ہیں۔

(۳)

حنفیہ کے محدث اجل و اکبر حضرت امام جعفر طحاوی کہ تیسری صدی میں تھے اور اس وقت سے آج تک حدیث وفقہ کا ایسا جامع امام شاذ و نادر ہی پیدا ہوا، وہ بھی محمد بن اسحاق کی روایت کردہ حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔

چنانچہ کتاب " الحجة علی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم فتح مکة عنوة " نامی کتاب کی دوسری جلد میں ان سے ایک حدیث روایت کر کے فرماتے ہیں۔

هذا حدیث متصل الاسناد صحیح ۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی اسناد متصل ہے۔

(۴)

مذہب حنفی کے رکن جلیل القدر محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام فتح القدیر شرح ہدایہ (ج۔ا ص ۱۸۱ فصل فی استحباب التعجیل ہرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر) میں ارشاد فرماتے ہیں۔

اما ابن اسحق فثقة ثقة لا شبهة عندنا فی ذلك ولا عند المحققین ۔ — ابن اسحاق ثقہ ہیں ثقہ ہیں اس بات میں نہ ہمیں کوئی شبہ ہے اور نہ محققین محدثین کو کوئی شک ہے۔

نیز اسی کتاب کے ص ۹۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔

توثیق ابن اسحق هو الحق الابلج ومانقل عن کلام مالك فیه لا یثبت ولو صح لم یقبله اهل العلم وقد قال شعبة فیه هو امیر المومنین فی الحدیث ۔ (ج۔ا ص ۲۲۱ فصل فی استحباب التعجیل ہرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر) — ابن اسحاق کو ثقہ ماننا ہی نہایت روشن حق ہے اور امام مالک سے جو ان پر طعن منقول ہوا یا تو وہ ثابت اور صحیح نہیں اور صحیح بھی فرض کر لیں تو اہل علم نے وہ طعن قبول نہیں کیا۔ اور کیوں کر قبول ہو جب کہ امام شعبہ نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق حدیث میں سارے مسلمانوں کے سردار ہیں۔

نتیجہ استدلال : پہلے مرحلے کی ان ساری عبارتوں سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ تھانوی صاحب کے الزام کے مطابق اگر ابن اسحاق واقعی کذاب یا متہم بالکذب ہوتے تو ان سارے ائمہ احناف نے نہ ان کی شاگردی کی ہوتی اور نہ اپنی اپنی کتابوں میں ان سے حدیثیں روایت کی ہوتیں۔ اس لیے دوسرے لفظوں میں تھانوی صاحب کا الزام صرف ابن اسحاق کے خلاف نہیں بل کہ سارے احناف کے خلاف ہے اور انھوں نے غیر مقلدین وہابیہ کو موقع فراہم کیا ہے کہ وہ حنفی مذہب پر طعن کریں کہ اس مذہب کے ائمہ جھوٹے اور غیر ثقہ لوگوں کے شاگرد ہیں اور انھیں جھوٹے راویوں کی حدیثوں پر حنفی مذہب کی اساس ہے۔

بڑے شرم کی بات ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو حنفی بھی کہتے ہیں اور حنفی مذہب کی بنیاد پر تیشہ بھی چلا رہے ہیں۔ اس لیے ہمیں کہنے دیا جائے کہ محمد بن اسحاق کے خلاف تھانوی صاحب کا طعن ایک بار نہیں ایک ہزار بار رد کر دیا جائے گا لیکن ان کے حق میں امام اعظم سے لے

کر اکابر ائمہ احناف تک سارے اساطین کی رائے ہرگز ہرگز مسترد نہیں کی جاسکتیں۔

(۵)

تھانوی صاحب کے طعن سے خود حنفی مذہب پر جو ضرب پڑتی ہے اس کی تفصیلی بحث سے فارغ ہونے کے بعد اب حضور مفتی اعظم بحث کا ایک دوسرا رخ اختیار کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

''تھانوی صاحب کی یہ عنایت فقط ائمہ احناف ہی پر نہیں ہے بل کہ انھوں نے صحاح ستہ کو بھی نہیں بخشا ہے۔ کیوں کہ محمد بن اسحاق کی روایت کردہ حدیثیں صحاح ستہ کی ساری کتابوں میں موجود ہیں۔ صحیح بخاری میں تعلیقاً اور صحیح مسلم و سنن اربعہ میں مسنداً ہیں۔''

''امام ترمذی نے ابن اسحاق کی حدیثوں کو صحیح کہا ہے اور ابوداؤد نے ان کی راویت کردہ حدیثوں پر سکوت فرمایا ہے۔ خود یہ حدیث کہ زمانۂ اقدس میں اذان جمعہ دروازۂ مسجد پر ہوتی تھی اسے بھی ابوداؤد نے روایت کر کے سکوت فرمایا ہے۔ اور اسی کتاب میں ان کی یہ عادت بھی منقول ہے کہ وہ انھیں حدیثوں پر سکوت فرماتے ہیں جو ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہوتی ہیں۔

''علاوہ ازیں اکابر ائمہ حدیث جیسے امام عبدالعظیم منذری، امام ابوعمرو، ابن الصلاح، امام اجل ابوزکریا نووی، امام جمال الدین زیلعی امام علاؤ الدین ترکمانی، امام ابن ہمام، امام ابن امیر الحاج اور علامہ ابراہیم حلبی نے بھی ان کی اس عادت کے بارے میں اسی طرح کی تصریحات فرمائی ہیں۔

بطور نمونہ ان اکابر کی چند عبارتیں ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) امام حافظ الحدیث عبدالعظیم کتاب الترغیب والترہیب کے خطبہ (ج ۱ ص ۵ مطبعۃ السعادۃ، مصر) میں تحریر فرماتے ہیں:

کل حدیث عزوت الی ابی داؤد و سکت فھو کما ذکر ابوداؤد لا ینزال عن درجة الحسن و قد یکون علی شرط الصحیحین۔

(اپنی اس کتاب میں) جس حدیث کی نسبت میں ابوداؤد کی طرف کروں اور خاموش رہوں تو ابوداؤد کی صراحت کے مطابق وہ حسن ہے اور کبھی شیخین کی شرط پر بھی ہوتی ہے۔

(۲) امام ابن الصلاح مقدمہ اصول حدیث (ص ۱۶) میں تحریر فرماتے ہیں:

وما وجدناه فی کتابه مذکوراً مطلقا عرفنا انه حسن عند ابی داؤد۔

ان کی کتاب میں جو حدیث مجھے بغیر کسی صراحت کے ملی اس کے متعلق میں نے یہی سمجھا کہ وہ حسن ہے ابوداؤد کے نزدیک۔

(۳) امام نووی تقریب نوع ثانی فرع اول (مع شرح التدریب ص ۹۷۔ ۹۶ مصری) میں فرماتے ہیں:

ما وجدنا فی کتابه مطلقا فھو حسن عند ابی داؤد۔

ان کی کتاب میں جو حدیث بغیر کسی تبصرہ کے ملے وہ ابوداؤد کے نزدیک حسن ہے۔

(۴) امام زیلعی نصب الرایہ جلد اول (ص ۶۰) میں فرماتے ہیں:

ان ابا داؤد روی حدیث القلتین و سکت عنه فھو حسن عنده علی عادته فی ذلك

ابوداؤد نے قلتین کی حدیث روایت کی اور اس پر خاموش رہے تو وہ تو وہ ان کی عادت کے مطابق حسن ہے۔

(۵) امام ابن الترکمانی جوہرالنقی کی جلد اول (ص ۱۸۲) میں فرماتے ہیں:

اخرجه ابو داود وسكت عنه فاقل احواله ان يكون حسنا عنده على ما عرف. اس حدیث کی تصریح ابوداؤد نے فرمائی اور خاموش رہے تو ایسی حدیث کا کم سے کم درجہ حسن کا ہے جیسا کہ ان کی مشہور عادت ہے۔

(۶) امام ابن الہمام فتح القدیر جلد اول (ص ۵) میں فرماتے ہیں:

سكت عليه ابوداؤد فهو حجة. اس حدیث پر داؤد خاموش رہے تو ایسی حدیث حجت ہے۔

(۷) امام زین الدین عراقی استاذ امام حافظ الشان عسقلانی، پھر شمس الدین سخاوی مقاصد حسنہ (ص ۸۶) میں تحریر فرماتے ہیں:

يكفينا سكوت ابى داود فهو حسن. ابوداؤد کا اس حدیث پر خاموش رہنا اس بات کے لیے کافی ہے کہ وہ حسن ہے۔

(۸) امام ابن امیر الحاج حلیہ شرح منیہ میں قبیل صفۃ الصلوٰۃ تحریر فرماتے ہیں:

رواه ابوداؤد وسكت عليه فيكون حجة على ما هو مقتضى شرطه. یہ حدیث ابوداؤد نے روایت کی اور اس پر خاموش رہے تو ان کی شرط کے مقتضیٰ کے مطابق وہ حجت ہے۔

(۶)

بحث کا دوسرا رخ : یہاں تک تو محمد ابن اسحاق کے خلاف تھانوی صاحب کے طعن کا الزامی جواب تھا۔ اب تحقیقی جواب ملاحظہ فرمائیے۔ حضور مفتی اعظم طعن کی علمی اور فنی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"تھانوی صاحب نے جتنے طعن محمد بن اسحاق پر نقل کیے ہیں یا تو وہ سرے سے طعن ہی نہیں ہیں، یا قائل کی طرف سے ان کی نسبت غلط ہے، یا قائل نے اس سے رجوع کر لیا ہے، یا وہ طعن مبہم غیر مفسر ہے۔

مطاعن ابن اسحاق میں جتنے اوراق انھوں نے اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کیے ہیں وہ ان چار وجوہ سے خالی نہیں ہیں۔ پہلی تین قسمیں تو کسی بھی عاقل کے نزدیک طعن ہی نہیں ہیں۔ اب رہ گئی چوتھی قسم تو تمام احناف کا اجماع اور جمہور اکابر ائمہ محدثین کا اتفاق ہے کہ چوتھی قسم بھی زنہار مقبول و مسموع نہیں ہے۔ خصوصیت کے ساتھ محمد بن اسحاق جیسے مشہور محدث کے حق میں جن کو جماہیر ائمۂ حدیث و جملہ ائمہ حنفیہ نے مقبول و مستند اور ثقہ و معتمد مانا ہے۔"

بحث کا دوسرا مرحلہ : محمد بن اسحاق کے دفاع میں بہت سی ذیلی مباحث سے فارغ ہونے کے بعد اب حضور مفتی اعظم نے ان مآخذ کی طرف اپنے قلم کا رخ پھیرا ہے جہاں سے تھانوی صاحب نے طعن کے مواد فراہم کیے ہیں۔

مآخذ کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں

"جن کتابوں سے دیوبندی مصنف نے محمد بن اسحاق کے خلاف ضعیف و خفیف اور نا قابل التفات جرح کے مواد جمع کیے ہیں وہ چار ہیں۔ میزان الاعتدال۔ تہذیب التہذیب۔ الترغیب والترہیب اور جواہر النقی۔

پیارے بھائیو! اب ہم انھی کتابوں سے جن کے نام دیوبندی مصنف نے لیے ہیں محمد بن اسحاق کی مدح و توثیق میں وہ روشن عبارتیں نقل کرتے ہیں جنھیں از راہ خیانت چھپا لیا گیا ہے۔ اسے کمال بد دیانتی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ انھی کتابوں میں محمد بن اسحاق کی مدح و ستائش اور صلاح و تقویٰ کے بیان میں جو ورق اکابر ائمہ کے ارشادات سے

چمک رہے ہیں، ان کا تو کوئی ذکر نہیں ہے۔ البتہ چند بے بنیاد اور نامقبول مطاعن کو بنیاد بنا کر ان الفاظ میں مضحکہ خیز قیاس آرائی کی گئی ہے۔

''ان ائمہ محدثین کی جرح بالکل معدوم نہ ہو جائیں گی اس لیے اگر محمد بن اسحاق کذاب نہ ہوگا تو متہم بالکذب ضرور ہوگا۔ بدعتی نہ ہوگا تو متہم بالبدعۃ ضرور ہوگا۔''

کسی کے خلاف الزام ثابت کرنے کے لیے اگر دلیل کا معیار یہی ہے تو چھوٹوں کی بات تو درکنار، ائمہ حدیث وفقہ کے اکابر میں بھی کوئی ایسا نہیں ملے گا جن کے خلاف نحیف وخفیف قسم کے دو چار طعن کتابوں میں منقول نہ ہوں۔ اس لیے کسی کے بارے میں فیصلے کا مدار دراصل یہ ہے کہ جمہور اکابر ائمہ کی رائے اس کے بارے میں کیا ہے؟

اتنی تمہید کے بعد اب مذکورہ بالا چاروں کتابوں سے محمد بن اسحاق کے حق میں جمہور اکابر ائمہ حدیث کے کلمات توثیق وتحسین ملاحظہ فرمائیں ماتھے کی آنکھوں سے اس حقیقت کا مشاہدہ کریں کہ محمد بن اسحاق کو مطعون کرنے کے لیے تھانوی صاحب کو تنکے تو نظر آ گئے لیکن ان کی دیانت وثقاہت اور فضل وتقویٰ کے یہ بڑے بڑے پہاڑ نظر نہیں آئے۔

(۱) میزان الاعتدال، جلد دوم کے اقتباسات

نوٹ: عوام کی سہولت اور طوالت سے بچنے کے لیے کتاب کے عربی اقتباسات کے صرف ترجمے پیش کیے جا رہے ہیں۔

۱) مصنف کتاب ارشاد فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق مدنی، مشاہیر ائمہ حدیث میں سے ایک مشہور امام ہیں۔ انھوں نے جلیل القدر صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ہے۔ (میزان الاعتدال، ج۔ ۳ص ۴۶۸۔ ۴۷۵، دار الفکر، بیروت)

۲) امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق کی روایت کردہ حدیث حسن ہے۔ (ایضاً، ج۔ ۳ص ۴۶۹)

۳) امام بخاری کے استاد حضرت امام یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ ابن اسحاق ثقہ ہیں۔ ہاں اس پایہ کے نہیں ہیں جنھیں محدثین کی اصطلاح میں حجت کہا جاتا ہے۔ (ایضاً، ج۔ ۳ص ۴۶۹)

۴) امام بخاری کے استاد امام علی بن مدینی نے فرمایا کہ ابن اسحاق کی حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔ (ایضاً، ج۔ ۳ص ۴۶۹)

۵) یحییٰ بن کثیر وغیرہ کہتے ہیں کہ ہم نے امام شعبہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابن اسحاق حدیث میں سب مسلمانوں کے سردار ہیں۔ (ایضاً، ج۔ ۳ص ۴۶۹)

۶) امام شعبہ نے فرمایا کہ ابن اسحاق بہت ہی راست گو اور سچے ہیں۔ (ایضاً، ج۔ ۳ص ۴۶۹)

۷) محمد بن عبداللہ بن نمیر کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے ابن اسحاق پر قدریہ مذہب کی تہمت رکھی ہے حالاں کہ وہ اس سے بہت دور تھے۔ (ایضاً، ج۔ ۳ص ۴۶۹)

۸) امام ابن مدینی نے فرمایا کہ میں نے ابن اسحاق کی صرف دو حدیثیں غیر محفوظ پائیں۔ (ایضاً، ج۔ ۳ص ۴۶۹)

فائدہ: انھوں نے وہ دو حدیثیں بھی بیان کر دیں جن میں اذان خطبہ کی حدیث نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اذان خطبہ کی حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے۔ اب رہ گیا ان کی روایت کردہ حدیثوں میں سے صرف دو حدیثوں کا غیر محفوظ ہونا، تو دنیا میں ایسا کوئی محدث نہیں ملے گا جس کی روایت کردہ ہزاروں حدیثوں میں سے دو چار حدیثیں بھی غیر محفوظ نہ ہوں۔ جیسا کہ ائمہ حدیث نے امام

مالک اور امام بخاری کی روایت کردہ بعض حدیثوں کو بھی غیر محفوظ بتایا ہے۔اس کے باوجود یہ حضرات سب کے نزدیک ثقہ ہیں۔

(۹) امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہ سنا کہ ابن اسحاق پر کسی بات میں کچھ طعن کرتا ہو سوائے قول قدر کے۔(حالاں کہ وہ بھی صحیح نہیں ہے) (ایضاً، ج۔۳ص۴۵۴)

(۱۰) امام بخاری نے کتاب الضعفاء میں سارے ضعیف راویوں کا ذکر فرمایا ہے۔لیکن اس میں محمد بن اسحاق کا ذکر نہیں ہے۔اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری کے نزدیک وہ ضعیف نہیں ہیں۔ (ایضاً، ج۔۳ص۴۵۵)

(۱۱) حضرت عباس دوری امام ابن معین سے روایت کرتے ہیں کہ امام لیث بن سعد نے فرمایا کہ یزید بن ابی حبیب کی احادیث میں محمد بن اسحاق سے زیادہ کوئی قابل اعتماد نہیں ہے۔ (ایضاً، ج۔۳ص۴۵۵)

فائدہ: امام اجل لیث بن سعد خود یزید بن ابی حبیب کے تلامذہ میں سے ہیں اور ان کے متعلق ابن یونس کہتے ہیں کہ روی عنہ الا کابر من اھل مصر یعنی اہل مصر کے اکابر نے ابن حبیب سے حدیثیں روایت کی ہیں۔اس سے ثابت ہوا کہ امام لیث بن سعید، محمد بن اسحاق کو ان سارے اکابر پر ترجیح دیتے ہیں۔

(۱۲) ابوزرعہ کہتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰ بن معین سے پوچھا کہ کیا محمد بن اسحاق حجت ہیں؟ جواب میں فرمایا وہ نہایت سچے ہیں حجت جسے کہتے ہیں وہ عبید اللہ بن عمرو وغیرہ فلاں فلاں اکابر ہیں۔ (ایضاً، ج۔۳ص۴۵۵)

(۱۳) ابوجعفر بن نفیل کہتے ہیں کہ مجھ سے عبد اللہ بن فائد نے بیان کیا کہ ہم محمد بن اسحاق کے پاس بیٹھتے تھے جب وہ کسی علم وفن کے بارے میں گفتگو کرتے تو پوری مجلس اسی پر تمام ہو جاتی۔ (ایضاً، ج۔۳ص۴۵۶)

(۱۴) امام شافعی، امام سفیان ثوری، امام اجل ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ میں علم اس وقت تک باقی رہے گا جب تک ابن اسحاق اس میں موجود ہیں۔ (ایضاً، ج۔۳ص۴۵۶)

(۱۵) امام شعبہ فرماتے ہیں اگر میری سلطنت ہوتی تو میں ضرور محمد ابن اسحاق کو تمام محدثین پر سردار بنا دیتا۔(ایضاً، ج۔۳ص۴۵۶)

(۱۶) ابن مبارک نے محمد بن اسحاق سے ایک حدیث روایت کی ہے۔جس کا تعلق باب احکام سے ہے اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔اور ہماری معلومات کے مطابق محمد بن اسحاق اس حدیث کے تنہا راوی ہیں۔(ایضاً، ج۔۳ص۴۵۷)

(۱۷) امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق سے حدیثیں روایتیں کرنے میں ائمہ اور معتمدین نے کبھی کسی طرح کا تامل نہیں کیا اور ان میں کوئی عیب نہیں ہے۔ (ایضاً، ج۔۳ص۴۵۷)

(۱۸) یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابن المدینی سے محمد بن اسحاق کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے نزدیک ان کی حدیث صحیح ہے اس پر میں نے کہا کہ امام مالک نے ان کے بارے میں جو کلام کیا ہے وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ مالک کو نہ ان کی صحبت ملی اور نہ مالک نے انھیں پہچانا۔ (ایضاً، ج۔۳ص۴۵۸)

(۱۹) احمد بن عبد اللہ عجلی فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق ثقہ ہیں۔ (ایضاً، ج۔۳ص۴۵۸)

یہ عبارتیں نقل کرنے کے بعد حضور مفتی اعظم ارشاد فرماتے ہیں:

''مسلمانو! خدارا انصاف کرو۔محمد بن اسحاق کی توثیق واعتماد اور مدح وستائش میں میزان الاعتدال کی ان روشن عبارتوں کو تھانوی صاحب نے کتنی دیدہ دلیری کے ساتھ چھپالیا ہے! کیا اسی کا نام دینداری اور دیانتداری ہے؟

(۲) تہذیب التہذیب

تہذیب التہذیب فن اسماء الرجال کی دوسری عظیم کتاب ہے۔اس میں اکابر ائمہ حدیث کی زبانی محمد بن اسحاق کے بارے میں کیسی کیسی تعریفیں اور توثیقیں منقول ہیں! ملاحظہ فرمائیں۔

۱) مفضل غلابی کہتے ہیں کہ میں نے امام ابن معین سے ابن اسحاق کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں اور ان کی روایت کردہ حدیث حسن ہے۔ (تہذیب التہذیب ج۔۹ ص ۳۹،دار صادر، بیروت)

۲) امام ابن المدینی فرماتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثوں کا مدار چھ اماموں پر ہے۔ پھر ان چھ کا علم بارہ اشخاص کے پاس آیا ہے ان بارہ میں سے ایک محمد بن اسحاق بھی ہیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۰)

۳) ابن ابی خیثمہ نے امام ابن معین سے نقل کیا کہ امام عاصم بن عمر بن قتادہ نے فرمایا کہ جب تک ابن اسحاق زندہ ہیں ہمیشہ لوگوں میں علم باقی رہے گا۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۰)

۴) ابن ابی خیثمہ ہارون بن معروف سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو معاویہ کو کہتے سنا کہ محمد بن اسحاق اعلیٰ درجہ کے حافظہ والوں میں تھے۔ اگر کسی کے پاس پانچ یا زیادہ حدیثیں ہوتیں تو وہ انھیں ابو اسحاق کے سپرد کر دیتا تاکہ وہ آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ ہو جائیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۰)

۵) امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ستر برس سے زائد ہوئے جب سے میں ابن اسحاق کے پاس بیٹھتا ہوں میں نے اہل مدینہ میں سے نہ کسی کو ان پر کسی بات کی تہمت لگاتے دیکھا اور نہ ان پر کسی کو طعن کرتے ہوئے پایا۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۰)

۶) امام اثرم نے امام احمد سے روایت کی کہ محمد بن اسحاق کی روایت کردہ حدیث حسن ہے۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۱)

۷) امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے علی بن عبد اللہ کو دیکھا کہ وہ ابن اسحاق کی حدیث کو حجت قرار دیتے ہیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۱)

۸) امام بخاری فرماتے ہیں کہ امام ابن المدینی نے فرمایا کہ میں نے کسی کو نہ دیکھا کہ وہ ابن اسحاق کو کسی بات میں متہم سمجھتا ہو۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۱)

۹) امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے اسماعیل بن اویس کو دیکھا (جو امام مالک کے بھانجے اور سب سے زیادہ ان کے پیرو ہیں) کہ انھوں نے غزوات کے سلسلے میں ابن اسحاق کی چند کتابیں مجھے دکھائیں جن سے میں نے بہت سی حدیثیں اخذ کیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۱)

فائدہ : ان کے کہنے کا مدعا یہ ہے کہ اگر امام مالک کو ابن اسحاق کی حدیثوں پر اعتراض ہوتا تو ان کے شاگرد رشید اور بھانجے ابن اسحاق کی کتابوں سے حدیثیں نقل نہ کرتے۔

۱۰) امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابراہیم بن حمزہ نے کہا کہ امام ابراہیم بن سعد کے پاس ابن اسحاق سے مغازی کے علاوہ خاص باب احکام میں سترہ ہزار کے قریب حدیثیں تھیں۔ ابراہیم بن سعد مدینہ طیبہ کے کثیر الحدیث محدثین میں سے تھے۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۱)

۱۱) امام بخاری فرماتے ہیں کہ امام شعبہ نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق اپنی قوت حفظ میں سب مسلمانوں کے سردار ہیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۲)

۱۲) امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجھ سے امام علی بن عبد اللہ نے فرمایا کہ ابن اسحاق کی کتابیں میں نے دیکھیں تو صرف دو حدیثوں پر مجھے ناگواری ہوئی اور ممکن ہے کہ وہ دو حدیثیں بھی صحیح ہوں۔

۱۳) امام ابی زرعہ دمشقی فرماتے ہیں کہ بے شک اکابر اہل علم نے ابن اسحاق کی شاگردی پر اجماع کیا۔ اور بے شک محدثین نے انھیں

جانچا تو ان کے اندر صدق اور خیر نظر آیا۔ پھر ان کے استاد امام زہری نے ان کی مدح کی۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۲)

۱۴) یعقوب ابن شیبہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن نمیر کو کہتے سنا کہ ابن اسحاق جب پہچانے ہوئے استاذوں سے حدیث روایت کریں تو ان کی وہ حدیث حسن ہے۔ اور وہ صدوق یعنی بہت سچے ہیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۲)

۱۵) ابن اسحاق کی حدیث میں صدق روشن ہے۔ جن اساتذہ سے بہ کثرت حدیثیں خود سنی ہیں ان میں بعض حدیثیں ایک واسطہ سے روایت کرتے ہیں اور بعض دو واسطوں سے۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۳)

۱۶) امام علی نے فرمایا میں نے ابن اسحاق کی کوئی حدیث غیر معروف نہ پائی سوائے دو کے۔ ایک یہ کہ جب کسی کو جمعہ کے دن اونگھ آئے ۔ دوسری جب تم میں کوئی اپنی شرم گاہ چھوئے۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۳)

۱۷) محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابن المدینی سے ابن اسحاق کا حال پوچھا فرمایا صالح ہیں۔ اوسط درجہ کے۔ (ایضاً)

۱۸) ایوب ابن اسحاق نے کہا کہ امام علی، محمد بن اسحاق کے مداح تھے اور انہیں مقدم رکھتے تھے۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۳)

۱۹) یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابن معین سے پوچھا کہ کیا آپ کے دل میں ابن اسحاق کے سچے ہونے میں کوئی شبہہ ہے۔ فرمایا نہیں، وہ بہت سچے ہیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۴)

۲۰) امام ابوزرعہ دمشقی کہتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰ بن معین کے سامنے فن حدیث کے اس اعلیٰ پایہ کا ذکر کیا جسے محدثین کی اصطلاح میں حجت کہتے ہیں۔ اور میں نے کہا کہ کیا محمد بن اسحاق اسی درجۂ بلند پر تھے۔ اس پر امام ابن معین نے فرمایا کہ ابن اسحاق ثقہ تھے۔ حجت تو امام مالک اور عبید اللہ بن عمرو ہیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۴)

۲۱) امام سفیان ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام شعبہ کو فرماتے سنا کہ محمد ابن اسحاق حدیث میں امیر المومنین ہیں۔ کسی نے پوچھا کیوں؟ فرمایا اپنے حفظ کے سبب اور فرمایا اگر حدیث میں کسی کو سردار بنایا جاتا تو محمد ابن اسحاق سب کے سردار ہوتے۔ (ایضاً)

۲۲) امام ابن سعد نے کہا کہ محمد ابن اسحاق ثقہ تھے۔ امام ابن علی نے کہا کہ محمد ابن اسحاق کی حدیث کثیر ہے۔ اور بے شک مسلمانوں کے اماموں نے ان سے حدیثیں روایت کیں اور اپنی اس فضیلت میں تو وہ بالکل منفرد ہیں کہ انھوں نے امرا اور سلاطین کو بے کار اور فضول کتابوں سے پھیر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہادوں اور نعت شریف اور ابتدائے آفرینش کے واقعات کے مطالعہ میں مشغول کردیا۔

یہ وہ فضیلت ہے کہ وہی اس میں سابق رہے بعد کے علما نے ان کی پیروی کی۔ مگر ان کے مرتبے تک نہ پہونچے۔ اور اب تک میں نے ان کی روایت کردہ حدیثوں کی جو نہایت کثیر اور وافر ہیں۔ تفتیش کی تو ان میں ایک حدیث بھی ایسی نہ ملی جس میں ضعف کا یقین ہو سکے۔ ہاں کبھی اتفاقاً بعض باتوں میں خطا یا وہم واقع ہوا ہے جیسا کہ اوروں سے بھی ہوتا ہے اور اس طرح کی باتوں میں ہرگز کوئی برائی نہیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۴۵۔۴۴)

۲۳) امام ابن المدینی نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق ثقہ ہیں۔ صرف اس بات سے ان کا مرتبہ گھٹ گیا کہ وہ اہل کتاب سے روایت کرتے ہیں مگر امام ذہبی نے کہا کہ بنی اسرائیل کے وقائع اہل کتاب سے روایت کرنے کو کس نے منع کیا۔ حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل سے روایت کرو، اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ (ایضاً ج۔۹ ص ۵۴)

۲۴) امام اجل سیدی عبد اللہ بن مبارک سے ابن اسحاق کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ بے شک ہم نے انھیں سچا پایا، بیشک ہم نے

انھیں بہت سچا پایا، بے شک ہم نے انھیں بہت سچا پایا۔ (ایضاً ج۔۹ ص۴۶۔۴۵)

۲۵) امام ابن حبان نے کہا کہ تمام مدینے بھر میں کوئی ایسا نہ تھا جو علم میں ابن اسحاق کے قریب یا جمع احادیث میں ان کا ہم سر ہو۔وہ نہایت خوبی سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص۴۶)

۲۶) امام یحییٰ بن یحییٰ کے سامنے ابن اسحاق کا تذکرہ ہوا تو فرمایا وہ ثقہ ہیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص۴۶)

۲۷) امام ابویعلیٰ خلیلی نے کہا کہ محمد ابن اسحاق بڑے عالم ہیں۔ان کی روایت اور ان کا علم وسیع ہے۔وہ ثقہ ہیں۔(ملخصاً، ایضاً)

۲۸) امام ابن البرقی نے کہا کہ میں نے علماے حدیث میں سے کسی کو نہ دیکھا کہ ابن اسحاق کے ثقہ اور ان کی روایت کردہ حدیث کے حسن ہونے میں اختلاف کرتے ہوں۔ہاں نافع سے ان کی روایت کے بارے میں کچھ منقول ہے۔(ایضاً ج۔۹ ص۴۶)

۲۹) امام ابوزرعہ نے فرمایا کہ ابن اسحاق بہت صادق ہیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص۴۶)

۳۰) حاکم نے کہا کہ امام محمد بن یحییٰ نے فرمایا کہ ابن اسحاق کی روایت کردہ حدیث حسن ہے۔ان کے بعد بعض حدیثیں درجۂ افراد میں ہیں۔اور انھوں نے امام زہری سے روایت کی تو بہت اچھی روایت کی۔ (ایضاً ج۔۹ ص۴۶)

فائدہ: واضح رہے کہ حدیث اذان جمعہ انھوں نے زہری ہی سے روایت کی ہے اب اس کے اچھے ہونے میں کیا شبہہ ہے۔

۳۱) حاکم نے کہا کہ امام ابوشیخ سے منقول ہے کہ محمد بن اسحاق ہمارے نزدیک ثقہ ہیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص۴۶)

تبصرہ: جلیل القدر اکابر فن حدیث کی ان فکر انگیز توثیقات وکلمات مدائح کے بعد بھی اگر کوئی محمد ابن اسحاق میں عیب تلاش کرتا ہے تو وہ خود شقاوت قلب کے مرض میں مبتلا ہے۔کیوں کہ اکابر کی یہ رائیں حقائق پر مبنی ہیں۔

(۳) کتاب الترغیب والترہیب

۱) محمد ابن اسحاق مشاہیر ائمہ حدیث سے ہیں۔ (کتاب الترغیب والترہیب ص۷۳۰، دار ابن حزم، بیروت)

۲) ابن اسحاق کی روایت کردہ حدیث حسن ہے۔ (ایضاً ص۷۳۰)

۳) امام ابن حنبل نے فرمایا کہ ان کی روایت کردہ حدیث حسن ہے۔ (ایضاً ص۷۳۰)

۴) امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ ابن اسحاق ثقہ ہیں۔ (ایضاً ص۷۳۰)

۵) امام علی ابن المدینی نے کہا کہ ابن اسحاق کی حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔ (ایضاً ص۷۳۰)

۶) امام شعبہ نے کہا کہ ابن اسحاق حدیثوں میں مسلمانوں کے بادشاہ ہیں۔ (ایضاً ص۷۳۰)

۷) بے شک امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابن اسحاق کی روایت کردہ بہت ساری حدیثوں سے استشہاد کیا ہے اور امام ترمذی نے ترمذی میں سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث محمد ابن اسحاق سے روایت کر کے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔(ایضاً ص۷۳۰)

۸) امام الائمہ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ابن اسحاق کو حجت مانا ہے۔ (ایضاً ص۷۳۰)

۹) خلاصۂ بحث یہ ہے کہ محمد ابن اسحاق کے بارے میں اختلاف ہوا لیکن قول فیصل یہ ہے کہ ان کی حدیث حسن ہے۔(ایضاً ص۷۳۰)

تبصرہ: ملاحظہ فرمائیے محمد ابن اسحاق کے بارے میں اکابر ائمہ حدیث کے یہ باوزن اور گراں قدر کلمات! محمد ابن اسحاق کی ثقاہت وعدالت کے لیے کیا اتنی باوقار شہادتیں تھانوی صاحب کو کافی نہیں تھیں؟

(۴) جوہر النقی

۱) محمد ابن اسحاق ثقہ ہیں۔

۲) بے شک امام ترمذی نے ابن اسحاق سے روایت کر کے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۳) امام ابوداؤد نے بھی ابن اسحاق سے روایت کر کے اس پر سکوت فرمایا اور ان کی عادت یہ ہے کہ وہ اسی حدیث پر سکوت فرماتے ہیں جو ان کے نزدیک حسن ہوتی ہے۔

تبصرہ : جوہر النقی کی یہ شہادتیں بھی محمد ابن اسحاق کی روایت کردہ حدیثوں پر اعتماد کے لیے بہت کافی ہیں۔ لیکن سوائے توفیق ایزدی کے اس غبار کا علاج کسی کتاب میں نہیں ملے گا جو کسی کی طرف سے کسی کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔

بحث کا تیسرا مرحلہ

محمد ابن اسحاق کی مدح و توثیق اور ان کی جلالت شان کے اعتراف میں اکابر ائمہ حدیث کے روشن اور گراں مایہ ارشادات میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب، کتاب الترغیب والترہیب اور جوہر النقی کے حوالوں سے پچھلے اوقات میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ محمد ابن اسحاق کی عظمت سے آپ کے دل کا گوشہ گوشہ منور ہو گیا ہوگا۔ لیکن یہ معلوم کر کے آپ حیران رہ جائیں گے کہ بجائے اس کے کہ اکابر ائمہ حدیث کے ان ارشادات کی روشنی میں محمد ابن اسحاق کی جانب سے دیوبندی مصنف کے دل کی کدورت دور ہوتی اور وہ اپنے سوء اعتقاد سے تائب ہوتا الٹے انھیں اکابر ائمہ حدیث پر الزام رکھ دیا کہ یہ لوگ ان جروح کی تاویلات رکیکہ کرتے ہیں یعنی بالفاظ دیگر امام احمد، امام ابن المدینی، امام بخاری، امام ابن حبان، امام ترمذی، امام ذہبی، امام عسقلانی، امام ابن ہمام حنفی وغیرہم جیسے اکابر ائمہ رکیک اور لچر پوچ بناوٹوں سے زبردستی ابن اسحاق کو بچاتے ہیں۔

ان اکابر کے خلاف یہ الزامات جتنے سنگین ہیں وہ محتاج بیان نہیں ہیں۔

وجوہ طعن کی بحث

ابن اسحاق کے خلاف وجوہ طعن کی بحث کا آغاز کرتے ہوئے حضور مفتی اعظم ارشاد فرماتے ہیں:

پہلا طعن : ابن اسحاق کے خلاف سب سے پہلا طعن کذب کا ہے۔ اب اس کی تفصیل سنیے۔ ان پر کذب کا طعن کرنے والے چند حضرات ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔

سلیمان تیمی، یحییٰ، وہیب، مالک اور ہشام۔ سلیمان تیمی کے طعن کا رد ائمۂ حدیث نے دو وجہوں سے کیا ہے۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ انھوں نے اپنے لگائے ہوئے الزام کی نہ کوئی دلیل دی ہے اور ان کے کذب کے بارے میں کوئی مثال پیش کی ہے۔

جیسا کہ تہذیب التہذیب میں ان کے طعن کا رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

واما سلیمان التیمی فلم یتبین لی لای شیٔ تکلم فیہ۔　　یعنی یہ بات مجھ پر ظاہر نہیں ہوئی کہ سلیمان تیمی نے کس بنیاد پر یہ الزام عائد کیا ہے؟

ائمہ کی صراحت کے مطابق کسی کے خلاف اس طرح کے گول مول الزام کو طعن مبہم کہتے ہیں اور وہ تعدیل کے مقابلے میں رد

کردیے جانے کے قابل ہے۔ خصوصاً ایسے امام کبیر کے حق میں جن کی ثقاہت اور جلالت شان کی شہادت کثیر ائمۂ حدیث نے دی ہو۔

امام جلال الدین سیوطی تدریب الراوی (ص ۲۰۲، مدینہ) میں ولا یقبل الجرح الامبین السبب (یعنی طعن قابل قبول نہیں جب تک اس کا سبب واضح طور پر بیان نہ کیا جائے) کے تحت ارشاد فرماتے ہیں:

قال الصیر فی وکذا اذا قالوا فلان کذاب لابد له من بیانه لان الکذب یحتمل الغلط۔ امام صیرفی نے کہا ہے کہ اصحاب جرح اگر کسی کو کذاب کہیں تو اس کی وجہ بیان کرنی ضروری ہے کیوں کہ کذب نادانستہ غلطی کو بھی کہتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ سلیمان التیمی جرح و تعدیل کے اہل ہی نہیں ہیں۔ جیسا کہ امام حافظ الشان تہذیب التہذیب کی نویں جلد کے صفحہ ۴۵ پر فرماتے ہیں ہیں۔

سلیمان التیمی لیس من اهل الجرح والتعدیل۔ یعنی سلیمان تیمی جرح و تعدیل کے اہل نہیں ہیں۔

باقی حضرات کا تنقیدی جائزہ

سلیمان التیمی کے عائد کردہ الزام پر بحث ختم ہوئی۔ اب یحییٰ، مالک، وہیب اور ہشام کی جرح کا جائزہ لیجیے گنتی میں یہ چار آدمی ہیں لیکن سب کی بات ہشام پر منتہی ہوتی ہے۔ ہشام کے علاوہ تینوں حضرات نے اقرار کیا ہے کہ ہم کو خود اپنے طور پر ابن اسحاق کا کوئی کذب معلوم نہیں ہے بلکہ ہم نے فلاں کو کہتے سنا ہے۔

دعوے کی مضحکہ خیز دلیل

میزان الاعتدال کی جلد نمبر ۲، صفحہ ۳۴۵ پر ہے کہ سلیمان بن داؤد کہتے ہیں کہ یحییٰ بن قطان نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ابن اسحاق کذاب ہیں۔ میں نے ان سے سوال کیا کہ یہ بات آپ کو کیوں کر معلوم ہوئی انھوں نے کہا کہ مجھ سے وہیب نے کہا تھا۔ پھر جب میں نے وہیب سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ مجھ سے مالک بن انس نے کہا تھا۔ اور جب میں نے مالک سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ مجھ سے ہشام بن عروہ نے بیان کیا تھا۔ پھر جب میں نے ہشام بن عروہ سے استفسار کیا تو انھوں نے ابن اسحاق کے کذب کے ثبوت میں کہا کہ وہ میری بیوی فاطمہ بنت المنذر سے حدیث روایت کرتا ہے حالاں کہ فاطمہ جب میرے گھر میں آئیں تو ان کی عمر نو برس کی تھی اور اس کے بعد تادم مرگ انھیں کسی نے نہیں دیکھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ابن اسحاق نے ان کی طرف اپنی روایت کی جو نسبت کی ہے وہ جھوٹ ہے۔

یہی ہے علم و استدلال کی وہ ساری پونجی جس پر تھانوی صاحب نے ابن اسحاق کے خلاف اتنا بڑا طوفان کھڑا کیا ہے۔ سب ائمہ حدیث نے ہشام کے اس قول کے جو رد کیے ہیں۔ اس کی حیرت انگیز تفصیل ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔

پہلا رد : امام بخاری ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ قول ہشام سے ثابت ہی نہیں ہے۔ (جزء القراءۃ)

دوسرا رد : ہشام سے جو قول مروی ہوا کہ فاطمہ بنت المنذر جب میرے پاس بیاہ کر آئی تھیں تو وہ ان کی عمر نو برس کی تھی۔ یہ صریحاً غلط ہے۔ کیوں کہ وہ اپنے شوہر ہشام سے تیرہ سال بڑی ہیں۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ جب وہ نو برس کی تھیں تو ہشام ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے بلکہ اس کے چار برس بعد پیدا ہوئے۔

چنانچہ میزان الاعتدال کی جلد ۲، صفحہ ۳۴۵ پر اور تہذیب التہذیب کی جلد ۹ صفحہ ۳۶ پر ہے۔

قوله وهي بنت تسع غلط لانها اكبر من هشام بثلث عشرة سنة.　　ہشام کا یہ کہنا کہ وہ نو برس کی تھیں غلط ہے کیونکہ وہ ہشام سے تیرہ سال بڑی تھیں۔

جیسا کہ خود ہشام نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔ چنان چہ تہذیب التہذیب کی جلد۔۹ صفحہ ۴۴ پر ہے۔

قال هشام بن عروة كانت اكبر منى بثلث عشرة سنة.　　ہشام بن عروہ نے کہا کہ وہ مجھ سے تیرہ سال بڑی تھیں۔

تیسرا رد : فاطمہ پردہ نشین ضرور تھیں اور انھیں غیر شخص نے نہیں دیکھا مگر اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ کوئی نامحرم ان سے روایت بھی نہ کرے۔ حالاں کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زائد کس کا پردہ ہوگا؟ پھر بھی سینکڑوں راویوں نے ان سے حدیثیں سنیں اور دوسروں سے روایت کی۔ چنان چہ ابن حبان کتاب الثقات میں ارشاد فرماتے ہیں:

اما قول هشام فليس مما يجرح به الانسان و ذلك ان التابعين سمعوا من عائشة من غير ان ينظروا اليها. (تہذیب التہذیب ج۔۹ ص ۴۵، دار صادر، بیروت)　　ہشام کا قول جرح نہیں ہے کیوں کہ تابعین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیثیں سنیں بغیر اس کے کہ انھیں دیکھا ہو۔

چوتھا رد : ہشام رجل کی نفی کرتے ہیں کہ کسی مرد نے انھیں نہ دیکھا جب کہ رجل مرد بالغ کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ابن اسحاق نے اپنی نابالغی میں فاطمہ سے حدیثیں سنیں ہوں یہ جواب امام بخاری کے استاذ اجل حضرت امام ابن المدینی نے افادہ فرمایا۔ جیسا کہ تہذیب التہذیب میں ہے۔

قال على الذى قال هشام ليس بحجة لعله دخل على امرأته وهو غلام فسمع منها.　　علی ابن المدینی نے فرمایا کہ ہشام کا قول حجت نہیں ہے کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ نابالغی میں ابن اسحاق ان کے پاس گئے ہوں اور ان سے حدیث سنی ہو۔

پانچواں رد : ہشام عمر بھر کی نفی کیوں کر کر سکتے ہیں جب کہ ہر وقت ان کا گھر میں رہنا متعذر ہے۔ یہ تسلیم کرنے میں کیا قباحت ہے کہ ابن اسحاق حاضر ہوئے ہوں اور ان سے اذن طلب کیا ہو اور فاطمہ نے پردہ کے اندر سے انھیں حدیث سنائی ہو؟ یہ جواب امام احمد، امام بخاری اور امام ابن حبان نے افادہ فرمایا۔ جیسا کہ تہذیب التہذیب (ج۔۹ ص ۴۱) میں ہے۔

لعله جاء فاستاذن عليها فاذنت له ولم يعلم　　ہوسکتا ہے ابن اسحاق نے آکر اجازت طلب کی اور فاطمہ نے اجازت دی اور ہشام کے علم میں یہ بات نہ آئی ہو۔

اور ابن حبان کی کتاب الثقات میں ہے۔

كذلك ابن اسحاق كان سمع من فاطمة والستر بينهما مسبل. (تہذیب التہذیب ج۔۹ ص ۴۱)　　ایسے ہی ابن اسحاق نے فاطمہ سے سنا ہو دونوں کے درمیان پردہ حائل ہو۔

چھٹا رد : مسلمانوں کی تاریخی اور تہذیبی روایات کے مطابق پردہ نشیں بیبیاں اس زمانے میں بھی نقاب کے ساتھ مساجد میں نماز کے لیے حاضر ہوتی تھیں۔ ہوسکتا ہے مسجد ہی میں انھیں موقع مل گیا ہو اور انھوں نے فاطمہ سے حدیث سنی ہو۔ اس کی خبر ہشام کو بھی ہوجائے کیا ضروری ہے۔ جیسا کہ امام ذہبی فرماتے ہیں۔

وما يدرى هشام بن عروة فلعله سمع منها فى المسجد. (میزان الاعتدال ج۔۳ ص ۴۶۵، بیروت)　　ہوسکتا ہے کہ انھوں نے مسجد میں حدیث سنی ہو اس کی ہشام کو کیا خبر

ساتواں رد : بہت ممکن ہے کہ فاطمہ سے ابن اسحاق نے بذریعۂ کتابت روایت کی ہو۔ کہ اہل مدینہ بذریعہ کتابت روایت کو جائز جانتے ہیں جیسا کہ امام بخاری جزء القراءۃ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

ولو صح عن هشام جائز ان تكتب اليه فان اهل المدينة يرون الكتاب جائزاً و جائز ان يكون سمع منها و بينهما حجاب.

(تہذیب التہذیب جلد ۹ ص:۴۲)

اولاً تو ہشام سے یہ اعتراض ثابت ہی نہیں اگر بالفرض ثابت بھی ہو تو جائز ہے کہ فاطمہ نے حدیث ابن اسحاق کو لکھ کر بھیجی ہو کہ اہل مدینہ روایت کو بذریعہ کتابت جائز جانتے ہیں اور یہ بھی کہ ابن اسحاق نے پردے کی آڑ سے حدیث لی ہو۔

آٹھواں رد : یہ ساری باتیں نظر انداز بھی کردی جائیں تو ہشام کے قول کو غلط ہونے کے لیے یہ بہت کافی ہے کہ ابن اسحاق کے علاوہ محمد بن سوقہ کوفی نے بھی فاطمہ سے حدیث روایت کی ہے۔ اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اس کے باوجود ابن سوقہ کوفی ثقہ سمجھے جاتے ہیں اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ایک جانے پہچانے راوی ہیں۔ آخرانھوں نے فاطمہ سے کیسے حدیث سنی؟ اس کے باوجود اگر ان کے خلاف کذب کا الزام نہیں ہے تو اس بنیاد پر ابن اسحاق کو کذب کے ساتھ متہم کیوں کیا جائے بل کہ تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال کی صراحت کے مطابق محمد بن اسماعیل بن یسار نے بھی فاطمہ سے حدیث روایت کی ہے۔ میزان اور تہذیب کے الفاظ یہ ہیں:

قد روى عنها ايضا غير محمد بن اسحاق من الغرباء محمد بن سوقه. (میزان ص ۳۴۵۔ تہذیب ۹/۴۶)

فاطمہ سے محمد ابن اسحاق کے علاوہ اور بھی لوگوں نے حدیث روایت کی ہے جیسے محمد بن سوقہ وغیرہ

نواں رد : ہشام تو دیکھنے کے منکر ہیں کہ فاطمہ کو کسی غیر نے نہیں دیکھا اور ابن اسحاق کے مدعی نہیں ہیں۔ صرف ان سے روایت کرتے ہیں۔ حالاں کہ روایت اور رویت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پھر اعتراض کا ہے کا۔ جیسا کہ امام ذہبی فرماتے ہیں۔

فما قال انه رآها افبمثل هذا يعتمد على تكذيب رجل من اهل العلم هذا مردود.

(میزان الاعتدال، ج۔۳ ص ۴۰۰)

ابن اسحاق کب کہتے ہیں کہ میں نے فاطمہ کو دیکھا کیا ایسی بے علاقہ بات سے ایک عالم کی تکذیب پر اعتماد ہوگا۔ ہرگز نہیں بل کہ یہ رد کردیا جائے گا۔

دسواں رد : سب سے قطع نظر کر لیجیے پھر بھی ابن اسحاق کی ثقاہت و راست گوئی کا یہ پہاڑ اپنی جگہ سے کیسے ہٹے گا کہ کذب کے طعن کو ائمہ نے قبول ہی نہیں کیا۔ پھر ایسی بات جو ائمہ ناقدین کے حضور میں پیش ہو کر رد ہو چکی ہو اسے دستاویز بنانا کیوں کر جائز ہوگا؟ اس طرح کے چلتے پھرتے مطاعن سنے جائیں تو سلف و خلف میں شائد کوئی امام بچے۔ سب سے ہاتھ دھونے پڑیں۔

یہ جواب امام بخاری نے ارشاد فرمایا۔ جیسا کہ وہ اپنی کتاب جزء القراءۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

ولم ينج كثير من الناس من كلام بعض الناس فيهم نحو ما يذكر عن ابراهيم من كلامه فى الشعبة و كلام الشعبه فى عكرمة ولم يلتفت اهل العلم فى هذا النحو الا ببيان وحجة ولم تسقط عدالتهم ا لا ببرهان وحجة. (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۱)

ائمہ حدیث میں اکثر ایسے حضرات ملیں گے جن پر کسی نہ کسی نے طعن کیا ہے۔ جیسے امام اجل ابراہیم نخعی سے امام اجل شعبہ کے بارے میں کلام منقول ہے اور امام شعبہ سے عکرمہ کے بارے میں لیکن علما ایسی باتوں کی طرف التفات نہیں فرماتے جب تک وہ دلیل و حجت سے ثابت نہ ہو جائے ایسی بے دلیل و حجت طعن سے کسی کی عدالت ساقط نہیں ہوتی۔

حضرت ابن اسحاق کے دفاع میں دلائل و براہین کا انبار لگانے کے بعد حضور مفتی اعظم ارشاد فرماتے ہیں:
مسلمانو! یہ ہیں وہ قاہر رد جنھیں دیوبندی مصنف نے رکیک تاویلات سے تعبیر کیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آدمیاں گم شدند

ابن اسحاق کے خلاف دوسرا طعن

ابن اسحاق کے خلاف دوسرا طعن دجل کا ہے جسے امام مالک کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔
ائمہ کرام نے اس کے چھ رد ارشاد فرمائے ہیں۔

پہلا رد : امام بخاری فرماتے ہیں کہ امام مالک سے اس کا ثبوت متحقق نہیں ہے بل کہ ثابت نہ ہونا ہی قرین قیاس ہے۔ کیوں کہ اس کے بطلان پر قرینہ موجود ہے جیسا کہ تہذیب التہذیب کے حوالے سے امام بخاری کے ارشادات پچھلے اوراق میں نقل کیے جا چکے ہیں۔ ثبوت کے لیے اقتباس نمبر ۸ اور ۹ ملاحظہ فرمائیں۔

دوسرا رد : امام مالک نے اپنے اس الزام سے رجوع فرمالیا ہے جیسا کہ فتح القدیر جلد اول کے صفحہ ۹۲ پر امام ابن ہمام نے ارشاد فرمایا ہے۔

ذکرہ ابن حبان فی الثقات وان مالکا رجع عن الکلام فی ابن اسحق و اصطلح معه و بعث الیه هدية ذکرها ابن حبان.

ابن حبان نے ابن اسحاق کو ذکر کیا ہے اور یہ کہ امام مالک نے ابن اسحاق کے خلاف اپنے طعن سے رجوع کر لیا ان سے صلح فرمائی اور انھیں ہدیہ بھیجا جس کی تفصیل بھی ابن حبان نے بیان کی ہے۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں اس واقعہ کی مزید تفصیل لکھی ہے کہ امام مالک نے ایک بار ابن اسحاق پر طعن کیا تھا پھر ابن اسحاق کی طرف اچھے برتاؤ کے ساتھ رجوع فرمایا۔ مالک کا طعن ان پر حدیث کے سلسلے میں نہ تھا۔ بل کہ انھیں یہ بات ناپسند تھی کہ غزوۂ خیبر کے واقعات وہ یہودی نومسلم اولاد سے روایت کرتے تھے۔ حالاں کہ ابن اسحاق کا یہ پوچھنا بھی اس طور پر نہ تھا کہ وہ ان لڑکوں کا بیان حجت سمجھتے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹، ص ۴۵)

تیسرا رد : بالفرض امام مالک کا رجوع نہ بھی ثابت ہو جب بھی ائمہ حدیث کے یہاں اس طرح کی مثالیں موجود ہیں کہ امام ناقد کسی خاص وجہ سے کسی خاص امر میں کسی پر طعن کرتا ہے لیکن وہ طعن اتنی ہی بات پر منحصر رہتا ہے باقی امور میں وہ بھی اسے مقبول رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے حدیثیں بھی اخذ کرتا ہے۔ یہ جواب امام بخاری نے ارشاد فرمایا۔ جیسا کہ جزء القراءۃ میں فرماتے ہیں:

لو صح عن مالك تناوله من ابن اسحق فلربما تكلم الانسان فيه في صاحبه بشئ ولا يتهمه في الامور كلها (تہذیب التہذیب جلد ۹، ص ۴۱)

اول تو امام مالک سے ابن اسحاق پر طعن ثابت نہیں اور اگر بالفرض صحیح بھی ہو تو ایسا بارہا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کسی رفیق پر ایک خاص بات میں طعن کرتا ہے اور سب باتوں میں اسے متہم نہیں سمجھتا۔

چوتھا رد : امام مالک کو ابن اسحاق سے کوئی واقفیت نہ تھی۔ کیوں کہ ابن اسحاق مدینہ طیبہ میں زیادہ دنوں قیام پذیر نہ رہے۔ ابتدا ہی میں کوفہ گئے اور پھر بغداد کی طرف کوچ کیا۔ اور بغداد شریف ہی میں قیام پذیر ہوئے یہاں تک کہ وہیں وفات پائی۔ انھوں نے مدینہ طیبہ میں کونسی حدیث روایت کی کہ امام انھیں جانچتے؟ یہ رد امام بخاری کے استاد امام علی بن عبد اللہ نے ارشاد فرمایا۔ (تہذیب التہذیب، میزان)

پانچواں رد : امام مالک کا اعتراض ابن اسحاق پر روایت حدیث کے رخ سے نہیں ہے بل کہ مذہب قدر کے ساتھ تہمت کے سبب سے ہے جیسا کہ عسقلانی جلد ۹ صفحہ ۴۲ پر ہے۔

قال ابو ذرعة الدمشقي ذاكرت رحيما قول مالك فيه فرأى ان ذلك ليس للحديث انما هو لانه اهمه بالقدر.

ابو زرعہ دمشقی فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق پر امام مالک کے طعن کی بابت رحیم سے میرا مذاکرہ ہوا انھوں نے خیال ظاہر کیا کہ امام مالک کا طعن روایت حدیث کی جہت سے نہیں بلکہ مذہب قدر کے ساتھ تہمت کی وجہ سے ہے۔

اور پچھلے اوراق میں میزان الاعتدال کے حوالہ سے گزر چکا کہ مذہب قدر کی طرف ان کی نسبت محض لوگوں کا خیال ہی خیال ہے ورنہ وہ سب سے زیادہ مذہب قدر سے دور تھے۔

چھٹا رد: امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں ارشاد فرمایا ہے کہ ابن اسحاق پر امام مالک کا طعن اول تو ثابت نہیں ہے اور اگر صحیح بھی فرض کرلیں تو علما نے اسے قبول ہی نہیں کیا بلکہ مسترد کردیا اور کیوں کر اسے مسترد نہ کرتے جب کہ امام شعبہ نے ابن اسحاق کو فن حدیث میں مسلمانوں کا بادشاہ لکھا ہے اور امام اجل سفیان ثوری، ابن ادریس، حماد بن زید، یزید بن زریع، ابن عتبہ، عبدالوارث اور امام اجل عبداللہ بن مبارک اور عامۂ علمائے محدثین نے ان کو مقبول رکھا۔ (فتح القدیر ج۔ ا ص ۲۴۱ فصل فی استحباب التعجیل مرکز اہل سنت، پوربندر)

یہاں تک ابن اسحاق پر امام مالک کے طعن اور اس کے جواب کی بحث تھی اس مدلل بحث سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ ابن اسحاق کا دامن دجل کے طعن سے پاک ہے۔

ابن اسحاق پر تیسرا طعن

ابن اسحاق پر تیسرا طعن تشیع کا ہے۔ تھانوی صاحب نے امام ابن حجر کے حوالہ سے ان پر تشیع کا الزام عائد کرتے ہوئے بدترین قسم کی فریب کاری سے کام لیا ہے۔ ہندوستان کے محاورہ میں شیعی رافضی کو کہتے ہیں۔ لیکن ائمہ جرح و تعدیل کے یہاں شیعی وہ ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل مانتا ہے۔ اس اصطلاح کو دیدہ و دانستہ نظر انداز کرکے انھوں نے سادہ لوح عوام کو اس فریب میں مبتلا کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ ابن اسحاق کو رافضی سمجھیں۔ معاذ اللہ رب العلمین۔

حضرت علی کو حضرت عثمان سے افضل سمجھنا، اگرچہ جمہور اہل سنت کے مذہب کے خلاف ہے لیکن اہل سنت کی ایک جماعت، خصوصا ائمہ کوفہ جیسے امام سفیان ثوری اور امام مسلمین حضرت اعمش وغیرہما اسی کے قائل ہیں۔ ایسے تشیع کو بدعت اور بدمذہبی بھی نہیں کہہ سکتے۔ شرح مقاصد (ج۔ ۵ ص ۲۹۱) میں ہے۔

قال اهل السنة الا فضل ابوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي قد مال البعض منهم الى تفضيل علي على عثمان رضي الله تعالى عنهما والبعض الى التوقف فيما بينهما.

علمائے اہل سنت نے فرمایا کہ سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر ہیں پھر عثمان ہیں پھر علی ہیں۔ پھر ان میں سے کچھ لوگوں کا مذہب ہے کہ حضرت علی حضرت عثمان سے افضل ہیں اور بعض لوگوں نے توقف سے کام لیا ہے۔

اور امام ابن حجر اپنی گراں قدر تصنیف ہدی الساری (ص ۵۴۱) میں محدثین کے اصطلاحات کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

التشیع محبة علی و تقدیمه علی الصحابه فمن قدمه علی ابی بکر و عمر فهو غال تشیعه و یطلق علیه رافضی وا لافشیعی فان انضاف الی ذلك السب او التصریح بالبغض فغال فی الرفض.

حضرت علی سے محبت کرنا اور انھیں صحابہ پر فضیلت دینا شیعیت ہے لیکن جو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر سے انھیں افضل سمجھتا ہے وہ رافضی ہے۔ پھر اسی کے ساتھ اگر وہ تبرا بھی کرتا ہے تو وہ غالی رافضی ہے۔

ائمہ جرح وتعدیل کی اصطلاح میں چوں کہ محب علی کو شیعی کہا جاتا ہے اسی بنیاد پر حضرت امام اعمش جو امام اعظم کے استاد ہیں ان کے بارے میں تہذیب التہذیب میں ہے کہ کان فیه تشیع ان میں شیعیت تھی یعنی وہ محب علی تھے۔ اتنی تفصیل کے بعد یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ ائمہ حدیث کی اصطلاح میں رافضی اور شیعی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ حضرت ابن اسحاق پر امام ابن حجر نے تشیع کا طعن کیا ہے۔ رفض کا طعن نہیں کیا ہے۔ صرف اس طعن سے اگر ابن اسحاق کی ثقاہت مجروح ہوتی ہے تو خود بخاری شریف اور مسلم شریف کے رجال میں سینکڑوں راوی ہیں جنھیں شیعی کہا گیا ہے لیکن اس کے باوجود کسی نے بھی ان کی حدیث قبول کرنے سے انکار نہیں کیا ہے۔

الحمد للہ کہ شیعیت بمعنی رفض کے الزام سے بھی حضرابن اسحاق کا دامن پاک اور بے داغ ثابت ہو گیا۔

ابن اسحاق پر چوتھا طعن

حضرت ابن اسحاق پر چوتھا طعن تدلیس کا ہے۔ تھانوی صاحب نے ان کے خلاف یہ الزام عائد کرتے ہوئے امام ابن حجر کی کتاب طبقات المدلسین کا حوالہ دیا ہے۔ ذرا بھی انھیں فن حدیث سے واقفیت ہوتی تو وہ اس کتاب کا ہرگز حوالہ نہ دیتے۔ کیوں کہ امام ابن حجر نے مدلسین کو پانچ طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول چار وہ ہیں جن میں صرف تدلیس ہی ہے کوئی اور وجہ ضعف نہیں ہے۔ ان میں امام بخاری، امام مسلم اور ان سے اعلیٰ درجہ کے ائمہ داخل ہیں۔ پانچواں طبقہ وہ ہے جن میں تدلیس کے سوا کوئی دوسری وجہ ضعف بھی ہے۔ امام ابن حجر نے ابن اسحاق کو چوتھے درجہ میں رکھا کہ بر بنائے اصول شافعیہ جن کی حدیث بے تصریح سماع حجت نہیں جب کہ ہم حنفیہ، مالکیہ اور حنبلہ کے نزدیک مطلق حجت ومقبول ہے۔ صرف تدلیس کی وجہ سے اگر ابن اسحاق کی حدیث نا قابل حجت ہے تو تھانوی صاحب کو امام بخاری اور امام مسلم کی حدیثوں کا بھی انکار کر دینا چاہیے۔ کیوں کہ امام ابن حجر نے انھیں بھی مدلسین میں شمار کیا ہے۔ بہر حال امام ابن حجر کی تحریر سے اتنی بات بالکل صاف ہوگئی کہ ابن اسحاق میں اور کوئی ضعف نہیں ہے اب وہ لوگ جو ان پر کذب یا دجل کا الزام رکھتے تھے۔ اپنے ہی منہ پر تھپڑ ماریں۔

اتمام حجت

اتنی تشفی بخش اور مدلل بحث کے بعد بھی اگر تھانوی صاحب ابن اسحاق کے معنعنہ کو قابل استناد نہیں سمجھتے تو اب میں اتمام حجت کے طور پر مسند امام احمد کے حوالہ سے ابن اسحاق کی وہ حدیث پیش کر رہا ہوں جس میں حدثنی کے ذریعہ امام زہری سے سماع کی صراحت ہے۔ سلسلہ سند ملاحظہ فرمایئے۔

حدثنا یعقوب حدثنا ابی عن ابن اسحاق قال حدثنی محمد بن مسلم عبیدالله الزهری عن السائب بن یزید.

ثانیاً تہذیب کی روایت کے مطابق محمد ابن اسحاق امام زہری سے کثیر المصاحبۃ کثیر السماع اور کثیر الروایۃ ہیں۔ چنان چہ امام زہری نے اپنے دربان کو حکم دیا تھا کہ ابن اسحاق جس وقت بھی آئیں انھیں نہ روکا جائے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ ایسے شیخ سے کسی بھی حدیث کی

روایت سماع پر محمول ہے اگر چہ بہ لفظ عن ہو۔

☆☆☆

فن حدیث میں حضور مفتی اعظم کے رسوخ و تبحر کو سمجھنے کے لیے وقایۃ اہل السنۃ کے اتنے اقتباسات ہی بہت کافی ہیں۔ ورنہ اس دریائے ناپیدا کنار کے تلاطم کا تو یہ حال ہے کہ بحث کے جس نکتے پر قلم اٹھتا ہے مختلف سمتوں میں اتنی دور تک پھیل جاتا ہے کہ اس کا سمیٹنا مشکل ہے۔ ابن اسحاق کی حدیث پر حضور مفتی اعظم نے فن حدیث کے ایسے ایسے علمی ذخائر و نوادر کا انبار لگا دیا ہے کہ عقل حیران ہے کہ ہم کس کس رخ سے اس جلوے کا تماشا دیکھیں اور اس چمکتے ہوئے نگار خانے میں کس کس گوہر تاب دار کی نشان دہی کریں۔

حضور مفتی اعظم کو اب تک اپنے وقت کے ایک فقیہ اعظم اور مجتہدانہ بصیرت رکھنے والے ایک فقید المثال اور وحید العصر کشور افتا کی حیثیت سے جانتے تھے لیکن وقایۃ اہل السنۃ کے مطالعہ کے بعد ہر انصاف پسند کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ وہ صرف مفتی اعظم نہیں تھے بلکہ اپنے دور میں فن حدیث کے امام اعظم بھی تھے۔

قابل مبارکباد ہیں رضا اکیڈمی بمبئی کے اراکین جنھوں نے اس رخ سے بھی حضور مفتی اعظم کو متعارف کروانے کا ہمیں موقعہ دیا ہے۔ حضرت مولانا قمر الحسن بستوی کے اصرار پر یہ مختصر مقالہ سپرد قلم کر رہا ہوں۔ قبول عام کے اعزاز سے خدا اسے سرفراز کرے۔

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم اور اسنادِ فقہ واحادیث

مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی
استاذ مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد، ضلع مئو

مسند الوقت حضور سرکار مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفٰی رضا قدس سرہٗ (ولادت ۱۳۱۰ھ وفات ۱۴۰۲ھ ۱۹۸۱ء) کو قدوۃ السالکین سیدنا ابوالحسین احمد نوری مارہروی رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ قادریہ میں بیعت فرمائی اور جمیع سلاسل طریقت کی اجازت وخلافت نیز سلاسلِ قرآن مجید اور احادیث کریمہ کی اجازات واسناد سے بھی نوازا۔

پھر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے بھی اپنے پیارے فرزند کو جملہ سلاسل کی اجازت وخلافت دے کر قند مکرر یا لطف پیہم کی لذت و عزت عطا فرمائی۔

ان تمام اجازتوں اور سندوں کا بیان تو بڑا تفصیل طلب ہے۔ یہاں ہم خاص طور پر ان کی اسناد فقہ واحادیث کا ذکر کریں گے۔

رسالۂ مبارکہ "النور والبهاء فی اسانید الحدیث و سلاسل الاولیاء" (مصنفہ قدوۃ الکاملین سیدنا الشیخ سید ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ القوی) میں ۳۹ سلاسل قرآن مجید واحادیث کریمہ اور سلاسل اولیائے کرام مندرج ہیں۔ ان سب کی اجازتیں حضور مفتی اعظم کو حاصل تھیں۔

صحاح ستہ کی وہ خاص سند جو پوری دنیا میں سب سے عالی ہے اور بہت مختصر۔ اور فتح الباری کے اخیر میں نسائی شریف کی حدیث جو مذکور ہے ان سب کی بھی آپ کو اجازت حاصل ہے۔

نیز انھیں تمام سلاسل فقہ کی اجازتیں حاصل تھیں۔

آپ کو اعلیٰ حضرت کی ان تمام اسناد کی اجازتیں حاصل تھیں جو "الاجازات المتینہ" میں مطبوع ہیں۔ ان میں فقہ کی بھی ایک اہم اور عظیم الشان سند شامل ہے۔

دنیا میں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی سند سے اصح واعلیٰ کوئی سند نہیں۔ شارح بخاری علامہ محمد مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ

"اس سند کے ہوتے ہوئے کسی اور سند کی کوئی حاجت نہیں۔" (معارف شارح بخاری)

اب ذیل میں قدرے تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

رسالہ مبارکہ النور والبهاء میں سب سے پہلی سند قرآن مجید کی ہے۔ یہ اجازت قراءت امام عاصم بروایت حفص کی ہے۔

سلاسل حدیث دس سندوں پر مشتمل ہیں۔ یہ کل ۱۱ سندیں ہوئیں۔

سلاسلِ حدیث :

(۱) حضور مفتی اعظم کو اپنے والد و شیخ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے اجازت حاصل تھی۔ ان کو اپنے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب سے۔ ان کو اپنے والد ماجد حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب سے۔ ان کو اپنے استاذ مولانا خلیل الرحمٰن صاحب رام پوری سے (الاجازات المتینہ کے ص ۹۸ پر محمد آبادی تحریر ہے یونہی ترجمہ کے ص: ۹۹ پر) ان کو اپنے استاذ حضرت مولانا محمد اعلم صاحب سنڈیلی سے۔ ان کو حضرت ملک العلما ابوالعیاش محمد عبد العلی بحر العلوم فرنگی محلی لکھنوی سے۔ ان کو اپنے والد ماجد حضرت مولانا نظام الدین صاحب سے۔ قدست اسرارہم۔

(۲) ایک دوسری سند بھی ہے جو اس سے عالی ہے۔

حضور مفتی اعظم کو مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے۔ ان کو اپنے مرشد برحق خاتم الاکابر مولانا سید شاہ آل رسول مارہروی سے۔ انھیں عارف باللہ مولانا نور الحق مدعو بہ مولانا نور بن مولانا انوار الحق المدعو بہ مولانا انوار سے اور انھیں حضرت بحر العلوم قدس سرہٗ سے۔

یہ دونوں سندیں تفصیلی ہیں۔ تفصیلی ذکر آگے آتا ہے۔

حضور مفتی اعظم کو جن سلاسل کی اجازت حاصل تھی وہ دس اجازتوں پر مشتمل ہیں۔ ۵ رسلسلہ خاندانیہ۔ ۵ رسلسلہ مارہرہ مطہرہ۔ اس طرح دس سلسلے کی اجازتیں ہوئیں۔ پانچ اجازتیں خاص سلسلہ رضویہ کی ہیں جو خاندانی ہیں۔ اور حضرت بحر العلوم ابوالعیاش عبد العلی فرنگی محلی لکھنوی قدس سرہٗ کے واسطے سے صحاح ستہ کے مصنفین تک پہنچتی ہیں۔

النور والبہاء میں مندرجہ ذیل سلاسل حدیث کی اسناد ہیں۔

صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، حصن حصین بقراءت اطراف، اجازت سنن ابوداؤد بقراءت اطراف، یہ آٹھ سندیں ہوئیں۔

حدیث مسلسل بالاولیۃ :

یہ سند کل تین طرق سے ہے۔

(۱) بطریق شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ
(۲) بطریق حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی
(۳) بطریق صوفی احمد حسن مرادابادی

پہلے سلسلے میں سیدنا و مولانا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ اور سیدنا حافظ زین الدین عراقی کے مابین بارہ واسطے ہیں۔

اور دوسرے طریقے میں گیارہ.....

اور تیسرے طریقے میں صرف چھ۔ اس لیے تیسرا طریقہ سند کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ ہے۔ (تینوں سندیں تفصیل سے آگے ذکر کی جائیں گی۔)

حدیث یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر و رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الراحمون یرحمهم الرحمن تبارک و تعلیٰ ۔ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء" رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے۔ جو لوگ زمین پر ہیں ان پر تم رحم کرو۔ تم پر وہ رحم فرمائے گا جو آسمان والا ہے۔

حدیث مسلسل بالاضافۃ : (اس سند کے دو طریق ہیں)

(۱) بطریق شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

(۲) بطریق شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (سند کی تفصیل آگے آئے گی)

وہ حدیث یہ ہے

"اضافنی امیر المومنین علی بن أبی طالب علی الأسودین التمر والماء. قال اضافنی رسول الله صلی الله علیه وسلم علی الأسودین التمر والماء. قال من اضاف مومناً فکأنما أضاف آدم، و من اضاف اثنین فکأنما أضاف آدم و حواء، و من اضاف ثلثة فکأنما أضاف جبرئیل و میکائیل و اسرافیل."

(کنز العمال ج۔۱ حدیث۔۲۵۹۷۵، بیت الافکار الدولیہ، الریاض)

(امام حسین شہید کربلا نے فرمایا) امیر المومنین علی بن ابی طالب نے دو کالی چیزوں سے میری مہمانی کی کھجور اور پانی۔ انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کالی چیزوں کھجور اور پانی سے میری مہمانی کی۔ فرمایا جس نے ایک مومن کی میزبانی کی گویا اس نے آدم علیہ السلام کی میزبانی کی اور جس نے دو کی میزبانی کی گویا اس نے آدم اور حوا علیہ وعلیہما السلام کی میزبانی کی اور جس نے تین کی میزبانی کی گویا اس نے جبریل و میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کی میزبانی کی۔

حدیث مسلسل بالمصافحہ : اس حدیث کے بھی دو طریق ہیں۔

(۱) حضرت شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ (۲) حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے۔

یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انھوں نے فرمایا:

"صافحت رسول الله صلی الله علیه وسلم فلم أر خزا و لاقزا الین من کف رسول الله صلی الله علیه وسلم"

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا۔ تو میں نے کسی ریشمی کپڑے کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے زیادہ نرم نہیں پایا۔

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کو صحاح ستہ کی اپنی خاص سند بھی حاصل ہے جس میں اعلیٰ حضرت مجدد اعظم قدس سرہٗ سے لے کر اصحاب صحاح تک بہت کم وسائط ہیں۔

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کو نسائی شریف کی اس حدیث کی بھی سند و اجازت حاصل ہے جو سند الحفاظ علامہ علی بن احمد بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری کے اخیر میں اپنی سند کے ساتھ ذکر فرمائی ہے۔

یہ اکتالیس اجازتیں احادیث کریمہ کی ہوئیں۔

اس کے علاوہ النور والبہاء میں مصافحات خمسہ بھی اپنی سندوں کے ساتھ مذکور ہیں۔ (اور الاجازات المتینہ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی میں المصافحۃ الاربعۃ مذکور ہے)

مصافحات خمسہ :

اول: المصافحۃ الجنیۃ ۔ دوم : مصافحہ جنیہ اخری

یہ خاص ان صحابی جنوں میں سے ایک سے مروی ہے جو لیلۃ الجن میں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے، جن کی عمر سات سو سال

ہوئی تھی۔

سوم: مصافحہ خضریہ : اس میں اپنی سند کے ساتھ شاہ عبدالعزیز صاحب نے روایت کیا ہے۔ جو بطریق ابوعبداللہ ہزمیری حضرت ابوالعباس خضر علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

چہارم: مصافحہ معمریہ : اس میں شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی سند کے ساتھ شیخ ابوالحسن علی باغوزانی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضور نے اپنی انگشتانِ مبارک میری انگلیوں میں داخل فرمائیں اور فرمایا:

"یاعلی! شابکنی فمن شابکنی دخل الجنة وما زال یعد حتی وصل الی سبعة ثم استیقظت و اصابعی فی اصابع رسول الله صلی الله علیه وسلم۔"

اے علی! اس طرح مجھ سے مصافحہ کر۔ اور جو اس طرح مجھ سے مصافحہ کرے گا جنت میں داخل ہوگا۔ (اور جو اس سے مصافحہ کرے گا وہ بھی جنت میں جائے گا پھر جو اس سے مصافحہ کرے گا وہ بھی جنت میں جائے گا) اسی طرح سرکار شمار کراتے رہے یہاں تک کہ سات تک پہنچے اس کے بعد میں جاگا اور میری انگلیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتانِ مبارک میں تھیں۔

یہ پانچ خاص احادیث کی خاص سندیں ہیں ان کو انھیں سابق سے جوڑا جائے تو ۳۹+۵=۴۴ سلاسل احادیث ہو جائیں گے۔

حضور مفتی اعظم کو اعلیٰ حضرت کی ان تمام اسناد کی اجازت حاصل تھی جو الاجازات المتینہ میں مطبوع ہیں جن میں سند فقہ بھی ہے اور مذکورہ بالا مصافحات بھی المصافحات الاربع کے الفاظ کے ساتھ مطبوع ہیں۔ جن کے بارے میں اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے کہ مجھے بحمدہٖ تعالیٰ ان چار مصافحوں کے ذریعہ رب ذوالجلال کے خلیفہ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ رسالت تک متصل ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ان کے الفاظ ہیں۔

صافحته بالمصافحات الاربع الخضریه والجنیة والمعمریة والمنامیة المتصلات منی بحمد ربی الی حضرة الرسالة والخلیفة الاعظم لذی الجلالة صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و علی آله الکرام.

الاجازات المتینہ کی روشنی میں حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کو مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے احادیث وغیرہ کی جو اجازتیں اور سندیں حاصل ہوئی ہیں ان میں اعلیٰ حضرت کے الفاظ اس طرح ہیں:

(فاجزت) علی برکة الله و برکة رسوله و احمد رضاه و کمال قبوله او لا... اجازة جمیع مفترقته او سمعته علی اساتذتی و بهذا الوجه الاعلی صحت لی عنهم روایتی من القرآن العظیم و احادیث النبی الکریم علیه و علی آله افضل الصلوٰة والتسلیم۔ و کتب الحدیث من صحاح و سنن و مسانید وجوامع و معاجیم و اجزاء و کتب اصوله علی مسلك المحدثین و طریقة ائمتنا المحققین الاجلاء الغراء والفقه الحنفی الحفی الوفی والصافی الصفی المنتهی سنده الی امام الأئمة کاشف الغمة، سراج الامة، مالك الازمة شافعی و شافع مقلدیه بنص احد من عرفاء الله وواجدیه من اصله نابت و فرعه ثابت وفضله ثابت سیدنا الامام الاعظم ابی حنیفة النعمان بن ثابت عن الامام حماد بن سلیمان عن الامام ابراهیم النخعی اوحد الزمان عن بحری العلوم والمکرمة سیدنا اسود و علقمه عن کنیف ملیء علما و عد من اهل بیت الرسالة العظمی من رضی

رسول الله صلى الله عليه وسلم لامته مارضى وكره لامته ماكره لها هذا الرضى وهو سيدنا عبدالله بن مسعود رضى عنه و عنهم الكريم الودود عن سيدالمرسلين شارع الشرع المبين مفيض الاحكام على ائمة الدين بما ناسبهم ومن لهم من المقلدين، صلى الله عليه و عليهم اجمعين عن امين الوحى جبرئيل عليه الصلوٰة بالتبجيل.(الاجازات المتينه ،ص ٦٢-٦٤)

اللہ و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم) کی برکت، خدا کی محمودترین غذا اور کمال قبول پر اولاً: ان تمام علوم کی اجازت دیتا ہوں جنھیں میں نے اساتذۂ کرام سے پڑھا اور اس اعلیٰ وجہ کی بنا پر میرے لیے اساتذہ سے قرآن عظیم کی روایت اور نبی کریم علیہ وعلی آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم) کی احادیث کی روایت صحیح اور ثابت ہے۔ اور کتب حدیث کی ان تمام قسموں کی بھی جنھیں صحاح، سنن، مسانید، جوامع، معاجیم اجزا کہا جاتا ہے۔ نیز مسلک محدثین کے مطابق اور ہمارے جلیل القدر اماموں کے روشن طریقے کے موافق جتنی اصولِ حدیث کی کتابیں ہیں، ان کی روایت بھی میرے لیے صحیح اور ثابت ہے۔ اور فقہ حنفی کی روایت بھی۔ یہ فقہ پیاری بھی ہے اور پوری بھی، صاف ستھری اور فقہوں میں چنی ہوئی۔ اس کی سند اماموں کے امام، غموں کے کاشف، امت کے چراغ، مالکِ ازمۂ تحقیق، ایک عارف واصل کی تصریح کے مطابق میری اور جملہ مقلدین کی شفاعت فرمانے والے، جن کے علم وعمل اور فضل وکمال کی جڑ قائم ہے اور اس کی شاخیں اگتی اور پھیلتی رہتی ہیں یعنی سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت (رضی اللہ عنہ) تک پہونچتی ہے۔ پھر آپ امام حماد بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں وہ یکتائے زمانہ امام ابراہیم نخعی سے وہ علم وسخا کے دو دریاؤں یعنی سیدنا اسود اور سیدنا علقمہ سے وہ ان سے جو علم سے بھری ہوئی گٹھری ہیں اور رسالت عظمیٰ کے اہل بیت میں شمار کیے گئے ہیں جن کی پسند و ناپسند کو سرکار نے اپنی پسند و ناپسند قرار دیا یعنی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ و عنہم الکریم الودود وہ ان سے جو رسولوں کے سردار اور شرع مبین کے بانی ہیں اور ائمۂ دین پر ان کے شان کے لائق اور ان کے مقلدین پر احکام شرعیہ کا افاضہ فرمانے والے ہیں صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین۔ آپ وحی کے امین حضرت جبریل سے علیہ الصلوٰۃ بالتجیل

اور اسی میں آگے ص ۹۶ پر یوں اجازت رقم فرمائی۔

فاجزته على بركة الله تعالى بجميع ما تصح لى روايته من القرآن العظيم و احاديث النبى الكريم عليه افضل الصلاة والتسليم و كتب الحديث من صحاح و سنن و مسانيد و جوامع و معاجيم واجزاء و الشروح و كتب اصوله واسماء رجاله والفقه والتفسير والقراءات والتجويد والكلام و اصول الفقه والسير والتواريخ والادب والنحو والصرف واللغة والمعانى والبيان والبديع والمنطق والحكمة والهندسه والهيئة والزيجات وسائركتب المقاصد والآلات من كل ما ارويه عن مشايخى الاكرمين.

میں انھیں علی برکتہ تعالیٰ درج ذیل کتب وعلوم وفنون کی اجازت دیتا ہوں جن کا میں مجاز ہوں۔ قرآن مجید، نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی احادیث مبارکہ اور کتب احادیث جیسے صحاح، سنن، مسانید، جوامع، معاجم، اجزا، شروح، کتب اصول حدیث، کتب اسماء الرجال، فقہ، تفسیر، قراءت، تجوید، کلام، اصول فقہ، سیر، تواریخ، ادب، نحو، صرف، لغت، معانی، بیان، بدیع، منطق، حکمت، ہندسہ، ہیئات، زیجات کی کتابیں اور مقاصد و ذرائع کی باقی کتابیں جن کی میں اپنے بزرگ ترین مشائخ سے روایت کرتا ہوں۔

مثلاً:

۱- میں اپنے مولیٰ اپنے مرشد اپنے سردار سے راوی ہوں جو میرے لیے سہارا بھی ہیں اور خزانہ بھی اور دنیا و آخرت میں ذخیرہ بھی

جو شریعت و طریقت کے جامع بھی ہیں اور پاک لوگوں کی دونوں جماعتوں عالموں عارفوں کے مرجع ہے۔ جن کی توجہ اصاغر کو اکابر بنا دیتی ہے۔ یعنی سیدنا شاہ آل رسول احمدی (اللہ تعالیٰ انھیں دائمی رضا مرحمت فرمائے) وہ اپنے جلیل القدر مشائخ سے جن میں شاہ عبدالعزیز دہلوی بھی ہیں، وہ اپنے والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

میں اپنے والد صاحب سے راوی ہوں جو میرے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت میرے آقائے نعمت، میری ذات اور گردن کے مالک ہیں۔ محققین کے خاتم اور مدققین کے پیشوا، سنتوں کے حامی اور فتنوں کے ماحی ہیں۔ عمدہ تصانیف، غالب حجت اور روشن طریق والے ہیں۔

یعنی سیدنا مولانا محمد نقی علی خاں قادری بریلوی (قدس سرہ القوی) وہ اپنے کریم باپ عارف ربانی، صاحب فضیلت و وجاہت سیدنا المولوی محمد رضا علی خاں (قدس اللہ سرہ ومثواہ) سے وہ مولانا خلیل الرحمٰن محمد آبادی سے وہ فاضل محمد اعلم سندیلی سے، وہ علما کے بادشاہ، علوم کے سمندر ابو العیاش محمد عبد العلی لکھنوی سے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

۳- میں امن والے شہر مکہ مکرمہ کے شیخ العلما الامام المحدث پختہ رائے والے فقیہ المولیٰ سید احمد بن زین دحلان المکی (قدس سرہٗ الملکی) سے راوی ہوں۔ وہ الشیخ عثمان الدمیاطی وغیرہ سے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

۴- میں مولانا بلند ہمت علامہ مکہ محترمہ میں اللہ تعالیٰ کے روشن چراغ المولوی عبدالرحمٰن سے راوی ہوں جو مکہ مکرمہ میں احناف کے مفتی الشیخ عبداللہ سراج کے صاحبزادے ہیں۔ وہ مولا جمال بن عبداللہ بن عمر مفتی الاحناف سے، وہ المولا عابد السندی المدنی سے۔

۵- میں نیک سید حسین بن صالح جمل اللیل المکی سے راوی ہوں۔ وہ الشیخ عابد السندی سے۔

۶- میں اپنے مرشد پاک کے پوتے ان کے سجادہ نشین، ان کے علم، سیادت و سعادت کے وارث السید الشاہ ابوالحسین احمد النوری سے راوی ہوں۔ (اللہ تعالیٰ ان کے معنوی اور صوری نور کو برقرار رکھے)

علاوہ ازیں دیگر مشائخ کرام سے راوی ہوں (اللہ تعالیٰ ان سب پر صبح و شام رحمتیں نازل فرمائے۔)

اب یہاں سے ہم حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کی اسناد حدیث و فقہ بہ تفصیل تام ذکر کریں گے پھر اخیر میں ان کا ایک نقشہ بھی پیش کیا جائے گا۔

سند الحدیث المسلسل بالاولیۃ :

لہ عند شیخنا السید الاجل رضی اللہ تعالیٰ عنہ طریقان احدھما من جھۃ الشیخ المحقق مولانا الشیخ عبدالحق المحدث الدھلوی والاخری من جھۃ الشاہ عبدالعزیز الدھلوی غفرلھما المولی القوی۔

حدیث ''مسلسل بالاولیت'' کی سند : یہ حدیث ہمارے پیر و مرشد سید اجل (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دو سندوں کے ساتھ حاصل ہوئی ہے۔ ایک سند الشیخ المحقق مولانا عبدالحق المحدث الدہلوی کی طرف سے ہے اور دوسری الشاہ عبدالعزیز الدہلوی کی طرف سے۔ (قوت والا مولی دونوں کی مغفرت فرمائے۔)

طریق الشیخ المحقق عبدالحق المحدث قدس سرہ :

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین اما بعد فقد حدثنی السید الامام الھمام قطب الزمان حضرۃ الشیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ وھو

اول حدیث سمعته منه قال حدثنی السیدالسند رحلة زمانه امام اوانه عمی و شیخی مولای و مرشدی السید آل احمد المقلب به اچهے میاں صاحب المارهروی قدس الله سره العزیز وهو اول حدیث سمعته منه عن السیدالنقی الامام التقی الورع الکامل البارع الفاضل العارف بالله الاحد السید الشاه حمزة ابن السید آل محمد البلجرامی الحسینی الواسطی وهو اول حدیث سمعه منه قال حدثنی السید طفیل محمد الاترولوی وهو اول حدیث سمعته منه قال حدثنی السید السند البارع الاکمل الافضل وحید زمانه السید مبارک فخرالدین البلجرامی رحمة الله تعالیٰ علیه وهو اول حدیث سمعته منه قال حدثنی الشیخ العالم العامل حاج الحرمین الشریفین استاذی الشیخ ابوالرضا بن الشیخ اسمعیل الدهلوی احداحفادالشیخ عبدالحق الدهلوی سلمه ربه ورحمة الله تعالیٰ علیه وهو اول حدیث سمعته منه قال حدثنا جدی و استاذی و شیخی افضل المحدثین الشیخ عبدالحق الدهلوی رحمة الله علیه وهو اول حدیث سمعته منه قال حدثنا الشیخ الصالح الموفق عبدالوهاب بن فتح الله البروجی احد فقراء سیدی الشیخ عبدالوهاب المتقی رحمة الله تعالیٰ علیه وهو اول حدیث سمعته منه قال حدثنا الشیخ الکبیرمحمد بن افلح الیمنی وهو اول حدیث سمعته منه قال حدثنا شیخنا الامام وجیه الدین عبدالرحمن بن ابراهیم العلوی وهو اول حدیث سمعته منه ثنی شیخنا الامام شمس الدین السخاوی القاهری وهو اول حدیث سمعته منه ثنی جماعة کثیرون اجلهم علماً وعملاً الشیخ الاستاذ الحجةالناقد شیخ مشایخ الاسلام حافظ العصر الشهاب ابوالفضل احمد بن علی العسقلانی عرف بابن حجر رحمه الله تعالیٰ سماعاً من لفظه و حفظه وهو اول حدیث سمعته منه قال حدثنی به جماعة کثیرون منهم حافظ الوقت الزین ابوالفضل عبدالرحیم بن الحسین العراقی وهو اول حدیث سمعته منه.

ح و اخبرنی به عالیاً الشیخ شمس الدین ابو عبدالله محمد بن احمد التدمری اجازة وهو اول حدیث رویته عنه قال هو والعراقی حدثنا به الصدرابوالفتح محمد بن محمد بن ابراهیم المیدومی اجازة وهو اول حدیث قال العراقی سمعته منه و قال التدمری حضرته عنده ثنابه النجیب ابوالفرج عبداللطیف بن عبدالمنعم الحرانی وهو اول حدیث سمعته منه ثنابه الحافظ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی الجوزی وهو اول حدیث سمعته منه ثنابه ابو سعید اسمعیل بن ابی صالح احمد بن عبدالملک النیسابوری وهواول حدیث سمعته منه ثنابه والدی ابو صالح احمد بن عبدالملک المؤذن وهو اول حدیث سمعته منه ثنا ابو طاهر محمد بن محمد بن محمش الزیادی وهو اول حدیث سمعته منه ثنا به ابو حامداحمد بن محمد بن یحیی بن بلال البزار وهو اول حدیث سمعته منه ثنا به عبدالرحمن بن بشر بن الحکم وهو اول حدیث سمعته منه ثنابه سفین بن عیینة وهو اول حدیث سمعته منه عن سفین عن عمرو بن دینار عن ابی قابوس مولی عبدالله بن عمرو بن العاص عن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنهما ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال الراحمون یرحمهم الرحمن تبرک و تعالیٰ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی سند : اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان رحمت والا ہے۔ سب تعریفیں اللہ کو ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور صلوٰۃ وسلام اللہ کے رسول محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور آپ کی آل اور تمام اصحاب پر۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد۔ مجھ سے حدیث بیان کی سید پیشوا، بلند ہمت، قطب زبان، حضرت الشیخ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ) نے اور وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھ سے حدیث بیان کی با اعتماد سردار، مرجع اہل زماں، وقت کے امام میرے چچا، میرے شیخ، میرے آقا، میرے مرشد سید آل احمد ملقب بہ اچھے میاں المارہروی (قدس اللہ سرہٗ العزیز) نے۔ اور وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے روایت کی سردار پاکیزہ پیشوا، پرہیزگار، کامل پارسا، فاضل یکتا، عارف باللہ السید الشاہ حمزہ بن السید آل محمد بلگرامی الحسینی الواسطی سے۔ اور وہ پہلی حدیث ہے جو انھوں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھ سے حدیث بیان کی سید طفیل محمد الاترولوی نے اور وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھ سے حدیث بیان کی با اعتماد سردار، کمالات وفضائل میں یکتا، زمانے کے بے ہمتا سید مبارک فخر الدین بلگرامی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے۔ اور وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھ سے حدیث بیان کی شیخ عالم عامل حرمین شریفین کے حاجی میرے استاذ شیخ ابوالرضا ابن الشیخ اسماعیل الدہلوی نے جو الشیخ عبدالحق الدہلوی کے نواسے ہیں اور وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا کہ ہم سے حدیث بیان کی میرے نانا میرے استاذ میرے شیخ افضل المحدثین الشیخ عبدالحق الدہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے، اور وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا کہ ہم سے حدیث بیان کی الشیخ الصالح صاحب توفیق عبدالوہاب بن فتح اللہ البروجی یکے از فقرائے سیدی عبدالوہاب المتقی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اور وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا کہ ہم سے حدیث بیان کی الشیخ الکبیر محمد بن الاشیخ یمنی نے اور وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی ہمارے شیخ پیشوا وجیہ الدین عبدالرحمٰن بن ابراہیم العلوی نے اور وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا مجھ سے حدیث بیان کی ہمارے شیخ، پیشوا، شمس الدین السخاوی القاہری نے اور وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا مجھ سے حدیث بیان کی محدثین کی بڑی جماعت نے جن میں وہ بھی ہیں جو علم وعمل میں ان سب سے اعلیٰ ہیں یعنی میرے شیخ استاذ حجۃ ناقد مشائخ اسلام کے سردار حافظ العصر الشہاب ابوالفضل احمد بن علی العسقلانی معروف بہ ابن حجر (رحمہ اللہ تعالیٰ) میں نے ان کے لفظ وحفظ سے حدیث کا سماع کیا اور وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا مجھ سے حدیث بیان کی محدثین کی بڑی جماعت نے جن میں حافظ الوقت صاحب زینت ابوالفضل عبدالرحیم بن حسین العراقی بھی ہیں اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔

سند دیگر : اور مجھے خبر دی الشیخ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد التدمری نے بھی اور اجازت دی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے روایت کی۔ انھوں نے اور العراقی دونوں نے فرمایا کہ ہم سے حدیث بیان کی صدر ابوالفتح محمد بن محمد بن ابراہیم المیدومی نے اور اجازت دی العراقی نے کہا کہ یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی اور تدمری نے کہا یہ پہلی حدیث ہے جس کے درس کے وقت میں ان کے پاس حاضر تھا۔ انھوں نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی النجیب ابوالفرج عبداللطیف بن عبدالمنعم الحرانی نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی حافظ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی الجوزی نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی ابوسعید اسماعیل بن ابی صالح احمد بن عبدالملک النیشاپوری نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی میرے والد ابوصالح احمد بن عبدالملک المؤذن نے اور یہ پہلی

حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی ابو طاہر محمد بن محمد بن محمش الزیادی نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی ابو حامد احمد بن محمد بن یحییٰ بن بلال البزار نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا حدیث بیان کی ہم سے عبدالرحمن بن بشر بن الحکم نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا ہم سے سفیان بن عیینہ نے حدیث بیان کی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے سفیان سے انھوں نے عمرو بن دینار سے روایت کی۔ انھوں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص کے مولیٰ ابو قابوس سے انھوں نے عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہما) سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رحم کرنے والوں پر رب رحمان تبارک وتعالیٰ رحم فرماتا ہے تم ان پر رحم کرو جو زمین پر ہیں تو تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان والا ہے۔

طریق الشاہ عبدالعزیز الدہلوی :

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد فقدحدثنی السیدالامام الھمام قطب الزمان حضرۃ الشیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ وھو اول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنی استاذی علم المحدثین مولانا عبدالعزیز الدھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وھو اول حدیث سمعتہ منہ عن ابیہ ذی الفضل والجاہ مولانا ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وھو اول حدیث سمعہ منہ قال حدثنی السید عمر من لفظہ تجاہ قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھو اول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنی جدی الشیخ عبداللہ بن سالم البصری وھو اول الخ قال حدثنا الشیخ یحییٰ بن محمد الشھیر بالشاوی وھو اول حدیث سمعناہ منہ قال اخبرنا بہ الشیخ سعید بن ابراھیم الجزائری المفتی الشھیر بقدورۃ قال وھو اول حدیث سمعتہ منہ قال اخبرنا بہ الشیخ المحقق سعید بن محمد المقری قال وھو اول الخ عن الولی الکامل احمد حجی الوھرانی قال وھو الخ عن شیخ الاسلام العارف باللہ تعالیٰ سیدی ابراھیم التازی قال وھو اول الخ قال قرأتہ علی المحدث الربانی ابی الفتح محمد بن ابی بکر بن الحسین المراغی قال وھو اول حدیث قرأتہ علیہ قال سمعت من لفظ شیخنا زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی قال وھو اول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنا ابوالفتح محمد بن محمد بن ابراھیم البکری المیدومی قال وھو الخ بمثل الحدیث سنداً ومتناً)

الشاہ عبدالعزیز الدہلوی کی سند :

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان رحمت والا ہے۔ سب تعریفیں اللہ کو ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور درود وسلام اللہ کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل اور تمام اصحاب پر۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد۔ مجھ سے حدیث بیان کی سید، پیشوا، بلند ہمت، قطب زماں حضرت الشیخ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ) نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا مجھ سے حدیث بیان کی میرے استاذ علم المحدثین مولانا الشاہ عبدالعزیز الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے۔ اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی انھوں نے یہ حدیث اپنے باپ صاحب فضل و جاہ مولانا ولی اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت کی۔ اور یہ پہلی حدیث ہے جو انھوں نے ان

سے سنی۔ انھوں نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی یحییٰ بن محمد نے جو شاوی کے نام سے مشہور ہیں اور یہ پہلی حدیث ہے جو ہم نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا خبر دی ہم کو الشیخ سعید بن ابراہیم الجزائری المفتی نے جو قدورہ کے نام سے مشہور ہیں اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا ہم کو خبر دی الشیخ المحقق سعید بن محمد المقری نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے یہ حدیث ولی کامل احمد حجی الوہرانی سے روایت کی اور فرمایا کہ یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے یہ حدیث شیخ الاسلام العارف باللہ سیدی ابراہیم التازی سے روایت کی اور فرمایا کہ یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے یہ حدیث المحدث الربانی ابوالفتح محمد بن ابوبکر بن الحسین المراغی کے حضور پڑھی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان پر پڑھی۔ انھوں نے فرمایا میں نے یہ حدیث اپنے شیخ زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی سے سنی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا حدیث بیان کی ہم سے ابوالفتح محمد بن محمد بن ابراہیم البکری المیدومی نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔

(ازاں بعد سند اور متن وہی ہے جس کا طریق اول میں ذکر ہوا۔)

قلت ولی فی الحدیث طریق ثالث عال جدا :

حدثنی مولانا الاجل السید الشاہ ابوالحسین احمد النوری نورنا الله بنوره المعنوی والصوری قال حدثنا افضل العلماء و اورع الاتقیاء مولانا احمدحسین الصوفی المراد آبادی رحمة الله تعالیٰ علیه وهو اول حدیث سمعته منه قال حدثنا حدیث الرحمة المسلسل بالاولیة الشیخ الناسك احمد بن محمد الدمیاطی المشهور بابن عبدالغنی وهو اول حدیث سمعته منه بحضرة جمع من اهل العلم قال ثنا به المعمر محمد بن عبدالعزیز وهو اول حدیث سمعته و اجازه بجمیع مرویاته فقال حدثنا به الشیخ المعمر ابوالخیر بن عموس الرشیدی وهو اول حدیث سمعته منه و اجازه بجمیع مرویاته فی ربیع الاول سنة اثنین بعد الألف قال حدثنا به شیخ الاسلام الشرف زکریا بن محمد الانصاری وهو اول حدیث سمعته منه قال ثنا به خاتمة الحفاظ الشهاب ابوالفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی وهو اول حدیث سمعته منه قال اخبرنا به الحافظ زین الدین ابوالفضل عبدالرحیم بن حسین العراقی وهو اول حدیث سمعته منه.
(الی آخر الحدیث سنداً ومتناً)

تیسری سند جو بہت عالی ہے :

میں نے کہا کہ حدیث مسلسل بالاولیت کی یہ تیسری سند بھی مجھے حاصل ہے جو بہت عالی ہے۔ مجھ سے حدیث بیان کی عالی قدر آقا السید الشاہ ابوالحسین احمد النوری نے (اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے معنوی اور صوری نور سے منور فرمائے) انھوں نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی افضل العلما اورع الاتقیا مولانا احمد حسین الصوفی المراد آبادی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا رحمت والی حدیث جو مسلسل بالاولیت ہے ہم سے بیان کی شیخ عبادت گزار احمد بن محمد الدمیاطی نے جو ابن عبدالغنی کے نام سے مشہور ہیں اور یہ پہلی حدیث ہے جو ایک جماعت اہل علم کی موجودگی میں میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی لمبی عمر والے محمد بن عبدالعزیز نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی اور انھوں نے تمام مرویات کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی لمبی عمر والے الشیخ ابوالخیر بن عموس الرشیدی نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان

سے سنی۔ اور انھوں نے اپنی تمام مرویات کی ربیع الاول ۱۰۰۲ھ میں اجازت دی۔ اور فرمایا ہم سے حدیث بیان کی شیخ الاسلام الشرف زکریا بن محمد الانصاری نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا ہم سے حدیث بیان کی خاتمۃ الحفاظ الشہاب ابوالفضل احمد بن حجر العسقلانی نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ انھوں نے فرمایا خبر دی ہم کو حافظ زین الدین ابوالفضل عبدالرحیم بن الحسین العراقی نے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔ (ازاں بعد سند اور متن وہی ہے جس کا پہلے ذکر ہوا)

المصافحات الاربعۃ :

سند المصافحة الجنيه : صافحت حضرة الشيخ رضى الله تعالىٰ عنه قال صافحت الشيخ عبدالعزيز صافح اباه قال صافحت السيد عبيد الله بن عيدروس بن الشيخ على العيدروسى و قال صافحنى جنى اسمه غانم سنة ثمان و تسعين بعد الالف بعدان صلى العصر مع والدى قدس سره فى المسجد ذات يوم و امره والدى ان يصافحنى حين اخبره انه صافحه جنى كان من النفر الذين ذكرهم الله تعالىٰ فى سورة الجن و قد تعمر اكثر من سبعمائة سنة وهو صافحه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والحمدلله.

چار مصافحے :

مصافحہ جنیہ کی سند : میں نے حضرت الشیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مصافحہ کیا۔ انھوں نے فرمایا میں نے الشیخ عبدالعزیز سے مصافحہ کیا۔ انھوں نے اپنے والد سے مصافحہ کیا۔ انھوں نے فرمایا میں نے السید عبداللہ بن عیدروس بن الشیخ علی العیدروسی سے مصافحہ کیا۔ انھوں نے فرمایا میں نے سید مصطفیٰ العیدروسی کے صاحبزادے سید جعفر صادق سے مصافحہ کیا۔ انھوں نے فرمایا میں نے ۱۰۹۸ھ میں "غانم" نامی ایک جن سے مصافحہ کیا۔ اس جن نے ایک دن مسجد میں نماز عصر میرے والد (قدس سرہٗ) کے ساتھ پڑھی۔ نماز کے بعد والد صاحب نے حکم دیا کہ وہ مجھ سے مصافحہ کرے کیونکہ اس جن نے والد صاحب کو بتایا تھا کہ سورۃ الجن میں اللہ تعالیٰ نے جنوں کی جس جماعت کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک ایسے جن لیے اس سے مصافحہ کیا ہے جس نے سات سو سال سے زیادہ عمر پائی اور رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مصافحہ کرنے کا شرف حاصل کیا۔ (اور سب تعریفیں اللہ کو ہیں)

سند المصافحۃ الخضریۃ :

وبه الى الشاه ولى الله قال صافحنى السيد عمر ابن بنت الشيخ عبدالله بن سالم البصرى المكى و شد على يدى و قال المراد بهذا الشد الاشتداد فى تاكيد الصحبة قال صافحنى جدى الشيخ عبدالله كذلك كما صافحه شيخه الشيخ محمد بن محمد بن سليمن كما صافحه شيخه ابو عثمان سعيد بن ابراهيم الجزائرى المعروف بقدورةكماصافحه الشيخ ابو سعيد بن احمد المقرى القريشى كماصافحه شيخه سيدى احمد حجى الوهرانى كماصافحه شيخه سيدى سالم التازى كما صافحه شيخه الشيخ صالح الزوادى كماصافحه الفقيه الصالح حافظ عصره سيدى عبدالله بن محمد بن موسى العيد روسى و حدثه بها عن شيخه الاستاذ ابى عبدالله محمد بن جابر الغسانى عن الامام الربانى ابى عبدالله محمد بن على المراكشى شهرته بابن عليوات عن ابى عبدالله الصوفى عن الامام العالم ابى العباس احمد بن البنا عن ولى الله تعالىٰ

ابی عبدالله الهزمیری عن ابی العباس الخضر عن رسول الله صلی الله علیه و سلم۔

مصافحہ خضریہ کی سند :

مصافحہ خضریہ کی سند الشاہ ولی اللہ تک وہی ہے جس کا ذکر مصافحہ جنیہ میں ہوا۔ الشاہ ولی اللہ نے فرمایا شیخ عبداللہ بن سالم البصری المکی کے نواسے السید عمر نے مجھ سے مصافحہ کیا اور میرا ہاتھ اچھی طرح دبایا اور فرمایا یہ دبانا تاکید محبت کے لیے ہے۔ انھوں نے فرمایا مجھ سے میرے نانا الشیخ عبداللہ نے یونہی مصافحہ کیا۔ ان کے استاذ الشیخ محمد بن محمد بن سلیمان نے ان سے یونہی مصافحہ کیا۔ ان کے شیخ ابوعثمان سعید بن ابراہیم الجزائری معروف بقدورۃ نے ان سے یونہی مصافحہ کیا۔ ان سے ابوسعید بن احمد المقری القریشی نے یونہی مصافحہ کیا۔ ان سے ان کے شیخ سیدی احمد حجی الوہرانی نے یونہی مصافحہ کیا۔ ان سے ان کے شیخ سیدی سالم التازی نے یونہی مصافحہ کیا۔ ان سے ان کے استاذ شیخ صالح الزوادی نے یونہی مصافحہ کیا۔ ان سے فقیہ صالح، حافظ العصر سیدی عبداللہ بن محمد بن موسیٰ العیدروسی نے یونہی مصافحہ کیا۔ اور انھوں نے مصافحہ کرنے کی روایت کی اپنے شیخ استاذ ابوعبداللہ بن محمد بن جابر الغسانی سے۔ انھوں نے الامام الربانی ابوعبداللہ محمد بن علی المراکشی مشہور بن علیوات سے انھوں نے ابوعبداللہ الصوفی سے انھوں نے الامام العالم ابوالعباس احمد بن البنا سے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ولی ابو عبداللہ الہز میری سے۔ انھوں نے سیدنا ابوالعباس الخضر سے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

سند المصافحہ المعمریۃ :

وبه الیه قال صافحنی ابو طاهر صافحه الشیخ احمد النخلی قال صافحنی العارف الکبیر الشیخ تاج الدین الهندی النقشبندی قال صافحنی الشیخ عبدالرحمن الشهیر بحاجی رمزی قال صافحنی الشیخ حافظ علی الاربهی قال صافحنی الشیخان الشیخ محمود الاسفرائنی و السید امیرعلی الهمدانی قالا صافحنا ابو سعید الحبشی الصحابی المعمر قال صافحنی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم

مصافحہ معمریہ کی سند :

مصافحہ معمریہ کی سند الشاہ ولی اللہ (علیہ الرحمۃ) تک وہی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ انھوں نے فرمایا مجھ سے مصافحہ کیا ابوطاہر نے۔ ان سے مصافحہ کیا شیخ احمد النخلی نے۔ انھوں نے فرمایا مجھ سے مصافحہ کیا عارف کبیر الشیخ تاج الدین الہندی النقشبندی نے۔ انھوں نے فرمایا مجھ سے مصافحہ کیا شیخ عبدالرحمٰن نے جو حاجی رمزی کے نام سے مشہور ہیں۔ انھوں نے فرمایا مجھ سے مصافحہ کیا الشیخ حافظ علی الاربہی نے۔ انھوں نے فرمایا مجھ سے مصافحہ کیا دو بزرگوں نے شیخ محمود الاسفرائنی اور سید امیر علی الہمدانی نے۔ ان دونوں نے فرمایا ہم سے مصافحہ کیا معمر صحابی ابوسعید الحبشی نے۔ انھوں نے فرمایا مجھ سے مصافحہ کیا نبی اکرم سید عالم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے۔

سند المصافحہ المنامیۃ :

و بالمار فی الخضریة الی صالح الزوادی عن عز الدین بن جماعة عن الشیخ محمد شیرین عن الشیخ سعد الدین الزعفرانی عن والده محمود الزعفرانی عن ابی بکر السواسی و ناصرالدین علی بن ابی بکر ذی النون الملیطی وهما عن محمد بن اسحاق القونوی عن الشیخ الاکبر محی الدین ابن العربی عن الشیخ احمد بن مسعود شداد المقری الموصلی عن الشیخ علی بن محمد بن الحائکی الباهری عن الشیخ ابی الحسن الباغوزائی قال رایت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی المنام فشبك اصابعه باصابعی و

قال یاعلی شابکنی فمن شابکنی دخل الجنة و ما زال یعد حتی وصل الی سبعة ثم استیقظت و اصابعی فی اصابع رسول الله تعالیٰ صلی الله علیه وسلم قال الشیخ التازی کذا ینبغی من شابك احداً ان یقول شابکنی فمن شابکنی دخل الجنة۔ اللهم ارزقنا و جمیع اهل السنة آمین۔

مصافحہ منامیہ کی سند :

جو تفصیل مصافحہ خضریہ میں صالح الزوادی تک گزری وہی یہاں ہے۔انھوں نے مصافحہ منامیہ کی روایت کی عز الدین بن جماعہ سے۔انھوں نے شیخ محمد شیرین سے۔انھوں نے شیخ سعد الدین الزعفرانی سے۔انھوں نے اپنے والد محمود الزعفرانی سے۔انھوں نے ابوبکر الہواسی اور ناصر الدین علی بن ابوبکر ذوالنون السلیطی سے۔اوران دونوں نے محمد بن اسحاق القونوی سے۔انھوں نے شیخ اکبر محی الدین ابن العربی سے۔انھوں نے الشیخ احمد بن مسعود شداد المقری الموصلی سے۔انھوں نے شیخ علی بن محمد الحاکمی الباہری سے۔انھوں نے شیخ ابوالحسن علی الباخوزائی سے۔انھوں نے فرمایا کہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ نے اپنے دستِ اقدس کی انگشتانِ مبارکہ میرے ہاتھوں کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا: اے علی! میری انگلیوں میں انگلیاں ڈال، جو میری انگلیوں میں انگلیاں ڈالے گا جنت میں جائے گا۔اور آپ گنتے گئے یہاں تک کہ سات تک پہنچے پھر بیدار ہوگیا اس وقت میری انگلیاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس انگلیوں میں تھیں۔الشیخ التازی نے فرمایا جو (شیخ) کسی (مرید) کی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر مصافحہ کرے اسے یہ کہنا چاہیے۔میری انگلیوں میں انگلیاں ڈال، جو میری انگلیوں میں انگلیاں ڈالے گا جنت میں جائے گا۔الٰہی! ہم کو اور سب اہل سنت کو جنت نصیب فرما۔آمین

حضور مفتی اعظم کی سندوں کے نقشے ملاحظہ ہوں۔

سند حدیث مسلسل بالاولیت :

حضور نبی اکرم نور مجسم شفیع اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضرت ابو قابوس مولیٰ عبد اللہ بن عمرو بن العاص

حضرت سفیان بن عمرو بن دینار

حضرت سفیان بن عیینہ

حضرت عبد الرحمٰن بن بشر بن الحکم

حضرت ابو حامد احمد بن محمد بن یحییٰ بن بلال البزار۔

حضرت ابو طاہر محمد بن محمد محمش الزیادی

حضرت ابو صالح احمد بن عبد الملک المؤذن

حضرت ابو سعید اسماعیل بن ابو الصالح احمد بن عبد الملک نیشاپوری

حضرت حافظ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی الجوزی

حضرت ابو الفرج عبد اللطیف بن عبد المنعم الحرانی

حضرت ابو الفتح محمد بن محمد بن ابراہیم البکری المیدومی

شیخ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد التدمری

شیخ ابو الفضل عبد الرحیم بن حسین العراقی

شیخ الشہاب ابو الفضل احمد بن حجر عسقلانی

شیخ شمس الدین سخاوی القاہری

شیخ وجیہہ الدین عبد الرحمٰن بن ابراہیم علوی

شیخ محمد افلح الیمنی

شیخ عبد الوہاب بن فتح اللہ بروجی

شیخ زین الدین عبد الرحیم بن الحسین العراقی

شیخ ابو الفتح محمد بن ابو بکر بن الحسین المراغی

شیخ سید ابراہیم التازی

شیخ احمد حجی الوہرانی

شیخ سعید بن محمد المقری

شیخ سعید بن ابراہیم الجزائری المعروف قدورہ

شیخ یحیٰی بن محمد شاوی

شیخ عبد اللہ بن سالم البصری

شیخ سید عمر

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی

سید آل رسول احمدی مارہروی

شیخ عبد الحق محدث دہلوی

شیخ ابو الرضا ابن اسماعیل دہلوی (نواسہ شیخ عبد الحق)

سید مبارک فخر الدین بلگرامی

جاری.............................

سید طفیل محمد اترولوی　　　　امام احمد رضا البریلوی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

سید شاہ حمزہ بن سید آل محمد بلگرامی حسنی الواسطی

سید آل احمد اچھے میاں مارہروی　　　　مفتی اعظم مصطفیٰ رضا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

سید آل رسول احمدی مارہروی

امام احمد رضا البریلوی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

مفتی اعظم مصطفیٰ رضا رضی اللہ عنہ

سند حدیث مسلسل بالاولیت

(جو بہت عالی ہے)

حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لے کر

شیخ الشہاب ابو الفضل احمد بن حجر عسقلانی۔ تک وہی سند ہے جو گزری۔ اس کے بعد سند یوں ہے۔

شیخ الاسلام زکریا بن محمد الانصاری

شیخ ابو الخیر بن عموس الرشیدی

شیخ محمد بن عبد العزیز

شیخ احمد بن محمد الدمیاطی المعروف ابن عبد الغنی

شیخ مولانا احمد حسین الصوفی مراد آبادی

سید شاہ ابو الحسین النوری مارہروی

امام احمد رضا البریلوی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

مفتی اعظم مصطفیٰ رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سند فقہ حنفی

اس سند کی خوبی یہ ہے کہ اس سند کے تمام اساتذہ و مشائخ حنفی ہیں۔ ملاحظہ ہو:
العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ جلد اول، ص ۵

النبی الکریم الامین علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت عبداللہ بن مسعود

حضرت علقمہ　　　　حضرت الاسود

حضرت ابراہیم

حضرت حماد

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ

حضرت ابوعبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی

شیخ احمد بن حفص (الشہیر ابوحفص الکبیر)

شیخ عبداللہ بن ابی حفص البخاری

امام ابوعبداللہ السبذ مونی

شیخ ابوبکر محمد بن الفضل البخاری

شیخ القاضی ابوعلی النسفی

امام شمس الائمۃ الحلوانی

امام فخر الاسلام البزدوی

جاری..........................

امام برہان الدین (صاحب الہدایہ)

امام عبدالستار بن محمد الکردری

شیخ جلال الدین الکبیر

شیخ عبدالعزیز البخاری

شیخ سید جلال الدین الخبازی

شیخ علاء الدین السیرافی

شیخ السراج قاری الہدایہ

شیخ الکمال بن الہمام (صاحب فتح القدیر)

شیخ سری الدین عبدالبر بن الشحنۃ

شیخ احمد بن یونس الشلبی

شیخ محمد بن عبدالرحمٰن المسیری	شیخ عبداللہ النحریری	شیخ محمد بن احمد الحموی	شیخ احمد محجی
شیخ حسن الشرنبلالی (صاحب نورالایضاح وغیرہ)	شیخ علی المقدسی	شیخ الشمس الحانوتی	شیخ عمر بن نجیم

شیخ احمد شوبری

شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی (صاحب شرح الدرر والغرر)

شیخ عبدالغنی بن اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی (صاحب الحدیقۃ الندیۃ وغیرہ)

شیخ اسمٰعیل بن عبداللہ الشہیر علی زادہ البخاری

جاری.............................

شیخ عبدالقادر بن خلیل

شیخ یوسف بن محمد بن علاء الدین المزجاجی

شیخ محمد عابد الانصاری المدنی

شیخ جمال بن عبداللہ بن عمر مفتی مکہ

شیخ عبدالرحمٰن السراج بن شیخ عبداللہ السراج مفتی مکہ

امام احمد رضا قادری بریلوی

حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

سند فقہ حنفی عکس ص ۵، فتاویٰ رضویہ جلد اول مضمون کے آخری حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

سند روایت:

سند حدیث مسلسل بالاولیت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ہم امام احمد رضا کی ایک سند روایت بھی پیش کررہے ہیں جو ۲۵ واسطوں سے امام اعظم سے ہوتی ہوئی امام المجتہدین حضرت ابراہیم نخعی تک پہنچتی ہے۔ اس سند کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں تاریخ و مقام روایت کی پوری تفصیل موجود ہے کہ اعلیٰ حضرت نے کب اور کہاں کن سے روایت کی، اور دوسری خوبی یہ ہے کہ سید آل رسول احمدی مارہروی علیہ الرحمہ کی سند میں شیوخ حنفی ہیں، اس سند میں کہیں پر لفظ انبأنا ہے کہیں پر اخبرنا اور کہیں لفظ، عن مذکور ہے مگر ہم نے اختصار وسہولت کے پیش نظر سب کو لفظ عن سے تعبیر کیا ہے یہاں پر اسے مختصراً ذکر کیا جارہا ہے اور مفصلاً یہ سند مع حدیث رسالہ "سرور العید فی حل الدعاء بعد صلاۃ العید" میں مذکور ہے جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے روایت کی ہے۔ یہ رسالہ "العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ" جلد ثالث میں شامل ہے۔ سند ملاحظہ ہو۔

قال الامام احمد رضا البریلوی

عن عبدالرحمان السراج المکی حنفی مفتی شہر مکہ

عن جمال بن عبداللہ بن عمر المکی

عن الشیخ الاجل عابد السند

عن عمہ محمد حسین الانصاری

عن الشیخ عبدالخالق بن علی المزجاجی

عن الشیخ محمد بن علاء الدین المزجاجی

عن احمد النخلی

عن السید آل الرسول الاحمدی المارہروی

عن الشاہ عبدالعزیز المحدث الدہلوی

عن ابیہ

عن الشیخ تاج الدین القلعی مفتی الحنفیہ

عن الشیخ حسن العجمی

عن الشیخ خیر الدین الرملی

عن الشیخ محمد بن سراج الدین الحانوتی

عن محمد البابلی
عن احمد بن الشبلی

عن سالم السنوری
عن ابراہیم الکرکی (صاحب کتاب الفیض)

عن النجم الغیطی
عن امین الدین یحییٰ بن محمد الاقصرائی

عن الحافظ زکریا الانصاری
عن الشیخ محمد بن محمد البخاری الحنفی (محمد پارسا صاحب فصل الخطاب)

عن الحافظ ابن حجر العسقلانی
عن الشیخ حافظ الدین محمد بن محمد بن علی البخاری الطاہری

عن ابی عبداللہ الجریری
عن الامام صدر الشریعہ (شارح الوقایہ)

عن قوام الدین الاتقانی
عن جدہ تاج الشریعہ

عن البرہان احمد بن سعد بن محمد البخاری والحسام السغناقی
عن والدہ صدر الشریعہ

عن حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر البخاری (حافظ الدین الکبیر) عن والدہ جمال الدین المحبوبی

عن الامام محمد بن عبدالستار الکردری
عن محمد بن ابی بکر البخاری المعرف بامام زادہ

عن عمر بن الکریم الورسکی
عن شمس الائمہ الزرنجری

عن عبدالرحمٰن بن محمد الکرمانی
عن شمس الائمہ الحلوانی

عن ابی بکر محمد بن الحسین بن محمد (الامام فخر القضاۃ الارشابندی)

عن عبداللہ المروزنی

عن ابی زید الدبوسی

عن ابی جعفر الاستروشنی۔

عن ابی علی الحسین بن خضر النسفی

عن ابی بکر محمد بن الفضل البخاری

عن ابی محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی (الاستاذ السبذمونی)

عن عبداللہ بن محمد بن ابی حفص الکبیر

عن ابیہ

عن محمد بن الحسن الشیبانی

اخبرنا ابوحنیفۃ

عن حماد

عن ابراہیم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

مفتی اعظم اور علمِ حدیث

مولانا محمد عیسیٰ رضوی قادری
الجامعۃ الرضویہ مظہر العلوم کرسہائے گنج ضلع قنوج (یوپی)

عالم اسلام میں تاجدار اہل سنت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات عالیہ محتاج تعارف نہیں، عرب وعجم میں ان کے نام نامی اسم گرامی کا شہرہ وغلغلہ ہے، دنیائے اہل سنت میں ان کی شہرت ومقبولیت مسلم ہے۔ وہ صرف اپنے خاندان ونسب اور بڑے باپ کے بیٹے ہونے کی بنیاد پر نہیں پہچانے گئے بلکہ وہ اپنے علمی جاہ وجلال، دینی حمیت وغیرت، وقار وحکمت، رعب ودبدبہ، متانت وسنجیدگی، علم وبردباری، رحم وکرم ایثار وقربانی، خلوص وللٰہیت، جوش وجذبہ، عفت وعصمت، امانت و دیانت، عدل وانصاف، عشق وعقیدت، صداقت وراست بازی، خوف الٰہی وخشیت ربانی، ریاضت ومجاہدہ، طاعت وبندگی اور تقویٰ وطہارت کی بنیاد پر بھی پہچانے گئے بلکہ وہ زہد وپرہیزگاری میں یکتائے زمانہ اور نابغۂ روزگار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے علوم وفنون کی مہارت [illegible] تقویٰ اور طہارت وپاکیزگی کی شہرت وبرتری غالب آ گئی حالاں کہ وہ مختلف علوم وفنون میں مہارت تامہ اور دست [illegible]

[illegible] اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کو رب کائنات نے علم لدنی عطا فرمایا تھا، فیض ربانی کے دروازے ان [illegible] عشق رسول کا مدینہ اور ان کا دل اسرار الٰہیہ کا گنجینہ تھا، وہ خداداد صلاحیت واستعداد کے مالک تھے، وہ علوم انبیا [illegible] کے سچے علم بردار تھے، ان کے قلم حق ترجمان نے قلیل اور مختصری مدت میں علم وتحقیق کا دریا بہادیا، ان کے [illegible] سے ظلمت وجہالت کی شب دیجور سکرا اٹھی، علم وہدایت کی صبح امید کا اجالا پھیلا، ان کے رشحاتِ قلم کی پرنور [illegible] کی تاریکیاں دور ہو گئیں، ضلالت وگمراہی اور بدعات وخرافات کے تاریک وسیاہ بادل چھٹ گئے، افق سنیت پر [illegible] کی روشنی سے دل ودماغ روشن ومنور ہو گئے، حق وصداقت کا بول بالا ہوا، باطل طاقتیں سرنگوں وسرخمیدہ [illegible] کی دم توڑ گئی حسد وعناد کے دبیز پردے پھٹ گئے، تائید غیبی سے فضا خوشگوار اور ماحول دل پذیر [illegible] احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے جو کارہائے نمایاں اور علمی ودینی خدمات انجام دیں وہ رہتی دنیا تک زندۂ جاوید [illegible] سے جاریہ کی حیثیت سے علم ویقین اور ہدایت وارشاد کا اجالا دیتے رہیں گے اور انسانی دنیا کو تہذیب و [illegible] کا پاکیزہ پیغام سناتے رہیں گے۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ ایک ایسے باپ کے جیالے اور نامور فرزند جلیل تھے، عرب وعجم میں جس کے نام اور کارناموں کا خطبہ آج بھی پڑھا جا رہا ہے مگر جہاں پر حضور مفتی اعظم کو ایک بڑے باپ کے بیٹے ہونے کا فخر وسعادت حاصل ہے وہیں پر ان کے ذاتی اوصاف وکمالات بھی عظمتوں کے حامل اور قابل تقلید ہیں۔ وہ اپنے والد بزرگوار کی طرح مرجع خلائق ومنبع فیوض وبرکات دکھائی دیتے ہیں،

امام احمد رضا کی بارگاہِ علم و دانش میں علما و فضلا کا ہجوم و ازدحام رہا کرتا تھا، اسی طرح حضور مفتی اعظم کی بارگاہِ عالی میں بھی بڑے بڑے افاضل و دانشور کسب علم و فیض کے لیے حاضر ہوتے، ہر خاص و عام حضور مفتی اعظم کے فیوض و حسنات سے سیراب و شاد ماں ہوا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ حضور مفتی اعظم دنیائے سنیت کے افق پر ''تاجدار اہل سنت'' کی حیثیت سے ابھرے اور اپنی مساعی جمیلہ سے فرزندان توحید کے دلوں میں دین و سنت کا جوش و جذبہ اور عشق و عقیدت کا چراغ فروزاں کر دیا۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان فرائض و واجبات کے ساتھ سنتوں کے ایسے پابند و محافظ تھے کہ ماضی قریب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اقوال و افعال میں سنتوں کی پیروی، رفتار و گفتار میں سنتوں کی بجا آوری، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، کھانے پینے، سونے جاگنے، خلوت و جلوت وغیرہ ہر چیز اور ہر ادا میں ادائگی سنت کا خیال رکھتے، بل کہ بالالتزام ہر بات میں سنتوں کو ادا کرنے کا اہتمام فرماتے کسی بھی حال میں انھیں ترک نہیں فرماتے۔ برصغیر میں پون صدی کے اندر سنن و مستحبات کا ایسا پابند شخص دیکھا نہیں گیا، کائنات کے پردے پر ایسی شخصیتیں بہت کم جنم لیتی ہیں جو قابل تقلید اور لائق اتباع ہوں۔ ادائگی سنت کا عالم یہ ہے کہ اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر ان کا بابِ جود و سخا سائلوں کے لیے ہر وقت کھلا رہتا، وہ حاجت مندوں کی حاجت روائی فرماتے، بھوکوں کو کھانا کھلاتے، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے، غریبوں کی خبر گیری اور کم زوروں پر شفقت کرتے، وہ وفادار رسول سے دوستی و محبت کرتے ان کے لیے وہ موم کی طرح نرم و نازک تھے، مگر غداران رسول و دشمنانِ دین کے لیے شمشیر برہنہ اور پتھر کی طرح سخت تھے، وہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم کی عملی تفسیر و تصویر اور زندۂ جاوید مثال تھے، وہ دین و شریعت پر عملی استقامت کے ساتھ گامزن اور متبع سنت تھے، سنن و مستحبات پر دائمی عمل نے ان کو اہل سنت کی آنکھوں کا تارا اور سرمایۂ افتخار بنا دیا۔

علوم نقلیہ و عقلیہ کی دولت لازوال حضور مفتی اعظم کو امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ سے وراثت میں ملی تھی، چوں کہ علمائے کرام، علوم انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کے وارث و امین ہیں۔ انبیا نے درہم و دینار ترکہ میں نہیں چھوڑا بلکہ علم چھوڑا۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ اگر چہ ایک اعلیٰ جاگیردار گھرانے کے فرد فرید تھے مگر انھوں نے جو اصل اور اہم چیز میراث میں چھوڑی وہ ان کا علمی خزانہ تھا جس سے دنیا بھر کے لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور آج بھی افادہ و استفادہ کا سلسلہ جاری و قائم ہے۔ میرا اذعان و یقین کہتا ہے کہ رہتی دنیا تک لوگ اس سے فیض یاب و مستفید ہوتے رہیں گے مگر اس کا کثیر و وافر حصہ شہزادۂ گرامی حضور مفتی اعظم کو تفویض ہوا، ہوتی اس کے حقیقی حق دار تھے، اس خزانۂ علمیہ سے انھوں نے وہ گوہر ہائے آب دار نکالے جن کی چمک سے رشد و ہدایت کے وہ عظیم مینار تعمیر ہوئے جن کی بلندی ثریا تک پہنچی، ان کی عظمت و بلندی دیکھ کر کج کلاہان زمانہ کے سر جھک گئے۔ اسی خزانۂ علمیہ سے استفادے کا نتیجہ ہے کہ حضور مفتی اعظم کی تصانیف و تحقیقات میں امام احمد رضا کے قلم کا رنگ دکھائی دیتا ہے، دونوں جلیل القدر بزرگوں کے اسلوب تحقیق اور بیان و زبان میں یکسانیت نمایاں طور پر موجود ہے۔ حضور مفتی اعظم کی فکر و نظر کی دہلیز پر کھڑا ہونے کے بعد امام احمد رضا کی علمی برکتوں کا اجالا نظر آتا ہے۔

چالیس سے زائد علوم و فنون پر حضور مفتی اعظم کو مہارت حاصل تھی، علم تفسیر و حدیث اور علم فقہ وغیرہ پر کامل عبور رکھتے تھے، ان کی فتاوی نویسی مشہور زمانہ ہے، ان کے دارالافتا میں شرق و غرب سے استفتے آیا کرتے اور ہمہ اوقات سائلوں کا ہجوم لگا رہتا تھا۔ ان کی بارگاہ عالی میں مشق افتا کے لیے بڑے بڑے علما و افاضل قطار میں لگے رہتے تھے۔ ایک عرصۂ دراز تک اپنے خاندانی وصف اور طرۂ امتیاز کو باقی رکھتے ہوئے وہ منصب افتا پر فائز و متمکن رہے اور دنیا بھر کے سائلوں اور مستفتی حضرات کو اپنے کرم و قلم سے فیض پہنچایا۔ چوں کہ یہاں پر

مجھے حضور مفتی اعظم کی علم حدیث پر مہارت و دستگاہ کا جائزہ لینا ہے اس لیے میں اپنے یقین واعتماد کے حوالے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ جتنے بڑے مفتی تھے اس سے کہیں زیادہ بڑے وہ محدث تھے کیوں کہ ایک کامیاب وحقیقی مفتی وہی شخص ہو سکتا ہے جو فہم حدیث کی اعلیٰ صلاحیت و استعداد رکھتا ہو، حدیث دانی اور علم حدیث میں وسعت معلومات کے بغیر فن افتا میں مہارت تامہ حاصل ہونا ممکن نہیں، جو جتنا بڑا مفتی ہوگا وہ اتنا ہی بڑا محدث ہوگا ہاں محدث کے لیے مفتی ہونا ضروری نہیں مگر مفتی کا محدث وحدیث داں ہونا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں امام اعمش اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا واقعہ مشہور ہے کہ امام اعمش محدث تھے مگر فقیہ نہ تھے، امام اعظم فقیہ ومجتہد بھی تھے اور محدث بھی، اس لیے امام اعظم نے امام اعمش کی روایت کردہ حدیثوں سے ان مسائل شرعیہ کا استنباط واستخراج فرمایا جن سے امام اعمش حیرت زدہ اور انگشت بدنداں رہ گئے۔ مزید وضاحت وصراحت کے لیے اس واقعہ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیں۔

> حضرت امام اجل سلیمان اعمش کہ اجلۂ تابعین و امام ائمہ محدثین سے ہیں، حضرت سیدنا انس بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ خادم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استاذ ہیں، ان سے کچھ مسائل کسی نے پوچھے، اس وقت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہاں تشریف فرماتے، امام اعمش نے ہمارے امام سے فتویٰ لیا، ہمارے امام نے سب مسائل کا فوراً جواب دیا، امام اعمش نے کہا یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کیے؟ فرمایا ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ سے سنیں، اور وہ احادیث مع اسانید پڑھ کر بتادیں، امام اعمش نے کہا:
>
> **حسبك ما حدثتك به فی مائة يوم تحدثنی به فی ساعة واحدة ماعلمت انك تعمل بهذه الاحاديث يامعشر الفقهاء انتم الاطباء و نحن الصيادلة وانت ايها الرجل اخذت بكلا الطرفين۔**
>
> بس کیجیے۔ میں نے جو حدیثیں آپ سے سو دن میں بیان کیں آپ گھڑی بھر میں مجھے سنائے دیتے ہیں۔ مجھے معلوم نہ تھا آپ ان احادیث پر یوں عمل کرتے ہیں؟ اے مجتہدو! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار اور اے ابوحنیفہ تم نے دونوں کنارے گھیر لیے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۴، ص ۴۴۸)

یہ بات بھی کسی پر مخفی و پوشیدہ نہیں کہ بعض محدثین کو اس بات کا احساس و اقرار تھا کہ وہ صرف محدث ہیں انھیں احادیث یاد ہیں اور وہ صرف احادیث روایت کرتے ہیں، فقہ واجتہاد پر انھیں عبور و مہارت نہیں، وہ مسائل شرعیہ کا استنباط واستخراج احادیث کریمہ سے نہیں کر سکتے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بہت سارے محدثین کرام ایسے گزرے ہیں جنھیں ہزاروں لاکھوں حدیثیں زبانی یاد تھیں، انھوں نے احادیث روایت کیں۔ آج ان کی روایت کردہ حدیثوں سے دنیائے علم وعمل مالا مال ہے۔ اگر وہ حزم واحتیاط کے ساتھ روایت حدیث کا اہتمام نہ فرماتے تو آج ہم احادیث مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذخیرے سے یکسر محروم و ناواقف رہ جاتے، امت مسلمہ اور ملت اسلامیہ پر ان کا یہ عظیم و وافر احسان ہے۔ محدثین نے احادیث یاد کرنے میں تمغۂ کمال حاصل تو کیا مگر فقہ واجتہاد کے دروازے پر قدم نہیں رکھا، لیکن جس شان سے انھوں نے حدیث کی خدمات انجام دیں اقوام عالم کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کے باوجود احکام شرعیہ کا استخراج واستنباط مجتہدین ہی کے حصے میں آیا جو اگرچہ بعض درجے میں محدثین کرام ہی کے خوشہ چیں رہے مگر فقہ واجتہاد میں محدثین پر تفوق

وبرتری لے گئے۔

امام اعمش کے استاذ امام عامر شعبی ہیں جنھوں نے علم حدیث پر مہارت و دسترس حاصل کی، امام عامر شعبی علم حدیث میں کس بلند رتبے پر فائز تھے اس سے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی تحریر ملاحظہ فرمائیں آپ فرماتے ہیں۔

امام اعمش سے بدرجہا اجل واعظم ان کے استاذ اکرم اقدم امام عامر شعبی جنھوں نے پانسو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پایا، حضرت امیر المومنین مولیٰ علی، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، ابو ہریرہ، انس بن مالک، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمرو، عبد اللہ بن زبیر، عمران بن حصین، جریر بن عبد اللہ، مغیرہ بن شعبہ، عدی بن حاتم اور امام حسن وامام حسین وغیرہم بہ کثرت اصحاب کرام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاذ الاستاذ ہیں جن کا پایۂ رفیع حدیث میں ایسا تھا کہ فرماتے ہیں:

''بیس سال گزرے ہیں کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچی جس کا علم مجھے اس محدث سے زائد نہ ہو۔''

ایسے امام والا مقام آں جلالت شان فرماتے ہیں

انا لسنا بالفقهاء ولكنا سمعنا الحديث فرويناه للفقهاء من اذا علم عمل.

ہم لوگ فقیہ ومجتہد نہیں ہم نے تو حدیثیں سن کر فقیہوں کے آگے روایت کردی ہیں جو ان پر مطلع ہو کر کارروائی کریں گے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۴، ص ۴۴۸)

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی بہت بڑے محدث اور جلیل القدر امام حدیث ہیں انھیں چار لاکھ سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں۔ صحیح بخاری شریف انھیں حدیثوں کا منتخب مجموعہ ہے، علم حدیث میں ان کے ان گنت شاگرد ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے شاگرد حفاظ نوے ہزار تھے جنھوں نے ان سے احادیث کی روایت کیں۔ امام بخاری حدیث کے ایسے بلند پایہ امام ہیں اس کے باوجود یہ فقہ میں مجتہد مطلق نہیں بلکہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد وپیرو ہیں۔ اگرچہ بعض مواقع پر انھوں نے اجتہاد کی کوشش کی مگر اس راہ میں انھیں وہ شہرت وکامیابی نہ ملی جو نمایاں اور امتیازی کامیابی علم حدیث میں ملی۔ رب کائنات کی بارگاہ رفیع سے امام بخاری کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے الفاظ کریمہ یاد کرنے اور یاد کرانے کی خدمت تفویض ہوئی۔ اس کار عظیم کی موجودگی میں انھیں فقہ واجتہاد کی فرصت نہ ملی اسی بات کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ اس انداز میں بیان فرماتے ہیں:

حدیث کی جمع وتالیف، یہ کار اہم ایسا نہ تھا کہ امام بخاری اس میں ہمہ تن مستغرق ہو کر دوسرے کار اجل واعظم یعنی فقاہت واجتہاد کی بھی فرصت پاتے۔ اللہ عزوجل نے انھیں خدمت الفاظ کریمہ کے لیے بنایا تھا، خدمت معانی ائمہ مجتہدین خصوصا امام الائمہ ابوحنیفہ کا حصہ تھا۔ کاش امام اجل سیدنا امام بخاری علیہ رحمۃ الباری اگر فرصت پاتے اور زیادہ نہیں دس بارہ برس ہی امام حفص کبیر بخاری وغیرہ ائمہ حنفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے فقہ حاصل فرماتے تو امام ابوجعفر طحاوی حنفی کی طرح ائمہ محدثین وائمہ فقہا دونوں کے شمار میں یکساں آتے مگر تقسیم ازل جو حصہ دے۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۴، ص ۷۴۴ ملخصا)

لہٰذا ثابت وواضح ہوا کہ مفتی کے لیے محدث ہونا لازم وضروری ہے۔ مگر محدث کے لیے مفتی ہونا ضروری نہیں۔ محدثین الفاظ کی

تحقیق وتفتیش، ان کے نشیب وفراز اوران کی صحت وعدم صحت پرتوجہ مرکوز ومبذول رکھتے ہیں، الفاظ کے مفاہیم ومعانی سے انھیں سروکار نہیں ہوتا وہ صرف الفاظ حدیث کی روایت کرتے ہیں مگر فقہاء مجتہدین کی نظر احادیث پر انتہائی گہری اور وسیع ہوتی ہے اس کے ساتھ وہ الفاظ حدیث کے ظاہر وباطن اور معانی رموز پر غور وفکر کرکے مسائل شرعیہ کے گوہر ہائے آب دار نکالتے ہیں اس لیے ماننا پڑے گا کہ محض محدث کا مقام اور ہے اور محدث وفقیہ کا مقام اور۔ دونوں کے مقام مرتبے میں جوفرق وامتیاز ہے وہ آفتاب نیم روز سے زیادہ روشن وظاہر ہے مگر وہ جو محدث بھی ہیں اور فقیہ ومجتہد بھی ان کا مقام رفیع ان دونوں سے فزوں تر ہے۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں۔

> محدث ومجتہد کی نسبت عطار وطبیب کی مثل ہے، عطار دواشناس ہے، اس کی دکان عمدہ عمدہ دواؤں سے مالا مال ہے مگر تشخیص مرض ومعرفت علاج وطریقِ استعمال طبیب کا کام ہے، عطار کامل اگر طبیب حاذق کے مدارک عالیہ تک نہ پہنچے معذور ہے۔　　　(فتاویٰ رضویہ، جلد ۴، ۴۴۷)

ان حقائق وشواہد کے اجالے میں جب ہم حضور مفتی اعظم کی ذات عالیہ کو دیکھتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی وہ محدث اکبر بھی تھے اور مفتی اعظم عالم بھی، وہ فتاویٰ نویسی میں ماہر وفائق ہونے کے ساتھ حدیث دانی میں بھی بے مثل وبے نظیر تھے۔ یہ کوئی مبالغہ آرائی اور جزاف نہیں ہے بل کہ حقیقت وسچائی یہی ہے کہ انھوں نے عنفوانِ شباب سے ہی فتویٰ نویسی شروع کردی یہاں تک امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی موجودگی میں گیارہ سال تک فتاوے لکھے اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ امام احمد رضا بریلوی نے اپنے بعض فتاوے پر حضور مفتی اعظم کے تائیدی دستخط کرائے اوران کی توثیق وتصدیق کولائق اعتبار جانا۔ اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ منصب افتا کے کس عظیم وجلیل مقام پر فائز ومتمکن تھے، عالم یہ کہ حضور مفتی اعظم نے ستر سال تک فتاویٰ نویسی کی بے لوث خدمات انجام دیں اور دین وسنت کی ترویج وتشہیر کا خوش گوار فریضہ انجام دیا۔ اس عرصے میں ان کے قلم حق ترجمان سے لاکھوں کی تعداد میں فتاوے جاری ہوئے اور دنیا بھر کے لوگوں نے ان سے استفادہ کیا اوراپنی علمی پیاس بجھائی۔

مگر افسوس کہ شاید ان میں سے اکثر فتوؤں کی نقلیں ضائع ہوگئیں، یا پھر وہ نقلیں دست برد سے محفوظ نہ رہیں۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ جس کے قلم سے لکھے ہوئے فتاویٰ ہزاروں کی تعداد میں ہوں آج اس کا کوئی مجموعۂ فتاویٰ قابل ذکر نہیں؟ آخر یہ ستم ظریفی کیوں؟ انصاف ودیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ حضور مفتی اعظم کے تمام فتوؤں کو عالمی پیمانے پر شائع کیا جاتا اور شایانِ شان انھیں ان کا مقام دیا جاتا۔ کاش حضور مفتی اعظم کے تمام فتوؤں کی نقلیں محفوظ وسلامت رہتیں اوران کی طباعت واشاعت کا حسین وعمدہ انداز میں انتظام واہتمام کیا جاتا توان کی حیثیت بھی فتاویٰ رضویہ کی طرح کے اہم مرجع ہوتی اور وہ اصلاح فکر واعتقاد، پند ونصیحت، عبرت وموعظت، علم ومعلومات، رشد وہدایت، اور مراسم اسلامیہ پر ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا ہوتا۔

مجھے حضور مفتی اعظم کے فتاوے اوران کی فتاویٰ نویسی کا جائزہ لینا نہیں ہے بلکہ مجھے علم حدیث کے تعلق سے حضور مفتی اعظم کی معلومات وخدمات کو واضح وآشکار کرنا ہے، چوں کہ علم حدیث میں ان کی معلومات وغیرہ کا تعلق فتاویٰ نویسی سے ہے اس ہلیے میں نے یہاں پران کے فتاوے پر طائرانہ نظر ڈالی اور سرسری طور پر جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ ان کے مجموعہ فتاوی کے چمن زار میں احادیث وآثار کی ایک حسین دنیا آباد ہے۔ حضور مفتی اعظم کے بعض فتاوے دیکھ کر علم حدیث پران کی معلومات ووسعت نظر کا اعتراف واقرار کرنا پڑتا ہے اور اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جس طرح فقہ کی باریکیوں پر آپ کی نظر گہری تھی اسی طرح علم حدیث کے آداب واصول سے بھی آپ کلی طور پر

واقف وآگاہ تھے۔

حضور مفتی اعظم کی فتویٰ نویسی میں طرز استدلال بالکل وہی ہے جو امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کا رہا ہے۔ استدلال کا انداز یہی ہے کہ پہلے آیات قرآنیہ، پھر احادیث نبویہ، پھر کتب فقہ کی عبارات ونصوص، پھر اقوال ائمہ وفقہا پیش کرتے ہیں۔ یقین جانیے ایسا وہی شخص کر سکتا ہے جو علوم اسلامیہ کا ماہر وفاضل اور ان پر جس کی نظر گہری اور فکر سلیم ہو ورنہ اس کے بغیر دلائل و براہین کا ایسا استحضار ممکن نہیں۔

فتاویٰ مصطفویہ کے حوالے سے یہاں پر ہم صرف ایک فتوے کا اقتباس نقل کرتے ہیں جس سے واضح ہو جائے گا کہ حضور مفتی اعظم علم حدیث میں بھی ماہر و کامل تھے، فتویٰ نویسی کی طرح حدیث دانی بھی انھیں ورثے میں ملی ہوئی تھی، مسند افتا کے ساتھ وہ مسند حدیث کے بھی شہ نشین تھے۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ علم ودانش میں سوال پیش ہوا کہ زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل نہیں ہے اور آپ غیب نہیں جانتے تھے؟

حضور مفتی اعظم نے اس سوال کے جواب میں دس آیات قرآنیہ، دس احادیث نبویہ علی صاحبہا التحیۃ والثنا پیش فرمائیں۔ پھر کتب فقہ کی عبارات واقوال ائمہ سے اسے مزین وآراستہ فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں کہ

زید بدترین وہابی لعین ہے اس کا حضور پرنور شافع یوم النشور ایمان جان، جان ایمان عالم ماکان ومایکون سرور عالم عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غیب سے مطلقاً انکار کفر مبین ہے، قرآن عظیم کی آیات باہرہ کثیرہ سے انکار ہے۔ قرآن عظیم کا ارشاد کریم ہے۔

۱- تلك من انباء الغيب نوحيها اليك. (سورۂ ہود،۱۱/۴۹)

یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم تمھاری طرف وحی فرماتے ہیں۔

۲-وما هو على الغيب بضنين. (سورۂ تکویر،۸۱/۲۴)

یہ نبی غیب بتانے پر بخیل نہیں۔

۳-وما كان الله ليطلعكم على الغيب ولكن الله يجتبى من رسله من يشاء.
(سورۂ آل عمران،۳/۱۷۹)

اللہ اس لیے نہیں کہ اے عام لوگو تمھیں غیب پر مطلع فرمادے اور لیکن اللہ اس کے لیے چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔

۴-لا يظهر على غيبه احدا الا من ارتضى من رسول. (سورۂ جن،۷۲/۲۶)

خدا کسی کو غیب پر مسلط نہیں فرماتا مگر رسول مرتضیٰ کو۔

۵-علمك مالم تكن تعلم و كان فضل الله عليك عظيما. (سورۂ نساء،۴/۱۱۳)

خدا نے سکھادیا تمھیں جو کچھ تم نہیں جانتے تھے اور اللہ کا تم پر فضل عظیم ہے۔

۶-و نزلنا عليك الكتاب تبيانا لكل شئى (سورۂ نحل،۱۶/۸۹)

ہم نے یہ کتاب تم پر اتاری ہر شی کے روشن تر بیان کو۔

۷-ما من شئی کنت لم اره الا وقد رأیت فی مقامی ھذا حتی الجنة والنار۔
(بخاری شریف ج۔۱،ص۱۸)
جو چیز میں نے نہیں دیکھی تھی انھیں میں نے اپنی اس جگہ پر دیکھ لیا یہاں تک کہ جنت و دوزخ کو بھی دیکھا۔
۸-تجلی لی ما بین السماء والارض۔ آسمان وزمین کے درمیان کی ہر چیز مجھ پر روشن ہوگئی۔
۹-علمت ما بین المشرق والمغرب۔ مشرق ومغرب کے درمیان سب کچھ میں نے جان لیا۔
۱۰-اخبرنا بماکان و بما ھو کائن فاعلمنا احفظنا۔ (مسلم شریف ج۔۲،ص۳۹۰)
جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہونے والا ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں سب کی خبر دی تو ہم میں زیادہ علم والا وہ ہے جسے زیادہ یاد رہا۔

آیات واحادیث اور دیگر دلائل شرعیہ سے جواب کو مبرہن وواضح کرنے کے ساتھ پیشوایان وہابیہ کی بدنام زمانہ کتابوں کی دس کفریہ عبارات نقل کر کے ان کا جواب بھی دیا ہے پھر اس کے آخر میں ایک جگہ حضور مفتی اعظم تحریر فرماتے ہیں۔

آیات واحادیث جن سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے علم غیب کا ثبوت ہے اور بھی ہیں مگر وہابیہ کے دس انکار کے مقابل دس دس آیات واحادیث پر بس کریں۔ (فتاویٰ مصطفویہ،ص۲۰۱)

علم غیب ہی سے متعلق ایک دوسرے سوال کے جواب میں آپ نے دیگر دلائل وشواہد کے ساتھ ۳۸ احادیث پیش فرمائیں اور قرب قیامت واقع ہونے والے متعدد واقعات وحالات کی طرف احادیث وآثار کے حوالے سے اشارہ فرمایا۔ دنیا جانتی ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ ایک ایک سوال کے جواب میں کبھی کبھی تین تین سو احادیث پیش فرماتے ہیں۔ اور ان گنت وبے شمار دلائل وشواہد سے جواب کو مزین کرتے ہیں کہ اس کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہ جاتا۔ یہ پروردگار عالم جل جلالہٗ کا فضل عمیم ہے کہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم بھی اسی نقش راہ کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں۔ آپ بھی جواب کے ہر پہلو پر نظر ڈالتے اور اسے ہر زاویہ نگاہ سے مکمل کرتے ہیں اس کا کوئی گوشہ نامکمل رہنے نہیں دیتے۔ دلائل وبراہین کا انبار جس طرح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے فتاوے میں نظر آتا ہے۔ یوں ہی حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کے فتووں میں بھی دلائل وشواہد کا ہجوم وازدحام نظر آتا ہے۔ حدیث وفقہ میں جن کی نکتہ رسی بے مثل وبے مثال ہے۔ فہم حدیث کی ذکاوت وتیزی دعوت نظارۂ جمال وکمال دے رہی ہے۔ حدیث مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استدلال کا جو انداز اعلیٰ حضرت کا ہے بہت حد تک وہی طریقہ استدلال حضور مفتی اعظم کا بھی ہے۔ اسی لیے برملا کہنا پڑے گا کہ حضور مفتی اعظم جہاں ایک نابغۂ روزگار مفتی تھے وہیں پر ایک جلیل القدر محدث بھی تھے، فقہ وکلام پر عبور ومہارت کے ساتھ علم حدیث پر بھی دسترس رکھتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ "محدث اعظم" کی بجائے "مفتی اعظم" کا لقب مشہور وزبان زد ہوگیا بلکہ مفتی اعظم کا لقب تو ایسا مشہور ومعروف ہوا کہ وہ ان کے نام پر غالب آگیا۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی یہی بات ہوئی کہ آپ جہاں پر ایک فقیہ اور مجتہد تھے وہیں پر آپ ایک عظیم محدث بھی تھے مگر آپ فقیہ ومجتہد سے مشہور ہوئے محدث سے نہیں۔ حالاں کہ فقاہت کے ساتھ آپ کو علم حدیث پر بھی عبور حاصل تھا۔ مگر حق یہ ہے کہ اگر حضور مفتی اعظم کو "محدث اعظم" بھی کہا جاتا تو بجا تھا وہ مختلف علوم وفنون میں یکتائے روزگار تھے۔ اعلیٰ حضرت کے بعد ایسی معتبر شخصیت نظر نہیں آئی۔ دنیا میں ایسی ہستیاں بہت کم ہوتی ہیں جن کے فیض وجود سے تاریخ کی زلفیں سنواری جاتی ہیں۔ یہی وہ خدارسیدہ اور بارگاہ رسالت کے فیض یافتہ لوگ ہیں جن کے تذکرۂ جمیل سے تاریخ کے صفحات آج بھی روشن و

فروزاں ہیں۔

خیال یہ تھا کہ اور بھی چند فتاوے اور ان کی دیگر تصانیف سے کچھ اقتباسات پیش کروں جن سے مزید واضح و آشکارا ہو جاتا کہ حضور مفتی اعظم واقعی علم حدیث پر مہارت تامہ و دست گاہ کامل رکھتے ہیں مگر مضمون کی طوالت دامن کشاں ہے اس لیے صرف ایک فتویٰ کے اقتباس پر اکتفا کرتا ہوں نمونہ کے لیے یہی ایک کافی ہے۔ ہاں صرف یہی ایک فتویٰ اس انداز کا نہیں بل کہ حضور مفتی اعظم کے مجموعۂ فتاویٰ اور دیگر تصانیف میں اس طرح کے بہت سارے فتاوے موجود ہیں جن میں ایک ایک سوال کے جواب کو دلائل و براہین سے مزین و آراستہ کرنے کے ساتھ کئی کئی حدیثیں بھی پیش کی گئی ہیں بل کہ بعض فتاوے تو ایسے ہیں جن میں درجنوں احادیث سے استدلال کیا گیا ہے۔

حضور مفتی اعظم کی حدیث دانی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کا مجموعۂ فتاویٰ جو صرف ۶۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ۳۷۵ مسائل ہیں مگر احادیث کی تعداد ۳۵۷ ہے۔ دیگر مفتیان کے مقابلہ میں مسائل کی نسبت سے احادیث کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ پھر یہ کہ حضور مفتی اعظم نے اپنی زندگی میں لاکھوں کی تعداد میں فتاوے تحریر فرمائے ان کے مقابلے میں ۳۷۵ مسائل کی کیا گنتی اور کیا حیثیت ہے آپ خود اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

حضور مفتی اعظم نے اپنے والد گرامی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے سایۂ عاطفت میں درس نظامی کے جملہ علوم و متون کی تکمیل کے بعد ۱۳۲۸ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد ہی مسند تدریس کو بھی زینت بخشی کہ حضور مفتی اعظم نے آخر میں کثرت کار و ہجوم فتاویٰ کے سبب سے درس دینا موقوف کر دیا تھا۔ اس کے باوجود کبھی کبھی فارغ ہونے والے طلبہ حضور مفتی اعظم سے بخاری شریف کا درس لے لیا کرتے تھے تاکہ انھیں آپ سے شرف شاگردی حاصل ہو جائے، اسی طرح بعض علما نے بھی حصول برکت و شرف تلمذ کے لیے حضور مفتی اعظم سے بخاری شریف اور دیگر کتابوں کا درس لیا ہے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہ ثابت و واضح ہوگا کہ آج کے بڑے بڑے علما و فضلا علم حدیث میں آپ کے شاگرد ہیں۔ یہ آپ کے فیضان نظر ہی کی برکت ہے کہ جلیل القدر علما و افاضل آپ سے شرف انتساب پر فخر کرتے ہیں۔

برصغیر میں علوم نقلیہ و عقلیہ کے جتنے مشہور و معروف اساتذہ ہیں ان میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے سلسلۂ تلمذ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ہر فن اور ہر علم کی سند عالی ہے اور پھر اسی ایک سلسلے سے تمام علوم عقلیہ و نقلیہ کی سند حاصل ہو جاتی ہے۔ گویا سلسلۂ تلمذ بریلوی جملہ علوم و فنون کا جامع ہے۔ حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سارے علوم و فنون بریلوی سلسلۂ تلمذ کے واسطے سے حاصل کیے بلکہ ان میں درجہ اختصاص حاصل کیا۔ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے ان ۲۵ سلاسل اولیا و سلاسل قرآن و سلاسل حدیث کی بھی اجازت عطا فرمائی جو الانوار و البہاء میں درج ہیں۔

☆☆☆☆☆

فنِ اسماء الرجال میں مفتی اعظم کی مہارت

مولانامفتی محمد ناظم علی رضوی مصباحی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

تاجدار اقلیم روحانیت، آفتاب رشد و ہدایت، ماہتاب شریعت و طریقت، امام العلما سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ کی عبقری و یکتائے زمانہ شخصیت مختلف علوم و فنون کی جامع تھی، آپ جس طرح فقہ و افتا کے صدر نشین تھے اسی طرح فن حدیث و اصول حدیث و اسماء الرجال وغیرہ علوم و فنون میں کامل دسترس رکھتے تھے، مختلف علوم و فنون میں آپ کے علمی افادات و محققانہ ابحاث کا عظیم ترین سرمایہ موجود ہے جو آپ کے جامع علوم اور کامل فنون ہونے پر روشن شہادت دے رہا ہے۔ فن اسماء الرجال میں آپ کی ناقدانہ و محققانہ ابحاث اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ آپ کو اللہ رب العزت نے اس فن میں ید طولیٰ بخشی تھی۔ آپ کی گراں قدر تحقیقات اور علمی رشحات ایک منصف و دیانت دار کو اس اعتراف پر مجبور کرتے ہیں کہ آپ اس فن میں حیرت انگیز مہارت و کمال رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں میرے پیش نظر آپ کے مختلف رسائل ہیں۔ "وقایة اهل السنة عن مکر دیوبند والفتنة" اور "نفی العار عن معایب المولوی عبدالغفار" وغیرہ کتب فن اسماء الرجال میں آپ کی مہارت کاملہ کی عظیم شہادت ہیں۔

۱۳۳۲ھ میں دیوبندی جماعت کے ایک مشہور عالم جناب مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے مسئلہ اذان ثانی پر ایک تحریر لکھ کر ایک مجہول شخص کے نام شائع کی اور اس میں مدینہ طیبہ کے ایک جلیل القدر، رفیع الشان، بلند پایہ عالم تابعی، امام المغازی محمد بن اسحاق پر جی بھر کر جرحیں کیں۔ آپ پر کذب و دجل اور تشیع و رفض وغیرہ کا طعن کیا۔ آپ کو کذاب یا متہم بالکذب ثابت کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی جب کہ تھانوی جی نے جن کتب ائمہ سے امام محمد بن اسحاق پر بے ثبوت و نامقبول طعن نقل کیا انھیں کتابوں میں ورق کے ورق ایسے ہیں جو محمد بن اسحاق کے ثقہ و معتمد اور مقبول و مستند ہونے کی روشن شہادت دے رہے ہیں امام شعبہ فرماتے ہیں۔

لوکان لی سلطان لامرت ابن اسحاق علی المحدثین. اگر میری طاقت و قوت ہوتی تو ابن اسحاق کو تمام محدثین پر امیر مقرر کرتا۔ (میزان الاعتدال ج۔ ۳ ص ۵۶ ۴، دار الفکر، بیروت)

یحییٰ ابن کثیر وغیرہ فرماتے ہیں ہم نے امام شعبہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا۔

ابن اسحاق امیر المؤنین فی الحدیث وقال شعبة ایضا ھو صدوق. ابن اسحاق امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں اور امام شعبہ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ انتہائی راست گو ہیں۔ (میزان الاعتدال ج۔ ۳ ص ۵۶ ۴، دار الفکر، بیروت)

اس تھانوی جرأت و بے باکی اور خدا ناترسی پر حیرت ہوتی ہے کہ اکابر ائمہ جرح و تعدیل کی توثیقیں انھیں رکیک تاویلیں نظر آتی ہیں اور امام محمد بن اسحاق ان کے آئینے میں مجروح و مطعون نظر آتے ہیں۔ نہ صرف امام محمد بن اسحاق بلکہ ائمہ کرام امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تمام کتابیں غیر مستند قرار پاتی ہیں۔ ان کی صدہا حدیثیں ناقابل اعتبار ٹھہرتی ہیں۔ مذہب حنفی کا بالکل

مخفی ہو جاتا ہے۔ یہ سب کچھ حسد و عناد اور تعصب و نفس پرستی اور نافہمی و کوتاہ بینی کے سبب ہے ورنہ حقائق کچھ اور ہیں۔ سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہ نے اس تھانوی رسالہ کے رد میں ایک گراں قدر محققانہ رسالہ لکھا جس کا نام "وقایۃ اھل السنۃ عن مکر دیوبند و الفتنۃ" رکھا۔ یہ رسالہ انھیں دنوں شائع ہوا آپ نے اس رسالہ میں نہ صرف امام محمد بن اسحاق کا ثقہ و معتمد اور صدوق و مستند ہونا ثابت فرمایا بلکہ تھانوی جی اور ان کی جرحوں کی خوب خبر گیری فرمائی ہے اور ایسی کہ ان کی جرحیں تار عنکبوت سے کمزور نظر آتی ہیں اور یہ واضح فرمایا کہ تھانوی جی کا امام محمد بن اسحاق پر یہ کس قدر ظلم شدید ہے کہ ان کی محقق تعدیلوں اور توثیقوں کو پس پشت ڈال کر بے ثبوت طعن پیش کر رہے ہیں۔ تھانوی جی کے طعن کے بہ طور تو صحیح بخاری و صحیح مسلم سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا کہ ان کے بہ طور صحیحین میں بھی کذاب و وضاع بھرے پڑے ہیں ورنہ کم از کم متہم بالکذب والوضع تو ضرور ہیں تو صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیثیں صحیح ہونا بالائے طاق، اصلا نا قابل اعتبار ہوں گی بلکہ موضوع و مردود و واہیات ٹھہریں گی تو پھر دین سے امان اٹھ جائے گا اور صرف تھانوی پرچم ایوان نجدیت میں لہرائے گا۔

تھانوی جی کی تحریر نہ فقط امام محمد بن اسحاق نہ صرف مذہب حنفی، نہ صرف کتب صحاح پر ضرب کاری کر رہی ہے بل کہ اس نے مذاہب اربعہ کے جملہ علمائے کرام، مفسرین قرآن و شارحین حدیث حتی کہ تابعین اعلام و صحابۂ کرام اور نہ صرف صحابۂ کرام بل کہ خود حضور اقدس سید الانام اور نہ فقط حضور اقدس سید الانام بلکہ خود رب العزت ذوالجلال والاکرام کسی کو اپنے ناپاک جملوں سے نہ چھوڑا۔

امام اجل، افقہ امت، سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہ کی روشن تحریر اور گراں قدر تحقیق نے سیدنا امام محمد ابن اسحاق کی تعدیل و توثیق کو ایسا محقق فرمایا کہ تھانوی جی کی آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا اور باطل کو باطل کے گھر پہنچا دیا۔

میں اس مقام پر فن اسماء الرجال میں آپ کی کامل مہارت و اشکاف کرنے اور تھانوی دجل و فریب کو بے نقاب کرنے کے لیے آپ کی گراں قدر، نابغۂ روزگار، مشہور زمانہ تصنیف "وقایۃ اہل السنۃ" کے کچھ اقتباسات نذر قارئین کر رہا ہوں تاکہ قارئین پر فن اسماء الرجال میں آپ کی عبقریت روز روشن کی طرح آشکار ہو جائے اور ساتھ ہی ساتھ تھانوی جی کی ہمہ دانی کا پردہ بھی چاک ہو جائے اور امام محمد بن اسحاق پر کی ہوئی جرحوں کی حقیقت بھی واضح ہو جائے۔

آپ نے اولاً اکابر ائمہ اجلہ سے امام محمد بن اسحاق کی کامل مدح و توثیق کو واشگاف فرمایا اور یہ واضح فرمایا کہ امام محمد بن اسحاق پر تھانوی جی کی جرحیں یا تو سرے سے طعن ہی نہیں، یا قائل سے ثابت نہیں، یا قائل نے خود ان سے رجوع کیا، یا وہ طعن مبہم غیر مفسر ہے۔ اس لیے امام محمد بن اسحاق کو ثقہ اور صدوق ماننا ہی نہایت روشن حق ہے کیوں کہ وہ حدیث میں تمام مسلمانوں کے سردار ہیں۔ جماہیر ائمہ حدیث و جمیع ائمہ حنفیہ نے انھیں مقبول و مستند اور ثقہ و معتمد مانا ہے۔ کتب ائمہ جرح و تعدیل ان کی توثیق سے مالا مال ہیں جیسا کہ آپ اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

(ا) جان توڑ کر یہ کوشش کی کہ کسی طرح مدینہ طیبہ کے ایک جلیل عالم، تابعی امام المغازی محمد بن اسحاق کو کذاب یا کم از کم متہم بالکذب ثابت کرے۔ سنی حنفی بھائیو! آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ کے امام مذہب تین ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ، اور ان کے دونوں مصاحب امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم، یہ محمد بن اسحاق آپ کے امام اعظم کے ہم استاذ اور امام ابو یوسف کے استاذ اور امام محمد کے استاذ الاستاذ ہیں۔ یوں ہی امام المحدثین، امام الفقہا، امام الاولیا عبداللہ بن مبارک شاگرد امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ابن اسحاق کی شاگردی کی۔ امام ابو یوسف نے اپنی کتب میں بہت حدیثیں ان سے روایت فرمائیں۔ کتاب الخراج مطبوعہ مصر ص ۵ میں فرماتے ہیں:

حدثني محمد بن إسحاق حدثني عبيد الله بن المغيرة

حدثني محمد بن إسحاق عن عبدالسلام عن الزهري ص ٦

حدثنا محمد بن إسحاق عن يزيد بن يزيد بن جابر۔ ص ١

أخبرني محمد بن إسحاق عن أبي جعفر ۔ ص ١

حدثني محمد بن إسحاق عن الزهری ۔ ص ١

حدثني محمد بن إسحاق عن الزهری ۔ ص ٢

حدثني محمد بن إسحاق عن الزهری ۔ ص ٥

اس پہلے ہی جز میں محمد بن اسحاق سات حدیثیں روایت فرمائیں اور سب اجزا کا تتبع کیجیے تو خدا جانے کس قدر ہوں۔

(۲) حنفیہ کے محدث اجل و اکبر امام ابو جعفر طحاوی کہ تیسری صدی میں تھے اور جب سے آج تک ایسا جامع امامت حدیث وفقہ شاذ و نادر ہی ہوا، محمد بن اسحاق کی حدیثوں سے احتجاج فرماتے ہیں اور (شرح معانی الآثار) ''كتاب الحجة على أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فتح مكّة عنوة'' جلد ۲، ص ۱۹۰ میں ان سے حدیث روایت کر کے فرمایا ''هذا حديث متصل الإسناد صحيح'' یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی اسناد متصل ہے۔

(۳) مذہب حنفی کے رکن جلیل القدر، محقق علی الاطلاق، امام ابن الہمام شرح ہدایہ ص ۱۸۱ (فصل فی استحباب التعجیل) میں فرماتے ہیں:

''أما ابن إسحاق فثقة ثقة لا شبهة عندنا فی ذلك و لا عند محققی المحدثين۔'' ابن اسحاق ثقہ ہیں ثقہ ہیں اس میں نہ ہمارے نزدیک کوئی شبہہ ہے نہ محققین محدثین کے نزدیک۔

نیز ص ۹۲ میں فرماتے ہیں:

توثيق ابن إسحاق هو الحق الأبلج وما نقل عن كلام مالك فيه لا يثبت، ولو صح لم يقبله أهل العلم كيف و قد قال شعبة فيه هو أمير المومنين فی الحديث'' ابن اسحاق کو ثقہ ماننا ہی نہایت روشن حق ہے اور امام مالک سے جوان پر طعن منقول ہوا وہ نقل ثابت نہیں اور اگر صحیح بھی فرض کرلیں تو اہل علم نے وہ طعن قبول نہیں کیا اور کیوں کر قبول ہو حالاں کہ امام شعبہ نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق حدیث میں سب مسلمانوں کے سردار ہیں۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۳۱، فصل فی استحباب التعجیل، مرکز اہل سنت برکات رضا)

بالجملہ ائمہ حنفیہ کا ان کے قبول پر اجماع ہے تو انھیں کذاب اور متہم ٹھہرانے میں یہ ریچ ہے کہ حنفیہ کے ائمہ مذہب جھوٹے کذابوں کی شاگردی کرتے اور ایسوں کی حدیثیں اپنی کتابوں میں بھرتے اور ان کو ثقہ اور دین خدا میں معتمد بناتے ہیں تاکہ دیوبندیوں کے بھائی وہابی غیر مقلدوں کا اعتراض حنفیہ پر چست ہو کہ حنفیوں کی حدیثیں ایسی کھوٹی ہیں اور ان کے محدث ایسے جھوٹے۔

(۴) دیوبندی تحریر نے فقط حنفیہ پر عنایت نہ کی، بلکہ صحاح ستہ پر بھی کہ محمد بن اسحاق سے ان سب میں روایات و احادیث ہیں۔ صحیح بخاری میں تعلیقاً اور صحیح مسلم و سنن اربعہ میں مسنداً، امام ترمذی نے ابن اسحاق کی حدیثوں کو صحیح کہا، ابوداؤد نے ان پر سکوت کیا، اور خود یہ حدیث کہ اذان جمعہ زمانہ اقدس میں دروازہ پر ہوتی اسے بھی ابوداؤد نے روایت کر کے سکوت فرمایا اور اس کتاب میں اسی حدیث پر سکوت کرتے ہیں جو ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہو، اکابر ائمہ و علما مثل امام عبد العظیم منذری، و امام ابو عمرو ابن الصلاح، و امام اجل ابو زکریا نووی، و امام جمال الدین زیلعی، و امام علاؤ الدین ترکمانی و امام محقق علی الاطلاق و امام ابن امیر الحاج و علامہ ابراہیم حلبی نے اس کی تصریحیں

فرمائیں کہ عن قریب آتی ہیں۔ ان شاء المولی تعالیٰ۔

(۵) دیوبندی تحریر نے جتنے طعن محمد بن اسحاق پر نقل کیے یا تو وہ سرے سے طعن ہی نہیں یا قائل سے ثابت نہیں یا قائل نے ان سے رجوع کی، یا وہ طعن مبہم غیر مفسر ہے۔ مطاعن ابن اسحاق میں جتنا ورق اپنے نامہ اعمال کی طرح سیاہ کیا ان چار وجوہ سے خالی نہیں پہلی تین قسمیں تو کسی عاقل کے نزدیک طعن نہیں ہو سکتیں اور تمام ائمہ حنفیہ کا اجماع اور جمہور اکابر ائمہ محدثین کا اتفاق ہے کہ چوتھی قسم بھی زنہار مقبول و مسموع نہیں۔ خصوصاً امثال محمد بن اسحاق میں جن کو مشاہیر ائمہ حدیث و جمیع ائمہ حنفیہ نے مقبول و مستند و ثقہ و معتمد مانا ہے اور اس تحریر نے بہ کمال بددیانتی ظلم یہ کیا کہ جن کتابوں سے نقل کا نام لیا انھیں میں وہیں ورق کے ورق محمد بن اسحاق کی کمال مدح و توثیق میں اکابر ائمہ اجلہ سے مذکور ہیں ان سب کو اڑا گئی۔ خال خال جو بے ثبوت و نامقبول طعن حکایت کیے گئے تھے وہ سب میں سے چن لائی اور اس خیانت مجرمانہ پر کمال بے حیائی کا پردہ ڈال کر بولی کہ

"ان ائمہ محدثین کی جرحیں بالکل منعدم نہ ہو جائیں گی اس لیے اگر محمد بن اسحاق کذاب نہ ہوگا تو متہم بالکذب ضرور ہوگا، بدعتی نہ ہوگا تو متہم بالبدعۃ ضرور ہوگا۔"

ان ائمہ جلیل الشان کی تعدیل و توثیق ذکر فرمانے کے بعد تھانوی جی کی بددیانتی کو واشگاف فرمایا کہ جن کتب ائمہ سے تھانوی جی نے امام محمد بن اسحاق پر بے ثبوت و نامقبول طعن نقل کیا انھیں کتابوں میں ورق کے ورق امام محمد بن اسحاق کی مدح و توثیق سے مزین ہیں۔ آپ رقم طراز ہیں:

پیارے بھائیو! اولاً ہم انھیں کتابوں سے جن کے نام اس تحریر نے لیے ان کی وہ عبارات توثیق و مدائح ابن اسحاق نقل کر دیں جن کو یہ اڑا گئی۔ ان میں میزان الاعتدال، وتہذیب التہذیب، وترغیب و ترہیب و جوہر النقی بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے پاس ہیں۔ عیون الاثر اس کے پاس بھی نہیں بل کہ اس نے تو ترغیب و ترہیب و جوہر النقی سے بھی ایک مجہول رسالے کے حوالے سے نقل کی ہے ضرور ہے کہ عیون الاثر میں صرف مطاعن نہ ہوں بل کہ توثیقات جلیلہ ہوں گی کہ خود عیون الاثر کا بڑا دار و مدار محمد بن اسحاق ہی کی روایات پر ہے۔ خیر کتب مذکورہ کی جو عبارات مدح و توثیق محمد بن اسحاق اس نے چھوڑی ہیں انھیں سنیے اور وہ بھی بہ اختصار کہ زیادہ طول نہ ہو۔

میزان الاعتدال میں دیوبندی خیانتیں :

میزان الاعتدال جلد دوم ص ۳۴۳ ۔(۱) محمد بن إسحاق المدنی أحد ا لأئمة الأعلام رأى أنسا ۔محمد بن اسحاق مدنی مشاہیر ائمہ سے ایک ہیں انھوں نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا۔ (میزان الاعتدال ج۔ ۳ ص، ۵۳-۴۵۲، دار الفکر، بیروت)

(۲) ص ۳۴۴-قال أحمد بن حنبل هو حسن الحديث ۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ابن اسحاق کی حدیث حسن ہے۔ (ج۔ ۳ ص، ۴۵۳، مطبع مذکورہ)

(۳) قال ابن معين ثقة و ليس بحجة ۔ امام یحییٰ بن معین استاذ امام بخاری نے فرمایا ابن اسحاق ثقہ ہیں ہاں اس پائے کے نہیں جن کو محدثین کی اصطلاح میں حجت کہا جاتا ہے۔ (ج۔ ۳ ص، ۴۵۳، مطبع مذکورہ)

(۴) قال علي بن المديني حديثه عندي صحيح ۔امام علی بن مدینی استاذ امام بخاری نے فرمایا ابن اسحاق کی حدیث

میرے نزدیک صحیح ہے۔(ج۔۳ص،۵۳ ۴،مطبع مذکورہ)

یہ ابن المدینی وہ ہیں جن کو امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میں سوا ان کے کسی کے پاس اپنے آپ کو چھوٹا نہیں سمجھتا یعنی ان کے علم سے مجھے اپنا علم کم نظر آتا۔

(۵)قال یحیی بن کثیر وغیرہ سمعنا شعبة یقول ابن إسحاق أمیر المومنین فی الحدیث ۔یحییٰ بن کثیر وغیرہ کہتے ہیں امام شعبہ کو کہتے سنا کہ ابن اسحاق حدیث میں سب مسلمانوں کے سردار ہیں۔یہ امام شعبہ وہ ہیں جن کو امام بخاری امیر المومنین فی الحدیث کہتے ہیں۔یہ ابن اسحاق کو امیر المومنین فی الحدیث کہتے ہیں۔(ج۔۳ص،۵۳ ۴،مطبع مذکورہ)

(۶) و قال شعبة أیضا ھو صدوق ۔ نیز امام شعبہ نے فرمایا ابن اسحاق بہت ہی راست گو ہیں۔

(ج۔۳ص،۵۳ ۴،مطبع مذکورہ)

(۷)قال محمد بن عبداللہ بن نمیر رُمی بالقدر وکان أبعد الناس منه ۔ محمد بن عبداللہ بن نمیر کہتے ہیں بعض نے ابن اسحاق پر قدر کی تہمت رکھی حالاں کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ اس سے دور تھے۔(ج۔۳ص،۵۳ ۴،مطبع مذکورہ)

(۸)قال ابن المدینی لم أجد له سوی حدیثین منکرین ۔"یعنی امام ابن المدینی نے فرمایا میں نے ابن اسحاق کی صرف دو حدیثیں غیر محفوظ پائیں۔(ج۔۳ص،۵۳ ۴،مطبع مذکورہ)

اور وہ دو حدیثیں بھی بیان کر دیں جن میں یہ اذان خطبہ کی حدیث نہیں تو بحمدہ تعالیٰ یہ صحیح و محفوظ ہے اور وہ کون سا ہے کہ ہزارہا حدیثیں ابن اسحاق کی طرح روایت کرے اور ان کی دو ایک بھی غیر محفوظ نہ ہوں۔ائمہ نے امام مالک و امام بخاری کی بعض احادیث کو بھی تو غیر محفوظ بتایا ہے۔

(۹) قال سمعت ابن عیینة یقول ما سمعت أحدا یتکلم فی ابن إسحاق إلا فی قوله فی القدر ۔ امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں میں نے کسی کو نہ سنا کہ ابن اسحاق پر کسی بات میں طعن کرتا ہو سوا قول قدر کے۔(ج۔۳ص،۵۴ ۴،مطبع مذکورہ)

(۱۰) لم یذکر ابن إسحاق أبو عبداللہ البخاری فی کتاب الضعفاء له۔ امام بخاری نے ایک کتاب ضعیف راویوں کے بارے میں لکھی اس میں ابن اسحاق کو ذکر نہ فرمایا۔(ج۔۳ص،۵۵ ۴،مطبع مذکورہ)

(۱۱)روی عباس عن ابن معین قال اللیث بن سعد لا أثبت فی یزید بن ابی حبیب من محمد بن إسحاق ۔عباس دوری امام ابن معین سے راوی کہ امام لیث بن سعد نے فرمایا، یزید بن ابی حبیب کی احادیث میں محمد بن اسحاق سے زائد کوئی معتمد نہیں۔(ج۔۳ص،۵۵ ۴،مطبع مذکورہ)

یہ امام اجل لیث بن سعد خود بھی تلامذۂ یزید بن ابی حبیب سے ہیں اور ابن یونس نے کہا" روی عنه الاکابر من أهل مصر " اکابر اہل مصر نے ابن ابی حبیب سے حدیثیں روایت کیں تو امام لیث بن سعد، محمد بن اسحاق کو ان سب اکابر پر ترجیح دیتے ہیں۔

(۱۲) قال أبو زرعة سألت یحیی بن معین عن ابن اسحاق ھو حجة قال ھو صدوق الحجة عبید اللہ بن عمر الخ امام ابوزرعہ کہتے ہیں میں نے امام یحییٰ بن معین سے پوچھا کہ محمد بن اسحاق حجت ہیں فرمایا وہ نہایت سچے ہیں حجت جسے کہتے ہیں وہ عبید اللہ بن عمر او رفلاں فلاں اکابر ہیں۔(ج۔۳ص،۵۵ ۴،مطبع مذکورہ)

(۱۳)أبو جعفر النفیلی حدثنی عبداللہ بن فائد قال کنا نجلس إلی ابن إسحاق فإذا أخذ فی فن من

العلم ذهب المجلس بذلك الفن ابو جعفر نفیلی کہتے ہیں مجھ سے عبداللہ بن فائد نے بیان کیا ہم محمد بن اسحاق کے پاس بیٹھتے جب وہ علم کے کسی فن میں کلام شروع کرتے تو ساری مجلس اس فن میں ختم ہو جاتی۔(ج۔۳ص،۵۶۴،مطبع مذکورہ)

امام شافعی و امام سفیان ثوری امام اجل زہری سے روایت فرماتے ہیں:

(۱۴)لایزال بالمدینة علم ما دام بها۔یعنی مدینہ طیبہ میں ہمیشہ علم باقی رہے گا جب تک محمد بن اسحاق اس میں ہیں۔

یہ روایت خلاصہ تہذیب میں ان الفاظ سے ہے۔(ج۔۳ص،۵۶۴،مطبع مذکورہ)

لایزال بالمدینة علم جم ما کان فیهاابن إسحاق۔مدینہ طیبہ میں علم کثیر رہے گا جب تک ابن اسحاق اس میں ہیں۔

(۱۵)قال یزید بن هارون سمعت شعبة یقول لو کان لی سلطان لأمرت ابن إسحاق علی المحدثین۔ امام شعبہ فرماتے ہیں اگر میری سلطنت ہوتی تو میں ضرور محمد بن اسحاق کو تمام محدثین پر سردار بناتا۔(ج۔۳ص،۵۶۴،مطبع مذکورہ)

(۱۶)ابن المبارك عن ابن إسحاق فذکر بسنده عن سهل بن حنیف رضی الله تعالیٰ عنه. (فذکر الحدیث ثم قال) فهذاحکم تفرد به محمد قال الترمذی هذا حدیث صحیح لانعرفه إلا من حدیث ابن إسحاق . یہ حدیث باب احکام کی ہے اور تنہا ابن اسحاق نے روایت کی بایں ہمہ امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے ہمارے علم میں محمد بن اسحاق کے سوا کسی نے روایت نہ کیا۔(ج۔۳ص،۵۷۴،مطبع مذکورہ)

(۱۷)امام ابن عدی کہتے ہیں:لم یتخلف فی الروایة عنه الثقات وا لأئمة وهو لا باس به ۔ائمہ اور معتمدین ابن اسحاق سے روایت کرنے سے نہ ہٹے اور ابن اسحاق میں کوئی عیب نہیں۔(ج۔۳ص،۵۷۴،مطبع مذکورہ)

(۱۸)قال یعقوب بن شیبة سالت ابن المدینی عن ابن إسحاق قال حدیثه عندی صحیح و قلت کلام مالك فیه قال مالك لم یجالسه و لم یعرفه ۔یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں میں نے امام ابن المدینی سے محمد بن اسحاق کی نسبت پوچھا فرمایا میرے نزدیک ان کی حدیث صحیح ہے۔میں نے کہا امام مالک نے جو ان میں کلام کیا ہے،فرمایا مالک کو ان کی صحبت نہ ملی،نہ مالک نے انھیں پہچانا۔ (ج۔۳ص،۵۸۴،مطبع مذکورہ)

(۱۹) انھیں امام علی کا قول نمبر ۹ میں آتا ہے۔

(۲۰) قال أحمد بن عبدالله العجلی ابن إسحاق ثقة ۔امام احمد عجلی کہتے ہیں ابن اسحاق ثقہ ہیں۔

تھانوی صاحب نے اس تحریر میں صرف میزان الاعتدال کی عبارت نقل کرنے میں بیس خیانتیں کی ہیں۔مسلمانو!انصاف!کیا اسی کا نام دینداری اور دیانت داری ہے؟(ج۔۳ص،۵۸۴،مطبع مذکورہ)

سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ نے" میزان الاعتدال" میں تھانوی جی کی بیس خیانتیں روشن فرمائیں جن سے امام محمد بن اسحاق کا ثقہ،معتمد،مقبول و مستند اور غیر مجروح و مطعون ہونا روشن ہو جاتا ہے۔آپ نے یہ بھی واضح فرمایا کہ اہل مدینہ میں سے کوئی بھی امام ابن اسحاق کو متہم نہ کرتا نہ ان پر کسی طرح کا طعن کرتا بلکہ سیدنا امام بخاری فرماتے ہیں ابن اسحاق کے بارے میں امام مالک سے جو طعن ذکر کیا جاتا ہے وہ ثبوت تک پہنچا معلوم نہیں ہوتا۔امام ابو زرعہ دمشقی فرماتے ہیں کہ اکابر اہل علم نے ابن اسحاق کی شاگردی پر اجماع کیا ہے اور محدثین نے انھیں جانچا تو صدق و خیر نظر آئے۔پھر خود ان کے استاذ نے مدح کی۔ظاہر ہے کہ یہ اکابر ائمہ اجلہ کسی

مجروح و مطعون اور غیر ثقہ اور غیر معتمد شخص کو حدیث میں مسلمانوں کا امیر نہ فرمائیں گے اور نہ ان کی شاگردی پر اجماع کریں گے اور نہ ہی ان کی تعریف و ثنا کریں گے، ورنہ حدیث سے امان اٹھ جائے گا۔ خود صحاح ستہ میں امام محمد بن اسحاق سے روایتیں نہ ملتیں کہ صحیح بخاری میں تعلیقاً اور صحیح مسلم اور سنن اربعہ میں مسنداً ان سے روایات ہیں۔ امام ترمذی نے ابن اسحاق کی حدیثوں کو صحیح کہا۔ یہ سب اس بات کے شاہد ہیں کہ تھانوی جی کا طعن جادۂ انصاف سے دور رفتہ ہے اور امام ابن اسحاق کا دامن تھانوی طعن سے پاک وصاف ہے۔ تھانوی جی کا طعن خواہش و نفس پرستی پر مبنی ہے۔

میزان الاعتدال میں تھانوی جی کی خیانت واضح فرمانے کے بعد تہذیب التہذیب میں ان کی خیانتوں کا پردہ فاش فرمایا۔ ناظرین غور کریں اور انصاف کریں کہ تھانوی جی اس طعن میں کس قدر حق سے دور ہیں؟

تہذیب التہذیب میں دیوبندی خیانتیں :

(۲۱) قال المفضل الغلابی سالت ابن معین عنه فقال کان ثقة و کان حسن الحدیث۔ مفضل غلابی کہتے ہیں۔ میں نے امام ابن معین سے ابن اسحاق کی نسبت پوچھا۔ فرمایا ثقہ تھے اور ان کی حدیث حسن ہے۔

(تہذیب التہذیب ج۔ ۹ ص، ۳۹، مطبع، دار صادر، بیروت)

(۲۲) قال علی بن المدینی مدارحدیث رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه و سلم علی ستة فذکرهم ثم قال فصارعلم الستة عند اثنی عشر فذکر ابن إسحاق فیهم۔ امام ابن مدینی فرماتے ہیں حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مدار چھ اماموں پر ہے۔ پھر ان چھ کا علم بارہ کے پاس آیا۔ ان میں سے ایک محمد بن اسحاق ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج۔ ۹ ص، ۴۰، مطبع، دار صادر، بیروت)

(۲۳) قال ابن أبی خیثمة عن ابن معین قال قال عاصم بن عمر بن قتادة لا یزال فی الناس علم ما بقی ابن اسحاق ۔ ابن ابی خیثمہ نے امام ابن معین سے نقل کیا کہ امام عاصم بن عمر بن قتادہ نے فرمایا جب تک ابن اسحاق زندہ ہیں لوگوں میں علم باقی رہے گا۔ (تہذیب التہذیب ج۔ ۹ ص، ۴۰، مطبع، دار صادر، بیروت)

(۲۴) قال ابن أبی خیثمة عن هارون بن معروف سمعت أبا معاویة یقول کان ابن اسحلق من أحفظ الناس فکان إذاکان عند الرجل خمسة أحادیث أو أکثراستودعها ابن إسحاق۔ ابن ابی خیثمہ ہارون بن معروف سے روایت کرتے ہیں میں نے ابو معاویہ کو کہتے سنا محمد بن اسحاق اعلیٰ درجہ کے حافظوں میں سے تھے تو اگر کسی کے پاس پانچ حدیثیں ہوتیں یا زیادہ، انھیں ابن اسحاق کے سپرد کر دیتا یعنی ان کے سامنے روایت کر دیتا کہ وہ احادیث ان کے واسطے سے امت میں محفوظ رہیں۔

(تہذیب التہذیب ج۔ ۹ ص، ۴۰، مطبع، دار صادر، بیروت)

(۲۵) ابن فائد کا قول مذکور نمبر ۱۳

(۲۶) وقال صالح بن أحمد عن علی بن المدینی عن ابن عیینة قال جالست ابن اسحلق منذ بضع و سبعین سنة وما یتهمه أحد من اهل المدینة ولا یقول فیه شیئا۔ امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں ستر برس سے زیادہ ہوئے جب سے میں ابن اسحاق کے پاس بیٹھتا ہوں۔ اہل مدینہ میں سے کوئی نہ انھیں متہم کرتا نہ ان پر کسی طرح کا طعن کرتا۔ (تہذیب التہذیب

ج۔۹ص،۴۰، مطبع، دار صادر، بیروت)

(۲۷) قال الاثرم عن احمد هو حسن الحديث ۔اثرم نے امام احمد سے روایت کیا کہ فرماتے ہیں محمد ابن اسحاق کی حدیث حسن ہے۔ (ایضا)

(۲۸) قال البخاری رأيت علی بن عبدالله يحتج بحديث ابن اسحاق۔ امام بخاری فرماتے ہیں، میں نے علی بن عبداللہ کو دیکھا کہ ابن اسحاق کی حدیث کو حجت قرار دیتے۔ (تہذیب التہذیب ج۔۹ص،۴۱، مطبع، دار صادر، بیروت)

(۲۹) و قال علی ما رأيت احدا يتهم ابن اسحاق ۔امام بخاری فرماتے ہیں امام ابن المدینی نے فرمایا میں نے کسی کو نہ دیکھا کہ ابن اسحاق کو متہم سمجھتا ہو۔ (ایضا)

(۳۰) والذی يذكر عن مالك فی ابن اسحاق لا يكاد يتبيّن ۔امام بخاری فرماتے ہیں ابن اسحاق کے بارے میں امام مالک سے جو طعن ذکر کیا جاتا ہے وہ ثبوت تک پہونچتا معلوم نہیں ہوتا۔ (ایضا)

(۳۱) وكان اسماعيل بن ابی اويس من اتبع من راينا لمالك اخرج الی كتب ابن اسحاق فی المغازی و غيرها فانتخبت منها كثيرا۔ امام بخاری فرماتے ہیں۔ہم نے اسمٰعیل بن ابی اویس (امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھانجے نیز امام کے چچازاد بھائی کے پوتے) سے زیادہ امام مالک کا پیرو کسی کو نہ دیکھا۔انھوں نے مغازی وغیرہا میں ابن اسحاق کی کتابیں مجھے دکھائیں۔میں نے ان میں سے کچھ فائدے چنے۔ (ایضا)

یعنی اگر امام مالک کو محمد بن اسحاق کی حدیث پر اعتراض ہوتا تو ان کے شاگرد اور بھانجے اور پوتے کہ سب سے زیادہ ان کے پیرو تھے ابن اسحاق کی کتابیں روایت نہ کرتے۔

(۳۲) و قال لی ابراهيم بن حمزة كان عند ابراهيم بن سعد عن ابن اسحاق نحو من سبعة عشر الف حديث فی الاحكام سوی المغازی و ابراهيم بن سعد من اكثر اهل المدينة حديثا۔ امام بخاری فرماتے ہیں۔مجھ سے ابراہیم بن حمزہ نے کہا کہ امام ابراہیم بن سعد کے پاس ابن اسحاق سے مغازی کے سوا خاص باب احکام میں سترہ ہزار کے قریب حدیثیں تھیں۔ابراہیم بن سعد مدینہ طیبہ کے کثیر الحدیث محدثین میں سے تھے۔ (ایضا)

(۳۳) و قال عبيد بن يعيش حدثنا يونس بن بكير سمعت شعبة يقول ابن اسحاق اميرا لمومنين لحفظه ۔امام بخاری فرماتے ہیں امام شعبہ نے فرمایا محمد بن اسحاق اپنی قوت حفظ میں سب مسلمانوں کے سردار ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج۔۹ص،۴۲، مطبع، دار صادر، بیروت)

(۳۴) و قال لی علی بن عبدالله نظرت فی كتب ابن اسحاق فما وجدت عليه الا فی حديثين و يمكن ان يكونا صحيحين۔ امام بخاری فرماتے ہیں مجھ سے امام علی بن عبداللہ نے فرمایا میں نے ابن اسحاق کی کتابیں دیکھیں تو صرف دو حدیثوں پر مجھے ناگواری ہوئی اور ممکن ہے وہ دو بھی صحیح ہوں۔ (ایضا)

(۳۵) قال ابو زرعة الدمشقی و ابن اسحاق رجل قد اجمع الكبراء من اهل العلم علی الاخذ منه و قد اختبره اهل الحديث فرأوا صدقا و خيرا مع مدحة ابن شهاب له۔ امام ابوزرعہ دمشقی فرماتے ہیں بے شک اکابر اہل علم نے ابن اسحاق کی شاگردی پر اجماع کیا اور بے شک محدثین نے انھیں جانچا تو صدق وخیر نظر آئے پھر خود ان کے استاذ امام زہری نے ان کی مدح کی۔ (ایضا)

(۳۶) محمد بن عبداللہ کا قول نمبر ۷ میں گزرا

(۳۷) و قال یعقوب بن شیبۃ سمعت ابن نمیر یقول إذا حدث عمن سمع منه من المعروفین فھو حسن الحدیث صدوق ۔ یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں میں نے ابن نمیر کو کہتے سنا ابن اسحاق جب پہچانے ہوئے استاذوں سے حدیث روایت کریں تو ان کی حدیث حسن ہے وہ صدوق ہیں۔ (ایضاً)

(۳۸) امام ابن المدینی کا قول نمبر ۱۸ میں گزرا

(۳۹) یہی امام فرماتے ہیں: ان حدیث ابن اسحاق لیتبین فیه الصدق و یروی مرة حدثنی ابو الزناد و مرة ذکر ابو الزناد وھو من اروی الناس عن سالم بن ابی النضر و روی عن رجل عنه وھو من أروی الناس عن عمرو بن شعیب و روی عن رجل عن ایوب عنه. ابن اسحاق کی حدیث میں صدق روشن ہے جن اساتذہ سے بہ کثرت حدیثیں خود سنی ہیں بعض حدیثیں ان میں سے ایک واسطہ سے روایت کرتے ہیں اور بعض دو واسطہ سے۔

(تہذیب التہذیب ج۔۹ ص، ۴۳، مطبع، دار صادر، بیروت)

(۴۰) قال یعقوب بن سفیان قال علی لم اجد لابن اسحاق الا حدیثین منکرین عن نافع ابن عمر عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا نعس احدکم یوم الجمعة والزهری عن عروة و عن زید بن خالد إذا مس احدکم فرجه ۔" امام علی نے فرمایا میں نے ابن اسحاق کی کوئی حدیث غیر معروف نہ پائی سوائے دو کے۔ ایک یہ کہ جب کسی کو جمعہ کے دن اونگھ آئے۔ دوسری جب تم میں سے کوئی اپنی شرمگاہ کو چھوئے۔ (ایضاً)

(۴۱) قال محمد بن عثمان بن ابی شیبة سالت علیا عنه فقال صالح و سط. محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کہتے ہیں میں نے امام ابن المدینی سے ابن اسحاق کا حال پوچھا فرمایا صالح ہیں، اوسط درجہ کے۔ (ایضاً)

(۴۲) قال ایوب و کان علی بن المدینی یثنی علیه و یقدمه. ایوب ابن اسحاق نے کہا امام علی ابن اسحاق کے مداح تھے اور انھیں مقدم رکھتے۔ (ایضاً)

(۴۳) امام ابن معین کا ارشاد نمبر ۳ میں گزرا۔

(۴۴) قال یعقوب بن شیبة سألت ابن معین عنه فقلت فی نفسك من صدقه شئی ؟ قال لا ھو صدوق. یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں، میں نے امام ابن معین سے پوچھا کیا آپ کے دل میں ابن اسحاق کے سچے ہونے میں کوئی شبہہ ہے فرمایا نہیں۔ وہ بہت سچے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج۔۹ ص، ۴۴، مطبع، دار صادر، بیروت)

(۴۵) قال ابو زرعة الدمشقی قلت لابن معین و ذکرت له الحجة محمد بن اسحاق منھم فقال کان ثقة إنما الحجة مالك و عبیدا لله بن عمرو. امام ابوزرعہ دمشقی کہتے ہیں، میں نے امام یحییٰ کے سامنے اس اعلیٰ پایہ کا ذکر کیا، جسے محدثین کی اصطلاح میں حجت کہتے ہیں اور میں نے کہا محمد بن اسحاق اسی درجۂ بلند پر تھے۔ اس پر امام ابن معین نے فرمایا ابن اسحاق ثقہ تھے، حجت تو مالک و عبیداللہ بن عمرو ہیں۔ (ایضاً)

(۴۶) قول امام عجلی کہ نمبر ۲۰ میں گزرا

(۴۷) قال ابن عیینة سمعت شعبة یقول محمد بن اسحاق امیر المومنین فی الحدیث و فی روایة عن

شعبة فقيل له لم ؟ قال لحفظه و في رواية عنه لو سوّد أحد في الحديث لسوّد محمد بن اسحاق ۔ امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں میں نے امام شعبہ کو فرماتے سنا کہ محمد بن اسحاق حدیث میں امیر المومنین ہیں، کسی نے پوچھا کیوں؟ فرمایا اپنے حفظ کے سبب۔ اور فرمایا اگر حدیث میں کسی کو سردار بنایا جاتا تو محمد بن اسحاق سب کے سردار ہوتے۔ (ایضا)

(۴۸) قال ابن سعد كان ثقة ۔ امام ابن سعد نے کہا کہ محمد بن اسحاق ثقہ تھے۔ (ایضا)

(۴۹) قال ابن عدي و لمحمد بن اسحاق حديث كثير و قد روى عن ائمة الناس ولو لم يكن له من الفضل الا أنه صرف الملوك عن ا لاشتغال بكتب لا يحصل منها شئى ا لا الاشتغال بمغازى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و مبعثه و مبدأ الخلق لكانت هذه فضيلة سبق اليها و قد صنفها بعده قوم فلم يبلغوا مبلغه و قد فتشت احاديثه الكثيرة فلم اجد فيها ما يتهيأ ان يقطع عليه بالضعف و ربما أخطأ أو يهم فى الشئى بعد الشئى كما يخطئ غيره وهو لا باس به. امام بن عدی نے کہا، محمد بن اسحاق کی حدیث کثیر ہے اور بے شک مسلمانوں کے اماموں نے ان سے حدیث روایت کی اور ان کی اور کوئی فضیلت نہ ہوتی سوا اس کے کہ انھوں نے بادشاہوں کو بے کار کتابیں دیکھنے سے پھیر کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جہادوں اور بعثت شریفہ اور ابتداے آفرینش کے مطالعہ میں مشغول کر دیا تو ضرور یہ وہ فضیلت ہے کہ وہی اس میں سابق رہے، ان کے بعد اور علما نے اس میں تصنیفیں کیں۔ مگر ان کے مرتبہ تک نہ پہونچے اور بے شک میں نے ان کی احادیث کی، جو کثیر و وافر ہیں، تفتیش کی تو ان میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس پر ضعف کا یقین ہو سکے۔ ہاں کبھی اتفاقاً بعض باتوں میں خطا یا وہم واقع ہوتا ہے جیسے اوروں سے ہوتا ہے ان میں اصلاً کوئی برائی نہیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص، ۴۴۔۴۵)

(۵۰) قال ابن المديني ثقة لم يضعه عندي إلا روايته عن اهل الكتاب. امام ابن المدینی نے فرمایا محمد ابن اسحاق ثقہ ہیں انھیں اس نے نیچا کیا کہ وہ اہل کتاب سے روایت کرتے ہیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص،۴۵)

امام ذہبی نے کہا

ما المانع من رواية الإسرائيليات عن اهل الكتاب مع قول رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حدثوا عن بني اسرائيل و لا حرج. بنی اسرائیل کے وقائع اہل کتاب سے روایت کرنے کو کس نے منع کیا حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بنی اسرائیل سے روایت کرو، اس میں کچھ حرج نہیں۔ (میزان الاعتدال ج۔۳ ص، ۴۵۴، دار الفکر، بیروت)

(۵۱) لما سئل ابن المبارك قال إنا وجدناه صدوقا ثلاث مرات ۔ امام اجل سیدی عبد اللہ ابن مبارک سے ابن اسحاق کو پوچھا گیا، فرمایا بے شک ہم نے انھیں بہت سچا پایا، بے شک ہم نے انھیں بہت سچا پایا، بیشک ہم نے انھیں بہت سچا پایا۔

(تہذیب التہذیب ج۔۹ ص،۴۵۔۴۶، دار صادر، بیروت)

(۵۲) قال ابن حبان ولم يكن احد بالمدينة يقارب ابن اسحاق فى علمه و لا يوازيه فى جمعه وهو من احسن الناس سياقا للاخبار ۔ امام ابن حبان نے کہا، تمام مدینے بھر میں کوئی ایسا نہ تھا کہ علم میں ابن اسحاق کے قریب یا جمع احادیث میں ان کا ہمسر ہو۔ وہ نہایت خوبی سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص،۴۶)

(۵۳) يحيىٰ بن يحيىٰ وذكر عنده محمد بن اسحاق فوثقه ۔ امام یحییٰ بن یحییٰ کے سامنے ابن اسحاق کا تذکرہ ہوا فرمایا وہ ثقہ ہیں۔ (ایضاً ج۔۹ ص،۴۶)

(۵۴) قال ابو يعلى الخليلى محمد بن اسحاق عالم كبير واسع الرواية والعلم ثقة۔ امام ابویعلی خلیلی نے کہا، محمد بن اسحاق بڑے عالم ہیں ۔ان کی روایت ان کا علم وسیع ہے، ثقہ ہیں ۔(ایضاً ج ۔۹ ص ۴۶)

(۵۵) قال ابن البرقى لم ار اهل الحديث يختلفون فى ثقته و حسن حديثه و روايته وفى حديثه عن نافع بعض الشئى ۔امام ابن البرقی نے کہا۔ میں نے علماء حدیث سے کسی کو نہ دیکھا کہ ابن اسحاق کے ثقہ اوران کی حدیث ور وایت کے حسن ہونے میں اختلاف کرتے ہوں ہاں !نافع سے ان کی روایت میں کچھ ہے۔ (ایضاً)

(۵۶)قال ابو زرعة صدوق ۔امام ابوزرعہ نے فرمایا ابن اسحاق بہت صادق ہیں۔ (ایضاً)

(۵۷) قال الحاكم قال محمد بن يحيىٰ هو حسن الحديث عنده غرائب و روى عن الزهرى فاحسن الرواية ۔حاکم نے کہا امام محمد بن یحیٰ نے فرمایا ابن اسحاق کی حدیث حسن ہے۔ان کے پاس بعض افراد ہیں اور انھوں نے زہری سے روایت کی تو بہت اچھی روایت کی۔ (ایضاً)

حدیث اذان جمعہ زہری ہی سے روایت کی ہے۔

(۵۸)قال الحاكم و ذكر عن البوشنجى انه قال هو عندنا ثقة ثقة۔ حاکم نے کہا، امام بوشنجی سے منقول کہ محمد ابن اسحاق ہمارے نزدیک ثقہ ہیں، ثقہ ہیں۔ (ایضاً)

یہ اڑتیس(۳۸) خیانتیں تہذیب التہذیب میں ہوئیں، آدمی بہادر ہو تو ایسا ہو۔

گذشتہ شہادتوں سے یہ واضح ہو گیا کہ تھانوی جی نے میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب میں کس قدر دیانت کا خون کیا ہے۔ سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ نے ان دونوں کتابوں سے یہاں تک اٹھاون (۵۸) شہادتیں ایسی پیش فرمائیں جن میں اکابر ائمہ نے امام محمد بن اسحاق کی نہ صرف مدح وتوثیق فرمائی بلکہ آپ پر منقول طعن کا رد بلیغ بھی فرمایا مگر تھانوی جی ان حقائق پر پردہ ڈال کر امام ابن اسحاق پر طعن کے درپے ہیں اور ایسا کیوں؟ اسے تھانوی جی اور ان کی برادری خوب جانتی ہے۔ان شہادتوں میں غور و فکر سے نہ صرف امام محمد بن اسحاق کی توثیق کے روشن جلوے نظر آتے ہیں بل کہ سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہ کی علمی جلالت، فنی مہارت اور اسماء الرجال میں دستگاہ و دسترس کامل خوب خوب واضح ہو جاتی ہے ایک منصف و دیانت دار اور عاقل و ذی فہم کے لیے یہ شہادتیں بس ہیں مگر اس موضوع پر آپ کے مزید علمی افادات اور ناقدانہ ومحققانہ ابحاث اس مقام پر نذر قارئین کرنا از بس لازم وضروری ہے تا کہ فن اسماء الرجال میں آپ کی مہارت خوب خوب واضح ہو جائے ۔نیز تھانوی جی نے امام محمد بن اسحاق پر جن جن وجھوں سے طعن کیا ہے ان سب کا احاطہ اور وہ مدلل جواب ہو جائے ۔ان ناقدانہ ابحاث سے قبل کتاب الترغیب والترہیب میں تھانوی جی کی خیانتوں کے چند نمونے پیش خدمت ہیں۔

کتاب الترغیب والترہیب میں دیوبندی خیانتیں :

(۵۹) محمد بن اسحاق احد الائمة الاعلام ۔ محمد بن اسحاق مشاہیر ائمہ سے ہیں۔

الترغیب والترہیب ص ۷۳۰، دار ابن حزم بیروت)

(۶۰)حديثه حسن ۔ابن اسحاق کی حدیث حسن ہے۔ (ایضاً)

(۶۱) قال احمد بن حنبل هو حسن الحديث ۔امام احمد نے فرمایا ان کی حدیث حسن ہے۔ (ایضاً)

(۶۲) قال احمد العجلی ثقة ۔امام احمد عجلی نے کہا ابن اسحاق ثقہ ہیں۔ (ایضاً)

(۶۳) قال علی بن المدینی حدیثه عندی صحیح ۔امام علی بن مدینی نے کہا ابن اسحاق کی حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔ (ایضاً)

(۶۴) قال شعبة ابن اسحاق امیر المؤمنین فی الحدیث ۔امام شعبہ نے کہا، ابن اسحاق حدیث میں مسلمانوں کے بادشاہ ہیں۔ (ایضاً)

(۶۵) قد استشهد به مسلم فی صحیحه بجملة من حدیث ابن اسحاق و صحح له الترمذی حدیث سهل بن حنیف رضی الله تعالیٰ عنه فی المذی. بے شک امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابن اسحاق کی کتنی ہی حدیثوں سے شہادت لی اور امام ترمذی نے حکم مذی میں، سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث محمد بن اسحاق سے روایت کر کے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔ (ایضاً)

(۶۶) احتج به ابن خزیمة فی صحیحه ۔امام الائمہ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ابن اسحاق کو حجت مانا ہے۔ (ایضاً)

(۶۷) وبالجملة فهو ممن اختلف فیه وهو حسن الحدیث ۔غرض ان میں اختلاف ہوا اور قول فیصل یہ ہے کہ ان کی حدیث حسن ہے۔ (ایضاً)

جوہر النقی میں دیوبندی خیانتیں :

(۶۸) جلد اول ص ۲۳۶ ابن اسحاق ثقة اه ملتقطا ۔محمد بن اسحاق ثقہ ہیں۔

(۶۹) قد اخرجه الترمذی من جهة ابن اسحاق و قال حسن صحیح ۔ بے شک امام ترمذی نے ابن اسحاق سے حدیث روایت کر کے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۷۰) و اخرجه ابوداؤد ایضا من جهته و سکت عنه ۔امام ابوداؤد نے بھی ابن اسحاق سے روایت کر کے اس پر سکوت فرمایا۔

سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ نے میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب اور کتاب الترغیب والترہیب و جوہر النقی میں تھانوی جی کی ستر خیانتیں واشگاف فرمائیں اور ان سے امام محمد بن اسحاق کا ثقہ و مقبول اور معتمد و مستند ہونا واضح فرمایا اور اس کے بعد تھانوی جی کا محاسبہ فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

بعون اللہ تعالیٰ وللہ الحمد! مسلمانو! یہ ہیں وہ قاہر و باہر روشن و ظاہر توثیقیں جنھیں اجمال و اہمال کے پردہ میں چھپا کر صرف چند ضعیف و سخیف و مبہم و نامسلم طعن تمھیں دکھائے اس لیے کہ چاند پر خاک ڈالے، تو اکابر ائمہ عظام کی ان عظیم و جلیل توثیقوں کے آفتاب روشن کے حضور طعن بے ثبات کی تاریکی آپ ہی دھواں بن کر اڑ جاتی، یا کم از کم محمد بن اسحاق کی بے وقعتی کے وہم و گمان کو بھی مسلمانوں کے دل میں تنا آنے پاتی ۔خیر چار ہی کتابوں میں ستر خیانتیں تو یہ ہوئیں آگے چلیے۔

ثانیا: ابن اسحاق پر بڑا طعن کذب کا ہے اجلہ ائمہ نے اس کے وہ قاہر جواب ارشاد فرمائے جن کے حضور ہر طالب حق کی گردن جھک جائے اور ایک امام کبیر العلم جلیل الشان کا دامن صدق اس بدنما داغ سے پاک و صاف نظر آئے۔ وہ عالی جوابات انھیں میزان الاعتدال و تہذیب التہذیب کے انھیں ورقوں میں آفتاب روشن کی طرح چمک رہے ہیں اور یہ دونوں کتابیں اس کے پاس بھی ہیں کہ ان

سے بلا واسطت نقل کی ہے۔ یہ تحریر ان جوابوں کی نقل کو لاتی تو اپنے ہی گھر گھروندا بناتی، سارے مکر وفریب کی بناڈ ھاجاتی اور خدا جانے کیا مصیبت کیسی کٹھن پڑی کہ جوابوں کی بالکل نفی بھی نہ بن پڑی ورنہ ایسے کو یہ کہتے کیا لگتا کہ طعن کذب کا کسی نے جواب نہ دیا، بلکہ یہ کہتے کیا باک تھا کہ سب نے قبول کرلیا، مگر امام اجل احمد بن حنبل وامام بخاری وغیرہما اکابر کی برکت کہ اس نے نرا انکار نہ کرنے دیا بلکہ شرمائی ہوئی نظر، چھپی ہوئی نگاہ سے یہ کھسیانی ادا دکھائی کہ دیگر محدثین ان جروح کی تاویلات رکیکہ کرتے ہیں یعنی امام احمد، امام ابن المدینی، وامام بخاری وامام ابن حبان وامام مزی، وامام ذہبی، وامام عسقلانی وامام ابن الہمام حنفی وغیرہم جیسے اکابر ائمہ شان رکیک، لچر پوچ بناوٹوں سے زبردستی ابن اسحاق کو سچا بناتے ہیں۔

میزان وتہذیب میرے سامنے ہے۔ کیوں عوام مسلمین کو دھوکے دیتی ہے، بے ایمانی کی پٹی دیوبندیت کی آنکھ سے اٹھا کر سوچ کر۔ ائمہ حدیث نے تاویلیں کی ہیں یا حق دکھایا ہے، رکیک بناوٹیں کی ہیں، یا قاہر رد فرمایا ہے؟

مسلمانو! ائمہ دین نے محمد بن اسحاق پر طعن کذب کے بارہ قاہر رد فرمائے ہیں جن کو یہ تحریر یکسر اڑا کر رکیک تاویلوں کا آنچل ڈال کر چھپانا چاہتی ہے۔ یہاں اس نے جو جو عبارتیں میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب کی اڑائی ہیں ستر کے بعد ہم ان کا شمار حاشیہ پر کردیں گے۔

اس کے بعد آپ نے یہ بحث فرمائی کہ تھانوی جی کا امام ابن اسحاق پر سب سے بڑا طعن کذب کا ہے اور آپ پر اس طعن کی دو وجہیں ہیں۔ ایک وجہ سلیمان تیمی سے دوسری وجہ یحییٰ اور وہیب اور مالک وہشام سے ہے پہلی وجہ پر آپ نے دو قاہر رد وارقام فرمائے۔ ایک تو یہ کہ سلیمان تیمی نے اس طعن کی کوئی وجہ ذکر نہ کی تو یہ مبہم جرح ہوئی اور تعدیل کے مقابلہ میں مبہم جرح، مردود و نامقبول ہے۔ دوسرے یہ کہ سلیمان تیمی اس فن جرح وتعدیل کے اہل ہی نہیں اس لیے اس سلسلے میں ان کی بات قابل لحاظ نہیں کہ لحاظ اس کی بات کا ہے جو فن جرح و تعدیل کا اہل ہے نہ کہ اہلیت نہ رکھنے والے کا بھی ورنہ پھر دین سے امان اٹھ جائے۔

طعن کی دوسری وجہ کے متعلق آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ یہ وجہ یحییٰ اور وہیب اور مالک وہشام سے ہے اور سب کا مدار وہشام کے بیان پر ہے اور وہ قطعاً مفید و کارآمد نہیں۔ ائمہ حدیث نے دس طریقوں سے اس کا روشن رد فرمایا ہے کہ تھانوی جی اور ان کی برادری اگر انصاف کریں اور دیانت کو بروئے کار لائیں اور ان طریقوں میں عادلانہ اور غائرانہ نظر و فکر کریں تو اس طعن سے رجوع میں حاجت نہیں مگر اس برادری کی خلقی فطرت اور جبلی سرشت عناد و ہٹ دھرمی، تعسف و نفسانیت ہے، دیدہ و دانستہ حقائق کی پردہ پوشی کرتی ہے۔ "متبع ما ألفينا عليه اٰباء نا" کا ورد کرتی ہے ایک عادل و منصف اور دیانت دار کے لیے ائمہ اجلہ کے ارشادات باہرہ بس ہیں۔ امام ابن اسحاق پر تھانوی جی کے طعن کذب اور اس کی دو وجہوں کا بیان اور ان کا دندان شکن رد سیدی سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ کے قلم سے ملاحظہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں:

مسلمانو! ابن اسحاق پر یہ طعن (کذب) دو وجہ پر منقول ہوا۔ ایک سلیمان تیمی سے اس کے دو کھلے رد ہیں۔

رد اول: اس کی کوئی وجہ انھوں نے نہ بتائی۔

(۷۱) تہذیب التہذیب جلد ۹، ص ۴۵

واما سليمان التيمي فلم يتبين لي لأي شئ تكلم فيه "وہ وجہ مجھ پر ظاہر نہ ہوئی کہ سلیمان تیمی نے کس وجہ سے بات کی۔ یہ تو جرح مبہم ہے اور تعدیل کے مقابل مبہم بات مردود ہے خصوصاً ایسے امام کبیر کے حق میں، اس کا واضح بیان انشاء اللہ المستان حصہ

دوم میں آئے گا یہاں اس قدر کافی کہ امام جلال الدین سیوطی تدریب الراوی شرح تقریب امام نووی (ص، ۲۰۲، مدینہ) میں قول مصنف "ولا یقبل الجرح الا مبین السبب" کی مثالوں میں فرماتے ہیں

"قال الصیر فی و کذا إذا قالوا فلان کذاب لابد من بیانه لأن الکذب یحتمل الغلط." (تدریب الراوی، ص۲۰۲، مدینہ) یعنی طعن مقبول نہیں جب تک اس کا سبب بیان نہ کیا جائے۔ امام صیرفی نے کہا مثلاً اگر جرح کرنے والے کسی کو کذاب کہیں تو ضرور ہے کہ اس کی وجہ بیان کریں کہ کذب نادانستہ غلطی کو بھی کہتے ہیں۔

رد دوم : سلمان تیمی اس فن جرح وتعدیل کے اہل ہی نہیں، تو اس میں ان کی بات کا کیا لحاظ۔

(۷۲) امام حافظ الشان تہذیب التہذیب جلد ۹، ص ۴۵ میں فرماتے ہیں:

"سلیمان لیس من اهل الجرح والتعدیل" سلیمان تیمی جرح وتعدیل کے اہل نہیں۔

دوم : یحییٰ و وہیب و مالک و ہشام سے، اس میں مدار صرف بیان ہشام پر ہے باقی تین نے ایک دوسرے کی تقلید کی اور اقرار فرمالیا کہ خود ہم کو کوئی وجہ ابن اسحاق کے کذب کی معلوم نہیں بل کہ ہم نے فلاں کو ایسا کہتے سنا، میزان الاعتدال جلد ۹، ص ۴۵ میں ہے۔

"سلیمان بن داؤد کہتے ہیں یحییٰ قطان نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے، میں نے کہا آپ کو کیا خبر؟ کہا مجھ سے وہیب نے کہا تھا اور میں نے وہیب سے پوچھا تھا کہ تم نے کیوں کر جانا؟ تو کہا مجھ سے مالک بن انس نے فرمایا تھا، اور میں نے مالک سے دریافت کیا تھا کہ آپ کو کیا معلوم؟ تو فرمایا مجھ سے ہشام بن عروہ نے فرمایا تھا اور میں نے ہشام سے استفسار کیا تھا کہ تم کیا جانو؟ تو کہا:

"حدث عن امرأتی فاطمة بنت المنذر و أدخلت علی وهی بنت تسع ومارأها رجل حتی لقیت الله تعالٰی۔ وہ میری زوجہ فاطمہ بنت المنذر سے حدیث روایت کرتا ہے اور فاطمہ نو برس کی تھیں جو میرے گھر بیاہ کر آئیں اور تا دم مرگ کسی نے انھیں نہ دیکھا۔

بس یہ ہے وہ شور وغل جس پر یہ تحریر دیو بند کی زمین سر پر اٹھائے لیتی ہے۔ سارا نچوڑ ہشام کے بیان پر ہے اور وہ اصلاً مفید نہیں ائمہ محدثین نے اس کے دس رد فرمائے ہیں۔

رد اول : (۷۳) امام بخاری ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ قول ہشام سے ثابت نہیں کما سیأتی

رد دوم : ہشام سے جو قول مروی ہوا وہ صریح غلط ہے۔ اس میں ہے کہ فاطمہ بنت المنذر جب میرے پاس بیاہ کر آئیں، نو برس کی تھیں، حالاں کہ وہ اپنے شوہر ہشام سے تیرہ برس بڑی ہیں تو جب وہ نو برس کی تھیں ہشام ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ اس کے چار برس بعد ان کی ولادت ہوئی۔

(۷۴) امام ذہبی میزان جلد ۲، ص ۴۵ ۳ اور تہذیب التہذیب جلد ۹، ص ۴۶

قوله وهی بنت تسع غلط لأنها اکبر من هشام بثلاث عشر سنة۔ ہشام نے فرمایا: فاطمہ مجھ سے تیرہ سال بڑی تھیں۔

رد سوم : فاطمہ پردہ نشیں ضرور تھیں اور انھیں کسی غیر شخص نے نہ دیکھا، مگر اس سے یہ کب لازم آیا کہ کوئی نامحرم ان سے روایت بھی نہ کرے۔ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زائد کس کا پردہ ہوگا۔ پھر صدہا نے ان سے حدیثیں سنیں اور روایت کیں۔

(۷۶) ابن حبان کتاب الثقات میں فرماتے ہیں:

"أما قول هشام فلیس مما یجرح به انسان و ذلك ان التابعین سمعوا من عائشة من غیر أن ینظروا الیها"

تہذیب ج۔۹ ص ۴۵، دار صادر، بیروت۔ ہشام کا قول جرح نہیں کیوں کہ تابعین نے حضرت عائشہ سے سنا بغیر اس کے کہ انھیں دیکھیں۔

رد چہارم: ہشام تو "رجل" کی نفی کرتے ہیں کہ کسی مرد نے انھیں نہ دیکھا۔ "رجل" مرد بالغ کو کہتے ہیں ممکن کہ ابن اسحاق نے اپنی نابالغی میں فاطمہ سے حدیثیں سنی ہوں۔ یہ جواب امام بخاری کے استاذ اجل امام ابن المدینی نے افادہ فرمایا۔

(۷۷) قال علی الذی قال هشام لیس بحجة لعله دخل علی امرأته وهو غلام سمع منها۔ تہذیب امام الحجاج و تہذیب التہذیب ج۔۹ ص ۴۳، دار صادر، بیروت۔

رد پنجم: ہشام عمر بھر کی نفی کیوں کر کر سکتے ہیں۔ ہر وقت تو گھر میں رہتے نہ تھے، کیا دشوار ہے کہ ابن اسحاق حاضر ہوئے اور اذن طلب کیا، فاطمہ نے اذن فرمایا اور پردے کے اندر سے انھیں حدیث سنائی۔ یہ جواب امام احمد و امام بخاری و امام ابن حبان نے افادہ فرمایا۔

(۷۸) امام مزی و تہذیب التہذیب ج۔۹ ص ۴۱، دار صادر، بیروت۔

قال عبدالله فحدثنا ابی بذلك فقال ولم ینكر هشام لعله جاء فاستاذن علیها فأذنت له قال أحسبه قال ولم یعلم۔ ہوسکتا ہے ابن اسحاق نے آکر اجازت طلب کی اور فاطمہ نے اجازت دی اور ہشام کے علم میں یہ بات نہ ہوئی۔

(۷۹) ثقات ابن حبان میں ہے۔

كذلك ابن اسحاق كان سمع من فاطمة والستر بینهما مسبل۔ تہذیب ج۔۹ ص ۴۵۔ ایسے ہی اسحاق نے فاطمہ سے سنا ہو اور دونوں کے مابین پردہ ہو۔

(۸۰) امام بخاری کی عبارت آتی ہے۔

رد ششم: آخر اس زمانہ میں بیبیاں نقاب کے ساتھ مساجد میں آتی ہی جاتی تھیں۔ ممکن ہے کہ ابن اسحاق نے ان سے حدیث سنی ہو۔ اس کی خبر ہشام کو ہونی کیا ضرور۔

(۸۱) امام ذہبی

قلت وما یدری هشام عن عروة فلعله سمع منها فی المسجد۔ میزان الاعتدال۔ ج۔۳ ص ۴۵۴، دار الفکر، بیروت

رد ہفتم: ممکن کہ ابن اسحاق نے فاطمہ سے بذریعہ کتابت روایت کی ہو۔ امام بخاری جزء القراءۃ میں فرماتے ہیں

ولو صح عن هشام جائز ان تكتب إلیه فإن أهل المدینة یرون الكتاب جائزا و جائز ان یكون سمع منها و بینهما حجاب۔ یعنی ہشام سے یہ اعتراض ثابت ہی نہیں، اور اگر بالفرض صحیح ہو تو جائز ہے کہ فاطمہ نے حدیث ابن اسحاق کو بھیجی ہو کہ اہلِ مدینہ بذریعۂ کتابت روایت کو جائز جانتے ہیں اور جائز ہے کہ ابن اسحاق نے پردے کی آڑ سے حدیث سنی ہو۔ تہذیب امام مزی و تہذیب التہذیب۔ جلد ۹، ص ۴۲

رد ہشتم: کچھ بھی سہی محمد بن سوقہ کوئی ثقہ عابد کہ تمام صحاح ستہ کے رجال سے ہیں۔ یہ بھی تو فاطمہ سے روایت فرماتے ہیں انھوں نے کیسے سنی۔

اقول یوں ہی محمد بن اسماعیل بن یسار نے بھی فاطمہ سے حدیث سنی کما فی التہذیب من ترجمتها تو ہشام کا انکار رد ہو گیا۔

(۸۳) ذہبی (۸۴) و امام عسقلانی

قد روی عنها ایضا غیر محمد بن اسحاق من الغرباء محمد بن سوقه۔ المیزان ص ۴۵۴ و تہذیب التہذیب

۴۶/۹۹، دار صادر، بیروت۔ فاطمہ سے محمد بن اسحاق کے علاوہ اور بھی لوگوں نے سنا۔ مثلاً محمد بن سوقہ نے۔

رد نہم: ہشام تو دیکھنے کے منکر ہیں کہ فاطمہ کو کسی غیر نے نہ دیکھا اور ابن اسحاق ان سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ رویت و روایت میں زمین و آسمان کا فرق ہے، پھر اعتراض کیا ہوا۔

(۸۵) امام ذہبی

والرجل فما قال إنه رأها أفبمثل هذا يعتمد على تكذيب رجل من اهل العلم هذا مردود. یعنی ابن اسحاق کب کہتے ہیں کہ میں نے فاطمہ کو دیکھا۔ کیا ایسی بے علاقہ بات سے ایک عالم کی تکذیب پر اعتماد ہوگا؟ یہ مردود ہے۔ میزان الاعتدال۔

(ج۔ ۳، ص ۴۵۵، دار الفکر، بیروت)

رد دہم: سب سے قطع نظر سہی تو ائمہ نے ان پر طعن مقبول نہ رکھا پھر ایسی بات کہ ائمہ ناقدین کے حضور پیش ہو کر رد ہو چکی، اسے دستاویز بنانا، کیوں کر جائز، ایسے مطاعن سنے جائیں تو سلف و خلف میں شاید ہی کوئی امام سلامت بچے۔ سب سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔

(۸۶) یہ جواب امام بخاری نے ارشاد فرمایا، جزء القراۃ میں فرماتے ہیں۔

ولم ينج كثير من الناس من كلام بعض الناس فيهم نحو ما يذكر عن إبراهيم من كلامه فى الشعبى و كلام الشعبى فى عكرمة ولم يلتفت أهل العلم فى هذا النحو الا ببيان وحجة ولم تسقط عدالتهم الا ببرهان وحجة۔ تہذیب امام مزی و تہذیب التہذیب جلد ۹، ص ۴۱، دار صادر، بیروت۔ یعنی اکثر ائمہ وہی ہیں جن پر کسی نہ کسی نے طعن کیا ہے جیسے امام اجل ابراہیم نخعی سے امام اجل شعبی میں کلام منقول ہے اور امام شعبی سے عکرمہ میں، علما ایسی باتوں کی طرف التفات نہیں فرماتے جب تک دلیل و حجت سے ثابت نہ ہو، نہ جن پر طعن ہو بے دلیل و حجت ان کی عدالت ساقط ہوتی۔

مسلمانو! یہ قاہر رد ہیں جن کو یہ دیوبندی تحریر رکیک تاویلیں بتاتی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون "آدمیاں گم شدند"

گذشتہ اوراق اس بات پر شاہد ہیں کہ امام محمد بن اسحاق پر تھانوی جی نے جو کذب کا طعن کیا تھا اس کی دو وجہیں تھیں۔ افتقا امت سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ نے بارہ طریقوں سے اس کا ایسا رد بلیغ فرمایا کہ تھانوی جی کے لیے مجال دم زدن نہیں۔ اس کے بعد آپ نے یہ انکشاف فرمایا کہ امام محمد بن اسحاق پر ایک دوسرا طعن دجل کا بھی ہے جو امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے اور دیوبندی برادری اس طعن کا سہارا لے کر امام محمد بن اسحاق کو مجروح و مطعون قرار دینے میں طرح طرح کی ریشہ دوانیاں کرتی ہے اور ان کی روایت کو قابل اعتنا نہیں جانتی مگر افتقا امت سیدی سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ کی اسماء الرجال میں مہارت تامہ کی داد دیجیے۔ آپ نے اس دجل کو بھی بے نقاب فرمایا اور ائمہ کرام سے اس کے چھ رد ارقام فرمائے جس سے یہ طعن خود مطعون و مردود ونا قابل قبول ہو جاتا ہے۔

یہ طعن **اولاً** تو اس لیے مردود ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ سے یہ طعن پایہ ثبوت تک نہیں پہونچتا بلکہ طعن کا تحقق نہ ہونا ہی قرین قیاس ہے۔

ثانیاً امام مالک نے اس طعن سے رجوع فرمالیا اور ان سے صلح کرلی۔ **ثالثاً** بالفرض امام مالک کا رجوع نہ سہی تو بسا اوقات امام ناقد کسی دوسرے امام پر کسی خاص وجہ سے کسی ایک مخصوص قضیہ میں طعن فرماتا ہے اور وہ طعن اسی قدر پر منحصر رہتا ہے، باقی امور میں اسے مطعون نہیں جانتا، بلکہ اسے مقبول جانتا ہے یہاں تک کہ وہ خود اس سے احادیث اخذ کرتا ہے۔

رابعاً امام مالک کو ابن اسحاق سے واقفیت نہ تھی۔

خامساً امام مالک نے اعتراض امام ابن اسحاق کی حدیث پر نہیں بل کہ امام کا اعتراض امام ابن اسحاق پر مذہب قدر کی تہمت کے سبب ہے اور گزشتہ اوراق میں گزر چکا کہ امام ابن اسحاق کی طرف مذہب قدر کی نسبت محض خیال ہی خیال ہے، وہ تو مذہب قدر سے حد درجہ دور رفتہ تھے۔

سادساً علمائے کرام نے امام ابن اسحاق پر امام مالک کا دجل کا طعن مقبول نہ رکھا۔ آپ ائمہ عظام کی شہادتوں کی روشنی میں اس طعن کا محاسبہ فرماتے ہوئے اور اس کا روشن رد فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ثالثاً : دوسرا طعن دجل کا ہے کہ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہوا ائمہ کرام نے اس کے چھ رد ارشاد فرمائے۔

رد اول : امام بخاری فرماتے ہیں، امام مالک سے اس کا ثبوت تحقیق نہیں بل کہ ثابت نہ ہونا ہی قرین قیاس ہے، اس کے بطلان پر قرینہ موجود ہے جیسا کہ ۳۰ و ۳۱ میں گزرا۔ امام محقق حنفیہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں، امام مالک سے محمد بن اسحاق پر طعن ثابت نہیں جیسا کہ گذارش سوم میں گزرا۔

رد دوم : امام مالک نے اس سے رجوع فرمایا۔ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر جلد اول ص ۹۲ فصل فی استحباب التعجیل پر رقم طراز ہیں۔

ذکرہ ابن حبان فی الثقات و إن مالکا رجع عن الکلام فی ابن اسحاق و اصطلح معہ و بعث إلیہ ھدیۃ و ذکرھا ابن حبان ۔ ابن حبان نے محمد بن اسحاق کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور یہ کہ امام مالک نے ابن اسحاق پر طعن سے رجوع کرلیا ہے اور ان سے صلح فرمائی اور انھیں ہدیہ بھیجا۔ ابن حبان نے وہ ہدیہ بھی بتایا ہے۔

(۸۷) ابن حبان کتاب الثقات میں فرماتے ہیں:

أما مالک فإن ذلک کان منہ مرۃ واحدۃ ثم عادلہ إلی ما یحب ولم یکن یقدح فیہ من أجل الحدیث إنما کان ینکر تتبعہ غزوات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من او لاد الیہود الذین أسلموا وحفظوا قصۃ خیبر وغیرھا و کان ابن إسحاق یتتبع ھذا منھم من غیر أن یحتج بھم وکان مالک لا یری الروایۃ إلا عن متقن ۔تہذیب جلد ۹، ص ۴۵، دار صادر، بیروت۔ امام مالک نے ایک بار محمد بن اسحاق پر طعن کیا [illegible] اسحاق کے محبوب برتاؤ کی طرف رجوع فرمایا، مالک کا طعن ان پر حدیث میں نہ تھا بلکہ یہ بات ناپسند تھی کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غزوات کے قصے یہود کی اولاد سے پوچھتے جو اسلام لے آئے اور ان کو خیبر وغیرہ کے غزوات یاد تھے۔ ابن اسحاق کا یہ پوچھنا بھی اس طور پر نہ تھا کہ ان لڑکوں کا بیان حجت سمجھتے مگر مالک روایت ایسوں ہی سے روا رکھتے تھے، جو نہایت ضبط و متانت والے [illegible] اسحاق کی صرف اس بات پر امام مالک کا انکار تھا۔

رد سوم : بالفرض رجوع نہ بھی سہی تو امام ناقد کبھی کسی امام پر کسی وجہ خاص سے ایک امر خاص میں طعن فرماتا ہے اور وہ طعن اسی بات پر مقتصر رہتا ہے، باقی امور میں وہ بھی اسے مقبول رکھتا یہاں تک کہ خود اس سے احادیث اخذ کرتا ہے۔

(۸۸) یہ جواب امام بخاری نے ارشاد فرمایا، جزء القرأۃ میں فرماتے ہیں:

لوصح عن مالک تناولہ من ابن إسحاق فلربما یتکلم ا لانسان فیرمی صاحبہ بشیء ولا یتھمہ فی الأمور کلھا قال إبراھیم بن المنذر عن محمد بن فلیح نھانی مالک عن شیخین من قریش و قد أکثر

عنها في الموطا وهما ممن يحتج بهما. یعنی اول تو امام مالک سے ابن اسحاق پر طعن ثابت نہیں اور اگر بالفرض صحیح بھی ہو تو ایسا بارہا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کسی رفیق پر کسی ایک خاص بات پر طعن کرتا ہے اور سب باتوں میں اسے متہم نہیں سمجھتا ہے۔ محمد بن فلیح کہتے ہیں انھیں امام مالک نے مجھے دو قریشی عالموں سے روایت کو منع فرمایا اور خود موطا میں ان سے بکثرت روایت فرمائیں اور فی الواقع وہ دونوں حجت ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج۔۹ ص ۴۱، دار صادر، بیروت، ونصب الرأیۃ لاحادیث الھدایۃ آخر کتاب الوصایا ج۔۴ ص ۴۱۶، المکتبۃ الاسلامیہ)

رد چہارم : امام مالک کو ابن اسحاق سے واقفیت نہ تھی، ابن اسحاق مدینہ طیبہ میں نہ رہے، ابتدا ہی میں کوفہ، جزیرہ، ری و بغداد کی طرف کوچ کیا اور بغداد شریف ہی میں قیام پذیر ہوئے۔ وہیں وفات پائی انھوں نے مدینہ طیبہ میں کون سی حدیث روایت کی کہ امام مالک انھیں جانچتے۔ یہ رد امام بخاری کے استاذ امام علی بن عبداللہ نے ارشاد فرمایا اور ان کا یہ قول میزان الاعتدال سے ص ۱۸ میں اور تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۲ سے ۳۸ نمبر میں گزرا کہ فرمایا۔

"مالك لم يجالسه ولم يعرفه ." (میزان الاعتدال ج۔۳ ص ٤٥٨ دار الفکر، بیروت، تہذیب التہذیب ج۔۹ ص ٤٦، دار صادر، بیروت) تہذیب التہذیب میں امام ابن سعد سے ہے كان خرج من المدينة قديما فأتى الكوفة والجزيرة والرى و بغداد فأقام بها حتى مات بها سنة ١٥١ (تہذیب التہذیب ج۔۹ ص ٤٤ دار صادر، بیروت)

رد پنجم : امام کا اعتراض ان کی حدیث پر نہیں، بلکہ مذہب قدر کی تہمت کے سبب ہے، یہ جواب امام عبدالرحمٰن بن ابراہیم استاذ امام بخاری نے ارشاد فرمایا، اور امام مصعب زبیری استاذ الاستاذ امام بخاری و استاذ امام ابن معین نے تو مطلق فرمایا کہ ابن اسحاق پر جس نے طعن کیا بوجہ حدیث نہ تھا۔ مزی ص ۹۱ و عسقلانی جلد ۹ ص ۴۲ "قال ابو زرعة الدمشقي ذاكرت رحيما قول مالك فيه فرأى أن ذلك ليس للحديث إنما هو لانه اتهمه بالقدر. ایضاً صفحہ مذکورہ۔ قال ابراهيم الحربي حدثني مصعب قال كانوا يطعنون عليه بشئي من غير جنس الحديث ." اور نمبر ۷ میں گزرا کہ مذہب قدر کی ان کی طرف نسبت بھی محض خیال ہی خیال تھی وہ سب سے زیادہ اس سے دور تھے اور اس سے مفصل جواب حصہ دوم میں آتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

رد ششم : وہی جو طعن کذب کا رد وہم تھا کہ سب جانے دو، آخر علمائے کرام نے طعن کو مقبول نہ رکھا تو اس سے استناد جہل وخرط القتاد۔ یہ جواب امام محقق علی الاطلاق نے ارشاد فرمایا اور رد دوم میں امام بخاری کا ارشاد اس کے موافق ہے۔ فتح القدیر کا کلام گزارش سوم میں گزرا اور اس کا تتمہ یہ ہے۔

وروى عنه مثل الثورى و إبن ادريس و حماد بن زيد و يزيد بن زريع و ابن علية و عبدالوارث و ابن المبارك و احتمله أحمد و ابن معين وعامة أهل الحديث (فتح القدیر ج۔۱ ص ۲۳۱، فصل فی استحباب التعجیل، مرکز اہل سنت، برکات رضا) اگر ابن اسحاق پر امام کا طعن ثابت فرض کر لیں تو علما نے اسے مقبول نہ رکھا اور کیوں کر قبول ہو حالانکہ امام شعبہ ابن اسحاق کو حدیث میں مسلمانوں کا بادشاہ کہتے اور ان سے امام اجل سفیان ثوری و ابن ادریس و حماد بن زید و یزید بن زریع و ابن علیہ و عبد الوارث و امام اجل عبداللہ بن مبارک جیسے اکابر نے حدیث روایت کی اور امام اجل احمد بن حنبل و امام ابن معین اور عامۂ علمائے محدثین نے ان کو مقبول رکھا۔"

سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ نے امام ابن اسحاق پر طعن کذب کے بارہ (۱۲) رد ارقام فرمائے اور طعن دجل کے چھ رد تحریر

فرمائے۔ یہ کل اٹھارہ رد ہوئے جو اکابر ائمہ کرام کے ارشادات ہیں۔اس کے بعد آپ نے مزید دو رد ارقام فرمائے تاکہ بیس کا عدد کامل ہو کہ تھانوی جی کے رد میں اکثر بیس کا عدد ملحوظ رہا۔آپ وہ دو رد ارشاد فرمانے سے قبل نکہت بار ہیں۔

مسلمانو! یہ وہ جلیل ارشادات ہیں جن کو یہ تحریر تاویلات رکیکہ کہتی ہے۔ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔"

فائدہ: یہ اٹھارہ رد ہیں کہ اکابر ائمہ نے ارشاد فرمائے۔کان پوری تحریر کو متعدد ثقات نے بیان کیا کہ جناب مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کی ہے، جو کسی نامعروف شخص سے نسبت کردی ہے۔جناب تھانوی صاحب کے رد میں اکثر بیس کا عدد ملحوظ رہا جیسا کہ رسائل ظفر الدین الجید وظفر الدین الطیب، وکین کش پنجہ پیچ، وبارش سنگی وپیکان جاں گداز وغیرہا سے ظاہر ہے۔لہٰذا مناسب کہ دو رد انھیں کے طرز کے اور اضافہ کریں کہ بیس کا عدد کامل ہو۔

رد نوزدہم: یحییٰ القطان سے ہشام کی حکایت مذکورہ کے راوی ابوداؤد طیالسی ہیں، ان کی نسبت ائمہ محدثین کے یہ خیالات ہیں۔حافظ الحدیث ابراہیم بن سعید جوہری نے فرمایا۔

أخطأ أبو داؤد فی ألف حدیث۔طیالسی نے ایک ہزار حدیثوں میں خطا کی۔(میزان الاعتدال ج۔۲ص ۱۶۰، دار الفکر، بیروت، تہذیب التہذیب ج۔۴ص ۱۸۴، دار صادر، بیروت)

امام ابو حاتم رازی نے فرمایا:

کان کثیر الخطاء۔ان کی خطائیں کثیر تھیں۔(تہذیب التہذیب ج۔۴ص ۱۸۵، دار صادر، بیروت، میزان الاعتدال ج۔۲ص ۱۶۰، دار الفکر، بیروت)

امام محمد بن منہال نے فرمایا: کنت أتهم أباداؤد میں ان کو متہم سمجھتا ہوں۔(میزان الاعتدال ج۔ ۲ص ۱۶۰، دار الفکر، بیروت) مجھ سے اقرار کیا کہ میں نے ابن عون سے کچھ نہ سنا۔پھر میں نے سال بھر وقفہ دیا کہ وہ اپنا کہا بھول جائیں، اس کے بعد پوچھا تم نے ابن عون سے حدیث سنی؟ کہا ہاں۔بیس سے زائد حدیثیں ہیں۔میں نے کہا کیا انھوں نے گنائیں؟ توان میں سے کوئی حدیث ابن عون کی نہ تھی سب یزید بن زریع کی تھیں، سوائے ایک کے کہ خدا جانے کس کی تھی۔امام یزید بن زریع نے کہا وہ حدیثیں کہ ہم نے شعبہ سے سنی تھیں میں نے طیالسی سے بیان کیں طیالسی نے انھیں مجھ سے لکھ لیا پھر خود انھیں شعبہ سے روایت کرنا شروع کر دیا۔

رد بستم: ابوداؤد طیالسی سے اس کے راوی ابوقلابہ رقاشی ہیں۔امام دارقطنی نے فرمایا

صدوق کثیر الخطأ فی الأسانید و المتون کان یحدث من حفظه فکثرت الأوهام فی روایته۔ہیں تو بہت سچے مگر سندوں اور حدیثوں سب میں بکثرت خطا کرتے ہیں، یاد پر حدیث روایت کرتے تو ان کی روایت میں بہت اغلاط واقع ہوتے۔(تہذیب التہذیب ج۔۶ص ۴۲۰، دار صادر، بیروت)

امام ابن خزیمہ نے فرمایا

حدثنا أبو قلابة القاضی ابوبکر بالبصرة قبل ان یختلط و یخرج إلی بغداد یعنی جب سے وہ بغداد گئے ان کی عقل سلامت نہ رہی۔(تہذیب التہذیب ج۔٦ص ٤٢١، دار صادر، بیروت)

ابوالقاسم ابن بنت منیع سے مروی عندی عن أبی قلابة عشرة أجزاء ما منها حدیث مسلم إما فی الإسناد و إما فی المتن۔ میرے پاس ابوقلابہ کی روایت سے دس جز ہیں جن میں کوئی حدیث سلامت نہیں، یا سند میں کوئی خطا ہے یا اصل حدیث

ہیں۔(تہذیب التہذیب ج۔۶ ص ۴۲۱، دار صادر، بیروت)

امام ابن اسحاق پر کذب و دجل کے طعن کا بیس رد فرمانے کے بعد افقہ امت سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ امام ابن اسحاق کی توثیق ثابت کرنے کی ایسی ضرورت نہ تھی وہ تو ائمہ حنفیہ اور عامۂ محققین و محدثین کے نزدیک ثابت شدہ ہے بلکہ دراصل یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ تھانوی جی کی اس تحریر بے لگام نے تمام مذہب حنفی کا صفایا کر دیا، تمام ائمہ حنفی مجروح و غیر ثقہ کر دیے، امام اعظم، امام ابو یوسف و امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ سب کو ہمیشہ کے لیے رد کر دیا۔ اب اگر اس کے جواب میں وہ مدحیں اور توثیقیں پیش کی جائیں جو اکابر ائمہ نے ہمارے ائمہ کرام کی شان میں لکھیں اور طعن کے وہ قاہر رد سنائے جائیں جو انھوں نے ارشاد فرمائے تو اس پر دیوبندیہ کا یہ جواب ہوتا ہے کہ دیگر ائمہ محدثین، ابو حنیفہ و ابو یوسف و محمد کی توثیق بھی کرتے ہیں اور ان کی جرحوں کی رکیک تاویلیں بھی کرتے ہیں تو ائمہ محدثین کی یہ جرحیں بالکل معدوم نہ ہو جائیں گی اس لیے ابو حنیفہ و ابو یوسف و محمد ہر ایک اگر معاذ اللہ کذاب نہ ہوگا تو متہم بالکذب ضرور ہوگا اور اگر بدعتی نہ ہوگا تو متہم بالبدعۃ ضرور ہوگا۔ افقہ امت سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہ نے اس مطلق العنان تحریر کا شدید محاسبہ فرمایا اور اس پر ایک تفصیلی بحث فرمائی اور کچھ شواہد پیش فرمانے کے بعد خاتمۂ بحث میں دیو بندیہ کو ایک دندان شکن جواب دیا کہ اگر متہم کی توسیع ایسی ہی چلی تو پھر رجال بخاری کا کیا شمار خود امام بخاری کب بچتے ہیں؟ کیا نہ دیکھا کہ امام المحدثین، سید الفقہا، امام اجل ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلمیذ، سلمہ اندلسی نے کتاب الصلہ میں ان کی نسبت کیا کیا کہا آپ رقم طراز ہیں:

دیوبندی تحریر پہلے آپ کے سب راستے بند کر چکی ہے امام اعظم و صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسمائے طیبہ لے کر اپنی چھاتی کی دبی آگ کا بخار نہ نکالا کہ یوں تو ہر حنفی بھڑک جاتا، بلکہ سامان پورے ٹھیک کر لیے اور دوسرے پر ڈھال کر وار کیے اور دوسرا بھی وہ تجویز کیا جو امام اعظم کا ہم استاذ، صاحبین کا استاذ و استاذ الاستاذ محمد بن اسحاق، ہمارے امام اور وہ ایک ہی جگہ رہتے تھے یعنی بغداد مقدس، اور ایک ہی زمانہ وفات ہے یعنی ۱۵۰ھ یا ابن اسحاق کی وفات دو ایک برس بعد تاکہ ادھر تو تم کو اس پر جمالے کہ جب کچھ محدثین نے ایک امام پر جرحیں کر دیں تو اوروں کی توثیقیں ان کو معدوم نہیں کر سکتیں اوروں کے جواب کیسے ہی قوی و روشن ہوں، رکیک تاویلیں ٹھہریں، وہ مجروح اگر چنیں و چناں نہ ہوا تو متہم تو ضرور ہوا۔ اور ادھر اپنے سگوں سوتیلوں کو ہلکا رو دے کہ اب ابو حنیفہ پر طعن کی بوچھار کرو اور ابو یوسف و محمد پر بھرمار کرو، تمھارے دلوں میں تو وہ ناپاک اصول جما ہی چکی ہے، بعینہ وہی کام آجائیں گے اور تینوں امام زیادہ نہیں تو معاذ اللہ متہم بالکذب تو ضرور ٹھہر جائیں گے اور متہم بالکذب وہ بدتر درجہ ہے کہ ضعیف و متروک ساقط و ہالک سے بھی گیا گزرا ہے اس کے بعد کھلے وضاع، کذاب کا مرتبہ ہے۔(دیکھو تقریب و میزان وغیرہا کتب فن)

اور امام جلال الدین سیوطی، و امام بدر الدین زرکشی وغیرہا ائمہ متہم بالکذب کی حدیث کو موضوع ٹھہراتے ہیں تو حنفیہ کے اماموں کی سب حدیثیں موضوع ٹھہریں، اور مطلقاً مردود ہونے میں تو کچھ شک نہ رہا۔ رہی فقہ اس کے امام کا دین خدا میں امین و معتمد ہونا قطعاً ضرور اور متہم بالکذب امین و معتمد نہیں، لہٰذا فقہ حنفی بھی باطل اور ابو حنیفہ و ابو یوسف و محمد کی تقلید حرام۔

مسلمانو! اب تو اس کی چال سمجھے۔ دیکھو اسی دن کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا" فإياكم و إياهم لا يضلونكم ولا يفتنونكم ." (مشکوٰۃ المصابیح ج۔۱ ص ۹، دار الفکر، بیروت، کنز العمال ج۔۱ حدیث۔ ۲۹۰۲۴، بیت الافکار، الدولیہ، الریاض) ان سے دور بھاگو اور انھیں اپنے سے دور کرو وہ تمھیں گمراہ نہ کر دیں، وہ تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ والعياذ بالله رب العالمين ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم .

مسلمانو! دیوبندی چوٹ نہ فقط مذہب حنفی بلکہ صحیح بخاری وصحیح مسلم پر بھی بہت گہری ہے۔اس کے طور پر صحیحین میں بھی کذاب وضاع بھرے پڑے ہیں ورنہ کم از کم متہم بالکذب والوضع تو ضرور ہیں تو صحیح بخاری ومسلم کی حدیثیں صحیح ہونا بالائے طاق، اصلاً قابل اعتبار بھی نہیں، موضوع ومردود واہیات ہیں مثلاً رجال صحیحین سے احمد بن عیسی تستری ہیں۔قال أبو داوٗدکان یحیی بن معین یحلف بالله أنه کذاب (تہذیب التہذیب ج۔۱ ص۔٦٥،دارصادر، بیروت ومیزان الاعتدال ج۔۱ ص۱۰۳،دارالفکر،بیروت)

قال أبوزرعة ما رأیت اهل مصر یشکون فی أنه و أشار إلی لسانه۔ (میزان الاعتدال ج۔۱ص۱۰۳، دارالفکر، بیروت)

اسماعیل بن ابی اویس۔ قال یحییٰ بن معین ابن أبی أویس و أبوه یسرقان الحدیث و قال أیضا مخلط یکذب و قال النضر بن سلمة المروزی ابن أبی أویس کذاب (میزان الاعتدال ج۔۱ص ٢٤٢،دارالفکر، بیروت، تہذیب التہذیب، ج۔۹ ص۔ ۲۸۰،دارصادر، بیروت) و قال الازدی حدثنی سیف بن محمد أن ابن أبی أویس کان یضع الحدیث و قال سلمة بن شبیب سمعت إسماعیل بن أبی أویس یقول ربما کنت أضع الحدیث لأهل المدینة إذا اختلفوا فی شئی فیما بینهم۔

شجاع ابن الولید ابوبدر۔قال الإمام أحمد لقیه ابن معین یوما فقال له یا کذاب۔ (تہذیب التہذیب ج۔٤ ص٣١٤،دارصادر، بیروت)

عبدالحمید الاصبحی ابوبکر الاعشی۔قال الازدی فی ضعفائه أبوبکر الأعشی یضع الحدیث۔(میزان الاعتدال ج۔۲ ص٤١٤ ،دارالفکر، بیروت)

عبدالرزاق بن همام قال العباس بن عبدالعظیم العنبری والله الذی لا إله إلا هو أن عبدالرزاق کذاب و قال زید بن المبارک کان عبدالرزاق کذابا یسرق الحدیث (میزان الاعتدال ج۔۲ ص٤٧٢،دارالفکر، بیروت، تہذیب التہذیب ج۔٦ ص٣١٥،دارصادر، بیروت)۔

عکرمة مولی ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما۔قال ابن لهیعة عن أبی الأسود کانوا یقولون ما أکذبه و قال أبو خلف الخزار عن یحیی البکاء سمعت ابن عمر یقول لنافع لا تکذب علی کما کذب عکرمة علی ابن عباس و قال إبراهیم بن سعد عن أبیه عن سعید بن المسیب انه کان یقول لغلامه بردیا برد لا تکذب علی کما یکذب عکرمة علی ابن عباس و قال جریر بن عبدالحمید عن یزیدبن أبی زیاد دخلت علی علی بن عبدالله بن عباس وعکرمة مقید علی باب الحش قلت ما لهذا قال إنه یکذب علی أبی و رد أیضا عن عبدالله بن الحارث أنه دخل علی علی الخ۔ وقال القاسم بن محمد بن الصدیق إن عکرمة کذاب یحدث غدوة حدیثا و یخالفه عشیة و قال محمد بن سیرین ما یسوٗنی أن یدخل الجنة ولکنه کذاب و قال سعید بن المسیب کذب مخبثان و قال عطاء و سعید بن جبیر کذب عکرمة و قال یحیی بن سعید الانصاری کان کذابا۔(تہذیب التہذیب ج۔۷ ص ٢٦٧تا٢٦٨،میزان الاعتدال ج ۳،ص۹۳تا۹۵،)

نافع ذاك الثقة الإمام قال سالم بن عبدالله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهم کذب العبد علی أبی

نوف البکالي قال ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما کذب عدو الله۔
(شرح معانی الآثار ج۔۲ ص۲۵،باب وطی النساء فی ادبارہن)

رجال بخاری سے احمد بن صالح۔ قال النسائی لیس بثقة و لا مامون ترکه محمد بن یحیي و رماه یحیی بالکذب و قال أخبرني معاوية بن صالح قال سألت يحيى بن معين عن احمد بن صالح فقال كذاب يتفلسف۔ (تہذیب التہذیب ج۔۱ ص۴۱،دار صادر، بیروت، میزان الاعتدال ج۔۱ ص۔۱۳۰، دار الفکر، بیروت)

اسباط ابوالیسع۔ کذبه یحیی بن معین۔ (تہذیب التہذیب ج۔۱ ص۲۱۲،دار صادر، بیروت)

اسید بن زید۔ قال ابن الجنید عن ابن معین کذاب أتیته ببغداد فسمعته یحدثه بأحادیث کذب و قال ابن حبان یسرق الحدیث۔ (تہذیب التہذیب، ج۔۱ ص۳۴۴۔۳۴۵،دار صادر، بیروت، میزان الاعتدال ج۔۱ ص ۲۷۳ دار الفکر، بیروت)

حسن بن مدرک۔ قال أبوداؤد کان کذابا یأخذ أحادیث فهد بن عوف فیلقیها علی یحیی بن حماد۔ (تہذیب التہذیب ج۔۲ ص۳۲۱۔۳۲۲،دار صادر، بیروت، میزان الاعتدال ج۔۱ ص۵۱۷، دار الفکر، بیروت)

عبدالله بن صالح۔ کاتب اللیث قال صالح جزرة کان ابن معین یوثقه و عندي أنه یکذب فی الحدیث۔ (تہذیب التہذیب ج۔۵ ص۲۵۸،دار صادر، بیروت، میزان الاعتدال ج۔۲ ص۳۳۸، دار الفکر، بیروت)

علی بن عبدالله۔ ذلك الجبل الشامخ قال المروزی سمعت أحمد یکذبه۔
(تہذیب التہذیب ج۔۷ ص۳۵۴،دار صادر، بیروت)

نعیم بن احمد نسبه أبوبشر الدو لابی الحافظ إلى الوضع وقال الأزدی فی الضعفاء کان نعیم یضع الحدیث فی تقویة السنة و حکایات مزورة فی مثالب النعمان کلها کذاب اه۔ أي فی مثالب الإمام الاعظم رضی الله تعالیٰ عن الإمام الاعظم۔ (تہذیب التہذیب ج۔۸ ص۵۲۹،دار صادر، بیروت، میزان الاعتدال ج۔۴ ص۲۴۸، دار الفکر، بیروت)

رجال مسلم سے احمد بن عبدالرحمن بن وهب۔ قال زکریا بن یحیی البلخي قیل لمحمد بن إبراهیم البوشنجي إن احمد بن عبدالرحمن حدث بکتاب الفتن عن ابن وهب قال فهذا کذاب إذا۔
(تہذیب التہذیب ج۔۱ ص۵۶،دار صادر، بیروت)

جراح بن الملیح قال الإدریسی فی تاریخ سمرقند إن ابن معین کذبه و قال کان وضاعاً للحدیث و قال ابن حبان کان یقلب الأسانید زعم یحیی أنه کان وضاعا للحدیث۔ (تہذیب التہذیب ج۔۲ ص۶۸،دار صادر، بیروت)

خلف بن خلیفة قال أحمد قال رجل لسفیان بن عیینة خلف بن خلیفة یزعم أنه رای عمرو بن حریث فقال کذاب۔ (تہذیب التہذیب ج۔۳ ص۱۵۱،دار صادر، بیروت)

محمد بن حاتم السمین قال یحیی و ابن المدینی هو کذاب۔ (تہذیب التہذیب ج۔۹ ص۱۰۲،

دار صادر، بیروت، میزان الاعتدال ج۔۳ ص ٤٨٤، دار الفکر، بیروت)

حاشا للہ واستغفر اللہ، معاذ اللہ کہ یہ جروح ہمیں مقبول ہوں ہرگز نہ ان میں کوئی کذاب ہے، نہ ابن اسحاق کذاب، نہ ان میں کوئی متہم ہے، نہ ابن اسحاق متہم ان میں اکثر ثقہ اور بعض تو ائمہ اجلہ، اور باقی صدوق ومقبول ہیں اور ابن اسحاق ثقہ، ثقہ، ثقہ، صدوق، صدوق، صدوق۔ مگر دیوبندی تحریر کا ظلم دکھانا ہے کہ اسے محمد بن اسحاق سے غرض ہے نہ اذان سے کام بلکہ وہ تو امام اعظم وامام ابو یوسف وامام محمد وصحیح بخاری وصحیح مسلم کورد کرنے اٹھی ہے۔

اور متہم کی ایسی ہی توسیع چلی تو رجال بخاری کی کیا گنتی! خود امام بخاری کب بچتے ہیں؟ کیا نہ دیکھا کہ امام المحدثین، سید الفقہا، امام اجل ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تلمیذ سلمہ اندلسی نے کتاب الصلہ میں ان کی نسبت کیا کیا کہا؟ تو اس دیوبندی تحریر کے طور پر امام بخاری معاذ اللہ، معاذ اللہ.....اور اور.....نہ ٹھہرے تو متہم بہ.......... ومتہم بہ.......... ومتہم بہ..........تو ضرور ٹھہریں گے..........ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

تھانوی جی نے امام ابن اسحاق کا تشیع نقل کرنے میں جو فریب دہی کی ہے وہ انھیں کا خاص حصہ ہے۔ تقریب امام ابن حجر سے یہ نقل کیا کہ امام ابن اسحاق تشیع کے ساتھ متہم ہیں تاکہ سادہ لوح عوام اس امام کبیر الشان کو معاذ اللہ رافضی جانیں کہ جدید محاورہ میں روافض ہی کو شیعہ کہتے ہیں جب کہ ائمہ جرح وتعدیل کی اصطلاح میں رافضی اور شیعی میں زمین وآسمان کا فرق ہے تو امام ابن اسحاق کو بلفظ شیعی تعبیر کرنا اور ائمہ کرام کی اصطلاح نہ بتانا ضرور عام مسلمانوں کو فریب دینا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں ایک پوشیدہ چال یہ بھی ہے کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم کی وقعت عوام کی نظروں میں کم ہو کہ ان کے رجال بکثرت وہ ہیں جن کو شیعی کہا گیا کہ ان کے رواۃ میں بے شمار ایسے لوگ ہیں جنھیں اصطلاح قدما پر بلفظ تشیع ذکر کیا جاتا یہاں تک کہ تدریب میں حاکم سے نقل کیا" کتاب مسلم ملان من الشیعۃ" مسلم کی کتاب شیعوں سے بھری ہوئی ہے۔ (تدریب الراوی شرح تقریب النواوی روایۃ المبتدع مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیۃ لاہور ۱/۳۲۵)

سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ نے اصطلاح محدثین وائمہ جرح وتعدیل پر روشنی ڈالی اور رافضی اور شیعی کا فرق واضح فرما کر اس فریب کو واشگاف فرمایا جیسا کہ رقم طراز ہیں۔

مسلمانو! اس نے ابن اسحاق کا تشیع نقل کرنے میں سخت فریب دہی کی چال کھیلی ہے۔ تقریب امام ابن حجر سے یہ نقل کرلائی کہ تشیع کے ساتھ متہم ہے تاکہ عوام بے چارے اس امام جلیل کو معاذ اللہ رافضی جانیں کہ محاورۂ جدیدہ میں روافض ہی کو شیعہ کہتے ہیں اور ائمہ جرح وتعدیل کے محاورہ میں شیعی وہ ہے کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل جانتا ہے۔ اور شک نہیں کہ یہ اگرچہ بعض اہل سنت خصوصاً بہت ائمہ کوفہ مثل امام سفیان ثوری وامام سلیمن اعمش وغیرہما رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے ایسے تشیع کو بدعت وبدمذہبی بھی نہیں کہہ سکتے مقاصد میں ہے۔

"الأفضلية عندنا بترتيب الخلافة مع تردد فيمابين عثمان و على رضى الله تعالىٰ عنهما. (مقاصد مع شرح مقاصد ج۔۵ ص ۲۹۰، عالم الکتب، بیروت)

شرح مقاصد میں ہے۔

"قال اهل السنة الأفضل ابوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم على و قد مال البعض منهم إلى تفضيل على على عثمان رضى الله تعالىٰ عنهما والبعض إلى التوقف فيما بينهما." (شرح مقاصد ج۔۵ ص۲۹۱، عالم الکتب، بیروت)

اسی میں امام الحرمین سے ہے۔

تتعارض الظنون فی عثمان و علی رضی الله تعالیٰ عنهما۔ (شرح مقاصد ج۔۵ ص۲۹۱، عالم الکتب، بیروت)

صواعق میں ہے۔

"أطبق عظماء الملة وعلماء الأمة أن أفضل هذه الأمة أبوبكر الصديق ثم عمر ثم اختلفوا فا لأكثرون منهم الشافعي و أحمد و هو المشهور عن مالك أن الأفضل بعدهما عثمان ثم علي و جزم الكوفيون منهم سفيان الثوري بتفضيل علي على عثمان و قيل بالوقف عن التفاضل بينهما وهو رواية عن مالك۔" (الصواعق المحرقۃ ص۳۴،)

تہذیب التہذیب ترجمہ امام اعمش استاذ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں ہے "کان فیہ تشیع" ہاں اگر حضرت مولیٰ کو حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر تفضیل دے جسے ہمارے عرف میں تفضیلیہ کہتے ہیں، اسے ائمہ جرح و تعدیل شیعی غالی اور کبھی رافضی کہتے ہیں۔ پھر اگر تبرائی ہو تو رافضی غالی ہے۔ خود امام ابن حجر نے ان اصطلاحات کی تصریح فرمائی۔ ہدی الساری ص ۵۴۱ میں فرماتے ہیں:

التشيع محبة علي و تقديمه على الصحابة فمن قدمه على أبي بكر و عمر فهو غال في تشيعه و يطلق عليه رافضي و الافشيعي فإن انضاف إلى ذلك السب أو التصريح بالبغض فغال في الرفض" زيادة تفصيل هذا المقام في التحريرات الحديثة لحضرة مجدد المأة الحاضرة حفظه الله تعالىٰ۔ بالجملہ شک نہیں کہ ائمہ مذکورین کی اصطلاح میں رافضی و شیعی میں زمین وآسمان کا فرق ہے لہٰذا جب ابو اسماعیل انصاری نے حاکم (محمد ابن عبد اللہ الضبی المنیشاپوری) کو کہا۔ إمام في الحديث رافضي خبيث۔ اس پر ذہبی نے کہا" الله يحب الإنصاف ما الرجل برافضي بل شيعي فقط۔"

(میزان الاعتدال ج۔۳ ص۵۸۲، دار الفکر، بیروت)

اللہ انصاف کو بہت دوست رکھتا ہے، وہ رافضی نہیں فقط شیعی ہے۔ تو اس زمانہ میں ابن اسحاق کو بلفظ شیعی تعبیر کرنا اور اصطلاح ائمہ نہ بتانا ضرور مسلمانوں کو دھوکہ دینا اور عوام کو گمراہ کرنا اور تمام حنفیہ اور عامۂ محدثین کے مسلم امام کو ناحق ناروا رافضی ٹھہرانا ہے۔

آخر نہ دیکھا کہ ذات شریفہ ہی کی تحریر دیکھ کر جاہل بوکھلا اٹھے کہ امام ابن اسحاق معاذ اللہ رافضی ہیں اور اس میں خفی چال اور ہے وہ یہ کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کو عوام کی نگاہ سے گرانا کہ ان کے رجال میں بہ کثرت وہ ہیں جن کو شیعی کہا گیا، ہدی الساری میں صرف صحیح بخاری کے اصول مسانید میں بیس شیعی نام بنام اور تعلیقات بخاری میں اور زائد ہیں اور رواۃ صحیح مسلم چھانٹے جائیں تو غالباً عدد سو سے کم نہ رہے گا تو مطلب یہ ہے کہ دیکھو سنیو! تمھارے صحیحین میں رافضی بھرے ہیں۔ طرفہ تر یہ کہ راویان صحیح بخاری و صحیح مسلم وائمہ کوفہ مثل امام الاولیا و امام المحدثین امام الفقہا سیدنا سفیان ثوری و امام المحدثین استاذ سیدنا امام اعظم امام اعمش وغیرہما رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو اس دیوبندی کے طور پر معاذ اللہ رافضی ٹھہرے ہی تھے مگر عیاذاً باللہ یہ ناپاک حرف ایک روایت کی بنا پر خود حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے کہ اس باب میں ان سے بھی ایک روایت موافق ائمہ کوفہ آئی ہے اگرچہ روایت ظاہرہ مشہورہ یہی ہے کہ عثمان افضل ہیں پھر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جیسا کہ خود امام نے فقہ اکبر میں نص فرمایا۔ علی قاری۔ منح الروض الازہر میں ہے" روي عن أبي حنيفة رضي الله تعالى عنه تفضيل علي على عثمان رضي الله تعالىٰ عنهما و الصحيح ما عليه جمهور أهل السنة وهو ظاهر من قول أبي حنيفة رضي الله تعالىٰ عنه على ما رتبه هنا وفق مراتب الخلافة اه.

(ص۱۸۷، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت) و علق عليه مجدد الماة الحاضرة فقال يا سبحان بل قوله رضي الله

تعالیٰ عنہ نص صریح فیہ إذ یقول أفضل الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أبوبکر الصدیق ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم فأي نص ترید أنص منہ اہ

تھانوی جی سے امام ابن اسحاق کی تضعیف کی جب کوئی صورت نہ بن پڑی تو انھوں نے امام ابن اسحاق پر تدلیس کا الزام رکھا اور انھیں مدلس قرار دیا اور حدیث اذان جمعہ کو زہری سے سننے کی تصریح نہ کی بلکہ عن الزہری کہا، تھانوی جی نے یہاں پر بھی دیانت کا خون کیا ہے انفقہ امت سرکار مفتی اعظم قدس سرہ نے اس الزام طرازی پر تھانوی جی کی ایسی خبر گیری فرمائی ہے کہ اگر تھانوی جی کے اندر ذرا بھی حیا ہوتی تو اس الزام کی کبھی جرأت نہ کرتے۔ خیر تھانوی جی تو شہر خموشاں میں جا بسے مگر آج بھی ان کی برادری ان کی اس الزام طرازی پر ضرور حیرت کرتی ہوگی۔ انفقہ امت سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ نے اپنی خداداد اسماء الرجال میں مہارت کاملہ سے ایسی محققانہ بحث فرمائی کہ تھانوی جی کے الزام کے تار و پود بکھر کر رہ گئے اور ان کے خوابوں کا شیش محل زمیں بوس ہوگیا، تھانوی جی اور ان کی برادری اس فن میں آپ کی گرد راہ کو کیا پہنچے گی۔ اس پورے رسالہ میں جو محققانہ ابحاث ہیں تھانوی جی کو ان سے مس نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تھانوی جی نے امام ابن حجر کی طبقات المدلسین سے امام ابن اسحاق کی تدلیس تو نقل کردی مگر یہ نہ دیکھا کہ امام ابن حجر نے مدلسین کے پانچ طبقے شمار فرمائے ہیں جن میں چار وہ ہیں جن میں صرف تدلیس ہی ہے اور کوئی ضعف کی وجہ نہیں۔ پانچواں طبقہ وہ ہے جس میں تدلیس کے سوا اور کوئی وجہ ضعف ہے۔ امام ابن حجر نے ابن اسحاق کو چوتھے درجہ میں رکھا اس لیے امام ابن اسحاق میں تدلیس کے سوا اور کوئی ضعف کی وجہ نہیں اور ہم حنفیہ و مالکیہ وحنبلیہ کے نزدیک حدیث بے تصریح سماع مطلقاً حجت ومقبول ہے۔ یہ مسئلہ ارباب علم ودانش میں آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے۔ ہمارے ائمہ کرام اور جمہور ائمہ کے نزدیک لاجرم مدلس کا عنعنہ بلا دغدغہ حجت ومقبول ہے۔ آپ رقم طراز ہیں۔

اس کو معلوم تھا کہ ابن اسحاق کی تضعیف نہ بن پڑے گی لہٰذا اپنے فکر کا گل سرسبد ابن اسحاق کا عنعنہ رکھا کہ وہ مدلس ہیں اور اس حدیث کو زہری سے سننے کی تصریح نہ کی بلکہ عن الزہری کہا لہٰذا مردود ہے۔ یہ واحد قہار کی شان ہے کہ دغا باز بے ایمانوں کے منہ سے وہ بات نکلوا دیتا ہے جس سے ان کے گھر کا گھروندا ان کے سوت کی کپاس ان کی آنتوں کا ڈھیر ہوکر رہ جاتا ہے۔ لَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ إِلَّا بِأَھْلِہٖ ''(سورۂ فاطر ۳۵/ ۴۳) برا مکر اس مکر والے ہی کو گھیرتا ہے۔'' یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَھُمْ بِأَیْدِیْھِمْ وَ أَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ ۔''(سورۂ حشر ۵۹/ ۲) وہ اپنے گھر ویران کرتے ہیں خود اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں تو عبرت پکڑو اے آنکھ والو! بے چاری آفت کی ماری بدنصیب دیوبندی تحریر ابن اسحاق کی تدلیس نقل کرنے بیٹھی تو امام ابن حجر کی طبقات المدلسین سے جس نے اس کے سارے کرتوت جہنم پہنچا دیے۔

مسلمانو! طبقات المدلسین میں امام ابن حجر شافعی نے مدلسین کے پانچ طبقے کیے ہیں۔ اول چار وہ ہیں جن میں صرف تدلیس ہی ہے اور کوئی وجہ ضعف نہیں۔ ان میں امام بخاری، امام مسلم اور ان سے بھی اعلیٰ درجہ کے ائمہ داخل ہیں۔ پانچواں طبقہ وہ رکھا جن میں تدلیس کے سوا اور کوئی ضعف بھی ہے، طبقات کی عبارت یہ ہے۔

"الخامسة من ضعف بأمر آخر سوی التدلیس۔"

امام ابن حجر نے ابن اسحاق کو چوتھے درجہ میں رکھا کہ بربنائے اصول شافعیہ جن کی حدیث بے تصریح سماع حجت نہیں، اور ہم حنفیہ و مالکیہ وحنبلیہ کے نزدیک مطلقاً حجت ومقبول ہے، اس خوشی میں کہ حنفیت جائے تو جائے، اذان جمعہ کی حدیث سے تو جان بچے گی، آنکھیں بند کرکے جھٹ نقل کر ڈالی، اور نہ سوجھی کہ ساری مکاری کا سویرا ہوگیا۔ ابن حجر نے ابن اسحاق کو پانچویں طبقہ سے عالی چہارم طبقے میں رکھا تو

کتنی روشن وجہ سے ثابت ہوگیا کہ ابن اسحاق میں سوائے تدلیس اصلاً ضعف کی کوئی وجہ نہیں، کہاں گئے وہ تیرے کذاب ومتہم بالکذب و رافضی ومتہم بالرفض کے دعوے؟ دیکھ حجت الٰہیہ یوں قائم ہوتی ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ نے اپنی گراں قدر تحقیقات سے تھانوی جی کے الزام کے پرخچے اڑا دیے اور ان کے سارے دعوے ھباءً منثورا کر دکھائے۔ اس کے بعد آپ نے الزام تدلیس کا تحقیقی جائزہ لیا اور ''اقول'' فرما کر اس بحث کو عرش تحقیق تک پہنچا دیا جیسا کہ آپ فرماتے ہیں :

اَقول: **أولاً** : اصل حدیث مسند (امام احمد) میں انھیں ابن اسحاق سے بہ سند صحیح بہ تصریح سماع موجود ہے۔ حدثنا یعقوب، حدثنا أبی عن ابن اسحاق قال حدثنی محمد بن مسلم بن عبید الله الزهری عن السائب بن یزیدابن اخت نمیر۔ ''(مسند امام احمد ابن حنبل ج۔ ۳ ص ۴۴۹، دار الفکر، بیروت) تو احتمال تدلیس جہل وتلبیس ہے۔

ثانیاً : محمد بن اسحاق امام زہری سے کثیر الصاحبت، کثیر السماع، کثیر الروایت ہیں۔ امام زہری نے اپنے دربان کو حکم دیا تھا کہ ابن اسحاق جس وقت آئیں انھیں نہ روکنا۔'' کما فی التھذیب'' امام ابن المدینی نے چھ امام گنے جن پر حدیث رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مدار ہے۔ ان میں ایک امام زہری، پھر ان چھ کا علم بارہ میں آنا بتایا، ان میں ایک محمد بن اسحاق اور امام ذہبی فرماتے ہیں ایسے شیخ سے روایت سماع پر محمول ہے اگر چہ بلفظ عن ہو میزان الاعتدال میں ہے'' متی قال ناقلاً کلام و متی قال عن تطرق إلیه احتمال التدلیس إلا فی شیوخ له أکثر عنهم فإن روایته عن هذا الصنف محمولة علی الاتصال۔'' خصوصاً ابن اسحاق صدوق کہ جن اساتذہ سے بکثرت حدیثیں سنیں اگر کوئی حدیث ان سے بالواسطہ سنی تو صاف بتا دیا، دو دو واسطے بیان کر دیے یعنی اپنے استاذ کے شاگرد کے شاگرد کی شاگردی ظاہر کر دی جیسا کہ ۳۹ میں امام ابن المدینی سے گزرا اور ہم گزارش اول میں کتاب الخراج امام ابو یوسف سے بیان کر آئے کہ زہری سے بھی جو بالواسطہ سنا بواسطہ بتا دیا۔'' حدثنی محمد بن إسحاق عن عبدالسلام عن الزهری۔ ''(کتاب الخراج ص ۶ مطبوعہ مصر)

ثالثاً : آخر کچھ تو تھا کہ امام ابو داؤد نے اذان جمعہ کی حدیث ان سے روایت کر کے اس پر کچھ اعتراض نہ فرمایا۔ کیا وہ نہ جانتے تھے کہ ابن اسحاق میں بعض نے کلام کیا ہے؟ کیا وہ نہ جانتے تھے کہ ابن اسحاق چوتھے طبقہ کا مدلس ہے؟ وہ نہ جانتے تھے کہ اس حدیث میں ''حدثنا'' نہ کہا'' عن'' کہا ہے؟ بایں ہمہ اسے قبول ہی فرمایا اور اپنی کتاب صحاح میں جگہ دی کہ خاص اثبات احکام شرعیہ کے لیے لکھی، اور جسے ائمہ نے فرمایا'' جس گھر میں یہ کتاب ہو گویا وہاں کوئی نبی باتیں فرما رہا ہے۔'' اب گیارہ سو برس بعد دیو بند کے ناشستہ رو اس حدیث کھود کریں، خدا کی شان نظر آتی ہے۔'' ولاحول ولاقوۃ إلا باللہ العلی العظیم۔''

خود امام ابو داؤد اور بعد کے ائمہ کرام نے حدیث پر سکوت امام ابو داؤد کے معنی یہ بتائے کہ حدیث صحیح یا حسن ہے اور ہمارے ائمہ کرام نے تصریح کی کہ وہ حدیث حجت ہے، مقدمہ امام ابو عمرو میں ہے امام ابو داؤد نے فرمایا:

'' ذکرت فیه الصحیح وما یشبهه و یقاربه '' مقدمہ ص ۶

امام ابن کثیر سے فتح المغیث ص ۲۹، تدریب ص ۵۵ '' روی عنه أی عن ابی داؤد ما سکت عنه فهو حسن ''

امام ابو عمر بن عبد البر سے فتح المغیث ص ۲۹ '' کل ما سکت علیه فهو صحیح عنده '' امام حافظ الحدیث عبد العظیم منذری کے خطبہ کتاب الترغیب والترہیب '' کل حدیث عزوته إلی أبی داؤد و سکت عنه فهوکما ذکر ابوداؤد لاینزل عن درجة الحسن و قد یکون علی شرط الصحیحین '' (ج۔ ۱ ص ۵، مقدمۃ المولف، مطبعۃ السعادۃ، بمصر) امام ابن

الصلاح مقدمہ اصول حدیث، ص ۱۶، " وما وجدناه فی کتابه مذکورا مطلقا عرفنا أنه حسن عند أبی داؤد."
امام نووی تقریب نوع ثانی فرع اول " ما وجدنا فی کتابه مطلقاولم یصححه غیره من المعتمدین ولا ضعفه فهو حسن عند أبی داؤد" (ص ۹۷-۹۶ النوع الثانی مصری) امام زیلعی نصب الرایہ جلد اول ص ۶۰ " ماوجدنا فی کتابه مطلقا فهو حسن عند ابی داؤد۔" امام زیلعی نصب الرایہ جلد اول ص ۶۰ " ان أبا داؤد روی حدیث القلتین و سکت عنه فهو صحیح عنده علی عادته فی ذلك۔" امام ابن الترکمانی جوہر النقی جلد اول ص ۱۸۲ " أخرجه أبوداؤد و سکت عنه فأقل أحواله أن یکون حسناعنده علی ما عرف۔" امام ابن الھمام فتح القدیر جلد اول ص ۵ " و سکت علیه أبوداؤد فهو حجة " امام زین الدین عراقی استاذ امام حافظ الشان عسقلانی، پھر امام شمس الدین سخاوی مقاصد حسنہ ص ۸۶ " یکفینا سکوت أبی داؤد علیه فهو حسن۔" امام ابن امیر الحاج حلیہ شرح منیہ قبیل صفۃ الصلاۃ " رواه ابو داؤد و سکت علیه فیکون حجة علی ما هو مقتضی شرطه " ۔علامہ ابراہیم حلبی شرح منیہ ص ۳۸۶ (فصل فی النوافل) " سکت علیه ابوداؤد و المنذری بعده فی مختصره وهو تصحیح منهما۔"

بل کہ امام ابن المدینی سے ان کے شاگرد جلیل امام بخاری نے توثیق ابن اسحاق ثابت فرمانے کے لیے استناد نقل کیا اور مقرر رکھا کہ دو کے سوا ابن اسحاق کی سب حدیثیں معروف و محفوظ ہیں، اور وہ دو ممکن کہ صحیح ہوں جیسا کہ نمبر ۳۴ میں گزرا اور یہ حدیث اذان جمعہ ان دو میں نہیں، جیسا کہ نمبر ۴۰ میں گزرا تو یہ بحمدہ تعالیٰ صحیح و محفوظ ہے۔

بالجملہ اتنے اجلۂ کرام کے ارشاد سے ثابت ہے کہ حدیث اذان جمعہ حسن صحیح حجت ہے مگر دیوبندی جہالت کو اس میں حجت ہے " انا للہ وانا الیہ راجعون " آدمیاں گم شدند۔

رابعاً: یہ سب تو محدثوں کے طور پر کلام تھا، دیوبندی کی چال تو آپ نے جانی ہی نہیں مسلمانو! وہ یہاں ائمہ حنفیہ کے اصول حدیث کا ابطال کر رہی ہے، حدیث مرسل، مثلاً تابعی کہے " قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم " ہم حنفیہ و مالکیہ وحنابلہ کے نزدیک صحیح و مقبول ہے، شافعیہ اور کچھ محدثین اس میں کلام کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ اہل علم میں آفتاب کی طرح مشہور و معروف ہے، یہ دیوبندی بھی اس سے واقف ہے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں " أجمع التابعون بأسرهم علی قبول المرسل ولم یأت عنه إنکاره و لا عن أحد من الأئمة بعدهم إلی راس المأتین " تمام صحابۂ کرام کو دیکھنے والے ائمہ کا اجماع ہے کہ حدیث مرسل مقبول ہے اس کا انکار نہ کسی تابعی سے منقول ہوا نہ تبع تابعین سے دوصدی کامل تک یعنی امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے انکار کی پہل کی۔ پھر یہ محدث کہ اکثر ان کے مقلد ہیں ان کے پیرو ہوئے۔ مسلم الثبوت و فواتح الرحموت ص ۴۵۹ " مرسل الصحابی یقبل مطلقا اتفاقاً و إن من غیره فالأکثرو منهم الأئمة الثلاثة أبوحنیفة و مالك و أحمد رضی الله تعالیٰ عنهم یقبل مطلقاً و الظاهریة و جمهور المحدثین الحادثین بعد المائتین لایقبل " یعنی صحابہ کرام کا ارسال مطلقاً بالاتفاق مقبول ہے اور غیر صحابی کی حدیث مرسل کو امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد وغیرہم اکثر ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مطلقاً قبول فرماتے ہیں اور غیر مقلد اور دوسو برس بعد کے اکثر محدث قبول نہیں کرتے۔

پھر مدلس جو اپنے شیخ سے حدیث بلفظ " عن فلان یا قال فلان " روایت کرے جس میں اس سے بلاواسطہ اپنے سننے کی تصریح نہ ہو وہ تو مرسل بھی نہیں، صرف شبہہ ہے کہ شاید بالواسطہ سنی اور واسطہ کو چھوڑ دیا ہو۔ جب ہمارے ائمہ کرام اور دوسو برس تک کے ائمہ تابعین

وتبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین خود مرسل کو قبول فرمارہے ہیں تو محض شبہ کی بنا پر رد کیا معنی، لاجرم مدلس کا عنعنہ ہمارے ائمہ اور ان جمہور ائمہ سب کے نزدیک بلاوغدغہ مقبول ہے۔ امام جلال الدین سیوطی تدریب الراوی ص ۷۹ بیان عنعنہ مدلس میں فرماتے ہیں "قال جمهور من يقبل المراسيل يقبل مطلقاً" علامہ خسرو حنفی نے فصول البدائع فی اصول الشرائع جلد ۲، ص ۲۵۰ میں فرمایا" طعن المحدثين بما لا يصلح جرحا لا يقبل كالطعن بالتدليس في العنعنة فإنها توهم شبة الإرسال و حقيقته ليست بجرح " امام الحفاظ، سید المحدثین، سند الفقہا، حامل لوائے مذہب حنفی سیدنا امام احمد ابوجعفر طحاوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتاب مستطاب شرح معانی الآثار جلد ۲ ص ۱۹۰ میں ایک طویل حدیث انہیں محمد ابن اسحاق کی انہیں زہری سے یوں ہی بے تصریح سماع روایت کی جس کی سند یہ ہے "حدثنا فهد بن سليمان بن يحيى حدثنا يوسف بن بهلول ، حدثنا عبدالله بن ادريس، حدثني محمد بن إسحاق قال قال الزهري حدثني عبيد الله بن عبدالله بن عتبة عن ابن [illegible] رضى الله تعالى عنهما " اور اس کے آخر میں فرمایا:

هذا حديث متصل الإسناد صحيح ۔ یہ حدیث صحیح ہے اس کی اسناد متصل ہے۔

"قال" اور "عن" دونوں یکساں ہیں کہ دونوں میں اپنا سننا بیان نہ کیا۔ امام نو[illegible] [illegible]یں فرماتے ہیں "تدليس الإسناد أن يروى عمن عاصره مالم يسمعه منه موهما سماعه قائلا قال فلان أو عن فلان و نحوه "تدریب ص ۷۷)

دیکھو وہی ابن اسحاق ہیں، وہی امام زہری ہیں، وہی بے بیان سماع روایت ہے اور فقہا کے امام، محدثوں کے امام، حنفیہ کے خاص امام سیدنا امام طحاوی فرمارہے ہیں "یہ حدیث صحیح ہے اور یہ سند متصل ہے۔"

الحمد للہ حجۃ اللہ تمام ہوئی اور اس دیوبندی کی عیاری کھل گئی کہ کیسی مذہب حنفی کو رد کر کے الٹی راہ چلی۔ حنفی بھائیو! اپنے اماموں کی تو یہ تصریحات دیکھو، اور اس کی وہ دہن دریدگی کہ اگر محمد بن اسحاق پر کوئی عیب نہ ہو تو اس کا یہی عیب اس کی روایت کو مردود اور نا قابل اعتبار بتانے کے لیے کافی ہے کیونکہ وہ اس روایت کا زہری سے سننا نہیں بیان کرتا بلکہ بلفظ "عن" روایت کرتا ہے۔

حنفیو! دیکھو یہ سرباز ار کیسی دن دھاڑے اندھیری ڈال کر تمہیں مذہب سے پھیرا چاہتی ہے۔ بھائیو! ہوشیار رہنا گمراہ گر کے دھوکہ میں نہ آنا۔ اللہ تمہارا حافظ ہو۔

بھائیو! اس نے حنفیہ کے اصول حد[illegible]ث ہی کو رد نہ کیا، بلکہ تمہارے ائمہ کرام امام اعظم، امام ابو یوسف امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سب کتابوں کو ردی کر دیا، ان کی صدہا حدیثوں کو خاک میں ملا دیا۔ اپنے ائمہ کرام کی کتابیں، امام اعظم کی مسندیں، امام ابو یوسف کی کتاب الخراج، امام محمد کی کتاب الآثار، کتاب الحج وغیرہا مطالعہ کیجیے۔ ان میں کس قدر کثرت سے مرسل حدیثیں اور مدلسین کے عنعنے ملیں گے، اس نے سب کو مردود و نا قابل اعتبار بنا دیا، بل کہ اس کی یہ چوٹ صدر اول کے عام ائمہ پر ہے۔ صدر اول میں مرسل کی بہت کثرت تھی اور اس کی پرواہ نہ کی جاتی۔ اتصال کی چھان پھٹک بعد کو ہوئی ہے۔ صحیح مسلم و جامع ترمذی میں امام محمد بن سیرین تابعی تلمیذ حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

قال لم يكونوا يسألون عن الإسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سمّوا لنا رجالكم ۔ (مقدمہ مسلم شریف ج۔ اص ۱۱، اصح المطابع) پہلے زمانہ میں اسناد نہیں پوچھتے تھے، جب بد مذہبیاں پھیلیں اس وقت سے سند کی تفتیش ہوئی۔

افضل التابعین سعید بن مسیب و قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق و سالم بن عبداللہ بن عمر فاروق و امام حسن بصری، و ابو العالیہ رباحی، و

امام ابراہیم نخعی وعطا بن ابی رباح، ومجاہد وسعید بن جبیر وطاؤس، وعامر شعبی، وسلیمان اعمش وزہری وقتادہ ومکحول وابو اسحاق سبیعی وابراہیم تیمی ویحیی بن ابی کثیر واسماعیل بن ابی خالد وعمرو بن دینار، ومعاویہ بن قرۃ وزید بن اسلم یہ سب اجلۂ ائمہ تابعین کہ ان میں بہت ہمارے امام اعظم کے استاذ واستاذ الاستاذ ہیں اور ان کے بعد کے اجلہ ائمہ مثل امام مالک، وامام محمد، سفیان ثوری وسفیان بن عیینہ وغیرہم اکابر امت اعاظم ملت جن کے ارشادات پر دین متین کا دارومدار ہے، یہ سب اکابر حدیثوں میں ارسال فرمایا کرتے اور ان میں اکثر تو بہت کثیر الارسال، ارسال میں نامور ہیں۔ اگر جانتے حدیث مرسل مردود ہے تو کیا معاذ اللہ حدیثوں کو مردود بنانے کے لیے ایسی حرکت کرتے؟ اس مدعی حنفیہ کی ان سب پر چوٹ ہے۔

بھائیو! کیا اس گمان میں ہو کہ وہ تحریر فقط حنفی مذہب یا کتب صحاح ہی پر اپنی چوٹ دکھا کر جائے گی نہیں، نہیں۔ اس نے مذاہب اربعہ کے جملہ علمائے کرام، مفسرین کرام وشارحین حدیث حتی کہ تابعین اعلام وصحابۂ کرام اور نہ صرف صحابۂ کرام بلکہ خود حضور اقدس سید الانام اور نہ فقط حضور اقدس سید الانام بلکہ خود رب العزۃ ذوالجلال والاکرام کسی کو اپنے ناپاک حملوں سے نہ چھوڑا۔ عز جلالہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

تھانوی جی نے امام ابن اسحاق کو اس لیے بھی متہم بالکذب قرار دیا کہ اذان جمعہ کی حدیث میں "علی الباب" کا لفظ ابن اسحاق نے روایت کیا ہے، دیگر ثقہ راویوں کی روایت میں اس کا بیان نہیں بلکہ اس اضافہ سے خالی ہے۔ اس لیے امام ابن اسحاق کی روایت دیگر ثقات کی روایت کے خلاف ہے اور اس مخالفت ثقات کے سبب وہ متہم بالکذب ٹھہرے۔ سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ نے آفتاب سے زیادہ روشن فرمایا کہ امام محمد بن اسحاق ثقہ ہیں اور ایک بات زائد بیان کرنا مخالفت نہیں، مخالفت یہ ہے کہ اور راویوں نے جو کہا تھا یہ اس کے خلاف بیان کرے نہ یہ کہ اور جس امر سے ساکت یہ اس کا افادہ کرے۔ اگر ایک بات زائد بیان کرنا مخالفت ثقات قرار پائے اور اس کے سبب امام ابن اسحاق متہم بالکذب ٹھہریں تو پھر نصوص سے امان اٹھ جائے گا قرآن وحدیث اور تفاسیر وشروح احادیث سے اعتماد جاتا رہے گا قرآن عظیم میں ایک مقام پر وارد ہے "و ضربت علیهم الذلة والمسکنة و باء و ابغضب من الله" (بقرہ آیت ۶۱ پ: ارکوع: ۷)

اور دوسرے مقام پر ہے:

"و ضربت علیهم الذلة أین ما ثقفوا إلا بحبل من الله و حبل من الناس" (آل عمران پ: ۴ رکوع: ۳ آیت ۱۱۲)

اس طرح سے کثیر آیتیں اور حدیثیں اور تفسیریں ملیں گی جن میں ایک مقام پر زیادتی واقع ہے جبکہ دوسرے مقام پر وہ زیادتی نہیں تو کیا اس زیادتی کے سبب قرآن وحدیث اور تفاسیر کو غیر معتمد اور غیر مستند کہا جائے گا، سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ اس مقام کی تفصیل فرماتے ہوتے۔ رقم طراز ہیں:

زہری سے اس حدیث کے اور راویوں نے "علی باب المسجد" کا لفظ روایت کیا نہ "بین یدیہ" کا لفظ اتنا بتایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے اس وقت اذان دی جاتی، نہ جگہ بتائی دروازہ پر نہ سمت بتائی کہ حضور کے مقابل اب یہ عبارۃ "بین یدیہ" کا لفظ سوائے ابن اسحاق کے کسی روایت میں نہ آنے کو الگ کترا گئی کہ اپنے بھی خلاف تھا اور "علی الباب" کا لفظ پکڑ لیا کہ اسے ابن اسحاق نے روایت کیا، اوروں کی روایت میں اس کا بیان نہیں۔ اس بنا پر کہتی ہے "کہ اس کی روایت دیگر ثقات کی روایت کے بھی خلاف ہے۔"

أقول: اولاً اگر اور راویوں کا بیان نہ کرنا معنی خلاف دیتا ہے تو اور راویوں نے یہ بھی بیان نہ کیا کہ اذان حضور کے مقابل ہوتی تو وہ سب "بین یدیہ" کے مخالف ہوئے اور ابن اسحاق اس عبارہ کے نزدیک متہم بالکذب ہے اور ان سب راویوں کو ثقہ کہتی ہے تو یہاں سے مالکیہ کا مذہب ثابت ہوا کہ وہ کہتے ہیں خطیب کے سامنے اس اذان کا ہونا بدعت وخلاف سنت ہے۔ بل کہ اور اذانوں کی طرح منارہ پر ہو۔

تو اس کی یہ چوٹ بھی حنفیہ پر ہوئی کہ انھوں نے کثیر ثقہ راویوں کے خلاف متہم بالکذب کی روایت مانی۔

ثانیاً : علما ہزار تصریح فرماتے ہیں کہ ایک بات زائد بیان کرنا مخالفت نہیں، مخالفت یہ ہے کہ اور راویوں نے جو کہا تھا اس کے خلاف بیان کرے نہ یہ کہ اور جس امر سے ساکت تھے یہ اس کا افادہ کرے جوہرالنقی جلد ا، ص ۱۱۱، "ترک بعض الرواة لا يعارض زيادة غيره" ایضاً ص ۱۰٦ "ذكر من ذكر مقدم على ترك من ترك ۔"

صحیحین وغیرہا جملہ کتب حدیث میں صدہا ہزارہا حدیثیں وہ ملیں گی جن میں بعض رواۃ نے کوئی بات زائد کی ہے اوروں نے بیان نہ کی تو وہ سب شاذ و منکر ہو کر صحت سے ساقط ہو جائیں گی۔ صحیحین پر اس کی ایک چوٹ یہ بھی ہوئی۔

ثالثاً : بلکہ بکثرت ملے گا کہ ائمہ محدثین متعدد راویوں سے ایک حدیث یوں روایت کرتے ہیں کہ "حدثنا فلان و فلان و فلان يزيد بعضهم على بعض" یعنی یہ حدیث ہم سے اتنے شیوخ نے بیان کی اور ان میں ایک نے دوسرے سے زیادہ بات کہی، اس نے وہ کہی جو اس نے نہ کہی تھی، اس نے وہ بڑھائی جو اس نے نہ بتائی تھی۔ امام محدث سب کی زیادتیں جمع کر کے ایک سیاق میں روایت کرتا ہے تو دیوبندی جہالت پر متخالفوں کو جمع کر لیتا ہے۔

رابعاً : علما کا کلام دیکھنا، سمجھنا دیوبندیت کو کہاں نصیب؟ مگر جہان بھر کے ہر د[illegible]ل سے پوچھ دیکھیے، چھ آدمی کہیں زید عمامہ باندھے ہوئے تھا اور ایک کہے زید سپید عمامہ باندھے ہوئے تھا تو کیا کوئی عاقل اس بیان کو ان بیانوں کے مخالف سمجھ سکتا ہے؟ ہاں! دیوبندی مت کی بات جدا ہے۔

خامساً : علمائے مذاہب اربعہ و جملہ مجتہدین اعلام و صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں کون سا مفسر قرآن و شارح حدیث ہے جس نے بیان و قائع مذکور و قرآن و حدیث میں کوئی لفظ زائد نہ بیان کیے ہوں، بلا مبالغہ جس کی ہزارہا مثالیں کلمات ائمہ و تفاسیر ماثورہ میں ملیں گی اس کے نزدیک معاذ اللہ وہ سب کے سب اللہ و رسول کے مخالف تھے کہ وہ لفظ ذکر کیا جو انھوں نے ذکر نہ فرمایا تھا۔ جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

سادساً : صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"ألا أحدثكم حديثاً عن الدجال ماحدث به نبي قومه انه أعور و انه يجيى معه بمثال الجنة والنار فالتي يقول إنها الجنة هي النار وإني أنذركم كما أنذر به نوح قومه." (بخاری شریف حدیث ۳۳۳۸، دارالکتاب العربی، بیروت) کیا میں تمھیں دجال کا وہ حال نہ بتاؤں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہ بتایا وہ کانا ہے اور جنت و دوزخ کی مثال لائے گا تو جسے جنت کہے گا وہ آگ ہے اور تمھیں ایسا ڈراتا ہوں جیسا کہ نوح نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا تھا۔

اس کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان واقع میں معاذ اللہ تمام انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کی مخالفت فرمائی کہ وہ بات بیان کی جو ذکر و قصہ دجال میں کسی نبی نے بیان نہ کی تھی۔

سابعاً : خود قرآن عظیم دیکھیے۔ ایک ہی قصہ میں ایک سورت، ایک بیان زائد فرماتی ہے کہ دوسری سورت میں نہ فرمایا تو دیوبندی کے طور پر معاذ اللہ قرآن مجید کی سورتوں کا باہم اختلاف ہوا۔ لا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم.

الحمد للہ۔ آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ محمد بن اسحاق ثقہ ہیں اور دروازۂ مسجد پر اذان جمعہ کی حدیث صحیح ہے، دیوبندی تحریر کی بڑی اصلیں یہی تھیں کہ ایسا شخص کم از کم متہم ہے اور مدلس کا عنعنہ مردود اور راوی کا تفرد مطلقاً مخالفت۔ روشن ہو گیا کہ اس کی ہر اصل میں خطا ہے۔

اب تک جو شہادتیں پیش ہوئیں وہ "وقاية أهل السنة" سے گزریں اس کے علاوہ ایک اور محققانہ رسالہ آپ نے ارقام فرمایا جس کا نام "نفي العار عن معايب المولوي عبد الغفار" ہے اس میں بھی آپ نے امام محمد ابن اسحاق پر کی ہوئی جرحوں کا بلیغ رد فرمایا جیسا کہ آپ رقم طراز ہیں:

"امام بخاری کے استاذ امام ابن المدینی تو جارح ابن اسحاق کو فرماتے ہیں انہیں ابن اسحاق کا حال معلوم نہ تھا آپ کی اسی تقریب والے ہدی الساری میں فرماتے ہیں جس نے ابن اسحاق پر جرح کی جب سبب بتایا تو ناکافی پایا" (نفی العار عن معایب المولوی عبد الغفار ص: ۳۰)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"أقول اولاً وقایہ دیکھیے یہی امام ابن الہمام کس زور وشور سے فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق ثقہ ہے ثقہ ہے اس میں ہمیں اور محققین اہل حدیث کو کچھ شک نہیں اور فرماتے ہیں ابن اسحاق کا ثقہ ہونا ہی نہایت روشن حق ہے اب اگر ابن اسحاق قدری نہیں جب تو یہ آپ کی ساری تحریر برباد اور اگر قدری ہیں تو کیا امام ابن الہمام ایک محکوم بکفر کو دین الٰہی میں ثقہ ثقہ یقینی ثقہ بتا رہے ہیں اب آپ کے نزدیک ابن الہمام خود کیا ہو گئے۔

ثانیاً بخاری و مسلم دیکھیے ان کے کتنے رواۃ کثیر پر طعن قدر ہے پہلے تو صحیحین کے راویوں کو متروک ہی ٹھہرایا تھا اب کافر و محکوم بالکفر بنا دیا یہ تیس روپے خدا جانے آپ کو کس حال تک پہنچائیں گے۔

ثالثاً تقریب کا پہلا ورق آپ نے پڑھانہ پڑھیں ملاحظہ ہو جس پر قدر کا طعن ہے اسے پانچویں درجہ میں رکھا اور جس میں کوئی قادح بتایا گیا اسے دسویں میں تو قدر کا طعن ائمہ حدیث کے نزدیک عدالت میں بھی خلل انداز نہیں نہ کہ معاذ اللہ کفر"۔ (نفی العار ص: ۱۵)

مولوی عبد الغفار نے امام ابن اسحاق کو متروک قرار دینے کے لیے عجب گل کھلائے ہیں ایک مقام پر انہوں نے "رمی بالتشیع" کا ترجمہ کیا "چھوڑا گیا بوجہ شیعہ ہونے کے"۔

سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہ نے اس کا شدید رد فرمایا اور ارشاد فرمایا:

"چلیے امام ابن اسحاق متروک ٹھہرے مولوی صاحب آپ کو ایک ورق تقریب کہیں پڑھ لینا ایسا دوبھر ہے ملاحظہ ہو "رمی بالتشیع" وغیرہ کو پانچویں درجہ میں رکھا ہے اور متروک کو دسویں میں۔

معلوم ہے کہ صحیح بخاری میں ابن اسحاق سے تعلیقاً اور مسلم میں ان سے استشہاداً متعدد حدیثیں روایت کیں تو آپ کے لکھے صحیح بخاری میں متروکین سے تعلیقیں ہیں صحیح مسلم میں متروکوں سے استشہاد ہیں۔

تعلیق واستشہاد کیسے صحیحین کے رواۃ اصول مسانید میں کتنے سوا یسے نکلیں گے کہ تقریب وغیرہ میں ان کو "رمی بکذا" کہا گیا مولوی صاحب نے صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں ردی کر دیں کیا جناب حلف سے کہہ سکتے ہیں کہ کبھی علم حدیث کی ہوا بھی جناب کو لگی ہے۔

اللہ عزوجل نے قذف کی دو صورتیں ارشاد فرمائی ہیں ایک وہ کہ شوہر اپنی عورت کو زنا کی تہمت لگائے اسے فرمایا "والذين يرمون أزواجهم" اس کے معنی آپ کے نزدیک یہ ہوں گے کہ جو لوگ اپنی بیویوں کو چھوڑیں اور پھر چار گواہ نہ لائیں تو مرد و عورت لعان کریں مولوی صاحب فقہ میں کنز ہی پڑھ لیتے تو اچھا ہوتا۔

دوسرے وہ کہ غیر شوہر کسی پارسا مسلمان عورت کو قذف کرے اسے فرمایا "والذين يرمون المحصنات الغافلات المومنات" اس کے معنی اپنے پر کہیے تو جو لوگ مسلمان پارسا بے خبر عورتوں کو چھوڑتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے فرمائیے یہ کون سا چھوڑنا

ہے جس پر لعنت کا حکم ہے اللہ عقل دے، حیاء دے جناب مولوی صاحب اس علم اس حال پر علوم دینیہ میں جناب کو دخل دیتے شرم چاہیے تھی۔

مولوی صاحب آپ نہیں جانتے کہ "رمی" بمعنی طعن ہے شرح قاموس میں ملاحظہ ہو تو عبارت تقریب کے یہ معنی تھے کہ ان پر تشیع و قدر کا طعن کیا گیا نہ یہ کہ معاذ اللہ وہ بوجہ تشیع وقدر متروک ہیں۔

پھر طعن کیے جانے سے اس طعن کا واقع میں ثابت ہونا ضرور ورنہ اس سے راوی کا مجروح قرار پانا لازم آنکھ کھول کر تقریب ہی دیکھیے تو آپ کو اول کی بھی نظیریں ملیں گی " رمی و لم یثبت "طعن کیا گیا اور اس کا ثبوت نہیں اور ثانی کے امثلہ تو نہایت کثرت سے پایئے گا۔

صاحب تقریب کی ہدی الساری مقدمہ صحیح البخاری دیکھ سکیے تو اس میں صحیح بخاری کے ان کثیر راویوں کی فہرستیں پایئے گا جن پر تشیع کا طعن، قدر کا طعن، خروج کا طعن اور کاہے کاہے کے طعن ہوے ہیں" (نفی العار عن معایب المولوی عبد الغفار ص: ۱۲، مطبع اہل سنت و جماعت بریلی شریف)

گذشتہ اوراق میں سیدنا امام محمد بن اسحاق پر تھانوی جرحوں اور دیو بندی خیانتوں کا سخت علمی محاسبہ اور ناقدانہ ومحققانہ ابحاث اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ فقہ وافتا کی طرح فن اسماء الرجال میں یکتائے زمانہ اور فرد روزگار تھے بلکہ آپ اپنے دور میں اس فن میں منصب امامت پر جلوہ فگن تھے۔ تھانوی جی اس فن میں آپ کی گرد راہ کو بھی نہیں پہونچ سکتے چہ جائے کہ آپ کے ہمسر ہوں۔ آپ کے یہاں جو گیرائی و گہرائی، نکتہ آفرینی، دقیقہ سنجی، تعمق نظر، وسعت فکر اور محققانہ ابحاث ملتے ہیں تھانوی تحریر میں دور دور تک ان کا نشان نہیں۔

میں نے بہ نظر اختصار یہاں پر آپ کی گراں قدر تحریروں کے کچھ اقتباسات اور فنی تحقیقات وتدقیقات پیش کی ہیں از اول تا آخر آپ کی روشن تحریروں کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے اور انصاف کیا جائے تو جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے حرف بحرف اس کی تائید ملے گی۔ اور اس بات کا واضح ثبوت فراہم ہوگا کہ آپ اس فن میں اپنے والد ماجد کے صحیح اور سچے وارث اور مراۃ جمال وکمال تھے۔

سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہ علوم وفنون کے بحر بیکراں فقہ وحدیث واصول حدیث اور فن اسماء الرجال کے بحر ناپیدا کنار تھے۔ اس فن کا شناور ہی کما حقہ آپ کا تعارف کرا سکتا ہے۔ آپ اپنے فقہی اوصاف وکمالات اور خصوصی امتیازات کے سبب مفتی اعظم کے حسین مصداق ہیں تو حدیث واصول حدیث اور فن اسماء الرجال میں بھی انفرادی مقام اور امتیازی شان کے مالک ہیں۔

☆☆☆☆☆

ماخذ ومراجع

۱-	کتاب الخراج	قاضی الشرق والغرب سیدنا امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ	(م، ۱۸۲ھ)
۲-	فتح القدیر	امام ابن ہمام کمال الدین محمد ابن عبد الواحد سیواسی	(م، ۶۸۱ھ)
۳-	میزان الاعتدال	امام محمد ابن احمد الذہبی	(م، ۷۴۸ھ)
۴-	تہذیب التہذیب	علامہ حافظ شہاب الدین احمد ابن علی ابن حجر عسقلانی	(م، ۸۵۲ھ)
۵-	الترغیب والترہیب	علامہ زکی الدین عبد العظیم ابن عبد القوی منذری	(م، ۶۵۶ھ)
۶-	جوہر النقی	امام ابن الترکمانی	
۷-	تدریب الراوی	علامہ جلال الدین عبد الرحمن سیوطی	(م، ۹۱۱ھ)

۸-	کتاب الثقات	علامہ محمد ابن حبان ابو حاتم تمیمی بستی	(م، ۳۵۴ھ)
۹-	المقاصد الحسنہ	علامہ شمس الدین محمد ابن عبد الرحمٰن بن محمد سخاوی	(م، ۹۰۲ھ)
۱۰-	مقاصد	علامہ سعد الدین تفتازانی	(م، ۷۹۱ھ)
۱۱-	شرح مقاصد ″	″ ″	(″ ″)
۱۲-	الصواعق المحرقہ	علامہ شہاب الدین احمد ابن حجر مکی	(م، ۹۷۳ھ)
۱۳-	ہدی الساری		
۱۴-	طبقات المدلسین	علامہ حافظ شہاب الدین احمد ابن علی ابن حجر عسقلانی	(م، ۸۵۲ھ)
۱۵-	فتح المغیث	علامہ شمس الدین محمد ابن عبد الرحمٰن بن محمد سخاوی	(م، ۹۰۲ھ)
۱۶-	″ ″	علامہ زین الدین عبد الرحیم ابن حسین عراقی	(م، ۸۰۶ھ)
۱۷-	مقدمۂ اصول حدیث	علامہ ابو عمرو عثمان ابن عبد الرحمٰن ابن صلاح	(م، ۶۴۳ھ)
۱۸-	نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ	علامہ ابو محمد عبد اللہ ابن یوسف حنفی زیلعی	(م، ۷۶۲ھ)
۱۹-	حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی	علامہ محمد ابن محمد شہیر بابن امیر حاج حلبی	(م، ۸۷۹ھ)
۲۰-	غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی	علامہ محمد ابراہیم بن محمد حلبی	(م، ۹۵۶ھ)
۲۱-	مسلم الثبوت	بحر العلوم علامہ محب اللہ بہاری	(م، ۱۱۱۹ھ)
۲۲-	فواتح الرحموت	علامہ عبد العلیم محمد بن نظام الدین کندی	(م، ۱۲۲۵ھ)
۲۳-	فصول البدائع فی اصول الشرائع	علامہ شمس الدین محمد ابن حمزہ فناوی	(م، ۸۳۴ھ)
۲۴-	شرح معانی الآثار	محدث اجل امام اکبر ابو جعفر بن محمد طحاوی	(م، ۳۲۱ھ)
۲۵-	فتاویٰ عالم گیری	جمعیت علمائے اورنگ زیب عالم گیر علیہم الرحمہ	
۲۶-	درمختار شرح تنویر الابصار	علامہ محمد ابن علی ابن عبد الرحمٰن بن محمد حصنی دمشقی	(م، ۱۰۸۸ھ)
۲۷-	مسند امام احمد ابن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	(م، ۲۴۱ھ)
۲۸-	صحیح البخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری	(م، ۲۵۶ھ)
۲۹-	صحیح المسلم	امام مسلم بن حجاج قشیری	(م، ۲۶۱ھ)
۳۰-	مشکوٰۃ المصابیح	علامہ شیخ ولی الدین عراقی	(م، ۷۴۲ھ)
۳۱-	کنز العمال	علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدین	(م، ۹۷۵ھ)

آٹھواں باب

شاعری کا آغاز ابتداءً باب الٰہیات سے ہوا تھا ، انسان اپنے معبود کو راضی کرنے کے لیے نغمہ آمیز کلمات کا سہارا لیتا تھا ، مگر بعد میں اس کے دائرے میں وسعت آئی اور اس کا استعمال غزلیہ ،ہزلیہ ، رزمیہ ،مضامین میں زیادہ ہونے لگا ، اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو شاعری کا استعمال حمد و نعت میں اصل سے نقل کی طرف مراجعت نہیں بل کہ نقل سے اصل کی طرف معاودت ہے ۔ دیگر زبانوں کے ساتھ اردو نے بھی صنف نعت سے نگاہیں چرانے میں کم ہی کمی کی ہے ، لیکن یہ امام احمد رضا کا جگر تھا جس نے اپنی سچی اور پاکیزہ مگر شعری محاسن سے مالا مال شاعری سے حمد و نعت کو اس کا وقار واپس کرنے کی تحریک میں تیزی پیدا کردی ، عصر جدید میں نعتیہ کلاموں کی طرف نئی نسل کا رجحان شعر رضا کا کمال ہے ۔ ابتداءً جب مفتی اعظم نے شاعری کی دنیا میں نعت کے ذریعہ طبع آزمائی کی تو امام احمد رضا نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا ۔ جیسا کہ مولانا مجیب الاسلام ادروی کے مضمون سے اس کی توثیق ہوتی ہے کیوں کہ نو عمری کا یہ دور شاعری کے لیے موزوں نہ تھا ، اس وقت صاحبزادے کو ٹھوس فقہی و علمی تعلیم و تربیت کی ضرورت تھی ، یا حضرت امام کو کشف باطن سے معلوم تھا کہ شاعری تو میرے شہزادے کو بارگاہ خواجیت سے صدقہ مل جائے گی ، اس لیے اس کے لیے جد و جہد کی کیا ضرورت ؟لیکن حضرت مفتی اعظم جب پختہ عمر کو پہنچے تو رنگ ظاہر ہونا شروع ہوگیا ، آپ نے ہر صنف سخن میں طبع کی آزمائی کی ہے ، حمد ، نعت ، منقبت ، قصیدہ ، رباعیات ، اور سلام وغیرہ کے موضوعات پر کامیاب شاعری کی ہے ۔ اور ہر زمین میں مشکل ہو یا آسان ہر جگہ سرخ رو ہوکر گزرے ہیں ۔ اس باب میں مولانا قمر الحسن قمر بستوی (امریکہ) کا مضمون کافی وقیع ہے ، جس میں انھوں نے جدید تنقیدی میزان میں پیکر تراشی کے حوالے سے گفتگو کی ہے ، نعتیہ شاعری خانوادۂ رضا کا طرہ امتیاز ہے ۔ حضرت نوری بریلوی نے اس سلسلۂ خیر و برکت کو آگے بڑھانے میں بہ خوبی اپنا کردار نبھایا ہے ، شاعری سے عشق رسول کا گہرا تعلق ہی نہیں بل کہ اس کے لیے وہ روح کی حیثیت رکھتا ہے ۔ بالفاظ دیگر لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ عشق مجازی کے بغیر غزلیہ شاعری کا وجود نہیں اور عشق رسالت پناہی کے بغیر نعتیہ شاعری کا وجود نہیں ۔ جس میں عشق کا مادہ جس قدر زیادہ ہوگا اس کی شاعری میں اسی قدر زور و اثر زیادہ ہوگی ۔ مفتی اعظم کا کلام بلاغت نظام اس گوشے سے بھی کامل نظر آتا ہے ۔ اگلے مقالوں میں اہل علم و فن نے اس باب کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی ہے ، مولانا اشرف رضا قادری کا مضمون بڑی تاخیر سے موصول ہوا ۔ لیکن افادیت کے نقطۂ نظر سے شامل کرلیا گیا ہے ۔ اس باب کے آخری مضمون نگار کا نام واضح نہ ہوسکا مگر مضمون کی افادیت کے پیش نظر شامل اشاعت کرلیا گیا ہے ۔صاحب مضمون سے معذرت ہے ۔ اب قارئین انہیں اپنی نظروں میں بسائیں اور عشق رسالت کے آتش مجمر کو خوب ہوا دیں ۔

مقبول احمد سالک مصباحی

مفتی اعظم اور سامانِ بخشش

پروفیسر فاروق احمد صدیقی
شعبۂ اردو، بہار یونیورسٹی، مظفر پور، بہار

علم، تفقہ اور شاعری حضور مفتی اعظم کے خانوادۂ محترم کا طرۂ امتیاز ہے۔ امام الشعراء اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، استاد زمن، حضرت علامہ حسن بریلوی، حضرت حجۃ الاسلام حضرت مولانا ریحان رضا، حضرت ازہری میاں قبلہ، ان تمام بزرگوں کو مبدأ فیاض نے دیگر فضائل و کمالات کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کا بھی ذوقِ بلند عطا فرمایا تھا۔ (حضرت جیلانی میاں علیہ الرحمۃ کے شعری کارناموں تک راقم الحروف کی رسائی نہیں۔ اسی لیے ان کا نام نہیں لیا گیا۔) امام احمد رضا کی شاعرانہ عظمت کا تو سارا زمانہ معترف ہے۔ علامہ حسن بریلوی کی شاعرانہ فتوحات کا چرچا عام ہے۔ لیکن حضور مفتی اعظم کی شاعرانہ حیثیت کا عرفان ابھی عام نہیں ہے۔ صرف خواص اہل علم و ادب ہی آپ کی شش جہت شخصیت کے اس پہلو سے بھی واقف ہیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ اس تناظر میں آپ کے فکر و فن کا مطالعہ و تجزیہ کیا جائے۔

'سامانِ بخشش' آپ کا گراں قدر شعری مجموعہ ہے جس کے مشمولات صنف وار کچھ اس طرح ہیں۔

حمد ۲، نعت ۵۳، منقبت ۴، سلام ۴، رباعیات ۶،

حمد خدائے بزرگ و برتر کی تعریف و توصیف کو کہتے ہیں۔ اس میں اس کی عظمت و کبریائی کے جلوۂ صد رنگ کا بیان ہوتا ہے اردو شاعری کے آغاز سے ہی حمد نگاری کی روایت ملتی ہے۔ اردو کا کوئی ایسا شاعر نہیں جس نے تبرکاً و تیمناً ہی سہی، حمد الٰہی میں ایک دو شعر نہیں کہا ہو۔ اس طرح اردو میں حمد یہ شاعری کی بڑی مضبوط اور معتبر اور مسلسل تاریخ موجود ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی اردو شاعر کے یہاں اس صنف لطیف کو شاعرانہ محاسن سے آراستہ کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں ملتی ہے۔ سارے اشعار فکر منظوم کا خشک و بے کیف نمونہ نظر آتے ہیں۔ اس پس منظر میں حضور مفتی اعظم کی حمد یہ شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ہر جگہ جمالیاتی حسن کا احساس ہوتا ہے۔ ایک نرم سیر دریا میں جو خوب صورت اور فطری بہاؤ کی کیفیت ملتی ہے وہ یہاں بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ بعض مقامات پر تو شاعری نے ساحری کا روپ دھار لیا ہے اور صاف محسوس ہوتا ہے کہ (آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں)۔ لطافت خیال اور پاکیزگی بیان کے دل کش نمونے مندرجہ ذیل بندوں میں ملاحظہ ہوں۔ ع

بلبل خوشنوا، طوطی خوش گلو　　زمزمہ خواں ہیں، گاتے ہیں نغمات ہو
قمری خوش تھا، بولی حق سرہٗ　　فاختہ خوش ادا نے کہا دوست تو
اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو
صبح دم کرکے شبنم سے غسل و وضو　　شاہدانِ چمن بستہ صف روبرو

ورد کرتے ہیں تسبیح سبحانہ ہو ولا غیرہ ، ہو ولا غیرہ

اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو

نغمہ سنجانِ گلشن میں چرچا ترا چہچہے ذکرِ حق کے ہیں صبح و مسا

اپنی اپنی چہک اپنی اپنی صدا سب کا مطلب ہے واحد کہ واحد ہے تو

اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو

یہ حمد بیس بندوں پر مشتمل ہے اور مخمس کی ہیئت میں ہے۔ اس کا عنوان ہے 'ضرباتِ ہو' اور ٹیپ کا مصرع ہے۔ اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو۔ یہ ایک طویل حمد ہے، اس سے مفتی اعظم کی پُرگوئی، قادر الکلامی اور استادانہ صلاحیتوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ادب وفن کی شریعت میں مجرد قادرالکلامی کوئی قابلِ تعریف بات نہیں اگر کلام شاعرانہ حسن سے عاری ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اساتذۂ قدیم کے کلام کا سب سے بڑا حسن یہ ہے کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہوتا۔ اور اس کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ اس میں کوئی حسن نہیں ہوتا۔ یہاں عیب سے مراد لسانی وعروضی اعتبار سے کلام میں کسی نقص کا نہیں ہونا ہے اور حسن سے مراد بھی شاعرانہ آب ورنگ ہے۔ مفتی اعظم کا کمال یہ ہے کہ آپ کا کلام عروضی ولسانی لحاظ سے بھی بے عیب ہے اور ادبی وفنی محاسن کے اعتبار سے بلند وبرگزیدہ ہے۔ اس لیے یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ۔

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

آیئے اب ان کی دوسری حمد کا تجزیہ کریں۔ اس کا عنوان ہے "اذکارِ توحید ذات اسما وصفات وبعض عقائد" یہ ۹۹ بندوں پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ عنوان سے مظہر ہے۔ اس میں خدائے عزوجل کی ۹۹ صفات کا بیان ہوا ہے۔ اور ساتھ ہی بعض عقائد بھی زیرِ بحث آئے ہیں۔ یہ بھی مخمس کی ہیئت میں ہے اور ٹیپ کا مصرعہ ہے "لا الہ الا اللہ، آمنا برسول اللہ" اس حمد میں بھی آپ کا تخلیقی شعور تموج پر ہے۔ فنی لحاظ سے اس میں حیرت انگیز روانی اور تسلسل کا احساس ہوتا ہے۔ ساتھ میں یہ بھی خوش گمانی ہوتی ہے کہ مفتی اعظم حمد نہیں لکھ رہے ہیں۔ بلکہ حمد ربانی خود جوشِ طرب میں ان کے خامۂ زرنگار سے باہر آنے کے لیے بے تاب ہے۔ ملاحظہ ہو۔

سوتا، پیتا، کھاتا نہیں اس کا رشتہ ناتا نہیں

اس کے پتا اور ماتا نہیں اس کے جورو جاتا نہیں

لا الہ الا اللہ ، آمنا برسول اللہ

روزمرہ کے ہندی الفاظ کا ایسا بے تکلف اور فن کارانہ استعمال شاید ہی کسی اور شاعر کے یہاں ملتا ہو۔ آمد ہی آمد ہے اور کیسی جامعیت ہے۔ ایک بند میں خدائے وحدہ لاشریک کی کئی صفتوں کا بیان ہوگیا ہے۔ اس کو کہتے ہیں کوزہ میں سمندر سمو دینا۔ اور شاعری کے حمدیہ سرمائے میں اس کی مثال عنقا ہے۔

اور اب عقیدہ سے متعلق ایک بند ملاحظہ ہو۔ آپ کے زمانۂ پاک میں علمائے دیوبند نے امکان کذب باری تعالیٰ کا عقیدۂ باطلہ گڑھا۔ اور اس کی صحت پر اصرار کرنے لگے۔ اور سادہ لوح عوام کو یہ تاثر دینے لگے کہ توحید کے تنہا ٹھیکیدار وہی ہیں۔ ایسے ظالم، جاہل، خودسر اور بدبخت لوگوں کی سرکوبی ضروری تھی۔ چنان چہ حضور مفتی اعظم نے اس فریضہ کو اپنی اس حمد میں بخوبی انجام دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

جہل و ظلم و کذب و زنا خواری ، مئے خواری، سرقہ

اس سے یہ ممکن؟ جس نے کہا لاریب اس نے کفر بکا

لا الہ الا اللہ آمنا برسول اللہ

ہے وہ زمان وجہات سے پاک — وہ ہے ذمیم صفات سے پاک
وہ سارے محالات سے پاک — وہ ہے سب حالات سے پاک

لا الہ الا اللہ آمنا برسول اللہ

روشن ہے یہ جیسے دن — اس کا تلوث ناممکن۔
واقع کہتا ہے مومن — اور پھر ہنستا ہے مومن

لا الہ الا اللہ آمنا برسول اللہ

صدقِ رب جب واجب ہے — کذب محال اے خائب ہے
جمع دو ضد کب جائز ہے — عقل تری کہاں غائب ہے

لا الہ الا اللہ آمنا برسول اللہ

اس طرح حضور مفتی اعظم نے اپنی حمد یہ شاعری سے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا بھی کام لیا ہے۔ اس لحاظ سے بھی اردو کے حمد نگار شاعروں میں آپ کی شان امتیاز و انفرادی قائم ہوتی ہے۔ آپ کی حمد یہ شاعری میں مفصل مطالعے کی متقاضی ہے۔ مگر صفحات کی قید لگادی گئی ہے۔ اس لیے اب "سامانِ بخشش" کی نعتیں زیر بحث لائی جارہی ہیں۔ جو تعداد میں ۵۳ ہیں مگر اقدار و معیار کے اعتبار سے اس کے بعض اشعار دوسروں کے دفتر پر بھاری ہیں۔

نعتیہ شاعری سے آپ کا قلبی، روحانی اور ایمانی لگاؤ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ عشق رسول کی دولت گراں مایہ آپ کے اسلاف کرام اور اجداد عظام سے منتقل ہوتی ہوئی آپ تک پہنچی اور آپ نے بڑی فیاضی اور فراخدلی کے ساتھ اس کو اللہ کے بندوں تک پہنچایا ہے۔ جس طرح سیدی اعلیٰ حضرت کے بارے میں ہم اہل عقیدت ہیں۔ 'ڈال دی عظمت مصطفیٰ قلب میں ان کے بعد آپ پر بھی یہ بات پوری طرح منطبق ہوتی ہے۔ کہ یہی آپ کی حیات پاک کا سب سے اہم مشن اور مقدس نصب العین رہا ہے۔ ایسی ذات محمود الصفات جن کے تقویٰ و طہارت کی قسم کعبے میں بھی کھائی جاسکتی ہے۔ اس کے عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیا پوچھنا ہی کیا۔ جب تک دل عشق رسول میں بریاں اور آنکھیں ان کے فراق میں گریاں نہیں ہوں اس طرح کے اشعار کارگاہ فکر میں ڈھل ہی نہیں سکتے۔

کچھ ایسا کردے مرے کردگار آنکھوں میں — ہمیشہ نقش رہے، روئے یار آنکھوں میں
کرم یہ مجھ پہ کیا ہے مرے تصور نے — کہ آج کھینچ دی تصویر یار آنکھوں میں

اور اس شعر کے لب ولہجہ پر غور کیجیے اور قربان جائیے۔

فرشتے پوچھتے ہو مجھ سے کس کی امت ہے — لو، دیکھ لو، یہ ہے تصویر یار آنکھوں میں
میں شاہ نشیں ٹوٹے دل کو نہ کہوں کیسے — ہے ٹوٹا ہوا دل ہی مولیٰ ترا کاشانہ
گر پڑ کے یہاں پہنچا مر مر کے اسے پایا — چھوٹے نہ الٰہی اب سنگ در جانانہ
پاؤں کیا میں دل میں رکھ لوں، پاؤں جو طیبہ کے خار — مجھ سے شوریدہ کو کیا کھٹکا ہو نوک خار کا

سینہ پہ قدم رکھنا، دل شاد مرا کرنا　　درد دلِ مضطر کی سرکار دوا کرنا

شہرہ بھی عیسیٰ کا جس بات میں ہے مولا　　تم جان مسیحا ہو ٹھوکر سے ادا کرنا

برباد نہ ہو مٹی اس خاک کے پتلے کی　　اللہ مجھے ان کی خاکِ کفِ پا کرنا

طائرِ جاں کی طرح، دل اڑ کے جا بیٹھا کہاں　　میرے پہلو میں ابھی تھا، کیا ہوا ملتا نہیں

اردو شعر و ادب کے ناقدین کی غالب اکثریت اس نقطۂ نظر کی حامل رہی ہے کہ مذہبی شاعری بالخصوص نعتیہ شاعری کا تعلق چوں کہ عقیدے اور عقیدت سے ہے اس لیے اس میں شعری محاسن اور جمالیاتی رنگ کا پیدا ہونا ممکن نہیں۔ اس کا بھرپور جواب تو خود امام الشعرا حضرت امام احمد رضا نے اپنے ایک شعر میں بہت پہلے دے دیا ہے کہ ؎

جو کہے شعر و پاسِ شرع، دونوں کا حسن کیوں کر آئے　　لا اسے پیش جلوۂ زمزمۂ رضا کے یوں

اور راقم الحروف کہتا ہے کہ ع

تلوار کاٹتی ہے مگر ہاتھ چاہیے

دیکھیے حضور مفتی اعظم نے اپنی نعتیہ شاعری کو کس طرح شاعرانہ آب و رنگ سے مزین کیا ہے۔ بہ الفاظ دیگر اس کو فکرِ بلند اور فنِ لطیف کا دل کش نمونہ بنا کر پیش کیا ہے

طبق پر آسماں کے لکھتا میں نعتِ شہ والا　　قلم اے کاش مل جاتا مجھے جبریل کے پر کا

فق ہو چہرہ مہر و مہ کا ایسے منہ کے سامنے　　جس کو قسمت سے ملے بوسہ تری پیزار کا

آبلوں کے سب کٹورے آہ خالی ہوگئے　　منہ ابھی تر بھی نہ ہونے پایا تھا ہر خار کا

تیرے باغِ حسن کے رونق کا کیا عالم کہوں　　آفتاب ایک زرد پتا ہے ترے گل زار کا

قفس جسم سے چھٹتے ہی یہ پراں ہوتا　　مرغِ جاں گنبدِ خضرا پہ غزل خواں ہوتا

کیا کہوں کیسے ہیں پیارے تیرے پیارے گیسو　　دونوں عارض میں ضحیٰ، لیل کے پارے گیسو

شب کو شبنم کی مانند رویا کیے　　صورتِ گل وہ ہم کو ہنسا کر چلے

جو ساقی کوثر کے چہرے سے نقاب اٹھے　　ہر دل بنے مے خانہ، ہر آنکھ ہو پیمانہ

وہ کہتے نہ کہتے کچھ، وہ کرتے نہ کرتے کچھ　　اے کاش وہ سن لیتے مجھ سے مرا افسانہ

اس طرح کے خوبصورت اور خوش رنگ اشعار سے "سامانِ بخشش" کی نعتیں مملو اور مزین ہیں۔ میں نے بالقصد محض چند نمونوں کے نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ حسب حکم مقالے کو طول نہیں دینا ہے ورنہ ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوے لالہ۔

اور اب چند سطور "سامانِ بخشش" کی منقبت سے متعلق عرض ہیں۔ اس میں کل چار منقبتیں ہیں۔ تین حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ

کی شان میں اور ایک علاء الملت والدین علی احمد صابر کلیری رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں۔ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے خانوادۂ رضا کی بے پایاں عقیدت وشیفتگی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ تو دوپہر کے سورج کی طرح درخشاں اور تابناک ہے۔ سلسلۂ قادریہ، سلسلۂ رضویہ کا نشان امتیاز ہے۔ سیدنا امام احمد رضا اور مرشدنا حضور مفتی اعظم اور ان کے تلامذہ و خلفا نے "بادشاہ پیر" کا دامن اس مضبوطی سے ہاتھوں میں تھما دیا کہ وہ انشاء اللہ حشر تک کسی سچے سنّی سے نہیں چھوٹے گا۔ میں بخوف طوالت حضور مفتی اعظم کی تینوں منقبت غوث سے صرف دو دو شعر نقل کروں گا۔ تینوں کی ردیف غوث اعظم ہے۔ لیکن قوافی الگ الگ ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

ترا جلوہ نورِ خدا غوث اعظم ترا چہرہ ایماں فزا غوث اعظم
خدا تو نہیں ہے مگر تو خدا سے جدا بھی نہیں ہے ذرا غوث اعظم

کھلا میرے دل کی کلی غوث اعظم مٹا قلب کی بے کلی غوث اعظم
نہیں کوئی بھی ایسا فریادی آقا خبر جس کی تم نے نہ لی غوث اعظم

ترا حل ہے تیرا حرم غوث اعظم عرب تیرا، تیرا عجم غوث اعظم
خبر لو ہماری کہ ہم ہیں تمہارے کرو ہم پہ فضل و کرم غوث اعظم

اور یہ حضرت علی احمد صابر کلیری رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے۔ جو بزبان ہندی ہے۔ نو اشعار پر مشتمل ہے۔ یہاں صرف تین اشعار نقل کیے جارہے ہیں۔

کیسے کاٹوں رتیاں صابر تارے گنت ہوں سیاں صابر
مورے کرجوا ہوک اٹھت ہے موکو لگا لے چھتیاں صابر
تن من دھن سب تو پہ وارے نورتی مورے سیاں صابر

"سامانِ بخشش" میں چار سلام بہ حضور سید انام ہیں۔ اور چوں کہ یہ نعت نبی کا حصہ ہے اور نعت رنگ میں ہے۔ اس لیے اس میں تفصیلی گفتگو کرنے کی بجائے میں حضور مفتی اعظم کی رباعیات کو زیر بحث لانا چاہتا ہوں۔ رباعیات تعداد میں کل چھ ہیں۔ رباعی ایک مشکل ترین صنف شاعری ہے۔ اس کے فنی تقاضوں سے عہدہ برآ ہونا ہر شاعر کے بس کی بات نہیں۔ لیکن حضور مفتی اعظم نے اس وادی پر خار کو بھی بڑی سلامت روی سے طے کیا۔ اور یہ اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ آپ خداداد شاعرانہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ زبان و بیان پر آپ کو کامل دسترس حاصل تھی۔ اظہار خیالات میں کہیں آپ کا قلم عجز بیانی کا شکار نہیں ہوا ہے۔ بل کہ یہاں بھی آپ نے شعری حسن کو برقرار رکھا ہے۔ ایک رباعی میں آپ نے اپنی شاعرانہ فتوحات کا یوں تذکرہ کیا ہے۔

گل ہائے ثنا سے مہکتے ہوئے ہار
سلکِ شرعی سے ہیں منوّر اشعار
دشمن کی نظر میں نہ کھٹکیں کیوں کہ

ہیں پھول گر ہیں چشم اعدا میں خار

عام طور پر شاعروں کے ہاں فخر کا اظہار ملتا ہے۔اس کو شاعرانہ تعلّی بھی کہتے ہیں۔دنیا کا کوئی ایسا شاعر نہیں جس نے ایک دو شعر ہی سہی، اس مزاج و نوعیت کے نہیں کہے ہوں۔اس کے برعکس حضور مفتی اعظم کا نفس تقدس مآب قلم اپنی ہیچ مدانی کا یوں تذکرہ کرتا ہے۔

دنیا تو یہ کہتی ہے سخن ور ہوں میں
سارے شعرا کا آج سرور ہوں میں
میں یہ کہتا ہوں یہ غلط ہے سو بار غلط
سچ تو ہے یہی کہ سب سے احقر ہوں میں

حضور مفتی اعظم بلاشبہ اپنے وقت کے ولی کامل اور قطب اعظم تھے۔وہ گفتار میں، کردار میں اللہ کی برہان تھے لیکن ایک رباعی میں ان کا حد درجہ انکسار اور خشیت الٰہی ملاحظہ ہو۔

حد بھر کا زیاں کار و سیہ کار ہوں میں
امت میں بڑا سب سے گنہ گار ہوں میں
پر دل کو ہے اپنے اس سے ڈھارس
فرماتا ہے اللہ کہ غفار ہوں میں

ہم میں سے ہر شخص اس رباعی کے مرکزی خیال کو اگر پیش نظر رکھے تو واقعی اس کی عاقبت سنور جائے گی۔
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے

سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

☆☆☆☆☆

حضرت نوری بریلوی کی شاعرانہ پیکر تراشی

مولانا محمد قمر الحسن قمر بستوی مصباحی
ایم اے علیگ (امریکہ)

"یہ مقالہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کے چھوٹے صاحب زادے عارف باللہ علامہ اجل حضرت شاہ مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی ملقب بہ مفتی اعظم متخلص بہ نوری بریلوی علیہ الرحمہ کی شاعری کے متعلق "حضرت نوری بریلوی کی شاعرانہ پیکر تراشی" کے عنوان سے ترتیب دیا گیا ہے۔ جس میں اسلوب نعت کی رواداری کے ضمن میں کلام کی پیکریت پر بحث کی گئی ہے۔" راقم غفرلہ

نبی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ سِحْراً وَ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکَماً (۱) اس حدیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بعض بیانات میں جادو کا اثر اور بعض اشعار میں حکمت و دانائی ہوتی ہے۔ اس کا ثبوت شعرائے متقدمین و متاخرین کے دواوین ہیں جن کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اشعار نے وقت پر کتنا اہم کارنامہ انجام دیا ہے اور کیسے کیسے ماحول کی کایا پلٹ دی ہے؟ اس دعویٰ کے پیش نظر نظامی عروضی سمرقندی کے یہ خیالات بڑی اہمیت کے حامل ہو جاتے ہیں:

> شاعری صناعتی هست کہ شاعر بداں صناعت اتساق مقدمات موہمہ کند والتیام قیاسات منتجہ بر آں وجہ کہ معنی خرد را بزرگ گرداند و معنی بزرگ را خرد و نیکو را در خلعتِ زشت باز نماید و زشت را در صورت نیکو جلوہ کند و با یہام قوتہائے غضبانی و شہوانی را برانگیزد تا بداں ایہام طباع را انقباضی و انبساطی بود و امور عظام را در نظام عالم سبب شود (۲)

> شاعری ایک ایسی صنعت ہے کہ شاعر اس سے مقدمات موہمہ کی ترتیب اور قیاسات منتجہ کی آمیزش ایسے طریقہ پر کرتا ہے کہ چھوٹے معنیٰ کو بڑا کر دیتا ہے اور بڑے کو چھوٹا، نیز عمدہ کو برے لباس میں ڈھال دیتا ہے اور قبیح کو صورت جمال میں جلوہ گر کر دیتا ہے۔ ایہام کے ذریعہ قوت غضبانی و شہوانی ابھارتا ہے تا کہ اس ایہام سے طبیعت کو انقباض و انبساط حاصل ہو اور نظام عالم میں بڑے کاموں کا ذریعہ ہو۔

شاعری کے تنوعات میں نعت، قصیدہ، مثنوی، رباعی، غزل اور نظم وغیرہ بھی آتے ہیں۔ ان جملہ اصناف میں پیکر تراشی کی قدریں کچھ زیادہ ہی قدیم ہیں۔ خصوصاً قصائد کی تشبیب اور غزل میں پیکر کا عنصر بہت پرانا ہے۔ مثلاً عربی شاعر ابو طیب احمد بن حسین جعفی معروف بہ متنبی (متوفی ۳۵۴ھ) نے اپنے ایک قصیدہ کی تشبیب میں محبوب کو ایک ایسے نورانی پیکر میں ڈھالا ہے جہاں ظلمتوں کا گزر نہیں ہوتا۔

أَمِنَ ازْدِيَارَكِ فِي الدُّجَى الرُّقَبَاءُ إِذْ حَيْثُ كُنْتِ مِنَ الظَّلَامِ ضِيَاءُ (۳)

ترجمہ: رقیبوں کو اطمینان ہے کہ میں تاریکی میں تجھ سے نہیں مل سکتا۔ کیوں کر تو تاریکیوں میں جہاں کہیں ہوتا ہے روشنی ہی روشنی ہوتی ہے۔

پھر ایک دوسرے قصیدہ میں جو سیف الدولہ کی بہن کے انتقال پر مرثیہ کہا ہے ایک بڑی دل کش پیکر تراشی کی ہے۔ جس کا شعر یہ ہے۔

حَتّٰی إِذَا لَمْ یَدَعْ لِیْ صِدْقُہٗ أَمَلاً　　شَرِقْتُ بِالدَّمْعِ حَتّٰی کَادَ یَشْرَقُ بِیْ (۴)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب اس کی موت کی سچی خبر نے میرے لیے کوئی امید نہیں چھوڑی تو کثرت اشک کے باعث مجھے اچھو ہو گیا۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ میری وجہ سے آنسوؤں کو اچھو لگ جائے۔

اس شعر میں حسی پیکر تراشا گیا ہے۔ آنسوؤں کو اُچھو لگنا ایک علامتی پیکر بنایا گیا اور اس کی تجسیم کے بعد پھر اس کی لمسی پیکریت اجاگر ہوئی۔

اسی طرح فارسی شاعری میں بھی پیکریت کا تصور بہت پہلے سے موجود ملتا ہے اور ان تصورات کی چاندنی ہر جگہ بھی سجائی نظر آتی ہے۔ فارسی کا قدیم صاحب دیوان شاعر ابو عبداللہ جعفر بن محمد بن حکیم بن عبدالرحمٰن بن آدم معروف بہ رودکی (متوفی ۳۲۹ھ) سامانی دور کے حکمران اپنے ممدوح نصر بن احمد سامانی کی مدح میں ایک قصیدہ کے اندر کہتا ہے

ریگ آموی و درشتی راہ او　　زیر پایم پرنیاں آید ہمی

دریائے آموی کی سخت ریت میرے پیروں میں پرنیاں بن کر آرہی ہے۔

میر ماہست و بخارا آسماں　　ماہ سوی آسماں آید ہمی

میر چاند ہے اور بخارا آسمان، چاند آسمان کی طرف آرہا ہے۔

میر سروست و بخارا بوستاں　　سرو سوے بوستاں آید ہمی (۵)

میر سرو ہے اور بخارا باغیچہ سرو باغیچہ کی طرف آرہا ہے۔

ان تمام اشعار میں ریت کا پرنیان سے، نفس کا ماہ و سرو سے استعارہ پیکریت کا گل کھلا رہا ہے۔

نعت کے ساتھ جملہ اصناف سخن میں پیکر تراشی کا تصور تقریباً ہر دور میں پایا جاتا رہا ہے۔ اس طرح کی شاعری میں پیکریت کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے۔ کیوں کہ فکر کے دائرۂ عمل کی کوئی حد متعین نہیں ہوتی، اس لیے حسی، مادی اور دیگر طرح کے پیکر تراشنے میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی مثلاً غالب کے ان اشعار کو دیکھیے:

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا　　جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا

دل مرا سوز نہاں سے بے محابا جل گیا　　آتش خاموش کی مانند گویا جل گیا

مجھے اب دیکھ کر ابر شفق آلود یاد آیا　　کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر

ان اشعار میں رگ سنگ سے لہو کا ٹپکنا، غم کا شرارہ ہونا، آتش خاموش کے مانند جلنا، فرقت میں گلستاں پر آتش کا برسنا سے آتشیں پیکر تراشے گئے ہیں اور استعاروں سے پیکریت کا کام لیا گیا ہے۔

اسی طرح مومن کی شاعری میں پیکریت کی جو گہما گہمی دکھائی پڑتی ہے وہ بھی اسی وسیع دائرۂ فکر کی ایک تابندہ تصویر ہے۔ ان اشعار کو دیکھیے:

اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک　　　شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو
نامہ روتے میں جو لکھا تو یہ بھیگا کاغذ　　　کہ بنا ہم گہر صفحۂ دریا کاغذ

ان دونوں شعروں میں استعارہ کے زور سے لطیف پیکر تراشے گئے ہیں۔ کیونکہ پہلے شعر میں مغنیہ کا ناہید فلک سے استعارہ کیا گیا ہے جس میں ہر تان ایک شعلہ کی مانند لپکتی ہے اور دوسرے شعر میں آنسو کا گہر سے اور کاغذ کا دریا سے، اس طرح پیکر تراشی کے مفہوم کو ایک وسیع وعریض میدان فراہم ہو رہا ہے۔ مگر نعتیہ شاعری میں پیکر تراشی محدود ہوتی ہے۔ کیوں کہ استعارہ سے حاصل شدہ مفاہیم میں اگر ذرا سی کمی ہوئی یا کچھ زیادتی ہوئی تو تنقیص وغلو کی وجہ سے بہر نوع ایمان کے لیے خطرہ رہتا ہے۔ ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ پیکریت کی ہر نوع کو بہ قرینۂ ادب صنف نعت میں جگہ دی جاسکتی ہے۔ خواہ حسّی ہو یا مجرد یا مادّی مگر نعتیہ شاعری میں پیکریت کی جملہ ساماں طرازیاں اس وقت دوبالا ہو جاتی ہیں جب پیکر تراشی میں بے مثلیت کا تصور ابھر کر نظروں میں آتا ہے۔ اس لیے کہ نعت کے علاوہ جتنی بھی اصناف سخن ہیں ان کی شاعرانہ تکنیک میں محبوب کے لیے تشبیہات واستعارات میں ہر مشبہ اور مستعار منہ کا استعمال جائز ہے لیکن نعتیہ شاعری میں پیکر تراشی کے لیے بے مثلیت درکار ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ممتنع النظیر ذات کے لیے لفظوں کا توازن غیر معتدل اور سقیم نہیں ہونا چاہیے۔ جیسی بے مثل ذات ہو اسی طرح متوازن، وقیع، پاکیزہ اور خوبصورت الفاظ کا ذخیرہ فراہم کیا جائے۔

میں پیکر تراشی پر روشنی ڈالنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ناگزیر سمجھ رہا ہوں کہ پہلے شاعر کا مستویٰ مقرر کیا جائے پھر اس تناظر میں اس کے کلام کا جائزہ لیا جائے چوں کہ سخن کی جملہ اصناف کے لیے معیار شاعری کیا ہوتا ہے یہ قریب قریب واضح ہے۔ جیسا کہ نظامی عروضی سمرقندی کا خیال ہے۔

''اما شاعر باید کہ سلیم الفطرۃ، عظیم الفکرۃ، صحیح الطبع، جید الرویہ، دقیق النظر باشد۔ <u>در انواع علوم متنوع باشد و در اطراف رسوم مستطرف</u> زیرا کہ چناں کہ شعر در ہر علمی بکار ہمی شود و ہر علمی در شعر بکار ہمی شود''(۶)

''لیکن شاعر کو چاہیے کہ سلیم الفطرۃ، بلند فکر، صحیح طبیعت، عمدہ خیال اور دقیق نظر ہو۔ اقسام علوم میں متنوع اور طرح طرح کی عادات وآئین بہرہ ور اور مستفیض ہو کیوں کہ جس طرح شعر کا تمام علوم میں کام پڑتا ہے۔ اسی طرح شعر میں تمام علوم کی ضرورت ہوتی ہے۔''

نعتیہ شاعری کے لیے خط کشیدہ عبارت ''در انواع علوم متنوع و در اطراف رسوم مستطرف'' سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ اس لیے کہ اس میں اگر علمی تنوعات کا فقدان ہوگا تو لامحالہ کہیں نہ کہیں ٹھوکر لگے گی اور شعر کا قالب بجائے مدح کے ذم کا لباس پہن لے گا۔ اس لیے خصوصاً علم قرآن، علم حدیث، علم تفسیر، علم فقہ، علم کلام، علم منطق وفلسفہ وغیرہ پر ید طولیٰ ہونا ضروری ہے۔ اگر شاعر ان سے متعدد حصے نہیں رکھے گا تو اشعار میں تازگی وشگفتگی، لذت وسوختگی اور محبت واطاعت کے جذبات کا انگیز کما حقہ نہیں ہو سکے گا بلکہ اشعار لفظوں کی مربوط شکل تو ہوں گے مگر شعریت سے عاری۔

پیکر تراشی پر بحث : قدیم شاعری میں جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ پیکر تراشی کے نمونے ضرور ملتے ہیں۔ تشبیہات واستعارات کے روپ میں ان کی جلوہ گری نظر آتی ہے مگر جدید شاعری میں یہ اصطلاح انگریزی ادب کے لفظ امیجری (Imagery) سے لی گئی ہے جیسا کہ خورشید احمد صدیقی کا خیال ہے کہ :

''انگریزی تنقید کے اثر سے اردو میں Image (امیج) کا تصور اب غیر معروف نہیں رہا۔ اس کا ترجمہ اردو

والوں نے پیکر، نقش، تمثال یا شبیہ کیا ہے۔ لیکن پیکر ہی کا چلن اب زیادہ ہو گیا ہے۔''(۷)
مگر..... عبدالنعیم عزیزی کا خیال ہے کہ:

''اردو شاعری میں پیکر کی اصطلاح انگریزی ادب سے لی گئی ہے۔ جدید اردو شعرا کے یہاں پیکر تراشی کا رجحان زیادہ ہے اور جدید شاعری کی پیکریت میں تصویری حسن، خیال کی ندرت، اور تلازموں کی فضا سے معنویت بڑھی ہے اور اس نئی شاعری کے پیکر اپنے دور کے تہذیبی اور معاشرتی حالات کا نتیجہ ہیں۔''(۸)

پیکر تراشی کی اب تک کوئی جامع تعریف نہیں کی گئی ہے جس سے اس کا کلیۃً احاطہ کیا جاسکتا البتہ ارباب نقد نے کچھ اس طرح اظہار خیال فرمایا ہے۔ خورشید احمد صدیقی رقمطراز ہیں:

''اب تک پیکر کی کوئی ایسی تعریف نہیں پیش کی جا سکی جسے سب مانتے ہوں۔ مثال کے طور پر اکلشن تجریدی الفاظ (مثلاً سچائی وغیرہ) میں بھی پیکر کی موجودگی تسلیم کرتے ہیں۔ جب کہ شریبر، اسے تشبیہ اور استعارے تک ہی محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ اور کچھ لوگ ایسی تشبیہوں کو جو ہمارے حواس خمسہ کو متاثر نہیں کرتیں۔ (مثلاً اتنا پیاسا تھا میں اس دن جتنا چاہ کا مارا ہوا) پیکر کے زمرے سے خارج سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک پیکر کی آسان تعریف جذبہ انگیز، حسیاتی، لفظی تصویر ہے۔''(۹)

عبدالنعیم عزیزی نے پیکر کی تعریف سے متعلق مندرجہ ذیل ناقدین کی آرا جمع کی ہیں۔

۱) ''مس ڈانی (Miss Dawney) کا خیال ہے کہ پیکر کو محض مادی یا مادی تصویر کی حیثیت سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ جس میں ایک قسم کی حسی خصوصیت ہوتی ہے۔

۲) مس اس پرجیون (Miss Spurgean) پیکر کی اصطلاح تشبیہ، استعارہ اور ان کے تمام مرکبات یا ان جیسی چیزوں کے لیے استعمال کرتی ہیں۔

۳) سی ڈے۔ لیوس (C. Day Lewes) کا خیال ہے کہ پیکر لفظوں سے بنائی گئی تصویر ہے اور اس خصوصیت کی وجہ سے فوگل (Fogle) پیکر کو شاعری کے حسی عناصر قرار دیتا ہے۔''(۱۰)

مگر پروفیسر عنوان چشتی نے پیکر کے تعلق سے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ یوں ہیں:

''پیکر تراشی کا عمل شاعر کے تخلیقی عمل سے وابستہ ہے۔ وہ مادی اشیا حقائق اور احوال کو اپنے تخلیقی سفر کا نقطۂ آغاز بناتا ہے۔ اور ادراک کو جذبے اور جذبے کو تخیل سے ہم کنار کرتا ہے۔ تخیل ادراک اور جذبے کے کیف مرکب میں رنگ بھرتی ہے اور اس کو نئی معنویت عطا کرتی ہے۔ شاعر کی تخلیقی قوت اس کو ذہنی پیکروں اور علامتوں میں تبدیل کرتی ہے۔ اس عمل میں شعور اور لاشعور ایک دوسرے سے اشتراک کرتے ہیں۔ مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ تخلیقی عمل کے دوران شاعر کا سفر خارج سے باطن کی طرف اور پھر باطن سے خارج کی طرف ہوتا ہے۔ پہلی منزل میں شاعر ادراک، تاثیر اور کیفیات کو تجرید عطا کرتا ہے۔ اور پھر ذہنی پیکروں کو لسانی پیکریت میں تبدیل کر کے اس تجرید کی تجسیم کرتا ہے۔ اس لیے ذہنی پیکروں اور لسانی پیکروں میں نامیاتی تعلق ہے۔ لسانی پیکر ذہنی پیکر کا خارجی روپ ہوتا ہے۔''(۱۱)

ان خط کشید تحریروں میں پیکر تراشی کے جن خط و خال کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ان سے پیکریت کی بھر پور عکاسی ہوتی ہے۔ خارج سے

باطن کی طرف سفر کے دوران شاعر کی فکر تجریدی مراحل کو عبور کرتی ہے جس میں مادیات کو تجریدی قالب میں ڈھال کر اس میں فنون شعری کی سحر طرازیاں کی جاتی ہیں۔ پھر یہی عمل جب تجرید سے مادیات کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اس میں جاذبیت، حسن، جمالیاتی عناصر اور مشمومات جیسے بے شمار پیکر ابھرتے ہیں۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی پیکر تراشی پر نظر ڈالتے ہوئے اس کی تعبیر ان مختصر لفظوں میں پیش کرتے ہیں۔

"شاعر کے فنی پہلو میں پیکر تراشی بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا ہیولیٰ شاعر کے ذاتی اور اجتماعی تجربات کے ہاتھوں تیار ہوتا ہے۔" (۱۲)

گویا ڈاکٹر عبادت بریلوی کے نزدیک پیکر تراشی کے لیے ذاتی اور اجتماعی تجربات کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس تناظر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ موصوف پیکر تراشی کو ذاتی آہنگ تک مقید رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر چہ اس کے داخلی اور خارجی احساسات وسیع تر ہوں۔ تاہم رنگ و جمال کے تار و پود یا تصورات کے محسوس ہیولیٰ جات اس وقت تک وجود پذیر نہیں ہو سکتے، جب تک شاعر کا ذاتی تجربہ اس میں ماہیت بن کر شامل نہ ہو۔

مذکورہ بالا بیانات میں پیکر کی جو آئینہ بندی کی گئی ہے ان میں حس کو محور قرار دیا گیا ہے۔ مگر تمثال یا پیکر کا صرف حسی ہونا کوئی ضروری نہیں بلکہ ذہنی بھی ہو سکتا ہے۔ ابن فرید کا خیال ہے کہ:

"تمثال کے بارے میں ایلیٹ (Eliot) اور ایزرا پاونڈ (Ezrapound) وغیرہ نے اس امر پر زور دیا ہے کہ یہ صرف حسی نہیں ذہنی بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن نہ صرف یہ لوگ بلکہ ٹوئی (Tuve) اور کرموڈ (Kermode) بھی جب تفصیل میں جاتے ہیں تو ان کی ذہنی تمثالیں حسی تمثال تک ہی محدود ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس لیے تمثال کو حواس خمسہ سے غیر متعلق کرنا اسے اس کے فطری حسن سے محروم کر دینا ہے اور یہ کسی طرح ممکن بھی نہیں ہوتا۔" (۱۳)

ان تمام بحثوں کا مدار پیکریت کے اس خدو خال کو اجاگر کرتا ہے جس کا محور عرفیے اگر چہ اس میں ذہنی احساسات اور ذاتی و خارجی ادراکات و تجربات کو داخل کر لیا گیا ہے مگر تعریف کی فصل ممیز اس کو نہیں بنایا جاسکتا۔ بلکہ پیکریت کا مفہوم اخذ کرنے کے لیے فن کی اصطلاحات کا سہارا بھی لینا پڑتا ہے جن کو تعریف کی جنس قریب کہا جاسکتا ہے مثلاً استعارہ، کنایہ، تشبیہ، علامت، اسم، فعل، صفت وغیرہ جیسا کہ خورشید احمد صدیقی کا خیال ہے:

"پیکر کی تخلیق استعارہ، کنایہ، تشبیہ، علامت اسم و فعل صفت وغیرہ سے ہوتی ہے۔ ان میں استعارات و تشبیہات، کنایات اور افعال پیکر سازی کے بہترین وسائل ہیں۔" (۱۴)

پیکریت کی تقسیم : پیکر کی دو قسمیں کی جاسکتی ہیں: (۱) بسیط پیکر (۲) مخلوط پیکر

بسیط پیکر : کسی حقیقت کو تخیل کے ذریعہ بے پناہ وسعت مل جائے۔ اس سے جو پیکر ابھرے گا وہ بسیط پیکر ہوگا یا کسی ماہیت کو قوت متخیلہ کے ذریعہ منفرد حس کا لباس پہنایا جائے۔

مخلوط پیکر : جب کئی پیکر ایسے ہوں جو مختلف حواس سے متعلق ہوں اور سب مل کر ایک پیکر کھڑا کریں تو وہ مخلوط پیکر ہوگا۔

پھر بسیط پیکر کی حواس خمسہ کے اعتبار سے پانچ قسمیں ہوتی ہیں۔

(۱) **بصری پیکر** : جس کا تعلق قوت باصرہ سے ہوتا ہے کہ قوت متخیلہ خالات و واقعات، رنگ و حرکت سے پیکر بنائے۔

(۲) **لمسی پیکر** : جو قوت لامسہ پر موقوف ہو کہ کسی شی کے چھونے یا سردی و گرمی سے قوت خیالیہ اس کو اخذ کرے۔

(۳) مذوقی پیکر : جو قوت ذائقہ کو متاثر کرے کہ قوت خیالیہ چکھنے سے اس کو حاصل کرے۔
(۴) مشامی پیکر : جو قوت شامہ سے متعلق ہو کہ کسی خوشبو یا اس کے لوازمات سے قوت متخیلہ مشام کو متاثر کرے۔
(۵) سماعی پیکر : جس کا تعلق قوت سامعہ سے ہے یعنی کسی صوتی حسن وآہنگ یا حالات وواقعات سے قوت سامعہ متاثر ہو۔
اس مذکورہ تمہید کے بعد اب میں آپ کی توجہ حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی شاعری میں پیکر تراشی کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ مگر شعری نقد سے پہلے شاعر کی ذاتی زندگی کا جاننا ناگزیر ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ جس کی شاعری پر بحث کی جارہی ہے اس کی زندگی کا معیار کیا تھا۔

حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ

جب بھی کسی شخص کی شاعری اور اس کی فکری کاوش کا جائزہ لینا ہو تو یہ امر ضروری ہوتا ہے کہ اس کے گردوپیش پائے جانے والے اس ماحول کو دیکھا جائے جس میں اس کی جولانی طبع افکار کے موتی لٹا رہی ہے۔ کیوں کہ ماحول کا شعر پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ شاعر جب اپنے گردوپیش سے متاثر ہوتا ہے تو اس کے کلام میں سوز وشگفتگی دونوں ایک ساتھ جنم لیتی ہیں۔ اس تناظر میں حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ کے تاریخی پس منظر کا خاکہ سجانا بھی از بس کہ ضروری ہے۔

حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمۃ نے ۲۲ رذی الحجہ ۱۳۱۰ھ - ۷ رجولائی ۱۸۹۳ء کو بروز جمعہ اس خاک دان گیتی میں آنکھ کھولی۔ (۱۵) ۱۳۲۸ھ میں تعلیم مکمل فرمائی (۱۶)

یہ وہ دور تھا جس میں ہندوستان کے اندر اسلامی قدروں کا استحصال ہو رہا تھا، ایک طرف انگریز سامراج تھا اور دوسری طرف ہندوتوا کا سازشی جال بچھایا جارہا تھا۔ پھر ۱۴ رمحرم الحرام ۱۴۰۲ھ - ۱۲ رنومبر ۱۹۸۱ء کو آپ نے رحلت فرمائی۔ (۱۷) اس ۹۱ برس کا جو ماحول ہندوستان کی تاریخ میں گزرا وہ کوئی ایسا نہ تھا جس میں گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر ضرب حق کا شغف رکھا گیا ہوتا۔ بل کہ ہر محاذ پر سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا جارہا تھا۔ پورے ہندوستان میں زہریلی ہوائیں چل رہی تھیں اور ہر طرف ماتم پرشور کا عالم تھا، قتل وغارت گری، شعائر اسلام کی پامالی، شدھی تحریک کا زور، بساط سیاست پر کانگریسی ملاؤں کی ترک تازیاں مسلمانوں کا احساس محرومی کیا کچھ نہ تھا۔ ایسے ماحول میں حضرت نوری علیہ الرحمہ کی ذمہ داریاں یک گونا نہیں بلکہ گوناگوں تھیں۔ ادارہ کا اہتمام، فتویٰ نویسی، رشد وہدایت، مناظرہ ومباحثہ، سیاست سے پنجہ آزمائی، شدھی تحریک کا انسداد، مسلمانوں کی دل جوئی، شعائر اسلام کا تحفظ اور ناموس رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت کیا کیا نہ تھا سب کچھ کرنا تھا۔ دل میں شعائر اسلامی کے مٹائے جانے پر لاوا پکتا رہتا۔ گویا زندگی کا لمحہ لمحہ شدید ترین مصروفیت کی نذر ہو گیا تھا۔ بقول مولانا سید شاہد علی رضوی:

> "حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ رضوی دارالافتا کے اہتمام اور کار فتویٰ کی زیادتی کے سبب صرف مخصوص طلبہ کو پڑھاتے تھے۔" (۱۸)

پھر کچھ دور آگے چل کر رقم طراز ہیں:

> "امام احمد رضا قدس سرہٗ کے وصال کے بعد رضوی دارالافتا میں آنے والے ہزارہا مسائل کے لکھنے والے صرف دو تھے ایک حضرت مفتی اعظم دوسرے حضرت صدر الشریعہ۔ حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ اگرچہ حضرت مفتی اعظم کے استاد تھے۔ خود زبردست مفتی تھے مگر مسائل ان دونوں حضرات کے یہاں ارسال فرما دیتے۔ بہت کم ایسا اتفاق

ہوتا کہ خود کوئی فتویٰ تحریر فرماتے۔ اور جب حضرت صدر الشریعہ اجمیر شریف چلے گئے تو تنہا مفتی اعظم رضوی دار الافتاء میں آنے والے تمام مسائل کو لکھا کرتے۔" (۱۹)

ان تمام مصروفیات کے باوجود مشق سخن کی جولانیت کو بھلا کب راہ ملتی۔ مگر سوز عشق کی جلوہ سامانیاں قلب عاشق پر ابھرنے والے زریں نقوش کو صفحہ قرطاس پر اتارتی رہتیں اور یوں ہزار مصروفیت کے رہتے ہوئے بھی مشق سخن جاری رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نوری کی شاعری میں خارجی اثرات کے جذباتی احساسات سوز دروں بن کر داخل کو مزید رنگ آمیز کر دیتے تھے۔ بات صرف سخن سنجی کی نہ تھی بل کہ اسلام کے تحفظ اور ناموس رسالت کی عصمت کی تھی۔ پھر کیا تھا اشعار کے قالب میں دود عشق کی گرمی اتر آئی۔

نعتیہ شاعری میں پیکر تراشی : جس طرح پیکر تراشی اصناف سخن کے لحاظ سے قدیم ہے اسی طرح نعت میں اس کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ اگر چہ قدیم شاعری بیشتر سادہ، سپاٹ اور طبعی ہوتی تھی مگر کہیں کہیں پیکریت کی ایسی تابناک مثالیں ملتی ہیں جن سے وجدان میں سرور پیدا ہو جاتا ہے۔ بارگاہ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے محبوب ترین شاعر حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ (متوفی ۵۴ ھ - ۶۷۴ء) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں رطب اللسان ہیں شعر دیکھیے:

فَـأَمْسَى سِـرَاجـاً مُسْتَنِيْراً وَهَـادِيـاً　　يَلُوْحُ كَمَا لَاحَ الصَّقِيْلُ الْمُهَنَّدُ (۲۰)

ترجمہ: تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک روشن چراغ ہیں اور ہدایت فرمانے والے۔ اس طرح چمک رہے ہیں جیسے صیقل کی ہوئی ہندوستانی تلوار۔"

اس میں دو طرح کے پیکرِ آتشیں و نوری تراشے گئے ہیں۔ روشن چراغ ہونا، صیقل شدہ تلواروں کی طرح چمکنا پیکر تراشی کی جاذب اور دلکش مثالیں ہیں۔

خواجہ الطاف حسین حالی کا خیال ہے کہ بعض وہ الفاظ جو نعتیہ شاعری کے لیے غیر مناسب تھے جب قدیم شعرا نے ان کو اس پاکیزہ سرزمین پر اتارا تو اس کے حقیقی معنی کے غیر منطبق ہونے کی وجہ سے مجازی معنی میں ڈھال دیا گیا یا پھر اس سے دوسرے معنی کا استفادہ کیا گیا۔ ان کی اپنی زبان میں:

"اگلوں نے عشق الٰہی یا محبت روحانی کو جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ ہو سکتی ہے مجازاً شراب کے نشہ سے تعبیر کیا تھا اور اس مناسبت سے جام و صراحی، خم و پیمانہ اور ساقی و مے فروش وغیرہ کے الفاظ بطور استعارہ استعمال کیے تھے۔" (۲۱)

گویا نعتیہ شاعری میں پیکر تراشی کے لیے انھیں عناصر کو بروئے کار لایا گیا جو شاعری کی دیگر صنفوں میں پائے جاتے ہیں مگر فرق یہ کیا گیا کہ ان کو مفہوم کی طہارت و نظافت عطا کی گئی جس سے ان کا قالب عطر بیز و گہر ریز ہو گیا۔

نعتیہ شاعری میں پیکریت کے جو تصورات ابھرتے ہیں وہ دیگر اصناف سخن سے ذرا الگ تھلگ ہوتے ہیں۔ کیوں کہ یہاں فقط زبان کے چٹخارے، لفظوں کی بندش، صوتی آہنگ، تشبیہات کی ندرت، استعاروں کی چاشنی اور بحروں کی موزونیت نیز الفاظ کی موسیقی ہی کافی نہیں بل کہ تقاضائے ادب سب سے ضروری اور اولین مرحلہ ہوتا ہے۔ اس لیے شاعر کا علمی مطالعہ، فکر کی گیرائی و گہرائی، عشق رسول کی تڑپ جس قدر زیادہ ہوگی شعر کا معیار اور اس کے داخلی اثرات، اسی قدر زیادہ ہوں گے۔ یہاں مبالغہ کی وہ جملہ اقسام قلم زد کر دی جاتی ہیں جن کا خارجی مصداق یا خود شاعر کا داخلی مصداق غیر منطبق ہوگا۔ پہلی صورت یعنی خارجی مصداق میں اگر شاعر نے اغراق و غلو سے کام لیا

تو دامنِ عزت پر دھول پڑنے کا خطرہ ہے اور دوسری صورت یعنی داخلی مصداق میں اگر شاعر نے بارگاہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ایسی کوئی واردات قلبی پیش کی جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو تو وہ کذب محض ہوگا جس سے شاعر کی ذات غیر معتبر اور خطا کار ہو جائے گی۔ جب کہ یہ دونوں باتیں اس بارگاہ میں ناروا ہیں۔

نعتیہ شاعری کے زیر و بم میں قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر اور تصوف کی وہ چاشنی پنہاں ہوتی ہے جس سے کلام دو آتشہ بنتا ہے۔ اگر صرف لفظوں کے گل بوٹے سجانے کی بات ہوتی اور مفہوم کی داخلی صیانت ملحوظ نہ رکھی جاتی تو حضرت حسانؔ، جامیؔ و سعدیؔ اور رضاؔ و حسنؔ علیہم الرحمہ کے کلام کو کسی بھی عام شاعر کے کلام کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا تھا۔ بقول شخصے:

'جو شعر برائے شعر کہتے ہیں، جو اپنے آرائشی طرز بیان سے اپنے ممدوح کو سنوارتے ہیں جو شعر کی موزونیت سے زیادہ اس کی ادبیت اور عروض و قوانی کے حسن پر نظر رکھنے کے عادی ہیں، جن کی شاعری کوئی عبادت نہیں بل کہ ادب کا شاہکار اور ذریعہ شہرت ہے وہ فن شعر گوئی کے مسلم الثبوت استاد ہوتے ہوئے بھی نعت گوئی کی دنیا میں قدم رکھتے ہوئے لرزتے ہیں۔ میں کسی کا نام نہیں لینا چاہتا مگر ہر شاعر کے پاس اس کی شاعری کا اعمال نامہ موجود ہے اگر وہ خود تلاش کریں تو اپنے پاس نعت کا سرمایہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ میں رئیس المتغزلین کو رئیس المتغزلین ہی مانتا ہوں، میں استاذ الشعرا کو استاذ الشعرا ہی جانتا ہوں، میں اردو ادب کے شاہ کار والوں کو شاہکار والا ہی سمجھتا ہوں۔ مگر کیا یہ غلط ہے؟ کہ جس ایوان میں حسنؔ بریلوی عزت و وقار کے ساتھ باریاب ہیں، وہاں ان کے استاذ محترم اور شعر گوئی کے مسلم و مشہور استاد حضرت داغؔ دروازہ کے باہر کھڑے ہیں۔ امیرؔ صاحب جہاں مسند نشین ہیں ان کے استاد وہاں دور کھڑے ہیں۔ محسنؔ کاکوروی جہاں منبر پر بیٹھے ہیں ان کے استاد معظم اشک وغیرہ نمونۂ رشک نظر آتے ہیں۔'' (۲۲)

نعتیہ شاعری میں شعر کی اہمیت کے باوجود منصب ذات رسالت کا احترام ماہیت کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی لیے اس میں طبع آزمائی تلوار کی دھار پر چلنے کے برابر ہے۔ اس میں تائید خداوندی کے ساتھ ہمت پرواز کا جذبۂ مستانہ بھی ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر ابو اللیث کا خیال ہے کہ:

''نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے اتنی ہی اس میں پرواز مشکل ہے۔ پرواز سے پہلے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ فضا سازگار بھی ملے گی یا نہیں؟ اگر ہمت پرواز مشکل مقام پر پہنچا دے تو بھی اڑنے والے کا یہ کمال ہونا چاہیے کہ وہ اور کامیابی سے وہاں سے گزر جائے۔'' (۲۳)

جب ہم اس تناظر میں حضرت نوریؔ بریلوی علیہ الرحمہ کی شاعری کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ کی شاعری نہ صرف مفہوم کے تعمق کی متحمل ہے بل کہ شکوہ الفاظ، ترکیبوں کی چستی، تشبیہ و استعارات کا طمطراق اور غرابت معنیٰ کا ایک لہر خاموش موج زن ملتا ہے۔ سید اسماعیل رضا ذبیح ترمذی نے نعتیہ شاعری کے انھیں اوصاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اہل فن لکھتے ہیں کہ اگر کسی شاعر نعت گو نعت نگار کا قلم معنی آفرینی کے ساتھ شکوہ الفاظ، بے ساختگی اور بندشوں کی چستی سے عہدہ برآ ہو جائے تو واقعی یہ اس کا کمال شاہی ہے۔'' (۲۴)

کلامِ نوری میں پیکر تراشی: اب آیئے حضرت نوریؔ بریلوی علیہ الرحمہ کی شاعری میں پیکر تراشی کا جائزہ لیا جائے۔ اور پیکر تراشی کے حسین امتزاج کی منھ بولتی تصویروں کا مشاہدہ کیا جائے۔

بصری پیکر: بصری پیکر جس میں محاکات کو عمل میں لایا گیا ہے حسب ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

دنیا ہے اور اپنا مطلب بے غرض مطلب کوئی
آشنا ملتا نہیں نا آشنا ملتا نہیں

ان کو دیکھا تو گیا بھول میں غم کی صورت
یاد بھی اب تو نہیں رنج و الم کی صورت

بھیک اپنے مرہم دیدار کی کردو عطا
چاہیے کچھ منہ بھی کرنا زخم دامن دار کا

ہیں صفات حق کے نوری آئینے سارے نبی
ذات حق کا آئینہ مہر عجم ماہ عرب

ذرہ ذرہ سے عیاں ہے ایسا ظاہر ہو کے بھی
قطرے قطرے میں نہاں ہے برملا ملتا نہیں

دل گیا اچھا ہوا اس کا نہیں غم، غم ہے یہ
لے گیا پہلو سے جو وہ دل ربا ملتا نہیں

کھلے ہیں دیدۂ عشاق قبر میں یوں ہی
ہے انتظار کسی کا ضرور آنکھوں میں

نہ ایک دل کہ مہ و مہر انجم و نرگس
ہے سب کی آرزو رکھیں حضور آنکھوں میں

نظر نہ آیا قرار دل حزیں اب تک
نگاہ رہتی ہے یوں بے قرار آنکھوں میں

کون کہتا ہے آنکھیں چرا کر چلے
کب کسی سے نگاہیں بچا کر چلیں

مذکورہ بالا اشعار میں دنیا کی غرض برآری میں آشنا و نا آشنا کا ملنا، محبوب کو دیکھ کر غم اور رنج والم کی صورت کا بھول جانا، مرہم دیدار کی بھیک سے زخم دامن دار کا منہ کرنا، انبیا کا صفات حق کا نوری آئینہ ہونا اور مہر عجم ماہ عرب کا ذات حق کا آئینہ ہونا، ذرہ ذرہ سے عیاں ہو کر بھی برملا نہ ملنا، دل چلا جانا، پھر دلربا کا نہ ملنا، قبر میں دیدہ عشاق کا کسی کے انتظار میں کھلنا، مہر و انجم و نرگس کا آنکھوں میں رکھنے جانے کی آرزو کرنا، نگاہوں کا آنکھوں میں بے قرار رہنا، آنکھیں بچا کر اور چرا کر چلنا۔ یہ سب وہ بصری پیکر ہیں جن کو حضرت نوری بریلوی نے اپنے داخلی جذبات سے متکیف ہو کر تراشا ہے۔ کیوں کہ نعت نبی میں عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے داخلی محرکات ہی سے تجربات و مشاہدات کو جلا ملتی ہے اور پیکریت کے محاسن جنم لیتے ہیں۔ رنج والم کی صورت کا حسی و بصری پیکر، زخم دامن دار کا مرہم دیدار کے لیے منہ کرنا، مہر و ماہ کا ذات حق کا آئینہ ہونا، دیدہ عشاق کا انتظار میں کھلا رہنا، نگاہ کا آنکھوں میں بے قرار رہنا یہ سارے کے سارے بصری پیکر کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں جہاں بصری پیکر اپنی پوری عشوہ طرازیوں کے ساتھ موجود ہے۔

لمسی پیکر :

فق ہو چہرہ مہر و مہ کا ایسے منہ کے سامنے
جس کو قسمت سے ملے بوسہ تیری پیزار کا

چاک تقدیر کو کیا سوزن تدبیر سے
لاکھ وہ بخیہ کرے چاک گریباں ہوگا

کاسہ لیسی سے ترے دربار کی مہتاب بھی
کیسا منور ہو گیا ماہ عجم مہر عرب

یوں بھیک لیتا ہے دو وقتہ آسماں انوار کی
صبح و مسا ہے جبہ سا ماہ عجم مہر عرب

اس جبہ سائی کے سبب شب کو اسی سرکار نے
انعام میں ٹیکہ دیا ماہ عجم مہر عرب

موم ہے ان کے قدم کے لیے دل پتھر کا　　سنگ نے دل میں رکھی ان کے قدم کی صورت

ہے رگ گردن سے اقرب نفس کے اندر ہے وہ　　یوں گلے سے ملِ کے بھی ہے وہ جدا ملتا نہیں

یہ آج کا ہے کی شادی ہے عرش کیوں جھوما　　لب زمیں کو لب آسماں نے کیوں چوما

ذرا سا بھی نہیں سایہ کہیں پہ　　عرق اتنا بہا دریا بہا ہے

جانِ کونین کے پیزار کے بوسہ پر چومنے والے کا منھ دیکھ کر مہر و مہ کا چہرہ فق ہونا، چاک تقدیر کو سوزن تدبیر سے سینا پھر چاک گریباں ہونا، در اقدس کی کاسہ لیسی سے مہتاب کا منور ہونا، آستاں پر جبہ سائی، آسمان کا صبح و مسا انوار کی بھیک لینا، آسماں کو در اقدس سے چاند کا ٹیکہ دیا جانا، پتھر کا ان کے قدم کی صورت کو دل میں رکھنا، رگ گردن سے قریب اور نفس کے اندر، رگ گلو سے ہم کنار رہ کر بھی نہ ملنا، شادی میں لب آسمان کا زمین کے لب کو چومنا، عرق کا دریا بن کر بہنا ان اشعار میں لمسی پیکریت کو قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ ان میں کا ہر شعر کسی لمسی کیفیت کا حسی تصور پیش کرتا ہے جہاں شاعر تشبیہ و استعارہ اور کنایہ سے لمسی پیکر تراش رہا ہے۔ ان کلمات پر غور کیجیے۔ بوسہ لینا، سینا، کاسہ لیسی، جبہ سائی، ٹیکہ دینا، دل میں صورت رکھنا، گلے سے ملنا، لب چومنا لمس کی لذاتی کیفیت کو اجاگر کرتے ہیں جس سے نعت کا بانکپن دوبالا ہو رہا ہے۔

مذوقی پیکر :

آبلوں کے سب کٹورے آہ خالی ہو گئے　　منھ ابھی تر بھی نہ ہونے پایا تھا ہر خار کا

جو ساقی کوثر کے چہرے سے نقاب اٹھے　　ہر دل بنے میخانہ ہر آنکھ ہو پیمانہ

بجھے گی شربت دیدار ہی سے تشنگی اپنی　　تمھاری دید کا پیاسا ہوں یوں پیاسا ہوں کوثر کا

آبلوں کے کٹوروں کا خالی ہونا، خار کا منھ تر نہ ہو پانا، دل کا میخانہ اور آنکھوں کا پیمانہ بننا، شربت دیدار سے تشنگی بجھانا، ان جملہ اشعار میں مذوقی پیکر کے وہ تمام احساسات موجود ہیں جو ذائقہ کی حس سے متعلق ہوتے ہیں۔ یہ شاعر کا فنی کمال ہے کہ ان میں جن علامتوں کو برتا گیا ہے ان سے وجدان میں ایک خاص لذت ذائقہ ابھرتی ہے جو کہیں خشک دہن کی تری کہیں شربت دیدار، کہیں دل کے میخانہ اور آنکھ کے پیمانہ بننے کے پیکر میں جلوہ گر ہیں۔ مگر ان اشعار میں نعت کا اسلوب اپنے پورے آہنگ کے ساتھ سبک خرام ہے۔ قدم قدم پر مذاق فن کی تہہ داری دلوں میں لذت ذائقہ پیدا کرتی ہے۔ جہاں نہ تو قوت ذائقہ کی تلخیاں ہیں اور نہ ہی شعر کی بے کیفی و بےلذتی۔

مشامی پیکر :

کوچۂ دل کو بسا جاتی مہک سی تیری　　کام اتنا بھی مجھے باد صبا نے نہ دیا

خاک طیبہ سے اگر کوئی نکھارے گیسو　　سنبل خلد تو کیا حور بھی ہارے گیسو

عنبرستاں بنے محشر کا وہ میداں سارا　　کھول دے ساقی اگر حوض کنارے گیسو

کیوں زلف معنبر سے کوچے نہ مہک اٹھیں　　ہے پنجۂ قدرت جب زلفوں کا تری شانہ

جس گلی سے تو گذرتا ہے مرے جان جہاں　　ذرہ ذرہ تری خوشبو سے بسا جاتا ہے

ان تمام اشعار میں مشامی پیکر کی جن تہوں کو عشق کی خوشبو سے عطر بیز کیا گیا ہے وہ نعت کا جوہر کہے جاسکتے ہیں۔ کوچۂ دل کا مہک سے بسنا، خاک طیبہ سے گیسو کا نکھارنا پھر اس پر سنبل اور حور کا اپنے گیسو کا ہارنا، حوض کے کنارے گیسو کھل جانے پر محشر کا عنبرستاں بن جانا، زلف معنبر سے کوچوں کا مہک اٹھنا، پنجۂ قدرت کا زلف اقدس کو شانہ کرنا، گلی سے گزرنے پر ذرہ ذرہ کا خوشبو سے بس جانا، مشامی پیکر کی جس تمثالی کیفیت کو واضح کرتے ہیں وہ قوت شامہ کے لیے پیکریت کی دل کش اور نادر مثالیں ہیں جن میں گہری معنویت کے ساتھ ایک مانوس فضا بھی پائی جاتی ہے جہاں مشامی پیکر کے علائم کلی طور پر موجود ہیں۔ یہاں عشق رسول کی وہ سوختگی جلوہ فرما ہے جو کسی عاشق مہجور کے ہر عضو بدن کو قوت شامہ عطا کرتی ہے۔

سماعی پیکر :

انھیں کی نعت کے نغمے زبور سے سن لو　　زبان قرآں پہ ان کے ترانے آئے ہیں

جن کے دعوے تھے ہم ہی ہیں اہل زباں　　سن کے قرآں زبانیں دبا کر چلے

نغمہ سنجان گلشن میں چرچا ترا چھپے ذکر حق کے ہیں صبح و مسا

اپنی اپنی چہک اپنی اپنی صدا سب کا مطلب ہے واحد کہ واحد ہے تو

اللہ، اللہ، اللہ

بلبل خوشنوا، طوطی خوش گلو، زمزمہ خواں ہیں گاتے ہیں نغمات ہو

قمری خوش لقا، بولی حق سرہٗ، فاختہ خوشنوا نے کہا دوست تو

اللہ، اللہ، اللہ

پڑھوں وہ مطلع نوری ثنائے مہر انور کا　　ہو جس سے قلب روشن جیسے مطلع مہر محشر کا

سماعی پیکر کے مذکورہ بالا اشعار میں نعت کے نغمے زبور سے سننا، زبان قرآن پر محبوب کے ترانے آنا قرآن سن کر زبانیں دبا کر چلنا، ثنائے مہر انور کا مطلع نوری پڑھنا، ذکر حق کے صبح و مسا چرچے ہونا، نغمہ سنجان گلشن کا چرچا کرنا، بلبل خوشنوا اور طوطی خوش گلو کا نغمات، قمری اور فاختہ کا بولنا یہ سماعی پیکر کی مثالیں ہیں۔ جن میں استعارہ و کنایہ سے سماعی پیکر تراشے گئے ہیں۔ گویا اپنی معنویت کے علاوہ ان پیکروں میں سماعی حس کی اٹھان شباب پر ہے۔ اور پورا نظام سماع حسی جولانی سے ہم کنار نظر آتا ہے۔ یہ سماعی پیکر کی جاذب اور دل کش تصویریں ہیں۔

مخلوط پیکر : ان بسیط پیکروں کی بحث کے بعد مخلوط پیکر کی چند مثالیں ناگزیر ہیں۔ چوں کہ مقسم میں پیکر کی جس تقسیم سے بحث کی گئی ہے اس میں مخلوط پیکر کے خاکہ کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ مخلوط پیکر دراصل بسیط پیکروں کے مرکب سے بنتا ہے کہ اس کی ترکیب بھی دو دو کبھی تین تین اور کبھی کبھار کئی کئی بسیط پیکروں سے ہوتے ہے۔ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

دیکھ مت مجھے گرم نظر سے خاور　　شوخی چشم سے تو آپ پریشاں ہوگا

تم اگر چاہو تو اک چین جبیں سے اپنی		کردو اعدا کو قلم شاخ قلم کی صورت

سر پر بادل کالے کالے دود عصیاں کے ہیں چھالے		دم گھٹتا ہے میرے مولیٰ صلی اللہ علیک وسلم

شب کو شبنم کے مانند رویا کیے		صورت گل وہ ہم کو ہنسا کر چلے

نگاہ مہر جو اس مہر کی ادھر ہوجائے		گنہ کے داغ مٹیں دل مرا قمر ہوجائے

پہلے شعر میں بصری پیکر، آتشیں پیکر اور جمالیاتی پیکر کو اجاگر کیا گیا ہے۔ دوسرے شعر میں حسی پیکر، حرکی پیکر اور بصری پیکر کو پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے شعر میں لونی، آتشیں اور مذوقی پیکر ہے۔ چوتھے شعر میں سیال، جمالیاتی اور سماعی پیکر ہے۔ پانچویں شعر میں بصری، نوری، لمسی اور جمالیاتی پیکر ہیں۔

بے مثل پیکر : نعتیہ شاعری میں پیکریت کا دائرہ فکر کچھ اس قدر وسیع ہے جو دیگر اصناف سخن میں کم پایا جاتا ہے۔ مادی، بسیط، مخلوط اور آتشیں پیکر کی مثالیں تو بہت ساری اصناف سخن میں ملتی ہیں مگر بے مثل پیکریت یہ صرف نعت کا خاصہ ہے۔ کیوں کہ علاقۂ تشبیہ یا استعارہ سے جب بھی کسی علامت یا تمثال کے تصوارت ابھریں گے تو فوراً طرفین کے درمیان ایک نسبت قدر مشترک بن کر پیکریت کا خاکہ تیار کرے گی۔ مگر نعت میں ایک ایسی منزل بھی ہے جہاں مشبہ بہ کا کوئی فرد ہزار تتبع وتلاش کے باوجود بھی نہیں مل سکے گا اس وقت پیکریت ایک ممتنع النظیر تمثال کے سانچے میں ڈھلی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اس کی ایک تازہ مثال کلام الامام امام الکلام حضرت رضا بریلوی (متوفی ۱۳۴۰ھ-۱۹۲۱ء) کے کلام سے ملاحظہ فرمائیں جو پوری طرح بے مثل پیکریت پر مبنی ہے:

رخ دن ہے یا مہر سما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں		شب زلف یا مشک ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

خورشید تھا کس زور پر کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر		بے پردہ جب وہ رخ ہوا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں (۲۵)

ان محولہ بالا اشعار میں پیکریت کے تمثال وتصورات کی نفی کردی گئی ہے جس سے بے مثل پیکر ابھرتا چلا جارہا ہے۔ اب حضرت نوری بریلوی کے ان اشعار کو دیکھیے کہ بے مثل پیکریت کی رنگ آفرینی سے فن نعت کے کتنے گل بوٹے سجائے گئے ہیں۔

محال عقل ہے تیرا مماثل اے مرے سرور		تو ہم کر نہیں سکتا ہے عاقل تیرے ہمسر کا

مثل ممکن ہی نہیں ہے ترا اے لاثانی		وہم نے بھی تو ترا مثل سمانے نہ دیا

آپ کا مثل شہا کیسے نظر میں آئے		کس نے دیکھی ہے بھلا اہل عدم کی صورت

دو جہاں میں کوئی تم سا دوسرا ملتا نہیں		ڈھونڈتے پھرتے ہیں مہر و مہ پتہ ملتا نہیں

نظر نظیر نہ آیا نظر کو کوئی کہیں		جچے نہ غلماں نظر میں نہ حور آنکھوں میں

جس کا ثانی ہوا، اور نہ ہے اور نہ ہو		وہ عطا کر چلے وہ سخا کر چلے

نہ ہے تم سا نہ کوئی ہوگا آگے		نہ اے آقا کوئی تم سا ہوا ہے

یہ کیا میں نے کہا مثل سا تم ہو معاذ اللہ   منزہ مثل سے، برتر زہر وہم و گماں تم ہو

عقلاً مماثل کا محال ہونا، ہمسری کا تو ہم نہ کر سکنا، ایسا ثانی کہ وہم میں اس کا مثل نہ سمانا، اہل عدم کی صورت نہ دیکھنا، مہر و مہ کے ڈھونڈنے پر بھی دوسرا نہ ملنا، نظر کو نظیر کا نظر نہ آنا، ماضی و حال و مستقبل میں ثانی نہ ہونا، وہم و گمان میں بھی مثل سے منزہ و برتر ہونا۔ یہ بے مثل پیکریت کے ایسے تصورات ہیں جن سے ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بے نظیر پیکر ابھرتا ہے۔ اگرچہ اس میں بے مثل پیکریت کے جس اسلوب کو مدنظر رکھا گیا ہے وہ بہت سادہ ہیں تاہم فن نعت کا یہی سب سے بڑا کمال ہے کہ اس میں عصمت رسول کو اس انداز میں پیش کیا جائے کہ دامن اقدس پر تنقیص کی گرد بھی نہ پڑ سکے۔ جہاں سے حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ بہت اہتمام سے گزر گئے ہیں۔

نوری پیکر : نوری پیکر بھی صنعت نعت کی ایک اہم پیکری علامت ہے جس میں تشبیہات کے ان تنزیہی تصورات کو اجاگر کیا جاتا ہے جو ممدوح کی ذات کے تناظر میں نورانی کوائف کا ماحصل لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نعت کے تقدیسی ماحول میں نوری پیکر کی فراوانی ہوتی ہے۔ اشعار دیکھیے:

بنا عرش بریں مسند کف پائے منور کا   خدا ہی جانتا ہے مرتبہ سرکار کے سر کا

مٹے ظلمت جہاں کی نور کا تڑکا ہو عالم میں   نقاب روئے انور اے مرے خورشید اب سرکا

وصف کیا لکھے کوئی اس مہبط انوار کا   مہر و مہ میں جلوہ ہے اس چاند سے رخسار کا

حسن کی بے پردگی پردہ ہے آنکھوں کے لیے   خود تجلی آپ ہی پردہ ہے روئے یار کا

ہرشی میں ہے جلوہ تیرا تجھ سے روشن دین و دنیا   بانٹا تو نے نور کا باڑا صلی اللہ علیک وسلم

وہ آئیں تیرگی ہو دور میرے گھر بھر کی   شب فراق کی یارب کبھی سحر ہو جائے

نصیب تیرا چمک اٹھا دیکھ تو نوری   عرب کے چاند لحد کے سرہانے آئے ہیں

یہ سر طور سے گرتے ہیں شرارے نوری   روئے پُرنور پہ یا وارے ہیں تارے گیسو

عرش بریں کا کف پائے منور کا مسند بننا، نقاب روئے انور سے عالم میں نور کا تڑکا ہونا، مہر و مہ میں چاند سے رخسار کا جلوہ ہونا، حسن کی بے پردگی اور تجلی کا آنکھوں کے لیے پردہ ہونا، نور کا باڑہ بٹنا، شب فراق کا سحر ہونا، عرب کے چاند کا لحد کے سرہانے آنا، روئے پرنور پر سر طور سے شرارے کا گرنا یا گیسوؤں کا تارے نچھاور کرنا، ان تمام اشعار میں نوری پیکریت کے لطیف تمثالی تصورات جگمگا رہے ہیں۔ جس سے نعت کا کیف دوبالا ہوا جا رہا ہے۔

اب آئیے کچھ گفتگو جمالیاتی، آتشیں اور لونی پیکر پر ہو جائے۔ اگرچہ یہ سارے پیکر نوری پیکر کا لازمہ کہے جا سکتے ہیں۔ مگر قدرے فرق کی وجہ سے ان کو الگ بیان کرنے کی ضرورت پڑی۔ چوں کہ کلام نوری بریلوی میں یہ سارے علائم موجود ہیں۔

جمالیاتی پیکر : اس میں لونی پیکر بھی شامل ہوتا ہے۔ مگر لونی پیکر میں ایک خاص رنگت کا استدراک پہلو متصور ہوتا ہے اس لیے محاکات میں لون کو جمال پر نہیں قیاس کیا جا سکتا۔ کیوں کہ جمالیاتی پیکر میں بہ نسبت اس کے وسعت نمایاں ہوتی ہے اور اس کا دائرہ لونی پیکر سے بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ برخلاف لونی پیکر کے کہ علامت کی جن تشبیہوں کا ذکر ہوتا ہے وہ ایک مخصوص نوعیت کی متحمل ہوتی ہیں۔ کلام

نوری میں جمالیاتی پیکر ملاحظہ ہو۔

کھلے ہیں دیدۂ عشاق خواب مرگ میں بھی ۔۔۔ کہ اس نگار کا ہے انتظار آنکھوں میں

بسا ہوا ہے کوئی گل عذار آنکھوں میں ۔۔۔ کھلا ہے چار طرف لالہ زار آنکھوں میں

یہ گھٹا جھوم کے کعبہ کی فضا پر آئی ۔۔۔ اڑ کے، یا ابرو پہ چھائے ہیں تمھارے گیسو

وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے ۔۔۔ ہاں حسیں تم ہو فتنے مٹا کر چلے

خواب مرگ میں انتظار کے لیے دیدۂ عشاق کا کھلنا، گل عذار کا آنکھوں میں بسنا، چاروں طرف لالہ زار کا آنکھوں میں کھلنا، فضائے کعبہ پر اڑ کے گھٹا کا آنا، ابرو پہ گیسو کا چھا جانا، حسین کا فتنے مٹا کر چلنا، جمالیاتی پیکر کی انتہائی دل کش تصویریں ہیں۔ جن میں پیکر تراشی کا نامیاتی تصور بلند ہوتا جا رہا ہے۔

آتشیں پیکر : آتشیں پیکر کا نوری پیکر سے ایک گہرا تعلق ہے۔ مگر یک گونہ آتشیں پیکر نوری سے علاحدہ ہے۔ چونکہ آتشیں پیکر میں سوختگی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے اس لیے ہر نوری پیکر کو آتشیں پیکر سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ پھر آتشیں پیکر میں دود کا کثیف مادہ بھی ہوتا ہے جس کو صنف نعت میں برتنے کے لیے شعری محاسن پر گہری نظر بھی ہونی چاہیے ورنہ اس سے پیکریت کی چادر تطہیر داغ دار ہو جائے گی۔ جیسا کہ حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں ۔۔۔ یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اس لیے پیکریت کے ان علائم سے دھواں کا کوئی تعلق نہیں۔ بریں بنا آتشیں پیکر کی وہ قدریں جو متعلقات سے تعبیر ہیں ان کو صنف نعت میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ اور اس سے پیکر تراشا قبیح نہیں۔ شعر دیکھیے۔

مرقد نوری پہ روشن ہے یہ لعل شب چراغ ۔۔۔ یا چمکتا ہے ستارا آپ کی پیزار کا

شربت دید نے اور آگ لگا دی دل میں ۔۔۔ تپش دل کو بڑھایا ہے بجھانے نہ دیا

وہ ہیں خورشید رسالت نور کا سایہ کہاں ۔۔۔ اس سبب سے سایۂ خیر الوریٰ ملتا نہیں

دل تپا سوز محبت سے کہ سب میل چھٹے ۔۔۔ تپنے کے بعد ہی تو سونا کھرا ہوتا ہے

لعل شب چراغ کا روشن ہونا، پیزاروں کا ستارہ چمکنا، شربت دید سے دل میں آگ لگنا، خورشید رسالت کا بوجہ نورانیت سایہ نہ ہونا، سوز محبت میں دل تپ کر میل کا چھٹنا محاکات شعری کے آتشیں پیکر ہیں۔

لونی پیکر : لون کا جمالیات سے گہرا تعلق ہے۔ یہ دراصل جمالیات ہی کے دائرۂ کار کی تابندگی کا ایک پیکری کردار ہوتا ہے۔ تاہم قدرے تمایز کی وجہ سے اس کو الگ رکھا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اب لونی پیکر کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

تیرے باغ حسن کی رونق کا کیا عالم کہوں ۔۔۔ آفتاب اک زرد پتا ہے تیرے گل زار کا

زرد رو کیوں ہو گیا خورشید تاباں سچ بتا ۔۔۔ دیکھ پایا جلوہ کیا اس مطلع انوار کا

جو سوختہ ہیزم کو چاہو تو ہرا کردو — مجھ سوختہ جاں کا بھی دل پیارے ہرا کرنا

آفتاب کا باغ حسن کا ایک زرد پتہ ہونا، مطلع انوار کا جلوہ دیکھ کر خورشید کا زرد ہوجانا، دل سوختہ جاں کا ہرا کرنا۔ یہ سب لونی پیکر کی زندہ مثالیں ہیں۔

ان ساری تفصیلات میں حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ کے کلام کا صرف ایک گوشہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں محاکات یا پیکر تراشی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگر اسی طرح آپ کے مجموعۂ کلام ''سامان بخشش'' کا تجزیاتی جائزہ لیا جائے تو اس میں شعر کی وہ جملہ تاثیرات محسوس کی جاسکتی ہیں جو کسی استاذ الشعرا کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ آپ نے صرف عشق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والہانہ جذبہ کو حرز جان رکھا، اور تاحیات مدح مصطفوی کے نغمے لٹاتے رہے۔ ان کی نعتیہ شاعری کے محرکات داخلی اور خارجی دونوں ہیں مگر داخلیت اس قدر غالب ہے کہ آئینۂ روح کو صیقل کرتی ہوئی محسوس ہورہی ہے۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ صنف سخن کی اس دل کش اور جاذب سوغات میں زندگی کے وہ لمحات گردش کررہے ہیں جو علمی مشاغل سے کسی صورت بچالیے جاتے تھے یا بچ جاتے تھے۔ ہم ان کو ان کی بالاستیعاب شاعری نہیں کہہ سکتے۔ اگر وہ اپنے جملہ اوقات کو شاعری کی طرف مرتکز کرتے تو خدا جانتا ہے کہ سخن کے کس ذروۂ کمال پر ہوتی۔

☆☆☆☆☆

حواشی:

(۱) کنز العمال حدیث ۔ ۸۰۰۷، بیت الافکار الدولیہ، الریاض
(۲) احمد بن عمر بن علی نظامی عروضی سمرقندی، چہار مقالہ، ص ۲۰، پبلشرز لالہ رام نرائن بینی مادھو کٹرہ، الہ آباد
(۳) ابوالطیب احمد بن حسین جعفی، دیوان متنبی، ص ۶
(۴) ابوالطیب احمد بن حسین جعفی، دیوان متنبی، ص ۲۸
(۵) احمد بن عمر بن علی نظامی عروضی سمرقندی، چہار مقالہ، ص ۵، پبلشرز لالہ رام نرائن بینی مادھو کٹرہ، الہ آباد
(۶) احمد بن عمر بن علی نظامی عروضی سمرقندی، چہار مقالہ، ص ۲۵، پبلشرز لالہ رام نرائن بینی مادھو کٹرہ، الہ آباد
(۷) علی گڑھ میگزین ۷۷-۱۹۷۶ء، ص ۳، مطبوعہ لیتھو کلر پرنٹرس اچل تال علی گڑھ
(۸) عبد النعیم عزیزی (علیگ)، کلام رضا کے نئے تنقیدی زاویے، ص ۸۳، ناشر الرضا اسلامک اکیڈمی، بریلی شریف
(۹) علی گڑھ میگزین ۷۷-۱۹۷۶ء، ص ۳۹-۳۸، مطبوعہ لیتھو کلر پرنٹرس اچل تال علی گڑھ
(۱۰) عبد النعیم عزیزی (علیگ)، کلام رضا کے نئے تنقیدی زاویے، ص ۹۳، ناشر الرضا اسلامک اکیڈمی، بریلی شریف
(۱۱) روح ادب سہ ماہی، کلکتہ، اپریل تا ستمبر ۱۹۶، ص ۳۰، مطبوعہ اعجاز پرنٹرس، ۱۸، ذکریا اسٹریٹ، کلکتہ
(۱۲) ماہنامہ نگار (غالب نمبر) کراچی فروری - مارچ ۱۹۶۶ء، ص ۲۱۴، مطبوعہ مشہور آفسٹ پریس کراچی، پاکستان
(۱۳) ابن فرید، میں ہم اور ادب، ص ۷۳، مطبوعہ اسرار کریمی پریس الہ آباد
(۱۴) علی گڑھ میگزین ۷۷-۱۹۷۶ء، ص ۴۰، مطبوعہ لیتھو کلر پرنٹرس اچل تال علیگڑھ
(۱۵) محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی، مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول ص ۲۰، ناشر رضا اکیڈمی، ۱۳۰ علی عمر اسٹریٹ، بمبئی
(۱۶) محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی، مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول ص ۳۰، ناشر رضا اکیڈمی، ۱۳۰ علی عمر اسٹریٹ، بمبئی
(۱۷) محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی، مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول ص ۱۰۲، ناشر رضا اکیڈمی، ۱۳۰ علی عمر اسٹریٹ، بمبئی
(۱۸) محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی، مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول ص ۴۱، ناشر رضا اکیڈمی، ۱۳۰ علی عمر اسٹریٹ، بمبئی

۱۹) محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی، مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول ص ۸۸، ناشر رضا اکیڈمی، ۱۳۰ علی عمر اسٹریٹ، بمبئی

۲۰) یٰسین اختر مصباحی مولانا، المدیح النبوی، ص ۳۶، مطبوعہ مطبع کوثر سرائے میر اعظم گڑھ

۲۱) الطاف حسین حالی خواجہ، مقدمہ شعر و شاعری، ص ۱۴۳، مطبوعہ تاج آفسٹ پریس الہ آباد

۲۲) مقدمہ فرش پر عرش (دیوان محدث اعظم) ص ۷، ناشر، رضوی کتاب گھر، بھیونڈی تھانہ

۲۳) انوار رضا، ص ۵۶۶، مطبوعہ، معارف پرنٹنگ پریس، لاہور

۲۴) معارف رضا، شمارہ ہشتم ۱۹۸۸ء، ص ۱۲۳، ناشر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

۲۵) احمد رضا امام حدائق بخشش، ص ۶۴، ناشر رضا دار الاشاعت بہیڑی بریلی شریف۔

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم کی حمد نگاری

ڈاکٹر محمد امجد رضا خاں
ایڈیٹر سہ ماہی رفاقت، پٹنہ

کائنات کی ہر شی خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتی ہے، اس کی عظمت و قدرت کے گن گاتی ہے، اس کی تسبیح و تہلیل اور تقدیس و تنزیہ کے نغمے الاپتی ہے۔ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر اس کی صراحت آئی ہے۔ سورۂ صف میں ہے۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ (۶۱/۱) سورۂ حدید میں ہے۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ (۵۷/۱) سورہ رعد میں ہے۔ وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ۔ (۱۳/۱۳) سورۂ نور میں ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (۲۴/۴۱) سورۂ اسرا میں ہے۔ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَا فِیْهِنَّ۔ (۱۷/۴۴) اسی سورہ میں دوسری جگہ ہے: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ۔ (۱۷/۴۴) سب کا ماحصل یہی ہے کہ

بذکرش ہر چہ بینی در خروش است ولے داند دریں معنی کہ گوش است
نہ بلبل بر گلش تسبیح خوانے ست کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانے ست (سعدی)

یعنی ہر چیز اللہ کی ذکر میں بے خود ہے مگر اس راز کو وہی سمجھ سکتا ہے جو حق آشنا ہے۔ صرف بلبل اپنے پھول کو دیکھ کر تسبیح نہیں پڑھتا بلکہ کانٹے بھی خدا کی تسبیح میں رطب اللسان ہیں۔

انسان خدا کی تخلیق کا حسین شاہکار ہے، اسے خدا نے احسن تقویم عطا کیا ہے۔ اسی کے سر پہ لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (سورۂ اسراء، ۱۷/۷۰) کا تاج رکھا ہے۔ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ۔ (سورۂ رحمٰن ۵۵/۴) اس کی شان اور عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ۔ (سورۂ علق ۹۶/۵) اس کی صفت ہے۔ اسے خداوند قدوس نے عقل کی قوت، فکر کی دولت، احساس کی حدت، زبان کی وسعت، بیان کی ندرت، جذبات و محسوسات کے اظہار کی طاقت اور کائنات پہ حاکمیت عطا کی ہے پھر وہ خدا کی تسبیح و تحمید سے کیسے محروم رہ سکتا تھا۔

اس یقین کے باوجود کہ بندہ خدا کی حمد و ثنا کا حق ادا نہیں کرسکتا کیوں کہ اس کے لیے خدا کی کامل معرفت درکار ہے اور بندے کو کما حقہٗ خدا کی معرفت ہو ہی نہیں سکتی۔ سب سے زیادہ رب کو پہچاننے والی ذات گرامی آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مَاعَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ۔ یعنی ہم نے تجھ کو اس طرح نہیں پہچانا جس طرح تجھے پہچاننے کا حق ہے۔ پھر دوسرا کون ہے جو خدا کی حقیقی اور کلی معرفت کا دعویٰ کرے مگر اس کے باوجود حمد سرائی اور ثنا گوئی کا عمل صدیوں سے جاری ہے بلکہ ابتدائے آفرینش سے جاری ہے اور اس وقت بھی جاری رہے گی جب کوئی نہ ہوگا اور خدا خود اپنی کبریائی بیان کرے گا۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ۔ (سورۂ غافر ۴۰/۱۶) انسان اشرف المخلوقات ہے اور اس نے رب کی حمد و ثنا میں بھی اشرفیت کا مظاہرہ کیا ہے اور کر رہا ہے۔ خدا کی ذات کُلّی

یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ (سورۂ رحمٰن ۵۵/۲۹) ہے۔ تو اس کا بندہ اس کی صفت کے اظہار میں کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ کا مظہر ہے۔ وہ ہر انداز اور ہر رنگ میں اس کی خلاقیت ورزاقیت اور قدرت وصنعت کے گن گاتا ہے۔ کبھی اس کا یہ عمل اضطراری اور غیر شعوری طور پر ہوتا ہے اور کبھی کامل یکسوئی اور شعور کی پوری قوت کے ساتھ۔ کبھی زبان کو جنبش دے کر اور کبھی قلم کو حرکت دے کر یعنی جذبات کے اظہار کے جتنے ذرائع ہیں، انسان نے ان سبھی ذرائع کو خدا کی حمد سے مشرف کیا ہے، ان ذرائع میں ایک پر اثر ذریعہ شاعری ہے، جس میں نثر سے زیادہ اثر انگیزی اور اثر پذیری کی قوت پنہاں ہے، صفات ربانی سے معمور دل والوں نے خدا کی حمد وثنا میں اظہار کے اس مؤثر ذریعہ کو بھی بھرپور انداز میں استعمال کیا ہے، چناں چہ عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں خدا کی تسبیح وتہلیل کے اشعار موجود ہیں مگر میرا موضوع چوں کہ اردو کی حمدیہ شاعری بالخصوص حضور مفتی اعظم کی حمدیہ شاعری ہے اس لیے میں عربی اور فارسی کی حمدیہ شاعری پر بحث نہیں کروں گا۔ ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ عربی اور فارسی کی بہ نسبت اردو میں حمد گوئی پر قابلِ ذکر کام ہوا ہے اس کا اندازہ پندرہویں صدی سے اس وقت تک کے مختلف شعرا کے دواوین، مجموعۂ کلام اور دیگر کتابوں میں شامل حمدیہ اشعار کو دیکھنے سے ہوتا ہے۔ اب تک لاکھوں اشعار کہے جا چکے ہیں اور مختلف شعرا نے خالص حمدیہ مجموعے بھی شائع کیے ہیں۔

عابد سلطانی نے حمد کے دو انتخابی مجموعے بھی شائع کیے ہیں پہلا مجموعہ ''خزینۂ حمد'' ہے۔ جس میں مختلف شعرا کی حمدیں ہیں اور دوسرا مجموعہ ''اذانِ دیر'' ہے۔ جس میں غیر مسلم شعرا کی حمدیں جمع کی گئی ہیں۔ جناب شفقت رضوی نے ان میں سے اکثر کتابوں پر تبصرے کیے ہیں۔ جس سے حمد نگاری میں اب تک کی ہوئی پیش رفت اور تجربے کا پتہ چلتا ہے۔

چودھویں صدی کے مجدد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اور آپ کے تمام اہل خاندان نے مذہبی و علمی خدمات کے علاوہ اردو زبان وادب کی جو خدمتیں انجام دی ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔ اردو نثر میں امام احمد رضا نے جو کتابیں لکھ دی ہیں وہ کمیت وکیفیت ہر دو اعتبار سے اردو کی پوری تاریخ میں نمایاں ہیں اور آپ کا دیوان ''حدائق بخشش'' اردو شاعری میں بہ ہر نوع سب سے زیادہ قابل استناد وافتخار ہے۔ اسی لیے آپ کو امام الکلام اور آپ کے کلام کو کلام الامام کہا جاتا ہے۔ آپ کے برادر مکرم استاذ زمن حضرت مولانا حسن رضا خان حسن بریلوی کا نعتیہ مجموعہ ''ذوقِ نعت'' شعریت وشریعت کا حسین سنگم ہے۔ اعلیٰ حضرت کے خلف اکبر حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خان کا دیوان اگرچہ محفوظ نہیں مگر ''انتخاب کلام حامد'' کے نام سے جو مجموعہ شائع ہوا ہے۔ وہ حمد ونعت کا نہایت ہی قابل قدر نمونہ اور اردو کی نعتیہ شاعری میں گرانقدر اضافہ ہے۔ اعلیٰ حضرت کے خلف اصغر مولانا شاہ مصطفیٰ رضا مفتی اعظم کا نعتیہ دیوان ''سامانِ بخشش'' بھی زبان وبیان، علم وعرفان، شستگی وبرجستگی اور سہل الممتنع کی نادر مثال ہے۔ یہاں میرا موضوع ان کی حمد نگاری ہے اس لیے میں صرف ان کے حمدیہ اشعار کے حوالہ سے گفتگو کروں گا۔

فن حمد نگاری میں خانوادہ رضویہ نے جو قابل قدر نمونے چھوڑے ہیں اس سے حمد نگاری کی نئی جہتیں سامنے آئی ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے شعری سرمایہ میں حمد کا انداز بہت ہی نرالا اور انوکھا ہے۔ انھوں نے اپنے حمدیہ اشعار میں نعت کے پہلو کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور حمد ونعت کی یک جائی کی نادر مثال قائم کی ہے ان کے ایک عربی قصیدے کے ابتدائی دو اشعار ملاحظہ ہوں جن میں توحید کی عظمت اور رسول مکرم سے محبت کا بڑا کیف پرور بیان ملتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلْمُتَوَحِّدِ بِجَلَالِهِ الْمُتَفَرِّدِ
وَصَلَاتُهٗ دَوْمًا عَلٰی خَیْرِ الْاَنَامِ مُحَمَّدِ

اردو میں بھی حمد کا انداز دیکھیں جس میں حمد و نعت دونوں کی یک جائی اپنی انفرادیت کی شہادت دے رہی ہے۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا

مژدہ باد اے عاصیو! شافع شہ ابرار ہے تہنیت اے مجرمو! ذات خدا غفار ہے
محمد مظہر کامل ہے حق کی شان عزت کا نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا

تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف و عطا ہے تجھی پہ بھروسا تجھی سے دعا مجھے جلوۂ پاک رسول دکھا تجھے اپنے ہی عز و علا کی قسم

حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا کے ''انتخاب کلام حامد'' میں گیارہ گیارہ بند پر مشتمل دو حمدیں ہیں جو فنی اعتبار سے لازوال شاہ کار ہیں اور دونوں حمدیں اسلوب اور کیفیت کے اعتبار سے قاری و سامع پر روحانی کیف پیدا کرتی ہیں۔ نمونے کے طور پر یہ دو بند دیکھیں اس میں بھی تجنیس تام اور ذولسانین (عربی، اردو) ہونے کی بھی سند موجود ہے۔

کون میں کون ہے تو ہی تو تو ہی تو ہے یـــامـــن هــو
تو ہی تو ہے تو ہر سو یـــامـــن لیـــس الا هـــو
لا الـه الا هـو یـامـن لیـس الا هـو

روح میں تو ہے دل میں تو میری آب و گل میں تو
اصل میں تو ہے ظل میں تو حـق حـق حـق هـو هـو هـو
لا الـه الا هـو یـامـن لیـس الا هـو

اور نغمۂ توحید کے عنوان سے دوسری حمد یوں شروع ہوتی ہے۔

دل مرا گدگداتی رہی آرزو آنکھ پھر پھر کے کرتی رہی جستجو
عرش تا فرش ڈھونڈ آیا میں تجھ کو تو نکلا اقرب ز حبل ورید گلو
الـلـه الـلـه الـلـه الـلـه

حضور مفتی اعظم کے نعتیہ دیوان ''سامان بخشش'' میں اسی انداز اور اسی بحر میں دو حمدیں موجود ہیں جو دراصل حجۃ الاسلام ہی کی حمدوں کے پھیلاؤ اور متنوع انداز میں وسعت کے مناظر پیش کرتی ہیں۔ پہلی حمد ضـرب هـو کے عنوان سے شروع ہوتی ہے جس میں چھ بند ہیں ہر چار مصرعے کے بعد اللہ ہو اللہ ہو کی ضربیں لگائی گئی ہیں۔ یہ حمد دینی محافل اور دینی مجالس میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہیں اور اس کے ضرب ہو سے واقعی دل پر حق کی ضرب پڑتی ہے۔

اللہ رب العزت کی رویت کی آرزو اس کے جلوے کی تلاش اس کے عرفان کی جستجو اور اقرب ز حبل ورید گلو ہونے کے باوجود اس کی دید کی تڑپ ہر دل ہر آنکھ اور ہر متنفس کو ہے اور تمام حمد نگار شعرا نے اس پہلو کو اپنی حمد کا موضوع بنایا ہے۔ مگر جو انداز حجۃ الاسلام اور حضور مفتی اعظم علیہما الرحمۃ والرضوان کا ہے وہ واقعی دیدنی ہے۔ حضور مفتی اعظم کا انداز ملاحظہ فرمائیں۔ جس میں صنعت رد عروض و ابتدا علی الصدر اور صنعت تکرار کی جمالیت بھی جلوہ ریز ہے۔

تو کسی جا نہیں اور ہر جا ہے تو تو منزہ مکاں سے مبرا ز سو

علم و قدرت سے ہر جا ہے تو کو بکو   تیرے جلوے ہیں ہر ہر جگہ اے عفو

اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو

قلب کو اس کی رویت کی ہے آرزو   جس کا جلوہ ہے عالم میں چار سو

بلکہ خود نفس میں ہے وہ سبحانہٗ   تیرے جلوے ہیں ہر ہر جگہ اے عفو

اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو

دنیا کی ہر شی اور ہر مخلوق خدا کی حمد و ثنا بیان کرتی ہے۔خود قرآن پاک کا ارشاد گزرا ''وان من شئی الا یسبح بحمدہ اس مفہوم کو حضور مفتی اعظم کس عالمانہ انداز میں بیان کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

وہ بھی تسبیح سے رکھتا ہے اشتغال   جو نہیں رکھتا منہ اور لسان مقال

پھر بھی گویا ئے تسبیح ہے اس کا حال   اس کی حالی زباں کہتی ہے تو ہی تو

اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو

ان کی دوسری حمد ''اذکار توحید ذات و اسماء صفات و بعض عقائد'' کی سرخی کے تحت کہی گئی ہے۔جس میں کل ننانوے بند ملتے ہیں مگر یہ نامکمل ہیں اس حمد کے دو رخ ہیں باسٹھ بند تک خالص حمدیہ مضامین ہیں اور اس کے بعد سینتیس بندوں میں نعت و حمد دونوں پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے۔آپ کی یہ حمد علم و عرفان، زبان و بیان اور سلاست و برجستگی کے لحاظ سے کسی بھی زبان کی حمدیہ شاعری میں سب سے ممتاز اور منفرد ہے۔اس میں بعض مکمل بند اور بعض مصرعے عربی زبان میں ہیں مگر زبان کی سلاست اور ندرت اپنی جگہ مسلم ہے۔بہ طور نمونہ یہ چند بند ملاحظہ کریں۔

لا موجود الا اللہ   لا مشھود الا اللہ

لا مقصود الا اللہ   لا معبود الا اللہ

لا الہ الا اللہ امنا برسول اللہ

لیس الھادی الا ھو   کہتا ہے یہ ہر بن مو

سنتا ہوں میں از ہر سو   لیس سواک یا من ھو

لا الہ الا اللہ امنا برسول اللہ

نت نئے جلوے ہیں ہر آں   کل یوم ھوفی شان

خود ہی درد و خود درماں   خود ہی دست و خود داماں

لا الہ الا اللہ امنا برسول اللہ

حضور مفتی اعظم کی شاعری میں قرآنی تلمیحات کی کثرت ہے،نعت ہو یا حمد آپ نے برجستہ، برمحل قرآنی آیات کو بہ طور استدلال پیش کیا ہے اور اس خوبصورتی سے کیا ہے کہ بحر کی روانی میں ذرہ برابر بھی فرق محسوس نہیں ہوتا۔یہ چند بند دیکھیں جن میں سورہ اخلاص اور سورہ ناس و فلق کی تفسیر و توضیح صاف نمایاں ہے۔

لیس کمثلہ شئی   لیس لہ کفواً احد

اس سے بن ہے وہ نہیں بن — البصر السمع دیکھ اور سن
اللہ الٰہ و رب واحد — فرد و واحد و تر و صمد
جس کا والد ہے نہ ولد — ذات وصفات میں بے حد و عد
ایک حقیقی ہے وہ احد — ایک نہیں وہ جو ہے عدد
پاک ہے وہ از صورت وحد — کیف یصور کیف یحد
حق ھو حق ھو حق ھو حق — رب نـاس و رب فلق
غیر نہیں تیرا مطلق — بھولوں گا میں یہ نہ سبق

لا الٰہ الا اللہ آمنا برسول اللہ

حمد میں اسمائے باری تعالیٰ کو اس سے پہلے بھی شعرا نے منظوم کیا ہے مگر حضور مفتی اعظم نے اسمائے باری کو اپنی حمد میں اس خوب صورتی اور روانی کے ساتھ منظوم کیا ہے کہ اس میں موسیقیت وغنائیت پیدا ہوگئی ہے۔ نمونہ کے طور پر یہ بند دیکھیں جس میں صنعت تنسیق صفات یعنی صفاتی الفاظ اور صفاتی مفہوم دینے والی اضافی ترکیب کا اس طرح بیان ہوا ہے کہ وجدان جھوم اٹھتا ہے۔ نیز دامن و دائرے کا تسلسل بھی اس طرح قائم کیا گیا ہے کہ شاعر کی قادر الکلامی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے اس ایک بند میں پانچ دامن (ع ع ع ع ع) اور پانچ دائرے (ق ی ی ی ل) کی یکجائی ملاحظہ کریں۔

منعم حق و سمیع و بصیر — باقی باری بر و خبیر
جامع مانع ضار و کبیر — رافع نافع حی و قدیر

لا الٰہ الا اللہ آمنا برسول اللہ

اور اب بغیر کسی تبصرے کے چند وہ اشعار ملاحظہ کریں جن میں بڑے فن کارانہ اور عارفانہ انداز میں اسمائے باری تعالیٰ کو منظوم کیا گیا ہے اور اس کے پڑھنے سے وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جو موحدانہ اوراد و وظائف کا خاصہ ہے۔

والی ولی متعالی حکیم — وھاب و رزاق علیم
مالک یوم دین و جحیم — مالک ملک خلد نعیم
تواب و مغنی ھادی — مقسط محیی ممیت غنی
منتقم و قیوم و قوی — مقتدر و واسع محی
مبدی جلیل و حفیظ و مجید — معطی وکیل و سلام و معید
وہ ہے لطیف و ودود و حید — اور شھید و حمید و رشید
قابض و باعث خالق ہے — خافض وارث رازق ہے
جو ہے اس کا عاشق ہے — غیر ناطق ناطق ہے

لا الٰہ الا اللہ امنا برسول اللہ

حضور مفتی اعظم کی شعری زبان نہایت پاکیزہ وشستہ اور کوثر وسلسبیل میں ڈھلی ہوئی ہے۔ اس میں سادگی بھی ہے اور رنگینی بھی۔ پڑھنے اور سننے والا ان کے کلام کے زیر و بم میں ایسا کھو جاتا ہے کہ اسے اس کے عوارف و معانی اپنے دل کے غار حرا میں اترتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ خدا کی ذات وصفات کو کس پیرایہ میں بیان کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں اور یہ بھی دیکھیں صنعت سوال سے وہ کس طرح استفادہ کا پہلو نکالتے ہیں۔ اور ان کے اس اسلوب سے کس طرح ذہن کو تحریک ملتی ہے۔

اللہ واحد یکتا ہے		ایک خدا بس تنہا ہے
کوئی نہ اس کا ہمتا ہے		ایک ہی سب کی سنتا ہے
ایک نہ ہوتا گر اللہ		کیسے رہتے ارض و سما
ہوتا نہ اک محتاج اک کا		کس لیے وہ اس سے ملتا

لا الٰہ الا اللہ امنا برسول اللہ

خدائے تعالیٰ منزہ عن العیوب ہے۔ کسی بھی چھوٹے بڑے عیب سے اس کا کوئی علاقہ نہیں مگر اس کے باوجود بعض گمراہ فرقہ والوں نے خدائے تعالیٰ کو کذب سے ملوث اور عدم کذب کو نقص فی القدرت گردانا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس موضوع پر نہایت ہی مدلل رسالہ ''سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح'' لکھ کر اس مسئلہ کی پوری وضاحت کردی ہے۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے بھی اس مفہوم کو اپنی اس حمد میں بڑے صاف سلیس اور فن کارانہ انداز میں بیان فرمایا ہے۔ نمونے کے لیے یہ چند بند ملاحظہ کریں جن میں اصل موضوع کے علاوہ تنسیق صفات ذم اور تجنیس مطرف کی صنعتیں بھی موجود ہیں اور زبان اتنی صاف وشیریں اور آسان ہے کہ اس کی نثر نہیں بنائی جاسکتی۔

جہل وظلم و کذب و زنا		خواری میخواری سرقہ
اس سے یہ ممکن؟ جس نے کہا		لاریب اس نے کفر بکا
روشن ہے یہ جیسے دن		اس کا تلوث ناممکن
واقع کہتا ہے موہن		اور پھر بنتا ہے مومن
صدق رب جب واجب ہے		کذب محال اے خائب ہے
جمع دو ضد کب جائز ہے		عقل کہاں تیری غائب ہے

لا الٰہ الا اللہ امنا برسول اللہ

سہل ممتنع کے اشعار کہنا شاعر کی قادر الکلامی، فن پہ کلی گرفت اور زبان وبیان پر قدرت کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ ہر بڑے شاعر کی پہچان اسی امر سے ہوتی ہے کہ وہ اپنے خیالات وجذبات کو کس پیرایہ میں بیان کرتا ہے اور کس تنوع میں بیان کرسکتا ہے۔ حضور مفتی اعظم نے اس حمد میں خدا کی ذات وصفات کے اظہار اور اپنے جذبات کی تعبیر میں کس تنوع اور فنکاری سے کام لیا ہے وہ قارئین

نے ملاحظہ کیا۔اب سہل ممتنع کے بھی چند اشعار دیکھیں جو اپنی مثال آپ ہیں اس رنگ کا ایک بند حضور حجۃ الاسلام کے یہاں بھی موجود ہے۔

روح میں تو ہے دل میں تو　　میری آب وگل میں تو
اصل میں تو ہے ظل میں تو　　حق حق حق ہو ہو ہو

لا الہ الا ھو یا من لیس الا ھو

اسی بند کی تحریک پر حضور مفتی اعظم نے اس انداز کے نو بند کہے ہیں۔فرق یہ ہے کہ حضور حجۃ الاسلام کے یہاں اس رنگ کا صرف ایک بند ہے اور حضور مفتی اعظم نے اس رنگ میں نو بند کہہ کر حمد نگاری کی فضا کو باغ و بہار بنا دیا ہے۔چند بند ملاحظہ فرمائیں جس میں تجنیس مطرف زائد، تجنیس صورت اور صنعت تضاد بھی موجود ہے۔

آنکھوں میں وہ ہے سر میں وہ　　دل میں وہ ہے جگر میں وہ
سمع میں وہ ہے بصر میں وہ　　طبع میں وہ ہے فکر میں وہ
نور میں وہ ہے نظر میں وہ　　شمس میں وہ ہے قمر میں وہ
پروانہ میں وہ ہے پر میں وہ　　شمع میں وہ ہے شرر میں وہ
داؤ دوا و اثر میں وہ　　نفع میں وہ ہے ضرر میں وہ
تخم میں وہ ہے شجر میں وہ　　شاخ میں وہ ہے ثمر میں وہ

لا الہ الا اللہ آمنا برسول اللہ

اب نمونے کے ایسے دو اشعار ملاحظہ کریں جن میں صنعت تحت نقاط بہ سہ اصوات کو استعمال کیا گیا ہے۔پہلے شعر کی صنعت تحت نقاط میں موحد وثنی نقاط والے حروف یعنی ب/ج/ی استعمال ہوئے ہیں اور دوسرے شعر میں صنعت تحت نقاط کے ساتھ صنعت وصل الشفتین بھی استعمال ہوئی ہے۔جس کے ہر اسم کے اظہار میں دونوں ہونٹ آپس میں ملتے ہیں جیسے ماہ، مدر، بحر، بر

ابر میں وہ ہے گہر میں وہ　　کوہ میں وہ ہے حجر میں وہ
ماہ میں وہ ہے مدر میں وہ　　بحر میں وہ ہے بر میں وہ

لا الہ الا اللہ آمنا برسول اللہ

اسی رنگ اور اسی روانی میں یہ بند بھی ملاحظہ کرلیں جس میں صنعت تضاد بھی ہے اور صنعت ترجمہ بھی۔آخری شعر میں این و آن و دیگر کا ترجمہ اس میں اُس میں ہر میں کر کے صنعت ترجمہ والی شاعری کو اس مقام پر پہونچا دیا ہے جہاں شاعری اپنے اسلوب میں جمال وحی بن جاتی ہے اور شاعر تلمیذ الرحمٰن (رحمٰن کا فیض یافتہ) کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔

سوز میں وہ ہے ساز میں وہ　　ناز میں وہ انداز میں وہ
حسن بت طناز میں وہ　　عشق کے راز و نیاز میں وہ

تو میں وہ من میں وہ جان میں وہ ہے تن میں وہ
آبادی میں وہ بن میں وہ سر میں وہ ہے علن میں وہ
قرب و بقا و وصل میں وہ بعد و فراق و فصل میں وہ
فرض میں وہ ہے نفل میں وہ اصل میں وہ ہے نقل میں وہ
فتح و ضم و جر میں وہ پیش و زیر و زبر میں وہ
این و آن و دیگر میں وہ اس میں اس میں ہر میں وہ

لا الہ الا اللہ امنا برسول اللہ

حضور مفتی اعظم کی شاعری میں علم وفن کی جلوہ گری کے ساتھ عشق وعرفان کی جو سرمستی ہے وہ اردو شاعری میں خال خال ہی کہیں نظر آتی ہے۔ان کی شاعری کا علمی فنی اور لسانی تجزیہ کرنا ہمارے جیسے کم علم کا کام نہیں۔ہم نے دو چند جملے لکھ کر صرف یہ تاثر دیا ہے کہ ارباب علم و ادب اور شعر وسخن کے پارکھ کے لیے ان کی شاعری میں بہت کچھ ہے۔انھیں اس طرف مائل ہونا چاہیے تا کہ اردو شاعری نئی دریافت سے آشنا ہو اور اس کا وقار و اعتبار بلند سے بلند تر ہو۔

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم کے

سقم شرعی سے منزہ اشعار

مفتی محمداشرف رضا صدیقی قادری نوری
قاضی شریعت ادارۂ شرعیہ مہاراشٹر ممبئی واستاذ دارالعلوم حنفیہ رضویہ قلابہ، ممبئی

نعت اصناف سخن میں مشکل ترین صنف ہے، اس میں طبع آزمائی کرنے والوں کا زہرہ پانی پانی ہوجاتا ہے۔ اگر ذرا بھی افراط و تفریط ہوئی تو ایمان جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ سیدی الکریم مرشدی العظیم سرکار مفتی اعظم قدس سرہ العزیز مشکل ترین مقام پر بھی نہایت سہل انداز میں شعر کہہ کر گذر گئے ہیں۔ جس میں نہ تو کہیں تنقیص کا شائبہ اور نہ کہیں غلو کا وہم ہوسکتا ہے۔ آپ کے پورے دیوان کو از اول تا آخر دیکھ جائیں، کہیں بھی سقم شرعی نہیں ملے گی۔ گویا پورا دیوان شرعی نقائص سے پاک ہے۔ ہاں کہیں کہیں حقیقت بیانی اور مسلک اہل سنت کی ترجمانی سے کلام میں کچھ ایسا رنگ پیدا ہوگیا ہے جو دشمنوں کی نظر میں کانٹا بن کر چبھ رہا ہے۔ آپ نے اس کے بارے میں ایک رباعی بھی کہی ہے۔

گلہائے ثنا سے مہکتے ہوئے ہار
سقم شرعی سے منزہ اشعار
دشمن کی نظر میں یہ نہ کھٹکیں کیوں کر
ہیں پھول مگر ہیں چشم اعداء میں خار

آپ نوری تخلص استعمال کرتے تھے۔ آپ کے نعتیہ کلام کا انتخاب ''سامان بخشش'' کے نام سے مکتبہ امجدی پچپروا، گونڈہ، یوپی نے ۱۳۸۸ھ میں شائع کیا تھا، پھر آل انڈیا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس یوپی نے مزید اضافے کے ساتھ خوب صورت ایڈیشن شائع کیا ہے۔ مگر اس میں سب کلام نہیں آسکے ہیں۔ سید عبدالعلیم قادری صاحب بمبئی نے آپ کے غیر مطبوعہ بیاض سے نقل کیا ہے اس کی ذیروکس راقم سطور کے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے۔ اس میں اسی سے زائد اشعار گاندھی اور اس کی تحریک کے خلاف ہے۔ مطبوعہ نسخہ کو کئی مکتبہ والوں نے جیبی سائز میں بھی شائع کیا ہے۔ درحقیقت یہ کتاب اسم بامسمّیٰ ہے۔ اس میں ایک مومن کے لیے بخشش ومغفرت کا سامان موجود ہے۔ آپ کے نعتیہ کلام سے محسن انسانیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم کی ذات والا صفات سے والہانہ محبت اور خلوص وعقیدت کا رنگ جھلکتا ہے۔ آپ کی نعتوں کے مطالعہ سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے دل کی گہرائی اور عقیدت مندی سے کہا ہے، آپ کی نعتیں جذبات شعری کی صالح قدروں کی بھرپور ترجمانی کرتی ہیں، آپ کی نعتیں محفل عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم وجلسہ سیرت رسول علیہ وعلی آلہ وصحبہ افضل الصلاۃ واشرف التسلیم کے علاوہ بڑی بڑی اسلامی کانفرنسوں میں بڑے ذوق وشوق سے پڑھی اور سنی جاتی ہیں جن سے حضور اکرم علیہ ازکی التحیات وانمی البرکات کی ذات والا صفات سے شدت محبت اور ایک طرح کی تڑپ کا احساس ہوتا ہے۔

زبان وبیان:

حضور مفتی اعظم قدس سرہ العزیز کا کلام شیریں بیانی کے اعتبار سے بھی اہل زبان کے دیوان عام میں سکہ رائج الوقت ہے۔ بلاشبہ

اسے اپنے اہل زمانہ پر فوقیت حاصل ہے۔ آپ کی زبان شگفتگی اور روانی میں ان ساتذہ کی زبان سے جن کو سلاست وسادگی اور محاورہ کے اعتبار سے مسلّم مانا گیا ہے کسی طرح بھی کم نہیں۔ تمثیلاً چند اشعار نقل کر رہا ہوں۔

ان کے جلوے ہیں مری آنکھوں میں　　　اچھی ساعت سے موت آئی ہے

چمن طیبہ میں تو دل کی کلی کھلتی ہے　　　کیا مدینہ سے سوا روضۂ رضواں ہوگا
وہ گلستاں ہے جہاں آپ ہوں جانِ جاناں　　　آپ صحرا میں اگر آئیں گلستاں ہوگا
آپ جائیں جو چمن سے تو چمن جانِ چمن　　　خاسرہ یک خاک بسر دشتِ مغیلاں ہوگا

سرکار نوری کے تمام کلام میں زبان کی شگفتگی کا یہی عالم ہے اب حسن زبان کے ساتھ محاورہ بندی کی بہار بھی دیکھیے۔

جانِ ایماں ہے محبت تری جانِ جاناں　　　جس کے دل میں یہ نہیں خاک مسلماں ہوگا

نورِ ایماں کی مشعل رہے روشن پھر تو　　　روز و شب مرقدِ نوری میں اجالا ہوگا

رشکِ سلطاں ہے وہ گدا جس نے　　　تیرے کوچہ میں دھونی رمائی ہے

غم و الم مٹا دیں گے شاد کردیں گے　　　ہم اپنے غم کا قضیہ چکانے آئے ہیں
مدینہ ہم سے فقیر آ کے لوٹ جائیں گے　　　درِ حضور پر بستر جمانے آئے ہیں

اب زبان کی شیرینی، روانی و حسن بیان اور محاورہ آرائی کے ساتھ زورِ کلام کا تلاطم دیکھیے۔

رسل انھیں کا تو مژدہ سنانے آئے ہیں　　　انھیں کے آنے کی خوشیاں منانے آئے ہیں
جو چاہیں گے جسے چاہیں گے یہ اسے دیں گے　　　کریم ہیں یہ خزانے لٹانے آئے ہیں
سنو گے لانہ زبانِ کریم سے نوری　　　یہ فیض و جود کے دریا بہانے آئے ہیں

تشبیہ و استعارہ :

شعر میں مشکل اور پیچیدہ مضامین کو ادا کرنے میں تشبیہ و استعارہ سے مدد لینی پڑتی ہے۔ تشبیہ و استعارہ کسی خیال یا مضمون کا تصور پیدا کرنے میں ایک مصور کا رول ادا کرتا ہے اس کی وجہ سے شعر میں رنگینی اور دل کشی پیدا ہو جاتی ہے لیکن تشبیہ و استعارہ کے استعمال کرنے میں اس کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے کہ مشبہ بہ اور مستعار منہ عام ہو جس کا علم ہر کسی کو ہو اس کے برخلاف غیر معروف تشبیہیں اور نامانوس استعارے استعمال کیے گئے تو وہ کلام میں حسن پیدا کرنے کی بجائے کلام کو ایک چیستاں بنا دیتے ہیں۔ حضور مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے نازک خیالات کے اظہار میں نہایت لطیف اور دل نشیں تشبیہوں اور حسین استعاروں سے کام لیا ہے۔ ذیل کے اشعار میں تشبیہات کی کارفرمائی ملاحظہ فرمائیں۔

کب چمکتا یہ ہلال آسماں ہر ماہ یوں　　　جو نہ ہوتا اس پہ پرتو ابروے سرکار کا

ہلال کو ابروے سرکار سے تشبیہ دی جو بہ لطف تشبیہ ہے۔ مزید لطف کا باعث یہ ہے کہ اس کی چمک کو ابروے پاک کے

پرتو پر موقوف رکھا ہے گویا پرتو ابروے سرکار اصل ہے اور ہلال کی چمک دمک اس کا عکس و پرتو ہے۔ایک اور شعر ملاحظہ فرمائیں۔

یہ گھٹا جھوم کے کعبہ کی فضا پر آئی اڑ کے یا ابرو پہ چھائے ہیں تمھارے گیسو

اس شعر میں گیسو کو گھٹا سے اور ابرو کو کعبہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

سر بسجدہ ہوئے محراب خم ابرو میں کعبہ جاں کے جو آئے ہیں کنارے گیسو

اس شعر میں خم ابرو کو محراب سے اور حضور کو کعبہ جان سے اور کنارے گیسو کو سر بہ سجدہ سے تشبیہ دی گئی ہے

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام میں تشبیہات کی طرح استعارے بھی اچھوتے ہیں۔تمثیلا چند اشعار نقل کرتا ہوں۔

یہ مہ و خور یہ ستارے چرخ کے فانوس ہیں شمع روشن ان میں ہے جلوہ ترے رخسار کا

اس شعر میں آپ نے مہ و خور اور ستارے کو فانوس سے اور جلوۂ رخسار کو شمع روشن سے استعارہ کیا ہے۔

حسن وہ پایا ہے خورشید رسالت تو نے تیرے دیدار کا طالب مہ کنعاں ہوگا

الفاظ کے بارے میں بے شمار صنعتیں ہیں لیکن میں یہاں ان ہی صنعتوں کا ذکر کروں گا جو حضور مفتی اعظم قدس سرہ العزیز کے کلام میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

دور ساحل موج حائل پار بیڑا کیجیے ناؤ ہے منجدھار میں اور ناخدا ملتا نہیں

اس شعر میں موج کی مناسبت سے منجدھار اور ساحل اور ناؤ کی رعایت سے ناخدا لایا گیا ہے،اس شعر میں صنعت مراعات النظیر ہے۔

یہ گل یہ غنچے یہ گلشن کے بیل اور بوٹے انھیں کے دم کی ہے ساری بہار آنکھوں میں

اس شعر میں گلشن کی مناسبت سے گل و غنچہ اور بیل بوٹے پھر مزید بہار کا ذکر شعر میں عجیب دل کشی پیدا کرتا ہے یہ شعر بھی صنعت ما قبل کی جنس سے ہے۔

کوئی دم کے مہماں ہیں آ جاؤ اس دم کہ سینے میں اٹکا ہے دم غوث اعظم

اس شعر میں صنعت تجنیس ہے۔

ہم نے یوں شمع رسالت سے لگائی ہے لَو سب کی جھولی میں تمھارا ہی دیا ہوتا ہے

لَو کا ایک معنی شوق و آرزو اور دوسرا شعلہ کے ہیں یہاں پہلا معنی مراد ہے لیکن شمع کی لَو کہنے سے شعلے کی طرف خیال جاتا ہے۔اس شعر میں دیا کا لفظ بھی ہے جو شمع کا ہم معنی ہے یوں ہیں جھولی کی مناسبت سے عطا کا معنی بھی لیے ہوا ہے۔اس شعر میں صنعت ایہام ہے۔

اشارہ پائے تو ڈوبا ہوا سورج برآمد ہو اٹھے انگلی تو مہ دو بلکہ دو دو چار ہو جائے

اس شعر میں صنعت سیاق الاعداد ہے۔

صنعت تلمیع : وہ صنعت ہے کہ کوئی شعر دو یا تین زبانوں میں کہا جائے ،آپ کے کلام میں یہ صنعت بکثرت پائی جاتی ہے۔اس صنعت کے کچھ اشعار تمثیلا نقل کر رہا ہوں،ملاحظہ فرمائیں۔

بڑھو ادب سے کرو عرض السلام علیک واھل بیتک والآل والذین لدیک

انت قاسم ربک معطی تم ہی نے سب کو نعمت دی دیدو مجھ کو میرا حصہ صلی اللہ علیہ وسلم

تیری رحمت کی امید ہے اے عفو		کہ ہے ارشاد قرآن لاتقنطوا

صنعت تلمیح : حضور مفتی اعظم قدس سرہ العزیز کے کلام میں علمی، دینی اصطلاحیں، تاریخی واقعات، آیات واحادیث اور قصص قرآنی کی طرف لطیف اشارے پائے جاتے ہیں، معجزات کے حوالے بھی صنعت تلمیح میں داخل ہیں۔ تمثیلاً چند اشعار نقل کررہا ہوں۔

قبلۂ کونین ہیں سرکار امام القبلتین		آپ ہیں فتح خدا فاتح بدر وحنین

وہ ہیں خورشید رسالت نور کا سایہ کہاں		ان کے فرضی ظل سے بھی ظل ہما ملتا نہیں
دہریا الجھا ہوا ہے دہر کے پھندے میں یوں		سارا الجھا سامنے ہے اور سرا ملتا نہیں

کتاب حضرت موسیٰ میں وصف ہیں ان کے		کتاب عیسیٰ میں ان کے فسانے آئے ہیں
انھیں کے نعت کے نغمے زبور سے سن لو		زبان قرآں پہ ان کے ترانے آئے ہیں

تمھارے فیض سے لاٹھی مثال شمع روشن ہو		جو تم لکڑی کو چاہو تیز تر تلوار ہو جائے
اشارہ پائے تو ڈوبا ہوا سورج برآمد ہو		اٹھے انگلی تو مہ دو بلکہ دو دو چار ہو جائے

یوں تو آپ کے اکثر اشعار میں قرآنی آیات کا مفہوم ہے لیکن بعض اشعار میں آیات یا احادیث کا صاف صاف حوالہ موجود ہے۔ اس طرح کے اشعار بھی صنعت تلمیح کے قبیل سے ہیں۔ تمثیلاً چند اشعار نقل کررہا ہوں۔

قول حق ہے قول تمہارا		اِن ھو الّا وحی یوحیٰ
فعل تمہارا فعل خدا ہے		اس کا گواہ اللّٰہُ رَمیٰ ہے

آپ کا لِذٰ یلِرَبّ واحد		فَوقَ اَیْدِیھِم ہے شاہد

سبھی رسل نے کہا اِذْھَبُوا اِلیٰ غیری		اَنَا لَھا کا یہ مژدہ سنانے آئے ہیں

جز بشر اور کیا دیکھیں خیرہ نظر		اَیُّکُم مِثلِی کو وہ سنا کر چلے

بیان عیب دشمن نعت ہی ہے		کہ قرآن میں بھی تَبَّتْ یَدا ہے

ایک بار آپ بریلی ضلع کے ایک گاؤں میں تشریف لے گئے۔ صاحب خانہ کی آٹھ سالہ لڑکی کے ہاتھ میں کتاب کا ایک ورق تھا جس میں مرزا داغ دہلوی کی ایک غزل مرقوم تھی جس کا مصرع اس طرح تھا۔ کون کہتا ہے آنکھیں چرا کر چلے

آپ کو یہ مصرع پسند آیا اور وہیں تھوڑی دیر میں ۲۴ اشعار پر مشتمل ایک نعت کہہ دی جس کا مطلع یہ ہے:

کون کہتا ہے آنکھیں چرا کر چلے — کب کسی سے وہ آنکھیں بچا کر چلے
وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے — ہاں حسیں تم ہو فتنے مٹا کر چلے

یوں ہی ایک بار آپ سفر میں تھے راستہ میں کاغذ کا ایک ورق ملا جس پر اکبرالہ بادی کی ایک نظم کے کچھ اشعار تھے جس میں ڈور، الجھاؤ، پتنگ وغیرہ کا تذکرہ آتا تھا۔ یہ مضمون آپ کو پسند آیا پھر وہیں آپ نے ۴۶ اشعار پر مشتمل ایک طویل نعت لکھی جو اس مطلع سے شروع ہوتی ہے۔

دو جہاں میں کوئی تم سا دوسرا ملتا نہیں — ڈھونڈتے پھرتے ہیں مہر و مہ پتہ ملتا نہیں

اس نظم میں آپ نے اسی مضمون کو ایک دوسرے پیرایہ میں استعمال کیا ہے جس میں فرقہ دہریہ کا کھلا رد بھی ہو گیا ہے، لکھتے ہیں۔

دہریہ الجھا ہوا ہے دہر کے پھندے میں یوں — سارا الجھا سامنے ہے اور سرا ملتا نہیں

آپ نے مشکل زمینوں میں بھی نعتیں کہی ہیں جن سے آپ کی قادر الکلامی اور مہارت فن کا ثبوت ملتا ہے۔ تمثیلاً چند اشعار نقل کر رہا ہوں۔

تو شمع رسالت ہے عالم ترا پروانہ تو ماہ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ

سنگ در جاناں پر کرتا ہوں جبیں سائی — سجدہ نہ سمجھ نجدی سر دیتا ہوں نذرانہ
سنگ در جاناں ہے ٹھوکر نہ لگے اس کو — لے ہوش پکڑ اب تو اے لغزش مستانہ

کرم آپ کا جو اے سید ابرار ہو جائے — تو ہر بدکار بندہ دم میں نیکوکار ہو جائے
جو مومن دیکھے تک تم محرم اسرار ہو جائے — جو کافر دیکھ لے تم کو تو وہ دیں دار ہو جائے
تمھارے حکم کا باندھا ہوا سورج پھرے الٹا — جو تم چاہو کہ شب دن ہو ابھی سرکار ہو جائے

میرا گھر غیرت خورشید درخشاں ہوگا — خیر سے جان قمر جب کبھی مہماں ہوگا
جو تبسم سے عیاں اک ذرّہ دنداں ہوگا — ذرہ ذرہ مرے گھر کا مہ تاباں ہوگا
صبح روشن کی سیہ بختی سے اب شام ہوئی — کب قمر نور رُو شام غریباں ہوگا

چھوٹی زمینیں:

چھوٹی زمینوں میں دل نشیں اشعار کہنا ایک کہنہ مشق شاعر کا کام ہے، اس میں زبان بہت سہل اختیار کرنی پڑتی ہے، شعر ایسے ہوتے ہیں جیسے گفتگو ہو رہی ہو۔ حضور مفتی اعظم قدس سرہ العزیز نے بھی چھوٹی زمینوں میں نہایت سہل زبان میں کامیاب نعتیں کہی ہیں۔ تمثیلاً آپ کے دیوان سے صرف دو نعتوں کے تین تین اشعار نقل کر رہا ہوں۔

حبیب خدا کا نظارا کروں میں — دل و جان اس پر نثارا کروں میں
میں کیوں غیر کی ٹھوکریں کھانے جاؤں — ترے در سے اپنا گذارا کروں میں
ترے در کے ہوتے کہاں جاؤں پیارے — کہاں اپنا دامن پسارا کروں میں

تم کو دیکھا تو دم میں دم آیا　　　آپ آئے کہ جان آئی ہے
مر رہا تھا تم آئے جی اٹھا　　　موت کیا آئی جان آئی ہے

درود وسلام :

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم کی محبت وعقیدت میں درود وسلام کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ہر نعت گو شاعر نے جہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم سے محبت وشیفتگی کو اشعار کے قالب میں ڈھالا ہے انھوں نے درود وسلام کا نذرانہ بھی اشعار کی صورت میں ضرور پیش کیا ہے۔ سرکار مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی بارگاہ رسالت مآب علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ واہل محبتہ افضل الصلاۃ واشرف السلام میں درود وسلام کا نذرانہ عقیدت بہ صورت اشعار پیش کیا ہے۔ آپ نے ۱۸۰ اشعار پر مشتمل ایک سلام کہا ہے۔ جس میں ہر دوسرے شعر کا مصرعہ ثانی ''تم پر لاکھوں سلام'' ہے۔ ایک اور سلام ۱۸ اشعار پر مشتمل ہے، جس میں ہر دوسرے شعر کے بعد تیسرے شعر کے مصرع اول میں ''الصلاۃ والسلام، الصلاۃ والسلام'' کے استعمال نے منظوم صلاۃ وسلام میں ایک جاذبیت پیدا کر دی ہے۔

آپ نے ۷۸ اشعار پر مشتمل عشق رسول میں ڈوب کر ایک ایسی نعت رفیع کہی ہے جس کے ہر دوسرے شعر کے مصرع ثانی میں ''صَلَّی اللّٰہ صلی اللّٰہ صلی اللّٰہ علیک وسلّم صلی اللّٰہ صلی اللّٰہ'' کی پیوندکاری نے اس نعت کو سونے کی ڈلی بنا دی ہے۔

اس کے علاوہ ۱۸ اشعار پر مشتمل ایک اور نعت لکھی ہے جس میں ہر ایک شعر کے اخیر میں درود پاک ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کو ایسے انداز میں استعمال کیا ہے کہ وہ اس شعر کا جز مکمل بن کر رہ گیا ہے۔ آدمی نعت شریف پڑھنے کے ساتھ درود شریف پڑھنے کا بھی شرف حاصل کر لیتا ہے۔

آپ نے نعت وسلام کے علاوہ ۴۰ اشعار پر مشتمل حمد باری تعالیٰ کہی ہے جو تخلیق انسان کا مقصود اصلی ہے اس میں آپ نے ہر دو شعر کے بعد ''اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو'' کی تکرار رکھا ہے جس کے پڑھنے سے معصیت کا دفتر تجلی الٰہی سے مجلّٰی ومصفّٰی ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور نظم رفیع تقریباً ۲۰۰ اشعار پر مشتمل کہا ہے اور اس میں یہ التزام رکھا ہے کہ ہر دو شعر کے بعد ''لا الٰہ الا اللّٰہ آمنّا برسول اللّٰہ'' کو ٹیپ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس نظم کے اوائل میں آپ نے حمد باری تعالیٰ اور اسماء حسنیٰ اور صفات کبریٰ کا تذکرہ کیا ہے۔ اور آخر میں اسی التزام کے ساتھ نعت رسول انام علیہ وعلیٰ آلہ الکرام وصحبہ العظام ازکی الصلاۃ وانمی السلام لکھی ہے۔

حمد باری تعالیٰ ونعت مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کے علاوہ آپ نے سیدنا سرکار بغداد، دافع الفساد، واہب المراد، نافع العباد، غوث الثقلین غیث الکونین، شیخ الملائکۃ والجن الانس، محی الاسلام والملۃ والدین عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں بھی اپنی عقیدت وارادت کا اظہار کیا ہے۔ درحقیقت آپ چودھویں صدی میں نائب ومظہر غوث اعظم تھے، ان کی شان میں ۹۷ اشعار پر مشتمل تین نظمیں کہی ہیں جن سے صرف دو شعر تبرکاً نقل کر رہا ہوں جس سے مفتی اعظم قدس سرہ العزیز کا سیدنا ومولانا غوث اعظم قدس سرہ العزیز سے کمال عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔

کچھ ایسا گما دے محبت میں اپنی　　　کہ خود کہہ اٹھوں میں منم غوث اعظم
یہ دل یہ جگر ہے یہ آنکھیں یہ سر ہے　　　جہاں چاہو رکھو قدم غوث اعظم

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم اور ذکر مدینہ

مولانا محمد افروز قادری
پچھم محلہ، چریاکوٹ، مئو

اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کی ہر شی سے بڑھ کر جس سے ہمیں پیار کرنے کو کہا گیا ہے، وہ محبوب اعظم، باعث تکوین کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات کی ذات ستودہ صفات ہے۔ بلکہ یہی محبت مدار ایمان اور مایہ نجات ہے۔ کسی موقع پر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ بجز میری جان، دنیا جہان کے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں تو سرکار نے ارشاد فرمایا: عمر ابھی تیرا ایمان نامکمل ہے۔ پھر جب حضرت عمر نے سرکار کو اپنی جان سے بھی عزیز تر پالیا تو حضور نے فرمایا: الآن یا عمر اے عمر اب کہیں جاکر تمہارا ایمان مکمل ہوا۔

مدینہ منورہ، روضۂ رسول کریم اور مسجد نبوی کی وجہ سے مسلمانان عالم میں عقیدت واحترام کا مقام تسلیم کیا جاتا ہے علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مدینہ منورہ کو دنیا کے تمام شہروں پر فضیلت حاصل ہے۔ (شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا: ص ۱۴۲۳، لاہور)

مکان کی قیمت مکینوں سے ہوتی ہے اور شہر کی عظمتوں کا راز اس کے باشندے ہوتے ہیں۔ آج مدینہ کے ذرہ ذرہ پر اہل جہاں کی نگاہیں عقیدتوں کا خراج لٹا رہی ہیں اور اہل دل کی پیشانیاں اس شہر مقدس کے احترام میں جھکی جاتی ہیں تو یہ صرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کا صدقہ ہے۔

عالم کون ومکان میں جس طرح مایہ ناز عظمت وجلالت اور جمیع اوصاف سے متصف شاہ خوباں خوبرا آخر الزماں کی ہستی ہے اسی طرح انسانی بستیوں میں "مدینہ" تعظیم وتکریم اور اپنی مخصوص امتیازی شان میں یگانہ روزگار ہے۔

اگر تنگ دل جھک رہے ہیں، گردنیں خم ہو رہی ہیں اور پیشانیاں آکو دنیاز لٹا رہی ہیں تو یہ اس شہر مقدس کا حق ہے۔ لیکن اگر کوئی عاشق میں بے حد محترم ومقبول ہو تو اس کے شہر ومکاں سے انس ومحبت ہونا فطری امر ہے۔ اہل محبت کے دل اس شہر محبت کی طرف کیوں نہ جھکیں کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس شہر مقدس کی بے پناہ عظمت ومحبت تھی۔ چنانچہ آپ جب اسفار سے واپس آتے اور مدینہ کے قریب پہنچتے تو اپنی سواری کو اور تیز کر دیتے تاکہ فراق کی گھڑیاں جلد از جلد ختم ہوں اور وصال دیار مدینہ سے قلب مبارک کو سکون و طمانیت نصیب ہو۔ (مشکوۃ ص ۲۶۰، وفاء الوفا ص ۲۳)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ کی گرد وغبار اور خاک پاک سے اس قدر انس وپیار تھا اور اس کی عزت وعظمت آپ کے قلب اطہر میں اتنی زیادہ تھی کہ اگر آپ کے رخ انور پر گرد وغبار پڑ جاتا تو اسے صاف نہیں فرمایا کرتے تھے۔ (تاریخ مدینہ منورہ، ص ۵۹)

اس سے ہٹ کر ایک دوسرے رخ سے آپ عظمت مدینہ کا جائزہ لیں کہ پہلے اس شہر کا نام "یثرب" تھا مگر اس لفظ میں ملامت

،عار اور خرابی کا معنی پایا جاتا ہے اس لیے سرکار نے اس کا نام طیبہ رکھ دیا اب اگر کسی نے "مدینہ" کو "یثرب" کہہ دیا تو وہ شریعت کی نظر میں مجرم ہے اور ارباب عشق کے نزدیک معتوب۔ اس جرم کا کفارہ یہ ہے کہ وہ دس بار پھر "مدینہ" کہے۔ ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں: مــن قال للمدينة يثرب فكفارته أن يقول "المدينة" عشر مرات ۔(جمع الجوامع للسیوطی، جلد ۷، ص ۲۲۹، حدیث: ۲۲۶۲۹ لبنان)

اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کا اس سلسلہ میں موقف یہ ہے کہ جو شخص مدینہ پاک کی زمین کو عدم طیب سے نسبت کرے اور اس کی ہوا کو ناخوش گوار کہے وہ واجب التعزیر ہے، اس کو قید کیا جائے یہاں تک کہ سچی توبہ کرے۔ (جذب القلوب الی دیار المحبوب ص: ۶ مترجم)

امام احمد اور امام ابو یعلی نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ اگر کوئی شخص مدینہ طیبہ کو یثرب کہے تو اسے چاہیے کہ جناب باری عز اسمہ میں استغفار کرے۔ اس کا نام طابہ ہے، یہ طیبہ ہے۔ (جمع الفوائد جلد ۱، ص ۲۰۱، السیرۃ الحلبیہ جلد ۲، ص ۶۲)

مدینہ منورہ ہر عہد میں عقیدت و فدائیت کا مینارہ نور رہا اور ارباب عشق و محبت نے مدینہ کا احترام بے پناہ کر کے ایک حیرت انگیز مثال قائم کردی ہے۔ سیرت و سوانح کی کتب خاک مدینہ کے ذروں پہ دل نچھاور کرنے والوں کی داستان محبت نشان سے بھری ہوئی ہیں۔ یہاں میں صرف امام مالک علیہ الرحمہ کے عشق رسول اور محبت مدینہ کی ایک جھلک دکھانے پر اکتفا کر رہا ہوں تا کہ اپنے موضوع پر بحث آسان ہو۔

حضرت مالک بن انس کی خاک طیبہ کے ساتھ انس اور محبت اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ آپ نے ساری زندگی مدینۃ الرسول میں بسر کی مگر مدینہ طیبہ سے باہر اس خوف سے تشریف نہیں لے جاتے تھے کہ مبادا باہر ہی میری موت آ جائے اور میں مدینہ میں دفن ہونے کی سعادت سے محروم ہو جاؤں۔ صرف ایک مرتبہ حج فرض ادا کرنے کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے۔ بالآخر شاد کام ہوئے اور مدینہ میں رحلت فرمائی۔ آج بقیع الغرقد میں استراحت کناں ہیں۔　　　　(جذب القلوب ص ۲۵)

اسی طرح پندرھویں صدی کے اوائل میں عشق و محبت کی سرمستیوں میں نہائی ہوئی اور امام مالک کے عشق بے پایاں سے حصہ فراواں پانے والی ایک ذات کا پتا ملتا ہے جسے بجا طور پر تحریکِ محبت رسول کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اسی عاشق صادق کا نام دنیا نے "مفتی اعظم" رکھا ہے۔

۱۳۴۵ھ میں جب اس عاشق صادق کا مقدر جاگا اور بارگاہِ رسالت مآب میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو ایک بار مواجہہ اقدس میں صلاۃ و سلام پڑھنے کے بعد حرم شریف کے ایک خادم سے جھاڑو لے کر درود و سلام پڑھتے ہوئے، اس مبارک سرزمین کو بُہارا۔ اس وقت آپ کے جذب و شوق کا کیف و سرور نا قابل بیان ہے۔ آپ نے ایک بار نعت پاک میں فرمایا تھا۔

خدا خیر سے لائے وہ دن بھی نوری　　　مدینہ کی گلیاں بُہارا کروں میں

اس کو سچ کر دکھایا۔ (ماہنامہ استقامت کا مفتی اعظم نمبر، ص ۳۱۲)

کعبہ دیکھنے کے بعد کعبے کا کعبہ دیکھنے کا منظر ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے خوب بیان کیا ہے:

"حضرت حج کی ادائیگی کے بعد بیت اللہ سے اللہ کے محبوب کے شہر کی جانب روانہ ہوئے حضرت شام ڈھلے مدینہ منورہ کی حدود میں داخل ہوئے۔.......... عبدالہادی صاحب افریقی نے سلام "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" پڑھنا شروع کیا۔ شہر محبوب میں محبوب کو صلاۃ و سلام کی نذر پیش کی جارہی ہے اور غلام مصطفیٰ رضا خاں صاحب سلام کے ایک ایک مصرعہ پر سر عقیدت خم کرتے جارہے تھے اور وہ تصور محبوب میں اس قدر غرق تھے کہ خود کا ہوش نہ تھا۔ آخر جب حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب علیہ الرحمہ کے دولت کدے کے سامنے گاڑی رکی اور سلام ختم ہوا تو حضرت

عالم جذب سے باہر آ ئے۔

یہ دیوانہ رسول دیارِ حبیب میں ہر ہر قدم پر درودوں کے لعل و گہر نذر کرتا ہوا، سر جھکائے، نظریں نیچی کیے، راستہ طے کرتا تھا اور ہر روز بعد نمازِ فجر اور بعد نمازِ عشا روضۂ انور پر حاضر ہوتا اور مواجہہ شریف سے تین ہاتھ فاصلہ پر کھڑے ہوکر سر عقیدت خم کیے، نگاہیں جھکائے اور دل میں عشق حبیب کی چاندنی کا جلوہ بسائے، صلوٰۃ وسلام کے نذرانے پیش کرتا۔

اہل مدینہ سے حضور مفتی اعظم کی محبت کا یہ عالم تھا کہ مدینہ میں حضرت کی قیام گاہ پر ہر وقت اہل مدینہ اور دوسرے ممالک کے حجاج کرام کا ہجوم رہا کرتا تھا۔ اہل مدینہ تعویذ کو آیا کرتے تھے، اس وقت حضرت تمام کام روک کر اور تمام حضرات سے معذرت کر کے صرف اہل مدینہ ہی کا کام کرتے تھے۔

(مفتی اعظم: ص ۱۳۶-۱۳۷، بریلی شریف)

حضور مفتی اعظم نے اپنے اشعار میں طیبہ و مدینہ کا ذکر اتنی کثرت سے کیا ہے کہ اگر سب کو تشریحی و تحلیلی نوٹ سے سجایا جائے تو بلا مبالغہ ایک دفتر درکار ہوگا۔ لفظ مدینہ کے اس کثرت استعمال سے آپ کے قلب میں بیٹھی محبت رسول اور ذوق ہمایوں پر چھائے عشق رسول کا بھرپور مظاہرہ ہوتا ہے۔ عشق شہر رسول کا عالم یہ ہے کہ آپ نے ''مدینہ'' ردیف میں مکمل ایک نعت ہی رقم فرمائی ہے جس کا ہر شعر عشق و عرفان کا ترجمان اور مدینہ و شاہِ مدینہ سے عقیدت بے پناہ کا آئینہ دار ہے۔ ذیل میں اس نعت کے کچھ منتخب اشعار پیش ہیں:

پیام لے کے جو آئی صبا مدینے سے ۔۔۔ مریض عشق کی لائی دوا مدینے سے
ملے ہمارے بھی دل کو جلا مدینے سے ۔۔۔ کہ مہر و ماہ نے پائی ضیا مدینے سے
سنو تو غور سے آئی صدا مدینے سے ۔۔۔ قریں ہے رحمت و فضل خدا مدینے سے
تمام شاہ و گدا پل رہے ہیں اس در سے ۔۔۔ ملی جہاں کو روزی سدا مدینے سے
وہ آیا خلد میں جو آ گیا مدینے میں ۔۔۔ گیا وہ خلد سے جو چل دیا مدینے سے
نہ چین پائے گا یہ غم زدہ کسی صورت ۔۔۔ مریض غم کو ملے گی شفا مدینے سے
چمن کے پھول کھلے مردہ دل بھی جی اٹھے ۔۔۔ نسیم خلد سے آئی ہے یا مدینے سے
کرے گی مردوں کو زندہ یہ تشنوں کو سیراب ۔۔۔ وہ دیکھو اٹھی کرم کی گھٹا مدینے سے
مدینہ چشمۂ آب حیات ہے یارو! ۔۔۔ چلو ہمیشہ کی لے لو بقا مدینے سے
فضائے خلد کے قرباں مگر وہ بات کہاں ۔۔۔ ل آئیں حضرت رضواں ذرا مدینے سے
ہمارے دل کو تو بھایا ہے طیبہ ہی زاہد ۔۔۔ تمھیں ہے مکہ تو ہوگا سوا مدینے سے
چلے جو طیبہ سے مسلم تو خلد میں پہنچے ۔۔۔ کہ سیدھا خلد کا ہے راستہ مدینے سے
تم ایک آن میں آئے گئے تمھارے لیے ۔۔۔ دو گام بھی نہیں عرش علا مدینے سے
تمھارے قدموں پہ سر صدقے جاں فدا ہو جائے ۔۔۔ نہ لائے پھر مجھے میرا خدا مدینے سے
ترے حبیب کا پیارا چمن کیا برباد ۔۔۔ الٰہی! نکلے یہ نجدی بلا مدینے سے

۱　ترے نصیب کا نوری ملے گا تجھ کو بھی　　　لے آئے حصہ یہ شاہ و گدا مدینے سے

سچی بات یہ ہے کہ جذبۂ عشق جس دل میں گھر کر جائے اسے شمع نبوت کا جاں نثار و فدا کار بنا دیتا ہے۔ اس کی نظر میں جہان رنگ و بو کی رعنائیاں اور گلشن ہستی کی بہاریں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ ذکر رسول کی لذت، گل زار طیبہ کی مہک، ہوائے بطحا کی خنکی، اور فضائے مدینہ کی خوش گواری یہی سرمایۂ عشق ان کے لیے سامانِ راحت اور تاج افتخار ہے۔

عشق کے یہ تعلق جس قدر پختہ، گہرے، راسخ اور اٹوٹ ہوں گے، خیالات اتنے ہی پاکیزہ اور بے پایاں محبت کے آئینہ دار ہوں گے۔

محبوب کا گھر، دیار، علاقہ اور اس دربار دُربار سے نسبت رکھنے والی ہر شی یہاں تک کہ دیار حبیب کا خار بھی پھولوں کی سیج سے زیادہ جاذب نظر اور باعث کشش ہوتا ہے۔ مدینہ کے خاروں سے مفتی اعظم کے دلی لگاؤ کی کیفیت اور آپ کی نگاہ میں ان کا مقام و مرتبہ ذیل کے اشعار سے معلوم کرنا چنداں مشکل نہیں۔

پاؤں کیا میں دل میں رکھ لوں پاؤں جو طیبہ کے خار　　　مجھ سے شوریدہ کو کیا کھٹکا ہو نوک خار کا
نہ کیسے یہ گل و غنچہ ہوں خار آنکھوں میں　　　بسے ہوئے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں

خار گل سے دہر میں کوئی چمن خالی نہیں　　　یہ مدینہ ہے کہ ہے گلشن گلِ بے خار کا

چمن طیبہ، ہوائے مدینہ، فضائے مدینہ اور خاک مدینہ کا ذکر بھی جا بہ جا ہوا ہے۔

کھل جائیں چمن دل کے اور حزن مٹیں دل کے　　　طیبہ سے صبا آکے امداد ذرا کرنا
کب گل طیبہ کی خوشبو سے بسیں گے دل و جاں　　　دیکھیے کب کرم باد صبا ہوتا ہے
کب بہار چمن طیبہ نظر آتی ہے　　　دیکھیے کب دل پژمردہ ہرا ہوتا ہے

فضائے طیبہ کے قربان جاؤں　　　نسیم خلد سی جس کی ہوا ہے

کیسی پرنور ہے جنت کی فضا اے نوری　　　پھر بھی طیبہ کا مزا اس کی فضا نے نہ دیا
چمن طیبہ میں تو دل کی کلی کھلتی ہے　　　کیا مدینہ سے سوا روضۂ رضواں ہوگا
مدینہ جان چمن اور خزاں سے ایمن ہے　　　لگائے خاک وہاں کی ہزار آنکھوں میں
خاک طیبہ سے اگر کوئی نکھارے گیسو　　　سنبل خلد تو کیا حور بھی ہارے گیسو
سنبل طیبہ کو دیکھے جو سنوارے گیسو　　　سنبل خلد کے رضواں بھی نثارے گیسو

حضور مفتی اعظم نے مدینہ کی عظمت بیان کرنے کا ایک منفرد پیرایہ اپنایا ہے اور اس در کی حضوری کو عصیاں کی دوا اور مدینہ کو مکمل "دار الشفا" قرار دیا ہے۔

زمیں پاک وہ جس کو خدا نے　　　کتاب اللہ میں ارض اللہ کہا ہے
اس در کی حضوری ہی عصیاں کی دوا ٹھہری　　　ہے زہر معاصی کا طیبہ میں شفا خانہ
مریض معاصی کو لے چل مدینہ　　　مدینہ ہی عصیاں کا دار الشفا ہے

مکہ و مدینہ کی افضلیت کے سلسلہ میں علمائے کرام نے بڑی بحثیں کی ہیں۔ اور اپنے اپنے موقف کے اثبات میں دلیلوں کی نہریں بہادی ہیں مگر حضور مفتی اعظم نے مسئلہ صاف فرمادیا ۔

اگرچہ ہے مکہ کی عظمت مسلم　　مگر میرا دل طیبہ ہی پر فدا ہے

سعادت حرمین طیبین (زادہما شرفا وعظما) کا کون دل آرزومند نہ ہوگا؟ بالخصوص دیارِ حبیب کا نظارہ کون آنکھ نہ چاہے گی؟ ذیل کے اشعار حضور مفتی اعظم کی اسی دیرینہ آرزو کے اظہار ہیں۔

آہ قسمت مجھے دنیا کے غموں نے گھیرا　　ہائے تقدیر کہ طیبہ مجھے جانے نہ دیا
ہاتھ پکڑے ہوئے لیجاتے جو طیبہ مجھ کو　　ساتھ اتنا بھی تو میرے رفقا نے نہ دیا
عمر ساری تو کٹی لہو میں اپنی نوریؔ　　کب مدینہ کی طرف کوچ کا ساماں ہوگا
طیبہ جاؤں وہاں سے نہ واپس آؤں　　میرے جی میں تو اب یہ سمائی ہے

شہر حبیب کے راستوں پر جان چھڑکنے کی سرخروئی اور آنکھیں بچھانے کی سعادت اہل عشق و وفا کا سب سے زریں اعزاز اور تمغہ امتیاز ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی عشق کی سرفرازیوں میں سرشار ہوکر کہتے ہیں۔

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا　　ارے سر کا موقعہ ہے او جانے والے

عارف باللہ حضرت آسی سکندرپوری، خیال ادب میں دو قدم اور آگے بڑھ کر فرماتے ہیں۔

اے پائے نظر ہوش میں آ کوئے نبی ہے　　آنکھوں سے بھی چلنا تو یہاں بے ادبی ہے

اور حضور مفتی اعظم اپنے عشق و ادب کا عندیہ یوں بیان فرماتے ہیں۔

آبلے پاؤں میں پڑ جائیں جو چلتے چلتے　　راہ طیبہ میں چلوں سر سے قدم کی صورت

حقیقت یہ ہے کہ انسان جو عشق و وارفتگی کے منتہائے عروج پر پہنچ جاتا ہے اور جملہ علائق سے بے نیاز ہوکر صرف اور صرف در محبوب کا ہوکر رہ جاتا ہے اور محبوب ہی اس کی چاہتوں کا محور اور محبتوں کا مرکز ہو چکا ہوتا ہے تب اس قسم کے اشعار پیکر معنی میں ڈھلتے ہیں اور زبان و بیان کا نرخ اونچا کر جاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

کلامِ نوری میں عقیدۂ ختمِ نبوت کی ضیا باریاں

غلام مصطفیٰ رضوی
نوری رضوی مشن، مالیگاؤں، ضلع ناسک

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔
"محمد تمھارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔" (سورۂ احزاب ۳۳/۴۰)
حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا یعنی خاتم الانبیا ہونا اجماعی عقیدہ ہے اور آفتاب نیم روز کی طرح روشن و ظاہر۔ انبیاے کرام نے بشارتیں دیں اور نوید بھی کہ نبی آخر الزماں آتے ہیں۔ چنان چہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۳۱ء کی شائع کردہ یوحنا کی انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے مرقوم ہے: "لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمھارے لیے فائدہ مند ہے کیوں کہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمھارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمھارے پاس بھیج دوں گا۔"
صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (م ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) فرماتے ہیں: "اس میں حضور کی بشارت کے ساتھ اس کا بھی صاف اظہار ہے کہ حضور خاتم الانبیا ہیں۔ آپ کا ظہور جب ہی ہوگا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تشریف لے جائیں۔ اس کی تیرہویں آیت ہے: "لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمھیں آئندہ کی خبریں دے گا۔" اس آیت میں بتایا گیا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر دینِ الٰہی کی تکمیل ہو جائے گی اور آپ سچائی کی راہ یعنی دین حق کو مکمل کر دیں گے۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔"
(خزائن العرفان مشمولہ کنز الایمان مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی)
عقیدۂ ختم نبوت پر جب بھی شب خون مارنے کی کوشش ہوئی۔ علماے امت، محدثین اور فقہاے کرام نے کسی بھی فتنے کا منہ توڑ جواب دیا۔ ابتداے اسلام میں ہی بعض جھوٹے دعوے دار نمودار ہوئے جنھیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور صحابۂ کرام نے کیفر کردار تک پہنچایا۔
عہدِ امام احمد رضا (۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء-۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) بڑا ہی پرآشوب تھا۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولی جا رہی تھیں۔ نت نئے فتنے جنم لے چکے تھے۔ اسلامی عقائد و افکار کو متزلزل کرنے کے لیے مذہبی، تعلیمی، سائنسی، سیاسی، اقتصادی اور نظریاتی حملے وارد تھے۔ ان دینی فتنوں میں سب سے خطرناک فتنہ "فتنۂ دیوبند" تھا۔ عناصرِ دیوبند، اہانتِ رسول کا ارتکاب کر کے ایک عظیم فتنے کے لیے راہ استوار کر چکے تھے حتیٰ کہ جماعت دیوبند کے سرخیل مولوی قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب "تحذیر الناس" میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کسی اور نبی کا پیدا ہونا جائز مان لیا تھا۔ اس طرح دیوبند کی اس تھیوری پر چل کر قصبہ قادیان ضلع گورداس پور صوبہ پنجاب سے مرزا غلام احمد قادیانی نے ۱۹۰۰ء میں دعویٔ نبوت کیا جس کی پشت پناہی حکومت برطانیہ نے کی اور ہنوز قادیانیت کے استحکام کے لیے انھیں مواصلاتی سٹیلائٹ ٹکنالوجی کی قوت دے

دی گئی ہے۔ دنیا کے ان خطوں میں جہاں مسلمانوں پر ہر طرح کے جور و ستم روا رکھے گئے ہیں، قادیانیوں کو کھلی آزادی حاصل ہے۔

اس فتنہ کے سدِ باب میں امام احمد رضا محدث بریلوی نے تین رسائل تصنیف فرمائے نیز ختم نبوت کی تشریح میں دو کتابیں لکھیں۔

امام احمد رضا کے تلامذہ، خلفا اور دونوں فرزندانِ گرامی حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں قادری (م ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) اور حضور مفتی اعظم مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا نوری علیہ الرحمۃ والرضوان نے بھی عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے اور فتنہ قادیانیت کے سدِ باب کے لیے تحریری و تصنیفی خدمات انجام دیں۔ اس مضمون میں ہم اپنے موضوع کی رو سے حضور مفتی اعظم مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا نوری علیہ الرحمۃ والرضوان کی نعتیہ شاعری میں عقیدۂ ختم نبوت کے بیان میں جو مضامین نظم ہوئے ہیں ان کا اجمالی جائزہ لیں گے۔

نعت کا موضوع بڑا وسیع ہے۔ اربابِ ادب کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و خصائل، سیرت و شمائل کے مقدس اذکار نیز جمالِ جہاں آرا کی ضیا باریوں کے احوال پر نظم ہو یا نثر وہ نعت ہی ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا آپ کے فضائل سے ہے لہٰذا اس کے منکر کا احتساب یا تردید بھی نعت کے موضوعات میں ضرور شامل ہے۔

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کے نعتیہ دیوان ''سامانِ بخشش ۱۳۵۴ھ'' میں نادر تشبیہات، دلچسپ استعارات، صنعات عروضی خوبیوں نیز فنی خصوصیات کا استعمال بجا طور پر موجود ہے تاہم یہاں عقیدۂ ختم نبوت کے مضامین پر گفتگو مقصود ہے۔ ذیل کے اشعار دیکھیں جن میں اس عقیدے کی جلوہ گری موجود ہے۔

تم ہو فتحِ بابِ نبوت!! تم سے ختم دورِ رسالت
ان کی پچھلی فضیلت والے صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
صلی اللہ صلی اللہ

موجِ اول بحرِ رحمت جوشِ آخر بحرِ رافت
فیضِ وجود و سخاوت والے صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
صلی اللہ صلی اللہ

تم ہو اول تم ہو آخر، تم ہو باطن تم ہو ظاہر حق نے بخشے ہیں یہ اسما صلی اللہ علیک وسلم!
تمھیں سے فتح فرمائی تمھیں پر ختم فرمائی!! رسل کی ابتدا تم ہو نبی کی انتہا تم ہو
تمھیں باطن تمھیں ظاہر تمھیں اول تمھیں آخر نہاں بھی ہو عیاں بھی مبتدا و منتہا تم ہو
تمھارے بعد پیدا ہو نبی کوئی نہیں ممکن! نبوت ختم ہے تم پر کہ ختم الانبیاء تم ہو

ان اشعار میں کھلے لفظوں خاتمیتِ سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم پر عقیدے کی پختگی کا اظہار موجود ہے۔ اور اس صفت خاتمیت کے بیان میں فتح بابِ نبوت، ختم دورِ رسالت، موجِ اول جوشِ آخر، بحرِ رحمت، بحرِ رافت، اول و آخر، رسل کی ابتدا و انتہا، ختم الانبیاء جیسی اصطلاحات برتی گئی ہیں۔

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کے حمدیہ کلام ''اذکار توحیدِ ذات، اسما و صفات و بعض عقائد'' میں عقیدۂ ختم نبوت کے جلوے آشکار ہوئے ہیں۔ دو بند ملاحظہ فرمائیں:

اپنے مظہرِ اول کو اپنے حبیبِ اجمل کو

پہلے نبی افضل کو پچھلے مرسل اکمل کو
لا الہ الا اللہ آمنا برسول اللہ

موج اول بحر قدم موج آخر بحر کرم
سب سے اعلیٰ اور اعظم سب سے اولیٰ اور اکرم
لا الہ الا اللہ آمنا برسول اللہ

بعض اشعار میں اشارے اور کنارے میں فضائل وشمائل نبوی کے ساتھ ساتھ ختم نبوت کا مضمون بھی نظم ہوا ہے ان اشعار کا مطالعہ فرمائیں:

نورِ علم و حکمت والے نافذ جاری حکومت والے
رب کی اعلیٰ خلافت والے تم پر لاکھوں سلام
تم پر لاکھوں سلام

سارے رسولوں سے تم برتر تم سارے نبیوں کے سرور
سب سے بہتر امت والے صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
صلی اللہ صلی اللہ

جتنے سلاطیں پہلے آئے سکے ان کے ہوگئے کھوٹے جاری رہے گا سکہ تیرا صلی اللہ علیک وسلم
یوں ہی ہیں ماہ رسالت بھی سب نبیوں میں کرو آنکھوں نہیں بے شمار آنکھوں میں
خدا کی سلطنت کا دو جہاں میں کون دولھا ہے تم ہی تم ہو تم ہی تم ہو یہاں تم ہو وہاں تم ہو
نبیوں میں ہو ایسے نبی الانبیا تم ہو حسینوں میں تم ایسے ہو کہ محبوب خدا تم ہو
جو سب سے پچھلا ہو پھر اس کا پچھلا ہو نہیں سکتا کہ وہ پچھلا نہیں اگلا ہوا اس سے ورا تم ہو
تو شمع رسالت ہے عالم ترا پروانہ تو ماہِ نبوت ہے اے جلوۂ جانا نہ
انبیا کو رسائی ملی تم تک بس تمھاری خدا تک رسائی ہے
شب معراج سے اے سید کل ہو گیا ظاہر رسل ہیں مقتدی سارے امام الانبیا تم ہو
نہ ہوتے تم نہ ہوتے وہ کہ اصل جملہ تم ہی ہو خبر تھے وہ تمھاری میرے مولیٰ مبتدا تم ہو

پہلے بند میں یہ اشارہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قیامت تک جاری رہے گی۔ "ختم نبوت" کے اعزاز کو "رب کی اعلیٰ خلافت" سے یاد کیا گیا ہے۔

دوسرے بند میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سروری کا ذکر ہے نیز یہ بیان بھی نظم ہوا ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بہتر امت والے ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا فرمائی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہ دی گئیں۔ حدیث پاک میں پانچویں خصوصیت یہ بیان ہوئی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔

(خزائن العرفان، مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی)

اس میں ہمہ گیری وآفاقیت کا اظہار ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اکملیت وخاتمیت کے پیش نظر امت کو بھی بہتر امت قرار

دیا گیا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اس کے تحت پیر محمد کرم شاہ ازہری رقم طراز ہیں: "اگر چہ پہلی امتیں بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور ایمان باللہ سے مشرف تھیں۔لیکن جو شان تمھارے امر بالمعروف کی ہے جو جلال تمھارے نہی عن المنکر میں ہے اور جو گہرائی، گیرائی اور کمال تمھارے ایمان باللہ میں ہے وہ تم سے پہلے کسی امت کو نصیب نہیں ہوا۔" (ضیاء القرآن، جلد اول، ص ۲۶۳، مطبوعہ دہلی)

المختصر اس امت کی فضیلت بھی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کا پرتو ہے لہٰذا شعر مذکور میں خاتمیت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔

شعر نمبر ۳ کے مصرعۂ ثانی میں "سکہ جاری رہنا" محاورہ ہے جس کے معنی ہیں حکم چلنا/نقش جمنا۔لاریب! ہمارے آقا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے سلسلے کا نقش آخر ہیں۔اور آپ کی ملک میں سارا عالم ہے لہٰذا آپ کا سکہ پوری کائنات پر مرتسم ہے۔آپ کے ہوتے کسی کا سکہ جاری ہونا ممکن ہی نہیں محال ہے۔

شعر نمبر ۴ میں "ماہ رسالت" کہہ کر تمام انبیا میں آپ کی افضلیت وعلوے مرتبت کا روشن بیان ہے۔

شعر نمبر ۵ میں دو باتیں ذکر ہوئی ہیں: (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبیوں کا نبی یعنی "نبی الانبیا" کہہ کر "خاتم الانبیا" کہا گیا ہے (۲) حسنِ بے داغ کے حوالے سے مقام محبوبیت کا بیان ہے۔اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

مہ بے داغ کے صدقے جاؤں   یوں دمکتے ہیں دمکنے والے

شعر ۷، ۸ میں جو مضمون صفحۂ قرطاس پر سجایا گیا ہے اس میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو تمام انبیا سے سوا کہا گیا ہے۔شانِ اولیت کا بھی ذکر جمیل ہے اور "ماہ نبوت" اور "شمع رسالت" سے معنون کیا گیا ہے۔اور یہ کہ انبیا کی بارگاہِ الٰہی عزوجل تک رسائی کا ذریعہ اور واسطہ حضور ہیں۔

شعر نمبر ۹، ۱۰، ۱۱ میں واقعہ معراج کے فلسفے پر روشنی پڑتی ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد اقصیٰ میں تمام انبیا کی امامت فرمائی۔اور "امام الانبیا" ٹھہرے لہٰذا تمام انبیاے کرام مقتدی تو کھل گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور یہ فضیلت تمام انبیا کی امامت سے ہی آشکار ہو جاتی ہے اور یہ کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم باعث تخلیق کونین ہیں۔تمام انبیاے کرام نے اپنی اپنی امت کو خوش خبری دی کہ آخری نبی آتے ہیں اور آپ کا ظہور آخر میں ہوا۔حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کیا اول لگتی بات کہہ گئے

رسل انھیں کا تو مژدہ سنانے آئے ہیں   انھیں کے آنے کی خوشیاں منانے آئے ہیں

ختم نبوت کا تاج زریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس ہی سجتا ہے اور تمام انبیاے کرام کی نبوت فیض ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت کا نیز اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اولیت کا بھی ذکر ہے۔

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کے کلام میں عقیدۂ ختم نبوت کے پیش نظر مختلف جہات سے مضامین نظم ہوئے ہیں۔ راقم نے صرف اجمالی جائزہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے اور ذہن پر نقش ہونے والے بعض خاکے قرطاس پر ثبت کیے ہیں۔ضرورت ہے کہ حضور مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا نوریؔ کے کلام کا ادبی وفنی خصوصیات کے ساتھ ہی اسلامی عقائد کے آئینے میں تجزیہ کیا جائے۔اشعار نوری میں عقائد حقہ کے منور ومعتبر تذکرے افکار کو حق شناسی کا جوہر عطا کرتے ہیں نیز کلام نوریؔ میں "عقیدۂ ختم نبوت" کی انفرادیت واہمیت آشکار ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم کا ادبی سراپا

سامانِ بخشش کے آئینے میں!

یکے از گدائے مفتی اعظم

ہر دور میں عموماً شعرا نے شاعری کو سفلی جذبات کی ترجمانی، نفسانی خواہشات کے اظہار اور محبوب و ممدوح کی جھوٹی تعریف اور قصیدہ خوانی کا ذریعہ بنایا۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت میں شعرائے عرب ایسی ہی بے مقصد، غیر کارآمد اور مبتذل شاعری میں لگے ہوئے تھے اور اپنی قوت شعر گوئی اور قادر الکلامی کو محبوب کے لب و رخسار، کاکل و گیسو، قد و قامت کی تعریف اور اس کی نازک اندامی کی تصویر کشی میں صرف کر رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری اخلاقی گراوٹ، تمدنی انحطاط اور پھوہڑ انداز فکر کا بھرپور ثبوت فراہم کرتی ہے، امرأ القیس اور اس کے ہم عصر رفقا دور جاہلیت کے ایسے فصیح و بلیغ اور یکتائے روزگار شاعر تھے جن کے قصائد فصاحت و بلاغت اور سلاست و لطافت کا نادر نمونہ ہونے کے باعث کعبۂ مکرمہ کے دروازے پر آویزاں کیے جاتے تھے۔ لیکن مضمون کے اعتبار سے قصیدے عریاں خیالات اور برہنہ تصورات کی جیتی جاگتی تصویر ہوتے تھے گویا اس دور میں شعرا عشق و محبت کے واقعات، قلبی واردات اور عاشقانہ احساسات کو کھلم کھلا بیان کرنے میں قطعاً کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔ اور ان کی شاعری کذب، مبالغہ اور فحش مضامین کا پلندہ ہوا کرتی تھی۔ مگر جب خورشیدِ اسلام طلوع ہوا، دنیا کو روشنی ملی، اسلامی تعلیمات عام ہوئیں، خیالات میں پاکیزگی آئی، سماجی حالات سدھرے، تہذیب نے اپنے رخ زیبا سے نقاب اٹھائی، تمدن نے آسودہ انگڑائی لی اور ایک عالم گیر اور خوش گوار انقلاب آیا تو شاعری بے مقصد چیز سے بامقصد چیز بن گئی۔ شاعری ہی سے معاشرہ کو سدھارنے کا کام لیا جانے لگا اور رفتہ رفتہ شاعری حقائق کو اجاگر کرنے، صالح و پاکیزہ خیالات کو پیش کرنے نیز دلوں میں حرارت، ولولہ، جوش اور عزم و عمل کی برقی رو دوڑانے کا ذریعہ بن گئی۔ اس طرح وہی شاعری جو ناپسندیدہ، غیر محمود اور ناقابلِ اعتنا شی بن گئی تھی قابلِ قدر، محمود اور مقدس شی کے روپ میں ڈھل گئی اور کہنے والوں نے اس کے بارے میں یہاں تک کہہ دیا کہ ع

شاعری جزویست از پیغمبری

اور شعرا جو مبتذل شاعری کے باعث اپنا وقار کھو بیٹھے تھے جب انھوں نے بامقصد، کارآمد صالح شاعری کو زندگی کا نصب العین بنایا تو ان کو عزت و آبرو نصیب ہوئی۔ اور وہ بلند مراتب پر فائز ہوئے۔ مگر اب بھی کچھ ایسے شاعر تھے جو اپنی پرانی روش پر قائم رہے اور ہر وادی میں بھٹکتے رہے۔ اور وہ کہتے جو خود نہ کرتے اور بعض شعرا جو خورشیدِ اسلام سے وابستہ نہ ہوئے تھے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بیہودہ گوئیاں کرتے اور ہجویہ قصائد لکھتے اور اپنی شاعری کے ذریعہ مسلمانوں اور اسلامی تعلیمات کا مضحکہ اڑاتے۔ قرآن کریم نے ایسے بیہودہ گو شاعروں کی سخت مذمت کی اور اس سے ان شاعروں کا استثنا کیا جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر دیوانۂ رسول بن چکے تھے۔ اور جنھوں نے شاعری کو تہذیب و معاشرہ کی سنوارنے اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مدح و ثنا کرنے کا وسیلہ بنایا قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے

: وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ○ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا۔ (سورۂ شعراء ۲۶/ ۲۷-۲۶-۲۵-۲۲۴) ترجمہ: ''اور شاعروں کی پیروی گم راہ کرتے ہیں۔کیا تم نے نہ دیکھا کہ وہ ہر نالے میں پراگندہ پھرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے۔مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور بدلہ لیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا۔'' مذکورہ بالا بحث اور ارشاد خداوندی سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ شعر وشاعری بنفسہٖ بری نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے بلکہ صرف وہ شاعری معیوب اور مذموم ہے جس میں بیہودہ، مبتذل اور مخرب اخلاق باتیں پائی جاتی ہیں اور قرآن نے انھیں شعرا کی مذمت کی ہے جو بدگو اور ہر وادی میں سرگرداں پھرنے والے ہیں۔اور وہ شاعری جس میں حقیقت بیانی، پند و موعظت، حکمت و دانائی، رسولِ پاک کی تعریف و توصیف اور توحید و رسالت کے عنوانات پر مشتمل باتیں پائی جاتی ہیں، پسندیدہ اور محمود ہے۔خود سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی شاعری کو پسند فرمایا ہے جیسا کہ بہت سے واقعات شاہد عدل ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبول شاعر تھے، جب وہ اپنا قصیدہ سناتے تو ان کے لیے مسجد نبوی میں باقاعدہ منبر رکھا جاتا۔آپ کے علاوہ حضرت علی اور کعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما و دیگر بہت سے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی مداحِ رسالت تھے اور شعر وشاعری کا نہایت صالح ولطیف ذوق رکھتے تھے۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بذاتِ خود شاعر نہ تھے لیکن آپ کا یہ قول ''علموا اولادکم الشعر اپنی اولاد کو علمِ شعر سکھاؤ۔'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کو بھی شاعری سے کافی لگاؤ تھا۔شعر کی تاثیر کے علاوہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی نہایت مشہور اور عین واقع کے مطابق ہے ''ان من الشعر لحکما و ان من البیان لسحرا '' (کنز العمال حدیث۔۸۰۰۷ بیت الافکار الدولیہ، الریاض) یعنی'' بے شک بعض شعر حکمت ہے اور بعض کلام جادو ہے۔'' الختصر! وہ شاعری جس میں مرکزِ عقیدت محسنِ انسانیت محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف اور مدح وثنا کی جائے تو اسے نعت گوئی کا نام دیا جاتا ہے۔اصنافِ سخن میں یہ صنف نہایت مشکل صنف ہے۔یہ ایک ایسی پُر خطر اور پُر خار وادی ہے جس میں پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ذرا سی لغزش شاعر کو قعرِ مذلت میں گرا دیتی ہے۔صحیح بات تو یہ ہے کہ طوفان خیز موجوں سے نبرد آزما ہو کر ایک کنارے سے دوسرے کنارے پہنچ جانا تو کوئی مشکل نہیں، سر بہ فلک پہاڑوں کو سر کر لینا آسان ہے۔چاند کی زمین پر قدم رکھ دینا سہل ہے لیکن نعت گوئی کی منزل سے کامیاب وکامراں گزر جانا از حد دشوار ہے۔اس پُر خار اور سنگلاخ وادی میں قدم رکھنے کے بعد بڑے بڑے فصحا و بلغا اور اقلیم سخن کے شہر یاروں نے اپنے عجز و درماندگی کا اعتراف کیا ہے۔بایں ہمہ ہر دور میں شعرائے اسلام نے نعت گوئی کے میدان میں قدم رکھنے کی جسارت کی اور انھوں نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی عقیدت ومحبت کا نذرانہ پیش کیا اور بعض خوش نصیب شاعر تو تاریخ کے دامن پر ایسے پائے جاتے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی نعت گوئی میں گزار دی اور ہمیشہ گلشنِ اسلام میں عندلیب خوش نوا بن کر چہکتے رہے اور اسی نعت گوئی کے صلہ میں انھیں شہرتِ دوام اور حیاتِ جاوداں نصیب ہوئی۔ایسے ہی نصیبہ ور، فیروز بخت اور فخرِ روزگار نعت گو شعرا کی صف میں شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاجدار اہل سنت، آبروئے عشق ووفا، سراجِ بزم علما، شہر یارِ اقلیم کشف وکرامات مرشدی ومولائی حضرت مولانا علامہ الحاج محمد مصطفیٰ رضا خاں صاحب مفتی اعظم قدس سرہٗ ایک منفرد اور نمایاں مقام رکھتے تھے۔۲۲؍ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۱ء کو محلہ خواجہ قطب بریلی شریف میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔اور ۱۴؍ محرم ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۲؍ نومبر ۱۹۸۱ء کو محبوبِ حقیقی سے جا ملے۔

آپ بلند پایہ عالم اور یگانۂ روزگار فقیہ تھے۔نیز تمام علوم عقلیہ ونقلیہ میں آپ دست گاہِ کامل رکھتے تھے۔آپ کی ذات حدیث

پاک "من یرد الله خیرا یفقهه فی الدین " یعنی" اللہ تبارک وتعالیٰ جس کے لیے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اس کو دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔" کی مکمل آئینہ دار تھی۔ آپ کی فقہی بصیرت اور علمی سوجھ بوجھ کی ایک دنیا معترف تھی۔ آپ کے بارے میں خطیبِ مشرق علامہ مشاق احمد صاحب نظامی ایک جگہ رقم طراز ہیں:

"اگر آپ لکھنے پر آ جاتے تو اپنے وقت کا شہنشاہِ قلم گھٹنے ٹیک دیتا، نکاتِ علمی بیان کرنے پر آ جاتے تو امام رازی وغزالی کی یاد تازہ ہو جاتی، اگر آپ فنِ حدیث کو موضوعِ گفتگو بناتے تو امام بخاری اور امام مسلم کی محفل سنور جاتی۔"

میرے گمان میں آپ کی شخصیت کی جامعیت کے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ مجددِ دین وملت، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خاں صاحب بریلوی علیہ الرحمہ کے فرزند ارجمند تھے اور آپ نے براہِ راست اعلیٰ حضرت جیسے علوم وفنون کے بحرِ ذخار سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ اصحابِ فہم وذکا پر قطعاً یہ مخفی نہیں کہ جس کا یہ عالم ہو پھر اس کی ذات کی ہمہ گیری اور آفاقیت میں کیا شبہہ ہو سکتا ہے۔ یہی وہ دیدہ ور ہستیاں ہیں جن پر شاعرِ مشرق کا یہ شعر صادق آتا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے　　　　بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ اس کائناتِ آب وگل میں کل اکانوے سال بقیدِ حیات رہ کر زینتِ بزمِ مئے خانۂ معرفت اور بہارِ گلشنِ علم وادب بنے رہے۔ آپ نے اپنی اس طویل عمر میں سیماب صفت، متحرک اور فعال رہ کر پرچمِ حق وصداقت بلند کرنے کی جو دینی، علمی، سماجی اور معاشرتی خدمات انجام دیں ان کو ملتِ اسلامیہ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ ایک طرح سے آپ نے خود کو دینِ مبین کی اشاعت کی ترویج واشاعت، عظمتِ ناموسِ رسالت کے تحفظ اور سماجی خدمات کے لیے وقف فرما دیا تھا۔ اس طرح آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ مصروف تھا۔ مگر اس کے باوجود آپ نے شعروشاعری سے بھی شغف رکھا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت سرائی میں رطب اللسان رہے۔ سوز وگداز، کیف واثر اور نور ونکہت سے معمور آپ کی نعتوں کا مجموعہ "سامانِ بخشش" ایک ایسا سدا بہار گلدستہ اور گنجینۂ علم ومعانی ہے جو ہمیشہ اہلِ معرفت، اصحابِ علم ودانش اور اربابِ فکر وبصیرت سے خراجِ تحسین حاصل کرتا رہے گا۔ اور اس مجموعہ میں شامل وجد آفریں نعتیں عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دلوں کو ہمیشہ ادب وقرینہ سے دھڑکنا سکھاتی رہیں گی۔ آپ درحقیقت ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ کے کلام میں فصاحت وبلاغت، لطافت ودل کشی، سلاست وروانی، نازک خیالی ومعنی آفرینی ندرتِ تراکیب استعارات ومحاورات کا برمحل استعمال شوکتِ الفاظ، سوز وگداز، حقیقت بیانی، لطیف جذبات واحساسات کی فراوانی وجملہ فنی وشعری خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آپ کے کلام میں کہیں کوئی شرعی سقم نظر نہیں آتا جیسا کہ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

گلہائے ثنا سے مہکتے ہوئے ہار　　　　سقمِ شرعی سے ہیں منزہ اشعار
دشمن کی نظر میں نہ کیوں کر کھٹکیں　　　　ہیں پھول مگر ہیں چشمِ اعدا میں خار

شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ فی الحقیقت ایک سچے عاشقِ رسول تھے۔ آپ صرف ایک غازی نہ تھے جیسا کہ عموماً شعرا کی عادت ہوا کرتی ہے وہ عشق ومحبت کا دعویٰ تو خوب کرتے ہیں لیکن خود ان کی ذات میں عاشقانہ خُوبُو کا دور دور تک نام ونشان نہیں پایا جاتا اور جب کوئی آزمائش یا امتحان کی گھڑی آتی ہے تو وہ بغلیں جھانکنے لگتے ہیں اور اس وقت ان کی حالت دیکھ کر مقبول بریلوی دہلوی کے اس شعر کی صداقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ۔

محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں　　　　یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا

ایسے ہی شعر ہیں جن کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد گرامی ہے" یقولون ما لا یفعلون "وہ جو کہتے ہیں کرتے نہیں" قول وعمل کا یہ تضاد آپ کو کم وبیش بھی شاعروں میں نظر آئے گا۔(الا ماشاء اللہ) لیکن جب ہم حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کو اس اعتبار سے دیکھتے ہیں تو آپ شعرا کی بھیڑ میں ہمیں نہایت قد آور اور ممتاز نظر آتے ہیں۔آپ کے یہاں قول وعمل میں زبردست یکسانیت پائی جاتی ہے آپ نے اگر تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت کا دعویٰ کیا ہے تو ایسا نہیں کہ آپ نے اپنے آقا ومولیٰ کے احکام وفرامین سے روگردانی کرکے عشق کی عظمت کو بٹہ لگایا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ کی پوری زندگی سنت رسول کے سانچے میں ڈھلی نظر آتی ہے اور یہی وہ ناموسِ عشق کی پاس داری کا جذبہ تھا جس نے آپ کو ہمیشہ شہنشاہِ رسالت کا مدحت سرا اور رضائے محبوب کا طالب ومتلاشی بنائے رکھا۔

حاضر در ہے نوری مضطر آپ کا یہ موروثی ثناگر　　خواہاں ہے رضا کا ابن رضا

انیس بے کساں باعثِ تخلیقِ دو جہاں، غمگسارِ کائنات، فخرِ موجودات، محبوبِ خلاق دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کما حقہٗ نا ممکن ہے کیوں کہ آپ کی ذات ممدوحِ خالقِ اکبر ہے۔حدیث قدسی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے: لولاک لما خلقت الافلاک والارضین، اے محبوب! اگر میں آپ کو وجود کا لبادہ نہ پہناتا تو نہ آسمانوں کو پیدا کرتا اور نہ زمین کو" معلوم ہوا کہ ستاروں کی انجمن سجائی گئی تو آپ کے لیے۔زمین کا فرش بچھایا گیا ہے تو آپ کے لیے۔آسمان کا شامیانہ قائم کیا گیا ہے تو آپ کے لیے۔گلوں کو نکہت، ہواؤں کو لطافت، پہاڑوں کو رفعت، اور شمس وقمر کو تابانی عطا کی گئی ہے تو آپ کے لیے، گویا کائنات کی تخلیق خود آپ کی تعریف ہے اور خالق کائنات آپ کا ثنا خواں تو جب خود خالق کائنات آپ کا ثنا خواں ہے تو پھر ایک مشتِ خاک سے بنے انسان کی کیا مجال کہ وہ آپ کی تعریف وتوصیف کر سکے۔بل کہ وہ اس قابل بھی نہیں کہ وہ آپ کا نام نامی اسم گرامی اپنی زبان پر لا سکے۔بقول عرفی۔

ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب　　ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

مگر اس کے باوجود شعرائے اسلام نے ہر دور میں آپ کی بارگاہ پر وقار میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے اور آپ کے ذکرِ جمیل سے خود اپنے آپ کو مشرف کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے کہ ایک گدا اپنے آقا کا اور ایک محب اپنے محبوب کا گن نہ گائے گا تو پھر کس کا گائے گا؟ یہی وہ سوزِ عشق اور جذبۂ شوق تھا کہ جس کی بنا پر حضور مفتی اعظم نے بھی ہمیشہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وتوقیر کا خطبہ پڑھا ہے۔

تو شمعِ رسالت ہے عالم ترا پروانہ　　تو ماہِ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ
جو ساقی کوثر کے چہرے سے نقاب اٹھے　　ہر دل بنے میخانہ ہر آنکھ ہو پیمانہ
میں شاہ نشیں ٹوٹے دل کو نہ کہوں کیسے　　ہے ٹوٹا ہوا دل ہی مولا ترا کاشانہ
اس در کی حضوری ہی عصیاں کی دوا ٹھہری　　ہے زہر معاصی کا طیبہ ہی شفا خانہ
ہر پھول میں بُو تیری ہر شمع میں ضو تیری　　بلبل ہے ترا بلبل پروانہ ہے پروانہ
سنگِ درِ جاناں پر کرتا ہوں جبیں سائی　　سجدہ نہ سمجھ نجدی سر دیتا ہوں نذرانہ
گر پڑ کے یہاں پہونچا مر مر کے اسے پایا　　چھوٹے نہ الٰہی اب سنگِ درِ جانانہ
آباد اسے فرما ویراں ہے دلِ نوری　　جلوے ترے بس جائیں آباد ہو ویرانہ

عہد رسالت میں صحابہ کرام کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جو والہانہ عشق اور فدا کارانہ لگاؤ تھا الفاظ کے سہارے کما حقہٗ اس

کی عکاسی ناممکن ہے۔ تاریخ کے اوراق اس بات پر شاہد ہیں کہ انھوں نے خود آپ کی محبت میں سر کٹانا گوارا کر لیا لیکن آپ کے پائے ناز میں ایک کانٹا چبھنا گوارا نہیں کیا۔ گویا عشق کا یہ درس مسلمانوں کو وراثت میں ملا ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کی اگر کوئی اصل پونجی ہے تو وہ وابستگی رسول ہے جیسا کہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ " لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین " (بخاری شریف، حدیث۔۱۵ کتاب الایمان، دار الکتاب العربی، بیروت)

تم میں سے اس وقت تک کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔' اس حدیث سے یہ خوب اچھی طرح واضح ہو گیا کہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمام اعمال وافعال اور ایمان کی جان ہے اور اگر کسی کا دل اس دولت سے خالی ہے تو وہ صحیح معنوں میں مومن کامل ہی نہیں۔ عارف باللہ حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے اسی مفہوم کو شعر کا جامہ اس طرح پہنایا ہے ۔

جانِ ایماں ہے محبت تیری جانِ جاناں　　　جس کے دل میں یہ نہیں خاک مسلماں ہوگا

ایک عاشقِ صادق اور دیوانہ محبوب کی یہ دلی تمنا ہوا کرتی ہے کہ وہ محبوب کی بارگاہِ ناز میں ہمیشہ سرخم رہے اور سنگِ درِ جاناں پر نیاز مندی کے سجدے لٹا کر آتش شوق کی تسکین کا سامان فراہم کرے۔ حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ بھی ایک ایسے ہی شیدائے محبوب تھے۔ آپ کے دل میں آتشِ شوق کی چنگاریاں روشن تھیں۔ آپ بھی کوے حبیب کی گدائی کو حاصلِ زیست تصور کرتے تھے۔ آپ کی پیشانی بھی آستانہ محبوب پر سجدہ لٹانے کے لیے بے قرار رہا کرتی تھی لیکن آپ جس حسنِ سراپا کے فدائی وشیدائی تھے، جس کے عشق سے آپ کی پوری زندگی عبارت تھی، اسی کے لائے ہوئے دینِ مبین کے آپ واقف کار اور اسی کی شریعت کے پیروکار بھی تھے۔ اس لیے آپ یہ بات خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ عشق میں ہر طرح کی سرشاری، سرمستی اور شوریدہ سری کو راہ تو مل سکتی ہے لیکن حدودِ شرعیہ سے تجاوز کرنے کی اجازت ہرگز نہیں مل سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے شریعت کے احکام کی پاس داری کو عشق کی شوریدہ سری پر مقدم رکھا۔ دو شعر حاضر ہیں ملاحظہ فرمائیں اور اندازہ لگائیں کہ آپ کو انتہائے شوق کے عالم میں کس قدر حدود شرعیہ کا پاس ولحاظ ہے۔

حسرتِ سجدہ یونہی کچھ تو نکلتی لیکن　　　سر بھی سرکار نے قدموں پہ جھکانے نہ دیا
سجدہ کرتا جو مجھے اس کی اجازت ہوتی　　　کیا کروں اذن مجھے اس کا خدا نے نہ دیا

آپ کو رسول کریم علیہ التحیۃ والثنا سے غایت درجہ کی محبت وعقیدت تھی۔ آپ کا سینہ درحقیقت محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ تھا آپ کا دل صحیح معنوں میں جلوہ گہِ جمالِ جہاں آرا ہونے کی بدولت رشکِ صد مہر وماہ تھا۔ یہی سبب ہے کہ آپ کو قبر کی ہولناکی اور موت کا ذرہ بھر غم نہ تھا بلکہ آپ کو اس بات کا یقینِ کامل تھا کہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نور ایمان کی بدولت مرقد میں شب وروز اجالوں کی حکمرانی ہوگی اور قبر کی کوٹھری انوار وتجلیات سے بقعۂ نور بنی رہے گی۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

نورِ ایمان کی شمع رہے روشن پھر تو　　　روز وشب مرقدِ نوری میں چراغاں ہوگا

محبوب کے بارے میں شاعروں کے یہاں یہ تصور عام طور پر پایا جاتا ہے کہ وہ فتنہ پرور اور وفا ناآشنا ہوتا ہے۔ اس کی رفتار میں ایک قیامت پوشیدہ ہوتی۔ ہے وہ جدھر کا رخ کرتا ہے سوئے ہوئے فتنے جاگ اٹھتے ہیں گویا غزل گو شاعر کی زبان میں محبوب کے حسن و جمال کی کوئی جامع ومانع تعریف ہوسکتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ محبوب جس سمت بھی اپنے پائے ناز اٹھا دے فتنے بھی اپنا سر اٹھا دیں لیکن جب حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے اپنے محبوب کے حسن وجمال اور خوبی رفتار کی تعریف کی تب پتہ چلا کہ دراصل حسین کہلانے کا مستحق کون

ہے آپ فرماتے ہیں:

وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے　　ہاں حسیں تم جو فتنے مٹا کر چلے

فتنے جو اٹھے مٹاڈالے روش نے آپ کی　　کیوں نہ ہو دشمن بھی قائل خوبی رفتار کا

نعت گوئی میں فنی محاسن سے زیادہ اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ ہر شعر شریعت کی حدود میں رہ کر کہا گیا ہو اور اگر ساتھ ساتھ اشعار شعری و ادبی اوصاف و محاسن کا مرقع ہوں تو یہ شاعر کی قادر الکلامی کا واضح ثبوت ہوتا ہے اس نقطۂ نگاہ سے جب ہم "سامانِ بخشش" کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں بہت سے اشعار اس معیار پر پورے ملتے ہیں اور اس طرح کے تمام اشعار بجا طور پر حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کی قادر الکلامی اور آپ کے ماہر زبان وفن ہونے کا بھرپور ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اس قبیل کا صرف ایک شعر نمونہ کے طور پر زیب قرطاس ہے اس ایک شعر میں لفظ "سرور" چار مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن حسنِ بیان نے لفظ کی تکرار کے باوجود شعر کو زمین سے آسمان پر پہونچا دیا ہے جب کہ عموماً ایک ہی معنی میں کسی لفظ کی تکرار شعر کے حق میں نقص وعیب خیال کیا جاتا ہے۔ شعر ملاحظہ فرمائیں:

سرؔور ہے وہی سرؔ ور اے سرؔ ور ہر سرؔ ور
ہے آپ کے قدموں پر سر جس کو فدا کرنا

الحاصل! شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاجدار اہل سنت عارف باللہ حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ ایک طرف جہاں گوناگوں خصوصیات کے حامل تھے، وہیں آپ ایک عظیم المرتبت اور بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ آپ کا مجموعۂ کلام "سامانِ بخشش" ایک ایسا علمی و ادبی شاہکار ہے جو ہمیشہ قدر وقیمت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور اس مجموعۂ کلام کی بدولت آپ کا نام ایک وفادار عاشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے صفحۂ دہر پر تاقیام قیامت زندہ وتابندہ رہے گا۔

☆☆☆☆☆

نواں باب

ملفوظات، تصنیفات و تالیفات سے الگ ایک دل چسپ اور معلومات افزا ادبی صنف ہے ۔ ملفوظات کے لیے ضروری نہیں کہ متعلقہ شخصیت خود قلم بند کرے۔ عموماً کسی رجل عظیم کا کوئی ہم نشیں یا ندیم ، اپنی یاد داشت سے یا روز بہ روز الگ الگ مجلسوں میں جو کچھ ارشاد ہوا اسے بلاکم وکاست ضبط تحریر میں لاتا ہے ۔ یومیہ مجالس میں بسا اوقات ایسے مسائل زیر بحث آتے جاتے ہیں، جو عام خطابات میں نہیں آتے یا نہیں آسکتے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ملفوظات کو جمع کرنے کے لیے بھی معقول حد تک قلمی شعور، حافظہ اور استحضار دماغ کی ضرورت ہے ، سننے والا بڑا ہی بیدار مغز اور زیرک ہو ، جملوں کے مزاج اور ساخت سے پوری واقفیت رکھتا ہو ورنہ وہ کچھ کا کچھ لکھ سکتا ہے اور بہتر یہ ہوگا کہ یادداشت یا قوت حافظہ پر اعتماد کرنے کی بجائے مجلس برخاست ہونے کے بعد فوراً تحریر کرے۔ ایسے ہی مسائل سے نمٹنے کے لیے محدثین نے روایت کے ساتھ درایت اور جرح و تعدیل کے اصول وضع کیے ۔احادیث کریمہ انسانی تاریخ میں کسی بھی شخصیت کے ملفوظات کو جمع کرنے کا سب سے شان دار مرقع ہیں جسے محدثین عظام کی زہرہ گدازی اور ان کے عشق رسول کا ثمرہ بھی کہا جاسکتا ہے ۔ ملفوظات کی کیا اہمیت ہوتی ہے اور اسے کیوں جمع کیا جاتا ہے ؟ اس سے آگاہی کے لیے مولانا فیضان المصطفیٰ کی درج ذیل تحریر پڑھنی ہوگی۔

"بزرگوں کے ملفوظات ان کے عہد کے ترجمان ہوتے ہیں ، ان سے بزرگوں کی زندگی گزارنے کے طریقے معلوم ہوتے ہیں ، فکر و خیال کی دینی تربیت ہوتی ہے ، شریعت کے آداب معلوم ہوتے ہیں ، طریقت کے اسرار ورموز واشگاف ہوتے ہیں ، معرفت و حقیقت کی راہیں کھلتی ہیں۔ ایک جملے کے اندر حقائق کا خزانہ سمودینا عارفین کے لیے آسان سی بات ہے۔ اگر وہی جملے ، وہی فرمودات ، جو بزرگوں کی زبان سے نکلے تھے ، صحیح طور پر مفہوم معلوم ہو جائیں تو ان کی روشنی میں تلاش حقیقت کا سفر آسان ہو جاتا ہے ، زندگی کی الجھی ہوئی گتھیاں سلجھائی جاسکتی ہیں ، حیات و کائنات کے لاینحل مسائل حل کیے جاسکتے ہیں ، انفس و آفاق کے حقیقی راز معلوم کیے جاسکتے ہیں ۔ اسی اہمیت کے پیش نظر صوفیہ کرام کے ملفوظات کی ترتیب و تدوین کا سلسلہ چل پڑا جس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔"

مفتی اعظم نے امام احمد رضا کے ملفوظات کو اگر جمع نہ کیا ہوتا تو آج ملت اسلامیہ ایک عظیم علمی و ادبی سرمایہ سے محروم رہ جاتی ۔ الفاظ ہوا میں اڑ کر تحلیل ہو جاتے ہیں مگر فنا نہیں ہوتے لیکن نوک زبان سے نکلنے کے بعد ان کو دوبارہ ضبط تلفظ میں لانے کا اب تک کوئی سائنسی آلہ ایجاد نہ ہوسکا اور نہ مستقبل قریب میں دور دور تک ایسا ہوتا دکھائی دیتا ہے ۔ ہا ں الفاظ کو اشکال میں بدل کر اس کے معنوی اور داخلی احساسات کو صفحۂ قرطاس پر ضرور قید کیا جاسکتا ہے ۔یہی کام الملفوظ میں مفتی اعظم نے اپنے ولی نعمت امام احمد رضا کے حوالے سے بھی کیا ۔ اپنے بزرگوں کی دستاروں پر نقد و جرح کے تیر برسانے والی نئی نسل کیا آج اپنے زندہ بزرگوں کے ساتھ یہ برتاؤ کر رہی ہے اگر نہیں تو کیوں؟ اور اس کا جواز کیا ہے؟

مقبول احمد سالک مصباحی

مفتیِ اعظم کا عظیم اور لازوال کارنامہ

اعلیٰ حضرت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کے ارشادات کے گراں قدر مجموعہ

الملفوظ کی ترتیب وتدوین

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ و الرضوان
(بانی) جامعہ حضرت نظام الدین اولیا، نئی دہلی

ایک ادنیٰ سا مسلمان بھی اس بات سے اچھی طرح واقف ہے کہ ہمارے اوپر تین طرح کے حقوق ہیں:

(۱) بندہ ہونے کی حیثیت سے خدا کا حق۔

(۲) امتی ہونے کی حیثیت سے رسول کا حق۔

(۳) انسان ہونے کی حیثیت سے انسان اور دوسری مخلوق کا حق۔

اس لحاظ سے رسول کا حق بھی اللہ ہی کا حق ہے کہ وہ اللہ ہی کی طرف سے بندوں پر عائد کیا گیا ہے، لہذا جو لوگ رسول کے حق کا قولاً، عملاً، اعتقاداً کسی درجہ میں بھی انکار کرتے ہیں وہ صرف رسول ہی کے نہیں بل کہ خدا کے بھی منکر ہیں۔

قرآن کریم نے عہدِ رسالت میں پیدا ہونے والے اس طبقے کی بار بار نشان دہی فرمائی ہے جو خدا کی الوہیت کا بھی اقرار کرتا تھا، توحید ورسالت کی بھی برملا شہادت دیتا تھا اور نماز باجماعت کا بھی پابند تھا لیکن ان ساری باتوں کے باوجود حبیب کبریا، رسولِ مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے دل کے نفاق وعناد میں مبتلا ہونے کے باعث وہ ہمیشہ خدا کے قہر وغضب کا نشانہ بنا رہا۔ نہ اس کا کلمہ اس کے کام آیا اور نہ اس کی نماز خدا کے عذاب سے اسے بچا سکی۔

قرآنِ کریم کی اس مضمون کی سیکڑوں آیتیں واضح طور پر اس عقیدے کی توثیق کرتی ہیں کہ خدا اور بندے کے درمیان رسول ہی کی ذات مرکزِ تعلقات ہے۔ نجات اخروی اور رضائے الٰہی کے حصول کا بجز اس کے اور کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ سب سے پہلے رسول کی رضا حاصل کی جائے اور یہ صرف عقیدہ نہیں بل کہ تاریخ کے حوالے سے کھلی آنکھوں کا مشاہدہ بھی ہے کہ جنم جنم کے کفار ومشرکین جب رسول پاک کی پناہ میں آگئے تو خدا نے بھی ان پر اپنی رحمت وخوشنودی کا دروازہ کھول دیا۔ پہلے رسول کے قدموں میں ان کے دل جھکے تب پیشانیوں کو خدا کے حضور میں سجدہ ریز ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ لوگوں نے پہلے خدا کو مانا ہو تب رسول کو تسلیم کیا ہو۔

منصب رسالت کی عظمت وجبروت کے خلاف منافقین مدینہ کی اٹھائی ہوئی تحریک جس کی قرآن میں بار بار اور واضح لفظوں میں نشان دہی فرمائی گئی ہے وہ چودھویں صدی میں پھر منظم ہوگئی اور غضب کی بات یہ ہوئی کہ اس فتنے کے علم برداروں نے اپنے دلوں کا غیظ و

غضب چھپانے کے لیے اسے ایک دینی تحریک کی شکل دے دی اور اس خوب صورتی کے ساتھ عظمت پیغمبرانہ کے خلاف اپنا مشن چلایا کہ لوگ عرصۂ دراز تک یہی سمجھتے رہے کہ یہ نبی کی تنقیص کا نہیں بل کہ عقیدۂ توحید کے تحفظ کا مشن ہے۔ لیکن خدائے غافر وقدیر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کی تربت پر اپنی رحمت ونعمت کے پھول برسائے کہ اس مرد سرفروش اور عاشقِ وفا کیش نے اس ناپاک تحریک کے خلاف قلم کی تلوار اٹھا کر امت کو کفر ونفاق کے ایک بہت بڑے فتنہ میں مبتلا ہونے سے بال بال بچالیا۔ اور ہزاروں اوراق پر پھیلے ہوئے کتاب وسنت، تفسیر وفقہ اور اقوالِ سلف کے مقدس ذخائر کی روشنی میں ثابت کر دکھایا کہ منصب رسالت کا احترام عقیدۂ توحید سے متصادم نہیں، بل کہ عقیدۂ توحید کا عین مقتضا اور مطلوب ہے۔

دل اگر نفاق کے آزار میں مبتلا نہیں ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ اعلیٰ حضرت امامِ اہل سنت نے اپنے پیچھے جو لٹریچر چھوڑا ہے وہ اسلام کی روح، دین کی غیرت وحمیت اور ایمان کے چشمے سے پھوٹنے والی قوتوں کا تحفظ کرتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے علوم ومعارف کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ”الملفوظ“ بھی ہے جو ان کے ارشادات اور کلمات طیبات پر مشتمل ہے، اگر چہ یہ اعلیٰ حضرت کی تصنیف نہیں بل کہ ان کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے جواہر پاروں اور ذخائرِ علم وحکمت کا ایک گنج گراں مایہ ہے اور یہ احسان ہے حضور مفتیِ اعظم ہند رحمۃ والرضوان کا کہ انھوں نے اعلیٰ حضرت کی علمی مجالس کے ان خزائن وذخائر کو قلم بند فرمایا، اور ”الملفوظ“ کے نام سے چار جلدوں میں انھیں شائع کردیا۔ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو حضور مفتیِ اعظم نے رشتۂ تحریر میں منسلک نہ کیا ہوتا تو آج ہم علم وحکمت اور دین وسنت کے ان نادر روزگار ذخائر سے محروم ہو جاتے، جن کی چمک سے دلوں کے آفاق پر اجالا پھیلتا ہے اور دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔

الملفوظ کے مقدمہ میں حضور مفتیِ اعظم ہند نے اس کے جلوہائے سبب تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے اعلیٰ حضرت کی مجلسِ علم وحکمت اور فیض وبرکت کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ”یہاں جو دیکھا کہ شریعت وطریقت کے وہ باریک مسائل جن میں مدتوں غور وخوضِ کامل کے بعد بھی ہماری کیا بساط، بڑے بڑے سر ٹیک کر رہ جائیں، فکر کرتے کرتے تھک جائیں اور ہرگز نہ سمجھیں اور صاف انا لا ادری کا دم بھریں، وہ یہاں ایک فقرے میں ایسے صاف فرما دیے جائیں کہ ہر شخص سمجھ لے گویا اشکال ہی نہ تھا۔
>
> اور وہ دقائق ونکات مذہب وملت جو ایک چیستاں اور ایک معما ہوں، جن کا حل دشوار سے زیادہ دشوار ہو وہ یہاں منٹوں میں حل فرما دیے جائیں تو خیال ہوا کہ یہ جواہر عالیہ اور زواہر غالیہ یوں ہی بکھرے رہے اور انھیں سلکِ تحریر میں نہ لایا گیا تو اندیشہ ہے کہ ۔۔ کچھ عرصہ کے بعد ضائع ہو جائیں۔
>
> پھر یہ کہ ان ملفوظاتِ عالیہ سے یا تو خود متمتع ہوتے یا زیادہ سے زیادہ ان کا نفع حاضر باشان دربار عالی ہی کو پہنچتا باقی اور مسلمانوں کو محروم رکھنا ٹھیک نہیں۔ بل کہ ان کا نفع جس قدر عام ہو اتنا ہی بھلا، لہذا جس طرح ہو یہ تفریق جمع ہو۔
>
> مگر یہ کام مجھ بے بضاعت اور عدیم الفرصت کی بساط سے کہیں سوا تھا اور گویا چادر سے زیادہ پاؤں

پھیلانا تھا اس لیے بار بار ہمت کرتا اور بیٹھ جاتا۔ میری حالت اس وقت اس شخص کی سی تھی جو کہیں جانے کے ارادے سے کھڑا ہو مگر متذبذب ہو کر ایک قدم آگے ڈالتا اور دوسرا پیچھے ہٹا لیتا ہو۔

مگر دل بڑا بے چین تھا، کسی طرح قرار نہ لیتا تھا۔ آخر السعی منی والاتمام من اللہ کہتا کمر ہمت چست کرتا اور حسبنا اللہ و نعم الوکیل پڑھتا اٹھا اور ان جواہر نفیسہ کا ایک خوش نما ہار تیار کرنا شروع کیا اور میں اپنے رب عزوجل کے کرم سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اس ہار کو میری جیت کا ذریعہ بنائے۔ ع: ایں دعا از من واز جملہ جہان آمین باد

واللہ تعالیٰ ولی التوفیق وھو حسبی و خیر رفیق و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا و مولینا محمدٍ وّ الہٖ و صحبہٖ اجمعین و بارک وسلم۔

(الملفوظ، ص:۵، مطبوعہ محبوب المطابع دہلی)

اعلیٰ حضرت کے ارشادات کو جمع کرنے کا یہ سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری نہیں تھا۔ دوسری مصروفیات کے باعث اکثر ناغے بھی ہو جاتے تھے، جیسا کہ خود جامع ملفوظات نے اپنے مقدمہ میں اس کی صراحت فرمائی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

''میں نے چاہا تو یہ تھا کہ روزانہ کے ملفوظات جمع کروں مگر میری بے فرصتی آڑے آئی اور میں اپنے اس عالی مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ غرض جتنا اور جو کچھ مجھ سے ہو سکا، میں نے کیا۔ آگے قبول واجر کا اپنے مولیٰ تعالیٰ سے سائل ہوں۔ وھو حسبی و ربی۔ (ایضاً، ص:۶)

جامع ملفوظات حضور مفتیِ اعظم ہند کا انداز بیان یہ ہے کہ وہ مجلس میں بیٹھنے والے کسی سائل کے سوال کو عرض اور اعلیٰ حضرت کے جواب کو ارشاد سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور چوں کہ سوالات کے درمیان کوئی فنی ترتیب نہیں ہے، اس لیے اعلیٰ حضرت کے ارشادات علم وفن کے بے شمار اصناف پر مشتمل ہیں اور رنگا رنگ پھولوں کی پنکھڑیوں کی طرح چار سو صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں۔ کتاب میں پھیلے ہوئے ان منتشر مباحث کو بڑی حد تک مندرجہ ذیل اصناف میں سمیٹا جا سکتا ہے۔

(۱) حکایات وقصص (۲) معارف قرآن (۳) مباحثِ حدیث (۴) عقائد وایمانیات (۵) فقہی مسائل (۶) ردفرقہ ہائے باطلہ (۷) ہیئت وفلسفہ (۸) تاریخ (۹) تصوف (۱۰) ہندو بیرون ہند کا سفر نامہ۔

اپنے جذبۂ نفاق اور بدعقیدگی کے نتیجے میں مدت ہوئی الملفوظ کے چند مقامات پر اہلِ سنت کے حریفوں نے اعتراض کیے تھے جن کے شافی اور مدلل جوابات نقیب اہلِ سنت حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب محدث امجدی نے تحقیقات کے نام سے کتابی شکل میں شائع فرما کر ہمیشہ کے لیے مخالفین کی زبانوں پر تالے ڈال دیے۔

جھریا کے مشہور مناظرے میں بھی ان اعتراضات کے نہایت محققانہ اور دندان شکن جوابات دیے گئے تھے جو مناظرہ کی مطبوعہ روداد میں شائع کر دیے گئے ہیں۔

اتنی تفصیلات کے بعد اب الملفوظ کے سہارے اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت کی مجلسِ علم وعرفان میں چلیے، جہاں وقت کے بڑے بڑے اساتذہ اور اصحابِ فضل وکمال سائل کی طرح دامن پھیلائے بیٹھے ہیں اور امام اہل سنت کے منہ سے حقائق ومعارف کے پھول جھڑ رہے ہیں۔

اب الملفوظ کے مباحث کے چند اقتباسات نہایت اختصار کے ساتھ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

حکایات وقصص :

عبرت وموعظت کی راہ سے حقائق ومعانی کو قلوب میں راسخ کرنے کے لیے قرآن کریم نے جگہ جگہ حکایات وقصص سے کام لیا ہے۔ قرآن کی پیروی میں اعلیٰ حضرت نے بھی گفتگو کے دوران بزرگوں کے واقعات وحکایات بیان کر کے معنوی حقائق کو پیکرِ محسوس میں منتقل کرنے کا انداز بیان اختیار فرمایا ہے۔

نمونے کے طور پر چند بصیرت افروز، روح پرور اور فکر انگیز حکایات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱)　حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، جو حضور پُر نور، جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں اور مشہور صحابیِ رسول حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ وہ اپنے عہد طالب علمی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے استاد کے منصب احترام وادب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں کہ جب میں درس کے لیے اپنے استاذ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دولت کدے پر حاضر ہوتا اور وہ گھر کے اندر ہوتے تو میں از راہِ ادب انھیں باہر سے آواز نہ دیتا بل کہ ان کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹ جاتا۔ ہوا خاک اڑا کر میرے اوپر ڈالتی اور میں ان کے قدموں کا غبار اپنے چہرے پر مل کر خوش ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لاتے اور مجھے اس حال میں دیکھتے تو بے قرار ہو جاتے اور ارشاد فرماتے کہ ابن عم رسول اللہ (حضور کے چچا کے صاحب زادے) آپ نے مجھے اطلاع کیوں نہ کرادی کہ میں باہر آجاتا۔ اس کے جواب میں عرض کرتا کہ یہ خلافِ ادب تھا کہ میں آپ کو اپنے آنے کی اطلاع دیتا یا باہر سے آواز لگاتا۔ قرآنِ حکیم نے ہمیں بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ادب سکھلایا ہے کہ انھیں باہر سے آواز نہ دو بل کہ صبر کے ساتھ انتظار کرو کہ وہ خود باہر تشریف لائیں۔

(۲)　ایک بار یہی حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے پر سوار تھے کہ اسی درمیان حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لے آئے اور ان کے گھوڑے کی رکاب تھام لی۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا۔ اے ابن عم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ جواب دیا، ہمیں اسی طرح اہلِ علم کے ادب کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ سنتا تھا کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے سے نیچے اتر پڑے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھ پر فرطِ عقیدت سے بوسہ دیا اور فرمایا کہ ہمیں بھی حکم دیا گیا ہے کہ ہم اہلِ بیت کا اسی طرح ادب کریں۔

سبحان اللہ! وہ علم کا ادب تھا، یہ نسبتِ رسالت کا ادب ہے، دونوں ادبوں کے نقش ونگار سے ایمان کی تصویر مکمل ہوگئی۔

(۳)　حضرت امام کسائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قراءت سبعہ کے ایک جلیل القدر امام ہیں اور حنفی مذہب کے ستون۔ حضرت امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ ایک دن ان کی بارگاہ میں عالمِ اسلام کا مشہور بادشاہ ہارون رشید حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آپ میرے بچے مامون رشید کو اپنی شاگردی میں قبول فرمالیجیے۔ امام کسائی نے ارشاد فرمایا کہ میں قبول تو کرتا ہوں لیکن شہزادے کو آکے گھر پر پڑھانے نہیں جاؤں گا کہ یہ علم کی توہین ہے۔ آپ اسے میرے گھر پر بھیج دیا کیجیے، میں پڑھا دیا کروں گا۔ ہارون رشید نے کہا آپ کی یہ شرط مجھے منظور ہے، لیکن اتنی رعایت فرمایئے گا کہ اس کا سبق پہلے ہو جایا کرے۔ فرمایا، یہ ترجیح بھی علم کی شان کے خلاف ہے، بل کہ جو پہلے آئے

گا اسی کا سبق پہلے ہوگا۔ غرض امام کسائی کی اس شرط پر مامون کی پڑھائی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اتفاقاً ایک دن ہارون رشید کا اس طرف گزر ہوا۔ اس نے دیکھا کہ امام کسائی وضو فرما رہے ہیں اور مامون ان کے پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے۔ بادشاہ غضب ناک ہو کر گھوڑے سے نیچے اتر پڑا اور مامون کو کوڑے لگاتے ہوئے کہا، او بے ادب! خدا نے تجھے دو ہاتھ کس لیے دیے ہیں؟ ایک سے پانی ڈال اور دوسرے ہاتھ سے اپنے استاد کے پاؤں دھو۔

اس واقعے سے اندازہ لگایئے کہ ہارون رشید جیسے قاہر و جابر بادشاہ کے دل میں علم کی کیسی قدر و منزلت تھی؟

(۴) یہی ہارون رشید ہے جس نے ایک دن اپنے زمانے کے جلیل القدر عالم دین اور خدارسیدہ بزرگ حضرت ابو معاویہ ضریر رضی اللہ عنہ کی دعوت کی، وہ آنکھوں سے معذور تھے۔ جب آفتابہ اور سلپچی ہاتھ دھلانے کے لیے لائی گئی تو سلپچی اس نے اپنے خدمت گار کو دے دی اور آفتابہ لے کر خود ان کا ہاتھ دھلانے لگا۔

ہاتھ دھلاتے ہوئے اس نے سوال کیا کہ کیا آپ کو پتہ ہے، آپ کا ہاتھ کون دھلا رہا ہے؟ یہ سن کر حضرت ابو معاویہ نے ارشاد فرمایا، جیسی آپ نے علم و تقویٰ کی عزت فرمائی، ویسی ہی اللہ آپ کی عزت بڑھائے۔ ہارون نے عرض کیا، بس اسی دعا کے لیے میں نے یہ خدمت سرانجام دی ہے۔

اس واقعے سے ہارون رشید جیسے وقت کے عظیم شہنشاہ کا وہ جذبۂ نیازمندی آشکار ہوتا ہے جو اسے اللہ والوں کے ساتھ حاصل تھا۔

(۵) ہارون رشید کا عام دستور تھا کہ جب اس کے دربار میں کوئی عالم دین تشریف لاتے تو وہ ان کی تعظیم کے لیے سروقد کھڑا ہو جاتا۔ ایک دن درباریوں نے کہا کہ یا امیر المومنین آپ کے اس طرزِ عمل سے سلطنت کا رعب زائل ہوتا ہے۔

ہارون رشید نے جواب دیا کہ علماے اسلام کی تعظیم سے اگر سلطنت کا رعب زائل ہوتا ہے تو وہ زائل ہونے ہی کے قابل ہے۔ میں رعب سلطنت کے لیے علم دین کی عزت کو مجروح نہیں ہونے دوں گا۔

ہارون رشید کی یہی وہ اداے دلبرانہ تھی جس نے ساری دنیا میں اس کی صولت و جلالت کے ڈنکے بجادیے اور وقت کے بڑے بڑے سلاطین اس کی سطوت و جبروت سے لرزہ براندام رہا کرتے تھے۔

(۶) یمن میں ایک عیسائی رہتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کا امتحان لینے کے لیے عیسائیت کا لبادہ اتار کر مسلمانوں کا لباس پہن لیا۔ گلے کی صلیب جو کپڑے کے اوپر لٹکتی رہتی تھی، اسے گریبان کے اندر چھپا لیا۔ یہاں تک کہ بالکل مسلمانوں کے لباس میں وہ علما کے پاس جاتا اور ان سے سوال کرتا کہ حضور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله. مومن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس حدیث کے کیا معنی ہیں؟

علما اس کا جواب دیتے لیکن وہ جواب پا کر بھی پوچھنے سے باز نہیں آتا۔ یہاں تک کہ وہ پوچھتے پوچھتے بغداد تک پہنچ گیا۔ وہ زمانہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالتِ شان کا تھا۔ سارے بغداد میں ان کی شوکت و ولایت کا ڈنکا بج رہا تھا۔ وہاں کی بارگاہ میں بھی حاضر ہوا اور ان سے بھی اس حدیث کے معنی پوچھے۔ انھوں نے پُرجلال آواز میں ارشاد فرمایا کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ صلیب توڑ، عیسائیت چھوڑ اور اسلام قبول کر۔ یہ سنتے ہی وہ قدموں پر گر پڑا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر دولتِ اسلام سے مشرف ہو گیا۔

اس کے بعد اس نے عرض کیا کہ حضور! یہ حدیث لے کر میں بہت سارے علما و مشائخ کے پاس گیا لیکن کسی نے بھی مجھے نہیں پہچانا۔

کیا بات ہے کہ صرف آپ نے مجھے پہچان لیا؟

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ پہچانا تو تجھے سب نے تھا، لیکن چوں کہ تیرا اسلام میرے ہاتھ پر لکھا ہوا تھا، اس لیے کسی نے تجھ پر یہ راز فاش نہیں کیا۔ مطلب یہ ہے کہ انھیں صرف تیرا ہی حال نہیں معلوم تھا، بل کہ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ تو میرے ہاتھ پر مسلمان ہوگا۔

اس واقعہ سے اولیاے کرام کی غیبی قوت ادراک کا پتہ چلا جس کے ذریعہ وہ مخفی حالات سے باخبر ہو جاتے ہیں۔

(۷) ایک بی بی نے انتقال کے بعد خواب میں اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرا کفن ایسا خراب اور بے وقعت ہے کہ مجھے اپنے ساتھیوں میں بیٹھتے شرم آتی ہے۔ پرسوں فلاں شخص آنے والا ہے، اس کے ہم راہ اچھے کپڑے کا کفن بھیج دینا۔ صبح صاحب زادے نے اٹھ کر اس شخص کا پتہ چلایا تو معلوم ہوا کہ وہ بالکل تندرست ہے اور مرنے کے کوئی آثار اس کے اندر موجود نہیں ہیں۔ اچانک تیسرے دن اسے خبر ملی کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ لڑکے نے نہایت عمدہ کفن تیار کر کے اس کے کفن میں رکھ دیا اور جنازہ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ میری ماں کو دے دینا۔

رات کو وہ صالحہ بی بی خواب میں تشریف لائیں اور بیٹے سے کہا، خدا تجھے جزاے خیر دے، تو نے بہت اچھا کفن بھیجا۔ اب مجھے اپنی ساتھیوں میں کوئی شرمندگی محسوس نہیں ہوگی۔

اس واقعہ سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ عالمِ دنیا اور عالمِ برزخ کے درمیان رابطے کا کوئی نہ کوئی روحانی ذریعہ ضرور ہے۔ اور مرنے کے بعد بھی مردہ کے اندر سے خون کے رشتے کا احساس اور شعور باقی رہتا ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ موت طاری ہونے کے بعد بھی اللہ کے ولیوں کی غیبی قوت ادراک محفوظ رہتی ہے اور اسی قوت کے ذریعہ وہ دنیا میں پیش آنے والے واقعات سے باخبر رہتے ہیں۔

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اچھے کفن سے مردے کو خوشی ہوتی ہے اور خراب کفن سے وہ خفت محسوس کرتا ہے۔

اور چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی کے خواب میں آنا اللہ والوں کے اپنے اختیار میں ہے، وہ جب چاہیں اور جس کے خواب میں چاہیں تشریف لا سکتے ہیں۔ انھیں اپنے اور بیگانے کا بخوبی امتیاز ہوتا ہے اور وہ اپنا گھر در بھی پہچانتے ہیں۔

(۸) احبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابیِ رسول ہیں۔ جب ان کا انتقال ہوا اور انھیں کفن پہنایا گیا تو غلطی سے ان کے کفن میں ایک تہبند زائد چلا گیا۔ شب کو اپنے صاحبزادے کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا، یہ تہبند لو! اور الگنی پر ڈال دیا۔ صبح جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ تہبند الگنی پر رکھا ہوا ہے۔

اس واقعہ سے بھی عالمِ دنیا اور عالمِ برزخ کے باہمی تعلق پر روشنی پڑتی ہے۔

(۹) ایک بزرگ کا انتقال ہوا، ان کے صاحب زادے روزانہ قبر پر حاضر ہوتے اور قرآنِ عظیم کی تلاوت کیا کرتے، کچھ مدت گزر جانے کے بعد وہ جوشِ محبت جاتا رہا، یہاں تک کہ ایک دن ناغہ ہو گیا۔ شب کو وہ بزرگ خواب میں تشریف لائے اور تنبیہ فرمائی کہ ایسا نہ کرو۔ روزانہ میری قبر پر آیا کرو اور تھوڑی دیر تک میرے مواجہہ میں کھڑے رہا کرو، یہاں تک کہ میں تمھیں جی بھر کر دیکھ لوں۔ پھر میرے لیے دعاے رحمت کرو اور رخصت ہو جاؤ۔

اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ خونی رشتہ کا احساس مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ اور مردے کو یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ کون آیا

،کون نہیں؟ نیز یہ بھی واضح ہوا کہ چہرے کے سامنے کھڑے ہونے پر قبر کی مٹی حائل نہیں ہوتی۔ مردہ اسے دیکھتا اور پہچانتا ہے۔

(۱۰) ایک شخص ایک قبرستان میں ایک قبر کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اسے نیند آگئی خواب میں دیکھا کہ ایک بی بی اس قبر کے اندر سے فرماتی ہیں کہ اے خدا کے بندے! اس بلا کو میرے پاس سے دفع کر جو تھوڑی دیر میں آنے والی ہے۔ اس کی فوراً آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ ایک نئی قبر اس قبر کے پہلو میں کھودی جارہی ہے اور سامنے سے ایک جنازہ جو کوئی رئیس کا تھا، چلا آرہا ہے۔

اس نے لوگوں کو منع کیا کہ یہ جگہ ٹھیک نہیں ہے، ایسی ہے، ویسی ہے، کسی دوسری جگہ قبر تیار کرلو۔ لوگوں نے اس کی بات مان لی اور دوسری جگہ اس میت کو دفن کیا۔

رات کو اس شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ بی بی تشریف لائی ہیں اور فرماتی ہیں کہ خدا تجھے جزائے خیر دے کہ تو نے اس آگ کو میرے پاس سے دفع کیا۔

اس واقعے سے بھی چند باتیں معلوم ہوئیں۔

پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جس طرح دنیا میں برے ہم سایہ سے تکلیف پہنچتی ہے اور آدمی اس سے دور رہنا چاہتا ہے، اسی طرح مرنے کے بعد بھی مردے کو اچھے اور نیک ہم سایہ سے خوشی ہوتی ہے اور برے ہم سایہ سے اذیت پہنچتی ہے۔

دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اللہ کا ولی اپنی خداداد قوت ادراک کے ذریعہ صرف اتنا ہی نہیں جانتا کہ کون مرنے والا ہے؟ کون مرگیا ہے؟ اور کس کا جنازہ آنے والا ہے؟ بل کہ اپنی قبر کے اندر لیٹے لیٹے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ آنے والا کیسا ہے؟ اچھا ہے یا برا؟ مستحق عذاب ہے یا سزاوار رحمت وکرم ہے

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مرنے والا خواب میں کوئی بات کہے تو اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ مرحومین کی دعاؤں سے نہال ہونے کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے۔

(۱۱) ایک دن تین قلندر حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کھانا طلب کیا۔ حضرت نے خدام کو کھانا حاضر کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ خدام نے جو کچھ اس وقت موجود تھا، ان کے سامنے لاکر رکھ دیا۔

ان میں سے ایک قلندر نے وہ کھانا اٹھا کر پھینک دیا اور کہا اس سے اچھا کھانا لاؤ۔ حضرت نے ناشائستہ حرکت کا کچھ خیال نہ فرمایا اور خدام کو اس سے بہتر کھانا لانے کا حکم دیا۔ خادم پہلے سے بھی اچھا کھانا لایا، لیکن اس بار بھی اس نے اٹھا کر پھینک دیا۔ تب حضرت نے اس سے بھی اچھا کھانا لانے کا حکم دیا، لیکن جب اس بار بھی قلندر نے اٹھا کر پھینک دیا تو حضرت نے اسے اپنے قریب بلایا اور کان میں ارشاد فرمایا کہ یہ کھانا اس مردار بیل سے تو اچھا تھا جو تم نے راستے میں کھایا تھا۔

یہ سنتے ہی قلندر کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ راستے میں تین دن کے فاقوں کے بعد انھیں ایک مرا ہوا بیل ملا تھا جس کا یہ گوشت کھا کر آئے تھے

قلندر فرط ندامت سے بے خودی کی حالت میں حضرت کے قدموں پر گر پڑا۔ حضرت نے اسے اٹھا کر سینے سے لگالیا اور ایک آن میں اسے دولتِ باطنی سے مالا مال کردیا۔ اس وقت وہ رقص کرتا اور عالمِ وجد میں کہتا پھرتا تھا کہ میرے مرشد نے مجھے نہال کردیا، مالا مال کردیا۔

حاضرین نے کہا، بے وقوف! تجھے جو کچھ ملا ہے وہ تو حضرت نے عطا کیا ہے، یہاں تک کہ تو تو بالکل خالی آیا تھا۔ اس نے جواب

دیا۔ بے وقوف تم ہو، میرے مرشد کی اگر مجھ پر نظرِ کرم نہ ہوتی تو حضرت کا کرم میری طرف کیوں کر متوجہ ہوتا۔

یہ جواب سن کر حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا، یہ سچ کہتا ہے۔ اور اس کے بعد لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا، بھائیو! مرید ہونا اس سے سیکھو۔

اس واقعہ سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حضرت محبوب الٰہی کو خدا کی طرف سے غیر معمولی قوتِ ضبط عطا کی گئی تھی کہ بار بار کی گستاخی اور نازیبا حرکات کے بعد بھی حضرت ذرا بھی غضب ناک نہیں ہوئے۔

حضرت کے اس بلند اخلاق وکردار سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ میزبان کو اپنے مہمان کے حق میں کتنا حلیم اور وسیع القلب ہونا چاہیے؟ اور کیوں نہ ہو کہ اولیاے کرام کی زندگی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کا آئینہ ہوتی ہے۔

اس واقعہ سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حضرت محبوب الٰہی پر وہ سارے احوال روشن تھے جو قلندروں کو سفر کے دوران پیش آئے تھے۔ یہی ہے وہ غیبی قوتِ ادراک جسے مالکِ قدیر اپنے مقرب بندوں کو عطا فرماتا ہے اور جس کے ذریعہ انھیں مخفیات کا علم حاصل ہوتا ہے۔

اور تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ہر مرید سعید کو یہی اعتقاد رکھنا چاہیے کہ فیض کہیں سے بھی ملے وہ اس کے مرشد ہی کی چشمِ کرم کا صدقہ ہے۔

(۱۲) ایک فقیر مفلس، بے نوا، نانِ شبینہ کا محتاج، رات کے وقت دعا کیا کرتا تھا کہ الٰہی رزقِ حلال عطا فرما، میری تنگ دستی دور کر دے۔ اتفاقاً کسی شب ایک گاے اس کے گھر میں گھس آئی۔ اس نے سمجھا کہ دعا کے نتیجے میں یہ رزقِ حلال پردۂ غیب سے مجھے عطا ہوا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے گاے ذبح کی اور اس کا گوشت پکایا اور کھایا۔

صبح مالک کو خبر ہوئی، اس نے سیدنا داؤد علیہ السلام کی عدالت میں اس کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ تو مالدار شخص ہے، اس نے ایک گاے ذبح کر لی تو کیا ہوا؟ جانے دے، درگزر کر۔ یہ سن کر وہ بگڑ گیا اور غصہ میں کہا کہ مجھے میرا حق دلوایا جائے۔ میں انصاف چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ اگر تو حق اور انصاف چاہتا ہے تو سن لے کہ حق اور انصاف یہی ہے کہ وہ گاے اسی کی تھی۔ وہ اپنی گاے ذبح کر کے کھا گیا۔ اس نے تیرا کیا لیا؟ یہ سن کر وہ اور برہم ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اب بھی تجھے ہوش نہیں آتا تو لے صاف صاف سن لے کہ نہ صرف گاے اس کی تھی بلکہ جو کچھ تیرے پاس ہے، سب اسی کا ہے۔ یہ سن کر جب وہ غصے سے بے قابو ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اب تیار ہو جا، میں ایک سربستہ راز سے پردہ اٹھاتا ہوں۔ سن لے، نہ صرف زر، زمین اور مال و جائداد اسی کا ہے بلکہ تو بھی اسی کی ملکیت ہے، اسی کا غلام ہے۔

اب تو اس کی بے تابی کی حد نہ تھی۔ آپ نے فرمایا، پیچ وتاب نہ کھا، صبر سے کام لے۔ ان ساری باتوں کی تصدیق چاہتا ہے تو میرے ساتھ چل۔ یہ کہہ کر اس فقیر اور گاے والے کو اپنے ہم راہ لیا اور جنگل کی طرف نکل گئے۔ واقعہ اتنا عجیب وغریب تھا کہ تماشا دیکھنے کے لیے خلق کا ایک بہت بڑا ہجوم آپ کے گرد جمع ہو گیا۔ ایک درخت کے نیچے پہنچ کر آپ کھڑے ہو گئے اور حکم دیا کہ یہاں کھودو۔ تھوڑی سی گہرائی کے بعد وہاں سے انسان کا ایک سر نکلا اور اس کے قریب ہی ایک خنجر دفن تھا۔ جب اسے نکالا گیا تو اس پر مقتول کا نام کندہ تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے درخت کو حکم دیا کہ جو تو نے دیکھا ہے اس کی شہادت دے۔ درخت نے عرض کیا، یا نبی اللہ! یہ سر اس

فقیر کے باپ کا ہے، یہ گائے والا اسی کا غلام تھا۔ اس نے موقع پاکر اپنے آقا کو اسی کے خنجر سے ذبح کیا اور خنجر کے ساتھ یہاں دفن کر دیا۔ اس کے سارے اموال و جائداد پر قابض ہو گیا، مقتول کا یہ بیٹا اس وقت بہت کم سن تھا، جب اس نے ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو بالکل تنگ دستی اور محتاجی کی حالت میں پایا۔ وہ یہ بھی نہیں جان سکا کہ اس کا باپ کون تھا، اور اس کے پاس کچھ مال و زر تھا یا نہیں۔

درخت کی اس کھلی ہوئی شہادت کے بعد اس گائے والے کو بھی اپنے جرم کا اقرار کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ قتلِ ناحق کی سزا میں غلام کی گردن ماری گئی اور اپنے مقتول باپ کا جائز وارث ہونے کی حیثیت سے فقیر ساری جائداد اور مال و زر کا مالک بن گیا۔

(۳) پچھلی امتوں میں خدا کا ایک عابد و زاہد بندہ تھا جو سمندر کے ایک جزیرے میں پہاڑ کی چوٹی پر رہتا تھا۔ وہ شب و روز خدا کی عبادت کرتا تھا۔ پہاڑ پر وہی اکیلا ایک آدم زاد تھا، اس لیے ان تمام گناہوں سے وہ بالکل پاک صاف تھا، جو ہم جنس کے تعاون سے وجود میں آتے ہیں۔

اپنی رحمت و کرم سے خدائے کریم نے اپنے بندۂ عابد کے لیے پہاڑ پر ایک شیریں چشمہ جاری کر دیا اور سامنے ہی میٹھے انار کا درخت اگا دیا، وہ انار کے پھل کھاتا اور شیریں چشمے کا پانی پیتا۔

اسی طرح وہ چار سو سال تک خدا کی تسبیح و تہلیل اور عبادت و ریاضت میں مصروف تھا۔ یہاں تک کہ جب اس کی موت کا وقت آیا تو حضرت عزرائیل علیہ السلام اس کے پاس تشریف لائے، اس نے کہا، اتنی اجازت دیجیے کہ میں تازہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لوں اور دوسری رکعت کے آخری سجدے میں جاؤں تو آپ میری روح قبض کر لیں۔ عزرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں تمہارے لیے اتنی اجازت لے کر آیا ہوں۔

چنان چہ اس نے تازہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی۔ جیسے ہی دوسری رکعت کے آخری سجدے میں گیا کہ روح جسد عنصری سے پرواز کر گئی۔ ان کا بدن اب تک سلامت ہے اور اسی طرح سجدے کی حالت میں ہے۔

حضرت سیدنا جبریلِ امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ میں جب بھی آسمان پر جاتا ہوں، یا آسمان سے اترتا ہوں، اس بندۂ عابد کو اسی طرح سر بہ سجود دیکھتا ہوں۔

یہ بندہ اس شان سے خدا کے دربار میں قیامت کے دن حاضر ہوگا کہ عبادت و خیر کے سوا، نامۂ اعمال میں ایک گناہ کا بھی اندراج نہ ہوگا۔ اس لیے نہ حساب کی ضرورت پیش آئے گی اور نہ میزانِ عمل پر کھڑے ہونے کی۔

فرشتوں سے ارحم الراحمین ارشاد فرمائے گا: اذهبوا بعبدی الیٰ جنتی برحمتی (ترجمہ) میرے بندے کو میری رحمت سے جنت میں لے جاؤ۔

رب العزت کا یہ فرمان سن کر وہ بندہ کہے گا رحمت سے نہیں بل کہ میرے عمل سے۔ یعنی میں نے عمل ہی ایسے کیے ہیں کہ میں جنت میں جانے کا مستحق ہوں۔

اس کی یہ بات سن کر پروردگار عالم ارشاد فرمائے گا، لوٹاؤ میرے بندے کو اور میزان کھڑی کرو۔ اس کے ایک پلے میں اس کی چار سو برس کی عبادت رکھو، دوسری پلے میں میرے لاکھوں نعمتوں میں سے صرف ایک نعمت آنکھ رکھ دو اور دونوں کو وزن کرو۔ جب وزن کیا جائے گا تو چار سو برس کی عبادت صرف ایک آنکھ کی نعمت کے مقابلے میں کم ہو جائے گی۔

ارشاد ہوگا: اذهبوا بعبدی الیٰ ناری بعدلی (ترجمہ) میرے اس بندے کو میرے عدل سے جہنم میں لے جاؤ۔ یہ سنتے ہی وہ آہ و زاری کرتے ہوئے چیخ پڑے گا کہ اے میرے رب تو مجھے بخش دے، میں اپنے عمل کا نہیں تیری رحمت کا سہارا لیتا ہوں، میں تیرے

عدل کا نہیں، تیرے کرم کا سائل ہوں۔

اس کا تڑپنا اور بلکنا دیکھ کر خدا کو رحم آئے گا اور ارشاد ہوگا کہ: اذھبوا بعبدی الیٰ جنتی برحمتی (ترجمہ) لے جاؤ میرے اس بندے کو میری جنت میں میری رحمت وکرم سے۔

(۱۴) حق العبد کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت نے حدیث کے حوالہ سے قیامت کے دن کا ایک واقعہ نقل فرمایا کہ ایک شخص کو جنت میں جانے کا حکم ہوگا۔ جیسے ہی وہ جنت کی طرف قدم بڑھائے گا، ایک شخص راستہ روک کر کھڑا ہو جائے گا اور خداوند قدوس سے عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میرے اس بھائی سے میرا حق دلا دے۔ حکم ہوگا کہ اپنی نیکیاں اسے دے کر اس کا حق ادا کر۔ اس کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی، لیکن اس کا حق ہنوز باقی رہے گا۔

حق کے بدلے میں نیکیوں کا تناسب بیان کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''تین پیسے کے بدلے میں سات سو نماز باجماعت دلائی جائیں گی۔''

اس کی نیکیاں ختم ہو جانے کے بعد حق دار پھر کھڑا ہوگا اور استغاثہ پیش کرے گا کہ اس سے میرا حق دلایا جائے اور اسے حکم ہوگا کہ حق دار کے گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر لاد کر اس کا حق ادا کر۔ حق دار کے تمام گناہ ختم ہو جائیں گے پھر بھی اس کا حق باقی رہے گا۔

پھر وہ کھڑا ہوگا اور عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میرا حق میرے بھائی سے دلا دے۔ ارشاد ہوگا! اس کی تمام نیکیاں تجھے مل گئیں، تیرے تمام گناہ اس پر لاد دیے گئے، اب اس کے پاس کیا ہے جو تو اس سے لے گا؟ عرض کرے گا، اے میرے رب! میرا حق ابھی باقی ہے، اس سے دلوا دے۔

تب فرشتوں کو حکم ہوگا کہ جنت کا ایک محل خوب آراستہ کر کے عرصۂ محشر میں لایا جائے جیسے ہی میدان میں چاندنی کی طرح چمکتا ہوا محل لاکر رکھا جائے گا کہ سب لوگ نہایت اشتیاق کے ساتھ اسے دیکھنے لگیں گے۔

رب العزت ارشاد فرمائے گا کہ میں اس مکان کو بیچتا ہوں، کوئی ہے جو اسے خرید لے؟ حق دار عرض کرے گا، بھلا اس کی قیمت کس کے پاس ہوگی جو اسے خرید سکے گا؟ حق تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اس کی قیمت تیرے پاس موجود ہے۔

ارشاد ہوگا اپنے بھائی کا حق معاف کر دے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں چلا جا۔ وہ خوشی سے جھومتے ہوئے اپنے بھائی کے ہم راہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(۱۵) ایک صاحب حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مریدوں میں تھے۔ انھوں نے نیم بیداری کی حالت میں دیکھا کہ ایک ٹیلہ پر یاقوت کی کرسی بچھی ہے، اس پر سید الطائفہ سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما ہیں اور نیچے ایک مخلوق جمع ہے۔ ہر ایک اپنی اپنی عرضی ان کے دستِ مبارک میں دیتا ہے اور وہ اسے بارگاہِ رب العزت میں پیش کرتے ہیں۔

یہ صاحب بھی اسی ہجوم میں شامل ہیں، لیکن بالکل خاموش کھڑے ہیں۔ حضرت نے انھیں اس حال میں دیکھا تو ارشاد فرمایا: ھات اعرض قصتک لاؤ میں تمھاری عرضی بھی بارگاہِ رب العزت میں پیش کر دوں۔ انھوں نے فوراً عرض کیا: او شیخی عز لوہ کیا میرے شیخ کو معزول کر دیا گیا۔ فرمایا واللہ ما عز لوہ ولن یعزلوہ خدا کی قسم نہ ان کو معزول کیا اور نہ کبھی انھیں معزول کریں گے۔

یہ سننے کے بعد مرید سعید نے عرض کیا تو پھر میرا شیخ میرے لیے بہت کافی ہے۔ آنکھ کھلی تو فوراً دربار غوثیت میں حاضر ہوئے تاکہ

واقعہ عرض کریں۔ قبل اس کے کہ سرکار میں کچھ عرض کرتے، حضور نے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا: هات اعرض قصتک لاؤ میں خود تمہاری عرضی بارگاہِ رب العزت میں پیش کردوں۔

یہ واقعہ بیان کر کے اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ کیا کہنے ہیں سرکار غوثیت مآب کے کہ

ع: ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند

پھر فرمایا کہ جب تک مرید یہ اعتقاد نہ رکھے کہ میرا شیخ تمام اولیائے زمانہ سے میرے لیے بہتر ہے، نفع نہ پائے گا۔

احادیثِ کریمہ :

قصص وحکایات کے اقتباسات کے بعد اب ملفوظات کے سیکڑوں صفحات پر احادیث کے منتخبات ملاحظہ فرمائیے۔

پہلی حدیث:

حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اغد عالماً او متعلماً او مستمعاً او محباً ولا تکن الخامس فتهلک۔

(ترجمہ) یعنی صبح اس حال میں کر کہ تو خود عالم ہو، یا علم سیکھتا ہو، یا علما کی زبان سے دین کی باتیں سنتا ہو یا تیرے اندر یہ خوبیاں نہ پیدا ہوسکیں تو کم از کم اتنا کر کہ تو اہل علم سے محبت کرتا ہو، دنیا اور آخرت کی سعادت انہی چار چیزوں میں منحصر ہے اور پانچواں مت بنا کہ اس میں تیرے لئے ہلاکت ہے۔ یعنی اپنی ایسی حالت مت بنانا کہ نہ خود عالم بنے نہ علم سیکھے نہ علما کی باتیں سنے اور نہ ان سے محبت کرے۔

دوسری حدیث:

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ یا کسی بیمار کو دیکھ کر یہ دعا پڑھے گا مولیٰ تعالیٰ اس دعا کی برکت سے اسے اس بیماری یا اس مصیبت سے محفوظ رکھے گا وہ یہ دعا ہے۔

الحمد لله الذی عافانی مما ابتلاک به و فضلنی علیٰ کثیر ممن خلق تفضیلاً۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے تھے کہ میں نے اپنی زندگی میں اس دعائے مبارک کے سیکڑوں تجربات کیے۔ جب بھی کسی ابتلا کو دیکھ کر میں نے یہ دعا پڑھی بفضلہٖ تعالیٰ اس ابتلا سے تاحیات محفوظ رہا۔

تیسری حدیث :

ایک صحابی سیدِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ دنیا نے مجھ سے پیٹھ پھیر لی ہے، یعنی میں افلاس وتنگ دستی کا شکار ہوگیا ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تمھیں تسبیح ملائکہ یاد نہیں ہے، جس کی برکت سے روزی دی جاتی ہے۔ تم طلوع فجر کے ساتھ سو بار وہ تسبیح پڑھ لیا کرو۔ دنیا تمھارے قدموں میں ذلیل وخوار ہو کر آئے گی۔ وہ تسبیح یہ ہے: **سبحان الله وبحمده سبحان الله العظیم استغفر الله۔**

چوتھی حدیث :

قیامت کے دن ایک شخص حساب کے لیے بارگاہِ رب العزت میں لایا جائے گا، اس سے سوال ہوگا، دنیا سے کیا لایا؟ جواب دے گا

فرض نمازوں کے علاوہ میں نے اتنے نوافل پڑھے ،فرض روزوں کے علاوہ میں نے اتنے نفلی روزے رکھے، زکوٰۃ کے علاوہ میں نے اتنے صدقات وخیرات کیے، حج فرض کے علاوہ میں نے اتنے نفلی حج کیے۔

جب وہ اپنے سارے حسابات وعبادات بیان کرلے گا تو رب العزت اس سے ارشادفرمائے گا: هل واليت لي وليا وعاديت لي عدوا. (ترجمہ) کبھی میرے دوستوں سے محبت بھی کی اور کبھی میرے دشمن کو اپنا دشمن گردانا؟

یعنی میری رضا اور خوشنودی کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہے، کیوں کہ روزہ رکھ لینا، نماز پڑھ لینا، زکوٰۃ دے لینا اور حج کر لینا آسان ہے لیکن صرف خدا اور رسول کے لیے کسی سے رشتہ توڑ لینا اور کسی سے رشتہ جوڑ لینا بہت مشکل ہے۔

پانچویں حدیث:

حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ شب میں اپنے اصحاب کے مشاغل کا معائنہ فرماتے۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کے وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر گزر فرمایا۔ دیکھا کہ وہ تہجد کی نماز میں بہت دھیمی آواز سے قرآن کی تلاوت فرمارہے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف تشریف لے گئے تو ملاحظہ فرمایا کہ وہ بہت بلند آواز سے قرآن کی تلاوت فرمارہے ہیں۔ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب سے گزرے تو دیکھا کہ وہ جابہ جا سے قرآن کی متفرق آیتیں پڑھ رہے ہیں۔

صبح کو ہر ایک سے اس کے انداز تلاوت کی وجہ دریافت فرمائی۔ صدیق اکبر نے بیان کیا، یارسول اللہ! اسمعت من اناجيه میں اس ذات کو سنارہا تھا جس کے ساتھ میں مناجات میں مشغول تھا۔

حضرت فاروق اعظم نے عرض کیا، یارسول اللہ! اطرد الشيطان واوقظ الوسنان. میں بلند آواز سے قرآن پڑھ کر شیطان کو بھگاتا ہوں اور سوتوں کو جگاتا ہوں۔

حضرت بلال نے بیان کیا، کلام طيب يجمع الله بعضه مع بعض پاکیزہ کلام ہے کہ اللہ اس کے بعض کو بعض کے ساتھ ملاتا ہے۔

سب کا بیان سننے کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا كلكم قد اصاب تم میں سے ہر ایک کا عمل ٹھیک ہے مگر اے صدیق تم قدرے اپنی آواز بلند کرو اور اے فاروق تم قدرے پست کرو اور اے بلال تم ایک سورت ختم کر لو تب دوسری سورت کی طرف چلو۔

چھٹی حدیث:

ایک دن ایسا ہوا کہ نماز کی اقامت ہوئی ،حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ فرمانا ہی چاہتے تھے کہ دفعتاً صحابۂ کرام کو ارشاد فرمایا: على رسلكم تم اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔ یہ فرما کر کاشانۂ اقدس کے اندر تشریف لے گئے، پھر باہر تشریف لائے اور فرمایا، آج تقسیم کرتے کرتے تین دینار بچ گئے تھے، اچانک ابھی یاد آیا کہ وہ گھر میں رکھے ہوئے ہیں۔ میں ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر رات گزر جائے اس لیے میں انھیں جا کر تصدق کر آیا۔

ساتویں حدیث:

حضرت مولائے کائنات سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: الاعداء ثلثه عدوك وعدو صديقك و صديق عدوك. دشمن تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک تیرا اپنا دشمن، دوسرا تیرے دوست کا دشمن، تیسرا تیرے دشمن کا دوست۔

یوں ہی خدا کے دشمنوں کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ایک اس کے اصل دشمن جیسے کفار و مشرکین، دوسرے اس کے محبوبوں کے دشمن جیسے

اس وقت کے منافقین اور آج کے وہابیہ، تیسرے اس کے دشمنوں میں سے کسی کے دوست۔

آٹھویں حدیث:

حدیث میں ہے کہ جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ اور البتہ قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

اس وقت حضور شافعِ یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اذن لا ارضیٰ وواحد من امتی فی النار۔ ایسا ہے تو میں اس وقت راضی ہی نہ ہوؤں گا، جب تک کہ میری امت کے سارے افراد جہنم سے آزاد نہ ہو جائیں گے۔

نویں حدیث:

ایک حدیث خاص رافضیوں (شیعوں) کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: یاتی قوم لهم نبز يقال لهم الرافضة لا يشهدون جمعةً ولا جماعة ويطعنون على السلف فلا تجالسوهم ولا تواكلوهم ولا تشاربوهم ولا تناكحوهم واذا مرضوا فلا تعودهم واذا ماتوا فلا تشهدوهم۔

(ترجمہ) ایک قوم آنے والی ہے، ان کا ایک برا لقب ہوگا۔ انھیں رافضی کہا جائے گا، وہ نہ جمعہ میں حاضر ہوں گے نہ جماعت میں اور سلف صالحین کو برا کہیں گے۔ تم ان کے پاس نہ بیٹھنا، نہ ان کے ساتھ کھانا اور نہ ان سے شادی کرنا اور بیمار پڑ جائیں تو نہ انھیں پوچھنے جانا اور مر جائیں تو ان کے جنازے میں شریک نہ ہونا۔

دسویں حدیث:

ایک صاحب حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، ان کے ہاتھ میں پیتل کی انگوٹھی تھی۔ ارشاد فرمایا: مالی اریٰ فی یدک حلیة الاصنام۔ کیا ہوا کہ میں تمھارے ہاتھوں میں بتوں کا زیور دیکھتا ہوں۔

انھوں نے فوراً اتار دی۔ دوسرے دن لوہے کی انگوٹھی پہن کر حاضر ہوئے، فرمایا: مالی اریٰ فی یدک حلیة اهل النار۔ کیا ہوا کہ میں تمھارے ہاتھوں میں دوزخیوں کا زیور دیکھتا ہوں۔

یہ سنتے ہی انھوں نے اتار کر پھینک دیا اور عرض کی، یا رسول اللہ! کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ ارشاد فرمایا: اتخذه من الورق ولا تتم مثقالاً۔ چاندی کی بناؤ اور اس کا وزن ایک مثقال سے کم رکھو (یعنی ساڑھے چار ماشے تک کی)۔

گیارہویں حدیث:

حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا تمارضوا فتمرضوا۔ بہ تکلف بیمار نہ بنو کہ حقیقۃً بیمار ہو جاؤ گے۔

دوسری حدیث میں اس سے بھی زیادہ سخت وعید ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: لا تمارضوا فتمرضوا فتموتوا فتدخلوا النار۔ جھوٹے بیمار مت بنو کہ سچے بیمار ہو جاؤ گے اور اگر مر گئے تو جہنم میں پہنچ جاؤ گے۔

بارہویں حدیث:۔

حدیث شریف میں ہے، ایک بار سیدنا جبریل علیہ السلام حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور دوسرے دن حاضر ہونے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔ دوسرے دن حضور پاک صاحبِ لولاک کو ان کی آمد کا انتظار رہا۔ جب ان کے آنے میں دیر لگی تو حضور باہر تشریف لائے۔ دیکھتے کیا ہیں حضرت جبریل باہر دروازے پر کھڑے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ، یہاں کیوں کھڑے ہو، اندر

کیوں نہیں آتے۔ جب جبریل نے عذر پیش کیا کہ: انا لا تدخل بیتا فیه کلب او تصا ویرہ۔ رحمت کے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے۔ ہر طرف تلاش کیا، کچھ نہیں ملا۔ دیکھا تو چارپائی کے نیچے کتے کا ایک بچہ بیٹھا ہوا تھا۔ اسے باہر نکالا اور حضرت جبریل علیہ السلام اندر تشریف لے گئے۔

تیرہویں حدیث:

حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا ظهرت الفتن او قال البدع ولم يظهر العالم علمه فعليه لعنة الله والملئكة والناس اجمعين لا يقبل الله منه صرفا ولا عدلا.

(ترجمہ) جب فتنے ظاہر ہوں، بدعت پھیلنے لگے اور ایسے موقع پر عالم دین اپنا علم ظاہر نہ کرے یعنی اپنی کسی مصلحت یا مفاد کے لالچ میں خاموش رہے تو اس پر اللہ کی اور تمام فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت ہے، اللہ نہ اس کا فرض قبول کرے گا اور نہ نفل۔

چودہویں حدیث:

حدیث میں ہے کہ ایک دن حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی سے دریافت کیا۔ کیف اصبحت تم نے صبح کس حال میں کی؟ انھوں نے جواب دیا، اصبحت مومنا حقا۔ ایک سچے مومن کی حالت میں میں نے صبح کی۔

پھر حضور نے ارشاد فرمایا کہ ہر دعویٰ کی ایک دلیل ہوتی ہے جس سے اس دعوے کی سچائی ثابت ہوتی ہے۔ تمھارے پاس اپنے دعوے کی سچائی کے لیے کوئی دلیل ہو تو پیش کرو، جو تمھارے سچے مومن ہونے کی کیفیت کو ثابت کرے۔

انھوں نے بیان کیا کہ میں نے اس حال میں صبح کی کہ عرش سے تحت الثریٰ تک جملہ موجودات میرے پیش نظر ہیں۔ اہل جنت کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ جنت کے باغوں میں عیش کر رہے ہیں، اور یہیں سے جہنمیوں کی وہ لرزہ خیز چیخیں سن رہا ہوں جو دردناک عذاب کے نتیجے میں ہر وقت بلند ہو رہی ہیں۔

یہ سن کر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اطمینان رکھو، تم منزل مقصود پر پہنچ گئے۔

پندرہویں حدیث:

حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وصدقة السر تدفع ميتة السوء وتطفئ غضب الرب۔ چھپا کر صدقہ دینا آدمی کو بری موت سے بچالیتا ہے اور خداوند قہار کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے۔

پھر فرمایا کہ زندگی میں اپنے واسطے صدقہ کرنا موت کے بعد کے صدقے سے افضل ہے۔ ارشاد فرمایا: افضل الصدقة ان تصدق وانت صحيح شحيح تامل الغنى وتخشى الفقر ولا تمهل حتى اذا بلغت الحلقوم قلت لفلان كذا ولفلان كذا. بہترین صدقہ یہ ہے کہ تو اس حال میں خرچ کرے، جب تو تن درست اور مال پر حریص ہو۔ دولت کی خواہش رکھتا ہو اور محتاجی سے ڈرتا ہو، اس وقت کا صدقہ کسی کام کا نہیں، جب کہ دم گلے میں آ کر اٹک گیا ہو اور تو وصیت کرے کہ اتنا فلاں کو دے دینا اور اتنا فلاں کو دے دینا۔

فقہی مسائل:

کھانے کا مسنون طریقہ:

داہنا پاؤں کھڑا ہو اور بایاں بچھا ہے اور روٹی بائیں ہاتھ میں لے کر داہنے ہاتھ سے توڑنا چاہیے۔ روٹی ایک ہاتھ سے توڑ کر کھانا اور دوسرا ہاتھ نہ لگانا متکبرین کی عادت ہے۔

اللہ کو میاں کہنا منع ہے:

اردو زبان میں لفظ میاں کے تین معنی ہیں، ان میں سے دو معنی ایسے ہیں جو شان الوہیت کے قطعاً خلاف ہیں اور ان معنی سے خدا کی ذات بالکل پاک اور منزہ ہے۔ البتہ ایک معنی ایسا ہے جس کا اطلاق خدا کی ذات پر ہو سکتا ہے، لہٰذا جب ''میاں'' کا لفظ دو خبیث معنوں اور اچھے معنی میں مشترک ٹھہرا اور شرع شریف میں وہ وارد بھی نہیں ہے تو ذات باری تعالیٰ پر اس کا اطلاق ممنوع ہوگا۔ اس کے ایک معنی ''مولا'' کے ہیں۔ بلا شبہہ اس معنی کا اطلاق اس کی ذات پر صحیح ہے اور دوسرے معنی ''شوہر'' کے ہیں، جب کہ تیسرے معنی ''دلال'' (زنا کا دلال) جو زانیہ اور زانی کے درمیان رابطہ قائم کرے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ خدا کی ذات ان دونوں معنی کے صدق سے پاک و منزہ ہے۔

کس طرح کے گناہ توبہ سے معاف ہوتے ہیں:

جس گناہ میں حق اللہ ہو اور حق العبد نہ ہو وہ توبہ سے معاف ہو جائے گا۔ لیکن وہ گناہ جس میں حق العبد بھی شامل ہو جب تک حق والے سے نہ معاف کرائے صرف توبہ سے معاف نہ ہوں گے۔

زنا میں بعض وقت عورت کا بھی حق ہوتا ہے، جب کہ جبراً اس کے ساتھ یہ فعل کیا جائے اور اس کے باپ، بھائی، شوہر، جس جس کو اس خبر سے عار لاحق ہو ان سب کا حق ہے، جب تک وہ بھی معاف نہ کر دیں صرف توبہ سے یہ گناہ معاف نہ ہوگا۔ اب یہ ایک الگ مسئلہ ہے کہ ان لوگوں سے کن لفظوں میں معافی مانگنی چاہیے۔ بعض علمائے کرام کا کہنا ہے کہ چھپے ڈھکے الفاظ میں ان سے مانگے اور بعض علما فرماتے ہیں کہ صاف لفظوں میں ان سے معافی مانگنی ہوگی کہ مجھ سے یہ گناہ سرزد ہوا ہے، معافی چاہتا ہوں۔ جمہور علما نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

نکاح کی ولایت:

لڑکی اگر نابالغ ہو تو اس کے نکاح کا ولی باپ ہے، باپ کے بعد دادا اور دادا نہ ہو تو بھائی اور بھائی نہ ہو تو بھتیجا اور بھتیجا نہ ہو تو پھر چچا زاد بھائی۔

باپ کو صرف نکاح کی ولایت حاصل ہے طلاق کی نہیں، یعنی باپ اگر اپنے نابالغ لڑکے کی طرف سے اس کی بیوی کو طلاق دے دے تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی، کیوں کہ باپ نکاح کرا دینے کا مالک ہے کہ وہ نفع ہے، طلاق کا نہیں کہ وہ ضرر ہے۔

قضا نمازیں کس طرح ادا کی جائیں:

قضا نمازیں جلد سے جلد ادا کرنا لازم ہیں۔ نہ معلوم کس وقت موت آجائے۔ قضا صرف فرض نمازوں اور وتر کی ہے، جن کی یومیہ تعداد بیس رکعت ہے، جن لوگوں پر بہت سی نمازیں قضا ہوں ان کے لیے تخفیف اور جلد ادا ہونے کی صورت یہ ہے کہ اخیر کی دو یا ایک رکعتوں میں سورہ

فاتحہ کے بجائے صرف تین بار سبحان اللہ پڑھ لے اور رکوع وسجود میں صرف ایک ایک بار سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ پڑھ لینا بھی کافی ہے۔ اور التحیات کے بعد درود ماثورہ اور دعاے استغفار کے بجائے اللھم صل علی سیدنا محمد و آلہ اور وتر کی نماز میں بجائے دعاے قنوت کے رب اغفرلی پڑھ لینا کافی ہے۔

قضا نمازوں کی نیت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلی فجر جو مجھ سے قضا ہوئی اس کی نیت کرتا ہوں، سب سے پہلی ظہر یا عصر یا مغرب یا عشا کی جو نماز مجھ سے قضا ہوئی اس کی نیت کرتا ہوں، اس وقت تک پڑھتا رہے جب تک کہ ظن غالب نہ ہو جائے کہ ایک نماز بھی اب اس کے ذمہ باقی نہیں ہے۔ کیوں کہ جب تک فرض ذمہ باقی رہتا ہے، کوئی نفل قبول نہیں کیا جاتا۔

عمامہ کے ساتھ نماز پڑھانے کی فضیلت:

عمامہ کے ساتھ ایک نماز بغیر عمامہ کے ستر نماز کے برابر ہے۔

زمانہ عدت میں نکاح پڑھانے کی برائی:

طلاق کی عدت کے ایام میں نکاح کا پیام دینا بھی حرام ہے۔ جس نے دانستہ عدت میں کسی کا نکاح پڑھایا، اگر حرام جان کر پڑھایا تو وہ سخت فاسق اور زنا کا دلال ہے اور اگر حلال جان کر پڑھایا تو خود اس کا نکاح جاتا رہا اور وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ یہی حکم اس نکاح میں شریک ہونے والوں کا بھی ہے۔

تعظیم وتوہین کا معیار:

تعظیم وتوہین عرف پر مبنی ہے۔ ایک چیز ایک زمانے میں تعظیم یا توہین ہوتی ہے دوسرے زمانے میں نہیں، اسی طرح ایک چیز ایک جگہ تعظیم یا توہین سمجھی جاتی ہے، دوسری جگہ نہیں، اس لیے جگہ اور وقت میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ تعظیم وتوہین کے احکام بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔

طلاق کب واقع ہوتی ہے:۔

کوئی شخص دل میں اگر اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی جب تک طلاق کے الفاظ اتنی آواز سے نہ کہے کہ کوئی مانع موجود نہ ہو تو خود اس کے کان سن لیں۔

حدِ قذف کہاں کہاں جاری ہوتی ہے:

جس طرح شریعت میں زانی کے لیے سزا مقرر ہے، اسی طرح اس شخص کے لیے بھی سزا مقرر ہے جو کسی پر زنا کا جھوٹا بہتان لگاتا ہے۔ جب تک کہ چار عینی گواہوں سے وہ الزام ثابت نہیں کر دیتا وہ قاذف کہلائے گا اور اس پر حدِ قذف جاری کی جائے گی۔ کسی کو حرامی کہنا یا کسی لڑکی کو حرام زادی کہنا یا بیٹی، بہن کے ساتھ وہ برالفظ بولنا بھی قذف ہی کے دائرے میں آتا ہے۔

نوکر اگر نماز نہ پڑھے تو آقا پر مواخذہ ہے:

جس طرح شریعت کی طرف سے والدین پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو نماز کا پابند بنائیں اور ذمہ داری سے عہدہ بر آنہ ہونے کی صورت میں ان پر مواخذہ ہے اور قیامت کے دن اس جرم میں بھی پکڑے جائیں گے۔ انھوں نے اپنی اولاد کو نماز پڑھنے کے لیے تاکید کیوں نہیں کی۔ اسی طرح اگر کسی کے پاس کوئی مسلمان نوکر ہے تو آقا کی ذمہ داری ہے کہ اسے اپنی حد بھر نماز پڑھنے کی تاکید کرے۔ اگر آقا اپنی ذمہ داری سے عہدہ بر آنہ ہو تو اس پر بھی مواخذہ ہے اور وہ بھی قیامت کے دن پکڑا جائے گا۔

مرنے کے بعد شوہر اور بیوی کے احکام:

بیوی کے مرنے کے بعد شوہر اس کے جسم کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ ہاتھ میں کپڑا وغیرہ لپیٹ کر چھو سکتا ہے۔ اسے کاندھا بھی ... ہے اور قبر میں بھی اتار سکتا ہے۔ لیکن عورت کو بغیر کسی شرط کے اپنے مرحوم شوہر کو چھونے کی اجازت ہے۔

مرنے کے بعد مصنوعی دانت کا حکم:

مرنے کے بعد مصنوعی دانت نکال لینا چاہیے بشرطے کہ نکالنے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ اگر تکلیف ہو تو نہ نکالے اور اس کے ٹوٹے ہوئے اصلی دانت کفن میں رکھ دینا چاہیے۔

جنازہ کی نماز کے اوقات:

جنازہ اگر طلوع آفتاب یا غروب آفتاب کے وقت آیا یا عصر کی نماز کے بعد آیا تو پڑھ سکتا ہے اور اگر جنازہ پہلے سے لاکر رکھا ہے تو جب تک آفتاب غروب نہ ہو جائے، یا طلوع ہونے کے بعد بلند نہ ہو جائے، نہ پڑھے۔

شراب کی حرمت:

شراب کی حرمت نجاست کی وجہ سے ہے، صرف نشہ آور ہونے کے سبب نہیں، کیوں کہ وہ پیشاب کی طرح نجس ہے۔ شراب کا ایک قطرہ بھی کنویں میں گر جائے تو سارا کنواں نجس ہو جائے گا۔

مفتی اعظم اور الملفوظ

رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی اعظمی
بانی و صدر دارالقلم قادری مسجد روڈ، ذاکر نگر، نئی دہلی ۲۵

علم اور علما کی فضیلت و عظمت اور مجالسِ علم و علما کی افادیت و اہمیت سے ایک عام آدمی بھی اچھی طرح واقف ہے۔ دریائے فیض جب بہتا ہے اور ابرِ کرم جب برستا ہے تو وہ ہر وادی و کوہسار کو سیراب کر دیتا ہے اور روح کی تشنگی جب انسان کو مضطرب اور بے قرار بنا دیتی ہے تو وہ افتاں و خیزاں کسی نہ کسی طرح کوئی ایسا چشمہ اور آبشار تلاش کر کے ہی دم لیتا ہے جس سے اس کی تڑپتی روح کو سکون میسر آ سکے۔

افادہ و استفادہ کا یہ سلسلہ ابتدائے آفرینش سے جاری ہے اور قیامت تک یوں ہی جاری رہے گا۔

خدائے علیم و خبیر علم و علما اور صحبت و مجالست و مذاکرہ علما و صالحین کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔ (سورۃ المجادلۃ - آیت ۱۱)

اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا ہے درجے بلند فرمائے گا۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ۔ (سورہ فاطر - آیت ۲۸)

اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا عزت والا ہے۔

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ (سورۃ البقرہ - آیت ۲۶۹) اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔ اور نصیحت وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً۔ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔ (سورۃ التوبہ - آیت ۱۲۲)

اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ (سورۃ التوبہ - آیت ۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (سورۃ الانبیا - آیت ۷)

تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

معلم کائنات فخر موجودات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

أُغْدُ عالماً او متعلماً او مُستمِعاً او مُحبًّا وَلَا تكنِ الخامسَ فَتَهْلِكَ. (رواہ البزار والطبرانی عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ)

عالم دین بنو یا طالب علم بنو یا عالم دین کی بات سننے والا بنو یا اس سے محبت کرنے والا بنو اور پانچواں نہ بنو کہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

مَنْ يُرِدِ اللّٰه بِهٖ خيراً يُفَقِّهْهُ في الدين. (صحیح بخاری عن معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

اللہ تبارک وتعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔

مسجد نبوی میں ایک بار صحابۂ کرام کی ایک مجلسِ ذکر اور ایک مجلسِ علم کو دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا۔

كلاهما علىٰ خيرٍ واحدهما افضل من صاحبه. اما هؤلاء فيدعون اللّٰه ويرغبون اليه فإن شاء اعطاهم وان شاء منعهم. واما هؤلاء فيتعلّمون الفقه او العلم ويُعلّمون الجاهلَ فهم افضل. وانما بعثت معلّماً. ثم جلس فيهم. (رواہ الدارمی عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، مشکوٰۃ المصابیح)

یہ دونوں مجالسِ خیر ہیں مگر ان میں ایک مجلس دوسری سے افضل ہے۔ رہے یہ لوگ تو اللہ سے دعاء کر رہے ہیں اور اس کی طرف راغب ہیں۔ وہ اگر چاہے تو انھیں عطا فرمائے اور چاہے تو کچھ نہ دے۔ اور یہ لوگ فقہ دین اور علم سیکھ رہے ہیں اور نہ جاننے والوں کو سکھاتے ہیں تو یہ افضل ہیں اور میں معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھر آپ مجلسِ علم میں بیٹھ گئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

مجالسةُ العلما عبادة (رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس) علما کے ساتھ بیٹھنا عبادت ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

لا تفارقوا مجالسَ العلماء فإنَّ اللّٰه لم يخلق تربةً علىٰ وجهِ الارض اكرم من مجالس العلماء (تفسیر کبیر للرازی جلد اول) علمائے کرام کی مجلسوں کو نہ چھوڑو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے روے زمین پر علما کی مجلسوں سے زیادہ شرف رکھنے والی کوئی مٹی نہیں پیدا فرمائی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ كلمة حكمة يسمعها الرجل خير لهٗ من عبادةِ سنةٍ والجلوس ساعةً عند مذاكرة العلم خير من عِتقِ رَقَبَةٍ (رواہ الدیلمی) شریعت وحکمت کی ایک بات کا سننا سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور علم دین کی گفتگو کرنے والوں کے پاس ایک گھڑی بیٹھنا غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

''جب میں بہ غرضِ تحصیلِ علم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے در دولت پر جاتا اور وہ باہر تشریف نہ رکھتے ہوتے تو برا ادب ان کو آواز نہ دیتا۔ ان کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹ رہتا۔ ہوا خاک اور ریت اڑا کر مجھ پر ڈالتی۔ پھر جب حضرت زید کاشانۂ اقدس سے تشریف لاتے اور فرماتے، اے ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے مجھے اطلاع کیوں نہ کرادی؟ میں عرض کرتا! مجھے لائق نہ تھا کہ آپ کو اطلاع کراتا۔ یہ وہ ادب ہے جس کی تعلیم قرآن عظیم نے فرمائی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجُرَاتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ. وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْراً

لَهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (سورہ الحجرات-آیت ۵) وہ جو حجروں کے باہر سے تمہیں آواز دیتے ہیں ان میں بہت کو عقل نہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم باہر تشریف لاتے تو ان کے لیے بہتر تھا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ایک مرتبہ حضرت زید (بن ثابت) رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رکاب تھامی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا! یہ کیا ہے اے ابن عم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؟ انھوں نے کہا ہمیں یہی تعلیم دی گئی ہے کہ علما کے ساتھ ایسا ادب کریں۔ اس پر حضرت زید رضی اللہ عنہ گھوڑے سے اترے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور فرمایا! ہمیں یہی حکم ہے کہ اہل بیت اطہار کے ساتھ ایسا ہی کریں۔ (الملفوظ حصہ اول)

علم وفضل، ورع وتقویٰ، صدق وصفا، نور ونکہت اور شرافت وکرامتِ طبع ونفس کی یہ ایمان افروز اور روح پرور باتیں صدر اول کی ہیں جن کی برکتوں کا ظہور دور تابعین وتبع تابعین وائمہ مجتہدین رضوان اللہ اجمعین میں بھی ہوتا رہا جنھیں آج ہم اپنی ظاہری نگاہوں سے نہیں دیکھ سکتے لیکن ان کے نقوشِ حیات کی کچھ تجلیات کا ان کتابوں کے صفحات پر مشاہدہ کر سکتے ہیں جو گردشِ روزگار سے محفوظ رکھ کر امین ودیانت دار ہاتھوں نے بطور وراثت ہم تک منتقل کی ہیں اور ہمیں ان سے مستفیض ومستنیر ہونے کے زریں مواقع فراہم کیے ہیں۔ اپنے طائرِ فکر وخیال اور چشم تصور کے سہارے ہم ان صفحات پر وہ مجالس ومحافلِ علم وحکمت آباد اور زندہ وتابندہ دیکھ سکتے ہیں جہاں ایمان ویقین، روحانیت وتقدس، دانش وبینش اور فضل وکمال کے خزانے لٹ رہے ہیں اور بقدر ظرف وصلاحیت ہر شخص کو اس کا حصہ مل رہا ہے۔

سرزمینِ ہند کا دامن بھی ایسے علما وفقہا وفضلا واعاظم واکابر واسلاف کرام کی دولت اور ان کی یادوں سے معمور ہے جو اپنے اپنے عہد وعصر میں زمانِ برکت نشان کے پرتو تھے اور جنھیں دیکھنے، جن کی بات سننے، جن کی محفل میں بیٹھنے، جن کی خدمت کرنے، جن کا ادب واحترام بجالانے اور جن کا ذکر وبیان ومدح وستائش کرنے کو عبادت قرار دیا گیا ہے۔

چودھویں صدی ہجری کی وہ مقتدر شخصیت بھی ایسے ہی نفوسِ قدسیہ کی فہرست میں شامل ہے جس کی زیارت ومجالست کو علما ومشائخ دہر نے باعثِ برکت وسعادت سمجھا اور جس نے خود بھی اپنے معاصر علما ومشائخ کے ساتھ یہی رویہ اور یہی روش اپنا کر وقارِ علم وعلما کی روایت کو نہ صرف یہ کہ برقرار رکھا بلکہ اسے پروان بھی چڑھایا۔ جسے شیخ الاسلام والمسلمین فقیہ اسلام مرجع انام حضرت مولانا الشاہ امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی قدس سرہٗ (متولد ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء- متوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کے نام سے عالم اسلام میں قابلِ رشک شہرت وعزت حاصل ہے۔

ملک العلما حضرت مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی بہاری (متولد محرم الحرام ۱۳۰۳ھ/اکتوبر ۱۸۸۵ء- متوفی جمادی الآخرہ ۱۳۸۲ھ/نومبر ۱۹۶۲ء) احترام واکرام علم وعلما کے ایک روحانی اور تاریخی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"دبدبۂ سکندری رام پور مورخہ یکم اپریل ۱۹۱۲ء میں ہے کہ رمضان المبارک ۱۲۹۲ھ کا مبارک مہینہ ہے کہ اعلیٰ حضرت (مولانا الشاہ احمد رضا) مدظلہم الاقدس گنج مرادآباد تشریف لے گئے اور ایک جگہ قیام فرما کر اپنے دو ہم راہیوں کو (حضرت) شیخ (فضل رحمٰن گنج مرادآبادی تلمیذ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی) علیہ الرحمۃ کی خدمت مبارک میں بھیجا اور تاکید فرما دی کہ صرف اتنا کہنا! ایک شخص بریلی سے آیا ہے، ملنا چاہتا ہے۔

حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے معا فرمایا! وہ یہاں کیوں آئے ہیں؟ ان کے دادا اتنے بڑے عالم، ان کے والد اتنے بڑے عالم، اور وہ

خود عالم ،فقیر کے پاس کیا دھرا ہے؟

پھر بکمالِ لطف فرمایا! بلائیے ،تشریف لائیں۔

بعد ملاقات اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے مجلس (میلاد) شریف کی نسبت حضرت شیخ علیہ الرحمہ سے استفسار کیا۔ ارشاد فرمایا! پہلے تم بتاؤ؟ اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے فرمایا! میں مستحب جانتا ہوں۔

فرمایا! آپ لوگ اسے بدعتِ حسنہ کہتے ہیں اور میں سنت جانتا ہوں۔ صحابہ جو جہاد کو جاتے تھے تو کیا کہتے تھے؟ یہی نا کہ مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن اتارا، انھوں نے یہ معجزے دکھائے، اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ فضائل دیے۔ اور میلاد شریف میں کیا ہوتا ہے؟ یہی بیان ہوتے ہیں جو صحابہ اس مجمع میں کرتے تھے۔ فرق اتنا ہے کہ تم اپنی مجلس میں لڑوا (لڈو) بانٹتے ہو، وہ اپنی مجلس میں موڑوا (سر) بانٹتے تھے۔

غرض شیخ علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کو بہ کمالِ اعزاز واکرام بہ اصرار تام تین روز ٹھہرایا۔ انتیس ماہ مبارک کو رخصت کیا جب عید سر پر آگئی۔ اور وقتِ رخصت فرش مسجد کے کنارے تک تشریف لائے۔

(ص ۴۷۷- حیات اعلیٰ حضرت حصہ اول ترتیب جدید مطبوعہ ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء رضا اکیڈمی ممبئی ۳)

'' جامعِ حالات فقیر محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہٗ کہتا ہے کہ جس زمانہ میں قصیدہ آمال الابرار وآلام الاشرار اعلیٰ حضرت (مولانا الشاہ احمد رضا) کو سنایا کرتا تھا جب اس شعر پر پہنچا۔

اذا حلّوا تمصّرت البوادی
اذا راحوا فصار المصر بیدا

جب وہ تشریف فرما ہوتے ہیں تو ویرانہ شہر بن جاتا ہے اور جب وہ کوچ کرتے ہیں تو شہر ویران ہو جاتا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ یہ تو محض شاعرانہ مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا!

نہیں بل کہ یہ واقعہ ہے۔ حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا عبدالقادر (بدایونی) صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہی شان تھی کہ جب وہ یہاں فروکش ہوتے، عجیب رونق اور چہل پہل ہو جاتی، در و دیوار روشن ہو جاتے، انوار و برکات کی بارش ہوتی۔ اور جب واپس تشریف لے جاتے باوجودیکہ صرف وہی ایک جاتے، گھر کے سب لوگ، محلہ والے، سب کے سب رہتے لیکن عجیب اداسی اور ویرانی چھا جاتی۔ دولھا گیا، رہ گئے براتی (ق ۱۹۶، ۱۹۷)

جامع حالات غفرلہٗ کہتا ہے کہ میرے زمانۂ قیام بریلی شریف یعنی ۱۳۲۱ھ سے ۱۳۲۹ھ تک علمائے اہل سنت ومشائخ کرام وداعیانِ دین وملت و دیگر حضرات اہل سنت و جماعت برابر تشریف لایا کرتے۔ کوئی دن ایسا نہ ہوتا کہ ایک دو مہمان تشریف نہ لاتے ہوں۔ ان سب کی خاطر ومدارات حسب مرتبہ کی جاتی۔ اور علمائے کرام کی تشریف آوری کے وقت اعلیٰ حضرت (مولانا الشاہ احمد رضا) کی مسرت کی جو حالت ہوتی احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔

خصوصاً حضرت محدث سورتی مولانا شاہ وصی احمد صاحب پیلی بھیتی، حضرت ابو الوقت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا ہدایت الرسول صاحب لکھنوی، حضرت مولانا سراج الدین ابو الذکا شاہ سلامت اللہ صاحب اعظمی رام پوری، حضرت مولانا شاہ ظہور الحسین صاحب رام

پوری، حضرت مولانا شاہ ریاست علی خاں صاحب شاہ جہاں پوری، حضرت مولانا عبد الاسلام شاہ عبد السلام صاحب جبل پوری، حضرت مولانا سید شاہ محمد فاخر صاحب اجملی الہ آبادی، حضرت مولانا سید شاہ علی حسین صاحب اشرفی کچھوچھوی اور ان کے صاحبزادہ حضرت مولانا سید شاہ احمد اشرف صاحب، جناب مولانا قاضی عبد الوحید صاحب عظیم آبادی، مولانا محمد عمر الدین صاحب ہزاروی نزیل ممبئی، حضرت مولانا سید دیدار علی صاحب الوری ثم لاہوری، حضرت مولانا شاہ احمد مختار صاحب صدیقی میرٹھی، حضرت الاستاذ مولانا شاہ عبید اللہ صاحب الہ آبادی ثم کان پوری، مولانا مشتاق احمد صاحب کانپوری، مولانا سید شاہ سلیمان اشرف صاحب بہاری ثم علی گڑھی، مولانا رحیم بخش صاحب بہاری آروی، مولانا سید شاہ عبد الغنی صاحب بہرامی وغیرہ وغیرہ علمائے کرام کی تشریف آوری کے وقت کا سماں تو بیان سے باہر ہے۔ (ص ۲۱۷ تا ۲۱۹ حیاتِ اعلیٰ حضرت اول ترتیب جدید)

اپنے سفرِ حج وزیارت ۱۳۲۳ھ کے ایام میں حرمین طیبین کے اکابر علما کی ملاقات اور ان سے مذاکراتِ دینیہ وعلمیہ وغیرہ کے احوال امام احمد رضا حنفی قادری بریلوی قدس سرہٗ خود اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

”زمانۂ قیام میں علما وعظمائے مکہ معظمہ نے بکثرت فقیر کی دعوتیں بڑے اہتمام سے کیں۔ ہر دعوت میں علما کا مجمع ہوتا، مذاکراتِ علمیہ رہتے۔ شیخ عبد القادر کردی مولانا شیخ صالح کمال کے شاگرد تھے، مسجد الحرام شریف کے احاطے ہی میں ان کا مکان تھا۔ انھوں نے تقررِ دعوت سے پہلے بہ اصرار تام پوچھا کہ تجھے کیا چیز مرغوب ہے؟ ہر چند عذر کیا نہ مانا۔ آخر گزارش کی الحلو لبارد شیریں سرد۔ ان کے یہاں دعوت میں انواع اطعمہ جیسے اور جگہ ہوتے تھے ان کے علاوہ ایک نفیس چیز پائی کہ الحلو البارد کی پوری مصداق تھی، نہایت شیریں وسرد اور خوش ذائقہ۔ ان سے پوچھا کہ اس کا کیا نام ہے؟ کہا رضی الوالدین۔ اور وجہِ تسمیہ یہ بتائی کہ جس کے ماں باپ ناراض ہوں یہ پکا کر کھلائے، راضی ہو جائیں گے۔ فقیر دعوتوں کے علاوہ صرف چار جگہ ملنے کو جاتا۔ مولانا شیخ صالح کمال، وشیخ العلما مولانا محمد سعید بابصیل ومولانا عبد الحق مہاجر الہ آبادی اور کتب خانہ میں مولانا سید اسمٰعیل کے پاس۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

یہ حضرات اور باقی تمام حضرات فرودگاہِ فقیر پر تشریف لایا کرتے۔ صبح سے نصف شب کے قریب تک ملاقاتوں ہی میں وقت صرف ہوتا۔ مولانا شیخ صالح کمال کی تشریف آوری کی تو گنتی نہیں۔ اور مولانا سید اسمٰعیل التزاماً روزانہ تشریف لاتے۔ خصوصاً ایام علالت میں کہ یکم محرم الحرام ۱۳۲۴ھ سے سلخ محرم تک مسلسل رہی۔ دن میں دو بار تشریف لاتے اور ایک بار کا آنا تو ناغہ ہی نہ ہوتا الخ (الملفوظ دوم)

یہاں (مدینہ منورہ) کے حضرات کرام کو حضرات مکہ معظمہ سے زیادہ اپنے اوپر مہربان پایا۔ بحمد اللہ اکتیس روز حاضری نصیب ہوئی۔ بارھویں شریف کی مجلس مبارک یہیں ہوئی۔ صبح سے عشا تک علما کا اسی طرح ہجوم رہتا، بیرون باب مجیدی (مدینہ منورہ) مولانا کریم اللہ رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ حضرت مولانا عبد الحق مہاجر الہ آبادی رہتے تھے ان کے خلوص کی تو کوئی حد ہی نہیں۔ (الملفوظ دوم)

علمائے کرام نے یہاں (مدینہ منورہ) بھی فقیر سے سندیں اور اجازتیں لیں۔ خصوصاً شیخ الدلائل حضرت مولانا سید محمد سعید مغربی کے الطاف کی تو حد ہی نہ تھی۔ اس فقیر سے خطاب میں یاسیدی فرماتے۔ میں شرمندہ ہوتا۔ ایک بار میں نے عرض کی! حضرت سید تو آپ ہیں۔ فرمایا! واللہ تم سید ہو۔ میں نے عرض کی! میں سیدوں کا غلام ہوں۔ فرمایا! تو یوں بھی سید ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مولی القوم منھم، قوم کا غلام آزاد شدہ انھیں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ سادات کرام کی سچی غلامی اور ان کے صدقہ میں آفات دنیا وعذاب قبر وعذاب حشر سے کامل آزادی عطا فرمائے۔ آمین۔

یوں ہی حضرت مولانا سید عباس رضوان، ومولانا سید مامون بری، ومولانا سید احمد جزائری، ومولانا شیخ ابراہیم خربوتی، ومفتی حنفیہ مولانا تاج الدین الیاس، ومفتی حنفیہ سابقا مولانا عثمان بن عبد السلام داغستانی وغیرہم حضرات کے کرم بھولنے کے نہیں۔ (الملفوظ دوم)

واللہ اعلم وہ کیا بات تھی جس نے حضرات کرام مدینہ طیبہ کو اس ذرۂ بے مقدار کا مشتاق بنا رکھا تھا۔ یہاں تک کہ مولانا کریم اللہ صاحب فرماتے تھے کہ علما تو علما اہلِ بازار تک کو تیرا اشتیاق تھا۔ (الملفوظ دوم)

ایسا عالمِ ربانی کہ دانشِ برہانی سے جس کا دل دماغ روشن ہو۔ جس کا پورا وجود علم وفضل وکمال سے معمور ہو۔ جو شہیرِ حل وحرم اور مقبولِ عرب وعجم ہو۔ اکابر حجاز مقدس جس سے سندیں اور اجازتیں لیں، جس کی کتب ورسائل اور فتاویٰ تصدیقات وتقریظاتِ مشاہیر علمائے اسلام سے مزین ہوں، جس کی مجالس ومحافل میں ہر لحہ ذکر خدا اور رسول ہو اور جس کی زیارت سے اللہ کی یاد تازہ ہو جائے، جس کے روئے زیبا کا دیدار عبادت ٹھہرے، جس کی ہر بات اور ہر ادا سنتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی مجسم تصویر ہو اور جو اسلاف کرام کا سچا متبع اور ان کی روایتوں کا امین ہو اس کے ملفوظات کیوں نہ جمع ہوں اور جو ملفوظات جمع ہو چکے ہیں وہ کیوں نہ عام کیے جائیں اور دنیا بھر میں ان کا ذکر اور چرچا ہو؟ یہاں واضح رہے کہ جمعِ ملفوظات کی یہ کوئی پہلی اور طبع زاد کوشش نہیں بل کہ صدیوں پہلے سے علما ومشائخ کرام کے ملفوظات جمع کیے جاتے رہے ہیں اور ان سے عوام وخواص استفادہ کرتے رہے ہیں۔ عربی زبان میں "امالی" کے نام سے کئی کتابیں ملتی ہیں۔ ہندوستان میں دلیل العارفین اور فوائد الفواد وغیرہ ملفوظاتِ مشائخ اس جمعِ ملفوظات کی ابتدائی اہم کڑیاں ہیں۔

یہ (جمع الملفوظ) کام ہوا اور جتنا بھی ہوا وہ بڑا جامع بڑا مفید بڑا مستند اور بڑا ہی دل پذیر ہوا۔ کیسے اور کتنا ہوا؟ کیوں اور کس طرح ہوا۔ اور جو نہیں ہو سکا اس پر کتنا افسوس ہوا؟ یہ سب جاننے کے لیے مرتب ملفوظات شہزادۂ امام احمد رضا حنفی قادری قدس سرہٗ سیدی ومرشدی حضرت مفتی اعظم مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی قدس سرہٗ (متولد ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۳ء۔ متوفی ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۱ء) کی یہ تحریر پُر تنویر ملاحظہ فرمائیں۔

''غرض میری جان ان پاک قدموں پر قربان، جب سے یہ قدم پکڑے، آنکھیں کھلیں، اچھے برے کی تمیز ہوئی، اپنا نفع ونقصان سوجھا، منہیات سے تا بمقدور احتراز کیا اور اوامر کی بجا آوری میں مشغول ہوا۔ اور اب اعلیٰ حضرت (مولانا الشاہ احمد رضا) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بافیض صحبت میں زیادہ رہنا اختیار کیا۔

یہاں جو دیکھا کہ شریعت وطریقت کے وہ باریک مسائل جن میں مدتوں غور وخوضِ کامل کے بعد بھی دماغ کیا بسا اوقات سر ٹیک کر رہ جائیں۔ فکر کرتے کرتے تھکیں اور ہرگز نہ سمجھیں اور صاف آنا لسا آدری کا دم بھریں۔ وہ یہاں ایک فقرے میں ایسے صاف فرما دیے جائیں کہ ہر شخص سمجھ لے، گویا اشکال ہی نہ تھا۔ اور وہ دقائق ونکاتِ مذہب وملت جو ایک چیستاں اور ایک معما ہوں جن کا حل دشوار سے زیادہ دشوار ہو، یہاں منٹوں میں حل فرما دیے جائیں۔ تو خیال ہوا کہ یہ جواہر عالیہ وزواہر غالیہ یوں ہی بکھرے رہے تو اس قدر مفید نہیں جتنا سلکِ تحریر میں نظم کر لینے کے بعد ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

پھر یہ کہ خود ہی متمتع ہونا یا زیادہ سے زیادہ ان کا نفع حاضر باشانِ دربار عالی کو ہی پہنچنا، باقی اور مسلمانوں کو محروم رکھنا ٹھیک نہیں۔ ان کا نفع جس قدر عام ہو اتنا ہی بھلا۔ لہٰذا جس طرح ہو یہ تفریق جمع ہو۔ مگر یہ کام مجھ بے بضاعت اور عدیم الفرصت کی بساط سے کہیں سوا تھا اور گویا چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانا تھا اس لیے بار بار ہمت کرتا اور بیٹھ جاتا۔

میری حالت اس شخص کی سی تھی جو کہیں جانے کے ارادے سے کھڑا ہو مگر مذبذب ہو، ایک قدم آگے ڈالتا اور دوسرا پیچھے ہٹالیتا ہو۔ مگر دل جو بے چین تھا کسی طرح قرار نہ لیتا۔ آخر السعی منی والاتمام من اللہ کہتا کر ہمت چست کرتا اور حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھتا اٹھا اور ان جواہر نفیسہ کا ایک خوش نما ہار تیار کرنا شروع کیا۔ اور میں اپنے رب عزوجل کے کرم سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اس ہار کو ہی میری جیت کا باعث بنائے۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

واللّٰہ تعالیٰ ولیُّ التوفیق وھو حسبی وخیر رفیق۔ وصلّی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین وبارک وسلم۔

میں نے چاہا تو یہ تھا کہ روزانہ کے ملفوظات جمع کروں مگر میری بے فرصتی آڑے آئی اور میں اپنے اس عالی مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔ غرض جتنا اور جو کچھ مجھ سے ہوسکا میں نے کیا۔ آگے قبول واجر کا اپنے مولیٰ تعالیٰ سے سائل ہوں۔ وھو حسبی وربی۔ (تمہید الملفوظ حصہ اول)

امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی نے جمع ملفوظات کی خدمت پر اظہار مسرت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

میرے ملفوظ کچھ کے محفوظ	مصطفیٰ، مصطفیٰ کا ہو لحوظ
نام تاریخی اس کا رکھتا ہوں	زبر و بینہ میں الملفوظ
	۱۳۳۸ھ

اعداد نکالنے کے عام طریقے سے الملفوظ کے ساتوں حروف کے اعداد ۱۰۹۷ ہوتے ہیں اور ہر حرف کو پورا (الف، لام وغیرہ) لکھ کر مجموعی اعداد ۱۳۳۸ ہوتے ہیں۔ آخری مصرع میں یہی بات کہی گئی ہے۔

الملفوظ (۱۳۳۸ھ، ۱۹۱۹ء) کئی سال کی متفرق کاوشوں کا نتیجہ اور علوم واسرار وحقائق کا گنجینہ ہے جس کا مطالعہ بیش قیمت معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ اور مجالس ومحافلِ رضویہ تک اپنے آپ کو پہنچانے کا بہترین وسیلہ ہے۔ اس بزم رضا کی برکت وسعادت اور معارف رضا کی رنگارنگی دیکھ کر طبیعت مچل اٹھتی ہے اور روح پکار اٹھتی ہے کہ۔

بہت لگتا ہے جی صحبت میں ان کی	وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہیں

علوم ومعارف قرآن حکیم، عقائد وکلام، فقہ وافتا، تصوف وتزکیہ، سیرت وتاریخ، احقاق حق وابطال باطل، تحقیق وتردید، ہیئت وفلسفہ، واقعات وحکایات، متنوع مباحث ومسائل، تفصیلات اسفار، ان سب کا مجموعہ ہے یہ الملفوظ پہلے الرضا بریلی وتحفۂ حنفیہ پٹنہ ویادگار رضا بریلی میں متفرق طور پر شائع ہوا۔ پھر حسنی پریس بریلی سے پہلی بار کتابی شکل میں اس کی اشاعت ہوئی۔ اس کے اکثر قدیم نسخے جو نقل در نقل ہوتے رہے ان میں کتابت کی غلطیاں بل کہ بعض تصرفات بھی نظر آتے ہیں۔ اب یہ کوشش کی گئی ہے کہ تصحیح واصلاح میں کوئی بے توجہی اور خامی نہ رہ جائے۔ پھر بھی غلطیوں کا امکان باقی ہے اور اس سے کوئی مفر بھی نہیں ہے۔

الملفوظ کے بعض مقامات عام قارئین کی فہم سے بالاتر ہیں اور بعض ایسے مقامات بھی ہیں جنھیں سمجھنے میں کچھ لوگوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔ اور ایسا بھی ہوا ہے کہ اہل سنت کے ایک حریف طبقہ نے محض عناد ومخاصمت کے جذبات سے مغلوب ہوکر چند مقامات کو نشانۂ طعن وتشنیع وتنقیص وملامت بنا کر اپنی تحریر وتقریر کے ذریعہ غلط فہمی وبدگمانی پھیلانے کی ایک مسلسل اور مذموم حرکت کی ہے جس کا علمائے اہل سنت نے بار بار تحقیقی والزامی جواب دیا ہے مگر وہ ابھی تک قبول حق کی صلاحیت سے اپنے آپ کو محروم اور نا اہل ثابت کرتا چلا آرہا ہے۔

یہاں نہایت اختصار واجمال کے ساتھ ہم بعض ان مقامات کی نشان دہی اور اہل سنت کے انہیں جوابات کا اعادہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ تفصیل کے لیے قارئین کرام علماے اہل سنت کی کتب ورسائل بالخصوص تحقیقات از شارح بخاری نائب مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی سابق صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی (متوفی ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء) کا مطالعہ فرمائیں۔

عرض وارشاد کی شکل میں سوال وجواب تحریر کیے گئے ہیں۔ ملفوظات کا آغاز مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی قدس سرہٗ (متوفی ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۴ء) کے سوال اور امام احمد رضا کے جواب سے اس طرح ہوتا ہے۔

عرض:- حضور! سب سے پہلے کیا چیز پیدا فرمائی گئی؟

ارشاد:- حدیث میں ارشاد فرمایا گیا۔ **یا جابر ان اللّٰہ قد خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ**۔ اے جابر بے شک اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ نے تمام اشیا سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا فرمایا۔ (الملفوظ اول)

اس حدیثِ نور کو قدیم ومستند محدثین اور اجلۂ علماے کرام نے اپنی اپنی کتابوں مثلاً مصنف عبد الرزاق، مواہب لدنیہ، زرقانی علی المواہب، فتاویٰ حدیثیہ، سیرت حلبیہ، مدارج النبوۃ وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔

اس وقت میرے سامنے فضیلۃ الدکتور عیسیٰ بن عبد اللہ بن محمد بن مانع الحمیری مدیر عام دائرۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ بدبئی (الامارات العربیۃ المتحدۃ) کی ایک سو پانچ صفحات پر مشتمل تازہ ترین کتاب (مطبوعہ ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۵ء) "**الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف**" للحافظ الکبیر ابی بکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی (المتولد سنۃ ۱۲۶ھ- المتوفی ۲۱۱ھ) ہے جس کے اندر حدیث نور اور اس سے متعلق مکمل تحقیق کے ساتھ شبہات واشکالات کے اطمینان بخش جوابات بھی درج ہیں۔ شیخ عیسیٰ مانع سابق وزیر حج واوقاف دبئی لکھتے ہیں۔

ومن توفیقِ اللّٰہ عزوجل اننا عثرنا فی ھذہ النسخۃ علیٰ حدیث جابر مسندا۔ بل وتبیّن لنا ان النسخۃ المطبوعۃ قد سقط منھا عشر قابواب، بعد اجراء المقابلۃ بین النسختین المطبوعۃ والمخطوطۃ۔ کما سیعرف القاری الکریم من المقارنۃ بین النسختین فی ھذا التحقیق ان شاء اللّٰہ تعالیٰ۔

وتبیّن لنا بعد ذلک صحۃ الحدیث الذی یرویہ عبد الرزاق عن معمر عن بن المنکدر عن جابر بن عبد اللّٰہ الانصاری (قال: سألت رسول اللّٰہ عن اول شی خلقۃ اللّٰہ تعالیٰ فقال: ھو نور نبیک یا جابر......) الحدیث

فثبت لدینا ان سیدنا ومولانا محمدا صلی اللّٰہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اول مخلوق فی العالم ای اول روح مخلوقۃ وآدم اول شبحیۃ مخلوقۃ اذأن آدم مظھر من مظاھرہ صلی اللّٰہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم۔ ولا بدّ للجوھر ان یتقدمہ مظھر۔ فکان آدم متقدماً بالظھور فی عالم التصویر والتدبیر۔ وسیدنا محمد صلی اللّٰہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم مقدماً فی عالم الامر

والتقدير. لانهٔ حقيقة الحقائق وسراج المشارق في كل المغارب (ص ۸،۷– الجزء المفقود للدكتور عيسىٰ بن عبد الله بن محمد بن مانع الحميری عميد كلية الامام مالک للشريعة والقانون بدبی. الطبعة الاولى سنة ۱۴۲۵ھ ر ۲۰۰۵م)

مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے الجزء المفقود میں حدیثِ نور کا ابتدائی حصہ یہ ہے۔

عبد الرزاق عن معمر عن ابن المنكدر عن جابر قال سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن اول شئٌ خلقهٔ الله تعالىٰ؟ فقال: هو نور نبيِك يا جابر! خلقهٔ الله، ثم خلق فيه كل خير، وخلق بعدهٔ كل شئٌ.

اس حدیثِ نور میں نورِ محمدی کی متعدد تقسیمات کا ذکر ہے اور پھر اس کا آخری حصہ یہ ہے۔

فلما اخرج اللهُ النور من الحجب ركّبهٔ الله في الارض فكان يضئٌ منها ما بين المشرق والمغرب كالسراج في الليل المظلم، ثم خلق الله آدم من الارض فركب فيه النور في جبينه، ثم انتقل منه الىٰ شيث، وكان ينتقل من طاهر الىٰ طيب، ومن طيب الىٰ طاهر، الىٰ ان اوصلهٔ الله الى صلب عبد الله بن عبد المطلب، ومنهٔ الىٰ رحم آمنة بنت وهب.

ثم اخرجني الىٰ الدنيا فجعلني سيد المرسلين، وخاتم النبيين، ورحمة للعلمين، وقائد الغر المحجّلين، وهكذا كان بدء خلق نبيک يا جابر.

(ص ۶۵، ۶۶– الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف، بتحقيق الدكتور عيسىٰ مانع، المطبوع سنة ۱۴۲۵ھ ر۲۰۰۵م)

الملفوظ کے اندر مذکور حدیثِ نور سے متصل ایک عرض کے ارشاد میں تخلیق ارض وسما کا مسئلہ ہے۔ قرآن حکیم میں سورۂ حم سورۃ البقرہ سورۃ نازعات سورۂ یونس وغیرہ میں تخلیق ارض وسما کا ذکر ہے۔ کتب تفسیر واحادیث میں اس کی تشریح وتفصیل ہے کہ زمین وآسمان کی تخلیق میں کون مقدم اور کون متاخر ہے؟ اور مفسرین ومحدثین نے تطبیق واختلاف کی صورتیں بھی تحریر فرمائی ہیں کہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزیں کتنے دنوں میں اور کس طرح پیدا اور ظاہر ہوئیں؟

سورہ اعراف آیت ۵۴، سورۂ یونس آیت ۳، سورۂ ھود آیت ۷، سورہ فرقان آیت ۵۹، سورۂ قٓ آیت ۹، سورہ حدید آیت ۴، سورہ سجدہ آیت ۴ میں چھ دن میں تخلیق زمین وآسمان کا ذکر ہے۔ سورہ حٰمٓ السجدہ آیت ۱۰، ۱۱ میں دو دن میں زمین دو دن میں آسمان اور دو دن میں ان کے درمیان کی چیزوں کی تخلیق کا ذکر ہے۔ اور آنے والی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمین اور اس کے بعد آسمان کی تخلیق ہوئی جس کی تائید بیہقی وحاکم وطبری کی ایک روایت سے ہوتی ہے اور ابن عباس وزمخشری اور اکثر مفسرین اسی کے قائل ہیں کہ زمین پہلے بنی۔ ترجمۂ آیات یہ ہے۔ وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنایا جو کچھ زمین میں ہے اور پھر آسمان کی طرف استوا (قصد) فرمایا

تو ٹھیک سات آسمان بنائے۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۹) کیا تم لوگ اس کا انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین بنائی اور اس کے ہمسر ٹھہراتے ہو؟ وہ ہے سارے جہان کا رب۔ اور اس میں اس کے اوپر لنگر ڈالے اور اس میں برکت رکھی اور اس میں اس کے بسنے والوں کی روزیاں مقرر کیں۔ یہ سب ملا کر چار دن میں، ٹھیک جواب پوچھنے والوں کو۔ پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو خوشی سے چاہے ناخوشی سے۔ دونوں نے عرض کی ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے تو انھیں پورے سات آسمان کر دیا دو دن میں اور ہر آسمان میں اسی کے کام کے احکام بھیجے۔ (سورۂ حٰم السجدہ آیت ۹ تا ۱۲)

مقاتل وقتادہ وسدی و بیضاوی اس کے قائل ہیں کہ پہلے آسمان بنا اور وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ ''اور اس کے بعد زمین پھیلائی اس میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو جمایا۔ (سورۂ نازعات آیت ۳۰ تا ۳۲)

ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی (متوفی ۷۱۰ھ) لکھتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ اللہ نے اتوار اور دوشنبہ کو زمین کی تخلیق کی۔ منگل کو پہاڑ اور بدھ کو پانی، آبادی، ویرانہ۔ اور جمعرات کو آسمان اور جمعہ کو چاند، سورج، فرشتے بنائے۔ آدم علیہ السلام کو جمعہ ہی کے دن آخری گھڑی میں بنایا۔ (ترجمہ ص ۸۹ جلد ۴ مدارک التنزیل)

استاذ محترم بحر العلوم حضرت مفتی عبدالمنان اعظمی مدظلہ العالی سابق شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ یوپی کا ایک تحقیقی مضمون اس موضوع پر اس وقت میرے سامنے ہے جو ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور صفحہ ۱۲ تا ۱۹ شمارہ مئی جون ۱۹۸۵ء میں شائع ہو چکا ہے، اس مسئلہ کی مزید تحقیق وتفصیل اس کے اندر دیکھی جا سکتی ہے۔ بحر العلوم مدظلہ العالی نے اس مضمون میں ثابت کیا ہے کہ امام احمد رضا کا ارشاد قرآن وحدیث اور کتب تفسیر کے مطابق ہے۔ اور پہلے زمین بنی یا آسمان یا ان میں سے کس کا کب کس طرح ظہور ہوا اس کے بارے میں مفسرین کرام کے درمیان اختلاف ہے مگر کسی نے کسی مفسر وعالم دین کو مخالف قرآن وحدیث نہیں کہا۔ اس مضمون کے آخری حصہ میں آپ امام احمد رضا کے حوالے ہی سے یہ تحقیق نقل کرتے ہیں کہ۔

''نور احدیت کے پرتو سے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بنا۔ اور اس کے پرتو سے تمام عالم ظاہر ہوا۔ اول پانی پیدا ہوا پھر اس میں دھواں اٹھا اس سے آسمان بنا۔ پھر پانی کا ایک حصہ منجمد ہو کر زمین ہو گیا اسے خالق عزوجل نے پھیلا کر سات پرت کر دیا۔ پھر اسی طرح آسمان کے سات طبقے کیے۔ یوں ہی پانی سے آگ بنی۔ ممکن ہے کہ پانی کسی قسم کی حرارت پا کر ہوا ہوا ہو۔ اور ہوا گرم ہو کر آگ یا جس طرح مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے چاہا۔ غرض پانی مادہ تمام مخلوقات کا ہے۔

امام احمد، ابن حبان، وحاکم کی حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کل شئ خلق من الماء۔ ہر چیز پانی سے بنی ہے۔ (ص ۸۔ کشف حقائق از امام احمد رضا)

حفاظتِ الفاظ ومعانی قرآن سے متعلق ایک سوال وجواب اس طرح ہے۔

عرض:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ قرآن شریف کی حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا جب اس کے الفاظ محفوظ ہوئے تو معانی کی حفاظت ضرور کہ معانی الفاظ سے منفک نہیں ہو سکتے اور معانی قرآن کی صفت تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہے تو قرآن عظیم ہی سے تبیاناً لکل شئ کا دوام ثابت ہو گیا۔

ارشاد:۔ قرآن عظیم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا اگرچہ معانی ان الفاظ کے ساتھ ہیں لیکن ان معانی کا علم میں ہونا کیا ضرور؟ نبی کلام الٰہی

کے سمجھنے میں بیان الٰہی کا محتاج ہوتا ہے ثُمَّ عَلَیۡنَا بَیَانَہٗ۔ اور یہ ممکن ہے کہ بعض آیات کا نسیان ہوا ہو۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہ (الملفوظ حصہ سوم)

اس جامع اور علمی و تحقیقی ارشاد پر معاندین و مخالفین نے بے جا اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا کہ اس کے اندر معاذ اللہ حفاظت قرآن کا انکار ہے۔ قرآن عظیم کی توہین ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی توہین ہے۔ جس کا بڑا ہی اطمینان بخش اور مُسکت جواب علمائے اہل سنت نے دیا جو مختصراً درج ذیل ہے۔

"سائل کی دلیل کا پہلا مقدمہ یعنی الفاظ کی حفاظت معانی کی حفاظت کو مستلزم ہے درست تھا اس لیے کہ معانی الفاظ سے جدا نہیں ہو سکتے لیکن دوسرا مقدمہ کہ معانی کی حفاظت معانی کی صفت تِبۡیَانًا لِکُلِّ شَیۡءٍ کو مستلزم ہے درست نہیں۔ اس لیے کہ معانی کا تبیاناً لکل شئ ہونا ان معانی کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ صرف محفوظ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ سمجھ بھی لیے جائیں ورنہ لازم آئے گا کہ الفاظ کے علم میں آتے ہی تمام معانی کا بھی علم ہو جائے تعلیم الٰہی کی ضرورت نہ رہے حالاں کہ ایسا نہیں۔

نبی الفاظ قرآن کے علم کے بعد معانی مراد جاننے کے لیے بیان الٰہی کا محتاج ہے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَہٗ یعنی قرآن پاک کو آپ کے سینے میں جمع کرنے کے بعد ہم پر اس کا بیان ہے تو واضح طور پر ثابت ہوا کہ الفاظ قرآن کی محفوظی اور تِبۡیَانًا لِکُلِّ شَیۡءٍ ہونے کی محفوظی کے درمیان ملازمہ نہیں اور جب ملازمہ نہیں تو اس دلیل سے سائل کا مدعیٰ یعنی قرآن کے تِبۡیَانًا لِکُلِّ شَیۡءٍ ہونے کا دوام ثابت نہیں۔ یہی بات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے جواب میں افادہ فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔ قرآن کے الفاظ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ اگرچہ معانی ان الفاظ کے ساتھ ہیں لیکن ان معانی کا علم میں ہونا کیا ضرور؟ نبی کلام الٰہی کے سمجھنے میں بیان الٰہی محتاج ہوتا ہے ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَہٗ۔

ظاہر ہے کہ جواب مذکور میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا نے نہ الفاظ قرآن کے محفوظ ہونے کا انکار کیا ہے نہ معانی کے محفوظ ہونے کا نہ تِبۡیَانًا لِکُلِّ شَیۡءٍ ہونے کا۔ بل کہ سائل کی پیش کردہ دلیل سے تِبۡیَانًا لِکُلِّ شَیۡءٍ ہونے کے دوام کے ثبوت کا انکار کیا ہے جو عقل و نقل کی روشنی میں درست ہے۔

عقلاً تو یوں کہ ملازمہ نہ ہونا واضح ہے اور نقلاً خود اسی آیت سے ثابت ہے جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمائی ہے۔ فَلِلّٰہِ الحجۃ السامیۃ۔

رہا اس کے بعد یہ فرمانا کہ "اور ممکن ہے کہ بعض آیات کا نسیان ہوا ہو" دلیل مذکور سے مدعیٰ کے ثابت نہ ہونے پر دوسری تنبیہ ہے۔ یعنی جب بعض آیات کا نسیان ممکن ہے اور معانی الفاظ کے ساتھ ہیں تو معانی کا نسیان بھی ممکن۔ تو تِبۡیَانًا لِکُلِّ شَیۡءٍ کے دوام کا اس آیت سے کیسے اثبات ہوگا؟ ظاہر ہے کہ اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی توہین نہیں نہ قرآن کے محفوظ ہونے کا انکار ہے بل کہ نسیان ہونا تو خود قرآن سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَۃٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَیۡرٍ مِّنۡهَا اَوۡ مِثۡلِهَا۔ جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے۔

رہا یہ کہ محفوظ ہونے کا کیا مطلب ہے تو وہ یہ ہے کہ نسخ و انساء کے بعد جو بچا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتراً منقول ہے جس کو حضرت ابوبکر صدیق نے پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما نے جمع فرمایا اور ما بین الدفتین آج تک موجود ہے وہ ہر قسم کی تبدیلی و تغیر سے

محفوظ ہے اور رہے گا"۔

جواب مذکور جو علماے اہل سنت کی طرف سے شائع وذائع ہے وہ نہایت کافی وشافی ہے جس کی مکمل تائید قرآن وحدیث سے ہوتی ہے۔ چنان چہ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

ایک انصاری رات میں تہجد کے لیے اٹھے، سورۂ فاتحہ کے بعد جو سورت ہمیشہ تلاوت کرتے تھے اس کو پڑھنا چاہا لیکن وہ بالکل یاد نہ آئی۔ صبح کو دوسرے صحابی سے ذکر کیا انھوں نے بتایا کہ میرا بھی یہی حال ہے۔ دونوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا! آج شب میں وہ سورت اٹھالی گئی۔ (بیہقی)

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

عن قتادہ فی قولہٖ ما ننسخ من اٰیة اوننسها قال کان عزوجل یُنسی نبیهٗ صلی اللّٰه علیه وسلم ما یشاء وینسخ ما یشاء۔ عن الحسن انه قال فی قولهٖ او ننسها ان نبیکم صلی اللّٰه علیه وسلم قرأ قرآنا ثم نسیه۔ عن ابن عباس انه قال کان ینزل علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم الوحی باللیل وینسها بالنهار فانزل اللّٰه ما ننسخ من اٰیة او ننسها نأت بخیر منها او مثلها۔ (صفحہ ۱۵۰، جلد اول)

قتادہ سے آیۂ کریمہ ماننسخ کی تفسیر میں روایت ہے کہ اللہ عزوجل اپنے نبی کو جو چاہتا بھلا دیتا جو چاہتا منسوخ فرمادیتا۔ حسن بصری سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ قرآن پڑھا پھر اسے بھول گئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انھوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رات میں وحی نازل ہوتی اور دن میں بھول جاتے تو یہ آیت ما ننسخ من اٰیة او ننسها نأت بخیر منها او مثلها نازل ہوئی۔

حضرت ملا علی بن سلطان محمد ہروی (متوفی ۱۰۱۴ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

والمنسوخ انواع۔ منها التلاوة والحکم معاً وهو ما نسخ من القرآن فی حیاة الرسول صلی اللّٰه علیه وسلم بالانساء حتیٰ روی ان سورة الاحزاب کانت تعدل سورة البقرة۔ منها الحکم دون التلاوة کقولهٖ تعالیٰ لکم دینکم ولی دین۔ ومنها التلاوة دون الحکم کآیة الرجم۔ (صفحہ ۲۱۵، جلد اول مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

منسوخ کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوں۔ یہ قرآن کا وہ حصہ ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں بھلا کر منسوخ کیا گیا یہاں تک کہ روایت ہے کہ سورۂ احزاب سورۂ بقرہ کے برابر تھی۔ ایک یہ کہ حکم منسوخ ہو تلاوت باقی ہو جیسے لکم دینکم ولی دین. ایک یہ کہ تلاوت منسوخ ہو نہ کہ حکم جیسے آیت رجم۔

ایسا ہی شیخ احمد معروف بہ ملا جیون امیٹھوی (متوفی ۱۱۳۰ھ) نے بھی تفسیرات احمدیہ میں لکھا ہے۔ رب عزوجل قرآن حکیم میں ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے۔ سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنسیٰ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہُ۔

آیت وَمَا ننسخ من الآیة کا ترجمہ دیوبندی حکیم الامت اشرف علی تھانوی نے یہ کیا ہے۔ "ہم کسی آیت کے حکم کو منسوخ

کر دیتے ہیں یا اس آیت ہی کو ذہنوں سے فراموش کر دیتے ہیں تو اس آیت سے بہتر یا اس آیت کے مثل لاتے ہیں''۔
امکانِ نظیر محمدی کے اپنے خود ساختہ عقیدہ کا اثبات کرتے ہوئے شاہ اسمٰعیل دہلوی نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ۔
بعد اخبار ممکن ہست کہ ایشاں را فراموش گردانیدہ شود۔ پس قول بامکان مثل اصلا منجر بتکذیب نصے از نصوص نگردد و سلب قرآن بعد انزال ممکن است۔ (رسالہ یکروزی)
ممکن ہے کہ یہ آیت (ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین) لوگوں کو بھلا دی جائے۔ تو اب یہ کہنا کہ حضور جیسا دوسرا ممکن ہے کسی نص کو جھوٹا کہنے کا موجب نہ ہوگا اور نازل کرنے کے بعد سلب قرآن ممکن ہے۔
ترجمہ: ان حقائق ودلائل سے مذکورہ عبارتِ الملفوظ کا صرف بے غبار ہونا نہیں بل کہ اہل ایمان کا اس پر اجماع ہونا ثابت ہے اور قرآن حکیم جو متواتر اہم تک منقول ہے اس پر ایمان رکھنا فرض ہے۔
ایک عرض کے جواب میں امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔
ارشاد:- انبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات حقیقی حسّی دنیاوی ہیں۔ ان پر تصدیق وعدۂ الہیہ کے لیے محض ایک آن کو موت طاری ہوتی ہے پھر فوراً ان کو ویسے ہی حیات عطا فرمادی جاتی ہے۔ اس حیات پر وہی احکام دنیویہ ہیں۔ ان کا ترکہ بانٹا نہ جائے گا۔ ان کی ازواج کو نکاح حرام نیز ازواج مطہرات پر عدت نہیں۔ وہ اپنی قبور میں کھاتے پیتے نماز پڑھتے ہیں۔ بل کہ سیدی محمد بن عبد الباقی زرقانی فرماتے ہیں کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں وہ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کو حج کرتے ہوئے لبیک پکارتے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اور اولیا، علما، شہدا کی حیات برزخیہ اگرچہ حیات دنیویہ سے افضل واعلیٰ ہے مگر اس پر احکام دنیویہ جاری نہیں۔ ان کا ترکہ تقسیم ہوگا ان کی ازواج عدت کریں گی۔ اور حیات برزخیہ کا ثبوت تو عوام کے لیے بھی ہے۔ الخ (الملفوظ حصہ سوم)
اس مسئلہ میں بھی شور وغوغا مچایا جاتا ہے اور طرح طرح کی بے سروپا نکتہ آفرینیاں کی جاتی ہیں۔ اہل ایمان جانتے ہیں کہ موت طاری ہونے کے باوجود انبیاے کرام کا نکاح باقی رہنا ان کے خصائص میں سے ہے اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ مسلمانوں کو جنت میں ان کی بیویاں ملیں گی جن سے وہ مجامعت ومباشرت کریں گے اور وہاں نکاح جدید بھی نہ ہوگا بل کہ دنیا میں جو مومن کی منکوحہ تھی آخرت میں بھی وہ اس کی زوجہ ہوگی۔ یہی تمام احادیث وآثار سے ثابت ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے خلاف دعویٰ رکھتا ہے تو ثبوت پیش کرے۔
حضرت امام محمد بن عبد الباقی زرقانی (متوفی ۱۰۹۹ھ) لکھتے ہیں۔

نقل السبکی فی طبقاته عن ابن فورك انه علیه السلام حیّ فی قبره علیٰ الحقیقة لا علی المجاز۔ یصلی فیه باذان واقامة۔ قال ابن عقیل ویضاجع ازواجهٗ ویتمتع بهن اکمل من الدنیا۔ وحلف علیٰ ذلك وهو ظاهر لا مانع عنهٗ۔ (زرقانی علی المواهب)

ترجمہ- امام سبکی نے اپنے طبقات میں ابن فورک سے نقل کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر انور میں حقیقی حیات کے ساتھ زندہ ہیں نہ کہ مجازی حیات کے ساتھ۔ وہ اذان واقامت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ ابن عقیل نے کہا اور اپنی ازواج کے ساتھ مضاجعت وشب باشی فرماتے ہیں۔ اور دنیا میں جس طرح ان سے تمتع حاصل کرتے تھے اس سے

زیادہ تمتع حاصل کرتے ہیں۔ ابن عقیل نے اس پر قسم کھائی۔ اور یہ ظاہر ہے اس سے کوئی چیز مانع نہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ بات کہی گئی ہے مگر دیگر انبیاے کرام کی طرف اس کی نسبت کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں

کیوں کہ کوئی بات جب ایک صنف یا کسی نوع کے ایک فرد یا چند افراد کے لیے ثابت ہو تو پوری صنف اور نوع کی طرف اس کی نسبت

درست ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے۔ وَخُلِقَ الْإِنسَانُ هَلُوعًا۔ اور۔ وَكَانَ الْإِنسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا۔

مومن صالح کی قبر جب حد نظر تک وسیع کر دی جاتی ہے جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ویفسح لہٗ فیھا

مدّ بصرہ (باب اثبات عذاب القبر مشکوۃ المصابیح) حد نظر تک اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے۔ پھر آپ اور دیگر انبیاے

کرام کی قبر کی کشادگی کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ اور عالم برزخ و آخرت کی باتوں کو دنیا کی باتوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

سفر معراج کے موقع پر حضور اقدس نے انبیاے سابقین کی امامت فرمائی جس سے واضح ہے کہ روح مع الجسم تھی اور انبیا نے اپنی حیات

جسمانی کے ساتھ نماز پڑھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

إنّ الله تعالىٰ حرم على الارض ان تأكل اجساد الانبياء فنبى الله حى يرزق (ابن ماجہ) اللہ تعالیٰ نے زمین

کے لیے انبیا کے اجسام کو کھانا حرام فرمادیا ہے تو اللہ کے نبی زندہ ہوتے ہیں جنھیں رزق دیا جاتا ہے۔

اسی ضمن میں اس بات کو سمجھ لینا بھی بہتر ہے جو ابریز از شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے الملفوظ حصہ دوم میں مذکور

ہے کہ سید احمد سجلماسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ہی خواب گاہ میں ایک بیوی کی موجودگی میں اپنی دوسری بیوی سے ہم بستری کی یہ سوچ کر کہ پہلی

بیوی سو چکی ہے اور پھر جب آپ حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اس پر تنبیہ فرمائی۔ اور کہا کہ جو تمھارے

بستر پر کون تھا؟ اسی سے ملتا جلتا ایک دوسرا واقعہ شیخ عبدالرحمٰن کا بھی ہے جو ابریز میں مذکور ہے۔ یہ دنیاوی واقعہ ہے مگر اس میں روحانی تصرف

کارفرما ہے اور اس کا اس مزعومہ بے غیرتی و بے حیائی سے کوئی تعلق نہیں جس پر معاندین و مخالفین کی طرف سے واویلا ہوتا رہتا ہے۔ کیا

انھیں معلوم نہیں کہ کراماً کاتبین ہر ایک کے ساتھ لگے رہتے ہیں اور وہ ان کے سارے حالات و واقعات دیکھتے ہیں اور انھیں لکھتے بھی ہیں؟

اور کیا انھوں نے یہ نہیں پڑھا کہ۔

انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

إن الله تبارك وتعالىٰ وكّل بالرحم ملكا يقول يا رب نطفة يا رب علقة يا رب

مضغة فاذا اراد الله ان يقضى خلقة قال هل ذكر ام انثىٰ شقى ام سعيد فما

الرزق فما الاجل قال فيكتب فى بطن امه (کتاب الانبیا، کتاب القدر صحیح بخاری)

اللہ تعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے۔ وہ کہتا ہے اے پروردگار! نطفہ ہے۔ اے پروردگار! بستہ خون ہے۔ اے پروردگار!

گوشت کا لوتھڑا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادیتا ہے اس کی پیدائش کا تو فرشتہ پوچھتا ہے مرد ہے یا عورت؟ بدبخت ہے یا نیک بخت؟ اس

کی روزی کتنی ہے؟ عمر کتنی ہے؟ یہ سب لکھ دیا جاتا ہے اور بچہ ماں کے پیٹ میں رہتا ہے۔

اذا استقرت النطفة فى الرحم اخذها الملك بكفه وقال اى رب اذكرا وانثىٰ (ص ۴۰۸، جلد ۱۱، فتح الباری)

جب نطفہ رحم میں ٹھہر جاتا ہے فرشتہ اس کو اپنے ہاتھ میں لے کر پوچھتا ہے اے رب! مرد ہے یا عورت؟

اور کیا انھوں نے اس کا بھی کوئی جواب سوچا ہے کہ۔

''ایک دفعہ حضرت گنگوہی جوش میں تھے۔ فرمایا! تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا''۔ (ص ۲۹۰، ارواح ثلثہ از تھانوی)

پیغمبروں کی شہادت سے متعلق ایک سوال وجواب اس طرح ہے۔

عرض:- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کَتَبَ اللّٰہُ لَا غلبنّ انا ورسُلی تو بعض انبیا کیوں شہید ہوئے؟

ارشاد:- رسولوں میں سے کون شہید کیا گیا؟ انبیا البتہ شہید کیے گئے۔ رسول کوئی شہید نہ ہوا۔ یقتلون النبیین فرمایا گیا نہ کہ یقتلون الرسل۔ (الملفوظ حصہ چہارم)

بعض مطبوعہ نسخوں کے سوال میں ختم اللہ ہے جو سائل کا سہو ہے قرآن کی آیت کتب اللّٰہ ہے۔ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ. اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (سورۃ المجادلہ ۵۸، آیت ۲۱) اللہ لکھ چکا کہ ضرور میں غالب آؤں گا اور میرے رسول۔ بے شک اللہ قوت والا عزت والا ہے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کتابت کی غلطی سے کَتَبَ اللّٰہُ کی جگہ خَتَمَ اللّٰہُ ہوگیا ہو۔ اس کا بھی امکان ہے کہ حضرت مجیب یا حضرت مرتب کی اس وقت اس جانب توجہ نہ ہوئی ہو۔ کتابت کی غلطی یا نقل وتلاوت میں سہو کوئی نادر بات نہیں۔ ایسے حادثات ہوتے رہتے ہیں۔ معاندین ومخالفین کی کتب ورسائل میں خود اس طرح کے نمونے ملتے ہیں۔ جو تحقیقات از حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی میں منقول ہیں۔

جواب میں رسولوں کی شہادت کا انکار ہے جو قرآن وتفاسیر کے مطابق ہے۔ نبی اصطلاحاً اس انسان کو کہتے ہیں جس کی جانب وحی کی جائے خواہ وہ صاحب شریعت جدیدہ ہو یا نہ ہو۔ اور رسول وہ نبی ہے جو صاحب شریعت جدیدہ ہو۔ کتب تفسیر مثل بیضاوی ومدارک وغیرہ میں یہ اصطلاحی تعریف درج ہے۔ متعدد آیات میں رسول بمعنی نبی بھی وارد ہے۔ امام احمد رضا نے رسول بمعنی صاحب شریعت جدیدہ مراد لیا ہے، قرآن میں جن انبیاے بنی اسرائیل کی شہادت کا ذکر ہے وہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر تھے، صاحب شریعت جدیدہ نہ تھے رسول بمعنی صاحب شریعت جدیدہ کوئی شہید نہیں ہوا اس لیے جواب مذکور بالکل صحیح اور برحق ہے اور اس کے خلاف شور وشر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

مزید تحقیق کے لیے تحقیقات از حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی کا مطالعہ کریں۔

ایک عالم دین حضرت مولانا مولوی برکات احمد کے بارے میں امام احمد رضا نے اپنا یہ واقعہ اور یہ خواب ذکر کیا ہے۔

جب ان کا انتقال ہوا اور میں دفن کے وقت ان کی قبر میں اترا تو مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی بار روضۂ انور کے قریب پائی تھی۔ ان کے انتقال کے دن مولوی سید امیر احمد صاحب مرحوم خواب میں زیارت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے کہ گھوڑے پر تشریف لیے جاتے ہیں۔ عرض کی یارسول اللہ! حضور کہاں تشریف لیے جاتے ہیں؟ فرمایا! برکات احمد کے جنازہ کی نماز پڑھنے۔ الحمدللہ! یہ جنازۂ مبارکہ میں نے پڑھایا۔ الخ (الملفوظ حصہ دوم)

اس پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ مولانا احمد رضا نے اپنے آپ کو امام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقتدی بنا دیا اور اپنی برتری ثابت کی۔ معاذ اللہ! خدا جب دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز نہیں ادا کی تھی (صحیح بخاری) اور کیا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اس جماعت کے امام نہیں تھے جس میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شریک تھے؟

فلما سلّم عبد الرحمن بن عوف قام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم یتم صلوته. الی آخر الحدیث (صحیح مسلم) عبدالرحمٰن بن عوف نے جب سلام پھیرا تو رسول اللہ کھڑے ہو گئے اور اپنی نماز پوری کرنے لگے۔

حضرت ملا علی قاری اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔ فیه دلیل علیٰ جواز اقتداء الافضل بالمفضول اذا علم ارکان الصلوٰۃ (ص ۳۶۲ جلد اول مرقاۃ شرح مشکوٰۃ) اس میں اس پر دلیل ہے کہ افضل کو مفضول کی اقتدا کرنی جائز ہے جب کہ مفضول ارکان صلوٰۃ جانتا ہو۔

امام کا ہر مقتدی سے افضل یا مساوی ہونا ضروری نہیں۔ اور امام احمد رضا کا یہ کہنا کہ الحمد للہ یہ جنازۂ مبارکہ میں نے پڑھایا یہ بطور اظہار تشکر ہے کہ مجھے ایسی عظیم سعادت میسر آئی۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تصرف روحانی سے کسی کی نماز جنازہ میں شرکت فرمائیں یہ بھی کوئی محال و مستبعد نہیں کیوں کہ وہ بہ حیات حقیقی جسمانی زندہ ہیں اور جہاں چاہیں وہاں تشریف لے جاسکتے ہیں۔ اور جہاں تشریف لے جائیں، وہاں برکت ہی برکت اور خوشبو ہی خوشبو ہوتی ہے جو ظاہر و باہر ہے۔ ایسی صورت میں مولانا برکات احمد کی قبر میں وہی خوشبو رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی نوازش و کرم گستری سے محسوس کی گئی جو روضۂ انور کے قریب اہل دل اور اہل محبت محسوس کرتے ہیں اسی حقیقت کا اظہار امام احمد رضا نے اپنے ان الفاظ میں کیا ہے کہ ان کی قبر میں اترا تو مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی بار روضۂ انور کے قریب پائی تھی۔

معترضین کو کسی دوسرے پر حملہ و تیر اندازی سے پہلے اپنے گھر کی بھی خبر رکھنی چاہیے۔ ان کے عالم خلیل احمد انبیٹھوی کے تذکرہ و سوانح میں مذکور ہے کہ۔

شیخ سعید تکرونی کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور مجھ سے کسی نے کہا کہ یہ رسول اللہ ہیں اور ایک عالم ہندی خلیل احمد کا انتقال ہو گیا ہے ان کے جنازہ کی نماز میں شرکت کے لیے تشریف لائے ہیں۔

(صفحہ ۳۰۴ تذکرۃ الخلیل از عاشق الٰہی میرٹھی)

اور شیخ الاسلام نمبر الجمعیۃ دہلی جو مولانا حسین احمد کے فضائل و مناقب پر مشتمل ہے اس میں ایک خواب لکھا ہے کہ۔

حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام گویا کسی شہر میں جامع مسجد کے قریب ایک حجرہ میں تشریف فرما ہیں۔ جامع مسجد کے قریب بہ وجہ جمعہ مصلیوں کا بڑا مجمع ہے۔ مصلیوں نے فقیر سے فرمائش کی کہ تم حضرت خلیل اللہ سے سفارش کرو کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام مولانا مدنی کو جمعہ پڑھانے کا ارشاد فرمائیں۔

فقیر نے جرأت کر کے عرض کیا۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے مولانا مدنی کو جمعہ پڑھانے کا حکم فرمایا۔ مولانا مدنی نے خطبہ پڑھا اور نماز جمعہ ادا فرمائی۔ فقیر بھی مقتدیوں میں شامل تھا (صفحہ ۱۶۴، کالم ۳، شیخ الاسلام نمبر الجمعیۃ دہلی)

امام احمد رضا قدس سرہٗ کو متہم و مطعون کرنے کے لیے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک صحابی یا تابعی کی توہین کی ہے اور ثبوت میں یہ عبارت پیش کی جاتی ہے۔

ایک بار عبدالرحمٰن فزاری کہ کافر تھا اپنے ہم راہیوں کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں پر آپڑا چرانے والوں کو قتل کیا اور اونٹ لے گیا الخ۔ (الملفوظ حصہ دوم)

یہ عبدالرحمٰن فزاری یقیناً کافر وظالم وسرکش تھا جو محرم الحرام ۷ھ کے غزوۂ ذات القرد میں مقتول ہوا اور حضرت ابوقتادہ نے اسے قتل کیا۔ اور وہ عبدالرحمٰن بن عبدالقاری جو بقول جمہور تابعی اور بقول واقدی صحابی ہیں ان کی ولادت ۲ھ اور وفات ۸۱ھ میں ہوئی اس لیے مذکورالصدر عبدالرحمٰن فزاری کو صحابی یا تابعی کہنا خود غلط اور خلاف واقعہ ہے بل کہ خلاف اسلام ہے۔ الملفوظ کے بعض قدیم نسخوں میں مجیب ومرتب نے نہیں بل کہ بعد کے کسی ناقل وکاتب نے فزاری کی بجائے قاری لکھ کر اسے بنی قارہ کا فرد بتا کر اپنے زعم میں تشریح واصلاح اور درحقیقت ایک غلطی کی جس سے مجیب ومرتب کا دامن پاک ہے۔ عبدالرحمٰن کے اس واقعہ کا ذکر مشکوٰۃ المصابیح اور صحیح مسلم میں بھی ہے جہاں عبدالرحمٰن قاری نہیں بل کہ عبدالرحمٰن فزاری کا ذکر ہے اور اس کے کافر ہونے میں کسی کو شبہہ نہیں۔

عبدالرحمٰن بن عبدالقاری جو تابعی ہیں ان کا مختصر حال یہ ہے۔

> عبد الرحمن بن عبد القاری یقال انه ولد علیٰ عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم ولیس له منه سماع ولا روایة۔ وعدّهٗ الواقدی من الصحابة فی من ولد علیٰ عهد النبی صلی الله علیه وسلم۔ المشهور انه تابعی وهو من جملة تابعی المدینة وعلماءها سمع عمر بن الخطاب۔ مات سنة احدٍ وثمانین ولهٗ ثمان وسبعون سنة۔ (الاکمال)

عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ اور نبی کریم سے ان کو نہ سماع ہے نہ روایت۔ واقدی نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے جو عہد رسالت میں پیدا ہوئے۔ مشہور یہ ہے کہ یہ تابعی ہیں۔ یہ مدینہ کے علما وتابعین میں سے تھے۔ انھوں نے حضرت عمر بن خطاب سے حدیث سنی۔ ۸۱ھ میں وفات پائی اور آپ کی عمر ۷۸ سال کی تھی۔

ایرانی بادشاہ نوشیرواں کو لاعلمی میں بہت سے لوگ سلطان عادل کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک عرض وارشاد یہ ہے۔

عرض:- نوشیرواں کو عادل کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

ارشاد:- نہیں اور اگر اس کے احکام کو حق جان کر کہے کفر ہے ورنہ حرام۔ (الملفوظ حصہ چہارم)

اس ارشاد کے خلاف بھی انگشت نمائی کی جاتی ہے اور نوشیرواں کو عادل کہنے کے لیے یہ موضوع حدیث بطور ثبوت پیش کی جاتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ولدت فی زمن الملک العادل۔ میں بادشاہ عادل کے زمانہ میں پیدا ہوا۔

حضرت ملا علی قاری اس باطل وموضوع حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں۔

> قال السخاوی لا اصل لهٗ۔ قال الزرکشی کذب باطل۔ وقال السیوطی قال البیهقی فی شعب الایمان تکلم شیخنا ابو عبد الله الحافظ بفلان ماپرویه بعض الجهلاء عن نبینا صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم ولدت فی زمن الملک العادل یعنی انوشیروان۔ (ص ۹۷، موضوعات کبیر)

علامہ ابو طاہر فتنی لکھتے ہیں۔

لا اصل لہٗ ولا یجوزان یسمّی من یحکم بغیر حکم اللّٰہ عادلاً (ص ۲۱۹، جلد خامس، مجمع بحار الانوار) اس کی کوئی اصل نہیں۔ جو شخص اللہ کے حکم کے خلاف حکم کرے اس کو عادل کہنا جائز نہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

ونزد محدثین ایں صحیح نیست، و چوں درست باشد وصف مُشرک بعدل وحال آں کہ شرک ظلم عظیم است۔ قال اللّٰہ تعالیٰ اِنَّ الشِّرکَ لَظُلمٌ عظیمٌ۔ ومی گویند کہ مراد بعدل ایں جا سیاستِ رعیت وداد ستانی وفریاد رسی است کہ اہل عرف آں را عدل می خوانند۔ اما جریان اسم عادل برزبان سید انبیا صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ بعید است۔ (ص ۲۲۴، جلد دوم۔ مدارج النبوۃ)

اور مولانا سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ۔

ایرانیوں میں اس (نوشیرواں) کی عدل پروری اب تک مشہور ہے مگر اس کو یہ مبارک لقب اپنے عزیزوں اور افسروں اور ہزاروں بے گناہوں کے قتل کی بدولت ملا۔ (ص ۱۶۴ جلد ۴، سیرۃ النبی)

ایک مسئلہ بتاتے ہوئے امام احمد رضا نے فرمایا۔

"امام محمد بوصیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ نفس بچہ کی مثل ہے کہ اگر اس کو دودھ پلائے جاؤ جوان ہو جائے گا اور پیتا رہے گا اور اگر چھوڑ دو، چھوڑ دے گا۔ میں نے خود دیکھا۔ گاؤں میں ایک لڑکی ۱۸ یا ۲۰ برس کی تھی۔ ماں اس کی ضعیفہ تھی اس کا دودھ اس وقت تک نہ چھڑایا تھا۔ ماں ہر چند منع کرتی وہ زور آور تھی، پچھاڑتی اور سینے پر چڑھ کر دودھ پینے لگتی۔ (الملفوظ حصہ سوم)

اس بات کو بد اندیش معاندین چٹخارے لے کر بیان کرتے ہیں کہ مولانا احمد رضا ایک جوان لڑکی کو اس طرح دودھ پیتے دیکھتے اور اسے بیان بھی کرتے ہیں۔ اور انھیں یہ سوچنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ یہ واقعہ امام احمد رضا نے اپنے بچپن میں دیکھا جسے وہ اپنے دور جوانی یا بڑھاپے میں عبرت ونصیحت کے لیے بیان فرما رہے ہیں۔ یہ بد نصیب مخالفین کی شوشہ بازی اور کردار کشی کا ایک شقاوت آمیز اور شرانگیز نمونہ ہے۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ حیوانات ونباتات بھی اللہ کی تسبیح وتقدیس کرتے ہیں اور ان کے اندر بھی مادۂ معصیت ہے۔ اسی ضمن میں یہ بیان فرماتے ہیں۔

جب مجمع ہوا کفار کا مدینہ طیبہ پر کہ اسلام کا قلع قمع کر دیں، غزوۂ احزاب کا واقعہ ہے۔ رب عزوجل نے مدد فرمانا چاہی اپنے حبیب کی، شمالی ہوا کو حکم ہوا۔ جا اور کافروں کو نیست ونابود کر دے۔ اس نے کہا۔ الحلائل لا یخرجن باللیل۔ بیبیاں رات کو باہر نہیں نکلتیں۔ فاعقمہا اللّٰہ تعالیٰ۔ تو اللہ نے اس کو بانجھ کر دیا۔ اسی وجہ سے شمالی ہوا سے کبھی پانی نہیں برستا۔ پھر صبا آئی اور اس نے کہا سمعنا واطعنا۔ تو اس نے عرض کی، ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ وہ گئی اور کفار کو برباد کرنا شروع کیا۔ (الملفوظ حصہ چہارم)

اس پر یہ تبصرہ کہ بادشمالی پر اللہ کا حکم نہیں چلا اور اس سے پانی نہیں برستا جب کہ ہندوستان میں اس سے پانی برستا ہے۔ یہ نہایت لغو ولا طائل بات ہے۔

کسی پر حکم نہ چلنا اور کسی کا تعمیل حکم نہ کرنا یہ دونوں الگ الگ باتیں ہیں۔ امام احمد رضا نے ہرگز یہ نہیں فرمایا ہے کہ بادشمالی پر اللہ کا حکم نہیں چلا۔ بادشمالی نے حکم نہیں مانا یہ ابلیس جیسا اس کا عمل ہے کہ اللہ نے سجدۂ آدم کا حکم دیا اور سارے فرشتوں نے اس پر عمل کیا مگر ابلیس نے انکار

سرکشی کی جس کے نتیجے میں وہ راندۂ درگاہ ہوا۔ اور بادصبا نے تعمیل حکم کر کے فرشتوں کی اتباع کی اور سرخروئی حاصل کی۔ اسی طرح توحید و رسالت پر ایمان و اقرار حکم الٰہی ہے جس کی تعمیل اہل ایمان کرتے ہیں اور اس سے تمرد و طغیان کر کے اہل کفر و شرک اپنے برے انجام کو پہنچتے ہیں۔

رہ گئی بات حیوانات و نباتات و جمادات میں مادۂ معصیت کی تو وہ صحیح ہے۔ جیسا کہ ام شریک رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم امر بقتل الوزغ وقال انه کان ینفخ علیٰ ابراهیم علیه السلام (صحیح بخاری) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کے قتل کا حکم دیا اور فرمایا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام پر پھونک مارتا تھا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ماصید صید ولا عضدت عضادة ولا قطعت وشیجة الا بقلة التسبیح (تاریخ الخلفا) جو جانور بھی شکار کیا جاتا ہے جو درخت کاٹا جاتا ہے وہ تسبیح کی کمی کی وجہ سے۔ ایک روایت میں ہے۔ ما صید صید ولا عضدت من شجرة الا ضیعت من التسبیح (تاریخ الخلفا) کوئی جانور شکار نہیں کیا جاتا اور کوئی درخت نہیں کاٹا جاتا مگر یہ کہ وہ تسبیح ضائع کرے۔

امام سدی روایت کرتے ہیں۔ قال علیه السلام ما اصطیدحوت فی البحر ولا طائریطیر الا بما یضیع من تسبیح اللّٰه تعالیٰ (تفسیر مدارک ج ا ص ۲۱۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سمندر میں کوئی مچھلی اور کوئی پرندہ شکار نہیں ہوتا مگر اس سبب سے کہ وہ تسبیح ضائع کرتا ہے۔

بادشالی سے پانی نہ برسنے کی بات عرب کے تعلق سے کہی گئی ہے۔ ہندوستان کے موسم اور حالات کا عرب کے موسم اور حالات پر قیاس کرنا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے؟

ایک عرض و ارشاد اس طرح ہے۔

عرض:- کافر جو ہولی دیوالی میں مٹھائی وغیرہ بانٹتے ہیں، مسلمانوں کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

ارشاد:- اس روز نہ لے۔ ہاں! اگر دوسرے روز دے تو لے لے۔ نہ یہ سمجھ کر کہ ان خبثا کے تیوہار کی مٹھائی ہے بلکہ مال موذی نصیب غازی سمجھے۔ (الملفوظ حصہ اول)

اس ارشاد پر بھی نکتہ چینی کی جاتی ہے جب کہ خاص تیوہار کے روز کافروں کی مٹھائی لینے سے منع فرمایا گیا ہاں دیگر ایام میں مال موذی نصیب غازی سمجھ کر لیا جا سکتا ہے۔

معترضین کو پہلے اپنے گھر کی خبر لینی چاہیے۔ دیوبندی قطب الاقطاب رشید احمد گنگوہی صاحب کا مسئلہ تو یہ ہے کہ۔

مسئلہ: ہندو تیوہار ہولی یا دیوالی میں اپنے استاد یا حاکم یا نوکر کو کھیلیں یا پوری یا کچھ کھانا بہ طور تحفہ بھیجتے ہیں، ان چیزوں کا لینا اور کھانا استاد و حاکم و نوکر مسلمان کو درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- درست ہے۔ فقط (ص ۱۰۷ حصہ دوم فتاویٰ رشیدیہ)

علاج چشم کے تعلق سے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

میرے استاد جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہ اصرار فرمایا کہ اسے (ڈاکٹر کو) آنکھ دکھائی جائے۔ علاج کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے۔ (الملفوظ حصہ اول)

امام احمد رضا کی اندھی مخالفت کرنے والوں نے حضرت مرزا غلام قادر بیگ بریلوی کا ڈانڈا قادیانی کذاب مرزا غلام احمد سے ملا کر طوفان مچانا شروع کر دیا کہ دیکھیے مولانا احمد رضا کے استاد مرزا قادیانی کے بھائی تھے۔ العیاذ باللہ

حضرت مولانا مرزا غلام قادر بیگ بریلوی امام احمد رضا قدس سرہٗ کے ابتدائی استاد تھے اور بعد میں انھوں نے امام احمد رضا سے بعض کتابیں بھی پڑھیں۔ اب آگے کے حقائق کیا ہیں انہیں پڑھ کر آپ کو صحیح حالات معلوم ہو جائیں گے۔

حضرت مرزا غلام قادر بیگ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتے مرزا عبد الوحید بیگ بریلوی نے مرزا غلام قادر بیگ بریلوی کے بارے میں اپنا جو سوانحی مضمون تحریر کیا ہے اس کے چند اقتباسات افادۂ قارئین کے لیے درج ذیل ہیں۔

''حضرت مولانا حکیم مرزا غلام قادر بیگ صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ میرے حقیقی دادا حضرت مولانا مرزا مطیع بیگ صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ اور میرے دادا حضرت حکیم مرزا حسن بیگ مرحوم مغفور لکھنوی کی بیاض کے مطابق حضرت مولانا مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۵ر جولائی ۱۸۲۷ء مطابق یکم محرم الحرام ۱۲۴۳ھ کو پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی پیدائش محلہ جھوائی ٹولہ لکھنؤ میں ہوئی تھی۔ آپ کے والد مرحوم نے لکھنؤ کی سکونت ترک کر کے بریلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ لہٰذا آپ جامع مسجد بریلی کے شرق میں واقع مکان محلہ قلعہ میں رہتے تھے۔ آپ کا مکان آج بھی موجود ہے''۔ (ص ۶۱- ماہنامہ حجاز جدید دہلی، شمارہ اکتوبر ۱۹۸۸ء)

''ہمارا خاندان نسلاً ایرانی یا ترکستانی مغل نہیں ہے اور بیگ کے خطابات اعزاز شاہانِ مغلیہ کے عطا کردہ ہیں۔ اسی مناسبت سے ہمارے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ مرزا اور بیگ کے الفاظ لکھے جاتے رہے ہیں۔ ہمارا سلسلۂ نسب حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ حضرت احرار رحمۃ اللہ علیہ نسلاً فاروقی تھے''۔ (ص ۶۱، حوالہ مذکور)

''حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی رضی اللہ عنہ کے اجداد کرام بھی شاہانِ مغلیہ سے وابستہ رہے ہیں۔ اسی زمانہ سے ہمارے اور امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے خاندان سے قریبی روابط رہے ہیں۔ یہ تعلق و روابط حضور مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی رضی اللہ عنہ کی حیات ظاہری تک برابر رہے حتی کہ میری دو ہمشیرگان بھی حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے خاندان میں بیاہی گئیں''۔ (ص ۶۱، حوالہ مذکور)

''ہمارے خاندان کا کبھی بھی کسی قسم کا کوئی واسطہ و تعلق مرزا غلام احمد قادیانی کذاب سے نہیں رہا حتی کہ ہمارے دور کے عزیزوں کا بھی نہیں''۔ (ص ۶۲، حوالہ مذکور)

''یہ الزام لگانا کہ حضرت مولانا غلام قادر بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرزا غلام احمد قادیانی کذاب کے بھائی تھے، انتہائی لغو، بے بنیاد اور کذب صریح ہے۔ غلام احمد قادیانی کذاب کا کوئی بھائی غلام قادر بیگ ہو تو یقیناً وہ دیگر شخص ہے۔ اس سے امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استادی و شاگردی کا کوئی تعلق نہیں رہا ہے''۔ (ص ۶۷، حوالہ مذکور)

''حضرت مولانا مرزا غلام قادر بیگ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال بریلی شریف میں ہوا۔ میرے والد مرحوم نے اپنی بیاض میں آپ کی تاریخ وفات ۱۸ر اکتوبر ۱۹۱۷ء یکم محرم الحرام ۱۳۳۶ھ بعمر نوے سال لکھی ہے۔ آپ محلہ باقر گنج میں واقع حسین باغ (بریلی) میں دفن کیے گئے تھے''۔ (ص ۶۲، ماہنامہ حجاز جدید دہلی اکتوبر ۸۸ء)

اگر اتنے تاریخی شواہد پر بھی کسی کو یقین نہ آئے اور یہ الزام وہ دہراتا رہے کہ مرزا غلام قادر بیگ بریلوی، مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی تھے تو ایسے لوگ اس الزام کے جواب میں کیا ثبوت پیش کریں گے کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی یہودی النسل اور احسان الٰہی

ظہیر نصرانی الاصل تھے؟۔

حضرت مولانا احمد رضا بریلوی نے جہاں مرزا غلام احمد قادیانی کذاب و دجال کی تکفیر فرمائی ہے وہیں اس کے خلاف مندرجہ ذیل کتابیں بھی تحریر فرمائی ہیں۔

(۱)المبین ختم النبیین (۲)السوء والعقاب علی المسیح الکذاب (۳)جزاء اللّٰہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ (۴)الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی۔ علاوہ ازیں ردِّ قادیانیت میں بریلی شریف سے ایک مستقل رسالہ بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جاری فرمایا جس کا نام ہے۔ قہر الدیان علیٰ مرتد بقادیان۔

معترضین و معاندین و مخالفین کو ان کے گھر تک پہنچانے کے بعد اب واپس آیئے بارگاہ رضوی میں اور دیکھئے کہ اس محفل ذکر و فکر اور مجلس علم و حکمت میں حقائق و معارف کی کیسی دولت تقسیم ہو رہی ہے اور کیسے کیسے جواہر کی چمک دمک ہے۔ ایک جھلک آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

- کلمۂ طیبہ کے اختصار سے پورا کلمہ مراد ہے یا نصف کلمہ اس کے بارے میں امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

''لا الٰہ الا اللہ کلمۂ طیبہ کا علم ہے جس سے پورا کلمہ مراد ہے۔ اگر کہیے الحمد سات بار کہو یا قل ھو اللہ گیارہ بار کہو۔ کیا اس سے صرف لفظ الحمد یا لفظ قل ھو اللہ مراد ہوگا؟ ہرگز نہیں بل کہ پوری سورتیں کہ اختصاراً جن کے یہ نام ہیں۔ کلمہ طیبہ کا اختصار لا الٰہ نہیں ہوسکتا تھا کہ نفیِ محض بلا استثنا تو معاذ اللہ کلمۂ کفر ہے۔ لاجرم نصف کلمہ اس کا اختصار ہوا۔ یہ ایک ظاہر جواب ہے۔

اور میرے نزدیک تو حقیقتِ امر یہ ہے کہ بے شک صرف لا الٰہ الا اللہ نجات کا ضامن ہے اور اسی سے وہ ملعون قول کہ محمد رسول اللہ کی معاذ اللہ حاجت نہیں کفر خالص ہے۔ لا الٰہ الا اللہ سے فقط الفاظ مراد نہیں بل کہ اس کے معنی کی تصدیق سچے دل سے اس پر ایمان لانا کہ جس کی ذات جامع جمیع کمالات منزّہ از جمیع عیوب و نقائص کا عَـلَم پاک واقع میں اللہ ہے، جس نے بچی کتابیں اتاریں، سچے رسول بھیجے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل الرسل و خاتم النبیین کیا، وہ جس کے کلام کا ایک ایک یقینی قطعی حق ہے جس میں کذب یا سہو یا خطا کا اصلاً کسی طرح امکان نہیں۔

جس نے اللہ کو اس طرح پہچانا اسی نے اللہ کو جانا، اسی نے لا الٰہ الا اللہ مانا، اور جسے ضروریات دین سے کسی بات میں شک یا شبہہ ہے اس نے ہرگز اللہ کو جانا نہ لا الٰہ الا اللہ کو مانا۔ مثلاً توحید کی گواہی دیتا ہے ایسے کو اللہ سمجھتا ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ بھیجا اور وہ ہرگز اللہ نہیں، اس نے اپنے خیال میں ایک باطل تصور جما کر اس کا نام اللہ رکھ لیا ہے۔ یہ اللہ پر مومن نہیں بل کہ اللہ کے ساتھ مشرک ہے۔

اللہ یقیناً وہ ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا تو اللہ پر ایمان وہی لائے گا جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے۔ اس پر تمام ضروریات دین کو قیاس کر لو۔ مثلاً جو اللہ کا مُقر اور قیامت کا منکر ہے یقیناً اللہ کا منکر اور اس اقرار میں مشرک ہے تو ایسے کو اللہ ٹھہرایا جو قیامت نہ لائے گا۔ حالاں کہ اللہ وہ ہے کہ قیامت جس کا سچا وعدہ ہے۔ (الملفوظ حصہ دوم)

- مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی افضلیت کے بارے میں امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

''جمہور حنفیہ کا یہی مسلک ہے (کہ مکہ افضل ہے) اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک مدینہ طیبہ افضل ہے اور یہی مذہب امیر

المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ ایک صحابی نے کہا مکہ معظمہ افضل ہے۔ فرمایا کیا تم کہتے ہو کہ مکہ مدینہ سے افضل ہے؟ انھوں نے کہا واللہ! بیت اللہ وحرم اللہ۔ فرمایا! میں بیت اللہ وحرم اللہ کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ کیا تم کہتے ہو کہ مکہ مدینہ سے افضل ہے؟ انھوں نے کہا کہ خانۂ خدا وحرم خدا۔ فرمایا! میں خانۂ خدا اور حرم خدا کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ کیا تم کہتے ہو کہ مکہ مدینہ سے افضل ہے؟ وہ وہی کہتے رہے اور امیر المومنین یہی فرماتے رہے۔ اور یہی میرا مسلک ہے۔

صحیح حدیث میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ المدینة خیرلهم لو کانوا یعلمون. مدینہ ان کے لیے بہتر ہے اگر وہ جانیں۔ دوسری حدیث نص صریح ہے کہ فرمایا۔ المدینة افضل من مکة. مدینہ مکہ سے افضل ہے۔

اور تفاوتِ ثواب کا جواب باصواب شیخ محقق عبد الحق دہلوی رحمۃ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب دیا ہے کہ مکہ میں کمیت زیادہ ہے اور مدینہ میں کیفیت زیادہ ہے یعنی وہاں مقدار زیادہ ہے اور یہاں قدر افزوں جسے یوں سمجھیے کہ لاکھ روپیہ زیادہ ہے کہ پچاس ہزار اشرفیاں؟ گنتی میں وہ دونے ہیں اور مالیت میں یہ دس گنی۔ مکہ معظمہ میں جس طرح ایک نیکی لاکھ نیکیاں ہیں یوں ہی ایک گناہ لاکھ گناہ ہیں۔ اور وہاں گناہ کے ارادے پر بھی گرفت ہے جس طرح نیکی کے ارادے پر ثواب۔ مدینہ طیبہ میں نیکی کے ارادے پر ثواب اور گناہ کے ارادے پر کچھ نہیں۔ اور گناہ کرے تو یوں ہی ایک گناہ اور نیکی کرے تو پچاس ہزار نیکیاں۔ عجب نہیں کہ حدیث میں **خیـر لهم** کا اشارہ اسی طرف ہو کہ ان کے حق میں مدینہ ہی بہتر ہے۔

(الملفوظ دوم)

نادانی ولاعلمی میں عوام اکثر ''اللہ میاں'' کہتے ہیں اس کے بارے میں امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

''زبان اردو میں لفظ میاں کے تین معنی ہیں۔ ان میں سے دو ایسے ہیں جن سے شانِ الوہیت پاک ومنزہ ہے۔ اور ایک کا صدق ہوسکتا ہے۔ تو جب لفظ دو خبیث معنوں اور ایک اچھے معنی میں مشترک ٹھہرا اور شرع میں وارد نہیں تو ذات باری پر اس کا اطلاق ممنوع ہوگا۔ اس کا ایک معنی مولیٰ، اللہ تعالیٰ بے شک مولیٰ ہے۔ دوسرا معنی شوہر، تیسرا معنی زنا کا دلال کہ زانی اور زانیہ میں متوسط ہو۔ (الملفوظ اول)

- حمد ونعت میں افراط وتفریط پر تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''حقیقۃً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں ایک طرف راستہ صاف ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں ایک جانب اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔ (الملفوظ دوم)

اپنے دل دو نیم کے نقوش کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''بحمد اللہ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا لا الٰہ الا اللہ۔ دوسرے پر لکھا ہوگا محمد رسول اللہ۔

(الملفوظ سوم)

- اللہ اور اس کے رسول سے محبت پیدا کرنے کا طریقہ اور نسخۂ کیمیا بتاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

''تلاوت قرآن مجید اور درود شریف کی کثرت اور نعت شریف کے صحیح اشعار خوش الحانوں سے بہ کثرت سنے۔ اور اللہ ورسول کی نعمتوں اور رحمتوں میں جو اس پر ہیں غور کرے۔ (الملفوظ اول)

● صاحب جوامع الکلم افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شعروشاعری سے متعلق امام احمد رضا قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں۔
"آیۂ کریمہ (وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ) کے یہ معنی نہیں کہ اوروں کے اشعار حضور کے علم میں نہیں بل کہ یہ معنی کہ حضور کو ہم نے شعر گوئی پر قدرت نہیں دی اور نہ یہ حضور کے لائق۔
صحابہ قصائد عرض کرتے کیا ان کے اشعار ہمارے حضور کے علم میں نہ آتے؟ بل کہ بعض بعض مواقع پر اصلاح فرمائی ہے۔ کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے قصیدۂ نعتیہ عرض کیا۔

إن الرسول لنارٌ يستضاء به
وصارم من سيوف الهند مسلول

ارشاد ہوا نار کی جگہ نور کردو اور "سیوف الهند" کی جگہ "سیوف الله"۔ جب بعض اشعار دیگراں علم اقدس میں آنا منافی آیۂ کریمہ وما علّمنٰه الشعر نہ ہوا تو جمیع اشعار اولین وآخرین مکتوبات لوح مبین کو علم اقدس کا محیط ہونا کیا منافی ہوسکتا ہے؟ جو ایجاب جزئی کسی سلب کلی کا نقیض نہیں اس کا ایجاب کلی بھی یقیناً منافی نہیں۔ البتہ ملکۂ شعر گوئی حضور کو عطا نہ ہوا اور اس پر بھی رب العزۃ نے دفع وہم فرمادیا کہ یہ کوئی خوبی نہ تھی جو ہم نے ان کو نہ دی بل کہ وما ینبغی لهٗ یہ ان کی شان رفیع کے لائق ہی نہیں تو ان کے حق میں منقصت تھی اور وہ جمیع نقائص سے منزہ ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ بل کہ شعر گوئی بالائے طاق اگر نادراً کبھی دوسرے کا شعر پڑھتے تو اسے وزن سے ساقط فرمادیتے۔
لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعر۔

ستبدى لك الايام ما كنت جاهلا
ويأتيك بالاخبار من لم تزوّد

کا مصرع دوم یوں پڑھتے۔ ویاتیک من لم تزوّد بالاخبار۔ اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو شعر سے منزہ فرمایا ہے۔ شاعر نے یوں کہا ہے۔
ویاتیک بالاخبار من لم تزود۔ (الملفوظ دوم)

● اردو زبان کے دوسرے شعرائے نعت کا کلام سننے کے تعلق سے اپنے بارے میں امام احمد رضا قدس سرہٗ ایک موقع پر یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

"سوا دو کے کلام کے کسی کا کلام قصداً نہیں سنتا۔ مولانا کافی (مرادآبادی) اور حسن میاں مرحوم (بریلوی) کا کلام اول سے آخر تک شریعت کے دائرہ میں ہے۔ البتہ مولانا کافی کے یہاں لفظ رعنا کا اطلاق جابجا ہے اور یہ شرعاً ناروا و بے جا ہے۔ مولانا کو اس پر اطلاع نہ ہوئی ورنہ ضرور احتراز فرماتے۔ حسن میاں مرحوم کے یہاں بفضلہٖ تعالیٰ یہ بھی نہیں۔ ان کو میں نے نعت گوئی کے اصول بتادیے تھے۔ ان کی طبیعت میں ان کا ایسا رنگ رچا کہ ہمیشہ کلام اسی معیار اعتدال پر صادر ہوتا جہاں شبہہ ہوتا مجھ سے دریافت کرلیتے۔ ایک شعر میں خیال میں آیا۔

خدا کرنا ہوتا جو تحت مشیت
خدا ہو کے آتا یہ بندہ خدا کا

میں نے کہا ٹھیک ہے۔ یہ شرطیہ ہے۔ جس کے مقدم اور تالی کا امکان ضرور نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ قُلْ اِنْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ۔ اے محبوب! تم فرمادو کہ اگر رحمٰن کے کوئی بچہ ہوتا تو اسے سب سے پہلے میں پوجتا۔ ہاں شرط و جزا میں علاقہ چاہیے وہ آیۂ کریمہ کی طرح یہاں بھی بروجہ احسن حاصل ہے۔ (الملفوظ دوم)

- احترام سیادت کے بارے میں آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

"قاضی جو حدود الٰہیہ قائم کرنے پر مجبور ہے اس کے سامنے اگر کسی سید پر حد ثابت ہوئی تو باوجود اس کے کہ اس پر حد لگانا فرض ہے اور وہ حد لگائے گا لیکن اس کو حکم ہے کہ سزا دینے کی نیت نہ کرے بلکہ دل میں یہ نیت رکھے کہ شہزادے کے پیر میں کیچڑ لگ گئی ہے اسے صاف کررہا ہوں۔ تو قاضی جس پر سزا دینا فرض ہے اس کو تو یہ حکم ہے تا بہ معلم چہ رسد؟ (الملفوظ سوم)

- امر ونہی کے ایک ضابطۂ شرعیہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"شریعتِ مطہرہ کا ایک عام قاعدہ ہے کہ کسی کام کو منع فرماتی ہے کسی مصلحت سے اور جب بندہ کو ضرورت پیش آجاتی ہے فوراً اپنی ممانعت اٹھالیتی ہے۔ خمر و خنزیر سے بڑھ کر کون سی چیز حرام فرمائی گئی؟ مگر ساتھ ہی مضطر کا استثنا فرمایا۔ جنگل میں ہے پیاس کی شدت ہے شراب موجود ہے پانی کہیں نہیں ہے نہ کوئی اور چیز ہے جس سے پیاس بجھ سکے۔ اب اگر شراب نہ پیے تو پیاس کی وجہ سے مرجائے گا۔ یا نوالہ اٹکا ہوا ہے اور سوائے شراب کے کوئی ایسی چیز نہیں جس سے نوالہ اتر جائے اگر نہ پیے دم گھٹ کر مرجائے گا۔ ایسی حالت میں اگر اس نے شراب نہ پی اور مرگیا گنہ گار ہوا۔ حرام موت مرا، یا مثلاً بھوک کی شدت ہے اگر اب کچھ نہ کھائے تو مرجائے گا اور سوائے خنزیر کے گوشت کے کچھ موجود نہیں اگر اس نے نہ کھایا اور مرگیا تو گنہ گار ہوا حرام موت مرے گا۔ (الملفوظ سوم)

- عرف تعظیم و توہین سے تبدیلی احکام کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"تعظیم و توہین عرف پر مبنی ہیں۔ ایک چیز ایک زمانہ میں تعظیم یا توہین ہوتی ہے دوسرے زمانہ میں نہیں۔ یا ایک قوم میں ہوتی ہے دوسری قوم میں نہیں۔ مثلاً عرب میں بڑے چھوٹے سب کو صیغۂ مفرد سے خطاب ہے۔ انت قلت تو نے کہا۔ یہ وہاں کوئی توہین نہیں اور ہمارے یہاں توہین ہے۔ (الملفوظ اول)

- نرمی کے فوائد کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"دیکھو نرمی کے جو فوائد ہیں وہ سختی میں ہرگز حاصل نہیں ہوسکتے۔ اگر اس شخص سے سختی برتی جاتی تو ہرگز یہ بات نہ ہوتی۔ جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں ان سے نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک ہوجائیں۔ یہ جو وہابیہ میں بڑے بڑے ہیں ان سے بھی ابتداءً بڑی نرمی برتی گئی۔ الخ (الملفوظ اول)

- ابطال باطل اور شرعی گرفتوں سے اصلاح پذیر ہونے کی بجائے معاندین و مخالفین آپ پر سب و شتم کرتے جس کا جواب دیتے ہوئے ایک موقع پر آپ فرماتے ہیں۔

"دل میں کیا برملا فحش گالیاں دیتے ہیں۔ بعض خبثا تو مغلظات سے بھرے ہوئے بیرنگ خطوط بھیجتے ہیں۔ پھر ایک نہیں اللہ اعلم کتنے آتے ہیں۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ اس سے زیادہ میری ذات پر حملے کریں تو میں شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل نے مجھے دین حق کی سپر بنایا کہ جتنی دیر وہ مجھے کوستے گالیاں دیتے برا بھلا کہتے ہیں اتنی دیر اللہ و رسول جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص سے باز رہتے

ہیں۔ادھر سے کبھی اس کے جواب کا وہم بھی نہیں ہوتا اور نہ کچھ برا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عزت ان کی عزت پر نثار ہی ہونے کے لیے ہے بلکہ ان پر نثار ہونا ہی عزت ہے۔ (الملفوظ دوم)

● اولاد و مال کی محبت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"الحمد للہ کہ میں نے مال من حیث ھو مال سے کبھی محبت نہ رکھی صرف انفاق فی سبیل اللہ کے لیے اس سے محبت ہے۔اسی طرح اولاد من حیث ھو اولاد سے بھی محبت نہیں صرف اس سبب سے کہ صلہ رحم نیک عمل ہے اس کا سبب اولاد ہے اور یہ میری اختیاری بات نہیں میری طبیعت کا تقاضا ہے۔(الملفوظ چہارم)

● افتا اور رد وہابیہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"رد وہابیہ اور افتا یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے ان میں بھی طبیب حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے۔میں بھی ایک طبیب حاذق کے مطب میں سات برس بیٹھا۔ مجھے وہ وقت وہ دن وہ جگہ وہ مسائل اور جہاں سے وہ آئے تھے اچھی طرح یاد ہیں۔ (الملفوظ اول)

● روح اور قلب ونفس کا فرق بتاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

"اصل میں تین چیزیں علاحدہ علاحدہ ہیں۔نفس، روح، قلب۔روح بمنزلۂ بادشاہ کے ہے اور نفس وقلب اس کے دو وزیر ہیں۔ نفس اس کو ہمیشہ شر کی طرف لے جاتا ہے اور قلب جب تک صاف ہے خیر کی طرف بلاتا ہے۔(الملفوظ سوم)

● مفید، مستفید، منفرد کے بارے میں آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

" آدمی تین قسم کے ہیں۔مفید، مستفید، منفرد۔مفید وہ کہ دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ مستفید وہ کہ خود دوسرے سے فائدہ حاصل کرے۔منفرد وہ کہ دوسرے سے فائدہ لینے کی اسے حاجت نہ ہو اور نہ دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہو۔

مفید اور مستفید کو عزلت گزینی حرام ہے اور منفرد کو جائز بلکہ واجب (امام ابن سیرین کا واقعہ بیان کر کے ارشاد فرمایا) وہ لوگ جو پہاڑ پر گوشہ نشیں ہو کر بیٹھ گئے تھے وہ خود فائدہ حاصل کیے ہوئے تھے اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی ان میں قابلیت نہ تھی ان کو گوشہ نشینی جائز تھی اور امام ابن سیرین پر عزلت حرام تھی۔ (الملفوظ سوم)

● عالم کون ہے اور غیر عالم کو وعظ کہنا کیسا ہے اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

غیر عالم کو وعظ کہنا حرام ہے۔عالم وہ ہے کہ عقائد سے پورے طور پر آگاہ اور مستقل ہو اور اپنی ضروریات کو کتابوں سے نکال سکے بغیر کسی کی مدد کے۔ (الملفوظ اول)

یہ اور اس طرح کے بہت سے جواہر پارے الملفوظ کے صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں جن کی جمع وترتیب کی خدمت انجام دے کر شہزادۂ امام احمد رضا سیدی و مرشدی حضور مفتی اعظم مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی بریلوی نے انھیں قوم کے سامنے پیش کیا ہے۔

مفتی اعظم بھی اپنے والد ماجد کی طرح علم وفضل اور تدین وتقویٰ میں بے مثال تھے۔اپنے وقت کے جلیل القدر فقیہ ومفتی تھے۔ مرجع علما وفقہا تھے۔مقبول انام تھے۔اور آپ کی درجنوں تصانیف بھی موجود ہیں جن سے اہل علم استفادہ کرتے رہتے ہیں۔آپ کے تلامذہ وخلفا پورے برصغیر اور اس سے باہر سرزمین حجاز تک پھیلے ہوئے ہیں۔معتقدین ومریدین کی تعداد شمار سے باہر ہے۔آپ مدبر ومفکر، عالم

وفاضل، مصلح، شاعر، متقی، سب کچھ تھے جس کی شہادت ہزاروں نہیں بل کہ لاکھوں خواص وعوام دیتے ہیں اور دیتے رہیں گے۔
الملفوظ میں آپ نے دین ودانش، فضل وکمال، شریعت وطریقت، حقائق ومعارف، اسرار ورموز کا ایک جہان اور ایک دنیا آباد کر دی ہے اب یہ اس کے دیکھنے پڑھنے والوں پر منحصر ہے کہ اس سے وہ کس حد تک اپنا دامن بھرتے ہیں اور اپنی دنیا آباد کر کے اپنی عاقبت سنوارتے اور اسے قابل رشک بناتے ہیں۔ گویا

بیادرید گر ایں جابود زباں دانے
غریبِ شہر سخنہائے گفتنی دارد
لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے میں انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

☆☆☆

الملفوظ کا مقام اور مفتی اعظم

مولانا فیضان المصطفیٰ مصباحی
جامعہ امجدیہ، گھوسی، مئو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ العزیز (۱۸۵۶ء تا ۱۹۲۱ء مطابق ۱۲۷۲ھ تا ۱۳۴۰ھ) نے پینسٹھ سالہ زندگی میں متعدد علوم عقلیہ ونقلیہ کے جو جواہر آب دار لٹائے۔ اس سے برصغیر میں علم وفن کی ایک نئی تاریخ وجود میں آگئی۔ دنیا میں بڑے بڑے عقلا اور دانش ور آئے، بڑے بڑے زبان آور اور ادیب پیدا ہوئے۔ ارض گیتی نے بڑے بڑے کشور کشایان علم وفن کو اپنے دامن میں پروان چڑھایا۔ چشم فلک نے حکمت ودانائی اور فہم وفراست کے ان تاجوروں کو بھی دیکھا ہے جو علم وفن کے پہاڑ تھے۔ مگر یہ کون ہے جو بریلی کی سرزمیں پر پیدا ہوا، وہیں پلا بڑھا، ۱۴ رسال کی عمر میں جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کی۔ تصنیف وتالیف اور فتویٰ نویسی کی طرف توجہ کی، علم وفن کے دریا بہائے، نادر تحقیقات کے اضافے فرمائے، زبان وادب کو نیا رخ دیا، اسلامی فکر وفلسفہ کا معیار قائم کیا اور حقانیت کی علامت بن کر پوری علمی دنیا پر پائے دار نقوش ثبت کر گیا۔ اور کیوں نہ ہو، جس کا عالم یہ ہو کہ اکابر اس کی علمی وجاہت پر رشک کریں۔ ہم عصر اور اصاغر محو حیرت واستعجاب رہیں۔ علمی جولانیت، فقہی تدبر، وسعت مطالعہ، بلندی فکر، بے مثال قوت حافظہ، زبردست قوت استدلال یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے فرد واحد میں جمع کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ارباب نظر نے انھیں اللہ کی نشانی کہا۔ ہم عصر علما نے انھیں رسول کونین کا معجزہ قرار دیا۔ کسی نے مجدد اعظم کہا۔ کسی نے اعلیٰ حضرت کہا۔ کسی نے امام اہل سنت کہا۔

ذہن وفکر میں تخیلات نہیں نصوص کے سربستہ اسرار ڈھلتے تھے۔ دل میں عشق رسالت کا سمندر موج زن رہتا تھا۔ نوک قلم سے تحریر نہیں علم وفن کے آبشار پھوٹتے تھے۔ زبان سے الفاظ نہیں، حکمت ودانائی کے پھول جھڑتے تھے۔ تحریر وقلم کے باقیات صالحات تو سیکڑوں ہیں، لیکن ارشادات وفرمودات کا یہی ایک گل دستہ الملفوظ پوری قوم کے لیے ایک تحفہ بھی ہے، ایک دستور العمل بھی۔ ایک پیغام بھی ہے اور ایک امانت بھی۔

امام احمد رضا کی تصنیفات تحقیق کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ دقیق مضامین، استدلالی انداز بیان پر مشتمل تمام تصنیفات پوری دنیا کے لیے عموماً اور اہل سنت کے لیے خصوصاً ایک اہم نصاب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مگر کسی کو تنگی وقت کا گلہ ہے۔ تو کسی کو کثرت کاروافکار کا شکوہ۔ کسی پر مضامین کی دقت بھاری، تو کوئی ذوق مطالعہ سے عاری، لیکن الملفوظ تو ہر ایک کے لیے تحفہ ہے۔ اس سے ہر شخص بہ آسانی اعلیٰ حضرت کے

علمی وفکری فیوض سے بہرہ مند ہوسکتا ہے۔

ملفوظات کی تاریخی حیثیت:

ہر دور میں برگزیدہ شخصیتوں کے فرمودات اور پند ونصائح کو ان کے معتقدین نے آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ کرنے کی کوشش کی۔ کیوں کہ بزرگوں کے فرمودات بڑے معنی خیز اور موثر ہوتے ہیں۔ ان کے جملے دل کی گہرائی میں اترتے ہیں اور دیرپا اثر چھوڑ جاتے ہیں۔ اگر چہ وہ بہ ظاہر ایک سادہ سا جملہ ہو جس کے اندر زیادہ معنویت بھی نہ ہو، مگر وہی جملہ اگر کسی اللہ والے کی زبان فیض ترجمان سے ادا ہوجائے تو قوم کی تقدیر بدلنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ کیوں کہ ؂

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　　گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

صوفیہ وصالحین، سالکین وواصلین، اور عارفین ومقربین کو باختلاف مراتب اللہ تعالیٰ نے بلند سے بلند تر مقام ومرتبہ سے نوازا ہے۔ یہ بندگان خدا اپنے مقام ومرتبے پر رہتے ہوئے نچلی سطح کی بات نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے کبھی کبھی ان کی بات عقل وفہم سے بالاتر ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کے ملفوظات وفرمودات ہی ان کے افکار ونظریات کے ترجمان ہوتے ہیں۔ لہذا قدرداں عقیدت مند افراد ان فرمودات سے آگاہی اور ان بلند افکار ونظریات سے آشنائی کے مشتاق ہوتے ہیں۔ اسی لیے بزرگوں سے قربت رکھنے والوں نے اپنے مرشد ومقتدیٰ کی تعلیمات کو آئندہ نسلوں میں منتقل کرنے کے لیے ان کے ملفوظات کو محفوظ رکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔

بزرگوں کے ملفوظات ان کے عہدے کے ترجمان ہوتے ہیں۔ ان سے بزرگوں کی زندگی گزارنے کے طریقے معلوم ہوتے ہیں، فکر وخیال کی دینی تربیت ہوتی ہے، شریعت کے آداب معلوم ہوتے ہیں، طریقت کے رموز واسرار واشگاف ہوتے ہیں، معرفت وحقیقت کی راہیں کھلتی ہیں۔ ایک جملے کے حقائق کا خزانہ سمو دینا عارفین کے لیے آسان سی بات ہے۔ اگر وہی جملے، وہی فرمودات جو بزرگوں کی زبان سے نکلے تھے صحیح طور پر ان کے مفہوم معلوم ہوجائیں تو ان کی روشنی میں تلاش حقیقت کا سفر آسان ہوجاتا ہے۔ زندگی کی الجھی ہوئی گتھیاں سلجھائی جاسکتی ہیں۔ حیات وکائنات کے لاینحل مسائل حل کیے جاسکتے ہیں، انفس وآفاق کے حقیقی راز معلوم کیے جاسکتے ہیں۔ اسی اہمیت کے پیش نظر مشائخ اور صوفیۂ کرام کے ملفوظات کی ترتیب وتدوین کا سلسلہ چل پڑا جس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال کی روایتوں کو ہم اس سلسلے کی اساس مان سکتے ہیں۔ تاہم احادیث کی مرکزی حیثیت تشریعی تھی جس کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کے ساتھ آپ کے افعال واعمال اور تقریرات کی بھی پورے اہتمام کے ساتھ روایت کی گئی۔ جب کہ ملفوظات کی حیثیت نصیحت ووصیت، پند وموعظت اور تصوف کے اسرار ورموز سے روشناس کرانے کی ہوتی ہے۔

ملفوظات کا جو کچھ سرمایہ اس وقت ہمارے پاس محفوظ ہے اس میں زیادہ تر مشائخ اور صوفیہ کرام کے ملفوظات ہیں۔ ان میں مبارک وگراں قدر ملفوظات کا جو سرمایہ محفوظ ہے اس کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی ترتیب وتدوین کا آغاز چھٹی ساتویں صدی ہجری میں ہوا جب حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ کے ارشادات ''فیہ ما فیہ'' کے نام سے مرتب کیے گئے، جو ملفوظات کے سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ حالاں کہ ''امالی'' کی تدوین کا سلسلہ بہت قدیم ہے جو ملفوظات ہی کی ایک شکل ہے۔

تاریخی حیثیت سے خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ کے مرتب کردہ ملفوظات "انیس الارواح" برصغیر میں شائع ہونے

والا ملفوظات کا پہلا مجموعہ ہے جس میں حضرت خواجہ غریب نواز نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کے ملفوظات جمع فرمائے ہیں۔ اس کے بعد ترتیب ملفوظات کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ کے ملفوظات آپ کے خلیفۂ خاص حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے "دلیل العارفین" کے نام سے مرتب فرمائے۔ حضرت خواجہ قطب الاقطاب کے ملفوظات آپ کے خلیفۂ خاص حضرت بابا فرید گنج شکر نے "فوائد السالکین" کے نام سے مرتب فرمائے۔ حضرت بابا فرید گنج شکر کے ملفوظات آپ کے مرید و محبّ خاص شیخ المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی نے "راحت القلوب" کے نام سے مرتب فرمائے۔ حضرت بابا فرید کے ملفوظات کا دوسرا مجموعہ "اسرار الاولیا" کے نام سے خواجہ بدر اسحاق قدس سرہ نے مرتب فرمایا...... حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ کے ملفوظات کو آپ کے مرید و خلیفہ حضرت امیر حسن علا سنجری نے "فوائد الفوائد" کے نام سے ترتیب دیا۔ اور آپ کے ملفوظات کا ایک دوسرا مجموعہ "راحت المحبین" کے نام سے آپ کے مرید و خادم خاص خواجہ امیر خسرو نے ترتیب دیا۔ خواجہ محبوب الٰہی کے مرید و خلیفہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہ کے ملفوظات "مفتاح العاشقین" کے نام سے آپ کے مرید خواجہ محبّ اللہ نے ترتیب دیا۔ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ حضرت بندہ نواز گیسو دراز جو گلبرگہ میں آسودۂ خاک ہیں ان کے ملفوظات "جوامع الکلم" کے نام سے مقبولِ انام ہو چکے ہیں۔ سلسلۂ چشتیہ کے ایک اور بزرگ حضرت مخدوم جہانگیر اشرف سمنانی قدس سرہ السامی کے ملفوظات "لطائفِ اشرفی" کے نام سے کافی مقبولیت حاصل کر چکے ہیں، جنھیں ان کے مرید حضرت نظام الدین یمنی ملقب نظام صاحبی الیمنی نے ترتیب دیا ہے۔

خواجہ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ (متوفی ۷۸۲ھ) کے گراں مایہ ملفوظات "معدن المعانی" کے نام سے خواجہ زین بدر عربی نے مرتب فرمائے۔

یہ وہ ملفوظات ہیں جو کافی مقبول و مشہور ہو چکے ہیں۔

متاخرین میں حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ کے ملفوظات تمام ملفوظات میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، جو اس وقت ہمارا موضوع ہے۔ غرض یہ کہ ہمارے پاس ملفوظات کا وہ عظیم سرمایہ ہے جس سے دوسری قومیں محروم ہیں۔ جو ہمارے لیے حقائق کا گنجینہ، شریعت و طریقت کے سربستہ رموز و اسرار کا بیش بہا خزانہ اور مذہبی زندگی کے لیے دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے۔

المفلوظ کا علمی مقام اور اہمیت:

امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز کے ملفوظات کا مجموعہ "الملفوظ" جس کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کے شہزادے مفتی اعظم ہند حضور مصطفیٰ رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز نے مرتب فرمایا ہے[1] ملفوظات کے سرمایے میں بڑی اہمیت کا حامل اور اہم ترین اضافہ ہے۔ ملفوظات کا جتنا سرمایہ ہمارے پاس موجود ہے اس میں تصوف اور طریقت و معرفت سے متعلق مواد زیادہ ہے، مگر اس باب میں الملفوظ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس میں طریقت و معرفت کے آداب اور تصوف و سلوک کے رموز و اسرار کے ساتھ ساتھ شریعت کی بھرپور تعلیمات بھی موجود ہیں۔ اس میں جابجا اصولی و فروعی مسائل میں نقلی دلائل کے ساتھ عقلی دلائل بھی پیش کیے گئے ہیں۔ جابجا بزرگوں کے واقعات و حکایات، ذاتی تجربات و مشاہدات اور اہم معلومات درج ہیں۔ بہت سارے ان پیچیدہ سوالات کے جوابات ہیں جو علوم و فنون سے اشتغال رکھنے والوں کے ذہن میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ "الملفوظ" عامۃ المسلمین کے لیے بھی نفع بخش اور دلچسپ ہے اور

خواص کے لیے بھی علمی و دینی ذوق وطلب کی تسکین کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ الملفوظ میں علم قرآن وتفسیر بھی ہے اور علم حدیث بھی، فقہ و فتاویٰ بھی ہیں اور عقائد و کلام کے مسائل بھی، اسلامی فلسفہ وسائنس کے نظریات بھی ہیں اور تصوف وطریقت کی تعلیمات بھی، اکابر ملت اور اسلاف امت کے واقعات بھی ہیں اور نئی نسلوں کے لیے پند و موعظت بھی، جا بہ جا طبیعیات و الٰہیات کی بھی بحثیں ہیں غرض کہ حضور مفتی اعظم ہند نے حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ سے علم وادب کے گراں قدر موتیوں کو چن چن کر ایک ہار بنایا اور قوم کے گلے میں ڈال دیا، یا حکمت و تدبر کے رنگا رنگ پھولوں کا ایک گلدستہ سجا کر نئی نسل کو پیش کیا ہے۔

الملفوظ کی ثقاہت :

ملفوظات کی ثقاہت کا دارو مدار تمام تر راوی کی ثقاہت پر ہے۔ اگر راوی ثقہ ہے تو اس کی روایت بھی مستند اور معتمد مانی جاتی ہے اور راوی کی ثقاہت مشکوک ہو تو روایت کی اعتباریت اسی حیثیت سے گھٹتی جاتی ہے۔ ظاہر ہے حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ (مرتب الملفوظ) کی ثقاہت میں کس کو شک ہو سکتا ہے۔ ان کا زہد و تقویٰ اور دیانت داری ایک مسلّم امر ہے۔ نیز ان کی علمی وجاہت، دقیقہ سنجی، نکتہ رسی، ژرف نگاہی، وسعت مطالعہ اور زبردست قوت حافظہ کی پوری قوم معترف ہے۔ لہٰذا حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی مرتب الملفوظ میں شک کی کوئی گنجائش نہیں بل کہ یہ اعتماد و استناد کے بلند درجہ پر فائز ہے۔ لیکن بعد میں حضور مفتی اعظم کی مرتبہ الملفوظ کی جن لوگوں نے نقلیں لیں اور پھر ان نقلوں سے بعد والوں نے کتابت کروائی اس میں کتابت کی بہت سی غلطیاں در آئیں۔ جن میں یا تو احتیاط سے کام نہیں لیا گیا یا غلطیوں کی اصلاح پر توجہ نہیں ہوئی۔

ایک پرانے نسخے میں بعض مقامات پر حواشی سے ناقل سے سہو اور عبارت چھوٹ جانے کا واضح اشارہ ملتا ہے۔ مثلاً، رضوی کتب خانہ بہاری پور بریلی سے شائع ہونے والے نسخے میں ایک جگہ حاشیہ پر ہے۔

یہاں بھی عبارت میں سقط معلوم ہوتا ہے، اصل ندارد ہوگئی۔ (حاشیہ ص: ۷۰ چہارم مطبوعہ رضوی کتب خانہ بہاری پور بریلی)

چہارم صفحہ ۶۷ کی اس عبارت پر:

> "ہر عاقل کے نزدیک اس کا جواب نفی میں ہوگا اور اس کا جواب معاذ اللہ اثبات میں ہوگا کہ ہزاروں سے زائد خالق خدا کے سوا موجود ہیں جو اپنے افعال کے خود خالق ہیں، معاذ اللہ۔"

یہاں یہ حاشیہ درج ہے:

> "تناقض ہوا اور تناقض عیب اور اللہ عزوجل ہر عیب سے پاک، تو غالباً یہاں یہ اور عبارت ہے جو ناقل سے رہ گئی، اصل" باقی نہ رہی۔"

نیز چہارم ص ۶۶ پر اس عبارت پر "تھا اور ہے اور رہے گا" یہ سب زمانے پر دلالت کرتے ہیں اور وہ زمانے سے پاک" حاشیہ میں یہ درج ہے۔

> "یہاں کچھ اور عبارت معلوم ہوتی ہے، اصل باقی نہیں، ناقل صاحب نے جو نقل کی اس میں کچھ چھوڑ دیا، اصل دیمک نے ختم کردی" (ایضاً ص ۶۶)[۴]

اس سے اندازہ ہوا کہ امام احمد رضا کے ملفوظات کے ساتھ وہ اعتنا نہیں کیا گیا جو ہونا چاہیے تھا۔ اس سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ

جو غلطیاں در آئیں ان سے صاحب ملفوظات کا کوئی تعلق نہیں۔

حضور مفتی اعظم کی بارگاہ کے بعض فیض یافتہ علما سے احقر نے سنا کہ حضور مفتی اعظم بعد والے نسخوں میں نقل و کتابت کی غلطیوں پر ناراضی ظاہر فرماتے تھے۔اور فرماتے کہ نہ جانے کیسے چھپوادیا ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعد میں چھپوانے والوں نے احتیاط سے کام نہیں لیا۔جس کی وجہ سے اب تک چھپنے والے نسخوں میں کتابت کی غلطیاں رہ گئیں۔

متعدد نسخوں سے مقابلے کے بعد راقم کو شدید احساس ہوا کہ بعد والوں نے الملفوظ میں کہیں کہیں تصرف بھی کیا ہے۔اس کی ایک مثال یہ ہے۔

> ایک بار عبد الرحمٰن قاری کہ کافر تھا اپنے ہم راہیوں کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں پر آپڑا چرانے والے کو قتل کیا اور اونٹ لے گیا۔اسے قراءت سے قاری نہ سمجھ لیں بل کہ بنی قارہ سے تھا۔ (حصہ دوم، صفحہ ۷۴ سطر ۸)

خط کشیدہ عبارت نہ اعلیٰ حضرت کا ارشاد ہے نہ حضور مفتی اعظم کی توضیح، بل کہ یہ سراسر کسی کا تصرف ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ آگے جو تفصیلی واقعہ اعلیٰ حضرت نے بیان فرمایا ہے وہ مشکوۃ شریف میں صفحہ ۳۴۸ پر اجمالاً اور مسلم شریف ثانی ص، ۱۱۴ پر تفصیلاً موجود ہے۔جس میں "عبد الرحمٰن فزاری" درج ہے نہ کہ "عبد الرحمٰن قاری۔" کتابت یا نقل کی غلطی سے "فزاری" "قاری" ہو گیا۔قاری چوں کہ قرآن کا علم رکھنے والے کو کہا جاتا ہے۔اور ایک کافر پر اس کا اطلاق غیر موزوں محسوس ہوا، اس لیے ناقل کو خط کشیدہ عبارت بڑھانی پڑی، صاحب ملفوظ اس سے بری ہیں۔اس توضیح کے بعد اس کے متعلق مخالفین کا اعتراض بیجا اور بے محل ہو گیا جس کے جواب کی کوئی ضرورت نہیں۔

نیز حصہ اول ص ۶۴ پر اہرام مصر کی تعمیر کے بارے میں ہے۔

> "حضرت آدم علیہ السلام سے چودہ ہزار برس پہلے کی تعمیر ہے۔"

خط کشیدہ عبارت یا تو اضافہ ہے یا اس مقام پر کچھ عبارت حذف ہو گئی ہے۔کیوں کہ آگے کی تفصیلات "آدم علیہ السلام" کی تخلیق سے چھ ہزار برس پہلے کی تعمیر ثابت کر رہی ہیں نہ کہ چودہ ہزار برس پہلے کی۔لہذا عبارت یوں ہونا چاہیے "آج سے چودہ ہزار برس پہلے کی تعمیر ہے" یا صرف "چودہ ہزار پہلے کی تعمیر ہے"۔تفصیلات اسی مقام پر ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

اس طرح کے تصرف کی اور مثالیں بھی دی جا سکتی ہیں۔

مخالفین کے اعتراضات:

جب سے امام احمد رضا بریلوی نے علماے دیو بند کی تحریروں سے ان کے باطل عقائد کی نقاب کشائی فرمائی اسی وقت سے علماے دیو بند اور ان کے پیروکاروں نے امام احمد رضا قدس سرہ کی طرف منسوب کتابوں میں نقائص تلاش کرنے شروع کر دیے۔ان کی تصنیفات میں کوئی نقص نکال کر ثابت کرنا آسان نہ تھا لہذا انھوں نے مجموعۂ ملفوظات کو اپنی عیب جوئی اور تنقید کا خاص نشانہ بنایا۔ہر چند کہ اعلیٰ حضرت بات پورے وثوق و اعتماد سے ہی فرماتے تھے اور مفتی اعظم کی روایت و درایت پر بھی کسی قسم کا شبہہ نہیں کیا جا سکتا، تاہم مختلف جہتوں سے جائزہ لیا جائے تو استناد و اعتماد میں تصنیف و تحریر کے مقابلے میں ملفوظات کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ الملفوظ کا سال تالیف ۱۳۳۸ھ ہے اور سال اشاعت معلوم نہیں۔ ۱۳۴۰ھ میں اعلیٰ حضرت کا وصال ہو گیا، مولانا شہاب الدین نے اپنے مضمون ''الملفوظ کا مقام و مرتبہ'' میں لکھا ہے کہ ''الملفوظ کے بعض حصے اس وقت کے بعض رسائل مثلاً تحفہ حنفیہ اور ''ماہنامہ الرضا'' وغیرہ میں قسط وار شائع ہوتے رہے۔'' پھر بعد میں انھیں مکمل کتابت کر کے شائع کیا گیا، جس میں قلت احتیاط کا شکوہ بے جا نہیں۔ نیز نسخوں سے نسخے نقل اور کتابت کیے جاتے رہے لہٰذا کتابت کی غلطیاں بجائے کم ہونے کے جدید نسخوں میں بڑھتی رہیں۔ نتیجۃً مخالفین کو زبان درازی کا موقع مل گیا۔

الملفوظ کی عبارتوں پر مخالفین کے بہت سارے اعتراضات سامنے آئے ہیں۔ جن میں کچھ کا جواب ضمیمہ کے طور پر ایک ایڈیشن کے آخر میں شامل ہے جس کے بارے میں واضح نہ ہو سکا کہ کس کی کوشش ہے۔ کچھ کا جواب شارح بخاری مفتی شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ نے دیا جو ''التحقیقات'' اور مختلف مضامین میں شائع ہوئے۔ اور بھی لوگوں نے جوابات دیے ہیں۔

دراصل اعلیٰ حضرت کے ملفوظات پر اعتراض کر کے مخالفین کا مقصد یہ ہے کہ اہل سنت کو دفاعی پوزیشن میں رکھا جائے۔ اس کا تحقیقی جواب دینے کے بجائے الزامی جواب کافی ہے، کیوں کہ عام طور پر معترض کم علم اور کوتاہ فہم لوگ ہی ہوتے ہیں۔ ورنہ بے جا اعتراض تو کسی کی عبارت پر کیا جا سکتا ہے۔ اعتراض کرنے والے قرآن پر بھی اعتراض کر رہے ہیں۔ لیکن ہر مکتب فکر میں سنجیدہ طبقہ ضرور ہوتا ہے جو اس رائے سے اتفاق کرے گا کہ کوئی متبحر عالم کچھ بیان کر رہا ہے تو وہ بات بے بنیاد نہیں ہوگی، یہ اور بات ہے کہ اوروں کی رسائی وہاں تک نہ ہو سکے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ عدم وجدان وجدان عدم نہیں۔ محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کوئی حدیث اگر نہیں مل رہی ہے تو یہ نہ کہے کہ یہ حدیث نہیں، بل کہ اپنی لاعلمی ظاہر کرے، کیونکہ حدیث کی تقریباً ساڑھے تین سو کتابیں ہیں۔ امام ابن ہمام نے بھی فتح القدیر میں مختلف مقامات پر یہ افادہ فرمایا ہے۔ آج کے لوگوں کا حال یہ ہے کہ دس بارہ متداول کتب حدیث میں دیکھا نہیں ملی تو انکار کر دیا۔ یہ سخت جرأت ہے، اس سے پرہیز چاہیے۔ علم حدیث میں اعلیٰ حضرت کی وسعت مطالعہ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی تصنیفات و فتاویٰ میں درج کی گئی احادیث کا مجموعہ تیار کیا گیا ہے۔ جو مولانا محمد حنیف صاحب کی انتھک کوششوں سے تخریجات کے ساتھ جامع الاحادیث کے نام سے دس ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔

اس مقام پر پروفیسر مسعود احمد کی کتاب ''محدث بریلوی'' کا یہ اقتباس بالکل برمحل ہے۔

امام احمد رضا سے جب دریافت کیا گیا:

آپ نے حدیث شریف کی کون کون سی کتابیں درس کی ہیں؟ تو آپ نے جواباً مندرجہ ذیل کتب حدیث کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

> ''مسند امام احمد و موطا امام محمد و کتاب الآثار امام محمد و کتاب الخراج امام ابو یوسف و کتاب الحج امام محمد و شرح معانی الآثار امام طحاوی، موطا امام مالک و مسند امام شافعی و مسند امام محمد و سنن دارمی و بخاری و مسلم و ابو داؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و خصائص نسائی و، منتقی الجارود و علل متناہیہ و مشکوٰۃ، جامع کبیر و جامع صغیر و ذیل جامع صغیر و منتقی ابن تیمیہ و بلوغ المرام و عمل الیوم و اللیلۃ ابن السنی و کتاب الترغیب خصائص کبریٰ و کتاب الفرج بعد الشدت و کتاب الاسما والصفات وغیرہ پچاس سے زائد کتب حدیث میرے درس و تدریس و مطالعہ میں رہیں۔ (اظہار الحق الجلی، ص: ۲۴-۲۵ بحوالہ محدث بریلوی، ص: ۶-۷)

امام احمد رضا کی تحریروں پر مخالفین کا ایک گروہ شبانہ روز تحقیق اور ریسرچ کرنے کے بعد اپنی کوئی نئی اور انوکھی دریافت منظر عام پر لاتا ہے اور بڑے اعتماد کے ساتھ کہتا ہے کہ یہ بات کہیں نہیں۔ جب علماے اہلِ سنت کی طرف سے اس کا صحیح حوالہ پیش کر دیا جاتا ہے تو مخالفین پھر اس سلسلے کا دوسرا شگوفہ چھوڑتے ہیں اور علماے اہلِ سنت اس کے حوالہ کی تلاش میں سرگرم ہو جاتے ہیں۔ بالآخر دوسرے کا بھی حوالہ دیا جاتا ہے تو مخالفین خاموشی کے ساتھ کسی تیسرے فتنے کی تیاری میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ سلسلہ رکنے والا نہیں۔ ہاں، مخالفین کے سنجیدہ افراد سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ مولوی محمد تقی عثانی نے ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کی طہارت ونجاست کے بیان میں درس ترمذی میں بیان کیا ہے کہ:

"حضرت گنگوہی نے الکوکب الدری میں اس مقام پر فرمایا کہ اس حدیث کے بعض طرق میں یہ تصریح ہے کہ جب ان کی اہلیہ سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا وہ مویشی چرایا کرتے تھے اور ان کے ابوال سے تحرز نہیں کرتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ کی وفات کے واقعہ میں اہلیہ سے پوچھنے کا یہ قصہ احقر کو حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملا، لیکن حضرت گنگوہی نے اسے بڑے وثوق کے ساتھ نقل کیا ہے۔" (درس ترمذی، جلد:۱، ص:۲۹۰)

حضرت سعد بن معاذ کے بارے میں گنگوہی صاحب نے جو کچھ تحریر کیا اسے علمِ حدیث میں درک وشغف رکھنے والا تلاش بسیار کے باوجود نہیں پا سکا تو گنگوہی صاحب کی اس تحریر کے بارے میں کیا کہا جائے؟

اعتراف حقیقت :

امام احمد رضا کا محقق ہونا جانب دار اور غیر جانب دار ارباب فکر و دانش کے نزدیک مسلم امر ہے۔ چناں چہ شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں:

"ہندوستان کے دورِ آخر میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔" (امام احمد رضا: اربابِ علم ودانش کی نظر میں۔ ص: ۹۴)

دیوبندی مکتبِ فکر کے مولانا شبیر احمد عثانی لکھتے ہیں:

"مولانا احمد رضا خاں کو تکفیر کے جرم میں برا کہنا بہت ہی برا ہے، کیوں کہ وہ بہت بڑے عالمِ دین اور بلند پایہ محقق تھے۔" (رسالہ ہادی دیوبند، ص:۲۰، ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ بحوالہ معارف رضا، شمارہ یازدہم ۱۹۹۱ء ص: ۲۵۲)

مولانا محمد انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

"مولانا احمد رضا خاں صاحب کی تحریریں شستہ اور مضبوط ہیں، جسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مولوی احمد رضا صاحب ایک زبردست عالمِ دین اور فقیہ ہیں۔" (رسالہ دیوبند، ص:۲۱، جمادی الاول ۱۳۳۰ھ بحوالہ معارف رضا، شمارہ یازدہم ۱۹۹۱ء ص: ۲۵۳)

مولانا محمد شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

"مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی جو اپنے عقائد میں سخت ہی متشدد ہیں مگر اس کے باوجود مولانا صاحب کا علمی شجرہ اس قدر بلند درجہ کا ہے کہ اس دور کے تمام عالمِ دین اس مولوی احمد رضا خاں صاحب کے سامنے کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔" (رسالہ الندوہ، ص:۱۷، اکتوبر ۱۹۱۴ء بحوالہ معارف رضا، ۱۹۹۱ء ص: ۱۵۴)

مولوی ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں:

"وہ نہایت ہی کثیر المطالعہ، وسیع المعلومات اور متبحر عالم تھے، رواں دواں قلم کے مالک اور تصنیف و تالیف میں جامع فکر کے حامل تھے۔ فقہ میں ان کی نظیر مشکل سے ملے گی۔" (ملخصاً نزہۃ الخواطر، ۸/ ۴۰-۴۱)

جس کی محققانہ شخصیت اس قدر مسلم ہو کہ اس کی عبارتوں پر کیے گئے اعتراضات پر مولوی اشرف علی تھانوی کا یہ بیان حد درجہ موزوں اور برمحل ہے:

"ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اعتراض کرنا کون سا مشکل کام ہے، زبان ہی تو ہلانی پڑتی ہے، تحقیق کا درجہ مشکل ہے، اسی لیے محقق پر سیکڑوں اعتراضات ہوتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کی نظر تمام جوانب پر ہوتی ہے اور غیر محقق کی صرف ایک بات پر ہوتی ہے، سو مختلف جوانب کو جمع کرنا کس قدر مشکل ہے۔" (الافاضات الیومیہ فی الافادات القومیہ، ج: ۷، ص: ۱۹۷، ملفوظ نمبر: ۲۹۶)

اعتراضات کے کچھ نمونے :

صرف المفلوظ پر کیے گئے اعتراضات کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے بھونڈے اعتراضات خود اپنی حالتِ زار واضح کر رہے ہیں، انھیں پڑھتے وقت ایک عام آدمی کو بھی حیرت ہوگی کہ اعلیٰ حضرت کی عبارتوں پر اعتراض کرتے وقت علماے دیوبند کا انداز بیان اور طرز استدلال کہاں چلا جاتا ہے! ان کا جواب تو ایک اوسط درجے کا مقرر بھی بخوبی دے سکتا ہے۔ ذیل میں ہم قدرے تجزیہ کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت ایک مقام پر انبیا علیہم السلام کی حیات برزخیہ کے متعلق سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

"ارشاد: انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حیات حقیقی حسی دنیاوی ہے، ان پر تصدیق وعدۂ الٰہیہ کے لیے محض ایک آن کو موت طاری ہوتی ہے پھر فوراً ان کو ویسے ہی حیات عطا فرمادی جاتی ہے، اس حیات پر وہی احکام دنیویہ ہیں، ان کا ترکہ بانٹا نہ جائے گا، ان کی ازواج کو نکاح حرام، نیز ازواج مطہرات پر عدت نہیں، وہ اپنی قبور میں کھاتے پیتے نماز پڑھتے ہیں، بل کہ سیدی محمد عبد الباقی زرقانی فرماتے ہیں کہ انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں، وہ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔ (المفلوظ، حصہ سوم، ص: ۳۰)

اس پر ایک دیوبندی کا تبصرہ ملاحظہ کریں:

"اس میں کس قدر انبیا کی تذلیل کی ہے، اور ان کو خواہش پرست قرار دیا ہے۔" (بریلوی مسلک کی حقیقت، ص: ۶۰)

آگے حاشیہ میں درج ہے:

"واضح رہے کہ احمد رضا خاں صاحب نے بغیر کسی دلیل کے اس قول کو نقل فرما کر اس کی تقریر و توثیق فرمائی ہے کہ نعوذ باللہ انبیا علیہم السلام قبور میں ازواج سے شب باشی کرتے ہیں" کس قدر حیا سوز اور شرمناک بات ہے کہ امہات المومنین اور انبیا علیہم السلام کی شان میں ایسی بات بلا دلیل کہہ دی جائے، کسی بیٹے کے لیے تو اپنی ماں کے بارے میں اس قسم کی کھلی بات گوارا نہیں کی جاتی چہ جائے کہ امہات المومنین اور سید الانبیا کی بابت ایسی بے باکی سے لب کشائی کی

جائے۔(ایضاً)

حالاں کہ یہی بات زرقانی میں درج ہے:

"نقل السبکی فی طبقاته عن ابن فورك انه علیه السلام حی فی قبره علی الحقیقة لا المجاز یصلی فیه باذان واقامة. قال ابن عقیل و یضاجع ازواجه ویتمتع بهن اکمل من الدنیا و حلف علی ذلك وهو ظاهر ولا مانع عنه. (بحوالہ تحقیقات اول، ص:۱۳۴)

یعنی علامہ سبکی نے طبقات میں ابن فورک سے نقل کیا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی قبر میں حقیقۃً زندہ ہیں نہ کہ مجازاً۔ اس میں اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ابن عقیل نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔ اور انھوں نے اس پر قسم بھی کھائی اور یہ ظاہر ہے، جس سے کوئی مانع نہیں۔

اس قسم کے ارشادات جو اکابر کی تحریروں سے ماخوذ ہیں ان پر اعتراض امام احمد رضا پر اعتراض نہیں بل کہ اسلاف و اکابر پر اعتراض ہے۔ نیز اس سے معترضین کی عجلت پسندی اور کم علمی کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اگر انھیں پہلے سے علم ہوتا کہ یہ بات کہاں سے ماخوذ ہے اور کس کا فرمان ہے تو اعتراض کی جرأت نہ کرتے۔

دراصل انبیا کرام کی حیات بعد وفات کے حسی حقیقی دنیوی ہونے پر علمائے اہلِ سنت کا اجماع ہے۔ (ملاحظہ ہو حیات النبی للبیهقی) لہٰذا ان کی وفات کے بعد بھی ان کی ازواج ان کے نکاح میں باقی رہتی ہیں، اس لیے ازواج مطہرات سے پوری زندگی کسی کا نکاح نہ ہوگا۔ لہٰذا جب صورت حال یہ ہے کہ وفات کے بعد بھی انبیا کی حیات حسی حقیقی ہے اور ان کی ازواج ان کے نکاح میں باقی رہیں تو قبر میں انھیں معیت حاصل ہو تو کیا حرج ہے......؟ کیا "شب باشی" (یضاجع ازواجه) اولا مستم النساء" کے مثل وطی سے کنایہ ہے؟ اور اگر ہو تو کیا قباحت ہے؟ کیا حضور نے نکاح نہ کیا......؟ کیا حضور کی اولاد نہ ہوئی......؟ اگر یہ شبہہ ہو کہ بعد وفات یہ امر درست نہ ہو تو سوال یہ ہے کہ بقائے نکاح کی تقدیر پر قبل وفات جو چیز حلال تھی بعد وفات وہ حرام ہوگی؟ یا زوجیت کے باوجود ان کی طرف انتساب حرام ہوگا......؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ جنت تو قبر سے بھی زیادہ مقدس اور اعلیٰ وارفع جگہ ہے، کیا وہاں ازواج کے ساتھ مباشرت نہ ہوگی؟ کیا قرآن و حدیث کے اندر صاف صاف لفظوں میں ازواج سے قربت کا جو بیان ہے وہ سب افسانہ ہے؟ کیا دیوبندیوں کا عقیدہ اس بارے میں وہی ہے جو نیچریوں کا ہے؟؟ بولیں اور صاف بولیں!

معترضین کی عجلت پسندی:

یہ بات بالکل واضح ہے کہ مخالفین نے جذبۂ عداوت میں اعتراض کرنے میں بڑی عجلت سے کام لیا ہے۔ امام احمد رضا کی کسی عبارت کے خلاف کہیں کوئی عبارت کسی بیئت میں ملی اس کے سہارے فوراً اعتراض جڑ دیا، اور یہ بھی غور نہ کیا کہ جو اعتراض کیا جارہا ہے وہ واقعۃً اس پر وارد ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ جو معنی بتائے جارہے ہیں، اس کا اس میں احتمال بھی ہے یا نہیں......؟

پہلی مثال:

گزشتہ صفحات میں گزرا کہ الملفوظ میں جس عبدالرحمن فزاری کا واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ کتابت کی غلطی سے عبدالرحمن فزاری کے بجائے عبدالرحمن قاری ہو گیا، تو اس پر "مقدس صحابی رسول کی تکفیر" ہیڈنگ لگا کر لکھا کہ "احمد رضا نے ایک صحابی رسول جن کا نام عبدالرحمن

قاری ہے ان کی تکفیر کی ہے۔'' اور دلیل کے طور پر اسد الغابہ، تقریب اور تہذیب کے حوالہ سے عبد الرحمن قاری کے بجائے عبد الرحمن ابن عبد القاری کا نام پیش کیا ہے۔ (بریلی مسلک کی حقیقت، ص:۵۹)

دوسری مثال:-

قبر میں منکر نکیر کے سوال کے تعلق سے اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

''اس کے بعد سوال کرتے ہیں ماتقول فی هذا الرجل ؟ ان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اب نہ معلوم کہ سرکار خود تشریف لاتے ہیں یا روضۂ مقدسہ سے پردہ اٹھادیا جاتا ہے، شریعت نے کچھ تفصیل نہ بتائی اور چوں کہ امتحان کا وقت ہے اس لیے هذا النبی نہ کہیں گے هذا الرجل کہیں گے۔

اس پر ایک دیوبندی مولوی کا یہ ریمارک پڑھیے:

''هذا النبی نہ کہیں گے'' یہ بات بھی خان صاحب کے غیر محقق ہونے کی دلیل ہے ورنہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ قبر میں "من نبیک" کہہ کر بھی سوال کرتا ہے۔ چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں ''لفظ مصابیح ایں چنیں است اذا قیل له من ربك وما دینك ومن نبیك چوں گفتہ می شود او را کیست پروردگار تو، چیست دین تو، وکیست پیغمبر تو۔'' (اشعۃ اللمعات، ج:۱، ص:۱۲۴)
(رضاخانیت کے علامتی مسائل، ص:۱۹)

دراصل مشکوۃ شریف میں حضرت انس کی روایت میں ہے کہ منکر نکیر "ماکنت تقول فی هذا الرجل" کہہ کر سوال کریں گے، اور یہی الفاظ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں بھی ہیں۔ (مشکوۃ شریف، ص:۲۴-۲۵، و بخاری شریف اول، ص:۱۸۴) اور حضرت براء بن عازب کی روایت میں ہے کہ سوال یوں ہوگا: ما هذا الرجل الذی بعث فیکم (مشکوۃ شریف، ص:۲۵)

غرض کہ کسی روایت میں ماتقول فی هذا النبی وارد نہیں ہوا۔ لہٰذا اگر امام احمد رضا نے اس کی توجیہ یہ فرمائی کہ چوں کہ یہ امتحان کا وقت ہے اس لیے هذا النبی نہ کہیں گے، هذا الرجل کہیں گے، تو یہ توجیہ روایتوں کے خلاف نہیں بل کہ ان کے مطابق ہے۔ ہاں شیخ محقق نے جو فرمایا کہ مصابیح کے الفاظ اس قسم کے ہیں اذا قیل له من ربک وما دینک ومن نبیک تو عرض ہے کہ اولاً شیخ محقق نے مصابیح کے الفاظ کا جو حوالہ دیا ہے اس کے لیے ''ایں است'' کے بجائے ''ایں چنین است'' فرمایا، جس سے بعینہ الفاظ کے عدم ثبوت کا اشارہ ملتا ہے۔ ثانیاً: اگر ثابت بھی ہو تو اتنا ہوگا کہ فرشتے ومن نبیک کہہ کر سوال کریں گے۔ اور اعلیٰ حضرت نے اس کی نفی نہیں کی، آپ نے هذا النبی کی نفی کی ہے۔ هذا النبی اور من نبیک میں فرق آگے آتا ہے۔ ثالثاً: اعلیٰ حضرت نے جو وجہ بیان فرمائی ہے وہ آزمائش وامتحان ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ چوں کہ آزمائش مقصود ہے اس لیے اگر یوں سوال کیا جائے کہ "ماتقول فی هذا النبی" تو مخاطب نفسِ سوال سے سمجھ جائے گا کہ یہ نبی ہیں۔ اور جواب دینا اس کے لیے مشکل نہ ہوگا، برخلاف اس کے اگر "ما تقول فی هذا الرجل" کہا جائے تو مخاطب نفس سوال سے یہ نہ سمجھ پائے گا کہ جس آدمی کے بارے میں پوچھا جارہا ہے وہ نبی ہے یا نہیں؟ اس لیے جواب اسی وقت دے سکے گا جب کہ وہ پہلے سے صاحبِ ایمان ہو۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ اگر کسی روایت سے یہ ثابت ہو جائے کہ "من نبیک" کہہ کر سوال کیا جائے تو اس سوال سے بھی مقصود امتحان فوت نہ ہوگا۔ معمولی عربی داں جانتا ہے کہ "من نبیک" (تمہارا نبی کون

ہے؟) کے سوال سے نبی کی تعیین نہیں ہو سکے گی کہ مخاطب سوال سے جواب اخذ کر لے، برخلاف "ماتقول فی هذا النبی" کے، کہ اس سوال سے ہی جواب مستفاد ہو سکتا ہے۔ تو "ما تقول فی هذا النبی" کی نفی اور "من نبیک" کے ثبوت میں تنافی کہاں ہے؟

خلاصہ یہ کہ نبی کی جانب اشارہ کیے بغیر اور نبی کا نام بتائے بغیر کسی سے پوچھا جائے، تیرا نبی کون ہے؟ تو اس سوال میں ضرور اس کا امتحان ہے۔ اس کے بعد نبی کی جانب صاف اشارہ کر کے اگر یوں کہا جائے؛ تو اس مرد کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ تو یہ سوال اب بھی اس کے لیے امتحان ہے۔ ہاں اگر یوں پوچھیں کہ اس "نبی" کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ تو سوال کے ساتھ جواب بھی بتا دیا گیا۔ امتحان کیا رہا؟ یہ فرق ایک عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ معترضین کی عقل عداوت کے نشے میں غائب نہ ہوتی تو وہ ایسا اعتراض لکھنے کی جرأت ہی نہ کرتے۔

تیسری مثال :

اس قسم کے اعتراض کی تیسری مثال یہ ہے:

زندگی میں ہی اپنی قبر تیار کرنے کے تعلق سے سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

> ارشاد: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما تدری نفس بای ارض تموت کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا؟ قبر تیار رکھنے کا شرعاً حکم نہیں، البتہ کفن سلوا کر رکھ سکتا ہے کہ جہاں کہیں جائے اپنے ساتھ لے جائے اور قبر ہمراہ نہیں رہ سکتی۔ (الملفوظ، حصہ اول، ص:۶۷)

اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ عالمگیری میں مسئلہ اس کے برخلاف ہے۔ من حفر قبراً لنفسه فلا باس به ویؤجر علیه کذا فی التتار خانیه (عالم گیری اول، ص:۱۶۶) اور تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اس سلسلے میں جو مسئلہ محققہ ہے وہی امام احمد رضا نے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ در مختار میں ہے:

> ویحفر قبراً لنفسه وقیل یکره و الذی ینبغی ان لا یکره تهیئة نحو الکفن بخلاف القبر۔
>
> یعنی: اپنے لیے قبر تیار کی جا سکتی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے اور مناسب یہ ہے کہ کفن جیسی چیزوں کو تیار کر لینے میں کوئی کراہت نہیں برخلاف قبر کے۔

اس کے تحت شامی میں و الذی ینبغی پر ہے:

> کذا قاله فی شرح المنیة ، وقال: لأن الحاجة الیه متحققة غالباً بخلاف القبر ، لقوله تعالیٰ وما تدری نفس بأی أرض تموت
>
> (شامی جلد ثالث، ص:۱۵۴، مطبع زکریا بک ڈپو، دیوبند)
>
> یوں ہیں (یعنی قبر کے بجائے کفن وغیرہ اپنے لیے تیار رکھنا) شرح منیۃ المصلی میں ہے اور فرمایا کہ بسا اوقات کفن جیسی چیزوں کی ضرورت کا پایا جانا متحقق ہے برخلاف قبر کے۔

نحو الکفن بخلاف القبر کہ کر دونوں میں جس فرق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ کفن ایسی چیز ہے جو

قابلِ انتقال ہے اور اسے ساتھ ساتھ رکھا جاسکتا ہے، لیکن قبر کو ساتھ ساتھ رکھا نہیں جاسکتا، ظاہر ہے کوئی کفن تیار کر کے ساتھ رکھے تو جہاں کہیں موت آجائے وہ اس کے کام آسکتا ہے، لیکن قبر تیار کرلے تو دوسری جگہ موت کی صورت میں قبر کی تیاری عبث اور لغو ہوگی، اور قرآن فرماتا ہے کہ کسی کو اپنی موت کا مقام نہیں معلوم۔ اسی لیے فقہ حنفی کے مسائل محققہ مرجحہ پر مشتمل کتاب "بہارِ شریعت" میں ہے:

"مسئلہ: اپنے لیے کفن تیار رکھے تو حرج نہیں اور قبر کھودوا رکھنا بے معنی ہے، کیا معلوم کہاں مرے گا۔ (درمختار)
(بہارِ شریعت ۴/۱۶۰)

رہا تتارخانیہ کے حوالے سے عالم گیری کا مسئلہ اور اس کی تائید میں شامی کا تتارخانیہ سے یہ نقل کرنا "هكذا عمل عمر بن عبد العزيز و الربيع بن خيثم وغيرهما" تو بیانِ مسئلہ میں امام احمد رضا قدس سرہ کے کلمات سے اس کے احتیاط کی عکاسی ہوتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ اس پہلو کو بھی مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ "قبر تیار رکھنے کا شرعاً حکم نہیں۔" ان الفاظ میں اور عالم گیری کے لا باس به میں کوئی تعارض نہیں۔

چوتھی مثال:۔

امام احمد رضا ارشاد فرماتے ہیں:

"جب میرے پیر بھائی برکات احمد کا انتقال ہوا اور دفن کے وقت ان کی قبر میں اترا تو مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پچھلی مرتبہ روضۂ انور کے قریب آئی تھی۔" (الملفوظ، حصہ دوم، ص:۲۵)

اس پر یہ اعتراض کہ احمد رضا صاحب نے اپنے پیر بھائی کی قبر کو روضۂ اقدس کے برابر کردیا۔ اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اور حضور کے روضۂ اقدس کی کھلی توہین ہے۔ (بریلوی مسلک کی حقیقت، ص:۵۴)

وہابیہ اور دیابنہ کے پاس فضائل کو ناپنے کے بہت ہی حساس پیمانے ہیں کسی کی تعریف کو دوسرے کی تعریف سے ذرا سی مناسبت ہوئی کہ برابری ہوگئی۔ رسول کے لیے علم ما کان و ما یکون مانا تو اللہ کے علم سے برابری ہوگئی۔ کسی نیک امتی کی قبر میں وہ خوشبو مل گئی جو روضۂ اقدس کے قریب بھی ملی ہو تو گویا اس قبر کو روضۂ اقدس کے برابر کردیا۔ یہی منطق اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں کی گئی تعریف و توصیف کیوں نہیں چلتی۔ وہاں فضائل ناپنے والے آلے بے حس کیوں ہوجاتے ہیں؟

اعلیٰ حضرت قدس سرہ بارگاہِ رسالت میں ان کی مقبولیت اور ان پر آقایانہ کرم فرماتے ہو سرکار کی تشریف آوری کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں اور خاص اس خوش بو کو تشریف ارزانی کی علامت کے طور پر بیان کررہے ہیں۔ مگر دیوبندی عقل اس سے مساوات اور برابری کا نتیجہ اخذ کررہی ہے۔ یہ لوگ تو رسول کو صاف صاف اپنے جیسا بشر، اپنا بڑا بھائی، یا زیادہ سے زیادہ گاؤں کے زمیں دار اور چودھری کی طرح "تقویۃ الایمان" میں لکھ چکے، جسے پوری برادری چھاپتی، لکھتی پڑھتی اور مانتی چلی آرہی ہے اور اس میں رسول کی کوئی توہین نظر نہیں آتی اور ایک بزرگ کی قبر پر سرکار کی تشریف ارزانی کی وجہ سے امام احمد رضا نے سرکار کی خوشبو پانے کی علامت بیان کردی تو اس میں سرکار کی توہین نظر آنے لگی۔

احادیث و سیرت کی متعدد کتب میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مستفیض ہونے والے متعدد صحابہ میں مشک و عنبر وغیرہ کی خوشبو آتی تھی، مثلاً ایک صحابی کا بیان کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مصافحہ کرلیتا تو سارا دن اپنے ہاتھوں

میں خوشبو محسوس کرتا تھا، جب وہ نور مجسم اپنے دستِ شفقت کسی بچے کے سر پر پھیرتے تو وہ خوشبو کے باعث دوسروں سے پہچانا جاتا تھا۔ (کتاب الشفا للقاضی عیاض مترجم، ص:۱۲۵) ایک عورت کو تھوڑا پسینہ عنایت ہوا، جب کپڑوں میں ملتی، تمام گھر مہک جاتا، یہاں تک کہ لوگ اس کے گھر کو "بیت المطیبہ" کہنے لگے اور کئی پشت تک ان کی اولاد میں خوشبو باقی رہی۔ محمد بن سعید بن مطرب نے خواب میں دیکھا کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے رخسار پر بوسہ دیا، بیدار ہوئے تو تمام گھر مہک رہا تھا اور اس رخسار سے آٹھ دن تک مشک کی خوشبو آتی رہی۔ اور سید قمر الدین اورنگ آبادی خواب میں مصافحہ شریفہ سے مشرف ہوئے، مدت تک مشک کی خوشبو ان کے ہاتھوں سے محسوس ہوتی تھی۔ (الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح، ص:۱۱۴)

حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جس امتی پر جس طرح چاہیں کرم فرمائیں۔ امام احمد رضا کے پیر بھائی حضرت برکات احمد پر یہ کرم فرمایا کہ ان کی قبر میں تشریف لائے یا اپنے روضۂ انور سے خوشبوؤں کی نوازشات فرمائی، خصوصاً ایسے موقع پر جب ماتقول فی ھذا الرجل کے طفیل جلوہ نمائی ہونے والی ہے۔ اس سے امام احمد رضا کے پیر بھائی پر سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عنایت اور ان کی بارگاہِ رسول میں مقبولیت کا پتہ چلتا ہے۔

رہی حضور کی توہین کی بات تو جن کی ساری زندگی شانِ الوہیت و رسالت میں توہین کرتے ہی گزر رہی ہے، ایسے لوگ اگر اعلیٰ حضرت پر توہینِ رسالت کا الزام دھریں تو ان کے لیے ابوالکلام آزاد کا یہ جملہ برمحل ہوگا:

"مولانا احمد رضا خاں ایک سچے عاشقِ رسول ہیں۔ میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ ان سے توہینِ نبوت ہو۔"

(امام احمد رضا اربابِ علم و دانش کی نظر میں، ص:۹۶)

روایت باللفظ یا روایت بالمعنیٰ :

الملفوظ میں کچھ مقامات وہ ہیں جہاں احادیث کریمہ کی عبارتیں درج ہیں جو بہ لفظہٖ حدیث میں نہیں ملتیں بل کہ کچھ تبدیلی کے ساتھ مثلاً خضاب سیاہ کی حرمت پر چھ حدیثیں پیش کی گئی ہیں جن میں پہلی حدیث بحوالہ مسلم شریف یوں درج ہے: "غیروا ھذا الشیب ولا تقربوا السواد" اور مسلم شریف میں یہ حدیث یوں ہے "غیروا ھذا بشیٔ واجتنبوا السواد" دوسری حدیث سنن نسائی کے حوالے سے یوں پیش کی گئی ہے "یاتی ناس یخضبون بالسواد کحو اصل الحمام لا یریحون رائحۃ الجنۃ" (الملفوظ، حصہ دوم، ص:۱۰۳) جب کہ سنن نسائی میں اس کا متن یہ ہے "قوم یخضبون بھذا السواد أخر الزمان کحو اصل الحمام لا یریحون رائحۃ الجنۃ" اس قسم کے لفظی اختلاف کو پیش کر کے تحریف جیسے سنگین الزامات عائد کیے جاتے ہیں۔ ۵

دراصل ملفوظات کی تدوین امالی کی شکل میں نہیں ہوئی تھی کہ اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے اور ساتھ ہی ساتھ املا کیا جاتا ہو، بل کہ یہ مختلف نشستوں کے افادات، یا استفسار کے جوابی ارشادات ہوتے جنھیں اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے سننے کے بعد یادداشت کے سہارے قلم بند کر لیا جاتا۔ صحتِ نقل کی تقدیر پر اس قسم کے فرق کو زیادہ سے زیادہ روایت بالمعنیٰ کا فرق قرار دیا جا سکتا ہے۔ روایت باللفظ کی اہمیت و فضیلت سے انکار نہیں، لیکن روایت بالمعنیٰ ایک متبحر عالم جو نصوص کے معانی کو اچھی طرح سمجھتا ہو، کر سکتا ہے۔ چناں چہ اصولِ حدیث کی کتاب نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

لا یجوز تعمد تغییر المتن ولا الاختصار منہ بالنقص ولا ابدال اللفظ باللفظ

المرادف له العالم بمدلولات الالفاظ وبما يحيل المعانی علی الصحيح. (ص:٦٦)

ترجمہ: حدیث کے متن کو جان بوجھ کر بدلنا اور کلماتِ حدیث میں کمی کر کے اس میں اختصار کرنا اور کسی کلمے کو کسی مرادف کلمے سے بدلنا جائز نہیں مگر اس شخص کے لیے جو الفاظ کے معنی، اور ان تغیرات کو جانتا ہو جن سے معنی بدل جاتے ہیں۔

آگے مزید فرماتے ہیں:

واما الرواية بالمعنی فالخلاف فيه شهير ، الأكثر علی الجواز ايضاً ومن أقوی حججهم الاجماع علی جواز شرح الشريعة للعجم بلسانهم للعارف به فاذا جاز الابدال بلغة أخری فجوازه باللغة العربية أولی وقيل إنما يجوز فی المفردات دون المركبات وقيل إنما يجوز لمن يستحضر اللفظ ليتمكن التصرف فيه وقيل إنما يجوز لمن كان يحفظ الحديث فنسی لفظه وبقی معناه مرتسماً فی ذهنه فله ان يرويه بالمعنی لمصلحة تحصيل الحكم منه بخلاف من كان مستحضراً للفظه. (ص:٦٧)

ترجمہ: روایت بالمعنی کے سلسلے میں اختلاف مشہور ہے۔ اکثر علما اس کے جواز پر ہیں، ان کے مضبوط دلائل میں یہ ہے کہ شریعت کی توضیح وتشریح اہلِ عجم کے لیے ان کی زبان میں جانکار آدمی کے لیے جائز ہونے پر اجماع ہے۔ تو جب دوسری زبان سے بدلنا جائز ہے تو عربی زبان سے بدلنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ متنِ حدیث کے مفردات میں تبدیلی جائز ہے مرکبات میں نہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اس کے لیے جائز ہے جسے لفظ اس طرح مستحضر ہو کہ اس میں تصرف کر سکے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسا اس شخص کے لیے جائز ہے جسے حدیث یاد تھی، پھر الفاظ بھول گیا اور اس کا معنی اس کے ذہن میں باقی ہے تو وہ روایت بالمعنی کر سکتا ہے تا کہ اس سے حکم لے سکے، برخلاف اس کے جسے الفاظ حدیث مستحضر ہوں۔

اس مقام پر محشی مفتی عبداللہ ٹونکی لکھتے ہیں:

قيل ويدل عليه ايضاً رواية الصحابة ومن بعدهم القصة بالفاظ مختلفة ويدل ماروی من حديث عبد الله ابن سليمان الليثی قال قلت يا رسول الله انی اسمع منک الحديث لا استطيع أن أؤديه كما أسمع منک ازيد حرفاً أو أنقص فقال اذا لم تحلوا حراماً ولا تحرموا حلالاً واصبتم المعنی فلا بأس. (ايضاً)

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ صحابہ اور تابعین ایک ہی واقعہ کو مختلف الفاظ سے روایت کرنا اس پر دلیل ہے اور حضرت عبداللہ ابن سلیمان اللیثی کی حدیث بھی اس پر دلیل ہے، فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا: یا

رسول اللہ! میں آپ سے حدیث سنتا ہوں اور جیسی سنتا ہوں ویسی ہی ادا نہیں کر پاتا، کچھ کمی بیشی ہو جاتی ہے تو حضور نے ارشاد فرمایا، اگر تم حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہ کر دو اور مفہوم کی صحیح ادائیگی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

ان اقتباسات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ بیانِ حدیث میں اگر مفہوم نہ بدلا ہو تو روایت بالمعنی پر اعتراض لایعنی اور ذخیرۂ حدیث کے ایک بڑے حصے کو لغو قرار دینے کے مرادف ہے۔

سالِ تالیف و ترتیب:۔

الملفوظ نام سے واضح ہے کہ اس کی ترتیب ۱۳۳۸ھ میں ہوئی اور یہ مختصر سی مدت کے ملفوظات ہیں، جیسا کہ ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو صاحب لکھتے ہیں کہ یہ ملفوظات دو سال کچھ مہینوں کے ہی قلم بند کیے گئے ہیں [۱] اور وہ بھی اعلیٰ حضرت کی حیاتِ طیبہ کے آخری سالوں میں۔ اعلیٰ حضرت نے خود اس کا نام "الملفوظ" رکھا۔ جو اس کی تاریخ تالیف پر مشتمل ہے۔ اور یہ شعر عنایت فرمایا۔

میرے ملفوظ کچھ کیے محفوظ	مصطفیٰ مصطفیٰ کا ہو ملحوظ
نام تاریخی اس کا رکھتا ہوں	زبر و بینہ میں الملفوظ
	۱۳۳۸ھ

اس کا تاریخی نام بھی دلچسپ نوعیت کا ہے، جس کی طرف مذکورہ شعر میں اشارہ کیا گیا ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ جس طرح تاریخی نام ہوتے ہیں اگر "الملفوظ" کے اعداد نکالے جائیں تو (۱۳۳۸) کے بجائے (۱۰۹۷) آتے ہیں لیکن کلمہ "الملفوظ" جو سات حروف پر مشتمل ہے، اس کے ہر حرف کو الگ الگ پورا پورا لکھا جائے تو اس کے اعداد ابجدی جوڑنے سے ۱۳۳۸ آجاتے ہیں مثلاً:

الف	لام	میم	لام	فا	واو	ظا
۱۱۱ +	۷۱ +	۹۰ +	۷۱ +	۸۱ +	۱۳ +	۹۰۱ = ۱۳۳۸

لیکن راقم الحروف کا اندازہ ہے کہ اس میں مختلف عہد کے ملفوظات ہیں، جن کی ترتیب کا کام حضور مفتی اعظم ہند نے ۱۳۳۸ھ میں کیا۔ پہلا عرصہ حضرت علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی کا ہے۔ اندازہ ہے کہ حضرت موصوف ۱۹۱۰ء کے بعد اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ ندوہ کے صدر دوم مولوی سید محمد شاہ صاحب سے ایک مکالمہ بھی حصہ اول میں درج ہے جو ۱۳۱۶ھ میں ہوا۔ دوسرے سفرِ حج ۱۳۲۳ھ کی تفصیلی روداد بھی حصہ دوم میں ہے۔

حواشی

۱۔ اکرام امام احمد رضا ص: ۱۰ پر مفتی محمد برہان الحق جبل پوری کے بارے میں ہے۔ شوال ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں بریلی حاضر ہوئے، دار الافتا میں امام احمد رضا کے ارشادات قلم بند کیے۔ (اکرام امام احمد رضا ص: ۱۰) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند کے علاوہ اور لوگ بھی اعلیٰ حضرت کے ارشادات قلم بند کرتے تھے۔ ہاں اکثر حصہ حضور مفتی اعظم ہند نے ہی زیب قلم کیا ہے۔ جیسا کہ دیباچہ سے سمجھ میں آتا ہے۔

۲۔ واضح رہے کہ یہ تینوں حواشی بھی بعد کے نسخوں میں (جو اس وقت چھپ رہے ہیں) کتابت میں چھوٹ گئے ہیں۔ منہ

۳۔ ۲۵ / اکتوبر ۲۰۰۲ء کو راقم الحروف بریلی شریف حاضر ہوا، جانشین مفتی اعظم ہند تاج الشریعت حضرت علامہ ازہری صاحب قبلہ مدظلہ العالی سے

ملاقات ہوئی۔ عرض کیا کہ وہ کون سا نسخہ ہے جسے حضور مفتی اعظم ہند نے خود شائع کروایا تھا اس پر حضرت موصوف نے لاعلمی ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ بعد والے نسخوں پر حضور مفتی اعظم ہند ناراضگی ظاہر فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ "نہ جانے کیسے چھپوا دیا ہے"۔ حضور محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ مدظلہ نے بھی اس کی تائید فرمائی اور اس سلسلہ میں حضور مفتی اعظم ہند سے اپنے ایک استفسار اور ان کے ارشاد کا بھی حوالہ دیا۔ منہ ۱۲

۴۔ دلھن کے پاؤں دھو کر مکان میں چھڑکنے پر، یوں ہی ایک پیر کا اپنے مرید کے ساتھ ہمہ وقت رہنے سے متعلق امام احمد رضا کے افادات پر اعتراض و جواب کی تفصیلات تحقیقات، تعزیرات وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

۵۔ حالاں کہ اسی کی ایک دوسری مثال یہ بھی ہے۔ "الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ" (ملفوظات حکیم الامت) میں استخارہ کے سلسلے میں مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی تقریباً چھ حدیثیں پیش کی ہیں، جو ملفوظات حکیم الامت جلد دہم ص:۲۵۶ تا ص:۲۵۸ پر درج ہیں۔ ان میں پہلی حدیث بخاری کے حوالے سے یوں درج ہے۔ اذا دعا احدکم فلا یقل اللھم اغفرلی ان شئت ارحمنی ان شئت ارزقنی ان شئت، ولیعزم المسئلۃ انہ یفعل مایشاء لا مکرہ لہ رواہ البخاری (ملفوظات حکیم الامت، جلد دہم، ص:۲۵۶)

حالاں کہ بخاری شریف میں وہ حدیث حضرت انس کی روایت سے یوں ہے: عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دعا احدکم فلیعزم المسئلۃ ولا یقولن اللھم ان شئت فاعطنی فانہ لا مستکرہ لہ۔ (بخاری شریف ثانی، ص:۹۳۸)

اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے یوں ہے: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یقولن احدکم اللھم اغفرلی ان شئت اللھم ارحمنی ان شئت لیعزم المسئلۃ فانہ لا مکرہ لہ۔ (ایضاً)

دوسری حدیث مسلم شریف کے حوالے سے یوں درج ہے: اذا دعا احدکم فلا یقل اللھم اغفر ان شئت ولکن لیعزم المسئلۃ ولیعزم الرغبۃ فان اللہ تعالی لا یتعاظمہ شئ اعطاہ رواہ مسلم (ایضاً، ص:۲۵۷)

جب کہ مسلم شریف جلد دوم ص:۳۴۲ پر وہ حدیث حضرت انس کی روایت میں یوں ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دعا احدکم فلیعزم الدعاء ولا یقل اللھم ان شئت فاعطنی فان اللہ لا مستکرہ لہ۔

اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں یوں ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقولن احدکم اللھم اغفرلی ان شئت اللھم ارحمنی ان شئت لیعزم فی الدعاء فان اللہ صانع ماشاء ولا مکرہ لہ۔ ۱۲

۶۔ ماہنامہ جہانِ رضا لاہور، ص:۹، ستمبر ۱۹۹۴ء، بحوالہ مولانا شہاب الدین رضوی، مضمون: الملفوظ اور اس کا مقام و مرتبہ۔

☆☆☆☆☆

دسواں باب

انسانوں کے اندر خلاقِ کائنات نے اظہار مافی الضمیر کے لیے بہ ظاہر دو ہی ذریعے و دیعت فرمائے ہیں .ایک زبان
دوسرے قلم ، زبان ہمیشہ قینچی کی طرح سبک گام رہتی ہے ، جب کہ قلم مخصوص موقعوں پر ہی حرکت میں آتا
ہے .انسان زبان سے جو کچھ ملفوظ کرتا ہے ، وہ ہوا میں محلول ہو جاتا ہے اور قلم سے سینہ قرطاس پر جو کچھ
مکتوب کرتا ہے وہ تاریخ میں ملفوف ہو جاتا ہے . قرطاس و قلم کی ناز خرامی کے لیے کافی ہے کہ رب قدیر جل شانہ نے
کارو بار کائنات کی تدبیر کے لیے تخلیق کائنات سے بھی قبل جن اشیا کو وجود بخشا ان میں لوح و قلم بھی شامل ہیں
. قرآن کریم میں پوری ایک سورت ہی قلم کے نام سے معنون ہے. چناں چہ اس سورہ کا آغاز رب ذو الجلال کے قسم
بالقلم سے (یعنی ن والقلم) ہوتا ہے . آقائے کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے علم کو قلم کی زنجیروں میں قید کرنے کی
حوصلہ افزائی کی ہے . اگر قلم نہیں ہوتا تو کروڑوں صفحات پر پھیلی ہوئی عظیم الشان و بے مثال اسلامی
لائبریری وجود میں نہ آتی . اس دور اخیر میں جن عظیم الشان شخصیتوں کے حوالے سے قلم پہچانا گیا اور اس کی
آبرو میں اضافہ ہوا ان میں امام اہل سنت کی ذات ستودہ صفات سر فہرست نظر آتی ہے ، جنھوں نے زود نویسی کے
ساتھ خوب نویسی کا ایک انوکھا ریکارڈ قائم کیا . امام موصوف یوں تو فقہ حنفی میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد و متبع نظر آتے ہیں ، مگر میدان فکر و تحقیق میں ان کی شان اجتہاد صاف جلوہ گر
نظر آتی ہے ، پوری بیسویں صدی ہی امام موصوف کے حوالہ سے جانی اور پہچانی جاتی ہے ، اگر بیسویں صدی
میں آپ کی قلمی کاوشوں کے علاوہ اور کچھ نہ بھی ہوتا تو یہ اس صدی کے لیے کافی تھا ، جو لوگ حضرت امام احمد
رضا کے مسودات صاف کرتے رہے وہ سب آج آسمان علم و فضل میں آفتاب و ماہتاب کی طرح جگمگا رہے ہیں ، ایسی
صورت میں خود ان کے شہزادوں کے دل و دماغ اور فکر و نظر میں کیا کیا انقلابات آئے ہوں گے ، اس کا صحیح اندازہ
بھی نہیں لگایا جاسکتا ،حضور مفتی اعظم نے بنیادی طور پر عمر کا نصف اول حصہ درس و تدریس اور فتوی
نویسی میں گزارا جس کا معتدبہ حصہ محفوظ بھی نہ رہ سکا اور نصف آخر حصہ دعوت و تبلیغ میں گزارا ، جس
کی وجہ سے ان کی تصنیفات پچاس سے متجاوز نہیں. مگر جو کچھ بھی ہیں وہ ان کی قلمی صلاحیت اور تصنیفی
لیاقت اور قوت تحریر و سرعت تعبیر کا آئینہ دار ہیں ، اس باب میں جو بھی مقالات ہیں وہ عقیدت و محبت کی بجائے
تحقیق و تنقید پر مبنی ہیں . علامہ عبد الحق رضوی مصباحی نے الموت الاحمر کا اور عبد السلام رضوی صاحب
انفال المسلمان کا جب کہ مولانا شکیل احمد مصباحی نے جملہ تصنیفات کا انتہائی منصفانہ اور محققانہ تعارف پیش
کیا ہے . اول الذکر دو نوں مقالوں کی طرز پر بقیہ کتابوں اور رسالوں پر بھی تحقیقی کام کی ضرورت ہے. حضور
مفتی اعظم کی مصروف ترین اور طویل ترین اصلاحی و تبلیغی اور دعوتی زندگی کے پس منظر میں اہل نظر صرف
ان چند رسالوں سے ہی ان کے مقام عظمت کو معین و محدود کرنے کی کوشش نہ کریں. مفتی اعظم کی زندگی عملی
زندگی ہے .عملی جد و جہد سے جو وقت ملا اس میں ہی کچھ لکھ سکے. اگر والد گرامی کی طرح ہر کام سے کنارہ کش
ہوکر لکھتے تو خوب لکھتے اور بہت لکھتے . مگر رب تعالیٰ اپنے ہر بندے سے اپنی مشیت اور حکمت کے مطابق کوئی ایک
ہی کام لیتا ہے.لیٹریچر والد گرامی نے فراہم کردیا تھا ،اس کی توسیع اور اشاعت شہزادے نے کی .

مقبول احمد سالک مصباحی

مفتی اعظم کے رسالہ

''الموت الاحمر'' کا ایک جائزہ

مولانا مفتی حافظ عبدالحق رضوی مصباحی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے وارث علم وفضل، مرآۃ جمال وکمال، مفتی انام، مقتدائے خواص وعوام، امام ملت، سیدی سندی مرشدی حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دفتر فضائل کے ابواب اتنے کثیر ہیں کہ ان سب کا احاطہ مجھ جیسے بے مایہ کے بس میں تو کیا ہوگا، پوری ملت کے ارباب علم ودانش اگر ان سب کو بتمامہا بیان کرنا چاہیں تو شاید ہی بیان کر سکیں۔

علم وفضل، زہد وورع، عمل بالعزیمت، استقامت علی الشریعہ، ربط باللہ، ارشاد وتبلیغ، حسن صورت، حسنِ سیرت، شفقت علی الخلق وہ عنوانات ہیں کہ ان سب پر اگر تفصیلی گفتگو کی جائے تو دفتر کے دفتر تیار ہو جائیں۔ اللہ عزوجل کا شکر ہے کہ ہماری جماعت کا جمود وتعطل حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کی ذات بابرکات کے تعلق سے بہت حد تک ٹوٹ چکا ہے۔ حضرت کے سلسلے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اور حضرت کے فضائل ومناقب کے بہت سے گوشے عوام وخواص کے سامنے آچکے ہیں۔ رضا اکیڈمی بمبئی کے باحوصلہ جواں ہمت ارکان حضور مفتی اعظم کی بارگاہ اقدس میں اپنا نذرانہ پیش کرنے کے لیے عالمی سطح پر جشن صد سالہ منا رہے ہیں اور حال یہ ہے کہ دنیا کے گوشے گوشے سے منتخب روزگار عمائد پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑے ہیں۔ جن میں علما بھی ہیں اور مشائخ بھی۔ ارباب علم ودانش بھی ہیں اور صحافی بھی، اہل قلم بھی ہیں اور اہلِ لسان بھی اور یہ سب حضرات اپنی اپنی توانائیوں کو بروئے کار لا کر حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حلیہ جمال وکمال کے ہر نقش کو عمدہ سے عمدہ طریقے سے سنوار اور سجا کر لائے ہیں۔

میں سخت کشمکش میں تھا کہ حضرت مفتی اعظم کے اس خصوصی جشن میں شریک ہونے کے لیے حضرت کی زندگی کا کون سا باب سپرد قلم کروں۔

بالآخر بہت غور وخوض کے بعد یہ خیال آیا کہ میں اپنے مقالے کا عنوان حضرت مفتی اعظم کے مناظرانہ فضل وکمال کو بناؤں۔

بظاہر مناظرہ بہت آسان معلوم ہوتا ہے جو بھی چرب زبان، ذہین وفطین تیز وطرار ہو لوگ اسے مناظر سمجھنے لگتے ہیں۔

جلالۃ العلم حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے ایک موقع پر فرمایا۔ سب سے مشکل کام مناظرہ ہے۔ مناظرہ کے لیے تمام علوم وفنون کا ماہر ہونا بھی لازم ہے۔ اور بیدار مغز، حاضر جواب، شگفتہ بیان ہونا بھی ضروری ہے۔ مناظرہ میں اگرچہ موضوع متعین ہوتا ہے مگر کسے معلوم کہ اثنائے مناظرہ کس فن کا کون سا مسئلہ بحث کے لیے پیش ہو جائے۔

مناظرہ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ایسا قادر الکلام ہو کہ اپنے مافی الضمیر کو بلا جھجک اس خوبصورتی کے ساتھ بیان کرے کہ مخالف دم بخود، اور ساکت رہ جائے۔ اور سامعین کے دل میں بات اتر جائے۔

جب اکابر دیوبند پیہم اپنی شکست و ہزیمت کے بعد مناظرے سے تنگ آ گئے تو اپنی عافیت گوشۂ تنہائی میں بیٹھنے ہی میں سمجھی۔ لیکن جناب تھانوی صاحب کے کچھ نادان دوستوں نے انھیں مجبور کیا۔ یہاں تک کہ تھانوی صاحب نے ایک طالب علم کو مدرسہ شاہی مسجد مرادآباد سے کچھ سکھا پڑھا کر طالب حق کے بھیس میں ذوالحجہ ۱۳۳۷ھ میں آستانہ عالیہ بریلی شریف بھیجا۔ جب اس کے سامنے براہین قاطعہ گنگوہی صاحب والا قول پیش کیا گیا تو اس کو سن کر بے تکان اس نے کہا یہ اسلام سے کوسوں دور ہے۔ پھر اس کو براہین قاطعہ کی عبارت دکھائی گئی تو اب اس کے نیچے کی سانس نیچے اور اوپر کی اوپر رہ گئی۔ اسے غور کرنے کی ہدایت کی گئی اور یہ حکم دیا گیا کہ آستانہ پر حاضر ہوا کرو۔

کچھ دنوں بعد مدرسہ شاہی مسجد سے اس طالب حق بننے والے نے ایک خط آستانہ عالیہ پر بے رحم کو حاضر کیا، جس میں اس شیطان والے قول کا کچھ تذکرہ نہیں تھا۔ البتہ اس خط میں اپنے دو شبہ کا تذکرہ کیا تھا۔ یہ دونوں شبہے اس سے چھ سال قبل ۱۳۳۱ھ میں علماے دیوبند نے ایک مجہول شخص کے نام سے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیجے تھے۔ اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اپنا فتویٰ رقم فرما کر ارسال کر دیا تھا۔ اب پھر اسی فتوے کی نقل اس خط نویس کے یہاں ارسال کر دی گئی، اور یہ ہدایت بھی کی گئی کہ جناب تھانوی صاحب ظاہری سے سمجھ لیں اور اگر وہ بھی نہ سمجھا سکیں تو اپنے عجز کا اظہار کر دیں سمجھا دیا جائے گا۔ اس فتویٰ مبارکہ کے ارسال کے بعد ایک طویل خاموشی رہی۔ علماے اہل سنت کو گمان ہوا کہ شاید سچ مچ طلب تحقیق تھی جواب مسکت نے خاموش کر دیا۔ مگر حاشا وہ تو صرف اک تھانوی مکر تھا چوبیسویں دن دوم صفر کو مہملات واختراعات اور مکابرات سے پُر ایک خط آستانہ عالیہ بریلی شریف بھیجا۔ جو اعتراضات اور شبہات اس خط میں پیش کیے گئے تھے وہ پوری دیوبندی جماعت کے اکابر کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ تھے۔ اور ان لوگوں کا گمان یہ تھا کہ یہ شبہات واعتراض لاینحل ہیں۔ ہرگز ان کے جوابات ہو ہی نہیں سکتے۔ مگر الموت الاحمر نے ان کا یہ گمان غلط ثابت کر دکھایا۔

اب میں جناب تھانوی صاحب اور ان کی پوری جماعت کی مشترکہ کوشش سے جو اعتراضات پیش کیے گئے تھے وہ ہدیۂ قارئین کرتا ہوں اور ان کے وہ جوابات جو شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کمال متانت اور انتہائی سنجیدگی کے ساتھ ارقام فرمائے ہیں، قلم بند کر رہا ہوں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ انصاف کے ساتھ بغور مطالعہ فرمائیں۔ انشاء اللہ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خداداد صلاحیت پورے طور سے آشکارا ہو جائے گی اور مذہب اہل سنت کی حقانیت کا آفتاب خورشید نیم روز کی طرح درخشاں وتاباں دکھائی دے گا۔

شبہ اول: خاتم النبیین کی بحث کرتے ہوئے اہل دیوبند نے امکان ذاتی کا قول کیا ہے۔ اور حضور نے بھی امکان ذاتی ہی کی تصریح کی ہے۔ چناں چہ المعتقد کے حاشیہ ص ۱۰۹ پر آپ نے تحریر فرمایا ہے" اما الذاتی فلا یحتمل الاکفار" اس تصریح کے بعد آپ میں اور اہل دیوبند میں کچھ فرق باقی نہیں رہا یعنی امکان وقوعی نہ جناب کے یہاں درست نہ دیوبندیوں کے یہاں۔

اور جب آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی کے امکان ذاتی کے قائل ہوئے تو اگر ایک وقت میں دس بیس نبی ہوئے تو وہ بھی ممکن بالذات ہوئے اور اگر وہ سب ایک ہی وقت میں اس عالم سے تشریف لے گئے تو سب کے سب خاتم زمانی بھی ہوں گے۔ اب آپ امکان ذاتی تعدد خواتم کے بھی قائل ہو گئے اور جو امکان ذاتی کا قائل ہوگا اس کو امکان تعدد خواتم خود بہ خود لازم آئے گا۔ زبان سے اگر تعدد خواتم کا انکار بھی فرما دیں تو اس سے کچھ نفع نہیں ہو سکتا۔ خاتمیت زمانی کے تو صرف اتنا ہی منافی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ

ہو سکے۔ سوا اس کے آپ خود بھی مقر ہیں اور صاحب تحذیر بھی اور جو خاتمیت ذاتی صاحب تحذیر الناس نے حضور کے لیے ثابت کی ہے وہ آپ کے نزدیک بھی ثابت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ کیا اس میں فضیلت نہیں ہے؟ اور اگر ثابت ہے تو پھر صاحب تحذیر الناس اور آپ میں کیا فرق ہے؟

رہ گیا آپ کا یہ فرمانا کہ صاحب تحذیر الناس کی تکفیر اس پر ہے کہ خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین جاننا جاہلوں کا خیال ہے۔ اس میں کوئی فضیلت نہیں۔ یہ مقام مدح میں ذکر کے قابل نہیں۔ تو یہ مضمون تحذیر الناس میں نہیں ہے۔ تحذیر میں نہ ختم زمانی کا انکار ہے اور نہ فضیلت کا، بل کہ ختم زمانی کے ساتھ ختم ذاتی کو بھی ثابت کیا گیا ہے اور ختم زمانی کو قرآن وحدیث، تواتر و اجماع امت سے ثابت کر کے اس کے منکر کو کافر بتایا ہے۔ پھر تعجب ہے کہ صاحب تحذیر کی تکفیر آپ حضرات کس بنیاد پر کرتے ہیں؟

بحث اول تکفیر نانوتوی صاحب: حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ''ادخال السنان'' اور ''وقعات السنان'' لکھ کر جناب نانوتوی صاحب کے پاس رجسٹری بہت پہلے بھیج دی تھی، جس میں مفصل رد مذکور ہے یہاں ان دونوں رسالوں کے مطالعے کی ہدایت، اور اگر کوئی جواب ان دونوں رسالوں کا علماے دیوبند کی طرف سے لکھا گیا ہو تو اس کے مطالبے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

اولاً: اے تھانوی صاحب باطنی، آپ اور سارے علماے دیوبند جواب دیں۔ ولید اپنی ایک کتاب لکھے کہ ''عوام کے خیال میں تو اللہ تعالیٰ کا واحد ہونا بایں معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے۔ تنہا خدا ہے۔ مگر اہلِ فہم پر روشن ہے کہ ایک یا اکیلے ہونے میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ نہ یہ مقامِ مدح میں ذکر کے قابل۔ آدم بھی ایک۔ ابلیس بھی ایک ہے بلکہ معنی توحید یہ ہے کہ اللہ معبود بالذات ہے۔ دوسرے اگر ہوتے بھی تو معبود بالعرض ہوتے۔ اس سے تنہائی آپ ہی لازم آجائے گی۔ پھر دوسرا خدا نہ ہونا قرآن وحدیث، تواتر و اجماع سے ثابت ہے۔ اس کا منکر کافر ہوگا۔ تو حید اگر بایں معنی تجویز کی جائے، جو میں نے عرض کیا تو اللہ کا واحد ہونا بندوں ہی کی نظر سے خاص نہ ہوگا۔ بل کہ بالفرض اگر بعد ازل بھی کوئی خدا ایک یا دو یا دس بیس یا لاکھ دس لاکھ پیدا ہو جائیں تو پھر بھی توحید الٰہی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ انتہی

یہ ولید مسلم موحد ہے یا مشرک کافر، برتقدیر اول کیا مسلمان ایسی ہی توحید مانتے ہیں جو اور خداؤں کی نافی منافی نہ ہوئی۔ اور اس معنی کو کہ اللہ ایک ہے جاہلوں نافہموں کا خیال نا قابل مدح وخالی از کمال سمجھتے ہیں؟ برتقدیر ثانی وہ کیوں کافر و مشرک ہوا حالاں کہ اس نے دوسرے خدا نہ ہونے کے ساتھ الوہیت بالذات کو بھی ثابت کیا ہے۔ اور دوسرے خدا نہ ہونے کو قرآن وحدیث تواتر و اجماع امت سے ثابت کر کے اس کے منکر کو کافر بتایا ہے۔ پھر تعجب ہے کہ تکفیر کس بنا پر ہے۔ یہ کیا غضب ہے کہ متکلم اپنی مراد، اپنا مطلب صاف صریح لفظوں میں اپنی اسی کتاب، اسی بحث میں، اسی مسئلہ میں بیان کرتا ہے۔ مگر اس کی کچھ شنوائی ہی نہیں ہوتی۔

ثانیاً .... تحذیر الناس شاید آپ نے دیکھی نہیں، صرف سنی سنائی کہہ دی کہ اس میں یہ مضمون نہیں۔ اب دیکھیے شروع کلام ہی یہ ہے کہ عوام کے خیال میں رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں۔'' دیکھیے وہ معنی کہ ائمہ، علما، تابعین، صحابہ سب سمجھے اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے، انھیں جاہلوں نافہموں کا خیال بتایا۔

ثالثاً .... ص ۳ دیکھیے'' اس میں ایک تو خدا کی جانب یاوہ گوئی کا وہم ہے۔ آخر اس وصف میں اور شکل، رنگ، سکونت وغیرہ اوصاف میں جنھیں فضائل میں کچھ دخل نہیں کیا فرق ہے؟ دوسرے رسول کی جانب نقصان قدر کا احتمال، کیوں کہ اہل کمال کے کمالات ذکر کیا کرتے ہیں اور ایسے ویسے لوگوں کے اس قسم کے احوال۔''

دیکھیے کیسی صریح تصریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ عظیمہ بمعنی آخر الانبیا خود کوئی فضیلت ہونا درکنار اسے فضیلت

میں دخل تک نہیں وہ کوئی کمال نہیں۔ بلکہ ایسوں ویسوں کے ذلیل احوال کی طرح ہے۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ)

رابعاً ..... میں نے اپنے مراسلہ میں کفریات نانوتوی میں سے یہ بھی گنا تھا کہ "حضور کے زمانے میں بل کہ حضور کے بعد بھی اگر کوئی نیا نبی مانا جائے تو خاتمیت میں خلل نہیں"..... الحمدللہ! کہ آپ نے تحذیر الناس میں اس کے وجود کا انکار نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو کہ یہ خاتم النبیین پر ایمان نانوتوی صاحب کا خاتمہ کر گیا۔ ختم زمانی کے اس ریائی اقرار اور اس کے منکر کے تصنعی اکفار کا پردہ اتر گیا۔

یہ تو بدیہی ہے کہ اس تقدیر پر کہ "بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو، ختم زمانی باطل ہو جائے گا کہ وہ تو یہی تھا کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں۔" (تحذیر ص ۲)

اور جب حضور کے بعد اور نبی پیدا ہو تو سب میں آخری نبی کب رہیں گے، کہ ان سے آخر اور ہوا۔ غرض اس سے ختم زمانے کا انتفا بدیہی اور اس کے انتفا سے نانوتوی صاحب کا ساختہ ختم ذاتی بھی ختم کہ اسے ختم زمانی لازم تھا۔

"ختم نبوت بہ معنی معروض کو تاخر زمانی لازم ہے۔" (تحذیر ص ۹) اور لازم کے انتفا سے ملزوم کا انتفا لازم۔ تو نہ ختم زمانی رہا نہ ذاتی بچا، سب فنا اور خاتمیت بجا، اس میں کچھ خلل نہ آیا۔

یہ کیسا شدید کفر ہے اور کتنی ڈھٹائی کے ساتھ۔ دیوبندی تعصب وعناد کے مارے ہوئے ہیں۔ تھانوی صاحب آپ تو اب طالب تحقیق ہیں۔ ضرور اس پر غور کریں گے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل ان کے بدگویوں کی حمایت نہ لیں گے۔

(الموت الاحمر ملخصاً ص: ۲۱ تا ۲۴)

تھانوی صاحب باطنی نے جو نبی کے امکان ذاتی ماننے پر تعدد خواتم کو لازم قرار دیا اور اس پر اعتراض کیا تھا۔ اس کا جواب پڑھیں۔ اور شہزادہ اعلیٰ حضرت کو جو اپنے آباد اجداد سے موروثی علم وفضل ملا ہے اس کا دل کش نظارہ کریں۔

خامساً ..... تعدد امکان، امکان تعدد نہیں، جیسے اجتماع امکانات امکان اجتماع نہیں۔ یعنی جس چیز میں تعدد محال ہے اور علی سبیل البدلیہ دو یا سو کا احتمال ہے۔ وہاں تعدد امکان تو ہوا، یعنی متعدد احتمالات تو ممکن ہیں مگر امکان تعدد ناممکن کہ مفروض یہ ہے کہ اس شی میں تعدد محال ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ خاتم الانبیا ہونے میں علی سبیل البدلیہ دو یا سو کا احتمال تو ہے تو تعدد امکان ہوا، مگر امکان تعدد ناممکن۔ یعنی جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا ہو گئے تو پھر کسی اور کا ہونا محال، پھر اس کے بعد اس کی پانچ نظیریں پیش فرمائی ہیں۔

(۱) حصول فردیت ہر تشخص سے ممکن اور تعدد محال بالذات

(۲) ممکن کے وجود وعدم دونوں ہر وقت ممکن اور اجتماع محال بالذات

(۳) ہر تضاد میں دونوں ضدیں ہمیشہ ممکن کہ ممکن کبھی محال نہیں ہو سکتا ورنہ انقلاب مواد لازم آئے گا۔ اور اجتماع محال۔

(۴) جو وقت لیجیے اس میں رات اور دن دونوں ممکن، اور دونوں ہوں، یہ محال،

(۵) اس کی نظیر شرعیات میں "حل للازواج" ہے عورت ہر نامحرم کے لیے حلال اور اجتماع شرعاً محال۔

تو تھانوی صاحب باطنی کا امکان ذاتی سے امکان تعدد خواتم سمجھنا کیسا باطل خیال، اتنی نافہمی کے بعد اس کی کیا شکایت، کہ سب اس عالم سے ایک ہی وقت میں تشریف لے جائیں تو سب خاتم ہوں گے۔"

ایک بھی نہ ہوگا کہ خاتم کے معنی بہ اقرار تحذیر الناس (ص ۲) یہ ہیں کہ سب میں آخر نبی۔ جب دس بیس ایک ساتھ ہوئے تو سب میں آخر ایک بھی نہ ہوا۔ تعجب تو اس بات پر ہے کہ المعتمد المستند کی عبارت (ص: ۱۰۹) جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے۔ خود اسی میں اس شبہ

باطلہ کے کشف کی طرف اشارہ فرما دیا گیا ہے۔ اما الذاتی فلا یحتمل الاکفار بل هو ههنا صحیح و ان بطل فی تعدد خاتم النبیین لان الآخر بالمعنی الموجود فههنا لا یقبل الاشتراك عقلاً '' مگر کشف کے باوجود آپ کو سمجھ میں نہ آیا۔

سادساً ....محض غلط ہے کہ دیو بندیہ دوسرے نبی کے امتناع بالغیر کے قائل ہیں۔ انصافاً غور کیجیے کہ ممکن بالذات کسی محال بالذات کے لزوم سے ممتنع بالغیر ہو گا یا ممکن بالذات کے؟ ممکن کے لزوم سے ممکن کا محال ہونا بداہۃً باطل۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا ہونا بلاشبہ نافی خاتمیت ہے اور خاتمیت کا انتفا محال کہ اس سے معاذ اللہ کلام الٰہی کا کذب لازم آئے گا۔ قال اللہ تعالیٰ: وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ (سورۂ احزاب ۳۳/۴۰) اور کذب الٰہی قطعاً محال بالذات تو اس کے لزوم نے اسے محال بالغیر کر دیا۔ لیکن دیو بندیہ بل کہ سارے کے سارے وہابیہ کے نزدیک کذب الٰہی ممکن تو اس کا لزوم اسے کیوں کر ممتنع بالغیر کر دے گا۔ مسلمانوں کے خوف سے اپنے کفر پر پردہ ڈالنے کے لیے زبانی امتناع رٹنا کیا مفید؟ اب تو آپ کو مسلمانوں اور دیو بندیوں کا فرق کھل گیا۔

سابعاً .....انصافاً ملاحظہ ہو نانوتوی صاحب نے اس دیو بندی ڈھول کی کھال تک سلامت نہ رکھی کہ امتناع بالغیر تھا تو اسی لیے کہ خاتمیت میں فرق آئے گا اور وہ فرما چکے (تحذیر ص: ۳۳) بلکہ اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔''

اب کہیے وہ امتناع بالغیر کس گھر سے لائیں گے۔ تو آپ کا یہ ادعا کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہ ہو سکنے کے نانوتوی صاحب بھی قائل ہیں کیسی صریح ڈھٹائی ہے۔

ثامناً .... ہاں! یہ قاعدہ آپ نے بہت مفید باندھا کہ جس امر میں فضیلت سمجھی جائے اسے ثابت ماننا ضروری ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے کسی ورود کی ضرورت نہیں۔ یہی دلیل کافی ہے کہ وہ فضیلت ہے لہٰذا ثابت ہے۔ الحمد للہ! یہ قاعدہ وہابیت اور دیو بندیت کا خاتمہ کر دے گا۔ فی الحال اتنا ہی بتایئے کہ یہ عطائے الٰہی علم محیط زمین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آپ کے نزدیک ثابت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ کیا اس میں فضیلت نہیں ہے؟ اور اگر ثابت ہے تو گنگوہی صاحب اس پر ایمان سے کیوں منحرف ہیں؟ اور کیوں کہتے ہیں کہ ثبوت فعلی اس کا کہ عطا کیا ہے کس نص سے ثابت ہے کہ اس پر عقیدہ کیا جائے؟ اور کیوں کہتے ہیں کہ بدون حجت ایسی بات کو عقیدہ کرنا موجب معصیت کا ہے؟

افسوس کہ آپ کا یہ باطنی لباس ان کے وقت میں نہ ہوا کہ ان کی آنکھیں کھلواتا۔ اور فضائل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر انھیں ایمان لانے کی طرف بلاتا۔ اگرچہ من یضلل اللہ فماله من هاد۔

شبہ دوم: براہین کی عبارت دیکھنے سے پہلے جو میں نے یہ تسلیم کیا تھا کہ شرک میں تفریق نہیں ہو سکتی۔ جو بات مخلوق میں ایک کے لیے ثابت کرنا شرک ہو جس کسی کے لیے ثابت کی جائے گی شرک ہوگی۔ کیوں کہ خدا کا کوئی بھی شریک نہیں ہو سکتا۔ میں اپنے اس عقیدے پر اب بھی قائم ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ اب مجھ کو سخت حیرت اور تعجب ہے کہ حضور نے براہین قاطعہ کے متعلق کیا تحریر فرمایا ہے۔ جس علم کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرنا شرک خالص کہا گیا ہے، جس میں ایمان کا کوئی حصہ نہیں، وہ علم ذاتی ہے اور جس علم کو ابلیس لعین کے لیے ثابت مانا وہ علم عطائی ہے۔ تو جو غیر اللہ کے لیے ثابت کرنا شرک ہے (یعنی ذاتی) وہ شیطان کے لیے ثابت نہیں مانا اور جس علم کا ثبوت شیطان کے لیے تسلیم کیا ہے۔ (یعنی عطائی) وہ کسی کے لیے ثابت کرنا شرک نہیں کہا گیا ہے۔ تو اب حاصل کلام یہ ٹھہرا کہ

شیطان کو علم عطائی ہے اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ذاتی نہیں ، فرمائیے اس میں کون سی بات تکفیر کی ہے۔ حضور نے تمہید ایمان ص: ۳۳ پر فرمایا ہے کہ فقہائے کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ جس مسلمان سے کوئی ایسا لفظ صادر ہو کہ جس میں سو پہلو نکل سکیں۔ اس میں ننانوے پہلو کفر کی طرف جاتے ہوں اور ایک اسلام کی طرف تو جب تک ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے کوئی خاص کفری پہلو مراد رکھا ہے ، ہم اسے کافر نہیں کہیں گے کہ آخر ایک پہلو اسلام کا بھی تو ہے۔ کیا معلوم شاید اس نے یہی پہلو مراد رکھا ہو۔

اور ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ اگر واقع میں اس کی مراد کوئی پہلوئے کفر ہے تو ہماری تاویل سے اسے فائدہ نہ ہوگا۔ وہ عند اللہ کافر ہی رہے گا۔ آگے چل کر آپ نے اپنا مذہب بھی یہی قرار دیا۔

اب حیرت اس بات پر ہے کہ صاحب براہین اپنی مراد اپنی دوسری تصنیف میں نہیں ، خاص براہین میں اسی مسئلہ میں اسی قول میں بیان کرتا ہے اور یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپ کو کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے جیسے جہلا کا عقیدہ ہے۔

پھر بھی آپ خلاف تصریح متکلم کے ایک معنی کفریہ اپنی طرف سے متعین فرما کر متعین سے نکال کر متعین کافر بنا دیتے ہیں ، جو حقیقت میں متعین کیا خفی بھی نہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے بعد صاحب براہین کی تکفیر کے لیے آپ کے پاس کیا وجہ رہ جاتی ہے۔

بحث دوم تکفیر گنگوہی صاحب : براہین قاطعہ میں علم محیط زمین شیطان کے لیے ثابت مانا گیا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی علم کی نفی کی گئی ہے اور حضور کے لیے ثابت ماننے پر کہا گیا ہے کہ یہ شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے؟

اس کا مفصل رد حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشہور رسالہ "ادخال السنان" میں فرمایا ہے جس میں ایک سو ساٹھ وہ قاہر ایرادات اور سوالات کیے گئے ہیں جن کے جوابات سے پوری جماعتِ دیوبند یہ تقریباً ایک صدی سے عاجز ہے اور دم بہ خود ہے اور تھانوی صاحب باطنی کے جواب میں جو رسالہ "الموت الاحمر" تحریر فرمایا ہے خود اس میں بھی تیس وجوہ سے ایسا ردِ بلیغ فرمایا ہے ، جس کے مطالعہ کے بعد میں پورے دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ تکفیر گنگوہی میں ذرہ برابر شک وشبہ باقی نہیں رہ جاتا اور جس کسی کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرا بھی محبت اور کچھ غیرت ایمانی ہوگی اس میں تو ایسے شاتم رسول سے شدید ترین نفرت پیدا ہو جائے گی اور گنگوہی صاحب اور ان کے جملہ اصحاب واذناب کا کفر اس کے نزدیک روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا۔

ناظرین پہلے براہین قاطعہ کی وہ ایمان سوز عبارت جس پر علمائے عرب وعجم نے تکفیر فرمائی ملاحظہ فرمالیں۔

> "الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان وملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعتِ علم کی کونسی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز یہ ثابت نہیں ، ہوتا کہ علم آپ کا ان امور میں ملک الموت کے برابر ہو جائے چہ جائے کہ زیادہ اور قیاس سے اس کا اثبات جہل ہے۔ الغرض یہ تحقیق واہی مؤلف کی محض جہل ہے۔ وہ آپ شاید شرک میں مبتلا نہ ہوں مگر ایک عالم کا راہ مار دیا۔ بعد اس کے جو حکایات اولیا کی مؤلف نے لکھی ہیں ان اولیا کو حق تعالیٰ نے کشف کر دیا کہ ان کو یہ حضور علم حاصل ہو گیا۔ اگر فخر عالم علیہ السلام کو بھی لاکھ گونا اس سے زیادہ عطا فرمادے ممکن ہے۔ مگر ثبوت فعلی اس کا کہ عطا کیا ہے ، کس نص سے ہے کہ اس پر عقیدہ کیا جائے اور مجلس مولود میں خطاب حاضر کا کیا

جائے۔ اس امر کا محض امکان سے کام نہیں چلتا بالفعل ہونا چاہیے، اور ثبوت نص سے واجب ہے۔ مگر سوء فہم مؤلف کا ہے۔ اور یہ بحث اسی صورت میں ہے کہ علم ذاتی کوئی آپ کو ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے، جیسا جہلا کا یہ عقیدہ ہے، اب ظاہر ہو گیا کہ جس کا عقیدہ مؤلف کی تحریر کے مطابق ہوگا، البتہ وہ مشرک ہے ان عبارات سے حجت لانا کوتاہ فہمی مؤلف کی ہے۔'' (براہین قاطعہ، ص:۵۵)

مسلمان بہ نگاہِ انصاف دیکھیں ہر اردو خواں بھی سمجھ سکتا ہے کہ براہین والے نے جس علم محیط زمین کو شیطان کے لیے نصوص قطعیہ سے ثابت مانا اور پھر اسی علم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ماننا شرک کہا اور شرک بھی وہ جس میں کوئی حصہ ایمان کا نہیں اور یہ شرک اسی وقت ہوگا جب کہ اسے باری عزوجل کی صفت خاصہ مانیں اور جب اسے باری عزوجل کی صفت خاصہ مانیں گے تو شیطان کے لیے اسے ثابت ماننے اور وہ بھی نص سے ثابت ماننے کا مطلب یہ ہوگا کہ شیطان خدا کا شریک ہے اور گنگوہی صاحب نے اسے شیطان کے لیے ثابت مانا۔ تو لازم کہ انھوں نے شیطان کو خدا کا شریک مانا۔ اس عبارت سے تین کفر صریح طور پر لازم آئیں گے۔

اول: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا علم شیطان کے علم سے کم ہے۔ **دوم:** شیطان لعین اللہ عزوجل کا شریک ہے۔
سوم: قرآن وحدیث سے شرک کو ثابت مانا۔

اب تھانوی صاحب باطنی اس کو یوں مٹانا چاہتے ہیں، جس علم کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرنا شرک خالص کہا گیا ہے وہ علم ذاتی ہے اور جس علم کو ابلیس کے لیے مانا گیا ہے وہ علم عطائی ہے۔ صاحب براہین اپنی مراد خاص براہین میں اسی مسئلہ میں بیان کرتا ہے۔ یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپ کو کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے، جیسے جہلا کا یہ عقیدہ ہے۔

اَقُوْلُ ...اول تا آخر منشا بحث واعتقاد فریقین اور خود اس عبارت لایعنی کا فقرہ فقرہ اس کے بطلان وہذیان پر شاہد عدل ہے۔

اولاً:...للہ انصاف براہین قاطعہ جو مولانا عبدالسمیع کی انوار ساطعہ کے رد میں لکھی گئی ہے۔ اور براہین کے صفحہ ۲۰۴ سے ۲۰۷ تک انوار ساطعہ کا مطول کلام منقول ہے۔ جس میں انھوں نے فرمایا کہ اہل سنت کا اعتقاد ہے کہ ''اصل عالم الغیب اللہ تعالیٰ ہے کوئی ایسا نہیں جو بلا تعلیم حق جان لے ہاں! اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو خبریں غیب کی دیتا ہے۔'' پھر کہا آیات واحادیث واقوال ومشائخ وعلما سے بخوبی یہ ثابت ہو گیا کہ انعقاد محافل میلاد کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر بعض واسطوں سے ہو جاتی ہے۔ دیکھو! کیسی صریح تصریحیں ہیں، علم عطائی اور علم بالوسائط کی۔ یہاں بھی براہین والے نے وہی جواب دیا کہ پہلے اس کا جواب ہو چکا کہ حق تعالیٰ نے حضرت عزرائیل کو ایسی قوت وعلم دیا ہے اگر فخر عالم کو صدہا گونا زائد ہو تو کیا عجب ہے۔ مگر کلام فعلیت میں ہے کہ یہ ہوتا ہے یا نہیں، پھر کہا کلام فعلیت میں ہے اور قیاس مؤلف امکان میں، عقائد کا ثبوت نص قطعی سے ہوتا ہے۔ ملک الموت کا جواب مذکور ہو چکا۔

اس مکالمہ کو علم ذاتی بہ معنی بے عطائے الٰہی پر ڈھالنا کیسی شدید بے ایمانی ہے۔ براہین والا قطعاً جانتا ہے کہ وہ علم عطائی مانتے ہیں۔ اور اسی کو کہتا ہے کہ شرک نہیں تو کون سا حصہ ایمان کا ہے۔ اسی کو کہتا ہے کہ جس کا عقیدہ مؤلف کی تحریر کے مطابق ہوگا البتہ وہ مشرک ہے۔

نوٹ: راقم الحروف کی طرف سے پوری جماعت دیو بند یہ کو یہ چیلنج ہے کہ انوار ساطعہ کے اندر کوئی ایسا جملہ یا ایسا فقرہ دکھائیں کہ مؤلف مرحوم نے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم بے عطائے الٰہی مانا ہو، بلکہ ان کی پوری کتاب اس بات پر شاہد ہے کہ وہ بہ عطائے الٰہی ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مخلوقات کے لیے علم مانتے ہیں۔ اب اس پر جناب گنگوہی صاحب کا یہ فرمانا کہ جس کا عقیدہ مؤلف کی تحریر کے مطابق ہوگا وہ مشرک ہے۔''

اس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہوا کہ یہ عطائے الٰہی مؤلف انوار ساطعہ نے جو علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت مانا اسی پر گنگوہی صاحب حکم شرک لگا رہے ہیں۔ لہٰذا یہاں یہ کہنا کہ گنگوہی صاحب نے جس علم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرنے کو شرک خالص کہا ہے اس سے مراد علم ذاتی ہے۔ کھلی ہوئی فریب کاری اور ہٹ دھرمی ہے۔

ثانیاً ..... عبارت براہین کا یہی ٹکڑا جو تھانوی صاحب باطنی نے نقل کیا ہے کہ ''یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپ کو ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے، جیسا جہلا کا عقیدہ ہے۔ علمائے اہل سنت کا تقریباً ایک صدی سے جماعتِ دیوبندیہ کے تمام اصاغر و اکابر سے یہ پیہم مطالبہ ہو رہا ہے کہ وہ بتائیں کہ کون سے جہلا کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور کا علم بے عطائے خدا ہے۔

ثالثاً ..... براہین کا وہ لفظ دیکھو..... ''شیطان کو جو یہ وسعتِ علم دی، دیکھو ''دی'' میں کلام ہے۔ اور اسی پر بوجہ افضلیت قیاس کو منع کرتا ہے کہ عقائد قیاسی نہیں۔ قیاس سے وہ حکم ثابت ہوتا ہے جو مقیس علیہ میں ہو یا اس کا مباین؟ شیطان میں علم عطائی تھا۔ معاذ اللہ اگر حسب زعم مردود گنگوہی اس پر قیاس ہوتا تو اس سے بھی عطائی ہی تو ثابت ہوتا جسے یوں رد کر رہا ہے کہ عقائد قیاسی نہیں۔

رابعاً ..... وہ تقریر دیکھو کہ فخر عالم علیہ السلام کو بھی لاکھ گونا اس سے زیادہ عطا فرمادے ممکن ہے۔ مگر ثبوت فعلی اس کا کہ عطا کیا ہے کس نص سے ہے کہ اس پر عقیدہ کیا جائے، دیکھو صاف علم عطائی میں کلام کر رہا ہے۔

خامساً ..... امکان کا تو خود جابجا قائل ہے صرف ثبوتِ فعلی کا منکر ہے۔ کیا آپ کے نزدیک گنگوہی صاحب بے عطائے الٰہی علم ملنا ممکن جانتے تھے۔ ایسا ہے تو اقرار کر دیجیے دام کھل جائیں گے۔

سادساً ..... حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اس علم کے ثابت کرنے پر کہتا ہے۔

(۱) مؤلف کے ایسے جہل پر تعجب ہوتا ہے۔ (۲) قیاس سے اس کا اثبات جہل ہے۔ (۳) تحقیق مؤلف کی جہل ہے۔ (۴) سوء فہم مؤلف کا ہے۔ (۵) کوتاہ فہمی مؤلف کی ہے۔

اگر براہین والے کی یہ بحث علم بے عطائے الٰہی میں ہوتی اور مؤلف کو اس کا مثبت سمجھتا تو کیا فقط جہل و کوتاہ فہمی کا حکم لگاتا، چیخ نہ پڑتا کہ مؤلف کافر ہے مرتد ہے، مشرک ہے کہ بے خدا کے دیے علم مانتا ہے۔

سابعاً ..... اس نے تصریح کی کہ مؤلف شاید شرک میں مبتلا نہ ہو، بے عطائے الٰہی علم ماننے پر شرک میں یوں ہی شک شبہ کرتا یا اپنے امام الطائفہ اسماعیل دہلوی کی طرح پکار اٹھتا کہ ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے۔ کیوں تھانوی صاحب باطنی ابوجہل یا اس کے برابر مشرک کو کہنا شاید شرک میں مبتلا نہ ہو کفر ہے یا نہیں؟..... بالجملہ اصل مبحث و منشا بحث و اعتقاد فریقین اور عبارات کا فقرہ فقرہ سب تھانوی صاحب باطنی کی جھوٹی گڑھت پر لعنت کر رہے ہیں، کیا یوں ہی کفر اٹھا کرتا ہے۔

بحمد اللہ! کیسے دلائل قاہرہ سے ثابت ہو گیا کہ گنگوہی صاحب نے جس علم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ماننا شرک خالص کہا ہے وہی علم ابلیس لعین کے لیے خود ثابت مانا ہے اور آپ اقرار کر چکے ہیں کہ شرک میں تفریق نہیں ہے، جو بات مخلوق میں ایک کے لیے ثابت کرنا شرک ہو جس کسی کے لیے ثابت کی جائے شرک ہی ہوگی۔ کیوں کہ خدا کا کوئی بھی شریک نہیں ہو سکتا ہے۔

اب تو آپ اپنے اقرار پر قائم رہ کر بول اٹھیے کہ بے شک گنگوہی صاحب صریح مشرک تھے۔ گنگوہی صاحب شیطان کو خدا کا شریک مانتے تھے اور اگر آپ نہ مانیں تو اہل انصاف تو دیکھتے ہیں۔ اور اگر کوئی نہ دیکھے تو واحد قہار تو دیکھتا ہے جس کا شریک ابلیس لعین کو مانا، اور جس کے حبیب کی یہ شدید توہین کی..... فللہ الحجۃ البالغہ

شبہ سوم: الکوکبۃ الشہابیہ کے مطالعہ نے نہایت خلجان اور اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے، جس مضمون نے طبیعت کو متوحش بنا دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی تحریر میں فرمایا کہ جو شخص خدا کو جھوٹا کہے اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم دے وہ شخص باجماع امت کافر، مرتد اور بد دین ہے۔ اور جمیع فقہائے کرام کا یہی مذہب ہے اور جو اس کے کافر کہنے سے زبان روکے یا شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ اور یہ بھی آپ کو یقیناً معلوم ہے کہ اس شخص نے ضرور رسول کریم علیہ التحیۃ والثنا کو گالیاں دیں۔ چنانچہ آپ مکرر قسمیں کھا کھا کر اپنے کلام کو مؤکد فرما رہے ہیں۔ حضور پھر کفِ لسان فرما رہے ہیں۔ اور اس کے کافر کہنے سے زبان روکتے ہیں۔ اب فرمائیے آپ کیا ہوئے۔ نعوذ باللہ من ھذہ الفواحش

شبہ چہارم: آپ نے تمہید ایمان میں تحریر فرمایا۔ نہ کہ ایک ملعون کلام تکذیب خدا یا تنقیص شان سید انبیا علیہ وعلیہم الصلاۃ والتسلیم میں صاف صریح ناقابل تاویل وتوجیہ ہو اور پھر بھی حکم کفر نہ ہو۔ اب تو اس کو کفر نہ کہنا، کفر کو اسلام ماننا ہوگا۔ جو کفر کو اسلام مانے خود کافر ہے۔ ابھی شفا، بزازیہ، دُرر، بحر، نہر، فتاویٰ خیریہ، مجمع الانہر، و درمختار وغیرہا کتب معتمدہ سے سن چکے کہ جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص شان کرے کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

پھر کتاب مذکور کا ص ۳۷ ملاحظہ ہو۔ ضروری تنبیہ احتمال وہ معتبر ہے جس کی گنجائش ہو۔ صریح بات میں تاویل نہیں سنی جاتی ہے۔ ورنہ کوئی بات کفر نہ رہے۔ مثلاً زید نے کہا خدا دو ہیں۔ اس میں یہ تاویل ہو جائے کہ لفظ خدا سے بہ حذف مضاف حکم خدا مراد ہے۔ یعنی قضا دو ہیں مبرم اور معلق۔ پھر اس کے دو سطر بعد تحریر فرماتے ہیں۔ ایسی تاویلیں زنہار مسموع نہیں۔ شفا شریف میں ہے۔ ادعاء التاویل فی لفظ صراح لا یقبل۔ (ج۔۲، ص ۲۱۷ باب فی بیان ماھو فی حقہ) صریح لفظ میں تاویل کا دعویٰ نہیں سنا جاتا۔ شرح شفائے قاری میں ہے۔ وھو مردود عند القواعد الشرعیۃ۔ (ج۔۴ ص ۳۴۳ علیٰ ہامش نسیم الریاض) ایسا دعویٰ شریعت میں مردود ہے۔ نسیم الریاض میں ہے۔ لا یلتفت لمثلہ و یُعد ھذیاناً (ج۔۴ ص ۳۴۳ نسیم الریاض، پوربندر) ایسی تاویل کی طرف التفات نہ ہوگا اور وہ ہذیان سمجھی جائے گی۔

اب آپ سے یہ گزارش ہے کہ آپ نے جو فتویٰ میرے پاس بھیجا ہے۔ اس میں آپ فرماتے ہیں کہ صریح مقابل کنایہ ہے۔ اسے ظہور کافی نہ کہ احتمال کا نافی۔ ہدایہ میں ارشاد ہوا۔

انت طالق لا یفتقر الی النیۃ لانہ صریح فیہ لغلبۃ الاستعمال ولو نوی الطلاق عن وثاق لم یدین فی القضاء لانہ خلاف الظاہر ویدین فیما بینہ و بین اللہ لانہ یحتملہ۔ (ملخصاً ج۔۲ ص ۳۳۹، مجلس البرکات، مبارکپور)

یہ تو ایک ایسا صریح تعارض اور تناقض ہے کہ جس کا دفع کرنا آپ ہی کے قبضہ میں ہے۔ اگر صریح میں احتمال بھی ہو مگر جب وہ مسموع ہی نہیں، شریعت میں مردود ہیں۔ قابل التفات ہی نہیں، ہذیان ہے اور بیہودہ بکواس۔ تو اس احتمال کا شریعت میں اعتبار ہی نہیں کیا ہے۔ اول تو اس تعارض کو دفع کیا جائے اور ثانیاً صاحب ہدایہ کی عبارت سے بھی یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ لفظ صریح میں نیت کی ضرورت نہیں۔ اور قاضی لفظ صریح ہی کے موافق فیصلہ کرے گا۔ اگر قائل نے خلاف صریح کسی معنی محتمل کا ارادہ کیا ہے تو اس کا معاملہ فیما بینہ و بین اللہ ہوگا۔ اور قاضی اسے ہرگز نہیں سنے گا۔

چہ جائے کہ قائل ایسے معنی مراد لے جو محتمل ہی نہ ہو۔ اور چہ جائے کہ متکلم کے مراد لینے کی خبر بھی ہو۔ پھر حکم صریح کے خلاف کیسے مفتی فتویٰ یا حکم دے سکتا ہے، اب اس کے بعد آپ کی عبارت جو الکوکبۃ الشہابیہ ص ۲۱ پر مولانا اسماعیل صاحب دہلوی کی نسبت...... یہ صریح

سب و دشنام کے لفظ لکھ دیے۔ پھر ایک سطر بعد.... مسلمانو! کیا ان گالیوں کی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نہ ہوئی یا مطلع ہو کر ان سے انھیں ایذا نہ پہونچی۔ ہاں ہاں واللہ واللہ! انھیں اطلاع ہوئی۔ واللہ واللہ! انھیں ایذا پہونچی۔

پھر صفحہ ۳۴ پر فرماتے ہیں: اور انصاف کیجیے تو اس کھلی گستاخی میں کوئی تاویل کی بھی جگہ نہیں۔

اب فرمائیے اول تو صریح گالی اس میں تاویل مسموع مقبول ہی کب تھی۔ عند الشرع مردود اور ہذیان۔ پھر یہاں تو آپ کے نزدیک اس کھلی گستاخی میں تاویل کی جگہ بھی نہیں۔ اب اگر قائل نیت بھی کرتا تو قاضی اور مفتی کے یہاں پہلے ہی مردود تھی۔ اور نوی ما تحتمل خارج، اور آپ کو تو قائل کی نیت کا علم بھی ہو گیا۔ اور اس کا بھی علم ہو گیا کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس گالی کا علم ہوا۔ اور پھر بھی آپ صاحب صراط مستقیم کی تکفیر نہیں کرتے بلکہ اسی کو اپنا مختار اور مفتیٰ بہ قرار دیتے ہیں۔ اب آپ اپنی ہی عبارت تمہید ایمان ص ۳۵ ملاحظہ فرمائیے۔ اسے کفر نہ کہنا، کفر کو اسلام ماننا ہو گا۔ اور جو کفر کو اسلام مانے وہ خود کافر ہے۔

لہٰذا آپ خود، اور جو آپ کو کافر نہ کہے خود کافر ہوا جاتا ہے۔

غرض اب آپ یہ تحریر فرمائیں کہ ان ایمان موکد کے بعد آپ سے کفر کیوں کرا ٹھے گا۔ صاحب براہین اور صاحب تحذیر الناس اور صاحب حفظ الایمان اپنی عبارت کا مطلب خود ہی بیان فرمائیں، مگر ان کا کفر ایسا قطعی اور یقینی کہ ان کی تکفیر میں شک کرنے والا بھی قطعی کافر ہو۔ اور صاحب صراطِ مستقیم میں نہ احتمال کی گنجائش اور نہ وہ احتمال ان کی مراد، معانی کفریہ کا مراد ہونا آپ کے نزدیک محقق اور ثابت۔ مگر پھر بھی ان کی تکفیر ناجائز، خدا کے لیے اس کا مطلب کھول کر بیان فرمائیے۔

بحث سوم صرف تکفیر فقہی اسماعیل دہلوی صاحب: شہزادہ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہ مسئلہ چنداں دقیق بھی نہ تھا۔ موضوع کتاب جاننے والے پر مخفی نہ رہتا۔ جیسے آپ واقعی طالبِ تحقیق ہوتے تو بعونہٖ تعالیٰ ادنیٰ تنبیہ میں سمجھ لیتے۔ مگر تمام دیوبندیہ ایک تو بے علم، دوسرے کج فہم، تیسرے متعصب، چوتھے مکابر یہ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ہے۔

احمق بلید کلام حق پر ایسا اعتراض جانتا ہے جسے اعتقاد کر لیتا ہے کہ لاحل ہے۔ جاننا ممکن ہے اور جب حق کا آفتاب جلوہ فرماتا ہے تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔

اے تھانوی صاحب باطنی تسہیل فہم کے لیے چند مقدمے ملاحظہ فرمائیں۔ ادنیٰ عقل والا بھی انھیں سے فوراً سمجھ لے گا کہ دیوبندیہ جسے لاحل اشکال سمجھ کر غل مچا رہے تھے وہ انھیں کے گلے کا طوق تھا۔

مقدمہ (۱) تاویل کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) قریب (۲) بعید (۳) متعذر، کما فی منتهی السؤل و فصول البدائع وغیرها

تاویل کے لغوی معنی ہیں پھیرنے کے، اہل علم کے محاورے میں کسی پہلو دار کلام کو اس کے ظاہر معنی سے پھیر کر خفی معنی پر ڈھالنے کو تاویل کہتے ہیں۔

ان تین قسموں میں تاویل حقیقت میں صرف قریب و بعید ہے۔ متعذر حقیقت میں تاویل نہیں، تحویل ہے۔ یعنی کسی کلام کو ایسے معنی کی طرف پھیرنا کہ کلام کی نہ دلالت اس معنی پر ہو اور نہ اس معنی کا کلام محتمل ہی ہو۔ صرف بات کی پچ اڑانا اور منہ زوری سے کسی کلام کے کوئی معنی زبردستی بنانا ہے۔

مقدمہ (۲).... جمہور فقہا کے نزدیک تکفیر کے لیے متبین ہونا کافی، عامۂ حنفیہ و مالکیہ و حنبلیہ اور بہت سے شافعیہ کا یہی مسلک ہے۔

اکثر متکلمین و فقہائے محققین حنفیہ و غیرہم کے نزدیک تکفیر کے لیے متعین ہونا مشروط.... منح الروض میں ہے۔

عدم التکفیر مذھب المتکلمین و التکفیر مذھب الفقھاء فلا یتحد القائل بالنقیضین فلا محذور.
تاویل صحیح اگر چہ کتنی ہی بعید ہو متکلمین قبول کریں گے۔ یہ ہے وہ کہ محققین محتاطین نے فرمایا کہ ایک بات میں ننانوے پہلو کفر کے ہوں اور ایک اسلام کا تو پہلوے اسلام کو ترجیح دیں گے۔

درمختار میں ہے: وفی الدُّررو غیرھا اذا کان فی المسئلة وجوہ توجب الکفر (ای احتمالات) و واحد یمنعه فعلی المفتی المیل لما یمنعه ثم لو نیته ذلك فمسلم وا لا لم ینفعه حمل المفتی علی خلافه. (ج۔۶ ص ۳۶۸، مطبع زکریا)
لیکن عام فقہا کے یہاں تکفیر کے لیے معنی ظاہر پر عمل اور احتمالِ بعید نامتقبل اور باطن مفوض بہ علیم عزوجل، امام ابن حجر اعلام میں فرماتے ہیں۔

عملنا بما دل علیه لفظه صریحا وقلنا له انت حیث اطلقت ھذا اللفظ ولم تؤول کنت کافراً و ان کنت لم تقصد ذلك لانا انما نحکم بالکفر باعتبار الظاھر و قصدك و عدمه انما ترتبط به ا لاحکام باعتبار الباطن فاللفظ اذا کان محتملا لمعان فان کان فی بعضھا اظھر حمل علیه و کذاان استوت ووجد لاحدھا مرجح الارادة و عدمھا لا شغل لنا بھا
''ہم لفظ کے مدلول صریح پر عمل کریں گے اور کہیں گے کہ جب تو نے یہ لفظ کہا اور تاویل نہیں کی تو، تو کافر ہو گیا۔ اگر چہ تو نے اس کا قصد نہ کیا ہو۔ کیوں کہ ہم ظاہری معنی کے لحاظ سے کفر کا حکم کرتے ہیں۔ اور تیرے قصد اور عدم قصد پر احکام باطنی کا تعلق ہے۔ اس لیے لفظ اگر چند معانی کا احتمال رکھے تو اگر بعض میں زیادہ ظاہر ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ یوں ہی اگر برابر ہو اور کسی ایک کے لیے مرجح ہو تو بھی۔ ارادہ اور عدم ارادہ سے ہمیں مطلب نہیں۔''
اس سے ثابت ہو گیا کہ تکفیر کے سلسلے میں علما کی دو روش ہے۔ ایک یہ کہ اگر وہ قول کفری معنی میں ظاہر ہے اور قائل سے کوئی تاویل منقول نہیں تو اس کی تکفیر کرتے ہیں۔ یہ جمہور فقہا کا مسلک ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر اس میں کوئی ضعیف سے ضعیف احتمال ہو تو تکفیر سے کف لسان کرتے ہیں۔ یہ عام متکلمین و محققین فقہا کا مسلک ہے۔

مقدمہ (۳)... یہاں سے ظاہر ہو گیا کہ لفظ صریح میں تاویل نامقبول ہونا متفق علیہ ہے۔ مگر متکلمین کے طور پر صریح سے مراد متعین ہے کہ جس میں مراد متعین ہے۔ اور تاویل سے مراد متعذر ہے کہ تاویل غیر متعذر ہے۔
اور فقہا کے طور پر صریح متعین و متبین دونوں کو شامل، اور تاویل متعذر و بعید کو، یوں ہی کسی قول کفری پر حکم کہ اس میں کوئی تاویل کی جگہ بھی نہیں۔ اگر بحث کلامی میں ہے تو مفاد تعین اور جگہ نہ ہونا نفس احتمال کی نفی، کہ کوئی دوسرا پہلو ہے ہی نہیں اگر چہ بعید۔ اور اگر بحث فقہی میں ہے تو مفاد تبین اور جگہ نہ ہونا نفی تحمل، یعنی قابل قبول نہیں، خواہ راسا احتمال ہی نہ ہو یا ہو مگر بعید۔

حاصلِ کلام : یہ نکلا کہ جمہور فقہا کے نزدیک تاویل قریب صرف معتبر ہوتی ہے۔ تاویل بعید ان کے نزدیک معتبر نہیں۔ لہذا جب فقہاے کرام یہ بولتے ہیں کہ اس میں تاویل کی گنجائش نہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ تاویل قریب کی۔ یہ ہرگز نہیں ان کی مراد ہوتی ہے کہ تاویل بعید کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ کیوں کہ ان کے نزدیک تاویل بعید جب معتبر نہیں تو گویا وہ کالعدم ہے۔ اور متکلمین جب کسی کلام کے بارے میں بولیں کہ اس میں تاویل کی گنجائش نہیں تو ان کی مراد تاویل قریب و بعید دونوں ہوتی ہے اس لیے کہ ان کے یہاں دونوں معتبر ہے۔ رہ گیا سوال متعذر کا تو وہ نہ فقہا کے نزدیک معتبر، نہ متکلمین کے یہاں اور اس کے معتبر ہونے کا سوال ہی کیا ہے۔ جب وہ حقیقۃً تاویل

ہے ہی نہیں۔تحویل اور تحریف معنوی ہے تو اس کا اعتبار کیوں کر درست ہوگا؟

مقدمہ (۴) کفریت قول مطلقاً مذہب کلامی میں کفر قائل نہیں کہ اسے تبین کافی، اور اسے تعین درکار، فتح، بحر، نہر، ومنح الروض میں ہے۔

ذلک المعتقد فی نفسه کفر فالقائل به قائل بما هو کفر وان لم یکفر — وہ اعتقادی نفسہ کفر ہے تو اس کا قائل اس چیز کا قائل ہے جو کفر ہے اگر چہ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

یہ بات گنگوہی صاحب کو بھی تسلیم ہے۔فتاویٰ رشیدیہ اول میں ص ۷۵ پر لکھتے ہیں ان افعال کو کفر ہی کہنا چاہیے مگر مسلم کے فعل کی تاویل لازم ہے۔سل السیوف وحواشی کوکبہ شہابیہ میں فرمایا کہ ان اقوال کا کلمۂ کفر ہونا اور بات ہے اور قائل کو کافر مان لینا اور بات۔''

مقدمہ (۵)....دیوبندیوں کی تکفیر مذہب کلامی پر ہے۔ولہٰذا علمائے حرمین طیبین نے فرمایا کہ ان کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر ہے۔لیکن کتاب ''الکوکبۃ الشہابیہ'' اس کا موضوع بحث فقہی ہے۔ص ۱۰ سے شروع ان لفظوں سے ہے۔

''بلاشبہ وہابیہ اور ان کے پیشوا پر حسب تصریحات جماہیر فقہا حکم کفر ثابت۔''

ص ۶۲ پر، ختم جواب میں یہ لفظ ہے ''فرقۂ وہابیہ اور اس کے امام بلاشبہ جماہیر فقہا کی تصریحات پر کافر۔'' تو ساری کتاب خالص بحث فقہی پر ہے بالکل اخیر میں صرف اتنے لفظ مذہب کلامی پر ہیں۔کہ اگر چہ ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار سے کفِ لسان ماخوذ و مختار و مرضی و مناسب۔اور تمہید ایمان اور حسام الحرمین میں بحث کلامی ہے۔

فائدہ جلیلہ : شبہے کی تین قسم ہے۔(۱) شبہہ فی الکلام (۲) شبہہ فی المتکلم (۳) شبہہ فی المتکلم

شبہہ فی الکلام : یہ ہے کہ اس میں متعدد احتمالات ہیں۔پہلو دار کلام ہے۔ان میں بعض پہلو کفر ہیں، اور بعض درست، اور متکلم کی مراد معلوم نہیں۔

شبہہ فی المتکلم : یہ ہے کہ جس کی طرف وہ کلام منسوب کیا گیا ہے، اس سے اس کے ثبوت میں تامل اور شبہ ہو کہ آیا یہ کلام اسی کا ہے یا کسی غیر کا تو کلام اگر چہ قطعی اعتبار سے کفر ہو لیکن اس شخص کو کافر نہ کہیں گے۔اس لیے کہ اس کا تکلم قطعی طور پر اس سے ثابت نہیں۔

شبہہ فی المتکلم : یہ ہے کہ کفری کلام بولنے والے نے توبہ کرلی ہے، مگر توبہ کا ثبوت شرعی نہ ہو۔اگر یہ ثبوت قطعی ثابت ہوجائے تب اس کی تکفیر ہرگز نہ ہوگی اور اگر ایسا ثبوت ہو جو متردد کردے جب بھی قائل کے بارے میں کفِ لسان واجب ہوگا۔اگر چہ قول کفر صریح نا قابلِ تاویل ہو۔اور اگر محض افواہ ہو کہ اس کے بعض ہوا خواہوں نے اڑادی ہے تو اس پر التفات نہ ہوگا۔

جواب شبہہ سوم و چہارم : اگر کوئی طالبِ حق ان مقدمات مذکورہ کو بغور پڑھ لے تو اس پر حق روز روشن کی طرح عیاں ہوجائے گا۔لیکن مزید توضیح کیے دیتے ہیں تاکہ یہ بات اچھی طرح ہمارے قارئین کو دل نشیں ہوجائے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے کیوں اسمٰعیل دہلوی کی تکفیر فقہی فرمائی۔اور تکفیر کلامی سے کفِ لسان فرمایا اور یہی اپنا مسلک ومختار بتایا۔اور تھانوی صاحب باطنی نے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتویٰ مبارکہ اور تمہید ایمان کی عبارت میں جو تضاد سمجھا ہے، وہ محض ان کی عقل کا فساد ہے۔

اولاً : جناب تھانوی صاحب باطنی نے اپنے شبہ سوم میں ''الکوکبۃ الشہابیہ'' کے حوالے سے یہ عبارت جو نقل کی ہے......... '' اور جو اس کے کافر کہنے سے زبان روکے یا شک کرے وہ بھی کافر ہے۔'' تھانوی صاحب تو مرکر مٹی میں مل گئے۔لیکن ان کے جملہ کفش برداروں اور نیازمندوں کو یہ چیلنج ہے الکوکبۃ الشہابیہ کے اندر کہیں بھی یہ عبارت دکھادیں۔دیوبندیوں پر اپنے معبود کے لیے کذب روا مان کر جھوٹ بکنا فرض ہوگیا ہے کہ اگر ان سے بھی صرف ممکن ہی رہے تو عابد و معبود دونوں برابر ہوجائیں گے۔لہٰذا بے وجہ بھی جھوٹ بکتے

رہتے ہیں۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ آئیں اصل مبحث کی طرف، آپ مقدمہ میں پڑھ چکے کہ '' الکوکبۃ الشہابیۃ'' بحث فقہی میں ہے۔ اس میں اسماعیل دہلوی کی نسبت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے جو یہ تحریر فرمایا..... یہ صریح سب و دشنام کے لفظ لکھ دیے۔ پھر ص ۳۳ پر یہ جو فرمایا اور انصاف کیجیے تو اس کی کھلی گستاخی میں کوئی تاویل کی بھی گنجائش نہیں۔

جب مذکورہ بالا کتاب بحث فقہی میں ہے تو لازم ہے کہ اس کتاب کی جملہ عبارتیں فقہا کی اصطلاح پر ہوں۔

لہٰذا اس میں صریح سے مراد متبین ہوگا۔ اور تاویل کی جگہ نہ ہونے سے مراد کوئی تاویل قریب جو متکلم کو کفر سے بچالے اگر چہ اس میں کوئی تاویل بعید ہو، جس کی وجہ سے وہ کلمہ کفر نہ ہو۔ لیکن جمہور فقہائے کرام کے نزدیک وہ معتبر نہیں۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت نے اسماعیل دہلوی کی تکفیر فقہی تو فرمائی۔ لیکن زیادہ احتیاط متکلمین کے مسلک میں تھی۔ اس لیے اپنا مسلک و مختار، مسلک متکلمین ہی کو رکھا۔

ثانیاً: فتویٰ مبارکہ جس میں یہ عبارت..... صریح مقابل کنایہ ہے۔ اسے ظہور کافی، نہ کہ احتمال کا نافی۔

اور تمہید ایمان کی عبارت۔ نہ کہ ایک ملعون کلام تکذیب خدا یا تنقیص شان سید انبیا علیہم الصلاۃ والتسلیم میں صاف صریح نا قابل تاویل و توجیہ ہو، اور پھر بھی حکم کفر نہ ہو اب تو اس کو کفر نہ کہنا کفر کو اسلام ماننا ہوگا۔ اور جو کفر کو اسلام مانے وہ خود کافر ہے۔ اس پر تھانوی صاحب بہت گرجے اور برسے ہیں کہ تمہید میں صریح کو نا قابلِ تاویل کہہ رہے ہیں اور مختلف کتابوں کے حوالہ سے صریح میں تاویل کو ہذیان اور بکواس اور نا قابلِ التفات قرار دے رہے ہیں اور فتویٰ میں اسی صریح کے لیے ظہور کافی نہ کہ احتمال کا نافی کہہ رہے ہیں۔ یہ کیسا کھلا ہوا تناقض اور تعارض ہے۔ جناب تھانوی صاحب باطنی کا اس میں تعارض سمجھنا انتہائی درجہ کی غباوت اور حماقت ہے۔

اعلیٰ حضرت نے فتویٰ میں جو صریح استعمال کیا ہے وہ فقہا کی اصطلاح کی بنیاد پر فرما رہے ہیں۔ چوں کہ جمہور فقہا کے نزدیک صریح کا اطلاق متعین اور متبین دونوں پر ہوتا ہے۔ اور صریح ہونے کے لیے فقہا کے نزدیک اس کا اپنے معنی پر ظاہر الدلالۃ ہونا کافی ہے۔ اور اس میں احتمال بعید ہو سکتا ہے۔ اگر چہ وہ جمہور فقہا کے نزدیک معتبر نہیں ہوتا لیکن متکلمین اس کا اعتبار کرتے ہیں۔ اس لیے اعلیٰ حضرت نے اسے ظہور کافی نہ کہ احتمال کا نافی فرمایا۔

اور تمہید ایمان بحث کلامی میں ہے۔ اور متکلمین کے نزدیک صریح بمعنی متعین ہوتا ہے۔ اس کے لیے دوسرا محمل ناممکن لہٰذا اس صریح میں بے شک دعویٰ احتمال و تاویل مردود جس پر شفا و شروح شفا سے تصریحات موجود۔

خلاصہ بحث : اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اسماعیل دہلوی کی صرف تکفیر لزومی فقہی فرمائی اور تکفیر التزامی کلامی سے کیوں احتراز اور کفِ لسان فرمایا۔ اس کی راقم الحروف کے نزدیک علمائے اہل سنت کی کتابوں کے مطالعہ سے صرف دو وجہ سمجھ میں آتی ہے، جس کو ہدیہ ناظرین کر رہا ہوں۔

پہلی وجہ : اسماعیل دہلوی کی عبارتیں معانی کفریہ میں تحذیر الناس، براہین قاطعہ اور حفظ الایمان کی طرح متعین نہیں ہیں۔ اگر چہ معانی کفریہ میں متبین اور لزوم کفر میں ظاہر ہیں۔ اور تاویل بعید ان میں ممکن ہے۔

دوسری وجہ : اسماعیل دہلوی کی توبہ کی شہرت ہے۔ اگر چہ یہ شہرت ثبوت شرعی کو نہیں پہونچی۔ لیکن پھر بھی شبہ نفی التکلم کی وجہ سے تکفیر سے اجتناب کیا اور کف لسان ہی کو اپنا مسلک و مختار ٹھہرایا۔ لیکن اس کا یہ بھی مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کو مسلمان بتایا، بلکہ مثل یزید کے اس کے کفر و اسلام سے سکوت ہی کو احوط قرار دیا۔ وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

☆☆☆☆☆☆

مفتی اعظم کی تصانیف کا مختصر تعارف

مولانا محمد شکیل مصباحی (شیش گڑھ ضلع بریلی)
درجہ سابعہ ۱۴۱۲ھ/الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

حضور مفتی اعظم، علم و فضل کے تاجدار، کردار و عمل کے گوہر آبدار تھے۔ آپ ایک بافیض مدرس بھی تھے اور عظیم مرشد بھی، ایک پرخلوص داعی بھی اور ایک تحریک آفریں قائد بھی، آپ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ دینی و ملی، سیاسی و سماجی خدمات سے لبریز ہے۔ ہر شعبۂ زندگی میں آپ کی پرخلوص کاوشوں کے قابل تقلید نقوش موجود ہیں۔ ان جملہ صفات کے جامع ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ایک عظیم محقق و مصنف بھی ہیں اور قابل اعتماد فقیہ و مفتی بھی۔ آپ کی مطبوعہ تصنیفات و تالیفات بہت زیادہ نہیں، مگر جو ہیں ان سے آپ کے بے پناہ علم و فضل، ذہانت و طباعی، دور اندیشی اور ژرف نگاہی کا اندازہ ہوتا ہے۔ تلاش و جستجو کے بعد آپ کی تصنیفات کے متعلق اب تک جو علم ہو سکا ان کی مجموعی تعداد اڑتیس ہے۔ یہ مقالہ تین اقسام پر مشتمل ہے۔ تصنیفات، تالیفات اور حواشی۔

تصنیفات

القسوة علی ادوار الحمر الکفرة : یہ رسالہ ۳۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے اسے ۴۳ ۱۳ھ میں تصنیف کیا۔ اسی رسالہ کا جدید ایڈیشن "ایک اہم فتویٰ" کے نام سے ۹ رصفر المظفر ۱۴۱۰ھ کو مکتبہ رضا دارالاشاعت بہیڑی، ضلع بریلی سے شائع ہوا ہے۔ یہ ۴۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ ایک پاکستانی شاعر کی نظم بعنوان "فیصلہ کفر و اسلام" ۷ رجون ۱۹۲۵ء کے اخبار زمیندار میں دوبارہ شائع ہوئی۔ اس رسالہ میں شاعر کی نظم کے تین کفری اشعار کا حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے ردِ بلیغ فرمایا ہے۔ اشعار یہ ہیں۔

یہ سچ ہے اس پہ خدا کا چلا نہیں قابو — مگر ہم اس بت کافر کو رام کرلیں گے
بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں — وہیں پہونچ کر ہم اس سے کلام کرلیں گے
جو مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی — خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کے قلم سے ان اشعار کفریہ کا رد ملاحظہ فرمائیں۔

رد شعر اول : اس شعر کے دو مصرے کفر خالص ہیں۔ پہلے میں صاف تصریح کی کہ اس بت پر خدا کا قابو نہ چلا۔ یہ اللہ عزوجل کی کھلی توہین اور اس کی قدرت عظیمہ کاملہ کریمہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۔ (سورۂ بقرہ ۲/۲۰) کا رد و انکار ہے کہ ایک شی ایسی بھی ہے جس پر خدا کی قدرت نہیں، اور اس پر اس کو قابو نہیں وہ اس سے عاجز ہے۔ تعالی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیراً و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے منزہ و پاک ہے، جن کو ظالم کہتے ہیں۔ یہ سرے سے الوہیت کا

انکار ہوا کہ جو عاجز ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ تو مصرع خبیثہ لعینہ کے قائل نے الوہیت کا حقیقۃً ردو ابطال کیا تو وہ اور جو اسے قبول کرے وہ ہر مسلمان کے نزدیک کافر ہوا۔ جو ایسے کو کافر نہ جانے یا اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر کہ پہلے نے کفر کو کفر نہ جانا۔ الوہیت ہی کا انکار اگر کفر نہ ہوا تو اور کیا کفر ہو گا؟ ایمان کو ایمان جیسا جاننا ضروری ہے۔ یونہی کفر کو کفر ماننا، جو کفر کو کفر نہ جانے گا وہ ایمان کو کیا جانے گا کہ الاشیاء تعرف باضدادھا۔ چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ اندھا روشنی کی قدر کیا بتائے گا؟ اور دوسرے نے شک کیا اور کفر کے کفر ہونے کی تصدیق ضروری ہے تو شک اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے کہ تصدیق ہی کا نام ایمان ہے اور وہ بہ حالت شک ناممکن ہے۔

اور دوسرے مصرعہ میں برملا اپنے آپ کو خدا سے زائد قدرت والا بتایا۔ تو اس کا مرتبہ گھٹایا اور اپنا رتبہ اس سے بڑھایا۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ کتنا خبیث تر کفر ملعون ہوا اس دوسرے مصرعہ میں اپنی الوہیت کا اثبات کیا۔ پہلے میں خدا کی الوہیت سے اسی لیے انکار کیا تھا۔

ردشعر ثانی : یہ اسکا دوسرا شعر نجس کفر خالص ہے۔ مسلمانوں کا دین مقدس اسلام اللہ کو جسم و جسمانیت سے پاک بتاتا ہے۔ مکان جسم ہی کے لیے مخصوص ہے۔ تو اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے وہ مجسم نہیں، نیز مکان مخلوق ہے وہ خالق ہے۔ مکان حادث ہے وہ قدیم ہے۔ مکان جسم کو محیط ہوتا ہے اور اللہ اس سے پاک ہے کہ کوئی شی اس کا احاطہ کرے وہ اپنے علم وقدرت سے ہر شی کو محیط ہے۔ واللہ بکل شی محیط اور ہر چیز پر اللہ کا قابو ہے اور شاعر لندن کو خدا کا مکان بتاتا ہے۔ تو خدا کو مجسم جانتا ہے اور لندن کو اسے محیط مانتا ہے۔ جب تو کہتا ہے کہ خدا آج کل کعبہ میں نہیں لندن میں ہے، بے شک وہ اہل اسلام کے نزدیک کافر ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کافر ہے۔

ردشعر ثالث : یہ اس کا تیسرا شعر بھی کھلا الحاد و زندقہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مولوی و مالوی اس کے نزدیک برابر ہیں۔ خدا اور رام ایک ہیں۔ کفر و اسلام میں کچھ فرق نہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اس کے نزدیک خدا خدا نہ کیا، رام رام کرلیا، بات ایک ہی، حاصل وہی ہے۔ حالاں کہ ہرگز خدا رام نہیں، اور ہرگز رام خدا نہیں۔ تعالی اللہ عما یقول الظلمون علواً کبیراً سبحن اللہ عما یصفون سبحن اللہ عما یشرکون۔ اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک و منزہ ہے جن کو وہ بکتے ہیں۔ اللہ کو پاکی ہے ان باتوں سے جن کو یہ بتاتے ہیں اور جن چیزوں میں شریک کرتے ہیں۔

اس رسالہ پر ۲۰ اکابر علمائے اہل سنت کی تصدیقات ہیں۔ جن میں حضرت حضرت صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی، حضرت مولانا سید غلام قطب الدین سہوانی سہیل ہند، حضرت محدث اعظم پاکستان مفتی سردار احمد صاحب، حضرت مفتی تقدس علی صاحب، حضرت مفتی محمد حشمت علی صاحب قادری لکھنوی کے اسما خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس رسالہ کا لقبی نام "ظفر علی رمۃ من کفر" ہے اور عرفی نام "سیف الجبار علی کفر زمیندار" ہے۔

۲۔ القول العجیب فی جواز التثویب : یہ حضور مفتی اعظم قدس سرہ کا رسالہ ہے جو حجم کے لحاظ سے تو چھوٹا ہے لیکن معانی و مفاہیم کے اعتبار سے نہایت ہی جامع ہے۔ ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے اذان کے بعد صلاۃ وسلام پکارنے کو دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ سے ثابت کیا ہے۔ چند فتاوی پر مشتمل ہے نمونے کے طور پر ایک فتوی ملاحظہ ہو۔

مسئلہ: از شہر محلہ اعظم نگر، ۲ ر ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اذان کے بعد صلاۃ پکارنا کیسا ہے؟ بعض لوگ اسے بدعت سیئہ بتاتے ہیں۔ اور جائز ہے تو ہر وقت کی اذان کے بعد کہہ سکتے ہیں یا کسی خاص وقت کہیں اور اوقات میں جائز نہیں۔ بیان فرمائیں، اجر پائیں۔

الجواب : اسے تثویب کہتے ہیں اور وہ اعلام بعد اعلام ہے۔ بلاشبہہ یہ جائز و مندوب و مستحسن ہے۔ عامۂ کتب معتبرہ میں اس کا جواز مذکور اور استحسان مسطور ہے۔ جو اسے بدعت سیئہ بتاتا ہے جھوٹا ہے۔ تمام علمائے متاخرین پر استحسان بدعت سیئہ کا جھوٹا الزام لگاتا ہے۔ بے شک ہر وقت کی اذان کے بعد صلاۃ پکارنے کا یہی حکم ہے۔ مگر مغرب کہ اس میں اعلام بعد اعلام کی ضرورت نہیں۔ لوگ اذان کے ساتھ ہی خود چلے آتے ہیں۔ اور مغرب میں بھی کہیں تو حرج نہیں۔ اکابر ائمہ فقہائے متاخرین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مطلقاً سب نمازوں میں جماعت کے لیے حسب عرف عام و عادات اہل ہر بلد (شہر) جو کچھ بھی وہ مقرر کرلیں۔ تثویب کو جائز و مستحسن فرمایا۔ درمختار، جلد ۲ ص ۵۲، ۵۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت میں ہے:

(یثوب) بین الاذان والاقامة فی الکل للکل بما تعارفوه (الافی المغرب) ردالمحتار میں نہر اور اس میں مجتبیٰ سے ہے۔

کتنحنح اوقامت قامت او الصلاة الصلاةولواحد ثوا اعلاماً مخالفاً لذلك جاز. (ج۔ ۲ ص ۵۲، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

شامی میں عنایہ شرح ہدایہ سے نقل فرمایا: احدث المتأخرون التثویب بین الاذان والاقامة علی حسب ما تعارفوه فی جمیع الصلوت سوی المغرب مع القاء ا لاول یعنی الاصل وهو تثویب الفجر وما راه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن۔ (مجمع الزوائد ج۔۱ ص ۷۸۔ ۱۷۷)

ملتقی الابحر میں ہے۔ واستحسن المتاخرون التثویب فی کل الصلوت (ج۔۱ ص ۱۰۳، داراحیاء التراث العربی، بیروت) اور اس کی شرح مجمع الانہر میں ہے۔ وهو الاعلام بعد الاعلام بحسب ما تعارفه اهل کل بلدة بین الاثنین۔ (ج۔۱ ص ۱۰۳، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

ہدایہ، ص ۷۲، باب الاذان مجلس البرکات، مبارک پور میں ہے۔

والمتأخرون استحسنوه فی الصلوات کلها لظهور التوانی فی الامور الدینیة۔

مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے: واستحسن المتأخرون التثویب فی الصلوات کلها۔

(ج۔۲ باب الاذان الفصل الثانی، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

کفایہ شرح ہدایہ میں ہے: وما استحسنه المتأخرون وهو التثویب فی سائر الصلوات لزیادة غفلة الناس و قل مایقومون عند سماع الاذان فیستحسن التثویب للمبالغة فی الاعلام۔ (ج۔۱ ص ۲۱۵، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اسی طرح بنایہ و کنز الدقائق و تبیین الحقائق و بحر الرائق و فتاویٰ عالمگیریہ و فتاویٰ قاضی خان و کفایہ و شرح النقایہ و فتاویٰ سراجیہ و جامع الرموز و ارکان اربعہ و اشعۃ اللمعات و مدارج النبوۃ و شرح سفر السعادۃ و فتاویٰ حجہ و فتح باب العنایہ و نور الایضاح و مراقی الفلاح و نہایہ و مختصر وقایہ و قنیہ و شرح منیہ و طحطاوی وغیرہا میں ہے۔

بلاد اسلامیہ خود مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں تثویب بلا نکیر جاری و ساری ہے۔ بدعتی وہ ہے جو ایسوں کو بدعتی بتائے۔ واللہ اعلم۔ ۲

۳۔ النکة علی مراء کلکته : یہ مسئلہ اذان کے سلسلہ میں حضور مفتی اعظم قدس سرہ کا رسالہ ہے جو ۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ نے بیان کیا ہے کہ اذان حدود مسجد یا فنائے مسجد میں ہے۔ داخل مسجد مکروہ و ممنوع ہے۔ یہی ائمہ کی تصریحات ہیں۔ اور یہی حدیث سے ثابت ہے۔ حدود مسجد میں مسجد کی دیواریں، فصیلیں دروازہ یہ سب داخل ہیں۔ اس رسالہ میں حضور مفتی اعظم قدس

سرہ نے ائمہ کی دس تصریحات پیش کی ہیں۔ اور ان کی روشنی میں اپنے مدعی کو روشن تر بنا دیا ہے۔ اور اذان سے متعلق علمائے کلکتہ کے شبہہ کا ازالہ ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

شاید علمائے کلکتہ کو غلط خبر پہونچی یا اشتباہ ہوا کہ اہل حق دروازے سے احاطۂ بیرونی کا پھاٹک مراد لیتے ہیں نہ کہ عمارت مسجد کا دروازہ، اور مسجد کی چہار دیواری سے باہر اذان دینا ضروری جانتے ہیں۔ اور حدود مسجد میں مکروہ مانتے ہیں، لہٰذا خلاف کا نام لیا لیکن اہل حق کا فتویٰ، عمل، رسائل، سب شاہد ہیں کہ یہ اشتباہ محض بے اصل ہے۔ ہم خود حدود مسجد میں اذان مانتے اور اسی کو زمانۂ رسالت سے ثابت کرتے اور ہمیشہ سے اسی پر عمل رکھتے ہیں۔

اس رسالہ میں مولوی ولایت حسین صاحب، اشرف علی، مولوی عبدالحق صاحب دہلوی، مولوی عبدالوہاب صاحب بہاری، خاص طور سے آخر الذکر تین حضرات ملحوظ نظر ہیں۔ ان سے چالیس سوالات کیے ہیں۔ اور جواب کے لیے پندرہ دن کی مہلت دی ہے۔ اور اس رسالہ کے آخری صفحہ پر یہ درخواست کی ہے کہ

(۱) ہر سوال کے جواب میں پہلے صاف صاف لا یا نعم فرما دیں۔ اس کے بعد تاویل و توجیہ وغیرہ جتنی چاہیں فرمائیں۔

(۲) جو باتیں ثبوت طلب ہیں ائمہ معتمدین سے ان کے ثبوت مع حوالۂ صحیحہ کتب معتمدہ سے دیے جائیں۔ خالی زبانی ارشاد پر قناعت نہ ہو۔

(۳) ہر سوال کا جواب نمبر وار عنایت ہو، بہت جگہ ایک ہی سوال میں کئی کئی استفسار ہیں۔ ہر ایک کا جواب مرحمت ہو۔

(۴) چالیس سوال ہیں اگر باہم تقسیم فرمالیں تو فی کس تیرہ اور ایک ثلث یا دس آئیں گے۔ ہر ایک رات دن میں ایک ایک دینی سوال کا جواب عطا ہو تو دو ہفتہ سے کم میں ممکن، لہٰذا روز اول سے پندرھویں دن محض خلصاً لوجہ اللہ اعانت امر دین کے لیے جواب ارسال فرما دیں دینی معاملہ ہے، شرعی مکالمہ ہے علما کو اس سے پہلو تہی کے کیا معنی۔ ۱۲

یہ رسالہ ۱۱ر ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ کو پایہ تکمیل کو پہونچا۔

۴- **مقتل اکذب و اجهل** : یہ مسئلہ اذان سے متعلق حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کا ایک رسالہ ہے جو ۱۹ صفحات پر مشتمل ہے اس میں مولوی عبدالغفار خاں صاحب رام پوری کی پانچویں تحریر کا حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے رد بلیغ فرمایا ہے۔ اور مولوی صاحب رام پوری نے ایک اشتہار شائع کیا۔ جس میں انھوں نے اندرون مسجد اذان سے متعلق اپنی دلیلیں پیش کیں اور فقہائے شریعت پر افترا کیا۔ خود تراشیدہ اور گڑھی ہوئی عبارات پیش کیں۔ جھوٹی احادیث دل سے گڑھ کر بیان کیں۔ ادعا کیا اور موکد بہ حلف شدید کر کے ہے عیش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ ہم نے جو عبارات نقل کی ہیں وہ کتابیں سرکاری کتب خانہ میں موجود ہیں ہمارے ساتھ چل کر دیکھ لیں ایک حرف کا تفاوت نہ پائیں گے۔

رام پوری صاحب کے اس اشتہار پر مفتی اعظم قدس سرہٗ نے درج ذیل سوالات کیے۔

(۱) وہ کون سی کتاب ہے جس میں صلاۃ مسعودی کے حوالہ سے یہ عبارت صفحہ ۷ اوالی نقل کی ہے۔

(۲) اس کا مصنف کون ہے؟ اور کسی نے کبھی اس کتاب کا کہیں حوالہ دیا ہے؟ اس وقت اس سوال میں اتنا اور اضافہ کرتا ہوں کہ اگر وہ کوئی کتاب نہیں بلکہ وہ کسی قلمی کتاب کے حاشیہ پر کسی نے کچھ لکھ دیا ہے تو وہاں ناقل نے اپنا نام لکھا ہے؟ یا ایک گم نام کتابت ہے؟ آپ اگر اسے زید یا عمر کی بتائیں تو اس بتانے پر کوئی دلیل شرعی ہے؟ یا نری آپ کی زبان؟

(۲) صحیح نقل جس کتاب سے دکھائی جائے آیا اس میں صلاۃ مسعودی کے حوالہ سے بعینہ یہی اور اتنی ہی عبارت لکھی ہے۔ جو صفحہ ۷۱ پر نقل کی ہے یا کم وبیش ہے۔

(۴) کم وبیش ہے تو وہ پوری عبارت کیا ہے۔

(۵) اس عبارت میں بیرون مسجد کا لفظ صاف صاف موجود ہے یا نہیں؟

(۶) اس عبارت میں اس مضمون کا حوالہ فتاویٰ خانی پر دیا یا نہیں؟

(۷) فتاویٰ خانی میں مئذنہ ہے یا منبر؟

اور اس رسالہ میں مفتی اعظم قدس سرہٗ نے مولوی صاحب رام پوری کے علانیہ فرار اور ان کی تحریر پر ایک سو پچیس ضربات شمار کرائی ہیں۔

اور اس رسالہ کے آخری صفحہ پر مسئلہ اذان سے متعلق علمائے پشاور و کابل و کاشغر کی زبان فارسی میں تصدیقات موجود ہیں۔ ۴

۵- حجة واهره بوجوب الحجة الحاضرة: رسالہ ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے ۱۳۴۲ھ میں بعض لیڈروں نے حج بیت اللہ سے روکنے کی کوشش کی تھی اور ممانعت حج کی بنا مضمون نگار نے اس پر رکھی ہے کہ شریف ظالم ہے اور اس کے مظالم قرامطہ جیسے ہیں اور اس وقت علمانے ممانعت فرمائی تھی۔ اب بھی ممانعت ہونی چاہیے۔ اس قیاس، قیاس مع الفارق سے لکھ دیا کہ ''حج ناروا ہے'' شریف کے جو مظالم گنائے ہیں، جن میں بعض مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) دنیا کو معلوم ہے کہ شریف حسین نے جنگ یورپ میں عیسائیوں کا شرمناک اور خلاف اسلام ساتھ دیا اور نصاریٰ کی دیرینہ مخالفت خلافت کو اپنی بغاوت سے قوی کر کے نظم اسلام و مسلمین کی پراگندگی میں کافی مدد کی اور محض ذاتی منفعت کے واہمہ اور دنیاوی عزت و مفاد کے تخیل میں دین و آخرت، عزت و استقامت اور اپنی حقیقی شوکت و وقعت کو برباد کر دیا جس کے بعد وہ سب کچھ ہوا جو عہد قرامطہ میں ہوا تھا اور اب تک اس کے غارت گر آثار باقی و جاری ہیں۔

(۲) کیا انکار کیا جاسکتا ہے کہ نصرانیوں کی فوج ارض مقدس حجاز مکہ حرم میں نہ داخل ہوئی؟ اور بحر احمر کے ساحل پر نہ اتری؟

(۳) کیا فخری پاشا گورنر مدینہ کا فریب سے محاصرہ نہ کیا گیا؟ اور مدینۃ الرسول کے شیوخ و سادات جلاوطن اور غارت نہ کیے گئے؟

(۴) کیا مخدرات مدینہ طیبہ پر مظالم نہ ہوئے؟ ۵

۶- مقتل كذب و كيد: یہ رسالہ ۷۶ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس میں مسئلہ اذان میں مولوی عبد الغفار خاں صاحب رام پوری۔ یہ رسالہ رام پور رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ جس کا مناظرۂ فرق اردو میں اندراج نمبر ۲۵۳ ہے۔ ۲۵ ر ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ کو پہلی بار بریلی سے شائع ہوا۔ ۶

۷- وقعات السنان فى حلق المسماة بسط البنان: یہ کتاب ۷۴ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ ۱۳۳۰ھ میں مکمل کی گئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن مطبع اہل سنت، بریلی سے شائع ہوا۔ اس کے اندر مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کی کتاب بسط البنان پر اور مولوی قاسم نانوتوی کی تحذیر الناس پر بھرپور تنقید کی گئی ہے اس کے اندر تھانوی صاحب اور ان کے ہم خیال لوگوں سے ایک سو بتیس سوالات کیے گئے ہیں۔ یہ سوالات کتاب الکاوی فی العاوی والغاوی (۱۳۳۰ھ) اور النجم القاصم للداسم القاسم (۱۳۳۰ھ) اور اشد الباس علی عابد الخناس (۱۳۲۸ھ) (جو تحذیر الناس کا رد ہے) اور نور الفرقان بین جند الالہ واحزاب الشیطان وغیرہ سے ماخوذ ہیں۔ یہ سوالات مسلک دیوبند پر بھرپور وار ہیں۔ حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے جو گرفتیں کی ہیں وہ بہت مضبوط ہیں۔ یہی وہ وار ہیں جنھیں نیزہ کی مار کا عنوان

دیا گیا ہے۔ یہ سوالات بذریعہ رجسٹری جناب تھانوی صاحب کے پاس بھیجے گئے۔ جن کے جوابات سے تاحیات عاجز رہے۔ ان کی پوری جماعت تا قیامت ان شاء اللہ عاجز رہے گی۔ ے

سوالات کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

سوال اول : محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا جو قرآن عظیم میں منصوص اور مسلمانوں کے ضروریاتِ دین سے ہے صرف یہ لفظ ضریات سے ہے۔ معنی کچھ گڑھ لیجیے ، یا ان کے کوئی معنی ضروریات سے ہیں؟ بر تقدیر ثانی وہ معنی کیا ہیں؟

سوال دوم : جو معنی کہ ایک شخص نے تیرہ سو برس کے بعد تراشے اور ان کے ایجاد بندہ ہونے کا خود بھی مقر ہوا اور وہ مقر نہ ہوتا تو سلف صالحین سے آج تک کسی سے ان کا منقول نہ ہونا خود ان کے حدث پر شاہد عدل ہو گیا۔ وہ ضروریات دین سے ٹھہریں گے یا وہ معنی جو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ و تابعین وائمہ دین سے متواتر اور عام مسلمانوں میں دائر و سائر ہیں وہ ضروریاتِ دین سے ہوں گے؟ ضروریاتِ دین کے کیا معنی ہیں؟

سوال سوم : رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم وصحابہ و تابعین وائمہ دین نے خاتم النبیین کے یہی معنی بتائے کہ حضور سب سے پچھلے نبی ہیں۔ بعثت اقدس کے بعد اب کوئی جدید نبی نہیں ہوگا۔ یا یہ بتائے ہیں کہ حضور نبی بالذات ہیں اور انبیا نبی بالعرض ہیں اور امابالعرض کا قصہ امابالذات پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ معنی خاتم النبیین اگر بتائے ہوں تو ثبوت دیجیے۔ نہ بتائے ہوں تو اقرار کیجیے کہ واقعی یہ حدث محدث ہے۔ اور ضروریاتِ دین سے وہی معنی اول ہیں۔

سوال چہارم : جو معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ و تابعین وائمہ دین بتاتے آئے ان کو خیال عوام کہنے والا ضروریات دین کا منکر ہے یا نہیں؟ اور سبھی صحابہ وائمہ حتی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ معنی قرآن مجید سے جاہل و ناسمجھ ٹھہرایا نہیں؟ ایسا ٹھہرانے والا کافر ہے یا مسلمان سنی ہے؟ یا بد دین بندۂ شیطان؟ ۸

اس رسالہ میں حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے تھانوی صاحب کو ان الفاظ میں نصیحت فرمائی ہے کہ تھانوی صاحب آپ نے دیکھا کفر کی مدد کرنے والا اور بڑھ کر کفر در کفر کفر بر کفر میں پڑتا ہے۔ تھانوی صاحب ابھی آپ کی سانس کا ڈورا چل رہا ہے۔ اپنے کلام کو کفر مان چکے، اپنے آپ کو کافر مان چکے۔ اب ایمان لانے ، مسلمان ہونے ، اپنے جدید اسلام کا اعلان کرنے ، پھر زوجہ شریفہ راضی ہوں تو ان سے جدید نکاح کرنے میں کیا عذر ہے؟ ہم تمہارے بھلے کی کہتے ہیں۔ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۞ یہ رسالہ سولت پبلک لائبریری رام پور میں موجود ہے جس کا مناظر بخرق اردو میں اندراج نمبر ۳۹۸ ہے۔

۸- الموت الاحمر : یہ کتاب ۸۸ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ ۸ رصفر المظفر ۱۳۳۷ھ کو پایۂ تکمیل کو پہونچی۔ اس کا ایک ایڈیشن ۱۳۹۴ھ میں مکتبۃ الحبیب سے طبع ہوا ، جو ہمارے پیش نظر ہے۔ اس میں مسلک دیوبند پر بھر پور نقد و تبصرہ کیا گیا ہے اور حق کی حقانیت کو واشگاف کیا گیا ہے۔ اور مذہب دیوبند پر بڑے ٹھوس اعتراضات اور مضبوط مواخذے کیے گئے ہیں۔ اس کے اندر کل اسی سوالات و مواخذات ہیں۔ تیس بحث اول میں ، دس بحث دوم میں ، بیس بحث سوم میں اور بیس تذییل ہیں۔ مسئلہ خاتمیت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور مولوی اسماعیل دہلوی کی تکفیر فقہی کی بحثیں بھی نہایت تحقیق کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

عقائد دیو بند سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ معاذ اللہ رب عزوجل کا جھوٹا ہونا ممکن ہے۔ مولوی اسماعیل نے دلیل یہ دی ہے کہ آدمی تو جھوٹ پر قادر ہے۔ خدا قادر نہ ہو تو آدمی کی قدرت اس سے بڑھ جائے۔ اس عقیدہ کا مدلل و مفصل رد " سبحٰن السبوح " از امام احمد

رضا بریلوی قدس سرہٗ میں ملاحظہ ہو۔ حضرت مصنف فرماتے ہیں: مولانا غلام دستگیر مرحوم نے اس پر نقض کیا کہ یوں تو تمھارے خدا کا چوری کرنا اور شراب پینا بھی ممکن ہو جائے کہ آدمی چور اور شرابی ہوتے ہیں۔ خدا سے نہ ہو سکے تو آدمی سے قدرت میں گھٹ رہے۔ اس پر دیوبند کے بڑے معتمد مولوی محمود الحسن دیوبندی نے ضمیمہ اخبار نظام الملک ۲۵ راگست ۱۹۰۹ء میں صاف چھاپ دیا کہ چوری، شراب خوری، جہل ظالم ہے، معارض کم فہمی معلوم ہوتا ہے۔ غلام دستگیر کے نزدیک خدا کی قدرت بندہ سے زائد ہونا ضروری نہیں۔ حالاں کہ یہ قاعدہ کلیہ ہے جو مقدور العبد ہے وہ مقدور اللہ ہے۔ اس پر حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کا تیور اور ان کی گرفتیں ملاحظہ ہوں۔

یہ تو آنکھیں بند کر کے کہہ ہی بھاگے اور آپ تھانوی صاحب ظاہری وغیرہ جس دیوبندی یا کسی قسم کے وہابی سے پوچھیے یہی کہے گا۔ ورنہ امام الطائفہ کی دلیل کیسے بنائے گا؟ کیا اسے گمراہ بددین ٹھہرائے گا؟ اس نے یہ کہہ کر اپنے معبود کو تمام ذلتوں، خواریوں، فاحشہ عیبوں گھنونی باتوں کا قابل بتایا ہے۔ اب ان کے خدا کا جوف دار کھکل ہونا تو امکان شراب خوری سے ظاہر، انسان کا شراب پینا یہی ہے کہ باہر سے شراب اپنے جوف میں داخل کرے۔ ان کا خدا اگر کھکل نہ ہوگا اس پر قادر نہ ہوگا تو قدرت انسان سے گھٹ رہے۔ رہے کروڑوں خدا وہ یوں سمجھیے، فرمائیے چوری کیا ہے۔ پرائی ملک بے اس کی اجازت کے اس سے چھپا کر لینا، اپنی ملک کسی کے پاس سے لینے کو پکے پاگل کے سوا کوئی چوری کہہ سکتا ہے اور ہو بھی تو یہ صورۃً چوری ہوگی نہ حقیقۃً اور آدمی حقیقی چوری پر قادر ہے جس کا نفس وجود بے ملکِ غیر عقلاً ناممکن و نامتصور، محال بالذات مجمع الاضافات، تو چند باتیں قطعاً ثابت ہوئیں۔

(۱) بعض اشیا خدا کی ملک سے خارج اور دوسرے کی ملک مستقل ہوں، جب تو چوری کر سکے گا۔

(۲) وہ دوسرا مستقل خدا ہے کہ اگر تقریر تحذیر الناس کے طور کا خدا بالعرض ہوا۔ تو مالک بھی بالعرض ہوگا اور اس چیز کا بھی مالک بالذات۔ پھر اللہ واحد قہار رہے گا اور چوری ناممکن ہوگی۔

(۳) جب وہ دوسرا مستقل خدا ہے تو ازلی ابدی ہوگا یہ نہیں کہ امکان سرقہ (چوری) کے لیے اس کا امکان کفایت کرے اور بالفعل موجود نہ ہو کہ خدا کا وجود واجب ہونا لازم نہ کہ محض ممکن۔

(۴) انسان، لاکھوں کروڑوں اشخاص کی چوری کر سکتا ہے خدا اگر ایک ہی کی چوری کر سکے زیادہ پر قادر نہ ہو تو انسانی قدرت سے گھٹ رہے۔ لہٰذا واجب کہ لاکھوں کروڑوں ازلی ابدی خدا موجود واجب الوجوب ہوں تو قطعاً ثابت ہوا کہ دیوبندیہ وہابیہ کروڑوں کروڑوں خداوں کے پجاری ہیں۔ ہے تھانوی وغیرہ کسی دیوبندی یا وہابی میں دم کہ اس کا جواب لا سکے۔ کذلك العذاب ولعذاب الآخرة اكبر لو كانوا يعلمون ـ[۱۰]

۹ـ طرق الهدیٰ والارشاد الی احکام الامارة والجهاد : یہ رسالہ ۱۳۴۱ھ میں حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے تحریر کیا۔ اس کا خطبہ عربی میں ہے اور طویل ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ہی فصیح و بلیغ ہے۔ عربی ادب کا ذوق رکھنے والا محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خطبہ کا ایک جملہ ہے۔

وحرم علی عبادہ موالاۃ سائر الکفرۃ والمشرکین ۔ اور اس نے اپنے بندوں پر کفار و مشرکین سے تعلق و دوستی حرام فرمائی۔ اس سے رسالہ کے مضمون کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اسے اہل بلاغت کی اصلاح میں براعتِ استہلال کہتے ہیں۔ اس رسالہ میں اہل کفر و شرک سے محبت و مودت اور وداد و اتحاد کی حرمت بتائی گئی ہے اور اہل ایمان کو بڑے جوش و محبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور احساس کمتری کے شکار مسلمانوں کو ان کا صحیح مقام و منصب بتایا گیا ہے کہ اگر سچے پکے اور حقیقی مسلمان بن جائیں تو انھیں کے

لیے سربلندیاں ہیں۔ مسلمان کسی کے دست نگر نہ بنیں اور رب تعالیٰ پر اعتماد و بھروسا رکھیں اور اس کے احکام پر عمل کریں۔ اسی میں ان کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ اس میں حضرت مصنف نے مسلمانوں کو ان کی پچھلی تاریخ یاد دلائی ہے کہ اے مسلمانو! پہلے تم کیا تھے؟ اور اب کیا ہو گئے ہو؟ اور یہ جو کچھ بھی ہوا ہے تمھاری کرتوتوں کے سبب ہوا ہے۔ وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۔ (سورۂ شوریٰ ۴۲ / ۳۰) ہدایتوں اور نصیحتوں کو قرآن و احادیث سے مدلل کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ (طرق الہدیٰ الخ) جو عتبار حجم بہت مختصر ہے مگر نہایت ہی مدلل و جامع ہے۔ مخالفین کے زعم باطل، خیال عاطل اور وہم فاسد کا قامع ہے۔

(رسالہ ہٰذا ص ۲۵ مطبع فیض منبع حسنی بریلی، محلہ سوداگراں) ۱۱

رسالہ ۸۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ رام پور رضا لائبریری میں موجود ہے۔ جس کا مناظرۂ فرق اردو میں اندراج نمبر ۳۸۵ ہے۔ حسنی پریس بریلی کا چھپا ہوا ہے۔ اس رسالہ پر آخر میں حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی، حضرت مولانا مفتی محمد حسین صاحب سنبھلی، حضرت مفتی عبدالسلام، حضرت مولانا حسنین رضا، حضرت مولانا عبدالحق، حضرت مفتی سید محمد میاں اولادِ رسول مارہروی، حضرت مفتی برہان الحق مولانا محمد طاہر رضوی، مولانا محمد اسماعیل تلہری وغیرہم علیہم الرحمۃ والرضوان کی تصدیقات ہیں۔

۱۰ – **فتاویٰ مصطفویہ** : بریلی شریف کے دارالافتاء سے ماضی قریب میں جتنے فتاویٰ صادر ہوئے ہیں شاید ہی کسی اور جگہ سے اتنے فتاویٰ لکھے گئے ہوں۔ آپ کے والد ماجد امام الفتاویٰ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے ساتھ ساتھ کئی پشتوں سے لوگ مرجع فتاویٰ رہے ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ نے تو اپنی زندگی کے تقریباً پچاس سال فتاویٰ صادر کرنے میں ہی میں گزارے۔

دنیا کے گوشہ گوشہ سے احکام اسلام کے متعلق سوالات پہونچتے۔ اور آپ ان کا تشفی بخش اور تحقیقی جواب قلم بند فرماتے۔ صرف امام احمد رضا قدس سرہٗ کے قلم سے لکھے جانے والے فتاویٰ سے ایک ایک ہزار کی بارہ جلدیں بن گئی ہیں۔ اس طرح فتویٰ نویسی کی خدمت حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کو ورثہ میں ملی ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ کے بعد اس مسند سے سب سے زیادہ فتاویٰ صادر کرنے والی شخصیت حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ ہی کی ہے۔ ممالک عرب، امریکہ، افریقہ، یوروپ اور برصغیر کے گوشے گوشے سے آئے کثیر سوالات کے شرعی جوابات آپ نے تحریر فرمائے ہیں۔ ۱۲

یہ کتاب (فتاویٰ مصطفویہ) ۱۳۴۹ھ تک کے حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جسے تین جلدوں میں ڈاکٹر ریحان علی رضوی بیسل پوری نے مکتبہ الرضا بیسل پور ضلع پیلی بھیت سے شائع کیا۔ ۱۳

۱۱ – **ادخال السنان إلى حنک الحلقي بسط البنان** : یہ رسالہ ۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور یہ بسط البنان کا دوسرا ردو جواب ہے۔ اس کے بارے میں خود مصنف علیہ الرحمہ (الموت الاحمر) میں تحریر فرماتے ہیں۔

اس میں آپ (تھانوی صاحب) سے ایک سو ساٹھ قاہر سوال جن، سر وہابیہ پر ایک سو ساٹھ جبال ہیں۔ چھ سال ہوئے کہ آپ تھانوی صاحب ظاہری (براہ راست خطاب میں تھانوی صاحب، باطنی لکھا گیا ہے) کے یہاں رجسٹری شدہ گیا ہے اور آج تک بحمد اللہ تعالیٰ لا جواب ہے۔ ۱۴ یہ رسالہ صولت پبلک لائبریری رام پور میں موجود ہے جس کا مناظرۂ فرق اردو میں اندراج نمبر ۱۵۶ ہے۔ ۱۳۳۲ھ میں یہ رسالہ بریلی سے شائع ہوا۔

۱۲ – **سامان بخشش عرف گلستان نعت نوری** : یہ حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کا نعتیہ دیوان ہے۔ جو ۲۲۴ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ جس میں حمد باری تعالیٰ مناقب غزل اور رباعیات وغیرہ بھی ہیں۔ آپ کی شاعری میں جگہ جگہ امام احمد رضا فاضل

بریلوی قدس سرہٗ کا عکس نظر آتا ہے۔ اور شاعری کی زبان جدلیاتی اور فکری اپج سے وجود میں آتی ہے۔ اختصار، اشارہ، پردہ داری اس کے اوصاف ہیں۔ جب کہ نثر وضاحت اور صراحت سے پہچانی جاتی ہے۔ زبان کا جدلیاتی استعمال، استعارہ سازی وغیرہ کی ہنرمندی کسبی کم اور عطائی زیادہ ہے۔ اور یہ چیز جذبہ کی مرہون ہوتی ہے۔ اسی لیے کسی نے یہ کہا ہے کہ "وہ شخص شاعر ہو ہی نہیں سکتا جس نے عشق نہ کیا ہو۔" مفتی اعظم جیسی بزرگ شخصیت کے حصہ میں یہ عشق، عشق رسول کی شکل میں رونما ہوا اور اس کے اظہار کے لیے آپ نے نعت گوئی کا سہارا لیا۔ جہاں تک نعتیہ مواد کا تعلق ہے، مفتی اعظم کی شخصیت برصغیر میں آفتاب علم وکمال کی حیثیت رکھتی تھی۔ قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر علوم کے علاوہ فلسفہ اسلامی اور عقائد دینی پر ان کی گرفت بڑی مضبوط تھی۔ علوم شرقیہ کے باریک سے باریک نکات ان پر واضح تھے۔ نتیجے کے طور پر عشق کی آنچ نے جہاں جذبہ کو مہمیز کیا وہیں علمی تبحر نے احتیاط کو راہ دی۔ اور پھر ان دونوں کی آمیزش نے مفتی اعظم کے کلام کو سادگی اور معنوی حسن عطا فرمایا۔ عشق مصطفیٰ سے سرشار دل کی آواز میں پاکیزگی، لطافت اور دلوں کو منور کر دینے والی وہ کیفیت ہے جو ایک صاحب دل بزرگ کے دل کے گداز کا پتہ دیتی ہے۔ نمونہ شعر ملاحظہ ہو

حسرت دیدار دل میں ہے اور آنکھیں بہہ چلیں　　تو ہی والی ہے خدایا دیدۂ خوں بار کا
چارہ گر ہے دل تو گھائل عشق کی تلوار کا　　کیا کروں میں لے کے پھاہا مرہم زنگار کا
ہائے اس دل کی لگی کو میں بجھاؤں کیوں کر　　فرط غم نے مجھے آنسو بھی گرانے نہ دیا
جو ہو قلب سونا تو ہے یہ سہاگہ　　تری یاد سے دل نکھارا کروں میں

روے ایمان کی تابش کے لیے خشیت الٰہی اور حب رسول دو لازمی جز ہیں۔ خداے برتر کی وحدانیت اور رسالت کا قائل ہر مسلمان تو ہوتا ہے مگر ایمان کی معراج تو بندۂ مومن کو اس وقت نصیب ہوتی ہے جب اس کی نگاہ جہاں خداے برتر کی تجلیوں کی متلاشی ہو وہیں اس کا سینہ عشق مصطفیٰ کا گنجینہ بنا ہو اور اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ اور اس کے رسول کے ذکر اور ان ....
............کیفیت اس کے قال میں ملاحظہ ہو

ترا ذکر لب پر خدا دل کے اندر　　یونہی زندگانی گذارا کروں میں

اور یہ تمنا بھی ملاحظہ فرمائیں

دم واپسیں تک ترے گیت گاؤں　　محمد محمد، پکارا کروں میں

اور پھر منزل قبر کی دشواریوں کا حل دیکھیں

مرا دین و ایماں فرشتے جو پوچھیں　　تمھاری ہی جانب اشارہ کروں میں

مفتی اعظم قدس سرہٗ کا ایک اور سادہ سا شعر ملاحظہ ہو۔

وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے　　ہاں حسیں تم ہو فتنے مٹا کر چلے

"حسین" کا تصور دنیا کے اکثر لوگوں کے سامنے فتنہ سامانیوں کا سبب رہا ہے۔ مگر مفتی اعظم کے اس شعر نے حسن کو ایک نئی معنویت عطا کی ہے۔ حسین وہ کیا جو فتنہ سامانیوں کا سبب بنے۔ حسین تو دراصل سرکار کی ذات اقدس ہے جس نے زمانے سے فتنوں کا خاتمہ کیا اور کرب میں سسکتی ہوئی اس زمین کو امن واخوت کا گہوارہ بنا دیا۔ "حسین" لفظ کا اتنا حسین وخوب صورت استعمال خود شاعر کی طہارت نفسی کا بھی پتہ دیتا ہے۔

مفتی اعظم کی اکثر نعتیہ غزلوں کی زمینیں سادہ اور سہل ہیں۔ مگر کچھ مشکل ردیفوں میں اشعار ملتے ہیں۔ ردیفوں کی سختی کی وجہ سے شعر کی زمین سخت اور سنگلاخ ہو کر رہ گئی ہے۔ مگر ان زمینوں میں بھی مفتی اعظم کا قلم اپنے مزاج کے اشعار نکال لیتا ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

حق کے پیارے نور کی آنکھوں کے تارے ہو تمہیں   نور چشم انبیا مہر عجم، ماہ عرب
کب ہوتے یہ شام و سحر کب ہوتے یہ شمس و قمر   جلوہ نہ ہوتا گر ترا، مہر عجم، ماہ عرب ۱۵

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کی شاعری از ابتدا تا انتہا تو حید ربانی اور فضائل و محامد سید المرسلین میں ڈوبی ہوئی ہے اور آپ کے شاعر ماہر ہونے کا مبرہن ثبوت ہے۔ آپ کو شاعری ورثہ میں ملی۔ زبان ان کے گھر کی باندی ہے۔ آپ نے حمد، نعت، منقبت سب کچھ کہا ہے۔ ہر ایک میں رنگ تغزل جھلملاتا ہے۔ رس اور نغمگی پڑھنے اور سننے والے کو مسحور کر دیتی ہے۔ لطافت، صداقت، گہرائی، بلند فلسفہ اور بلاغت اشعار کی جان ہیں۔

اور سامان بخشش کا دوسرا نام گلستان نعت نوری ہے۔ یہ دیوان ۱۳۴۷ھ سے ۱۳۵۴ھ کے درمیان مکمل ہوا۔ اس لیے دونوں کے حساب سے حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے دو نام رکھے اور پورا نام اس طرح رکھا سامان بخشش عرف گلستان نعت نوری۔

۱۳ — **طرد الشیطان (عمدة البیان)** : عبد النعیم عزیزی حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے رسالہ ''طرد الشیطان'' کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

نجدی حکومت نے جو ٹیکس لگایا تھا اس کے رد میں حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے یہ رسالہ تحریر فرمایا (مفتی اعظم ص ۹۳)
غالباً یہ وہی کتاب ہے جس کے بارے میں جناب امید رضوی ایڈیٹر ماہنامہ نوری کرن بریلی رقم طراز ہیں۔

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی فضیلت اور جلالت علمی کا یہ عالم کہ جب پہلی بار حاضری حرمین ہوئی تو وہاں کے اجلہ علمائے کرام نے آپ کے سامنے نہ صرف زانوے عقیدت و ادب تہہ کیے بلکہ علم حدیث کے اجازت نامے بھی باصرار لکھوائے اور جس کا سلسلہ بعد واپسی مدت تک جاری رہا۔ اسی قیام حرمین کے زمانہ میں آپ سے علمائے حرمین نے دریافت کیا کہ:

موجودہ حکومت عربیہ حجاج سے جو ٹیکس لیتی ہے یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے چند گھنٹوں کی قلیل مدت میں سیر حاصل رسالہ تحریر فرمایا جس میں پرزور دلائل و براہین سے ثابت کیا کہ یہ ٹیکس لینا شرعاً ناجائز و حرام ہے۔ (افسوس کہ سفر حج سے واپسی پر یہ رسالہ ضائع ہو گیا۔) ماہنامہ نوری کرن بریلی (خاص نمبر) ص ۹ محرم شوال و ذیقعدہ.........اپریل مئی، ۱۲

۱۴ — **صلیم الدیان لتقطیع حبالة الشیطان** : مولوی عبد الغفار خاں صاحب رام پوری کی کتاب ''[illegible]'' کا یہ پہلا رد ہے۔ مولوی صاحب نے اپنی اس کتاب میں مسئلہ اذان کے متعلق مسلمانوں کو سو کتابوں کا جھوٹا نام لے کر دھوکا و فریب [illegible] ڈالا ہے۔ اکثر باتیں واقعات سے متعلق ہیں۔ مثلاً مولوی صاحب نے عبارتیں دل سے گڑھ لیں۔ ان میں قطع و برید یں، تحریفیں کیں، [illegible] یقینی باتوں کو جھٹلا دیا۔ ترجموں میں ملونیاں کر دیں۔ مسئلہ دل سے تراش لیا۔ فقہا پر افترا، شریعت پر افترا، خود اپنے اوپر افترا، اپنے طرف مقابل پر افترا بہتان کہ یہ کیا ہے۔ حالاں کہ کہیں نہیں کہا ہے۔ کتاب کا جھوٹا نام لکھ دیا۔ کتب و عبارات و احادیث کی محض جھوٹ گنتیاں بڑھائیں۔ مردود باتوں کو بے رد جواب سامنے لائے وغیرہ وغیرہ۔ نمونہ کذب ملاحظہ ہو۔

نری جھوٹی عبارت دل سے گڑھ لی۔
صلاۃ مسعودی کے نام سے ایک عبارت تراشی کہ ''اذان در مسجد مکروہ ہے مگر اذان در منبر'' حالاں کہ یہ محض کذب و افترا ہے ۔صلاۃ مسعودی میں اس کا کہیں پتہ نہیں، اگر سچے ہیں تو اس میں یہ عبارت دکھائیں۔
اس رسالہ (صلیم الدیان الخ) میں حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے مسئلہ اذان کو اپنی تحقیق و تدقیق سے ثابت کیا ہے اور مولوی صاحب کی غلط بیانی و فساد گوئی کا انکشاف تام کیا ہے۔17

15 — وقایة اهل السنة عن مکر دیوبند و الفتنه : یہ رسالہ ۸۴ صفحات پر مشتمل ہے جمعہ میں مسئلہ اذان ثانی کے متعلق جہالتوں سفاہتوں کا اس رسالہ میں رد کیا گیا ہے مسئلہ اذان کے سلسلہ میں کسی کان پوری دیو بندی نے ایک کتاب تصنیف کی۔ حضور مفتی اعظم نے ظاہر کیا ہے کہ وہ عیار تحریر اہل سنت کے صحاح ستہ و ائمہ اربعہ و مذہب حنفی سب کو باطل و بے اعتبار کرنے کی خواست گار ہے۔ یہ رد دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے اپنے سنی بھائیوں سے گزارش کی ہے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں دیوبندی وہابی وغیرہ سے گریز کریں ان کو اپنا دینی دشمن شمار کریں۔اور ہر بددین و گم راہ سے کنارہ کش رہیں۔

16 — الهی ضرب به اهل الحروب : یہ رسالہ وقایۃ اہل السنۃ کے ساتھ شامل اشاعت ہے۔صفحہ ۷۶ سے شروع ہوا ہے۔ یہ رد کا دوسرا حصہ ہے۔اس میں حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے دیوبندیوں پر قہر کی بارش کی ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ وہ ان اوندھی مت پر قہر الٰہی ہوگا۔اس حصہ میں اس عبارۃ کی ضلالتوں، جہالتوں، سفاہتوں کا بیان ہے اور کانپوری تحریر کا بھرپور رد بلیغ فرمایا ہے۔

17 — مسائل سماع : یہ رسالہ ۳۲ صفحات پر بکھرا ہوا ہے جس میں محفل سماع و سرور، راگ و رقص اور مزامیر و معازف سے متعلق دو استفتا ہیں۔ پہلے استفتا میں پانچ شقیں ہیں۔ان سب کا جواب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے نہایت جامع اور مفصل طور پر تحریر فرمایا ہے جو انیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔اور دوسرا جواب حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا ہے جو تیرہ صفحات پر مشتمل ہے۔صفحہ ۲۰ سے اس کا آغاز ہوا ہے۔ یہ رسالہ مکتبہ ایشیق استنبول ترکی سے شائع ہو چکا ہے۔

18 — سیف القهار علی عبید الکفار : یہ آثار المبتدعین کا دوسرا رد ہے۔مولوی عبد الغفار خان صاحب رامپوری نے فتویٰ مبارکہ بریلی مطبوعہ تحفۂ حنفیہ محرم ۱۳۲۲ھ پر اعتراضات میں کمال ناقہمی کی داد دی۔ یہاں حجاب فاشی کی گئی ہے۔18

19 — مسلک مرادآباد پر معترضانه ریمارک : صولت پبلک لائبریری رام پور کی فہرست مطبوعات اردو (مناظرہ فرق) کے صفحہ ۱۲۴ سطر ۱۱ میں اس کتاب کو حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کی تصنیف تحریر کیا ہے۔اندراج نمبر ۳۹۷ ہے۔کیفیت کے خانہ میں یہ تحریر ہے کہ ''مسلک مرادآباد پر معترضانہ ریمارک'' اخبار نظام الملک کے ساتھ شامل ہے۔مگر کتاب طلب کرنے پر نہ مل سکی۔19

20 — فصل الخلافة : یہ رسالہ ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۲ء کو پایۂ تکمیل کو پہنچا۔اس کا لقب سوراج درسوراخ ہے۔اس رسالہ میں مسئلہ خلافت اور ترکوں کے ہاتھوں ختم خلافت پر بحث کی ہے۔20

21 — کانگریسیوں کا رد : یہ حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کی ایک مطبوعہ تصنیف ہے، جو کانگریسیوں کے رد میں ہے۔دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔21

22 — الرحم الدیانی علی رأس الوسواس الشیطانی : یہ رسالہ ۱۳۳۱ھ میں پایۂ تکمیل کو پہونچا۔ یہ حسام الحرمین کا گویا خلاصہ و نچوڑ ہے۔اس میں تفسیر نعمانی کے مؤلف پر حکم کفر و ارتداد ہے۔کلاں سائز میں ۱۴ صفحات پر مشتمل ہے۔مطبع روز

بازار امرتسر سے طبع ہوا ہے۔اعلیٰ حضرت وصدر الشریعہ قدس سرہما وغیرہ کی کتاب میں تصدیقات ہیں۔رام پور رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے جس کا مناظرہ فرق اردو میں اندراج نمبر ۹۸ ہے۔ ۲۲

۲۳ـ **نہاء السنان** : یہ بسط البنان کا تیسرا رد ہے۔اوخال السنان کے آخر میں ٹائیٹل پر اس رسالہ کا اعلان ہے۔

۲۴ـ **تنویر الحجة بالتواء الحجة** : یہ رسالہ مطبوعہ ہے۔تاج الشریعہ جانشین حضور مفتی اعظم دامت برکاتہم القدسیہ کے یہاں مرکزی دارالافتا بریلی میں موجود ہے۔ ۲۳

راقم کو درج ذیل چند کتابوں کے متعلق نہ کوئی معلومات حاصل ہو سکی اور نہ کوشش بسیار کے بعد ان کی زیارت ہو سکی۔اس لیے صرف اسمائے کتب کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۲۵) داڑھی کا مسئلہ ۲۴، (۲۶) وہابیہ کی تقیہ بازی ۲۵، (۲۷) القسم القاصم للداسم القاسم ۲۶، (۲۸) الکاوی فی العادی والغاوی ۲۷، (۲۹) اشد الباس علی عابد الخناس ۲۸، (۳۰) نور الفرقان بین جند الالہ واحزاب الشیطان ۲۹

بعد میں معلومات فراہم ہوئی۔

شفاء العی فی جواب سوال بمبئی : یہ حضور مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوری کا بمبئی کے سوال کا مدلل جواب ہے، جو چوبیس صفحات پر مشتمل ہے۔فتاویٰ مصطفویہ جلد اول میں موجود ہے آخر میں حضور مفتی اعظم قدس سرہ فرماتے ہیں۔"الحمد للہ ثم الحمد للہ جواب باحسن وجوہ تمام ہوا۔اور "شفاء العی فی جواب بمبئی" اس کا نام ہوا"

تالیفات

۳۲ـ **الطاری الداری لھفوات عبدالباری : (۳ حصص)** : ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۱ء میں امام احمد رضا اور مولانا عبدالباری کے درمیان مراسلت ہوئی۔جو ۱۶/رمضان ۱۳۳۹ھ-۱۹۲۱ء کو شروع ہوئی اور ۲۰/صفر ۱۳۴۰ھ-۱۹۲۱ء کو ختم ہوئی۔مولانا عبدالباری نے ۱۶ خطوط لکھے اور امام احمد رضا نے ۲۲،اس جملہ مراسلت کو حضور مفتی اعظم نے حسنی پریس بریلی سے ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں بعنوان الطاری الداری لھفوات عبدالباری تین حصوں میں شائع کیا۔خود امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ایک رباعی میں اس تالیف کا ذکر فرمایا ہے۔

رہِ علم و فن جناب عبدالباری — خوش سکہ زن جناب عبدالباری
یک کودک من طاری داری بنوشت — دندان شکن جناب عبدالباری

جانبین سے مراسلات کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

امام احمد رضا اور مولوی عبدالباری کے درمیان مراسلت کے دوران مولوی عبدالباری کی فکر و نظر مختلف نشیب و فراز سے گزری۔انھوں نے توبہ نامہ بھی شائع کیا مگر جملہ کلمات پر توبہ کے اصرار نے ان کو برہم کر دیا۔چنانچہ اخیر میں انھوں نے مکتوب محررہ ۱۴/ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء بھیجنے کے بعد خاموشی اختیار کر لی۔جس نے امام احمد رضا کو اور زیادہ مضطرب کر دیا اور انھوں نے مولوی عبدالباری کی خاموشی کے جواب میں پے درپے چھ خطوط ارسال فرمائے۔ان خطوط میں امام احمد رضا کے خیالات وافکار نے شعر کا روپ اپنایا۔اور ایک ماہ دس دن کی قلیل مدت میں ۲۱۶ عربی و فارسی اشعار کا ذخیرہ سامنے آیا۔اس میں شک نہیں کہ تاریخی وسیاسی حیثیت سے یہ اشعار نہایت اہم ہیں۔اور تحریک آزادی ہندوستان پر کام کرنے والوں کے لیے ایک اہم ماخذ ہیں۔مندرجہ بالا اجمال کی تفصیل یہ ہے۔اواخر جمادی الاولی

۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں لکھنؤ سے مولوی ریاست علی خاں شاہ جہاں پوری مولوی عبدالباری فرنگی محلی کا پیغام لے کر امام احمد رضا کے پاس آئے کہ مولانا عبدالباری ملنا چاہتے ہیں۔امام احمد رضا نے فرمایا کہ مولانا اگر اقوال کفریہ سے توبہ کرلیں تو میں خود ہی جا کر ملوں گا۔مولوی ریاست علی خاں واپس لکھنؤ گئے اور وہاں سے مولوی عبدالباری کی طرف سے یہ پیغام بھیجا کہ آپ کی نظر میں جو اقوال کفریہ سرزد ہوئے ہیں ان سے مطلع کردیں تاکہ توبہ نامہ شائع کردیا جائے۔اس کے جواب میں امام احمد رضا نے ۱۰۱ کلماتِ کفریہ پر مشتمل ایک مجمل فہرست مرتب کر کے جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں مندرجہ ذیل خلفاء و تلامذہ کے ہاتھ بھیج دی۔

(۱) صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی (متوفی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء)

(۲) صدرالشریعہ مولانا امجد علی صاحب اعظمی (متوفی ۱۳۶۷ھ ۱۹۴۸ء)

(۳) مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی (متوفی ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۸ء)

(۴) مولانا حشمت علی لکھنوی (متوفی ۱۳۸۰ھ ۱۹۶۰ء)

اس کے بعد مولوی ریاست علی خاں صاحب کا خط محررہ ۲۵ر جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء ملا، جس میں امام احمد رضا سے استفسار کیا گیا تھا کہ مرسلہ فہرست میں مندرجہ تمام اقوال کفریہ ہیں یا بعض حرام یا بعض ناجائز؟۔اس کے بعد امام احمد رضا نے یکم رجب ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کو خط لکھا۔جس کے جواب میں مولوی ریاست علی خاں نے لکھا کہ کفریات، محرمات، ضلالات کو الگ الگ کردیا جائے۔چنانچہ ۱۳ر شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کے خط میں امام احمد رضا نے مندرجہ ذیل تین قسم کے توبہ نامے دستخط کے لیے مولوی عبدالباری فرنگی محلی کو روانہ کئے۔

(۱) تحریر مختصر ہدایت توبہ (۲) تحریر متوسط ہدایت توبہ (۳) تحریر مفصل ہدایت توبہ

تحریر مفصل کو دو فصلوں پر تقسیم کیا۔فصل اول میں مرتدین کی حمایت میں مولانا عبدالباری نے جو کلمات کہے تھے مع حوالے ان کو جمع کیا۔اور فصل ثانی میں مشرکین ہند کے ذیل میں جو اقوال کہے تھے ان کو جمع کیا۔

امام احمد رضا نے تحریر مختصر، تحریر متوسط اور تحریر مفصل کے اخیر میں مندرجہ علمائے اہل سنت کی تصدیقات ثبت کرائیں کہ یہ سب حضرات امام احمد رضا کے اس فیصلہ کی تائید کرتے ہیں کہ جو کلمات مولانا عبدالباری نے فرمائے تھے اور امام احمد رضا نے اس پر اعتراض اٹھائے تھے وہ سراسر کفر و ضلالت ہیں۔

(۱) صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی (متوفی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء)

(۲) صدرالشریعہ مولانا امجد علی صاحب اعظمی (متوفی ۱۳۶۷ھ ۱۹۴۸ء)

(۳) مولانا عبدالسلام صدیقی جبل پوری (متوفی ۱۳۷۲ھ ۱۹۵۲ء)

(۴) مولانا عبدالباقی برہان الحق جبل پوری (متولد ۱۳۱۰ھ ۱۸۹۲ء، متوفی ۱۴۰۵ھ)

(۵) مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی (متوفی ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء)

(۶) مولانا محمد افضل کریم (۷) مولانا غلام محی الدین رامدھیری

(۸) تاج العلما مفتی محمد عمر نعیمی مرادآبادی (متوفی ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء)

(۹) مولانا محمد میاں برکاتی (متوفی ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء)

(۱۰) مولانا محمد یعقوب بلاسپوری

(۱۱) مولانا غلام احمد شوق فریدی (متوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء)

(۱۲) مولانا محمد دیدار علی الوری حنفی (متوفی ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء)

امام احمد رضا کی تحریر کا یہ اثر ہوا کہ مولانا عبد الباری نے روزنامہ "ہمدم" لکھنؤ شمارہ نمبر ۱۱، رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں اپنی توبہ شائع کردی۔ امام احمد رضا نے ۱۵؍رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کو مولانا عبد الباری کے نام مبارکبادی کا خط بھیجا۔ مولانا عبد الباری نے اپنے طور پر توبہ شائع کرادی لیکن امام احمد رضا کے مرسلہ توبہ نامہ پر دستخط نہیں کئے۔ اس سے ایک نئی بحث کا آغاز ہوا۔ اور جانبین سے مندرجہ ذیل مراسلات لکھوائے گئے۔

(۱) مکتوب مولانا عبد الباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۶؍رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲) " امام احمد رضا " مولانا عبد الباری " ۱۹؍ " " " "

(۳) مکتوب مولانا عبد الباری بنام امام احمد رضا محررہ ۲۲؍رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۴) " امام احمد رضا " مولانا عبد الباری " ۲۶؍ " " " "

(۵) " مولانا عبد الباری " امام احمد رضا " ۲۶؍ " " " "

(۶) " امام احمد رضا " مولانا عبد الباری " ۲؍ شوال المکرم " "

(۷) " مولانا عبد الباری " امام احمد رضا " ۴؍ " " " "

(۸) " امام احمد رضا " مولانا عبد الباری " ۹؍ " " " "

(۹) " امام احمد رضا " مولانا عبد الباری " ۱۹؍ " " " "

مؤخر الذکر پے درپے دو خطوط ملنے کے بعد .... ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کو خط لکھا جس میں برہمی کے آثار نمایاں ہیں۔ مثلاً یہ جملہ

"عام ظن یہ ہے کہ جناب کو اپنی رائے سے عدول کرانے میں بڑے بڑے محقق کو بھی کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ امید ہے کہ یہ ظن فاسد و باطل ہوگا۔" ا؎

امام احمد رضا نے ۲۶؍شوال المکرم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کو خط لکھا۔ اور مولانا عبد الباری سے مندرجہ بالا اظہار خیال کی تائید میں مثالیں طلب کیں۔ اسی اثنا میں مولانا عبد الباری سندھ کے دورے پر روانہ ہو گئے۔ ماہ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں واپس آئے۔ ۱۰؍ذی القعدہ کو امام احمد رضا نے خط لکھا۔ پھر ۱۲؍ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ کو لکھا۔ ۱۶؍ذی القعدہ کو مولانا عبد الباری نے خط لکھا۔

مگر اس میں ۱۲؍ذی القعدہ کے مفصل و مطول خط کا ذکر تک نہ کیا۔ اس پر امام احمد رضا نے ۱۹؍ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کو خط لکھا اور حقیقت حال دریافت کی۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل مراسلت ہوئی۔

(۱) مکتوب مولانا عبد الباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۶؍ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲) " امام احمد رضا " مولانا عبد الباری " ۱۹؍ " " " "

(۳) // مولانا عبدالباری // امام احمد رضا // ۲۱/ // // // //
(۴) // امام احمد رضا // مولانا عبدالباری // ۲۶/ // // // //
(۵) // مولانا عبدالباری // امام احمد رضا // ۲۸/ // // // //

مؤخر الذکر مکتوب میں مولانا عبدالباری نے قدرے برہمی کا اظہار فرمایا کہ مجھے افسوس ہے کہ میں اب تک آپ کی طرف سے حسن ظن رکھتا تھا وہ اب نہیں رہا۔ لیکن اس برہمی ورنجش کے باوجود سلسلۂ مراسلت جاری وساری رہا۔ جانبین سے مندرجہ ذیل مکاتیب لکھے گئے۔

(۱) مکتوب امام احمد رضا بنام مولانا عبدالباری محررہ یکم/ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
(۲) // مولانا عبدالباری // امام احمد رضا // ۳/ // // // //
(۳) // امام احمد رضا // مولانا عبدالباری // ....../ // // // //
(۴) مکتوب امام احمد رضا بنام مولانا عبدالباری محررہ ۸/ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
(۵) // مولانا عبدالباری // امام احمد رضا // ۱۳/ // // // //

مؤخر الذکر مکتوب میں مولانا عبدالباری نے امام احمد رضا کو لکھا۔ آئندہ سے اگر کام کی بات نہ ہوگی۔ فضولیات کا جواب نہیں دیا جائے گا۔

۱۴/ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کو امام احمد رضا نے جواب لکھا۔ اسی تاریخ کو مولانا عبدالباری نے جواب بھیجا۔ اور لکھا جس قدر دیدہ ریزی میرے مغالبہ کی غرض سے کی ہے۔ ہم لوگوں کے نزدیک تضیع وقت کے سوا کچھ نہیں ہے؟ کیوں کہ ہم آپ کی نیت سے آگاہ ہوگئے ہیں۔ اس آخری مکتوب کے بعد مولانا عبدالباری نے خاموشی اختیار کرلی اور امام احمد رضا کے خطوط کے جواب نہیں دیے۔ اس طرز عمل کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے افکار وخیالات اور جذبات نے شعر کا روپ دھار لیا۔ ان اشعار میں امام احمد رضا نے مولانا عبدالباری پر سخت تنقید کی جس میں طعن وتشنیع کے تیرونشتر بھی ہیں۔ لیکن اس کا محرک جذبۂ ایمانی تھا نفسانی جذبہ نہ تھا کیوں کہ اس اختلاف سے قبل دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے، دشمن نہ تھے، امام احمد رضا نے مندرجہ ذیل چھ خطوط مولانا عبدالباری کے نام ارسال کیے جن میں تقریباً دوسو سولہ عربی وفارسی کے اشعار رباعیات قطعات کی صورت میں بے ساختہ نوک قلم پر آگئے ہیں۔

(۱) مکتوب محررہ ۱۴/ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء
(۲) // // ۲۰/ // // // // // //
(۳) // // ۲۵/ // // // // // //
(۴) // // ۶/ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ // // //
(۵) // // ۲۵/ // // // // // //
(۶) // // ۲/ صفر المظفر // // // // // //

۲/ صفر المظفر کے ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء کے بعد امام احمد رضا نے مراسلت بند کردی۔ اور یہ سارا ریکارڈ ان کے صاحبزادہ مفتی اعظم مولانا محمد مصطفیٰ رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تالیف ''الطاری الداری لھفوات عبدالباری'' (خرافات عبدالباری پر آخری ضرب) میں محفوظ کردیا۔ اور یہ کتاب اسی زمانے میں حسنی پریس بریلی سے طبع ہوکر شائع ہوگئی۔ ۳۲

۳۳- الملفوظات (چار حصے) : اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ بریلوی کے علوم و معارف کا ایک بہت بڑا ذخیرہ الملفوظ ہے، جو ان کے ارشادات اور کلمات طیبات پر مشتمل ہے۔ اگر چہ یہ اعلیٰ حضرت کی تصنیف نہیں، بل کہ ان کے زبان مبارک سے نکلے ہوئے جواہر پاروں اور ذخائر علم و حکمت کا ایک گنج گراں مایہ ہے اور احسان ہے حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کا کہ انھوں نے اعلیٰ حضرت کی علمی مجالس کے ان خزائن و دفاتر کو قلم بند فرمایا اور الملفوظ کے نام سے انھیں چار جلدوں میں شائع کر دیا۔ جلد اول ایک سو چار صفحات پر مشتمل ہے، جلد دوم ایک سو بارہ پر، جلد سوم اسی اور جلد چہارم بھی اسی صفحات پر مشتمل ہے۔ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو حضور مفتی اعظم نے رشتۂ تحریر میں منسلک نہ کیا ہوتا تو آج ہم علم و حکمت اور دین و سنت کے ان نادرۂ روز گار ذخائر سے محروم رہ جاتے جن کی چمک سے دلوں کے آفاق پر اجالا پھیلتا ہے اور دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔

الملفوظ کے مقدمہ میں حضور مفتی اعظم نے اس کے جلوہ ہائے سبب تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے اعلیٰ حضرت کی مجلس علم و حکمت اور فیض و برکت کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ:

> یہاں جو دیکھا کہ شریعت و طریقت کے وہ باریک مسائل جن پر مدتوں غور و خوضِ کامل کے بعد بھی ہماری کیا بساط بڑے بڑے سر پٹک کر رہ جائیں، فکر کرتے کرتے تھک جائیں اور ہر گز نہ سمجھیں اور صاف اَنَــــا لا ادری کا دم بھریں۔ وہ یہاں ایک فقرہ میں ایسے صاف فرما دیے جائیں کہ ہر شخص سمجھ لے گویا اشکال ہی نہ تھا۔
>
> اور دقائق و نکات مذہب و ملت جو ایک چیستاں اور معما ہیں جن کا حل دشوار سے دشوار تر ہو وہ یہاں منٹوں میں حل فرما دیے جائیں۔ تو خیال یہ ہوا کہ یہ جواہر عالیہ اور زواہر غالیہ یونہی بکھرے رہے اور انھیں سلکِ تحریر میں نہ لایا گیا تو اندیشہ ہے کہ وہ کچھ عرصہ کے بعد ضائع ہو جائیں۔
>
> پھر یہ ہے کہ ان ملفوظات عالیہ سے یا تو خود متمتع ہوتے یا زیادہ سے زیادہ ان کا نفع حاضر باشان دربار عالی ہی کو پہونچتا۔ باقی اور مسلمانوں کو محروم رکھنا ٹھیک نہیں، بل کہ ان کا نفع جس قدر عام ہو اتنا ہی بھلا۔ لہٰذا جس طرح ہو یہ تفریق جمع ہو۔
>
> مگر یہ کام مجھ بے بضاعت اور عدیم الفرصت کی بساط سے کہیں سوا تھا۔ اور گویا چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانا تھا۔ اس لیے بار بار ہمت کرتا اور بیٹھ جاتا۔ میری حالت اس وقت اس شخص کی سی تھی جو کہیں جانے کے ارادہ سے کھڑا ہوا مگر مذبذب ہو۔ ایک قدم آگے ڈالتا اور دوسرا پیچھے ہٹا لیتا ہے۔
>
> مگر دل بے چین تھا۔ کسی طرح قرار نہ لیتا تھا۔ آخر اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ کہتا کر ہمت چست کرتا اور حَسْبُنَـا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْل پڑھتا اٹھا۔ اور ان جواہر نفیسہ کا ایک خوشنما ہار تیار کرنا شروع کیا۔ اور میں اپنے رب عز و جل کے کرم سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اس ہار ہی کو میری جیت کا ذریعہ بنائے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ بریلوی کے ارشادات کو جمع کرنے کا یہ سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری نہیں تھا۔ دوسری مصروفیات کے باعث اکثر ناغے بھی ہو جایا کرتے تھے، جیسا کہ خود جامع ملفوظات نے اپنے مقدمہ میں اس کی صراحت فرمائی۔ ارشاد فرماتے ہیں:

> میں نے چاہا تو یہ تھا کہ روزانہ کے ملفوظات جمع کروں مگر میری بے فرصتی آڑے آئی اور میں اپنے اس عالی مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ غرض جتنا اور جو کچھ مجھ سے ہو سکا میں نے کیا۔ آگے قبول و اجر کا اپنے مولا تعالیٰ سے سائل ہوں۔

جامع ملفوظات حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کا انداز بیان یہ ہے کہ وہ مجلس میں بیٹھنے والے کسی سائل کے سوال کو "عرض" اور اعلیٰ

حضرت کے جواب کو "ارشاد" سے تعبیر کرتے ہیں اور چونکہ سوالات کے درمیان کوئی فنی ترتیب نہیں ہے اس سے اعلیٰ حضرت کے ارشادات علم وفن کے بے شمار اصناف پر مشتمل ہیں۔اور رنگارنگ پھول کی پنکھڑیوں کی طرح چار سو صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں۔کتاب میں پھیلے ہوئے ان منتشر مباحث کو بڑی حد تک مندرجہ ذیل اصناف میں سمیٹا جاسکتا ہے۔

(۱) حکایات وقصص (۲) معارف قرآن (۳) مباحث حدیث (۴) عقائد وایمانیات (۵) فقہی مسائل (۶) ردفرقہائے باطلہ (۷) ہیئت وفلسفہ (۸) تاریخ (۹) تصوف (۱۰) ہندو بیرون ہند کا سفر نامہ۔ ۳۳

۳۴- نفی العار عن معائب المولوی عبدالغفار : یہ رسالہ ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں اذان جمعہ میں مولوی عبدالغفار خاں صاحب رام پوری کی تیسری تحریر کا حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے مدلل رد فرمایا ہے۔اور اس رسالہ میں مولوی صاحب پر کل رد ایک سو سولہ (۱۶۶) ہیں۔ان کی طرف سے ایک پرچہ شائع کیا گیا، جو کذب وفریب، مردودات ومہملات، من گھڑت اور خود تراشیدہ عبارات سے پُر تھا۔اس کے آخر میں جناب مولوی سلامت اللہ صاحب کے نام سے ایک سطر عبارت بے معنی کو جلوہ دیا۔یہ اشتہار بہ وجہ کمال اہمال قابل توجہ نہ تھا۔مگر بہ خاطر عوام دو حضرات نے اس کے دو رد تحریر فرمائے۔ایک جناب قاضی عطا علی صاحب ہسل پوری نے، دوسرا جناب مولوی سید ظہیر حسن صاحب الہ آبادی نے یہ دونوں رد اپنی اپنی نوعیت میں جدا جدا طرز پر تھے۔بعض اعتراضات مشترک اور اکثر علاحدہ بعض احباب نے درخواست کی ان دونوں کو ایک سلک میں منسلک کیا جائے کہ فی الجماعۃ برکۃ۔ لہٰذا حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے مکررات کو تلخیص کیا۔اور بہت افادات کا اضافہ فرمایا۔اور ان تینوں تحریری مجموعوں کو بنام تاریخی "نفی العار عن معائب المولوی عبدالغفار" مسمیٰ کیا۔اور اس میں آپ (حضور مفتی اعظم) نے مولوی صاحب کی علمی غلطیوں اور خیانتوں کی پردہ کشائی کی ہے اور آخر میں مسئلہ اذان سے متعلق اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت۔شہزادۂ سرکار بغداد و اولاد و امجاد حضور سید الاسیاد حضرت سیدنا ومولانا فخر الملۃ والدین حضرت پیر سید ابراہیم صاحب آفندی قادری جیلانی حموی بغدادی دامت برکاتہم العالیہ کی تصدیق اعظم ہے۔ ۳۴

حواشی

۳۵- کشفِ ضلالِ دیوبند (حواشی و تکمیلات الاستمداد) : الاستمداد میں کل ایک سو بیاسی صفحات ہیں، جو کہ تین سو ساٹھ اشعار پر مشتمل اردو میں ایک قصیدہ ہے۔جسے امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے نظم فرمایا ہے۔ان اشعار پر حواشی اور ان کی شرح حضور مفتی اعظم قدس سرہ کے قلم سے ہے۔اس مجموعہ کے تعارف اور شرح کے بارے میں خود حضرت شارح مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان رقم طراز ہیں:

> یہ سلیس اردو زبان ہلکی بحر روشن بیان میں تین سو ساٹھ اشعار کا ایک مبارک قصیدہ ہے۔ ۳۵۰ میں نعت والا ہے۔باقی میں عموماً وہابیہ اور خصوصاً دیوبندیہ کے دو سو تیس اقوال کفر وضلال کا نمونہ ہے۔حاشیہ پر ان کی چھپی ہوئی کتابوں سے بہ حوالہ صفحہ عبارات نقل کردی ہیں۔عام بھائیوں پر آسانی کے لیے فارسی عبارتیں ترجمہ سے لکھی گئی ہیں۔جس کا جی چاہے ان کتابوں سے مطابقت کر دیکھے۔جو بیان طالب تفصیل ہے اس کے لیے آخر میں تکمیل ہے۔آپ کا ایمان آپ کو بتادے گا کہ اللہ ورسول جل وعلا صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں جن کے یہ عقیدے یہ اقوال ہیں وہ اللہ جل وعلی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں، یا دوست؟ ان کے دلوں میں اسلام کا مغز ہے، یا پوست؟ جو نہ دیکھے یا

دیکھ کر انصاف نہ کرے اس کا حساب اللہ واحد قہار کے یہاں ہے۔اور جو دیکھے اور اللہ و رسول جل وعلا و صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت سامنے رکھ کر جانچے تو بحمد اللہ حق آفتاب سے زیادہ عیاں ہے۔

فضول قصوں، ناولوں کی نظمیں، نثریں دیکھیے۔ پڑھتے گھنٹوں گزریں۔ یہ بھی ایک مزہ دار نظم ہے۔اس میں رسول اللہ کے لیے زینتِ بزم ہے۔قیامت قریب ہے۔اللہ حسیب ہے۔اس کا ثواب عظیم اور عذاب شدید ہے۔دین کو جھگڑا سمجھنا مسلمانوں کی شان سے بعید ہے۔تنہا یا دو دو اطمینان سے، انصاف و ایمان سے، دو تین بار سچے دل سے، یا ایک ہی نگاہ دیکھ تو لیجیے۔مگر یہ کہ صاف بات میں نہ اینچ پیچ کی حاجت نہ اللہ جل وعلا و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابل کسی کی رعایت۔ ۳۵ے

یہ حضور مفتی اعظم کے متبرک کلمات تھے۔زبان بھی کتنی رواں اور شستہ اور ان میں مسلمانوں کے لیے محبت و شفقت کے جذبات فراواں بھی کس قدر موجزن ہیں۔ان فتاوی اور تصانیف کی روشنی میں حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ ایک عظیم فقیہ اور جلیل القدر محقق اور باکمال مصنف کی حیثیت سے دیکھے جاسکتے ہیں۔آپ کے فتاوی کی غیر معمولی اہمیت ہی کے باعث دنیائے سنیت نے آپ کو مفتی اعظم کا خطاب عطا کیا جو اب آپ کا علَم بن چکا ہے۔ ۳۶ے

مذکورہ کتاب کے متعلق پیرزادہ محترم اقبال احمد فاروقی ایم اے رقم طراز ہیں:

''زیر نظر کتاب الاستمداد کے حواشی و تکمیلات ملقب بہ لقب تاریخی کشف ضلال دیوبند'' آپ ہی کے رشحات کا نتیجہ ہیں۔'' ۳۷ے

۳۶- حاشیہ تفسیر احمدی : یہ حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کا قلمی حاشیہ ہے۔ ۳۸ے

۳۷- حاشیہ فتاویٰ عزیزی : حضرت مفتی محمد اعظم رضوی مفتی رضوی دار الافتا بریلی بیان کرتے ہیں کہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بہت سی کتابوں پر قلمی حواشی و فوائد رضوی دار الافتا میں تھے۔مگر جب سے رضوی دار الافتا کی کتابیں خرد برد ہوئیں وہ سب ادھر ادھر ہوگئے۔اس وقت رضوی دار الافتا میں حضور مفتی اعظم کے صرف دو حاشیے (۱) حاشیہ تفسیر احمدی (۲) حاشیہ فتاویٰ عزیزیہ قلمی موجود ہیں۔ ۳۹ے

۳۸- حاشیہ فتاویٰ رضویہ کتاب النکاح : اس پر حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کے فوائد و حواشی ہیں۔جو مولانا حسنین رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ نے اپنے اہتمام سے حسنی پریس بریلی سے چار حصوں میں چھاپ کر شائع کیے۔ان چار حصوں کے ٹائٹل پر مندرجہ ذیل عبارت تحریر ہے۔

''بہ تصحیح و اضافہ فوائد از فقیر مصطفیٰ رضا قادری برکاتی رضوی غفرلہٗ'' ۴۰ے

اللہ عزوجل حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ان کی تربت پر رحمت و نور کی بارش برسائے اور ان کے صدقہ و طفیل ان کے محبین و متبعین کی بخشش فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وآلہ وصحبہ اجمعین۔

نوٹ : سل الحسام الهندی لنصرة مولانا خالد النقشبندی کو ''خلفائے مفتی اعظم'' میں تصانیف مفتی اعظم کے تحت شمار کیا ہے۔یہ صحیح نہیں، یہ علامہ ابن عابدین کا مشہور رسالہ ہے جس کا حوالہ انھوں نے رد المحتار میں بھی دیا ہے۔رد المحتار سے علامہ شامی کی ایسی ہی ایک عبارت فتاویٰ مصطفویہ میں نقل کر کے حضرت مفتی اعظم نے اس کا ترجمہ کیا ہے جسے عجلت میں دیکھتے ہوئے اسے خود مفتی

اعظم کی عبارت سمجھ کر مذکورہ رسالہ کو مفتی اعظم کا رسالہ سمجھ لیا گیا جب کہ ایسا ہر گز نہیں۔

☆☆☆

حواشی

١- ایک اہم فتویٰ ص ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، مکتبہ رضا دار الاشاعت، بمبئی
٢- القول العجیب، مطبوعہ رضوی کتب خانہ، بازار صندل خاں، بریلی
٣- الملکۃ علیٰ مراۃ کلکتہ، ص: ۱، ۳، ۸
٤- مقتل اکذب و اجہل ص: ۲، ۳، ۴، ۱۶ مطبوعہ بریلی
٥- حجۃ واہرہ ص ۵۰۴، نظامی کتابستان، نخاس کہنہ، الہ آباد
٦- مقتل کذب و کید ص ۲، ۶، ۷
٧- پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ (مفتی اعظم نمبر) ص ۳۱، مجریہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۱ء مضمون مولانا افتخار احمد قادری مصباحی
٨- وقعات سنان، ص ۴
٩- وقعات سنان، ص ۶۴
١٠- پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ (مفتی اعظم نمبر) ص ۳۱، مجریہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۱ء مضمون مولانا افتخار احمد قادری مصباحی
١١- پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ (مفتی اعظم نمبر) ص ۳۲، مجریہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۱ء مضمون مولانا افتخار احمد قادری مصباحی
١٢- پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ (مفتی اعظم نمبر) ص ۳۱-۳۲، مجریہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۱ء مضمون مولانا افتخار احمد قادری مصباحی
١٣- خلفائے حضور مفتی اعظم ص ۹۷، مقدمہ: حضرت مولانا سید شاہد علی رضوی رام پوری
١٤- الموت الاحمر ص ۱، ۲، مطبوعہ: مکتبہ الحبیب، ۱۴، اتر سوئیا، الہ آباد
١٥- ماہنامہ استقامت کان پور (مفتی اعظم نمبر) ص ۱۸۲، ۱۸۳، ص: ۱۸۵، ۱۸۶ مجریہ ۱۹۸۳ء
١٦- خلفائے حضور مفتی اعظم ص: ۹۹، مقدمہ: سید شاہد علی
١٧- مقتل کذب و کید ص ۲، ۳، ۴
١٨- مقتل کذب و کید ص ۲
١٩- خلفائے حضور مفتی اعظم، ص ۹۹
٢٠- حیات مولانا امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی، ص ۱۸۳
٢١- خلفائے حضور مفتی اعظم، ص ۱۰۰
٢٢- خلفائے حضور مفتی اعظم، ص ۹۴
۲۳(الف)- خلفائے حضور مفتی اعظم، ص ۹۸
۲۳(ب) - پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ (مفتی اعظم نمبر) ص ۶، مجریہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۱ء مضمون مولانا حسن رضا خاں ایم اے پٹنہ
۲۴(الف)- پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ (مفتی اعظم نمبر) ص ۶، مجریہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۱ء مضمون مولانا حسن رضا خاں ایم اے پٹنہ
۲۴(ب)- پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ (مفتی اعظم نمبر) ص ۱۵، مجریہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۱ء مضمون مفتی محمد اشرف رضا قادری، دار العلوم امام احمد رضا، بمبئی
۲۵(الف)- محدث اعظم پاکستان، مولانا جلال الدین قادری، جلد ۱، ص: ۹۰، مطبوعہ لاہور
۲۵(ب)- پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ (مفتی اعظم نمبر) ص ۶، مجریہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۱ء مضمون مولانا حسن رضا خاں ایم اے پٹنہ

۲۶ (الف)- محدث اعظم پاکستان، مولانا جلال الدین قادری جلد ۱، ص ۹۰، مطبوعہ لاہور

۲۶ (ب)- پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ (مفتی اعظم نمبر) ص ۶، مجریہ ۱۵ ردسمبر ۱۹۸۱ء

۲۷ (الف و ب)- ۲۸ (الف و ب) پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ (مفتی اعظم نمبر) ص ۶، مجریہ ۱۵ ردسمبر ۱۹۸۱ء

۲۹- خلفائے حضور مفتی اعظم ص ۹۴

۳۰- محمد مصطفیٰ رضا خاں الطاری الداری لھفوات عبد الباری، مطبوعہ، بریلی حصہ ۳، ص ۸۱، ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱

۳۱- محمد مصطفیٰ رضا خاں الطاری الداری لھفوات عبد الباری، مطبوعہ، بریلی حصہ ۲، ص ۷۵ تا ۸۷، ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱

۳۲- معارف رضا لاہور، ص: ۱۸۴ تا ۱۹۱، مجریہ ۱۹۸۹ء، مضمون پروفیسر محمد مسعود احمد

۳۳ (الف)- ماہنامہ استقامت کان پور، (مفتی اعظم نمبر) ص ۷۹ تا ۸۲، مجریہ مئی ۱۹۸۳ء

(ب)- ماہنامہ حجاز دہلی (مفتی اعظم نمبر) ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۹۰ء

۳۴- نفی العار عن معائب المولوی عبد الغفار ص ۲، ۷، ۲، مطبوعہ بریلی

۳۵- مقدمہ الاستمداد، ص ۲، ۳

۳۶- ماہنامہ استقامت کان پور، (مفتی اعظم نمبر) ص ۴۳۶، ۴۳۷، مئی، ۱۹۸۳ء

۳۷- الاستمداد ص ۹۸، مطبوعہ بریلی

۳۸- خلفائے حضور مفتی اعظم ص ۱۰۱

۳۹- خلفائے حضور مفتی اعظم ص ۱۰۱

۴۰- خلفائے حضور مفتی اعظم ص ۱۰۱ء فتاویٰ مصطفویہ جلد ۱، ص ۵۰ تا ۴۷، مطبوعہ رپلی بھیت

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم کی عظیم الشان تصنیف

ادخال السنان الی حنك الحلقی " بسط البنان"

مولانا عبدالسلام رضوی
مدرس جامعہ نوریہ رضویہ، باقر گنج، بریلی شریف

مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی دل آزار اور بدنام زمانہ کتاب "حفظ الایمان" کی تصنیف کے دس سال بعد یعنی ۱۳۲۹ھ میں ایک چند صفحاتی کتابچہ بنام "بسط البنان" تصنیف کیا۔ جس کو حفظ الایمان کے ساتھ ہی چھپوایا۔ یہ کتابچہ مولوی مرتضیٰ حسن دیوبندی کے چند استفسارات کے جواب میں لکھا گیا۔

"بسط البنان" دو بحثوں پر مشتمل ہے۔ بحثِ اول میں تھانوی صاحب نے "حفظ الایمان" کی کفری معنی میں صریح و متعین بل کہ متعین عبارت کو درست و صواب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ ان کی اس کوشش نے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہونچایا۔ البتہ ان کے حق میں فتوائے کفر پر مہر تصدیق ضرور ثبت کردی ہے۔

اس لیے حرمین شریفین کے تینتیس اور متحدہ ہندوستان کے دو سو اڑسٹھ علمائے کرام اور مفتیان عظام نے عبارتِ "حفظ الایمان" کو جس کفری معنی میں صریح و متعین اور نا قابلِ تاویل ٹھہرایا اور اس پر کفر کا فتویٰ دے کر ارشاد فرمایا۔ "مَنْ شَكَّ فِيْ كُفْرِهٖ وَ عَذَابِهٖ فَقَدْ كَفَرَ" یعنی جو قائل کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ اس کفری معنی کو خود تھانوی صاحب نے کفر و ارتداد ہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحۃً یا اشارۃً یہ بات کہے۔ میں اس شخص کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں۔ کہ وہ تکذیب کرتا ہے نصوص قطعیہ کی اور تنقیص کرتا ہے حضور سرور عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی (بسط البنان ص ۱۲ نشر کردہ، مسعود پبلشنگ ہاؤس، دیوبند)

اور دوسری بحث حضور اعلم الخلوقات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم ما کان و ما یکون کی نفی و انکار پر مشتمل ہے۔ راقم کے پاس "بسط البنان" کا جو نسخہ ہے وہ "مسعود پبلشنگ ہاؤس دیوبند کا نشریہ ہے۔ اس نسخہ کے مطابق یہ بحث دو صفحات سے بھی کم میں ہے۔ بل کہ اصل بحث صرف چودہ سطروں میں ہے۔

تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے "بسط البنان" کے رد و ابطال میں دو عظیم الشان اور معرکۃ الآرا کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اول وقعات السنان فی حلق المسماۃ بسط البنان. یہ ۱۳۳۰ھ میں تصنیف کی گئی۔ دوم ادخال السنان الی حنک الحلقی بسط البنان. اس کا سال تصنیف ۱۳۳۱ھ ہے۔ ان ہر دو کتب میں "بسط البنان" کا زبردست رد فرمایا ہے۔ اور تھانوی صاحب پر کثیر سوالات و ایرادات قائم فرمائے ہیں۔ یہ دونوں کتابیں بذریعہ رجسٹری تھانوی صاحب کو ارسال کی گئی

تھیں لیکن موصوف نے ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم پر عمل کیا اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ خود حضور مفتی اعظم فرماتے ہیں:

میرا رسالہ ''ادخال السنان'' رددوم ''بسط البنان'' جس میں تھانوی صاحب سے ایک سو ساٹھ قاہر سوال نہیں نہیں سروہابیہ پر ایک سو ساٹھ جبال ہیں۔ چھ سال ہوئے کہ تھانوی صاحب کے یہاں رجسٹری شدہ گیا ہے اور آج تک بحمد اللہ لا جواب ہے۔

[الموت الاحمر ص ۲۱ مطبوعہ مکتبۃ الحبیب، جامعہ حبیبیہ الہ آباد]

''وقعات السنان میں بسط البنان کی بحث اول کا ردو ابطال ہے اور تھانوی صاحب سے ۱۳۲ قاہر سوالات کیے گئے ہیں۔ اور ''ادخال السنان'' میں بحث آخر کارد ہے اور اس میں جیسا کہ مذکور ہوا پہاڑ جیسے ۱۶۰ سوالات ہیں۔ ''ادخال السنان'' کے سوال نمبر کا سلسلہ ''وقعات السنان'' ہی سے جوڑا گیا ہے۔ ''وقعات السنان'' سوال نمبر ۱۳۲ پر ختم ہوتی ہے اور ''ادخال السنان'' کا آغاز سوال نمبر ۱۳۳ سے ہوتا ہے۔ دراصل یہ دونوں کتابیں ایک ہی سلسلہ کی دو کڑیاں ہیں۔ وقعات السنان کو ''بسط البنان'' کے رد میں پہلا اور ادخال السنان کو دوسرا حصہ کہنا چاہیے۔ حضور مفتی اعظم ادخال السنان کے آغاز میں بسم اللہ اور حمد وصلاۃ کے بعد تھانوی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الحمد للہ کہ آپ کی جھوٹی ''بسط البنان'' نے ادھر کا پورا سچا بسیط بیان دیکھ لیا۔ اب نہ رہیں مگر اس کی چودہ سطریں، جن میں اس نے مسئلہ علم غیب پر کچھ اپنا منہ کھولا ہے۔ یہ مسئلہ بفضلہٖ تعالیٰ ادھر کے رسائل میں بروجہ اعلیٰ مدت سے طے ہولیا۔ مخالفین کو ایک قرن بلکہ زائد گزرا کہ مہرِ سکوت بر زبان، و سنگِ صموت در دہان ہیں۔ اور ان شاء اللہ العزیز تا قیام قیامت یونہی رہیں گے۔ (قُلْ جَآءَ الْحَقُّ) وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ۔ مگر یہاں جناب کی رسلیا، اپنے طائفہ بھر کی ساری عمر کی سب سے چمکتی کمائی بر سرِ محفل لائی۔ اور بڑے ٹھسے سے دکھائی۔ اور ہے بھی یہ کہ اس سے بہتر ان کے کیسوں، ہمیانوں، صندوقچوں میں کچھ بھی نہیں۔ تو اس کی دندان شکنی بقدر حاجت ضرور مناسب۔ پھر مساۃ کی ساری ادائیں اول تا آخر فرداً فرداً ضربیں کھا چکیں۔ چھٹی کے دودھ کا مزا پا چکیں، یہ چند سطری نزاکت کیوں سسکتی چھوڑ دی جائے۔ کیوں ''ایں ہم پر علم'' کی بلندی نہ پائے۔ لہٰذا بعض سوالات اور سنتے جایئے۔ ''وقعات السنان'' میں ۱۳۲ سوال تھے آگے چلیے۔ وباللہ التوفیق (ادخال السنان ص ۲)

راقم کو عنوان کے مطابق صرف ''ادخال السنان'' سے متعلق چند کلمات عرض کرنا ہیں۔ ''ادخال السنان'' بلاشبہ حضور مفتی اعظم کے تبحر علمی، کثرتِ مطالعہ، وسعتِ فکر، تعمقِ نظر، دقائقِ کلام پر آگاہی، اور استحضارِ علمی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ کتاب کیا ہے علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ اور علم ما کان وما یکون کے مخالفین کے تابوت میں آخری کیل ہے۔ اس میں تھانوی صاحب کے دلائل کا ایسا ٹھوس اور مضبوط رد کیا گیا ہے کہ بے چارے اکیلے تھانوی صاحب تو کیا اگر اپنی پوری جماعت کو بھی مدد کے لیے بلا لیتے تو بھی اس کا جواب نہیں دے سکتے تھے۔

''بسط البنان'' کی یہ دوسری بحث جس کا ادخال السنان میں رد کیا گیا ہے۔ مندرجہ ذیل امور پر مشتمل ہے۔

(۱) حضور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم ما کان وما یکون کی نفی پر آیت کریمہ سے استدلال۔

(۲) حدیث شریف سے استدلال۔

(۳) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں علم مذکور کے اعتقاد کا حکم۔

راقم کے پیش نظر ادخال السنان کا جو نسخہ ہے وہ مطبع اہل سنت وجماعت بریلی شریف کا مطبوعہ ہے حضور جیلانی میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے۔ اس میں کل ۸۸ (اٹھاسی) صفحات ہیں۔ سات فصلوں پر مشتمل ہے۔

فصل اول میں تھانوی صاحب کے استدلال بالآیۃ کا جائزہ لیا گیا ہے۔اور بہ عنوان سوال اس کے بارہ رد کیے گئے ہیں۔فصل دوم میں استدلال بالحدیث پر کلام کیا گیا ہے اور اس کے دس رد کیے گئے ہیں۔تھانوی صاحب نے علم ما کان و ما یکون کے اعتقاد کو بعض صورتوں میں بدعت ومعصیت اور بعض میں کفر بتایا ہے۔باقی فصلیں اسی کے رد سے متعلق ہیں۔ان سات فصلوں میں کل ۱۳۸ رد ہیں۔

یہ کتاب کا اجمالی ذکر تھا۔اب کتاب کی صرف فصل اول کے مباحث مفصلاً ذکر کیے جاتے ہیں۔لیکن پہلے علم غیب سے متعلق اہل سنت کا عقیدہ بیان کر دینا مناسب ہے۔

امام اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں: بے شک حضرت عزت نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمامی اولین وآخرین کا علم عطا فرمایا۔شرق تا غرب،عرش تا فرش سب انھیں دکھایا۔ملکوت السمٰوت والارض کا انھیں شاہد بنایا۔روز اول سے روز آخر تک کا سب ما کان وما یکون انھیں بتایا۔اشیاے مذکورہ سے کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔علم عظیم حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام والتسلیم ان سب کو محیط ہوا۔(انباء المصطفیٰ بحال سرو اخفیٰ ص ۳،مطبوعہ مکتبہ اعلیٰ حضرت سوداگران، بریلی شریف)

اس عقیدہ کی آپ نے یہ دلیل دی ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بارے میں فرمایا:(وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ) تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ (سورہ نحل ۱۶/۸۹)یعنی ہر شی کا روشن بیان۔اور فرمایا۔(وَلٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَ) تَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ۔ (سورۂ یوسف ۱۲/۱۱۱)یعنی ہر شی کا صاف صاف جدا جدا بیان۔جب قرآن مجید ہر شی کا روشن بیان ہے۔اور روشن بھی کس درجہ کا مفصل۔اور اہل سنت کے نزدیک شی ہر موجود کو کہتے ہیں۔تو عرش تا فرش،تمام کائنات،جملہ موجودات،اس بیان کے احاطہ میں داخل ہوئے۔اور جملہ موجودات سے کتاب لوح محفوظ بھی ہے تو بالضرورۃ یہ بیان محیط اس کے مکتوبات کو بھی بالتفصیل شامل ہوا۔تو بحمد اللہ روشن ہوا کہ ہمارے حضور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات،جملہ ما کان و ما یکون الیٰ یوم القیامۃ اور جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیا۔ (انباء المصطفیٰ ص ۵ ملخصاً و مسہلاً)

اہل سنت کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ علم جمیع ما کان و ما یکون حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یک بارگی حاصل ہو گیا۔بل کہ یہ عقیدہ ہے کہ یہ علم آپ کو بتدریج حاصل ہوا۔جیسے جیسے قرآن حکیم نازل ہوتا رہا ویسے ویسے آپ کو علم حاصل ہوتا رہا۔یہاں تک کہ جب نزول ختم ہو گیا آپ عالم جمیع ما کان و ما یکون ہو گئے۔سیدنا اعلیٰ حضرت مذکورہ بالا دلیل بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اور جب یہ علم قرآن عظیم کے " تبیاناً لکل شیء " ہونے نے دیا اور پھر ظاہر کہ یہ وصف تمام کلام مجید کا ہے نہ ہر آیت نہ سورت کا تو نزول جمیع قرآن سے پہلے اگر بعض انبیا کی نسبت ارشاد ہو (وَمِنْهُمْ مَنْ) "لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ" (سورۂ غافر ۴۰/۷۸) یا منافقین کے باب میں فرمایا جائے (وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ) "لَا تَعْلَمُهُمْ" "نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ" (سورۂ توبہ ۹/۱۰۱) ہر گز ان آیات کے منافی اور احاطۂ علم مصطفیٰ کا نافی نہیں۔(انباء المصطفیٰ ص ۶)

حضور مفتی اعظم " ادخال السنان " میں تھانوی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: آپ خود واقف ہیں کہ آپ کے خصم (یعنی اہل سنت) یہ علم (یعنی علم ما کان و ما یکون) بتدریج مانتے ہیں کہ تمامی نزول قرآن عظیم پر جس کا اتمام ہوا۔

(ص ۳۶،مطبوعہ اہل سنت و جماعت بریلی شریف)

اہل سنت کے اس عقیدے کی مخالفت میں تھانوی صاحب نے جیسا کہ ماقبل میں مذکور ہوا دو استدلال پیش کیے ہیں۔پہلا استدلال ایک آیت کریمہ سے ہے اور دوسرا حدیث شریف سے۔

تھانوی صاحب اس خوش فہمی میں مبتلا ہوں گے کہ انھوں نے عقیدۂ مذکورہ کے رد میں بڑی بھاری بھرکم دلیلیں دی ہیں۔ اور ایک عظیم مہم سر کر لی ہے اور سطحی نظر رکھنے والے ان کے دلائل سے متاثر بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن حضور مفتی اعظم نے ادخال السنان میں جو ان کا رد فرمایا ہے اس کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دلائل تارِ عنکبوت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ اور یہ امور بھی سامنے آتے ہیں کہ زیر بحث مسئلہ میں تھانوی صاحب کا مطالعہ محدود ہے۔ یا پھر استدلال کرتے وقت جان بوجھ کر آنکھیں بند رکھی ہیں ان کی فکر میں سطحیت ہے۔ نظر تعمق سے محروم ہے اور موصوف دولتِ استحضار سے بھی تہی داماں ہیں کہ خود اپنا کہا ہوا بھی ان کو یاد نہیں رہتا۔ یہ دعوے کسی تعصب کا نتیجہ نہیں بل کہ مبنی بر صداقت ہیں۔ جو شخص بھی حقیقت پسندانہ نظر سے ''ادخال السنان'' کا مطالعہ کرے گا وہ ان باتوں کے اعتراف پر مجبور ہوگا۔

اب تھانوی صاحب کا پہلا استدلال اور اس پر حضور مفتی اعظم کے رد ذکر کیے جاتے ہیں۔ تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں ہے کہ آپ فرما دیجیے۔ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ۔ (سورۂ اعراف ۷ / ۱۸۸) ترجمہ: اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی اور مجھے کوئی برائی نہ پہونچی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمیع غیوب الی یوم القیامۃ کا علم مستلزم ہے دوامِ عافیت و عدمِ مسِ ضرر کو۔ اور ظاہر ہے کہ عین وقتِ وفات تک مسِ ضرر ضرور ہوا۔ چناں چہ خود مرض بھی اس کی ایک فرد ہے۔ پس عدمِ مسِ آخر عمر تک مرتفع رہا۔ تو علم جمیع غیوبِ مذکورہ آخر عمر تک بھی منتفی ہوا۔ (حفظ الایمان مع بسط البنان ص ۲۶، مطبوعہ مسعود پبلشنگ ہاؤس، دیوبند)

حضور مفتی اعظم نے اس کے بارہ رد فرمائے ہیں۔

پہلا رد: یہاں تھانوی صاحب نے مکر سے کام لیا ہے۔ ان کی یہ گفتگو آیت کریمہ کے لفظ ''الغیب'' میں الف لام برائے استغراق ماننے کی صورت میں ہے۔ دریں صورت آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اگر مجھے جمیع غیوب کا علم ہوتا کہ غیب کا کوئی بھی فرد میرے علم سے باہر نہ ہوتا۔ تو آیت سے علمِ جمیع غیوب بلا استثنا کی نفی ہوئی نہ کہ جمیع غیوب الی یوم القیامۃ کی۔ اور تھانوی صاحب کا مقصود آیت سے جمیع غیوب الی یوم القیامۃ کا انتفا ثابت کرنا ہے۔ لہٰذا جب تھانوی صاحب نے مقصود حاصل ہوتا ہوا نہیں دیکھا تو مکر کا سہارا لے کر اپنی طرف سے ''الی یوم القیامۃ'' کا پیوند لگا دیا۔ اور لکھ دیا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمیع غیوب الی یوم القیامۃ کا علم الخ

حضور مفتی اعظم فرماتے ہیں: جناب تھانیت مآب ملاحظہ ہو، رسلیا آیۂ کریمہ ''وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ'' سے استدلال کرنے چلی اور جب دیکھا کہ کلام الٰہی میں اس کی گزر نہیں تو قرآن عظیم میں اپنی طرف سے پیوند بڑھا گئی۔ کیسے یہ کونسی حیا، کس دیانت کی ادا، کس ایمان کا تقاضا ہے؟

یہ ذرا سی فتنی سواد و ورقی رسلیا ے ملا تھانوی ہے ذی ہوش۔ دیکھا کہ یہاں نہ عہد ہے نہ عہد یا جنس سے کام چلتا ہے۔ کہ کسی غیب خاص یا مطلق کوئی سا غیب جاننے پر اس جزا کا ترتب کہ بہت بھلائی جمع کر لیتا اور کوئی برائی نہ پہونچنے پاتی معقول نہیں۔ مع ہٰذا جب عہد نہ ہوا تو استغراق آپ ہی متعین۔ لہٰذا اسے ماننا پڑا کہ آیت میں عموم نفی نہیں یعنی یہ معنی نہیں کہ میں اصلاً علم غیب نہیں رکھتا بلکہ صرف نفی عموم ہے یعنی ایسا نہیں کہ جمیع غیوب بلا استثنا مجھے معلوم ہوں۔ یہ بلاشبہ حق تھا۔ اب سوجھی کہ اس کے خصم کب اس کے منکر ہیں؟ وہ تصریحیں فرما رہے ہیں کہ جمیع غیوب غیر متناہیہ بالفعل کا علم کہ اصلاً ازل سے ابداً یا دو غیر متناہی تک کی کوئی شی مخفی نہ ہو مخصوص بہ حضرت عزت ہے۔ حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کا علم کریم تمام مکتوباتِ لوح و مکنوناتِ قلم یعنی ما کان و ما یکون من اول یوم الی آخر الایام کو محیط اور اس سے بدرجہا زائد علوم بے شمار متعلقہ بذات و صفات و آخرت پر مشتمل ہے۔ نہ کہ محیطِ جمیع غیوب و معاذ اللہ مساوی علم الٰہی۔ تو آیت نے رسلیا کو

کچھ نفع نہ دیا۔ لہٰذا اس نے سنت یہود پر قائم ہو کر کلام الٰہی میں پیوند کی ٹھہرائی "جمیع غیوب الی یوم القیامۃ" کی قید اپنی گرہ سے بڑھائی۔ جناب تھانوی صاحب دھرم سے کہنا یہ" الیٰ یوم القیامۃ "کا لفظ یہاں آیت کریمہ میں کہاں ہے؟ تھانوی صاحب یہ قرآن ہے جس میں نقص وزیادت خارج از امکان ہے۔ (ص ۳-۴ ملخصاً)

دوسرا رد : تھانوی صاحب کی زیر بحث عبارت صفحہ ۲۶ کے آخر میں ہے اور صفحہ ۲۸ میں شرح مواقف کی ایک عبارت نقل کی ہے جس میں آیت کے لفظ "الغیب" کا مطلب جمیع مغیبات ہی بتایا ہے۔ عبارت یہ ہے الاطلاع علی جمیع المغیبات لا یجب للنبی ولهذا قال سید الانبیاء "وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ۔

اس پر حضور مفتی اعظم فرماتے ہیں:

دیکھیے تو یہ وہی آیت ہے یا کوئی اور؟ اس میں جمیع غیوب کہے یا صرف قیامت تک کے۔ آپ رسلیا والے کو "دزد بکف چراغ" نہ کہیں گے۔ (ص ۴)

تیسرا رد : آیت میں ایک پہلو تو یہ تھا کہ آیت میں جمیع غیوب بلا استثنا کی نفی ہے جس میں تھانوی صاحب نے یہ پیوند کاری کی۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہاں علم ذاتی کی نفی ہے۔ یعنی میں بذات خود بے خدا کے بتائے غیب جان لیا کرتا تو بہت بھلائی جمع کر لیتا اور مجھے کوئی برائی نہ پہونچتی۔ یہ نہایت صاف معنیٰ تھے۔ لیکن تھانوی صاحب کو اس سے انکار ہے لکھتے ہیں:

اگر کہا جائے یہ منفی علم بالذات ہے۔ جواب یہ ہے کہ جو تالی اس مقدم پر مرتب کی گئی ہے وہ دلیل ہے مقدم کے عام ہونے کی۔ کیوں کہ استکثار خیر وعدم مس سوء مطلق علم کے لوازم سے ہے نہ کہ علم بالذات کے لوازم سے۔ یہ حکم بالکل بداہت عقل کے خلاف ہے کہ اگر آئندہ کا واقعہ خود منکشف ہو تو مس سوء نہ ہو اور جو خدا تعالیٰ کے بتلانے سے منکشف ہو تو مس سوء نہ ہو (ص ۲۶ اور ۲۷) (بسط البنان میں اسی طرح مرقوم ہے لیکن یہ ضرور کتابت کی غلطی ہے یہاں "مس سوء ہو" ہونا چاہیے۔

حضور مفتی اعظم نے اس کے رد میں پہلے تو تھانوی صاحب کی ایک تعبیری خامی کا ذکر کیا ہے۔ تھانوی صاحب نے کہا ہے" وہ دلیل ہے مقدم کے عام ہونے کی۔" یہاں انھیں لفظ" عام" نہیں بلکہ لفظ" مطلق" بولنا چاہیے تھا۔ حضور مفتی اعظم فرماتے ہیں: رسلیا کو خود اپنے کہے کی بھی خبر نہیں۔ مقدم کو عام لیتی ہے۔ یعنی اپنے جمیع متناولات ذاتی وعطائی سب کو جامع۔ تو اس کے طور پر معنیٰ یہ ہوئے کہ" اگر جمیع اقسام ذاتی وعطائی کا علم غیب مجھے ہوتا تو یہ لازم آتا۔ اس سے نفی عموم ہوئی نہ عموم نفی۔ (یعنی اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ذاتی وعطائی جملہ اقسام کا علم نہیں۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ آپ کو علم غیب عطائی بھی نہیں یا بالعطا جمیع غیوب الی یوم القیامۃ کا علم نہیں۔ تو مقدم کو عام کہنا خود تھانوی صاحب کے خلاف ہوگا۔ حضور مفتی اعظم فرماتے ہیں) خیر یہ تو اس کی بے تمیزی ہے کہ اطلاق کی جگہ عموم بولی ہے۔

تھانوی صاحب نے اس عبارت میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ آیت میں مطلق علم کی نفی ہے نہ علم بالذات کی۔ اور دلیل یہ دی ہے کہ عدم مس سوء مطلق علم کے لوازم سے ہے نہ کہ علم بالذات کے لوازم سے۔ یعنی عدم مسِ سوء جس طرح علم بالذات کو لازم ہے اسی طرح علم بالعطاء کو بھی لازم ہے۔ اور یہ بات بداہت عقل کے خلاف بتائی ہے کہ خود آئندہ کی بات کا علم ہو جائے تو مسِ سوء نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے بتائے سے ہو تو مسِ سوء ہو۔ یعنی عدم مسِ سوء کے معاملہ میں دونوں حال برابر ہیں۔

حضور مفتی اعظم نے ثابت فرمایا ہے کہ اس صورت میں بھی آیت کریمہ سے علم ذاتی ہی کی نفی ہوگی۔ آپ فرماتے ہیں: بعد اس تسلیم

کے کہ مجرد علم غیب مستلزم عدم مس سو ہے۔ واقعی حصول علم پر ذاتی وعطائی دونوں کا یہی حکم۔ مگر وہ نصیب دشمناں والا نکتہ اور ہے جہاں تک رسلیا والے کی سمجھ نہیں پہونچ سکتی۔ ذاتی وعطائی میں بعد الحصول فرق نہ سہی۔ کیا نفسِ حصول میں زمین وآسمان کا فرق نہیں؟ کہ ذاتی کا حصول اپنی ذات سے ہے غیر کا محتاج نہیں۔ اور عطائی کا حصول محتاج دست نگر عطا ہے۔ دیا تو ملا ورنہ نہیں۔ تو جسے علم غیب عطا سے ملتا ہے اور جمیع غیوب الی یوم القیامۃ ابھی منکشف نہ ہوئے اگرچہ آئندہ منکشف ہو جائیں گے، وہ یہ دعویٰ کیوں کر کرسکتا ہے کہ مجھے کوئی برائی نہ پہونچے گی۔ کیا ممکن نہیں کہ بعض ضرر آنے والے ہوں کہ معطی نے ابھی ان کا علم نہ دیا اگرچہ آئندہ جمیع غیوب عطا کر دے گا۔ اس ضرر سے بچنے کا ذریعہ کیا ہے؟ بہ خلاف اس کے جس کا علم اپنی ذات سے ہے۔ کیا اسے کوئی حالت منتظرہ باقی ہے۔ اور رسلیا خود مانتی ہے کہ آیت ایسے ہی علم کی نفی فرماتی ہے جس پر جزائے مذکور کا ترتب ہو سکے۔ نہ اس کی جس پر ترتب ہی نہ ہو۔ اب فرمایئے علم ذاتی مراد ہوا یا نہیں؟ ذرا ڈھونڈ یئے تو وہ رسلیا کی بداہتِ عقل گھر کے کس کونے میں گھس گئی؟ (ص ۵)

چوتھا رد : مذکورہ بالا رد بر سبیل تنزل تھانوی صاحب کا یہ خانہ زاد نظریہ تسلیم کرنے کی صورت میں تھا کہ "استکثار خیر وعدم مس سوء مطلق علم کے لوازم سے ہے۔ اب تھانوی صاحب کے اس نظریہ کا رد فرماتے ہیں اور ثابت فرماتے ہیں کہ مذکورہ لزوم علم ذاتی ہی کے لیے ہے نہ علم عطائی کے لیے۔ اور یہ کہ آیت میں علم بالذات ہی کی نفی ہے نہ کہ مطلق علم کی۔

تھانوی صاحب نے جو دعویٰ کیا ہے کہ آیت میں مطلق علم کی نفی ہے علم بالذات کی نہیں۔ کہ استکثار خیر وعدم مس سوء مطلق علم کے لوازم سے ہے نہ علم بالذات کے۔ اس دعوے کی رو سے معاذ اللہ آیت شریفہ بالکل بے معنی ومہمل ہو جائے گی۔ اس لیے کہ اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ مجھے غیب کا علم بالذات ہے نہ بالعطاء۔ اگر مجھے غیب کا علم بالذات ہوتا تو میں خیر کثیر جمع کر لیتا اور کوئی برائی مجھے نہ پہونچتی اور اگر غیب کا علم بالعطاء ہوتا تب بھی یوں ہوتا۔ حالاں کہ علم بالعطاء کی صورت میں جزائے مذکور کا ترتب نہ ہوگا جیسا کہ درج ذیل مضمون سے معلوم ہوگا۔

حضور مفتی اعظم فرماتے ہیں:

تھانوی صاحب رسلیا سے پوچھیے کسی امر کا پہلے سے جان لینا اس کے خیر کی تحصیل اور شر کے دفع کو کیوں کر مستلزم ہو گیا۔ جب تک اس تحصیل ودفع پر قدرت نہ ہو۔ اور قدرت کے ساتھ اس کے اسباب بھی مہیا ہوں۔ اور موانع بھی معدوم ہوں۔ ورنہ جانا [illegible] قدرت نہیں تو کیا کر سکتے ہو۔ قحط میں مرنے والے، روٹی پکا نا کھانا اور اس طریقہ سے بھوک کا دفع کرنا سب کچھ جانتے ہیں۔ پھر یہ جاننا ان کے کیا کام آتا ہے؟ کیا اب بھی آپ نہ سمجھے کہ واقعی علم بالذات ہی وہ چیز ہے جو اس لزوم کا ضامن ہے۔ علم بالذات کو الوہیت لازم، الوہیت کو قدرت تامہ لازم، اور علم وقدرت تامہ کے اجتماع کو لزوم جزائے مذکور لازم۔ تو حاصل آیت یہ ٹھہرا کہ اے کافرو اتم جو مجھ سے قیامت [illegible] پوچھتے ہو، یہ غیب ہے کہ بے خدا کے بتائے میں نہیں جان سکتا۔ اگر بے خدا کے بتائے مجھے غیب کا علم ہوتا تو میری قدرت بھی ضرور تام ہوتی۔ اور کوئی بات میرے خلاف نہ ہو سکتی۔ حالاں کہ تم دیکھ رہے ہو کہ بعض تکالیفِ جسمانی مجھے پہونچ جاتی ہیں۔ بعض لڑائیاں میرے اصحاب کے خلاف ختم ہوتی ہیں تو ظاہر ہے کہ میں اپنے رب کے اختیار میں ہوں۔ پھر بے اس کے بتائے کیوں کر جان لوں۔ یا بے اس کے اذن کے کیوں کر بتا دوں۔ اور اس معنی پر خود اس آیت کا صدر دلالت کرتا ہے کہ قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ. تم فرما دو کہ میں اپنی جان کے نفع ونقصان کا خود مالک نہیں مگر اس قدر کہ اللہ نے چاہا۔

کیوں تھانوی صاحب آیت کریمہ کے صاف معنی بدل کر معاذ اللہ اسے باطل ومہمل کر دینا کس کا کام ہے؟ (ص ۶ ملخصا)

حضور مفتی اعظم کی جولانی فکر ورسائی ذہن کی شان دیکھیں کہ تھانوی صاحب نے جس نظریہ کی روشنی میں آیت سے مطلق علم کی نفی ثابت کی تھی آپ نے اسی نظریہ کے تسلیم کرنے کی صورت میں بھی واضح طور پر یہ ثابت فرمادیا کہ آیت میں بالذات علم غیب ہی کی نفی ہے نہ مطلق علم غیب کی۔اور تھانوی صاحب کے فکر ونظر کا افلاس دیکھیے کہ انھوں نے آیت کا وہ معنی بتایا کہ آیت معاذ اللہ بے معنی ومہمل ہوکر رہ گئی ۔اسی لیے راقم نے شروع میں کہا تھا کہ تھانوی صاحب نے زیر بحث مسئلہ میں فکری سطحیت کا مظاہرہ کیا ہے۔

پانچواں رد :

تھانوی صاحب نے آیت میں علم بالذات کی نفی کے رد میں یہ کہا کہ'' استکثار خیر وعدم مس سوء مطلق علم کے لوازم سے ہے نہ علم بالذات کے لوازم سے۔اوراس کی یہ دلیل دی کہ'' یہ حکم بالکل بداہت عقل کے خلاف ہے کہ آئندہ کی بات خود معلوم ہو تو مس ضرر نہ ہو اور خدائے تعالیٰ کے بتانے سے معلوم ہو تو مسِ ضرر ہو۔اس بات کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ آیت مذکورہ میں علم بالذات کی نفی کا قول بداہت عقل کے خلاف ہے۔حالاں کہ یہ قول کبار علما کا ہے۔

حضور مفتی اعظم'' نسیم الریاض شرح شفاے قاضی عیاض کی ایک عبارت پیش فرماتے ہیں جس میں مذکورہ آیت سے علم بالذات ہی کی نفی ثابت فرمائی ہے۔یہاں ادخال السنان سے صرف ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزۂ علم غیب یقیناً ثابت ہے۔جس میں کسی عاقل کو انکار یا تردد کی گنجائش نہیں۔کہ اس میں حدیثیں بہ کثرت آئیں۔اور ان سب سے بالاتفاق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت ہوتا ہے۔اور یہ ان آیتوں کے کچھ خلاف نہیں جو بتاتی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔اور اسی طرح آیت کریمہ'' وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ. یعنی میں اگر غیب جانتا تو بہت بھلائی جمع کر لیتا۔ان آیتوں میں بلا واسطہ علم غیب کی نفی ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے علم دینے سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب ملنا یقینی بات ہے کہ اللہ عز وجل فرماتا ہے'' وہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔(یہ اقتباس نقل کرنے کے بعد حضور مفتی اعظم فرماتے ہیں:) کیوں تھانوی صاحب یہ وہی آیت ہے یا نہیں؟اسے علماے کرام نے علم بالذات کی نفی پر محمول کیا یا نہیں؟علم بالواسطہ یعنی بعطاے الٰہی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت مانا یا نہیں؟اس آیت میں اس کی نفی نہ ہونا بتایا یا نہیں؟ کہیے آپ کے نزدیک معاذ اللہ علما بداہتِ عقل کے مخالف ہیں یا رسلیا والا پاگل؟

چھٹا رد :

گزر چکا کہ تھانوی صاحب'' عدم مس سوء'' کو مطلق علم کے لوازم سے مانتے ہیں۔اور کہتے ہیں کہ یہ حکم بالکل بداہت عقل کے خلاف ہے کہ آئندہ کا واقعہ خود منکشف ہو تو مس سوء نہ ہو اور خدائے تعالیٰ کے بتانے سے منکشف ہو تو اس سے مس سوء ہو۔اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ان کے نزدیک علم بالعطا کے لیے بھی یہ لازم ہے کہ اس کے حامل کو ضرر نہ پہونچے اور مرض کو ضرر کا ایک فرد بتایا ہے۔اس پر حضور مفتی اعظم معارضہ قائم فرماتے ہیں:

رسلیا اسی دلیل میں ابھی ابھی تو لکھ چکی ہے کہ'' ظاہر ہے کہ عین وقت وفات تک مسِ ضرر ہوا۔چنان چہ مرض بھی اس کی ایک فرد ہے'' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مرض اقدس کو معاذ اللہ حضور کے حق میں ضرر ٹھہرا کر'' چنانچہ'' تو لکھ گئے۔یہ بھی سمجھے کہ آپ کے نفی علم بالذات کے انکار کو مرض الموت لگ گیا۔اے جناب یوں تو مرض کیا خود موت ہی کو ضرر نہ کہیے۔قرآن عظیم میں (اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ

فِی الْاَرْضِ)'' اَصَابَتْکُمْ مُصِیْبَۃُ الْمَوْتِ '' (سورۂ مائدہ ۵/۱۰۶) فرمایا۔ مگر یہ تو بولیے کہ وہ کون سا علم عطائی ہے کہ خدا کے بھیجے ہوئے مرض کو نہ آنے دے، اپنے عالم کو موت سے بچالے۔ ہرگز کوئی علم عطائی ایسا نہیں ہوسکتا۔ کیا اب بھی ایمان نہ لاؤ گے کہ ضرور علم بالذات ہی کی نفی ہے۔ کہ وہی وہ شی ہے کہ جس کے موصوف کو نہ مرض لاحق ہو سکے نہ موت (ص ۸) علم عطائی کے لیے بھی عدم مس سوء کو لازم قرار دینا۔ تھانوی صاحب کی سطحی فکر پر دال ہے۔

ساتواں رد :

اب حضور مفتی اعظم خود تھانوی صاحب کے بیان کردہ ایک کلیہ کی روشنی میں ثابت فرماتے ہیں کہ آیت میں علم بالذات کی ہی نفی ہے نہ کہ مطلق علم کی۔

تھانوی صاحب سے یہ سوال کیا گیا تھا کہ زید کہتا ہے علم غیب کی دو قسمیں ہیں۔ بالذات، اس معنیٰ کر عالم الغیب خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔ اور بالواسطہ۔ اس معنیٰ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم الغیب تھے۔ زید کا یہ استدلال وعقیدہ وعمل کیسا ہے؟ تھانوی صاحب حفظ الایمان میں جواب دیتے ہیں: مطلق غیب سے مراد اطلاقاتِ شرعیہ میں وہی غیب ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو۔ اور اس کے ادراک کے لیے کوئی واسطہ اور سبیل نہ ہو۔ اسی بنا پر'' لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ'' (سورۂ نمل ۲۷/۶۵) اور '' وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ '' وغیرہ فرمایا گیا ہے۔ اور جو علم بواسطہ ہو اس پر غیب کا اطلاق محتاجِ قرینہ ہے۔ تو بلا قرینہ مخلوق پر علم غیب کا اطلاق موہمِ شرک ہونے کی وجہ سے ممنوع و ناجائز ہوگا۔ (حفظ الایمان مع بسط البنان ص ۱۳)

حضور مفتی اعظم فرماتے ہیں:

یہاں تو اپنی نہ بنتی بنانے کو یہ جوش وخروش کہ علم بالذات مراد لینا بداہت عقل کے خلاف ہے اور خفض الایمان میں یوں فرما چکے'' مطلق غیب سے مراد.......... اور سبیل نہ ہو'' کیوں تھانوی صاحب آیہ کریمہ "لو کنت اعلم الغیب" اطلاق شرعی ہے یا نہیں؟ مطلق غیب مطلق ہے یا نہیں؟ ضرور ہے۔ اب رسلیا والاحصر کو ردئیے کہ اس میں وہی غیب مراد ہے جس کے ادراک کے لیے واسطہ نہ ہو۔ بھولی مورت، وہ جو بلا واسطہ ہو اسی کو بالذات کہتے ہیں۔ نسیم الریاض کی عبارت ابھی سن چکے اور خود خفض الایمان میں اپنا ہی ساختہ سوال خانہ ساز دیکھیے۔ '' کہ علم غیب کی دو قسمیں ہیں۔ بالذات اور بواسطہ'' اسی کے جواب میں آپ کی وہ عبارت ہے کہ'' مطلق سے مراد وہی غیب ہے جس کے ادراک کے لیے کوئی واسطہ نہ ہو۔ اور اِسی پر آپ کی وہ تفریع کچھ جان رکھے گی کہ'' تو بلا قرینہ مخلوق پر علم غیب کا اطلاق موہم شرک ہونے کی وجہ سے ممنوع ہوگا۔'' کہ ایہام شرک اسی تقدیر پر ہے کہ اطلاقات شرعیہ میں مطلق علم غیب سے بالذات مراد ہونے میں آپ کی بات مان لی جائے۔ ورنہ ان معنیٰ پر کہ ذاتی وعطائی دونوں کو شامل ہو مخلوق پر اطلاق میں ایہام شرک آپ کس گھر سے لائیں گے؟ تو قطعی طور پر روشن ہوا کہ آپ خفض الایمان میں خود ہی مان چکے ہیں کہ اطلاقات شرعیہ میں مطلق علم غیب سے علم بالذات مراد ہوتا ہے۔ اب اسے بداہتِ عقل کے خلاف بتا کر جنون کیے دیتے ہیں۔

بریں عقل و دانش بباید گریست   کہ خود گفتۂ خود نداند کہ چیست

آٹھواں رد :

حضور مفتی اعظم فرماتے ہیں کہ اتنا ہی نہیں ہے کہ تھانوی صاحب کے بیان کردہ کلیہ کے تحت آیت کریمہ داخل کر کے اس سے علم

بالذات مراد ہونا ثابت کیا۔ بلکہ تھانوی صاحب نے خود آیت مذکورہ میں علم بالذات ہی مانا ہے۔ مگر ان کو خود اپنا کہا یاد نہیں رہتا۔ فرماتے ہیں۔

تھانوی صاحب وہ دیکھیے اپنے اسی کلیہ کی چٹکتی تفریع آپ کی حفظ الایمان یوں دکھاتی ہے" اسی بنا پر (قُلْ) " لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۔اور" وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ "وغیر فرمایا گیا ہے۔ جناب! رسلیا والے کو اپنے گھر کی بھی خبر نہیں ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

اب وہ خود ہی ایمان لا چکا کہ آیہ کریمہ" وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ" میں علم بالذات ہی کی نفی ہے جو بلا واسطہ ہو۔ کہ علم عطائی قطعاً بالواسطہ ہے۔ پھر کس منھ سے اسی حفظ الایمان کی حمایت بہن بسط البنان میں اسے بداہتِ عقل کے خلاف بولتا ہے۔ یعنی کہتا ہے ایں جناب حفظ الایمان لکھنے میں نہ فقط عقل بل کہ بداہت عقل کے مخالف ہیں۔ یعنی نہ صرف احمق بلکہ نرے پاگل ہیں۔ (ص ۱۰ ملخصا)

نواں رد :

تھانوی صاحب آپ نے یہ بھی دیکھا کہ نہ فقط اسی آیہ کریمہ۔ بلکہ جملہ نصوصِ شرعیہ سے اس مسئلہ پر استدلال میں رسلیا والے نے ہمیشہ کو اپنی اور اپنے طائفہ بھر کی گلی بند کر لی۔ کہ جہاں مطلقِ علم غیب کی نفی ہے خود اس کے منھ وہاں علم بلا واسطہ ہی کی نفی ہے۔ اور یہ اس کے خصم کا عین مدعا ہے۔ وللہ الحمد ع عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ (ص ۱۰)

تھانوی صاحب کو یہ کلیہ بیان کرتے وقت یہ بھی نہ سوجھا کہ اس کلیہ سے علم غیب کی نفی کے بارے میں ہمارے استدلال کی عمارت ہی منہدم ہو جائے گی۔

دسواں رد : حضور مفتی اعظم فرماتے ہیں کہ بعض مفسرین متاخرین نے آیت مذکورہ کے لفظ" الغیب" میں لام جنس مانا ہے۔ اور خیر و سوء سے خاص وہ چیزیں مراد لی ہیں کہ عادۃً ان کے جلب و سلب پر انسان ظاہری اختیار رکھتا ہے۔ اس مسئلہ کا ذکر اس لیے فرمایا کہ کہیں تھانوی صاحب جواب بنانے کو اس تفسیر کا سہارا لیں۔ حالاں کہ ان کے لیے اس کی گنجائش نہیں۔ کہ انھوں نے لام استغراق مانا ہے۔ اور" سوء" میں مرض الموت تک کو شامل کیا ہے جس کے دفع پر انسان ہرگز قادر نہیں۔

فرماتے ہیں: اگلے سوالات رسلیا ہی کی راہ پر ہوئے۔ مگر اس مسلک کا ذکر اس لیے کر دیا کہ رسلیا والا اپنا لکھا خود نہیں سمجھتا جس کا بارہا تجربہ ہو لیا۔ کہیں جواب بنانے کی بوکھلاہٹ میں ان بعض متاخرین کا سہارا لے۔ اور اتنی تمیز نہ ہو کہ اس کے اور ان کے مسلک میں بعد المشرقین ہے۔ (ص ۱۲ ملخصا)

گیارہواں رد :

متاخرین کی اس تفسیر پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آیت میں الف لام جنس کا مانیں گے تو آیت سے سلب کلی ثابت ہوگا۔ یعنی آپ کو کسی غیب کا علم نہیں۔ انھوں نے اس کے جو جوابات دیے ہیں حضور مفتی اعظم نے ان کا ذکر کیا ہے۔ اور انھیں جوابات کی روشنی میں تھانوی صاحب کا رد بھی کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ کیا آپ کو یہ بھی خبر ہے کہ خود اس مسلک والوں نے آیہ کریمہ سے کیا کیا جواب دیے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی کرنے والوں کے کیا کیا علاج کیے؟ تفسیر لباب التاویل پھر تفسیر جمل میں ہے (ادخال السنان میں عربی عبارت منقول ہے یہاں صرف اس کا ترجمہ دیا جاتا ہے) اگر کسی کو اس آیت (وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ) سے یہ شبہہ گزرے کہ اس میں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی ہے حالاں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بہتیرے غیب

بتائے جو صحیح حدیثوں میں آئے۔اور یہ حضور کے نہایت عظیم معجزات سے ہے تو اس میں اور آیت میں تطبیق کیا ہو۔اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو آیت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نفی علم غیب میں متعین نہیں۔ممکن ہے کہ یہ نفی حضور نے براہ تواضع وادب فرمائی ہو۔اور معنی یہ کہ بے خدا کے بتائے مجھے علم غیب نہیں ملتا۔(دیکھیے وہی علم ذاتی کی نفی آ گئی) ثانیاً ممکن ہے کہ اس وقت تک حضور کو علم غیب نہ ملا ہو۔بعد کو اللہ تعالیٰ نے حضور کو علم غیب عطا فرمایا۔جیسا کہ رب عزوجل نے فرمایا ہے: کہ اللہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو۔تھانوی صاحب آپ نے علما کے جواب دیکھے اور رسلیا کی تو دونوں گلیاں بند ہیں کہ علم ذاتی لینے کو خلاف بداہت عقل کہہ چکی اور نفی علم غیب آخر عمر اقدس تک مستمر مان گئی۔جانے ان دو احتمالوں کے رد پر اس کے پاس کیا دلیل ہے؟ کوئی برہان رکھتی ہے تو لائے ورنہ استدلال کا نام لیتے شرمائے۔(ص ۱۳)

تفسیر جمل کے اس اقتباس سے ثابت کہ آیت کریمہ مذکورہ میں علم ذاتی کی نفی ہے۔نسیم الریاض شرح شفا سے گزرا کہ آیت میں علم ذاتی کی نفی ہے۔حضرت پیر کرم شاہ ازہری نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں تفسیر خازن کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہاں علم ذاتی کی نفی ہے۔مگر پھر بھی تھانوی صاحب اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ ہی چن رہے ہیں کہ آیت میں علم بالذات کی نہیں بلکہ مطلق علم کی نفی ہے اور یہ کہ آیت سے علم جمیع غیوب الی یوم القیامۃ کی نفی ثابت ہوئی۔اسی لیے راقم نے کہا تھا کہ زیر بحث مسئلہ میں تھانوی صاحب کا مطالعہ محدود ہے یا پھر جان بوجھ کر اغماض برتا ہے۔

بارہواں رد :

تھانوی صاحب نے ''بسط البنان'' میں عقل وخرد سے اس قدر بے گانگی کا ثبوت دیا ہے کہ لاشعوری طور پر خود کو کچھ مخصوص القاب کا مستحق ٹھہرا لیا ہے۔حضور مفتی اعظم فرماتے ہیں: تھانوی صاحب کیا رسلیا والے نے اپنے خصم (یعنی امام احمد رضا قدس سرہٗ) کا کلام بھی نہ دیکھا۔اس کے اسی برے دن کے لیے ''انباء المصطفیٰ'' میں فرما دیا تھا کہ ''تاریخ تمامی نزول (قرآن) سے پہلے کی ہوگی یا بعد کی۔بر تقدیر اول مقام سے محض بیگانہ اور مستدل نہ صرف جاہل بل کہ دیوانہ۔بر تقدیر ثانی اگر مدعائے مخالف میں نص صریح نہ ہو تو استناد محض خرط القتاد۔مخالفین جو کچھ پیش کرتے ہیں سب انھیں اقسام کی ہیں'' دیکھیے اس نے (رسلیا والے نے) وہ آیت پیش کی کہ تمامی نزول قرآن کریم سے بہت پہلے کی ہے۔اور پھر اس کے مدعا میں نص بھی نہیں۔نص ہونا درکنار خود اس کا مدعا نہ بنا جب تک کلام اللہ میں اپنی طرف سے پیوند نہ جوڑا تو وہ دونوں مصیبتوں کی جامع ہوئی۔افسوس کہ جتانے کے بعد بھی نہ سوجھی۔سوجھے تو جب کہ عقل کا نام ونشان لگا رہ گیا ہو۔وہ ہمارے اور آپ کے اتفاق سے رسلیا والے سے سلب ہو چکی ہے۔دیکھیے ادھر سے فرمان ہوا تھا کہ جو ایسی دلیل پیش کرے وہ نہ صرف جاہل بلکہ دیوانہ ہے۔تو ہمارے نزدیک رسلیا والا عقل سے یکسر برکنار۔اور آپ نے حفظ الایمان میں آیۂ کریمہ'' وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ '' میں علم بالذات مراد لے کر بسط البنان میں اسے نہ صرف عقل بلکہ بداہت عقل کے خلاف بتایا تو خود آپ کے نزدیک رسلیا والے پہ جنون سوار۔غرض اس کا مجنون ہونا دونوں فریق کا متفق علیہ ہے۔(ص ۱۴)

یہ ادخال السنان کا اجمالی تعارف اور ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر اس کی فصل اول کے مباحث کا مفصل ذکر تھا جو کتاب کی عظمت ووقعت اور رد دیابنہ میں اس کی جامعیت واہمیت سمجھنے کے لیے کافی ہے۔اور اسی قدر سے معلوم ہو گیا کہ صاحب کتاب تاجدار اہل سنت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت سیدنا حضور مفتی اعظم کے فضل وکمال کا یہ عالم ہے کہ دیو بندی جماعت کا وہ عالم جس کو ان کے یہاں ''حکیم الامت

"کے بھاری بھرکم لقب سے یاد کیا جاتا ہے آپ کے سامنے طفلِ مکتب بلکہ مخبوط الحواس اور عقل و دانش سے بیگانہ ثابت ہو رہا ہے۔

ضرورت ہے کہ ایسی عظیم و وقیع اور مفید کتاب کو کامل اہتمام کے ساتھ نئے انداز میں شائع کیا جائے۔ سرورق، کاغذ اور طباعت عمدہ ہو۔ خاص طور سے تصحیح کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔

کتاب کا پورا نام "ادخال السنان الی حنك الحلقی بسط البنان" ہے۔ یعنی سرمنڈی منحوس و موذی بسط البنان کے جبڑے میں نیزہ داخل کرنا۔ یہ تاریخی نام ہے۔ جس سے سالِ تصنیف ۱۳۳۱ھ نکلتا ہے۔

بعض حضرات نے کتاب کا نام "ادخال السنان الی حنك الحلق بسط البنان" اور سنِ تصنیف ۱۳۳۲ھ لکھا ہے۔ یہ دونوں باتیں غیر درست ہیں اب میں اس مضمون کو دو اشعار پر ختم کرتا ہوں جو بارگاہِ تاجدار اہل سنت میں بڑا جامع نذرانہ عقیدت ہیں۔

حق نما، حق بین و حق گو، حق پرست و حق پسند
مردِ حق، مشتاقِ حق، حق کی ضیا کا آئینہ
جس کا نصب العین تھا، اعلانِ حق، تبلیغِ حق
زندگی جس کی تھی شرحِ مصطفیٰ کا آئینہ

☆☆☆☆☆

گیارھواں باب

شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ اپنے مشمولہ مقالے " مفتی اعظم اپنے فضل و کمال کے آئینے میں " لکھتے ھیں : حضرت مفتی اعظم کی زندگی کے پانچ دور ھیں .ایک عہد طفلی ، جو سن شعور تک پہنچنے تک ھے ۔ دوسرا تحصیل علم اور فراغت .تیسرا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی حیات طیبہ تک ۔ چوتھا اعلی حضرت قدس سرہ کے وصال کے بعد سے لے کر سجادہ نشین ھونے تک ۔ پانچواں عہد سجادہ نشینی سے اخیر عمر تک ۔ میرے خیال میں یہ تقسیم انتہائی جامع اور منصفانہ ھے اور ان پانچوں ادوار کی خصوصیات کے لحاظ سے اگر حضرت شارح بخاری قلم اٹھاتے تو شاید وہ مفتی اعظم کی سوانحیات کا سب سے مستند اورمکمل ماخذ ھوتا ، مگر دیگر قلمی مصروفیات نے اس کا موقع نہ دیا .تعجب ھے کہ اب تک اس پس منظر میں کسی اھل قلم نے مفتی اعظم کی زندگی کو موضوع بحث بنانے کی کوشش نہیں کی ۔ جب کہ شارح بخاری کی اس نشان دھی کو بھی ایک زمانہ گزر گیا. میرے خیال میں اس تقسیم کو بنیاد بناکر کوئی حوصلہ مند نوجوان اسکالر اپنی پی.ایچ.ڈی. کا موضوع بھی بنا سکتا ھے. زیر نظر گیارھویں باب میں مفتی اعظم کی زندگی کے جن ادوار کو موضوع بحث بنایا گیاھے میرے خیال میںوہ چوتھا اور پانچواں ھیں ۔ ان مراحل میں مفتی اعظم پورے جوش و خروش اور جاہ و جلال اور استقامت و استقلال کے ساتھ ملک کے کونے کونے کا دورہ کررھے تھے اور اپنی علمی و قلمی اور اصلاحی و تبلیغی صلاحیتوں کابھر پور استعمال کررھے تھے ۔ آپ کی زندگی کا یہ دور انتہائی وسیع ھے ، جو کچھ اس باب میں ھے ، وہ بہت تھوڑاھے ، رد بدعات ، اصلاح احوال ، امر بالمعروف ، نہی عن المنکر اور جرأت و استقامت کے سیکڑوں واقعات لوگوں کے سینوں میں دفن ھیں ، ضرورت ھے کہ مہم بناکر ان کو یک جا کیا جائے ان کو حیطہ تحریر میں لایا جائے ، اس کے بغیر مفتی اعظم کی شان میں منقبتیں تو لکھی جاسکتی ھیںلیکن ان کی عظمت و وجاھت کے ساتھ انصاف نہیں کیا جاسکتا ھے ۔ لیکن جو کچھ بھی آگیا ھے ، وہ کم نہیں. شیوۂ اھل نظر کی اشک شوئی کے لیے کافی ھے ۔ مولانا تطہیر احمد بریلوی مصباحی ، مولانا ارشاد احمد مصباحی ، مو لانا رضوان احمد شریفی وغیرہ کی مضامین اس سلسلے کی عمدہ کڑی ھیں ۔ خاص طور پر مولانا عبد المبین نے ترتیب و تصحیح کے دوران ھی اس باب میں شامل اپنا مضمون یادوں کے چراغ قدیم قلمی یادداشت کے ذریعہ ھی مرتب فرمایا ۔ یہ صرف ایک مثال ھے ورنہ ابھی بھی بہت سی معلومات ان کے پاس محفوظ ھیں ۔ جو کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھی ھے .اھل قلم کا یہ سلسلہ جنبانی اگر اسی طرح جاری رھا تو عن قریب اسی نوعیت کی ایک اور ضخیم اشاعت عمل میں آسکتی ھے ۔

مقبول احمد سالک مصباحی

مفتی اعظم کا دینی تصلب

مولانا تطہیر احمد بریلوی مصباحی
قصبہ دھونرا، ضلع بریلی

تصلب عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں سخت، محکم اور مضبوط ہونا۔ یہ ''صُلب'' سے مشتق ہے۔ ''صُلب'' ریڑھ کی ہڈی کو کہتے ہیں قرآن کریم میں وہ مادہ اور نطفہ جس سے انسان کی تخلیق ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا:

يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ. (پارہ ۳۰، رکوع ۱۱، سورۂ طارق) وہ ریڑھ اور سینے کی پسلیوں کے بیچ سے نکلتا ہے۔ اور ہڈی چوں کہ ایک سخت چیز ہے خاص کر ریڑھ کی ہڈی لہٰذا تصلب کے معنی اس مناسبت سے سختی، شدت، مضبوطی اور استحکام کے ہوئے۔

دینی تصلب کا مطلب :

دین میں تصلب کا مفہوم ہے سختی، شدت اور مضبوطی کے ساتھ تاعمر اپنے دین پر قائم رہنا، اپنے دین کے علاوہ تمام ادیان کو غلط، باطل اور خلاف حق جاننا اور قول و فعل سے بھی ظاہر کرنا اور ہر نظریہ و عقیدہ، شعار و طریقۂ کار، کردار و گفتار، جو اپنے دین و مذہب سے مزاحم و مقابل ہو، متضاد و مخالف و متصادم ہو اس سے نفرت و بے زاری، کنارہ کشی اور دوری اختیار کرنا۔ وہ اشخاص ہوں یا اعمال جو اس کے دین کے اور دین سے نہ ہوں وہ اس کے نہ ہوں۔ اور جو اس کے دین کے ہوں، وہی اس کے ہوں۔ دین میں رچ بس جائے، دین پر جم جائے، دین کی عینک لگا کر دین کی آنکھوں سے دیکھے، دین کے دل سے سوچے، دین کے دماغ سے سمجھے، دین کی ترازو سے تولے، دین کے پیمانے سے ناپے۔ سر سے پیر تک دین کے رنگ میں رنگا ہوا ہو، دین اور دین والوں کی محبت اور دین کے دشمنوں کی نفرت سے دل اس کا بھرا ہوا ہو وہ دین کا اور دین اس کا ہو جائے، احکام دین کا پابند مضبوطی سے اس پر کاربند ہو جائے اور اس کے تمام تقاضوں کو پورا کرے۔ دوستی اور دشمنی ہو تو دین کے لیے محبت اور عداوت ہو تو اپنے دین کے لیے۔ دین کی ترقی اور خوشحالی دیکھ کر خوش اور مسرور ہو، اس کی تنزلی اور بربادی دیکھ کر رنجیدہ اور مغموم ہو۔

یہی سب ہیں ''دین میں تصلب'' کے معنی و مفہوم، مطلب و مراد

دہن میں زباں تمھارے لیے، بدن میں ہے جاں تمھارے لیے
ہم آئے یہاں تمھارے لیے، اٹھیں بھی وہاں تمھارے لیے

ایسے ہی دین والوں کے لیے قرآن کریم میں فرمایا گیا۔

بے شک وہ لوگ جنھوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے۔ پھر اس پر قائم رہے۔ ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ ڈرو نہ غم کرو اور خوش ہو اس

جنت پر جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔(پارہ ۲۴، رکوع ۱۸، سورہ حم السجدہ)

دین میں تصلب کا مطلب غیر مسلموں کو ستانا نہیں ہے۔

بعض اسلام دشمن تنظیمیں اور تحریکیں آئے دن یہ پروپیگنڈہ کرتی رہتی ہیں کہ مذہب اسلام دوسرے مذاہب والوں پر ظلم و زیادتی، ایذا رسانی اور ان کو ستانے، مارنے، پیٹنے کا روادار ہے۔ یہ سب محض پروپگنڈا ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مذہب اسلام ہرگز امن پسند غیر مسلموں پر ظلم و زیادتی کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت پیغمبر اسلام اور ان کے جانشینوں اور دین دار مسلم سربراہوں کے کردار اور طریقہ کار ہیں کہ ان کے دور حکومت و امارت میں غیر مسلم رعایا کتنے امن و سکون سے رہتی تھی اور مسلمانوں سے بھی زیادہ ان کی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کا خیال رکھا جاتا تھا۔ یہ باتیں تاریخ عالم پر نظر رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اور آج بھی مسلم ملکوں میں غیر مسلمین کے لیے جان و مال، عزت و آبرو کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ برخلاف اس کے غیر مسلم حکومتوں میں مسلمانوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا جارہا ہے اور ان کی جو حالت ہے وہ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ اسلام کے امن پسند مذہب ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے جو آنکھوں کے سامنے ہے۔

البتہ جان و مال، عزت و آبرو جب خطرے میں پڑ جائے تو کون سا سماج، معاشرہ اور مذہب ہے جو ایسے وقت میں پڑے سوتے رہنے کی تعلیم دیتا ہے؟ اور کون سا ملک ہے جو اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لیے فوجیں تیار کر کے انھیں ہتھیاروں سے آراستہ نہیں کرتا؟ اسلام میں تلوار ہے لیکن ظلم و زیادتی کرنے کے لیے نہیں بل کہ جہاں ظلم ہوتا ہو اس کو روکنے کے لیے۔ قتل کرنے کے لیے نہیں بلکہ قاتل کے ارادے کو ناکام کرنے کے لیے۔ لوٹ مار کرنے کے لیے نہیں بل کہ لٹیروں کو بھگانے کے لیے۔ عزت و آبرو لوٹنے کے لیے نہیں بلکہ لٹتی ہوئی عزت کی حفاظت کے لیے۔ بات لمبی ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو دلائل و تاریخی واقعات کے ذریعہ اس موضوع پر تفصیل سے لکھتا لیکن یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی سمجھتا ہوں کہ دین میں تصلب کا مطلب اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رہنا اور اس کے احکام و شعائر کی حفاظت کرنا ہے۔ دوسروں کو ستانا اور ان پر ظلم و زیادتی کرنا نہیں ہے۔

دین میں تصلب اور قرآن کریم :

قرآن کریم میں جگہ جگہ دین میں تصلب کی تعلیم دی گئی ہے، بصرف چند آیات کریمہ کے تراجم ملاحظہ فرمائیں:

سورہ فاتحہ جو قرآن کی سب سے زیادہ معظم سورہ ہے پورے قرآن کا نچوڑ اور خلاصہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو دعا تعلیم فرمائی ہے، ظاہر ہے کہ وہ دعاؤں میں سب سے افضل دعا ہوگی۔

اس میں فرمایا جاتا ہے:

اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ چلا، راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا، نہ ان کا جن پر تو نے غضب کیا۔ نہ بہکے ہوؤں کا (سورہ فاتحہ، آیت ۶-۷)

ان کلمات میں ظاہر طور پر مخصوص و محبوب بندوں کے پیچھے چلنے کی جہاں تلقین کی گئی ہے وہیں جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہے اور جن پر اس کا غضب نازل ہوا ان سے نفرت و بے زاری و دوری اور علاحدگی کا سبق دیا گیا ہے اور یہ دونوں باتیں ہی دین میں تصلب کا دوسرا نام ہے جس میں یہ جتنی زیادہ ہوں گی وہ اس میں اتنا ہی زیادہ متصلب ہوگا اور ان ہر دو امور میں ایسا تلازم و توازن ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کے

مخصوص و محبوب بندوں سے جتنی زیادہ محبت ہوگی اس کو اس کے دشمنوں سے اتنی ہی زیادہ نفرت اور جس کو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے جتنی زیادہ نفرت ہوگی اس کو اتنی ہی زیادہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب بندوں سے محبت ہوگی۔ گویا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ جس کو اللہ اور اس کے دشمنوں سے نفرت نہ ہو اس کو اللہ اور اس کے دوستوں کی محبت نصیب ہو جائے۔

ایک جگہ ارشاد ربانی ہے:

ترجمۂ آیت : اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا وہ انھیں میں سے ہے۔ (پارہ ۶، رکوع ۱۲، سورہ مائدہ، آیت ۵۱)

ترجمہ آیت : اگر وہ ایمان لاتے اللہ پر اور ان نبی پر اور جو ان کی طرف اترا، تو کافروں سے دوستی نہ کرتے مگر ان میں کے بہت سے فاسق ہیں۔ (پارہ ۶، رکوع ۱۱، آیت ۸۱)

اور دیکھیے مسلمانوں کو تصلب فی الدین کی تعلیم کتنے عمدہ طریقے سے دی جاتی ہے۔

ترجمہ آیت : وہ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں؟ تو عزت تو ساری اللہ کے لیے ہے اور بے شک اللہ تم پر کتاب میں اتار چکا کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ ان کا انکار کیا جاتا ہے اور ان کی ہنسی بنائی جاتی ہے تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک وہ اور بات میں مشغول نہ ہوں۔ ورنہ تم بھی انھیں جیسے ہو۔ بے شک اللہ کافروں اور منافقوں کو سب کو جہنم میں اکٹھا کرے گا۔ (پارہ ۵، رکوع ۱۷، سورہ النساء آیت ۱۴)

ترجمہ آیت : اے ایمان والو! جنھوں نے تمھارے دین کو ہنسی کھیل بنالیا ہے وہ جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے اور کافر، ان میں سے کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر ایمان والے ہو۔ (پارہ ۶، رکوع ۱۲، سورہ مائدہ، آیت ۵۷)

ترجمہ آیت : کیا تم نے انھیں نہ دیکھا جو ایسوں کے دوست ہوئے جن پر اللہ کا غضب ہے۔ وہ نہ تم میں سے، نہ ان میں سے وہ دانستہ جھوٹی قسم کھاتے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ بے شک وہ بہت ہی برے کام کرتے ہیں۔

(پارہ ۲۸، رکوع ۳، سورہ مجادلہ، آیت ۱۴)

ترجمہ آیت : تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہیں کہ دوستی کریں ان سے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی ہے۔ اگر چہ وہ ان کے باپ بیٹے بھائی یا کنبے والے ہوں۔ (پارہ ۲۸، رکوع ۳، سورہ مجادلہ، آیت ۲۲)

خدائے تعالیٰ فرماتا ہے

ترجمہ آیت : اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔ تم انھیں خبریں پہونچاتے ہو، دوستی کی وجہ سے حالاں کہ وہ منکر ہیں اس حق کے جو تمھارے پاس آیا۔ گھر سے جدا کرتے ہیں رسول کو اور تمھیں اس وجہ سے کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے۔ اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے اور میری رضا چاہنے کو نکلے ہو تو ان سے دوستی نہ کرو۔ تم انھیں خفیہ پیغام محبت کا بھیجتے ہو۔ میں خوب جانتا ہوں جو تم چھپاؤ اور جو تم ظاہر کرو اور تم میں جو ایسا کرے وہ بے شک سیدھی راہ سے بہکا۔ اگر تمھیں پائیں تو تمھارے دشمن ہوں گے اور تمھاری طرف اپنے ہاتھ اپنی زبانیں برائی کے ساتھ دراز کریں گے اور ان کی تمنا ہے کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ۔ ہرگز کام نہ آئیں گے تمھیں تمھارے رشتے اور تمھاری اولاد قیامت کے دن (اللہ) تمھیں ان سے الگ کر دے گا اور اللہ تمھارے کام دیکھ رہا ہے۔

(پارہ ۲۸، رکوع ۷، سورہ ممتحنہ، آیت ۱-۲)

اس آیت میں تصلب فی الدین کی مکمل تصویر کھینچ دی گئی ہے اور مسلمانوں کو دشمنانِ دین کی دوستی سے باز رکھنے کی تلقین کے ساتھ ساتھ ان کی مکاریوں اور فریب کاریوں کا جو نقشہ تیار کیا گیا ہے وہ آج اسلام کی چودہ سو سال کی تاریخ پر نظر رکھنے والوں پر خوب اچھی طرح ظاہر ہے اور بارہا یہ سب تجربے ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

یہ دیکھیے قرآن کریم میں اصحاب رسول علیٰ سیدہم وعلیہم الصلاۃ والسلام کی تعریف وتوصیف کن صفات سے فرمائی گئی۔

ترجمہ آیت : محمد اللہ کے رسول ہیں ان کے ساتھ والے (صحابۂ کرام) کافروں پر سخت ہیں آپس میں نرم دل۔

(پارہ ۲۶، رکوع ۱۲، سورہ الفتح، آیت ۲۹)

ترجمہ آیت : اے ایمان والوان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہے وہ آخرت سے آس توڑ بیٹھے جیسے کافر آس توڑ بیٹھے قبر والوں سے۔ (پارہ ۲۸، رکوع ۸، سورہ الممتحنہ، آیت ۱۳)

زمانۂ پاک رسالت میں اہل کتاب نصاریٰ عیسائیوں میں سے کچھ لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی شریعت موسوی کی کچھ باتیں اپنائے ہوئے تھے۔ ہفتے کے روز کی تعظیم کرتے اور اس روز شکار کو نہیں جاتے۔ اونٹ کا گوشت کھانے سے پرہیز کرتے اور یہ خیال کرتے کہ اسلام میں یہ امور صرف مباح ہیں اور توریت میں ان سے بچنا لازم کیا گیا، اس طرح ان کو چھوڑنے میں اسلام کی مخالفت بھی نہیں ہے اور شریعت موسوی پر عمل بھی ہوتا ہے۔ ان کے اس طریقۂ کار کی مخالفت اور ان کو دین اسلام میں متصلب رہنے کی نصیحت قرآن میں یوں فرمائی گئی۔

ترجمہ آیت : اے ایمان والو اسلام میں پورے داخل ہو۔ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

(پارہ ۲، رکوع ۹، سورہ البقرہ، آیت ۲۰۸)

یعنی مسلمان ہو کر دوسرے مذاہب کے احکام اور ان کی شریعتوں کی پاس داری اور مراعاۃ تمہارے لیے قطعاً روا نہیں ہے اور اسلام میں اس سب کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

یہ صرف گیارہ (۱۱) آیات قرآنیہ کے ترجمے دین میں تصلب سے متعلق آزاد خیال، نام نہاد مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے لکھ دیے گئے ہیں۔ مضمون کی طوالت کا خوف نہ ہوتا تو اور بھی بہت سے شواہد کلام الٰہی سے اس بارے میں بیان کیے جا سکتے تھے۔

دین انھیں نے پھیلایا جو اس میں تصلب رکھتے تھے :

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ پوری دنیا میں اسلام مذہب کو ماننے والوں کی تعداد ہر مذہب کے پیروکاروں سے زیادہ ہے۔ یہ سب صرف چودہ سو کچھ سال میں ہوا۔ مکے کے ریگستانوں اور مدینے کے نخلستانوں سے نکلنے والی آواز سارے عالم میں پھیل گئی۔ جو نماز کبھی صرف مدینے میں ہوتی تھی، اس کی صفیں اتنی لمبی ہوئیں کہ دنیا کے ہر کنارے تک پہونچ گئیں۔ جو اذان کبھی صرف مدینے میں پکاری جاتی تھی، اس کی پکار دنیا کے سارے انسانوں کے کانوں سے جا کر ٹکرا گئی۔ غرض یہ کہ عالمی سطح پر مذہب اسلام کی جو اشاعت ہوئی وہ ہر کس و ناکس پر ظاہر ہے۔ ہر رنگ ونسل، ہر ملک وعلاقے، ہر خاندان وقوم کے کثیر افراد جس بڑی تعداد میں آج اسلام سے وابستہ دکھائی دیتے ہیں کبھی آپ نے یہ سوچا کہ کن لوگوں کے کارنامے ہیں؟ اور وہ کیسے دین والے تھے؟ آج ووٹ لینے کے لیے مسلمانوں کی گنتی کرنے والے تو بہت ہیں کہ کہاں کتنے مسلم ووٹ ہیں اور وہ کس ترکیب سے حاصل کیے جا سکتے ہیں لیکن کبھی یہ بھی خیال کیا کہ یہ اتنے مسلمان بنائے ہوئے کس کے ہیں؟ اور جنھوں نے گھر گھر اسلام کے چراغ جلائے وہ کیسے مسلمان تھے؟ کیا وہ آزاد خیال نام نہاد مسلمان تھے یا دین میں تصلب

وحی والے؟ کیا وہ جب اسلام کی تبلیغ کے لیے نکلتے تھے تو لوگوں سے یہ کہتے گھومتے تھے کہ سب دھرم سمان ہیں اور سب سچے اور اور اچھے ایک خدا سے ملانے والے ہیں جیسے سب ندی نالے ایک سمندر میں جا کر گرتے ہیں؟ اگر وہ یہ کہتے تو جن لوگوں کو وہ اسلام کی دعوت دیتے تھے وہ پلٹ کر یہ نہیں کہہ دیتے کہ جب سب مذہب حق و درست، صحیح اور سچے ہیں تو آخر آپ ہمیں اسلام کی دعوت کیوں دے رہے ہیں؟ آخر ہم جس مذہب پر ہیں وہ بھی تو صحیح اور سچا ہی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اسلام کی دعوت بے معنی ہو کر رہ جاتی اور کوئی بھی مسلمان ہونے کو تیار نہ ہوتا۔ کیوں کہ جب دنیا کے سارے مذاہب حق ہیں، جنت کے راستے ہیں تو پھر مذہب بدلنا ایک شوق یا فیشن ہی بن کر رہ جائے گا اور اس کی حیثیت ایک تلون مزاجی اور رنگین خیالی سے زیادہ نہیں رہے گی۔

تو بات واضح اور معاملہ صاف ہے کہ اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام انھیں لوگوں نے کیا جو اپنے دین میں متصلب تھے اور اسلام کے علاوہ کسی مذہب کو خدائی راستہ نہیں سمجھتے تھے اور یہی اقوام عالم کو بتاتے تھے۔ وہ اسلام کے عظیم الشان پیغمبر کا بے مثال کردار ہو یا ان کے صحابہ کا طریقۂ کار، وہ صوفیۂ کرام کے تبلیغی دستے ہوں یا اہل علم وفضل کی دعوتی تحریکیں، ہر جگہ دین میں تصلب ہی کی کارفرمائی رہی جس کے نتیجے میں گھر گھر اسلام کا اجالا پہنچ گیا اور عالم انسانیت کا ایک بڑا حصہ اسلام سے وابستہ ہو گیا۔

قرونِ اولیٰ میں دینی تصلب کی مثالیں :

پڑھا، بے پڑھا ہر شخص جانتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں جب شہر مکہ میں کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کرنے والوں کو مشرکین مکہ سخت سخت ایذائیں دیتے، انھیں جی بھر کے ستاتے، ہر قسم کا بڑے سے بڑا ظلم ان پر روا رکھتے مگر وہ سابقین اولین بڑی سے بڑی مصیبتیں سہنے، ایذائیں پانے، تکلیفیں جھیلنے کے باوجود کبھی بھی دین حق سے ذرا بھی ٹس سے مس نہیں ہوئے اور ہرگز کبھی بڑی سے بڑی مصیبت اور دکھ سہہ کر بھی کافروں کی ہاں میں ہاں نہیں ملائی۔ آج نہ کوئی مجبوری ہے نہ پریشانی بلا وجہ ان کے میلوں ٹھیلوں، تیوہاروں میں شرکت کو باعث فخر جانتے ہیں ایسے مسلمانوں کو عبرت اور سبق حاصل کرنا چاہیے۔ پیغمبر اسلام سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابۂ کرام کے دینی تصلب کو ظاہر کرنے والے ان واقعات سے جو تفسیر وحدیث تاریخ وسیر کی کتابوں میں جگہ جگہ دیکھے جا سکتے ہیں۔

اعلان نبوت کو ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہے، بڑھتی ہوئی مسلمانوں کی تعداد سے قریش مکہ نہایت پریشان ہیں۔ ایک دن وفد بنا کر آپ کے بزرگ چچا جناب ابو طالب کے پاس پہونچے اور کہنے لگے آپ اپنے بھتیجے کو یا تو ہمارے حوالے کر دیں اور اس کی سرپرستی سے دست بردار ہو جائیں یا پھر اس کو سمجھائیں کہ وہ ہمارے معبودوں اور دیوتاؤں کو برا بھلا نہ کہیں۔ بزرگوار چچا ابو طالب نے آپ کو بلایا اور کہا کہ بھتیجے یہ تمھاری قوم کے عمائد اور بزرگ لوگ ہیں یہ تم سے تصفیہ چاہتے ہیں۔ تم ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہو۔ یہ تمھارے خدا سے کوئی تعرض نہ کریں گے۔ اس کا جواب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا دیا؟ وہ سیرت ابن ہشام میں بروایت ابن اسحاق یوں درج ہے:

یا عم واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی ان اترک ھذا الامر حتی یظھرہ اللہ او اھلک فیہ ما ترکتہ چچا جان! واللہ اگر وہ میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں اس شرط پر کہ میں اس بات کو چھوڑ دوں تب بھی ہرگز اس کو نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ یا تو اللہ اس دین کو غالب فرما دے یا میں ہلاک ہو جاؤں۔ (سیرۃ ابن ہشام، جلد ۱، صفحہ ۸۹)

تاریخ کی معتبر کتابوں میں یہ بھی ملتا ہے کہ قریش مکہ نے آپ سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر آپ حکومت کے طلب گار ہوں تو ہم آپ کو اپنا سردار وامیر اور حاکم بنالیں۔ آپ کسی خوبصورت عورت سے نکاح کے خواہاں ہو تو عرب کی سب سے زیادہ حسن وجمال والی سے آپ کا

نکاح کرادیں۔ اگر دولت کی خواہش ہو تو ہم سب کوشش کر کے بہت سارا مال آپ کے لیے جمع کردیں لیکن اللہ کے سچے رسول نے ان سب پیش کشوں کو یک لخت ٹھکرا دیا تھا اور کسی قسم کا سودا نہیں فرمایا دین اسلام کی تبلیغ اور معبودان باطل کی تردید جاری رہی۔ فصلی اللہ تعالیٰ علیہ و بارك و سلم دائماً ابداً

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا — تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھرتھرا کر گر گیا

حضرت جابر ابن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن جناب عمر ابن خطاب توریت کا ایک نسخہ لے کر حاضر بارگاہِ رسالت ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ توریت ہے۔ حضور خاموش رہے۔ حضرت عمر نے توریت کی تلاوت شروع کردی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر آثار ناراضی ظاہر ہونے لگے۔ اور چہرۂ پاک کا رنگ متغیر ہوگیا۔ جناب سیدنا ابوبکر صدیق بھی تشریف فرما تھے۔ انھوں نے یہ کیفیت ملاحظہ فرمائی اور حضرت عمر کو تنبیہ کی کہ کیا تم رسول اللہ کے چہرے کو نہیں دیکھتے؟ حضرت نے جب ادھر نظر کی تو خوف طاری ہوا اور عرض کرنے لگے۔ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، اللہ کے غضب سے اور اس کے رسول کے غضب سے۔ ہم اللہ کے رب اور آپ کے نبی اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہیں۔ اس کے بعد رسول پاک صلی اللہ علیہ علیہ وسلم نے جو نصیحت بھرے کلمات ارشاد فرمائے اور دین میں متصلب رہنے کی جو تعلیم دی اس کا بھول جانا مسلمان کا کام نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا:

''قسم اس کی جس کے دست قدرت میں محمد کی جان ہے اگر موسیٰ تمھارے سامنے نمودار ہو جائیں اور تم لوگ مجھ کو چھوڑ کر ان کے پیچھے لگ جاؤ تو تم گم راہی پر ہوگے اور سنو موسیٰ بھی اگر اس دنیا میں ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو وہ بھی میری پیروی کرتے۔''

(مشکوٰۃ المصابیح، باب الاعتصام، صفحہ ۳۲)

حضرت عبداللہ ابن عمر کا دینی تصلب :

حضرت یحییٰ بن معمر کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول عبداللہ بن عمر سے عرض کیا کہ ہمارے یہاں کچھ لوگ ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں علم دین حاصل کرتے ہیں لیکن تقدیر کا انکار کرتے ہیں یہ سن کر حضرت عبداللہ ابن عمر نے فرمایا:

''ان لوگوں سے کہہ دینا وہ میرے نہیں۔ میں ان کا نہیں۔ ان سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ اگر کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی راہِ خدا میں خرچ کردے لیکن اگر وہ تقدیر پر ایمان نہ رکھتا ہو تو اس کی یہ خیرات خدائے تعالیٰ قبول نہیں فرمائے گا۔''

(صحیح مسلم، جلد ۱، کتاب الایمان، صفحہ ۲۷)

یعنی جو ضروری اسلامی عقائد میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے وہ مسلمان نہیں ہے اور اس کا کوئی عمل قبول نہیں اور اس کی نیکی نیکی نہیں اور مسلمانوں کے لیے اس سے دوری، بے زاری اور نفرت ضروری ہے اس کو اپنا سمجھنا گم راہی ہے۔

ام المومنین سیدتنا امِ حبیبہ کا دینی تصلب :

ہجرت نبوی کے ساتویں سال قریش مکہ صلح حدیبیہ کے معاہدے کو توڑنے پر پشیمان ہوئے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ پر حملے کا ارادہ فرمایا تو گھبرائے ہوئے قریش نے اپنے سرداروں میں سے ابوسفیان کو تجدید معاہدہ کے لیے حضور کے پاس بھیجا۔ مسلمانوں کے خلاف ہر لڑائی اور جنگ میں پیش پیش رہنے والے ابوسفیان مدینے میں آئے۔ کاشانۂ نبوت میں اپنی صاحبزادی ام المومنین سیدتنا ام حبیبہ کے حجرے میں داخل ہوگئے۔ ان کی یہ صاحبزادی اسلام لے آئی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح

فرمالیا تھا، ابوسفیان نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو ام المومنین نے بسترِ رسول کو سمیٹ دیا اور اپنے باپ ابوسفیان کو جو ابھی کافر ومشرک تھے بستر رسول پر نہیں بیٹھنے دیا باپ نے بیٹی سے کہا بیٹی تم نے اس بستر کو میرے شایانِ شان نہیں سمجھا یا مجھ کو اس بستر کے قابل نہیں سمجھا تو ام المومنین سیدتنا ام حبیبہ کا ایمان بھرا عشق مصطفیٰ اور دینی تصلب میں ڈوبا ہوا جواب ملاحظہ فرمائیں:

"یہ رسول کا بستر ہے۔ تم مشرک ہو۔ نجس ہو۔ میں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ تم رسول اللہ کے بستر پر بیٹھو۔"

(تاریخ ابن جریر طبری، مترجم، جلد ۱، ص ۴۰۴)

محمد ہے متاعِ عالم ایجاد سے پیارا　　پدر مادر برادر اقربا اولاد سے پیارا

دین میں تصلب ہی دین ہے:

اس عنوان کو قائم کر کے میرا مقصد یہ بتانا ہے کہ دین میں تصلب اور سختی دین کا دوسرا نام ہے یا یوں کہیے کہ جو اپنے دین میں متصلب اور سخت نہیں ہے وہ دیندار اور دین والا نہیں ہے۔ ظاہری بات ہے کہ جو دین میں سخت اور متصلب نہیں وہ کبھی بھی دین کے خلاف کچھ بھی بول سکتا ہے، کچھ بھی کر سکتا ہے اور وہ جب دین کے خلاف کر سکتا ہے تو پھر دین والا کہاں رہا؟ جو درخت جڑ سے اکھڑا سوکھنا ہی ہے اور گاڑی جو پٹری سے اتر گئی اسے کھڈ میں گرنا ہی ہے۔ عالمی سطح پر یا ملکی سطح پر جتنی بھی اسلام دشمن ذہنیتیں ہیں وہ اس راز کو خوب جانتی ہیں خواہ آزاد خیال مسلمان سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ دیکھتے نہیں کہ گم راہ و بد دین فیشن پرست نام نہاد مسلمانوں کو خوب نوازتے، ان سے خوش رہتے انھیں عہدے اور مرتبے دیتے ہیں لیکن دین دار متبع شرع بھلے اور سچے مسلمانوں کو دیکھ کر ان کا خون کھولتا ہے اور وہ انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتے۔

مجھے وہ اخباری رپورٹ یاد ہے کہ سابق صدر امریکہ مسٹر بل کلنٹن اپنے دور اقتدار میں جب عرب ملکوں کے دورے پر آئے تھے تو فلسطین کے لوگوں کو مخاطب کر کے انھیں خوش کرنے کے لیے اسلام مذہب سے متعلق اپنی رائے کا اظہار یوں کیا تھا:

"انھیں اسلام مذہب بہت پسند ہے مگر وہ مذہب میں سختی، کٹرپن کے قائل نہیں ہیں۔"

کاش اسی انداز سے انھوں نے اسرائیل کے یہودیوں کو بھی سمجھایا ہوتا تو یہ مذہبی جھگڑے کیوں ہوتے اور مذہب کے نام پر ہی تو اسرائیل وجود میں آیا۔

کلنٹن کے بیان کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے معنی اتنے ہیں کہ بس مسلمان کہلاتے رہو اور پھر جو چاہو کرو اور جو چاہو کہو۔ میں کہتا ہوں کہ پھر مسلمان کہلانے کی بھی کیا ضرورت ہے؟ جب آزادی ہو تو پھر پوری ہو۔

صلیبی جنگوں میں عیسائی دنیا کو متحد کر کے مسلمانوں کے مقابلے پر کھڑا کرنے والا صلیبی ہیرو پیٹر کہا کرتا تھا۔ ہماری جنگ مسلمانوں سے نہیں بلکہ اسلام سے ہے۔

غرض یہ کہ اسلام دشمن ذہن رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی کامیابی قومیت، گنتی اور تعداد سے نہیں بلکہ مذہبیت سے ہے۔

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں　　جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

مسلمانوں کی پستی کا سبب ان میں دینی تصلب کا فقدان ہے:

دنیا کی وہ اور قومیں ہیں کہ صرف قومیت کی بنیاد پر زندہ رہنے کی دعویدار ہیں اور کیوں نہ ہوں کہ ان کے پاس سوائے قومیت کے اور ہے ہی کیا لیکن مسلمان کی زندگی اس کے مذہب سے ہے اور یہاں قوم مذہب ہی سے ہے اور مذہب کا خاتمہ قوم کا خاتمہ ہے اور مذہب کی بقا

قوم کی بقا ہے اوران سب کو زیادہ سمجھانے کی ضرورت نہیں کیوں کہ اب یہ سب تجربے کی منزلوں سے گزر چکی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ مسلمانوں کی آنکھیں ابھی نہیں کھلیں اور سب کچھ دیکھنے، جاننے، تجربہ کرنے کے باوجود وہ ابھی ہوش میں نہیں آئے ہیں۔ افسوس کہ اسلام دشمن بھی اس راز کو پا گئے کہ قوم مسلم کے لیے دین و مذہب میں تصلب اور سختی ہی دین ہے لیکن بہت سے مسلمان اب بھی اس حقیقت سے بے خبر ہیں یا پھر وہ جان بوجھ کر آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں۔

کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعار اغیار　　ہوگئی کس کی نگہ طرز سلف سے بیزار

ادھر تقریباً دو سو سال سے عالم اسلام مسلسل قومی، سیاسی، سماجی، مالی اعتبار سے تنزلی کی طرف بڑھ رہا ہے، اس سب کی خاص وجہ قوم مسلم میں دینی تصلب کا فقدان ہے۔ آج دوسری قومیں جو بے دین ہیں وہ اپنے مزعومہ دینوں میں متصلب اور سخت ہوتی جارہی ہیں اور مسلمانوں کو دین میں شدت پسندی اور تصلب سے روکا جارہا ہے اور وہ خود بھی دین میں تصلب کی موروثی دولت کو گنوانے میں لگے ہیں۔

آج دنیا کے سیاسی اور سماجی حالات پر نظر رکھنے والوں پر خوب ظاہر ہے کہ جن اسلام دشمنوں نے مسلمانوں کو سیکولرزم کا پاٹھ پڑھایا تھا وہ خود کٹر پنتھی بن گئے ہیں۔ جنھوں نے مسلم ملکوں کی شمولیت سے اقوام متحدہ بنائی کہ اس ذریعہ سے دنیا میں امن قائم ہوسکے گا اور پوری دنیا کو ایک قوم قرار دے کر قوم مسلم کو اپنے سے جوڑے رکھا انھیں نے عراق، افغانستان، بوسنیا، چیچنیا اور فلسطین میں مسلمانوں کا خون بہانا جائز قرار دے دیا ہے۔

جنھوں نے مسلمانوں کو ہتھیار اٹھانے اور جہاد کرنے سے روکنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ جب ہم تم متحد و متفق ہیں تو پھر ان سب چیزوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی انھوں نے اپنی قوموں اور فوجوں کو طرح طرح کے ہتھیاروں سے لیس کر دیا ہے۔ جنھوں نے مسلم بچوں کو ہندو مسلم سکھ عیسائی آپس میں ہیں بھائی بھائی نظمیں رٹوائی تھیں، انھوں نے اپنے بچوں کو بال ودھیا مندر اور شسو مندروں میں اسلام دشمنی سکھانے والی درسگاہیں قائم کر کے مسلمانوں کے خون کا پیاسا بنانے کے لیے داخل کر دیا ہے۔ جو مسلم نوجوانوں کو ہاکی، کرکٹ، فٹ بال کا دلدادہ اور شوقین بنا کر کھیل کے میدانوں میں کھینچ کر لائے ہیں، وہی لوگ اپنے نوجوانوں کو ہتھیار چلانے کی تربیت دینے کے لیے آر ایس ایس، وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل کے اکھاڑوں میں پہنچا چکے ہیں۔ اور جنھوں نے مسلمانوں کو اپنا بھائی کہہ کر ان کے ہاتھوں میں سیکولرزم کے نام پر ترنگے جھنڈے دیے تھے انھوں نے اپنے ہاتھوں میں ترشول تھام لیے ہیں۔

وہ مذہب تھا اقوام عہد کہن کا　　یہ تہذیب حاضر کی سوداگری ہے

افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو　　دیکھے نہ تیری آنکھ نے فطرت کے اشارات

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے　　ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

دین میں تصلب اس کے حق ہونے کی پہچان ہے :

اس کا مطلب یہ ہے کہ دین میں تصلب اسی کو حاصل ہوگا جس کے پاس دین ہو اور جس کا دین حق ہو اور جو اپنے دین کے حق ہونے کا یقین کامل رکھتا ہو۔ مثال کے طور پر ایک شخص کے پاس کھرے نوٹ اور کھرے سکے ہیں اور دوسرے کے پاس کھوٹے تو کھوٹے سکوں والا تو چاہے گا کہ اپنے کھوٹے سکے کھرے سکوں میں ملا دے لیکن کھرے سکوں والا اس ملاوٹ کو کبھی برداشت نہیں کرے گا۔ کیوں کہ ملاوٹ میں نقصان اسی کا ہے جس کا مال کھرا ہے۔ یوں ہی ایک شخص کا بدن اور کپڑے نہایت میلے، گندے کیچڑ مٹی میں آلودہ ہیں جب کہ

دوسرے کے صاف ستھرے، سفید براق۔ گندے بدن اور گندے کپڑوں والا صاف کپڑوں والے کے پاس بیٹھنا چاہے گا لیکن صاف ستھرے بدن اور کپڑوں والا ضرور اس سے بچنے اور دور بیٹھنے کی کوشش کرے گا گویا کہ دوسروں کے مذہب سے پرہیز، دوری اور بے زاری اور ان کے مذہب اس کے شعار سے نفرت، دین حق کی پہچان اور اس کے صاف ستھرا اور سچا ہونے کا نشان ہے۔ مشرکین مکہ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اتحاد و اتفاق کی دعوت یہ کہہ کر دی تھی کہ ایک سال تم ہمارے معبودوں کو پوجو اور ایک سال ہم تمھارے معبود کو۔ اس پر قرآن کریم میں سورہ کافرین نازل ہوئی تھی اور کفار کی اس پیش کش کو سختی کے ساتھ ٹھکرا دیا گیا تھا۔

اور ہم پہلے لکھ چکے ہیں قریش نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ وساطت ابوطالب اس طور پر اتحاد کرنے کے لیے کہا تھا کہ وہ ہمارے معبودوں کو جھوٹا کہنا چھوڑ دیں ہم ان کے خدا سے تعرض نہ کریں گے لیکن اس کو بھی آپ نے قبول فرمانے سے صاف انکار فرما دیا تھا۔

غرض یہ کہ باطل پرستوں کا ہمیشہ سے ہی مزاج رہا ہے کہ وہ حق پرستوں سے میل ملاپ کے خواہاں رہتے ہیں ان کے مذہب کو اپنے مذہب سے ملانا چاہتے ہیں لیکن حق پرستوں کی حق پرستی اسی میں ہے کہ وہ اپنے کھرے مال اور کھرے کردار کو الگ بچا کر رکھیں۔ عام طور سے اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب والوں کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ سب مذہب صحیح ہیں کسی مذہب کو غلط اور باطل مت کہو۔ سب کا راستہ ایک ہی ہے لیکن ایک مسلمان یہ کبھی نہیں کہہ سکتا اور جو کہہ دے وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔

اسلام کے دعوے دار باطل فرقوں کی بھی یہ عادت ہے کہ اہل سنت سے میل جول، اتفاق و اتحاد چاہتے ہیں اور ہمیشہ اپنے باطل خیالات پر قائم رہ کر اس کی دعوت دیتے رہتے ہیں لیکن اہل سنت ہی وہ فرقہ ہے جو سب سے الگ ہے اور کسی صورت ہرگز کسی سے مذہبی اتفاق کا روادار نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہم مسلمان یہ سوچ کر نہیں ہیں کہ سب مذہب حق ہیں۔ اگر سب کو حق سمجھتے تو کیا ضروری ہے کہ پھر مسلمان رہیں؟ اور ہم سنی اس لیے نہیں ہیں کہ سب فرقے سچے اور ناجی ہیں اگر سب کو ناجی اور جنتی خیال کرتے تو سنی ہونے کو ضرور خیال کیوں کرتے؟ البتہ جو لوگ ایسی صلاحیتوں کے مالک ہوں کہ اہل باطل کو حق کی طرف مائل کر سکیں، بدکرداروں کو دینی کردار کے سانچے میں ڈھال کر صاحب کردار بنا سکیں وہ یقیناً قابل ستائش ہیں ان کے لیے ان میں جانا، رہنا، سہنا، میل جول رکھنا برا نہیں ہے جب کہ وہ اپنے طریقۂ کار سے اس کو ثابت بھی کر دکھائیں ان بزرگوں کے اخلاق و کردار کو آڑ بناتے ہیں کہ جنھوں نے کفر کی بستیوں میں اسلام کے پھول کھلائے اور جہاں گھنٹے اور سنکھ بجتے تھے وہاں اذانیں دلائیں کہاں وہ؟ اور کہاں تم؟ وہ جہاں جاتے تھے لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کرتے تھے اپنے کردار اور اپنے طریقۂ کار پر لاتے تھے اور تمھارے میل جول، یاریاں اور دوستیاں تمھیں غیروں کے رنگ میں رنگے دے رہی ہیں۔ کیا یہ سب چھپا ہے؟ تو جو دوسروں کو اپنی طرح نہ بنا سکے تو اس کے لیے دوری و بیزاری اور کنارہ کشی ہی بہتر ہے۔ اپنے ایمان و عقیدے، کردار و عمل کی حفاظت کر کے دنیا سے اللہ و رسول کو راضی کر کے چلا جانا ہی سب سے بڑی کامیابی ہے

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں　　　نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
الیکشن ممبری کونسل صدارت　　　بنائے خوب آزادی نے پھندے
میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ　　　نہایت تیز ہیں یوروپ کے رندے

میں اب اس تمہید کو یہیں ختم کرتا ہوں کہ اس مضمون کو لکھنے اور قلم اٹھانے کا مقصد عالم اسلام کی ایک عظیم دینی متصلب شخصیت کا دینی کردار اور اسلامی انداز اور مذہبی طریقۂ کار پیش کرنا ہے۔

دینی تصلب اور مفتی اعظم :

بریلی کے مشہور اور معروف مولانا مصطفیٰ رضا خاں جو امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے چھوٹے شاہزادے تھے انھیں دنیا اب مفتی اعظم کے نام سے جانتی ہے۔ ان کا اور ان کے خانوادے اور خانقاہ کا تعارف آج دنیا میں دین میں تصلب اور سختی کی بنیاد پر ہی ہوتا ہے۔ آج دنیا بھر میں ہر سچے پکے، دیندار متصلب مسلمان کو لوگ بریلوی کہنے لگے ہیں جو جہاں جائے دین کا درد لے کر، جہاں بیٹھے دین کی بات کرے۔ دین کے خلاف معمولی باتوں پر بھی لوگوں کو ٹوکے اور انھیں دین کے خلاف حرکتوں سے روکے، وہ آج دنیا کی نظر میں بریلوی ہے۔

خوش رہے گل پہ عندلیب خار حرم مجھے نصیب   میری بلا بھی پھول کے ذکر پہ خار کھائے کیوں

دراصل بات یہ ہے کہ مذہب کے معاملے میں آزاد خیالی بے راہ روی دین وملت کی سوداگری، اسلام کے نام پر کفر کی گرم بازاری، اسلامی احکام فرائض وواجبات سنن ومستحبات سے بے زاری اور دوری اسلام کے دشمنوں سے قرب ونزدیکی، موالات ودوستی اور اسلام پسندوں کی تذلیل وتحقیر، ذلت وخواری، خانقاہوں میں رسمی سجادگی اور نام نہاد بدعمل پیروں کی مخالف شرع سرگرمی، مولویوں کی ابن الوقتی، مطلق العنانی اور مفتیوں کی بے لگام فتویٰ نویسی طرح طرح کی مذہبی فتنہ پروری کے اس پرخطر دور میں اسلام کی راہ میں آڑے آنے والی باطل پرستی کی دیواروں کو ڈھانے، شیطانی شعلوں کو بجھانے، ابلیسی جالوں کو کاٹنے، مکر والوں کے مکر چھانٹنے، دشمنان دین کی سازشوں کے چہروں سے نقاب اٹھانے اور ان کے منصوبوں کو پیروں سے روندنے، ان کے ارادوں کو پامال کرنے، کفر والحاد، بددینی وگمراہی، بدمذہبی ونفس پرستی، فسق وفجور اور بداعمالی کے کٹیلے جنگلوں میں قرآن وسنت کے پھول کھلانے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس ذات کو پیدا فرمایا بنایا اور پسند کیا وہ وہی بچہ ہے جو اب سے تقریباً ایک سو پندرہ سال پہلے شہر بریلی کے محلہ سوداگران میں مجدد امت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے گھر میں تولد ہوا جس کا نام محمد آل الرحمٰن مصطفیٰ رضا خاں رکھا گیا جسے ساری دنیا اب مفتی اعظم کہتی، جانتی اور مانتی ہے۔

وطن پرستی مذہب فروشی کا نام بن گئی تھی، دھرم نیچ کر دیش بھگتی کی جارہی تھی، کوئی سیاسی گٹھ جوڑ میں لگا تھا، کوئی ملکی سرحدوں کے لیے لڑ رہا تھا، کوئی غیر مسلم آقاؤں کو خوش رکھنے کے لیے گاؤ کشی کے حرام ہونے کا فتویٰ دے رہا تھا، کوئی گاندھی کی آندھی میں اڑا چلا جارہا تھا، کسی کی زبان پر ''ملت از وطن است'' کے نعرے تھے، تو کوئی انگریزی شرٹ، پتلون ٹائی پینٹ اور بوٹ میں نظر آرہا تھا۔ غرض یہ کہ کسی کو ہندوستان کی فکر تھی تو کسی کو پاکستان کی لیکن زمانہ جانتا ہے کہ مفتی اعظم کو فکر تھی تو بس اسلام کی۔

کیا فردوسی مرحوم نے ایران کو زندہ   خدا توفیق دے تو میں کروں ایمان کو زندہ

ان کا فتویٰ، تقویٰ، کردار وعمل قول وفعل سب اسلام کے رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ وہ ایسے متصلب فی الدین تھے کہ چلتا پھرتا دین بن گئے تھے۔ انھیں دیکھ کر دین اور دین والوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی اور خواہی نہ خواہی نگاہیں چودہ سو سال پہلے کے اور مدینے کی گلیوں میں رقص کرنے لگتی تھیں اور ذہن وفکر میں اس دور کے نظارے گھومنے لگتے تھے۔

کیا ہے روح کو زندہ مدینے کی ہواؤں نے   جگایا خواب سے احساس کی غیبی نداؤں نے

مفتی اعظم کے حالات زندگی پر نظر ڈالی جائے تو ان کا دینی ذیل تین طرح سے سامنے آتا ہے:

(۱) تمام اقسام کے اسلام دشمن غیر مسلموں کی اسلام مخالف پالیسیوں سے مسلمانوں کو باخبر کرنا اور ان کے مقابل اپنے دین میں

متصلب رہنا اور دور رہنے کی تلقین کرنا۔

(۲) اسلام کے دعوے دار نام نہاد اسلامی فرقوں کی شر انگیزیوں اور منافقانہ سرگرمیوں سے پردہ اٹھانا اور اہل اسلام کو ان کے جال اور پھندوں سے نکالنا۔

(۳) بد عملی، فسق و فجور، حرام کاریوں سے مسلمانوں کو بچا کر دین میں متصلب یعنی سچا دیندار بنانا۔

ذیل کی سطور میں ہم ان تینوں باتوں سے متعلق اور تینوں فتنوں کے مقابل مفتی اعظم کے دینی تصلب کا تھوڑی تفصیل سے بیان کریں گے۔

یہ اسلامی دولت اور ایمانی پونجی انھیں ورثے میں ملی تھی۔ ان کے والد گرامی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی کے حالات سے جو کوئی تھوڑا بہت بھی باخبر ہوگا اس کو میری اس بات کی سچائی ایسی نظر آئے گی جیسے دن میں سورج۔

وطن پرستی کے نام پر مذہب فروشی اور مفتی اعظم کا دینی تصلب :

ہر دور میں اسلام دشمن غیر مسلموں نے اسلام کو مٹانے کی ناکام کوششیں کی ہیں جو تاریخ عالم پر نظر رکھنے والوں سے چھپی ہوئی نہیں ہیں۔ کبھی نیزے برچھی، بھالے، بندوق اور تلواروں کے ذریعہ اور کبھی چالاکی، ہوشیاری، مکاری اور عیاری کے ذریعے۔

مفتی اعظم کی حیات مبارکہ کا ابتدائی دور ہے ہندوستان کے حالات بڑی تیزی کے ساتھ بدل رہے ہیں، انگریزی حکومت کا خاتمہ کرنے اور انھیں یہاں سے بھگانے کی تحریکیں چل رہی ہیں، اہل ہند ایک پلیٹ فارم پر جمع کیے جا رہے ہیں، ہندو مسلم اتحاد کے نعرے لگائے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں میں اس تحریک کے لیڈر پیدا ہو چکے ہیں جنھیں آزادی کے بعد کرسیوں پر براجمان کرنے کے لالچ دیے جا چکے ہیں۔ پھندے لگا دیے گئے ہیں، جال پھیلائے جا چکے ہیں۔ اب آزادی اور کرسی پر نظر لگی ہے۔ اب دین و مذہب کی فکر کسے پڑی ہے۔ مسلمانوں کو انگریزوں سے نفرت اور ہندوؤں سے محبت سکھائی جا رہی ہیں۔ انگریز دشمن ہو گئے ہیں اور ہندو بھائی بن گئے ہیں۔ قوم کو چولہے میں سے نکالا جا رہا ہے اور بھاڑ میں جھونکا جا رہا ہے اور ہندو مسلم اتحاد کے معنی یہ نکالے گئے ہیں کہ ہندو بھائیوں کو خوش کرو، خواہ اسلام رہے یا نہ رہے۔ گائے کی قربانی بند کی جا رہی تھی، ماتھوں پر ٹیکے اور قشقے لگوائے جا رہے تھے۔ مسلم لیڈروں کو مندروں میں پوجا کرنے سے بھی کوئی گریز نہ رہا تھا۔ رام لیلا اور دسہرے کے اسٹیجوں پر مسلم نیتاؤں کو لایا جا رہا تھا اور وہ بھی اس پر بیٹھ کر بڑے خوش نظر آ رہے تھے اور ہندو قائدین سے مساجد کے منبروں پر لا کر بھاشن دلوائے جا رہے تھے۔ رام رحیم ایک ہیں کے نعرے لگائے جا رہے تھے۔ مسلم رہنما ہولی اور دیوالی کی خوشیاں منا رہے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اتحاد صرف سیاسی پلیٹ فارم تک محدود نہیں تھا۔ بل کہ مذہب اسلام میں مداخلت کی جا رہی تھی اور مسلمانوں کے دین حق سے کھلواڑ ہو رہا تھا۔ اور اتحاد کے نام پر قرآن و سنت کے شعار کو مٹایا جا رہا تھا۔

مفتی اعظم کا نظریہ ان سب حالات میں یہ تھا کہ ٹھیک ہے انگریزوں کو بھگاؤ، ملک کو غیر ملکیوں کی حکومت سے آزاد کراؤ، ہندو مسلم سیاسی پلیٹ فارم پر متحد ہو جاؤ لیکن مذہب کو خلط ملط کرنے کے وہ قائل نہ تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ہاتھوں کا کھلونا بنانے کے وہ روادار نہ تھے۔ انھوں نے قوم کو بتایا کہ وطن کے لیے مذہب فروشی کی اجازت نہیں ہے۔ اسلام اور اس کے احکام پر مضبوطی سے قائم رہ کر اور غیر اسلامی حرکتوں سے باز رہ کر وطن اور وطن والوں سے معاملات سازگار رکھے جا سکتے ہیں؟

مفتی اعظم اور وطن سے محبت :

مفتی اعظم بھی وطن سے محبت فرماتے تھے۔ ان کی اپنے وطن ملک ہند سے محبت کا بہت بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب ۱۹۴۷ء میں ہندوستان آزاد ہوا، ساتھ ہی ساتھ پاکستان بننے کا اعلان بھی کیا گیا اور ہندوستان سے لاکھوں مسلمان پاکستان کو ہجرت کر کے چلے گئے لیکن مفتی اعظم اس دور میں بھی کسی قیمت پر اپنے پیارے وطن کو چھوڑنے کو آمادہ نہ ہوئے۔ ان کے سوانح نگار مرزا عبدالوحید بیگ بریلوی لکھتے ہیں:

''ملک میں فرقہ وارانہ فسادات، قتل و غارت گری سے ڈر کر لوگ پاکستان جانے لگے۔ عقیدت و محبت میں بعض لوگ حضور مفتی اعظم پر بھی زور دیتے کہ حضور پاکستان چلیں، حضور مفتی اعظم ان کی محبت کو جانتے تھے، مسکراتے اور جواب میں فرماتے ہم کو اسی ملک میں رہ کر دین کی خدمت کرنا ہے۔ اگر میں بھی یہاں سے چلا جاؤں تو پھر ہندوستان میں کون رہے گا۔''

آپ جس محلے میں رہتے تھے اس میں آپ کے گھر کے علاوہ سب غیر مسلم آبادی تھی اور اب بھی ہے۔ لوگوں نے آپ سے مسلم اکثریتی محلوں میں پرانا شہر چلنے کے لیے زور دیا لیکن آپ وہاں بھی جانے کو آمادہ نہ ہوئے۔''

(حیات مفتی اعظم، حصہ اول، از مرزا عبدالوحید بیگ بریلوی، صفحہ ۱۹۲)

اب ملاحظہ فرمایئے بیسویں صدی کے ابتدائی دور کے کچھ دوسرے مسلم لیڈروں اور رہنماؤں کی وطن پرستی کی چند مثالیں اور اندازہ لگایئے کہ حدود سے متجاوز قائدین کی یہ وطن پرستی تھی یا مذہب فروشی؟ یہ دیش بھگتی تھی یا رام بھگتی؟

۱۹۲۰ء میں ہندو مسلم اتحاد کے لیے ملاپ کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں ایک سرکردہ کانگریسی لیڈر اور مسلم رہنما مولوی محمد علی جوہر نے ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے یہاں تک کہہ دیا تھا:

''اگر ہندو میری بیوی یا ماں کی عصمت دری کریں، تب بھی میں ہندوؤں سے نہیں لڑوں گا۔''

مولانا کا یہ بیان کسی اور نے نہیں ان کے شریک کار اور کانگریس کے رکن قاضی محمد عدیل عباسی نے اپنی کتاب تحریک خلافت کے صفحہ ۲۵۱ پر درج کیا ہے۔ کانفرنس میں کانگریس کے شیخ الاسلام مولوی حسین احمد شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند بھی موجود تھے لیکن محمد علی کی اس تقریر پر خاموش رہے۔ (حیات مفتی اعظم، حصہ اول، ص ۹۷)

بالکل ٹھیک ہی کہا تھا قوم کا درد رکھنے والے شاعر اکبرالہ آبادی نے

یہ کانگریسی ملا تم کو بتاؤں کیا ہیں　　　گاندھی کی پالیسی کا عربی میں ترجمہ ہیں

میاں عبدالماجد بدایونی نے ہزاروں کے مجمع میں وطن پرستی کا ثبوت گاندھی جی کو ''مُذَکِّرْ'' اور ''مَبْعُوثٌ مِنَ اللہِ'' کہہ کر دیا تھا اور مسلمانوں سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمھارے پاس مذکر بنا کر بھیجا ہے۔

اور مسٹر ابوالکلام آزاد جن کا شمار صف اول کے مسلم کانگریسی لیڈروں میں ہوتا تھا انھوں نے ناگ پور کی کیمپ مسجد میں جمعہ پڑھایا اور خطبے میں جہاں حضرات خلفائے اربعہ اور اہل بیت کرام کی تعریف کی جاتی ہے، ان کی جگہ گاندھی جی کی حمد کی تھی اور ان کو ستودہ صفات کہا تھا۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد ششم، صفحہ ۱۱)

اور انھیں آزاد صاحب کی قائم کردہ جماعت حزب اللہ کے تعلق سے ان کے ہم خیال و ہم زبان پروفیسر مشیر الحق رقم طراز ہیں:

بہر حال ۱۹۱۳ء میں مولانا آزاد نے ایک بظاہر مذہبی لیکن حقیقۃً خفیہ سیاسی جماعت قائم کرنا چاہی۔ دوسری سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے خلاف انھوں نے اپنی مجوزہ پارٹی کے اغراض و مقاصد کو ابتدا ہی سے بیان کرنے سے گریز کیا۔

(ماہنامہ ایوان اردو کا مولانا آزاد نمبر دسمبر ۱۹۸۸ء، صفحہ ۹۶)

یہ پروفیسر صاحب اپنے اسی مضمون میں آگے چل کر مولانا آزاد کا ایک بیان قلم بند کرتے ہیں:

تم نے بعض علما کے فتوے پڑھے ہوں گے کہ مسلمانوں کو وقت کی سیاسی مجالس میں شریک نہ ہونا چاہیے کیوں کہ اس میں غیر مسلم عورتیں کھلے منہ ہوتی ہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ ان جلسوں میں نماز با جماعت فوت ہوتی ہے اور یہ تقویٰ کے خلاف ہے .... یاد رکھو یہ تقویٰ اور دینداری نہیں یہ مرض نفاق کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔ (ماہنامہ مذکور صفحہ ۱۰۱)

یعنی جو لوگ بے پردہ عورتوں کی شرکت اور نماز با جماعت کے فوت ہونے کے اندیشے کی بنا پر سیاسی جلسوں میں نہ جائیں وہ سب منافق ہیں۔

ذرا اندازہ لگائیں مسلمان کہ اس قسم کے بیانات کا مقصد کیا تھا؟ کتنی چالاکی سے مسلمانوں کی نظر میں احکام اسلام کی عظمت گھٹائی جارہی تھی اور مذہب کے نام اور اس کی محبت پر جمع کر کے انھیں کافروں کے جھولوں میں ڈالا جارہا تھا۔

وہ شخص کہ قد جس کا ان سب میں بڑا تھا　　دیکھا تو وہی غیر کے قدموں میں پڑا تھا

وطن پرستی کے نشے میں ہندو بھائیوں کو خوش کرنے کے لیے ایسی ایسی نظمیں لکھی جارہی تھیں کہ ہمارے وطن پرست مسلم شاعر کفر بکنے میں غیر مسلم شاعروں تک سے بازی لے گئے تھے۔ نمونے کے طور پر اسی دور میں شائع ہونے والے ایک مشہور اور معروف اردو اخبار زمیندار میں مسٹر ظفر بی. اے. کی ایک نظم بعنوان کفر و اسلام، ۷ رجون ۱۹۲۵ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی اس کے چند اشعار یہ ہیں:

یہ سچ ہے اس پہ خدا کا چلا نہیں قابو　　مگر ہم اسے بت کافر کو رام کرلیں گے
بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں　　وہیں پہنچ کر ہم اس سے کلام کرلیں گے
جو مولوی نہ ملا تو مالوی ہی سی　　خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے

اسی دور میں حزب الاحناف لاہور کے نائب ناظم نے اشعار اور ان کے شاعر و قائل کا حکم معلوم کرنے کے لیے بریلی شریف دار الافتا میں بھیجے۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت کے وصال کو چند سال گزر چکے تھے بریلی شریف کے عالمگیر دار الافتا کی ذمہ داری مفتی اعظم کے کاندھوں پر آپڑی تھی۔ بڑی خوبی، محنت و جفاکشی سے مفتی اعظم باپ کے قائم مقام ہونے کا حق ادا فرما رہے تھے۔ ساری ساری راتیں اور دن پوری دنیا سے آنے والے سوالات اور فتاویٰ کے جواب لکھنے میں گزر جاتے۔ مذکورہ اشعار کے حکم پر مشتمل سوالنامہ کے جواب میں مفتی اعظم نے پوری ایک کتاب تصنیف فرمادی جس کا نام القسورة علی ادوار الحمر الکفرة رکھا۔

جواب کی ابتدا یوں فرمائی:

"اے عزیز کیا پوچھتا ہے کہ یہ اشعار درست ہیں یا خلاف شرع" اس کے بعد کچھ ایسے امور کا جن کو نا درست اور خلاف شرع کہہ سکتے ہیں لیکن ان کا حکم سخت نہیں، ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"بل کہ اے برادر دینی یہ پوچھ کہ کیسے اخبث اشنع کفریات ہیں جن میں شائبہ بھی ایمان کا نہیں اور جو ان کے کفر ہونے اور قائل و قائل کے کافر ہونے میں شک کرے اس کا کیا حکم ہے؟ بل کہ در حقیقت بات تو یہ بھی پوچھنے کی نہیں کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ قطعاً کفر ہیں یقیناً کفر ہیں، بے شک ان اشعار کا قائل کافر اور جو اس کے کفر اور مستحق عذاب

ہونے میں ادنیٰ شک کرے وہ بھی اس کا ساتھی۔"

اس کے بعد ہر شعر کے کفریات کو ظاہر فرما کر آیات قرآنیہ اور احادیث مصطفیٰ اور اقوال ائمہ سے استدلال فرماتے ہوئے ایسا جامع اور زوردار فتویٰ تحریر فرمایا ہے کہ پڑھ کر کمزور ایمان والا بھی مومن کامل ہو جائے۔

تحریک خلافت اور مفتی اعظم :

تحریک خلافت بھی ہندوستان سے مسلمانوں کو اکھاڑ پھینکنے، ان کو نیست و نابود اور برباد کرنے کی ایک مسلم اور اسلام دشمن ہندوؤں کی سازش تھی۔ ترکی کی اسلامی حکومت جن یوروپین انگریزوں سے جنگ و جدال میں معروف تھی، وہی انگریز ہندوستان پر قابض و حاکم تھا۔ ساری انتظامیہ، پولس اور فوج ان کے زیر فرمان تھی۔ اسلام دشمن ہندوؤں نے موقع غنیمت سمجھا اور مسلمانوں کو بنام اسلام ترکی مسلمان بھائیوں کی اعانت وامداد کے لیے ابھارا گیا اور یہاں کی انگریز حکومت سے ان کو بھڑانے اور ان کا قتل عام کرانے کی اسکیمیں تیار کرلی گئیں انگریزوں کو کی ترکی کی حمایت سخت ناگوار تھی۔ ہندو لیڈروں نے کچھ مسلم مولویوں سے انگریزوں کے خلاف جہاد کے فتوے دلوائے۔ ہندوستان کو غیر مسلم انگریزی حکومت قرار دے کر دارالحرب کہا گیا اور پھر یہاں سے ہجرت اور ترک وطن کو فرض اور یہاں رہنا ناجائز لکھوایا گیا۔ ترکی حکومت کی امداد کے لیے مسلمانوں میں چندوں کی مہم چلا کر غریب مسلمانوں کو تباہ کرنے کی تیاریاں ہوئیں۔ ہجرت کے نام پر مسلمانوں سے ہندوستان خالی کرانے، گھر بار اور گھریلو سامان سستے داموں یا مفت میں ہندوؤں کو سونپ کر جانے کی بربادیاں تھیں۔ انگریزوں کے ذریعہ مسلم قوم کی بربادی اور قتل عام جو کہیں کہیں کچھ ہو چکا تھا اور بڑے پیمانے پر ہونے جا رہا تھا۔ اسلام دشمن ہندوستانی آنکھوں پر دوربینیں لگائے اس کو دیکھنے کے لیے حجروں میں بیٹھے تھے۔ گاندھی جی کے مشورے تھے اور مولوی ابوالکلام آزاد، مولوی عبدالباری فرنگی محلی، مولوی عبدالماجد بدایونی اور جمعیۃ العلما کے فتوے تھے۔

انگریز جس کے ہاتھ میں طاقت و حکومت، فوج اور پولس تھی وہ تو مسلمانوں کا دشمن تھا اور وہی کافر و غیر مسلم تھا اس کا بائیکاٹ اور اس کے لیے "نان کوآپریشن" ضروری تھا اور ہندو سگے بھائیوں سے بھی زیادہ صرف مشورے دے کر ہمدرد بن گئے تھے۔ ان کو خوش کرنا ضروری تھا۔ گائے کی قربانی کو گاندھی جی کے مولویوں نے حرام لکھ دیا تھا۔ ہندوستانی شہروں میں ہندوؤں کے ہاتھوں کئی جگہ مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا۔ آگرہ، متھرا، بھرت پور اور علی گڑھ، میرٹھ وغیرہ کے دیہاتوں میں ساڑھے چار لاکھ مسلم راجپوتوں کو پھر سے ہندو بنانے کی تیاریاں مکمل تھیں۔ ان سب ہندوؤں کی اسلام دشمن حرکتوں کو روکنے کے لیے نہ کوئی تحریک تھی نہ تنظیم، نہ کسی کا مشورہ نہ فتویٰ۔ بس ترکوں کی ہمدردی میں بھولی بھالی مسلمان پبلک، نہتی قوم کو انگریز حکومت سے جہاد کرنا فرض تھا۔ یہ تھی تحریک خلافت جس کو مسلمانوں کے لیے خالی آفت کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

تحریک خلافت کے سب سے بڑے قائد و رہنما، رہنمائی کے نام پر مسلم قوم کو گمراہ کرنے والے اور انگریز عیسائیوں کی دشمنی کا چارہ ڈال کر بت پرست ہندوستانیوں کی گود میں قوم کو ڈالنے والے، ہندو پرستی اور ہندو نوازی میں حد سے آگے بڑھے ہوئے نام نہاد امام الہند مسٹر ابوالکلام آزاد کے چند اقوال و بیانات سے تحریک خلافت کی حقیقت و اصلیت سامنے آجاتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں:

مولانا نے سرزمین آگرہ میں مورخہ ۲۵ راگست ۱۹۲۱ء منعقدہ تحریک خلافت کانفرنس کے موقع پر اپنے خطبہ صدارت میں کہا تھا:

''تحریک خلافت سے تقریباً دس سال پہلے میں نے اس حقیقت کو محسوس کیا کہ اگر ہندوستان کے مسلمان اپنے بہترین شرعی اور اسلامی فرائض انجام دینا چاہتے ہیں تو بہ حیثیت ہندوستانی ہونے کے انھیں انجام دینا چاہیے۔ یہ بھی سچی حقیقت ہے مگر سب سے پہلی حقیقت یہ ہے کہ بہ حیثیت مسلمان ہونے کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ ہو جائیں۔ میرا عقیدہ ہے کہ ہندوستان میں ہندوستان کے مسلمان اپنے بہترین فرائض انجام نہیں دے سکتے جب تک کہ وہ احکام اسلامیہ کے ماتحت ہندوستان کے ہندوؤں سے پوری سچائی کے ساتھ اتحاد و اتفاق نہ کریں۔ یہ اعتقاد قرآن مجید کی نص قطعی پر مبنی ہے۔

(خطبات آزاد، صفحہ ۴۷، بہ حوالہ ماہنامہ ایوان اردو دہلی کا مولانا آزاد نمبر دسمبر ۱۹۸۸ء، ص ۱۲۲)

یعنی قرآن نے یہ کہہ دیا ہے کہ اب مسلمان ہونے کے لیے ہندو نوازی اور ان سے دوستی ''پوری سچی دوستی'' ضروری ہے بغیر اس کے اب کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا۔

مسلمانوں کو ہندوؤں کا آلہ کار بنانے کے لیے مولانا کا ایک بیان اور دیکھیے جمیعۃ اہل حدیث کانفرنس منعقدہ ۱۹۳۴ء کلکتہ میں انھوں نے کہا تھا:

''اسلام اور مسلمانوں کا حریف (دشمن) اگر کوئی بھی ہو سکتا ہے تو عیسائی مذہب اور عیسائی قوم ہے، دوسرا کوئی نہیں۔'' (خطبات آزاد صفحہ ۲۴۹ بحوالہ ماہنامہ مذکور صفحہ ۱۲۳)

یعنی عیسائیوں انگریزوں کے علاوہ باقی سب مسلمانوں کے جگری دوست ہیں، وہ ہندو ہوں یا مجوسی، سکھ ہوں یا یہودی ان سے مسلمانوں کو کبھی کوئی نقصان نہ پہونچا ہے نہ پہونچے گا۔ یہ تھے خلافت والوں کے خیالات و نظریات جن کی یہ صرف دو جھلکیاں آپ کو دکھائیں۔

خلاصہ یہ کہ وہ مسلمان جو ابھی ساٹھ ستر سال قبل ۱۸۵۷ء میں غدر کے موقع پر انگریزوں کے ہاتھ قتل عام، پھانسی اور کالے پانی کی سزاؤں کی تباہ کاریاں جھیل چکا تھا اس وقت بھی یہ سب اسلام دشمن ہندوستانیوں کی عیاریوں کے نتیجے میں ہوا تھا۔ ابھی وہ سنبھل بھی نہ سکا تھا کہ بیسویں صدی کی تیسری دہائی کے ابتدائی سالوں میں تحریک خلافت کے نام پر اسے سرے سے نیست و نابود کرنے کی سازش دوبارہ رچ لی گئی تھی اور بھولی بھالی قوم بے خبر تھی۔ اس کو تو انگریزوں کی دشمنی کا چارا ڈالا گیا تھا۔ اور ان سے جہاد فرض قرار دے کر ترکوں کی مدد کا جھانسا دیا گیا تھا بالکل ٹھیک کہا تھا اس موقعے پر اکبر الہ آبادی نے

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے لقمے پہ شاد ہے   صیاد شادماں ہے کہ کانٹا نگل گئی

خدا کا شکر ہے کہ اس موقعے پر بھی کام آئے تو مفتی اعظم اور ان کی سرپرستی میں نمایاں کردار ادا کرنے والی جماعت رضائے مصطفیٰ کے ارکان۔

انھوں نے عیاروں کی عیاری اور گاندھی کی چالاکی کو بھانپا اور ان مولویوں کی ابن الوقتی کے پردے چاک فرما دیے کہ جن کے ہاتھوں میں کانگریس کے قلم تھے۔ مفتی اعظم نے گائے کی قربانی جائز و کار ثواب بلکہ تحفظ شعار اسلامی کے لیے اس کے واجب ہونے کے فتوے دیے اور تحریک خلافت کے نام پر مسلمانوں کو برباد کرنے والوں کی تردید میں کئی رسائل تحریر فرمائے۔ ان میں سے دو خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

(۱) طرق الهدی والارشاد الی احکام الامارة والجهاد

(۲) سوراخ در سوراج

میں ان رسائل کی عبارتیں لکھوں تو بات لمبی ہوتی ہے البتہ اہل اسلام کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ شائع ہو چکے ہیں، حاصل کر کے مطالعہ کریں تو انھیں بخوبی اندازہ ہوگا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے جان و مال، ایمان و عقیدے کا تحفظ کرنے میں علما بریلی نے کس قدر جاں فشانی کا ثبوت دیا ہے۔ خاص طور سے قابل ذکر بات یہ ہے کہ اب حقائق سامنے آچکے ہیں اور برادران وطن جنھیں مسلمانوں سے بھائی کہلوایا گیا تھا انھوں نے مسلمانوں کے بھائی ہونے کا کتنا حق ادا کیا ہے۔ آزادی سے قبل اور آزادی کے وقت اور آزادی کے بعد ہندوستان کے اسلام دشمن اور مولانا ابوالکلام اور کانگریسی لیڈروں کے بھائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کہاں کہاں کیا کیا ہے؟ یہ سب بھی کیا مجھ کو بتانے کی ضرورت ہے؟

خود مسلمانوں کے ہمدرد اور بھائی بن کر جنھوں نے انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کو تحریک خلافت کے نام پر اکسایا تھا۔ آج جب وہی انگریز عراق و افغانستان اور فلسطین میں مسلمانوں پر بمباری اور ان کا قتل عام کرتے ہیں تو یہ خوشی سے گزوں اچھلتے ہیں۔ امریکی بم باری کرنے والے ہوائی جہازوں کو تیل یہ دیتے ہیں۔ مسلمانوں کی دشمنی میں حد سے آگے بڑھ جانے والی قوم یہودیوں کے ذریعہ مسلم فلسطینی علاقوں پر قبضہ کر کے اسرائیل نام سے علاحدہ ملک بنانے والوں سے دوستی کے ہاتھ یہ بڑھا چکے ہیں اور اس کو ایک علاحدہ ملک کوئی مانے یا نہ مانے مگر یہ تسلیم کر چکے ہیں۔ تاریخی حقائق سے واقفیت رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم نے جو فرمایا تھا آج وہ سب سامنے ہے۔ انھوں نے بتایا تھا کہ انگریز عیسائی ہو یا مشرک و بت پرست ہندو تمھارے لیے سب ایک ہیں۔ تم کسی ایک کی خاطر دوسرے سے دشمنی نہ بڑھاؤ تمھارا کوئی دوست اور بھائی نہیں ہے بلکہ مسلمان ہی آپس میں بھائی بھائی ہیں اور یہی قرآن کا فرمان ہے۔

شدھی تحریک اور مفتی اعظم:

۱۹۲۲ء میں آریہ سماج ہندوؤں کی یہ تحریک جنوبی اور مغربی یوپی اور راجستھان کے کچھ علاقوں میں اسلام سے پوری طور سے واقفیت نہ رکھنے والے چار لاکھ سے زیادہ مسلم راجپوتوں کو شدھی کر کے ہندو بنانے کے لیے شروع کی گئی تھی۔ سرمایے اور طاقت کے بل بوتے پر آریہ سماج لیڈروں کو اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا۔

مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد کو پھر سے ہندو بنانے کی تیاریاں مکمل تھیں اور ملک بھر میں اس کے خلاف نہ کوئی احتجاج نہ تنظیم نہ تحریک بس ہر طرف خاموشیاں اور سناٹے لیکن قربان جایئے، ہزاروں ناز و نعم میں پلے ہوئے امام احمد رضا کے شہزادے پر۔ جماعت رضائے مصطفی کا وفد لے کر گھر سے نکل پڑا اور ان تمام حساس علاقوں میں جن پر آریوں کی نظر تھی گاؤں گاؤں پہنچے، آریہ سماج جتھوں سے مقابلے ہوئے مناظرے ہوئے، جہاں مسجدیں نہیں تھیں مسجدیں بنوائیں اور جہاں مکتب نہیں تھے مکتب کھلوائے۔ جہاں مولوی نہیں وہاں مولوی اور امام پہنچوائے، قوم و مذہب کی خاطر مفتی اعظم کی اس مسلسل کئی سال کی قربانیوں کے نتیجے میں اسلام دشمن سازش ناکام ہوئی اور جو سازشی چار لاکھ مسلمانوں کو ہندو بنانے نکلے تھے وہ کسی مسلمان کو ہندو تو نہیں بنا سکے البتہ مفتی اعظم نے بہت سے ہندوؤں کو کلمہ پڑھا کر داخل اسلام فرمالیا۔ ان سب کو تفصیل و تحقیق سے جاننے کے لیے اس دور میں رام پور سے شائع ہونے والے مشہور و معروف اردو اخبار "دبدبہ سکندری" کی ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۶ء تک کی کاپیوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

اس موقع پر شعار کفار سے نفرت اور کفر و اہل کفر سے دوری کے تعلق سے مفتی اعظم کے دینی تصلب کا ایک فتویٰ بھی ملاحظہ فرمالیں۔ علاقہ بائسی ضلع پورنیہ کے محمد غیاث الدین نے سوال کیا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل کی نسبت

ہنود کا مشرکانہ میلہ جو بتوں کی پرستش کے لیے ہوا کرتا ہے جیسے دسہرہ، درگا پوجا، جنم اشٹمی، کالی پوجا وغیرہا اس میں مراسم کفریہ وشرکیہ کے علاوہ گانے تماشے اور رنڈیاں بھی ہوتی ہیں تو ایسے میلوں میں مسلمانوں کا جانا کیسا ہے؟

اب دیکھیے مفتی اعظم کا جواب، فرماتے ہیں:

ایسے میلوں میں بہ حیثیت تماشائی جانا حرام حرام حرام، اشد حرام بہت اخبث نہایت اشنع کام بحکم فقہائے کرام معاذ اللہ کفر انجام۔ حدیث میں ہے۔ من کثر سواد قوم فھو منھم جو جس قسم کے گروہ کی تعداد بڑھائے وہ انھیں میں سے ہے۔

اس کے بعد خزانۃ الروایات کی عربی عبارت سے استدلال فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:

ان لوگوں پر توبہ و تجدید ایمان، تجدید نکاح لازم، جو لوگ تجارت کے لیے جاتے ہیں اول تو انھیں جانا ہی نہیں چاہیے اور جائیں تو وہاں سے دور رہیں اس قدر دور کہ ان سے ان کے مجمع میں اضافہ ہو کر اس کی شوکت نہ ہو الخ

اخیر فتوے میں فرماتے ہیں:

مسلمانوں کی آنکھیں نہیں کھلتیں، لٹتے ہیں، مارے جاتے ہیں اور پھر بھی پہنچتے ہیں۔ نہ دین کا لحاظ نہ دنیا کا، خدا ان کی آنکھیں کھولے۔

اسی سائل نے دسہرہ اور جنم اشٹمی منانے، دسہرے کے موقع پر نئی دلھن کے لیے مناسب حال چیزیں مٹھائیاں وغیرہ خرید کر سسرال بھیجنے دسہرہ وغیرہ منانے کے لیے دولھا کو نذرانہ دینے وغیرہ امور سے متعلق سوال کیے تو جواباً مفتی اعظم نے فرمایا:

"دسہرہ منانے والے سوال میں جو مذکور ایسا کرنے والے لوگ از سر نو کلمہ پڑھیں۔ ان پر تجدید ایمان، تجدید نکاح لازم ہے۔ یہ لوگ اگر باز نہ آئیں تو ان سے تا توبہ مقاطعہ کیا جائے، سلام کلام، میل جول، نشست برخاست یک لخت موقوف کیا جائے۔ (فتاویٰ مصطفویہ، جلد ۱، ص ۸۸، مطبوعہ بیسل پور)

ایسے ہزاروں ان کے قلم سے نکلے فتوے دیکھے جا سکتے ہیں جو مکمل طور پر دینی تصلب میں رنگے ہوئے ہیں جن کے مطالعے سے ایمان کی آنکھیں روشن ہوتی ہیں اور کفر اور اس کے شعار سے نفرت دل میں پیدا ہوتی ہے۔

اسلام کے دعویدار باطل فرقوں کے مقابل مفتی اعظم کا دینی تصلب :

مذہب اسلام ان مخصوص عقائد و احکام کا نام ہے جو اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب پیغمبر حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بندوں کو عطا فرمائے۔ ان میں سے ایک بھی ضروری عقیدے نظریے اور حکم کا انکار کرنے والا مسلمان نہیں رہتا۔ خواہ وہ خود کو مسلمان کہتا پھرے۔ خلاصہ یہ کہ مسلمان ہونے کے لیے مسلمان کہلانا کافی نہیں ہے بلکہ اسلامی عقائد و نظریات رکھنا ضروری ہے۔

سیاسی پارٹیوں کا بھی ایک ایجنڈا اور آئین ہوتا ہے، اس پارٹی کا کوئی ممبر اگر اس آئین کے خلاف چلے اور پارٹی مخالف سرگرمیوں میں ملوث پایا جائے تو اسے پارٹی سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ اخبارات میں آئے دن یہ اطلاعات شائع ہوتی رہتی ہیں۔

کسی ایک ملک کا باشندہ ملکی مفاد کے خلاف حرکتیں کرتا ہوا پایا جائے ملک میں رہ کر کسی دشمن ملک کے لیے کام کرتا ہوا دیکھا جائے تو اسے باغی قرار دیا جاتا ہے اور اپنے ملک کی بستیوں میں رہنے کا اس کا کوئی حق نہیں رہتا، غیر ملکی جاسوسوں کی طرح قید خانوں میں زندگی گزارتا

ہے وہ منہ سے بکتا رہے کہ میں اسی ملک کا ہوں، مجھے شہروں میں، آبادیوں میں رہنے کا حق حاصل ہے لیکن کوئی اس کی سننے کو تیار نہیں ہوتا۔

تو مذہب اسلام میں بھی ایسے لوگوں کی قطعاً گنجائش نہیں ہے جو اسلامی نظریات کی پروانہ کریں۔ اسلامی عقائد کا خیال نہ رکھیں۔ بغیر اسلام کی پروا کیے ہوئے جو چاہیں وہ بولیں اور جو چاہیں وہ بکیں اور عقائد ضروریہ کا انکار کریں ان کو اسلام کی چہار دیواری سے باہر نکال کر پھینک دینا ہی اسلام ہے۔ اور جن کو اسلام کی حفاظت کی فکر ہوگی وہ اسلام پر سرحدوں کے باہر سے حملہ کرنے والوں سے بھی اسلام کی حفاظت کرے گا اور سرحدوں کے اندر رہ کر اسلام کے خلاف کام کرنے والی اسلام دشمن مشینریوں پر بھی نظر رکھے گا۔ مفتی اعظم بھی اسلام کے سچے وفادار محافظ ونگہبان تھے۔ انھوں نے غیر مسلم طاقتوں سے بھی مذہب کی حفاظت کی اور اندرون خانہ مذہب مخالف پالیسیوں پر بھی نظر رکھی، نام نہاد اسلامی فرقوں کا رد بلیغ فرمایا اور اسلام کی صحیح شکل وصورت قوم کے سامنے پیش فرمائی۔

ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کئی ہزار فتوے صرف فرقہائے باطلہ کی تردید میں ہیں۔ کچھ استفتا کرنے والوں کے پاس اور کچھ ان کی مطبوعہ فتاویٰ مصطفویہ میں موجود ہیں۔

وہ لوگوں کو مرید فرماتے وقت جو عہد و پیمان لیتے اس میں یہ بھی شامل تھا: ''بدمذہب کی صحبت سے بچتا رہوں گا۔''

۱۶ رصفر ۵۸ ۱۳ھ شہر بریلی شریف ہی سے ایک صاحب نیا استفتا کیا سوال میں قرآن کریم کی آیت کریمہ کے یہ چند کلمات بھی نقل کر دیے:
وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (سورۂ نساء ۴/ ۹۴) اور جو تم کو سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔

آیت کریمہ حضرت مرداس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی وہ خود مسلمان ہو گئے تھے لیکن ان کی قوم اب بھی کافر تھی اور اہل اسلام کے خلاف جنگوں میں شریک رہی تھی۔ حضور نے حضرت اسامہ بن زید کی سرکردگی میں صحابہ کرام کی ایک جماعت کو ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا وہ لوگ لشکر اسلام کی آمد کی خبر سن کر بھاگ گئے۔ حضرت مرداس وہاں باقی رہ گئے کہ وہ مسلمان ہیں قتل نہیں کیے جائیں گے۔ صحابہ کرام کو دیکھ کر انہوں نے سلام کیا اور ان کی تکبیر کے ساتھ خود بھی تکبیر کہی۔ حضرت اسامہ ان کے اسلام سے بے خبر تھے۔ انھوں نے مرداس کے اس عمل کو جان بچانے کی ترکیب سمجھتے ہوئے قتل کر دیا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر سن کر سخت افسوس ہوا اور حضرت اسامہ جب حاضر بارگاہ ہوئے سخت ناراضی کا اظہار فرمایا اور چہرہ مبارک پھیر لیا اور تنبیہ فرمائی۔

یہ ایک خاص موقعے کی بات تھی لیکن نام نہاد مسلمانوں اور بدمذہبوں نے اپنی گم راہی اور بدمذہبی پر پردہ ڈالنے کے لیے اس آیت کریمہ کا ظاہری معنی لے کر اور شان نزول موقعہ ومحل بھلا کر یہ معنی بتانا شروع کر دیے کہ جو سلام کرلے وہ مسلمان ہے یعنی سارا اسلام بس سلام کرنے کا نام ہے۔ حضور مفتی اعظم سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو حضور نے آیت کریمہ کے صحیح اور حقیقی معنی اور شان نزول کا ذکر فرماتے ہوئے ایک طویل جواب تحریر فرمایا جو فتاویٰ مصطفویہ شریف میں ۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ آیت کے غلط معنی گڑھنے والے بدمذہبوں کی خبر لیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''آیت میں سلام بمعنی انقیاد یا سلام سے مراد سلام تحیت اسلام ہے۔''

پھر آیت کریمہ کی شان نزول اور اپنے بیان کردہ معنی کے ثبوت کے لیے کتب تفاسیر سے شواہد و دلائل پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

> ''آج بہت سے ہندو جب مسلمانوں سے ملتے ہیں السلام علیکم کہتے ہیں۔ کیا وہ اس سے مسلمان ہو جاتے ہیں؟... آیت کے یہ معنی ہوں تو جو کوئی بھی کسی مسلمان کو سلام کرے، مسلمان ہو جائے۔ حاشانہ یہ دین اسلام کا حکم نہ عقل ہی کا مقتضیٰ۔ بت پرست بتوں کو پوجتا رہے، مجوسی آگ کی پرستش میں مبتلا رہے، نصرانی تین خدا اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا

کا بیٹا کہتا ہے، یہودی حضرت عزیر کو ابن اللہ کہتا ہے بس مسلمان کو سلام کرلے اور پکا مسلمان! ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

رافضی قرآن کو قرآن نہ مانے، بیاض عثمانی کہتا ہے، تغییر و تبدیل، کمی بیشی کا قائل رہے، مولیٰ علی و اہل بیت کرام کو سوائے حضور علیہ السلام تمام انبیاء عظام سے افضل واعلیٰ بتاتا رہے۔ مولیٰ علی میں خدا کا حلول مانتا ہے، مولیٰ علی کو خدا مانتا رہے، جبریل امین کو نبوت و رسالت پہنچانے میں خاطی وغلط کار ٹھہراتا رہے کہ خدا نے نبوت بھیجی مولیٰ علی کے لیے تھی۔ جبریل نے معاذ اللہ غلطی کی۔ حضور کو دے گئے دنیا میں رجعت اموات (آواگون) کا قائل رہے، خدا کو کہتا رہے کہ خدا ایک حکم دیتا ہے پھر پچھتاتا رہتا ہے وغیرہ وغیرہ ہذیانات۔

دیوبندی اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں توہین و تنقیص کرتا رہے۔ امکان کذب باری ہی نہیں بل کہ وقوع کذب کا قائل رہے، حضور کے علم کو شیطان کے علم سے کم بتاتا رہے، حضور کے علم کو زید، عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بل کہ جمیع حیوانات و بہائم جس میں کتا، سور بھی داخل کے علم سے ناپاک تشبیہ دیتا رہے۔ حضور کے لیے کہتا رہے کہ انھیں دیوار کے پیچھے کا بھی حال معلوم نہیں۔ معاذ اللہ مر کر مٹی میں مل گئے وغیرہ وغیرہ خباثات۔

قادیانی مرزا کو نبی اور مجدد مانتا رہے۔ قادیانی عیسیٰ کلمۃ اللہ علیہ السلام کی طرح طرح توہین کرتا رہے، قادیانی کہتا ہے۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو		اس سے بہتر غلام احمد ہے

قادیانی قرآن کو جھٹلاتا رہے، نبی کی تکذیب کرتا رہے وغیرہ وغیرہ خرافات۔

اس کے بعد تحریک خاکسار کے بانی عنایت اللہ مشرقی کے پچاس سے زیادہ کفریات اس کی کتابوں سے مع حوالہ وصفحہ نمبر شمار کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

بس مسلمان پر سلام عرض کرلے پکا مسلمان اناللہ وانا الیہ راجعون ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم

(فتاویٰ مصطفویہ، جلد ۱، ص ۱۱۱-۱۱۲)

اس فتوے میں مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے دور کے تقریباً تمام باطل فرقوں اور فتنوں کے کفری عقائد سرسری طور پر جائزہ لے کر ان کا حکم شرعی بھی ظاہر فرمادیا ہے۔

ان کی تصنیفات میں الموت الاحمر، وقعات السنان، ادخال السنان، تنویر الحجہ، کشف ضلال، الکاوی الغاوی، القسم القاصم، وہابیہ کی تقیہ بازی، القول العجیب فی جواب التثویب، وقایۃ اہل السنۃ وغیرہا خاص طور پر وہابیوں کے رد میں قابل ذکر ہیں۔ ان کتابوں میں جس انداز سے مذکورہ فرقوں کی تردید کی گئی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ خاص غیر مقلدوں کی تردید اور تقلید شخصی کے ثبوت میں ایک طویل تحریر بشکل فتویٰ ان کے مجموعہ فتاویٰ کی کتاب الایمان میں صفحہ ۵۰ سے ۷۵ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کو مسئلہ تقلید میں ایک مستقل باب کہا جائے تو بالکل درست و بجا ہے۔ میں نے خاص مسئلہ تقلید میں آج تک ایسی جامع دلائل سے مالامال مستقل کتاب نہیں دیکھی۔

غرض یہ کہ وہابیت ہو یا دیوبندیت، قادیانیت ہو یا رافضیت، اشتراکیت ہو یا تحریک خاکسار کی مشرقیت۔ زندگی بھر وہ تمام فتنوں اور باطل فرقوں سے خط وکتابت، زبان و قلم کے ذریعہ اتمام حجت فرماتے رہے۔ بل کہ دور کے لحاظ سے یہی ان کا سب سے بڑا کارنامہ اور ان کا سب سے محبوب مشغلہ تھا۔ ان کی کوششیں پیش نظر رکھ کر غور کیا جائے تو دنیا میں کسی باطل فرقے اور غیر اسلامی تحریک کو زندہ نہیں ہونا چاہیے لیکن بات یہ ہے کہ ابلیس و شیطان بھی دنیا میں ظاہر ہو جائے اور وہ یہ کہہ بھی دے کہ بھائیو میں ہی ابلیس ہوں، شیطان ہوں تو وہ بھی

اکیلا نہیں رہے گا۔ بڑی تعداد میں لوگ اس کے پیچھے اور پیروکار ہوں گے بلکہ اب تو وہ زمانہ ہے کہ زیادہ لوگ اس کے ساتھ ہوں گے۔

بدعملی اور فسق و فجور کے مقابل مفتی اعظم کا دینی تصلب :

عقائد و ایمان کی درستی کے بعد اسلام میں اعمال کا بھی ایک خاص مقام ہے یعنی مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ پورے طور پر مسلمان بن کر رہے نماز روزے وغیرہ فرائض کی پابندی کرے۔ جوئے، شراب، جھوٹ، غیبت، سود اور زنا وغیرہ محرمات شرعیہ سے مکمل اجتناب کرے۔ حتی الامکان سنتوں کا پابند رہے۔ مفتی اعظم کو ان سب باتوں کی بہت فکر رہتی تھی اور وہ ہر مسلمان کو اسلام کا پابند دیکھنا چاہتے تھے۔ معمولی سی خلاف شرع بات دیکھنا انھیں گوارا نہ تھا۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ان کا شیوہ تھا۔ اور وہ خود بھی مکمل طور پر احکام شرع کی پابندی فرماتے۔ ہر وقت ہر سنت حتی کہ مستحبات تک کا بھرپور خیال رکھتے اور یہ وہ باتیں ہیں کہ جو ان کی مجلس و صحبت سے تھوڑی دیر کا بھی فیض یافتہ ہے، اس پر چھپی ہوئی نہیں ہیں۔ امیر ہو یا غریب، چھوٹا ہو یا بڑا، گھر کا ہو یا باہر کا بھلا کیا مجال کہ ان کے سامنے کوئی خلاف شرع کام کر جائے اور وہ خاموش رہیں۔ داڑھی منڈوں کو ٹھوڑی پکڑ کر جھنجھوڑنا، بے پردہ عورتوں کو ڈانٹنا، گلے کا بٹن کھلے ہونے پر تنبیہ فرمانا، ہمہ وقت ان کی بارگاہ میں ان امور کا مشاہدہ کیا جا سکتا تھا اور انھیں خلاف شرع باتیں دیکھ کر جو جلال آتا غضبناک ہو جاتے، یہ ان کی فطرت تھی۔ بناوٹ اور تصنع کا تو وہاں نام ہی نہیں تھا۔

ان کا مرید کرنا بھی دین کی تبلیغ تھی :

موجودہ دور میں شاید ہی کسی کی نظر سے ایسا پیر گزرا ہو کہ جس کو نہ مرید کی امیری اور دولت سے سروکار نہ اس کی عالی شان عمارتوں بلڈنگوں سے کوئی مطلب وہ اونچے اونچوں کو جھنجھوڑ دیتے، وہ بڑے بڑوں کو ٹوک دیتے۔ وہ کھرے سے کھروں کو مخالف شرع کام کرتے دیکھتے تو روک دیتے۔ وہ مرید فرماتے تو یہ عہد و پیمان کراتے:

کہو نماز، روزہ ہر فرض ہر واجب کو سنتوں کو ان کے وقتوں پر ادا کرتا رہوں گا۔ گانے، بجانے، ڈھول، تماشوں سے بچتا رہوں گا۔ عورت ہوتی تو اس کو یہ بھی وعدہ کرنا پڑتا تھا.... نامحرم کے سامنے بے پردہ آنے سے بچتی رہوں گی۔

اور چوں کہ صاحب کرامت و تصرف تھے۔ صاف دل اور مخلص تھے لہٰذا ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت ہونے والے اکثر لوگ سدھر جاتے تھے۔ تبلیغ کے نام پر کام کرنے والی بہت ساری تنظیمیں اور جماعتیں، دعوتیں اور تحریکیں، اصلاح و تبلیغ کا وہ کام نہ کر سکیں جو اکیلے مفتی اعظم نے کر دیا ہے۔ ہند و پاک میں خصوصاً اور تمام دنیا میں عموماً بے شمار لوگ جگہ جگہ آپ کو شہروں، دیہاتوں میں یہ کہتے ملیں گے کہ جب سے ہم بریلی شریف والے حضرت کے مرید ہوئے۔ نمازی اور داڑھی والے ہو گئے اور برے کاموں سے توبہ کر لی۔

فقیر خود بھی انھیں میں سے ہے :

میرا وطن قصبہ دھونرہ ٹانڈہ شہر بریلی شریف سے ۲۷ کلومیٹر دور جانب شمال غیر مقلدین کی اکثریت والی بستی ہے۔ ۱۹۷۵ء میں میں نے دسویں کلاس کا امتحان پاس کیا گھر اور خاندان کا ماحول انگریزی تعلیم یافتہ تھا کافی لوگ گورنمنٹ ملازم تھے۔ اپنے بھی کچھ ایسے ہی ارادے تھے۔ شہر بریلی شریف آتا رہتا تھا لیکن ۱۹۷۵ء میں ہی میں پہلی بار عرس امام اہل سنت اعلیٰ حضرت میں شرکت ہوئی اور حضور مفتی اعظم کے ذریعہ داخل سلسلہ ہو کر ان کا غلام ہو گیا۔ دل کی دنیا بدل گئی۔ سر پر ٹوپی آ گئی۔ پینٹ اور شرٹ کی جگہ کرتے اور پاجامے نے لے

لی۔کالج چھوٹ گئے۔مدرسے زندگی بن گئے۔تب سے آج کا دن ہے۔وہی رنگ اور وہی ڈھنگ ہے۔

ان کی یاد ان کا تصور ہے انھیں کی باتیں　　　کتنا آباد مرا گوشۂ تنہائی ہے

مجھے ان کی کون سی ادا سب سے زیادہ پسند تھی :

میں نے پہلی قدم بوسی یعنی ۱۹۷۵ء سے ان کے وصال پر ملال ۱۹۸۱ء تک پچاسوں مرتبہ ان کی زیارت کی ،جلسوں میں ،محفلوں میں ،خاص ان کے دولت کدے میں۔بروز جمعرات شام کو جو محفل میلاد شریف منعقد ہوتی تھی کئی بار اس میں ،نماز کے لیے گھر سے مسجد کو آتے ہوئے اور پھر بعد نماز واپس تشریف لے جاتے ہوئے ،میں نے انھیں بار ہا دیکھا ہے اور مجھ کو یوں تو ان کی ہر ادا بے حد پسند تھی اور ایک مجھ کو ہی کیا ایک عالم ایک جہاں ان کا گرویدہ تھا لیکن مجھ کو ان کی جو ادا سب سے زیادہ پسند رہی وہ یہ تھی کہ اٹھتے بیٹھتے ،آتے جاتے ہمہ ہر وقت ہر لحہ ان کی زبان سے یا اللہ جاری رہتا تھا۔یا اللہ، یا اللہ، یا اللہ وہ کہتے رہتے تھے اور کہتے کہتے دنیا سے اللہ کی یاد میں چلے گئے۔اور یہ خاص سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔جیسا کہ حدیث پاک میں ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔

اخیر میں تمام وابستگانِ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان سے گزارش کروں گا کہ ہم سب ان سے صرف زبانی وقلمی محبت تک نہ رہ جائیں۔ان کے رنگ میں رنگیں ،ان کے دینی تصلب کو مشعل راہ بنائیں۔کتابوں میں لکھا ہے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ولی وہ ہے جس کو دیکھ کر اللہ کی یاد آجائے۔اس کے ساتھ میں یہ اور عرض کرتا ہوں کہ امتی وہ ہے جس کو دیکھ کر نبی کی یاد آجائے اور مرید وہ ہے جس کو دیکھ کر پیر کی یاد آجائے۔واللہ الموفق وھو الھادی المرشد و صلی اللہ تعالیٰ علی سید الانبیاء والاولیاء محمد و آلہ و صحبہ و بارک و سلم۔

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم اور ردِّ بدعات ومنکرات

مولانا ارشاد احمد رضوی
درجہ سابعہ ۱۴۱۲ھ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

اپنے موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے لفظ بدعت کی وضاحت کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ کیوں کہ بعض لوگوں نے اس لفظ کی ایسی من مانی اور خود ساختہ تشریح وتوضیح کی ہے جس نے عوام ہی نہیں بعض خواص تک کے ذہن وفکر میں نئے تصورات وخیالات جنم دے رکھے ہیں۔ میں بدعت کا صحیح مفہوم معتمد علمائے اسلام کے اقوال وارشادات کی روشنی میں پیش کروں گا تاکہ اس بات کی تعیین میں آسانی ہو کہ شریعتِ اسلامیہ کی نظر میں کون سی بدعت مذموم وناپسندیدہ ہے اور اہلِ حق کس بدعت کے ردو ابطال میں مصروف کار ہیں۔ آیئے سب سے پہلے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے آئینۂ فکر ونظر میں اس کی ضیاء تلاش کریں۔ وہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

بدانکہ ہر چہ پیدا شدہ بعد از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بدعت است وہر آنچہ موافق اصل وقواعد سنت اوست وقیاس کردہ شدہ است بر آں، آں را بدعت حسنہ گویند، وآنچہ مخالفِ آں باشد بدعت وضلالت خوانند وکلیۃ کل بدعۃ ضلالۃ" محمول بر آں است، وبعض بدعتہا است کہ واجب است چنانچہ تعلم وتعلیم صرف ونحو کہ بداں معرفت آیات واحادیث گردد، وحفظ غرائب کتاب وسنت ودیگر کہ حفظ دین وملت بر آں موقوف بود ومستحسن ومستحب مثل بنائے رباطہا ومدرسہا۔ وبعض مکروہ مثل نقش ونگار کردن مساجد ومصاحف بقول بعض، وبعض مباح مثل فراخی در طعامہائے لذیذ ولباسہائے فاخرہ بشرطیکہ حلال باشند وباعث تکبر ومفاخرت نشوند، ومباحات دیگر کہ در زمان آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبودند۔ چنانکہ بیری وغربال ومانند آں۔ وبعضے حرام، چنانکہ مذاہب اہل بدع واہوا بر خلاف سنت وجماعت است۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کی پیدا شدہ ہر چیز بدعت ہے، جو سنت کے اصول وقواعد کے موافق اور اس پر قیاس شدہ ہو اسے بدعت حسنہ کہتے ہیں اور جو سنت کے مخالف ہو اسے بدعت وگمراہی سے موسوم کرتے ہیں۔ اور "کل بدعۃ ضلالۃ" (ہر بدعت گمراہی ہے) کا کلیہ اسی (قسم ثانی) پر محمول ہے۔ بعض بدعتیں واجب بھی ہوتی ہیں جیسے علم نحو وصرف کی تعلیم دینا یا سیکھنا کہ اس سے آیات واحادیث کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور کتاب وسنت کے نادرو غریب الفاظ کا حفظ ہوتا ہے اور ایسی دوسری اشیا جن پر دین وملت کی صیانت منحصر ہو۔ بدعت مستحسن ومستحب بھی ہوتی ہے جیسے سرائے اور مدارس کی تعمیر اور بعض بدعتیں مباح ہوتی ہیں، جیسے خورد ونوش کی لذیذ اشیا اور عمدہ ملبوسات میں وسعت وکشادگی اختیار کرنا بشرطے کہ حلال ہوں اور تفاخر اور کبر وغرور کا باعث نہ ہوں۔ اسی طرح دوسری مباح چیزیں جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھیں، جیسے بیری وغربال وغیرہ، اور بعض بدعتیں حرام بھی ہوتی ہیں جیسے کہ مبتدعین اور نفس کے بندوں کے مذاہب جو اہل سنت وجماعت کے خلاف ہیں۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے الفاظ ملاحظہ ہوں دیکھیے کیا فرما رہے ہیں:

البدعة منقسمة الی الاحکام الخمسة لانها اذا عرضت علی القواعد الشرعية لم يخل عن واحد من تلك الاحکام فمن البدع الواجبة علی الكفاية الاشتغال بالعلوم العربية الواجبة المتوقف عليها فهم كتب الصرف والنحو واللغة والمعانی والبيان۔ قال الشيخ عزالدين بن عبدالسلام فی آخر كتاب القواعد : البدعة اماواجبةٌ كتعلم النحو المفهم لكتاب الله تعالیٰ وسنة رسول الله صلی الله عليه وسلم و كتدوين اصول الفقه والكلام فی الجرح والتعديل واما محرمة كمذاهب الجبرية و المجسمة واما مندوبة كاحداث الرباط والمدارس وغيرها مما كان احداثهم يعهد فی الصدر الاول كالتراويح ای بالجماعة العامة والكلام فی دقائق التصوف واما مكروهة كزخرفة المساجد وتزويق المصاحف يعنی عند الشافعية واما مباحة كالمصافحة عقب الصبح والعصر والتوسع فی لذيذ المآكل والمشارب والمساكن و توسيع الكمام، و قال الشيخ علی المتقی فی جوامع الكلم : البدعة منقسمة الی واجبةٍ و محرمة و مكروهة ومباحة والطريق فی ذلك ان تعرض البدعة علی قواعد الشرع فان دخلت فی قواعد الايجاب وهی واجبة او فی قواعد التحريم او فی الندب فمندوبة او فی المباح فمباحة۔[۲]

بدعت پانچ اقسام پر منقسم ہے۔ کیوں کہ جب اسے قواعد شرعیہ کے معیار پر تولا جائے گا تو ان احکام میں سے کسی ایک سے خالی نہ ہوگی تو بدعات میں سے بدعت واجبہ کفایہ یہ ہے کہ علوم عربیہ میں انہماک ہو جو واجب ہیں۔ جن پر کتاب اللہ کا فہم وادراک منحصر ہے جیسے علم ونحو وصرف، لغت، معانی اور بیان۔ شیخ عزالدین بن عبدالسلام کتاب القواعد کے آخر میں فرماتے ہیں۔ بدعت یا تو واجب ہوگی جیسے علم نحو کی تحصیل جس کے ذریعہ سے کتاب اللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو سمجھا جاتا ہے اور جیسے اصول فقہ کی تدوین اور راویوں کی جرح وتعدیل سے بحث۔ بدعت حرام بھی ہوتی ہے، جیسے جبریہ ومجسمہ کے مذاہب۔ مستحب بھی ہوتی ہے جیسے مدارس اسلامیہ اور مسافر خانے اور دوسری ایسی چیزوں کی ایجاد جو قرن اول میں نہ ہوں اور جیسے تراویح عام جماعت کے ساتھ اور تصوف وسلوک کے اسرار ورموز کے سلسلہ میں کلام ومباحثہ۔ بدعت مکروہ بھی ہوتی ہے جیسے شوافع کے نزدیک مساجد ومصاحف کی تزئین وآرائش۔ کبھی بدعت مباح بھی ہوتی ہے جیسے نماز فجر وعصر کے بعد مصافحہ کی ترویج اور لذیذ مطعومات ومشروبات اور مکانات کی آرائش میں فراخی کی راہ اختیار کرنا۔ شیخ علی متقی نے جوامع الکلم میں فرمایا۔ بدعت کی چند قسمیں ہیں۔ واجب، حرام، مکروہ، مباح۔ اس کی شناخت کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کو اصول شرع کے معیار پر پیش کیا جائے۔ اگر ایجاب کے اصول کے تحت شامل ہو تو واجب، تحریم کے اصول پر مشتمل ہو تو حرام، مستحبات کے قواعد کے تحت آئے تو مستحب یا اباحت کے اصول پر منطبق ہو تو مباح۔

قلب ونظر کے مزید سکون وطمانیت کی خاطر مسند الفقہا علامہ ابن عابدین شامی کے چمن کی سیر کی جائے دیکھیے کیسے کیسے گل بوٹے نگاہوں کی تسکین کا سامان فراہم کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ صاحب درمختار کے قول (صاحب بدعۃ) کے تحت رقم طراز ہیں:

قوله صاحب بدعة ای محرمة و الا فقد تکون واجبة کنصب الادلة للرد علی اهل الفرق الضالة و کعلم النحو المفهم للکتاب والسنة و مندوبة کاحداث نحو مدرسة و رباط وکل احسان لم یکن فی الصدر الاول و مکروهة کزخرفة المساجد و مباحة کالتوسع فی لذیذ المآکل و المشارب و الثیاب۔ ؎۴

''صاحب بدعت'' یہاں بدعت سے مراد حرام بدعت ہے۔ ورنہ بدعت واجب بھی ہوتی ہے، جیسے گم راہ فرقوں کا رد کرنے کے لیے دلائل سے استدلال، علم نحو کی تحصیل جس سے قرآن و حدیث کو سمجھ سکیں۔ مستحب بھی ہوتی ہے جیسے سرائے اور مدرسے جیسی چیزیں تعمیر کرنا اور ہر وہ نیک کام جو زمانۂ اول میں نہ رہا ہو۔ مکروہ بھی ہوتی ہے جیسے کھانے پینے کی لذیذ چیزوں اور کپڑوں میں وسعت و فراخی کی راہ اختیار کرنا۔''

محفل میلاد و قیام جیسے مستحسن امور کی تردید میں شیخ مجدد سرہندی علیہ الرحمۃ کی بعض عبارتوں کا غلط سہارا لے کر ان امور کو بدعت سیئہ کے دائرے میں کھینچنے کی ناروا کوشش عام ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجدد الف ثانی جمہور علمائے اسلام کے مخالف نہیں بل کہ ان کا موقف یہ ہے کہ وہ تمام نئے امور جن کی اصل سنت و شریعت سے ثابت ہو وہ بدعت ہی نہیں، بلکہ وہ سنت ہی کے دائرے میں داخل ہیں یعنی جن امور کو دیگر علما بدعت حسنہ یا واجبہ یا مستحبہ کے دائرے میں شمار کرتے ہیں ان سب کو مجدد صاحب خود سنت کے دائرے میں شمار کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے اس موقف کی روشنی میں تعظیم رسول اور ذکرِ رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے متعلق مذکورہ امور نہ صرف یہ کہ بدعت حسنہ ہوں گے بلکہ مسنون شمار ہوں گے۔ ان کے موقف کی توضیح ذیل کے حوالہ میں ملاحظہ ہو۔

فاطوار المشائخ فی الاذکار المرتبه و العبادات و المراقبات الموقتة من البدع الحسنة التی تلقاها الفحول من علماء الاسلام بالقبول واستحسنوا و حثوا علیها واشتغلوا بها بل لم یحسبوها بدعة ولم یرضوا باطلاق لفظ البدعة علیها کما هو مشرب مرشدنا الاعظم الامام الربانی المجدد للالف الثانی رحمه الله ؎۵ والامام لا یطلق اسم البدعة علی القسم الاول ای الحسنة لوجود اصله فی الصدر الاول فالنزاع بینه وبین الاقوال المتقدمة لفظی فقط ؎۵

''مشائخ کرام نے مقررہ ذکر و مراقبہ اور معینہ عبادتوں کے جو طریقے ایجاد کیے ہیں، یہ ان بدعات حسنہ میں داخل ہیں جن کو نامور جید علمائے اسلام نے قبول کیا، اور مستحسن قرار دیا ہے۔ انھوں نے لوگوں کو ان پر عمل کرنے کی ترغیب بھی دی۔ اور خود ان پر عمل پیرا بھی رہے بلکہ وہ تو ان امور کو بدعت ہی نہیں خیال کرتے اور نہ ہی ان امور پر بدعت کا اطلاق پسند کرتے ہیں، جیسا کہ ہمارے مرشد امام ربانی علیہ الرحمۃ والرضوان کا مسلک و مشرب ہے۔ امام ربانی نے قسم اول (بدعت حسنہ) پر لفظ بدعت کا اطلاق اس لیے روا نہ سمجھا کہ قرون اولیٰ میں ان کی اصل موجود ہے۔ (کماذکرہ المحدث الدہلوی) تو امام ربانی اور گذشتہ اقوال کے قائلین جو حسنہ و سیئہ کی تقسیم مانتے ہیں ان حضرات کے درمیان نزاع صرف لفظی ہے۔''

اسلام کے معتمد علما کی ان واضح تصریحات سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہونچ کر یقین کا درجہ حاصل کر چکی کہ وہ لفظ بدعت جس سے ایک قبیح تصور ذہن پر ابھرتا ہے وہ اپنا ایک محدود دائرۂ کار رکھتا ہے۔ لیکن ہر بدعت اس کے احاطہ سے باہر ہے مگر ہمارے عنوان میں

منکرات کے ساتھ بدعات کا استعمال اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس سے مراد بری بدعات اور ناجائز امور ہیں۔ مفتی اعظم قدس سرہ نے امت کی اصلاح وہدایت کے پیش نظر ہمیشہ ایسی بدعات اور تمام منکرات کی تردید فرمائی ہے اور کبھی کسی غیر شرعی امور پر نکیر فرمانے میں پس و پیش سے کام نہیں لیا۔ اگلی سطور میں ان کے فتاوٰی کی روشنی میں اس دعوے کا ثبوت فراہم کیا جارہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اور حضرت کی ایمانی قوت، منکرات سے نفرت اور ہدایت واصلاح کے بیکراں جذبات کا اندازہ کریں۔

مسلمانوں کی تکفیر : استفسار ہوتا ہے مسلمانوں کو کافر کہنا کیسا ہے؟ بعض کہتے ہیں کسی کو برا نہیں کہنا چاہیے۔ جواب ذرا غور سے سنیے فرماتے ہیں۔

مسلمانوں کو کافر کہنا بہت سخت شدید جرم عظیم ہے۔ خود اپنے اوپر بلاوجہ کی تکفیر عود کرتی ہے، جو کہتے ہیں کسی کو برا نہیں کہنا چاہیے وہ اسی وقت تک کہہ رہے ہیں جب تک ان کا معاملہ نہیں، انھیں یا ان کے باپ بھائی یا کسی عزیز کو کوئی ''تم'' سے ''تو'' کہہ دے، بلکہ ''آپ'' سے ''تم'' کہہ دے تو دیکھیں کہ کیسے آپے سے باہر ہوتے ہیں۔ قرآن وحدیث تو کافروں کو کافر فرمائیں اور یہ ایسا کہیں ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم واللہ تعالیٰ اعلم۔

استغفار برائے کافر : ایک سوال ہے زید نے اشتہار کے ذریعہ اعلان کیا کہ سب مسلمان اپنے اپنے محلے کی مسجد میں جمع ہوکر فلاں نصرانی مرحوم کے لیے رحمت کی دعا کریں، لہٰذا زید کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: زید بے قید اپنے اس اعلام ہادم ایمان کے سبب شدید گنہ گار، مستحق نار، مستوجب غضبِ جبار، اسے توبہ وتجدید ایمان و تجدید نکاح چاہیے اگر بی بی رکھتا ہے۔ نصرانی یا کسی کافر کو مرحوم کہنا لکھنا حرام حرام حرام سخت اخبث واشنع بدکام ہے اور اس کے لیے اس کے مرنے کے بعد دعاے رحمت کرنا کرانا تکذیب قرآن ہے۔ قال تعالیٰ

(سواء علیھم) استغفر لھم اولا تستغفرلھم ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم۔ (سورۂ توبہ ۹/ ۸۰) و قال : استغفرت لھم ام لم تستغفرلھم لن یغفر اللہ لھم (سورۂ منافقون ۶۳/ ۶) و قال تعالیٰ : ولا تصل علی احد منھم مات ابدا و لا تقم علی قبرہ انھم کفروا باللہ و رسولہ وما تواوھم فسقون۔ (سورۂ توبہ ۹/ ۸۴) وقال تعالیٰ : ومن یشرك باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ وماوٰہ النار ۔(سورۂ مائدہ / ۷۷) و قال تعالیٰ : ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کان اولی قربی من بعد ما تبین لھم انھم اصحٰب الجحیم۔ (سورۂ توبہ: ۹/ ۱۱۳)

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ آپ ان کی مغفرت کی دعا کریں یا نہ کریں اگر آپ ستر بار بھی طلب مغفرت کریں پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نہ فرمائے گا۔ فرماتا ہے۔ آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں ان کے لیے سب برابر ہے۔ اللہ ان کی مغفرت نہ فرمائے گا۔ فرماتا ہے۔ تم کسی بھی کافر میت کے لیے دعائے رحمت نہ کرو، اور نہ ان کی قبروں کے پاس کھڑے ہو انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔ اور نافرمانی کی حالت میں مر گئے۔ خداوند قدوس نے ارشاد فرمایا۔ جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا اللہ نے اس پر جنت حرام فرمادی۔ اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نبی اور مومنین کی یہ شان نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں۔ اگر چہ ان کے قریبی رشتہ دار ہوں۔ جب کہ ان پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ جہنمی ہیں۔''

تفسیراتِ احمدیہ (زیرِ آیت ۔ ۸۴ سورۂ توبہ ص ۳۰۷ مکتبہ مجتبائی، سہارن پور) میں حضرت سیدی عارف باللہ ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "المراد من الصلوٰۃ الدعا للمیت وا لاستغفار لهم وهو ممنوع فی حق الکفار یعنی قرآن میں صلوٰۃ سے مرادمیت کے لیے دعائے رحمت واستغفار ہے۔ اور یہ کافر کے حق میں ممنوع ہے۔"

اسی میں ہے۔

الدعاء والاستغفار منع فی حق المیت الکافر   دعا واستغفار کافرمیت کے حق میں مطلقاً ممنوع ہے۔

اس سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو غیر مسلموں کے ساتھ رواداری میں دنیاوی معاملات سے بہت آگے نکل کر دینی مراسم کی ادائیگی بھی اپنی عالی ظرفی کا فریضہ سمجھتے ہیں۔ اور وہ کچھ کر جاتے ہیں جس کی خود غیر مسلموں کو نہ کوئی توقع ہوتی ہے نہ خواہش، ہندوستان میں گاندھی جی، پنڈت جواہر لال نہرو اور اندرا گاندھی کی موت پر نام نہاد توحید پرستوں نے قرآن خوانی وغیرہ کا جو رول ادا کیا، اس کا خواہش مند کون تھا؟ مزید ستم یہ ہے کہ یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی وہ سچے پکے موحد ہیں اور جو مسلمان اسے غلط اور برا سمجھنے والے ہیں وہ بدعتی اور مشرک۔

ہنود کے میلوں میں شرکت : سوال: ہنود کا مشرکانہ میلہ جو بتوں کی پرستش کے لیے ہوتا ہے جیسے دسہرہ، جنم اشٹمی درگا پوجا، ہولی وغیرہ جس میں مراسم کفریہ وشرکیہ کے علاوہ ہر قسم کے ناچ تماشے اور دیگر لہو ولعب ہوتے ہیں ایسے میلوں میں مسلمانوں کا بہ حیثیت تماشائی شریک ہونا کیسا ہے؟

جواب : ایسے میلوں میں بہ حیثیت تماشائی جانا حرام حرام حرام اشد حرام، بہت اخبث نہایت ہی اشنع کام بہ حکم فقہائے کرام معاذ اللہ کفر انجام ہے۔ حدیث کا ارشاد ہے۔ (کنز العمال ج۔ ۲ حدیث۔ ۲۴۷۳۵، بیت الافکار الدولیہ، الریاض)

مَن کثّرَ سوادقوم فهو منهم.   جس نے کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کیا وہ انھیں میں سے شمار ہوگا۔

خزانۃ الروایات میں ہے۔

فی الفصول قال الشیخ ابوبکر الطرخانی من خرج الی السدة فقد کفر لان فیه اعلان الکفر وعلی قیاس مسئلة السدة الخروج الی فیروز المجوس والموافقة معهم فی ما یفعلونه فی ذلك الیوم

"فصول میں ہے شیخ ابوبکر طرخانی فرماتے ہیں کہ جو شخص کفار کے میلوں میں گیا تو اس نے کفر کیا۔ کیوں کہ اس میں اعلانِ کفر ہے۔ اور انھیں میلوں کے حکم میں ہیں مجوسیوں کے یوم عید میں جانا۔ اور اس دن کے ان کے کاموں میں شمولیت اور موافقت بھی۔"

اسی میں ہے

کذلك الخروج فی اللیلة التی یلعب فیها کفرة الهند بالنیران والموافقة معهم فیما یفعلونه تلك اللیلة فیلزم ان یکون کفرا و کذا الخروج الی لعب کفرة الهند فی الیوم الذی یدعوه الکفرة ...... والموافقة معهم من تزیین البقور والافراس الذهاب الی دور الاثریاء یلزم ان یکون کفراً

''اور یوں ہی جس شب ہندی کفار آگ بازی کرتے ہیں، اس میں شرکت اور جو افعال انجام دیتے ہیں، ان میں ان کی موافقت سے کفر کا لزوم ہوتا ہے۔ یوں ہی کفار ہند کے ان میلوں میں جانا..................اور ان کے افعال کی موافقت مثلاً گھوڑوں اور گاڑیوں کی آرائش اور مالداروں کے گھروں تک جانا ان امور سے بھی کفر لازم آتا ہے۔''

ان لوگوں پر توبہ، تجدید ایمان، تجدید نکاح لازم، واللہ تعالیٰ اعلم فتاویٰ بزازیہ میں اس قدر اضافہ کے ساتھ ہے۔

واکثرما یفعل ذلك من کان اسلم منهم فیخرج فی ذلك الیوم و یوافق معهم فیما یفعلونه فی ذلك الیوم فیصیر بذلك کافراً و لا یشعر به.

''بسا اوقات ان امور کا صدور ان افراد سے ہوتا ہے جو مجوسیت کے بعد ایمان لائے وہ اس دن اس میلے میں جاتے ہیں اور انھیں جیسے افعال کرتے ہیں اور وہ اس سے غیر شعوری طور پر کافر ہو جاتے ہیں۔''

بحرالرائق اور شرح فقہ اکبر کی عبارتیں بھی اسی مضمون کی مؤید ہیں۔ ے

کیا ان اقوال میں جذبۂ اصلاح و ارشاد لی و روحانی اور دینی تڑپ کی کارفرمائی نظر نہیں آتی؟ بدعات ومنکرات کا استیصال کسی اور شئی کا نام ہے؟ اصلاح امت کے لیے صرف ان کی تردید و ابطال ہی سے کام نہیں لیا، بلکہ اسلامی فکر سے خوابیدہ قوم کے اذہان کو ہم آہنگ کرتے ہوئے رہنمائی کا فریضہ بھی انجام دیا۔ بلاشبہ یہ آپ کے روحانی جذبۂ دین کی بہترین عکاسی ہے۔

مشرکوں کے تیوہار کی تعریف : سوال: زید نے کہا ہولی ان کا پاک تیوہار ہے۔ مگر یہ اس میں چوری کرتے ہیں۔ یعنی چوری کے مال سے ہولی جلاتے ہیں تو بکر نے جواب دیا یہ ان کا ناپاک تیوہار ہے۔ لڑکی ابھی گوبر لیپ کر گئی ہے۔ حکم فرمایا جائے۔ زید مذکور خارج از ایمان تو نہ ہوا۔

جواب: زید بے قید توبہ کرے، تجدید ایمان کرے جس نے مشرکوں کے تیوہار کی تعریف کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہندوؤں کا ایمان زبردست ہے یہ کہنا کیسا؟ : سوال: زید کا وضو کرنے کی جگہ پر چشمہ اور ڈبی میں کچھ روپیہ رہ گیا۔ اعلان کے بعد ایک شخص نے روپیہ وغیرہ دے دیا۔ اس پر بکر نے یہ بات دیکھتے ہوئے بھی یہ کلمے ادا کیے کہ ہم لوگوں میں کوئی چیز گری ہوئی پالے تو دیتا ہی نہیں اور ہندوؤں میں اس بات کا اتفاق ہے کہ کوئی چیز گری ہوئی پالے تو معلوم ہونے پر دے دیتا ہے۔ تو ہم سے ہندوؤں کا ایمان زبردست ہے۔ لاکھ درجے ایمان اچھا ہے۔ بکر پر حکم شرعی فرمایا جائے کہ ایمان ثابت رہا یا نہیں؟

جواب : جس نے وہ بکا وہ توبہ کرے، تجدید ایمان، تجدید نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

داڑھی منڈانا : سوال: زید داڑھی منڈاتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانے میں ہوتے تو وہ داڑھی منڈاتے۔ ایسے شخص پر حکم شرع کیا ہے؟

جواب : داڑھی شعار اسلام ہے۔ تمام انبیاے کرام کی سنت کریمہ ہے۔ زید نے وہ کلمہ بکا، حضور علیہ التحیۃ والثنا پر افترا کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی چیز کے لیے اپنے پہلے حکم کے خلاف حکم دیتے۔ داڑھی منڈانا شعار کفر ہے۔ رکھنا شعار اسلام، شعار اسلام کو مٹنے اور شعار کفار کو اختیار کرنے کا حکم دیتے؟ والعیاذ باللہ تعالیٰ کفار کی وضع پسند فرماتے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس نے دوسرا کلمہ شنیعہ فظیعہ خبیثہ لعینہ کفریہ بک کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین کی۔ والعیاذ باللہ ۸

سوانگ کا مسئلہ : سوال: زید مومن نے اپنے اہتمام سے سوانگ کرایا اور مسجد سے بیس قدم کے فاصلے پر تخت جمایا، اور شورو

غوغا کروایا۔اس پر بکر کہتا ہے کہ زید پر کفر عائد،اس نے اپنی خوشی سے اپنے اہتمام سے سوانگ کرایا تو کیا ازروے شرع زید کافر ہو گیا اور جن مسلمانوں نے سوانگ دیکھا کیا ان کے نکاح خارج ہو گئے؟بعد اختتام یہ بھی کہا کہ رات اس نے نقل اچھی اتاری تو اس طرح دیکھنے اور کہنے والے مسلمانوں کا ایمان درست رہا یا نہیں؟

جواب : سوانگ یا کوئی تماشا کرانا اس کا دیکھنا،اس سے لذت حاصل کرنا،اس کی تعریف کرنا،حرام حرام حرام ہے۔سوانگ کرنے والے اگر کفر کرتے ہوں،کلماتِ کفریہ بکتے ہوں تو اس صورت میں جو اس سے راضی ہوا اس کی عورت اس کے نکاح سے خارج،اس پر فرض ہے کہ توبہ کرے،تجدید اسلام کرے اور عورت سے پھر سے نئے مہر پر نکاح کرے،وہ سب لوگ جنھوں نے سوانگ دیکھا،اس کی تعریف کی اشد گنہ گار مستحق نار ہوئے اور تحسین قول و فعل کفر کی ہو تو ان کا بھی حکم ہے کہ پھر سے مسلمان ہوں اور پھر سے نکاح بہ مہر جدید کریں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

ذکر شہادت میں سوگ منانا : سوال : امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سوگ منانے کو مفتی شرع نے بتایا حرام ہے۔زید کہتا ہے جب ذکر شہادت ہوتا ہے تو لوگ روتے ہیں۔یہ کیوں کر؟کیا سکوت کے عالم میں سننا چاہیے۔نہ خوشی کرے نہ رنج،حکم فرمایا جائے۔

جواب : سوگ منانا اور بات ہے اور ذکرِ شہادت میں رقت طاری ہونا اور بات ہے۔یعنی سوگ منانا حرام ہے صرف بیوی کے لیے شوہر کی وفات پر سوگ تین دن منانا جائز ہے۔اور ذکر شہادت میں محض رقت کے طاری ہونے کی وجہ سے اس پر سوگ کا اطلاق نہیں ہو سکتا) واللہ تعالیٰ اعلم

محرم میں لنگر وغیرہ لٹانے کا حکم : سوال: محرم میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ صرف امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی نیاز ہونی چاہیے اور کسی کی نہیں،اور ہرے کپڑے پہننا چاہیے۔اور قلادہ جس میں سرخ اور ہرے رنگ کے گنڈے پڑے ہوتے ہیں اس کو گلے میں پہننا چاہیے اور عطر وغیرہ نہ لگانا چاہیے اور عشرہ سے تیرہ تک گھر میں جھاڑو نہ دینا چاہیے اور کام بھی چھوڑ دینا چاہیے۔حکم فرمایا جائے کہ مذکورہ بالا کام درست ہیں؟

جواب : یہ سب باتیں غلط ہیں۔محرمیوں کی اختراع،ایسا کہنے اور کرنے والوں پر توبہ لازم ہو اللہ تعالیٰ اعلم۔۹

ٹائی باندھنا : بعض لوگ مغربی تہذیب و تمدن پہ اس طور سے فریفتہ ہوتے ہیں کہ اسے اختیار کرنے اور تشہیر کرنے میں ذرا بھی باک محسوس نہیں کرتے۔انھیں یہ بھی فکر نہیں ہوتی کہ شریعتِ اسلامیہ نے کیا کیا حدود مقرر کر رکھی ہیں۔نومبر ۱۹۷۳ء مطابق شوال ۹۳ ۱۳ ھ میں الجامعۃ الاشرفیہ مجوزہ عربی یونیورسٹی کے جشن افتتاح کے موقع پر حضور مفتی اعظم (علیہ الرحمہ) مبارک پور تشریف لائے۔ایک صاحب انگریزی وضع کے دلدادہ اور جدید تہذیب کی مکمل تصویر،ٹائی باندھے ہوئے آپ سے ملنے کی غرض سے حاضر خدمت ہوئے۔جب قریب آئے تو حضرت مفتی اعظم نے ان کی ٹائی پکڑی اور پوچھا یہ کیا ہے؟پھر خود ہی فرمایا۔یہ انگریزوں کی تقلید ہے جسے وہ صلیب کی جگہ استعمال کرتے ہیں،جو قرآن سے متصادم عقیدے پر مبنی ہے۔آپ نے ان کے گلے سے فوراً ٹائی اتروائی اور توبہ وغیرہ کروائی۔اسی جگہ شمس العلما حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب جون پوری (علیہ الرحمۃ) نے اس مسئلہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ انگریز چوں کہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو سولی دی گئی ہے اور وہ اپنے اس عقیدے کی بنا پر جگہ جگہ سولی کا نشان بناتے ہیں اور اسے اپنے گلے میں بھی لٹکاتے ہیں۔مگر ان کا یہ عقیدہ قرآن کے بالکل مخالف ہے۔قرآن کا ارشاد ہے۔وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کہ انھیں نہ قتل کیا گیا،نہ سولی دی گئی۔بل کہ ان کے لیے ان کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا۔بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ

اِلَیْہِ بل کہ اللہ نے انھیں اپنی طرف اٹھالیا۔ایسی صورت میں ان کا یہ گلے میں سولی لٹکانا ،زنار باندھنے کی طرح ہوا۔ایسے صلیبی نشان کی جگہ انھوں نے ٹائی کے استعمال کو رواج دیا ہے، جو کسی طرح ایک مسلمان کے لیے درست نہیں ہوسکتا اور اگر ایسا کیا تو اسے توبہ وتجدید ایمان کرنا ہوگا، جیسے بت کے آگے سجدہ کیا تو توبہ وتجدید ایمان کی ضرورت ہے۔ ۱۰۱

اس طرز اصلاح کی سادگی پر سیکڑوں رعنائیاں قربان۔یہ ایسی خوبیاں ہیں جن سے ہر کہ ومہ بہرہ ور نہیں ہوتا، بل کہ یہ خاص عطیۂ خداوندی ہے اور مخصوص انعام الٰہی ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

سوال : زمانہ عرس میں مسجد کی چہار دیواری سے ایک دیوار پر دونوں جانب دو نوبتیں مع نفیری بجوائے کیا یہ گناہ نہیں؟ اگر ہے تو ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب : مسجد کی دیوار کو اپنے کام میں لانا حرام نہ کہ اس پر یہ کچھ نجاست ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

مسجد میں دنیاوی لغویات: سوال : مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا، فحش وغیبت، لغویات، خلاف شرع کام لڑائی جھگڑا کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب : مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا تو ناجائز ہے۔فحش وغیبت کا کیا پوچھنا جو خود حرام ہیں اور مسجد میں سخت تر حرام۔ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

غنیۃ میں علامہ ابراہیم حلبی فرماتے ہیں :یجب ان تصان من حدیث الدنیااہ مختصراً۔(ص۶۱۰ فصل فی احکام المسجد، لاہور) دنیاوی باتوں سے مسجدوں کو بچانا واجب ہے۔اسی میں ہے۔والکلام المباح فیہ مکروہ و یاکل الحسنات کما تاکل البھیمۃ الحشیش ۔(ایضاً ص ۶۱۲) مباح کلام مسجد میں مکروہ ہے۔وہ نیکیوں کو ایسے ہی نگل جاتا ہے جیسے چوپایہ گھاس کو۔یہ مضمون خود حدیث شریف میں موجود ہے۔یہی علامہ اسی غنیۃ میں فرماتے ہیں،کذا ذکرہ صاحب الکشاف. اسی مضمون کی حدیث صاحب کشاف نے ذکر کی ہے۔یہاں تک کہ مسجد میں اپنی گمشدہ چیز کا دریافت کرنا ناجائز ہے۔حدیث پاک میں فرمایا گیا:

من سمع رجلا ینشد فی المسجد ضالۃ فلیقل لاردھا اللہ علیہ فان المساجد لم تبن لھذا۔

(الترغیب والترہیب حدیث ۔۴۴۱، دارابن حزم، بیروت)

جو شخص کسی کو مسجد میں گمشدہ چیز کی تلاش میں آواز لگاتے ہوئے سنے تو کہے کہ خدا وہ تجھے واپس نہ دلائے کیوں کہ مساجد اس کے لیے نہیں بنائی گئیں۔" ان لوگوں پر توبہ لازم ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

ان ارشادات راشدہ کی روشنی میں اپنے کردار وعمل کی خبر لیجیے کیا آپ کی روش اس سے ہم آہنگ ہے۔اگر نہیں تو اپنے خسارے کا سامان کیوں فراہم کرتے ہیں۔؟

سوال : مسجد میں چھوٹے بچے ہر وقت پھرتے رہتے ہیں۔اکثر لوگ اپنے اپنے بچے خود ہمراہ لاتے ہیں۔اکثر نماز ہوتی ہے اور یہ لوگ شور مچاتے ہیں۔اگر کوئی شخص ان کے والدین سے کہتا یا ان بچوں کو ڈانٹتا ہے تو وہ لوگ لڑنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

جواب : جو لوگ مساجد میں اپنے بچوں کو لاتے ہیں یا ان کے بچے جاتے ہیں وہ انھیں نہیں روکتے، روکنے والوں سے لڑتے ہیں، گنہگار ہیں۔اس ارشاد حدیث سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ومخالفت کرتے ہیں۔حدیث شریف میں فرمایا:

جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم و شرائکم و بیعکم و خصوماتکم ورفع اصواتکم واقامة حدودکم و سل سیوفکم ۔(غنیۃ المستملی حلبی کبیر ص ۶۱۱ بحوالہ مصنف عبدالرزاق عن معاذ ابن جبل)

''تم اپنی مسجدوں میں بچوں اور پاگلوں کو نہ داخل ہونے دو۔ اس میں خرید و فروخت لڑائی جھگڑا نہ کرو، اس میں آواز بلند نہ کرو، نہ اس میں حدیں قائم کرو اور اس میں اپنی تلواریں نیام سے باہر نہ کرو۔''

غنیۃ (ص ۶۱ فصل فی احکام المسجد، لاہور) میں ہے۔

یجب ان تصان ...... عن ادخال المجانین والصبیان لغیر الصلوٰة ۔ یہ ضروری ہے کہ مسجدیں مجنونوں اور بچوں کو نماز کے علاوہ داخل ہونے سے بچائی جائیں۔

ذرا چشم دل سے ملاحظہ تو کریں کہ یہ کیسی ضیائیں ہیں جن سے نہاں خانۂ دل جگمگاتے جا رہے ہیں، افکار کے زاویے روشن ہوتے جا رہے ہیں، آنکھیں کھلتی جا رہی ہیں۔ کیا یہ نور اس قابل نہیں کہ اسے دامن میں جگہ دی جائے۔ الکلمة الحکمة ضالة المؤمن حیث وجدھا فھو احق بھا ۔ (تفسیر ابن کثیر ج۔۶/ ۳۵) ایمان کا تاج ہمارے سروں کی زینت ہے۔ سنت کی قبا ہمارے ہی شانوں پر جچی چاہیے۔ اس خلعتِ بے بہا کے حق دار ہم ہی تو ہیں۔ ہمارا ہی کاروان فکر شہنشاہ کونین کے گداؤں کی صف اول کا امین ہے۔ ہمارے ہی اذہان اس دامن نوری کے فیض کرم کے خوشہ چیں ہیں۔ ہماری وابستگی کس در سے ہے کبھی غور کیا؟ آہ! جس کی زلف گرہ گیر کی اسیری کا دعویٰ۔ اسی سے یہ برگشتہ روی، اسی سے دامن چھڑانے کی سعی، یہی سبب ہے کہ نگاہیں ہماری جانب اٹھتی ہیں۔ طنز، طعنہ و تشنیع بھری نگاہیں۔ ہم کیا تھے کیا ہو گئے، ہم خود ہی اس کے سزاوار ہوئے۔ لیکن ان سیہ بخت گھٹاؤں میں بھی کامرانی و سرفرازی کی قندیلیں ہمیں کو فروزاں کرنی ہیں۔ کاروان شوق و عشق کو منزل دوام ہمیں ہی بخشنا ہے۔

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی ۔۔۔ افق سے آفتاب ابھرا گیا دور گراں خوابی

طاعت پر اجرت : سوال: ایک شخص نماز جنازہ پڑھانا جانتا ہے پھر بھی نہیں پڑھاتا، بلکہ یہ کہتا ہے کہ گاؤں کی نکاح خوانی کے حقوق مجھے دیے جائیں اور لوگ میری زمین کی لگان میری جانب سے اپنی جیب سے ادا کریں تو پڑھاؤں۔ ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے؟

جواب : طاعت پر اجرت ٹھہرانا حرام ہے، یہی اصل مذہب ہے۔ متاخرین نے بخوف ضیاع بعض طاعت کا استثنا کیا ہے۔ وہ وہی ہیں جن میں ضرورت ظاہرہ ہے۔ پھر خاص طاعت پر عقد کرنا تو برا ہی ہے۔ کسی کے نزدیک نہ چاہیے۔ در بارۂ اجرت بر طاعت شامی میں فرمایا:

قد اتفقت کلمتھم جمیعا علی التصریح باصل المذھب من عدم الجواز ثم استثنوا بعدہ ما علمتہ فھذا دلیل قاطع و برھان ساطع علی ان المفتی بہ لیس ھو جواز الاستیجار علی کل طاعة بل علی ما ذکرہ فقط مما فیہ ضرورة ظاھرة تبیح الخروج عن اصل المذھب۔

(ردالمحتار ج۔۱۰ ص ۷۶، کتاب الاجارہ باب الاجارة الفاسدہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

''ان تمام فقہا کے الفاظ اس صراحت پر متفق ہیں کہ اصل مذہب یہی ہے کہ طاعت پر اجرت ناجائز ہے۔ پھر اس کے بعد فقہائے عظام نے کچھ کا استثنا فرمایا، جسے آپ ابھی جان چکے۔ پس یہ اس بات کی دلیل قطعی اور برہان روشن ہے کہ مفتی بہ قول یہ نہیں کہ ہر طاعت پر اجرت لینی جائز ہے، بل کہ صرف مذکورہ چیزوں پر اجرت لینا جائز ہے کیوں کہ ان میں ایسی واضح ضرورت ہے جو اصل مذہب سے رجوع کو مباح کر دیتی ہے۔''

پھر صاحب بحر کا قول جوہرہ کے حوالے سے اور شیخ رملی کا حاشیہ بحر کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

اقول المفتی به جواز الاخذ استحسانا علی تعلیم القرآن لاعلی القراءة المجردة کما صرح به فی التاتارخانیة حیث قال لا معنی لهذه الوصیة ولصلة القاری بقرآنه لان هذا بمنزلة الاجرة والاجارة فی ذلك باطلة وهی بدعة ولم یفعلها احدمن الخلفاء، و قد ر ذکرنا مسئلة تعلیم القرآن علی استحسان یعنی للضرورة ولاضرورة فی الاستیجار علی القرأة علی القبر اه۔

ردالمحتار ج۔۱۰ ص ۷۷، کتاب الاجارة، باب الاجارة دارالکتب العلمیہ، بیروت۔

میں کہتا ہوں کہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم دینے پر اجرت لینا استحساناً جائز ہے۔ مگر صرف قرآن پڑھنے پر اجرت لینا جائز نہیں، جیسا کہ اس کی تصریح تاتارخانیہ میں موجود ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اس وصیت کا کوئی معنی نہیں، اور قاری کا قرآن پڑھنے پر صلہ لینے کا کوئی مطلب نہیں، کیوں کہ وہ اجرت کے مرتبہ میں ہے اور اس پر اجرت کے لین دین کا معاملہ باطل ہے اور یہ ایسی بدعت ہے کہ جسے خلفا میں سے کسی نے نہ کیا۔ رہا تعلیم کا مسئلہ تو ہم نے بتایا کہ وہ استحسان یعنی ضرورت کی بنیاد پر ہے۔ اور قبر پر قرآن خوانی کے لیے اجرت لینا کوئی ضرورت نہیں۔"

پھر اجرت بھی کیسی معقول کہ نکاح خوانی کے حقوق مجھے دیے جائیں۔

نیز فتاوی عزیزیہ میں ہے:

"قاعدۂ اجارہ آنست کہ بر واجب و مندوب منعقد نمی شود و تعلیم القرآن فرض بالکفایہ و مندوب علی العین پس محل اجارہ نیست و تعلیم قرآن را متاخرین جائز داشتہ اند، کہ اجرت بقرآن کردا مراد ایشاں ہمیں تعلیم است کہ درو ے افعالِ دیگر ورا ے تعلیم مشروط باشند کہ محلِ اجارہ تو انند شد نہ محض تعلیم مثلاً شخصے باید کہ مرا فلاں آیت تعلیم کنی و ایں از وے مزدوری خواہد کہ ایں اجرت بالا جماع بین المتقدمین والمتاخرین حرام است"

اجارہ کا قاعدہ یہ ہے کہ واجب و مستحب پر یہ منعقد ہی نہیں ہوتا اور تعلیم قرآن فرض کفایہ اور مندوب عین ہے۔ تو یہ محل اجارہ نہیں اور تعلیم قرآن کو متاخرین نے جائز فرمایا کہ قرآن پر اجرت ٹھہرائی ہے۔ اس سے ان کی مراد وہ تعلیم ہے جس میں تعلیم قرآن کے علاوہ دوسرے ایسے افعال بھی مشروط ہوں جو محل اجارہ ہو سکتے ہیں نہ کہ صرف تعلیم قرآن جیسے کوئی شخص آئے کہ مجھے فلاں آیت سکھا دیجیے اور یہ اس سے اجرت طلب کرے تو ایسی اجرت متقدمین و متاخرین دونوں کے یہاں بالا جماع حرام ہے۔

اسی میں فرمایا

نکتہ درآں کہ اجارہ برادا ے طاعت خواہ فرض باشد خواہ نفل، جائز نیست، آں است کہ شخصے مباشر طاعت شدہ است بحکم وعدۂ الٰہی مستحق اجرت اخروی گشتہ۔ پس اگر اجر دینوی از مخلوق برآں طلب نماید اجتماع اجرین و عوضین در حق یک کس بیک فعل لازم خواہد آید مثل آنکہ شخصے اجیر خاص یک کس قرار یافتہ او را نمی رسد کہ اجیر خاص شخصے دیگر شود در ہماں وقت کذافی الهدایہ

کسی بھی طاعت پر خواہ فرض ہو یا نفل اجرت لینا جائز نہیں، اس میں نکتہ یہ ہے کہ جو شخص طاعت بجالایا تو بہ حکم

وعدۂ الٰہی، اجرت اخروی کا مستحق ٹھہرا تو اگر مخلوق سے بھی اس پر اجرت دنیوی طلب کرے تو شخص واحد کے لیے ایک کام کے بدلے دو دو اجر وعوض کا اجتماع لازم آئے گا۔ جیسے کوئی شخص کسی خاص آدمی کی ملازمت قبول کرے تو اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ کسی دوسرے شخص کا بھی خاص اسی وقت میں ملازم بن جائے۔ ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے

لایحل اخذ الاجرة علی الامة والتاذین بالشرط -اذان وامامت پر مشروط طور پر اجرت لینا جائز نہیں۔

یہاں امامت صلوٰۃ جنازہ پر وہ اجرت ٹھہرا رہا ہے۔ اور اجرت بھی کیا؟ نکاح خوانی کے حقوق، تو یہ ناجائز درنا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔۱۱

دوستو! تصورات کی دنیا سے باہر نکل کر حقائق کی دنیا میں قدم رکھو، دیکھو تمھارے کردار کے چمن کتنے خزاں رسیدہ ہو گئے۔ انھیں بہاروں سے آشنا کرو، انھیں زندگی کی دھڑکنیں عطا کرو۔ یہ تمھاری ہی ذمہ داری تو ہے۔ خواب غفلت میں کیوں پڑے ہو۔

غیر عربی میں جمعہ کا خطبہ پڑھنا : سوال: جمعہ کا خطبہ غیر عربی میں اردو آمیز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: جمعہ کا خطبہ خالص عربی ہو، خطبہ جمعہ میں کسی اور زبان کی آمیزش مکروہ اور خلاف سنت ہے۔ ۱۲ اس بدعت سیئہ کی ترویج میں وہی حضرات پیش پیش تھے جو مسنون اور مستحسن امور پر بڑی بے باکی سے ناجائز اور بدعت ہونے کا حکم صادر کرتے ہیں۔ مگر اس مکروہ کو ایسا محبوب بنالیا کہ اس کے لیے دور کی کوڑی لاکر اسے رواج دینے کی سعی ناکام میں مبتلا ہوئے۔ حضور مفتی اعظم اور شیر بیشہ اہل سنت کے فتاویٰ نے ان کے لبوں پر مہر سکوت ثبت کردی۔ اس کے عدم جواز کے سلسلے میں مختلف فتاویٰ اشاعت سے ہم کنار ہوئے۔ شیر بیشہ اہل سنت نے اپنے رسالہ "السنة السنیه فی کون الخطبة بالعربیة" مطبوعہ بریلی میں نقایہ، ہدایہ، کفایہ، مجمع الانہر و منتقی شرح ملتقی، در مختار، فتاویٰ عالمگیری، شرنبلالیہ، حاشیۂ درر، مراقی الفلاح برجندی عینی، شرح کنز، ردالمحتار، فتح القدیر وغیرہا کتب فقہیہ کے حوالے سے اس بات کا ثبوت فراہم کیا ہے کہ امام اعظم کے نزدیک قراءت، خطبہ اور تشہد پہلے غیر عربی میں جائز مع الکراہت تھے لیکن آپ نے اپنی حیات طیبہ کے آخری لمحات میں اپنے صاحبین کے قول کی جانب رجوع فرمالیا۔ اور عدم جواز کا قول ہی صحیح، مفتیٰ بہ، معتمد اور مختار ٹھہرا۔ اس لیے امام صاحب کے قول اول کی بنیاد پر غیر عربی میں جواز خطبہ کی راہ باقی نہ رہی۔ یوں آپ نے مسلک حق کے قلعہ کو اپنی جولانی اور خداداد فہم و فراست اور قوت ادراک کے ذریعہ استحکام بخشا۔ مزید تفصیل کے لیے نفس رسالہ کا مطالعہ کیا جائے۔ "فتاوی علماء الهند علی منع الخطبة بغیر العربیة" مطبوعہ ترکی استنبول میں بھی اس کی تفصیل مذکور ہے جس میں امام نووی کی تصنیف "روضہ" اور "فتح المعین، رد المحتار اور شرح منہاج کے حوالے سے علامہ رملی وغیرہ کے اقوال قلم بند کیے گئے ہیں۔ اور کافی شرح وبسط کے ساتھ اس کا پورا مستحکم ثبوت پیش کیا گیا ہے کہ غیر عربی میں خطبہ دینا مکروہ اور بدعت سیئہ ہے۔

مزامیر کے ساتھ قوالی : سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص اپنی خانقاہ کو مسجد سے بہتر بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ حضور پرنور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ اور فرمایا تو بہت کمزور ہوگیا ہے۔ تجھ کو نماز معاف ہے۔ ہر سال قوالی مزامیر کے ساتھ عرس میں کراتا ہے۔ خود سنتا ہے اور لوگوں کو سنواتا ہے۔ ایسا فعل کرنا یا ایسے کی تعظیم کرنا کیسا ہے؟

جواب: اس سے اس کی کیا شکایت کہ وہ اپنی خانقاہ کو مسجد سے بہتر بتاتا ہے، جب وہ اپنے لیے نماز ہی معاف جانتا ہے۔ ما علی مثله یعد الخطاء جب کہ اس کی عقل کا دیا اس کی کھوپڑی میں ٹمٹما رہا ہے۔ (المعتمد المستند، ردالمحتار، شفا شریف سے ایسے اشخاص کے بارے میں حوالہ جات نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں) اس کا یہ قول صریح کفر ہے، اور حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر عمداً افترائے قبیح، یہ

یوں بھی کفر ہے۔ اور فرضیت نماز کا انکار ہے، یوں بھی، اس کے قائل کے کافر اور مستحق عذاب نار ہونے میں کیا شک۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ، ایسے سے قوالی مع مزامیر سننے سنانے یا کسی حرام کے ارتکاب کی کیا گنجائش؟ بدمذہب کی تعظیم بھی حرام ہے جب تک ایسے لوگ توبہ نہ کریں، مسلمان ان سے میل جول موقوف رکھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محترم قارئین! نفس قوالی کے بارے میں تو مختلف مشاہیر امت کے مختلف اقوال ملتے ہیں۔ لیکن مزامیر کے ساتھ قوالی کی حرمت پر تو اجماع امت ہے۔ فریقین اس موڑ پر آ کر متفق دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن جب کہ معاشرہ کی نیرنگی حرمت وحلت سے بالاتر ہوکر سوچنے کا عادی ہو چکا ہے۔ رقص وسرود اور نغموں کے ہجوم میں مزامیر کے ساتھ قوالی کی حرمت پر کس کی نگاہِ التفات اٹھتی ہے؟

کیا تثویب بدعت ہے؟ : سوال: اذان کے بعد صلوٰۃ پکارنا کیسا ہے؟ بعض لوگ اسے بدعت سیئہ کہتے ہیں اور اگر جائز تو ہر وقت کی اذان کے بعد کہہ سکتے ہیں یا کسی خاص وقتمیں؟ اور دیگر اوقات میں جائز نہیں؟

جواب : صلوٰۃ بعد اذان، اعلام بعد اعلام ہے۔ بلاشبہہ یہ جائز ومندوب ومستحسن ہے۔ عامۂ کتب معتبرہ میں اس کا جواز مزبور اور استحسان مسطور ہے۔ جو اسے بدعت سیئہ بتاتا ہے جھوٹا ہے۔ تمام علمائے متاخرین پر استحسانِ بدعت سیئہ کا جھوٹا الزام لگاتا ہے۔ بے شک ہر وقت کی اذان کے بعد صلوٰۃ پکارنے کا یہی حکم ہے مگر مغرب کہ اس میں اعلام بعد اعلام کی ضرورت نہیں، لوگ اذان کے ساتھ ہی خود چلے آتے ہیں اور اگر مغرب میں بھی کہیں تو حرج نہیں۔ اکابر ائمہ اور فقہا متاخرین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مطلقاً سب نمازوں میں جماعت کے لیے حسب عرف عام وعادتِ اہل ہر بلد (شہر) جو کچھ بھی وہ مقرر کرلیں، تثویب کو جائز ومستحسن فرمایا۔ درمختار (ج۔ ۲ ص ۵۶، باب الاذان دار الکتب العلمیہ، بیروت) میں ہے۔

یثوب بین الاذان والاقامة فی الکل للکل بما تعارفوه الا فی المغرب ۔اه ملخصاً.　　سوائے مغرب کے سبھی نمازوں میں اذان و اقامت کے مابین اپنے اپنے عرف کے مطابق تثویب جائز ہے۔

ردالمحتار (ج۔ ۲ ص ۵۶، باب الاذان دار الکتب العلمیہ، بیروت) میں نہر سے اور اس میں مجتبیٰ سے ہے۔

کتنحنح او قامت قامت او الصلاة الصلاة ولو احدثوا علاماً مخالفاًلذلك جاز.　　جیسے کھانس کر یا قامت قامت کہہ کر یا الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہہ کر اور اگر اس سے کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ ایجاد کرلیں تو بھی جائز ہے۔

شامی میں یہ عنایہ شرح ہدایہ سے نقل فرمایا

احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامة علی حسب ما تعارفوه فی جمیع الصلوات سوی المغرب مع ابقاء الاول یعنی الاصل وهو تثویب الفجر۔وما راه المسلمین حسناً فهو عندالله حسن. (ج۔ ۲ ص ۵۶، باب الاذان دار الکتب العلمیہ، بیروت)

متاخرین نے نماز مغرب کے علاوہ ہر نماز میں اپنے اپنے عرف کے اعتبار سے اذان اور اقامت کے درمیان تثویب کو جائز قرار دیا۔ باوجودے کہ پہلی یعنی تثویب فجر کو بھی جائز رکھا اور مسلمانوں کا سواد اعظم جسے مستحسن سمجھے وہ اللہ کے نزدیک بھی مستحسن ہے۔

ملتقی الابحر اور اس کی شرح مجمع الانہر میں ہے۔

واستحسن المتاخرون التثویب فی کل الصلوت هو الاعلام بعد الاعلام بحسب ما

تعارفه اهل كل بلدة بين الاذانين۔ (ج۔۱ص ۳، باب الاذان دار احیاء التراث العربی، بیروت)

متاخرین نے ہر نماز میں تثویب کو اچھا سمجھا ہے۔ تثویب اس کا نام ہے کہ اعلان کے بعد اعلان ہو اذان و اقامت کے درمیان ہر شہر والوں میں جیسا عرف ہو، یہ اسی کے مطابق ہے۔

ہدایہ میں ہے: والمتاخرون استحسنوه فی الصلوت کلها لظهور التوانی فی الامور الدینیة۔ (ج۔۱ص ۷۲، باب الاذان مجلس البرکات، مبارک پور)

متاخرین نے تثویب کو سبھی نمازوں میں مستحسن قرار دیا ہے۔ کیوں کہ دینی امور میں سستی رونما ہوگئی۔"

مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے: استحسن المتاخرون التثويب فی الصلوات کلهااه۔
(ج۔۱ص ۷۲، باب الاذان مجلس البرکات، مبارک پور)

متاخرین نے سبھی نمازوں میں تثویب کو مستحسن جانا ہے۔

کفایہ شرح ہدایہ میں ہے: وما استحسنه المتاخرون وهو التثويب فی سائر الصلوات لزيادة غفلة الناس و قل ما يقومون عند سماع الاذان فيستحسن التثويب للمبالغة فی الاعلام اه۔
(ج۔۱ص ۷۲، باب الاذان مجلس البرکات، مبارک پور)

جسے متاخرین نے مستحسن شمار کیا ہے وہ تمام نمازوں میں تثویب ہے۔ کیوں کہ لوگوں کی غفلت میں کافی اضافہ ہو چکا ہے۔ بہت کم لوگ اذان سنتے ہی نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ تو اعلان میں مبالغہ پیدا کرنے کے لیے تثویب مستحسن قرار دی گئی۔

اسی طرح بنایہ، کنز الدقائق، تبیین الحقائق، بحر الرائق، فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ قاضی خان، کفایہ، شرح النقایہ، فتاویٰ سراجیہ، جامع الرموز، ارکان اربعہ، اشعۃ اللمعات، مدارج النبوۃ، شرح سفر السعادۃ، فتاویٰ حجہ، فتح باب العنایہ، نور الایضاح، مراقی الفلاح، نہایہ، مختصر وقایہ، غنیۃ شرح منیہ، طحطاوی وغیرہا میں ہے۔ بلاد اسلامیہ خود مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں یہ تثویب بے نکیر جاری و ساری ہے۔ اس کے بعد سید اسماعیل بن خلیل حنفی محافظِ کتب حرم علیہ الرحمہ کا فتویٰ نقل کر کے رقم طراز ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ کس قدر عظیم وجلیل ارشادوں وشہادتوں سے ثابت ہوا کہ اذان کے بعد صلوٰۃ کہنا خوب مرغوب مستحسن ومندوب اور باعث اجر وثواب ہے۔ بدعتی وہ ہے جو ایسوں کو بدعتی بتائے۔ واللہ اعلم۔

مزید داد تحقیق دیتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ بدائع میں ہے۔

ان مشائخنا قالوا لا بأس بالتثويب المحدث فی سائر الصلوات لفرط غلبة الغفلة على الناس فی زماننا و شدة ركونهم الى الدنيا و تهاونهم بامور الدين فصار سائر الصلوات فی زماننا مثل الفجر فی زمانهم فكان زيادة اعلام من باب التعاون على البر والتقوى فكان مستحسنا ولهذا قال ابو يوسف لا ارى بأساً ان يقول المؤذن السلام عليك ايها الامير ورحمة الله و بركاته حی على الصلوٰة حی على الفلاح الصلاة يرحمك الله لاختصاصهم بزيادة شغل بسبب النظر فی امور الرعية فاحتاجو الى زيادة اعلام نظراً لهم ثم التثويب فی كل بلدة على ما يتعارفونه اما بالتنحنح او بقوله الصلاة الصلاة او قامت قامت او بايد نماز بايد كما يفعل

اهل البخاری لانه الاعلام والاعلام انما یحصل بما یتعارفونه.اھ [۱۴]

(ج۔ا ص ۴۲۔۶۴۱ فصل فی کیفیت الاذان، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

ہمارے مشائخ کرام نے فرمایا کہ جو تثویب ہر نماز میں پیدا کی گئی ہے۔اس میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ ہمارے زمانے میں لوگوں کا تغافل بہت بڑھ گیا ہے۔دنیاوی امور کی جانب میلان اور دینی امور میں سستی عام ہوگئی ہے۔تو ہمارے زمانے میں تمام نمازیں ان کے زمانے کی فجر کے مثل ہوگئیں۔(کیوں کہ وہاں بھی علتِ جواز تغافل ہے اور وہی علت یہاں پائی جارہی ہے) زیادتی اعلام امور خیر اور تقویٰ پر تعاون کے قبیل سے ہے،لہٰذا مستحسن ہوگی۔ اسی وجہ سے امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک کوئی حرج نہیں کہ مؤذن یہ کہیں السلام علیک یا ایها الامیر ورحمةالله و برکاته،حی علی الصلوٰة حی الفلاح الصلوٰة یرحمک الله (اللہ تجھ پر رحم فرمائے) کیوں کہ انھیں خاص طور پر رعایا کے کاموں کی دیکھ بھال کی وجہ سے زیادہ انہماک ہوتا ہے۔تو اس امر کی رعایت کرتے ہوئے انھیں زیادتی اعلام کی احتیاج ہے۔پھر ہر شہر کی تثویب وہاں کے عرف کے مطابق ہوتی ہے۔جیسے کھانس کر یا ''الصلوٰۃ الصلوٰۃ'' یا ''قامت قامت'' یا ''باید نماز باید'' کہہ کر ہوتی ہے جیسا کہ اہلِ بخاریٰ کا معمول ہے۔کیوں کہ یہ اعلام ہے اور اعلام عرف ہی کے اعتبار سے حاصل ہوتا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

اسی اصل کے متعلق صاحب ہدایہ کے قول و استبعده کے تحت ابوالحسنات مولانا عبدالحیٔ صاحب حاشیۂ ہدایہ میں فرماتے ہیں [۱۵]

اقول لا وجه لاستیعاده او لم یسمع ما ورد فی الاحادیث من ان بلالاً کان یحضر بباب الحجرة النبویة ویخبره بالصلوٰة بعد ما اذن الفجر.

(ج۔ا ص ۲۷، باب الاذان، مجلس البرکات، مبارک پور)

ان کے استبعاد کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ انھوں نے یہ حدیث نہ سنی ہو کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کاشانۂ نبوت پر حاضر ہوتے اور فجر کی اذان دینے کے بعد انھیں نماز کی خبر کرتے۔''

اگرچہ اس حدیث پاک میں صرف تثویب فجر کا تذکرہ ملتا ہے لیکن ابھی ماسبق میں بدائع کی عبارت گزر چکی کہ عوام الناس کی غفلت فجر میں تثویب کے استحسان کا سبب تھی،وہی علت اس دور میں ہر نماز میں موجود نظر آتی ہے۔اسی بنا پر جمہور متاخرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تثویب آج کل مستحسن ہے۔مذکورہ بالا تصریحات سے یہ مسئلہ روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ علمائے جمہور کا تثویب کے استحسان پر اتفاق واجماع ہے۔اس کے باوجود شیخ الہند محمود الحسن دیوبندی تقریر ترمذی میں فرماتے ہیں:

ومن یقول بین الاذان والاقامة فمراده المحدث والبدعة وهو لیس جائز اتفاقاً. [۱۶]

''تثویب کے سلسلے میں جو شخص اس کا قائل ہے جو اقامت و اذان کے درمیان ہوتی ہے تو اس کی مراد وہ تثویب ہے جو نئی ایجاد شدہ اور بدعت ہے اور وہ اتفاقاً جائز نہیں۔''

ماشاءاللہ! آپ کی شانِ تحقیق کی داد دینی پڑتی ہے۔اذان و اقامت کے درمیان تثویب کا جواز ابھی ابھی حدیث بلال سے زمانۂ رسول میں ثابت ہو چکا۔پھر اسے بدعت اور نئی ایجاد کہنے کا کیا معنیٰ؟ اور اگر علیٰ سبیل التنز ل اس حدیث پاک سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم اسے بدعت ہی تسلیم کرلیں تو کیا ہر بدعت عدم جواز ہی کے زمرے میں آتی ہے۔مزید برآں مذکورہ بالا حوالہ جات اس امر کی تصدیق

کے لیے کافی ہیں کہ ان مصنفین وفقہا کے نزدیک تثویب مستحسن ہے۔تو اگر وہ ان کی عبارات کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھ رہے ہیں تو دانستہ طور پر انھیں مروجین بدعت کی صف میں لانا چاہتے ہیں۔ یا یہ عبارتیں انھوں نے دیکھی ہی نہیں؟ عدم جواز کے حکم کو ان شواہد کے ہوتے ہوئے اتفاقی قرار دینا کیسے درست قرار دیا جا سکتا ہے؟

بہ حالتِ مجبوری مسجد میں اذان : سوال: بارش کثرت سے ہو رہی ہے، اس حالت میں اذان مسجد کے اندر یا حجرہ کے اندر پڑھنا درست ہے؟ یہ بھی تحریر کر دیجیے کہ مسجد کے اندر پڑھے، یا حجرہ کے اندر پڑھے؟

جواب : مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے۔چھتری لگا کر خارج مسجد اذان دیں۔اور اگر بیرونِ مسجد کوئی جگہ ایسی ہو جہاں بارش سے بچے وہاں دے۔حجرے یا دالان کے اندر گھس کر اذان دینے میں خصوصاً بارش کے وقت میں باہر آواز بھی کافی طور پر نہ پہنچے گی اور اذان کا مقصد ہی حاصل نہ ہوگا۔واللہ تعالیٰ اعلم

اذانِ خطبہ مسجد میں دینا : سوال: اذانِ خطبہ جمعہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں مسجد کے دروازے پر خارج از محل دی جاتی تھی اسے منبر کے قریب محلِ صلوٰہ میں دلانا بدعت سیئہ ہے یا نہیں؟

جواب : اذان مسجد کے اندر بدعت رافعِ سنت ہے۔مدخل میں اسی فصل ''نہی عن الاذان فی المسجد'' میں فرمایا۔انظر رحمنا اللّٰہ و ایاک الی ھذہ البدعة کیف جرت الی بدع آخر الخ. اوپر معلوم ہو چکا جس کی تفصیل ابھی ذیل میں مذکورہ ہوگی، ان شاء اللہ کہ مسجد کے اندر کیا اذان اذان ہی نہیں کہ اس سے غالباً اعلام غائبین نہیں ہوتا۔تو اندر اذان کہلوانا سنت کے مخالف اور اس کا رفع ہے اور اذان کو بے معنی کر دینا۔مدخل میں ہے۔

الاذان انما ھو نداء الی الصلوہ ومن ھو فی المسجد لامعنی لندائہ اذ ھو حاضرو من ھو خارج المسجد لا یسمع النداء اذا کان النداء فی المسجد.

(نوٹ: تلاش بسیار کے بعد بھی مدخل میں مذکورہ بالا عبارت نہ مل سکی البتہ اس کے ہم معنی یہ عبارت دست یاب ہوئی: الاذان انما ھو نداء للناس لیاتوا الی المسجد ومن کا ن فیہ فلافائدۃ لندائہ لان ذٰلک تحصیل حاصل ومن کا ن فی بیتہ فانہ لایسمعہ من المسجد غالباً.

(ص ۲۴۶-۲۴۵، فصل فی النہی عن الاذان فی المسجد، مکتبہ دار التراث، بیروت۔از مرتب)

اذان نماز کی جانب بلاتا ہے جو مسجد میں ہے اسے بلانے کا کوئی مطلب نہیں کیوں کہ وہ خود موجود ہے اور جو مسجد سے باہر ہے جب مسجد کے اندر اذان دی جائے گی تو وہ سن ہی نہیں سکتا۔''

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، سنت متروک ہوگئی اور اس کی جگہ یہ بدعت رائج ہوگئی آنکھ کو اپنے گرد و پیش جو یہ بدعت جاری دیکھی تو اب لاکھ کہو کہ یہ بدعت ہے اسے چھوڑو اور حدیث وفقہ سے ہزار ثابت کرو کہ یہ سنت ہے اسے اختیار کرو، مگر کون سنتا ہے بدعت سے استیناس، سنت سے وحشت، اس عادت نے قلب حقیقت کر دیا۔سنت کو بدعت کر ڈالا بدعت کو سنت، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

امام ابن الحاج مدخل میں فرماتے ہیں:

انما ھو عوائد و قع الاستیناس بھا فصار المنکر بھا کانہ یاتی ببدعة علی زعمھم فانا للہ و انا الیہ راجعون علی قلب الحقائق لانھم یعتقدون ان ما ھم علیہ ھو الصواب وا لافضل ولو

فعلوا ذلك مع اعتقادهم انه بدعة لكان اخف ان يرجى لاحدهم ان يتوب ۔ والله تعالیٰ اعلم ۔ کے
یہ ایسی عادتیں ہیں جن سے لوگ مانوس ہو گئے ہیں ۔ تو اب یہ اس سے روکنے والے کو اپنے گمان کے مطابق یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ ایک بدعت کو رواج دے رہا ہے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ خدا بھلا کرے حقیقتیں بدل گئیں ۔ کیونکہ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم درست اور صحیح مسلک پر ہیں ۔ اے کاش! اگر وہ ان امور کا ارتکاب بدعت سمجھ کر کرتے تو اس سے کم تر گناہ ہوتا ۔ کیونکہ اس سے توبہ کی امید تھی ۔

اس کی توضیح وتفصیل پیش کرتے ہوئے جواب کے آغاز میں رقم طراز ہیں ۔

بسم الله الرحمن الرحيم اللهم انى اعوذبک من ترک السنن و انتهاکها ۔ اذانِ خطبہ ہی وہ اذان ہے جو عہد کریم حضور نبی رؤف ورحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں پیش خطیب خارج مسجد دی جاتی تھی اور زمانہ خلافت شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں بھی ایک اذان اسی طرح دی جاتی رہی ۔ جب زمانہ حضرت ذوالنورین رضوی اللہ تعالیٰ عنہ میں مدینہ طیبہ کی آبادی زائد ہوگئی تو حضرت نے ایک اذان، اذانِ خطبہ سے قبل مقام زوراء میں اور اضافہ فرمائی اور اذانِ خطبہ بدستور خارج مسجد رکھا ہشام کے زمانے میں وہ زوراء والی اذان بھی مسجد کی طرف منتقل ہو آئی ۔ اسی نے ہمارے تمام علمائے کرام ائمہ فخام قاطبۃ اپنی تصنیفات عالیات میں برابری کھلی کھلی تصریحات فرماتے آئے کہ خارج مسجد اذان مسنون ہے ۔ مسجد بہ معنی موضع صلوٰۃ میں اذان مکروہ ہے ۔ داخلِ مسجد اذان نہ دی جائے ۔

علامہ ابراہیم حلبی غنیۃ (ص ۳۷۷، فصل فی السنن، لاہور) میں فرماتے ہیں:

الاذان انما يكون فى المئذنة او خارج المسجد و الاقامة فى داخله ''اذان یا تو اذان گاہ میں دی جائے گی یا مسجد سے باہر اور اقامت مسجد کے اندر کہی جائے گی ۔''

علامہ طحطاوی حاشیہ علی مراقی الفلاح (ص ۱۱۷ مصطفیٰ البابی، مصر) میں قہستانی اور وہ نظم سے ناقل ۔

يكره ان يؤذن فى المسجد. مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے ۔

اسی میں (ایضاً ص ۱۱۷ مصطفیٰ البابی، مصر) فتح القدیر سے ہے ۔

فان لم يكن ثمة مكان مرتفع للاذان يؤذن فى فناء المسجد. ''تو اگر مسجد میں اذان دینے کے لیے کوئی بلند جگہ نہ ہو تو مسجد کے بیرونی صحن میں اذان دی جائے ۔

اسی میں (ایضاً ص ۱۱۷ مصطفیٰ البابی، مصر) قہستانی سے ہے: لايؤذن فى المسجد فانه مكروه.

عامۂ کتب (فتاویٰ ہندیہ ج ۱ ص ۵۵، کراچی) میں ہے لا يؤذن فى المسجد. مسجد میں اذان نہ دی جائے ۔

نیز يكره الاذان فى المسجد مسجد میں اذان مکروہ ہے ۔

فتح القدیر میں امام ابن الہمام فرماتے ہیں: قوله والمكان فى مسئلتنا مختلف يفيد كون المعهود اختلاف مكانهما وهو كذلك شرعاً او لاقامة فى المسجد و لابد واما الاذان فعلى المئذنة فان لم يكن ففى فناء المسجد و قالوا لا يؤذن فى المسجد. (ج ۱ ص ۲۱۵، باب الاذان مکتبہ رشیدیہ، پاکستان) ''ہدایہ کی عبارت ''ہمارے مسئلہ میں جگہ الگ الگ ہے'' اس بات کا افادہ کر رہی ہے کہ اذان و

اقامت کی جگہ الگ الگ ہونا ہی سلف سے معہود ہے۔ اور شرعاً ایسی ہی ہے۔ اقامت کی جگہ اندرون مسجد ہے اور یہ ضروری بھی ہے۔ مگر اذان کی جگہ مئذنہ (تعمیر شدہ اذان گاہ) ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو مسجد کا بیرونی صحن اور فقہا نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے گی۔"

امام اتقانی غایۃ البیان اور امام محقق علی الاطلاق ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما فتح القدیر میں خاص باب الجمعہ میں فرماتے ہیں:

هو (ای الاذان) ذکره الله فی المسجد ای فی حدوده لکراهة الاذان فی داخله اه

(ج۔ ۲ ص ۵۶، باب صلاۃ الجمعہ مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر)

"اذان مسجد یعنی حدود مسجد میں ذکر خدا کو کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اندرون مسجد اذان مکروہ ہے۔"

فقہائے کرام کے باب الاذان میں یہ ارشادات کہ یکره الاذان فی المسجد ولا یؤذن فی المسجد ہر سمجھ والے کے نزدیک عام ہیں کہ ہر ایک اذان کو شامل ہیں مگر بعض لوگ زبردستی یہاں یہ کہتے ہیں کہ یہ اذان پنجگانہ کے لیے ہے۔ اذانِ خطبہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ مگر ان دونوں جلیل اماموں نے خاص باب الجمعہ میں یہ فرما کر ان کی راہ مسدود کر دی ہے۔ اس کی پوری خبرگیری رسائل اہل حق میں کافی طور پر کی گئی ہے۔ جس کے اعادہ کی یہاں حاجت نہیں ہے۔ مسجد میں اذان یقیناً مکروہ خلاف سنت ہے۔ مدخلِ امام محمد بن الحاج میں نہی عن الاذان فی المسجد کی ایک خاص فصل قائم کر کے فرماتے ہیں: "فصل فی النهی عن الاذان فی المسجد"

و قد تقدم ان للاذان ثلاثة مواضع المنار و علی سطح المسجد و علی بابه و اذان کان ذلك كذلك فیمنع من ا لاذان فی جوف المسجد بوجوه احدها انه لم یکن من فعل من مضی۔ الثانی ان الاذان انما هو نداء للناس لیاتوا الی المسجد ومن کان فیه فلا فائدة لندائه لان ذلك تحصیل حاصل ومن کان فی بیته فانه لا یسمع من المسجد غالباً و اذان کان ا لاذان فی المسجد علی هذه الصفة فلا فائدة له وما لیس فیه فائدة یمنع۔ الثالث ان ا لاذان فی المسجد فیه تشویش علی من هو فیه ینتفل او یذکر بفعل غیر ذلك من العبادات التی بنی المسجد لاجلها وما کان بهذه المثابة فیمنع لقوله علیه السلام لاضرر و لا ضرار ۔ ا ه مختصراً۔

(ص ۲۴۶، مکتبہ دار التراث، القاہرہ، مصر)

"یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ اذان دینے کے لیے تین جگہیں ہیں۔ منارہ، سطح مسجد، اور مسجد کا دروازہ، جب ایسا ہے تو مسجد کے اندر اذان چند وجہوں سے ممنوع ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ ہمارے اسلاف کی روش نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اذان لوگوں کو پکارنا ہے تا کہ وہ مسجد میں آئیں اور جو مسجد میں موجود ہے اسے پکارنے کا کوئی فائدہ نہیں، کیوں کہ یہ تحصیلِ حاصل ہے۔ اور جو گھر میں ہو تو مسجد کے اندر کی اذان عموماً نہ سن سکے گا اور جب اذان مسجد میں مذکورہ صورت پر ہو تو اس سے کوئی فائدہ نہیں اور جو شی بے فائدہ ہوتی ہے ممنوع ہوتی ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینے سے اس میں جو نفل وغیرہ ایسے افکار و عبادات میں مصروف ہوں جن کے لیے مسجد بنائی ہی گئی ہے اس سے وہ تشویش میں مبتلا ہو جائے گا، پس یہ فعل ممنوع ہوگا۔ کیوں کہ حدیث میں وارد ہے کہ نہ ضرر ہو نہ ضرر رسانی۔"

اذان اعلام غائبین کے لیے ہے۔ اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہ ماننا اعلام حاضرین کے لیے جاننا نری زیادتی اور تغییر سنت

ہے۔اوپر معلوم ہو چکا کہ عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے اولِ عہد عثمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک یہی ایک اذان تھی تو یقیناً اعلام غائبین ہی کے لیے تھی۔ایک اذان مزید اعلام کے لیے اضافہ ہوئی۔اس نے اس اذانِ خطبہ کا مقصود نہ بدل دیا۔مسجد میں اذان سے اعلام غائبین نہ ہوگا اور جوشی اپنے مقصود سے خالی ہوتی ہے باطل ہو جاتی ہے۔مسجد کے اندر اذان،اذان ہی نہیں۔ابھی مدخلِ امام ابن الحاج سے گزرا۔

اذا کان الاذان فی المسجد علی هذه الصفة فلا فائدة له وما لیس فیه فائدة یمنع

''جب اذان مسجد میں اس طور سے ہوتو کوئی فائدہ نہیں،اور بے فائدہ چیز ممنوع ہوتی ہے۔''

نیز علما فرماتے ہیں: اذا خلا الشئی عن المقصود　　جب شی اپنے مقصود سے خالی ہو جاتی ہے،تو بے کار ہو جاتی ہے۔

جو لوگ مسجد میں اذان دلاتے ہیں اور یہی نہیں کہ خلاف سنت اور مکروہ کام کرتے ہیں بل کہ ایک اذان کو باطل کر دیتے ہیں جو لوگ ترکِ سنت کرتے ہیں یقیناً...... ہیں۔اس وعید سے ڈریں۔

وَمَنْ تَرَكَ سُنَّتِيْ لَمْ يَنَلْ شَفَاعَتِيْ ۱۸　　جو میری سنت ترک کرتے ہیں،وہ میری شفاعت نہ پائیں گے۔

اس طویل اقتباس اور علامہ محمد بن الحاج،علامہ ابراہیم حلبی،علامہ طحطاوی،قہستانی،علامہ اتقانی اور امام بن الہمام صاحب فتح القدیر جیسے جلیل القدر فقہائے کرام کے اقوال کی نقل کے بعد اس پر مزید تبصرہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی،لیکن مزید تفصیل کے لیے ان کتب کی طرف مراجعت فائدہ سے خالی نہیں۔وقایۃ اہل السنۃ،سلامت اللہ لاہل السنۃ،مسئلہ اذان کا حق نما فیصلہ،سد الفرار،مقتلِ کذب وکید،مقتلِ اکذب واجہل،التحقیق الحسان،اذانِ خطبہ کہاں ہو،تنقید برمحل وغیر ہا۔ان کتبِ مذکورہ سے اس کی مکمل توضیح ہو جائے گی کہ اذان ثانی کس جگہ دینا سنت ہے اور نام نہاد ''موحدین'' نے ایک بدعت کی ترویج کے لیے کتنا زر صرف کیا اور کیوں؟ ان شواہد سے ان کا سارا بھرم کھلتا نظر آئے گا اور مسلک اہل سنت کی حقانیت کا آفتاب افق در افق اپنی درخشاں کرنیں بکھیرتا دکھائی دے گا۔

قبر پر اذان : سوال:قبر پر اذان دینا کیسا ہے؟

جواب:اصل اباحت،حرمت یا کراہت عارض۔هذا مما لا یخفی علی المبتدی فضلاً عن الماهر آیت کریمہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۔(سورۂ　/　) سے یہ امر ظاہر وباہر،تو جس بات سے قرآن عظیم نے منع نہ فرمایا،حدیث کریم نے اسے ممنوع نہ ٹھہرایا ہو تو وہ اپنی اصل اباحت پر ہے۔اسے ممنوع وناجائز بتانا شرع مقدس پر افترا ہے۔یوں ہی کراہت کے لیے بھی دلیل خاص درکار ہے،بے دلیل وخاص دعویٰ کراہت باطل،علما فرماتے ہیں۔لَابُدَّلَهَا مِنْ دَلِيْلٍ خَاص (اس کے لیے کوئی خاص دلیل چاہیے)اذانِ قبر بھی ایسا ہی امر ہے،جس کے کرنے پر ممانعت کہیں بھی قرآن وحدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں۔ومن ادعیٰ علیه البیان، اذانِ قبر کے سلسلے میں ظاہر ہے کہ وہ ذکر الٰہی وذکر حضرت رسالت پناہی،جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ذکر الٰہی کی نسبت ارشاد ہے۔واذکروا عند کل شجر وحجر۔ہر پیڑ پتھر کے پاس یعنی ہر جگہ ذکر الٰہی کرو،تو قبر کے پاس اذان دینا اس میں داخل،پھر اذان ذکر اللہ ہے اور ذکرِ الٰہی دافعِ عذاب،بلکہ خاص اذان کا دافع عذاب ہونا حدیث سے ثابت۔اذان دافع وحشت و باعث جمعیتِ خاطر اور میت پر اس وقت کی وحشت کا کیا پوچھنا۔والعیاذ باللہ تعالیٰ،اذان سے تلقین اتم حاصل اور میت کو اس وقت تلقین کی حاجت،اور تلقین نزد قبر بہ تصریحات علما مستحب ومستحسن،جس طرح ہو۔

حدیث پاک (ج۔۴ص ۱۸۹،اتحاف السادۃ المتقین،بیروت) میں ہے۔

ما من شئی انجی من عذاب الله من ذکر الله　　عذاب الٰہی سے نجات دلانے میں کوئی شی ذکر الٰہی سے بڑھ کر نہیں۔

حدیث پاک (کنز العمال حدیث۔۲۰۸۹۳،بیت الافکار الدولیہ،الریاض) ہی میں فرمایا

اذا اذن فی قریة أمنها الله من عذابه فی ذلك الیوم جس جگہ اذان کہی جاتی ہے وہ جگہ اس دن عذاب الٰہی سے مامون فرمادی جاتی ہے۔

حضور کا ذکر، ذکر الٰہی اور ذکر الٰہی بلاشبہ باعث نزول رحمت الٰہی وسکون وراحت قلب۔ الا بذكر الله تطمئن القلوب۔ (سورہ /) ذاکرین کی نسبت حدیث میں وارد۔ لا یقعد قوم یذکرون الله عزوجل الا حفتهم الملئكة وغیشتهم الرحمة و نزلت علیهم السکینة وذکرهم الله فی من عند۔ (مسلم شریف ص ۳۴۴، باب فضل الاجتماع علی تلاوت القرآن، رضا اکیڈمی ممبئی) کہ اللہ کو یاد کرنے والوں کو ملائکہ گھیرے میں لے لیتے ہیں اور رحمتِ خداوندی اسے اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور اللہ کی جانب سے ان پر سکون قلب کی نعمت نازل ہوتی ہے۔ جہاں صالحین کا ذکر ہوتا ہے، وہاں نزول رحمت، پھر حضور سید الصالحین ہیں صلی اللہ علیہ وسلم جو ذکر سے دفع وحشت وحصول اطمینان ظاہر اور حدیث میں دفع وحشت کے لیے اذان ہونا ثابت۔ جب حضرت سیدنا آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم جنت سے ارضِ ہند میں نازل ہوئے انھیں گھبراہٹ اور بے چینی ہوئی، جب حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اتر کر اذان دی تو دفع ہوئی۔ امام اجل ابوسلیمان خطابی دربارہ تلقین قبر فرماتے ہیں۔ لانجد له حدیثا مشهوراً (الی قوله) و كل ذلك حسن ۔ کہ ہم کو اس بارے میں کوئی حدیث مشہور تو نہیں ملتی لیکن یہ سب مستحسن ہے۔

امام اجل نووی نے کتاب الاذکار (ص ۱۹۰، مایقوله بعد الدفن، دار احیاء التراث العربی، بیروت) میں فرمایا

یستحب ان یقعد عند القبر بعد الفراغ ساعة قدر ما ینحر جزوراً و یقسم لحمه و یشتغل القاعدون بتلاوة القرآن والدعاء للمیت والوعظ والحکایات لاهل الخیر والصالحین

مستحب یہ ہے کہ تدفین سے فراغت کے بعد قبر کے پاس اتنی دیر بیٹھے رہیں جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کر دیا جائے۔ بیٹھنے والے قرآن کی تلاوت میت کے لیے دعاء خیر وصلاح والوں کے واقعات اور وعظ میں مشغول رہیں۔

حضرت شیخ محقق نے بعض علما سے نقل فرمایا کہ نزد قبر کسی مسئلہ فقہی کا ذکر مستحب ہے۔ پھر خود فرمایا کہ مسئلہ فرائض زیادہ مناسب اور فرمایا کہ ختم قرآن کریں تو یہ اولیٰ وافضل ہے۔ ان امور مذکورہ میں یعنی تلاوت قرآن نزد قبر دعاء میت ووعظ وذکر صالحین میں بالخصوص کون سی حدیث وارد ہے۔ پھر یہ کیوں مستحب ومستحسن اور اذان کیوں ناجائز وناروا ٹھہرے۔ بعض علما نے اذان عند القبر کو سنت فرمایا اور وہ بہ نظر عمومات شرع ضرور فرد سنت مگر ہم اسے فرد سنت نہیں جانتے یعنی ذکر سنت ہے اور اذان افراد ذکر سے ایک فرد، نہ یہ کہ خود یہ اذان ہی سنت ہے۔ مگر مستحب ومستحسن قطعاً ہے جس سے ممانعت سخت جرأت اور شریعت پر افترا وتہمت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۹

مزید انشراح صدر کے ایذان الاجر فی اذان القبر، اور جاء الحق مبحث اذان قبر کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

نماز کے بعد کس رخ پر دعا مانگنی چاہیے:

سوال: نماز کے بعد امام کو کس رخ پر بیٹھ کر دعا مانگنی چاہیے، ہر اوقات کی تفصیل علاحدہ معلوم ہونی چاہیے؟

جواب: امام مختیر ہے چاہے جس طرف انصراف کرے، خواہ داہنے ہاتھ یا بائیں ہاتھ، چاہے رو بہ مشرق ہو کر بیٹھے، مگر جب کہ اگلی یا پچھلی صف میں کوئی مصلی اس کے محاذات میں ہو، مگر داہنے ہاتھ کا انصراف محبوب ہے۔ یعنی رو بہ شمال ہو کر بیٹھے داہنے ہاتھ کو مقتدی ہوں بائیں کو قبلہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تیامن محبوب ہے اور حضور کا انصراف یوں ہی ہوتا۔ حدیث مسلم میں ہے۔ کان النبی صلی الله علیه و سلم ینصرف عن یمینه اور کان استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ ہاں! بیان جواز کے لیے کہ کوئی اس مداوت سے یہ اعتقاد

کرے کہ یہی حق، یہی لازم ہے کہ یوں ہی انصراف کرے۔ بہت بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیاسر (بائیں جانب) بھی اختیار فرمایا یعنی رو بہ جنوب پشت بہ شمال ہو کر تشریف رکھنا۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے کہ آپ نے فرمایا

لا يجعل احدكم للشيطان شيئاً من صلاته يرى ان حقاً عليه أن لا ينصرف ا لا عن يمينه لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم كثيراً ينصرف عن يساره .

(بخاری شریف حدیث۔ ۸۵۲، دار الکتاب العربی، بیروت)

''تم اپنی نماز کا کوئی گوشہ شیطان کے لیے نہ بناؤ یعنی یہ سمجھو کہ صرف داہنی جانب مڑنا ہی درست ہے۔ میں نے بارہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ بائیں جانب رخ فرما کر دعا مانگتے۔''

غنیۃ شرح منیہ (ص ۳۴۰، سہیل اکیڈمی، لاہور) میں ہے۔

(اذا تمت صلوة ا لامام فهو مخير ان شاء انحرف عن يساره) و جعل القبلة عن يمينه (وان شاء انحرف عن يمينه)او جعل القبلة عن يساره و هذا اولى لما فى مسلم من حديث البراء كنا اذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم احببنا ان نكون عن يمينه حتى يقبل علينا بوجهه. فان مفهومه أن وجهه عند ا لاقبال عليهم كان يقابل من هو عن يمينه و ذلك انمايكون اذا كان المسجد عن يمينه و القبلة عن يساره. و قيل معناه حتى يقبل علينا بوجهه قيل من هو عن يساره فيفيد ا لانصراف عن يمينه لا انه يجلس منحرفاً بل يستقبلهم فى القعود بعد الانصراف عن يمينه كما فى حديث انس فى سسلم ايضاً كان النبى صلى الله عليه وسلم ينصرف عن يمينه وما فى الصحيحين وغيرهمامن حديث ابن مسعود قال لا يجعل احدكم الخ......... لا يعارض ذلك لانه فعله عليه الصلوه والسلام ذلك تعليم للجواز مع محبته للتيامن واعتياده به وهو اى الجواز مراد ابن مسعود فانه انما نهى عن ان يرى ا لانصراف عن اليمين حقا لا يجوز غيره والمراد من الانصراف الالتفات عن جهة الصلوة وهى القبلة اعم من ان يجلس بعده او لا (الى قوله)......(و ان شاء استقبل الناس بوجهه)اى وجلس لما فى الصحيحين وغيرهما عن سمرة بن جندب كان النبى صلى الله عليه وسلم اذا يصلى صلوة اقبل علينا بوجهه(و هذا اذا لم يكن بحذائه)اى فى مقابلته عند استقبال القوم(مصل)حتى لو كان بحذائه مصل لا يستقبلهم بل ينحرف يمنة و يسرة (سواء كان) ذلك المصلى فى الصف ا لاول (او)فى الصف (الاخر)بعيداً عنه اذالم يكن بينهما حائل. اه مختصراً.

جب امام کی نماز پوری ہو جائے تو اسے اختیار ہے کہ اگر چاہے تو بائیں جانب رخ کرے اور قبلہ کو اپنی دائیں جانب رکھے یا اپنی بائیں جانب کر لے اور یہ اولیٰ ہے کیوں کہ مسلم شریف میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھتے تو ہماری آرزو یہ ہوتی کہ ہم آپ کے دائیں جانب ہوں، تاکہ آپ اپنے رخ زیبا کے ساتھ ہماری جانب متوجہ ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا روئے منوران

کی جانب متوجہ ہونے کے وقت اس کے سامنے ہوتا، جو آپ کی دائیں جانب ہوتا اور یہ اسی وقت ہوگا جب مسجد آپ کی دائیں جانب اور قبلہ بائیں جانب ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تاکہ ہماری جانب بائیں جانب والوں سے پہلے حضور کا رخ انور ہو۔ تو یہ داہنی جانب سے انصراف کا افادہ کرے گا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان سے منحرف ہوکر جلوس فرماتے۔ بل کہ داہنی جانب سے پھرنے کے بعد بیٹھنے میں انھیں کی جانب رخ فرماتے جیسا کہ مسلم شریف میں بھی انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داہنی جانب انصراف فرماتے اور جو بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا تم اپنی نماز میں سے کوئی حصہ شیطان کے لیے نہ بناؤ (جیسا کہ ابھی گزرا) یہ حدیث، حدیثِ انس کے معارض نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو کرنا تعلیم جواز کے لیے ہے، باوجودیکہ تیامن آپ کو محبوب تھا اور یہی آپ کی عادت کریمہ تھی۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مراد بھی جواز ہی ہے۔ کیوں کہ انھوں نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ داہنی جانب رخ کرنے ہی کو لازم سمجھے کسی دوسری طرف پھرنے کو ناجائز جانے اور انصراف سے مراد جہت نماز یعنی قبلہ سے مڑ جانا ہے۔ خواہ اس کے بعد بیٹھے یا نہ بیٹھے (الی قولہ) اور اگر چاہے تو لوگوں کی جانب رخ کر کے بیٹھے جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں سمرہ ابن جندب سے مروی ہے کہ حضور جب نماز پوری فرمالیتے تو ہماری جانب رخ انور سے متوجہ ہوتے اور یہ اسی وقت ہوگا جب کہ قوم کی جانب متوجہ ہوتے وقت سامنے کوئی مصلی نہ ہو کیوں کہ اگر سامنے کوئی مصلی ہو تو لوگوں کی جانب متوجہ نہ ہو، بلکہ دائیں جانب یا بائیں جانب مڑ جائے۔ خواہ مصلی پہلی صف میں ہو یا آخری صف میں ہو، جب درمیان میں کوئی حائل شی نہ ہو۔"

یہ کچھ نہیں کہ فجر میں اس رخ پر انصراف کرے، ظہر میں اس رخ پر، عصر مغرب عشا میں اس رخ پر، اولیٰ یہ ہے کہ رو بہ شمال کرے اور کبھی کبھی رو بہ جنوب بھی بیٹھے اور کسی صف میں اگر کوئی مصلی نہ ہو پشت بہ قبلہ رو بہ مشرق بیٹھ سکتا ہے۔ واللہ اعلم ۱۰ ء

ان اقتباسات سے عیاں ہے کہ مفتی اعظم قدس سرہ نے بھی اپنے والد گرامی کی طرح کسی بھی ناجائز و منکر چیز سے کبھی مصالحت نہ کی۔ ہر وہ امر جو شریعت سے متصادم اور سنت کا مخالف نظر آیا اس پر سخت نکیر فرمائی۔ گذشتہ اقتباسات آپ ایک بار پھر دیکھ لیں کہ کس شدت کے ساتھ انھوں نے بری باتوں سے پرہیز کی ہدایت فرمائی ہے۔

یہ اسی کے قلم کا کرشمہ ہو سکتا ہے جس کا دل عشق مصطفیٰ سے سرشار، اتباع سنت پر نثار اور تحفظ شریعت کے لیے ہمہ وقت تیار ہو، جو قول رسول کے خلاف کچھ گوارا نہ کر سکے، جو ادائے محبوب سے متصادم کسی امر سے مصالحت روا نہ رکھے جو اہل اسلام کا سچا خیر خواہ ہو۔ انھیں فکری و عملی بے راہ روی سے نکال کر جادۂ مستقیم پر لانے کے لیے مستعد ہو۔ جو مسلمانوں کی دنیا و آخرت بنانے اور سنوارنے کے جذبات سے آراستہ ہو۔ جو بدعات کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا چاہتا ہو یقیناً ایسے ہادیانِ امت پر بدعات کی اشاعت کا الزام اپنی نظریاتی بدعات پر پردہ ڈالنے کی ایک مذموم اور منصوبہ بند کوشش سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ چونکہ امام احمد رضا قدس سرہٗ نے چودھویں صدی میں فروغ پانے والی فکری گم راہی اور رسول دشمنی کا شدت سے مقابلہ کیا۔ اس لیے اپنی بداعتقادی کو چھپانے کے لیے لوگوں نے امام موصوف کے خلاف طرح طرح کے الزامات تراش لیے اور یہ توفیق نہ ہوئی کہ ان کی ہدایات سے اکتساب نور کرتے ہوئے اپنی گم راہی سے تائب ہوں۔ خدا اور رسول سے تعظیم و ادب کا رشتہ استوار کریں اور جادۂ حق پر گامزن ہوں۔ واللہ الھادی الی سواء السبیل۔

☆☆☆☆☆

حواشی

۱- اشعۃ اللمعات، ص ۱۲۵، جلد ۱، شیخ عبدالحق محدث دہلوی
۲- سیف الابرار المسلول علی الفجار، ص ۳۱-۳۲
۳- شامی جلد ۱، ص ۲۹۲
۴- طریق النجاۃ، ص ۸۸
۵- منتخبات مکتوبات امام ربانی، ص ۱۰۰
۶- فتاویٰ مصطفویہ جلد ۱، ص ۸۸
۷- فتاویٰ مصطفویہ، جلد ۱، ص ۹۷، ۹۵
۸- فتاویٰ مصطفویہ، جلد ۱، ص ۱۲۳
۹- دامن مصطفیٰ مفتی اعظم نمبر، ۱۹۹۰، ص ۱۶۱
۱۰- استقامت مفتی اعظم نمبر، ص ۴۸۸
۱۱- فتاویٰ مصطفویہ، جلد ۲، ص ۵۶-۵۷
۱۲- القول العجیب فی اجوبۃ التثویب، ص ۲، ۳، ۴
۱۳- امام محمد نے امام ابو یوسف کے اس قول کو مستبعد خیال کیا جو ابھی ابھی بدائع کی عبارت میں گزرا۔ اس پر محشی علام فرماتے ہیں
۱۴- (الف)۔ تقریر ترمذی، ص ۱۱
۱۵- فتاویٰ مصطفویہ، جلد ۲، ص ۱۱۱، ۱۱۲
۱۶- فتاویٰ مصطفویہ، جلد ۲، ص ۱۰۷-۱۰۸
۱۷- فتاویٰ مصطفویہ، جلد ۲، ص ۲۹-۳۰
۱۸- فتاویٰ مصطفویہ، جلد ۲، ص ۶۰

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم کی حق گوئی و بے باکی

مولانا رضوان احمد نوری شریفی مصباحی
بانی الجامعۃ البرکاتیہ، گھوسی، ضلع مئو

باطل کے مقابلے میں نڈر اور بے خوف ہو کر حق وانصاف کی بات کہنا حق گوئی و بے باکی ہے۔ یہ دو ایسے وصف ہیں جو رشد وہدایت کے لیے سرچشمہ اور تبلیغ دین اور اس کی نشر واشاعت کے لیے اساس وبنیاد ہیں۔

اگر حق گوئی و بے باکی نہ ہوتی تو اسلام کی نشر واشاعت کیسے ہوتی؟ لوگوں کے دلوں سے کفر وشرک کی تاریکیاں کیسے چھٹتیں؟ نور ایمان سے قلوب کیسے منور ہوتے؟ اور ویران دل کیسے معمور ہوتے؟

جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ نے فاران کی چوٹی سے کلمۂ توحید ورسالت کی صدا بلند فرمائی تو مخالفتوں کا طوفان کھڑا ہو گیا، دشمنی کی آگ بھڑک اٹھی، جارحانہ اور قاتلانہ حملے کی کوشش کی گئی، آپ کا بائیکاٹ کیا گیا اور مٹھی بھر مسلمانوں کو طرح طرح سے ستایا جانے لگا حتیٰ کہ مکہ کی سرزمین داعیٔ اسلام اور ان کے دامن سے وابستگان اصحاب رسول پر تنگ کر دی گئی۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار حق گوئی و بے باکی سے باز نہ آئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیکھتے دیکھتے چمن اسلام میں بہار آ گئی، دین کے گلشن لہلہا اٹھے اور دنیا کے گوشے گوشے میں پرچم اسلام لہرانے لگا۔

حق گوئی و بے باکی کی اسی افادیت کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو حق وصداقت پر استقامت اور حق گوئی و بے باکی کی تعلیم وترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ان من اعظم الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر۔ (کنز العمال ج۔ا حدیث ۔ ۵۵۱۴، بیت الافکار الدولیہ، الریاض (کسی ظالم بادشاہ کے سامنے حق وانصاف کی بات کہنا بلاشبہ عظیم ترین جہاد ہے) اور ارشاد فرمایا "من رای منکرا فلیغیرہ بیدہ ومن لم یستطع فبلسانہ ومن لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۶ مجلس البرکات، مبارک پور) جو کسی گناہ کے کام کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے (روکے) اور جو اس کی طاقت نہ رکھے تو اپنی زبان سے روکے اور جو اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو دل سے برا جانے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے) چنانچہ جن کا ایمان قوی ہوتا ہے، جن کے دلوں میں صرف اللہ کا خوف ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت ومحبت رچ بس جاتی ہے، وہ اتباع سنت کے لیے حق گوئی و بے باکی سے باز نہیں آتے۔ اس لیے کہ اللہ کا خوف وہ خوف ہے جو دوسرے تمام خوف سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے: "اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ" (سورۂ یونس ۱۰/ ۶۲) سن لو اللہ کے دوستوں پر خوف طاری نہیں ہوتا اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔

اس لیے اللہ والے باطل قوتوں سے نہیں ڈرتے، مخالفتوں کے طوفانوں سے سراسیمہ نہیں ہوتے اور مادی قوتوں کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالتے۔ بزرگان دین اور اولیاے کرام کی سوانح میں حق گوئی و بے باکی کے سینکڑوں واقعات موجود ہیں۔ جو الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون کی زندہ تفسیر ہیں۔ انھیں اولیاے کرام میں تاجدار اہل سنت سیدی و مرشدی حضور مفتی اعظم مصطفیٰ رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی ہے۔ جن کی ولایت کے بارے میں شک و شبہہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے کہ ولی کی جتنی تعریفیں کی گئیں سب کی سب آپ پر صادق آتی ہیں۔ بعض لوگوں نے ولی کی تعریف یہ کی ہے ''ولی وہ ہے جو فرائض سے قرب الٰہی حاصل کرے اور اطاعت الٰہی میں مشغول رہے۔

متکلمین نے ولی کی تعریف یہ کی ہے ''ولی وہ ہے جو دلیل پر مبنی اعتقاد صحیح رکھتا ہو اور اعمال صالحہ شریعت کے مطابق بجالاتا ہو۔''
اور کچھ لوگوں نے ولی کی تعریف میں یہ کہا ہے ''ولی وہ ہے جسے دیکھ کر کے خدا یاد آ جائے'' یہ تمام باتیں مرشد برحق حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے اندر بدرجہ اتم موجود ہیں۔ جنھوں نے حضرت کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے، جنھوں نے آپ کی خلوت و جلوت کو دیکھا ہے اور جنھوں نے سفر و حضر میں آپ کی صحبت بابرکت سے فیض حاصل کیا ہے۔ ان سب کا اس بات پر اجماع ہے کہ دلیل پر مبنی اعتقاد صحیح کے ساتھ فرائض و واجبات سنن و مستحبات کے ذریعہ قرب الٰہی حاصل کرنا، اعمال صالحہ شریعت کے مطابق بجالانا اور اطاعت الٰہی میں مشغول رہنا آپ کی زندگی کا معمول تھا اور آپ کا نورانی چہرہ تو ایسا ہی تھا جسے دیکھ کر واقعی خدا یاد آ جاتا۔

ان باتوں کے علاوہ آپ کی ولایت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ کے مرشد برحق حضور سید شاہ ابوالحسین نوری علیہ الرحمۃ والرضوان نے آپ کو چھ ماہ کی عمر میں بریلی شریف تشریف لاکر جملہ سلاسل عالیہ کی اجازت و خلافت عطا فرمائی اور ساتھ ہی امام احمد رضا قدس سرہٗ کو یہ بشارت عظمیٰ سنائی کہ'' یہ بچہ دین و ملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوق کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا یہ بچہ ولی ہے۔
(مقدمہ فتاویٰ مصطفویہ ص ۲۸)

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ پر آشوب دور میں :

امن و سلامتی کے دور میں حق بولنا تو آسان ہے مگر جہاں امن و عافیت کا نام و نشان نہ ہو، ہر طرف خوف و ہراس کی کیفیت ہو، ماحول ناسازگار ہو، قدم قدم پر جان و مال کا خطرہ ہو، باطل پوری قوت کے ساتھ حق کو دبانے کی کوشش کر رہا ہو ایسے وقت میں بے باکی کے ساتھ حق کی آواز بلند کرنا بہت مشکل کام ہے۔ ایسے ہی زمانہ اور مشکل وقت کے لیے حضور پر نور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انکم فی زمان من ترک منکم عشر ما امر بہ ھلک ثم یاتی زمان من عمل منھم بعشر ما امر بہ نجا.
(مشکوٰۃ شریف حدیث۔ ۱۷۹، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، دار الفکر، بیروت)

(بلاشبہ تم ایسے زمانے میں ہو کہ تم میں سے کوئی اس کے دسویں حصے کو جس کا اسے حکم دیا گیا ہے چھوڑے گا تو ہلاک ہو جائے گا۔ پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مسلمانوں میں سے کوئی اس کے دسویں حصے پر عمل کرے گا جس کا انھیں حکم دیا گیا ہے تو نجات پائے گا۔)

حدیث شریف میں :ما امر بہ اور ھلک الخ، کا یہ مطلب نہیں کہ اگلے زمانے میں فرائض و واجبات کے دسویں حصے پر عمل نجات کے لیے کافی ہے۔ فرائض و واجبات کی بجا آوری تو ہر زمانے میں ضروری ہے تو پھر حدیث کی کیا مراد ہے؟ اس کے لیے ملاحظہ اس حدیث پر مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کے حوالے سے مندرجہ ذیل حاشیہ مکتوب ہے ''(ما امر بہ) ای من الامر بالمعروف والنھی عن المنکر اذ لا یجوز صرف ھذا القول الی عموم المامورات لانہ عرف ان مسلما لا یعذر فیما یھمل من الفرض

الذی تعلق بخاصة نفسه .(هلك) لان الدین عزیزو الحق ظاهرو فی انصاره کثرة فالترك یکون تقصیرا منکم فلا یعذر احد منکم فی التهاون (ثم یاتی زمان) یضعف فیه الاسلام ویکثر الظلمة والفساق وقل انصاره فیعذر المسلمون فی الترك اذذاك لعدم القدرة لاللتقصیر(من عمل منهم بعشر ما امر به نجا) انتفاء تلك المعانی المذکورة ۔"

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں ما امر بہ سے مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔یعنی جب دین غالب ہو اور اس کے اعوان وانصار کثیر تعداد میں ہوں تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دسویں حصہ کو چھوڑنا ہلاکت کا باعث ہے۔اور جب اسلام میں ضعف پیدا ہو جائے ،غلبہ ختم ہو جائے اور اعوان وانصار کی تعداد کم ہو جائے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دسویں حصہ پر عمل کرنا نجات کے لیے کافی ہوگا جملہ ماموراۃ کا دسواں مراد نہیں)

اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ مسلمانوں کے غلبہ کے زمانے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر پورے طور پر عمل کرنا ضروری ہے اور جب غلبہ نہ ہو تو اس کے دسویں حصہ پر عمل کرنا بھی نجات کے لیے کفایت کر سکتا ہے اور انسان کے لیے امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں خطرات کا سامنا ہو تو کافی ہوگا۔ مذکورہ حدیث شریف کی روشنی میں جب ہم تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مرشد برحق حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کا زمانہ ایسا پر آشوب اور پرفتن زمانہ تھا کہ باطل قوتیں چور دروازے سے اسلام کے قلعہ میں داخل ہو کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہی تھیں ،ہندوستان مخالفین اسلام کا اکھاڑا بنا ہوا تھا، اسلام اور مسلمان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے والی تحریکیں بڑے زور وشور سے چل رہی تھیں ،مسلم قائدین اور زعماء ہندوؤں کے مطیع وفرمانبردار ہو گئے تھے اور نام نہاد مسلم علما انگریز سامراج کے ایجنٹ بن چکے تھے ،دین کے نام پر مسلمانوں سے پیسہ وصول کر کے انھیں کے خلاف استعمال کیا جاتا تھا کبھی تو خلافت کمیٹی کی تشکیل سے اسلام اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کی کوشش کی جاتی ،کبھی ہندو مسلم اتحاد کی تحریک سے اہل اسلام میں اختلاف وانتشار پیدا کیا جاتا ،کبھی انگریز گورنمنٹ سے قانون اسلام کے خلاف ساردا بل پاس کرا کر مسلمانوں کے دلوں کو مجروح کیا جاتا اور کبھی انسداد گاؤ کشی کا قانون منظور کرا کر فتنہ پیدا کیا جاتا۔

ان ساری تحریکات کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کو کمزور کرنا اور ان کو غلام بنانا تھا۔چنانچہ آزادی اور تقسیم ہند کے بعد جب حکومت ہندوؤں کے ہاتھوں میں آ گئی اور جور و جفا کی ایسی تیز وتند آندھی چلی کہ الامان والحفیظ ۔اسلام و پیشوایان اسلام کی توہین کی گئی قرآن اور مساجد کی بے حرمتی کی گئی ،اذان پر پابندی لگائی گئی ،اور ذرا ذرا سی بات پر مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ان کے حقوق پامال کیے گئے ۔مسلمانوں کا جینا دوبھر ہو گیا ،ہندوستان کی سرزمین مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بن گئی ،مسلم پرسنل لا میں مداخلت کی گئی ،ایک وقت ایسا بھی آیا کہ نسبندی کا قانون جبراً نافذ کیا گیا ،کسی کو حکومت کے خوف سے صدائے حق بلند کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔

مگر قربان جایئے مجاہد اعظم ،بطل جلیل حضور مفتی اعظم قدس سرہ پر کہ آپ کی غیرت ایمانی نے کبھی بھی خلاف شرع امور پر خاموشی اختیار نہیں کی۔ بلکہ آپ ہر موقع پر بانگ دہل صدائے حق بلند کرتے رہے۔

حق گوئی وبے باکی آپ کا طغرائے امتیاز تھا :

آپ کی پوری کتاب زندگی حق گوئی وبے باکی کے واقعات سے بھری پڑی ہے ۔آپ کی یہ شان تھی کہ جب بھی آپ شرع کے خلاف کوئی کام دیکھتے یا کوئی بات سنتے تو فوراً اس کی اصلاح فرماتے ۔مادی طاقت وقوت اور کسی کی دولت وثروت حق گوئی وبے باکی سے

باز نہیں رکھ سکتی تھی۔ دینی اسٹیج ہو یا نجی محفل، سامنے امیر ہو یا غریب، مسلم ہو یا غیر مسلم، سفر ہو یا حضر، ہر مقام پر حق کی صدا بلند فرماتے۔ دینی اسٹیج پر تو علما و خطبا کو ٹوکنا عام بات تھی۔ چنانچہ استاذ گرامی بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان صاحب قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں

''حضرات مقررین سے کبھی جوش بیان میں، کبھی لکنت زبان سے، اور کبھی لاعلمی و جہالت سے (کہ آج کل تقریر کے لیے رسوخ علم ضروری نہیں رہ گیا ہے) دوران تقریر ایسے جملے صادر ہو جاتے ہیں جو شرعاً عقلاً اخلاقاً یا زبان و بیان کے لحاظ سے قابل اعتراض ہوتے ہیں اگر مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ اسٹیج پر ہیں تو کیا مجال ہے کہ کوئی مقرر ایسی بد احتیاطی کر کے گذر جائے اور آپ امر بالمعروف نہ فرمائیں، کئی بڑے خطبا سے تو بر سر منبر انھوں نے توبہ تک کرائی۔ خود اپنی زندگی میں دو مرتبہ ایسی سرزنش سے پالا پڑا ہے تو بہ تک کی نوبت البتہ نہیں آئی۔''

ضلع گیا کے جلسہ میں ایک بار آپ کے ساتھ شرکت کا اتفاق ہوا رات میں تقریر کے دوران میں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں لفظ نور استعمال فرمایا۔ تقریر ختم ہوئی جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے۔ ان کے فیض صحبت سے محفل بڑی پر کیف و پُر نور رہی۔ دوسرے دن ساتھ ہی گھوسی کے لیے واپسی ہوئی۔ راستہ میں بڑے خوشگوار ماحول میں باتیں ہوتی رہیں۔ اسی دوران آپ نے فرمایا۔ رات آپ نے تقریر میں اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کا لفظ استعمال فرمایا۔ اگر کہیں قرآن و حدیث میں یہ لفظ ذات باری تعالیٰ کے لیے آیا ہو تب تو اس کا بولنا صحیح ہوگا ورنہ نہیں۔ اس امر کی تحقیق کر لیجیے گا۔ آج پندرہ بیس سال ہو گئے اور میں اس سلسلے میں غور کرتا رہتا ہوں۔ مجھے تو کوئی ایسا محل استعمال نہ ملا۔

دوسری بار مغربی یوپی کے ہی کسی علاقہ میں تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا ''بدنصیب مسلمان آج کل رات میں بارہ بجے تک سنیما دیکھتے ہیں اور دن میں بارہ بجے تک سوتے ہیں۔'' یک بیک بازو سے میری طرف پوری طرح مخاطب ہو کر کہا نہایت بلند آواز میں، بے حد بیزاری کے ساتھ گویا مجھ پر پھٹ پڑے۔'' مولانا! میں اس کو مان نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بدنصیب ہو۔ آپ اس کو بدنصیب نہ کہئے کچھ اور کہہ لیجیے۔

(تاجدار اہل سنت ص ۷۶-۷۷، بہ حوالہ ماہنامہ استقامت کان پور، ۱۹۸۳ء

چشم دید واقعہ :

اس وقت کی بات ہے جب کہ میں جامعہ فاروقیہ بنارس میں تدریسی خدمات انجام دے رہا تھا اس وقت مفتی اعظم قدس سرہٗ بنارس تشریف لائے غالباً حضرت کا بنارس کے لیے یہ آخری سفر تھا۔ مدن پورہ کے ایک بہت بڑے رئیس کے یہاں قیام پذیر تھے۔ اتفاق سے اسی موقع پر حضرت مولانا مفتی مجیب اشرف صاحب اور محترم عالی جناب ڈاکٹر شکیل احمد صاحب اعظمی فاروقیہ پہنچے۔ حضرت کی تشریف آوری کا علم ہوا تو ہم تینوں آدمی زیارت کے لیے حاضر ہوئے۔ ملنے والوں کی بھیڑ تھی۔ ابھی ہم لوگ سلام و مصافحہ بھی نہیں کر پائے تھے کہ اتنے میں صاحب خانہ کے ایک لڑکے جن کا نام لینا مناسب نہیں جن کی داڑھی حد شرع سے بہت کم تھی جب انھوں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تو حضرت کی نگاہ اچانک ان کی طرف اٹھ گئی۔ داڑھی دیکھ کر حضرت غیظ و جلال میں آ گئے اور بار بار یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ داڑھی بوجھ ہے؟ داڑھی بوجھ بن گئی ہے؟ سارے حاضرین سہم گئے، سناٹا طاری ہو گیا۔ کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ حضرت کے سامنے جائے اور مصافحہ کرے۔ جب غیظ و جلال فرو ہوا اور نگاہیں نیچی ہو گئیں تو لوگوں نے سلام و مصافحہ کیا۔

بتانا یہ ہے کہ حضرت کا قیام رئیس اعظم کے گھر میں ہے اور انھیں کا لڑکا خلاف شرع نظر آیا تو کسی مصلحت کی بنیاد پر زبان بند نہیں رکھی۔ بل کہ کسی کی پرواہ کیے بغیر آپ نے فوراً تنبیہ فرمائی۔ مرشد برحق حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضواں صرف اپنوں ہی کے سامنے اعلان نہیں کرتے تھے بل کہ غیروں کے سامنے بھی اعلان حق سے باز نہیں رہتے تھے۔ چناں چہ حضرت مولانا مجیب اشرف صاحب گھوسوی نے مجھ سے ایک چشم دید واقعہ بیان فرمایا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کو لکھنؤ سے بریلی جانا تھا۔ میں بھی حضرت کے ہمراہ تھا۔ جب ہم لوگ اسٹیشن پہنچے تو گاڑی نے رینگنا شروع کر دیا عجلت میں سامنے والے ڈبے میں ہم لوگ داخل ہو گئے۔ داخل ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ڈبہ فوجی ہے۔ حضور مفتی اعظم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان سے کہا گیا کہ یہ بزرگ آدمی ہیں، تھوڑی سی جگہ دے دیجیے، ہم لوگ اگلے اسٹیشن پر اتر جائیں گے۔ اس پر فوجیوں نے کہا کہ یہ فوجی ڈبہ ہے اس میں آپ لوگ کیسے آ گئے؟ اس میں غیر فوجی کو بیٹھنے کی اجازت نہیں۔ لیکن ان میں سے ایک فوجی نے تھوڑی سی جگہ دی جہاں حضور تشریف فرما ہوئے۔ فوجی آپس میں پہلے ہی سے کچھ مذہبی گفتگو کر رہے تھے درمیان میں سلسلۂ کلام منقطع ہو گیا تھا۔ جب گاڑی باقاعدہ چلنے لگی تو انھوں نے پھر اپنی گفتگو شروع کی اور حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام کی شان میں نازیبا کلمات کہنے لگے۔ اتنے میں حضور مفتی اعظم غیظ و جلال میں اپنا عصا لے کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا، خبیث! چپ رہ۔ زبان بند کر۔ سیدنا عیسیٰ کے بارے میں خبردار! اس قسم کے الفاظ نہ بکنا۔ یہ سن کر ایک فوجی نے کہا بڑے میاں آپ کیوں غصہ ہو رہے ہیں؟ ہم تو کرسچین (مسیحی) لوگوں کے پرافٹ (پیغمبر) کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔ آپ کے پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں تو ہم نے کچھ نہیں کہا۔ اس پر حضور مفتی اعظم نے فرمایا عیسائی خبیث ان کو پیغمبر کب مانتے ہیں؟ وہ تو ان کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ اور ہمارے مذہب میں ہر پیغمبر کی تعظیم و توقیر فرض ہے۔ جس طرح ہم اپنے پیغمبر کے بارے میں کسی ادنیٰ گستاخی کو برداشت نہیں کر سکتے، اسی طرح حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے بارے میں بھی نازیبا الفاظ سننا گوارا نہیں کر سکتے۔ اس لیے اب اپنی زبان بند رکھ۔

اس جواب اور حق گوئی و بے باکی کی وجہ سے ان پر ایسا رعب طاری ہوا کہ سب خاموش ہو گئے اور معافی مانگنے لگے۔ اس کے بعد ایک فوجی نے پوری برتھ خالی کر دی اور اس پر ایک فوجی کمبل بچھا دیا اور آرام کرنے کے لیے کہا۔ آپ نے فوجی کمبل اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا اور اپنے پاس جو بستر تھا اس کو بچھا کر آرام فرمایا۔ جب بریلی اسٹیشن آیا اور گاڑی سے آپ اترنے لگے تو سبھی فوجی ڈبے سے نکل کر باہر آ کر آپ کو رخصت کرنے لگے آپ کی جرأت و ہمت کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کی تعریف و تحسین کی۔

مرشد برحق حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے ایسے ایسے موقع پر حق گوئی اور بے باکی سے کام لیا ہے جب کہ تاریکی نظر آ رہی تھیں، حالات سے سمجھوتہ کیا جا رہا تھا، مادی طاقتوں کے مخالفانہ ردعمل کے خوف سے ضمیر کی آواز دب چکی تھی اور نظریات بدل گئے تھے۔ مسلمان، ہندو، سکھ، عیسائی اور پارسی تمام قوموں کے لیڈروں نے حالات سے نظر پھیر لی تھی۔ یعنی ایمرجنسی کے دور میں حکومت نے غیر شرعی ظالمانہ قانون ''نس بندی'' کو نافذ کر دیا تھا اور حکومت کے کارندے شہر شہر، قریہ قریہ، محلّہ محلّہ اور گھر گھر گھوم کر نسبندی پر آمادہ کر رہے تھے۔ ذرا سوچیے! اس وقت ملک کی فضا کتنی مسموم تھی۔ مسلم اقلیت تو در کنار اکثریتی طبقہ کی زبانوں پر بھی تالے لگے ہوئے تھے۔ ایسے نازک وقت میں بھی مجاہد اعظم بطل جلیل اور شہزادۂ مجدد اعظم کے پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ ہوئی، بل کہ رشد و ہدایت، حق و صداقت کا کوہ گراں بن کر حکومت وقت کے خلاف فتویٰ صادر فرماتے ہوئے فرمایا۔ نسبندی حرام ہے۔ حرام ہے۔ حرام ہے۔ آپ کی جرأت و بے باکی اور حق گوئی نے سلف صالحین حضرت سعید بن جبیر، حضرت امام حسین اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حق

گوئی اور بے با کی یادتازہ کردی۔

تحریک شدھی (فتنہ ارتداد) :

مرشد برحق حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کا کتاب زندگی کے ورق ورق میں حق گوئی و بے باکی کے ایسے واقعات ملتے ہیں جو ہر دور کے مسلمان اور علماے اسلام کے لیے بہترین نمونہ عمل ہیں۔انھیں واقعات میں سے تحریک شدھی کا سدباب بھی ہے،سب سے پہلے ناظرین کو یہ بتایا جائے کہ تحریک شدھی ہے کیا؟

شدھی کے معنی پاک کرنا ہے۔ہندو اس سے یہ مراد لیتے تھے کہ جو لوگ پہلے ہندو تھے،پھر اسلام قبول کر کے مسلمان ہو گئے ،وہ ناپاک ہو گئے انھیں پھر ہندو بنا کر پاک کیا جائے اسی لیے انھوں نے اپنی اس تحریک کا نام شدھی رکھا تھا۔پہلے تحریک شدھی کا پس منظر ملاحظہ فرمائیں اس کے بعد اس کے انسداد کی تحریک میں جماعت رضاے مصطفیٰ اور اس کے سربراہ اور روفد اسلام کے قائد وسپہ سالار اعظم حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی خدمات کا جائزہ لیں۔

ہندوؤں میں کوئی مذہبی جماعت نہیں تھی اور ہندوازم کی تبلیغ کا کوئی شعبہ نہ تھا۔اس لیے کہ ہندو اپنے دھرم کی تبلیغ دوسرے دھرم میں کرنا قطعاً غلط قرار دیتے تھے۔جس کی وجہ یہ تھی کہ اگر کسی مناظرہ ومباحثہ میں ہندو مناظر ہار گیا اور دوسرا مناظر غالب آ گیا اور اس کی حقیقت پسند باتیں ہندو مناظر پر اثر کر گئیں تو ہندوازم اپنے مناظر ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔مگر پنڈت دیانند سرسوتی نے اس نظریہ کو غلط قرار دیتے ہوئے بند دروازہ کھول دیا اور تمام مذاہب کو عام دعوت دے دی گئی کہ ہر مذہب والا ہم سے مناظرہ کر سکتا ہے۔اس پر عمل کرنے کے لیے اسلام کو مثال میں پیش کیا گیا کہ اسلام کی اشاعت روز بروز اسی لیے بڑھ رہی ہے کہ مسلمان اپنے مذہب کی تبلیغ دوسرے مذاہب میں کرتے ہیں۔اس لیے ہم بھی دیگر اقوام میں ہندوازم کی تبلیغ کریں۔

تبلیغی کام ملکی پیمانہ پر ۱۹۲۰ء سے شروع ہوا اور خاص طور سے مسلمانوں کے درمیان تبلیغ کرنے کا فیصلہ ہوا اور خصوصاً راجپوتانہ علاقہ کو میدان جنگ کی حیثیت سے منتخب کیا گیا جہاں کے مسلمان دینی احکام سے عموماً نابلد اور ہندوانہ مراسم کے پابند تھے کیوں کہ ماضی قریب ہی میں ان کے اجداد نے اسلام قبول کیا تھا مگر تعلیم کی کمی اور ماحول کی ناسازگاری کی وجہ سے وہ نہ تو پورے طور پر اسلام کے احکام و اعمال سے واقف ہو سکے تھے نہ ہی ہندوانہ عادت واطوار کو پورے طور پر ترک کر سکے تھے اس لیے ہندوؤں نے سب سے پہلے ان کو نشانہ بنایا اور اخبار ورسائل اور تقریر کے ذریعہ اسلام کے خلاف زہر اگلنا شروع کیا کہ اسلام کی تبلیغ صرف اور صرف تلوار کے زور سے ہوئی ہے۔مسلم راجپوتانہ قوم کو ذہنی طور پر یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ تم لوگ ہندو ہو تمھارے آباواجداد ہندو تھے۔مسلم بادشاہوں نے زبردستی مسلمان بنایا۔تحریک شدھی کے کارکن جگہ جگہ،گاؤں گاؤں،اور شہر شہر جا کر مسلمانوں کو شدھی ہونے کے لیے کہتے۔روپے پیسے اور عورتوں کی لالچ بھی دیتے۔بڑے طبقہ کے دولت مند ہندو والیان ریاست تک پنچایت میں شریک ہوتے اور ان سے کہتے کہ تم ہندو ہو جاؤ ہم تمھارے ہاتھ کا کھانا کھائیں گے،تمھیں بیٹیاں دیں گے،تمھارے قرضے ادا کریں گے اور ہندو نہ ہونے کی صورت میں گاؤں کا پٹواری ناراض ہوتا، اسٹیشن کے بابو بھی برہم ہوتے اور کوئی ہندو سیدھے منہ بات نہیں کرتا۔کبھی کبھی آریوں کی بڑی بڑی جماعتیں شان وشوکت سے موٹروں میں ہتھیاروں سے لیس ہو کر آتیں اور اپنے مال ودولت اور قوت کا اثر ان کے دلوں پر جما کر ہندوازم کی طرف مائل کرتیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساڑھے چار لاکھ مسلمان متاثر ہو گئے اور ان کا ایمان خطرے میں پڑ گیا۔

تحریک شدھی (فتنہ ارتداد) کا سدباب :

اس پُر فتن دور میں مسلمانوں کی ساری تنظیمیں خاموش تھیں، تمام خانقاہوں پر جمود طاری تھا، سارے مسلمانوں کے مقتدا بننے والے چپ سادھے ہوئے تھے، کوئی مسلم تنظیم اس فتنہ کے سدباب کے لیے نظر نہیں آ رہی تھی قومی لیڈر، دینی رہنما، علما و خطبا اور اہل قلم سب کے پاؤں میں زنجیریں اور لبوں پر مہر سکوت پڑی ہوئی تھی۔ مگر مجدد اعظم کے علم و فضل کے وارث اور جماعت رضائے مصطفیٰ کے قائد و سپہ سالار حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کو جب اس فتنہ کی خبر ہوئی تو آپ تڑپ اٹھے اور چند مؤقر و معظم علما کو ساتھ لے کر مردانہ وار اس میدان کارزار میں کود پڑے۔ ایسی مہم کو سر کرنا کسی بزدل اور کم ہمت کا کام نہیں بلکہ یہ توانھیں کا حصہ ہے جن کے دلوں میں اللہ و رسول کی محبت رچ بس گئی ہو۔ جو عشق مصطفیٰ میں سرشار ہوں اور اسلام کی سربلندی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔ وفد اسلام نے سب سے پہلے ان علاقوں کا رخ کیا جو ارتداد کے ہلاکت خیز طوفان کی زد میں آ چکے تھے۔ جگہ جگہ آریہ دھرم والوں کو جو مسلمانوں کو بہکانے میں مصروف تھے مناظرہ کا چیلنج دیا گیا مگر آریہ دھرم کے لوگ مناظرہ سے پہلو تہی کرتے رہے۔ آریہ کی تحریک شدھی کی قیادت پنڈت شردھانند کر رہا تھا جو اسلام اور مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ اس کو وفد اسلام نے بارہا چیلنج مناظرہ کیا مگر کبھی اس نے قبول نہیں کیا۔ وفد اسلام کو طرح طرح کے مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑا۔ ذرا غور فرمائیں! جگہ اجنبی ہے، ماحول ناسازگار ہے، باطل کے ساتھ ایک جتھا ہے۔ وہ بھی رائفلوں اور بندوقوں سے لیس ہے، چند افراد پر مشتمل وفد اسلام جب ان کی آبادیوں میں جاتا تو مذاق اڑایا جاتا، جملے چست کیے جاتے، پھبتیاں کسی جاتیں چنانچہ حضرت مولانا سید ایوب علی بریلوی فرماتے ہیں ”مبلغین وفد اسلام جب ان کے گاؤں پہنچتے ہیں تو ان پر کیچڑ پھینکتے ہیں، کتے دوڑاتے ہیں، دور دور سے ہنسی اور تمسخر اڑاتے ہیں، گاؤں میں آریوں کے اغوا سے یہ انتظام کر دیا جاتا کہ مبلغین کو آٹا دال نمک، مرچ جیسی کوئی چیز میسر نہ آنے پائے۔

مگر الحمدللہ مبلغین نے جس صبر و تحمل کے نمونے پیش کیے وہ ان کے دلوں پر نقش ہو گئے اور اسلامی اخلاق نے ان کے دلوں کو اس طرح تسخیر کیا کہ انھوں نے اپنی خواہش سے نام بدلوائے، چوٹیاں کٹوائیں، میلاد شریف پڑھوائے، بار بار قرآن شریف سنا اور پھر استفسار جاری رہی سیر نہ ہوئے، طہارت اور نماز کے طریقے سیکھے۔ جہاں آب و دانہ بند کر رکھا وہاں اتنی بڑی بڑی جماعتوں سے نمازیں ہونے لگیں کہ شوکت اسلام نظر آنے لگی۔“ (تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، ص ۲۱۶)

یہ جہاد مسلسل ایک دو دن نہیں ہوا اور نہ دو ایک مقام پر ہوا بلکہ اس جہاد مسلسل میں برسہا برس گزر گئے اور مختلف شہروں اور قریوں میں بھی تبلیغی دورہ کیا جہاں سواری کا کوئی راستہ نہیں۔ میلوں پیدل چلنا پڑتا مگر وفد اسلام اور اس کے قائد و سپہ سالار حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے ساری مشقتیں برداشت کرتے ہوئے، جان کی پرواہ کیے بغیر جان جوکھوں کے مراحل طے کرتے ہوئے باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت فرما کر حق کا بول بالا کیا اور باطل کا منہ کالا کیا۔

اس تبلیغی دورہ کی مشقتوں کی منظر کشی اور حق گوئی و بے باکی کا ذکر کرتے ہوئے شارح بخاری حضور مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ یوں رقم طراز ہیں۔ ”ناز و نعمت میں پلا ہوا ایک رئیس شہزادہ جو کبھی چند قدم پیدل نہ چلا ہو۔ میلوں پیدل چل رہا ہے۔ جاڑوں کی برفیلی ہوائیں گرمیوں کے لُو کے جھکڑ سب کچھ سہتا ہے۔ بے پڑھے لکھے سیدھے سادے مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کے لیے جہد مسلسل میں مصروف ہے۔ پھولوں کی سیج پر سونے والا شہزادہ زمین کے فرش پر سو رہا ہے۔ نہ کھانے کی پرواہ نہ آرام کا خیال دھن ہے تو یہ ہے کہ جس

طرح ہو مسلمانوں کے ایمان کو بچایا جائے۔

کیا راہِ خدا میں اس قسم کے جہادِ مسلسل کی اس دور میں اور کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کا اس ہولناک فتنۂ ارتداد کے مقابلے کا کارنامہ تاریخ اسلام کا وہ زریں باب ہے جو ہمیشہ درخشاں رہے گا۔

پھر حق گوئی و بے باکی کا ایک عجیب و غریب واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں:

"صرف ایک واقعہ سن لیں۔ اطلاع ملی کہ آگرہ سے بیس میل کے فاصلہ پر فلاں گاؤں میں اس فتنہ پرور کا پاؤں جم گیا ہے اور وہاں کے مسلمان کچھ لالچ اور کچھ خوف کی وجہ سے مرتد ہونے کے لیے آمادہ ہو رہے ہیں۔ اطلاع ملتے ہی حضرت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں رحمۃ اللہ علیہ اور ایک اور رفیق کو لے کر آگرہ سے چلے جہاں تک ریل تھی ریل سے گئے۔ اسٹیشن سے پانچ میل دور وہ گاؤں تھا اور کوئی سواری نہیں تھی۔ یہ لوگ تیزی سے پیدل وہاں پہنچے۔ جا کر دیکھا کہ ایک مجمع اکٹھا ہے۔ آگ جل رہی ہے۔ گانا دھوم سے ہو رہا ہے۔ متعدد حلوائی کڑھائیوں میں پوڑیاں چھان رہے ہیں اور کئی نائی استرہ قینچی لیے بیٹھے ہیں۔ ایک تخت پر وہ فتنہ پرداز بیٹھا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مجمع ان سب مسلمانوں کا ہے جو مرتد ہونے پر راضی ہیں اور انھیں ہندو بنانے کے لیے یہ جشن ہو رہا ہے۔

یہ لوگ کسی خطرے کی پرواہ کیے بغیر مجمع کو چیرتے پھاڑتے اس فتنہ پرور کے پاس پہنچے۔ اس سے کہا کہ آؤ مناظرہ کر لو۔ اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ یہ لوگ ہندو ہونے پر راضی ہیں۔ اب مناظرے کی ضرورت نہیں۔ اس پر حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے مجمع کے سامنے اسلام کی حقانیت اور بت پرستی کی تردید میں تقریر کی۔ مگر مجمع پر کوئی اثر نہ ہوا۔

حضرت مفتی اعظم کی غیرت ملی جوش پر آ گئی۔ شیر بیشۂ اہل سنت سے فرمایا: کہ مجمع والوں سے کہیے کہ یہ پنڈت مناظرے پر آمادہ نہیں۔ تم لوگ ہماری بات نہیں مانتے تو تم سب لوگ اس پنڈت سے کہو کہ میرے ساتھ اپنی اس جلائی ہوئی آگ میں کود ے۔ جو آگ سے زندہ بچ کر نکل آئے تم لوگ اس کا دین قبول کر لو۔ حضرت شیر بیشۂ سنت نے پوری گھن گرج کے ساتھ حضرت مفتی اعظم کے اس ارشاد کو ان دیہاتیوں تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد ایک جوش و سرمستی کے ساتھ حضرت مفتی اعظم ہند بڑھ کر اس لیڈر کے تخت پر چڑھ گئے۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: چل ہم دونوں اس آگ میں کود یں۔ ہیبت حق سے وہ تھر تھر کانپنے لگا اور مبہوت و دم بخود رہ گیا۔

حضرت مفتی اعظم نے جوش میں آ کر اسے گھسیٹنا شروع کیا مگر وہ بہت موٹا تھا۔ ٹس سے مس نہ ہوا۔ کچھ دیر تک یہی ہوتا رہا۔ گانے والے گانا بھول گئے۔ حلوائیوں نے پوریاں چھاننی چھوڑ دیں۔ سارا مجمع ساکت و جامد دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس مجمع میں جو کھیا وغیرہ قسم کے تھے، تخت کے قریب آئے اور کہا: مولوی جی اسے چھوڑ دو۔ اب ہماری سمجھ میں آ گیا کہ تمھارا مذہب حق ہے اور اس کا دھرم باطل۔ ورنہ یہ آگ میں جانے سے نہ ڈرتا۔ اس کے بعد حضرت مفتی اعظم کے ہاتھوں پر سب نے توبہ کی، کلمہ پڑھا اور سچے پکے مسلمان ہو گئے۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے وہیں اپنے انداز میں خطبہ پڑھا، نعت پڑھی اور تقریر فرمائی۔"

(تاجدار اہل سنت ص ۵۵، ۵۶، بہ حوالہ مفتی اعظم اپنے فضل و کمال کے آئینے میں۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

الغرض از ابتدا تا انتہا پوری زندگی حق گوئی و بے باکی کے ساتھ دین اسلام کی تبلیغ اور شجر اسلام کی آبیاری کرتے رہے۔ رب کریم اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل میں ہم سب مسلمانوں کو حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆

ہمارے مفتی اعظم کا جذبۂ خدمت خلق

مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی
استاذ جامعہ شمس العلوم، گھوسی، مئو

جب سے احقر نے آنکھ کھولی ہزاروں علما و مشائخ کے دیدار کی سعادت حاصل کی۔ ان میں اکثر و بیشتر علما کے نقوش ماضی کے دھندلکوں میں گم ہو گئے۔ بعض حضرات کی شکل و شباہت ذہن میں محفوظ ہے مگر ان کی یاد کبھی کبھی آتی ہے اور غور و تامل کے بعد ان کی یادوں کے دریچے کھلتے ہیں مگر کچھ ایسی مقدس ہستیاں ہیں جن کے نورانی چہرے کے انداز، رفتار و گفتار، طرز نشست و برخاست پردۂ ذہن پر اس طرح منقوش ہیں کہ ہر روز ہی عالم خیال میں ان کے صحیفۂ رخ کی زیارت ہوتی ہے یا بلفظ دیگر ان کی نورانی صورتیں نہاں خانۂ دل میں اس طرح محفوظ ہیں کہ ؎ ''جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی'' انھیں عظیم ہستیوں میں تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم رضی اللہ عنہ کی پاکیزہ خصال علمی و روحانی ذات گرامی ہے۔

بندۂ احقر کو آپ کی زیارت کا موقع بچپن ہی سے حاصل ہوتا رہا مگر مجھے قطعی طور پر یاد نہیں کہ پہلی بار حضور کی دست بوسی کا موقع کب میسر آیا؟ اسی طرح زیارتوں کی تعداد کا تعین بھی از بس دشوار ہے۔ مگر صغر سنی اور کم عمری کی وجہ سے حضرت کے قریب دیر تک بیٹھ کر علمی و روحانی گفتگو سننے کی سعادت حاصل نہ کر سکا جس کا تادم مرگ افسوس رہے گا۔ تاہم آپ کی نورانی شکل و صورت اور مناظر ذہن کے پردہ پر اس طرح نقش ہو گئے ہیں کہ جب بھی ذکر آتا ہے چشم خیال میں نورانی منظر پھر جاتا ہے اور تصور میں ماضی کے واقعات پوری تابانی کے ساتھ گردش کرنے لگتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گردش ایام نے ماضی کے کسی موڑ پر لا کر کھڑا کر دیا ہے۔

گھوسی کے پلیٹ فارم پر ارادت مندوں کا ہجوم ہے، لوگوں کی چشم شوق بار بار ریل گاڑی کی آمد کی سمت اٹھ رہی ہے، شدید انتظار کے بعد ٹرین آئی۔ لوگ اس ڈبے کی طرف بڑھے جس میں حضور تشریف فرما ہیں۔ نورانی چہرے پر نظر پڑتے ہی تکبیر و رسالت کے نعروں سے فضا گونج اٹھی۔ حضرت پلیٹ فارم پر تشریف لائے۔ ارادت مند ادب کے ساتھ آگے بڑھے۔ سلام و مصافحہ، دست بوسی و قدم بوسی کا سلسلہ شروع ہوا۔ پھر حضور ارادت مندوں کے جلوس میں اپنی فرودگاہ کی جانب روانہ ہوئے۔ پیچھے پیچھے عقیدت مندوں کا ہجوم ہے جو بڑی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ رواں دواں ہے، قیام گاہ پر اہل عقیدت احترام و ارادت کے ساتھ مودب بیٹھے ہیں۔ ان میں علما بھی ہیں اور عوام بھی، بچے بوڑھے سبھی شامل ہیں۔ تاجدار اہل سنت مسند پر رونق افروز ہیں۔ چہرۂ انور کے جلووں میں ساری بزم نہا رہی ہے اور لوگوں کی چشم اشتیاق جی بھر کر ان جلووں کو سمیٹ رہی ہے۔ حضور کی نگاہیں جھکی ہوئی ہیں مگر لوگوں کے پاس ادب و احترام کا یہ حال ہے کہ نگاہیں ملا کر عرض و معروض کی جرأت نہیں ہوتی۔ خاموشی اور سکوت کا ایسا عالم کہ آنکھیں بند کر لی جائیں تو صرف لوگوں کے تنفس کا زیر و بم سنائی دے۔ مئے خانۂ قادریت کے جرعہ خوار اس طرح بیٹھے ہیں کہ سروں کو جنبش تک نہیں ہوتی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سروں پر پرندے بیٹھے

ہیں جو ذرا سی حرکت سے اڑ جائیں گے۔

کوئی عقیدت مند غلامی میں داخل ہونے کے لیے حاضر ہوا تہذیب و شائستگی کا مرقع بن کر حضور کے سامنے دو زانو بیٹھا ہوا ہے۔ سرکار اس کا ہاتھ اپنے مبارک ہاتھوں میں لے کر توبہ و استغفار کرا رہے ہیں، منکرات و منہیات سے بچنے کی تنبیہ فرما رہے ہیں، ایمان و اعتقاد اور مسلک اہل سنت و جماعت پر سختی کے ساتھ قائم رہنے کی ہدایت کر رہے ہیں، عمل صالح اور مکارم اخلاق کی تلقین فرما رہے ہیں۔ اس طرح سلسلہ قادریہ رضویہ نوریہ میں بیعت کے بعد دست دعا بلند ہوتا ہے۔ مرید اور جملہ حاضرین کے لیے دعا خیر کی جارہی ہے، ایمان کی سلامتی عقیدے کی صحت، مریضوں کی شفا، تنگدستوں کی خوشحالی، اور اہل اسلام کی سربلندی کی دعا، سید المرسلین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم اور محبوب سبحانی حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارگاہ قاضی الحاجات میں پیش کی جارہی ہے۔

اہل حاجت اپنی اپنی ضروریات پیش کر رہے ہیں، کسی کے حق میں کلمات خیر اور دعا کی جارہی ہے، کسی کے لیے تعویذ لکھا جارہا ہے مگر شور و ہنگامہ نہیں۔ متانت و سنجیدگی کا ماحول ہے، سکوت ایسا کہ تعویذ لکھنے کے وقت صریر خامہ نوائے سروش بن کر فردوس گوش ہو رہی ہے۔ ناچیز شاہراہ حیات کی ۵۵ ویں منزل میں قدم رکھ چکا ہے مگر اب تک ایسی متین و سنجیدہ، پروقار اور باعظمت مجلس نگاہوں سے نہیں گزری۔ یہ سب کچھ تاجدار اہل سنت کی عظیم علمی و روحانی شخصیت کا اثر تھا۔ نگاہیں اس قدسی صفت برگزیدہ ہستی کے جلووں سے خانۂ دل منور اور چشم خیال روشن ہے۔

رخ زیبا کے جلووں سے دل تاریک روشن ہے
تیری یادوں کے پھولوں سے میرا صحرا بھی گلشن ہے

اب عشق و یقین کی آنکھیں کو وا کیجیے اور ملاحظہ کیجیے شہزادۂ اعلیٰ حضرت کی غریب پروری کے وہ روشن نقوش جو ان کے پائے کرم نے ارض ہند پر مرتسم کیے۔

"عمدہ انسانی سماج کی تشکیل، باہمی امداد و اعانت اور خیر خواہی کے بنیادی اصولوں پر ہی ہو سکتی ہے جو معاشرہ کمزوروں کی حمایت، لاچاروں کی اعانت اور غمزدوں کی غمگساری کے جذبات سے خالی ہو تو وہ ترقی و خوش حالی کے مدارج طے کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اپنے اجتماعی و معاشرتی تصورات میں ہر فرزند توحید کو باہمی امداد و اعانت اور غمگساری و مودت کی موثر تعلیم دی ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من كان فى حاجة اخيه كان الله فى حاجته ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة. (بخاری شریف حدیث۔ ۲۴۴۲ کتاب المظالم دار الکتاب العربی، بیروت)

جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا اللہ اس کی حاجت پوری کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت دور کرے گا تو خدا اس کی قیامت کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور کرے گا۔"

مَن نفّسَ عن مسلم كربة من كرب الدنيا نفّس الله عنه كربةً مِنْ كُرَب يوم القيمة ومن يسر على مُعْسر يسّر الله عليه فى الدنيا والآخرة ومَنْ ستَر مسلماً ستره الله فى الدنيا والاخرة والله فى عون العبد ما كان العبد فى عون اخيه (ترمذی شریف حدیث۔ ۱۹۳۰ کتاب الحدود

دار الکتاب العربی، بیروت)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کسی مسلمان کی کوئی دنیوی تکلیف اور پریشانی دور کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی تکلیف اور پریشانی سے اسے نجات دے گا اور جو کسی تنگ دست پر آسانی کرے گا (اسی طرح جو قرض خواہ اپنے تنگ دست مقروض کو اپنے قرض کی وصولی کے سلسلہ میں سہولت دے گا تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا اور آخرت میں سہولت دے گا) اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اور جو کوئی بندہ جب تک اپنے کسی بھائی کی امداد و اعانت کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا رہے گا۔" خیر الناس من ینفع الناس ۔ سب سے اچھا وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔

یہ وہ موثر تعلیمات تھیں جن پر عمل پیرا ہو کر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے ایک ایسے سماج کی تشکیل کی تھی جو سراپا رحمت و مودت اور ہمدردی و غمگساری کا بے مثال مظہر تھا جس کا ہر فرد دوسرے افراد کی خیر خواہی اعانت اور ہمدردی کے لیے آمادہ رہتا تھا۔ انسان دوستی، مسکین نوازی، غریب پروری کی ذمہ داری خواص کے لیے بڑھ جاتی ہے اور خلق خدا کے لیے اس کے ایثار و خلوص اور مودت و محبت کا جذبہ، امتیازی شخص کی علامت بن جاتی ہے۔

خدمتِ خلق :

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم سيد القوم فى السفر خادمهم فمن سبقهم بخدمة لم يسبقوه بعمل الا الشهادة ۔(مشکوۃ شریف ص۔ ۳۴ مجلس البرکات، مبارک پور) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قوم کا سردار سفر میں لوگوں کا خادم ہوتا ہے۔ پس جو شخص خدمت میں ان پر سبقت لے جائے اگر، پر وہ لوگ۔ شہادت کے سوا۔ کسی بھی عمل کے ذریعہ سبقت نہیں کر سکتے۔ (بیہقی شریف)

سربراہِ قوم کا یہ فرض ہے کہ وہ لوگوں کی ضرورتوں کو سمجھے اور ان کو آسانیاں بہم پہونچانے کی کوشش کرے۔ بے کس و مجبور اور درماندہ انسانوں کی امداد و تعاون کرے۔ حاجت روائی مدد اور کارسازی صفت خداوندی ہے اس لیے خدمت خلق کو سنت الٰہیہ سے ایک خاص تعلق ہے۔ اس لیے اس کی فضیلت ایک واضح حقیقت ہے۔ اس نقطۂ نظر سے جب ہم مقتدائے اہل سنت حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ اسلام کی طرح آپ کی زندگی کے بیشتر اوقات بندگانِ خدا کی اعانت، حاجتمندوں کی حاجت روائی اور درمندوں کی دل داری میں بسر ہوا کرتے تھے۔ مسند افتا ہو یا بیعت و ارشاد کی مجالس یا تعویذ نویسی کا شغل ہر مرحلہ میں لوگوں کی مشکل کشائی اور اعانت کے جلوے نظر آتے ہیں۔ مسند افتا پر بیٹھ کر لوگوں کے سوالات اور استفسارات کے جوابات تحریر کرنا، دینی مشکلات کا حل کرنا اور انھیں منشاے شریعت سے آگاہ کرنا۔ پھر بیعت و ارشاد اور تبلیغ و اشاعت دین کے لیے ملک کے طول و عرض میں سفر کرنا، لوگوں کو روحانی قدروں سے آشنا کرنا، بدعات و منکرات سے احتراز کی تعلیم دینا اور بھلائیوں کی ترغیب و دعوت بلاشبہ یہ حضور مفتی اعظم کے وہ عظیم علمی اور دینی کارنامے ہیں جن کے ذریعہ عام مسلمانوں کی خدمت ہوتی رہی ہے لیکن خدمتِ خلق کا ہمہ گیر کارنامہ جو آپ نے تعویذات و نقوش کے ذریعہ انجام دیا وہ خدمتِ خلق کے تعلق سے سب سے اہم ہے جس سے فائدہ اٹھانے والے صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ وہ تمام برادرانِ وطن بھی تھے جن کا اسلام سے کوئی بھی مذہبی تعلق نہ تھا۔ تعویذ کے طلب گاروں میں ہندو مسلم، سکھ، مرد و زن ہر طبقہ اور ہر

مذہب کے لوگ ہوا کرتے تھے۔

سفر میں ہوں یا حضر میں جب بھی کوئی درد کا مارا حاضر بارگاہ ہوتا اپنی مصیبتیں بیان کرتا اور چارہ گری کی استدعا کرتا، مفتی اعظم اسے تعویذ اور نقوش عطا فرماتے، زخموں پر تسکین کا مرہم رکھتے، مایوسیوں کے اندھیرے سے نکالتے اور مسرت و نشاط سے بہرہ مند کرتے۔ یہ شغل کسی مالی منفعت یا کسی ذاتی غرض سے ہرگز نہ تھا بلکہ خالصۃً لوجہ اللہ۔ خدا کے بندوں کی خدمت تھی۔

حضور مفتی اعظم کے اس جذبۂ خدمت نے بلا تفریق مذہب و ملت سب کو آپ کا گرویدہ و شیفتہ بنا دیا تھا۔ بریلی شریف میں مقیم ہوں یا دوران سفر، ہندوستان کے کسی شہر، قصبہ یا قریہ میں اقامت گزیں ہوں یا سفر کی حالت میں سواریوں پر ہوں۔ ہر جگہ دردمندوں کا ہجوم پروانوں کی طرح آپ کے گرد جمع رہتا اور ہر دردمند شخص اپنی ضرورت پیش کرتا اور روحانیت کے تاجدار کی بارگاہ سے فیض یاب ہو کر خوش و خرم لوٹتا۔

منعم بہ کوہ و دشت و بیاباں غریب نیست　　　ہر جا کہ رفت خیمہ زدو بارگاہ ساخت

ذیل میں راقم السطور ایک واقعہ نقل کرتا ہے جس کا تعلق حضور مفتی اعظم کی بے پایاں روحانی شخصیت سے ہے اور یہ جذبۂ خدمتِ خلق کی روشن دلیل ہے۔ میرے چھوٹے ماموں جناب امتیاز احمد صاحب عمر میں مجھ سے تقریباً ایک سال بڑے ہیں۔ ۶۲-۱۹۶۱ء کا ذکر ہے جب ان کی عمر بارہ تیرہ سال تھی۔ خبیث جنوں کے نرغے میں آ گئے۔ ابتدا میں ایسا ہوتا کہ کبھی کانوں اور کبھی دانتوں میں شدید درد ہوتا، پوری پوری رات بستر پر پڑے تڑپتے رہتے، تدبیریں الٹی ہوتیں اور دوائیں بے اثر ثابت ہوتیں۔ پورا گھر ان کی جاں گسل تکلیفوں سے پریشان رہتا۔ یہ آزار باقی ہی تھا کہ جنوں کے اثر سے ادھر اُدھر بھاگنے لگے جب پکڑ کر لائے جاتے، ہوش آتا تو انھیں پچھلی کیفیت یاد نہ رہتی۔ اسی طرح کے چند واقعات پیش آتے رہے کہ نانا جان مرحوم اور دوسرے اہلِ خانہ کو سحر یا جنوں کے اثر کا شبہ ہونے لگا، پھر جھاڑ پھونک اور تعویذوں کا سلسلہ جاری ہوا بعض عاملوں کی کوششوں سے جن حاضر ہونے لگے، یہ حضرات ان کو قابو میں لانے کی جدوجہد کرتے مگر ناکامی ہوتی۔

اب روز کا معمول ہو گیا تھا کہ مغرب کی نماز کے بعد کچھوچھہ شریف کا چراغ جلایا جاتا۔ ماموں جان اس کے سامنے بیٹھتے فوراً جن سوار ہو جاتے اور ایران و توران کی باتیں کرتے۔ اللہ و رسول کا واسطہ دے کر انھیں قائل کرنے کی کوششیں کی جاتیں مگر وہ کسی طرح مریض کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوتے۔ اسی زمانے میں ادری کی جامع مسجد میں ایک عظیم الشان جلسے کا انعقاد ہوا جس میں علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ ایڈیٹر "پاسبان" اور مولانا سید اسرار الحق صاحب خصوصی مقرر کی حیثیت سے تشریف لائے تھے۔ راقم السطور نے پہلی بار اسی جلسے میں ان دونوں حضرات کو دیکھا اور ان کی مؤثر و دل آویز اور پر جوش تقریریں سماعت کیں، غالباً کچھ ہی دنوں کے بعد آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ کانفرنس دلی میں منعقد ہونے والی تھی جس کا خاص مدعا دلی اور اطراف دلی میں واقع سینکڑوں مساجد اور مقابر جن پر شرناتھیوں کا ناجائز قبضہ تھا انھیں خالی کر کے ۱۹۴۷ء سے قبل کی پوزیشن پر لانا تھا۔

علامہ نظامی اور سید مولانا اسرار الحق صاحب نے عام مسلمانوں سے کانفرنس کے کام اور دلی چلنے کی خاص طور پر اپیل کی تھی۔ اسی دن شام کی بات ہے کہ میں نانا جان کے مکان پر موجود تھا۔ بعد مغرب کچھوچھہ شریف کا چراغ جلایا گیا جس کے سامنے ماموں جان بیٹھے۔ اس مجلس میں میرے چچا جناب محمد مصطفیٰ صاحب امجدی، نانا جان جناب عبدالاحد صاحب، راقم السطور اور دوسرے اہل خانہ موجود تھے۔ ایک مشہور عامل و معوذ نے پانی پر دم کر کے دیا تھا اور ہدایت کر دی تھی کہ جنوں کی سواری آئے تو ان سے کہا جائے کہ وہ پیچھا چھوڑ دیں۔ اگر

وہ شرافت کے ساتھ جانے کے لیے آمادہ نہ ہوں تو آسیب زدہ کے چہرے پر رومال ڈال دیا جائے اور دونوں کانوں کو مضبوطی سے بند کر کے پانی کے چھینٹے مریض کے چہرے پر مارے جائیں۔ اس اذیت سے جن پریشان ہوں گے اور پھر کبھی نہ آئیں گے۔

ہدایت کے مطابق عمل شروع ہوا ابتدا میں یکے بعد دیگرے دو جن آئے، گفتگو ہوئی، رخصت ہوئے۔ آخر میں تیسرا سرکش جن آیا جس نے اپنا نام نورالعین بتایا۔ دیر تک مباحثہ و مکالمہ جاری رہا مگر وہ اپنی ہٹ پر قائم رہا تو چہرے پر رومال ڈال کر عامل کے دم کردہ پانی کے چھینٹے، مارے جانے لگے جن شور مچاتا رہا چھوڑنے کی قسمیں کھاتا رہا۔ جب اس نے کبھی نہ آنے کا وعدہ کیا تو پانی کا چھڑکاؤ بند کر دیا گیا اور رو ال ہٹا لیا گیا اور ماموں جان ہوش میں آ گئے۔ گھر والوں کو یک گونہ مسرت حاصل ہوئی کہ اب جنوں کے آسیب سے مریض نے نجات پا لی ہے۔ مگر چند روز بعد یہ مسرت غارت ہو گئی اور پھر شریر جنوں کا حملہ بڑی قوت و شدت کے ساتھ ہونے لگا۔ مریض کی حالت بد سے بدتر ہونے لگی۔ عاملوں کے تعویذات، پانی، چلّے پھر شروع ہوئے۔ درگاہوں میں حاضری دی جانے لگی مگر جن اپنی ضد پر اڑے رہے۔

؎ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

نانا جان مرحوم لخت جگر کی تکلیفوں سے شب و روز متفکر رہتے اور ہر کس و ناکس سے التجائیں کرتے کہ وہ کسی ایسے عامل کا پتہ بتا دے جس کے جھاڑ پھونک سے فرزند خبیث جنوں کی گرفت اور ان کے شدید آزار سے نجات پا جائے اسی پریشانی اور درماندگی اور بے کسی اور بے بسی میں دو تین سال کا طویل عرصہ گزر گیا، ہر طرف مایوسیوں کا اندھیرا چھانے لگا۔ کسی معوذ کا تعویذ کسی عامل کا عمل کارگر نہ ہوا۔

مایوسیوں کے اس دور میں تاجدار اہل سنت، حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان اوری تشریف لائے۔ قیام حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام صاحب امجدی کے مکان پر ہوا (موصوف نانا جان کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں) مفتی صاحب ماموں جان کی حالت زار اور ان کے خانوادہ کی سالہا سال کی پرانی پریشانیوں سے بہ خوبی واقف تھے۔ نانا جان نے جب مفتی صاحب کی وساطت سے فرزند کی حالت زار کا مختصراً تذکرہ بارگاہ مفتی اعظم میں کیا اور تعویذ کی درخواست پیش کی تو حضرت نے قلم دوات طلب فرمایا، چند تعویذات تحریر فرمائے اور انھیں مریض کے گلے میں پہنانے اور بازو میں باندھنے کی ہدایت فرمائی۔ دوسرے عاملوں کی طرح لمبا چوڑا چلہ یا دوسری تدبیر کی کوئی ہدایت نہ فرمائی۔ نانا جان نے ادب و احترام کے ساتھ تعویذ لیا اور حکم کے مطابق ماموں جان کو تعویذات پہنائے۔ اس کے بعد کیا ہوا نانا جان نے فرمایا:

> میں نے امتیاز احمد کے گلے میں تعویذ ڈال دیا۔ حضور مفتی اعظم اوری سے تشریف لے گئے۔ پھر ایک رات خواب میں دیکھا کہ شاہ رکن الدین علیہ الرحمہ کے مزار کے قریب تالاب کے کنارے فرش بچھا ہوا ہے، کچھ لوگ خاموش بیٹھے ہیں، ایک طرف کچھ کپڑا اور کنارے بالٹی میں پانی رکھا ہوا ہے، ماحول یہ بتا رہا تھا کہ کسی کا انتقال ہو گیا ہے اور لوگ تجہیز و تکفین کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ کس کا انتقال ہو گیا ہے ایک شخص نے جواب دیا نورالعین، شمس الضحیٰ، بدرالدجیٰ اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔ (یہ تینوں نام ان خبیث جنوں کے ہیں جو ماموں جان کو برسوں سے مبتلائے آلام کیے ہوئے تھے۔) جب میں بیدار ہوا خواب پوری طرح یاد رہا، یہ خواب ہی تھا، یقین کیسے کر لیا جاتا کہ واقعی سچا بھی ہے؟ لیکن دن گزرتے رہے اور امتیاز احمد کی صحت بحال ہونے لگی۔ جسمانی تکلیف اور جنوں کی سواری کا سلسلہ بند ہو گیا۔ مجھے یقین آ گیا کہ خواب سچا تھا اور حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے تعویذ کی برکت اور آپ کے روحانی تصرف سے جنوں کا خاتمہ ہو گیا۔

تقریباً ۳۵ برس کا طویل عرصہ گزر چکا ہے بحمدہ تعالیٰ ماموں جان زندہ سلامت ہیں مگر آج تک جنوں کے آسیب کا معمولی اثر بھی

ظاہر نہ ہوسکا۔ بے شمار عاملوں کے تعویذات، چلّے، جنوں کو جلانے، ہلاک کرنے، بند کرنے کی ساری تدبیریں جہاں رائگاں ثابت ہوئیں، روحانی دنیا کے تاجدار کے چند نقوش نے مریض کو درد والم کی جاں گسل مشقتوں سے نجات دلا دی۔ بہ ظاہر یہ چند نقوش تھے جن کی حیرت انگیز تاثیر سے مدتوں کی کلفت ورنج سے صرف ایک شخص نے نجات نہیں پائی بلکہ خبیث جنوں کی ہلاکت کے سبب بے شمار افراد ان کے شر سے مامون ومحفوظ ہوگئے۔ مگر حقیقۃً یہ حضور مفتی اعظم کی روحانی قوت کا کرشمہ اور آپ کی ناقابل انکار کرامت تھی جو تعویذ کے پردے میں اپنا کام کرگئی۔

اسی روحانی رمز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محقق عصر شارح بخاری حضرت علامہ الحاج مفتی شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ نائب مفتی اعظم نے اپنے ایک مضمون میں تحریر فرمایا ہے۔

"حضور مفتی اعظم نے فرمایا: کچھ اللہ والے اپنی کرامتوں کو دوا اور تعویذ میں چھپاتے ہیں۔ پھر سرکار سید حمزہ مارہروی علیہ الرحمہ کا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک شخص دعا کے لیے حاضر ہوا۔ حضرت نے اسے ایک دوا کا نسخہ عنایت فرمایا۔ مدت کا مریض ایک خوراک میں ٹھیک ہوگیا۔ حضرت نے اپنی کرامت دوا میں چھپالی۔"

یہی حال حضرت مفتی اعظم کا تھا کہ وہ اپنی کرامتوں کو تعویذ کے پردے میں چھپائے ہوئے تھے جس کی دلیل یہی ہے کہ یہی تعویذات بہت سے لوگ لکھتے ہیں مگر فائدہ نہیں ہوتا۔ (انوار مفتی اعظم ص ۲۶۶)

ایک اور واقعہ:

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی مسکین نوازی اور کرم گستری کا ایک واقعہ حضرت مولانا مفتی عزیز الحسن صاحب قبلہ خلیفہ مفتی اعظم نے اس طرح بیان فرمایا:

"۶۵-۱۹۶۴ء کا ذکر ہے۔ تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم مالیگاؤں تشریف لائے جب میں دارالعلوم اشرفیہ مالیگاؤں میں بحیثیت شیخ الحدیث تدریسی فرائض انجام دے رہا تھا۔ دارالعلوم اشرفیہ میں قیام فرمایا۔ صبح کا وقت تھا۔ ایک وسیع کمرے میں حضرت رونق افروز ہیں۔ عقیدت مند زائرین اور ضرورت مند لوگ مودب بیٹھے ہوئے ہیں، ہر شخص اپنی اپنی پریشانی اور ضرورت بیان کررہا ہے۔ حضرت تعویذ عطا فرماتے اور دعا کرتے جاتے۔ اسی دوران ایک خستہ حال دیہاتی جس کے جسم پر پھٹا پرانا لباس ہے اور چہرے سے پریشانی کے آثار ظاہر ہیں بدحواسی کے عالم میں حضرت کے قریب پہونچا۔ سلام عرض کیا، حضرت نے سر اوپر اٹھایا، سلام کا جواب دیا، اس شخص نے دست بوسی کی۔ حضرت نے خیریت دریافت فرمائی۔ اس نے انتہائی لجاجت اور دل گرفتگی کے ساتھ عرض کیا:

"حضور میں غریب آدمی ہوں، دو جوان بیٹیوں کی شادی کرنی ہے۔ تعویذ مرحمت فرمائیں تاکہ شادی کے سلسلے میں اخراجات کا انتظام ہوجائے۔"

حضرت نے نرمی سے فرمایا تم غریب ہو، تمھیں تعویذ ضرور ملے گا۔ کچھ دیر بیٹھو۔ پھر حضرت تعویذ نویسی میں معروف ہوگئے۔ چند آدمیوں کو تعویذ عطا فرمانے کے بعد دیہاتی شخص کی جانب متوجہ ہوئے تو وہ وہاں موجود نہ تھا۔ پورے کمرے پر نگاہ ڈالی کہیں نظر نہ آیا۔ دریافت فرمایا۔ وہ غریب کہاں گیا؟ تلاش کیا جائے۔ لوگ یہ سنتے ہی باہر نکلے

مدرسہ کے اردگرد تلاش کرنے لگے، دکانوں اور چائے خانوں میں گئے مگر وہ کہیں نظر نہ آیا۔ حاضر ہو کر عرض کیا۔ حضور اس آدمی کا پتہ نہیں چلا کہاں گیا؟ حضرت نے فرمایا وہ غریب ہے، اسے تعویذ دینا ہے، جاؤ تلاش کرو۔ بار بار یہی جملہ دہراتے رہے۔ حاضرین پریشان ہو گئے چوں کہ وہ ایک اجنبی شخص تھا، شہر کا باشندہ ہوتا تو اسے کوئی پہچاننے والا مل جاتا، اس کے گھر جا کر لایا جا سکتا تھا مگر اس اجنبی غریب کو کوئی جاننے پہچاننے والا ہو جب تو اس کے گھر جائے اور لائے۔ سخت دشواری کا سامنا ہے۔ ادھر حضرت کا پیہم اصرار وہ غریب ہے، اسے تعویذ دینا ہے، اسے تلاش کرو۔ لوگوں نے دور دور تک تلاش کیا مگر اسے نہ ملنا تھا نہ ملا لوگ حیران اور حضرت کا مسلسل اصرار۔

مالیگاؤں کے ایک قریبی قصبہ کے چند معزز اشخاص حضرت کو اپنے وہاں لے جانے کے لیے حاضر ہیں، دیر ہوتی جا رہی ہے، وہ عرض کرتے حضور وقت زیادہ ہو گیا ہے، گاڑی حاضر ہے، تشریف لے چلیں لیکن حضرت فرما رہے ہیں" وہ غریب ہے، اسے تعویذ دینا ہے، اسے تلاش کرو۔" اس طرح کافی وقت گزر گیا۔ مضافاتی قصبہ کے لوگوں نے گزارش کی حضرت چلنے کے لیے آمادہ ہو گئے مگر کار میں بیٹھتے ہوئے فرمایا۔ وہ غریب ہے، اسے تعویذ دینا ہے۔ کارروانہ ہوئی، تمام ارادت مند رخصت ہوئے۔ مدرسہ کے اساتذہ اور ذمہ دار اس واقعہ سے حیران تھے۔ الٰہی وہ کون شخص تھا جس نے حضرت کو پریشان کر دیا اور حضرت بار بار اسے یاد کر رہے ہیں۔ ڈیڑھ گھنٹہ ہوا ہو گا کہ مدرسہ کی طرف کار آنے کی آواز سنائی دی۔ کچھ لوگ باہر آئے۔ وہی کار جس پر حضرت سوار ہو کر گئے تھے۔ مدرسہ کے دروازہ پر آ کر رکی اور حضرت نے کار سے باہر آ کر فرمایا۔ وہ غریب ہے، اسے تعویذ دینا ہے، اسے تلاش کرو۔ یہ کہتے ہوئے مدرسہ میں داخل ہوئے اور قیام گاہ کے کمرے میں جا کر اپنی نشست گاہ پر بیٹھ کے بار بار فرما رہے ہیں وہ غریب ہے، اسے تعویذ دینا ہے۔ حاضرین دم بخود ہیں، پریشان ہیں۔ ابھی چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ وہی خستہ حال دیہاتی حاضر ہوا۔ حضرت نے اسے دیکھا متبسم ہو کر فرمایا۔" تم آ گئے۔ پھر قرطاس و قلم سنبھالا، چند نقوش تحریر فرمائے اور اسے عطا فرما دیے۔ اس کے بعد مضافاتی قصبہ کے معززین کے ساتھ ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ اس کے بعد لوگوں نے اس دیہاتی شخص سے پوچھا تم کہاں چلے گئے تھے؟ حضرت کو اور ہم سب کو پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ جواب دیا میں جھونپڑپٹی کا رہنے والا ہوں۔ ایک غریب آدمی ہوں۔ یہاں سے گھر چلا گیا تھا، اب واپس آیا ہوں۔

بعد میں مضافاتی قصبہ کے معزز افراد سے حضرت کی اتنی جلد مراجعت کا حال دریافت کیا گیا تو انھوں نے بتایا کہ ہم حضرت کو اپنے مکان پر لے گئے، وہاں ناشتہ حاضر کیا گیا، حضرت نے اسے ہاتھ نہ لگایا، فرمانے لگے" وہ غریب ہے، اسے تعویذ دینا ہے۔" اسی جملے کی تکرار کرتے رہے۔

آخر میں فرمایا ہمیں مالیگاؤں لے چلو۔ کس کی مجال تھی انکار کرتا، فوراً ہی ہم کار میں بٹھا کر یہاں لائے، راستہ میں بھی حضرت کی زبان پر وہی جملہ بار بار آتا رہا۔

خدمت خلق اور مفلس نوازی کا وہ جذبۂ خیر تھا جس نے آپ کو ایک انجانے غریب کے لیے اس درجہ مضطرب کر دیا تھا اور اس وقت تک سکون نہ حاصل ہوا جب تک اس غریب کو تعویذ عطا نہ فرما لیا۔ اللہ کے قدسی صفات بندے مخلوق خدا کے زخم پر مرہم رکھ کر ہی سکون و مسرت پاتے ہیں۔ ان کا مقصد حیات دردمندوں کی غمگساری اور شکستہ حالوں کی چارہ سازی ہے۔ یہی طرز عمل رضائے الٰہی کے حصول اور

دائمی راحتِ قلب وجگر کا سرچشمہ ہے۔

حضور مفتی اعظم کی عبقری شخصیت سے خیر و صلاح کے چشمے پھوٹے آپ کی پوری زندگی دوسرے انسانوں کی خیر خواہی و خدمت کے لیے وقت تھی وہ سفر میں ہوں یا حضر میں ہر حال میں خدمت خلق کے جذبات سے سرشار اور اس کے لیے مستعد رہتے تھے۔ ان کی یہ ہمہ گیر خدمت کسی ذاتی غرض یا خارجی دباؤ کا نتیجہ نہ تھی۔ انھوں نے اسے شہرت و ناموری یا دنیاوی مفاد کے حصول کا ذریعہ ہرگز نہ بنایا بلکہ اسے ایک مقدس فریضہ سمجھ کر انجام دیتے رہے۔ انھوں نے اس کے ذریعے خدا کی رضا طلب کی اور اسی سے صلہ کی امید وابستہ رکھی۔

☆☆☆☆☆

ہمارے مرشد گرامی علیہ الرحمہ

اسیر مفتی اعظم الحاج محمد سعید نوری دام ظلہ
بانی وصدر رضا اکیڈمی، ممبئی

فدائے مفتی اعظم جناب الحاج محمد سعید نوری بانی رضا اکیڈمی ممبئی۔ ایک نہایت ہی فعال اور متحرک شخصیت کا نام ہے، اس وقت قومی سطح پر جماعت اہل سنت کا ترجمان آپ کو کہا جائے تو بجا ہے۔ اسلام وسنیت کے تعلق سے ملکی ہو یا عالمی ہر طرح کی تحریکات سے میں آپ نمایاں حصہ لیتے ہیں، بزرگوں کا جشن بنانا ہو یا دشمنان اسلام کے خلاف احتجاج کرنا ہو، سیلاب وزلزلے سے متاثرین کی امداد ہو یا فرقہ وارانہ فسادات سے دوچار مظلوموں کو ریلیف پہنچانا، اہل علم وفن کو ایوارڈ دینا ہو یا دینی موضوعات پر مقابلوں میں حصہ لینے والوں کو انعامات تقسیم کرنا، حتی کہ درسی وغیر درسی کتابوں کی اشاعت وتقسیم، ہر میدان میں نوری صاحب کی خدمات نے ریکارڈ توڑ کام کیا ہے، یہ سب فیضان ہے ان کے مرشد گرامی سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کا۔ الحاج محمد سعید نوری صاحب نے آنکھیں کھولیں تو مفتی اعظم کو دیکھا اور پھر دو سال تک دیکھتے ہی رہے، دعائیں بھی پائیں اور خوب پائیں، فیض صحبت بھی اٹھایا اور مالا مال ہوئے۔ ذیل کے مضمون میں آپ نے اپنی کچھ آپ بیتی سپرد قرطاس کیا ہے۔ جس میں مرشد سے عقیدت کے جلوے بھی نمایاں ہیں اور سرکار مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات بابرکات کے نہایت سبق آموز واقعات بھی ضوفشاں ہیں۔ (از: محمد عبدالمبین نعمانی قادری رضوی)

آج بعد نماز جمعہ باوضو میں اپنے مرشد برحق سیدنا سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کی غرض سے چند باتیں تحریر کر رہا ہوں تا کہ آنے والی نسلیں اس بات پر ناز کریں کہ ہمارے باپ دادا ایسے ولی کامل کے مرید تھے جن کی ولایت کی بشارت خود ان کے مرشد گرامی حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دی تھی۔ مجھے بھی ان کی غلامی پر ناز ہے کہ نہ صرف انھوں نے اپنے دامن کرم میں لیا بلکہ میرا نام بھی محمد سعید حضرت نے ہی تجویز فرمائی، آخری علالت کے زمانے میں بھی بارہا ایسا ہوا کہ میں جب بھی بریلی شریف حاضر ہوا، حضرت کے خادم حضرت ناصر میاں صاحب (ناصر چچا) یا بابو بھائی حضرت کو بتاتے کہ یہ سعید یا سعید بھائی بمبئی سے آئے ہیں تو حضرت مسکرا کر فرماتے: میں جانتا ہوں، پھر ارشاد فرماتے کہ "اللہ سعید بنائے" مجھے اپنے مرشد کے اس قول پر اس قدر بھروسہ اور اعتماد ہے کہ میں مرنے سے ایک ساعت پہلے ہی سہی نیک ضرور ہو جاؤں گا۔

حضرت کا کئی کئی روز ہمارے گھر میں قیام رہا کرتا تھا، جب حضرت کی واپسی ہوتی تو ہمارے دادا کہا کرتے تھے کہ حضور کے جانے سے ہمارا گھر سونا ہو جاتا ہے، حضرت دعائیں دیتے اور فرماتے کہ تمہارا گھر ہمیشہ شاد وآباد رہے گا۔ حضرت کی دعاؤں کی برکت سے آج بھی الحمد للہ ہمارا پورا خاندان کسی کا محتاج نہیں ہے۔ اور سب خوش حال بھی ہیں۔ حضرت کی شفقتیں اس قدر تھیں کہ ایک بار میرے تایا جناب خلیل احمد رضوی صاحب سے فرمایا کہ "میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو"۔ میرے تایا کے گھر میں ۱۴ ر سال بعد دوسری اولاد ہوئی جس کا نام حضرت نے محمد خالد رضا تجویز فرمایا، جو گھر میں شیخو کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ میری بھی پیدائش سے پہلے میرے والد ماجد جناب شفیع احمد رضوی صاحب نے حضرت سے عرض کیا کہ حضور دو لڑکیاں ہیں، دعا فرمائیں کہ اب لڑکا پیدا ہو۔ حضرت نے دعا فرمائی، جس کے بعد

میری پیدائش ہوئی۔ ایک بار اماں (یعنی ہماری تائی) نے حضرت سے عرض کیا کہ حضور تعویذ عنایت فرمائیں۔ نہ معلوم اس دن حضرت کی کیا کیفیت تھی؟ جلال میں فرمانے لگے۔ تعویذ تعویذ تعویذ! ارے میرے مریدوں کو تعویذ کی کیا ضرورت ہے؟ مگر جب ممبئی سے واپسی ہورہی تھی تو تعویذ عنایت فرمادیا۔

مزارات پر حاضری : میں حضرت کے ساتھ بمبئی اور بمبئی کے باہر بہت سے مزارات پر حاضر ہوا ہوں۔ ممبئی میں حضرت بابا بہاء الدین شاہ اصفہانی اور حضرت مخدوم علی مہائمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے مزارات پر بھی حضرت کے ساتھ حاضری دی ہے۔ ماہم شریف میں حوض ہے، حوض کے بعد مسجد ہے اور پھر مزار شریف ہے۔ وضو فرمانے کے بعد مسجد میں قدم رکھنے سے پہلے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: حضور یہ مسجد ہے۔ فرمایا مسجد کو راستہ بنانا حرام ہے۔ دوسرے راستے سے مزار شریف پر حاضری دی۔ حاضری کا طریقہ یہ ہوا کرتا تھا کہ فاتحہ کے بعد مزار شریف پر پھول پیش کیا کرتے تھے، پھول پیش کرنے کے بعد کچھ دیر کھڑے رہا کرتے تھے جیسے واپسی کی اجازت لے رہے ہوں، اس کے بعد مزار شریف سے واپس ہوتے تھے۔ ممبئی کے ان مزارات کے علاوہ سورت میں حضرت خواجہ دانا شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار کی بھی زیارت کی ہے۔

بڑودہ کی جامع مسجد میں قرآن پاک کا دنیا کا سب سے بڑا نسخہ ہے، اس کی زیارت حضرت کے ساتھ اجمیر شریف جاتے ہوئے راستہ میں ہوئی تھی۔ اس سفر میں احمد آباد میں دارالعلوم شاہ عالم تشریف لے گئے، اس ادارے کے بانی حاجی سلیمان سیٹھ جو اعلیٰ حضرت کے مرید بھی تھے ان کے گھر جاکر ان کے اہل خانہ کی تعزیت کی۔ احمد آباد میں ہی حضرت شاہ عالم، حضرت قطب عالم، حضرت موسیٰ سہاگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے مزارات ہیں۔ حضور غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار اقدس پر حاضری کا سماں تو کیا پوچھنا؟ جب حضرت مزار شریف پر حاضر ہوئے تو پورا مجمع رک گیا۔ جب حضرت فاتحہ سے فارغ ہوکر پھول پیش فرمانے لگے تو عثمان کھتری صاحب نے جو ممبرا میں رہتے ہیں نعرہ لگایا، حضرت نے اشارہ سے لوگوں کو منع کیا، اس کے بعد مزار شریف سے باہر آئے۔ آبو روڈ اور پالی بھی اسی سفر میں جانا ہوا تھا، پورے سفر میں حضرت نے کسی بھی ہندو کے یہاں کھانے کی تو بڑی بات ہے، ہندوؤں کی دکان سے چائے اور مٹھائی تک نہیں لی۔ آبو روڈ کی ربڑی بہت مشہور ہے، عبدالخالق حشمتی صاحب نے کہا کہ حضور! ربڑی کھائیں گے؟ حضرت نے انکار فرمادیا۔ سب سمجھ گئے کہ یہاں مسلمان کی ربڑی کی دکان نہیں ہے، اس لئے حضرت نے انکار فرمایا۔ لوگوں نے ربڑی کھائی مگر حضرت کار میں تشریف فرما رہے۔ حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ تم میرے پاس بیٹھو، میں نے عرض کیا کہ حضور! میں آرام سے ہوں۔ حضرت پیچھے کی سیٹ پر تشریف فرما تھے، میں ڈرائیور کے بازو میں تھا اور میرے بازو میں ایک اور صاحب تھے، میرے سامنے ایک چھوٹا سا پلاسٹک کا پنکھا لگا ہوا تھا جو چل رہا تھا، گاڑی چلی اور بریک لگنے پر میں آگے جھک گیا تو میرے ہاتھ کی ایک انگلی پنکھے میں آگئی جس سے خون نکلنے لگا اور میں رونے لگا، گاڑی روک کر چونا لگایا گیا اور پھر حضرت نے اپنے بازو میں بٹھایا اور فرمایا میں تو پہلے ہی تم کو یہاں بیٹھا رہا تھا اور تبسم فرمانے لگے، ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ حضرت نے کشف کے ذریعہ معلوم کرلیا تھا کہ عنقریب میں زخمی ہونے والا ہوں، اس لیے مجھے اپنے پاس بلانا چاہا لیکن چوں کہ قضا ٹلنے والی نہیں تھی اس لیے میں چاہتے ہوئے بھی حضرت کے پاس نہ جاسکا۔ لگتا تھا کسی نادیدہ قوت نے مجھے جکڑ لیا ہے۔ پالی میں حضرت نے کسی صاحب کا نام پوچھا تاکہ معلوم کریں کہ وہ کہاں رہتے ہیں؟ ایک جگہ پوچھا گیا تو لوگوں نے حضرت کو دیکھ لیا، پھر کیا تھا؟ ایک مجمع حضرت کی گاڑی کے ساتھ ساتھ ہولیا، ایک مسجد کے حجرے میں یا مسجد کے بازو میں کسی کے مکان پر لوگ حضرت کو لے گئے اور ان لوگوں نے اتنے اہتمام کے ساتھ ضیافت کی کہ آج بھی وہ منظر میری نگاہوں کے سامنے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت کی اقتداء میں نماز : بریلی شریف میں آخری وقت ظہر تھا کہ حضرت مسجد میں تشریف لائے اور جو لوگ قابل امامت تھے ان لوگوں کو پہلے ہی ہٹا دیا گیا تھا وقت بھی کم تھا، حضرت وضو سے فارغ ہوئے، سنت ادا کرنے کے بعد فرمایا: نماز پڑھایئے! بابو بھائی نے جو حضرت کے خادم تھے، عرض کیا، حضور! کوئی امام نہیں ہے، حضور ہی نماز پڑھادیں۔ حضرت نے ادھر ادھر دیکھا جب کوئی نظر نہیں آیا تو مصلیٰ پر تشریف لے گئے اور امامت فرمائی۔ اسی طرح حضرت کے پیچھے ایک اور بار بھوالی میں نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

افطار اور تراویح : ایک بار میں ماہ رمضان شریف میں بریلی شریف چلا گیا تھا، تین روزے کا افطار حضرت اور پیرانی اماں کے ساتھ کرنا نصیب ہوا۔ اس وقت تک پیرانی ماں صاحبہ سے پردہ نہیں تھا۔ نماز تراویح کوئی صاحب ''الم تر'' سے پڑھاتے تھے، حضرت رحمانی میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس سال حضرت کو کمزوری زیادہ ہے، اس لیے حافظ قرآن کو نہ بلوا کر ایک قاری کو تراویح کی امامت کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے، وہ قاری صاحب ''الم تر'' سے تراویح پڑھاتے تھے۔ انھوں نے چھ رکعتوں میں کوئی غلطی کی، حضرت نے فرمایا: آپ نے یوں پڑھا ہے، یوں پڑھیے۔ اس طرح ۲۰ رکعات کی بجائے ۲۶ رکعات پڑھی گئیں۔

نماز جنازہ : میرے رشتے کے دادا عبدالستار صاحب کے انتقال کے موقع پر حضرت ممبئی میں تشریف فرما تھے، نماز جنازہ میں حضرت نے شرکت فرمائی، اس کے بعد گھر کے تمام لوگ قبرستان چلے گئے تھے، میں حضرت کو لے کر گھر آ گیا۔ حضرت نے فرمایا: آپ قبرستان نہیں گئے، میں نے عرض کیا: حضور! نماز جنازہ پڑھ لیا ہے اور جنازہ کو کاندھا بھی دے دیا ہے۔ یہ میرے بچپن کی بات ہے، کاندھا میں نے اس وقت دیا جب کہ لوگ جنازہ زمین سے کاندھوں پر اٹھا رہے تھے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اجازت لے کر واپس ہوئے ہو؟ اس پر میں خاموش ہو گیا۔ گھر میں صرف میں اور حضرت تھے، گھر کی تمام عورتیں بھی میت کے گھر گئی ہوئی تھیں۔ میں نے آئسکریم پیش کیا۔ حضرت نے اس کو تناول فرمایا، اس میں سے جو بادام پستہ منہ میں آ جاتا اس کو نکال لیتے اور مجھ کو عطا فرماتے اور میں اس کو کھا جاتا۔ پھر جو آئسکریم حضرت نے چھوڑ دی اس کو میں نے کھا لیا۔

نکاح ثانی : میرے تایازاد بھائی خلیل احمد رضوی کی شادی میں خلاف شرع کام ہوا تھا تو جب حضرت ممبئی تشریف لائے اور ہمارے گھر پر حضرت کی دعوت ہوئی تو کسی صاحب نے حضرت کے ہاتھ میں ایک خط دے دیا جس میں ان تمام خلاف شرع باتوں کی تفصیل تھی جو شادی میں ہوئی تھیں، حضرت جلال میں آگئے اور فرمایا کہ میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ سخت برہمی کا اظہار فرماتے رہے۔ پھر تایا صاحب خلیل احمد رضوی اور والد صاحب شفیع احمد رضوی اور بھائی جان جلیل احمد رضوی اور جو دوست و احباب شادی میں شریک تھے اور دعوت میں موجود تھے، ان سب کو کلمہ پڑھوایا اور دوسرے روم میں تشریف لے گئے تایا اور تائی، والد اور والدہ، بھائی اور بھابھی کا حضرت نے تجدید نکاح کروایا اور اپنے جیب خاص سے تینوں کی مہر کی رقم ان لوگوں کے ہاتھ میں دی۔

مسجد کا ڈھیلا : حضرت گھر میں تشریف فرما تھے، استنجا کے لیے ڈھیلا طلب فرمایا، والد صاحب اور ان کے دوستوں نے ڈھیلا تلاش کرنا شروع کیا، میں دوڑ کر مسجد گیا اور وہاں سے ڈھیلا لے کر آ گیا۔ ابھی یہ لوگ ڈھیلا ڈھونڈ ہی رہے تھے کہ میں اپنے دونوں ہاتھوں میں جو ڈھیلے تھے وہ دیے تو حضرت نے فرمایا: کہاں سے لے آئے؟ میں نے خوشی خوشی بتایا کہ مسجد سے۔ حضرت نے فرمایا کہ مسجد کا ڈھیلا مسجد کے باہر نہ لانا چاہئے۔ جاؤ اسے مسجد میں رکھ آؤ۔ میں واپس وہ ڈھیلا مسجد میں رکھ آیا۔

حضرت کے قدموں کا دھوون : حضرت کے ساتھ قلم اور دوات رہا کرتی تھی، اسی سے فتاویٰ اور تعویذات لکھا کرتے تھے، فاؤنٹین پین استعمال نہیں فرماتے تھے کیوں کہ اس کی سیاہی میں اسپرٹ ہوتی ہے۔ ہمارے کسی تعویذ لینے والے سے حضرت کی سیاہی

حضرت ہی کے پیروں کے پنجے پر گرگئی، میں اور بھائی جان دونوں نے حضرت کو پلنگ پر بٹھا کر حضرت کے قدموں کو دھویا اور جو پانی تھا وہ تمام گھر والوں نے پی لیا۔ الحمد للہ۔ جس چادر پہ وہ سیاہی گری تھی وہ چادر آج بھی ہمارے گھر میں موجود ہے۔

آخری عرس رضوی : ۱۴۰۱ھ کے عرس رضوی کے موقع پر حضرت کی خدمت میں ممبئی والوں کو مقرر کیا گیا تھا، میں برابر حضرت کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ اس وقت مولانا منصور علی خان صاحب کی کتاب خوابوں کی بارات مولانا مقصود علی خان صاحب نے پیش کی کہ حضور! یہ کتاب بھائی صاحب نے تحریر فرمائی ہے اور حضور کی خدمت میں پیش کرنے کو کہا ہے۔ حضرت نے اس کو اپنے ہاتھوں میں لیا، دعائیں دیں اور فرمایا کہ آیت قرآنی کو صفحۂ اول پر نہ لکھا جائے، لوگ وضو بے وضو رہتے ہیں اور قرآنی آیت کو بے وضو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔

وہ تو توبہ کرنے آیا ہے : اسی موقع پر نائب مفتی اعظم شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لائے اور ان کے صاحبزادے ڈاکٹر محب الحق صاحب جو اس وقت علی گڑھ میں تعلیم حاصل کر رہے ہوں گے، اپنے ساتھیوں کے ساتھ آئے۔ مفتی صاحب سب کا تعارف کروا رہے تھے کہ ایک شخص بیچ میں آ گیا اور کہنے لگا مجھے مرید ہونا ہے۔ مفتی صاحب کو جلال آ گیا کہ حضرت دوسری طرف متوجہ ہیں، یہ مرید ہونے کی بات بیچ میں کر رہا ہے۔ فرمایا: ابھی نہیں کل مرید ہونا۔ مفتی صاحب کے یہ فرمانے پر حضرت نے ارشاد فرمایا: مفتی صاحب! وہ تو توبہ کرنے کے لیے آیا ہے اور آپ فرما رہے ہیں کہ توبہ کل ہوگی۔ سب سے ملنے کے بعد حضرت نے اس شخص کو بیعت کیا۔

بارگاہ مرشد میں حضرت کی حاضری : علالت کے زمانے میں حضرت مارہرہ شریف حاضر ہوئے، حضرت کے ساتھ ممبئی کے ڈاکٹر کمال الدین صاحب بھی تھے، ان کا بیان ہے کہ حضرت سب سے پہلے اپنے مرشد کے مزار پر حاضر ہوئے اور جو لوگ ساتھ تھے ان سے فرمایا یہ میرے پیر کا مزار ہے، اعلیٰ حضرت نے بھی ان سے فیض حاصل کیا ہے۔

حج کو تشریف لے جاتے وقت کا جلوس : ۱۹۷۱ء میں جب حضرت حج کے لیے جا رہے تھے، اس وقت جھولا میدان سے بیلارڈ پیئر تک جلوس لے جایا گیا تھا۔ حضرت ۴ رگھوڑے کی بگھی میں تشریف فرما تھے، ہزاروں افراد حضرت کے اس جلوس میں شریک تھے۔ میری نگاہوں نے ممبئی میں کسی بھی شخص کا حج پر جاتے ہوئے اتنا بڑا جلوس نکلا ہو نہیں دیکھا ہے۔ میں حضرت کے پیچھے بگھی پر کھڑا تھا اور نعرے لگا رہا تھا اور بیلارڈ پیئر پہنچ گیا۔ حضرت بگھی میں ہی تشریف فرما تھے، میں نے حضرت کی دست بوسی اور قدم بوسی کی، حضرت نے مجھے پکڑا اور پیشانی چوم کر مجھے وہ عزت بخشی کہ جیتے جی ہم جیسے گنہگار یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اسی طرح جب حضرت حرمین شریفین سے واپس تشریف لائے اس وقت بھی حضرت جن دو کاروں میں یکے بعد دیگرے تشریف فرما ہوئے تھے، ان دو کاروں میں حضرت کے ساتھ یہ غلام بھی تھا۔

حضرت مرشد گرامی کی کیا کیا کرم فرمائیاں ہوئیں اور ہو رہی ہیں کہاں تک بیان کروں؟ بیان کرتے کرتے عمر گزر جائے گی مگر ان کے تذکروں سے دل نہیں بھرے گا۔ آپ حضرات سے صرف یہ گزارش ہے کہ میرے حق میں دعا فرمائیں کہ مجھ پر میرے مرشد کی نظر عنایت ہمیشہ رہے۔

حضور مفتی اعظم اور رد بدعات و منکرات

مولانا حبیب احمد مصباحی
استاذ جامعہ عربیہ رضویہ اشاعت العلوم، جسپور، نینی تال، اترانچل

مذہب اسلام کی دعوت و تبلیغ اور تشریح و اشاعت کے لیے ان گنت وسائل و ذرائع ہیں۔ آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر موجودہ زمانے تک قرآن و سنت کی وضاحت اور تفسیر و تفصیل کے لیے صحابۂ کرام و تابعین عظام، ائمہ مجتہدین و علمائے اسلام نے ایسی عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں جن کو کتب و تاریخ و سیر میں سنہرے الفاظ سے لکھا گیا ہے۔ ان کی یہ خدمات اور لازوال کارنامے آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ اور مینارۂ نور ثابت ہوئے ہیں۔

آج اگر متحدہ ہندوستان کی دعوت و تبلیغ کی تاریخ کا گہرائی سے مطالعہ کریں تو جہاں ایک طرف حسنی حسینی باغ کے شگفتہ پھول سلطان الہند حضرت عطائے رسول خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان نے کفرستان ہند میں شمع اسلام کو روشن فرما کر لاکھوں قلب کو نور ایمان سے منور فرمایا اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی و حضرت نظام الدین محبوب الٰہی و دیگر خلفا علیہم الرحمۃ والرضوان کے فیضان نظر سے لاکھوں گم گشتگان راہ حق و صواب صراط مستقیم پر گامزن ہو گئے۔ وہیں محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی و امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی علیہما الرحمۃ والرضوان نے اپنی تحریری و قلمی خدمات اور مجاہدانہ مساعی جمیلہ سے لاکھوں انسانوں کے دلوں کو یقین و اذعان کی دولت بے بہا سے مالا مال کر دیا اور آج جو ہر طرف ہند و پاک اور دیگر ممالک میں اسلام کی روشنی [illegible] رسالت کے سرمدی نغمے گونجتے نظر آ رہے ہیں وہ انھیں نفوس قدسیہ کے دم قدم کی بہاریں ہیں۔

چنانچہ چودھویں صدی ہجری میں انھیں بزرگان دین کے پیروکاروں اور مقلدوں میں وارث و جانشین کی حیثیت سے [illegible] ابھرتے ہوئے دو نام نظر آتے ہیں جن میں ایک عالم اسلام کی مقتدر اور عبقری شخصیت امام اہل سنت قاطع کفر و بدعت [illegible] خان صاحب علیہ الرحمۃ کی ہے، جنھوں نے اپنی تصانیف کثیرہ اور بے مثال قلمی نگارشات و علمی تحقیقات کے ذریعہ [illegible] گراں قدر فریضہ انجام دیا اور اپنی لاجواب نعتیہ شاعری اور ایمان افروز ترانوں کے ذریعہ ایشیا و افریقہ، یورپ و امریکہ کے [illegible] العالمین علیہ التحیۃ والثنا کی عظمتوں کے ڈنکے بجا دیے۔

اور دوسری جلیل القدر ذات گرامی شہزادۂ امام احمد رضا حضور مفتی اعظم الشاہ آل الرحمٰن محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری نوری علیہ الرحمۃ والرضوان کی ہے جن کے فضل و کمال علم و عمل، زہد و تقویٰ کے سامنے علما و فضلائے وقت کی گردنیں تسلیم و رضا سے خم نظر آتی تھیں اور جنھیں پروردگار کائنات نے تسخیر قلوب کی دولتِ عظمیٰ سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ وہ جدھر گزر گئے ادھر ہزاروں دل ان کے لیے فرش راہ بن گئے اور جہاں وہ قیام پذیر ہو گئے وہیں علم و عرفان اور عشق نبوی کے خزانے تقسیم فرمانے لگے۔

حضور مفتی اعظم علم کے دریاے ذخار تھے۔ علوم اسلامیہ پر گہری بصیرت رکھتے تھے۔ فتاوے قلم برداشتہ تحریر فرمادیا کرتے تھے۔ فضلائے وقت جن علمی اشکالوں میں الجھ کر رہ جاتے حضور مفتی اعظم انھیں چٹکیوں میں حل فرمادیتے۔

قارئین کرام! امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان وحضور مفتی اعظم و دیگر علماے بریلی کے تعلق سے بعض معاندین ومخالفین اہل سنت یہ پروپگنڈا کرتے ہیں کہ انھوں نے بدعتوں کو فروغ دیا اور بجاے سنتوں کو زندہ کرنے کے بدعتوں کو زندہ کیا۔ چوں کہ اس مضمون کا تعلق حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات بابرکات سے ہے۔ لہٰذا انھیں کی کتابوں سے نمونے کے طور پر ایسی عبارتیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جن سے مخالفین ومعاندین پر واضح ہو جاے گا کہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے بدعتوں اور خلاف شرع باتوں کو فروغ نہیں دیا ہے بلکہ بدعات ومنکرات کا سخت رد فرمایا ہے اور احقاق حق اور ابطال باطل کا حق ادا کردیا ہے۔

تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خان صاحب ازہری قبلہ فرماتے ہیں:

''سیدی مفتی اعظم احتیاط اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں ان کا وہ مقام تھا جو دوسرے حضرات میں نہ پایا جاتا۔ قدم قدم پر لوگوں کو برائی سے باز رکھنا، نیکی کی تلقین کرنا اور بلا جھجک غیر شرعی حرکت پر ٹوک دینا یہ وہ خوبیاں ہیں جو سیدی حضور مفتی اعظم میں ان کے ہم عصروں سے زیادہ پائی جاتی تھیں۔ (ماہنامہ استقامت، کان پور ۱۹۸۳ء)

اب ہم بلا تبصرہ قارئین کی خدمت میں ان کی اصل کتابوں سے عبارتیں پیش کررہے ہیں تاکہ قارئین کرام اور افادات نوری کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل نہ ہو اور براہ راست وہ خود بھی نتیجہ اخذ کرسکیں۔

بے علم مفتی :

خارج مسجد ایک درخت مولسری کا ہے اس کا ایک ٹہنہ مسجد کی سبیل پر سایہ کیے ہوئے ہے جس کے سایے میں بیٹھ کر نمازی وضو کرتے ہیں۔ دو شخص اس درخت کو کاٹنا چاہتے ہیں۔ باقی اہل محلہ درخت کے کاٹنے کے خلاف ہیں۔ جب اہل محلہ نے درخت کاٹنے سے روکا تو ایک شخص بولا کہ مسجد میں درخت کا ہونا جائز نہیں۔ الی آخرہ

الجواب: اس درخت کے کاٹنے کا انھیں کوئی اختیار نہیں۔ وہ درخت خارج مسجد ہے، اگر مسجد میں ہوتا تو جب بھی انھیں اختیار نہ تھا خصوصاً اس صورت میں کہ اور اہل محلہ مانع ہیں اور اس درخت سے منفعت بھی ہے۔ مسجد میں یعنی موضع صلاۃ میں بعد مسجدیت درخت بے ضرورت بونا مکروہ ہے۔ وہ شخص غلط و باطل (من گھڑت) فتویٰ دیتا ہے کہ مسجد میں درخت کا ہونا جائز نہیں۔ اگر بے علم فتویٰ اتفاقاً صحیح بھی ہو جب بھی تو بہ چاہیے نہ کہ محض غلط و باطل۔ بے علم فتویٰ دینا حرام ہے۔ (فتاویٰ مصطفویہ، حصہ سوم، ص ۱۹۸، جدید اشاعت ص ۴۷۸)

بد مذہبوں سے میل جول :

وہابی، نیچری، دیوبندی، قادیانی، رافضی، شیعہ وغیرہم معاملات میں ایک درجہ میں ہیں یا کچھ فرق ہے؟ ان کے ساتھ رسم رکھنا کھانا پینا ان کا حقہ پینا کیسا ہے؟ جو لوگ ان سے ایسے معاملات رکھتے ہیں ان کا حقہ پینا ان کے یہاں کھانا پینا کیسا ہے؟ الی آخرہ

الجواب : جو مرتدین ہیں نیچری، وہابی، دیوبندی، قادیانی، رافضی ان سے میل جول رسم وراہ کیسی؟ نری معاملت بھی حرام ہے۔ جو لوگ ان مرتدین کے عقائد کفریہ پر مطلع ہوتے ہوئے ان سے میل جول رکھتے ہیں، حرام کار گنہ گار ہیں۔ جس بدمذہب کی بد مذہبی حد کفر کو نہ پہنچی ہو جب اس سے میل جول ناجائز تو ان مرتدین سے رسم وراہ کے کیا معنی بلکہ فاسق العقیدہ ہی نہیں فاسق العمل کے پاس بیٹھنے کی اجازت

نہیں جب تک وہ توبہ نہ کرے۔ قال تعالیٰ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۔(سورۂ انعام ۶/۶۸) مسلمان ایسوں سے قطع تعلق اور ان کا حقہ پانی بند کر سکتے ہیں، اگر ان کی شرارتوں سے فتنہ کا خوف کرتے ہیں تو معذور ہیں (تفسیرات احمدیہ کا حوالہ دیتے ہوئے آگے چل کر لکھتے ہیں) بے ضرورت وحاجت ہرگز نہیں یہاں تک اگر کسی کافر یا مبتدع (بدعتی) کو سنّی مسلمان سمجھ کر سلام کہے پھر اس کا کافر یا مبتدع ہونا معلوم ہوا تو کہہ دے کہ میں اپنے سلام سے باز آیا۔ (فتاویٰ مصطفویہ جلد ۳، ص ۱۹۷)

محافلِ ذکرِ شہادت :

محرم شریف میں حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکرِ شہادت صحیح روایتوں سے مسلمانوں کو سنانے کے لیے محفلیں منعقد کرنا یا حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کو ایصال ثواب کے لیے ان کی نیاز دلانا سنّی مسلمان کے لیے مذہبی رسوم میں سے ہے یا نہیں اور ایک سنّی مسلمان اس کو اپنی مذہبی رسم کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب : بے شک بے شبہہ حضرات امامین، سیدین، شہیدین حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے پاک ذکر مبارک کی مجلس متبرکہ اہل سنت کا طریقۂ رضیہ رسم محمودہ مرضیہ ہے۔ محبوبانِ خدا و پیشوایانِ دین حبیب کبریا علیہ ثم علیہم التحیۃ والثنا کا ذکر مسلمانوں کے دین میں ذکر خدا ہی ہے

مردان خدا خدا نباشند لیکن ز خدا جدا نباشند

ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا ان محبوبانِ الٰہی سے علاقہ ان کی ذوات کے لیے نہیں۔ بلکہ اسی لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوبان با اختصاص ہیں ان کا ذکر وہ اسی لیے کرتے ہیں کہ وہ بارگاہِ الٰہی کے خاص مقبول بندے ہیں۔ ان کا ذکر باعث رحمت و برکت اور کارِ ثواب ہے۔ ان کا ذکر خدا کی عبادت اور خدا چاہے تو سبب نجات از عذاب ہے۔ امام سفیان بن عینیہ فرماتے ہیں، عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ (المقاصد الحسنہ للسخاوی حدیث ۔۷۲۰، دار الکتاب العربی، بیروت) اور خاص کر یہ ذکر شہادت تو ارشاد الٰہی وَذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰهِ (سورۂ ابراہیم ۵/۱۷) کے نیچے داخل ان مجالس کی رسم بہترین رسم ہے ان مجالس سے مسلمانوں کے بہت دینی فائدے ہیں مگر وہابی دیوبندی محبوبانِ خدا کے دشمن ایسے دشمن ہیں کہ وہ ان کا ذکر بھی سننا نہیں چاہتے بلکہ اتنا بھی نہیں سن سکتے کہ سال بھر میں ایک بار فلاں جگہ ان کا ذکر خیر ہو اور کیوں چاہیں گے؟ جانتے ہیں کہ جب تک ان کا ذکر مسلمانوں میں رائج رہے گا، مسلمانوں کو ان سے محبت رہے گی۔ ان کے دام تزویر میں آسانی سے نہ پھنس سکیں گے۔ ان مجالس مبارکہ اور اس ایصال ثواب کی رسم ایسی ہی ہے جیسے مجلس میلاد مبارک اور گیارھویں شریف کی رسم ہم مسلمانوں میں رائج ہے۔ وہابیوں کے نزدیک جیسے مجلس میلاد شریف وغیرہ ویسے ہی یہ مجالس متبرکہ اصل علت تو وہی محبوبان خدا سے عداوت ہے مگر ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں، وہابیوں کے نزدیک دیگر رسموں کی طرح یہ بھی ایک رسم ہے لہٰذا حرام ہے۔

دیوبندیوں کے پیشوا اشرف علی تھانوی کی اصلاح الرسوم دیکھیے۔ (۱) کھچڑا یا کچھ کھانا پکا کر احباب یا اور مساکین کو دینا اور ان کا ثواب حضرت امام حسین کو بخش دینا اس کی اصل وہی حدیث ہے کہ جو شخص اس دن میں اپنی عیال پر وسعت دے اللہ تعالیٰ سال بھر تک اس پر وسعت فرماتے ہیں مگر چوں کہ اس میں رسوم کی پابندی کر لی ہے اس کو تہوار قرار دیا ہے اس لیے رسم کے طور پر کرنے سے ممانعت کی جائے گی۔ (۲) شربت پلانا یہ بھی اپنی ذات میں مباح تھا۔ جب پانی پلانے میں ثواب تو شربت میں کیا حرج تھا مگر وہی رسوم کی پابندی اس میں بھی ہے مختصراً (۳) شہادت کا قصہ بیان کرنا یہ بھی فی نفسہ چند روایات کا ذکر کر دینا ہے فی ذاتہٖ جائز تھا مگر الخ۔

انھیں تو رسم سے چڑھ ہے اس سے کچھ بحث نہیں کہ رسم اچھی ہے یا بری ان کے نزدیک رسم ہے تو بری ہی ہے۔نہیں تو نہیں۔بات وہ ہی ہے کہ محبوبانِ خدا کی تعظیم، ان کا ذکر، انھیں ایصال ثواب، سے چڑھ ہے، محبوبانِ الٰہی کو ایصال ثواب ان کا ذکر شریف معاذ اللہ اس کی رسم تو بری ہے۔ بوجہ رسم ہونے کے حرام ہے۔ مگر اب پیری مریدی کی رسم کیا خلاف کلیت ہے پہلے خشک وہابیوں کے نزدیک تو وہ بھی شرک تھی مگر اس وقت کے وہابی اپنے ان اسلاف کو احمق سمجھتے ہیں کہ ایسے نفع کی بات کو بے وقوف شرک و بدعت بتاتے تھے۔انھیں ہر وہ بات جس میں وہابی کا مالی نفع ہو بالکل حلال ہے۔انھیں اگر مسلمانوں میں بجائے کھچڑا پکانے، لنگر کرنے، شربت یا سبیل لگانے مجالس ذکر میں خرچ کرنے کے یہ رسم ہو جائے کہ وہ جو روپیہ ان کاموں میں صرف کرتے ہیں وہابیوں کو مدرسہ یا کسی زر چندہ کے نام سے دے دیں پھر رسم نہایت خوب محبوب و مرغوب و مطلوب ٹھہرے گی۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ (فتاویٰ مصطفویہ، جلد ۳، ص ۱۶۶، اشاعت جدید ص ۴۴۲)

آتش بازی :

شب براءت کی آتش بازی مسلمانوں کے ہاتھوں فروخت کرنا اور خود چھوڑنا اور دوسروں کو چھوڑنے کی تحریک کرنا اور امداد دینا جملہ امور متذکرہ بالا کے بارے میں جو شریعت کا حکم ہو وہ مفصل بتلایا جائے۔

الجواب : عقل ونقل کا قاعدۂ مسلمہ اور ایک پختہ اصل از اصول محکمہ ہے کہ جرم میں کسی طرح کی اعانت بھی جرم ہے۔یہاں تک کہ اس میں برائے تماشا شرکت بھی — قرآن کریم کا ارشاد ہے وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (سورۂ مائدہ ۵/ ۲) گناہوں پر ایک دوسرے کی اعانت و امداد نہ کرو، مال ضائع و برباد کرنا حرام ہے۔شب براءت کی آتش بازی ناجائز بازی ہے کہ اولاً وہ بازی ہے اور لہو ولعب حرام پھر اس میں تضییع مال ہے اور وہ ناجائز ہے۔ مبذر پرلے درجے کا ناشکرا اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا تو ہر مبذر اس ناشکری کے سبب شیطان کا بھائی ٹھہرا قرآن کریم متنبہ فرماتا ہے لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا مگر یہ نہیں سنتا اور اس عطیہ الٰہیہ کو جسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا تھا۔ شیطان کی راہ میں بے دریغ صرف کرتا ہے اسی پر تو قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۔ (سورۂ اسراء ۱۷/ ۲۷) اللہ تعالیٰ ہمارے بھائیوں کی آنکھیں کو کھولے اور ہم سب کو شیطان کے قدموں پر چلنے سے بچائے۔(حوالہ مذکورہ)

امام ضامن باندھنا :

امام ضامن باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: امام ضامن کا روپیہ کپڑے میں باندھا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص بخیر و خوبی واپس آئے گا تو حضرت کی فاتحہ دلائی جائے گی اس میں حرج نہیں اور سونے چاندی کا تعویذ سا بنا کر باندھے تو یہ ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ مصطفویہ اشاعت جدید ص ۵۱۰)

دف بجا کر نعت وغیرہ پڑھنا :

دف بجا کر قصائد، نعت اور حالت قیام میلاد شریف میں صلوٰۃ و سلام پڑھنا جائز ہے یا ناجائز (دف مع جھانج ہو تو کیا حکم اور بلا جھانج ہو تو کیا حکم؟)

الجواب : ہرگز نہ چاہیے ظاہر ہے کہ یہ سخت سوء ادب ہے اور اگر جھانجھ بھی ہوں یا اس طرح بجایا جائے کہ گت پیدا ہو فن کے قواعد پر، جب تو حرام اشد حرام ہے حرام در حرام ہے۔ و ھذا ظاھر من ان یظھر واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ مصطفویہ اشاعت جدید ص ۴۴۸)

قدیم جھنڈے پر پھول چڑھانا :

کسی بزرگ کے قدیم جھنڈے پر پھول چڑھانا اس کا جلوس نکالنا پھر اس جھنڈے کو بہ نیت تبرک مجلس میلاد شریف میں رکھنا اور بعد ختم میلاد شریف ان پھولوں کو تبرک کے طور پر لوٹنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب : یہ نہ چاہیے۔ جھنڈے پر پھول چڑھانا محض بے معنی۔ ان پھولوں کو تبرک بنانا نری ہوس خام ہے۔ جھنڈے کی کسی بزرگ کی طرف نسبت ہی کے کیا معنی؟ یہ ایسا ہی جیسے تعزیہ دار فتح نشان کی عظمت حضرتِ امام عالی مقام کی جانب فرضی نسبت سے کرتے ہیں فرضی نسبت کیا کارآمد ہے؟ پھر اگر نسبت فرضی نہ ہو مثلاً کسی پیر کے مرید اس کی خانقاہ کے جھنڈے کی ایسی تعظیم کرتے ہوں اس پر پھول چڑھا کر انھیں لوٹتے ہوں جب بھی کہ یہ غلو ہے اور اللہ عزوجل غلو سے منع فرماتا ہے ارشاد قرآن ہے لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ (سورۂ نساء ۴/۱۷۱) محض جھنڈے کا جلوس نکالنا بھی ایسا ہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ مصطفویہ اشاعت جدید ص ۴۴۸ بہ تلخیص)

دولھا کا مہندی لگانا اور چاندی کا زیور پہننا :

دولھا کو مہندی لگانا درست ہے یا نہیں؟ آج کل عام رواج ہے۔ دولھا چاندی کے زیور پہنتے ہیں اور کنگن باندھتے ہیں۔ کیا زیور اور کنگن اتروا کر نکاح پڑھا جاوے؟ اگر زیور اور کنگن پہنے ہیں اس صورت میں نکاح پڑھا دیا تو درست ہے؟

الجواب : مرد کو ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا ناجائز ہے، زیور پہننا گناہ ہے۔ کنگنا ہندوؤں کی رسم ہے۔ یہ سب چیزیں پہلے اتروائیں پھر نکاح پڑھائیں کہ جتنی دیر نکاح میں ہوگی اتنی دیر وہ اور گناہ میں رہے گا۔ ازالۂ منکر میں قدرت ہوتے ہوئے دیر خود گناہ ہے۔ باقی اگر زیور پہنے ہوئے نکاح ہوا تو نکاح ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ مصطفویہ اشاعت جدید، رضا اکیڈمی ص ۴۵۲)

سیاہ کپڑے پہننا : سیاہ لباس پہننا درست ہے؟ یعنی سر سے پیر تک سب کپڑے سیاہ ہوں۔

الجواب : جائز ہے مگر محرم میں درست نہیں۔ نہ سب کپڑے سیاہ پہننا نہ کوئی ایک آدھ کہ یہ روافض کا دستور ہے اور ان کے ساتھ تشبہ ممنوع۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ مصطفویہ اشاعت جدید ص ۴۵۲)

سدا سہاگن : جو مرد چوڑی پہنتے ہیں۔ سدا سوہاگ بنتے ہیں۔ ان کا کیا حکم ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب : ناجائز ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ پہننے والے گناہ گار ہوتے ہیں مگر بعض اولیا کہ حکما ایسا کرتے ہیں ان کے لیے وہی حکم ہوتا ہے۔ (فتاویٰ مصطفویہ اشاعت جدید ص ۴۵۲)

سونے کی انگوٹھی : سونے کی انگوٹھی اس نیت سے پہن کر سفر کرنا کہ وقت ضرورت پر کام آوے درست ہے یا نہیں؟ چاندی سونا جیب میں رکھ کر نماز پڑھنا درست ہے؟

الجواب : سونے کی انگشتری مرد کے لیے جائز نہیں، چاندی کی انگشتری ایک نگ کی، نگ جس قدر بھی قیمتی ہو ساڑھے چار ماشہ سے کم کی مرد کو پہننی جائز ہے۔ چاندی سونا جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ مصطفویہ اشاعت جدید

ص ۴۵۲)

تاش کھیلنا : تاش جو عام طور سے کھیلا جاتا ہے بغیر ہار جیت کے یہ درست ہے یا کس قدر گناہ ہے۔

الجواب : تاش کھیلنا حرام ہے۔ سخت گناہ ہے۔ اور اس میں بازی لگانا اور جوا کھیلنا حرام در حرام ہے۔ سخت شنیع خبیث کام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ مصطفویہ اشاعت جدید ص ۴۵۳)

فاسق کے پیچھے نماز :

بنارس کے ایک حاجی صاحب نے سوال کیا کہ حدیث پاک میں ہے کہ ہر فاسق و فاجر کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے صلوا خلف کل بر و فاجر۔ (کنز العمال حدیث۔ ۵۷۷ ج۔ بیت الافکار الدولیہ، الریاض) تو جب حدیث پاک سے ثابت ہے تو نماز واجب الاعادہ کیوں اور دوسرے یہ کہ جس مکروہ تحریمی سے اعادہ واجب ہوتا ہے وہ کون مکروہ تحریمی ہے؟ خارج نماز یا داخلِ نماز؟

الجواب : جواز بمعنی صحت بھی ہوتا ہے اور بمعنی حل بھی فاسق و مبتدع جس کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچی ہو اس کے پیچھے نماز جائز ہوتی ہے یعنی صحیح ہو جاتی ہے مگر مکروہ تحریمی ہوتی ہے، فرض گردن سے اتر جاتا ہے اور نا جائز ہے یعنی ان کے پیچھے نماز پڑھنا انھیں امام بنانا۔ ردالمحتار میں فرمایا: جاز ای مع كراهة التحريم وہ حدیث جس کا مولوی صاحب نے ذکر کیا ہے یہ ہے صلوا خلف كل بر و فاجر علامہ سید عبدالرؤف مناوی قدس سرہٗ تیسیر شرح جامع صغیر میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔ صلوا جوازاً خلف كل بر و فاجرٍ (کنز العمال حدیث۔ ۱۴۸۱۵، بیت الافکار الدولیہ، الریاض) ای فاسق فان الصلوة خلفه صحيحة لكنها مكروهة نماز جب کسی مکروہ تحریمی کے ساتھ ادا ہو تو واجب الاعادہ ہوتی ہے۔ كل صلوة اديت مع كراهة تجب اعادتها ملخصاً۔ جب بحالت نماز ایک گناہ کا ارتکاب کیا تو نماز اس کی ایک نا جائز امر پر مشتمل ہوئی کراہت کے لیے اشتمال کافی ہے، وہ مکروہ خارج ہو یا داخل۔ (فتاویٰ مصطفویہ، جلد ۲، ص ۲۴۵ ملخصا، اشاعت جدید رضا اکیڈمی ص ۱۸۴)

نسبندی : سیدی مرشدی و مولائی حضور مفتی اعظم دامت برکاتہ العالیہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین خاندانی منصوبہ بندی (فیملی پلاننگ) کے متعلق نسبندی کے آپریشن کرانے کے بارے میں (عورتوں مردوں کے بارے میں) کیونکہ آج کل گورنمنٹ کی طرف سے ایسے احکام آتے ہیں کہ نسبندی کا آپریشن نہ کرانے والے سرکاری ملازم کو ملازمانہ ترقی نہ دی جائے گی وغیرہ۔ عین نوازش ہوگی۔ حضور بذاتِ خود تکلیف فرما کر اس مسئلہ کو حل کر کے روانہ کریں کیونکہ میں سرکاری ملازم ہوں۔ گورنمنٹ کو اس کا جواب دینا ہے۔ فتویٰ قرآن سے مدلل ہونا چاہیے۔ فقط مرزا امتیاز بیگ رضوی چھتر پور (ایم پی)

الجواب : بعون الملک الوہاب۔ ضبط تولید کے لیے مرد کی نسبندی یا عورت کا آپریشن متعدد وجوہ سے شرعاً نا جائز و حرام ہے۔ قرآن عظیم میں ہے۔ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ۔ (سورۂ نساء ۴/ ۱۱۹) شیطان بولا میں ان کو بہکاؤں گا تو وہ اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کو بدلیں گے۔ تفسیر صاوی میں ہے من ذلك تغيير الجسم یعنی اس میں سے ہے، جسم کی تغییر اور تفسیر کبیر میں ہے ان معنی تغيير خلق الله ههنا الاخصاء الخ یعنی اس آیت میں تغییر خلق کا معنی خصی کرنا وغیرہ ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث ہے۔ لعن الله المغيرات خلق الله. ملخصا۔ (مسند امام احمد ابن حنبل ج۔ ۱، حدیث۔ ۴۵۴، دار الفکر، بیروت) اللہ کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو (جسم کی قدرتی بناوٹ) کو بدلنے والی ہیں۔

نیز اس میں بے وجہ شرعی ایک نس اور عضو کاٹا جاتا ہے اور وہ بھی ایسی نس ایسا عضو جو توالد و تناسل کا ذریعہ ہے اور بے ضرورت شرعی دوسرے

کے سامنے ستر دھی ستر غلیظ کھولا جاتا ہے اور وہ اس کو چھوتا بھی ہے اور یہ تینوں امور بھی حرام ہیں۔کمافی کتب الفقہ۔اور قاطع توالد ہونے کے سبب معنی خصا میں داخل ہے اور انسان کا خصی ہونا اور کرنا بھی بنص قرآن وحدیث حرام ہے جیسا کہ آیت وحدیث سے اوپر گزرا۔نیز اورحدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایالیس منا من خصی اختصی (مشکوٰۃ شریف،حدیث۔۲۴۷،دارالفکر،بیروت) جس نے دوسرے انسان کوخصی کیایا خود ہوا وہ ،ہم میں سے نہیں پھر یہ گمان کہ کثرت اولاد مفلسی کا باعث ہے غلط ہے۔بلکہ اللہ ورسول کی نافرمانی و۔۔ئی کے کام مفلسی کے اسباب سے ہیں۔الحاصل نسبندی یا آپریشن شریعت اسلامیہ میں ہرگز جائز نہیں لہٰذا اس سے نفرت واحتراز لازم ہے ۔ ۔ ۔ مدتعالی اعلم۔

(فتاوی مصطفویہ،ص:۵۰۱۳ ملخصاص ۵۳۱،اشاعت جدید رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء)

محترم قارئین آپ ذکر کردہ ان مختصری عبارتوں سے نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں، کہ کس طرح حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے بدعات اور خلاف شرع باتوں کا رد فرمایا ہے اور بجائے فروغ دینے کے ان کا قلع قمع فرمایا ہے۔اگر آپ حضور مفتی اعظم کی تصنیفات کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کریں تو آپ کو قدم قدم پر بدعات سیۂ اور غیر شرعی باتوں کا رد نظر آئے گا۔مثلاً امرد۔داڑھی منڈے اور فاسق سے میلاد پڑھوانا۔ بناوٹی حال بنانا۔قبور وغیرہ قبور پر مزامیر کا استعمال کرنا۔رافضیوں کی سیرت وصورت اپنانا۔کافروں کے شعار اپنانا۔حاجت سے زیادہ علم نجوم سیکھنا سکھانا اور اس پر یقین کرنا۔جاندار کا فوٹو کھینچنا کھنچوانا۔غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دینا۔عورت کو مردانی وضع اختیار کرنا۔فاتحہ کی چیز ہندو کو دینا۔بے نمازی پیر سے بیعت ہونا۔عورتوں کو آواز کے ساتھ میلاد شریف وغیرہ پڑھنا۔عورتوں کا مزاروں پر حاضر ہونا وغیرہ وغیرہ اس طرح کی بہت سی باتیں ہیں جن کو حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے بدعات ومنکرات میں شمار کیا ہے اور مسلمانوں کو ان سے پرہیز کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔پروردگار کائنات سے دعا ہے کہ ہم جملہ مسلمانوں کو بدعات سیۂ ومنکرات سے بچنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور اعمال صالحہ کرنے کی توفیق دے۔آمین آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیہم افضل الصلاۃ واکرم التسلیم۔

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم کا دینی تصلب و استقامت

مولانا محمد محسن رضا ھادی
دار العلوم انوار مصطفیٰ رضا، دھرول، جام نگر، گجرات

مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی — مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ

جس شہنشاہ علم وفضل اور یگانۂ دوراں کا ذکر خیر کرنے جارہا ہوں، وہ اپنے علم ودانش، ثقاہت وثقاہت، کشف وکرامت، دینی تصلب واستقامت، ایمانی حمیت وغیرت، جودوسخاوت، روحانی آرائش وزیبائش اور بے شمار محاسن وکمالات کے اعتبار سے خود ایسے روشن آفتاب ہیں کہ میں اور مجھ جیسے ذرۂ ناچیز کے تذکرہ وتعارف سے بے نیاز ہیں۔

مری مجال، تیری بزم اور لن ترانیاں — میں نقش پائے رہرواں تو افسر جہانیاں

تاہم اس نابغۂ روزگار ہستی کے کمالات میں سے ایک کمال یعنی ''تصلب فی الدین'' کے متعلق چند سطور ہدیۂ قارئین کررہا ہوں تاکہ خراج عقیدت پیش کرنے والوں کی فہرست میں میرا بھی نام درج ہوجائے اور عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة کے بمصداق گلہائے رحمت سے میرا دامن بھی مالا مال ہوجائے۔

مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسن معنیٰ کو — کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالہ کی حنابندی

تصلب فی الدین: اوصاف حمیدہ میں سے وہ عظیم وجلیل وصف ہے جو مرد مومن کو بہت سے درجات علیا ومناصب جلیلہ سے گزار کر معراج کمال اور مقام محبوبیت تک پہونچادیتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰئِکَۃُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۔ حدیث شریف میں ہے من احب للہ و ابغض للہ و اعطی للہ و منع للہ فقد استکمل الایمان رواہ ابوداؤد ۔ (مشکوۃ شریف حدیث۔ ۳۰، دار الفکر، بیروت) جس نے اللہ کے لیے محبت کی، اللہ کے لیے بغض رکھا، اللہ کے لیے دیا اور اللہ کے لیے روک رکھا تو اس نے ایمان کامل کرلیا۔ اللہ تعالیٰ کے جتنے بھی مقدس وبرگزیدہ بندے ہیں خواہ خلفائے راشدین کی جماعت ہو یا صحابۂ کرام کی، تابعین کی جماعت ہو یا صالحین کی، ربانی علما کی جماعت ہو یا اقطاب واغواث اور اولیائے عارفین کی تمام نفوس قدسیہ دیگر محاسن وکمالات رفیعہ کے ساتھ ساتھ تصلب فی الدین اور استقامت علی الحق کے وصف جمیل سے متصف اور آراستہ رہے ہیں، دین کے دشمنوں اور بد باطن لوگوں نے جب کبھی بھی دین میں قطع وبرید کرنے اور مسلمانوں کے عقائد ونظریات پر شبخون مارنے کی غلط وناپاک جسارت کی ہے تو ان مردان حق میں سے کسی نہ کسی کی دینی وایمانی حمیت وغیرت جوش میں آگئی ہے اور بغیر پس وپیش کے مومنانہ فراست اور مجاہدانہ ہمت کے ساتھ خود میدان عمل میں

دشمن کو کیفر کردار تک پہونچانے کی سعی بلیغ کی ہے۔امام العلما، افقہ الفقہا، جامع شریعت وطریقت، راز دار حقیقت، حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ انھیں بابرکت تقدس مآب، نابغۂ روزگار معروف ومشہور ہستیوں میں سے ایک نادر الوجود ہستی ہیں۔احقاق حق وابطال باطل، آپ کے پیر ومرشد حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمۃ والرضوان اور آپ کے والد گرامی امام احمد رضا قدس سرہٗ کا نصب العین ومعمول زندگی رہا ہے۔ان دونوں بزرگ شخصیتوں کی تحریرات وفرمودات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ دشمنان دین، گستاخان خدا ورسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم اور خلاف شرع کام کرنے والوں کے لیے ان کی شمشیریں نیام سے باہر رہتی تھیں۔ان کے یہاں دینی امور اور شرعی معاملات میں شمہ بھر مداہنت کی گنجائش نہیں تھی۔چنان چہ" سراج العوارف فی الوصایا والمعارف "میں عالم ربانی، شیخ لاثانی، عارف باللہ حضرت نوری میاں صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان رقم طراز ہیں:

" پہلا واجب، اہل سنت وجماعت کے مہذب مذہب کے مطابق اپنے عقائد کو صحیح کرنا ہے کہ حق انھیں میں منحصر ہے اور سب اولیاے کرام اکمل الاولیا، حضرت سیدنا صدیق اکبر اور امام الاولیا سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اب تک اور اب سے حضرت امام مہدی کے مبارک زمانہ تک اور اس کے بعد بھی اسی مذہب پر ہوئے ہیں اور اسی پر ہوں گے اور کیوں نہ ہو کہ جس نے جماعت سے ایک بالشت جدائی کی بلاشبہہ اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال ڈالا۔"[1]

پھر چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

" اللہ عزوجل کی عزت وجلال کی قسم کہ ہم اور ہمارے مشائخ عظام اور جملہ اولیاے کرام ظاہر وباطن میں، تنہائی اور مجلس میں مذہب اہل سنت وجماعت ہی پر ہوئے ہیں۔اور ہیں اور ہوں گے انشاء اللہ تعالیٰ اسی مذہب پر جئیں، اسی پر مریں اور اسی پر ہم اٹھائے جائیں۔"[2]

اور ایک مقام میں تحریر فرماتے ہیں:

" ساتویں یہ کہ اپنے سچے دین پر اتنے سخت اور مضبوط ہوں کہ دوسرے متعصب جانیں اس لیے کہ دین حق میں مضبوطی پسندیدہ بات ہے اور دین باطل پر مضبوطی حماقت اور بری چیز ہے۔فقیروں، مسکینوں اور غریبوں سے محبت اور ہمدردی کریں۔امیروں اور دنیا داروں سے دور بھاگیں۔فاسق، فاجر، بدکردار کافر اور مشرک سے اپنے آپ کو دور رکھیں خاص طور سے دین اسلام میں کھلم کھلا فاسق، کافر اور مشرک کی صحبت اور ان سے محبت کرنے سے دور رہیں۔ کیونکہ بری صحبت مقناطیس اور لوہے کی مثل ہے یعنی بری صحبت، بری عادت کی طرف ایسی کھینچتی ہے جیسے لوہے کو مقناطیس۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ۔ (سورۂ آل عمران ۳/۲۸)[3]

اور سرکار سیدی اعلیٰ حضرت، مجدد اعظم امام احمد رضا خان محقق بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو خالق کائنات نے خاص احیاے مذہب سنیت، تحفظ شان الوہیت وناموس رسالت، اشاعت اسلام، احقاق حق اور باطل کا قلعہ قمع کرنے ہی کے لیے پیدا فرمایا تھا۔انھوں نے اپنی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ شریعت کی پاسبانی اور تحفظ شان الوہیت وناموس رسالت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ صدر الافاضل فخر الاماثل حضرت علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان نے جب آپ سے کہا

" کہ حضور کی کتابوں میں وہابیوں اور دیوبندیوں اور غیر مقلدوں کے عقائد باطلہ کا رد ایسے سخت الفاظ میں ہوا

کرتا ہے کہ آج کل جو تہذیب کے مدعی ہیں وہ چند سطریں دیکھتے ہی حضور کی کتابوں کو رکھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کتابوں میں گالیاں بھری ہیں۔ اس طرح وہ حضور کے دلائل و براہین کو بھی نہیں دیکھتے اور ہدایت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا اگر حضور نرمی اور خوش بیانی کے ساتھ وہابیوں، دیوبندیوں کا رد فرمائیں تو نئی روشنی کے دلدادہ جو اخلاق و تہذیب والے کہلاتے ہیں وہ بھی آپ کی کتابوں کے مطالعہ سے مشرف ہوں۔ اور حضور کے لاجواب دلائل دیکھ کر ہدایت پائیں؟ تو حضرت صدرالافاضل کی یہ بات سن کر آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا: ''مولانا تمنا تو یہ تھی کہ احمد رضا کے ہاتھ میں تلوار ہوتی اور احمد رضا کے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی گردنیں ہوتیں۔ اور اپنے ہاتھ سے ان گستاخوں کے سر قلم کرتا اور اس طرح گستاخی اور توہین کا سد باب کرتا لیکن تلوار سے کام لینا تو اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قلم عطا فرمایا ہے تو میں قلم سے ان بے دینوں کا شدت کے ساتھ اس لیے رد کرتا ہوں تا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدزبانی کرنے والے کو اپنے خلاف شدید رد دیکھ کر مجھ پر غصہ آئیں پھر جل بھن کر مجھے گالیاں دینے لگیں اور میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گالیاں بکنا بھول جائیں۔ اس طرح میرے آباواجداد کی عزت وآبرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے لیے سپر بن جائے۔''[۴]

شمس العلما بدرالفضلا، مجمع البحرین تاجدار اہل سنت، حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان انھیں دونوں بزرگوں کی امانتوں کے امین اور حقیقی وارث تھے۔ دینی تصلب آپ کی گھٹی میں پلا دیا گیا تھا۔ بھلا آپ سے کب ممکن تھا کہ احکام شریعت میں کسی خلاف ورزی اور شان خدا اور رسول میں ادنیٰ توہین و گستاخی کو دیکھ کر آپ صرف نظر کر لیتے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ ایسے موقع پر آپ کی دینی غیرت وحمیت بھڑک اٹھتی تھی اور بلا خوف لومۃ لائم وجبر جابر حق کی حمایت وصیانت اور باطل کے رد و ابطال کے لیے آپ فوراً میدان عمل میں آجاتے۔ ان کے نزدیک اس معاملے میں اپنے اور بیگانے کا کچھ فرق نہیں تھا۔ جس کو بھی دین دار اور اللہ اور اس کے رسول سے سچی محبت کرنے والا پایا اسے گلے سے لگایا اور جس کو شریعت مطہرہ سے منحرف، اللہ اور اس کے پیارے محبوب کا باغی و گستاخ دیکھا اسے ہمیشہ کے لیے اپنے سے دور کر دیا۔ اگر چہ وہ قرابت وتعلقات کے اعتبار سے قریب ترین کیوں نہ رہا ہو۔ جس کی دو چار نہیں درجنوں شہادتیں از بان عوام وخواص اور صفحات قرطاس پر محفوظ وموجود ہیں۔ یہاں پر ان میں سے چند قارئین کی نذر کر رہا ہوں۔

۱۹۴۵ء کی بات ہے حضور مفتی اعظم حج وزیارت کے لیے حرمین شریفین حاضر ہوئے ادھر نجدی حکومت نے اکناف عالم سے آئے ہوئے ہزاروں حجاج کرام پر حج وزیارت کا ٹیکس لگا رکھا تھا فرعونی دربار کے خوشہ چیں نجدی علما اس کے جواز پر فتاوے دے چکے تھے حکومت کے جبر واستبداد کو مدنظر رکھتے ہوئے، علماے حرمین طیبین رخصت پر عمل کر کے خاموش تھے۔ مگر مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ کے اس بطل جلیل سے خاموش نہ رہا گیا آپ کی ایمانی غیرت بھڑک اٹھی۔ اعلاے کلمۃ الحق کے لیے آپ متاع لوح وقلم لے کر فوراً میدان عمل میں آگئے اور آپ نے دارالافتا کی چہار دیواری کے اندر نہیں بلکہ انھیں ظالموں اور درندوں کے قلمرو میں بیٹھ کر اس کے خلاف فتویٰ صادر فرمایا اور دنیا کو بتایا کہ

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

چنانچہ فقیہ العصر شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی نوراللہ مرقدہٗ رقم طراز ہیں:

''حضرت مفتی اعظم ۱۹۴۵ء، ۱۳۶۴ھ میں حج وزیارت کے لیے حرمین طیبین حاضر ہوئے۔ نجدی فرعون ابن

سعود نے حجاج پر حج و زیارت کا ٹیکس لگا دیا تھا۔اس قارون صفت حریص کو نہ حلال کی پرواہ تھی نہ حرام کی اس کو اپنی عیاشی کے لیے قارون کا خزانہ درکار تھا مگر اس بے برگ و گیاہ ریگستان میں اسے کیا ملتا تو اس حریص ننگ اسلام و مسلمین نے مجبور و بے کس حجاج پر یہ ظلم کیا کہ ان حاجیوں پر ڈاکے ڈالنے کے لیے ٹیکس لگا دیا اور حیرت یہ تھی کہ کتاب و سنت پر عمل کے مدعی اور داعی بننے والے نجدی علما نے اس کے جواز کا فتوی دے دیا تھا۔ابن سعود اور دوسرے نجدی حکمرانوں کے جبر و تشدد کا یہ عالم تھا کہ ایک مزاح پسند ناقد نے کہا کہ نجدی مملکت میں اللہ عز و جل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں گستاخی کرنے والوں کے لیے جگہ ہے۔مگر نجدی حکمرانوں پر صحیح تنقید کرنے والوں کی سزا موت ہے۔علماے حرمین طیبین رخصت پر عمل کرتے ہوئے خاموش تھے۔لیکن! جب حضرت مفتی اعظم حرمین طیبین حاضر ہوئے تو اس ناخدا ترس خونخوار درندے کی قلمرو میں بیٹھ کر مکہ معظمہ میں اس نجدی ٹیکس کے حرام ذ گناہ ہونے پر انتہائی مدلل مفصل عربی زبان میں فتوی لکھا جس کا نام ''القنابل الذرية على أوثان النجدية'' ہے جسے مطالعہ کر کے علماے حرمین طیبین نے متفقہ طور پر فرمایا ان هذا الا الهام اور متفقہ طور پر حضرت مفتی اعظم کو امام وقت، شیخ الہند و الحرم تسلیم فرمایا اور بطور تبرک قرآن و احادیث و فقہ کے سلاسل کی اجازتیں لیں اور اپنے آپ کو مفتی اعظم کے زمرۂ تلامذہ میں داخل کرنے پر فخر فرمایا۔اسی وجہ سے میں کہتا رہتا ہوں اور شیخ شیخ الہند ہیں اور ہمارے شیخ شیخ العرب والعجم ہیں۔[5]

کلمۂ حق کے اظہار اور خلاف شرع باتوں کے رد بلیغ کرنے میں کسی سے ڈرنا اور دبنا آپ کی فطرت کے خلاف تھا سفر میں ہوں کہ حضر میں، جلوت میں ہوں کہ خلوت میں، اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم اور دین و مذہب کے خلاف کسی بھی ادنیٰ بات پر آپ بے قرار و بے چین ہو جاتے تھے اور اس وقت تک آپ کو قلبی سکون نہیں ملتا جب تک اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا کچھ حق ادا نہیں کر دیتے۔حضور شارح بخاری قدس سرہٗ سفر میں پیش آنے والا اسی قسم کا ایک اور واقعہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''ایک بار کلکتہ جاتے ہوئے مغل سرائے میں بنارس کے کچھ عقل کل افراد کی حرکتوں کی بدولت عصر کی نماز پڑھتے پڑھتے گاڑی چھوٹ چکی اور بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر اس کے باوجود نماز کو اپنے اوقات میں پڑھنے سے کوئی چیز حارج نہیں ہو سکتی تھی۔اسی سفر میں یہ قصہ درپیش ہوا کہ فوجی آپس میں مذہبی گفتگو کرنے لگے۔ایک کم عمر فوجی نے باتوں باتوں میں حضرت سیدہ مریم عذرا رضی اللہ عنہا کی شان اقدس میں وہ بکواس کر دی جو یہودی اور قادیانی بکتے ہیں۔سخت جلال بھرے انداز میں اس فوجی کو ڈانٹا کہ کیا بکتا ہے؟ یہ جھوٹ ہے۔افترا ہے۔وہ بھونچکا رہ گیا۔کہنے لگا میں نے محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ان کی والدہ کے بارے میں تو کچھ کہا نہیں۔پھر آپ کیوں خفا ہو رہے ہیں؟ فرمایا۔ہم لوگ ہر پیغمبر کا ادب و احترام اسی طرح کرتے ہیں جیسے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا۔میں تو ڈرا تھا کہ یہ وحشی درندے ہیں، کہیں بدتمیزی کا برتاؤ نہ کریں مگر ایک مرد حق آگاہ کی ڈانٹ نے انھیں سہما دیا اور مرعوب ہو کر خاموش ہو گئے۔یہی نہیں اٹھ کر بیٹھ گئے اور اس کے بعد حضرت کے ساتھ مؤدب رہنے لگے۔[6]

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ مومنانہ جرأت و صلابت، حق گوئی و بے باکی، الحب فی اللہ والبغض فی اللہ اور امر بالمعروف والنہی عن المنکر، علما و مشائخ، اہل سنت کا وطیرہ و شعار رہا ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت رہے گا۔تاہم بعض حالات میں جب کہ اظہار حق یا انکار منکر سے فتنہ کا اندیشہ یا جان و عزت کا خطرہ محسوس ہوا تو شریعت مطہرہ کی عطا کردہ رخصت پر عمل کرتے ہوئے ان حضرات نے سکوت اختیار فرمایا۔

جس کی صدہا امثال ونظائر موجود ہیں مگر حضور مفتی اعظم ایسے نازک، بھیانک اور پر پیچ ماحول میں بھی بجائے رخصت کے عزیمت پر عمل کرتے رہے۔ کوئی کیسا ہی ظاہری شان وشوکت، جاہ وحشمت اور اثر ورسوخ والا کیوں نہ ہو، سود وزیاں کی کچھ پرواہ کیے بغیر ہر ایک کے سامنے اظہار حق وصدائے احتجاج بلند کر دیتے تھے۔ اور اس وقت تک کسی سے اپنا رشتۂ محبت وعقیدت نہیں جوڑتے تھے جب تک بارگاہ خدا ورسول سے اس کا رشتہ جڑا ہونا آپ کو معلوم نہیں ہو جاتا۔

شہزادہ امام احمد رضا علیہما الرحمۃ والرضوان کی بے شمار خصوصیات میں سے تصلب فی الدین وہ امتیازی خصوصیت ہے جس خصوصیت نے اپنے، بیگانہ، عوام وخواص سب کو متاثر کیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ سیکڑوں غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور صدہا علما آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل شامل ہو گئے۔

حواشی :

(۱) سراج العوارف، ص ۳۲، مترجم: امین ملت ڈاکٹر سید محمد امین صاحب مدظلہ العالی

(۲) ایضاً، (۳) ایضاً ص ۳۳

(۴) سیدین نمبر، م- شعبہ نشریات الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، ص ۱۴۹

(۵) انوار مفتی اعظم۔ م- رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۲۶-۵۵-

(۶) ایضاً ص ۲۶۲۔

☆☆☆☆☆☆

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز

حضرت سید سلیم احمد قادری رضوی
ناظم اعلیٰ دارالعلوم انوار خواجہ جام نگر، گجرات

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ہمارے لیے کونسا ہم نشین بہتر ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا: ''جس کی دید تمھیں اللہ تعالیٰ کی یاد دلائے۔'' مذکورہ حدیث شریف کو پڑھ کر اللہ والوں کی سیرت و کردار سمجھ میں آ جاتی ہے اور مذکورہ اوصاف سے متصف افراد ہی ہماری دینی رہ نمائی اور روحانی ضرورتوں کو پورا کر سکتے ہیں۔ جس کی ذات میں خوف خدا ہو، جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت و سنت کا پیکر ہو، جس کے اخلاق بلند ہوں، جس کے دل میں کفر و ضلالت سے نجات دلا کر ایمان و اسلام کی سرمدی نعمت سے نوازنے کا جذبہ ہو اور جو مسلم معاشرے سے جہل و بداعتقادی اور بدعملی کے اندھیروں کو مٹانے کی صلاحیت رکھتا ہو، وہی ہمارا ہادی ہے، اسی کی بارگاہ ہمارے درد کا درماں ہے اور وہی ہماری آخرت کو سنوارنے کا واسطہ و وسیلہ ہے۔ مجدد دین و ملت حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان فقط ہندوستان ہی کے مسلمانوں کے نہیں بل کہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بن گئے ہیں۔ آپ علم و عمل سے اپنے قلم سے اور سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق صادق کی بنیاد پر اہل ایمان کے لیے محبت و سنت کی نمایاں علامت کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔

جو رسول خدا کی ادا ہوگیا　　بالیقیں وہ خدا کی رضا ہوگیا
علم کی انجمن کا مجدد بنا　　عشق کی بزم کا مقتدا ہوگیا

علم و عمل، وفا و محبت کا یہ آفتاب جب دنیا سے رخصت ہوا تو ستاروں کی ایک انجمن چھوڑ کر گیا۔ ان کی خدمات جلیلہ کی روشنی سے آج بھی ہمارے قلب و روح میں اجالا ہے۔ مذکورہ ستاروں کی انجمن میں ایک شخصیت سیدی و مرشدی تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی ہے۔ جو ایک طرف اعلیٰ حضرت بریلوی کے لخت جگر ہیں تو دوسری طرف حضرت سرکار سیدنا ابوالحسین نوری علیہ الرحمۃ والرضوان کے منظور نظر ہیں۔ جن کی ذات گرامی میں حضور اعلیٰ حضرت بریلوی کی علمی جلالت شان کا جلوہ صاف نظر آتا ہے اور حضرت سیدنا ابوالحسین نوری مارہروی کی روحانیت جلوہ فگن محسوس ہوتی ہے۔ الغرض گوناگوں خوبیوں کے حامل تھے۔ فقیر راقم السطور نے کاٹھیاواڑ کی سرزمین پر زیادہ تر آپ کی دید کی نعمت حاصل کرنے کا شرف حاصل کیا۔ راجکوٹ، گونڈل، جیت پور، پوربندر، دھوراجی، جوناگڑھ، جام نگر وغیرہ آپ تشریف لاتے رہے۔ کاٹھیاواڑ ۱۹۷۴ء کا دورہ آپ کا آخری دورہ تھا۔ آپ اس دورہ میں جام نگر تشریف لائے اور جام نگر سے متصل واقع بیڑی گاؤں میں بھی گئے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور زیادہ تر ماہی گیر اور مزدور لوگ ہیں۔ آپ کی تشریف آوری سے قبل یہاں بے علمی اور بے عملی کا غلبہ تھا، سنیت و دین سے لوگوں کو خاطر خواہ رغبت نہ تھی۔ لیکن آپ کی جلوہ گری کیا ہوئی

کہ گاؤں میں ایک انقلاب برپا ہوگیا۔ آپ کا قیام راقم السطور کے والد گرامی حضرت سید احمد میاں نانی والے باپو کے گھر تھا اور قیام گاہ کو خوب سجایا سنوارا گیا، بہترین پلنگ پر نئے گدے، نئی چادر لگا کر اہتمام کیا گیا۔ مگر اللہ اکبر آپ آل رسول کی کس درجہ تعظیم فرماتے تھے، راقم السطور نے نظروں سے دیکھا کہ حضرت جب قیام گاہ پر تشریف لائے اور گزارش کی گئی کہ حضور یہاں تشریف رکھیں تو حضرت نے جواباً فرمایا کہ یہ آل رسول کی خواب گاہ ہے۔ میں اس پر تو نہیں بیٹھ سکتا۔ ہاں البتہ اس کے پائے کے پاس بیٹھوں گا۔ بار بار گزارش کی گئی مگر آپ نے ہر بار یہی جواب دیا کہ میں نیچے پلنگ کے قریب بیٹھوں گا۔ یہ منظر دیکھ کر آپ کی سادات نوازی کی شان لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گئی اور جب عشا کی نماز کا وقت ہوا تو وضو کے لیے پانی اور جاے نماز تیاری کی گئی۔ حضرت نے فرمایا کیا اس گاؤں میں مسجد ہے؟ عرض کیا گیا، جی ہاں! تو حضور نے فرمایا کہ ہم سب وہیں چل کر باجماعت نماز ادا کریں۔ جیسے ہی یہ خبر گاؤں میں پھیلی کہ حضرت نماز مسجد میں ادا کریں گے، لوگ جوق در جوق مسجد کی طرف دوڑنے لگے اور لوگوں کی کثرت و بہتات کو دیکھ کر ایسا محسوس ہونے لگا کہ گویا عید کی نماز ہے۔ جو لوگ نماز سے دور تھے بل کہ جمعہ تک کی ادائیگی سے محروم تھے وہ بھی مسجد میں وضو بنا کر صفوں میں بیٹھ گئے۔ حضرت نے نماز پڑھائی۔ اللہ اکبر! چہرے پر ایسا نور تھا اور مسکراہٹ میں ایسا پیار تھا اور نماز کی تلقین میں ایسی تاثیر تھی کہ لوگوں میں اس دن سے دینی انقلاب آ گیا۔

رات کے جلسے میں حضرت خطیب اہل سنت مفتی مجیب اشرف صاحب قبلہ کا پرزور خطاب ہوا۔ حضرت منبر پر رونق بار رہے اور علم و عرفان کی اور ہدایت و فیضان کی ایسی بارش ہوئی کہ اس وقت تقریباً سارے حاضرین آپ سے بیعت ہوگئے۔ راقم السطور کی عمر تقریباً ۱۵ سال کی تھی اور ناظرہ سے بھی محروم تھا مگر حضرت سے بیعت ہونے کے بعد میرے اندر ایک عجیب طرح کی تبدیلی آگئی۔ حضرت نے علم دین کی خصوصی دعا فرمائی۔ آپ کی غلامی اور دعاؤں کی برکت سے آج تک اس گاؤں میں سنیت اور رضویت کا یہ عالم ہے کہ غالباً بیڑی گاؤں اور آس پاس کی ۴۰ ہزار کی آبادی میں ایک بھی بدعقیدہ فرد نہیں ہے۔ دینی و مسلکی شعور و آگہی کا یہ عالم ہے کہ لوگ حضور اعلیٰ حضرت کے مسلک مہذب کے خلاف ایک حرف تک سننا گوارا نہیں کرتے، سرکار بغداد شیخ عبدالقادر جیلانی کی عقیدت اور سرکار غریب نواز کی محبت کی سرشاری ہر بچے، جوان، بوڑھے میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے اور جہاں علمی درس گاہیں سرگرم ہیں وہاں مسجدیں نمازیوں سے بھری نظر آتی ہیں۔ کیوں نہ ہو کہ آپ سرکار بغداد اور سرکار اجمیر اور حضور صاحب البرکات کے سچے نائب تھے اور بجا طور پر امیر کارواں اور مقتدا تھے۔

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

مرید و پیر میں کیا فرق ہے یہ راز تو سمجھو
میں پیاسا بن کے آیا ہوں وہ دریا لے کے آئے ہیں

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم اوران کی غربا پروری

مولانا شبیر احمد مصباحی
مدرس دار العلوم اہل سنت قادریہ سراج العلوم، برگدہی، مہراجگنج

تاریخ اسلام کی ہر صدی میں خدا کے کچھ ایسے مخصوص اور مقدس بندے پیدا ہوتے رہے ہیں جو اپنے اخلاق و اعمال، سیرت و کردار اور عادات و اطوار سے مردہ قوم میں نئی روح پھونکتے رہے ہیں اور راہ راست سے بھٹکی ہوئی قوم کی ہدایت و رہنمائی کرتے رہے ہیں۔ وہ ہمہ وقت اعلاے کلمۃ الحق کی خاطر دشمنان اسلام کے سامنے صف آرا و سینہ سپر رہے ہیں اور ہمیشہ اپنی زبان و قلم کو احکام خداوندی اور سنت نبوی کی تبلیغ و اشاعت میں استعمال کرتے رہے ہیں۔ انھیں نفوس قدسیہ میں شہزادۂ اعلیٰ حضرت، حامی اہل سنت، ہادی مذہب و ملت، پیکر رشد و ہدایت، حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی بھی ذات پاک بھی ہے۔

آپ ایک بلند پایہ عالم اور نابغۂ روزگار فقیہ تھے۔ آپ کی ذات ستودہ صفات حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین۔ (مشکوٰۃ شریف، حدیث ۲۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت) کی مکمل آئینہ دار تھی۔ علم و فضل، زہد و تقویٰ اور جود و سخا میں آپ کے معاصرین میں کوئی آپ کا ہم پلہ نہیں تھا۔ آپ کی شخصیت کی عظمت مسلم تھی۔ آپ کو اپنے معاصرین میں بلا اشتباہ رفعت و بلندی حاصل تھی۔ آپ اس خانوادے کے چشم و چراغ ہیں جس نے اہل زمانہ کو تہذیب و اخلاق، اخوت و مساوات اور نظام اسلامی کا درس دیا۔ آپ کا در ہر سائل کے لیے ہمہ وقت کھلا رہتا تھا۔ آپ میں خوش اخلاقی، تواضع و انکساری، اخلاق و مروت اور محبت و مودت بدرجۂ اتم موجود تھی۔ آپ کی شان ارفع کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی کسی غریب کی دعوت کو رد نہیں کیا، برخلاف اس کے آپ حکام اور وزرا کو اپنی ملاقات سے محروم رکھتے تھے۔ جس کی روشن دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ گورنر صوبہ اتر پردیش اکبر علی خاں آپ کی زیارت سے شرف یاب ہونا چاہتے تھے مگر آپ ان کی تشریف آوری سے قبل ہی پرانے شہر بریلی شریف میں ایک غریب سنی بیمار شخص کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور وہ شرف لقا سے محروم رہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ سابق صدر جمہوریہ ہند فخر الدین علی احمد اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ آستانۂ اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، مجدد دین و ملت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہ غرض حاضری تشریف لائے اور آپ کی زیارت سے شرف یاب ہونا چاہے مگر اپنی کم نصیبی کی وجہ سے شرف لقا سے محروم رہے۔ یوں ہی ایک مرتبہ مسز اندرا گاندھی سابق وزیر اعظم ہند آپ کی بارگاہ میں باریابی کی اجازت چاہی مگر آپ نے ملنے سے انکار کر دیا۔ اور اجازت بھی مرحمت فرمائی تو کچھ ایسی قیود و شروط کے ساتھ کہ اندرا گاندھی کو ان قیود و شروط میں ملنا مفید نظر نہ آیا اور وہ ملاقات سے باز رہی۔

آپ کی غربا و یتامیٰ پروری :

یقیناً انسانی زندگی کے عروج و ارتقا اور ترقی و تنزل میں اخلاق کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو

اس کے لیے ترقی کی راہیں ہموار ہوتی چلی جاتی ہیں اور وہ اس عظیم جوہر کے سہارے اپنی منزل مقصود کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کی اپنی زندگی قلبی سکون وچین اور خوشگواری کے ساتھ تو گزرتی ہی ہے۔ وہ دوسروں کے لیے بھی رحمت وشفقت اور سکون قلب وجگر کا سبب بن جاتا ہے۔ وہ اخلاق کریمانہ ہی تھے کہ روز بروز اللہ کے رسول نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقبولیت بڑھتی جارہی تھی اور جس زمین پر اللہ کا کوئی نام لیوا نہیں تھا وہاں اللہ کے ماننے والوں کی ایک لمبی فوج تیار ہوگئی جس نے بڑے بڑے شاہان وقت کو شکست فاش سے دوچار کر دیا۔ وہ اخلاق کریمانہ ہی تھے جس کے ذریعہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے فرض منصبی تبلیغ دین کو انجام دیا۔ اور ایسی تبلیغ فرمائی جس کی مثال دنیا پیش کرنے سے قاصر وعاجز رہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ تم میں بہتر وہ ہے جس سے دوسروں کو نفع ہو۔ یہی نہیں بلکہ خدمت خلق اور اس کے فضائل کے بیان سے قرآن پاک اور کتب احادیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مملو ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کمالات انسانیہ سے خدمت خلق ایک زریں انسانی کمال ہے۔ جو ولی کی آغوش میں پرورش پانے والے اور نگاہ ولایت سے سیراب ہونے والے شہزادۂ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات ستودہ صفات میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ آپ کی حیات طیبہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ اسلاف کی طرح آپ کی زندگی کے بیشتر اوقات حاجت مندوں کی حاجت روائی، دردمندوں کی درماں دلی مسکینوں کی غم گساری اور مصیبت زدوں کی مصیبت کو دفع کرنے ہی میں گزرتے تھے۔ ہر گھڑی آپ کی پاکیزہ زندگی میں پریشان حال اور مجبور لوگوں کی مشکل کشائی کے جلوے نظر آتے تھے۔ اور آپ کی زندگی کا کوئی ایسا لمحہ نہیں گزرتا تھا جس میں آپ اس فرض منصبی سے غافل رہے ہوں۔ آپ نے خدمت خلق کو اپنی پاکیزہ زندگی کا ایک جزو لاینفک بنا رکھا تھا۔ آپ نے خلق خدا کی اتنی عظیم وزریں خدمات انجام دی ہے کہ مشہور ومعروف درس گاہوں کے مسند نشیں اور وقت کے کج کلاہان علم وفن اور بڑے بڑے مشائخ بھی اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر نظر آتے تھے۔ آپ کا ابر کرم صرف اپنوں ہی کی کشت آرزو پر نہیں برستا بلکہ اغیار کی تمناؤں کے چٹیل میدان کو بھی سیراب کیا کرتا اور لالہ زار بنا دیا کرتا تھا۔ یقیناً مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان خدمت خلق کے جذبہ سے معمور ایک دھڑکتا ہوا دل رکھتے تھے۔ آپ کسی کی ہلکی سی ٹیس پر بے چین وبے قرار ہو جایا کرتے تھے۔ اگر آپ کسی کے چہرے پر حزن وملال اور درد وکرب کے آثار دیکھ لیتے تو آپ کے حساس دل کا عالم زیروزبر اور درہم برہم ہو جاتا تھا اور آرام وسکون قاش قاش ہو جاتا تھا اور کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ آپ کے در پاک پر کوئی پریشان حال اور حاجت مند دستک دے اور آپ اس کی حاجت روائی نہ کریں اور وہ نامراد ہو کر چلا جائے۔ بلکہ آپ کی پوری زندگی خدمت خلق اور غربا پروری ہی کے لیے وقف تھی۔ اور آپ ان کی مادی وروحانی ہر قسم کی لاعلاج بیماری کا علاج کرتے رہے۔ اور آپ کے شب وروز اور لیل ونہار یعنی حیات طیبہ کا ہر لمحہ قوم وملت کی خدمت ہی میں گزرتا، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہر وقت آپ خلق خدا کے آرام کو اپنا آرام، ان کی تکلیف کو اپنی تکلیف ان کی خوشی کو اپنی خوشی اور ان کے غم کو اپنا غم اور ان کے اطمینان وسکون کو اپنا اطمینان وسکون سمجھتے رہے۔

مگر خدمت خلق کا جو ہمہ گیر کارنامہ آپ نے تعویذات ونقوش کے ذریعہ انجام دیا وہ خدمت خلق کے تعلق سے سب سے اہم تھا۔ اور اس سے مستفید صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ وہ تمام برادران وطن بھی تھے جن کا مذہب اسلام سے کوئی مذہبی دلی لگاؤ نہیں۔ آپ کا یہ عظیم کارنامہ کسی ذاتی غرض کے لیے نہیں بلکہ خالق کائنات کی رضا جوئی کے لیے تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے در پاک پر آنے والا آپ کا عقیدت مند ہو جاتا تھا۔ ہر وقت آپ کے در پاک پر تعویذ لینے والوں کا ایک مجمع نظر آتا۔

آپ معمول کے مطابق بعد نماز فجر تھوڑی دیر آرام فرماتے اور خورد ونوش سے فارغ ہو کر اپنی مخصوص نشست گاہ پر جلوہ فرما ہوتے۔

وہاں پہلے سے موجود حاجت مندوں کو دیکھنے سے ایسا محسوس ہوتا کہ ہفت اقلیم کا کوئی شہریار و تاجدار اپنے دربار میں فریادرسی اور دست گیری کے لیے تشریف فرما ہے جہاں آنے والے آرہے ہیں اور اپنی آپ بیتی گوش گزار کر رہے ہیں اور آپ خاموشی سے ہر ایک کی فریاد سنتے جا رہے ہیں۔ رحمت و رأفت میں ڈوبی ہوئی ایک آواز بلند ہوتی ہے اور حاجت مندوں کی کشت آرزو لہلہا اٹھتی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں یہ تعویذ لو اس کو گلے میں باندھ لینا اور یہ دعا یاد کرلو۔ بعد نماز فجر اس کا ورد کرتے رہنا۔ تعلیم دعا اور تعویذ کا سلسلہ جاری ہے۔ یہی نہیں بل کہ طالبین حاجت میں اگر کوئی شرعی نقص دیکھ لیتے تو اسے فوراً ٹوک دیتے اور محبت و مودت کے حسین پیرایہ میں شرعی مسئلہ سے آشنا کراتے۔

حضرت مولانا عبدالمبین صاحب نعمانی آپ بیتی بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ غالباً ۱۹۷۴ء کا واقعہ ہے کہ حضرت جمشید پور تشریف لے گئے۔ وہاں پر ایک صاحب نے اپنی لاعلاج بیماری کا ذکر کرتے ہوئے تعویذ کی درخواست کی۔ حضرت نے تعویذ عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ کوئی وزنی چیز نہ اٹھایئے گا اور آپ کوئی وزنی چیز کیا اٹھائیں گے، جب ذرا سی داڑھی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ حضرت کے اس ارشاد سے وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ پہلے خشخشی داڑھی رکھے ہوئے تھے اس کے بعد حد شرع تک یعنی مکمل ایک مشت داڑھی رکھنے لگے۔

آپ غور فرمائیں کہ بارگاہ مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان میں آنے والا صرف اپنی لاعلاج بیماری کا علاج چاہ رہا ہے مگر قربان جایئے شہزادہ اعلیٰ حضرت علیہما الرحمۃ الرضوان پر کہ آپ نے اس کے جسمانی مرض کا تو علاج کیا ہی اس کی روحانی آلائش کو بھی زائل کردیا۔

محمد رحمت نبی خاں کا بیان ہے کہ بروز دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ مطابق ۶ اپریل ۱۹۷۴ء بہ تقریب میلاد سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پروگرام تھا اور میں دولت کدہ حضرت قبلہ مرشدی قدس سرہ العزیز حاضر ہوا۔ مجلس حسب دستور اندرون خانہ مسجد تھی اور حضرت قبلہ بیرونی نشست گاہ میں تشریف فرما تھے۔ دعا کرانے والوں اور تعویذ حاصل کرنے والوں کی ایک بھیڑ تھی اور موصوف برابر تعویذ لکھتے جا رہے تھے اور مجلس شریف میں شرکت کے لیے آنے والے بہت سے آدمی بجائے مجلس شریف کا رخ کرنے کے حضرت کی دست بوسی کے لیے پے در پے حاضر ہو رہے تھے اور بعض تو وہیں بیٹھ جایا کرتے تھے جن میں داڑھی بڑھانے، کترانے اور منڈوانے والے بھی قسم کے لوگ موجود تھے۔ اچانک ایک دیہاتی حاضر ہوا اور حضرت کی دست بوسی کی جس کی قمیص کی آستین اور گلے کا بٹن کھلا تھا۔ اسے دیکھتے ہی حضرت کا مزاج شریف منغض ہو گیا۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ آج کل لوگوں نے عجیب طریقے اپنا لیے ہیں۔ آستین کھلی، گلے کا بٹن کھلا اور ننگے سر، اگر نماز میں آستین کہنی تک چڑھی ہو یا گلا زیادہ کھلا ہو تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔

داڑھی شعار اسلام ہے اور میری رائے میں جو شخص داڑھی منڈواتا ہے، وہ اپنے اسلام کو چھپانا چاہتا ہے۔ برہمن کو دیکھو وہ کسی حالت میں جنیو کو ترک نہیں کرتا اور اس کا اپنا عقیدہ ہے کہ اگر جنیو گیا تو پھر سب کچھ گیا کیونکہ اس کا یہ قومی شعار ہے۔ اور مسلمان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے مذہبی شعار کی بالکل پروا نہیں کرتا۔

حضرت مولانا محمد عاصم صاحب حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی خدمت خلق کے تعلق سے ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جو حضرت کی خدمت خلق پر روشن دلیل ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ میرے چھوٹے ماموں جناب امتیاز احمد صاحب خبیث جنوں کے نرغے میں آ گئے اور ان کی حالت کی ابتری کی ابتدا کان اور دانت کے درد سے ہوتی اور درد کی شدت سے وہ تو پریشان تھے ہی گھر کے بھی لوگ پریشان تھے۔ درد کا علاج شروع ہوا مگر کارگر نہ رہا یہاں تک کہ نوبت ادھر اُدھر بھاگنے کی آ گئی۔ نانا جان اور دیگر اہل خانہ کو سحر یا جنوں کے اثر کا شبہ ہوا۔ پھر جھاڑ پھونک اور تعویذات کا سلسلہ جاری ہوا۔ اکثر معوذین اپنی جہد مسلسل و سعی پیہم کے باوجود جنوں کو حاضر نہ کر سکے اور کچھ حاضر بھی کرتے تو وہ ان کے عمل کے اثر سے متاثر ہو کر چلے جانے کا وعدہ کرتے اور چلے بھی جاتے مگر پھر کچھ دنوں کے بعد اپنا

اثر دکھانے لگتے۔ایک مرتبہ ایک مشہور عامل ومعوذ نے پانی دم کر کے دیا اور ہدایت کردی کہ جب جنوں کی سواری آئے تو ان سے کہا جائے کہ وہ اس کا پیچھا چھوڑ دیں اور شرافت کے ساتھ چلے جائیں۔اگر شرافت کے ساتھ جانے کے لیے تیار نہ ہوں تو آسیب زدہ کے چہرے پر رومال ڈال دیا جائے اور وہ دونوں کانوں کو مضبوطی سے بند کر کے دم شدہ پانی کی چھینٹیں آسیب زدہ کے چہرے پر ماریں اس طرح سے وہ چلے جائیں گے اور پھر کبھی نہ آئیں گے۔

عامل کی ہدایت کے مطابق عمل شروع ہوا اور دو جن حاضر ہوئے اور ان سے گفتگو ہوئی۔انھوں نے چلے جانے اور کبھی نہ آنے کا وعدہ کیا اور حسب وعدہ چلے بھی گئے۔ایک تیسرا جن جس نے اپنا نام نورالعین بتایا حاضر ہوا اور کافی دیر تک بحث ومباحثہ کرتا رہا اور گفتگو میں الجھاتا رہا،آخر کار اس نے بھی چلے جانے اور کبھی نہ آنے کا وعدہ کیا اور حسب وعدہ چلا بھی گیا۔گھر والوں کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی مگر زیادہ زمانہ نہ گزرنے پایا کہ حاصل شدہ مسرت غارت ہوگئی اور شریر وخبیث جنوں کا حملہ بڑی شدت کے ساتھ ہوا اور ان کی حالت اب اور زیادہ خراب ہونے لگی۔پھر معوذین سے رابطہ ہوا اور تعویذی عمل شروع ہوا۔مگر یہ عمل کارگر نہ رہا اور مایوسی میں وقت گزرتا رہا کہ اتفاق سے تاجدار اہل سنت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی ادری تشریف آوری ہوئی اور حضرت کا قیام حضرت مفتی مجیب الاسلام صاحب امجدی کے مکان پر ہوا۔موصوف نانا جان کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور وہ ماموں جان کی حالت زار اور ان کے اہل خانہ کی پریشانیوں سے بخوبی آشنا تھے۔نانا جان نے مفتی صاحب کے توسط سے بارگاہ مفتی اعظم میں اپنے فرزند ارجمند کی حالت زار کا تذکرہ کیا اور تعویذ عطا کرنے کی درخواست کی۔خدمت خلق کے جذبہ نے آپ کو ابھارا اور آپ بلاتوقف قلم دان کا مطالبہ کرتے ہیں اور تعویذ لکھ کر گلے اور ہاتھ میں باندھنے کی ہدایت کرتے ہوئے عطا کرتے ہیں۔تعویذ کو گلے اور ہاتھ میں باندھنا تھا کہ جنوں کا اثر ختم ہوگیا اور پھر وہ کبھی خبیث جنوں کی سواری نہ بنے۔

حضور تاجدار اہل سنت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی غربا پروری،مسکین نوازی،اور کرم گستری حضرت مولانا مفتی عزیز الحسن خلیفہ مفتی اعظم کی زبانی۔موصوف رقم طراز ہیں کہ ایک مرتبہ تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان مالیگاؤں تشریف لائے اور میں اس وقت دارالعلوم اشرفیہ مالیگاؤں میں بحیثیت شیخ الحدیث تدریسی خدمت انجام دے رہا تھا حضرت کا قیام دارالعلوم ہی میں رہا صبح کا وقت تھا آپ ایک وسیع کمرہ میں جلوہ بار تھے۔عقیدت مند اور حاجت مند باادب بیٹھے تھے اور ہر شخص اپنی پریشانی اور حاجت کو بیان کر رہا تھا اور آپ ہر ایک کی فریاد سنتے اور تعویذ لکھ کر تعویذ عطا فرماتے جاتے اور دعا کرتے جاتے۔اسی درمیان ایک خستہ حال دیہاتی بدحواسی کے عالم میں حاضر بارگاہ ہوا۔قریب جا کر سلام عرض کیا۔حضرت نے سر اوپر اٹھایا اور اس کے سلام کا جواب دیا اور خیریت دریافت کی۔گھبراتے ہوئے اس نے جواب دیا حضور میں ایک غریب آدمی ہوں اور میری کفالت میں دو جوان بیٹیاں ہیں جن کی مجھے شادی کرنی ہے اور میں اس بار کے اٹھانے سے عاجز ہوں۔حضرت سے التماس ہے کہ مجھ خستہ حال کو تعویذ مرحمت فرمادیں تاکہ شادی کے اخراجات کا انتظام ہو جائے۔

حضرت نے فرمایا بیٹھو اور خود تعویذ نویسی میں مصروف ہوگئے۔کچھ لوگوں کو تعویذ عطا فرمایا،اس کے بعد اس دیہاتی کی جانب متوجہ ہوئے تو اتفاق کہ وہ وہاں موجود نہ تھا۔اہل کمرہ پر نگاہ ڈالی تو وہ نظر نہ آیا۔دریافت فرماتے ہیں کہ تعویذ کا طلبگار دیہاتی کہاں گیا؟ کافی تلاش وجستجو کے بعد بھی وہ نہ ملا۔اسی بیچ مالیگاؤں کے ایک قریبی قصبہ کے چند معزز وموقر اشخاص حضرت کو اپنے وہاں لے جانے کے لیے حاضر ہوئے تاخیر پر تاخیر ہوتی جارہی تھی اور حضرات کا اصرار کہ وہ غریب ہے۔اسے تلاش کرو؟ اسے تعویذ دینا ہے۔اس طرح کافی وقت

صرف ہوگیا اور حضرت کو اپنے وہاں لے جانے والے تاخیر ہونے کی وجہ سے حیران و پریشان تھے۔ آخر کار حضرت جانے کے لیے کار میں تشریف فرما ہوئے پر اصرار و ہی کہ وہ غریب ہے۔ تلاش کرو۔ اسے تعویذ دینا ہے۔ جانے کے لیے کار روانہ ہوئی اور پھر ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد مدرسہ کے دروازہ پر آ کر رکی۔ حضرت کار سے نیچے تشریف لائے اور بولے وہ غریب ہے۔ تلاش کرو۔ اسے تعویذ دینا ہے۔ اور کمرے میں جا کر بیٹھ گئے اور بار بار فرماتے رہے۔ وہ غریب ہے۔ تلاش کرو۔ اسے تعویذ دینا ہے۔ حاضرین دم بخود اور پریشان اس کے چند ہی منٹ بعد وہ غریب دیہاتی حاضر ہوا حضرت اسے دیکھ کر تبسم ریز ہوئے اور بولے تم آ گئے اور پھر تعویذ نویسی میں مصروف ہو گئے اور تعویذ عطا فرمایا۔ یہ ہے مفتی اعظم کی شان غربا پروری کہ تعویذ کے طلبگار کو کوئی فکر نہیں اور آپ ہیں کہ ایک نا آشنا اور اَن جانے غریب کے لیے اس درجہ مضطرب اور بے چین ہو رہے ہیں اور آپ کو اس وقت تک قرار نہیں آتا جب تک کہ اسے تعویذ عطا نہیں کر دیتے۔ یہی نہیں بل کہ آپ کے خاندان کی غربا پروری پورے ہند میں ضرب المثل تھی اور آپ بھی غربا پروری میں خاندان والوں کے دوش بدوش تھے۔ بلکہ آپ کی غربا پروری کو دیکھ کر بہت سے مخیّر حضرات نے بھی اس کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کر دیا۔

☆☆☆☆☆

ان کا سایہ اک تجلی ان کا نقش پا چراغ

مولانا محمد طاہر المصباحی
استاذ جامعہ کاملیہ مفتاح العلوم، کولھوئی بازار، مہراج گنج (یوپی)

"یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا۔"

یہ کلمات بابرکات مرشد برحق حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی نور اللہ مرقدہ نے مجدد مأۃ حاضرہ امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سے ان کے فرزند ارجمند حضور مفتی اعظم علامہ محمد مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کے بارے میں فرمایا تھا۔ چنانچہ حضور مفتی اعظم نے اس فرمان عالی شان کے مطابق اپنی زندگی گزاری اور عوام وخواص کی خدمت میں لگے رہے، ملت اسلامیہ کے ایمان وعقائد کے تحفظ وبقا کے لیے بے شمار قلمی یادگاریں چھوڑیں، جو اہل ایمان کے لیے آج بھی مشعل راہ ہیں۔

یوں تو دنیا میں بے شمار لوگ پیدا ہوئے مگر اس زمین نے انھیں دنیا سے رحلت کرنے کے بعد ان کی عزت ودولت کو اپنے سینے میں چھپا لیا، مگر جن لوگوں نے روے زمین پر اللہ تعالیٰ، اور رسول اعلیٰ کی خاطر اپنی زندگی کو وقف کر دیا، حوادثات زمانہ میں بھی انھیں نہ مٹا سکے، وہ آج بھی ماہ کامل کی طرح روشن، زندہ اور تابندہ ہیں۔ انھیں شخصیات میں سے ایک شخصیت شہزادۂ مجدد اعظم، حضور مفتی اعظم، مولانا مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کی بھی ہے، جن کے وصال کو آج ۲۵ سال پورے ہو گئے مگر پھر بھی ان کی زندگی عوام وخواص کے درمیان مشعل راہ ہے۔

خدمت خلق تو جان ومال، عزت وآبرو، تہذیب وتمدن کے تحفظ کی ضمانت دے کر بھی کیا جاتا ہے، اور صراط مستقیم پر رہنمائی کر کے ایمان وعقائد کی حفاظت کر کے بھی، مگر مفتی اعظم نے خدمت خلق کا جو اعلیٰ نمونہ پیش کیا وہ عصر حاضر میں خدمت خلق خدا کا جذبہ رکھنے والوں کے لیے نمونہ عمل ہے۔ آپ نے نازک وقت میں بھی جس پامردی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا، وہ آج کے رہنمایان قوم کے لیے نمونہ عمل ہے۔ آپ نے مسلمانوں کے ایمان وعقائد، تہذیب وتمدن، رنگ ونسل اور جان ومال کی حفاظت کے لیے جو قدم اٹھایا، وہ مسلمانوں کے حق میں مفید ثابت ہوا۔ خدمت خلق کا سب سے بہتر طریقہ انسان کے ایمان وعقائد، کی حفاظت کرنا ہے، یہی کام انبیاے کرام ورسلان عظام نے قوم کے لیے سب سے پہلے کیا، کہ ان کے ایمان وعقائد سے باطل وفاسد مادوں کو نکال کر صراط مستقیم کی جانب گامزن کر دیا۔ اس کے بعد صحابۂ کرام، تابعین عظام اور علماے اسلام بھی اسی سنت پر کار فرما رہے۔

بریلی کے جس گھرانے میں حضور مفتی اعظم نے آنکھ کھولی وہ گھرانہ تقریباً ڈیڑھ سو سال سے مرجع الفتاویٰ تھا، آپ کے والد گرامی مجدد اعظم امام احمد رضا خان اس وقت اس منصب عظیم پر فائز تھے اور ان سے قبل ان کے جد امجد امام العلما علامہ مفتی نقی علی خان بریلوی قدس سرہٗ، فتویٰ نویسی کے اس عظیم کام کو انجام دے رہے تھے اور پھر ایک وقت وہ آیا جب سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، مجدد دین وملت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ نے اس خصوص کو اوج کمال کو پہنچا دیا۔ اس کے بعد آپ ہی کی نگاہوں کے سامنے آپ کے لخت جگر،

مولانا محمد طاہر المصباحی

حضور مفتی اعظم کو، جب آپ کی عمر تقریباً اٹھارہ سال کی تھی۔ اس منصوب رفیع پر فائز کردیا گیا۔ آپ نے تقریباً ۷۰ سال سے زائد عوام الناس کو درپیش ہزاروں الجھے ہوئے مسائل کی گتھیوں کو سلجھایا اور تحقیقات واکتشافات کے دریا بہادیے۔

آپ نے ۷۰ سال کے اندر ملک وملت کے مسلمانوں کی جان و مال، عزت وآبرو، ایمان وعقائد کے تحفظ کا جو گراں قدر کارنامہ انجام دیا وہ آج پورے عالم اسلام کے علما کے لیے نمونۂ عمل ہے، چاہے وہ سیاسی سطح کے معاملات ہوں یا دینی وسماجی، ہر اعتبار سے آپ نے ٹھوس قدم اٹھائے، ایمرجنسی کے زمانے میں جب وزارت عظمٰی کی کرسی پر مسز اندرا گاندھی براجمان تھیں، یہ وہ وقت تھا جب حکومت وقت کے بڑھتے اثر ورسوخ نے بڑے بڑے ارباب جگر کو جھکا دیا تھا، لیکن مفتی اعظم کے پائے ثبات میں ذرہ برابر لغزش تک نہ آئی، بلکہ اپنے زبان وقلم کی بنیاد پر حکومت وقت کو اپنے آگے جھکنے پر مجبور کردیا۔

چنان چہ ۱۹۷۶ء-۱۹۷۷ء میں جب کہ ہندوستان پر کانگریس کی حکومت تھی، کانگریس نے ہندوستان کے اندر ایمرجنسی نافذ کردی تھی، اور پورے ہندوستان میں بودوباش اختیار کرنے والے ہر فرد کو نس بندی کرانے پر مجبور کیا جارہا تھا، اس ظالمانہ قانون کے شکار ہندوستان کے ہر مذہب وملت کے لوگ تھے، کچھ تو لالچ میں، اور کچھ نوکری جانے کے خوف سے، کچھ انتظامیہ کی دہشت کی بنیاد پر نہ چاہتے ہوئے بھی نسبندی کرانے پر مجبور تھے، چونکہ اسلامی شریعت، نسل کشی کی اجازت نہیں دیتی اور نسبندی ایک طرح سے نسل کشی ہی تھی، اس لیے علمائے حق نے اس کے بارے میں آواز اٹھانا شروع کردیا۔ اس وقت نام نہاد کانگریسی علما نے حکومت کی موافقت میں فتویٰ دے کر جلتے ہوئے آگ میں گھی ڈالنے کا کام کیا، اور نسبندی کی مخالفت کرنے والوں کے سروں پر دوہری مصیبت کھڑی کردی۔ ایسے وقت میں جب کہ حکومت ہر طرح سے عوامی آواز کو دبانے کے درپے تھی، شہزادہ مجدد اعظم، مفتی اعظم حضور علامہ مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان میدان عمل میں اترے اور انھوں نے نسبندی کے نہ صرف حرام ہونے کا فتویٰ دیا بلکہ اس پر قائم رہ کر ہندوستانی سیاست میں ہلچل مچادی۔ حکومت وقت نے ہر ممکن طریقے سے فتویٰ سے رجوع کرنے کے لیے مجبور کیا، مگر آپ اپنے قول پر قائم رہے اور امت مسلمہ کو حکومت کے اس ناپاک حملے سے بچالیا۔ آخرکار حکومت اپنے فیصلے کو بدلنے پر مجبور ہوگئی۔ آپ نے یہ قدم ملک وملت اور مذہب اسلام کی موافقت میں اٹھا کر علمائے دین کو حقانیت کا کھلا ہوا پیغام دے دیا۔

آپ نے وہابیت اور دیوبندیت کے مکروفریب سے عوام کو بچانے کے لیے اشد العذاب علی عابد الخناس، وقعات السنان فی حلق المسماۃ بسط البنان جیسی تقریباً چالیس (۴۰) گراں قدر کتب ورسائل لکھ کر عوام کو ضلالت وگمراہی سے بچایا۔ اور بہت ساری کتابوں پر حاشیہ لکھ کر اسلام وسنیت کے علمائے کرام کو پیچیدہ مسائل کو سمجھنے میں آسانی عطا فرمائی، اور حقیقت وسچائی کو اجاگر کرنے کے لیے علماے حق کی ایک ٹیم تیار کی۔ آپ کی شخصیت نے عالم اسلام کو علم وفضل کے وہ درخشندہ ستارے عطا کیے جن کی روشنی سے آج بھی کفر وضلالت کی تاریکی چھٹ رہی ہے۔

آپ کے فتاوی نہ صرف ہندوستان بلکہ یورپ وایشیا میں بھی بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، علامہ مفتی محمد جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں وہ دنیائے اسلام میں اگر چہ مفتی اعظم کے نام سے مشہور ہیں، لیکن وہ صرف مفتی اعظم ہی نہیں تھے، بلکہ اپنے زمانے کے مفتی اعظم اسلام تھے، اس لیے کہ آپ کے اتقا اور تفقہ فی الدین کی عظمت صرف ہندوستان تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ عرب افریقہ، اور انگلینڈ وامریکہ وغیرہ بہت سے ممالک میں بھی تسلیم کی جاتی تھی۔ مفتی اعظم حضور مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کو آج جو یہ دنیا یاد کررہی ہے، یہ ان کے عظیم دینی، سماجی، سیاسی اور اخلاقی کارناموں کی برکت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام عالم اسلام کو مفتی اعظم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ☆☆☆☆☆ ☆

میرے مرشد گرامی کی یادیں

الحاج محمد رفیق رضوی (منا بھائی) ابن شفیع احمد رضوی
خادم رضا اکیڈمی، ممبئی

میرے خیر خواہ مولانا محمد اسلم رضا صاحب مصباحی اور رضا آفسیٹ کے مالک محمد عارف رضوی نے یہ اطلاع دی کہ "جہان مفتی اعظم" عنقریب شائع ہو رہی ہے جو تقریباً گیارہ سو (۱۱۰۰) صفحات پر مشتمل ہوگی۔ تو آپ بھی اپنی یادداشت سے چند واقعات قلم بند کر دیں تا کہ جہان مفتی اعظم میں آجائے۔

سب سے پہلے میں اپنی والدہ ماجدہ کا ذکر کروں جو کہ حضور مفتی اعظم کی مریدہ اور خادمہ تھیں۔ آپ فرماتی تھیں کہ میں کوئی خواب نہیں دیکھتی سوائے اپنے شیخ کے یا کبھی کبھی حرمین طیبین کی گلیوں کو دیکھتی ہوں۔ میری والدہ ماجدہ تو اپنے پیر و مرشد اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے والہانہ محبت رکھتی تھیں اور ان بزرگوں کی محبت ہماری گھٹی میں بھی پلا دی ہیں۔ شہنشاہ بغداد حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی نام مبارک اس کثرت سے لیا کرتی تھیں کہ ان کے نام مبارک ہم بھائی بہنوں کے دل و دماغ میں ایسے چھا گئے ہیں کہ آج بھی اگر نیند میں چونک جائیں یا کوئی پریشانی آجائے تو ہم لوگوں کی زبان سے برجستہ یا غوث المدد ہی نکلتا ہے۔

یہ بات ہمارے خاندان کے لئے قابل فخر ہے کہ ایک ہی پیر قطب عالم حضور مفتی اعظم سے ہماری چار پشتیں بیعت ہیں میرے دادا، دادی، والد بزرگوار شفیع احمد رضوی، والدہ ماجدہ، برادر اکبر الحاج محمد سعید نوری، میں محمد رفیق رضوی، محمد حسن رضوی، اور ہمارے بھتیجے آپ کی غلامی میں ہیں اور خدا سے دعا ہے کہ صاحب لولاک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صدقہ و طفیل ہماری آنے والی نسلیں قیامت تک سلسلے سے وابستہ رہیں۔

حضور مفتی اعظم جب بمبئی تشریف لاتے تو اکثر ہمارے غریب خانہ پر کرم فرماتے۔ حضرت کی آمد کی خبر لوگوں میں بہت جلد عام ہو جاتی اور حاجت مندوں کا تانتا بندھ جاتا۔ صبح سے لے کر رات کے آخری حصہ تک لوگوں کو بیعت ہونے، تعویذات لینے، علماء و مشائخ ملاقات کیلئے آتے جس کی وجہ سے حضرت کو آرام نہیں ملتا۔ میرے والد صاحب نے دروازے پر ایک تختی لگا دی جس پر حضرت سے ملاقات کے اوقات لکھ دیئے۔ صبح کو حضرت کی نظر مبارک اس تختی پر پڑ گئی آپ نے دست پاک سے تختی پلٹ دی اور فرمایا یہ تختی کس نے لگائی؟ کسی نے کہا شفیع بھائی نے۔ فرمایا بلایئے۔ فوراً میرے والد صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے فرمایا یہ تختی نکال دو۔ خدا کی مخلوق کہاں کہاں سے اپنی پریشانیاں لے کر میرے پاس آتی ہیں اور میں نہ ملوں تو انہیں تکلیف ہوگی۔ آپ میری تکلیف کا خیال نہ کیجیے۔ یہ ہے شان میرے شیخ کی۔

حضرت کے واقعات و کرامات بے شمار ہیں۔ میرے برادر اکبر الحاج محمد سعید نوری سے متعلق ایک واقعہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ

رمضان کا مہینہ تھا۔اس وقت بھائی چھٹے کلاس میں تعلیم حاصل کر رہے تھے مجھ سے کہنے لگے اگر حضرت چاہیں تو کل میں بریلی شریف چلے جاؤں۔اپنے جیب خرچ کی رقم جمع کر کے اکیلے ہی بغیر کسی کو بتائے بریلی شریف چل دیے۔جیب میں صرف ٹکٹ بھر کی رقم تھی اس لیے پانی سے افطار کیا۔اور پانی سے ہی سحری کی۔اس طرح بریلی شریف پہنچے۔اور اپنے شیخ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔بمبئی میں گھر کے بھی افراد ڈھونڈ کے تھک گئے۔جب مجھے یاد آیا کہ بھائی کہہ رہے تھے کہ حضرت چاہیں تو کل میں بریلی شریف چلا جاؤں۔پھر گھر والوں نے ٹرنک کال بک کیا اور بریلی شریف اطلاع دی کہ جیسے ہی محمد سعید بریلی شریف پہنچے ہم لوگوں کو خبر دیں۔بھائی کے پہنچتے ہی فون آیا اور ہمارے تایا ابا (خلیل احمد رضوی) انھیں لینے کے لیے بریلی شریف پہنچے۔حضرت سے ملاقات کی تو حضرت نے فرمایا محمد سعید کو اب بریلی آنے سے کبھی مت روکنا یہ جب کہے لے آیئے۔حضرت بھائی پر بہت شفقت فرماتے تھے۔والدہ کے علاوہ بھائی پر بھی حضرت کرم فرماتے اور بھائی کو خواب میں زیارت سے مشرف فرماتے، جب بھی بھائی خواب دیکھتے والدہ سے کہتے کہ آج حضرت کی نیاز دلا دیں۔یہ سن کر ایک روز مجھے بہت افسوس ہوا کہ حضرت ہمیشہ والدہ اور بھائی پر کرم فرماتے لیکن مجھ گنہگار پر کبھی کرم نہیں فرمایا بس یہ سوچتا ہی تھا کہ اسی رات میری قسمت کا ستارہ چمکا اور حضرت کو خواب میں دیکھا۔اور دیکھتے ہی میں حضرت کے زانوں پر سر رکھ کر رونے لگا۔پھر حضرت بگھی (گھوڑا گاڑی) پر کہیں تشریف لے گئے۔میں نے صبح اٹھتے ہی والدہ کو خواب بتایا اور نیاز دلانے کے لیے کہا۔

بریلی شریف میں کاشانہ نوری پر ہر شب جمعہ کو نوری محفل (میلاد شریف) کا پروگرام ہوتا ہے۔گرمی کے دن تھے آنگن میں میلاد شریف ہو رہی تھی۔ایک تخت پر حضرت جلوہ افروز تھے اور دوسرے تخت پر میلاد شریف پڑھنے والے حضرات موجود تھے جیسے ہی محفل کا اختتام ہوا۔ناصر چچا نے کہا منا کھڑے ہو جاؤ حضرت کو نعت شریف سناؤ۔میں نے حضرت کو نعت شریف سنائی جس کا پہلا مصرع ہے "تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے" حضرت نے سبحان اللہ ماشاء اللہ کہا اور دعائیں دیں اور کچھ نذرانہ بھی عطا فرمایا۔

ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ بغداد شریف حضور غوث پاک کے آستانے پر آپ کی کتنی بار حاضری ہوئی تو میں نے کہا کہ الحمد للہ مرشد برحق کے صدقے میں ۹ مرتبہ حاضری ہوئی تو اس شخص نے کہا بغداد شریف کا ویزا کہاں سے لگاتے ہیں؟ دلی سے؟ میں نے کہا نہیں! ہمارا ویزا بریلی شریف سے لگتا ہے۔اگر کسی کو جلد بغداد شریف جانا ہو تو حضور مفتی اعظم کے آستانہ مبارک پر حاضر ہو کر عرض کرے ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد بغداد شریف کی حاضری میسر ہوگی۔

۲۵ رواں سالہ عرس نوری (حضور مفتی اعظم) میں جن حضرات نے دامے درمے قدمے سخنے حصہ لیا اللہ تبارک وتعالیٰ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور سب کو مدینے شریف اور بغداد شریف کی بار بار حاضریاں نصیب فرمائے۔آمین

الحمد للہ امسال ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء میں نے حج کیا و مرشد گرامی کے لیے کیا اور شہنشاہ بغداد کی دہلیز مبارک پر باب الشیخ بغداد شریف میں ۲۵ رسالہ عرس کی ایک تقریب منائی گئی جو شب میں ۱۰ بج کر ۳۰ منٹ پر شروع ہو کر صبح ۴ بجے صلاۃ وسلام شجرۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ نوریہ پر اختتام پذیر ہوا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صدقہ وطفیل ہمیں دین وسنیت کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆

بارھواں باب

تنظیم و تحریک کے نام پر جس قدر چاک گریبانی اور مرثیہ خوانی وسینہ کوبی، ہماری جماعت نے کیا ہے، اس کی نظیر کم ہی جگہوں پر ملے گی، مگر اسی مناسبت سے جس قدر انتشار وانار کی اور لامرکزیت کے شکار ہم رہے، وہ بھی کچھ کم عبرت ناک نہیں، پچھلے سوسالوں میں ہماری تنظیموں کی عمریں بہت محدود رہی ہیں، ایک انسان جس عمر میں جوانی کے دہلیز پر قدم رکھتا ہے، اگر اس عمر تک بھی ہمارے تنظیمیں زندہ رہتی تو شایدان پر بھی جوانی کی رونق و بہار چھا جاتی۔ وہ بھی کچھ بھلے دن دیکھ لیتیں، مگر تاریخ شاہد ہے کہ وہ سائن بورڈوں، لیٹر پیڈوں اور پوسٹروں میں تو زندہ رہیں، مگر عملی دنیا میں ان کا دور دور تک نام و نشان نہ رہا۔اور بالکل اس کے برعکس ہماری تنظیموں کا ایک منفی رخ یہ رہا کہ کام تو ہم نے کیا، مگر اس کی تاریخ نہ لکھی، جو کچھ کیا اسے دوسروں تک نہ پہنچایا نتیجۃً نوجوان نسلیں، بزرگوں سے بدگمان ہوتی گئیں اور مایوسیوں کے بادل گھرے ہوتے گئے، شاید آل انڈیا جماعت رضائے مصطفیٰ کے ساتھ بھی یہی آخری رخ اپنایا گیا، جس کی وجہ سے اس کی کارکردگی نمایاں طور پر آنے والی نسلوں تک نہ پہنچ سکی، وہ توبھلا ہو مولانا شہاب الدین رضوی چیف ایڈیٹر ماہنامہ سنی دنیا بریلی کا جنہوں نے بڑی عرق ریزی سے ہزاروں صفحات کو نچوڑ کر تاریخ آل انڈیا جماعت رضائے مصطفیٰ کے نام سے ایک دستاویز مرتب کردی۔ اہل نظر اس کتاب کی روشنی میں بہت حد تک مفتی اعظم اور آپ کے اصحاب و انصار کی مجاہدانہ زندگی اور تنظیمی صلاحیتوں کا بہ خوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ تنظیموں کی زندگی میں جس طرح اتار چڑھاؤ آتے ہیں، اس تنظیم کی زندگی میں بھی اتار چڑھاؤ آئے۔خصوصیت کے ساتھ مالی پریشانیاں ہمیشہ پریشان کرتی رہیں، اور قوم نے اس سلسلے میں اس بات کا بھی خیال نہ کیا کہ اس تنظیم کے روح رواں شہزادۂ اعلیٰ حضرت کی ذات گرامی ہے، چناں چہ ایک موقع پر جب پریشانیاں حد سے زیادہ بڑھ گئیں تو مفتی اعظم نے مجبور ہوکر تنظیم کے لیے چندہ کی اپیل کی مگر یہ بھی ہماری تاریخ کا حصہ ہے اس تنظیم کے لیے مفتی اعظم کی اپیل کے باوجود صرف رئیس سہاور نے ۵۰ روپے عطا کیے اس کے علاوہ کہیں اور سے کوئی رقم دست یاب نہ ہوئی۔ بہر حال ان سب مسائل پر قابو پاتے ہوئے فتنۂ ارتداد میں جماعت رضائے مصطفیٰ نے جو عظیم کارنامے انجام دیے، وہ آج دولت و ثروت کے خزانوں سے کھیلنے والے، مذہبی سورماؤں کے لیے سامان عبرت ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ تاریخ نویسی کے بجائے عملی طور پر بھی اس تنظیم کو یا جو بھی سنی تنظیمیں ہیں سب کو رو بہ عمل لایا جائے۔

جنہیں تفصیلی معلومات درکار ہو وہ مولانا کی کتاب کی طرف رجوع کریں۔رضا اکیڈمی ممبئی کے بانی و جنرل سکریٹری اسیر مفتی اعظم الحاج محمد سعید نوری ہیں۔یہ خود مفتی اعظم کی دعاؤں کا نتیجہ ہیں۔علم و فکر اور شعور آگہی کا جو بھی سرمایہ ان کے پاس ہے، وہ انہیں کے قدموں کا دھوون ہے یہ نوری تصرفات کی تابشیں ہیں کہ رضا اکیڈمی پوری یکسوئی اور سلامت روی کے ساتھ مصروف عمل ہے۔ رضا اکیڈمی کی یہ وسعت و ہمہ گیری اور قائدانہ پیش رفت مفتی اعظم کے انداز تربیت کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔مفتی اعظم نے سعید نوری صاحب کو بارہا سعید و نیک بخت ہونے کی دعائیں دیں۔ رضا اکیڈمی کی کامیابیوں کی شکل میں ان کی سعادتوں کا ظہور ہو رہا ہے۔آج رضا اکیڈمی فیضان مفتی اعظم سے ملک ہی نہیں بل کہ بین الاقوامی سطح پر دین سنیت کی نشر و اشاعت اور مسلک و ملت کے دفاع کا ایک طاقت ور پلیٹ فارم بن چکی ہے۔

مقبول احمد سالک مصباحی

مفتیِ اعظم ہند اور الجامعۃ الاشرفیہ

مولانا مبارک حسین مصباحی رام پوری
چیف ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

کسی فیروز بخت صبح کی مناجات میں امام احمد رضا نے بڑے رقت بھرے انداز میں یہ دعا کی تھی۔ اے مالکِ بے نیاز، اے رب کریم مجھے ایسی اولاد سے سرفراز فرما جو عرصۂ دراز تک تیرے دین اور تیرے بندوں کی خدمت کرے۔ لب ہائے امام سے نکلی ہوئی یہ دعا شرف قبولیت سے سرفراز ہوئی اور ۲۲؍ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ کی بابرکت ساعتوں میں ایک خوبصورت اور خوش بخت فرزند کی ولادت ہوئی۔ محمد نام پر عقیقہ کی تقریب ہوئی اور مصطفیٰ رضا عرف قرار پایا۔

ٹھیک چھ ماہ بعد حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں جب بریلی شریف تشریف لائے تو اعلیٰ حضرت کو مبارک باد دے کر اس سعادت مند فرزند کے حق میں یہ بشارت اور پیش گوئی فرمائی:

> "یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور خدا کی مخلوق کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا۔ یہ بچہ ولی ہے۔ اس کی نظروں سے لاکھوں گمراہ انسان حق پر واپس آئیں گے اور فیض کا دریا بہائے گا۔"

آگے چل کر یہی فیروز مند بچہ عالمِ اسلام میں مفتیِ اعظم ہند کے نام سے مشہور ہوا۔ دعاے امام کی قبولیت اور مرشد کی بشارت کو ایک صدی مکمل ہو رہی ہے۔ اس صدی کے پردے پر مفتیِ اعظم ہند نے فکر وعمل اور دین ودانش کے جو نقوش چھوڑے ہیں وہ اس بشارت ودعا سے اس قدر ہم آہنگ اور مطابق ہیں کہ ہزار مخالفتوں کے باوجود بھی آج تک کوئی خطِ امتیاز نہ کھینچ سکا۔ کسی کہنے والے نے کتنے پتے کی بات کہی ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ۔۔۔ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

مفتیِ اعظم ہند کی زندگی حیات اسلاف کی آئینہ دار بھی تھی۔ اور اپنے عہد کے منزل آشنا اور گم گشتگانِ راہ کے لیے مینارۂ نور بھی۔ اصحاب علم وفن ہوں یا ماہرین سیاست، اہلِ دین ودانش ہوں، یا اربابِ شریعت وطریقت۔ ہر فرد آپ کے نقشِ پا کو نشانِ منزل، کردار وعمل کو نمونۂ حیات اور نظر وفکر کو نصب العین بنانا کامیابی وسرفرازی کی ضمانت سمجھتا ہے۔

آپ کا وجود مسعود اگر ایک طرف قول وعمل کا سنگم اور تقویٰ وطہارت کا مرقع تھا، تو دوسری طرف بے شمار دینی وملی، سیاسی وسماجی تحریکوں کا بانی ومحافظ بھی تھا اور معین ومددگار بھی۔ تعصب وتنگ نظری سے بالاتر ہو کر آپ ہر اس تنظیم وتحریک کے رفیق وہم سفر ہو جاتے تھے جہاں خلوص وللّٰہیت کے جلوے اور صداقت وحقانیت کے نقوش اجاگر ہوتے۔

ذیل میں صرف تحریک جامعہ اشرفیہ کی حمایت وہمدردی کا حال ملاحظہ کیجیے۔ اہلِ شعور اس سے اس انقلاب آفریں شخصیت کی وسیع

الفکری اور دیگر دینی وملی تعمیر وترقی میں رفاقت ومعاونت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ الجامعۃ الاشرفیہ کو مفتیِ اعظم ہند کی رفاقت ورہنمائی کن کن مراحل میں حاصل رہی۔اس کی یہ پرکیف داستان الجامعۃ الاشرفیہ کی عہد بہ عہد تاریخ کے آئینے میں ملاحظہ کیجیے:

۱۳۲۵ھ/۱۹۰۸ء میں سرزمین مبارک پور میں ایک مدرسہ مصباح العلوم کے نام سے قائم ہوا۔اس میں علما،فضلا تعلیم وتدریس اور اس کی تعمیر وترقی کے لیے آتے جاتے رہے۔لیکن مدرسہ کسی بھی شعبہ میں کوئی خاطر خواہ ترقی نہ کر سکا۔اس کے بعد ۱۳۵۲ھ میں ارکان ادارہ کی درخواست پر حضرت صدر الشریعہ نے حافظ ملت کو اشرفیہ کی خدمت کے لیے مبارک پور جانے کا حکم دیا،تو حافظ ملت نے عرض کیا، میں نے یہ تہیہ کرلیا ہے کہ میں ملازمت نہ کروں گا،اس جواب پر صدر الشریعہ کو جلال آگیا۔فرمایا میں نے ملازمت کے لیے کب کہا ہے،میں تو دین کی خدمت کے لیے کہہ رہا ہوں۔

حافظ ملت مبارک پور آگئے۔آپ کے آتے ہی زور وشور سے تدریس کا کام ہونے لگا۔طلبہ کا ہجوم اکٹھا ہوگیا۔آپ روزانہ تنہا تیرہ کتابوں کا درس دیتے تھے،جن میں سب سے نیچی کتاب شرح جامی تھی۔تدریس کے علاوہ تقریر کے ذریعہ بھی مبارک پور کے خفتہ ماحول میں بیداری پیدا کی اور ان کے دینی وملی سیاسی وسماجی امور کی اصلاح فرمائی۔

طالبان علوم نبوت کی وارفتگی وہجوم کے پیش نظر مزید علمی وتعلیمی فروغ کے لیے آپ نے ایک دار العلوم کی عمارت کا منصوبہ پیش کیا۔ آپ کی اس پرخلوص صدا پر پورا مبارک پور سربکف ہوگیا۔خواہش جب شوق ووارفتگی کی حد میں داخل ہو جاتی ہے تو منزل مقصود کے حصول میں دیر نہیں لگتی۔

ہو اگر شوقِ طلب ڈھونڈنے والوں میں تو پھر
سیکڑوں منزلیں راہوں کے غباروں میں ملیں

روز جمعہ ۱۲؍شوال ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۸؍جنوری ۱۹۳۵ء کو حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی اور حضرت صدر الشریعہ اعظمی علیہما الرحمہ کے ہاتھوں دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم (باغ فردوس) کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔چند ہی دنوں میں یہ ادارہ اپنی علمی وفکری خدمات کی وجہ سے پورے ملک میں متعارف ہوگیا۔۷ربیع الآخر ۱۳۰۷ھ کو

۱۳۵۳ھ

مفتیِ اعظم تشریف لائے اور دار العلوم کی تعلیمی وتعمیری کارکردگی سے مطمئن ہوکر جو تاثر پیش کیا تھا اسے موصوف ہی کے حقیقت نگار قلم سے ملاحظہ کیجیے:

> "اراکینِ مدرسہ کو میں مبارکباد دیتا ہوں،انھوں نے نہایت کدوکاوش اور جانفشانی سے کام لیا اور اچھے سلیقے سے کام انجام دیا۔ان کے حسنِ انتخاب کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔صدر مدرس ہی ایسا چھانٹ رکھا ہے،جس نے مدرسہ کو باغ وبہار،نہایت شاداب چمن گلزار بنا کر دکھایا ہے۔یہ برکات میرے گمان میں اسی وجود مسعود کی ہیں۔یہ ساری بہار اسی کے دم سے ہے،اسی کے فیضِ قدم سے ہے،یہ روشنی اسی کے جلوے کی ہے۔اسی کے خلوص،اسی کے انتخاب نے اچھے قابل مدرسین،طلبہ کو جمع کر دیا۔مولا تعالیٰ اسے اور مدرسہ کو نظر بد سے بچائے رکھے۔(آمین)"

۱۹۵۹ء میں دار العلوم اشرفیہ کا شعبۂ نشر واشاعت بنام سنی دار الاشاعت قائم ہوا۔اس عظیم تحقیقی واشاعتی ادارہ کا قیام بھی مفتیِ اعظم کا

مرہون منت ہے۔ ادارہ کا پس منظر ادارہ کے ناظم حضرت مولانا حافظ عبد الرؤف بلیاوی ثم مبارک پوری نائب شیخ الحدیث دار العلوم اشرفیہ (متوفی ۱۴رشوال ۱۳۹۱ھ) کی زبانی سنیے۔

''مفتیِ اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب دام ظلہم الاقدس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے۔ ان سے عرض کی گئی فتاویٰ رضویہ کی اشاعت کا کوئی انتظام ہوا؟ آپ نے فرمایا تم لوگوں کے علاوہ کس سے اس کی توقع ہوسکتی ہے۔ اس کرامت آثار جملہ نے دلوں میں ہمت اور عزائم میں استواری پیدا کی اور دار العلوم اشرفیہ کی رہنمائی میں کام شروع ہوا اور سنی دار الاشاعت کی بنیاد رکھی گئی۔''

(فتاویٰ رضویہ ج: ۳ بقلم ناظم سنی دار الاشاعت)

اس شعبہ کا آغاز فتاویٰ رضویہ جلد سوم کی ترتیب و اشاعت سے ہوا۔ تیسری جلد کا مسودہ مفتیِ اعظم ہند کے پاس سے آیا، تو غیر مبوب اور غیر مربوط تھا۔ جس کی تبویب مولانا مجیب الاسلام صاحب ادروی نے فرمائی۔ اس کے بعد منظرِ عام پر لانے کے لیے تحقیق و ترتیب اور اصل و نقل کے تقابل کے بے شمار مراحل سے گزرنا پڑا اس کو ناظمِ ادارہ نے اپنی بلند ہمتی اور استقلال کامل سے بخوبی انجام دیا۔ اب تک یہ سلسلہ ساتویں جلد تک پہنچا ہے۔ فی الحال دار العلوم اشرفیہ کا یہ شعبہ مفتی عبد السنان صاحب کے زیرِ عمل ہے۔

حافظِ ملت کسی ایک منزل پر ٹھہرنا ہی نہ جانتے تھے۔ طالبانِ علوم نبوت اور متلاشیانِ فنون و معارف کے لیے جب دار العلوم کا دامن تنگ ہوگیا تو قوم کے سامنے الجامعۃ الاشرفیہ کا عظیم منصوبہ پیش کیا۔ کچھ تو ناعاقبت اندیش اور تعصب پرور لوگوں نے اس کی راہ میں طرح طرح کے طوفان کھڑے کیے۔ مگر حافظِ ملت عزائم کی ناقابلِ شکست قوت کا نام تھا۔ ان کی تحریک کے عزمِ محکم اور شوقِ صادق کے سیلِ رواں میں مخالفتوں کے یہ سارے خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔

جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

۲۱ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۶رمئی ۱۹۷۲ء کو الجامعۃ الاشرفیہ (عربی یونیورسٹی) کے سنگ بنیاد کی تقریب کا بنام تعلیمی کانفرنس اعلان کردیا گیا۔ اس انقلابی آواز پر فروغ علم کے دیوانوں کی صداے بازگشت سے پورا ملک گونج اٹھا۔ اور ان دنوں اہلِ مبارک پور کے ایثار و قربانی اور اخلاص و وفا نے تو پورے ملک کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ ان وارفتہ جگر مسلمانوں کی داستان مولانا بدر القادری سے سنیے:

''تن من دھن کی بازی لگانا اب تک صرف سنا تھا، مگر اس کی عملی تصویر مبارک پور میں تعلیمی کانفرنس کی تیاری کے موقع پر نظر آگئی۔ کانفرنس کا اعلان ہوتے ہی پورا قصبہ کسی عاشق مہجور کی طرح جو وصال یار کا مژدہ سن لے دوڑ پڑا اور تن سے لے کر دھن تک کی قربانی کا ایسا منظر پیش کیا جو بے مثل ہے۔''

اس سہ روزہ کل ہند تعلیمی کانفرنس کی روئداد تو بہت طویل ہے۔ ذیل میں صرف حضور مفتیِ اعظم ہند اور دیگر اجلہ علماے ملت اسلامیہ کے ہاتھوں سنگ بنیاد کی تقریب کا کیف آور منظر ''تاجدار ویکلی'' بمبئی کے حوالہ سے ملاحظہ کیجیے:

''مفتیِ اعظم ہند قبلہ کی رہبری میں جب علما کا قافلہ چلا تو اعلان و ہدایت کے باوجود مسلمانوں کا اپنے جذبات مسرت پر قابو پانا ناممکن ہوگیا۔ والنٹیر اور رضا کاروں کی پوری فوج اپنی کوشش کے باوجود دیوانگی شوق کے اس قابلِ اظہار احترام پر نظم و ضبط کا کوئی پہرہ نہ بٹھا سکی۔ جذبات محبت کے دیوانے، اپنے اکابر کی قدم بوسی، دست بوسی اور مصافحہ کے لیے شوق کی وارفتگی میں مچل رہے تھے۔ حضور مفتیِ اعظم ہند کی قیادت میں جب علما کا

کارواں اس زمین پر پہنچا جہاں سنگ بنیاد رکھا جانے والا تھا تو پوری فضا عشق وایمان اور کیف ومستی کی برسات میں بھیگی ہوئی تھی۔ جذبہ مسرت سے چھلکتے ہوئے آنکھوں کے پیانے، لب پر درود وسلام کے نذرانے، رہ رہ کر نعرۂ تکبیر ورسالت کی تکرار سے پوری فضا میں عشق ومحبت اور شوق وتمنا کا پھیلا ہوا جادو اس ماحول میں حضور مفتیِ اعظم ہند کا اس یونیورسٹی کے لیے پہلی اینٹ رکھنا، ایک ایسا نورانی منظر تھا جس کی لذت روح تو محسوس کر سکتی ہے مگر الفاظ ومعانی کی دنیا تعبیر سے قاصر ہے۔" (تاجدار ویکلی، ۱۲ رمئی ۱۹۷۲ء، ص:۷)

حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی الجامعۃ الاشرفیہ تحریک آج اپنی فلک بوس عمارتوں اور تعلیم وتربیت -- تصنیف وتالیف کے میدانوں میں بے شمار آفاقی کارناموں کی وجہ سے نہ صرف ملک بلکہ عالمِ اسلام سے خراجِ تحسین حاصل کر رہی ہے۔ اس کا سبب جہاں اخلاص ووفا میں ڈوبی ہوئی حافظِ ملت کی بے شمار قربانیاں اور کاروانِ اشرفیہ کی بے شمار جانفشانیاں ہیں، وہیں مفتیِ اعظم ہند کی قلبی دعا، روحانی تعلق اور مخلصانہ رہنمائی کا بھی اثر ہے۔ الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر وترقی دراصل آپ کی آرزوؤں کی تکمیل ہے۔ یہ قلبی ہمدردی ہی کا تو اثر تھا کہ جب آپ تعمیری کانفرنس کے اختتام پر گھر جانے لگے تو علامہ ارشد القادری نے جامعہ کی طرف سے کچھ پیش کرنا چاہا۔ حضرت نے دریافت فرمایا، کیا ہے؟ ان کے منہ سے جلدی سے نکل گیا، کرایہ ہے۔ حضرت نے فرمایا: "میں کرایہ کا مولوی نہیں ہوں۔" یہ مختصر اجملہ جہاں اشرفیہ نوازی اور ذاتی شخصیت کا آئینہ دار ہے، وہیں علماے اسلام کے لیے درسِ عبرت بھی۔

اب آیئے مفتیِ اعظم ہند کے اثر انگیز قلم کا وہ پیغام بھی پڑھ لیجیے جو آپ نے الجامعۃ الاشرفیہ کے تعاون کے لیے قومِ مسلم کو دیا تھا۔

"دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کو ایک عظیم یونیورسٹی میں تبدیل کرنے کی اس نیک کوشش کا میں خیر مقدم کرتا ہوں، اور حافظِ ملت حضرت مولانا عبد العزیز صاحب کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ مولا تعالیٰ انھیں اپنے عظیم مقاصد میں کامیاب فرمائے اور حضرات اہلِ سنت کو توفیق بخشے کہ وہ اشرفیہ یونیورسٹی کی تعمیر میں حصہ لے کر دین کی ایک اہم اور بنیادی ضرورت پوری فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔"

(فقیر مصطفیٰ رضا قادری غفرلہٗ، ۲۶ ررمضان المبارک ۱۳۹۲ھ)

حافظِ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ کے مابین ایک ایسا اٹوٹ رشتہ ہے کہ ایک کے بغیر دوسرے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ مفتیِ اعظم ہند کو جتنی محبت الجامعۃ الاشرفیہ سے تھی، اسی قدر آپ حافظِ ملت کو عزیز رکھتے تھے۔ حافظِ ملت کا سانحۂ ارتحال جو دنیاے سنیت کے لیے عظیم حادثہ تھا، اس موقع پر بلا امتیاز عوام وخواص پوری سنی قوم نے خون کے آنسو بہائے۔ اس اندوہناک حادثہ پر مفتیِ اعظم ہند پر کیا بیتی، اسے محب گرامی عبد الحلیم عزیزی بلرام پوری نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اس لیے انھیں سے سنیے:

"جب حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے وصال کی خبر حضور مفتیِ اعظم ہند تک پہنچی تو چاند سا چمکتا ہوا نورانی چہرہ ماند پڑ گیا اور تیرہ نصیبوں کی تقدیر سنوارنے والے کی چشمِ کرم سے آنسوؤں کی دھار پھوٹ نکلی۔ سرکار بلک بلک کر رو رہے تھے۔ خدمتِ اقدس میں حاضر خدام کے دل اس منظر سے پاش پاش ہوئے جا رہے تھے۔ اور حضرت کی شفقت ان کی عظمت وبرتری کے ساتھ حضور حافظ ملت کی بزرگی وعقیدت ان کے دلوں میں اور زیادہ ہو گئی۔ کافی دیر آنسوؤں کے موتی لٹانے کے بعد حضرت عالمِ اضطراب سے سکون میں آئے تو دیر تک حافظ ملت علیہ الرحمہ کی پیاری پیاری باتیں کرتے رہے۔ ان کی جلالتِ علمی، زہد وتقویٰ اور تقدس وبزرگی کے گن گاتے

رہے اور اخیر میں فرمایا۔ اس دنیا سے جو لوگ چلے جاتے ہیں ان کی جگہ خالی رہتی ہے۔ خصوصاً مولوی عبد العزیز علیہ الرحمہ جیسے جلیل القدر عالم، مردِ مومن، مجاہد، عظیم المرتبت شخصیت اور ولی کی جگہ پر ہونا بہت مشکل ہے۔ یہ خلا پُر نہیں ہو سکتا۔''

وصالِ حافظِ ملت کے کچھ دنوں بعد مفتیِ اعظم ہند نے شہزادۂ حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ کو کرمِ خاص سے نوازا اور اپنے سلسلہ کی اجازت وخلافت سے سرفراز کیا اور دعا فرمائی کہ سلسلۂ عزیزی کا سرسبز وشاداب چمن بزرگانِ سلاسل اور اولیاے اکابر کے طفیل اپنی بہاروں سے ہمیشہ عالمِ روحانیت کو معطر ومعنبر بنائے رکھے۔ آمین

الجامعۃ الاشرفیہ آج بھی آپ کے خلیفہ حضرت عزیز ملت کی سربراہی اور پُرعزم قیادت میں شاہراہ ترقی پر گامزن ہے اور حضور مفتی اعظم ہند کا روحانی تصرف وتعلق آج بھی کارفرما ہے اور ان شاء اللہ صبح قیامت تک رہے گا۔

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم اور
کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کی نشاۃ ثانیہ

مولانا محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی
ایڈیٹر ماہنامہ سنی دنیا، بریلی شریف

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے جماعتی نظم کے لیے اپنے احباب کے مشوروں سے کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کی بنیاد ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء میں ڈالی۔ ۱

جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کے اغراض و مقاصد حسب ذیل تھے:

الف　پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کا تحفظ۔
ب　متحدہ قومیت کا نعرہ بلند کرنے والے 'فرقۂ گاندھویہ' کا تحریری و تقریری رد کرنا۔
ج　بدمذہبوں کی چیرہ دستیوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا۔
د　آریہ اور عیسائیوں کے اعتراضات کے تحریری اور تقریری جوابات دینا۔
ہ　امام احمد رضا اور دیگر علماے اہل سنت کی تصانیف کی اشاعت۔ ۲

غیر اسلامی نظریہ "متحدہ قومیت" کے ہیجانی دور میں اسلامی تشخص کے امتیاز و تحفظ، فتنۂ ارتداد کے انسداد اور عوام میں راسخ الاعتقادی پیدا کرنے میں جماعت رضائے مصطفیٰ نے مثالی اور مؤثر کام کیا۔ حجۃ الاسلام اور حضرت مفتی اعظم کی سرپرستی اور نگرانی میں جماعت رضائے مصطفیٰ کے پلیٹ فارم سے وفود تیار کیے گئے۔ ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء میں متعصب ہندوؤں نے سادہ لوح مسلمانوں کو (معاذ اللہ) مرتد بنانے کی مہم شروع کی، جس کو "شدھی سنگھٹن" کا نام دیا گیا۔ علماے اہل سنت نے اس ناپاک تحریک کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، فتنۂ ارتداد کا انسداد کرنے والے علما میں حضرت مفتی اعظم کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔ اسی دوران حضرت مفتی اعظم نے کم و بیش پانچ لاکھ ہندوؤں کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا۔ ۳

ابتداءً جماعت رضائے مصطفیٰ کی حیثیت ایک مقامی جمعیت کی تھی۔ اس جمعیت کے دو بڑے شعبے تھے۔ (۱) علمی (۲) عملی:

اس جمعیت نے دونوں پہلوؤں پر تاریخ ساز کردار سرانجام دیا۔ رفتہ رفتہ اس کی حیثیت مرکزی بن گئی۔ پورے برصغیر میں اس کی شاخیں قائم ہوگئیں۔ اب اس کے اغراض و مقاصد اور قواعد و ضوابط میں بھی وسعت کرنا پڑی۔ اس غرض کے لیے ۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۳ھ/ ۳/ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو حضرت مفتی اعظم کی سرپرستی میں برہان ملت مفتی محمد برہان الحق رضوی جبل پوری کے آستانہ عالیہ سلامیہ جبل پور میں کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں حسب ذیل دفعات کا اضافہ کیا گیا:

۱- کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کی دائمی سرپرستی حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ فرمائیں گے۔

۲- کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ سارے ہندوستان کی کل مقامی، ضلعی، صوبائی اور کل ہند جملہ سنی تنظیموں کی نگراں اور جماعت ہوگی۔ ہندوستان کی ساری سنی تنظیمیں اور جماعتیں کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کے تحت رہیں گی۔

۳- مختلف سنی تنظیموں کے باہمی اختلاف کی شکل میں کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کی حیثیت ثالث اور حکم کی ہوگی۔

۴- کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کی تنظیم حسب ذیل ہوگی۔

(الف) ہر شہر میں دار الافتا قائم کرنا۔

(ب) ہر شہر میں دار القضا قائم کرنا۔

(ج) ہر جگہ مکاتب و مدارس اسلامیہ قائم کرنا

(د) ہندوستان کے ہر شہر کے مفتی اور قاضی کا براہ راست تعلق کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ سے ہوگا۔

۵- کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کا انتخاب ہر پانچ سال بعد ہوا کرے گا۔

۶- کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کا مرکزی دفتر بریلی شریف ہی میں زیر نگرانی حضور مفتی اعظم رہے گا۔

۷- ریلیف کمیٹی، مرکزی کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کی زیر نگرانی، ترمیم اور تبدیلی کے کل اختیارات سرپرست و صدر کل ہند جماعت کو حاصل رہیں گے۔

۸- ریلیف کمیٹی جماعت رضائے مصطفیٰ کے علاوہ اور کوئی ''ریلیف کمیٹی'' قائم نہ ہوگی۔

۹- ریلیف کمیٹی مرکزی جماعت رضائے مصطفیٰ کا کوئی انتخاب نہ ہوا کرے گا، بل کہ سرپرست و صدر کل ہند جماعت اپنے اختیارات خصوصی سے نامزد فرمایا کریں گے۔

جبل پور کے اس کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کے خصوصی اجلاس سے قبل امام احمد رضا محدث بریلوی کے عرس کے موقع پر ۲۹؍ صفر المظفر ۱۳۸۳ھ/۱۵؍ جولائی ۱۹۶۳ء کو کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کا مرکزی انتخاب عمل میں لایا گیا تھا۔ جس میں مفتی برہان الحق رضوی جبل پوری کو کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کا صدر اور مولانا ابوالوفا فصیحی غازی پوری کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا جاچکا تھا۔ اب اس جبل پور کے اجلاس میں بقیہ عہدے داران کا انتخاب عمل میں آیا:

☆ نائب صدر اول : مولانا محمد مدنی میاں کچھوچھوی

☆ نائب صدر دوم : امین شریعت مفتی رفاقت حسین، احسن المدارس کان پور

☆ ناظم اعلیٰ : مولانا علی محمد (نور) راجی، راج پیپلا، بھڑوچ (گجرات)

☆ نائب ناظم : جناب عبد الصمد مجنوں جبل پوری

☆ نائب ناظم و خازن : جناب سید حمایت رسول رضوی، جامع مسجد بریلی شریف۔

علاوہ ازیں متعدد جلیل القدر علمائے کرام کو کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ ورکنگ کمیٹی کا ممبر نامزد کیا گیا۔ اس طرح حضرت مفتی اعظم کی سرپرستی میں جماعت رضائے مصطفیٰ کی نشاۃ ثانیہ نے اسلامیان ہند کی مذہبی و قومی اسلامی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کی۔[۲]

اصلاح کی آڑ میں مرکزی حکومت ہند نے مسلمانوں کے پرسنل لا میں ترمیمات کرنے کا اعلان کیا جس سے مسلمانوں کی مذہبی شخصی

آزادی شدید متاثر ہوئی۔ کانگریس کی ہم نوا جمعیۃ العلما ہند اور ندوۃ العلما نے ان غیر اسلامی ترمیمات کی حمایت کی، اہل سنت جو ہندوستان کی کل مسلم آبادی میں سب سے بڑی اکثریت ہیں، کو یہ ترمیمات کسی حال میں قبول نہ تھیں، چناں چہ ان کا نمائندہ مذہبی اور سیاسی تنظیموں میں کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ اور آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما ہند نے نہایت گونجدار اور موثر آواز میں ان غیر اسلامی ترمیمات کی مخالفت کی۔ عرس رضوی کے موقع پر ۲۶ رصفر ۱۳۸۳ھ/ ۱۸ جولائی ۱۹۶۳ء کو حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی سربراہی میں کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ نے ان ترمیمات کے خلاف ایک قرارداد متفقہ طور پر منظور کی، بعد میں مفتی اعظم قدس سرہٗ کی سربراہی میں ہونے والے آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما کانپور کے اجلاس میں ان ترمیمات کے خلاف مؤثر آواز اٹھائی۔ ۳

۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۵ء میں منعقد ہونے والی آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کا انتظام و انصرام جماعت رضائے مصطفیٰ اور جماعت انصار الاسلام بریلی، جمعیت اشرفی کچھوچھہ کے رضا کاروں نے نہایت سلیقے سے کیا۔ جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کا خیمہ عجب شوکت رکھتا تھا۔ حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے اس "ملکوتی نظام" کی ہر ایک نے تعریف کی۔ ۴

• ہندوستان میں فتنۂ ارتداد کے زمانے میں حرمین طیبین پر جب نجدی تسلط ہوا۔ نجدی نے حرمین شریفین میں جو مظالم ڈھائے، وہ تاریخ کا ایک دردناک باب ہے۔ ہندوستان سے ایک وفد اس غرض سے ترتیب دیا گیا کہ وہ نجدیوں کو مظالم سے باز رکھے، اس وفد کی تیاری میں حضرت مفتی اعظم نے نمایاں حصہ لیا۔ اس سلسلے کی ایک خبر ملاحظہ ہو:

فتنۂ نجد اور جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی

> عین اس وقت : ب کہ ہندستان خود میدانِ جہاد بنا ہوا ہے اور آریہ، وہابیہ ہند کی شورشوں نے مجاہدین اسلام کو عدیم الفرصت کر رکھا ہے۔ مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ اور خالص مذہبی جماعت یعنی جماعت رضائے مصطفیٰ نے ترتیب وفد کے لیے تیاری ظاہر کی اور بطل سنت و شیر اسلام مفتی ہند نے اس کام (ابن سعود کے پاس وفد بھیجنے) کے لیے جیب خاص سے پانچ سو روپیہ کی گراں قدر رقم جماعت رضائے مصطفیٰ کو عطا فرمائی ہے۔ ۵

۱۹۲۷ء میں ابن سعود کی ظالمانہ حکومت کی وجہ سے سات ہزار زائرین حج بیت اللہ کا اتلاف جان ہوا۔ ایسی صورت حرمین شریفین میں کبھی بھی نہ ہوئی۔ جماعت رضائے مصطفیٰ نے ۲۴ رجولائی ۱۹۲۷ء کو احتجاجی جلسۂ خاص کا اہتمام کیا، جس میں ہندوستان کے چوٹی کے علما نے شرکت کی اور حسب ذیل تجویزیں پاس ہوئیں:

اول : اس سال مناسکِ حج کے موقع پر حکومت ابنِ سعود نجدی نے باوجود انواع و اقسام کے محصول لگا کر حاجیوں سے کثیر روپیہ وصول کرنے کے، ان کے لیے آب رسانی کا کوئی معقول انتظام نہیں کیا۔ بدیں وجہ سات ہزار غریب الوطن حاجیوں کی عزیز ترین جانیں منیٰ و عرفات کے درمیان پیاس کی شدت سے بے چین، تڑپ تڑپ کر نشانۂ اجل ہو گئیں، اس حادثۂ جاں کاہ کی تمام و کمال ذمہ داری حکومتِ سعود پر عائد ہوتی ہے۔

دوم : باوجودے کہ جماعت رضائے مصطفیٰ نے اس سال مسلمانوں کو شرعی اصول کے ماتحت التوائے حج کا مشورہ دیا تھا۔ افسوس کہ مسلمانوں نے اس سے غفلت برتتے ہوئے شوقِ زیارت کے جذبات میں عزم سفر کر دیا، نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ امسال "وقوف عرفات" بجائے ۹ر ذی الحجہ کے ۱۰ر ذی الحجہ کو جمعرات کے دن بہ حکم ابن سعود کیا گیا۔ اس کی تصدیق واپس آئے ہوئے حجاج اور اردو اخبارات سے ہوتی ہے۔

جمعہ مبارکہ کو ۹ر ذی الحجہ کا ہونا...... کی رویت سے مستحق تھا، ایسی صورت میں حج کسی طرح نہ ہوا، جو مسلمان کہ اپنا فریضہ ادا کرنے

کی غرض سے حاضر بیت اللہ ہوئے تھے ان کا فریضہ حج ادا نہ ہوا بفرض ان پر بدستور قائم رہا۔ اس کا سارا وبال حکومت ابن سعود پر رہا۔
اور اس میں صریح نافرمانی کی گئی، احکام خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسلمانوں کو ان واقعات سے آگاہ ہونا چاہیے۔!

محررہ حکیم مولانا محمد اسماعیل رضوی، رکن جماعت رضائے مصطفیٰ، بریلی

۱۹۲۹ء میں حکومت ہند نے شرعی امور میں مداخلت کی اور شریعت اسلامیہ میں کسی کی بھی مداخلت ایک غیور مسلمان برداشت نہیں کرسکتا ہے، اس وقت جماعت رضائے مصطفیٰ کی شاخیں پورے ہندستان میں پھیل چکی تھیں، حضرت مفتی اعظم کی ہدایت پر بریلی شریف میں ایک مرکزی جلسہ ہوا۔ جس میں حکومت کی شرعی امور میں مداخلت پر پرزور صدائے احتجاج بلند کی گئی۔ جلسہ کا انعقاد ۲۰ ستمبر ۱۹۲۹ء بعد نماز مغرب زیر صدارت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی ہوا۔ جس میں شرع مطہر کی پابندی پر مقررین نے تقریریں کیں، اور ان لوگوں سے اظہار بےزاری کیا جو شریعت کی پابندی کو غیر ضروری خیال کرتے ہیں اس کے بعد اصل مقصد کی طرف توجہ دی گئی۔ یعنی "شاردا بل" کے متعلق مولانا ابوالمعانی محمد ابرار حسن حامدی تلہری مدیر ماہنامہ یادگار رضا بریلی کا ایک ریزولیشن بایں الفاظ پیش ہوا:

• یہ جلسہ حکومت ہند کو توجہ دلاتا ہے کہ وہ مسئلہ ازدواج میں تقیید عمر سے باز رہے۔ اور وہ اس وعدے کو یاد کرے جو کسی مذہب میں مداخلت نہ کرنے کے متعلق کرچکی ہے۔ نکاح یا زفاف کے لیے قانونا کوئی عمر مقرر کرنے کا اسے کسی طرح کوئی حق ہے؟ ایسے قوانین ضروری ہماری مذہبی و دینی آزادی سلب کرنے والے ہیں۔ مسلمان ایسے قوانین کو جابرانہ اور قانون شرع میں ترمیم پر یقین کر رہے ہیں۔ اور اس سے دیندار مسلمانوں کی انتہائی دل آزاری ہورہی ہے، آج حکومت کو ان امور میں جو من وجہ عبادت ہیں ابھارا جارہا ہے، اگر مسلمان اس پر خاموش رہے، اور انھوں نے ٹھنڈے دل سے تسلیم کرلیا، اس پر جیسی بےچینی چاہیے اس کا اظہار نہ کیا تو کل حکومت ایسے امور کی طرف قانون سازی کے لیے متوجہ کی جائے گی، جو سراسر عبادت ہیں۔ کس قدر ستم ہے کہ جو قانون ہندو چاہتے ہیں اس کا نفاذ تمام کیا جاتا ہے۔ ہندو مذہب کے خلاف جو بات نہیں، کیا ضروری ہے کہ وہ اسلام کے خلاف بھی نہ ہو، اسلام نے ہمیں جن بارے میں آزاد کیا ہے ہم اس میں کوئی قید کیوں پسند کرلیں؟ ویسے ہی ہر قسم کی قیود کیا تھوڑی ہیں؟ جو روز بروز پابندیاں اختیار کی جائیں۔!

مذکورہ بالا ریزولیشن باتفاق رائے پاس ہوا۔

۴ راگست ۱۹۲۸ء بروز شنبہ بوقت ۹ بجے شب جامع مسجد بریلی میں جماعت رضائے مصطفیٰ کی جانب سے مسلمانان بریلی کا کثیر الاجتماع جلسہ ہوا۔ یہ جلسہ "اخبار ہندو" کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے اور شیخ سلیمان ابراہیم ایڈیٹر "آفتاب اسلام" سے اظہار ہمدردی کے لیے منعقد کیا گیا تھا۔ "اخبار ہندو" نے اپنی کسی اشاعت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف اور ان کی شان مقدس میں بےحرمتی کی، اور اسلامیان ہند کے جذبات کو مجروح کیا، ذیل کی تحریکات کو اتفاق رائے سے پاس کیا گیا اور حکومت ہند سے مطالبات منظور کرانے کے لیے جدوجہد کی گئی۔ ملاحظہ ہو:-

۱- مسلمانان بریلی کا یہ کثیر الاجتماع جلسہ "اخبار ہندو" کے اس طرز عمل کو نہایت نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے، جو اس نے اپنی حال کی اشاعتوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام اور کعبۂ مقدسہ کی شان میں افترا، اور سب و شتم کرکے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے اور مسلمانوں کی دل آزاری کرکے امن عالم میں خلل اندازی کی بنا ڈالی ہے۔

۲- یہ جلسہ گورنمنٹ سے استدعا کرتا ہے کہ ایسے خلاف تہذیب، دل آزار، مخرب اخلاق، مذہب و پیشوایان مذہب کی توہین

کرنے والے تمام پرچے ضبط کرے اور اس کے ایڈیٹر پبلشر اور پرنٹر کو عبرت ناک سزائیں دے کر مسلمانانِ ہند کے مجروح دلوں کی مرہم پٹی کرے تاکہ آئندہ کے لیے ایسے فسادات کا سدباب ہو۔

۳- یہ جلسہ شیخ سلیمان ابراہیم ایڈیٹر "آفتابِ اسلام" کے ساتھ ان کی اس مصیبت میں جو حمیتِ مذہب کی وجہ سے ان کو برداشت کرنا پڑی ہے، دلی ہمدردی رکھتا ہے۔ اور امید کرتا ہے کہ وہ ان مصائب کو جو حمایتِ دین کی وجہ سے اٹھانا پڑیں، استقلال کے ساتھ برداشت کریں گے۔

۴- جہاں تک معلوم ہوسکا ہے کہ ایڈیٹر "آفتابِ اسلام" نے "اخبار ہندو" کے اشتعال انگیز اور دل آزار مضمون سے متاثر ہو کر اس کو، اس کی مذہبی روایات یاد دلائیں اگر وہ جواب ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں اور ان سے نقل ہو کر بار بار چھپ بھی چکے ہیں تو محض ان کا نقل کردینا ہماری رائے میں جرم نہیں۔ [۲]

شہر بریلی میں ۱۹۲۱ء میں ایک ایسا ماحول کچھ شرپسندوں نے بنادیا تھا کہ جگہ جگہ علمائے بریلی کی توہین اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی شان میں طرح طرح کے نازیبا الفاظ استعمال کرتے تھے۔ چونکہ ابوالکلام آزاد کی آل انڈیا کانفرنس بریلی میں جماعت رضائے مصطفیٰ کے مناظرین نے اس کا قلع قمع کردیا تھا اور "اتمام حجت تامہ" پیش کر کے بھی کو ساکت کردیا۔ یہ "اتمام حجت تامہ" یعنی ستر سوالات کے جواب خلافتی لیڈر نہ دے سکے۔ [۳]

اسی وجہ سے ۱۹۲۱ء میں عیدالفطر کے متعلق "خلافت کمیٹی" نے شور مچایا اور کچھ منصوبہ بند طریقے سے کہنے لگے کہ اس سال حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی کو نمازِ عید کی امامت نہیں کرنے دیں گے۔ اگرچہ حجۃ الاسلام قدس سرہٗ مدتوں سے عیدگاہ بریلی کی امامت فرماتے رہے، مگر اس مرتبہ شہر کی فضا کچھ ایسی ہوگئی تھی کہ کوئی شخص ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے لیے راضی نہیں، اور یہ کہتے تھے کہ ان کے پیچھے کسی کی نماز نہ ہوگی اس لیے کہ وہ "اتحاد ہنود" اور "نان کوآپریشن" کے خلاف ہیں۔ خلافتیوں نے اپنی کامیابی کے لیے بڑے سامان فراہم کر لیے تھے۔ مگر "وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔"

بروز پنجشنبہ یکم شوال ۱۳۳۱ھ کو عیدگاہ بریلی کے وسیع میدان میں مسلمانان بریلی کا اس کثرت سے اجتماع ہوا کہ دس بجے بالکل عیدگاہ بھر گئی، اس کے بعد آنے والوں کو باہر جگہ مل سکی، اس قدر مجمع عیدگاہ میں کئی سال سے نہیں ہوا تھا۔ تخمیناً بیس (۲۰) ہزار آدمی ہوں گے، حالات نازک تھے، جماعت رضائے مصطفیٰ نے حالات کے پیش نظر ایک روز قبل سے وہاں جملہ سامان راحت مہیا کردیا تھا۔ وضو کے لیے لوٹے، بڑے بڑے کڑھاؤ تھے، جن میں پانی کا اعلیٰ طریقے پر انتظام تھا۔ سقہ لوگ کثیر تعداد میں لوٹے بھر رہے تھے، جماعت رضائے مصطفیٰ کے کارکنان اپنے گلوں میں جماعت مبارکہ کا علامتی نشان ڈالے ہوئے لوٹے بھرنے پر مستعد تھے، کسی شخص کو کڑھاؤ سے پانی لینے کی تکلیف نہ اٹھانا پڑی، جماعت رضائے مصطفیٰ نے دو کڑھاؤ میں برف کا پانی بھر رکھا تھا۔ اور جماعت مبارکہ کے کارکن بھر بھر کر پلا رہے تھے اور کچھ کارکن لوٹوں میں پانی بھرے ہوئے عیدگاہ کے اندر پانی پلانے پر مامور تھے۔

عین نماز کے وقت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا، جماعت رضائے مصطفیٰ کے بینر تلے اور رضاکاروں، سرکردہ شخصیات کے ساتھ عیدگاہ تشریف لائے۔ عیدگاہ میں موجود رضاکاروں اور حاضرین نے شاندار استقبال کرتے ہوئے بصد شان وشوکت منبر تک پہنچایا، اللہ اکبر اور یارسول اللہ کے نعرے بلند ہو رہے تھے، صفیں قائم ہوئیں۔ حضرت حجۃ الاسلام نے نمازِ عید کی امامت فرمائی اور مخالفین کے چہرے حق کے سامنے فق نظر آرہے تھے۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کا انتظام ملکوتی تھا۔ اللہ تعالیٰ بطفیل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم، جملہ اہل حق کی اس

طرح فتح بخشے اور حق کا بول بالا کرے۔ (آمین!)

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ نے خوب اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ اب فضا ہموار ہو چکی ہے، مسلم قوم اپنی کھوئی ہوئی ہمت و جرأت کو دوبارہ حاصل کر چکی ہے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی تھی کہ قوم کے عزم و استقلال کا اجتماعی مظاہرہ کیا جائے تا کہ حریف قوتوں کی ہمتیں پست ہوں، اور مسلمانوں کی ہمتیں مزید بلند ہوں۔ اس لیے جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کے پلیٹ فارم کو مسلمانوں کے عزم و استقلال کے اجتماعی مظاہرے کے لیے استعمال کیا۔ حضرت مفتی اعظم نے اپنی دنیاوی ضرورت کو نظر انداز کر کے اپنا ذاتی سرمایہ جماعت رضائے مصطفیٰ کی سرگرمیوں کو تیز کرنے کے لیے خرچ کیا، ملک کے اطراف و جوانب میں ہر چہار جانب آپ نے جماعت مبارکہ کے اجلاس عام منعقد کرائے، جس میں مسلمانوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مکی زندگی سے سبق حاصل کرنے کا پیغام دیا گیا۔ جماعتِ مبارکہ نے اپنے اجلاس کے ذریعے قوم کے اندر اتحاد پیدا کیا اخوت اسلامی کا جذبہ فراواں کیا۔

جماعت رضائے مصطفیٰ کی کوششوں سے ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنی اجتماعی قوت کو بڑھایا، قوم کے انتشار کو ختم کیا، تاجدار مدینہ حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے ترانوں سے سارا ملک پھر گونجنے لگا، اب مسلمان اس قابل ہو چکے تھے کہ وہ حالات کا مقابلہ اجتماعی طور پر کر سکتے تھے۔ یارانِ سیاست کو بھی یقین ہو چلا تھا کہ مسلم قوم کو نہ تو فسادات کے ذریعے ختم کیا جا سکتا ہے، اور نہ ان کی شرع میں مداخلت کر کے بھگایا جا سکتا ہے۔ حضرت مفتی اعظم اگر مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو متحد و مستحکم نہ کرتے تو آج مسلمان اس لائق بھی نہ ہوتے کہ اپنے دستوری و آئینی حق کے لیے جدوجہد کر سکتے۔ حضرت نے اپنے آرام و آسائش کو، اپنے وقت و سرمائے کو قوم مسلم پر قربان کر دیا تھا۔ آزادی کے بعد مسلمانوں کا مخلص رہبر اور جرأت مند، خدا شناس صرف حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی ذات تھی، اور کوئی تنظیم نہ تھی۔ صرف جماعت رضائے مصطفیٰ کے علاوہ باقی تنظیموں نے دم توڑ دیا تھا۔

ہندوستان میں آئینی اعتبار سے مسلمانوں کے حقوق کو غصب کرنے کی سازش کی گئی۔ اس سازش کا پہلا قدم "وقف ایکٹ" اور "قاضی ایکٹ" کا دوبارہ اجرا تھا جس کے ذریعہ مسلمانوں کے اوقاف کو خرد برد کرنے، اور مسلم پرسنل لا کی شکل کو مسخ کرنے کی مہم کا آغاز ہوا۔ دونوں بل بنوائے گئے۔ چونکہ دونوں "بلوں" سے مسلمانوں کے مفادات مجروح ہوتے تھے۔ اس لیے حضرت مفتی اعظم نے دونوں بلوں کی مخالفت کی، اور جماعت رضائے مصطفیٰ کے ذریعے احتجاجی اجلاس ملک کے مختلف مقامات پر منعقد کرائے اور ساری شاخوں (جماعت رضائے مصطفیٰ کی دیگر شاخوں) کو ہدایات جاری کر دیں، پورے ملک میں ہلچل مچ گئی جن میں تجاویز پاس کرا کر مذکورہ بالا بلوں کو کالعدم کرنے پر زور دیا گیا۔ جماعت رضائے مصطفیٰ نے ہر اس اہم موقع پر آگے قدم اٹھایا۔ جب مذہب، بانی مذہب اور شریعت اسلامیہ پر کسی نے ذرا بھی انگشت نمائی کی۔ پھر تو احتجاجی جلسوں کی ایسی داغ بیل پڑی کہ ہر اس قانون اور بل کی مخالفت کرنا شروع کی جو ان کے مذہب کے یا ملی تشخص کے خلاف ہوتا۔!

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں توہین آمیز کتاب "رنگیلا رسول" چھپی، کتاب کا منظرِ عام پر آنا تھا کہ جذبۂ اسلامی اور حب رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے سرشار مسلمانوں کے دلوں میں ہنگامہ سا مچ گیا۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کے زیر اہتمام ۲۴ر جون ۱۹۲۷ء کو بہ صدارت خان بہادر منشی محمد اصغر علی خاں رئیس اعظم بریلی و چیرمین شہر بریلی جلسہ منعقد ہوا، اس اجلاس میں علما بریلی نے شرکت فرمائی۔ اور خاص طور سے تقریر حکیم مولانا محمد اسماعیل رضوی (رکن جماعت مبارکہ) نے فرمائی، اور حسب ذیل تجاویز پاس ہوئیں:

۱- مصنف کتاب "رنگیلا رسول" نے مؤرخانہ حیثیت سے یہ کتاب نہیں لکھی ہے، بلکہ ۱۹۲۳ء سے جو باقاعدہ اور منظم طور پر آریہ سماج کی طرف سے مسلمانان ہند کے خلاف شورش برپا ہورہی ہے۔اس لیے مخالفت میں یہ اور اس کے مثل دوسری کتابیں لکھی گئی ہیں۔اس کتاب کے ذریعہ سات کروڑ (اب ۲۰ کروڑ مسلمان) مسلمانانِ ہند رعایائے گورنمنٹ کا دل دکھایا گیا ہے۔ایسی حالت میں مسلمانانِ بریلی شریف گورنمنٹ سے پرزور الفاظ میں اپیل کرتے ہیں کہ اس معاملے میں گورنمنٹ نظر ثانی کرے۔

۲- مسلمانانِ بریلی کو کارکنان مسلم اڈٹ لک لاہور سے پوری ہمدردی ہے۔اور ان کو کتاب "رنگیلا رسول" کے ضمن میں جو تکلیف پہنچی ہے اس پر یہ جلسہ اپنا کمال رنج وافسوس ظاہر کرتا ہے۔

۳- جب کہ کتاب "رنگیلا رسول" کے ضمن میں لوگوں کو سزا وقید وجرمانہ کی تکلیف پہنچی ہے تو اصل مصنف، کتاب مذکور کو ضروری قید وجرمانے کی تکلیف گورنمنٹ کی جانب سے ازراہِ انصاف پہنچنا لابد ہے۔

۴- یہ جلسہ کتاب "رنگیلا رسول" والے معاملے میں نئے شہر بریلی کے اس جلسے کی زبردست تائید کرتا ہے جس کے داعی وناظم (مولانا حسنین رضا خاں بریلوی ابن استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی) جمعیت الانصار الاسلام بریلی ہیں، اور جو نومحلہ بریلی میں تاریخ ۴ر جون ۱۹۹۷ء کو مسجد کلاں میں منعقد ہوا ہے۔[۱]

کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ نے ہر اس ذریعۂ ابلاغ کا استعمال کیا جس سے تبلیغ اسلام ہوتی ہو، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی کتب شائع کرنے کا اہتمام کیا، اپنے صرفہ سے کتابیں شائع کرکے قوم وملت تک مفت تقسیم کرتی، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کثیر کتب شائع کرنے پر جماعت مبارکہ مقروض ہوجاتی۔ جماعت کے صدر دفتر آستانہ عالیہ قادریہ رضویہ محلہ سوداگران بریلی سے "ماہنامہ یادگار رضا" کا اجرا ہوا۔ یہ یاد رہے کہ اس سے قبل اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی سرپرستی میں اور مولانا حسنین رضا خاں بریلوی کی ادارت میں "ماہنامہ الرضا" کا اجراء ہوا۔ سارا خرچہ طباعت جماعت رضائے مصطفیٰ برداشت کرتی تھی، کچھ دنوں بعد حجۃ الاسلام اور مفتی اعظم دونوں شخصیات کے باہم اشتراک وتعاون اور سرپرستی میں شائع ہوتا رہا، پھر دونوں بزرگ کی سرپرستی میں ایک عرصۂ دراز تک کامیابی کے ساتھ نکلتا رہا۔[۲]

"ماہنامہ یادگار رضا" بریلی کا اعلان اخبارات میں ان الفاظ کے ساتھ شائع ہوا۔ ملاحظہ ہو۔:

> جماعت رضائے مصطفیٰ کے صدر دفتر سے رسالہ "یادگار رضا" ہر قمری ماہ کی ابتدائی تاریخوں میں شائع ہوتا ہے۔کارپردازان رسالہ نے یادگار رضا کو حسنِ ظاہری سے عروسِ نَو بنانے میں سعی بلیغ کے صرف میں کوتاہی نہیں کی۔یادگار رضا میں علمائے کرام ،مشاہیر قوم کے بلند پایہ مضامین شائع ہوتے ہیں۔جو دینی، مذہبی، تاریخی، تمدنی، معاشرتی، اقتصادی اور اخلاقی معلومات سے بھرپور ہیں۔لکھائی، چھپائی اور کاغذ نہایت عمدہ اور دیدہ زیب ہے۔سرورق پر مدینہ طیبہ کا عکسی نقشہ رسالہ کی رونق کو دوبالا کرتا ہے۔سالانہ چندہ مبلغ تین روپیہ ہے۔ہم اپنے تمام حضرات اہل سنت، ناظرین کرام سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ اپنے ترجمان کی خریداری سے جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کی حوصلہ افزائی فرمائیں۔[۳]

ماہنامہ یادگار رضا بریلی میں مضامین بڑے گراں قدر ہوتے تھے۔اس میں خود حجۃ الاسلام اور مفتی اعظم لکھتے تھے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے تلامذہ وخلفا کا قلمی تعاون یادگار رضا کو حاصل تھا۔مولانا سید محمد کچھوچھوی، مبلغ اسلام مولانا عبد العلیم رضوی میرٹھی، مولانا سید احمد اشرف جائسی اور مولانا عرفان علی رضوی بیسلپوری وتلامذہ واخلاف امام رضا وغیرہ کے مسلسل مقالات شائع ہوتے رہے۔اب اگر ان رسائل سے اکابر کے مضامین نکال لیے جائیں اور ان کو دوبارہ کتابی شکل میں شائع کردیا جائے تو ذخیرہ کتب میں ایک

گراں قدر اضافہ ہوگا۔

۱۳۴۸ھ میں ماہنامہ یادگار رضا بریلی مالی بحران کا شکار ہوگیا۔ اس قدر شدید مالی نقصان برداشت کرنا ہوا کہ رسالہ کو بند کردینا پڑا۔ کیوں کہ اس کا سارا خرچ جماعت رضائے مصطفیٰ اٹھاتی تھی، اس سال جماعت مبارکہ کو بھی شدید نقصان سے دوچار ہونا پڑا، اس کی تلافی کے لیے سرپرست جماعت حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کا ایک فرمان جاری ہوا، جس کا متن پیش کیا جارہا ہے:

ہمیں یہ معلوم کرکے کہ گزشتہ تین سال میں جماعت مبارکہ کو رسالہ ''یادگار رضا'' کی بدولت شدید مالی نقصان برداشت کرنا پڑا، سخت افسوس ہوا، یہ جماعت مبارکہ کا ایثار اور اس کا اعانت دین کا صادق جذبہ ہے کہ وہ اس قدر شدید مالی نقصان اٹھانے کے بعد اولوالعزمی کے ساتھ ''یادگار رضا'' کو جاری رکھنے کے لیے تیار ہے۔ ہم یہ ظاہر کردینا ضروری خیال کرتے ہیں کہ ''یادگار رضا'' کے جاری رکھنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ رسالہ جملہ اہل سنت کا ترجمان ہوکر مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اعانت، مذہب و مذہبیات کی نشر و اشاعت کرتا رہے اور اس کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کو عمدہ پیرایے میں مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جاتا رہے۔

ہمارے خیال میں کوئی مسلمان جماعت مبارکہ کے اس مبارک اور زریں مقصد سے اختلاف نہیں کرسکتا۔ ہم جملہ اہل سنت کو عموماً اور رضوی حضرات کو خصوصاً اس جانب توجہ دلاتے ہیں کہ وہ ''یادگار رضا'' کی ہر ممکن اعانت کے لیے تیار ہوجائیں، اس کی اشاعت بڑھانے کی کوشش کریں۔[1] (ملخصاً)

۲۱ر اپریل ۱۹۲۹ء بروز یک شنبہ صدر دفتر جماعت مبارکہ میں مسلمانان بریلی کا ایک جلسہ زیر صدارت نواب سعید احمد خاں بریلوی (نبیرہ حافظ الملک سردار روہیل کھنڈ حافظ نواب رحمت خاں) منعقد ہوا، جس میں مندرجہ ذیل تجاویز پیش ہوکر منظور ہوئیں:

۱- ''آریہ سیوک اخبار جبل پور'' نے اپنے ''رشی بدھا مک نمبر شواتری'' میں تاجدار عرب و عجم حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصویر شائع کرکے جس دریدہ دہنی سے بے جا الزامات لگائے ہیں، اس سے مسلمانان عالم کے جذبات میں غیر معمولی خستگی پیدا ہوگئی ہے۔ مسلمان اپنے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اسلام کی ناموس پر مرمٹ جانے والے ہیں۔ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کسی طرح توہین گوارا نہیں کرسکتے۔ یہ جلسہ ''آریہ سیوک اخبار'' کی گندہ زبانی و دریدہ دہنی، اور اس شرانگیز جسارت کو انتہائی غم و غصے کی نظر سے دیکھتا ہے اور حکومت کو توجہ دلاتا ہے کہ فوراً اخبار مذکور کے خلاف قانونی کارروائی کرکے اسے کافی سزا دے تاکہ دوسرے اخبارات آئندہ اس قسم کی ناپاک جرأت نہ کرسکیں۔

۲- یہ جلسہ مسلمانان ہند سے پرزور اپیل کرتا ہے کہ ہر ضلع اور قصبہ میں اخبار مذکور کے خلاف جلسہ کرکے پرزور صدائے احتجاج بلند کریں اور انھیں اخبار مذکور کی اس فتنہ خیز اور امن سوز حرکت سے جو ناقابل برداشت صدمہ پہنچا اور تکلیف ہوئی، حکومت کو اس جانب توجہ دلائیں تاکہ جلد از جلد حکومت کو اس اخبار کے خلاف قانونی کارروائی پر مجبور ہونا پڑے۔

۳- یہ جلسہ حکومت سے پرزور درخواست کرتا ہے کہ وہ جلد از جلد اس اخبار کو عبرت خیز اور سبق آموز سزا دے کر مسلمانان ہند کو اطمینان دلائے، ورنہ اگر مسلمانوں کا پیمانہ صبر لبریز ہوکر چھلک اٹھا جس سے ملک کے امن عامہ کو کچھ نقصان پہنچا تو اس کی ذمہ داری خود حکومت پر ہوگی، اور کیا عجب ہے کہ مسلمان حکومت کے کافی توجہ نہ کرنے پر یہ یقین کرلیں کہ ''ہندوؤں'' کی مسلمانوں پر نت نئی روز کی چیرہ دستیاں حکومت کی غفلت کے باعث ہوتی رہتی ہیں۔[1]

جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی تحفظ ناموس رسالت کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر رہی تھی۔ ایسا نہ تھا کہ یہ سارے احتجاجات ہوتے اور حکومت وقت کان نہ دھرتی بلکہ جماعت مبارکہ کی تجاویز پر عمل درآمد بھی ہوا، بعد کے واقعات نے اس کی تصدیق کر دی۔ جماعت کے سرپرست اور قائد مفتی اعظم نے تبلیغی دورے شروع کیے تو ایک تاتا بندھ گیا۔

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ گاؤں گاؤں جا کر تبلیغ اسلام کرتے اور جماعت مبارکہ کے مبلغین آپ کے ساتھ ہوتے تبلیغ دین متین کو روکنے کے لیے ہر طرح کی لابیاں آڑے آتیں مگر جماعت رضائے مصطفیٰ کے پرعزم مبلغ ہندوؤں، آریوں، عیسائیوں، مرزائیوں اور دیابنہ کے منہ بند کر دیتے ان کا دندان شکن جواب دیتے، اور کہیں کہیں سخت مقابلہ ہو جاتا۔

حضرت مفتی اعظم نے ہر محاذ پر جماعت کے مبلغین اور مناظرین کو کھڑا کر دیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو سرخروئی عطا فرمائی۔ اس عظیم پیانے کے پروگرام کا بار برداشت کرنا شخص واحد کے لیے معمولی بات نہ تھی اہل خیر حضرات جماعت مبارکہ کی اعانت کرتے، اور وقت ضرورت معاونت کی اپیل بھی ہوتی، ہر سال کی آمد اور اس کے اخراجات کی فہرست مع رسید نمبر مرتب کی جاتی، اور پورے سال میں جماعتِ مبارکہ کے کارہائے نمایاں کا اس میں اجمالی جائزہ لیا جاتا اور اگلے سال کے لیے پروگرام اور منصوبے پیش کیے جاتے۔'' روداد جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی'' کے نام سے مولانا سید ایوب علی رضوی مرتب فرماتے تھے، پہلے سال کی روداد پر ادیب شہیر، صحافی و درویش شاہ فضل حسن صابری ایڈیٹر دبدبہ سکندری رامپور ا تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کے پہلے سال کی روداد سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سال میں جماعت نے کیا کیا کام کیے ہیں، اور کس قدر دینِ متین کی خدمت کی ہے۔ خدائے تعالیٰ اپنی رحمت خاص نازل فرمائے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر شریف پر جن کے باقیات میں یہ جماعت ہے، جو لوگ کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کی خدمات کی قدر کرتے ہیں، ان کو خصوصیت سے اور جو اہل سنت ہیں ان کو عام طور سے لازم ہے کہ جماعت رضائے مصطفیٰ میں داخل ہوں، یہاں ایک ایک پیسہ دینی خدمات میں صرف ہوتا ہے، اور تمام ارا کین فدایانِ مذہب وملت ہیں۔ اس کی روداد کارکنان ہر جگہ میں پہنچا دیں تا کہ مسلمانوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ بریلی سے علوم دینیہ کے کیسے فیض جاری ہوتے ہیں؟ اور صوبہ جات متحدہ میں ہزاروں دین دار رؤسا ہیں جن کے تعلقوں سے ہزاروں روپیہ دینی کاموں میں لگ سکتا ہے لیکن ہمیں سخت افسوس ہے کہ ہمارے ممتاز دین دار صوفی منش بزرگ رئیس عالی جناب مولوی چودھری محمد عبدالحمید خاں صاحب بہادر رئیس سہاور کے پچاس روپیہ کے عطیہ کے علاوہ اور کسی امیر کے خزانہ سے اس نہایت ضروری جماعت کو کچھ نہیں دیا گیا، اس پر جو افسوس کیا جائے کم ہے، ہم ارا کین جماعت کو توجہ دلائیں گے کہ وہ ایک ایک کاپی اہل سنت رؤسا کے پاس بھیج دیں اور مبلغین جماعت کو ہدایت کی جائے کہ وہ جماعت کے مقاصد کے لیے نشر و اعلان میں کوشش کریں۔[1]

جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کی ہر سال باقاعدہ روداد شائع ہوتی تھی۔ اس جماعت مبارکہ نے ماضی میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں جس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ افسوس اس بات کا ہے کہ اس عظیم الشان تنظیم کو قائد و سربراہ کے وصال کے بعد جلا نہ مل سکی، ورنہ اہل سنت کا ایک بہت بڑا محاذ اور پلیٹ فارم ہوتا، جس کے ذریعے وہ اپنا مطالبہ اپنی بات ایوان بالا میں پہنچا سکتے تھے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ اس عظیم تحریک کا اب کہیں ذکر نہیں، اہل علم و دانش اور خصوصاً بریلی کے اہلِ علم نے اس کی کوئی تاریخ مرتب نہیں کی۔ علامہ یٰسین اختر مصباحی

نے ماہنامہ حجاز جدید دہلی کے کسی شمارے میں اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی، انھیں کی توجہ پر راقم السطور نے یہ چند سطریں قلم بند کیں۔
قوم اپنی تاریخ خود بناتی ہے۔ اگر وہ نہ بنا سکی تو دنیا سے معدوم ہو جایا کرتی ہے۔ اہل علم وقلم کے ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے سامنے جماعتِ مبارکہ کے زریں صفحات نہیں ہیں۔

☆☆☆☆☆

حواشی

۱- طاہر علی رضوی، سید مولانا۔ روداد جماعت رضائے مصطفیٰ، بریلی سال اول ۱۳۳۹ھ
۲- جلال الدین قادری، مولانا، ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست ص ۵۶، مکتبہ رضویہ، لاہور،
۳- تفصیلات دوسری جگہ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔
۴- ماہنامہ نوری کرن، بریلی، ص ۳۶، ۳۷، بابت نومبر ۱۹۶۳ء
۵- محمد جلال الدین قادری، مولانا، محدث اعظم پاکستان، جلد ۱، ص ۸۴، مکتبہ قادریہ لاہور
۶- ماہنامہ نوری کرن، بریلی، ص ۳۹، بابت ستمبر، نومبر، ۱۹۶۳ء
۷- ماہنامہ اشرفی کچھوچھہ، ص ۱۵ تا ۱۷، بابت شوال، مئی ۱۳۴۳
۸- ماہنامہ اشرفی کچھوچھہ، بابت جمادی الآخر ۱۳۴۳ھ/ بحوالہ محدث اعظم پاکستان، جلد ۱، ص ۷۵
۹- ہفت روزہ دبدبہ سکندری رامپور، ص ۶، ۷، بابت یکم اگست ۱۹۶۷ء جلد ۶۵ ش ۵، ک ۲
۱۰- اراکین جماعت رضائے مصطفیٰ: دبدبہ سکندری رام پور، ص ۷، ش ۱۶، جلد ۱۷، ک ۲
۱۲- ہفت روزہ دبدبہ سکندری، رام پور، ص ۹، بابت ۱۳ راگست ۱۹۲۸ء، ش ۸، ج ۶۶، ک ۲
نوٹ: مذکورہ اخبار کے صفحہ ۱۰ کی فوٹو کاپی صاف نہ ہونے کی وجہ سے پوری رپورٹ نہیں لکھی جا سکی، چوں کہ اصل اخبار کا حصول کار دارد ۱۲ رضوی غفرلہٗ
۱۳- محمد شہاب الدین رضوی، مفتی برہان الحق جبل پوری، مشمولہ ماہنامہ سنی دنیا، بریلی نومبر ۱۹۹۰
نوٹ: مذکورہ مقالہ رضا اکیڈمی لاہور نے ۱۹۹۵ء میں کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے۔
۱- ہفت روزہ دبدبہ سکندری، رام پور، ص ۳، بابت ۲۰ رجون ۱۹۲۱ء، ش ۳۰، ج ۵۷، ک ۱-۲
۱- عبدالوحید بیگ، مرزا، محقق، حیات مفتی اعظم، حصہ اول، ص ۲۰۳، ۲۰۴، ادارہ تصنیفات مفتی اعظم، بریلی
۱- ہفت روزہ دبدبہ سکندری رام پور، ص ۶، ۷، بابت ۴ رجولائی ۱۹۲۷ء، ش ۱، ج ۶۵، ک ۲-۱
۲- ماہنامہ الرضا بریلی کے چند شمارے جناب مرتضیٰ علی رضوی بانس منڈی بریلی کے توسط سے راقم السطور کو ملے، ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام جلدوں کو حاصل کر کے اسکو بعینہٖ شائع کر دیا جائے۔ رضوی غفرلہٗ
۳- ہفت روزہ دبدبہ سکندری، رام پور، ص ۱۵، بابت ۶ راگست ۱۹۲۸ء، ص ۷، ج ۶۶
۱- ابرار حسن حامدی لہری، مولانا ماہنامہ "یادگار رضا" بریلی ص ۲، بابت محرم ۱۳۴۸ھ/ ش ۱، ج ۳
نوٹ: ربیع الاول تا ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ، محرم اور صفر ۱۳۴۸ھ کے شمارے جناب حاجی قربان علی رضوی بیسل پوری کی عنایت سے راقم السطور کو دستیاب ہوئے۔ راقم موصوف کا شکر گزار ہے۔ جب دوبارہ ضرورت ہوئی تو انھوں نے دینے سے انکار فرما دیا۔ خدا جانے اس میں کیا مصلحت رہی؟
۱- ماہنامہ یادگار رضا بریلی، ص ۲۱، بابت ذیقعدہ ۱۳۴۷ھ، ش ۹، ج ۳
۲- مولانا شاہ فضل حسن صابری کی خدمات اور اعلیٰ حضرت سے عقیدت ومحبت اور اعلیٰ حضرت کو جو ان سے لگاؤ تھا اس کی تفصیل جاننے کے لیے راقم السطور کا مقالہ "امام احمد رضا فضل حسن صابری کی نظر میں" (مشمولہ معارف رضا انٹرنیشنل ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء مطبوعہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی) مطالعہ کریں۔ ۱۲ رضوی غفرلہٗ
۱- ہفت روزہ دبدبہ سکندری رام پور، ص ۳، بابت ۶ رمارچ ۱۹۲۲ء ش ۲۷

مفتی اعظم اور جماعت رضائے مصطفیٰ

مولانا محمد عاقل رضوی مصباحی
صدر المدرسین الجامعۃ القادریہ، رچھا اسٹیشن، ضلع بریلی

حضور مفتی اعظم رضی اللہ عنہ فضل و کمال، تقویٰ و طہارت اور ستودہ صفات کے حامل تھے۔ دینی حمیت، اخلاص وللہیت، حزم و احتیاط اور عشق رسول تو گویا ان کی فطرت تھی۔

سردست اس مضمون میں ہمارا مقصد حضور مفتی اعظم کی ان دینی خدمات کو اجاگر کرنا ہے جن کا تعلق جماعت رضائے مصطفیٰ سے ہے۔

اسلام وسنیت کی اشاعت اور فرق باطلہ کی تردید کے لیے ۷؍ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۷؍دسمبر ۱۹۲۰ء میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے جماعت رضائے مصطفیٰ کی بنیاد ڈالی اور ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد جماعت کی سرپرستی حضور حجۃ الاسلام اور حضور مفتی اعظم نے فرمائی۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کے ذریعے جو اسلام وسنیت کو استحکام اور اسلامی اقدار وروایات کا تحفظ ہوا وہ حضور مفتی اعظم کی جہد مسلسل، سعی پیہم اور فیض و برکت کا نتیجہ تھا۔

حضور مفتی اعظم نے جماعت رضائے مصطفیٰ کی جانب مسلمانوں کی توجہ مبذول کرانے اور جماعتی کاموں میں دلچسپی لینے کے لیے ایک اپیل بھی شائع کی تھی جس کا متن مندرجہ ذیل تھا۔

برادران اسلام......................السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسلمانوں کے دینی و دنیاوی تحفظ کے لیے کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کی جدید تشکیل کی جارہی ہے۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس کے تمام پروگراموں میں سرگرمی سے حصہ لیں۔ اس وقت عام ممبری اور ہر مقام پر جماعت کی شاخوں کے قیام میں پوری دلچسپی سے کام کریں اور آئندہ جو تجاویز آنے والی ہیں ان پر عمل کے لیے تیار رہیں۔ ہر چھوٹا بڑا مرد و عورت رضائے مصطفیٰ کے ساتھ وابستہ ہو جائے اور سب ملک کر دینی و دنیاوی مفاد کے لیے کام کرنے کا تہیہ کرلیں۔

حضور مفتی اعظم رضی اللہ عنہ کے دل میں جو دینی تڑپ اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا جذبہ تھا اس اپیل کے لفظ لفظ سے ظاہر ہے۔

جماعت رضائے مصطفیٰ کے تعلق سے حضور مفتی اعظم کا آب زر سے لکھنے کے قابل کارنامہ تحریک شدھی کا انسداد اور اس کا جواں مردی سے مقابلہ ہے۔ کچھ شرپسند، متعصب ہندوؤں نے یہ منصوبہ بنایا کہ مسلمانوں کو ہندو بنایا جائے۔ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے منظم تحریک چلائی گئی جو تحریک شدھی کے نام سے مشہور ہے یہ تحریک متھرا، آگرہ وغیرہ کے ان علاقے میں زیادہ کارگر اور مؤثر ثابت ہوئی جہاں

لوگ زمانہ قریب ہی میں اسلام لائے تھے اور اسلامی احکام سے بالعموم ناواقف تھے ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں کے پاس کوئی تنظیم و تحریک نہ تھی بلکہ عام مسلمانوں کا تو یہ حال تھا کہ وہ ماننے کے لیے تیار ہی نہ تھے کہ کوئی مسلمان ہندو بن سکتا ہے۔ ایسے پُر آشوب و پُر فتن دور میں چند مؤقر اکابر علما کے ساتھ حضور مفتی اعظم نے شدھی تحریک سے متاثر علاقوں کا دورہ فرمایا اور بھٹکتے مسلمانوں میں ایمان وایقان کی روح پھونک دی۔ اور ڈگمگاتے قدموں کو استقامت عطا فرمائی جب کہ ان حالات میں تبلیغ کرنا کوئی آسان کام نہ تھا مسلم راجپوتوں کا یہ حال تھا کہ وہ اسلامی مبلغین کے ساتھ استہزا کرتے اور ان سے نفرت کرتے۔

حضور مفتی اعظم مشرکین کی سازش اور مسلم قوم کی غفلت اور مسلم راجپوتوں کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ کامل بیداری سے صیادانہ گھات میں ہے اور مسلمان اس قدر بھولے ہیں کہ اب تک اس خبر کا وثوق واعتبار نہیں ضلع بلند شہر اور میرٹھ میں آدمی ایسے ملے جو کہتے تھے۔ یہ خبریں غلط ہیں۔ کوئی مسلمان نہیں بہکایا جاتا۔ نہ کسی کو آریہ بنانے کی کوشش کی جا سکتی ہے، اخبار غلط خبریں لکھ رہے ہیں مگر یہاں آنے سے اس علاقہ کے مسلم راجپوتوں کی جو حالتیں دریافت ہوئیں، ان سے دل زخمی ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے میں ان کو ہدایت فرمائے، ان کے نام ہندوؤں کے سے ہیں سروں پر چوٹیاں رکھتے ہیں، نہ اپنا برتن کسی کو دیں اور نہ کسی کا خود استعمال کریں، واعظوں کے ساتھ تمسخر کریں۔ ان کی نقلیں بنائیں، منھ چڑھائیں، نفرت کریں، پاس نہ آئیں خدا کی پناہ کیا حالت ہے۔

حضور مفتی اعظم کی نگاہ فیض سے ماحول کا رخ بدلا اور اسلام سے راہ فرار اختیار کرنے والے بہ انشراح صدر اسلام میں داخل ہوئے۔ پھر ان کے ذریعہ ان کے اعزا و اقارب میں اسلام کی تبلیغ کی راہ آسان ہوئی جیسا کہ خود حضور مفتی اعظم فرماتے ہیں: "ہمارا وفد اسلام موضع سلطان پور میں جو آگرہ سے متصل ہے پہنچا اور وہاں راجپوتوں سے ملاقات کی یہ لوگ شائستہ، تعلیم یافتہ اور قابل ہیں، اسلامی ہمدردی اور حمیت رکھتے ہیں ہم نے اپنا درد دل کہا اور ان سے استدعا کی کہ آپ ہمارے وفد میں شامل ہو کر اپنے رشتہ داروں اور برادروں کی دستگیری کے لیے چلیے خدا کا شکر ہے کہ ان میں سے بعض صاحبوں نے وعدہ کیا۔"

حضور مفتی اعظم کا منصوبہ شدھی تحریک زدہ آبادیوں میں مکاتب و مدارس کا قیام اور مفت دینی کتب کی فراہمی اور اسلامی درد رکھنے والے مبلغین کا مستقل انتظام کرنا تھا تا کہ راجپوتوں کا اسلام مضبوط ہو پھر کسی باطل پرست قوت کو نقب زنی کا موقع نہ ملے جیسا کہ ایک اپیل میں اپنے منصوبے کی ترجمانی فرمائی ہے کہ ان لوگوں کی ہدایت کے لیے متعدد رسالے حمد و نعت کی نظمیں، عقائد کی تعلیم، اسلام کی خوبیاں چھاپنا پڑیں گی جو ان میں مفت تقسیم کی جائیں گی۔ حسب ضرورت مدرسے کھولے جائیں گے جا بہ جا امام و معلم مقرر کیے جائیں گے جو مستقل طور پر قیام کر کے کام کریں۔ وقتاً فوقتاً نگراں جماعت دورہ کرتی رہے گی۔ غیر مستطیع لوگوں کو نماز کے لیے کپڑے دیے جائیں گے۔

جماعت رضائے مصطفیٰ کے اخلاص اور شب و روز کی انتھک کوشش اور حضور مفتی اعظم کی فیض و برکت کا یہ اثر ہوا کہ شدھی تحریک کمزور اور بے اثر ہونے لگی اور لوگ اسلام سے قریب آئے اور حضور مفتی اعظم نے اپنے ہاتھ سے سروں کی چوٹیاں کاٹیں اور اسلامی نام رکھے تقریباً ۱۵ لاکھ ہندوؤں کو کلمہ پڑھا کر داخلِ اسلام کیا۔

تحریک شدھی کے انسداد کے علاوہ جماعت رضائے مصطفیٰ نے حضور مفتی اعظم کی زیر قیادت بہت سے امور انجام دیے۔ ۱۹۲۵ء میں بنارس میں منعقد ہونے والی آل انڈیا سنی کانفرنس کا انتظام و انصرام جماعت رضائے مصطفیٰ اور جماعت انصار الاسلام بریلی جمعیت اشرفیہ کچھوچھہ کے رضا کاروں نے نہایت سلیقے سے کیا۔ جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کا خیمہ عجیب شوکت رکھتا تھا۔ حضرت مفتی اعظم کے اس ملکوتی نظام کی ہر ایک نے تعریف کی۔

جب نجدیوں نے حرمین شریفین میں مظالم ڈھائے تو ہندوستان سے ایک وفد اس غرض سے ترتیب دیا گیا کہ وہ نجدیوں کو مظالم سے باز رکھے۔اس وفد کی تیاری میں حضرت مفتی اعظم نے نمایاں حصہ لیا۔اس سلسلہ کی ایک خبر ماہنامہ اشرفی کچھوچھہ میں ان الفاظ میں چھپی۔

"عین اس وقت جب ہندوستان خود میدانِ جہاد بنا ہوا ہے اور آریہ وہابیہ ہند کی شورشوں نے مجاہدین اسلام کو عدیم الفرصت کر رکھا ہے۔مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ اور خالص مذہبی جماعت یعنی جماعت رضائے مصطفیٰ نے ترتیب وفد کے لیے تیاری ظاہر کی اور بطل سنت ،شیر اسلام مفتی اعظم نے اس کام کے لیے جیب خاص سے پانچ سو (500/-) روپے گراں قدر رقم جماعت رضائے مصطفیٰ کو عطا فرمائی ہے۔"

۱۹۲۹ء میں حکومت ہند نے شرعی امور میں مداخلت کی تو حضرت مفتی اعظم کی ہدایت پر بریلی شریف میں ایک مرکزی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں شریعت مطہرہ کی پابندی پر زور دیا گیا اور حکومت کے شرعی امور میں مداخلت کی مذمت ہوئی اور اسے نا قابل برداشت قرار دیا گیا۔

الغرض جماعت رضائے مصطفیٰ مسلمانانِ اہل سنت کی ایک مرکزی جماعت رہی جس کا مقصد اسلام وسنیت کی اشاعت اور اہل باطل کی سرکوبی رہا حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی قیادت میں اپنے معین خطوط پر سرگرم رہی جیسا کہ جماعت کا تعارف اور اس کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے حضور مفتی اعظم ارشاد فرماتے ہیں:

"جماعت رضائے مصطفیٰ حقیقۃً اسم با مسمّیٰ ہے بفضلہٖ تعالیٰ وہ آج کل کی اکثر جماعتوں ،انجمنوں ،کمیٹیوں کی طرح نہ نصاریٰ کی طرح نہ ہنود کی فضلہ خوار بلکہ جو ایسا ہو اس کے لیے الٰہی تلوار تیغ بے پناہ خوں خوار اور خنجر برق بار ہے۔اسے سوائے خوشنودیٔ خدا اور رضائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ درکار نہیں اصلاً کسی سے کچھ تعلق نہیں ،سروکار نہیں جس امر میں اللہ اور اس کے رسول کی رضا ہے اس پر جان ودل سے فدا ہے۔مبارک ہیں وہ جماعتیں جو اس کی تقلید کرتی ہیں اور کیوں نہ کریں؟ اس مبارک جماعت پر دست اقدس اعلیٰ حضرت ،رفیع الدرجت ،مجدد دین وملت سیدنا ومولانا مرشدنا کنزلیومنا وذخر لغدنا حضرت شیخ احمد رضا ہیں۔یہ درحقیقت محو رضائے ،حبیب اکبر صلی اللہ علیہ وسلم ورضائے رب اعلیٰ ہے۔الٰہی مجھے اور اس ساری جماعت اور تمام امت کو اپنی اور اپنے حبیب لبیب ،رؤف ورحیم شفیع مطاع کریم علیہ الف الف صلوٰۃ وتسلیم کی رضا میں محو فرمادے۔جب تک جئیں۔تیرے حبیب کے رضا کی طلب گار رہیں اور جب اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کریں تو اس وقت بھی تیرے حبیب پر قربان ہوں اور جان نثار ہوں۔بعد دعا مدعٰی عرض کروں جماعت مبارکہ نے فی الحقیقت اپنی کم سنی میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جو مدت طویلہ چاہتے تھے، فتنہ ہائے گاندھویت ،عالمگیر تیز وتند ہواؤں کے مقابل سینہ سپر ہو جانا کھیل نہ تھا مگر اس مبارک جماعت نے اتنی سی عمر میں اتنے قلیل عرصے میں اس کا استیصال کلی فرمادیا اور باحسن وجوہ ان کا رد کر دیا فجزیٰ اللہ خیر الجزاء۔

ابھی کی بات ہے،زیادہ مدت نہ ہوئی ،سب کو یاد ہے۔اس بریلی میں گاندھویوں کی جانب سے ایک بہت بڑے عظیم الشان اجتماع کی طرح ڈالی گئی ،مدتوں جس کے سامان ہوئے۔منشا صرف یہ تھا کہ اس جماعت کو زک دی جائے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے۔اسی غرض سے پانچ سو مولوی مدعو ہوئے ،مقابلے کا دن بھی آ گیا۔اس روز دنیا نے تماشا دیکھ لیا کہ ان کے سب سے بڑے لیڈر ابوالکلام کو سوائے اقرار جرم واعتراف خطا ،چارۂ کار نہ تھا۔ان کے اجتماع میں طوطی اس جماعت ہی کا بولا۔لوگ جس شوق سے ان کی مبارک زبان سے پیاری پیاری آواز وداستان

دل ستان بن رہے تھے۔ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا تھا۔ اتمام حجت کے حضور سوائے دم بہ خود ہو کے رہ جانے کے کوئی چارہ ہی کیا تھا۔ سچ یہ ہے کہ اللہ کا دست قدرت اس جماعت پر ہے۔ يد الله على الجماعة ۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر رحمت ہے، پھر کوئی کیا کرسکتا ہے؟ یہ اللہ کا نور ہے۔ یہ شمع شبستان ہے۔ یہ کسی کے بجھائے سے کیا بجھے؟ جتنا بجھاتے ہیں، اللہ اس کی روشنی اور زیادہ پھیلاتا ہے۔ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ (سورۂ صف ۶۱/۸)

جماعت رضائے مصطفیٰ کی خدمات کا دائرہ بڑا وسیع رہا۔ اس کی تفصیل جاننے کے لیے حضرت مولانا شہاب الدین ایڈیٹر ماہنامہ سنی دنیا کی کتاب ''تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ'' کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔ اس مضمون میں ماخذ کے طور پر اسی سے استفادہ کیا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم اور تحریکِ شدّھی

مولانا محمد توفیق احمد نعیمی اشرفی
استاذ دارالعلوم عالیہ نعمانیہ، شیش گڑھ، بریلی شریف

آج کل کچھ لوگ یہ کہتے ہوئے ذرا بھی نہیں شرماتے کہ مفتی اعظم کیا تھے؟ بس دعا تعویذ کرنے والے ایک پیر صاحب تھے، انھوں نے اپنی زندگی میں کوئی بھی قابل ذکر تبلیغی کارنامہ انجام نہیں دیا، ان کے ماننے والے خواہ مخواہ ان کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو یہ ان کے ماننے والوں کی بہت بڑی خطا ہے، میں کہتا ہوں اور پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ وہ بلاشبہہ باکمال شخصیت کے مالک تھے، ان کے معترضین کو یہ ہرگز نہیں بھولنا چاہیے کہ حقیقت پھر حقیقت ہے جسے ہزار کوششوں کے باوجود بھی نہیں چھپایا جاسکتا اور تاریخ پھر تاریخ ہے جب وہ تعصب کے ملمع کاروں اور مخالفت کے جیالوں کا تعاقب کرتی ہے تو بے نقاب کر کے ہی چھوڑتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک میں نے مفتی اعظم کے ابواب حیات کا مطالعہ کیا ہے اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ وہ صرف ایک بوریا نشین پیر ہی نہیں بلکہ چلتے پھرتے اسلام وسنیت کے ایک بہت بڑے مبلغ تھے۔ ان کی تبلیغ کا دائرہ صرف خانقاہ رضویہ کی چہار دیواری تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ ملک کے دور دراز خطوں تک پھیلا ہوا تھا۔ ان کا تعلق صرف تعویذ نویسی ہی سے نہیں بل کہ تمام ذرائع ابلاغ اور شعبہ ہائے تبلیغ سے تھا۔

اس مختصر سے مضمون کے اندر میں ان کے تمام شعبہ ہائے تبلیغ کا احاطہ تو نہیں کرسکتا اور نہ ہی میرا یہ عنوان ہے مجھے تو اس مضمون میں اپنے عزیز قارئین کو صرف اور صرف یہ بتانا ہے کہ تحریک شُدھی کے مقابلے میں سب سے پہلے جس نے رشد وہدایت کے دیپ جلائے وہ کوئی اور نہیں مفتی اعظم ہی کی ذات تھی۔ اس سے پہلے کہ میں اپنے قارئین کو یہ بتاؤں کہ رشد وہدایت کے یہ دیپ کب اور کیوں جلائے گئے؟ یہ سمجھتے چلیں کہ آخر یہ تحریک شدھی ہے کیا؟

تحریک شدھی دراصل آریہ سماج کی ایک ذیلی تبلیغی تنظیم ہے جس نے ۱۹۱۱ء میں جنم لیا۔ یوں تو روز اوّل ہی سے اس تنظیم کا مقصد مسلمانوں کو زک پہنچانا اور سیکڑوں برس پہلے مسلمان ہونے والے راجپوتوں کو دوبارہ ہندو دھرم قبول کرنے پر مجبور کرنا تھا، اس سلسلہ میں ہر طرح کی کوششیں بھی کی گئیں تاہم کامیابی نہ مل سکی مگر جب تحریکِ خلافت اور تحریکِ موالات کے زمانے میں ہندو مسلم اتحاد کی آندھی چلی اور اسلام کا جامہ پہننے والے لیڈر راور ان کے ہم نوا بے راہ روی کے شکار ہوئے۔

ماتھے پر قشقے لگوائے، رام رام ست ہے کہ نعرے لگائے، رام لیلاؤں کا انتظام سنبھالا، ارتھیوں کو کاندھے دیے، مسجدوں میں تعزیتی جلسے کیے گئے، فاتحہ خوانی کی گئی، ہندوؤں کو مسجدوں میں لایا گیا، منبر رسول پر انھیں بٹھایا گیا، ان سے لیکچر دلوائے گئے۔

پناہ بخدا ان ناعاقبت اندیش مسلم کہلانے والے لیڈروں کا جنون:

☆ کوئی قرآن وسنت کی اشاعت میں گزرنے والی زندگی کو بت پرستی پر نثار کر رہا تھا۔
☆ کوئی یہ کہہ رہا تھا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو مسٹر گاندھی مستحق نبوت ہوتے۔ العیاذ باللہ
☆ کوئی یہ الاپ رہا تھا:

یہ سچ ہے اس پہ خدا کا چلا نہیں قابو — مگر ہم اس بتِ کافر کو رام کرلیں گے
بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں — وہیں پہنچ کے ہم اس سے کلام کرلیں گے
جو مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی — خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے

اور نہ جانے کیا کیا بے ہودہ حرکتیں اور بکواسیں کی گئیں۔ نتیجۃً آریوں کو ایک سنہرا موقع مل گیا اور انھیں اپنا برسوں کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا دکھائی دیا۔ لہٰذا فوراً وہ اپنے مشن کی جانب دوڑ پڑے اور ۱۹۲۳ء میں پورے زور وشور کے ساتھ مسلم راجپوتوں کو دوبارہ ہندو بنانے کی مہم چھیڑ دی۔

یوں تو ہندوستان کی دھرتی پر مسلمانوں کو مرتد بنانے والی بہت سی تحریکوں نے جنم لیا مگر تحریک شدھی جس کا نام ہے یہ اپنی نوعیت کی ایک جداگانہ تحریک تھی۔ جس کے پاس نہ صرف یہ کہ بھرپور طاقت تھی بلکہ بے پناہ دولت بھی تھی۔ لہٰذا کمزور راجپوتوں کے خلاف طاقت کا استعمال کیا گیا اور غریبوں کو دولت کا لالچ دیا گیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ مسلم لیڈروں کی بے راہ روی کا حوالہ دے کر بھی راجپوتوں کے ایمان پر حملہ کیا گیا۔ آریوں کا کہنا تھا کہ اے راجپوتو! اگر ہندو دھرم برا ہوتا تو اس کے ساتھ بڑے بڑے مسلم لیڈروں کا یہ برتاؤ نہ ہوتا۔

اسی کا شکوہ علامہ محمد شرف الدین اشرف جائسی نے ''طرق الہدیٰ والارشاد'' کے پیش لفظ کے آخر میں یوں کیا ہے:

''آج یہ فتنۂ خبیثہ ارتداد تمھارے اسی نامراد اتحاد اور محبت و وداد اور غلامی و انقیاد کا نتیجہ ہے۔ سچ کہو کیا پہلے بھی کسی نام کے مسلمان کو ہندو ہوتے دیکھا ہے؟ اللہ اکبر! دھوتی پرشاد اور یہ ہمت؟ گھاس کھانے والوں میں یہ جرأت؟ اے مدعیانِ اسلام! تم نے انھیں جری کیا، تم نے انھیں یہ ہمت دلائی، تم نے انھیں دلیر بنایا، ہاں ہاں! تم نے انھیں ابھارا۔ نہ تم ان پر ایسے ہوش کھو کر حواس گما کر فدا و نثار ہوتے نہ وہ تمھیں غافل پاکر تمھارے شکار کو تیار ہوتے۔ نہ تم اپنے ماتھوں پر تلک لگواتے .... نہ تم یوں ان کے فوٹو کھنچواتے، تصویر اترواتے نہ تم یہ روز بد دیکھتے۔ آج میدان ارتداد میں منشی رام شردھانند کا وہ فوٹو جو جامع مسجد دہلی میں اس کے منبر پر بیٹھے ہونے اور لکچر دینے کا لیا گیا ہے۔ ملکانوں (راجپوتوں) کو دکھا دکھا کر مرتد کیا جارہا ہے۔ شرم شرم شرم هَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ نہ تم ہندوؤں کے طاغوت گاندھی کو اپنا ہادی، اپنا رہبر، اپنا امام، اپنا پیشوا، اپنا رہنما، اپنا فخر کہتے، نہ تم اس کا اندھادھند اتباع کرتے، نہ تم اس پر قرآن وحدیث کی تمام عمر نثار کرتے، نہ تم اسے مذکرِ مبعوث من اللہ جانتے، نہ تم اسے نبی بالقوۃ مانتے، نہ تم اسے جبریل امیں کا لقب، روح اعظم دیتے۔ نہ تم اسے خضر ومسیحا بلکہ تمام انبیا بلکہ سید الانبیاء سے افضل بتاتے نہ تم اس کے آگے ملائکہ کے سر جھکاتے، نہ تم آج ہندوؤں کی ہمتیں اتنی بڑھاتے نہ وہ یہ کہہ پاتے کہ ہم مسلمانوں کے تمام مقامات مقدسہ بلکہ کعبہ مکرمہ پر رام کا جھنڈا گاڑیں گے۔ (طرق الہدیٰ والارشاد مشمولہ فتاویٰ مصطفویہ مکمل ص ۵۶۹)

الغرض جیسے ہی حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو آریوں کی کارروائیوں کا علم ہوا اور ملک میں یہ خبر گونجی کہ ساڑھے چار لاکھ مسلم راجپوت جو آگرہ، میرٹھ اور دہلی کے اضلاع میں رہتے ہیں، اس بات پر تیار ہیں کہ وہ پھر سے ہندو دھرم اختیار کرلیں۔ یہ وحشت ناک خبر سنتے ہی حضور مفتی

اعظم بے چین ہوگئے اور فوراً اس فتنے کی سرکوبی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اولاً ۷ رجمادی الآخرہ ۱۳۴۲ھ کو رام پور "دبدبۂ سکندری" اخبار کے دفتر پہنچے اور اخبار کے ذریعہ ذمہ دار مسلمانوں کو اس فتنے کے تعلق سے متنبہ کرایا۔ بعدہٗ بریلی شریف میں جماعت رضائے مصطفےٰ کی میٹنگ لی اور کیسے کیا کرنا ہے؟ سب کچھ طے کرنے کے بعد نہایت بے سروسامانی کے عالم میں دس افراد کے قافلے کے ساتھ اپنی منزل کی جانب روانہ ہوگئے۔ میرٹھ سے اپنے دورہ کا آغاز فرمایا، آگرہ کو جماعت رضائے مصطفےٰ کا مرکز بنایا اور تحریک شدھی کی زد میں جتنے بھی علاقے تھے مثلاً آگرہ، متھرا، میرٹھ، بلند شہر، بھرت پور، علی گڑھ، ایٹہ، گوڑگاؤں، اٹاوہ، اودے پور، میواڑ، جے پور وغیرہ وغیرہ سب میں ہی حضور مفتی اعظم کی سرپرستی میں اراکین جماعت رضائے مصطفےٰ و دیگر مبلغین نے آریہ سماجیوں کا پرزور مقابلہ کیا اور اپنے مسلم بھائیوں کے ایمان بچانے کی خدمت انجام دی مگر مفتی اعظم نے ایسا کبھی نہیں کیا کہ خود پیر پھیلائے، آگرہ میں آرام فرماتے اور مبلغین کو دوسرے مقامات پر بھیجتے رہتے بلکہ آپ بھی کسی وفد کے ہمراہ رہتے۔ اللہ اکبر! مفتی اعظم کی جفاکشی، دور دراز کے مقامات کا سفر کرتے، شہر سے دور موضعات میں جہاں نہ پختہ سڑکیں تھیں، نہ سواری کا انتظام، وہاں پا پیادہ تشریف لے جاتے یہی وجہ ہے کہ پاؤں میں چھالے پڑے، بیمار ہوئے مگر واہ رے دینی شغف۔ فکر ہے تو صرف مسلم بھائیوں کے ایمان کی۔ چھالوں کی پرواہ کی اور نہ بیماری کی۔ ساری پریشانیاں برداشت کرتے رہے اور تبلیغ اسلام انجام دیتے رہے اور اس وقت تک گھر کی سدھ نہیں لی جب تک کہ فتنۂ ارتداد کو کچل نہ دیا بلکہ پلٹ وار بھی کیا اور ہندوؤں میں تبلیغ کرکے بہت سارے ہندوؤں کو داخل اسلام فرمایا۔ تفصیل و توضیح کے لیے اس دور کے دبدبۂ سکندری کے مختلف شمارے یا پھر "حیات مفتی اعظم، مصنفہ مرزا عبدالوحید دیکھیے۔

حوالہ جات :

۱- دبدبۂ سکندری، رام پور ۲۹ رجنوری ۱۹۲۳ء/ ۱۶ راپریل ۱۹۲۳ء وغیرہ مختلف شمارے

۲- حیات مفتی اعظم اول مطبوعہ بریلی ۱۹۹۰ء

۳- مفتی اعظم کے سیاسی افکار/ مولانا شہاب الدین رضوی مطبوعہ بمبئی، ۱۹۹۹ء

۴- تنقیدات و تعاقبات مع مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی مطبوعہ دہلی ۱۹۹۸ء

۵- طرق الہدیٰ والارشاد مشمولہ فتاویٰ مصطفویہ مکمل مطبوعہ بمبئی ۲۰۰۰ء

۶- سیف الجبار مشمولہ فتاویٰ مصطفویہ

☆☆☆☆☆

تیرھواں باب

حضور مفتی اعظم کی زندگی کسی بے تاب آبشار کی طرح جس طرح رواں دواں تھی اس کی مناسبت سے یہ عنوان کافی معنی خیز ہے، یہ اور بات ہے کہ حسب ضرورت اس میں بھی وسعت و تنوع نہیں۔ مگر یہ رضا اکیڈمی کی جانب سے جہان مفتی اعظم کے لیے تحریک کا اثر ہے کہ اتنی ساری معلومات جمع ہوگئیں، اس باب کے سارے مضامین انتہائی پر لطف ہیں، قارئین کسی مضمون کو شروع کرنے کے بعد ختم کئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔ خاص طور پر علامہ عبد المبین نعمانی ڈاکٹر اسد نوری علیگ اور مفتی عبد الواجدکا مضمون کافی تفصیلی ہے۔ ان کے علاوہ مولانا زاھد علی سلامی مصباحی، مولانا اختر رضا مصباحی کے مضامین بھی معلومات افزا ہیں، مفتی اعظم کی زندگی کا آخری حصہ کاروان شوق کی طرح متحرک و سر گرم نظر آتا ہے۔ ملک کے ہر گوشے سے العطش العطش کی صدا اٹھ رہی ہے، اُفق بریلی کا ایک سحاب کرم ہے جو ہرجگہ ٹوٹ ٹوٹ کر برستا ہے، جہاں چلے جاتے ہیں آبادی لہلہاٹھتی ہے، کروڑوں آنکھوں نے اس چہرۂ پر نور کی نوری شعاعوں کو گرفتار کیا ہے، ان آنکھوں سے ان شعاعوں کی بازیافت تو ممکن نہیں مگر ان کی تجلیات کو ضرور مستعار لیا جاسکتا ہے۔ اہل قلم نے اس باب میں اپنی مشاہدات اور تاثرات کو زیب قرطاس کرکے نہ صرف لفظوں کے سہارے اپنے سر کا بار ہلکا کیا ہے بل کہ عاشقان مفتی اعظم کی لذت فکر نظر کا ایک قیمتی سامان بھی مہیا کردیا ہے۔ کاش کہ مفتی اعظم کی زندگی میں یومیہ نہ سہی اسبوعیہ یا شہریہ ہی یاد داشتیں قلم بند کی گئی ہوتیں تو آج ان کی زندگی کے بارے میں اتنا بڑا ذخیرہ ہوتا کہ پڑھنے والی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پڑھتے اور مفتی اعظم کی عظمتوں کے اتنے گوشے ملاحظہ کرتے کہ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔

۲۰/نومبر ۲۰۰۵ء کو رضا اکیڈمی کے زیر اہتمام کاروان نوری کے نام سے مفتی اعظم کے دیوانوں کا ایک قافلۂ شوق نکالا گیا تھا، تاکہ مفتی اعظم کی عزیمتوں کے جو لافانی نقوش زمین ہند کے در و دیوار پر مرتسم ہیں اس کی ایک جھلک کا مشاہدہ کرکے اپنی پتھرائی نگاہوں کی زندگی کو سرور عطا کیا جاسکے، فقیر مرتب بھی اس کاروان میں شامل تھا، ممبئی سے لے کر جھانسی تک، وہاں سے لے کر دھلی اور پھر اجمیر تک مفتی اعظم سے لوگوں میں عشق و عقیدت کا جو منظر نظر آیا وہ ناقابل بیان ہے۔ مسلم ٹائمز میں اس کی مفصل روداد "سفر نامہ کاروان نوری" کے عنوان سے قسط وار شائع ہورہی تھی، مگر دیگر مصروفیات کی وجہ سے ابھی تک اس کی تکمیل نہ ہوسکی ہے، انشاء اللہ تعالیٰ عن قریب اس سے عہدہ بر آ ہونے کی کوشش کروں گا۔ اس ادارتی نوٹ کو اہل قلم و اہل زبان سے اس اپیل کے ساتھ بند کرتا ہوں کہ خدا کے واسطے جو بھی واقعہ یا معلومات اس رجل عظیم کے تعلق سے آپ کے پاس محفوظ ہے، اسے سپرد قلم کردیجیے، یا ہمیں اس کی اطلاع کیجیے، یہ ایک امانت ہے، اگر وہ آپ کے ساتھ قبر میں چلی گئی تو دنیا اسے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائے گی۔ شکریہ۔

مقبول احمد سالک مصباحی

یادوں کے چراغ

مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری
سربراہِ اعلیٰ دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ، ضلع مئو

شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاجدار اہلِ سنت، مفتیِ اعظمِ ہند حضرت علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی علیہ الرحمۃ الرضوان چودہویں صدی کی ان عبقری شخصیتوں میں سے ایک ہیں، زمانہ جن کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ زہد و ورع کے پیکر تھے اور فقہ وفتویٰ کے بادشاہ۔ علمِ شریعت وطریقت کے سنگم تھے اور مردِ حق آگاہ، ان کی ولادت کی گواہی علما و صلحانے بھی دی اور صوفیہ واتقیانے بھی، کراماتیں ان سے اس کثرت سے صادر ہوئیں کہ ان کے عہد میں نہ کسی نے کسی کو ایسا دیکھا نہ سنا، اصلاح وارشاد کے میدان میں تو آپ ایسے منفرد تھے کہ ماضی قریب میں بھی دور دور تک اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ اظہارِ حق اور اصلاحِ حال کے سلسلے میں آپ نہایت درجہ بے باک اور بے خوف تھے۔ نہ لومتِ لائم کی پرواکرتے نہ ہی کسی کے دنیاوی شان ومنصب سے خوف زدہ ہوتے۔ ضرورت ہے کہ آپ کو جن لوگوں نے دیکھا، پرکھا، آپ سے استفادہ کیا ہو وہ دوسروں کو بھی آپ کے رخِ حیات کے جلووں سے ہم کنار کریں۔ آپ کی سچی سچی اور میٹھی میٹھی باتوں سے آنے والی نسلوں کو بھی آگاہ کریں، ان کی خلوتوں اور جلوتوں کی یادوں کے چراغ سرِ راہ جلائیں تا کہ تاریک دل جگمگائیں اور بھٹکے ہوئے راہ پائیں۔

جمہور علماے اہلِ سنت و جماعت کا کہنا ہے کہ سرکار مفتیِ اعظم علیہ الرحمہ اللہ کے ولی ہیں، ولایت کا معیار کیا ہے، اس سلسلے میں مرشدِ مفتیِ اعظم، حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

> ''صرف خرقِ عادت سے اولیاء اللہ کی شناخت کرنا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ یہ تو ولی اور غیر ولی میں مشترک ہے، یہاں تک کہ کافر اور جادوگر میں بھی۔ ولی اور غیروں کے پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ دل کی سلامتی اور عقل کی درستگی کے ساتھ صحبت اختیار کرے۔ اب اگر یہ دیکھے کہ اس کی صحبت سے خدا یاد آتا ہے اور خدا کی محبت زیادہ ہوتی ہے تو جان لے کہ یہ ولی ہے۔ اگر اس کے خلاف ظاہر ہو یعنی دنیا یاد آئے اور دنیا کی محبت غالب ہو تو سمجھ لے کہ ولی نہیں ہے، اس لیے کہ القلب مرآۃ القلب، جو کچھ اس کے دل میں ہوگا، اسی کا عکس دکھائی دے گا اور دوسری صورت نجاست کی گواہ ہے،---- عین المعانی میں ہے کہ اولیا وہ جماعت ہیں کہ ان سے مل کر اللہ کی یاد آتی ہے۔''
>
> (سراج العوارف، مترجم ڈاکٹر سید محمد امین میاں، ص:۶۹، ممبئی)

اس معیار پر جب ہم مرشدِ برحق سرکار مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی زندگی پاک کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کی

ولایت نکھر کر سامنے آجاتی ہے، کیوں کہ جن لوگوں نے بھی آپ کی صحبتِ بابرکت کا لطف اٹھایا ہے وہ اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ کی صحبت میں خدا ہی یاد آتا تھا۔ بڑے بڑے مال داروں، دنیاداروں کو دیکھا گیا کہ آپ کی بارگاہ میں آتے تو سب کچھ بھول جاتے اور سراپا عجز و انکسار بن کر زیارت سے مشرف و بامراد ہوتے اور یادِ الٰہی میں کھو جاتے، خود ناچیز راقم الحروف نعمانی قادری جب بھی حاضرِ بارگاہ ہوا اپنی کیفیت بدلی ہوئی پائی۔ وہاں یادِ خدا کے سوا کچھ اور یاد نہ آیا۔ حتیٰ کہ کھانے اور سونے کی فکر بھی بہت کم ہوا کرتی، بل کہ بسا اوقات تو نہ بھوک لگتی نہ کھانا یاد آتا۔ چہرۂ پاک میں کشش اس درجہ تھی کہ گھنٹوں اور پہروں بیٹھنے والا بھی ٹکٹکی باندھے صرف دیکھا کرتا اور اس کا جی نہیں بھرتا، سیری نہیں ہوتی۔ واقعی

خدا کی قسم وہ خدا کا ولی ہے جسے دیکھ کر کے خدا یاد آئے

کے سچے مصداق تھے۔ آپ کی خاموشی ہزار تقریروں پر بھاری تھی، آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ تبلیغِ دین و ہدایتِ مسلمیں سے عبارت تھا

چادر کے پیسے :

۱۳ ربیع الاول شریف ۱۳۹۴ھ کا واقعہ ہے، صبح کے وقت جب راز الٰہ آبادی صاحب (مرحوم) جو ایک مشہور شاعر اور حضور مفتیِ اعظم ہند قدس سرہ سے بیعت تھے اور غایت درجہ عقیدت رکھتے تھے، خدمتِ اقدس میں آئے اور کچھ روپے پیش کر کے عرض گزار ہوئے کہ یہ چادر شریف کا بچا ہوا روپیہ ہے جو ہر سال ہم لوگ مزارِ اعلیٰ حضرت پر پیش کرتے ہیں، تو سرکار مفتیِ اعظم قدس سرہ نے ارشاد فرمایا:

''میں کیوں لوں؟ جن لوگوں نے دیا ہے انھیں ہی واپس کر دیجیے۔''

راز صاحب نے مزید اصرار کرتے ہوئے عرض کیا، حضور قبول فرمالیں، ان لوگوں نے کہا ہے کہ اس کو مزار شریف پر صرف کر دیا جائے۔ اس پر بھی حضور مفتیِ اعظم نے قبول نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا:-- میں تو چادروں کا یہ انداز پسند بھی نہیں کرتا، چادرِ مزار کا مقصد ہے لوگوں کی نظروں میں امتیاز پیدا کرنا کہ یہ کسی ولی یا بزرگ کا مزار ہے تا کہ زائرین فاتحہ پڑھیں اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ اس مزار پر جو کام ہو اس کی اس سے امداد کی جائے کہ جب کوئی دوسری چادر پڑے تو وہ پہلی اتار کر اس کو کام میں لائے۔ آج کل حال یہ ہے کہ دس ہزار روپے کی چادر اجمیر شریف جا رہی ہے تو دس ہزار کی بغداد شریف، اور مقصد چادر ڈالنے والوں کا یہ ہوتا ہے کہ (یہ نمائش کے لیے) ہمیشہ مزار پر پڑی رہے۔ اس ارشاد سے حضور مفتیِ اعظم قدس سرہ کا چادرِ مزارات سے متعلق معتدل موقف سامنے آتا ہے اور ان کا تقویٰ بھی ظاہر ہے کہ چادر سے بچی ہوئی رقم قبول کرنے سے انکار فرما دیا۔

تعظیم سادات :

۲ ریا ۳ راپریل ۱۹۷۴ء کا واقعہ ہے، (جب حضور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمہ مدرسہ دار القرآن، ذاکر نگر، جمشید پور کے جلسے میں تشریف لے گئے تھے) کہ مولانا غلام آسی علیہ الرحمہ کا ایک مرید سرکار مفتیِ اعظم کا پاؤں دبانے لگا۔ حضور نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ مولانا غلام آسی صاحب نے عرض کیا، حضور یہ میرے مریدوں میں ہیں، ان کا نام ہے سید.........صاحب۔ یہ سنتے ہی کہ یہ صاحب سادات کرام سے ہیں استغفر اللہ پڑھتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر پاؤں دابنے سے روک دیا، ہر چند وہ اصرار کرتے رہے، لیکن حضرت نے پھر انھیں خدمت کا موقع نہ دیا، یہی نہیں بل کہ ان کے ہاتھ کو بوسہ بھی دیا۔

تعظیم سادات کے سلسلے میں ایک بات یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ مولانا سید کاظم پاشا قادری حیدر آبادی جب مبارک پور دار العلوم

اشرفیہ میں زیرِ تعلیم تھے اور پھر جامعہ منظرِ اسلام بریلی شریف میں بھی چند سال تھے، وہیں سے فراغت ہوئی۔ ان کا کئی بار کا واقعہ ہے کہ کسی جلسے اور کانفرنس میں جب سرکار مفتیِ اعظم تشریف فرما ہوتے اور سید کاظم پاشا صاحب جلسہ گاہ میں کہیں نظر آجاتے تو مفتیِ اعظم ان کو آدمی بھیج کر بلاتے اور اسٹیج پر بٹھاتے باوجود کہ وہ طالب علم تھے۔

تقویٰ کی ایک مثال :

۱۵ ربیع الاول شریف ۹۴ ۱۳ھ کو ہوڑہ تکیہ پاڑہ میں ہونے والی سرکارِ مدینہ کانفرنس میں شرکت کے لیے سرکار مفتیِ اعظم علیہ الرحمہ، بریلی شریف سے بذریعہ پنجاب میل ٹرین تشریف لے جا رہے تھے، حضور کے ہم راہیوں میں مولانا مفتی ریاض احمد سیوانی اور جناب حاجی محمد فاروق صاحب بنارسی، جو حضرت کے خاص خادم و مرید اور خلیفہ ہیں اور راقم الحروف نعمانی قادری تھے۔ لکھنؤ اسٹیشن پر جب ٹرین رکی تو حضور نے کھانے کا ارادہ فرمایا، دروازے پر بیٹھ کر ہاتھ دھونے لگے، اچانک پیچھے سے کرتے کا دامن گر گیا اور اس میں کچھ کیچڑ لگ گئی جس کی مقدار مشکل سے چوتھائی درہم تھی، میں نے دیکھتے ہی فوراً پیچھے سے دامن اٹھالیا -- جب اس کا احساس ہوا تو استغفر اللہ اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنے لگے، اس پر دیگر حضرات نے عرض کیا، حضور کرتا پہنے رہیں، ہم لوگ ابھی دھو دیتے ہیں، لیکن حضور نے ناراضگی کے ساتھ فرمایا کیسے دھوؤ گے؟ پھر کرتا اتار کر دیا اور دریافت فرمایا، کیسے دھلو گے؟ مفتی ریاض احمد صاحب نے عرض کیا، حضور نل میں پانی ہے اسی سے دھل دیتے ہیں۔ فرمایا، پہلے اس کو دھوپ میں سکھالو اور سکھانے کے بعد جو کیچڑ لگی ہے اس کو کھرچ دو پھر دھلو۔ چنان چہ ہم لوگوں نے ایسا ہی کیا، سکھا کر دھلا گیا پھر خشک کر کے حضرت کو پہنا دیا گیا۔

اول تو کیچڑ کا نجس ہونا قطعی نہیں، دوسرے پر وہ ایک درہم سے بھی بہت کم تھا جو معاف ہے پھر بھی اس سے پاکی کا اس قدر اہتمام اور وہ بھی سفر میں، یہ سرکار مفتیِ اعظم ہی جیسے صاحب تقویٰ کا کام ہے۔

دوسری بات یہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ اس کیچڑ کو فوراً دھل کر تین بار نچوڑ دیا جاتا تب بھی تطہیر کا عمل پورا ہو جاتا، مگر پہلے خشک کر کے کیچڑ کے جرم کو کھرچ کر دور کرنے کا حکم دیا پھر دھلنے کو کہا تا کہ پانی پڑنے کے بعد کیچڑ کپڑے پر پھیلنے نہ پائے، ہاں کھرچنے کے بعد جو ذرے باقی رہ گئے ہوں گے ان کی مجبوری ہے کہ وہ بغیر پانی کے صاف ہونے والے نہیں، یہ تقویٰ کی اعلیٰ مثال ہے اور ان لوگوں کے لیے باعثِ عبرت بھی جو نجس کپڑوں کی پاکی میں سستی برتتے ہیں۔

داڑھی رکھ کر منڈوانے والے :

جناب فرازالدین صاحب ناکل ڈانگہ کلکتہ بیان کرتے ہیں، ایک شخص نے عرض کیا؛

اس شخص کا کیا حکم ہے جو داڑھی رکھ کر منڈوا دے؟

مفتی اعظم نے اس کا جواب یوں ارشاد فرمایا، داڑھی کا منڈوانا اور مسجد کا ڈھا دینا برابر ہے۔

سائل نے عرض کیا، حضور ایسا کیوں؟

ارشاد فرمایا، اس لیے کہ جہاں مسجدیں ہوتی ہیں اس کو دیکھ کر ہر ایک سمجھتا ہے کہ یہاں اسلام کے ماننے والے ہیں اور داڑھی کا بھی یہی حال ہے کہ جس کے چہرے پر داڑھی دیکھی جائے گی، یہ پتہ چل جائے گا کہ یہ مسلمان ہے، اسلام کا ماننے والا ہے۔

گویا داڑھی منڈوانا اسلام کے نشان کو مٹانا ہے، وہ لوگ جو صبح و شام داڑھیاں مونڈتے ہیں وہ سبق لیں کہ کیسا سنگین و شدید جرم کر

رہے ہیں، اور خدا اور رسولِ خدا کی کیسی ناراضی مول لے رہے ہیں۔

تیامن کا اہتمام :

ہر چیز کو اپنے داہنے سے اختیار کرنا اور شروع کرنا سنت ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يحب التيمن في شانه كله في طهوره و ترجله و تنعله.

(متفق عليه ، مشكوٰة، ص:۴۶ باب سنن الوضو)

''نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے تمام کاموں پر داہنے سے شروع کرنا پسند فرماتے تھے، وضو کرنے کنگھا کرنے اور نعلین پہنے میں بھی''

سرکار مفتیِ اعظم رضی اللہ عنہ اس حدیث پر اس سختی سے عمل فرماتے کہ اس کی مثال اس عہد میں ملنی مشکل ہے، ان کو سرمہ استعمال کرنا ہو، نعلین پہننا ہو، کوئی سامان لینا دینا ہو، کپڑا پہننا ہو، مسجد میں داخل ہونا ہو، حتیٰ کہ ٹوپی پہننا ہو تو داہنے ہاتھ ہی سے پہنتے اور اگر کوئی چیز مثلاً تعویذ وغیرہ کسی کو دینا ہوتا اور وہ اپنا بایاں ہاتھ بڑھاتا تو ہرگز نہ دیتے جب تک کہ وہ اپنا داہنا ہاتھ نہ بڑھاتا۔

کھانے کے آداب :

کھانے کے تمام مسنون طریقوں کا التزام فرماتے، حتیٰ کہ ان آداب کا بھی خیال فرماتے جن کی طرف لوگ عام طور سے توجہ نہیں دیتے۔ مثلاً:

☆ دسترخوان کے باہر ہاتھ دھلتے، دسترخوان پر نہیں دھلتے۔

☆ دسترخوان پر ساتھ کھاتے تو جب سب لوگ کھا چکتے تب دعا کر کے ہاتھ دھلتے اور اگر اٹھنے کی ضرورت ہوتی تو کھانے والے سے اجازت لیتے۔ لیکن کبھی اجازت لے کر اٹھتے ہوئے میں نے نہیں دیکھا، بل کہ اس قدر آہستہ کھانے کے باوجود تھوڑا کھاتے، سب کے ساتھ ہی ختم کی نوبت آتی

☆ پانی چوس کر آہستہ آہستہ پیتے، غٹ غٹ بڑے بڑے گھونٹ نہیں پیتے۔

☆ میزبان کی اجازت کے بغیر صرف شوربا نہیں کھاتے پیتے، کیوں کہ شوربا یا سالن روٹی چاول سے کھانے کے لیے ہوتا ہے کیوں کہ مہمان کے سامنے جو کھانا آتا ہے مہمان اس کا مالک نہیں ہوتا کہ جیسے چاہے ویسے استعمال کرے بل کہ وہ بطور اباحت ہوتا ہے اور اباحت اسی طریقے پر ہوتی ہے معہود و معروف ہے۔

☆ کھانے میں سبز اشیا پسند فرماتے، مثلاً ہری مرچ دھنیا وغیرہ کی چٹنی اور ہری سبزی۔

☆ کھانا تین انگلیوں سے کھاتے۔

☆ کھانے کے بعد صاحب خانہ اور میزبان کو خوب دعائیں دیتے۔

☆ کوئی خلاف شرع امر سامنے آتا تو ضرور ٹوکتے اور اس معاملے میں کسی کی رو رعایت نہیں کرتے، میزبان ہو یا مہمان یا اور کوئی چاہے وہ کتنا ہی مال دار یا کتنے ہی بڑے عہدے والا ہو، دین و سنت کے معاملے میں اور خلاف شرع بات پر ٹوکنے میں ذرہ برابر کسی کی پروا نہیں فرماتے۔

ایک بار کھانے کے بعد شربت پیش کیا گیا تو فرمایا، کھانے کے بعد میں شربت نہیں پیتا، تیزابی شکایت ہے-- مزید فرمایا: کھانے کے بعد شربت پینا بھی نہیں چاہیے۔ (یعنی طبی اصول کے بھی خلاف ہے)

حاجت برآری :

۱۳؍اپریل ۱۹۷۴ء بدھ کو ذاکر نگر، جمشید پور میں جناب الطاف حسین کے یہاں قیام فرما تھے، رات جلسے کی وجہ سے کافی تاخیر ہو چکی فجر سے قبل بہت قلیل وقت آرام کرنے کو ملا اس لیے بعد نماز فجر وظائف سے فارغ ہو کر آنکھوں میں سرمہ استعمال فرمایا اور سونے کا ارادہ کیا۔ اتنے میں جو لوگ موجود تھے ان کو کوئی صاحب ہٹانے لگے۔ اس پر حضرت نے فرمایا، ان لوگوں سے پوچھ لیں شاید ان کو کوئی حاجت ہو بتائیں، اور اسے ناپسند فرمایا کہ ان کو ہٹایا جائے۔ گویا ان کی حاجت برآری کو اپنے آرام پر ترجیح دی، اور یہ معمول ہمیشہ ہی کا تھا کہ جملہ حاضرین کی حاجات کی تکمیل کے بعد ہی سونے اور آرام کرنے کی کوشش کرتے، ہاں خود سے لوگ خیال کرتے ہوئے اٹھ کر چلے جائیں تو دوسری بات ہے۔ "ہٹو حضرت کو آرام کرنے دو"، "آپ لوگ جایئے حضرت سوئیں گے"، "آپ لوگ آرام کرنے دیں"، اس قسم کے جملوں سے ناراض ہوتے تھے کہ شاید کسی کی دل شکنی ہو جائے یا کسی کی کوئی اہم ضرورت پوری ہونے سے رہ جائے۔ غرض کہ خلق کا وہ خیال فرماتے تھے کہ اس زمانے میں اس کا تصور بھی دشوار ہے۔ یہ خاص اولیاء اللہ کی شان ہے اور اخلاق کی نہایت اعلیٰ مثال بھی۔

لڑکی کے بال کاٹنے پر تنبیہ :

جمشید پور ہی میں ایک صاحب کے یہاں حضرت تھوڑی دیر کے لیے از راہ خاطر داری تشریف لے گئے، وہ بڑے صاحب حیثیت اور مال دار آدمی تھے۔ ان کی ایک بچی سامنے آئی، اس کے سر کے بال آج کل کے فیشن کے حساب سے کٹے ہوئے تھے۔ حضرت نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا، بچیوں کا بال نہیں کاٹنا چاہیے، کیا حال ہو گیا ہے، لوگ فیشن کے پیچھے چلتے ہیں۔

بچوں کو ادب سکھانے کی تاکید :

جمشید پور ہی کا ایک واقعہ ہے ایک مسجد میں ایک صاحب نماز پڑھنے آئے، گلا کھلا ہوا، آستین چڑھی ہوئی یا لٹکی ہوئی تھی، حضرت فرمانے لگے کہ کیا ہو گیا ہے لوگوں کو، گلا کھلا رکھتے ہیں، آستین کتے کے کان کی طرح لٹکاتے ہیں (قمیص کی آستین بغیر بٹن کے جب لٹکتی ہوتی تو اکثر حضور مفتی اعظم اس کو کتے کے کان سے تشبیہ دیتے اور اس حال میں نماز مکروہ بتاتے)

اسی اثنا مولانا غلام آسی صاحب (علیہ الرحمہ) نے عرض کیا، حضور! آج کل یہ مرض عام ہے، لوگ اس کی کچھ پروا نہیں کرتے۔-- تو حضرت نے فرمایا: بات اصل یہ ہے کہ پہلے بڑے بوڑھے لوگ بچوں کو ادب سکھایا کرتے تھے اور اب لونڈے جو کرتے ہیں وہ یہ بوڑھے بھی کرنے لگے ہیں------ وہ صاحب بوڑھے تھے، جبھی حضرت نے یہ فرمایا۔

۱۱ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ کا واقعہ ہے، بریلی شریف کے صوفی عزیز احمد صاحب مرحوم (والد ماجد جناب صوفی محمد اقبال بریلوی مرحوم) نے بیان کیا:

ایک مرتبہ ایک عورت عصر کے بعد تعویذ لینے کے لیے آئی، اسے دیکھ کر جناب رضا علی مرحوم حدیث سنانے لگے کہ جس کو اپنی آنکھیں پیاری ہوں وہ عصر کے بعد لکھنے کا کام نہ کرے، حضور مفتی اعظم نے سنا تو فرمایا جی: میں بھی جانتا ہوں مگر یہ اتنی دور سے آئی ہے کچھ دعا بھی تو دے گی۔

یہ واقعہ صوفی عزیز احمد صاحب نے صوفی اقبال احمد اور حاجی محمد فاروق رضوی بناری کے سامنے بیان کیا اور ناچیز راقم الحروف نے سن کر یاد کیا پھر نوٹ کر کے اسلامی سنی بھائیوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور مفتی اعظم قدس سرہ مخلوقِ خدا کی دلداری اور حاجت براری کا کیسا خیال فرماتے تھے، نیز حاجت مندوں اور پریشان حالوں کی دعا کے طالب رہا کرتے تھے۔

بانیِ اسلام :-

ایک بار کسی نے عرض کیا، حضور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بانیِ اسلام کہنا کیسا ہے؟
ارشاد فرمایا: نہیں کہنا چاہیے۔

دراصل اسلام وہ دین ہے جو رب تعالیٰ نے اتارا اور جاری کیا۔ مخالفین اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بانیِ اسلام کہہ کر یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ اسلام خدائی دین نہیں ہے بل کہ انسان کا وضع کردہ ہے۔ اگرچہ بانیِ اسلام کہنے والے مسلمانوں کی مراد یہ نہیں ہوتی، مگر ایسا لفظ کیوں بولیں جس کا کفار کے نزدیک غلط معنی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بانیِ اسلام غیروں کا نکالا ہوا لفظ ہے، اس سے مسلمانوں کو پرہیز کرنا چاہیے۔

دودھ نہ پینے والے بچے کو تعویذ :

جمشید پور۔ یکم اپریل ۱۹۷۴ء کے جلسہ میں جب حضور مفتی اعظم بنارس سے تشریف لے جا رہے تھے تو ناچیز راقم الحروف بھی ہم رکاب ہو گیا، جناب الحاج محمد فاروق صاحب بھی خادمِ خاص کی حیثیت سے ہم راہ تھے۔ جناب الحاج عبد الباری صاحب نوادہ بہار والے کی کار سے حضرت جمشید پور گئے تھے۔ غالباً یہ سفر بنارس سے گیا تک ٹرین سے طے ہوا اور گیا سے جمشید پور تک کار سے، گیا میں حضرت کا قیام جناب مسعود احمد خاں صاحب ایڈوکیٹ کے وہاں تھا۔ وہاں سے نوادہ ہوتے ہوئے جمشید پور تشریف لے گئے، کسی وجہ سے جمشید پور پہنچنے میں اتنی تاخیر ہو گئی کہ یکم اپریل کا جلسہ ملتوی ہو گیا اور دوسرے روز شب میں منعقد ہوا، جس کے بعض واقعات گزشتہ صفحات میں لکھے جا چکے ہیں، اجلاس ختم ہونے کے بعد دھنباد تک کار سے جانا ہوا پھر وہاں سے بذریعہ ٹرین بریلی شریف۔

۱۱ ربیع الاول ۹۴ ۱۳ھ کی تاریخ تھی اور مغرب کا وقت بالکل قریب تھا، جب سرکار مفتیِ اعظم کی رفاقت میں ہم لوگ بریلی شریف پہنچے۔ سرکار کے پہنچتے ہی ایک آدمی گود میں ایک چھوٹا بچہ لے کر آیا جو تقریباً چھ ماہ کا رہا ہو گا اور آتے ہی عرض کیا، حضور! یہ بچہ دودھ نہیں پیتا، ایک قطرہ بھی اگر اس کے منہ میں دودھ جاتا ہے فوراً قے کر دیتا ہے۔ اس کے لیے تعویذ درکار ہے، دواؤں سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

چوں کہ حضرت طویل سفر سے آئے تھے اور نمازِ مغرب کا وقت قریب تھا اور بعدِ عصر لکھنا پڑھنا بھی مشکل ہوتا ہے اس لیے بہت ناراض ہو کر فرمایا، آدمی کہیں معمولی سے معمولی آدمی کے پاس بھی جاتا ہے تو وقت دیکھ کر جاتا ہے؟ سوچتا ہے کہ کہاں جا رہا ہوں؟ کب جا رہا ہوں؟ اور یہاں کچھ نہیں دیکھتے بس چلے آتے ہیں۔ اور فرمایا:

"اعلیٰ حضرت عصر کے بعد سے صبح تک بچوں کو باہر نکالنے سے منع فرماتے تھے" یہ کہا اور تعویذ لکھنے لگے، چند ساعت کے بعد پھر فرمایا:
"بچہ کبھی تو کسی آسیبی اثر سے دودھ نہیں پیتا، کبھی بیماری کی وجہ سے اور کبھی نظر کی وجہ سے، اور کبھی ماں کے دودھ کے خراب ہونے کی وجہ سے"، یہ فرمایا اور اس کو تعویذ دے کر فوراً نمازِ مغرب کے لیے مسجد روانہ ہو گئے۔

غالباً اس ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ آدمی کو وجہ معلوم کر لینی چاہیے اور پھر اسی حساب سے دوا یا دعا کرنی کرانی چاہیے۔

یہاں میلاد شریف چندے سے نہیں ہوتا :

حضور مفتیِ اعظم کے دولت کدے پر ہفتے میں دو بار محفلِ میلاد شریف منعقد ہوا کرتی، اور بارہویں ربیع الاول شریف کو خاص محفل ہوتی، گیارہ ربیع الاول شریف ۱۳۹۴ھ کو جب حضرت جمشید پور سے واپس آئے تو وہ خاص محفلِ میلاد شریف کا دن تھا۔ نمازِ مغرب ادا کر کے قیام گاہ (دارالافتا) تشریف لائے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک صاحب حاضر ہوئے اور مصافحہ کر کے پانچ روپے پیش کیے اور کہا، حضور! اسے میلاد شریف میں شریک فرمالیں۔ سرکار مفتیِ اعظم نے جلال میں فرمایا: ''یہاں میلاد شریف چندے سے نہیں ہوتا۔'' اس نے عرض کیا، ''حضور! ساجد میاں نے تو کہا ہے کہ جو شریک ہونا چاہے، شریک ہولے، کھاتا کھول دیا گیا ہے۔''

جب حضور مفتیِ اعظم نے یہ سنا تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا: ''کہاں ہیں ساجد میاں؟ بلاؤ ان کو۔'' اسی دوران فرمایا: ''شجرے پر چھپوادیا (یعنی طباعت کے اخراجات کے لیے) جب میں بگڑا تو اس کو ختم کیا، اب میلاد شریف کا کھاتا کھول دیا ہے۔''

تھوڑی دیر کے بعد ساجد میاں حاضر ہوئے اور عرض کیا، ''حضور! کیا بات ہے؟'' فرمایا، (اس شخص کی طرف اشارہ کر کے) ''کیا کہا ہے انھوں نے؟'' ''کیا کہا ہے؟ اس شخص نے اپنی بات بیان کی، اس پر ساجد میاں نے عرض کیا، میں نے نہیں کہا ہے، اندر کچھ عورتوں نے روپیہ دیا تھا شرکتِ میلاد کے لیے تو میں نے اس پر کہا تھا کہ اس کا الگ کھاتا کھول دیا جائے،...... پھر حضرت نے فرمایا، ''ان روپیوں کو عورتوں کو واپس کر دیا جائے۔'' اس پر ساجد میاں نے کہا، ''حضور! میں نے پہلے ہی ان روپیوں کو واپس کر دیا ہے، حضرت کی اجازت کے بغیر، یہ بھی حضور کی کرامت ہے۔''

پھر فرمایا، ''میلاد شریف کہیں چندے سے ہوتا ہے؟ ہمارے دادا پردادا کے وقت سے بل کہ پردادا کے پردادا کے وقت سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ پہلے تو شیرینی نہیں تقسیم ہوتی تھی لفافے، کاغذ میں کسی میں اشرفی کسی میں روپیہ وغیرہ رکھ کر پھر سینی میں سجا کر بغیر کسی کا منہ دیکھے تقسیم کیا جاتا تھا، جس کی قسمت میں جو ہوتا تھا اس کو وہ ملتا تھا، کبھی اس کے لیے چندہ نہیں ہوا۔''

داڑھی اور ٹوپی کی تاکید :

چتوڑ گڑھ (راجستھان) سے چند آدمی حاضر ہوئے۔ ان سے حضور مفتیِ اعظم نے کچھ دیر گفتگو فرمائی۔ انھوں نے ایک خط دیا۔ حضور نے خود ہی اس کو پڑھا، پھر ان لوگوں کو نصیحت فرمانے لگے، کیوں کہ ان میں ایک صاحب تو سر پر رومال باندھے ہوئے تھے اور ایک صاحب ٹوپی پہنے ہوئے تھے لیکن دونوں کی داڑھی منڈی ہوئی تھی۔ فرمایا: ''سر پر ٹوپی پہنا کرو۔''

اس شخص نے کہا، حضور عجلت میں بھول گیا۔

فرمایا: ''یہ عذر نہیں ہے، کہیں پاجامہ چھوڑ دیں اور کہیں کہ بھول گیا تب؟

پھر فرمایا: ''میں داڑھی منڈے سے زیادہ سر کھلے سے ناراض ہوتا ہوں۔ حالاں کہ داڑھی منڈے سے زیادہ ناراض ہونا چاہیے، اس کی وجہ یہ ہے کہ داڑھی منڈوانے والا اپنے اسلام کو چھپانے کی نیت نہیں کرتا، مگر سر کھلے اکثر اپنے اسلام کو چھپانے کی نیت کرتے ہیں کہ کہیں ان کو مسلمان نہ پہچانا جائے، اس لیے ٹوپی ایسی چیز ہے کہ جیسا بھی آدمی ہو اگر اس کے سر پر ٹوپی ہوتی ہے تو ضرور اس کو مسلمان پہچان لیا جاتا ہے۔''

پھر فرمایا: ''ہر مذہب والا اپنے دین کا ایک شعار رکھتا ہے اور وہ اس پر مرتا ہے (یعنی اس کو باقی رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے)

ہندوؤں نے اپنا شعار چوٹیا، جنیو اور قشقہ رکھا ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ کوئی ان کی چوٹیا پکڑے یا ان کا قشقہ چھوئے یا جنیو کاٹے۔ آخر دم تک وہ اس کو کاٹنے نہ دیں گے، وہ جنیو پر اپنی جان دیتے ہیں۔

چند روز بریلی شریف رہ کر پھر میں بنارس واپس آ گیا۔ افسوس بہت سے واقعات کو نقل نہ کر سکا، کاش وہ حضرات جو حضرت کی رفاقت میں زیادہ رہے ہیں وہ اہم واقعات قلم بند فرما دیتے تو عبرت آموز واقعات کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو جاتا، اب بھی اس پر توجہ دی جائے تو بہت کام ہو سکتا ہے، اس سفر کے اور اس کے علاوہ بھی بہت سے واقعات راقم الحروف کے پردۂ ذہن پر مرتسم ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان کو جلد ہی صفحات قرطاس پر منتقل کرنے کی کوشش کروں گا۔

☆☆☆☆☆

نوری نوری یادیں ان کی

ڈاکٹر محمد اسد نوری پیلی بھیتی (علیگ)
میڈیکل آفیسر، منیر خاں، پیلی بھیت

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ۶۸ء ماہ جولائی میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں PUC (پی. یو. سی.) میں داخلہ لے کر تعلیم میں منہمک ہوگیا۔ علی گڑھ میں انٹروڈکشن بہت ہی سخت لیا جاتا تھا۔ انٹروڈکشن کے دوران سینئر طلبہ جو تبلیغی جماعت سے وابستہ تھے وہ دباؤ دینے لگے جماعت میں جانا ضروری ہے، ورنہ مکمل مسلمان نہیں بن پاؤ گے، اس دوران میرے کرم فرما ومحسن حضرت مولانا مفتی مظفر احمد صاحب داتا گنجوی طوطی ہند مد ظلہ العالی نے ماہ نامہ جام نور جاری کرا دیا۔ 'جام نور' میں حضرت علامہ رئیس التحریر ارشد القادری صاحب علیہ الرحمہ کی کتب کا اشتہار تھا علامہ مرحوم کی کتاب کو بذریعہ وی پی جمشید پور سے منگوا کر خود پڑھا اور دوسرے طلبہ کو پڑھوانا شروع کر دیا اور اس رسالہ میں حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب 'خون کے آنسو' کا بھی اشتہار تھا۔ میں نے 'خون کے آنسو' کو منگوانے کے لیے علامہ نظامی صاحب مرحوم کو خط بھیج دیا۔ حضرت نے ''خون کے آنسو'' کے علاوہ ''جماعت اسلامی کا شیش محل'' اور ''مجرم کون'' وغیرہ کتب بذریعہ وی پی ارسال فرمادیں۔ کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد ذہن میں پختگی پیدا ہوگئی اور اغیار کی منافقانہ سازشوں سے واقف ہوگیا۔ اس دوران حضرت خطیب مشرق علامہ نظامی صاحب علیہ الرحمۃ کا گرامی نامہ موصول ہوا کہ تم فوری طور پر پروفیسر ڈاکٹر مختارالدین احمد صاحب آرزو صدر شعبۂ عربی سے ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کے معاملات طے کر کے مجھ کو مطلع کرو، میں اس کو شائع کردوں گا۔ کم وبیش ایک ہفتہ بعد حضرت علامہ رئیس التحریر ارشد القادری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا گرامی نامہ موصول ہوا کہ ''حیات اعلیٰ حضرت'' مولفہ ملک العلما حضرت مولانا ظفرالدین صاحب بہاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مکمل معلومات کر کے مجھ کو مطلع کرو۔

بعد نماز عصر جناب پروفیسر ڈاکٹر مختارالدین احمد صاحب کے دولت کدہ واقع تار بنگلہ پر حاضر ہوگیا۔ دونوں حضرات کے خطوط ڈاکٹر صاحب کی خدمت اقدس میں پیش کر دیے۔ خطوط کو پڑھنے کے بعد افسوس کا اظہار فرمایا کہ کم وبیش ایک سال قبل یعنی ۶۷ء میں مولانا محمود احمد قادری رفاقتی صاحب کو معرفت حکیم اہل سنت حکیم خلیل احمد صاحب جائسی مرحوم چاروں جلدیں ''حیات اعلیٰ حضرت'' دے چکا ہوں، وہ مجھ کو جواب دینے سے گریز کرتے ہیں۔ انھوں نے ملک العلما علیہ الرحمۃ کی کتاب ''نصرۃ الاصحاب فی اقسام ایصال الثواب'' شائع کردہ رفاقتی کتب خانہ کان پور سے شائع کردی تھی۔ اسی وجہ سے میں نے حیات اعلیٰ حضرت دے دی اور اس کا ایک نسخہ ناچیز کو دے کر فرمایا کہ ان سے ضرور ضرور ملاقات کرنا، یہ سنی صحیح العقیدہ بزرگ شخص ہیں۔ مل کر خوش ہوں گے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا صاحبزادے سلسلہ روحانیت میں کس بزرگ سے وابستہ ہو، میں نے کہا کسی سے بیعت نہیں ہوں۔ پروفیسر ڈاکٹر مختارالدین صاحب نے شہزادۂ اعلیٰ حضرت مولانا مصطفیٰ میاں مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم العالیہ سے تاکید اً حکم دیا کہ فوری طور پر بریلی شریف

جا کر بیعت ہو جایئے کم وبیش سال بھر تقاضا فرماتے رہے۔ چھٹیوں میں جا کر پہلی فرصت میں حضرت سے بیعت ہونا، میرا اسلام کہنا۔ جون ۶۹ء کی چھٹیوں میں گھر گیا، اپنے ماموں صاحب کی سسرال اٹریا میشپور کلکٹر بریلی پہنچ کر ریاض الدین صاحب سے حضرت سے بیعت ہونے کا اظہار کیا، وہ خوش ہو گئے اور مجھ کو بارگاہ مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ میں کم وبیش ۱۹ر جون ۶۹ء کو لے کر بغیر کسی جھجک، خوشی خوشی فیوض وبرکات اور دیدار سے مشرف ہونے جا رہے تھے۔ حضرت کی بیٹھک کے دروازہ پر جوں ہی قدم رکھا، دل ودماغ میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے، کس طبیعت کے مالک ہوں گے؟ مزاج کیا ہوگا؟ بڑے باپ کے بیٹے ہیں، اپنے جسم کی قوت کو یکجا کر کے ہمت سے کام لیتے ہوئے قدم اندر رکھا۔ کافی حضرات لائن سے کرسیوں پر تشریف فرما تھے اور حضرت کے قریب تعویذ لینے کے لیے ازدحام لگا ہوا تھا سب سے آخر میں یعنی مشرق کی جانب دو کرسیاں خالی تھیں، اس پر بیٹھ گئے۔ حضرت عورتوں پر ناراضگی کا اظہار فرماتے تھے اور ساتھ ساتھ امر بالمعروف نہی عن المنکر کے مصداق تبلیغ بھی فرماتے جاتے تھے، کسی عورت کی چوڑیوں کی آواز کو سن کر فرماتے۔ خدا کے خوف سے ڈر جب تک تو گھر تک بغیر محرم کے واپس نہیں ہو جاتی، تب تک تیرے اوپر شیطان مسلط ہوگا تم خود گنہگار ہو، مجھ کو بھی گناہ میں مبتلا کرنا چاہتی ہو۔ اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین۔ اللہ اکبر قربان جایئے تقویٰ ہو تو مفتی اعظم جیسا ہو۔ کہ آپ کی نگاہیں نیچے رہیں اوپر نہیں دیکھا۔ آج کل بہت سے انسان پہلے عورتوں کو خوب دیکھ لیں گے، بعد میں نگاہ ہٹائیں گے۔

میرے قریب والی کرسی پر جناب معوان علی رضوی صاحب پسر حضرت مولانا عرفان علی صاحب مرحوم بیسل پوری تشریف فرما تھے، ان سے محو گفتگو ہو گیا۔ اسی اثنا میں آگے کی نشست خالی ہوگئی، حضرت نے شیرینی، طمانیت، اپنائیت، آہستگی سے لبریز آواز سے فرمایا۔ صاحبزادے ادھر تشریف لایئے۔ اپنے جسم کی ساری طاقت یکجا کر کے، عالم اسلام کی عظیم شخصیت کے روبرو ہونے جا رہا تھا۔ حضرت تخت پر گاؤ تکیہ کے سہارے تشریف فرما تھے۔ حضرت سے متصل کرسی پر بیٹھنے سے ساری گھبراہٹ ختم ہوگئی۔

حضرت فرماتے ہیں۔ صاحبزادے کہاں سے تشریف لائے ہو، میں نے عرض کیا فی الحال میشپور اٹریا متصل کلکٹر بک گنج بریلی سے آرہا ہوں۔ مزید حضرت فرماتے ہیں۔ کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے عرض کیا موضع آم کھیڑہ پرگنہ جہان آباد ضلع پیلی بھیت میں پیدائش اور موضع کھمریا تحصیل بیسلپور ضلع پیلی بھیت میں تعلیم وتربیت پرورش پائی۔ یہ گاؤں میرا ننہال ہے۔ حضرت فرماتے ہیں سید امانت اللہ صاحب کا کیا حال ہے؟ ان کی صحت کے بارے میں معلومات فرماتے رہے۔ پھر مزید یکے بعد دیگرے حاجی اکبر حسین صاحب کھیا، حاجی نصاحت حسین، حاجی رحیم الدین صاحبان وغیرہ کا تذکرہ فرما کر ان کا احوال وخیریت دریافت فرماتے رہے اور حافظ عبد الحمید صاحب مرحوم کنڈ ساری کے خاندان کے بارے میں معلومات فراہم کرتے رہے اور حافظ مرحوم کے بیٹے حضرت مولانا وقار الدین صاحب کے بارے میں بھی معلوم کیا لیکن اس وقت اتنا جانتا تھا کہ حضرت مولانا وقار الدین صاحب چٹاگانگ مشرقی پاکستان میں قیام پذیر ہیں۔ مزید حضرت فرمانے لگے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ سب اپنے وقت کے متصلب سنی رضوی حضرات ہیں؟ اسی دوران حضرت نے حضرت ساجد میاں صاحب کو بلا کر مشروب لانے کا حکم فرما کر پھر کھانے کا حکم فرمایا۔ گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے ناچیز نے پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب آرزو کا سلام پیش کیا۔ سلام کا جواب دے کر حضرت کو جلال آ گیا، فرمایا:

میں نے سنا ہے کہ اس نے داڑھی کتروادی ہے۔ یہ اعلیٰ حضرت کا مرید ہے۔ اس کا نام اعلیٰ حضرت نے تجویز فرمایا ہے۔ ملک العلماء رحمۃ اللہ علیہ کا بیٹا ہے۔ آزاد خیالی کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے، خوف خدا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت عطا فرمائے۔ استقامت و استقلال فی الدین عطا فرمائے۔ آمین۔ پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب آرزو نے حضرت کو علی گڑھ آنے کی دعوت میرے ذریعہ دی

تھی۔ وہ اپنے بچوں کو حضرت سے بیعت کرانا چاہتے تھے لیکن افسوس صد افسوس کہ حضرت علی گڑھ کا سفر نہیں کر سکے۔

حضرت نے اپنی مسند پر قبلہ رو بیٹھا کر سارے کلمے پڑھوا کر اطمینان وسکون سے بیعت فرمایا۔ داخل سلسلہ کرنے سے قبل توبہ واستغفار کرا کر قادریہ برکاتیہ رضویہ نوریہ میں داخل کیا۔ حضرت نے اطمینان وسکون قلب وذہن، خلوص ومحبت، جذبہ ایثار اور مشفقانہ طریقہ سے بیعت فرمایا۔ کئی گھنٹہ وقت دیا۔ پھر اتنا طویل وقت کبھی میسر نہیں ہوا۔ ملاقاتیں حضرت سے برابر ہوتی رہیں۔ بیعت ہونے سے قبل دل ودماغ میں شکوک وشبہات پیدا ہوئے تھے۔ حضرت نے ان سب کا جواب عملی طور پر عطا فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت اور غوث اعظم کے طفیل پیران عظام کے صدقات سے پیرومرشد کی ہدایت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۱۵، ۱۶/ نومبر ۷۸ء کو گنبد خضرا کانفرنس زیر صدارت حضرت مفتی اعظم زیر اہتمام نوری رضوی انجمن پہلی بھیت اسلامیہ انٹر کالج کے وسیع وعریض میدان پر کامیابی سے ہم کنار ہوئی اس کانفرنس میں بہت سے علما مشائخ عظام نے شرکت فرمائی تھی۔ حضرت کا چہرہ مبارک دوسروں کے مقابلے میں نمایاں طور پر گلاب جیسا نظر آ رہا تھا۔

الحاج محمد عمر صاحب ساکن کرگہنا ضلع پہلی بھیت بیان کرتے ہیں۔ کم وبیش ۱۹۴۴ء میں گاؤں کی جامع مسجد کی امامت کے لیے بریلی شریف سے ایک سید صاحب کو منتخب کیا گیا۔ سید صاحب بھی حضرت کے دامن کرم سے وابستہ تھے اور خصوصی مریدین میں شمار ہوتا تھا کرگہنا وہ گاؤں ہے جس میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے برادر طریقت حاجی قدرت علی صاحب رئیس کرگہنا کی رہائش تھی اور ان کے تینوں بیٹے یکے بعد دیگرے (۱) مولانا عبدالحق صاحب (۲) مولانا عبدالرحمٰن (۳) عبدالغفور صاحبان اعلیٰ حضرت سے سلسلہ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں بیعت کا شرف رکھتے تھے۔ مولانا عبدالحق صاحب ۱۹۰۲ء میں نتھو خاں صاحب کا باغ خرید کر گہنا بلڈنگ تعمیر کرا کر پہلی بھیت میں سکونت اختیار فرمائی اور آپ کو شرف تلمذ حضرت محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ اسی کرگہنا بلڈنگ میں کم وبیش اس وقت چھوٹے بڑے ۲۲ مکانات ہیں، اعلیٰ حضرت جتنی بار وہاں تشریف لے گئے ان کی سکونت اختیار کرنے سے اپنے وصال تک کرگہنا بلڈنگ میں قیام فرماتے رہے دوسرے حضرات کی دعوت پر یا خصوصی طور پر استاذ المحدثین اور حاجی محمد شیر میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ وشاہ جی میاں صاحب سے ملاقات کرنے کے لیے تشریف لے جاتے۔ مریدین متوسلین کی دعوت پر تشریف لے جاتے، رات کو قیام اپنے مرید صادق عبدالحق صاحب کے یہاں کرتے۔

میری خوش دامن آمنہ خاتون مرحومہ نواسی مولانا عبدالحق رئیس کرگہنا کا بیان ہے کہ مولانا عبدالمقتدر بدایونی صاحب نے اپنے مریدین سے اعلیٰ حضرت پر اذان ثانی سے متعلق مقدمہ عدالت بدایوں شریف میں دائر کر دیا جس سے نانا میاں زار وقطار رویا کرتے تھے۔ بارگاہ رب العزت میں دعا مانگتے الٰہی میرے پیرومرشد کو بری الذمہ فرما دے۔ خود بھی وظائف کا عمل کرتے اور چھوٹے بڑے سب سے وظائف پڑھواتے۔ خصوصی طور پر " حسبنا اللہ و نعم الوکیل اور اللہ ربی لا شریک لہ اور طفیل حضرت دستگیر دشمن ہووے زیر" کا ورد کرتے اور دوسروں سے کرواتے خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ ایک دن خبر آئی کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو مقدمہ میں فتح نصیب ہوئی۔ پھر میرے نانا جان نے جشن فتح بڑے اہتمام سے منایا۔ نواسی عبدالحق صاحب کا بیان ہے کہ میں کم وبیش ۵ سال کی تھی، جب میں نے اعلیٰ حضرت کی زیارت کی اور دست بوسی بھی کی، اعلیٰ حضرت نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور دعاؤں سے نوازا۔ اعلیٰ حضرت کی دعاؤں کا ثمرہ تھا کہ مرتے وقت بھی مسلک سنی تھیں اور فرقہ باطلہ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔

نواسی مولانا عبدالحق صاحب مرحوم کا بیان تھا کہ میرے نانا جان کی وصیت تھی کہ میری نماز جنازہ شہزادہ اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا

حامد رضا خانصاب ملقب بہ حجۃ الاسلام سے پڑھوانا۔ ان کا انتقال ۱۹۳۶ء میں ہوا۔ انتقال کی اطلاع بریلی پہنچانے پر معلوم ہوا کہ حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ گھر سے باہر سفر پر ہیں، لکھنؤ سے بریلی جانے کے لیے چھوٹی لائن ریلوے سے روانہ ہوئے راستہ میں پیلی بھیت کا ریلوے اسٹیشن پڑا۔ مولانا عبدالحق صاحب بیمار چل رہے ہیں ان کو دیکھتا چلوں۔ آپ اسٹیشن پر اتر کر تانگے سے ان کے گھر پہونچے وہاں پر معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ پسر انوار الحق صاحب پریشان تھے لیکن حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ کو دیکھ کر ان کی پریشانی دور ہوگئی کرگہنا بلڈنگ کے ہال میں مولانا عبدالحق صاحب رئیس کرگہنوی کی نماز جنازہ حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔ جذبہ صادق تھا کہ پیرزادہ نے آکر نماز پڑھائی۔

مولانا عبدالحق صاحب کی زندگی میں اعلیٰ حضرت کا قیام حجۃ الاسلام اور مفتی اعظم کا بھی قیام ۷۴ء تک کرگہنا بلڈنگ میں رہتا تھا اس کے بعد حضرت کا قیام پیلی کوٹھی حافظ محمد عمران صاحب خلیفہ مفتی اعظم کے مکان میں ہر سال تین یوم مستقل قیام رہتا تھا۔ شاہنامہ اسلام صوفی عزیز احمد صاحب بریلوی خصوصی آواز میں پڑھتے تھے اور تینوں روز لگاتار اہتمام کے ساتھ مٹھائی تقسیم ہوتی تھی۔ حاجی فاروق احمد صاحب بنارس والے نے شرکت فرمائی ہے، عبدالسلیم خان صاحب عرف اچھے، قاری امانت رسول، سید امیر احمد، احمد میاں پنجابیاں کے صاحبان کے یہاں بھی حضرت کا قیام رہتا تھا۔

حاجی محمد عمر صاحب کا بیان ہے کہ مجھ کو بچپن سے دینی مذہبی لگاؤ تھا۔ مذہبی لوگوں میں بیٹھنا میری عادت تھی۔ امام کرگہنا سید صاحب نے حضرت کی خدمت میں لے جاکر مرید کرا دیا۔ میرا معمول بن گیا کہ ہر سال عرس رضوی میں حاضری دیتا اور حضرت کے فیوض و برکات سے مستفید ہوتا۔ حاجی محمد عمر صاحب کا بیان ہے کہ ۱۹۵۰ء میں میرے ماموں الحاج عتیق احمد صاحب بریلی شریف سے حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ماموں صاحب کو رخصت کرنے کے لیے بریلی جنکشن پر حاضر ہوا۔ ماموں صاحب کی رخصتی پر مجھ پر رقت طاری ہوئی میں بے ہوش ہو گیا، ماموں صاحب ٹرین سے بمبئی کے لیے روانہ ہو گئے اور مجھ کو ہوش میں لانے کے لیے لوگ پانی کے چھینٹے مار کر ہوش میں لائے۔ ہوش آنے پر سید ھا مزار اعلیٰ حضرت پر شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر دست بوسی فرمائی اور اپنا مدعا بیان کیا کہ میں حج بیت اللہ کو جانا چاہتا ہوں۔ حضرت نے خصوصی طور پر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے اور فرمایا فوری طور پر گھر جاؤ سب انتظام ہو جائے گا۔ میں شیخ سے رخصت ہو کر گھر آیا۔ قدرت الٰہی نے زر کے فراہمی کے راستے ہموار کر دیے۔ والدہ ماجدہ سے اجازت لے کر دوبارہ پیر و مرشد کی بارگاہ میں حاضر ہو کر دعاؤں کا گلدستہ زیب تن فرما کر ممبئی کے لیے روانہ ہو گیا۔ مجھ کو پیر و مرشد کی دعاؤں کے طفیل کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوئی بآسانی ٹکٹ و سیٹ مل گئی۔

الحاج محمد عمر صاحب کا بیان ہے کہ ۱۹۵۲ء میں میری شادی کی تاریخ کا تعین ہوا۔ سب سے پہلے حضرت پیر و مرشد کو دعوت برات میں شرکت کی دینے کے لیے حاضر خدمت ہوا۔ میرے شیخ نے بغیر کسی عذر کے برات میں شرکت کی دعوت قبول فرمائی۔ حضرت کی انکساری، وقت کی پابندی قول کے پابند، بات کے دھنی کے مصداق مئی ریلوے اسٹیشن بریلی سے پیلی بھیت تشریف لائے اور پیلی بھیت جنکشن سے بذریعہ تانگہ ۱۲ کلومیٹر کا سفر جہاں آباد کے لیے طے فرما کر جہاں آباد سے کرگہنا تک کا سفر بذریعہ بیل گاڑی طے فرمایا۔ کرگہنا سے موضع سری تک کا ۵ کلومیٹر کا سفر بذریعہ بیل گاڑی طے فرمایا اور بہ نفس نفیس حضرت نے کسی قسم کی تھکان بے چینی کا اظہار نہیں فرمایا اللہ نکاح پڑھا کر بریلی شریف جانے کے لیے تیار ہو گئے اور ان کو بہلو (بیل گاڑی) کے ذریعہ موضع سری سے جہاں آباد تک پہونچا کر جہاں آباد سے پیلی بھیت شہر تک تانگہ کے ذریعہ تشریف لے گئے اور پھر ریل سے بریلی پہونچ گئے۔ رخصت کرتے وقت میں نے حضرت کو ۲۰

روپے نذرانے میں پیش کیے۔ دوسرے مریدین اور متوسلین نے ۱۰ / ۱۰ روپے پانچ پانچ روپے پیش کیے حضرت نے قبول فرما کر تنہائی میں بلا کر سارے کا سارا نذرانہ مجھ کو دے دیا مزید فرمایا۔ تم کو ضرورت ہے۔ اس رقم سے اپنی ضرورتوں کو پورا کرو۔

اللہ! کبر قربان جایئے۔ حضرت کی محنت و لگن، جد وجہد و ایثار کی مثال اس دور میں شاید ہی نظر آئے ۔ بلکہ شہزادگان خانوادہ اعلیٰ حضرت کو اپنے نانا جان دادا جان یعنی حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے طریقہ کار کو اپنانا چاہیے حضرت نے مسلک اہل سنت کے فروغ کے لیے اپنی جوانی کو قربان کر دیا۔ تکلیف دہ راستوں، کچی سڑکوں پر سفر کرنا باعث افتخار سمجھتے تھے۔ میں نے شہزادگان کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ روڈ سائڈ پر وگرام لینا، اندرون دیہات مت لینا۔

ہفت روزہ اخبار دبدبہ سکندری رام پور کا ۱۹۳۴ء کی فائل دیکھیے اور روداد جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی شریف اور پوسٹر جماعت رضائے مصطفیٰ کے ملاحظہ کرلیں۔ بہار صوبہ میں تباہ کن دردناک خوفناک زلزلہ آیا حضرت مفتی اعظم بہ نفس نفیس اور نواب سعید احمد خان صاحب نے بریلی شریف مراد آباد سے ڈاکٹروں کی ٹیم کو ساتھ میں لے کر صوبہ بہار میں طبی امداد رفاہ عام کی خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ کم وبیش ۱۶۰۰ مساجد دربھنگہ اور اس کے گردنواح علاقے میں از سرنو تعمیر اور مرمت کرائی۔ حضرت کی شدھی تحریک میں نمایاں کارکردگی ہے۔ ایک موقع پر شردھانند سے کوئی باری کی بھی نوبت آ گئی غالباً یہ واقعہ متھرا یا ضلع ایٹہ کا ہے۔

حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب ساکن گاے پوچھ پرگنہ جہان آباد ضلع پیلی بھیت کا بیان ہے کہ ۱۹۴۳ء میں دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف میں بہاری بنگالی طلبہ کے مابین تصادم ہو گیا۔ جھگڑے کی بنیاد پر حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے سارے بنگالی طلبہ کا اخراج کر دیا وہ طلبہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت اصغر حضرت مفتی اعظم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی روداد سنا کر حضرت حجۃ الاسلام سے معافی کرانے کی درخواست کی۔ حضرت نے کوشش فرمائی لیکن حضرت کو کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ بنگالی طلبہ میں سے چند طلبہ نے حضرت سے عرض کیا کہ ہم دوسرے اسکول میں پڑھنے جا رہے ہیں۔ اگر ہم بدعقیدہ ہو گئے، روز حشر میں دامن گیر ہوں گے۔ حضرت ان کی گفتگو سن کر دل برداشتہ ہو کر مدرسہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی بریلی شریف میں قائم فرما کر تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا اور اس کے صدر مدرس حضرت مولانا سردار احمد خان صاحب محدث اعظم پاکستان اول شیخ الحدیث وصدر مدرس کا تقرر ہوا اور حضرت مولانا وقار الدین صاحب کی بھی مدرس کی حیثیت سے تقرری عمل میں آئی۔ حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دامن کرم سے وابستہ ہو چکے تھے میں نے بھی مظہر اسلام میں داخلے کے بعد اپنی تعلیم کا زیادہ تر حصہ حضرات محدث اعظم پاکستان اور مختصر درس حضرت مولانا وقار الدین صاحب سے حاصل کیا۔ مظہر اسلام کے فارغ التحصیل طلبہ کی پہلی جماعت کا جلسہ دستار فضیلت ۱۹۴۲ء میں منعقد ہوا اور طلبہ کو دستار سے نوازا گیا۔ ان کا بیان ہے کہ مدرسہ کے مالی بحران سے دوچار ہوتے پر اپنی اہلیہ محبوبی صاحبہ کے زیورات فروخت کر کے کفالت فرمائی اور مدرسہ کو زیر بار سے محفوظ رکھا اور اپنی زندگی میں کبھی بھی کسی سفیر کو روانہ نہیں کیا۔

حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان تھا کہ میں نے اپنی شادی میں حضرت سے شرکت کرنے کی درخواست فرمائی۔ حضرت نے قبول فرمائی اور مقررہ تاریخ پر چھوٹی لائن سے پیلی بھیت اور پیلی بھیت سے جہان آباد ضلع پیلی بھیت تک بذریعہ تانگہ تشریف لے گئے اور جہاں آباد سے موضع گاے پوچھ بذریعہ بیل گاڑی (رہلو) تشریف لے گئے۔

یہ واقعہ کم وبیش ۱۹۴۵ء کا ہے اور موضع گاے پوچھ پرگنہ جہاں آباد ضلع پیلی بھیت سے برات موضع سری پرگنہ جہاں آباد گئی۔ حضرت نے ہی نکاح پڑھایا۔ مولانا اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرے شیخ نے مجھ کو دولھا بنایا۔ اپنی قسمت پر جتنا ناز کروں کم ہے۔ میرے سر پر

حضرت نے ہی عمامہ باندھا اور سہرا باندھ کر گلے میں پھولوں کا ہار ڈال کر، سجا کر اور سب سے پہلے حضرت نے ہی سلامی فرمائی۔ چلتے وقت حضرت کو نذرانہ پیش کیا، لیکن میرے پیرومرشد نے یہ کہہ کر نذر واپس کر دی، تم کو سخت ضرورت ہے، اپنی ضروریات کو پورا کرو اور دعاؤں سے نوازا۔ بفضلہٖ تعالیٰ کافی لوگوں کی تعداد بیعت سے مشرف ہوئی۔

حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب کا بیان تھا کہ میں نے اپنے عزیزی بیٹے نعیم اختر ایم.اے.(علیگ) کی رسم ختنہ ۵۸ء میں منعقد کی تھی، اس میں حضرت بہ نفس نفیس تشریف لا کر فیوض و برکات سے اہلِ گاؤں کو ہی نہیں گردونواح کے گاؤں کے لوگوں کو بھی نوازا۔ کثیر تعداد میں لوگوں کو سلسلہ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں بیعت فرمایا۔ حسب دستور حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب مرحوم نے شیخ کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا لیکن حضرت نے حسب مزاج قبول فرما کر واپس کر دیا۔ فرمایا تم کو مجھ سے زیادہ ضرورت ہے۔ مولانا رونے لگے کہ حضرت آپ میرا نذرانہ قبول نہیں کرتے ہیں۔ کم ہے حضرت نے فرمایا قبول کر کے میں نے تم کو نذر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ تم کو دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور عوام کو تم سے فیض حاصل ہو۔

حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب مرحوم کا بیان تھا کہ میرے پیرومرشد اور استاذ محترم کی تعلیم کا اثر ہوا کہ میں نے اپنی زندگی میں ماہ رمضان المبارک میں تراویح کی ۴۵ محرابیں سنائیں۔ کم و بیش زیدہ تر محرابوں میں اپنی جیب سے مٹھائی تقسیم فرمائی اور صرف ۲ محرابوں میں نذرانہ قبول کیا۔ ۴۳ محرابوں کا نذرانہ مسجد یا کسی ضرورت مند میں تقسیم کر دیا۔ ناچیز نے بھی مولانا کو ۷۶ء میں تقریر کے لیے بلایا۔ میں نے نذرانہ پیش کیا لیکن انھوں نے قبول کرنے کے لیے معذرت کر لی اور فرمایا میرے شیخ نے فرمایا کہ مولوی حفیظ الرحمٰن علم دین کو ذریعہ معاش مت بنانا اپنے گردونواح علاقے میں بےلوثانہ سائیکل کے ذریعہ تبلیغ دین کو جاتے فی سبیل اللہ تعویذ و عملیات کر کے لوگوں کو فیض یاب کرتے ۔طلاق سے متعلق فتاویٰ کثیر تعداد میں دیتے تھے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرے پیرومرشد کی دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ ۹/۱ ایکڑ زمین میں لڑکے کو علی گڑھ میں تعلیم دلوائی اور محلہ اشرف خاں شہر پیلی بھیت مکان تعمیر کرایا اور مہمانوں کی تعداد کو دیکھتے ہو۔ اپنے گھر پر طلبہ کو رکھ کر حفظ کرایا۔ آج کل پیروں کی اکثریت طمع لالچ میں پھنسی ہوئی ہے اور نفس پرستی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے لیکن ہمارے شیخ المشائخ کے اندر لالچ کا شائبہ بھی نہیں تھا۔

حضرت کی مصروفیت کا دور دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ 'سنی کانفرنس' کے اجلاس میں شرکت، شدھی تحریک کے انسداد اور خدمت خلق میں نمایاں حصہ لینا اور مریدین متوسلین کی دعوتوں کو قبول کرنا اور حسبِ وعدہ شرکت کرنا حضرت کی زندگی کے اہم کارنامے ہیں۔ ۳۲ء سے ۴۷ء تک حضرت نے سب سے زیادہ مصروف زندگی گزاری ہے۔

حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں اپنے قریب ترین عزیز کے ساتھ حضرت سے ملاقات کرنے کے لیے حاضر ہوا۔ اور حضرت سے ملاقات کا شرف حاصل ہونے کے بعد حضرت نے مہمان نوازی کے لیے اصرار کیا، ہم رک گئے۔ اسی اثنا میں شاہ جہاں پور سے چند عقیدت مند متوسلین حاضر ہوئے اور حضرت کی دست بوسی کر کے بیٹھ گئے اور پھر فوری طور پر جانے لگے۔ حضرت نے ان حضرات کو روکنے کی طرف خصوصی توجہ فرمائی لیکن وہ لوگ نہیں رُکے اور جنکشن کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو ٹرین بھی نہیں ملی۔ اس کے بعد بس اسٹینڈ کی طرف روانہ ہوئے، وہاں پر ان کو بس بھی نہیں ملی۔ منیجر بس اسٹینڈ نے بتایا کہ شاہ جہاں پور کو اب کوئی بس نہیں جائے گی۔ صبح کو جائے گی۔ دل برداشتہ ہو کر حضرت کے دولت کدہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت نے ان حضرات کے جانے کے بعد مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب سے فرمایا کہ یہ سب حضرات تھوڑی دیر بعد واپس آ جائیں گے۔ ان کو نہ بس نہ ٹرین ملے گی۔ تھوڑی دیر بعد

کافی پریشانی اٹھا کر تھک کر دوبارہ حضرت کے دولت کدہ پر تشریف لے آئے اور ان کو دیکھ کر مولانا صاحب مسکرانے لگے اور حضرت نے بھی تبسم فرمایا اور حضرت نے سب لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا۔ اعلیٰ حضرت کا بھی دستر خوان وسیع تھا۔ والد کی طرح شہزادہ حضرت مفتی اعظم کا دستر خوان مشہور و معروف تھا۔ آپ کی مہمان نوازی کی شہرت دور دور تک تھی۔ دیکھا آپ نے شیخ کی فرماں برداری نہ کرنے سے پریشانی اٹھانی پڑی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شیخ کی ہدایت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۴- حضرت مولانا محمد عباس صاحب اشرفی مدظلہ العالی خطیب مسجد قریشیان کا بیان ہے کہ میں حضرت مفتی اعظم سے بیعت ہونے کے لیے کم و بیش ۵۴ء میں حاضر ہوا، اسی دوران حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی حضرت سے ملاقات کے لیے تشریف لے آئے۔ میں نے بیعت ہونے کی خواہش حضرت سے ظاہر کی۔ حضرت کی انکساری و جذبہ ایثار کو ملاحظہ کیجیے کہ سادات کی عظمت و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت نے فرمایا مولانا آپ حضرت محدث اعظم ہند سے بیعت ہو جائیے۔ سید کے ہوتے ہوئے میرے اندر اتنی ہمت و جرأت نہیں ہے کہ میں بیعت کروں۔ میں حضرت سے ہی بیعت ہونا چاہتا تھا لیکن حضرت نے حاکمانہ انداز میں حضرت محدث اعظم ہند سے بیعت کرا کر عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تزکیۂ نفس کا بھی ثبوت پیش کر دیا۔

۵- حضرت مولانا محمد عباس صاحب اشرفی کا بیان ہے کہ ۱۹۵۹ء میں کھٹیمہ ضلع نینی تال کی جامع مسجد میں خطیب اور مدرسہ میں مدرس تھا۔ قصبہ نیوریا حسین پور ضلع پیلی بھیت میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جلسہ حضرت مفتی اعظم کی زیر صدارت تھا۔ مقررین میں حضرت مولانا رجب علی صاحب اور میں تھا۔ عشا کی نماز پڑھانے کے لیے حضرت نے مجھ کو حکم فرمایا۔ میں نے نماز عشا پڑھائی۔ بعد فراغت نماز حضرت نے فرمایا مولانا صاحب سمع اللہ لمن حمدہ میں "ہ" کھینچ کر پڑھا کرو۔ حضرت نے میری غلطی کی اصلاح فرمائی اور میں نے حضرت کا خصوصی شکریہ ادا کیا۔ متعدد مرتبہ حضرت نے مجھ کو امامت کے لیے بڑھایا۔ حضرت کا مقصد اصلاح تھا۔

۶- حضرت مولانا محمد عباس صاحب اشرفی کا بیان ہے کہ ۶۵ء میں دار العلوم دیوان شاہ احمد آباد (گجرات) میں مدرس تھا۔ کوٹہ (راجستھان) کے ایک صاحب بزرگ نام ذہن سے اتر گیا تشریف لائے۔ بزرگوں کے اذکار ہونے لگے۔ وہ صاحب حضرت کے زہد و تقویٰ کے بارے میں بتاتے ہیں کہ حضرت کو اپنے غریب خانہ شہر کوٹہ میں بلا کر لایا حضرت دروازہ پر ہی رک گئے۔ میں نے تین یا چار بار عرض کیا حضرت تشریف لائیے۔ مکان کے اندر تشریف لے چلیے۔ حضرت ناراضگی کے لہجے میں فرمانے لگے۔ تیرا مکان بت کدہ بنا ہوا ہے میں اندر کیسے جاؤں؟ میں نے سارے فوٹوؤں کو دیواروں سے ہٹایا تب حضرت نے ناچیز کے مکان کو رونق بخش کر فیوض و برکات سے نوازا۔

۷- جناب برادر طریقت محمد ذاکر الرحمٰن حشمتی ساکن محلہ پنجابیاں کا بیان ہے کہ محلہ کولھاڑہ پیر شہر بریلی شریف میں ایک خاندان کے سب افراد حضرت کے دامن کرم سے وابستہ تھے۔ اس خاندان کی ایک لڑکی کم و بیش عمر ے سال چند سالوں سے متعدد بیماریوں میں مبتلا تھی۔ بہت سے ڈاکٹروں سے علاج کروایا لیکن اس کو صحت نہیں ہوئی۔ خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ڈاکٹروں نے اس کو لاعلاج کہہ کر چند دنوں کا مہمان بتا دیا۔ ایک روز اس لڑکی نے اپنے گھر والوں سے حضرت کی زیارت کرنے کی تمنا ظاہر کی لیکن گھر والوں نے اس کی نقاہت کو دیکھتے ہوئے لے جانے سے گریز کیا لیکن اس بچی نے ضد کی کہ میں حضرت کے پاس ضرور ضرور جاؤں گی۔ گھر کے لوگ حضرت کے پاس ناامیدی میں اس لڑکی کو چارپائی پر لٹا کر چل دیے۔ ابھی حضرت کا مکان دور تھا راستہ میں ہی اس لڑکی کا انتقال ہو گیا۔ بیشتر افراد گھر کو واپس چلنے کے لیے زور دینے لگے۔ چند افراد نے کہا یہاں تک آ گئے ہیں۔ چلو اعلیٰ حضرت کے

مزار پر فاتحہ دیں گے اور حضرت کی دست بوسی کریں گے۔ یہ لوگ لڑکی کو لے کر محلہ سوداگران میں حضرت کے در دولت کدہ پہونچ کر حضرت سے کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن کہہ نہیں پا رہے تھے۔ حضرت نے فرمایا اس لڑکی کو میرے پاس لٹا دو۔ حضرت نے متعدد بار فرمایا لیکن انھوں نے نہیں لٹایا۔ حاضرین نے زور دے کر ان سے کہا کہ حضرت جو فرما رہے ہیں۔ تم کیوں نہیں کرتے۔ پھر اس کے بعد انھوں نے اس لڑکی کو حضرت کے برابر تخت پر لٹا دیا۔ حضرت دوسرے لوگوں سے گفتگو فرما رہے تھے۔ بعد فراغت گفتگو اس لڑکی کی طرف نگاہ ڈالی اور فرمایا بیٹی اٹھ، وہ اٹھ کر بیٹھ گئی، یہ واقعہ کم وبیش ۱۹۵۵ء کا ہے۔

۸- جناب محمد ذاکر الرحمٰن شمسی کا بیان ہے کہ کم وبیش ۶۳ء میں ٹھاکر خاندان کا ایک فرد حضرت سے ملاقات کرنے الہ آباد پہنچا، اس وقت حضرت الہ آباد میں تشریف فرما تھے، اس نے حضرت سے عرض کیا کہ میرے پاس ایک وراثتی خاندانی انگوٹھی تھی جو گم ہوگئی ہے۔ وراثت میں خاندان کے ہر بڑے بیٹے کو منتقل ہوتی رہتی ہے۔ حضرت نے ایک عمل عطا فرما کر ارشاد فرمایا۔ یہ عمل ۴۰ یوم کریئے، اس میں ناغہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے پھر الہ آباد سے بریلی شریف آیا۔ میں اور حضرت مولانا مفتی شریف الحق صاحب امجدی نائب مفتی اعظم مریدین متوسلین اور دوسرے عقیدت مند موجود تھے۔ وہ زار وقطار رونے لگا اور کہا میری انگوٹھی اب تک نہیں ملی ہے۔ حضرت نے فرمایا جو عمل کرنے کو بتایا تھا وہ تم نے مکمل طور پر نہیں کیا اس لیے انگوٹھی پانے میں محروم ہو۔ حضرت نے گاؤ تکیہ کے پیچھے سے ہاتھ ڈال کر انگوٹھی اس کو دے دی۔ وہ قدموں پر گرنا چاہتا تھا، حضرت نے سختی سے منع فرمایا اور فرمایا تمھاری انگوٹھی مل گئی تم اپنے گھر جاؤ۔

۹- جناب ذاکر الرحمٰن شمسی صاحب کا بیان ہے کہ میں حضرت کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ یہ واقعہ کم وبیش ۶۵ء کا ہے۔ حضرت تعویذ تحریر فرما رہے تھے، ازدہام کافی تھا، اس مجمع کے پیچھے ایک سکھ کھڑا تھا، بے چینی واضطراب کی حالت میں محو حیرت کھڑا تھا۔ حضرت نے فوری طور پر اس سکھ کو بلوایا اور کچھ لوگ سردار کہنے لگے۔ حضرت نے سختی سے تنبیہ فرمائی کہ سردار صرف ہمارے آقا ومولیٰ حضرت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ حضرت نے اس کی پریشانی دیکھ کر تین تعویذ دیے۔ وہ تعویذ لے کر گردن جھکا کر خاموش رہا۔ اس کی پریشانی چہرہ سے عیاں تھی۔ اس کی خاموشی وندامت کو دیکھ کر حضرت نے فرمایا تم مجھ کو نذرانہ دینا چاہتے ہو۔ تمھاری جیب میں صرف پانچ روپے ہیں۔ ٹکٹ کرایہ اور مصارف سفر کے لیے پیسے درکار ہیں۔ حضرت نے اپنی جیب خاص سے پانچ روپے خرچ کے لیے عنایت فرمائے اور فرمایا کہ [illegible] ہے اور بھوکے ہو۔ راستہ میں ناشتہ وغیرہ کر لینا۔

۱۰- جناب ذاکر الرحمٰن شمسی صاحب کا بیان ہے کہ کم وبیش حضرت کے وصال سے ۴ سال قبل بہت سے لوگ میری معرفت حضرت کی نشانیاں تبرک حاصل کرتے تھے۔ میں نے کافی لوگوں کو حضرت سے سفارش کر کے نشانیاں دلوائیں۔ میں نے اپنے گھر [illegible] کیا کہ مجھ کو اندازہ ایسا لگ رہا ہے کہ حضرت کی رخصت کا وقت قریب ہے۔ اس لیے حضرت فراخ دلی سے نشانیاں تقسیم فرما رہے ہیں۔ میری اہلیہ نے کہا کہ تم بھی حضرت سے کوئی نشانی لے لو تو میں مرشد کے آستانہ پر حاضر ہوا۔ حضرت سے کہنا چاہتا لیکن کہہ نہیں [illegible] بہ مشکل حضرت سے کہہ سکا کہ حضرت مجھ کو بھی کوئی نشانی عنایت فرما دیجیے۔ حضرت مکان کے اندر تشریف لے گئے اور میرے لیے [illegible] لا کر دے دیا، وہ عمامہ میرے پاس محفوظ ہے۔ پریشانی کے وقت اس کو استعمال کرتا ہوں۔

۱۱- جناب عبد الولی خان صاحب نوری رضوی کا بیان ہے کہ حضرت مولانا شوکت حسن خان صاحب نے فرمایا کہ میں راجستھان میں حضرت کے ساتھ ایک رہلو (بیل گاڑی) میں سفر کر رہا تھا، نماز کا وقت تنگ ہونے لگا۔ حضرت نے فرمایا سامنے مسجد ہے، اس میں نماز پڑھ لی جائے۔ وہاں کے باشندوں نے بتایا کہ اس مسجد پر وہابیوں نے جبراً قبضہ کر رکھا ہے۔ فقیر اپنی الگ نماز پڑھے گا اور حضرت نے مسجد

میں نماز ادا فرمائی۔ اس علاقے میں گمراہیت پھیلی ہوئی تھی، علماے حق برسہابرس سے کوشش میں مصروف تھے کہ کسی طرح ان کو راہ راست پر لایا جائے لیکن کوششیں کارگر نہیں ہو سکیں۔ بعد فراغت نماز حضرت کے ہاتھ پر گمراہ حضرات نے توبہ کر کے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ جناب شوکت میاں صاحب قبلہ نے کہا کہ عبدالولی بھائی صاحب برصغیر کا سوء اتفاق ہے کہ علماے حق کی تمام عمر کی کوششیں ایک طرف اور مفتی اعظم کی ایک نگاہ کرم ایک طرف ہے۔

۱۲- عبدالولی خان صاحب رضوی نوری کا بیان ہے کہ شوکت بھائی صاحب نے فرمایا حضرت کو جب کوئی بلاتا تب حضرت تھرڈ کلاس میں سفر فرماتے اور حضرت اپنے ذاتی اسفار میں فرسٹ کلاس میں سفر کرتے۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ حضرت کو اپنے ذاتی کام سے مراد آباد جانا تھا۔ شوکت میاں کو بلا کر دو فرسٹ کلاس کے ٹکٹ لانے کے لیے روپیہ عنایت فرمائے۔ اس دوران گھر سے اسٹیشن جانے کے لیے تاخیر ہوگئی۔ ان لمحات میں چند حضرات تعویذات لینے کے لیے حاضر خدمت ہوگئے۔ میں برابر گھڑی دیکھ رہا ہوں۔ حضرت بار بار فرمارہے ہیں۔ انشاء اللہ ٹرین مل جائے گی۔ تب تک ٹرین چھوٹ چکی تھی، قلی بھاگتے ہوئے آئے۔ حضرت نے فرمایا نوری مسجد جنکشن پر دو رکعت نماز پڑھ لی جائے پھر ایک قلی بھاگتا ہوا آیا ٹرین واپس آگئی ہے اور میں مسجد سے جنکشن کے پلیٹ فارم پر آنے کے بعد اسٹیشن ماسٹر اور قلیوں و دیگر حضرات کو تعویذات دیتے رہے۔ ٹرین ٹوکن کی کمی کی وجہ سے واپس آئی ہم ٹرین پر سوار ہو کر منزل مقصود کی طرف روانہ ہوگئے۔

۱۳- جناب عبدالولی خان رضوی نوری کا کہنا ہے کہ میں زیادہ تر بیمار رہنے لگا اس دوران ایک روز طبیعت شدید خراب ہوگئی جس کی وجہ سے ضلع اسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں داخل کرایا۔ ڈاکٹروں نے ناامیدی ظاہر فرمادی، اس دوران برادر طریقت الحاج قاری امانت رسول صاحب نے خواب میں دیکھا کہ بزرگان دین کی محفل میں حضرت مفتی اعظم تشریف فرما ہیں مجھ ناچیز غلام کی طبیعت کے بارے میں ذکر فرمارہے ہیں۔ خود آپ اور وہ بزرگ میری صحت و شفایابی و سلامتی و عمر درازی کے دعا فرمارہے ہیں۔ فجر کی اذان ہونے پر قاری صاحب بیدار ہوگئے۔ بعد فراغت نماز فجر مسجد سے سیدھے گھر تشریف لاکر بڑے صاحب کو پورا خواب سنایا اور فرمایا کہ ولی صاحب صحت مند ہو جائیں گے۔ آج ہی حضرت کی زیارت فرمائی ہے اور خصوصی دعا فرمائی ہے۔ میں چند دنوں ہی میں صحت مند ہو گیا۔

۱۴- جناب عبدالولی خان صاحب نوری کا بیان ہے دوبارہ پھر سے بیمار ہوگیا۔ حاجی ریاض احمد صاحب M.L.A. نے خواب میں میرے بارے میں دیکھا۔ میں ان کے الفاظ بیان کر رہا ہوں انھوں نے خواب میں ملاحظہ فرمایا کہ دو کرسیاں ہیں ایک کرسی پر حضرت حضور مفتی اعظم جلوہ افروز ہیں اور دوسری کرسی پر حضرت مفتی مولانا محمد جہانگیر خاں صاحب خلیفہ مفتی اعظم تشریف فرما ہیں۔ دونوں کی خدمت اقدس میں حاضر ہوں اور میں نے کہا ولی بھائی صاحب آپ کے چہیتے مرید ہیں اور وہ بیمار رہتے ہیں، لوگ ان کو طعنہ دیتے ہیں۔ حضرت نے اپنے سر مبارک کو اٹھایا اور میری طرف دیکھ کر فرمایا۔ حافظ صاحب دعا فرمائیے اور میں بھی دعا کرتا ہوں۔ اس کے بعد میں کھڑا ہوا حضرت نے فرمایا جائیے وہ اچھے ہو جائیں گے۔ میری آنکھ کھل گئی۔ اس دوران میرے پیر و مرشد حضرت علامہ مفتی محمد جہانگیر خان صاحب میرے گھر پر تشریف رکھتے تھے۔ جب رات کے خواب کو اپنے شیخ حضرت مفتی محمد جہانگیر خان صاحب کو سنایا تب وہ زار و قطار رونے لگے اور فرمایا کہ آپ لوگ مجھے مفتی صاحب کہتے ہیں۔ میرے حضرت مجھ کو حافظ صاحب کہہ کر ہی پکارتے تھے۔ پھر مجھ کو دیکھنے کے لیے حضرت مفتی صاحب مع اپنے مرید حاجی ریاض احمد صاحب ایم. ایل. اے. غریب خانہ پر تشریف لائے اور خواب کو سنایا اور خصوصی دعائیں کیں اور میں اپنے پیر و مرشد حضرت مفتی اعظم کے وسیلے سے صحت مند ہوگیا۔

۱۵- جناب عبدالولی خان صاحب کا بیان ہے ۱۲ر ستمبر ۱۹۹۱ء کو دل کا آپریشن کرانے کے لیے بترا اسپتال نئی دہلی میں داخل

اسپتال ہوا۔ اور مجھ کو فوری طور پر ICCU میں لے جایا گیا اور وہاں پر ڈاکٹر مہتہ وغیرہ کی ٹیم نے جانچ پڑتال کر کے دل کی رفتار اور نبض اور بلڈ پریشر ناپ کر آپریشن روم میں لے جا کر میز پر لٹا دیا اور اسی دوران میں نے اپنے پیرومرشد حضرت کو دیکھا۔ بفضلہ تعالیٰ پیرومرشد کے وسیلے سے آپریشن کامیاب ہوا۔ ڈاکٹروں کو حیرت تھی کہ میجر (Major) آپریشن ہونے کے باوجود تم کو گھبراہٹ و پریشانی کا احساس نام کی چیز نہیں تھی۔

۱۶- جناب عبدالولی خان صاحب کا بیان ہے کہ میں اپنی لڑکی کی شادی کے لیے فکرمند تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت تشریف فرما ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور میری لڑکی کی شادی ہونا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ انشاء اللہ بہ خیریت و بہ عافیت شادی انجام دیں گے اور میرے پیرومرشد کے وسیلہ سے شادی بہ خیروخوبی پایۂ تکمیل کو پہونچی۔

۱۷- جناب عبدالولی خان صاحب کا بیان ہے کہ میرے خالہ زاد بھائی محمد اسلم کراچی اور ان کے بہنوئی فاروق صاحب راولپنڈی سے تشریف لائے۔ محمد اسلم بھائی صاحب کو حضرت سے ملاقات کا اشتیاق اور بیعت ہونے کی خواہش ہوئی۔ اس پر ان کے بہنوئی محمد فاروق صاحب نے جو کہ آزاد خیال تھے کہا ولی کامل دکھائی پڑتے ہیں۔ یہ باتیں کتابوں ہی تک محدود ہیں لیکن میں نے محمد اسلم صاحب اور برادر طریقت قاری امانت رسول صاحب نے اصرار کیا کہ آپ بریلی گھوم لینا۔ بڑا شہر ہے، تب فاروق صاحب گھومنے کے مقصد سے ہم لوگوں کے ہم راہ بریلی شریف تشریف لے گئے۔ حضرت اسی زمانہ میں کافی علیل تھے۔ خادم بابو بھائی صاحب کے ذریعہ ہم لوگوں کی رسائی حضرت تک ہوئی۔ جب ہم لوگوں نے حضرت کی دست بوسی کی۔ ہماری دست بوسی سے قبل فاروق بھائی صاحب نے سب سے پہلے دست بوسی فرما کر حضرت سے بیعت ہونے کا شرف حاصل کیا جب کہ وہ بے دلی اور دباؤ سے تشریف لے گئے تھے۔ وہاں پہنچ کر ان کے دل کی دنیا بدل چکی تھی اور ہم لوگ بھی داخل سلسلہ ہوئے اور اسی وقت آسی پیا بھی داخل سلسلہ ہوئے۔ ہم حضرت سے اجازت لے کر باہر آئے، تب فاروق بھائی نے ہم سب کو گواہ بنا کر توبہ کی اور یہ کہا کہ آج میں نے اپنی آنکھوں سے اللہ کے ولی کا دیدار کیا ہے۔ بیعت ہونے کے بعد حضرت کی بارگاہ میں التجا کی۔ حضرت میرے یہاں کوئی لڑکا نہیں ہے۔ دعا فرمایئے حضرت نے تین بار اپنی زبان مبارک سے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو لڑکا عطا فرمائے۔ آپ کے یہاں لڑکے کی پیدائش ہو۔ اس کی عمر طویل ہو اور تمھاری میاں بیوی کی عمر دراز ہو۔ فاروق بھائی صاحب نے مجھ سے کہا جانتے ہو حضرت نے تین بار کیوں کہا؟ میرے یہاں لڑکے پیدا ہوتے ہیں، صبح کو ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ مفتی اعظم کی کھلی کرامت ہے کہ ان کے یہاں دو لڑکے موجود ہیں۔

۱۸- جناب عبدالولی خان صاحب کا بیان ہے کہ حضرت ہمارے یہاں تشریف لائے اور مولانا سید ابرار احمد صاحب نے حضرت کو اپنے گھر لے جانے کے لیے خواہش کا اظہار کیا، حضرت نے فرمایا صاحب خانہ سے اجازت لے لوں اور عبدالعظیم خاں صاحب عرف اچھے بھائی سے اجازت لے کر حضرت مولانا سید امیر احمد صاحب کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں پر حضرت مولانا مولوی مفتی مشاہد رضا خاں، سید صفدر علی مصباحی مریدین وعقیدت مند موجود تھے۔ اسی اثنا میں حضرت مولانا فضل الصمد عرف مانامیاں تشریف لائے۔ حضرت کو شہزادۂ عالم مخاطب کر کے سلام کیا۔ حضرت نے فرمایا فقیر کو مشاہد رضا خاں سے پتہ چلا ہے کہ آپ نے شریعت مطہرہ کی بابت گم راہ کن باتیں کی ہیں۔ آپ پر توبہ لازم ہے۔ توبہ کیجیے۔ مانامیاں صاحب نے کہا کہ میرے شہزادہ عالم آپ مجھ کو توبہ کرا کر کلمہ شریف پڑھوا دیجیے حضرت نے توبہ کے الفاظ اپنی زبان مبارک سے بیان فرمائے اور مانامیاں دوہراتے رہے۔ کلمہ شریف اور توبہ کے الفاظ سب حاضرین بھی دوہراتے رہے۔ توبہ کے بعد حضرت نے مانامیاں صاحب کے سلام کا جواب دیکر اپنی بغل میں

مسند پر بٹھایا اور دونوں حضرات آہستہ آہستہ محو گفتگو رہے۔ حاضرین حضرات ان کی گفتگو کو نہیں سن سکے۔ اس کے بعد حضرت مانا میاں صاحب حضرت مولانا مفتی مشاہد رضا خان صاحب کے مابین مصافحہ و معانقہ ہوا۔

۱۹- جناب عبدالولی خان صاحب کا بیان ہے کہ نواسہ حضرت مفتی اعظم جناب جمال رضا خان صاحب مدظلہ العالی نے مجھ کو بتایا مفتی اعظم کے وصال کے وقت خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ موجود تھا۔ یکبارگی ایسا لگا کہ کمرا روشنی سے معمور و منور ہے اور حضرت کو ایک کھانسی کا ٹھونکہ آیا۔ حضرت لیٹے سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد حاضرین کمرا پر ایک نیم غنودگی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اللہ بہتر جانے کتنی دیر بعد آنکھ کھلی۔ تب ایک دوسرے کو محو حیرت دیکھ رہے تھے اور حضرت حقیقی معبود سے جا ملے۔ میں نے جب جمال میاں صاحب سے دریافت کیا کہ ایک بج کر چالیس (۱-۴۰) منٹ پر وصال کے وقت کا تعین کیسے کیا؟ حضرت کے سرہانے ٹائم پیس میں ایک بج کر چالیس (۱-۴۰) منٹ ہوئے تھے۔

۲۰- مولانا عبدالحق مرحوم (تلمیذ حضرت استاذ المحدثین شاہ وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ) کی نواسی محترمہ آمنہ خاتون صاحبہ مرحومہ بیان فرمایا کرتی تھیں۔ حضور مفتی اعظم کے در دولت پر حاضر ہوئی اور چھوٹی صاحبہ پیرانی اماں سے بے تکلفی تھی اور حضرت کی زندگی کا تذکرہ نکل آیا۔ حضرت کے اخلاق و انکساری، جذبہ ایثار تزکیہ نفس کا ذکر فرمانے لگیں کہ حضرت کے پروگراموں سے اکثر و بیشتر نصف رات کے بعد گھر پر واپسی ہوتی۔ اکثر و بیشتر مجھے نیند آجاتی۔ مجھے بیدار نہیں کرتے۔ خود تن تنہا کھانے کو نکال کر ٹھنڈا کھانا ہی تناول فرما لیتے اور کبھی بھی مجھ سے کوئی گلہ شکوہ نہیں فرماتے کہ تم نے کھانا اتار کر پیش نہیں کیا۔ میں خود کہتی آپ مجھ کو اٹھا لیتے، پیرانی اماں صاحبہ مرحومہ حضرت کے لباس کا پورا پورا دھیان و توجہ فرماتی تھیں کہ میرے سرتاج کون سا لباس زیب تن فرمائیں گے؟ سر اقدس پر کون سا عمامہ سجائیں گے؟ یہ ساری ذمہ داری پیرانی اماں کی تھی۔

۲۱- حضرت کی سب سے چھوٹی دونوں صاحبزادیوں کا رشتہ ازدواج حضرت برہان الملت برہان الحق صاحب خلیفہ اعلیٰ حضرت نے رئیس اعظم امین مدھیہ پردیش کے دونوں صاحبزادگان سے طے کر دیا۔ حضرت کو مطلع فرما دیا۔ حضرت نے قبول فرمالیا جب دونوں صاحبزادگان کی براتیں آئیں۔ دونوں نوشوں کے داڑھی نہیں تھی۔ حضرت نے علی الاعلان برہان الملت سے فرمایا کہ فاسقوں سے ہرگز شادی نہیں کروں گا۔ یہ حضرات اپنی برات واپس لے جائیں۔ کم و بیش ایک ہفتہ تک برات جناب موٹے مرزا صاحب رئیس اعظم ریٹھوا کے یہاں قیام پذیر رہی۔ برہان الملت نے نوشوں سے توبہ کرا کر داڑھی چھوڑنے کا اعلان کرا کر نکاح کرایا۔ یہ حضرت کی دین داری اور عملی زندگی اور آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پاسداری تھی۔

۲۲- ایک صاحب بیان فرما رہے تھے۔ (میں ان کا نام بھول گیا) فرید تحصیل بہیڑی ضلع بریلی میں حضرت تشریف لے گئے کھانا کھانے کے بعد پیالے میں تھوڑا سا شوربا بچ گیا۔ حضرت نے صاحب خانہ کو بلا کر شوربا پینے کی اجازت طلب کی۔ اس کی اجازت ملنے پر حضرت نے شوربا کو نوش فرمایا۔ شریعت مطہرہ کے ایسے پابند تھے۔

۲۳- خلیفہ حضور مفتی اعظم جناب ضمیر حسن خان صاحب رینج آفیسر (Range Officer) گز ھا رینج پیلی بھیت کا بیان ہے کہ ۷۲ء میں شہر بریلی ضروریات کا سامان خریدنے گیا۔ خرید و فروخت کرنے کے بعد میری جیب میں صرف پانچ روپے باقی تھے۔ دو میں نے کرایہ کے لیے رکھ لیے۔ اسی دوران برادران طریقت سے ملاقات ہونے پر انھوں نے بتایا۔ حضرت محلہ سوداگران میں تشریف فرما ہیں۔ میرا دل مچل گیا کہ میں حضرت سے ملاقات ضرور ضرور کروں گا۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر دست بوسی کرنے کے بعد بیٹھ گیا۔

حضرت نے فرمایا کیسے تشریف لائے؟ میں نے عرض کیا۔ حضرت کی دست بوسی کرنے حاضر ہوا ہوں۔ میری جیب میں صرف پانچ روپے تھے۔ وہ میں نے حضرت کی خدمت میں نذر کر دیے۔ حضرت نے قبول فرما کر مجھ کو واپس کر دیے۔ اور فرمایا تم کو سخت ضرورت ہے۔ وہ پانچ روپے آج بھی میرے پاس بہ طور تبرک رکھے ہوئے ہیں۔

۲۴- جناب استاذ الاساتذہ حفظ النبی بیگ صاحب ریٹائرڈ پرنسپل ایس این انٹر کالج پیلی بھیت کا بیان ہے کہ میں مرید ہونے سے گھبراتا تھا، بلکہ میرے تخیلات تھے کہ مرید ہونے کے بعد دنیا سے کنارا کشی کرنا پڑے گی اور مذہبی ذمہ داریوں کا انبار لگ جائے گا لیکن اہلیہ محترمہ کا اصرار تھا کہ جلد از جلد ہم لوگوں کو بیعت ہو جانا چاہیے۔ اسی اثنا میں حضرت مفتی اعظم جناب عبدالنعیم خاں صاحب عرف اچھے میاں ساکن محلہ اشرف خاں پیلی بھیت کے در دولت پر تشریف لائے۔ یہ واقعہ مارچ ۶۹ء کا ہے۔ اتر پردیش ہائی اسکول اور انٹر میڈیٹ کے بورڈ کے امتحان ہو رہے تھے۔ کم و بیش صبح کی میٹنگ کا پیپر کرا کر ۳۰-۱۰ بجے حضرت کو گھر پر لانے کی دعوت دینے کے لیے اچھے بھائی صاحب کے در دولت کدہ پر پہنچ گیا۔ باہر رکشا پر پنجابیاں جانے کے لیے حضرت سوار ہو رہے تھے۔ میں نے سلام کر کے مصافحہ کے لیے دست دراز کیے۔ اور حضرت کی نگاہ کرم میری ٹائی پر پڑی اور ناراضی کا اظہار فرما کر سمجھانے لگے کہ یہ شعار عیسائیت ہے، حرام ہے۔ میں نے گھبرا کر حضرت کے سامنے ہی ٹائی کو کھول دیا اور گھبرا کر دعوت دینا بھول گیا۔ گھر واپس آ گیا اور اس کے بعد سے آج تک ٹائی نہیں باندھی تا وقتیکہ میں گھر پر نہیں بیٹھ گیا۔ نصیبہ جاگا، نصف گھنٹہ بعد حضرت میرے غریب خانہ پر از راہ کرم خود تشریف لائے۔ حضرت نے دروازے کی کنڈی کھٹکھٹائی۔ دروازہ کھول کر حضرت کو ادب و احترام کے ساتھ گھر میں بٹھایا اور اہلیہ صاحبہ کو بیعت کرایا۔ میں نے حضرت سے گھر چلنے کو کہا بھی نہیں تھا لیکن خود بہ خود حضرت دل جوئی کی خاطر تشریف لائے۔

۲۵- جناب حفظ النبی بیگ صاحب پرنسپل کا بیان ہے کہ عبدالسلیم خاں صاحب عرف اچھے بھائی کے یہاں ۱۹۷۲ء میں حضرت مفتی اعظم تشریف لائے۔ جاڑوں کا موسم تھا۔ میں علی الصبح حضرت کو گھر چلنے کی دعوت دینے گیا اور حضرت نے فرمایا ضرور چلیں گے۔ بعد نماز مغرب اچھے بھائی صاحب کے یہاں حاضر خدمت ہوا۔ کم و بیش رات کے ۱۱ بجے تک بیٹھا رہا۔ اس دوران حضرت کچھ دیر کے لیے شہر سے متصل موضع چندوئی تشریف لے گئے اور وہاں سے جلد ہی واپس تشریف لے آئے اسی دوران مرید کرنے، مذہبی گفتگو اور نعت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دور چلتا رہا۔ اچانک کم و بیش رات کے ۳۰-۱۱ بجے حضرت نے فرمایا بیگ صاحب کے یہاں چلنا ہے۔ سب حیرت ہو گئے کہ اس وقت رکشا ملنا دشوار ہی نہیں بل کہ ناممکن ہے۔ پرنسپل صاحب کہیں سے بمشکل رکشا والے کے گھر سے رکشا لائے اور حضرت کو سوار فرما کر اپنے گھر لے گئے۔ نوری فرحت منزل محلہ منیر خاں میں حضرت نے مریدین و عقیدت مندان کے ہمراہ قیام فرمایا۔ حاضرین مریدین و عقیدت مندان نے بھی حضرت کے ساتھ شب بیداری کی۔ نعت رسول کی محفل بھی ہوئی سب فیوض و برکات سے مستفید ہوتے رہے۔ پرنسپل صاحب کا بیان ہے کہ اس رات میرے مکان پر عجیب و غریب نور کی بارش رات جیسی کیفیت اس سے قبل اور آج تک میں نے نہیں دیکھی۔ اس شب کو یاد کرتا رہتا ہوں۔

۲۶- جناب حفظ النبی بیگ صاحب پرنسپل کا بیان ہے کہ میرے والد ماجد جناب لطف علی بیگ صاحب مرحوم رہائش پذیر محلہ پوڑھانی بریلی شریف کے تھے، وہ فرماتے تھے۔ دونوں بڑے اور منجھلے بھائی صاحبان کا نکاح حضرت نے ہی پڑھایا اور ان کے گھر کی رونق ہے حضرت کے فیوض و برکات کا ثمرہ ہے۔ لطف علی بیگ سید ایوب علی، سید قناعت علی اور حضرت ہم سب ہم عمر تھے اور ہم سب پر حضرت کا علمی و عملی دبدبہ چھایا ہوا تھا اور ان کی جوانی بچپن بزرگی میں یکسانیت تھی۔ لطف علی بیگ صاحب بیان فرماتے تھے کہ میں نے حضرت کا

بچپن، جوانی اور بزرگی یعنی تینوں دور کو دیکھا ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی۔ حضرت مفتی اعظم اپنے بچپن سے معمولات پر کاربند تھے۔ رضوی منزل میں ہم سب لوگ بیٹھتے تھے۔ وہاں پر علما اکابر بھی تشریف فرما ہوتے تھے۔ علمی، ادبی، تاریخی، مسلکی گفتگو ہوا کرتی تھی۔ بیگ صاحب کا بیان ہے کہ میں حضرت مفتی اعظم کو دوران تعلیم کھلکھلا کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔

۲۷- جناب حفظ الٰہی بیگ صاحب پرنسپل کا بیان ہے کہ طاہر میاں صاحب رئیس ڈانگ کی بیٹھک پر حضرت اور دوسرے عقیدت مند تشریف رکھتے تھے۔ یہ واقعہ ۶۲ء کا ہے اور حضرت طاہر میاں سے محو گفتگو تھے۔ تبادلہ خیالات میں کافی وقت گزر گیا جس کی وجہ سے ایک شخص اٹھ کر چلا گیا۔ گفتگو سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا۔ وہ شخص کہاں ہے؟ اس کو بلاؤ حضرت نے اس کو بلا کر اس کی پریشانی کو رفع کیا۔ اس کو ضرورت کے مطابق یکے بعد دیگرے ۳ تعویذات عنایت فرمائے۔ دل جوئی کرنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

۲۸- خادمہ نور فاطمہ صاحبہ کا بیان ہے کہ حضرت کی طبیعت علیل تھی جس کی وجہ سے بار بار وضو فرماتے تھے اور رات کے گیارہ بج گئے۔ حضرت نے یکا یک فرمایا کہ مجھ کو کہیں جانا تھا، تب نور اً غلام سبحانی کہنے لگے، حضرت میرے یہاں چلنا تھا۔ میں لے جانے کے لیے تیار بیٹھا ہوں۔ گھر والوں نے حضرت سے نہ جانے کی درخواست کی، اور کہا بے وقت ہے۔ حضرت کافی علیل ہیں۔ ان کو مت لے جایئے لیکن حضرت رات کے ۳ بجے حسب وعدہ محلہ ذخیرہ غلام سبحانی کے یہاں تشریف لے گئے اور صبح کو واپسی ہوئی یہ واقعہ انتقال سے دو ماہ قبل کا ہے۔

۲۹- جناب نور فاطمہ صاحبہ کا بیان ہے کہ حضرت نے انتقال سے ایک یوم قبل دن کے ۱۱ بجے فرمایا۔ اس جمعہ کی خصوصی نماز نو محلہ مسجد میں ہوگی اور فرمایا سب لوگ کثرت سے حسبنا اللہ و نعم الوکیل پڑھیں اور فرید یا فتاح یا اللہ ۴۸۹ مرتبہ اول و آخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھنے کی تاکید فرمائی۔

۳۰- جناب نور فاطمہ صاحبہ کا بیان ہے انتقال سے قبل یعنی ۱۳ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۱ نومبر ۱۹۸۱ء بروز بدھ مغرب کی نماز ادا کرنے کے واسطے حضرت مولانا حبیب رضا خان صاب پسر حضرت مولانا حسنین رضا خان صاحب نے جسم کو پکڑنا چاہا کہ میں حضرت کی نماز ادا کروادوں لیکن حضرت نے ان کو سختی سے منع فرمادیا۔ بفضلہ تعالیٰ خود اپنے آپ جوانوں جیسی خشوع وخضوع کے ساتھ نماز مغرب ادا فرمائی۔

۳۱- کسی حاسد یا دشمن دین نے ۷۹ء میں حضرت کے بستر کے نیچے سر رکھنے کی جگہ پر سادھوؤں کے بال اور ایک ڈبیا کے اندر سوئیاں کو بند کر کے رکھ دیا۔ حضرت ۲۴ گھنٹے نیم بیہوشی کے عالم میں رہے۔ بالوں اور ڈبیا کو بستر کے نیچے سے نکال کر دریا میں ڈلوادیا تب حضرت کا فوری طور پر ہوش آ گیا۔ یہ واقعہ بھی جناب نور فاطمہ صاحبہ نے بیان کیا ہے۔

۳۲- نور فاطمہ صاحبہ کا بیان ہے کہ پیرانی اماں چھوٹی بی صاحبہ مرحومہ کا طریقہ کار تھا اپنے نواسوں کی شادی میں تشریف لے جاتی تھیں دلہن کے گھر والوں کو ۱۰۰ روپے بطور کرایہ مکان دن بھر رہنے کے واسطے دیتی تھیں اور اس کے علاوہ الگ سے نیوتا دیتی تھیں۔

۳۳- نور فاطمہ صاحبہ کا بیان ہے کہ رات کے وقت بجلی چلی گئی۔ پیرانی اماں صاحبہ نے فرمایا۔ نور فاطمہ حضرت کے کمرا میں بتی جلا کر رکھ دو۔ میں موم بتی جلا کر کمرا میں رکھنے کے لیے گئی۔ حضرت کے ایک ہاتھ میں موم بتی جل رہی تھی دوسرے ہاتھ سے تعویذ لکھ رہے ہیں جب کہ کمرا میں موم بتی اور ماچس وغیرہ نہیں تھی اور آپ نے موم بتی کہاں سے حاصل فرمائی؟ حضرت نے کہا پوچھا مت کرو اور جھانک کرمت دیکھا کرو۔

۳۴- نور فاطمہ صاحبہ کا بیان ہے کہ ۷۹ء میں موسم سرما کی شب میں کم وبیش ۳ بجے دروازہ کی کنڈی کھول کر مسجد جانے لگے۔

گھر کی مستورات نے کمزوری کے مدنظر باہر جانے کے لیے منع کیا۔ سب کو ڈانٹ دیا اور اپنے اپنے کمروں میں اندر جانے کی تاکید فرمائی۔ جب تک خادم بابو بھائی حضرت کے پاس تشریف لے آئے ان کو لے کر مسجد تشریف لے گئے اور مسجد میں تالا لگا ہوا دیکھ کر حضرت ناراض ہوئے اور فرمایا اللہ کے گھر کہیں بند کرنے کا ہوتا ہے؟ تالا کھلوا کر تحیۃ المسجد کے نوافل پڑھ کر سینکڑوں افراد کو سلسلہ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں بیعت فرما کر عبادت و ریاضت میں مصروف رہے اور فجر کی نماز ادا فرما کر گھر تشریف لے گئے۔

۳۵- جناب الحاج اسرار احمد صاحب داتا گنجوی کا بیان ہے کہ ۷۲ء میں حضرت سے ملاقات کرنے کی خوشی میں نئے کپڑے زیب تن کیے، قمیص بغیر کاج اور بٹن کے تھی، میں خوشی خوشی حضرت کے دولت کدہ پر حاضر ہو گیا اور مجھ کو بھاری لوگ حضرت سے ملنے نہیں دیتے تھے، دو بار مجھ کو واپس کر دیا، تیسری بار طاقت کے بل پر حضرت تک پہنچ گیا، میں نے حضرت سے بیماریوں کی شکایت کی۔ حضرت نے فرمایا تمھارا گریبان کھلا ہوا ہے، بٹن نہیں ہیں، اس سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے، مکروہ تحریمی ہے لہٰذا ابھی کسی درزی کی دوکان پر جا کر کاج اور بٹن لگوائیے اور میں نے حضرت سے عرض کیا مجھ کو داخل سلسلہ کر لیجیے۔ حضرت نے سلسلہ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں بیعت فرمایا۔

۳۶- جناب داروغہ اختر علی خان صاحب کا بیان ہے۔ قاری امانت رسول صاحب حج بیت اللہ شریف کو ۱۹۸۰ء میں تشریف لے گئے تھے، اس وقت ان سے میری قربت تھی، میری تقرری تھانہ کوتوالی لکھیم پور میں تھی۔ ایک دن میری ڈیوٹی وزیر اتر پردیش کے ساتھ لگا دی گئی تھی۔ دن کے ۱۱ بجے خط ملا کہ قاری امانت رسول صاحب، بعد حج، بمبئی سے لکھنؤ آ رہے ہیں۔ میں نے فوری طور پر ایک یوم کی چھٹی منظور کروا کر وردی میں ہی بس پر سوار ہو کر لکھنؤ پہنچ گیا اور چار باغ اسٹیشن پر انکوائری پر معلومات حاصل کی۔ انکوائری آفیسر نے بتایا ناسک میں کسانوں کی ہڑتال کی وجہ سے ٹرین کو منسوخ کر دیا ہے۔ اسٹیشن پر پنجاب میل پر سوار ہو کر بریلی پہنچ کر محلہ وغیرہ میں اپنی سسرال چلا گیا۔ بعد نماز فجر دل میں خیالات پیدا ہوئے۔ قاری امانت رسول کے مطابق اللہ کا ولی سامنے بھی سنتا ہے اور پیچھے بھی سنتا ہے، تسکین قلب کے لیے مزار اعلیٰ حضرت پر حاضر ہو کر، حضرت مفتی اعظم کے گلے میں ہار ڈالنے کے لیے اور پیرانی اماں صاحبہ کے لیے بھی خرید لیے۔ ہار لے کر حضرت کے صدر دروازہ پر آیا دروازہ کی گیلری میں جلانے والی لکڑی بکھری ہوئی تھی اور میں نے سوچا حضرت کیسے آ سکتے ہیں؟ میں دفتر میں چلا گیا، وہاں پر بابو بھائی صاحب خادم خاص حضرت مفتی اعظم تشریف فرما تھے۔ انھوں نے بتایا حضرت شب بیدار ہیں اور فجر نماز سے فارغ ہو کر دن کے گیارہ بجے تک آرام فرماتے ہیں۔ حضرت کے ہار کیسے ڈال سکتا ہوں؟ میں گھر کی طرف جانے کے لیے مڑا۔ ویسے ہی حضرت کی آواز سنائی دی کہ باہر میرا کوئی صاحب انتظار کر رہے ہیں۔ گھر والوں نے کہا لکڑی پڑی ہے، کہیں آپ گر نہ جائیں اس لیے مت جائیے۔ پھر سرکار مفتی اعظم ان لکڑیوں پر چڑھ کر تشریف لائے اور میں ان کے گلے میں ہار ڈال دیا اور دست بوسی کی۔ حضرت نے خصوصی دعا فرمائی۔ قاری امانت رسول بہ خیر و خوبی واپس ہوں اور میرے لیے امن و امان دین و دنیا میں سرخروئی اور ایمان پر قائم رہنے اور خاتمہ بالایمان کی دعا فرمائی۔ بفضلہ تعالیٰ اس پر قائم ہوں۔ یک بارگی پلٹ گیا، گھبراہٹ میں ایسا لگا جیسے میری چوری پکڑی گئی، پیچھے مڑ کر دیکھا حضرت مسکرا رہے ہیں، دوسرا ہار میرے ہاتھ میں تھا۔ اس ہار کو حضرت نے پیرانی اماں کو پہنانے کے لیے پیش کر دیا۔ ہار لے کر حضرت زنان خانے میں تشریف لے گئے۔ مجھ کو مکمل یقین کامل ہو گیا کہ ہمارے مرشد اللہ کے ولی ہیں، صدق دل سے یاد کیا، وہ تشریف لے آئے۔

۳۷- جناب مولانا اسرار احمد صاحب کا بیان ہے کہ اکثر و بیشتر رات کو حضرت کے یہاں قیام کرنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ رات میں حضرت مفتی اعظم پر خصوصی نور کی بارش ہوتی تھی۔ رات میں اجنا کے بچے بڑی بڑی موم بتیاں لے کر پڑھنے کے لیے آتے اور حضرت

خصوصی توجہ کے ساتھ درس دیتے۔ جب بھی حاضر خدمت ہوتا حضرت سے مصافحہ کرنے پر ایک عجیب وغریب خوشبو سے لطف اندوز ہوتا۔ بعد وصال سے اب تک وہ خوشبو سونگھنے سے محروم ہوں۔ حضرت کو قیام گاہ سے مسجد تک پکڑ کر لے جاتے اور مسجد میں داخل ہوکر جوانوں کی طرح نماز ادا کرتے۔

۳۸- خوشی محمد خاں عرف دنا خان صاحب ساکن بشارت گنج کا بیان ہے کہ میں ۶۶ء میں حضرت کے فیوض وبرکات حاصل کرنے کے لیے رات کو قیام کیا۔ میں نے حضرت کو وضو کے لیے پانی دیا، لوٹے میں کم پانی تھا، پھر بھر کر منگوایا خود ہی سمجھایا، وضو کرتے وقت کسی بھی عضو کا کوئی حصہ خشک نہ رہ جائے۔ اگلے روز صبح کی ٹرین سے گھر جانا تھا لیکن وقت نکل گیا۔ حضرت نے فرمایا دنا خان صاحب آپ کو گھر جانا تھا؟ میں نے کہا، حضرت ٹرین چلی گئی ہوگی؟ حضرت نے فرمایا جایئے، ٹرین مل جائے گی۔ بددلی سے اسٹیشن پہنچنے پر ٹرین کو کھڑا دیکھ کر بھاگ کر گارڈ والے ڈبے میں گھس گیا اور فوری طور پر ٹرین چل پڑی۔ گارڈ نے بڑے ادب واحترام اور عزت وتکریم سے بیٹھایا اور معلوم کیا کہاں سے تشریف لا رہے ہو؟ میں نے ان کو بتایا کہ میں خانقاہ اعلیٰ حضرت کے صاحب سجادہ حضرت مفتی اعظم سے مل کر آرہا ہوں۔ گارڈ نے بتایا ٹرین کو ۹ بجے جانا تھا لیکن انجن آگے بڑھ نہیں رہا تھا۔ آپ کے قدم رکھتے ہی ٹرین چل پڑی ایسا لگتا ہے آپ کی وجہ سے ہی ٹرین نہیں چلی تھی۔ میرے لیے خصوصی دعا کریے اور اپنے حضرت سے کہیے میری پریشانیاں دور ہو جائیں۔

۳۹- جناب علی رضا خان صاحب ساکن بشارت گنج ضلع بریلی کا بیان ہے کہ میرٹھ کے حاجی صاحب حضرت کے یہاں تشریف لائے تھے متعدد بار گھر چلنے کی دعوت دی لیکن حاجی صاحب زیادہ اصرار کرنے پر حضرت نے آنے کا وعدہ فرمالیا۔ حسب وعدہ حاجی صاحب کے یہاں حضرت تشریف لے گئے۔ جاٹ خاندان کے لڑکے کی بہو کے کوئی اولاد نہیں تھی، علاج کافی کرایا لیکن کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ گھر والوں کی زیادتیاں سہتے سہتے وہ اداس وپریشان رہنے لگی یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ وہ خودکشی یا وہاں سے میکے جانے کا ارادہ کر چکی تھی۔ پڑوسی نے بتایا کہ بریلی شریف کے میاں فلاں جگہ کے حاجی صاحب کے یہاں آئے ہوئے ہیں، ان کا تعویذ نوری اثر کرتا ہے لہٰذا تم ان کو دکھادو۔ جس وقت وہ عورت حاجی صاحب کے دردولت پر پہنچی، حضرت اسٹیشن کو گھر جانے کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔ وہ عورت بھی اپنی ساس کے ہم راہ اسٹیشن کی طرف کوچ کر دیا۔ یہ لوگ راستہ میں ہی تھے کہ ٹرین آگئی۔ حضرت اس پر سوار ہو گئے۔ حضرت نے ایک تعویذ کر کے حاجی صاحب کو دیتے ہوئے کہا کہ اسٹیشن کے باہر سرخ شال اوڑھے ہوئے عورت ملے گی۔ ان کو یہ تعویذ دے دینا اور کہہ دینا موم جامہ کر کے لوبان کی دھونی دے کر پہن لے۔ انشاء اللہ اس کی پریشانی دور ہو جائے گی۔ حاجی صاحب نے اس عورت سے اسٹیشن کے باہر معلوم کیا کیوں رو رہی ہو؟ اس نے اپنا پورا واقعہ سنایا حاجی صاحب نے حضرت کا دیا ہوا تعویذ اس کو دے دیا اور تاکید کی کہ حضرت کی ہدایت کے مطابق پہن لینا۔ بفضلہ تعالیٰ اس کے سات فرزند تولد ہوئے۔ اس کے صاحبزادگان میں سے ہر سال عرس رضوی کے موقع پر کوئی نہ کوئی عقیدت ومحبت سے ضرور حاضری دیتا ہے۔

۴۰- جناب عبدالسلیم خاں صاحب عرف اچھے بھائی صاحب ساکن محلہ اشرف خاں پیلی بھیت کا بیان ہے کہ ۷۲ء میں حضرت مفتی اعظم سے ملاقات کرنے کے لیے سوداگراں بریلی شریف حاضر ہونے پر معلوم ہوا کہ حضرت پرانے شہر تشریف لے گئے ہیں اور تین حضرات حضرت کو لینے کے لیے کنڈی ضلع پرتاب گڑھ سے آئے ہوئے تھے۔ حضرت پرانے شہر سے براہ راست عشا کی نماز کی ادائگی کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے۔ مسجد میں ایک اجنبی شخص کم وبیش ۴-۵ قمیص ایک ساتھ پہنے ہوئے تھا اور سب سے اوپر والی قمیص پولس کی وردی کی تھی حضرت نماز میں مصروف تھے اور وہ اجنبی آدمی حضرت کی داہنی جانب، کبھی بائیں جانب منھ کو لے جاتا۔

نمازیوں کو کوفت اور ناگواری ہو رہی تھی۔ لیکن حضرت نے اس سے کچھ نہیں کہا۔ نماز کے بعد وہ چلا گیا۔ ہم سب لوگوں نے بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا۔ کنڈہ کے مہمانوں نے ۲ رکشے منگوائے اور ایک اجنبی شخص نے رکشہ لاکر حضرت کے دروازہ سے ملا کر کھڑا کر دیا۔ حضرت روانہ ہونے کے لیے دروازہ پر تشریف لائے۔ وہ اجنبی شخص حضرت کی دست بوسی کر کے رکشا میں بیٹھنے کا اصرار کرنے لگا۔ حضرت منع فرماتے رہے اور اس کے بہت زیادہ خوشامد درامد کرنے پر اس کے رکشا پر سوار ہو گئے۔ میں اور ایک افریقی طالب علم ایک رکشا پر، دوسرے رکشا پر کنڈہ کے مہمان بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ کنڈہ والے مہمان اور میں جنکشن پر پہنچ گئے لیکن حضرت کا رکشہ نہیں پہنچا۔ کنڈہ والے حاجی صاحب بہت متفکر و پریشان تھے کہ ٹرین کے آنے کا اعلان ہو چکا ہے، حضرت کا رکشا ابھی تک نہیں آیا ہے۔ اسی وقت حضرت تشریف لے آئے اور اسٹیشن ماسٹر نے کرسی ڈلوا کر حضرت کو بٹھا دیا اور تعویذ لینے والوں کی بھیڑ لگ گئی۔ ٹرین آئی اور چلی گئی ۱۵ منٹ بعد ٹرین واپس آئی حضرت اور کنڈہ کے مہمان سوار ہو کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ نیچے کی برتھ پر ایک ملٹری آفیسر اور نیچے کی دوسری برتھ پر ایک بزنس مین آرام کر رہے تھے۔ حضرت کو دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گئے اور برتھ کو خالی کر دیا۔

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم اور ناگ پور

مولانا سید محمد حسینی اشرفی برکاتی، مصباحی
سجادہ نشین آستانہ عالیہ شمسیہ اشرفیہ، رائے چور

آپ کی حیات مبارکہ پر مجھ جیسا انسان کیا لکھ سکتا ہے۔ آپ کی حیات مبارکہ پر وہ لکھے جو علم وعمل، زہد وتقویٰ، ایثار وقربانی اور جہد مسلسل میں کامل ہو بلکہ یہ لوگ بھی حیرت میں ہیں کہ اس ملکوتی صفات کے حامل عالم دین میں کیا کیا خصوصیات تھیں؟ زندگی کے جس پہلو پر نظر ڈالی جاتی ہے وہ پہلو منفرد دکھائی دیتا ہے بلکہ کہنے والوں نے یہاں تک کہا ہے کہ جس نے اعلیٰ حضرت کی شکل وصورت کو اور آپ کے تقویٰ وپاکیزگی کو اور تفقہ فی الدین کو نہیں دیکھا وہ حضور مفتی اعظم کو دیکھے۔ آپ کی ذات کے اندر اعلیٰ حضرت کے جمال وکمال اور علم وتقویٰ کی شان صاف دکھائی دیتی تھی۔ زمانے کے وہ علما جن کے علم وتقویٰ پر علوم وفنون کے ماہرین اور زہد وتقویٰ کے حاملین کی بلند پیشانیاں خمیدہ رہتی تھیں ان میں ایک ذات حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے شاگرد فخر اماثل حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالرشید خان صاحب فتح پوری علیہ الرحمہ بانی جامعہ عربیہ ناگ پور کی ہے، آپ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ کے مرید وخلیفہ تھے لیکن خود بیعت لینے کی بجائے تاحیات حضرت مفتی اعظم کو بلوا کر دوڑ دوڑ کر سلسلۂ رضویہ کی توسیع واشاعت فرماتے رہے۔

حضرت مفتی عبدالرشید صاحب علیہ الرحمۃ کے شاگرد رشید مفتی غلام محمد خاں صاحب ناگ پوری ۱۹۵۲ء تک کسی سے بیعت نہیں ہوئے تھے، بیعت ہونے کے لیے آپ نے ہندو پاک کے جلیل القدر علمائے کرام اور پیران عظام ومشائخ ذوی الاحترام کی زیارتیں کیں اور ملاقاتیں فرمائیں لیکن کسی پر آپ کا دل نہیں جما، آپ ہر وقت بیعت ہونے کے لیے بے چین رہتے تھے، دل کسی پیر کی طرف رجوع نہیں کرتا تھا، حالاں کہ پیروں کی کمی نہیں تھی۔ موجودہ دور سے زیادہ تقویٰ شعار اور علم سے بھرپور حضرات موجود تھے۔ آخر کار پریشان ہوکر اپنے استاذ محترم حضرت مفتی عبدالرشید صاحب علیہ الرحمہ سے رجوع کیا اور آپ سے عرض کیا کہ حضور میں نے ابھی تک کسی سے شرف بیعت حاصل نہیں کیا ہے، میں اس کے لیے بے چین ہوں، اس سلسلہ میں میری رہنمائی فرمائیں۔ حضرت مفتی عبدالرشید خاں صاحب علیہ الرحمہ خود ہندوستان کے علما میں تقویٰ شعار تسلیم کیے جاتے تھے، ان کا ارشاد سنیے، وہ فرماتے ہیں:

مولانا اب کہاں ایسے لوگ رہ گئے ہیں جو شریعت وطریقت میں کامل ہوں، سوائے حضور مفتی اعظم کے۔ اب وہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد ناگ پور تشریف لانے والے ہیں، آپ کا دل ان کو دیکھتے ہی جم جائے گا۔ حالاں کہ خود حضرت مفتی عبدالرشید خاں صاحب علیہ الرحمۃ سلسلۂ اشرفیہ کے بزرگ خلفا میں سے تھے، اس کے باوجود حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے عقیدت ومحبت کا یہ عالم تھا کہ بیعت کے لیے حضور مفتی اعظم کی طرف رہنمائی فرمائی۔ حضرت مفتی عبدالرشید خاں صاحب فتح پوری علیہ الرحمہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کو پہلے ہی سے ناگ پور تشریف آوری کی دعوت دے چکے تھے۔ حضرت نے دعوت منظور فرمائی تھی اس کی تیاریاں چل رہی تھیں۔

چنانچہ چند ماہ بعد ۱۹۵۲ء میں پہلی مرتبہ حضرت مفتی اعظم ناگ پور تشریف لائے۔ ناگ پور کے سینوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، جس ٹرین سے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان ناگ پور اسٹیشن تشریف لانے والے تھے، آپ کے استقبال کے لیے اسٹیشن کو سجایا گیا، اسٹیشن کے عملہ کی طرف سے خصوصی اہتمام کیا گیا، ہزاروں عقیدت مند اسٹیشن پہنچ گئے، نہایت اہتمام اور ڈسپلن سے لوگوں کو کھڑا کیا گیا۔ حضرت مفتی عبدالرشید خاں صاحب علیہ الرحمہ سب کی پیشوائی فرمارہے تھے۔ ٹرین آ گئی، ہزاروں کی نگاہیں حضور مفتی اعظم کو دیکھنے کے لیے بے چین تھیں، ان میں مفتی غلام محمد خاں صاحب بھی تھے، بدلیوں میں بہت جستجو و تلاش کے بعد جب ہلال عید نظر آتا ہے، دیکھنے والا پکار اٹھتا ہے وہ رہا چاند۔ اسی طرح ہر شخص بے چینی سے ہلالِ رضویت کو دیکھنے کے لیے بے چین تھا، جیسے ہی حضور مفتی اعظم پر نظر پڑی لوگ پکار اٹھے یہ ہیں شہزادۂ اعلیٰ حضرت، وہ ہیں مفتی اعظم، سینوں نے دیوانگی و وارفتگی میں نعرۂ تکبیر و نعرۂ رسالت بلند کیا۔

اب کرب و بے چینی کی لذت اس دل سے پوچھیے جو کسی مرد حق آگاہ کے دست حق پرست پر ہاتھ دینے کے لیے جامعانِ علوم و تقویٰ پر نظر ڈال چکا تھا مگر دل و نگاہ میں کوئی جچا نہیں تھا جب اس ذات نے اسی بے قراری و بے چینی سے حضور مفتی اعظم کا چہرۂ پر ضیا دیکھا ہوگا تو صرف ایک عقیدت مند کی نظر سے نہیں، کچھ نہ کچھ نظر کی گہرائی و گیرائی کام کر رہی ہوگی۔ اس لیے کہ اب اس ذات سے ایسا تعلق قائم کرنا ہے جو دنیا و آخرت میں کام آئے۔ ہر طرح سے دیکھ لیا، اب مفتی اعظم نگاہوں سے اتر کر قلب و روح میں بیٹھ چکے تھے۔ مفتی غلام محمد خاں صاحب نے اپنے قلب و جگر کو حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کی تقدس شعار ذات پر نچھاور کر دیا۔ قیام گاہ پر حضرت مفتی عبدالرشید خاں صاحب علیہ الرحمہ بانی جامعہ عربیہ ناگ پور نے حضرت مفتی اعظم سے مفتی غلام محمد خاں صاحب کا تعارف کرایا اور عرض کیا کہ حضور انھیں شرف بیعت سے مشرف فرمالیں، حضرت نے نہایت شفقت بھرے انداز میں مسکرا کر مفتی غلام محمد خاں صاحب کی طرف اپنا دست مبارک بڑھایا اور شرف بیعت سے مشرف فرمایا۔ اسی پر بس نہیں کیا بیعت سے مشرف ہونے کے چند ماہ بعد ۱۹۵۴ء میں عرس سلامی کے موقع پر جبل پور میں حضرت برہان ملت اور حضرت مفتی عبدالرشید خاں صاحب اور کئی علما و خواص کی موجودگی میں حضور مفتی اعظم نے مفتی غلام محمد صاحب اور حضرت مفتی محمد رضوان الرحمٰن صاحب فاروقی مفتی مالوہ اندور علیہ الرحمہ کو کئی سلاسل کی خلافت و اجازت سے نوازا۔ حاضر تمام علما و خواص نے مبارکباد دی، پھر اسی سال عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر دونوں حضرات کو اسی خلافت نامے کو اپنے دست مبارک سے خلافت نامہ تحریر فرما کر عطا فرمایا جس پر مفتی غلام محمد خاں صاحب کے استاذ حضرت مفتی عبدالرشید خاں صاحب علیہ الرحمہ [illegible] ہوئی۔ حضرت مفتی عبدالرشید خاں صاحب ہی نے اپنے شاگرد مفتی غلام محمد خاں صاحب کو اس مقام پر پہنچایا آپ [illegible] کہ مجھ پر میرے استاذ مفتی عبدالرشید خاں صاحب کا ہر دم بڑا کرم رہا ہے، جس سے میں عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ ان کرم [illegible] بڑا کرم یہ ہے کہ آپ نے مجھے حضور مفتی اعظم کے دامن کرم سے وابستہ کر دیا حالاں کہ خود حضرت مفتی عبدالرشید خاں صاحب [illegible] حضرت شیخ المشائخ، اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔

مفتی غلام محمد خاں صاحب کا ۱۹۵۳ء میں حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے مرید ہونا اور ۱۹۵۴ء میں خلافت سے [illegible] وسط ہند میں مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت کے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا، اس کے بعد حضور مفتی اعظم کے انقلابی [illegible] شروع ہوئے جس میں ناگ پور و علاقۂ برار و چھتیس گڑھ ہی نہیں پورے اسنٹرل انڈیا میں مفتی عبدالرشید خاں صاحب کی سرپرستی میں مفتی غلام محمد خاں صاحب کی انقلاب انگیز مساعی جمیلہ کی وجہ سے شہزادہ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم کے ذریعہ دین وسنیت کو فروغ و استحکام حاصل ہوا اور سلسلۂ رضویہ کی برکت و سطوت سے گمراہی بدمذہبی کے طوفان پر بھی بند لگا۔

مفتی غلام محمد خاں صاحب نے مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ اور سلسلۂ رضویہ کی اشاعت کے لیے یہ طریقہ کار اپنایا تھا کہ جب اچھی طرح اندازہ کر لیتے کہ فلاں علاقے میں حضور مفتی اعظم کو بلوا کر دین وسنیت کی خدمت انجام دی جاسکتی ہے، اس مقام کو مرکزی حیثیت قرار دیتے وہاں کے لیے حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کو ناگ پور تشریف لانے کی دعوت دیتے اس لیے حضرت چند دن یا چند ہفتے کے لیے ناگ پور کی دعوت منظور فرماتے۔

فتح برار اور حضور مفتی اعظم :

وسط ہند میں برار ایک ایسا مقام ہے جہاں پر دکن کے فرماں روا نظام حیدر آباد کی حکومت تھی، نظام نے شاہ انگلستان کی بیٹی کے جہیز میں بطور تحفہ برار دے دیا، سقوط حیدر آباد کے بعد جہاں حیدر آباد انڈین یونین گورنمنٹ میں شامل ہوا وہیں برار مکمل طور پر ہندوستان میں شامل ہو گیا، وہاں صدیوں سے وہی اہل سنت کے مراسم رائج تھے جو دور صحابہ سے لے کر اس زمانے تک تمام اکابر امت کے تھے۔ وہاں بدعقیدگی کا وجود نہیں تھا سوائے شیعہ کے وہ بھی اقلیت میں تھے۔ پوری آبادی صحیح العقیدہ سنی مسلمانوں کی تھی۔ یہاں تک کہ ۱۹۴۷ء کی آزادی کے موقع پر جب کہ مسلمان کثرت سے پاکستان کی طرف منتقل ہو گئے۔ اتفاق سے زیادہ تر صحیح العقیدہ سنی مسلمان ہی نقل آبادی کر گئے، "بلیوں کے نصیبے میں چھیکا ٹوٹ پڑا" کے مصداق وہابی جمیعۃ علماء ہند جو کانگریس کی زرخرید غلام تھی، اس نے اپنی جڑیں مضبوط کرنا شروع کر دیں۔ اس کے سائے میں وہابیت اور خاص طور پر وہابی تبلیغی جماعت نے خوب زور پکڑا۔ بڑے بڑے علاقے اور صوبے تبلیغی جماعت اور وہابیوں کی زد میں آ گئے اور ۱۹۵۲ء تک یہ کیفیت تھی کہ خود سنی عام طور پر مضمحل تھے۔ سنی خواص وعوام تبلیغ دین وسنیت میں سرگرم ہونے کی ہمت نہیں کرتے تھے، سوائے کڑھنے کے کچھ سوجھائی نہیں دیتا تھا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے، حضرت مفتی عبدالرشید خاں صاحب علیہ الرحمۃ کی سرپرستی میں، مفتی غلام محمد خاں صاحب نے حضور مفتی اعظم کے وسط ہند میں تبلیغی دوروں کی ترتیب دینی شروع کی، حضرت نے اتنا بڑا کرم فرمایا کہ جب بھی دعوت دی جاتی کئی دن بعض اوقات کئی ہفتے ناگ پور کو عطا فرماتے۔ یہ تبلیغ واشاعت، وعظ و تقریر کا سلسلہ اور مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ کا اہتمام ناگ پور شہر تک محدود نہیں رہا بلکہ ۱۹۴۷ء کے بعد جو علاقے سنیوں کے ہاتھوں سے نکل چکے تھے، ان کو واپس لینے کی جدوجہد کی جانے لگی، مفتی غلام محمد خاں صاحب نے سنیت کا کچھ کام کرنے کے لیے جو جو سنی علاقے وہابیت سے محفوظ تھے، انھیں کے افراد کو ساتھ لے کر اجلاس کروانا چاہتے تھے، لوگ تیار ہو جاتے، جلسے کی تیاریاں شروع ہو جاتیں، لیکن وہابیوں دیوبندیوں کی جانب سے ان پر ایسے حالات پیدا کیے جاتے تا کہ مجبور ہو کر سنی علما کو بغیر جلسہ کیے، ان کی آمد سے پہلے ہی انھیں روک دیا جاتا یا پہنچ گئے تو انھیں واپس لوٹا دیا جاتا، ایسے ہمت شکن حالات میں مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت کا کام کرنا، اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا تھا، لیکن مفتی غلام محمد خاں صاحب، افراد اور علاقے چھانٹنے میں لگے رہے۔

تلاش کرتے کرتے ان کی نظر برار میں آکولہ ضلع کے ایک مقام کرم پر پڑی۔ خدا کے فضل سے یہ پوری بستی وہابیت وتبلیغیت کی زہریلی ہواؤں سے محفوظ تھی بلکہ پوری بستی میں کسی بھی بدعقیدہ خاص طور پر تبلیغی جماعت کا داخلہ ممنوع تھا۔ وہاں ایک بزرگ یوپی کے شہر بلند شہر سے آکر برسوں سے آباد ہو گئے تھے جو خود مجرد تھے اور حکمت وطبابت کا کام کرتے تھے۔ وہ مسلک اعلیٰ حضرت کے حامل تھے انھیں کی وجہ سے وہابیوں دیوبندیوں سے وہاں کے رہنے والوں میں نفرت تھی، وہ بزرگ حضرت حکیم برکت علی شاہ صاحب تھے۔ مفتی غلام محمد خان

صاحب ان کی خدمت میں پہنچے، حضرت حکیم برکت علی شاہ صاحب کے سامنے کل برار سنّی کانفرنس کی تجویز رکھی، انھوں نے اپنے تمام چاہنے والوں کو بلا کر مفتی صاحب کی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کا حکم کیا۔ شاہ صاحب اور ان کے چاہنے والوں نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا کل برار سنّی کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لیے ایک فعال کمیٹی تشکیل دی گئی۔ کُرم کے ایک صاحب حیثیت جناب عبدالغنی صاحب رضوی کی صدارت میں یہ کمیٹی تشکیل دی گئی۔ یہ کمیٹی وہابیت ونجدیت وتبلیغیت کی جانب سے ہر ہونے والے حملے کے مقابل ڈٹ گئی۔ ادھر مفتی غلام محمد خاں صاحب نے اپنی دینی قائدانہ صلاحیت سے پوری پوری توجہ کُرم میں ہونے والی کل برار سنّی کانفرنس کی طرف مرکوز کردی۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے ساتھ حضرت برہان ملت، مفتی اعظم مدھیہ پردیش، حضرت مفتی رضوان الرحمٰن صاحب، مفتی مالوہ اندور، شیخ الحدیث حضرت علامہ الشاہ عبدالمصطفیٰ اعظمی، خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی، حضرت علامہ ابوالوفا فصیحی غازی پوری، حضرت مولانا سید اسرارالحق صاحب سابق ایم پی وغیرہم کو دعوت دی گئی، اب حضور مفتی اعظم کے طفیل کُرم کانفرنس یعنی کل برار سنّی کانفرنس کا منظر ملاحظہ کیجیے۔ مقررہ تاریخوں میں حضور مفتی اعظم کے دیدار اور علماے اہل سنت کی تقاریر سننے کے لیے پورے برار سے عوام سمٹ آئے، شہر شہر گاؤں، گاؤں سے لوگ اس طرح جمع ہو گئے تھے کہ معلوم ہو رہا تھا انسانوں کا سمندر ہے، وہیں پر ضرورت کی تمام اشیا کے حصول کے لیے مارکیٹ لگ گئی، دلائل و براہین سے مسلک اہل سنت یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کے حق ہونے پر اثر انگیز تقریریں ہوئیں، خاص طور پر عمدۃ المناظرین حضرت علامہ مولانا مفتی رضوان الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ کی تقریر پر تاثیر وہ کام کر گئی کہ عوام کے دلوں میں بدمذہبوں سے نفرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی محبت راسخ ہوگئی۔ دلائل و براہین سے وہابی وتبلیغی جماعت کے عقائد کفری عقائد ہونے کا ایسا ثبوت پیش کیا کہ ہر دل نے وہابیوں تبلیغیوں سے نفرت پیدا کر لی۔ پھر اس کے بعد خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی کی ولولہ انگیز شان خطابت سے بھرپور تقریر نے انقلاب برپا کردیا۔

کانفرنس کے بعد اجلاس ہی میں بیعت ہونے والوں کا سلسلہ شروع ہوا، دونوں دن کے اجلاس کے بعد اور دن میں حضرت کی قیام گاہ پر لوگ بیعت ہوئے۔ کانفرنس کے بعد مزید حضرت نے تین دن کا قیام فرمایا دیہات گاؤں اور مختلف شہر و مقامات میں، عورت و مرد و بچے ملا کر تقریباً پچاس ہزار افراد شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ یہ کانفرنس فتح برار ہی نہیں، فتح وسط ہند کی حیثیت سے اثر کر گئی۔ کُرم کانفرنس کے بعد علاقۂ برار میں خاص طور پر آکولہ امراوتی ایوت محل وغیرہ مقامات پر حضرت مفتی اعظم کے کئی کامیاب دورے ہوئے جہاں جہاں حضرت مفتی اعظم اور آپ کے ساتھ علماے کرام تشریف لے جاتے، ہزاروں لاکھوں کا مجمع ہوتا، علماے کرام کے حسن [illegible] سے اور شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کی زیارت و برکت سے اور شرف بیعت سے مشرف ہو کر ہزاروں [illegible] ہدایت مل جاتی۔

اجلاس کے بعد اور آپ کی قیام گاہ پر عوام کا بیعت ہونے کا اس طرح سلسلہ جاری رہتا کہ نہ دن کی پرواہ ہوتی اور نہ رات کا خیال ہوتا۔ لوگوں کے اندر سنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت پر جاں نثاری کی لہر پیدا ہوگئی۔ اسی طرح مہاراشٹر کے مختلف مقامات، مدھیہ پردیش، چھتیس گڑھ اور آندھرا پردیش، کرناٹک اور گجرات کے کچھ علاقوں میں آج جو سنیت کی لہر ہے وہ سب ناگپور سے مرتب کیے ہوئے پروگراموں کے ذریعہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کے مسلسل طوفانی وانقلابی تاریخ ساز دوروں کی مرہون منت ہے۔

ناگ پور سے ترتیب دیے ہوئے مقامات پر حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کے ساتھ جن علما کو شریک رکھا جاتا تھا ان میں

خاص طور پر حضرت مفتی رضوان الرحمٰن صاحب فاروقی مفتی مالوہ، اندرو، حضرت شارح بخاری مفتی شریف الحق صاحب، خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی، مولانا سید اسرار الحق صاحب سابق ممبر پارلیمنٹ، مولانا سید مظفر حسین صاحب کچھوچھوی سابق ممبر پارلیمنٹ، مولانا ابوالوفا فصیحی غازی پوری اور ۱۹۶۵ء کے بعد سے زبردست انقلابی دورے ترتیب دیے گئے۔ ان میں زیادہ تر مفتی رضوان الرحمٰن صاحب، خطیب مشرق مولانا مشتاق احمد نظامی صاحب، مولانا سید اسرار الحق کے علاوہ اس وقت کے ابھرتے نوجوان حضرت مولانا قمر الزماں خان اعظمی اور وسط ہند میں اپنے خداداد مسحور کن کلام وتقریر سے سکہ جمادینے والے حضرت مولانا مفتی مجیب اشرف صاحب قبلہ حضرت مفتی اعظم کے ساتھ بہت زیادہ رہے ہیں۔ ان حضرات بالخصوص حضرت مفتی مجیب اشرف صاحب کے پاس حضرت کے دوروں کی ایک زبردست تاریخ محفوظ ہے۔ کاش یہ دورے صفحۂ قرطاس پر ثبت ہوکر محفوظ ہوجاتے۔

ناگ پور کو مرکز بنا کر حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کے تاریخوں دوروں کا سلسلہ برابر جاری تھا، ان تاریخی وانقلابی دوروں سے بعض حاسدین بغض وحسد کی آگ میں جل بھن رہے تھے۔ عین ایسے موقع پر جب کہ حضرت کی فتوحات کا سلسلہ جاری تھا ۱۹۷۱ء میں کوٹہ راجستھان کے دورے میں حضور مفتی اعظم کو زہر خورانی کا واقعہ پیش آیا، اس کے بعد حضور مفتی اعظم کے تاریخ ساز انقلابی دوروں کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ مخالفین ومعاندین وحاسدین اسی دن کا انتظار کررہے تھے۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان جسمانی طور پر تو کمزور ہوگئے تھے مگر دل ودماغ امور شرعی کی بجا آوری میں اور زہد وتقویٰ کی ادائیگی میں بہت مضبوط تھے۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کی مثال ایسی تھی کہ شیر ببر اگرچہ لاغر وکم زور ہی سہی لیکن جنگل میں موجود ہے تو روباہانِ زمانہ کے اندر ہیبت ولرزہ طاری ہونے کے لیے اس کا وجود ہی کافی ہے۔

خداوند قدوس بے نیاز ہے اپنے مخصوص بندوں میں جس سے جو خدمت لے لے اس کی شانِ صمدیت ہے۔ آخر ہر کسی کو اس سرائے فانی کو چھوڑنا ہے۔ اکابر علما میں جب اس دنیاے فانی کو چھوڑنے کا سلسلہ شروع ہوا تو یکے بعد دیگرے اہل سنت کے کیسے کیسے اکابر چلے گئے اور دنیا دیکھتی ہی رہ گئی۔ جانے کا سلسلہ بند نہیں ہوا، ان حضرات میں شہزادہ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کی منفرد شخصیت تھی جہاں وہ علم وآگہی میں کوہ گراں مایہ تھے، وہیں پر زہد وتقویٰ میں پوری دنیاے سنیت کو اپنی قاہر علمی جلالت اور کامل زہد وتقویٰ اور ماہرانہ دینی صلاحیت کے ذریعہ ایسی مضبوط رسی سے باندھ کر رکھا تھا کہ ہر سنی اس رسی سے بندھے رہنے میں اپنی نجات سمجھ رہا تھا۔ تمام دنیا کے اہل سنت آپ کی ذات گرامی کے گرد متحد تھے۔

آپ جدھر تشریف لے جاتے تھے، آپ کی زہد وتقویٰ، علم وعمل سے مزین ذات کو دیکھ کر لوگ ایسے گرویدہ ہوتے کہ اپنے قصور گناہوں سے سچے دل سے تائب ہوجاتے۔ جب کوئی آپ کا دست گرفتہ غلام (مرید) ہوجاتا تھا۔ خدا جانے اس کے اندر کونسی لہر پیدا ہوجاتی تھی کہ اس کے بعد اس کی زندگی بدلی ہوئی نظر آتی تھی، اس کامل شریعت وطریقت مرد حق آگاہ نے اپنے محافظ دین وشریعت، دست حق پرست سے کسی معصیت زدہ کا ہاتھ لے کر اپنی زبان حق ترجمان سے یہ فرمایا کہ میں نے اپنا ہاتھ غوث پاک کے ہاتھ میں دیا، اسی وقت سرکار غوثیت مآب کے دربار سے ایسی نور کی لہر آجاتی کہ اس کامل شریعت وطریقت کے ہاتھوں سے اس دست گرفتہ کے قلب وروح میں اس طرح سرایت کرجاتی کہ وہ اب پہلے جیسا نہیں رہتا تھا بلکہ وہ دست گرفتہ غلام ایک انقلابی شخصیت کا حامل بن جاتا تھا وہ ایسا فیض تھا کہ ہر کوئی دربار غوثیت مآب سے جاری ہوتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ واھل بیتہ وبارک وسلم۔

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم اور مخدوم ملت

کچھ یادیں، کچھ باتیں

مولانامفتی زاهد علی سلامی مصباحی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

خداوند قدوس جل جلالہ نے اس خاک دان گیتی پر ایسی ایسی نابغۂ روزگار اور عبقری شخصیتوں کو پیدا فرمایا، جنھوں نے اپنے علم و حکمت، خدا داد صلاحیت و ذہانت، تقویٰ و طہارت اور زہد و قناعت سے ایک جہان کو فیض یاب فرمایا اور زندگی کے ہر مرحلہ، ہر موڑ پر مسلمانوں کی رہ نمائی فرمائی۔ ان کے قلوب و اذہان خوفِ خداوندی اور محبت رسول سے لب ریز تھے، ان کی حیات مستعار کے لمحات اتحاد ملت، قرآن و سنت کی تبلیغ و دعوت اور دین اسلام کی نشر و اشاعت میں صرف ہوتے۔ وہ خود بھی اوامر پر عمل پیرا ہوتے، نواہی سے اجتناب کرتے اور دوسروں کو بھی اتباعِ سنت اور اطاعت فرمانِ الٰہی کی تلقین کرتے۔ ان کی زندگیاں خدمت خلق اور خدمت دین و ملت کے لیے وقف تھیں۔ ایسے ہی بے مثال، شاہین صفت انسانوں میں شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاج دار اہل سنت حضور مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی نوری علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات بابرکات سر فہرست ہے۔ آپ نے اپنے دور میں اسلام کے خلاف اٹھنے والے بہت سے فتنوں کا سد باب کیا، آپ کی شخصیت ہمہ جہت و گوناگوں خصوصیات کی مالک تھی، اخلاص و للّٰہیت، خدمتِ خلق، کشادہ دستی، کرم فرمائی، وسیع القلبی، مسلک اہل سنت و جماعت کی بے لوث ترجمانی، حق گوئی اور بے نفسی آپ کی کتابِ حیات کے چند نمایاں عنوانات تھے، آپ صرف کہتے ہی نہیں تھے بل کہ خود عمل بھی کرتے تھے۔ آپ کے معتقد اور متبع صرف عوام الناس ہی نہیں بل کہ بڑے بڑے صاحبان فضل و کمال، علمائے کرام اور مفتیان عظام، محققین و مدبرین اور دانش وران قوم و ملت کی ایک بڑی تعداد آپ کے خلفا و تلامذہ اور عقیدت کیشوں کی فہرست میں شامل ہے۔

آپ کے چند خاص مشاہیر خلفائے کرام میں میرے دادا جان مخدوم ملت حضرت مولانا مفتی شاہ محمد عبدالسلام قادری سنبھلی علیہ الرحمہ قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت مخدوم ملت اور تاج دار اہل سنت حضور مفتی اعظم علیہما الرحمہ کے درمیان بہت خاص تعلقات رہے ہیں۔ اس حوالے سے تفصیل میں جانے سے قبل حضرت مخدوم ملت کی مختصر سوانح پیش کی جارہی ہے جس کے پس منظر میں نہ صرف حضور مفتی اعظم سے آپ کے تعلقات کی نوعیت اور گہرائی کو سمجھنے میں کافی مدد ملے گی، بل کہ حضور مفتی اعظم کی زندگی کے بعض درخشاں پہلو بھی سامنے آئیں گے۔

ولادت و نام و نسب :

آپ کا اسمِ گرامی محمد عبدالسلام ہے، ''مخدوم ملت'' کے لقب سے ملقب ہیں، جب کہ اساتذۂ کرام اور گھر کے بزرگ افراد آپ کو

''حافظ جی'' اور احباب و معاصرین ''مفتی صاحب'' اور ''مولوی صاحب'' کے نام سے پکارتے ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: محمد عبدالسلام بن شیخ احمد اللہ بن شیخ حکیم اللہ بن شیخ عظیم اللہ، علیہم الرحمۃ والرضوان۔

مغربی اتر پردیش (انڈیا) کے معروف و مشہور مردم خیز شہر سنبھل ضلع مراد آباد کی ایک مشتی بستی سرائے ترین کے محلہ نواب خیل میں ایک علمی و روحانی گھرانے میں غالباً ۱۳۲۱ھ سے ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۳ء سے ۱۹۰۵ء کے درمیان کسی فیروز بخت شب میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

آپ کا خاندان علم و فضل اور دینِ اسلام کی خدمت و آب یاری میں شروع سے ہی مشہور رہا۔ آپ کے والد ماجد شیخ احمد اللہ مرحوم انتہائی پاک طینت، نیک سیرت اور پابند شرع تھے۔ ابھی آپ دو ہی سال کے تھے کہ ان کا سایۂ عاطفت آپ کے سر سے اٹھ گیا اور آپ کی پرورش کا سارا بار آپ کی والدہ ماجدہ کے زیر سایہ آپ کے بڑے بھائیوں نے برداشت کیا، اور صرف پرورش و پرداخت کا ہی بار نہیں اٹھایا بل کہ عمدہ تربیت کے ساتھ آپ کو زیور علم سے مزین کرنے میں کوئی کمی نہ اٹھا رکھی۔ آپ کے بھی بھائی آپ سے حد درجہ محبت فرماتے اور آپ کی ہر خواہش کو پورا کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتے۔

تعلیم و تربیت :

حضرت مخدوم ملت کی رسم بسم اللہ خوانی آپ کے حقیقی چچا عارف باللہ شیخ عصمت اللہ علیہ الرحمہ نے ادا فرمائی، جن کی ایک کرامت اس وقت مشہور زمانہ تھی کہ آپ اپنی شہادت کی انگلی کو کھلی فضا میں حرکت دیتے تو سامنے دیوار پر واضح نقوش تحریر ہو جاتے۔ آپ کے عم مکرم نے آپ کی ابتدائی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے زیر سایہ رکھ کر آپ کی نہایت مخلصانہ تربیت بھی فرمائی۔ آپ کے اندر تعلیم کا جذبۂ فراواں دیکھ کر انھوں نے فوری حفظ شروع کرا دیا، ابھی حفظ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ ۱۹۲۳ء مطابق ۱۳۴۱ھ میں آپ رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیے گئے، تاہم عقد مسنون کے بعد بھی آپ نے سلسلۂ تعلیم بہ دستور جاری رکھا، چند ہی سالوں میں حفظ قرآن مکمل کر کے بستی ہی کے ایک مکتب میں مولوی عبداللہ سے آپ نے فارسی شروع کر دی اور درس نظامی کی بھی کچھ ابتدائی کتابیں انھیں سے پڑھیں، لیکن آپ کے اندر حصول تعلیم کے غیر معمولی وفور شوق نے آپ کو درس گاہ علم و ادب مدرسہ اسلامیہ حنفیہ (جو اب مرکزی مدرسہ اہل سنت اجمل العلوم کے نام سے مشہور ہے) سنبھل میں فقیہ اعظم، اجمل العلما حضرت مولانا مفتی شاہ محمد اجمل قادری نعیمی قدس سرہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ آپ کے حصول علم کے جذبۂ فراواں کو دیکھتے ہوئے حضرت اجمل العلما نے آپ کو داخلِ درس فرما لیا اور مکمل ۹ رسال تک علوم ظاہری و باطنی سے خوب سیراب فرمایا۔ حضرت اجمل العلما آپ پر خصوصی توجہ فرماتے اور درس گاہ کے علاوہ دیگر اوقات میں بھی آپ کو علم و فن اور تصوف و معرفت کے جام پلاتے۔

فراغت اور تدریسی خدمات :

۲۰ رشعبان المعظم ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء کو ملک کے ممتاز علما و مشائخ کے مقدس ہاتھوں آپ کے سر پر فضیلتِ علم کا تاج رکھا گیا۔ دستار بندی کے موقع سے ایک اہم اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ حضور محدث اعظم ہند کچھوچھوی علیہ الرحمۃ دستار باندھتے وقت جب عمامہ کا آخری پیچ لپیٹنے لگے تو ارشاد فرمایا، ''حافظ جی'' اب میں یہ اپنی طرف سے باندھ رہا ہوں۔ خدا جانے آپ نے اس ایک آخری پیچ میں

علم وحکمت اور شریعت وطریقت کے کن کن کمالات کو حضرت مخدوم ملت کے زیب سر فرمایا۔ بلاشبہ انھیں مخدومین ملت کی بزرگانہ عنایتوں اور شفقتوں نے آپ کو ملت کا مخدوم بنا دیا۔

آپ نے فراغت کے بعد اپنی بستی سرائے ترین میں سنیت کا ماحول پیدا کرنے اور لوگوں کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر علم کی روشنی میں لا کھڑا کرنے کے لیے ایک متحرک اور فعال تعلیمی ادارہ کی شدید ضرورت محسوس کی اور چند ماہ بعد ہی ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء میں محلہ کی ایک وسیع وعریض مسجد رستم خاں سے متصل جامعہ اسلامیہ نام سے ایک ادارہ کی بنیاد ڈالی (جسے بعد میں جامعہ سلامیہ کر دیا گیا اور اب مدرسہ اہل سنت جامعہ سلامیہ نظر العلوم کے نام سے مشہور ومعروف ہے) سنگ بنیاد کی تقریب میں آپ کے محسن ومشفق استاذ حضرت اجمل العلما علیہ الرحمہ کی کوشش وایما پر پندرہ سے زائد اجلۂ علمائے کرام نے شرکت کی۔ اس تقریب میں سب سے پہلی اینٹ اس وقت کے موجودین میں سب سے زیادہ معمر بزرگ عارف باللہ حضرت مولانا الحاج الشاہ عبدالمجید آنولوی علیہ الرحمہ (والد ماجد وحید العصر حضرت مولانا شاہ عبدالحفیظ مفتی آگرہ) نے رکھی پھر حسب مراتب جماعت اہل سنت کے بلند پایہ اور جید علمائے کرام ومشائخ عظام نے رکھیں۔ خلوص کی یہ چند اینٹیں تھیں جن پر آپ نے علم وادب اور دین ودانش کا ایک عظیم قلعہ تعمیر فرمایا۔

جامعہ سلامیہ کے قیام کے بعد آپ اسی میں صدر المدرسین کی حیثیت سے اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہمہ تن مصروف ہو گئے اور تقریباً پندرہ سال تک انتہائی لگن اور مستعدی کے ساتھ مسلسل تدریسی، تبلیغی اور فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس طرح آپ کی تدریس کا آغاز اسی جامعہ سلامیہ سرائے ترین سے ہوا۔ پھر ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء کے اوائل میں آپ امام النحو صدر العلما حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کی دعوت واصرار اور اپنے محسن واستاذ حضرت اجمل العلما کے حکم پر میرٹھ کی مشہور قدیم دینی درس گاہ مدرسہ عربیہ قومیہ خیر نگر، جو کبھی بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں خلیفۂ اعلیٰ حضرت، مبلغ اسلام حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ کا مادر علمی رہ چکا تھا، میں بہ حیثیت صدر المدرسین تشریف لے گئے اور ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء تک تقریباً آٹھ سال تک انتہائی عزم واستقلال کے ساتھ تدریسی، تبلیغی اور فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ نے اس آٹھ سالہ دور میں فضلا اور علما کی ایسی کھیپ تیار کی جنھیں درس نظامی کی ابتدائی کتاب میزان الصرف سے لے کر بخاری شریف تک آپ سے شرف تلمذ حاصل رہا۔ اس کے بعد آپ ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء میں ہمدرد اہل سنت جناب نواب مرتضیٰ حسن خان واہالیان پالن پور کی خواہش ودعوت پر پالن پور (گجرات) مدرسہ اسلامیہ میں صدر المدرسین کی حیثیت سے تشریف لے گئے اور تقریباً چھ ماہ تک تدریس وافتا کا کام انجام دیا۔ وہاں آپ کو آشوب چشم کا ایسا عارضہ لاحق ہوا کہ مزید قیام ممکن نہ رہ سکا، اس لیے ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء کے اوائل میں آپ قصبہ پاکبڑہ ضلع مرادآباد تشریف لے آئے اور وہاں لوگوں کو نور علم سے معمور کرنے کے لیے جامع مسجد سے متصل ایک دینی دانش گاہ قائم کی اور اپنی جہد مسلسل اور عمل پیہم سے اسے مختصر سے وقت میں ترقی کی راہ پر لگا دیا۔ چنان چہ پورے علاقہ میں شمع علم کی روشنی پھیلائی اور ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء تک صرف ڈھائی سال کی قلیل مدت میں سیکڑوں طالبان علوم نبوت کو علم وآگہی کی لازوال دولت سے سرفراز فرمایا۔ مگر آپ اپنی بستی والوں کی خواہش اور بے حد اصرار پر دوبارہ پھر اپنے آبائی وطن سرائے ترین تشریف لے آئے اور مورخہ ۴/اگست ۱۹۶۱ء سے آپ نے اسی جامعہ اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ فرمائی، جو آپ کے تشریف لے جانے کے بعد زمانے کی بے اعتنائیوں کا شکار ہو کر رہ گیا تھا۔ آپ کے آنے سے جامعہ میں پھر وہی سابق رونق پلٹ آئی ،قال اللہ وقال الرسول کی صداؤں سے جامعہ ایک بار پھر گونج اٹھا۔ انتہائی محنت وجاں فشانی سے آپ نے اسے عروج بخشا کہ دور دور تک اس کی اعلیٰ تعلیم وتربیت اور عمدہ نظام کی شہرت پھیل گئی اور ملک کے مختلف گوشوں سے طالبان علوم نبویہ اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے جوق

در جوق جامعہ میں آنے لگے۔ یہ رب العزت کا فضل خاص اور حضرت مخدوم ملت کا فیضان ہی تھا کہ اس وقت سرائے ترین کی ۹۰/۹۵ فیصد مساجد میں اسی جامعہ کے طلبہ منصب امامت وخطابت پر فائز تھے۔ جامعہ میں آسام، بنگال، بہار، مہاراشٹر، راجستھان، کشمیر اور اتر پردیش کے بہت سے علاقوں کے طلبہ قیام پذیر رہتے اور پوری مستعدی کے ساتھ علم وعرفان کے جام نوش کرتے۔

اساتذہ کا ادب واحترام:

حضرت مخدوم ملت کی زندگی کے جس پہلو پر بھی نگاہ ڈالیے آپ بے مثال ومنفرد نظر آتے ہیں، اساتذہ کا ادب واحترام بھی آپ کی زندگی کا ایک نمایاں پہلو ہے۔ آپ اپنے اساتذہ اور آقایان نعمت کا حد درجہ ادب واحترام کرتے اور ان کی بارگاہوں میں انتہائی نیازمندی اور بڑی عقیدت ومحبت کے ساتھ پیش آتے، اپنے مشفق استاذ اور عظیم محسن حضرت اجمل العلما کا حد درجہ ادب واحترام بجالاتے۔ چنان چہ آپ کے تلمیذ رشید خلیفہ حضور مفتی اعظم حضرت مولانا انوار الحق سلامی رقم طراز ہیں۔

> ”ایک مرتبہ چند رفقائے درس کے ساتھ میں کسی ضرورت سے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے دولت کدے پر حاضر ہوا، حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ایک ہم سایہ دوکان دار معمر بزرگ نے ہم لوگوں کو اپنی دوکان پر کھڑا دیکھ کر پوچھا! آپ لوگ کہاں پڑھتے ہیں؟ میں نے جواباً عرض کیا ”سرائے ترین، حضرت مفتی عبد السلام صاحب قبلہ کے مدرسے میں“ اتنا سن کر وہ بزرگ پھڑک اٹھے، چہرہ خوشی سے کھل اٹھا، بولے بیٹے! تمہارے استاذ محترم حضرت مفتی صاحب سے میرے بڑے قریبی مراسم ہیں میں انھیں اچھی طرح جانتا ہوں، ان کی بزرگی کا دل سے معترف ہوں، وہ اپنے استاد حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے بڑے چہیتے، مؤدب اور بافیض شاگرد ہیں۔ وہ جب بھی حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ادباً اپنا عصا میری دوکان پر رکھ کر حاضر خدمت ہوتے، اپنے استاد کے ادب واحترام اور اس نیازمندی کے باعث آج وہ اس قدر علم وفضل اور عزووقار کے مالک ہیں۔ (انوار مخدوم ملت، ص: ۱۳)

اصلاح فکر واعتقاد:

حضرت مخدوم ملت نے اصلاح فکر واعتقاد کا کام جس بہادری، جرأت مندی اور خوبی کے ساتھ انجام دیا ہے وہ آپ کی تاریخ کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ آپ جہاں اپنوں کے لیے موم کی طرح نرم تھے وہیں اسلام دشمن عناصر اور گستاخان الوہیت ورسالت کے لیے پتھر سے زیادہ سخت بھی تھے۔ آپ بدمذہبوں اور بدعقیدوں سے ربط وتعلق کے معاملہ میں بہت محتاط تھے، قریب ترین رشتہ داروں میں بھی بدعقیدگی کا احساس ہوتا تو فوراً ان سے قطع تعلق فرما لیتے۔ خلاف شریعت کسی کا قدم اٹھتا دیکھتے تو فوراً تنبیہ فرماتے، خلاف شرع امور میں کسی قسم کی رورعایت روا نہ رکھتے۔ ظاہری اتفاق واتحاد کے نام پر بارہا آپ کے پاس غیروں کے دعوت نامے آئے اور کبھی کبھار اپنوں نے بھی مصلحتاً چلے جانے کی پیش کش کی مگر آپ نے ہمیشہ دوٹوک یہی جواب دیا۔

”خبردار ہمارا ان سے کبھی اتفاق نہیں ہوسکتا، یہ اتحاد؟ اتحاد واتفاق کے نام پر کھلا ہوا دھوکا اور فریب

ہے۔ جماعتی اتحاد کے لیے اعتقادی ہم آہنگی لازم وضروری ہے اور یہاں شاتمان نبی اور گستاخان رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے یہاں مفقود ہے۔ میں ہرگز شریک نہیں ہوسکتا"۔ (انوار مخدوم ملت، ص: ۲۴)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بھی آپ اپنے آقائے نعمت تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم کے سچے مطیع ومقلد تھے۔ دینی ومسلکی معاملات میں بہت سخت گیر تھے قول وعمل میں ذرا بھی بے اعتدالی برداشت نہ فرماتے، شرعی امور میں اپنوں اور غیروں میں کوئی امتیاز نہ برتتے، توبہ اور تجدید ایمان کی ضرورت ہوتی تو اسی وقت توبہ وتجدید ایمان بھی کراتے۔ حق گوئی وبے باکی، دینی صلابت اور خداترسی احتیاط وتقویٰ شعاری میں بلاشبہ آپ اس شعر کے صحیح مصداق تھے۔

ہو محفل یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

غالباً ۱۹۷۰ء سے پہلے کی بات ہے کہ دیوبندی مکتبہ فکر کے مشہور زمانہ گوئیے پالن حقانی کی آمد سے آپ کی بستی سرائے ترین کی فضا مسموم ہو کر رہ گئی، دیوبندیوں نے اپنے اپنے وسائل وذرائع کا استعمال کرتے ہوئے مسلمانوں کے عقائد متزلزل کرنے کے لیے مسلسل کوششیں شروع کر دیں، خوش عقیدہ سنیوں کے سینوں سے حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت چھیننے کی سازشیں کرنے لگے، ایسے مشکل حالات میں ان فتنوں کی بیخ کنی کے لیے آپ بے پناہ عزم وہمت کے ساتھ میدان میں آئے اور ڈٹ کران فتنوں کا مقابلہ کیا۔ پہلے خود گلی گلی مسجد مسجد، گاؤں گاؤں جوابی جلسوں کو خطاب کیا پھر مختلف اوقات میں مختلف مواقع سے مشاہیر علمائے اہل سنت اور مشائخ کرام کو بلا کر ان کے خطابات کرائے، لوگوں کو سنی علما ومشائخ سے مرید کرایا۔ قیام جامعہ کے بعد آپ نے اپنی بستی سرائے ترین میں جن اجلہ علمائے کرام اور خطبائے اسلام کے خطابات کرائے اور جن مرشدان طریقت کو بلا کر علاقے کے لوگوں کو حلقۂ ارادت میں داخل کرایا ان میں چند اہم اسمایہ ہیں۔

تاج دار اہل سنت حضور مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری، حضرت صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی، سید العلما حضرت علامہ سید آل مصطفیٰ مارہروی، شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خاں پیلی بھیتی، حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی، فقیہ اعظم اجمل العلما حضرت مولانا شاہ محمد اجمل قادری سنبھلی، فقیہ عصر شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی، وحید العصر حضرت مولانا عبد الحفیظ مفتی آگرہ، صدر العلما حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی، رئیس الاتقیا حضرت علامہ الحاج مبین الدین محدث امروہوی، سلطان المناظرین حضرت مفتی محمد حسین سنبھلی، شیخ المشائخ حضرت مولانا سید مختار اشرف اشرفی الجیلانی کچھوچھوی، مجاہد دوراں حضرت مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی، خطیب ایشیا وافریقہ فخر ملت حضرت مولانا نذیر الاکرم نعیمی مرادآبادی، خطیب مشرق حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی، طوطی ہند حضرت مولانا مفتی رجب علی نان پاروی وغیرہم علیہم الرحمۃ والرضوان۔

آپ نے ایصال ثواب کی سنت کو زندہ کرنے کے لیے، گھر گھر گیارہویں شریف نیز دیگر بزرگان دین کی نذر ونیاز کو مشروع طریقہ پر رواج دیا، تثویب (صلاۃ) کی تحریک چلائی اور مسجدوں کو نغمہ ہائے درود وسلام سے آباد کیا، تلقین میت کے لیے اذان قبر کو جاری فرمایا۔ محسن انسانیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جشن ولادت پر جلوس محمدی کو خوب ترقی دی، شایان شان اس کا انتظام واہتمام فرمایا، مسلمانوں میں

جذبۂ عشق رسول بیدار رکھنے کے لیے میلاد و قیام اور صلاۃ و سلام کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا۔ غرضے کہ آپ کی انتھک کوششوں اور بے مثال کارناموں سے سرائے ترین سنبھل کے قرب وجوار میں ہر طرف سنیت کا بول بالا ہوا، رضویت کی بہار آئی، مسلمانوں کے اندر خوش عقیدگی کی روح دوڑ گئی، اور یہ سب کچھ کیوں نہ ہوتا کہ آپ وقت کے قطب اور ایسے ولی کامل اور عارف باللہ کے چہیتے خلیفہ تھے جو ملت ابراہیمی کے سچے محافظ اور حسینی کردار کے علم بردار تھے، فرائض وواجبات، سنن و مستحبات کی محافظت میں نمایاں خصوصیات کے حامل تھے، ورع و تقویٰ کے عظیم پیکر تھے۔ جن کے قول و فعل میں یکسانیت تھی، جن کے دست حق پرست پر نہ جانے کتنے غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا، اور بدعملی و بدعقیدگی کے شکار ہزاروں افراد توبہ کر کے صراط مستقیم پر گامزن ہو کر سنیت کے رضا کار بن گئے۔

میرے مرشد طریقت تاج دار اہل سنت حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ بلاشبہہ کسی کو بھی تفویضِ خلافت سے پہلے اسے خوب پرکھتے، ظاہر و باطن کو اچھی طرح دیکھتے، اگر واقعی اس کا اہل پاتے تبھی خلافت سے نوازتے۔ اسی لیے آپ کے تمام خلفا شریعت مطہرہ کے پابند اور دین کے محافظ نظر آتے ہیں ایسی ہی خوبیوں کے حامل صاحبان فضل و کمال نام ور خلفا میں ایک خوب صورت نام ہے، سیدی جدی الکریم، مخدوم ملت حضرت مولانا مفتی شاہ محمد عبدالسلام قادری سنبھلی علیہ الرحمہ کا۔

کچھ یادیں، کچھ باتیں:

۱۷ رجمادی الآخرہ ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء کی بات ہے کہ تاج دار اہل سنت حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے حضرت مولانا خالد رضا خاں کے ذریعہ حضرت مخدوم ملت کو اپنی قیام گاہ پر بلایا، پہلے عمدہ کھانوں سے ضیافت فرمائی پھر سند اجازت پر خود اپنے دست مبارک سے حضرت کا نام، ولدیت اور وطنی پورا پتہ تحریر فرما کر دستخط و مہر سے مزین کر کے تحریری اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ اس طرح حضرت مخدوم ملت حضور مفتی اعظم کے ان چند ممتاز خلفا میں شامل ہو جاتے ہیں جنھیں آپ نے بلا طلب از خود اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ اس کے علاوہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے مرید خاص اور آپ کے مشفق استاذ حضرت اجمل العلما نے بھی آپ پر خصوصی کرم فرمایا اور آپ کو از خود وہ تمام اجازتیں اور خلافتیں عطا فرمائیں جو انھیں شہزادۂ اعلیٰ حضرت اور آپ کے مرشد طریقت حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ اور شیخ المشائخ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی اور صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی قدست اسرارہم سے حاصل تھیں۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

لیکن ان سب کے باوجود آپ کا اپنے آقایان نعمت کی بارگاہ میں ادب کا یہ عالم تھا کہ جب بھی کوئی شخص بہ ارادۂ بیعت آپ کے پاس آتا تو آپ تاج دار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہی کی جانب اس کی رہ نمائی فرماتے، کیوں کہ آپ کے رگ و ریشے میں حضور مفتی اعظم کی عزت و عظمت، ورع و تقویٰ اور اعتراف بزرگی بسی ہوئی تھی۔ میرا حسن خیال تو کہتا ہے کہ خورشید تواضع و انکساری کی ان چمکتی کرنوں کو اخفاے احوال کی کرامت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

حضور مفتی اعظم آپ سے بے پناہ محبت فرماتے، ہمیشہ آپ پر خصوصی فیضان جاری رہتا، یوں ہی حضرت مخدوم ملت بھی آپ سے بے پناہ عقیدت رکھتے اور ہمہ وقت آپ کے لیے اپنے دیدۂ و دل فرشِ راہ کیے رکھتے۔

حضور مفتی اعظم آپ کی دعوت پر متعدد بار سرائے ترین تشریف لائے ،اس کے علاوہ جب بھی سنبھل اور اس کے اطراف میں کسی مقام پر بھی کسی موقع سے تشریف لانا ہوا تو آپ کو ضرور یاد فرمایا ،اور موقع نکال کر کاشانۂ سلامی کو بھی اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا۔اور دوران قیام خوب اپنائیت کا اظہار فرماتے ،آپ سے دیر تک رازدارانہ گفتگو فرماتے ؛" کاشانۂ سلامی" میں جب تک قیام رہتا عوام وخواص کا ہجوم رہتا، مشتاقان دید اپنی تشنہ نگاہوں کو خوب سیراب کرتے ،اہل عقیدت داخل سلسلہ ہوتے ،ضرورت مند دعاؤں اور تعویذوں سے سرفراز ہوتے ۔ایک روز کاشانۂ سلامی میں عشائیہ کے بعد ایک مخصوص مجلس میں آپ کو کچھ اوراد اور وظائف اور چند اہم تعویذات لکھ کر ان کی اجازت بھی عطا فرمائی ۔ان تمام واقعات سے آپ پر حضور مفتی اعظم کی خصوصی عنایات اور توجہات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ سنبھل یا اس کے اطراف کا کوئی شخص جب بھی حضور مفتی اعظم کی خدمت میں حاضر ہوتا تو بالعموم حضرت مخدوم ملت مفتی عبد السلام قادری اور مناظر اہل سنت مفتی محمد حسین سنبھلی کا نام لے کر ان کی خیریت ضرور دریافت فرماتے۔

عرس رضوی سے والہانہ لگاؤ :

حضرت مخدوم ملت عرس رضوی میں ہر سال بالالتزام شرکت فرماتے اور دوسروں کو بھی شرکت کی ترغیب دیتے جو آپ کے خانوادۂ رضویت سے دلی لگاؤ اور قلبی الفت ومحبت کا واضح ثبوت ہے ۔بہت کم ایسا ہوتا کہ آپ تنہا بریلی کا سفر فرماتے ۔جب بھی جاتے آپ کے ساتھ ایک دو خادم ضرور ہم رکاب ہوتے اور عرس کے موقع سے تو اساتذہ وطلبۂ جامعہ اور دیوانگان رضا کا ایک قافلہ ہم راہ ہوتا۔جوں جوں ایام عرس قریب ہوتے جاتے آپ پر ایک مخصوص قسم کا کیف طاری ہوتا جاتا اور بڑے ہی والہانہ ذوق شوق کے ساتھ سفر کی تیاری فرماتے ،اگر بالفرض کبھی ظاہری وسائل نہ بھی ہوتے تو کارساز قدرت کی ایسی کرم فرمائی ہوتی کہ دیکھتے ہی دیکھتے یک لخت سب کچھ انتظام ہو جاتا اور آپ دیوانہ وار چل پڑتے ،بعض مواقع پر لوگوں نے دیکھا کہ بس یا ٹرین نہ ملی یا غیر معمولی تاخیر ہو رہی ہے تو ٹرک یا ٹریکٹر پر سواری کرنے میں کوئی عار محسوس نہ فرماتے ،موسم کیسا ہی گرم کیوں نہ ہو، برسات کا زور ہو یا ٹھٹھرتی ہوئی ٹھنڈ ،کوئی بھی چیز آپ کو اپنے آقایان نعمت کی بارگاہ میں حاضری سے نہ روک سکتی تھی۔طبیعت میں کیسا ہی اضمحلال ہوا آپ نے عرس رضوی کی شرکت کبھی قضا نہ فرمائی۔حاضری کا یہ سلسلہ نوجوانی سے لے کر عمر کے آخر حصے تک جاری رہا جو تقریباً چھ دہائیوں کے طویل عرصہ پر محیط ہے۔فالحمد للہ علی ذلک ۔اس خادم کو بھی متعدد بار آپ کی معیت میں بریلی شریف حاضری کی سعادت نصیب ہوئی ہے،جس سال عرس رضوی میں اسٹیج ٹوٹنے کا اندوہناک حادثہ پیش آیا اس سال بھی میں آپ کے ہم راہ تھا۔

راقم الحروف بارگاہِ مفتی اعظم میں :

میں جب بھی آپ کے ہم راہ بریلی شریف حاضر ہوتا تو آپ کی عادت تھی کہ اسٹیج پر جاتے وقت بجائے قیام گاہ کے مجھے اپنے رفیق خاص حضرت صدر العلما میرٹھی علیہ الرحمہ کے کتب خانہ پر ان کی نگرانی میں بٹھا دیا کرتے جو اس وقت غالباً دار العلوم منظر اسلام کے دار الحدیث ہال میں ہوا کرتا تھا۔چنان چہ جس سال اسٹیج ٹوٹنے کا حادثہ پیش آیا ،اس سال بھی میں حضرت صدر العلما کے کتب خانہ ہی پر موجود تھا۔لوح حافظہ پر اب تک جو منظر محفوظ رہ سکا وہ صرف اتنا ہے کہ جب اسٹیج گرا تو ایک شور برپا ہو گیا ،لوگ ادھر ادھر منتشر ہونے لگے میری عمر اس وقت تقریباً ۱۲ ر ۱۳ رسال رہی ہوگی ،میں کتب خانے سے باہر نکلا تو دیکھا کہ گیلری میں چار پانچ تنومند اشخاص حضور مفتی اعظم کو ہاتھوں میں اٹھائے تیزی کے ساتھ کاشانۂ نوری کی طرف لے جا رہے ہیں۔ مجھے اپنے دادا جان کے بارے میں فکر لاحق تھی کیوں کہ وہ

بھی اسٹیج پر دیگر علما کے ساتھ موجود تھے، میں بے حد مضطرب تھا شعور کی ناپختگی کی بنا پر خوف ورقت کے ملے جلے جذبات سے زاروقطار رو رہا تھا کہ اسی اثنا میں بہ سلامت تمام، دادا جان آتے دکھائی دیے، انھیں دیکھ کر میں پورے طور پر مطمئن ہو گیا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ انھیں کسی طرح کی کوئی چوٹ نہیں آئی تھی۔

یہ ایک ناقابل انکار سچائی ہے کہ آج میرے نہاں خانے میں جو بریلی سے عشق و وارفتگی کا والہانہ جذبہ پایا جاتا ہے وہ حضرت کی حکیمانہ محبت اور موثر تربیت کا نتیجہ ہے۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ اس بارگاہ کا ایک ذرہ بھی میرے پوتے پر پڑ گیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی دنیا و عاقبت سنور جائے گی۔ یقیناً یہ بریلی شریف کی غلامی کا فیضان ہے کہ آج عالم گیر شہرت کی حامل برصغیر کی عظیم دانش گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں جلالۃ العلم حضور حافظ ملت محدث مرادآبادی کے جوار رحمت میں رہ کر حسب استطاعت تدریس وافتا کی خدمت میں مصروف ہوں۔ ولہ الحمد والمنۃ۔

راقم الحروف کی زندگی کی سعادتوں کا اسے بھی نقطۂ عروج ہی کہا جا سکتا ہے کہ مورخہ ۲۳؍ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ کو جب دادا جان مجھے بریلی شریف حضور مفتی اعظم کی بارگاہ میں لے کر حاضر ہوئے تو حسن اتفاق کہ اس وقت تنہائی کا روح پرور موقع نصیب ہوا جب کہ شاذ و نادر ہی لوگوں کو اس عظیم بارگاہ میں ایسی سعادت میسر آتی تھی مگر دادا جان مخدوم ملت کو حضور مفتی اعظم سے جو خلوص وعقیدت تھی اور ادھر حضرت بھی آپ پر جو الطاف کریمانہ فرماتے تھے اسی کا یہ اثر تھا کہ اس خادم کو ایسی خلوت کی سعادت نصیب ہوئی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ دادا جان نے میرا ہاتھ پکڑا اور حضور مفتی اعظم کے ہاتھوں میں دے کر عرض کیا حضور یہ آپ کا غلام ہے، اسے اپنی غلامی میں قبول فرمالیں۔ چناں چہ تاجدار اہل سنت مرشد برحق حضور مفتی اعظم نے بعد نماز ظہر مسجد رضا میں براہ راست اپنے مبارک ہاتھوں میں میرے ہاتھ لے کر خوشی خوشی مجھے حلقۂ ارادات میں داخل فرمالیا، اور سر پر دست شفقت پھیر کر دینی و دنیوی صلاح وفلاح کے لیے ڈھیر ساری دعاؤں سے بھی نوازا۔

خواب میں اعلیٰ حضرت کی زیارت :

حضرت مخدوم ملت بریلی شریف عرس رضوی میں تشریف لے جاتے تو خانقاہ کے کسی خاص کمرے میں آپ کا قیام رہتا، جلسہ گاہ میں پہنچتے تو رونق اسٹیج رہتے، سامعین سے خطاب بھی فرماتے۔ اس موقع سے گاہے بہ گاہے مسجد رضا میں امامت بھی فرماتے۔

چناں چہ اس تعلق سے آپ نے خود یہ حیرت انگیز واقعہ بیان فرمایا۔

> "جیلانی میاں علیہ الرحمہ کا دور تھا، عرس رضوی کے ایام قریب تھے، میں نے ارادہ کیا کہ اس بار عرس رضوی کے اجلاس میں علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھرپور تقریر کروں گا، اس لیے اس عنوان کے تحت میں نے بھرپور تیاری کی، عرس رضوی میں صرف چند دن باقی تھے کہ ایک رات امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی زیارت نصیب ہوئی، اعلیٰ حضرت نے فرمایا! مولوی صاحب، ہمارے عرس میں اپنی منتخب تقریر ضرور کرنا۔ میں خواب میں صرف اتنا ہی عرض کر سکا، اچھا حضور! بیدار ہوا تو مجھے اپنے عزائم اور حوصلوں میں آسمانوں کی سی بلندی اور پہاڑوں کی سی استقامت محسوس ہو رہی تھی، الغرض عرس مبارک میں حاضر ہوا اور تقریر کی، جب تک تقریر کرتا رہا اپنے اوپر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا خاص فیضان محسوس کرتا رہا، اسی کی برکت سے اہل علم اور عوام الناس نے میری

تقریر کو بے حد پسند فرمایا، پروگرام ختم ہونے کے بعد حضرت جیلانی میاں علیہ الرحمہ اپنے ہم راہ دولت کدے پر لے گئے، بزرگانہ شفقتوں سے چائے نوشی پر مجبور کیا، خوب داد و تحسین سے نوازا اور بے پناہ حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مفتی صاحب! آج کے دور میں ایسی ہی مدلل تقریروں کی ضرورت ہے۔" (انوار مخدوم ملت، ص:۴۶-۴۵)

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی :

یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ حضور مفتی اعظم کو جو بھی ایک نظر دیکھتا، آپ کی عظمت و بزرگی کا قصیدہ خواں ہو جاتا، چناں چہ ذیل کا یہ واقعہ حضرت مخدوم ملت کے حوالے سے نذر قارئین ہے۔

یہ غالباً ۱۹۶۰ء کے کسی مہینے کی کسی تاریخ کا واقعہ ہے کہ برادر طریقت جناب الحاج ابرار احمد صاحب رضوی تحصیل بلاری ضلع مرادآباد کے رہنے والے تھے۔ خاندانی رئیس اور امیر زادے تھے، عالم شباب میں انگریزی لباس کے بہت شائق اور دل دادہ تھے، یہی لباس پہن کر اپنی سسرال قصبہ پاکبرہ ضلع مرادآباد پہنچے، حضرت مخدوم ملت اس وقت وہاں مدرسہ اسلامیہ میں صدر مدرس تھے۔ حسن اتفاق حاجی صاحب موصوف کی حضرت سے ملاقات ہوگئی۔ انھوں نے دوران گفتگو حضرت سے کسی خدا رسیدہ مرد درویش سے ملنے کی تمنا ظاہر کی۔ آپ نے بلا تامل ملانے کا وعدہ فرما لیا اور بلا تاخیر غالباً دوسرے ہی روز بریلی شریف لے جاکر تاج دار اہلِ سنت حضور مفتی اعظم کی بارگاہ میں پہنچا دیا۔ حاجی صاحب نے حضور مفتی اعظم کو ایک نظر دیکھا اور دیکھتے ہی ایسے مطمئن ہوئے کہ اسی لمحہ قدموں سے لپٹ گئے، وہیں حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور واپس آکر ہمیشہ کے لیے اپنے تمام انگریزی ملبوسات کو تن اور من دونوں سے جدا کر دیا اور تاحیات پھر کبھی انگریزی لباس نہ پہنا۔ نماز پنج گانہ کے ساتھ ساتھ دیگر اوراد و وظائف کے زبردست پابند ہو گئے اور عاشق حضور مفتی اعظم بن گئے۔ پھر حضرت مخدوم ملت کے ہم راہ بار بار بریلی شریف حاضر بھی ہوئے۔

کچھ ایسا ہی واقعہ میرے چچا محترم الحاج سجاد حسین صاحب رضوی کا ہے، وہ خود بیان کرتے ہیں:

"میں سینگ کی کنگھیوں کی تجارت کے سلسلے میں ملک کے مختلف حصوں میں سفر کرتا تھا، جبل پور بھی اکثر جاتا رہتا تھا، ایک مرتبہ وہاں دوران قیام مجھے پتہ چلا کہ تاج دار اہل سنت حضور مفتی اعظم جبل پور میں حضرت برہان ملت علیہ الرحمہ کے دولت کدے پر تشریف فرما ہیں۔ میرے دل میں دیدار کا شوق انگڑائیاں لینے لگا۔ میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر حضرت کی زیارت کے لیے قیام گاہ پر پہنچ گیا، زائرین کی ایک لمبی بھیڑ تھی، میں بھی نمبر سے لگ گیا اور جیسے ہی دست بوسی کی سعادت حاصل ہوئی حضرت نے ایک ہاتھ سے تو میرے دونوں ہاتھ زور سے پکڑے اور دوسرے ہاتھ سے میری ٹھوڑی پکڑی اور فرمایا آپ کا کیا نام ہے؟ آپ کہاں سے آئے ہیں؟ میں چوں کہ داڑھی منڈا تھا، حضرت کے اس انداز و سوال پر لرز گیا، دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں، جلدی جلدی اپنے کو سنبھالا، بکھری ہوئی ہمت کو یک جا کر کے ایک ہی سانس میں کہہ

گزرا: حضور مجھے سجاد حسین کہتے ہیں!! میں سنبھل سے آیا ہوں! حضرت مفتی عبد السلام سنبھلی میرے چچا ہیں!!! بس اتنا عرض کرنا تھا کہ آپ کو جلال آ گیا اور ارشاد فرمایا! اچھا!! آپ مسلمان ہیں، آپ کا نام سجاد حسین ہے، آپ ہمارے مفتی صاحب کے بھتیجے ہیں، میں کیسے مان لوں جب کہ آپ کے چہرے کا یہ حال ہے، خدا جانے اس مرد حق آگاہ کے ارشاد فرمودہ ان کلمات میں کیا تاثیر تھی کہ میرے وجود کی ساری کائنات اتھل پتھل ہو کر رہ گئی۔ دل و دماغ کے سارے تار و پود بکھر گئے، خدا کی قسم میرے تو دل کی دنیا ہی بدل گئی، اسی لمحہ میں نے داڑھی منڈانے سے سچی توبہ کی اور اسی وقت آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر حلقۂ غلامی میں داخل ہو گیا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے، کبھی میں نے داڑھی کو حد شرع سے کم نہیں کرایا۔ شاید میری زندگی کے تمام اسفار میں یہ وہ تاریخی سفر ہے جس میں میں نے دنیا اور آخرت دونوں کی کامیاب تجارت کی ہے۔

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

حضور مفتی اعظم کی شانِ احتیاط حزم:

رئیس الاتقیا حضرت علامہ الحاج مبین الدین محدث امروہوی، قدس سرہ زمانۂ قیام میرٹھ سے حضرت مخدوم ملت کے بہت ہی قریبی رفیق اور تاج دار اہل سنت حضور مفتی اعظم کے بہت ہی چہیتے مرید و خلیفہ تھے، تقویٰ و طہارت میں اپنے مرشد برحق کے عکس جمیل تھے، ہر وقت زبان پر ذکر کی کیفیت جاری رہتی، درس گاہ میں جب تک عبارت خوانی ہوتی ذکر جاری رہتا، راقم الحروف کو آپ کے جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں قیام کے دوران تقریباً ساڑھے پانچ سال آپ کی بارگاہ سے خوشہ چینی کا شرف حاصل رہا۔ اوقات درس کے علاوہ بھی بعض اہم کتب باضابطہ پڑھنے کا موقع ملا اور خوب اکتساب فیض کیا، بعد نماز عصر و عشا تھوڑی دیر کے لیے تقریباً روزانہ ہی قربت سے فیض یاب ہوتا، کبھی کبھار گھنٹوں علم و حکمت کی مجلس قائم رہتی، دادا جان حضرت مخدوم ملت کی نسبت سے حضرت اس خادم پر بے پناہ کرم و نوازش فرماتے، کبھی کبھی بہت ساری گھریلو باتیں بھی بطور خاص ارشاد فرماتے، اس لیے میں بھی اگرچہ ڈرتے ڈرتے ہی سہی مگر بہت سی باتیں پوچھ لیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ شش ماہی امتحان کے موقع سے حضرت نے خارج از درس اوقات میں میری شرح تہذیب کی تیاری اپنی نگرانی میں کرائی۔ کتاب کے خاص خاص مقامات اچھی طرح ذہن نشین کرا دیے۔ مگر حسن اتفاق کہ امتحان چارٹ کے مطابق یہ کتاب امتحان کے لیے آپ ہی کے پاس پہنچ گئی، جب میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ امتحان دینے کے لیے کمرے میں پہنچا تو آپ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور جب سلسلۂ امتحان شروع ہوا تو مزاحاً فرمایا! جی، مجھے معلوم ہے کہ تمھاری کتنی زبردست تیاری ہے، چلو، کہیں سے پڑھو! یہ تو اب مجھے یاد نہیں کہ اس وقت میں نے کہاں سے پڑھا، مگر اتنا ضرور یاد ہے کہ خواندہ عبارت کے ترجمہ و تشریح کے بعد آپ نے حسب عادت ہلکا سا کوئی ایک سوال کیا اور کشتی پار لگا دی۔

۱۹۸۴ء کی بات ہے کہ آپ کی درس گاہ میں نور الانوار کا درس چل رہا تھا، دوران تقریر کسی بات پر کسی دوسرے مسئلے کی طرف ذہن

منتشر ہوگیا اور مجھے ایک سطر کا بالکل پتہ نہ چلا، جب ذہن یک جا ہوا تو ایسا لگا کہ حضرت سے ایک سطر کی تقریر چھوٹ گئی، میں چوں کہ حضرت کا منہ لگا تھا، اسلیے ایک دم بول پڑا کہ حضور ایک سطر رہ گئی۔ آپ نے برجستہ ارشاد فرمایا: "میاں! سطر نہیں رہ گئی آپ رہ گئے۔" اور عادت کے مطابق مسکراتے ہوئے معاً آگے بڑھ گئے، ادھر سارے طلبہ مجھ پر ہنس پڑے اور شاید پہلی بار درس گاہ میں مجھے کافی خفت اٹھانی پڑی۔

ادبی اصلاح کی ایک مثال :

غالبًا جب میں درجہ سادسہ کا طالب علم تھا، آپ نے حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے لسان و ادب اور زبان و بیان کی لطافت کا یہ واقعہ بیان فرمایا۔

ایک بار کسی نے کسی مسئلے کے تعلق سے ایک دیو بندی مفتی کا کوئی جواب خدمت میں پیش کیا اور کہا حضور، اس دیو بندی مفتی نے تو یہ جواب دیا ہے۔ اتنا سننا تھا کہ آپ کی چھٹی حس فوراً بیدار ہوگئی اور فتوی ہاتھ میں لے کر ایک سرسری نظر ڈالی، اتفاق سے فتوی میں تحریر لفظ "رکشا" پر نظر پڑ گئی جو بجائے الف کے ہائے مختفی سے (رکشہ) لکھا ہوا تھا۔ یہ دیکھتے ہی حضرت کی طبیعت کو سخت تکدر و انقباض ہوا اور انتہائی پُر جلال انداز میں ہائے مختفی پر زور دیتے ہوئے بیک نفس لفظ "رکشہ" کو بار بار دہرایا اور فرمایا ان بد دین جاہل مفتیوں کو لفظ "رکشا" تک لکھنا نہیں آتا مگر فتویٰ ضرور لکھیں گے۔ اس کے بعد باضابطہ پورے فتوے پر شرعی اور لسانی و ادبی نقطۂ نظر سے بھرپور تنقید فرمائی۔

اس واقعہ سے جہاں اغیار کی تحریروں کے ایک ایک لفظ پر حضرت کی گہری نظر کا پتہ چلتا ہے وہیں زبان و بیان کی نزاکتوں اور تنقید ادب کی لطافتوں سے بہرہ ور ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

دراصل اردو املا کی اصلاح و تصحیح ایک اہم ادبی قضیہ رہا ہے، بعض لفظوں کی شکلوں کے بارے میں صف اول کے ادبا و شعرا کے درمیان کافی اختلافات رہے ہیں، مثلاً مرزا غالب فارسی زبان میں "طا" کے قائل نہیں تھے، مثلاً وہ غلطاں اور طوطا کو بھی "تا" سے لکھنے کے قائل تھے اور جہاں تک ہائے مختفی (ہ) کا مسئلہ ہے تو اس میں عصر جدید و قدیم کے بہت سے ناقدین نے خامہ فرسائی کی ہے۔ ۴۴-۱۹۴۳ء میں انجمن ترقی اردو کی کمیٹی نے اصلاح رسم خط کے سلسلے میں بہت سی اصلاحات و سفارشات پیش کی تھیں، اس کمیٹی کے روح رواں ڈاکٹر عبدالستار صدیقی تھے۔ انھوں نے لکھا ہے:

"ہائے مختفی (ہ)! تمام دیسی لفظوں کو جو عربی، فارسی کی نقل میں خواہ مخواہ مختفی "ہ" سے لکھے جاتے ہیں الف سے لکھنا چاہیے! مثلاً بھروسا، باجا، بٹوا، بلبلا، دھوکا، باڑا، پٹاخا، پٹارا، چبوترا، راجا۔ (عبدالستار صدیقی، ص: ۵۷ / بحوالہ املا نامہ گوپی چند نارنگ، ص: ۵۲)

معلوم ہوا کہ حضور مفتی اعظم نعت نگاری کے جہاں شرعی محاسن سے مالا مال تھے، وہیں اردو املا کے دقیق ترین قواعد پر بھی نظر رکھتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ابھی تک اس گوشے سے حضور مفتی اعظم کی شاعری یا نثر نگاری کا باضابطہ جائزہ نہیں لیا گیا ہے۔

لسانی احتیاط کی ایک مثال:

ایک دوسری مجلس میں حضرت محدث امروہوی نے آپ کی لسانی احتیاط اور حزم و اتقا کا یہ حیرت انگیز واقعہ بھی بیان فرمایا۔ فرماتے ہیں:

ایک بار مجلس میں کسی مرحوم کا تذکرہ چل رہا تھا، ان کے حالات کا ذکر تھا گفتگو کے دوران ایک موقع ایسا آیا کہ آپ کی زبان مبارک پر بے ساختہ یہ جملہ آ گیا۔" ان کے انتقال کو تو ایک زمانہ ہو گیا، اور اب تو ....بس ایک دم زبان پر بریک لگ گئے اور فوراً جملہ کا رخ پھیرتے ہوئے ارشاد فرمایا ۔ہاں واقعی ان کے انتقال کو ایک طویل زمانہ گزر گیا۔"

اس کے بعد حضرت محدث امروہوی نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ۔ ایسے مقام پر عموماً لوگ بول دیتے ہیں کہ" اب تو ان کی ہڈیاں بھی نہ رہی ہوں گی"۔ مگر واہ رے آپ کی احتیاط و تقوئ شعاری! مجال کیا ہے کہ زبان مبارک سے بے خیالی میں بھی کوئی غیر محتاط جملہ صادر ہو جائے!

ظاہر ہے کہ کسی بھی مومن کے بارے میں اس طرح کے اندیشہ کا اظہار یہ ہر حال شرعاً ناپسندیدہ ہے، بل کہ صاف حکم منع وارد کہ" پس از مرگ کسی مومن کو برائی سے یاد نہ کرو"۔ بل کہ اثبات میں حکم وارد۔"اذکروا موتاکم بالخیر "اپنے مردوں کو بھلائی سے یاد کرو۔

یہ تھی حضور مفتی اعظم کی مزاج شریعت کی پاس داری، محسوس ہوتا ہے کہ کوئی غیبی قوت ہمیشہ آپ کی زبان کی حفاظت وصیانت کرتی تھی۔

یوں ہی اگر دوران تقریر کسی خطیب و مقرر سے کوئی ایسا جملہ صادر ہو جاتا جو شرعاً، عقلاً، اخلاقاً یا زبان و بیان کسی بھی لحاظ سے قابل اعتراض ہوتا اور حضور مفتی اعظم رونق اسٹیج ہوتے تو کیا مجال تھی کہ کوئی مقرر ایسی بد احتیاطی کر کے گزر جائے اور آپ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہ دیں، کتنے بڑے بڑے خطبا و مقررین سے آپ نے برسر منبر توبہ تک کرائی۔ آپ کے ایک اور قابل اعتماد خلیفہ حضرت بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی مدظلہ العالی کسی جلسے کا خود اپنا ایک ایسا ہی واقعہ بیان فرماتے ہیں رقم طراز ہیں

"مغربی یو،پی کے ہی کسی علاقہ میں تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا۔" بدنصیب مسلمان آج کل رات میں بارہ بجے تک سینما دیکھتے ہیں اور دن میں دس بجے تک سوتے ہیں۔" ایک بیک بازو سے میری طرف پوری طرح مخاطب ہو کر نہایت بلند آواز میں بے حد بے زاری کے ساتھ فرمایا، گویا مجھ پر پھٹ پڑے، مولانا! میں اس کو مان نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بدنصیب ہو، آپ اس کو بد نصیب نہ کہیے، کچھ اور کہہ لیجیے۔ حق یہ ہے کہ جس امت کے نگہبان رسول عربی ہوں وہ بدقسمت کیسے ہو سکتی ہے؟

(سال نامہ تجلیات رضا، بریلی شریف، ص:۶۷ شمارہ:۳)

فقہی احتیاط کی مثال :

حضرت محدث امروہوی علیہ الرحمہ کا راقم الحروف سے بیان فرمودہ درج ذیل واقعہ بھی آپ کی شان ورع و تقوئ کو خوب نمایاں کرتا ہے۔ چناں چہ حضرت محدث امروہوی نے میرے جامعہ نعیمیہ مراد آباد کے زمانہ طالب علمی میں بیان فرمایا تھا۔

۱۹۶۰ء میں جب میں مدرسہ مظہر اسلام بریلی شریف میں نائب شیخ الحدیث تھا اور سفر زیارت حرمین شریفین کے لیے روانہ ہو رہا تھا اس وقت اپنی رخصت کی درخواست حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے منع تو نہ فرمایا کہ حج فرض کا معاملہ تھا ،اور تمام ضروری کاغذی کارروائیاں بھی مکمل ہو چکی تھیں۔ مگر درخواست پر اپنے دست مبارک سے دستخط بھی نہ فرمائے، بل کہ درخواست مہتمم دار العلوم حضرت ساجد میاں علیہ الرحمہ کے حوالے کر دی۔

حضرت محدث امروہوی نے جب میری چشم حیرت وا دیکھی تو اس کی تشریح یوں فرمائی۔ چوں کہ میں بذریعہ فوٹو حج کو جارہا تھا اور اس سلسلے میں حضرت کا موقف نہایت واضح اور اٹل تھا کہ کسی بھی صورت میں تصویر کشی کے جواز کی کوئی صورت نہیں۔ لہذا آپ نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس امر محظور سے اس طرح اپنا دامن بچالیا۔ سچ ہے کہ احتیاط و تقویٰ کی ایسی نادر مثال شاید باید ہی کہیں نظر آئے۔

متقی بن کر دکھائے اس زمانے میں کوئی
ایک میرے مفتی اعظم کا تقویٰ چھوڑ کر

سرائے ترین کا آخری سفر :

غالباً ۷۴/ ۱۹۷۳ء کی بات جب تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم آخری بار سرائے ترین تشریف لائے۔ ہوا یوں کہ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد یونس نعیمی سنبھلی، سابق مہتمم جامعہ نعیمیہ مرادآباد علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد آپ ان کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لیے بغیر کسی سابق اطلاع کے کسی روز مدرسہ اہل سنت اجمل العلوم سنبھل تشریف لائے۔ کسی طرح آپ کے عزیز ترین مرید حافظ کرامت اللہ منصوری مرحوم کو آپ کی تشریف آوری کی خبر ہوگئی، وہ سنبھل پہنچ گئے اور فاتحہ خوانی کے بعد آپ کو وہ اپنے گھر لے آئے۔ تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم نے سرائے ترین پہنچتے ہی حضرت مخدوم ملت کو یاد فرمایا۔ چناں چہ میرے پھوپھا جان عاشق مفتی اعظم جناب محبوب احمد نوری دوڑے دوڑے آئے اور یہ مژدہ جاں فزا سنایا کہ حافظ صاحب کے یہاں حضور مفتی اعظم قبلہ تشریف لائے ہیں اور آپ کو یاد فرمارہے ہیں جب آپ کو یہ خوش خبری ملی تو خوشی کی انتہا نہ رہی، آپ نے فوراً درس و تدریس کا سلسلہ موقوف کیا اور تیزی کے ساتھ تمام اساتذہ و طلبہ جامعہ کو ہم راہ لے کر حاضر خدمت ہوگئے۔ حضرت آپ کو اور آپ کے ہم راہ طالبان علوم نبوت کی فوج دیکھ کر بے پناہ مسرور ہوئے اور سب کو ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا۔ حضرت مخدوم ملت نے عرض کیا حضور بغیر کسی سابق اطلاع کے یہ اچانک تشریف آوری کیسے ہوئی! ارشاد فرمایا: حضرت مولانا محمد یونس علیہ الرحمہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے آیا تھا، آپ کے یہ حافظ صاحب وہاں پہنچ گئے اور مجھے اپنے گھر لے آئے۔ سبحان اللہ قربان اس سادگی اور شان تواضع و انکساری کے! پھر دیر تک دونوں بزرگوں کے درمیان کچھ اہم گفتگو ہوتی رہی۔ حضرت نے جب آپ کو شاداں و فرحاں اور مائل بہ کرم پایا تو عریضہ پیش کیا کہ حضور اگر جامعہ سلامیہ میں اپنا قدم مبارک رکھ دیں تو اس کا بھی بھلا ہو جائے گا۔ چنان چہ یہ درخواست منظور ہوئی اور آپ جامعہ سلامیہ میں تشریف لے آئے، طلبہ و اساتذہ نے نعرہ ہائے تکبیر و رسالت کی گونج میں شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاج دار اہل سنت کا والہانہ استقبال کیا۔ پھر آپ نے طلبہ کے اندر تعلیمی بیداری سلیقہ مندی، اساتذہ کی کارکردگی اور عمارت کا بغور معائنہ فرمایا اور اپنے مبارک ہاتھوں سے تقریباً آدھے صفحہ پر مشتمل خوش خط نقل معائنہ تحریر فرمایا جو آج بھی جامعہ سلامیہ کی سالانہ روداد میں طبع ہو کر محفوظ ہے۔ ارادہ تھا کہ اس مبارک تحریر کا عکس شامل مقالہ کیا جاتا مگر وقت کی تنگی اور وطن سے دوری کی وجہ سے اسے شامل نہیں کیا جاسکا۔

حضرت مخدوم ملت کا وصال:

آپ کا وصال ۱۹ ر رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۸ ر مئی ۱۹۸۷ء دوشنبہ مبارکہ دن میں ٹھیک گیارہ بج کر پچپن منٹ پر ہوا، پھر دن گزار کر رات کو تقریباً بارہ بجے آپ کے قائم کردہ اسی جامعہ سلامیہ میں سیکڑوں علما اور رہ نماؤں اور ہزاروں عوام کی موجودگی میں آپ کو

آسودۂ خاک کیا گیا۔ آپ کے بہت ہی قریبی رفیق رئیس الاتقیا بقیۃ السلف حضرت علامہ الحاج مبین الدین محدث امروہوی علیہ الرحمہ نے درج ذیل شعر میں آپ کے سن وفات کا استخراج کیا ہے۔

کیا خوب! نوری جنازہ نوری جنازہ
چلے فرشتے سبحان اللہ سبحان اللہ

۱۴۰۷ھ

آپ کے عرس چہلم کے موقع پر خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ نوریہ کے صاحب سجادہ حضرت مولانا سبحان رضا خان سبحانی میاں مدظلہ العالی نے محب محترم مولانا مفتی انوار الحق سلامی مصطفوی کے ذریعہ مزار مخدوم ملت کے لیے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی ہمرشد گرامی شیخ الانام حضرت حجۃ الاسلام اور تاج دار اہل سنت حضور مفتی اعظم قدست اسرارہم کے مزارات مقدسہ کی تین چادریں بھیجیں جنھیں نہایت جوش عقیدت کے ساتھ آستانہ عالیہ قادریہ سلامیہ میں پیش کیا گیا۔ نیز انھیں مبارک چادروں کے ساتھ اس گناہ گار راقم الحروف کی رسم جانشینی کے لیے ایک عمامہ شریف بھی بھیجا جسے اس موقع پر درجنوں جلیل القدر علما و مشائخ کی موجودگی میں رئیس الاتقیا حضرت علامہ الحاج مبین الدین محدث امروہوی نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس فقیر سلامی کے زیب سر فرمایا۔

لمعاتِ مفتی اعظم

مولانا مفتی عبدالواجد قادری (مقیم ہالینڈ)

بریلی شریف کا دارالافتا :

الحمدللہ کہ متحدہ ہندوستان کے قدیمی ومرکزی اور مرجع العلما دارالافتاؤں میں جس دارالافتا کا سورج تقریباً پونے دوسو سال سے علم وفضل اور مرکزیت کے آسمان پر روشن ودرخشندہ ہے وہ بریلی شریف کے خاندانِ رضا کا مرکزی دارالافتا ہے۔ جو ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء سے اب تک (۱۴۲۷ھ مطابق ۲۰۰۶ء) صرف برصغیر ہی نہیں بلکہ اکثر دنیاے سنیت پر اپنی قیادت کی پرنور شعاعیں بکھیر رہا ہے۔

اس حقیقت کا انکشاف مختصر لفظوں میں یوں بھی کیا جاسکتا ہے کہ خاندانِ رضا میں افتانویسی کا آغاز ۱۲۴۶ھ میں رضاء العارفین امام العلما الراسخین حضرت مولانا مفتی رضا علی خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا جس نے چند ہی دنوں میں مرکزی دارالافتا کی حیثیت اختیار کرلی۔

اس کی آب یاری ان کے صاحبزادۂ جلیل، فاضل بے مثیل، اکمل العلما، اعرف العرفا، مرجع العلما حضرت علامہ مفتی نقی علی خاں صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے رہے۔ پھر انھوں نے اپنے حین حیات ہی اس مرکزی دارالافتا کی ذمہ داری ۱۲۸۶ھ میں اپنے صاحبزادۂ ذی وقار، نابغہ روزگار، مرجع العلماء العرب والعجم، مجدد اعظم، ناصر دین وملت، امام اہل سنت، رفیع الدرجت امام احمد رضا معروف بہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے سپرد فرمائی جب کہ اعلیٰ حضرت کی عمر شریف صرف تیرہ سال چند ماہ کی تھی۔

مرکزی دارالافتا کا فیضان :

اس مرکزی دارالافتا کا وہ زریں دور شروع ہوا جس میں ملک کے علاوہ رنگون، برما، لنکا، اور افریقہ وغیرہ کے مختلف ممالک سے شرعی سوالات کی آمد کا تانتا لگ گیا۔ معاون مفتیان کرام کے علاوہ خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے جس قدر استفسارات کے جوابات تحریر فرمائے ہیں وہ بیس ہزار سے زائد صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

سائلین میں صرف عوام ہی نہیں بلکہ ساڑھے پانچ سو سے زیادہ ایسے علماے محققین، اساتذہ ومدرسین اور مبلغین دین کے اسما فتاویٰ رضویہ میں ملتے ہیں جن میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ علوم نقلیہ وعقلیہ کے مرجع وتاجدار تھے۔

یہی وہ دور تھا جب کہ اس مرکزی دارالافتا میں فقیہ اعظم ہند حضور صدر الشریعہ، اعلم العلما حضور صدر الافاضل، مرجع عقیدت حضور محدث اعظم ہند، مرشد الانام حضور حجۃ الاسلام، حضور مفتی اعظم، استاذ الاساتذہ حضور ملک العلما اور فیضان عبدالاسلام حضور برہان الحق والدین والملۃ علیہم الرحمۃ والرضوان وغیرہم جیسی عظیم وجلیل اور عبقری شخصیتیں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے زیر تربیت رہ کر ایک عالم کو مستفیض فرما رہی تھیں۔

بل کہ یوں کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ آج تک مذکورہ حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ کا علمی وروحانی فیضان پوری دنیاے سنیت میں بالواسطہ

جاری وساری ہے۔

پھر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی حیاتِ مبارکہ ہی میں اس مرکزی دارالافتا کی عظیم ذمہ داری میں حضور حجۃ الاسلام حضرت علامہ الحاج شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب اور میں شیخ العرفا مفتی اعظم حضرت علامہ الحاج شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے سپرد فرما کر ۱۳۴۰ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

مفتی اعظم کی فتویٰ نویسی :

یوں تو دورِ طالب علمی ہی سے فتویٰ نویسی کا ذوق تھا مگر ۱۳۲۸ھ میں رضاعت کے تعلق سے آپ کے تحریر کردہ ایک جواب کو ملاحظہ فرما کر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اس قدر مسرور ہوئے کہ مہر افتا بنوا کر آپ کو عطا فرمائی اور فتویٰ نویسی کی باضابطہ اجازت دی۔

ستر سال سے بھی زائد مرکزی دارالافتا بریلی شریف کو آپ نے رونق بخشی۔ آپ کے دورگرامی میں تبحر علمائے کرام نے آپ سے تربیت افتا حاصل کی جن میں بحرالعلوم حضرت علامہ سید افضل حسین مونگیری، شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی، تاج العلما حضرت مولانا محمد اختر رضا قادری ازہری، مفتی شہیر حضرت مولانا مفتی محمد اعظم صاحب اور محقق وقت حضرت علامہ مفتی قاضی عبدالرحیم صاحب بستوی وغیرہم مشہور و معروف ہیں۔

آپ کی فتویٰ نویسی کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں تھا۔ جو سوال جس وقت آتا اس کا جواب اسی وقت دینے کی کوشش کرتے اور جواب صرف ہاں اور نہ میں نہیں دیتے اور نہ صرف جائز و ناجائز لکھتے بلکہ دلائل و براہین شرعیہ سے جواب کو مدلل و مبرہن فرماتے۔ جس کی سطر سطر سے علمی لیاقت، بصیرت، زبان و بیان کی لطافت، دلائل شرعیہ کی کثرت، افہام و تفہیم کی ندرت اور حکیمانہ فکر و نظر کی ضیا باریاں پھوٹی پڑتی تھیں۔ جس کی ضیاء وجلا کو آج بھی ''فتاویٰ مصطفویہ'' میں سرکی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔

مقام مسرت ہے کہ حضور سیدنا مفتی اعظم کے مطبوعہ ''فتاویٰ مصطفویہ'' کے علاوہ مختلف رسائل و صحائف میں منتشر فتاویٰ کو یک جا کرنے کی سعادت مخلص مکرم ذوالمجد والکرم حضرت مولانا سید شاہد علی رضوی رام پوری نے حاصل فرمائی ہے۔ جس کو ''ضمیمۂ فتاویٰ مصطفویہ'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ جس میں سرکار مفتی اعظم کے تعلق سے فقیر راقم الحروف کا ایک تبصرہ منسلک ہے جس میں افتا کی اجمالی دستاویز اور حضور مفتی اعظم کی فتویٰ نویسی کی خصوصیات درج ہیں۔

حضور مفتی اعظم سے میری پہلی ملاقات :

۱۹۵۵ء میں میں بنارس کے اندر زیر تعلیم تھا اور الہ آباد عربک۔ اینڈ پرشین بورڈ کے تعلق سے عالم جدید کی تیاری میں مصروف تھا۔ چوں کہ دورِ طالب علمی ہی سے بعض دینی اجلاس میں کچھ نہ کچھ بول لینے کی جرأت تھی اس لیے ان ہی ایام میں گورکھ پور سے جلسۂ عید میلادالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک دعوت آئی جسے میں نے قبول کرلیا، جب تاریخ مقررہ پر میں گورکھ پور جنکشن پہنچا تو وہاں جلسہ کا بینر اور اس کے کارندوں کو دیکھا جو کسی بنارسی مولانا کی تلاش میں تھے۔ میں اٹھارہ سالہ طالب علم تھا کسی نے میری طرف توجہ نہیں کی قدرے توقف کے بعد بذریعہ رکشہ میں محلہ قاضی پورہ خرد زیر درختانِ املی پہنچ گیا۔ جہاں جلسہ گاہ اور علما کی قیام گاہ بھی تھی۔ اتفاق سے اسی وقت جلسہ سے خطاب فرمانے کے لیے حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ بھی تشریف لے آئے۔ منتظمین جلسہ نے حضور حافظ ملت کا قیام اس وسیع و عریض کمرا میں تجویز کیا جہاں شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم قیام پذیر تھے۔ لیکن حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ نے اسے منظور نہیں فرمایا

اور منتظمین جلسہ سے سرگوشی کے انداز میں فرمایا کہ میری چارپائی کہیں باہر رکھ دو، میں سرکار مفتی اعظم کے سامنے چارپائی پر بیٹھنے کی جرأت نہیں کرسکتا ہوں۔

چنان چہ حضور حافظ ملت اور اس خادم کا بستر ایک ہی روم میں لگا دیا گیا اور ایک تیسرے روم میں جناب اجمل سلطان پوری اور پروفیسر عبدالقیوم علی گڑھی کی قیام گاہیں تھیں۔ یہ وسیع ترین مکان جناب سراج الہدیٰ۔ شمس الہدیٰ (ریلوے آفیسران) کا تھا۔ غسل اور چائے ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے ہم راہ پہلی بار سرکار مفتی اعظم کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضور مفتی اعظم نے اپنی نقاہت و مصروفیت کے باوجود حضور حافظِ ملت کا استقبال کھڑے ہوکر فرمایا اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ نے سلام و تحیت نیز دست بوسی و قدم بوسی کے بعد حضور مفتی اعظم کے دستِ کرم کو اپنے سر پر رکھا اور دعا کے طالب ہوئے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے طرزِ ملاقات اور اندازِ ادب نے فقیر کو بزرگوں کی بارگاہ میں حاضر ہونے اور اکتسابِ فیض کا احسن طریقہ سکھایا۔ چنان چہ میں بھی اسی طریقہ سے قدم بوس ہوا۔ خیریت دریافت کرنے کے بعد حضور مفتی اعظم نے حضرت حافظ ملت سے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ حافظ ملت نے عرض کیا حضور! یہ مولانا عبدالواجد ہیں جو بنارس سے آئے ہیں۔ اور جلسہ کی طرف سے مدعو ہیں۔ میں انھیں کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہوں۔ حضور سیدنا مفتی اعظم نے فرمایا۔ ہاں ہاں۔ بریلی میں ان کا ذکر ہو رہا تھا کہ بنارس میں عبدالواجد نام کے کسی طالب علم نے مولوی حسین احمد، مولوی نجم الدین اور مولوی ابوالوفا شاہ جہاں پوری وغیرہم کو دھول چٹادی ہے۔ پھر حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے فقیر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ کیا وہ آپ ہی ہیں؟ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ تو فرمایا نہیں آپ اس کی تفصیل بیان کیجیے۔ چنان چہ میں نے مدرسہ اسلامیہ بنارس کے جلسۂ دستار بندی اور مذکورہ مولویوں کی تقریروں کی روداد سنائی۔ مولوی نجم الدین اصلاحی سرائے میری کی تقریر پر اپنا اعتراض پھر اس اعتراض کا ہزاروں کی تعداد میں مطبوعہ ہوکر مشتہر ہونا، پھر اس مطبوعہ اعتراض بنام (علماء دیوبند کی نیرنگیاں) کے جواب سے مذکورہ مولویوں کا مولوی عبدالمجید بنارسی کے مکان پر عاجز ہونا۔ اور طالب علموں کی دستار بندی سے انکار کردینا وغیرہ وغیرہ بیان کیا۔ حضور سیدنا مفتی اعظم ان واقعات کو پوری دل چسپی سے سماعت فرماتے رہے اور اخیر میں دعاؤں سے نوازا۔

یہاں تک کہ جن دنوں میں بریلی شریف میں قیام پذیر تھا اور آپ کے سہ دری بیٹھک میں گھنٹوں گھنٹے حاضر رہا کرتا تھا۔ ان دنوں میں بھی آپ مجھے بنارسی مولانا ہی کہہ کر مخاطب فرماتے رہے۔

شاعر اہل سنت اجمل سلطان پوری :

گورکھپور کا دو روزہ جلسۂ عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گورکھ پور کے گنجان علاقہ محلہ قاضی پور خورد زیر و رغبان والی منعقد تھا۔ جس میں خطاب فرمانے کے لیے حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے علاوہ پروفیسر عبدالقیوم علی گڑھی وغیرہ آئے ہوئے تھے۔ دن کے وقت دوسرے اجلاس کا پروگرام چل رہا تھا۔ علاقائی علماء و شعرا کے بعد شاعرِ اہل سنت اجمل سلطان پوری کو آواز دی گئی۔ جنھوں نے اپنی مترنم آواز کا جادو جگانا شروع کیا۔ کلام کا تقدس، جملوں کی موزونیت اور تخیل کی بلند پروازی نے سامعین کے ہر کہ و مہ سے خراج تحسین حاصل کیا۔ دورانِ کلام جناب اجمل سلطان پوری نے فی البدیہ یہ شعر بھی اس میں شامل کردیا۔

میلاد کی محفل سے شیطان نکل بھاگا سمجھا نہ قیام اپنا جب وقتِ سلام آیا

اجمل صاحب کے بعد اناؤنسر نے فقیر کاتب الحروف کی تقریر کا اعلان کیا۔ مجھ سے پہلے پروفیسر عبدالقیوم صاحب نے نہایت عجلت میں آگے بڑھ کر مائیک کو تھام لیا اور چند ناصحانہ جملوں کے بعد جناب اجمل سلطانپوری کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ بے شک

اجمل صاحب ایک اچھے نعت خواں اور نعت گو شاعر ہیں۔ مگر محفل میلاد میں بوقت سلام قیام نہ کرنے والوں کو شیطان کہا جو اردو زبان میں گالی ہے اور اس اسلامی اسٹیج پر گالی بکنا اسلامی تہذیب کے خلاف ہے۔ لہٰذا آئندہ سے اجمل صاحب اس کا خوب خیال رکھیں اور ایسی تلمیحات سے پرہیز کریں۔ پروفیسر کے اعتراضات بانداز نصیحت سننے کے بعد جناب اجمل صاحب مائیک پر تشریف لے آئے اور اپنے کلام کی وضاحت فرمانے لگے کہ میں نے آپ ہی حضرات سے سنا ہے کہ صالحین کے ذکر کے وقت رحمت خداوندی اور سلامتی کی موسلادھار بارش ہوتی ہے۔ تو جہاں سید الصالحین خاتم النبیین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے میلاد شریف کا ذکر ہو گا ان کے معجزات وفضائل بیان کیے جائیں کیا وہاں رحمت وسلامتی کی بارش نہیں ہوگی؟ اور جہاں سلامتی ورحمت کی بارش ہوگی کیا وہاں سے شیطان نہیں بھاگے گا؟ پروفیسر صاحب نے جواباً کہا۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ نیکوں کا ذکر نزول رحمت اور ردّ بلا کا سبب ہوتا ہے لیکن محافل میلاد میں بوقت قیام وسلام، قیام سے اعراض کرنا مسلمانوں کے ایک خاص طبقہ کی پہچان ہوگئی ہے۔ مگر عدم قیام کی وجہ سے وہ دین اسلام سے خارج نہیں۔ اور جب وہ طبقہ بھی مسلمان ہے تو مسلمانوں کو شیطان کہنا اجمل صاحب کو زیب نہیں دیتا۔

پروفیسر صاحب کی باتوں کو سن کر اجمل صاحب پھر کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے۔ پروفیسر صاحب! میں آپ کو اردو زبان وادب کا ماہر وادیب سمجھتا تھا۔ لیکن آپ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ قیام کا لفظ صرف قعود ہی کے مقابل مستعمل نہیں ہے بلکہ قیام سکونت اور ٹھہرنے کے معنی میں بھی عوام وخواص کے درمیان استعمال کیا جاتا ہے۔ پھر اس لفظ (قیام) پر آپ کی اجارہ داری تو نہیں کہ قعود کے بالعکس ہی استعمال کیا جائے۔ اور چوں کہ آپ نے اجمل کو ایک اچھا شاعر تسلیم کر لیا ہے تو اسے اختیار ہے کہ حدود شاعری میں رہ کر متعدد المعنیٰ الفاظ کو اس کے جس معنی میں چاہے استعمال کرے کہ زبان شاعر کی پروردہ اور یہ الفاظ دیگر اس کے گھر کی لونڈی ہوتی ہے۔ جب کہ پروفیسر زبان وادب کے اصول کے آگے مجبور و بے بس ہوتا ہے یا بالفاظ دیگر اس کے اشارات وکنایات کا غلام بے زر ہوتا ہے۔

اس تیکھے جواب کو سن کر پروفیسر صاحب نہ صرف چیں بہ جبیں ہوئے بلکہ اسٹیج اور اپنی قیام گاہ چھوڑ کر شہر کی جانب چلتے بنے۔ لوگوں نے اختتام جلسہ تک ان کا انتظار کیا مگر وہ لوٹ کر نہیں آئے۔

حضور مفتی اعظم جلسہ گاہ ہی کے قریب بانی جلسہ (غالباً نور الہدیٰ) کی بیٹھک میں تشریف فرما مذکورہ دونوں حضرات کی گفتگو سماعت فرما رہے تھے۔ اختتام جلسہ کے وقت جب اسٹیج پر تشریف لائے تو اجمل صاحب کی جانب مخاطب ہو کر دعائیں دیں اور فرمایا.... اللہ تبارک وتعالیٰ استقلال واستقامت عطا فرمائے۔ بہت خوب جیسے کو تیسے کی ضرورت ہے....

حضور مفتی اعظم اور حفظ زبان :

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ بہت کم سخن اور (قل خیرا او اسکت) پر پورے پورے عامل تھے۔ کراہت آمیز الفاظ نہ خود استعمال فرماتے اور نہ دوسروں کی زبانی سننا پسند کرتے .... جون۔ جولائی کی چلچلاتی ہوئی گرمی، شمالی بہار کا وہی علاقہ، ترہت کی ناہموار اور ریتیلی سڑکیں، سواریوں کا ناپسندیدہ انتظام کہیں جیپ، کہیں ٹائر گاڑی اور بیل گاڑی اور کہیں کہیں تو پاپیادہ چلنے ہی کی باری۔

مظفر پور سے سون برسا تک ہچکولے پر ہچکولے کھاتے ہوئے بذریعہ جیپ راستہ طے ہوا۔ سون برسا سے ملنگواں (نیپال) تک حضور مفتی اعظم اپنے چند خدام کے ساتھ جیپ پر، علامہ مشتاق احمد نظامی، علامہ مظفر حسین کچھوچھوی اور علامہ کامل سہسرامی وغیرہم پاپیادہ تشریف لائے۔ ملنگواں کی بیشتر مسلم آبادی حضور مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت تھی۔ لہٰذا ان حضرات کے اصرار پر

حضور مفتی اعظم اور دیگر علماے اہل سنت کی چاے نوشی وغیرہ کے لیے وہاں روکا گیا۔ گلاب چند (جس کا نام مفسر اعظم علیہ الرحمہ نے غلام محمد رکھ دیا تھا) کے دروازہ پر نیپالی انداز میں پرتکلف ناشتہ کا انتظام ہوا۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ ہالہ لیے ہوئے مہ کی طرح علماے اہل سنت اور مشتاقانِ دید کے درمیان رونق افروز تھے۔ چاے نوشی کے درمیان کاتب الحروف (عبدالواحد قادری) سے دریافت فرمایا کہ اب تو ہم لوگ نیپال کی سرحد میں داخل ہو چکے ہیں؟ میں نے عرض کیا جی حضور! سیتامڑھی ہندوستان کا سرحدی ضلع ہے اور یہ ملنگواں کسی نام نہاد ملنگ کی طرف منسوب ہو کر نیپال کا پہلا سرحدی شہر ہے۔

آپ نے فرمایا نہ تو مڑھی کی نسبت صحیح ہے اور نہ ملنگ کی یہ سب ان کے فرضی نام ہیں جو ان کے نظریات وعقائد باطلہ کے مظہر ہیں۔ پھر حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے دریافت کیا کہ اس آبادی پر شہر کی تعریف صادق آتی ہے؟ میں نے عرض کیا جی حضور! اس پر شہر کی یہ تعریف صادق آتی ہے کہ یہاں متعدد محلے، علاقے، کوچے اور دوامی و مستقل بازار ہیں۔ پھر یہ آبادی اگرچہ ضلع نہیں مگر ہندوستانی پرگنوں اور تحصیل سے کسی طرح کم بھی نہیں کہ اس کو علاقائی مرکزیت حاصل ہے۔ غیر مسلم آبادیوں سے قطع نظر مسلمانوں کی یہاں اس قدر آبادی ہے کہ جمعہ کے دن تین تین مسجدیں مسلمانوں سے بھر جاتی ہیں اور مسلمان یہاں مدتوں سے جمعہ و اعیاد ادا کر رہے ہیں۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے پوچھا۔ کیا یہاں قربانی ہوتی ہے؟ اور یہاں کے مسلمانوں کو حج کرنے کی اجازت یہاں کی گورنمنٹ دیتی ہے؟ میں نے عرض کیا۔ جی حضور قربانی ہوتی ہے مگر بڑے جانوروں میں صرف مادہ جانوروں کی قربانی نہیں ہوتی کیوں کہ یہاں بڑے مادہ جانوروں کا ذبیحہ قانوناً ممنوع ہے۔ اور یہاں کے مسلمانوں کو حج کرنے کی بھی اجازت ہے چنانچہ ہر سال کچھ نہ کچھ مسلمان حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور اب تو ملکی سطح پر حج کمیٹی بھی یہاں بن گئی ہے۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ آپ نے شہر کی جو تعریف کی اس میں یہ بات رہ گئی کہ یہاں گورنمنٹ کی جانب سے کوئی با اختیار حاکم رہتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ کل جمعہ ہے اور جہاں ہم لوگوں کو جانا ہے معلوم نہیں وہاں شرعی طور پر جمعہ کا جواز ہے یا نہیں؟ میں نے عرض کیا ہم لوگوں کو آج ہی سندر پور جانا ہے جہاں دو روزہ جلسہ کا اہتمام ہے اور سندر پور ایک گاؤں ہے جہاں جواز نماز جمعہ کے بہت سارے شرائط مفقود ہیں، البتہ وہاں کے مسلمان اور ہفتہ واری بازار میں قرب و جوار سے آنے والے مسلمان وہاں نماز جمعہ پڑھتے ہیں، جنھیں نماز جمعہ سے مصلحتاً روکا نہیں جاتا۔ ویسے اگر حضور چاہیں گے تو نماز جمعہ کے لیے ملنگواں تشریف لا سکتے ہیں! ملنگواں اگرچہ ضلع نہیں ہے مگر ضلعی عدالت یہاں مدتوں سے قائم ہے جہاں کئی با اختیار حاکم رہتے ہیں اور ان کے فیصلے قانونی طور پر ضلع بھر میں نافذ ہوتے ہیں۔ میرا جواب سن کر حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا اور بار بار لاحول الخ شریف اور اور استغفر اللہ الخ کا ورد فرمانے لگے۔ ارشاد فرمایا ہندوستان اور نیپال کا حکم جمعہ و اعیاد کے تعلق سے مختلف ہے۔

ہندوستان میں اسلامی آئین کا نفاذ قانوناً ہو چکا ہے جو اب تک بالقوۃ یا قانوناً کلیۃً مسترد نہیں کیا گیا ہے لہٰذا وہ ابھی بھی دارالاسلام ہے جب کہ نیپال میں اسلامی آئین کبھی نافذ ہی نہیں ہوا۔ یہاں کی بعض کتب تواریخ سے پتہ چلتا ہے کہ کسی شہاب الدین بنگالی سردار نے نیپال کے خاندانی راجہ سے حکومت چھین لی تھی۔ مگر ترس کھا کر حکومت لوٹا دی اور جہاں سے آیا تھا وہاں چلا گیا۔ لیکن نیپال کا وہ علاقہ جو مغل بادشاہوں کا واگزار رہا ہے یا مغلیہ سرحدی علاقوں کے زیر اثر رہا ہے جسے عرف میں مغلان کہا جاتا ہے اس کا حکم کچھ اور ہے۔

پھر فرمایا یہاں کی کچہری کو جس لفظ سے آپ نے تعبیر کیا ہے میں اسے اچھا نہیں سمجھتا ہوں۔ شریعت مطہرہ نے شاہد و گواہ کی صفت عادل ہونا بیان کی ہے جس کا معنی قابلِ اعتبار ہونا ہے اور یہ لوٹیا چوٹیا والے خواہ جج ہوں یا وکیلِ معروف یا پھر گواہانِ زر خرید۔ کوئی بھی عادل

نہیں تو ان کے ملفوظ کو عدالت یا انصاف گھر کہنا کہاں تک مناسب ہوگا؟

حضور والا کی نصیحتوں پر اس درمیانی نشست گاہ کا اختتام ہوا۔ جماعت کے ساتھ عصر کی نماز ہوئی۔ پھر سندر پور ضلع سرلاہی کی جانب قافلہ روانہ ہوگیا۔

سون برسا سے ملنگواں پھر ملنگواں سے سندر پور کے درمیان کوئی سڑک نہیں تھی، لوگوں کی آمد ورفت پا پیادہ یا بذریعہ سائیکل یا بذریعہ بیل گاڑی ہوا کرتی تھی۔ بڑی مشکلوں سے ایک جیپ والا تیار ہوا۔ حضور سیدنا مفتی اعظم مجاہد جلیل مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی، پاسبان ملت علامہ مشتاق احمد نظامی اور فخر صحافت علامہ کامل میاں سہرامی (علیہم الرحمۃ) اس جیپ پر سوار ہوئے بقیہ لوگ پا پیادہ روانہ ہوئے۔ کھیت کی میڑھوں کو طے کرتے ہوئے ہچکولے پر ہچکولے کھاتے ہوئے جیپ روانہ ہوئی۔ دس بارہ آدمی جیپ کو دونوں طرف سے تھامے ہوئے تھے کہ مبادا الٹ نہ جائے۔ دو کیلومیٹر کے بعد حضور مفتی اعظم کے علاوہ سارے حضرات جیپ سے اتر آئے اور جیپ کے ساتھ ساتھ پیدل چلنے کو غنیمت جانا۔ کہیں کہیں جیپ کو آگے بڑھانے کے لیے راستہ کو مٹی سے بھرنا پڑا۔ مغرب کی نماز کھیت کی میڑھ پر ادا کی گئی۔ عشا کے وقت یہ تھکا ماندہ قافلہ سندر پور مدرسہ میں پہنچا۔ جناب مولانا محمد ادریس صدیقی نے مدرسہ کے دیگر اساتذہ وارکان کے ساتھ قافلہ کو خوش آمدید کہا۔ گاؤں کے سربرآوردہ حضرات بھی استقبال کرنے والوں میں موجود تھے۔ محترم نیک محمد صاحب نے بڑھ چڑھ کر اپنی خوش عقیدگی اور مہمان نوازی کا عملی اظہار کیا۔

مقامی طور پر نماز عشا کی جماعت ہو چکی تھی اور جلسہ کا پروگرام مدرسہ سے متصل ہی شروع ہو چکا تھا۔ علاقائی علما میں حضرت مولانا عبدالوحید صاحب مرحوم اور مولانا صبغۃ اللہ صاحب مرحوم بھانڈسروی جلسہ سے خطاب کر رہے تھے۔ حضرت علامہ کامل صاحب سہرامی اضمحلال اور تھکاوٹ کے باوجود عشا کی نماز سے فارغ ہو کر رونق اسٹیج ہو چکے تھے۔ مولانا عبدالوحید نوری کے بعد کاتب الحروف کی گفتگو ہوئی پھر علامہ سہرامی نے ایک بجے رات تک اختتامی تقریر فرمائی۔ آئندہ اجلاس کے لیے مجاہد جلیل اور پاسبان ملت کی تقریروں کا اعلان ہوا۔ ادھر حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے نماز عشا کے بعد چائے نوشی فرمائی اور سائلوں کے اصرار پر تعویذ نویسی میں مصروف ہو گئے یکے بعد دیگرے سیکڑوں تعویذ لکھے گئے مگر سائلوں کی بھیڑ کم نہ ہوئی۔

نماز عشا کے بعد ایک زانو پر قبلہ رو بیٹھے تو رات کے دو بج گئے تعویذ نویسی کے درمیان کبھی آنکھ بند ہو جاتی کبھی ہاتھ سے قلم چھوٹ جاتا مگر تعویذ نویسی کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔ مولانا محمد ادریس اور دیگر کارکنان جب جلسہ ختم ہونے کے بعد سرکار مفتی اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت کی نقاہت کو دیکھ کر انھیں بہت افسوس ہوا۔ اور وہ تعویذات کے سائلوں پر بگڑنے لگے۔ حضور مفتی اعظم نے فرمایا مولانا! جانے بھی دیجیے۔ یہ لوگ مجبور اور ضرورت مند ہیں۔

خدا خدا کر کے بھیڑ چھٹی تو مرید ہونے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ حضور مفتی اعظم نے دعا فرمائی اور لوگوں کو داخل سلسلہ کرنا شروع کیا۔ آٹھ دس لوگوں کو فرداً فرداً داخل سلسلہ کیا۔ پھر مولانا صبغۃ اللہ نوری مرحوم نے ایک صاف ستھری چادر پھیلا دی اور "ہال" میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا چادر کو چاروں طرف سے پکڑ لو اور حضور جو کچھ فرمائیں اسے دہراتے جاؤ۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر صبح صادق طلوع ہوگئی۔ عشا کے وضو سے حضور والا نے فجر کی نماز ادا فرمائی پھر چائے پی اور آرام فرمانے کے لیے کمرہ میں تشریف لے گئے۔

سندر پور جلسہ میں شرکت فرمانے کے بعد ایک شب و روز کے لیے بھانڈسر تشریف لائے جسے دھرم پور بھی کہتے ہیں۔ یہ خوش حال کمرانی مسلمانوں کی آبادی ہے یہاں فیض الغربا نام کا ایک قدیمی اور خود کفیل مدرسہ بھی ہے جو درس نظامی کے نہج پر چل رہا ہے۔ اسی مدرسہ کی

وجہ سے اس علاقہ میں اکابر علمائے اہل سنت کی آمد ورفت ہوتی رہی ہے اور سنیت کا بول بالا رہا ہے۔ حضور سیدنا مفسر اعظم علامہ الحاج شاہ ابراہیم رضا عرف جیلانی میاں قبلہ نے بار بار اپنے قدوم میمون سے اس علاقہ کو نوازا ہے۔ حضور سیدنا محدث اعظم ہند حضرت علامہ سید شاہ محمد اشرفی الجیلانی کچھوچھوی، سحبان الہند علامہ ابوالوفا فصیحی غازی پوری وغیرہم نے اپنی تقریروں سے اسلام وسنیت کی آبیاری فرمائی ہے۔

حضور سیدنا مفتی اعظم کا قیام مدرسہ مذکورہ میں رہا جہاں استقبالیہ جلسہ بھی ہوا اور علاقہ کے کافی مسلمان حلقۂ ارادت وبیعت میں داخل ہوئے۔ اس علاقہ کے بہتیرے مسلمان بھی ہندوؤں کی طرح دھوتی باندھتے ہیں۔ جب بھی کوئی دھوتی والا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ نفرت کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرماتے "دھوتیا، چوٹیا اور لوٹیا نے تو تہذیب ومعاشرت کی دھجیاں اڑادی ہیں، مسلمان بھی اسی رو میں بہتا جارہا ہے۔ اور اپنی تہذیبی وراثت کو بھولتا جارہا ہے۔" پھر دھوتی والوں کو محبت سے قریب میں بلاتے اور اسے نصیحت فرماتے کہ یہ تمہارا لباس نہیں ہے۔ اس میں ستر کی بے پردگی ہوتی ہے۔ ران تک کا حصہ پیچھے سے نظر آتا ہے جس کا بے وجہ شرعی دکھانا حرام ہے، لباس ایسا پہنو جس سے بے ستری نہ ہو اور یہ بھی خیال رہے کہ وہ لباس کفار وفساق کی علامت نہ بن چکا ہو۔ حضرت والا کی نصیحتوں کا کچھ ایسا اثر ہوتا کہ لوگ توبہ کرکے وہاں سے اٹھتے اور دوسرے دھوتی پہننے والوں کے لیے خود ناصح ہوجاتے۔

دھرم پور کی مسجد میں نمازِ ظہر کی ادائیگی :

مدرسہ فیض الغربا کے قریب ہی آبادی کی شاندار مسجد ہے جو آبادی کے مسلمانوں کی دینداری کی غماز ہے۔ حضور سیدنا مفتی اعظم نے مسجد کے دروازہ میں داخل ہوتے ہوئے چند لمحوں کے لیے کھڑے ہوکر کچھ پڑھا، مسجد کو دیکھا پھر مسجد کے صحن پر قدم رکھا۔ لوگوں کو دیکھا کہ اندرونِ مسجد کی بجائے صحنِ مسجد میں سنت ادا کررہے ہیں۔ ایک نمازی کے قریب آکر کھڑے ہوئے اور جب وہ سجدہ میں گیا تو آپ بیٹھ گئے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے پنجوں کو زمین سے لگانے لگے۔ اور فرمانے لگے اتنی لاپرواہی سے سجدہ نہیں کیا جاتا ہے تمہاری تو انگلیاں زمین سے نہیں لگتی ہیں، بھلا سجدہ کیسے ہوگا؟ اور جب سجدہ نہیں ہوگا تو نماز کیسے ہوگی؟

اسی طرح کئی سنت پڑھنے والوں کی آپ نے عملی طور پر اصلاح فرمائی اور فرمایا "حالتِ سجدہ میں ہر پاؤں کی کم از کم ایک ایک انگلی کے پیٹ کا زمین سے لگ جانا صحتِ سجدہ کے لیے شرط ہے اور تین تین انگلیوں کے پیٹ کا لگنا واجب ہے لیکن اکثر نمازی اور پڑھے لکھے لوگ بھی اس کی ادائیگی میں غفلت کے شکار ہیں۔"

استنجا کا بچا ہوا پانی :

ابھی آپ صحنِ مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو نصیحت فرمارہے تھے کہ ایک شخص استنجا خانہ سے بدھنا (لوٹا یا آفتابہ) لیے ہوئے نکلا۔ (اس علاقہ کے لوگ بدھنے میں پانی لے کر استنجا خانہ میں جاتے ہیں اور فراغت کے بعد اسی بدھنا میں ٹیوب ویل سے پانی بھر کر وضو کرتے ہیں) اور تقریباً آدھا بدھنا پانی پھینک کر ٹیوب ویل سے پانی بھرنے لگا۔ حضور سیدنا مفتی اعظم کی نظر اس پر پڑ گئی۔ چہرہ کا رنگ سرخ ہوگیا اور فرمایا اسراف حرام ہے۔ پھر مدرسہ کے بعض اساتذہ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا "کیا آپ لوگ عوام کو یہ سب مسائل نہیں سکھا سکتے ہیں؟ کسی نے عرض کیا حضور! اس پانی سے اس نے استنجا کیا تھا۔ آپ نے فرمایا جو پانی لوٹا سے بہہ گیا اس سے اس نے استنجا کیا لیکن جو پانی لوٹے میں باقی تھا جسے اس نے پھینک دیا وہ تو پاک تھا۔ اس پانی سے تو وہ وضو کرسکتا تھا پھر اس کو کیوں پھینکا؟ اس سے پوچھو کیا اس نے لوٹے میں استنجا کیا ہے؟ یا پیشاب کے چھینٹے لوٹے میں پڑ گئے ہیں؟ آخر اس نے پانی کیوں ضائع کیا؟ لوگوں نے عرض کیا

حضور الاعلمی کی وجہ سے۔ آپ نے فرمایا بھی تو میں ان اساتذہ سے کہہ رہا ہوں کہ مسائلِ دینیہ سے عوام کو آگاہ کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔''

خلافت باغ سیتامڑھی میں مختصر قیام :

دھرم پور (بھانڈسر ضلع سرلاہی) سے سیتامڑھی بذریعہ بس آپ کی واپسی ہوئی۔ سڑک نہایت مخدوش تھی، مسافرین ہچکولے کھارہے تھے لیکن بس میں بھی دعا کرانے والے اور تعویذ مانگنے والوں کی بھیڑ لگی رہی۔ چونکہ میں حضور والا کے پہلو میں بیٹھا ہوا تماشا دیکھ رہا تھا جہاں تک ممکن ہوتا میں لوگوں کو تنگ کرنے سے منع کرتا مگر سائلین تھے کہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی جان توڑ کوشش کررہے تھے۔ بالآخر حضرت نے فرمایا آگے جہاں ٹھہرنا ہے وہاں آپ سب کو تعویذ دیے جائیں گے۔

سیتامڑھی مہسول چوک سے ڈمرا کی جانب سے جانے والی سڑک پر خلافت باغ واقع ہے جہاں کئی بار علمائے اہل سنت کی تقریریں ہو چکی تھیں۔ خصوصیت کے ساتھ حضور محدث اعظم ہند، مجاہد جلیل علامہ سید مظفر حسین، ایم۔ پی۔ اور پاسبانِ ملت علامہ مشتاق احمد نظامی رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقریریں نہایت کامیاب اور مؤثر رہیں۔ جن کا اثر ہنوز باقی تھا۔ خلافت باغ والوں نے اصرار کے ساتھ حضور مفتی اعظم کو روکا اور چند گھنٹوں کے لیے قیام پر مجبور کیا، قیام اس لیے بھی ناگزیر تھا کہ نیپالی دیہات کے سفر نے بہت ہی مضمحل کردیا تھا کچھ آرام کرلینا ضروری تھا۔ مگر ضرورت مندوں کی کثرت نے حضرت کو آرام نہیں کرنے دیا۔ اور آپ تعویذات لکھنے کے لیے بیٹھ گئے۔ لوگوں نے کاغذ اور قلم پیش کیا۔ تو آپ نے کاغذ لے لیا اور تمام قلم کو یہ فرماکر واپس کردیا کہ میں ان قلموں کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا ہوں کہ یہ شراب کی بوتل کی طرح ہے کیونکہ اس میں الکوحل آمیز روشنائی بھری ہوئی ہے پھر میں اس سے تعویذ کیسے لکھوں؟

میں عجلت میں وہاں سے اٹھا اور ایک دوکان سے پنسل خرید کرلے آیا جسے دیکھ کر حضرت خوش ہوئے اور جب تک وہاں قیام رہا پنسل ہی سے تعویذات لکھتے رہے۔''

آپ کا قلم دان سامانِ سفر کے ساتھ پیچھے چھوٹ گیا تھا۔ چند گھنٹوں کے بعد حضرت ساجد میاں مرحوم سارے سامان کے ساتھ پہنچے تو حضرت والا نے بلاتاخیر آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ سیتامڑھی سے سید پور تک بذریعہ جیپ سفر طے ہوا پھر وہی جیپ والا بہ مشکل تمام ''رام کھتاری'' تک چلنے کو تیار ہوا۔ رام کھتاری سے پوکھریرا تک یا تو پیدل کا راستہ تھا یا بیل گاڑی کا یا پھر ڈولی کا۔ ڈولی کے لیے تگ ودو کی گئی تاکہ حضرت کو اس کے ذریعہ لے جایا جائے مگر سوئے اتفاق کہ کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ مجبوراً بیل گاڑی پر سارا سامانِ سفر رکھا گیا۔ حضور مفتی اعظم اور حضرت ساجد میاں بھی اسی پر سوار ہوئے بقیہ لوگ پاپیادہ چلے۔ ڈھائی تین بجے رات میں بیل گاڑی پوکھریرا پہنچی جب کہ جلسہ اختتام پذیر ہو چکا تھا۔ بانیانِ جلسہ کے ساتھ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو بھی افسوس ہوا مگر کیا کرتے سڑک اور سواری ہی ایسی تھی کہ گھنٹہ بھر میں دو میل طے کرنا مشکل تھا۔

حفظِ لسان کا اعلیٰ نمونہ :

نماز فجر سے کچھ دیر پہلے غنودگی کا غلبہ ہوا اور آپ کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ سورج نکلنے سے پندرہ بیس منٹ پہلے بیدار ہوئے، استنجا خانہ کی طرف بھی نہیں گئے بلکہ وضو میں مصروف ہو گئے۔ وضو میں بہت ہی احتیاط سے کام لیتے اعضائے وضو پر بار بار پانی بہاتے۔ آپ کے بھوؤں اور پلک کے بال، بہت ہی گنجان تھے جس پر اطمینان ہو جانے تک پانی بہاتے رہتے اسی طرح رخساروں کے بال پر بھی، کلائیوں پر لمبے

اور خوبصورت بال تھے جس پر پہلے پانی چھوڑتے پھر کئی کئی بار پانی بہاتے ۔وضو سے فارغ ہو کر نماز میں مشغول ہو گئے ۔جب تک بہت سارے لوگ قدمبوسی کے لیے حاضر ہو چکے تھے ،نماز سے فارغ ہوئے تو جلال کے آثار آپ کے چہرے سے ہویدا تھے اور آپ فرمارہے تھے ” کیوں اتنے لوگ میرے ساتھ چلتے ہیں اور کیوں میں ساجد کو اپنے ساتھ رکھتا ہوں جب وہ اپنے ساتھ مجھے نماز نہیں پڑھا سکتے ہیں ۔(حضرت ساجد میاں نماز فجر پڑھ کر سو گئے تھے)ایک تو راستہ ناہموار دوسرے نمازِ فجر میں اس قدر تاخیر العیاذ باللہ تعالیٰ العیاذ باللہ تعالیٰ “

کاتب الحروف نے چائے پیش کرتے ہوئے عرض کیا حضور! سیتامڑھی سے رام کھتاری تک اگر چہ پختہ سڑک ہے مگر بہت ہی مخدوش ہے ۔اور رام کھیتاری سے پوکھریرا تک تو سڑک نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے پھر بھی ہمارے اکابر یہاں تشریف لاتے رہے اور اپنے فیوض و برکات سے عوام اہل سنت کو فیض یاب فرماتے رہے۔

کاتب الحروف نے محسوس کیا کہ حضرت کے چہرہ کی سرخی کچھ کم ہو رہی ہے اور جلال کا اثر مندمل ہو رہا ہے تو فقیر نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے عرض کیا کہ حضور! یہ پوکھریرا تہذیب و ثقافت کی وہ دینی و مسلکی راجدھانی ہے جہاں پشاور کے مشہور بزرگ حضرت مولانا شاہ ابوالکمال حمداللہ صاحب، حجۃ الاسلام حضرت علامہ شاہ حامد رضا صاحب، کفر شکن حضرت علامہ قطب الدین صاحب برہمچاری، حضور محدث اعظم ہند، مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب صدیقی ،صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین صاحب مرادآبادی، فاضل توراۃ و انجیل علامہ قائم قتیل صاحب داناپوری، فاضل جلیل علامہ سلیمان صاحب اشرفی بھاگلپوری، اور جانشینِ قطب بنارس حضرت مولانا عبدالوحید صاحب فریدی فاروقی وغیرہم (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) نے اپنے لسانی و روحانی فیضان سے پوکھریرا اور اس کے علاقہ کو مستنیر و بافیض بنایا ۔جس کے نتیجہ میں آج بھی پوکھریرا علاقائی اعتبار سے مذہب و مسلک کا مرکز ہے ۔حضور سیدنا مفتی اعظم نے فرمایا جی ہاں یہ سب یہاں کے مشہور عالم دین حضرت مولانا عبدالرحمٰن (محشی) اور ان کے صاحبزادۂ باوقار مولانا شاہ ولی الرحمٰن (تلمیذ محدث سورتی) کی مسلسل محنت اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سے لگاؤ اور محبت کا نتیجہ ہے ۔اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے اپنی بجائے یہاں مولانا (حضور حجۃ الاسلام) کو بھیجا تھا اور وہ جب بھی یہاں تشریف لاتے تو ہفتہ عشرہ قیام فرماتے اور اسلام وسنیت کی تبلیغ کرتے ۔کاتب الحروف نے عرض کیا حضور! ابھی تھوڑی دیر آرام فرمالیا جائے کیوں کہ پھر ضرورت مندوں کی بھیڑ ہو جائے گی اور آرام کرنا مشکل ہو جائے گا ۔کل صبح ناشتہ کے بعد پھر اسی دشوار گزار راستہ کو طے کرنا ہے اور ” رام کھیتاری “ ہوتے ہوئے سفر جاری رکھنا ہے ۔میری باتوں کو سن کر حضرت نے توبہ و استغفار کرنا شروع فرمایا ۔میں حیرت میں پڑ گیا اور اپنی گفتگو میں غلطی کو تلاش کرنے لگا ۔اسی درمیان حضرت نے فرمایا ” عجیب عجیب نام بدبختوں نے رکھ دیا جس کو زبان پر لانا بھی کراہیت سے خالی نہیں ۔کل جس آبادی سے میں روانہ ہوا اس کا بھی فرضی نام ہے شام کو جہاں پہنچا اس کا بھی عجیب ” کھچاری “ نام ہے ۔میں نے عرض کیا کھچاری نہیں بلکہ اس آبادی کا نام ” رام کھیتاری “ ہے حضرت والا پھر استغفار پڑھنے لگے اور فرمایا جی ہاں وہی کھچاری ۔

میں بار بار سیتامڑھی اور رام کھیتاری کا نام لیتا رہا مگر اخیر تک حضرت کی زبان پر نہ سیتا کا نام آیا اور نہ ہی رام کا بلکہ جب بھی یہ نام سنتے نفرت کا اظہار چہرہ سے ہوتا ۔فجر کی نماز کے بعد سے ناشتہ کے وقت تک حضور عالی، جناب مولانا حکیم عطاء الرحمٰن صاحب مرحوم کے دروازہ پر مقیم رہے ۔پھر عقیدت مندوں کی کثرت کی وجہ سے آپ کی قیام گاہ مدرسہ نورالہدیٰ میں منتقل کردی گئی ۔یہ وہ مدرسہ ہے جس کی بناو تعمیر شمالی بہار میں سب مدارس سے پہلے ہوئے اور اس کا فیضان بہار و بنگال بل کہ غیر منقسم ہندوستان کے وسیع علاقہ پر محیط تھا اس کے ایک

سال کے بعد جامعہ رضویہ (منظرِ اسلام) کی بنیاد ڈالی گئی۔

گوس بھات :

مدرسہ نورالہدیٰ میں عقیدتمندوں اور زیارت کرنے والوں کی اس قدرت کثرت ہوئی کہ مدرسہ کے باہر تک لوگوں کا پھیلاؤ ہوگیا اور مسلسل لوگ داخلِ سلسلہ ہونے لگے۔ دیہات کے رہنے والے حضرات دس دس بیس بیس کی تعداد میں ایک ایک بار داخلِ سلسلہ ہوتے تھے۔ ایک گروپ کو حضور مفتی اعظم نے کلماتِ ارادت تلقین فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہو ہم نے اپنا ہاتھ حضور پرنور سیدنا غوث پاک رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں دیا، تو بعض بھائیوں نے بلند آواز سے کہا" ہم نے اپنا ہاتھ حضور پرنور گوس بھات (گوشت وچاول) کے ہاتھ میں دیا۔"

حضور مفتی اعظم ان کلمات کو سن کر مسکرائے اور فرمایا" ارے گوشت بھات نہیں حضور غوث پاک بولو۔" بے چارے دیہاتی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ پھر انھوں نے اپنے الفاظ کو درست کیا۔

حضور مفتی اعظم ارادت مندوں کو داخلِ سلسلہ کرتے وقت بدمذہبوں کی صحبت سے بچنے، اصلاحِ عقیدہ، پھر نماز و روزہ اور درود پاک کی تاکید فرماتے۔ عورتوں کو شوہروں کی فرمانبرداری اور پردہ کی بھی تاکید کرتے۔ تقریباً تین گھنٹے تک لوگوں کے داخلِ سلسلہ ہونے اور تعویذات حاصل کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر حضرتِ والا نے اپنے مڑے ہوئے پاؤں کو پھیلایا تو چند علما برکت حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھے مگر آپ نے اشارہ سے منع فرمادیا۔ اسی درمیان میں نے عرض کیا حضور! میں اپنی نوعمری سے دعاے حزب البحر پڑھ رہا ہوں اور ہر سال اس کی زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہوں لیکن اس کی اجازت مجھے اپنے سلسلۂ عالیہ (رضویہ برکاتیہ) سے نہیں ہے بل کہ ایک ایسی خانقاہ کے صاحب سجادہ سے ہے جن کے یہاں بڑی سخت پابندیاں ہیں اور میرا رابطہ عامۃ المسلمین کے یہاں آنے جانے اور کھانے پینے کا ہے اس سے ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں پابندیاں برقرار نہیں رہ سکتی ہیں۔ حضرت نے فرمایا خاندانِ برکات میں کوئی ایسی پابندی نہیں ہے۔ ہاں حرام وناجائز امر سے تو یوں بھی بچنا ضروری ہے۔ پھر آپ نے ایک جہازی سائز کی قلمی کتاب بکس سے نکالی اور میری طرف بڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا اس میں آپ دعاے حزب البحر تلاش کیجیے اور پوری دعا کو اشارات کے ساتھ من وعن نقل کیجیے۔

جب تک حضرت کتاب نکالنے اور اس کے الٹ پھیر کرنے میں لگے رہے، جناب مولانا مطیع الرحمٰن صاحب نبیرہ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ نے تمام زائرین کو حجرہ سے باہر کردیا اور حضرت کو آرام کرنے کا کچھ موقع مل گیا۔ اسی درمیان میں نے دعاے حزب البحر بھی نقل کرلی۔ بیدار ہوئے تو نمازِ ظہر جماعت کے ساتھ ادا فرمائی اور دسترخوان پر بیٹھنے سے پہلے میری نقل کی ہوئی دعاے حزب البحر کو ملاحظہ فرمایا اور اس پر تحریری اجازت اپنے قلم سے رقم فرمائی اور ارشاد فرمایا خاندانِ برکات میں اس کی اجازت صاحب حزب البحر ہی سے بلاواسطہ حاصل ہے۔ جب کوئی ورد ووظیفہ اپنے سلسلہ میں موجود ہو تو اس سلسلہ میں سائل نہیں ہونا چاہیے جس کا رابطہ ہمارے سلاسل سے نہیں ہے۔

کلاہِ عزت :

دسترخوان پر تشریف لائے تو نیچی نظروں سے حاضرین کو ملاحظہ فرمایا اور بیٹھتے بیٹھتے باندازِ نصیحت فرمانے لگے۔ ٹوپی اوڑھنا لوگوں نے بوجھ سمجھ رکھا ہے۔ اپنے اسلاف کے طریقہ سے منحرف ہوتے جارہے ہیں۔ کیا یہی مسلمانوں کے کھانے پینے کا طریقہ ہونا چاہیے کہ کھانے کے وقت بھی سر پر ٹوپی نہیں ہو۔ ٹوپی اور داڑھی مسلمانوں کی عظمت کا نشان ہیں۔ مگر مسلمان اس سے لاپرواہ ہوگئے اور انگریز بندروں نے اسے

لے لیا۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ جب کوئی ماتحت انگریز کسی آفیسر انگریز کے سامنے جاتا ہے تو اپنی ٹوپی اتار کر اسے سلامی پیش کرتا ہے۔ یعنی اپنی سب سے بڑی وجہِ عزت کو اس کے سامنے سرنگوں کر دیتا ہے۔ تو انگریز بندر اسے وجہِ عزت جانے اور عزت والی قوم اسے وجہِ ذلت سمجھے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ حضرت کی اس مختصر تقریر کا ایسا اثر ہوا کہ لوگوں نے ہمیشہ ٹوپی اوڑھنے کا وعدہ کیا اور ماضی کی تساہلی پر نادم ہوئے۔

مفتی اعظم اور بعض اکابر اہل سنت :

۱۹۵۶ء سے ۱۹۵۷ء کے اوائل تک اکثر و بیشتر میں حضور سیدنا مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی بیٹھک (سہ دری) میں حاضر رہتا کیوں کہ ان ایام میں میرا مستقل قیام کتب خانہ حامدی (مزار اعلیٰ حضرت کی بالائی چھت کے شمالی جانب) میں رہا۔ اور جب بھی ذرا موقع ملتا حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ پانچوں وقت کی نمازیں حضرت کے ساتھ ہی ادا کرنے کا موقع ملتا اکثر وقت کی نمازوں میں حضرت ساجد میاں علیہ الرحمۃ امام ہوتے اور جب وہ نہیں ہوتے تو کوئی طالب علم نماز پڑھا دیا کرتا۔ حضرت نے میرے سامنے کبھی امامت نہیں فرمائی حالانکہ ہر موسم میں ہر نماز کی جماعت میں آپ تشریف فرما ہوتے بل کہ بعض نمازوں میں جماعت سے بہت پہلے تشریف لاتے اور مسجد ہی کے وضو خانہ میں وضو فرماتے۔

عصر کی نماز کے بعد عموماً سہ درہ کے سامنے کرسی لگا دی جاتی جہاں آپ رونق افروز ہوتے اور زبانی مسائل پوچھنے والوں کے جوابات دیتے۔ اگر کوئی بزرگ عالم دین تشریف فرما ہوتے تو ان کے لیے بھی کرسی بچھا دی جاتی۔

سنہ مذکورہ کے درمیان اکابر علما میں سے حضور برہان الملۃ، حضور محدث اعظم ہند، حضور مجاہد ملت، حضور شیخ العلما مولانا غلام جیلانی اعظمی، امام النحو مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی، حضور حافظ ملت، حضور سید العلما، حضور سلطان المناظرین مفتی رفاقت حسین صاحب مظفر پوری، حضور اجمل العلما مولانا شاہ اجمل حسین سنبھلی، حضرت قاری مصلح الدین پاکستانی، مناظر اہل سنت علامہ محمد حسین سنبھلی، وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ بار بار بریلی شریف امام اہل سنت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور حضور مفتی اعظم سے شرف ملاقات حاصل فرمایا۔

اول الذکر کے علاوہ تمام بزرگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ پہلے حضور مفتی اعظم کے ہاتھوں کو پھر پاؤں کو بوسہ دیتے اور برکت حاصل فرماتے تھے۔ بلکہ سیدنا مجاہد ملت علیہ الرحمہ جب سہ درے میں آتے تو پہلے آپ کے نعلین شریف کو بوسہ دیتے اور اسے سر پر رکھتے پھر دوبارہ بوسہ دے کر ادب سے ایک کنارہ میں رکھتے پھر آپ کی طرف ملاقات کو بڑھتے اور یہ موقع انھیں اس لیے مل جاتا کہ حضرت ہمیشہ قبلہ رو بیٹھتے ایک زانو فرش پر بچھا ہوا رہتا اور دوسرے زانو پر بائیں ہاتھ میں کاغذ لے کر دائیں ہاتھ سے لکھتے رہتے یا سر جھکا کر پڑھتے رہتے تھے۔

حضور محدث اعظم کی دست بوسی کے لیے حضرت کوشش و اصرار فرماتے مگر دست بوسی میں حضور محدث اعظم سبقت لے جاتے پھر بزور طاقت مفتی اعظم کو اپنی جگہ پر بٹھا دیتے اور خود بغل میں بیٹھ جاتے۔

اسی طرح حضور سید العلما کی دست بوسی کے لیے بھی آپ عجلت فرماتے مگر سید العلما نے یہ موقع آپ کو کبھی نہیں دیا۔ بقیہ حضرات تو آپ کو اپنی جگہ سے اٹھنے بھی نہیں دیتے بلکہ دوڑ کر پہلے آپ کے قدموں کو چومتے پھر ہاتھوں کو بوسہ دیتے۔ جواب میں حضور مفتی اعظم بھی ان کے ہاتھوں کو چوم لیتے تھے۔

ہاں حضور برہان الملۃ اپنی نقاہت کی وجہ سے مفتی اعظم کو روکنے پر قادر نہیں ہوتے اور دونوں ایک دوسرے کی دست بوسی فرماتے۔
حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ حضرت برہان الملت کی قیام گاہ کا انتظام عموماً اپنے مخصوص کتب خانہ میں فرماتے جہاں آپ کو نسبتاً آرام زیادہ ملتا

یا پھر مہمان خانہ کے حجرہ میں تنہا آپ کے رہنے کا انتظام ہوتا تھا۔

حضور حافظ ملت :

نماز ظہر سے قبل حضور مفتی اعظم کی خدمت عالیہ میں سہ درہ کے اندر کئی حضرات موجود تھے۔ اسی درمیان پوسٹ مین ایک ٹیلی گرام لے کر حاضر ہوا۔ جسے حضرت نے خود وصول فرمایا اور لفافہ کو ساجد میاں کی طرف بڑھا دیا۔ حضرت ساجد میاں نے عرض کیا حضور! حافظ ملت کا انتقال ہو گیا۔ اسی کی خبر اس ٹیلی گرام میں ہے۔ اس خبر کو سنتے ہی افسردگی کے آثار حضرت کے سرخ و سفید چہرہ سے ہویدا ہوئے اور آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ جتنے حاضرین تھے، سب ہی آب دیدہ ہو گئے۔ حضرت نے چائے کی پیالی ڈیسک پر رکھتے ہوئے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے اور دیر تک نم دیدگی کے ساتھ مغفرت اور رفعِ درجات کی دعا فرماتے رہے۔ دعا سے فارغ ہونے کے بعد حضرت حافظ ملت کی کدو کاوش اور محاسن وللّٰہیت کو دیر تک بیان فرماتے رہے۔

اسی نشست میں فقیر کاتب الحروف نے عرض کیا حضور! حافظ ملت علیہ الرحمہ کے اخلاص و کسر نفسی کو یوں تو میں نے بارہا بہت قریب سے دیکھا ہے مگر جنک پور نیپال کے جلسہ عام میں جس کسر نفسی کا برملا اظہار ہوا وہ میری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتا ہے۔ حضور مفتی اعظم نے میری طرف دیکھا تو میں عرض کرنے لگا۔

جنک پور نیپال کے مشہور شہروں میں سے ایک سرحدی شہر ہے جہاں اہل سنت کا ایک ادارہ مولانا محمد جیش صدیقی برکاتی کے زیر انتظام چل رہا ہے، وہاں کئی بار جلسے ہوئے۔ ایک جلسہ میں حضور سید العلما، حضور حافظ ملت اور مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم تشریف فرما تھے۔ اسٹیج سکریٹری اور اناؤنسر کی حیثیت سے میں اپنے بزرگوں کا تعارف کرا رہا تھا۔ حضور حافظ ملت اسٹیج پر پہلے جلوہ بار ہو چکے تھے لہٰذا ان کی تقریر کا میں نے اعلان کر دیا کم و بیش ڈیڑھ دو لاکھ کا جم غفیر تھا۔ حضور حافظ ملت خطبۂ مسنونہ میں مصروف تھے کہ اسی اثنا حضور سید العلما اسٹیج پر جلوہ فرما ہو گئے اور حضور حافظ سے فرمانے لگے حضور! آپ بڑے ہیں۔ پہلے میری تقریر ہو جانے دیجیے پھر آپ تقریر فرمائیں گے۔ میں اخیر تک آپ کی تقریر سے مستفیض ہونا چاہتا ہوں۔ حضور سید العلما کی باتیں سن کر حافظ ملت نے خطبۂ تقریر موقوف فرما دیا اور سید العلما کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا حضور! میں آپ کے ادنیٰ غلاموں میں سے ہوں لیکن آقا کا حکم سر آنکھوں پر آیئے اور اپنی تقریر پر تنویر سے مجھ جیسے ناکاروں کو نوازیے۔

مولانا حافظ جیش محمد صدیقی اور مولانا محبوب رضا روشن القادری نے حضور سید العلما کو سہارا دیا اور منبر تقریر پر بٹھا دیا۔ اور حضور حافظ ملت آپ کی کرسی کے پایہ سے لگ کر اس طرح مؤدب بیٹھ گئے جیسے کوئی ہونہار شاگرد استاذ کے سامنے دو زانو بیٹھتا ہے۔ اور ہر لمحے جی حضور! جی حضور! فرمانے لگے۔

حضور سید العلما علیہ الرحمۃ والرضوان نے خطبۂ مسنونہ کے بعد تمہید تقریر کے طور پر حضور حافظِ ملت کی اجمیری زندگی پر روشنی ڈالی اور درمیان گفتگو فرمایا۔ یہی وہ حافظ ملت ہیں جنھوں نے طالب علمی کے دور میں نہ صرف مجھے کتب متداول کی تکرار کرائی بلکہ میری گوشمالی فرما کر مجھے علم وفن کے سانچے میں ڈھالا۔ سید العلما علیہ الرحمۃ کی اس گفتگو کا اثر اسٹیج پر بیٹھے ہوئے علما پر ایسا ہوا کہ بعض حضرات چیخیں مار کر رونے لگے۔ خود حافظ ملت کا رومال آنسوؤں سے تر بتر ہو گیا اور آپ دونوں گھٹنوں پر کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے حضور سید العلما سے بار بار معذرت طلب ہو رہے تھے۔ اس جاں گسل منظر کو اسٹیج کے قریب ہزاروں سامعین نے دیکھا اور ان دونوں حضرات کے آپسی

خلوص ومحبت پر قربان ہونے لگے۔ خدا کرے ہمارے اسلاف کرام کے آپسی بارانِ محبت واخلاق کا کوئی چھینٹا ہم جیسے ''اپنے منہ میاں مٹھو'' بننے والوں پر بھی پڑ جائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ طٰہٰ ویٰس صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین

طالب علموں پر شفقت کی بارش :

فرصت کے اوقات میں دارالعلوم منظر اسلام اور دارالعلوم مظہر اسلام کے طلبہ حضور سیدنا مفتی اعظم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو جاتے اور سلام ودست بوسی کے بعد جہاں جگہ ملتی وہاں بیٹھ جاتے ،حضور مفتی اعظم اکثر طلبہ کے حالات دریافت فرماتے رہتے اور ہر ایک طالب علم کو مولانا کہہ کر مخاطب فرماتے ۔اگر کوئی طالب علم کوئی دینی سوال کرتا تو آپ جواب کے ساتھ کتابوں کا نام بھی بتاتے اور اسے دیکھنے کی تاکید فرماتے۔ کھانے اور ناشتہ کے تعلق سے خصوصی طور پر آپ پوچھا کرتے تھے۔

۱۹۵۶ء میں بریلی شریف کے اندر بعض ناعاقبت اندیش شرناتھیوں کی وجہ سے ہندو مسلم فساد کی آگ بھڑک اٹھی تمام مدارس اور اسکولز وغیرہ غیر معینہ مدت کے لیے بند ہو گئے ۔منظر اسلام میں تعلیم وتعلم کی وجہ سے یا پھر حضور مفتی اعظم کی خدمت میں ضرورت مندوں کی آمد ورفت کی وجہ سے رضا نگر (محلہ سوداگران) میں صبح سے شام تک چہل پہل رہا کرتی تھی لیکن شہر میں دفعہ ۱۴۴ اور کہیں کہیں کرفیو کی وجہ سے سوداگران محلہ سنسان ہو گیا۔ دن میں دو ایک بار پولس کی جیپ آتی جاتی تھی۔ حضرت کے دولت کدہ کے بالائی حصہ دارالافتا میں شارح بخاری علامہ مفتی شریف الحق امجدی اور پورنیہ کے ایک ضعیف العمر بزرگ نیز پورنیہ ہی کا ایک کم عمر لڑکا جو اندرون خانہ بھی آتا جاتا تھا، موجود تھے۔

دارالعلوم منظر اسلام میں تالا لگا ہوا تھا۔ مزار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے دروازہ پر دن بھر حاجی کفایت اللہ مرحوم موجود رہتے تھے مزار اقدس کے بالائی حصہ کتب خانہ میں مولانا حسیب الرحمٰن اور یہ بندہ قیام پذیر تھا۔

مسجد رضا میں عموماً مولانا حسیب الرحمٰن صاحب پنج وقتی اذان دیتے۔ حضور مفتی اعظم پانچوں وقت مسجد میں ہی نمازیں ادا فرماتے۔ حضرت ساجد میاں مرحوم جب موجود ہوتے تو وہی امامت فرماتے ورنہ ہم میں سے کوئی بھی نماز پڑھا دیا کرتا اور حضور مفتی اعظم اس کی اقتدا فرماتے تھے۔

ایک دن حضور سیدنا مفتی اعظم نے بندۂ ناچیز سے دریافت فرمایا؟ آپ لوگ کھانے کا انتظام کیسے کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضور! ہم دونوں آدمی اپنے کھانے کا انتظام آپ کرتے تھے لیکن دو تین دنوں سے راشن اور کیروسین تیل ختم ہو گیا ہے اور محلہ سے باہر جانا ممکن نہیں ہے اور محلہ میں کوئی دوکان بھی نہیں ہے، جہاں سے اشیائے خوردنی حاصل کی جائیں۔ یہ گفتگو مسجد رضا کے دروازہ پر ہو رہی تھی۔ اتفاق سے وہاں پر محلہ کا ایک سکھ بھی موجود تھا،اس نے حضور مفتی اعظم سے عرض کیا حضور! ان لوگوں کے لیے ہر چیز کا سامان میں دے دیتا ہوں۔ آپ بے فکر رہیں۔ حضور مفتی اعظم نے فرمایا نہیں آج سے ان لوگوں کے ناشتے اور کھانے کا انتظام میرے یہاں سے ہوگا۔ صبح کے وقت حضور مفتی اعظم کے مہمان خانہ میں ہم لوگ حاضر ہو جاتے اور چائے ناشتہ سے فارغ ہو کر کتب خانہ حامدی میں آجاتے یا حضور مفتی اعظم کی خدمت عالیہ ہی میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ کھانے یا ناشتے کے لیے جانے میں اگر ذرا سی دیر ہو جاتی تو سرکار مفتی اعظم بہ نفس نفیس کھانے کا برتن ہاتھ میں اٹھائے خانقاہ رضویہ کے دروازے پر آجاتے اور زور زور سے مولانا! مولانا! کہہ کر آواز دیتے تھے۔ اس حالت میں جب ہم لوگ حضرت کو دیکھتے تو پانی پانی ہو جایا کرتے تھے۔ مگر حضرت فرماتے کوئی بات نہیں ہے۔ آپ لوگ غالباً مطالعۂ کتب میں مصروف رہتے ہیں تو یہ میری ذمہ داری ہے کہ میں مہمانانِ رسول صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کروں۔

مسجد رضا کے صحن میں خشت باری :

فسادی کے دوران ایک دن عصر کی نماز کے بعد مصلیان وظائف میں مشغول تھے کہ کسی شریر نے دور سے اینٹ کے ٹکرے صحنِ مسجد میں پھینکے۔ چوں کہ اس زمانہ میں صحن کے کچھ بالائی حصہ پر چدرے (ٹین) کی چھت تھی۔ جس پر وہ ٹکڑے گرے اور زور زور کی آواز ہوئی۔ آواز کو سن کر بعض سندھی غیر مسلم اپنے گھروں سے باہر نکل آئے اور حالات دریافت کرنے لگے جب تک ہم لوگ نماز عصر کی دعا سے فارغ ہو چکے تھے اور ادھر اُدھر دیکھ رہے تھے کہ کدھر سے اینٹ کے ٹکڑے آئے ہیں۔ حضرت ساجد میاں نے عرض کیا حضور! میں پولس کمشنر کو اس کی اطلاع دے دیتا ہوں تاکہ اس محلہ میں پولس تعینات کر دی جائے۔ حضور مفتی اعظم نے ارشاد فرمایا اب اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہمارا محافظ ہے۔ اس کے دوسرے ہی دن سے فساد بند ہو گیا۔

مدرسہ انوار العلوم میں مفتی اعظم کی جلوہ گری :

۱۹۶۵ء ماہِ جون کی شدید گرمی میں بہار کے سیلاب خوردہ اوبڑ کھابڑ راستوں کو بذریعہ جیپ طے کرتے ہوئے فقیر کاتب الحروف کے پیہم اصرار پر تھوڑی دیر کے لیے مدرسہ انوار العلوم کتاں میں رونق افروز ہوئے۔ علاقہ والوں کو پہلے ہی خبر ہو چکی تھی لہٰذا قرب و جوار کے لوگ زیارت کے لیے مدرسہ میں جمع ہو چکے تھے۔ حضور حافظ ملت نے وضو فرمایا اور بغیر کسی پروگرام کے تقریر کے لیے کھڑے ہو گئے۔ پوری تقریر حضور مفتی اعظم کے تعارف میں ہوئی چوں کہ اس علاقہ کے لوگ ان دونوں حضرات کی علمی و روحانی عظمتوں سے کسی حد تک نابلد تھے۔ لہٰذا حضور حافظ ملت کی تعارفی تقریر نہایت مؤثر رہی کہ کئی درجن لوگوں کو سلسلۂ رضویہ نوریہ میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔ ہلکے ناشتے کے بعد نورانی قافلہ آگے روانہ ہوا۔ راستہ کچا اور ریتیلا تھا اور جیپ کھلی ہوئی تھی۔ جتنے لوگ جیپ پر سوار تھے، سبھوں نے اپنے اپنے چہروں کو رومالوں سے ڈھانک رکھا تھا۔ عشا کے وقت یہ نورانی قافلہ مدرسہ رضاء العلوم کنہواں پہنچا۔ اس علاقہ کا یہ قدیم مدرسہ ہے حضرت مولانا محمد عظیم الدین صاحب مکن پوری نے اسے قائم فرمایا۔ ان کے بعد ان کے شاگرد مولانا منظور صاحب کافی عرصہ تک اس مدرسہ کے مدرس اول رہے۔ اسی مدرسہ کی وجہ سے حضور ملک العلما اور مولانا شاہ محمد حامد علی بدایونی بانی جمیعۃ العلما پاکستان اس علاقہ میں تقریری و تبلیغی پروگرام کے تحت تشریف لاتے رہے۔

مدرسہ رضاء العلوم کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لیے حضور مفتی اعظم تشریف لائے تھے۔ دوروزہ جلسہ تھا مگر پہلے اجلاس ہی میں شرکت فرما سکے کیوں کہ دوسرے دن بذریعہ ٹیلی گرام حضور سیدنا مفسر اعظم کی رحلت کی خبر آ گئی اور آپ عجلت میں کنہواں سے واپس ہو گئے۔

میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے :

اوّل وقت میں ظہر کی نماز ادا فرما کر حضور سیدنا مفتی اعظم بریلی شریف کے لیے روانہ ہو گئے۔ آٹھ دس کیلومیٹر کا راستہ ڈھائی تین گھنٹوں میں طے ہوا۔ سیتامڑھی آنے میں مزید دس کیلومیٹر باقی تھے۔ کہ آپ نے فرمایا ''میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے'' ڈرائیور نے کہا کہ اخیر وقت تک ہم لوگ سیتامڑھی پہنچ جائیں گے۔ ایک کیلومیٹر کے بعد آپ نے دوبارہ فرمایا'' میں کہتا ہوں کہ میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے۔'' ڈرائیور نے پھر اپنے جواب کو دہرایا۔ چند منٹوں کے بعد آپ نے سہ بارہ فرمایا'' کیوں نہیں سنتے ہو؟ میں کہتا ہوں کہ میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے۔'' اور ساتھ ہی ساتھ جیپ کی باڈی پر اپنا داہنا ہاتھ مارا۔ تو ایسا لگا جیسے جیپ میں خود بخود بریک لگ گئی ہو۔ ڈرائیور

نیچے اترا۔ انجن کھولا اور ڈھک ڈھک کرنے لگا۔ حضرت نے فرمایا چلیے ہم لوگ نماز ادا کرلیں۔ سامنے آم کا باغیچہ تھا۔ اسی میں ایک کنواں بھی تھا اور باغیچہ کے کنارے خانہ بدوشوں کا ڈیرا تھا۔ میں نے جائے نماز بچھائی اور اذان کہی اذان کی آواز سن کر خانہ بدوشوں کے ڈیرے سے دو شخص نکلے ایک کے ہاتھ میں کنویں سے پانی نکالنے کے لیے بالٹی تھی۔ اس نے پانی نکالا خود وضو کیا اور حضرت ساجد میاں کو بھی وضو کرایا۔ ہم تینوں باوضو تھے۔ حضور حافظ ملت نے امامت فرمائی۔ پھر جیپ کے درست ہونے کے انتظار میں ہم لوگ وہیں بیٹھ گئے۔ اس دور میں آلہ مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کی اقتدا کا مسئلہ علمائے کرام کے مابین ایک سلگتا ہوا مسئلہ تھا لہٰذا میرے سوال کرنے پر حضور مفتی اعظم نہایت شرح وبسط کے ساتھ جواب دینے لگے اور حضور حافظ ملت اس طرح دوزانو مؤدب بیٹھے ہوئے تھے جیسے کوئی مرید یا شاگرد اپنے مرشد یا استاد معظم کے سامنے بیٹھتا ہے۔ حضور مفتی اعظم کی گفتگو طویل ہوتی رہی یہاں تک کہ نماز مغرب کا وقت آ گیا۔ اسی جگہ نماز مغرب ادا کی گئی۔ پھر ڈرائیور نے آواز دی کہ جیپ ٹھیک ہوگئی ہے آپ لوگ تشریف لائیے۔

زائرین اجمیر کا احترام :

جب کوئی متشرع شخص عازمِ اجمیر مقدس ہوتا اور عرض کرتا کہ حضور! میں اجمیر شریف جارہا ہوں۔ دعا فرمائیے کہ سفر وسیلۂ ظفر بنے تو آپ دوسرے کام کو چھوڑ کر اس کے لیے دعا فرماتے اور جب وہ چلنے لگتا تو آپ کھڑے ہو جاتے تا آں کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔

ایک مرتبہ جناب بسم اللہ شاہ اپنے بعض ارادت مندوں کے ساتھ کشن گنج سے اجمیر شریف جارہے تھے بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی زیارت کے لیے ایک شبانہ یوم ٹھہر گئے۔ چوں کہ بچپن ہی سے وہ میرے مخدوم رہے ہیں۔
لہٰذا بریلی شریف میں وہ میرے ساتھ ہی ٹھہرے اور ان کی وجہ سے میں نے بھی اجمیر مقدس کے سفر کا ارادہ کرلیا۔ جب ہم لوگ اجازت کے لیے حضرت مفتی اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت والا نے بہت ساری دعاؤں سے نوازا اور فرمایا "بارگاہِ عالی میں جب حاضری ہو تو میرا اسلام بھی عرض کیجیے گا۔" پھر جب ہم لوگ چلنے لگے تو حضور ساتھ ساتھ سڑک تک تشریف لائے اور دعاء رخصت کے ساتھ روانہ فرمایا۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ خود بھی بنفسِ نفیس قل شریف کے موقع پر اجمیر مقدس میں موجود رہتے اور اپنے مرید خاص کلید بردار وکیل جادرہ حضرت علی حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خدمت کا موقع عنایت فرماتے۔

☆☆☆ ☆☆

مفتی اعظم یادوں کے جھروکوں سے

مولانا مفتی مجیب الاسلام نسیمؔ اعظمی
ادری ضلع مئو

سرچشمۂ ہدایت پیکرِ تقویٰ (مفتی اعظم علیہ الرحمہ) کو ہندوستان و پاکستان میں علم وعمل کے اعتبار سے انفرادی حیثیت حاصل تھی۔ التزام سنت دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ فقیر عرصۂ دراز تک شرف خدمت سے مشرف ہوتا رہا۔ بریلی شریف کی اقامت سے پہلے جب میں ضیاء العلوم ادری میں مدرس تھا میری محبت میں سرکار ادری تشریف لائے۔ ریلوے اسٹیشن سے ادری کی مسافت پیادہ پا ۱۵ منٹ کی تھی اور اس وقت کوئی روڈ نہیں تھا۔ پالکی سے بزرگوں کا آنا جانا ہوتا تھا۔ پالکی والے مزدوروں کے آنے میں دیر ہوگئی اور ٹرین کا وقت ہوگیا۔ سرکار نے فرمایا چلو چنان چہ ایک جم غفیر عقیدت مندوں کا جو قافلہ کے ساتھ تھا چل پڑا اور سرکار آگے آگے تیز قدم چل رہے تھے، نصف راستہ طے ہوا کہ گاڑی نے سیٹی دے دی۔ میں پریشان ہوگیا۔ اس وقت اسٹیشن ماسٹر منیر صاحب غازی پوری میرے عقیدت مند تھے، میں نے حاجی بشیر اللہ صاحب مرحوم کو بھیجا کہ تیز قدم جا کر منیر صاحب سے کہیں کہ ٹرین ذرا روک دیں۔ میرا نام انھوں نے لیا۔ منیر صاحب نے کہا کہ انجن خراب ہوگیا ہے، ٹرین میں دیر ہے، سرکار اسٹیشن پہنچ گئے۔ منیر صاحب نے کرسی منگائی مگر فرمایا کہ نہیں ٹرین پر بیٹھوں گا۔ اس وقت تھرڈ انٹر اور فرسٹ کے ڈبے ہوتے تھے۔ انٹر کا ٹکٹ لیا، فرمایا میں گورنمنٹ کو پیسہ کیوں زیادہ دوں؟ تھرڈ ہی میں سفر فرمایا۔ فضل الٰہی جو تھی ٹرین پر سوار ہوئے گاڑی روانہ ہوگئی۔

حضرت میری نشست گاہ میں تشریف رکھتے تھے۔ آرام فرما رہے تھے، بنارس کے کچھ علما شرف زیارت سے مشرف ہونے آئے تھے۔ ایک مسئلہ پیش کیا، میں نے کہا کہ کتابوں میں ہے۔ ایک چلو پانی سے سنت تثلیث کیسے ادا ہوگی؟ تمام علما خاموش تھے۔ حضرت نے فرمایا جب پانی عضو سے منفصل ہوگا تو اس پر ماء مستعمل کا اطلاق ہوگا۔ جب منہ میں پانی لیا اور اس کو تین مرتبہ حرکت دے دیا، سنت تثلیث ادا ہوگئی۔ ناک کے لیے تین چلو پانی ضروری ہے کہ ناک میں پانی کا استقرار نہ ہوگا۔

محرم کا مہینہ تھا۔ حضرت کو اطلاع ہوئی کہ میں کسی وجہ سے ضیاء العلوم سے مستعفی ہوگیا ہوں۔ ٹیلی گرام آیا کہ تم بریلی آجاؤ۔ میں عاشورہ سے قبل بریلی شریف حاضر ہوگیا اور عرصۂ دراز تک آستانہ عالیہ پر سرکار کی غلامی کا شرف حاصل کرتا رہا اور متعدد سفر میں غلامی کا شرف حاصل رہا۔

پچھوا کا سفر تھا۔ لکھنؤ میں ٹرین بدلنا تھی اور ہم لوگ پلیٹ فارم پر گاڑی کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک ایک بوند پڑ رہی تھی۔ سخت سردی کا موسم تھا۔ حضرت کھڑے ہوئے تھے۔ چاروں طرف ہندو مسلم بھیڑ کے ساتھ حضرت کو دیکھ رہے تھے چوں کہ حضرت کسی غیر مسلم کے ہاتھ کی کوئی چیز تناول نہ فرماتے تھے اس لیے مجھ سے فرمایا: مولانا کہیں مسلم کی چائے ہو تو لائیے! میں اسٹیشن سے باہر گیا۔ مسلم ہوٹل تھا۔ لوٹنے میں دو پیالی چائے لایا۔ چائے بالکل سرد ہوگئی۔ میں پریشان۔ اسٹیشن پہ جو کاغذ کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے، میں ان کو لایا اور جلایا۔ بحمد اللہ

چائے گرم ہوئی اور سرکار نے نوش فرمائی۔

ادری میں ایک حافظ سعید وہابی تھے۔ وہ ادری کے تقریباً تمام حفاظ کے استاذ تھے کیوں کہ یہاں اس وقت وہابی سنی کا امتیاز نہیں تھا۔ لوگ وہابیت سے واقف نہ تھے۔ حافظ سعید کے لڑکے حافظ عبداللہ میرے بیان سے متاثر ہو کر سنی ہو گئے۔ ان کے وہابی استاد نے کہا کہ تم بدعتی ہو گئے؟ حافظ عبداللہ نے جواب دیا کہ میں نے اس مذہب کو اختیار کیا ہے جس کے ماننے والوں کو مسلم کہلانے والے تمام مذاہب مسلمان کہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ جب یہ سنی ہو گئے اور وہ محلہ وہابیوں کا تھا۔ روزانہ رات میں باہر کی چوکھٹ پر پائخانہ ڈال دیا جاتا تھا اور ان کے بچے سنی مدرسہ میں آتے تو راستہ میں ان پر کنکری پھینکی جاتی۔ غرض یہ کہ ان کو مجبور کر دیا کہ اپنا طریقہ بدل دیں مگر وہ ثابت قدم رہے اور مظالم سہتے رہے۔ میں نے حافظ صاحب کو دلاسا دیا کہ گھبرائیں نہیں۔ مکی زندگی کی طرف نظر کریں۔ اسی درمیان میں سرکار مفتی اعظم ادری تشریف لائے۔ حافظ صاحب نے حضرت کو اپنے گھر لے جانے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے عرض کیا۔ وہابیوں کے محلہ میں ان کے مکان پر تشریف لے گئے چوں کہ مٹھائی ہندوؤں کے یہاں کی تھی اس وجہ سے صرف پھل تناول فرمایا۔ سرکار نے ۱۵ منٹ تک دعا فرمائی، بحمدہ تعالیٰ اس تاریخ سے مظالم بند ہو گئے۔

قاتل وہابیت شیر بیشۂ اہل سنت حضرت علامہ حشمت علی خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ درمیان علالت بریلی شریف میں علاج کرا رہے تھے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا تو مجھ سے فرمایا کہ آپ کی نگاہ میں کوئی لائق ڈاکٹر ہو تو بتائیں؟ ایک بنگالی ڈاکٹر گوہا کی میں نے نشان دہی کی مگر سرکار کی اجازت ضروری تھی۔ میں نے ادب سے عرض کیا۔ جھنجھلا کر جواب دیا کہ غیر مسلم ہی نظر میں ہوتا ہے۔ میں کچھ دیر کھڑا رہا پھر فرمایا: آپ جانیں میں نے اس کو اجازت سمجھا۔ گوہا کے یہاں گیا۔ حالات بیان کیے اس نے کہا آپریشن کی ضرورت ہے۔ میں آپریشن نہیں کرتا۔ ڈاکٹر کو ایک پرچہ لکھ دیا کہ وہاں جائیں وہ رعایت کرے گا۔ میں آستانہ پر آیا مگر شیر بیشۂ اہل سنت پیلی بھیت روانہ ہو چکے تھے۔ ایک دن میں فتویٰ لکھ رہا تھا۔ اندر سے تشریف لائے اور فرمایا کہ دیکھیے مولوی حشمت علی صاحب کی کوئی خبر آتی ہے؟ ایک گھنٹہ کے بعد تقریباً آدمی آیا کہ وصال ہو گیا۔ فرمایا کہ ادھر ادھر طلبہ کو دوڑا کر لوگوں کو خبر کیجیے۔ خیر طلبہ سے کہہ کر آستانہ پر آیا۔ حضرت بس اسٹیشن روانہ ہو چکے تھے۔ بھاگا ہوا گیا، اس زمانہ میں جب بس چالو ہوتی تھی تو روکتے نہیں تھے۔ میں کچھ دور تھا۔ بس سامنے تھی۔ روانہ ہو رہی تھی۔ ایک بیل گاڑی سامنے آ گئی۔ بس رک گئی اور حضرت نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ آ جاؤ مجھ کو بھی بس مل گئی۔

تقویٰ کا عالم یہ تھا کہ باہر سے تشریف لاتے تو اندر جانے سے پہلے بیٹھک میں حضرت ساجد میاں مرحوم مہتمم مدرسہ کو بلا کر ساری رقم جو مدرسہ کو ملی رہتی دے دیتے تو گھر کے اندر قدم رکھتے۔ میں اور مولانا شریف الحق صاحب علیہ الرحمہ ڈھائی بجے رات تک فتویٰ سنا کر تصحیح کرا کر دستخط لیتے تھے، اس وقت پانچ سات منٹ کچھ واقعات بیان فرماتے تھے۔ زیادہ دن ہو گئے۔ بعض واقعات ذہن میں ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے خواب میں ایک نعت شریف لکھی ہے، مع ردیف و قافیہ کے جب بیدار ہوا تو پوری نعت شریف یاد تھی۔ میں بڑا خوش تھا کہ ابا جان کو سناؤں گا تو داد ملے گی۔ چنان چہ میں نے وہ نعت سنائی تو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا۔ تم اس کے لیے نہیں ہو۔ میری ساری خوشی درہم برہم ہو گئی۔ مگر جب مسند افتا پر بٹھایا تو سمجھ میں آیا کہ میرا منصب یہ تھا۔

ایک مرتبہ میں نے طلاق کا مسئلہ لکھا۔ وہ یہ تھا کہ پولس کے دھمکانے سے ایک شخص نے کہا کہ میں نے تلاق دیا۔ میں نے جواب لکھا کہ طلاق نہ ہوئی۔ حضرت کی بارگاہ میں مولانا شریف الحق صاحب بھی تھے، انھوں نے کہا کہ طلاق ہو گئی۔ میں نے کہا کہ حرف تہجی کے بدلنے سے طلاق ہو گی تو تلام یا تلاس کہنے سے بھی طلاق واقع ہونی چاہیے۔ انھوں نے کہا نہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ مسئلہ یوں ہے کہ الفاظ مصحفہ سے وہاں طلاق سمجھی جاتی ہو تو طلاق پڑے گی ورنہ نہیں۔ مجھ سے فرمایا غنیۃ نکالو چنان چہ جو حضرت نے فرمایا وہی غنیۃ میں نکلا۔

غالباً راجستھان سے نس بندی کے متعلق سوال آیا تھا جب کہ دیو بندیوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ یہ قرآن کے خلاف نہیں ہے۔ حضور مفتی اعظم نے جرأت مندانہ اقدام کر کے جواب لکھا کہ حرام حرام حرام ہے۔ یہ تغییر خلق ہے جو ناجائز ہے۔ بعض لوگوں نے عرض کیا حضور حالات بہت خراب ہیں۔ حکومت گوارانہ کرے گی۔ حضرت نے فرمایا کہ جب تک میرے پاس سوال نہ آیا۔ میں خاموش رہا مگر اب خاموش نہ رہوں گا! مختلف پریسوں میں بھیجا مگر چھاپنے سے انکار کر دیا۔ موتی پارک میں کوئی پریس تھا اس نے زیادہ اجرت لے کر چھاپا اور اپنا نام نہ دیا۔ مختلف ڈاک خانوں سے آفیسران، پردھان منتری، مکھ منتری سب کو بھیج دیا۔ کلکٹر نے حضرت ساجد میاں کو بلایا، چوں کہ بنگلے کے باہر عقیدت مندوں کی بھیڑ تھی، خادمہ نے خبر دی کہ اس وقت ان کو رخصت کر دیں، دوسرے وقت بلائیں۔ چنانچہ دوسرے وقت کلکٹر نے پوچھا کہ نس بندی کے بارے میں کوئی فتویٰ لکھا گیا ہے فرمایا، ہاں! ہم نے حکومت کو بھی بھیج دیا ہے۔

بحمدہ تعالیٰ حق روشن ہوا۔ حکومت کا کوئی آدمی آستانہ پر نہ آیا۔ ایک مرتبہ سرکار کے ساتھ رکشے پر پنڈتوں کی گلی سے گزر رہا تھا کہ کثیر آدمیوں نے گھیر لیا اور ہاتھ جوڑ کر ہندوؤں نے کہا سرکار یہ ہمارے کنڈیڈیٹ ہیں۔ دعا کر دیں کامیاب ہو جائیں۔ گلی بالکل ہندوؤں سے بھری تھی۔ حضرت نے فرمایا هداك الله میں نے کہا دعا کر دی۔ راستہ صاف کر دو۔ فوراً پنڈتوں نے راستہ بالکل صاف کر دیا۔ رکشا گزر گیا۔

حضرت مولانا محبوب علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر قتل کا ممبئی میں مقدمہ تھا۔ اسی درمیان ممبئی والے کسی تقریب میں حضرت کو لینے آئے۔ حضرت نے فرمایا۔ مولانا محبوب علی رہا ہوں گے تب بمبئی جاؤں گا۔ میں نے فوراً کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا صاحب ضرور رہا ہوں گے باعزت رہا ہوئے۔

بمبئی سے ایک کتاب رنجس لیڈر شائع ہوئی تھی جس میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح توہین تھی۔ میں اور مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ سابق صدر مفتی جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے اٹھارہ دن تک احتجاج کیا جس سے شہر میں شدید بلوہ ہو گیا اور ہم دونوں پر وارنٹ ہو گیا۔ سعید احمد صاحب نامی خفیہ انسپکٹر نے کلکٹر سے کہا کہ یہ لوگ بڑے مولانا کے یہاں مدرس ہیں۔ ان کے ہاتھ میں ہتھکڑی قوم برداشت نہ کرے گی، بریلی کی زمین لال ہو جائے گی۔ بہ ہر حال وارنٹ کینسل ہو گیا۔ مقدمہ چلتا رہا۔ ۱۸ ارجن سنگھی ہمارے خلاف گواہ رہے۔ ایک دن حضرت نے فرمایا کہ مولانا مقدمہ سے گھبراہٹ ہے۔ میں نے عرض کیا: سرکار کس نے کہہ دیا ہم امام اہل سنت کی آغوش رحمت میں ہیں۔ برجستہ حضرت نے فرمایا کہ تمھیں جیل جانا ہوا تو مصطفیٰ رضا کا قدم آگے ہوگا۔ میرے آنسو آ گئے۔ سرکار اب تو ہم چھوٹ گئے۔ بفضلہ تعالیٰ ہم باعزت رہا ہوئے۔

اکبر علی خاں یوپی کے گورنر تھے وہ عقیدت میں ملنے آ رہے تھے، لوگوں نے خبر دی۔ فوراً گدی سے اٹھ کر اندر چلے گئے اور فرمایا کہ جب حکومت کی کرسی سے الگ ہوں گے تو مجھ سے ملاقات ہو سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم
میری یادوں کی روشنی میں

مولانا مفتی محبوب رضا روشن القادری
صدر المدرسین، دار العلوم فیضان مفتی اعظم، ممبئی

تاجدار اہل سنت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت، سراج السالکین، قدوۃ الواصلین، اعلم العلما، افقہ الفقہا، سیدنا و مولانا الحاج الشاہ علامہ مفتی محمد مصطفیٰ رضا خان صاحب مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت از ابتدا تا انتہا مجمع البرکات اور کنز الکرامات اور بے شمار فضائل و محاسن کے لحاظ سے یکتائے روزگار تھی۔ حضور مفتی اعظم کی ذات بابرکات عالم اسلام کی ان مقتدر و محترم ترین شخصیتوں میں سے ایک ہے جن کے علم و عمل رشد و ہدایت عشق و عرفاں، الفت و محبت، عقیدت و ارادت، ولایت و فراست، اخلاق و کردار، سیرت و صورت، زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت، نیابت و خلافت، طہارت و نظافت، صداقت و امانت، ضیافت و مروت، نفاست و کرامت کے ستارہائے درخشندہ آسمان شریعت و طریقت کی بلندیوں پر چمک رہے ہیں اور جن کے عرفان و ایقان، عظمت و رفعت کی تاریخ صفحات کتب و عالم انوار پر موتی کی طرح بکھرے دمک رہے ہیں۔

آپ کی ذات ستودہ صفات میں شیخ الاسلام والمسلمین، مجدد اعظم دین و ملت، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، امام اہل سنت، قاطع نجدیت، ماحی کفر و بدعت سیدنا امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علمی و عرفانی جلووں کی ضیاباریاں تھیں۔ آپ کی ذات بابرکات میں وراثتی و خاندانی علم و عمل کا سمندر موجیں مارتا دکھائی دیتا تھا۔ فقہی بصیرت اور اس کی جزئیات پر عبور کا بحر بے کراں امنڈتا ہوا دیکھ کر ہر قاضی دوراں، فقیہ العصر، عالم دہر، یہ کہنے پر مجبور تھا کہ یہ اعلیٰ حضرت کی وہ کھلی ہوئی تصویر ہے جس میں خواجۂ خواجگان، عطائے رسول، غریب نواز سیدنا خواجہ معین الدین اجمیری چشتی کی ولایت کی تجلی اور تاجدار مارہرہ سید السالکین، سراج العارفین شیخ کامل سیدنا شاہ ابو الحسین احمد نوری کے جلووں کی ضیاباریاں چھن چھن کر ہر آغوشِ شفقت میں بیٹھنے والوں کے دلوں کو مسخر کر رہی ہیں۔

حضور مفتی اعظم کے کشف و کرامات کے واقعات بے شمار ہیں۔ تقریباً ہم عصر علما و محدثین و مقررین نے متواتر آپ کی حیات مبارکہ سے بیان کرتے آرہے ہیں کچھ تو وہ ہیں جو مختلف سوانح حیات میں اور رسالوں میں مندرج ہیں اور بعض آج تک صفحات قرطاس کی زینت نہ بن سکے اس مختصر مضمون میں آنکھوں دیکھا حال و کرامت نظر نواز کر رہا ہوں۔

راقم الحروف، ۱۹۶۲ء میں منظر اسلام بریلی شریف سے فارغ ہو کر حضرت والدی علامہ مفتی محمد عظیم الدین بہاری علیہ الرحمہ کا قائم کردہ ادارہ مدرسہ رضاء العلوم کہنواں ضلع سیتامڑھی بہار میں اسی سال صدر المدرسین کے عہدہ پر بحال ہوا۔ ۱۹۷۰ء تک کے قیام میں دو عظیم کانفرنس کا انعقاد کیا۔ پہلی کانفرنس حضور مفسر اعظم ابراہیم رضا نبیرۂ اعلیٰ حضرت کی وصال کے موقع پر ہوئی جس میں حضور مرشدی مفتی

اعظم ارصفر المظفر کو سندر پور سرلاہی نیپال میں شرکت کے بعد گیارہ صفر کو کنہواں تشریف لائے۔ مگر طبیعت میں اضمحلال اور غم ورنج کے آثار چہرے سے عیاں تھے۔ شب و روز کا کھانا اصرار کے باوجود آپ نے تناول نہیں فرمایا۔ پیہم اصرار پر آپ نے صرف چائے پر اکتفا کیا۔ جب ۱۲ رصفر کے دن کے اجلاس میں آپ کی جلوہ گری ہوئی۔ ادھر حضور حافظ ملت محدث اشرفیہ علامہ عبدالعزیز کی تقریر صرف آپ کی ذات کی بلندی و تقویٰ، کرامت، جلالت علمی سے متعلق ہو رہی تھی تو اسٹیج ہی پر حضرت ساجد میاں آپ کے داماد جو آپ کے ہم راہ تھے، ایک تار پڑھ کر سنایا جس میں تحریر تھا کہ ۱۱ رصفر المظفر کو شہزادۂ حجۃ الاسلام حضرت جیلانی میاں کا وصال ہو گیا ہے۔

یہ عجب موقعہ اور عجب وقت تھا۔ جب حضور مفتی اعظم نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر دعا کے واسطے ہاتھوں کو اٹھایا تھا۔ بعد میں آپ نے سخت افسوس فرماتے ہوئے جو کلمات ارشاد فرمائے وہ سب اجلاس سے پہلے اشارے کنایے میں کہہ چکے تھے۔ لوگوں کو سخت حیرت ہوئی اس طرح آپ کی کرامت کا صدور ہوا کہ تقریباً وصال کی پوری کیفیت آپ قبل اطلاع وصال بیان کر چکے تھے۔ پھر جب ۱۹۶۹ء میں اسی مدرسہ میں عظیم الشان کانفرنس کی تیاریاں مکمل کر چکا تو آپ سے تاریخ لینے نکلا معلوم ہوا کہ ان دنوں براؤں شریف میں ہیں۔ مظفر پور ضلع بستی پھر وہاں سے بذریعہ بس براؤں شریف پہنچا۔ معلوم ہوا کہ حضرت آج ہی صبح کچھو چھہ شریف تشریف لے جا چکے ہیں۔ رات گزار کر صبح کو وہاں کے لیے روانہ ہو گیا۔ جب وہاں پہنچا تو مجاہد دوراں حضرت علامہ سید مظفر حسین صاحب نے فرمایا آج ہی بنارس تشریف لے گئے۔ ان کو مدعو کر لیا اور تاریخ معلق رکھی۔ جب بنارس پہنچا مجاہد دوراں کی نشان دہی کے مطابق تو معلوم ہوا کہ حضرت ابھی چند گھنٹے پہلے ہی بریلی شریف تشریف لے گئے۔ جب واپس ہونے لگا تو ہمارے پیر بھائی جناب محمد مختار نوری نے روک لیا۔ رات بھر رک کر صبح کو بریلی کے لیے ٹرین پکڑ لیا۔ جب بریلی شریف پہنچا تو معلوم ہوا کہ نماز فجر کے بعد حضرت پیلی بھیت تشریف لے گئے ہیں۔ اتنے میں ادھر سے حضرت ساجد میاں مسکراتے ہوئے آئے اور فرمایا کہ پہلے آپ مہمان خانہ میں چل کر کھا پی لیں۔ حضرت نے نام نہیں بتایا تھا مگر یہ کہہ گئے ہیں کہ جو کوئی میری تلاش میں آئے۔ ان کی خاطر کرنا اور روک رکھنا میں وقت پہ آ جاؤں گا۔

بہر حال میں کھا کر بیٹھک میں آیا اور حضرت ساجد میاں سے کہا کہ میں پیلی بھیت جا رہا ہوں۔ ابھی یہی بات ہو رہی تھی کہ حضرت کی کار آ گئی۔ بے حد خوشی ہوئی حضرت کے قدم بوس ہوا تو ایک مجمع موجود تھا۔ آپ نے فرمایا۔ آپ کہاں کہاں میرے لیے حیران ہوتے رہے؟ خادم کو حکم دیا اور خود بیٹھ گئے۔ جتنے دن کے لیے یہ چاہیں لکھ لو اور ان کے یہاں ضرور جانا ہے جب کہ خدا جانتا ہے کہ ابھی میں کچھ بھی عرض نہ کر سکا تھا کہ ایک ہفتہ کا پروگرام عطا فرما دیا۔ حضرت نے حالات دریافت کیے اور میں نے اپنی سرگزشت سنانا شروع کر دیا۔ یہ ہے اللہ والوں کا حال اور حضور مفتی اعظم کی نگاہ۔ بہر کیف آپ حضرت کنہواں تشریف لے آئے۔ ساتھ ہی پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی، حضرت علامہ سید مظفر حسین، حضرت امین شریعت، مفتی انیس عالم، حضرت ریحان ملت علیہم الرحمہ اور ان کے علاوہ بے شمار علماے کرام تشریف فرما ہوئے۔ وہ ایک خاص منظر تھا جب پہلی شب میں بعد نماز عشا اسٹیج پر تقریباً تین لاکھ کے مجمع کے سامنے مسند ارشاد پر آپ جلوہ گر ہوئے۔ حضرت پاسبان ملت اور مجاہد دوراں کی تقریر کی فصاحت کی ضیاباریاں جہاں لوگوں کے دلوں کو مستنیر کر رہی تھیں وہیں آپ کے جلوۂ انوار کا خاص عرفانی بادل لوگوں کے قلب و جگر پر آب حیات برسا رہا تھا۔

ابھی رات کا ایک بھی نہ بجا تھا کہ دیوانوں کا امنڈتا ہوا سیلاب حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کے لیے بے تاب نظر آ رہا تھا۔ بالآخر پہلی شب میں تقریباً بیس ہزار لوگوں نے بیعت سے مشرف ہو کر اپنی خفتہ قسمت کو جگایا۔ دوسرے دن کا عالم اس سے اور نرالا تھا کہ دن بھر اور رات کے تقریباً گیارہ بجے تک سلسلہ میں داخل ہونے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ تین دن کنہواں میں قیام فرمایا۔ لوگوں نے طرح

طرح کی کراماتیں دیکھیں کہ جو دل میں رکھ کر آئے اسے حضرت نے بالمشافہ بیان فرمادیا۔ اور جس کو جو کہہ دیا اس نے اسے پایا۔ پھر علاقہ میں تین دن تک دورہ ہوتا رہا۔ لوگ ہاتھوں ہاتھ لیے پھرنے لگے اور شوق عقیدت کی لذتوں سے مستفیض ہوتے رہے۔

بریلی شریف میں گیارہ سال قیام تعلیم دینیات وطب کے درمیان ہمیشہ مدرسہ میں آغاز اوقات تعلیم سے پہلے حضرت کی خدمت میں آجایا کرتا مگر اب تک بیعت سے سرفراز نہ ہوسکا تھا۔ اسی کانفرنس میں امین شریعت مفتی انیس عالم اور مجاہد دوراں سید مظفر حسین صاحب اور پاسبانِ ملت علامہ مشتاق احمد نظامی نے بیک زبان ایک نشست نوری میں حضرت سے داخل سلسلہ کرلینے اور ساتھ ہی خلافت سے نوازنے کی گزارش کی۔ یہ سن کر حضرت نے تعویذ لکھنے کو بند فرماکر محبت کا تبسم ریز ہونٹوں سے اظہار کیا اور فرمایا ان کے ابا جان مفتی محمد عظیم الدین صاحب فاضل بہاری جب ہمارے مدرسہ میں قیام فرماتے تو ایک بار فرمایا تھا کہ حلقہ میں محبوب رضا کو داخل کرلیں تو میں نے اسی وقت قبول کرلیا تھا۔ بہت اچھی بات ہے غرضیکہ آپ نے ان سب کے سامنے بیعت فرماکر خلافت عنایت کرتے ہوئے چند سطور کرامت تحریر فرماکر عنایت کیا اور مزید چار تعویذ لکھ کر جملہ علل وامراض کے لیے حاجت مند کو دینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

پھر اسی سال جامعہ قادریہ مقصود پور مظفر پور جلسہ میں جب تشریف لائے تو میں آپ کو پوکھریرا لے گیا۔ مقصود پور سے میں پوکھریرا آ گیا اور حضرت کے ساتھ دو آدمیوں کو مقرر کردیا کہ وہ لے کر پوکھریرا پہنچیں۔ مگر کچھ لوگ حضرت کو کار میں بیٹھا کر سیتامڑھی لے آئے۔ یہاں سے ان لوگوں کو موضع کمالی لے جانا تھا مگر حضرت نے پوچھا یہ کون جگہ ہے؟ اور اب پوکھریرا کتنی دور ہے؟ جب یہ کہا گیا کہ یہ سیتامڑھی ہے، یہاں سے فلاں جگہ جانا ہے تو حضرت بے حد ناراض ہوئے اور پوکھریرا چلنے کو کہا مگر یہ لوگ یہ کہتے ہوئے چلے کہ پوکھریرا چل رہے ہیں۔ فوراً گاڑی خراب ہوگئی، ڈرائیور چند گھنٹے پریشان رہا۔ اسی گاڑی میں کسی نے حضرت سے کہہ دیا حضور ان لوگوں نے اپنا ارادہ بدلا نہیں ہے، پوکھریرا کا راستہ یہ نہیں ہے۔ ادھر پوکھریرا ہے تو حضرت سخت ناراض ہوکر گاڑی سے نیچے اتر آئے اور ڈرائیور سے فرمایا۔ گاڑی کا رخ ادھر پھیرو۔ اس نے کہا حضور گاڑی بند ہوگئی، نہ جانے کیا خرابی ہے؟ آپ نے فرمایا سب آدمی مل کر ہاتھ لگا کر سیدھی کرو جب ایسا کیا گیا گاڑی اسٹارٹ ہوگئی۔ پھر یہاں سے پوکھریرا ڈھائی بجے رات میں تشریف لائے جب کہ قیام وسلام کے لیے جلسے کے لوگ کھڑے ہوگئے تھے۔ حضرت براہ راست رونق اسٹیج ہوئے اور دعا فرمائی۔ ڈرائیور نے قسم کھا کر کہا جب گاڑی میں نے سیدھی کیا تو خیال ہوا کہ گاڑی میں تیل نہیں ہے ٹنکی پر بھروالوں گا مگر آگے چلتے چلتے خیال جاتا رہا اور گاڑی یہاں جب پہونچ گئی، اب خیال آیا کہ میں نے تیل لیا نہیں، گاڑی بغیر پٹرول یہاں کیسے پہنچ گئی؟ غرضے کہ حضور مفتی اعظم کی اس طرح کراماتیں اتنی ہیں کہ ایک دفتر ضخیم درکار ہے۔ سرزمینِ ہند میں آپ کے زمانے تک کوئی مرشد کامل ایسے نہیں گزرے جن کے مریدین کی کثرت اس حد کو پہونچی ہو اور علماء اس قدر حلقہ ارادت میں داخل ہوئے ہوں اور کوئی مرید ایسا نہیں جو آنکھوں دیکھی کرامت نہ بیان کرسکے اس طرح آپ کی تمام کراماتوں کا احاطہ کرنا سخت مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے مرشد کامل سراپا کرامت کا سایۂ روحانی ہمارے سروں پر رکھے اور ان کے وسیلے سے اپنے حبیب لبیب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت عطا فرماکر دارین کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔

حضرت کے کہے ہوئے انھیں دونوں مصرعے کی رحمت سے ہمیں بھی نہال وکامیاب فرمائے۔ کہ

ہوا ہے خاتمہ ایمان پر ترا نوری جبھی ہیں خلد کے حور وقصور آنکھوں میں

و صلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و صحبہ و سلم تسلیما

☆☆☆☆☆

تاجدار اہل سنت

حضور مفتی اعظم (رضی اللہ عنہ) کا سفر گورکھپور

حضرت مولانا محمد حنیف صاحب چترویدی
بانی وناظم دارالعلوم گلشن رضا، چھپیا بازار، ضلع مہراج گنج، یو. پی.
مرتب: مولانا محمد اختر رضا مصباحی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یو. پی.

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بسا اوقات انسان بے پناہ کوششوں اور انتہائی محنتوں کے باوجود اپنے مقاصد کو حاصل نہیں کر پاتا، مگر جب فضلِ الٰہی شاملِ حال ہو جائے تو حالات خود بخود سازگار ہوتے چلے جاتے ہیں اور انسان اپنے مقصد میں مکمل کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔

اس کی مزید تصدیق وتائید قطب الاقطاب، امام المتقین، تاج دار اہل سنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور سیدی مرشدی مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کے سفر گورکھ پور کے واقعہ سے ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ ہم اہل گورکھ پور نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ حضور مفتی اعظم کبھی اس شہر کو بھی اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمائیں گے۔ مگر واہ رے قدرت خداوندی کی کرشمہ سازی کہ ایسے حالات پیدا فرما دیے کہ اس عظیم ہستی کی آمد نے شہر گورکھ پور کو بھی رشک جناں بنا دیا۔

واقعہ کچھ اس طرح ہوا کہ میرا دہرادون میں دینی جلسے کا ایک پروگرام تھا۔ میں لکھنؤ آیا کہ دہرادون ایکسپریس پکڑ سکوں۔ مگر جب چار باغ ریلوے اسٹیشن پہنچا اور معلوم کیا تو پتہ چلا کہ مذکورہ ٹرین چار گھنٹے تاخیر سے آئے گی۔ میں نے اپنا سامان ایک میز پر رکھا اور بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اب کیا کروں کہ اس وقت اس ٹرین کے علاوہ کوئی اور ایسی ٹرین نہیں تھی جس سے میں جلسے میں شرکت کر پاتا کہ اچانک خیال آیا کہ لکھنؤ سے دہرادون جانے کے لیے بریلی شریف ہو کر ہی جانا پڑتا ہے، کیوں کہ روٹ ہی یہی ہے تو کیوں نہ بریلی شریف ہی چلے چلیں کہ چار گھنٹے یہاں ضائع کرنے سے بہتر ہے کہ آستانہ عالیہ پر حاضری دے لیں اور سرکار مفتی اعظم کی زیارت بھی کر لیں۔ اس خیال کا آنا تھا کہ فوراً ٹکٹ لے کر بریلی شریف جانے والی ٹرین پر سوار ہو گیا۔

جب بریلی شریف آستانہ پر حاضر ہوا تو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ کثیر تعداد میں لوگ یہاں موجود تھے۔ چوں کہ یہ عرس کے ایام نہیں تھے اور نہ ہی کوئی خاص تقریب۔ اس لیے تجسس ہوا کہ معلوم کیا جائے کہ لوگوں کی اس قدر بھیڑ کیوں ہے۔

معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ تاج دار اہل سنت روبہ صحت ہیں۔ علالت کے سبب دو ڈھائی سال سے سفر کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا، اب

سفر کا ارادہ رکھتے ہیں اور لوگوں کو تاریخیں عنایت فرما رہے ہیں، اور یہ حضور کی تاریخ لینے والوں کا ہجوم ہے۔

یہ سنتے ہی خیال آیا کہ کیوں نہ گورکھ پور کے لیے حضور کی تاریخ لینے کی میں بھی کوشش کروں۔ اگر تاریخ مل جاتی ہے تو یہ اس ناچیز کے لیے اور اہل گورکھ پور کے لیے بڑی سعادت کی بات ہوگی۔ مگر وہاں تاریخ حاصل کرنا اتنا آسان کہاں تھا؟ کیوں کہ حیدر آباد، میسور، بنارس، دلی، مدراس، کان پور، گوہاٹی اور ملک کے متعدد صوبوں اور اضلاع بل کہ کناڈا، پاکستان، اور لنکا کے لوگ بھی اسی امید و آرزو کے ساتھ یہاں آئے تھے۔ کوئی دس دن سے کوئی پندرہ دن سے، کوئی ایک ماہ سے، کوئی دو ماہ سے یہاں پڑا تھا۔ جس کے تعلقات خانوادے کے خاص افراد سے تھے وہ وہیں بستر جمائے ہوئے تھا۔ چنان چہ کوئی تاج الشریعہ حضور ازہری میاں صاحب کے پاس، کوئی محدث بریلوی علامہ تحسین رضا کے پاس، کوئی حضرت مولانا ریحان رضا صاحب قبلہ کے پاس، کوئی بابو میاں (خادم خاص حضور مفتی اعظم رضی اللہ عنہ) کے پاس، کوئی حضرت مولانا مفتی جہاں گیر صاحب (یہ اس وقت منظر اسلام کے مدرس تھے) کے پاس۔ غرضیکہ جس کے تعلقات جس سے تھے وہ اسے اپنا سفارشی بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ ایک عجیب منظر تھا۔ ہر آدمی کی بس یہی خواہش تھی کہ ہمارے یہاں کی تاریخ مل جائے، مگر ابھی تک کسی کو تاریخ نہیں ملی تھی۔

اس ناچیز کے تعلقات کسی سے اتنے گہرے نہیں تھے کہ اپنے کام کے لیے ان پر دباؤ ڈالتا یا انھیں کسی طرح مجبور کرتا۔ ہاں مفتی جہاں گیر صاحب سے اچھی جان پہچان تھی۔ سوچا چلو وہ ہمارے کرم فرماؤں میں سے ہیں وہیں چل کر قسمت آزمائی کرتے ہیں۔ بڑی امید کے ساتھ ان تک پہنچا۔ آپ اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑے چند احباب سے محو گفتگو تھے۔ قریب جا کر سلام کیا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ ابھی اپنی بات کہنے بھی نہ پایا تھا کہ فرماتے ہیں مولانا مجھے تھوڑی دیر کے لیے نکلنا چاہیے۔ ان کے اس ایک جملے نے ان سے وابستہ تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ یہ سوچ کر واپس آگیا کہ شاید حضرت کے پاس آنے کا یہ صحیح وقت نہیں تھا۔ مگر اب سوال یہ تھا کہ اب کس کے پاس اپنا مدعا لے کر جاؤں، کس سے اپنے دل کی بات بتاؤں، کسے اپنا سفارشی ٹھہراؤں۔ جس کے پاس جاتا بات کرتا تو بہت مصروف پاتا۔ لوگوں کا اس قدر ازدحام کہ ان سے ملاقات کرنا بھی مشکل نظر آتا۔ بالآخر ہر جگہ چکر لگانے کے بعد بڑی لاچاری کے عالم میں آستانہ شریف کے سامنے سڑک پر کھڑا یہی سوچ رہا تھا کہ اب کیا کروں۔ رو رو کر دل بیٹھا جا رہا تھا، جی میں آتا کہ کسی بھی طرح حضرت کی تاریخ مل جاتی [illegible] بڑی کامیابی ہوتی مگر کہاں جاتے، کس سے کہتے؟

اچانک خیال آیا کہ یہاں آیا ہوا ہر شخص کسی نہ کسی کو اپنا سفارشی تو بنائے ہوئے ہے۔ کیوں نہ میں اپنی بات اعلیٰ حضرت [illegible] کی بارگاہ میں رکھوں اور انھیں کے سامنے اپنا عریضہ پیش کر دوں۔

اس خیال کے آتے ہی فوراً آستانہ شریف میں داخل ہو گیا۔ بڑے ہی اطمینان کے ساتھ فاتحہ پڑھی اور نہ جانے [illegible] کر مزار شریف کے پائنتی جانب کھڑا ہو کر وارفتگی کے عالم میں چادر شریف کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اور اپنا عریضہ ان الفاظ میں [illegible] کہ حضور میں مفتی اعظم (رضی اللہ عنہ) کا مرید ہوں (واضح رہے کہ اس سے قبل ۱۹۶۶ء میں جب حضور مفتی اعظم اور [illegible] ناچیز حضرت مفتی مجیب الاسلام صاحب کے گھر پر غلامی میں داخل ہو چکا تھا) اور آپ میرے آقا ہیں، میرے مرشد کے والد گرامی ہیں۔ یہاں آیا ہوا ہر شخص کسی نہ کسی کو اپنا وسیلہ بنائے ہوئے ہے۔ حضور! میرا کوئی وسیلہ نہیں ہے، ایسے میں آپ کو اپنا وسیلہ بناتا ہوں۔ میرے آقا اگر آپ کرم فرما دیں تو اس ناچیز کی تمنا ضرور پوری ہو جائے گی۔ یہی کہہ کر وفور جذبات سے بے قابو ہو گیا اور بے اختیار زار و قطار رونے لگا۔

نہ جانے کب تک روتا رہا کہ مغرب کی اذان ہوگئی۔ آستانہ شریف سے باہر نکلا اور نماز پڑھنے کے بعد سوچا کہ چلو حضرت ریحان میاں سے ملاقات کروں کہ ان سے بھی کچھ حد تک تعلقات تھے۔ (دراصل ان دنوں حضرت سیاست میں دلچسپی لیتے تھے اور ناچیز بھی کسی حد تک سیاست سے وابستہ تھا، اس لیے ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں) جب حضرت ریحان ملت کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو یہ اتفاق ہی تھا کہ اس وقت وہاں کوئی اور نہ تھا۔ موقع غنیمت سمجھ کر میں نے فوراً تاریخ کے لیے آپ سے عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ مولانا تاریخ لینی ہے تو بابو میاں سے کہیے، وہ آپ کی بات حضرت تک پہنچا دیں گے۔

حضرت نے ابھی اتنا ہی فرمایا تھا کہ بجلی چلی گئی، اندھیرا چھا گیا، آپ چراغ لینے کے لیے اندر تشریف لے گئے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد جب چراغ لے کر باہر کمرے میں تشریف لائے تو مجھے ان کی بات سن کر اپنے کانوں پر یقین نہیں ہو رہا تھا۔ آتے ہی فرماتے ہیں کہ "مولانا بڑے خوش قسمت ہو، تمھاری مراد پوری ہوگئی، حضرت فرماتے ہیں کہ میں گورکھپور جاؤں گا۔"

مجھے ایسا لگا جیسے کسی یتیم ولاچار بچے کو اچانک تخت شاہی پر بیٹھا دیا گیا ہو، خوشی اور جذبات سے میں رونے لگا اور اس قدر رویا کہ میری ہچکیاں بندھ گئیں۔ غالباً میری آواز اندر تک گئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ پردے کے اندر سے کسی نے ریحان ملت کو آواز دی۔ آپ اٹھ کر اندر تشریف لے گئے اور جب واپس آئے تو فرماتے ہیں کہ مولانا حضرت فرماتے ہیں کہ "میں گورکھپور میں دو دن قیام کروں گا۔" سبحان اللہ اپنے آقا کی ان نوازشات سے میں بے خود ہوگیا اور خوشی میں جھومتا ہوا باہر نکلا۔ واضح رہے کہ یہاں صرف حضرت ریحان ملت اور یہ ناچیز تھا، دوسرا کوئی نہیں مگر جب میں باہر آیا تو ایسا لگتا تھا کہ کسی نے گورکھپور کی تاریخ کے سلسلے میں اعلان کر دیا ہے۔ ہر آدمی میرے پیچھے لگ گیا اور تفصیلات معلوم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ کس سے آپ نے کہا، کس سے سفارش کرائی، کیسے آپ کو تاریخ ملی، ہر آدمی یہ سن کر حیرت میں تھا۔

اب میں نے حضرت کے سفر کی تفصیلات معلوم کیں تو پتہ چلا کہ جہاں تک ٹرین جائے گی حضرت وہیں تک جائیں گے، چوں کہ میرا گاؤں بھٹیا گورکھپور سے ۳۶ کلومیٹر دور ہے اور وہاں تک ٹرین بھی نہیں جاتی اس لیے اس سے افسوس تو ہوا مگر سوچا، چلو گھر نہ سہی یہی کیا کم ہے کہ حضرت کے قدم ہمارے ضلع تک پہنچ جائیں گے۔ اب میں بریلی ریلوے اسٹیشن آیا، کیوں کہ مجھے دہرادون جانا تھا۔ مرشد کا کرم تو دیکھیے کہ جو ٹرین گورکھپور میں میں نے چھوڑی تھی وہی ٹرین مجھے یہاں مل جاتی ہے۔

واپس آکر گورکھپور میں میں نے اپنے احباب کو یہ خوش خبری سنائی۔ لوگ مسرت وشادمانی سے جھومنے لگے۔ اب حضور کی تشریف آوری کا وقت قریب آرہا تھا، تیاریاں اپنے شباب پر تھیں، شہر کے سارے مسلمان حضور کا دیدار کرنے اور فیض حاصل کرنے کے لیے بے قرار تھے۔ میں نے حاجی برکت اللہ صاحب، ترکمان پور، گورکھپور (جن کے گھر حضرت کے قیام کا انتظام تھا) کو بریلی شریف بھیجا کہ حضرت کو ساتھ لے کر آئیں اور خود یہاں انتظامات میں لگ گیا۔

آج حضور کی آمد کی تاریخ تھی، مسلمانوں نے ان تمام راستوں اور مقامات کو سجا دیا تھا، جدھر سے حضرت کی سواری گزرنے والی تھی۔ ٹرین دوپہر کے وقت گورکھپور آنے والی تھی مگر یہاں ریلوے اسٹیشن پر صبح سے ہی عاشقوں کا جمگھٹا پھول اور مالا لیے حضرت کے استقبال میں قطار لگائے کھڑا تھا اور بڑی بے صبری سے ٹرین کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ ہر ایک کے دل میں یہی تمنا تھی کہ سب سے پہلے میں حضرت کا استقبال کروں سب سے پہلے میں اپنا ہار حضور کو پہناؤں اس موقع سے ایک عجیب واقعہ یہ پیش آیا کہ:

شہر کا ایک سنار تھا اس کو بھی معلوم ہوا کہ بریلی شریف سے کوئی اللہ والا آرہا ہے، نہ جانے اس کو کیا ہوگیا تھا کہ صبح سے کئی بار اپنی

دوکان چھوڑ کر میرے پاس آچکا تھا اور ہر بار یہی کہتا کہ مولانا صاحب جو حضرت بریلی شریف سے آرہے ہیں، میری دلی تمنا یہ ہے کہ سب سے پہلے میرا ہار ان کے گلے میں پڑے سب سے پہلے میں ان سے ملاقات کروں، اپنی بات پر مصر اور بے حد بے تاب نظر آتا، میں اس کی بات سنتا اور سوچنے لگتا کہ اس کی خواہش کیسے پوری کی جائے کیوں کہ وہاں تو ہزاروں کی بھیڑ لگی تھی۔ یہ میرے اختیار سے باہر تھا، چوں کہ یہ لوگوں کو علم ہو چکا تھا کہ حضرت کس ڈبے میں تشریف فرما ہیں اس لیے جہاں وہ ڈبہ رکنے والا تھا، وہاں تو کسی اور کا پہنچ پانا بے حد مشکل تھا۔ بھلا ایک سنار اپنی آرزو کیوں کر پوری کر پاتا مگر وہ بھی ہمت ہارنے والا نہیں تھا۔ وہ بھی ہار اور پھولوں کا گلدستہ لیے انھیں لوگوں میں شامل ہو گیا۔ حضرت بریلی سے لکھنؤ تک "کاشی وشوناتھ" سے تشریف لائے اور لکھنؤ سے پسنجر ٹرین سے گورکھپور تک (اس وقت لکھنؤ سے گورکھپور تک چھوٹی لائن تھی)

اسٹیشن کا وہ پلیٹ فارم جس پر وہ پسنجر ٹرین آنے والی تھی عاشقوں سے بھر چکا تھا، سب کی نگاہیں ٹرین پر لگی ہوئی تھیں۔ جیسے ہی ٹرین آتی نظر آئی، لوگ نعرۂ تکبیر و رسالت کی صدائیں بلند کرنے لگے۔ ہر ایک آگے بڑھنے کی کوشش کرتا، یہ سنار بھی لگا رہا، کافی قوت آزمائی کی لیکن عاشقوں کے ریلے نے اس کو دو ڈبہ پیچھے پھینک دیا ٹرین رکتے ہی لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور سب کے سب اس متعین ڈبے کی طرف دوڑے سب سے پہلے حضرت ریحان ملت رحمۃ اللہ علیہ نے پلیٹ فارم پر قدم رکھا، لوگوں نے آپ کا استقبال کیا، پھر مولانا عبد الحمید افریقی اترے، اب بابو میاں بھی باہر آگئے، اب لوگوں کی نگاہیں حضرت کے رخ انور کو تلاش کر رہی تھیں۔

اور ادھر یہ سنار بڑی حسرت سے اپنے ہاتھ کے گلدستوں کو دیکھ کر اپنی ناکامی پر کفِ افسوس مل رہا تھا کہ اس کے چہرے پر مسرت وشادمانی کی بہاریں رقص کرنے لگیں۔ اس کی خوشیوں کی کوئی انتہا نہ رہی دیکھتا کیا ہے کہ جس ڈبے کے مقابل کھڑا وہ اپنی قسمت کو کوس رہا تھا، اسی ڈبے سے حضرت مسکراتے ہوئے حاجی برکت اللہ کے ہم راہ باہر تشریف لاتے ہیں، پروانوں کی طرح جھپٹ کر آگے بڑھا اور سب سے پہلے زیارت کے بعد ہار اور پھولوں سے حضرت کا استقبال کرتا ہے سبحان اللہ۔

بابو میاں کا بیان ہے کہ نہ جانے کیوں گورکھپور سے ایک اسٹیشن پہلے ہی حضرت نے فرمایا آپ لوگ اسی ڈبے میں رہیں۔ میں حاجی صاحب کے ساتھ پیچھے والے ڈبے میں جاتا ہوں اس وقت بظاہر حضرت کے اس عمل کی کوئی حکمت سمجھ میں نہ آئی مگر اب معلوم ہوا کہ حضرت نے ایسا کیوں کیا تھا۔ حضرت کے نزول فرماتے ہی پورا ریلوے اسٹیشن تکبیر و رسالت کی صداؤں سے گونج اٹھا، پورا اسٹیشن محو حیرت تھا، عجب بات یہ تھی کہ جس کی بھی نگاہ حضرت کے چہرے پر پڑ جاتی وہ پروانہ وار حضرت کی جانب بڑھنے لگتا۔ چوں کہ ظہر کا وقت ہو چکا تھا اس لیے حضرت نے فرمایا کہ مولانا اگر قریب میں کوئی مسجد ہو تو فوراً چلیں میں سب سے پہلے ظہر کی نماز پڑھوں گا۔

چنانچہ ریلوے اسٹیشن کے قریب ہی پولس لائن کے احاطے میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے حضرت کو وہیں لایا گیا وضو کے لیے پانی دیا گیا جس وقت حضرت وضو میں مشغول ہوئے لوگوں کا یہ انبوہ کثیر اور وارفتگی دیکھ کر ایک پولس آفیسر نیکر اور بنیان پہنے ہوئے حالات معلوم کرنے کو اس جانب آنکلا۔ اتفاقاً حضرت کی نگاہ اس پر پڑی، حضرت نے فوراً نگاہیں موڑ لیں اور زبان اقدس پر "لاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم" جاری ہو گیا، خدا جانے اس پر اس عمل شریف کا کیا اثر ہوا بھاگا ہوا واپس گیا اور مکمل کپڑے پہن کر واپس آیا اور بڑی عقیدت سے حضرت سے ملاقات کی۔

چوں کہ حضرت کی آمد کی خبر پورے شہر میں بجلی کی طرح پھیل چکی تھی۔ مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے جو جہاں تھا، وہیں حضرت کی

زیارت کرنے کو بے تاب تھا۔لوگوں کے ہجوم کا یہ عالم کہ جگہ جگہ ٹریفک جام۔گاڑیاں سڑک کے دونوں طرف کھڑی تھیں ۔اس لیے فوراً حضرت کو ایک کھلی ہوئی جیپ میں بٹھا کر ترکمان پور کی طرف اس شان سے لے جایا گیا کہ جگہ جگہ راستے میں روک کر اہل شہر نے ہار اور پھولوں سے حضرت کا استقبال کیا اس حسین اور پر کیف موقع سے مولانا عبد الحمید افریقی صاحب نے حضور مفتی اعظم رضی اللہ عنہ کی مشہور نعت پاک ”تو شمع رسالت ہے عالم ترا پروانہ“ کچھ اس انداز سے پڑھی کہ لوگوں پر وجد طاری ہونے لگا۔اسی پر کیف ماحول میں رفتہ رفتہ یہ قافلہ ترکمان پور حاجی برکت اللہ صاحب کے مکان پر پہنچا جہاں حضرت کے قیام کا انتظام تھا۔

مسلسل دو دن تک حضرت کا قیام یہاں رہا اس دوران مرید ہونے والوں کا سیل رواں قابل دید تھا ،صرف شہر ہی نہیں بل کہ اطراف و نواح کے قصبوں اور دیہات سے لوگوں کے قافلے بس ،ٹرک ،ٹریکٹر ،ٹرالی اور دوسری سواریوں سے بل کہ کتنے تو پیدل ہی چلے آرہے تھے۔ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا کسی نے پورے علاقے میں اعلان کر دیا ہے۔

پورا شہر اور حکومت کا پورا عملہ حیرت زدہ تھا کہ یہ کون آیا ہے جس نے سارے شہر کو اپنی توجہ کا مرکز بنالیا ہے۔

بے شمار لوگ حلقہ ارادت میں داخل ہوئے ،ہزاروں بد مذہبوں نے توبہ کی ۔ایک عظیم الشان جلسے کا پروگرام رکھا گیا جس میں شہر گورکھ پور اور قرب وجوار کے زیادہ تر علمانے حصہ لیا۔ڈھائی بجے رات میں حضرت رونق اسٹیج ہوئے اور عوام الناس کو اپنی زیارت کا موقع عطا فرمایا حضرت کی دعا پر جلسے کا اختتام ہوا اور حضرت کے دست اقدس سے ”انجمن رضائے مصطفیٰ“ کے نام سے ایک مدرسے کی بنیاد رکھی گئی۔

اکثر غیر مسلموں اور بد مذہبوں کا بیان تھا کہ جب سے ہم نے حضرت کے چہرے کی زیارت کی ہے ،نہ جانے ایسا کیا ہے کہ دل بار بار ان کو دیکھنے کے لیے بے قرار ہوتا ہے ایک عجیب سی کشش ہے جو ہمیں ان کی طرف کھینچ رہی ہے۔

ایک وہابی مولوی کا بیان ہے کہ جب حضرت اسٹیج پر رونق افروز ہوئے تو ان کے چہرے کا نور یہ بتانے کے لیے کافی تھا کہ اگر زندہ ولی کو دیکھنا ہے تو اس سے اچھا موقع میسر نہ آئے گا۔

ایک غیر مسلم نے اس طرح اپنے تاثرات کا اظہار کیا کہ مولانا صاحب جو نور حضرت کے چہرے پر ہے آج سے پہلے میں نے کسی اور انسان کے چہرے پر نہیں دیکھا تھا۔

ایک ماسٹر صاحب جو اس زمانے میں صلح کلیت کے زبردست حامی تھے اور حضرت کے قیام گورکھپور کے دوران کافی وقت حضرت کی خدمت میں گزار چکے تھے کہنے لگے کہ مولانا شریعت پر اس قدر عمل کرنے والا ایسا متقی و پرہیز گار انسان میں نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔

ان سبھی لوگوں لوگوں نے اپنے عقائد باطلہ سے توبہ کر کے حضرت کی غلامی قبول کی ۔میرے گھر کے سبھی افراد عورتیں ،بچے ،مرد اور خاندان کے دوسرے افراد بھی اس عظیم نعمت سے محروم نہیں رہے۔” فالحمد للہ علی ذالک“۔

اس دوران مبارک پور اور بنارس کے لوگ حضرت کو لے جانے کے لیے آچکے تھے۔وہ منظر بڑا روح فرسا تھا جب پھولوں کے ہار منعت و منقبت کی صداؤں اور نعرۂ تکبیر کی گونج میں برستی آنکھوں سے اہل شہر نے حضرت کو الوداع کہا۔

پھر دوبارہ اس شہر کو حضرت کی زیارت نصیب نہ ہو سکی یہاں تک کہ حضرت مالک حقیقی سے جا ملے۔” انا للہ وانا الیہ راجعون“

☆☆☆☆☆

چودھواں باب

بعض ابواب ایسے ھیں جن میں ایک یا دو ھی مضامین شامل ھیں ، اس کی وجہ ان مضامین کا استقلال اور انفرادیت ھے۔ زیر نظر باب بھی کچھ ایسا ھی ، باوجودے کہ اس میں صرف ایک ھی مضمون شامل ھے ، مگر مضمون نگار نے اس میں جو محنت کی ھے ، اور جس طرح مواد کو اٹھا کیا ھے ، اور عنوان میں جو امتیاز اور وسعت ھے ، وہ اس بات کا تقاضا کررھا تھا کہ اس کو ایک الگ باب میں جگہ دی جائے ۔ زیر نظر مضمون ثابت کرتا ھے کہ مفتی اعظم ایک عھد ساز شخصیت کے مالک تھے۔ عصر رضا سے لے کر عصر شہزادۂ رضا تک اخبارات و رسائل سنی مکتب فکر کی بے لاگ ترجمانی کرتے تھے اور ان حضرات نے بھی اپنے زمانے میں موجود ان ذرائع ابلاغ سے ستفادہ کرنے مین ذرہ برابر دریغ سے کام نہ لیا ، بعض تنگ دائروں میں جینے والوں سے جب میں نے کہا کہ آپ حضرات جو بھی دعوتی و تبلیغی کام کریں اخبارات میں اس کی رپورٹنگ ضرور کریں ، جواب ملا ھم صرف کام چاھتے ھیں نام نہیں۔ اخبارلت میں لوگ صرف نام و نمود کے لیے رپورٹیں چھپواتے ھیں، میں نے ان سے برجستہ کہا خیر کی باتوں کو چھپانا بھی ایک اجتماعی جرم ھے ، آج ھمیں اخبارات و رسائل سے رابطہ اپنے لیے نہیں بل کہ آنے والی نسلوں کے لیے رکھنا پڑے گا۔مفتی اعظم کا اخبارات و رسائل پر اس قدر کنٹرول تھا ، اخبارات و رسائل ان کی دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں کو اس قدر اھمیت دیتے تھے ، اس کا اندازہ صرف اس مضمون میں شامل اخبارات و رسائل کی فہرست سے کیا جاسکتا ھے ۔ اس باب میں ان کتابوں کی بھی طویل فہرست ھے ، جن میں حضور مفتی اعظم کے تذکرے موجود ھوں ، یا ان کے تذکرے میں لکھی گیں ھیں ۔ کتابوں کی یہ فہرست صاف بتاتی ھے کہ مفتی اعظم کی ذات گرامی نے کسی مقناطیس کی طرح ارباب فضل و کمال اور اصحاب فکر و قلم کو اپنے گرد جمع کرلیا تھا ، ھر قلم آپ کی بارگاہ ناز میں سجود نیاز لٹانے کے لیے بے تاب اور زبان آپ کی مدح و ثنا میں تر و تازہ نظر آتی تھی۔

البتہ اس کے بعد اس ضرورت کا احساس شدید ھوگیا ھے کہ جلد یا بدیر ان کتابوں رسالوں اور اخبارات میں پھیلی ھوئی معلومات و دستاویزات کو یک جا کر کے کئی مجلدات میں جدید قواعد املا کے مطابق مرتب و مبوب کر کے شائع کردیا جائے ۔ اگر ایسا ھوا تو کسی بھی شخصیت کے تعلق سے کیے گئے سوانحی کام سے ھٹ کر ایک الگ روایت شکن ، مگر حوصلہ افزا بات ھوگی ۔ آخر میں میں ڈاکٹر صاحب سے گزارش کرنے میں کوئی کوتاھی نہ کروں گا کہ چوں کہ آپ نے اس معرکہ کا پھلا مرحلہ " فہرست سازی " طے کرلیا ھے ، اس لیے آپ کے لیے دوسرا مرحلہ زیادہ آسان ھوگا ، اگر آپ نے کمر ھمت کس لی تو ممکن ھے کہ یہ مرحلہ شوق بھی آپ ھی کے ھاتھوں طے ھو جائے ۔

مقبول احمد سالک مصباحی

حضور مفتی اعظم کا ذکر رسائل و اخبارات میں

ڈاکٹر محمد اسد نوری پیلی بھیتی (علیگ)
میڈیکل آفیسر منیر خاں پیلی بھیت شریف، یو پی

حضور مفتی اعظم پر لکھی جانے والی کتب اور جن کتب میں ضمناً ذکر آیا ہے اور ساتھ ساتھ اخبارات و رسائل میں تذکرہ آیا ہے ان کی معہ تفصیل صفحات و اسماء ناشرین و مصنفین کی نشان دہی کی گئی ہے۔ مثلاً تجلیات امام مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ از حضرت مولانا عبدالحکیم خان صاحب اختر شاہ جہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ میں ماہر رضویات حضرت ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ العالی نے ' افتتاحیہ' میں صفحہ ۱۲ پر مولانا عبدالغفار خاں صاحب رام پوری کی کتاب "آثار المبتدعین لابرام حبل الله المتین" کا تعاقب کرتے ہوئے بتایا ہے کہ مفتی اعظم نے "مقتل کذب و کید" مطبوعہ بریلی ۳۲ اور ص ۵۶،۵۵ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذکر کیا ہے۔

حضرت کی زندگی و اسفار تبلیغ دین کی خبریں اخبار دبدبۂ سکندری رام پور و اخبار ہفت روزہ الفقیہ امرتسر، روزنامہ انجام دہلی، ماہنامہ نوری کرن بریلی میں مسلسل شائع ہوتی رہی ہیں، جماعت رضائے مصطفیٰ کے پلیٹ فارم سے کم و بیش ۵ لاکھ ہندوؤں کو مسلمان بنایا آزادی کے بعد سے دنیا سے رخصت ہونے تک ہزاروں ہندوؤں کو مسلمان کیا۔

۳۴ء میں بہار میں بھیانک، خوفناک و دردناک زلزلہ آیا تھا۔ حضور مفتی اعظم نے نواب سعید احمد خان صاحب کو بریلی شریف سے ساتھ لیا اور مراد آباد سے ڈاکٹروں کی ٹیم مع امدادی سامان لے کر بہار شریف گئے، وہاں پر متاثرہ افراد کو طبی امداد پہنچائی اور خوراک وغیرہ سے مدد فرمائی اور کم و بیش ۱۶۰۰ (سولہ سو) مساجد کو از سر نو تعمیر یا مرمت کروا کر درست کرایا۔ غربا کے مکانات کی بھی تعمیر و مرمت کروائی۔ سب سے زیادہ تباہ کن حالات ضلع دربھنگہ میں واقع ہوئے تھے جس کا تحریری ثبوت ہفت روزہ اخبار دبدبۂ سکندری رام پور، ہفتہ روزہ اخبار الفقیہ امرتسر، روداد جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی شریف اور جماعت رضائے مصطفیٰ کے ۳۴ء کے پوسٹروں میں تفصیل سے مل جائے گا۔ بہت سے مواقع پر حضور مفتی اعظم کو شدھی تحریک کے معاملات میں آریوں کی بندوقوں اور ہتھیاریوں سے مسلح پارٹیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ میں نہایت ہی افسوس و قلق کے ساتھ عرض کرتا ہوں۔ حضور مفتی اعظم پر ۱۲۰ کتب و اخبارات و جرائد کی فہرست مرتب کی ہوئی ضائع ہو گئی اور موجود فہرست ۲۸۵ کی ہے۔ انشاء اللہ کوشش جاری رکھوں گا۔

حضرت مولانا ظہیر الدین قادری صاحب مدظلہ العالی نے ماہنامہ استقامت کان پور ۱۹۸۳ء میں مفتی اعظم نمبر میں اخبارات و جرائد کی فہرست شائع کی ہے لیکن تاریخ اور مدیر کا نام ظاہر کرنے کی وجہ سے ان اخبارات کو حاصل کرنا دشوار ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

حضرت علامہ محمد حنیف خان صاحب رضوی، ڈائریکٹر امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف، پرنسپل جامعہ رضویہ نوریہ کی خصوصی توجہ سے یہ فہرست مکمل ہوئی ہے میں ان کا بہت بہت شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

محقق علم وادب ڈاکٹر سرتاج حسین صاحب نوری رضوی بانس منڈی بریلی شریف، ندیم احمد خان صاحب پسر جناب عبدالنعیم خان صاحب وشارق میاں صاحبان ساکن پیلی بھیت شریف کا مشکور وممنون ہوں ان کے تعاون سے فہرست مرتب کرنے میں کامیاب ہوسکا جس سے عوام وخواص دونوں علمی فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اپنے پیارے محبوب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت کے طفیل حضرت غوث اعظم وپیران عظام کے صدقے دین ودنیا میں سرخرو کرے۔ آمین

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	ناشر	سن طباعت	صفحات
۱	حضور مفتی اعظم کی کرامات	راز الہ آبادی	ادارہ رنگ ونور بہادر گنج الہ آباد	ستمبر ۷۳ء	۱-۴۴۱
۲	مفتی اعظم	ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (علیگ)	اختر رضا بلدیہ صندل خاں بریلی	بار پنجم ۸۰ء	۱-۲۸۱
۳	حیات مفتی اعظم کی ایک جھلک	حضرت الحاج صوفی مولانا اقبال احمد نوری	مکتبہ اعلیٰ حضرت، بریلی	درج نہیں	۱-۲۳
۴	سوانح پاک مفتی اعظم	ایس اے طاہر فراست حسین	انجمن خدام ملت، پیلی بھیت	دسمبر ۸۱ء	۱-۸۴
۵	سفر آخرت	ابو فراز	السیما پبلشنگ ہاؤس، خواجہ قطب بریلی	دسمبر ۸۱ء	۱-۸۰
۶	مفتی اعظم کی استقامت وکرامت	مفتی عابد حسین صاحب مصباحی نوری	المجمع القادری، جمشید پور	۲۰۰۳ء	۱-۲۷۰
۷	حضور مفتی اعظم	حضرت مولانا مظہر حسن صاحب	مکتبہ نوری محلہ ناگراہ بدایوں شریف	ستمبر ۸۵ء	۱-۱۶
۸	پندرھویں صدی کے مجدد	قاری امانت رسول نوری	رضا اکیڈمی، ممبئی	۱۹۸۷ء	۱-۲۴
۹	مفتی اعظم مدیر اعظم	مفتی سلطان رضا نوری	رضا اکیڈمی، ممبئی	۲۰۰۱ء	۱-۴۰
۱۰	مجدد ابن مجدد	مفتی سلطان رضا نوری	ادارہ تحقیقات مفتی اعظم قادری مسجد، بریلی	۱۴۰۹ھ	۱-۷۲
۱۱	بریلی سے مدینہ	حضرت مولانا محمد الیاس قادری رضوی	مکتبہ المدینہ، مینارہ مسجد، ممبئی	درج نہیں	ص ۱، ۴، ۵
۱۲	مناقب مفتی اعظم	حضرت مولانا محمد انور علی رضوی	مکتبہ مصطفیٰ قادری مسجد، بریلی شریف	۱۹۹۲ء	۱-۶۴
۱۳	حضور مفتی اعظم کے سیاسی افکار	محمد شہاب الدین رضوی	رضا اکیڈمی، ممبئی	نومبر ۹۹ء	۱-۱۷۶

نمبر	نام کتاب	مصنف	ناشر	سنہ	صفحات
۱۴	حضور مفتی اعظم ایک نظر میں	مولانا محمد انور علی رضوی	مکتبہ مصطفیٰ بریلی شریف	مئی ۲۰۰۱ء	۱-۱۶
۱۵	مفتی اعظم مجدد کیوں؟	ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی (علیگ)	رضا اسلامک اکیڈمی، بریلی شریف	اپریل ۲۰۰۴ء	۱-۲۳
۱۶	مفتی اعظم کیوں؟	علامہ مفتی مطیع الرحمٰن پورنوی	رضا دار المطالعہ پوکھر اسیتامڑھی (بہار)	۲۰۰۴ء	۱-۴۸
۱۷	تجلیات مفتی اعظم	قاری امانت رسول رضوی	ماسٹر محمد آفتاب علی خاں و محمد یونس علی خاں رضوی ستار گنج، اودھم سنگھ نگر، (اترانچل)	۱۹۹۷ء	۱-۱۵۴
۱۸	قطب مدینہ طیبہ اور حضور مفتی اعظم	قاری امانت رسول رضوی	غلام غوث رضوی طلاق محل، کانپور،	۱۹۹۸ء	۱-۴۸
۱۹	حیات پاک مفتی اعظم	حضرت مولانا عرفان الحق سنبھلی	مکتبہ مشرق کانکرٹولہ بریلی شریف	دسمبر ۱۹۸۰ء	۱-۴۸
۲۰	ملفوظات مفتی اعظم	نواب رحمت نبی خاں صاب	مکتبہ مشرق کانکرٹولہ بریلی شریف	دسمبر ۱۹۸۰ء	۱-۴۸
۲۱	پندرہویں صدی کے مجدد	مفتی محمد اعظم صاحب	نوجوانان اہل سنت جامع مسجد بریلی	درج نہیں	۱-۸
۲۲	حضور مفتی اعظم	قمر الزماں خاں اعظمی	دار العلوم امام احمد رضا، ممبئی	۱۴۱۰ھ	۱-۳۲
۲۳	حیات مفتی اعظم	مرزا عبد الوحید بیگ / اقبال احمد نوری	ادارہ تحقیقات مفتی اعظم صندل خاں بریلی	ستمبر ۱۹۹۰ء	۱-۳۶۸
۲۴	شہزادہ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب	رضا اکیڈمی ممبئی	۱۹۹۰ء	۱-۲۰
۲۵	نوری گلستان	حضرت مظہر حسن قادری برکاتی	بزم قاسمی برکاتی، بدایوں شریف	مارچ ۲۰۰۲ء	۱-۷۰
۲۶	شمع فروزاں	محمد شہاب الدین رضوی	رضا اکیڈمی ممبئی	درج نہیں	۱-۲۴
۲۷	خلفا مفتی اعظم	محمد شہاب الدین رضوی	رضا اکیڈمی ممبئی	۱۹۹۰ء	۱-۲۴۰
۲۸	تاجدار اہل سنت	باہتمام الحاج محمد سعید نوری	رضا اکیڈمی، ممبئی	۱۴ محرم ۱۴۲۷ھ	۱-۳۵۱
۲۹	بریلی کا تاجدار	عطاء المصطفیٰ رضوی	دار العلوم غریب نواز الہ آباد	درج نہیں	۱-۴۸
۳۰	شہزادۂ اعلیٰ حضرت	محمد داؤد رضوی	بزم رضا انوار و رضا معراج العلوم گوجرانوالہ	صفر ۱۴۰۹ھ	۱-۵۰

۳۱	رہبر اعظم	ڈاکٹر شرافت اللہ	مشتاق حسین فرینڈس بک کارنر، بریلی	درج نہیں	۱-۳۲
۳۲	مفتی اعظم	علامہ محمد شریف الحق صاحب امجدی	رضا اکیڈمی، ممبئی	درج نہیں	۱-۳۲
۳۳	تجلیات مفتی اعظم	محمد قمر الحسن قادری قمر بستوی	رضا اکیڈمی، ممبئی	۹۲ء	۱-۱۲۶
۳۴	امام برحق مفتی اعظم	صد سالہ جشن	رضا اکیڈمی، ممبئی	جنوری ۹۲ء	۱-۹
۳۵	سوانح مفتی اعظم (ہندی)	محمد احمد	زیر ترتیب	غیر مطبوعہ	۱-۶۰
۳۶	ایک جائزہ	سید شاہد علی نوری	ادارہ معارف رضا رام پور	مارچ ۹۲ء	۱-۵۳
۳۷	حیات مفتی عالم مفتی اعظم	سید صفدر علی فاطمی	سید محمد رحمت علی خدا گنج پیلی بھیت	۱۱ جون، ۸۴ء	۱-۷۸
۳۸	عکس نوری	صدر الدین خاں رضا نوری	رضوی کتب خانہ بازار صندل خاں بریلی	درج نہیں	۱-۲۴
۳۹	عالم باعمل	شجاع الدین فاروقی		۱۹۸۸ء	۱۴،۱۶
۴۰	برہان ملت سے انٹرویو	عبداللہ بھائی رضوی	رضا اکیڈمی، ممبئی	درج نہیں	۱-۱۲
۴۱	اکرام امام احمد رضا	برہان الملت مفتی برہان الحق صاحب	مرکزی مجلس رضا لاہور	۱۹۸۱ء	۱۰،۵۷،۸۶،۸۷
۴۲	تذکرہ علمائے اہل سنت	مولانا محمود احمد قادری	خانقاہ قادریہ اشرفیہ بھوانی پور، ضلع مظفر پور	۱۳۹۱ھ	۲۳۰،۲۳۲
۴۳	تذکرہ مشائخ قادریہ	مورخ لاہور محمد دین کلیم صاحب	مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور	اگست ۱۹۷۵ء	۲۳۵،۲۳۶
۴۴	تمہید الایمان	امام احمد رضا	صد سالہ جشن رضا اکیڈمی، ممبئی	درج نہیں	۱-۵۳
۴۵	اسلام اور چاند کا سفر	مفتی شریف الحق امجدی صاحب	محب الحق، انوار القرآن، بلرام پور	دسمبر ۱۹۷۱ء	ص ۶
۴۶	خراج عقیدت	علی احمد سیوانی	خانقاہ قادریہ جلیلیہ حسن پورہ سیوان	۱۹۹۹ء	۵۶-۷۶
۴۷	اردو نعت اور حافظ پیلی بھیتی	ڈاکٹر سراج حسن صاحب رضوی	تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی (۱۹۹۶ء)	غیر مطبوعہ	ص ۴۲۷
۴۸	تجلیات امام احمد رضا	قاری محمد امانت رسول صاحب رضوی	مکتبہ مصطفیٰ بریلی شریف	۱۹۸۷ء	۴۰-۴۲
۴۹	محدث بریلوی	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی	۱۹۹۳ء	۳۴-۳۵-۳۶
۵۰	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ	مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی	اکیڈمی مشائخ قادری رضوی بنارس	۱۹۸۹ء	۵۰۲-۵۲۶

۵۱	سالنامہ تجلیات رضا	مدیر اعلیٰ محمد حنیف خان صاحب رضوی،	تاجدار اہل سنت امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی	مئی ۲۰۰۲ء	۸۰-۸۱
۵۲	تحریک آزادی ہند اور سواد اعظم	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب	رضا پبلی کیشنز، دا تا بازار لاہور	فروری ۱۹۷۹ء	۱۶۱
۵۳	حضرت مولانا حسنین رضا خاں صاحب	محمد شہاب الدین رضوی	رضا اکیڈمی، ممبئی	۱۹۹۸ء	۲۷، ۳۸، ۳۹، ۴۲، ۴۳، ۷۰، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۹، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸
۵۴	معرکہ حق و باطل	علامہ یونس صاحب	عطاء الحشمت حشمت نگر پیلی بھیت (بار دوم)	۱۴۰۵ھ	اج
۵۵	حضرت مفتی جہانگیر صاحب	قاری امانت رسول	محمد یعقوب اودے پور راجستھان	درج نہیں	۵، ۶، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۲،
۵۶	اعمال بخشش	محمد شفیع خاں اختر القادری	مصنف	۱۳۷۵ھ	۲
۵۷	التحقیقات	مفتی شریف الحق امجدی	دار العلوم ندائے حق جلال پور، فیض آباد		۵۰، ۵۱
۵۸	خطبات غوث و رضا	مولانا محمد دین چشتی	المجمع المصباحی، مبارک پور	۱۹۹۹ء	۱۳۲
۵۹	تذکرہ محدث سورتی	خواجہ رضی حیدر	ولی حیدر ذاکر سورتی اکیڈمی کراچی	۱۹۸۱ء	۱۹۶، ۲۲۵، ۲۵۵، ۲۸۶
۶۰	ترانہ حشمتی	از حاجی محمد عمر ڈوساسکتی	دار العلوم امام احمد رضا ممبئی	۱۴۰۹ھ	۲۳
۶۱	حیات مفسر اعظم	مفتی عبد الواحد قادری	القرآن اسلامک فاؤنڈیشن، نیدر لینڈ	فروری ۰۳ء	۲۷۲-۲۷۴، ۲۷۶، ۲۸۲، ۲۹۸
۶۲	مدینہ سے مدینہ	محمد الیاس قادری عطاری	مکتبۃ المدینہ، کراچی	درج نہیں	۵-۶

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر	سن	صفحات
۶۳	فیضانِ سنت	محمد الیاس قادری عطاری	مکتبۃ المدینہ، کراچی	۱۴۰۹ھ	۲۰۷-۲۰۸
۶۵	خطباتِ نظامی	خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی	قاری محمد صدیق رضوی الہ آباد	۱۴۱۷ھ	۱۰
۶۶	خطباتِ نظامی، حصہ دوم	خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی	قاری محمد صدیق رضوی، الہ اباد	۱۴۱۷ھ	۳
۶۷	قانون شریعت	حضرت قاضی شمس الدین صاحب	مکتبہ شمسیہ، جونپور	جولائی ۲۰۰۲ء	۳۵۴-۳۵۵
۶۸	مومن کی نماز (ہندی ایڈیشن)	مولانا عبدالستار خان ہمدانی	مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر	دسمبر ۲۰۰۱ء	۳۰
۶۹	تجلیات امام ربانی	مولانا عبدالحکیم اختر مجددی شاہ جہاں پوری	مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور	۱۹۷۸ء	۱۲
۷۰	خلفا اعلیٰ حضرت	ڈاکٹر مجید اللہ قادری محمد صادق منصوری	ادارہ تحقیقاتِ رضا کراچی	۱۹۹۲ء	۲۸۴-۲۹۸
۷۱	تذکرہ جمیل	مولانا محمد ابراہیم خوشتر	سنی رضوی اکیڈمی، ماریشس	ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ	۲۳۱-۲۳۶
۷۲	سیرت امام احمد رضا	اختر شاہ جہاں پوری	رضوی کتاب گھر، بھیونڈی	۱۹۹۴ء	۱۸
۷۳	جامع الاحادیث	علامہ محمد حنیف خاں صاحب رضوی	امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی	۲۰۰۵ء	۴۷۶-۴۸۴
۷۴	فتاویٰ مصطفویہ	حضرت حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ	رضا اکیڈمی، ممبئی	۲۰۰۰ء	تقدیم ص ۵-۲۴
۷۵	فتاویٰ رضویہ، جلد پنجم	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ	رضا اکیڈمی، ممبئی	اگست ۹۴ء	۳-۵
۷۶	تعارف اہل سنت	یٰسین اختر مصباحی	رضا اکیڈمی، ممبئی (بار پنجم)	۲۰۰۲ء	۱-۴۸
۷۷	سامان بخشش	حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ	رضا بکڈپو، جامع مسجد، دہلی	۲۰۰۴ء	۷-۱۲
۷۸	نقوشِ فکر	یٰسین اختر مصباحی	اسلامک پبلشر، دہلی	۲۰۰۴ء	۱۹۵-۱۹۶، ۲۵۳-۲۵۸، ۲۴۱، ۷۵۴، ۷۵۵
۷۹	نعتیہ شاعری کا تحقیقی مطالعہ	ڈاکٹر سراج احمد بستوی	ڈاکٹر سراج احمد	۱۹۹۷ء	۳۱۷-۳۱۸
۸۰	دامن مصطفیٰ (فتاویٰ) حصہ اول	مفتی محمد اعظم	ادارہ دامن مصطفیٰ نوری مسجد، بریلی	دسمبر ۱۹۹۰ء	۳، ۴، ۵، ۹
۸۱	دامن مصطفیٰ (فتاویٰ) حصہ دوم	مفتی محمد اعظم	ادارہ دامن مصطفیٰ نوری مسجد، بریلی		۲-۳
۸۳	تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ	محمد شہاب الدین رضوی	رضا اکیڈمی، ممبئی	۱۹۹۵ء	۴۶۴

۸۴	تجلیات بزم رضا	مدیر اعلیٰ علامہ محمد حنیف خاں رضوی	امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی	مئی ۲۰۰۲ء	۸۰-۸۱
۸۵	ماہنامہ نوری کرن، بریلی	مدیر اقبال احمد نوری، بازار صندل خان بریلی		شمارہ نومبر ۶۳ء	۳۶، ۳۷
۸۶	" " "	" " " " "		نومبر ۶۰ء	۲۲-۲۳
۸۷	" " "	" " " " "	بڑودہ اسٹیشن پر شاندار استقبال	دسمبر ۵۹ء	۴۷
۸۸	" " "	" " " " "		دسمبر ۶۹	۲۵
۸۹	" " "	" " " " "	حضرت کی حج کو روانگی	فروری ۷۱ء	۱۵
۹۰	" " "	" " " " "		مئی ۷۲ء	۲۱
۹۱	" " "	" " " " "	مفتی اعظم کی تشریف آوری	اکتوبر ۷۶ء	۳۹
۹۲	" " "	" " " " "	شیخ عالم در قبائے عالم	دسمبر ۷۳ء	۲۰
۹۳	" " "	" " " " "		جولائی ۶۸ء	۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۹
۹۴	" " "	" " " " "		جنوری ۶۲ء	۴
۹۵	" " "	" " " " "		دسمبر ۶۸ء	۲۰
۹۶	" " "	" " " " "		فروری ۶۲ء	۴۰، ۴۶
۹۷	" " "	" " " " "		جولائی ۶۰ء	۲
۹۸	ماہنامہ قاری، دہلی	مدیر محمد میاں مظہری	دفتر قاری نیا محل دہلی	ستمبر ۸۷ء	۵۳-۵۸
۹۹	ماہنامہ نوری کرن بریلی	مدیر اعلیٰ اقبال احمد نوری،	دفتر نوری کرن، بازار صندل خاں، بریلی	جنوری ۷۰ء	۱۵-۱۶
۱۰۰	ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی	مدیر اعلیٰ محمد ریحان رضا خاں، دفتر اعلیٰ حضرت	سوداگران، بریلی، مبارکبادی مفتی اعظم	اگست ۷۷ء	۳۹
۱۰۱	ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی	مدیر اعلیٰ محمد ریحان رضا خاں	دفتر اعلیٰ حضرت، سوداگران، بریلی	مارچ ۸۲ء	۱۰، ۲۱، ۳۱، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷
۱۰۲	" " " مفتی اعظم نمبر	" " "	" " " "	مارچ ۸۲ء	۲-۷۶

نمبر	رسالہ	مدیر / پتہ	مضمون	تاریخ	صفحات
۱۰۳	″ ″ ″ مفتی اعظم نمبر	″ ″ ″	″ ″ ″ ″	ستمبر، اکتوبر، نومبر ۹۰ء	۱-۳۱۲
۱۰۴	″ ″ ″	مدیراعلیٰ محمد سبحان رضا خاں	″ ″ ″ ″	دسمبر ۸۶ء	۲۱-۲۳، ۴۲، ۷۸
۱۰۵	″ ″ ″	مدیراعلیٰ محمد ریحان رضا خاں	″ ″ ″ ″	مئی ۷۵ء	۸
۱۰۶	″ ″ ″	مدیراعلیٰ محمد سبحان رضا خاں	″ ″ ″ عرس پاک مفتی اعظم	جولائی ۲۰۰۰ء	۱۰۴-۱۰۵
۱۰۷	″ ″ ″	″ ″ ″	″ ″ ″ نوری جشن ولادت مفتی اعظم	جولائی ۲۰۰۰ء	۱۰۶، ۱۰۷
۱۰۸	″ ″ ″	″ ″ ″	″ ″ خلیفہ مفتی اعظم	جولائی ۰۴ء	۹۱، ۱۰۳
۱۰۹	″ ″ ″ - صد سالہ	″ ″ ″	″ ″ منظر اسلام نمبر عرس نوری	اپریل ۰۱ء	۳۵۸-۳۶۰
۱۱۰	″ ″ ″	″ ″ ″	″ ″ منظر اسلام، دوسری قسط	اپریل، مئی ۰۲ء	۹-۱۶، ۳۹، ۴۴، ۳۴۵، ۳۴۹-، ۳۵۴، ۳۵۸
۱۱۱	″ ″ ″	″ ″ ″	″ ″ منظر اسلام، تیسری قسط	اپریل، مئی ۰۳ء	۲۱، ۳۴، ۳۵۸-۳۶۰
۱۱۲	″ ″ ″	″ ″ ″	″ ″ منظر اسلام چوتھی قسط	اپریل مئی، ۰۴ء	۳۵۸-۳۶۰، ۳۲۵، ۲۱۲، ۲۱۴، ۲۳۱، ۲۳۲
۱۱۳	″ ″ ″مفتی اعظم نمبر	مدیراعلیٰ محمد ریحان رضا	″ ″ ″ ″	ستمبر ۷۶ء	۳۳-۳۶
۱۱۴	″ ″ ″	″ ″ ″	″ ″ ″ ″	جنوری ۷۹ء	۲، ۴، ۵، ۶
۱۱۵	المیزان، ممبئی	محمد جیلانی محامد	سانکلی اسٹریٹ، جونی مسجد، ممبئی	ستمبر ۸۳ء	۲، ۴، ۵، ۶
۱۱۶	″ ″	″ ″	″ ″ ″ ″	اکتوبر ۸۳ء	۱۵
۱۱۷	″ ″ مفتی اعظم کا سہ سالہ عرس ″	″	″ ″ ″ ″	مارچ ۸۲ء	۶، ۱۱
۱۱۸	″ ″ مفتی اعظم کے وصال پر تعزیت ″	″	″ ″ ″ ″	دسمبر ۸۱ء	۴-۸
۱۱۹	″ ″ تاریخ مفتی اعظم	″ ″	″ ″ ″ ″	اپریل ۷۸ء	۱۷
۱۲۰	ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی	مدیر محمد سبحان رضا خاں سوداگران بریلی	جشن صحت مفتی اعظم	اپریل ۷۸ء	۱۷

۱۲۱	الجامعۃ الاشرفیہ	مولانا یٰسین اختر مصباحی	مفتی اعظم اور حافظ ملت	اپریل ۲۰۰۵ء	۵۴
۱۲۲	سہ ماہی نوری نکات فیضان مفتی اعظم نمبر	مدیر نظام الدین نوری	ادارہ نوریہ	جنوری فروری ۹۹	۱-۱۶۷
۱۲۳	ماہنامہ یٰسین کان پور، مفتی اعظم نمبر	مدیر اعلیٰ طیش صدیقی / خالد مصطفیٰ خالد صدیقی		جنوری فروری ۹۲	۳۶۰
۱۲۴	رضائے مصطفیٰ	مدیر مولانا محمد حنیف خاں رضوی	بیڑی، ضلع بریلی	اکتوبر ۸۸ء	۳-۴
۱۲۵	المسعود بہرائچ	ایڈیٹر محمد صدیق حسین	حضور مفتی اعظم بحیثیت عاشق رسول	دسمبر ۸۸ء	۲۵-۲۸
۱۲۶	ماہنامہ استقامت کان پور،	مدیر سید ظہیر الدین	مفتی اعظم نمبر		۶-۶۱۲
۱۲۷	″ ″ ″	″ ″ ″	عرس اعلیٰ حضرت و چہلم مفتی اعظم	فروری مارچ ۸۲	۲۸-۳۰، ۱۴۸-۱۵۱،
۱۲۸	″ ″ ″	″ ″ ″	مفتی اعظم کی کرامت	اکتوبر نومبر ۸۱	۷۸-۷۹
۱۲۹	″ ″ ″	″ ″ ″	تلاش مرشد	نومبر ۷۶ء	۱۴-۱۱۵
۱۳۰	″ ″ ″	″ ″ ″	مفتی اعظم کی نعتیہ شاعری	دسمبر ۸۴ء	۳۷-۱۴۴
۱۳۱	″ ″ ″	″ ″ ″	حضور مفتی اعظم کا سوگ ملک کے طول و عرض میں	جنوری ۸۲ء	۱۵۲-۱۶۰
۱۳۲	″ ″ ″	″ ″ ″	مفتی اعظم کا ایک اہم فتویٰ	اکتوبر نومبر ۸۴ء	۱۲۹-۱۳۱
۱۳۳	″ ″ ″	″ ″ ″	مفتی اعظم کانفرنس	اگست ۸۳ء	۱۰۵-۱۱۱
۱۳۴	″ ″ ″	″ ″ ″	مفتی اعظم نمبر پر تاثرات	اگست ۸۳ء	۱۳۵-۱۳۹
۱۳۵	″ ″ ″	″ ″ ″	دریا کی ہیروں پر مفتی اعظم کی کرامت	فروری مارچ ۸۵	۹۶-۹۷
۱۳۶	″ ″ ″	″ ″ ″	مفتی اعظم نمبر پر تاثرات	نومبر دسمبر ۸۳ء	۱۴۰-۱۴۲
۱۳۷	″ ″ ″	″ ″ ″	بارگاہ خواجہ میں مفتی اعظم کا ل	جولائی ۸۲ء	۱۳۷-۱۳۸
۱۳۸	″ ″ ″	″ ″ ″	مفتی اعظم کا جشن صحت	جنوری ۸۴ء	۱۰۳-۱۰۶
۱۳۹	″ ″ ″	″ ″ ″	مفتی اعظم	جنوری ۸۴ء	۶۰

نمبر	رسالہ	مدیر	عنوان	تاریخ	صفحات
۱۴۰	〃 〃 〃	〃 〃 〃	ہمارے مفتی اعظم، منقبت	مئی جون ۸۴ء	۳۹
۱۴۱	〃 〃 〃	〃 〃 〃	شاہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی	دسمبر ۸۵ء	۴۸-۵۰
۱۴۲	〃 〃 〃	〃 〃 〃	حضور مفتی اعظم فن و صداقت کی روشنی میں	جون جولائی ۸۳	۱۰۲-۱۰۷ ۷،۸،۱۰
۱۴۳	روئداد نوری رضوی انجمن پیلی بھیت	۶/۵ نومبر ۷۸ء			
۱۴۴	ماہنامہ استقامت کانپور،	مدیر ظہیر الدین قادری	جشن نوری	فروری مارچ ۸۲	۱۴۹-۱۵۳
۱۴۵	〃 〃 〃	〃 〃 〃	مفتی اعظم کا چہلم	فروری مارچ ۸۲	۲۸-۳۰
۱۴۶	〃 〃 〃	〃 〃 〃			
۱۴۷	رشک برق جلوہ قدرت	افتخار ر ولی خاں صاحب	کتب خانہ اہل سنت پیلی بھیت	۱۴۰۲ھ	۱-۱۶
۱۴۸	ماہنامہ استقامت کانپور	مدیر ظہیر الدین قادری	مفتی اعظم کانفرنس	جون جولائی ۸۳	۲۷-۲۹
۱۴۹	〃 〃 〃	〃 〃 〃	مفتی اعظم کا سوگ	جون جولائی ۸۳	۱۵۳-۱۶۰
۱۵۰	〃 〃 〃	〃 〃 〃	منقبت مفتی اعظم	جنوری ۸۵ء	۵۲
۱۵۱	〃 〃 〃	〃 〃 〃	ہمارے مفتی اعظم	جنوری ۸۵ء	۳۹
۱۵۲	ماہنامہ سنی دنیا بریلی	مدیر محمد شہاب الدین رضوی،	اعلیٰ حضرت نے کسی برادری کو ذلیل نہیں کہا	اپریل مئی ۹۹ء	۱۵-۱۶
۱۵۳	〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃		اکتوبر ۲۰۰۰ء	۱۵-۲۴
۱۵۴	〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃		جنوری ۲۰۰۳ء	۳۴-۳۵
۱۵۵	〃 〃 〃	مدیر عبدالنعیم عزیزی	حضور مفتی اعظم کی شخصیت	جولائی ۹۰ء	۳۴-۳۶
۱۵۶	〃 〃 〃	مدیر محمد شہاب الدین رضوی	جشن صد سالہ	۱۹۹۰ء	۴۳
۱۵۷	〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃	حضور مفتی اعظم کی شخصیت	۱۹۹۰ء	۳۴-۳۵
۱۵۸	〃 〃 〃	مدیر عبدالنعیم عزیزی	حضور مفتی اعظم بحیثیت فقیہ	فروری ۹۰ء	۱۶-۲۱
۱۵۹	〃 〃 〃	مدیر محمد شہاب الدین رضوی	مجاہد جنگ آزادی	ستمبر ۰۲ء	۳۳

۱۶۰	" " "	" " " "		اپریل مئی ۹۹ء	۱۶-۱۵
۱۶۱	" " "	مدیر ذوالفقار علی خاں		نومبر دسمبر ۹۰ء	۳۱-۲۰
۱۶۲	" " "	" " "		جولائی ۹۰ء	۳۶-۳۳
۱۶۳	" " "	" " "		اکتوبر ۹۰ء	۲۱،۳۱-۲۹
۱۶۴	" " "	" " "	شاہزادہ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم کا تقویٰ	جنوری ۹۰ء	۱۹-۱۲
۱۶۵	" " "	" " "	جشن صد سالہ مفتی اعظم نمبر	جنوری فروری ۹۲	۹۰-۵۳
۱۶۶	" " "	" " "	حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ	مئی ۹۱ء	۲۶-۲۱
۱۶۷	" " "	" " "		اگست ۹۰ء	۱۹-۱۲
۱۶۸	" " "	مدیر محمد شہاب الدین رضوی		ستمبر ۹۱ء	۶۳-۶۲
۱۶۹	" " "	" " " "		جنوری فروری ۹۲	۹۶-۵۴
۱۷۰	" " "	مدیر ذوالفقار علی خاں		نومبر دسمبر ۹۰ء	۲۷-۲۰
۱۷۱	" " "	" " "		نومبر دسمبر ۹۰ء	۳۲-۲۸
۱۷۲	سہ ماہی افکار رضا ممبئی	مدیر محمد زبیر قادری	ناگپاڑہ، ممبئی	جنوری-فروری -مارچ ۹۹	۳۰-۲۲
۱۷۳	" " "	" " "	" " "	" "	۴۴-۲۹
۱۷۴	ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور	مدیر مولانا مبارک حسین مصباحی	دفتر الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور	جون ۲۰۰۳ء	۳۹-۳۷
۱۷۵	" " "	" " "	" " "	اگست ۹۳ء	۴۵-۴۴
۱۷۶	" " "	" " "	" " "	اکتوبر ۹۳ء	۴۰-۳۹
۱۷۷	" " "	" " "	" " "	مارچ ۹۴ء	۲۸-۲۵
۱۷۸	حجاز جدید دہلی (آل انڈیا مفتی اعظم سیمینار	مدیر یٰسین اختر مصباحی	ضیا محل، جامع مسجد، دہلی	نومبر ۹۲ء	۵۸

۱۷۹	" " "	" " "	" " "	جون ۹۲ء	۲۰-۳۶، ۳۷-۳۹، ۴۰-۴۱، ۴۲-۴۴، ۴۵-۴۹
۱۸۰	" " "	" " "	" " "	جون ۹۳ء	۱۹-۵۰
۱۸۱	" " " جشن صد سالہ مفتی اعظم	" " "	" " "	دسمبر ۹۱ء	۶۵-۶۶
۱۸۲	" " "	" " "	" " "	مارچ ۹۲ء	۳، ۴، ۳۱-۳۲، ۳۳-۴۱
۱۸۳	" " "	" " "	" " "	۱۹۸۹ء	۷۰
۱۸۴	" " "	" " "	" " "		
۱۸۵	ماہنامہ رضائے مصطفیٰ بہیڑی	مدیر حضرت مولانا محمد حنیف خاں رضوی		اکتوبر ۸۹ء	۳۱-۳۶
۱۸۶	ماہنامہ تاجدار کائنات رامپور	مدیر سید شاہد علی رضوی		مئی ۸۰ء	۲۲
۱۸۸	ماہنامہ کنز الایمان دہلی	مدیر اعلیٰ یٰسین اختر مصباحی	ضیا محل، جامع مسجد، دہلی	جون ۰۴ء	۹-۴۳
۱۸۹	" " " شارح بخاری نمبر	" " " "	" " " "	اپریل ۰۱ء	۸، ۹، ۱۲، ۱۴، ۱۹، ۲۵، ۲۱، ۲۲، ۲۶-۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۱، ۴۳، ۵۰، ۵۱، ۵۵، ۶۶، ۸۰، ۸۶، ۸۹، ۹۹، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۷، ۱۵۴، ۱۶۶، ۱۸۸، ۲۸۳، ۲۸۵، ۳۰۱، ۳۱۵، ۳۱۹

نمبر	رسالہ	مدیر	ناشر	تاریخ	صفحات
۱۹۰	ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور	مدیر مبارک حسین قادری	دفتر الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور	مارچ ۹۴ء	۲۵-۲۸
۱۹۱	ماہنامہ کنز الایمان دہلی	مدیر یٰسین اختر مصباحی		مارچ ۰۳ء	۳۰-۳۱
۱۹۲	شمع منور رونجات	شیر بیشۂ اہل سنت	عسکری اکیڈمی، پیلی بھیت	۱۹۹۸ء	۷
۱۹۳	ماہنامہ کنز الایمان دہلی جشن مفتی اعظم	مدیر اعلیٰ یٰسین اختر مصباحی	ضیا محل، جامع مسجد، دہلی	جولائی ۰۲ء	۱۳-۱۴
۱۹۴	〃 〃 〃 خطوط ہدایت	〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃	جولائی ۰۲ء	۱۰
۱۹۵	〃 مفتی اعظم اور فتاویٰ مصطفویہ	〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃	مارچ ۰۱ء	۴۳-۴۶
۱۹۶	〃 〃 〃 ایک آخری	〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃	جون ۰۲ء	۳۹-۴۳
۱۹۷	ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور	مدیر مبارک حسین مصباحی	دفتر الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور	مئی ۹۳ء	۲۳-۲۵
۱۹۸	ماہنامہ حجاز جدید (تماشائے اہل کرم)	مدیر یٰسین اختر مصباحی	دفتر ضیا محل، جامع مسجد، دہلی	جنوری ۹۴ء	۶۶
۱۹۹	ماہنامہ قاری دہلی	مدیر محمد میاں مظہری	〃 〃 〃 〃	دسمبر ۸۹ء	۶۱-۶۲
۲۰۰	〃 〃 〃 ماہ محرم اور مفتی اعظم	〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃	ستمبر ۹۰ء	۵۴-۵۷
۲۰۱	〃 〃 مفتی اعظم کا سیاسی موقف	〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃	اگست ۹۰ء	۵۸-۶۰
۲۰۲	ماہنامہ استقامت کان پور	مدیر ظہیر الدین قادری	دفتر ریل بازار کان پور	جنوری ۷۷ء	۹۵-۹۷
۲۰۳	خلفائے محدث بریلوی	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب (دوم ایڈیشن)	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی	۲۰۰۵ء	۷۴-۹۱
۲۰۴	تاثرات	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	بنام حضرت سبحانی میاں	مئی ۰۴ء	۲۲-۲۴
۲۰۵	ایک حاضرہ	سید شاہد علی رضوی	ادارہ معارف رضا، رامپور	مارچ ۹۲ء	۵۴
۲۰۶	ماہنامہ دامن مصطفیٰ بریلی۔ مفتی اعظم نمبر	مدیر علامہ مفتی محمد اعظم	دفتر نوری مسجد جنکشن، بریلی		۱-۲۰۸
۲۰۷	ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ	مدیر حفیظ نیازی	دفتر دار السلام، گوجرانوالہ	دسمبر ۸۱ء	۱۵-۲۴
۲۰۸	حیات اعلیٰ حضرت	ملک العلما ظفر الدین صاحب	رضا اکیڈمی، ممبئی		۱۱۷-۱۲۰، ۱۲، ۱۶، ۵۶، ۴۵۷

نمبر	رسالہ	مدیر	پتہ	تاریخ	صفحات
۲۰۹	روح خطابت	حضرت مولانا محمد مصلح الدین قادری	رضوی کتاب گھر دہلی	درج نہیں	۱۳
۲۱۰	ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی	ایڈیٹر مولانا محمد ریحان رضا خاں	دفتر محلہ سوداگران، بریلی	اکتوبر ۷۷ء	۳۳-۳۶
۲۱۱	جمال مصطفیٰ میگزین	مدیر اعلیٰ شمشاد حسین	الجامعۃ الاسلامیہ قدیم گنج، رام پور	جون ۸۳ء	۱۳-۱۸، ۵۵
۲۱۲	تاجدار کائنات، رام پور	مدیر نور الدین نظامی	دفتر مزار شاہ درگاہی، رام پور	نومبر ۸۲	۲۸-۲۹
۲۱۳	〃 〃 〃	〃 〃 〃	〃 〃 〃	فروری مارچ ۸۲	۲۵، ۲۶
۲۱۴	ماہنامہ السعود، بہرائچ	مدیر اعلیٰ محمد صدیق حسن	دفتر تکونی مسجد، درگاہ روڈ، بہرائچ	نومبر ۸۹ء	۲۸، ۲۹
۲۱۵	〃 〃 〃	〃 〃 〃	〃 〃 〃	جنوری ۸۹ء	۲۵-۲۸
۲۱۶	ماہنامہ پاسبان، الہ آباد	مدیر علامہ مشتاق احمد نظامی	دفتر غالب روڈ، الہ آباد	جولائی ۷۳ء	۲، ۳
۲۱۷	ماہنامہ دامن مصطفیٰ، بریلی	مدیر اعلیٰ علامہ محمد اعظم	دفتر نوری مسجد جنکشن، بریلی	جنوری ۸۵ء	۳
۲۱۸	ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی	مدیر اعلیٰ محمد ریحان رضا خاں	دفتر سوداگران، بریلی	جولائی ۶۵ء	۱۰
۲۱۹	ماہنامہ نوری کرن، بریلی	مدیر صوفی اقبال احمد نوری	دفتر یار اصندل خان، بریلی	اکتوبر ۷۱ء	۱۳
۲۲۰	ماہنامہ قادریہ	مدیر اعلیٰ مظہر الحق حشمتی	دفتر الجامعۃ القادریہ، رچھا، بریلی	ستمبر اکتوبر ۹۱	۲۵-۳۲
۲۲۱	تذکرہ اکابر اہل سنت حصہ اول	مفتی شفیق احمد شریفی	دار المصنفین افضل المدارس، کریلا باغ	الہ آباد	۱۶۴، ۱۶۵
۲۲۲	افکار رضا	محمد قمر الحسن قمر بستوی	رضوی کتاب گھر، دہلی	۱۹۹۲ء	۳
۲۲۳	تاریخ مشائخ قادریہ	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم	بزم قاسمی برکاتی، بدایوں شریف	۲۰۰۱ء	۴۴۷-۴۵۷
۲۲۴	ماہنامہ سنی دنیا، بریلی	مدیر عبد النعیم عزیزی	دفتر محلہ سوداگراں، بریلی	۱۹۹۰ء	۳۷-۴۰
۲۲۵	سوانح مولانا حشمت علی لکھنوی: ایک تحقیقی مطالعہ	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم	دانشکدہ ہمدرد کالونی، دہلی	۱۹۹۲ء	۴، ۲۶، ۲۷، ۱۰۶، ۱۵، ۲۱۳، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۷۱، ۳۲۹

۲۲۶	حیات اعلیٰ حضرت سوم	ملک العلما ظفر الدین صاحب	رضا اکیڈمی ممبئی	۲۰۰۳ء	۲۳، ۲۴، ۴، ۲۹۵، ۳۳۸
۲۲۷	فردوس عرب	مولانا عبد الستار ہمدانی برکاتی	برکات رضا، پوربندر	۲۰۰۱ء	۵۲
۲۲۸	مجدد الاسلام	محمد صابر القادری نسیم بستوی	نوری بکڈپو، کان پور	۱۳۷۹ھ	۱۹،۱۸،۱۷،۲
۲۲۹	ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، حافظ ملت نمبر	ایڈیٹر بدر القادری صاحب	دفتر الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور	اگست ۷۸ء	۱۳۳، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۸۸،۳۸۴
۲۳۰	ماہنامہ قاری دہلی امام احمد رضا نمبر	مدیر قاری محمد میاں مظہری	ٹیا محل، جامع مسجد، دہلی	اپریل ۸۹ء	۳۳۳، ۵۰۷، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۷، ۵۲۹،۵۲۸
۲۳۱	روشن ستارے	مفتی محمد اعظم	دار العلوم مظہر اسلام، مسجد بی بی جی، بریلی		
۲۳۲	مفتی اعظم کا سفر حجاز	راز الہ آبادی	ادارہ رنگ و نور بہادر گنج، الہ آباد		
۲۳۳	پندرہویں صدی ہجری اور منصب تجدید	نواب رحمت نبی خان صاحب	ادارہ تحقیقات مفتی اعظم، بریلی شریف		
۲۳۴	مفتی اعظم اپنی سوانح حیات میں	مبین الہدیٰ نورانی	نورانی کتب خانہ، جمشید پور	غیر مطبوعہ	
۲۳۵	مفتی اعظم	سید ریاست علی	ادارہ اہل سنت اخوند مسجد کھارادر، کراچی		
۲۳۶	معراج حیات	مولانا ثناء اللہ امجدی و مولانا ابو الکلام فیضی	دار العلوم ضیاء الاسلام، ہوڑہ		
۲۳۷	مفتی اعظم نمبر	مولانا نسیم بستوی	دفتر ماہنامہ فیض الرسول، براؤں شریف		
۲۳۸	مفتی اعظم نمبر	طیش صدیقی	کلام مشرق، کان پور		
۲۳۹	مفتی اعظم نمبر	مشتاق حسین	بک کارنر اسلامیہ مارکیٹ، بریلی		
۲۴۰	مفتی اعظم (منظوم)	محمد سعید جیلانی	جیلانی کتب خانہ، نالا روڈ، کان پور		

نمبر	عنوان	مصنف / مدیر	ناشر / مقام	تاریخ	صفحات
۲۳۱	نذرانہ عقیدت (منظوم)	مولانا عبدالنبی قادری	دور خانہ قادری، نیوٹن چٹکی کاری، چھندواڑہ		
۲۳۲	عاشق مصطفیٰ	مولانا سعید احمد صاحب باندوی	رضوی کتب خانہ، لکھیم پور *		

* ۲۳۱ نمبر سے ۲۴۲ نمبر تک کی کتب و نمبر صفحہ ۶۰۰ سے ۶۰۱ ماہنامہ استقامت کان پور مدیر ظہیر الدین قادری

نمبر	عنوان	مصنف / مدیر	ناشر / مقام	تاریخ	صفحات
۲۴۳	پندرہ روزہ اخبار رفاقت پٹنہ مفتی اعظم نمبر	مدیر اعلیٰ علامہ ارشد القادری			
۲۴۴	ہفت روزہ ترجمان بریلی			۱۵ دسمبر ۸۱ء	۱-۳۶
۲۴۵	ہفت روزہ افق کراچی	ایڈیٹر ظہور الحسن بھوپالی (بریلی کا سفر)		دسمبر ۸۱ء	۳-۶
۲۴۶	سالنامہ ہفت روزہ کلام مشرق، کان پور	طیش صدیقی (مرشد کامل)		۲ جولائی ۸۰ء	۲۶-۳۱
۲۴۷	ہفت روزہ اخبار نئی دنیا	ایڈیٹر شاہد صدیقی	جلد ۱۰، شمارہ ۴۴ تا ۵۲		۱۲
۲۴۸	روزنامہ قومی آواز لکھنؤ	مدیر حیات اللہ انصاری		۱۲ دسمبر ۸۱ء	
۲۴۹	روزنامہ قومی سیاست جدید، کان پور	مدیر خان غفران زاہدی	چمن گنج، کان پور	۱۹ نومبر ۸۱ء	
۲۵۰	روزنامہ قومی سیاست جدید، کان پور	مدیر خان غفران زاہدی	چمن گنج، کان پور	۱۴ نومبر ۸۱ء	
۲۵۱	روزنامہ جنگ لاہور			۱۵ نومبر ۸۱ء	
۲۵۲	روزنامہ امر اُجالا بریلی	مدیر واری لال مہیشوری	دفتر سول لائن، بریلی	۱۴ نومبر ۸۱ء	
۲۵۳	روزنامہ وشو مانو بریلی			۱۴ نومبر ۸۱ء	
۲۵۴	روزنامہ وشو مانو، بریلی			۱۴ نومبر ۸۱ء	
۲۵۵	مجلہ دو روزہ امام احمد رضا کانفرنس			۱۵ نومبر ۸۱ء	
۲۵۶	سہ ماہی دامن مصطفیٰ بریلی مفتی اعظم نمبر	مدیر اعلیٰ صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی	۲۰۰۵ء	۴
۲۵۷	مفتی اعظم اور ان کے اساتذہ	مدیر اعلیٰ مفتی محمد اعظم صاحب	دفتر نوری مسجد جنکشن بریلی	مئی تا اکتوبر ۹۰ء	۱-۲۰۸
۲۵۸	مفتی اعظم اپنی تصانیف کے آئینے میں	مولانا ارشاد احمد رضوی، سیتامڑھی	متعلم الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور	غیر مطبوعہ	
۲۵۹	مفتی اعظم اور رد بدعات و منکرات	مولانا عبدالمالک	〃 〃 〃 〃	〃	
		محمد رونق احسان کٹیہاری	〃 〃 〃 〃	〃	

نمبر	عنوان	مصنف					
۲۶۰	مفتی اعظم اور خدمت خلق	سراج الحق، چھپرا	//	//	//	//	//
۲۶۱	مفتی اعظم اور اتحاد ملت کا ایک عظیم	(نام درج نہیں)					
۲۶۲	حضور مفتی اعظم اور ان کی اسلامی شوکت	غلام جابر، پورنیہ	//	//	//	//	//
۲۶۳	مفتی اعظم عشق وعرفان کا سمندر	محمد شبیر عالم، کلکتہ	//	//	//	//	//
۲۶۴	مفتی اعظم اور ان کے اساتذہ وقریبی معاصرین	محمد بدر الزماں کٹیہاری	//	//	//	//	//
۲۶۵	مفتی اعظم اپنی تصنیفات کے آئینے میں	غلام احمد رضا نوری	//	//	//	//	//
۲۶۶	مفتی اعظم فتاویٰ مصطفویہ کے آئینے میں	عظمت اللہ گونڈوی	//	//	//	//	//
۲۶۷	مفتی اعظم اور ان کے اساتذہ	مولانا محمود عالم، ویشالی	//	//	//	//	//
۲۶۸	مفتی اعظم کا ایثار وتقویٰ	عطا محمد گونڈوی	//	//	//	//	//
۲۶۹	مفتی اعظم اور ایثار وتقویٰ	نور الحق صاحب	//	//	//	//	//
۲۷۰	مفتی اعظم اور ایثار وتقویٰ	آفتاب عالم کٹیہاری	//	//	//	//	//
۲۷۱	مفتی اعظم اور ان کا ایثار وتقویٰ	علی رضا مظفر پوری	//	//	//	//	//
۲۷۲	مفتی اعظم کا ایثار وتقویٰ	شبیر احمد بہرائچی	//	//	//	//	//
۲۷۳	مفتی اعظم کے تقویٰ میں امتیازی خصوصیت	عبد الحلیم اختر	//	//	//	//	//
۲۷۴	مفتی اعظم کے تقویٰ میں امتیازی خصوصیت	آفتاب عالم فرخ آبادی	//	//	//	//	//
۲۷۵	مفتی اعظم بحر عشق وعرفاں	محمد فاروق، بھاگل پور	//	//	//	//	//
۲۷۶	مفتی اعظم اور ان کا ایثار وتقویٰ	شمیم رضا	//	//	//	//	//
۲۷۷	مفتی اعظم فتاویٰ مصطفویہ کی روشنی میں	عبد القیوم بستی	//	//	//	//	//
۲۷۸	مفتی اعظم اور خدمت خلق	بلال حسین	//	//	//	//	//
۲۷۹	مفتی اعظم اور خدمت خلق	مسیح اللہ گونڈوی	//	//	//	//	//

۲۸۰	مفتی اعظم اور خدمت خلق	محمد اشفاق اللہ خان	//	//	//	//	
۲۸۱	مفتی اعظم اور عرفان کا سمندر	محمد احسان وارث سہرسہ	//	//	//	//	//
۲۸۲	مفتی اعظم اور ان کے اساتذہ و قریبی معاصرین	محمد مقیم الدین کوری پورنیہ	//	//	//	//	//
۲۸۳	مفتی اعظم کے اساتذہ و معاصرین کا تقویٰ	رونق احسان کٹیہاری	//	//	//	//	//

۲۸۵ روزنامہ امروز لاہور، روزنامہ مشرق لاہور، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، روزنامہ حریت، کراچی، روزنامہ جنگ کراچی، روزنامہ انقلاب ممبئی، روزنامہ اردو ٹائمز ممبئی، روزنامہ سالار بنگلور، روزنامہ آزاد بنگلور، روزنامہ اخبار مشرق کلکتہ، روزنامہ آزاد ہند کلکتہ، روزنامہ سنگم پٹنہ، روزنامہ صدائے عام پٹنہ، روزنامہ فردور کان پور، روزنامہ قومی جنگ رام پور، روزنامہ کلام مشرق کان پور، روزنامہ ملاپ نئی دہلی، روزنامہ قومی آواز پٹنہ، روزنامہ قومی آواز بمبئی، روزنامہ دعوت دہلی، روزنامہ الجمعیۃ دہلی، روزنامہ تیرونشتر کان پور، روزنامہ ہندوستان ٹائمز (انگریزی) دہلی، روزنامہ دنیا جبل پور (ہندی)، روزنامہ نو بھارت ٹائمز (ہندی) دہلی، روزنامہ ٹائمز آف انڈیا (انگریزی) دہلی، روزنامہ دکن ہیرالڈ (انگریزی) بنگلور، ہفت روزہ نئی دنیا دہلی، ہفت روزہ بلٹز ممبئی، ہفت روزہ قومی آواز ممبئی، ہفت روزہ تنویر ممبئی، ہفت روزہ روداد چمن پیلی بھیت، ہفت روزہ انوار مالیگاؤں، پندرہ روزہ دامن مصطفیٰ بریلی، پندرہ روزہ نوائے حبیب کلکتہ ۲

۱-شمار نمبر ۲۵۷ سے ۲۸۴ تک کے مقالات غیر مطبوعہ علامہ محمد حنیف رضوی صاحب ڈائرکٹر امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف کے پاس محفوظ ہیں۔
۲-ماہنامہ استقامت کان پور مفتی اعظم نمبر مدیر مولانا ظہیر الدین قادری ریل بازار کان پور، صفحہ ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۲، ۵۹۶، ۵۹۷

☆☆☆

پندرھواں باب

ھماری ماضی قریب کی تاریخ بتاتی ھے کہ ھندوستان کے خوش عقیدہ مسلمانوں کے لیے خطۂ عرب خصوصاً حجاز مقدس کے جلیل القدر اور معظم المکرم علما و مشائخ اور اساطین امت کے سینوں میں جگہ بنانے والی ذات کا نام امام احمد رضا قادری حنفی ھے ۔ لکھنے والوں نے لکھا ھے کہ حج کے ایام میں فھم و فراست، فکر و بلاغت ، فضل و کرامت کے عظمائے رجال جوتیاں چٹخاتے پھرتے ھیں کوئی ان کا پرسان حال نھیں ھوتا ، مگر یہ ایک ھندی احمد رضا ھے کہ ھند سے کیا آیا ، ھر نظر اس کی دید کی مشتاق ھے، ھر من سینہ اس سے ملنے کے لیے بے تاب ھے. پھلے سے کوئی جان نہ پھچان مگر ھر دل میں اس کے لیے دھڑکن اور ھر آنکھ میں اسے دیکھنے کی چاھت. بلاشبھہ یہ صدقہ و اتارا ھے سید العرب و العجم، مالک رقاب الملوک والامم، حاکم الحل و الحرم ،نبی الحرمین، رسول الثقلین ،صاحب القبلتین لرواحنا فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گرد نعلین کا جس نے احمد رضا کی محبت کی خوشبو کو چھار دانگ عالم میں پھیلا دیا. دیکھنے والوں نے دیکھا کہ مصر و شام اور عراق و یمن کے وہ مقتدر علما جن کی قدم بوسی کو اھل عرب اپنی محبتوں کی معراج تصور کریں ، وہ امام احمد رضا کو بہ صد احترام اپنی آنکھوں پر بٹھارھے ھیں ، آخر وہ وقت بھی آگیا جب امام احمد رضا کی شخصیت اھل ھند کے ایمان و عقیدہ کو پرکھنے اور جانچنے کے لیے کسوٹی بن گئی . امام احمد رضا کا نام لیا چھرہ کھلا ایمان کی سند مل گئی، امام احمد رضا کا چرچا آیا ، چھرہ مرجھا یا دھتکار دیا گیا . کسی بھی ملک کے کسی بھی عالم دین کے لیے حجاز مقدس میں اپنے ملک و قوم کی پیشوائی کا یہ بلند ترین معیار ھے ، اس کے بعد کسی اور محک و معیار کی بات نھیں کی جاسکتی ، لیکن اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں ھمیں کسی سبکی کا احساس نہ کرنا چاھیے کہ امام احمد رضا نے اھل عرب کے دلوں پر اپنی علمی عظمت و جلال کا جو نقش چھوڑا تھا اس سے اھل سنت و جماعت خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھا سکے ، حضور مفتی اعظم کی ذات گرامی ایسی تھی کہ ان کے ذریعہ احترام و تقدس اور افادہ و استفادہ کا یہ سلسلہ جاری رہ سکتا تھا ، مگر حج کے لیے فوٹو کے لزوم اور شھزادۂ اعلی حضرت کی سختی کے ساتھ اس سے گریز نے اس خواب کو بھت حد تک شرمندۂ تعبیر نہ ھونے دیا ، اس طرح یہ سلسلہ دن بدن کم زور پڑتا گیا . خط و کتاب کے ذریعہ یہ سلسلہ قائم تو رھا ، مگر وہ زور اور جوش و خروش جو عصر رضا کا طرہ امتیاز تھا جاتا رھا. اس طرح امام احمد رضا نے ھمیں عالمی رابطے کا جو پلیٹ فارم مھیا کیا تھا ھم اس کی تحفظ میں بھت حد تک ناکام رھے .یہ اور بات ھے کہ نوجوان علما اور کچھ مشائخ کے ذریعہ افریقہ ، امریکہ ، یورپ ، اور آسٹریلیا وغیرہ کے علاقوں سے عوامی سطح پر بھت حد تک رابطے استوار ھوئے ھیں .مگر علمی حلقوں میں ھماری شناخت ابھی بھی مخدوش ھے .زیر نظر باب حضور مفتی اعظم کے علما حجاز سے تعلقات پر روشنی ڈالی گئی ھے ، جس میں دو مقالات شامل ھیں ، مولانا افتخار احمد اعظمی مصباحی ، خاص طور پر قابل ذکر ھیں جو ایک زمانے تک مدینہ منورہ میں مقیم رھے اور وھاں بھت کچھ اپنی نگاھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا اور جو کچھ محسوس کیا اسے قلم بند کرکے ھم تک پھنچا دیا .

مقبول احمد سالک مصباحی

حضرت مفتی اعظم اور علماے عرب

مولانا افتخار احمد قادری مصباحی
دار العلوم قادریہ غریب نواز، لیڈی اسمتھ، ساؤتھ افریقہ

شیخ الاسلام والمسلمین، مجدد دین وملت، اسلام کی جلیل القدر شخصیت، قائد اہل سنت، اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ کا ذکر جمیل جس طرح اب عالم کو محیط ہو رہا ہے اس طرح آپ کے شہزادے قدوۃ الانام، مرجع العلما، وزبدۃ الفقہا مرشدی سیدی حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خان آل الرحمٰن مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان بھی علم وفضل اور ارشاد وہدایت کے آفتاب بن کر چمک رہے ہیں۔

آج یہ سورج اگر چہ غروب ہو چکا ہے مگر اس کی تابانی آج بھی عالم سنیت کو چمکا رہی ہے۔ آپ کے صادر کیے ہوئے فتاویٰ اہل سنت کے لیے مشعل راہ ہیں۔

فتاویٰ کی دنیا میں آپ کا لقب ''مفتی اعظم'' ایسا علَم بن چکا ہے کہ جمہور اہل سنت آپ کو آپ کے نام مبارک سے نہیں بلکہ مفتی اعظم کے لقب سے جانتے ہیں۔ آپ کے ہاتھوں پر بیعت ہونے والے افراد کا کوئی شمار وحساب نہیں، طبقہ علما میں سے جو آپ کے سلسلہ میں داخل ہوئے وہ بھی ہزاروں میں ہیں۔

آپ کے دیے ہوئے خطوط پر چل کر علما عظیم سعادت محسوس کرتے ہیں۔ آپ جس مقام پر تشریف لے جاتے وہ علاقہ گونج ہو جاتا، جوق در جوق اور فوج در فوج لوگ آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوتے اور ''وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجاً'' (سورۂ نصر ۱۱۰ / ۲) کا ایمانی اور روحانی سماں ہوتا۔

اس مقام پر یہ ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ المجمع الاسلامی مبارک پور جو اس وقت تصنیفی وتحقیقی دنیا میں ایک قائدانہ کردار کا نام ہے اس کے سب مؤسسین بھی اسی مبارک شخصیت کے ہاتھوں پر بیعت ہیں۔

عرب کے متعدد ممالک مصر، یمن وغیرہما کا میں دورہ کر چکا ہوں۔ کہیں کسی ملک میں اس طرح کی شخصیت کا نام ونشان نہیں جو ایک طرف علم وفضل کا آفتاب ہو تو دوسری جانب عمل وتقویٰ کا بھی ماہتاب ہو اور اسے ایسی مقبولیت عامہ حاصل ہو۔

یہ مقبولیت اس لیے حاصل تھی کہ آپ اللہ عزوجل کے ایک ولی کامل کے منصب پر فائز تھے۔ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احادیث طیبہ میں ایسے اولیاے کرام کی علامات اور نشانیاں بیان فرمائی ہیں جن سے ان مقدس ہستیوں کو پہچانا جا سکتا ہے۔

۱- نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا ''مَن أَوْلِيَاءُ الله'' اللہ کے اولیا کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: أَوْلِيَاءُ اللّٰهِ الَّذِيْنَ إِذَا رُؤُوْا

۶ رزوالحجہ ۱۳۶۴ھ/ ۱۱ رنومبر ۱۹۴۵ء بروز اتوار ظہر پڑھ کر قیام گاہ پر آیا تو مصطفیٰ میاں (مفتی اعظم) کا لفافہ ایک صاحب لے کر آئے اس میں یہ الفاظ درج تھے :

بسم الله الرحمن الرحيم

السلام عليكم ورحمة الله و بركاته : المشرف بدعوة حضرتكم بعد ظهر يوم الأحد الواقعة في ٦ /١٢ /١٣٦٤ هـ لتناول طعام الغداء بدار السيد محمود حافظ بمحلة المسفلة و بتشريفكم يتم سرورنا. و دمتم بالخير

الداعي/ مصطفى رضا القادري البريلوي

٦ /١٢ /١٣٦٤ هـ

ترجمہ: آج بعد ظہر ۶/ ۱۲/ ۱۳۶۴ھ کو مسفلہ (مکہ مکرمہ) میں سید محمود حافظ کے گھر پر ظہرانہ کی آپ کی دعوت ہے۔ آپ کی تشریف آوری سے ہمیں بڑی مسرت ہوگی۔ آپ ہمیشہ خیر سے رہیں۔

حضرت علامہ ابوالحسنات آگے بیان فرماتے ہیں:

میں میاں احمد بخش کو ساتھ لے کر گیا، کھانا ہم کھا چکے تھے، لیکن مصطفیٰ میاں کے حکم کی تعمیل میں دعوت میں شرکت کی، اس دعوت میں دمشق کے قاضی القضاۃ اور خطیب شام، علما اور قراے مصر شریک تھے ان میں سے چند کے اسماء یہ ہیں :

۱- مولانا محمد عریس مدنی مالکی
۲- مولانا محمد یوسف
۳- مولانا زین الحق سوڈانی
۴- سید عمر حمدانی محرسی
۵- مولانا سید مصطفیٰ خلیل
۶- مولانا ضیاء الدین صاحب مہاجر مدنی
۷- مولانا بہاء الدین مزور روضہ مقدسہ
۸- مولانا عبدالعلیم میرٹھی صدیقی
۹- مولانا سردار احمد صاحب محدث اعظم مدرس اول مدرسہ بی بی جی بریلی
۱۰- صاحبزادہ مولانا ضیاء الدین مدنی شیخ فضل الرحمٰن
۱۱- شام کے قاضی القضاۃ شیخ حسن بناء مصری
۱۲- مولانا علوی مالکی
۱۳- سید عمر رشیدی

مجلس نہایت مہذب اور شاندار تھی۔ شامی خطبا اپنی خطابت کے جادو جگا رہے تھے، تو مصری قرا اپنا اپنا فن تجوید دکھا رہے تھے جادی خطیب صاحب کی قراءت خاص طور سے مجھے بہت پسند آئی۔ (سیدی ضیاء الدین ص ۴۰۱-۴۰۳)

حرم مکی کی مقدس سرزمین پر ۱۳۶۴ھ میں موسم حج کی یہ محفل ہے۔ شام کے قاضی القضاۃ شیخ حسن بنا اور مدرسۃ الفلاح کے استاذ اول اور مولانا علوی کے والد ماجد علامہ علوی اور علامہ سید عمر رشید وغیرہ جیسی عظیم شخصیات حضرت مفتی اعظم کی خدمت میں نیازمندانہ حاضر ہیں اور افادہ اور استفادہ کا سلسلہ ہے۔

رحمٰن کے محبوب بندے کی کشش ہے کہ یہ شخصیات کشاں کشاں آپ کے گرد جمع ہیں وذلك فضل الله يوتيه من يشاء

ان میں سے متعدد وہ ہیں جن کو حضرت مفتی اعظم سے اجازت و خلافت بھی حاصل ہے جیسے علامہ سید علوی بن عباس عبدالعزیز مالکی مکی، انھوں نے مسجد حرام میں ۱۳۴۷ھ میں درس کا آغاز کیا تھا۔ یہ مکہ مکرمہ کے کبار علما میں سے تھے اور مشہور محمد علوی مالکی کے والد ماجد

ہیں۔ ۱۳۹۱ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ حضرت مفتی اعظم کے خلیفہ مجاز ہیں۔ (سیدی ضیاء الدین احمد ص ۶۳)

حضرت علامہ سید امین کتبی علیہ الرحمۃ جنھیں بعض علما قطب مکہ فرمایا کرتے تھے، انھوں نے بھی حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان سے اجازت وخلافت لی ہے، یہ اصلاً دبئی، امارات کے ایک مشہور قصبہ "الرأس" کے رہنے والے تھے، تقریباً بارہ سال کی عمر میں آپ کے والد ماجد اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ میں مقیم ہو گئے۔ علامہ سید امین کتبی نے مکہ مکرمہ کے مدرسۃ الفلاح میں تعلیم حاصل کی، آپ بڑے خوش اخلاق، نہایت عابد وزاہد اور پرہیزگار تھے، آپ کو بھی حرم کی میں تدریس کا شرف حاصل ہے۔ معروف سنی اسکالر عیسی مانع سابق مدیر اوقاف دبئی کے ماموں اور شیخ طریقت ہیں۔

۱۴۰۳ھ میں مکہ مکرمہ کی مقدس زمین پر وفات پائی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (سیدی ضیاء الدین احمد ص ۶۳)

یہ بزرگ سید حضرت مفتی اعظم سے بڑے والہانہ انداز سے ملتے اور سلوک رکھتے۔

حضرت علامہ شیخ ضیاء الدین احمد قطب مدینہ تو خلیفہ اعلیٰ حضرت ہیں، اور انھیں کے بیت مبارک سے اہل سنت کو مدینہ طیبہ میں بڑا استحکام اور بڑی توانائی ملی، حضرت مفتی اعظم تو مرشد کے شہزادے ہیں، ان کو شہزادے سے کیا محبت رہی ہوگی اس کا اندازہ تو آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔ اس محبت کے ایک دو جلوے ملاحظہ ہوں۔

حضرت قطب مدینہ حضرت مفتی اعظم کی چار سالہ عمر کی ایک کیفیت کی تصویر کشی فرماتے ہیں:

فقیر جب بریلی میں حاضر ہوا تو اس وقت حضرت شہزادے میاں (مفتی اعظم) کی عمر تقریباً چار برس رہی ہوگی۔ آپ سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوتے، دست بوسی کرنے کے بعد آپ کے سامنے آ کر دو زانو تشریف رکھتے۔ اعلیٰ حضرت آپ کو اس طرح دیکھ کر مسکرا دیتے، فقیر تو شہزادے میاں کو گود میں لے کر کھلایا کرتا تھا۔

پھر حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء میں حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے اور بعد حج مدینہ طیبہ میں حاضر ہونے والے ہیں۔ اس وقت حضرت قطب مدینہ کی مسرت وشادمانی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ مدینہ طیبہ پہونچنے سے پہلے حضرت قطب مدینہ نے حضرت مفتی اعظم کا کیسا استقبال کیا اور کتنا اعزاز کیا اس کی تفصیل مکرمی محب اکابر جناب عارف ضیائی کی زبانی:

> حضرت قطب مدینہ کو حضرت مفتی اعظم کے لیے رہائش کی بہت فکر تھی، فرماتے ہیں: حضرت شہزادے میاں تشریف لارہے ہیں، فقیر کا مکان وسیع نہیں، حضرت کو کہاں ٹھہراؤں؟ کہیں قریب جگہ مل جاتی تو آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہونے میں فقیر کو سہولت رہتی۔ الحمدللہ حضرت سیدی قطب مدینہ رحمہ اللہ کے مکان کے بالکل سامنے ہی حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی رہائش کے لیے مکان کا بندوبست ہوگیا۔
>
> جدہ سے ہی حضرت سیدی فضل الرحمٰن قادری۔ متوفی ۱۴۲۳ھ مدفون فی البقیع۔ حضور مفتی اعظم کے ساتھ تھے، مکہ معظمہ سے آپ نے اطلاع فرمائی کہ حضور مفتی اعظم آج مدینہ طیبہ پہونچ رہے ہیں، قطب مدینہ قدس سرہٗ العزیز انتہائی خوش تھے، متوقع آمد سے بہت پہلے ابیار علی (میقات ذوالحلیفہ) تشریف لے گئے، شدت کی گرمی کے باوجود سڑک کے قریب ہی کرسی پر تشریف فرما رہے۔ آپ کی نظریں بار بار سڑک کی طرف اٹھتی رہتیں، چند گھنٹے کے انتظار کے بعد حضرت مفتی اعظم قبلہ کی سواری پہنچی، تو یہ منظر قابل دید تھا۔ سیدی قطب مدینہ باوجود گھٹنوں کے شدید درد کے فوراً ایک قوی نوجوان کی طرح اٹھ کھڑے ہوئے، حضور مفتی اعظم گاڑی سے اترتے ہی آپ سے لپٹ گئے، تادیر سینے سے لگائے

رکھا۔ سیدی قطب مدینہ نے زمین پر بیٹھ کر پابوس ہونے کی کوشش کی، مگر حضرت مفتی اعظم قبلہ فوراً پیچھے ہٹ کر آپ کے سامنے زمین پر باادب دوزانوں بیٹھ گئے۔ پھر کچھ دیر کے بعد قافلہ چلا، قطب مدینہ نے ارشاد فرمایا کہ جس گاڑی میں فقیر بیٹھے وہ گاڑی حضرت کی گاڑی سے پیچھے رہے۔

دعا کے وقت سیدی قطب مدینہ قدس سرہٗ کہتے شہزادے میاں دعا فرمایئے، تو آپ فرماتے حضرت دعا تو آپ فرمائیں گے فقیر آمین عرض کرے گا۔ سیدی قطب مدینہ کہتے حضور فقیر کو اپنی دعاؤں سے محروم نہ رکھئے! حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دعا فرماتے۔

ایک دن نماز ظہر کے بعد کھانا چنا گیا، حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا انتظار ہوتا رہا۔ آپ تشریف نہ لائے تو فقیر قادری کو قطب مدینہ قدس سرہٗ نے فرمایا۔ شہزادے کو دیکھ کر آؤ، کس مشغولیت میں ہیں؟ فقیر چند مرتبہ دیکھ کر آیا اور عرض کرتا لوگوں کے ساتھ مشغول ہیں، نمازِ عصر کا وقت قریب ہو رہا تھا۔ فرمایا عارف بیٹا فضل الرحمٰن کو لے آؤ، وہ مدنی ہے وہ شہزادے میاں کی خدمت میں عرض کرنے کی جرأت کر سکے گا، میں تو حضرت سے عرض نہیں کر سکتا۔ فقیر قادری حضرت مولانا مفتی فضل الرحمٰن کو مکتبہ سے بلالایا، حضرت قطب مدینہ نے فرمایا فضل شہزادے میاں کو کھانے کے لیے لے آؤ۔ آپ گئے سلام عرض کیا دست بوسی کی اور ہاتھ کو نہیں چھوڑا اور عرض کیا حضور، حضرت سیدی والد ماجد آپ کی دید کے مشتاق ہیں، کرم فرما کر تشریف لے چلیں تو آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور تشریف لے آئے۔

یہ مذکورہ عظیم شخصیات جن میں کوئی قطب وقت ہے، کوئی قاضی القضاۃ، کوئی امینِ عصر، کوئی مبلغ اسلام، کوئی فخر قراء العرب۔ یہ سب حضرات حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ کے حلقے میں مجتمع ہیں اور اکتساب فیض کر رہے ہیں، اس لیے کہ یہ حضرات حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی علمی عظمت اور جلالت شان سے صحیح معنوں میں آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ علم دینِ حقیقی، اس کا فیضان اور اس کی برکتیں انھیں سے ملیں گی۔

وللہ الحمد و بتوفیقہ تتم الصالحات

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم اور علماے حرمین شریفین

مولانا عبدالغفار اعظمی مصباحی
استاذ مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم، خیرآباد، مئو

سیدی و مولائی حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے وقت کے ولی کامل، غوث زماں، مرشد برحق اور شریعت و طریقت کے رمز شناس بزرگ تھے۔ میں نے پہلی بار اس وقت حضرت کی زیارت کا شرف حاصل کیا، جب میں مدرسہ فیض العلوم جمشید پور میں خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ کے زیر سایہ ابتدائی درجے کا طالب علم تھا۔ نورانی چہرہ، نحیف و ناتواں جسم لیکن جمال و جلال کا آئینہ دار تھا۔ کیا مجال کہ ان کی نگاہ کے سامنے کوئی کام خلاف شرع ہو اور وہ خاموش رہیں۔ بڑے بڑے علما و فضلا ان کی ہیبت سے لرزہ براندام رہتے تھے کہ کہیں کوئی عمل یا کوئی بات خلاف شرع نہ ہو جائے ورنہ حضرت کے عتاب کا شکار ہونا پڑے گا۔

میں نے دیکھا ہے کہ ان کی مجلس میں کوئی بھی ان کا عقیدت مند ملنے یا تعویذ لینے کی غرض سے آتا۔ اگر اس کے ہاتھ میں چین والی گھڑی ہوتی یا وہ انگریزی لباس میں ملبوس ہوتا فوراً اسے ڈانٹتے اور اس قسم کا لباس پہننے سے منع فرماتے۔ گلے یا قمیص کی آستین کا بٹن کھلا ہوتا تو اسے بھی برداشت نہ کرتے اور فرماتے ''یہ کیا کتے کے کان کی طرح لٹکا رکھا ہے'' غرض کہ جب تک مجلس قائم رہتی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل فرماتے رہتے۔

مجھے یاد آتا ہے کہ جب حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ مدرسہ فیض العلوم جمشید پور سے رخصت ہونے کے لیے کار میں بیٹھے اور اساتذہ و طلبہ مصافحہ اور دست بوسی کرنے لگے تو میں نے دیکھا کہ ایک استاذ حضرت کی دست بوسی کے لیے آگے بڑھے تو ان کی شیروانی کا بٹن کھلا تھا۔ حضرت نے اپنے ہاتھ سے شیروانی پکڑ کر فرمایا ''یہ بٹن کیوں کھلا ہے؟'' جواب میں انھوں نے کرتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا ''حضور کرتے کا بٹن بند ہے'' حضرت نے فرمایا ''ٹھیک ہے لیکن شیروانی کا بٹن بھی بند رکھیے۔''

گو کہ ان دنوں میں اتنی سوجھ بوجھ نہیں رکھتا تھا پھر بھی حضرت کی ان تنبیہات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ایک موقع پر میرے شفیق و مہربان استاذ خیر الاذکیا، علامہ محمد احمد مصباحی نے مفتی اعظم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ''یہ زندہ ولی ہیں۔'' حضرت کے اس جملے سے میرے دل پر کیا کیفیت گزری میں اسے الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ مجھے بڑا افسوس ہوا کہ میں نے ''زندہ ولی'' پایا اور ان کے دامن کرم سے وابستہ نہ ہو سکا۔ تاہم دل میں یہ خواہش باقی رہی کہ اب جب کبھی حضور مفتی اعظم کی زیارت و ملاقات کا موقع ہاتھ آئے گا ان سے شرف بیعت ضرور حاصل کروں گا۔

خیر خدا خدا کر کے وہ ساعت سعید میسر آئی۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں تعلیمی کانفرنس کے بعد جب افتتاحی کانفرنس ہوئی تو ۲۱ رشوال المکرم ۹۳ ۱۳ ھ مطابق ۱۷ رنومبر ۱۹۷۳ء بروز شنبہ بعد نماز مغرب سینٹرل بلڈنگ الجامعۃ الاشرفیہ کے وسیع ہال میں حضور سیدی

ومرشدی مفتی اعظم کے دامن کرم سے وابستہ ہو گیا۔

ذوالحجہ ۱۳۹۸ھ (نومبر ۱۹۷۸ء) میں نبیرۂ صدر الشریعہ مفتی محمود اختر القادری مصباحی (خطیب وامام کنارہ مسجد، حاجی علی، ممبئی) کی معیت میں بریلی شریف حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی زیارت سے فیض یاب ہوا۔ رضا مسجد میں حضرت کے ساتھ نماز عصر ادا کی گئی۔ نماز کے بعد دولت کدہ کی طرف واپس ہوئے۔ حضرت کے دروازے پر چند نقاب پوش عورتیں پہلے ہی سے حضرت کے انتظار میں کھڑی تھیں۔ حضرت جیسے ہی قریب پہنچے ایک عورت نے چہرے سے نقاب الٹ دیا اور کچھ کہنا چاہا کہ اتنے میں حضرت کو جلال آ گیا اور ''لاحول ولاقوۃ'' کی تکرار کرتے ہوئے اسے ڈانٹنا شروع کیا۔ وہ عورت دم بخود ہو کر رہ گئی اور اپنا چہرہ ڈھانک لیا۔

یہ وہ یادیں تھیں جواب تک میرے نہاں خانۂ دل میں اور میری ڈائری میں محفوظ تھیں۔

خیر اس وقت میرا موضوع ''مفتی اعظم اور علماے حرمین شریفین'' ہے۔ اس موضوع کے تعلق سے جو کچھ میرے مطالعہ میں آیا اسے بدیۂ قارئین کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے تین حج کیے۔ پہلا حج ۱۹۴۵ء میں، دوسرا ۱۹۴۸ء میں اور تیسرا ۱۹۷۱ء میں ''فوٹو کی قید'' کے بعد بلا فوٹو کیا۔ (بہ حوالہ انوار مفتی اعظم مقالہ شارح بخاری ص ۲۷۶) جب کہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (علیگ) نے ''ضمیمۂ مفتی اعظم ص ۳۱ پر لکھا ہے کہ پہلا اور دوسرا حج ۱۹۴۷ء سے قبل کیا۔

پہلے حج کے موقع پر آپ سے حضرت سید محمد مغربی صاحب نے مکہ شریف میں ملاقات کی اور فرمایا ''اعلیٰ حضرت معیار حق ہیں'' سید صاحب موصوف نے حضرت سے بیعت وخلافت حاصل کی۔ اسی سفر حج میں حضرت نے شاہ ابن سعود نجدی کی جانب سے حجاج کرام پر ناجائز ٹیکس عائد کیے جانے کے خلاف عربی زبان میں نہایت ہی مدلل ومفصل فتویٰ بنام ''القنابل الذریۃ علی اوثان النجدیہ'' تحریر فرمایا۔ شارح بخاری علامہ مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

> جب حضرت مفتی اعظم حرمین طیبین حاضر ہوئے تو اس ناخدا ترس خوں خوار درندے کی قلمرو میں بیٹھ کر مکہ معظمہ میں اس نجدی ٹیکس کے حرام وگناہ ہونے پر انتہائی مدلل ومفصل عربی زبان میں فتویٰ لکھا جس کا نام ''القنابل الذرية علی اوثان النجدية'' ہے۔ جسے مطالعہ کر کے علماے حرمین طیبین نے متفقہ طور پر فرمایا۔ ''ان هذا الا الهام'' اور متفقہ طور پر حضرت مفتی اعظم کو امام وقت شیخ الہند والحرم تسلیم فرمایا۔ اور بطور تبرک قرآن واحادیث وفقہ کے سلاسل کی اجازتیں لیں۔ اور اپنے آپ کو مفتی اعظم کے زمرۂ تلامذہ میں داخل کرنے پر فخر فرمایا۔ اسی وجہ سے میں کہتا رہتا ہوں اور شیخ، شیخ الہند ہیں اور ہمارے شیخ شیخ العرب والعجم ہیں۔'' (انوار مفتی اعظم، ص ۲۵۶)

اب ''مفتی اعظم'' مصنفہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (علیگ) سے ایک اقتباس نقل کرتا ہوں۔

> تیسرے حج کے موقع پر حضرت کو معلوم ہوا کہ سرکار غوث الاعظم کے خاندان کے ایک بزرگ حضرت سیدنا پیر عبدالمعبود الجیلانی صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ جن کی عمر ایک سو چھیالیس سال کی ہے۔ وہ مکہ معظمہ میں قیام فرما ہیں حضرت ان کی زیارت کو گئے اور ان کے کمرے میں پہنچے تو انھوں نے حضرت کے استقبال کے لیے اٹھنے کی کوشش کی تب تک حضرت لپک کر ان کے قدموں پر گر پڑے۔ حضرت سید صاحب قبلہ نے فرمایا ''صاحبزادے اگر میرے پیروں میں تکلیف نہ ہوتی تو آپ کے استقبال کے لیے ضرور کھڑا ہوتا۔'' حضرت نے یہ کہہ کر کہ ''ہم غلام ہیں'' احتراماً ان کی مسند

سے ہٹ کر عام لوگوں کی طرح بیٹھ گئے۔اس پر سید صاحب قبلہ نے فرمایا" میں نے بفضلہٖ تعالیٰ اسی (۸۰) حج کیے ہیں اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں صاحب سے بریلی میں ملاقات بھی کی ہے۔اعلیٰ حضرت مجھ سے عمر میں تیس سال چھوٹے تھے اور ۔ واقعہ آپ کی ولادت سے قبل کا ہے۔حضرت سید صاحب قبلہ نے سرکار اعلیٰ حضرت کی بے پناہ تعریف کی۔ان کے علمی دینی کاموں اور خدمات پر روشنی ڈالی اواخیر میں فرمایا کیا اس محفل میں اعلیٰ حضرت کی وہ نعت شریف" بخدا خدا کا یہی ہے در" کسی صاحب کو یاد ہے۔اگر یاد ہو تو پڑھیں۔عبدالہادی صاحب افریقی اور دوسرے لوگوں نے یہ نعت شریف ترنم کے ساتھ شروع کی۔حضرت دوزانو بیٹھے سر جھکائے نعت سنتے رہے۔اس نعت شریف کے بعد سید صاحب موصوف نے اپنی ایک نعت شریف عربی زبان میں سنائی۔

نعت شریف سنانے کے بعد حضرت سید صاحب موصوف نے فرمایا، اب تک اسی حج کیے اور جب بھی حج کی نیت کر کے آتا ہوں اور مکہ معظمہ پہنچتا ہوں تو میرے سفید بالوں میں سے چند بال سیاہ ہو جاتے ہیں اور جب حج کر کے واپس لوٹتا ہوں تو وہ بال پھر سفید ہو جاتے ہیں۔.....

مکہ معظمہ میں حضرت مفتی اعظم ان علما کرام کی جستجو میں نکلے جنھوں نے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ سے ان کے دوسرے حج وزیارت کے موقع پر ملاقات کی تھی۔ان اکابرین میں سے صرف تین باقی تھے جو حضرت سید یحییٰ عمان رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں تھے۔حضرت سید یحییٰ عمان رحمۃ اللہ علیہ وہی ہیں جن سے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے فقہ میں استفادہ کیا تھا۔وہ تینوں اکابر یہ تھے (۱) حضرت سید امین قطبی صاحب (۲) حضرت سید عباس علوی صاحب (۳) حضرت محمد نور صاحب۔

پہلے دن حضرت نے حضرت سید عباس علوی صاحب کے یہاں پیشگی اطلاع کرائی اور پھر ان سے ملاقات کرنے گئے۔سید صاحب موصوف نے حضرت کی بہت زیادہ تعظیم وتکریم کی اور مسند پر بٹھا کر خود دوزانو ہو کر سرکار مفتی اعظم کے سامنے بیٹھ گئے۔دونوں بزرگوں میں کافی دیر تک عربی میں گفتگو ہوتی رہی۔بعد میں حضرت سید عباس علوی صاحب نے حضرت مفتی اعظم سے خلافت واجازت حاصل کی۔

دوسرے روز حضرت نے اطلاع دیے بغیر حضرت سید محمد امین میاں صاحب سے ملاقات کی۔اس وقت ان کے یہاں محفل میلاد پاک منعقد تھی۔اندر اطلاع کرائی گئی تو سید صاحب ننگے پاؤں حضرت کے استقبال کو آئے۔حضرت نے میلاد پاک کی محفل میں شرکت کی۔بعد میلاد دونوں حضرات عربی میں گفتگو کرتے رہے۔سید محمد امین صاحب نے اعلیٰ حضرت کی بڑی تعریف کی اور ان کی یاد میں دیر تک آنسو بہاتے رہے۔انھوں نے بھی حضرت سے خلافت کی اجازت مانگی۔

حضرت سید محمد نور صاحب کو حضرت مفتی اعظم کے مکہ شریف میں قیام کے بارے میں خود ہی معلوم ہو گیا تھا اور ارادہ تھا کہ میں خود حضرت کی خدمت میں ان کی قیام گاہ پر حاضر ہوں گا۔لیکن اس کے باوجود حضرت خود ان سے ملنے گھر پر گئے۔حضرت جس وقت ان کے یہاں پہنچے، وہ حضرت سے ملنے آنے کے لیے تیاری کر رہے تھے۔ان کو حضرت کے آنے کی اطلاع ملی تو اندر ہی سے اسمٰعیل جانی صاحب کو ڈانٹا اور لپک کر باہر آئے، حضرت کی دست بوسی کی اور بڑی

تعظیم و تکریم کے ساتھ اندر لے گئے اور حضرت سے معافی کے طلب گار ہوئے کہ آپ کو زحمت ہوئی۔

دوران گفتگو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا تذکرہ نکلا تو سید محمد نور صاحب کی آواز بھرا گئی اور اشکوں کے موتی لٹاتے ہوئے تاجدار علم و فضل کو خراج عقیدت پیش کیا، انھوں نے دوبارہ حضرت سے گستاخی کی معافی چاہتے ہوئے خلافت کی اجازت چاہی تو حضرت رونے لگے اور فرمایا یہ سب اعلیٰ حضرت کا کرم ہے میں کس لائق ہوں۔ اخیر میں حضرت نے ان کو خلافت کی اجازت عطا کی۔ (از ص ۱۳۰ تا ۱۳۴، طباعت بار ششم)

حج کی ادائیگی کے بعد شہر محبوب خدا کی جانب روانہ ہوئے۔ حضرت شام ڈھلے مدینہ منورہ کی حدود میں داخل ہوئے۔ مدینہ طیبہ کے چیک پوسٹ پر پہنچے تو وہاں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب صاحبزادہ حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب خلیفہ اعلیٰ حضرت حضرت کے استقبال کے لیے پہلے سے موجود تھے۔ مولانا فضل الرحمٰن نے بتایا کہ وہ نماز فجر کے بعد سے اب تک یہیں بیٹھے ہوئے تھے......... جب حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب علیہ الرحمۃ کے دولت کدے کے سامنے گاڑی رکی اور سلام ختم ہوا تو حضرت عالم جذب سے باہر آئے۔ نناوے سالہ حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب حضرت کے استقبال کے لیے اپنے مکان کے دروازے پر کھڑے تھے۔

ایک دن حلب کے علماے کرام حضرت کی ملاقات کو آئے۔ حضرت نے انھیں چائے پیش کی تو انھوں نے اس شرط پر چائے پی کہ حضور جھوٹا یعنی تبرک کر دیں۔ حضور آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا یہ سب اعلیٰ حضرت کا کرم ہے کہ آپ لوگ مجھے اس لائق سمجھتے ہیں۔ بعد میں ان حضرات میں سے کچھ حضرت کے مرید ہوئے اور کچھ نے خلافت و اجازت حاصل کی۔

حضرت نے ایک دن مدینہ منورہ میں محفل میلاد شریف منعقد کی۔ اتفاق سے حضرت سید عبدالمعبود جیلانی قبلہ بھی تشریف لے آئے اور انھوں نے حضرت کو زمزم پیش کیا۔ اور فرمایا جب کوئی اپنے بچہ سے ملتا ہے تو تحفہ پیش کرتا ہے۔ آپ میرے صاحبزادے ہیں۔ میں آپ کو زمزم شریف نذر کر رہا ہوں۔ حضرت نے ان کا یہ بے بہا تحفہ قبول کرتے ہوئے انھیں مٹھی بھر نوٹ نذر کیے جس میں سے انھوں نے گیارہ روپے حضرت کو پیش کیے اور کچھ ارشاد فرمایا جو کسی کو معلوم نہیں ہو سکا۔

ایک شخص حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب سے مرید ہونے کو آیا تو انھوں نے اس کو ڈانٹا کہ "شہنشاہ کی موجودگی میں مجھ سے طالب ہوتے ہو، اور اسے حضرت سے بیعت کرایا۔ مدینہ منورہ میں بہت سارے لوگ حضرت سے مرید ہوئے۔ (ایضاً ملخصاً)

☆☆☆☆☆

سولھواں باب

اس باب میں بھی صرف ایک ہی مقالہ مندرج ہوسکا ہے وہ ہے مولانا محمد اختر حسین قادری جمداشاہی کا ، موصوف نے بہ سہولت دست یاب کتابوں کی مدد سے ایک معتدبہ ذخیرہ تیار کیا تھا ، ان میں خوب سے خوب تر کو جگہ دی گئی ہے ۔ تیرھویں باب کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اگر موصوف اپنے مقالے کو کچھ وقت دیتے تو زیادہ مستند اور مفصل مقالہ تیار ہوسکتا تھا ، کیونکہ کم یابی کے باوجود بہ ہر حال ایک قابل قدر ذخیرہ حضور مفتی اعظم کی ذات کے تعلق سے مطبوعہ یا غیر مطبوعہ موجود ہے ، اس عظیم و ضخیم اشاعت کے بعد فوری طور پر اس باب کا دائرہ وسیع ہوسکتا ہے ، کیونکہ اس میں سو سے زائدارباب علم و دانش اور اصحاب فکر و قلم کے مقالات کو جگہ دی گئی ہے ، اس باب کو مستقل باب میں درج کرنے کا مقصد اس موضوع کو انفرادیت عطا کرنا ہے ۔ تاکہ جس طرح امام احمد رضا تعلق سے علامہ یسٓ اختر مصباحی نئی دھلی نے اپنی کتاب " امام احمد رضا ارباب و علم و دانش کی نظر میں " معتبر اور قیمتی آرا کو جمع کردیا اسی طرح شہزادۂ اعلیٰ حضرت کے تعلق سے بھی کام کیا جاسکے ۔

اس کے لیے متلعقہ افراد پر کسی طرح کا دباؤ بنانے کی بجائے ان تک شخصیت کی تحریرات، تصنیفات، اصلاحی خدمات، کارنگی اور تبلیغی کارناموں کو پہنچایا جائے، کوئی بھی انسان جب فنی شہادتوں کو ملاحظہ کرنے کے بعد متاثر ہوتا ہے ، تو آورد کے بجائے آمد آمد کی کیفیات میں ڈوب کر لکھتا ہے ،اور اس وقت اس کی تحریر میں ایک مخصوص سیمابی کیفیت اور ممنونانہ جذبہ کار فرمانظر آتا ہے ،مرتب کی رائے میں اس کی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مفتی اعظم کے موجودین اور مرحومین تلامذہ و خلفا کی تحریرات کو بھی کھنگالا جائے ، جس میں انھوں نے کہیں نہ کہیں ضرور اپنے شیخ طریقت اور پیر مرشد کا تذکرہ کیا ہوگا ، اس کے علاوہ ان مریدین کی آرا کو بھی جمع کیا جائے جو عصری تعلیم و تربیت یا اہم کاروبار حیات سے جڑے ہوتے ہیں .ان کے فطری بیانات کسی طرح کی آمیزش یا آویزش سے یقینا پاک ہوں گے، شہزادۂ اعلیٰ حضرت نے الگ الگ شہروں اور قصبوں میں جن مخصوص قیام گاہوں میں قیام کرتے تھے ان کے مشاھدات و خیالات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں متعدد جگہوں سے دیگر مکاتب فکر کے ارباب بصیرت کے تاثرات بھی قیمتی ہوسکتے ہیں ۔ بھر حال ہم فاضل محرر سے اس نوٹ کے اختتامیہ کے طور پر گزارش کریں گے کہ وہ اس سلسلہ کو آگے بڑھانے کے لیے تیار رھیں اگر یہ سلسلہ جنبانی جاری رہا تو کچھ عجب نہیں کہ ایک خاصے کی چیز تیار ہو جائے ۔

مقبول احمد سالک مصباحی

مفتی اعظم اکابر علما و مشائخ کی نظر میں

مولانا محمد اختر حسین قادری (ایم۔ اے۔)
استاذ دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ مہد سے لحد تک اپنی مثال آپ تھے۔ فضل وکمال، حکمت ومعرفت، دانائی و بینائی، تدبر و تفکر، فقہ وکلام حدیث وتفسیر اور تصوف وکلام وغیرہ جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں یکتائے روزگار تھے۔ عشق مصطفےٰ، احترام سادات، تکریم علمائے دین اور اصاغر نوازی میں آسمان کی بلندی پر تھے۔ اتباع سنت وشریعت، تصلب فی الدین ان کی سرشت میں تھا۔ اعلائے کلمۃ الحق ان کا خاص وطیرہ تھا۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر میں انھیں کبھی بھی کسی لومۃ لائم کا کوئی خوف تھا اور نہ حکومت واقتدار اور دولت وثروت کا کوئی خطرہ۔ زہد وتقویٰ اور طہارت وپاکیزگی میں جنید وقت تھے۔

آپ آئندہ صفحات میں مفتی اعظم کے متعلق اکابر علما و مشائخ کے ارشادات پڑھ کر برملا اس حقیقت کا اعتراف کریں گے کہ مفتی اعظم اپنے اکابر کے نور نظر، مایۂ افتخار اور لائق صد تحسین وتبریک تھے اور معاصرین کے معتمد ومستند اور مسلم الثبوت مرجع اور اصاغر کے صرف ماوی وملجا ہی نہیں بل کہ سب کچھ تھے۔

یہ امر عیاں ہے کہ کوئی شخص اپنے معاصر وہم رتبہ کے فضل وکمال کا بہت مشکل سے قائل ہوتا ہے، یہی سبب ہے کہ اگر اصاغر اپنے شیوخ واساتذہ کی مدحت سرائی اور ان کے فضائل ومناقب میں رطب اللسان ہوں تو یہ ان کی عقیدت مندی پر محمول کردیا جاتا ہے اور اگر ایک معاصر اپنے معاصر کے علم وحکمت شرافت ونظافت زہد وتقویٰ اور اس کی شخصیت کی دل آویزی کا معترف ہو تو اسے بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے اور اہل علم اس اعتراف کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

اس پہلو سے جب آپ مفتی اعظم کا مطالعہ کریں تو بلاشبہ آپ کی ذات بڑی منفرد وممتاز نظر آتی ہے کہ آپ کے معاصرین میں ہر ایک اپنی جگہ مسلم الثبوت شخصیت کا حامل تھا اور چاردانگ عالم میں ان کے علم ومعرفت کا ڈنکا بج رہا تھا مگر سب نے آپ کو اپنا مرجع اور معتمد مستند اور مقتدا وامام مانا۔ آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ کو قانون شریعت کے مطابق ہونے پر اتفاق کیا۔ ولایت وکرامت کا بلند مینار اور رفقہ وفتاویٰ میں مفتی اعظم مانا۔ آئیے ان اہل علم کے اعترافات وتاثرات کا اپنے ماتھے کی آنکھوں سے نظارہ کریں۔

سلطان العارفین خواجہ ابوالحسین احمد نوری میاں (علیہ الرحمۃ، مارہرہ مطہرہ)

یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہونچے گا یہ بچہ ولی ہے اس کی نگاہوں سے لاکھوں گمراہ انسان دین حق پر قائم ہوں گے یہ فیض کا دریا بہائے گا۔ [۲]

مبارک ہو آپ کو یہ قرآنی آیت وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَھْلِیْ کی تفسیر مقبول ہو کر آپ کی گود میں آگئی ہے، آل الرحمٰن محمد

ابوالبرکات محی الدین جیلانی ۶

امام احمد رضا قادری برکاتی (قدس سرہ) بریلی شریف :

۱۸ سال کی عمر میں پہلا فتویٰ دیکھ کر سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا:
تمہاری مہر بنوا دیتا ہوں اب فتویٰ لکھا کرو۔ اپنا ایک رجسٹر بنالو۔ اس میں نقل بھی کیا کرو۔ ۷
الاستمداد میں فرمایا:

آل الرحمٰن برہان الحق　　　شرق پہ برق گراتے یہ ہیں ۸

صدر الافاضل علامہ نعیم الدین (قدس سرہ) مراد آباد :

تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا صاحب قبلہ ازہری دامت برکاتہم العالیہ کا بیان ہے کہ میں نے سنا حضرت صدر الافاضل سے جب کوئی مسئلہ پوچھتا۔ حضرت اس مسئلہ میں آپ کا کیا خیال ہے وہ اپنی رائے بتاتے۔ پھر کوئی کہتا حضرت مفتی اعظم تو یہ فرماتے ہیں تو کہتے بس بس جو مفتی اعظم فرماتے ہیں وہی حق و صحیح ہے۔

محدث اعظم ہند سید محمد اشرفی (قدس سرہ) کچھوچھہ شریف:

آج کی دنیا میں جن کا فتویٰ سے بڑھ کر تقویٰ ہے۔ ایک شخصیت مجدد مأۃ حاضرہ کے فرزند دل بند کا پیارا نام مصطفیٰ رضا بے ساختہ زبان پر آتا ہے اور زبان بے شمار برکتیں لیتی ہے۔

نور چشم اعلیٰ حضرت راحت دل خستگاں　　　مفتی اعظم بنام مصطفیٰ شاہ زمن

اور حضور مفتی اعظم کے ایک فتویٰ پر آپ نے یہ تحریر فرمایا: هٰذَا قَوْلُ الْعَالِمِ الْمُطَاعِ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْاِتِّبَاعُ یعنی یہ عالم مطاع کا ارشاد ہے اور ہم پر اس کی پیروی لازم ہے۔ ۱۰

پیر طریقت حضرت مولانا سید احمد اجملی، دائرہ شاہ اجمل، الہ آباد:

حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ جن خصوصیات کا مجسمہ تھے، ان خصوصیات کا اظہار ان سے ملاقات پر ہوا۔ مرحوم ایک صاحب نظر عالم، ایک محتاط مفتی اور ایک مرشد کی حیثیت سے اہمیت کے حامل ہیں۔ اس خاندان نے جو خدمات کی ہیں اور خاص طور سے حفظ ناموس رسول اور عشق رسول کی نعمت تقسیم کرنے میں اس خاندان نے جو کردار ادا کیا ہے۔ وہ لائق ستائش ہے مرحوم اپنے خاندان کی تمام روایات کے امین تھے۔ ۱۱

سید شاہ میر زین العابدین (قدس سرہ) بلگرام شریف :

حضرت ڈاکٹر سید شاہ فداء المصطفیٰ عرف بادشاہ میاں بیان فرماتے ہیں کہ حضرت بڑے ابو (قطب بلگرام شاہ زین العابدین علیہ الرحمہ) دن ورات حجرہ نشین ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے کبھی کبھار بضرورت خاص صحن یا باہر تشریف لاتے۔ ایک مرتبہ اچانک آپ نصف شب کے قریب حجرے سے باہر تشریف لائے اور نگاہ آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا کہ
آج ستارہ ٹوٹ گیا، آج ستارہ ٹوٹ گیا۔ اور ساتھ میں آپ کے کراہنے کی آواز بھی آرہی تھی جیسے کہ سخت تکلیف ہو رہی ہو جب

ہم لوگوں نے پوچھا کہ کیا ہوا بڑے ابو! تو یہی فرماتے رہے کہ آج ستارہ ٹوٹ گیا۔ آج ستارہ ٹوٹ گیا، اور نگاہ آسمان کی جانب اٹھاتے رہے اور مسلسل یہی فرماتے رہے، ہم لوگوں نے سمجھا کہ شاید کوئی آسمانی ستارہ ٹوٹ گیا ہوگا۔ پھر حضرت نے دوسرے دن فرمایا کہ قرآن خوانی کا انتظام کرو، درگاہ شریف میں قرآن خوانی کا اہتمام ہوا۔ حضرت بھی مجلس میں شریک ہوئے اور ایصالِ ثواب کیا پھر فرمایا آج شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضرت مفتی محمد مصطفیٰ رضا صاحب علیہ الرحمہ کا انتقال ہوگیا۔ ۱۸

سید آلِ رسول حسنین میاں برکاتی نظمی (دام ظلہ العالی) مارہرہ شریف :

مفتی اعظم کی سب سے بڑی کرامت تھی ان کی استقامت، نوری میاں صاحب علیہ الرحمۃ سے اکتساب فیض کر کے مفتی اعظم اپنے پیر کا عکس بن گئے۔ پہلے فنا فی اللہ ہوئے، پھر فنا فی الرسول، پھر فنا فی الغوث اور آخر میں فنا فی الشیخ ہو گئے۔

ولی صورت ولی سیرت ہمارے مفتی اعظم　　کہ جن کو دیکھنے کے ساتھ ہی یاد خدا آئے۔ ۱۹

ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی (دام ظلہ العالی) مارہرہ شریف :

خدا گواہ ہے کہ ایسا شیخ طریقت میں نے نہیں دیکھا۔ قادری سر کے تاج، برکاتیوں کی بارات کے دولہا، میرے اعلیٰ حضرت کی آنکھ کے تارے، میرے مرشد طریقت ہم سب کو بظاہر تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔ ۲۰

روئے زمین پر (ان کے دور میں) اتنے کثیر مرید کسی شیخ کو نصیب نہیں ہوئے۔ سو کرامتوں کی ایک کرامت استقامت دینی ہے اور اس لحاظ سے مفتی اعظم علیہ الرحمۃ ولی کامل تھے۔ ۲۱

حضرت علامہ سید محمد قائم قتیل داناپور، پٹنہ :

حضور مفتی اعظم میرے ہم عمر تھے ممکن ہے کہ پیدا میں ہی پہلے ہوا ہوں مگر بڑے وہی تھے۔ وہ صرف مولوی و مفتی ہی نہ تھے بل کہ ایک خدمت اور بھی آپ کے سپرد تھی یعنی دلوں کو دھو کر پاک و صاف کرنا جس کا ظہور حضرت کی آخری عمر میں کثرت سے ہوا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے شریعت کے ساتھ طریقت میں بھی بڑا حصہ دیا تھا اور اسی کا غلبہ رہا بل کہ آپ اسی کے لیے تخلق ہوئے تھے۔ ۲۲

حضرت سید شاہ محمد مختار اشرفی (علیہ الرحمۃ) کچھوچھہ شریف :

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ بلاشبہ ان ہی اکابرین میں سے تھے جو دین و سنیت کو فروغ دینے کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت کی پوری زندگی پر ایک طائرانہ نگاہ ہی ڈالیے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ خلوص وللہیت ان کی شخصیت کا ٹریڈ مارک تھا۔ ان کا کوئی قول یا عمل میری نگاہ میں ایسا نہیں ہے جو خلوص وللہیت سے عاری ہو۔

وہ اگر ایک طرف تبحر، عالم مستند اور معتبر فقیہ، مختلف علوم وفنون کے ماہر اور شعر و ادب کے مزاج آشنا تھے تو دوسری جانب ریاضت و عبادت، مکاشفہ و مجاہدہ اور اسرار باطنی کے بھی محرم تھے۔ ۲۳

مفتی عبدالرشید فتح پوری (علیہ الرحمۃ) ناگ پور :

حضرت مفتی غلام محمد خان صاحب علیہ الرحمہ نے مرید ہونے کے لیے علامہ مفتی عبدالرشید صاحب سے کسی پیر کی نشان دہی چاہی تو

آپ نے فرمایا: مولانا! اب کہاں ایسے لوگ رہ گئے ہیں جو شریعت وطریقت میں کامل ہوں، سوائے حضرت مفتی اعظم کے۔ ۲۸

علامہ قاضی شمس الدین جعفری (علیہ الرحمۃ) جون پور :

فقہ کا اتنا بڑا ماہر اس زمانے میں کوئی دوسرا نہیں۔ میں ان کی خدمت میں جب حاضر ہوتا ہوں تو سر جھکا کر بیٹھا رہتا ہوں اور خاموشی کے ساتھ ان کی باتیں سنتا رہتا ہوں۔ ان سے زیادہ بات کرنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ ایک مفتی اعظم بقیۃ السلف ہیں باقی تو سب اٹھ گئے۔ ۲۹

محدث محمد مبین الدین (علیہ الرحمۃ) امروہہ :

آہ! سب سے پہلے ہم اپنے اس شہر کو سمجھیں جس شہر میں ہمارا محبوب (مفتی اعظم) ہمارے دلوں کی دھڑکن ہماری آنکھوں کا نور، ہماری تمناؤں کا مرکز، ہماری جانوں کا چین، ہماری آرزوؤں کا قبلہ، ارمانوں کا کعبہ جلوہ فرما ہے وہ کونسا شہر ہے؟ ہاں، ہاں! وہ شہر بریلی ہے۔ ۳۰

علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی (علیہ الرحمۃ) براؤں شریف :

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ حضور اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے علوم نافعہ واعمال صالحہ کے اور اخلاق حسنہ کے وارث وامین خلف الصدق و جانشین تھے۔ آپ کی وفات سے بلاشبہ مسند افتا خالی و سند فتاوٰی مفقود ہوگئی۔ ایک فقیہ اعظم، دانشور معظم دنیا سے رخصت ہوگیا۔

ایک ماہر مسائل اور جزئیات وکلیات فقہ کا حافظ ہم سے جدا ہوگیا۔ ایک تقویٰ وتدین کا منارۂ نور اور استقامت فی الدین کا جبل راسخ ہمیشہ کے لیے ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ گویا علمائے اعلام کا مرکز اور فقہائے محققین کا محور ہی ختم ہوگیا۔ اب ہم میں کوئی بھی ایسا نہیں رہا جو علمائے اہل سنت میں مرکزی حیثیت رکھتا ہو اور جو بلا استثنا تمام علمائے اہل سنت کا مستند ومعتمد اور ملجا وماوی ہو۔ ۳۵

سید شاہ وجود القادری (علیہ الرحمۃ) جبل پور :

رضائے مصطفیٰ تھی ہر ادائے مفتی اعظم		یہی کہتا ہے ہر مدحت سرائے مفتی اعظم
رضائے مصطفیٰ عین رضائے حق تعالیٰ ہے		رضائے حق تعالیٰ ہے رضائے مفتی اعظم
رہے تا عمر پابند شریعت کیا یہ کچھ کم ہے		کرامت ہے یہی صدق وصفائے مفتی اعظم

سخن ور سب کہیں گے سن کے یہ اشعار برجستہ
وجود القادری مدحت سرائے مفتی اعظم ۳۶

علامہ غلام آسی پیا (علیہ الرحمۃ) بلیا :

ایک موقع پر ارشاد فرمایا، اس وقت تین اکابر ہیں۔ مفتی اعظم، حافظ ملت اور مجاہد ملت۔ ان کے دم سے تقویٰ کا بھرم باقی ہے۔ خدا ان کا سایہ دراز کرے۔ ان کے بعد پھر کوئی ایسا نظر نہیں آتا۔ ۳۷

حضرت مولانا شاہ عبدالحق چشتی اعظمی (علیہ الرحمۃ) :

آپ نے ایک موقع پر فرمایا:

مرید ہونا ہے تو مفتی اعظم سے مرید ہونا۔ سیادت اپنی جگہ ہے مگر تقویٰ میں ان کا ہم پلہ کوئی نہیں۔ ۳۸

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی (علیہ الرحمۃ) مبارک پور:

میں شہادت دیتا ہوں کہ حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ بھی جملہ معقول ومنقول کے امام تھے۔ ۳۹

تمام خواص حضرت مفتی اعظم کے مقتدائے انام ہونے کے دل سے معترف تھے۔ خواص کا ایک ایک رو حضرت مفتی اعظم کو وقت کا سب سے بڑا عالم، سب سے بڑا مفتی، سب سے بڑا فقیہ، سب سے بڑا وارث نبی، سب سے بڑا عارف، سب سے بڑا حق آگاہ اور سب سے بڑا ولی مانتا تھا۔

مفتی اعظم ایک شمع ہیں جس پر نثار ہونے کے لیے پوری دنیا ئے سنیت پروانہ وار ٹوٹی پڑتی ہے جس کا نظارہ پوری دنیا نے بارہا کیا ہے۔ ۴۰

علامہ ریحان رضا خاں رحمانی میاں (علیہ الرحمۃ) بریلی شریف:

جب آپ کے علم وفن کی صلاحیت اور فقہی مہارت اجاگر ہوتی چلی گئی تو آپ مفتی اعظم کہلائے اور ایسے کہلائے کہ یہ لقب ہی گویا آپ کا اسم ہوگیا۔ آپ کی فقہی عظمت صرف ہندوستان تک ہی محدود نہ رہی بلکہ وہ وقت بھی آیا جب آپ مفتی اعظم عالم بن کر جلوہ فگن ہوئے۔ علمائے حجاز ومصر وشام وعراق وترکی وغیرہ کے علمائے عالم نے آپ سے مسائل دریافت کیے اور بیعت سے مشرف ہوئے۔ ۴۱

رئیس التحریر علامہ ارشد القادری (علیہ الرحمۃ) جمشید پور:

اس دریائے ناپیدا کنار کے تلاطم کا تو یہ حال ہے کہ بحث کے جس نکتے پر قلم اٹھتا ہے، مختلف سمتوں میں اتنی دور تک پھیل جاتا ہے کہ اس کا سمیٹنا مشکل ہے۔ ابن اسحاق کی حدیث پر حضور مفتی اعظم نے فن حدیث کے ایسے ایسے علمی ذخائر ونوادر کا انبار لگادیا ہے کہ عقل حیران ہے کہ ہم کس کس رخ سے اس جلوے کا تماشا دیکھیں اور اس چمکتے ہوئے نگار خانے میں کس کس گوہر تاب دار کی نشاندہی کریں۔

حضور مفتی اعظم کو اب تک اپنے وقت کے ایک فقیہ اعظم اور مجتہدانہ بصیرت رکھنے والے ایک فقید المثال اور وحید العصر امیر کشور افتاء کی حیثیت سے جانتے تھے لیکن "وقایۃ اہل السنۃ" کے مطالعے کے بعد ہر انصاف پسند کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ وہ صرف مفتی اعظم نہیں تھے بلکہ اپنے دور میں فن حدیث کے امام اعظم تھے۔ ۴۵

علامہ مشتاق احمد نظامی (علیہ الرحمۃ) الہ آباد:

مفتی اعظم کا تفقہ فی الدین صرف حاصل کردہ نہیں ہے بلکہ وہ ان کا خمیر، ان کا ضمیر ان کی سرشت وفطرت اسی سانچے میں ڈھلی ڈھلائی ہے۔ وہ اسی فطرت پر پیدا کیے گئے۔ علمائے معاصر کسی مسئلہ کے ثبوت میں دلائل کے انبار لگادیتے مگر مفتی اعظم کا ایک انکار ان کے سیکڑوں دلائل پر بھاری بھرکم ہوتا۔

علم فقہ اور دوسرے جملہ دینی علوم کی دولت سے بھی مالا مال ہیں وراسی کے ساتھ ایسی فطرت پر پیدا کیے گئے کہ قول وفعل اور رفتار وگفتار کو قریب قریب فقہ کا میزان اور ترازو قرار دے دیا گیا۔ ۴۶

مفتی شاہ جلال الدین احمد امجدی (علیہ الرحمۃ) اوجھا گنج بستی :

نائب سید المرسلین، سند المحققین، تاجدار اہل سنت، آفتاب رشد و ہدایت، واقف اسرار شریعت، دانائے رموز طریقت، امام الفقہا، مخدوم العلما، قطب عالم حضور مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری علیہ الرحمۃ والرضوان دنیائے اسلام میں اگر چہ مفتی اعظم کے نام سے مشہور ہیں لیکن وہ صرف مفتی اعظم نہیں تھے بلکہ اپنے زمانہ کے مفتی اعظم اسلام تھے۔ اس لیے کہ آپ کے افتا اور تفقہ فی الدین کی عظمت صرف ہندوستان تک محدود نہ تھی بل کہ عرب، افریقہ اور انگلینڈ و امریکہ وغیرہ بہت سے باہری ملکوں میں تسلیم کی جاتی ہے۔ طرح طرح کی مصروفیات کے باوجود مختلف موضوعات پر تصنیفات و تالیفات کا ایک بے بہا خزانہ چھوڑ گئے ہیں جو آپ کے بے پناہ علم و فضل، ذہانت و طباعی اور علمی عبقریت پر شاہد عدل ہیں۔ ۴۸؎

حضرت مولانا محمد نسیم بستوی (علیہ الرحمۃ) براؤں شریف :

آپ زہد و تقویٰ، عرفان و تصوف، اتباع شریعت، اخلاص و ایثار، کرم و سخاوت، انسانیت نوازی، خلق نوازی، دینی شعور و آگہی، خوف الٰہی، خشیت خداوندی، دور اندیشی، مشاہدہ و تجربہ اور علم و دانش کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ آپ کی روشن پیشانی اور نور ولایت سے درخشاں و تابناک چہرے کو دیکھ کر قرون اولیٰ کے حق پسند مسلمانوں اور باعظمت مسلم رہنماؤں اور دینی پیشواؤں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ ۴۹؎

علامہ مفتی عبد المنان قبلہ دام ظلہ العالی، گھوسی :

خود میری وارفتگی اور گرویدگی کا سبب حضرت کا کوئی غیر معمولی علمی کارنامہ یا ان کی عظیم بزرگی اور خدا رسیدگی نہیں ہے یہ ان کی شخصیت کی دلکشی ہی تھی کہ جس نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ زندگی میں انھیں سیکڑوں بار دیکھا اور مختلف حالتوں میں دیکھا مگر جب دیکھا جمال و وقار، حسن دل کشی کا مرقع دیکھا اور جس حال میں دیکھا ان کی ہر ادا دل کو بھاتی رہی۔

وہ ایک بہت بڑے عالم تھے۔ سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ متعدد دینی کتابوں کے بالغ نظر مصنف تھے۔ اہل دل صوفی اور باکمال بزرگ تھے بلکہ میرے نزدیک معمولات ذکر و فکر میں ان کی ایک مجتہدانہ شان تھی۔ ۵۰؎

علامہ سید مظہر ربانی (دام ظلہ العالی) باندہ :

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ العزیز سے میری نیاز مندانہ وابستگی کا تعلق ۱۹۴۰ء سے ہے اپنے ہم عصر اور ہم مرتبہ بزرگوں کے درمیان حضور مفتی اعظم کی منکسر المزاجی تواضع اور اعلیٰ ترین اخلاقی رعایت کے ساتھ فقیہانہ بالغ نظری اور شریعت مطہرہ کے انتہائی باریک مسائل پر بے لاگ گرفت دیکھنے کے قابل تھی۔ علم و عمل، فضل و کمال، زہد و تقویٰ دیانت و ثقاہت، ولایت و کرامت غرضے کہ جملہ محاسن دینیہ و فضائل شرعیہ کے ایک مجموعہ کا نام ''محمد مصطفیٰ رضا خاں'' تھا جو قرب قیامت کی فتنوں سے بھری ہوئی، لادینیت و دہریت میں ڈوبی ہوئی چودھویں صدی ہجری کی تاریکیوں میں اپنے اسلاف کا نام روشن کر گیا۔ ۵۱؎

حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں (دام ظلہ العالی) کچھوچھہ شریف :

بخاری و مسلم کا سننے والا جس یقین و اذعان کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ہم نے رسول کریم کے اقوال سنے، اسی یقین و اذعان کے ساتھ

حضور مفتی اعظم کو دیکھنے والے کو یہ حق ہے کہ کہے ہم نے رسول کریم کی چلتی پھرتی سچی تصویر دیکھی۔

علم و دانش کی وہ کون سی محفل ہے جس کا وہ تاجدار نہیں تھا۔تقویٰ و طہارت، زہد و قناعت، شرافت و کرامت، مجاہدہ و ریاضت، اصابت واستقامت، ذکاوت و فراست کی وہ کونسی شاہراہ ہے جہاں اس کے نقوشِ قدم نہیں ملتے۔ ہمارا ممدوح خُلقاً خلقاً منطقاً اپنے باپ کی سچی تصویر تھا۔ وہ اسلام کا بطل جلیل اور استقامت کا ایسا جبل عظیم تھا کہ نازک سے نازک وقت میں بھی اس کے پیروں میں لغزش نہیں آئی۔ ۵۲

مولانا سید محمد اجمل میاں اشرفی (دام ظلہ العالی) کچھوچھہ شریف :

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جہاں علم و عمل میں یکتائے روزگار تھے وہیں ان کی ذات زہد و تقویٰ، فقر و استغنا، جود و سخا، حلم و بردباری، احسان و ایثار، طہارت و پاکیزگی، ضبط و تحمل، صبر و رضا، ایمان و ایقان، درویشی اور حسن اخلاق کا اتنا حسین مرقع تھی کہ بے اختیار مجمع الصفات کے الفاظ ان کے لیے زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔ ان کے اوصاف حمیدہ نے اپنے تو اپنے غیروں کو بھی اپنا گرویدہ بنالیا ہے اور انصاف پسندوں نے تو بیک زبان انھیں اپنا قائد اور ولی کامل تسلیم کر لیا ہے۔ ۵۳

مولانا سید محمد اظہار اشرف اشرفی (دام ظلہ العالی) کچھوچھہ شریف :

حضرت مفتی اعظم خُلقاً خَلقاً منطقاً یعنی شکل و صورت کردار و سیرت، اور طرز گفتگو میں بالکل اپنے والد بزرگوار کی تصویر تھے جس نے مفتی اعظم کو دیکھ لیا اس نے گویا چشم سے امام احمد رضا کی تصویر دیکھ لی علم و فضل کا یہ عالم کہ اپنے عہد میں بالاتفاق علی الاطلاق مفتی اعظم کہلائے۔ امام احمد رضا کے فیوض و برکات کو ہند و پاک اور بیرون ہند میں پھیلانے کے لیے رب کریم نے مفتی اعظم کی ذات کا انتخاب فرمایا۔ اتباع رسول اور خدمت خلق کے انوار و برکات کا ظہور رجحان خلق کی صورت میں ہوا۔

وہ ایسی ذات تھی جس کی مجلس میں بیٹھو تو اٹھنے کا جی نہ چاہے۔ جس کی صورت دیکھو تو نظر ہٹنے کو تیار نہ ہو۔ آج بھی ایسے بے شمار قلوب اور لاتعداد نگاہیں ہیں جو اس کے جلوۂ کردار اور جمال افکار سے مستفیض و مستنیر ہیں۔ ۵۴

مولانا سید شاہ نعیم اشرف اشرفی (دام ظلہ العالی) جائس :

تدریس و افتا اور عقیدت مندوں کی شفقت سے پذیرائی آپ کے محبوب مشاغل تھے اور اس پر ستر سال کا تسلسل تھا۔ سنت کی پابندیوں اور تقویٰ شعاری میں آپ کا کوئی مثیل نہیں تھا اور ان سب اعلیٰ صفات کے ساتھ آپ کا متواضعانہ مزاج، آپ کی نرم گفتاری علماء و سادات کے ساتھ حقیقی احترام وہ کون سی دینی خوبی ہے جو اس جامع الصفات میں نہ تھی۔ وہ ہماری جماعت کے لیے نشان تقدس تھے۔ وہ ہم سب کے مرجع تھے، مرکز تھے۔ بالاتفاق مستند قائد تھے۔ ۵۵

تاج الشریعہ علامہ محمد اختر رضا خاں قادری ازہری میاں (دام ظلہ العالی) بریلی شریف :

مفتی اعظم اللہ کے ولی تھے، ولی برحق، مفتی اعظم کے متقی ہونے میں کسے شک ہے۔ وہ متقی ہی نہیں متقی اعظم تھے۔ مفتی اعظم علم کے دریائے ذخار تھے۔ جزئیات حافظے سے بتا دیتے تھے۔ فتاویٰ قلم برداشتہ لکھ دیا کرتے تھے۔ ان کا عمل ان کے علم کا آئینہ دار تھا جن علمی اشکال میں لوگ الجھ کر رہ جاتے تھے وہ حضرت چٹکیوں میں حل فرما دیا کرتے تھے۔ ۵۶

علامہ مولانا تحسین رضا خاں (دام ظلہ العالی) بریلی شریف :

تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم رضی اللہ عنہ ذات گرامی محتاج تعارف نہیں۔ شریعت وطریقت، علم وعمل، زہد وورع، تقویٰ تقدس، تفقہ اور اس طرح کے سیکڑوں کمالات اس دور میں جس ایک ذات اقدس میں مجموعی طور پر پائے جاتے تھے وہ آقائے نعمت حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی مقدس شخصیت تھی۔ ۵۷

علامہ مولانا سبطین رضا خاں صاحب (دام ظلہ العالی) بریلی شریف :

حضرت مفتی اعظم ایک سچے عاشق رسول کا نام ہے جو عشق رسول کا پیکر تھے۔ جس کی گواہی ان کا ہر قول وعمل بلکہ ہر بن مو دے رہا ہے۔ حضور مفتی اعظم جہاں سنت رسول کے پابند تھے۔ وہاں انھیں صحابہ کرام اہل بیت اطہار، مظلومین طیبین بالخصوص حضرت امام حسین، مظلوم کربلا، شہید جور وجفا سے بھی سچی عقیدت، قلبی تعلق اور گہرا لگاؤ تھا۔ ۵۸

مولانا قاضی عبدالرحیم بستوی (دام ظلہ العالی) بریلی شریف :

حضور مفتی اعظم نوراللہ مرقدہٗ کے عالی کردار، بلند اخلاق، علمی بصیرت، جودت طبع، حسن حافظہ، خدمت دینی، دینی وقومی دردمندی کے واقعات کثرت سے ہیں اور ان امور میں آپ یگانہ روزگار تھے۔ فرائض وواجبات سنن ومستحبات کی محافظت میں نمایاں خصوصیت کے حامل تھے۔ اتباع سنت کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ خدمت خلق آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔ ۵۹

حضرت سید محمد حسینی اشرفی رائے چور کرناٹک :

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ علم وتقویٰ میں اپنے والد ماجد قدس سرہٗ کے مظہر اتم تھے۔ آپ نہ صرف ہند وپاک بلکہ پورے عالم اسلام کے سینوں کے ایمان وعقیدے کے محافظ تھے۔ آپ کی شخصیت ایک ایسی مقناطیسی شخصیت تھی کیا عرب کیا عجم جہاں بھی تشریف لے جاتے علما ومفکرین ومدبرین سے لے کر عوام تک سب کے سب کھینچے چلے آتے تھے۔ آپ کے تحقیقی فتووں سے بڑی سے بڑی شخصیت میں اختلاف کی مجال نہ تھی۔ آپ کا فتویٰ پورے عالم اسلام کے لیے ہوتا تھا۔ ۶۱

علامہ شاہ احمد نورانی (علیہ الرحمہ) پاکستان :

مفتی اعظم علم وفضل اور فقہی بصیرت کے اعتبار سے لاثانی تھے۔ اسلام اور عالم اسلام کے لیے آپ کی عظیم خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ ۶۳

مولانا محمد حسن علی رضوی (علیہ الرحمہ) پاکستان :

حضور امام العلما سیدنا سرکار مفتی اعظم علم وفضل، زہد وتقویٰ، اتباع شریعت اور عطا وسخا میں اپنے زمانہ کے فرد یگانہ تھے اور اہل سنت کے سبھی علما روحانی اور خانقاہی حلقوں میں آپ کی شخصیت کی عظمت مسلم تھی اور آپ کو اپنے معاصرین میں بلاشبہہ افضلیت وفوقیت وبرتری حاصل تھی۔ ۶۴

ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی (دام ظلہ العالی) پاکستان :

سلام اس پر جس نے عشق مصطفیٰ کے چراغ روشن کیے، سلام اس پر جو گفتار و کردار میں اللہ کی برہان تھا، سلام اس پر جس کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا، سلام اس پر جو قدم قدم پر خدا کو یاد رکھتا تھا، سلام اس پر جو واصل باللہ تھا، سلام اس پر جو باقی باللہ تھا۔

دیکھنے والے کہتے ہیں کہ شہزادۂ عالی جاہ اپنے والد بزرگوار کا عکس جمال تھا۔ اس کے حسن و رعنائی کی بات کیا کیجیے گورا رنگ، نورانی چہرہ، چوڑی پیشانی، لبوں پر تبسم، گفتگو میں حلاوت، کلام میں لطافت، جدھر سے گزرتے دیکھ کر لوگ دوڑتے چلے جاتے۔ کشش و دل نوازی کا عجیب عالم تھا، شہزادۂ امام احمد رضا کی زندگی سراپا حرکت تھی، وہ ہر جگہ متحرک نظر آتی ہے۔ ابتداء سے لے کر انتہا تک حرکت ہی حرکت ۶۵

مولانا جلال الدین قادری، پاکستان :

مفتی اعظم کی زندگی سراپا حرکت تھی وہ ہر جگہ متحرک نظر آتے ہیں ابتداء سے انتہا تک حرکت ہی حرکت ہے جب بھی اور جہاں کہیں باطل نے سر اٹھایا حضرت مفتی اعظم نے بے تابانہ اس کا تعاقب کیا یہاں تک کہ اس کا قلع قمع کر دیا ملت اسلامیہ کو جب بھی اپنی بقا اور تحفظ کے لیے ضرورت در پیش ہوئی مفتی اعظم نے دامے درمے قدمے سخنے اس کی اعانت میں زندگی وقف فرما دی۔ ۶۶

شیخ جمال سلیمان مناع سابق استاذ جامعہ ازہر، مصر :

حضرت مولانا شیخ احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ توفیق خداوندی کا ایک نمونہ تھے۔ کیونکہ مہد سے لحد تک ان کی پوری زندگی راہ خدا میں جہاد دین متین کی خدمت اور مسلمانوں کے حالات کی اصلاح میں گزری۔ ان کی وفات کے بعد ان کے جلیل القدر فرزند حضرت مولانا حامد رضا اور حضرت مولانا مصطفیٰ رضا ان کے جانشین ہوئے۔ ان کے دلوں میں بھی والد بزرگوار نے عشق مصطفوی کی جڑیں مضبوط فرما دیں۔

ان کے چھوٹے صاحبزادے مفتی اعظم حضرت مولانا مصطفیٰ رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر قائم ہونے والے یہ تعلیمی ادارے اور علمی مراکز اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہیں کہ جو اپنی زندگی راہ خدا میں وقف کر دیتا ہے اور جس کی سرگرمیاں دین حق کی نصرت و حمایت کے لیے خاص ہو جاتی ہیں اسے رب جلیل قبول عام اور توفیق خاص سے بہرہ ور فرماتا ہے۔ ۶۷

مبلغ سنیت حضرت مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی قادری علیہ الرحمہ، ماریشش

صورت و سیرت، شریعت و طریقت کے محاسن کو اگر مجسم کر دیا جائے تو وہ مفتی اعظم عالم اسلام مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری رضوی نوری بریلوی کا سراپا قرار پائے گا۔ آپ کی ولادت و رحلت، محاسن و فضائل کا عنوان اتنا ہمہ گیر ہے کہ لکھنے والے مسلسل لکھ رہے ہیں مگر قصۂ ناتمام ابھی ناتمام ہے۔ ۶۸

علامہ صوفی محمد نظام الدین (دام ظلہ العالی) امروڈ ہا بستی :

وہ ذات گرامی جس کے تقویٰ و طہارت، تفقہ فی الدین، نکتہ آفرینی کا عالم میں چرچا ہے جو محبت رسول کا عظیم شاہکار تھا جسے دنیا مفتی اعظم شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاجدار اہل سنت سے موسوم کرتی ہے۔ آپ کی بے باکی اور حق گوئی کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے صاحبان علم و فن آپ کے حضور لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ آپ کا ہر عمل شریعت مطہرہ کے عین مطابق ہوتا۔ ۶۹

حوالہ جات :

۱- پندرہ روزہ رفاقت پٹنہ، ۱۵ر دسمبر ۱۹۶۱ء
۲- محدث اعظم پاکستان جلد اول، ص ۶۷، مطبوعہ لاہور، مفتی اعظم اور ان کے خلفا، جلد ۱، ص ۲۶ رضا اکیڈمی ممبئی

۳- ماہنامہ استقامت کان پور، مفتی اعظم نمبر، ص ۱۱۲، مئی ۱۹۸۳ء، پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ، ص ۸ ریکم فروری ۱۹۸۲ء

۴- الاستمداد

۵- ماہنامہ استقامت کان پور، مفتی اعظم نمبر، ص ۵۵۷-۵۵۸، مئی ۱۹۸۳ء

۶- ماہنامہ حجاز جدید مفتی اعظم نمبر ص ۵۶، ستمبر اکتوبر ۱۹۹۰ء

۷- ماہنامہ سنی دنیا، بریلی شریف، ص ۳۶، جنوری ۲۰۰۵ء

۸- تجلیات رضا ص ۳۴۳ مضمون: حضرت نظمی میاں

۹- ماہنامہ استقامت کان پور، مفتی اعظم نمبر، ص ۵۶۶، مئی ۱۹۸۳ء

۱۰- حوالہ سابق، ص ۳۸

۱۱- حوالہ سابق، ص ۱۷۲-۱۷۳

۱۲- حوالہ سابق، ص ۳۴

۱۳- حوالہ سابق، ص ۵۵۸

۱۴- ماہنامہ استقامت، کان پور، مفتی اعظم نمبر، ص ۵۵۹، مئی ۱۹۸۳ء

۱۵- ماہنامہ استقامت، کان پور، مفتی اعظم نمبر، ص ۵۵۹، مئی ۱۹۸۳ء

۱۶- مفتی اعظم اور ان کے خلفا جلد ۱، ص ۵۵۸

۱۷- ماہنامہ استقامت، کان پور، مفتی اعظم نمبر، ص ۸۴، مئی ۱۹۸۳ء

۱۸- حوالہ سابق ص ۲۰۴

۱۹- انوار مفتی اعظم ناشر رضا اکیڈمی، ممبئی ص ۱۹۹

۲۰- ماہنامہ کنزالایمان دہلی، شارح بخاری نمبر اپریل ۲۰۰۱ء، ص ۲۰

۲۱- تاجدار اہل سنت، ناشر رضا اکیڈمی، ممبئی، ص ۵۸

۲۲- ماہنامہ استقامت، کان پور، مفتی اعظم نمبر، ص ۱۱۳، مئی ۱۹۸۳ء

۲۳- تجلیات مفتی اعظم، مرتبہ: مولانا قمرالحسن بستوی ناشر رضا اکیڈمی ممبئی ص ۵۸

۲۴- ماہنامہ استقامت، کان پور، مفتی اعظم نمبر، ص ۳۶-۳۷، مئی ۱۹۸۳ء

۲۵- فتاویٰ مصطفویہ جدید ایڈیشن ناشر رضا اکیڈمی ممبئی ص ۵/۱۷

۲۶- ماہنامہ حجاز جدید، دہلی، مفتی اعظم نمبر ص ۸۸، ستمبر اکتوبر ۱۹۹۰ء

۲۷- ماہنامہ استقامت، کان پور، مفتی اعظم نمبر، ص ۶۲-۶۸، مئی ۱۹۸۳ء

۲۸- حوالہ سابق، ص ۲۴۹/۲۵۲

۲۹- حوالہ سابق ص ۱۲۹/۱۳۰/۱۳۱

۳۰- حوالہ سابق ص ۱۴۳

۳۱- حوالہ سابق ص ۳۵۵/۳۵۶

۳۲- حوالہ سابق، ص ۳۵۸

۳۳- حوالہ سابق، ص ۱۹۰/۱۹۴

۳۴- ماہنامہ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم در یحان ملت نمبر ص ۱۷۰، اگست ۱۹۹۸ء
۳۵- ماہنامہ حجاز جدید دہلی، مفتی اعظم نمبر ص ۶۲
۳۶- ماہنامہ استقامت، کان پور، مفتی اعظم نمبر ص ۱۶۷، مئی ۱۹۸۳ء
۳۷- ماہنامہ اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم در یحان ملت ص ۱۲۴
۳۸- سالنامہ تجلیات رضا، بریلی شریف، ص ۱۲۱، ۲۰۰۵ء
۳۹- ماہنامہ استقامت، کان پور، مفتی اعظم نمبر ص ۵۶۶، مئی ۱۹۸۳ء
۴۰- سالنامہ تجلیات رضا، بریلی شریف، ص ۹۱ مضمون: مولانا محمد حسن علی رضوی میلسی
۴۱- ماہنامہ استقامت، کان پور، مفتی اعظم نمبر ص ۱۴۲ - ۱۴۳ - ۱۵۳، مئی ۱۹۸۳ء
۴۲- ماہنامہ حجاز جدید، دہلی مفتی اعظم نمبر ص ۹۵
۴۳- عربی تقریر کا ترجمہ مشمولہ انوار مفتی اعظم ص ۲۹۴، ناشر رضا اکیڈمی ممبئی
۴۴- تذکرہ جمیل ص ۲۳۱، ناشر سنی رضوی اکاڈمی ماریشش
۴۵- ماہنامہ استقامت، کان پور، مفتی اعظم نمبر ص ۱۰۶-۱۰۷، مئی ۱۹۸۳ء

☆☆☆☆☆☆

سترھواں باب

یہ ناممکن ہے کہ ایک تناور وقد آور شجر سایہ دار ہو اور کسی مسافر نے اس کے سائے تلے دم نہ مارا ہو شراب طہور کا ایک بہتا ہوا آبشار ہو جو وادی و کہسارکو سیراب کررہا ہو، اور کسی ذی نفس نے اس سے فیض نہ اٹھایا ہو، ایسی انہونی چشم فلک نے دیکھی نہیں۔ مفتی اعظم علم و حکمت کے کوہ گراں تھے، فیض کرم کے قلزم ناپیدا کنار تھے، حقیقت میں وہ معرفت وسلوک کے در شاہوار تھے، فقاہت و ثقاہت کے خط واصل و فاصل، ان کے ہاتھوں میں فکر رضاکا چراغ روشن تھا، جس پر پروانے ٹوٹے پڑتے تھے اور وہ جھوم کر علم و حکمت کی روشنی تقسیم کررہے تھے، مفتی اعظم پورے پچاس سال تک "سنی بریلوی مکتب فکر" کی علمی سرپرستی کرتے رہے، کوئی لاینحل عقدہ پیش ہونے کی دیر تھی کہ چٹکیوں میں حل کردیا گیا۔ ہرعلم و فن کے استفسارات آرہے ہیں، کسی کے لیے تھیں نہیں۔ استفادہ کرنے والوں میں عالم بھی ہیں جاہل بھی، حافظ بھی ہیں قاری بھی، امیر بھی ہیں فقیر بھی، مفتی بھی ہیں فقیہ بھی، قاضی بھی ہیں محدث بھی، مدرس بھی ہیں معلم بھی، استاذ بھی ہیں طالب علم بھی، سوالات کاسلسلہ خانقاہ یا درس گاہ تک محدود نہ تھا، جہاں بیٹھ جاتے وہیں درس گاہ لگ جاتی کسی بھی فن کا سوال ہے کتابوں سے مراجعت کی ضرورت نہیں، آج کا کام کل پر ٹالا بھی نہیں جارہا ہے، سچ کہا تھا مفتی محمد شریف الحق امجدی نے کہ مفتی اعظم کا جسم تو لاغر و نحیف ہوگیا مگر ان کا دماغ ہمیشہ جوان رہا، اس نے کبھی ضعف پیری کی شکایت نہ کی۔ یوں تو مفتی اعظم زیادہ دنوں تک درس گاہ میں روایتی تدریسی ذمہ داریوں کے لیے وقت نہ نکال سکے اورپھر قومی و جماعتی مجبوری بھی دامن گیر تھی، اگر درس گاہ میں بند ہو جاتے تو بہت سے وہ قومی کام جن سے قوم تقدیر وابستہ تھی اور جن پر قوم کے بقا و تحفظ کا انحصار تھا، تشنۂ تکمیل رہ جاتے، لیکن افادہ کا سلسلہ کبھی نہ رکا، جس کو جہاں موقع ملتا سوال پیش کردیتااور آپ اسے جواب سے سرفراز فرماتے۔

اس سلسلے میں مولانا انیس عالم سیوانی نے عجلت کے باوجود بنیادی معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی ہے، مولانا شہاب الدین رضوی نے "تاریخ خلفا مفتی اعظم کے نام سے مستقل کتاب بھی لکھ دی ہے، زیادہ تفصیل کے لیے اس کتاب کی طرف رجوع کیا جائے۔ تازہ معلومات کے لیے ہمارے کرم فرما اہل قلم لوگوں کے سینوں سے اس طرح کی معلومات کو کشید کریں، ابھی بھی ایک بڑا ذخیرہ سینہ بہ سینہ کی شکل میں موجود ہے، معتبر معاصر شخصیات یا مستند حوالوں کے اہتمام سے اس سلسلہ کو آگے بڑھانا مفید رہے گا۔ امام احمد رضا سے لے کر مصطفی رضا تک ایک ہی کہانی ہے، کتابوں کی ورق گردانی کم کی مگر بارگاہ غوثیت سے غیب سامانی و فیض رسانی کا سلسلہ زیادہ رہا ورنہ کیا بات ہے کہ جن کتابوں کا چہرہ بھی نہ دیکھا ان کے مضامین نوک قلم پر از بر نظر آتے ہیں۔

قلم کے ساتھ ساتھ زبانی فیض رسانی کا سلسلہ بھی خانوادۂ رضویہ سے ہمیشہ جاری و ساری رہا، جن لوگوں نے ان کی بارگاہوں کی خاک روبی کی وہ سب اقلیم علم و حکمت کے تاج دار بن گئے۔ اگر ان کے افادات عالیہ کو محفوظ کیا گیا ہوتا، آج بڑا خزانہ ہماری علمی وراثت ہوتی۔

مقبول احمد سالک مصباحی

مفتی اعظم کے چند مشاہیر خلفا

مولانا محمد شہاب الدین رضوی
ایڈیٹر ماہنامہ سنی دنیا، بریلی شریف

شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری بریلوی قدس سرہٗ کے خلفا و تلامذہ اور مستفیدین کی ایک طویل فہرست ہے۔ ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں جملہ علوم و فنون سے فراغت حاصل کرنے کے بعد درس و تدریس کا آغاز فرمایا۔ جامعہ منظر اسلام بریلی اور دار العلوم مظہر اسلام بریلی کے مخطوطہ ریکارڈ سے واضح ثبوت ملتا ہے کہ آپ نے ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء سے ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء تک مسند تدریس کو زینت بخشی اور غیر مخطوطہ ریکارڈ سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء تک درس و تدریس کا باضابطہ سلسلہ جاری رکھا۔ فروغ مسلک اہل سنت کے لیے بے پناہ تبلیغی دوروں کی وجہ سے یہ سلسلہ تسلسل کے ساتھ قائم نہیں رہ سکا۔

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ سے فیض حاصل کرنے والے علما میں اپنے وقت کے فقید المثال عالم، قاضیانِ عدالت اور حاملین شریعت وطریقت ہیں، جو اپنے علاقہ اور عہد کی تابناک شخصیات ہیں۔ سلاسل طریقت میں اجازت وخلافت، درس نظامی کے تلامذہ، افتا کے تربیت یافتہ مفتیانِ عظام، سند حدیث مسلسل بالاولیت میں خیرآبادی اور دہلوی سلسلۂ تلمذ اور مستفیدین کا باضابطہ کسی رجسٹر میں اندراج یا دفتر میں کوئی ریکارڈ محفوظ نہیں ہے، تاہم دوسرے ذرائع ابلاغ اور وسائل سے راقم السطور نے یہ نامکمل فہرست تیار کی ہے۔

(الف)

۱- مفسر اعظم ہند حضرت مولانا محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی بریلوی علیہ الرحمہ
۲- مبلغ اسلام علامہ ابراہیم خوشتر صدیقی، بانی سنی رضوی سوسائٹی، ماریشش
۳- غزالی دوراں مولانا سید احمد سعید کاظمی، شیخ الحدیث، دار العلوم انوار العلوم، ملتان (پاکستان)
۴- عطائے خواجہ مولانا سید احمد علی رضوی، گدی نشیں آستانہ خواجہ غریب نواز، اجمیر شریف
۵- جانشین حضور مفتی اعظم، تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری بریلوی
۶- رئیس التحریر حضرت علامہ ارشد القادری، بانی جامعہ فیض العلوم جمشید پور
۷- حضرت مولانا مفتی اعجاز ولی خاں بریلی، بہاول پور، لاہور
۸- بحر العلوم حضرت مفتی سید افضل حسین مونگیری، مفتی دار العلوم منظر اسلام، بریلی
۹- امین ملت ڈاکٹر سید شاہ محمد امین میاں برکاتی، سجادہ نشین، خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف
۱۰- عالم باعمل مولانا محمد انور علی رضوی بہرائچی، امام وخطیب قادری مسجد گلی منیہاران، بریلی

۱۱- مولانا قاری انوار الحق مصطفوی، مفتی دار العلوم عطائے رسول، کرانہ
۱۲- مولانا محمد ایوب عالم رضوی بنگالی، مدرس دار العلوم منظر اسلام، بریلی
۱۳- فضیلۃ الشیخ حضرت علامہ مفتی شیخ محمد امین قطبی (حجاز مقدس)
۱۴- حضرت مولانا حافظ احسان الحق رضوی، فیصل آبادی، پاکستان
۱۵- حضرت علامہ مولانا احسن علی فیض پوری محدث منظر اسلام، بریلی
۱۶- مولانا مفتی محمد ابراہیم سستی پوری، پرنسپل مدرسہ قادریہ، بدایوں
۱۷- مولانا الحاج احمد مقدم رضوی، ڈربن، ساؤتھ افریقہ
۱۸- مولوی ماسٹر محمد اسمٰعیل مصطفوی، رضا نگر پورنپور، ضلع پیلی بھیت

(ب)

۱۹- عمدۃ المحققین مولانا بدر الدین احمد گورکھپوری، شیخ الحدیث مدرسہ غوثیہ، بڑھیا بستی
۲۰- ادیب عصر مولانا بدر القادری، چیئرمین اسلامک اکیڈمی، دی ہیگ، ہالینڈ
۲۱- مولانا بشیر الدین رضوی بانی مدرسہ محمدیہ، دیناجپور، بنگال
۲۲- منبع العلم مولانا بہاء المصطفیٰ امجدی، امام وخطیب مسجد بہاری پور، بریلی
۲۳- مولانا بلال احمد بائسی ضلع پورنیہ

(ت)

۲۴- سید الاتقاء علامہ مفتی تحسین رضا خاں محدث بریلی، بانی ضیاء العلوم کانکرٹولہ، بریلی
۲۵- استاذ العلما مولانا مفتی تقدس علی خاں شیخ الحدیث جامعہ راشدیہ، پیر جو گوٹھ، سندھ
۲۶- خطیب الہند مولانا محمد توصیف رضا خاں، صدر آل انڈیا سنی جمعیۃ العوام، بریلی

(ج)

۲۷- شاعر اسلام مولانا جابر علی رضوی رازؔ الہ آبادی، بہادر گنج، ہنیا، الہ آباد
۲۸- محقق دوراں علامہ مولانا محمد جلال الدین قادری، کھاریاں، ضلع گجرات، پاکستان
۲۹- استاذ الاساتذہ حضرت حافظ مفتی محمد احمد جہاں گیر خاں، شیخ الحدیث منظر اسلام، بریلی
۳۰- مولانا جلال الدین، ٹانڈہ ضلع فیض آباد یوپی

(ح)

۳۱- مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قادری عباسی بانی جامعہ حبیبیہ، الہ اباد
۳۲- یادگار سلف مولانا مفتی حبیب رضا خاں، مرکزی دار الافتا، بریلی
۳۳- قاطع نجدیت مولانا محمد حسن علی رضوی، بانی انوار رضا اہل سنت میلسی، پاکستان
۳۴- شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خاں رضوی، پیلی بھیت

۳۵- مناظر اہل سنت مفتی محمد حسین قادری سنبھلی

(خ)

۳۶- مولانا صوفی خالد علی خاں مہتمم مظہر اسلام، مسجد بی بی جی، بریلی
۳۷- علامہ مولانا خادم رسول رضوی شیخ الحدیث، مسعود العلوم، بہرائچ
۳۸- استاذ العلما مفتی محمد خلیل خاں برکاتی، شیخ الحدیث دار العلوم احسن برکات، حیدر آباد

(ر)

۳۹- مولانا محمد رفیع الدین رضوی، امام و خطیب مسجد غوثیہ، نور الٰہی، دہلی
۴۰- ریحان ملت مولانا محمد ریحان رضا خاں، مہتمم منظر اسلام، بریلی
۴۱- مولانا سید ریاست علی قادری، بانی ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی
۴۲- امین شریعت مولانا مفتی رفاقت حسین، کان پور
۴۳- حضرت مولانا مفتی رضوان الرحمٰن فاروقی مفتی مالوہ، اندور
۴۴- بلبل ہند مولانا مفتی رجب علی نانپاروی، بانی مدرسہ عزیز العلوم، بہرائچ

(ز)

۴۵- مولانا سید زاہد علی قادری، خطیب جامع مسجد بغدادی، گلبرگ، فیصل آباد

(س)

۴۶- امین شریعت علامہ سبطین رضا خاں بانی انجمن اسلامیہ کانکیر، ضلع بستر
۴۷- محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا محمد سردار احمد قادری، فیصل آباد
۴۸- مولانا شاہ سراج الباری، شہباز پور، ضلع ویشالی
۴۹- فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا سید نور محمد مکی (حجاز مقدس)
۵۰- فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا سید عباس مالکی (حجاز مقدس)
۵۱- مولانا ساجد علی خاں، مہتمم مظہر اسلام، بریلی
۵۲- مولانا سید سراج اظہر رضوی، امام و خطیب مسجد ابوالہاشم، بمبئی
۵۳- مولانا صوفی تحی اللہ گونڈوی

(ش)

۵۴- علامہ مفتی سید شاہد علی حسنی رضوی، شیخ الحدیث الجامعۃ الاسلامیہ، رام پور
۵۶- معمار ملت مولانا شبیہ القادری، پرنسپل غوث الوریٰ عربی کالج، سیوان
۵۷- شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی، صدر دار الافتا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۵۸- شمس العلما حضرت مفتی قاضی شمس الدین احمد رضوی جون پوری

۵۹- علامہ مولانا شمس الدین احمد رضوی، صدر المدرسین، مسعود العلوم، بہرائچ
۶۰- مولانا شمس اللہ حشمتی بھورے خاں، پیلی بھیت

(ض)

۶۱- محدث کبیر ممتاز الفقہا علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری بانی جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی

(ط)

۶۲- مولانا مفتی طاہر حسین رضوی اشرفی پورنوی

(ع)

۶۳- علامہ مولانا سید محمد عارف رضوی نانپاروی، شیخ الحدیث منظر اسلام، بریلی
۶۴- شیخ العلما حضرت علامہ عبد المصطفیٰ ازہری، بانی جامعہ امجدیہ، کراچی
۶۵- صدر المفتین علامہ مولانا قاضی عبد الرحیم بستوی، صدر مفتی مرکزی دار الافتا، بریلی
۶۶- مولانا مفتی محمد عبد السلام رضوی، بانی فیض العلوم، سنبھل، ضلع مرادآباد
۶۷- مولانا مفتی عبد الجلیل رضوی بانی نوریہ اسلامیہ مدھوبنی
۶۸- مولانا عبد المصطفیٰ رونق گونڈوی، امام و خطیب جامع مسجد امبر ناتھ، ضلع تھانہ
۶۹- مولانا عبد الرشید بہاری، مدرس شمس العلوم گھوسی، ضلع مئو
۷۰- مولانا عبد الغنی قادری، نیوٹن شریف ضلع چھندواڑہ
۷۱- مولانا الحاج صوفی عبد العزیز آفریدی، چترادرگا، کرناٹک
۷۲- فضیلۃ الشیخ علامہ سید محمد علوی مالکی، استاذ الحدیث مسجد حرم شریف، مکۃ المکرمہ
۷۳- جانشین حافظ ملت مولانا عبد الحفیظ عزیزی، سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۷۴- حضرت علامہ مفتی عبد القیوم ہزاروی، بانی رضا فاؤنڈیشن، لاہور
۷۵- مولانا الحاج عبد الحمید پابار رضوی، ڈربن، ساؤتھ افریقہ
۷۶- مولانا الحاج حافظ عبد الغفار نوری، بانی دار العلوم نوریہ، اندور
۷۷- مولانا عبد الحلیم، امیر دعوت اسلامی، ناگ پور
۷۸- حافظ محمد عمران علی رضوی، پیلی بھیتی
۷۹- مولانا قاری علی حسن بستوی
۸۰- مولانا مفتی عبید الرحمٰن رضوی، امام و خطیب مسجد چنگی والی، بریلی

(غ)

۸۱- شیخ المحدثین مولانا غلام رسول رضوی، شیخ الحدیث جامعہ رضویہ، مظہر اسلام، فیصل آباد

۸۲- زینۃ القراء مولانا قاری غلام محی الدین شیری، بانی مدرسہ اشاعت الحق، ہلدوانی
۸۳- مولانا ڈاکٹر غافر بخش مدنی
۸۴- مولانا مفتی غلام محمد خاں، بانی دارالعلوم امجدیہ، ناگ پور
۸۵- مولانا غلام جیلانی اعظمی، شیخ الحدیث جامعہ مظہر اسلام، بریلی
۸۶- مولانا غلام یزدانی اعظمی، پرنسپل جامعہ مظہر اسلام، بریلی
۸۷- مولانا مفتی غلام سرور قادری، لاہوری
۸۸- مبلغ اسلام علامہ مولانا ڈاکٹر غفران علی صدیقی، بانی دارالعلوم، نیویارک (امریکہ)

(ف)

۸۹- مولانا مفتی محمد فاروق رضوی، مفتی دارالافتا منظر اسلام، بریلی
۹۰- صاحب تصانیف کثیرہ علامہ محمد فیض احمد اویسی، بانی جامعہ رضویہ، بہاول پور
۹۱- فضیلۃ الشیخ علامہ فضل الرحمٰن مدنی بن قطب مدینہ حضرت علامہ ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ
۹۲- الحاج محمد فاروق رضوی، مدن پورہ، بنارس

(ق)

۹۳- مولانا محمد قاسم شہید القادری جبل پوری
۹۴- مولانا محمد قربان علی چشتی دلشاد پور، بھیلا گنج ضلع کٹیار
۹۵- مولانا مفتی قدرت اللہ رضوی، شیخ الحدیث دارالعلوم فیض الرسول، براؤں شریف

(گ)

۹۶- مولانا الحاج گلزار حسین رضوی چشتی، لاہور

(ل)

۹۷- علامہ مفتی لطف اللہ قریشی نعیمی، خطیب شاہی جامع مسجد، متھرا

(م)

۹۸- بقیۃ السلف علامہ الحاج مبین الدین امروہوی، شیخ التفسیر، جامعہ نعیمیہ، مرادآباد
۹۹- مولانا سید مبشر علی رضوی شیخو پور، بہیڑی ضلع بریلی
۱۰۰- مولانا حافظ مبین الہدیٰ نورانی، بانی دارالعلوم امام حسین، جمشید پور
۱۰۱- خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی، ایڈیٹر ماہنامہ پاسبان، الہ آباد
۱۰۲- علامہ مفتی محمد مشرف احمد مظہری، امام وخطیب مسجد شیخان باڑہ ہندوراؤ، دہلی
۱۰۳- پیر طریقت حضرت قاری مصلح الدین رضوی، خطیب میمن مسجد، کراچی

۱۰۴- فقیہ النفس علامہ مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی، ادارۂ شرعیہ، بنگور

۱۰۵- علامہ مولانا مظہر حسن برکاتی، مدرسہ قاسمیہ، بدایوں شریف

۱۰۶- امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی شیخ الحدیث مدرسہ نور الحق چرہ، فیض آباد

۱۰۷- مولانا مظفر علی رضوی، سہوان ضلع بدایوں

۱۰۸- مولانا حکیم مظفر احمد قادری برکاتی، جامعہ مظفریہ داتا گنج ضلع بدایوں

۱۰۹- فاضل جلیل مولانا معید احمد رضا فریدی، مہتمم مدرسہ غوثیہ رضویہ گولہ ضلع کھیری

۱۱۰- مولانا الحاج محمد منان رضا خاں، مہتمم جامعہ نوریہ رضویہ باقر گنج، بریلی

۱۱۱- علامہ مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی، شیخ الحدیث مظہر اسلام، بریلی

۱۱۲- مولانا معین الدین شافعی، ناظم اعلیٰ جامعہ قادریہ رضویہ، فیصل آباد

۱۱۳- محمود ملت مولانا محمود احمد رضی رضوی سجادہ نشین آستانہ سلامیہ، برہانیہ، جبل پور

۱۱۴- مولانا مفتی مجیب اشرف رضوی، مہتمم دار العلوم امجدیہ، ناگ پور

۱۱۵- مشاہد ملت مولانا مفتی مشاہد رضا خاں حشمتی، سجادہ نشین خانقاہ حشمتیہ، پیلی بھیت

۱۱۶- علامہ مولانا منصور علی خاں امام وخطیب سنّی بڑی مسجد، مدن پورہ، ممبئی

۱۱۷- مولانا مراتب علی رضوی، گوجرانوالہ (پاکستان)

۱۱۸- مولانا مفتی مجیب الاسلام نسیم رضوی، ادری ضلع اعظم گڑھ

۱۱۹- مولانا منظور احمد رضوی، فیضی، بانی مدرسہ مدینۃ العلوم، بہاول پور

۱۲۰- مفتی محمد حسین لاہوری

۱۲۱- مولانا مظفر اقبال لاہوری

(ن)

۱۲۲- صوفی باصفا مولانا مفتی محمد ناظم علی قادری بارہ بنکوی (مرکزی دار الافتا، بریلی)

۱۲۳- حضرت مولانا نعیم الدین گورکھ پوری، مصباحی، مدرسہ فیض الرسول، براؤں شریف

۱۲۴- حضرت مولانا نسیم بستوی

۱۲۵- حضرت مولانا نذیر احمد رضوی پنجابی

(و)

۱۲۶- مولانا ولی النبی رضوی جامعہ قادریہ رضویہ، فیصل آباد

۱۲۷- حضرت مولانا مفتی وقار الدین رضوی، کراچی

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم کے مستفیدین

مولانا انیس عالم سیوانی مصباحی
استاذ جامعۃ القرا، کھدرا کالونی، سیتاپور روڈ لکھنؤ

دنیاے اسلام کے روحانی و علمی پیشوا، مجدد اسلام، سیوطی ثانی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء - ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء، ۲۲ رذی الحجہ ۱۳۱۰ ہجری خانقاہ مارہرہ مطہرہ میں تھے، آدھی رات تک حضرت سید ابوالحسین نوری میاں ۱۲۵۵ - ۱۳۲۴ھ کے ساتھ علمی مذاکرہ ہوتا رہا، بعدہ اپنی اپنی قیام گاہ میں آرام کے لیے چلے گئے، رات میں دونوں بزرگوں نے خواب دیکھا جس میں خوش خبری دی گئی کہ امام احمد رضا کے گھر ایک سعادت مند بچہ کی ولادت ہوئی ہے اور نومولود کا نام آل الرحمٰن بتایا گیا، مفتی اعظم ابھی پیدا ہوئے ہی تھے کہ غائبانہ طور پر اعلیٰ حضرت کی اجازت سے نوری میاں نے داخل سلسلہ فرمالیا اور عمامہ و جبہ اعلیٰ حضرت کو اس شرط کے ساتھ عطا فرمایا کہ جب وہ بچہ اس امانت کا متحمل ہو جائے تو یہ اس کے حوالے کر دیں۔ ۶ رماہ بعد نوری میاں بریلی شریف تشریف لائے تو مفتی اعظم کو اپنی گود میں لے کر دعاؤں سے نوازا اور داخل سلسلہ برکاتیہ فرمایا۔

مفتی اعظم کو نوری میاں کے علاوہ اعلیٰ حضرت سے بھی خلافت و اجازت حاصل تھی، مفتی اعظمنے اپنے بڑے بھائی مولانا حامد رضا خاں م ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء، (جو عمر میں اٹھارہ سال بڑے تھے) مولانا شاہ رحم الٰہی منگلوری م ۱۳۶۱ھ، سید شاہ بشیر احمد علی گڑھی، مولانا ظہور الحسین فاروقی رام پوری م ۱۳۴۲ھ سے اکتساب علم فرمایا، ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء بہ عمر اٹھارہ سال دار العلوم منظر اسلام سے فراغت حاصل کی، آپ کا پورا نام آل الرحمٰن۔ ابوالبرکات محی الدین جیلانی محمد عرف مصطفیٰ رضا ہے۔ ۱۳۲۸ھ میں سب سے پہلا فتویٰ آپ نے مسئلہ رضاعت کا تحریر کیا، صحت جواب پر اعلیٰ حضرت بہت خوش ہوئے اور ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمٰن محمد عرف مصطفیٰ رضا کی مہر بنوا کر عطا فرمائی، اس وقت مفتی اعظم کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ آپ کا وصال شب پنجشنبہ ۱۴ رمحرم ۱۴۰۲ھ / ۱۲ رنومبر ۱۹۸۱ء ایک بج کر چالیس منٹ پر ہوا۔ مفتی اعظم کی حیات مبارکہ کا یہ ایک اجمالی خاکہ تھا اب اس کے بعد میں اپنے عنوان کے مطابق مستفیدین کا ذکر شروع کر رہا ہوں۔

مفتی اعظم کی باکمال اور گوناگوں شخصیت کے متعدد پہلو ہیں۔ آپ اپنے وقت کے زبردست عالم، جامع معقولات و منقولات بھی ہیں۔ فقیہ وقت بھی ہیں، عابد شب زندہ دار بھی ہیں۔ ملت کے غم خوار بھی ہیں۔ آپ کی شخصیت ایک پھل دار اور سایہ دار درخت کی مانند ہے۔ اسی لیے آپ سے استفادہ کرنے والوں کی بڑی تعداد ہے۔ اور یہ چیز مختلف اور متعدد جہتوں پر مشتمل ہے۔ بحیثیت مفتی اعظم کثیر تعداد میں علماے وقت نے آپ سے فقہی استفادہ کیا، عوام نے استفتے کیے۔ مفتی اعظم نے ان کی رہنمائی فرمائی، جویان علم حدیث نے حدیث رسول اللہ کے شوق طلب میں آپ سے علم حدیث پڑھا اور سند حدیث حاصل کی۔ بہ حیثیت شیخ طریقت کثیر تعداد

میں لوگ آپ سے بیعت ہوئے، آپ کے زمانے میں کسی شیخ طریقت سے اتنی بڑی تعداد میں علما مرید نہیں ہوئے۔

مفتی اعظم ظاہر کے ساتھ باطن کی قوت اور روحانی طاقت کے حامل بھی تھے۔ اسی وجہ سے اہل حاجت آپ کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور آپ ان کی حاجت روائی فرماتے تھے۔

اب ہم سب سے پہلے ان شخصیتوں پر روشنی ڈال رہے ہیں جنھوں نے مفتی اعظم سے استفادہ علمیہ کیا ہے۔ فقہ وحدیث اور افتا نویسی کی تعلیم حاصل کی ہے۔

۱-شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی لکھنوی :

شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی لکھنوی نے ۱۳۴۰ھ-۱۹۲۱ء میں مفتی اعظم سے بخاری شریف پڑھی (مفتی اعظم اور ان کے خلفاص ۱۴۱) شہر لکھنؤ کے جانب مشرق تقریباً تیس کیلومیٹر کے فاصلہ پر قصبہ امیٹھی کے اندر ۱۳۱۹ھ-۱۹۰۱ء میں مولانا حشمت علی صاحب کی ولادت ہوئی، اسی سرزمین پر حضرت ملا احمد جیون اور نظام الدین عرف بندگی میاں کے مقبرے ہیں۔ یہ قصبہ کسی زمانے میں بڑا زرخیز ثابت ہوا ہے۔ اور بڑے بڑے علما، فقہا اور مشائخ کا مسکن رہا ہے۔ لیکن تغیر ادوار کے ساتھ ساتھ قصبے کی حالت بھی بدل گئی۔ کثیر تعداد میں مسجدیں ہیں لیکن ویران پڑی ہیں، حضرت بندگی میاں کے مزار کے ٹھیک سامنے تقریباً ۲ سال پیشتر جامعہ نظامیہ معروف العلوم کا سنگ بنیاد حضرت صوفی نظام الدین صاحب قبلہ برکاتی کے ہاتھوں رکھا گیا، یہ ادارہ ابتدائی تعمیری مراحل سے گزر رہا ہے۔ اس کی نگرانی راقم الحروف کے ذمہ ہے۔

تھوڑے دنوں بعد ملا احمد جیون علیہ الرحمہ کی درگاہ سے متصل مدرسہ اہل سنت ملا احمد جیون کا سنگ بنیاد حضرت مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری مہتمم دار العلوم قادریہ چریا کوٹ کے ہاتھوں رکھا گیا، اس تقریب میں راقم موجود تھا۔

اس قصبے میں نئے سرے سے بزرگوں کی روایات کو زندہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ الغرض حضرت شیر بیشہ اہل سنت اسی قصبہ امیٹھی میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۲۹ھ- ۱۹۱۱ء میں حفظ قرآن مکمل کیا، ۱۳۳۵ھ-۱۹۱۷ء میں تکمیل تجوید کی۔ ۱۹۱۷ء ہی میں منظر اسلام میں داخلہ لیا۔ ۱۳۴۰ھ-۱۹۲۲ء میں منظر اسلام سے فراغت حاصل کی۔ پہلا مناظرہ (ہلدوانی) ۱۳۳۸ھ-۱۹۲۰ء میں کیا۔ آپ اپنے زمانے میں فن مناظرہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ مناظرہ مباحثہ، تقریر کو آپ نے اپنی دعوت کا ذریعہ بنایا۔ ۱۳۸۰ھ-۱۹۶۰ء میں دار فانی سے کوچ کر گئے، آپ کا مدفن پیلی بھیت بنا۔ آپ کی اولاد میں مولانا مشاہد رضا خاں متوفی، مولانا مشہود رضا خاں، مولانا عسکری رضا، مولانا ادریس رضا خاں، مولانا معصوم رضا خاں، مولانا ناصر رضا خاں ہیں۔

۲-محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد لائل پوری :

مولانا سردار احمد لائل پوری نے مفتی اعظم سے منظر اسلام میں منیہ، قدوری، کنز الدقائق اور شرح جامی پڑھی۔

ابوالفضل محمد سردار احمد ابن چوہدری میراں بخش ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء موضع دیال گڑھ ضلع گورداس پور میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۴ء میں ہائی اسکول پاس کیا، ۱۹۲۶ء میں بریلی شریف آئے۔ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں م ۱۹۴۳ء، مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں م ۱۹۸۱ء سے استفادہ کیا، صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی ۱۲۹۶ھ-۱۳۶۷ھ سے آٹھ سال تک علم حاصل کیا، دار العلوم معینیہ اجمیر شریف سے فراغت ہوئی۔ پانچ سال تک منظر اسلام میں درس دیا، پھر مظہر اسلام میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔

سلسلۂ چشتیہ میں شاہ محمد سراج الحق چشتی سے بیعت ہوئے۔ مولانا حامد رضا خاں صاحب نے سلسلۂ قادریہ کی خلافت بخشی، تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گئے، لائل پور میں جامعہ رضویہ مظہر اسلام قائم کیا۔ یکم شعبان ۱۳۸۲ھ-۲۹ دسمبر ۱۹۶۲ء کو کراچی میں انتقال ہوا۔

۳- مفتی اعجاز ولی خاں بریلوی :

مفتی محمد اعجاز ولی خاں ابن مولانا سردار ولی خاں ابن مولانا ہادی علی خاں ابن مولانا رضا علی خاں بریلوی متولد ۱۳۳۲ھ-۱۹۱۴ء، متوفی ۱۳۹۲ھ-۱۹۷۳ء نے مفتی اعظم سے شرح جامی پڑھی اور ۱۳۵۲ھ-۱۹۲۹ء میں سند حدیث حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں اعلیٰ حضرت، حافظ عبدالکریم۔ آپ کے برادر معظم مولانا تقدس علی خاں، مولانا حسنین رضا بریلوی، مولانا مختار احمد سلطان پوری وغیرہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت سے مرید ہوئے۔ حجۃ الاسلام اور صدر الشریعہ سے اسناد حاصل کی۔

۴- مفتی محمد شریف الحق امجدی :

آپ کی پیدائش گھوسی ضلع مئو میں ۱۹۲۱ء میں ہوئی۔ آپ نے گیارہ سال تک مفتی اعظم کی خدمت میں رہ کر فتوی نویسی کی اور اصلاح لیتے رہے۔ ایک مرتبہ عزیزی ہال جامعہ اشرفیہ میں تقریر کے دوران کہا کہ میں نے مفتی اعظم سے بیس ہزار فتووں کی اصلاح لی ہے۔ آپ اپنے دور میں نہایت حاضر دماغ، کثیر الفتاوی، جرأت مند مفتی کی حیثیت سے رہے، آپ کا عظیم کارنامہ شرح بخاری نزہۃ القاری ہے، اس کے علاوہ کئی اہم کتابیں اسلام اور چاند کا سفر، اشرف السیر وغیرہ تصانیف ہیں۔ ۶ رصفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۱ رمئی ۲۰۰۰ء فجر کے بعد جامعہ اشرفیہ میں انتقال ہوا۔ پہلی نماز جنازہ اشرفیہ میں مولانا عبدالشکور صاحب موجودہ شیخ الحدیث نے پڑھائی جس میں بہ روایت روزنامہ سہارا اردو پچیس ہزار لوگوں نے شرکت کی، دوسری نماز گھوسی میں ۱۲ رمئی کو بعد نماز جمعہ حضرت سید حسنین میاں عرف نظمی مارہروی نے پڑھائی جس میں پچاس ہزار افراد نے شرکت کی۔

۵- تاج الشریعہ مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری میاں :

آپ کی ولادت ۱۹۴۳ء کو بریلی میں ہوئی۔ آپ کا عقیقہ محمد نام پر ہوا، گھریلو نام محمد اسماعیل رضا اور عرفیت محمد اختر رضا ہے۔ آپ کا شجرۂ نسب محمد اختر رضا ابن ابراہیم رضا ابن حامد رضا ابن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ہے۔ آپ نے بریلی اسلامیہ کالج و منظر اسلام میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۶۳ء میں جامعہ ازہر مصر میں تین سال تک کلیہ الشریعہ و اصول الدین میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۶۶ء میں واپسی ہوئی۔

۱۹۶۸ء میں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ اولاد میں مولانا عسجد رضا کے علاوہ پانچ لڑکیاں ہیں۔ آپ نے مفتی جہانگیر خاں، مفتی غلام مجتبی پورنوی، مفتی افضل حسین مونگیری سے استفادہ کیا۔ خود فرماتے ہیں کہ ابتداءً فتوی نویسی کرتا اور مفتی افضل صاحب سے اصلاح کراتا۔ تھوڑے دنوں بعد حضور مفتی اعظم کی نگرانی میں لکھنے لگا۔ کثرت کار کی بنا پر ایک دن مفتی اعظم نے فرمایا۔ اختر میاں کام کیجیے۔ اب گھر میں بیٹھنے کا وقت نہیں ہے۔ مفتی اعظم نے فرمایا کہ اب آپ لوگ اختر میاں کی طرف رجوع کریں انھیں میرا قائم مقام سمجھیں۔ الحمدللہ حضور ازہری میاں اعلیٰ حضرت، حجۃ الاسلام، مفتی اعظم کے سچے اور حقیقی قائم مقام و جانشین ہیں۔ جو ہر حال میں اعلیٰ حضرت کی تعلیمات اور فتاوی پر عامل ہیں۔ اپنے بزرگوں اور اسلاف کے مسلک سے سر موانحراف پسند نہیں کرتے۔

بچپن ہی میں مفتی اعظم کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ تھوڑے دنوں تک جامعہ ازہر سے واپسی پر منظر اسلام میں درس دیا، بعد میں دار

...نا کی مشغولیات اور عالمی شخصیت ہونے کے ناطے کثرت اسفار کے باعث سلسلۂ تدریس زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہ سکا۔ لیکن آج بھی ...ھنے پڑھانے کا ذوق وشوق برقرار ہے، اتنی مشغول زندگی ہونے کے باوجود بریلی میں موجود ہونے کی صورت میں طلبہ کو درس دیتے ہیں۔ ...ی، اردو، انگریزی تینوں زبانوں میں بولنے لکھنے کی بھرپور قدرت رکھتے ہیں۔ آپ کے رشحات قلم سے اب تک کئی ترجمے عربی میں، عربی ...ذ ئد، حاشیہ بخاری وغیرہ ہیں۔

(اس مضمون کا بعض حصہ ذاتی مشاہدہ نیز راقم کے ذریعہ جون ۲۰۰۲ء میں بغداد صدام ایئر پورٹ پر لیے گئے انٹرویو سے ...ذ ہے۔)

...محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری :

آپ فرماتے ہیں کہ علوم اسلامیہ کی عربی درسگاہوں میں عموماً رمضان المبارک میں تعطیل کلاں ہوتی ہے۔ ان تعطیلات میں بریلی ...میں رہ کر فقیر ضیاء المصطفیٰ حضرت مفتی اعظم رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا سے علمی استفادہ کرتا۔ ایک سال تعطیل کلاں میں حضرت مفتی اعظم قدس ...ہ سے صحاح ستہ میں ابوداؤد شریف وابن ماجہ شریف پڑھی، حضرت مفتی اعظم نے ان دونوں کتابوں کی اجازت بھی عطا فرمائی۔ (مفتی ...اعظم اوران کے خلفا)

محدث کبیر کی پیدائش ۲۷/اکتوبر ۱۹۳۵ء میں ہوئی، آپ نے اپنی والدہ اور والد، بڑے چچا حکیم احمد علی مرحوم، مولانا غلام آسی ...شریف الحق امجدی، مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی، مولانا غلام جیلانی اعظمی، علامہ حافظ عبدالرؤف بلیاوی اور حافظ ملت مولانا عبدالعزیز ...آبادی بانی جامعہ اشرفیہ سے تعلیم حاصل کی فراغت ۱۳۷۷ھ میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے ہوئی۔

۱۳۶۸ھ میں بذریعہ مراسلت مفتی اعظم سے مرید ہوئے۔ صدر الشریعہ کی اولاد میں نہایت مقبول، معزز اور محترم حیثیت کے حامل ...ہر فن مولی ہیں۔ اور سب میں ید طولیٰ کے مالک ہیں۔

معاملہ فہم، مشکل سے مشکل حالات کا سامنا کرنے کی خوبی رکھتے ہیں۔ بہ حیثیت عالم جماعت اہل سنت میں علما اور عوام پر سب سے ...کرفت رکھتے ہیں۔ چند مشائخ کے علاوہ ہندوستانی علما میں مختلف براعظموں کے ممالک میں سب سے زیادہ تبلیغی دورہ کرنے والے عالم ...ہیں۔ بہ حیثیت عالم وخطیب سب سے زیادہ مقبولیت رکھتے ہیں۔ آپ کی مشغولیات میں فتاویٰ پر تصدیقات، تدریس حدیث وفقہ، ...خطاب ودعوتی اسفار شامل ہیں۔ منکسر المزاج، اصول کے پابند، عالمانہ شان کے مالک اور اپنے والد صدر الشریعہ کے علمی وارث ...آپ نے اپنی تمام اولاد کو علم دین کی تعلیم دی، مولانا علاء المصطفیٰ ناظم جامعہ امجدیہ۔ اور مولانا جمال مصطفیٰ استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک ...مولانا عطاء المصطفیٰ آپ کی اولاد ہیں اور سب عالم ہیں فی الوقت آپ کے چھوٹے صاحبزادے مولانا المکرم ابو یوسف محمد قادری جامعہ ...کلیۃ الدعوۃ العربیۃ میں زیر تعلیم ہیں۔ محدث کبیر کو مفتی اعظم سے حدیث وفقہ کی سند حاصل ہے، حضرت محدث کبیر نے عنایت کرم ...مورخہ ۲۵ر محرم ۱۴۲۵ھ کو راقم کو حدیث وفقہ کی سند عطا فرمائی۔ (سہ ماہی امجدیہ، اپریل تا جون ۲۰۰۵ء)

قاضی شمس الدین جون پوری :

قاضی صاحب جماعت اہل سنت کے اکابر علما سے تھے، صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے تلامذہ میں آپ کا اہم مقام ہے آپ کی مقبولیت ...ازہ قانون شریعت کی اشاعت سے لگایا جاسکتا ہے۔ آپ نے یکم محرم ۱۴۰۱ھ کو اس جہان فانی سے کوچ کیا۔

۸۔ علامہ عبد الرؤف بلیاوی :

مفتی اعظم کی بارگاہ کے خوشہ چینوں میں ایک نہایت محترم اور گمنام ذات حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ کی ہے جنھوں نے مفتی اعظم سے افتانویسی میں استفادہ کیا۔ آپ کی پیدائش ۱۹۲۱ء میں بھوج پور بلیا یوپی میں ہوئی، آپ نے حافظ ملت سے تعلیم حاصل کی اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں سے بیعت ہوئے۔ مفتی اعظم کی بارگاہ سے فتوی نویسی کا جو سبق ملا شاید وہی فتاوی رضویہ کی ترتیب واشاعت کا سبب بنا۔

۹۔ قاضی عبد الرحیم بستوی : مفتی اعظم کی بارگاہ کے مستفیدین میں ایک نام جو سرخیوں میں لکھے جانے کے قابل ہے وہ حضرت مولانا قاضی عبد الرحیم بستوی کا نام ہے۔ موضع جگجو انحصیل ڈومریا گنج ضلع بستی ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے، مولانا غلام جیلانی میرٹھی اور قاری رضاء المصطفیٰ کراچی سے علم حاصل کیا۔ ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۹ء تک مفتی اعظم کی بارگاہ میں فتوی نویسی کرتے رہے۔ آپ نے مفتی اعظم کا کافی طویل زمانہ پایا ہے، مرکزی دار الافتا بریلی میں شروع سے اب تک مرجع فتاوی ہیں۔ (بہار شریعت حصہ نوزدہم ص ۳)

ان حضرات کے علاوہ فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمۃ، مفتی محمد اعظم صاحب رضوی ٹانڈوی شیخ الحدیث مظہر اسلام بریلی، حضرت مفتی مطیع الرحمن رضوی پورنوی، مفتی شاہد علی نوری رام پور، مفتی محمد ریاض مدرسہ محی العلوم شکل ٹولی سیوان نے حضور مفتی اعظم کی بارگاہ سے خوشہ چینی کی۔ یہ تو چند وہ نام تھے جنھوں نے درسیات یا افتا میں استفادہ کیا ہے۔ آیئے سرسری طور پر ان حضرات پر نظر ڈالیں جن کو مفتی اعظم کی بارگاہ سے روحانی فیض خلافت واجازت کی شکل میں ملا۔ مفتی اعظم کے خلفا کی تعداد کثیر ہے، جوں جوں زمانہ گزر رہا ہے، مفتی اعظم کے خلفا کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ اتنے سارے دعویدار ہیں اور ایسے ایسے لوگ مدعی ہیں جن کے بارے میں عقل ماننے کو تیار نہیں کہ ان سب کو مفتی اعظم نے خلافت دی ہوگی۔

حضرت مفتی مبین الدین امروہوی کے انتقال پر جامعہ اشرفیہ کے عزیزی ہال میں منعقدہ ایک تعزیتی جلسہ میں شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی نے فرمایا تھا کہ مفتی اعظم نے بغیر مطالبے کے صرف مفتی مبین الدین صاحب کو خلافت تفویض فرمائی، باقی سب کو مطالبے کے بعد خلافت عطا کی گئی ہے اور مجھے بھی مانگنے کے بعد عطا ہوئی۔

یہ حضرت مفتی صاحب نے اپنی معلومات کے لحاظ سے فرمایا۔ میرا خیال ہے کہ بلا طلب خلافت پانے والے چند ہو سکتے ہیں اس لیے کہ راقم الحروف سے بذاتِ خود امین ملت ڈاکٹر سید محمد امین میاں سجادہ نشین مارہرہ شریف نے علی گڑھ میں بتایا کہ مفتی اعظم نے مجھے زبانی طور پر خلافت دی، میں نے عرض کیا حضور اسے کون تسلیم کرے گا، پھر آپ نے تحریری خلافت دی بعد عرس رضوی کے موقع پر اعلان فرمایا، اس طرح مجھے تین بار مفتی اعظم نے خلافت عطا فرمائی، جس وقت یہ گفتگو ہو رہی تھی ڈاکٹر محبوب عالم (جو اس وقت علی گڑھ طبیہ کالج میں فائنل ایئر کے طالب علم تھے) موجود تھے، باہر کمرے میں مولانا عبید [illegible] جالوی بیٹھے حضرت کا انتظار کر رہے تھے۔ میرے اس بیان کی تائید ''مفتی اعظم اور ان کے خلفا'' کے اس مضمون سے ہوتی ہے جو ڈاکٹر امین ملت کی خلافت کا تذکرہ ہے۔

بہر حال شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی کے بیان سے اتنا تو ضرور پتہ چل گیا کہ آج مفتی اعظم کی خلافت کے جتنے دعوے دار نظر آرہے ہیں، ان میں کتنوں کو خلافت ملی ہے اور کتنوں نے قبل وصال یا بعد وصال خود ہی خلافت کی پگڑی باندھ لی ہے اس کا اندازہ کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

اس کڑی سے جڑا ہوا ایک واقعہ الحاج قاری محمد صابر علی رضوی مکتبہ الحجاز لکھنؤ نے بیان کیا اور یہ واقعہ غالباً ۱۹۸۱ء یا اس سے کچھ پہلے ۱۹۷۶ کا ہے جب مفتی اعظم نے سفر کرنا بند کر دیا تھا، بات چیت بہت کم کرتے تھے۔ ایک قاری صاحب ایک چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر لیے بار بار یہ کہہ رہے تھے کہ حضور غلاموں میں شامل فرمالیں اور ساتھ میں خلافت کا مطالبہ کر رہے تھے لیکن حضرت نے کوئی جواب نہیں دیا صرف ایک دو بار ''ہوں'' کہا اب یہ ہوں اثبات میں تھا یا نفی میں لیکن وہ جناب خلیفہ مفتی اعظم ہیں۔

آج ہر چیز میں ملاوٹ ہو رہی ہے لیکن افسوس اس پر ہے کہ دین میں اور تصوف میں ملاوٹ ہو رہی ہے۔ جہاں صداقت بھی صداقت ہونی چاہیے وہاں ملاوٹ، یہ تعجب خیز امر ہے۔ ہم کچھ ایسے حضرات کا نام تحریر کر رہے ہیں جن کے بارے میں ہمیں کم از کم یقین ہے کہ یہ حضرات مفتی اعظم کے خلیفہ و مجاز ہیں اور ان میں سے بعض حضرات کے بارے میں ایسا لگتا ہے کہ انھوں نے خلافت طلب نہ کی ہوگی بلکہ حضور مفتی اعظم نے از راہِ کرم خود خلافت مرحمت فرمائی ہوگی۔

۱۰- مفسر اعظم مولانا ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں :

آپ کی ولادت ۱۰ ربیع الآخر ۱۳۲۵ھ کو ہوئی، آپ کا نسب نامہ مولانا ابراہیم رضا بن مولانا حامد رضا بن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ہے۔ آپ نے مولانا احسان علی مظفر پوری محدث منظر اسلام بریلی اور والد ماجد حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا و محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد لائل پوری سے علم حاصل کیا، ۱۳۴۴ھ میں دستار بندی ہوئی، حجۃ الاسلام نے اپنی خلافت و اجازت سے نوازا، ۱۹۵۹ء میں غالباً مفتی اعظم نے خلافت عطا فرمائی۔ اس بات کو مفتی اعظم نے ۱۵ر جنوری ۱۹۶۲ء کو قاضی شمس الدین صاحب جون پوری کے ایک سوال پر بتایا۔ مفسر اعظم مفتی اعظم کے بڑے داماد بھی تھے۔ آپ کا عقد آپ کے جد کریم اعلیٰ حضرت بریلوی نے مولانا حامد رضا اور مولانا مصطفےٰ رضا کی اجازت سے نوعمری میں ہی فرما دیا تھا۔

۱۱- علامہ سید احمد سعید کاظمی رضوی :

سید احمد سعید کاظمی بن سید محمد مختار کاظمی کی ولادت ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۱۳ء امروہہ ضلع مرادآباد کے مضافات میں ہوئی۔ آپ کی تعلیم و تربیت آپ کے برادر معظم مولانا سید محمد خلیل کاظمی کی نگرانی میں ہوئی جو اس وقت شاہجہاں پور مدرسہ بحر العلوم میں پڑھا رہے تھے، سولہ سال کی عمر میں علامہ سید احمد سعید کاظمی صاحب کی فراغت ہوئی، علامہ کاظمی کو اپنے بڑے بھائی اور استاذ سید محمد خلیل کاظمی سے شرف بیعت و خلافت کے علاوہ مفتی اعظم سے بھی خلافت حاصل تھی۔

۱۲- جانشین مفتی اعظم مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری : آپ کو ۱۵ر جنوری ۱۹۶۲ء میں خلافت ملی۔ اسی مجلس میں حضرت ریحان ملت مولانا ریحان رضا خاں کو بھی خلافت عطا ہوئی۔

۱۳- ڈاکٹر سید محمد امین میاں مارہروی : آپ کی پیدائش ۱۹۵۲ء میں ہوئی، امین ملت اپنے ماموں تاج العلما، سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی سے بیعت و خلافت کا شرف رکھتے ہیں، آپ کو والد ماجد سید حسن میاں مارہروی سے بھی خلافت ملی ہے، مفتی اعظم نے ۱۳۹۰ھ میں عرس رضوی میں قل شریف کے وقت اپنے دست مبارک سے خلافت نامہ کی خانہ پری فرمائی اور دستخط فرما کر امین ملت کو دیا۔

۱۴- مفتی محمد اعجاز ولی خاں متوفی ۱۹۷۳ء : آپ اعلیٰ حضرت سے بیعت تھے، حضور مفتی اعظم سے سلسلۂ قادریہ رضویہ کی اجازت تھی۔

۱۵-مفتی سید محمد افضل حسین رضوی مونگیری : مفتی سید محمد افضل حسین رضوی بن میر سید علی حسن بن میر سید جعفر کی ولادت [illegible] ضلع مونگیر بہار ۱۴ رمضان ۱۳۳۷ھ/ ۱۳ جون ۱۹۱۹ کو ہوئی۔ جمادی الآخرہ ۱۳۶۷ھ/ اپریل ۱۹۴۸ء میں حضور مفتی اعظم سے بیعت ہوئے۔ اور ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۳ء کو مفتی اعظم نے جمیع سلاسل طریقت کی اجازت بخشی۔ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی [illegible] تحریک پاکستان کی بھرپور حمایت کی۔ ۲۰ رجب ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء کو سکھر (پاکستان) میں انتقال فرمایا۔

۱۶-مفتی بدر الدین احمد رضوی گورکھ پوری :

بدر الدین احمد رضوی بن عاشق علی بن احمد حسن بن غلام نبی بن محمد نادر صدیقی ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء موضع حمید پور گورکھ پور میں [illegible] ہوئے۔ آپ نے مدرسہ انوار العلوم قصبہ جین پور اعظم گڑھ میں ابتدائی تعلیم پائی۔ ۱۹۴۸ء میں جامعہ اشرفیہ مبارکپور آئے۔ ۱۹۵۱ء [illegible] مفتی اعظم سے بیعت ہوئے۔ ۱۹۵۲ء میں جامعہ اشرفیہ سے دستار ہوئی، عرس رضوی کے موقع پر مفتی اعظم نے خلافت عطا فرمائی اس وقت مفتی بدر الدین احمد صاحب دار العلوم فیض الرسول میں پڑھا رہے تھے۔

۱۷-شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں م ۱۳۸۰ھ : آپ کو حضرت مفتی اعظم، مولانا ضیاء الدین مدنی، اور [illegible] الاسلام مولانا حامد رضا خاں سے خلافتیں حاصل تھیں۔

۱۸-قاضی شمس الدین احمد رضوی جعفری : متولد ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ/ ۵ مارچ ۱۹۰۵ء متوفی یکم محرم ۱۴۰۱ھ کو اعلیٰ حضرت بریلوی سے شرف بیعت اور مفتی اعظم سے خلافت کا شرف حاصل تھا۔

۱۹-مفتی تقدس علی رضوی بریلوی :

متولد ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء متوفی ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء اعلیٰ حضرت بریلوی سے بیعت تھے، آپ کو اعلیٰ حضرت، حجۃ الاسلام، [illegible] اعظم تینوں بزرگوں سے خلافت و اجازت تھی۔

۲۰-مولانا تحسین رضا خاں قادری بریلوی : مولانا تحسین رضا خاں بن مولانا حسنین رضا خاں بن مولانا حسن رضا خاں بن [illegible] نقی علی خاں کی پیدائش ۱۹۳۰ء میں ہوئی۔ آپ کی فراغت جامعہ رضویہ مظہر اسلام فیصل آباد سے ہوئی، اس کے بعد بریلی واپسی ہوئی۔

آپ کے اساتذہ میں صدر الشریعہ، مفتی اعظم، قاضی شمس الدین احمد رضوی، مفتی وقار الدین، مولانا سردار احمد لائلپوری، [illegible] غلام جیلانی اعظمی، مولانا غلام یٰسین رضوی بریلوی ہیں۔

۱۹۴۳ء میں مفتی اعظم سے بیعت ہوئے۔ ۱۳۸۰ھ میں مفتی اعظم نے خلافت عنایت فرمائی۔

۲۲-شیخ التفسیر والحدیث محمد فیض احمد اویسی بن مولانا نور احمد :

شیخ التفسیر والحدیث محمد فیض احمد اویسی بن مولانا نور احمد کی ولادت ۱۹۳۲ء میں حامد آباد ضلع رحیم یار خاں (بہاول پور ڈویژن) [illegible] ہوئی۔ علوم عربیہ کی تحصیل مولانا خورشید احمد، مولانا عبد الکریم اور مولانا سے کی، درس حدیث مولانا سردار احمد لائل پوری سے کیا۔ ۱۹۵۲ء میں سند فراغت حاصل کی۔ الحاج خواجہ محمد الدین علیہ الرحمۃ سے بیعت تھے اور سلسلۂ قادریہ میں مفتی اعظم قدس سرہٗ کی طرف [illegible] سند اجازت حاصل ہے۔ کثرت تصانیف میں اپنی نظیر نہیں رکھتے آپ کے چار صاحبزادگان ہیں (۱) حافظ محمد صالح (۲) حافظ محمد [illegible] الرسول (۳) حافظ محمد فیاض (۴) حافظ محمد ریاض جب کہ ایک صاحبزادی کنیز فاطمہ۔

۲۳-علامہ سید محمد بن علوی بن عباس مالکی متوفی :

سابق استاذ حدیث مسجد حرام شریف، مکہ مکرمہ علامہ سید محمد مالکی کی وا[illegible]
سے حضرت فاطمہ زہرا تک پہنچتا ہے، آپ نے مسجد حرام، مدرسہ [illegible] تعلیم حاصل کی، [illegible] میں
جب آپ کے والد ماجد سید علوی بن عباس کا انتقال ہوا [illegible] آپ کے سپرد
فرمادیں اور آپ بہ حسن وخوبی تا حین حیات انھیں نبھاتے رہے۔ آپ کی شخص[illegible] تھے، [illegible] میں گزری،
وہاں نجدی حکومت میں آپ اہل سنت کے بینار کی حیثیت رکھتے تھے۔ نجدی حکومت اپنی [illegible] خاندان
کواپنے مذہب ومسلک سے الگ [illegible] مفتی اعظم [illegible] بارہ کے موقع پر آپ کو تمام سلاسل کی اجازت عطا فرمائی۔

۲۴-مولانا غلام [illegible] رضوی :

مولانا [illegible] رضوی [illegible] چودھری نبی بخش کی پیدائش ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء میں امرتسر کے مضافات میں ہوئی۔ مدرسہ نعمانیہ مسجد
[illegible] بعدہ جامعہ فتحیہ اچھرا لاہور میں تعلیم حاصل کی اور یہیں سے فراغت ہوئی۔ پھر صحاح ستہ کی تکرار کی غرض سے بریلی شریف آئے،
یہاں محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد لائل پوری سے دوبارہ کتب احادیث مکمل طور پر پڑھیں۔ بریلی شریف قیام کے دوران حضور مفتی
اعظم کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور اسی بارگاہ سے خلافت عطا ہوئی۔ بریلی شریف سے واپسی کے بعد پاکستان کی متعدد درسگاہو
ں میں علوم وفنون کے بیش بہا خزانے لٹاتے رہے۔ آپ کی تصنیفات میں ترجمہ جواہر البحار، حاشیہ مسلم الثبوت ہیں۔

مولانا مبین الدین امروہوی کو ۱۵ رجنوری ۱۹۶۲ء میں خلافت ملی۔

خواجہ مظفر حسین رضوی کو ۱۹۷۰ء میں خلافت سے سرفراز کیا گیا۔

علامہ ارشد القادری، علامہ مشتاق احمد نظامی، مفتی شریف الحق امجدی، قاضی عبد الرحیم بستوی، مفتی محمد اعظم ٹانڈوی، مولانا شبیہ القادری سیوان، قاری مصلح الدین رضوی کراچی رحمہ اللہ وغیرہ کے نام حضور مفتی اعظم کے خلفاء میں مذکور ہیں۔ مفتی اعظم کے مستفیدین کے عنوان کا تقاضا تو یہ تھا کہ کئی مہینوں کی محنت و جانفشانی اور براہ راست رابطوں کے بعد مستفیدین کے مختلف طبقات کو مجلدات میں جمع کیا جائے، جسے میں نہیں کرسکا اور نہ ہی اس مختصر وقت میں اس کی گنجائش تھی۔

حوالہ جات :

۱- مفتی اعظم اور ان کے خلفا
۲- تذکرہ اکابر اہل سنت پاکستان
۳- محدث اعظم وجہاد احیاء السنن
۴- خطیب مشرق حیات وخدمات
۵- تذکرہ علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی
۶- بہار شریعت حصہ نوزدہم ص ۳
۷- مولانا حشمت علی لکھنوی ایک تحقیقی مطالعہ
۸- سالنامہ یادگار رضا ۲۰۰۵ء
۹- پندرہ روزہ غازی ملت گونڈا، ۱۵ر نومبر ۲۰۰۳ء
۱۰- سہ ماہی امجدیہ اپریل تا جون ۲۰۰۵ء

☆☆☆☆☆

اٹھارھواں باب

اقران ومعاصرین کی چشمک ہمیشہ اور ہر دور میں رہی ، سیاسی سورماؤں سے لے کرتجارت و معیشت کے حریفوں تک، حکمت و دانائی کے غواصوں سے لے کر طریقت و سلوک کے شناوروں تک ہر جگہ مختلف شکلوں میں نظر آتی ہے ، در اصل منافست کی یہ روح کبھی کبھی انسانی روح کو تنازع للبقاء کے میدان میں مسابقت پر انگیخت بھی کرتی ہے ، جس کی وجہ سے ایجاد و عمل کا سلسلہ بہتر سے بہتر کی طرف رواں دواں رہتا ہے ، شاعروں کی نوک جھونک تو ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے ،کوئی بھی حریف اپنے حریف کا ،کوئی بھی رقیب اپنے رقیب کا اور کوئی بھی معاصر اپنے معاصر کے فضل و کمال کا بڑی مشکل سے اعتراف کرتا ہے ۔ اعتراف بھی کرتا ہے تو اس میں کچھ نہ کچھ مصلحت آمیزی شامل ہوتی ہے ،حضور مفتی اعظم کی شخصیت معاصرت کی آویزش و منافست سے بہت حد تک پاک تھی ، آپ کے دور میں جو لوگ عمر و شہرت کے اعتبار سے معاصر کی حیثیت رکھتے بھی تھے ، وہ بھی آپ کے قد عظیم اور نسبت رضاکے تحت اپنے آپ کوآپ کا مطیع و فرماں بردار تصور کرتے تھے ، کبھی کوئی نزاع یا مسئلہ اٹھا ، آپ نے جو کچھ فرمادیا حرف آخر بن گیا ،میں جرأت و جسارت کی بات تو نہیں کرتا ، البتہ ہر قاضی و فقیہ آپ کے فیصلوں کی تصویب و تصدیق اور تائید و توثیق اپنی سعادت عظیم تصور کرتا تھا ، شاید باید ہی کوئی ایسا واقعہ پیش کیا جاسکے ، جس میں آپ کے دورکے مقتدر و مشاہیر علما نے آپ کے کسی فیصلے کی مخالفت کی ہو ۔ اس کے پس منظر میں آپ سے صرف لوگوں کی روحانی وابستگی ہی کارفرمانہ تھی ، بل کہ دینی مصطفوی کا جو فہم صحیح اور فقہ کا مل میسر آیا تھا ، اس کا بھی بڑا رول تھا اور پھر اگر دوسروں نے آپ کو سر آنکھوں پر بٹھایا تو آپ نے بھی ان کی حوصلہ افزائی و قدر دانی بل کہ ان کے اعزاز و اکرام اور احترام وتوقیر میں بھی کوئی کمی نہ کی ۔ کسی کے بارے میں معلوم ہواکہ اسے کوئی معمولی سی بھی گزند پہنچی ہے تو آپ بے چین ہو جاتے ،ہمیشہ سب کی فکر رہتی، سب سے باخبر رہتے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سب کے مراتب کا بھی خاص خیال رکھتے ، یہی وہ خصوصیات تھیں جنھوں نے معاصرین کو آپ کا دیوانہ و گرویدہ بنالیا تھا ، پھر کوئی آپ کے جلال و غضب نہیں بل کہ محبت واحترام سے سرشار ہوکر آپ کا بندہ بے دام نظر آتا تھا ،ہمارے پیش روبزرگوں کی بھی وہ ادائیں تھیں جن سے ان میں اتحاد ومحبت اور اخوت ومودت کی فضا قائم رہتی تھی ،جب تک حضور مفتی اعظم بقید حیات رہے کسی بھی طرح کا کوئی مشربی یا مسلکی اختلاف سر نہ اٹھا سکا ،پوری عوام اہل سنت آپ کی ذات کے گرداس طرح جمع تھی جیسے چاند کے گرد ہالہ۔ مگر آپ کے وصال کے بعد سے یہ صورت بدلنا شروع ہوگئی اور آج انتشار اور زوال کے جس افسوس ناک موڑ پر ہم کھڑے ہیں اس سے ہرکوئی آگاہ ہے ۔اس باب میں ڈاکٹرغلام یحییٰ انجم مصباحی ، علامہ عاشق الرحمان حبیبی ، مفتی محمد اعظم صاحب رضوی کے مضامین بہ طور خاص شامل ہیں۔ دوسرے مضامین بھی معلوماتی ہیں ۔

مقبول احمدسالک مصباحی

شیر بیشۂ اہل سنت کے باہمی روابط

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی
صدر شعبۂ علوم اسلامیہ، ہمدرد یونیورسٹی، نئی دہلی

جنگ آزادی کے بعد ہندوستان کی سرزمین پر جن علما وفضلا نے اپنی شبانہ روز مساعی سے اسلامیان ہند کے تحفظ عقائد اور ناموس عظمت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم بلند کرنے کا بیڑا اٹھایا ان میں علمائے بدایوں اور علمائے بریلی بطور خاص امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اور ان کے شاہزادگان، تلامذہ، خلفا ومجازین کا بڑا اہم کارنامہ ہے۔ ضرورت ہے کہ علمائے اہل سنت کی زریں دینی وملی خدمات اور علمی کارناموں کو محفوظ کر دیا جائے تاکہ ہماری آنے والی نسلیں ان کے کردار وعمل اور حیات وخدمات کو اپنے لیے مشعل راہ بنا سکیں۔ مجھے خوشی ہے کہ خانوادۂ رضویت کے چشم وچراغ دنیائے سنیت کی عزت وآبرو اور عالم اسلام کے نامور مفتی حضرت علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو دنیائے سنیت میں ''مفتی اعظم'' سے مشہور ہیں ان کی زندگی اور علمی ودینی وملی خدمات کو کتابی شکل میں محفوظ کرنے کا بیڑا رضا اکیڈمی نے اٹھایا ہے صرف لائق تحسین ہی نہیں بلکہ قابل تقلید بھی ہے۔ ہماری جتنی علمی ودینی سماجی تنظیمیں ہیں سب کو ایسے معیاری کاموں کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنی چاہیے۔

امام احمد رضا بریلوی کون تھے اور ان کے فرزند حضور مفتی اعظم حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں کا علمی ودینی وروحانی مقام کیا تھا؟ ہمارے خیال سے اب یہ بتانے کی ضرورت اس لیے نہیں رہ گئی کہ امام احمد رضا کی شخصیت کو ہند وبیرون ہند کے دینی مدارس اور عصری جامعات جو حکومت وقت کے زیر اہتمام چلتے ہیں ان میں ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر جس انداز سے ریسرچ اور تحقیق ہو رہی ہے وہ ایک ریکارڈ ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں شاید ہی کوئی ایسا عالم ہو جس کے علمی ودینی کارناموں کو عصری جامعات میں اس کثرت سے موضوع تحقیق بنایا گیا ہو۔ اس کثرت تحقیق کے باعث امام احمد رضا قادری کی شخصیت کے تعلق سے جس طرح ریسرچ کے اچھوتے موضوعات سامنے آرہے ہیں اس سے ان کی عبقریت کا پتہ چلتا ہے۔ اس خبر سے یقیناً آپ کو مسرت ہوگی کہ ابھی کراچی یونیورسٹی سے میرے پاس امتحان کے لیے ایک تھیسس آئی جس کا عنوان تھا ''مولانا احمد رضا خاں کی خدمات حدیث کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' اس تھیسس کے کل صفحات ۸۵۰ تھے۔ محقق نے یہ مقالہ ۶۸۵ کتابوں اور ۱۸۹ رسائل ومجلات کی مدد سے ماہر رضویات پروفیسر محمد مسعود احمد کے زیر نگرانی تیار کیا تھا۔ یہ مقالہ ان معاندین کے چہروں پر زبردست طمانچہ ہے جو اس بات کا پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ مولانا احمد رضا نے لڑنے بھڑنے اور کفر کی چکی چلانے کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔ ہمارے محققین اور قلم کاروں کو ایسے ہی عنادین پر خامہ فرسائی کرنی چاہیے جو معاندین کے لیے تازیانہ کا کام کر سکیں۔ حضور مفتی اعظم جن کا اس مضمون میں ذکر مقصود ہے ایسے ہی عالم نبیل اور بطل جلیل کے فرزند ارجمند اور حلقۂ اہل سنت کے سرخیل تھے۔ یہ سچ ہے کہ جو ان کا مقام اور منصب تھا اس طرح انھیں عوام سے متعارف نہیں کرایا گیا۔ شاید زیر نظر ضخیم وعظیم

نمبر کسی حد تک تلافی مافات کا باعث بن سکے۔

حضور مفتی اعظم اس جامع کمالات شخصیت کا نام ہے جس نے اپنی تحریروں اور کردار و عمل کی علمی و روحانی دنیا میں یکساں چھاپ چھوڑی ہے۔ وہ میدان علم و فضل کے شہسوار ہونے کے ساتھ ساتھ دنیائے روحانیت کے بھی تاجدار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیائے سنیت میں ان کے عمل و فضل کے ساتھ ساتھ ان کے تقویٰ و تدین کی بھی مثالیں دی جاتی ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ جو جتنا بڑا ہوتا ہے وہ اتنا ہی متواضع ہوتا ہے۔ پھل دار درخت کی ڈالیاں ہمیشہ جھکی رہتی ہیں۔ مفتی اعظم بلا شبہہ بڑے متواضع تھے اور نیچی نظریں کر کے انھیں چلنے کی عادت تھی۔ کم گو ضرور تھے مگر ان کی گفتگو کا ایک ایک جملہ مقررین کی لمبی تقریروں پر بھاری ہوتا تھا۔ شریعت میں تو وہ مفتی اعظم تھے ہی، طریقت میں لاکھوں عقیدت مندوں کا قبلۂ مقصود بن گئے۔ جس کی طرف توجہ فرمائی اس کے دل کی دنیا بدل گئی۔ سوز عشق نے عقلی شعر و سخن کا شہنشاہ بنادیا۔ کلام کی سادگی اور معنوی حسن نے معاصر شعرا میں آپ کو ممتاز کردیا۔ مفتی اعظم میں کتنی خوبیاں تھیں بیان نہیں کی جاسکتیں۔ ع جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود

شاید ایسے ہی لوگوں کے لیے کسی شاعر نے یہ کہا ہے

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

(اس کی قدرت سے یہ بعید نہیں کہ وہ ایک ہی شخص میں سارا عالم جمع کردے۔)

مفتی اعظم کی شخصیت بلاشبہہ اس شعر کی مکمل آئینہ دار تھی۔ مگر وہ خوبی جو مفتی اعظم کو ان کے معاصر علما سے ممتاز کرتی ہے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر شدت سے عمل تھا۔ تاج الشریعہ حضرت مولانا اختر رضا خاں ازہری فرماتے ہیں:

''سیدی مفتی اعظم۔ احتیاط اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں ان کا وہ مقام تھا جو دوسرے حضرات میں نہیں پایا جاتا تھا قدم قدم پر لوگوں کو برائی سے باز رکھنا، نیکی کی تلقین کرنا اور بلا جھجک غیر شرعی حرکت پر ٹوک دینا، یہ وہ خوبیاں ہیں جو سیدی مفتی اعظم میں ان کے ہم عصروں سے زیادہ پائی جاتی تھیں۔''[1]

انھیں محاسن و کمالات کے باعث اس وقت کے علما و فضلا نے آپ کی قدر و منزلت کی اور عزت و احترام میں معاصرین پر فوقیت دی۔ جن علما سے آپ کے علمی و دینی روابط رہے ان کی تعداد سیکڑوں میں ہے مگر جن سے آپ کو تعلق خاطر تھا وہ معدودے چند تھے۔ ان میں ایک شخصیت مناظر اعظم شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا محمد حشمت علی خاں لکھنوی ثم پیلی بھیتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تھی۔ یہ واضح رہے کہ یہ تعلق یک طرفہ نہیں تھا بل کہ حضور شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمۃ بھی آپ سے والہانہ محبت فرماتے تھے۔ خانوادۂ حشمتی اور خانوادۂ رضوی دونوں کے مراسم بحمدہٖ تعالیٰ ہر دور میں بہتر رہے ہیں۔ اس خانوادۂ حشمتی میں جب بھی کسی بزم، کسی تقریب اور کسی دینی مجلس کا انعقاد ہوا اور خانوادۂ رضا کا ذکر نہ ہو ممکن نہیں۔ اس خانوادہ سے خانوادۂ حشمتی کے بچہ بچہ کو والہانہ لگاؤ ہے۔ اس خانوادہ سے ربط و تعلق کا سلسلہ کب اور کس طرح شروع ہوا اس کی داستان بہت پرانی ہے جو اہل سنت و جماعت کے مقتدر و باشعور علما پر مخفی نہیں۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی ولادت اگرچہ لکھنؤ ضلع کے ایک قصبہ امیٹھی میں ہوئی مگر ان کی علمی تربیت اسی خانوادہ رضویت میں ہوئی۔ امام اہل سنت اور دوسرے علما نے علوم و فنون سے آراستہ فرمایا۔ حضور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں اور مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا علیہم الرحمۃ والرضوان نے خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا۔[2]

حضور شیر بیشۂ سنت کو خانوادۂ رضوی سے جو فیوض و برکات ملے وہ شمار و قطار سے بالاتر ہیں۔ ہم تو صرف اتنا ہی جانتے ہیں جتنا کہ

آپ نے اپنی تحریر وتقریر میں فرمایا، پوری دنیائے سنیت جانتی ہے کہ "ابوالفتح" کا خطاب نایاب آپ کو اسی بارگاہ عالی سے ملا تھا اور یہی نہیں بلکہ امام اہل سنت نے اس کے علاوہ آپ کو "ولد مرافق" "غیظ منافق" بھی فرمایا تھا اور مناظروں میں پیہم کامیابی پر مدرسہ منظر اسلام سے ماہانہ پانچ روپے وظیفہ بھی جاری فرمایا تھا اور رجسٹر پر یہ عبارت بھی درج فرمائی تھی۔

"حشمت علی میرا بیٹا ہے اس کو پانچ روپیہ ماہانہ وظیفہ میری طرف سے ہمیشہ دیا جایا کرے۔ اس حکم کے لکھنے کے بعد اپنے دستخط فرمائے۔ چنانچہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کو زمانہ طالب علمی بھر اور اس کے بعد برابر اعلیٰ حضرت کا جاری کیا ہوا یہ وظیفہ ملتا رہا۔ اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد نبیرۂ اعلیٰ حضرت شہزادۂ حجۃ الاسلام حضرت مفسر اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کو زندگی بھر پوری پابندی کے ساتھ یہ وظیفہ ادا فرماتے رہے۔" ۴

مناظر اعظم ہند حضرت مولانا حشمت علی زمانہ طالب علمی سے ہی مناظرہ کے ذریعہ احقاق حق اور ابطال باطل کا اہم فریضہ انجام دینے لگے تھے اور ہر مناظرہ میں فتح ونصرت ان کے قدم چومتی رہی اس لیے اعلیٰ حضرت نے انھیں ابوالفتح کہا اور اپنا روحانی بیٹا قرار دیا۔ ان مناظروں سے جس طرح دین حق کا پرچم بلند ہوا اور اسلام کی تبلیغ جس طرح ہوئی اس کی مثال موجودہ زمانے میں مفقود ہے۔ لکھنے والوں نے لکھا اور بتانے والوں نے بتایا کہ بسا اوقات ایک مجلس میں ہزارہا افراد دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر کفر وشرک سے تائب ہوتے ،مناظرۂ ملتان میں ہے:

"مختصر یہ کہ حضرت کی مجاہدانہ تبلیغ سنیت سے ایک لاکھ پینتیس ہزار غیر مسلم کلمہ پڑھ کر مظہر اعلیٰ حضرت رہبر شریعت شیر بیشۂ سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور اسلام کی لازوال دولت سے دنیا وآخرت میں مالا مال ہوئے۔" ۵

فن مناظرہ میں اعلیٰ کمال رکھنے کے علاوہ اور بھی کئی ایسی خوبیاں حضور شیر بیشۂ اہل سنت میں تھیں جن میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ انھیں محاسن کے باعث وہ خانوادۂ رضوی کے ہر ہر فرد کے محبوب نظر اور مرکز توجہ تھے حضور مفتی اعظم ان کے انھیں محاسن کے پیش نظر فرماتے ہیں:

"وہ بیشۂ سنیت کے شیر ہیں، میدان حق گوئی کے مرد دلیر ہیں، انھوں نے درحقیقت ہم پر مذہبی احسان کیا تھا کہ تم کو وہابی ہونے سے بچالیا اور میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ سوڈیڑھ سو مولوی باہم مل کر وہ کام نہیں کر سکتے جو اللہ ورسول کے فضل وکرم سے اکیلے مولانا حشمت علی کر لیں گے۔" ۶

خانوادۂ رضوی کے ہر فرد کو آپ کی مناظرانہ صلاحیت پر کامل بھروسہ تھا۔ چنانچہ بڑے بڑے اکابر علما کی موجودگی میں بحیثیت مناظر آپ ہی کو پیش کیا جاتا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ لاہور کے تاریخی مناظرہ میں اہل سنت کے اکابر علما موجود تھے۔ دیوبندیوں کی طرف سے مولوی اشرف علی تھانوی کو مناظر نامزد کیا گیا اور اہل سنت کی طرف سے یہ طے پایا کہ مولوی اشرف علی کے مقابل خانوادۂ رضوی کے چشم وچراغ حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں مناظر ہوں گے یا پھر کسی اور کو وہ خود ہی اپنا وکیل منتخب فرمائیں گے۔ مسجد وزیر خاں جہاں تاریخی مناظرہ ہونا تھا لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ اہل سنت کے اسٹیج پر مشاہیر اکابر علما جلوہ افروز تھے۔ دیوبندی اسٹیج پر ایں قدر واں قدر کئی سارے دیوبندی علما تھے مگر اس مناظرہ کے مناظر مولوی اشرف علی تھانوی کا دور دور تک پتہ نہ تھا وہ اسٹیج ہی کیا شہر لاہور سے بھی ہی غائب تھے۔ اس تاریخی مناظرہ کے موقع پر اہل سنت کے اکابر علما واعیان کے سامنے حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں نے وکالت

نامہ حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے نام تحریر فرماتے ہوئے لکھا۔

"اس مناظرہ کے لیے میں مولانا ابوالفتح محمد حشمت علی خاں صاحب کو اپنا وکیل مناظرہ مقرر کرتا ہوں ان کا قبول وعدول میرا قبول وعدول ہوگا ان کا اقرار میرا اقرار ہوگا۔"[7]

فقیر محمد حامد رضا غفرلہٗ ۱۵ ؍شوال المکرم ۱۳۵۲ھ

خانوادۂ رضویت میں امام اہل سنت سے لے کر مفتی اعظم اور حضرت مولانا ابراہیم رضا جیلانی میاں علیہ الرحمۃ والرضوان تک جتنے حضرات حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی حیات تک تھے سب سے آپ کے علمی و دینی روابط انتہائی گہرے تھے۔ خانوادۂ رضوی کے ان تمام آفتاب و ماہتاب کی آپ پر عنایات ونوازشات پیہم رہیں جس کا آپ نے تحریری وتقریری ہر طرح اعتراف کیا ہے اور بجا طور پر کیا ہے۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کا یہ شعر جس کا مکمل آئینہ دار ہے۔ فرماتے ہیں۔

سگ ہوں میں عبید رضوی غوث ورضا کا آگے سے مرے بھاگتے ہیں شیر ببر بھی

خانوادۂ رضوی کے ہر فرد کو آپ سے تعلق تو تھا ہی ساتھ ہی حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ اور اس خانوادہ کے دیگر افراد نے اپنے موقف کی حمایت اور تائید میں آپ کو پیش کیا ہے۔ حضور مفتی اعظم نے ایک رسالہ تصنیف کیا جس کا نام "القسورة علی ادوار الحمر الکفرة" ہے۔ اس میں ایک پاکستانی شاعر کے نظم بہ عنوان "کفرو اسلام" میں جو تین کفری اشعار تھے ان کا رد بلیغ فرمایا ہے۔ وہ تین اشعار یہ ہیں۔

یہ سچ ہے اس پہ خدا کا چلا نہیں قابو مگر ہم اس بتِ کافر کو رام کریں گے
بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں وہیں پہنچ کے ہم اس سے کلام کریں گے
جو مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی خدا خدا نہ سہی رام رام کریں گے[8]

ان کفریہ اشعار کہ مفتی اعظم نے کیا تردید کی، اس کی تفصیل تو اصل کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس رسالہ کے تردیدی مباحث پر جن اکابر علماے اہل سنت کی تصدیقات ہیں ان میں حضور شیر بیشۂ اہل سنت مولانا مفتی محمد حشمت علی خاں صاحب قادری لکھنوی کا نام بھی بطور خاص قابل ذکر ہے اس فتویٰ کی تصدیق کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

"نعم الجواب وحبذ التحقیق و حضرة المجیب مصیب و مثاب و علیٰ من خالفه سوء العقاب والله تعالیٰ اعلم و علمه اتم و احکم"

فقیر ابوالفتح عبید الرضا محمد حشمت علی قادری رضوی لکھنوی غفرلہ مفتی جامعہ رضویہ منظر اسلام، خانقاہ عالیہ قادریہ قدسیہ رضویہ بریلی شریف[9]

ہندوستانی سیاست کے تعلق سے امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا قادری اور مولانا عبدالباری کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی ہے اسے مفتی اعظم نے الطاری الداری لھفوات عبد الباری کے نام سے ۱۹۲۱ء میں تین جلدوں میں شائع کردیا ہے۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے طویل خط و کتابت اور بحث و مباحثہ کے بعد جب امام اہل سنت کی خدمت میں اپنے ایک فرستادہ کے ذریعہ ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا: کہ اگر انھوں نے اقوال کفریہ سے توبہ کرلیا ہے تو میں خود ہی جاکر مل لوں گا۔ جب یہ اطلاع قاصد نے انھیں دی تو انہوں نے یہ لکھ کر بھیجا کہ اس کی صراحت کی جائے کہ وہ کون سے اقوال کفریہ ہیں جو مجھ سے سرزد ہوئے ہیں؟ پھر امام اہل سنت نے ایک سوایک

کلمات کفریہ کی ایک فہرست مرتب کر کے جن چار اکابر اہل سنت کے بدست مولانا عبدالباری کے پاس ارسال کی ان میں ایک حضرت مولانا حشمت علی بھی تھے۔ اس سے خانوادۂ رضوی کا آپ پر بھروسہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ باقی حضرات کے اسماء اس طرح ہیں:

۱- صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی (متوفی ۱۹۴۸ء)
۲- صدرالشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی (متوفی ۱۹۴۸ء)
۳- مولانا مختار احمد صدیقی میرٹھی (متوفی ۱۹۴۸) [۱۰]

بیسویں صدی کی تیسری دہائی کے آغاز میں شدھی تحریک زوروں پر تھی۔ ہندو رہنما صاحب ثروت ہندوؤں کی سازش سے مسلمانوں کو ارتداد کی طرف مائل کر رہے تھے۔ یہ ایک ایسا طوفان تھا جو بڑی تیزی سے سیدھے سادے غریب مسلمانوں کو اپنی زد میں لے کر ان کے دین و ایمان کا سودا کر رہا تھا۔ اس موقع سے علمائے اہل سنت و جماعت نے "جماعت رضائے مصطفیٰ" کے پلیٹ فارم سے قابل قدر کارنامہ انجام دیا۔ اس تنظیم سے یوں تو بیشتر اکابر علما وابستہ تھے لیکن مناظر اعظم ہند حضور شیر بیشۂ اہل سنت اور حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی حکمت عملی اور مستقل مزاجی نے جس طرح اس فتنۂ ارتداد کا سدِ باب کیا اس کی تفصیل تو "دبدبۂ سکندری" رام پور اور اس وقت کے دیگر معاصر اخبار و جرائد میں دیکھی جاسکتی ہے تاہم اتنا مسلم ہے کہ اس فتنۂ ارتداد سے زیادہ مسلم راجپوت متاثر ہوئے انھوں نے اپنا نام تک بدل دیا تھا اور شکل و صورت بھی غیر اسلامی بنا ڈالی۔ اس موقع سے حضور مفتی اعظم نے اس فتنۂ ارتداد کے سد باب کے لیے ایک جامع منصوبہ تیار کر کے تبلیغی پروگرام کے لیے ایک وفد کی تشکیل کی جس کا ایک رکن مفتی اعظم نے حضور شیر بیشۂ اہل سنت کو بھی نامزد کیا۔ اس وفد نے اس فتنۂ ارتداد کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جس کے مثبت نتائج برآمد ہوئے، جن لوگوں نے مرتد ہو کر اپنی چوٹیاں بڑھالی تھیں، حضور مفتی اعظم نے قینچی لے کر ان کی چوٹیاں کاٹیں اور ان کے اسلام کی تجدید فرمائی، اور جن لوگوں نے اپنے نام بدل دیے ان کے اسلامی نام رکھے گئے یہ وفد پیہم جد و جہد کے بعد کس طرح فتنۂ ارتداد پر قابو پاسکا، اس تعلق سے حضور شیر بیشۂ اہل سنت فرماتے ہیں:

"وفد کی مؤثر اور جادو بھری تقریر نے ان لوگوں (مسلم راجپوتوں) کے باطل اعتقادات جو ان کے دلوں میں رسوخ اور استحکام سے جمے ہوئے تھے، متزلزل کر ڈالے۔ ان کے سارے اعتراضات کے تسلی بخش جوابات دیے۔ بحمدہٖ تعالیٰ ایسے سنگ دلوں سے نماز پڑھنے کا اقرار کرا کر ہی چھوڑا۔ یہ اس وفد کی بڑی کامیابی ہے اور فضلِ الٰہی سے امید ہے کہ ہمیں کو ہر مقصود حاصل کرنے میں کامیابی ہوگی اور ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور ہوگی۔ داڑھی بڑھانے، چوٹی کٹوانے، نام بدلوانے پر بھی نیم راضی ہو چکے ہیں یقین ہے کہ اسلامی کشش ان کو اپنی طرف کھینچے بغیر نہ رہ سکے گی۔" [۱۱]

اس موقع پر حضرت مفتی اعظم کی رہنمائی اور سرپرستی میں حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے مناظرہ کے ذریعہ ہندو اور آریہ مذہب کے جن مہاشوں کو تن تنہا شکست سے دوچار کیا ان کی بھی طویل فہرست ہے۔ پنڈت شیام لال، پنڈت گنگا پرشاد، شردھانند اس طرح نہ جانے کتنے پنڈت اور مہاشے ان کے سامنے زیر و زبر ہوئے۔ حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی جرأت مردانہ اور ہمت مومنانہ کا اعتراف مفتی اعظم نے ان لفظوں میں کیا ہے فرماتے ہیں:

"ہمارے وفد کو اطلاع ملی کہ اس وقت ساٹھ ستر راجپوت شدھی کے لیے جمع کیے گئے ہیں۔ اگنی کھنڈ کھودا گیا ہے آگ جلائی گئی ہے پنڈت اور پجاری موجود ہیں۔ یہ سنتے ہی مولانا حشمت علی وہاں پہنچے اور گھس کر ان کے بیچ بیٹھ گئے۔

آریوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟ ہم جہاں پہنچتے ہیں آپ وہاں آجاتے ہیں۔ اس پر مولانا نے جواب دیا کہ آپ اپنے جانے کی ہمیں صحیح اطلاع نہیں دیتے۔ ورنہ جہاں آپ جائیں وہاں بھی پہنچنے کا پابندی سے التزام رکھیں۔ آج ہمارے یہاں آنے کی وجہ یہ ہے کہ دیکھیں آپ کیا کریں گے۔ کہنے لگے راجپوت ہمارے بھائی ہیں۔ ہم سے ملنا چاہتے ہیں۔ ہم انھیں ملانا چاہتے ہیں۔ آپ کے پیٹ میں درد کیوں ہو رہا ہے؟ مولانا نے فرمایا وہ آپ کے بھائی نہیں ہمارے بھائی ہیں اور اگر آپ کے بھائی ہیں تو آپ کو اتنی محنتیں کرنے، سمجھانے اور لالچ دلانے کی کیا ضرورت ہے۔؟ ہماری موجودگی سے آپ کو ڈر کیا ہے؟ آپ انھیں بتائیے۔ کیا بتانا چاہتے ہیں؟ اگر آپ انھیں غلط راستہ بتائیں گے تو میں اپنے بھائیوں کی رہنمائی کروں گا۔ اگر میرا موجود رہنا ناگوار ہے تو کہیے میں چلا جاؤں؟ تمام راجپوت اک زبان ہوکر بولنے لگے۔ آپ بیٹھیے مولانا نے جو پھر اپنی تقریر شروع کی تو سارے پنڈت لاجواب ہوگئے۔ پنڈت شیام لال نے کہا کہ آپ خاموش ہو جائیے۔ ہمیں اپنا کام کرنے دیجیے۔ ہم آپ سے ہار گئے۔ یہ کہہ کر جب وہ پنڈت راجپوتوں کی طرف متوجہ ہوا تو سب با آواز بلند کہنے لگے۔ اس ایک مولوی نے تم سب کو ہرادیا۔ اگر دو چار ہوتے تو تمھارے ہوش بھی ٹھیک نہ ہوتے ہم اسی دین پر ٹھیک ہیں۔ ہم آریہ نہ ہوں گے۔'' [۱۲]

حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی جواں مردی کا حال یہ تھا کہ جب آریہ مدمناظر مناظرہ سے شکست کھانے کے بعد بھی بات نہیں مانتا تو آپ مباہلہ کا چیلنج کر دیتے اور اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے اپنی جان بھی داؤ پر لگا دیتے، پھر آریہ مناظر راہ فرار اختیار کر لیتا مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس طرح کے ایک حیرت انگیز واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ جس کا اختصار ذیل میں دیا جا رہا ہے۔

''پنڈت شردھانند ریاست بھرت پور کے موٹر پر سوار ہو کر اپنے ہم راہیوں کے ساتھ جب شان وشوکت سے وہاں پہنچے تو ہمارے وفد میں سے مولوی حشمت علی خاں صاحب لکھنوی نے پنڈت شردھانند صاحب کو مناظرہ کا چیلنج دے دیا جس کا انھوں نے انکار کر دیا۔ پھر مولانا کے اسلامی جوش کی کیفیت یہ ہوئی کہ انھوں نے ایک شخص کی معرفت یہ پیغام بھیجا کہ ایک گڈھا کھدوا کر اس میں آگ جلائی جائے ہم اور آپ ہاتھ میں ہاتھ لے کر اس آگ میں کود پڑیں تو دنیا حق و باطل اور صادق و کاذب کا فرق دیکھ لے گی اور انشاء اللہ تعالیٰ حق ظاہر ہو جائے گا۔ پنڈت صاحب نے اس سے بھی انکار کیا لیکن اس سے گاؤں کے راجپوتوں نے بہت بڑا اثر لیا حتیٰ کہ ایک تھوک جس کا نام بھیلا ہے وہ بفضلہ تعالیٰ آریوں کے اثر سے بالکل محفوظ رہا۔'' [۱۳]

اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ آگرہ ضلع کے ایک گاؤں میں بھی پیش آیا حضور مفتی اعظم ہند اور حضور شیر بیشۂ اہل سنت دونوں ساتھ ساتھ تھے اطلاع ملی کہ لوگ شدھی ہونے کے لیے بالکل تیار ہیں غیرت ایمانی جوش میں آئی، جہاں تک ٹرین جاتی ہے، وہاں تک ٹرین اور آگے پیدل سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے یہ دونوں حضرات وہاں پہنچے۔ تو دیکھا کہ واقعی آگ جل رہی ہے۔ گانا دھوم سے ہو رہا ہے۔ متعدد حلوائی کڑھائیوں میں پوریاں چھان رہے ہیں اور نائی استرہ اور قینچی لیے بیٹھے ہیں۔ مجمع لگا ہوا ہے۔ مجمع کو چیرتے ہوئے یہ دونوں حضرات اس فتنہ پرداز تک پہنچے جس نے ان لوگوں کو جمع کر رکھا تھا۔ پہنچتے ہی حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے مناظرہ کا اعلان کر دیا۔ اس نے صاف انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ یہ لوگ ہندو ہونے پر راضی ہو گئے ہیں۔ اب مناظرہ کی ضرورت نہیں اس کی اس گفتگو پر مفتی اعظم پر کیا اثر ہوا؟ حضرت مولانا مفتی شریف الحق امجدی کی زبانی سنئے فرماتے ہیں:

"حضرت مفتی اعظم کی غیرت ملی جوش پر آ گئی۔ شیر بیشۂ سنت سے فرمایا کہ مجمع والوں سے کہیے کہ یہ پنڈت مناظرے پر آمادہ نہیں۔ تم لوگ ہماری بات نہیں مانتے تو تم سب لوگ اس پنڈت سے کہو کہ میرے ساتھ اپنی اس جلائی ہوئی آگ میں کود دو۔ جو آگ سے بچ کر نکل آئے تم لوگ اس کا دین قبول کرلو۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے پوری گھن گرج کے ساتھ حضرت مفتی اعظم کے اس ارشاد کو ان دیہاتیوں تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد ایک جوش و سرمستی کے ساتھ حضرت مفتی اعظم ہند بڑھ کر اس لیڈر کے تخت پر چڑھ گئے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے۔ چل ہم دونوں اس آگ میں کودیں۔ ہیبت حق سے وہ تھر تھر کانپنے لگا اور مبہوت و دم بخود رہ گیا۔ حضرت مفتی اعظم نے جوش میں آ کر اسے گھسیٹنا شروع کیا مگر وہ موٹا تھا۔ ٹس سے مس نہ ہوا پھر اس مجمع میں جو مکھیا وغیرہ قسم کے تھے وہ قریب آ گئے اور کہنے لگے مولوی جی اسے چھوڑ دو اب ہماری سمجھ میں آ گیا کہ تمہارا مذہب حق ہے اور اس کا دھرم باطل۔ ورنہ یہ آگ میں جانے سے نہ ڈرتا اس کے بعد حضرت مفتی اعظم کے ہاتھوں پر سب نے توبہ کی اور کلمہ پڑھ کر سچے پکے مسلمان ہو گئے۔ [۱۴]

حضور مفتی اعظم اور حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے درمیان دینی و تبلیغی سرگرمیوں کے تعلق سے کس قدر تعلق مضبوط و مربوط تھے اور ان دونوں بزرگوں کے درمیان ایک دوسرے کے تئیں کس قدر جذبۂ الفت و محبت تھا اس تعلق سے اس زمانہ کے اخبارات و مجلات بھرے پڑے ہیں۔ اس کی تفصیل تو اپنے مقام پر دیکھی جا سکتی ہے۔ تاہم اتنا مسلم ہے کہ فتنۂ ارتداد کو روکنے کے لیے جن اکابر علما نے جی جان سے حضور مفتی اعظم کا ساتھ دیا ان میں حضور شیر بیشۂ اہل سنت کا نام سرفہرست ہے۔ مفتی اعظم نامی کتاب کے مصنف نے اس مہم میں حضور مفتی اعظم کے ساتھ معاون و انصار کے طور پر جن لوگوں نے کام کیا ہے ان کی فہرست دی ہے۔ اس فہرست میں تیسرے نمبر پر حضور شیر بیشۂ اہل سنت کا نام نامی اسم گرامی درج ہے۔" [۱۵]

شدھی تحریک کے علاوہ تقسیم ہند کے موقع سے بھی حضور مفتی اعظم اور حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے افکار و نظریات میں اچھی طرح ہم آہنگی محسوس کی جا سکتی ہے۔ اس موقع سے پورے برصغیر میں قتل و غارت گری اور کشت و خون کا ماحول تھا۔ مسلمان اپنے مقابر، مساجد، مدارس اور خانقاہوں کو چھوڑ کر پاکستان جا رہے تھے۔ عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ پاکستان بنے یا نہ بنے اور بنے تو کیسا بنے؟ اس مسئلہ کو لے کر سیاسی پارٹیوں میں انتشار تو تھا ہی، علما بھی باہم دست و گریباں تھے۔ علمائے دیوبند کانگریس کے حامی تھے اور علمائے اہل سنت کے بیشتر حضرات مسلم لیگ کے حامی تھے اور بعض حضرات وہ بھی تھے جو سیاسی اعتبار سے کسی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ البتہ ایک امر جس پر تمامی علمائے اہل سنت کا اتفاق تھا وہ تھا پاکستان کا قیام۔ علمائے اہل سنت میں جو لوگ مسلم لیگ کے اصولوں کے مخالف تھے ان میں حضور شیر بیشۂ اہل سنت کا نام سرفہرست ہے اور بقول مفتی شریف الحق امجدی ان کے اختلافات کی بنیاد یہ باتیں تھیں۔

۱- ہندوستان میں مسلمان اہل سنت کی اتنی غالب اکثریت تھی کہ اگر ان کو منظم کر کے کوئی تحریک چلائی جاتی تو کوئی بھی پارٹی ان کے سامنے نہیں آ سکتی تھی۔

۲- مسلم لیگ میں ہر فرقے کے لوگ شامل تھے بل کہ اقتدار اعلیٰ بالکلیہ گم راہ فرقوں کے ہاتھ میں تھا۔ لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح خود پیدائشی خوجہ رافضی تھے۔ یہ نہ اسلام کے اصول جانتے تھے نہ فروع کو حتیٰ کہ اردو بھی نہیں جانتے تھے۔

۳- باوجود قدرت اور وسعت گم راہ فرقوں کی ماتحتی قبول کرنا تو دور ہے ان کے ساتھ میل جول خلط ملط بھی جائز نہیں۔ یہ مسئلہ اتنا واضح ہے کہ علما تو علما دین دار عوام بھی اس کو جانتے ہیں۔

۴- لیگی مسٹر جناح سے اتنے مرعوب تھے کہ ان کی بڑی سے بڑی غلطی پر بھی ٹوکنے کی ہمت نہیں تھی۔

۵- جلسوں اخباروں میں مسٹر جناح کو سیاست کا نبی اور قانون کا پروردگار کہا گیا، مگر کسی میں ہمت نہیں ہوئی کہ اس کے کہنے والے کو ٹوک سکے۔

۶- مسٹر جناح نے اعلانیہ یہ کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ جلسوں میں ،عورتوں کی شرکت سے عوام کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے اس لیے ہم کو چاہیے کہ عورتوں کو بھی اپنے دوش بدوش جلسوں میں شریک کریں۔

۷- مسٹر جناح نے پاکستان کے بارے میں صاف اعلان کر دیا کہ غیر مذہبی جمہوری حکومت ہوگی۔

۸- جو مسلمان ہندو اکثریت کے صوبوں میں رہ جائیں گے ان کے لیے جو خطرات تھے وہ اس وقت بھی سب کو معلوم تھے مگر ان کے حل کے لیے مسلم لیگ نے کچھ نہیں سوچا جس کو یوں کہا جاسکتا ہے کہ انھیں صرف اپنے جان و مال اور اپنے اقتدار کی دھن تھی اور کروڑوں مسلمانوں کی انھیں کوئی فکر نہیں تھی۔[16]

یہی وہ بنیادیں تھیں جن کی بنا پر حضرت شیر بیشۂ اہل سنت اور مارہرہ مطہرہ کے سجادہ نشین تاج العلما مولانا شاہ محمد میاں صاحب قدس سرہٗ مسلم لیگ کے شدید مخالف تھے۔ نیز ان لوگوں کو علمائے اہل سنت سے جو مسلم لیگ کے کٹر حامی تھے یہ شکایت بھی تھی کہ وہ مسلم لیگ کی رو میں بہہ رہے ہیں اور مسلم لیگ جس غلط راستے پر جارہی ہے اور جو نقصان عام مسلمانوں کے ساتھ ساتھ مسلمانانِ اہل سنت کو پہنچ رہا ہے، اس پر دھیان نہیں دیتے۔ شیر بیشۂ اہل سنت اور حضرت تاج العلما کا ان علمائے اہل سنت سے یہ مطالبہ تھا کہ ان پر واجب ہے کہ بلا خوف لومۃ لائم احقاق حق فرمائیں اور مسلم لیگ کی خلاف شرع باتوں کو رد کریں اور عام مسلمانوں کو مسلم لیگ کے رحم و کرم پر نہ چھوڑیں۔ اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں ستر باادب سوالات دینیہ اور دوسرے رسائل ہیں۔ ستر باادب سوالات دینیہ نہ تو فتویٰ ہے اور نہ ان حضرات کے خلاف کوئی رد، یہ بڑے ہی نیاز مندانہ انداز میں ان حضرات کی بارگاہ میں معروضات ہیں لیکن کچھ ناعاقبت اندیش افراد نے اپنی ذاتی منفعت کے لیے اس کو بہت غلط رنگ میں پیش کیا۔ پھر ساتھ ہی ساتھ ع بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستاں کے لیے''۔ دونوں طرف بے بنیاد باتیں بھی پہنچائی گئیں جس کے نتیجے میں برسہا برس تک بیشتر افراد ایک دوسرے سے لاتعلق اور جدا رہے۔ اس سلسلے میں مفتی اعظم کا موقف کیا تھا اور ان کا نظریہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کے نظریات سے کس درجہ ہم آہنگ تھا۔ اس کا اندازہ ذیل کے فتویٰ سے لگایا جاسکتا ہے اس موضوع پر مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے راقم کا مقالہ ''مفتی اعظم افق سیاست پر'' اور کتاب ''علمائے اہل سنت اور تحریکِ پاکستان'' جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے کا مطالعہ مفید ہوگا۔[17] مفتی اعظم مسلم لیگ کے تعلق سے اپنا موقف واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''لیگ بد مذہبوں اور بد دینوں پر مشتمل ایک جماعت ہے جس میں اہل سنت برخلاف حکم شرع داخل ہو گئے ہیں اور از آں جا کہ اس کے کرتا دھرتا لوگوں میں بددین ہیں وہ بد مذہبوں کی ہی ایک کھچڑی ہے یہ اس ندوے کی طرح ہے جس کا فتنہ تقریباً پچاس سال پہلے سے رونما ہے جس کے رد میں علمائے اہل سنت خصوصاً امام اہل سنت مجدد دین و ملت نے بے شمار کتابیں تصنیف فرمائیں اور ملک بھر میں شائع کیں برسہا برس تو جس کا تحریری و تقریری رد فرمایا گیا اور مسلمانوں کو اس سے بچایا گیا ہرگز ہرگز اس کی رکنیت اس کی امداد و اعانت اور اس کے جلسوں میں شرکت نہ کی جائے۔ مجھ پر افترا و بہتان ہے کہ میں نے کبھی زبانی یا تحریری فتویٰ اس کی امداد و اعانت کے جواز کا دیا ہے۔[18]

حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔''۱۸؎

قیام پاکستان کے تعلق سے علمائے اہل سنت کے دونوں گروپوں کے دلائل کیا تھے اور وہ کس قدر مستحکم تھے اس پر یہاں کوئی تبصرہ مقصود نہیں لیکن جو علما کا سنجیدہ طبقہ تھا وہ شدت سے اس بات کے لیے کوشاں تھا کہ علمائے اہل سنت کے درمیان مسلم لیگ کی حمایت و اعانت کو لے کر جو نظریاتی اختلافات ہو گئے ہیں وہ دور ہوں اور آپس میں وداد و محبت کی فضا ہموار ہو۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی اور حضور مفتی اعظم کے اعلیٰ تدبر اور کریمانہ و مشفقانہ رویہ کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا جس نے علمائے اہل سنت کے آپسی اختلافات کو دور کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا اور یہ اہم کام ۱۹۵۰ء میں عرس اعلیٰ حضرت کے مبارک موقع سے ہوا۔ اس موقع سے حضور مفتی اعظم نے جس مسرت و شادمانی کا اظہار کیا۔ اراکین مرکزی انجمن صداقت رحمت منزل کامبیکر اسٹریٹ چھاچھ محلہ بمبئی نمبر-۳، نے اسے بشارت عظمیٰ کے نام سے شائع کر کے عوام و خواص میں تقسیم کیا جس کا مضمون کچھ اس طرح تھا۔

بشارت عظمیٰ

یا معشر اھل السنۃ لکم البشری فی الدنیا والاخری بحق لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا و فی الآخرۃ۔

الحمد للہ تعالیٰ بموقع عرس اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز نعمت صلح و اتفاق سے خرسند دل ہوئے، برسہا برس کے بچھڑے ہوئے دل مل گئے۔ اصلاح ذات بین بروجہ کامل ہوئے، تنافر و تباغض کافور اور مودت حاصل ہوئی۔ جسے جس کے ساتھ بدگمانی تھی اور جو کسی کو غلط فہمی تھی وہ زائل ہوئی۔ اطمینان قلب کے لیے بعض تحریریں ہوئیں۔ یہ ہوتے ہی اس طرح سے لوگ ایک دوسرے سے مل گئے جیسے کبھی جدائی ہوئی نہ تھی۔ مولیٰ تعالیٰ اس اتفاق کو روز افزوں ترقی عطا کرے، یہ میل ہمیشہ رہے اور دشمنوں کی نظر بد سے محفوظ رہے۔ جناب حاجی ابوبکر حاجی احمد ریشم والے ناظم اعلیٰ انجمن تبلیغ صداقت و جناب حاجی نور محمد عبدالستار پٹیل صدر انجمن تبلیغ صداقت ساکنان بمبئی کی مساعی جمیلہ مشکور ہوئیں۔ مولانا حشمت علی صاحب سلمہ اور کچھوچھہ شریف، مرادآباد و سنبھل کے حضرات کے درمیان صفائی ہوگئی ہم میں آپس میں کسی کی کسی سے کوئی لڑائی نہ رہی مسلمان اس خبر سے مسرور ہوں اور دعائے خیر کرتے رہیں کہ بعض حضرات جو باقی رہ گئے ہیں کہ عرس شریف میں شریک نہ ہو سکے ان سے بھی بالخیر صفائی باحسن وجوہ ہو جائے اور پھر سب کو توفیق عطا ہو کہ سب مل کر دین و مذہب کی خدمت انجام دیں۔ پھٹے پھٹے نہ رہیں۔ آپس میں تنظیم کریں، بددینوں، بدمذہبوں کی نکایت اور سنت کی حمایت کرتے رہیں۔

فقط فقیر مصطفیٰ رضا قادری غفرلہ بریلی شریف بروز دوشنبہ مبارکہ ۳۰؍صفر مظفر ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۱؍دسمبر ۱۹۵۰ء ۱۹

حضور مفتی اعظم اور حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے درمیان باہمی روابط زندگی کی آخری سانس تک برقرار رہے۔ ایک مرتبہ حضور شیر بیشۂ اہل سنت کو لاہر پور ضلع سیتا پور میں مناظرہ کے لیے جانا تھا اور مناظرہ غالباً تحذیر الناس کی کفری عبارت پر تھا جس میں مولوی محمد قاسم نانوتوی نے لکھا کہ ''اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہوا تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہ آئے گا

چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجیے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔" ۲۰۵ تحذیر الناس کی کفری عبارتوں پر امام اہل سنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ نے حاشیہ لکھا تھا، اسی کتاب کے لیے جب حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے حضرت مولانا ملک نیاز احمد قادری کان پوری کو حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں بریلی شریف بھیجا تو مفتی اعظم نے اس کتاب کو اپنی لائبریری میں بہت تلاش کیا مگر کتاب نہ ملنی تھی نہ ملی۔ جب دو یوم کتاب تلاش کرتے ہوئے گزر گئے اور کتاب نہ ملی تو مفتی اعظم نے حضرت مولانا ملک نیاز احمد صاحب سے فرمایا کہ جاکر مولانا حشمت علی سے کہہ دیجیے کہ کتاب تو نہیں ملی مگر میرے لہو کا ہر قطرہ ان کے لیے حاضر ہے۔

پوری دنیائے سنیت جانتی ہے کہ حضور شیر بیشۂ اہل سنت کا وصال ۸ رمحرم الحرام کو ہوا تھا لیکن حضور مشاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی زبانی معلوم ہوا کہ عرس اعلیٰ حضرت کے قریب ۲۱، ۲۲، ۲۳ رصفر المظفر کو عرس حشمتی کی تاریخ زائرین کی سہولت کے لیے حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے کہنے سے ہی متعین کی گئی۔

حضور مفتی اعظم حضور شیر بیشۂ اہل سنت کو ان کی گوناگوں صلاحیتوں کے باعث کس قدر دل سے چاہتے تھے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضور مفتی اعظم کی مجلس میں مجددیت پر بحث ہو رہی تھی اکابر علما موجود تھے سب لوگ مجدد کی تعریف میں اپنے دلائل دے رہے تھے۔ جب حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی باری آئی تو آپ نے فرمایا کہ مجدد وہ ہے جو کام نبوت کا کرے مگر نبوت کا دعویٰ نہ کرے۔ امتی ہو کر نبی کی نیابت کا فریضہ انجام دے۔ اس جامع تعریف سے حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ بہت خوش ہوئے اور اٹھ کے حضور شیر بیشۂ اہل سنت کو اپنے گلے سے لگالیا۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ شیر بیشۂ اہل سنت کی دینی و علمی خدمات سے متاثر ہو کر جو آداب و القاب آپ کی شان میں استعمال کیے ہیں وہ اہل علم پر مخفی نہیں۔ جتنے القاب حضور مفتی اعظم نے آپ کی شان میں استعمال کیے ہیں سب کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں لیکن حضور مفتی اعظم کی زبان سے نکلے ہوئے لفظ "مظہر اعلیٰ حضرت" نے جس طرح عوام و خواص میں مقبولیت حاصل کی وہ بیان سے باہر ہے۔ حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے لیے اس لقب کا استعمال حضور مفتی اعظم نے ان کے فرزند ارجمند حضور مشاہد ملت مولانا شاہ محمد مشاہد رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کو اپنے قلم سے خلافت نامہ تحریر کرتے وقت فرمایا تھا۔ آج بھی حضور مشاہد ملت کے خلافت نامہ میں حضور شیر بیشہ اہل سنت کے لیے "مظہر اعلیٰ حضرت" کا لفظ نمایاں ہے جسے اہل علم دیکھ سکتے ہیں۔

حضور مفتی اعظم سے حضور شیر بیشۂ اہل سنت کا تعلق زندگی کی آخری سانس تک برقرار رہا اور مفتی اعظم نے بھی اس تعلق کو بحسن و خوبی اپنی زندگی تک نبھایا اگر کسی موقع سے کسی مسئلہ کو لے کر آپس میں شکر رنجی ہوئی بھی تو حقیقت آشکار ہونے پر وہ جلد ہی کافور ہو گئی اور دلوں کا اس طرح تصفیہ ہو گیا جیسے کبھی کوئی بات تھی ہی نہیں۔ قیام پاکستان کے بعد جب علمائے اہل سنت کے درمیان آپس میں مصالحت ہو گئی تو مفتی اعظم نے اپنی علالت کے موقع پر خود اپنے خصوصی معالج کو پہلی بھیت روانہ فرمایا۔ حضرت مولانا محمد حسن علی میلسی پاکستان لکھتے ہیں:

> "شہزادہ اعلیٰ حضرت، مخدوم اہل سنت، حضور مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی سجادہ نشین خانقاہ عالیہ رضویہ بریلی شریف نے اپنے خصوصی معالج جناب محترم حکیم مرتضیٰ خاں صاحب بریلوی کو اپنی طرف سے شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمۃ کے علاج کے لیے پہلی بھیت روانہ فرمایا اور نہ صرف یہ بلکہ قیام پاکستان کے بعد جب

ایک مرتبہ شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں صاحب بریلی شریف حاضر ہوئے اور سیدنا حضرت قبلہ مفتی اعظم مدظلہ العالی کی خدمت اقدس میں حاضری دی اور حضور نے خیریت دریافت فرمائی تو مولانا حشمت علی خاں صاحب کے الفاظ یہ تھے ''حضور آپ کی جوتیوں کا صدقہ، آپ کی نعلین پاک کی بھیک ہے۔''[۲۰]

درج بالا تصریحات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضور مفتی اعظم اور حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے باہمی روابط آپس میں کس قدر مربوط اور مستحکم تھے۔ ان دونوں خانوادوں میں یہ ارتباط جس طرح پہلے قائم تھا بحمدہ تعالیٰ اسی طرح اب بھی قائم ہے۔ مولیٰ تعالیٰ کی بارگاہ میں استدعا ہے کہ ان دونوں خانوادوں کے روابط صبح قیامت تک یوں ہی قائم ودائم رہیں۔ (آمین)

مصادر وماخذ

۱- استقامت (مفتی اعظم نمبر) ص ۱۹۴، کانپور ۱۹۸۳ء
۲- محبوب علی مولانا سوانح شیر بیشۂ سنت، ص ۴۸، بمبئی ۱۹۹۰ء
۳- علی محمد تیغی مناظرۂ ملتان ص ۹
۴- علی محمد تیغی مناظرۂ ملتان ص ۱۰
۵- محمد یونس نعیمی معرکۂ حق وباطل ص ز دہلی ۱۴۰۵ھ
۶- محبوب علی، مولانا سوانح شیر بیشۂ سنت، ص ۲۵، بمبئی ۱۹۹۰ء
۷- مفتی اعظم، القسورۃ علی ادوار الحمر الکفرۃ، ص ۴، رضا اکیڈمی، بمبئی ۲۰۰۴ء
۸- مفتی اعظم القسورۃ علی ادوار الحمر الکفرۃ، ص ۴۷
۹- رضا اکیڈمی، انوار مفتی اعظم، ص ۱۸۳، اکتوبر ۱۹۹۲ء
۱۰- دبدبۂ سکندری، رام پور ۱۹ فروری ۱۹۲۳ء، ص ۵
۱۱- دبدبۂ سکندری، رام پور ۱۹ فروری ۱۹۲۳ء، ص ۱۳-۱۴
۱۲- عبدالوحید بیگ، حیات مفتی اعظم حصہ اول، ص ۱۵۲، دہلی ۱۹۹۰ء
۱۳- رضا اکیڈمی، انوار مفتی اعظم، ص ۱۸۰، اکتوبر ۱۹۹۲ء
۱۴- عبدالوحید بیگ، حیات مفتی اعظم، ص ۱۲۲، دہلی ۱۹۹۰ء
۱۵- مکتوب مفتی شریف الحق امجدی بنام راقم الحروف مورخہ ۲۰ رجمادی الآخرۃ ۱۴۱۱ھ
۱۶- رضا اکیڈمی، تجلیات مفتی اعظم، ہند ص ۸۸، بمبئی ۱۹۹۲ء
۱۷- رضا اکیڈمی، تاجدار اہل سنت، ص ۷۳، بمبئی ۲۰۰۵
۱۸- ملک نیاز احمد قادری، احکام دینیہ ضروریہ ص ۳، کانپور ۱۳۷۰ھ
۱۹- محمد قاسم نانوتوی، تحذیر الناس، ص ۲۴، کتب خانہ امدادیہ، دیوبند
۲۰- محمد طیب داناپوری، مناظرۂ ادری (مقدمہ ۹ ص ۱۹، پہلی بھیت، ۲۰۰۵ء)

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم اور حافظ ملت

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
سابق مدیر ماہنامہ ''سنی دنیا'' جسولی، بریلی شریف

بانی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور۔ استاذ العلما، جلالۃ العلم، حضرت حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی ثم مبارک پوری علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی پوری زندگی درس وتدریس، فروغ علم دین، اشاعت دین وسنیت اور تعمیر شخصیت کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ آپ نے اپنے تلامذہ کو حسنِ اخلاق اور اساتذہ اور اکابر کے ادب و نیاز کا پیکر بنادیا تھا اور اس طرح کا خوب صورت اور تقدیسی کارنامہ وہی انجام دے سکتا ہے جو خود بزرگوں کے ادب و نیاز کا مجسمہ رہا ہو۔

شہزادۂ اعلیٰ حضرت، آفتاب علم وفضیلت، تاجدار اہل سنت حضرت مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی قدس سرہٗ العزیز تو اہل سنت وجماعت کی سرمدی سعادتوں کی ضمانت تھے، دنیائے سنیت کی آبرو و آرزو تھے، مسلمانانِ اہل سنت کے مرکز عقیدت تھے۔ اور اس مرکز عقیدت عظیم المرتبت شخصیت کی عقیدت واحترام کا کیسا جذبہ حضور حافظ ملت کے دل میں موج زن رہا ہوگا، اس کا صرف اندازہ ہی لگایا جا سکتا ہے۔

مفتی اعظم، تاجدار ولایت ہیں:

حضور مفتی اعظم۔ حضرت حافظ ملت کی نگاہ میں کیا تھے، مولانا محمد اسلم گورکھ پوری عزیزی مصباحی کے اس بیان کی روشنی میں ملاحظہ کیجیے۔ تحریر کرتے ہیں:

> ''راقم الحروف نے مولانا منور حسین گورکھ پوری کے ساتھ حاضر بارگاہ ہوکر داخل سلسلہ ہونے کے لیے عرض کیا تو فرمایا: سرکار مفتی اعظم ولایت کے تاجدار ہیں، ان کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ میں ایک سیہ کار انسان ہوں یہ کہہ کر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ پھر جب دیکھا کہ ہم لوگ ٹلنے والے نہیں ہیں تو داخل سلسلہ فرمالیا اور پھر بیعت و ارادت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا: نماز کی پابندی اور جھوٹ نہ بولنے کو اپنے لیے لازم کرلو۔''
>
> (مولانا محمد اسلم مصباحی معارف حافظ ملت، ص ۱۱۰)

''حضور حافظ ملت قدس سرہٗ لوگوں کو سرکار مفتی اعظم نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت ہونے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ جب کبھی بھی حضور مفتی اعظم الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور تشریف لے جاتے تو آپ طلبہ کو ان سے ہی مرید کرواتے۔
شاعر اہل سنت جناب راز الٰہ آبادی مرحوم جب حضرت مفتی اعظم سے داخل سلسلہ ہوئے تو حضور حافظ ملت نے انھیں مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا: آپ بہت بڑے مرشد کے دامن سے وابستہ ہوئے۔'' (ایضاً)

مفتی اعظم اور حافظ ملت کی ایک دوسرے سے ملاقات کے مناظر :

مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی حضرت مفتی اعظم اور حضور حافظ ملت کی ملاقات کا ایک واقعہ اس طرح تحریر کرتے ہیں:

''پہلی بار سرکار مفتی اعظم کی زیارت کا ناچیز کو شرف ۱۳۸۸ھ یا ۱۳۸۹ھ میں اس وقت حاصل ہوا جب آپ دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے۔ وہ ہم لوگوں کی طالب علمی کا دور تھا۔ سرکار مفتی اعظم حافظ ملت کی درس گاہ میں قیام فرماتے، اتنے میں حضور حافظ ملت مفتی اعظم سے ملنے تشریف لائے۔ سرکار مفتی اعظم دور ہی سے دیکھ کر کھڑے ہوگئے اور حضور حافظ ملت کا یہ حال تھا کہ نہایت نیاز مندانہ انداز میں تیزی سے آئے اور جھک کر قدم بوس ہو گئے باوجودے کہ سرکار مفتی اعظم منع کرتے رہے اور ہاتھ سے بھی روکتے رہے۔ مگر حافظ ملت علیہ الرحمہ قدم بوسی میں کامیاب ہوگئے۔ وہ عجیب روحانی اور پر کیف منظر تھا۔ ایک طرف حافظ ملت علیہ الرحمۃ کا ادب دوسری طرف مفتی اعظم کا اعزاز اور ہر ایک اپنے اپنے مقصد کی بجا آوری میں بھر پور کوشاں۔

اس واقعہ سے ہم لوگوں کے دلوں میں سرکار مفتی اعظم کی جو عظمت بیٹھی وہ شاید لمبے چوڑے تعریفی جملوں سے بھی نہ بیٹھتی۔ دوسری طرف شہزادہ اعلیٰ حضرت سرکار مفتی اعظم نے حضور حافظ ملت کا جو اعزاز فرمایا اس سے آپ کی عظمت جو ہمارے دلوں میں تھی وہ دوبالا ہوگئی اور آپ کی جلالت وفضل کا جو سکہ ہمارے دلوں پر بیٹھا تھا اس کا نقش اور گہرا ہوگیا۔ یہیں سے حضور حافظ ملت کے روحانی مقام اور عرفانی بلندی کا بھی پتہ چلتا ہے۔''

(تقدیم بر کتاب ملفوظات حافظ ملت از مولانا اختر حسین فیضی مصباحی، ص ۱۳-۱۴)

حضرت مفتی اعظم، حضور حافظ ملت سے کس قدر محبت اور ان کا کس طرح اعزاز فرماتے تھے اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک بار حضور حافظ ملت مراد آباد جاتے ہوئے بریلی شریف اترے اور سیدھے دولت کدۂ سرکار پر تشریف لائے۔ اندر اپنے آنے کی اطلاع بھجوائی تو حضور مفتی اعظم خود بہ نفس نفیس باہر تشریف لائے اور حافظ ملت کو گلے سے لگالیا۔ ادھر حافظ ملت کی سرکار مفتی اعظم سے عقیدت اور ان کے جذبۂ ادب واحترام کا عالم دیکھیے کہ سرکار پیروں سے لپٹ گئے اور دوبارہ جب سرکار نے انھیں اٹھایا تو اٹھے، دست بوسی کی اور سر جھکا کر کھڑے ہوگئے۔

(راقم عبدالنعیم عزیزی، مفتی اعظم ص ۱۴۰)

مفتی اعظم کی قدم بوسی رمی جمار سے کم نہیں :

۲۲ صفر المظفر ۱۳۹۰ھ کی سہانی صبح زرد دھوپ کی سنہری کرنوں سے نہائی ہوئی ہے۔ آج شہزادۂ اعلیٰ حضرت حج بیت اللہ شریف کی ادائگی کرکے، کعبہ کے کعبہ مدینہ طیبہ کی زیارت سے شرف یاب ہوکر، انوار وتجلیات اور فیوض وبرکات کی سوغات لے کر بریلی شریف تشریف لارہے ہیں۔ بریلی شریف انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آرہا تھا۔ نوری جنکشن کے اندر تک لگ بھگ ۳۵ ہزار غلامان مفتی اعظم کا مجمع لگا ہوا ہے۔ پلیٹ فارم کے ایک سرے پر حافظ ملت یکا و تنہا ایک بنچ پر تشریف فرما ہیں، نظر بار بار ریل کی پٹری کی طرف جاتی ہے اور پھر پلٹ آتی۔ بیقراری کا عالم ہے۔ اتنے میں شور ہوا کہ ٹرین آرہی ہے، لوگ دوڑ پڑے، حضرت حافظ ملت تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور پلیٹ فارم کی طرف بڑھ گئے۔ راقم الحروف اور شہزادہ صدر الشریعہ حضرت مولانا بہاء المصطفیٰ حضرت کے اغل بغل چل رہے

تھے، پیچھے ایک بھیڑ تھی۔ ٹرین رکی اور جاں نثاران مفتی اعظم نے نعرہ تکبیر ورسالت، نعرہ غوثیت اور نعرہ مفتی اعظم سے زمین وآسمان کا کلیجہ دہلا دیا۔ پھولوں کی بارش اور پروانے شمع ولایت پر نثار ہونے لگے۔ غلاموں کے حلقہ میں مفتی اعظم گیٹ کے باہر تشریف لائے۔

حافظ ملت تیزی سے مجمع کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے۔ سرکار مفتی اعظم نے حضور کو دیکھا خود ہی ٹھہر گئے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ نے لپک کر حضرت کے پیر تھام لیے۔ کثیر مجمع، ہر شخص سرکار کی قدم بوسی کے لیے بے کل تھا۔ اتنے میں بھیڑ کا ایک ریلا آیا اور حافظ ملت کا عمامہ شریف کھل کر گر پڑا اور آپ اس میں الجھ کر زمین پر گر پڑے، دسیوں آدمی آپ کی پشت مبارک سے اتر گئے مگر آپ نے حضرت کے پیر نہ چھوڑے، پیروں کو چومتے رہے اور اشکوں کے گہر نچھاور کرتے رہے۔ دیکھنے والے گھبرا اٹھے، چیخ پڑے، لوگوں نے حلقہ بنا کر مجمع کو روکا۔ ادھر مفتی اعظم کی نگاہیں مجمع کی جانب اٹھیں، سرکار کی آنکھوں کا اشارہ ہوا مجمع جوں کا توں جم کر رہ گیا۔ ادھر سرکار مفتی اعظم کی کرامت اور ان کی آنکھوں کا جمال دیکھیے کہ مجمع ساکت ہو گیا، ادھر حافظ ملت کی محبت کا کرشمہ کہ انھیں شدید نقصان نہ پہنچا۔ حالاں کہ سبھی کو گمان تھا کہ شاید حافظ ملت کچل کر خدانخواستہ...... عجیب دردناک اور جنوں خیز منظر تھا۔ حضرت بہاء المصطفیٰ صاحب، راقم اور دیگر لوگوں نے لپک کر حضرت حافظ ملت کو کھڑا کیا... اُف خدایا، اگر ذرا سی دیر ہو جاتی تو پتہ نہیں کیا ہو جاتا، راقم الحروف اور بہاء المصطفیٰ صاحب نے روتے ہوئے حضرت سے عرض کیا۔

حضرت حافظ ملت نے فرمایا: یہاں اس وقت اگر موت بھی آ جاتی تو بڑی شان دار ہوتی اور مجھے حشر کے دن یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ عبدالعزیز کی موت مخدوم زادہ آقائی ومولائی شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاج الاولیا کے قدموں میں ہوئی۔ کاش موت آ جاتی! اس وقت حضرت کی قدم بوسی میرے لیے رمی جمار کے برابر ہے۔ ایسا نادر موقع خوش نصیبوں ہی کو ملتا ہے۔

ادھر مفتی اعظم کی سواری چلی، ادھر حافظ ملت مبارک پور جانے کے لیے اسٹیشن پر آ گئے۔ ہم سب نے حضور حافظ ملت کی قدم بوسی کی اور ان کے جلال وجمال کے انمول رتن سے فیضیاب ہونے کے ساتھ ساتھ سرکار مفتی اعظم کی نورانیت وروحانیت کے سیم وزر سے مالا مال ہوئے کس قدر عظیم تھی شخصیت حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی۔　　(راقم عبدالنعیم عزیزی، مفتی اعظم ص ۱۴۰ تا ۱۴۲)

حافظ ملت کی عظمت دینی کا اعتراف :

۱۹۴۷ء کے بعد حج وزیارت کے لیے انڈیا گورنمنٹ اور سعودی حکومت دونوں نے فوٹو لازمی کر دیا تھا۔ اسی سبب سے حافظ ملت کا سفر حج وزیارت التوا میں پڑا رہا۔ بالآخر وہ مبارک وقت آ ہی گیا کہ ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ - مارچ ۱۹۶۶ء میں آپ نے بغیر فوٹو حج وزیارت کا شرف حاصل کیا۔ ۱۹۷۱ء میں حضور مفتی اعظم کو بھی تیسرے حج وزیارت کے لیے بغیر فوٹو کے منظوری مل گئی۔ حضرت کے حج وزیارت کی خبر سن کر مریدین ومعتقدین ایک ہفتہ قبل ہی سے ملاقات کے لیے کثیر تعداد میں آنے لگے۔ (یہ حج ذوالحجہ ۱۳۹۱ھ مطابق جنوری ۱۹۷۲ء میں ہوا)

روانگی سے ایک روز قبل حضرت مفتی اعظم اپنے دولت کدے کے مردانے حصے میں (جس میں دار العلوم منظر اسلام کا دفتر بھی تھا) تشریف فرما تھے، ملاقاتیوں کا ہجوم تھا، راقم بھی حاضر تھا۔ اثنائے گفتگو مفتی اعظم نے مجمع کے سامنے رخ کر کے فرمایا: پہلی بار بغیر فوٹو کے مولوی عبدالعزیز صاحب کو حج وزیارت نصیب ہوئی اور اب الحمد للہ اس فقیر کو بھی بغیر فوٹو یہ شرف حاصل ہوگا۔"

یہ سن کر راقم کو از حد مسرت ہوئی کہ تاجدار اہل سنت اس کے مرشد طریقت کی عظمت دینی اور شریعت پر ثابت قدمی کا اعتراف فرما رہے ہیں۔　　(راقم الحروف عبدالنعیم عزیزی: ماہنامہ کنز الایمان، دہلی ص ۵ بابت اکتوبر ۲۰۰۴ء)

مفتی اعظم کی کنیت ''آل الرحمٰن'' کی حمایت اور معترض کی تردید :

محمد حنیف رہبر نامی ایک دیوبندی مولوی نے بنام ''مقامع الحدید'' ایک کتاب لکھی تھی جس میں جہاں تہاں حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا پر تان توڑی ہی ہے۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی کنیت ''آل الرحمٰن'' پر بھی اعتراض کیا ہے۔

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ نے رہزنِ دین دیوبندی مولوی محمد حنیف رہبر کے جواب میں ''العذاب الشدید لصاحب مقامع الحدید'' (معروف بہ الدیوبندیت) نامی کتاب لکھی ہے۔

مولوی رہبر اپنی کتاب ''مقامع الحدید'' میں لکھتا ہے: ''جب مولوی مصطفیٰ رضا خاں کا نام ''آل الرحمٰن ہے'' گویا ان کے باپ مولوی احمد رضا خاں صاحب کو رضا خانی خدا سمجھتے ہیں۔ (ص ۷۹)

حضرت حافظ ملت اس کا کیا مسکت جواب دیتے ہیں، ملاحظہ کیجیے :

''آل الرحمٰن پر اعتراض تھانوی خبث کا نتیجہ ہے۔ آل کے معنی پیرو و مطیع منتخب اللغات وغیرہ کتابوں میں لکھے ہیں اور آل کی اضافت رحمٰن کی طرف اس معنی کو معین کر رہی ہے لہٰذا آل الرحمٰن کے حقیقی معنی مطیع الرحمٰن ہیں۔ مطیع الرحمٰن پر تمہارا اعتراض ہے اور کیوں نہ ہو تمھارے نزدیک تو واجب الاطاعت گنگوہی صاحب ہی ہیں۔ خدا کی اطاعت، رسول کی اطاعت تمھارے نزدیک سب بے کار ہے جب تک گنگوہی کے سامنے سر نہ جھکاؤ اسی لیے تو گنگوہی صاحب کو ''مطاع العالم، مخدوم الکل، پکارتے ہو، لاحول ولاقوۃ الاباللہ۔ (العذاب الشدید لصاحب مقامع الحدید ص ۸۰)

مفتی اعظم اور حافظ ملت کی تحریک اشرفیہ :

ابھی اشرفیہ۔ الجامعۃ الاشرفیہ میں تبدیل نہیں ہوا تھا۔ ۱۹۵۹ء میں دار العلوم اشرفیہ میں سنی دار الاشاعت قائم ہوا۔ اس عظیم تحقیقی و اشاعتی ادارہ کا قیام بھی مفتی اعظم کا مرہون منت ہے۔ ادارہ کا پس منظر ناظم ادارہ حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب بلیاوی علیہ الرحمۃ اس طرح بیان کرتے ہیں:

''مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب دام ظلہم الاقدس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے۔ ان سے عرض کی گئی: فتاویٰ رضویہ کی اشاعت کا کوئی انتظام ہوا؟ آپ نے فرمایا: تم لوگوں کے علاوہ کس سے اس کی توقع ہو سکتی ہے۔ اس کرامت آثار جملہ نے دلوں میں ہمت اور عزائم میں استواری پیدا کی اور دار العلوم اشرفیہ کی رہنمائی میں کام شروع ہوا اور سنی دار الاشاعت کی بنیاد رکھی گئی۔'' (فتاویٰ رضویہ، جلد ۳، بہ قلم ناظم سنی دار الاشاعت)

حضور مفتی اعظم نے فتاویٰ رضویہ حصہ سوم کا قلمی نسخہ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی معرفت سنی دار الاشاعت کو برائے اشاعت سونپ دیا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ کو حافظ ملت اور علمائے اشرفیہ کی دینی خدمات پر زبردست اعتماد تھا۔

حضور مفتی اعظم نور اللہ مرقدہٗ اہل سنت کے تاجدار تھے اور حضرت حافظ ملت قدس سرہٗ العزیز ملت کے محافظ اور معمار تھے۔ بادشاہ اپنے جرنیل پر ناز کرتا ہے اور جرنیل بادشاہ کی اطاعت کو واجب قرار دیتے ہوئے اس کے حکم کی تکمیل اور عقیدت مندی میں سرشار رہتا ہے۔

الجامعۃ الاشرفیہ کا سنگ بنیاد اور مفتی اعظم :

حضور حافظ ملت کی یہ تمنا تھی کہ الجامعۃ الاشرفیہ کا سنگ بنیاد سرکار مفتی اعظم کے دست مبارک سے رکھا جائے۔ آخر ۶ رمئی ۱۹۷۲ء کو وہ تمنا پوری ہو ہی گئی۔

تاجدار ویکلی ۱۲ رمئی ۱۹۷۲ء ص ۷ پر الجامعۃ الاشرفیہ کے سنگ بنیاد کی جو رپورٹ درج ہے، اس کے یہ چند جملے ملاحظہ کرنے کے قابل ہیں: ''حضور مفتی اعظمکی قیادت میں جب علما کا کارواں اس زمین پر پہنچا جہاں سنگ بنیاد رکھا جانے والا تھا تو پوری فضا عشق و ایمان اور کیف و مستی کی برسات میں بھیگی ہوئی تھی۔ جذبۂ مسرت سے چھلکتے ہوئے آنکھوں کے پیمانے، لب پر درود و سلام کے نذرانے، رہ رہ کر نعرۂ تکبیر و رسالت کی تکرار۔ پوری فضا میں عشق و محبت اور شوق و تمنا کا پھیلا ہوا جادو۔ اس ماحول میں حضور مفتی اعظم کا اس یونی ورسٹی کے لیے پہلی اینٹ رکھنا، ایک ایسا نورانی منظر تھا جس کی لذت روح تو محسوس کر سکتی ہے مگر الفاظ و معانی کی دنیا تعبیر سے قاصر ہے۔'' (تاجدار ویکلی، ۱۲ رمئی ۱۹۷۲ء، ص ۷)

الجامعۃ الاشرفیہ کے تعاون کے لیے مفتی اعظم کا پیغام :

الجامعۃ الاشرفیہ کے تعاون کے لیے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے جو پیغام تحریر فرمایا تھا وہ حسب ذیل ہے۔ یہ پیغام حضور حافظ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ سے سیدنا مفتی اعظم کے قلبی لگاؤ کا آئینہ دار ہے۔ ملاحظہ کیجیے :

''دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور کو ایک عظیم یونی ورسٹی میں تبدیل کرنے کی نیک کوشش کا میں خیر مقدم کرتا ہوں اور حافظ ملت حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ مولا تعالیٰ انھیں اپنے عظیم مقاصد میں کامیاب فرمائے اور حضرات اہل سنت کو توفیق بخشے کہ وہ اشرفیہ یونیورسٹی کی تعمیر میں حصہ لے کر دین کی ایک اہم اور بنیادی ضرورت پوری فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔ (فقیر مصطفیٰ رضا قادری غفرلہٗ، ۲۶ ررمضان المبارک ۱۳۹۲ھ)

(حافظ ملت، افکار اور کارنامے، ص ۳۵)

حافظ ملت کی آرزو کا حسین تاج، جہان علم و فضل کی لاج، الجامعۃ الاشرفیہ کے در و دیوار میں جہاں حضرت حافظ ملت کے عزم و حوصلہ اور ایثار کی حرارت پنہاں ہے وہیں مفتی اعظم کے دست مبارک سے رکھی ہوئی اس کی بنیاد کی پہلی اینٹ اس کے استحکام کی ضمانت ہے۔

جب مفتی اعظم رو پڑے :

حضور مفتی اعظم کی علالت اور خرابی صحت کی وجہ سے حضرت حافظ ملت کے وصال کی خبر ان سے پوشیدہ رکھی گئی تھی۔

مفتی اعظم کا تو یہ مزاج تھا کہ کسی بھی سنی عالم دین کے سانحہ ارتحال کی خبر سن کر سخت غمگین ہو جاتے تھے۔ حافظ ملت کی جو قدر و منزلت ان کے دل میں تھی اس کے پیش نظر اگر مفتی اعظم کو حافظ ملت کے وصال کی خبر دی جاتی تو اللہ جانے کیا کیفیت ہوتی۔

ایک شب سرکار مفتی اعظم (۱۴ رجولائی ۱۹۷۶ء) اپنے دولت کدے میں آرام فرما رہے تھے۔ معتقدین سے حضرت کی ملاقات کے لیے پردہ کرا دیا گیا تھا۔ مولوی محمد سفیان اعظمی، حضرت کے سر میں مالش کر رہے تھے۔ حضرت کے داہنی جانب استقامت ڈائجسٹ (کانپور) رکھا ہوا تھا۔ اچانک آپ نے رسالہ اٹھا کر ورق گردانی شروع کی اور اتفاق سے وہی صفحہ کھل گیا جس پر حافظ ملت کے وصال کی خبر چھپی تھی۔ آپ نے بغور پڑھنا شروع کیا۔ اس کے بعد جو کیفیت ہوئی اسے ملاحظہ کریں۔ راقم نے اپنی تالیف ''مفتی اعظم'' مطبوعہ بریلی شریف میں اس طرح تحریر کیا ہے:

''چاند سا چمکتا ہوا نورانی چہرہ ماند پڑ گیا، اور تیرہ نصیبوں کی تقدیر سنوارنے والے کی چشم کرم سے آنسوؤں کی دھار پھوٹ نکلی، سرکار بلک بلک کر رو رہے تھے، خدمت اقدس میں حاضر خدام کے دل اس منظر سے پاش پاش ہوئے جا رہے تھے اور حضرت کی شفقت، ان کی عظمت و برتری کے ساتھ ساتھ حضور حافظ ملت کی بزرگی و عقیدت ان کے دلوں میں اور زیادہ ہوگئی۔ کافی دیر آنسوؤں کے موتی لٹانے کے بعد حضرت حالت اضطراب سے عالم سکون میں آئے تو دیر تک حافظ ملت علیہ الرحمہ کی پیاری پیاری باتیں کرتے رہے، ان کی جلالت علمی، زہد و تقویٰ اور تقدس و بزرگی کے گن گاتے رہے اور اخیر میں فرمایا:

''اس دنیا سے جو لوگ چلے جاتے ہیں ان کی جگہ خالی رہتی ہے خصوصا مولوی عبدالعزیز علیہ الرحمۃ جیسے جلیل القدر عالم، مرد مومن، مجاہد، عظیم المرتبت شخصیت اور ولی کی جگہ پُر ہونا بہت مشکل ہے۔ یہ خلا پُر نہیں ہو سکتا۔

(راقم عبدالنعیم عزیزی، مفتی اعظم، ص ۳۸)

عزیز ملت پر مفتی اعظم کا کرم خاص :

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے چالیسویں میں راقم (عبدالنعیم عزیزی) ریحان ملت حضرت مولانا شاہ ریحان رضا خاں صاحب رحمانی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے ہم راہ مبارک پور حاضر ہوا تھا۔ حضرت ریحان ملت نے اپنی تقریر میں حضرت حافظ ملت کی جلالت علمی و دینی خدمات نیز الجامعۃ الاشرفیہ کے قیام پر روشنی ڈالی۔ اسی جلسہ میں حضرت برہان ملت مفتی برہان الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جبل پوری نے حضرت عزیز ملت مولانا شاہ عبدالحفیظ سربراہ اعلیٰ اشرفیہ مبارک پور کے لیے سرکار مفتی اعظم کی خلافت و اجازت کا اعلان فرمایا اور خلافت نامہ کا مضمون بھی پڑھ کر سنایا۔

حضرت حافظ ملت کے جانشین عزیز ملت مولانا شاہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ پر حضرت حافظ ملت ہی کی محبت اور قدر و منزلت کے حوالے سے یہ خاص کرم تھا۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے خلافت نامہ کے ساتھ ساتھ حضرت عزیز ملت کے لیے دعائیہ کلمات بھی تحریر فرمائے کہ سلسلۂ عزیزی کا سرسبز و شاداب چمن، بزرگان سلاسل اور اولیاے اکابر کے طفیل اپنی بہاروں سے ہمیشہ معطر بنائے رکھے۔''

کتابیات :

(۱) مفتی محمد اسلم عزیزی، معارف حافظ ملت۔
(۲) مولانا اختر حسین فیضی مصباحی، ملفوظات حافظ ملت۔
(۳) عبدالنعیم عزیزی، مفتی اعظم (۴) ماہنامہ کنزالایمان، اکتوبر ۲۰۰۴ء
(۵) حافظ ملت، العذاب الشدید لصاحب مقامع الحدید
(۶) فتاویٰ رضویہ جلد سوم
(۷) تاجدار، ویکلی، الہ آباد (۸) حافظ ملت- افکار اور کارنامے۔

☆☆☆☆☆

مجاہد ملت کی نظر میں

مفتی اعظم کی عظمت وفقاہت

علامہ مفتی عاشق الرحمن صاحب حبیبی
شیخ الحدیث، جامعہ حبیبیہ اتر سلیا، الہ آباد

حضرت مفتی اعظم قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کے فضائل کو پہچاننے کی توفیق کسی بدعقیدہ شخص کو یا کسی ایسے فرد کو جو تنگ نظری میں مبتلا ہو کیسے ہو سکتی تھی؟ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ حدیث نبوی شریف مروی ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان جالساً مع اصحابہ وبجنبہ ابوبکر وعمر فاقبل العباس فوسع لہ ابوبکر فجلس بین النبی وبین ابی بکر فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما یعرف الفضل لاھل الفضل اھل الفضل۔ (المقاصد الحسنہ للسخاوی حدیث۔۲۱۲، دار الکتاب العربی، بیروت) یعنی فضیلت والوں کی فضیلت کو فضیلت والے ہی پہچانتے ہیں۔ حضرت مجاہد ملت قدس اللہ سرہ العزیز کی نظروں میں حضرت مفتی اعظم قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کی شخصیت کیسی تھی؟ یہ مندرجہ ذیل واقعہ سے اچھی طرح ظاہر ہو جائے گا لیکن اس واقعہ کے ذکر سے پہلے درج ذیل تمہیدی کلمات ملاحظہ کریں جو واقعہ کے افہام و تفہیم میں کافی مدد و معاون ہوں گے۔

وہابیہ اور دیوبندیہ کے کفر و ضلالت سے مملو اقوال کا لاابوال جیسے جیسے سامنے آتے گئے، اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آستانہ سے ان کا رد ہوتا گیا۔ ۱۲۹۲ھ سے ۱۳۲۵ھ تک ان کے رد میں بہت سی تصانیف شائع ہوئیں۔ اسی درمیان علمائے حرمین شریفین نے دیوبندیوں کے طواغیت اشرف علی تھانوی، قاسم نانوتوی، خلیل احمد انبیٹھوی اور رشید احمد گنگوہی کی تکفیر فرمائی۔ ان اکابر دیوبندیہ کے رد کا جو سلسلہ جاری رہا۔ اس کی ایک کڑی یہ تھی کہ کثیر تعداد میں رسالے شائع کر کے ان کو ان لوگوں کے پاس ڈاک رجسٹرڈ کے ذریعہ بھیجا گیا آواز گونجی کہ جواب دیا جائے گا لیکن وہ لاجواب رسالے لاجواب رہے۔ رشید احمد گنگوہی صاحب کو مناظرہ کی دعوت دی گئی یہ اس سلسلہ کی دوسری کڑی تھی جیسا کہ" ظفر الدین الطیب "میں مذکور ہے۔ گنگوہی صاحب نے یہ لکھ بھیجا کہ مناظرہ کا نہ مجھے شوق ہوا نہ اس قدر مجھے فرصت ملی۔ ۱۳۲۳ھ میں چند علمائے اہل سنت جو اس وقت مدرسہ اہل سنت و جماعت بریلی شریف میں متعلم تھے، اشرف علی صاحب تھانوی کے پاس چند سوالات لے کر پہنچے۔ تھانوی صاحب نے کہا معاف کیجیے۔ آپ جیتے میں ہارا۔ میں مباحثہ کے واسطے نہیں آیا نہ مباحثہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس فن میں جاہل ہوں اور میرے اساتذہ بھی جاہل ہیں۔ یہ فن فساد آپ کو مبارک رہے۔ اس واقعہ کا مفصل بیان رسالہ" ظفر الدین الجید "میں موجود ہے۔

اس طرح اکابر دیوبندیہ میں سے کچھ اپنے ٹھکانے پہنچ گئے اور کچھ کے پیر لٹک گئے، دنیا نے دیکھ لیا کہ دیوبندی مناظرہ کے نام سے

پناہ مانگتے ہیں اور ۱۲۹۲ھ سے ۱۳۲۵ھ تک کے ۳۳ برسوں کے سوالات کا بھاری بوجھ ان پر لدا ہوا ہے۔ایسے ہی وقت میں مرتضیٰ حسن چاند پوری دیوبندی معروف بہ دربھنگی نے حیائی کی چادر اوڑھے ہوئے چند سوالات قائم کیے انھیں ایک مجموعہ میں ۱۳۲۶ھ میں جمع کیا۔ کافر ومرتد وہابیہ دیوبندیہ اس مجموعہ کو اپنا رہنما تصور کرتے ہیں۔اسی لیے حضرت شیر بیشۂ اہل سنت اس مجموعہ کو وہابیہ دیوبندیہ کا پیر پادری اسکات المعتدی فرماتے تھے اس کا پہلا جواب ظفر الدین الطیب ہے جو ۱۳۲۷ھ میں شائع ہوا۔اس جواب میں دیوبندیوں کے اس نئے مکر کو رد کیا گیا اصول کو بیان کیا گیا اور زندہ اکابر دیوبندیہ کو دعوت دی گئی کہ وہ اصول پر قائم ہو کر جب چاہیں تصفیہ نزاع کو سامنے آئیں۔ آپ ڈرتے ہوں تو دربھنگی یا جسے اپنا مشکل کشا جانیں، اسے اپنی مہروں سے وکیل بنائیں۔''ظفر الدین الطیب ''نام کا یہ جواب بھی لاجواب رہا اور اس کی اس دعوت کو دیوبندیوں نے قبول نہ کیا، اگر کرتے تو اس کا عملی جواب بھی سامنے آتا۔

۱۳۹۱ھ میں جب حالات ایسے ہی تھے، ایک غیر معروف ابن ابی المصباح مچھلی شہری کے نام سے الٰہ آباد کے دیوبندیوں کا مرتب کیا ہوا ''نسخہ عجیب'' نام کا ایک رسالہ شائع ہوا۔اس رسالہ میں ''اسکات المعتدی ''ہی سے ماخوذ چند سوالات تھے۔ برسوں کے سوالات کے بوجھ سے دبے ہوئے دیوبندیوں کے اس رسالہ کی کوئی وقعت نہ تھی۔ پھر بھی اہل سنت کی جانب سے اس کے جواب میں ایک کھلی چٹھی شائع کی گئی۔اس چٹھی کو ڈاک رجسٹرڈ کے ذریعہ سے مذکور ابن ابی المصباح مچھلی شہری کو کتب خانہ احمدیہ کے پتہ پر بھیجا گیا اور مدرسہ وصیت العلوم کے صدر مدرس صاحب کو بھی لیکن دونوں جگہوں سے رجسٹرڈ ڈاک واپس آ گئی۔

دوسال بعد ۵ رجمادی اولیٰ ۱۳۹۳ھ کو منعقد مجلس شرائط مناظرہ بھیونڈی کے اختتام پر دیوبندیوں کی جانب سے مجلس مذکور کے صدر آنجہانی عبد السلام صاحب لکھنوی نے دار العلوم دیوبند کے مبلغ ارشاد احمد صاحب کے ذریعہ سے دس سوالات حضرت مجاہد ملت قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کی خدمت میں بھیجے''ظفر الدین الطیب ''میں ذکر کیے ہوئے اصول کی رو سے اکابر دیوبندیہ کے مناظرہ سے بھاگ کر برسوں کے سوالات کے بوجھ کو لاد کر ٹھکانے میں پہنچ جانے کے بعد آں جہانی لکھنوی صاحب مذکور کے ان سوالات کو لینے اور ان کے جوابات دینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ پھر بھی رئیس التحریر مولانا ارشد القادری صاحب مرحوم کے کہنے پر حضرت مجاہد ملت قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز نے ان سوالات کو لے لیا۔آپ نے ان سوالات کے جو کہ'' اسکات المعتدی '' سے ماخوذ تھے جوابات صادر فرمائے۔اور ۱۱ رشوال ۱۳۹۳ھ کو منعقد مجلس مناظرہ میں حضرت مجاہد ملت قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز نے ان تمام سوالات کے جوابات دیوبندیوں کے صدر آنجہانی عبد السلام لکھنوی کے قائم مقام ارشاد احمد صاحب فیض آبادی مبلغ دار العلوم دیوبند کو دے دیے جو'' الصرود الثلاثہ ''نام کے مجموعہ کے ضمن میں شائع ہو چکے ہیں۔

حضرت مجاہد ملت قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز نے ان سوالات کے جوابات تو تحریر فرمائے لیکن حمد وصلوٰۃ پر مشتمل خطبہ ان جوابات سے پہلے تحریر نہ فرمایا۔آپ کے رفقائے درس میں سے جو صاحب ملے ان کو وہ جوابات پڑھ کر سنوائے۔انھیں ایام میں آپ کو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسالہ'' بسط الیدین '' کے ملاحظہ کی ضرورت پیش آئی۔الٰہ آباد میں وہ رسالہ نہ ملا یہاں تک کہ ۱۳۹۳ھ کا ماہ رمضان آ گیا۔آپ نے فرمایا چلو بریلی شریف چلیں! رسالہ'' بسط الیدین ''کو وہاں تلاش کریں گے۔یہ جوابات حضرت مفتی اعظم دامت برکاتہم القدسیہ کو بھی سنائیں گے اور آپ ہی سے خطبہ لکھوائیں گے۔چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، رمضان شریف ہی میں حضرت مجاہد ملت قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز، آپ کے خادم عبد الغفار مرحوم اور آپ کے مرید غلام مرتضیٰ ساکن شاہ گنج الٰہ آباد بریلی شریف پہنچے، حضرت کے حکم کے مطابق میں نے وہ جوابات حضرت مفتی اعظم قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کو سنائے۔آپ بہت خوش ہوئے اور ان جوابات کو بہت

سراہا، پھر میں نے یہ عرض کیا کہ حضرت مجاہد ملت قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز نے خطبہ نہیں تحریر فرمایا ہے، ان کی یہ درخواست ہے کہ خطبہ کے الفاظ حضرت ارشاد فرما دیں۔ چنانچہ حضرت مفتی اعظم قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز نے خطبہ ارشاد فرمایا جو اس طرح ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم o الحمدلله ذى الجلال مستجمع جميع صفات الكمال المتنزه عن كل تغير و زوال المتقدس عن النقص و المحال و كفى الله المؤمنين القتال و الصلوٰة و السلام على سيدنا و مولانا محمد و على اٰله و صحبه الى يوم السؤال ۔

اس زمانے کے بہت سے علما و مشائخ طریقت کا یہ عالم ہے کہ اپنے ذاتی تعلقات کو برقرار رکھنے کے لیے احکام شریعت کو پس پشت ڈال دیتے ہیں لیکن حضرت مفتی اعظم قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز ان حضرات اکابر میں سے تھے جنھیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاں تفقہ سے نوازا تھا، وہیں جرأت دینی سے مالا مال فرمایا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت کی ہوئی یہ حدیث نبوی شریف مشکوٰۃ المصابیح (ص ۳۴ کتاب العلم، مجلس البرکات، مبارک پور) میں بھی آئی ہے کہ فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد یعنی ایک ایسا شخص جو حقیقی معنی میں فقیہ ہے وہ شیطان پر ایک ہزار ایسے عبادت گزاروں کی بہ نسبت زیادہ شدید ہے جو غیر فقیہ ہیں۔ حضرت مفتی اعظم قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کو اگر اس کا مصداق کامل کہا جائے تو بجا ہوگا۔ حضرت مجاہد ملت قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کے ذکر فرمائے ہوئے مندرجہ ذیل واقعہ سے یہ بات ظاہر ہو جائے گی۔

ایک مولانا صاحب نے اپنی ایک تصنیف میں قرآن شریف کو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کتاب قرار دیا تھا۔ اس بات کی اطلاع جب حضرت مجاہد ملت قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کو پہنچی، آپ نے ان سے یہ کہا کہ آپ نے قرآن کو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کتاب کہا ہے۔ حالاں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کتاب نہیں ہے جیسا کہ حضرت مجاہد نے فرمایا ہے۔ مولانا صاحب مذکور نے یہ سن کر اپنی گردن ہلاتے ہوئے کہا کہ قرآن اللہ کی بنائی ہوئی کتاب نہیں ہے تو پھر کس کی بنائی ہوئی کتاب ہے؟ اس پر حضرت مجاہد ملت قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز نے فرمایا کہ وہ کسی کی بنائی ہوئی کتاب نہیں ہے، وہ تو اللہ کی صفت ہے۔ آپ توبہ کریں۔ مولانا صاحب نے کہا میں آپ کے کہنے سے توبہ نہ کروں گا۔ ہاں مفتی اعظم فرمائیں گے تو میں توبہ کرلوں گا۔

غالباً مولانا صاحب مذکور اس وقت یہ سمجھے ہوں گے کہ مفتی اعظم ایسا ہرگز نہ فرمائیں گے لیکن حضرت مفتی اعظم قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز ایک زبردست فقیہ تھے، وہ کہیں معتزلہ کے قول کو حق مان سکتے تھے؟ ان کے سامنے حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوڑے کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہوا قول تھا کہ کلام اللہ غیر مخلوق ہے، ان کے سامنے قرآن حکیم کے اللہ تعالیٰ کی صفت ہونے سے متعلق "المستند المعتمد" میں سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد فرمایا ہوا یہ قول تھا کہ "لم ينفصل و لن ينفصل عن الرحمن ولم يحل فى قلب ولا لسان ولا اوراق ولا اٰذان ومع ذلك ليس المحفوظ فى صدورنا الا هو ولا المتلو بافواهنا الا هو والمكتوب فى مصاحفنا الا هو ولا المسموع باسماعنا الا هو لا يحل لاحد ان يقول بحدوث الملفوظ المتلو المكتوب المسموع انما الحادث حفظنا و السنتنا و تلاوتنا و ايدينا و كتابتنا و اٰذاننا و سماعتنا۔"

(المستند المعتمد، ص ۳۵، المجمع الاسلامی، مبارک پور)

اکابر میں سے قرار دیے جانے والے ایک مولانا اور پیر صاحب کے سامنے ان کے ایک غیر سید منظور نظر عالم کے بارے میں یہ کہا گیا تھا یہ اپنے کو سید کہتے ہیں۔ کیا یہ سید ہیں؟ انھوں نے حکم شرع کی پرواہ نہ کی اور جواب میں یہ کہا کہ سید کے معنی سردار کے ہیں، علما ہی تو

قوم کے سردار ہوتے ہیں۔اسی طرح ایک مشہور پیر صاحب سے جب ایک مسئلہ دریافت کیا گیا تو انھوں نے صحیح جواب دیا لیکن جب ان سے یہ کہا گیا کہ فلاں شخص ایسا کہتا ہے لہٰذا آپ اپنے قول کو تحریر فرما دیں تو انکار کر دیا اور یہ کہا کہ میں انھیں خلافت دے چکا ہوں لیکن حضرت مفتی اعظم قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کی ذات گرامی ان باتوں سے پاک تھی جیسا کہ حضرت مجاہد ملت قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز نے فرمایا ہے جب حضرت مفتی اعظم کو اس بات کی اطلاع دی گئی کہ جن مولانا صاحب نے اپنی تصنیف میں قرآن کو اللہ کی بنائی ہوئی کتاب قرار دیا ہے تو آپ نے بھرے مجمع میں ان سے توبہ کروائی۔

آج کل بہت سے لوگ بل کہ بہت سے علما اخلاق برتنے کے نام پر حکم شرعی سے لاپرواہی برتتے ہیں اور شرعی حدت کو عیب سے تعبیر کرتے ہیں لیکن حضرت مفتی اعظم ہند قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز اسلاف کرام خصوصاً سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزاج رکھتے تھے۔اس کا سبب آپ کا تفقہ تھا۔" الملفوظ "میں ہے اعلیٰ حضرت قدرت کی حدت مزاج کا تذکرہ تھا، ایک صاحب نے عرض کیا، ایک تو مزاج گرم دوسرے علم کی گرمی! اس پر ارشاد فرمایا حدیث میں ہے ان الحدۃ تعتری قرّاء امّتی لعزۃ القرآن فی اجوافهم۔ (ملفوظ شریف، مفتی اعظم، ص ۴۴۳، رضوی کتاب گھر، دہلی) قرّ امحاورۂ حدیث میں علما کو کہتے ہیں یعنی میری امت کے علما کو گرمی پیش آئے گی۔قرآن کی عزت کے سبب تفقہ کی وجہ سے۔حضرت مفتی اعظم قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز میں حدت کی جو خوبی موجود تھی اس کا اندازہ حضرت مجاہد ملت قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کے ذکر کیے ہوئے مندرجہ ذیل واقعہ سے ہو جائے گا۔

تقسیم ہند سے پہلے مناظرہ میں شرکت کرنے کے لیے حضرت مفتی اعظم اور حضرت مجاہد ملت قدس سرہما لاہور تشریف لے گئے ایک مکان کی بالائی منزل میں آپ حضرات کا قیام تھا۔وہابیہ دیوبندیہ کے پڑھے لکھے لوگوں میں سے یعنی مولانا کہلانے والے لوگوں میں سے کوئی صاحب وہاں پہنچ گئے۔انھوں نے سلام کرتے ہوئے اپنے ہاتھ حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی طرف مصافحہ کے لیے بڑھائے، آپ نے ان کا نام دریافت کیا جیسا کہ حضرت مجاہد ملت قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز نے ذکر فرمایا ہے۔جب حضرت مفتی اعظم قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ صاحب وہابی دیوبندی ہیں تو آپ نے فرمایا: آپ سے ہمارا مصافحہ کیسا؟ ہم سنی ہیں اور آپ دیوبندی۔

سطور متذکرہ بالا سے اس امر کا علم بخوبی ہو جاتا ہے کہ حضرت مفتی اعظم قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کے تبحر علمی تفقہ اور تدین کا کیا عالم تھا اور حضرت مجاہد ملت قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کی نظروں میں آپ کی ذات بابرکت کیسی عظمت کی حامل تھی؟

☆☆☆☆☆

حضور مفتی اعظم اور حضرت صدر العلما میرٹھی

مولانا محمد فاروق رضوی
خادم الافتا منظر اسلام، رضانگر بریلی شریف

میں فقیر نوری حضور مرشدِ برحق سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ کی کماحقہٗ کیا سیرت نگاری کر سکتا ہوں جب کہ حضور مفتی اعظم کے معاصرین جید علمائے کرام وفضلائے ذوی الاحترام نے مرجع العلما فرمایا اور لکھا ہے۔ نیز حضور اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ نے اپنے اس لختِ جگر پر ناز فرمایا ہے بل کہ خاتم الاکابر، نوشہِ بزمِ برکاتیت، مرشد حضور مفتی اعظم سید ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہٗ القوی نے حضور مرشد برحق حضور مفتی اعظم کو ان کی ولادتِ مبارکہ کے بعد ہی فیض بخش اور فیض رساں اور ولی کامل فرمایا تھا۔

بہر حال حضور مفتی اعظم اور حضور صدر العلما میرٹھی کے مابین جو روابط اور محبت وتعظیم کے جو قلبی رشتے تھے۔ فقیر نوری عرض کرتا ہے۔ مجھ فقیر نوری کو حضور صدر العلما میرٹھی علیہ الرحمۃ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے اور تقریباً دس سال میرٹھ میں رہ کر مدرسہ اسلامی عربی محلہ اندرکوٹ میں حضور صدر العلما کی درس گاہ میں صدر العلما کے حضور زانوے ادب تہ کیا ہے۔

میں جب بھی کبھی اپنے غریب خانہ بریلی شریف حاضر آیا۔ حضر صدر العلما کے بموجب صدر العلما کا سلام حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش کیا تو حضور مرشد برحق سرکار مفتی اعظم نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ کون صدر صاحب۔ کہاں کے صدر صاحب بلکہ فوراً سلام کا جواب عطا فرمایا اور ساتھ ہی فوراً دریافت فرمایا کہ صدر صاحب خیریت سے ہیں۔ جب آپ جائیں تو میرا سلام بھی صدر صاحب کی خدمت میں پیش کر دیں۔ یہاں یہ بات عرض کرتا چلوں کہ حضور صدر العلما میرٹھی علیہ الرحمہ معاصرین علما کے درمیان لفظ ''صدر صاحب'' سے اس قدر مشہور تھے کہ ''صدر صاحب'' کہہ دیا جاتا تو ہر ایک کا ذہن معاً صدر العلما میرٹھی کی ہی جانب جاتا تھا۔ یہ فقیر نوری جب غریب خانہ سے واپس ہوتا اور حضور استاد معظم صدر العلما میرٹھی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ حضور مرشد برحق سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کا سلام پیش کرتا۔ بعدِ جواب حضور صدر العلما بھی حضور مفتی اعظم کی مزاج پرسی فرماتے اور ہر طرح کی خیریت دریافت فرماتے۔ دورانِ سبق جب کبھی حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا ذکر آتا تو حضور صدر العلما سرکار مفتی اعظم کا ذکر نہایت ادب وتعظیم سے فرماتے اور آپ کے وقارِ علمی وعملی کو سراہتے ہوئے ارشاد فرماتے تھے کہ فی زمانہ حضور مفتی اعظم کی ذات مبارکہ فقید المثال ہے۔

حضور صدر العلما میرٹھی علیہ الرحمۃ تاحیات عرسِ رضوی وحامدی میں شرکت فرماتے رہے اور دار العلوم منظر اسلام کے تاحیات ممتحن بھی رہے۔ جب بریلی شریف تشریف لاتے تو یہ فقیر نوری اور چند طلبہ ہمرکاب ہوتے۔ حضور ریحانِ ملت علیہ الرحمہ، حضور صدر العلما کے بریلی شریف پہنچنے سے پہلے ہی مدرسہ کا دار الحدیث خالی کرا دیا کرتے تھے۔ رضانگر سوداگران پہنچ کر سامانِ سفر وغیرہ دار الحدیث میں رکھ دیا جاتا اور حضور صدر العلما وضو فرماتے سب سے پہلے درگاہِ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں پہنچتے۔ بعدہٗ کوشش فرماتے کہ حضرت مفتی

اعظم سے ملاقات ہو جائے۔ چنان چہ حضور ریحان ملت سے معلوم فرماتے کہ حضرت سے ملاقات کہاں اور کس صورت سے ہو سکتی ہے۔ حضور ریحانِ ملت، حضور مرشد برحق سرکار مفتی اعظم کے متعلق بتا دیتے اور صدر العلما خود ہی ہم میں سے کسی طالب علم کو ساتھ لے کر ملاقات کرنے چلے جاتے۔ حضور مفتی اعظم حضور صدر العلما کو پان پیش فرماتے۔ اکثر ناشتہ کا بھی انتظام ہوتا تھا۔ حضور صدر العلما کے پاکیزہ قلب میں حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کی جو علمی قدر و منزلت تھی وہ بیان سے باہر ہے۔ ہم جیسے خوشہ چیں کیا اس کو بیان کر سکتے ہیں قارئین کرام اس بات سے کچھ اندازہ لگائیں کہ حضور صدر العلما میرٹھی علیہ الرحمہ نے علم نحو کی مشہور کتاب شرح مأۃ عامل کی بنام (بشیر الکامل بحل شرح مأۃ عامل) شرح اور ترکیب فرمائی تو آپ نے (پیش کش) کے عنوان سے بشیر الکامل کو حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کی خدمت بابرکت میں پیش فرمایا ہے۔ چنان چہ حضور صدر العلما میرٹھی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ

زمانۂ قدیم سے آج تک معمول ہے کہ ارباب علم اپنی تصانیف کو قدر شناس سلاطین اور علم دوست اہلِ دُول کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تاکہ علمی انکشافات منصۂ شہود پر آ کر ہر خاص و عام کے لیے جلوہ ریز ہوں اور سلسلہ تالیفات جاری رہ کر علوم و فنون ترقی پاتے رہیں۔ مگر فقیر اپنی اس علمی خدمت کو شہر یارِ علم و ہدایت، تاجدارِ اہل سنت، مفتی اعظم بھارت، ملجائے جوازم و نواصب۔ ماوائے افاضل۔ جلیل المراتب۔ حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان صاحب زیب سجادۂ رضوی۔ دام ظلہ السنوی کی خدمتِ بابرکت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کرتے ہوئے درخواست کرتا ہے کہ جلوات و خلوات کی مخصوص دعاؤں میں اپنے اس دیرینہ نیاز مند کو پیش نظر رکھیں کہ۔ نگاہِ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں

گر قبول افتد زہے عز و شرف

طالبِ دعا: فقیر سید غلام جیلانی صدر المدرسین مدرسہ اسلامی عربی اندرکوٹھ میرٹھی (البشیر الکامل صفحہ ۲)

نیز حضور صدر العلما میرٹھی علیہ الرحمہ کی نظر میں سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ کی علمی قدر و وجاہت یوں بھی ہے کہ آپ نے سرکار مفتی اعظم کی خدمت میں چند استفتے بھی پیش کیے ہیں جن کا جواب سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ نے عنایت فرمایا ہے۔ فتاویٰ مصطفویہ میں ہے

مسئلہ از میرٹھ۔ مرسلہ جناب مولٰنا مولوی سید غلام جیلانی صاحب صدر مدرس مدرسہ اسلامی عربی ۱۰ر جمادی الاولیٰ ۵۸ھ

(سوال) اگر مسجد میں ایسا نل لگا ہو جس میں ٹنکی سے چوبیس گھنٹے پانی آتا ہو کیا اس نل سے اہلِ محلہ پانی لے سکتے ہیں۔

الجواب: لے سکتے ہیں جبکہ نل لگانے والے کی کنواں بنانے والے کی طرح سب کو لینے کی اجازت ہو اور اگر نل لگانے والے کی خاص مسجد ہی کے لیے نیت ہو کہ وضو و غسل وغیرہ نماز کے لیے طہارت ہی کے کام میں لیا جائے یا اس نل کے پانی کی قیمت مسجد کے مال سے ادا کی جاتی ہو تو گھروں کو لے جانا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ مصطفویہ جلد ۳)

نیز فتاویٰ مصطفویہ کی اسی جلد ۳ میں دو سوال اور بھی ہیں وہ بھی حضور صدر العلما میرٹھی علیہ الرحمہ سے متعلق ہیں۔ وہ سوال و جواب بھی قارئین کرام کے سامنے پیش کرنا افادہ سے خالی نہیں ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ۔ (سوال) اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس شعر پر ہے ۔ یادِ حضور کی قسم غفلتِ عیش ہے ستم۔ الخ۔ بہ ظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس میں غیر ذات و صفات عز و جل کے ساتھ قسم کھائی گئی ہے جو شرعاً مکروہ ہے۔

سوال نمبر ۲۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دستخط فتاویٰ آخر میں بطریق ذیل ہوتے تھے۔

کتبہ احمد رضا عفی عنہ

بمحمد بن المصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

بعض اشخاص کا خیال ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کمالِ ادب اس ترتیب کے عکس کا مقتضی تھا یعنی اسم گرامی نیچے اور سرکارِ دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک اوپر تحریر فرماتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترتیب کاتب کی تراشیدہ ہے۔

الجواب۔ یہاں جواب یہ خیال میں آتا ہے کہ سارے حلف بغیر اللہ مکروہ و حرام نہیں اور حرام و کروہ حرمت و کراہت میں متساویۃ الاقدام نہیں۔ بعض تو اس قدر راشد حرام ہیں کہ جیسے طواغی و انداد کفار کے ساتھ حلف کہ ایک صورت میں کفر یقینی۔ ایک میں.......... پھر وہ حلف جو طواغی و انداد کے ساتھ خاص ہو جیسے امانت کے ساتھ حلف کہ اہل کتاب کا حلف تھا۔ پھر حلف بالآباء وغیرہ لمعات میں زیر حدیث من حلف فقال فی حلفه باللات والعزی فلیقل لا اله الا الله ۔یحتمل ان یکون معناه انه سبق لسانه فلیتدارکه بكلمة التوحيد لانه صورة الكفر والافان كان على قصد التعظيم فهو كفر و ارتداد يجب العود عنه بالدخول فى الاسلام ۔ مرقات میں ہے من حلف بالاصنام فقد اشركها بالله فى التعظيم فوجب تداركها بكلمة التوحيد. نیز مرقات میں زیر حدیث "ان الله ينهاكم ان تحلفوا بآبائكم من كان حالفاً فليحلف بالله او ليصمت" يكره الحلف بغير اسماء الله تعالىٰ و صفاته سواء فى ذلك النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والكعبة والملئكة والامانة والحياة والروح وغيرها و من اشدها كراهة الحلف بالامانة ۔ اشعۃ اللمعات میں ہے۔ باید کہ توبہ کند و تدارک نماید بکلمۂ توحید اگر ایں سوگند خوردن بلات و عزیٰ بطریق سبق لسان و عادتِ جاہلیت ست پس تدارک بکلمۂ توحید بجہت بودن او ست صورت کفر وامر مستحسن است و ظاہر آنست کہ مراد یمین است والا اگر بقصد تعظیم بود کفر و ارتداد صریح است و واجب ست عود از اں بدر آمدن در اسلام۔ اسی میں زیر حدیث "من حلف بالامانة فليس منا" ہے۔ گفت آنحضرت کہ کہ سوگند خورد بامانت پس نیست آں کس از ما و بر طریقہ مائل کہ از متشبہین بغیر ماست زیرا کہ آں از عادتِ اہلِ کتاب ست واز جہت نابودنِ او از اسماء و صفاتِ الٰہی تعالیٰ۔

بعض وہ کہ صورتاً حلف۔ مگر یمین مراد نہیں مجرد تقریر و تاکید مقصود ہو جیسے کبھی صیغۂ ندا کلام میں بے قصد ندا محض برائے اختصاص زیادہ کیا جاتا ہے یہ نا جائز و حرام نہیں۔ حدیث میں ہے خود حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا افلح و ابیه ۔ مرقات میں زیر حدیث ان الله ينهاكم ان تحلفوا بآبائكم هے ۔ قال القاضى فان قيل هذا الحديث مخالف لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم افلح و ابيه فجوابه ان هذه كلمة تجرى على اللسان لا يقصد بها اليمين بل هو من جملة ما يزاد فى الكلام لمجرد التقرير و التاكيد ولا يراد به القسم كما يراد بصيغة النداء مجرد الاختصاص دون القصد الى النداء. انتهى۔ نیز امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں فان قيل الحديث مخالف لقوله صلى الله عليه وسلم افلح و ابيه ان صدق فجوابه ان هذه كلمة تجرى على اللسان لاتقصد بها اليمين ۔ پھر علی قاری لکھتے ہیں۔ والاظهر ان هذا وقع قبل و رود النهى او بعده لبيان الجواز ليدل على ان النهى ليس للتحريم ۔ تو ہر حلف بغیر اللہ پر حکم کراہت تحریم نہیں۔

یا حضور کی قسم میں بھی یا تو قسم، مراد نہیں مجرد تقریر و تاکید مقصود ہے نہ قسم۔ یا قسم مقصود ہو تو یا تو وہ غیر خدا کی قسم ہی نہیں۔ یا غیر خدا کی قسم ہے مگر نا جائز نہیں۔ "یا حضور" یاد الٰہی ہی ہے حدیث قدسی میں ہے جعلتک ذکراً من ذکرى فمن ذكرك فقد ذكرنى. تو ذکرِ الٰہی کی قسم غیر خدا کی قسم ہی نہیں۔ اگر کوئی کہے یوں تو حضور بھی ذات خدا سے جدا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک مگر حضور خدا بھی نہیں نہ اس کی صفت۔ لہٰذا ذات حضور کی قسم نہ چاہیے اور ذکرِ حضور ذکرِ خدا ہی ہے لہٰذا اس میں حرج نہیں۔ ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "یاد

حضور کی قسم"میں" یادؔ" سے مراد وہ یاد جوان کی ان کا رب عزوجل فرماتا ہے ـیا" یادِ حضور" سے یہ مراد کہ وہ یادِ الٰہی جو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے قلبِ اقدس میں ہرآن جلوہ فرما ہے، وہ ذکرِ خداوندی جس میں حضور مشغول ہرآن اور حضور جانِ نور کا۔ پر نور رواں رواں ہے۔ یا" یادِ حضور" میں لفظِ" حضور" مرادف شہود ہے، ضد غیب، منافی غفلت یعنی شہود وشاہد ومشاہد ومشہود حقیقی عز جلالہ کے ذکر یاد کی قسم کہ غفلت عیش ستم ہے ـیا" یادِ حضور" کا یہ مطلب کہ وہ یاد جو ولادتِ اقدس پھر جب سے لے کر وفاتِ اقدس تک بل کہ اس کے بعد بھی آج تک اور تا قیامِ قیامت دنیا و برزخ وحشر میں جوامتِ مرحومہ کی فرمائی ،فرمارہے ہیں۔فرماتے رہیں گے۔اس یاد کی قسم اس حیثیت سے کہ وہ وحی خدا ہے کہ فرمایاؤَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى. (سورۃ /) یعنی اس خاص وحی الٰہی کی قسم جسے یادِ حضور سے تعبیر کیا ہے۔اور وہ جو حدیث میں فرمایامن حلف بغیر الله فقد اشرک اس سے مراد یہی ہے کہ جو مشرکوں کی طرح کہ جس اعتقاد سے مشرکین بتوں کی قسم کھاتے تھے۔غیر خدا کی قسم کھائے۔شراحِ حدیث نے اس کا مطلب یہ فرمادیا کہ غیر خدا کی قسم بہ اعتقادِ تعظیم آں غیر کھائے تو شرک ہوگا۔اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کا ترجمہ فرمایا۔کسے کہ سوگند خورد بغیر خدا با اعتقادِ تعظیم آں غیر پس بہ تحقیق شریک گردانید آں غیر را بخدا در تعظیم اگر یہ مطلب نہ ہوتو معاذ اللہ کیا وہابی کی طرح کوئی احمق یہ کہے گا کہ خود حضور نے اسے شرک قرار دیا اور خود غیر خدا کے ساتھ حلف زبانِ مبارک سے ادا فرمایا۔یہاں یاتو غیر ذات وصفاتِ خدا کی قسم ہی نہیں ۔یا یمین مراد نہیں مجرد تقریر وتاکید مراد ہے اور اس میں اصلاً محذور نہیں ۔حدیث میں مراد علی الاطلاق حکم شرک نہیں ۔اور مرقات کی عبارت سے معلوم ہو چکا کہ خود حضور نے" افلح و ابیہ" فرمایا۔غیر خدا کے ساتھ حلف کی نہی سے پہلے فرمایا ہے یا بعد کہ صدورِ شرک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ہر نبی سے محال ہے اور وہابی تو گنگوہی کی طرح اسے صاف شرک کہہ دے گا جیسے گنگوہی نے تقدیس القدیر میں صاف کہہ دیا کہ صدورِ شرک آں جناب سے لامحالہ ممکن حبط اعمال بدرجہ اولیٰ ممکن بل کہ اسی کے صفحہ ۲۴ پر حضور سے معاذ اللہ شرک کا وقوع ثابت کیا کہ شرک کے افراد مباح تک ہیں (تا) خود فخر عالم آپ ہی تو شرک ثابت کرتے ہیں اور خود اس کے.......... کہہ دے گا کہ خود حضور نے خلف بغیر اللہ کو شرک کہا اور خود" افلح وابیہ" فرما کر معاذ اللہ شرک کیا۔ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲-الجواب : اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فتوے کے آخر میں اکثر یوں اپنا نام نامی تحریر فرماتے

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــہ

عبدہ المذنب الفقیر احمد رضا عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ

اور کبھی اس طرح فقیر احمد رضا غفرلہ۔جس طرح سوال میں نقل کیے ہیں یہ طرز حضرت قدس سرہٗ کا نہ تھا کاتب کا ایجاد ہے۔اور یہ بھی سوء ادب نہیں کہ جہاں مہر نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہ وبارک وسلم سے یہ ادب معلوم ہوا کہ رسم جلالت بالا مکتوب تھا اس ترتیب پر مہرِ اقدس پشتِ مقدس پر تھی

الله

رسول

محمد

وہاں قرآنِ عظیم میں یوں بھی ہے محمد رسول اللہ تو معلوم کہ یہ بھی سوئے ادب نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔(فتاویٰ مصطفویہ جلد ۳)

حضور صدر العلما میرٹھی علیہ الرحمہ کا اپنی عظیم تالیف بشیرا لکامل کو مرشد برحق سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ کی جانب منسوب کرنا اور فتوے حاصل کرنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ حضور صدر العلما میرٹھی کی نگاہ میں مرشد برحق سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ کی علمی قدر ومنزلت اس

قدر تھی کہ ہم جیسے خوشہ چیں اس کے بیان سے قاصر ہیں اور حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ بھی سیدی و استاذی صدر العلما میرٹھی علیہ الرحمۃ کی معاصرین علما کے مابین جو عزت و تکریم فرماتے تھے وہ بھی بیان سے باہر ہے۔ محترم برادرِ طریقت الحاج سعید نوری (ممبئی) نے مجھ جیسے بے بضاعت سے سیدی و استاذی حضور صدر العلما امام النحو علامہ الحاج الشاہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ اور شاہزادۂ اعلیٰ حضرت مرشد برحق افقہ الفقہا نائبِ غوثِ اعظم سیدی مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ کے مابین قلبی روابط اور آپس میں ان کے عز و وقار پر مضمون لکھنے کی فرمائش کی میں نے اپنے علم و یقین کے طور پر ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں تحریر کر دیا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے مجھے میرے مرشد برحق کنزی و ذخری لیومی و غدی سرکار مفتی اعظم اور استاذِ معظم سیدی و سندی حضور صدر العلما میرٹھی قدس سرہما کی سچی غلامی عطا فرمائے اور ان کا سایۂ لطف و کرم دارین میں نصیب فرمائے۔

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم کا تبحر علمی

مولانا مفتی محمد اعظم صاحب رضوی
شیخ الحدیث دارالعلوم منظر اسلام، بریلی شریف

ایک ہلال ایک بدر کامل :

ہلال سے میری مراد ہے، ہلال عید اہلِ سنّت، آفتاب علم و ہدایت، مؤلف قانونِ شریعت، شاگرد ارشد صدر الشریعہ، عاشقِ اعلیٰ حضرت، آقائے نعمت، استاد محترم حضرت علامہ شمس العلما قاضی شمس الدین احمد صاحب جعفری جون پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وارضاہ عنا اور بدر کامل سے مراد ہیں بحر ذخار علم شریعت، مہر تابانِ طریقت، عارف اسرار معرفت، دانائے رموزِ حقیقت، تاجدار اہل سنت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضرت علامہ مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ حضور شمس العلما کا وصال محرم الحرام ۱۴۰۲ھ کی چاند رات میں ہوا اور حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ۱۳؍دن بعد محرم الحرام ۱۴۰۲ھ کی چودھویں شب میں ہوا۔ ان دونوں تاریخ وصال میں کھلا ہوا اشارہ ہے کہ حضور شمس العلما، ہلالِ اہل سنت تھے اور حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آسمانِ علم و فضل و رشد و ہدایت کے وہ بدرِ کامل تھے جس سے شبستانِ اہل سنت منور تھا اور ان دونوں ہستیوں کا ماہ محرم میں دنیا سے تشریف لے جانا اس بات کا اعلام و اعلان ہے کہ ان حضرات کا دنیا سے کوچ کر جانا اہل سنت کے لیے اندوہناک واقعہ، دردناک سانحہ، شدید الم، بہت بڑا غم ہے۔ ایسا غم ہے کہ جو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعۂ شہادت کی طرح تمام اہل سنت و جماعت کے سینوں میں ان حضرات کی یاد آنے پر کسک اور تڑپ پیدا کرتا رہے گا۔ حضرت امام عالی مقام کے واقعۂ شہادت کی طرح ہر ماہ کی آمد پر تازہ ہوتا رہے گا، کتنی یکسانیت ہے ان دونوں مقدس ہستیوں کے دینی کارناموں اور سفر آخرت کرنے میں۔ حضور شمس العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے وصال کا صاف اشارہ وصال سے پہلے ہی فرمادیا تھا۔ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی وصال سے کئی دن پہلے اپنے وصال کا صاف صاف اشارہ بار بار فرمادیا تھا۔ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وصال سے پہلے کھڑے ہو کر نماز ادا فرمائی۔ وظیفہ وغیرہ بھی حسب معمول پڑھا۔ وصال سے چند منٹ پہلے تمام طالبانِ بیعت کو باقاعدہ بیعت فرمایا اور سب کام انجام فرمانے کے بعد اس طرح لیٹ گئے جس طرح آپ ہر روز آرام فرمانے کے لیے لیٹا کرتے تھے۔ ہاں وصال سے پہلے سورۂ یٰسین شریف وغیرہ بھی آپ نے پڑھی تھی۔ اسی طرح حضور شمس العلما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ہر روز کی طرح جامعہ حمیدیہ بنارس میں طالبانِ علم دین کو باقاعدہ درس دیا ظہر کی نماز پڑھی، عصر کے بعد اپنی مخصوص جگہ بیٹھے جیسے ہر روز بیٹھتے تھے پھر مغرب کی نماز پڑھی، عشا کی نماز پڑھی پھر بنارس کے چند لوگ آئے آپ سے ایک فتویٰ سمجھنے کے لیے انھیں فتویٰ سمجھایا۔ پھر حسب معمول چارپائی پر تشریف لے گئے۔ پھر حسب عادت کریمہ سونے سے پہلے مطالعہ میں مشغول ہوگئے۔ اس دن زیر مطالعہ فقہ و تصوف کی مشہور زمانہ کتاب کیمیائے سعادت تھی کتاب میں جہاں موت کا بیان آیا، وہاں لال نشان لگادیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے مطالعہ وہیں تک فرمایا۔

بعد مطالعہ آرام میں سو گئے صبح کو نماز فجر سے پہلے خادم نے جگانے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ آپ سفر آخرت فرما چکے ہیں یعنی ان دونوں مقدس ہستیوں نے آخر وقت تک اپنا اپنا کام انجام دیا۔ اے اہل ایمان، اے علماے عظام، اے مدرسین ومفتیان کرام، اے طالبان علوم اسلام ہم پر لازم ہے کہ انھیں حضرات کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دنیا سے جائیں۔ دنیا میں جئیں ایمان وعمل صالح کے ساتھ سفر آخرت شروع کریں تو اس طرح کہ لوگ رو رہے ہوں اور ہم ہنس رہے ہوں۔

مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی ایک علمی تاریخی مجلس :

ایک بار جس زمانے میں چاند پر امریکی آدمیوں کے پہنچنے کی خبر امریکہ والے خوب زور وشور سے دنیا میں پھیلا رہے تھے، حضرت مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دارالافتاوالی باہری بیٹھک میں تشریف فرما تھے، استاذ محترم حضرت شمس العلما قاضی شمس الدین احمد صاحب جون پوری مصنف قانون شریعت اور حضرت صدر العلما مولانا سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی حضور مفتی اعظم کے پاس بیٹھے تھے علمی مذاکرہ ہو رہا تھا۔ فقیر راقم الحروف محمد اعظم بھی اس مبارک مجلس میں حاضر تھا، اثناے مذاکرہ چاند پر عام انسان کے پہونچ سکنے یا نہ پہونچ سکنے کی بات بھی آ گئی۔ حضور مفتی اعظم سے پوچھا گیا۔ چاند پر عام انسان کا پہونچنا ممکن ہے؟ حضرت نے فرمایا۔ ممکن ہے کیوں کہ چاند اور سورج اور تمام تارے آسمان کے نیچے ہیں، زمین وآسمان کے درمیان مسخر ہیں۔

مدارک میں، آیت کریمہ: ''كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ'' (سورۂ انبیا ۲۱ / ۳۳) کی تفسیر میں ہے۔ عن عباس ان المراد بالفلك السماء والجمهور على ان الفلك موج مكفوف تحت السماء تجرى فيه الشمس والقمر والنجوم (ص ۷۱۵، پارہ۔ ۱۶، دار المعرفہ، بیروت) یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف یہ ہے کہ فلک سے مراد آسمان ہی ہے جب کہ جمہور کے مسلک کے مطابق سورج، چاند اور ستارے سب زمین وآسمان کے درمیان ایک موج مکفوف میں تیر رہے ہیں۔ یعنی سورج اور چاند اور تمام تارے زمین وآسمان کے درمیان مسخر ہیں۔ حضرت نے فرمایا جب چاند اور سورج آسمان کے نیچے ہیں تو ان تک پہونچنا ممکن ہے۔ ہاں مشکل ہے۔ اس کے بعد غالباً مولانا غلام جیلانی صاحب نے کہا کہ حضور اس آیت کا کیا مطلب ہے: كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ۔ (سورۂ انبیاء ۲۱ / ۳۳) ترجمہ: ہر ایک ایک فلک میں تیر رہا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند اور سورج آسمان میں ہیں، حضرت نے فرمایا فلک سے مراد دائرۂ حرکت ہے اور یہ دائرۂ حرکت آسمان کے نیچے ہے اور قرآن میں جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ چاند اور سورج آسمانوں میں ہیں وہاں ظرفیت سے اس قسم کی ظرفیت مراد ہے جو شامیانے وغیرہ میں مراد ہوتی ہے کہتے ہیں کہ چراغ فانوس یا بلب شامیانے میں جل رہا ہے تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ شامیانے کے اوپر جل رہا ہے بل کہ یہ مراد ہوتی ہے کہ اس کے نیچے جل رہا ہے، اسی طرح آسمان دنیا بھی جو قدرتی شامیانہ ہے اس کے نیچے چاند اور سورج موجود ہیں۔ اس کے بعد حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب نے کہا کہ حضور وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا (سورۂ یٰس ۳۶ / ۳۸)۔ میں۔ تَجْرِيْ سے اس کا چلنا معلوم ہوتا ہے اور لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا سے معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب کے لیے قرار گاہ ہے تو چلنا اور مستقر رہنا یعنی حرکت نہ کرنا آفتاب کے لیے دونوں باتیں ایک وقت میں ثابت ہوتی ہیں۔ یہ اجتماع ضدین کیسے ہو سکتا ہے کہ آفتاب حرکت بھی کر رہا ہو اور اسی وقت اس کے لیے قرار اور ٹھہراؤ بھی ہو؟

اس پر حضرت کا جواب کچھ اس طرح تھا کہ: قرآن کریم میں یہ نہیں ہے کہ سورج ''اپنے مستقر میں'' چل رہا ہے بلکہ یہ ہے کہ سورج اپنے ایک مستقر اور ٹھہراؤ کے لیے چل رہا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ جنت سے زمین کی طرف

جاؤ قرآن کریم میں ہے وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لیے مستقر فرمایا تو کیا زمین میں جو انسانوں کی قرار گاہ ہے؟ انسان چلتے پھرتے نہیں بے حرکت کھڑے یا بیٹھے یا لیٹے رہتے ہیں جیسے زمین انسان کا مستقر اور مسکن ہے اور وہ اس میں چلتے پھرتے ہیں، اسی طرح چاند اور سورج کے لیے کوئی مستقر ہو۔ اور اس کے حدود میں ان کی حرکت ہو تو قرار گاہ ہونا اور حرکت ہونا؟ دونوں امر ثابت ہوں گے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ سورج کے لیے ایک مستقر ہے اور ایک دائرۂ حرکت بھی ہے۔ دائرہ حرکت میں سورج اپنے مستقر کے لیے چل رہا ہے۔ الغرض آفتاب کے لیے مستقر ہونا اس کی حرکت کی نفی نہیں کرتا۔

فقہ اور افتا میں حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا تبحر :

غالباً ۶۰-۱۹۶۱ء کا واقعہ ہے جب کہ میں اور حضرت مولانا مفتی قاضی عبدالرحیم حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے دولت کدہ کے اس حصے میں رہتے تھے جو حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی ظاہری آخری، جلوہ گاہ اور نشست گاہ اور دار العلوم مظہر اسلام و رضوی دار الافتا کا دفتر بھی تھا اس کے بالائی حصے میں حضرت مولانا مفتی شریف الحق صاحب اور فقیر محمد اعظم اور مولانا قاضی عبدالرحیم بھی رہتے تھے، وہیں دار العلوم مظہر اسلام کا کتب خانہ بھی تھا۔ اسی زمانہ کا ایک واقعہ ہے جس کے شاہد اور واقعہ سے تعلق رکھنے والے مولانا قاضی عبدالرحیم صاحب بھی ہیں اور دو اشخاص جو اس واقعہ کے دو اور شاہد و متعلق تھے جناب مولانا عظیم الدین صاحب فاضل بہار پکھر یروی اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ کے محترم داماد جناب مشہود میاں صاحب یہ دونوں حضرات انتقال فرما چکے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمد افضل حسین صاحب جو پہلے حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے دار الافتا میں مفتی تھے بعد میں دار العلوم منظر اسلام میں چلے گئے تھے۔ منظر اسلام میں رہنے کے زمانے میں حضرت مولانا مفتی محمد افضل حسین صاحب نے حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے دار الافتا میں کام کرنے والے مفتیانِ کرام حضرت مولانا مفتی شریف الحق صاحب اور فقیر محمد اعظم اور مولانا مفتی قاضی عبدالرحیم پر یہ فتویٰ صادر فرمادیا کہ ان لوگوں کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ اس لیے کہ یہ لوگ اجارۂ فاسدہ کے مرتکب ہیں۔ رضا مسجد کے امام معین و مقرر حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے محترم داماد حضرت ساجد میاں صاحب علیہ الرحمہ تھے اور کبھی کبھی مولانا مفتی شریف الحق صاحب اور کبھی کبھی فقیر محمد اعظم اور کبھی کبھی مولانا قاضی عبدالرحیم صاحب نماز پڑھادیا کرتے تھے۔ مولانا مفتی شریف الحق صاحب اور فقیر محمد اعظم اور مولانا قاضی عبدالرحیم صاحب کو حضرت کے دولت کدہ سے تنخواہ کے ساتھ کھانا بھی ملتا تھا۔ اسی بنا پر حضرت مولانا افضل حسین صاحب نے ہم لوگوں پر یہ فتویٰ صادر فرمادیا کہ تنخواہ کے ساتھ کھانا جو ملتا ہے یہ اجارۂ فاسدہ ہے کیوں کہ تنخواہ تو معلوم ہے لیکن کھانا مجہول ہے۔ یہ نہیں معلوم کہ کتنا اور کیسا کھانا ملے گا۔ کھانا مجہول ہونے کی وجہ سے یہ اجارۂ فاسدہ ہوا اور اجارۂ فاسدہ ناجائز ہے اور ناجائز کا علانیہ مرتکب فاسق معلن لہٰذا یہ حضرات فاسق معلن اور ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ جب یہ فتویٰ ہمیں معلوم ہوا تو ہم لوگوں نے علامہ شامی کی کتاب رد المحتار میں جس کو شامی بھی کہتے ہیں اجارۂ فاسدہ کی بحث نکال کر وہ عبارت تلاش کی جس کو فتوے کی اصل بنایا تھا، حضرت مولانا افضل حسین صاحب نے۔ وہ عبارت مل گئی کہ اس طرح کا اجارہ فاسد ہے مگر وہیں یہ بھی لکھا تھا کہ اس سے تھوڑا پہلے یہ بحث گزر چکی ہے اسے دیکھ لو۔ اس بحث کی عبارت تلاش کی گئی تو عبارت مل گئی۔ علامہ شامی اس بحث میں فرما چکے تھے کہ یہ اگرچہ بدلیل قیاس اجارۂ فاسدہ ہے مگر تعامل کی بنا پر فتویٰ جواز پر ہے۔ جب یہ عبارت ملی جسے دیکھے بغیر حضرت مفتی محمد افضل حسین صاحب نے فتویٰ دے دیا تھا تو ہم لوگوں نے کتاب شامی لے کر مولانا عظیم الدین صاحب فاضل بہاری کو منظر اسلام میں بھیجا۔ انھوں نے جاتے ہی عبارت

دکھائی اور کہا کہ آپ نے فتویٰ لکھ دیا اور یہ عبارت نہیں دیکھی جس کو دیکھنے کے لیے علامہ شامی نے فرمادیا ہے۔ آپ کا فتویٰ صحیح نہیں ہے۔
اس زمانے میں حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ سفر میں تھے۔ غالباً حضرت مولانا مفتی شریف الحق صاحب بھی نہیں تھے۔ چند دن کے بعد جب حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ سفر سے تشریف لائے تو ہم لوگوں نے حضرت مولانا افضل حسین صاحب کا فتویٰ ہم لوگوں کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہونے کا اجارۂ فاسدہ کے ارتکاب کی بنا پر پیش کیا اور شامی کتاب کی وہ عبارت بھی دکھائی جس کو دیکھے بغیر فتویٰ لکھ دیا گیا تھا۔ تو حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ سب سے پہلے مولانا افضل حسین کو چاہیے کہ انھوں نے محلہ ملوک پور نالے والی مسجد میں برسوں تک جو پڑھائی ہیں ان کو اس مسجد سے تنخواہ اور تنخواہ کے ساتھ کھانا بھی ملتا تھا، ان تمام نمازوا کے اعادہ کا حکم دیں اور دونوں مدارس کے مدرسین و طلبہ جو مساجد میں امامت کرتے اور تنخواہ اور کھانا پاتے ہیں، ان سب کی نماز کے اعادہ کا بھی حکم دیں۔ کیسے انھوں نے یہ فتویٰ دے دیا؟ یہ اجارۂ فاسدہ تو ہے لیکن تعامل کی بنا پر جائز ہے، اسی پر فتویٰ ہے۔

اس کے بعد حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے بڑی تفصیل کے ساتھ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے زمانے کا واقعہ بیان فرمایا کہ مجھے جن دایہ نے دودھ پلایا ہے ان کو بھی جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے گھر میں رہتی تھیں ماہانہ کچھ تنخواہ اور کھانا وغیرہ دیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت نے فرمایا کہ وہ دایہ مرچ والی چٹنی زیادہ کھاتی تھیں اسی کا اثر ہے کہ میں بھی اس کو زیادہ کھاتا ہوں۔ حضرت مفتی اعظم نے مفتیٰ بہ قول بیان فرما کر اعلیٰ حضرت کے گھر کا یہ واقعہ اس لیے بیان فرمایا کہ یہ ایسا مفتی بہ قول ہے کہ اعلیٰ حضرت کے گھر میں معمول بہ بھی تھا۔ پھر حضرت نے فرمایا مولانا افضل صاحب نے کیسے یہ فتویٰ دے دیا جب یہ سب باتیں مفتی افضل حسین کو معلوم ہوئیں تو اس کے بعد وہ نہ کچھ بولے نہ لکھا۔

☆☆☆☆☆

انیسواں باب

چاند کے ساتھ ساتھ اگر ستاروں کی انجمن نہ ہوتی تو چاند کی عظمت و جلال میں چار چاند نہ لگتے ، چاند کی چاندنی کے گردنور کا ہالہ نہ ہوتا تو اس کا حسن و جمال دوبالا نہ ہوتا ، امام احمد رضا قادری بڑے عظیم تھے ،ان کی عظمتوں کے چرچے اکناف عالم میں ہورہے ہیں ، لیکن اگر وہ شہر بریلی میں نیام میں تلوار کی طرح یکا و تنہا ہوتے تو شاید آپ کی شخصیت میں وہ دل کشی و رعنائی نہ ہوتی ہے جو ہمیں محسوس ہوتی ہے ، در اصل کسی بھی شخصیت کی دل آویزی و جاذبیت میں بہت سے عناصر کارفرما ہوتے ہیں ۔ آپ یقیناً بہت عظیم ہیں ، مگر ستاروں کی طرح روشن و تابناک تلامذہ اور خلفا کی انجمن نہ ہوتی تو کیسا لگتا ؟ اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ کسی رجل عظیم کی عظمتوں کو اجاگر کرنے کے لیے قدرت اس کے ہم دموں اور دم سازوں کی مقتدر جماعت کو پیدا فرمادیتی ہے ، تاکہ اُس کا قدرعنا زیادہ تمایز کے ساتھ پہنچانا جاسکے ۔ شہر بریلی کی امامت و قیادت قسام ازل نے خانوادۂ رضا کے لیے لکھ دیا تھا ، اسُ لیے باوجودے کہ اس شہر میں ایک سے ایک صاحب فضل و کما منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئے ، مگر آپ کے تابش پر نور کے سامنے کسی کا چرغ روشن نہ ہوسکا ۔ بہ ظاہر اگرچہ یہ باب موضوع سے متعلق معلوم نہیں ہوتا ، مگر مذکورہ بالا تمہید نے اس باب کی معنویت و افادیت کوبہ ہر حال اجاگر کر دیا ہوگا ۔ اس باب کے ذریعہ ہم نے یہ پیغام دینے کی کوشش کی ہے کہ جس زمین سے مفتی اعظم کا تعلق ہے وہ انتہائی مردم خیز اور زر خیز ہے ، اس زمین کو خانوادۂ رضانے ذرا نہیں بل کہ اپنے آہ سحر گاہی سے انتہائی زر خیز اور نم بنادیا ہے ۔ یہاں اقبال کی امیدوں کی کشت ویران نہیں لالہ زار و زعفران زار نظر آتی ہے ۔ اس زمین نے بڑے بڑے لعل و گوہر و ملک و قوم کو عطا کیے ہیں ۔ اور ابھی جانے کیسے کیسے عجائبات سامنے آئیں گے ۔ میرے خیال میں اس موضوع پر اس ناحیہ سے جماعتی سطح پر کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوا ہے ، اس سلسلے میں ہماری مثال اس شخص کی سی ہے جو سورج کی روشنی سے مستفیض ہونے کے لیے براہ راست اس کے دھکتے ہوئے ٹکیہ پر نظر جمانا چاھتا ہے ، جب کہ سچائی یہ ہے کہ اگر ہم نے حقیقی طور پر سورج کی عظمت و قار کا تصور کرنا ہے تو اس کی تابشوں سے روشن و منور سیاروں کے وجود کو بھی نظر میں رکھنا ہوگا ، چاند اسی متواضعانہ فکر کے پس منظر میں سورج سے دن میں روشنی حاصل کرتا ہے اور لیلائے شب میں خنک چاندنی تقسیم کرتا ہے۔مرتب اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کرتا ہے ، کہ شہر بریلی کی ایک مفصل تاریخ لکھی جائے جس میں اس کے سماجی ، علمی ، ادبی ، شعری ، فنی اور فکری عروج و ارتقا کی داستان رقم کی جائے ، خانوادۂ رضویہ کے ساتھ ساتھ دیگر فنون کے ماہرین کے بھی تذکروں سے اسے سجایاجائے تاکہ زیادہ معنویت اور ہمہ گیرت کے ساتھ فکر رضاکا تصور جلوہ آرا ہوسکے ۔ شاید یہ باب اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ مرتب مقالہ نگاروں کی بھر پور حوصلہ افزائی کرتا ہے اور اس سلسلے کی توسیع کے لیے دعا گو ہے ۔

مقبول احمد سالک مصباحی

شہر بریلی کے ممتاز علماے کرام

(خانوادۂ رضویہ)

مولانا محمد اعجاز رضوی بریلوی
استاذ دارالعلوم فیضان رضا، نگر پنچایت دھوزہ ٹانڈہ، بریلی

قدوۃ الواصلین حضرت مولانا رضا علی خاں :

مغلیہ دور آخر کی شب دیجور میں سپیدۂ صبح کی طرح حافظ کاظم علی خاں کے بیٹے رضا علی خاں ۱۲۲۴ھ مطابق ۱۸۰۹ء بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ اس خاندان کے پہلے شخص ہیں جو علم دین کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ اور سب سے پہلے مسند افتا کو زینت بخشی اور انھیں کی ذات سے اس خاندان میں تلوار کی بجائے قلم کا دور شروع ہوا۔ آپ اپنے والد ماجد کے اور جد امجد کے خلف الصدق قرار پائے۔ اسلاف کا جاہ و حشم و علم و فضل زہد و تقویٰ آپ کی ذات سے نمایاں اور پیشانی سے تاباں تھا۔ سنت رسول پر عمل اور اس میں پہل آپ کا مزاج تھا۔ رضائے الٰہی ہمیشہ آپ کی رضا رہی۔ آپ کا نام اسم با مسمیٰ تھا۔ آپ کی ذات الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کا پیکر تھی۔ صرف ۲۳ رسال کی عمر میں ۱۲۴۷ھ ٹونک راجستھان میں مولانا خلیل الرحمٰن ابن ملا محمد عرفان رام پوری سے علوم و فنون حاصل کر کے شہرۂ آفاق ہو گئے۔ خصوصاً تصوف میں اپنی نظیر آپ تھے۔ تقریر بڑی پُر تاثیر فرماتے آپ کا کلام "گفتہ او گفتہ اللہ بود" کا شاہکار ہوتا۔ فن شاعری میں آپ مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی متوفی ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء کے شاگرد تھے۔ ان کا ایک شعر ہے۔

آہ! ہم پر ہوا مسلط وبال فرنگیاں ہمیں ہیں مالک اور ہمیں آنکھیں دکھائی جاتی ہیں

مولانا رضا علی خاں بریلوی انگریزوں کے سخت مخالف اور بریلی کی جماعت مجاہدین کے پشت پناہ تھے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں بریلی کے اندر غدر میں مجاہدین کو اپنے گھوڑوں اور سامان رسد کے ذریعے مدد پہنچائی۔ ہنگامہ میں جب انگریزوں کا سیلاب ہندوستان میں بلا کی طرح پھیل رہا تھا۔ لوگوں کو خرید خرید کر غلام بنایا جا رہا تھا۔ دنیادار حکام، جاہ طلب امراء، مصلحت اندیش ابن الوقت علما انگریزوں سے سودے بازی میں معروف تھے، وعظ و نصیحت کا سارا زور انگریزوں کی وفاداری پر تھا۔ برطانوی اقتدار کی للچائی نظریں بریلی پر تھیں۔ جنرل ہڈسن اور اس کے وظیفہ خوار حریت پسندوں کو ختم کرنے میں مصروف تھے۔ بریلی کا مورچہ جنرل بیدار بخت خاں کے ہاتھوں میں تھا۔ مجاہد کبیر مولانا رضا علی خاں بنفس نفیس اپنے تلامذہ اور مریدین کے ساتھ فریضۂ جہاد ادا کر رہے تھے۔ فرنگی افواج کو آگ اور خون کا دریا عبور کرنا پڑ رہا تھا۔ آپ کا آستانہ مجاہدین کی پناہ گاہ تھا۔ اور آپ کا گھر گھوڑوں کا اصطبل اور حریت پسندوں کا لنگر خانہ تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اپنے عروج پر تھی۔ برطانوی ہوس ملک گیری کی تلوار بے نیام تھی۔ حریت پسندوں کی تلاش اور ان کی گردن زدنی دستور عام تھا۔ بھلا

وہ مولانا رضا علی خاں جیسے مجاہد کبیر کو کیسے معاف کر سکتے تھے؟ چنانچہ برطانوی سپاہی حضرت کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ مکان کا گوشہ گوشہ چھان مارا۔ یہاں تک کہ وہ حضرت کی املی والی مسجد محلہ ذخیرہ میں گھس پڑے، جہاں حضرت مصروف عبادت تھے۔ نامراد سپاہی جان مراد تک پہنچ کر بھی نامراد رہے اور حضرت کو نہ دیکھ سکے۔

آپ صاحب کشف و کرامت بزرگ اللہ والے تھے۔ ایک دن حضرت کا گزر کوچۂ سیتارام کی طرف ہوا۔ ہنود کے تہوار ہولی کا زمانہ تھا ایک ہندنی بازاری طوائف نے اپنے بالا خانے سے آپ کے اوپر رنگ چھوڑ دیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر شارع عام پر ایک جوشیلے مسلمان نے اس کی حرکت پر تشدد کرنا چاہا۔ آپ نے فرمایا اس نے بھائی مجھ پر رنگ ڈالا ہے۔ خدا اسے رنگ دے گا۔ ادھر یہ جملہ زبان حق ترجمان سے نکلا اور اُدھر وہ بازاری عورت حضرت کے قدموں پر آ پڑی اور مسلمان ہوگئی۔

۲ر جمادی الاولی ۱۲۸۲ھ کو آپ نے وصال فرمایا۔ آپ کا مزار سٹی قبرستان بریلی شریف میں زیارت گاہ عام و خاص ہے۔

خاتم المحققین مولانا نقی علی خاں:

مولانا نقی علی خاں بریلوی مولانا رضا علی خاں کے مایۂ ناز فرزند ہیں جو ۳۰ر جمادی الآخر یا یکم رجب ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۰ء کو املی والی مسجد سے متصل محلہ ذخیرہ بریلی میں پیدا ہوئے۔ جملہ علوم وفنون اپنے والد گرامی قدر قدوۃ الواصلین مولانا رضا علی خاں سے حاصل کیے۔ بہت جلد فضل وکمال کے بلند و بالا منصب پر پہنچ کر اطراف واکناف میں مشہور ومعروف ہو گئے۔ درس وتدریس تصنیف وتالیف وافتا کے علاوہ علم وعمل فکر ونظر وفہم وفراست میں بے نظیر تھے۔ مزید برآں سخاوت وشجاعت غربا سے محبت، حکام سے نفرت، خلوت وجلوت میں اتباع سنت، امور دینی میں استقامت آپ کی زندگی کا بڑا روشن پہلو ہے۔ پھر عشق رسول اور سرکوبی اعدائے دین رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو آپ کا سرمایۂ زندگی تھا۔ ان فضائل ومحاسن کے علاوہ یہ آپ ہی کی ذات کی امتیازی شان ہے کہ آپ نے اپنے ولد اسعد احمد رضا خاں کی ایسی تعلیم وتربیت فرمائی کہ چودھویں صدی کو ایک بے مثال عالم سنت اور مجدد دین وملت میسر آیا۔ آپ اپنے خاندان میں سلطان عقل مشہور ہوئے اور اہلیہ محترمہ وزیر عقل کہلائیں۔

۵ر جمادی الاولی ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء کو حضرت تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی کی معیت میں مارہرہ مقدسہ پہنچ کر حضرت سیدی شاہ آل رسول سے شرف بیعت کیا حاصل۔ حضرت پیر ومرشد نے اسی مجلس میں آپ کو خلافت دی اور تمام سلاسل عالیہ کی اجازت سے مشرف فرمایا۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ اسی مجلس میں آپ کے نامور صاحبزادہ امام احمد رضا خاں بھی بیعت وخلافت واجازت سے سرفراز ہوئے۔

۲۶ر شوال المکرم ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء کو اپنی شدت علالت اور ضعف قوت کے باوجود یہ کہہ کر ''مدینہ طیبہ کے ارادے سے قدم باہر رکھوں پھر چاہے یہ روح اسی وقت پرواز کر جائے۔'' حج وزیارت کے لیے حرمین طیبین حاضر ہوئے۔ وہاں بھی حضرت اکمل العلما علامہ سید زینی دحلان شیخ الحرم متوفی ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۱ء ودیگر علمائے مکہ سے دوبارہ سند حدیث حاصل کی۔ اس سفر میں بھی آپ کے صاحبزادے امام احمد رضا کو آپ کی خدمت ومعیت میں اکابر علمائے مکہ ومدینہ سے حدیث وتفسیر، فقہ اصول فقہ میں اجازت کا شرف عطا ہوا آپ بخیریت تمام اس سفر بہجت اثر سے مراجعت فرمائے بریلی ہوئے۔

دین متین کی تائید میں آپ کی تمام تصانیف یادگار ہیں۔ جن کی تعداد تقریباً ۳۰ ہے جن میں پچیس کتب بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ بریلی و پیلی بھیت میں آپ کو بے پناہ مقبولیت حاصل تھی۔ اپنے والد معظم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ نے بھی انگریزوں سے مسلمانوں کو دور رکھنے کی کوشش کی اور اس سلسلے میں اپنے والد کے معاون ومددگار رہے۔

ضلع رام پور میں جو آپ کی زمین تھی اسے ۱۸۵۷ء کی جنگ کے بعد انگریزوں نے ضبط کر لیا۔ جمعرات کے دن ظہر کے وقت

آخری ذوالقعدہ ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء میں ۵۱ رسال کی عمر میں وصال ہوا اور شب جمعہ اپنے والد کے آغوش میں سٹی قبرستان بریلی میں آرام فرمایا۔ آج ان کا مزار مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔

استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں بریلوی :

مولانا حسن رضا خاں ابن مولانا مفتی نقی علی خاں بن مولانا رضا علی خاں ۲۲ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ/ ۱۹ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔

(۱) مولانا حسن رضا خاں بریلوی نے مروجہ علوم کی تکمیل گھر پر ہی والد ماجد اور برادر اکبر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی سے کی۔ (۲) معقولات ومنقولات میں مہارت حاصل کرنے کے بعد ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء میں برادر اکبر اعلیٰ حضرت کے مشورہ سے ایک مدرسہ بنام' مدرسہ اہل سنت وجماعت معروف بہ منظر اسلام بریلی'' قائم کیا۔ (۳) مولانا حسن بریلوی رام پور گئے اور اپنے پھوپھا فضل حسن صاحب کے یہاں مقیم ہوکر داغ دہلوی کے شاگرد ہوئے۔ اور غزلیہ شاعری میں مہارت حاصل، داغ دہلوی ان پر بہت مہربان تھے اور ان کو پیارے سے شاگرد کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ (۴) مولانا حسن رضا بریلوی بڑے ذہین وفطین تھے۔ خدا نے طبیعت موزوں عطا کی تھی، شعر گوئی کی طرف راغب ہوئے اور شاعری میں مہارت تامہ حاصل کی۔

مولانا حسن رضا بریلوی کی نگرانی میں اور سید محمود علی عاشق بریلوی کی ادارت میں'' ماہنامہ بہار بے خزاں'' اور ہفتہ وار'' روز افزوں'' بھی جاری ہوا۔ اس عہد کے مذاق کے مطابق پاکیزہ ادب پیش کرتے تھے۔ گلدستہ بہار بے خزاں کا فروری ۱۹۰۳ء میں اجرا ہوا۔ اس کے مدیر سید محمود علی عاشق بریلوی تھے۔ جو مولانا حسن بریلوی کے شاگرد تھے۔ مولانا کے زمانہ میں ہی نعتیہ مشاعروں کا رواج پڑا، ان سے قبل بریلی کے مشاعروں میں بطور تبریک حمد ونعت ومنقبت خوانی ہوتی تھی۔ جب مولانا حسن بریلوی کی نعت گوئی نے ہندوستان گیر شہرت حاصل، اور بریلی میں نعت گوئی کو غیر معمولی مقبولیت نصیب ہوئی تب نعت گوئی کے لیے مشاعرے بھی جدا منعقد ہونے لگے۔

آپ بہترین نثر نگار بھی تھے۔ متعدد تصانیف زیور طبع سے آراستہ ہوئیں۔ امام احمد رضا بریلوی نے آپ کے کلام پر مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

> مولانا کافی اور حسن میاں مرحوم کا کلام اول سے آخر تک شریعت کے دائرے میں ہے۔ حسن میاں کو میں نے نعت گوئی کے اصول بتادیے تھے، ان کی طبیعت میں ان کا ایسا رنگ رچا کہ ہمیشہ کلام اسی معیار اعتدال پر صادر ہوتا، جہاں شبہہ ہوتا مجھ سے دریافت کر لیتے۔

مولانا حسن بریلوی، برادر اکبر امام احمد رضا کے دست راست تھے۔ مولانا حسن رضا بریلوی کے تین فرزند تھے۔ (۱) حکیم حسین رضا خاں (۲) مولانا حسنین رضا خاں (۳) فاروق رضا خاں اور ایک لڑکی انوار فاطمہ عرف انوری تھی۔ مولانا حسن رضا بریلوی حج وزیارت سے مشرف ہوئے اور واپسی کے بعد ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں انتقال ہوا۔ سٹی قبرستان بریلی میں دفن ہوئے۔

مولانا حسنین رضا خاں بریلوی :

حضرت مولانا حسنین رضا خاں بن استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے آپ مفتی اعظم سے عمر میں چھ ماہ بڑے تھے آپ امام احمد رضا کے برادر زادہ، تلمیذ اور خلیفہ تھے۔ آپ نے حجۃ الاسلام سے بھی مفتی اعظم کی معیت میں کتابیں پڑھی ہیں۔

دارالعلوم منظر اسلام بریلی میں تدریسی خدمات کے ساتھ اشاعتی میدان میں بھی آپ نے بڑا کام کیا ہے۔ حسنی پریس قائم کیا اور ماہوار رسالہ "الرضا" جاری کر دیا یہ آپ نے درس و تدریس کے زمانے میں جاری کیا تھا۔ جس کے ساتھ محنت اور وقت کی ضرورت تھی مگر تدریس کی مصروفیات کی وجہ سے ماہنامہ الرضا کو وقت نہیں دے پاتے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ پابندی وقت کے ساتھ شائع نہیں ہو پاتا تھا۔ ماہنامہ الرضا کی اشاعت کی خاطر آپ نے درس و تدریس کے عہدے سے اپنا دے دیا اور اپنا کامل وقت ماہنامہ الرضا، حسنی پریس اور اشاعت کتب میں صرف کرنے لگے۔

مولانا حسنین رضا خاں نے تدریس کے عہدے سے استعفا دینے کی وجہ خود اپنے ایک مضمون میں تحریر فرمائی ہے۔ درس و تدریس کا مجھے ایک زمانہ سے شوق ہے۔ مجھے اپنے قدیمی محسن مدرسہ اہل سنت (منظر اسلام کا پہلا مشہور نام) سے بڑی مدد ملتی رہتی ہے۔ اس متبرک دارالعلوم نے اپنی ضرورت سے پچھلے دنوں مجھے دو درجے کا مدرس کر دیا تھا۔ جس سے بظاہر بار پڑنا سمجھا جاتا ہے، مگر حقیقۃً میرے شوق کی تکمیل ہوئی تھی۔ اب جب میں نے پرچہ "الرضا" کے کاموں میں الجھن دیکھی تو ایک درجہ کے درس سے ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ میں دستبردار ہو گیا۔ میں نے اس پرچہ کو جاری رکھنے کے لیے اپنے شوق کا خون کیا۔

مولانا حسنین رضا خاں قدس سرہٗ کا سینہ علم کا گنجینہ تھا۔ مولانا سبطین رضا خاں بریلوی، مولانا غلام جیلانی اعظمی کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ جس زمانے میں حضرت درس دیا کرتے تھے۔ معقولات کی بڑی بڑی کتابیں آپ کے پاس رہا کرتی تھیں۔ کبھی کبھی ایسا ہوا کرتا تھا کہ درس گاہ میں تشریف لے آتے اور پڑھانا شروع کر دیتے۔ مشکل سے مشکل سبق ہوتا۔ طلبہ جو اس وقت محنتی اور ذہین ہوتے تھے۔ ہر طرف سے سوالات کی بوچھار کرتے اور آپ سب کو یکے بعد دیگرے تسلی بخش جواب دیتے جاتے اور دوران سبق محسوس نہ ہونے دیتے کہ بغیر مطالعہ پڑھا رہے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ، آپ کے اخلاق حسنہ، اولیائے کرام کے حالات زندگی اور تاریخی واقعات کو اس خوبی سے بیان فرماتے کہ آپ کے پاس بیٹھنے والے جن میں وکلا اور بیرسٹران بھی ہوتے تھے، آپ کی گفتگو پورے انہماک اور توجہ سے سنتے اور اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔

مولانا حسنین رضا خاں بریلوی نے ایک جماعت انصار الاسلام قائم فرمائی جس کے پلیٹ فارم سے آپ سیاسی اور سماجی خدمات انجام دیا کرتے تھے جس سے اہل اسلام کا فائدہ وابستہ تھا اور ان کا مذہبی تشخص بھی برقرار رہتا تھا۔

شعر و شاعری :

مولانا حسنین رضا خاں بریلوی شعر و ادب کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی اور امام احمد رضا بریلوی سے اصلاحات لیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

تیری نعل مقدس جس کے سر پہ سایہ گستر ہے ۔۔۔ وہی فرماں روائے ہفت کشور ہے سکندر ہے
غضب ہی کر دیا حسنین طیبہ سے پلٹ آئے ۔۔۔ وہ جیتے جی کی جنت ہے وہ جنت سے بھی بڑھ کر ہے

دوسری جگہ اعلیٰ حضرت کی شان میں لکھتے ہیں:

مدد کا وقت ہے اے حضرت احمد رضا اٹھو ۔۔۔ غریبوں کو سہارا دو مریضوں کی دوا اٹھو
کوئی دم میں اب آتی ہے صدا یہ قبر انور سے ۔۔۔ ادھر آؤ بڑھو حسنین لو اپنا صلہ اٹھو

آپ کو شاہ ابو الحسین احمد نوری مارہروی سے شرف بیعت حاصل تھا۔ آپ کی باقیات صالحات میں امین شریعت مفتی سبطین رضا

خاں مفتی اعظم مدھیہ پردیش شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی الشاہ تحسین رضا خاں محدث بریلوی، مولانا حبیب رضا خاں اور ایک صاحبزادی بیرانی اماں اہلیہ حضور جانشین مفتی اعظم تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی الشاہ محمد اختر رضا خاں ازہری ہیں۔ اس سلسلۂ زریں میں قطب العالم مولانا رضا علی خاں بریلوی سے ان تینوں صاحبزادگان تک علم دین اور خدمت دین کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کا وصال ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۱ء میں ہوا۔

خانقاہ نوریہ رضویہ سوداگران بریلی میں اپنے مشفق استاد حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا خاں بریلوی کے پائتی چھوٹے گیٹ کے سامنے صدر دروازے کے بائیں طرف مدفن قرار پایا جو آج مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔

حضرت مولانا مفتی تقدس علی خاں رضوی بریلوی :

یادگار سلف استاذ العلما جامع معقول و منقول حضرت مولانا مفتی تقدس علی خاں ابن الحاج سردار ولی خاں بن مولانا ہادی رضا خاں بن مولانا رضا علی خاں (جد امجد اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خاں بریلوی) رجب ۱۳۲۵ھ مطابق اگست ۱۹۰۷ء بمقام آستانہ عالیہ رضویہ محلہ سوداگران بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ مولانا حسن رضا خاں بریلوی نے آپ کا تاریخی نام تقدس علی خاں استخراج فرمایا۔

اعلیٰ حضرت سے رشتہ :

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز مفتی تقدس علی خاں کے والد محترم کے چچازاد بھائی تھے اور والدہ ماجدہ کی طرف سے آپ کے نانا تھے۔ حجۃ الاسلام حضرت الشاہ مولانا حامد رضا خاں بریلوی آپ کے ماموں اور خسر تھے۔

آپ امام احمد رضا کے فرزند معنوی اور حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں کے ارشد تلمیذ، فرزند نسبتی اور چاروں سلاسل میں خلیفہ و مجاز ہیں، نیز وہ سفر و حضر میں رفیق و خادم اور اعزاء میں سب سے زیادہ قریب تھے۔ آپ کو امام احمد رضا سے ۱۳۳۲ھ سے شرف بیعت حاصل ہے۔ آپ نے شرح جامی کا خطبہ براہ راست امام احمد رضا سے پڑھا ہے۔ بہت سے علما خصوصاً محدث اعظم مولانا سردار احمد نے آپ سے بھی خطبہ پڑھ کر رضوی نسبت تلمذ کا شرف حاصل کیا ہے۔ مدرسہ عالیہ رام پور اور دار العلوم منظر اسلام بریلی میں آپ تعلیم حاصل کرتے رہے۔ آپ کے اساتذہ میں شمس العلما مولانا ظہور الحسن فاروقی مجددی رامپوری صدر المدرسین دار العلوم منظر اسلام، مولانا نور الحسین رامپوری، حضرت مولانا رحم الٰہی منگلوری، مولانا حسنین رضا خاں، صدر الشریعہ مولانا امجد علی اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں ہیں۔ آپ نے درسیات کے علاوہ رسم المفتی کا مقدمہ بھی پڑھایا اور فتویٰ نویسی کی مشق بھی کرائی۔ ۱۳۴۵ھ میں دار العلوم منظر اسلام بریلی سے فراغت کے بعد اسی مدرسے کے نائب مہتمم رہے اور اسی سے اپنی تدریس کا آغاز کیا۔ آپ جس محفل میں ہوتے جان محفل ہوتے۔ اعلام واسما میں نئے نئے معنی پیدا کرنا علمی معنویت کے ساتھ مذاق و مزاح کا رنگ پیدا کرنا آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ آپ پوری زندگی تدریسی، مجلسی، مسلکی و قومی میدان میں سرگرم عمل رہے۔ ۵ مئی ۱۹۵۲ء سے جامعہ راشدیہ پیر جوگوٹھ ضلع خیر پور، سندھ کے شیخ الجامعہ کے منصب پر تاحیات فائز رہے۔ آپ کی تدریسی زندگی ساٹھ سالہ شب و روز پر محیط ہے۔ آپ سنی کانفرنس مرادآباد کی دونوں تقریب ۱۴ر اکتوبر ۱۹۳۹ء، ۲۷ر تا ۳۰ر اپریل ۱۹۴۶ء میں شریک رہے اور تحریک پاکستان کے ہراول دستے کی طرح آپ کی خدمات نمایاں رہیں۔ امام احمد رضا کے مسلک کی اشاعت اور رضوی مسجد و مدرسہ خانقاہ کی تعمیر آپ کی زندگی کے کارہائے نمایاں ہیں۔ پیر جوگوٹھ میں امام احمد رضا کی یاد میں ''مسجد رضا'' تعمیر کی اور زندگی بھر اسی مسجد کی خدمت کرتے رہے۔

آپ نے حرمین طیبین کا پہلا سفر ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۵ء میں بریلی شریف ہندوستان سے کیا۔ اس سفر سراپا ظفر سے واپسی پر دار العلوم

منظر اسلام میں ایک شان دار جلسۂ تہنیت کا انعقاد ہوا۔ اس پر مولانا ابراہیم خوشتر صدیقی نے نظم پیش کی۔

جھولیاں نعمت دارین سے بھر کر اپنی　　پھر وطن کو مرے مخدوم و مکرم آئے

شاد و مسرور ہیں کس درجہ وہ اللہ اللہ　　کتنے انعام خدا جانے کہاں سے پائے

ہوئی تاریخ یہ خوشتر زسرِ کیف دوام　　دل کو پُر نور تجلی سے بنا کر لائے

آپ نے دوسرا سفر حج زیارت ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۹ء میں کیا۔ پھر آپ نے پاکستان سے تیسرا حج و زیارت کا سفر کیا۔ اور عمرہ و زیارت مدینہ منورہ تا دم آخر مسلسل بارہ سال تک کرتے رہے۔ اور زندگی بھر مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت میں مشغول رہ کر ہند و پاک کو اپنے علمی و روحانی فیضان سے نوازتے ہوئے ۲۲ رفروری بروز پیر ۱۹۸۸ء کو خدائے واحد قدوس کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے اور اپنے والد گرامی کے پہلو میں پیر جو گوٹھ خیر پور سندھ میں آرام فرمایا۔

مفتی محمد اعجاز ولی خاں رضوی بریلوی :

استاذ العلما، مولانا مفتی محمد اعجاز ولی خاں رضوی بن مولانا سردار ولی خاں بن مولانا ہادی علی خاں بن مولانا رضا علی خاں (جد امجد امام احمد رضا خاں قادری بریلوی) ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ مطابق ۲ رمارچ ۱۹۱۴ء کو بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔

عقیقہ کی تقریب پر آپ کا نام محمد رکھا گیا، اعجاز ولی خاں عرف قرار پایا۔ ۲۵ رشعبان ۱۳۳۶ھ کو امام احمد رضا بریلوی نے بسم اللہ شروع کرائی اور اعلیٰ حضرت ہی سے قرآن شریف شروع کیا اور قرآن حافظ عبدالقادر ، دری بریلوی سے پڑھا۔ مولانا تقدس علی خاں رضوی، برادر اکبر، مولانا مختار احمد سلطان پوری اور مولانا حسنین رضا خاں بریلوی سے متوسطات تک تعلیم حاصل کی۔ حضرت مفتی اعظم مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں بریلوی سے شرح جامی اور مولانا سردار ولی خاں عزّو میاں سے جلالین پڑھی۔ آپ نے درسیات کی تکمیل حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت سے مدرسہ سعیدیہ دادون علی گڑھ میں کی۔ مفتی اعظم نے ۱۹۳۷ء مطابق ۱۳۵۶ھ میں مسند حدیث عطا فرمائی۔ آپ نے تدریسی دنیا میں بڑا نام پیدا کیا۔ بریلی شریف میں تکمیل علوم کے بعد این. بی. ہائی اسکول بریلی میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد دار العلوم منظر اسلام اور کچھ عرصہ دار العلوم مظہر اسلام (مسجد بی بی جی صاحبہ) بریلی میں پڑھاتے رہے۔ ۱۹۴۵ء میں مفتی اعجاز ولی خاں مدرسہ منہاج العلوم پانی پت متصل مزار مولانا سید غوث علی شاہ پانی پتی قدس سرہٗ تشریف لے گئے اور ایک عرصہ فرائض تدریس انجام دینے کے بعد دار العلوم منظر اسلام بریلی میں چلے آئے۔ شیخ الحدیث والفقہ کی حیثیت سے آپ کی ذات مسلم تھی۔ بریلی شریف سے آپ نے فتویٰ نویسی کا آغاز کیا اور پاکستان میں اس منصب جلیل پر آپ مفتی اعظم کے وارث و امین تھے۔

جمعیت علما پاکستان کی تنظیم میں آپ نے بڑا نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ کو حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں بریلی سے سند حدیث حاصل تھی۔ اور شرف تلمذ بھی تھا۔ آپ سلاسل اربعہ میں حضرت سے ماذون و مجاز تھے۔

امام احمد رضا کے خاندان میں آپ کو علم جفر سے قدرے مناسبت تھی اس کا اندازہ لوگوں نے اس بات سے لگایا کہ آپ نے اپنے وصال کی خبر چند سال پہلے ہی دے دی تھی۔ پھر مولانا ابراہیم خوشتر صدیقی نے اس کی تصدیق چاہی کہ آپ کی پیش گوئی کے مطابق رحلت آپ کی رمضان میں ہوگی ہنوز برقرار ہے؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا اب قدرے تبدیلی واقع ہوگئی یہ ہے اب یہ سانحہ شوال میں ہوگا تو شوال میں ہی آپ کا وصال ہوا۔

سیاست میں کردار :

حضرت مفتی محمد اعجاز ولی خاں علیہ الرحمۃ ۱۹۳۷ء سے تحریک مسلم لیگ کی حمایت و اعانت فرماتے رہے۔ ۱۹۴۰ء میں جب لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو مفتی محمد اعجاز ولی خاں نے اس کی حمایت میں فتویٰ جاری کیا۔ ۱۹۴۵ء اور ۱۹۴۶ء میں مشرقی پنجاب کا دورہ کر کے پاکستان کے لیے فضا ہموار کی۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت میں حصہ لینے کی بنا پر ایک سو دن ایک سیفٹی ایکٹ کے تحت نظر بند رہے۔

چند یادگاریں :

۱۹۵۴ء میں حضرت داتا گنج بخش قدس سرہٗ کے مزار انور کے قریب جامعہ گنج بخش قائم کیا۔ مفتی محمد اعجاز ولی خاں نے گنج بخش کے نام سے ایک ماہنامہ بھی جاری کیا۔ غالباً ۱۹۵۶ء میں جامع مسجد محلہ اسلام پور میں خطیب مقرر ہوئے اور وہاں دارالعلوم حامدیہ رضویہ قائم کیا جو آج بھی جاری و ساری ہے۔

علم و فضل :

مفتی محمد اعجاز ولی خاں حسن اخلاق، ایثار و قربانی، حق گوئی، صاف دلی، بے نفسی، حلم و بردباری، قوت حافظہ، مسائل فقہ کے استحضار، صلابت رائے اور تاریخ گوئی میں اپنی مثال آپ تھے۔ متعدد علمائے نے مفتی محمد اعجاز ولی خاں سے اکتساب فیض کیا۔ تصانیف حسب ذیل ہیں۔
(۱) قانون میراث (۲) التسهيل الواضح (۳) تنویر القرآن و تفسیر قرآن بر حاشیہ کنز الایمان (۴) ترجمہ مکتوبات شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ (۵) ترجمہ کشف الاسرار، مختلف کتب پر مقدمے اور بے شمار فتاویٰ ہیں۔

انتقال پرملال :

مختصر علالت کے بعد ۲۴ رشوال المکرم ۱۳۹۳ھ مطابق ۲ رنومبر ۱۹۷۳ء بروز منگل آپ کا وصال ہوا۔ نماز جنازہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا سید ابوالبرکات رضوی نے پڑھائی۔ میانی صاحب بھاول پور روڈ لاہور میں مولانا غلام محمد ترنم قدس سرہٗ کے سرہانے آخری آرام گاہ بنی۔ ایک صاحبزادے پاشا صاحب اور ایک صاحبزادی یادگار ہیں۔ مفتی محمد اعجاز ولی خاں اپنا نام محمد اعجاز الرضوی لکھا کرتے تھے۔

قطعہ تاریخ :

حضرت مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی رضوی نے تاریخ وصال کہی۔

رخصت ہوا جہاں سے یہ کون باکمال — بوجھل ہوئی زمیں تو فلک غم سے ہے نڈھال
عقبیٰ کی فکر دین کا جس کو رہا خیال — "از عاقبت بخیر" ہے اس کا سن وصال
۱۳۹۳ھ

حضرت مولانا سید ایوب علی بریلوی :

حضرت مولانا سید ایوب علی رضوی بریلوی بن سید شجاعت علی بن سید تراب علی بن سید ببر علی بہاری پور بریلی میں پیدا ہوئے۔ مڈل اسکول میں مڈل کرنے کے بعد فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ کچھ عرصہ اسلامیہ اسکول بریلی میں پڑھاتے رہے، پھر جب امام احمد رضا قدس سرہٗ

سے بیعت کا شرف حاصل ہوا تو آپ نے اپنے آپ کو بارگاہ رضویت کے لیے وقف کر دیا۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے منظور نظر مرید وتلمیذ رہے۔جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کے رکن رکین رہے اور حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کے ساتھ شدھی تحریک کے انسداد میں حصہ لیا اور اس کی رپورٹیں ہفت روزہ اخبار، دبدبۂ سکندری رام پور، ماہنامہ یادگار رضا بریلی میں نکالتے رہے۔

روداد جماعت رضائے مصطفیٰ مولانا سید ایوب علی رضوی ہی ترتیب دیتے تھے۔شعروشاعری سے بھی لگاؤ تھا اور محرر اور مصنف بھی تھے۔

سید ایوب علی رضوی کو اعلیٰ حضرت سے والہانہ عقیدت ومحبت تھی یہاں تک کہ انھوں نے اپنے کتب خانے کو"رضوی کتب خانہ" سے موسوم کر دیا تھا اور آج بھی بہاری پور بریلی شریف میں ان کی یادگار، ان کا پشتینی مکان"رضوی منزل" کے نام سے ایک غیر مسلم کے قبضہ میں موجود ہے جس کے صدر دروازے پر"رضوی منزل" لکھا ہوا ہے۔

۲۶ر رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۶ر نومبر ۱۹۷۰ء بروز جمعۃ الوداع نماز فجر سے قبل اس دار فانی سے دار جاودانی کی طرف کوچ فرما گئے۔میانی صاحب لاہور کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

ان کے لکھے ہوئے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ان کا قلمی نسخہ فقیر کے پاس موجود ہے۔"باغ فردوس معروف بہ گل زار رضوی" (۱۳۵۳ھ)

فلک پر قدسیوں میں شور ہے اللہ اکبر کا ہوا مہماں عرب والا خدائے پاک و برتر کا
رسولوں میں رسول پاک کا ہمسر نہیں کوئی صحابہ میں ابوبکر و عمر عثمان و حیدر کا
اگر ہم بھی کہیں اہل مدینہ ہم وطن ہوتے تو آپ ہی بانٹ دیتے تم ہمیں حصہ برابر کا
غلامان رضائے مصطفیٰ خائف ہو کیوں پل سے تمھارے ہاتھ میں دامن ہے جب حامی ویاور کا
ذرا ایوب رضوی نام والا لے کے دیکھو تو کہ لب بندھتے ہیں آتا ہے مزہ قند مکرر کا

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں

قادریوں کی آنکھ کا تارا رضویوں کا ملجا و ماویٰ اہل سنن کے گھر کا اجالا حامی سنت اعلیٰ حضرت
مانا عرب نے تجھ کو یگانہ گایا عرب نے تیرا ترانہ مانے ہے تجھ کو سارا زمانہ حامی سنت اعلیٰ حضرت
ثانی اذاں بیرون مسجد جمعہ کو دلوائی مجدد سنت مردہ کردی زندہ حامی سنت اعلیٰ حضرت
فانی فی اللہ باقی باللہ چشم کرم ایوب پہ للہ مرشد برحق قبلہ و کعبہ حامی سنت اعلیٰ حضرت

علمبردار اہل سنت سید ریاست علی قادری رضوی :

جاں نثار امام احمد رضا، ناشر مسلک اعلیٰ حضرت سید ریاست علی قادری رضوی بن سید واحد علی رضوی ۷ر جون ۱۹۳۲ء کو محلہ شاہ آباد بریلی شریف کے علمی خانوادے میں پیدا ہوئے اور والدین کریمین کے سایۂ عاطفت میں رہ کر پرورش پائی۔سید ریاست علی قادری کے والدین اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی سے بیعت ہیں۔سید الطاف علی بریلوی کے ماموں ہیں اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے منظور نظر مرید وتلمیذ۔

تعلیم وتربیت :

حضرت مولانا سید ریاست علی قادری نے قرآن کریم اردو کی تعلیم اپنے محلے میں حاصل کی اور اسلامیہ ہائی اسکول بریلی سے میٹرک

پاس کیا۔ میٹرک کے فوراً بعد ۱۹۴۸ء میں پاکستان ہجرت کر گئے۔ یہاں پر انٹرمیڈیٹ اور بعد میں الیکٹرک ڈپلومہ انجینئرنگ کیا۔ جرمن لینگویج کورس فرام میونخ ویسٹ جرمنی میسرز سرمین اے جی ہند ڈی ڈی کی ٹریننگ لی۔ پاکستان جانے کے بعد مترجم کی حیثیت سے جرمنی سے انگریزی میں ٹرانسلیشن کا کام کیا۔ بعد میں محکمہ ٹیلی فون میں ملازمت اختیار کی اور ٹیلیفون سیلس ڈپارٹمنٹ میں بحیثیت ملازم فرائض انجام دیئے۔

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کا قیام :

سید صاحب نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے علمی کارناموں کی اشاعت اور تعارف کی غرض سے کراچی میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا قائم کیا جو ۱۹۸۰ء سے بیش بہا خدمات میں سرگرم ہے۔

بیعت وخلافت :

تقسیم ہند کے بعد ۱۹۵۶ء میں مولانا سید ریاست علی قادری پاکستان سے بریلی شریف حاضر ہوئے۔ حضور مفتی اعظم نوری قدس سرہٗ کو قریب سے دیکھنے کا موقع میسر آیا تو آپ کے زہد وتقویٰ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور فوراً شرف بیعت حاصل کیا۔ اگرچہ عقیدت آستانۂ عالیہ رضویہ سے پہلے ہی سے تھی اس لیے کہ سید ریاست علی کے والد سید واحد علی رضوی کو امام احمد رضا سے شرف بیعت حاصل تھا۔ جس کی وجہ سے اکثر وبیشتر مواقع پر اعلیٰ حضرت کا ذکر خیر ہوا کرتا تھا۔

۱۹۸۰ء میں حضرت مفتی اعظم مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی نے سلسلہ قادریہ برکاتیہ نوریہ رضویہ میں اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ نیز اپنا عمامہ، جبہ، ٹوپی، جانماز، رومال اور دیگر تبرکات انعام فرمائے۔

سید ریاست علی صاحب نے حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ کو بھی دیکھا تھا۔ مولانا محمد حامد رضا بریلوی آپ کے دولت خانے پر تشریف لے جاتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے زندگی میں ان سے زیادہ خوبصورت اور حسین شخصیت نہیں دیکھی۔ وہ بہت ہی حسین وجمیل اور خوبرو تھے۔

جانشین مفتی اعظم علامہ مفتی الشاہ اختر رضا ازہری قادری بریلوی دامت برکاتہم القدسیہ، استاذ العلما مفتی تقدس علی خاں رضوی علیہ الرحمۃ ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری اور حضرت علامہ شمس بریلوی آپ کی بہت قدر کرتے۔

دنیائے رضویت مولانا ریاست علی کی ذات پر نازاں ہے اور ان کے فروغ عمل کو اپنے لیے ایک منظم تحریک مانتی ہے۔ آپ قائم کردہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا پورے ہند وپاک میں امام احمد رضا پر اپنی نوعیت کا واحد ادارہ ہے جو اعلیٰ حضرت پر تحقیق کر رہا ہے اس ادارے نے دنیا بھر میں مسلم اور غیر مسلم دانش وروں کو اعلیٰ حضرت کی طرف متوجہ کیا ہے۔

☆☆☆

حوالہ جات

۱- ذکر جمیل، علامہ ابراہیم خوشتر صدیقی
۲- اندھیرے سے اجالے تک، علامہ عبدالحکیم شرف قادری
۳- علامہ حسنین رضا حیات وخدمات، مولانا شہاب الدین رضوی
۴- خلفائے مفتی اعظم، مولانا شہاب الدین رضوی

شہر بریلی کے ممتاز علمائے کرام

(خانوادۂ رضویہ کے علاوہ)

مولانا محمد رفیق عالم رضوی مصباحی
مدرس جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف

فی الحال خطۂ روہیل کھنڈ چھ ضلعوں پر مشتمل ہے، بریلی شریف، رام پور، پیلی بھیت، مرادآباد، شاہ جہاں پور اور بدایوں، ان میں ہر ایک ضلع کی عظمت اپنی جگہ مسلم ہے اور وہ اپنی کچھ خصوصیات کی وجہ سے ممتاز و منفرد ہے۔ لیکن ان میں بریلی شریف کو جو مقام و مرتبہ حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں۔ مسلک اہل سنت و جماعت کے عظیم پیشوا مجدد دین و ملت اسی سرزمین پر محوآرام ہیں جن کی علمی بصیرت اور فقہی و دینی خدمات کا ایک جہان معترف ہے۔ عشق رسول اور حب نبی جن کا درس حیات ہے اور جن کے آج گھر گھر چراغ جل رہے ہیں، حافظ رحمت خان کی مسلسل کوششوں سے علاقۂ روہیل کھنڈ میں اسلام کا اجالا پھیلا، علوم و فنون کی ترویج و اشاعت ہوئی، صوفیہ اور علما کا دور دورہ رہا، شہر بریلی شروع ہی سے علما و صوفیہ کا مسکن رہا ہے اور امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی مثالی اور عبقری شخصیت نے اپنی تحقیقی و فقہی تصنیفات اور تجدیدی خدمات سے ایک نئی جان ڈال دی، جس کی وجہ سے شہر بریلی دنیائے اسلام میں معروف و مشہور ہو گیا اور اہل سنت و جماعت کی پہچان بن گیا۔

مولانا عبدالعزیز بریلوی اپنی مشہور تصنیف ''تاریخ روہیل کھنڈ'' میں رقم طراز ہیں:

''بریلی میں علوم اسلامی کے عروج کا زمانہ حافظ الملک کے عہد سے شروع ہوتا ہے جب کہ روہیل کھنڈ میں پانچ ہزار علمائے مساجد اور مدارس میں درس دیتے ہیں۔''

مولوی حیدر علی لکھتے ہیں:

''اگرچہ شہر بانس بریلی بہ مقابلہ دہلی، لکھنؤ، آگرہ قصبہ ہے مگر یہ قصبہ کبھی عالموں، حکیموں، شاعروں، خوش نویسوں اور ہنرمندوں سے خالی نہیں رہا۔'' (بہ حوالہ ماہنامہ اشرفیہ، ستمبر ۲۰۰۲ء)

یہاں چند علمائے کرام کا تذکرہ لکھا جاتا ہے:

مولانا حکیم غلام قادر بیگ علیہ الرحمہ:

حضرت مولانا حکیم غلام قادر بیگ علیہ الرحمہ شہر بریلی کے جید، قدرآور، بلند عظمت اور ممتاز علمائے کرام میں سے تھے۔ آپ کی ولادت یکم محرم الحرام ۱۲۴۳ھ مطابق ۲۵ر جولائی ۱۸۲۷ء کو لکھنؤ کے ایک مشہور محلہ جھوائی ٹولہ میں ہوئی۔ آپ کے والد بزرگوار عالی

جناب حکیم مرزا حسن بیگ نے لکھنؤ ترک کر کے شہر بریلی کو اپنا مسکن بنالیا تھا، محلہ قلعہ میں جامع مسجد کے مشرق میں آپ کی رہائش گاہ تھی۔ آپ کا رہائشی مکان آج بھی موجود ہے۔ شاہانِ مغلیہ نے آپ کے اجداد کرام کو "مرزا" اور "بیگ" کے اعزازی خطابات سے نوازا تھا جبھی سے آپ کے خاندان میں مرزا اور بیگ لکھا جانے لگا۔ آپ کا خاندان نسلاً ایرانی یا ترکستانی ہے۔ مغل نہیں ہے، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت خواجہ عبیداللہ احرار نقشبندی علیہ الرحمہ سے ملتا ہے۔ حضرت احرار رحمۃ اللہ علیہ نسلاً فاروقی تھے۔ اس طرح آپ کا نسبی سلسلہ حضرت سیدنا فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے۔ مغل بادشاہ ظہیرالدین بابر اور ان کے والد حضرت خواجہ عبیداللہ احرار نقشبندی سے مرید تھے اس لیے بابر اور اس کے جانشین آپ کی اولاد کے ساتھ بڑے ادب واحترام کے ساتھ پیش آتے تھے اور ان کی بارگاہ فیض سے روحانی فیضان حاصل کرتے تھے۔

امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کے اجداد کرام بھی شاہانِ مغلیہ سے وابستہ رہے ہیں اور شاہانِ مغلیہ کو بھی آپ کے اجداد کرام پر کافی اعتماد تھا۔ اسی زمانے سے دونوں خاندانوں میں قریبی تعلقات رہے ہیں۔ اور اسی بنا پر مولانا غلام قادر بیگ اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے والد گرامی حضرت علامہ مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ کے درمیان بہت خوش گوار تعلقات تھے۔ یہی دوستانہ تعلقات آگے چل کر رشتہ داری میں بدل گئے اور مولانا حکیم غلام قادر بیگ علیہ الرحمہ کے حقیقی بھائی مولانا مطیع اللہ بیگ کے پوتے مرزا عبدالوحید بیگ بریلی کی دو بہنوں کی شادی خاندان رضا میں ہوگئی۔ ایک کا نکاح حضرت مفتی تقدس علی خاں علیہ الرحمہ کے تایازاد بھائی حافظ ریاست علی خاں مرحوم سے ہوا اور دوسری فرحت علی خاں کے فرزند شہزادے علی خاں مرحوم کے نکاح میں تھیں۔

حضرت مولانا حکیم غلام قادر بیگ علیہ الرحمۃ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ وقت کے ایک عظیم مجدد کے استاذ گرامی ہیں جن کے علوم وفنون کی دنیائے سنیت میں دھوم ہے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے آپ سے میزان ومنشعب اور دوسری ابتدائی کتابیں پڑھی ہیں۔ امام احمد رضا سے آپ کو اتنی محبت تھی کہ آپ خود گھر آکر درس دیا کرتے تھے۔ اخیر عمر تک آپ اس پر فخر کرتے رہے۔

ملک العلما حضرت علامہ ظفرالدین بہاری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں :

> "میں نے جناب مرزا صاحب مرحوم ومغفور (مولانا مرزا غلام قادر بیگ) کو دیکھا تھا گورا، چٹا رنگ، عمر تقریباً اسی سال، داڑھی، سر کے بال ایک ایک کر کے سفید، عمامہ باندھے رہتے۔ جب کبھی اعلیٰ حضرت کے پاس تشریف لاتے، اعلیٰ حضرت بہت ہی عزت وتکریم کے ساتھ پیش آتے، ایک زمانے میں جناب مرزا صاحب کا قیام کلکتہ امرتلا میں تھا، وہاں سے اکثر سوالات جواب طلب بھیجا کرتے تھے۔ فتاویٰ رضویہ میں متعدد استفتا ان کے ہیں، انھیں کے ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے رسالہ مبارکہ "**تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین**" ۱۳۰۵ھ ۱۸۸۷ء تحریر فرمایا ہے۔"

آپ اپنے وقت کے مشہور عالم دین، صاحب تقویٰ وطہارت، تہجد گزار اور عابد شب زندہ دار تھے۔ مطالعۂ کتب کا آپ کو بہت شوق تھا۔ کسی بھی مسئلے میں جب کبھی الجھن محسوس کرتے تو فوراً اعلیٰ حضرت کی طرف رجوع فرماتے، پھر آپ کو اطمینان قلب حاصل ہو جاتا۔ آپ کی حیات کا لمحہ لمحہ سنت نبوی کا آئینہ دار تھا۔

آپ کی اولاد میں دولڑکے اور دولڑکیاں تھیں، فرزند اکبر حضرت مولانا حکیم عبدالعزیز بیگ ایک جید عالم باعمل تھے۔ کچھ دنوں آپ رنگون (برما) میں رہے پھر کلکتہ میں آپ نے طبابت کی، حضرت مولانا غلام قادر بیگ علیہ الرحمۃ کلکتہ آپ کے پاس تشریف لے جایا کرتے

تھے۔ مولانا عبدالعزیز اپنی زندگی کے آخری ایام میں کلکتہ سے ترک سکونت کر کے بریلی شریف آگئے تھے اور وصال تک اپنے آبائی مکان میں ہی سکونت پذیر رہے۔ آپ کا وصال ۱۴، یا ۱۵ر شعبان المعظم ۱۳۷۴ھ کی درمیانی شب کو بریلی میں ہوا۔ آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ دوسرے صاحبزادے مرزا عبدالحمید بیگ تھے۔ آپ ریاست بھوپال میں رہے، پھر پیلی بھیت کے اسلامیہ انٹر کالج میں ملازم رہے۔ آپ کا وصال پیلی بھیت میں ہی ہوا۔

مرزا محمد جان بیگ رضوی کی بیاض کے مطابق مولانا حکیم غلام قادر بیگ بریلی کا وصال یکم محرم الحرام ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۸ر اکتوبر ۱۹۱۷ء کو نوے سال کی عمر میں ہوا۔ محلہ باقر گنج حسین باغ میں مدفون ہیں۔ آپ کے بھائی مرزا مطیع اللہ بیگ بھی وہیں مدفون ہیں۔

ایک بہتان کا ازالہ : امام احمد رضا علیہ الرحمہ پر نجدیہ اور وہابیہ کے دوسرے اتہامات کی طرح ایک بہتان یہ بھی ہے کہ آپ کے استاذ گرامی مولانا حکیم غلام قادر بیگ علیہ الرحمہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی تھے۔ یہ بہتان پاکستانی غیر مقلد احسان الٰہی ظہیر نے گڑھ اور البریلویہ میں لکھا جس سے متاثر ہو کر تقدیم نگار قاضی عطیہ محمد سالم نے لکھا:

> ''بریلویہ کے بانی کا پہلا استاذ مرزا غلام قادر بیگ، مرزا غلام احمد قادیانی کا بھائی تھا، لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ قادیانیت اور بریلویت دونوں استعمار کی خدمت میں بھائی بھائی تھے۔''

حقیقت کیا ہے آیئے تاریخ کے حوالے سے دیکھیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا بھائی مرزا غلام قادر بیگ، مرزا غلام مرتضیٰ بیگ کا لڑکا تھا۔ مرزا بشیر احمد بن غلام احمد قادیانی لکھتا ہے:

> ''مرزا غلام مرتضیٰ بیگ جو ایک مشہور اور ماہر طبیب تھا ۱۸۷۶ء میں فوت ہوا اور اس کا بیٹا غلام قادر اس کا جانشین ہوا۔'' (سیرۃ المہدی مطبوعہ قادیان ۱۹۳۵ء ص ۱۳۵، بہ حوالہ ماہنامہ معارف رضا، ستمبر ۲۰۰۵ء)

مرزا کا بھائی ایک معزول تھانیدار تھا، انگریزوں کا وفادار تھا، مولوی ابوالقاسم رفیق دلاوری دیوبندی لکھتے ہیں:

> ''ان دنوں مرزا غلام احمد قادیانی کے بڑے بھائی غلام قادر دینا نگر ضلع گورداس پور کی تھانے داری سے معزول ہو کر عملہ کے پیچھے جوتیاں چٹخاتے پھرتے تھے۔''

(رئیس قادیان مطبوعہ مجلس ختم نبوت، حضوری باغ روڈ، ملتان جلد اوّل، ص ۱۱)

مرزا بشیر احمد بن غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب سیرۃ المہدی میں انگریز حکومت کا ایک خط نقل کیا ہے۔

> ''مرزا غلام مرتضیٰ سرکار انگریز کا اچھا خیر خواہ تھا اور وفادار رئیس تھا۔''

(بہ حوالہ ماہنامہ معارف رضا، ستمبر ۲۰۰۵ء)

مرزا غلام قادر ۱۸۸۳ء میں مرا۔ اس کی عمر پچپن سال ہوئی۔ اس کے برخلاف حضرت مولانا حکیم غلام قادر بیگ بریلوی علیہ الرحمہ جناب مرزا حسن جان بیگ لکھنوی کے صاحبزادے تھے۔ آپ ایک سچے عاشق رسول اور دیوانۂ نبی تھے، ایک کامیاب معلم، ذی صلاحیت مدرس، صاحب تقویٰ اور عابد شب زندہ دار بزرگ تھے۔ آپ کا وصال ۱۹۱۷ء میں ہوا اور آپ کی عمر مکمل نوے سال ہوئی۔

ان تمام حقائق کے باوجود یہ کہنا کہ آپ غلام احمد قادیانی کے بھائی تھے، کذب و بہتان اور دل فریب ہے۔

حضرت شاہ نیاز احمد نیاز بریلوی :

سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے فرد فرید حضرت شاہ نیاز احمد نیاز بریلوی شہر بریلی کے ممتاز اور باکمال عالم ربانی اور ولی کامل اور صوفی باصفا تھے۔ آپ کا اسم گرامی نیاز احمد ہے۔ حضرت والا تبار کی ایک مہر ۱۲۲۰ھ مطابق ۱۸۰۴ء میں "نیاز علی" کندہ ہے۔ اسی لیے بعض مضمون نگاروں نے آپ کا نام نیاز علی لکھا ہے۔ آپ کا لقب "نیاز بے نیاز" ہے اور خطاب قطب عالم اور مدار اعظم ہے۔ آپ کی ذات علوی و فاطمی سیادت کا سنگم ہے۔ آپ کی ولادت ۱۱۷۳ھ یا ۱۱۵۵ھ (علی اختلاف القولین) صبح صادق کی دل افروز ساعت سعید میں سرہند شریف میں ہوئی۔ آپ کی ولادت کی خوش خبری آپ کی والدۂ محترمہ کو حضرت شیخ محی الدین علیہ الرحمہ نے پہلے ہی دے دی تھی۔ آپ کی والدہ محترمہ نے مکہ معظمہ میں ایک نورانی خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر حضرت شیخ محی الدین نے یہ دی تھی کہ تمھارے بطن سے ایک عارف کامل لڑکا تولد ہوگا اور لوگ ان سے اکتساب فیض کریں گے۔ آپ کی والدہ محترمہ حضرت بی بی شاہ غریب نواز فرماتی ہیں کہ یہ حمل بائیس ماہ رہا۔ میں بہت پریشان تھی کہ اسی حال میں ایک دن فرض فجر کی دوسری رکعت میں درد زہ شروع ہوا اور پھر وہیں حضرت شاہ نیاز تولد ہوئے۔ اور میرا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔

آپ کے آبا و اجداد بخارئی کے بادشاہ تھے۔ گیارہویں صدی ہجری میں آپ کے پردادا حضرت شاہ آیت اللہ علوی نے حکومت کو تیاگ دے کر درویشی اختیار کرلی اور عہد شاہ جہانی میں ملتان کو اپنا مسکن بنایا۔ خانقاہ نیازیہ کے وسیع المعلومات ادیب، کہنہ مشق صحافی جناب مسعود حسین نظامی نے آپ کا تاریخی پس منظر اس طرح بیان کیا ہے:

"آپ کے حقیقی دادا حضرت شاہ عظمت اللہ محقق سرہندی نے سرہند میں قیام کرنا پسند کیا (چند سطروں کے بعد) ۱۷۴۱ء میں پنجاب کے چکلہ دار نواب علی محمد خاں نے مہاراج آلا سنگھ پٹیالہ کو دوسرے نوابین کی دراندازی سے قید کر لیا۔ اس مدت میں پنجاب بالخصوص سرہند میں قیامت صغریٰ برپا تھی۔ انھیں حالات میں آپ کے والدین نے وہاں سے دہلی کی طرف ہجرت کی۔ خدا کے فضل و کرم سے بہ خیریت و عافیت دہلی پہونچ گئے اور محلہ کھاری باؤلی متصل لاہوری دروازہ میں قیام پذیر ہوگئے۔ ۱۱۵۹ھ میں جب آپ کے نانا محترم نے اپنے طلعت جبیں اور فیروز بخت نواسے کو بسم اللہ پڑھانی چاہی تو اس بات سے حیرت ہوئی کہ نواسے کو سترہ پارے یاد ہیں۔ آپ کے نانا جان نے آپ کو بہت دعائیں دیں اور ہاتھ میں ہاتھ لے کر کلمہ طیبہ کی تلقین فرمائی۔ متفرق اساتذۂ کرام سے آپ نے علوم و فنون حاصل کیے اور جملہ علوم و فنون میں آپ کو مہارت حاصل ہوگئی۔ صرف سترہ سال کی عمر میں ایک مکمل عالم دین ہوگئے۔ آپ کے اساتذۂ کرام میں حضرت مولانا فخر جہاں، سید ابوحسن، میر عمادالدین اور علامہ احمد بن احمد قابل ذکر ہیں۔ علم نجوم میں آپ کو ایسا ملکہ حاصل تھا سولہویں سال ۱۸۱۳ء میں استخراج نجوم میں کسی استاد کی مدد کے بغیر کتاب زیج مسمی بہ نام "صباح النجوم" ترتیب فرمادی۔ اور فن طب تو آپ کو اپنے والد محترم حضرت شاہ محمد رحمت اللہ علوی سے وراثت میں ملا تھا۔ یہ فن آپ کا موروثی فن ہے۔ اس میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، فن طب میں مہارت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ شہر بریلی کے مشہور حاذق طبیب میر حسین علی اور میر قاسم علی کے استاذ الاطبا میر جمال الدین کے بھی استاد تھے۔

انیس سال کی عمر میں حضرت مولانا فخر الدین صاحب چشتی نظامی دہلوی کے مبارک ہاتھوں میں ہاتھ دے کر

شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔آپ نے اپنے پیرومرشد کی تربیت میں روحانی منازل طے کیے۔اور ریاضت ومجاہدہ میں کافی وقت صرف کیا۔یہاں تک کہ آپ کے پیرومرشد نے آپ کو مدارج عرفان وحقیقت کی بلندیوں میں پہنچا کر ۱۱۷۳ھ میں خلافت سے سرفراز فرمایا، بہ قول صاحب ایجادا کبری، پھر چند روز میں آپ کو آفتاب بنادیا۔اور ۱۲رذی القعدہ ۱۱۷۴ھ کو حضرت شاہ شاہان کے عرس کے موقع پر انھیں اپنا صاحب سجادہ اور مسند نشین فرما کر روہیل کھنڈ میں مامور فرمادیا۔دہلی میں آپ تقریباً چودہ سال دس ماہ رہے۔پھر اپنے والد ماجد اور بھائیوں کے ہم راہ بریلی تشریف لائے اور مسجد بی بی جی محلہ بہاری پور میں قیام فرمایا۔وہیں آپ نے ایک عالم گیر شہرت کا دارالعلوم قائم کیا تھا۔اس دارالعلوم میں علوم معقول ومنقول اصول حدیث، تفسیر وفقہ کے ساتھ ساتھ فنون طب اور ریاضیات کی تعلیم اور اس پر تحقیق ہوتی۔یہاں سے قریب ایک محلہ جس کا نام پہلے اعظم نگر تھا اس میں ایک طویل وعریض اراضی لے کر سکونت اختیار کی۔آپ کی تشریف آوری کی وجہ سے یہ محلہ ''خواجہ قطب'' سے مشہور ہوگیا۔

حضرت شاہ نیاز احمد صاحب کو عربی، فارسی، اردو اور ہندی چاروں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔چاروں زبانوں میں آپ نے تصنیف فرمائی ہے،آپ کی تصانیف کی کل تعداد بقول جناب مسعود حسین نظامی چھبیس ہے۔

(۱) شمس العین (۲) کشف العین (۳) نور العین (۴) مجموعہ قصائد عربیہ (۵) شرح قصائد عربیہ (۶) دیوانِ نیاز (۷) رسالہ راز ونیاز (۸) تحفۂ نیازیہ (۹) رسالہ تسمیۃ المراتب (۱۰) لیعرفون (۱۱) لیعبدون (۱۲) تعلیم وتعلیم (۱۳) رسالۂ تصف (۱۴) ہیچ دانی کہ چیست ایں کونین (۱۵) رسالۂ اثبات معاد (۱۶) حاشیہ شرح چغمینی (۱۷) حاشیہ ملا جلال (۱۸) رسالۂ ریاضی (۱۹) مجموعہ رسائل بر علوم مختلفہ (۲۰) رسالہ فی جذر الاثم (۲۱) تقریرات شبہ لزوم اللزوم (۲۲) رسالہ عقائد متکلمین (۲۳) رسالہ بر نبض (۲۴) بیاض تاریخ (۲۵) ملفوظات نیاز بے نیاز (۲۶) مکتوبات۔

آپ ایک باکمال صوفی ولی اور متقی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک زبردست ادیب اور قادر الکلام شاعر تھے۔حضرت میکش اکبرآبادی لکھتے ہیں:

> حضور قبلہ نیاز بے نیاز کے تقدس اور مذہبی رہ نمائی کی جہت ہندوستان پر اتنی غالب آگئی کہ آپ کی شاعرانہ حیثیت اتنی نمایاں نہ ہوسکی جس کی وہ مستحق تھی۔اور بہ قول جناب مسعود حسین نظامی حافظ کی عاشقانہ رندی وسرمستی اور حضرت ابومدین مغربی کے الٰہیات اور تصوف کا دوآتشہ حضرت نیاز کے کلام میں پایا جاتا ہے۔''

حضرت نیاز احمد صاحب صوفی بھی تھے اور شاعر بھی بقول ڈاکٹر سید لطیف ادیب یکولی شاعر اور صوفی کا سفر ایک ہی مقام سے شروع ہوتا ہے،دونوں حسن کے پرستار اور عشق کے بندے ہوتے ہیں۔شاعر کے لیے تصوف ایک موضوع سخن ایک عنوان کلام ہے،صوفی کے لیے شاعری ایک وسیلہ ایک تمثیل ہے۔''

بطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

نیاز اعجاز عشق است ایں سخن سنجی پر گو　　　وگر نہ شعر بے لغزش کجا کہ بے قرار من
یہ تیری جلوہ گریاں آنکھوں میں چھا رہی ہیں　　　پیارے ادائیں تیری دل میں سما رہی ہیں
مشکل ہے جو چپ رہتے ہیں جی ہوتا ہے بے کل　　　وہ یار برا مانتے ہیں گر رو رو کے پکاروں

عشق میں تیرے کوہِ غم سر پر لیا جو ہو سو ہو
عیش و نشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

جبھی جا کے مکتب عشق میں سبق مقام فنا کیا
جو لکھا پڑھا تھا نیاز نے سو وہ صاف دل سے بھلا دیا

مدرسے میں عاشقوں کے جس کی بسم اللہ ہو
اس کا پہلا ہی سبق یارو فنا فی اللہ ہو

عالم عشق کی دنیا ہی نرالی دیکھی
سحر وشام وہاں پہ سحر وشام نہیں

کہتے ہیں عشق جس کو ہمارا ہی نام ہے
شور و فغاں کی اپنے یہاں دھوم دھام ہے

ہوش و خرد سے ہم کو سروکار کچھ نہیں
ان دونوں صاحبوں کو ہمارا سلام ہے

سوجھے نہیں دن رات ترے دھیان میں پیارے
انہی تو سحر ہے اور شام بھی ہے

جسم و جان کا ملاں نہ بود مثال ناقصاں
عاشقاں و عارفاں را جسم و جانے دیگرست

آپ کا وصال ۱۲۵۰ھ محلہ خواجہ قطب میں ہوا اور وہیں آپ کا مزار بھی ہے جو زیارت گاہ عوام وخواص ہے۔

حضرت مولانا سید ایوب علی رضوی بریلوی :

بریلی شریف کے مشہور اور مسلم علما میں سے حضرت مولانا سید ایوب علی رضوی علیہ الرحمۃ کی ذات بابرکات ہے، علمائے اہل سنت وجماعت میں پہلے ہی وہ عالم ربانی ہیں جس نے اشاعت تصنیفات رضا کی داغ بیل ڈالی اور اپنے وقت کے علما کی توجہ اس طرف مبذول کرائی اور خدمات رضا سے عالم کو آگاہ کرانے کا بیڑا اٹھایا۔ جہانِ رضویت پر آپ کا بڑا احسان ہے کہ آپ کے بے پناہ ایثار وخلوص اور مسلسل کاوشوں سے حیات رضا کی زیارت سے سنی دنیا شادکام ہوئی۔

ملک العلما حضرت علامہ ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''پھر بھی ہم رضویوں کو جناب حاجی مولوی سید ایوب علی صاحب رضوی بریلوی کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس کی طرف سب سے پہلے توجہ فرمائی اور برادرانِ طریقت کو توجہ دلائی۔ ان کی تحریک سے بعض احباب نے کچھ حالات ان کے پاس لکھ بھیجے اور زیادہ حصہ خود سید صاحب موصوف نے لکھا۔ جب ان کو میرے ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' (۱۹۳۸ء) لکھنے کی خبر ہوئی تو جو کچھ مواد ان کے پاس تھا مجھے عنایت فرمادیا۔''

حضرت ملک العلما کے صاحب زادے ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو سابق صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ تحریر فرماتے ہیں:

'' جہاں تک مجھے معلوم ہے صرف مولوی سید ایوب علی قادری بریلوی (متوفی ۱۹۷۰ء) نے جو والد رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے مخلص دوستوں میں تھے اور اعلیٰ حضرت کے مسترشد اور گہرے عقیدت مند، تعاون کا ہاتھ بڑھایا نہ صرف یہ کہ دوسروں سے بھی کچھ لکھوا کر بھیجا بلکہ ان کے پاس جو معلومات تحریری شکل میں تھیں وہ بھی پیش کردیں۔''

حضرت مولانا سید ایوب علی رضوی نے اپنی حیات کے بہترین اور قیمتی لمحات امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے علمی اور عملی سایۂ کرم میں گزارے، اس لیے ان کے ذہن رسا میں حیات رضا کے جو زریں نقوش محفوظ تھے ان کی خواہش تھی کہ جلد از جلد وہ نقوش صفحۂ قرطاس کی زینت بنیں تاکہ دنیا کو معلوم ہوجائے کہ وقت کے اس عظیم مجدد کی زندگی کا لمحہ لمحہ کس قدر سنت رسول کا آئینہ دار تھا۔ آپ کی حیات وخدمات پر ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا وہ مضمون جو ماہنامہ جہانِ رضا لاہور فروری ۱۹۹۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔ کچھ تقدیم وتاخیر اور حذف واضافہ کے ساتھ قارئین کے حوالے کیا جاتا ہے۔

شجرۂ نسب: سید ایوب علی ابن سید شجاعت علی ابن سید تراب علی ابن سید پیر علی

ولادت: محلہ بہاری پور بریلی شریف میں ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۵ء کو آپ کی ولادت ہوئی۔

تعلیم وتربیت: مڈل کلاس تک اسکول میں تعلیم حاصل کی۔ پھر فارسی پڑھی اور ۱۸۹۵ء میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے دست حق پرست پر قادریہ برکاتیہ رضویہ سلسلے میں شرف بیعت حاصل کیا۔ مرید ہونے کے بعد پیر کے ایسے دیوانے ہوگئے کہ شب وروز انھیں کی خدمت میں گزارنے لگے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی انھی برکاتی صحبت کا اثر تھا کہ آپ نے علم توقیت ونجوم میں مہارت حاصل کرلی، اوقات نماز اور رمضان المبارک کے سحر وافطار کا نقشہ اعلیٰ حضرت ان ہی سے بنواتے تھے، حیات اعلیٰ حضرت، میں ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ آپ کے نماز پنج گانہ کا نقشہ مرتب کرنے کے سلسلے میں ایک واقعہ انھیں کے ایک بیان میں تحریر فرماتے ہیں:

"جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ نقشہ ماہ مبارک ۱۳۲۵ھ کے اوقات صلوۃ خمسہ فقیر استخراج کرتا ہے اور تکمیل کے بعد بغرض ملاحظہ کاشانۂ اقدس میں بوقت صبح حاضر کرتا ہے۔ جو ۱۰-۱۵ منٹ میں واپس آجاتا ہے۔ دیکھتا ہوں کہ ہر نماز کے کالم میں صحیح مرقوم ہے بجز ایک کالم کہ اس کے آخر میں لفظ خیر تحریر فرمایا تھا اور جس تاریخ کے وقت میں خامی تھی اس پر نشان (x) بنادیا تھا۔ چنانچہ جانچ کرنے سے وہ نقص دور ہو گیا جو سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں تھا اگرچہ وقت پر اس کا اثر نہ آتا تھا مگر غلطی تو تھی اس لیے بجائے، صحیح، کے لفظ خیر، ارقام فرمایا گیا۔ اللہ اللہ یہ ہیں وہ پاک ومتبرک وبے مثال، محتاط، صادق القول نفوس قدسیہ جن کی تحریر منیر اور تقریر دل پذیر کا کوئی جملہ، کوئی لفظ کوئی حرف نعوذ باللہ قابل گرفت نہیں۔"

آپ ہی کے حوالے سے ملک العلما ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"کسور اعشاریہ متوالیہ میں نصاریٰ تیسری قوت سے زیادہ کا سوال حل کرنے سے قاصر ہیں۔ چنان چہ فقیر کو بھی اسی قدر واقفیت تھی مگر حضور نے ارشاد فرمایا کہ مجھے جس قوت کا سوال دیا جائے حل کردوں گا۔ اس کے بعد مجھے اور برادرم قناعت علی کو وہ قاعدہ تفہیم فرما کر دوچار مثالیں بھی حل کرادیں۔"

ایک برتبہ سرضیاء الدین اپنے مسائل کے حل کے لیے امام احمد رضا سے ملنے آئے کہ دوران گفتگو اعشاریہ متوالیہ کا تذکرہ آیا تو سر ضیاء الدین نے بھی یہی کہا کہ 'تیسری قوت' تک ہے۔ مولانا سید ایوب علی رضوی فرماتے ہیں کہ "اس پر حضور نے میری اور قناعت علی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ میرے دو بچے بیٹھے ہیں، انھیں جس قوت کا سوال آپ دیں گے حل کردیں گے۔" ڈاکٹر صاحب متحیر ہوکر ہم دونوں کو دیکھنے لگے۔"

تصانیف: حضرت مولانا سید ایوب علی رضوی صاحب دینی اور دنیوی دونوں علوم کے جامع تھے اردو اور فارسی ادب پر آپ کو عبور تھا۔ آپ کی تصانیف یہ ہیں۔

(۱) رفیق زائرین (۲) باغ فردوس (۳) زیارۃ الحرمین (۴) شقاوۃ النجدیہ علی الدیار القدسیۃ العربیہ

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی اجازت سے ۱۹۵۰ء میں پاکستان ہجرت کرکے چلے گئے۔ آپ ایک بہترین، پاکیزہ خیال شاعر بھی تھے۔ آپ کا شعری دیوان "باغ فردوس" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ نعت کے چند اشعار یہ ہیں:

ارماں بھرے دل سے ارماں اٹھا کرنا　　رہ رہ کے تصور میں جاں اپنی فدا کرنا
رہ رہ کے بلکتا ہوں یاد شہِ بطحا میں　　اے عشق بتا تو ہی اب چاہیے کیا کرنا
ہنس کر یہ کہا اس نے اٹھ سوئے مدینہ چل　　قدموں میں رہا کرنا دل چاہے فدا کرنا

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں ان کی عقیدت ومحبت سے بھرپور منقبت کے یہ اشعار بھی ملاحظہ فرمائیں۔

جسے جلوہ نظر آیا امام اہل سنت کا　　دل وجاں سے ہوا شیدا امام اہل سنت کا
اے مرے ملتجی شاہ احمد رضا　　رخ سے پردہ ہٹا شاہ احمد رضا
پیاری صورت دکھا شاہ احمد رضا　　میرے دل میں سما شاہ احمد رضا

وصال: آپ کا وصال لاہور میں ۲۶ ر رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۶ رنومبر ۱۹۷۰ء کو بروز جمعہ (جمعۃ الوداع) قبل نماز پنجانوے سال کی عمر میں ہوا، میانی صاحب قبرستان میں دفن کیے گئے۔

حضرت مولانا حشمت علی صاحب بریلوی :

حضرت مولانا حشمت علی صاحب بھی شہر بریلی کے ممتاز اور جید عالم دین تھے۔ آپ غالباً ۱۸۸۲ء میں بریلی شریف کے محلہ گڑھیا میں پیدا ہوئے اور آج بھی مسجد زیبا کے قریب آپ کی رہائش گاہ موجود ہے۔ آپ کے نواسے ذکاوت علی اور آپ کی پوتی کے شوہر جاوید احمد اسی مکان میں اقامت پذیر ہیں۔ ابھی آپ کی عمر چار سال بھی نہیں ہوئی تھی کہ آپ کے والد گرامی کا انتقال ہو گیا۔ اور آپ یتیم ہو گئے۔ غالباً آپ کی عمر کا نواں یا دسواں سال تھا کہ مادر محترمہ کے سایہ سے بھی محروم ہو گئے۔ انھی حوصلہ شکن حالات نے آپ کو تعلیم وتعلم سے دور کر دیا اور کچھ توجہ اس طرف نہ ہوئی۔ ابتدائی تعلیم آپ نے مولوی محسن علی اور میر فضل حسین سے حاصل کی جب کہ قرآن کریم اپنی والدۂ محترمہ سے پڑھا تھا۔ مادر محترمہ کے انتقال سے آپ بہت شکستہ تھے اور اپنے تعلیمی مشن کو آگے نہ بڑھا سکے۔ چند سال یوں ہی گزر گئے کہ ایک دن آپ کی قسمت کا ستارہ عروج پر آیا اور خداوند ذوالجلال نے آپ کے لیے مہمانِ رسول اور وارث نبی ہونے کا راستہ آسان کر دیا جس کا بیان دلچسپ بھی ہے اور اثر انگیز بھی۔

ہوا یوں کہ ایک مرتبہ آپ اپنے دوستوں کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے۔ جب خواجہ قطب پہنچے تو دیکھا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اپنے مریدین کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے ہیں۔ رک گئے اور اعلیٰ حضرت کو سلام کیا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے سلام کا جواب دیا اور پاس بلا کر نام پوچھا۔ دینی تعلیم کی طرف توجہ دلائی اور حاضرین سے فرمایا "یہ بچہ اپنے وقت کا بڑا عالم دین ہوگا" آپ نے پھر دوبارہ اپنی تعلیم کا آغاز کر دیا اور منظر اسلام میں داخلہ لے کر اپنی علمی منزل کی جانب رواں دواں بڑھنے لگے۔ ایک ولی کامل وقت کے ایک مجددکی زبان فیض ترجمان سے نکلی ہوئی بات حقیقت بن گئی اور چند ہی سالوں کے بعد آپ عالمِ کامل بن کر دین وملت کی خدمت کرنے لگے۔

منظر اسلام بریلی شریف میں آپ نے متعدد اساتذہ کرام سے تعلیم حاصل کی بالخصوص حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان سے علوم عقلیہ ونقلیہ حاصل کیے اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے آپ کے سر پر اپنے مقدس ہاتھوں سے ورثۃ الانبیا کا تاج زریں سجا کر وارث نبی ہونے کی تصدیق فرما دی۔ کئی سالوں تک امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی خدمت میں رہ کر دور دراز سے آئے ہوئے فتووں کے جوابات لکھتے رہے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی جہاد بالقلم اور جہاد باللسان میں گزار دی۔ مختلف موضوعات پر آپ نے

کتابیں لکھی ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں۔

(۱) جواہر الایقان فی توضیح کنز الایمان (۲) شمع ہدایت (۳) نصرۃ الواعظین (۴) تذکرہ حسنین (۵) اصلاح بہشتی زیور (۶) اسوۂ حسنہ (۷) احسانات اسلام بر خواتین اسلام (۸) آواز حق

جواہر الایقان فی توضیح کنز الایمان امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے ترجمہ قرآن مسمی بہ کنز الایمان کی تشریح و توضیح اور تفسیر ہے۔ یہ کتاب آپ نے اپنی عمر کے آخری دور میں تصنیف فرمائی تحدیث نعمت کے طور پر تفسیر کی اختتامی سطروں میں تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ تبارک و تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اس نے مجھ حقیر فقیر سراپا تقصیر کو اپنے کلام کے ترجمے کنز الایمان کی توضیح کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور اسے بخیر و خوبی و خوش اسلوبی اختتام کو پہنچایا، اگرچہ اس میں باتیں لکھنے سے رہ گئی ہیں اور کچھ خامیاں ہوگئی ہیں لیکن وہ مخل مقصود نہیں، اللہ اسے میری دیگر تصانیف کی طرح قبول فرمائے۔''

باریک قلم سے فل اسکیپ سائز کے آٹھ سو سے بھی زائد صفحات پر پھیلی ہوئی یہ تفسیر قوم کے مخیر اور علم دوست حضرات کو دعوت نشر و اشاعت دے رہی ہے۔ فی الحال امام احمد رضا لائبریری حسین باغ بریلی شریف کی زینت بنی ہوئی ہے۔

دیکھیے اس سلجۂ بحر سے اچھلتا ہے کیا گنبد نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا

۲۔ شمع ہدایت: شستہ اور سلیس زبان میں پانچ حصوں پر مشتمل یہ کتاب اسلام کے نونہالوں کے لیے مشعل راہ ہے، یہ کتاب کیا ہے اسلامیات پر حاوی ایک صحیفہ نور ہے اور آج بھی بعض مکاتب میں داخل درس ہے۔

۳۔ نصرۃ الواعظین باوصاف سید المرسلین: نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ اور کمالات جمیلہ کے بیان میں تین حصوں پر مشتمل درمیانی سائز کے تین سو چوہتر صفحات پر مشتمل یہ کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے اور قارئین سے اپنی کامیابی کا خراج لے چکی ہے۔

یہ کتاب آپ نے منظر اسلام کے طلبہ کے لیے ۱۳۴۴ھ میں تصنیف فرمائی تھی۔ جیسا کہ آپ خود فرماتے ہیں:

''آج کل بعض مدارس اسلامیہ میں دیکھا گیا ہے کہ ہفتہ میں دو ایک مرتبہ بہ غرضِ مہارت طلبہ سے وعظ کہلایا جاتا ہے اور اس کی جانب انھیں توجہ اور ترغیب دلائی جاتی ہے خصوصاً منظر اسلام بریلی میں تو اسی لیے ایک انجمنِ وعظ و نصائح قائم ہے جس میں ہر جمعہ کو طلبہ جمع ہو کر تقریر کرتے ہیں مگر چوں کہ منتہی و ذی لیاقت طلبہ تو کتب متداولہ سے اخذِ بیان اور تقریر پر قادر ہوتے ہیں اور مبتدی بے چارے بوجہ کم علمی اس سے عاجز رہتے ہیں اور اردو میں انھیں کوئی کتاب ایسی دست یاب نہیں ہوتی جس میں ایک آیت کے متعلق مسلسل تقریر گھنٹہ دو گھنٹہ بیان کے قابل ہو اور راز آں جا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف و فضائل، خصائل و شمائل بیان کرنا اور حضور کے ذکر سے رطب اللسان رہنا، لوگوں کو اس طرف مائل کرنا اور حضور کی تعظیم و توقیر، محبت و الفت، اتباع و اطاعت کی طرف ہدایت کرنا اصل وعظ و تذکیر ہے۔ لہٰذا مجھ بے بضاعت و بدلیاقت نے ان کی خاطر چند بیانات ایام برکت القیام یعنی ماہ پیدائش سید انام علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۳۴۴ھ میں کتب معتمدہ و مستندہ سے اخذ کیے۔''

مولانا حشمت علی بریلوی کی دوسری تصنیفات بھی اپنے موضوعات پر مکمل، تام اور جامع ہیں۔ تفسیر کے علاوہ ساری کتابیں آپ کی حیات میں چھپ چکی ہیں۔

تصنیف وتالیف کے علاوہ فقہ وافتا میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ علما کرام کے چند فتاویٰ پر آپ کی تصدیق ملتی ہے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی کتاب" حسام الحرمین "پر اور تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے رسالہ مبارکہ" طرق الهدیٰ والارشاد "پر آپ کی تصدیق وتائید ہے۔

حضرت مولانا حشمت علی بریلوی ایک عظیم عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ پاکیزہ فکر اور بلند خیال شاعر بھی تھے۔ تخلص فائق تھا۔ آپ کے چند اشعار یہ ہیں:

حشر کی صبح جب چاک گریباں ہوگا — اور سوا نیزے پہ جب مہر درخشاں ہوگا
ساری خلقت کا عجب حال پریشاں ہوگا — ہول محشر سے ہر ایک خائف وترساں ہوگا
اونچے اونچے ہیں وہاں اور ہے نفسی نفسی — کون پر سندۂ احوال غریباں ہوگا
حشر کے روز یہ مخلوق کی حالت ہوگی — اک فقط حنظ داماں میں وہی ذی شاں ہوگا
حلۂ انور بھی اور تاج شفاعت بھی شہا — حشر کے دن تمہیں زیبا تمہیں شایاں ہوگا
پڑیں مہر شفاعت کی شعاعیں فائق — سنگ عصیاں کا ترے لعل بدخشاں ہوگا

آپ کا وصال بروز جمعرات بوقت سحر ۱۹۶۲ء میں ہوا۔ نماز جنازہ تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے پڑھائی۔ باقر گنج کے قبرستان میں محو آرام ہیں۔

حضرت مولانا سید ہدایت علی بریلوی :

شہر بریلی کے ممتاز علما میں حضرت مولانا سید ہدایت علی کا بھی نام آتا ہے۔ آپ سید بہادر علی کے صاحبزادے تھے۔ محلہ قرولان متصل بہاری پور بریلی میں آپ کا تولد ہوا۔ نواب مشتاق علی کے زمانے میں ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۴ء سے ۱۸۸۹ء تک مدرسہ عالیہ رام پور میں صدر مدرس کے عہدے پر فائز رہے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کے تلمیذ رشید تھے۔ مفتی محمد عوض سے درسیات کی تکمیل کی اور فن شاعری میں خلیفہ امیر الدین آزاد کے شاگرد تھے۔ مولانا فضل حق رام پوری، مولانا یونس علی بدایونی اور نواب نیاز احمد خاں ہوش بریلوی آپ کے شاگرد تھے۔ فن منطق ومناظرہ میں بڑا کمال حاصل تھا۔ اردو اور فارسی دونوں میں آپ کو خاصا عبور تھا اور بلا تکلف دونوں میں کلام کہتے تھے۔ ۱۸۸۴ء میں" ہدایت فیاض" کے نام سے اردو زبان میں آپ کا ایک نعتیہ دیوان چھپ کر مقبول عوام وخواص ہو چکا ہے۔ بریلی شریف آپ نے ایک مدرسہ" مدرسۂ شریعت" کے نام سے قائم کیا تھا جس میں آپ خود درس دیا کرتے تھے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے والد گرامی حضرت علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمہ کے خاص معتمد اور مقرب تھے۔ ان کے علم وفضل، تقویٰ وتقدس سے بہت متاثر تھے۔ مولانا نقی علی خاں سے آپ کو بہت عقیدت تھی۔ حضرت مولانا نقی علی خاں کی مشہور تصنیف" سرور القلوب فی ذکر المحبوب" پر آپ نے جو تقریظ تحریر فرمائی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو ان سے کس درجہ محبت تھی۔

تقریظ کے نمونے ملاحظہ کیجیے" مجمع مکارم اخلاق، منبع جود وانفاق، مقبول بارگاہ رب العالمین، مداح سید المرسلین، ہادی امت رسول خدا، بحر امواج علم وصدق وصفا، افضل علمائے زماں، مولوی محمد نقی علی خاں ابن محمد رضا علی خاں بریلوی ہیں ان کی تعریف میں زبان قلم لال ہے انسان سے ان کی خوبیوں کا بیان محال ہے

وہ عطا کی خدا نے یکتائی — کس کی طاقت کرے جو ہمتائی
فاضل بے بدل کریم و خلیق — ذکر محبوب کا حق کا شیدائی
عالم باعمل فصیح و بلیغ — واہ رے علم و فضل و دانائی
شان اللہ کی نظر آجائے — گر کریں غور اہل بینائی
اے ہدایت بیان فیض ہو کیا — تم ہو نام حاتم طائی

مسئلہ اثر ابن عباس میں آپ نے علامہ نقی علی خاں کی حمایت کی اور مولانا محمد احسن نانوتوی کے نظریے کے خلاف آپ نے ایک رسالہ "الکلام الحسن" تحریر کیا۔ آپ کا وصال ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء میں ہوا۔

حضرت مولانا سید عزیز غوث بریلوی :

حضرت مولانا سید عزیز غوث بریلوی بریلی شریف کے ایک جید عالم دین تھے۔ آپ نے اعلیٰ حضرت سے تعلیم حاصل کی ہے۔ منظر اسلام کے اولین فضلا میں سے ایک تھے۔ آپ حضرت ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کے ہم درس ہیں۔ دونوں بزرگوں کی فراغت ۱۳۲۵ھ میں ہوئی ہے۔ آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وقت کے مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے آپ کے سر پر نیابت رسول کا تاج سجایا۔ حضرت علامہ مفتی سید شاہد علی رام پوری نے "عہد رضا اور فضلائے منظر اسلام" کی ایک طویل فہرست میں آپ کا نام تیسرے نمبر پر تحریر فرمایا ہے اور ملک العلما کا نام اول نمبر پر۔ بل کہ آپ اعلیٰ حضرت کے خلیفہ بھی تھے۔ علامہ اختر شاہ جہاں پوری نے "سیرت امام احمد رضا" میں آپ کو خلفا اعلیٰ حضرت میں شمار کیا ہے۔

مولانا سید عزیز غوث بریلوی نے امام احمد رضا کی نگرانی میں بہت دنوں تک فتاوے لکھے، دور دراز سے آئے ہوئے فتووں کے جوابات تحریر کر کے بارگاہ رضا میں پیش کرتے اور پھر اعلیٰ حضرت ان فتووں کی تصدیق یا تصویب فرماتے تھے۔ آپ کی ہی صحبت کا اثر تھا کہ آپ کہنہ مشق، دقیق النظر اور جزئیات فقہ کی وسیع معلومات رکھنے والے مفتی بن گئے۔ جب آپ فتویٰ تحریر فرماتے تو اس کے سارے پہلوؤں کو واضح کر کے حکم شرعی تحریر فرماتے اور پھر اس کو فقہ کی معتمد و مستند کتابوں کے حوالے سے مستحکم فرماتے۔ آپ کے ایک مشقی فتوی کی تلخیص تحریر کی جاتی ہے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب زمانہ مشق کے فتووں کی تحقیق و تدقیق کا یہ حال ہے تو پھر بارگاہِ رضا سے سند یافتہ مفتی ہونے کے بعد کا عالم کیا ہوگا۔

سوال کیا جاتا ہے: "کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ خوشدامن اور زوجہ ایک جگہ سوتی ہیں۔ حالت شہوت میں زوجہ سمجھ کر اس کو جگایا معلوم ہوا کہ خوش دامن ہے۔ ندامت سے بھاگا، اس کی زوجہ حلال رہی یا حرام ہوگئی، کفارہ لازم آیا۔"

مولانا سید عزیز غوث بریلوی جواب لکھتے ہیں:

"الجواب: اللھم اَرِنا الصواب شہوت کے ساتھ خوشدامن کو چھونا یا چومنا سہواً ہو یا عمداً کرہاً ہو یا خطئاً ہر طرح داماد پر زوجہ کے ابدی حرام ہونے کا موجب۔"

اور تائید میں فتاویٰ عالمگیریہ، فتح القدیر اور تاتارخانیہ کی عبارتیں تحریر فرماتے ہیں۔ پھر اس مسئلے کے دوسرے پہلوؤں کی وضاحت

اور اس کا حکم اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''اگر زید نے اپنی خوش دامن کو صرف آواز دے کر بغیر ہاتھ لگائے جگایا یا ہاتھ لگایا مگر ایسا موٹا کپڑا درمیان میں حائل تھا جو ادراک واحساس حرارت کو مانع تھا یا صرف کپڑا ہی پکڑ کر بیدار کیا کہ زید کا ہاتھ اس کی خوشدامن کے جسم کو نہ لگا، یا اس کے سر کے بالوں کا وہ حصہ مس کیا جو مسترسل تھا، یا وقتِ لمس زید کو شہوت نہ تھی یا پہلے سے تھی مگر اس لمس سے زائد نہ ہوئی یا زائد ہوئی تو اتنی کہ زید کو انزال ہو گیا۔ ان صورتوں پر اس کی زوجہ اس پر حرام نہیں۔''

اور پھر اس حکم کو ردالمحتار، ہندیہ، جواہر الاخلاطی، خلاصہ، درمختار، تبیین اور ابن کمال کے قول سے مستحکم فرمادیتے ہیں۔

اسی مسئلے کی دیگر احتمالی صورتوں کو اس طرح بیان فرما کر حکم تحریر فرماتے ہیں۔

''اور اگر اس کے جسم کا کوئی حصہ ایسا چھوا جو برہنہ تھا یا اس پر ایسا باریک کپڑا تھا جو احساسِ حرارت لینت بدن کو مانع نہ تھا یا اس کے سر کے بال مس کیے اور اس مس سے شہوت پیدا ہوئی یا پہلے سے شہوت تھی تو زائد ہو گئی اور انزال نہ ہوا تو ان حالتوں میں اس کی بیوی ہمیشہ کے واسطے حرام ہو گئی۔ اب کسی طرح یہ اس کے اور وہ اس کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔''

''اس حکم شرعی کی تائید و توثیق میں عالمگیریہ، تبیین، شرح نقایہ، درمختار، ظہیریہ، سراج وہاج کی عبارتیں اور صدر الشہید کے قول کو پیش کرتے ہیں اور اخیر میں تحریر فرماتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

كتبه عبده المذنب عزيز غوث غفرله بمحمدن المصطفیٰ صلی الله عليه وسلم۔

آپ کا وصال ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۳ء میں بریلی شریف میں ہوا۔

علامہ شمس بریلوی:

ادیب شہیر حضرت علامہ مولانا شمس الحسن شمس بریلوی صدیقی ماسٹر ابوالحسن صدیقی عاصی بریلوی کے فرزند اور مولانا حکیم محمد ابراہیم بدایونی کے کریم النفس حفید تھے۔ آپ کی ولادت ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں محلہ ذخیرہ بریلی شریف میں ہوئی، آپ کو یہ فخر حاصل ہے کہ آپ محلہ ذخیرہ بریلی کے اسی مکان میں پیدا ہوئے جس میں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی ۱۲۷۲ھ میں ولادت ہوئی تھی۔ یہ مکان اعلیٰ حضرت کے جد امجد حضرت مولانا مفتی محمد رضا علی خاں کا تھا۔ آپ ہی سے علامہ شمس بریلوی کے والد گرامی نے خرید لیا تھا۔ خانوادۂ رضویہ سے آپ کے قریبی تعلقات تھے۔ کیوں کہ آپ کے والد گرامی کی سگی خالہ حضرت مولانا مفتی رضا علی خاں کی دوسری زوجہ تھیں۔

علامہ شمس بریلوی غالباً ۷ سال کی عمر میں بغرضِ تعلیم منظرِ اسلام میں داخل ہوئے اور مولوی عبدالکریم چتوڑ گڑھی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور مکمل درسیات کی کتابیں منظر اسلام کے جید اساتذۂ کرام سے پڑھیں۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا اور مولانا رحم الٰہی اور مولانا محمد رضا عرف نعمان میاں آپ کے خاص اساتذہ ہیں۔

جس دور میں حضرت علامہ مولانا امجد علی صاحب علیہ الرحمہ منظر اسلام کے شیخ الحدیث تھے اور حضرت مولانا سردار احمد محدث اعظم پاکستان اور مفتی وقار الدین صاحب اور مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب ازہری درس نظامی کی تکمیل فرما رہے تھے، اسی دور میں آپ منظر اسلام میں شعبۂ فارسی کے مدرس اعلیٰ تھے۔

ڈاکٹر مجید اللہ قادری لکھتے ہیں:

''حضرت علامہ شمس بریلوی نے ۱۹۳۵ء میں بعمر سولہ سال اپنی قابلیت، ادبی صلاحیت بالخصوص فارسی زبان و

ادب میں مہارت کے سبب دارالعلوم منظر اسلام میں شعبۂ فارسی میں مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دینا شروع کیں۔اس وقت حضرت مولانا مفتی امجد علی اعظمی (م ۱۹۴۸ء) منظر اسلام کی مسند حدیث پر شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے جب کہ مولانا سردار احمد لائل پوری (م ۱۹۶۲ء) مفتی وقارالدین قادری (م ۱۹۹۳ء) اور مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری اسی دارالعلوم میں درس نظامی کی تکمیل فرمارہے تھے جو بعد میں دنیاے علم کے تابندہ تارے اور جہانِ رضویت کے درخشندہ ماہتاب وآفتاب بن کر چمکے اور آج وہ علاقے ان سے چمک رہے ہیں۔"

اور پھر آپ کو معاشی حالات کی تنگی نے منظر اسلام کی تعلیمی خدمات سے سبک دوش ہونے پر مجبور کردیا اور اسلامیہ کالج بریلی میں آپ کا تقرر ہوگیا۔اس دور کی مہنگائی اور تنخواہ کے تعلق سے فرماتے ہیں۔

"میاں مجید اللہ یہ وہ زمانہ تھا جب پانچ روپے من دودھ اور پانچ آنے سیر چھوٹے یعنی بکرے کا گوشت ملتا تھا۔ البتہ پہلی جنگ عظیم کے بعد اتنی مہنگائی ہوگئی تھی کہ تین روپے من گیہوں چالیس روپے من ہو چکا تھا۔اس وقت تنخواہیں ۲۰ ر سے ۶۰ رروپے کے درمیان ہوا کرتی تھیں، مولانا امجد علی صاحب کو بحیثیت شیخ الحدیث ۶۰ رروپے ماہوار ملتے تھے، جب کہ احقر کو ۲۲ روپے اور مولوی اعجاز ولی خاں کو ۳۰ رروپے ماہوار ملتے تھے۔"

آپ کو حجۃ الاسلام سے بہت محبت تھی اور حضرت حجۃ الاسلام بھی آپ سے شفقت ومحبت سے پیش آتے تھے۔خود فرماتے ہیں۔:

"احقر حجۃ الاسلام مولانا مفتی حامد رضا خاں (م ۱۳۶۲ھ- ۱۹۴۳ء) کا شاگرد ہے۔حضرت اس ہیچ مدان سے بہت محبت فرمایا کرتے تھے اور آپ کو (عبدالحمید) یہ بتارہا ہوں کہ حضور حجۃ الاسلام قدس سرہٗ کے وصال پر میں اپنے والد مرحوم ومغفور کے انتقال سے زیادہ رویا تھا۔احقر حضرت حامد میاں کی جناب میں بہت منہ لگا ہوا تھا اور بلا تکلف ان کے پاس پہنچ جاتا جب کہ بڑے بڑے علما ان کی آمد کے منتظر رہا کرتے تھے۔"

فن شاعری میں آپ کو کمال حاصل تھا،ان کی شاعری میں برجستگی تھی،فارسی اور اردو دونوں میں کمال اور خاصا عبور تھا،نمونہ ملاحظہ کیجیے۔

بیٹھا ہوں دل میں عشق کی دولت لیے ہوئے — جنت سے دور حاصل جنت لیے ہوئے

رضواں کے پاس چند بہاریں ہیں خلد کی — طیبہ کی ہر بہار ہے جنت لیے ہوئے

نعتیہ مشاعروں میں آپ کی موجودگی کامیابی کی ضمانت سمجھی جاتی تھی۔بریلی ٹاؤن ہال میں آپ ہی کے زیر انتظام ایک سالانہ نعتیہ مشاعرہ ہوتا تھا اور تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ اس کے صدر ہوتے تھے۔پروفیسر مجید اللہ قادری سے اپنی ایک نشست میں ان مشاعروں کے احوال بیان فرماتے ہیں:

"سالانہ نعتیہ مشاعرہ کا ناظم یہ فقیر ہی ہوا کرتا تھا اور شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم علامہ مصطفیٰ رضا خاں نوری عموماً مشاعرہ کی صدارت فرماتے تھے۔مشاعرہ کے دوران شاعر کے سامنے ایک سرخ رنگ کا بلب ہوا کرتا تھا جس کا بٹن حضرت مفتی اعظم کے پاس ہوتا اگر کوئی شاعر کسی طرح کی کوئی غلطی کرتا بالخصوص کلام میں اگر کسی طرح شرعی گرفت ہوتی تو مفتی اعظم بٹن کے ذریعہ بلب روشن فرمادیتے۔شاعر کلام پڑھتے ہوئے خود رک جاتا اور مفتی اعظم اس شاعر کی چاہے وہ کتنا بڑا کیوں نہ ہو اصلاح فرماتے۔"

۱۹۴۴ء میں عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر منعقدہ نعتیہ مشاعرہ اور اس میں اپنی کامیابی کے تعلق سے فرماتے ہیں:

"یہ مشاعرہ اس وقت اعلیٰ حضرت کے مزار کی چھت پر منعقد ہوا تھا جس میں ہزار سے زیادہ لوگ موجود تھے اور مفتی اعظم اس کی صدارت فرمار ہے تھے، اس نعتیہ مشاعرہ کا مصرعۂ طرح اس طرح تھا ع

نذر ساقی آج ہم نے زہد و تقویٰ کر دیا

آپ نے بتایا کہ اس مشاعرہ میں اتفاق سے کئی شعرا نے غلطیاں کیں اور لال بلب بار بار روشن ہوا، مگر جب میری باری آئی اور میں نے نعتیہ غزل پیش کی تو ایک دفعہ بھی بلب روشن نہیں ہوا، اور مفتی اعظم نے بہت داد دی اور میرے اس شعر پر گلے میں گجرا بھی ڈالا۔

بہرِ خلش تجدید ایماں پر چسک تمہید دیں　　نذر یوں ایماں اے درد تمنا کر دیا"

خدمات: کشف المحجوب، مکاشفۃ القلوب، مدارج النبوۃ، فوائد الفواد، خصائص کبریٰ، کلیات جامی، غنیۃ الطالبین، تاریخ الخلفاء، عوارف المعارف، نفحات الانس یہ وہ بعض کتابیں ہیں جن پر علامہ کے، کتاب، صاحبِ کتاب اور اس کی افادیت پر وقیع اور معلوماتی مقدمات درج ہیں۔ اور رضویات پر متعدد مقالات و کتب تحریر فرما کر جہاں سنیت پر احسان فرمایا۔ چند مقالات و کتب یہ ہیں (۱) کلام رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ (۲) امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری مع مقدمہ جلد اول۔ دوم (۳) فتاویٰ رضویہ کا فقہی مقام (۴) امام احمد رضا کے حواشی کا تحقیقی جائزہ (۵) شرح قصیدۂ رضا بر اصطلاح نجوم و فلکیات (۶) محدث بریلوی اور مولوی میاں نذیر حسین دہلوی (۷) مقدمہ و ترتیب کلام ذوق نعت (۸) فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ عالمگیریہ (۹) آفتاب افکار رضا

تقریباً ۶۰ رسالوں تک قلم و قرطاس سے وابستہ رہ کر دین و ملت کی خدمات انجام دیں۔ آپ کی پہلی تصنیف، انشائے ابوالفضل (تعارف) اور آخری تصنیف آفتاب افکار رضا ہے۔ ۱۲/ مارچ ۱۹۹۷ء بروز بدھ رات نو بجے آپ کا وصال ہوا اور حسب وصیت پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے نماز جنازہ دار العلوم امجدیہ کے احاطے میں بروز جمعہ پڑھائی اور کراچی کے سخی حسن قبرستان میں مدفون ہوئے۔

(خانوادہ رضویہ کے علاوہ) ان مذکورہ علما ذوی الاحترام کے علاوہ شہر بریلی میں ممتاز علما اور بھی ہیں مضمون کی طوالت کی وجہ سے صرف ان کے اسمائے گرامی تحریر کیے جا رہے ہیں۔ ان میں سے بعض کے حالات اور خدمات بھی ہیں۔

(۱) مفتی نواب مرزا صاحب
(۲) مفتی محمد عیوض صاحب
(۳) مفتی حافظ بخش صاحب
(۴) مفتی بدر الحسن صاحب
(۵) مفتی حبیب الدین صاحب
(۶) مولانا برکات احمد صاحب
(۷) مولانا نواب سلطان احمد خاں صاحب
(۸) مولانا نواب جان صاحب
(۹) مولانا سید امیر احمد صاحب
(۱۰) مولانا تجمل حسین صاحب
(۱۱) مولانا شاہ واصل ظہیر صاحب
(۱۲) مولانا لائق علی صاحب
(۱۳) مولانا یعقوب علی صاحب
(۱۴) مولانا قاسم علی صاحب
(۱۵) مولانا قائم علی صاحب
(۱۶) مولانا عبد المجید صاحب
(۱۷) مولانا نصیر الدین صاحب
(۱۸) مولانا یقین الدین صاحب
(۱۹) مولانا سید عبد الکریم صاحب
(۲۰) مولانا منور حسین صاحب
(۲۱) مولانا عبد الحکیم صاحب
(۲۲) مولانا تفضل حسین صاحب
(۲۳) مولانا قاضی قمر الدین صاحب
(۲۴) مولانا سید مسعود علی صاحب
(۲۵) مولانا اشفاق علی صاحب
(۲۶) مولانا سید فیض الحسن صاحب
(۲۷) مولانا سید ننھو میاں صاحب
(۲۸) مولانا نواب وزیر احمد صاحب
(۲۹) مولانا جمیل الرحمٰن صاحب
(۳۰) مولانا محمد حسن علمی صاحب

مصادر و مراجع :

۱- علامہ مولانا نقی علی خاں حیات اور علمی کارنامے - ڈاکٹر محمد حسن خاں
۲- حیات اعلیٰ حضرت - ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری
۳- سیرۃ المہدی - مرزا بشیر احمد
۴- تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ - مولانا شہاب الدین
۵- انوار العارفین - محمد حسین مرادآبادی
۶- سرور القلوب - علامہ نقی علی خاں
۷- چند نعت گویان بریلی - ڈاکٹر لطیف حسین ادیب
۸- خلفاء محدث بریلوی - پروفیسر محمد مسعود احمد
۹- سیرۃ امام احمد رضا - علامہ اختر شاہجہانپوری
۱۰- تاریخ روہیل کھنڈ - مولانا عبد العزیز بریلوی
۱۱- ماہنامہ اشرفیہ شمارہ ستمبر ۲۰۰۲ء
۱۲- ماہنامہ سنی دنیا، شمارہ، جون ۱۹۸۸ء
۱۳- ماہنامہ معارف رضا، شمارہ، ستمبر ۲۰۰۵ء
۱۴- ماہنامہ معارف رضا، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۱ء
۱۵- تلخیص از مضمون بر مولانا حشمت علی بریلوی، مولانا عبد السلام صاحب
۱۶- جنگ آزادی - پروفیسر محمد ایوب قادری
۱۷- تقدیم البریلویہ - عطیہ قاضی محمد سالم
۱۸- نصرۃ الواعظین - مولانا حشمت علی خاں صاحب
۱۹- تذکرۂ کاملان رام پور - احمد علی خاں شوق
۲۰- تذکرۂ شعرائے بریلی - ڈاکٹر لطیف حسین ادیب
۲۱- تاریخ مشائخ قادریہ - ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم
۲۲- سوانح اعلیٰ حضرت - مفتی بدر الدین
۲۳- تنبیہ الجہال - مفتی حافظ بخش
۲۴- مفتی اعظم اور ان کے خلفا - مولانا شہاب الدین
۲۵- ماہنامہ جہان رضا شمارہ جنوری فروری ۱۹۹۵ء
۲۶- ماہنامہ معارف رضا، شمارہ، ستمبر ۲۰۰۵ء
۲۷- ماہنامہ معارف رضا، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۱ء
۲۸- ماہنامہ ضیائے وجیہ، ستمبر ۲۰۰۴ء

☆☆☆☆☆

بیسواں باب

امام احمد رضاکی زندگی کا شاید ہی کوئی گوشہ اب ایسا ہو جو پردہ خفا میں رہ گیا ہو، اس کی وجہ صرف یہ نہیں کہ ان پر کثرت سے لکھا گیا اور اہل تحقیق نے خوب داد تحقیق دی بل کہ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کے اخلاف صادقین نے صحیح وقت پر ان کے بارے میں ضروری معلومات کو محفوظ کرلیا۔ اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ علامہ ظفر الدین بہاری ، اور سید ایوب علی رضوی کو فراموش نہیں کیا جاسکتا اور سارا انحصار تلامذہ و خلفا ہی پر نہیں تھا سفر حج کے موقع پر امام ممدوح کے خلف اکبر حضرت حجۃ الاسلام کی مساعی جمیلہ اور ان کی حسن تدبر کا کون انکار کرسکتا ہے؟

اور امام ممدوح کے خلف اصغر حضور مفتی اعظم کی فکر رضاکی تحریک تحفظ و بقا میں شراکت داری کے لیے صرف الملفوظ ہی کافی ووافی ہے۔ اس کے بر خلاف جب خود ان بزرگوں کی باری آئی تو ایسے افراد عنقا نظر آنے لگے جو ان کی زریں زندگی کے قیمتی لمحات کو سپرد قرطاس کرتے ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے بہت سے حصے روپوش ہوگئے ۔ حضور مفتی اعظم کے سفر حج کے بارے میں ہمیں زیادہ تفصیلات دست یاب نہیں ، اس سلسلے میں مولانا محمود عالم رفاقتی نے اپنی یادداشتوں کے حوالے سے وقیع ترین معلومات فراہم کی ہیں اور عصر رضا اور عصر شہزادۂ رضا میں حجاز مقدس میں جو اہم مذہبی اور سیاسی تبدیلیاں آچکی تھی ، ان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا ، دونوں سفر حج کے درمیان تقریبا پچاس سال کا طویل فاصلہ ہے ۔لیکن اس کے باوجود ان تفصیلات کو سفر نامہ کا نام نہیں دیا جاسکتا ، مفتی اعظم کا دل آتش مجمر کی طرح عشق رسالت پناہی میں ہمیشہ بھڑکتا رہتا تھا ، ان کا نعتیہ دیوان سامان بخشش ان کے عشقیہ جذبات کا سچا ترجمان ہے ، ہم اہل نظر کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس کا بار بار مطالعہ کریں ہربار نیا ذوق و حظ پائیں گے ، آپ کا جی چاہتا تھا کہ ہمیشہ خار مغیلان عرب سے جگر کو چھلنی کرتا رہوں ، مگر یہ کب میسر تھا ؟ اور پھر جب حج جیسے مقدس سفر کے لیے بھی تصویر جیسے حرام شرعی کی پابندی عائد ہوگئی تو مفتی اعظم کا دل ٹوٹ کر رہ گیا ، ہر سال حرم پاک میں حاضری کی خواہش بس دل ہی دل میں رہ گئی اور یہی وہ عارضہ تھا کہ جس کی وجہ سے مفتی اعظم نے کبھی کسی بیرون ملک کا سفر نہ فرمایا ، امریکہ ، افریقہ ، یورپ ، آسٹریلیا، اور مغربی ایشیاکی درجنوں ممالک میں پھیلے ہوئے لاکھوں مریدین ان کی قدم ناز کو اپنے کاشانوں کی زینت بنانے کی حسرت دل میں لیے تڑپتے رہے، سرد آہ بھرتے رہے مگر امام احمد رضاکی لخت جگر نے شرعی حدود کو توڑ کر کسی بھی ملک کا سفر کنا گوارا نہیں کیا۔ پاکستان میں علامہ سردار احمد لائل پوری اس کی واضح مثال ہیں ۔ حج ایک مقدس ترین عبادت ہے اور اسلام کا تیسرا رکن ہے، مفتی اعظم نے اس کو اسی نظر سے دیکھا، اس کو سیاسی شعبدہ بازی کے لیے کبھی استعمال نہ کیا فقہ و فتاوی کی مسندوں پر متمکن بڑے بڑے ارباب فضل و کمال ضرورت شرعیہ کا سہارا لے کر انٹرنیشنل اسفار میں شب و روز مشغول رہتے ہیں ، ان کو یہاں کوئی قباحت نظر نہیں آتی اور نہ مسلک امام احمد رضاپر کوئی حرف آتا ہے ۔مولاے کریم ہم سب کو مفتی اعظم کی ناقابل تسخیر عزیمتوں کے فہم سلیم کی توفیق عطافرمائے۔

مقبول احمد سالک مصباحی

مفتی اعظم کے آخری سفر حج وزیارت کے کچھ

روح پرور واقعات ومشاہدات

مولانا محمود احمد رفاقتی مظفر پور

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے علم وفضل اور کمالات دینی وروحانی کی دنیاے اہل سنت میں دھوم ہے، حضرت والا کی ذات پاک چودھویں صدی ہجری میں اللہ رب العزت جل شانہ کی نشانیوں میں سے ایک خاص نشانی تھی، حضرت سیدی مفتی اعظم اپنی ذات مبارکہ میں اسلامی محاسن وکمالات کا مخصوص پیکر تھے۔ حضرت والا کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ اگلے دور اور زمانے کے علماے کرام اور فقہاے عظام اور حضرات عالی قدر اولیاے پاک پروردگار کیسے ہوا کرتے تھے، حضرت والا، صرف متقی ہی نہیں، سراپا تقویٰ تھے، صرف عالم ہی نہیں علما کے تقدس وطہارت کا اعلان واظہار تھے۔ مسلم تھے تو مسلم گر بھی تھے، سنی تھے تو مقتداے سنیت بھی تھے۔ حضرت والا مرتبت پر مولیٰ تعالیٰ کا خاص کرم تھا کہ حضرت سیدی مفتی اعظم اس عہد میں اسلام کا ایک روشن چراغ تھے، جس کی روشنی دور دور تک پہنچی۔ حضرت والا مرتبت کی مبارک زندگانی کے بہت سے حالات وواقعات ہیں جو اس بندۂ گنہ گار کے علم میں ہیں۔ ان میں سے بہت سے واقعات وہ ہیں جو میں نے اپنے کانوں سے سنے ہیں اور سنانے والے اسلام کی عظمت اور باطنی تقدس کے حامل وہ افراد اور اکابر مقربان بارگاہ ہیں جن کی دید وزیارت کو آنکھیں ترستی ہیں اور بہت سے وہ واقعات ہیں جن کو حضرت والا کی زندگی کے آخری چالیس برسوں میں میری آنکھوں نے دیکھے ہیں۔ ان سب کو لکھنے بیٹھوں تو ایک مبسوط کتاب تیار ہو جائے، اس لیے اس میں یہاں پر صرف آخری سفر حج وزیارت کے کچھ کچھ خاص واقعات بیان کرتا ہوں۔

۱۹۷۵ء کے دسمبر میں حضرت والا مفتی اعظم علیہ الرحمہ حج وزیارت کے عزم وارادہ سے مکہ معظمہ حاضر ہوئے اور میمن رباط محلہ جبار میں اپنے مختصر سے اہل خاندان کے ساتھ آ کر ٹھہرے، بندہ بھی اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت گزاری کی برکتوں کے وسیلے سے میمن رباط میں مقیم تھا اوپر کی منزل کے ایک گوشے میں حضرت والدہ ماجدہ کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا، دوسرے گوشے میں حضرت مفتی اعظم جلوہ فروز تھے۔ نیچے کے حصے میں حضرت والا مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی اہلیہ محترمہ جنھیں" حضرت چھوٹی بی صاحبہ" کہا جاتا تھا، تشریف فرما تھیں۔ مجھے چوں کہ حضرت سیدی الکریم مفتی اعظم کی خدمت بابرکت ورحمت میں خاندانی اور ذاتی حیثیت سے باریابی کا شرف حاصل تھا اس لیے صبح کے اوقات میں جب کہ حضرت والا تن تنہا ہوتے، یہ بندۂ گنہ گار خدمت میں حاضر ہو جاتا اور قدموں کو ادب کے ہاتھوں سے چوم کر بیٹھ جاتا، اور ان قدموں کو اپنی طرف کر کے خدمت گزار ہو جاتا، اس طرف میری یہ جسارت وجرأت ہوتی، تو اس طرف کا مہر وکرم کا یہ حال ہوتا کہ جب نظر اٹھاتا حضرت والا کے لبوں پر دل نواز مسکراہٹ دیکھتا، اس دوران بندہ بہت بے باکانہ گفتگو کرتا جسے حضور والا غور سے سنتے مگر اس کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ اس میں جرأت وگستاخی اور بے ادبی کا بھی دخل تھا، ایسا ہر گز نہ تھا۔ حضرت والا سیدی الکریم مفتی اعظم علیہ الرحمہ بھی مہر وکرم کی باتوں کی بارش فرماتے، جس کا عام حالات میں ظہور ممکن نہ تھا اور نہ حضرت والا کے عام حالات میں اس کا گزر تھا۔ یہ کفش بردار اور خاک روب در، کبھی کبھار ظہر کی نماز کے بعد حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ساتھ میں صدری کی جیب میں تیل کی شیشی رکھ لیتا،

حاضری کے وقت سلام عرض کر کے آہستہ سے حضرت کے عقب میں کھڑا ہو کر سر مبارک سے آہستہ انگلیوں سے ٹوپی اتار کر رکھ دیتا اور سر مبارک میں تیل کو جذب کرنے لگتا، جب ظہر بعد حاضری ہوتی تو حضرت والا سمجھ جاتے کہ ابھی سر میں تیل جذب کروں گا۔ یہ تو بہر حال ہوتا کہ نظر کرم زیر لب تبسم کے ساتھ مجھ پر پڑتی۔

حضرت والا سیدی الکریم مفتی اعظم قبلہ گاہی علیہ الرحمۃ تقویٰ اور احتیاط کے پیکر تھے، نمازوں کی جماعت اکثر و بیشتر میمن رباط کی سب سے آخری چھت پر ہوا کرتی تھی۔ میری اکثر ان جماعتوں میں شرکت معمول تھا، مگر اس وقت جا کر جماعت میں جا کر شامل ہوتا جب پہلی رکعت اپنے آخر مرحلہ میں ہوتی تھی، بندہ گنہ گار نے یہ تو کبھی نہ دیکھا کہ جماعت کرانے والے نے جماعت کرائی اور حضرت والا نے کوئی مسئلہ بتا کر دوبارہ نماز پڑھانے کا امر نہ فرمایا ہو، مجھے یہ بہ خوبی اندازہ تھا، کہ اگر میں حاضر رہوں گا تو مجھے ہی جماعت پڑھانے کا حکم فرمائیں گے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ چند افراد ہیں مگر ظاہر امامت کرانے کے شرائط ان میں موجود نہ پاتے، تو پیچھے آدمی بھیج کر طلب فرماتے اور امامت کے لیے حکم فرماتے۔ حضرت والا کے علم میں یہ بات بھی تھی کہ بندہ حفظ قرآن مجید کی دولت سے سرفراز ہے، اور تلاوت کا حق بھی ادا کرتا ہے۔ میمن رباط میں تلاوت کی آواز حضرت کے کانوں میں پڑتی تھی، حکم کی تعمیل میں مصلیٰ پر کھڑا تو ضرور ہو جاتا مگر ڈرتا بھی ضرور تھا، بہ طور تحدیث نعمت عرض کرتا ہوں کہ الحمد للہ ایسا کبھی بھی نہ ہوا کہ حضرت والا نے فرمایا ہو کہ جماعت پھر سے کرائیں۔

حضرت والا سیدی الکریم مفتی اعظم قبلہ گاہی کی عمر گرامی اس وقت اسی (۸۰) برسوں سے متجاوز تھی مگر اس حال میں بھی ان مقامات عالیات کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے، جن کا انتساب حضرت نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہے، ایک دن دوپہر کے قریب دیکھا کہ حضرت واپس ہو رہے ہیں اور چند افراد ہم راہ ہیں، معلوم ہوا حضرت والا غار حرا کی زیارتوں سے سرفراز ہو کر اور نفل ادا کر کے واپس ہو رہے ہیں۔ اس وقت دل نے کہا کہ تو بھی ان کی اقتدا کر۔

میمن رباط محلہ جبار مکہ مکرمہ میں ہندوستان و پاکستان اور بنگلہ دیش کے حضرات اکثر حاضر ہوا کرتے، کسی خاص فرد کی حاضری ہوتی، اور مجھے ان کا نام اور حال معلوم ہوتا تو دید و ملاقات کے لیے پہنچتا، ایک دن خلاف معمول حضرت والا علیہ الرحمہ کے حجرہ سے زور زور سے باتوں کی آواز سنائی پڑی، اپنی والدہ ماجدہ سے اجازت لے کر حاضر ہو گیا۔ یہاں دیکھا کہ چند حضرات عمروں کی تقریباً چھ دہائیاں گزارے ہوئے معروف کلام ہیں اور کچھ کاٹھیاواڑی ہیں اور کچھ کاٹھیاواڑ سے جا کر پاکستان بس جانے والے ہیں۔ موجودہ لوگوں کے علم میں یہ معلومات باید و شاید ہوں گی، کاٹھیاواڑ میں میمن جماعت کا غلبہ ہے اور اکثریت بھی وہ جماعتی حیثیت سے مسلم لیگ کے حامی تھے اور طبقہ علما تو کلیتہً آل انڈیا سنی کانفرنس مرادآباد کے بانی و ناظم صدر الافاضل، فخر الاماثل، امام اہل سنت، عارف باللہ مولانا حکیم محمد نعیم الدین مرادآبادی سے شرف تلمذ سے سرفراز تھا۔ محقق و مدقق عالم، مفسر جلیل محدث کبیر حضرت مولانا الحاج احمد یار خاں صاحب نعیمی اشرفی بدایونی علیہ الرحمہ مدرسہ مسکینیہ دھوراجی، کاٹھیاواڑ میں شیخ و صدر المدرسین تھے اور میمن حضرات کا ایک مختصر طبقہ اپنے معتقد علیہ چند سنی علما کے زیر اثر حامیانِ آل انڈیا سنی کانفرنس کو زمرۂ گم راہان میں شمار کرتا تھا۔ اور بندہ کو اچھی طرح یہ معلوم تھا کہ حضرت سیدی مفتی اعظم علیہ الرحمہ یوپی سنی کانفرنس کے صدر رہ چکے تھے، یہ بے موقع گفتگو کاٹھیاواڑی لوگ اپنے ہم وطن پاکستانی حضرات سے کر رہے تھے اور ان کی زبانیں بے لگام تھیں۔ بندہ نے پہلے تو ان بوڑھوں کو معتدل آواز میں بات کرنے کے لیے کہا، پھر اس کے بعد گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے ان کاٹھیاواڑیوں کا ایسا تعاقب کیا کہ ناراض ہو کر چلے گئے۔

معمول کے مطابق ایک دن حاضری ہوئی تو زیر تحریر تالیف ''تذکرہ علماے اہل سنت'' کے اوراق کی پروف کاپیاں ہمراہ لیتا گیا

اور حضرت والا کی خدمت میں پیش کیا، حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے، عرض کیا حضرات علما واولیا کا تذکرہ ہے، کتابت شدہ کاپیوں کا پروف ہے، ملاحظہ فرمایا، فرمایا، مزید تفصیل ہوتو بہتر رہے گا، بندہ نے عرض کیا حضور اپنے تھوڑے حالات بیان فرمائیں،

فرمایا مولانا (حامد رضا) کے بعد اعلیٰ حضرت کے یہاں کسی فرزند کی ولادت نہیں ہوئی، اعلیٰ حضرت مارہرہ شریف حاضر تھے، ظہر کی نماز باجماعت ادا کر کے حضرت نور العارفین قدس سرہٗ کے پیچھے پیچھے مسجد برکاتی کی سیڑھیوں سے اتر رہے تھے، تبھی فرزند کی ولادت کی دعا کی درخواست کی حضرت نور العارفین نے دعا کی اور فرزند کی ولادت کی بشارت سنائی، جب میری ولادت کے وقت اعلیٰ حضرت مارہرہ شریف حاضر تھے حضرت نور العارفین نماز ادا کر کے واپس اتر رہے تھے اور اعلیٰ حضرت سیڑھیاں طے کر کے مسجد شریف میں حاضری کے لیے جا رہے، جبھی حضرت نور العارفین نے فرزند کی ولادت کی خوش خبری سنائی اور فرمایا مولوی صاحب آپ کے یہاں فرزند کی ولادت ہوئی ہے۔ اور ابوالبرکات محی الدین جیلانی نام مرحمت فرمایا۔ یہی نام نامی حضرت نور العارفین کے فرزند ارجمند کا تھا، محمد نام پر عقیقہ ہوا، مصطفیٰ رضا خاندانی عرف ہوا، اعلیٰ حضرت نے آل الرحمٰن کا بھی اضافہ فرمایا۔ حضرت نور العارفین قدس سرہٗ نے بشارت دیتے ہوئے فرمایا۔ میں بریلی آکر فرزند کو دیکھوں گا، چنانچہ جب میں چھ ماہ کا تھا حضرت نور العارفین بریلی تشریف فرما ہوئے، منجھلے چچا کے یہاں قیام فرماتے، اعلیٰ حضرت نے لے جا کر حضرت کی گود میں دے دیا، حضرت نور العارفین نے میرے منہ میں انگلی ڈال دی، میں انگلی چوسنے لگا، اعلیٰ حضرت نے عرض کیا کہ حضور غلام بھی بنالیں۔

حضرت والا سیدی الکریم مفتی اعظم علیہ الرحمۃ سے عرض کیا کچھ اپنی تعلیم کے بارے میں بھی فرمائیں۔

فرمایا: قرآن شریف اعلیٰ حضرت سے بھی پڑھا، منجھلے اور چھوٹے چچا کے مولانا سے بھی پڑھا، اس کے بعد فارسی وعربی بھی انھیں حضرات سے پڑھی۔ جب مدرسۂ اہل سنت قائم ہوا تو اس کے اساتذہ سے بھی۔ مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی سے بھی پڑھا، مولانا ظہور الحسین فاروقی رام پوری سے بھی پڑھا، جب مولانا رحم الٰہی مظفر نگری مدرس دوم ہو کر آئے تو ان سے خاص طور پر پڑھا۔ یہ میرے خاص استاذ تھے، جب متوسطات پڑھ چکا تو زیادہ تر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حضوری حاصل رہتی جس سے فوائد کثیرہ حاصل ہوئے۔

میں نے عرض کیا حضور کے شرکاے درس میں کون کون سے حضرات تھے، فرمایا:

منجھلے چچا جان کے صاحبزادے مولانا حسنین رضا خاں تھے۔ بریلی کے مولوی حشمت علی بھی تھے۔ عرض کیا تربیت افتا کا کچھ حال ارشاد فرمائیں، فرمایا، دار الافتاے اہل سنت میں اعلیٰ حضرت قبلہ کی رہنمائی میں مدرسہ اہل سنت منظر اسلام کے فارغ مولانا ظفر الدین صاحب مدرس سوم اور مدرسہ اہل سنت ہی کے اولین فارغین مولانا سید عبدالرشید صاحب عظیم آبادی اور مولانا سید غلام محمد صاحب بہار شریف افتا کا کام کرتے تھے۔ بریلی کے مولوی نواب مرزا بھی فتاوے لکھتے تھے، ایک دن میں دار الافتاے اہل سنت میں پہنچا دیکھا کہ مولانا ظفر الدین فتاوے لکھنے میں مشغول ہیں۔ اور مراجعت کے لیے بار بار فتاویٰ رضویہ کی جلدیں کھول کھول دیکھتے جاتے ہیں، بار بار ایسا کرتے پایا تو ان سے کہا۔ کیا فتاویٰ رضویہ دیکھ دیکھ کر جواب لکھتے ہو انھوں نے کہا تم بغیر دیکھے لکھدو تو جانیں، ایک استفتا اٹھا کر انھوں نے دیا۔ میں نے جواب لکھ دیا۔ تصدیق وتصویب کے لیے اعلیٰ حضرت قبلہ کی خدمت میں پیش ہوا، جواب صحیح ودرست تھا، اعلیٰ حضرت قبلہ نے تصویب فرمائی اور ایک روپیہ انعام میں مرحمت فرمایا۔ بندہ نے عرض کیا سوال کیا تھا؟ حضرت والا مفتی اعظم نے فرمایا رضاعت کا مسئلہ

تھا، رضاعت ہی کا جواب اعلیٰ حضرت قبلہ نے تحریر فرمایا تھا اور اپنے والد ماجد قبلہ سے ایک روپیہ انعام میں پایا تھا، مسکرا کر ارشاد فرمایا مولانا ظفر الدین صاحب نے بھی پہلا جواب رضاعت کا لکھا اور انعام پایا۔

ایک دن حاضر ہوا تو گفتگو مولوی محمد قاسم نانوتوی کے رسالہ تحذیر الناس کے سلسلہ میں ہوئی، حضرت والا مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے مسئلہ پر دقیق عالمانہ گفتگو فرمائی اور اس رسالہ کے سلسلہ میں تاریخی پس منظر بھی بہت تفصیل سے بیان فرمایا، میں نے عرض کیا۔ حضور! اس کے مسائل تنبیہ الجہّال بالھام الباسط المتعال میں گزرے، یہ مولانا حافظ بخش آنولوی کی تالیف ہے۔ حضرت والا نے فرمایا جہال جیم کو پیش اور ہا کو تشدید بالفتح کہیے، پھر فرمایا یہ کتاب اعلیٰ حضرت قبلہ کی لکھی ہوئی ہے اور مولوی حافظ بخش صاحب کے نام سے شائع کی، مولوی حافظ بخش صاحب حضرت تاج الفحول مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی رحمۃ اللہ کے شاگرد و مرید تھے، اور حضرت تاج الفحول سے دادا صاحب قبلہ اور اعلیٰ حضرت قبلہ دونوں کو بہت عقیدت تھی۔

بندہ کی والدہ ماجدہ علیہ الرحمہ علیل ہوگئیں۔ بخار اترنے کا نام نہ لیتا تھا۔ حضرت والدہ نے فرمایا مفتی اعظم صاحب سے تعویذ لے آؤ، قریب رہتے ہوئے حاضری نہیں ہوسکی تھی، دیکھا تو خیریت معلوم کی، بندہ نے والدہ ماجدہ کی علالت اور تعویذ شریف کی طلب کا ذکر کیا فوراً قلم دوات سنبھالا اور ایک تعویذ لکھ کر موڑ کر عطا فرمایا۔ پھر میں اٹھنے لگا فرمایا بیٹھیے۔ پھر دو تعویذ اور مرحمت فرمائے، پھر میں اٹھنے لگا فرمایا ابھی رکیے، عرض کیا حضور بہت ہوگیا، فرمایا ایک تعویذ اور لے لیں، بہت مؤثر ہے بخار اتر کر صحت ہوجائے گی۔

میں سنا کرتا تھا کہ حضرت والا تعویذ کے طلب گاروں کو ایک سے زائد تعویذ مرحمت فرماتے ہیں، اور جب سے میں نے حضرت والا کی زیارت کی۔ یہی دیکھا کہ صبح سے شام تک اکثر تعویذ لکھتے۔ حاجت مندوں کی بھیڑ حضرت عرش آستان مفتی اعظم کے گرد جمع رہتی، بعض پرانوں کو شکوہ سنج پایا کہ مفتی اعظم اس قدر جلالت علمی کے باوجود ہمہ وقت تعویذ لکھتے ہیں، علمی کام کی طرف توجہ نہیں ہے۔ یہ کہنے والے جلیل المکان ماہرین علوم و فنون تھے۔ دوسری طرف علمی جلالت کے ساتھ تقرب الٰہی کی نعمتوں سے سرفراز حضرات عالی قدر کی مبارک زبانوں نے بتایا، عظیم الشان، جلیل المکان حضرت مفتی اعظم صاحب نسبت و خدمت بزرگ ہیں۔ فیض رسانی و حاجت روائی خلق کی خدمت پر صاحب منصب ہیں۔ دونوں کہنے والے علم و فضل و عمل کے جبل شامخ ہیں مگر دونوں کے کہنے میں بڑا فرق ہے، ایک کی نظر ظاہر پر ہے دوسرے کا قلب اسرار حق بیان کر رہا ہے۔ اس موقع پر اعلیٰ حضرت فانی فی اللہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی اسرار حق سے معمور تحریر کا مضمون یاد آگیا جو ابدال و اقطاب و غوث کا بیان لکھتے ہوئے فرمایا۔ اہل صفا ان مقامات پر فائز ہونے کے باوجود صاحب خدمت نہیں ہوتے [illegible] ہوں اور صاحب منصب و خدمت بھی ہوں یہ رحمتِ بلا سبب ہوتی ہے۔ اعمال و اشغال اور مجاہدۂ عظیمہ بھی ضروری نہیں [illegible] خدمت پر سرفرازی کے لیے بہت پہلے سے اہلِ اسلام و ایمان ہونا بھی شرط نہیں، سیدنا و مولانا فرد الافراد غوث الاعظم [illegible] واقعہ کہ حکم ربی سے ایک یہودی کے گھر جا کر اسے اٹھایا اور مشرف بہ اسلام فرما کر صاحب منصب کی خدمت پر قطب مقرر [illegible]

ہمارا دل دوسرے طبقہ کے بزرگوں کا تبع ہے اور اس کا جھکاؤ اسی دوسری طرف ہے کہ حضرت رفیع المکان مفتی اعظم صاحب خدمت و منصب تھے، بزرگوں کے ارشادوں میں قطب دوراں کے سالوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ حضور غوث اعظم کے ۲۵ برس، حضرت سلطان الاولیا محبوب الٰہی قدس سرہٗ کے ۲۵ برس حضرت والا مفتی اعظم کے دور کی مدت بھی تقریباً اسی قدر ہے آخری ۲۵ برسوں میں خلائق کا رجوع عام تھا، ایک جہان فیض یاب ہو رہا ہے، حضرت والا عالمِ قلب بھی تھے اور عارف رب بھی تھے۔

بندۂ بے مقدار کی حاضری کا وقت مقرر تھا، حضرت والا، اس وقت اکثر اکیلے ہوتے۔ اکتسابِ فیض کا موقع ملتا، بہت سی باتیں ملتا

اور بہت سی باتیں معلوم کرتا۔ ایک ایسا ہی موقع تھا، جب بندہ نے عرض کیا، کچھ واقعات ندوۃ العلما کے ارشاد فرمائیں۔ فرمایا میری پیدائش سے ایک برس پہلے ندوۃ العلما قائم ہوئی، پہلا نام اس کا یہی ہوا تھا، اس کے بعد مجلس ندوۃ العلما ہو گیا، حضرت مولانا احمد حسن صاحب کان پوری سے اعلیٰ حضرت قبلہ کا دوستانہ تھا، اور ان کے استاذ، مولانا محمد لطف اللہ صاحب علی گڑھی سے بھی اعلیٰ حضرت قبلہ کے خاص تعلقات تھے۔ مولانا احمد حسن صاحب کان پور کے مشہور زمانہ، مدرسہ فیض عام کے مدرس اول تھے، مولانا کے اصرار سے اعلیٰ حضرت اس کے جلسۂ دستار بندی میں شریک ہوئے، مجلس ندوۃ العلما کے ناظم، مولانا محمد علی کانپوری تھے، یہ بھی اعلیٰ حضرت قبلہ کے ملنے والے تھے، مدرسہ فیض عام کے ساتھ مجلس ندوۃ العلما کا بھی جلسہ ہونا طے پایا، ناظم صاحب کو دعوت بھیجی، اعلیٰ حضرت قبلہ مدرسۂ فیض عام کے جلسۂ دستار بندی کی مجلس میں شریک تھے، جب اسی مجلس میں رافضیوں کے ایک نمائندہ عالم نے شبلی نعمانی کی تجویز سے تقریر کی اور خلافتِ بلافصل بیان کیا، اصلاح مفاسد میں پہلی آواز اعلیٰ حضرت قبلہ نے بلند فرمائی۔ حضرت تاج الفحول اور حضرت محدث سورتی صاحب نے تائید فرمائی، اسی وقت تینوں مولانا لطف اللہ صاحب کے پاس پہونچے، ان کو خبر مل چکی تھی، وہ بھی ناراض تھے۔ ناظم صاحب بلائے گئے، ان کو تنبیہ کی گئی، جناب ناظم نے وعدۂ احتیاط کیا، علم وفضل کی بلندی کے باوجود وعدۂ احتیاط پر کاربند نہ ہونا تھا اور نہ رہے۔

دوران اصلاح مفاسد ندوہ کی بڑی بڑی کوششیں کی گئیں، اور ان کوششوں کا سب سے بڑا مقام عظیم آباد پٹنہ قرار پایا۔ پٹنہ سٹی کے خانوادہ امام تاج فقیہ امام کعبہ کے اخلاف میں مولانا قاضی عبد الوحید صاحب کو اللہ تعالیٰ نے مکائد ارکان اور مفاسد اعمال ندوہ پر مامور فرمایا، انھوں نے اس سلسلے میں ایک بہت بڑا جلسہ بھی کیا جس میں پانچ سو علما مشائخ سرحد و کابل اور سندھ تک کے آ کر شریک ہوئے۔ اعلیٰ حضرت بھی تشریف لے گئے، ان کی پر زور جدو جہد اور حمایت دین اور نکایتِ مفسدین کی وجہ سے تمام بزرگانِ عصر کی نظروں میں محبوبیت بڑھی ہوئی، اعلیٰ حضرت نے قاضی صاحب "ندوی فگن ندوہ شکن" خطاب دیا، اور خطوط میں "حبیبی" سے مخاطب فرماتے۔ قاضی صاحب نے تھوڑی عمر میں دین کی بڑی بڑی خدمت کی، وہ بریلی بھی اعلیٰ حضرت کی ملاقات کے لیے پہنچتے، ان کو دیکھ کر اعلیٰ حضرت باغ باغ ہوتے، ان کے مرض وفات میں اعلیٰ حضرت تیسری بار پٹنہ تشریف لے گئے۔ اعلیٰ حضرت کے سامنے قاضی صاحب نے وفات پائی غسل میں اعلیٰ حضرت شریک ہوئے، کفن پہنایا، جنازہ کی نماز پڑھائی، پکی درگاہ حضرت پیر جگ جوت میں تدفین کے لیے جنازہ کے ساتھ گئے، قبر میں اتارا۔ قاضی صاحب کلکتہ کے اجلاس سراپا خیر وبرکت میں اعلیٰ حضرت کو لے گئے، آپ نے تو تذکرہ علما میں قاضی صاحب کا حال لکھا ہی ہے، بندہ نے عرض کیا۔ قاضی صاحب کی ننہال ہمارے خاندان میں جرو ہا شریف حاجی پور میں تھی، حضرت پیر جگ جوت مخدوم سید شہاب الدین سہروردی کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت بی بی جمال، ہمارے مرشد حضرت مخدوم سید تیم اللہ سفید باز قدس سرہٗ تھے اور وہی حضرت پیر جگ جوت کے سجادہ نشین بھی ہوئے، حضرت مخدوم سید احمد چرم پوش اور حضرت مخدوم جہاں علیہما الرحمہ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کی ماں اعلیٰ الترتیب بڑی اور دوسری صاحبزادیوں کے فرزند تھے۔

بندہ کی گفتگو پوری ہوئی تو حضرت والا گہر سیدی مفتی اعظم نے فرمایا میں جب بھی پٹنہ گیا، قاضی صاحب کے مزار پر ضرور گیا اور فاتحہ پڑھی۔

گزشتہ سطروں میں گزرا کہ اعلیٰ حضرت فانی فی اللہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے مولانا قاضی منظور النبی عبد الوحید صاحب کو "ندوی فگن ندوہ شکن" خطاب مرحمت فرمایا تھا۔ حضرت والا سیدی الکریم مفتی اعظم سے زیادہ اس وقت اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ کے دربار کے احوال کا واقف کار کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا تھا، بندہ نے موقع کو غنیمت جانا اور معروف حضرات کے القاب وخطابات منسوب بہ عطائے اعلیٰ حضرت رفیع الدرجۃ کی تحقیق کو مناسب حال جانا اور ان خطابات کے متعلق دریافت کر ڈالا۔ حضرت والا نے فرمایا اعلیٰ حضرت کے اکابر واحباب واصحاب میں اکثر

کے القاب وخطابات اعلیٰ حضرت کی تصانیف میں موجود ہیں۔ان کے بارے میں تو کسی بھی شک وشبہہ کی گنجائش نہیں،باقی کے بارے میں سکوت ہی اولیٰ ہے،لیکن اتنا ضرور ہے کہ ان میں سے بہت سے القاب وخطاب جو رواج پاچکے ہیں اعلیٰ حضرت کے عطا فرمودہ نہیں ہیں۔

استاذ معظم ومکرم استاذ العلما حضرت مولانا مفتی محمد عبدالعزیز خاں صاحب نعیمی اشرفی فتح پوری،حضرت صدر الافاضل مرادآبادی علیہ الرحمہ کے خاص الخاص تلمیذ ارشد تھے،علاوہ علوم اسلامیہ میں تبحر کے سنسکرت اور ویدوں کے بالغ نظر فاضل تھے،فتنۂ عظیمہ ''فتنۂ ارتداد'' راجپوتانہ کے دفاع میں سرگرم حصہ لے چکے تھے۔مرادآباد جامعہ نعیمیہ کے ''گروکل'' میں اسلامی مبلغین انھیں کی نگرانی میں ویدک علوم کا تقابلی مطالعہ کرتے تھے۔حضرت استاذ العلما فتح پوری اپنی علمی ودینی مجلس میں شدھی فتنہ کی فتنہ سامانی کی تفاصیل بیان فرماتے تو ان پر رقت طاری ہوجاتی اور سننے والے بھی شدت تاثر میں اشک بار ہوجاتے،لُو کے تھپیڑوں میں مئی اور جون کے مہینوں میں گرد آلود راہوں میں چلنا، وہ بھی میل دو میل نہیں۔دس دس،پندرہ پندرہ میل کا تبلیغی سفر طے کرتے،بڑے رومال کے گوشے میں بھنے چنے بندھے ہوتے کسی درخت کی چھاؤں میں بیٹھ کر چنے اور گڑ کھا کر پانی پیا پھر چل کھڑے ہوئے۔استاذ العلما کے ساتھ رئیس وفود اسلامی مولانا قاضی اشرفی نعیمی،حضرت مولانا حشمت علی خاں لکھنوی،حضرت سیدی مفتی اعظم اکثر دوروں میں ساتھ رہتے تھے،استاذ معظم حضرت استاذ العلما فتح پوری کی وہ باتیں یہاں مکہ مکرمہ میں یاد آئیں۔بندہ نے حضرت والا سیدی الکریم مفتی اعظم کے سامنے سلسلہ بیان میں اس کا ذکر چھیڑ ڈالا۔حضرت سنبھل کر بیٹھ گئے اور نہایت محویت کے ساتھ اس جدوجہد بھری داستان کے ورق سناتے گئے۔خدا کی شان دیکھیے اس دن ظہر کی اذان سے پہلے کوئی آیا بھی نہیں،حضرت والا سناتے سناتے چند لمحوں کے لیے خاموش بھی ہوجاتے،پان،جس کے بے حد عادی تھے ایک بار بھی نہیں،حضرت صدر الافاضل کی بے تابی،استاذ العلما مفتی اعظم پاکستان حضرت سید ابوالبرکات اور ان کے والد گرامی حضرت شیخ المحدثین مولانا سید دیدار علی شاہ الوری،حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری اور قطب عالم،شبیہ غوث الثقلین حضرت شاہ علی حسین اشرفی میاں،میر سید غلام بھیک صاحب نیرنگ،فقیر اللہ شاہ اور حضرت مولانا سید غلام قطب الدین اشرفی چشتی نظامی برہم چاری،جی پروسکی اور راہ حق میں بادیہ پیما مبلغین اسلام کی اعانت وحمایت میں سرگرم عمل شیروانی علی گڑھی مراد اولوالعزم رؤسا،اور رئیس المتکلمین حضرت مولانا سید شاہ محمد سلیمان اشرف صاحب اشرفی الجیلانی چشتی نظامی فخری پروفیسر وصدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی دلسوزیوں کا ذکر فرمایا۔بندہ نے اپنے لفظوں میں اس مجلس کے ارشادات وملفوظات قلم بند کرلیے اسی عمل نے توجہ دلائی تو گزشتہ ملفوظات بھی ضبط تحریر میں لے آیا،جب تک مکہ مکرمہ میں حاضری وحضوری کا شرف حاصل رہا مضامین قلم بند ہوتے رہے۔جب ایک دن عصر کے بعد حاضر ہوا،مدینۃ المنورہ کی حاضری کے عزم کا ذکر کیا اور دعا کی درخواست کی۔مدینہ پاک کا نام سن کر حضرت والا فوراً کھڑے ہوگئے مہبط انوار وبرکات سینے سے لگایا اور فرمایا آج میری طرف سے میلاد شریف کی محفل ہونے والی ہے۔خیال تھا کہ آپ سے ذکر فضائل سنوں گا بندہ نے حضرت والا کے قدوم مبارک چومے اور حضرت والا کی آنکھوں میں [illegible] نور باری کی ہمک ہمک کر زیارت کرتے ہوئے الٹے پاؤں واپس لوٹا۔

سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سرکار کی حاضری سے سرفرازی حاصل ہوئی،سیدی الوالد مرشدی ومولائی قبلہ جسم وجاں،کعبۂ ایمان،امین شریعت،سلطان المتکلمین،عارف باللہ،ناصح فی اللہ مولانا الحاج شاہ رفاقت حسین صاحب قبلہ مفتی اعظم کانپور نے تعلیم وتلقین فرمایا تھا کہ مکہ مکرمہ میں تلاوت قرآن مجید اور طواف کعبہ زیادہ سے زیادہ کروں اور بارگاہ کریم حضرت مدینۃ المنورۃ میں مقامات مقدسہ کی زیارتوں سے مقدم اس بارگاہ میں حاضری وحضور جانوں،تلاوت کلام مجید اور حاضری وحضوری بارگاہ پاک،صاحب لولاک علیہ الف التحیات دونوں ملحوظ خاطر رہیں اور بندہ بارگاہ کرم ان دونوں تلقینوں پر عامل وشاغل رہا۔حضرت والدہ ماجدہ کو بھی حضوری منظور خاطر

رہتا، ان کے اس عمل سے حضوری میں مدد حاصل رہی، بعد عشا مقام اقامت پر جانا ہوتا، ایک دن ہندوستانی وقت کے لحاظ سے گیارہ بجے کے قریب باب مجیدی سے سڑک پار کر اصطفی منزل کے قریب قطب مدینہ المنورۃ حضرت مولانا شاہ ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی علیہ الرحمۃ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا، ان کے پاس حضرت مفتی اعظم قدس مقام کو جلوہ فروز دیکھا، لیکن حضرت والا کسی کی طرف متوجہ تھے۔ جب اس طرف متوجہ ہوئے، بندہ نے سلام پیش کیا اور تقبیل یدین ثم رجلین کے شرف سے مشرف ہوا، حضرت نے خیریت دریافت فرمائی والدہ صاحبہ قبلہ کی خیریت بھی معلوم فرمائی۔ بندہ نے عرض کیا بارگاہِ کرم میں ہوں، خیر ہی خیر اور خیریت ہے حضرت والا۔ کے طور نے خاموش تائید فرمائی، جس میں مسرت کا بھی اظہار ہو رہا تھا۔

حضرت سیدی الکریم مفتی اعظم کی زیارت ودید کے لیے پاکستان کے حضرات کا بڑا مجمع تھا۔ اس محفل میں مرکزی مجلس رضا کے صدر میاں محمد عارف ضیائی بھی تھے۔ ۲۵، ۳۰ برس کے نوجوان تھے، وہ مرکزی مجلس رضا کی رپورٹ کے لیے حضرتِ والا کا پیغام چاہتے تھے، مجھے دیکھا اور میری طرف حضرت والا کا جود وکرم دیکھا تو مجھ سے بھی کہا، میں نے عرض کیا، گزارش منظوری ہوئی فرمایا آپ لکھ دیں میں دستخط کر دوں گا۔ حضرت والا مفتی اعظم قدس سرہٗ کا وہ پیغام ودعا نامہ مرکزی مجلس رضا لاہور نے چھاپ کر شائع کر دیا۔

حضرت والا سیدی مفتی اعظم عظیم البرکتہ نے بہ نظرِ عنایت، حضرت قطب مدینہ منورہ مولانا شاہ ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی قدس سرہٗ سے بلند کلمات طیبہ میں بندہ کا تعارف کرا دیا تبھی حضرت قطب مدینہ منورہ نے فرمایا کہ میں ان کے والد ماجد مولانا رفاقت حسین صاحب مفتی اعظم کان پور سے خوب واقف ہوں اور ان سے بھی واقف ہو گیا ہوں، اور دعائیہ کلمات فرمائے، حضرت سیدی الوالد الماجد قدس سرہ کو حضرت قطب مدینہ منورہ نے اسانیدِ حدیث وسلاسل اولیا کی قلمی سند مرحمت فرمائی تھی، پاکستان لاہور سے شائع مرکزی مجلسِ رضا نے انوارِ قطب مدینہ شائع کی ہے اس میں اس کا ذکر موجود ہے۔ خلفا کے ذیل میں بندہ کا نام درج ہے۔

بندہ اکثر وقت مسجد نبوی شریف میں گزارتا تھا ایک دن، مسجد شریف کی جماعت کے بعد دیر گئے حضرت والا ظہر کی نماز کے لیے حاضر ہوئے۔ باب السلام کے قریب جماعت سے نماز ادا فرمائی، جبھی بندہ مواجہہ مقدسہ میں حاضری دے کر واپس ہو رہا تھا، دیکھا کہ نجدی پولس والے اور تبلیغی وہابی حضرت والا اور آپ کی جماعت کے افراد کے ساتھ نازیبا انداز میں گفتگو کر رہے ہیں۔ ہم راہ کے حضرات نرم انداز میں جواب دے رہے ہیں، بندہ حضرت والا کے بہت قریب جا کر حاضر ہو گیا اور نجدی پولس والوں سے ماذا تقولون کہہ کر مخاطب ہوا، عربی زبان میں تکلم پر بہت زیادہ قدرت نہ ہونے کے باوجود تبلیغیوں کو بھی مخاطب کیا اور ان کے اعتقادی مسائل پر ان کو گرفت میں لیا۔ جس سے وہ گھبرا گئے۔ بندہ نے حضرت والا کی جماعت کے افراد سے کہا حضرت والا عمر دراز اور کم زور ہیں، حضرت کو قیام گاہ پر لے جائیے، چنان چہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت مفتی اعظم واپس تشریف لے گئے، نجدی پولس والے اور تبلیغی جو دہلی اور لکھنؤ کے اطراف کے تھے، منتشر ہو گئے، بندہ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھتے ہی فرمایا، آخر ہیں تو آپ اسی باپ کے بیٹے جس نے اس شہر کریم میں نجدی قاضی القضاۃ کو مبہوت کر دیا تھا، اس کے بعد جو بھی آتا اس کو یہ واقعہ سناتے۔

سیدی الوالد الکریم مرشد معظم قبلہ جسم وجان مولانا شاہ رفاقت حسین قبلہ مفتی اعظم کان پور علیہ الرحمہ سے دینی سفروں میں حضرت والا کی اکثر ملاقات رہتی تھی۔ پہلی ملاقات میں حضرت والا نے ان سے بھی یہ واقعہ بتایا اور دعا وسلام کہلایا، اور ہر بار ایسا ہی ہوتا تھا، ایک بار قبلہ ایمان سیدی الوالد نے فرمایا۔ مفتی اعظم سے ملاقات وسلام میں کرتا ہوں، مگر وہ خیریت تمھاری پوچھتے ہیں۔

☆☆☆

اکیسواں باب

مکتوبات نے عظیم شخصیتوں کی زندگی کے بہت سے اہم گوشوں کی توضیح و تشریح میں ہمیشہ ہی اہم کردار ادا کیا ہے ، سوانحیات کے باب میں اس کی خاص اہمیت ہے بلاشبہہ مفتی اعظم نے اپنی اکیانوے سالہ زندگی میں سیکڑوں ہزاروں خطوط لکھے ہوں گے اور ممکن ہی نہیں بل کہ یقین ہے کہ ان کے خلفا و تلامذہ ، معتقدین اور احباب معاصرین کے پاس اس خزانۂ عامرہ کا ایک وافر حصہ محفوظ ہوگا اور یا تو بوسیدہ الماریوں کی ریک میں دیمک کی غذا بن رہے ہوں گے ، اب تک کی معلومات کے مطابق ابھی تک مکتوبات امام احمد رضا کی طرح مکتوبات مفتی اعظم کو جمع کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش سامنے نہیں آئی ہے ، البتہ زیر نظر مجموعہ میں ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو سابق صدر شعبہ عربک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ، علی گڑھ نے اس جانب پہل کرتے ہوئی ان خطوط کو نذر قارئین کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ جو مفتی اعظم نے ان کے والد گرامی مرتبت ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری قادری رضوی خلیفہ امام احمد خاں قادری برکاتی حنفی کو مختلف اوقات میں لکھے ہیں۔باوجودیکہ خود ڈاکٹر صاحب کے بیان کے مطابق ایسے خطوط کی ایک بڑی تعداد تلاش و جستجو کی انتظار میں ہے ، یا زمانہ کی دست برد سے ضائع ہوگئی۔ ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف خطوط کی متون کو انتہائی چھان پھٹک اور صحت و تحقیق کے ساتھ پیش کیا ، بل کہ جگہ جگہ مفید حواشی کا اضافہ کرکے اس کی افادیت میں چار چاند لگادیا ہے ، حواشی کے ذریعہ ڈاکٹر صاحب کی جد و جہد اور عرق ریزی کا اہل علم بہ خوبی اندازہ لگا سکتے ہیں ۔ ڈاکٹر آرزو صاحب کی شخصیت کا انتساب اہل سنت و جماعت کے ایک ایسے عظیم اور مقتدر و شہرۂ آفاق حنفی عالم دین کی طرف ہے ، جو برسوں مجدد اسلام امام اہل سنت اعلی حضرت امام احمد رضا خاں قادری حنفی برکاتی کی خدمت بابرکت میں علمی و قلمی خدمات انجام دیتے رہیں ۔ تا حیات ان کے والد گرامی امام احمد رضا کی تحریک تقدیس الوہیت و رسالت کا ستون بنے رہے۔ڈاکٹر صاحب نے معلوم نہیں کن وجوہات کی بنا پر اپنا تعارف اس حوالے سے نہیں چاہا ورنہ ان کی شخصیت عالمی سطح پر احترام و تقدس کے جس عظیم مقام فائز ہوتی وہ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی، مفتی اعظم ان کے اوپر کس قدر مہربان تھے اس کا اندازہ خود ان کے مضمون سے لگایا جاسکتا ہے ، خانوادہ رضا سے ڈاکٹر صاحب کی عقیدت ووابستگی ہندوستان کی علمی تاریخ کا ایک حصہ ہے جس سے ڈاکٹر صاحب بھی غالباً نظر نہیں چراسکتے ، بہ ہر حال ہم ڈاکٹر صاحب کے ممنون ہیں کہ انہوں نے اپنا قیمتی وقت جہان مفتی اعظم کے لیے عطا کیا ۔اب آپ ہیں اور یہ خطوط۔ اگلے صفحات میں مطالعہ کریں اور تفصیلی مطالعہ سے پہلے اس کی ایک اجمالی فہرست کا مطالعہ خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

مقبول احمد سالک مصباحی

فہرست مکتوبات

مطابق ۱۹۵۱ء

(۱۴) 〃 〃 〃 مجریہ ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ از بریلی
مطابق ۲۵ جون ۱۹۵۱ء

(۱۵) 〃 〃 〃 مجریہ ۱۵ شوال المکرم ۱۳۷۰ھ از بریلی
مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۵۱ء

(۱۶) 〃 〃 〃 مجریہ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۷۱ھ از بریلی
مطابق ۱۸ دسمبر ۱۹۵۱ء

(۱۷) 〃 〃 〃 مجریہ ۱۷ ربیع النور ۱۳۷۱ھ از محلہ سوداگران بریلی
مطابق ۱۸ دسمبر ۱۹۵۱ء

(۱۸) 〃 〃 〃 مجریہ صفر المظفر ۱۳۷۳ھ از محلہ سوداگران بریلی

(۱۹) 〃 〃 مجریہ ۳۰/۱ اکتوبر ۱۹۶۱ء

☆☆☆☆☆

مکاتیب مفتی اعظم

بنام ملک العلما مولانا ظفر الدین قادری علیہ الرحمۃ والرضوان

مرتبہ : پروفیسر مختار الدین احمد
سابق صدر شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

حرفے چند

علمائے کرام خاص طور پر علمائے اہل سنت و جماعت میں اپنے بچپن میں جن کی زیارت سے مشرف ہوا، یا جن کی صحبت میں کچھ دیر بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی ان میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی (م ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) اور مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوری (م ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حجۃ الاسلام کی زیارت پہلی مرتبہ اپنے مکان ''ظفر منزل'' شاہ گنج پٹنہ میں ہوئی، جہاں وہ والد محترم حضرت ملک العلما مولانا ظفر الدین قادری رضوی (م ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء) کی دعوت پر تشریف لائے تھے اور ہفتہ عشرہ تک قیام پذیر ہوئے تھے۔ اس سفر میں حماد رضا خاں عرف نعمانی میاں (م ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء) ان کے ساتھ تھے۔ یہ میرے ہم عمر تھے اس لیے جلد ہی ہم دونوں بے تکلف ہو گئے۔ اس زمانے میں ''ظفر منزل'' میں نئے علمائے کرام وصوفیۂ عظام، متوسلین ومسترشدین اور سلسلۂ عالیہ رضویہ میں داخل ہونے والوں کا ایک ہجوم رہتا تھا اس لیے ملک العلما کے حکم پر میں نے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ سے، جہاں میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، ہفتے عشرے کی چھٹی لے لی تھی اور میں برابر شب و روز حضرت کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ اس زمانے کی کچھ باتیں ساٹھ ستر سال گزر جانے پر بھی حافظے میں محفوظ ہیں لیکن ان کا ذکر کسی اور موقع کے لیے اٹھا رکھتا ہوں۔

حجۃ الاسلام کو دوسری بار موضع پوکھریرا ضلع مظفر پور (بہار) میں دیکھنے کا اور ان کے ساتھ تین دن رہنے کا موقع ملا۔ جہاں وہ مولانا ولی الرحمٰن قادری ناظم انجمن نور الاسلام کے اصرار پر حضرت مولانا عبد الرحمٰن محبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء) کے عرس اور ان کے مدرسے کے سالانہ جلسے کی صدارت کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے۔ یہ جلسہ بڑی کامیابی سے تین دن تک ہوتا رہا، آس پاس کے مواضع کے ہزاروں مسلمان رات گئے تک جلسے میں موجود رہتے اور علمائے کرام کے مواعظ حسنہ سے مستفید ہوتے رہے۔ علما میں مقامی اور آس پاس کے عالموں اور مقرروں کے علاوہ حضرت ملک العلما، مولانا عظیم اللہ، ان کے صاحبزادگان، مولانا عزیز اللہ اور مولانا علیم اللہ خاص طور پر یاد آتے ہیں۔ اب نئی نسل آخر الذکر تینوں علمائے کرام سے واقف نہیں ہوگی۔ مولانا عظیم اللہ غالباً ضلع بلیا (یوپی) کے رہنے والے تھے اور بہار و بنگال میں خاصی شہرت رکھتے تھے۔ کا بنگال میں غالباً کوئی مدرسہ بھی تھا اور وہ کلکتہ اور آس پاس کے جوٹ ملوں کے ہزاروں مسلمان مزدوروں اور کاری گروں میں بے حد مقبول تھے۔

مولانا علیم اللہ ایک لائق و فائق اور ہونہار نوجوان تھے۔ مجھ سے عمر میں پانچ سات سال بڑے، بہت اچھے استاد اور بڑے کامیاب

مقرر۔ کئی سال کے بعد جب میں حضرت ملک العلما کا ہم رکاب ہو کر کلکتہ پہنچا اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے خلیفہ و مسترشد مولانا حاجی لعل خاں مدراسی (م ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء) کے خویش حاجی عبد العزیز خاں (منیجر الحاج زین علی رضا) کے یہاں ۲۲ زکریا اسٹریٹ میں مقیم تھا تو مولانا علیم اللہ، حضرت ملک العلما کی زیارت اور استفادے کے لیے اکثر تشریف لاتے تھے۔ وہ ان دنوں زکریا اسٹریٹ کی مشہور مسجد، مسجد ناخدا میں خطیب تھے (وہاں کے امام ایک عرب عالم تھے جن کے کمرے میں میں نے اور مولوی علیم اللہ نے پہلی مرتبہ عرب قہوہ نوش کیا۔) وہ روزانہ عشا کے بعد قرآن پاک کی تفسیر بیان کرتے تھے۔ میں متعدد بار اس مجلس میں شریک ہوا۔ وہ بہت مؤثر تقریر کرتے تھے۔ افسوس ایام شباب ہی میں انھوں نے سفر آخرت اختیار کیا۔ خدا ان کی مغفرت فرمائے۔

پوکھریرا، اس زمانے میں ایک گاؤں تھا، پوپری ریلوے اسٹیشن سے کچھ دور، علمائے کرام ایک قسم کی بیل گاڑی پر جو تانگہ سے زیادہ پر تکلف اور آرام دہ تھی، سوار ہو کر کئی گھنٹے میں پوکھریرا پہنچتے تھے۔ حجۃ الاسلام اور ملک العلما کے لیے شاید ٹیکسی کا انتظام تھا۔ ہمارا قیام، ناظم مدرسہ مولانا ولی الرحمن کے مکان پر تھا جہاں ان کے بھائی حکیم مولانا عطاء الرحمن اور صاحبزادگان مولوی محمد حمید الرحمن اور مولوی محمد علیم الرحمن میزبانی کے لیے موجود رہتے تھے۔ حکیم صاحب بعد کو برسوں پارک سرکس کلکتہ کے پاس ایک مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے، میری ان سے کئی بار وہاں ملاقات ہوئی۔

پوکھریرا میں اس موقع پر لوگ جوق در جوق آس پاس کے مواضع سے آتے رہے اور حضور حجۃ الاسلام سے شرف بیعت حاصل کرتے رہے۔ صحیح تاریخ یاد نہیں یہ اواخر مئی یا اوائل جون ۱۹۳۷ء کا زمانہ ہونا چاہیے۔ پھر برسوں حضرت کی زیارت نصیب نہیں ہوئی۔ ایک بار اواخر ۱۹۳۹ء میں بریلی حاضر ہوا تو حضرت سفر پر تھے۔ آخری بار ۱۹۴۳ء میں ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا جب حضرت محدث اعظم مولانا سید شاہ محمد کچھوچھوی (م ۱۳۸۱ھ) اور ملک العلما خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ برکاتیہ اور مدرسہ منظر اسلام کے بعض مسائل کے حل کے لیے بریلی حاضر ہوئے تھے۔ ملک العلما اپنے اکثر اسفار میں جب میں کم عمر تھا مجھے ساتھ رکھتے تھے۔ میں اس موقع پر بھی ان کے ساتھ موجود تھا۔ ہمارا قیام دو تین دن بریلی میں رہا۔ اس سلسلے میں دیکھیے مکتوب مفتی اعظم (مکتوب (۴) مؤرخہ ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۶۲ھ)۔ مولانا عرفان علی بیسل پوری کا خط بھی دیکھا جائے۔

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳ مئی ۱۹۴۳ء کو حضرت حجۃ الاسلام جوار رحمت میں داخل ہو گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت مفتی اعظم مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں نوری کی زیارت کا شرف بھی مجھے تین بار حاصل ہوا۔ پہلے بریلی میں پھر مرادآباد میں اور اس کے بعد حضرت کا ساتھ مرادآباد سے بریلی کے ایک سفر میں ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے۔

اواخر دسمبر ۱۹۳۹ء میں انجمن ترقی اردو (ہند) کا سالانہ اجلاس دہلی میں منعقد ہوا۔ یہ بہت بڑا اجتماع تھا جس میں متحدہ ہندستان کے گوشے گوشے سے مندوبین شرکت کے لیے آئے تھے۔ انجمن کا ایسا مہتم بالشان جلسہ نہ کبھی پہلے ہوا تھا نہ بعد کو ہوا۔ مولوی عبدالحق سکریٹری انجمن ترقی اردو (م ۱۹۶۱ء) نے انجمن کی تمام شاخوں سے جو ملک بھر میں پھیلی ہوئی تھیں دو دو نمائندے مدعو کیے تھے۔ بہار کی صوبائی شاخ سے وہاں کے سکریٹری مشہور محقق قاضی عبدالودود (بی اے کینٹب) بار ایٹ لا (۱۸۹۶ء-م ۱۹۸۴ء) خلف مولانا غلام صدیق قاضی عبدالوحید صدیقی فردوسی عظیم آبادی (م ۱۳۲۶ھ) اور ان کے معاون پروفیسر شرف عالم آرزو جلیلی (م ۱۹۴۲ء) اس اجلاس میں شرکت کے لیے منتخب ہوئے تھے۔ لیکن قاضی صاحب علیل ہو کر انکی سینیٹوریم چلے گئے اور انھوں نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کی نیابت کروں۔ مجھے بے حد تامل ہوا لیکن آخر ان کے اصرار پر میں دہلی جانے کے لیے راضی ہو گیا۔ میں نے کانفرنس کے لیے ایک مقالہ لکھا (جسے مولوی صاحب نے انجمن کے

رسالہ اردو میں شائع کیا) اور سفر کی تیاری شروع کردی۔ والد صاحب علیہ الرحمۃ نے تاکید فرمائی کہ واپسی میں بریلی، مراد آباد اور آگرہ کے بزرگوں کی قدم بوسی کرتا ہوا واپس آؤں۔ چنانچہ جلسے کے اختتام کے بعد میں پروفیسر شرف عالم آرزو جلیلی کا ساتھ چھوڑ کر بریلی حاضر ہو گیا۔ حضرت حجۃ الاسلام کسی دور دراز مقام کے سفر پر تھے۔ میں مفتی اعظم کی قدم بوسی کے لیے ان کی قیام گاہ پر حاضر ہوا۔ بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔ گھنٹہ آدھ گھنٹہ جب تک آپ تشریف فرما رہے آپ کی خدمت میں حاضر رہا۔ آپ لوگوں سے ملتے رہے، ان کے کام کرتے رہے اور میری طرف بھی متوجہ رہے۔ اب میں نے اجازت چاہی تو فرمایا: میں ایک دینی کام سے مولانا سید نعیم الدین صاحب کے یہاں مراد آباد جا رہا ہوں، دو تین دن میں واپس آؤں گا۔ آج رات کا کھانا یہیں کھانا۔ مجھے نعمانی میاں سے ملنا تھا جو کئی سال پہلے آٹھ دس دن پٹنے میں ہمارے ساتھ رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت کے مکان محلہ سوداگران کے پھاٹک پر پہنچا جہاں جماعت رضائے مصطفیٰ کا دفتر تھا۔ مولانا ابرار حسن تلہری موجود تھے۔ کچھ دیر کے بعد جیلانی میاں یعنی مفسر قرآن مولانا ابراہیم رضا خاں (م ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء) تشریف لے آئے۔ مولانا ابرار حسن نے ان سے میرا تعارف کرایا۔ گفتگو میں شعر و شاعری کا ذکر آیا تو فرمایا تم شعر ضرور کہتے ہو گے، پھر اصرار کر کے کچھ شعر سنے۔ بڑے جامہ زیب اور خوبصورت آدمی تھے۔ پھر ان سے کبھی کہیں ملاقات نہ ہو سکی۔ یہ بڑی اہم اور مرکزی جگہ تھی۔ یہاں بہت سے اصحاب سے ملاقات ہوئی۔ کچھ سے اسی وقت اور کچھ سے اس کے بعد۔ نعمانی میاں میرا نام سن کر آ گئے۔ مولانا محمد حسین میرٹھی موجد طلسمی پریس، مولانا حسنین رضا خاں (م ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء) حکیم حسین رضا خاں، (م ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۱ء) مولانا احسان علی مظفر پوری، مولانا سید ایوب علی رضوی (م ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء) مفتی تقدس علی خاں (م ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء) سید قناعت علی اور اعلیٰ حضرت کے خادم خاص حاجی کفایت اللہ سے یہیں ملاقات ہوئی۔ کئی اصحاب جنھیں "مولانا ظفر الدین قادری کے صاحبزادے" کے بریلی آنے کی اطلاع ملی، مجھے دیکھنے آئے، ان میں اعلیٰ حضرت کے "خاصہ تراش" بھی تھے جو اس وقت تک زندہ تھے؟ ان کا نام اس وقت صحیح یاد نہیں آتا۔ یہ سارے اصحاب بہت محبت و شفقت سے ملے۔ بریلی میں قیام کے چند دن خوب گزرے، پھر میں صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب (م ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) سے ملنے مراداباد چلا گیا۔ میں استاد العلما سے مل کر ان کی محبت و شفقت سے بہت متاثر ہوا۔ میں رات کے وقت مراد آباد پہنچا تھا۔ مولانا اپنے مکان کی اوپر کی منزل پر چند احباب کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ خوب یاد ہے آپ حقہ نوش فرما رہے تھے۔ میں نے عرض کیا مجھے حقہ پر دو شعر یاد آ رہے ہیں۔ مسکرا کر فرمایا، سنائیے۔ میں نے عرض کیا۔

حقہ جو ہے حضور معلّٰی کے ہاتھ میں	گویا کہ کہکشاں ہے ثریا کے ہاتھ میں
ناسخ یہ سب بجا ہے ولیکن تو عرض کر	بے جان بولتا ہے مسیحا کے ہاتھ میں

محظوظ ہوئے۔ "مسیح" اور "مسیحا" اور ناسخ کی اصلاح زبان پر کچھ دیر گفتگو فرمائی۔ کچھ دیر بعد میرے لیے کھانا منگوایا۔ روٹی، سالن کے ساتھ بالائی بھی تھی، اچھی طرح شکر ڈالی ہوئی۔ لطف آ گیا۔ یہ میری محبوب ڈش ہے۔ میری شب خوابی کا انتظام مدرسہ (جو اب جامعہ نعیمیہ کے نام سے مشہور ہے) کے ایک کمرے میں تھا۔ تھکا ہوا تھا، گہری نیند سویا۔ صبح مدرسہ کے طویل و عریض برآمدے میں دیکھا کہ کئی تخت بچھے تھے۔ مفتی اعظم اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر تشریف فرما ہیں۔ متوسلین اور معتقدین موجود ہیں۔ کسی سے گفتگو فرما رہے ہیں، کسی کو مسئلہ بتا رہے ہیں اور کسی کو تعویذ لکھ کر دے رہے ہیں۔ وعظ و نصیحت بھی جاری ہے۔ بعد کو ایک لطیفہ بھی سننے میں آیا۔ ایک صاحب بہت دنوں سے علیل تھے۔ کمزور ہو گئے تھے۔ آپ نے مرض کے ازالے کے لیے تعویذ لکھ کر دیا اور ساتھ ہی فرمایا پلنگ، تخت یا کوئی بھاری چیز نہ اٹھائیے گا۔ تعویذ دیتے وقت ان کے چہرے پر نظر پڑی تو فرمایا آپ کوئی بھاری چیز کیا اٹھائیں گے؟ آپ سے تو داڑھی کا بوجھ بھی

اٹھایا نہیں جاتا۔ وہ صاحب کلین شیو تھے۔

کچھ فرصت ملی تو میری طرف متوجہ ہوئے۔ انھوں نے ملک العلما کی تصنیفی سرگرمیوں کا حال پوچھا، "صحیح البہاری" شریف کی کتنی جلدیں مکمل ہوئیں۔ مدرسۂ شمس الہدیٰ میں طلبہ کی تعداد کیا ہے؟ مدرسین کتنے ہیں؟ وہاں فقہ کون پڑھاتا ہے؟ اساتذہ زیادہ تر کس عقیدے کے ہیں؟ مدرسے کا انتظام کس کے ہاتھ میں ہے؟ کوئی جائداد وقف ہے یا گورنمنٹ اخراجات پورے کرتی ہے؟ میں نے اساتذہ کے ذکر میں بتایا ایک استاد غیر مقلد ہیں، تین مدرسۂ دیوبند کے فارغ ہیں۔ ایک ندوہ کے تعلیم یافتہ ہیں اور دو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے خاص شاگردوں اور تلامذہ و خلفا میں ہیں۔ ایک استاد ہیں جو تفسیر پڑھاتے ہیں تصوف سے گہرا شغف رکھتے ہیں، خالص سنی قادری المشرب ہیں۔ انجھر شریف ضلع گیا کے رہنے والے ہیں، کی خانقاہ قادریہ مجیبیہ پھلواری سے منسلک ہیں۔ دوسرے استاد جو منطق و فلسفہ اور کلام کے ماہر ہیں مولانا فضل حق رام پوری (م ۱۹۴۰ء) کے شاگرد ہیں اور مدرسۂ خیر آباد سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بھی خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف ضلع پٹنہ سے وابستہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت ان سے اچھی طرح واقف تھے۔ ان کے مکتوبات بنام ملک العلما میں دو جگہ ان کا ذکر ہے۔ اعلیٰ حضرت کی یہ خواہش تھی کہ ان کے مرسلہ فتاویٰ پر ان کے بھی دستخط اور مہر ہوں۔ مولانا محمد عمر نعیمی (م ۱۹۶۶ء) تشریف فرما تھے، انھوں نے پوچھا ان کا نام کیا ہے؟ میں نے کہا سید دیانت حسین (م ۱۳۷۰ھ) میں نے مدرسے کے اساتذہ کے ذکر میں مولانا سید عبد الرشید صاحب عظیم آبادی (م شوال ۱۳۵۷ھ/ ۷ ار دسمبر ۱۹۳۸ء) کا ذکر کیا جو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے قدیم تلامذہ میں ہیں۔ پہلے پہل ملک العلما اور مولانا عبد الرشید صاحب کی تعلیم کے لیے مدرسہ منظر اسلام قائم ہوا تھا۔ مفتی اعظم نے فرمایا وہ مجھے خوب اچھی طرح یاد ہیں۔ میں نے کہا وہ بھی میرے اساتذہ میں ہیں۔ انھوں نے کہا ان سے میرا اسلام کہنا۔ پھر انھوں نے مولانا سید شاہ غلام محمد بہاری اور مولانا سید عبد الرحمٰن بیتھوی کا حال پوچھا۔ فرمایا ملک العلما کی تشویق پر یہ اصحاب بہار سے تحصیل علم کے لیے بریلی آئے تھے۔ میں نے کہا میں انھیں نہیں جانتا۔ یہ اصحاب پٹنہ میں تو یقیناً نہیں۔ پھر استاذ العلما کے ایک صاحبزادے آئے وہ اور مولانا محمد عمر نعیمی مدرسہ کے بعض مسائل پر حضرت سے گفتگو کرنے لگے۔

دوسرے دن مفتی اعظم بریلی کے لیے روانہ ہو گئے، انھیں وہاں سے گاؤں جانا تھا جہاں ان کی زمینداری تھی۔ میں نے بھی استاذ العلما سے اجازت چاہی، انھوں نے دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ ٹرین میں مفتی اعظم نے فرمایا ابھی موقع ہو تو دو چار دن بریلی میں رکو، لوگوں سے ملو جلو اور دل چاہے تو میرے ساتھ گاؤں چلو، یہاں کے گاؤں بھی دیکھ لینا۔ میں سیدھے پٹنہ جانا چاہتا تھا، یہ میرا پہلا سفر تھا، گھر سے نکلے کئی دن ہو گئے تھے۔ دل گھبرا رہا تھا۔ دوسری طرف بریلی میں قیام کو بھی دل چاہتا تھا۔ کچھ دیر تک تذبذب میں رہا۔ رام پور تک ٹرین پہنچی تو پختہ ارادہ پٹنہ جانے کا کر لیا۔ آپ نے میری ذہنی کیفیت دیکھتے ہوئے جانے کی اجازت دے دی۔ بریلی اسٹیشن پر رخصت کرتے وقت دعائیں دیں، پھر فرمایا گھر پہنچ کر خیریت کا خط لکھنا۔ میں آگرے کی سیر کرتا ہوا پٹنہ پہنچا۔ والد علیہ الرحمۃ کو پورے سفر کی داستان سنائی۔ انھوں نے بریلی میں جن لوگوں سے ملاقات ہوئی تھی اس کی تفصیل سنی۔ پھر خود ہی مفتی اعظم کو میری مراجعت کی اطلاع دی اور ان سبھوں کا شکریہ ادا کیا جو مجھ سے محبت و شفقت سے وہاں ملے تھے۔ مفاوضۂ عالیہ نمبر (۳) مورخہ ۱۲ر ذوالحجہ ۱۳۵۸ء ملک العلما کے اسی خط کے جواب میں ہے۔ اسی میں حضرت لکھتے ہیں:

"مولیٰ عزوجل کا شکر کہ عزیزی مولوی مختار الدین احمد صاحب سلمہ فاضل شمسی نے بخیر و عافیت مراجعت وطن کی اور بالخیر پہنچے۔ میں عزیز موصوف سلمہ سے مل کر بہت خوش ہوا۔ مولیٰ عزوجل ان کی عمر و علم میں برکت عطا کرے اور عمل کی

توفیق عطا کرے۔ انھیں دیکھ کر آپ بہت [illegible] آتے رہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ میں عزیز سلمہ سے بہت ہی کم مل سکا۔"

حضرت والد ماجد کا حکم تھا کہ آگرہ میں مولانا مفتی عبدالحفیظ صاحب (م ۱۹۵۸ء) سے ضرور ملنا، وہ شاہی مسجد آگرہ میں مفتی و خطیب تھے۔ ان سے وہیں جا کر ملا۔ مفتی صاحب یہ سن کر کہ ملک العلما نے ان کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان سے دعائیں لینے کی تاکید کی تھی بہت خوش ہوئے۔ حضرت کی صحت اور ان کے علمی مشاغل کا حال پوچھتے رہے۔ اس رات اپنے گھر کھانے پر مدعو کیا۔ محلہ اور گھر کا نقشہ کاغذ پر بنا کر محل وقوع سمجھایا اور وقت پر آنے کی تاکید کی کہ انھیں کھانے کے بعد کہیں تقریر کرنے جانا تھا۔ ان کے یہاں پہنچا تو مفتی صاحب کے والد محترم حضرت مولانا عبدالمجید آنولوی (م ۱۹۴۳ء) کی زیارت کا بھی اتفاق ہوا۔ وجیہ اور خوب صورت آدمی تھے۔ ان کی گفتگو میں بڑی لطافت اور حلاوت تھی۔ ملک العلما ان کا احترام کرتے تھے کسی واسطے سے وہ "تاج الفحول" حضرت مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی قدس سرہٗ (م ۱۳۱۹ھ) کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ انھیں ملک العلما نے سید شاہ حمید الدین (م ۱۳۶۳ھ) سجادہ نشین تکیہ حضرت شاہ رکن الدین عشق رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۰۳ھ) کی خانقاہ کے جلسۂ رجبی شریف کی تقریب میں ایک سال مدعو کیا تھا۔ آپ تشریف لائے اور آپ نے اپنے مواعظ حسنہ سے اہل عظیم آباد کو خوب خوب مستفید فرمایا۔

حضرت ملک العلما کی رحلت (شب دوشنبہ ۱۹ر جمادی الآخریٰ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء) کی اطلاع جب بریلی پہنچی تو مفتی اعظم نے فوراً مدرسہ میں قرآن خوانی کرائی اور میری والدۂ محترمہ کو تعزیت کا خط لکھا۔ (مفتی اعظم کا تعزیت نامہ والدۂ مرحومہ نے برکت حاصل کرنے کے لیے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ ملک العلما کے بعض معتقدین حافظ عبدالحفیظ اشرفی (ساکن محلہ خان مرزا) اور حاجی محمد علاء الدین (سلطان گنج) اور بعض اصحاب کو اس خط کی انھوں نے زیارت کرائی تھی۔ والدۂ مرحومہ کی رحلت کے بعد میں نے یہ خط تلاش کیا لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ ممکن ہے میرے دوسرے اعزہ کے پاس محفوظ ہو۔ حضرت مفتی اعظم چند دن بعد شدِّ رحال کر کے بریلی سے پٹنہ کا طویل سفر اختیار کر کے تعزیت کے لیے "ظفر منزل" شاہ گنج پٹنہ تشریف لائے۔ میں پٹنہ میں کچھ دن قیام کر کے علی گڑھ واپس آ چکا تھا اس لیے حضرت کی زیارت سے محروم رہا۔ والدۂ مرحومہ نے خط لکھ کر آپ کی تشریف آوری کی اطلاع دی تھی اور اس بات پر بے حد خوشی کا اظہار کیا کہ آپ کے ورود مسعود نے غریب خانے کو عزت بخشی (والدۂ مرحومہ کا یہ خط کاغذات میں اگر کبھی مل گیا تو اس سے حضرت مفتی اعظم کے ورود پٹنہ کی صحیح تاریخ معلوم ہو سکتی ہے) انھوں نے یہ بھی لکھا کہ آپ کی روانگی کے وقت وظائف و اوراد اور تعویذات کی وہ ضخیم قلمی کتاب جو ملک العلما کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی انھوں نے اپنے مرشد زادہ کی نذر کی اور کہا آپ نے تشریف لا کر عزت بخشی ہے، میں آپ کو کیا پیش کروں؟ یہ حقیر تحفہ قبول فرمائیے۔ اس پر حضرت نے فرمایا قیمتی سے قیمتی تحفہ پا کر مجھے وہ خوشی نہیں ہوتی جو اس قیمتی مجموعہ وظائف و اوراد کو پا کر مجھے ہوئی ہے۔

مجھے یہ مجموعۂ اعمال یاد ہے۔ والد ماجد کے پاس پانچ چھ چھوٹے چھوٹے قلمی مجموعے تھے، یہ سب سے ضخیم تھا۔ بڑی تقطیع پر تین چار سو صفحات ہوں گے۔ کاغذ سفید چکنا دبیز تھا۔ جلد چمڑے کی تھی۔ مختلف ابواب کے تحت مندرجات تھے۔ ہر باب کے بعد کچھ صفحات سادہ تھے جن پر ملک العلما مختلف اوقات میں اضافہ فرماتے رہتے تھے۔ اس میں تعویذات کے نقشے بھی تھے۔ پوری کتاب ملک العلما کے ہاتھ کی تھی۔ اس کی ایک اہمیت یہ تھی کہ ابتدا میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے قلم کا لکھا ہوا ایک عربی دیباچہ تھا۔ یہ زعفران سے لکھا گیا تھا۔ امتداد زمانہ کے باوجود سواد خط جلی اور نہایت واضح تھا۔ تفسیر و حدیث و فقہ کی تصانیف میں اعلیٰ حضرت جس طرح کے بلیغ خطبے تحریر فرماتے تھے (دیکھیے دیباچہ الجامع الرضوی المعروف "بصحیح البہاری" اور فتاویٰ رضویہ جلد اول) اسی طرح اس مجموعۂ اعمال پر جو خطبہ آپ نے تحریر فرمایا تھا اس میں تصوف اور اعمال و اوراد و وظائف کی اصطلاحات استعمال کی گئی تھیں۔

میں نے کئی سال ہوئے خانقاہ عالیہ رضویہ کے بعض احباب سے رجوع کیا پھر نبیرۂ اعلیٰ حضرت مولانا سبحان رضا خاں صاحب سبحانی میاں سجادہ نشیں خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ سے درخواست کی کہ اس مجموعۂ وظائف کی تلاش فرمائیں، اصل خود محفوظ رکھیں، عکسی نقل مجھے فراہم کردیں۔ان کا جواب آیا:

''آپ کی عرض داشت کی تکمیل کے لیے تلاش وجستجو کی راہ اپنایا، کسی صورت کامیابی نہیں ملی۔حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے بعد وصال ان کا کتب خانہ نیز یادگاری چیزیں خرد برد ہوگئیں۔جو جس کے ہاتھ آئی وہ اس کی ذاتی ملکیت ہوگئی۔مجھ سے قبل میرے والد گرامی منصب سجادگی پر فائز تھے۔انھیں بھی وہ تمام چیزیں دست یاب نہیں ہوسکیں جو ایک سجادہ نشین کو دستیاب ہونا چاہیے۔افراتفری کے عالم میں آپ کی وہ انمول دولت کس کے ہاتھ آئی اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد اب اس کا پتہ چلانا ایک مشکل امر ہے۔میں معذرت خواں ہوں مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ کے والد گرامی کی وہ بیش قیمت امانت آپ تک نہیں پہنچ سکی۔خدا جانے خانوادۂ رضویہ کے کس فرد یا سلسلے کے کس معتقد کے پاس ہے۔تلاش جاری ہے، اگر وہ قیمتی تحفہ حاصل ہوگیا تو بلا تاخیر خدمت میں روانہ کردیا جائے گا۔''[1]

۲۲رذی القعدہ ۱۴۲۱ھ

مفتی اعظم اور ملک العلما کے تعلقات ۱۳۲۳ھ سے شروع ہوئے اور ۱۳۸۲ھ تک قائم رہے۔ان ساٹھ سالوں میں مفتی اعظم نے ملک العلما کو ساٹھ خط تو ضرور ہی لکھے ہوں گے، ملک العلما کے خطوں کی تعداد اس سے کہیں زائد ہوگی۔مجھے کتب خانے کے ذخیرۂ خطوط میں مفتی اعظم کے صرف اٹھارہ خطوط ملے ہیں۔پہلا خط ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء کا ہے اور آخری خط ۱۹۶۱ء کا تحریر کردہ ہے۔مفتی اعظم، ملک العلما کے نام خط نمبر (۱) مورخہ ۱۲رشعبان ۱۳۵۵ھ/ ۲رنومبر ۱۹۳۶ء میں تحریر فرماتے ہیں ''مدت سے خط کتابت کا سلسلہ منقطع ہے۔''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سے خط کتابت ہوتی رہی ہے، اب یہ سلسلہ ایک عرصہ سے بند ہے۔مجھے یقین ہے کہ تعلقات کے پہلے ۳۸ سال کے خطوط جو بہت اہم ہوں گے، تعداد میں جتنے بھی ہوں ضرور محفوظ رکھے گئے ہوں گے، سلسلۂ عالیہ رضویہ کے کوئی معتقد یا مسترشد نقل حاصل کرنے کے لیے لے گئے ہوں گے اور واپس نہ کرسکے ہوں گے۔اس کا بھی امکان ہے کہ خود ملک العلما نے نقل کے لیے کسی طالب علم، کاتب یا نقل نویس کو دیا ہو اور وہاں سے خطوط ضائع ہوگئے ہوں۔یہ میں اس لیے لکھ رہا ہوں کہ ملک العلما نے اپنے نام اعلیٰ حضرت کے سارے خطوط ہی نہیں جن کی تعداد ۴۴ ہے بلکہ دوسرے مکتوب الیہم: خلیفہ تاج الدین، حاجی لعل خاں، مولانا

۱-میں نے اصل کتاب نہیں، اس کی عکسی نقل کے لیے لکھا تھا۔اصل کتاب تو والدۂ مرحومہ نے جب مفتی اعظم کو پیش کردی تو پھر یہ ان کی اور ان کے خاندان کے لوگوں کی ہوگئی، مجھے اعلیٰ حضرت کی تحریر میں خاص طور پر دلچسپی تھی۔والدۂ ماجدہ کی تاریخ ولادت ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ مطابق ۳رتمبر ۱۸۹۵ء۔اور تاریخ رحلت ۸رجب ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۱راکتوبر ۱۹۶۸ء ہے۔

۲-ابھی حال میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے دست مبارک کا لکھا ہوا ایک مکتوب، ملک العلما علیہ الرحمۃ کے ذخیرۂ کاغذات میں دستیاب ہوا ہے۔یہ حضرت مولانا برہان الحق محمد عبدالباقی جبل پوری (م ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء) کے نام تحریر فرمایا گیا ہے اور تاریخ تحریر...... یہ نایاب غیر مطبوعہ مکتوب صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری کے رسالہ معارف رضا (کراچی) میں اشاعت پذیر ہو رہا ہے۔آج کل میں کتب خانۂ ملک العلما کی ترتیب وتہذیب میں مصروف ہوں۔اعلیٰ حضرت اور علمائے اہل سنت کی تصنیفات وتالیفات کا علاحدہ سیکشن بنا رہا ہوں۔کاغذات میں مجھے آج سے کوئی ۶۵ سال پہلے کا اپنا روزنامچہ ملا جس سے معلوم ہوا کہ اواخر فروری ۱۹۳۳ء میں جب ملک العلما مجھے اپنے ساتھ بریلی لے گئے تھے اور جہاں کئی دن تک حاجی ولی اللہ رضوی صاحب کے یہاں ہمارا قیام رہا تھا تو وہاں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا مجھے ایک قلمی خط ملا تھا جسے میں نے اپنے روزنامچے میں نقل کرلیا تھا۔یہ مکتوب مولانا تقدیس علی خاں کے والد ماجد سردار ولی خاں صاحب کے نام ہے اور ۱۵رذوالقعدہ ۱۳۲۹ھ کا لکھا ہوا ہے۔اسے پیرزادہ اقبال احمد فاروقی مدیر''جہان رضا''(لاہور) کو اشاعت کے لیے بھیج دیا ہے۔

عرفان علی بیسل پوری کے خطوط بھی اپنے پاس محفوظ رکھے تھے اور انھیں بعد کو ۱۹۳۸ء میں ''حیات اعلیٰ حضرت'' میں شامل کر دیا جس کی پہلی جلد کراچی سے ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی۔ ان کے ذخیرۂ خطوط میں محدث صاحب کچھوچھوی، استاذ العلما مولانا سید نعیم الدین اور دوسرے علما اور اعلیٰ حضرت کے اعزہ اور تلامذہ اور ان کے حلقہ بگوشوں کے سیکڑوں خطوط محفوظ رکھے ہیں۔ صرف مولانا تقدس علی خاں اور مولانا سید ایوب علی رضوی کے پچاسوں خطوط اس ذخیرے میں پائے جاتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ مفتی اعظم کے ۳۸ سال کی مدت میں لکھے ہوئے خطوط محفوظ نہ رکھے ہوں۔ انھوں نے ضرور محفوظ رکھے ہوں گے لیکن کوئی صاحب ذوق مطالعے کے لیے یا نقل کے لیے لے گئے اور کسی وجہ سے وہ خطوط واپس نہ آئے۔ بہر حال یہ ۱۸ر خطوط جو پچھلے ۲۸ رسال کے دوران میں لکھے گئے ہیں محفوظ رہ گئے جو یہاں پیش کیے جارہے ہیں۔ یہ بھی غنیمت ہے۔ بریلی میں تو ملک العلما کا شاید ایک بھی خط محفوظ نہ رہا ہو۔ خوش قسمتی سے مفتی اعظم کے نام ملک العلما کا ایک خط بعض اعزہ نے مجموعۂ خطوط ''مکاتیب ملک العلما'' میں نقل کر کے محفوظ کر دیا ہے وہ یہاں پیش کیا جارہا ہے۔ یہ مفتی اعظم کے اس خط کے جواب میں ہے جو آپ نے سفر حج و زیارت حرمین طیبین زاداللہ شرفہما کے موقع پر ملک العلما کو لکھا تھا۔ دیکھیے خط (۹) مورخہ ۳ر شوال ۱۳۶۴ھ۔ ملک العلما کا خط ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

''حضرت مخدوم زادہ مخدوم محترم دام مجدہ - السلام علیکم

گرامی نامہ تشریف لایا۔ معزز و ممتاز فرمایا، حضرت جد امجد قدس سرہ العزیز کی کتاب ''فضیلت علم و علما'' یہیں چھپ گئی ہے۔ جماعت رضائے مصطفیٰ نے چھپوایا تھا تو اسی کا خلاصہ ایک دو ورق میں لکھ دینا کافی ہے۔ سفر حج و زیارت مبارک ہو۔ مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضور کے اہل و عیال و جملہ رفقائے سفر حضور کے سایۂ عاطفت میں بخیر جائیں اور بخیر واپس آئیں۔ آمین۔ اس ناکارہ غلام رضوی کو بھی مقامات مستجاب الدعوات میں دعا میں یاد رکھیں۔ حضور نے تمام سنیوں کے حقوق معاف فرمادیے۔ جناب نے تو ہم سنیوں کی ہر طرح کی حمایت ہی کی ہے اور دین کی خدمت میں اپنے کو مشغول و مصروف رکھا۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا حج و زیارت قبول فرمائے۔ نقشہ سمت قبلہ بک پوسٹ روانہ کرتا ہوں، اس کے لیے صرف ایک قطب نما کی ضرورت ہے۔ قطب نما کی سوئی شمال کی جانب نقشے پر رکھیے اور پھر کاغذ گھماتے ہوئے ٹھیک نقاط جنوب، مغرب، مشرق پر کر دیجیے، اس سے صحیح چاروں سمتیں معلوم ہو جائیں گی۔ اس کے بعد جہاں جہاں جہاز پہنچتا جائے نقشہ میں دیکھیے کہ اس جگہ کس قدر انحراف رکھا ہے اس نقطہ اور مرکز پر کوئی کاغذ یا کتاب رکھ دیجیے، وہی خط اقامت ملفوف کا ہوگا۔ سب کی خدمت میں سلام مسنون۔

مغرب

شمال　　　　جنوب

جگہ

مشرق

محمد ظفر الدین قادری غفرلہ
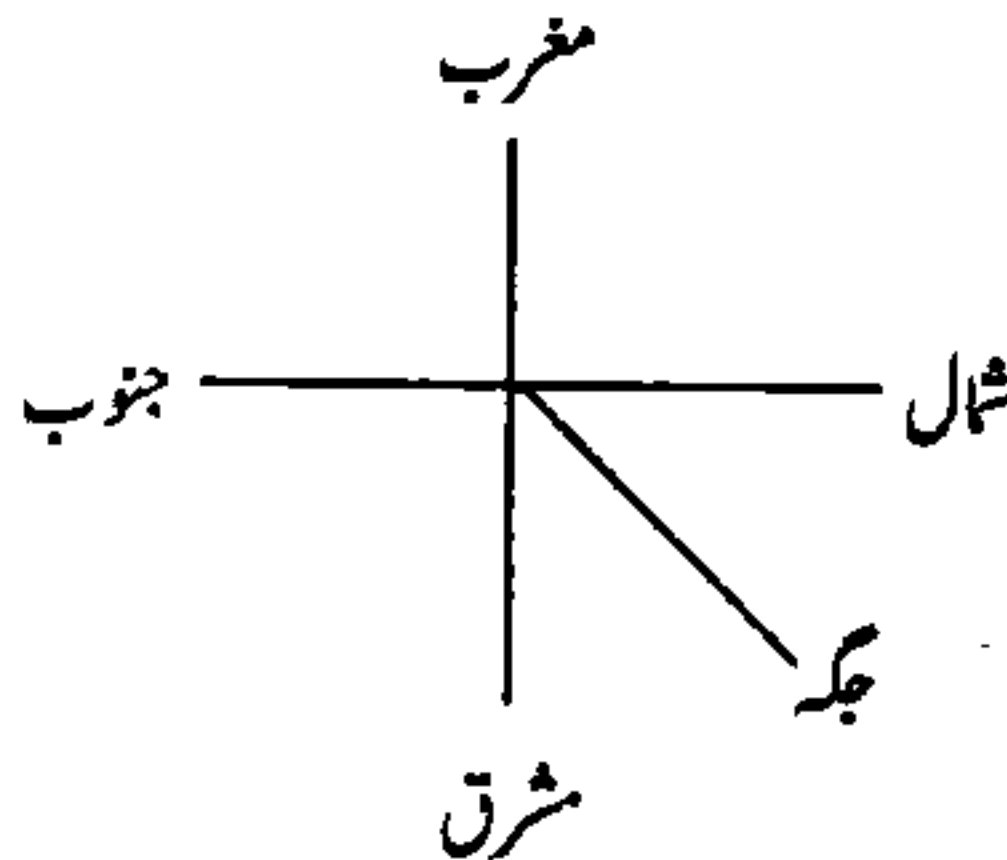
اب حضرت مفتی اعظم کے ان خطوط کے بارے میں بعض ضروری گزارشات۔

۱- مفتی اعظم کے خطوط عام طور پر مختصر ہیں۔ بیشتر کارڈ پر لکھے گئے ہیں۔

۲- مکتوب الیہ کو پہلے تین خطوں میں مولانائے مکرم، مولانائے محترم، مولانا زید فضلہ، پھر حضرت ملک العلما فاضل بہار مولانا ظفر الدین صاحب، جناب مولانا مکرم ذی الکرم دام بالکرم لکھ کر خطاب کیا ہے۔

۳- خط کی پیشانی پر بسملہ کے بجائے ۷۸۶ اور حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام نامی کی جگہ اسم پاک کے عدد ۹۲ تحریر فرماتے ہیں۔ اسی طرح اسم جلالت کی جگہ اس عدد ۶۶ یا کوئی اسم صفت مثلاً مولیٰ، رب یا ضمیر لاتے ہیں۔ پوسٹ کارڈ میں یہ ادب ضرور ملحوظ رکھتے ہیں، دستی خط یا بند لفافے کے اندرونی خط میں نام جلالت وغیرہ بے تکلف درج کرتے ہیں۔

۴- خطوط پر مقام و تاریخ ہمیشہ خطوں کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں، اور تاریخ عیسوی ماہ و سال کی جگہ ہجری تاریخیں درج فرماتے ہیں۔ میں نے پیش نظر خطوط میں جدید قاعدے کے مطابق مقام و تاریخ، مکتوب کی ابتدا میں پیشانی پر درج کردی ہے اور پاورقی میں عیسوی ماہ و سال بھی لکھ دیے ہیں۔

۵- خطوط کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اعلیٰ حضرت کے کتب خانے کی بربادی کا سخت قلق تھا، انھیں اس کا بھی شدید احساس تھا کہ تصانیف اعلیٰ حضرت کی اشاعت اس طرح نہیں ہو رہی ہے جس طرح ہونی چاہیے۔ انھیں مدرسہ منظر اسلام کی ترقی کا بھی خیال تھا۔ وہ خود بہت مصروف رہتے تھے، ان کے مشاغل گوناگوں تھے۔ سلسلۂ رضویہ کے منسلکین و معتقدین انھیں گھیرے رہتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ خواہش اور کوشش کے باوجود ان کے لیے قطعاً ممکن نہ تھا کہ وہ سکون و اطمینان اور دل جمعی سے بیٹھ کر کتب خانے کو درست اور منظم کریں۔ اعلیٰ حضرت کے مسودات کے بستے نکال کر ان کی تبییض کریں، اور ان کی طباعت و اشاعت کا انتظام کریں۔ ساتھ ہی ساتھ مدرسے کی بقا و ترقی کا بھی خیال رکھیں۔ ان کاموں کی تکمیل کے لیے ان کی نظر بار بار حضرت ملک العلما کی طرف اٹھتی تھی اور وہ انھیں بار بار تحریر فرماتے تھے کہ وہ موقع نکال کر بریلی آئیں اور یہ سارا کام انجام دیں۔ ملک العلما کو ان امور کی اہمیت کا شدید احساس تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کتب خانہ مرتب ہو اور اعلیٰ حضرت کی غیر مطبوعہ تصانیف کی اشاعت کا کام بوجوہ احسن انجام پائے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں ان کی وقت یہ تھی، کہ وہ برطانوی عہد میں حکومت کے ایک علمی ادارے سے منسلک تھے۔ مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ صحیح معنوں میں ایک دینی یا قومی ادارہ نہیں تھا۔ حکومت بنگال کے تحت جس طرح مدرسہ عالیہ بنگال تھا اسی طرح حکومت بہار مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے نظم و ضبط کی ذمہ دار تھی۔ اس کے اپنے قاعدے قانون تھے۔ تعطیلات محدود تھیں، مزید فرصت لی جاسکتی تھی "بغیر تنخواہ کے" لیکن اس کی بھی حد مقرر تھی۔ پھر ملک العلما کا ایک اپنا مرکز تھا، اپنے مشاغل تھے۔ پھر بھی مقصد کی اہمیت کا خیال رکھتے ہوئے انھوں نے ۱۹۴۳ء میں تین ماہ کی رخصت لی اور وہ بریلی آگئے۔ انھوں نے بہت محنت و دیدہ ریزی سے منتشر مسودات مرتب کیے جو بیشتر اوراق پریشاں کی صورت میں بستوں میں بند تھے۔ جو تصانیف مکمل تھیں وہ مسودات کی شکل میں تھیں، ان کے مبیضات تیار کیے۔ انھوں نے بیس پچیس اہم تصانیف کا انتخاب کر کے ایسی صاف ستھری نقلیں بھی تیار کردی تھیں جو مطبع کو فوراً بھیجی جاسکتی تھیں۔ انھوں نے متعدد رسالوں کی کتابت و طباعت بریلی میں اپنے قیام کے دوران شروع بھی کرادی تھی۔ ان میں سے کچھ رسالے بریلی اور لاہور سے ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء میں شائع بھی ہوئے۔ اس بات کو اب کوئی ساٹھ سال ہونے کو آئے، اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی تصانیف کی اشاعت کا سلسلہ مفتی اعظم کی توجہات سے شروع ہوا لیکن سست رفتاری

کے ساتھ، اس میں حالات کو بھی دخل ہے اور اس کے لیے سنی حضرات کی سستی، بے حسی اور عدم دلچسپی کو بھی دخل ہے۔ ایک سال میں ایک رسالہ بھی شائع کیا جاتا تو ساٹھ رسالے بریلی سے شائع ہو چکے ہوتے۔ بہر حال ممبئی، ہندستان کے دوسرے مقامات اور لاہور کراچی وغیرہ میں اعلیٰ حضرت پر کتابوں اور اعلیٰ حضرت کی تصانیف کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔

مقام مسرت ہے کہ رضا اکیڈمی (ممبئی) جو ایک عرصے سے اعلیٰ حضرت اور ان کے تلامذہ و خلفا و متوسلین کی تصانیف کی اشاعت میں مصروف ہے، اب حضرت مفتی اعظم مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان پر ایک جامع اور مفصل کتاب مرتب کر کے شائع کر رہی ہے۔ اس کے لیے الحاج محمد سعید نوری ناظم رضا اکادمی (ممبئی) ہر طرح ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔ دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ انھیں اس مقصد میں کامیاب کرے اور ان کے ادارے کو دن دونی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

(۱)

۷۸۶

بریلی ۱۲؍شعبان ۵۵ھ*

مولانائے مکرم ذی الکرم زید مجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ۔ طالب خیر بہ خیر و عافیت ہے۔

عوافی مزاج گرامی مطلوب۔ مدت سے خط کتابت کا سلسلہ منقطع ہے۔ نہ کے میر و دآں جانہ کے می آید۔ اس وقت یہ خط اس غرض سے لکھ رہا ہوں کہ مجھے اپنے ایک عزیز نور چشم ساجد میاں سلمہ (۱) کے لیے "عافیہ" (۲) کی ضرورت ہے۔ اپنی عافیت کے ساتھ "عافیہ" بھی بھیج دیں۔ والسلام (۳)

مصطفیٰ رضا قادری نوری عفی عنہ

* پوسٹ کارڈ پر بریلی کی مہر ۲/نومبر ۱۹۳۶ء کی ہے۔

(۱) ساجد میاں مفتی اعظم کے قریب ترین عزیزوں میں تھے۔ ملک العلما کے نام ان کے دو ایک خط بھی ملتے ہیں۔ ان سے ایک ملاقات بریلی میں یاد آتی ہے۔ ۲۰/صفر ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۰ء میں وفات پائی۔ ان سے مفتی اعظم کی تیسری صاحب زادی بیاہی گئی تھیں، یہ آخر عمر تک دارالعلوم مظہر اسلام کے مہتمم رہے۔ ان کے بعد ان کے صاحب زادے خالد علی خان مدرسے کے مہتمم ہوئے، ان کی وفات بھی حال میں ۱۹/ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ/۲۰/جنوری ۲۰۰۶ء جمعہ کو ہوئی۔

(۲) "عافیہ" علم صرف میں حضرت ملک العلما کا رسالہ جو مطبع حسنی بریلی سے حکیم محمد حسنین کے اہتمام میں ۱۹۲۸ء میں طبع ہوا۔ سال تالیف ۱۳۳۵ھ۔ علم نحو میں آپ کی تصنیف "وافیہ" آج تک شائع نہ ہو سکی۔ اس کے دو نسخے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔

(۳) کارڈ کی پشت پر مولانا ابرار حسن تلہری کی لکھی ہوئی حسب ذیل سطریں درج ہیں۔ افادۂ عام کی خاطر نقل کی جاتی ہیں۔

"مخدومی   سلام مسنون

جنتری (۱) ماہ مبارک موصول ہوئی۔ اجر جزیل تو جناب گرامی کے نامۂ اعمال میں ان شاء المولیٰ تعالیٰ ہوہی گا مگر شکریہ میں بھی ادا کرتا ہوں۔ افسوس اس کا ہے کہ پھر اس سال بعض مقامات کے اوقات رہ گئے۔ آپ فرمائیں گے کہ عجب انسان ہے جس بات سے مجھے چڑھ ہے بار بار اس کا ذکر کرتا ہے۔ میں نہ صرف اپنے جذبات سے بلکہ مفاد عامہ [کے خیال سے] ~~کچھ مجبور سا ہوں۔ خیر کل~~ تفصیلی عریضہ حاضر کروں گا۔ آج صرف تشکر و امتنان کا ایک مہکتا ہوا گلستان پیش کرتا ہوں۔ عافیہ [کی] ضرورت ہے۔ دو (۲) عدد ارسال فرمائیں۔

والسلام
آپ کا ابرار [حسن]

(۱) جنتری سے مراد نقشۂ اوقات نماز و افطار وسحری ماہ رمضان المبارک ہے جو ہر سال حضرت ملک العلما تیار کر کے بریلی شریف ارسال کرتے تھے اور وہاں سے چھپ کر افادۂ عام کے لیے شائع ہوتا تھا۔

(۲)

۷۸۶/۹۲

بریلی
[۱۴ر ستمبر ۳۸ء]*

جناب مولانا محترم زید فضلہ (۲) بعد سلام مسنون۔

مجھے اپنی حالت پر افسوس ہوتا ہے۔ ایسا ہو گیا ہوں کہ آپ جیسے حضرات کے خطوط کے دو سطری جواب دینے کے لیے بھی آج کل آج کل کرتا رہتا ہوں۔ جناب کا گرامی نامہ آئے ہفتے ہوئے یا مہینے، اور میں جواب حاضر نہ کر سکا۔ مجھے جناب کی اس کتاب "صحیح البہاری" کی صرف ایک جلد (اول یا دوم یہ یاد نہیں) پیارے میاں (۱) کی معرفت وصول ہوئی تھی جسے دیکھ کر بہت مسرت ہوئی۔ اس کی اور کوئی جلد نہ ملی۔ آپ اس کی تقریظ کے لیے فرماتے ہیں۔ میں کس قابل ہوں۔ ادھر حالت یہ ہے کہ فرصت معدوم، امراض گوناگوں نے یہ کیفیت کر دی ہے کہ معمولی خطوط کے جواب پہاڑ ہو گئے ہیں۔ خیال کرتا رہا کہ کسی روز بیٹھ کر آپ کی اس بہترین تالیف کو جا بجا سے دیکھوں اور جو بن پڑے تو کچھ لکھوں مگر یہ خیال ہی رہا۔ آپ کو عجلت ہو تو آپ چند سطریں خود لکھ دیں، میں دیکھ کر اس پر دستخط کر کے بھیج دوں گا۔

والسلام
مصطفیٰ رضا

بخدمت اقدس جناب مولٰینا مولوی ظفر الدین صاحب قادری رضوی
ڈاک خانہ مہندرو محلہ شاہ گنج، ظفر منزل، پٹنہ

* مکتوب گرامی پر تاریخ درج نہیں۔ سید پیارے علی صاحب (محلہ ملوک پور، بریلی (۱) کے کارڈ مورخہ

۱۴ ؍ستمبر ۳۸ء کی پشت پر حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خط تحریر فرمایا ہے ۔تاریخ تحریر وہیں سے لی گئی ہے ۔

(۱) سید پیارے علی صاحب کے خط کی ابتدائی سطریں یہ ہیں:

"آپ کے حکم کی تعمیل کردی گئی ۔ مولانا ابرار حسن صاحب (۲) سے آپ کی نرمایش کے بہ موجب "بہار شریعت" کا حصہ سوم روانہ کردیا جائے گا ۔چھوٹے مولانا صاحب (۳) کے پاس گیا تو انھوں نے کارڈ ھی کی پشت پر لکھ دیا ہے جو ملاحظہ سے گزرے گا۔ بڑے مولانا صاحب باہر گئے ہوئے ہیں۔ اب پریشانیاں جو تھیں وہ دور ہو گئیں۔ بڑی خوشی کی بات ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو مع متعلقین کے خوش و خرم رکھے آمین ۔آپ اپنی خیریت سے آگاہ فرماتے رہا کیجئے ۔ کیوں کہ فکر رہتی ہے ۔"

ان سطور کے بعد دو نقوش بھیجنے کا ذکر ہے اور اسی کارڈ پر حضرت ملک العلما نے اپنے قلم سے " چودہ روپے بارہ آنہ رقم فرمایا ہے جو غالباً ان تعویذات کی قیمت ہے جو پیارے میاں نے بریلی سے تیار کرا کے بھیجے تھے۔

فٹ نوٹ :

(۱) سید پیارے علی صاحب، بہت اچھے مہر کن تھے اور چاندی کیتختیوں پر تعویذات نقش کرنے کے ماہر ۔ دو انچ طول و عرض کی ایک تختی پرمکمل سورۂ یٰسین شریف ان کی کندہ کی ہوئی مدتوں میرے پاس رہی۔ بارگاہ رضویہ کے عقیدت مندوں میں تھے۔ ملک العلما سے بے حد محبت کرتے تھے ۔ متعدد بار وہ ان سے ملنے پٹنہ آئے۔ ان کے بہت سے خطوط میرے پاس محفوظ ہیں۔

(۲) مفتی ابرار حسن تلھری، صدیقی مدیر"یاد گارِ رضا" بریلی ۔

(۳) مفتی اعظم حضرت مولانا مصطفی رضا خاں علیہ الرحمۃ مراد ہیں۔

(۴) یعنی حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ۔

(۳)

۹۲/۷۸۶

بریلی ۱۴؍ذی الحجہ ۵۸ھ*

جناب مولانا زید فضلہ　وعلیکم السلام ورحمتہ و برکاتہ

طالب خیر بحمدہ تعالیٰ مع الخیر ہے۔مولیٰ عزوجل کا شکر کہ عزیزی مولوی مختار الدین احمد صاحب سلمہ فاضل منشی نے بخیر و عافیت مراجعت وطن کی اور بالخیر پہنچے ۔میں عزیز موصوف سلمہ سے مل کر بہت خوش ہوا۔مولیٰ عزوجل ان کی عمرو علم میں برکت عطا کرے اور عمل کی توفیق بخشے ۔انھیں دیکھ کر آپ بہت یاد آتے رہے اور آپ سے ملے ہوگیا ہے کہ عرس مبارک میں آپ مع عزیزی سلمہ بریلی ضرور آئیں گے ۔اور چند روز قیام کریں گے۔یہاں تک کہ اتنے دنوں کی غیر حاضری کا کچھ بدل ہو۔میں نے عزیز سلمہ سے ضرور شکایت کی تھی مگر جب انھوں نے واقعہ سے مطلع کیا تھا تو میں نے یہ بھی ظاہر کردیا تھا کہ اب مجھے کوئی شکایت نہیں ۔ مجھے افسوس اس کا ہے کہ میں عزیز سلمہ سے بہت ہی کم مل سکا۔جس دن آئے اسی دن بل کہ اسی وقت مجھے مراد آباد جانا پڑا،مگر یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ بھی مراد آباد کا قصد رکھتے ہیں۔وہ مراد آباد

پہنچے میں نے چاہا کہ وہ میرے ساتھ بریلی واپس ہوں۔ وہ رام پور تک آئے مگر پھر ان کی طبیعت گھبرائی اور وہ وہاں سے بریلی جنکشن تک آئے اور اسی گاڑی سے لکھنؤ روانہ ہو گئے یا آگرہ چلے گئے۔ غالباً آگرہ گئے۔ میں گاؤں چلا گیا۔ وہاں سے خیال کرتا رہا کہ آپ کو خط لکھوں کہ عزیزی سلمہ بہ خیریت پہنچے ہوں گے (۱) مگر ارادہ ہی کرتا رہا۔ نہ ہو سکا۔ میں نے بہت کوشش کی۔ یہاں تک کہ آپ کا خط آیا۔ میں نے ان سب صاحبان (۲) کو آپ کا خط پڑھوایا جنھیں آپ نے کچھ کچھ لکھا تھا سوائے حافظ احمد بخش صاحب کے جن کو میں نہ سمجھ سکا کہ یہ کون صاحب ہیں۔ حافظ نابینا جو یہاں رہتے ہیں ان کا نام علی بخش ہے۔ شاید ایسا ہوا کہ آپ نے بھول کر احمد بخش لکھ دیا یا حاجی احمد بخش صاحب کی جگہ حافظ احمد بخش لکھا۔ یہ صاحب رضوی ہیں، دوسرے محلّہ میں رہتے ہیں، بازار میں دوکان ہے۔

فقط مصطفیٰ رضا نوری غفرلہ

* کارڈ پر ڈاک خانے کی مہر ۲۳جنوری ۱۹۴۰ء کی ہے۔

(۱) کس قدر محبت و شفقت کرنے والے بزرگ تھے۔ کم عمری میں یہ میرا دھلی، بریلی، مراداباد اور آگرے کا پہلا سفر تھا جو تنہا کررھا تھا اس لیے مفتی اعظم متردد تھے۔

(۲) مولانا امجد رضا خاں (ماموں میاں) مولانا ابرار حسن تلھری، مولانا ابراھیم رضا خاں جیلانی میاں، مولانا احسان علی مظفر پوری، مدرس مدرسہ منظر اسلام، مولانا سید ایوب علی رضوی، جناب سید قناعت علی رضوی، مولانا سردار احمد گرداس پوری، مولانا عبد المصطفیٰ ازھری، مفتی وقار الدین اور خادم مزار شریف حاجی کفایت اللہ کے اسمائے گرامی یاد آتے ھیں جن کی اس موقع پر زیارت نصیب ھوئی اور جو بریلی شریف کے دورانِ قیام مجھ سے نہایت محبت و شفقت سے پیش آئے۔

(۳) اسی کارڈ کے آخر میں مولانا امجد رضا خاں (ماموں میاں) نے حسب ذیل سطریں لکھ دی ھیں:
"آپ کا ایک عدد سلام مجھ کو مصطفیٰ میاں کی معرفت ایک زمانے کے بعد ملا۔ میں کیا کھوں کہ اس وقت مجھے کیسی مسرت ھوئی۔ اب آپ عرس شریف میں ضرور شرکت فرمائیں۔ برخوردار مختار میاں سلمہ سے [illegible] کہ دیجیے۔ فقط
نوری گدا امجد رضا غفرلہ۔

(۴)

۷۸۶

کرتولی، ضلع بدایوں ڈاک خانہ، نیاور
۱۹ ربیع الآخر ۶۲ھ*

حضرت ملک العلما فاضل بہاری مولانا ظفر الدین صاحب (رضوی)
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد عرض سلام سنت اسلام غرض مرام۔ جناب سید محترم مکرمی منشی عرفان علی صاحب رضوی سلمہ (۱) نے آج بریلی سے گاؤں تک آنے کی زحمت برداشت فرمائی۔ میں بہت دن سے قصد کرتا رہا کہ خدمت سامی میں عرض گزاروں گا (۲) کہ مجھے میرے مطالبات کی نقل مرحمت فرمائی جائے اور فریق کے مطالبے بھیج دیے جانے کا حکم

صادر فرمایا جائے کہ جواب حاضر کروں۔ میں جب سے اب تک ارادہ ہی کرتا رہا اور عرضی اور اب تک نہ بھیج سکا۔ آج سید صاحب تشریف لے آئے۔ میں نے ماموں جان صاحب (۳) کو لکھا تھا ان کے خط کے جواب میں کہ۔۔۔ میں خود بھی عرضی بھیجنے کا ارادہ رکھتا ہوں آپ بھی اتنا تحریر فرمادیں۔ غالباً انھوں نے خط میں مطالبوں کی نسبت تحریر فرمایا ہوگا۔ امید کہ جلد از جلد مطالبات کی اول سے آخر تک مع درخواست نقل مرحمت ہوگی اور فریق کے مطالبوں سے مطلع فرمایا جائے گا۔ زیادہ حد ادب

/فقیر ناسزا مصطفیٰ رضا غفرلہ مایاتی منہ و مامضیٰ

* مطابق ۲۵/اپریل ۱۹۴۳ء

(۱) مولانا عرفان علی صاحب رضوی بیسل پوری مرتب عرفان شریعت۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے مکتوب الیھم میں تھے۔ مراسلت "بعض مکاتیب مجدد" میں شائع ہو چکی ہے۔ پوسٹ کارڈ پر مولانا کا خط ہے جس کی نقل فٹ نوٹ میں درج کی جاتی ہے۔ اس سے کچھ حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ کارڈ کی پشت پر حضرت مفتی اعظم کا مکتوب گرامی بنام ملک العلما درج ہے۔

(۲) شہزادگان والاتبار حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۷۸ء - ۱۹۴۲ء) اور مفتی اعظم حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۹۲ء - ۱۹۸۱ء) میں غالباً کچھ غلط فھمیوں کی بنا پر بعض نجی مسائل کے سلسلے میں اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ محبین و مخلصین اور معتقدین نے چاہا کہ بارگاہ رضویت کا کوئی معتبر اور معتمد درمیان میں پڑ کر آپس کے اختلافات دور کرادے۔ اتفاق رائے سے حضرت مولانا سید محمد اشرفی محدث کچھوچھوی (۱۸۹۴-۱۹۶۱ء) اور حضرت ملک العلما مولانا ظفر الدین قادری رضوی (۱۸۸۰ء- ۱۹۶۲ء) حَکَم قرار پائے کہ دونوں حضرات کے مطالبات سن کر افہام و تفہیم کی راہ نکالیں۔ ان دونوں حَکَم حضرات پر دونوں شہزادوں کو پورا اعتماد تھا۔ چنان چہ ایک تاریخ مقرر ہوئی یہ سطریں کمپوز ہو چکی تھیں کہ کتب خانے میں ۶۳ سال پہلے کی لکھی ہوئی میری ڈایری ملی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ملک العلما ۲۳/فروری ۱۹۴۳ء کو پٹنہ سے روانہ ہو کر ۲۴/ کی شب کو بریلی پہنچے تھے۔ اسٹیشن پر استقبال کرنے والوں کا ھجوم تھا۔ قیام حاجی ولی اللہ صاحب رضوی کے مکان پر ہوا تھا۔ ۲/ مارچ کو بریلی سے واپسی ہوئی۔ خدا حافظ کہنے والوں میں سید پیار علی صاحب موجود تھے جن کی وجہ سے ٹرین میں جگہ مل سکی۔ افہام و تفہیم والا جلسہ ۲۵/فروری اور یکم مارچ کے درمیان کسی تاریخ کو ہوا ہوگا۔ محدث صاحب اور دوسرے علمائے اہل سنت کے خطوط کبھی نکال کر دیکھوں گا ممکن ہے تاریخ جلسہ کی تعیین ہو جائے۔ اور بریلی شریف میں یہ چاروں حضرات اور خاندان کے چند اصحاب ایک رات جمع ہوئے اور نصف شب تک سلسلۂ گفتگو جاری رہا۔ میں حضرت ملک العلما کے ہم رکاب تھا، یہ بہاتھ پینسٹھ سال پہلے کی بات ہے تفصیل بالکل یاد نہیں، نہ کہیں اس صحبت کا ذکر کسی کتاب کسی مضمون میں دیکھنے میں آیا۔ اس قدر یاد ہے کہ ایک شان دار مکان کی دوسری منزل کے ایک وسیع کمرے میں نشست کا اہتمام تھا دونوں شہزادے اپنے اپنے مسائل و مطالبات کا ذکر کرتے رہے، پہلی نشست میں کچھ فیصلہ نہ ہو سکا لیکن یہ طے ہوا کہ فریقین اپنے اپنے مطالبات تحریری شکل میں پیش کریں۔ ایسا لگتا ہے کہ مفتی اعظم نے اپنے مطالبات حضرت ملک العلما کو دے دیئے تھے یا بھیج دیے تھے۔ حجۃ الاسلام کے مطالبات انہیں نہیں پہنچے تھے (کہ اس کی ایک وجہ انکی علالت بھی ہو گی) مکتوب نمبر (۴) کی یہ سطر قابل توجہ ہے: "مجھے میرے مطالبات کی نقل مرحمت فرمائی جائے

اور فریق کے مطالبے بھیج دیئے جانے کا حکم صادر فرمایا جائے کہ جواب حاضر کروں۔"

مولانا عرفان علی کے مکتوب (۲۵/اپریل ۴۳ء) سے جو ذیل میں درج ہے معلوم ہوتا ہے کہ مصالحت کے سلسلے میں دوسرا جلسہ وسط مئی میں کرنے کا خیال تھا جب مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں موسم گرما کی تعطیل ہو اور ملک العلماء بآسانی بریلی (یا مرادآباد) آسکیں۔ کچھ نہیں معلوم یہ جلسہ ہوا یا نہیں اور کیا فیصلہ ہوا۔ حجۃ الاسلام کی علالت کی وجہ سے اس جلسے کے انعقاد کا امکان مجھے بہت کم نظر آتا ہے۔ حجۃ الاسلام کا مکتوب گرامی ۱۹/ ربیع الآخر ۲۲ء کا لکھا ہوا ہے اگلے مہینے ۱۷/ جمادی الاولیٰ کو حضرت کا وصال ہوجاتا ہے و یبقی وجہ ربک ذی الجلال والاکرام۔

دوسرا جلسہ مئی میں تو نہیں ہوسکا لیکن جیسا کہ میرے نام ملک العلما کے ایک خط (مورخہ ۲/رجب روز سہ شنبہ ۱۳۶۲ھ / ۷/ جولائی ۱۹۴۳ء) سے (جو اس مضمون کی کمپوزنگ کے بعد دریافت ہوا ہے) معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد کے لئے وہ ماہ جولائی میں بریلی تشریف لے گئے تھے اور انہیں مقصد میں کامیابی ہوئی تھی۔ وہ بریلی سے تحریر فرماتے ہیں: میرا یہاں آنا موقع کی ضرورت کے اعتبار سے بہت ہی ضروری تھا۔ تمام باتیں باحسن وجوہ طے پاگئیں۔ میں نہ ہوتا تو لڑانے والے اپنے ارادے میں کامیاب ہوجاتے اور قصہ بگڑ جاتا .... مولانا سید محمد صاحب محدث یہیں تشریف لائے تھے... مجھے بعض ضروری کاموں اور خصوصاً تصنیفات اعلیٰ حضرت کی درستی کے سلسلے میں پندرہ دن اور رہنا ہوگا۔" خاندان کے موجودہ اخلاف شاید اس مسئلے پر مزید روشنی ڈال سکیں۔

(۳) مولانا امجد رضا خاں بریلوی

(۴) یہاں فٹ نوٹ میں مولانا عرفان علی صاحب کا مکتوب بنام ملک العلما درج کیا جاتا ہے۔ یہ بعض حیثیتوں سے اہم ہے۔

بریلی ۲۵/اپریل ۱۹۴۳ء *

محسن اخلاقِ فراواں جناب مولانا ظفر الدین صاحب السلام علیکم ورحمۃ

جناب کے بریلی شریف سے تشریف لے جانے کے بعد کوئی خیریت معلوم نہ ہوسکی۔ قبلہ حضرت سید میاں عرف محدث صاحب کا گرامی نامہ ۱۰/ اپریل کو بنارس سے موصول ہوا تھا جس میں ۲۲/اپریل ۴۳ء کو بریلی صرف ایک شب کے لیے بسلسلۂ بیان ،جانی کی مسجد۔ تشریف آوری کا ذکر تھا۔ چنان چہ موصوف الصدر بہ تعین تاریخ تشریف لائے اور بریلی میں بڑے مولانا صاحب سے محلہ سوداگران پہنچ کر ان کی علالت میں ملاقات ہوئی، مولانا صاحب بوجہ طویل علالت بہت کمزور ہوگئے ہیں۔ مولانا صاحب نے خود ہی کچھ سلسلہ گفتگو شروع فرمایا لیکن حکیم حسین رضا خاں صاحب نے اس گفتگو کو روک دیا اور بات دل کی دل ہی میں رہ گئی۔ خیر۔ مطالبات کی نقول فریقین کے پاس پہنچنا ضروری تھیں جو (جن کا) ہنوز انتظار ہے۔ محدث صاحب نے فرمایا کہ مولانا ظفر الدین صاحب کو لکھ دو کہ نقول بھیج دیں اور بسلسلہ معائنہ مطالبات جو سوالات جواب طلب دعوے کے ثبوت کے درکار ہیں وہ منگوالیں تاکہ آپ کی تعطیل کے زمانہ میں ۱۶/ مئی کے بعد اس پر غور کیاجاسکے اور خیال یہ ہے کہ مراد آباد [میں] اجتماع ہو اور انشاء اللہ کوشش کی جائے گی کہ جلد فیصلہ ہو۔ امید ہے کہ جناب اس عریضہ کو ضروری تصور فرماتے ہوئے حسب ارشاد حضرت محدث صاحب مطالبات کی نقول کہ

جن کا فریقین کا تقاضا جاری ھے۔ جلد از جلد ارسال فرما کر مشکور فرمائیں گے چوں کہ حضرت چھوٹے مولانا صاحب گاؤں میں تشریف فرما ھیں اور محدث صاحب نے فرمایا تھاکہ موصوف خود ھی مولانا ظفر الدین صاحب سے نقول منگوالیں لھذا عرض کردیا گیا۔ حضرت خود ھی اس عریضہ میں یاد دھانی فرما رھے ھیں جو ملاحظہ عالی سے گزرے گا۔

به خدمت مختارمیاں السلام علیکم جواب کے لیے پتہ درج ھے۔

* مطابق ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۶۲ھ

(۵)

۹۲/۷۸۶

بریلی ۲۵ ج ا [جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ] *

حضرت ملک العلما فاضل بہار زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ و برکاتہ۔ طالب خیر بخیر ہے۔ پرسوں بخار آگیا تھا کل یہاں بخار کی حالت میں آیا آج دوپہر تک طبیعت سنبھلی۔ اس قابل ہوسکا کہ کچھ لکھوں۔ یہ خط بہت پہلے لکھنا تھا خیال تھا، بریلی جاکر لکھوں گا جو آج لکھ رہا ہوں۔ اعلیٰ حضرت کا کتب خانہ نہایت برباد ہے نہ صرف کتب خانہ بل کہ تصنیفات اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ ضائع ہوچکی ہیں۔ ایسا سنتا رہا ہوں ایک جلد، پانچویں فتاویٰ کی برسہا برس سے غائب ہوچکی۔ آپ عرس جہلم میں تشریف لائیں گے مگر اتنی مدت کے لیے تشریف لایئے کہ کتب خانہ اور تصنیفات کی پھر سے فہرست بن جائے۔ والسلام

فقیر مصطفیٰ رضا عفی عنہ

* مطابق یکم جون ۱۹۴۳ء

(۶)

۹۲/۷۸۶

پنجشنبہ ۹ رشعبان بریلی ۶۲ ۱۳ھ *

حضرت ملک العلما زید فضلہ

وعلیکم السلام ورحمۃ و برکاتہ۔ گرامی نامہ مجھے بہت دنوں کی تاخیر سے گاؤں میں ملا تھا۔ بریلی آیا، یہاں سے ماموں جان (۱) نے پتا وہاں کا لکھ کر ڈاک کے حوالہ کیا، وہاں ڈاک ۱۸-۱۸ دن پر ملتی ہے۔ وہاں سے میں بریلی آیا تھا، قصد تھا کہ تعمیل بریلی پہنچ کر کروں گا۔ اگر چہ میں کوئی مضمون نگار شخص نہیں مگر جو کچھ بھی لکھ سکوں گا لکھوں گا۔

یہاں مکان پہنچنے سے پہلے ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس نے بے حد پریشان کردیا۔ وہ یہ کہ [بریلی] سٹی اسٹیشن تک کے ٹکٹ تھے، بڑے اسٹیشن پر میں اور میرے ہمراہی محلہ کے ایک شخص کے سپرد سامان کر کے نماز عصر کے لیے اترے۔ نماز سے فارغ ہوکر آئے تھے، گاڑی روانہ ہوچکی۔ خیال ہوا کہ وہ محلہ کے شخص سیٹی [اسٹیشن] پر سامان اتار لیں گے۔ بڑے اسٹیشن سے سیٹی تانگہ کر کے پہنچے تو وہاں سے گاڑی جاچکی تھی۔ خیال ہوا محلہ والے شخص سامان اتار کر

مکان لے گئے ہوں گے۔ یہاں آ کر انھیں تلاش کیا۔ جواب ملا میں تو اسی وقت اتر گیا تھا، ایک دوست سے باتیں کرتا رہا پھر دوسرے درجہ میں بیٹھ گیا میں سمجھا تو آ گیا ہوگا۔ اور سامان کا تو کچھ ایسا غم نہ ہوتا مگر ایک بستہ تھا جس میں "ردالمحتار" ج ا اور [فتاوا ے] عالمگیری کی دو جلدیں، "اسعاف" اور "تفسیرات احمدیہ" وغیرہا کتابیں اور میرا "مجموعۂ مسائل" (۲) اور بہت [سے] مسودات تھے اور دیگر کاغذات۔ اس کا اس قدر صدمہ ہوا کہ کسی طرف کا خیال نہ رہا۔ ہر وقت یہی خیال یہی فکر، بے حد پریشانی۔ تار متعدد جگہ متعدد بار دیے گئے۔ بے سود۔ بارے بفضلہٖ تعالیٰ لکھنؤ چار باغ کے پولس اسٹیشن سے ایک صاحب نے مجھے خط لکھا کہ ایک بستہ فلاں ٹرین سے ملا ہے جس میں تیرے نام کے خطوط ہیں، جواب سے مطلع کر کہ یہ تیرا ہی ہے، اگر تیرا ہو تو منگانے کا انتظام کر۔ غرض پرسوں بستہ آ گیا اور سب کتابیں اور کاغذات مل گئے۔ سوا دو سادہ کاغذ کی کتابوں کے ایک چھوٹا ایک بڑا پیڈ لیٹر پیپر کا یہ نکال لیے اور سامان جو قیمتی تھا وہ گیا اب تک نہ ملا۔ اس کی کوئی فکر نہیں۔ حسب وعدہ مدرسہ کے جلسے میں تشریف لایئے ۱۳-۱۴ شعبان کو ہوں گے۔ والسلام

مصطفیٰ رضا غفرلہ

بہ ملاحظہ گرامی

حضرت ملک العلما فاضل بہار مولوی ظفر الدین صاحب قادری رضوی زید مجدہٗ

مدرسۂ شمس الہدیٰ، پوسٹ آفس مہندرو، بانکی پور، پٹنہ

* مطابق ۱۳/۱۱ اگست ۱۹۴۳ء

(۱) اعلیٰ حضرت کے خسر شیخ فضل حسین ابن شیخ احمد حسین کے صاحب زادے امجد رضا جنھیں حجۃ الاسلام اور مفتی اعظم اور ان کی اتباع میں ملک العلما اور بریلی کے بیشتر حضرات "ماموں جان" کہتے تھے۔ ملک العلما سے ان کے بے تکلفانہ تعلقات تھے۔ مجھے بے حد عزیز رکھتے تھے۔ ۱۹۴۳ء میں وہ ریاست گوالیار میں مقیم تھے۔ جب میں علی گڑھ میں انٹرمیڈیٹ کا طالب علم تھا مجھے اصرار کر کے بلایا اور میں کئی دن گوالیار میں ان کی صحبت میں رہ کر ان سے متمتع ہوا۔ ان کے بیسیوں خط ملک العلما اور راقم کے نام محفوظ ہیں۔ وہ جمعہ ۱۵/شوال ۱۳۷۰ھ مطابق ۳۰/ جولائی ۱۹۵۱ء کو جوار رحمت میں داخل ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

(۲) اس سے اپنے فتاویٰ کی نقول رجسٹر مراد لیا ہے۔ فتاویٰ عالم گیری، ردالمحتار وغیرہ ساتھ میں ہونے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سفر میں کچھ استفتے بھی تھے جن کے جوابات کی نقول درج کرنے کے لیے فتاویٰ کا رجسٹر بھی ساتھ لے گئے تھے۔ اسی رجسٹر کو "مجموعۂ مسائل" سے تعبیر فرمایا ہے۔

(۷)

۹۲/۷۸۲

۹/شوال ۱۳۶۳ھ*

جناب محترم ملک العلما فاضل بہار زیدت مکارمہ

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ پرسوں شام کی ڈاک سے ملا۔ ماموں جان اور سید عرفان علی صاحب باہر گئے ہوئے ہیں۔ مجھے خیال ہوا کہ منی آڈر بھیجوں گا، اسی کی کون میں جو لکھنا ہے لکھ دوں گا۔ پرسوں تو کیا منی آڈر ہوتا کل کرتا یا آج کرتا اس کا موقع نہ ہوا اب کل منی آڈر انشاء اللہ تعالیٰ بھیجوں گا۔ تقدس .... روز بروز بڑھ رہے ہیں، اُدھر آپ سے پرنسپل کے لیے کہا ۸۰ بلکہ سو تک تنخواہ کہہ دی۔(۱) ادھر مولوی عبدالعزیز خان صاحب (۲) پر چھاپا مارا۔ ستر بل کر غالباً پچہتر روپے پر انھیں رکھ لیا۔ مولوی سردار احمد صاحب کو جگہ جگہ سے سو روپے (۱۰۰) کی (جگہ) مل رہی ہے۔ وہ اب تک نہیں آئے ہیں۔ یہاں طلبا آرہے ہیں اور پریشان پھر رہے ہیں۔ وحسبنا ربنا تبارک تعالیٰ۔ آپ غالباً یکم نومبر سے پہلے نہ آسکیں گے۔ میں طلبا کو تسلی دے رہا ہوں۔

بیع (۳) اب نہ بھیجے، میں یہاں جیلانی میاں سے لے لوں گا۔ مولوی اسمٰعیل صاحب کو (۴) میں اب تک خطوط نہیں بھیج سکا اس لیے ابھی وہ مکان ہی پر ہوں گے۔ مجھے فرصت نہیں ملتی۔ آپ کی رائے دربارۂ اشاعت میں مناسب معلوم ہوتی ہے۔(۵) جسے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے بھی پسند فرمایا تھا اس سے بہتر اور کیا صورت ہوگی۔ والسلام

مصطفیٰ رضا غفرلہ

ربع (ربع صد) اور مدرسہ (سے) اور اگر ہوسکا تو مدِ اشاعت سے جناب کی خدمت کی جائے گی۔ آپ تشریف لائیں گے تو کام چلنے لگے گا۔ دہلی سے کنٹرول [کا کاغذ] لیے بغیر کام چلتا معلوم نہیں ہوتا۔ اب تک ایک رسالہ کے لیے کاغذ نصیب نہیں ہوا ہے۔ بنے میاں آپ کے آنے پر آپ کے کہنے سے دو ایک دن کو آجاتے ہیں پھر غائب۔ کئی بار ان پر تقاضا کر چکا ہوں۔ جیلانی میاں سلمہ کو آپ نے جو سطریں انھیں لکھیں تھیں، دکھادی تھیں۔

والسلام مصطفیٰ رضا غفرلہ

حضرت صدر الافاضل استاذ العلما مولانا نعیم الدین صاحب کی صاحبزادی کی شادی خانہ آبادی ۲۷ راکتوبر کو ہونے والی ہے، انھوں نے جو مجھے خط دعوت لکھا اس میں آپ کے لیے بھی لکھا ہے۔ میں نے انھیں جواب بھیج دیا ہے کہ وہ اپنے مکان پر تشریف رکھتے ہیں۔ آنے والے ہیں۔ اگر ۲۷ ر سے پہلے تشریف لے آئے تو میں ان سے عرض کر دوں گا اور انشاء اللہ تعالیٰ میں اور وہ ساتھ آئیں گے۔ آپ نے یکم نومبر سے درخواست دی ہے کیا اس سے پہلے آپ تشریف نہ لاسکیں گے۔ والسلام

مصطفیٰ رضا قادری غفرلہ

بہ ملاحظہ گرامی جناب ملک العلما فاضل بہار

مولانا مولوی ظفر الدین صاحب قادری رضوی زیدت مکارمہ
ظفر منزل، ظفر روڈ، ڈاک خانہ مہندرو بانکی پور، پٹنہ

* ڈاک گھر کی مہر ۲۱ راکتوبر ۱۹۴۳ء کی ہے۔

(۱) تلمیذ حضرت صدر الشریعہ، صدر مدرس مدرسہ مظہر اسلام بریلی، بانی جامعہ مظہر اسلام لائل پور، وہیں ۱۳۸۲ھ میں وفات پائی۔

(۲) مولوی عبدالعزیز خاں محدث بریلوی (متوفی ۱۳۶۹ھ) مدرسۂ منظر اسلام کے اساتذہ میں تھے۔
(۳) ان کے بارے میں کچھ بھی علم نہ ہوسکا۔
(۴) میں ان سے واقف نہیں، عزیزوں یا عقیدت مندوں میں کوئی صاحب ہوں گے۔
(۵) اعلیٰ حضرت کی تصانیف کی اشاعت کے بارے میں ملک العلما کی تجویز کا ذکر ہے

....

(۸)

۹۲/۷۸۶

[۱۳۶۲ھ]*

مولانا زید لطفہ (۱) السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ

میرا ارادہ کل ہفتے کو یہاں سے چلنے کا تھا مگر میں بالکل نہیں چل سکتا۔ لکڑی کٹی پڑی ہے، گاڑیاں لکڑی کی روانہ کر کے چل سکوں گا۔ یہاں چھوٹے بھیا بھی نہیں ہیں جن کے سپرد کر کے چلا آؤں۔ معلوم نہیں وہاں کیا ہو رہا ہے؟ اشتہار چھپا یا نہیں؟ اشاعت ہو رہی ہے یا نہیں؟ اور اب روپے کا جو حشر ہوا آپ کو معلوم ہے۔ اب ادھر جو کچھ روپیہ تھا (۲)......سیٹھ (؟) احمد صاحب کے ہاتھ بھیج دوں گا.........(۳) میں یہ روپیہ بھیجا جائے گا.........کر خرچ کیا جائے گیہوں کی بجائے آٹے خر[یدیں] ایسا ہی کرنا مناسب ہوگا (۴) مقبول حسین (۵).........سے معاملہ کیا۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ [جلد آنے کی؟] کوشش کروں گا۔ مصطفیٰ رضا غفرلہ

* مطابق ۱۹۴۳ء

(۱) یہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے ہاتھ کا زرد رنگ کے خستہ کاغذ پر لکھا ہوا دس سطری دستی رقعہ ہے جو گاؤں سے لکھا گیا ہے۔ جہاں حضرت زمینداری اور کاشت کاری کے کاموں سے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ تاریخ تحریر درج نہیں لیکن یہ واقعہ اس زمانہ کا ہونا چاہیے جب حضرت ملک العلما مدرسۂ منظر اسلام کی دیکھ بھال، وہاں تدریس اور کتب خانہ اعلیٰ حضرت کی درستی اور ان کی اہم تصانیف کی تبییض کے لیے تین ماہ بریلی میں قیام فرما تھے۔ ملک العلما یاد آتا ہے کہ ذوالقعدہ ۱۳۶۲ھ۔ مطابق نومبر ۱۹۴۳ء میں بریلی تشریف لے گئے تھے۔[ابھی اپنی طالب علمی کے زمانے کی ڈائری دیکھی تو ۸، جولائی ۴۳ء کا یہ اندراج ملتا ہے: "ظ سفر پورنیہ سے واپس تشریف لائے اور اب حضرت حجۃ الاسلام کے عرس میں بریلی تشریف لے گئے۔" ۱۴، جولائی کے ذیل میں یہ اندراج ہے، "ظ اور مولانا تقدس علی صاحب بریلی سے مجھے دیکھنے آئے۔ وہ [پروفیسر ابوبکر احمد کلیم] پرو وائس چانسلر، ڈاکٹر محمد محمود احمد [شعبۂ فلسفہ]، ڈاکٹر ذکی الدین شعبۂ طبیعیات، محمد احسن مارہروی اسسٹنٹ رجسٹرار سے ملے۔ دن کا کھانا ڈاکٹر فضل الرحمن انصاری (خویش حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی کے یہاں کھایا۔ مولانا یعقوب بخش راغب بدایونی (شعبۂ دینیات) ملنے تشریف لائے۔ ۵ بجے شام کی گاڑی سے بریلی تشریف لے گئے۔ مجھے علی گڑھ کی فضا میں پابند شریعت رہنے کی بہت تاکید کی ہے۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بریلی جولائی ۴۳ء میں تشریف لے آئے تھے، ستمبر اکتوبر تک وہاں قیام رہا ہوگا۔]

(۲) کاغذ خستگی اور دوبارہ سہ بارہ موڑ کر تہ کیے جانے کی وجہ سے جا بجا ٹوٹ گیا ہے، مکتوب الیہ

نے کاغذ کی چیپاں لگا کر اپنے مرشد زادہ کی تحریر کو محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن رقعے کا آخری چوتھائی حصہ ٹوٹ کر علاحدہ ہو گیا ہے۔ سات سطروں کے آخری حصوں پر نقطے لگادیے گئے ہیں۔

(۳) گیہوں آٹے کا ذکر غالباً مدرسے کے مقیم طلبہ کے طعام کے سلسلے میں کیا گیا ہے۔

(۴) بریلی کا کوئی معمر آدمی شاید بتاسکے کہ یہ چھوٹے بھیا، احمد صاحب اور مقبول حسین کون اصحاب تھے۔

(۹)

عید سعید مبارک باد

۷۸۶

بریلی ۳/شوال ۶۲ھ *

جناب مولانا المکرم ذی الکرم دام بالکرم

بعد تحیۂ مسنونہ عافیت خواہ مزاج بجمدہ مع الخیر ہے۔ گرامی نامہ تشریف لایا تھا۔ مگر میں اپنی حالت کیا عرض کروں۔ نہایت مشغولی مجھے یا کچھ کاہلی بھی کہ اب تک جواب حاضر نہ کرسکا اور مضمون نگاری مجھے آتی بھی [نہیں]۔

میرا ارادہ امسال حج وزیارت کا ہے، دعا فرماتے رہیں کہ مولیٰ تعالیٰ مجھے اور میرے ہم راہیان، میری اہلیہ اور لالہ میاں (۱) اور مولوی سردار احمد صاحب (۲) اور بریلی کے تقریباً ڈیڑھ سو آدمیوں اور سب اہل سنت کو حج وزیارت نصیب فرمائے اور قبول کرے۔ اس سفر کے متعلق جو باتیں آپ کے خیال میں ہوں ان سے مطلع فرمائیں اور ہاں جو تقصیر مجھ سے حاضر غائب ہوئی ہے، اسے معاف فرمائیں۔ میں نے سب اہل سنت جنھوں نے کوئی ایسی بات کی ہو انھیں معاف کیا۔ جہاز میں سمت قبلہ کا مسئلہ پیچیدہ ہو جانا عجب نہیں۔ یہاں کتب خانہ اعلیٰ حضرت کی جیسی بربادی ہوئی ہے وہ آپ پر ظاہر ہے، جو کچھ تباہ شدہ باقی رہا ہے اس سے کوئی کام کی چیز نکال لینا آسان نہیں، خصوصاً وقت عجلت۔ آپ نے بھی تو اس بارے میں شاید کوئی رسالہ لکھا ہے۔ (۳)

والسلام مصطفیٰ رضا خاں

مجھے دعا لگاؤ اس آنے والے کے بعد جو بدھ آرہا ہے یا پنج شنبہ اس چہار شنبہ یا پنج شنبہ کو کراچی مع الخیر ان شاء تعالیٰ روانہ ہونے کا قصد کرتا ہوں۔

* مطابق ۱۱ / ستمبر ۱۹۴۳ء

(۱) یعنی مولوی محمد ادریس رضا خاں - یہ مفتی اعظم کے داماد تھے - آپ کے دوسرے سفر حج میں ساتھ تھے - تاریخ وفات ۲۹ / شعبان ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء ہے۔

(۲) سابق شیخ الحدیث دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف متوفی ۲ / شعبان ۱۳۸۲ھ / دسمبر ۱۹۶۲ء۔

(۳) کتاب الجواہر والیواقیت جو ۱۳۳۰ھ میں لکھی گئی۔ یہ حاجی محمد ظہور نعیمی کے زیر اہتمام اہل سنت برقی پریس مرادآباد سے جنوری ۱۹۴۳ء میں شایع ہوئی۔ مصنف علّام نے اس کتاب کا

انتساب اپنے مخلص دوست استاذ العلما مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (متوفی ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء) کے نام کیا ھے۔

(۱۰)

بریلی

۱۵ رصفر المظفر ۶۶ھ*

مولانا المکرم دام بالکرم

السلام علیکم ورحمۃ المولی۔ دعوت عرس سراپا قدس حضور پرنور سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ حاضر ہے۔ جو بعونہ تعالیٰ ۲۳-۲۴-۲۵ صفر المظفر ۶۶ھ مطابق ۱۷-۱۸-۱۹ جنوری ۴۷ء یوم جمعہ-شنبہ- یک شنبہ فیض بخش عام ہوگا۔ میں جناب کو خصوصیت کے ساتھ شرکت کی دعوت دیتا ہوں۔ مجھے قوی امید ہے کہ جناب ضرور ضرور شرکت فرما کر فقیر کو ممنون کرم بنائیں گے۔ (۱)

والسلام

فقیر مصطفیٰ رضا غفرلہ

* مطابق ۱۱ جنوری ۱۹۴۷ء

(۱) اس کارڈ کی بقیہ جگہ پر 'ماموں جان' مولانا امجد رضا خاں صاحب نے اپنے قلم سے کچھ سطریں تحریر کردی ھیں۔

(۱۱)

بریلی شب ۱۶ ررمضان ۶۶ھ*

۷۸۶/۹۲

جناب مکرم ملک العلما فاضل بہار زیدت الطافہم

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہٗ۔ گرامی نامہ ملا۔ یادآوری کا شکریہ۔ میں مطلب نہ سمجھا کہ جناب مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ کیا کروں۔؟ اس بارے میں میں کیا مدد دے سکتا ہوں؟ (۱)

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ "اعلیٰ حضرت کے متعلق ایک بصیرت حاصل ہوئی اور کافی مضمون کا مسالا مل گیا۔ (۲) اسی طرح اگر آپ بھی اس کی طرف توجہ فرمائیں تو مجھے آپ سے بہت مدد ملے اور سب کتابیں اعلیٰ حضرت کی پیش نظر ہونے کی وجہ سے بڑی تقویت ہوگی۔ (۳)" مسالہ" میری فہم قاصر میں کچھ نہ آیا۔ کاہے کی طرف مجھے توجہ کرنا ہے جس سے آپ کو مدد ملے۔ اور اعلیٰ حضرت کی سب کتابیں پیش نظر ہونے سے کس بارے میں بہت بڑی تقویت ملنا آپ فرماتے ہیں۔

جو کام آپ مجھ سے لینا چاہتے ہوں میں اس کے لیے حاضر ہوں بشرطیکہ میں اسکا اہل ہوؤں۔ میری نااہلی کا تو یہ عالم ہے کہ آپ نے اتنا طویل خط اردو زبان میں لکھا اور میں مطلب تک نہ پہنچ سکا۔ سوا اس کے کہ اعلیٰ حضرت کی سوانح کو اور زیادہ بڑھانے کے لیے مضمون اور لکھنا چاہتے ہیں۔ جس میں میری مدد چاہتے ہیں۔ آپ جو کچھ لکھ چکے ہیں وہ سب دیکھوں اگر اوس سے کچھ بچ رہا ہو جو میرے دماغ میں [ہے] تو حاضر کروں۔ (۴) فقط

مصطفیٰ رضا غفرلہ

* مطابق ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء

(۱) مکاتیب ملک العلما بنام مفتی اعظم، بریلی میں شاید ہی محفوظ ہوں، اگر محفوظ ہوں بھی تو اس وقت پیش نظر نہیں کہ اس مکتوب کے مفاہیم و مطالب واضح ہوسکیں۔ ہاں اس قدر کہا جاسکتا ہے کہ "حیات اعلیٰ حضرت" کی تکمیل کے سلسلہ میں حضرت ملک العلما چاہتے تھے کہ بزرگان مارہرہ و بریلی اور اعلیٰ حضرت کے خلفا و تلامذہ اور ان سے عقیدت اور تعلق رکھنے والے اصحاب، ان کے متعلق کچھ معلومات اور اپنے تاثرات لکھ بھیجیں کہ ان کے حوالے سے درج کتاب ہوسکیں۔ اس میں انہیں کامیابی نہ ہوسکی۔ ان حضرات کی اپنی مشغولیات تھیں۔ صرف مولانا سید ایوب علی رضوی (بریلی) مولوی محمد حسین چشتی نظامی فخری موجد طلسمی پریس میرٹھ اور چند احباب کی تحریریں موصول ہوئیں یہ روایتیں اور یہ اطلاعات انھی کے حوالے سے "حیات اعلیٰ حضرت" میں درج کی گئی ہیں۔ حضرت ملک العلما بھی چاہتے تھے کہ حجۃ الاسلام، مفتی اعظم اور مولانا اولاد رسول سید محمد میاں مارہروی مسودہ کا مطالعہ کر کے ضرورت ہو تو حالات میں کچھ اضافہ کریں اور حیات و تصانیف اعلیٰ حضرت کے متعلق جو کچھ انہیں مستحضر ہو قلم بند کر کے بھیج دیں کہ گھر کے حالات گھر والے زیادہ جانتا ہے۔ حضرت کی یہ کوشش کامیاب نہ ہوسکی۔

(۲) مولانا سید ایوب علی اور مولوی محمد حسین چشتی میرٹھی کی تحریروں کی طرف اشارہ ہے جو بریلی سے آئی تھیں۔ ان میں مفید معلومات تھیں جو انھی کے حوالے سے درج کتاب کی گئیں۔

(۳) اعلیٰ حضرت کی تصانیف آپ کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ تھیں جن کے نگراں حجۃ الاسلام کی رحلت (۱۹۴۳ء) کے بعد مفتی اعظم تھے۔ ملک العلما اپنی کتاب میں تصانیف اعلیٰ حضرت پر بہت تفصیل سے لکھنا چاہتے تھے اس لیے وہ اس سلسلے میں مفتی اعظم سے اعانت چاہتے تھے۔ یہ بوجوہ نہ ہوسکا۔ ملک العلما نے ۱۳۶۲ھ میں بریلی کے تین ماہ قیام اور اپنے مستحضرات پر بھروسا کر کے کتاب کے حصۂ تصانیف کی تکمیل کی۔ "حیات اعلیٰ حضرت" کی تصنیفات و تالیفات والی جلد کوئی ۷۰۰ صفحات پر محیط ہے۔ اس میں اعلیٰ حضرت کی سینکڑوں تصانیف کا ذکر ہے اور کتاب کے نصف آخر میں جو تقریباً ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اعلیٰ حضرت کے بعض رسائل پر تبصرہ ہے۔ دیکھیے حیات اعلیٰ حضرت : تصانیف تالیفات، شائع کردہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور ۲۰۰۳ء

حضرت ملک العلما، اعلیٰ حضرت کے آبا واجداد اور اولاد واحفاد کے حالات اور خاندان کے دوسرے افراد سب کے بارے میں جن کا ذکر "حیات اعلیٰ حضرت" کے فاروقی ایڈیشن (یعنی طبع لاہور ۲۰۰۳ء) کے دس گیارہ صفحوں پر پھیلا ہوا ہے خاص طور پر تفصیلی معلومات چاہتے تھے۔ اگر خاندان کے حضرات تعاون فرماتے تو کتاب کا یہ حصہ اور زیادہ مفصل ہوتا۔

(۴) ملک العلما کی کوشش بار آور نہ ہوسکی، کتاب کی تکمیل کے بعد مسودہ حضرت اولاد رسول سید محمد میاں قادری برکاتی (م ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء) کے پاس بھیجا گیا کہ مناسب مشورے دیں اور اعلیٰ حضرت اور سرکار مارہرہ سے تعلقات کے سلسلے میں جو ان کے معلومات ہوں ان سے مستفید فرمائیں۔ یہ بھی دیکھ لیں کہ سوانح کی ذیل میں کچھ امور تشنہ تو نہیں رہ گئے۔ کتاب کئی ماہ ان کے پاس رہی، انھوں نے دل چسپی سے پڑھی، اپنے لیے اس کی نقل بھی تیار کی، لیکن غالباً اپنی گوناگوں دینی و علمی مشغولیات کے باعث کچھ لکھ کر نہ

بھیج سکے۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ مسودہ مولانا حشمت علی لکھنوی (م ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء) کو بھیج دیا جائے۔ مولانا مرحوم بھی تقریرات و مواعظ اور کثرتِ اسفار کی وجہ سے بے حد مصروف رہتے تھے۔ انھوں نے جہاں کتاب میں آفتاب کو دیکھ کر اعلیٰ حضرت کے گھڑی ملانے کا ذکر ہے وہاں ایک فقرے کا اضافہ کردیا ہے۔ "فقیر عبید الرضا غفرلہ نے بوقت شب ستاروں کو ملاحظہ فرما کر وقت بتانے، گھڑی ملانے کے واقعات بھی سنے اور دیکھے ہیں۔" (حیات اعلیٰ حضرت حصہ اول ص ۱۶۰، طبع کراچی ۱۹۵۵ء)۔

اسی طرح اعلیٰ حضرت کے یہاں علمائے کرام کی تشریف آوری کے ذکر میں مولوی اعظم شاہ صاحب شاہ جہاں پوری کا نام "حیات اعلیٰ حضرت" میں آیا ہے، اس پر آپ نے ایک سطر کا فٹ نوٹ لکھ دیا ہے: "یہ صاحب اپنی اخیر عمر میں معاذ اللہ وہابی ہوگئے تھے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ ان کا تائب ہونا معلوم نہ ہوا۔ عبید الرضا غفرلہ"۔ (حیات اعلی حضرت، ص ۱۹۸، طبع کراچی، ۱۹۵۵ء)

(۱۲)

بریلی ۲۶رذی الحجہ ۶۸ھ

۷۸۶

حضرت ملک العلما زید فضلہٗ وعلیکم السلام ورحمۃ و برکاتہ

بہ خیر ہوں والحمدللہ رب العلیٰ۔ اور آپ کا عافیت خواہ ہوں۔ عنایت نامہ ملا۔ آج ابھی بعد ختم آیۂ کریمہ آپ کے مقصد میں کامیابی کی دعا کرائی گئی۔ مولیٰ تعالیٰ قبول فرمائے اور آپ کو کامیاب فرمائے۔ تقدس میاں کا کل مکہ معظمہ سے خط آیا ہے کہ حج کے مناسک بفضلہ بہ خیر و خوبی ادا کر لیے، اب تقریباً ایک ماہ اور مکہ معظمہ میں قیام رہے گا۔ پھر حاضری دربارِ دُربار، سرکارِ سرِ ہر کار علیہ الصلوٰۃ والسلام ماترنّم الھزار فوق الازھار ہوگی۔

مولیٰ تعالیٰ آپ کو بھی یہ دن نصیب فرمائے اور کیسا اچھا ہو کہ آپ کی معیت میں یہ فقیر بھی اس نعمت سے پھر بہرہ مند ہو۔ رسالہ "طرد الشیطان" (۱) کے مستفتی صاحب علامہ تیجانی مصری (۲) مجھے حج میں ملے تھے۔ وہ سن کر بہت خوش ہوئے تھے اور بہت ہی شوق سے اس کی نقل جلد سے جلد لینا چاہتے تھے کہ واپسی پر طبع کرادیں مگر اس کی نقل میں اتنی تاخیر ہوئی کہ مدینہ طیبہ میں بھی انھیں نقل نہ مل سکی کہ پوری نہ ہوئی تھی، یہی جو آپ کے پاس ہے۔ آخر کار وہ رخصت کے وقت پھر ملنے آئے اور اس کے لیے کہہ گئے کہ مصر بھیج دی جائے۔ میں نے ساجد میاں کے حوالہ کی کہ اپنے ہینڈ بیگ میں رکھ لو یہاں سے بھیجنے کا موقع نہیں، جہاز سے بھیج دیں گے۔ ان کے ہینڈ بیگ میں وہ خراب ہوگئی بھیجنے کے قابل نہ رہی تو میں [نے] مدینۂ طیبہ سے واپسی پر جب دوبارہ مکہ معظمہ حاضری دی، خود نقل کرنا شروع کی جو جہاز میں بمبئی کے قریب پوری ہوئی۔ بمبئی سے بھیجنے کا خیال تھا مگر وہاں مجھے مقابلہ کا موقع نہ ملا۔ نقل کرتے ہوئے کچھ کہیں کہیں مضمون میں اضافہ ہوتا گیا۔ میں نے بمبئی میں مولوی سعد ۶۶ (۳) صاحب مکی کو اصل و نقل مقابلہ کے لیے دیے مگر انھوں نے خود دیکھ تو لیا مقابلہ نہ کیا۔ بریلی آکر بھی مجھے موقع نہ ملا ادھر یہ خیال رہا کہ آپ بھی دیکھ لیں گے، مجھے اپنی کم زوری معلوم ہے اور عربی لکھنے بولنے کی مہارت بھی نہیں۔ زبان والوں کے سامنے جائے تو کوئی ایسی بات نہ ہو کہ وہ

مضحکہ کریں۔ تیجانی صاحب کو عجلت یوں بھی ہوگی کہ وہ اس حج سے جواب ہوا۔ بہت پہلے اسے چھاپ دینا، شائع کر دینا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ شام بھیج کر شامیوں کے دستخط بھی لیں گے اور مصر میں دکھا کر مصریوں کے بھی۔ مگر یہ یہیں رکھا رہا۔ مجھے تیجانی صاحب سے کس قدر ندامت ہے۔

فقط مصطفیٰ رضا قادری غفرلہ

میں ان صاحب کا نام (۴) تو نہیں جانتا شاید یہی ہو جو آپ نے لکھا ہے ایک صاحب جدہ میں بعد واپسی از مدینۂ طیبہ ملے تھے، پھلواری شریف کے اور اپنے آپ کو شاید مولوی سلیمان صاحب پھلواری (۵) کا نواسہ بتاتے تھے۔ اور شاہ محی الدین صاحب (۶) سے بھی رشتہ غالباً داماد بتاتے تھے۔ یاد نہیں کہ رشتہ کیا بتایا تھا۔ انھوں نے اس رسالے (۲) کی خبر مکہ معظمہ کے کسی حاجی سے کی تھی جو میرے پاس آتے جاتے تھے۔ میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ یہاں تو نہیں جہاز میں انشاء تعالیٰ دیکھنے کو دوں گا، مگر اس جہاز سے ٹکٹ نہ ملا اس لیے میں پھر مکہ معظمہ حاضر ہو گیا اور وہ روانہ ہو گئے۔

فقط مصطفیٰ رضا قادری غفرلہ

* مطابق ۲۱/۱ اکتوبر ۱۹۴۹ء

(۱) رسالہ طرد الشیطان کا موضوع کیا تھا؟ اس خط سے پتہ چلتا ھے کہ ایک مصری عالم، علامہ تیجانی نے حج ۱۳۶۲ھ (مطابق اکتوبر ۱۹۴۸ء) سے قبل مفتی اعظم کی خدمت میں استفتا بھیجا تھا اور مفتی اعظم نے جواب لکھا تھا، جس کی تکمیل وہ اپنے دوسرے سفر حج (۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) میں کررھے تھے۔ اس سفر میں مستفتی علامہ تیجانی مصری سے ملاقات بھی ھو گئی وہ جلد سے جلد اس کی نقل چاھتے تھے۔ اور حج ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء سے قبل اس کی طباعت اشاعت کی کوشش میں تھے۔ اس سے اندازہ ھوتا ھے کہ اس رسالے کا موضوع حج اور حجاج ھی کے کسی مسئلے سے متعلق ھو گا۔ مفتی اعظم کے حالات میں اس رسالے کا نام اور یہ تذکرہ ملتا ھے کہ "نجدی حکومت" نے حجاج پر "حج ٹیکس" لگایا تھا اور نجدی علما نے اس کے جواز کا فتویٰ بھی دے دیا تھا، اسی پر مفتی اعظم سے سوال ھوا، اور انھوں نے اس ٹیکس کے ناجائز ھونے پر عربی زبان میں مدلل فتویٰ لکھا (دیکھیے: انوار مفتی اعظم، شائع کردہ رضا اکیڈمی، مضمون مفتی محمد شریف الحق امجدی و مشمولہ مضمون "تصانیف مفتی اعظم ص ۱۷۷) لیکن دونوں مقام پر اس فتوے کو پہلے سفر حج (یعنی ۱۳۶۴ھ/نومبر ۱۹۴۵ء متعلق بتایا گیا ھے۔ جب کہ زیر نظر مکتوب گرامی سے واضح ھے کہ یہ دوسرے سفر حج کے موقع کا استفتا و فتویٰ ھے جن کی تبییض میں دیر ھوتی گئی یہاں تک کہ ۱۳۶۷ھ کا موسم حج تو گذر ھی چکا تھا، ۱۳۶۸ھ کا حج بھی گیا اور اسی سنہ کے اواخر میں رسالے کا مبیضہ ملک العلما تک پہنچا۔ اس کے بعد کہاں اور کس حال میں ھے؟ کچھ معلوم نہیں۔ کتب خانہ ملک العلما میں اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں، بریلی بھیج دیا گیا ھو گا۔

(۲) علامہ تیجانی مصری کے حالات فی الحال نہیں مل سکے۔

( ) مفتی شریف الحق امجدی صاحب نے اپنے ایک مضمون میں اس رسالے کا نام القنابل الذریة علی اوثان النجدیة لکھا ھے اور تصریح کی ھے کہ نجدی ٹیکس کے حرام و گناہ ھونے پر انتہائی مدلل مفصل عربی زبان کا فتویٰ ھے جو حرمین طیبین میں بیٹھ کر مفتی اعظم نے لکھا ھے۔ (تاجدار اھل سنت ص ۳۲، شائع کردہ رضا

اکیڈمی، بمبئی ۱۴۲۷ھ)

(۳)اصل نام "سعداللہ" ہے۔پوسٹ کارڈ میں اندیشۂ بے ادبی کے باعث اسم جلالت نہ لکھتے۔اس لیے نام پاک "اللہ" کی جگہ اس کا عدد ۶۶ تحریر فرمایا۔

(۴،۵،۶)یہ شاہ محمد عزالہ بن پھلواروی تھے۔ شاہ محی الدین قادری پھلواروی سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ پھلواری (۱۸۷۸-۱۹۴۷ء) اور شاہ محمد سلیمان پھلواروی کے قریبی عزیزوں میں تھے۔ندوہ کے تعلیم یافتہ تھے۔وہاں کچھ دن استاد بھی رہے۔ بیسویں صدی کے ساتویں عشرے میں ادارہ تحقیقات عربی وفارسی کے استاد مقرر ہوئے۔اچھے مقرر تھے تحریر میں بھی پختہ تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے جن میں " حیات احمد بن حنبل" کو شہرت حاصل ہوئی۔ ۱۹۶۸ء کے بعد وفات پائی۔

(۱۳)

۷۸۶

[مرادآباد] ۲۴رشعبان ۷۰ھ*

حضرت محترم دام بالکرم

بعد سلام مسنون۔آپ کا خیال صحیح ثابت ہوا(۱)۔یہاں کے محبین کسی طرح اس پر راضی نہ ہوئے کہ میں اس گاڑی سے بریلی جاؤں۔ان کی نہایت خوشی ہے کہ حضرت [ملک العلما] بھی یہیں آجائیں اور آج کے جلسے میں شرکت فرما کر کل اس گاڑی سے بریلی روانہ ہوں۔ یہ لوگ مخلص ہیں ان کی آرزو پوری کیجیے۔میں نے اشد ضرورتیں بتائیں مگر اس کا کوئی جواب ہی نہیں کہ "اب ۶ سال بعد تو یہ قدم آئے ہیں اور ضرورتیں رہتی ہی ہیں۔جنتری (۲) کی اشاعت میں ایک روز تاخیر ہو جائے گی۔ پرواہ نہیں آج تو ہم جانے نہ دیں گے۔حضرت ملک العلما کو ہم جا کر یہیں لے آئیں گے۔ان ضرورتوں کے لحاظ سے ہم کل اس گاڑی سے رخصت کر دیں گے"۔

آپ کرم فرمائیں۔سارا اسباب ساتھ لے آئیں۔جنتریاں مولانا میاں سلمہ (۳) کل اسٹیشن پر بھیج دیں کہ ہمارے ساتھ چلی جائیں۔

اگر آپ نہ آئے تو مجھے ان کی دل شکنی کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔اور شام کے ۵ بجے کی گاڑی سے چلنا پڑے گا۔بہر حال آپ کو بریلی اترنا اور کم از کم ایک روز قیام کر کے اور سرحدی (۴) وغیرہ کا معاملہ طے کر کے وطن کی طرف قصد کرنا ہے۔والسلام

مصطفیٰ رضا قادری غفرلہ

میں نے کہا کہ وہ ٹکٹ لے چکے ہوں گے انھوں نے کہا کہ ٹکٹ کا کچھ غم نہیں ہے، واپس ہو جائیں گے۔اگر جنتریاں اپنے ساتھ آپ لے آئے ہوں جیسا کہ ظاہر یہی ہے تو ساتھ ہی لیتے آئیں۔

بہ ملاحظہ گرامی جناب سامی حضرت ملک العلما فاضل بہار
مولانا المکرم مولوی شاہ ظفرالدین صاحب قادری رضوی

* مطابق ۳۱رمئی ۱۹۵۱ء۔غور کرنے سے اس مکتوب کا پس منظر یہ معلوم ہوتا کہ ملک العلما نے

اطلاع دی تھی کہ تاریخ مذکور پر فلاں سفر سے آتے ہوئے، فلاں ٹرین سے مجھے مرادآباد پہنچنا ہے پھر وہاں سے دوسری ٹرین کے ذریعہ بریلی شریف روانہ ہونا ہے۔ آپ بریلی شریف میں موجود رہیں، تاکہ ملاقات ہوسکے۔ جواباً مفتی اعظم نے اطلاع دی تھی کہ میں نے اسی تاریخ کو مرادآباد پہنچنے کا وعدہ کرلیا ہے لیکن یہ ہوسکتا ہے میں مرادآباد پہلے پہنچ جاؤں اور وہاں کے لوگوں سے اجازت لے کر آپ کی معیت میں مرادآباد سے بریلی واپس آجاؤں۔ اس پر ملک العلما نے پھر خط لکھا ہوگا کہ مرادآباد والوں نے چوں کہ اس تاریخ میں جسلہ رکھا ہے اس لیے اگر آپ مرادآباد پہنچ گئے تو وہ لوگ جلسہ ہونے سے پہلے آپ کو ہرگز واپس نہ آنے دیں گے۔ اور واقعۃً یہی صورت پیش آگئی۔ چوں کہ ملک العلما کی ٹرین کا وقت معلوم تھا، اس لیے مفتی اعظم نے یہ خط لکھ کر معتمد لوگوں کے ذریعہ مرادآباد اسٹیشن پر بھیجا۔ آگے کیا ہوا؟ معلوم نہیں۔

(۱) مراد آباد جنکشن اسٹیشن

(۲) جنتری سے مراد نقشۂ اوقات صوم و صلوٰۃ برائے بریلی ہے جو ملک العلما تیار کر کے اور پٹنہ سے چھپوا کر اپنے ساتھ لاتے تھے۔

(۳) مولانا میاں سے میں واقف نہیں، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مولانا اور میاں کے درمیان اصل نام لکھنے سے رہ گیا ہو۔

(۴) یہ لفظ خط میں واضح نہیں۔

(۱۴)

بریلی

۱۷ رمضان ۷۰ھ*

۷۸۶

جناب محترم زید مجدہ وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہٗ

آپ کے دومحبت نامے یکے بعد دیگرے تشریف لائے۔ میں ابھی تک جواب نہ لکھ سکا۔ دھام پور میں گلے کی جس گلٹی یا پھیا پر پھایا لگایا گیا تھا جو سنبھل جانے سے پہلے یا سنبھل جانے کے دن نمودار ہوئی تھی، وہ کاربنکل سمجھی گئی ان کا علاج ہو رہا ہے۔ چار کیلیں موٹی موٹی برآمد ہوچکیں۔ اب کوئی کیل تو معلوم نہیں ہوتی مگر مواد دے رہی ہے اور دو تین دانے اور ابھرے جو کہا جاتا ہے کہ پھایا کی گرمی سے نکلے ہیں، یہ وہ نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک چھالا کی شکل میں تبدیل ہوگیا ہے۔ دعائے خیر فرمایئے۔ اسی دوران میں مجھے پیلی بھیت بھی جانا پڑا۔ عزیزی سید عشرت علی صاحب مرحوم کے انتقال پر ملال پر۔ یہ بھائی صاحب کے چھوٹے داماد تھے جن کے نکاح کو ڈیڑھ سال کے قریب ہوا ہوگا۔

میں آپ کا بریلی رہنا مدت سے چاہتا ہوں کسی طرح ہو۔ خصوصاً اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی تصنیفات اور سوانح کی تیاری کے لیے۔ آپ کو اگر کار تدریس سپرد کیا گیا تو آپ کا بہت وقت اسی کی نذر ہوجائے گا اس لیے یہ چاہتا ہوں کہ زیادہ وقت تو آپ کا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی تصنیفات کے مسودات کی تبییض وغیرہ میں صرف ہو اور ایک دو سبق حدیث کے بھی پڑھادیں تاکہ مدرسہ بھی آپ کے فیض سے مستفیض ہو۔ رہنے کے لیے یہی گھر ہے یا یہ ممکن ہے کہ مرزا جی والا مکان درست کرادیا جائے۔ کھانا جو پکے گا حاضر کیا جائے گا۔ جیسا آپ اپنے زمانہ قیام میں ملاحظہ فرماتے رہے

ہیں۔اس کھانے اور مکان کے ساتھ آپ اپنے لیے کتنا وظیفہ پسند کرتے ہیں وہ لکھیے۔اور اگر کھانا،مکان کا انتظام آپ خود کرنا چاہیں تو کیا وظیفہ ہو وہ لکھیے تو میں غور کروں کہ میں خود اس کو طے کرسکتا ہوں یا اس کے لیے کوئی تحریک کرنی ہوگی۔مولوی عبدالحق سے طے ہوگا یا میں خود طے کروں گا۔

یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ مدرسہ منظر اسلام کا نام ختم کردیا جائے۔

فقیر مصطفیٰ رضا قادری غفرلہ
جواب جلد عنایت ہو۔

* مطابق ۲۵ /جون ۱۹۵۱ء

(۱۵)

بریلی

۱۵/شوال ۷۰ھ*

۹۲/۷۸۶

جناب ملک العلما زیدفضلہ

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ۔طالب خیر بحمدہ تعالیٰ مع الخیر ہے۔

آپ کے کئی گرامی نامے آئے۔میں جواب نہ دے سکا۔اول ہجوم ناس،پھر ماموں جان کی شدید ترین علالت۔ساجد میاں،جیلانی میاں کی حج کے لیے رخصت،پھر ماموں جان کی دنیا سے رحلت۔ادھر داروغہ صاحب(۱) سے بار بار کہا گیا مگر انھیں آنے،بیٹھنے مشورہ کرنے کی فرصت نہ ملی اور وہ بعض دفعہ آئے تو مجھے فرصت نہ ہوئی۔اور بعض دفعہ روپے جمع کرنے حساب کرنے میں وقت صرف ہوگیا اور دماغ تھک گیا۔

ادھر اس مدرسہ کی کمیٹی اب تک نہیں ہوئی۔آپ اگر میرے پہلے خط کے جواب میں اتنی رقم لکھتے جتنی کے لیے آپ کو پہلے لکھا تھا تو کوئی مشورہ طلب بات نہ ہوتی۔غرض اس کے بعد انشاءاللہ تعالیٰ آپ کو کوئی جواب بھیجوں گا۔میرا خیال یہ تھا کہ مدرسہ کا انتظام اور دو سبق حدیث اور باقی وقت صرف تصانیفِ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ میں صرف ہو۔مدرسہ منظر اسلام کی کمیٹی کے بعد میں آپ کو جواب لکھوں گا جو جولائی کے اسی مہینے میں ہوگی۔

افسوس کہ حضرت ماموں جان صاحب قبلہ رحمہ المولیٰ تعالیٰ نے آج روز جمعہ ۱۵/شوال دس بجے دن کے قریب داغ مفارقت دیا۔مولیٰ تعالیٰ انھیں جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر واجر عنایت کرے۔دعائے مغفرت فرماتے رہیں۔

والسلام
مصطفیٰ رضا قادری غفرلہ

آج جو لوگ آئے ان میں سے بعض ہی کا کام کیا،باقی یونہی لوٹ گئے اور ان کے جانے کے بعد اور آئے بھی نہیں۔ادھر ماموں جان مرحوم ومغفور کے انتقال کے خطوط لکھنا پڑے،یوں آپ کو بھی یہ خط لکھ سکا۔مصطفیٰ رضا قادری

* مطابق ۲۰/جولائی ۱۹۵۱ء

(۱) یہ بریلی کے کوئی صاحب تھے جن سے مدرسۂ مظہر اسلام اور دوسرے معاملات میں مشورہ کیا جاتا تھا۔

(۱۶)

بریلی

۱۷ ربیع الاول ۷۱ ھ*

جناب مولانا بعد از سلام مسنون (۱)

آپ کا مزاج کیسا ہے؟ بہت دن سے آپ کا انتظار شدید ہے۔ معلوم ہوا تھا کہ آپ کو کوئی آپریشن کرانا ہے، اس سے فارغ ہو کر تشریف لائیں گے۔ آپ کا مزاج گرامی کیسا ہے۔ عرس میں بھی تشریف نہ لائے۔ اب تو تشریف لے آئیں۔

جناب محترم مولوی احمد رضا صاحب وکیل (۲) تشریف لائے تھے۔ پانچ سو روپے بھی اپنی محبت سے عنایت فرمائے جو عرس شریف کی نذور میں شامل کر کے عرس میں خرچ کر دیے گئے۔ ان سے ملاقات ہو تو میرا اسلام مسنون فرما دیں اور یہ کہ میں عرس میں آپ کا بہت منتظر رہا۔ اس پر افسوس ہے کہ میں ایک وقت کی بھی آپ کی مہمانی سے محروم رہا۔ والسلام

مصطفیٰ رضا قادری غفرلہ

عرفان کا سلام قبول ہو (۳)

* مطابق ۱۸ دسمبر ۱۹۵۱ء

(۱) مولانا عرفان علی رضوی کے کارڈ کی پشت پر مفتی اعظم نے یہ خط لکھ دیا ہے۔

(۲) پٹنہ ہائی کورٹ کے کامیاب اور مشہور وکلا میں تھے۔ دین دار اور مذہبی آدمی تھے۔ ملک العلما سے عقیدت رکھتے تھے اور محلہ دریا پور پٹنہ کی مسجد میں جس کے متولی ملک العلما کے ایک جاں نثار معتقد اور مخلص دوست سید جمیل احمد صاحب تھے ہر اتوار کی صبح کو حضرت کے درس قرآن میں برسوں پابندی کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ آخر عمر میں حج و زیارت حرمین شریفین زاد اللہ شرفہما کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

(۳) یہ فقرہ مولانا عرفان علی رضوی کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔

(۱۷)

محلہ سوداگران بریلی

۱۷ ربیع الاول ۷۱ ھ*

۹۲/۷۸۶

جناب محترم السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

الیکشن قریب آ رہا ہے۔ اس نازک دور میں یہ الیکشن جیسا کہ ہے آپ خود جانتے ہیں۔ یہاں اشد و اہم ضرورت ہے کہ ہم سب مل کر اس کے متعلق غور و فکر کریں اور کوئی لائحۂ عمل تیار کریں۔ جس سے مسلمان باذنہ تعالیٰ ہر خطرہ ہر فتنہ سے بچے رہیں اور دینی و دنیوی نقصان سے محفوظ رہ سکیں۔ ۲۹ دسمبر ۵۱ء تک میں بریلی رہوں گا اس سے پہلے پہلے یہ اجتماع ہو جانا ضروری ہے۔ اس لیے التماس ہے کہ آپ بتاریخ ۲۳ ربیع الاول ۷۱ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۵۱ء بروز یک

شنبہ بوقت ۱۱ بجے دن بریلی محلہ سوداگران فقیر خانہ پر تشریف لا کر اس ضروری امر کے اجتماع میں شریک ہوں۔ اگر خدانخواستہ آپ نہ آسکیں تو اپنی رائے سے ۲۰، ۲۱ دسمبر ۵۱ تک مطلع فرمادیں۔

(۱) ووٹ آپ کی رائے میں ان جماعتوں میں سے کس جماعت کے آدمی کو دیا جاوے۔

(۲) یا کسی کو نہ دیا جاوے۔

(۳) ووٹ کیسے شخص کو دیا جاوے۔ دینی اعتبار سے بھی اور سیاسی لحاظ سے بھی۔

ان سوالوں کا مفصل جواب لکھیے۔ محض مختصر رائے ہی نہ ہو۔

فقط مصطفیٰ رضا قادری غفرلہ،
محلہ سوداگران، بریلی

مطابق ۱۸ دسمبر ۱۹۵۱ء

(۱۸)

محلہ سوداگران بریلی
صفر مظفر ۱۳۷۴ھ*

۷۸۶/۹۲

عرس رضا میں آیئے کار رضا ہے یہ — عرس رضائے احمد و ربّ علا ہے یہ
آؤ کہ آج فیض کا در ہے کھلا ہوا — آؤ کہ آج باب کرم پھر ہوا ہے وا
آؤ رضا کے فیض کا دریا ہے موج پر — آؤ کہ ماہ فیض پھر آیا ہے اوج پر
تشریف لا کے عرس میں ممنون کیجیے — اک پنتھ اور دو کاج کا مضمون کیجیے

جناب محترم! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

بحمدہ تعالیٰ عرس سراپا قدس حضور پر نور اعلیٰ حضرت، عظیم البرکۃ، رفیع الدرجۃ، تاج الشریعۃ، آفتاب ہدایت، ماہتاب طریقت، مجدد دین وملت، امام اہل سنت، افقہ الفقہا والکرام، اعلم العلماء الاعلام، قبلہ دین، حجۃ الحق فی الارضین، شیخ الاسلام والمسلمین، صدر العلماء، بدر العرفا، سید الاتقیاء، فی سمو المکانۃ والمکان، مولانا ومرشدنا معجزۃ من معجزات سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام عبد المصطفیٰ احمد رضا خاں رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا قریب آیا۔ حسب معمول ۲۳/۲۴/۲۵ صفر مظفر ۱۳۷۴ھ مطابق ۲۲/۲۳/۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء بروز جمعہ، شنبہ، یک شنبہ فیض بخش عام ہوگا۔ آپ کی محبت وعقیدت سے امید واثق ہے کہ آپ ضرور شرکت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔ والسلام المتکلفین

فقیر مصطفیٰ رضا قادری نوری غفرلہ وابراہیم رضا جیلانی غفرلہ

نظام الاوقات عرس شریف

۲۳ صفر صبح بعد ختم قرآن عظیم نعت خوانی ۸ سے ۹ بجے تک وعظ ۹ بجے سے دوپہر تک
وقت شب ۹ بجے سے ۱۰ بجے تک نعت شریف بعدہٗ وعظ

۲۴ رصفر صبح بعد ختم قرآن عظیم ۸ تا ۹ بجے نعت خوانی ۹ بجے سے دوپہر تک وعظ
وقت شب ۹ بجے سے ۱۰ بجے تک نعت شریف بعدہٗ وعظ

۲۵ رصفر صبح بعد ختم قرآن عظیم ۸ تا ۹ نعت شریف ۹ بجے سے وعظ ڈیڑھ بجے تک پھر منقبت خوانی
۳۰-۱ بجے سے ۳۰-۲ بجے تک بعدہٗ ۲ بج کر ۸ ۳ منٹ پر قل شریف ۱۲ بجے دوپہر

بہ خدمت جناب مولانا ظفر الدین صاحب
مدرسہ لطیفیہ، بحر العلوم، کٹیہار، ضلع پورنیہ، بہار

(۱۹)

۳۰ را کتوبر ۱۹۶۱ء

جناب مولانا ملک العلما زید کرمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مولیٰ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ تقسیم ہند کے بعد پہلی بار مرکز ہند دہلی میں اہل سنت و جماعت ایک عظیم الشان اجتماع ''کل ہند سنّی اوقاف کانفرنس'' کے نام سے کرنے جارہے ہیں۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ سنّی مسلمانوں کے جائز حقوق پر ڈاکہ ڈالنے اوران کی جماعتی تنظیموں کوظلم وستم کے ذریعہ برباد وپامال کرنے کرانے والے اورنہیں بل کہ چند مسلم نما دین فروش ہیں۔لیکن وائے برحال ما کہ ہم ظلم وستم کا شکار ہوتے رہے مگر آج تک مرکز ہند میں جماعتی سطح پر ہماری کوئی آواز نہ اٹھی یہی سبب ہوا کہ ہماری خاموشی سے مخالفین نے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمارے اسلاف کی کروڑوں روپیہ کی مذہبی جائدادوں کو ہڑپ کرنے کے لیے پارلیمنٹ سے قانون بھی بنوالیا۔

ایسی صورت میں اگر آج ہم اس عظیم موقع پر ملک گیر جماعتی تنظیم کی صورت میں جمع نہ ہوئے اور ایک عظیم اجتماع نہ کیا تو پھر مستقبل تیرہ وتاریک ہی نہ جائے گا بلکہ اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کی عظیم الشان درگاہیں بھی مخالفین کے مظالم پیہم کا نشانہ بن کر بے حرمت ہوجائیں گی۔

وقت آگیا ہے کہ آج مسلمانوں کی تنظیموں کے ذمہ دار اصحاب اپنے نجی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر میدانِ عمل میں اتر آئیں اور پوری یکجہتی اور مکمل اتحاد کے ساتھ کل ہند سنی اوقاف کانفرنس کے اس عظیم الشان پروگرام کو کامیاب بنا کر حکومت اور ملک کی تمام جماعتوں کو واضح کردیں کہ سنیوں کی نمائندگی کا حق صرف اہل سنت ہی کو ہے۔

جمعیۃ العلما اور اس کی ہم نوا جماعتوں کو مسلمانوں کا نمائندہ تسلیم کرنا مداخلت فی الدین کے مرادف ہے۔

نوٹ: اس سلسلے میں میری ایک اپیل بھی آپ کی نظر سے گزری ہوگی۔

فقیر مصطفیٰ رضا قادری غفرلہ

حضرت اپنی شرکت وتعاون سے دفتر کو جلد مطلع فرمائیں۔ سید مظفر حسین کچھوچھوی سکریٹری
اسرار الحق غفرلہ صدر آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ ۳۰ را کتوبر ۶۱ء از جبل پور

☆☆☆☆☆

بائیسواں باب

اس باب میں باضابطہ صرف ایک مضمون شامل ہے ، جب کہ ماہ وسال کے اعداد و شمار کو شامل کرلیا جائے تو تعداد ایک سے زائد ہو جاتی ہے ، کسی بھی شخص کی زندگی میں یہ لمحات انتہائی اہم ہوتے ہیں ۔جن لمحو ں کے انتظار میں ایک خدا شناس انسان ، صحرا صحرا ، جنگل جنگل بھٹک کر گزارتا ہے ، وہ زندگی کے آخری ایام میں ہی میسر آتے ہیں ، اہل نظر کے یہاں یہ لمحے لذت فراق کے لیے نہیں لذت وصال کے لیے پہنچانے جاتے ہیں ، ان لمحوں کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنا ہو تو بیدم شاہ وارثی اور حضرت آسی غازی پوری کے دواوین کا مطالعہ کرنا ہوگا ، شایدبہت سے حجابات آپ کی نگاہوں سے اٹھ جائیں گے ۔ موت ایک تلخ سچائی ہے جس کا سامنا کرنے میں ایک دین بے زار نفس کا کلیجہ منہ کو آجاتا ہے ،جب کہ عشق رسالت میں ڈوبی ہوئی ایک روح مچل مچل کر شب وصال کے جوڑے پہننے کے لیے بے قراری کا اظہار کرتی ہے ،امام احمد رضا قادری کا آخری سفر بھی انتہائی شان دار اور عبرت آموز تھا اور ان کے شہزادے کا سفر بھی بڑا مثالی اور روح پرور تھا (راقم السطور نے بڑے دلچسپ انداز میں بلکہ مرکزی خیال کی حیثیت سے اداریہ میں اس پر بحث کیا ہے ۔ مگر حذف شدہ حصے کی وہ بھی نذر ہوگیا) دونوں میں ایک قدر مشترک یہ رہی کہ دونوں نے اپنے آخری سفر کی خبر مختلف دلائل اور قرائن سے اپنے احباب و اقارب کو دے دیا تھا ، بل کہ بعض مواقع پر صراحت کے اس کا اظہار بھی کردیا تھا ، دوسرے یہ کہ دونوں کے چہروں پر وقت نزع کسی طرح کی کوئی اضطرابی کیفیت کا احساس نہیں ہورہا تھا ، دونوں ہی شاداں و فرحاں اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے تھے اور جان جاں آفریں کے سپرد کردی تھی ،کیوں نہ ہوکہ وہ مزدور جو محنت و مشقت کے ساتھ سارا دن مالک کے فرمان کی اطاعت میں گزارتا ہے وہ شام کو مالک کا سامنا کرنے میں کسی طرح کا خوف وہراس محسوس نہیں کرتا اور اس کامالک بھی وقت حضور اس کی دل جوئی و دل بستگی کرتا ہے ۔ مولانا عبد المبین نعمانی نے وقت اخیر کی کچھ کیفیات و حالات کو رقم کر کے قارئین تک پہنچایا ہے ، ہم یہ امانت س وعدے کے ساتھ آپ تک پہنچا رہے ہیں کہ اس بارے میں جو بھی معلومات آپ کے پاس محفوظ ہوں انہیں رضا اکیڈمی تک پہنچانے میں کسی بخل کا مظاہرہ نہ کریں ۔ ہمیں خدشہ ہے کہ آپ کی معمولی سی تساہلی سے علم کا ایک گوشہ تاریکی میں نہ چلا جائے ۔

مقبول احمد سالک مصباحی

حضور مفتی اعظم کے آخری ایام کی جھلکیاں

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری مصباحی

دارالعلوم قادریہ، چریا کوٹ، مئو

میرے اور لاکھوں انسانوں کے مرشد برحق، ولی کامل، عارف باللہ، قطب العصر، حضور مفتی اعظم، ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمٰن محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری ابن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی المولیٰ تعالیٰ عنہما ۱۴ر محرم ۱۴۰۲ھ/ ۱۲ر نومبر ۱۹۸۱ء شب پنج شنبہ ایک بج کر چالیس منٹ پر اس دار فانی سے کوچ کر کے واصل بحق ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے وصال کی خبر صرف خاندان والوں ہی کے لیے باعث غم نہ ہوئی بل کہ اس خبر جانکاہ نے تو سارے عالم کو گہرے رنج و غم میں مبتلا کر دیا تھا، عام طور سے جب کوئی مرنے والا مرتا ہے تو اس کے گھر والے قریبی رشتہ دار اور پاس پڑوس والے رنج و غم کا اظہار کر کے خاموش ہو رہتے ہیں، کیوں کہ جس کا دائرہ تعلق محدود ہوتا ہے، اس کا غم بھی محدود پیمانے ہی پر منایا جاتا ہے، مگر سرکار مفتی اعظم رضی المولیٰ عنہ صرف خاندان رضا یا محلہ سوداگران یا بریلی کے ساکنان ہی کے نہ تھے وہ تو سارے جہان کے تھے، اسی لیے سارے جہان کے اہل ایمان نے آپ کا غم منایا، آپ کے اس دنیا سے چلے جانے پر بلک بلک کر روئے اور اپنے کو یتیم محسوس کیا اور بات صرف مسلمانان عالم ہی کی نہیں بل کہ آپ کی ذات گرامی تو وہ تھی کہ زمین و آسمان بھی یقیناً روئے ہوں گے، ملأ اعلیٰ میں آپ کے وصال کی دھوم مچی ہوگی۔

عرش پر دھومیں مچیں وہ مومن صالح ملا　　　فرش سے ماتم اٹھا وہ طیب و طاہر گیا

ترمذی شریف میں ہے کہ کیا آسمان و زمین مومن کی موت پر روتے ہیں؟ امام مجاہد فرماتے ہیں زمین کیوں نہ روئے اس بندے پر جو زمین کو اپنے رکوع و سجود سے آباد رکھتا تھا اور آسمان کیوں نہ روئے اس بندے پر جس کی تسبیح و تکبیر آسمان میں پہنچتی تھی۔

(خزائن العرفان)

یہ تو عام مومنین کے بارے میں ارشاد ہے اور مفتی اعظم علیہ الرحمہ تو اپنے دور کے مومنین کے بلاشبہہ امام تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا "مَن اَوْلِیاءُ اللہ" "اللہ کے اولیا کون ہیں؟" آپ نے فرمایا: اَوْلِیَاءُ اللّٰہِ الَّذِیْنَ اِذَا رُؤُوا ذُکِرَ اللّٰہُ عزوجل" (کنزالعمال ج۔ احدیث۔ ۱۷۸۳، بیت الاذکار الدولیہ، الریاض) یعنی جب ان کو دیکھا جائے تو خدا یاد آئے، سرکار مفتی اعظم بلاشبہہ اس کے مصداق تھے بل کہ اس سے ارفع و اعلیٰ کہ آپ کے دیدار سے تو خدا یاد آتا ہی تھا، اب تو صرف آپ کی یاد سے خدا یاد آتا ہے، وصال اقدس کے بعد آج یہ عالم ہو گیا ہے کہ اہل ایمان کی کوئی محفل حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے ذکر، آپ کے تذکرۂ زہد و تقویٰ اور کرامات سے شاید ہی خالی رہتی ہو، وصال کو تقریباً ۲۵ رسال گزر گئے مگر آپ کی ولایت و مقبولیت کا آفتاب عالم

تاب، دلوں کی دنیا پر پوری طرح پر تو فگن ہے۔ حضرت کے وصال سے بیس روز قبل ۲۸ رذی الحجہ ۱۴۰۱ھ کو میں اور میرے ساتھ محب محترم مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی و مولانا بدرالقادری مصباحی (مشیر دینیات نیدر لینڈ اسلامک سوسائٹی، ہالینڈ) خاص حضرت کی زیارت اقدس کے لیے بریلی شریف حاضر ہوئے تھے اور یہ حضرات تو زیارت کے بعد واپس ہو گئے۔ میں مزید ایک ہفتہ فتاوی رضویہ یازدہم کی تصحیح و فہرست سازی کے سلسلے میں حاضر خدمت رہا، اس لیے مناسب سمجھتا ہوں کہ ان آخری ایام کے بعض حالات جو میرے مشاہدے میں آئے اور ان مجالس کی کیفیات جن میں حضرت تشریف فرما ہے، عرض کر دوں۔

رب کائنات نے حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی ذات گرامی صفات میں جو کشش اور جاذبیت ودیعت فرمائی تھی، اس سے کوئی بھی ہو آشنا یا نا آشنا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا، ہم لوگ تو دامن کرم سے وابستہ اور خواجہ تاش تھے، اچانک یہ خیال دل میں پیدا ہوا کہ چلیں بریلی چل کر حضرت کی زیارت کر آئیں، چناں چہ بغیر کسی خاص تقریب کے ۲۸ رذی الحجہ ۱۴۰۱ھ کو ہم تینوں رفقا اپنے مرشد برحق کے دیار میں حاضر ہوئے۔ تقریباً ۲ ربجے محلہ سوداگران آستانہ اعلیٰ حضرت پر پہنچے اور درباریوں سے مل کر حضرت کی زیارت کا اشتیاق ظاہر کیا گیا، ہم لوگوں کے علاوہ پروانوں کی ایک بھیڑ پہلے ہی سے موجود تھی۔ معلوم ہوا کہ حضرت ابھی کچھ دیر بعد نماز ظہر کے لیے مسجد تشریف لائیں گے، اسی وقت زیارت عام ہو گی۔ وقت فارغ دیکھ کر ہم لوگ حضرت مولانا ریحان رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ کے پاس ان کی ملاقات کے لیے چلے گئے، واپسی پر معلوم ہوا کہ حضرت مسجد تشریف لائے اور نماز ادا فرما کر پھر مکان تشریف لے گئے، یہ سننا تھا کہ عجیب مایوسی کی کیفیت طاری ہو گئی، کیوں کہ اس کے بعد بھی ملاقات ممکن تو تھی مگر مشکل تھی، متعدد خدام سے رابطہ قائم کرنے کے بعد جب کامیاب نہ ہوئے تو مولانا ریحان رضا خاں صاحب کو ہی واسطہ بنایا گیا تب کہیں جا کر حضرت کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، دیکھا گیا کہ حضرت چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور چہرۂ انور سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں، جن کی تابانی پہلے سے کئی گنا زیادہ تھی، نقاہت اور ضعف اس قدر تھا کہ بغیر اٹھائے چارپائی سے اٹھنا مشکل تھا اور بیٹھے رہنے کی بھی طاقت نہ تھی، ڈاکٹروں اور حکیموں نے عام طور سے لوگوں سے ملنے جلنے کی ممانعت کر دی تھی۔ اس لیے حضرت کی زیارت تک پہنچنا آسان نہ تھا، چند منٹ رخ روشن کی زیارت کا شرف حاصل رہا پھر خدام کی فرمائش پر واپس آنا پڑا۔ تقریباً ۹۱ رسال کی عمر شریف، اس قدر نقاہت مگر یہ دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ایسے عالم میں بھی حضرت اکثر دن کے اوقات میں مسجد آ کر جماعت سے نماز ادا فرماتے ہیں اور وہ بھی پوری نماز کھڑے ہو کر حتی کہ اگر کسی وقت استنجا، وغیرہ کی حاجت سے تاخیر ہو گئی اور انتظار کے بعد لوگوں نے جماعت کر لی، تو اس کے بعد بھی حضرت محض مسجد کی حاضری اور حصول ثواب کی غرض سے مسجد تشریف لاتے، جب کہ از خود چلنے کی طاقت نہ تھی، مولوی عبدالحمید افریقی اور بابو میاں (خادم خاص) زیادہ تر سہارا دے کر اور کبھی رکشا پر بیٹھا کر مسجد لاتے، یہ مفتی اعظم کا وہ تقویٰ ہے، جس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملے گی اور صرف یہی نہیں کہ نماز کھڑے ہو کر ادا فرماتے جو فرض اور رکن ہے، وضو میں بھی کسی کی مدد نہیں لیتے بلکہ سلیفر پانی کا وزنی لوٹا بھی خود اپنے ہاتھ سے اٹھا کر وضو فرماتے اور چہرے پر پانی ڈالتے، کیوں کہ فقہا نے وضو میں دوسرے سے مدد لینے کو مکروہ تنزیہی لکھا ہے، حالانکہ ایسے ضعف کے عالم میں تو مکروہ تنزیہی بھی نہیں۔ مگر حضرت کو حتی الامکان یہ گوارا نہ ہوا، جو انتہائی تقویٰ کی دلیل ہے۔ میں دس روز بریلی شریف حاضر رہا، اس درمیان دیکھا کہ روزانہ سو دو سو آدمی محض حضرت کی زیارت کے لیے آتے تھے، جن میں اکثر باہر کے ہوتے اور کچھ شہر کے، حتی کہ بیرون ممالک سے بھی اکثر و بیشتر لوگ حضرت کی زیارت اور بیعت کی غرض سے حاضر ہوتے تھے، جن دنوں میں وہاں تھا کئی آدمی امریکہ سے اور دو آدمی پاکستان سے آئے تھے۔

حضرت کی زیارت کے لیے عشاق کا بھی عجیب حال دیکھا۔ یکم محرم الحرام ۱۴۰۲ھ بروز جمعہ حضرت نماز جمعہ کے لیے "رضا مسجد" (متصل آستانہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ) میں تشریف لائے اور وہیں وضو فرمانے لگے۔ لوگوں کے اشتیاق کا یہ عالم کہ مسجد بھری ہے، سب کی نظر حضرت ہی کی طرف ہے۔ یہ نہیں کہ ایک بار دیکھ لیا پیاس بجھ گئی، بلکہ جب تک ممکن رہا دیکھتے رہے۔ نماز جمعہ فرض دو رکعت کے بعد مولوی عبدالحمید صاحب افریقی حضرت کو رکشا میں بیٹھا کر اس غرض سے گھر لے جانے لگے کہ اگر حضرت یہاں سنتوں سے فراغت حاصل کر لیں گے تو تمام مصلی بھی فراغت پا کر زیارت وقدم بوسی کے لیے ٹوٹ پڑیں گے اور حضرت کو تکلیف ہوگی، اس وقت بھی میں نے دیکھا کہ تمام لوگ حضرت کو ٹکٹکی باندھے دیکھتے ہی رہے پھر حضرت جب مکان تشریف لے گئے تب لوگوں نے سنتیں شروع کیں، کسی بزرگ اور عالم دین کی زیارت کا شوق ایسا میں نے کہیں نہیں دیکھا اور اس دور میں تو سنا بھی نہیں۔

ہر جمعرات اور جمعہ کو بعد مغرب حضرت کے وہاں محفل میلاد شریف منعقد ہوتی ہے، جس میں پابند شرع، باریش اور صحیح خواں حضرات، حضور اعلیٰ حضرت، مولانا حسن رضا اور مفتی اعظم علیہم الرضوان والرحمۃ کی نعتیں پڑھتے ہیں اور حضرت جب اپنی حیات ظاہری میں بریلی میں تشریف رکھتے تو اس میں شریک ہوتے اور پوری محفل میں دوزانو بیٹھتے۔

حسب دستور یکم محرم جمعہ کو بعد نماز مغرب محفل منعقد ہوئی، مولوی عبدالوحید بریلوی اور ان کے ساتھیوں نے نہایت والہانہ انداز میں نعتیں پڑھنا شروع کیں، آج کی محفل میں حضرت رونق افروز نہ تھے، تقریباً ایک گھنٹہ محفل جمی رہی، مگر حضرت تشریف نہ لائے تو بابو میاں نے کہا کہ حضرت کمزوری کی وجہ سے تشریف نہ لائیں گے، آپ لوگ سلام پڑھ لیں، اس کے بعد فوراً تمام لوگ بیٹھے بیٹھے "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" پڑھنے لگے، اوپر چھت سے مولانا ریحان رضا نے فرمایا، جب حضرت تشریف نہیں رکھتے تو آپ لوگ کھڑے ہو کر سلام پڑھیں۔ پھر ساری محفل کھڑی ہوگئی اور کھڑے ہو کر صلاۃ وسلام پڑھا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ آج سے پہلے جب حضرت شریک بزم ہوتے تھے تو تمام لوگ حضرت کے ضعف کا خیال کرتے ہوئے بیٹھے ہی بیٹھے سلام پڑھتے تھے، اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بیٹھ کر بھی صلاۃ وسلام پڑھنا جائز ہے۔ کھڑا ہونا کوئی فرض وواجب نہیں۔ ورنہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے سامنے کبھی بیٹھ کر صلاۃ وسلام نہ ہوتا، اس سے اہل سنت پر جھوٹا الزام لگانے والے وہابیہ دیوبندیہ سبق حاصل کریں جو اہل سنت پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ ان کے نزدیک کھڑے ہو کر صلاۃ وسلام فرض وواجب ہے۔ ھذا بھتان عظیم

لوگوں نے جب کھڑے ہو کر بلند آواز سے سلام پڑھنا شروع کیا تو حضرت کے کانوں تک آواز گئی صدائے درود وسلام سن کر بے قرار ہو گئے، تیار ہو کر حجرے سے تشریف لائے، اتنے میں صلاۃ وسلام کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا، دوبارہ محفل کا آغاز ہوا، نعتیں پڑھی جانے لگیں، پھر دیر تک محفل جمی رہی اور عشاق بھی دیدۂ شوق وا کیے بیٹھے رہے، اس وقت محفل کا کچھ عجیب رنگ تھا۔ ایک طرف تو حضرت کے چہرہ انور کی تابشیں مشتاقانِ دید کو شربت دیدار پلا رہی تھیں، دوسری طرف پر کیف نعتیہ نغمے دلوں میں وجد پیدا کر رہے تھے، پوری محفل کی نظر حضرت کے رخ زیبا پر لگی تھی، جب کوئی نعت شریف پڑھتا تو نہایت سنجیدگی سے سماعت فرماتے، واہ واہ کے ذریعہ داد دینے کی آواز بالکل نہ سنی جاتی، ہمیشہ سے حضرت کا یہی دستور تھا، مگر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ایک طالب علم نے نہایت خوش الحانی سے استاذ زمن مولانا حسن رضا بریلوی کی وہ نعت پڑھنی شروع کی جس کا مطلع ہے۔

مرادیں مل رہی ہیں شاد شاد اُن کا سوالی ہے
لبوں پر التجا ہے، ہاتھ میں روضے کی جالی ہے

تو حضرت بہت زیادہ محظوظ ہوتے نظر آرہے تھے، گویا کہ حضرت واقعی روضہ اقدس پر حاضر ہیں اور سرکار رسالت مآب میں التجا کر رہے ہیں اور پڑھنے والا جب اس شعر پر پہونچا۔

تری صورت تری سیرت زمانے سے نرالی ہے ۔۔۔ تری ہر ہر ادا پیارے دلیلِ بے مثالی ہے

تو حضرت کا انداز ہی بدل گیا، ہلکی سی جنبش سے گویا جھوم رہے تھے اور خود بھی اس شعر کی تکرار فرما رہے تھے اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا روئے اقدس سامنے ہے اور مفتی اعظم سرکار کی مدح فرما رہے ہیں۔ خدا ہی جانے وہ کیا عالم تھا اور کیا مناظر تھے، دیر تک یہ کیفیت طاری رہی اور مذکورہ شعر کی تکرار ہوتی رہی۔

حضرت کے ضعف کی وجہ سے جب لوگوں کو ملنے سے منع کر دیا گیا تو بعض لوگوں نے نذرانے کو واسطہ بنایا اور اس کے سہارے مصافحہ و دست بوسی کرنے لگے، چند آدمیوں تک تو کچھ نہ فرمایا، نذرانے پر لاحول پڑھتے رہے، مگر جب یہ سلسلہ دراز ہو گیا تو لوگوں کو منع فرمایا کہ کب تک یہی ہوتا رہے گا، بیٹھ جائیے مگر لوگ نہیں بیٹھے کہ شاید حضرت یونہی بہ طور انکسار فرما رہے ہیں۔ پھر زوردار انداز میں فرمایا بیٹھ جائیے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ! کیا حال ہے سمجھ میں نہیں آتا، کیا کروں، کہاں چلا جاؤں، یہ انداز دیکھ کر اکثر آدمی بیٹھ گئے، بعض پھر بھی نہ بیٹھے تو ان کو زبردستی بیٹھا دیا گیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد پھر لوگوں نے حضرت ہی کے توسط سے نعت خوانوں کو نذرانہ دینا شروع کیا۔ گویا حضرت کی دست بوسی کا یہ دوسرا بہانہ تھا، مگر اب حضرت نے کچھ نہ فرمایا، خود لیتے، پھر نعت خوانوں کو پیش فرما دیتے۔ آخر ایک فاضل نے ؎

" خلد میں پہنچا رضا پھر تجھ کو کیا "

پر بہت عمدہ تضمین پڑھی، جس سے سارا مجمع دم بخود تھا۔ پھر دعا پر محفل کا اختتام ہوا۔ دوبارہ قیام وسلام کی نوبت نہ آئی۔

حضور مفتی اعظم کی یہ محفل میں آخری شرکت تھی، اس کے بعد وصال سے قبل جمعرات و جمعہ کی دو محفلیں حضرت کی حیات میں ہوئیں، جن میں غالباً حضرت شریک نہ ہو سکے، اور اس کے بعد والے جمعرات کی شب چودھویں محرم الحرام شریف ۱۴۰۲ھ کو وصال فرمایا۔

۲ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ روز شنبہ کی بھی ایک طویل نشست کی روداد ملاحظہ ہو۔ حسب معمول باایں پیرانہ سالی حضرت نماز ظہر ادا فرمانے کے لیے مسجد تشریف لائے۔ راہ میں مشتاقانِ دید کا ایک جم غفیر فرش راہ بنا ہوا تھا، مسجد آکر حضرت نے آستانہ اعلیٰ حضرت کی طرف گلی کے شمالی دروازے پر وضو فرمانا شروع کیا تو میں نے دیکھا کہ عشاق حضرت کے غسالہ کے لیے ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑ رہے تھے، اسی وقت حضرت کے غسالہ قدم کے چند قطرات مجھ ناچیز کو بھی نصیب ہوئے پیر دھو کر پینے کی مثال میں سنتا تھا، مگر حضرت کی بارگاہ میں آنکھوں سے دیکھا۔ باوجود نقاہت و کبر سنی کے وضو میں سنن و مستحبات کی ایسی رعایت کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے، خود اپنے ہاتھ میں لوٹا لے کر پورا وضو فرمایا حتیٰ کہ لوٹا اٹھا کر چہرے پر بھی از خود پانی ڈالا اور کسی سے مدد نہ لی، اسی اثنا حضرت کے سامنے گلی میں ایک اپ ٹو ڈیٹ صاحب زمیں بوس بیل باٹم (پینٹ) پہنے ہوئے آئے اور کھڑے ہو گئے اور حضرت کا وضو دیکھنے لگے، جب حضرت کی نظر ان صاحب پر پڑی تو نہایت گرجدار آواز میں فرمایا۔ لاحول لاقوۃ الا باللہ'' کیا حال ہے، زمین کو جھاڑو دیتے پھرتے ہیں۔ تو بہ تو بہ! جب اس شخص نے کچھ نہ سمجھا تو حضرت نے جلال میں آکر فرمایا۔ ایک کروڑ بار لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' یہ سنتے ہی وہ شخص وہاں سے کھسکا اور پینٹ اونچا کر لیا۔ یہ تھا حضرت کا جذبۂ احترام شریعت کہ اگر کوئی کام خلاف شرع دیکھتے تو بلاتاخیر منع فرماتے اور اس سلسلے میں کسی کی رورعایت بالکل نہ فرماتے۔ نہ کسی مصلحت کو خاطر میں لاتے، وضو کے بعد نماز ظہر کھڑے ہو کر ادا فرمائی، جب کہ ضعف اس قدر تھا کہ شریعت ایسے عالم میں ترک قیام کی رخصت دیتی ہے، مگر حضرت کے تقویٰ نے اس کو گوارہ نہ فرمایا کہ بیٹھ کر نماز ادا فرمائیں۔ اور ایک رکن چھوٹ جائے۔ میں نے دیکھا کہ سجدہ سے اٹھتے

ہوئے حضرت کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور پیروں میں لرزش سی پیدا ہو جاتی ہے۔ بہ مشکل قیام وقعود فرماتے ہیں مگر بیٹھ کر نماز نہیں پڑھی۔

نماز ظہر کے بعد حضرت نے وظائف کے لیے توقف فرمایا تو مرید ہونے والوں کا ایک گروہ آ گیا۔ چونکہ حضرت نے نماز ظہر آخر وقت میں ادا فرمائی تھی، اس لیے اب عصر کا وقت ہو چلا تھا، بابو میاں نے عرض کیا، حضور یہ لوگ بیعت کے لیے آئے ہیں۔ اب نماز عصر پڑھ لیں پھر بیعت فرمالیں گے، حضرت نے فرمایا پہلے بیعت ہو لیں پھر نماز پڑھیں گے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ ایسا کیوں فرما رہے ہیں۔ معا خیال آیا کہ بیعت کیا ہے؟ کسی اللہ والے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر گناہوں سے توبہ کرنا اور نیکیوں کے کرنے کا عہد کرنا، تو جب کوئی اپنے گناہوں سے توبہ کا ارادہ کر کے آیا ہے تو اس کو توبہ کرانا مقدم ہے اور اس میں تاخیر سے نقصان کا اندیشہ ہے اور نماز کے اوقات میں تو گنجائش ہے، اس قدر تاخیر کے بعد بھی نماز صحیح اور بلا کراہت ادا ہو گی۔ لہٰذا حضرت نے بیعت کو اس اہمیت کے پیش نظر مقدم فرمایا۔ ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ بھی بیعت کے ارادے سے آ گیا، حضرت نے ان کو بھی بیعت فرمایا، اس گروہ میں دو چھوٹے بچے بھی تھے۔ چار پانچ سال کے جو اپنی ماں کے ساتھ آئے تھے، بچوں کی ماں باہر گلی میں دیوار سے متصل نقاب پوش کھڑی تھی اور وہ بھی بیعت ہو رہی تھی، بیعت وفاتحہ خوانی سے فراغت کے بعد ان بچوں میں سے ایک بچے نے دس روپے بہ طور نذر پیش کیے، حضرت نے لاحول پڑھتے ہوئے واپس کر دیا۔ پہلے تو مجھے یہ بات سمجھ میں نہ آئی مگر فوراً ہی خیال ہوا کہ حضرت نے محض اس لیے رد فرمایا کہ وہ بچہ نابالغ تھا اور نابالغ کی تملیک درست نہیں، جب کہ گمان غالب یہی ہے کہ بچوں کے ذریعہ اس خاتون نے اپنا ہی نذرانہ پیش کیا ہوگا، مگر احتیاطاً حضرت نے اسے قبول نہیں فرمایا۔

نماز عصر کے بعد حضرت نے پھر تھوڑی دیر توقف فرمایا، جس کے بعد پانی پر دم کرانے، دعا کرانے اور مصافحہ کرنے والوں کی بھیڑ لگ گئی، لوگ اپنی اپنی عرضیاں پیش کرتے اور حضرت کرم فرماتے، مگر جب مصافحہ کرنے والوں اور دست بوسی کرنے والوں کی بھیڑ زیادہ ہو گئی اور حضرت کو تکلیف کا خدشہ ہوا تو مولوی عبد الحمید افریقی حضرت کو لے کر مکان چلے گئے، راستے بھر میں لوگ مل رہے ہیں اور دعا کرا رہے ہیں۔

غرض بمشکل مولوی عبد الحمید حضرت کو مکان لے جانے میں کامیاب ہوئے۔ یہ تھی حضرت کی مقبولیت اور خلقِ خدا کی وارفتگی کی ایک جھلک، جس کی مثال بہت مشکل سے ملے گی۔

اس واقعہ کے بعد حضرت کی نقاہت بہت بڑھ گئی اور مسجد لانا کسی طرح مناسب نہ تھا تو مکان ہی میں چارپائی کے قریب ایک تخت پر بیٹھ کر وضو فرماتے اور نماز ادا کرتے، اس وقت بھی خدام سے فرماتے میں مسجد چلوں گا، مسجد جا کر نماز ادا کروں گا۔ خدام عرض کرتے، حضور! بہت کمزوری ہے، تھک جائیں گے، یہیں نماز ادا کر لیں۔ تو حضرت مکان ہی میں نماز ادا فرمانے لگے۔ مگر پھر بھی کھڑے ہو کر ہی نماز ادا کرتے۔

ایک روز عشا کے وقت حضرت استنجا سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو استنجا خانے میں بیٹھنے کی وجہ سے کافی تکان محسوس ہو رہی تھی مگر اس عالم میں فرمایا پانی لاؤ وضو کروں گا، لوگوں نے لٹا دیا اور قصداً پانی لانے میں تاخیر کی کہ ذرا لیٹے رہنے کے بعد وضو فرمائیں گے، تو آرام ملے گا، مگر حضرت اس دوران بار بار دریافت فرماتے رہے کہ وضو کا پانی آیا، وضو کا پانی آیا، بار بار اصرار کی وجہ سے اسی عالم میں پانی لایا گیا حضرت فوراً چارپائی سے اٹھنے لگے، حالانکہ اٹھا نہیں جا رہا تھا، ہم لوگوں نے سہارا دیا تو حضرت اٹھے اور جب وضو فرمانے کے لیے حضرت کو ہم لوگوں نے تخت پر کیا تو فرمایا "تھک گیا ہوں، کیا کروں؟ کیسے وضو کروں؟" یعنی اتنی بھی طاقت نہ تھی کہ بیٹھ کر وضو فرماتے، تو ہم لوگوں نے فوراً چارپائی پر لٹا دیا، ابھی دس منٹ گزرنے بھی نہ پایا تھا کہ، فرمایا، میں وضو کروں گا۔ خدام نے عرض کیا حضور تھوڑا آرام فرمالیں۔ مگر حضرت نہ مانے، بالآخر دوبارہ وضو کے لیے بٹھایا گیا، غرض اس درجہ نماز اور وضو سے عشق کہ وقت میں گنجائش ہے مگر پھر بھی تاخیر گوارا نہیں، اکثر اوقات حضرت عالم استغراق میں رہتے، خاص خاص لوگوں کو بھی نہیں پہچانتے، مگر نماز کے لیے کبھی بھی استغراق مانع نہ ہوا، بل کہ بار بار پڑھنے کا ارادہ

فرماتے۔نماز پڑھنے کے بعد بھی فرماتے ،نماز پڑھوں گا،خدام عرض کرتے ،حضور ابھی تو نماز ادا کی ہے اور دوسرا وقت ابھی نہیں آیا۔

سنت کی قدم قدم پر پیروی فرماتے ،کوئی فعل آپ کا خلاف سنت نہ دیکھا گیا۔حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام میں تیامن (داہنے سے شروع کرنا) پسند فرماتے ،علاوہ ان مواقع کے جن کی حدیث میں صراحت آئی ہے، مثلاً استنجا کرنا، ناک صاف کرنا وغیرہ تو میں نے دیکھا کہ حضور مفتی اعظم اس پر کامل طور سے عمل فرماتے تھے۔مولانا نعیم اللہ خاں صاحب صدر مدرس مدرسہ منظر اسلام نے مجھ سے فرمایا، کہ بزرگوں کو آزمانا نہیں چاہیے مگر ایک روز میرے نفس کو شرارت سوجھی ،حضرت کو جوتا پہنارہا تھا تو بجائے داہنے پیر کے پہلے بائیں پیر کا جوتا پہنانے لگا مگر حضرت کو دیکھا کہ کسی طور سے بائیں پیر کو نہیں بڑھا رہے ہیں ،جب داہنے پیر کا جوتا پیش کیا تو فوراً اس کو پہن لیا، گویا کہ سنت پر عمل کرنا حضرت کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، جب کہ بالعموم بڑھاپے اور مرض میں لوگ ان باتوں کا کم خیال کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر وہ کام جو بسم اللہ سے نہ شروع کیا جائے وہ بے برکت اور ناقص ہے ،تو اس پر بھی حضور مفتی اعظم جیسا عامل میں نے نہیں دیکھا اور نہ سنا اس پر عمل کا یہ حال تھا کہ ہر کام میں بسم اللہ ،چارپائی سے اٹھتے تو بسم اللہ ،سوتے تو بسم اللہ ،سر پر ٹوپی لگاتے تو بسم اللہ ،کوئی چیز ہاتھ میں لیتے تو بسم اللہ ، چلتے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فرماتے ،غرض ہر حرکت پر بسم اللہ کا ورد فرماتے۔یوں تو عام طور سے کھانے کے وقت مسلمان بسم اللہ کہا کرتے ہیں، مگر ہر نقل و حرکت ،شغل و فعل کے آغاز پر اس کا التزام کرنا صرف حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ ہی کی خصوصیت نظر آئی۔حضرت جب کچھ کھاتے پیتے تو بسم اللہ اور اس کے بعد اللہ شافی ،اللہ کافی اور کچھ دوسرے اذکار پڑھ کر تناول فرماتے تھے۔

حضرت نے تقریباً ایک ماہ قبل ہی سے کھانا پینا بند کر دیا تھا بہت اصرار کے بعد بہ مشکل کوئی چیز نہایت قلیل مقدار میں تناول فرماتے مثلاً دودھ یا اس جیسی کوئی رقیق چیز ہوتی تو اس کے چند گھونٹ ہی کافی تھے، گویا اپنے جسم پاک کو دنیاوی آلائشوں سے پاک فرما رہے تھے جو بزرگوں کا طریقہ ہے ،ایک بار گھر کے لوگوں نے کھانے یا پینے کی کوئی چیز پیش کی تو انکار کر دیا، دوبارہ جناب حافظ عبدالغفار صاحب نوری نے عرض کیا حضور تھوڑا تناول فرمالیں تاکہ نماز پڑھنے کی طاقت ہو جائے ،یہ کہنے پر حضرت نے تھوڑی مقدار تناول فرمائی ،حتیٰ کہ جب آپ کے وصال کے وقت شکم میں دوا کا کوئی معمولی حصہ رہ گیا تھا تو اس کو بھی بالجبر قے کر کے نکال دیا ،اور وصال سے قبل باقاعدہ جس طرح مرید فرماتے تھے اس طرح تمام کلمات ادا کر کے، آپ نے تمام اجنہ رجال الغیب اور ان آدمیوں کو جو حضرت سے ارادت رکھتے تھے ،مگر کسی وجہ سے باضابطہ بیعت نہ ہو سکے تھے ان سب کو بیعت فرمایا۔اور خود بیعت کے تمام کلمات ادا کر کے حضور غوث پاک ،شہنشاہ بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کہ لوگوں نے ہاتھ بڑھاتے دیکھا ،جب کہ بہ ظاہر کوئی موجود نہ تھا، یہ فرمایا کہ میں غوث پاک کے ہاتھ پر بیعت ہوا ،اس کے بعد ان دعاؤں کو پڑھا ،جن کو اکثر پڑھا کرتے تھے ،اس کے بعد روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔اناللہ وانا الیہ راجعون

یہ واقعہ ۱۳ / ۱۴ محرم ۱۴۰۲ھ کے بعد کی رات کا ہے، جب کہ گھڑی میں ایک بج کر چالیس منٹ ہو گئے تھے ،اس وقت آپ کی عمر شریف اکیانوے سال تھی ،اور سرکار غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر پاک بھی بوقت وصال اکیانوے ہی سال تھی ،جس سے نیابت غوثیت کبریٰ کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے اور نام بھی تو آپ کا محمد ابوالبرکات محی الدین جیلانی تھا اور عرف مصطفیٰ رضا خاں نوری، جب کہ القاب مفتی اعظم ،مرشد اعظم ،نوری میاں ،مظہر اعلیٰ حضرت اور تاجدار اہل سنت تھے۔وقت وصال کے اس واقعہ کو مجھ سے حضرت مولانا

ریحان رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ نے بیان فرمایا جو اس وقت موجود تھے۔

موصوف نے مزید فرمایا۔ بدھ کے دن جس کو گزار کر رات میں وصال ہوا، حضرت نے دریافت فرمایا، آج کون سی تاریخ ہے؟ کون سا دن ہے؟ جمعہ کب ہے؟ اس کے بعد ہم لوگ سمجھ گئے کہ اب حضرت ہم میں تشریف نہ رکھیں گے، اس کے بعد گھر کے تمام لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور میں صبر کی تلقین کرنے لگا اور فرمایا، جب میرے والد گرامی حضور ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں علیہ الرحمۃ کا انتقال ہوا تھا تو لوگوں نے مجھے یتیم سمجھا، مگر میں نے اپنے آپ کو بالکل یتیم محسوس نہیں کیا کہ حضرت کا سایہ میرے سر پر تھا، آج البتہ مجھے اپنی یتیمی کا احساس ہو رہا ہے اور میں ہی کیا، سارا عالم اسلام اب تو یتیم ہو گیا۔

واقعی سیدی و مرشدی سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی ساری زندگی تقوی و اتباع شریعت اور مسلک اہل سنت و جماعت کی ترویج و اشاعت ہی سے عبارت تھی۔ سنت و شریعت کا ایسا پیکر عظیم اور دین حق اسلام کا ایسا سچا مبلغ و داعی سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے بعد کسی نے نہ دیکھا نہ سنا، سچ کہا ہے کسی نے

متقی بن کر دکھائے اس زمانے میں کوئی ؟
ایک میرے مفتی اعظم کا تقوی چھوڑ کر

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم ماہ وسال کے آئینے میں

مولانا اختر الاسلام علیمی
المجمع الاسلامی، مبارک پور

ولادت باسعادت	۲۲رذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/۷رجولائی ۱۸۹۳ء
مرشد نوری کی طرف سے ابوالبرکات محی الدین جیلانی نام کی تجویز	۲۲رذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/۷رجولائی ۱۸۹۳ء
''محمد'' نام پر عقیقہ	۲۷رذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/۱۱رجولائی ۱۸۹۳ء
حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری سے بیعت اور جمیع سلاسل کی اجازت وخلافت	۲۵رجمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء
مرشد نوری نے مادرزاد ولی کہا	رجب ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء
تسمیہ خوانی	۱۳۱۴ھ/۱۸۹۷ء
جملہ علوم وفنون کی تکمیل وفراغت	(عمر ۱۸رسال) ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء
آغاز درس وتدریس	۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء
مسئلہ رضاعت پر پہلا فتوی اور امام احمد رضا کی تصدیق	۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء
ازدواجی زندگی کا آغاز	۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء
تاسیس جماعت رضائے مصطفی بریلی	۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء
الاستمداد پر حواشی وتکمیلات سے فراغت	۱۳۳۸ھ/۱۹۱۸ء
تحریک ترک وطن کی شدید مخالفت	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء
دارالقضاء شرعی مرکز بریلی (برائے متحدہ ہندوستان) کے مفتی مقرر	شعبان ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء
والد ماجد امام احمد رضا کا سانحۂ ارتحال	۲۵رصفر ۱۳۴۰ھ/۲۸راکتوبر ۱۹۲۱ء
والد ماجد کے بعد وصال ساری ذمہ داریاں آپ کے سپرد	۲۶رصفر ۱۳۴۰ھ/۲۹راکتوبر ۱۹۲۱ء
تحریک شدھی کا تعاقب اور ۵رلاکھ مرتدوں کا مشرف بہ اسلام ہونا	۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء
مسلم راجپوت کی اصلاح کی خاطر مسلسل ۱۱رمہینے گھر کو خیرباد کہا	۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء
تبلیغ اسلام کے لیے ایک وفد بہار واڑیسہ کو روانہ کیا	۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء
شاہ فضل حسن صابری کا دبدبۂ ''سکندری'' میں آپ کی خدمات پر تفصیلی نوٹ:	۱۳۴۴ھ/۱۱رجنوری ۱۹۲۵ء
اکلوتے فرزند محمد انور رضا کی ولادت	جمادی الاخرہ ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء

مسجد شہید گنج لاہور کی بابت مجاہدانہ فتوی	۲۷/ربیع الآخر ۱۳۵۴ھ/۲۹/جولائی ۱۹۳۵ء
فرزند محمد انور رضا کا انتقال (بعمر ۴ سال)	۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء
عنایت اللہ مشرقی کی تحریک خاکسار کی رد میں پہلا فتوی	رجب ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء
تحریک اشتراکیت سے عوام کو بچنے کا مشورہ	۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء
عنایت اللہ مشرقی کے رد میں مزید فتاوی تحریر کیے	
دوسرا فتوی	محرم ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء
تیسرا فتوی	۲۸ محرم " "
چوتھا فتوی	۱۶/صفر " "
تاسیس دارالعلوم مظہر اسلام مسجد بی بی جی بریلی	۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء
ہندستان میں بڑھتی ہوئی لادینیت ختم کرنے کے لیے ملک گیر تبلیغی سفر کا آغاز	۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء
مسلم لیگ کی تائید وحمایت کر کے لارڈ ویول وائسرائے ہند کو تار ارسال کیا	۱۳۶۵ھ/جولائی ۱۹۴۵ء
قیام پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت میں پہلا اور آخری ووٹ ڈالا	" "
درس وتدریس سے سبکدوشی	" "
آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں تاریخ ساز کردار انجام دیا	۱۳۶۶ھ/۳۰/اپریل ۱۹۴۶ء
دوسرا حج	۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء
اردو تعلیمی نصاب ترتیب دلوانے کا منصوبہ	۱۳۶۸ھ/۱۹۴۸ء
غوث اعظم کے خاندانی فرزند پیر سید طاہر علاء الدین گیلانی سے ملاقات:	۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء
مفسر اعظم ہند مولانا ابراہیم رضا جیلانی کو اجازت وخلافت	۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء
اپنے جانشین مفتی محمد اختر رضا کو تعلیم افتا	۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء
تیسرا حج بغیر فوٹو کے کیا، اور علماے حرمین کو اجازتیں عطا کیں:	۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء
عربی یونیورسٹی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا سنگ بنیاد رکھا	۲۱ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ/۶/مئی ۱۹۷۲ء
اندرا گاندھی کی تحریک نسبندی کے خلاف بے باکانہ فتوی (کہ اسلام میں ضبط ولادت حرام ہے۔)	۳/رمضان ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء
فقیہ اسلام علامہ اختر رضا خاں ازہری کو اپنا جانشین بنایا:	۶/محرم ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء
وصال پر ملال	۱۴/محرم ۱۴۰۲ھ/۱۲/نومبر ۱۹۸۱ء
شریک حیات (پیرانی اماں صاحبہ) کا انتقال	۱۶/جمادی الآخرہ ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء

۱۔ أشد الباس علی عابد الخناس	۱۳۲۸ھ
۲۔ الکاوی فی العاوی والغاوی	۱۳۳۰ھ
۳۔ الحکم القاصم للدا اسم القاسم	۱۳۳۰ھ
۴۔ نور الفرقان بین جند الالہ واحزاب الشیطن	۱۳۳۰ھ
۵۔ وقعات السنان فی حلق المسماۃ بسط البنات	۱۳۳۰ھ
۶۔ الرمح الدیانی علی رأس الوسواس الشیطانی	۱۳۳۱ھ
۷۔ وقایۃ اھل السنۃ عن مکر دیوبند والفتنۃ	۱۳۳۲ھ
۸۔ الھی ضرب بہ اہل الحرب	۱۳۳۲ھ
۹۔ ادخال السنان الی حنک الحلقی بسط البنان	۱۳۳۲ھ
۱۰۔ نھایۃ السنان	۱۳۳۲ھ
۱۱۔ صلیم الدیان لتقطیع حبالۃ الشیطن	۱۳۳۲ھ
۱۲۔ سیف القھار علی العبید الکفار	۱۳۳۲ھ
۱۳۔ نفی العار عن معائب المولوی عبد الغفار	۱۳۳۲ھ
۱۴۔ النکتۃ علی مراء کلکتہ	۱۳۳۲ھ
۱۵۔ مقتل کذب وکید	۱۳۳۲ھ
۱۶۔ الموت الأحمر علی کل انحس اکفر	۱۳۳۷ھ
۱۷۔ مقتل اکذب واجھل	۱۳۳۲ھ
۱۸۔ ملفوظات اعلیٰ حضرت (چار حصص)	۱۳۳۸ھ
۱۹۔ الطاری الداری لھفوات عبد الباری (سہ حصص)	۱۳۳۹ھ
۲۰۔ القول العجیب فی اجوبۃ التثویب	۱۳۳۹ھ
۲۱۔ طرق الھدیٰ والارشاد الی احکام الامارۃ والجہاد	۱۳۴۱ھ
۲۲۔ حجۃ واہرۃ بوجوب الحجۃ الحاضرہ	۱۳۴۲ھ
۲۳۔ القسورۃ علی ادوار الحمر الکفرۃ	۱۳۴۳ھ
۲۴۔ سامان بخشش عرف گلستان نعت نوری	۱۳۵۴ھ
۲۵۔ فتاویٰ مصطفویہ (سہ حصص)	از ۱۳۴۹ھ تا ۱۳۵۹ھ

☆☆☆☆☆

تیئسواں باب

منقبت بھی شاعری کا ایک مقبول و مشہور صنف بن چکی ہے ، امرا و نوابین کے دور میں اس کا خوب چلن تھا ، البتہ اس زمانے میں اسے قصیدے کے باوقار نام سے یاد کیا جاتا تھا، اب یہ خال خال مذہبی شخصیات کے حوالے سے نظر آتی ہے ،گویا اس کا غالب استعمال مذہبی شکل ہی میں ہورہا ہے ، مفتی اعظم کی عبقری اور نابغۂ روزگار ہشت پہلو شخصیت کی بارگاہ میں سیکڑوں شاعروں نے خراج عقیدت پیش کیا ہے ، ان سب کو اگر کتابوں ، رسالوں ، اور اخباروں سے جمع کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے گا اور اگر کوئی صاحب ہمت جمع کردیتا تو کیا بات ہوتی۔ اس باب میں تقریباً چار درجن شعرا کی منقبتیں شامل ہیں۔ یہ وہ منقبتیں ہیں جو بلا مشقت حاصل ہوگئیں ، یا از خود شعرا نے ارسال کیے ہیں ، اگر احاطہ و استیعاب مقصود ہوتا تو یقیناً ایک دفتر تیار ہو جاتا ، بعض منقبتیں کافی طویل تھیں ، لیکن صفحات اور افادیت کا خیال کرتے ہوئے اختصار سے کام لیا گیا ہے ، مکررات کو بالکل حذف کردیا گیا ہے جو مصرعے یا اشعار بحر سے خارج ہورہے تھے ، ان کو درست کردیا گیا ہے ، اس سلسلے میں حضرت اوج اعظمی اور مولانا عبد المبین نعمانی صاحب کی کاوشوں کو بہر حال سراہنا چاہیے۔ اعظمی صاحب نے بحور اور شعریت پر نظر رکھی جب کہ نعمانی صاحب نے اس کی معنویت اور شرعی صحت و سقم پر جرح کی۔ ارباب مناقب کو ان دونوں ہی بزرگوں کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ ان دونوں کے علاوہ علامہ محمد احمد مصباحی اور راقم السطور کے مشورے بھی کہیں نہ کہیں شامل ہیں۔ در اصل ایسی شخصیتوں کی بارگاہ میں منظوم خراج عقیدت پیش کرنا بڑا نازک کام ہوتا ہے ، جو خود بھی شعر و سخن کی تاج دار رہی ہو اور جس کا کلام ادبی محاسن سے مزین اور شرعی نقائص سے منزہ ہو ، ان کی بارگاہ میں اگر ادبی یا شرعی نقائص سے آلودہ کلام کے ذریعہ خراج عقیدت پیش کیا جائے تو یہ ان کے ساتھ انصاف نہ ہوگا۔اس باب میں بہ طور خاص تاج الشریعہ علامہ مفتی شاہ اختر رضا خاں قادری ازہری جانشین مفتی اعظم اور استاذ الشعرا حضرت اجمل سلطان پوری اور پدم شری حضرت بیکل اتساہی اور گل گلزار برکاتیت حضرت سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمی برکاتی اور علامہ سید محمد قاسم رضوی قتیل دانا پوری اور پروفیسر انجم عرفانی گورکھپوری کے کلام شامل ہیں۔

مقبول احمد سالک مصباحی

شہِ نوری میاں کی ہیں بشارت مفتی اعظم

الحاج قاری محمد امانت رسول نوری
الجامعۃ الرضویہ مدینۃ الاسلام، پیلی بھیت، یوپی

رضائے مصطفیٰ آقائے نعمت مفتی اعظم
جنھیں کہتی ہے دنیا اعلیٰ حضرت مفتی اعظم

شہِ نوری میاں کی ہیں بشارت مفتی اعظم
سراپا ہیں کرامت ہی کرامت مفتی اعظم

ترا فتویٰ ترا تقویٰ انوکھا ہے نرالا ہے
ترے آگے جھکے اہلِ بصیرت مفتی اعظم

ہزاروں مفتیوں پیروں فقیروں میں نمایاں تھے
تھے سرکارِ دو عالم کی عنایت مفتی اعظم

ہے ممکن چاند پر جانا یہ واضح کردیا تو نے
ترے آگے جھکے اہلِ بصیرت مفتی اعظم

عرب والوں نے بھی تم سے خلافت لی اجازت لی
تمھاری ہے یہ عزت اور عظمت مفتی اعظم

مدینے کے مشائخ نے کہا قطبِ زماں تم کو
شہنشاہِ مدینہ کی عنایت مفتی اعظم

۱۴۰۲ھ

محرم کا مہینہ چودھویں کی رات تھی جس دم
بریلی سے چلے تم سوئے جنت مفتی اعظم

ہے کتنی ارفع و اعلیٰ تمھاری شان اے مرشد
عظیم الشان - میں ہے سالِ رحلت مفتی اعظم

۱۴۰۲

پسِ رحلت کھلے نہ ستر وقتِ غسل اے آقا
دکھائی اس گھڑی تم نے کرامت مفتی اعظم

بریلی میں رہا کرتے تھے حضرت مفتی اعظم
مگر کرتے تھے دنیا پر حکومت مفتی اعظم

امانت اہلِ ہندو پاک ہیں اس بات کے شاہد
بدل دیتے تھے ہونٹوں سے حکومت مفتی اعظم

☆☆☆☆☆

فقہ میں بوحنیفہ کے عکس جمیل

مولانا قمر الحسن قمر بستوی، مصباحی
امریکہ

ح — حق نگر حق بیاں ابن احمد رضا — دین کی عز و شاں ابن احمد رضا
ض — ضعفِ پیری میں تقویٰ کی رعنائیاں — جیسے رنگِ جواں ابن احمد رضا
و — وہ شریعت پہ حسنِ عمل کی پھبن — نور کا اک سماں ابن احمد رضا
ر — رخ پہ شانِ ولایت کی جلوہ گری — صاف ہوتی عیاں ابن احمد رضا
م — منصب علم و زہد و کرامات میں — اپنے جد کے نشاں ابن احمد رضا
ف — فقہ میں بوحنیفہ کے عکسِ جمیل — شرع کے رازداں ابن احمد رضا
ت — تو عزیمت کے آفاق پر ضوفگن — جیسے ہو کہکشاں ابن احمد رضا
ی — یاد حق نے تجھے کردیا تھا جری — ایک حق ترجماں ابن احمد رضا
ا — آپ اپنی مثال اپنے اقران میں — تجھ سا کوئی کہاں ابن احمد رضا
ع — عام ہے آج بھی ہند میں چارسو — تیرا فیض رواں ابن احمد رضا
ظ — ظلم کے سامنے تھا تو سینہ سپر — دین حق کی اماں ابن احمد رضا
م — موت کے بعد بھی ہے قیادت تری — رہبر کارواں ابن احمد رضا
ہ — ہے زمانے کے ماتھے پہ لکھی ہوئی — وہ تری داستاں ابن احمد رضا
ن — نقش تیری ولایت کا ہے آج بھی — ضوفشاں ضوفشاں ابن احمد رضا
د — دین حق کے امیں اور بطل جلیل — نازشِ گلستاں ابن احمد رضا

منتسب ہے قمر آپ کی ذات سے
کیجیے کامراں ابن احمد رضا

☆☆☆☆☆

الٰہی اس کی راہ میں ہماری زندگی رہے

پدم شری حضرت بیکل اُتساہی
سابق ممبر پارلیمنٹ، بلرام پور

وراثتِ رضا کا جو امین تھا نہیں رہا جمالِ سنیت کا جو یقین تھا نہیں رہا
سرورِ عشقِ غوث کی نفاستیں لیے ہوئے
تمام اولیا کی خوش روایتیں لیے ہوئے
شعور لفظیات کی فصاحتیں لیے ہوئے
حصولِ آگہی کی ساری رفعتیں لیے ہوئے
وہ عاشقِ رسول کائنات تھا، نہیں رہا وہ ایک ذات جامع الصفات تھا نہیں رہا
وہ دل سے تھا زمین اور نظر سے آسمان تھا
وہ حوصلوں کا کوہ اور عزم کی چٹان تھا
جو دھوپ میں بھٹک رہے تھے ان کا سائبان تھا
خلوص و خلق میں ہر اک ادا میں وہ مہان تھا
وہ زندگی کا بے بہا اصول تھا نہیں رہا وہ ذی وقار عاشقِ رسول تھا، نہیں رہا
وہ مظہرِ رضا تھا نام اس کا تھا مصطفیٰ رضا
کمالِ وصفِ اتقیا جمالِ شانِ اولیا
لرزتے اس کے نام سے مخالفینِ مصطفیٰ
وہ نوری ابر نور بن کے سب کے گھر برس گیا
وہ مفتی جہاں فقیہ بے بدل، نہیں رہا ہمارے مسئلوں کا بیکل آج حل نہیں رہا
الٰہی اس کی راہ میں ہماری زندگی رہے
ترے حبیب کے وسیلے ہی سے بندگی رہے
خدا ہمارے نوری کی لحد کو باوقار رکھ
عقیدتوں کے ناز کا یہ خلد اعتبار رکھ

☆☆☆☆☆

بریلی جس کو کہتے ہیں "رضانگر" چلے چلیں

پدم شری حضرت بیکل اُتساہی
سابق ممبر پارلیمنٹ، بلرام پور

بڑا حسین وقت ہے اے ہم سفر چلے چلیں
نکھر چکی ہے رحمتوں کی رہگزر چلے چلیں

یہ پیاری پیاری چاندنی کی رات پر سکون ہے
نثار جس پہ ہوتی ہے حسیں سحر چلے چلیں

ہر ایک سمت دھوم ہے نبی کے ذکر پاک کی
بریلی جس کو کہتے ہیں "رضانگر" چلے چلیں

گلی گلی رچی ہوئی یہ دھوم ہے مچی ہوئی
سجے ہوئے ہیں بلبلوں کے بال و پر چلے چلیں

وہ تاجدار سنیت کے لاڈلے وہیں تو ہیں
جو ہونگے "نوری" کیفیت سے جلوہ گر چلے چلیں

سمت کے کائنات کی یہ کہہ رہی ہیں منزلیں
جدھر چلے ہیں مصطفیٰ سبھی اُدھر چلے چلیں

☆☆☆☆☆

وہ شاہ کارِ عزیمت تھے مفتی اعظم

ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی
(رکن مجلس شوریٰ، الجامعۃ الاشرفیہ) گھوسی، ضلع مئو

بہارِ باغ ولایت تھے مفتی اعظم ضیائے بزم طریقت تھے مفتی اعظم
تھی زہد و تقویٰ کی تفسیر زندگی ان کی امینِ رازِ شریعت تھے مفتی اعظم
بھٹکنے والوں کو دیتے تھے روشنی ہر دم چراغ راہِ ہدایت تھے مفتی اعظم
خزاں کے دور میں پھولوں کو تازگی دی تھی بہارِ خلدِ لطافت تھے مفتی اعظم
نظامِ شرع پر جس نے نہ آنچ آنے دی وہ پاسبانِ شریعت تھے مفتی اعظم
مٹا دی کفر و ضلالت کی تیرگی جس نے وہ نورِ حق و صداقت تھے مفتی اعظم
جو فنِ افتا کی باریکیوں سے تھے واقف وہ اہلِ فکر و بصیرت تھے مفتی اعظم
خدا کے فضل سے حق میں شکستہ حالوں کے نوید رحمت و رافت تھے مفتی اعظم
رضا کے فیض نے بخشا تھا جن کو سوزِ دروں وہ نغمہ خوانِ رسالت تھے مفتی اعظم
زمانہ جس سے بجھاتا تھا تشنگی اپنی وہ بحرِ جود و سخاوت تھے مفتی اعظم
شکیلؔ جس کو حکومت نہ کر سکی خائف
وہ شاہ کارِ عزیمت تھے مفتی اعظم

☆☆☆☆☆

جہاں میں آج بھی اس کا پیام روشن ہے

مولانا مفتی محمد اسلم بستوی، مرحوم
شیخ الحدیث، دارالعلوم انوار القرآن، بلرام پور

وہ پیشواے طریقت وہ رہنماے سلوک — وہ ایک ذرہ مگر کوہِ استقامت تھا

وہ ایک نقطہ مگر جوہر شرافت تھا — وہ ایک نقش، محبت کی جو علامت تھا

وہ ایک قطرہ مگر عزم کا سمندر تھا — نحیف جثہ مگر وہ جہاد پیکر تھا

بلند جس نے کیا تھا صداقتوں کا علم — رہِ وفا میں ہمیشہ رہا جو تیز قدم

وہ بے قرار کہ رگ رگ میں جس کی قوم کا غم — صلیب وقت پہ بن کر رہا جو مشقِ ستم

وہ خار زاروں میں دیوانہ وار پھرتا تھا — وہ دشتِ ظلم میں مردانہ وار پھرتا تھا

مگر جبیں پہ شکن تھی نہ لب پہ شکوہ تھا — رضاے مولیٰ پہ راضی رہے وہ بندہ تھا

زمین قیس پہ اک آسماں بنا کے رہا — دیارِ حسن سے کچھ اور زخم کھا کے رہا

وہ نجدیوں کو جھلک عشق کی دکھا کے رہا — وہ ریگزار میں فصلِ وفا اُگا کے رہا

خلیجِ نجد نہ اس کے جنوں کو روک سکی — دیارِ حسن سے رحمت کا پھر پیام آیا

وہ مضطرب گیا آیا تو شاد کام آیا — وہ کوئی اور نہیں تھا وہ ایک عاشق تھا

وہی امیر شریعت، وہی اسیرِ حبیب — مزاج وقت کا نباض قوم کا وہ طبیب

دلوں میں آج بھی اس کا مقام روشن ہے
جہاں میں آج بھی اس کا پیام روشن ہے

ولی دینِ حق شانِ ولایت مفتی اعظم

استاذ الشعرا حضرت اجمل سلطان پوری

ولی دینِ حق شانِ ولایت مفتی اعظم
وہ سرتاپا کرامت ہی کرامت مفتی اعظم

امام احمد رضا کے جانشیں وہ مصطفیٰ نوری
ہمارے رہ نمائے اہل سنت مفتی اعظم

شریعت اور طریقت اور حقیقت معرفت سب میں
تھے بے شک جانشینِ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم

سروں پر دستِ شفقت رکھتے غوثیت مآبانہ
لیا کرتے تھے جب لوگوں سے بیعت مفتی اعظم

دیا ہاتھ اپنا میں نے غوث کے ہاتھوں میں کہلاتے
تھے غوثِ عہدِ حاضر درحقیقت مفتی اعظم

ہے نسبندی حرام اس بات کا فتویٰ کیا جاری
تھے بے خطر و ضرر بے خوف و دہشت مفتی اعظم

بریلی اور مارہرہ سے مکہ اور مدینہ تک
دکھاتے آئے ہیں راہِ ہدایت مفتی اعظم

سفر میں بھی نہیں چھوٹیں نمازیں پانچ وقتوں کی
رہے اس درجہ پابند عبادت مفتی اعظم

بسوئے ما غریباں یک نگہ یا مصطفیٰ نوری
کہ چمکے اجملؔ نوری کی قسمت مفتی اعظم

☆☆☆☆☆

سعید نوری کے اصرار پر ہے منقبت حاضر

استاذ الشعرا حضرت اجمل سلطان پوری

تصور کرلیا ہم نے تو آئے مفتی اعظم — خرامانہ قدم تشریف لائے مفتی اعظم
صفِ علماے حاضر میں کوئی ثانی نہ تھا اُن کا — اکابر کے لیے مرجع سوائے مفتی اعظم
جو دینی کارنامے دے گئے انجام دنیا میں — جہانِ عالمانہ ہے فدائے مفتی اعظم
نمود و نام کی خاطر ہوئے جو منعقد جلسے — کبھی اس میں نہیں تشریف لائے مفتی اعظم
مریضوں کو قلم کی روشنائی سے شفا بخشی — مسیحا کون ہے ایسا سوائے مفتی اعظم
جگہ پر مفتی اعظم کی چاہے کوئی بھی آئے — مگر پُر ہو نہیں سکتی وہ جائے مفتی اعظم
سعید نوری کے اصرار پر ہے منقبت حاضر — کُجا میں اور کہاں اجمل ثنائے مفتی اعظم

☆☆☆☆☆

احمد رضا کا نورِ نظر مصطفیٰ رضا

استاذ الشعرا حضرت اجمل سلطان پوری

احمد رضا کا نورِ نظر مصطفیٰ رضا دنیا میں ہم کو چھوڑ کے واصل بحق ہوا
بروقت انبساط تبسم خفیف سا جیسے کوئی فرشتہ کہیں مسکرا اٹھا

نیک آدمی تھا مفتی اعظم کی شکل میں
وہ جنتی تھا مفتی اعظم کی شکل میں

تنہا وہ رہ نما نگہِ انتخاب کا نائب وہ دینِ پاک رسالت مآب کا
سر پر عمامہ پھول ہو جیسے گلاب کا ایسا لباس جیسے ورق ہو کتاب کا

جس کے قلم سے کتبۂ تعویذ مسکرائے
صحبت میں جس کی بیٹھ کے اللہ یاد آئے

وہ رہنمائے حق، ولی اللہ، غوثِ وقت نرم و گداز قلب وہ مومن وہ نیک بخت
شرعی معاملات میں لیکن بہت ہی سخت اصحاب کی جلو میں پیادہ نسیم رفت

محوِ خرام جیسے کوئی خضرِ راہ ہو
جس کے قدم قدم پہ شریعت گواہ ہو

وہ سرو قد پان کی سرخی سے ہونٹ لال نوری کرن وہ ریش منور کا بال بال
خورشید سا جلال وہ مہتاب سا جمال اجمل وہ شخصیت کہ تھی آپ اپنی خود مثال

نوری کی قبر نورِ محمد سے جلوہ گر
ہوں رحمتِ الٰہی کے پھول اُن کی قبر پر

☆☆☆☆☆

احتیاطِ شریعت کی کیا بات ہے

استاذ الشعرا حضرت اجمل سلطان پوری

مصطفیٰ رضا خاں ابنِ احمد رضا، وارثِ اعلیٰ حضرت کی کیا بات ہے
ناز کر ناز شہرِ بریلی شریف، ان سے تیری بھی شہرت کی کیا بات ہے

مفتی اعظم ہند نوری میاں مفتی مفتیاں عالم عالماں
شاعرِ شاعراں رہبر رہبراں احتیاطِ شریعت کی کیا بات ہے

مفتی اعظم ہند کے درس نے احترام نبی کا سکھایا سبق
ورنہ ہم اہل سنت تھے سادہ ورق ان کے علم ان کی حکمت کی کیا بات ہے

مفتی اعظم ہند کی ذات سے منصب غوثیت کا تعلق ہے خاص
جس کے ہاتھوں میں ہاتھ آ گیا غوث کا اس کی بیعت کی قسمت کی کیا بات ہے

مفتی اعظم اجملؔ کے ہیں میر بھی، مفتی اعظم اجمل کے ہیں پیر بھی
کتنی بیدار اجمل کی تقدیر بھی شاعرِ اہل سنت کی کیا بات ہے

☆☆☆☆☆

یارب سدا بہار رضا کا چمن رہے

شاعر اہل سنت فاروق مدنا پوری

کیف و سرور و نور کا موسم تو دیکھیے — جشنِ حضور مفتی اعظم تو دیکھیے
مخمور نکہتوں سے ہوائے لطیف ہے — پرنور پھر فضائے بریلی شریف ہے
بائیسویں ہے حج کے مہینہ کی آج پھر — کرتے ہیں پیش اہل عقیدت خراج پھر
قلب ونظر کا روح کا آرام آپ ہیں — تزئینِ دیں رونقِ اسلام آپ ہیں
ابطال کرکے چہرۂ باطل کو فق کیا — ہر ہر قدم پر آپ نے احقاق حق کیا
حق گوئی پہ تھیں جب کڑی پابندیاں لگیں — ہر سمت ہونے ہند میں نسبندیاں لگیں
جب مفتیانِ دین بھی حیران تھے سبھی — میسا لگی ہوئی تھی پریشان تھے سبھی
گھر گھر میں عام رب کا یہ فرمان کردیا — نسبندی ہے حرام یہ اعلان کردیا
ظاہر یہ بات ہوگئی سارے جہان میں — ایمان نہیں بکتا ہے سوداگران میں
پروا نہ کی کسی کی شریعت کے سامنے — ہرگز نہیں جھکے وہ حکومت کے سامنے
ہر اک نظر کو ہے تیری عظمت کا اعتراف — کرتی ہیں رحمتیں تری درگاہ کا طواف
ہٹنا بوقت غسل جو تہبند پالیا — ستر اپنا اپنے ہاتھ سے خود ہی چھپا لیا
یہ شرم یہ لحاظ یہ غیرت تو دیکھیے — بعد وصال کی یہ کرامت تو دیکھیے
مژدہ ملا ولا کا ولادت میں آپ کو — علم وعمل ملے تھے وراثت میں آپ کو
دامانِ حق نہ ہاتھ سے چھوٹے خدا کرے — تاحشر سلسلہ نہ یہ ٹوٹے خدا کرے
یا رب سدا بہار رضا کا چمن رہے — قائم ہمیشہ باغ رضا کی پھبن رہے
فاروق ہر زباں پہ رہے بس یہ صبح وشام — آقا حضور مفتی اعظم تمھیں سلام

☆☆☆☆☆

تجریدی نظم

مولانا مفتی محمد اسلم بستوی، مرحوم
شیخ الحدیث، دار العلوم انوار القرآن، بلرم پور

دعاؤں کی شہ رگ لرزنے لگی
التجائیں بھی سب سرنگوں ہوگئیں
مسلکِ اہلِ سنت کی چٹان پر
پہلی پہلی تھکن سی اترنے لگی

چرخِ ملت کے روشن ستارے جو تھے
روشنی بانٹتے بانٹتے تھک گئے
بسترِ خاک پر سوگئے
اپنا سورج تھا اک، دشتِ ظلمات میں
تیرگی نبرد آزما جو رہا
آخری سانس تک
عزمِ نو کا امیں، حوصلوں کا محافظ
نگہبانِ اسرارِ شرعِ مبیں
چشمۂ خونِ دل کی ہر اک موج سے
فصلِ ایماں کو سیراب کرتا رہا
ظلم اور جہل کے کالے عفریت اور اژدہے
اس کے سائے سے ہر دم ہراساں رہے

صورتِ چشمِ حیراں رہے
ولولے بانٹ کر از اُفق تا اُفق
حدِ امکاں سے آگے نئی منزلوں کی طرف
وہ ہوا گامزن
اب نہ واپس وہ آئے گا ہم میں کبھی
ہاں مگر
اس کی آواز کی بازگشت
آج بھی ظلمتوں کے تعاقب میں ہے
تا قیامت رہے گی تعاقب میں وہ
اس کے نقشِ قدم، کہکشاں کی طرح
دل کی ہر رہگزر میں ہیں رخشندہ، تابندہ تر
کھٹکھٹاتے ہیں یہ شوق کا بند در

دشمنِ دین و ملت کا کالا لہو
کشتِ ایمان میں
فصل کالک کی دیکھو اگانے نہ پائے کہیں
بس یہی آخری آرزو اس کی تھی

وہ کہ ناموسِ نبوی کا سچا محافظ
جلا کر گیا ہے جو شمعِ وفا
اس نے، اس نور و ظلمت کی رزم گہ میں یہاں
بنایا ہے فانوس اور
سونپ دی ہم کو اپنی امانت تو ہم
اعتماد اس کا جانے نہ دیں گے کبھی

عزم رکھتے ہیں ہم
حوصلہ ہے یہی
مشعلِ جاں بجھے تو بجھے
شمعِ ایماں بجھنے نہ دیں گے کبھی

مفتی اعظم فقیہِ اعظم ہندوستاں

مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی
پرنسپل دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی

مفتی اعظم فقیہِ اعظم ہندوستاں
وصف سے عاجز قلم ہے اور قاصر ہے زباں

فقہ و فتویٰ، زہد و تقویٰ اور ہدایت کے امام
وارثِ علمِ نبوت مظہرِ غوثِ زماں

بوالحسین نوری و مارہروی کے لاڈلے
نورِ چشمِ اعلیٰ حضرت تاجدارِ سنّیاں

کم غذا تھے اور تھے کم خواب اور کم گو بہت
تم میں تھیں موجود خاصانِ خدا کی خوبیاں

عالم و عامی شہنشاہ و گدا ہر ایک ہی
بہرِ کسبِ فیض آئے تھے تمھارے آستاں

وہ بہارِ بوستانِ قادریت تھے فروغ
ان کی خوشبو سے معطر اور معنبر تھا جہاں

☆☆☆☆☆

بھلا کہنا ہے کیا بوے گلستان طریقت کا

مولانا محبوب رضا روشن القادری
دارالعلوم فیضانِ مفتی اعظم، رضا جامع مسجد، ممبئی

ہے شہرہ ہر طرف مفتی اعظم کی کرامت کا
لبِ عشاق پر چرچا ہے ان کی پاک سیرت کا

قطب، ابدال و اوتاد زمانہ جن کو کہتے ہیں
وہ سب پڑھتے تھے خطبہ ان کے اوصاف وبصیرت کا

کوئی سنت تو سنت مستحب چھٹنے نہ پاتا تھا
عجب تقویٰ تھا میرے تاجدارِ اہل سنت کا

جنھیں شب زندہ دار و متقی دنیا سمجھتی تھی
جھکاتے تھے وہ سر سرکار والا میں عقیدت کا

شریعت کے چمن میں بیل بوٹوں کو جو مہکایا
بھلا کہنا ہے کیا بوے گلستانِ طریقت کا

زمانے کے فقیہ و افقہ الفقہا ملت کو
تھا ڈر ابن رضا کے خامۂ حق کی جلالت کا

حرم اور حل میں ایشیائی اور افریقی
ہزاروں فیض پاتے تھے بڑھا کر ہاتھ بیعت کا

بکے تھے نسل بندی میں بہت غدار دیں لیکن
قلم بے خوف اٹھا عالم راز شریعت کا

بشکل شمع محفل جلوہ گر جلسے میں جب ہوتے
کیا کرتے تھے پروانے نظارہ ان کی صورت کا

بوقتِ غسل رحلت آ گیا تہبند جب اوپر
بڑھا کر ہاتھ کھینچا پاس کیا تھا ستر عورت کا

رضا کا کیا چمن چہکا مرے مفتی اعظم سے
سونگھا کر مست کر دیتے وہ نافہ قادریت کا

کرم ہے مرشدی مفتی اعظم کا یہ سب روشن
مرے اشعار میں جلوہ ہے خورشید رسالت کا

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم سے ہم کو پیار ہے

مولانا الیاس عطار قادری
امیر عالمی تحریک، دعوت اسلامی، پاکستان

مفتی اعظم سے ہم کو پیار ہے　　انشاء اللہ اپنا بیڑا پار ہے

مفتی اعظم کی نسبت پر نثار　　وہ رضا کا دلبر و دلدار ہے

عالم و مفتی فقیہِ بے بدل　　خوب خوش اخلاق و باکردار ہے

تاجدارِ اہلِ سنت المدد　　بندۂ در بے کس و لاچار ہے

تختِ شاہی کیا کروں میرے لیے　　تاج عزت آپ کی پیزار ہے

اعلیٰ حضرت کا رہوں میں باوفا　　استقامت کی دعا درکار ہے

آستانے پر کھڑا ہے اک گدا　　طالبِ عشق شہِ ابرار ہے

مسکرا کر اک نظر گر دیکھ لو　　میری شامِ غم ابھی گلزار ہے

میرے دل کو شاد فرمادیجیے　　رنج و غم کی قلب پر یلغار ہے

سیدی احمد رضا کا واسطہ　　تیرا منگتا طالبِ دیدار ہے

ہوں گناہوں کے مرض سے نیم جاں　　دردِ عصیاں کی دوا درکار ہے

ہاتھ پھیلا کر مرادیں مانگ لو　　سائلو ان کا سخی دربار ہے

ان شاء اللہ مغفرت ہوجائے گی　　اے ولی! تیری دعا درکار ہے

آپ کے کتوں میں ہو میرا شمار
یہ تمنائے دلِ عطار ہے

علم وتقویٰ کا وہ بے داغ چمکتا ہوا چاند

پدم شری حضرت بیکل اُتساہی
سابق ممبر پارلیمنٹ، بلرام پور

میرے اللہ مرے گھر کو اندھیروں سے بچا
اک چراغ اور بجھا
ہاں وہی حسنِ شریعت کا چراغ
شہِ دین کی رحمت کا چراغ
چراغ غوث کا
خواجہ کا
ولایت کا چراغ
مہر و مہ جس کی ضیا دیکھ کے شرماتے تھے
بھیک اجالوں کی ستاروں کو ملا کرتی تھی
انجمِ علم و عمل در پہ کھڑے پائے گئے
ٹھوکروں میں ہیرے موتی بھی پڑے پائے گئے
وہ تنِ تنہا مگر اک پیکرِ اخلاص و محبت کہیے
وہ جسے شوکتِ انوار رضا کہتے ہیں
محفل فقر و قناعت
انجمنِ عشقِ رسولِ عربی
علم وتقویٰ کا وہ بے داغ چمکتا ہوا چاند
افقِ نور میں اب ڈوب گیا
سنیت بے کس ولاچار و یتیم ہو

☆☆☆☆☆

المُفتِیُ العُظَامُ

فضیلة الشیخ المفتی محمد اختر رضا خان القادری الازہری
بانی ومہتمم مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا، متھرا نگر، دہلی روڈ، بریلی شریف

ثَوَی الْمُفْتِی الْعُظَامُ مُخَلَّدًا ۔۔۔ بِدَارٍ فَاَکْرِمْ بِهَا مِنْ دَارٍ
مفتی اعظم ایک گھر میں اقامت گزیں ہوئے ۔۔۔ تو اس گھر کی کرامت کا کیا پوچھنا

حَوَتْ فِی عُفْرِهَا شَمْسُ الزَّمَانِ ۔۔۔ فَاَمْسَتْ مِنْ سَنَاهَا مَطْلَعَ الْاَنْوَارِ
جس نے اپنی تہہ میں زمانے کے سورج کو سمو لیا ۔۔۔ تو اس کی چمک سے وہ مطلع انوار ہوگیا

سَمَاءُ الْفَضْلِ بَدْرُ سَمَائِنَا ۔۔۔ اَیَادِیْهِ فِیْنَا کَالسَّمَاءِ الْمِدْرَارِ
فضل کا آسمان اور ہم سینوں کے آسمان کا ماہ تمام ۔۔۔ جس کے احسانات ہم میں بارش پیہم کے مثل ہیں ان کا سایہ او جھل ہوگیا

سَمَاوَتُهُ غَابَتْ فَاظْلَمَتِ الدُّنیٰ ۔۔۔ فَمَنْ لِوُقُوْفِ مَوْقِفَ الْمُحْتَارِ
روشنی گم ہوگئی اور دنیا اندھیری ہوگئی ۔۔۔ اب حیرت میں کھڑے لوگوں کی دستگیری کو کون ہے

لَوِ اسْتَطَعْنَا لَکُنَّا فِدَاءَهُ ۔۔۔ وَزِدْنَاهُ اَضْعَافًا مِّنَ الْاَعْمَارِ
اگر ہم کر سکتے تو ان کے اوپر فدا ہو جاتے ۔۔۔ اور ان کی عمر کو کئی گنا اپنی عمروں سے بڑھا دیے

وَلٰکِنَّ اَمْرَ اللّٰهِ لَابُدَّ کَائِنٌ ۔۔۔ وَمَا حِیْلَةٌ تُغْنِیْ مِنَ الْاَقْدَارِ
لیکن اللہ کا کام لامحالہ ہوکر رہتا ہے ۔۔۔ اور کوئی حیلہ قضا و قدر کے آگے نہیں چلتا

تَخَلَّیْتَ مِنْ دُنْیَاکَ یَا بَهْجَةَ الدُّنیٰ ۔۔۔ فَهَاتِیْکَ قَفْرٌ دَارِسُ الْاٰثَارِ
تم اپنی دنیا سے کنارہ کش ہوئے اے دنیا کی زینت ۔۔۔ اب دنیا ویرانہ ہے جس کے آثار مٹے ہوئے ہیں

رَحِیْلُکَ شَیْخِیْ ثُلْمَةٌ اَیُّ ثُلْمَةٍ ۔۔۔ بِهٰذَا الدِّیْنِ جَلَّتْ عَنِ الْاِظْهَارِ
مرے مرشد تمہاری رحلت اس دین میں رخنہ ہے کیسا رخنہ ۔۔۔ کہ جس کا اظہار نہیں ہوسکتا

سَئَلُوْنِ اَخْتَرُ اَرِّخْ رِحْلَةَ سَیِّدِیْ
مجھ سے اختر میرے سردار کی تاریخ رحلت لوگوں نے پوچھی

فَقُلْتُ عَظِیْمُ الشَّانِ لَیْتَنَا الدَّارِیْ
تو میں نے کہا "عظیم الشان"

۱۴۰۲ھ

اب تو بھارت میں ہمارا ہی اجالا ہوگا

فیض العارفین حضرت مولانا غلام آسی پیا حسنی علیہ الرحمہ
خانقاہ ابوالعلائیہ جہانگیریہ بھینسوڑی شریف رام پور

اپنے دامن میں جسے آپ نے پالا ہوگا
عشق و عرفان کے سانچے میں وہ ڈھالا ہوگا

حسن سے عشق ملا ، حسن دوبالا ہوگا
اب تو عالم میں اجالا ہی اجالا ہوگا

قرن سعدین ہے اب کام نرالا ہوگا
اب تو بھارت میں اجالا ہی اجالا ہوگا

آپ سے بغض ارے دل کا جو کالا ہوگا
حضرت غوث کے در کا وہ نکالا ہوگا

ان کے رخ پر جو نچھاور ہیں یہ خورشید و قمر
"روز و شب مرقد نوری میں اجالا ہوگا"

اس بریلی کو جو بغداد سمجھ لے آسی
اس پہ فیضان رضا اور دوبالا ہوگا

☆☆☆☆☆

بوالحسینِ احمدِ نوری ضیا کا آئینہ

علامہ سید آل رسول حسنین میاں قادری مارہروی
زیب سجادہ خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ، ضلع ایٹہ

حق نے بخشا تھا ہمیں ایسا مجلیٰ آئینہ		خلق میں تھا جو سراپا مصطفیٰ کا آئینہ

شاہِ برکت شاہِ حمزہ پیشوا کا آئینہ		بوالحسینِ احمد نوری ضیا کا آئینہ

حق نما، حق بین وحق گو، حق پرست وحق پسند		مردِ حق، مشتاقِ حق، حق کی ضیا کا آئینہ

جس کا نصب العین تھا اعلانِ حق تبلیغِ حق		زندگی جس کی تھی شرع مصطفیٰ کا آئینہ

اپنے مرشد حضرتِ نوری سے جونوری بنا		صورت وسیرت میں تھا احمد رضا کا آئینہ

قوم نے جس کو دیا تھا مفتی اعظم لقب		شارحِ قرآں، حدیثِ مصطفیٰ کا آئینہ

جس کی آنکھوں سے چھلکتی تھی حیا عثمان کی		ظل ذی النورین، عثماں کی سخا کا آئینہ

ذوالفقارِ حیدری کا ہم صفت جس کا قلم		قول وفعل و حال میں وہ مرتضیٰ کا آئینہ

دل کا اچھا، تن کا ستھرا مردِ کامل باصفا		اچھے پیارے شمس دیں بدرالعلیٰ کا آئینہ

تازگی ایمان میں آتی تھی جس کو دیکھ کر		ستھرے پیارے نورِ حق شمس الضحیٰ کا آئینہ

جس کی ہیبت اہلِ باطل کے دلوں پر ثبت تھی		وہ رضاے مصطفیٰ، شیرِ خدا کا آئینہ

جلوۂ صدیق و فاروق و غنی ومرتضیٰ
مظہرِ حسنین اور غوث الوریٰ کا آئینہ

☆☆☆☆☆

دلِ بے تاب لیے کس کی طرف جاؤ گے

شاعر اسلام حضرت راز الہ آبادی

ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس دہر میں تھک جاؤ گے
ایسا مرشد نہ زمانے میں کہیں پاؤ گے

جب کبھی شہر بریلی کی طرف جاؤ گے
ان کے روضے پہ مدینے کی ہوا کھاؤ گے

وہ سخی ابن سخی ہیں وہ ولی ابن ولی!
ان کے دروازے سے خالی نہ کبھی جاؤ گے

کیا مرے گھر کی اداسی نہ کبھی جائے گی
کیا غریبوں کے یہاں اب نہ کبھی آؤ گے

میری روتی ہوئی آنکھوں نے پکارا ہے تمھیں!
اے مرے شیخ مرے خواب میں کب آؤ گے

آنسوؤ اب مری آنکھوں ہی میں رہنا سیکھو
دامنِ مفتی اعظم نہ کہیں پاؤ گے

کون سنتا ہے یہاں رازؔ فغانِ درویش
دلِ بے تاب لیے کس کی طرف جاؤ گے

☆☆☆☆☆

مشعلِ راہ جس کے نشانِ قدم

محمد میکائیل ضیائی بھاگل پوری

گم ہوئی روشنی آگئی شامِ غم چھا گیا ہر طرف ابر رنج و الم
گھور تاریکیوں میں اضافہ ہوا چھپ گیا اوٹ میں جا کے ماہ کرم
آہ صد آہ وہ ہم سے رخصت ہوا مشعلِ راہ جس کے نشانِ قدم
کون ہے وہ یہاں کس کی آمد ہوئی کس کی خاطر کھلا آج بابِ ارم
مفتی اعظم ہند جن کا لقب علم و فن بانٹتے جن کی زبان وقلم
مرشد و مقتدا رہبر و رہ نما مشفق و مخلص و محترم محتشم
علم ظاہر میں اور علم باطن میں بھی دور رس نکتہ سنج و فقیہ اتم
ٹھوکروں پر رہے دولت و مال و زر ان کے قدموں سے لپٹے تھے جاہ و حشم
جھک گئی تھی درِ حق پہ ان کی جبیں ہو گئے ان کے آگے دلِ خلق خم
تاجدار بریلی وہ جنت مکیں وا تھا سب کے لیے جن کا بابِ کرم
روح بے چین ہے آرزو مضطرب شوق دیدار میں دل حزیں چشم نم

زخم پھر اے ضیائی ہرا ہو گیا
میرا محسن مسیحا کہاں کھو گیا

☆☆☆☆☆

وہ زندگی جو تھی تصویر اعلیٰ حضرت کی

مولانا ملک الظفر اکمل سہسرامی
جامعہ نظامیہ خیریہ، سہسرام

حریم دل میں تھا روشن محبتوں کا چراغ
تری ہی ذات سے ملتا تھا رفعتوں کا سراغ

ہر ایک بزم کی زینت تھے مفتی اعظم
نقیبِ دین و شریعت تھے مفتی اعظم
سراپا جانِ ولایت تھے مفتی اعظم
نثارِ حق و صداقت تھے مفتی اعظم

چمن چمن میں اداسی کی چار سو ہے گھٹا
نہ بلبلوں کی چہک ہے نہ بانکپن نہ ادا
نہ عندلیب کے نغموں میں دل فریب نشہ
ہر ایک پھول ہے پژمردہ تجھ سے ہو کے جدا

تری جبیں سے تھی شرمندہ کہکشاں کی چمک
قدم پہ تیرے خمیدہ تھا رفعتوں کا فلک
جبینِ ناز پہ کرتے تھے رشک حور و ملک
کہ تیرے عشق میں عشقِ بلال کی تھی جھلک

بہ پیشِ قوتِ اغیار ہر کمال جھکا
مگر کہیں بھی نہیں وقت کا بلال جھکا
نہ اس کے علم و فضیلت کا ہی ہلال جھکا
نہ اس کی غیرتِ توحید کا جمال جھکا

وہ زندگی جو تھی میزان اک شرافت کی
وہ زندگی جو تھی تہذیب علم و حکمت کی
وہ زندگی جو ضمانت تھی امن و راحت کی
وہ زندگی جو تھی تصویر اعلیٰ حضرت کی

غضب کہ آج وہی جانِ زندگی نہ رہا
چمن میں پہلی سی اکملؔ شگفتگی نہ رہی

☆☆☆☆☆

جامع شرع وطریقت مفتی اعظم کی ذات

محمد عبدالمبین نعمانی نوری مصباحی
مہتمم دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ، مئو

شمعِ بزمِ اہل سنت، مفتی اعظم کی ذات ‏ ‏ ‏ فخرِ دوراں، فخرِ ملت مفتی اعظم کی ذات

جانشینِ غوث اعظم تھی جو ذاتِ باصفات ‏ ‏ ‏ پیکرِ رشد وہدایت مفتی اعظم کی ذات

فخر کرتا ہے زمانہ جس کی ہر اک بات پر ‏ ‏ ‏ باکرامت باوجاہت مفتی اعظم کی ذات

جس نے اکناف جہاں میں علم دیں پھیلا دیا ‏ ‏ ‏ مصدرِ علم شریعت مفتی اعظم کی ذات

مفتی عالم تھی بے شک ذاتِ والا آپ کی ‏ ‏ ‏ صدر بزم علم و حکمت مفتی اعظم کی ذات

زہد و تقویٰ کو بھی جس کی زندگی پر ناز تھا ‏ ‏ ‏ حامل دین و شریعت مفتی اعظم کی ذات

تھی ثنائے مصطفیٰ جس کی غذائے قلب وروح ‏ ‏ ‏ غرق در مدح رسالت مفتی اعظم کی ذات

کردیا جس نے تہ و بالا جہانِ کفر کو ‏ ‏ ‏ قاطع کفر و ضلالت مفتی اعظم کی ذات

”در کفے جام شریعت در کفے سندانِ عشق“ ‏ ‏ ‏ جامع شرع وطریقت مفتی اعظم کی ذات

ایک نعمانی ہی کیا سارا جہاں ہے معتقد
مرکزِ عشق وعقیدت، مفتی اعظم کی ذات

☆☆☆☆☆

کیسے محفل میں ترے بعد اجالا ہوگا؟

شاعر اسلام حضرت حق کان پوری

اس لئے حق نے تجھے نور میں ڈھالا ہوگا
کیوں کہ اس نور سے دنیا میں اجالا ہوگا

تربیت سے تری عظمت کا پتہ چلتا ہے
تجھ کو ماں باپ نے کس ناز سے پالا ہوگا

زہد و تقویٰ کی ترے دھوم ہے جس طور یہاں
مرتبہ تیرا وہاں اور بھی اعلیٰ ہوگا!

تیری عظمت کے نشانات پتہ دیتے ہیں
کتنا ممتاز ترا چاہنے والا ہوگا!

زندگی میں تری اکثر یہ گزرتا تھا خیال
کیسے محفل میں ترے بعد اجالا ہوگا

یوں تو آئیں گے ترے بعد بھی خاصانِ خدا
پر کبھی تیری کمی کا نہ ازالہ ہوگا

زندگی مفتی اعظم کی ہے شاہد اے حق
روز و شب مرقد نوری میں اجالا ہوگا

☆☆☆☆☆

نالہ کشاں ز رنج والم ہر بریلوی ست

سید محمد قائم رضوی چشتی نظامی، قتیل داناپوری
سجادہ نشین خانقاہ چشتیہ نظامیہ، داناپور

گریاں نست چرخ، خاک بسر آمدہ صبا
گلزار ہست سوختہ ہر شاخ آتشی ست

حیرت مرا چوگشت ازیں منظرِ عجیب
غنچہ ندائے داد کہ ایں ماتم ولی ست

آں قطب عصر، پیر زماں، مصطفیٰ رضا
شد عازم بہشت کہ دنیائے دوں دنی ست

آمد چو سیزدہ ز محرم میانِ شب
معلوم شد کہ ایںست شب آخری زیست

مغموم و مضمحل ہمہ ارباب ہند اند
نالہ کشاں ز رنج و الم ہر بریلوی ست

من ہم قتیل آہ ازیں حادثہ کشم
ہاتف بگفت سال چو پرسیدمش کہ چیست

ہجریست سال "سوے بہشت بزرگ قصر"
۱۴۰۲ھ
"پرواز کرد مفتی اعظم" بہ عیسوی ست
۱۹۸۱ء

☆☆☆☆☆

پھلے پھولے ہمیشہ گلستانِ مفتی اعظم

شاعر اسلام محمد عثمان اوجؔ اعظمی
دار العلوم اہل سنت اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد، مئو، یو. پی.

کلیدِ علم و حکمت تھی زبانِ مفتیِ اعظم
مسخر دل کو کرتا تھا بیانِ مفتیِ اعظم

ولایت کی بشارت عہدِ طفلی ہی میں پائی تھی
تعالی اللہ یہ رتبہ یہ شانِ مفتی اعظم

لڑکپن کے زمانے سے ضعیفی کے زمانے تک
بہت ہی معتبر ہے داستانِ مفتی اعظم

خلاف شرع جب بھی کوئی فتنہ سر اٹھاتا تھا
چمکتی تھی بریلی میں سنانِ مفتی اعظم

ہزیمت مفتی اعظم کے ہر دشمن کا حصہ تھی
سبھی باطل شکن تھے دوستانِ مفتی اعظم

وہ ذات ان کی تھی جس پر اہلِ سنت ناز کرتے ہیں
بڑے خوش بخت ہیں وابستگانِ مفتی اعظم

ریاضت میں، فراست میں، بصیرت میں، بصارت میں
جدا گانہ تھا اوروں سے جہانِ مفتی اعظم

ہمیشہ، ہر قدم پر روسیاہی اس کے ہاتھ آئی
لیا باطل نے جب بھی امتحانِ مفتیِ اعظم

جو بہکاوے میں آسکتے نہیں ملت فروشوں کے
وہ ہیں راسخ عقیدہ پیروانِ مفتی اعظم

بہت سے مفتیوں کو آپ سے شرف تلمذ ہے
ہزاروں اہل فن ہیں خطبہ خوانِ مفتی اعظم

زمین ایشیا، یورپ ہو، امریکہ کہ افریقہ
جہاں میں ہر جگہ ہیں مدح خوانِ مفتی اعظم

چمکتے ہیں سپہرِ علم پر شمس و قمر بن کر
جو ہیں موجود اب بھی خادمانِ مفتی اعظم

خدا رکھے سلامت اوجؔ! مرکزِ اہل سنت کو
پھلے پھولے ہمیشہ گلستانِ مفتی اعظم

نگاہِ نور نے نوری نظر کیا اس کو

نذرانۂ عقیدت بہ حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پروفیسر انجم عرفانی گورکھپوری

وہ آبشارِ کرامت وہ نہرِ جود و سخا
وہ کوہِ عزم مصمم ، وہ خُلق کا دریا
وہ ایک ابرِ کرم بے نیازِ ماہ و سال
ہر ایک دشت پہ برسا ہر ایک موسم میں
شریکِ حال رہا ہے ہر ایک کے غم میں
وہ ایک برقِ تجلاے عشقِ مصطفوی
چمک چمک کے صفِ تیرگی مٹاتا رہا
کڑک کڑک کے دلِ دشمناں ہلاتا رہا

☆☆☆

وہ حق پرست و حق آگاہ، حق نظر حق دوست
ہر ایک سانس رہی وقفِ دینِ حق کے لیے
ہر ایک لفظ ہوا صرفِ دینِ حق کے لئے
بسر ہوا ہے ہر اک لمحہ حق پرستی میں
ہے غرق بادۂ وحدت کیف و مستی میں

☆☆☆

کھلا وہ شاخِ ولایت پہ غنچۂ تازہ
رخِ حیات پہ قدرت نے مل دیا غازہ
ہوائے گلشنِ دیں عطر بار گزری ہے
ادائے نو سے عروسِ بہار گزری ہے

مہ و نجوم نے دیکھا اسے عقیدت سے
شعاعِ مہر نے چوما اسے محبت سے
ملی جلالتِ ایماں کی جلوہ آرائی
نگاہِ نور نے نوری نظر کیا اس کو
ولی کا عہدہ لڑکپن میں دے دیا اس کو

☆☆☆

امامِ عصر کا بن کر وہ ایک پیروکار
نکاتِ فقہ کی باریکیاں سمجھتا رہا
حضورِ عابدِ شب زندہ دار میں رہ کر
وہ زہد و تقویٰ کی بھٹی میں روز تپتا رہا
رگوں میں جس کی لہو کی جگہ تھا عشقِ نبی
"بلالِ ہند" سے وہ درسِ عشق لیتا رہا
گدازِ رومی، علومِ غزالی و رازی
وہ اپنے سینۂ مشتاق میں سموتا رہا
نظر وسیع، عزائم بلند، قلب غنی
لہو میں جوشِ عمل، روح مست ذکرِ خفی
اگر پدر کو طلب تھی "رضائے احمد" کی
"رضائے مصطفوی" آرزو پسر کی تھی
علاوہ اس کے تمنا نہ مال و زر کی تھی

☆☆☆

خطیبِ شعلہ نوا تھا، نہ وہ شرر گفتار
نہ وہ مقررِ جادو بیاں نہ وعظ آثار
شفق نواز تبسم، حیات بخش ہنسی
بہار بار تکلم، سکوں طراز سکوت
وہ شہرِ لطف و کرم، وا ہے جس کا دروازہ
نہ امتیاز کوئی درمیانِ شاہ و گدا
وہ بارگاہِ محبت، پناہ گاہِ وفا
کہ قدسیانِ فلک کو بھی آرزو جس کی
وہ خانقاہِ طریقت کی کیف بار فضا
نگاہِ چشتی و غوث الوریٰ کی فیض رسی
علومِ شرعِ مبیں کا وہ مدرسہ جس میں
ادائے مصطفوی کی رہی علم داری
فدا ہے تختِ جم و کے وہ اک گلیمِ فقر
وہ ایک حجرۂ سادہ کہ جس پہ زہد نثار
فقیہ و مفتی و صوفی و باعمل عالم
وہ متقی، وہ شریعت پہ کاربند ولی
وہ قطبِ وقت، وہ ابدال، وہ فقیر منش
ملا تھا حلمِ ابوبکر و عدلِ فاروقی
حیا غنی کی نگاہِ جلالِ مرتضوی
ابوحنیفہ کا ادراک، حنبلی جذبہ
لئے تھا مالکی لہجہ تو شافعی انداز
جنید و شبلی و سرمد کا دل میں سوز و گداز
نگاہِ فیض رساں خاص غوثِ اعظم کی
جبھی تو خم تھی جبیں اس کے آگے عالم کی

☆☆☆

بساطِ خاک پہ رہ کر فلک نصیب تھا وہ
حرم سے دور بھی رہ کر حرم قریب تھا وہ
دیارِ عشق و محبت کا شہریار تھا وہ
"فدائے شمعِ رسالت" کی یادگار تھا وہ
لباسِ خاک میں رہ کر بھی نور بار تھا وہ
قسم خدا کی عجب فخرِ روزگار تھا وہ
نفاذِ شرعِ مبیں میں جنوں شعار تھا وہ
کہ سنیت کے قلمرو کا تاجدار تھا وہ

☆☆☆

وہ کیا گیا کہ زمانہ اداس اداس ہے اب
عروسِ زیست کا ہر لمحہ وقفِ یاس ہے اب
فلک فسردہ، مہ و مہر و نجم در ماندہ
برہنہ سر ہیں ہوائیں فضائیں روتی ہیں
شجر ملول، کلی دل گرفتہ، گل صد چاک
خمیدہ ہے سرِ کہسار، وادیاں غم ناک
اسیرِ آہ و فغاں آبشار و جوئے رواں
ہے غرقِ رنج و الم جھیل، چشمِ نم چشمہ
حواس باختہ پھرتی ہے بوئے گل ہر سو
کسی نے جیسے جگایا ہو یاس کا جادو
محیطِ غم نے ہر اک شے کو گھیر رکھا ہے
خوشی نے زیست سے منہ اپنا پھیر رکھا ہے

☆☆☆

مگر اسی نے کہا تھا، اسی کا ہے فرمان
کہ طاقِ دل میں جلا رکھنا مشعلِ ایمان
ہر ایک حال میں کرنا اطاعتِ قرآن
ادائے عشقِ نبی خاص ہو تری پہچان
چلا تھا دینے وہ جس در پہ "سر کا نذرانہ"
بنا گیا ہے اسی در کا سب کو دیوانہ

خوشبو سے تری مہکے فردوس کا ہر خانہ (تضمین)

محمد عثمان اوج اعظمی
دارالعلوم اہل سنت عربیہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیر آباد، مئو، یو. پی.

احساں ہے تری بعثت ، سیرت ہے کریمانہ
سب پر ہے تری رحمت اپنا ہو کہ بے گانہ
خوشبو سے تری مہکے فردوس کا ہر خانہ
"تو شمعِ رسالت ہے عالم ہے ترا پروانہ
تو ماہِ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ"

انوار کی بارش ہو ، رحمت کا سحاب اٹھے
بیٹھے جو کوئی غم گیں ، خوش ہو کے شتاب اٹھے
مشتاق نگاہوں سے جلووں کا حجاب اٹھے
"جو ساقی کوثر کے چہرے سے نقاب اٹھے
ہر دل بنے مے خانہ ، ہر آنکھ ہو پیمانہ"

ہنگامۂ عالم میں رہتا ہوں جدا سب سے
جاگی ہے مری قسمت ، مانگی ہے دعا رب سے
کس طرح بتاؤں میں ، ہوں تشنہ دہن کب سے
" سرشار مجھے کر دے اک جامِ لبالب سے
تا حشر رہے ساقی، آباد یہ مے خانہ"

وارفتہ ہوا جب تو رشتہ نہ رہا گھر سے
حق دار سزا ٹھہرا ، مارا گیا پتھر سے
کوے شہِ بطحا میں جا پہنچا مقدر سے
"تھے پاؤں میں بے خود کے چھالے تو چلا سر سے
ہشیار ہے دیوانہ ، ہشیار ہے دیوانہ"

سودا ہے ابھی سر میں ، آنکھیں ہیں تمنائی
جاتی ہی نہیں دل سے جلووں کی شناسائی
لی خوبی قسمت سے جذبات نے انگڑائی
"سنگِ درِ جاناں پہ کرتا ہوں جبیں سائی
سجدہ نہ سمجھ نجدی! سر دیتا ہوں نذرانہ"

یہ عالمِ تنہائی، یہ گوشۂ مہجوری
اچھی نہیں لگتی ہے کوچے سے ترے دوری
واللہ عیاں تجھ پر ہے اوج کی مجبوری
آباد اسے فرما ویراں ہے دلِ نوری
جلوے ترے بس جائیں ، آباد ہو ویرانہ

دین کے رہ نما ابن احمد رضا

عبد الغفار اعظمی مصباحی
دارالعلوم اہل سنت عربیہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد، مئو، یو. پی.

دین کے رہنما ، ابن احمد رضا — حاملِ اتقا ، ابن احمد رضا

صوفی با صفا، دینِ حق کی ضیا — رہبر و پیشوا ، ابن احمد رضا

متقی ، پارسا ، عاشقِ مصطفیٰ — شاہِ رشد و ہدیٰ ، ابن احمد رضا

عہدِ حاضر میں کوئی نہ تم سا ہوا — مفتی و مقتدا ، ابن احمد رضا

شیخ نوری کے صدقے میں نوری ہوئے — واصفِ مصطفیٰ ، ابن احمد رضا

عالمِ باعمل ، مفتی بے بدل — نائبِ مصطفیٰ ، ابن احمد رضا

رنج و غم میں گھرا اعظمی ہے سدا — سنیے اس کی صدا ، ابن احمد رضا

قید غم سے رہائی عطا کیجیے
اپنے در کی گدائی عطا کیجیے
قلب کی بھی صفائی عطا کیجیے
ہے یہی التجا ، ابن احمد رضا

☆☆☆☆☆

خلوص بے کراں کی داستاں تھے مفتی اعظم

مرغوب حسن قادری رضوی ادروی
مدرسہ بحر العلوم، مئو

نسیم جاں فزائے گلستاں تھے مفتی اعظم
مرے شام و سحر کے پاسباں تھے مفتی اعظم

زمانہ ڈھونڈ لے اب کون ان کے مثل لائے گا
یقیناً رہ نمائے کاملاں تھے مفتی اعظم

تبسم ریز جب ہوتے تو کلیاں مسکرا اٹھتیں
عدو کے واسطے آتش فشاں تھے مفتی اعظم

وہ جن کے ناخنِ ادراک میں کتنے مسائل تھے
سخن فہم و سخن کے نکتہ داں تھے مفتی اعظم

جہاں بھی وہ گئے ذرے بھی واں کے رشک کرتے تھے
ہمارے سر پہ رشکِ آسماں تھے مفتی اعظم

غریبوں پر فقیروں پر رہا دستِ کرم ان کا
مصائب میں مسیحائے زماں تھے مفتی اعظم

شفیق ایسے کہ ہر سنی پہ ہاتھ اٹھا دعاؤں کا
خلوص بے کراں کی داستاں تھے تھے مفتی اعظم

امام احمد رضا کے بعد ان کا ہی بریلی تھا
بریلی کے وہی بس اک نشاں تھے مفتی اعظم

جسے تسخیر کہتے ہیں وہ ان کی بزم میں دیکھا
قلوبِ دہر پر بھی حکمراں تھے مفتی اعظم

شریعت، معرفت، اور پھر حقیقت اور طریقت کیا
ہر اک مضمون کے سر نہاں تھے مفتی اعظم

سلوک و جذب کا عالم ہو یا توحید کی مستی
ہر اک منزل کے میر کارواں تھے مفتی اعظم

تہجد اور ذکر و فکر میں شب بھر گزرتی تھی
نشانِ راہِ نقشِ عابداں تھے مفتی اعظم

کوئی تنظیم ہو، تحریک ہو بے ان کے ناقص تھی
مثالِ نغمۂ آبِ رواں تھے مفتی اعظم

نہیں ہے پاس میں اپنے عمل کی کوئی دولت بھی
مگر دل مطمئن ہے پاسباں تھے مفتی اعظم

نگاہِ ناز کا پروردہ ہے مرغوب رضوی بھی
کہ ہر سنی کے وہ روحِ رواں تھے مفتی اعظم

☆☆☆☆☆☆

السلام اے ذاکرِ آلِ رسول

محمد منشا تابش قصوری
مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

السلام ، اے عالمِ دینِ متین — واصفِ محبوب رب العٰلمین
السلام ، اے مشرب فیض و کرم — کاشف اسرار دین محتشم
السلام اے صاحبِ عز و کمال — عاشق محبوب رب ذو الجلال
السلام اے پیکر صدق و صفا — ناشر احکام دین مصطفیٰ
ماہتاب علم و حکمت السلام — پاسبانِ اہل سنت ، السلام
السلام اے قاطع اہل ہوا — مفتی دیں قامعِ جور و جفا
السلام اے ذاکر آلِ رسول — حاوی معقول و منقول و اصول
معدن رشد و ہدایت السلام — ترجمان قادریت السلام
السلام اے نائب احمد رضا — مفتی اعظم محمد مصطفیٰ

گر قبول افتد ز تسلیم و سخن
بر دل تابش نگاہ لطف کن

☆☆☆☆☆

ذاتِ احمد رضا کا ہو تم آئینہ

تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خان قادری ازہری
صدر مرکزی دار الافتا، بریلی شریف

مفتیِ اعظم دینِ خیر الوریٰ — جلوۂ شانِ عرفانِ احمد رضا

دید احمد رضا ہے تمھیں دیکھنا — ذاتِ احمد رضا کا ہو تم آئینہ

کیا کہوں حق کے ہو کیسے تم مقتدا — مقتدایانِ حق کرتے ہیں اقتدا

ان کی مدحت کو میں کس سے مانگوں زباں — کیا مقامِ ثریا بتائے ثریٰ

احمدِ نوری کے ہیں یہ مظہر تمام — یہ نوری میاں نوری ہر ہر ادا

ہیں بہت علم والے بھی اور پیر بھی — آنکھوں دیکھا نہ ان سا نہ کانوں سنا

ان کے حاسد پہ وہ دیکھو بجلی گری — وہ جلا دیکھ کر ، وہ جلا ، وہ جلا،

وہ جلیں گے ہمیشہ جو تجھ سے جلیں — مر کے بھی دل جلوں کو نہ چین آئے گا

عاشقوں کے جگر ان سے ٹھنڈے رہیں — دشمنوں پر رہیں بن کے شکلِ قضا

اور ہوں گے جنھیں ان سے لالچ ہو کچھ
تیرے اختر کو کافی ہے تیری رضا

شبیہِ غوث ہو، نوری میاں ہو اور رضا تم ہو

تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خان قادری ازہری
صدر مرکزی دارالافتا، بریلی شریف

تمھیں جس نے بھی دیکھا کہہ اٹھا احمد رضا تم ہو
جمالِ حضرتِ احمد رضا کا آئینہ تم ہو

تمھارے نام میں تم کو بزرگی کی سند حاصل
رضا وجہِ بزرگی ہے رضائے مصطفیٰ تم ہو

تمھارے نام میں یوں ہیں رضا و مصطفیٰ دو جز
رضا والے یقیناً مصطفیٰ کے مصطفیٰ تم ہو

تمھاری رفعتوں کی ابتدا بھی پا نہیں سکتا
کہ افتادہ زمیں ہوں میں بلندی سا تم ہو

حیات و موت وابستہ تمھارے دم سے ہیں دونوں
ہماری زندگی ہو اور دشمن کی قضا تم ہو

یہ نوری چہرہ، یہ نوری ادائیں سب یہ کہتے ہیں
شبیہِ غوث ہو نوری میاں ہو اور رضا تم ہو

جنابِ مفتیِ اعظم کے فیضانِ تجلی سے
شبستانِ رضا میں خیر سے اختر رضا تم ہو

☆☆☆☆☆

ایک میرے مفتی اعظم کا تقویٰ چھوڑ کر

تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خان قادری ازہری
صدر مرکزی دارالافتا، بریلی شریف

چل دیے نم آنکھوں میں اشکوں کا دریا چھوڑ کر
رنج فرقت کا ہر اک سینہ میں شعلہ چھوڑ کر

لذتِ مے لے گیا وہ جام و مینا چھوڑ کر
میرا ساقی چل دیا خود سے کو تشنہ چھوڑ کر

ہر جگر میں درد اپنا میٹھا میٹھا چھوڑ کر
چل دیے وہ دل میں اپنا نقشِ والا چھوڑ کر

جامۂ مشکیں لیے عرشِ معلیٰ چھوڑ کر
فرش پر آئے فرشتے بزمِ بالا چھوڑ کر

عالمِ بالا میں ہر سو مرحبا کی گونج تھی
چل دیے جب تم زمانے بھر کو سونا چھوڑ کر

موتِ عالم سے بندھی ہے موتِ عالَم بے گماں
روحِ عالم چل دیا عالم کو مردہ چھوڑ کر

متقی بن کے دکھائے اس زمانے میں کوئی
ایک میرے مفتی اعظم کا تقویٰ چھوڑ کر

خواب میں آکر دکھاؤ ہم کو بھی اے جاں کبھی
کون سی دنیا بسائی تم نے دنیا چھوڑ کر

ایک تم دنیا میں رہ کر تارکِ دنیا رہے
رہ کے دنیا میں دکھائے کوئی دنیا چھوڑ کر

اس کا اے شاہِ زمن سارا زمانہ ہو گیا
جو تمھارا ہو گیا سارا زمانہ چھوڑ کر

رہنمائے راہِ جنت ہے ترا نقشِ قدم
راہِ جنت طے نہ ہوگی تیرا رستہ چھوڑ کر

مثلِ گردوں سایۂ دستِ کرم ہے آج بھی
کون کہتا ہے گئے وہ بے سہارا چھوڑ کر

ہو سکے تو دیکھ اختر باغِ جنت میں اسے
وہ گیا تاروں سے آگے آشیانہ چھوڑ کر

☆☆☆☆☆

لعلِ یکتائے شہِ احمد رضا ملتا نہیں

تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خان قادری ازہری
صدر مرکزی دار الافتا، بریلی شریف

زینتِ سجادہ و بزمِ قضا ملتا نہیں
لعلِ یکتائے شہِ احمد رضا ملتا نہیں

وہ جو اپنے دور کا صدیق تھا ملتا نہیں
محرمِ رازِ محمد مصطفیٰ ملتا نہیں

عالموں کا معتبر وہ پیشوا ملتا نہیں
جو مجسم علم تھا وہ کیا ہوا ملتا نہیں

زاہدوں کا وہ مسلم مقتدا ملتا نہیں
جس پہ نازاں زہد تھا وہ پارسا ملتا نہیں

اب چراغِ دل جلا کر ہو سکے تو ڈھونڈیے
پرتوِ غوث و رضا و مصطفیٰ ملتا نہیں

استقامت کا وہ کوہِ محکم و بالا تریں
جس کے جانے سے زمانہ ہل گیا ملتا نہیں

چار یاروں کی ادائیں جس میں تھیں جلوہ نما
چار یاروں کا وہ روشن آئینہ ملتا نہیں

ایک شاخِ گل نہیں سارا چمن اندوہ گیں
مصطفیٰ کا عندلیب خوش نوا ملتا نہیں

مفتیِ اعظم کا ذرہ کیا بنا اختر رضا
محفلِ انجم میں اختر دوسرا ملتا نہیں

☆☆☆☆☆

حسنِ اخلاق کے احساس کا پیمانہ چلا

مہتاب پیامی (ایم.اے.)
شعبۂ کمپیوٹر، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

دیوِ الحاد کے پنجے کو مروڑا تو نے — زورِ بے دینی و الحاد کو توڑا تو نے
رشتہ تدبیر کا تقدیر سے جوڑا تو نے — رخ ترقی کی طرف قوم کا موڑا تو نے
برق کی زد سے گلستاں کو بچایا تو نے
نخوت و کبر کے شعلوں کو بجھایا تو نے
باغِ تدریس کا ہر سمت لگایا تو نے — گلشنِ ہند کو کیا خوب سجایا تو نے
راستہ فکر و تدبر کا دکھایا تو نے — حوصلہ ژرف نگاہی کا بڑھایا تو نے
علم کی کھیتی کو ہریالی کا پیغام دیا
تشنہ کاموں کو طراوت کے لیے جام دیا
دلِ پُر درد کے روتے ہوئے ارمانوں کو — غم زدہ، رنج کے پروردہ مسلمانوں کو
روشنی کے لیے بے تاب شبستانوں کو — ظلمتِ شب میں بھٹکتے ہوئے انسانوں کو
گنگناتے ہوئے بھونروں کا ترنم بخشا
جگمگاتے ہوئے تاروں کا تبسم بخشا
قول کو فعل کا ملبوس جو پہنانے چلا — کہہ کے لبیک صدا پر تری دیوانے چلا
حسنِ اخلاق کے احساس کا پیمانہ چلا — جذبۂ خدمتِ انساں لیے دیوانہ چلا
ہر طرف اک نیا احساس نمودار ہوا
بختِ خوابیدہ مئے ہوش سے سرشار ہوا
کثرتِ کار میں بھی نظم کا دامن نہ چھٹا — کوئی بھی موقع ہوا، عزم کا دامن نہ چھٹا
وقتِ شادی ہو کہ غم، فہم کا دامن نہ چھٹا — رزم گاہوں میں رہ بزم کا دامن نہ چھٹا

کوئی بھی حال ہو ہشاش و بشاش رہا
تیرا چہرہ بھی شبِ غم میں ضیا پاش رہا

زندہ ہر دلِ مردہ کو ترے دم سے ملی　　گلشنِ فن میں بہار آئی، کلی دل کی کھلی
لے کے انگڑائی اٹھی بادِ صبا، شاخ ہلی　　کروٹیں لینے لگی جلوہ گہِ زندہ دلی

رونقِ بادِ بہاراں لیے پہنچا ہر سو
کو بہ کو، خانہ بہ خانہ، سرِ محفل، لب جو

مرحلہ جو بھی تھا دشوار وہ سر ہو کے رہا　　ذرۂ خاک نگاہوں میں گہر ہو کے رہا
قافلہ قوم کا سرگرمِ سفر ہو کے رہا　　تیری باتوں کا ہر اک دل پہ اثر ہو کے رہا

منہ سے گرداب کے لاریب بچایا تو نے
لا کے ساحل پہ سفینے کو لگایا تو نے

☆☆☆☆☆

لب پہ آجاتا ہے جب اس باصفا کا تذکرہ

مہتاب پیامی (ایم.اے.)
شعبۂ کمپیوٹر، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

تذکرہ ہوتا رہے، مردِ خدا کا تذکرہ
حسنِ سیرت کا بیاں صدق و صفا کا تذکرہ

خدمتِ انسانیت تھا جس کا شیوہ ہر نفس
چھیڑ پھر ہم دم اُسی مردِ خدا کا تذکرہ

نور سے معمور ہو جاتی ہے دل کی کائنات
لب پہ آجاتا ہے جب اس باصفا کا تذکرہ

فقر میں وہ شانِ استغنا کہ سب ہیں دم بہ خود
خود غنا کے لب پہ ہے اس کے غنا کا تذکرہ

ہنس کے طوفانِ حوادث سے گزر جاتا تھا وہ
لب پہ لاتا ہی نہ تھا جور و جفا کا تذکرہ

کر رہی ہے شام سے صبحِ منور آج بھی
مفتیِ اعظم کے ہر سوزِ دعا کا تذکرہ

کھل گئی گلشن کے ہونٹوں پر تبسم کی بہار
جب کیا مہتابؔ نے ان کی ادا کا تذکرہ

☆☆☆☆☆

ادائے مصطفیٰ تم ہو رضائے مصطفیٰ تم ہو

علامہ ریحان رضا خان رحمانی میاں علیہ الرحمہ
سابق سجادہ نشین، خانقاہ عالیہ رضویہ، بریلی شریف

ادائے مصطفیٰ تم ہو رضائے مصطفیٰ تم ہو
ہر اک اطوار سے اے مقتدا احمد رضا تم ہو

شبیہِ حضرتِ غوث الوریٰ ابنِ رضا تم ہو
جہانِ علم کے مفتی اعظم مصطفیٰ تم ہو

ولی ابن ولی زندہ ولی ہو پارسا تم ہو
سراپا زہد ہو اور پیکرِ صدق و صفا تم ہو

تمھارے ظاہر و باطن پہ نازاں پارسائی ہے
جو خیرِ اتقیا تم ہو تو نازِ اصفیا تم ہو

پلادو جامِ نوری اپنی نورانی نگاہوں سے
کہ نوری میکدہ ہے اور مرے ساقیا تم ہو

مری دنیائے دیں کا ماحصل الفت تمھاری ہے
قیامت میں مرے ماویٰ و ملجا آسرا تم ہو

کسی کو کیوں سناؤں داستاں اپنے مصائب کی
مرے دکھ کی دوا تم ہو مرے مشکل کشا تم ہو

مجھے توفیقِ صبر و استقامت بخش دو آقا
مجسم استقامت پیکرِ صبر و رضا تم ہو

اسی میٹھی نظر سے دیکھ لو پھر اپنے منگتا کو
کہ اس کی آرزو حسرت تمنا مدعا تم ہو

تمھاری ذات میں جلوے رضا حامد رضا کے ہیں
مرے حامد رضا تم ہو مرے احمد رضا تم ہو

وہ مرے سامنے ہیں پوچھتے ہیں آرزو کیا ہے
مرے مولیٰ زباں دے دے کہ کہہ دوں مدعا تم ہو

سخی تم ہو میں سائل ہوں ولی تم ہو میں عاصی ہوں
مریضِ دردِ عصیاں ہوں دوا تم ہو شفا تم ہو

رضا و حامد نوری کا گلشن ہے بہاروں پر
شگفتہ اس چمن میں خیر سے ریحاں رضا تم ہو

فنا کی آخری منزل مرے بحرِ بقا تم ہو

مولانا عبدالہادی افریقی

چمن کی آبرو تم ہو بہارِ جاں فزا تم ہو
گلستانِ رضا کے بلبلِ شیریں نوا تم ہو

ٹپکتی ہے رُخِ نوری سے عرشی تابشیں ہر دم
منور بزمِ عرفاں ہے ولایت کی ضیا تم ہو

کچھ ایسا قرب بخشا ہے تمھیں سرکارِ نوری نے
کہ ہر نوری یہ کہتا ہے میاں نوری شہا تم ہو

عجب انداز سے تختِ ثریا پر نظر آئے
ہزاروں اولیا دربان قطب الاولیا تم ہو

تصور میں تمھارے اس قدر میں غرق ہو جاؤں
جدھر دیکھوں اُدھر ہی مظہرِ غوث الوریٰ تم ہو

تمھیں جو اک نظر دیکھے بچے پھر کون نظروں میں
مجسم مظہرِ خلق شہِ ہر دوسرا تم ہو

رضا کی اس گلی میں زندگی اپنی فنا کردوں
فنا کی آخری منزل مرے بحرِ بقا تم ہو

مریدی لاتخف کہہ کر مریدوں کو تشفی دو
قرارِ دل شکیبِ جاں مرے مشکل کشا تم ہو

ہدایت سے تمھاری ہے ہدایت یاب یہ ہادیؔ
تم اس ہادی کے ہادی اور کامل رہ نما تم ہو

سروش دادنداماتمفتی اعظم

ڈاکٹر سید شاہ محمد طلحہ رضوی برقؔ
داناپور

چہ آفتاب درخشانِ علم گشت غروب شد است تیرہ و تاریک بے گماں عالم

چہ آفتاب کہ بر آسمانِ دینِ متین ہمیشہ تازہ بہ نصف النہار بدہر دم

فقیہ و عارف و مفتی وارثِ دارِ نبی ز جد و جہدِ او شرعِ محمدی محکم

چراغ اہلِ رضا، نورِ حق بظلمتِ کفر جہاد بالقلم آمد از او بہ اہل بہم

عقیدہ دارِ قضا و قدر تبسم کرد خوش آمدِ ملک الموت را بگفت نعم

نماندہ شہِ مصطفیٰ رضا خاں حیف وجود پاک ساں زیں دنیا آہ گشتہ عدم

برفتگاں بجز ایصالِ ہر ثواب اے برقؔ نباشد اہل تسنن را شیوۂ ماتم

شنیدم خبرِ بد اثر و نوشتم بصد غم و بصد اندوہ و صد ہزار الم

کمان مات رہا کرد چوں خدنگِ الف
سروش داد نداء مات مفتی اعظم

۱۹۸۱ء

ہمارے مفتی اعظم ہمارے مفتی اعظم

علامہ نسیم بستوی علیہ الرحمہ
سابق مدرس، دار العلوم فیض الرسول، براؤں شریف

چمن خاموش غمگیں چاند تارے مفتی اعظم نہیں اب نور ونکہت کے نظارے مفتی اعظم
رواں آنکھوں سے ہیں اشکوں کے دھارے مفتی اعظم کہاں ہو بے سہاروں کے سہارے مفتی اعظم
ہمارے مفتی اعظم ہمارے مفتی اعظم

امام اہل سنت علم و عرفاں کے سمندر تھے سراپا زہد و تقویٰ عظمتِ ایماں کے پیکر تھے
خدائے دین و ملت شانِ غوثیت کے مظہر تھے چمن زار رضا کے کیف زا رنگیں گُلِ تر تھے
ہمارے مفتی اعظم ہمارے مفتی اعظم

ادب سے چومتے ہیں اہلِ دل نقشِ قدم جن کا برستا ہی رہا شام و سحر ابرِ کرم جن کا
عقیدت مند ہے اور مدح خواں عرب وعجم جن کا مجاہد کی کھلی تلوار ہے گویا قلم جن کا
ہمارے مفتی اعظم ہمارے مفتی اعظم

وہ جن کی ذاتِ عالی مسندِ افتا کی زینت تھی وہ جن کو سرور کونین سے سچی محبت تھی
وہ جن کی ہر ادا ہر بات میں رحمت ہی رحمت تھی وہ جن کی عظمتِ علمی سے شانِ اہلِ سنت تھی
ہمارے مفتی اعظم ہمارے مفتی اعظم

وہ جن کے دم سے تھی بزمِ رضا میں حسن ورعنائی وہ جس کے در پہ ہے شاہوں کو بھی فخرِ جبیں سائی
ہوئی جس کی بدولت اہلِ حق کی عزت افزائی ہزاروں انجمن کی انجمن تھی جس کی تنہائی
ہمارے مفتی اعظم ہمارے مفتی اعظم

بریلی کا رہے گا حشر تک آباد مے خانہ شرابِ عشق سرور سے بھرا جاتا ہے پیمانہ
امام احمد رضا کا کس قدر دل کش ہے کاشانہ تڑپ کر کہہ رہا ہے اس طرح اب ان کا دیوانہ
ہمارے مفتی اعظم ہمارے مفتی اعظم

عقیدت جاگزیں اُن کی ہے ہر سُنّی کے سینے میں دیارِ ہند کیا پھیلی ضیا مکے مدینے میں
پہنچ جائیں گے طیبہ بیٹھ کر رضوی سفینے میں نسیم ان کی بسی ہے یاد دل کے آبگینے میں
ہمارے مفتی اعظم ہمارے مفتی اعظم

ہوگیا خاموش، بستانِ علی کا عندلیب

شاعرِ اسلام ترنم فیضی
جمشید پور

مفتیِ اعظم امامِ وقت فخرِ روزگار جانشینِ بوحنیفہ آیۂ پروردگار
جس کی صورت سے جمالِ نورِ عرفاں آشکار یعنی علم و آگہی کا بحرِ ناپیدا کنار
اہلِ سنت کا امیرِ کارواں جاتا رہا
مظہرِ احمد رضا سوئے جناں جاتا رہا

وہ فقیہہ عصرِ حاضر آفتابِ رضویت اک مفکر، اک محدث مظہرِ روحانیت
ہر ادا جس کی سراپا، نازشِ انسانیت ناز جس پر تا ابد کرتی رہے گی سنیت
حق کا وہ مردِ مثالی آج رخصت ہوگیا
عصرِ حاضر کا غزالی آج رخصت ہوگیا

جس کے چہرے کی ضیا سے تھیں منور صبح و شام ذات جس کی تھی فدائے سنتِ خیر الانام
جس کے روحانی تصرف میں نہیں کوئی کلام فیضِ عرفاں جس کا تھا جاری برائے خاص و عام
زندگی تھی وقف جس کی نعتِ سرور کے لیے
عمر بھر ترسیں گے ہم اب ایسے رہبر کے لیے

عظمت و ناموسِ سرکارِ دو عالم کا امیں جس کی صورت بھی حسیں تھی اور سیرت بھی حسیں
ناز کر، ہاں ناز کر، تو اے بریلی کی زمیں گود میں لیتا ہے تیری عاشقِ سلطانِ دیں
بارشِ گل ہورہی ہے تربتِ ذی جاہ پر
ایشیا کو فخر ہے اس مردِ حق آگاہ پر

غم بڑا ہی جاں گسل ہے حادثہ کتنا مہیب   چھپ گیا پردے کے اندر تھا جو نظروں کے قریب
عمر بھر جس کی زباں کرتی رہی ذکرِ حبیب   ہوگیا خاموش، بستانِ علی کا عندلیبؔ
اس کے ہر نقشِ قدم کو صرف دیکھا کیجیے
اپنی محرومی پہ ساری عمر رویا کیجیے

کون اب راہِ حیاتِ سرمدی دکھلائے گا   کون ہے جو ہر قدم پر قوم کے کام آئے گا
اے ترنمؔ، کون رازِ زندگی سمجھائے گا   دین کے نازک مسائل کون حل فرمائے گا
تیرے گھر میں کیا کمی ہے مالکِ روزِ ازل!
بھیج دے ہم میں کوئی ایسا کہ ہوجائے بدل

☆☆☆☆☆